جلد اوّل

اصلاحی بیانات

حضرت مولانا مفتی عبد الرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

- ٹی وی اور عذابِ قبر
- تقسیمِ وراثت کی اہمیت
- مروجہ قرآن خوانی
- حج فرض میں جلدی کیجئے
- چھ گناہ گار عورتیں
- طلاق کے نقصانات
- نماز کی بعض اہم کوتاہیاں
- بدشگونیاں، بدفالیاں اور توہمات
- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور صورت

میمن اسلامک پبلشرز

خطاب ☜ حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب ☜ محمد عبداللہ میمن صاحب

تاریخ ☜

مقام ☜ جامع مسجد بیت المکرّم گلشنِ اقبال کراچی

باہتمام ☜ ولی اللہ میمن صاحب

ناشر ☜ میمن اسلامک پبلشرز

کمپوزنگ ☜ عبدالماجد پراچہ (فون: 0333-2110941)

قیمت ☜ /- روپے

ملنے کے پتے

- میمن اسلامک پبلشرز، ۱۸۸/ا، لیاقت آباد، کراچی ۱۹
- دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی
- مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۴
- ادارۃ المعارف، دارالعلوم کراچی ۱۴
- کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال، کراچی
- اقبال بک سینٹر صدر کراچی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

پیش لفظ

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی مدظلہم

جمعہ کے روز عصر کی نماز کے بعد جامع مسجد بیت المکرّم گلشن اقبال کراچی میں سیدی واستاذی حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی کا بہت نافع اور مفید وعظ ہوتا ہے، احقر بھی اس میں اکثر حاضر ہوتا ہے، اور مستفید ہوتا ہے، کبھی حضرت سفر پر جاتے ہیں تو احقر کے بیان کا اعلان فرما دیتے ہیں، یہ ناکارہ اس لائق تو نہیں کہ وعظ و نصیحت کر سکے تاہم تعمیل حکم کے پیش نظر دین کی کچھ ضروری باتیں عرض کر دیا کرتا ہے، جن سے خود کو بھی نفع ہوتا ہے، اور بعض احباب سے بھی ان کا مفید ہونا معلوم ہوا ہے، اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے قبول فرمائیں۔ آمین۔

مولانا عبداللہ میمن صاحب مدظلہم نے ٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ ان بیانات کو محفوظ کیا، پھر ان میں سے بعض بیانات کیسٹ کی مدد سے لکھ کر کتابچہ

کی شکل میں شائع کئے، اور احقر کے چند رسائل بھی شائع کئے ہیں، اب وہ ان تقاریر کا پہلا مجموعہ ''اصلاحی بیانات'' کے نام سے شائع کر رہے ہیں، ان میں سے اکثر بیانات احقر کے نظرثانی کئے ہوئے ہیں، بعض جگہ احقر نے کچھ ترمیم بھی کی ہے، اور احادیث کی تخریج کر کے ان کا حوالہ بھی درج کیا ہے، بہرحال یہ کتاب کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے بلکہ تقاریر اور رسائل کا مجموعہ ہے۔

اس سے کسی مسلمان کو فائدہ پہنچنا محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، اور اگر اس میں کوئی بات غیر مفید یا غیر محتاط ہو تو یقیناً وہ احقر کی کوتاہی ہے، متوجہ فرما کر ممنون فرمائیں!

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان بیانات کو احقر کی اور تمام پڑھنے اور سننے والوں کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں، ذخیرہ آخرت بنائیں اور مرتب و ناشر کو اس خدمت کا بہتر سے بہتر بدلہ دونوں جہانوں میں عطا فرمائیں۔ آمین۔

بندہ عبدالرؤف سکھروی

۱۵/۱۰/۱۴۱۷ھ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ؕ

عرضِ ناشر

اللہ تعالیٰ کا بڑا کرم اور احسان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جامعہ دارالعلوم کراچی کے نائب مفتی اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ مجاز حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب دامت برکاتہم کے بیانات کو یکجا شکل میں شائع کرنے کی سعادت عطا فرمائی۔

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم جمعہ کے روز عصر کی نماز کے بعد جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی میں اصلاحی وعظ فرماتے ہیں۔ جس وقت حضرت مولانا مدظلہم سفر پر ہوتے ہیں تو آپ کی غیر موجودگی میں حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب بیان فرماتے ہیں۔ الحمد للہ آپ کے بیانات ریکارڈ کرنے کا بھی پورا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اور اس وقت تک آپ کے بیانات کے کیسٹوں کی تعداد تقریباً پچیس ہو چکی ہے۔ انہی بیانات میں سے بعض کو میرے برادر مکرم جناب مولانا عبداللہ میمن صاحب نے ٹیپ ریکارڈ کی مدد سے قلم بند فرمایا ہے، جو علیحدہ کتابچوں کی شکل میں شائع ہو چکے ہیں اور ان کے ذریعہ بہت سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچا۔ اب ان کتابچوں کو یکجا کر دیا

ہے۔ جن کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ ٹی وی اور عذاب قبر

۲۔ چھ گناہ گار عورتیں

۳۔ نماز کی بعض اہم کوتاہیاں

۴۔ مروجہ قرآن خوانی

۵۔ تقسیم وراثت کی اہمیت

ان کے علاوہ حضرت مفتی صاحب مدظلہم نے مختلف مفید اور اہم موضوعات پر چھوٹے چھوٹے رسائل بھی تحریر فرمائے ہیں۔ جن میں سے بعض رسائل کو کتابچے کی شکل میں شائع کرنے کا ہمیں موقع عنایت فرمایا، ان رسائل کو بھی اس مجموعہ میں شامل کر دیا گیا ہے۔ جن کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ طلاق کے نقصانات

۲۔ حج فرض میں جلدی کیجئے

۳۔ بدشگونیاں، بدفالیاں اور توہمات

۴۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور صورت

اس طرح یہ ۹ کتابچوں کا مجموعہ ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہماری اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے، اور تمام مسلمانوں کے لئے نافع اور مفید بنائے۔ آمین۔

ولی اللہ میمن
میمن اسلامک پبلشرز
۱۶/شوال ۱۴۱۷ھ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

عرضِ ناشر

اللہ تعالیٰ کا بڑا کرم اور احسان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جامعہ دارالعلوم کراچی کے نائب مفتی اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ مجاز حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب دامت برکاتہم کے اصلاحی بیانات کی دوسری جلد شائع کرنے کی سعادت عطا فرمائی۔

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم جمعہ کے روز عصر کی نماز کے بعد جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی میں اصلاحی وعظ فرماتے ہیں۔ جس وقت حضرت مولانا مدظلہم سفر پر ہوتے ہیں تو آپ کی غیر موجودگی میں حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب بیان فرماتے ہیں۔ الحمدللہ آپ کے بیانات ریکارڈ کرنے کا بھی پورا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اور اس وقت تک آپ کے بیانات کے کیسٹوں کی تعداد تقریباً ساٹھ ہوچکی ہے۔ انہی بیانات میں سے بعض کو میرے برادر مکرم جناب مولانا عبداللہ میمن صاحب نے ٹیپ ریکارڈ کی مدد سے قلم بند فرمایا ہے، جو علیحدہ کتابچوں کی شکل میں شائع ہوچکے ہیں اور ان کے ذریعہ بہت سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچا۔

اللہ تعالیٰ ہماری اس کاوش کو قبول فرمائے، اور صدق واخلاص کے ساتھ اس سلسلے کو آگے بڑھانے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے، آمین۔

ولی اللہ میمن
میمن اسلامک پبلشرز
۶/ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ ناشر

اللہ تعالیٰ کا بڑا کرم اور احسان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جامعہ دارالعلوم کراچی کے نائب مفتی اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب دامت برکاتہم کے اصلاحی بیانات کی دسویں جلد شائع کرنے کی سعادت عطا فرمائی۔

حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم اتوار کے روز عصر کی نماز کے بعد جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی میں اصلاح وعظ فرماتے تھے۔ جس وقت حضرت مولانا مدظلہم سفر پر ہوتے تو آپ کی غیر موجودگی میں حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب بیانات فرماتے تھے اور اب مہینے میں دو اتوار بیان فرماتے ہیں۔ الحمدللہ آپ کے بیانات ریکارڈ کرنے کا بھی پورا اہتمام کیا جاتا ہے اور اس وقت تک آپ کے بیانات کی کیسٹوں کی تعداد دوسو سے زائد ہو چکی ہے۔ انہی بیانات میں سے بعض بیانات کو میرے بھتیجے مولانا حبیب اللہ میمن صاحب نے ٹیپ ریکارڈ کی مدد سے قلم بند فرمایا ہے جو کہ کتاب کی صورت میں آپ کے ہاتھوں میں موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ ہماری اس کاوش کو قبول فرمائے اور صدق واخلاص کے ساتھ اس سلسلے کو آگے بڑھانے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے، آمین۔

ولی اللہ میمن

میمن اسلامک بکس

عنوان	صفحہ نمبر

اجمالی فہرست بیانات

اجمالی فہرست اصلاحی بیانات

جلد۲

اجمالی فہرست بیانات

عنوان	صفحہ

اجمالی فہرست

صفحہ	عنوان

اجمالی فہرست

اجمالی فہرست

اصلاحی بیانات

۶

عنوان | صفحہ

اجمالی فہرست

اجمالی فہرست

اصلاحی بیانات

۸

عنوانات — صفحہ نمبر

اجمالی فہرست

اصلاحی بیانات

۹

عنوانات — صفحہ نمبر

اجمالی فہرست

جلد ۶

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر
ٹی وی اور عذاب قبر	

عنوان	صفحہ نمبر
	۷۵

حج فرض میں جلدی کیجئے

عنوان	صفحہ نمبر
حج نہ کرنے پر سخت وعید	۲۰۵
حج نہ کرنے کے بہانے	۲۰۷
ماحول نہیں	۲۰۸
پہلے نماز روزہ تو کرلیں	۲۰۸
دیگر فرائض	۲۰۹
حج کے بعد گناہ نہ کرنا	۲۱۰
بچیوں کی شادی کا مسئلہ	۲۱۰
کاروباری عذر	۲۱۰
والدین کو حج کرانا	۲۱۱
کچھ کھا کمالیں	۲۱۱
بغیر بیوی کے حج نہ کرنا	۲۱۱
ابھی بچے چھوٹے ہیں	۲۱۲
حج نہ کرنے کے حیلوں کا جواب	۲۱۲
حج کے فضائل وبرکات	۲۱۳
تلبیہ کی فضیلت	۲۱۳
اللہ تعالیٰ کے مہمان	۲۱۴
چار سو گھرانوں میں سفارش قبول	۲۱۵
حرم شریف کی ہر نیکی ایک لاکھ کے برابر	۲۱۵
مسجدِ الحرام کا ثواب	۲۱۸
بیت اللہ کی فضیلت	۲۱۹

عنوان	صفحہ نمبر
ہمزاد کی وضاحت	۲۹۱
نیک فال	۲۹۲
نیک فال لینا سنت ہے	۲۹۳
بدفالی کے ناجائز اور نیک فال کے جائز ہونے کی حکمت	۲۹۵
نحوست	۲۹۵
ھامہ کی حقیقت	۲۹۷
ارواح کی آمدورفت	۲۹۸
غول بیابانی	۲۹۹
ستاروں کے اثرات	۳۰۰
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور صورت	
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت وسیرت	۳۰۳
حسن وجمال	۳۰۷
چہرہ مبارک	۳۰۷
رنگ مبارک	۳۰۸
ناک مبارک	۳۰۸
ڈاڑھی مبارک	۳۰۸
دہن مبارک	۳۰۹
گردن مبارک	۳۰۹
اعضاء مبارک	۳۰۹
کلائیاں مبارک	۳۱۰

فہرست مضامین

عنوان — صفحہ نمبر

بیٹی اللہ کی رحمت

مسلمانوں کے چار دشمن

نماز میں دل کی حفاظت

عنوان	صفحہ نمبر

حرام کھانے کی نحوست

حلال روزی کی برکات

عنوان	صفحہ نمبر

اپنی موت کو یاد رکھیں

اللہ کو یاد رکھیں

عنوان	صفحہ نمبر

گانا سُننا اور سُنانا

عنوان	صفحہ نمبر

نمازِ فجر کی اہمیت

عنوان	صفحہ نمبر

ہمارے تین گناہ

شبِ عید کی فضیلت

فہرست مضامین

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ

اصلاح باطن اور ضرورت شیخ

عنوان	صفحہ

کھانے کی قدر کریں

صفحہ	عنوان

پانی کی قدر کریں

عنوان	صفحہ

وقت کی قدر کریں

رمضان المبارک کی تیاری

صفحہ	عنوان

صفحہ	عنوان

خوشبو لگانے کی فضیلت

صفحہ	عنوان
۲۵۵	مساجد میں دھونی دینا
۲۵۶	سفر و حضر میں آپ ﷺ کے ساتھ رہنے والی اشیاء
۲۵۶	حضور اکرم ﷺ کا خوشبو استعمال کرنے کا اہتمام
۲۵۷	حضور ﷺ کی خواب میں زیارت کا ایک عجیب واقعہ
۲۵۸	حضور ﷺ کے ساتھ تعلق کے نتیجے میں ایک کرامت
۲۵۸	درود شریف کی کثرت اور اتباع سنت کی برکت
۲۵۹	ایک خاص درود شریف کی فضیلت

وضو، غسل اور تیمّم کا مسنون طریقہ

صفحہ	عنوان
۲۶۴	دین زندگی کے ہر شعبے سے متعلق ہے
۲۶۵	آج کے بیان کا مقصد
۲۶۶	وضوء اور غسل کی ضرورت
۲۶۶	وضوء کامل اور غسل کامل کا فائدہ
۲۶۷	حضرت امام ابو حنیفہؒ کا کشف
۲۶۹	مسنون طریقے میں زیادہ وقت نہیں لگتا
۲۶۹	سنت پر عمل کرنے سے حضور ﷺ کا قرب حاصل ہوتا ہے

عنوان	صفحہ
وضوء کا کامل طریقہ اور آداب	
قبلہ رخ اور بلند جگہ بیٹھنا	۲۷۱
وضوء کے شروع میں بسم اللہ	۲۷۱
بسم اللہ والحمد للہ کی فضیلت	۲۷۱
مسواک کرنے اور اس کے پکڑنے کا طریقہ	۲۷۲
کلّی کریں	۲۷۳
ناک میں پانی ڈالیں	۲۷۴
چہرہ دھوئیں	۲۷۴
ڈاڑھی کا خلال کریں	۲۷۵
کہنیوں سمیت ہاتھ دھوئیں	۲۷۶
سر کا مسح کریں	۲۷۷
سر کے مسح کا دوسرا طریقہ	۲۷۷
گدّی اور گلے کا مسح نہیں	۲۷۸
وضوء کے درمیان کی دعا	۲۷۹
ٹخنوں سمیت پاؤں دھوئیں	۲۸۰
چوڑی، انگوٹھی، لونگ اور گھڑی کا حکم	۲۸۰
وضوء کے بعد کی دعا	۲۸۱
قبلہ رخ وضو خانے کو ترجیح دینی چاہیے	۲۸۲

عنوان	صفحہ

ہمارے دینی مدارس کا بنیادی مقصد

صفحہ	عنوان
۳۲۲	عمل بھی سیکھیں
۳۲۳	علم و عمل کے لئے محنت کی ضرورت ہے
۳۲۴	حضرت تھانویؒ کا درد بھرا ارشاد
۳۲۵	علم اور عمل دونوں کی کوشش

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ

خواتین کا پردہ/پاکدامنی کا ذریعہ

صفحہ	عنوان

صفحہ	عنوان

پل صراط کے سات مراحل

اتباع سنت اور درود شریف

صفحہ	عنوان

صفحہ	عنوان

آیت الکرسی

جان و مال کی حفاظت کا نسخہ

عنوان	صفحہ

صفحہ	عنوان

صفحہ	عنوان

فضائل سورۂ یٰسین شریف

عنوان	صفحہ
سورۂ یٰسین کا دس قرآن کے برابر ثواب	۲۱۲
اولاد کے لئے ایصالِ ثواب	۲۱۳
بچوں کے مرنے کے بعد بچوں کا کیا ہوگا	۲۱۴
اولاد کو نیک بنانے کی کوشش کریں	۲۱۵
صبح تک مغفرت ہو جاتی ہے	۲۱۵
حاجتیں پوری ہو جاتی ہیں	۲۱۶
دنیا و آخرت کے مسائل کا حل	۲۱۷
پیسے مسئلے کا حل نہیں	۲۱۷
وہ شخص آسانیوں میں رہتا ہے	۲۱۸
سورۂ یٰسین سے کھانے میں برکت	۲۱۹
مرنے والے پر سورۂ یٰسین پڑھنا	۲۱۹
سورۂ یٰسین سے بیماریاں دور ہو جاتی ہیں	۲۲۰
خلاصہ	۲۲۰
فضائل سورۂ یٰسین	۲۲۲
دس مرتبہ قرآن کریم پڑھنے کا ثواب	۲۲۳
سورۂ یٰسین پڑھنے پر بخشش	۲۲۳
مغفرت کا ذریعہ	۲۲۳
شہادت کی موت	۲۲۴
ضروریات کا پورا ہونا	۲۲۴

عنوان	صفحہ

سورۂ اخلاص کی فضیلت واہمیت

صفحہ	عنوان

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	عنوان

فہرست مضامین

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	عنوان

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	عنوان

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ

عشرہ ذی الحجہ کے فضائل

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

مدینے میں رہنے کے فائدے

عنوان	صفحہ

فتنہ دجال اور نزول مسیح

تمت بالخیر

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر

صفحہ نمبر	عنوان
۳۴	حضرت داؤد علیہ السلام نبوت اور سلطنت کے جامع
۳۴	حضرت داؤد علیہ السلام کے دو معجزے
۳۴	اس واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق
۳۷	ہماری ذمہ داری

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	عنوان

عنوان	صفحہ نمبر

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	عنوان

عنوان	صفحہ نمبر

فہرست مضامین

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	عنوان

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	عنوان

صفحہ نمبر	عنوان

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر

اخلاص ہر کام میں ضروری ہے

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر
حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم	۶۸

گناہ کے بعد نیکی

صفحہ نمبر	عنوان

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

قدرت کی نشانیاں سوچئے

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان | صفحہ نمبر

غلط توہمات اور غلط نظریات

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

ٹی وی اور عذاب قبر

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی بیانات : جلد نمبر اوّل

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡم ط

ٹی وی اور عذاب قبر

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ نَحۡمَدُهٗ وَ نَسۡتَعِيۡنُهٗ وَ نَسۡتَغۡفِرُهٗ وَ نُؤۡمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيۡهِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَيِّاٰتِ اَعۡمَالِنَا۔ مَنۡ يَّهۡدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنۡ يُّضۡلِلۡهُ فَلاَ هَادِىَ لَهٗ وَأَشۡهَدُاَنۡ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحۡدَهٗ لَاشَرِيۡكَ لَهٗ وَأَشۡهَدُاَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّداً عَبۡدُهٗ وَ رَسُوۡلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيۡهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسۡلِيۡمًا كَثِيۡرًا۔

أَمَّا بَعۡدُ! ۔ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ط اِنَّ

تَجۡتَنِبُوۡا کَبَآئِرَ مَا تُنۡهَوۡنَ عَنۡهُ نُکَفِّرۡ عَنۡکُمۡ سَیِّاٰتِکُمۡ وَنُدۡخِلۡکُمۡ مُّدۡخَلاً کَرِیۡمًا ○

صدق اللّٰہ العظیم

(سورۃ نساء، آیت ۳۱)

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے! جن کاموں سے تم کو منع کیا جا رہا ہے، اگر تم ان ممنوعات میں سے جو بڑے بڑے گناہ ہیں، ان سے بچتے رہو گے تو ہم اپنے قاعدے سے تمہارے چھوٹے قصور اور گناہ صغیرہ معاف کر دیں گے اور تم کو ایک باعزت مقام یعنی جنّت میں داخل کر دیں گے۔

دین کی باتیں سننے کے آداب

میرے قابل احترام بزرگو! سرکار دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ کسی انصاری صحابی کے جنازے میں شرکت فرماتے ہوئے جنّت البقیع تشریف لے گئے، جب وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ قبر کی تیاری میں ابھی کچھ دیر ہے، لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ جلوہ افروز ہوگئے، اس حدیث کے راوی حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آس پاس باادب بیٹھ گئے اور ہم اس کیفیت کے ساتھ بیٹھ گئے جیسے کہ ہمارے سروں پر پرندے ہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں بے پناہ ادب اور دین کی طلب اور تڑپ پائی جاتی تھی، جب وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دین کی کوئی بات سننے کے

لئے بیٹھتے تو بالکل ہمہ تن متوجہ ہوکر بیٹھتے تھے، نہ اِدھر اُدھر دیکھتے اور نہ اس طرح بیٹھتے جیسے کہ ان کے اندر طلب نہیں، ادب بھی یہی ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت یہ تھی کہ آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی لکڑی تھی، آپ کی گردن جھکی ہوئی تھی اور جس طرح ایک بہت ہی فکرمند انسان بیٹھا ہوا لکڑی سے زمین کو کریدا کرتا ہے، بالکل اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے لکڑی سے زمین کرید رہے تھے اور ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت زیادہ غم چھایا ہوا ہے اور آپ بہت گہری فکر اور سوچ میں ہیں اور ہم سب صحابہ خاموش بیٹھے ہوئے تھے، اسی دوران سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو یا تین مرتبہ اپنا سر مبارک اٹھایا اور فرمایا کہ قبر کے عذاب سے پناہ مانگو، قبر کے عذاب سے پناہ مانگو، قبر کے عذاب سے پناہ مانگو۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کے عذاب اور ثواب کے بارے میں کافی طویل وضاحت فرمائی۔

وعظ کے دوران تسبیح نہ پڑھیں

اس حدیث میں تین باتیں ہمارے لئے بطور سبق کے موجود ہیں، پہلی بات تو یہ ہے کہ جب ہم کسی کے پاس دین کی باتیں یا دین کا تذکرہ سننے کے لئے جائیں یا دین کی باتیں سیکھنے کے لئے یا پوچھنے کے لئے جائیں تو اس کا ضروری ادب یہ ہے کہ ادھر ادھر کے خیالات سے اپنے ذہن کو پاک صاف

کر کے بات کہنے والے کی طرف پوری طرح متوجہ ہو کر بیٹھیں۔ اسی لئے علماء نے فرمایا ہے کہ دین کے تذکرہ کے دوران اور وعظ کے دوران زبان سے ذکر بھی نہ کرنا چاہئے، جیسا کہ بعض لوگ وعظ کے دوران تسبیح بھی پڑھتے رہتے ہیں اور وعظ بھی سنتے رہتے ہیں، علماء نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے، اس لئے کہ یہ ادب کے خلاف ہے، ادب یہ ہے کہ اس وقت زبانی ذکر بھی موقوف کر دیا جائے اور ہمہ تن اپنے آپ کو دین کی باتیں سننے میں مشغول رکھا جائے، جیسا کہ اس حدیث سے صحابہ کرامؓ کا یہ عمل ظاہر ہوا کہ وہ ہمہ تن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھے تھے اور ایسے جامد اور ساکت بیٹھے تھے جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں، اس لئے کہ پرندہ ہمیشہ جامد اور غیر جاندار چیز پر بیٹھتا ہے، گویا کہ وہ بالکل بے جان ہو کر اس طرح بیٹھے تھے کہ دل بھی حاضر تھا اور دماغ بھی حاضر تھا۔

قبروں کا ادب واحترام

دوسرا ادب اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ قبرستان پہنچنے کے بعد اگر قبر کے تیار ہونے میں کچھ دیر ہو تو قبرستان میں بیٹھ سکتے ہیں۔ لیکن کسی قبر پر نہیں بیٹھنا چاہئے اور نہ کسی قبر پر کھڑے ہونا چاہئے، آج کل لوگ جب قبرستان جاتے ہیں تو بہت سے لوگ قبروں پر بیٹھ جاتے ہیں یا قبروں پر کھڑے ہو جاتے ہیں، شرعاً اس کی اجازت نہیں، ناجائز ہے، اس لئے قبر سے ہٹ کر بیٹھنا چاہئے۔ اور قبرستان میں چلتے وقت قبروں کے اوپر سے نہیں چلنا چاہئے،

بلکہ جو گزرگاہ بنی ہوئی ہو، اس پر چلنا چاہئے۔

قبرستان میں اپنی موت کو یاد کریں

ایک اور ادب اس حدیث میں ہمارے لئے یہ ہے کہ قبرستان میں جا کر ہمیں اپنی موت کو سوچنا چاہئے، اپنی قبر کو سوچنا چاہئے۔ آج کل اس ادب سے ہمارے اندر بڑی غفلت پائی جارہی ہے، جب ہم قبرستان کی طرف جاتے ہیں تو بھی دنیا کی باتیں کرتے ہیں اور قبرستان میں پہنچ کر بھی دنیا ہی کی باتیں کرتے ہیں، وہاں کی قبروں کو دیکھ کر ہمیں اپنی قبر اور اپنی موت یاد نہیں آتی، حالانکہ قبرستان جانے کا اصل ادب یہی ہے کہ وہاں جا کر اپنی موت کو یاد کریں، اپنے مرنے کو سوچیں اور مرنے کے بعد اپنے قبر کے احوال کو سوچیں، اور یہ سوچیں کہ آج یہ لوگ جو قبروں میں مدفون ہیں، ایک وقت وہ تھا جب یہ لوگ بھی ہماری طرح دنیا میں کھاتے پیتے تھے، رہتے سہتے تھے، لیکن آج اپنی قبروں کے اندر عذاب میں ہیں یا ثواب میں ہیں، کچھ پتہ نہیں، ہمیں بھی ایک دن یہاں پہنچنا ہے، جس طرح آج میں ایک جنازہ کو لے کر یہاں آیا ہوں، اسی طرح ایک دن مجھے بھی جنازہ کی صورت میں یہاں لایا جائے گا۔ ایک روز موت آجائے گی، اس وقت نہ بیوی ساتھ آئے گی اور نہ مال ساتھ آئے گا، بہت سے بہت بچے قبر تک آجائیں گے۔

زندگی بھر کی محبّت کا صلہ

حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے آمین۔ ایک مرتبہ پاپوش نگر کے قبرستان میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی تدفین کے موقع پر تشریف لے گئے، وہاں حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے یہ شعر سنایا ؎

زندگی بھر کی محبّت کا صلہ یہ دے گئے
دوست اور احباب آکر مجھ کو مٹی دے گئے

کتنا بھی گہرے سے گہرا دوست ہو، اس کی یہ کوشش اور خواہش ہوتی ہے کہ کم از کم مٹی دینے میں ضرور شرکت ہو جائے، اور اس کو اس مرنے والے کا آخری حق سمجھا جاتا ہے۔ اسی کو آدمی سوچ لے کہ دنیا میں جتنے دوست واحباب ہیں، وہ بہت سے بہت اتنا کریں گے کہ ہمیں قبرستان پہنچا دیں گے اور تین تین مٹھیاں مٹی ڈال کر چلے جائیں گے اور زبان سے یہ کہیں گے کہ آگے تُو جانے تیرا عمل جانے۔ قبرستان جاکر ان باتوں کو سوچنا چاہیے، قبرستان جانے کا اصل ادب یہی ہے، اس کے ذریعہ انسان کے دل سے دنیا کی محبّت نکلتی ہے اور آخرت کی فکر پیدا ہوتی ہے اور انسان آخرت کے لئے متفکر ہوتا ہے اور پھر آخرت کی تیاری کے لئے اس کے اندر کچھ آمادگی پیدا ہوتی ہے۔

قبر کا عذاب برحق ہے

بہرحال، اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا کہ قبر کے عذاب سے پناہ مانگو، قبر کے عذاب سے پناہ مانگو، قبر کے عذاب سے پناہ مانگو۔ اس لئے چوتھا ادب یہ ہے کہ ہمیں قبر کے عذاب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہئے۔ اس کی طرف سے بھی ہمارے اندر بڑی غفلت پائی جاتی ہے، بیسیوں انسانوں کو قبرستان پہنچا کر آ گئے، مگر کبھی اپنے لئے عذاب قبر سے پناہ نہیں مانگی اور کبھی یہ دعا نہیں کی کہ یا اللہ! ہمیں اور ہمارے ماں باپ کو اور ہمارے اہل و عیال کو قبر کے عذاب سے بچا۔ تاہم قبر کا عذاب بالکل برحق ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ میرے پاس ایک یہودی عورت آئی اور باتوں باتوں میں اس نے قبر کے عذاب کا تذکرہ کیا اور اس نے ساتھ ہی مجھ کو دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو قبر کے عذاب سے پناہ دے۔ جب وہ عورت چلی گئی تو اس کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے، میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ایک یہودی عورت آئی تھی، وہ کہہ رہی تھی کہ قبر کے اندر عذاب ہوتا ہے، کیا یہ بات درست ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں! عذاب قبر برحق ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے بعد پھر میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ ہر نماز کے بعد قبر کے عذاب سے پناہ

مانگتے ہوئے دیکھا۔

آپ کا یہ عمل ہمارے لئے تعلیم ہے کہ ایک دن مرنے کے بعد قبر میں ضرور جانا ہے، اگر قبر میں راحت مل گئی تو پھر آگے بھی راحت ہی راحت ہے اور اگر خدانخواستہ قبر میں عذاب ہوگیا تو پھر آگے کی منزلیں اور کٹھن ہوں گی۔ اس لئے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معمول تھا کہ جب آپ کسی قبر پر تشریف لے جاتے تو اتنا روتے کہ آپؓ کی داڑھی مبارک آنسوؤں سے تر ہو جاتی، کسی نے ان سے سوال کیا کہ حضرت! آپ جنّت اور جہنم کے تذکرے پر اتنا نہیں روتے جتنا قبر پر جانے کے بعد آپ روتے ہیں؟ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ یہ قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے، جو شخص یہاں عذاب قبر سے نجات پا گیا تو باقی منزلوں پر بھی وہ کامیاب ہوتا چلا جائے گا، اور خدانخواستہ اگر وہ اسی منزل پر پھنس گیا اور اس کو عذاب قبر شروع ہوگیا تو پھر آگے اس کے لئے اور زیادہ دشواریاں اور مشکلات ہوں گی، اس لئے اس پہلی منزل کی بڑی فکر ہوتی ہے کہ خدا کرے کہ یہ عافیت کے ساتھ گزر جائے اور سلامتی کے ساتھ گزر جائے تاکہ آگے کی منزلیں آسان سے آسان ہوتی چلی جائیں۔

عالم برزخ اور اس کی مثال

یہ عذاب قبر عالم برزخ میں ہوتا ہے جو اس دنیا سے علیحدہ ایک عالم ہے۔ جس گڑھے میں ہم میت کو اتارتے ہیں، اس میں بھی عذاب ہوتا ہے۔

جس حالت میں میت کو اتارا جاتا ہے اگرچہ وہ ویسی ہی نظر آتی ہے مگر اس کی روح کا عالم برزخ میں پہونچ کر بھی جسم سے تعلق رہتا ہے اور عذاب وثواب یہ سب اگرچہ عالم برزخ میں دراصل روح کو ہوتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ جسم بھی وہاں کی راحت اور تکلیف کو محسوس کرتا ہے اور کبھی گڑھے میں ہونے والے عذاب اور راحت کا اہل دنیا کو بھی مشاہدہ کرا دیا جاتا ہے، جس کے متعدد واقعات حافظ جلال الدین سیوطیؒ اور دوسرے علماء نے اپنی کتابوں میں لکھے ہیں۔

اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کوئی آدمی سورہا ہو اور خواب کے اندر اس کو مارا جارہا ہو یا جلایا جارہا ہو یا قتل کیا جارہا ہو، اب خواب کے اندر تو یہ سب حالات اس پر گزر رہے ہیں، لیکن ہم اس کو بالکل ٹھیک ٹھاک سویا ہوا دیکھ رہے ہیں، البتہ اس کے جسم پر تھوڑے بہت آثار محسوس کرلیتے ہیں کہ وہ ڈر رہا ہے یا کپکپا رہا ہے یا اس کا جسم حرکت کر رہا ہے، اور اگر خواب کے اندر بڑی بڑی نعمتیں حاصل کر رہا ہے، تب بھی وہ ہمیں یہاں سوتا ہوا محسوس ہوتا ہے، نہ کھاتا ہوا نظر آتا ہے نہ پیتا ہوا نظر آتا ہے، مگر خواب میں کھا رہا ہے، پی رہا ہے، سیر وتفریح کر رہا ہے، بس اس دنیا کے اندر میت کے عذاب اور ثواب کو سمجھنے کے لئے یہ ایک مثال کافی ہے۔

لیکن کبھی کبھی اللہ تعالیٰ عبرت اور نصیحت کے لئے اس دنیا کے اندر بھی قبر کا عذاب دکھا دیتے ہیں اور کبھی وہاں کی نعمتیں دکھا دیتے ہیں اور یہ سلسلہ

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے چلا آ رہا ہے۔ علماء کرام نے اس موضوع پر بڑی بڑی کتابیں تحریر فرمائی ہیں اور اپنے اپنے زمانے کے وہ واقعات لکھے ہیں جن میں قبر کا عذاب بیداری کی حالت میں یا خواب کی حالت میں دیکھا گیا ہے۔

عذاب قبر کا ایک واقعہ

حافظ ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب احوال القبور میں لکھا ہے کہ ایک صاحب نے ذکر کیا کہ میں اپنی زمین پر کام کیا کرتا تھا، ایک دن شام کے وقت جب میں گھر کی طرف واپس جانے لگا تو راستے میں مغرب کا وقت ہوگیا، راستے میں قریب ہی ایک مقبرہ تھا، میں نے مغرب کی نماز وہاں پڑھنے کا ارادہ کرلیا۔ چنانچہ میں نے اور میرے ایک دو ساتھیوں نے وہاں جا کر مغرب کی نماز ادا کی اور مغرب کی نماز ادا کرکے شام کے معمولات اور تسبیحات میں وہیں بیٹھ کر پوری کرنے لگا، جب آہستہ آہستہ اندھیرا چھانے لگا تو یکا یک مجھے کسی کے کراہنے کی آواز سنائی دی، میں نے ادھر ادھر دیکھا تو کچھ نظر نہ آیا، تھوڑی دیر کے بعد پھر ''ہائے ہائے'' کی آواز سنائی دی، جس کی وجہ سے میں ڈر گیا اور میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے، پھر جب میں نے آواز کی طرف دھیان لگایا تو وہ آواز ایک قبر کے اندر سے آ رہی تھی، میں اس قبر کے پاس گیا اور اپنے کان قبر سے لگائے تو قبر کے اندر سے ہائے ہائے کی آواز کے ساتھ یہ آواز بھی آ رہی تھی کہ:

قد کنت اصلی وقد کنت اصوم

میں تو نماز بھی پڑھا کرتا تھا اور روزہ بھی رکھا کرتا تھا۔

پھر مجھے یہ سزا کیوں دی جا رہی ہے؟ اور اس کی آواز ایسی دردناک تھی کہ میں بیان نہیں کرسکتا۔ پھر میں اس قبر کے پاس سے اٹھا اور میرے جو دوسرے ساتھی قریب ہی نماز پڑھ رہے تھے، ان کو بلا کر لے آیا اور ان سے کہا کہ تم بھی ذرا یہ آواز سنو، واقعۃً یہ آواز آ رہی ہے یا میرے ذہن کا خلل ہے؟ جب انہوں نے کان لگائے تو ان کو بھی یہ آواز سنائی دی، انہوں نے بتایا کہ یہ سچ مچ آواز آ رہی ہے، تمہارے دماغ کا خلل نہیں ہے، بہر حال اس روز تو ہم جلدی سے اپنے معمولات پورے کر کے واپس چلے گئے، دوسرے دن میں پھر واپسی میں مغرب کی نماز پڑھنے کے لئے اسی مقبرے میں گیا اور یہ سوچ کر گیا کہ میں جا کر آج بھی وہ آواز سنوں گا، آیا وہ آواز آج بھی آ رہی ہے یا نہیں؟ چنانچہ آج بھی میں نے وہاں جا کر پہلے مغرب کی نماز ادا کی اور پھر اپنے معمولات میں مشغول ہوگیا، پھر آج بھی بالکل اسی طرح قبر سے آواز آنے لگی جس طرح گزشتہ کل آ رہی تھی، اور میں نے قبر کے پاس جا کر کان لگائے تو وہی الفاظ سنے جو کل سنے تھے۔ لہٰذا اب مجھے یقین ہو گیا کہ اس مُردے کو قبر کا عذاب ہو رہا ہے، پھر جب میں وہاں سے لوٹا تو مجھ پر شدید خوف طاری ہوگیا اور خوف کی وجہ سے دو ماہ تک مجھے بخار چڑھا رہا۔

عام طور پر عذاب قبر پوشیدہ رہنے کی وجہ

احادیث میں حضور اقدس اللہ علیہ وسلم نے واضح طور فرمایا ہے کہ قبر میں میّت کو جو عذاب ہوتا ہے، اس کی چیخ و پکار کی آواز انسان اور جنّات کے علاوہ باقی تمام مخلوق سنتی ہے، اور انسان اور جنّات کو اس لئے آواز سنائی نہیں دیتی کہ اگر ان کو بھی آواز سنائی دینے لگے تو سارے کے سارے لوگ راہ راست پر آ جائیں، جتنے کافر ہیں وہ سب ایمان لے آئیں اور جو مسلمان بے دین اور فسق و فجور میں مبتلا ہیں، وہ سب اپنی اصلاح کر کے نیک اور پارسا بن جائیں، تو پھر سارا امتحان ہی ختم ہو جائے اور مقصود ہی فوت ہو جائے۔ کیونکہ یہ دنیا دارالعمل ہے، دارالجزاء نہیں ہے، یہاں ایمان بالغیب معتبر ہے کہ نہ کچھ دیکھا ہے اور نہ عقل میں کچھ آتا ہے، مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرما دیا، اس پر ہمارا ایمان ہے، دیکھنے سے ہمیں اتنا یقین نہ آتا جس طرح بن دیکھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر ہمیں یقین ہے، بس اسی ایمان کی قیمت ہے اور اسی پر اجر و ثواب ہے۔

لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ قبر کے اس عذاب کو نظروں سے اوجھل کرنے کے باوجود کبھی کبھی کہیں کہیں ہمیں دکھا دیتے ہیں اور اس لئے دکھا دیتے ہیں تاکہ ہم اس سے عبرت پکڑیں اور سبق سیکھیں۔

عذاب قبر کا سبب گناہ ہیں

یہ بات ہر مسلمان جانتا ہے کہ قبر کا عذاب گناہوں پر ہوتا ہے، اور یہ عذاب قبر اس لئے رکھا گیا ہے تاکہ ہم لوگ گناہوں سے باز آ جائیں، اللہ تعالیٰ نے جو احکام بجالانے کے لئے دیئے ہیں، ان کو بجالائیں اور گناہوں سے اپنے آپ کو بچانے کی فکر کریں، اگر خدانخواستہ ہم نے اپنے آپ کو گناہوں سے بچانے کی کوشش نہ کی اور کوئی مسلمان بغیر توبہ کئے اس دنیا سے چلا گیا تو پھر قبر کا عذاب ہونا یقینی ہے، یوں اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں معاف فرما دیں، ان کی معافی کی کوئی حد نہیں ہے، ان کی رحمت کی کوئی انتہا نہیں ہے، لیکن قاعدہ اور ضابطہ یہی ہے کہ جو شخص بغیر توبہ کئے دنیا سے جائے گا اور گناہوں کے ساتھ چلا جائے گا تو قبر میں پہنچتے ہی اس کو عذاب ہوگا۔ جب یہ بات ہے تو ہم سب مسلمانوں کو گناہوں سے بچنے کی بہت زیادہ فکر کرنے کی ضرورت ہے، ہم لوگ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے نماز بھی پڑھ لیتے ہیں، ذکر بھی کر لیتے ہیں، تلاوت بھی ہو جاتی ہے، تسبیحات بھی پڑھ لی جاتی ہیں، لیکن جب اپنا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں اپنے اندر یہ بات نمایاں طور پر نظر آتی ہے کہ گناہوں کے چھوڑنے میں ہم لوگ بہت کاہل اور سست ہیں، بڑے بڑے گناہوں کے اندر ہم مبتلا ہیں اور ہم ان کو گناہ بھی نہیں سمجھتے اور چھوڑنے کی فکر بھی نہیں کرتے۔ اور گناہوں کے اندر یہ خاصیت مسلّم ہے کہ جب کوئی شخص کسی گناہ کو مسلسل کرتا رہتا ہے تو آہستہ آہستہ اس کے دل سے اس کی بُرائی

نکل جاتی ہے، اس گناہ کا گناہ ہونا نکل جاتا ہے، تو پھر توبہ کی توفیق بھی کم ہوتی ہے، کیونکہ اب اس کا ضمیر اس کو اس گناہ پر ملامت کرنا چھوڑ دیتا ہے اور جس دن ضمیر مر گیا تو پھر سمجھ لو کہ توبہ کی شاید ہی اس کو توفیق ہو۔ گناہوں کے اندر ہمارا معاملہ یہی ہے کہ گناہ ہم کرتے چلے جا رہے ہیں، یہاں تک کہ ہم گناہ کے عادی ہو گئے ہیں، اور عادی ہونے کے بعد بعض گناہ ہمارے اندر ایسے عام ہو گئے ہیں کہ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ ان سے بچنے کا ہم شاید ارادہ بھی نہیں رکھتے، اور جب کسی گناہ سے بچنے کا ارادہ ہی نہ ہو تو پھر توبہ کی توفیق کہاں سے ہوگی؟ اور جب توبہ کی توفیق نہ ہوئی تو پھر آنکھ بند ہوتے ہی کیا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ بچائے، اس میں شدید خطرہ ہے کہ آنکھ بند ہوتے ہی عذاب قبر شروع نہ ہو جائے۔

ٹی وی کا گناہ

یوں تو ہم صبح سے شام تک بہت سے گناہ کرتے ہیں، لیکن اس وقت میں صرف ایک گناہ کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں، اور وہ ٹی وی دیکھنے کا گناہ ہے۔ اب دیکھئے! یہ گناہ کتنا عام ہے، ساری دنیا میں پھیل گیا ہے، یہاں تک کہ جو لوگ پنج وقتہ نمازی ہیں، حاجی ہیں، روزہ رکھنے والے ہیں، وہ بھی اس گناہ کے اندر مبتلا ہیں، اور میرے خیال میں شاید ہی کوئی شخص ہوگا جو اس گناہ کو گناہ سمجھتا ہو، اور اب یہ گناہ تیزی سے بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے اور روز بروز اس میں اضافہ ہو رہا ہے، اس گناہ سے بچنے والے اب زیادہ نظر نہیں آتے اور مبتلا

ہونے والے بڑھتے چلے جا رہے ہیں، اور اب تو بڑے بڑے ''ڈش اینٹینا'' اور ''لیڈ'' لگنی شروع ہوگئی ہیں، جس کے ذریعہ ساری دنیا کی فلمیں گھر بیٹھے بیٹھے بآسانی دیکھی جاسکتی ہیں، گھر گھر سینما ہال بنا ہوا ہے، پہلے سینما ہال میں جاکر فلم دیکھنے کو اس قدر بُرا اور ذلیل کام سمجھا جاتا تھا کہ کوئی شریف آدمی ایسا کرنے کا تصور نہیں کرسکتا تھا، لیکن اب وہی شرفاء گھر کے اندر نہایت بے باکی کے ساتھ سارے اہل خانہ کے ساتھ اور بیٹوں اور بیٹیوں کے ساتھ بیٹھ کر فلمیں دیکھ لیتے ہیں اور اس پر انہیں ذرہ برابر حیا اور شرم محسوس نہیں ہوتی۔ یہ کیا ہوگیا؟ بات یہ ہے کہ اس برائی کی شناعت دل سے نکل گئی اور اس کا گناہ ہونا ذہن سے نکل گیا، اس کی بُرائی ذہن سے نکل گئی، حیاء کا خاتمہ ہوگیا، بس اسی کا یہ نتیجہ ہے۔ العیاذ باللہ۔

فلم دیکھ کر ایصال ثواب

تعجب کی بات یہ ہے کہ اس گناہ کو گناہ بھی نہیں سمجھتے، اس پر ایک عجیب وغریب واقعہ یاد آیا، یہ واقعہ ایک رسالہ ''ٹی وی کی تباہ کاریاں'' کے اندر لکھا ہوا ہے کہ ایک صاحب لاہور کے رہنے والے تھے، ان کی والدہ کسی تقریب میں شرکت کے لئے کراچی آئی ہوئی تھیں، یہاں آکر وہ بیمار ہوگئیں، ان کو اسپتال میں داخل کیا گیا اور ان صاحب کو لاہور میں اطلاع دے دی گئی، وہ بھی لاہور سے کراچی آگئے، پوری توجہ سے ان کا علاج کیا گیا، لیکن بالآخر ان کا انتقال ہوگیا اور ان کو کفنا کر دفن کر دیا گیا۔ جب وہ شخص اپنی والدہ کو دفن

کر کے قبرستان سے واپس آ رہے تھے تو راستے میں ایک میدان کے اندر دیکھا کہ شامیانے لگے ہوئے ہیں، قناتیں کسی ہوئی ہیں، یہ سمجھے کہ کوئی سیاسی جلسہ ہو رہا ہے، لیکن جب وہ معلوم کرنے کے لئے اندر گئے تو وہاں دیکھا کہ فلم چل رہی ہے اور تمام لوگ میدان میں بیٹھے ہوئے فلم دیکھ رہے ہیں۔ ان صاحب نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ ایک صاحب کا انتقال ہو گیا تھا، آج ان کا چہلم ہو رہا ہے اور ہم سب ان کے چہلم میں شریک ہیں اور مرحوم کو یہ فلم بہت پسند تھی، اس لئے ہم ان کے ایصال ثواب کے لئے یہ فلم دیکھ رہے ہیں تاکہ ان کو اس کا ثواب پہنچے۔ العیاذ باللہ۔

اب بتایئے! اس عمل کے ذریعے ایصال ثواب ہوگا یا ایصال عذاب ہوگا؟ ہماری ذہنی سوچ کہاں تک پہنچ گئی ہے، ہمارا دین سے پستی کا عالم کہاں تک پہنچ گیا ہے، اب ہمارا یہ حال ہے کہ ایک حرام اور ناجائز کام کو ایصال ثواب کے لئے کیا جا رہا ہے۔

ٹی وی گناہوں کا مجموعہ ہے

اب ایسے لوگ بھی بکثرت ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ ٹی وی دیکھنے میں کیا حرج ہے؟ چنانچہ ٹی وی دیکھنے والوں میں اکثر لوگ یہ کہہ دیتے ہیں کہ ٹی وی دیکھنے میں کیا حرج ہے؟ افسوس! جس چیز کے گناہ ہونے میں کوئی شک نہیں، آج اس کا گناہ ہونا سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔ حالانکہ دو تین باتیں تو ہر مسلمان جانتا ہے کہ وہ اسلام میں بالکل حرام ہیں، اور یہ چیزیں ٹی وی کے اندر موجود

ہیں۔ جن میں:

ا۔ایک گانا بجانا ہے، یہ اسلام میں بالکل حرام ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد ارشادات اس کی حرمت پر موجود ہیں۔

۲۔ دوسرے گانا بجانے کے آلات کا استعمال بھی مستقل ناجائز اور گناہ ہے۔ مثلاً ڈھولک، سارنگی، بانسری، ہارمونیم، ڈسکو، ان سب آلات کا استعمال گناہ اور ناجائز ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح ارشاد ہے کہ میں دنیا میں پیغمبر ہی اس لئے بنا کر بھیجا گیا ہوں تاکہ دنیا سے گانے بجانے کے آلات کو مٹادوں۔ اور ہم مسلمان ہوکر بھی ان کو استعمال کر رہے ہیں، اور خاص طور پر ٹی وی کے اندر ان آلات کا بھرپور استعمال پایا جاتا ہے۔

ٹی وی اور بدنگاہی

۳۔تیسرے نامحرم مردوں اور عورتوں کا آپس میں اختلاط دکھایا جاتا ہے، یہ تو اس کی روح ہے، وہ ٹی وی ٹی وی نہیں جس میں مرد اور عورت کا اختلاط نہ دکھایا جائے۔ اس کے علاوہ ٹی وی میں رقص دکھایا جاتا ہے، کوئی فلم رقص سے خالی نہیں ہوتی، یہ رقص خود ایک مستقل گناہ اور حرام ہے، قرآن کریم نے مردوں اور عورتوں کو صاف صاف یہ حکم دیا ہے کہ:

قل للمومنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم۔ وقل للمومنات یغضضن من

ابصارھن ویحفظن فروجھن ولا یبدین زینتھن۔

آپ ایمان دار مردوں سے فرما دیں کہ وہ اپنی نظروں
کو نیچی کرلیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور
مسلمان عورتوں سے بھی فرما دیں کہ وہ بھی اپنی نظروں
کو نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور
اپنی آرائش اور زیبائش کو ظاہر نہ کریں۔

اب قرآن کریم کا حکم تو یہ ہے کہ نظروں کو نیچی رکھیں۔ اور ٹی وی کے اندر نظر ڈالنا ہی مقصود ہے، اور کسی مرد کا کسی عورت پر یا کسی عورت کا کسی مرد پر شہوت سے نظر ڈالنا، اس کو حدیث شریف میں آنکھوں کا زنا قرار دیا گیا ہے، اس لئے آنکھوں سے دیکھنا آنکھوں کا زنا ہے، ہاتھ سے چھونا ہاتھ کا زنا ہے، اور دیکھنے کے لئے پیروں سے چل کر جانا پیروں کا زنا ہے، اور دل میں خواہش اور تمنا کرنا یہ دل کا زنا ہے، یہی سب کچھ ٹی وی کے اندر ہوتا ہے، چاہے خبر نامہ ہو، چاہے ڈرامہ ہو، چاہے فلم ہو، چاہے کوئی اشتہار ہو، ہر جگہ یہی روپ سامنے ہوتا ہے کہ ایک مرد اور ایک عورت، اور دیکھنے والوں کا سارا منشا جنسی تسکین اور اپنی شہوت کو پورا کرنا ہے، اور اسی خواہش سے اس پر نظر ڈالنا اور پھر گھنٹوں اس پر نظر جمائے رکھنا، یہ سب کام آنکھوں کا زنا ہے۔ یہ گناہ کی وہ موٹی موٹی باتیں ہیں جن کو ہم روزمرہ سنتے رہتے ہیں اور پڑھتے رہتے ہیں،

پھر کیا وجہ ہے کہ ٹی وی کے اندر ہمیں گناہ کی یہ باتیں نظر نہیں آتیں اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ٹی وی دیکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ بہر حال، اس کے گناہ ہونے میں کوئی شک نہیں، اب اگر ہم اس کو گناہ نہ سمجھیں تو یہ ہماری ناسمجھی ہے۔ انہی گناہوں کی وجہ سے ہمارے تمام علماء نے ٹی وی دیکھنے اور اس کے گھر میں رکھنے کو گناہ اور ناجائز قرار دیا ہے اور اس بارے میں ان کے فتاویٰ موجود ہیں۔

ٹی وی کے ساتھ دفن ہونے کا عبرت ناک واقعہ

جب سے ٹی وی دیکھنے کا رواج بڑھ گیا ہے، ٹی وی دیکھنے والوں کے مرنے کے بعد قبر میں عذاب ہونے کے بڑے ہی عبرت ناک واقعات بھی سامنے آ رہے ہیں، جس سے ہمیں فوراً سبق لینا چاہئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ یہ واقعات اسی لئے دکھاتے ہیں تا کہ ہم لوگ عبرت حاصل کریں۔

چنانچہ اسی رسالے ''ٹی وی کی تباہ کاریاں'' میں ایک عورت کا بڑا عبرتناک واقعہ لکھا ہے کہ رمضان شریف کے مہینے میں افطار کے وقت گھر میں ایک ماں تھی اور ایک بیٹی تھی، ماں نے بیٹی سے کہا کہ آج گھر پر مہمان آنے والے ہیں، افطاری تیار کرنی ہے، اس لئے تم بھی میرے ساتھ مدد کرو اور کام میں لگو اور افطاری تیار کراؤ، بیٹی نے صاف جواب دے دیا کہ اماں! اس وقت ٹی وی پہ ایک خاص پروگرام آ رہا ہے، میں اس کو دیکھنا چاہتی ہوں، اس سے فارغ ہو کر کچھ کروں گی، چونکہ وقت کم تھا، اس لئے ماں نے کہا کہ تم اس کو

چھوڑو، پہلے کام کراؤ، مگر بیٹی نے ماں کی بات سنی ان سنی کر دی اور پھر اس خیال سے اوپر کی منزل میں ٹی وی لے کر چلی گئی کہ اگر میں یہاں نیچے بیٹھی رہی تو ماں بار بار مجھے منع کرے گی اور کام کے لئے بلائے گی۔ چنانچہ اوپر کمرے میں اندر جا کر اس نے اندر سے کنڈی لگائی اور پروگرام دیکھنے میں مشغول ہوگئی، نیچے ماں بیچاری آواز دیتی رہ گئی، لیکن اس نے کچھ پرواہ نہ کی، پھر ماں سے افطاری کے لئے جو تیاری ہوسکی، اس نے کرلی۔ اتنے میں مہمان بھی آ گئے اور سب لوگ افطاری کے لئے بیٹھ گئے، ماں نے پھر لڑکی کو آواز دی تاکہ وہ بھی آ کر روزہ افطار کرلے، لیکن بیٹی نے کوئی جواب نہیں دیا تو ماں کو تشویش ہوئی، چنانچہ وہ اوپر گئی اور دروازے پر جا کر دستک دی اور اس کو آواز دی، لیکن اندر سے کوئی جواب نہ آیا تو اب ماں اور گھبرا گئی کہ اندر سے جواب کیوں نہیں آ رہا ہے، چنانچہ ماں نے اس کے بھائیوں اور اس کے باپ کو اوپر بلایا، انہوں نے آواز دی اور دستک دی، مگر جب اندر سے کوئی جواب نہ آیا تو بالآخر دروازہ توڑا گیا، جب دروازہ توڑ کر اندر گئے تو دیکھا کہ ٹی وی کے سامنے مری ہوئی اوندھے منہ زمین پر پڑی ہے اور انتقال ہو چکا ہے، اب سب گھر والے پریشان ہوگئے۔ اس کے بعد جب اس کی لاش اٹھانے کی کوشش کی تو اس کی لاش نہ اٹھے اور ایسا محسوس ہونے لگا کہ وہ کئی ٹن وزنی ہوگئی ہے، اب سب لوگ پریشان کہ اس کی لاش کیوں نہیں اٹھ رہی ہے، اسی پریشانی کے عالم میں ایک صاحب نے جو ٹی وی اٹھایا تو اس کی لاش بھی اٹھ گئی اور ہلکی ہوگئی، اب صورت یہ ہوگئی کہ اگر ٹی وی اٹھائیں تو اس کی لاش ہلکی

ہو جائے اور اگر ٹی وی رکھ دیں تو اس کی لاش بھاری ہو جائے، مجبوراً اس طرح ٹی وی اٹھا کر اس کی لاش نیچے لائے اور اس کو غسل دیا، کفن دیا، جب اس کا جنازہ اٹھانے لگے تو پھر اس کی چار پائی ایسی ہوگئی جیسے کسی نے اس کے اوپر پہاڑ رکھ دیا ہو، لیکن جب ٹی وی کو اٹھایا تو آسانی سے مسہری بھی اٹھ گئی، تمام اہل خانہ شرمندگی اور مصیبت میں پڑ گئے، بالآخر جب ٹی وی جنازہ کے آگے آگے چلا، تب اس کا جنازہ گھر سے نکلا۔ اب اسی حالت میں ٹی وی کے ساتھ اس پر نماز جنازہ پڑھی گئی اور جب قبرستان لے جانے لگے تو آگے ٹی وی پیچھے جنازہ چلا، پھر قبرستان میں لے جانے کے بعد جب میّت کو قبر میں اتارا اور قبر کو بند کر کے اور اس کو ٹھیک کر کے لوگ واپس جانے لگے تو لوگوں نے کہا کہ اب ٹی وی واپس لے چلو، لیکن جب ٹی وی اٹھا کر لے جانے لگے تو اس لڑکی کی لاش قبر سے باہر آ گئی۔ کتنی عبرت کی بات ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

اے عقلمندو! عبرت حاصل کرو

لوگوں نے جلدی سے ٹی وی کو وہیں رکھا اور دوبارہ اس کی لاش کو قبر کے اندر کر کے قبر بند کردی، اب پھر دوبارہ ٹی وی اٹھا کر چلے تو دوبارہ اس لڑکی کی لاش قبر سے باہر آ گئی، اب لوگوں نے کہا کہ یہ ٹی وی کے ساتھ ہی دفن ہوگی، اس کے علاوہ کوئی اور صورت نظر نہیں آتی، آخر کار اس کی لاش قبر میں تیسری بار رکھی اور ٹی وی کو بھی اس کے سرہانے رکھ کر اس کے ساتھ ہی دفن کرنا

پڑا۔ العیاذ باللہ!

اب آپ سوچئے کہ اس لڑکی کا کیا حشر ہوا ہوگا اور کیا انجام ہوا ہوگا؟ ہماری عبرت کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں دکھا دیا، اب بھی اگر ہم عبرت نہ پکڑیں تو یہ ہماری ہی نالائقی ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تو اتمام حجت ہے۔ یہ تو ایک لڑکی کا واقعہ تھا، اب ایک مرد کا قصہ سن لیجئے۔

ٹی وی خریدنے پر عذاب قبر

سعودی عرب میں دو دوست رہتے تھے، ایک ریاض میں اور ایک جدہ میں، دونوں نیک صالح آدمی تھے، دونوں کے درمیان آپس میں بڑی گہری دوستی اور محبت تھی، ریاض والے دوست نے اپنے بچوں کے بے حد اصرار پر ان کو ٹی وی خرید کر لا دیا، اب گھر والے ٹی وی دیکھنے لگے، کچھ دنوں کے بعد اس کا انتقال ہوگیا، اس کے انتقال کے بعد جدہ والے دوست نے خواب میں ریاض والے دوست کی زیارت کی تو دیکھا کہ وہ تکلیف میں ہے، اس نے پوچھا کہ بھائی! تمہارا کیا حال ہے؟ اس دوست نے جواب دیا کہ کیا بتاؤں، جب سے میرا انتقال ہوا ہے، اپنے گھر والوں کو ٹی وی لا کر دینے کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہوں، اب وہ تو ٹی وی دیکھ کر مزے اڑا رہے ہیں اور میں عذاب کے اندر مبتلا ہوں، اور میں ہی جانتا ہوں کہ میرا وقت کس طرح مصیبت کے ساتھ گزر رہا ہے، میں بہت سخت تکلیف میں ہوں، تم میرے گھر جا کر ان کو سمجھاؤ کہ کسی طرح گھر سے ٹی وی نکال دیں تا کہ میرا عذاب دور ہو

جائے، اس دوست نے کہا کہ اچھا میں تمہارے گھر جا کر ان کو سمجھاؤں گا۔

جب صبح ہوئی تو اس کو رات والا خواب یادنہیں رہا اور سارا دن اپنے کام کاج میں مشغول رہا، جب رات کو سویا تو خواب میں پھر ریاض والے دوست کی زیارت ہوئی، اس نے شکایت کی کہ میں نے تم سے کہا تھا کہ میرے گھر جلدی جاؤ، میں بہت تکلیف میں ہوں، تم ابھی تک میرے گھر نہیں گئے، اس دوست نے پھر وعدہ کرلیا کہ میں کل صبح ضرور جاؤں گا۔ یہ جدہ والے دوست کہتے ہیں کہ دوسرے دن میرا ریاض جانے کا پختہ ارادہ تھا، لیکن پھر کوئی ایسا کام پیش آ گیا جس کی وجہ سے میں نہ جاسکا۔ جب رات کو سویا تو خواب میں پھر اس دوست کی زیارت ہوئی، پھر اس نے شکایت کی کہ تم مجھ سے کہتے ہو کہ میں جاؤں گا، لیکن تم جاتے نہیں ہو اور میں یہاں بہت سخت تکلیف اور عذاب میں ہوں۔ اس دوست نے وعدہ کرلیا کہ کل صبح ضرور ہی جاؤں گا۔

چنانچہ جدہ والا دوست صبح ہوتے ہی جہاز کے ذریعہ ریاض اپنے دوست کے گھر پر گیا اور سب گھر والوں کو جمع کیا اور پھر ان کو اپنا خواب بتایا کہ تمہارے والد صاحب اس طرح سخت عذاب میں مبتلا ہیں، اور انہوں نے عذاب کی وجہ یہ بتائی کہ چونکہ میں نے ٹی وی لاکر دیا ہے، اس لئے مرنے کے بعد سے عذاب ہو رہا ہے، میرے گھر والے تو عیش کر رہے ہیں اور میں عذاب میں مبتلا ہوں۔ جب انہوں نے اپنے باپ کے عذاب میں مبتلا ہونے کے بارے میں سنا تو وہ لوگ زاروقطار رونے لگے کہ ہائے ہماری وجہ سے ہمارے

والد صاحب کو عذاب ہو رہا ہے، اس کے بعد بڑا بیٹا اپنی جگہ سے اٹھا اور اس نے ٹی وی کو اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا جس سے ٹی وی کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے، وہ ٹکڑے اٹھا کر اس نے کوڑے کے ڈبے میں ڈال دیئے اور اس نے کہا کہ آج کے بعد ہمارے گھر میں یہ لعنت نہیں ہو گی جس کی وجہ سے ہمارے باپ کو عذاب ہوا۔

جدہ والے دوست کہتے ہیں کہ میں بہت خوش ہوا کہ اولاد ماشاء اللہ سعادت مند ہے، انہوں نے بہت جلد اپنے باپ کی تکلیف کا خیال کرلیا اور اپنا بھی خیال کرلیا، اپنے باپ کو بھی قبر کے عذاب سے بچالیا اور اپنے آپ کو بھی جہنم کے عذاب سے بچالیا۔ پھر میں واپس جدہ اپنے گھر میں آ گیا، رات کو سویا تو پھر خواب میں ریاض والے دوست کی زیارت ہوئی، اب جو دیکھا تو ماشاء اللہ وہ مسکرا رہا ہے اور ہشاش بشاش ہے، میں نے اس سے پوچھا کہ کہو! کیا حال ہے؟ اس نے کہا کہ بھائی! اللہ تعالیٰ تم کو جزاء خیر دے، جس طرح تم نے میری مصیبت دور کر دی، اللہ تعالیٰ تمہاری مصیبتیں بھی دور کرے، جس وقت میرے بڑے بیٹے نے ٹی وی زمین پر پٹخا ہے، اس وقت سے میرا عذاب بھی ختم ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اس عذاب سے نجات دے دی ہے۔

نجات گناہ چھوڑنے میں ہے

بزرگو! یہ واقعات ہمارے لئے دکھائے جا رہے ہیں، تا کہ ہم عبرت لیں کہ نماز پڑھنے کے باوجود، ذکر کرنے کے باوجود، تلاوت کرنے کے باوجود

اگر خدانخواستہ یہ گناہ کرتے ہوئے بغیر توبہ کے انتقال ہوگیا تو قبر میں جاتے ہی عذاب ہوسکتا ہے، اور توبہ کی توفیق تو جب ہی ہوسکتی ہے جب ہم اس کو گناہ سمجھیں اور اس سے بچنے کی کوشش کریں، لیکن اگر خدانخواستہ اس گناہ کو ہم گناہ ہی نہ سمجھیں جیسا کہ بعض لوگوں کا حال ہے، تو وہ کیا توبہ کریں گے، اور اگر گناہ سمجھ کر پھر بھی نہ چھوڑا تو کیا فائدہ ہوا، اس لئے کہ کسی عمل کو گناہ سمجھنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ یہ عمل چھوڑنے کی چیز ہے، کرنے کی چیز نہیں، لیکن ہم معمولی معمولی بہانوں کی خاطر، بچوں کی وجہ سے، بیوی کے نہ ماننے کی وجہ سے، بچوں کے ادھر ادھر جانے کے بہانے، اور نہ معلوم ہم نے اس کو رکھنے اور دیکھنے کے لئے کتنے عذر اور بہانے تلاش کئے ہوئے ہیں۔ یاد رکھئے! جس طرح کسی بہانے سے چوری حلال نہیں ہوسکتی، کسی بہانے سے شراب نوشی حلال نہیں ہوسکتی، اسی طرح ٹی وی کو دیکھنا بھی کسی بہانے سے جائز نہیں ہوسکتا، یہ گناہ تو چھوڑنا ہی پڑے گا، اور جو چھوڑے گا وہی نجات پائے گا اور وہی عافیت میں آئے گا اور جو کرتا رہے گا وہ نجات نہیں پائے گا۔

میّت کنکھجوروں کے محاصرے میں

ایک تبلیغی دوست نے ہندوستان کا ایک قصہ سنایا کہ ایک علاقے میں ہماری جماعت گئی اور وہاں ہم ایک مسجد میں ٹھیرے ہوئے تھے اور اپنا کام کر رہے تھے کہ یکایک محلّے کے کچھ لوگ ہمارے پاس آئے اور آکر کہا کہ ذرا ہمارے گھر چلئے، ہم لوگ بہت پریشان ہیں، ہمارے گھر ایک میّت ہوگئی ہے

اور میت کے ساتھ عجیب معاملہ ہو رہا ہے، چنانچہ ہم سب لوگ ان کے ساتھ چلے گئے، جب ان کے گھر پہنچے تو ہم نے اپنی آنکھوں سے یہ دیکھا کہ ایک عورت کی لاش کمرے میں رکھی ہوئی ہے اور بہت بڑے بڑے کنکھجورے اس میت کے چاروں طرف سر سے لے کر پاؤں تک دائیں بائیں منہ کھولے کھڑے ہیں، اور وہ اتنی خوفناک شکل کے تھے کہ ان کو دیکھ کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں، قریب جانے کی کسی کو ہمت نہ ہو، اور سارے گھر والے خوف کے مارے دوسرے کمرے میں جمع تھے، دہشت کی وجہ سے کوئی شخص اس کمرے میں نہیں جا رہا تھا، گھر والوں نے ہم سے کہا کہ آپ نیک لوگ ہیں، ہم آپ کو اس لئے بلا کر لائے ہیں کہ ہمارا تو خوف سے برا حال ہو رہا ہے، آخر اس میت کو بھی اس کی جگہ پر پہنچانا ہے، کیسے اس کو غسل دیں اور کس طرح اس کو یہاں سے اٹھائیں؟ یہ کنکھجورے چاروں طرف سے اس کو گھیرے ہوئے ہیں، ہمارا تو قریب جاتے ہوئے پتہ پانی ہو رہا ہے، آپ حضرات کچھ پڑھ کر ایصال ثواب کریں اور دعا کریں تاکہ کم از کم اتنا موقع مل جائے کہ ہم اس کو اس کی قبر میں اتار دیں اور اس فرض سے سبکدوش ہو جائیں۔

یہ کہتے ہیں کہ ہمیں بھی خوف محسوس ہوا، لیکن ہم دیکھتے ہی سمجھ گئے کہ یہ ان کے کسی گناہ کا عذاب ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ہماری عبرت کے لئے ظاہر کیا ہے، چنانچہ ہم سب ایک کونے میں بیٹھ کر اس کے لئے استغفار کرنے

لگے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے لگے کہ یا اللہ! مہربانی فرما اور اتنی دیر کے لئے اس عذاب کو ہٹا دیجئے کہ ہم اس کو غسل اور کفن دے کر اس کو اس کی قبر تک پہنچا دیں اور یہ فریضہ ادا کرلیں۔ اس کے بعد کافی دیر تک ہم پڑھتے رہے، استغفار کرتے رہے، روتے رہے اور آنسو بہاتے رہے، کافی دیر بعد دیکھا کہ وہ سب کنکھجورے اچانک میت کا محاصرہ چھوڑ کر ایک کونے میں جمع ہو گئے، بس ہم نے کہا کہ اب اللہ تعالیٰ کی رحمت آ گئی ہے، اس نے اپنا فضل فرمایا ہے، اب تم لوگ اس کو غسل اور کفن دیدو، چنانچہ غسل اور کفن کے بعد اس کی نماز جنازہ ہوئی اور اسے قبرستان لے گئے اور جا کر اس کو قبر میں اتار دیا، جس وقت اس کو قبر میں اتارا تو دیکھا کہ وہ سب کنکھجورے ایک کونے میں جمع ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ آمین۔

اذان کی بے حرمتی کا وبال

اس کو دفنانے کے بعد ہم لوگ دوبارہ اس کے گھر گئے اور پوچھا کہ آخر اس کا ایسا کون سا عمل تھا جس کی وجہ سے اس کو یہ عبرت ناک عذاب ہوا اور خدا جانے اب اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے، اس کی ماں نے بتایا کہ وہ نیک صالح تو نہیں تھی، بے نمازی تھی، لیکن ایک بات جو مجھے یاد ہے، شاید اس کی وجہ سے اس پر عذاب ہوا ہو، وہ یہ کہ وہ ٹی وی دیکھنے کی بڑی شوقین تھی، ایک دن وہ ٹی وی پر ایک پروگرام دیکھ رہی تھی اور اس وقت اس پروگرام میں ایک رقاصہ ایک خاص گانا گا رہی تھی اور وہ گانا اس لڑکی کو بہت پسند تھا، اسی دوران

اذان شروع ہوگئی، میں نے اس سے کہا کہ بیٹی! اذان ہو رہی ہے، اللہ کا نام بلند ہو رہا ہے، اس گانے کی آواز بند کر دو اور ٹی وی بند کر دو، اس نے کہا اماں! اذان تو روزانہ ہوتی رہتی ہے، لیکن یہ پروگرام اور یہ گانا پھر کہاں آئے گا۔ ہم نے اس کی ماں کی یہ بات سن کر کہا کہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرتے ہی فوراً یہ عذاب جو شروع ہوا ہے، یہ اسی گناہ کا وبال اور عذاب ہے، اس لئے کہ اس نے اللہ کی اذان کے مقابلے میں گانے کو ترجیح دی استغفر اللہ۔

ٹی وی اور رمضان کی بے حرمتی

حقیقت یہ ہے کہ جب آدمی ٹی وی کا شوقین ہو جاتا ہے اور اس کا عادی ہو جاتا ہے تو پھر اس کو دین کی پرواہ نہیں رہتی، چنانچہ دیکھ لیجئے ہمارے یہاں رمضان شریف میں کس ڈھٹائی کے ساتھ ٹی وی دیکھا جاتا ہے، ایک طرف تراویح ہو رہی ہے اور دوسری طرف ٹی وی چل رہا ہے، فلمیں دیکھی جا رہی ہیں۔ اور ہمارے دشمن ٹی وی کے ان پروگراموں اور فلموں کو ایسے اوقات میں رکھتے ہیں تاکہ مسلمان افطار توجہ سے نہ کرسکیں اور تراویح نہ پڑھ سکیں، چنانچہ مسجدوں میں تراویح ہوتی رہتی ہے اور لوگ اس وقت ٹی وی دیکھنے میں مشغول ہوتے ہیں اور ٹی وی کی وجہ سے نماز میں نہیں آتے۔

یہ گناہ ہر ہر گھر میں بکثرت ہو رہا ہے اور تیزی سے پھیلتا چلا جا رہا ہے، لیکن اس کا انجام بڑا خراب ہے، آخرت کا عذاب بڑا شدید ہے، اور اس میں ایک گناہ نہیں ہے بلکہ یہ بہت سے گناہوں کا مجموعہ ہے، ایسی صورت میں ہمیں

اس گناہ سے اپنے آپ کو بھی بچانا چاہئے اور اپنے گھر والوں کو بھی بچانا چاہئے۔ اس مجلس میں جتنے حضرات یہاں جمع ہیں، اگر ہم سب اپنے آپ کو اس گناہ سے بچالیں گے تو ایک ماحول بن جائے گا اور اس طرح آہستہ آہستہ ماحول بنتا چلا جائے گا۔

عذاب قبر سے بچنے کا طریقہ

بہرحال، قبر کا عذاب برحق ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ قبر کے عذاب سے پناہ مانگو، قبر کے عذاب سے پناہ مانگو، قبر کے عذاب سے پناہ مانگو۔ ہم لوگ کہاں جا رہے ہیں؟ کب اپنے لئے قبر کے عذاب سے پناہ مانگیں گے؟ پناہ مانگنے کا طریقہ یہ ہے کہ پچھلے تمام گناہوں سے توبہ کریں اور آئندہ گناہوں سے بچنے کی فکر کریں، اس کے بعد پھر قبر کے عذاب سے پناہ مانگیں گے تو اس وقت پناہ مانگنا مفید ہوگا۔ لیکن اگر ہم نہ تو گناہ چھوڑیں اور نہ ہی گناہوں کو چھوڑنے کا ارادہ ہو. تو محض لفظی توبہ کرنے سے کیا فائدہ؟ پھر عذاب قبر سے پناہ مانگنے کا کیا فائدہ؟ اس لئے پہلے گناہوں کو چھوڑیں، خصوصاً بڑے بڑے گناہوں کو چھوڑ دیں، مثلاً ٹی وی دیکھنا، سود کا لین دین کرنا، رشوت لینا دینا، بدنظری کرنا، خواتین کا بے پردگی اختیار کرنا اور نامحرم مردوں کے سامنے بے حجابانہ آنا جانا، تقریبات میں عورتوں کا آراستہ اور پیراستہ ہوکر نامحرم مردوں سے بے حجابانہ ملنا جلنا، یہ سب ہمارے اس دور کے بڑے بڑے گناہ ہیں جن سے بچنا ہم سب کی اولین ذمہ داری ہے، پہلے ہم

ان سے بچنے کی پوری پوری کوشش کریں اور پھر عذاب قبر سے بھی خوب پناہ مانگیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اور تمام مسلمانوں کو ان گناہوں سے اور دیگر تمام گناہوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں اور قبر کے عذاب سے پناہ دیں۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اس کو ضرور پڑھئے!

ٹی وی دیکھنے کی شرعی حیثیت اور اس کے دینی نقصانات آپ نے پڑھ لئے، یہ نقصانات ٹی وی کی پالیسی کا بنیادی مقصد ہیں، خصوصاً پاکستان میں ٹی وی لانے کا اصل منشا ہی یہ ہے کہ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے ذہنوں سے دین کی عظمت، قرآن وسنت کا احترام اور ان پر عمل کرنے کا جذبہ ختم کیا جائے، علماء کرام اور اولیاء عظام کی عزت مسلمانوں کے دلوں سے نکالی جائے اور ہمیشہ کے لئے انہیں بے غیرتی، بے حیائی اور دین سے آزادی کی تاریک وادی میں پھینک دیا جائے، جہاں جنسی ہوس پرستی کے لئے ماں، بہن، بیٹی اور اجنبی عورت میں کوئی امتیاز نہ ہو، بلاامتیاز ان سے جنسی خواہش پورا کرنے کی پوری آزادی حاصل ہو، چنانچہ کم از کم ایسے تین چار شرمناک واقعات مختلف ذرائع سے احقر کے علم میں آچکے ہیں، یہ سب ٹی وی کے فحش پروگرام، برہنہ اور نیم برہنہ فلموں کا نتیجہ ہیں۔ اس طرح یہود و نصاریٰ کی طرف سے مسلمانوں کو نہایت عیاری اور مکاری کے ساتھ دین وآخرت سے بے زاری کا ایسا زہر پلایا جارہا ہے کہ ٹی وی دیکھنے والے مسلمانوں کو پتہ بھی نہ چلے اور وہ دھیرے دھیرے دین وایمان کی حدود پھلانگ کر کفر وفسق کی آغوش میں چلے جائیں۔ العیاذ باللہ!

ٹی وی کی پالیسی کے بارے میں ماہنامہ البلاغ شمارہ اگست ۱۹۹۴ء میں
''اہم تحقیق بابت پروگرام و پالیسی پاکستان ٹی وی'' کے عنوان سے ایک فکر
انگیز مکتوب شائع ہوا تھا، اس میں پاکستان ٹی وی کی یوم تاسیس سے چند ماہ
پیشتر ہونے والی ایک خصوصی نشست جو ٹی وی کے اغراض و مقاصد پر روشنی
ڈالنے کے لئے بلائی گئی تھی، جس میں ان مخصوص فنکاروں، لکھنے والوں اور
متوقع پروڈیوسر صاحبان کو مدعو کیا گیا تھا جن سے خصوصی کام لینا تھا، اس
نشست میں جناب محترم شمیم احمد صاحب بھی موجود تھے جو آج کل شعبہ اردو،
جامعہ کراچی کے پروفیسر ہیں، جنہوں نے بعد میں اس نشست کی روئیداد ایک
مقامی اخبار میں شائع کی تھی۔ اس نشست میں کراچی ٹی وی کے جنرل منیجر
اوّل جناب ذوالفقار علی بخاری نے پاکستان ٹی وی کے دو بنیادی مقصد بیان
کئے تھے، اس کا اقتباس ذیل میں آرہا ہے، اس کو بغور پڑھیں، خاص طور پر
خط کشیدہ عبارات بار بار پڑھیں اور اندازہ کریں کہ اس میں دین و شریعت
کے متعلق اور قرآن وسنت کے صریح احکام اور علماء کرام کے خلاف کتنی گندی
زبان استعمال کی گئی ہے، مذہب کو فرسودہ اور مردہ تصورات جیسے الفاظ سے یاد
کیا گیا ہے جو ایک گالی سے کم نہیں، اور قربانی جیسی اہم سنت ابراہیمی اور
حرمت شراب پر کس بے باکی سے کیچڑ اچھالا گیا ہے، اور ایسا کر کے نئی نسل کو
دین سے نکال کر بے دین بنانے کو ٹی وی کا سب سے اہم اور بنیادی مقصد بتایا
ہے اور آج ان کا یہ مقصد ٹی وی کے ذریعہ نہایت کامیابی سے حاصل ہوتا نظر
آرہا ہے۔ کیا اب بھی ہم ٹی وی دیکھنا نہ چھوڑیں گے اور خود کو اور اپنی اولاد و

نسل کو ٹی وی کے ذریعے بے دین اور بے حیائی کی مادر پدر آزاد دلدل میں ڈالنا گوارا کریں گے؟ خدارا اس اقتباس کو پڑھیں اور چشم بصیرت سے کام لیں، اپنے اور اپنے گھر والوں کے دین و ایمان کو مردہ کرنے اور بالآخر ختم کرنے والے خفیہ اور سلو پائیزن سے بچائیں اور اپنی قبر و آخرت کی خیر منائیں۔

ٹی وی کا اوّل مقصد تو اس زمانہ کے جنرل ایوب صاحب کی حکومت کے کارناموں کی گھر گھر تشہیر کرنا تھا اور دوئم بقول ان کے کہ:

آپ کا دوسرا اور سب سے اہم مقصد یہ ہوگا کہ پہلے متوسط طبقہ کو فرسودہ مذہبی تصورات سے آزاد کرائیں اور اس مقصد کو اس خوبی سے سرانجام دیں کہ لوگوں کو شعوری طور پر اس کا پتہ نہ چلے کہ آپ جدید نسلوں کو مذہبی اثرات سے پاک کرنے کی کوئی مہم چلا رہے ہیں، اگر آپ نے یہ کام کرلیا تو یاد رکھئے کہ ہم ہمیشہ کے لئے مذہبی جنونیوں اور ملّاؤں سے اپنی معاشرت اور سیاست کو پاک کردیں گے۔

بنیادی مقاصد بتانے کے بعد بخاری صاحب نے شرکاء محفل کو علیحدہ علیحدہ ہدایات دیتے ہوئے عرض کیا کہ:

ہیں آپ میں سے ہر لکھنے والے کو اپنے
پروگرام کے معاوضے کے علاوہ دوسو روپیہ ماہوار الگ
سے دوں گا جو عربی پڑھے گا، ہم یہ چاہتے ہیں کہ ٹی
وی اور ریڈیو سے ایسے افراد بحیثیت عالم دین اور جدید
مفکر کی حیثیت میں پیش کرسکیں جو عربی جانتے ہوں
تاکہ تمام ملاّؤں کے اثرات دور کرسکیں جو مذہب کے
ٹھیکیدار بنے ہوئے ہیں اور جنہیں ہم طوعاً وکرہاً پیش
کرنے پر مجبور ہیں۔ آپ کو مذہب کی خرافات سے
معاشرہ کو نجات دلانے کا کام کرنا ہے اور اسی لئے ہم
اس ادارے کے ذریعے بالکل جدید ذہنوں کو آگے لانا
چاہتے ہیں۔ نئے میڈیم کے ساتھ نئے ذہنوں کو نہ
صرف فرسودہ اور مردہ تصورات سے نجات دلانے کے
لئے استعمال کیا جائے گا بلکہ ان کو پوری قوم کے
محسوسات اور طرز فکر کو بدلنا ہوگا، مثلاً ہم ہر سال بقرعید
پر لاکھوں جانور سنت ابراہیمی کے نام پر ضائع کر دیتے
ہیں، ایک تو یہ نہایت درجہ بے رحمی اور شقاوت کی بات
ہے، دوسرے جو غلاظت اور گندگی پورے ملک میں

تین دن تک طاری رہتی ہے وہ قومی معیشت کی بربادی سے بھی زیادہ افسوسناک ہے۔ آپ لوگ اس قسم کے تہواروں کے بارے میں یہ احساس نہیں ہونے دیں گے کہ ٹی وی ان کے خلاف ہے، لیکن نئے ذہنوں میں اس کے خراب اثرات کو اس طرح جاگزیں کر دیں گے کہ کم از کم وہ خود بڑے ہو کر اس سے محفوظ رہیں۔

اسی طرح شراب کا مسئلہ ہے، غضب خدا کا ان ملاؤں نے اسے بھی حرام کر رکھا ہے، مذہب میں شراب کی خرابیوں کا ذکر ان لوگوں کے لئے کیا گیا ہے جو ہوش و حواس کھو بیٹھتے ہیں، نالیوں میں گر جاتے ہیں، مگر بتایئے شراب میرے لئے کیسے حرام ہوسکتی ہے جو اس کے بغیر تخلیقی کام انجام نہیں دے سکتا، وہ تو ایک توانائی پیدا کرتی ہے۔ آپ کو اس قسم کے ڈھکوسلوں کو بھی ختم کرنا ہے، شراب کے لئے گنجائش نکالنا اسی طرح ممکن ہوگا کہ آپ مثبت کرداروں کے ساتھ اس کو شامل کر کے ایسے افراد کی خوبیوں کو اجاگر کیجئے اور انہیں انسانی خوبیوں سے زیادہ مزین دکھایئے۔

اس کے بعد بخاری صاحب ان افراد کی طرف متوجہ ہوئے جن کو پروڈیوسر ہونا تھا اور فرمایا کہ:

آپ اس مقصد کو اس طرح پورا کر سکتے ہیں کہ منافقت اور تضاد کردار کے لئے منفی ڈرامہ کرداروں کے لئے داڑھی لگایئے، مضحکہ خیز کرداروں اور افراد کو مشرقی لباس پہنایئے۔ یہ یاد رکھئے کہ آپ کو اپنے تمام کرداروں اور اناؤنسروں کو وہ لباس پہنانا ہے جو ہمارے ترقی یافتہ معاشرے میں سو سال بعد رائج ہونا چاہئے اور جو اب ایک فیصد اوپر کے طبقہ میں رائج ہے۔

گوکہ یہ ہدایات بخاری صاحب کے لبوں سے جاری ہوئی تھیں مگر حقیقت میں یہ اس بنیادی پالیسی کا حصّہ تھیں جس کو مغرب زدہ لادینی نوکر شاہی اور صاحب اقتدار طبقہ نے تشکیل دیا تھا اور جس کے حصول کے لئے کروڑوں ڈالر قرض لے کر ٹی وی میڈیا کو وطن عزیز میں لایا گیا، یہی وجہ ہے کہ گزشتہ پچیس سال سے اس پالیسی پر عمل پیرا ہوتے ہوئے ہماری نوجوان نسل کو اسلامی اقدار و مشرقی تصورات سے بیگانہ اور مغربی تہذیب کا دلدادہ بنایا جا رہا ہے اور جو تھوڑی بہت رکاوٹیں آپ بزرگان دین نے اس پالیسی کی تکمیل میں حائل کی تھیں، ہماری مغرب زدہ نوکر شاہی نے پرائیویٹ چینلز (CNN, STN,

PTN)وغیرہ کی نشریات کی اجازت دے کر ان رکاوٹوں کو عبور کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ انٹرنیشنل کمیونیکیشن یونین کے معاہدہ کا سہارا لے کر مصنوعی سیارہ (سیٹلائیٹ) کے ذریعہ کئی مغربی ٹی وی چینلز کی نشریات کو پاکستان کے کونے کونے میں پھیلا دیا ہے، اس طرح ڈش انٹینا اور کیبل کے ذریعہ مغربی غلاظت بغیر کسی روک ٹوک کے دیکھی جاسکتی ہے، اور اب ایک منظم سازش کے تحت ڈش انٹینا اور کیبل نیٹ ورک کو دھیرے دھیرے سستا اور عام کیا جارہا ہے، یہاں ہم آپ کی توجہ ایک ایسے مغربی ٹی وی چینل کی طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں جو چوبیس گھنٹے جنسی ہیجان سے بھرپور نیم عریاں مغربی ناچ گانے نشر کرتا رہتا ہے۔

حضرات گرامی! یہاں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ ایک کھلی حقیقت ہے اور آپ ہمارے معاشرہ میں ہونے والی اس خطرناک سازش کا بخوبی علم رکھتے ہیں۔ اس روئیداد کو دہرانے کا مقصد آپ کے سامنے اس امر کی وضاحت کرنی تھی کہ ہماری لادینی، مغرب زدہ نوکر شاہی اور پالیسی ساز حکام بالا کے اداروں نے ہماری نئی نسل کو طاغوتی مغربی تہذیب کا غلام رکھنے کے لئے کیسے کیسے مکروفریب کے جال بچھا دیئے ہیں اور یہ سب کچھ عالمی کفر کے اشاروں اور ان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کیا جارہا ہے تاکہ اس تہذیب کے خلاف معاشرہ میں باقی ماندہ قوت مدافعت کو بھی ختم کردیا جائے۔

خدارا کچھ کیجئے! ہمیں اور ہماری نسل کو ان شیطانوں اور ان کی سازشوں سے بچایئے! اگر آپ حضرات نے پوری قوت اور حکمت کے ساتھ

اس کو نہ روکا تو اس خطہ ارض میں بزرگان دین کی اسلامی کوششیں عالمی کفر کے آگے دب کر رہ جائیں گی۔ اس سلسلہ میں ہمیں آپ کی انفرادی کاوشوں، احساسات و جذبات کا ادراک ہے، جمعہ کے خطبات و دیگر دینی اجتماعات کے دوران آپ کی تقاریر و قراردادوں میں اکثر و بیشتر یہی موضوع زیر بحث ہوتا ہے جس کا ذکر کبھی کبھار اخبارات کے اندرونی صفحات میں چند سطروں میں آجاتا ہے، مگر افسوس کہ یہ کافی نہیں۔ اس شب و روز شیطانی و طاغوتی سازشوں کا منہ توڑ جواب دینے کے لئے ایک منظم و مسلسل جدوجہد درکار ہے، جو چند دنوں و ہفتوں کے لئے نہ ہو بلکہ مکمل کامیابی کے حصول تک جاری و ساری رہے اور یہ اہم دینی فریضہ آپ جیسے متقی اور صالح بزرگان دین کی سربراہی و نگرانی میں ہی انجام دیا جاسکتا ہے۔

یہاں اس امر کی نشاندہی ضروری ہوگی کہ اس جدوجہد میں آپ تمام مکاتب فکر اور مسالک (دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث و اہل تشیع) کے علماء کرام شانہ بشانہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر ''نہی عن المنکر'' کے فریضہ کو انجام دیں، کیونکہ یہ کسی خاص گروہ کے لئے نہیں بلکہ پوری امت مسلمہ کے خلاف سازش ہے، جیسا کہ تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی دعوت حق اصلاح کے لئے اٹھتی ہے تو اس کی ناکامیابی کی بنیادی وجہ اتحاد کا فقدان ہی ہوتا ہے، اس لئے آپ تمام مکاتب فکر کے علماء کرام کا متحد ہونا ازحد ضروری ہوگا۔ خدارا! آپ علی الاعلان ثابت کردیں کہ آپ ہرگز ہرگز اس سرزمین پر ان کی سازشوں کو کامیاب نہیں ہونے دیں گے، انشاء اللہ العزیز نصرت الٰہی آپ

کے قدم چومے گی۔

آخر میں ایک بار پھر ہم آپ بزرگان دین سے مؤدبانہ استدعا کرتے ہیں کہ جلد سے جلد اس جدوجہد کا مربوط و منظم انداز سے آغاز کریں اور قوم کو ان شیطانوں اور ان کی تہذیب سے نجات دلائیں۔بہت سی امیدیں وابستہ کر کے ہم آپ کے در پر حاضر ہوئے ہیں، کیونکہ امّت مسلمہ آپ کو ہی علوم نبوت کا وارث اور منصب قیادت وسیادت کا حامل سمجھتی ہے، آپ کے پاس کیا کچھ نہیں، اللہ کی ذات پر اعتقاد واعتماد، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روحانی نسبت، خالق ارض وسما کا دیا ہوا منشور قرآنی، عامۃ المسلمین کی بے پایاں عقیدت ومحبّت، مدارس ومساجد جیسے مراکز وروحانی وعلمی متوسلین وطلبہ کی بے پناہ قوت اور آپ کی اہلیت ودیانت، استقامت، بصیرت یہ سب ہتھیار آپ کے پاس ہیں، ان ہتھیاروں سے لیس ہوکر آپ اپنی ملّت کو عالمی کفر اور ان کے اس لادینی مغرب پرست گماشتوں کی غلامی سے آزاد کرائیں جنھوں نے پورے وجود ملّی کو داغ دار بنا رکھا ہے۔

ہم نے اپنا یہ مقدمہ اس معروضے کی شکل میں آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارا معاون ومددگار ہو۔ آمین۔

والسلام

ڈاکٹر وسیم اختر پی ایچ ڈی (کینیڈا) کیمیکل انجینئرنگ

ایسوشیئیٹ پروفیسر، این ای ڈی، انجینئرنگ یونیورسٹی کراچی

بیگم وسیم اختر ایم اے (ہسٹری) ایم اے (سیاسیات) بی ایڈ.

بیگم ڈاکٹر محمد انیس صدیقی ایم اے (انگلش) ایم ایڈ. ٹی ای ایف ایل (امریکہ)، (ریٹائرڈ) ایسوشیئیٹ پروفیسر، فیکلٹی آف ایجوکیشن (جامعہ سندھ)

﴿بشکریہ البلاغ﴾

بررسولوں بلاغ باشد و بس

یعنی

پیغمبروں کے ذمہ خدائی احکام پہنچا دینا ہے،

عمل کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔

مروجہ قرآن خوانی

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی بیانات : جلد نمبر اوّل

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مروّجہ قرآن خوانی کی شرعی حیثیت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ وَأَشْهَدُاَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُاَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كثيراً ۔

أَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط مَآاٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔

حضور ﷺ قرآن کریم کا عملی نمونہ ہیں

میرے قابل احترام بزرگو! قرآن کریم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہماری ہدایت کے لئے نازل ہوا اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کے عملی نمونہ تھے، جو کچھ آپ ﷺ نے کر کے دکھایا، وہ سب قرآن کریم کی عملی شکل ہے، تاکہ آپ ﷺ کے عمل کو دیکھ کر اس پر عمل کریں، اس وقت ہمارا یہ عمل اصل میں قرآن کریم ہی پر عمل ہوگا، کیونکہ جو کچھ احادیث طیبہ میں ہے، وہ سب قرآن کریم کی تفسیر وتشریح ہے، اسی اصول کی روشنی میں ہمیں اپنے حالات کا جائزہ لینا چاہئے اور جو عمل ہمیں ایسا نظر آئے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل میں نہیں ہے، اس کی ہمیں اصلاح کرلینی چاہئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے یہاں وہی عمل مقبول ہوگا جو سنت کے مطابق ہوگا اور شریعت کے مطابق ہوگا، اور جو عمل سنت سے ہٹ کر ہوگا، وہ عمل چاہے کتنا ہی مفید سے مفید تر ہو، لیکن وہ مقبول نہیں ہوگا، اس لئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں عمل کی مقبولیت کے لئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ضروری ہے اور آپ ﷺ کے نقش قدم کے مطابق ہونا ضروری ہے۔

اجتماعی قرآن خوانی کا رواج

اس سلسلے میں اس وقت میں ایک ایسی بات کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں جس کا آج ہمارے معاشرے میں بہت زیادہ رواج ہوگیا ہے لیکن سنت میں اس کی کوئی شکل صورت نظر نہیں آتی، وہ یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں جب کسی شخص کا انتقال ہو جاتا ہے تو قبرستان ہی میں دفن کے بعد اس کے لئے قرآن خوانی کا اعلان ہوتا ہے بلکہ بعض اوقات اخبارات میں بھی یہ اطلاع کی جاتی ہے کہ فلاں شخص کی قرآن خوانی فلاں جگہ پر فلاں تاریخ کو فلاں وقت ہوگی، اور پھر لوگ دور دراز سے سفر کر کے اس اجتماعی قرآن خوانی میں شرکت کا بطور خاص اہتمام کرتے ہیں، بلکہ بعض جگہ تو اس کا رواج اتنا زیادہ ہوگیا ہے کہ ہر محلّے میں مکان درمکان نمبر وار یہ سلسلہ اس طرح چلتا رہتا ہے کہ اس جمعہ کو فلاں مکان میں اجتماعی قرآن خوانی ہوگی، دوسرے جمعہ کو فلاں مکان میں ہوگی اور تیسرے جمعہ کو تیسرے مکان میں ہوگی، یوں ایک مسلسل سلسلہ چل رہا ہے جو ختم ہونے کو نہیں آتا۔

قرآن خوانی کا چلّہ اور دعوت

جب کسی محلّے میں ایک شخص کا انتقال ہوگیا تو اب چالیس دن تک پورے محلّے میں مکان درمکان قرآن خوانی کا سلسلہ چلتا رہے گا۔ اس دوران اگر دوسرے شخص کا انتقال ہو جائے تو دوسرا چلّہ شروع ہو جائے گا۔ چالیسویں دن جا کر اس کا اختتام ہوتا ہے اور چالیسویں دن خاص طور پر محلّے والوں کر

بلانے اور خصوصی اجتماع اور کھانے پینے کا اہتمام ہوتا ہے جس میں تمام محلے والے ضرور جمع ہوتے ہیں اور اس طرح چالیسویں دن قرآن خوانی اور ایک شاندار دعوت پر اس کے انتقال کی خوشی اختتام پزیر ہوتی ہے۔

سنّت واضح ہوتی ہے

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس اجتماعی مروجہ قرآن خوانی کی کیا حقیقت ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ سے اس عمل کا کوئی ثبوت ملتا ہے یا نہیں؟ یاد رکھئے! جو چیز سنّت ہوتی ہے وہ بالکل واضح اور بے غبار ہوتی ہے، اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانے میں اسے اختیار فرمایا اور آپ کے جانثار صحابہ کرامؓ اس پر عمل کرتے رہے، حضرات خلفاء راشدین اس کا اہتمام کرتے رہے، ان کے بعد نسلاً بعد نسل تابعین تبع تابعین اور بزرگان دین برابر اس پر عمل کرتے رہے، تقریباً ساری سنتیں اسی طرح واسطہ در واسطہ ہم تک پہنچی ہیں جن کے پہنچنے میں کوئی غبار، کوئی پوشیدگی اور کوئی خفا نہیں ہے۔

رواجی قرآن خوانی ثابت نہیں

جب ہم اس اجتماعی اور رواجی قرآن خوانی پر غور کر کے اور اس کے اندر جو چیزیں پائی جاتی ہیں، ان کا تصور کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور صحابہ کرامؓ کی زندگیوں میں اور ان کی تعلیمات میں تلاش کرتے ہیں تو اس رائج الوقت صورت حال کے ساتھ اس کا کہیں سراغ نظر نہیں آتا، اگر

واقعی یہ کوئی پسندیدہ اور مسنون عمل ہوتا تو ظاہر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خود اس کا اہتمام فرماتے، حالانکہ آپ کے سامنے آپ کے بہت سے پیارے پیارے صحابہ کرامؓ کا انتقال ہوا، آپ کی بعض ازواج مطہرات کا انتقال ہوا، آپ کی اکثر بیٹیوں کا انتقال ہوا، آپ کے صاحبزادوں کا انتقال ہوا اور آپ کے قریب ترین عزیزوں کا انتقال ہوا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ لیکن ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا جس میں آپ نے صحابہ کرامؓ کو باقاعدہ اعلان کر کے کہیں جمع ہونے کے لئے کہا ہو کہ میرے فلاں عزیز کا انتقال ہوگیا ہے، آپ سب لوگ مسجد نبوی ﷺ میں جمع ہو جائیں اور وہاں ہم سب اکٹھے ہو کر قرآن شریف ختم کریں گے اور ان کے لئے ایصال ثواب کریں گے، ایسا کوئی عمل نہیں ملتا، اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ایسا عمل نہیں ملتا تو بعد کے زمانے میں بھی ملنا مشکل ہے، اسی لئے حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور حضرات تابعین رحمہم اللہ کے زمانے میں بھی ایسا کوئی عمل نہیں ملتا جس کو ہم سند کے طور پر پیش کرسکیں کہ ہمارا یہ عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی روشنی میں ہے، یا چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا تھا، لہٰذا ہم بھی ایسا کر رہے ہیں، مگر ایسا کہیں نہیں ملتا، اسی طرح خلفاء راشدینؓ اور تابعین تبع تابعینؒ کے زمانے میں بھی ایسا کوئی عمل نہیں ملتا، اور جب نہیں ملتا تو خود بخود یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ طریقہ بعد کے لوگوں نے بنایا ہے اور جو طریقہ بعد کے لوگ از خود بنائیں جس کی سند اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ ملتی ہو تو اس میں یہ بات

نمایاں طور پر نظر آتی ہے کہ چونکہ سنّت کا رنگ اس کے اندر نہیں ہے، اس لئے اس کے اندر بہت سے کام ایسے نظر آئیں گے جو شریعت کی واضح ہدایات کے خلاف ہوں گے، چنانچہ جب ہم اس مروجہ قرآن خوانی میں غور کرتے ہیں تو اس میں بہت سی ایسی باتیں نظر آتی ہیں جو شریعت کے خلاف ہیں۔

مروجہ قرآن خوانی کی خرابیاں

مثلاً پہلی بات تو یہ ہے کہ اس طرح جمع ہو کر قرآن شریف پڑھنا زیادہ سے زیادہ ایک نفل کام ہے، نہ فرض ہے، نہ واجب ہے اور نہ سنّت ہے، اور نفل کام کے لئے لوگوں کو زبردستی اکٹھا کرنا، جمع کرنا، بلانا، اور جمع نہ ہونے پر اعتراض ہونا اور دل میں کدورت پیدا ہونا کہ صاحب! ہم نے آپ کو بلایا تھا مگر آپ نے شرکت نہیں کی، یہ عمل شریعت کے اندر ناپسندیدہ ہے۔ شریعت کی اصطلاح میں اس کو "تداعی" کہا جاتا ہے، یعنی ایک وہ عمل جو شرعاً نہ فرض ہے اور نہ واجب ہے، لیکن ہم اس کے لئے لوگوں کے جمع ہونے کو اتنی اہمیت دیں کہ اگر وہ شرکت نہ کریں تو اس کی وجہ سے ان کی طرف سے دل میں کدورت پیدا ہو، اور اس پر اعتراض پیدا ہو اور ان کو اس پر طعنہ دیا جائے کہ آپ نے شرکت کیوں نہیں کی؟ اور اگر اس کو کوئی عذر ہو تو وہ عذر بھی ہمارے نزدیک قابلِ قبول نہ ہو، لہٰذا یہ عمل شریعت میں ناپسندیدہ ہے، ناپسندیدہ اس لئے ہے کہ جب شریعت نے اس کو فرض و واجب اور ضروری قرار نہیں دیا تو تم نے اس کو فرض و واجب کا درجہ کیوں دے دیا؟

دکھاوا اور نمائش

دوسری قباحت اس کے اندر یہ ہے کہ اس قرآن خوانی میں عموماً شرکت بطور دکھاوے کے ہوتی ہے، خالصۃً اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں ہوتی، لیکن اگر جمع ہونے کی پابندی نہ ہوتی بلکہ یہ اعلان ہو جاتا کہ ہر شخص مرنے والے کے لئے جہاں اور جب اور جتنی توفیق ہو وہ قرآن کریم پڑھ کر ایصال ثواب کر دے، آپ حضرات کا مرحوم پر احسان ہوگا، تو اس صورت میں جو شخص جتنا ایصال ثواب کرے گا، وہ اللہ کی رضا کے لئے کرے گا، اب اگر تھوڑا عمل بھی کرے گا اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرے گا تو وہ بہتر ہوگا بنسبت اس کے کہ صرف قرآن خوانی میں دکھاوے کے لئے اور حاضری میں نام لکھوانے کے لئے شرکت کرے، کیونکہ اس طرح اس کے شرکت کرنے میں اور قرآن پڑھنے میں وہ خلوص نہیں رہتا۔

صحیح قرآن خوانی کی تین شرطیں

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ یاد آ گیا، یہ واقعہ آپ کے ایک شاگرد نے سنایا کہ حضرت تھانویؒ جب کانپور میں مدرس تھے تو ایک روز ہم لوگ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں سبق پڑھنے کے لئے حاضر ہوئے تو دیکھا کہ حضرت والا بہت مغموم بیٹھے ہیں، طبیعت پر غم کے آثار ہیں اور افسردگی ہے، ہم نے پوچھا کہ حضرت کیا بات ہے؟ آپ اس قدر غمگین کیوں ہیں؟ حضرت والا نے جواب میں فرمایا کہ گھر سے خط آیا ہے کہ میری

بڑی ہمشیرہ کا انتقال ہوگیا ہے، اس وجہ سے طبیعت غمگین ہے۔ شاگردوں نے حضرت والا سے عرض کیا کہ آج ہم سبق نہیں پڑھیں گے۔ حضرت نے فرمایا کہ میں سبق پڑھانے کے لئے آیا ہوں۔ آپ اندازہ لگائیں کہ بڑی بہن کا انتقال ہوگیا لیکن اظہارِ غم کے لئے یہ نہیں کیا کہ محفل جما کر بیٹھ گئے، بلکہ غم بھی ہو رہا ہے اور ساتھ ساتھ کام کرنے کے لئے تشریف بھی لے آئے۔ جب شاگردوں نے سبق نہ پڑھنے پر زیادہ اصرار کیا تو آپ نے بھی ان کو سبق پڑھنے پر مجبور نہیں فرمایا، اس کے بعد ان طلبہ نے عرض کیا کہ آج ہم اس گھنٹے میں کچھ قرآن کریم کی تلاوت کر کے مرحومہ کو ایصالِ ثواب کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت والا نے فرمایا کہ میں چند شرطوں کے ساتھ اس کی اجازت دیتا ہوں، اگر تم ان شرائط کی پابندی کرسکو تو ٹھیک ہے ورنہ رہنے دو۔

پہلی شرط یہ ہے کہ تم سب اکھٹے ہو کر قرآن شریف مت پڑھنا بلکہ ہر شخص انفرادی طور پر قرآن کریم کی تلاوت کرے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ جو شخص جتنا آسانی کے ساتھ پڑھ سکے وہ اتنا پڑھ کر ایصالِ ثواب کر دے، اگر ایک پارہ پڑھنا ممکن ہو تو ایک پارہ پڑھ لے، آدھا پارہ پڑھ سکتا ہو تو آدھا پارہ پڑھ لے، ایک پاؤ پڑھ سکتا ہو تو ایک پاؤ پڑھ لے، ورنہ کم از کم تین مرتبہ سورۃ اخلاص ہی پڑھ لے، قرآن کریم ختم کرنا کوئی ضروری نہیں۔

تیسری شرط یہ ہے کہ جب تم پڑھ کر ایصالِ ثواب کرلو تو کوئی طالب علم مجھے آکر یہ نہ بتائے کہ حضرت! میں نے آپ کی ہمشیرہ کے لئے اتنا قرآن

شریف پڑھا ہے، مجھے بتانے کی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ اگر تم مجھے بتانے کی نیت سے پڑھو گے تو اس میں خلوص کہاں رہے گا، بلکہ اس صورت میں تم اپنے آپ پر جبر کرکے زیادہ پارے پڑھو گے، اس لئے کہ دل میں یہ خیال آئے گا کہ اگر ہم نے ایک پارہ پڑھ کر حضرت والا کو بتایا کہ ایک پارہ پڑھا ہے، تو حضرت کہیں گے کہ بس ایک ہی پارہ پڑھا ہے؟ بس ہم سے اتنی ہی محبت تھی؟ اس لئے ہر طالب علم جبر کرکے زیادہ سے زیادہ پڑھنے کی کوشش کرے گا جس کی وجہ سے اس میں خلوص باقی نہیں رہے گا، اور جب خلوص نہیں ہوگا تو پڑھنے کا ثواب کیا ملے گا۔ لیکن جب یہ پابندی لگادی کہ مجھے کوئی آکر نہ بتائے تو اب جو طالب علم جتنا بھی قرآن شریف پڑھے گا، وہ خلوص سے پڑھے گا اور خلوص کے ساتھ تین مرتبہ سورۃ اخلاص پڑھنا دکھاوے کے بغیر خلوص کے لئے پورا قرآن شریف پڑھنے سے یقیناً بہتر ہے۔

لہٰذا اگر ہم بھی یہ تین شرطیں اپنالیں تو ہماری یہ قرآن خوانی بھی درست ہوسکتی ہے، ہماری مروجہ قرآن خوانی میں یہ تینوں قباحتیں موجود ہیں جس کی وجہ سے اس کے اندر نہ سنّت کا نور ہے اور نہ خلوص کی روح ہے، بعض مرتبہ ثواب کے بجائے الٹا گناہ کا اندیشہ ہوجاتا ہے، لہٰذا ہمیں بھی یہ شرطیں یاد رکھنی چاہئیں اور آئندہ ان پر عمل کرنا چاہئے، نہ پورا قرآن شریف ختم کرنے کو اپنے اوپر لازم کریں اور نہ جمع ہونے کی پابندی کریں، بلکہ ہر آدمی اپنے طور پر اپنی جگہ جتنا ہوسکے، قرآن شریف پڑھ کر ایصال ثواب کردیا کرے۔

انفرادی ایصال ثواب بہت آسان ہے

یہ انفرادی طور پر ایصال ثواب تو اتنا آسان ہے کہ روزانہ بھی ہوسکتا ہے اور زندگی بھر بھی ہوسکتا ہے، اس لئے کہ ساری پریشانی جمع ہونے کی ہے، دور دراز کے فاصلے ہیں، ہر آدمی مصروف ہے اور سب کا ایک جگہ جمع ہونا بہت مشکل ہے، اور انفرادی عمل میں سہولت ہی سہولت ہے اور عین شریعت کے مطابق بھی ہے اور پورا قرآن شریف ختم کرنے کی پابندی کوئی آسان بھی نہیں ہے، اس لئے کہ کبھی آدمی کے پاس وقت ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا، کسی کو فرصت ہے اور کسی کو نہیں، کسی کو عجلت ہے اور کسی کو بیماری ہے، لہٰذا اب سارے لوگ اس پابندی کی وجہ سے بندھے بیٹھے ہیں اور کسی نہ کسی طرح یہ تیس پارے گلے سے اتارنے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ جلدی جلدی قرآن شریف پڑھنے میں حروف کی ادائیگی صحیح نہیں ہوتی ہے، کٹ کٹ کر حروف ادا ہوتے ہیں، غنہ اخفاء اور اظہار کی ادائیگی بھی نہیں ہوتی اور الٹا سیدھا قرآن کریم پڑھنے کی وجہ سے پڑھنے والے لعنت کے مستحق ہوتے ہیں، کیونکہ بعض آثار میں ہے کہ بہت سے قرآن شریف پڑھنے والے ایسے ہوتے ہیں کہ قرآن شریف ان پر لعنت کرتا ہے، چنانچہ علماء کرام نے اس کی تشریح میں فرمایا ہے کہ اگر قرآن شریف کے حروف کی ادائیگی صحیح نہ ہوتو قرآن شریف اپنے پڑھنے والوں پر لعنت کرتا ہے اور جب قرآن شریف لعنت کر رہا ہے تو اس پر ثواب کیسے ملے گا؟ بلکہ پڑھنے والا اور گناہ گار ہو رہا ہے، کیونکہ قرآن شریف

ے الفاظ کو تجوید کے مطابق صحیح مخارج سے ادا کرنا واجب ہے اور واجب کی خلاف ورزی گناہ ہوتی ہے۔

پورا قرآن کریم ختم کرنے کی پابندی

لہٰذا تیس پارے ختم کرنے کی پابندی بہت تکلیف دہ ہے، اس کے لئے بعض اوقات لوگ کم جمع ہوتے ہیں، جو بیچارے آگئے وہ پھنس گئے، اب ان کے لئے وہ تیس پارے جو منبر پر رکھے ہوئے ہیں، وہ آفت جان بنے ہوئے ہیں، وہ ان کو دیکھ دیکھ کر گھبرا رہے ہیں کہ یہ تو دو گھنٹے میں بھی ختم نہیں ہوں گے۔ لہٰذا آپ خود فیصلہ کریں کہ وہ اس تکلیف دہ صورت میں کس انداز سے ان کو پڑھ کر ختم کریں گے۔

انگلی اور بسم اللہ کا ختم

قرآن خوانی میں اجتماع کی پابندی کی وجہ سے کچھ ایسے لوگ بھی اس میں شریک ہو جاتے ہیں جنہوں نے قرآن شریف نہ کبھی سیکھا اور نہ کبھی پڑھا۔ چنانچہ وہ لوگ بھی اس میں شریک ہو کر ایک سپارہ اٹھا لیتے ہیں، اور ہر سطر پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر پورا پارہ ختم کر دیتے ہیں، اس کو بسم اللہ کا ختم کہا جاتا ہے۔ اور کوئی اللہ کا بندہ ایسا بھی ہوتا ہے جس کو بسم اللہ بھی نہیں آتی یا بسم اللہ کا ختم نہیں جانتا تو وہ یہ کرتا ہے کہ زبان سے کچھ نہیں پڑھتا بلکہ ہر سطر پر انگلی پھیرتا چلا جاتا ہے، یہ انگلی کا ختم کہلاتا ہے۔ اب آپ بتائیے کہ قرآن کریم اور حدیث شریف میں بسم اللہ کے ختم کا کہیں ثبوت ہے؟ یہ ساری

مصیبت اجتماع کی پابندی کی وجہ سے آئی ہے، چونکہ قرآن خوانی کا اعلان ہو چکا ہے، اس لئے اس اعلان پر لبیک کہنا ضروری ہے، وہ اعلان اذان سے بھی بڑھ کر ہے، جتنے بے نمازی ہیں، وہ اذان سن کر مسجد میں نہیں آئیں گے لیکن قرآن خوانی کا اعلان سن کر سب سے پہلے پہنچے ہوئے ہوں گے۔

ختم سے پہلے نہ جا سکنا

اور پھر جب تک وہ قرآن شریف پورا ختم نہیں ہوگا، اس وقت تک کوئی شخص وہاں سے نہیں اٹھ سکتا، اب اندر سے طبیعت اکتا رہی ہے، ضروری کام پیش آ رہا ہے، کہیں جانے کا تقاضہ ہے، لیکن رسم و رواج کی وجہ سے ہم اس کے پابند ہیں کہ کسی طرح تیس پارے مکمل ہوں تو ہم یہاں سے چھوٹیں۔ اس لئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ مقدار کی کوئی پابندی نہ ہو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں تو خلوص دیکھا جاتا ہے، اگر خلوص کے ساتھ ایک آیت بھی پڑھی جائے گی تو وہ بغیر خلوص کے ایک پارے سے بہتر ہے۔

دوسری بات یہ تھی کہ سب اپنی اپنی جگہ پر قرآن کریم کی تلاوت کریں، جس کو جتنی فرصت ہو، اس کے مطابق قرآن شریف محض اللہ کے لئے پڑھ کر ایصال ثواب کر دے، نہ مرنے والے کے پسماندگان کو بتانے کی ضرورت ہے اور نہ وہ خود لوگوں سے پوچھیں کہ آپ نے ہمارے مرحوم کو کتنے پارے پڑھ کر بخشے؟ اس لئے کہ یہ ایصال ثواب تو ہمارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ایک

معاملہ ہے اب ہم نے اپنی طرف سے درمیان میں مرحوم کے پسماندگان کو اس طرح داخل کرلیا ہے کہ ان کے اعلان پر ہم ایصال ثواب کریں، پھر ان کو بتائیں کہ ہم نے اتنے پارے پڑھ لئے ہیں اور پھر ان سے اجازت لے کر رخصت ہوں۔ یہ ساری پابندیاں ہم نے اپنی طرف سے بڑھالی ہیں جس کی وجہ سے ہم خود مصیبت میں گرفتار ہیں، شریعت نے اس میں کوئی پابندی نہیں لگائی تھی بلکہ اس کو بہت آسان کر دیا تھا، مگر ہم نے اس کو مشکل بنا دیا ہے۔

سجدہ تلاوت نہ کرنا

اور پھر اس اکٹھے اور جمع ہونے میں ایک قباحت اور بھی ہے، وہ یہ کہ چونکہ ہم قرآن شریف پڑھتے پڑھاتے نہیں ہیں، اس لئے اس کے ضروری احکام سے بھی بے خبر ہیں، چنانچہ ایک ضروری حکم یہ ہے کہ قرآن شریف میں چودہ سجدے واجب ہیں، کوئی شخص جب ان آیات سجدہ کو پڑھے یا سنے تو پڑھنے والے پر اور سننے والے پر سجدہ تلاوت واجب ہو جاتا ہے۔ لیکن اس اجتماعی قرآن خوانی میں قرآن شریف تو سب پڑھ لیتے ہیں، مگر سجدہ تلاوت کرنے والے نظر نہیں آتے، اس لئے کہ اکثر لوگوں کو اس کے بارے میں یہ حکم معلوم ہی نہیں ہے اور جب معلوم نہیں ہے، تو سجدہ کیوں کریں گے، اس طرح وہ سجدہ تلاوت پڑھنے والوں کے ذمہ واجب رہ جاتے ہیں۔ اب آپ دیکھیں کہ قرآن شریف پڑھنے کا جو عمل نفل تھا وہ تو ادا کرلیا، لیکن واجب اپنے گردن پر رہ گیا اور پھر ساری عمر ان سجدوں کو ادا کرنے کی توفیق نہیں ہوتی اور

وہ یوں ہی دنیا سے رخصت ہو جائیں گے اور وہ واجب اپنے ذمہ لے جائیں گے، پھر اللہ کے یہاں اس پر پکڑ ہوگی۔

دوسروں کی طرف سے سجدۂ تلاوت کرنا

بعض جگہ یہ سننے میں آیا ہے کہ جو شخص قرآن خوانی کا انتظام کرتا ہے، وہ خود سب کی طرف سے چودہ سجدے ادا کرلیتا ہے، یہ تو ایسا ہو گیا جیسے کسی نے دوسرے کی طرف سے فرض نماز پڑھ لی۔ مثلاً ایک شخص دوسرے سے کہے کہ بھائی! میں نے تمہاری طرف سے فجر کی نماز پڑھ لی ہے، کیونکہ فجر میں تم سے اٹھا نہیں جاتا ہے اور تم سوتے رہتے ہو۔ تو جس طرح دوسرے کی طرف سے نماز نہیں پڑھی جاسکتی، اسی طرح دوسرے کی طرف سے سجدہ تلاوت بھی نہیں کیا جاسکتا۔

ایک جھوٹے پیر کا قصہ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مواعظ میں ایک جھوٹے پیر کا قصہ بیان فرمایا ہے اور پہلے زمانے میں جھوٹے پیر بہت ہوا کرتے تھے جنہوں نے غلط کام کر کے شریعت کو بدنام کیا اور ان کی وجہ سے لوگ بھی دین سے بیزار ہوگئے۔ اسی قسم کے ایک جھوٹے پیر صاحب ایک گاؤں میں اپنے مریدوں کے یہاں پہنچے، گاؤں والوں نے دیکھا کہ پیر صاحب بہت کمزور اور دبلے ہو رہے ہیں، انہوں نے پوچھا کہ حضرت! کیا بات ہے آپ اتنے کمزور کیوں ہو رہے ہیں؟ پیر صاحب نے ایک آہ کھینچ کر جواب دیا کہ میں کمزور

کیوں نہ ہوں؟ میں تمہاری طرف سے نمازیں پڑھتا ہوں، تمہاری طرف سے روزے رکھتا ہوں، اور خیر یہ تو میرے لئے آسان ہیں لیکن ان سے بڑھ کر یہ غم ہے کہ قیامت کے روز تم سب کی طرف سے پل صراط پر چلوں گا جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے، چونکہ تم سب مجھ سے بیعت ہوگئے ہو، اس لئے تم سب کو جنت میں پہنچانے کی ذمہ داری بھی میری ہے، اس لئے اس غم میں دبلا اور کمزور ہوگیا ہوں، بس اس کی فکر مجھے ہر وقت لاحق رہتی ہے۔ جب گاؤں والوں نے پیر کی یہ دردمندی دیکھی تو ایک زمیندار کو بڑا رحم آیا کہ پیر صاحب تو ہماری طرف سے بڑی محنت اٹھا رہے ہیں، اس زمیندار نے حضرت سے عرض کیا کہ میں نے اپنا چاول کا کھیت آپ کی نذر کیا۔ پیر صاحب ہوشیار آدمی تھے، انہوں نے فوراً کہا کہ زبانی ہبہ کافی نہیں ہوتا، قبضہ بھی ضروری ہوتا ہے۔ لہٰذا پیر صاحب نے پوچھا کہ وہ زمین کدھر ہے؟ کس نمبر کا پلاٹ ہے؟ کس طرف واقع ہے؟ مقصد اس کا یہ تھا کہ اس پر عملی طور پر قبضہ بھی کرلوں تاکہ ہبہ تمام ہو جائے اور یقینی طور پر میرے قبضے میں آجائے اور میں مالک بن جاؤں، اس زمیندار کا کیا اعتبار ہے، ہوسکتا ہے کہ کل کو اپنی بات سے پھر جائے، چنانچہ اس زمیندار نے جواب دیا کہ وہ اس طرف ہے، چلئے دیکھ لیجئے!

آپ کو معلوم ہی ہے کہ چاول کے کھیت میں کئی فٹ پانی کھڑا رہتا ہے، اور کھیتوں کے درمیان پک ڈنڈی بھی پتلی سی ہوتی ہے، اور اگر اس پک ڈنڈی کے دونوں طرف اتنا پانی ہوگا تو وہ خشک بھی نہیں ہوگی بلکہ وہ بھی گیلی اور چکنی

ہو رہی ہوگی، چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی تھا۔ وہ زمیندار پیر صاحب کو لے کر چلا کہ حضرت! چاول کا کھیت اس طرف ہے، اب پیر صاحب اس پک ڈنڈی پر چلے، پیر صاحب آگے آگے اور زمیندار پیچھے پیچھے، اب پیر صاحب کا پاؤں کبھی اِدھر پھسلے اور کبھی اُدھر پھسلے، بہت سنبھلنے کی کوشش کی، مگر چونکہ کبھی ایسا چکنی جگہ اس سے پہلے چلے نہیں تھے، آخر چلتے چلتے ایک جگہ ایسا پاؤں پھسلا کہ سیدھے کھیت کے پانی میں جا گرے، اور جیسے ہی گرے ویسے ہی زمین دار نے بھی پیچھے سے ایک لات ماری اور کہا کہ کم بخت، جھوٹا کہیں کا، تجھ سے اتنی موٹی اور چوڑی پگڈنڈی پر تو چلا نہیں گیا، وہاں پل صراط پر کیا چلے گا؟ ایسا لگتا ہے کہ وہاں بھی ہمیں جہنم میں گرائے گا، جا میں اپنا کھیت نہیں دیتا۔

بہرحال! اس اجتماعی قرآن خوانی میں بعض جگہ یہ خرابی ہوتی ہے کہ پورے چودہ سجدے ایک شخص ہی ادا کرلیتا ہے، حالانکہ اگر کوئی شخص دوسرے سے کہہ بھی دے کہ میری طرف سے سجدہ کرلینا، تب بھی وہ سجدہ ادا نہیں ہوگا، بلکہ جس شخص نے وہ سجدے کی آیت پڑھی ہے، وہی یہ سجدہ تلاوت ادا کرے گا۔

نام ونمود کی خرابی

پھر اس اجتماعی قرآن خوانی میں با قاعدہ نام ونمود اور نمائش ہوتی ہے اور اس کا با قاعدہ پرچار کیا جاتا ہے اور فخر کے طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ والد صاحب کی قرآن خوانی میں اتنے لوگ جمع ہوئے تھے، اتنے قرآن ختم ہوئے

تھے، فلاں افسر بھی تشریف لائے تھے، اتنا بڑا اجتماع ہوا تھا، اتنے لوگ شریک ہوئے تھے، یہ سب کیا ہے؟ یہ سب نام ونمود اور نمائش ہے۔ اور سب مسلمان جانتے ہیں کہ شریعت میں ریاکاری اور نمائش نہایت مذموم چیز ہے، ریاکاری کے ذریعہ انسان کا بڑے سے بڑا عمل ضائع ہو جاتا ہے، حدیث شریف کی رو سے جس طرح آگ میں لکڑی جل کر ختم ہو جاتی ہے، اسی طرح نیک عمل بھی ریاکاری کی وجہ سے ختم ہو جاتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ عمل جو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے کرنا تھا اور اس کا ثواب میت کو پہنچانا تھا، ریاکاری نے اس سارے عمل کو آگ لگا دی، اور اس میں ثواب تو ملا نہیں اور الٹا ریاکاری کا گناہ سر پر آ گیا۔

طعام وشیرینی کی پابندی

پھر اس اجتماعی قرآن خوانی میں کھانے پینے کا بھی خصوصی اہتمام کرنا پڑتا ہے، خاص کر جو محلّوں میں ہفتہ واری قرآن خوانی ہوتی ہے، آج اس مکان میں ہو رہی ہے، کل اس مکان میں ہوگی، ان میں ناشتے پانی کا بھی انتظام کرنا ہوتا ہے، اور اگر کوئی اس کا انتظام نہ کرے تو اس پر اعتراض ہوتا ہے، اور لعنت ملامت کی جاتی ہے، اور اگر کوئی شخص سوکھی ساکھی قرآن خوانی کرلے تو پھر دوبارہ اس کا کبھی نمبر نہیں آتا، اور اگر اس کا نمبر آ بھی گیا تو اس وقت اس کے گھر پر ایک دو آدمی سے زیادہ نہیں آئیں گے اور وہ بھی صرف قل ہو اللہ پڑھ کر ایصال ثواب کر کے چلے جائیں گے۔ علمائے کرام فرماتے ہیں

کہ اگر قرآن خوانی کے لئے اجتماع ہو اور اس میں کھانے پینے کا بھی انتظام ہو یا شیرینی بانٹنے کا خصوصی اہتمام ہو تو وہ اجرت کے حکم میں ہے، گویا کہ ہم نے ایصال ثواب کے لئے جتنا قرآن شریف پڑھا ہے، یہ اس کی اجرت اور اس کا عوض اور بدلہ ہے اور اجرت لے کر ایصال ثواب کے لئے قرآن کریم کا پڑھنا گناہ کا کام ہے اور یہ اجرت بھی ہمارے لئے حلال نہیں ہے۔

سنّت میں راحت

دیکھئے! اس اجتماعی قرآن خوانی میں کتنی قباحتیں جمع ہوگئی ہیں، اور یہ قباحتیں اس لئے جمع ہوئیں کہ ہم نے سنّت کا راستہ چھوڑ دیا ہے اگر سنّت پر قائم رہتے تو اس میں کوئی خرابی نہ ہوتی، اور اب بھی اگر ہم اس مروجہ قرآن خوانی کو چھوڑ کر سنّت پر آجائیں تو انشاء اللہ راحت و عافیت میں اور سہولت میں آجائیں گے اور قرآن خوانی کا جو اصل مقصد ہے یعنی مرحوم کو ایصال ثواب کرنا وہ بھی حاصل ہو جائے گا۔ لیکن اگر اس قرآن خوانی میں مندرجہ بالا خرابیاں اور قباحتیں ہوں گی تو پڑھنے والوں کو ثواب کیسے ملے گا؟ اور جب پڑھنے والوں کو ثواب نہیں ملا تو وہ مرنے والے کو کیا ثواب پہنچائیں گے؟ اور جب مرنے والوں کو ثواب نہیں پہنچا تو پھر اس کام کا کوئی مقصد نہ رہا۔

ایصال ثواب کا صحیح طریقہ

لہٰذا ایصال ثواب کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ہر آدمی مرحوم کے انتقال کے بعد از خود جتنا ہو سکے، اتنا پڑھ کر مرحوم کو ثواب پہنچا دے، قرآن کریم ختم

کرنے کی کوئی پابندی نہیں، اور کسی خاص مقدار کی بھی کوئی پابندی نہیں، بلکہ قرآن کریم پڑھنے کی بھی پابندی نہیں، چاہو تو صرف دو رکعت نفل پڑھ کر اس کا ثواب پہنچا دو، دو روپے خیرات کر کے اس کا ثواب پہنچا دو، یا سبحان اللہ، الحمدللہ، اللہ اکبر کی ایک یا دو تسبیح پڑھ کر اس کا ثواب پہنچا دو، اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو کم از کم اتنا کرلو کہ گڑگڑا کر توجہ اور دھیان کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کریں کہ اے اللہ! اس کی مغفرت فرما، اس پر رحم فرما، اس کو عافیت عطا فرما، اس کو دوزخ سے نجات عطا فرما اور جنّت الفردوس عطا فرما۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب کوئی شخص مرنے والے کے لئے یہ دعا کرتا ہے کہ اے اللہ! اس کی مغفرت فرما اور اس پر رحم فرما تو اللہ تعالیٰ پہاڑوں کے برابر ثواب اس کی قبر میں پہنچا دیتے ہیں دیکھئے! نہ قرآن شریف ختم ہوا، نہ دو روپے خیرات ہوئے، نہ دو نفل پڑھی اور نہ دو تسبیحات پڑھیں، بلکہ صرف اس کے لئے دعا کر دی تو یہ دعا بھی اس کے لئے نافع ہے، اب ہر آدمی آسانی کے ساتھ یہ دعا کر سکتا ہے اور یہ سہولت سنّت پر عمل کرنے کی بدولت حاصل ہو جائے گی۔

سورہ اخلاص کے فضائل و برکات

اور اگر کچھ پڑھ کر ہی ایصال ثواب کرنا چاہتے ہو تو قل ہو اللہ پڑھ کر ایصال ثواب کر دو۔ حدیث میں اس کے بڑے فضائل آئے ہیں۔ یہ تو سب کو معلوم ہے کہ تین مرتبہ ''قل ہو اللہ'' پڑھنے سے ایک قرآن کریم کا ثواب ملتا

ہے (بخاری) اور حدیث میں ہے کہ:

اگر کوئی شخص فجر کی نماز کے بعد ۱۲ مرتبہ ''قل ھو اللہ'' پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کو چار قرآن کریم کے برابر ثواب عطا فرماتے ہیں۔ (کنز العمال)

اب مرحوم کے جتنے تعلق رکھنے والے ہیں، اگر وہ سب روزانہ یہ معمول بنالیں کہ فجر کی نماز کے بعد ۱۲ مرتبہ ''قل ھو اللہ'' پڑھ کر ایصال ثواب کر دیا کریں گے تو مرحوم کو قبر میں کتنا اجر و ثواب پہنچ جائے گا اور اس کی خوشی کا کیا ٹھکانہ ہوگا۔ دیکھئے! جب رواج سے ہٹ کر شریعت کی حدود میں آ کر سنّت پر عمل کیا تو سہولت اور آسانی بھی ہوگئی اور مرحوم کا بھی بھلا ہوگیا اور ایصال ثواب کا جو مقصد تھا وہ بھی پورا حاصل ہوگیا۔

جنّت میں ایک محل

ایک حدیث شریف میں ہے کہ جب کوئی شخص دس مرتبہ ''قل ھو اللہ'' پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنّت میں ایک محل بنا دیتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! پھر تو ہم جنّت میں بہت سارے محل بنالیں گے۔ آپ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ دینے پر قادر ہے یعنی تم ایک دن میں چاہے ایک ہزار مرتبہ پڑھ لو یا ایک لکھ مرتبہ پڑھ لو، بہرحال تم محدود مقدار میں پڑھو گے اور اللہ تعالیٰ کی عطا لامحدود ہے اور محدود کا لامحدود سے کیسے مقابلہ ہوسکتا ہے؟ اگر ساری دنیا والے

مل کر جتنی مرتبہ چاہیں قل ھواللہ پڑھ لیں مگر اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ دینے پر قادر ہیں۔ لہٰذا اگر ہم روزانہ فجر کے بعد ۱۲ مرتبہ ''قل ھواللہ'' پڑھیں گے تو دس مرتبہ پڑھنا بھی اس میں آ گیا تو ایک محل بھی تیار ہو جائے گا اور چار قرآن کریم کا ثواب بھی انشاء اللہ تعالیٰ مل جائے گا۔

ایک روایت میں ہے کہ:

اگر کوئی شخص دو سو مرتبہ ''قل ھواللہ'' پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے دو سو سال کے گناہ معاف فرما دیتے ہیں یعنی گناہ صغیرہ معاف فرما دیتے ہیں۔ (کنز العمال)

یہ اعمال ہم اپنے لئے بھی کر سکتے ہیں اور اپنے مرحومین کے لئے بھی کر سکتے ہیں، اس لئے کہ ہمیں بھی اپنی مغفرت کی ضرورت ہے اور ہمیں بھی جنت میں محلاّت کی ضرورت ہے، لہٰذا جب مرحومین کے لئے کریں تو اپنے لئے بھی ضرور کریں، اور جب اپنے لئے کریں تو پھر مرحومین کے لئے علیحدہ سے کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ جو بھی ہم اپنے لئے پڑھیں، اسی کا ثواب مرحومین کو پہنچا دیں۔

ایصال ثواب سے اپنے ثواب میں کمی نہ آنا

اور نفل عبادت کا ثواب کسی مرحوم کو پہنچانے سے پڑھنے والے کے ثواب میں کوئی کمی نہیں آتی۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ اگر کوئی شخص کسی روزہ دار کا روزہ کھلوا دے تو اللہ تعالیٰ روزہ کھولنے والے کے روزے کا ثواب

روزہ کھلوانے والے کو عطا فرمادیتے ہیں اور روزہ کھولنے والے کے ثواب میں کوئی کمی نہیں آتی۔ اس لئے آپ جو کچھ پڑھ کر ایصال ثواب کریں گے، آپ کے ثواب میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہما کا یہی مسلک ہے کہ ایصال ثواب کرنے سے پڑھنے والے کے ثواب میں کوئی کمی نہیں آتی، اس لئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ معمول تھا کہ روزانہ جتنی نفل عبادات کرتے، ان کا ثواب پوری امت کو یعنی انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ، اولیاء کرامؒ اور پوری امت مسلمہ کو اس کا ثواب پہنچا دیتے تھے۔ البتہ علماء نے یہ فرمایا ہے کہ فرض اور واجب عبادات کا ثواب دوسروں کو پہنچانا منع ہے جیسے فرض نماز، فرض روزے، فرض حج فرض زکوٰۃ، اس لئے ثواب اگر پہنچانا ہو تو نفل عبادات کا پہنچانا چاہئے، اور مسنون عبادات بھی نفل کے اندر داخل ہیں، ان کا ثواب بھی پہنچا سکتے ہیں۔

ایصال ثواب سے ثواب کم نہ ہونے کی دو مثالیں

نفل عبادت کا ثواب دوسروں کو پہنچانے سے خود کرنے والے کے ثواب میں کمی نہیں آتی، اس کو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے دو مثالوں کے ذریعہ سمجھایا ہے، ایک مثال تو یہ بیان فرمائی کہ دیکھو ایک چراغ سے سو چراغ جلا سکتے ہیں، لیکن اس سے پہلے چراغ کی روشنی میں کوئی کمی نہیں آتی، سو چراغ بھی روشن ہو گئے اور پہلا چراغ بدستور روشن ہے۔ اور دوسری مثال علم

ہے کہ ایک عالم ساری عمر درس دیتا ہے اور لوگوں کو پڑھاتا ہے لیکن اس کی وجہ سے اس کے علم میں کمی نہیں آتی بلکہ علم میں اور ترقی ہوتی ہے، یہ نہیں ہوتا کہ ایک استاد نے آج ایک کتاب پڑھا کر ختم کر دی تو اب وہ استاد کتاب بھول گیا اور شاگرد عالم بن گیا اور جب شاگرد نے آگے دوسرے کو وہ کتاب پڑھائی تو شاگرد بھی بھول گیا اور جاہل ہوگیا، بلکہ ہوتا یہ ہے کہ استاد ساری زندگی کتاب پڑھاتا رہتا ہے اور پھر اس کے شاگرد بھی اس کی زندگی میں پڑھانا شروع کر دیتے ہیں لیکن کسی کے علم میں کمی نہیں ہوتی، اسی طرح ثواب بھی علم کی طرح ایک معنوی چیز ہے اور ایک نور ہے، جس طرح چراغ دنیا کا ایک مادی نور ہے، اسی طرح ثواب آخرت کا روحانی نور ہے، اور جب دنیا کے مادی نور میں کوئی کمی نہیں آتی تو آخرت کا ثواب جو اس سے بدرجہ اعلیٰ لطیف اور بڑھ کر ہے تو اس میں کیسے کمی آ سکتی ہے؟ اس لئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے روزانہ کی نفل عبادات کا ثواب سب کو پہنچا دیا کرتے تھے، ہمیں بھی اس پر عمل کرنا چاہئے۔

بعض علماء کے نزدیک ثواب تقسیم ہوتا ہے

دوسری طرف بعض علماء کا یہ مسلک ہے کہ عبادات کا ثواب اگر دوسروں کو پہنچایا جائے تو وہ ثواب تقسیم ہو کر پہنچتا ہے، مثلاً اگر ایک قرآن کریم کا ثواب دس آدمیوں کو پہنچائیں گے تو وہ ثواب دس حصوں میں تقسیم ہو کر پہنچے گا اور ہر ایک کو دسواں حصہ ملے گا۔ لہٰذا دونوں طریقوں پر اس طرح عمل کرنا

چاہئے کہ کچھ نفل عبادات کا ثواب سب کو پہنچانا چاہئے، البتہ جو اپنے بہت قریبی تعلق والے ہیں مثلاً ماں باپ، مشائخ اور اساتذہ کرام، اہل و عیال وغیرہ ان کے لئے الگ سے خاص طور پر کچھ پڑھ کر ثواب پہنچانا چاہئے، مثلاً ۱۲ مرتبہ قل ھو اللہ پڑھ کر صرف ماں باپ کو پہنچا دیں، اس میں دوسروں کو شریک نہ کریں، پھر دوبارہ بارہ مرتبہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھ کر اپنے مشائخ کو اور اپنے اساتذہ کو پہنچا دیں، اس میں سب کو شریک نہ کریں، اور پھر ۱۲ مرتبہ پڑھ کر ساری امت کو شریک کرلیں اور یوں کہیں کہ یا اللہ! اپنی رحمت سے اس کا ثواب پوری امت کو پہنچا دیجئے، تاکہ دونوں طریقوں پر عمل ہو جائے۔

ایصالِ ثواب کا آسان طریقہ

لہٰذا اپنا یہ معمول بنالیں کہ جب دن میں پانچ وقت نماز پڑھنے کے لئے گھر سے مسجد کی طرف چلیں تو راستے میں جاتے ہوئے بیس مرتبہ ''قل ھو اللہ'' پڑھ لیں اور جب نماز سے فارغ ہو کر واپس گھر جائیں تو اس وقت بیس مرتبہ ''قل ھو اللہ'' پڑھ لیں، اس طرح ایک نماز کے وقت چالیس مرتبہ ''قل ھو اللہ'' ہو جائے گی اور پورے دن میں دو سو مرتبہ بہت آسانی کے ساتھ ''قل ھو اللہ'' ہو جائے گی، اب آپ ان دو سو کے اندر حساب لگالیں کہ ہر تین مرتبہ پر ایک قرآن کریم کا ثواب اور ہر دس مرتبہ پر جنت میں ایک محل، اس طرح تقریباً ساٹھ قرآن شریف کا ثواب حاصل ہو جائے گا اور جنت میں بیس

محل بن جائیں گے، اور جب یہ ثواب آپ دوسرں کو پہنچائیں گے تو ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوگا۔

وہ اس قدر کیوں خوش ہوں گے؟ اس کی وجہ یہ ہے (اللہ تعالیٰ ہماری عقلوں میں اس بات کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا فرما دے، آمین) کہ انسان زندگی میں آخرت کے لئے سب کچھ کرسکتا ہے، لیکن مرنے کے بعد دوسروں کا محتاج ہوتا ہے، یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ آخرت سے پہلے اور دنیا سے جانے کے بعد درمیان میں انہوں نے بخشش اور مغفرت کی ایک اور صورت رکھ دی ہے کہ دنیا والے اس مرحوم کے لئے دعائیں کر کے اس کی بخشش اور مغفرت کا سامان کر دیں اور ایصال ثواب کر کے اس کے گناہ گھٹا دیں اور نیکیاں بڑھا دیں۔ بہرحال! جب دنیا والے ثواب پہنچائیں گے تو ان کو ثواب پہنچتا رہے گا اور ان کے نامہ اعمال میں اضافہ ہوتا رہے گا۔

ستر ہزار کلمہ کی فضیلت

ایک روایت میں ہے کہ اگر کوئی شخص ستر ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھ کر کسی مرحوم کو بخش دے تو وہ قبر کے عذاب سے نجات پا جاتا ہے۔ چنانچہ امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”نزھۃ البساتین“ میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میرے محلّے میں ایک نیم مجذوب قسم کے آدمی رہتے تھے، کبھی کبھی ایسی باتیں کیا کرتے تھے جس کی وجہ سے مجھے یہ شک ہوتا تھا کہ شاید یہ اصلی مجذوب نہیں ہیں بلکہ بناوٹی مجذوب ہیں مگر اس بات کا یقین نہیں

تھا، ایک دن ایسا ہوا کہ ایک دعوت میں وہ بھی مدعو تھے اور میں بھی مدعو تھا، کھانا کھایا جا رہا تھا، کھانا کھانے کے دوران ان پر یکا یک ایک حال طاری ہوا اور اس حال کے اندر وہ زور زور سے رونے لگے اور بار بار یہ کہنے لگے کہ ہائے! میری ماں کو قبر کا عذاب ہو رہا ہے، میری ماں بہت سخت عذاب میں مبتلا ہے، میری ماں کو بچاؤ۔ میں نے دل ہی دل میں یہ سوچا کہ میں نے کلمہ طیبہ کو ستر ہزار مرتبہ پڑھا ہوا ہے، آج میں اس کی ماں کو اس کا ثواب بخش کر یہ آزمائش کرتا ہوں کہ یہ مجذوب سچا ہے یا جھوٹا ہے؟ اور اس کے بارے میں جو روایت مجھ تک پہنچی ہے وہ درست ہے یا نہیں؟ چنانچہ میں نے دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ یا اللہ! میں نے جو ستر ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھا ہوا ہے، وہ میں نے اس کی ماں کے اوپر قربان کیا۔ جیسے ہی میں نے یہ دعا کی، اس کے دوسرے لمحے میں نے اس مجذوب کو دیکھا کہ وہ خوش ہو کر کہنے لگا کہ اب تو میری ماں قبر کے عذاب سے بچ گئی اور وہ بڑے آرام میں ہے اور اس کا سب عذاب ختم ہو گیا ہے۔ وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ اس واقعہ سے مجھے دو باتیں حاصل ہوئیں، ایک یہ کہ ستر ہزار والی روایت جو مجھے پہنچی تھی اور اس کی مجھے تحقیق نہیں تھی کہ آیا یہ روایت مستند ہے یا نہیں؟ اب مجھے اطمینان ہو گیا کہ یہ روایت سچی ہے، کیونکہ میں نے خود تجربہ کر کے دیکھ لیا، دوسرے یہ کہ مجھے اس مجذوب کے بارے میں شبہ رہتا تھا کہ یہ اصلی مجذوب ہے یا بناوٹی مجذوب ہے؟ اب وہ میرا شبہ بھی دور ہو گیا اور وہ بدگمانی جو رہتی تھی وہ بھی الحمدللہ دور ہو گئی اور اس کا اطمینان ہو گیا کہ یہ سچا مجذوب ہے، جھوٹا نہیں ہے۔

موت سے پہلے موت کی تیاری

بہرحال! اللہ تعالیٰ نے عالم برزخ میں بھی ہمارے لئے یہ رحمت کا سامان کیا ہوا ہے کہ اگر دنیا والے مرنے والے کو ثواب پہنچاتے رہیں اور اس کے لئے بخشش کی دعا کرتے رہیں تو وہاں بھی مغفرت کا سامان ہو سکتا ہے، اسی لئے اہل برزخ منتظر رہتے ہیں، لہٰذا اس سے پہلے کہ ہم منتظر ہوں، ہمیں اپنے لئے سب کچھ کر لینا چاہئے، کسی دوسرے پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے، جیسے دنیا کے کاموں میں دوسروں پر تکیہ کر کے نہیں بیٹھتے بلکہ از خود محنت کرتے ہیں اور کماتے کھاتے ہیں، یہی اصول آخرت کے لئے بھی اپنانا چاہئے کہ از خود آخرت کے لئے تیاری کریں اور محنت مشقت برداشت کر کے آخرت بنائیں، یہ دنیا ختم ہو جانے والی ہے اور آخرت باقی رہنے والی ہے، جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، وہ باقی رہے گا اور جو ہم یہاں جمع کرتے ہیں، وہ ختم ہو جائے گا۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

مَاعِنْدَ کُمْ یَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ

جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔

اب ہم فانی کی خوب کوشش کریں، اور باقی کے لئے کوئی محنت اور کوشش نہ کریں یہ بڑی ناسمجھی کی بات ہے۔

مرنے والے کی زندہ آدمی زندہ کو نصیحت

ایک بزرگ ایک قبرستان سے گزر رہے تھے، بطور کرامت ایک صاحب قبر کا حال ان پر منکشف ہوا، انہوں نے دیکھا ایک قبر میں ایک میت بالکل صحیح سلامت اور زندہ ہے، انہوں نے جاکر سلام کیا، اس نے سلام کا جواب دیا۔ پھر ان بزرگ نے اس سے پوچھا کہ تم پر کیا حال گزرا؟ اس نے جواب دیا کہ میں بالکل ٹھیک ہوں، البتہ ایک بات میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں، وہ یہ کہ دنیا میں جو ہم نے قبر کے بارے میں سنا تھا کہ نیک کام کرنے سے قبر میں راحت و آرام اور اجر و ثواب ملتا ہے اور گناہ کرنے سے قبر میں تکلیف اور عذاب ہوتا ہے، یہاں آ کر میں نے ہر چیز اپنی آنکھوں سے دیکھ لی ہے، جو کچھ سنا تھا اس کو بالکل صحیح پایا، نیک کام کا ثواب بھی دیکھ لیا اور برے کام کا عذاب بھی دیکھ لیا، لیکن یہ سب کچھ دیکھنے کے بعد اب میں کچھ کرنا چاہوں تو نہیں کرسکتا، اور تم اس وقت جہاں ہو اور جہاں سے تم مجھ سے باتیں کر رہے ہو۔ گو تم نے ان چیزوں کا مشاہدہ نہیں کیا۔ لیکن تم سب کچھ کر سکتے ہو مگر کرتے نہیں ہو۔ یعنی میں اگر یہاں کوئی نیک کام کروں تو کوئی ثواب نہیں اور اگر تم کرو گے تو فوراً ثواب ملے گا۔

ایک سبحان اللہ کے بدلے ستر ہزار قرآن کریم دینا

میرے ایک دوست نے ایک بزرگ کا واقعہ سنایا کہ وہ ایک قبرستان سے جا رہے تھے کہ ان پر بھی ایک قبر کا حال منکشف ہوا، انہوں نے دیکھا کہ

میت قبر کے اندر صحیح سلامت اور زندہ ہے اور قرآن شریف پڑھنے میں مشغول ہے، انہوں نے اس قبر والے سے کہا کہ ہم نے یہ سنا تھا کہ مرنے کے بعد کوئی عمل نہیں ہے، وہاں صرف دو چیزیں ہیں، یا عذاب ہے یا آرام ہے، گناہوں کی وجہ سے عذاب میں رہتا ہے یا نیکیوں کی وجہ سے آرام میں رہتا ہے، لیکن یہ نہیں سنا تھا کہ وہاں بھی تلاوت، نماز اور تسبیح کرنی ہوگی، پھر تم یہاں قرآن کریم کی تلاوت کیوں کر رہے ہو؟ اس میت نے جواب دیا کہ جب کوئی شخص دنیا سے عالم برزخ میں قدم رکھتا ہے تو قبر میں رکھنے کے بعد اس سے پہلے تین سوال و جواب ہوتے ہیں، اگر وہ ان میں کامیاب ہو جاتا ہے تو اس کے بعد اس سے کہا جاتا ہے کہ تمہیں قبر میں اپنا وقت قیامت کے انتظار میں گزارنا ہے تاکہ جب سب دنیا والے یہاں آ جائیں تو آخرت قائم ہو، لہٰذا یہ قبر تمہاری انتظار گاہ ہے اور اگر تمہارے پاس یہاں کوئی مصروفیت اور مشغلہ نہیں ہوگا تو تم خالی پڑے پڑے اکتا جاؤ گے، اس لئے تم اپنا پسندیدہ کام جو تمہیں دنیا میں اچھا لگتا تھا وہ بتا دو، تمہیں یہاں اس کی اجازت دے دی جائے گی۔ چنانچہ مجھے بھی یہ کہا گیا تو چونکہ دنیا کے اندر میں قرآن کریم کی تلاوت کو بہت محبوب رکھتا تھا، قرآن کریم کا عاشق تھا اور ہر وقت تلاوت کرتا رہتا تھا، اس لئے میں نے عرض کیا کہ اگر مجھے قرآن کریم کی تلاوت کی اجازت مل جائے تو یہ میرے لئے بہت کچھ ہے، چنانچہ مجھے اجازت مل گئی، اس لئے میں ہر وقت قرآن شریف پڑھتا رہتا ہوں۔

اس کے بعد میت نے ان بزرگ سے کہا کہ میں نے یہاں قبر میں ستر ہزار قرآن شریف ختم کیے ہیں، یہ میں آپ کو دیتا ہوں اور آپ اوپر سے ایک مرتبہ ''سبحان اللہ'' کہنے کا ثواب مجھے دے دیجئے۔ ان بزرگ نے حیرت سے کہا کہ یہ تو بہت سستا سودا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ اس میت نے جواب دیا کہ بات دراصل یہ ہے کہ تم جہاں سے باتیں کر رہے ہو، وہاں ''سبحان اللہ'' کا بڑا ثواب ہے اور یہاں ستر ہزار قرآن شریف کا ایک ''سبحان اللہ'' کے برابر بھی ثواب نہیں۔

زندگی میں آخرت کی تیاری کریں

دیکھیے! اب اس وقت ہم اوپر ہیں اور واقعۃً اگر ایک مرتبہ ''سبحان اللہ'' کہیں تو جنت میں ایک درخت لگ جائے، دس مرتبہ ''قل ھو اللہ'' پڑھ لیں تو جنت میں ایک محل تیار ہو جائے، لیکن اگر قبر میں جا کر سوا لاکھ مرتبہ بھی ''قل ھو اللہ'' پڑھیں گے تو ایک محل بھی نہیں بنے گا، ایک قرآن شریف کا بھی ثواب نہیں ملے گا۔ یہ کتنا سبق آموز واقعہ ہے، مگر ہمارا وہی حال ہے جیسا کہ پچھلے واقعہ میں اس میت نے کہا تھا کہ میں نے یہاں آ کر دیکھ لیا کہ ''سبحان اللہ'' کا یہ ثواب ہے اور ''الحمد للہ کا یہ ثواب ہے اور ''قل ھو اللہ'' کا یہ ثواب ہے، مگر اب کچھ کر نہیں سکتا، اور جہاں تم اس وقت ہو، وہاں تم سب کچھ کر سکتے ہو لیکن تم کرتے کچھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں کرنے والا بنا دے۔ آمین۔ جس دن ہم کرنے والے بن جائیں گے، اس دن سب کام انشاء اللہ تعالیٰ بن جائیں

گے اور جب تک ہم صرف سننے والے رہیں گیاور صرف بیان کرنے والے رہیں گے تو اس وقت تک ہماری نجات نہ ہوگی۔

اٹھارہ ہزار قرآن کریم کا ختم

میرے استاذ حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی صاحبؒ جو آج کل مدینہ منورہ میں مقیم ہیں (مدینہ منورہ میں مقیم تھے، انتقال فرما گئے رحمۃ اللہ علیہ) انہوں نے ایک مرتبہ ''البلاغ'' میں غالباً علامہ جزری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات پر ایک مضمون لکھا تھا۔ اس میں ان کا ایک واقعہ لکھا تھا کہ جب ان کے انتقال کا وقت قریب ہوا، اس وقت ان کی ہمشیرہ ان کے سرہانے بیٹھی ہوئی تھیں، ظاہر ہے کہ جب آدمی آنکھیں بند کر لیتا ہے اور تیز تیز سانس لینے لگتا ہے تو پھر ہر شخص کو رونا آتا ہے کہ اب ہمارے اور ان کے درمیان جدائی ہونے والی ہے، اس لئے ان کی ہمشیرہ سرہانے بیٹھ کر رونے لگیں، جب روتے روتے ہچکیاں بندھ ہوگئیں تو اس کی آواز سے انہوں نے آنکھ کھولی اور ہمشیرہ سے پوچھا کہ تم کیوں رو رہی ہو؟ ہمشیرہ نے کہا بھائی! یہ رونے کا وقت ہے، اس لئے کہ تھوڑی دیر کے بعد اب تم ہم سے جدا ہونے والے ہو، تمہاری جدائی پر رونا آ رہا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ بہن! میرے مرنے پر تم مت رونا، اس لئے کہ تمہارا بھائی خالی ہاتھ نہیں جا رہا ہے۔ اور پھر گھر کے ایک کونے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ بہن! تمہارے بھائی نے اس کونے میں اٹھارہ ہزار قرآن شریف ختم کئے ہیں اور اس کے ذرہ ذرہ میں قرآن کریم بسا ہوا

ہے، اور مجھے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بہت امید ہے کہ وہ مجھے بخش دیں گے، کیونکہ یہ میرا کوئی کمال نہیں، میری کیا مجال اور طاقت تھی کہ میں اتنے قرآن کریم پڑھوں، یہ صرف اس کے فضل سے میں نے پڑھا ہے، اس نے توفیق دی تو میری زبان نے قرآن کریم کی تلاوت کی، لہٰذا مجھے امید ہے کہ مجھے اس کے ثواب سے محروم نہیں فرمائیں گے بلکہ مالا مال کریں گے۔ حضرت والا مدظلہم نے لکھا ہے کہ یہ اٹھارہ ہزار قرآن کریم وہ تھے جو صرف اس ایک کونے میں پڑھے تھے اور اس کے علاوہ دوسری جگہوں پر جو قرآن کریم پڑھے تھے، ان کو بھی اگر شامل کرلیا جائے تو پھر مجموعی تعداد چوبیس ہزار بن جاتی ہے۔ اللہ اکبر!

بزرگوں کے اوقات میں برکت

اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بزرگوں کے اوقات میں برکت ڈال دیتے ہیں، ہمارا پارہ آدھے گھنٹے میں ختم ہوتا ہے اور ان کا پارہ ہمارے لحاظ سے زیادہ صحیح اور صاف صاف دس منٹ میں ختم ہو رہا ہے، یہ نہیں ہے کہ انہوں نے دس منٹ میں جلدی جلدی پڑھ کر پارہ ختم کرلیا ہوگا بلکہ اللہ تعالیٰ ان کے اوقات میں برکت عطا فرما دیتے ہیں اور ان کے تھوڑے سے وقت میں بہت کام ہو جاتا ہے، جسے ربڑ، ایک گز کی ربڑ کو اگر کھینچو گے تو وہ دس گز ہو جائے گی اسی طرح وقت تو وہی ہے، فرق یہ ہے کہ ہمارے حق میں ایک گز ہے اور ان کے حق میں سو گز ہے، اس لئے بطور کرامت ان کا تھوڑے وقت میں

بہتر اور زیادہ کام ہو جاتا ہے۔

حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کی کرامت

حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی یہ کرامت تھی کہ وہ عصر سے مغرب تک پورا قرآن کریم ختم کرلیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت سید مولانا عبدالحیؒ وعظ فرما رہے تھے اور اس میں حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود تھے، وعظ کے دوران حضرت نے بیان فرمایا کہ اس وقت مجمع میں ایک صاحب ایسے موجود ہیں جو عصر سے مغرب تک پورا قرآن شریف ختم کرلیتے ہیں۔ لوگ سمجھ گئے کہ کس کی طرف اشارہ کیا ہے، چنانچہ وعظ کے بعد لوگ حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے اردگرد جمع ہوگئے، اور اصرار کرنے لگے کہ ہمیں بھی یہ کرامت دکھایئے۔ حضرت نے قبول فرمالیا اور عصر کی نماز کے بعد گومتی کے پل پر کھڑے ہوگئے، سارا مجمع وہاں موجود تھا، حضرت نے ''الم'' سے قرآن شریف کی تلاوت شروع کی، ادھر سورج غروب ہو رہا تھا اور ادھر حضرت سورۃ الناس کی تلاوت کر رہے تھے۔ اب دیکھئے! عصر سے مغرب تک بمشکل ڈیڑھ گھنٹہ ہوتا ہے، لیکن حضرت نے اس میں پورا قرآن شریف مجمع کے سامنے تلاوت کے آداب کے ساتھ پڑھ کر سنا دیا، اس طرح اللہ تعالیٰ ان کے اوقات میں برکت عطا فرما دیتے ہیں۔

بیس لاکھ نیکیاں

میں ایک کلمہ اور پڑھنے کے لئے بتایا کرتا ہوں جو پڑھنے میں بہت

آسان ہے اور ثواب اس کا بہت عظیم ہے۔ وہ کلمہ یہ ہے:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ اَحَداً صَمَداً

لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُواً اَحَدٌ۔

اب دیکھئے! یہ کلمہ کتنا آسان ہے، اس میں آدھی ''قل ھو اللہ'' ہے، شروع میں کلمہ ہے اور درمیان میں صرف دو لفظ ''اَحَداً صَمَداً'' نئے ہیں، اور اس کلمہ کی فضیلت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس کلمہ کو ایک مرتبہ پڑھ لے تو اس کو بیس لاکھ نیکیاں ملتی ہیں۔ اندازہ لگائیے کہ ہماری یہ زندگی کتنی قیمتی ہے، ہم اس میں آخرت کا کتنا سرمایہ آسانی کے ساتھ جمع کر سکتے ہیں، اگر کوئی بیس لاکھ روپے کمانا چاہے تو عموماً چند سیکنڈ میں نہیں کما سکتا بلکہ چند منٹ چند گھنٹے اور چند مہینوں میں بھی نہیں کما سکتا لیکن آخرت کی بیس لاکھ نیکیاں چند سیکنڈوں میں حاصل کرسکتا ہے، اور اگر کوئی شخص پانچ مرتبہ پڑھ لے تو ایک کروڑ نیکیاں حاصل ہوگئیں۔ لہٰذا یہ معمول بنا لو کہ ہر نماز کے لئے مسجد آتے وقت پانچ مرتبہ پڑھیں گے اور پانچ مرتبہ واپس جاتے وقت پڑھیں گے اور پھر اس کا ثواب اپنے ماں باپ اپنے اہل و عیال اور اپنے اولیاء اور مشائخ کو پہنچا دو۔ اور اگر ماں باپ زندہ ہیں تو زندگی میں بھی ان کو ثواب پہنچا سکتے ہیں، اس لئے کہ جس طرح ان کا حق مرنے کے بعد ہے، اسی طرح زندگی میں ان کا حق ہے، مرنے کے بعد ان کا حق کم نہیں ہوتا۔ اور ایصال ثواب میں اپنی اولاد کو بھی شریک کرنا چاہئے، اس لئے کہ جس طرح ہمارا ان پر حق ہے، اسی طرح

ان کا بھی ہم پر حق ہے۔ بہر حال! اس طرح نماز کے لئے مسجد میں آتے جاتے یہ عمل کرلیں گے تو نماز بھی ہو جائے گی اور ایصال ثواب کا عمل بھی نہایت آسانی کے ساتھ ہو جائے گا۔

شریعت کے مطابق ایصال ثواب کے فوائد

لہٰذا مروّجہ اجتماعی قرآن خوانی کا جو طریقہ کار ہے، وہ ہم نے اپنی طرف سے بنایا ہے، اس کے اندر دشواریاں مشکلات اور نقصان اور خطرہ ہی خطرہ ہے اور شریعت کے مطابق، انفرادی طور پر، کسی وقت کی پابندی کے بغیر، کسی خاص دن کی پابندی کے بغیر اگر عمل کریں گے تو وہ صحیح بھی ہوگا اور شریعت کے مطابق بھی ہوگا اور اس میں اخلاص بھی ہوگا، اور جس عظیم ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے وہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ حاصل ہو جائے گا اور ایصال ثواب کا جو مقصد اصلی ہے کہ مرنے والے کو ثواب پہنچے، وہ بھی حاصل ہو گا۔لیکن اگر رواجی طریقے پر ہم نے ایصال ثواب کیا تو اس میں خود ہمیں ثواب ملنا مشکل ہے تو مرحوم کو کیا پہنچے گا؟ بلکہ وہ تو ایک رسمی خانہ پوری ہوگی جس میں نہ مرنے والوں کا کوئی فائدہ اور نہ زندوں کا کوئی نفع، بلکہ سب تکلیف میں مبتلا ہوں گے، اور سنت کے مطابق ایصال ثواب کرنے سے یہ فائدہ ہوگا کہ راحت، آسانی اور سہولت بھی حاصل ہوگی اور آخرت میں اس کا ثواب بھی حاصل ہو گا۔

ایصال ثواب کا آسان اور صحیح طریقہ

اب سوال یہ ہے کہ ایصال ثواب کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ تو ایصال ثواب کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ جو بھی نیک کام ہو، اس کے کرنے کے بعد یہ دعا کرلی جائے کہ اے اللہ! میں نے جو یہ کام کیا ہے، اپنی رحمت سے اس کا پورا پورا ثواب عطاء فرما اور یہ ثواب فلاں کی روح کو پہنچا دیجئے، یا اللہ! اس کا ثواب میرے ماں باپ کو پہنچا دیجئے، میرے بہن بھائیوں کو پہنچا دیجئے۔ بس یہ ایصال ثواب کا طریقہ ہے، اور اگر اس کا ثواب ساری امت کو پہنچانا مقصود ہو تو یہ دعا کرلیجئے کہ یا اللہ! یہ نیک کام جو میں نے کیا ہے، اپنی رحمت سے اس کا پورا پورا ثواب عطا فرما اور پھر وہ ثواب جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو، تمام انبیاء کرام کو، آپ ﷺ کے چاروں خلفاءؓ کو، آپ کے تمام اہل خانہ کو اور تمام صحابہؓ، سارے تابعین تبع تابعینؒ، ائمہ مجتہدینؒ سلف صالحینؒ اور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک جتنے مسلمان پیدا ہوئے ہیں اور قیامت تک جتنے مسلمان پیدا ہوں گے اور جو وفات پا چکے ہیں اور جو زندہ ہیں اور مردوں کو بھی عورتوں کو بھی اور جنات کو بھی اس کا ثواب پہنچا دیجئے۔ اس طرح سب کو ثواب پہنچ جائے گا اور اتنے لوگوں کو ثواب پہنچانے کی جو نیکی کی ہے، اس نیکی کا ثواب آپ کو الگ ملے گا، انشاء اللہ تعالیٰ، وہ ثواب آپ کے کھاتے میں لکھا جائے گا۔

مزار پر حاضری کا ادب اور ایصال ثواب

ایصال ثواب کا ایک طریقہ مزار پر حاضر ہو کر ایصال ثواب کرنا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ جب کسی کے مزار پر جانا ہو تو جیسے ہی قبریں شروع ہو جائیں تو اس وقت وہاں پر سلام کہیں کہ:

السلام علیکم یا اھل القبور

اے قبر والو! تم پر سلام ہو۔

اس کے بعد قبروں کے اوپر نہ چلیں بلکہ اس راستہ پر چلیں جو قبروں سے الگ ہو، اور جب اس شخص کے مزار پر پہنچیں جس کے مزار پر جانا مقصود ہے تو اس کے قریب جانے کا طریقہ یہ ہے کہ پیروں کی طرف سے جاتے ہوئے سینے کی طرف آ کر اس طرح کھڑے ہو جائیں کہ آپ کی پشت قبلہ کی طرف ہو اور چہرہ اس میت کے سامنے ہو، جیسے کوئی آدمی قبلے کی طرف کروٹ لے کر سویا ہوا ہو تو اس کا چہرہ اور سینہ قبلہ کی طرف ہوگا، لہٰذا پیروں کی طرف سے آتے ہوئے اس کے سینے کے بالمقابل کھڑے ہو جائیں اور پھر "السلام علیکم" کہیں اور بیٹھنے کا دل چاہ رہا ہو تو بیٹھ جائیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ مرنے والے کا ادب ایسا ہی ہے جیسا زندگی میں ہوتا ہے، جس طرح بڑوں کے سامنے کھڑے کھڑے گفتگو نہیں کرتے بلکہ ادب سے بیٹھ کر ان سے بات چیت کرتے ہیں، اسی طرح مرنے کے بعد ویسا ہی معاملہ کریں۔ اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جن سے ہم کھڑے کھڑے بات کرتے ہیں اور سلام دعا کر کے چلے جاتے

ہیں، لہٰذا مرنے کے بعد بھی انکا اتنا ہی ادب ہے کہ ان کے سینے کے سامنے جا کر کھڑے ہو جائیں اور مثلاً ایک مرتبہ سورۃ فاتحہ اور تین مرتبہ ''قل ھو اللہ'' پڑھ کر یہ دعا کریں کہ اے اللہ! اس کا ثواب ان قبر والے کو پہنچا دیجئے۔ اور پھر آخر میں یہ دعا کرلیں کہ اے اللہ! ان کی مغفرت فرما، ان کی بخشش فرما، ان کے درجے بلند فرما، ان کو قبر کے عذاب اور دوزخ سے نجات عطا فرما اور ان کو اپنی رحمت سے جنّت میں داخل فرما۔ یہ سب کلمات ضرور کہیں، اس لئے کہ ہماری یہ دعا ان کے لئے باعث نجات ہے۔ اور خلوص، توجہ اور دھیان سے یہ دعا کر کے آخر میں ''السلام علیکم'' کہہ کر واپس آجائیں۔ بس! یہ ایصال ثوال کا صحیح طریقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی اور ہمارے مرحومین کی بخشش فرمائے اور سنّت پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

چھ گناہ گار عورتیں

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی بیانات: جلد نمبر اوّل

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمْ ط

چھ گناہ گار عورتیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَأَشْھَدُاَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَأَشْھَدُاَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا ۔

أَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْ ذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ

وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَ الصّٰدِقِيْنَ وَ الصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّ الذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ○

صدق اللّٰہ العظیم

(سورۃ الاحزاب، آیت ۳۵)

خواتین کے متعلق بیان

میرے قابل احترام بزرگو! ہماری یہ مجلس دو حصوں پر مشتمل ہوتی ہے، ایک مردوں پر اور دوسرے خواتین پر۔ کیونکہ خواتین بھی اس مجلس میں شرکت فرمایا کرتی ہیں اور ان کے لئے علیحدہ پردے کے ساتھ مجلس کی باتیں سننے کا انتظام کیا جاتا ہے، اس لئے اس مجلس میں جو بیان ہوتا ہے وہ عموماً مردوں اور عورتوں دونوں سے متعلق ہوتا ہے، لیکن کبھی کبھی کوئی بیان خاص طور پر خواتین کی ضرورت کے لئے مخصوص ہوتا ہے اور کبھی کوئی بیان صرف مردوں کی ضرورت کا ہوتا ہے۔ بہرحال! آج کی مجلس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بیان کرنے کا ارادہ ہے جو خواتین سے متعلق ہے اور ان کے ساتھ خاص ہے۔ اگرچہ اس حدیث میں جو باتیں بیان کی گئی ہیں وہ خواتین

سے متعلق بیان کی گئی ہیں لیکن وہ مردوں میں بھی پائی جاسکتی ہیں، لہٰذا اگر کسی مرد میں وہ باتیں موجود ہوں تو ان کا بھی وہی حکم ہوگا جو خواتین کے لئے اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے، اس لئے یہ حدیث خواتین کے ساتھ مردوں کے لئے بھی مفید ہوگی۔

حضور ﷺ کا رونا

یہ حدیث بہت اہم باتوں پر مشتمل ہے، اس حدیث کو حافظ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب ''الکبائر'' میں نقل فرمایا ہے۔ اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر تشریف لے گئے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رو رہے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر گریہ طاری ہے، جب میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت دیکھی تو عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس چیز نے رلایا ہے؟ اور کس بناء پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اتنا رو رہے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ میں نے شب معراج میں اپنی امت کی عورتوں کو جہنم کے اندر قسم قسم کے عذابوں میں مبتلا دیکھا اور ان کو جو عذاب ہو رہا تھا، وہ اتنا شدید اور

ہولناک تھا کہ اس عذاب کے تصور سے مجھے رونا آ رہا ہے۔

امت پر حضور ﷺ کی شفقت

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی امت پر اتنی شفقت ہے کہ ہم اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے، مثلاً ایک انتہائی مہربان اور شفیق ماں جو اپنی اولاد پر جان قربان کر دینے والی ہو، اگر وہ ماں اپنی اولاد کو جیل کے اندر سخت قسم کی سزائیں سہتے ہوئے دیکھے تو یقیناً اس ماں کا کلیجہ منہ کو آ جائے گا اور ان سزاؤں کو دیکھ کر وہ ماں یقیناً رو پڑے گی، جبکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت اور محبت تو ساری دنیا کی ماؤں سے کہیں زیادہ بڑھ کر ہے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنی امت کی عورتوں کو جب ہولناک عذاب میں مبتلا پایا تو اس کی وجہ سے مجھے رونا آ رہا ہے کہ میری امت کی عورتوں پر اس طرح کا ہولناک عذاب ہوگا۔

چھ طریقوں سے عذاب

اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت فرمائی کہ میں نے جہنم کے اندر عورتوں کو کس کس طرح عذاب میں مبتلا دیکھا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿۱﴾ میں نے ایک عورت کو دیکھا کہ وہ اپنے بالوں کے ذریعے جہنم کے اندر لٹکی ہوئی ہے اور اس کا دماغ ہنڈیا کی طرح پک رہا ہے۔

ایک تو خود جہنم کے اندر ہونا بذات خود کتنا ہولناک عذاب ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی پناہ میں رکھے، آمین۔ اور پھر بالوں کے بل لٹکانا، یہ انتہائی تکلیف دہ سزا ہے اور پھر دماغ کا پکنا یہ تیسری سزا ہے۔ پھر فرمایا:

﴿۲﴾ میں نے دوسری عورت کو جہنم میں اس طرح دیکھا کہ وہ زبان کے بل لٹکی ہوئی ہے۔

اب آپ اندازہ کریں کسی کی زبان کھینچ کر اور نکال کر اس کے ذریعہ اس کے پورے جسم کو لٹکایا جائے تو اس میں کتنی سخت تکلیف ہوگی۔ اگر صرف ایک ہاتھ کے ذریعہ بھی کسی کو لٹکا دیا جائے تو وہی اس کے لئے موت سے بدتر ہے، زبان تو بہت نازک چیز ہے۔

﴿۳﴾ تیسری عورت کو میں نے دیکھا کہ وہ چھاتیوں کے بل جہنم میں لٹکی ہوئی ہے۔

﴿۴﴾ چوتھی عورت کو میں نے اس طرح دیکھا کہ اس کے دونوں پیر سینے سے بندھے ہوئے ہیں اور اس کے دونوں ہاتھ پیشانی سے بندھے ہوئے ہیں۔

﴿۵﴾ پانچویں عورت کو میں نے اس حالت میں دیکھا کہ اس کا چہرہ خنزیر کی طرح ہے اور باقی جسم گدھے کی طرح ہے مگر حقیقت میں وہ عورت ہے اور سانپ بچھو اس کو لپٹے ہوئے ہیں۔

﴿۶﴾ چھٹی عورت کو میں نے اس حالت میں دیکھا کہ وہ کتے کی

شکل میں ہے اور اس کے منہ کے راستے سے جہنم کی آگ داخل ہو رہی ہے اور پاخانہ کے راستے سے آگ نکل رہی ہے اور عذاب دینے والے فرشتے جہنم کے گرز اس کو مار رہے ہیں۔

اس طرح چھے عورتوں کو ہونے والے عذاب کی تفصیل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی۔

پہلی عورت پر عذاب کا سبب ''بے پردگی''

اس کے بعد حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ ابا جان! ان عورتوں پر یہ عذاب ان کے کون سے اعمال کی وجہ سے ہو رہا تھا، ان کے کون سے ایسے اعمال تھے جن کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ان ہولناک اور دردناک عذاب میں مبتلا دیکھا؟ اس کے جواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جس عورت کو میں نے سر کے بالوں کے ذریعے جہنم میں لٹکا ہوا دیکھا اور جس کا دماغ ہنڈیا کی طرح پک رہا تھا، اس کو یہ عذاب گھر سے باہر ننگے سر جانے کی وجہ سے ہو رہا تھا، وہ عورت نامحرم مردوں سے اپنے سر کے بال نہیں چھپاتی تھی۔

عورت کے بال ستر میں داخل ہیں

اب اگر ہم اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیں تو ہمیں آج یہ گناہ عام ہوتا ہوا نظر آتا ہے، حالانکہ خواتین کے لئے حکم یہ ہے کہ سر کے بال ان کے ستر کا

حصہ ہیں، کیونکہ عورت کا پورا جسم سر سے پاؤں تک سوائے چہرے کے اور سوائے دونوں ہتھیلیوں اور دونوں پیروں کے پورا جسم ستر ہے جس کو نماز میں چھپانا فرض ہے، لہٰذا اگر نماز میں کم از کم چوتھائی سر کے بال کھل جائیں اور اتنی دیر کھلے رہیں جتنی دیر میں تین مرتبہ ''سبحان اللہ'' پڑھ لیا جائے تو نماز نہیں ہوگی، یا اگر کسی عورت نے نماز میں سر پر اتنا باریک دوپٹہ اوڑھ لیا جس میں سر کے بال جھلک رہے ہیں تو ایسے دوپٹے میں بھی نماز نہیں ہوگی، کیونکہ ستر چھپانے کی شرط پوری نہیں ہوئی۔ بعض خواتین باریک دوپٹے میں نماز پڑھ لیتی ہیں، بعض خواتین باریک دوپٹے کو دھرا کر لیتی ہیں مگر دھرا کرنے کے بعد بھی بال نظر آتے رہتے ہیں، یا بعض اوقات دوپٹہ اتنا چھوٹا ہوتا ہے کہ اس کے اندر سے چٹیا باہر نکلی ہوئی ہوتی ہے، وہ دوپٹے کے اندر نہیں چھپتی، یا بعض خواتین کی آستین اتنی چھوٹی ہوتی ہے کہ دوپٹہ پہننے کے باوجود ان کے بازو گٹوں تک نہیں چھپتے اور مسئلہ یہ ہے کہ اگر چوتھائی سر کے بال کھل جائیں یا چوتھائی کلائی کھل جائے یا چوتھائی پنڈلی کھل جائے اور تین مرتبہ ''سبحان اللہ'' پڑھنے کے برابر کھلی رہے تو نماز نہ ہوگی۔

پردہ اور ستر میں فرق

بہرحال، چہرہ، دونوں ہتھیلیاں اور دونوں پیر کے علاوہ باقی سارا جسم ستر میں داخل ہے جس کو نماز میں چھپانا ضروری ہے۔

اور پردے کے حکم میں سر سے لے کر پاؤں تک پورا جسم داخل ہے

جس کو نامحرم مردوں سے چھپانا گھر میں بھی ضروری ہے اور گھر سے باہر بھی ضروری ہے۔ لہٰذا گھر میں اور گھر کے باہر نامحرم مردوں کے سامنے سر کے بال کھول کر آنا گناہ ہے اور یہ اس کا عذاب ہے جو آپ نے اوپر سنا۔

قریبی نامحرم رشتہ داروں سے پردہ

بعض پردہ دار خواتین گھر کے باہر تو سر اور چہرہ چھپانے کا اہتمام کر لیتی ہیں، لیکن گھر میں جو نامحرم مرد یا قریبی نامحرم رشتہ دار ہیں، ان سے وہ خواتین پردہ کرنے کا اہتمام نہیں کرتیں، ان کے سامنے سر بھی کھلا ہے، گردن بھی کھلی ہے، بازو بھی کھلے ہوئے ہیں، گریبان تک کھلا ہوا ہے اور بعض خواتین ساڑھی اس انداز سے پہنتی ہیں کہ پیٹ اور پیٹھ بھی اس میں نظر آتی ہے، مثلاً دیور، جیٹھ، تایا زاد بھائی، پھوپھی زاد بھائی، ماموں زاد بھائی اور خالہ زاد بھائی گھر میں آتے رہتے ہیں، لیکن ان سے پردہ کرنے کا کوئی اہتمام نہیں ہے، ان کے سامنے سر، سینہ، ہاتھ اور بازو سب کھلے ہوئے ہیں، جبکہ شریعت میں ان سب سے پردہ کرنے کا حکم ہے اور ان کے سامنے سر کھولنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔

گھر کے اندر رہنے والے نامحرم مردوں سے پردہ کا طریقہ

ہاں اتنی گنجائش ہے کہ جو نامحرم گھر کے اندر رہتے ہیں جن سے ہر وقت مکمل پردہ کرنا مشکل ہے، مثلاً دیور یا جیٹھ گھر کے اندر ساتھ رہتے ہیں، اب

ہر وقت ان کی آمد ورفت رہتی ہے اور وہ اکثر گھر پر کام کاج بھی کرتے رہتے ہیں، ان کے بارے میں یہ حکم ہے کہ ان کے سامنے بھابھی کو چاہئے کہ وہ کوئی بڑا اور موٹا دوپٹہ اس طرح اوڑھے کہ اس میں پیشانی سے اوپر کے اور سر کے سارے بال چھپ جائیں اور دوپٹہ اس طرح باندھے جس طرح نماز میں باندھا جاتا ہے اور اس میں دونوں بازو بھی چھپ جائیں اور وہ اپنی پنڈلی بھی شلوار وغیرہ سے چھپائے۔ پنڈلی کا ذکر اس لئے کیا کہ آج کل انہیں کھلا رکھنے کا رواج چل رہا ہے جو سراسر ناجائز ہے۔ صرف چہرہ اور دونوں ہتھیلیاں اور دونوں پیر کھلے رہیں، اس حالت میں ان کے سامنے آنا جانا رکھے اور گھر کا کام انجام دے تو اس کی گنجائش ہے اور اس میں بھی بہتر یہ ہے کہ چہرے پر گھونگٹ ڈال کر ان کے سامنے آئے جائے اور ضرورت کے وقت اسی گھونگٹ میں ان سے بات بھی کرسکتی ہے اور جواب بھی دے سکتی ہے، شریف اور حیادار عورت کے لئے چہرے پر گھونگٹ ڈال کر کام کاج کرنا کوئی مشکل نہیں بشرطیکہ آخرت کی فکر ہو، خوف خدا ہو اور اللہ کے عذاب سے ڈرلگتا ہو، لیکن سر کھلا رکھنا، یا سر کے اوپر اتنا باریک دوپٹہ اوڑھنا کہ اس میں سے سر کے بال نظر آ رہے ہیں، یا برائے نام دوپٹہ گلے میں ڈال رکھا ہے، سر پر نہیں رکھا، بازو بھی کھلے ہوئے ہیں، کہنیاں بھی کھلی ہوئی ہیں، کلائیاں بھی کھلی ہوئی ہیں اور ان کلائیوں میں زیور بھی پہنا ہوا ہے اور آج کل تو پنڈلیاں کھولنے کا منحوس رواج بھی چل پڑا ہے، یہ سب ناجائز ہے۔ لہٰذا گھر کے جو نامحرم مرد ہیں، ان کے سامنے بھی اعضاء کو کھولنا جائز نہیں اور گھر سے باہر کھولنا تو کسی حال میں جائز

نہیں، لیکن آج مسلمان خواتین کا جو حال گھر کے اندر ہے، اس سے زیادہ برا حال گھر کے باہر ہے، باہر نکلتے وقت برقعہ اور پردے کا کوئی نام نہیں اور جو کپڑے پہنے ہوئے ہیں وہ بھی اتنے باریک ہیں یا اتنے چست ہیں کہ جسم کا ہر حصہ نمایاں ہو رہا ہے۔

لہٰذا خواتین یہ بات سن لیں کہ نامحرم مردوں کے سامنے ننگے سر آنے کا عذاب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہ بیان فرما رہے ہیں کہ میں نے اپنی آنکھوں سے ان کو جہنم کے اندر سر کے بل لٹکتے ہوئے دیکھا ہے اور ان کا دماغ ہانڈی کی طرح پک رہا تھا۔ اللہ کی پناہ۔

عذاب قبر کا عبرت ناک واقعہ

مجھے عذاب قبر سے متعلق ایک واقعہ یاد آیا، یہ واقعہ گلگت میں پیش آیا تھا، ایک شخص قبرستان کے پاس سے گزر رہا تھا تو اس نے کسی قبر سے یہ آواز سنی کہ مجھے نکالو، میں زندہ ہوں، جب ایک دو مرتبہ اس نے آواز سنی تو اس نے یہ سمجھا کہ یہ میرا وہم اور خیال ہے، کوئی آواز نہیں آ رہی ہے، لیکن جب مسلسل اس نے یہ آواز سنی تو اس کو یقین ہونے لگا، چنانچہ قریب میں ایک بستی تھی، وہ شخص اس بستی میں آیا اور لوگوں کو اس آواز کے بارے میں بتا کر کہا کہ تم بھی چلو اور اس آواز کو سنو، چنانچہ کچھ لوگ اس کے ساتھ آئے، انہوں نے بھی یہی آواز سنی اور سب نے یقین کر لیا کہ واقعی یہ آواز قبر میں سے آ رہی ہے۔ اب یقین ہونے کے بعد ان لوگوں کو مسئلہ پوچھنے کی فکر ہوئی کہ پہلے علماء

سے یہ مسئلہ معلوم کرو کہ قبر کھولنا جائز ہے یا نہیں؟ چنانچہ وہ لوگ محلے کی مسجد کے امام صاحب کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ اس طرح قبر میں سے آواز آرہی ہے اور میت یہ کہہ رہی ہے کہ مجھے قبر میں سے نکالو، میں زندہ ہوں۔ امام صاحب نے فرمایا کہ اگر تمہیں اس کے زندہ ہونے کا یقین ہوگیا ہے تو قبر کو کھول لو اور اس کو باہر نکال لو۔ چنانچہ یہ لوگ ہمت کرکے قبرستان گئے اور جاکر قبر کھولی، اب جونہی تختہ ہٹایا تو دیکھا کہ اندر ایک عورت ننگی بیٹھی ہوئی ہے اور اس کا کفن گل چکا ہے اور وہ عورت کہہ رہی ہے کہ جلدی سے میرے گھر سے میرے کپڑے لاؤ، میں کپڑے پہن کر باہر نکلوں گی، چنانچہ یہ لوگ فوراً دوڑ کر اس کے گھر گئے اور جاکر اس کے گھر والوں کو یہ واقعہ بتایا اور اس کے کپڑے چادر وغیرہ لے کر آئے اور لاکر قبر کے اندر پھینک دیئے، اس عورت نے ان کپڑوں کو پہنا اور چادر اپنے اوپر ڈالی اور پھر تیزی سے بجلی کی طرح اپنی قبر سے نکلی اور دوڑتی ہوئی اپنے گھر کی طرف بھاگی اور گھر جاکر ایک کمرے میں چھپ کر اندر سے کنڈی لگالی۔ اب جو لوگ قبرستان آئے تھے، وہ لوگ دوڑ کر اس کے گھر پہنچے، ان کو وہاں جاکر معلوم ہوا کہ اس نے کمرے کے اندر سے کنڈی لگالی ہے، ان لوگوں نے دستک دی کہ کنڈی کھولو، اندر سے اس عورت نے جواب دیا کہ میں کنڈی تو کھول دوں گی لیکن کمرے کے اندر وہ شخص داخل ہو جس کے اندر مجھے دیکھنے کی تاب ہو، اس لئے کہ اس وقت میری حالت ایسی ہے کہ کوئی آدمی بھی مجھے دیکھ کر برداشت نہیں کر سکے گا، لہٰذا کوئی دل گردے والا شخص اندر آئے اور آکر میری حالت دیکھے۔ اب سب

لوگ اندر جانے سے ڈر رہے تھے مگر دو چار آدمی جو مضبوط دل والے تھے، انہوں نے کہا کہ تم کنڈی کھولو، ہم اندر آئیں گے، چنانچہ اس نے کنڈی کھول دی اور یہ لوگ اندر چلے گئے۔

بے پردگی کی سخت سزا

وہ عورت کمرے کے اندر اپنے آپ کو چادر میں چھپائے بیٹھی تھی۔ جب یہ لوگ اندر پہنچے تو اس عورت نے سب سے پہلے اپنا سر کھولا، ان لوگوں نے دیکھا کہ اس کے سر پر ایک بھی بال نہیں ہے، وہ بالکل خالی کھوپڑی ہے، نہ اس پر بال ہیں اور نہ کھال ہے، صرف خالی ہڈی ہے، لوگوں نے اس سے پوچھا کہ تیرے بال اور کھال کہاں گئے؟ اس عورت نے جواب دیا کہ جب میں زندہ تھی تو ننگے سر گھر سے باہر نکلا کرتی تھی، پھر مرنے کے بعد جب میں قبر میں لائی گئی تو فرشتوں نے میرا ایک ایک بال نوچا اور اس نوچنے کے نتیجے میں بال کے ساتھ کھال بھی نکل گئی، اب میرے سر پر نہ بال ہیں اور نہ کھال ہے۔

لِپ اِسٹک لگانے کی سزا

اس کے بعد اس عورت نے اپنا منہ کھولا، جب لوگوں نے اس کا منہ دیکھا تو وہ اتنا خوف ناک ہو چکا تھا کہ سوائے دانتوں کے کچھ نظر نہ آیا، ان لوگوں نے اس عورت سے پوچھا کہ تیرے ہونٹ کہاں گئے؟ اس عورت نے

جواب دیا کہ میں اپنے ہونٹوں پر لپ اسٹک لگا کر نامحرم مردوں کے سامنے جایا کرتی تھی، اس کی سزا میں میرے ہونٹ کاٹ لئے گئے، اس لئے اب میرے چہرے پر ہونٹ نہیں ہیں۔

ناخن پالش لگانے پر عذاب

اس کے بعد اس عورت نے اپنے ہاتھ اور پیروں کی انگلیاں کھولیں، لوگوں نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ اور پیروں کی انگلیوں میں ایک بھی ناخن نہیں تھا، تمام انگلیوں کے ناخن غائب تھے۔ اس سے پوچھا کہ تیری انگلیوں کے ناخن کہاں گئے؟ اس عورت نے جواب دیا کہ ناخن پالش لگانے کی وجہ سے میرا ایک ایک ناخن کھینچ لیا گیا ہے، چونکہ میں یہ سارے کام کر کے گھر سے باہر نکلا کرتی تھی، اس لئے جیسے ہی مرنے کے بعد میں قبر میں پہنچی تو میرے ساتھ یہ معاملہ کیا گیا اور مجھے یہ سزا ملی کہ میرے سر کے بال بھی نوچ لئے گئے، میرے ہونٹ بھی کاٹ دیئے گئے اور ناخن بھی کھینچ لئے گئے۔ اتنی باتیں کرنے کے بعد وہ بے ہوش ہوگئی اور مردہ بے جان ہوگئی جیسے لاش ہوتی ہے، چنانچہ ان لوگوں نے دوبارہ اس کو قبرستان میں پہنچا دیا۔ اللہ تعالیٰ کو یہ عبرت دکھانی مقصود تھی کہ دیکھو! اس عورت کا کیا انجام ہوا؟ اور اس کو کتنا ہولناک عذاب دیا گیا؟ بے پردہ خواتین اس واقعہ سے عبرت لیں اور ان گناہوں سے توبہ کریں۔

مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا

کسی کے دل میں شبہ پیدا ہوسکتا ہے کہ مرنے کے بعد تو کوئی زندہ ہوتا نہیں، یہ عورت کیسے زندہ ہوگئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عام قاعدہ تو یہی ہے کہ مرنے کے بعد کوئی زندہ نہیں ہوتا اور دنیا میں واپس نہیں آیا کرتا، لیکن اللہ تعالیٰ کبھی کبھی عبرت کے لئے ایسا کردیا کرتے ہیں۔ اور یہ بات آج سے نہیں ہے بلکہ جب سے دنیا چلی ہے، اس وقت سے یہ ہوتا چلا آرہا ہے اور ہر زمانے میں کوئی نہ کوئی واقعہ اس قسم کا پیش آتا رہا ہے کہ مرنے کے بعد کوئی زندہ ہوگیا اور اس نے مرنے کے بعد کا حال سنادیا اور پھر دوبارہ مرگیا۔ حافظ ابن ابی الدنیاؒ کا عربی میں ایک رسالہ ہے جس کا نام ''من عاش بعد الموت'' ہے، اس رسالے میں سند کے ساتھ بہت سے ایسے واقعات لکھے ہوئے ہیں کہ ایک انسان مرگیا اور پھر اس نے زندہ ہوکر گفتگو کی اور مرنے کے بعد کے حالات سے زندوں کو باخبر کیا اور پھر دوبارہ انتقال کرگیا۔ اسی طرح حافظ ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ نے ''احوال القبور'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے، اس میں بھی بعض ایسے واقعات لکھے ہیں۔ بہرحال، کبھی کبھار عبرت کے لئے اللہ تعالیٰ ایسے واقعات دکھاتے رہتے ہیں۔ لہٰذا یہ قرآن وسنت کے خلاف نہیں ہے، البتہ عام دستور یہی ہے کہ مرنے کے بعد انسان زندہ نہیں ہوتا۔

بے پردگی کی وجہ سے عذاب جہنم

جہنم میں عورتوں پر عذاب دیکھنے کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اور بھی بہت سی احادیث میں بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ نامحرم مردوں کے سامنے بے پردہ نکلنے کے سلسلے میں ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جہنم میں زیادہ تر عورتوں کو دیکھا۔ پھر فرمایا کہ عورتوں کے جہنم میں کثرت سے جانے کی چار وجہ ہیں۔

﴿۱﴾ ایک وجہ یہ ہے کہ ان میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا مادہ بہت کم ہے۔

﴿۲﴾ دوسری وجہ یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کا جذبہ بہت کم ہے۔

﴿۳﴾ تیسری وجہ یہ ہے کہ ان میں اپنے خاوند کی فرماں برداری بہت کم ہے۔

﴿۴﴾ چوتھی وجہ یہ ہے کہ ان کے اندر بن ٹھن کر بے پردہ گھر سے باہر نکلنے کا جذبہ بہت پایا جاتا ہے۔

یہ چوتھی وجہ وہی ہے جو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ آج کل اکثر خواتین جب گھر سے باہر نکلیں گی تو خوب اعلیٰ سے اعلیٰ جوڑا پہن کر اور خوب آراستہ پیراستہ ہو کر میک اپ کر کے خوشبو لگا کر بے پردہ باہر نکلیں گی۔

البتہ اگر کوئی خاتون مکمل شرعی پردے میں گھر سے باہر نکلے اور ایسی خوشبو لگا کر نہ نکلے جس کی خوشبو دوسرے نامحرم مردوں تک جائے یا کوئی عورت آرائش و زیبائش کے ساتھ صرف اپنے شوہر کے سامنے آئے یا اپنے باپ، بھائی اور بیٹے کے سامنے آئے تو اس میں کوئی بُرائی نہیں، جائز ہے۔ کیونکہ شوہر کے لئے آرائش و زیبائش کرنا نہ صرف جائز بلکہ بہتر ہے، لیکن یہ عذاب اور وبال اس صورت میں ہے کہ عورتیں نامحرم مردوں کے سامنے آرائش کر کے آئیں، چاہے وہ نامحرم گھر کے ہوں یا باہر کے ہوں، اس وقت یہ فعل گناہ ہے اور حرام اور ناجائز ہے جس سے بچنا واجب ہے۔

دوسری عورت پر عذاب کا سبب ''زبان درازی''

دوسری عورت جس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ وہ زبان کے بل جہنم کے اندر لٹکی ہوئی ہے، اس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ وہ عورت ہے جو اپنی زبان درازی سے اپنے شوہر کو تکلیف پہنچایا کرتی تھی۔ بعض عورتوں میں بلاشبہ یہ بُری خصلت پائی جاتی ہے کہ وہ بہت ہی منہ پھٹ، زبان دراز، بدگو اور بہت زیادہ زبان چلا کر اپنے شوہر کو تکلیف پہنچانے کی عادی ہوتی ہیں، اور یہ بات تو مرد کے لئے بھی جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی زبان سے اپنی بیوی کو ناحق تکلیف پہنچائے یا اس کو ستائے اور پریشان کرے، مرد کے لئے بھی یہ بات باعث عذاب اور باعث وبال ہے۔ لیکن اس حدیث میں یہ صفت خاص عورتوں کے متعلق بیان کی جارہی ہے کہ

بات بات پر شوہر سے لڑنا اور بدتمیزی کرنا اور ایسی باتیں کرنا جس سے شوہر کا دل دُکھے اور اس کو تکلیف اور ایذاء پہنچے، ایسی خواتین کے بارے میں یہ عذاب بتایا گیا ہے کہ وہ جہنم میں زبان کے بل لٹکیں گی۔

زبان درازی سنگین گناہ ہے

اگر انسان کسی کو ہاتھ سے مار دے یا کسی چیز سے مار دے، اس کی تکلیف زیادہ دیر تک باقی نہیں رہتی، لیکن زبان سے بعض اوقات انسان ایک ایسا کلمہ کہہ دیتا ہے جو زندگی بھر انسان کو نہیں بھولتا، زبان کا جسم تو بہت چھوٹا سا ہے، مگر اس کے گناہ بڑے سنگین ہیں، ان سنگین گناہوں میں سے ایک گناہ زبان درازی بھی ہے، یہ ایسا سنگین گناہ ہے جو گھر کے سارے سکون کو غارت کر دیتا ہے اور زندگی کو اجیرن بنا دیتا ہے۔ اگر اس کا سبب کسی خاتون کی زبان درازی ہے، تو اس کے لئے اس حدیث میں یہ عذاب اور وبال بیان کیا گیا ہے۔ اس لئے خواتین کو اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ وہ زبان سے کوئی ایسا کلمہ نہ نکالیں جس سے ان کے شوہر کو کوئی تکلیف پہنچے، ایسے ہی شوہروں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ بھی اپنی زبان سے ایسی بات نہ کہیں جس سے بیوی کو تکلیف پہنچے۔ بلکہ تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کو یہ حکم ہے کہ وہ اپنی زبان پر قابو رکھیں، کیونکہ زبان سے ایسی بات نکالنا جس سے دوسرے کو تکلیف پہنچے، باعث عذاب ہے اور گناہ ہے اور کسی مسلمان کو ناحق تکلیف پہنچانا حرام ہے، اور جس طرح ہاتھ کے ذریعہ اور اشاروں اور کنایوں کے ذریعہ تکلیف پہنچانا

گناہ ہے، اسی طرح زبان کے ذریعے تکلیف پہنچانا بھی گناہ ہے، اس لئے اس بات کا اہتمام کرنا چاہئے کہ زبان قابو میں رہے اور زبان سے وہی بات نکلے جس سے دوسروں کا دل خوش ہو اور دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے۔

تیسری عورت پر عذاب کا سبب ''ناجائز تعلقات''

تیسری عورت جس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ وہ اپنی چھاتیوں کے بل لٹکی ہوئی ہے۔ اس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ وہ عورت ہے جو شادی شدہ ہونے کے باوجود دوسرے مردوں سے ناجائز تعلق رکھتی تھی۔ شریف اور باحیاء عورتیں تو اس کا تصور بھی نہیں کر سکتیں، اسی طرح شریف اور باحیاء مرد بھی اس کا تصور نہیں کر سکتے۔

بے حیائی کے سنگین نتائج

لیکن جس معاشرے میں حیاء کا خاتمہ ہو چکا ہو اور بے حیائی کا دور دورہ ہو، اس میں اس بات کو کہاں عیب سمجھا جائے گا، بلکہ ایسے معاشرے میں اس کو فیشن کے طور پر اختیار کر لیا گیا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

الحیاء شعبة من الایمان۔

حیاء ایمان کی ایک شاخ ہے۔

یعنی دین اور ایمان کا ایک اہم شعبہ ''حیاء'' ہے، یہ حیاء ایسی چیز ہے جو انسان

کو بہت سے گناہ سے بچالیتی ہے، چنانچہ جنسی نوعیت کے جتنے گناہ ہیں، ان سب میں حیاء ایک پردہ اور رکاوٹ بن جاتی ہے، اسی حیاء کی وجہ سے انسان غیرمحرم عورت کی طرف نظر نہیں اٹھا سکتا، کسی نامحرم کے پاس جانے اور اس کے پاس تنہائی میں بیٹھنے سے حیاء اس انسان کو روکے گی، اسی طرح اگر عورت حیادار ہے تو وہ حیاء اس کو نامحرم مرد کی طرف دیکھنے سے روکے گی، اور یہ حیاء ہی دراصل باپ اور بیٹی کے درمیان، بھائی اور بہن کے درمیان، سسر اور بہو کے درمیان پردہ ہے، خدانخواستہ اگر کسی جگہ پر کسی وقت اس حیاء کا خاتمہ ہو گیا تو پھر بیٹی اور اجنبی عورت برابر ہے۔

باپ اور بیٹی کے درمیان حیاء کا پردہ

میرے ایک دوست جو بہت بڑے عامل ہیں، ان کے پاس زیادہ عورتوں ہی کی آمد و رفت رہتی ہے، کسی پر جن چڑھا ہوا ہے، کسی پر آسیب کا اثر ہے، کسی پر جادو کا شبہ ہے، کسی کے لئے شادی کی کوشش ہے۔ ایک ماہ پہلے جب میری ان سے ملاقات ہوئی تو وہ میرے کان میں چپکے چپکے کہنے لگے کہ آج کل میرے پاس اکثر عورتیں اپنی یہ پریشانی لے کر آتی ہیں کہ کوئی ایسا تعویذ دے دو کہ باپ کی نظر بیٹی سے ہٹ جائے، اس لئے کہ ہمیں رات کو بار بار اٹھ کر پہرہ دینا پڑتا ہے کہ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ باپ بیٹی کو پریشان کر رہا ہو۔ پھر کہنے لگے کہ میں تو سن کر کانپ جاتا ہوں کہ ان کو کیا علاج بتاؤں، جب باپ ہی کا دل بیٹی پر آ گیا تو اب زمین پر جینے کا کیا حق رہ گیا۔

ٹی وی کا وبال

مگر لوگوں کو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ یہ سب ٹی وی دیکھنے کا نتیجہ ہے، وہ تو کہتے ہیں کہ ٹی وی دیکھنے میں کیا حرج ہے؟ حالانکہ یہ سارا وبال ٹی وی کا ہے، اس لئے کہ ٹی وی پر ننگی فلمیں دیکھ دیکھ کر حیاء کا جنازہ نکل گیا ہے، باپ سے بھی حیاء نکل گئی ہے، اور بھائی سے بھی حیاء نکل گئی ہے، اور جب حیاء باقی نہ رہے تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اذا فاتك الحياء فافعل ماشئت

جب تمہاری حیاء کا خاتمہ ہو جائے تو جو چاہے کرو۔

اس لئے کہ پھر ہر بُرائی آپ کے لئے برابر ہے۔ حیاء ہی یہ بتاتی ہے کہ دیکھ یہ تیری بیٹی ہے اور یہ تیری بہن ہے، یہ تیری ماں ہے اور یہ تیری بہو ہے، اگر حیاء نہیں تو پھر اس کے نزدیک سب خواتین برابر ہیں۔ پھر تو جانوروں جیسی حالت ہوگی، کیونکہ جانور میں بھی حیاء نہیں ہے، اس لئے تو ان کے اندر ماں بہن کا رشتہ بھی نہیں ہے، انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے حیاء کا مادہ رکھا ہے، وہ حیاء ہی اس کو ان باتوں سے روکتی ہے اور جانوروں سے ممتاز کرتی ہے۔

ٹی وی حیاء صاف کرنے کا استرا ہے

بہرحال! یہ ٹی وی حیاء کو صاف کرنے کا استرا ہے، اخلاق کو برباد کرنے کا ذریعہ ہے، ایمان کو غارت کرنے کا سبب ہے، جس طرح استرے

سے سارے سر کے بال صاف ہو جاتے ہیں، اسی طرح ٹی وی اور فلمیں دیکھنے سے انسان کی حیاء کا خاتمہ ہو جاتا ہے، اخلاق کا خاتمہ ہو جاتا ہے، اعمال کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور آخر میں بعض مرتبہ ایمان بھی چلا جاتا ہے۔ بہرحال! جو عورت دوسرے مردوں پر نظر رکھتی ہو اور ان سے ناجائز تعلقات رکھتی ہو تو اس کے لئے یہ عذاب ہے کہ جہنم میں اس کو چھاتیوں کے بل لٹکایا جائے گا، لہٰذا اس گناہ سے بچیں۔

چوتھی عورت پر عذاب کا سبب ''استہزاء''

چوتھی عورت جس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حالت میں دیکھا کہ اس کے دونوں پیر سینے سے بندھے ہوئے ہیں اور دونوں ہاتھ سر سے بندھے ہوئے ہیں۔ اس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ وہ عورت ہے جو دنیا میں جنابت اور حیض سے پاک صاف رہنے کا اہتمام نہیں کرتی تھی اور نماز کے ساتھ بڑی لاپرواہی بلکہ استہزا کا معاملہ کرتی تھی۔

غسل فرض میں تاخیر کی حد

مسئلہ یہ ہے کہ جب مرد اور عورت پر غسل فرض ہو جائے تو افضل یہ ہے کہ اسی وقت غسل کرلیں اور اگر اس وقت غسل نہ کریں تو کم از کم استنجاء کر کے وضو کرلیں اور پھر سو جائیں اور اگر یہ بھی نہ کرسکیں تو کم از کم استنجاء کرلیں اور کلی کرلیں اور ہاتھ دھو کر سو جائیں، اور اگر اتنا بھی نہ کرسکیں تو پھر آخری درجہ

یہ ہے کہ صبح صادق ہونے پر طلوع آفتاب سے اتنی دیر پہلے غسل کرلیں کہ اگر مرد ہے تو اس کی نماز فجر باجماعت ادا ہو جائے اور اگر عورت ہے تو غسل سے فراغت کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے نماز فجر ادا کرلے، یہ آخری درجہ ہے، اس سے زیادہ تاخیر کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص جنابت کی حالت میں سوگیا اور پھر سورج نکلنے کے بعد اٹھا تو اس کے لئے یہ عذاب اور وبال ہے، کیونکہ غسل کرنے میں اتنی تاخیر کرنا جس کی وجہ سے جماعت چھوٹ جائے یا نماز قضا ہو جائے، ناجائز اور حرام ہے۔

دیر سے سونے کی نحوست

ہمارے یہاں دیر سے سونے کا ایسا منحوس فیشن چل پڑا ہے جس کی وجہ سے عموماً صبح سویرے اٹھنا مشکل ہوتا ہے، رات کو اتنی دیر جاگنا کہ جس کی وجہ سے فجر کی نماز قضا ہو جائے، جائز نہیں ہے، پھر اگر جنابت کی حالت ہو تو فجر کی نماز کا قضا ہونا اور یقینی ہو جاتا ہے، چاہے وہ مرد ہو یا عورت۔ اور جنابت کی حالت میں اس طرح ساری رات گزارنا کہ فجر کی نماز بھی قضا ہو جائے اور زیادہ ناجائز اور گناہ ہے اور باعث عذاب ہے، لہٰذا اس گناہ سے بھی بچنے کی فکر کرنی چاہئے۔

ماہواری سے پاکی پر فوراً غسل

اسی طرح ماہواری کے معاملے میں بھی یہ حکم ہے کہ جونہی طہارت ہو

جائے اور پاکی کی علامت پائی جائے اور اس وقت کسی نماز کا بھی وقت ہے اور امکان یہ ہے کہ اگر جلدی سے غسل کرلیا جائے تو وقت نکلنے سے پہلے کم از کم ''اللہ اکبر'' کہنے کا وقت مل جائے گا تو اس وقت کی نماز فرض ہو جائے گی اور اگر اس سے زیادہ وقت ملے تو پھر بطریق اولی نماز فرض ہو جائے گی، لہٰذا اس وقت حکم یہ ہے کہ فوراً جلدی سے غسل کر کے نماز پڑھے، مثلاً نماز کا وقت ختم ہونے میں ایک گھنٹہ باقی ہے اور پاکی کی علامت پائی گئی تو وہ فوراً غسل کر کے نماز پڑھے۔ لیکن آج کل خواتین میں یہ مرض عام ہے کہ اس وقت کو لاپرواہی میں گزار دیتی ہیں، چنانچہ اگر رات کو عشاء کے بعد پاک ہو گئیں تو ساری رات بغیر غسل کے ناپاکی کی حالت میں گزار دیں گی، حالانکہ صبح صادق سے پہلے غسل کر کے عشاء کی نماز پڑھنا ان پر فرض ہو چکا ہے، اس لئے ایسی صورت میں ان کو چاہئے کہ غسل کر کے پاک صاف ہو جائیں اور نماز ادا کریں۔ حضرات صحابیات کا آخرت کی فکر کی وجہ سے یہ حال تھا کہ وہ رات کو بار بار اٹھ کر اور چراغ جلا کر دیکھا کرتی تھیں کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ طہارت ہو چکی ہو اور نماز فرض ہو چکی ہو اور ہماری نماز قضا ہو جائے۔ آج کل تو چراغ جلانے کی زحمت بھی نہیں ہے، صرف بٹن دبانے کی دیر ہے، جس میں کوئی دقت نہیں ہے، اس کے باوجود آج کل کی خواتین کے اندر لاپرواہی کرنے اور کئی کئی نمازیں ضائع کرنے کا عام رواج ہے اور ایسی ہی عورتوں کے لئے یہ عذاب اور وبال ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بیان فرمایا۔ لہٰذا جنابت اور ماہواری کے معاملے میں بہت ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے کہ اس

کی وجہ سے ہماری کوئی نماز قضا نہ ہونے پائے اور عام حالات میں بھی نماز قضا کرنے سے بچنا ضروری ہے۔

عذاب کا سبب "نماز کا استہزاء"

اس عذاب کی تیسری وجہ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی، وہ نماز کا استہزاء اور مذاق اڑانا ہے اور نماز کو معمولی سمجھ کر اس کی طرف سے لاپرواہی کرنا ہے۔ اس معاملے میں ہمارے عام مردوں اور عورتوں کا تقریباً یکساں حال ہے، چنانچہ جتنے نوجوان ہیں، عموماً ان کے اندر نماز کا اہتمام نہیں، نہ لڑکوں میں اور نہ لڑکیوں میں، اسی طرح آزاد منش عورتوں میں بھی نماز کا کوئی اہتمام نہیں ہے، اور اگر ان سے نماز کے بارے میں کہا جائے تو ایسے طریقے سے جواب دیا جاتا ہے کہ جس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نظر میں نماز کوئی ضروری کام ہی نہیں، حالانکہ شادی ہو یا غمی، لیکن نماز چھوڑنا جائز نہیں، آج کل کی تقریبات میں دیکھئے! ان میں کس طرح لڑکوں اور لڑکیوں اور مردوں اور عورتوں کی نمازیں برباد ہوتی ہیں اور ایسی تقریبات درحقیقت وبال ہیں، اللہ تعالیٰ بچائیں۔ آمین۔

پانچویں خاتون پر عذاب کا سبب "چغلی"

پانچویں خاتون جس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حالت میں دیکھا کہ اس کا چہرہ خنزیر کی طرح ہے اور باقی جسم گدھے کی طرح ہے اور

سانپ بچھو اس کو لپٹے ہوئے ہیں۔ اس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ وہ عورت ہے جس کو جھوٹ بولنے اور چغلی کھانے کی وجہ سے عذاب ہو رہا تھا۔ آپ حضرات جانتے ہیں کہ یہ دونوں گناہ صرف عورتوں کے ساتھ خاص نہیں ہیں بلکہ اگر مردوں کے اندر بھی یہ گناہ پائے جائیں گے تو ان کی بھی پکڑ ہوگی اور ان پر بھی عذاب ہوگا۔

غیبت اور چغلی میں فرق

ایک گناہ ہے "غیبت" اور ایک گناہ ہے "چغلی" یہ دونوں گناہ ہیں اور حرام ہیں اور دونوں سے بچنا ضروری ہے۔ لیکن ان دونوں میں تھوڑا سا فرق ہے، "غیبت" اسے کہتے ہیں کہ کسی کے پیٹھ پیچھے اس کی اس طرح بُرائی کرنا کہ اگر اس کو معلوم ہو جائے تو وہ اس کو ناپسند کرے۔ مثلاً کسی شخص میں کوئی عیب ہے، اب ہم دوسروں کو جا کر بتا رہے ہیں کہ فلاں شخص میں یہ عیب ہے، اس کا نام غیبت ہے، لیکن اگر ہم کسی شخص کی بُرائی اس کے پیٹھ پیچھے اس نیت سے کریں تاکہ دونوں میں لڑائی ہو اور بدگمانی اور نااتفاقی پیدا ہو تو اس کو "چغلی" کہتے ہیں۔ اور چغلی کا گناہ "غیبت" سے بڑھ کر ہے، اس لئے کہ غیبت میں تو صرف دوسرے کی بُرائی مقصود ہوتی ہے، لیکن چغلی میں تو بُرائی کے علاوہ یہ بھی مقصود ہے کہ ان دونوں کے درمیان لڑائی ہو اور ان دونوں کے درمیان جو دوستی اور محبت اور تعلق ہے وہ ختم ہو جائے، مثلاً ساس نے بہو کی باتیں سسر کے سامنے یا اس کے شوہر کے سامنے اس طرح کیں کہ اب شوہر

بیوی سے خفا ہو رہا ہے اور سسر بھی بہو سے بدگمان ہو رہا ہے، یہ چغلی ہے اور حرام ہے۔ آج کل یہ مسئلہ عام ہے اور ہر گھر کا مسئلہ ہے، ایک گھرانہ جو ساس، بہو، سسر اور شوہر ان چار افراد پر مشتمل ہے، لیکن چاروں ایک دوسرے سے کٹے ہوئے ہیں، اس لئے کہ چاروں اس چغلی کی مصیبت میں مبتلا ہیں اور ہر ایک دوسرے کی چغلی اور بدگمانی میں لگا ہوا ہے، اس کی وجہ سے گھر کا نظام درہم برہم ہوگیا اور گھر کا سکون غارت ہوگیا اور آخرت میں بھی اس پر بڑا عذاب اور وبال ہے۔

ایک چغل خور کا قصہ

ایک چغل خور کا قصہ یاد آیا، ایک شخص نے بازار میں دیکھا کہ ایک شخص اپنا غلام بیچ رہا ہے اور یہ آواز بھی لگا رہا ہے کہ یہ بہت اچھا غلام ہے، اس کے اندر اس کے علاوہ کوئی عیب نہیں ہے کہ یہ کبھی کبھی چغلی کھاتا ہے، کسی شخص نے یہ آواز سنی تو اس نے سوچا کہ اس میں تو کوئی عیب نہیں ہے اور چغلی کھانا تو عام بات ہے، اس میں کیا خرابی ہے، لہٰذا اس غلام کو خرید لینا چاہئے، چنانچہ اس نے سودا کر کے وہ غلام خرید لیا اور اپنے گھر لے آیا، کچھ عرصے تک تو وہ غلام ٹھیک کام کرتا رہا، اس کے بعد اس نے اپنا رنگ دکھانا شروع کیا، چونکہ چغل خوری کے اندر وہ ماہر تھا، اس لئے اس نے چغل خوری کے اندر اپنا کرتب دکھلایا اور سب سے پہلے وہ اپنی مالکہ کے پاس گیا اور اس سے جا کر کہا کہ آپ کے شوہر جو میرے آقا ہیں، وہ کسی عورت سے تعلق رکھتے ہیں اور اس

کے پاس آتے جاتے ہیں اور عنقریب وہ تجھے چھوڑ کر اس سے شادی کرلیں گے، اور میں تیری خیر خواہی کے لئے تجھے بتا رہا ہوں، کسی اور کو مت بتانا۔ یہ باتیں سن کر وہ بیوی بہت گھبرائی اور پریشان ہوئی، پھر خود غلام ہی نے اس کی پریشانی کا علاج بتایا کہ مجھے ایک ترکیب آتی ہے، تم اس پر عمل کرلو، وہ یہ کہ جب تمہارے شوہر سو جائیں تو تم استرے سے ان کی داڑھی کے ایک دو بال کاٹ کر اپنے پاس رکھ لینا، پھر دیکھنا کیا ہوتا ہے، پھر وہ ہمیشہ تمہارے ہو کر رہیں گے، کبھی دوسری عورت کی طرف نظر نہیں اٹھائیں گے۔ عورت نے جواب دیا کہ یہ کیا مشکل کام ہے، یہ تو میں آج ہی کرلوں گی، خدانخواستہ کل کو کچھ اور ہو گیا تو کیا ہوگا۔

اس کے بعد وہ غلام آقا کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ تمہاری بیوی کے دوسرے مردوں سے ناجائز تعلقات ہیں اور عنقریب وہ آپ کو خیر باد کہنے والی ہے اور اس نے یہ تہیہ کرلیا ہے کہ وہ آج رات آپ کو استرے سے ذبح کرے گی، اگر آپ کو میری بات کا یقین نہ ہو تو آپ جھوٹ موٹ سو کر دیکھنا، اگر تمہاری بیوی تمہارا گلا کاٹنے نہ آئے تو مجھے بتانا۔ چنانچہ وہ آقا رات کو جا کر جھوٹ موٹ سو گیا، ادھر اس کی بیوی اس انتظار میں تھی کہ کب ان کی آنکھ لگے تو میں پھر اپنا کام کروں، شوہر کو نیند کہاں آتی، اس لئے اس نے مصنوعی خراٹے لینا شروع کر دیئے، اب بیوی کو یقین ہو گیا کہ شوہر صاحب کو نیند آ گئی ہے، فوراً استرا لے کر پہنچی اور ابھی گلے پر ہلکا سا استرا رکھا تھا کہ شوہر نے فوراً آنکھیں کھول دیں اور بیوی کو پکڑ کر کہا کہ اچھا تم مجھے ذبح کرنا چاہ رہی تھیں،

غصہ تو پہلے سے ہی آ رہا تھا، اس آقا نے اسی استرے سے بیوی کو ذبح کر دیا، جب بیوی کے خاندان والوں کو پتہ چلا کہ شوہر نے ہماری بیٹی کو ذبح کر دیا ہے تو انہوں نے آ کر اسی استرے سے شوہر کو پکڑ کر ذبح کر دیا، اب شوہر کے خاندان والے بھی آ گئے اور دونوں خاندانوں میں خوب جھگڑا ہوا اور بیسیوں لاشیں گر گئیں۔

گھر کے افراد میں چغلی

آپ نے دیکھا کہ اس غلام نے ذرا سی چغلی کے ذریعہ کس طریقے سے دونوں خاندانوں کو تباہ کر دیا، اسی لئے اس چغلی کو شریعت نے حرام قرار دیا ہے۔ اب چاہے ہر جگہ چغلی قتل نہ کرائے مگر دل تو پارہ پارہ ہو ہی جاتے ہیں، اب تک بہو اور ساس میں بڑی محبت تھی، لیکن اب چغلی لگا لگا کر دونوں کے دل پھاڑ دیے، اب تک سسر اپنی بہو کے ساتھ بڑی شفقت کے ساتھ پیش آتا تھا، لیکن ساس نے اس کے کان بھر بھر کے بہو کی طرف سے اس کا دل پھاڑ دیا۔ اب گھر کے اندر یہ حال ہو گیا ہے کہ نہ بیٹے کے دل میں باپ کا احترام رہا اور نہ سسر کے دل میں بہو کا احترام رہا اور نہ بہو کے دل میں ساس کی محبت رہی۔

اور یہ چغلی کرنا اور کان بھرنا جس طرح گھر کے افراد کے درمیان ہوتا ہے، اسی طرح گھر کے باہر کے افراد میں بھی ہوتا ہے، مثلاً دوستوں میں، رشتہ داروں میں، اہل تعلقات میں یہ چغلی کھائی جاتی ہے۔ اور کسی کے صرف بتانے

پر پورا یقین کر لیتے ہیں کہ واقعۃً اس نے ایسا کیا ہوگا، جبکہ اس طرح سنی سنائی باتوں پر بلا تحقیق یقین کرنا بھی جائز نہیں۔ بہرحال! یہ چغلی اتنی بری چیز ہے، اس سے بہت زیادہ بچنا چاہئے۔

عذاب کا سبب "جھوٹ بولنا"

اس چغلی کے ساتھ دوسرا گناہ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، وہ ہے "جھوٹ بولنا" آپ حضرات جانتے ہی ہیں کہ جھوٹ بولنا کتنا بڑا گناہ ہے اور چغلی کے اندر جھوٹ کا ہونا لازمی ہے، اس لئے کہ جھوٹ کے بغیر چغلی کیسے چلے گی۔ اور جس طرح آج ہمارے معاشرے میں چغلی عام ہے، اسی طرح جھوٹ بھی عام ہے، ہر میدان میں جھوٹ کا ایک ختم نہ ہونے والا سلسلہ ہے، اب جھوٹے سرٹیفکیٹس اور جھوٹی سندیں بنائی جا رہی ہیں، پیسے دے کر انجینئر کی سند لے لو، وکالت کی سند لے لو، جھوٹی سند تیار ہے، اور جھوٹے کاغذات پر ملازمتیں اختیار کی جا رہی ہیں۔ یاد رکھیں! ان تمام صورتوں میں جھوٹ بولنا، لکھنا، بتانا سب حرام ہے اور سخت گناہ ہے۔

تین قسم کے افراد پر قیامت کے دن عذاب

اسی لئے ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین آدمی ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی طرف قیامت کے روز نظر رحمت نہیں فرمائیں گے، نہ ان سے بات کریں گے اور نہ ان کا تزکیہ فرمائیں گے

اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

ایک آدمی وہ ہے جو حالت سفر میں ہے اور اس کے پاس ضرورت سے زیادہ پانی موجود ہے، دوسرے مسافر کو پانی کی ضرورت ہے اور وہ اس سے پانی طلب کرتا ہے مگر یہ جھوٹ بول کر پانی دینے سے انکار کر دیتا ہے، اس شخص کے لئے یہ عذاب ہے، البتہ اگر پانی ضرورت کے مطابق ہے تو پھر انکار کر دینا جائز ہے، اس میں کوئی گناہ نہیں۔

جھوٹی قسم کھانے والا

دوسرا شخص جس کو یہ عذاب دیا جائے گا وہ تاجر ہے جو خریدار کو یہ کہتا ہے کہ میں نے یہ چیز اتنے میں خریدی ہے اور تمہیں اتنے میں فروخت کرتا ہوں، اور اس پر قسم بھی کھالے، حالانکہ وہ جو قیمت خرید خریدار کو بتا رہا ہے، اس نے اس قیمت پر وہ چیز نہیں خریدی بلکہ اس سے کم میں خریدی ہے، مثلاً وہ تاجر کہتا ہے کہ میں نے یہ چیز ایک ہزار روپے میں خریدی ہے اور تمہیں بارہ سو روپے میں فروخت کرتا ہوں اور ایک ہزار روپے میں خریدنے پر قسم بھی کھالیتا ہے جبکہ اس نے وہ چیز آٹھ سو روپے میں خریدی ہے، اور قسم کھانے کی وجہ سے خریدار مطمئن ہوگیا اور اس نے مطمئن ہوکر بارہ سو میں وہ چیز خریدلی۔ اگر خریدار کو یہ معلوم ہو جاتا کہ اس نے یہ چیز آٹھ سو میں خریدی ہے تو وہ کبھی بھی اس کو بارہ سو میں نہ خریدتا، لہٰذا اس نے جھوٹی قسم کھائی اور اس جھوٹی قسم پر یہ عذاب ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا۔

تیسرا شخص وہ ہے جو احسان کر کے جتلاتا ہے، اس کو بھی یہ عذاب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائیں گے اور نہ اس سے بات چیت فرمائیں گے اور نہ اس کا تزکیہ فرمائیں گے اور اس کے لئے دردناک عذاب ہوگا، بعض لوگوں میں احسان جتانے کی بڑی عادت ہوتی ہے، وہ اس گناہ سے بطور خاص بچیں۔

جھوٹ کا رواج عام ہے

بہرحال، یہ تین آدمی ایسے ہیں جن کو دردناک عذاب دیا جائے گا۔ اور وہ دردناک عذاب یہی ہے کہ ان کا چہرہ سور کی طرح ہوگا اور باقی جسم گدھے کی طرح ہوگا اور جہنم کے سانپ بچھو اس کو لپٹے ہوئے ہوں گے۔ یہ عذاب چغلی اور جھوٹ بولنے کی وجہ سے ہوگا، آج ہمارے گھروں میں جھوٹ بولا جاتا ہے، ہمارے بازاروں میں جھوٹ بولا جاتا ہے، ہمارے دفتروں میں جھوٹ بولا جاتا ہے، ہماری تقریبات میں جھوٹ بولا جاتا ہے اور اس جھوٹ کو فیشن کے طور پر اپنا لیا گیا ہے۔ جھوٹ کی بیسیوں جدید قسمیں ہمارے معاشرے میں پائی جاتی ہیں جس پر حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے تفصیل سے بیان فرمایا ہے، ان کا وہ بیان کتابی شکل میں ''جھوٹ اور اس کی مروجہ صورتیں'' کے نام سے چھپ چکا ہے، اس کا ضرور مطالعہ کریں اور اپنی اصلاح کریں۔

چھٹی عورت پر عذاب کا سبب ''احسان جتانا''

چھٹی عورت جس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حالت میں دیکھا کہ وہ کتے کی شکل میں ہے اور اس کے منہ سے آگ داخل ہو رہی ہے، اور پاخانے کے راستے سے آگ باہر نکل رہی ہے اور فرشتے جہنم کے گرز سے اس کو مار رہے ہیں۔ اس کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس عورت کو یہ عذاب دو گناہوں کی وجہ سے ہو رہا ہے، ایک حسد کرنے کی وجہ سے اور دوسرے احسان جتانے کی وجہ سے۔ یہ دونوں گناہ ایسے ہیں جو مردوں کے اندر بھی پائے جا سکتے ہیں، مرد بھی حسد کر سکتے ہیں اور احسان جتا سکتے ہیں، اس لئے اس دردناک عذاب کے وہ بھی مستحق ہو سکتے ہیں، اگر خواتین ان گناہوں کو کریں گی اور توبہ نہیں کریں گی تو وہ بھی اس عذاب کے اندر مبتلا ہوں گی۔

احسان جتانے کا مطلب

احسان جتانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے کسی کے ساتھ حسن سلوک کیا، لیکن جب ہمارا موقع آیا کہ ہمارے ساتھ کوئی ہمدردی کرے اور احسان کرے اور ہمارے ساتھ کوئی تعاون کرے تو اس وقت اگر اس شخص نے ہمارے ساتھ تعاون نہ کیا تو اب فوراً یہ احسان جتا دیتے ہیں کہ تمہارے موقع پر تو ہم نے تمہاری بڑی خدمت کی اور تمہارے بہت کام آئے، لیکن ہمارے موقع پر تم

نے طوطے کی طرح آنکھیں پھیرلیں۔ یہ ہے احسان جتانا۔ یہ بات خواتین میں بہت پائی جاتی ہے، شادی بیاہ کے موقع پر یا بیماری کے موقع پر اگر ایک عورت نے خدمت کردی اور اس کے موقع پر دوسری نے خدمت نہ کی تو اب وہ عورت سارے محلّے میں ڈھنڈورہ پیٹے گی اور جو بھی اس کے پاس آئے گا، اس کے سامنے یہ جتائے گی کہ ہم نے اس کے ساتھ فلاں خیرخواہی کی اور مدد کی اور ایسا کیا، اور آج جب ہمارا موقع ہوا تو اس نے ہمارے ساتھ یہ سلوک کیا۔ اس لئے مردوں اور عورتوں کو چاہئے کہ جس کی کوئی خدمت کریں وہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کریں اور اللہ تعالیٰ ہی سے اس کے اجر کی امید رکھیں اور کسی سے کوئی خدمت اور بدلے کی امید ہی نہ رکھیں اور جب کسی سے کوئی امید نہ ہوگی بلکہ اللہ تعالیٰ سے صرف امید ہوگی تو پھر وہ شکوہ اور گلہ دل میں پیدا نہ ہوگا۔ گھر کے اندر بھی اس کی عادت رہے اور گھر کے باہر دوستوں میں بھی اس کی عادت رہے کہ جو کچھ کرنا ہے، صرف اللہ تعالیٰ کے لئے کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھیں اور دوستوں سے، احباب سے، رشتہ داروں سے بدلہ کی کوئی امید نہ رکھیں اور نہ توقع رکھیں، اگر وہ کریں تو ان کا احسان سمجھیں اور اگر نہ کریں تو اللہ تعالیٰ ہی پر نظر رکھیں، بس اس عمل سے انشاء اللہ دل میں پریشانی اور تکلیف پیدا نہیں ہوگی۔

عذاب کا دوسرا سبب ''حسد کرنا''

اسی طرح آج کل حسد بھی اتنا پیدا ہوگیا ہے کہ کوئی شخص دوسرے کو

کھا تا نہیں دیکھ سکتا، پیتا نہیں دیکھ سکتا ہے،، پہنتا نہیں دیکھ سکتا، رہتا نہیں دیکھ سکتا، یہ حسد مردوں میں بھی پایا جاتا ہے اور عورتوں میں زیادہ پایا جاتا ہے، مثلاً کسی کے بہت اچھے کپڑے دیکھے تو دل میں حسد پیدا ہو رہا ہے، کسی کا اچھا گھر دیکھا تو حسد پیدا ہو رہا ہے، کسی کو دیکھا کہ اس کی بڑی تیزی سے ترقی ہو رہی ہے تو اس پر حسد ہو رہا ہے، کسی کے منصب اور عہدہ پر حسد ہو رہا ہے، کسی کی خوبصورتی پر، کسی کی مال داری پر، کسی کی صحت پر، کسی کے حسن و جمال پر، کسی کے مال و منال پر، کسی کے اہل و عیال پر، غرض یہ کہ جتنی نعمتیں دوسروں کو حاصل ہیں ان کو دیکھ دیکھ کر حسد پیدا ہو رہا ہے۔

حسد کا مطلب

حسد کے معنی یہ ہیں کہ انسان دوسرے کے پاس کوئی نعمت دیکھ کر دل میں جلے اور یہ تمنا کرے کہ اس سے یہ نعمت چھن جائے یعنی ''زوال نعمت کی تمنا کرنا'' اس کا نام حسد ہے اور یہ گناہ کبیرہ ہے اور ایسا گناہ ہے کہ اس کی وجہ سے اس عورت کو دردناک عذاب ہو رہا تھا جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بیان فرمایا۔

خلاصہ

بہر حال! یہ چار گناہ ایسے ہیں جو مردوں میں بھی پائے جاتے ہیں اور عورتوں میں بھی، ایک جھوٹ بولنا، دوسرے چغلی کھانا، تیسرے احسان جتانا،

چوتھے حسد کرنا، یہ چاروں گناہ ایسے ہیں جو ہمارے معاشرے کے اندر عام ہیں، اگر خدانخواستہ یہ گناہ کسی کے اندر ہوں تو اس کے لئے آخرت میں بھی عذاب ہے اور دنیا کی زندگی بھی اس کے لئے باعث وبال ہے، اس لئے ان سب سے توبہ کرنی چاہئے اور بچنا چاہئے۔

بہرحال! یہ چھے عورتیں ہیں جن کا ذکر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بالترتیب بیان فرمایا ہے اور ان گناہوں کا تعلق خواتین سے بھی ہے اور مردوں سے بھی ہے، لہٰذا ان تمام گناہوں سے خواتین وحضرات سب کو بچنے کی فکر کرنی چاہئے، تاکہ جہنم کے عذاب سے بچ سکیں۔ اب دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

نماز کی بعض اہم کوتاہیاں

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی
وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب
اصلاحی بیانات : جلد نمبر اوّل

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

نماز کی بعض اہم کوتاہیاں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِیْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَیْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ یُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِیَ لَهٗ وَنَشْهَدُاَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُاَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا كَثِیْرًا

اَمَّا بَعْدُ!۔

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلَّذِی خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ط

(سورۂ ملک آیت ۲)

اپنی اصلاح کی فکر

میرے قابل احترام بزرگو! اس وقت میں ایک اہم عمل کی دو کوتاہیوں کی طرف آپ کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں تا کہ وہ کوتاہیاں دور ہو جائیں۔ ویسے تو ہماری ہر حالت قابل اصلاح ہے، اور ہمارا ہر عمل کوتاہیوں سے بھرا ہوا ہے، لیکن بعض اعمال جو بہت اہم ہیں، ان میں ہونے والی کوتاہی بہت زیادہ قابل توجہ اور قابل اصلاح ہے، یہ کوتاہی عام مردوں، عورتوں، لڑکوں اور لڑکیوں میں پائی جاتی ہے۔ اور ہم سب کے یہاں جمع ہونے کا اصل مقصد یہی ہے کہ ہم سب اپنی اصلاح کریں اور اپنے اعمال واخلاق میں جو خرابیاں پائی جاتی ہیں ان کو دور کرنے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کوتاہیوں کو ختم کرنے اور اپنی اصلاح کی فکر عطا فرمائیں۔ آمین۔

نماز کی اہمیت

وہ اہم ترین عمل جس میں یہ دو کوتاہیاں پائی جاتی ہیں، وہ نماز ہے۔ یہ پانچ وقت کی نماز جو ہم پڑھتے ہیں، یہ معمولی عمل نہیں ہے، یہ بہت اہم ترین عمل ہے، اللہ تعالیٰ اس کی اہمیت ہمارے دلوں میں پیدا کر دیں۔ آمین۔

اللہ تعالیٰ نے ابتداء میں پچاس نمازیں فرض فرمائی تھیں، اور پھر سرکار دو

عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے صرف پانچ نمازیں باقی رہ گئیں، پینتالیس نمازیں اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیں، اور صرف معاف ہی نہیں فرمائیں بلکہ یہ بھی فرمادیا کہ ہم پانچ نمازوں پر پچاس نمازوں کا ثواب بھی عطا فرمائیں گے۔ آپ اندازہ لگائیں کہ چوبیس گھنٹے میں پچاس نمازیں فرض ہونا معمولی بات نہیں، بلکہ یہ اس کی غیر معمولی اہمیت کی دلیل ہے۔ اور ان پانچ نمازوں کی اہمیت کے بارے میں بھی بعض روایات میں عجیب بات بیان کی گئی ہے:

سب سے پہلے نماز فجر حضرت آدم علیہ السلام نے ادا کی

وہ یہ کہ ہم جو فجر کی نماز ادا کرتے ہیں اور اس میں دو رکعتیں فرض پڑھتے ہیں، اس کی حکمت یہ ہے کہ فجر کی نماز سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے ادا فرمائی، جس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں اتارا، اس وقت دنیا میں رات چھائی ہوئی تھی، حضرت آدم علیہ السلام جنت کی روشنی سے نکل کر دنیا کی اس تاریک اور اندھیری رات میں دنیا میں تشریف لائے، اس وقت ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا، حضرت آدم علیہ السلام کو بڑی تشویش اور پریشانی لاحق ہوئی کہ یہ دنیا اتنی تاریک ہے، یہاں زندگی کیسے گزرے گی؟ نہ کوئی چیز نظر آتی ہے، نہ جگہ سمجھ میں آتی ہے کہ کہاں ہیں اور کہاں جائیں؟ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے، چنانچہ خوف محسوس ہونے لگا، اس کے بعد آہستہ آہستہ روشنی ہونے لگی اور صبح کا نور چمکنے لگا، صبح صادق ظاہر ہوئی تو حضرت آدم علیہ السلام کی جان میں جان آئی، اس وقت حضرت آدم علیہ السلام نے سورج

نکلنے سے پہلے دو رکعتیں بطور شکرانہ ادا فرمائیں، ایک رکعت رات کی تاریکی جانے کے شکرانے میں ادا فرمائی، اور ایک رکعت دن کی روشنی نمودار ہونے کے شکرانے میں ادا فرمائی، یہ دو رکعتیں اللہ تعالیٰ کو اتنی پسند آئیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت پر فرض فرما دیا۔ (عنایہ) اس سے اندازہ لگائیں کہ یہ فجر کی نماز کتنی اہم نماز ہے۔

نماز ظہر کی فرضیت

اسی طرح ظہر کی چار رکعت ہم ادا کرتے ہیں۔ یہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ادا فرمائی تھیں، اور اس وقت ادا فرمائی تھیں جس وقت وہ اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کے امتحان میں کامیاب ہوگئے تھے، ایک رکعت تو اس امتحان میں کامیابی پر شکرانہ کے طور پر ادا فرمائی کہ یا اللہ! آپ کا شکر ہے کہ آپ کی مدد سے میں اس مشکل امتحان میں کامیاب ہوگیا۔ دوسری رکعت اس بات کے شکرانے میں ادا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے عوض جنت سے ایک مینڈھا اتار دیا، چونکہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ایک خصوصی انعام تھا، اس لئے اس کے شکرانے کے طور پر دوسری رکعت ادا فرمائی۔ تیسری رکعت اس شکرانے میں ادا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر براہ راست حضرت ابراہیم علیہ السلام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰاِبْرٰهِيْمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا اِنَّا

كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ○

(سورۃ الصافات آیت ۱۰۴،۱۰۵)

یعنی ہم نے آواز دی اے ابراہیم! بلاشبہ تم نے اپنا خواب سچا کر دکھایا، ہم نیکوکاروں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔

اس خطاب کے شکرانے میں تیسری رکعت ادا فرمائی۔ چوتھی رکعت اس بات کے شکرانے میں ادا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا صابر بیٹا عطا فرمایا جو اس سخت امتحان کے اندر بھی نہایت صابر اور متحمل رہا اور صبر کا پہاڑ بن گیا، اگر وہ متزلزل ہو جاتا تو میرے لئے اللہ کا حکم پورا کرنا دشوار ہو جاتا، چنانچہ خواب دیکھنے کے بعد بیٹے ہی سے مشورہ کیا کہ اے بیٹے! میں نے یہ خواب دیکھا ہے، تم غور کرلو، تمہارا کیا ارادہ ہے؟ بیٹے نے جواب دیا: ابا جان! آپ کو جو حکم ملا ہے وہ آپ کر گزریئے، عنقریب انشاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ ایسا صابر اور متحمل بیٹا ملنے کے شکرانے میں چوتھی رکعت ادا فرمائی۔ اس طرح یہ چار رکعتیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ظہر کے وقت بطور شکرانے کے ادا فرمائی تھیں، اللہ تعالیٰ کو ایسی پسند آئیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر فرض فرمادیں۔ (عنایہ)

نماز عصر کی فرضیت

نماز عصر کی چار رکعتیں سب سے پہلے حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ادا فرمائیں۔ جس وقت وہ مچھلی کے پیٹ میں تھے، وہاں انہوں نے اللہ

تعالیٰ کو پکارا، جس کو اللہ نے اس طرح نقل فرمایا:

فَنَادٰی فِی الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَکَذٰلِكَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ ۝

(سورۂ انبیاء، آیت ۸۷،۸۸)

چنانچہ انہوں نے ہمیں تاریکیوں میں پکارا کہ:

لَآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝

تو ہم نے ان کی دعا قبول کرلی اور ہم نے ان کو اس گھٹن سے نجات دیدی (جوان کو مچھلی کے پیٹ میں ہو رہی تھی) اسی طرح ہم ایمانداروں کو نجات دیتے ہیں۔

چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو مچھلی کے پیٹ سے باہر نکالا تو انہوں نے شکرانے کے طور پر چار رکعت نماز ادا فرمائیں، اور یہ چار رکعتیں اس لئے ادا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو چار تاریکیوں سے نجات عطا فرمائی تھی: ایک مچھلی کے پیٹ کی تاریکی سے، دوسرے پانی کی تاریکی سے، تیسرے بادل کی تاریکی سے اور چوتھے رات کی تاریکی سے، ان چار تاریکیوں سے نجات کے شکرانے میں عصر کے وقت حضرت یونس علیہ السلام نے چار رکعت نماز ادا فرمائی، اللہ تعالیٰ کو یہ چار رکعت اتنی پسند آئیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت پر ان کو فرض فرمادیا۔ (عنایہ)

نماز مغرب کی فرضیت

مغرب کی تین رکعتیں سب سے پہلے حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ادا فرمائیں۔ اگرچہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے گناہ سرزد نہیں ہوتے، وہ گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں، لیکن بعض اوقات کوئی نامناسب کام، یا کوئی لغزش، یا کوئی خلاف ادب کام بھی ان سے ذرہ برابر سرزد ہو جائے تو اس پر بھی انہیں تنبیہ کی جاتی ہے اور ان کو توجہ دلائی جاتی ہے، اور ان کی اصلاح کی جاتی ہے۔ بہرحال حضرت داؤد علیہ السلام کی کسی لغزش کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے ان کی بخشش کا اعلان فرمایا کہ:

فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ۔

یعنی ہم نے ان کی مغفرت کر دی۔

تو اس وقت حضرت داؤد علیہ السلام نے اس بخشش کے شکرانے میں مغرب کے وقت چار رکعت نماز کی نیت باندھی، جب تین رکعت ادا فرمالیں تو اس کے بعد آپ پر اپنی لغزش کے احساس کا ایسا غلبہ ہوا کہ آپ پر بے ساختہ گریہ طاری ہوگیا، اور ایسا گریہ طاری ہوا کہ اس کی شدّت کی وجہ سے چوتھی رکعت نہ پڑھ سکے، چنانچہ تین رکعت ہی پر آپ نے اکتفا فرمایا (بذل المجھود) اور چوتھی رکعت پڑھنے کی ہمت نہ رہی۔ یہ تین رکعت اللہ تعالیٰ کو اتنی پسند آئیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر ان کو مغرب کے وقت فرض فرما دیا۔

نمازِ عشاء کی فرضیت

عشاء کے وقت جو چار رکعت ہم ادا کرتے ہیں، اس کے بارے میں دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ نماز ادا فرمائی، جس وقت آپ حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس دس سال قیام کرنے کے بعد اپنے اہل وعیال کے ساتھ مصر واپس تشریف لا رہے تھے اور آپ کے گھر میں سے امید سے تھیں، ولادت کا وقت قریب تھا اور سفر بھی خاصا طویل تھا، اس وقت آپ کو بڑی ایک فکر یہ لاحق تھی کہ یہ اتنا لمبا سفر کیسے پورا ہوگا؟ دوسرے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی فکر تھی، تیسرے فرعون جو آپ کا جانی دشمن تھا اس کا خوف اور اس کی طرف سے فکر لاحق تھی، اور چوتھے ہونے والی اولاد کی فکر لاحق تھی، ان چار پریشانیوں کے ساتھ آپ سفر کر رہے تھے، پھر سفر کے دوران صحیح راستے سے بھی ہٹ گئے جس کی وجہ سے پریشانی میں اور اضافہ ہوگیا، اسی پریشانی کے عالم میں چلتے چلتے آپ کوہ طور کے قریب اس کے مغربی اور داہنی جانب پہنچ گئے، رات اندھیری، ٹھنڈی اور برفانی تھی، اہلیہ محترمہ کو ولادت کی تکلیف شروع ہوگئی، چقماق پتھر سے آگ نہ نکلی، اسی حیرانی اور پریشانی کے عالم میں دیکھا کہ کوہ طور پر کچھ آگ جل رہی ہے، آپ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ آپ یہاں ٹھہریں میں کوہ طور سے آگ کا کوئی شعلہ لے کر آتا ہوں۔ جب کوہ طور پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا اور آپ کو بطور خاص ہم

کلامی کی نعمت سے نوازا گیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَلَمَّآ اَتٰـهَا نُودِیَ یٰمُوسٰی ۝ اِنِّیٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْكَ ۔ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی ۝ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوحٰی ۝

(سورۂ طٰہٰ، آیت ۱۱ تا ۱۳)

پھر جب وہ اس آگ کے پاس پہنچے تو ان کو منجانب اللہ آواز دی گئی کہ اے موسیٰ! میں تمہارا رب ہوں، آپ اپنے جوتے اتار دیں، اس لئے کہ آپ مقدّس وادی طویٰ میں ہیں، اور میں نے آپ کو اپنی رسالت کے لئے منتخب کرلیا ہے، لہٰذا جو وحی آپ کی طرف بھیجی جارہی ہے اس کو غور سے سنیں۔

بہرحال، جب اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ انعام حاصل ہوا تو آپ کی چاروں پریشانیوں کا خاتمہ ہوگیا۔ کسی نے بڑا اچھا شعر کہا ہے ؎

تو ملے تو کوئی مرض نہیں
نہ ملے تو کوئی دوا نہیں

اس موقع پر عشاء کے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان چار پریشانیوں سے نجات کے شکرانے میں چار رکعتیں نماز ادا فرمائیں۔ یہ چار رکعت اللہ تعالیٰ کو اتنی پسند آئیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر ان کو فرض فرمادیا۔ (عنایہ)

دوسری روایت یہ ہے کہ یہ عشاء کی نماز سب سے پہلے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا فرمائی (بذل المجہود) اس لئے یہ نماز بہت اہم عمل ہے۔

اسی وجہ سے آخرت میں عقائد کے بعد سب سے پہلے نماز ہی کے بارے میں سوال ہوگا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جس شخص کی نماز صحیح نکلے گی تو اس کے باقی اعمال بھی صحیح نکلتے چلے جائیں گے، اور خدانخواستہ اگر کسی شخص کی نماز صحیح نہ نکلی تو پھر اس کے باقی اعمال بھی بگڑے ہوئے اور خراب نکلیں گے اور وہ مصیبت میں گرفتار ہوتا چلا جائے گا۔ اس لئے نماز کو بہت زیادہ اہتمام کے ساتھ سدھارنے اور سنوارنے کی ضرورت ہے، اور یوں تو کسی عمل میں بھی کوتاہی نہ ہونی چاہئے لیکن نماز کے معاملے میں بہت زیادہ توجہ کی ضرورت ہے۔

نمازی آدمی دوسرے فرائض بھی بخوبی انجام دیتا ہے

ہمارے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فرمان سنایا کرتے تھے کہ انہوں نے اپنی خلافت کے دور میں تمام گورنروں کے نام یہ فرمان جاری کیا تھا کہ:

تمہارے جتنے فرائض اور جتنی ذمہ داریاں ہیں، میرے نزدیک ان میں سب سے اہم چیز نماز ہے، جس نے اس کا حق ادا کیا تو میں توقع کرتا ہوں کہ وہ باقی فرائض

بھی خوش اسلوبی سے انجام دے گا اور جس شخص نے
نماز کو ضائع کر دیا تو وہ دوسرے فرائض کو اس سے
زیادہ ضائع کرے گا اور ان میں کوتاہی کرے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ ایک مؤمن کی کسوٹی اس کی نماز ہے، جس شخص کی نماز مکمل ہوگی وہ انشاء اللہ روزے بھی رکھے گا، وہ حج بھی کرے گا، زکوٰۃ بھی دے گا، اور دوسرے حقوق بھی ادا کرے گا، اور جو شخص نماز ہی نہیں پڑھتا تو وہ روزے کیسے رکھے گا؟ دوسرے اعمال صالحہ اور حقوق کی طرف کیسے توجہ دے گا؟ اس لئے یہ ضروری ہے کہ نماز کی طرف ہماری خاص توجہ ہو، اور نماز میں جو کوتاہیاں ہم سے سرزد ہو رہی ہیں، وہ ہم سے دور ہوں اور ہم ان کوتاہیوں کو دور کرنے کی فکر کریں۔

بدترین چور

نماز کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور ارشاد ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ بدترین چور وہ ہے جو نماز میں سے چوری کرے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! نماز میں سے کیسے چوری کرے گا؟ آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ (نماز میں سے چوری یہ ہے کہ نمازی) رکوع سجدہ صحیح نہ کرے، اچھی طرح نہ کرے (الترغیب) جس طرح سنّت کے مطابق ادائیگی ہونی چاہئے۔ اس طرح ان کی ادائیگی نہ کرے، یہ نماز کی چوری ہے۔ یہ کوتاہیاں جو میں ابھی عرض کرنے والا ہوں، ان سے آپ کو اندازہ ہوگا

کہ ان کی وجہ سے نماز میں کس قدر خرابی اور بگاڑ پیدا ہوتا ہے، اور افسوس کہ ان کی طرف ہماری توجہ نہیں۔

رکوع، سجدہ، قومہ اور جلسہ کی کوتاہیاں

عام طور پر نماز میں چار جگہوں پر ہم سے کوتاہی ہوتی ہے:

- ...... ایک رکوع میں
- ...... دوسرے سجدے میں
- ...... تیسرے قومہ میں
- ...... چوتھے جلسہ میں

جہاں تک رکوع اور سجدہ کا تعلق ہے وہ تو کسی نہ کسی طرح ہم ادا کر ہی لیتے ہیں اگرچہ سنت کے مطابق نہیں کرتے، لیکن قومہ اور جلسہ میں بہت زیادہ کوتاہی پائی جاتی ہے۔ رکوع اور سجدہ فرض ہیں اور قومہ اور جلسہ واجب ہیں، رکوع سے سیدھا کھڑے ہونے کو ''قومہ'' کہتے ہیں اور دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنے کو ''جلسہ'' کہتے ہیں۔ رکوع کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ کمر سیدھی ہو جائے اور سر کمر کے برابر ہو، رکوع میں جاتے ہی فوراً کھڑے ہو جانا درست نہیں ہے، جیسے بعض لوگ ذرا سا جھک کر فوراً کھڑے ہو جاتے ہیں، اسی طرح سجدے میں زمین پر ناک ٹکتے ہی فوراً اٹھ بیٹھتے ہیں۔

''قومہ'' کا حکم یہ ہے کہ جب ہم رکوع کر کے کھڑے ہوں تو بالکل سیدھے کھڑے ہو جائیں، اس کے بعد سجدہ میں جائیں۔ ''جلسہ'' میں حکم یہ

ہے کہ پہلا سجدہ ادا کرنے کے بعد کمر سیدھی کر کے اطمینان سے بیٹھ جائیں، پھر دوسرے سجدے میں جائیں۔ لیکن آپ حضرات نے دیکھا ہوگا کہ بعض لوگ جلدی کی وجہ سے ان دونوں جگہوں پر اپنی کمر سیدھی نہیں ہونے دیتے، رکوع سے ذرا سا سر اٹھائیں گے اور ابھی کمر آدھی سیدھی آدھی ٹیڑھی ہوگی بس فوراً اسی وقت سجدے میں چلے جائیں گے، اسی طرح ایک سجدہ کر کے جب بیٹھیں گے تو ابھی پوری طرح بیٹھنے بھی نہیں پائیں گے اور کمر بھی سیدھی نہیں ہوگی کہ فوراً دوسرے سجدے میں چلے جائیں گے، اس جلد بازی نے قومہ کو بھی خراب کر دیا اور جلسہ کو بھی خراب کر دیا۔ یاد رکھیں! قصداً قومہ میں کمر کو معمولی سا سیدھا کر کے اور ذرا سی گردن اٹھا کر اور کھڑے ہونے کا صرف ہلکا سا اشارہ کر کے سجدے میں چلے جانے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور نماز کو لوٹانا واجب ہو جاتا ہے، اس لئے سختی کے ساتھ اس سے پرہیز کریں۔

رکوع اور سجدہ کے تین درجات

رکوع اور سجدے کے اندر تین درجے ہیں، ایک درجہ فرض کا ہے، ایک درجہ واجب کا ہے اور ایک درجہ سنّت کا ہے۔ (معارف السنن) اور فرض کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ چھوٹ جائے تو نماز نہیں ہوتی، اور فرض کی تلافی سجدہ سہو کرنے سے بھی نہیں ہوگی، لہٰذا اگر فرض ادا نہیں کیا تو سرے سے نماز ہی نہیں ہوگی، دوبارہ پڑھنی پڑے گی۔

واجب کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ بھول سے چھوٹ جائے تو سجدہ سہو کرنے

سے نماز درست ہو جائے گی، اور اگر جان بوجھ کر واجب چھوڑ دیا تو نماز نہیں ہوگی، دوبارہ پڑھنی ہوگی۔ اور سنّت کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کو ادا کرے تو وہ باعث اجر وثواب ہے، بلکہ سنّت پر عمل کرنے سے عمل کے اندر نورانیت پیدا ہو جاتی ہے، مقبولیت اور محبوبیت پیدا ہو جاتی ہے، اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیئت اور آپ کا نمونہ اور آپ کے فعل کے نقل کی بدولت وہ عمل بھی اللہ تعالیٰ کے یہاں پاس ہو جاتا ہے، اور اگر سنّت ادا نہیں کی صرف فرض و واجب ادا کر لئے تو یہی کہا جائے گا کہ نماز ہوگئی۔

ان تین درجات کی تفصیل

رکوع اور سجدہ کا فرض درجہ: قیام سے رکوع میں جانے کے لئے نمازی اپنے جسم کو حرکت دیتا ہے اور جسم کے اوپر والے حصّے کو جھکاتا ہے اور دونوں ہاتھوں سے گھٹنوں کو پکڑ لیتا ہے، جہاں جا کر یہ حرکت ختم ہو جائے اور جھکنے کا عمل پورا ہو جائے تو بس فرض ادا ہوگیا، اسی طرح جب سجدہ میں پیشانی اور ناک زمین سے ٹک گئی تو فرض ادا ہوگیا، لہٰذا اگر کوئی شخص رکوع میں اتنا جھکے بغیر کہ دونوں ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جائیں کھڑا ہوگیا یا سجدہ میں ناک اور پیشانی ٹکائے بغیر اٹھ بیٹھا تو اس صورت میں رکوع اور سجدہ کا فرض ادا نہیں ہوا، لہٰذا نماز بھی نہیں ہوئی۔

رکوع اور سجدہ کا واجب درجہ

دوسرا درجہ واجب ہے، وہ یہ کہ رکوع اور سجدے میں جانے کے بعد اتنی

دیر ٹھہرے رہیں جتنی دیر میں ایک مرتبہ ''اللہ اکبر'' یا ''سبحان اللہ'' کہہ سکیں، اتنی مقدار رکوع اور سجدے میں رہنا واجب ہے۔ اگر کسی نے اس میں کوتاہی کی اور رکوع اور سجدے میں جانے کے بعد اتنی دیر بھی نہ رکا بلکہ رکوع میں جھکتے اور گھٹنے تک ہاتھ پہنچتے ہی کھڑا ہوگیا یا سجدے میں زمین پر پیشانی اور ناک ٹکتے ہی بیٹھ گیا تو اس صورت میں اس نے واجب درجہ چھوڑ دیا، اگر جان بوجھ کر چھوڑا یا مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے ایسا کیا ہو تو چونکہ احکام شریعت میں جہالت معتبر نہیں، اس لئے دونوں صورتوں میں اس کو نماز دوبارہ لوٹانی پڑے گی، البتہ اگر بھول کر ایک تسبیح کی مقدار کے برابر رکوع اور سجدہ نہ کیا تو ایسی صورت میں سجدہ سہو کرنا ضروری ہے، سجدہ سہو کرنے سے نماز درست ہو جائے گی اور اگر سجدہ سہو نہیں کیا تو نماز دوبارہ پڑھنا ضروری ہے یعنی اس کا اعادہ واجب ہے۔

رکوع اور سجدہ کا مسنون درجہ یہ ہے کہ کم از کم تین مرتبہ تسبیحات پڑھی جائیں۔

قومہ اور جلسہ کے دو درجات

قومہ کے اندر دو درجے ہیں اور جلسہ کے اندر بھی دو درجے ہیں: ایک درجہ واجب ہے اور ایک درجہ سنت ہے۔

نماز میں جلد بازی کا نتیجہ

تاہم اگر ہم اپنی نمازوں پر غور کریں گے تو یہی نظر آئے گا کہ ہم نماز

بھی جلدی پڑھنے کے عادی ہیں، عام طور پر مردوں کو دکانداری کی وجہ سے جلدی ہوتی ہے یا ملازمت کی وجہ سے، اور خواتین کو امور خانہ داری کی وجہ سے، یا تقریبات میں آنے اور جانے کی وجہ سے جلدی ہوتی ہے، گویا دنیا کے ہر کام کی وجہ سے ہماری نمازوں میں تیزی آجاتی ہے، اور ایسی عجلت آجاتی ہے کہ اس وقت ہماری نماز اٹھک بیٹھک کے سوا کچھ نہیں رہتی الا ماشاء اللہ، ایسے موقع پر نہ قومہ صحیح ہوتا ہے اور نہ جلسہ صحیح ہوتا ہے، رکوع سے اٹھنے کے بعد ابھی کمر سیدھی نہیں ہوتی کہ فوراً سجدے میں چلے جاتے ہیں اور پہلے سجدے سے ابھی سیدھے بیٹھنے بھی نہیں پاتے کہ فوراً دوسرے سجدے میں چلے جاتے ہیں جس کی وجہ سے قومہ اور جلسہ کا واجب درجہ بھی چھوٹ جاتا ہے، اور جب قصداً واجب چھوٹ گیا تو نماز نہیں ہوئی۔ بعض خواتین بھی بہت جلدی نماز پڑھنے کی عادی ہوتی ہیں جس کی وجہ سے یہ خطرہ ہوتا ہے کہ ان کے قومہ اور جلسے میں واجب درجہ بھی ادا نہ ہوا ہو۔ لہٰذا قومہ اور جلسہ کا واجب درجہ ادا کرنے کا خاص اہتمام کرنا چاہیے۔

''قومہ'' اور ''جلسہ'' کا واجب درجہ

قومہ کا واجب درجہ یہ ہے کہ رکوع سے اٹھنے کے بعد اتنی دیر سیدھے کھڑے رہیں جتنی دیر میں ایک مرتبہ ''اللہ اکبر'' یا ''سبحان اللہ'' کہہ سکیں، اتنی مقدار سیدھا کھڑے رہنا واجب ہے، اسی طرح جلسہ میں بھی ایک سجدہ کرنے کے بعد اتنی دیر سیدھے بیٹھنا واجب ہے جتنی دیر میں ایک مرتبہ ''سبحان اللہ''

کہہ سکیں، اگر کسی نے اس میں کوتاہی کی اور ایک سجدہ ادا کرنے کے بعد فوراً ہی دوسرا سجدہ کرلیا اور ایک تسبیح کی مقدار بھی نہیں بیٹھا، یا قومہ کے اندر ایک تسبیح کی مقدار کے برابر کھڑے رہنے کے بجائے فوراً سجدہ میں چلا گیا تو اس صورت میں واجب درجہ چھوڑ دیا، اگر جان بوجھ کو چھوڑ دیا یا مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے ایسا کیا ہو تو چونکہ احکام شریعت میں جہالت معتبر نہیں، اس لئے دونوں صورتوں میں اس کو نماز دوبارہ لوٹانی پڑے گی، البتہ اگر بھول کر ایک تسبیح کی مقدار کے برابر قومہ نہیں کیا یا جلسہ نہیں کیا تو ایسی صورت میں سجدہ سہو کرنا ضروری ہے، سجدہ سہو کرنے سے نماز درست ہو جائے گی، اگر سجدہ سہو نہیں کیا تو نماز دوبارہ پڑھنا ضروری ہے یعنی اس کا اعادہ واجب ہے۔

نماز میں ٹھہراؤ اور سکون

اس لئے میرے عزیزو! ہم لوگوں سے عام طور پر قومہ کا واجب درجہ چھوٹ جاتا ہے اور اس طرف توجہ نہیں رہتی، نہ مردوں کو توجہ رہتی ہے نہ خواتین کو توجہ رہتی ہے، ذرا بھی کوئی عجلت کا کام سامنے آتا ہے تو ہم اتنی تیزی سے نماز ادا کر لیتے ہیں کہ اس میں قومہ اور جلسہ برائے نام ہی ہوتا ہے، اور اس میں اس بات کا خطرہ رہتا ہے کہ کہیں واجب درجہ نہ چھوٹ گیا ہو، لہٰذا یہ ضروری ہے کہ ہماری انفرادی نماز بھی امام کے ساتھ پڑھی جانے والی نماز کی طرح زیادہ ٹھہراؤ کے ساتھ ادا ہو، لیکن معاملہ بالکل الٹا ہے، امام کے پیچھے تو ہمیں مجبوراً اطمینان کے ساتھ نماز پڑھنی پڑتی ہے، لیکن انفرادی نماز کو اپنے

معمول کے مطابق نہایت جلد بازی کے ساتھ ادا کرتے ہیں، حالانکہ ہونا یہ چاہئے کہ ہماری انفرادی نماز بھی زیادہ سے زیادہ سکون اور اطمینان اور وقار کے ساتھ ادا ہو۔

رکوع، سجدہ، قومہ اور جلسہ کا برابر ہونا

ایک حدیث میں ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا رکوع، سجدہ، قومہ اور جلسہ تقریباً سب برابر ہوتے تھے، لہٰذا جتنا وقفہ رکوع اور سجدہ میں ہوتا تھا، اتنا ہی وقفہ قومہ اور جلسہ میں ہوتا تھا، البتہ قیام اور قعدہ طویل ہوتا تھا، اس لئے کہ قیام کے اندر تلاوت ہوتی تھی اور قعدہ کے اندر تشہد پڑھنا ہوتا تھا، اس لئے یہ دونوں ارکان تو رکوع سجدہ کے مقابلے میں طویل ہوتے تھے، لیکن باقی چاروں ارکان یعنی قومہ، جلسہ، رکوع اور سجدہ تقریباً برابر ہوتے تھے۔ البتہ کبھی کبھار کسی رکن میں اتنا طویل وقفہ بھی ہوتا تھا کہ دیکھنے والوں کو یہ خیال ہوتا تھا کہ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھول گئے ہوں یا کہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پرواز کرگئی ہو۔

قومہ اور جلسہ کا مسنون درجہ

فقہ اور ان احادیث کی روشنی میں قومہ اور جلسہ کا جو مسنون درجہ معلوم ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ قومہ کے اندر آدمی اتنی دیر وقفہ کرے جتنی دیر میں تین مرتبہ ''سبحان اللّٰہ'' کہہ سکے، اسی طرح جلسہ میں بھی اتنی دیر وقفہ کرنا مسنون ہے جتنی دیر میں تین مرتبہ ''سبحان اللّٰہ'' کہہ سکے۔ خلاصہ یہ کہ قومہ اور جلسہ میں

ایک تسبیح کے برابر توقف کرنا واجب ہے، اور تین تسبیح کے برابر وقفہ کرنا سنت ہے۔

سنّت پر عمل کی برکت

اور سنّت پر عمل کرنے کی ایسی برکت ہے کہ آپ جہاں کہیں کسی فرض و واجب والے عمل میں سنّت پر عمل کریں گے تو ایک تو اس عمل میں سہولت اور آسانی ہوگی اور دوسرے اس کے ذریعے فرض و واجب درجہ کی ادائیگی بھی ہو جائے گی اور سب سے بڑی چیز جو حاصل ہوگی وہ یہ کہ

تیرے محبوب کی یارب شباہت لے کر آیا ہوں
حقیقت اس کو تو کر دے میں صورت لے کر آیا ہوں

کم از کم ہماری نماز کی صورت تو محبوب کی نماز کی سی بن جائے گی۔ اور سنت یہ ہے کہ قومہ اور جلسہ دونوں جگہوں پر کم از کم تین مرتبہ ''سبحان اللّٰہ'' کہنے کی مقدار کے برابر وقفہ کریں، اسی وجہ سے رکوع میں بھی سنّت یہ ہے کہ از کم تین مرتبہ ''سبحان ربی العظیم'' کہا جائے، اور سجدہ میں بھی سنّت یہ ہے کہ کم از کم تین مرتبہ ''سبحان ربی الاعلی'' کہا جائے، اس طرح چاروں چیزوں کا وقفہ تقریباً برابر ہوگیا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے مطابق ہوگیا جس میں یہ فرمایا گیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے یہ چاروں ارکان تقریباً برابر ہوا کرتے تھے۔

نماز میں جلد بازی کا انجام

حقیقت یہ ہے کہ ترک واجب کی یہ کوتاہی اکثر ہم جان بوجھ کر کرتے ہیں اور ہمیں اس کی عادت پڑ گئی ہے، چنانچہ جب ہم امام کے ساتھ فرض نماز پڑھ کر فارغ ہو جاتے ہیں تو دیکھئے! کس قدر تیز رفتاری کے ساتھ سنتیں اور نفل ادا کرتے ہیں، اس وقت ہماری نماز کس قدر تیز رفتاری کے ساتھ ادا ہوتی ہے، رکوع سجدے کتنی تیزی کے ساتھ ادا ہوتے ہیں، ایسے موقع پر ہمیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث یاد رکھنی چاہئے جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

> جو شخص نماز کو بری طرح پڑھے، وقت کو بھی ٹال دے، وضو بھی اچھی طرح نہ کرے، رکوع و سجدہ بھی اچھی طرح نہ کرے تو وہ نماز بری صورت میں سیاہ رنگ میں بد دعا دیتی ہوئی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے بھی ایسا ہی برباد کرے جیسا تو نے مجھے ضائع کیا، اس کے بعد وہ نماز پرانے کپڑے میں لپیٹ کر نمازی کے منہ پر مار دی جاتی ہے۔ (الترغیب)

یعنی جو شخص عجلت، تیزی اور جلد بازی کے ساتھ نماز ادا کرتا ہے اور کوے کی طرح چند ٹھونگیں مار لیتا ہے، تو جب وہ سلام پھیر کر نماز سے فارغ ہوتا ہے تو وہ نماز ایک کالے کپڑے میں لپیٹ کر نمازی کے منہ پر ماردی جاتی

ہے، وہ نماز اس کے لئے نہ تو باعث نور ہوتی ہے اور نہ باعث نجات ہوتی ہے، اور جس نماز کو بڑے آرام، سکون اور وقار کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے تو وہ نماز ایک روشن اور چمکدار شکل میں اس سے جدا ہوتی ہے اور نمازی کے لئے باعث نجات بنتی ہے۔

سکون سے نماز ادا کرنے کی تاکید

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد نبوی میں ایک صاحب تشریف لائے اور انہوں نے آکر جلدی جلدی نماز پڑھی، اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دینے کے بعد فرمایا:

قُمْ فَصَلِّ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ

تم جا کر دوبارہ نماز پڑھو۔ اس لئے کہ تم نے نماز نہیں پڑھی

چنانچہ وہ صاحب گئے اور جا کر دوبارہ اسی طرح جلدی جلدی نماز پڑھی جیسے پہلے پڑھی تھی، نماز کے بعد پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام عرض کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دینے کے بعد پھر وہی فرمایا کہ:

قُمْ فَصَلِّ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ

تم جا کر دوبارہ نماز پڑھو اس لئے کہ تم نے نماز نہیں پڑھی،

وہ صاحب پھر گئے اور اسی طرح جلدی جلدی نماز پڑھی، اور پھر آکر

حاضر خدمت ہوکر سلام کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ

قُمْ فَصَلِّ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ

دوبارہ جاکر نماز پڑھو، اس لئے کہ تم نے نماز نہیں پڑھی،

اب ان صاحب نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! مجھے تو اسی طرح نماز پڑھنی آتی ہے، آپ ہی ارشاد فرمائیں کہ مجھے کس طرح نماز پڑھنی چاہئے تاکہ میں اس طریقے سے نماز ادا کروں؟ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو اطمینان کے ساتھ قرآن کریم کی قرأت کرو، اس کے بعد اطمینان کے ساتھ رکوع کرو اور پھر جب قومہ کرو تو پورے اطمینان اور سکون کے ساتھ کھڑے رہو، اس کے بعد جب تم سجدہ میں جاؤ تو سجدہ میں بھی تم پر اطمینان اور سکون کی کیفیت طاری رہے، اور سجدہ کے بعد جب تم جلسہ کرو تو جلسہ میں بھی تم پر اطمینان اور ٹھیراؤ کی کیفیت باقی رہے، اسی طرح باقی نماز بھی ٹھہر ٹھہر کر اطمینان اور سکون کے ساتھ انجام دو۔ یہ آپ نے ان صاحب کو تعلیم دی۔

اس حدیث میں بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع، سجدہ، قومہ اور جلسہ کو خاص طور پر ذکر فرمایا ہے، یہ چاروں ارکان بھی نہایت اطمینان کے ساتھ ادا ہوں اور باقی نماز بھی سکون اور اطمینان کے ساتھ انجام پائے، مگر زیادہ تر عجلت انہیں چاروں ارکان میں پائی جاتی ہے۔

رکوع اور سجدہ کی تسبیحات کی مقدار

رکوع اور سجدہ میں تو تسبیح مقرر ہے کہ تین تسبیح سے کم نہ کریں اور یہ ادنیٰ درجہ ہے، اس سے زیادہ بھی پڑھ سکتے ہیں، پانچ مرتبہ یا سات مرتبہ یا نو مرتبہ یا گیارہ مرتبہ پڑھ لیں اور جتنا زیادہ ہو جائے اتنا بہتر ہے، البتہ درمیانہ درجہ افضل ہے، اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

خَيْرُ الْأُمُوْرِ اَوْسَاطُهَا۔

یعنی درمیانہ درجہ بہتر ہے۔

اس لئے ادنیٰ درجے سے اوپر رہنا چاہئے۔ لہٰذا ہماری عام نمازوں میں رکوع اور سجدہ کی تسبیح کم از کم پانچ مرتبہ ہونی چاہئے۔

قومہ کی دعا

قومہ کے اندر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ دعائیں منقول ہیں، وہ دعائیں یاد کر لینی چاہئیں، اس لئے کہ ایک طرف تو وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مانگی ہوئی دعائیں ہیں، وہ سرکاری دعائیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے وہ دعائیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر القا فرمائیں اور ان کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے مانگا اور اللہ تعالیٰ نے عطا فرما دیا۔ اسی طرح جو امتی بھی ان کو پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے مانگے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی انشاء اللہ تعالیٰ نواز دیں گے۔ قومہ کے اندر ایک دعا بہت ہی آسان ہے جس کا واقعہ بھی

بڑا عجیب وغریب ہے۔

فرشتوں کا جھپٹنا

وہ یہ کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کو نماز پڑھا رہے تھے، نماز کے دوران جب آپ ﷺ نے قومہ کے اندر "سمع اللہ لمن حمدہ" فرمایا تو ایک صحابی نے آپ کے پیچھے "ربنالك الحمد" کہنے کے بعد "حمداً کثیراً طیبا مبار کافیہ" کے کلمات بھی کہے، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے پوچھا کہ قومہ کے اندر یہ کلمات کس نے کہے تھے؟ جن صحابی نے وہ کلمات ادا کئے تھے، انہوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ کلمات میں نے ادا کئے تھے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس وقت تم نے یہ کلمات ادا کئے اس وقت میں نے دیکھا کہ تیس فرشتے اس کلمے کو لینے کے لئے لپکے تا کہ سب سے پہلے وہ اس کلمہ کو لے کر ثواب لکھیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ مبارک کلمات ہیں، اور ان کے پڑھنے سے تین مرتبہ "سبحان اللہ" کہنے کا وقفہ بھی حاصل ہو جاتا ہے، اور ان کو یاد کرنا بھی آسان ہے، اس لئے ان کو یاد کر لینا چاہئے، اور نماز میں قومہ کے اندر ان کلمات کو پڑھ لینا چاہئے۔

رَبَّنَالَكَ الْحَمْدُ، حَمْداً كَثِيراً طَيِّباًمُبَارَكاً فِيهِ

ان کے پڑھنے سے واجب درجہ بھی ادا ہو جائے گا اور سنت درجہ بھی ادا

ہو جائے گا۔ ویسے تو اور دعائیں بھی منقول ہیں لیکن ان میں سے یہ دعا اور کلمات بہت آسان ہیں۔

دو سجدوں کے درمیان کی دعا

اور دو سجدوں کے درمیان بھی مختلف دعائیں منقول ہیں، ان میں سے ایک دعا سہل اور آسان ہے جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلا سجدہ کر کے بیٹھتے تھے تو اس وقت یہ پڑھتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِی۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِی۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِی

اے اللہ مجھے بخشدے، اے اللہ مجھے بخشدے، اے اللہ میری مغفرت کر دیجئے۔

یہ کلمات تین مرتبہ کہہ لیں اور تین مرتبہ کہنے میں جلسہ کا واجب درجہ بھی ادا ہو جائے گا اور سنّت درجہ بھی ادا ہو جائے گا، اور اگر ہو سکے تو وہ دعا بھی کر لیں جو ابوداؤد شریف میں منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دو سجدوں کے درمیان یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَ عَافِنِیْ وَاھْدِنِیْ وَارْزُقْنِیْ۔

اے اللہ میری بخشش فرما، اے اللہ مجھ پر رحم فرما، اے اللہ مجھے عافیت عطا فرما اور مجھے ہدایت عطا فرما اور مجھے روزی

عطا فرما۔ یعنی رزق جسمانی بھی عطا فرما اور رزق روحانی بھی عطا فرما۔

یہ کلمات کتنے پیارے اور کتنے آسان ہیں اور دنیا و آخرت کی تمام بھلائیاں اس میں جمع ہوگئی ہیں۔ دوسری روایات میں اور بھی کلمات ہیں لیکن یہ کلمات آسان ترین ہیں۔ اور اگر یہ یاد نہ ہوں تو "اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ" تو سب کو یاد ہوگا لہٰذا آج ہی تمام خواتین و حضرات اس بات کا تہیہ کرلیں کہ جب وہ نماز میں قومہ کریں تو قومہ میں "حَمْداً کَثِیْراً طَیِّباً مُبَارَکاً فِیْہ" پڑھا کریں گے، اور جب پہلا سجدہ کر کے بیٹھیں گے تو تین مرتبہ "اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ" کہیں گے یا

"اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَعَافِنِیْ وَاھْدِنِیْ وَارْزُقْنِیْ"

پڑھیں گے۔ خلاصہ یہ کہ ہمیں اپنی انفرادی نمازوں میں ان دعاؤں کو پڑھنے کا معمول بنالینا چاہئے، ان کو پڑھنا اگرچہ سنّت غیر مؤکدہ ہے، مگر ہمیں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں ان دعاؤں کو انجام دینا ہے، اور امام چونکہ ہلکی نماز پڑھانے کا پابند ہے، کیونکہ امام کے پیچھے ہر قسم کے مقتدی ہوتے ہیں، کوئی بیمار ہوتا ہے، کوئی کمزور ہے، کوئی ضرورت مند ہے، اور ان دعاؤں کے پڑھنے کی وجہ سے نماز طویل ہوسکتی ہے، اس لئے اگر امام ان دعاؤں کو نہ پڑھے تو اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن جب ہم اپنی نماز انفراداً پڑھیں، چاہے وہ فرض نماز ہو یا واجب، سنّت ہو یا نفل، سب میں ان دعاؤں کو پڑھ سکتے ہیں۔

ہماری نماز میں کوتاہیاں بہت ہیں

بہرحال یہ وہ کوتاہیاں ہیں جو ہماری نمازوں میں پائی جاتی ہیں، خواتین کی نمازوں میں بھی اور مردوں کی نمازون میں بھی، اس لئے ہم سب کو ان کوتاہیوں کو دور کرنے کی طرف توجہ کرنی چاہئے، تاکہ ہماری نماز ان تمام کوتاہیوں سے پاک ہوکر سنت کے مطابق ہو جائے۔ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہے ''نمازیں سنت کے مطابق پڑھیں'' وہ کتابچہ پڑھنے کے لائق ہے اور ہر گھر میں اس کا ہونا ضروری ہے اور اس کے مطابق نماز پڑھنے کی عادت ڈالنی چاہئے۔ میرے عزیزو! ہر کام توجہ اور محنت ہی سے ہوتا ہے، اگر توجہ دیں گے اور محنت کریں گے تو انشاء اللہ ہماری نماز درست ہو جائے گی اور یہ تمام کوتاہیاں دور ہو جائیں گی۔

خواتین کا طریقہ نماز

مردوں کی نماز کا طریقہ تو حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے کتابچے کی شکل مین لکھدیا ہے اور حضرت والا مدظلہم نے اگرچہ اس رسالے کے آخر میں خواتین کے طریقہ نماز کے بارے میں ضروری ہدایات دی ہیں، لیکن جب میں نے حضرت والا کا یہ رسالہ دیکھا تو مجھے خیال آیا کہ اسی طریقہ سے خواتین کے طریقہ نماز کے بارے میں بھی ایک کتابچہ ہونا چاہئے،

جس میں تکبیر اولیٰ سے لے کر سلام تک تمام ارکان کی ادائیگی صحیح کیفیت کے ساتھ موجود ہو، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے میں نے حضرت والا کا یہ رسالہ سامنے رکھ کر اسی کے مطابق تکبیر اولیٰ سے لے کر سلام تک کا خواتین کا طریقہ نماز الگ سے تحریر کر دیا ہے، اس کا نام ہے ''خواتین کا طریقہ نماز'' یہ رسالہ آپ ضرور حاصل کریں، اور یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اپنی ماں، اپنی بہن، بیٹی اور بہو کی نماز صحیح کرنے کی ان کو تلقین کریں اور ان کو اس کی تاکید کریں کہ وہ اپنی نمازیں اس کے مطابق ادا کریں۔ اسی طرح اپنے بچوں کی نمازیں بھی درست کرائیں، اپنے سامنے ان سے نمازیں پڑھوائیں، اور کتاب لے کر بیٹھ جائیں اور دیکھیں کہ کتاب کے مطابق وہ نماز پڑھتے ہیں یا نہیں؟ یہ سب ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اپنی اور اپنے ماتحتوں کی نماز کی فکر کریں اور ان کا جائزہ لیتے رہیں، تاکہ نماز میں کسی قسم کی کوتاہی باقی نہ رہے۔ اور اس بات کا خاص خیال رکھیں کہ نماز میں ایسی جلدی نہ ہونے پائے جس کی وجہ سے نماز کے ارکان میں واجب یا فرض درجہ چھوٹ جائے اور ہماری نماز ہی ادا نہ ہو اور ہم یہ سمجھتے رہیں کہ ہماری نماز ادا ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی اصلاح کی کامل فکر عطا فرمائے۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

تقسیم وراثت کی اہمیت

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط وترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی بیانات : جلد نمبر اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقسیم وراثت کی اہمیت
اور
اس میں پائی جانے والی کوتاہیاں

الحمد لله نحمده و نستعينه ونستغفره ونومن به ونتوكل عليه، ونعوذبالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له و من يضلله فلا هادى له، ونشهد ان لا اله إلا الله وحده لاشريک له، ونشهد ان سيدنا ونبينا ومولانا محمدا عبده ورسوله، صلى الله تعالى عليه وعلى اله واصحابه وبارک وسلم تسليما كثيرا-

اما بعد فاعوذبالله من الشيطان الرجيم، بسم الله الرحمٰن الرحيم، ان الذين يا كلون اموال اليتامى ظلما انما يا كلون فى بطونهم نارا وسيصلون سعيرا ○ صدق الله العظيم-

میت کے مال میں چار حقوق ہیں

میرے قابل احترام بزرگو! اس وقت میں معاشرے میں پائی جانے والی ایک بہت سنگین کوتاہی کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں، جس کی طرف سے ہمارے پورے معاشرے میں بڑی غفلت پائی جارہی ہے۔ اچھے خاصے دیندار اور پڑھے لکھے لوگ

اس غفلت میں مبتلا نظر آتے ہیں، یہ سنگین کوتاہی میراث تقسیم نہ کرنا ہے۔ جب کسی شخص کا انتقال ہو جائے تو انتقال کے فوراً بعد قرآن و حدیث کی روشنی میں مرنے والے کے مال سے ترتیب وار چار حق وابستہ ہو جاتے ہیں۔

پہلا حق "کفن و دفن کا انتظام"

پہلا حق یہ ہے کہ اسکے مال و جائیداد سے اسکے کفن دفن کے انتظام کیلئے متوسط طور پر خرچ کیا جائے، اگر کوئی دوسرا شخص اپنی طرف سے کفن دفن کا انتظام کر دے تو اسکی بھی اجازت ہے۔

دوسرا حق "اداء قرض"

دوسرا حق جو مرنے والے کے مال سے وابستہ ہو جاتا ہے، وہ ہے اداء قرض۔ لہٰذا دوسرے نمبر پر یہ دیکھا جائے کہ مرنے والے نے کتنے قرضے واجب الاداء چھوڑے ہیں؟ پھر مرنے والے کے مال سے ان قرضوں کو ادا کرنا پسماندگان پر واجب ہے، ان قرضوں میں بیوی کا مہر بھی داخل ہے، لہٰذا اگر مرنے والے نے بیوی کا مہر ادا نہیں کیا تھا، اور بیوی نے خوش دلی سے معاف بھی نہیں کیا تھا تو پسماندگان کے ذمے اس کا مہر ادا کرنا واجب ہے۔ اور بیوی کو یہ مہر میراث کے علاوہ ملے گا، اسلئے کہ بیوی کے میراث کے حصے سے مہر کا کوئی تعلق نہیں، لہٰذا مہر الگ ادا کرنا ضروری ہے، اور میراث کا حصہ الگ ادا کرنا ضروری ہے۔

بیوہ سے زبردستی مہر معاف کرانا

شوہر کے انتقال کے بعد جب اس کا جنازہ گھر سے نکلنے لگتا ہے تو بعض خواتین اس موقع پر بیوہ کو مہر معاف کرنے کے لئے مجبور کرتی ہیں، اور اس سے کہتی

ہیں کہ تم جلدی سے مہر معاف کر دو، وہ بیوی بیچاری پہلے ہی شوہر کے انتقال کے صدمے میں نڈھال ہوتی ہے، دوسری طرف خواتین اس سے زبردستی مہر معاف کراتی ہیں۔ خوب سمجھ لو! اول تو اس طرح سے مہر معاف کرانا ناجائز ہے۔ اور اگر وہ بیوہ مجبور ہو کر بادل ناخواستہ مہر معاف کر دے تو بھی معاف نہیں ہوگا، بلکہ اگر شوہر اپنی زندگی میں بھی زبردستی بیوی سے مہر معاف کرائے تو بھی معاف نہیں ہوگا۔

شادی کے بعد پہلی رات میں بیوی سے مہر معاف کرا لینا

بعض جگہ دستور ہے کہ نکاح ہو جانے کے بعد پہلی رات میں شوہر اپنی بیوی سے مہر معاف کرا لیتا ہے، اور یہ دباؤ ڈالتا ہے کہ میں اس وقت تک تمہارے قریب نہیں آؤں گا جب تک تم مہر معاف نہیں کرو گی ـــــ یاد رکھنا چاہئے کہ شوہر کا اس طرح سے زبردستی مہر معاف کرانا ناجائز ہے، اور اس طرح معاف کرانے سے مہر معاف بھی نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ بڑی بے غیرتی کی بات ہے کہ مرد ہو کر عورت سے اپنا مہر معاف کرائے ـــ اللہ بچائے ـــ بلکہ اگر کسی شوہر کی نیت ہی مہر دینے کی نہیں تھی، بلا مہر نکاح کرنا مقصود تھا تو ایسی صورت میں اس شوہر کا اپنی بیوی سے ملنا "زنا" کے برابر ہے۔

وارثین قرضوں کی ادائیگی کا اہتمام کریں

بہر حال قرضوں کی ادائیگی میں بیوی کا مہر بھی داخل ہے، اگر کسی نے زندگی میں ادا نہیں کیا تھا تو اسکے مال سے کفن و دفن کے اخراجات پورے کرنے کے بعد دوسرے قرضوں کے ساتھ اسکو بھی ادا کیا جائیگا۔ اگر ان قرضوں کی ادائیگی میں اس کا سارا مال و جائیداد بھی خرچ کرنا پڑے، تب بھی خرچ کر دیا جائے گا، پسماندگان

کو چاہئے کہ اس میں ذرہ برابر کوتاہی نہ کریں، ورنہ جب تک اس کا قرض باقی رہیگا، مرنے والے کی روح جنت میں جانے سے روک دی جائیگی، اسلئے کہ یہ قرض حق العبد ہے، اور جب تک بندے کا حق باقی رہیگا، وہ آگے نہیں جاسکے گا، اسلئے اپنے مرنے والے پر رحم کرنا چاہئے، اور جہاں تک ممکن ہو، اسکے قرضوں کی ادائیگی کا پورا اہتمام کرنا چاہئے۔

جو قرضے مرنے والا لکھ کر چھوڑ گیا ہے، وہ تو ادا کرنے ہی ہیں، اسکے علاوہ بھی اگر یہ اندیشہ ہو کہ مرحوم کو قرضے وغیرہ کی لکھنے کی عادت نہیں تھی، تو اس صورت میں اسکے احباب سے اور جن لوگوں سے اسکے معاملات ہوتے تھے، ان سے معلوم کر لینا چاہئے، اور جو قرضے ثابت ہو جائیں ان کو ادا کرنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔

تیسرا حق "وصیت"

تیسرا حق جو مرنے والے کے مال سے وابستہ ہو جاتا ہے وہ "وصیت" ہے لہٰذا یہ دیکھا جائے گا کہ مرنے والے نے کوئی جائز وصیت کی ہے یا نہیں؟ اگر کوئی جائز وصیت کی ہو تو باقی مال و جائیداد کے ایک تہائی حصے کی حد تک ان وصیتوں کو پورا کیا جائیگا ـــ البتہ اگر اس نے کوئی ناجائز وصیت کی ہے تو اسکو پورا کرنا جائز نہیں، مثلاً کسی نے یہ وصیت کر دی کہ میرے مرنے کے بعد میرا چالیسواں کرنا، یا میرے مرنے کے بعد فلاں مزار پر چادر چڑھا دینا وغیرہ، اس قسم کی ناجائز وصیتوں کو پورا نہیں کیا جائیگا، اور وارثین کے لئے بھی اس کو پورا کرنا جائز نہیں۔ البتہ جو جائز وصیت کی تو اسکو ایک تہائی حصے تک پورا کیا جائیگا۔ مثلاً اسکی کچھ نمازیں قضا ہو گئی تھیں جن کو وہ پورا نہیں کر سکا، اور مرنے سے پہلے اس نے وصیت کر دی کہ میری نمازوں کا فدیہ ادا کر دینا ـــ یا مثلاً روزے کچھ چھوٹ گئے تھے، جن کی وہ زندگی میں قضا نہیں کر سکا، اور وصیت کر دی کہ میرے

روزوں کا فدیہ ادا کر دینا یا اس پر حج فرض ہو چکا تھا، لیکن زندگی میں وہ حج پر نہیں جاسکا، اور وصیت کر دی کہ میرے مرنے کے بعد میری طرف سے حج بدل کرا دینا، یا مثلاً اس نے وصیت کر دی کہ میرے مرنے کے بعد فلاں مسجد کی تعمیر میں دس ہزار روپے میرے مال میں سے لگا دینا، یا فلاں شخص کو یا فلاں دوست کو اتنے پیسے میری طرف سے بطور امداد کے دیدینا، یا اتنے پیسے خیرات کر دینا وغیرہ وغیرہ، یہ سب جائز وصیتیں ہیں، لہٰذا ایک یا ایک سے زائد وصیتیں کی ہوں تو اسکے باقی مال کے ایک تہائی کی حد تک ان کو پورا کرنا واجب ہے، اگر ورثاء ان کو پورا نہیں کریں گے تو گناہ گار ہونگے۔ البتہ مرنے والے نے جو وصیت کی ہے، اگر وہ ایک تہائی مال کے ذریعہ پوری نہیں ہوتی تو اس صورت میں وارثین کے ذمے صرف ایک تہائی کی حد تک اس وصیت کو نافذ کرنا واجب ہے۔ اس سے زیادہ کی وصیت نافذ کرنا اور نہ کرنا وارثین کے اختیار میں ہے، اسلئے کہ دو تہائی مال میں شرعاً وارثین کا حق ثابت ہو چکا ہے۔

چوتھا حق "وراثت"

چوتھا حق یہ ہے کہ وصیت نافذ کرنے کے بعد جو دو تہائی مال بچے، اسکو شریعت کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق وارثین میں تقسیم کر دیا جائے، اس چوتھے حق کے بارے میں آجکل ہمارے معاشرے میں بڑی غفلت پائی جارہی ہے، اور بہت سے لوگ تو یہ جانتے ہی نہیں کہ مرنے والے کے مال کو وارثین میں تقسیم کرنا چاہئے، اور جو لوگ جانتے ہیں کہ یہ بھی ایک اہم فریضہ ہے لیکن اسکے باوجود ان میں سے بہت سے لوگ اس پر عمل نہیں کرتے، بلکہ جس وارث کے قبضے میں جو مال ہوتا ہے، وہی اس کا مالک بن بیٹھتا ہے جسکی وجہ سے وہ سنگین گناہوں کا مرتکب ہوتا ہے ـــــ اس غفلت کا اندازہ اس سے لگائیں کہ آجکل روزانہ

کثرت سے اموات ہو رہی ہیں، مرد بھی مر رہے ہیں، عورتیں بھی انتقال کر رہی ہیں، بچے بھی موت کے آغوش میں جا رہے ہیں، اس کثرت اموات کا نتیجہ یہ ہونا چاہئے تھا کہ شہر کے اندر جتنے دارالافتاء ہیں ان سب میں تقسیم میراث کے بیسیوں سوالات حل طلب ہوتے، اسلئے کہ ہر مرنے والے کی میراث تقسیم کرنا پسماندگان پر فرض ہے، اور جب تقسیم میراث فرض ہے، تو اسکے صحیح اور شرعی طریقوں کے بارے میں معلوم کرنا فرض ہے، لیکن تقسیم میراث کے سوالات کی کوئی کثرت نہیں۔

میّت کے مال کو استعمال میں لانا

بہرحال جونہی کسی شخص کا انتقال ہوتا ہے تو انتقال ہوتے ہی اس کی میراث کا تمام مال اسکی ملکیت سے نکل کر ورثاء کی ملکیت میں داخل ہو جاتا ہے، اور تمام ورثاء اسکے مشترکہ مالک بن جاتے ہیں، حتیٰ کہ سوئی دھاگے میں بھی تمام ورثاء شریک ہو جاتے ہیں، لہٰذا اگر تمام ورثاء عاقل بالغ ہیں، وہ سب خوشی سے کسی شخص کو مرنے والے کے سامان کے استعمال کی اجازت دیدیں، تب تو اس سامان کو استعمال کرنا جائز ہے، لیکن اگر کوئی وارث استعمال کرنے کی اجازت نہیں دیتا، بلکہ وہ مال کو تقسیم کروانا چاہتا ہے۔ یا کوئی وارث موجود نہیں، بلکہ غائب ہے، جسکی وجہ سے اسکی رضامندی کا ہمیں علم نہیں، یا کوئی وارث نابالغ ہے، جسکی رضامندی کا اعتبار نہیں، ان تمام صورتوں میں مرنے والے کے مال کو کسی بھی شخص کیلئے یہاں تک کہ کسی وارث کیلئے بھی میّت کے مال کو اپنے استعمال میں لانا بالکل ناجائز اور حرام ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی احتیاط

ایک مرتبہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کسی بیمار کی عیادت کیلئے

تشریف لے گئے اسکی عیادت کی اور ابھی آپ وہیں بیٹھے تھے کہ آپ کی موجودگی میں اس مریض پر نزع کی کیفیت طاری ہو گئی، یہ حالت دیکھ کر آپ نے واپس جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ اور یہ سوچا کہ یہ شخص اب تھوڑی دیر کا مہمان ہے اسلئے اب اسکے پاس ہی بیٹھے رہنا چاہیے، اس مریض کے قریب ایک چراغ جل رہا تھا، تھوڑی دیر کے بعد اس شخص کا انتقال ہو گیا، اور جیسے ہی اس کا انتقال ہوا، حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے وہ چراغ بجھا دیا، دوسرے لوگوں نے کہا کہ حضرت! آپ نے چراغ بجھا دیا، حالانکہ اس وقت تو روشنی کی ضرورت تھی؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ یہی وقت اس چراغ کے بجھانے کا تھا، اسلئے کہ جب تک یہ شخص زندہ تھا، یہ چراغ اسکی ملکیت تھا، اور اب اسکے انتقال کے بعد یہ چراغ اسکے وارثوں کی ملکیت میں چلا گیا، اور اب وارثوں کی اجازت کے بغیر اس کا استعمال کرنا ہمارے لئے جائز نہیں، اسلئے میں نے یہ چراغ بجھا دیا۔ اس واقعہ سے امام صاحب کی احتیاط اور تقوی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

ہماری بد احتیاطی

دوسری طرف ہماری بد احتیاطی دیکھئے کہ مرنے والے کے انتقال کے بعد کس طرح ہم بے باکی سے اسکے مال پر ناحق قابض ہو کر اس میں بے جا تصرف کرنا شروع کر دیتے ہیں اور اسکو ورثاء تک نہیں پہنچاتے، اور ان کو ان کا حق نہیں دیتے، بلکہ جس کے قبضے میں جو مال آجاتا ہے، وہ اس کا مالک بن جاتا ہے، اور اسکو جس طرح چاہتا ہے، استعمال کرتا ہے — یہ عمل بالکل ناجائز اور حرام ہے — اور وارثوں کو ان کا حق نہ پہنچانا ظلم عظیم ہے۔ اگر دنیا میں نہیں دیا تو آخرت میں دینا پڑیگا۔

میراث تقسیم نہ کرنے میں تین ظلم

ہمارے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جگہ تحریر فرمایا کہ

میراث تقسیم نہ کرنے کے نتیجے میں انسان تین طرح سے ظلم کا ارتکاب کرتا ہے۔ پہلا ظلم یہ ہے کہ یہ مال میراث اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کیلئے ایک انعام ہوتا ہے جو پسماندگان کو بلا مشقت اور بغیر محنت کے حاصل ہو جاتا ہے، لہٰذا یہ مال اللہ تعالیٰ کی طرف سے شاہی تحفہ ہے، لہٰذا پسماندگان پر یہ فرض تھا کہ اس شاہی انعام کو اسکے حقداروں تک پہنچاتے، اور جب انہوں نے حقداروں تک نہیں پہنچایا اور غصب کر کے بیٹھ گئے اور اس میں تصرف شروع کر دیا، تو انہوں نے اس انعام میں خیانت کی اور یہ خیانت ظلم عظیم ہے۔ ایک ظلم تو یہ ہوا۔

دوسرا ظلم یہ ہے کہ یہ مال میراث ہمارے بھائی کا حق تھا، جو ہم نے مار لیا، اسلئے کہ جب باپ کا انتقال ہو جاتا ہے تو سارے بہن بھائی باپ کے مال میں شریک ہو جاتے ہیں، اور مرنے والے کی بیوی بھی اس میں حصہ دار بن جاتی ہے۔ اور جب ہم وہ مال دبا کر بیٹھ گئے اور ان کا حق مار لیا تو ظاہر ہے دوسرے کا حق مارنا بھی ظلم ہے، اور جیسے دوسرے کی زمین چھین لینا، یا کسی کا روپیہ چھین لینا ظلم ہے۔ اسی طرح کسی کا حصہ میراث غصب کر لینا، اور حقدار کو نہ پہنچانا بھی ظلم ہے۔

تیسرا ظلم ہے ورثاء کو حق نہ دینے کا، یہ ظلم کئی پشتوں تک چلتا ہے، اسلئے کہ جب تقسیم کرنے کا رواج ہی نہیں ہے، اور باپ کے مرنے کے بعد بیٹوں نے میراث تقسیم نہیں کی، اور بیٹوں کے مرنے کے بعد پوتوں نے میراث تقسیم نہیں کی، اور پھر بغیر تقسیم کے یہ سلسلہ آگے چلتا رہتا ہے، تو اسکے نتیجے میں سارا وبال اور عذاب پہلے نمبر کے پسماندگان پر آئیگا جنہوں نے اپنے باپ کی میراث شریعت کے مطابق تقسیم نہیں کی۔

مرنے کے فوراً بعد میراث تقسیم کر دیں

اسلئے جن لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے آخرت کی فکر پیدا فرمائی ہے، وہ سب سے پہلے تقسیم میراث کا اہتمام کرتے ہیں، اور شریعت کا حکم بھی

یہی ہے کہ انتقال کے بعد سب سے پہلے اسکے غسل اور کفن دفن کا اہتمام کیا جائے، اور اسکے قرضوں کو ادا کیا جائے، اسکے بعد اسکی وصیتوں کو ایک تہائی مال کی حد تک پورا کیا جائے۔ اسکے بعد سب سے اہم ترین فرض یہ ہے کہ اسکی میراث تقسیم کی جائے اور جتنی جلدی مرنے والے کی میراث کو تقسیم کر دیا جائیگا، اتنی جلدی انسان کو عافیت مل جائیگی، اور میراث کی تقسیم میں جتنی دیر ہوگی، اتنی ہی اس میں الجھنیں، دشواریاں پیدا ہوتی چلی جائیں گی، یہاں تک کہ بھائی بھائی کا گلہ کاٹنے کیلئے تیار ہو جائیگا ــــــ

وجہ یہ ہے کہ جب کسی کا انتقال ہوتا ہے، اس وقت تمام پسماندگان کے دل نرم ہوتے ہیں اور دل میں مرنے والے کا صدمہ ہوتا ہے، اس وقت دنیا کی محبت دل سے کافی نکلی ہوئی ہوتی ہے، اس وقت تقسیم کا معاملہ بہت آسان ہوتا ہے، اور جوں جوں مرنے والے کا صدمہ کم ہوتا چلا جاتا ہے، دنیا کی محبت دل میں بڑھتی چلی جاتی ہے، جسکے نتیجے میں تقسیم میراث کا مسئلہ پیچیدہ اور مشکل ہوتا چلا جاتا ہے، اور ہر شخص اپنی من مانی کرنے لگتا ہے۔

حضرت تھانوی ؒ اور حقوق العباد کا اہتمام

میرے دادا محترم حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے، اور حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز تھے ــــــ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم اور تربیت میں خاص طور پر یہ بات نمایاں تھی کہ ان کے ہاں حقوق العباد ادا کرنے اور کروانے کا بہت ہی اہتمام تھا اور اسکی بہت زیادہ تاکید فرمایا کرتے تھے، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ حقوق العباد کی ادائیگی میں اہتمام حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصیات میں سے ہے، بلکہ اس زمانے میں کسی شخص کا حقوق العباد کی ادائیگی کا اہتمام کرنا اس بات کی علامت تھی کہ یہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا مرید ہے۔ چونکہ تقسیم میراث بھی

حقوق العباد میں داخل ہے، اسلئے حضرت تھانویؒ کے مریدین میں اس کا بھی خاص اہتمام پایا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے دادا حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اندر بھی تقسیم میراث کی بہت فکر پائی جاتی تھی۔

خوف خدا یہ کام کرا دیتا ہے

چنانچہ میرے دادا رحمۃ اللہ علیہ تک جو میراث پہنچی تھی، وہ اوپر کی کئی پشتوں سے تقسیم نہیں ہوئی تھی، ان کو بہت فکر ہوئی کہ اس مال کے بہت سے ورثاء حقدار ہیں، اسلئے کہ کئی پشتوں سے تقسیم نہیں ہوئی، لہٰذا انہوں نے دور دور کے ورثاء تلاش کر کے اور ان سب کے حصے علیحدہ کئے، اور ہر ایک کے نام کے لفافے بنائے، اور ان لفافوں میں ان حصوں کو رکھا، اور زمانے کے لحاظ سے کسی لفافے میں دو آنے رکھے، کسی میں چار آنے، کسی میں آٹھ آنے رکھے، کسی میں ایک روپیہ، کسی میں دو روپے رکھے، اور پھر وارثوں کو تلاش کر کے ان تک ان کا حصہ پہنچایا ـــ اب ظاہر ہے دو آنے اور چار آنے پہنچانے کا عمل کتنا مشکل ہوگا، لیکن یہ وہی شخص کر سکتا ہے جس کے دل میں خوف خدا ہو، یہاں ہم لاکھوں روپے بھی کھا کر بیٹھ جائیں تو کوئی پرواہ نہیں، لیکن وہاں دو دو آنے پہنچانے کی فکر ہو رہی تھی ـــ اگر خوف خدا ہو تو دو آنے پہنچانا بھی آسان ہے، اور اگر خوف خدا نہ ہو تو لاکھوں روپے بھی کھا جائے تو کوئی پرواہ نہیں۔

میرے داداؒ کا معمول

میرے دادا رحمۃ اللہ علیہ کا یہ بھی معمول تھا کہ جب برادری میں کسی شخص کا انتقال ہو جاتا، تو آپ اسکو دفنانے کے بعد قبرستان سے سیدھے میت کے گھر تشریف لیجاتے، اور دروازے کے باہر بیٹھ جاتے ـــ غربت کا زمانہ تھا، لوگوں

کے پاس بہت زیادہ دولت نہیں ہوتی تھی ۔ گھر والوں سے کہتے کہ مرنے والے نے جو کچھ مال چھوڑا ہے وہ باہر لے آؤ، میں اسکو وارثین میں تقسیم کر دوں، چنانچہ گھر والے اس کا جو کچھ مال ہوتا، وہ باہر بھیجتے، اور حضرت دادا جان مرحوم اسی وقت وہیں بیٹھے بیٹھے میراث تقسیم فرما کر اپنے گھر تشریف لیجاتے۔ اور اصل طریقہ بھی یہی ہے کہ تجہیز و تکفین اور تدفین کے بعد پہلا کام یہ ہو کہ جتنی جلدی ہو سکے، مرنے والے کی میراث تقسیم کر دی جائے، اس میں تاخیر نہ کی جائے۔

دوسروں کا مال دبالینا ظلم ہے

خدانخواستہ۔ اگر ذھن میں یہ ہے کہ ہم میراث تقسیم ہی نہیں کریں گے تو یہ بڑے ظلم کی بات ہے۔

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے کسی وارث کو میراث سے محروم کر دیا تو اللہ تعالیٰ اسکو جنت میں اسکے حصے سے محروم کر دیں گے ۔ (ابن ماجہ)

لہٰذا کسی وارث کا حق مارنا بڑے وبال اور عذاب کی چیز ہے۔

ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ۔ سنو! تم کسی پر ظلم نہ کرو! خبردار! کسی مسلمان کا مال اسکی خوشدلی کے بغیر حلال نہیں (بیہقی)

یعنی ناحق کسی مسلمان کا مال مت کھاؤ، اور مرنے والے کے جتنے ورثاء ہیں، ان سب کا مال میراث میں حصہ ہے، لہٰذا ان کی رضا مندی کے بغیر اسکو اپنے پاس رکھنا، یا اپنے استعمال میں لانا، کھانا پینا ظلم اور ناجائز ہے۔

ایک دوسری حدیث میں اسی کی مزید تشریح کرتے ہوئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ۔ سنو! اگر تم نے

اپنے کسی بھائی پر ظلم کیا ہے تو آج ہی اس سے معاف کرالو، اس دن کے آنے سے پہلے جس دن نہ روپیہ ہوگا، اور نہ پیسہ ہوگا، اور نہ درہم ہونگے، نہ دینار بلکہ اس دن یہ ہوگا کہ اگر ظالم کے پاس کوئی نیک عمل ہوگا تو اس نے اپنے مسلمان بھائی پر جتنا ظلم کیا ہوگا، اسکے بقدر اسکی نیکیاں تمہارے مظلوم بھائی کو دیدی جائیں گی، اور اگر ظالم کے پاس نیکیاں نہ ہونگی تو پھر تمہارے مظلوم بھائی کے گناہ اس ظلم کے برابر ظالم کے اوپر ڈال دیئے جائیں گے (بخاری)

مرنے کے بعد ایک سوئی کے برابر مال میں بھی تمام ورثاء حصہ دار اور شریک ہو جاتے ہیں، لہٰذا انکی رضا مندی کے بغیر مال میراث کا استعمال کیسے جائز ہوگا؟ خصوصاً ورثاء کے اندر نابالغ بھی ہوں تو پھر معاملہ اور زیادہ سنگین ہو جاتا ہے، اسلئے کہ نابالغوں اور یتیموں کا مال کھانے کو اللہ تعالی نے حرام فرمایا ہے: فرمایا:

ان الذین یاکلون اموال الیتامی ظلما انما یاکلون فی بطونھم نارا، وسیصلون سعیرا ٥ (سورۃ النساء: آیت نمبر ۱۰)

بلا شبہ جو لوگ یتیموں کا مال ظلما یعنی ناحق کھاتے ہیں۔ وہ صرف اور صرف اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں، اور عنقریب دھکتی ہوئی آگ میں داخل کیے جائیں گے۔

وہ ظلم جو ہمارے معاشرے میں پھیلا ہوا ہے

مال میراث تقسیم نہ کرنے پر اتنا بڑا وبال اور عذاب ہے، لیکن اسکے باوجود

آج ہمارے معاشرے میں میراث تقسیم کرنے کا رواج ہی نہیں، باپ مرجاتا ہے تو بیٹے مالک بن بیٹھتے ہیں، کوئی بھائی اپنی بہنوں کو ان کا حصہ میراث نہیں دیتا۔ نہ بیوی کو میراث ملتی ہے، نہ ماں کو میراث ملتی ہے اور نہ بیٹیوں کو میراث ملتی ہے، اسی طرح نابالغ بچوں کو بھی میراث نہیں ملتی، اسی طرح جو بھائی باپ کی زندگی سے ماتحت بن کر رہ رہے ہیں، اور ان کے قبضے اور اختیار میں کاروبار نہیں ہے، ان کو بھی میراث نہیں ملتی، اور عام طور پر ایسے بھائی فتویٰ لینے آتے ہیں جن کے قبضہ میں کاروبار نہیں ہوتا، اور جو بھائی کاروبار پر قابض ہوتے ہیں، اور باپ کے کاروبار کے منتظم اور چلانے والے ہوتے ہیں، وہ اس فتوے کو دیکھ کر انکار کر دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہمیں اس فتوے کی کوئی ضرورت نہیں، ہم اسکو نہیں مانتے، یہ وہ ظلم ہے جو آج ہمارے معاشرے میں نہ جانے کب سے چل رہا ہے۔

ایک عبرتناک واقعہ

ایک بزرگ نے بڑی عبرت کا واقعہ سنایا کہ ان کے زمانے میں ایک بہت بڑے عالم تھے، جب ان کا انتقال ہو گیا تو انتقال کے بعد ان کے کسی شاگرد نے ان کو خواب میں دیکھا کہ وہ عالم برہنہ جسم کے ساتھ ایک چٹیل میدان میں دوپہر کی سخت گرمی سے بے چین ہو کر اور پریشان ہو کر ادھر سے ادھر دوڑ رہے ہیں، بے قرار اور بے چین ہیں، شاگرد نے ان سے پوچھا کہ حضرت! آپ نے تو ساری زندگی اطاعت میں، عبادات میں، خدمت دین میں گزاری، مخلوق کی اصلاح اور تربیت میں گزاری، کیا ان میں سے کوئی عبادت قبول نہیں ہوئی؟ انہوں نے جواب میں ارشاد فرمایا: ایسا نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے جن اعمال صالحہ کی توفیق دی تھی، وہ سب قبول ہو گئے لیکن جس عذاب کے اندر میں مبتلا ہوں، وہ ایک سوئی کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ شاگرد نے پوچھا وہ کیسے؟ انہوں نے جواب دیا کہ انتقال سے چند روز پہلے

میں اپنا کپڑا سینے کیلئے سوئی مانگ لایا، اور پھر کپڑا سی کر سوئی الماری میں رکھ دی، واپس کرنا یاد نہ رہا، اور اسکے بعد میرا انتقال ہو گیا۔ اب یہ عذاب جو تم دیکھ رہے ہو، اسی ایک سوئی کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ تم صبح بیدار ہو کر میرے گھر جانا، اور گھر والوں سے کہنا کہ الماری میں فلاں جگہ پر وہ سوئی رکھی ہوئی ہے، وہ تم لیکر میرے فلاں پڑوسی کو پہنچا دینا، تاکہ مجھ سے یہ عذاب دور ہو جائے ـــــ چنانچہ وہ شاگرد صبح اٹھ کر سیدھے استاذ کے گھر پہنچے، اور گھر والوں سے پوچھا کہ فلاں الماری میں فلاں جگہ پر کوئی سوئی رکھی ہے یا نہیں؟ گھر والوں نے دیکھ کر بتایا کہ ہاں رکھی ہے، اس نے پوچھا کہ تمہیں معلوم ہے، یہ سوئی کس کی ہے؟ انہوں نے بتایا کہ ہاں! مرحوم فلاں پڑوسی سے لائے تھے، اور ہم نے سوچا کہ ذرا آنے جانے والوں کا سلسلہ ختم ہو تو یہ سوئی ان کو واپس کر دیں گے۔ شاگرد نے بتایا کہ میں نے ان کو خواب میں دیکھا ہے کہ وہ اس سوئی کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہیں، اسلئے وہ سوئی تم مجھے دے دو تاکہ میں جلدی سے وہ پڑوسی کو پہنچا دوں، اور ان کی طرف سے تاخیر کی معافی بھی مانگ لوں ـــــ چنانچہ شاگرد نے وہ سوئی لیکر پڑوسی کو دی، اور ان کو بتایا کہ اس سوئی کی وجہ سے حضرت کو بڑا عذاب ہو رہا ہے، وہ پڑوسی بھی سن کر رو پڑا کہ اتنی معمولی چیز کیوجہ سے ان کو عذاب ہو رہا ہے، میں نے اللہ کیلئے ان کو معاف کیا، یا اللہ، آپ بھی اپنی رحمت سے ان کو معاف فرما دیں، اور ان کا عذاب دور فرما دیں ـــــ وہ شاگرد کہتے ہیں کہ جب رات کو میں سویا تو پھر دوبارہ میں نے ان کو خواب میں دیکھا، لیکن اب منظر بدلا ہوا تھا۔ اب حضرت ایک خوبصورت اور سرسبز و شاداب باغ کے بیچوں بیچ ایک مسہری پر آرام فرما رہے ہیں، چاروں طرف حشم خدم موجود ہیں، پھلوں اور پھولوں کے درخت لگے ہوئے ہیں اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی ہیں، میں نے قریب جا کر ان کو سلام کیا۔ اور پوچھا کہ اب کیا حال ہے؟ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ جس وقت تم نے پڑوسی کو سوئی پہنچائی، اور اس نے یہ کہا کہ میں اللہ کیلئے معاف کرتا ہوں، بس اسی لمحے میرا وہ

عذاب ٹل گیا، اور جو نعمتیں تم دیکھ رہے ہو، یہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے اپنے دین کی خدمت کی جو توفیق عطا فرمائی تھی، اس کا صلہ ہے۔

دو صحابہ کرامؓ کا ایک عجیب معاہدہ

بہر حال، یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اگر خدانخواستہ کسی بندے کا حق ہم پر واجب رہ گیا تو پہلے اسکی سزا بھگتنی پڑیگی۔۔ اس بارے میں ایک صحابی کا قصہ سن لیجئے، جو احادیث میں موجود ہے، وہ یہ ہے کہ دو صحابی تھے، ایک حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ، اور ایک حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ، یہ دونوں صحابی آپس میں گہرے دوست تھے، ایک مرتبہ حضرت صعب رضی اللہ عنہ اپنے دوست حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے فرمانے لگے. تم مجھ سے ایک معاہدہ کرو، انہوں نے پوچھا کیا معاہدہ؟ انہوں نے فرمایا یہ معاہدہ کرو کہ ہم میں سے جس شخص کا پہلے انتقال ہو جائے، وہ خواب میں دوسرے سے ضرور ملاقات کرے، حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے پوچھا، کیا ایسا ممکن بھی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں ممکن ہے۔۔ حضرت عوف بن مالک نے فرمایا کہ اگر ممکن ہے تو پھر ٹھیک ہے۔۔۔ چنانچہ یہ معاہدہ ہو گیا۔

دس دینار کی وجہ سے عذاب

خدا کی شان، پہلے حضرت صعب رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا، جو خود معاہد کرنے والے تھے، انتقال کے بعد پہلی ہی رات خواب میں حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس ملاقات کیلئے تشریف لے آئے، حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ بتاؤ کیسی گزری؟ اللہ تعالیٰ کے سامنے کیسے پیشی ہوئی؟ حضرت صعب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا. بڑی مشکل اور بڑی دشواری کے بعد اب نجات ہوئی ہے۔ بات کرتے کرتے حضرت عوف بن مالکؓ نے دیکھا

کہ ان کی گردن پر جلنے کا سیاہ داغ لگا ہوا ہے، انہوں نے حضرت صعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ یہ جلے ہوئے کا داغ کیسا ہے؟ حضرت صعب رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ دراصل میں نے ایک ضرورت کیلئے ایک یہودی سے دس دینار قرض لئے تھے، اور وہ قرض میں ابھی ادا نہیں کرسکا تھا کہ میرا انتقال ہوگیا، ان دس دیناروں کے ادا نہ کرنے کی وجہ سے وہ دینار مجھے داغے گئے، یہ سیاہ داغ جو تم دیکھ رہے ہو، یہ اسکے داغے جانے کا نشان ہے ــــ وہ دس دینار اب بھی میرے گھر میں میرے ترکش کے اندر رکھے ہوئے ہیں، تم صبح سویرے میرے گھر جاکر گھر والوں سے ترکش لینا، اور اس میں سے دس دینار نکال کر فلاں شخص کو ادا کر دینا، تاکہ میری تکلیف ختم ہو جائے۔

انگلیوں میں تکلیف

اسی طرح حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے یہ بھی دیکھا کہ حضرت صعب رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں کی انگلیوں پر کپڑا لپٹا ہوا ہے، اور ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ وہ انگلیاں اندر سے بہت زیادہ زخمی ہیں، انہوں نے پوچھا کہ آپ کی انگلیوں میں کیا ہوگیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ جس تکلیف میں انتقال ہوا، وہ تکلیف اتنی شدید تھی کہ اس کی شدت کی وجہ سے میں نے اپنی انگلیاں چبالی تھیں اور اسکے بعد جب اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس چیز کو تم نے خود بگاڑا ہے، ہم اسکو درست نہیں کریں گے ــــ میں نے اسکو اس لئے چھپایا ہے کہ اگر آپ اسکو دیکھیں گے تو آپ کو بھی تکلیف ہوگی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صبح اٹھ کر سب سے

پہلے میں ان کے گھر گیا، اور ان سے ترکش مانگا، تو اس میں واقعی دس دینار رکھے ہوئے تھے، اور غالباً وہ دینار استعمال میں بھی نہیں آئے تھے، میں نے جاکر ان کا یہ قرض ادا کر دیا۔ اور اسکے بعد میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور خواب کا سارا واقعہ بیان کیا، اور بتایا کہ میں نے ان کا قرض تو ادا کر دیا ہے، لیکن ان کو انگلیوں کی تکلیف بہت شدید ہے جو مجھ سے دیکھی نہ گئی، اسکے لئے آپ دعا فرما دیں ـــــ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک اٹھائے، اور ان کیلئے دعا کی کہ یا اللہ ان کو معاف فرما ـــــ دوسری رات جب میں سویا تو حضرت صعب رضی اللہ عنہ پھر خواب میں آئے، اور اب انکی گردن کا داغ بھی دور ہو چکا تھا، اور ان کی انگلیاں بھی ٹھیک ہو چکی تھیں۔

(عالم برزخ وابن ابی الدنیا بتصرف)

جہیز دینے سے بیٹیوں کا حصہ میراث ختم نہیں ہوتا

یہ دو واقعات آپ نے سنے، پہلا واقعہ ایک بہت بڑے بزرگ کا تھا، اور دوسرا واقعہ ایک صحابی کا تھا، ان بزرگ کو ایک سوئی کی وجہ سے عذاب ہو رہا تھا۔ اور ان صحابی کو صرف دس دینار کی وجہ سے عذاب ہو رہا تھا۔ میرے عزیزو! اگر ہم میراث تقسیم نہ کرنے کے گناہ کا ارتکاب کریں گے تو پھر کس قدر شدید عذاب میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے۔ بہت سے لوگ اتنا تو کر لیتے ہیں کہ بیٹوں کو میراث دیدی لیکن یہ کتنا بڑا ظلم عظیم ہمارے معاشرے میں ہو رہا ہے کہ بہنوں کو اور بیٹیوں کو میراث سے محروم کر دیتے ہیں، اول تو بہنیں میراث کا مطالبہ ہی نہیں کرتیں، اگر مطالبہ کرتی ہیں تو بھائی یہ کہہ دیتے ہیں کہ والد صاحب نے تمہاری شادی کے موقع پر تمہارا جو جہیز تیار کر کے دیا تھا، اسکے ذریعہ تمہارا حق ادا ہو گیا ـــ یاد رکھئے یہ

جواب بالکل غلط ہے، اسلئے کہ زندگی میں باپ اپنی اولاد کو جو کچھ دیتا ہے، وہ ھدیہ اور تحفہ ہے، اس کا میراث سے کوئی تعلق نہیں، اسلئے کہ میراث تو وہ مال ہے جو انسان مرتے وقت چھوڑ کر جاتا ہے، اور اس میں سارے ورثاء اپنے اپنے حصے کے مطابق حق دار ہوتے ہیں ــــ زندگی میں کسی وارث کو کچھ مال دینے سے آدمی اسکی میراث سے محروم نہیں ہوتا، اور میراث سے اس کا حصہ ختم نہیں ہوتا۔

بھائی چاہئے یا مال چاہئے؟

اللہ بچائے ــــ بعض بھائی اپنی بہنوں کو جب وہ اپنا حصہ میراث مانگنے لگتی ہیں تو وہ یہ ایذاء دینے والا جواب دیتے ہیں کہ یہ بتاؤ بھائی چاہئے، یا مال چاہئے؟ مطلب یہ ہوتا ہے کہ اگر تم اپنی میراث کا حصہ مانگتی ہو تو ہمیشہ کیلئے ہمارا اور تمہارا رشتہ ختم، اب ہم تمہیں نہ کبھی بلائیں گے، نہ کھلائیں گے، اور نہ تمہارے پاس آئیں گے، نہ تمہارے مرنے میں شریک ہونگے نہ جینے میں ــــ لیکن اگر تم اپنا حصہ میراث چھوڑتی ہو تو ہم تمہارے بھائی ہیں، تمہیں ہر موقع پر پوچھیں گے، اور تمہاری غمی اور خوشی میں بھی شریک ہونگے اسطرح بہنوں اور بیٹیوں پر یہ ظلم عظیم روا رکھا جارہا ہے۔

بہنوں سے دست برداری کرالینا درست نہیں

بعض لوگ جو بہت زیادہ دیندار بنتے ہیں، وہ بہنوں سے ان کے حصہ کی اپنے حق میں دست برداری کرالیتے ہیں، اور ان سے کہتے ہیں کہ تم اپنے حصہ میراث سے ہمارے حق میں دست بردار ہو جاؤ، چنانچہ بہنیں زبانی طور پر اپنا حصہ میراث چھوڑتے ہوئے یہ کہہ دیتی ہیں کہ ہم نے اپنا حصہ

میراث آپ کے حق میں چھوڑ دیا۔ اور ہم دست بردار ہوتے ہیں ـــــ اسکے بعد بیٹے یہ سمجھتے ہیں کہ اب ہم اکیلے ہی اس میراث کے حق دار ہیں، بیٹیاں اور بیوی سب محروم ہو گئے ـــــ یاد رکھئے، اس طرح زبانی دست برداری کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں، اور اسکے ذریعہ بہنوں کا حصہ میراث بھائیوں کی ملکیت میں نہیں آتا، اور ان بھائیوں کیلئے بہنوں کا حصہ حلال نہیں ہوتا کہ وہ بہنوں کے حصہ میراث کو اپنے استعمال میں لائیں۔

ہندوانہ ذہنیت

اور یہ تصور کہ بیٹیوں کو ہم کیوں میراث دیں، یہ ہندوانہ تصور ہے، ہندو تہذیب کے اندر عورت کیلئے کوئی میراث نہیں ہوتی، زندگی میں باپ نے بیٹی کو جو کچھ دیدیا وہ دیدیا، لیکن باپ کے مرنے کے بعد جو کچھ ہے، وہ سب بیٹوں کا ہے، اس میں عورتوں کا کوئی حصہ نہیں ہے، وہی اثر ہماری تہذیب اور ہمارے معاشرے میں بھی پایا جا رہا ہے، اور اسی ہندوانہ تصور کی بنیاد پر یہ ساری باتیں ہوتی ہیں جو میں نے آپ کے سامنے عرض کیں۔

بہنوں کا حصہ پہلے ان کے قبضے میں دو

لہٰذا ان حالات میں پہلے بہن کا حصہ اور بیٹی کا حصہ ان کے ہاتھ میں دیں اور انہیں پورا پورا اختیار دیں کہ وہ اسکو جہاں چاہیں خرچ کریں، ان کو دینے سے پہلے ان خواتین کا لحاظ اور مروت میں یہ کہنا کہ ہمیں اپنا حصہ نہیں چاہئے، اس کہنے کا کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ ایک طرف تو پہلے سے حصہ نہ دینے کا دستور چلا آرہا ہے، اور دوسری طرف بھائیوں کے دلوں میں بہنوں کو نہ دینے کیلئے مختلف حیلے اور بہانے پیدا ہوتے رہتے ہیں، اور ان بھائیوں کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ کسی طرح یہ جائیداد، یہ کارخانہ، یہ دوکان، یہ بنگلہ اور مکان سب ہمارے پاس رہ

جائے، بہنوں کے پاس نہ جائے۔ لہٰذا بھائیوں کو چاہئے کہ وہ نہایت خوش دلی کے ساتھ اور فراخدلی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کو سامنے رکھتے ہوئے اور آخرت کی پکڑ کے خوف سے ہر وارث کا پورا پورا حصہ علیحدہ کر کے ان کے قبضے میں دیدیں اور ان بہنوں اور بیوہ سے کہہ دیں کہ پہلے اپنا حصہ محفوظ کر لو، تاکہ ہم عند اللہ بالکل بری الذمہ ہو جائیں، اسکے بعد تمہیں اختیار ہے، اسکو جہاں چاہو خرچ کرو، چاہے اسکو خیرات کرو، یا اس سے مسجد بنواؤ یا اسکو تم اپنے استعمال میں لاؤ۔

گھر کے اسباب و سامان پر بیوہ کا قبضہ

بعض جگہ یہ ہوتا ہے کہ مرنے والے کے انتقال کے بعد کارخانے اور دکان اور کاروبار پر تو لڑکوں کا قبضہ ہو جاتا ہے، اور گھر میں جتنا استعمال کا سامان ہوتا ہے، وہ سب بیوہ کے قبضے میں آجاتا ہے، اور وہ بیوہ اسکی مالک بن بیٹھتی ہے، وہ اس میں جس طرح چاہتی ہے، تصرف کرتی ہے، یاد رکھئے: بیوہ کا گھر کے اسباب و سامان پر قبضہ کرلینا اسی طرح ناجائز ہے، جس طرح لڑکوں کا جائیداد وغیرہ پر قبضہ کرنا ناجائز ہے۔

پہلے فتویٰ حاصل کرلیں

لہٰذا مرنے والے کے انتقال کے بعد وارثین کا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ ایک سوال تیار کریں کہ والد صاحب کا انتقال ہو گیا ہے، فلاں فلاں وارث چھوڑے ہیں، ان کی میراث وارثین کے اندر ہم کس طرح تقسیم کریں، جب جواب آجائے تو پھر تمام ذمہ داروں پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ سب سے پہلے اس جواب کے مطابق میراث کی تقسیم کا اہتمام کریں۔ ورنہ اگر خدانخواستہ کسی کے

پاس ایک بالشت زمین بھی دوسرے وارث کی آگئی تو اس پر بڑا ہولناک عذاب اور وبال ہوگا۔

خوفناک عذاب اور وعید

ایک حدیث شریف میں ہے کہ جس شخص نے دوسرے کی ایک بالشت زمین بھی ناحق غصب کرلی تو قیامت کے دن اس ایک بالشت زمین کی مٹی ساتوں زمینوں سے نکال کر اس کا ہار بنا کر اس غصب کرنے والے کے گلے میں ڈال دیا جائیگا (بخاری) ایک روایت میں یہ ہے کہ جس نے ایک بالشت زمین غصب کی ہے، قیامت کے روز جب وہ اپنی قبر سے اٹھیگا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو حکم ملے گا کہ ساتوں زمین تک اس ایک بالشت زمین کو کھودو، جب وہ کھودیگا تو جو مٹی نکلے گی، اس کا ہار بنا کر اسکے گلے میں پہنا دیا جائیگا، اور جب تک حساب و کتاب ختم نہیں ہوگا، وہ اس عذاب میں گرفتار رہیگا، (احمد) ایک اور روایت میں ہے کہ اگر کسی شخص نے دوسرے کی زمین غصب کرلی تو ساتویں زمین تک اس شخص کو اس زمین میں دھنسایا جائیگا (بخاری) اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے، آمین ــــ لہٰذا اگر اس مٹی کا ہار بنا کر گلے میں ڈالا جائیگا تو اس صورت میں ٹنوں مٹی اسکے گلے میں آجائیگی، اور جس صورت میں اسکو دھنسایا جائیگا تو ٹنوں مٹی کے نیچے وہ دھنستا چلا جائیگا۔ بتایئے یہ کتنا دردناک اور خوفناک عذاب ہے۔

یتیم کا مال کھانا حرام ہے

اور میراث کو تقسیم نہ کرنا بھی اسی وعید میں داخل ہے، اسلئے تقسیم میراث کیلئے ہمیں بہت اہتمام کرنے کی ضرورت ہے، ہمارے معاشرے میں اس کا رواج ہی ختم ہو چکا ہے، اور ہر شخص اپنی مرضی سے مرنے والے کی میراث کو استعمال

کرتا چلا جاتا ہے ـــــ خصوصاً جبکہ وارثین کے اندر نابالغ اور یتیم ہوں تو پھر یہ اور زیادہ وبال اور عذاب کا سبب ہے، اسلئے کہ ناحق یتیم کا مال کھانا حرام ہے، اور عموماً وارثین میں یتیم بچے بھی ہوتے ہیں، ان کے بڑے بھائی اس بات کا خیال نہیں کرتے کہ ان یتیم بچوں کا ایک ایک پائی کے اندر حصہ ہے، ان کا حصہ ہم کیسے استعمال کر سکتے ہیں، اسلئے ان بڑے بھائیوں کو چاہئے کہ جلدی سے میراث تقسیم کر کے نابالغوں کا حصہ الگ کریں، پھر جو بالغ ورثاء ہیں، وہ اگر چاہیں تو اپنے حصے مشترک طور پر باہمی رضامندی سے استعمال کرلیں، اور چاہیں تو اپنا اپنا حصہ الگ کر کے استعمال کریں۔

حقیقی مفلس کون؟

وہ حدیث ہمیں ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے جس کا مفہوم اور خلاصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے پوچھا کہ بتاؤ مفلس کون ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ، ہم اس شخص کو مفلس کہتے ہیں جسکے پاس پیسے نہ ہوں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حقیقی مفلس یہ نہیں ہے، حقیقی مفلس وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس حالت میں حاضر ہوگا کہ اسکے پاس نیکیوں کے پہاڑ ہونگے، اس نے بہت ساری نمازیں پڑھی ہونگی، اور ذکر اور تسبیحات پڑھی ہونگی، صدقہ خیرات کیا ہوگا ـــ لیکن جب وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچے گا تو دوسری طرف سے وہ اہل حقوق حاضر ہو جائینگے، جن کے اس نے حقوق غصب کئے ہونگے، کسی کو گالی دی ہوگی، کسی کو مارا ہوگا، کسی کو ستایا ہوگا، کسی کو تکلیف پہنچائی ہوگی، اس طرح تمام اہل حقوق آکر اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ یا اللہ، اس شخص کی طرف ہمارا یہ حق نکلتا ہے، ہمارا یہ حق نکلتا ہے، اور وہاں آخرت میں روپے پیسے تو چلیں گے نہیں، وہاں تو نیکیوں کا

سکہ چلے گا، اور حقوق کی ادائیگی نیکیوں کے ذریعے ہوگی، چنانچہ اللہ تعالیٰ ان اصحاب حقوق کے درمیان اس شخص کی نیکیاں تقسیم کرنا شروع کردیں گے، حتی کہ نیکیوں کے پہاڑ ختم ہو جائیں گے، مگر اہل حقوق پھر بھی باقی رہ جائیں گے، پھر دوسرے مرحلے پر یہ کیا جائیگا کہ اصحاب حقوق کے گناہ لیکر اس شخص پر ڈالے جائیں گے، پھر ان گناہوں کے بوجھ کے ساتھ اسکو جہنم میں ڈال دیا جائیگا (مسلم) جب آیا تھا تو جنت میں جانے کا یقین لے کر آیا تھا، لیکن اب وہ جہنم کا رخ کئے ہوئے ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ اصل مفلس یہ ہے ـــــ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم نے میراث تقسیم نہ کر کے کتنے رشتہ داروں اور عزیزوں کے حقوق اپنے ذمے لے رکھے ہوں ـــــ اللہ تعالیٰ ان حقوق کی ادائیگی ہم سے دنیا کے اندر ہی کرادیں، آمین۔

ہر بندے کے تین رجسٹر

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا. کہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہر بندے کے تین رجسٹر ہیں۔ ایک رجسٹر کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ کو کوئی پرواہ نہیں، دوسرے رجسٹر میں جو کچھ درج ہوگا، اللہ تعالیٰ اسکو کبھی معاف نہیں فرمائیں گے، تیسرے رجسٹر میں جو کچھ درج ہوگا، اللہ تعالیٰ اس کا پورا پورا بدلہ دلوائیں گے ـــــ پھر آپ نے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ پہلا رجسٹر جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو کوئی پرواہ نہیں ہے، وہ ہے جس میں وہ حق تلفیاں لکھی ہونگی جو حقوق اللہ سے متعلق ہونگی، جیسے نماز، روزے، زکوٰۃ وغیرہ میں کوئی کوتاہی کی ہوگی تو وہ سب اس میں درج ہونگی، ان کوتاہیوں کو اگر اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو اپنی رحمت سے معاف فرمادیں گے، اور چاہیں گے تو مواخذہ کرلیں گے ـــــ دوسرا رجسٹر وہ ہوگا جس میں کفر اور شرک لکھا

ہو گا، اللہ تعالیٰ بندے کے کفر اور شرک کو معاف نہیں فرمائیں گے، لہٰذا کافر اور مشرک کی بخشش نہیں ہوگی۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے ـــ تیسرا رجسٹر وہ ہو گا جس میں بندوں سے متعلق حق تلفیاں درج ہونگی، ایک انسان نے دوسرے انسان کی جو حق تلفیاں کی ہونگی، وہ سب اس میں درج ہونگی، اسکے بارے میں اللہ تعالیٰ ذرا بھی رعایت نہیں فرمائیں گے، بلکہ پورا پورا بدلہ دلوائیں گے۔

حقوق العباد کی ادائیگی کا اہتمام کریں

لہٰذا میرے عزیزو! ہمیں اپنی زندگی اس طرح گزارنی چاہئے کہ نہ تو ہماری زبان سے کسی کو تکلیف پہنچے، نہ ہمارے ہاتھ، پاؤں سے کسی کو تکلیف پہنچے، نہ ہمارے ذمے کسی کا مالی حق باقی رہے ـــ میرے استاذ محترم حضرت مولانا سبحان محمود صاحب دامت برکاتہم سنایا کرتے ہیں کہ قیامت کے دن اگر ایک چونی بھی کسی کے ذمے نکل رہی ہوگی، اور دنیا میں اس نے اسکو ادا نہ کیا ہو گا تو قیامت کے روز اس چونی کے بدلے سات سو مقبول نمازیں ادا کرنی پڑیں گی، میرے عزیزو! قیامت کا دن برحق ہے، اس میں حساب کتاب بھی برحق ہے، اور حقوق العباد کی کوتاہیوں کا رجسٹر بھی بالکل برحق ہے، لہٰذا ہمیں تقسیم میراث کی کوتاہی سے باز آنا چاہئے، اور تمام وارثوں کو شریعت کے مطابق ان کا حصہ ان کو پہنچانے کا اہتمام کرنا چاہئے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کوتاہی سے باز آنے کی توفیق عطاء فرمائے، اور تقسیم میراث کا اہتمام کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

حج فرض میں جلدی کیجئے

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی
امابعد!

حج فرض ہے

ہر مُسلمان صاحب استطاعت پر حج کرنا فرض ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا ط
وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ
(آل عمران)

"اللہ تعالیٰ کی (رضا) کے واسطے بیت اللہ کا حج کرنا فرض ہے ان لوگوں پر جو اس تک جانے کی استطاعت رکھتے ہوں اور جو شخص (اللہ تعالیٰ کا حکم) نہ مانے تو (اللہ تعالیٰ کا اس میں کیا نقصان ہے) اللہ تعالیٰ تو تمام جہاں والوں سے بے نیاز ہے"۔

حج کی فرضیت کا حکم راجح قول کے مطابق سن ۹ ہجری میں آیا ہے اور اس کے اگلے سال سن ۱۰ ہجری میں اپنی وفات سے صرف تین ماہ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم کی بہت بڑی جماعت کے ساتھ حج فرمایا جو "حجتہ الوداع" کے نام سے مشہور ہے۔ اس سے پہلے ایک موقعہ پر آپ نے

خود بھی حج فرض ہونے کا اعلان فرمایا چنانچہ :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن خُطبہ دیا اور اس میں فرمایا : کہ اے لوگو! تم پر حج فرض کر دیا گیا ہے لہٰذا اس کو ادا کرنے کی فکر کرو۔

(صحیح مسلم)

حج کب اور کس چیز سے فرض ہوتا ہے، اس کی وضاحت اس حدیث میں ہے :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس نے پوچھا کہ : کیا چیز حج کو واجب کرتی ہے؟ آپ نے فرمایا : سامانِ سفر اور سواری۔ (جامع ترمذی)

قرآن کریم کی آیت بالا میں حج فرض ہونے کی شرط "مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا" بتائی گئی ہے کہ حج ان لوگوں پر فرض ہے جو سفر کر کے مکہ معظمہ تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہوں، سوال کرنے والے صحابی نے اس استطاعت کی وضاحت چاہی تو آپ نے مختصراً اس کے بارے میں فرمایا کہ ایک تو سواری کا انتظام ہو جس پر مکہ معظمہ تک سفر کیا جا سکے (خواہ اپنی ہو یا کرایہ کی) اور اس کے علاوہ کھانے پینے جیسی ضروریات کے لئے اتنا سرمایہ ہو جو اس زمانہ سفر کے گزارے کے لئے کافی ہو

حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ نے احادیث و آیت میں غور فرما کر استطاعت کی ایسی وضاحت فرما دی کہ اس کی روشنی میں ہر شخص اپنے اوپر حج فرض ہونے کا فیصلہ آسانی سے کر سکتا ہے، آپ بھی اس میں غور کر کے اپنے اوپر حج فرض ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ کر لیجئے۔

استطاعت کا مطلب

حج فرض ہونے میں جو قدرت اور استطاعت شرط ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ :

جس مُسلمان، عاقل، بالغ، صحت مند غیر معذور کے پاس اس کی اصلی اور بُنیادی ضروریات سے زائد اور فاضل مال اِتنا ہو جس سے وہ بیت اللہ تک آنے جانے اور وہاں کے قیام وطعام کا خرچ برداشت کرسکے اور اپنی واپسی تک اِن اہل وعیال کے خرچ کا انتظام بھی کرسکے جن کا نان ونفقہ اس کے ذمہ واجب ہے اور راستہ بھی مامون ہو تو ایسے ہر مُسلمان پر حج فرض ہے۔

عورت کے لئے چونکہ بغیر مَحْرَم کے سفر کرنا شرعاً جائز نہیں اس لئے وہ حج پر اس وقت قادر سمجھی جائے گی جب اس کے ساتھ کوئی محرم حج کرنے والا ہو، خواہ محرم اپنے خرچ سے حج کر رہا ہو یا یہ عورت اس کا سفر خرچ بھی برداشت کرے۔

(ماخذہ معارف القرآن جلد دوم صفحہ ۱۲۲)

حج نہ کرنے پر سخت وعید

حج کرنے کی قدرت اور استطاعت رکھنے کے باوجود جو لوگ حج نہ کریں ان کے لئے حدیث میں بڑی سخت وعید ہے، حدیث ملاحظہ ہو :

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : کہ جس شخص کے پاس سفرِ حج کا ضروری سامان ہو اور اس کو سواری میسر ہو جو بیت اللہ تک اس

کو پہنچا سکے' اور پھر وہ حج نہ کرے' تو کوئی فرق نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر۔ اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ : "اللہ تعالیٰ کے لئے بیت اللہ کا حج فرض ہے ان لوگوں پر جو اس تک جانے کی استطاعت رکھتے ہوں"۔ (جامع ترمذی)

مطلب یہ ہے کہ حج کرنے کی استطاعت رکھنے کے باوجود جو لوگ حج نہ کریں ان کا اس حالت میں مرنا اور یہودی یا عیسائی ہو کر مرنا گویا برابر ہے (معاذ اللہ)۔ یہ بالکل ایسی وعید ہے کہ جیسے نمازی کو نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے کفر و شرک کے قریب کہا گیا ہے' قرآن مجید میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے :

اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (الروم ع ٥)

(ترجمہ)

"نماز کی پابندی کرو اور شرک کرنے والوں میں سے مت رہو"۔

جس سے معلوم ہوا کہ نماز نہ پڑھنا مشرکوں والا عمل ہے' اس طرح حج نہ کرنے والوں کو یہود و نصاریٰ کے مشابہ بتایا گیا ہے اور نماز نہ پڑھنے والوں کو مشرکوں کے' اس کا راز یہ ہے کہ عیسائی اور یہودی حج نہیں کرتے لہٰذا باوجود قدرت کے حج نہ کرنا ان کے ساتھ مشابہت ہے۔ اور عرب کے مشرکین حج کرتے تھے لیکن وہ نماز نہیں پڑھتے تھے اس لئے نماز نہ پڑھنے کو مشرکوں والا عمل بتایا ______ بہر حال آیت اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بغیر حج کئے مرنے والے ناشکرے اور نافرمان بندے کی اللہ تعالیٰ کو کوئی پرواہ نہیں۔

پیشانی پر کافر لکھا ہو گا

آیتِ مذکورہ میں حج نہ کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ نے جس بیزاری کا اظہار

فرمایا ہے اس کے بارے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد ہلا دینے والا ہے جو تفسیر در مسور میں ہے :

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے : کہ جو شخص تندرست ہو اور پیسہ والا ہو کہ حج کے لئے جانے کی اس میں استطاعت ہو اور پھر بغیر حج کئے وہ مرجائے تو قیامت کے دن اس کی پیشانی پر "کافر" کا لفظ لکھا ہوا ہو گا اس کے بعد انہوں نے یہی آیت : وَمَنْ كَفَرَ آخر تک پڑھی۔

ایک اور روایت میں :

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ جو شخص حج کی استطاعت رکھتا ہو اور حج نہ کرے (اور بغیر حج کئے مرجائے) تو قسم کھا کر کہدو کہ وہ عیسائی مرا ہے یا یہودی مرا ہے۔ (فضائل حج)

حج کی استطاعت کے باوجود بغیر حج کئے مرنے والے کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذکورہ ارشاد ممکن ہے کہ ان کی یہی تحقیق ہو' ورنہ حضرات علماء کرام رحمہم اللہ کے نزدیک حج نہ کرنے سے کوئی شخص کافر نہیں ہوتا بلکہ انکار کرنے سے کافر ہوتا ہے۔ (فضائل حج)

بہر حال حج کی استطاعت رکھتے ہوئے حج نہ کرنا کافرانہ طرز عمل ہے جو سخت گناہ ہے جس سے توبہ واجب ہے اور حجِ فرض ادا کرنے کی فکر کرنا لازم ہے۔

حج نہ کرنے کی بہانے

بعض لوگ حج فرض ہونے کے باوجود حج ادا کرنے سے بڑی غفلت برتتے ہیں اور مختلف قسم کی تاویلیں اور بہانے پیش کرتے ہیں' ذیل میں ایسے لوگوں کی کچھ

تاویلیں پیش کی جا رہی ہیں جو احادیث بالا میں بیان کردہ وعیدوں کی روشنی میں بالکل باطل ہیں :

ماحول نہیں

اگر کسی کو یہ یاد دلائیں کہ بھائی آپ صاحب مال ہیں' آپ کے اوپر حج فرض ہے اس کو ادا کیجئے! تو جواب یہ دیا جاتا ہے کہ ہمارے گھر میں ماحول نہیں ہے' اس قسم کی ہمارے یہاں باتیں نہیں ہوتیں۔ اور جب تک ماحول نہ ہو ایسا کرنے کا فائدہ کیا؟ حالانکہ وہ ہر سال تمام بچوں اور گھر والوں کے ساتھ بمع ملازمین مری' سوات گھومنے جائیں گے۔ سنگاپور' پیرس اور لندن جائیں گے' لیکن نہیں جائیں گے تو حج کے لئے نہیں جائیں گے۔ حج کے لئے ماحول نہ ہونے کا بہانہ کریں گے' مگر! یہ بہانہ آخرت میں نہ چل سکے گا اور خدا کے عذاب سے نہ بچا سکے گا۔ سوچ لیں!

پہلے نماز روزہ تو کرلیں

کچھ لوگ یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ حج پر تو بعد میں جائیں گے' پہلے نماز' روزہ کے تو پابند ہو جائیں۔ انہیں سمجھاؤ کہ بھائی! جب تم حج پر جاؤ گے تو ایک طرح سے تمہاری تربیت ہو گی اور جب ۴۰ سے ۵۰ روز تک گھر سے باہر رہ کر صرف حرم پاک اور مسجد نبوی میں یہ سارا وقت لگے گا اور ایک خاص عبادت والا ماحول ہو گا تو تم تمام دوسری عبادتوں کے بھی عادی ہو جاؤ گے اور تمہارے اندر بڑی تبدیلی ہو جائے گی' لیکن پھر بھی نہیں سمجھتے ـــــــ اصل بات یہی ہے کہ حج کرنا نہیں چاہتے' کیونکہ اول تو حج کا فرض ہونا نماز روزہ کی پابندی پر موقوف نہیں' دوسرے نماز' روزہ کی پابندی بھی تو اپنے اختیار میں ہے' جب چاہے پابند ہو جاؤ' کیا مشکل ہے؟

دیگر فرائض

کچھ لوگ اس طرح تاویلیں پیش کرتے ہیں کہ ایک حج ہی ادا کرنے کے لئے رہ گیا ہے! اور بھی تو دوسرے فرائض ہیں۔ رشتہ داروں کے حقوق ہیں' بچوں کی تعلیم ہے اور نہ جانے کیا کیا بہانے تراشتے ہیں کہ پہلے ان کو پورا کرلیں پھر حج بھی کر لیں گے۔ اتنی جلدی کیا ہے؟

ایسے لوگ درج ذیل احادیث میں غور کریں!

- حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو حج کا ارادہ کرے اس کو جلدی کرنا چاہئے۔
- دوسری حدیث میں یہ ارشاد ہے کہ فرض حج میں جلدی کرو' نہ معلوم کیا بات پیش آجائے۔ (ترغیب)
- ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ حج میں جلدی کرو' کسی کو بعد کی کیا خبر ہے کہ کوئی مرض پیش آجائے یا اور کوئی ضرورت درمیان میں لاحق ہوجائے۔ (کنز)
- ایک اور حدیث میں ہے کہ حج نکاح سے مقدم ہے۔ (کنز)
- ایک حدیث میں ہے کہ جس کو حج کرنا ہے جلدی کرنا چاہئے۔ کبھی آدمی بیمار ہو جاتا ہے' کبھی سواری کا انتظام نہیں رہتا' کبھی اور کوئی ضرورت لاحق ہو جاتی ہے۔ (کنز)
- ایک حدیث میں ہے کہ حج کرنے میں جلدی کرو' نہ معلوم کیا عذر پیش آجائے۔ (کنز)

ان احادیث کی بناء پر ائمہ میں سے ایک بڑی جماعت کا مذہب یہ ہے کہ جب کسی شخص پر حج فرض ہو جائے تو اِس کو فوراً ادا کرنا واجب ہے تاخیر کرنے سے گناہگار ہوتا ہے۔

حج کے بعد گناہ نہ کرنا

کچھ لوگ حج پر اس لئے نہیں جاتے کہ بھائی! بس حج کے بعد کوئی گناہ نہیں کرنا' اس لئے بس زندگی کے آخری ایام میں حج کریں گے تاکہ بعد میں پھر کوئی گناہ نہ کریں۔ یہ بھی محض ایک بہانہ ہے کیونکہ یہ تو معلوم نہیں کہ زندگی کتنی ہے اور وہ کب پُوری ہو جائے' اگر زندگی کے آخری ایام کے انتظار میں موت آگئی تو پھر کیا ہو گا۔ اس لئے زندگی کے آخری حصہ میں حج کرنے کا انتظار کیے بغیر جتنی جلدی ممکن ہو سکے حج کرلینا چاہئے۔

بچیوں کی شادی کا مسئلہ

کچھ لوگ یہ تاویل پیش کرتے ہیں کہ بھائی! پہلے ہی بچیاں سیانی گھر بیٹھی ہیں پہلے ان کی شادی کے فرض سے سبکدوش ہو جائیں' باقی چیزیں بعد کی ہیں۔ بچیوں کی شادی سے فراغت کے بعد حج کا پروگرام بنائیں گے۔ جبکہ بچیوں کی ابھی نہ منگنی ہوئی ہے نہ سامنے کوئی رشتہ ہے اور کچھ معلوم نہیں کب ان کی شادی ہو گی۔ اس لئے ان کے نکاح کے انتظار میں حج فرض کو موخر کرنا درست نہیں' ان کی حفاظت کا تسلّی بخش انتظام کر کے حج کے لئے جانا چاہئے۔

کاروباری عذر

کچھ لوگ یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ چونکہ بچّے ابھی چھوٹے ہیں اور کاروبار کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ اس لئے بچّے جب بڑے ہو جائیں گے اور کاروبار سنبھال لیں گے تو پھر حج پر جائیں گے۔ یہ بھی محض نفس کا بہانہ اور حج کرنے سے جی چرانا ہے۔ نہ معلوم کب بچے بڑے ہوں اور کب وہ کاروبار سنبھالیں! اگر بچوں کا پہلے ہی انتقال ہو گیا یا بڑے میاں کا وقت پہلے ہی آگیا تو پھر حج کا کیا ہو گا؟ بہر حال کسی قابل اعتماد شخص کو کاروبار سپرد کر کے حج کے لئے جائیں اور اگر کوئی بھروسہ

کا آدمی نہ ملے تو دکان بند کر کے حج کے لئے جائیں۔

والدین کو حج کرانا

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک اولاد اپنے ماں باپ کو حج نہ کرائیں اور ماں باپ حج نہ کرلیں اس وقت تک اولاد حج نہیں کر سکتی' اس لئے پہلے وہ والدین کو حج کرانے کی فکر کرتے ہیں' جبکہ والدین پر حج فرض نہیں ہوتا اور اس طرح اولاد اپنا حجِ فرض ادا نہیں کرتی یہ بھی سراسر غلط ہے۔ اولاد پر ماں باپ کو حج کرانا ہرگز فرض نہیں۔ اگر اولاد پر حج فرض ہو جائے تو پہلے وہ اپنا حج کریں پھر اگر اللہ پاک مزید استطاعت دیں تو والدین کو بھی حج کرادیں۔

کچھ کھا کمالیں

بعض لوگ حج کے بارے میں یہ بہانہ کرتے ہیں کہ یہ وقت کھانے کمانے کا ہے' پہلے کچھ کھا کمالیں پھر حج کریں گے۔ یہ بھی نفس وشیطان کا دھوکہ ہے۔ ایسے لوگ اصل میں یہ سمجھتے ہیں کہ حج سے پہلے کاروبار میں دھوکہ' فریب' جھوٹ' سُود' رشوت' کم تولنا' کم ناپنا' نقلی کو اصلی بتا کر بیچنا سب چلتا ہے' حج سے آنے کے بعد اگر یہ گناہ کئے تو بڑی بدنامی ہو گی' لوگ کہیں گے حاجی صاحب ہو کر ایسا کام کرتے ہیں اس لئے وہ جوانی میں حج نہیں کرتے۔ اور جب بوڑھے ہو جائیں گے اور کسی قابل نہ رہیں گے تو حج کرنے جائیں گے تاکہ واپس آنے کے بعد حج کی نیک نامی باقی رہے۔ ایسے لوگوں کو چاہئے کہ وہ اس دھوکہ سے بچیں اور مذکورہ گناہوں سے توبہ کریں اور صحت وجوانی میں حج کریں۔

بغیر بیوی کے حج نہ کرنا

بعض لوگ وہ ہیں جن پر حج فرض ہے اور ان کے پاس اس قدر پیسے ہیں جن

سے وہ خود تو حج کر سکتے ہیں البتہ اپنی بیوی کو حج پر لے جانے کی استطاعت نہیں رکھتے' لیکن وہ بیوی کے اصرار کی وجہ سے یا اپنی مرضی سے اس انتظار میں رہتے ہیں کہ جب بیوی کو ساتھ لے جانے کے قابل ہوں گے اس وقت میاں بیوی دونوں ساتھ حج کرنے جائیں گے۔ واضح رہے کہ بیوی کو ساتھ لے جانے کے انتظار میں حج کو موخر کرنا درست نہیں اور بیوی کو بھی اپنی وجہ سے خاوند کو حج فرض ادا کرنے سے روکنا درست نہیں' خاوند کو چاہئے کہ اس وقت وہ خود حج ادا کرے پھر بعد میں اللہ تعالیٰ توفیق دیں تو بیوی کو بھی حج کرادے۔

ابھی بچّے چھوٹے ہیں

بعض لوگ خصوصاً عورتیں یہ بہانہ بناتی ہیں کہ ابھی بچّے چھوٹے ہیں اور ہم نے کبھی بچوں کو اکیلا نہیں چھوڑا' انہیں اکیلا چھوڑ کر کیسے جائیں؟ یہ بھی محض ایک بہانہ ہے۔ ان کو اگر کسی دوسری جگہ کا سفر پیش آجائے یا کسی مرض کی وجہ سے ہسپتال جانا پڑے تو اس وقت چھوٹے بچوں کا سب انتظام ہو جاتا ہے' جب وہاں انتظام ہو سکتا ہے تو حج کے لئے جانے پر بھی انتظام ہو سکتا ہے۔ اس لئے بچوں کی حفاظت کا مناسب بندوبست کر کے حج ادا کرنے کی فکر کرنی چاہئے۔

حج نہ کرنے کے حیلوں کا جواب

حج نہ کرنے کے مذکورہ تمام حیلے اور بہانوں کا ایک ہی جواب ہے کہ!

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"جس شخص کے لئے واقعۃً کوئی مجبوری حج کرنے میں حائل نہ ہو یا ظالم بادشاہ کی طرف سے کوئی رکاوٹ نہ ہو یا ایسی شدید بیماری لاحق نہ ہو جو حج کرنے سے روک دے پھر وہ بغیر حج

گئے مرجائے تو اس کو اختیار ہے کہ چاہئے یہودی ہو کر مرے یا
عیسائی ہو کر مرے"۔ (مشکوٰۃ)

اس لئے مرنے سے پہلے جتنی جلدی ممکن ہو، حجِ فرض ادا کرنے کی فکر کریں!

جو لوگ حج فرض ہونے کے باوجود اس کو ادا نہیں کرتے اِن کے واسطے جہاں حدیث بالا میں سخت ترین وعید ہے وہاں ان کا ایک زبردست خسارہ اور نقصان یہ ہے کہ حج کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو زبردست مغفرت، دوزخ سے آزادی، رضائے الٰہی کا حصول، درجات کی بلندی اور بے شمار اجر و ثواب ملتا ہے، حج نہ کرنے والے ان سے بھی محروم ہو جاتے ہیں۔ اب ان کی ترغیب کے لئے طواف و سعی اور حج کا کچھ ثواب لکھا جاتا ہے۔

حج کے فضائل و برکات

احادیث طیبہ میں حج، عمرہ، طواف اور سعی کا بڑا ہی اجر و ثواب ہے ان میں سے چند خاص خاص احادیث ملاحظہ ہوں :

تلبیہ کی فضیلت

حضرت سہل بن سَعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

اللہ تعالیٰ کا مومن و مسلم بندہ جب حج یا عمرہ کا تلبیہ پکارتا ہے (اور کہتا ہے لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ الخ تو اس کے داہنے طرف اور بائیں طرف اللہ تعالیٰ کی جو بھی مخلوق ہوتی ہے، خواہ وہ بے جان پتھر اور درخت یا ڈھیلے ہوں وہ بھی اس بندے کے ساتھ لَبَّيْكَ کہتی ہیں یہاں تک کہ زمین اس طرف اور اس طرف

سے ختم ہو جاتی ہے۔ (جامع ترمذی)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس شخص نے ایک دن حالت احرام میں تلبیہ کہتے ہوئے گزارا یہاں تک کہ (اس دن کا) سورج غروب ہو گیا تو وہ سورج اس کے گناہ لے کر غروب ہو گا اور وہ مُحرِم ایسا (گناہوں سے پاک) ہو جائے گا جیسے (اس وقت تھا جب) اس کی ماں نے اس کو جنا تھا۔

(ابن ماجہ)

فائدہ ✦ حج کا ثواب تو آگے آئے گا، صرف حج کا احرام باندھ کر لبیک کہتے ہی حاجی کے ساتھ خدا کی مخلوق لبیک کہنے میں شریک ہو جاتی ہے، جس کی آواز انسان نہیں سنتے لیکن یہ پر کیف سماں ضرور قائم ہو جاتا ہے اور کس شان کے ساتھ لبیک کی صداؤں میں حاجی حج کے لئے پہنچتا ہے، اور اس کا ایک دن بھی اس حالت میں نہیں گزرتا مگر اس کی مغفرت ہو جاتی ہے، لہٰذا اس سعادت کو حاصل کرنے کے لئے حجِ فرض ضرور ادا کرنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ کے مہمان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حج اور عمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں، اگر وہ اللہ تعالیٰ سے دعاء کریں تو وہ ان کی دعاء قبول فرمائے، اور اگر وہ اس سے مغفرت مانگیں تو وہ ان کی مغفرت فرمائے۔ (سنن ابن ماجہ)

چار سو گھرانوں میں سفارش قبول

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

حاجی کی سفارش چار سو گھرانوں کے بارے میں مقبول ہوتی ہے یا یہ فرمایا : کہ چار سو آدمیوں کے بارے میں مقبول ہوتی ہے (یہ راوی کو شک ہے) اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ حاجی اپنے گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے جیسے اس دن تھا جس دن اس کی ماں نے اس کو جنا تھا۔

(الترغیب)

فائدہ ◆ حج کرنے والے کتنے خوش نصیب ہیں کہ اللہ تعالی ان کو اپنا مہمان بناتے ہیں' ان کی دعائیں قبول فرماتے ہیں اور مغفرت طلب کرنے پر بخشش فرماتے ہیں' اور نہ صرف حج کرنے والوں کی بلکہ اگر وہ اپنے متعلقین میں سے سو دو سو نہیں' چار سو افراد کی مغفرت کی درخواست کریں تو ان کی درخواست منظور فرماتے ہیں' اور اتنے لوگوں کی مغفرت کا تو حق تعالی کی طرف سے وعدہ ہے ہی' اس سے زیادہ افراد کے لئے بھی اگر حاجی مغفرت کی دعا کرے تو وہ بھی قبول ہو سکتی ہے۔ یہ نعمت تو ایسی ہے کہ حج فرض ہو یا نہ ہو' یا حج فرض پہلے کر لیا ہو تو بھی حج کریں اور یہ فضیلت حاصل کریں اور بار بار حاصل کریں!

حرم شریف کی ہر نیکی ایک لاکھ کے برابر

حج یا عمرہ کرنے والا جب حدود حرم میں داخل ہوتا ہے تو اس کے ہر نیک

عمل کا ثواب ایک لاکھ کے برابر ہو جاتا ہے چند احادیث ملاحظ ہوں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک مرتبہ سخت بیمار ہوئے تو انھوں نے اپنی اولاد کو جمع کیا اور فرمایا : کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص مکّہ مکرّمہ سے پیدل حج کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر قدم پر سات سو نیکیاں درج فرمائیں گے اور ان میں سے ہر نیکی حرم کی نیکیوں کے برابر ہو گی' عرض کیا گیا : حرم کی نیکیوں سے کیا مراد ہے؟ فرمایا کہ حرم کی ہر نیکی ایک لاکھ نیکیوں کے برابر ہے۔ (مستدرک)

حضرت سعید بن جُبَیرؒ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے' وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اس مرض میں حاضر ہوا جس میں ان کا انتقال ہوا' تو میں نے انہیں اپنے بیٹوں سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اے میرے بیٹو!! پیدل حج کرنا' کیونکہ مجھے اتنا کسی چیز کا غم نہیں جتنا پیدل حج نہ کرنے کا ہے' صاحبزادگان نے عرض کیا : کہاں سے پیدل حج کیا جائے؟ فرمایا کہ مکّہ مکرّمہ سے' پھر فرمایا کہ سواری پر حج کرنے والے کو ہر قدم پر ستر نیکیاں ملتی ہیں اور پیدل حج کرنے والے کو ہر قدم پر مکہ مکرمہ کی نیکیوں میں سے سات سو نیکیاں ملتی ہیں۔ صاحبزادگان نے عرض کیا : مکّہ مکرّمہ کی نیکیوں سے کیا مراد ہے؟ فرمایا : کہ مکّہ مکرّمہ کی ایک نیکی ایک لاکھ نیکیوں کے برابر ہے۔ (القریٰ لقاصد ام القریٰ)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے' وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا : کہ جس شخص نے مکّہ مکّرمہ میں رمضان المبارک کا مہینہ پایا اور اس نے روزے رکھے اور حسبِ سہولت (رات میں) اس نے عبادت کی تو اس کے لئے ایک لاکھ رمضان کے مہینوں کا ثواب لکھا جائے گا۔ (ابن ماجہ)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں : کہ حرم کا ایک روزہ ثواب میں ایک لاکھ روزوں کے برابر ہے اور ایک درھم کا صدقہ ایک لاکھ درھم صدقہ کرنے کا ثواب رکھتا ہے اور (حرم کی) ہر نیکی ایک لاکھ نیکیوں کے برابر ہے۔ (القِریٰ)

فائدہ ✦ لہٰذا حدود حرم میں داخل ہوتے ہی تمام نیک کاموں کا ثواب ایک لاکھ گنا بڑھ جاتا ہے، چنانچہ حرم میں داخل ہو کر ایک مرتبہ سبحان اللہ کہیں تو ایک لاکھ سبحان اللہ کہنے کا ثواب ملے گا۔ ایک مرتبہ اللہ اکبر کہیں تو ایک لاکھ مرتبہ اللہ اکبر کہنے کا ثواب ملے گا، حج یا عمرہ کرنے پر جتنا بھی خرچ ہو وہ سب حرم میں داخل ہو کر ایک مرتبہ سبحان اللہ یا الحمدللہ یا اللہ اکبر کہتے ہی وصول ہو جاتا ہے، اس لئے حج کرنے میں کوتاہی نہیں کرنی چاہئے اور اتنے عظیم ثواب سے اپنے آپ کو محروم نہ کرنا چاہئے ——— بہرحال :

- ○ حرم میں ایک قرآن کریم ختم کریں تو ایک لاکھ قرآنِ کریم ختم کرنے کا ثواب ملے۔
- ○ ایک روپیہ خیرات کریں تو ایک لاکھ روپے خیرات کرنے کا ثواب ملے۔
- ○ ایک مرتبہ لا الٰہ اِلاّ اللہ پڑھیں تو ایک لاکھ مرتبہ پڑھنے کا ثواب ملے، اس میں سے ستّر ہزار کسی کو بخش دیں تو اُمید ہے کہ اس کو دوزخ سے نجات مِل جائے۔
- ○ سبحان اللہ، الحمدِللہ، اللہ اکبر، لا الٰہ اِلاّ اللہ، استغفار، درود شریف،

ایک بار پڑھیں تو ایک لاکھ مرتبہ پڑھنے کا ثواب ملے۔

- دو رکعت نفل پڑھیں تو دو لاکھ رکعت کا ثواب ملے۔
- اِشراق' چاشت' اوّابین' سُنَنِ زوال' قیام اللیل' تہجد' تحیۃ الوضوء' تحیۃ المسجد اور دیگر نوافل پڑھیں تو ایک لاکھ کے برابر ثواب مِلے۔
- ایک مرتبہ یٰسین شریف پڑھیں یا صلوٰۃ التسبیح پڑھیں تو ایک لاکھ کے برابر ثواب پائیں۔
- ایک روزہ رکھیں تو ایک لاکھ روزوں کا ثواب پائیں۔
- ایک فقیر کو کھانا کھلائیں تو یہ ایسا ہے کہ جیسے ایک لاکھ فقیروں کو کھانا کھلایا ہو۔
- ایک مرتبہ قُل ھُوَ اللہ احد پڑھیں یا ایک عمرہ کریں یا ایک طواف کریں تو ہر چیز پر ایک لاکھ کے برابر ثواب ملے۔

اس لئے خوب نیک کام کریں اور گناہوں سے بچیں بچیں' ہو جائے تو فوراً توبہ کریں اور اس حاضری کو بے حد غنیمت سمجھیں اور اس کی دل و جان سے قدر کریں۔ کچھ معلوم نہیں پھر یہ موقع ملے یا نہ ملے۔ بہر حال حج نہ کرنے والے بھی حج کر کے یہ سعادت حاصل کر سکتے ہیں۔

مسجد الحرام کا ثواب

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر آدمی اپنے گھر میں نماز پڑھے تو اس کو صرف ایک نماز کا ثواب ملتا ہے' اور محلّہ کی مسجد میں پچیس گنا ثواب ملتا ہے اور جامع مسجد میں پانچ سو گنا ثواب زیادہ ملتا ہے اور بیتُ المقدس کی مسجد میں پچاس ہزار نمازوں کا ثواب ملتا ہے اور میری مسجد یعنی مسجدِ نبوی میں

پچاس ہزار نمازوں کا ثواب ملتا ہے اور مسجدِ الحرام میں (جو مکّہ مکرمہ میں ہے) ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا ہے۔ (ابن ماجہ)

فائدہ ✦ بہت سی احادیث میں مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ثواب مسجدِ اقصیٰ سے زیادہ آیا ہے، لیکن اِس حدیث میں دونوں مسجدوں کا ثواب پچاس ہزار بیان کیا گیا ہے، اور بعض علماءِ کرام نے اس حدیث میں یہ توجیہ بیان فرمائی ہے کہ یہاں ہر مسجد کا ثواب اس سے پہلی مسجد کے اعتبار سے ہے یعنی جامع مسجد کا ثواب محلّہ کی مسجد کے ثواب سے پانچ سو (۵۰۰) مرتبہ دوگنا ہے، اس حساب سے جامع مسجد کا ثواب بارہ ہزار پانچ سو (۱۲۵۰۰) ہو گیا اور مسجدِ اقصیٰ کا ثواب ۶۲ کروڑ ۵۰ لاکھ (۶۲۵۰۰۰۰۰۰) ہو گیا اور مسجدِ نبوی کا ثواب ۳ نیل بارہ کھرب پچاس ارب (۳۱۲۵۰۰۰۰۰۰۰۰۰) ہوا اور مسجدِ حرام کا ثواب ۳۱ سنکھ پچیس پدم (۳۱۲۵۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰) ہوا اس طرح عام روایات میں مسجدِ حرام کا ثواب جو ایک لاکھ ہے یہ اس سے بہت زیادہ ہو گیا۔
(ماخذہ فضائل حج)

مگر اللہ پاک کی رحمت کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں ہے وہ اس سے بھی زیادہ دینے پر قادر ہے، ان کی رحمت پر کسی کا اجارہ نہیں، اس لئے مسجد حرام میں ایک نماز باجماعت ادا کرنے پر مذکورہ ثواب ملنے کو مشکل نہ سمجھا جائے جو لوگ حج فرض ہونے کے باوجود حج نہیں کرتے، وہ کتنے بڑے ثواب سے محروم ہیں، سوچیں اور غور کریں!! اور جلد حج کرنے کا فیصلہ کر کے مسجدِ حرام کا ثوابِ عظیم حاصل کرنے کی فکر کریں۔

بیت اللہ کی فضیلت

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

اللہ جل شانہ کی ایک سو بیس (۱۲۰) رحمتیں روزانہ اس گھر (یعنی

بیت اللہ) پر نازل ہوتی ہیں جن میں سے ساٹھ (۶۰) طواف کرنے والوں پر' چالیس (۴۰) وہاں نماز پڑھنے والوں پر اور بیس (۲۰) بیت اللہ کو دیکھنے والوں پر ہوتی ہیں۔ (بیہقی)

فائدہ ◆ بیت اللہ شریف کو صرف دیکھنا بھی عبادت ہے اور باعث رحمت ہے چنانچہ بہت سے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین سے اس کے فضائل منقول ہیں' ان میں سے چند یہ ہیں :

حضرت سعید بن المسیبؒ تابعی فرماتے ہیں کہ جو شخص ایمان و تصدیق کے ساتھ کعبہ کو دیکھے وہ گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے جیسے آج ہی پیدا ہوا۔

حضرت ابو السائب مدنیؒ کہتے ہیں کہ جو شخص ایمان و تصدیق کے ساتھ کعبہ کو دیکھے اس کے گناہ ایسے جھڑتے ہیں جیسے پتے درخت سے جھڑ جاتے ہیں۔ اور جو شخص مسجد میں بیٹھ کر بیت اللہ کو صرف دیکھتا رہے' چاہے طواف و نفل نماز نہ پڑھتا ہو وہ افضل ہے اس شخص سے جو اپنے گھر میں نفلیں پڑھے اور بیت اللہ کو نہ دیکھے۔

حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں کہ بیت اللہ کو دیکھنا بھی عبادت ہے اور بیت اللہ کو دیکھنے والا ایسا ہے جیسے رات کو جاگنے والا' دن میں روزہ رکھنے والا اور اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والا اور اللہ کی طرف رجوع کرنے والا۔

حضرت عطاءؒ ہی سے یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ بیت اللہ کو دیکھنا ایک سال کی نفل عبادت کے برابر ہے۔

حضرت طاؤسؒ کہتے ہیں کہ بیت اللہ کا دیکھنا افضل ہے اس شخص کی عبادت سے جو روزہ دار' شب بیدار اور مجاہد فی سبیل اللہ ہو۔

حضرت ابراہیم نخعیؒ کہتے ہیں کہ بیت اللہ کا دیکھنے والا مکہ سے باہر عبادت

میں کوشش سے لگے رہنے کے برابر ہے۔ (در منثور) (فضائل حج)

فائدہ ✦ جو لوگ فرض ہونے کے باوجود حج نہیں کرتے' اوّل تو وہ سخت گناہ گار ہیں' دوسرے پھر وہ بیت اللہ کی زیارت سے اور اس کی زیارت کے عظیم ثواب سے محروم ہیں' کیا انہیں اس اجر و ثواب سے محروم رہنا گوارا ہے؟؟

زم زم کے پانی کی فضیلت

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے : وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ زم زم کا پانی جس نیت سے پیا جائے اس سے وہی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ (ابن ماجہ)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے : وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : کہ زم زم کا پانی جس نیت سے پیا جائے اس سے وہی فائدہ ہوتا ہے' اگر آپ نے کسی بیماری سے صحت کے لئے پیا تو اللہ پاک شفا عطا فرمائیں گے اور اگر (کھانے کی جگہ) پیٹ بھرنے کے لئے پیا تو اللہ تعالیٰ پیٹ بھر دیں گے اور اگر پیاس بجھانے کے لئے اِس کو پیا تو اللہ پاک پیاس دور فرمائیں گے۔ یہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی خدمت ہے اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی سبیل ہے۔ (دار قطنی)

آب زم زم پینے کی دعاء

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے : کہ جب وہ زم زم کا پانی نوش فرماتے تو یہ دعاء مانگا کرتے تھے :

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا وَرِزْقًا وَاسِعًا وَشِفَاءً مِنْ كُلِّ دَاءٍ

ترجمہ "اے اللہ! میں آپ سے نفع دینے والا علم، کشادہ روزی اور ہر بیماری سے شفاء مانگتا ہوں"۔ (دار قطنی)

فائدہ ✦ حج یا عمرہ کرنے والوں کو جس قدر زم زم کا پانی پینے کا موقع ملتا ہے، وہ دوسروں کو نہیں ملتا۔ اس لئے حج کے واسطے جانے میں دیگر اعمال کے ثواب کے ساتھ ساتھ کثرت سے زم زم کا پانی پینے کی سعادت ملنا بڑی نعمت ہے۔ کاش! بلاعذر حج نہ کرنے والے غور کرتے!!

طواف میں قدم قدم پر نیکیاں

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے آپ نے فرمایا :

جو شخص (سنت کے مطابق) کامل وضو کرے اور (طواف کے لئے) حجرِ اسود کے پاس آئے تاکہ اس کا استلام کرے تو وہ (اللہ تعالیٰ کی) رحمت میں داخل ہوجاتا ہے، پھر (جب حجرِ اسود کا استلام کرکے وہ یہ کلمات کہتا ہے :

بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کو ڈھانپ لیتی ہے' اور جب وہ بیت اللہ کا طواف کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ہر قدم پر ستر ہزار نیکیاں عطا فرماتے ہیں' ستر ہزار گناہ (صغیرہ) معاف کرتے ہیں اور اس کے ستر ہزار درجہ بلند کئے جاتے ہیں اور (قیامت کے دن) اس کے اہل خانہ کے ستر افراد کے حق میں اس کی سفارش قبول کی جائے گی۔

اس کے بعد جب وہ مُقامِ ابرٰاہیم کے پاس آکر دو رکعتیں بحالتِ ایمان اور ثواب کی نیت سے ادا کرتا ہے تو اس کو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے چار غلام آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے اور وہ گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے جیسے اس روز تھا جس روز اس کو اس کی ماں نے جُنا تھا۔

(فرج الأحبهانى فى الترغيب)

فائدہ ✦ حاجی یا عمرہ کرنے والا یا نفلی طواف کرنے والا جب اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے باوضو ہو کر طواف شروع کرتا ہے تو ہر قدم پر ستر ہزار نیکیاں' ستر ہزار گناہوں کی معافی اور ستر ہزار درجات کی بلندی کیا معمولی بات ہے' اور ستر اہلِ خانہ کے حق میں سفارش قبول ہونا اور چار غلام آزاد کرنے کا ثواب ملنا اور گناہوں سے پاک ہو جانا یہ وہ سعادتیں ہیں جو بڑے ہی خوش نصیبوں کو ملتی ہیں' حج کر کے آپ کو بھی یہ ثواب مل سکتا ہے۔ لہٰذا حج جلدی کریں۔

حج کا ثواب عظیم

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں مسجدِ خیف میں (جو منیٰ میں ہے) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا' آپ کی خدمت میں

دو شخص آئے ایک انصاری دوسرا ثقفی، دونوں نے آپ کی خدمت میں سلام عرض کیا اور دعا دی۔ اور عرض کیا اے اللہ کے رسول!! ہم آپ سے کچھ باتیں پوچھنے آئے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کچھ تم پوچھنے آئے ہو اگر تمہارا دل چاہے تو میں بتاؤں کہ تم کیا دریافت کرنے آئے ہو؟ اور اگر تم چاہو تو میں خاموش رہتا ہوں تم خود دریافت کرلو! .... ان دونوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! آپ ہی ہمارے سوالات بھی بتا دیجئے تاکہ ہمارے ایمان ویقین میں اضافہ ہو۔ اس کے بعد انصاری صحابی نے ثقفی صحابی سے عرض کیا اللہ کے رسول سے پہلے آپ اپنا سوال پوچھ لیں، ثقفی صحابی نے عرض کیا نہیں! پہلے آپ معلوم کرلیں آپ ہی کا حق پہلے ہے۔ اس پر انہوں نے حضور کی خدمت میں عرض کیا اے اللہ کے رسول جو کچھ میں دریافت کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں ارشاد فرمایئے وہ کیا ہے؟

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : تم میرے پاس یہ دریافت کرنے آئے ہو کہ بیت اللہ کے ارادے سے گھر سے نکلنے کا کیا ثواب ہے؟ بیت اللہ کا طواف کرنے میں کیا اجر ہے؟ طواف کے بعد دو رکعت پڑھنے میں کیا فائدہ ہے؟ صفا ومروہ کے درمیان سعی کرنے کا کتنا ثواب ہے؟ میدان عرفات میں عرفہ کے دن ٹھہرنے کا کتنا اجر ہے؟ جمرات کی رمی کرنے اور قربانی کرنے پر کیا ثواب ہے؟ سر منڈانے پر کیا اجر ہے؟ اس کے بعد بیت اللہ کے طواف کرنے کا کیا ثواب ہے؟ یہ سن کر انصاری صحابی نے عرض کیا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا، میں یہی باتیں پوچھنے کے لئے حاضر ہوا تھا۔ (اس کے بعد) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصاری صحابی کے مذکورہ سوالات کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا :

جب تم بیت اللہ کی (زیارت کی) نیت سے اپنے گھر سے چلوگے تو راستے میں تمہاری اونٹنی کے ہر قدم رکھنے اور اٹھانے پر تمہارے لئے ایک نیکی لکھی جائے گی اور ایک گناہ مٹایا جائے گا، اور بیت اللہ کا طواف کرنے میں ایک قدم رکھنے اور

اٹھانے میں تمہارے لئے ایک نیکی لکھی جائے گی' ایک گناہ مٹایا جائے گا اور ایک درجہ بلند کیا جائے گا اور طواف کے بعد تمہارا دو رکعتیں ادا کرنا (ثواب میں) بنو اسمٰعیل میں سے ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ہے۔ اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنے کا ثواب ستر ۷۰ غلام آزاد کرنے کے مساوی ہے۔

عرفہ کے دن شام کو تمہارا میدان عرفات میں وقوف کرنا (ایسا مبارک ہے کہ) اللہ تعالیٰ (اپنی شان کے مطابق) آسمان دنیا پر نزول فرماتے ہیں اور فرشتوں کے سامنے تم پر فخر فرماتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ یہ میرے بندے ہیں جو غبار آلود' پراگندہ بال' ہر گہری اور کشادہ وادی سے (نکل کر) میرے پاس آئے ہیں' میری مغفرت اور رحمت کی امید رکھتے ہیں۔ (لو! میرے ان بندوں کے بارے میں سنو!) اگر ان کے گناہ ریت کے ذرات کے برابر ہوں یا بارش کے قطروں کے مساوی ہوں یا سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں تو بھی میں نے انہیں معاف کردیئے۔ میرے بندو!! (اب) تم واپس چلے جاؤ' تمہاری بخشش ہو گئی اور جن کے بارے میں تم سفارش کرو (ان کو بھی بخش دوں گا)۔

جمرات کی رمی میں ہر کنکری کے بدلہ جس سے تم رمی کرو گے' ہلاک کرنے والے اور جہنم واجب کرنے والے کبیرہ گناہوں میں سے ایک گناہ کبیرہ معاف ہو گا۔ اور تمہاری (حج کی) قربانی تمہارے رب کے پاس ذخیرہ ہے (جس کا ثواب آخرت میں ملے گا) اور سر منڈانے میں تمہارے ہر بال کے بدلے ایک نیکی عطا ہو گی اور ایک گناہ مٹایا جائے گا۔ سائل نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! اگر اس کے گناہ کم ہوئے تو پھر کیا ہو گا؟ آپ نے فرمایا اس کو تمہاری نیکیوں میں جمع کر دیا جائے گا (اس کے بعد آخر میں) تمہارا بیت اللہ کا طواف کرنا ایسی حالت میں ہو گا کہ تمہارا کوئی گناہ باقی نہ ہو گا اور ایک فرشتہ آئے گا جو تمہارے دونوں شانوں کے درمیان ہاتھ رکھ کر کہے گا (آئندہ نئے سرے سے) عمل کرو! تمہارے پچھلے سارے گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں۔ (القریٰ لقاصد ام القریٰ)

فائدہ ♦ سبحان اللہ! حج کرنے کا کتنا عظیم اجر وثواب ہے' قدم قدم پر نیکیاں' گناہوں کی معافی' درجات کی بلندی' غلاموں کو آزاد کرنے کا ثواب' میدانِ عرفات میں قیام کرنے پر بے شمار گناہوں سے درگذر' جمرات کی رمی میں ہر کنکری کے بدلہ گناہ کبیرہ کی معافی' قربانی کا ثواب محفوظ' سر منڈانے میں ہر بال کے بدلہ ایک نیکی اور ایک گناہ کی معافی' یہ فضائل ایسے ہیں کہ اگر حج فرض نہ ہو تب بھی ان کو حاصل کرنے کے لئے حج کیا جائے اور بار بار کیا جائے' اس لئے جن پر حج فرض ہو' انہیں مذکورہ ثواب حاصل کرنے کے لئے ضرور حج کرنا چاہئے۔

پیدل حج کرنے کا ثواب

ہر سال ہزاروں مسلمان حج کرتے ہیں جن میں بہت سے حاجی سواری پر حج کرتے ہیں اور بہت سے پیدل کرتے ہیں اور سواری پر حج کرنے والوں کو بھی کچھ نہ کچھ پیدل چلنا ہی پڑتا ہے بلکہ آجکل حج کی مُشقت سفر کے بجائے حج ادا کرنے میں ہو رہی ہے' کیونکہ حاجیوں کی اسقدر کثرت ہے کہ اب سواری پر حج کرنا پیدل حج کرنے کے مقابلے میں زیادہ دشوار ہے' کوئی بہت ہی کمزور' بیمار اور معذور ہو تو الگ بات ہے ورنہ پیدل حج کرنا کافی آسان ہے اور احادیث طیبہ میں اس کے فضائل بھی بہت آئے ہیں۔ یہاں ان کا مختصر انتخاب پیش کیا جاتا ہے تاکہ اگر کسی میں پیدل حج کرنے کی قوت ہو تو وہ یہ ثواب حاصل کرسکے اور جو شخص پورا حج پیدل نہ کرسکے تو جتنا کر سکے کرلے اور کچھ نہ کچھ پیدل حج کا ثواب حاصل کرلے۔

ہر قدم پر سات کروڑ نیکیاں

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک مرتبہ سخت بیمار ہوئے تو انہوں نے اپنی اولاد کو بلا کر جمع کیا اور فرمایا : کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص (حج کے لئے) مکہ مکرمہ سے پیدل چلے اور واپس مکہ مکرمہ آجائے تو اللہ تعالیٰ ہر قدم پر سات سو نیکیاں (اس کے نامہ اعمال میں) لکھیں گے' ان میں سے ہر نیکی حرم کی نیکیوں کے برابر ہے' عرض کیا گیا : حرم کی نیکیوں سے کیا مراد ہے؟ فرمایا : ہر نیکی ایک لاکھ نیکیوں کے برابر ہے۔ (مستدرک)

فائدہ ✦ مکہ مکرمہ سے پیدل حج کرنے کا یہ ثواب ہے کہ ہر قدم پر سات کروڑ نیکیاں عطا ہوں گی' جب ایک قدم پر یہ ثواب ہے تو سارے راستے کا کتنا زیادہ ثواب ہو گا۔

دس ارب نیکیاں

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"جو شخص منیٰ سے عرفات تک پیدل حج کرے' اس کے لئے حرم کی نیکیوں میں سے سو ہزار نیکیاں درج کی جائیں گی' عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول! حرم کی نیکیوں سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا : ایک نیکی ایک لاکھ نیکیوں کے برابر ہے"۔

فائدہ ✦ ایک سو ہزار کو ایک لاکھ میں ضرب دینے سے دس ارب کی تعداد بن جاتی ہے' جس کا حاصل یہ ہوا کہ صرف منیٰ سے عرفات تک پیدل جانے والے حاجی کو دس ارب نیکیاں ملیں گی' سبحان اللہ! کتنا عظیم ثواب ہے؟ اللہ تعالیٰ اس کی ہمت و قوت عطا فرمائیں۔ آمین۔

جو لوگ حج نہیں کرتے' وہ غور کریں کہ حج نہ کرنے کی بناء پر گناہگار ہونے کے علاوہ وہ کتنی لاکھوں کروڑوں بلکہ اربوں نیکیوں سے محروم ہیں' کیا انہیں مرنا نہیں ہے؟ اور حقیر دنیا چھوڑنی نہیں ہے؟ اور جب مرنا بھی یقینی ہے اور دنیا کو چھوڑنا بھی

ضرور ہے تو پھر حج کر کے آخرت کے لئے نیکیوں کے ذخائر جمع کریں تاکہ آخرت میں کام آئیں۔

عمرۃ کا ثواب

حج سے پہلے یا حج کے بعد اکثر عمرہ کیا جاتا ہے اور عمرہ کا بڑا ثواب ہے۔ چنانچہ حدیث میں عمرہ کو چھوٹا حج بتایا گیا ہے اس کے چند فضائل ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : کہ ایک عمرہ دوسرے عمرے تک کفارہ ہے ان کے درمیان کے گناہوں کا۔ اور حج مبرور کا بدلہ تو بس جنت ہے۔

(بخاری و مسلم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : کہ پے در پے حج اور عمرہ کیا کرو، کیونکہ حج اور عمرہ دونوں فقر و فاقہ، محتاجگی اور گناہوں کو اس طرح دور کرتے ہیں جس طرح لوہار اور سنار کی بھٹی لوہے اور سونے و چاندی کا میل کچیل دور کر دیتی ہے اور حج مبرور کا صلہ اور ثواب تو بس جنت ہی ہے۔

(ترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : کہ حج اور عمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں اگر وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں تو اللہ ان کی دعاء قبول فرمائے اور اگر وہ اس سے مغفرت مانگیں تو وہ ان کی مغفرت فرمائے۔

(ابن ماجہ)

فائدہ ✦ اخلاص کے ساتھ حج یا عمرہ کرنا گویا اللہ تعالیٰ کے دریائے رحمت میں غوطہ لگانا ہے جس سے اس کے گناہوں کا کفارہ بھی ہو جاتا ہے' دعاء بھی قبول ہوتی ہے' فقر وفاقہ بھی ختم ہوتا ہے اور خوش حالی اور اطمینان قلب نصیب ہوتا ہے اور نیز حج مبرور کے بدلے میں جنت عطا ہونا اللہ تعالیٰ کا قطعی فیصلہ ہے۔ جو لوگ استطاعت کے باوجود حج نہیں کرتے وہ کہاں ہیں؟ کیا وہ گناہوں سے پاک نہیں ہونا چاہتے؟ کیا انہیں جنت درکار نہیں؟ اگر درکار ہے تو پہلے حج کا فریضہ انجام دیں!

رمضان المبارک کا عمرہ

حضرت اُمّ سُلَیْم رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ (میرے خاوند) ابو طلحہ اور ان کے بیٹے حج کے لئے چلے گئے اور مجھے چھوڑ گئے۔ آپ نے فرمایا : کہ اے اُمّ سُلَیْم! رمضان المبارک میں عمرہ کرنا (ثواب میں) میرے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے۔

(ابن حبان)

فائدہ ✦ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ رمضان المبارک میں عمرہ کرنا حج کے برابر ثواب رکھتا ہے اور بھی احادیث میں مذکور ہے' لیکن مذکورہ حدیث میں ہے کہ : رمضان المبارک میں عمرہ کرنا میرے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے۔

(ابوداؤد)

اللہ پاک بار بار رمضان المبارک کا عمرہ مقبول نصیب فرمائے۔ (آمین)

مدینہ طیبہ کے فضائل

حج اور عمرہ کرنے والے کو حج وعمرہ کرنے کے بعد دوسری سب سے بڑی دولت

و نعمت مدینہ منورہ کی حاضری، مسجد نبوی کی زیارت اور دونوں جہان کے سرادر اور آقا و مولیٰ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بلا واسطہ حضوری اور براہ راست سلام پیش کرنے کی وہ سعادت ہے جو بہت ہی بلند نصیبہ کی بات ہے۔ جو لوگ حج کی استطاعت ہوتے ہوئے حج نہیں کرتے وہ اس عظیم سعادت سے بھی محروم رہتے ہیں جس سے بڑھ کر کوئی محرومی نہیں۔

اب کچھ فضائل اور برکات مدینہ منورہ کے پیش کئے جاتے ہیں۔

شفاعت اور سفارش

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : کہ میرا جو امتی مدینہ کی تکلیفوں اور سختیوں پر صبر کر کے وہاں رہے گا، میں قیامت کے دن اس کی شفاعت اور سفارش کروں گا۔

(صحیح مسلم)

طاعون اور دجال سے حفاظت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : کہ مدینہ کے راستوں پر فرشتے مقرر ہیں، اس میں طاعون اور دجّال داخل نہیں ہو سکتا۔

(صحیح بخاری و مسلم)

فائدہ ✦ دعاء کرنا ہر مومن کے اختیار میں ہے، اس لئے مدینہ طیّبہ میں رہنے کی دعا خود بھی کرنی چاہئے اور دوسروں سے بھی کرانی چاہئے۔

مسجدِ نبوی کی عظمت

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : کہ آدمی اگر اپنے گھر پر نماز پڑھے تو صرف ایک نماز کا ثواب اس کو ملتا ہے' اور محلہ کی مسجد میں پچیس گنا ثواب ملتا ہے اور جامع مسجد میں پانچ سو گنا ثواب ہوتا ہے اور بیت المقدس کی مسجد میں پچاس ہزار نمازوں کا ثواب ہوتا ہے اور میری مسجد یعنی مسجدِ نبوی میں بھی پچاس ہزار نمازوں کا ثواب ملتا ہے اور مسجد الحرام میں ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا ہے۔

(ابن ماجہ)

فائدہ ✦ مسجدِ نبوی میں ایک نماز ادا کرنے کا ثواب ایسا ہے جیسے کوئی شخص پچاس ہزار نمازیں ادا کرے' اللہ اکبر!! کتنا عظیم ثواب ہے' اس لئے مدینہ جانے والوں کو ہر نماز مسجدِ نبوی میں ادا کرنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔

دو مقبول حج کا ثواب

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : کہ جو شخص حج کے لئے مکہ مکرمہ جائے اور پھر میرا ارادہ کرکے میری مسجد میں آئے تو اس کے لئے دو مقبول حج لکھے جاتے ہیں۔

(دیلمی)

نفاق اور دوزخ سے براءت

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : کہ جس شخص نے

میری اس مسجد میں ۴۰ نمازیں ادا کیں' ایک نماز بھی فوت نہیں ہوئی تو اس کے لئے دوزخ سے اور ہر قسم کے عذاب سے نجات لکھ دی جائے گی (اسی طرح) نفاق سے براءت بھی لکھ دی جائے گی۔ (طبرانی)

فائدہ ✦ مسجدِ نبوی میں چالیس نمازیں باجماعت مسلسل ادا کرنے پر یہ بشارت ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے بندے کو نفاق کی نجاست سے پاک فرما دیں گے' اور دوزخ اور ہر قسم کے عذاب سے اس کو نجات دے دیں گے۔ اس لئے مسجد نبوی میں مسلسل چالیس نمازیں ادا کر کے یہ عظیم فضیلت حاصل کرنی چاہیے۔ حج کرنے کی استطاعت کے باوجود حج نہ کرنے والے اس سعادت سے بھی محروم ہیں' وہ غور کرلیں!۔

جنت کا باغیچہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : کہ میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان کی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغیچہ ہے اور میرا منبر حوض کوثر پر ہے۔

(بخاری و مسلم)

فائدہ ✦ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کی جگہ اور آپ کا حجرۂ مبارک جس میں آپ آرام فرما ہیں' ان کے درمیان جو زمین کا حصہ ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور عنایتوں کا خاص محل ہے جس کی بناء پر گویا وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغیچہ ہے' جو بندہ ایمان اور اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا طالب بن کر اس میں آیا تو گویا وہ جنت کے ایک باغیچہ میں آگیا اور انشاء اللہ آخرت میں بھی وہ اپنے آپ کو جنت کے ایک باغیچہ میں پائے گا۔ (معارف الحدیث)

روضۂ اقدس کی زیارت

آہستہ قدم، نیچی نگاہ، پست صدا ہو
خوابیدہ یہاں روح رسول عربی ہے ﴿ﷺ﴾

اے زائرِ بیتِ نبوی یاد رہے یہ
بے قاعدہ یہاں جنبش لِب بے ادبی ہے

بچھاؤ پلکیں، جھکاؤ آنکھیں
ادب کا اعلیٰ مقام آیا

حج کے بعد سب سے افضل، سب سے بہتر اور سب سے بڑی سعادت دونوں جہاں کے سردار جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس کی زیارت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عظمت وہ چیز ہے جس کے بغیر ایمان درست نہیں رہ سکتا، لہٰذا دیارِ مقدس میں پہنچنے کے بعد اب روضۂ اقدس کے سامنے خود حاضر ہو کر درود و سلام پیش کرنے کی سعادت حاصل کریں اور اس پر ملنے والے بے شمار فضائل و برکات حاصل کریں جو دور سے درود و سلام پڑھنے سے حاصل نہیں ہوتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ کا زندہ ہونا جمہورِ اُمّت کے نزدیک طے شدہ بات ہے، جو شخص اس کو نہ مانے وہ جاہل ہے اور نالائق ہے، بہرحال آپ کا جو اُمّتی مزارِ مبارک پر حاضر ہو کر سلام عرض کرے، آپ خود اس کا سلام سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں، ایسی صورت میں وفات کے بعد آپ کے روضۂ اقدس پر حاضر ہونا اور سلام عرض کرنا ایک طرح بالمشافہ سلام پیش کرنے کے برابر ہے جو بلاشبہ ایک عظیم ترین سعادت ہے جو ہر زیارت کرنے والے کو تمام آداب کے ساتھ ضرور حاصل کرنی چاہئے بلکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

کے روضہ اقدس کی زیارت کرنا ایسا ہے جیسے اس نے حضور کی زندگی میں آپ کی زیارت کی۔ جو لوگ حج نہیں کرتے وہ اس دولتِ عظمیٰ سے بھی محروم رہتے ہیں جو حقیقت میں بڑی محرومی ہے۔

فضائل زیارت مزار اقدس

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : کہ جس شخص نے حج کیا اور اس کے بعد میری قبر کی زیارت کی تو وہ میری وفات کے بعد (زیارت کی سعادت حاصل کرنے میں) انہی لوگوں کی طرح ہے جنھوں نے میری حیات میں میری زیارت کی۔ (رواہ البیہقی)

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : کہ جس نے میری قبر کی زیارت کی، اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔(ابن خزیمہ)

○ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : کہ جس شخص نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی اس نے مجھ پر ظلم کیا۔(رواہ ابن عدی بسند حسن)

○ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : کہ جو شخص میری قبر کے پاس کھڑے ہو کر مجھ پر درود پڑھتا ہے میں خود اس کو سنتا ہوں۔(رواہ البیہقی)

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : کہ جو شخص میری قبر کے پاس کھڑے ہو کر مجھ پر درود شریف پڑھتا ہے، میں اس کو خود سنتا ہوں اور جو شخص کسی اور جگہ درود شریف پڑھتا ہے تو اس کی دنیا و آخرت کی ضرورتیں پوری کی جاتی ہیں اور میں قیامت کے دن اس کا گواہ اور سفارشی ہوں گا۔ (رواہ البیہقی)

فائدہ ◆ یہ کتنی بڑی فضیلت ہے کہ روضۂ اقدس پر کھڑے ہو کر درود و سلام پڑھنے کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم خود بنفس نفیس سنتے ہیں اور سلام کا جواب دیتے ہیں، اس لئے ادب و احترام سے نظر جھکا کر بڑے ہی خلوص سے سلام پیش کرنا

چاہئے۔ اور مدینہ منورہ کے قیام کے دوران زیادہ سے زیادہ یہ سعادت حاصل کرنی چاہئے۔

درود و سلام کا ثواب

ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس کھڑے ہو کر یہ آیت پڑھے :

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ

اس کے بعد ستر مرتبہ

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا مُحَمَّدُ

کہے تو ایک فرشتہ کہتا ہے' اے شخص! اللہ تعالیٰ تجھ پر رحمت نازل فرماتے ہیں اور اس کی ہر حاجت پوری کر دی جاتی ہے۔

(فضائل حج)

فائدہ ✦ روضہ اقدس پر دستور کے مطابق درود و سلام پیش کرنے کے بعد مذکورہ فضیلت حاصل کرنے کے لئے ستر مرتبہ ذکر کردہ درود شریف بھی پڑھ لیا کریں۔ اور مذکورہ الفاظ کی جگہ اگر ستر مرتبہ یہ کلمات کہے جائیں تو شاید زیادہ بہتر ہو۔

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ (حوالہ بالا)

عام حالات میں درود و سلام پڑھنے کے احادیث میں بڑے عجیب و غریب فضائل منقول ہیں' ان میں سے چند خاص خاص فضائل یہاں لکھے جاتے ہیں' تاکہ زیادہ سے زیادہ درود شریف پڑھنے کا اہتمام کیا جائے بلکہ مدینہ منورہ کے قیام کے دوران تو خاص طور پر درود شریف کی کثرت کرنی چاہئے اور درود ابراہیمی سب درودوں کا سردار ہے اس لئے اسی کو زیادہ پڑھنا چاہئے۔

قرب کا ذریعہ

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے : کہ قیامت کے روز میرے سب سے زیادہ قریب وہ شخص ہوگا جو مجھ پر کثرت سے درود پڑھتا ہوگا۔

(ت' حب)

تفکرات سے نجات اور گناہوں کی معافی

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں آپ پر درود شریف کثرت سے پڑھتا ہوں تو کتنا درود اپنے معمول میں رکھوں؟ فرمایا جس قدر تمہارا دل چاہے' میں نے کہا ایک چوتھائی' یعنی باقی تین چوتھائی دوسرے معمولات رہیں' فرمایا جس قدر تمہارا دل چاہے اور اگر بڑھا دو تو تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا آدھا' فرمایا جتنا چاہو' اور اگر زیادہ کردو تو اور بہتر ہے' میں نے کہا تو پھر سب درود ہی درود رکھوں گا' فرمایا تو اب تمہاری سب فکروں کی بھی کفایت ہو جائے گی اور تمہارے گناہ بھی معاف ہو جائیں گے۔

(ت' مس)

دس رحمتیں اور دس نیکیاں

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے' جو شخص مجھ پر ایک بار درود پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتے ہیں اور اس کے دس گناہ معاف فرماتے ہیں اور اس کے دس

درجہ بڑھاتے ہیں اور دس نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں لکھتے ہیں۔ (س ظ)

۷۰ رحمتیں اور ۷۰ دعائیں

ایک روایت میں ارشاد ہے کہ : درود شریف پڑھنے والے پر اللہ تعالیٰ ستّر ۷۰ رحمتیں نازل فرماتے ہیں اور فرشتے اس کے لئے ستّر ۷۰ مرتبہ دعاء کرتے ہیں۔ (زادا لسعید)

عرش کا سایہ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے : کہ جو شخص مجھ پر درود کی کثرت کرے گا تو وہ عرش کے سایہ میں ہو گا۔

(حاشیہ الجذب)

اسی ۸۰ سال کے گناہ معاف

درمختار میں اصبہانی سے نقل کیا ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص مجھ پر درود شریف پڑھے اور وہ قبول ہو جائے تو اس کے اسی ۸۰ سال کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

(زادا لسعید)

سو حاجتیں پوری

امام مستغفری رحمہ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے : کہ جو کوئی ہر روز سو بار درود پڑھے ‘اس کی سو (۱۰۰) حاجتیں پوری کی جائیں

گی تیس (۳۰) دنیا کی اور باقی آخرت کی۔

(فض)

ہزار مرتبہ پڑھنے والے کے لئے بشارت

ابو حفص ابن شاہینؒ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص مجھ پر ہزار (۱۰۰۰) مرتبہ درود پڑھے تو وہ اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک کہ اپنا ٹھکانہ جنت میں نہیں دیکھ لے گا۔

(سع)

قیامت کی ہولناکی سے نجات

دیلمیؒ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے : کہ قیامت کے ہول اور خطرات سے وہ شخص زیادہ نجات حاصل کرے گا جو دنیا میں مجھ پر زیادہ درود بھیجتا ہو گا۔

(سع)

فائدہ ✦ کثرت سے درود شریف پڑھنا' مدینہ طیبہ میں خاص معمول ہونا چاہئے۔ اور پھر زندگی بھر یہ معمول جاری رہنا چاہئے' جس سے دنیا و آخرت میں مذکورہ بالا فضائل وبرکات حاصل ہوں گے۔ حج کی استطاعت کے باوجود حج نہ کرنے والے نہ جانے دین ودنیا کے کتنے ہی فوائد و ثمرات اور اجر وبرکات سے محروم ہیں۔

مدینہ منورہ کی موت

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : کہ جو شخص

اس کی کوشش کر سکے کہ مدینہ منوّرہ میں اس کی موت آئے تو اس کو چاہئے کہ وہ (اس کی کوشش کرے اور) مدینہ منورہ میں مرے (کیونکہ) میں ان لوگوں کی ضرور شفاعت کروں گا جو مدینہ طیبہ میں مریں گے (اور وہاں دفن ہوں گے)۔

(جامع ترمذی)

فائدہ ✦ مدینہ طیّبہ میں موت آنا گو اپنے اختیار میں نہیں لیکن بندہ اس کی آرزو اور دعاء تو کر سکتا ہے اور اخلاص کے ساتھ کسی قدر کوشش بھی کر سکتا ہے اور اخلاص کے ساتھ کوشش کرنے والوں کی اللہ تعالیٰ مدد بھی فرماتے ہیں، حدیثِ بالا کا یہی مدعا ہے : اس بارے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعا مانگنے کے لائق ہے!

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِیْ شَهَادَةً فِیْ سَبِیْلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِیْ فِیْ بَلَدِ رَسُوْلِكَ

ترجمہ : "اے اللہ مجھے اپنی راہ میں شہادت عطا فرما، اور اپنے محبوب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک شہر (مدینہ منوّرہ) میں مرنا (اور دفن ہونا) نصیب فرما!

(بخاری)

جنت البقیع میں دفن ہونا

مدینہ منوّرہ میں ایمان کے ساتھ مرنے کے بعد، جنت البقیع میں دفن ہونا بہت بڑی نعمت ہے، جہاں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت مدفون ہیں یعنی حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضور کی

صاجزادیاں حضرت زینب حضرت امّ کلثوم حضرت رقیہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن اور دو کے سوا باقی نو ازواجِ مُطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تین پھوپھیاں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صاجزادے حضرت ابراہیم آرام فرما ہیں' اور تیسرے خلیفہ ارشد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ' دس ہزار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم' بے شمار تابعین' تبع تابعین اور لاتعداد علماء' صلحاء' شہداء اور اولیاء کرام رحمہم اللہ مدفون ہیں' احادیث میں جنت البقیع کے خاص فضائل ہیں۔ چند یہ ہیں :

○ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آسمان والوں کے لئے دو قبرستان زمین پر ایسے چمکتے ہیں جیسے زمین والوں کے لئے آسمان پر چاند اور سورج چمکتے ہیں ایک بقیع کا قبرستان دوسرے مقبرۂ عسقلان۔

(فضائل حج)

○ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : کہ قیامت کے دن سب سے پہلے میری قبر شق ہو گی' میں اس میں سے نکلوں گا' پھر ابو بکر اپنی قبر سے نکلیں گے پھر عمر' پھر جنت البقیع میں جاؤں گا' وہاں جتنے مدفون ہیں ان کو اپنے ساتھ لوں گا' پھر مکّہ مکرّمہ کے قبرستان والوں کا انتظار کروں گا۔ وہ مکّہ مکرّمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان آکر مجھ سے ملیں گے۔

(ترمذی شریف)

○ حضرت امّ قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : کہ اے امّ قیس! کیا تم نے یہ مقبرہ (یعنی جنت البقیع) دیکھا ہے؟ میں نے عرض کیا! ہاں یا رسول اللہ دیکھا ہے! (اس کے بعد) آپ نے فرمایا : کہ قیامت کے دن اِس قبرستان

سے ستر ہزار آدمی اس طرح اٹھائے جائیں گے کہ ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکدار ہوں گے' یہ لوگ بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخل ہوں گے' (حضور سے یہ فضیلت سن کر) ایک صاحب اٹھے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول کیا میں ان میں سے ہوں؟ آپ نے فرمایا ہاں تم ان میں سے ہو' پھر ایک صاحب اور اٹھے اور انھوں نے بھی یہی عرض کیا' آپ نے فرمایا کہ عکاشہ تم سے بازی لے گئے۔

(القریٰ)

فائدہ ✦ مدینہ منوّرہ کی موت کے ساتھ جنت البقیع میں دفن ہونے کی تمنا بھی ہونی چاہئے اور دعاء بھی کرنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ سعادت خاص اپنے فضل کرم سے ضرور عنایت فرمائے آمین۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی النبی الکریم محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

۱۱ر۷ر۱۴۲۶ھ

طلاق کے نقصانات

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱/۱۸۸ ۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم

طلاق کے نقصانات
اور
اس سے بچنے کا طریقہ

اَلْحَمْدُ للهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

اما بعد !

الحمد للہ ہم مسلمان ہیں اور مسلمان کو ان کے خالق و مالک جل شانہ نے جہاں اور فرائض و واجبات کے طریقے بتائے ہیں‘ اسی طرح نکاح و طلاق کے طریقے بھی بتلائے ہیں اور ان کے مطابق عمل کرنے کا تاکیدی حکم دیا ہے اور ان کے خلاف عمل کرنے میں جہاں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی ہے جو خود ایک مستقل گناہ اور سنگین جرم ہے‘ وہاں اس میں اور بھی طرح طرح کی خرابیاں ہیں اور قسم قسم کی دشواریاں ہیں جو آئے دن ہمارے سامنے آتی رہتی ہیں‘ خاص کر ایک عیال دار اور صاحبِ اولاد شخص کو جو الجھنیں پیش آتی ہیں وہ ناقابلِ بیان ہیں۔

طلاق کا غلط طریقہ اور اس کے نقصانات

یوں تو ہمارے معاشرے میں طلاق کے بے شمار غلط سلط طریقے رائج ہیں اور نت نئے غلط طریقے آئے دن سامنے آتے رہتے ہیں' ان میں سب سے زیادہ غلط' ناجائز اور خلافِ شرع طریقہ اور بے شمار آفات و مصائب سے بھرا ہوا وہ طریقہ ہے جو ہمارے یہاں بکثرت رائج ہے' اس کے بارے میں اگر یہ کہا جائے کہ یہ طریقہ سو فیصد رائج ہے تو شاید مبالغہ نہ ہو' اور پھر اپنی جہالت سے اسی کو طلاق دینے کا واحد طریقہ سمجھا جاتا ہے' اس طریقہ سے ہٹ کر طلاق دینے کو طلاق دینا سمجھا ہی نہیں جاتا' وہ نامراد طریقہ ایک دم تین طلاق دینے کا ہے۔ اسی بناء پر ہر خاص و عام' جاہل' پڑھا لکھا' امیر' غریب' غصہ میں یا غور و فکر کے بعد' زبانی یا تحریری جب طلاق دیں گے دفعۃً تین طلاقیں دیں گے' اس سے کم پر اکتفا ہی نہیں کرتے' بلکہ اتفاق سے شوہر اگر ایک یا دو طلاقیں دینے پر اکتفاء کر بھی لے تو اس کو تیسری طلاق دینے پر مجبور کیا جاتا ہے اور طرح طرح کے طعنے دے کر یا دھمکی دے کر یا کسی طرح مزید غصہ دلا کر تیسری طلاق بھی اسی وقت دلوائی جاتی ہے اور جب تک خاوند تین طلاقیں نہ دیدے' نہ خاوند کا غصہ ٹھنڈا ہوتا ہے' نہ بیوی کا' نہ دیگر اہل خانہ کا اور نہ دیگر اقرباء کا' اور اس سے پہلے نہ بچوں کی بربادی کا خیال آتا ہے' نہ گھر اجڑنے کا' نہ دو خاندانوں میں عداوت و دشمنی کا' کوئی بھی اس وقت ہوش سے کام نہیں لیتا' اور جب خاوند بیوی کو طلاق کی تینوں گولیاں مار دیتا ہے تو سب کو سکون ہو جاتا ہے اور ہوش آجاتا ہے۔

پھر جب چھوٹے چھوٹے بچوں کا خیال آتا ہے اور ان کے کھوئے کھوئے معصوم سے چہرے سامنے آتے ہیں اور گھر اجڑتا نظر آتا ہے تو اوسان خطا ہونے لگتے ہیں اور ہر ایک کو اپنی غلطی کا احساس ہونے لگتا ہے اور دونوں میاں بیوی اپنے کئے پر پشیمان ہوتے ہیں اور معافی و شافی کر کے بہت جلد صلح و آشتی پر تیار ہو جاتے ہیں' مگر سر سے پانی پھر جانے کے بعد یہ پشیمانی اور صلح و آشتی کچھ کام نہیں آتی اور نہ

رونے دھونے سے کچھ کام چلتا ہے، تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں، حرمت مغلظہ ثابت ہو جاتی ہے اور بیوی خاوند پر حرام ہو جاتی ہے۔ جس میں رجوع بھی نہیں ہو سکتا اور حلالہ کے بغیر باہم دوبارہ نکاح بھی نہیں ہو سکتا اور طلاق دینے میں ناجائز طریقہ اختیار کرنے کا گناہ عظیم علیحدہ ہوا، پھر اگر ناحق طلاق دی ہو تو ناحق طلاق دینا ظلم ہے جو خود گناہِ کبیرہ ہے اور حرام ہے۔

اس کے بعد علماءِ کرام اور مفتیانِ عظام کے دروازوں کو دستک دی جاتی ہے اور بڑی عاجزی کے ساتھ اپنی درد بھری داستان سنائی جاتی ہے، معصوم بچوں کی بربادی کا ذکر ہوتا ہے، آنکھوں سے اشکوں کے دریا بہائے جاتے ہیں اور درخواست کی جاتی ہے کہ کسی نہ کسی طرح کوئی گنجائش نکال کر ان کے گھر کو تباہی سے بچایا جائے، کوئی کفّارہ بتلایا جائے جس سے دی ہوئی تین طلاقیں کالعدم ہو جائیں اور ہم دوبارہ میاں بیوی بن جائیں۔ مگر اب میاں بیوی کہاں بن سکتے ہیں، دوبارہ میاں بیوی بننے کے جتنے راستے اور جو جو گنجائشیں اللہ اور اس کے رسول نے رکھی تھیں وہ سب اپنی نادانی سے یک لخت ختم کر دیں۔ اس وقت لے دے کر صرف یہ طریقہ رہ جاتا ہے کہ عدّت گزارنے کے بعد مطلقہ کسی دوسرے شخص سے نکاح کرے پھر نکاح کے بعد یہ دوسرا شخص مطلقہ سے باقاعدہ جماع (ہمبستری) کرے اور جماع کے بعد اپنی خوشی سے اس کو طلاق دے اور پھر مطلقہ اس دوسرے شوہر کی بھی عدّتِ طلاق گزارے، تب کہیں جا کر وہ پہلے خاوند کے لئے حلال ہو سکتی ہے اور اس سے نکاح کر سکتی ہے مگر مطلقہ کا نکاحِ ثانی کرتے وقت یہ شرط لگانا کہ دوسرا شوہر نکاح کے بعد اس کو ضرور ہی طلاق دے گا، خود موجب لعنت ہے، حدیث پاک میں ایسا کرنے اور کرانے والے پر لعنت آئی ہے، اور بعض دفعہ شوہرِ ثانی بغیر جماع کیے طلاق دے دیتا ہے، بلکہ اسی کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس طرح تو مطلقہ پہلے شوہر کے لئے حلال ہی نہیں ہوتی، کیونکہ پہلے شوہر پر حلال ہونے کے لئے دوسرے شوہر کا وطی (ہمبستری) کرنا شرط ہے، پھر یہ

طریقہ بھی کوئی شخص اپنی غیرت کو بالائے طاق رکھ کر ہی کر سکتا ہے یا بہت ہی سخت مجبوری میں اس کو گوارا کر سکتا ہے۔ سلیم الطبع اور غیرت مند آدمی اس کو نہیں اپنا سکتا۔ اور بعض لوگ دوسرے طریقوں سے اس گتھی کو سلجھانے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کے یہ دوسرے طریقے بہت ہی بدتر ہوتے ہیں کیونکہ مذکورہ طریقے میں صحیح طرز پر عمل کرنے سے مطلقہ بہرحال پہلے خاوند کے لئے حلال تو ہو جاتی ہے مگر دوسری صورت اختیار کرنے سے مطلقہ پہلے خاوند پر حلال ہی نہیں ہوتی' بدستور حرام رہتی ہے۔

رجوع کی ناجائز شکلیں

چنانچہ بعض جگہ تمام احکام کو پسِ پشت ڈال کر' عذابِ قبر' عذابِ آخرت اور قہرِ خداوندی سے بے خوف ہو کر صراحۃً تین طلاقیں دینے کے باوجود بغیر کسی حلالہ اور نکاح کے میاں بیوی میں رجوع کرا دیا جاتا ہے' گھر کے بڑے یا دیگر اہلِ محلّہ یہ کہہ کر ان کی تسلّی کر دیتے ہیں کہ غصہ میں طلاق نہیں ہوتی یا گواہوں کے بغیر طلاق نہیں ہوتی یا بالکل تنہائی میں طلاق نہیں ہوتی یا دل سے طلاق دینے کا ارادہ نہ ہو تو طلاق نہیں ہوتی' یا بیوی کو طلاق کا علم نہ ہو تو طلاق نہیں ہوتی یا بیوی طلاق نامہ کی رجسٹری واپس کر دے اور وصول نہ کرے تو طلاق نہیں ہوتی' یا جب تک وہ طلاق کی تحریر نہ پڑھے اور قبول نہ کرے طلاق نہیں ہوتی یا محض لکھ کر دینے سے جبکہ خاوند نے زبانی طلاق نہ دی ہو طلاق نہیں ہوتی یا مطلقہ حمل سے ہو تو طلاق نہیں ہوتی۔ یہ سب جاہلوں کی اپنی خود ساختہ اور من گھڑت دلیلیں ہیں جو بالکل لچّر ہیں۔ ازروئے شرع ان سب صورتوں میں بلاشبہ تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں اور ان کا رجوع محض حرام کاری کا ذریعہ ہوتا ہے اور اس طرح ان کی ساری زندگی گناہ میں گزرتی ہے جس میں یہ دونوں مرد و عورت تو گنہگار رہوتے ہی ہیں' ساتھ ہی وہ لوگ بھی گنہگار ہوتے ہیں جنہوں نے ان دونوں کو اس حرام زندگی گزارنے پر آمادہ کیا۔

بعض لوگ تین طلاقیں دینے کے بعد' تین کا اقرار نہیں کرتے' یا طلاق ہی سے منکر ہو جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس طرح طلاقیں واقع نہ ہوں گی یا پھر سفید جھوٹ بول کر بجائے تین طلاقوں کے دو لکھواتے اور بتلاتے ہیں اور مفتی کو دھوکہ دے کر رجوع کا فتویٰ لے لیتے ہیں اور لوگوں میں مشہور کر دیتے ہیں کہ فلاں بڑے مفتی صاحب کا یا فلاں بڑے مدرسہ کا فتویٰ منگوا لیا ہے کہ طلاق نہیں ہوئی' لہٰذا رجوع ہو سکتا ہے۔ اس طرح عوام کو بھی دھوکا دیتے ہیں تاکہ کسی کے سامنے رسوائی نہ ہو اور پھر ان عیاریوں سے وہ سمجھتے ہیں کہ بیوی حلال ہو گئی ہے جو محض اور محض خود فریبی ہے۔ مفتی غیب داں نہیں' وہ تحریر وبیان کا پابند ہے' جو کچھ اس کو بتایا جائے گا وہ اسی کے مطابق جواب لکھ کر دے گا' بیان و تحریر کی ذمہ داری صاحب واقعہ پر ہے' اصل حقیقت چھپا کر ایک یا دو طلاقوں کے حکم کو تین طلاقوں کے حکم پر فٹ کرنے سے بیوی حلال ہرگز نہ ہوگی' بدستور حرام رہے گی۔ ایسے لوگ مفتی اور عوام کو تو دھوکہ دے سکتے ہیں مگر اللہ جل شانہ کو دھوکہ نہیں دے سکتے' وہ برابر حق تعالیٰ کے سامنے ہیں اور اس کے قہر وغضب سے نہیں بچ سکتے۔

بعض لوگ تین طلاقوں سے بچنے کے لئے جب فقہ حنفی میں کوئی راستہ نہیں پاتے تو اپنا مسلکِ حنفی چھوڑ کر غیر مقلدوں سے رجوع کرتے ہیں اور اُن سے فتویٰ لے کر رجوع کر لیتے ہیں' اُن کے مسلک میں ایک ہی مجلس کے اندر اگر کوئی شخص تین طلاقیں دفعۃً دے دے تو ایک ہی طلاق ہوتی ہے اور دوبارہ رجوع ہو سکتا ہے۔ ان کا یہ مسلک قرآنِ حکیم' احادیثِ صحیحہ' صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم' تابعین رحمہم اللہ' چاروں امام حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ' حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ' حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ' حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور جمہورِ اُمت کے خلاف ہے اور علمی اعتبار سے بھی غلط ہے۔ (اس سلسلہ میں چند حدیثیں آخر میں آرہی ہیں) ان کے مسلک پر عمل کر کے یہ لوگ حرام کاری کی زندگی بسر

کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ دفعۃً تین مرتبہ طلاق دینے میں مصیبت ہی مصیبت اور گناہ ہی گناہ ہے۔

اگر نکاح سے پہلے یا نکاح کے بعد ہی طلاق کے مسائل سیکھ لئے جاتے (جب کہ مسائل کو سیکھنا اس وقت فرض بھی تھا) اور پھر ان پر عمل کیا ہوتا تو آج یہ روز بد دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ گھر اور بچے برباد نہ ہوتے' سکون غارت نہ ہوتا۔ دو خاندانوں میں دشمنی پیدا نہ ہوتی۔ لہٰذا بیک وقت تین طلاق دینے سے مکمل اجتناب کرنا واجب ہے اور جہاں تک ممکن ہو غصہ میں ہرگز ہرگز طلاق نہ دی جائے۔ اگر کبھی غصہ میں ایسی نوبت آنے لگے تو فوراً وہاں سے علیحدہ ہو جائیں اور جب غصہ ختم ہو جائے اور پھر بھی طلاق دینے کا ارادہ ہو تو اس سلسلہ میں کم از کم پہلے قرآن و سنّت کی ان مختصر مندرجہ ذیل تعلیمات کا ضرور مطالعہ کر لیں اور شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کریں۔

میاں بیوی کے حقوق

میاں اور بیوی میں تعلقات کشیدہ ہونے کی اصل بنیاد عام طور پر ایک دوسرے کے حقوق ادا نہ کرنا ہے' اسی سے جھگڑے ہوتے ہیں' اشتعال پیدا ہوتا ہے' اس لئے دونوں پر لازم ہے کہ ایک دوسرے کے حقوق پہچانیں اور پھر ان تمام حقوق کو ادا کرنے کی پوری پوری کوشش کریں۔ جہاں کہیں کوتاہی ہو رہی ہو' کھلے دل سے اس کا اعتراف کریں' اور جلد از جلد اس کا تدارک کر لیں۔ اگر ایسا کرنے لگیں تو شاید ہی کوئی رنجش ہو۔ یہاں مختصراً دونوں کے چند شرعی حقوق کا ذکر کیا جاتا ہے :

خاوند پر بیوی کے یہ حقوق ہیں :

(۱) بیوی کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنا۔

(۲) اعتدال کے ساتھ اس کی ایذاء پر صبر کرنا یعنی اگر بیوی سے کوئی خلاف طبع

اور ناگوار بات صادر ہو تو اس پر صبر کرنا' برداشت کرلینا اور نرمی سے اس کو سمجھا دینا تاکہ آئندہ وہ خیال رکھے اور معمولی معمولی بات پر غصہ کرنے سے پرہیز کرنا۔

③ غیرت میں اعتدال رکھنا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نہ تو خواہ مخواہ بیوی سے بدگمانی کرے اور نہ بالکل اس کی طرف سے غافل ہو جائے۔

④ خرچ میں اعتدال کرنا۔ یعنی حد سے زیادہ تنگی نہ کرے اور نہ فضول خرچی کی اجازت دے' میانہ روی اختیار کرے۔

⑤ حیض و نفاس کے احکام سیکھ کر بیوی کو سکھانا' نماز پڑھنے اور دین پر چلنے کی تاکید کرتے رہنا اور بدعات و رسومات سے منع کرنا۔

⑥ اگر ایک سے زائد بیویاں ہوں تو ان میں حقوق برابر رکھنا۔

⑦ بقدرِ ضرورت اس سے جماع (ہمبستری) کرنا۔

⑧ بغیر اجازت عزل نہ کرنا یعنی صحبت کرتے وقت بیوی کی مرضی کے بغیر باہر منی خارج نہ کرنا۔

⑨ بغیر ضرورت کے طلاق نہ دینا۔

⑩ بقدر ضرورت رہنے کے لئے مکان دینا۔

⑪ کبھی کبھی بیوی کے محارم اور قریبی عزیزوں سے اس کو ملنے دینا۔

⑫ اس کے ساتھ ہمبستری کی باتیں' دوسروں پر ظاہر نہ کرنا۔

⑬ ضرورت کے وقت بیوی کو مارنے اور تنبیہ کرنے کی جو حد شریعت نے بتلائی ہے اس سے زیادہ مار پیٹ نہ کرنا۔ (اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے)

بیوی پر شوہر کے یہ حقوق ہیں :

① ہر جائز کام میں خاوند کی اطاعت کرنا' البتہ خلافِ شرع اور گناہ کے کام میں معذرت کردے۔

② خاوند کی حیثیت سے زیادہ نان و نفقہ کا مطالبہ نہ کرنا۔

③ شوہر کی اجازت کے بغیر کسی کو گھر میں نہ آنے دینا۔

④ شوہر کی اجازت کے بغیر اپنے گھر سے نہ نکلنا۔

⑤ شوہر کی اجازت کے بغیر اس کے مال میں سے کسی کو کچھ نہ دینا۔

⑥ اس کی اجازت کے بغیر نفل نماز نہ پڑھنا اور نفل روزہ نہ رکھنا۔

⑦ خاوند صحبت کے لئے بلائے تو شرعی ممانعت اور رکاوٹ کے بغیر انکار نہ کرنا۔

⑧ خاوند کو اس کی تنگدستی یا بدصورتی کی وجہ سے حقیر نہ سمجھنا۔

⑨ اگر خاوند میں کوئی بات خلافِ شرع اور گناہ کی دیکھے تو ادب کے ساتھ منع کرنا۔

⑩ اس کا نام لے کر نہ پکارنا۔

⑪ کسی کے سامنے اس کی شکایت نہ کرنا۔

⑫ اس کے سامنے زبان درازی اور بدزبانی نہ کرنا۔

⑬ اس کے والدین کو اپنا مخدوم سمجھ کر ان کا ادب و احترام کرنا' ان کے ساتھ لڑ جھگڑ کر یا کسی اور طریقے سے ایذاء نہ پہنچانا۔ (دین کی باتیں و حقوق الاسلام)

صالح بیوی

قرآن کریم کی رو سے نیک بیوی وہ ہے جو مرد کی حاکمیت کو تسلیم کر کے اس کی اطاعت کرے' اس کے تمام حقوق ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے پیٹھ پیچھے اپنے نفس اور مال کی حفاظت کرے' اپنی عصمت اور مال کی حفاظت جو امورِ خانہ داری میں سب سے اہم ہیں ان کے بجا لانے میں خاوند کے سامنے اور پیچھے کا حال بالکل برابر رکھے' یہ نہیں کہ خاوند کے سامنے تو اس کا اہتمام کرے اور اس کی عدم موجودگی میں لاپرواہی برتے۔ ایک حدیث میں اس کی مزید تشریح ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"بہترین عورت وہ ہے کہ جب تم اس کو دیکھو تو خوش ہو اور جب اس کو کوئی حکم دو تو اطاعت کرے اور جب تم غائب ہو تو اپنے نفس اور مال کی حفاظت کرے"۔ (معارف القرآن)

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"جو عورت اپنے شوہر کی تابعدار اور فرماں بردار ہو اس کے لئے ہوا میں پرندے' دریا میں مچھلیاں' آسمانوں میں فرشتے اور جنگلوں میں درندے استغفار کرتے ہیں"۔ (بحر محیط)

نافرمان بیوی کی اصلاح کے تین طریقے

جب کسی کی بیوی اس کی فرمانبرداری نہ کرے' اس کے حقوق ادا نہ کرے اور خوش اسلوبی کے ساتھ زندگی نہ گزارے تو قرآنِ کریم نے اس کی اصلاح کے ترتیب وار تین طریقے بتلائے ہیں' طلاق دینے سے پہلے ان باتوں پر عمل کرنا چاہئے۔

① پہلا طریقہ اور درجہ یہ ہے کہ خاوند نرمی سے بیوی کو سمجھائے' اس کی غلط فہمی دور کرے۔ اگر واقعی وہ جان کر غلط روش اختیار کئے ہوئے ہے تو سمجھا بجھا کر صحیح روش اختیار کرنے کی تلقین کرے' اس سے کام چل گیا تو معاملہ یہیں ختم ہو گیا' عورت ہمیشہ کے لئے گناہ سے اور مرد قلبی اذیت سے اور دونوں رنج و غم سے بچ گئے۔ اور اگر اس فہمائش سے کام نہ چلے تو

② دوسرا درجہ یہ ہے کہ ناراضگی ظاہر کرنے کے لئے بیوی کا بستر اپنے سے علیحدہ کر دے اور اس سے علیحدہ سوئے۔ یہ ایک معمولی سزا اور بہترین تنبیہ ہے' اس سے عورت متنبہ ہو گئی تو جھگڑا یہیں ختم ہو گیا۔ اور اگر وہ اس شریفانہ سزا پر بھی اپنی نافرمانی اور کج روی سے باز نہ آئی تو

③ تیسرے درجے میں خاوند کو معمولی مار مارنے کی بھی اجازت دی گئی ہے' جس

کی حد یہ ہے کہ بدن پر اس مار کا اثر اور زخم نہ ہو ـــــ مگر اس تیسرے درجہ کی سزا کے استعمال کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند نہیں فرمایا' اس لئے اس درجہ پر عمل کرنے سے بچنا اولیٰ ہے۔ بہر حال اگر اس معمولی مار پیٹ سے بھی معاملہ درست ہو گیا' صلح صفائی ہو گئی' تعلقات بحال ہو گئے' تب بھی مقصد حاصل ہو گیا' خاوند پر بھی لازم ہے کہ وہ بھی بال کی کھال نہ نکالے اور ہر بات منوانے کی ضد نہ کرے' چشم پوشی اور درگزر سے کام لے اور حتی الامکان نباہنے کی کوشش کرے۔

باہمی صلح وصفائی کا ایک عمدہ طریقہ

مذکورہ تین طریقے تو وہ تھے کہ جن کے ذریعے گھر کا جھگڑا گھر ہی میں ختم ہو جائے' لیکن بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ جھگڑا طول پکڑ لیتا ہے خواہ اس وجہ سے کہ بیوی کی طبیعت میں نافرمانی' سرکشی اور آزادی ہے یا اس بناء پر کہ خاوند کا قصور ہے اور اس کی طرف سے بے جا تشدد اور زیادتی ہے۔ بہر حال اس صورت میں گھر کی بات کا گھر سے باہر نکلنا لازمی ہے' لیکن عام عادت کے مطابق تو یہ ہوتا ہے کہ طرفین کے حامی ایک دوسرے کو برا کہتے ہیں اور الزام لگاتے پھرتے ہیں' جس کے نتیجہ میں جانبین میں اشتعال پیدا ہو جاتا ہے' اور پھر دو شخصوں کی لڑائی خاندانی جھگڑے کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔

قرآن کریم نے اس فسادِ عظیم کو بند کرنے اور باہم صلح وصفائی کرانے کے لئے ایک بہت ہی پاکیزہ طریقہ بتایا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ برادری کے سربراہ اور معاملہ فہم حضرات یا ارباب حکومت یا فریقین کے اولیاء دو حَکَم (صلح کرانے والے) مقرر کریں۔ ایک مرد کے خاندان سے' دوسرا عورت کے خاندان سے اور دونوں حکم میں یہ اوصاف موجود ہوں۔

① دونوں ذی علم ہوں۔

② دیانت دار ہوں۔

③ نیک نیت ہوں اور دل سے چاہتے ہوں کہ ان میں صلح ہو جائے۔

اور پھر صلح و صفائی کی پوری کوشش کریں، جب ایسے حَکَم ان دونوں میاں بیوی کے درمیان اخلاص کے ساتھ صلح کی کوشش کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی غیبی امداد ہوگی اور یہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوں گے اور ان کے ذریعے دونوں میاں بیوی کے دلوں میں اللہ تعالیٰ اتفاق و محبت پیدا فرمائیں گے۔

(از معارف القرآن جلد ۲ بتصرف)

نکاح کا مقصد طلاق دینا نہیں

اسلامی تعلیمات کا اصل رُخ یہ ہے کہ نکاح کا معاملہ اور معاہدہ عمر بھر کے لئے ہو، اس کے توڑنے اور ختم کرنے کی نوبت ہی نہ آئے، کیونکہ نکاح ختم ہونے کا اثر صرف میاں بیوی پر نہیں پڑتا، بلکہ نسل و اولاد کی تباہی و بربادی اور بعض اوقات خاندانوں اور قبیلوں میں فساد تک کی نوبت پہنچتی ہے اور پورا معاشرہ اس سے بُری طرح متاثر ہوتا ہے۔ اسی لئے جو اسباب اور وجوہ اس رشتہ کو توڑنے کا سبب بن سکتے ہیں، قرآن و سنّت کی تعلیمات نے ان تمام اسباب کو راہ سے ہٹانے کا پورا انتظام کیا ہے۔ زوجین کے ہر معاملہ اور ہر حال کے لئے جو ہدایتیں قرآن و سنّت میں مذکور ہیں، ان سب کا حاصل یہی ہے کہ یہ رشتہ ہمیشہ زیادہ سے زیادہ مستحکم ہوتا چلا جائے، ٹوٹنے نہ پائے، نااتفاقی ہونے کی صورت میں جیسا کہ تفصیل سے ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ اوّل افہام و تفہیم کی پھر زجر و تنبیہ کی ہدایتیں دی گئیں ہیں اور اگر بات زیادہ بڑھ جائے اور اس سے بھی کام نہ چلے تو خاندان ہی کے دو افراد کو حَکَم اور ثالث بنانے کا ارشاد کس قدر حکیمانہ ہے کہ اگر معاملہ خاندان سے باہر گیا تو بات بڑھ جانے اور دلوں میں اور زیادہ بُعد پیدا ہو جانے کا خطرہ ہے۔ کاش ہم بھی ان پاکیزہ تعلیمات پر صحیح طریقہ

سے عمل پیرا ہوں۔ جذبات سے مغلوب ہونے کے بجائے' خوب سوچ سمجھ کر اس بارے میں کوئی قدم اٹھائیں۔

طلاق بالکل آخری مرحلہ پر ہے

بعض اوقات ایسی صورتیں بھی پیش آجاتی ہیں کہ اصلاحِ حال کی تمام کوششیں ناکام ہو جاتی ہیں' کسی طریقہ سے اتفاق نہیں ہوتا' ازدواجی زندگی سے مطلوبہ ثمرات حاصل ہونے کے بجائے میاں بیوی کا آپس میں مل کر رہنا ایک عذاب بن جاتا ہے' ایسے سنگین حالات میں دونوں کے اس ازدواجی تعلق کو ختم کردینا ہی طرفین کے لئے راحت اور سلامتی کا باعث ہوتا ہے۔ ایسے آخری اور انتہائی حالات میں شریعت نے خاوند کو طلاق کا اختیار دیا ہے اور یہ کہہ دیا ہے کہ اس اختیار کا استعمال کرنا بہت ہی ناپسندیدہ' مبغوض اور مکروہ ہے' صرف مجبوری میں اس کی اجازت ہے اور اس کا طریقہ بھی خود ہی بتلایا ہے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی تاکید کی ہے جس میں بیشمار دینی اور دنیاوی فوائد ہیں۔

طلاق دینے کا احسن طریقہ

چنانچہ قرآن و سنّت کے ارشادات اور صحابہ و تابعین کے عمل سے طلاق دینے کے طریقے کے متعلق جو کچھ ثابت ہوتا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب میاں بیوی میں کسی طرح صلح و صفائی اور میل جول نہ ہوتا ہو اور طلاق دینے کے سوا کوئی چارہ ہی نہ رہا ہو تو طلاق دینے کا احسن (بہترین) طریقہ یہ ہے کہ جب بیوی ماہواری سے پاک ہو اور اس پاکی کے زمانہ میں خاوند نے بیوی سے صحبت بھی نہ کی ہو تو خاوند صاف الفاظ میں بیوی کو صرف ایک طلاق دیدے' مثلاً یوں کہہ دے "میں نے تجھے ایک طلاق دی"۔ اس کے بعد عدت گزرنے دے۔ عدت کے دوران رجوع کرے تو بہتر ہے' ورنہ اس طرح عدت ختم ہونے کے ساتھ ہی نکاح کا رشتہ خودبخود ٹوٹ جائے گا' بیوی شوہر سے بالکل جدا ہو جائے گی اور آزاد ہوگی اور اس کو اختیار ہوگا کہ جہاں

چاہے نکاح کرے۔ فقہائے کرام نے اس طرح طلاق دینے کو طلاقِ احسن کہا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی اس کو طلاق کا بہترین طریقہ قرار دیا ہے۔ لہٰذا جب طلاق دینا بہت ہی ناگزیر ہو تو اسی طریقہ کے مطابق طلاق دینا چاہئے۔

طریق احسن کے فوائد

طلاق کے اس احسن طریقہ میں یوں تو بیشمار فوائد ہیں، چند اہم فائدے یہ ہیں :

(۱) سب سے اہم فائدہ اس طریقہ میں یہ ہے کہ طلاق کے جتنے واقعات سامنے آتے ہیں ان میں ننانوے فیصد واقعات میں میاں بیوی اس واقعہ سے بہت پچھتاتے اور شرمندہ ہوتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ کسی طرح دوبارہ ان کا رشتۂ ازدواج بحال ہو جائے، لیکن چونکہ وہ تین طلاقیں دے چکے ہوتے ہیں اور رجوع کرنے یا بِلا حلالہ دوبارہ نکاح کرنے کے تمام درجے عبور کر چکے ہوتے ہیں، اس لئے ان کا شرمندہ ہونا اور صلح پر آمادہ ہونا کچھ کام نہیں آتا۔ مذکورہ طلاق کے احسن طریقہ پر عمل کرنے میں طلاق دینے کے بعد تین ماہواریاں گزرنے تک عدت ہے، بشرطیکہ حمل نہ ہو، ورنہ وضع حمل تک عدّت ہے اور عدّت کے دوران دونوں میاں بیوی کو علیحدگی اور اس پر مرتّب ہونے والے اثرات پر غور و فکر کا اچھا خاصا وقت مل جاتا ہے اور مستقبل کے سلسلہ میں صحیح فیصلہ کرنے کا موقع ملتا ہے، اگر دورانِ عدت دونوں اس نتیجے پر پہنچ جائیں کہ طلاق دینا اچھا نہیں ہے اور اپنے کئے پر نادم ہوں، بیوی خاوند کی فرمانبرداری کرنے اور اپنی کوتاہیوں کو دور کرنے کا عہد کرے، خاوند بھی گھر کی بربادی اور بچّوں کی کفالت و پرورش کی دشواریوں کا اندازہ لگا کر خوش اسلوبی کے ساتھ زندگی گزارنے میں سلامتی دیکھے تو ابھی کچھ نہیں بگڑا، دوبارہ میاں بیوی والے تعلقاتِ خاص قائم کرلیں، بس رجوع ہو گیا، حسبِ سابق میاں بیوی کی طرح رہیں اور ایک دوسرے کے حقوق ادا کریں۔ بہتر یہ ہے کہ کم از کم دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں

کے سامنے خاوند کہے کہ "میں اپنی بیوی کو دوبارہ اپنے نکاح میں لوٹاتا ہوں"۔ یا یوں کہے کہ "میں اپنی بیوی کو دوبارہ رکھے لیتا ہوں"۔ یہ رجوع کا افضل طریقہ ہے تاکہ دوسروں کو تعلقات کی بحالی سے کوئی غلط فہمی نہ ہو اور رجوع کرنا بھی طلاق کی طرح سب کے علم میں آجائے۔ اور اگر عدّت کے دوران خاوند نے رجوع نہ کیا اور عدّت گزر گئی تو اب مطلقہ اس کے نکاح سے پوری طرح آزاد ہوگئی' اب جہاں اس کا دل چاہے نکاح کرے' طلاق دینے والے سے اس کا کچھ تعلق نہیں رہا' دونوں بالکل اجنبی ہوگئے۔

(۲) طلاق کے اس احسن طریقے میں دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اگر رشتۂ ازدواج سے آزاد ہونے اور کچھ وقت گزرنے کے بعد کسی وجہ سے ایک دوسرے کی یاد ستانے لگے' کبیدگیوں اور رنجشوں کو بھلا کر ایک دوسرے کے محاسن' خدمات اور احسانات پر غور کرنے کا ازسرنو موقع ملے اور پھر دوبارہ ایک دوسرے سے نکاح کرنے کے خواہشمند ہوں تو طلاق اور عدت گزرنے کے بعد بھی بغیر کسی حلالہ کے دوبارہ آپس میں نئے مہر کے ساتھ باہمی رضامندی سے نکاح کرسکتے ہیں۔

بالفرض دوبارہ نکاح ہوگیا اور بدقسمتی سے دوبارہ بھی اس کو کامیابی کے ساتھ نہ نباہ سکے اور خدانخواستہ پھر طلاق کی نوبت آگئی تو دوبارہ طلاق دینے سے پہلے اس بار بھی ان تمام تفصیلات پر عمل کرنا چاہئے جن کا ذکر اوپر ہوا ہے (یعنی پہلے افہام و تفہیم سے کام لے' پھر زجر و تنبیہہ کرے' پھر خاندان کے دو افراد کو حکم اور ثالث بنائے) پھر بھی طلاق دینا ہی ناگزیر ہو تو پھر طلاق احسن دی جائے' (یعنی ماہواری سے پاک زمانے میں جس میں بیوی سے صحبت بھی نہ کی ہو' صاف الفاظ میں صرف ایک طلاق دے) جس میں دوبارہ خاوند کو اختیار رہے کہ وہ عدّت کے دوران رجوع بھی کرسکتا ہے اور عدّت کے بعد بغیر کسی حلالہ کے باہمی رضامندی سے نئے مہر پر دوبارہ نکاح بھی کرسکتا ہے' لیکن اب طلاق دینے والا طلاق کے دو درجے عبور کرچکا ہے اور دو

طلاقیں واقع ہو چکی ہیں، رجوع کرنے یا نکاح ثانی کرنے سے یہ دی ہوئی دو طلاقیں ختم نہیں ہوتیں وہ تو واقع ہو چکی ہیں البتہ دو طلاقوں تک شریعت نے یہ سہولت رکھ دی ہے کہ اگر ایک یا دو طلاقوں کے بعد دونوں شرمندہ ہوں اور ملاپ کرنا چاہیں تو دو طلاقوں تک ان کے لئے اس کی گنجائش ہے۔

اب اس کے بعد دونوں کے لئے بڑا اہم لمحہ فکریہ ہے اور اب انہیں مستقبل میں ایک دوسرے کے ساتھ زندگی گزارنے کے لئے بہت زیادہ فکر و نظر کی ضرورت ہے، کیونکہ وہ ازدواجی زندگی قائم کرنے کے دو درجے پہلے ہی عبور کر چکے ہیں، اب انہیں آئندہ کے لئے آخری مرتبہ پھر ایک حتمی فیصلہ کرنا ہے۔ وہ فیصلہ ایک آخری فیصلہ ہوگا چنانچہ اگر ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے اور خوش اسلوبی سے اپنا گھر بسا کر زندگی بسر کرنے کا ارادہ کر لیتے ہیں تو دوسری طلاق کی عدت کے اندر رجوع کر سکتے ہیں ورنہ عدت کے بعد باہمی رضامندی سے دوبارہ نکاح بھی بغیر کسی حلالہ کے ہو سکتا ہے۔ پھر اگر ان دونوں نے یہ گرانقدر موقع بھی ضائع کر دیا اور اپنی نادانی، نالائقی اور بداطواری سے اس دفعہ بھی طلاق کی نوبت آگئی اور خاوند طلاق دے بیٹھا تو بیوی اس پر حرام ہو جائے گی، جس میں نہ رجوع ہو سکتا ہے اور نہ حلالہ کے بغیر دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔

احسن طریقہ سے طلاق دینے میں دو مرتبہ طویل عرصہ تک دونوں کو ایک دوسرے کی علیحدگی اور اس سے پیدا شدہ اثرات پر سنجیدگی سے غور و فکر کا موقع ملتا ہے اور دوبارہ رشتہ ازدواج کو بحال اور قائم کرنے کا راستہ بھی باقی رہتا ہے۔ دفعۃً تین طلاقیں دینے میں ایسا کوئی فائدہ نہیں ہے، میاں بیوی دونوں سر پیٹ کر رہ جاتے ہیں اور سخت دشواری کا شکار ہوتے ہیں۔

طلاق کے اس احسن طریقے میں کہیں جلد بازی اور عجلت نہیں ہے۔ جلد بازی شیطانی عمل ہے، جس کا انجام پشیمانی ہے۔ چنانچہ آپ اندازہ لگائیں کہ شریعت

نے اول یہ حکم دیا کہ میاں بیوی خود ہی اپنے معاملہ کو سلجھائیں' خاوند افہام و تفہیم سے کام لے' اس سے کام نہ چلے تو بیوی کا بستر علیحدہ کردے۔ اس سے بھی بیوی اپنی اصلاح نہ کرے تو زجر و توبیخ اور معمولی مار سے اس کی اصلاح کرے۔ یہ بھی مفید نہ ہو تو کسی ثالث اور حکم کے ذریعے صلح و صفائی کرائی جائے۔ جب اس طرح بھی اصلاح حال کی امید نہ ہو اور کوئی صورت مل کر رہنے کی نہ رہے تو بیوی کو اگر ماہواری آرہی ہو تو اس کے پاک ہونے کا انتظار کرے' ابھی طلاق نہ دے' جب حیض سے بالکل پاک ہوجائے تو طلاق کے احسن طریقے کے مطابق اس کو صرف ایک طلاق زبانی یا تحریری دیدے۔

دیکھئے! ہر جگہ دونوں کو بار بار غور و فکر کا موقع دیا جارہا ہے اور سوچ بچار کا پورا پورا وقت دیا جارہا ہے' اور پھر شریعتِ اسلامیہ کے بتلائے ہوئے طریقہ کے ہر پہلو سے یہ نمایاں ہو رہا ہے کہ حتی الامکان نکاح برقرار رہے اور طلاق کا استعمال نہ ہو' اور اگر سخت مجبوری میں طلاق دینا ہی پڑے تو بھی اس کا استعمال کم سے کم ہو' تاکہ آئندہ بھی اگر وہ دوبارہ نکاح کرنا چاہیں تو نکاح کرسکیں۔

دفعۃً تین طلاقیں دینے سے تینوں کے واقع ہونے کی وجہ

اگر کوئی نادان طلاق کے اس بہترین طریقہ کو اختیار ہی نہ کرے اور اس کو جاننے کی حد تک بھی معلوم نہ کرے' بے سوچے سمجھے محض جوش غضب میں تینوں طلاقیں دے بیٹھے تو یہ اس کا اپنا قصور ہے' دین و شریعت پر کچھ الزام نہیں' وہ خود اپنے اوپر روئے اور اپنے کئے پر آنسو بہائے۔ غلط اور غیر مشروع طریقہ اختیار کرنے کی یہی سزا ہے۔ جب خود ہی اس نے اپنے سارے اختیارات اور شریعت کی دی ہوئی آسانیاں نظرانداز کردیں اور بلاوجہ اور بلا ضرورت ختم کردیں تو اب اس کی سزا یہ ہے کہ نہ رجعت ہوسکے اور نہ بغیر دوسری شادی کے آپس میں نکاح ہوسکے۔

بعض لوگ اس مشہور مثل "الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے" کا مصداق ہوتے ہیں

اور بڑی ڈھٹائی کے ساتھ کہتے ہیں کہ دلی ارادہ کے بغیر غصہ میں دینے سے تینوں طلاقیں کیوں ہو گئیں؟ اس کے علاوہ بھی وہ طرح طرح کی باتیں اور اعتراضات کرتے ہیں اور عقل سے کورا ہونے کا ثبوت دیتے ہیں' ان کا جواب عقلی اور عرفی طور پر تو یہی ہے کہ کسی فعل کا جرم و گناہ ہونا اس کے موثر ہونے میں کہیں بھی منع نہیں ہوتا مثلاً کسی کو ناحق قتل کرنا جرم بھی ہے اور گناہ عظیم بھی ہے لیکن اس کے باوجود کوئی شخص نادانی میں کسی کے تین گولیاں مار دے یا غصہ میں تلوار سے مار کر قتل کر دے تو جس کو گولی مار کر یا تلوار سے قتل کیا گیا وہ تو قتل ہو ہی جاتا ہے' اس کی موت تو اس کا انتظار نہیں کرتی کہ یہ گولی جائز طریقہ سے ماری گئی ہے یا ناجائز طریقہ سے اور تلوار غصہ میں چلائی گئی ہے یا محبت میں' سمجھ کر ماری گئی ہے یا نا سمجھی میں۔ ایک اور مثال لے لو۔ چوری کرنا باتفاق مذاہب جرم و گناہ ہے مگر جو مال اس طرح غائب کر دیا گیا وہ تو ہاتھ سے نکل ہی جاتا ہے۔ یہی حال تمام معاصی اور جرائم کا ہے کہ ان کا جرم و گناہ ہونا ان کے اثر کرنے میں رکاوٹ نہیں بنتا' تو ایک دم تین طلاقیں دیدینا بیشک جرم و گناہ ہے لیکن کوئی دے گا تو تینوں واقع ہو جائیں گی۔

شرعی جواب یہ ہے کہ متعدد صحیح حدیثوں میں اکٹھی دی جانے والی تین طلاقوں کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے معتبر مانا ہے اور نافذ کیا ہے' اگرچہ اس نامشروع طریقہ سے طلاق کے دینے پر سخت ناراضگی کا اظہار بھی فرمایا ہے چنانچہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے کہ :

> "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک آدمی کے متعلق خبر دی گئی جس نے اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دی تھیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم غصہ ہو کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا : کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیلا جا رہا ہے' حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں' اتنے میں ایک آدمی کھڑا ہوا اور کہنے لگا

اے اللہ کے رسول! کیا میں اس کو قتل نہ کردوں؟"

(نسائی شریف 'کتاب الطلاق صفحہ ۹۸ جلد ۲)

تشریح ✦ یہ بڑی معتبر' صحیح اور مستند حدیث ہے۔ حافظ ابن القیمؒ نے صحیح علیٰ شرطِ مسلم قرار دیا ہے (زاد المعاد) اور جوہر نقی میں علامہ ماروردیؒ نے اس کی سند صحیح اور ابن کثیرؒ نے اسناد جید اور ابنِ حجرؒ نے رواۃ مؤثقون فرمایا۔ ہے اور اس حدیث میں تین طلاقیں بیک وقت دینے پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی ناراضگی کا اظہار فرمایا اور بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس شخص کو مستوجبِ قتل بھی سمجھا' مگر یہ کہیں منقول نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طلاقوں کو کالعدم یا تین کو ایک طلاقِ رجعی قرار دے کر بیوی اس کے حوالہ کردی ہو' بلکہ قاضی ابوبکر بن عربیؒ نے یہ الفاظ بھی اس حدیث کے متعلق نقل کئے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تینوں طلاقوں کو نافذ فرمادیا تھا۔ (عمدۃ الاثاث)

ایک روایت حضرت عُوَیمر عجلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی بیوی سے لعان کیا۔ اور جب وہ دونوں (یعنی حضرت عُوَیمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی بیوی) لعان سے فارغ ہوگئے تو حضرت عویمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا' اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں اس پر جھوٹ بولنے والا ہوں گا اگر میں نے اس کو اپنے پاس رکھ لیا' پھر حضرت عُوَیمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو تین طلاقیں دیدیں اس سے پہلے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں حکم دیتے۔ (بخاری شریف مع فتح الباری صفحہ ۳۰۱ جلد)

تشریح ✦ بخاری شریف میں اس حدیث کا ہونا اس کی صحت کے لئے کافی ہے اور اس حدیث میں پوری وضاحت کے ساتھ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عویمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیک وقت تین طلاقوں کو تین ہی قرار دے کر نافذ فرمایا ہے۔ اور محمود بن لبیدؒ کی سابقہ روایت میں بھی ابوبکر ابن عربی

کی روایت کے مطابق تین طلاقوں کو نافذ کرنے کا ذکر موجود ہے اور بالفرض یہ نہ بھی ہوتا تو یہ کہیں منقول نہیں کہ آپ نے بیک وقت دی جانے والی تین طلاقوں کو کالعدم یا تین کو ایک طلاق رجعی قرار دیا ہو۔

ایک اور روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد جب حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہوئے تو ان کی بیوی حضرت عائشہ خثعَمِیہ نے انہیں مبارکباد دی' اس پر حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا : کیا یہ مبارکباد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت پر ہے؟ اس پر تم خوشی کا اظہار کر رہی ہو' تجھ پر تین طلاقیں ہیں۔ جب عدت ختم ہوگئی تو حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بقیہ مہر اور مزید دس ہزار روپے بھیجے۔ جب حضرت عائشہ کو یہ رقم ملی تو کہنے لگی' جدا ہونے والے حبیب سے یہ مال کم ہے۔ یہ سن کر حضرت حسن رضی اللہ عنہ رو پڑے اور فرمایا :

لولا انی سمعت جدّی اوحدثنی ابی انه سمع جدی یقول ایما رجل طلق امرأته ثلاثا عند الأ قراء أوثلاثاً مُبهمة لم تحلّ له حتّٰی تنکح زوجاغیره لراجعتها۔

یعنی اگر نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نہ ہوتا کہ "جس شخص نے اپنی بیوی کو ماہواری کے وقت یا مبہم (گول مول) تین طلاق دیدیں تو وہ عورت بغیر نکاح ثانی کے اس کے لئے حلال نہیں ہوتی" تو میں رجوع کرلیتا ہے۔ (سنن کبریٰ صفحہ ۳۳۶ جلد ۷)

طبرانی نے حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ :

ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دے ڈالیں تو

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین طلاقیں تو واقع ہو گئیں، باقی نو سو ستانوے سے اس نے ظلم کیا، اگر اللہ چاہے اس کو عذاب دے اور اگر چاہے تو معاف کرے۔

(الاشفاق احکام الطلاق)

فائدہ ✦ ان تمام احادیث سے یہ ثابت ہو گیا کہ بیک وقت تین طلاقیں دینے سے تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ مختلف حیلوں سے انہیں کالعدم کرنے کی کوشش کرنا یا تین طلاقوں کو ایک طلاق رجعی قرار دینا محض جہالت ہے اور ایسا کرنا سے حرام حلال نہیں ہو سکتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح نکاح ایک اہم معاملہ ہے اور اس کے لئے عرصہ سے تیاریاں کی جاتی ہیں اور بڑے غور و فکر اور بہت سوچ سمجھ کر شرعی طریقہ سے کیا جاتا ہے، بالکل اسی طرح طلاق کا معاملہ بھی بڑا اہم معاملہ ہے بلکہ بعض اعتبار سے نکاح سے بھی زیادہ اہم اور نازک معاملہ ہے اور شریعت اسلامیہ نے اس کا بھی طریقہ بتلایا ہے۔ اس طریقے کو اختیار کرنا لازم و واجب ہے، اس کو فراموش کر کے طلاق کے سلسلے میں اپنے آپ کو آزاد سمجھنا اور بے سوچے سمجھے جوش غضب میں بے دھڑک طلاق کا استعمال کرنا نہ صرف ناجائز اور گناہ ہے بلکہ معاشرتی طور پر بھی اس کے نتائج بڑے تشویشناک اور پریشان کن ہیں۔ سلامتی اور عافیت صرف اسی طریقہ میں ہے جو محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمایا ہے، ضرورت شدیدہ میں اسی طریقہ پر عمل کرنا چاہئے اور غلط روش سے توبہ کر کے ہمیشہ کے لئے اجتناب کرنا چاہئے۔ وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

بشکریہ "البلاغ" کراچی۔ ستمبر ۱۹۸۳ء

بدشگونیاں، بدفالیاں اور توہمات

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

امابعد!

صَفَرَ کے معنی

"صَفَرَ" عربی زبان کا لفظ ہے جس میں ص اور ف دونوں پر زبر ہے۔ اس کے معنی وہی ہیں جو عام طور پر مشہور و معروف ہیں یعنی اسلامی مہینوں میں دوسرا مہینہ۔ (صحاح)

صَفَرَ کے متعلق اہلِ عرب کے توہّمات

اسلام سے پہلے دور جاہلیت میں "صَفَرَ" کے متعلق اہلِ عرب کے مختلف اور عجیب و غریب توہّمات تھے، حضرات محدثین کرام رحمہم اللہ نے ان سب کو تفصیل سے ذکر فرمایا ہے، ذیل میں ان کا مختصر انتخاب پیش خدمت ہے:

"صَفَرَ" کے متعلق اہلِ عرب کا یہ گمان تھا کہ اس سے مراد وہ سانپ ہے جو انسان کے پیٹ میں ہوتا ہے اور بھوک کی حالت میں انسان کو ڈستا اور کاٹتا ہے چنانچہ بھوک کی حالت میں جو تکلیف ہوتی ہے وہ اسی کے ڈسنے سے ہوتی ہے۔

بعض اہلِ عرب کا یہ نظریہ تھا کہ "صَفَرَ" سے مراد پیٹ کا وہ جانور ہے جو

بھوک کی حالت میں بھڑکتا ہے اور جوش مارتا ہے' اور جس کے پیٹ میں ہوتا ہے بسا اوقات اس کو جان سے بھی مار دیتا ہے اور نیز اہلِ عرب اس کو خارش کے مرض والے سے بھی زیادہ متعدی مرض سمجھتے تھے۔

بعض کے نزدیک "صَفَر" ان کیڑوں کو کہتے ہیں جو جگر اور پسلیوں کے سرے میں پیدا ہوجاتے ہیں جس کی وجہ سے انسان کا رنگ بالکل پیلا ہوجاتا ہے (جس کو طب کی اصطلاح میں "یرقان" کہا جاتا ہے) اور بسا اوقات یہ مرض انسانی موت کا بھی سبب بن جاتا ہے۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ "صفر" ایک مشہور مہینہ ہے جو محرم اور ربیع الاول کے درمیان آتا ہے' لوگوں کا اس کے متعلق یہ گمان ہے کہ اس ماہ میں بکثرت مصیبتیں اور آفتیں نازل ہوتی ہیں۔ نیز اہل عرب صَفَر کا مہینہ آنے سے بدفالی بھی لیا کرتے تھے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ایامِ جاہلیت میں لوگ ماہ صفر کو ایک سال حلال اور ایک سال حرام ٹھہرایا کرتے تھے' مطلب یہ ہے کہ کبھی اہل عرب ماہ محرم کو جو ان کے نزدیک محترم مہینوں میں سے ہے اور اس میں جنگ وجدال حرام سمجھتے تھے' بڑھا کر صفر کو بھی اس میں شامل کرلیتے اور جنگ وجدال کو صفر میں بھی ناجائز قرار دے دیتے' اور کبھی صفر کو محرم سے علیحدہ قرار دیکر محترم مہینوں سے اس کو خارج کردیتے اور اس میں جنگ وجدال مباح سمجھتے۔

(مرقات وما ثبت بالسنۃ بتصرف)

"صَفَر" کے متعلق دورِ حاضر کے لوگوں کے خیالات

آج کل بھی ماہ صَفَر کے متعلق عام لوگوں کے ذہن میں مختلف خیالات جمے ہوئے ہیں' جن میں سے چند حسب ذیل ہیں :

○ بعض لوگ ماہ صفر میں شادی بیاہ اور دیگر پُر مسرت تقریبات منعقد کرنے اور اہم امور کا افتتاح اور ابتداء کرنے سے پرہیز کرتے ہیں، اور کہا کرتے ہیں کہ صَفَر میں کی ہوئی شادی صِفر ہوگی (یعنی ناکام ہوگی) اور اس کی وجہ عموماً ذہنوں میں یہ ہوتی ہے کہ صفر کا مہینہ نامبارک اور منحوس مہینہ ہے۔ چنانچہ صفر کا مہینہ گزرنے کا انتظار کرتے ہیں اور پھر ربیع الاول کے مہینہ سے اپنی تقریبات شروع کر دیتے ہیں ــــــ اس وہم پرستی کا دین سے کوئی واسطہ نہیں، یہ محض باطل ہے۔

○ بعض لوگ ماہ صفر کی یکم سے تیرہ تاریخ تک کے ایام کو بطور خاص منحوس جانتے ہیں اور ۱۳ر تاریخ کو کچھ گھونگھنیاں پکا کر تقسیم کرتے ہیں تاکہ اس نحوست سے حفاظت ہو جائے ــــــ یہ بھی بالکل بے اصل بات ہے۔

من گھڑت اور ایجاد کردہ باتوں کی کوئی بنیاد تو ہوتی نہیں، لیکن جب جاہلوں سے یا ان کے گمراہ کن راہنماؤں سے ان کے باطل نظریات کی دلیل مانگی جاتی ہے تو وہ من گھڑت روایتیں اور غلط سلط دلیلیں پیش کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ صفر کے منحوس ہونے کے متعلق بھی ان سے ایک روایت منقول ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں :

مَنْ بَشَّرَنِیْ بِخُرُوْجِ صَفَرَ بَشَّرْتُهٗ بِالْجَنَّةِ

" (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ) جو شخص مجھے ماہ صَفَر کے ختم ہونے کی خوشخبری دے گا میں اس کو جنّت کی بشارت دوں گا"۔

(موضوعات ملا علی قاری صفحہ ۶۹)

اس روایت سے یہ لوگ ماہ صفر کے منحوس اور نامراد ہونے پر استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صَفَر میں نحوست تھی، جبھی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی اور صَفَر کے بسلامت گزرنے پر جنت کی بشارت دی

تو واضح ہو کہ اوّل تو ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے جو بڑے جلیل القدر محدّث ہیں ______ اپنی کتاب "الموضوعات الکبیر" میں (جس میں موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے موضوع، بے اصل اور من گھڑت حدیثیں جمع کی ہیں) اس کو بالکل بے اصل قرار دیا ہے۔ لہٰذا موضوع اور من گھڑت روایت سے استدلال کرنا سراسر جہالت اور گمراہی کی بات ہے۔ پھر اگر اس روایت کے الفاظ پر غور کریں تو ان الفاظ میں کہیں بھی ماہ صفر کے منحوس ہونے پر کوئی اشارہ نہیں ہے۔ لہٰذا ان الفاظ سے ماہ صفر کو منحوس سمجھنا محض اختراع اور اپنا خیال ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔

تھوڑی دیر کے لئے اس روایت کے من گھڑت ہونے سے قطع نظر کرکے اگر اس کے الفاظ پر غور کریں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ماہ ربیع الاول میں ہونے والی تھی اور آپ موت کے بعد اللہ جلّ شانہ کی ملاقات کے مشتاق تھے، جس کی وجہ سے آپ کو ماہ صَفر کے گزرنے اور ربیع الاول کے شروع ہونے کی خبر کا انتظار تھا اور ایسی خبر لانے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بشارت کو مرتّب فرمایا۔ چنانچہ تصوف کی بعض کتابوں میں اسی مقصد سے اس روایت کو ذکر کیا گیا ہے، لیکن ماہ صَفر کی نحوست اس سے قطعاً ثابت نہیں ہوتی۔

○ بعض لوگ بالخصوص مزدور ماہ صفر کی آخری بدھ کو عید مناتے ہیں۔ اس دن کاریگر اور مزدور کام نہیں کرتے۔ مالک سے مٹھائی کا مطالبہ کرتے ہیں اور ہر مزدور کو مٹھائی اور عیدی دی جاتی ہے ______ یہ بھی محض بے اصل بات ہے اور واجب الترک ہے۔

○ بعض لوگ اس دن چھٹی کرنے کو اجر و ثواب کا موجب سمجھتے ہیں۔ اور مشہور ہے کہ اس دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غسلِ صحت فرمایا تھا۔ چنانچہ ایک شعر بھی اس سلسلے میں بنایا ہوا ہے ۔

آخری چہار شنبہ آیا ہے
غسلِ صحت نبیؐ نے پایا ہے

اس کی بھی کچھ اصل نہیں' بلکہ اس دن تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرضِ وفات کی ابتداء ہوئی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضِ وفات پر خوشی کیسی؟

○ بعض لوگ اس دن گھروں میں اگر مٹی کے برتن ہوں تو ان کو توڑ دیتے ہیں۔ اور اسی دن بعض لوگ چاندی کے چھلّے اور تعویزات بنوا کر ماہ صَفر کی نحوست' مصیبتوں اور بیماریوں سے بچنے کی غرض سے پہنا کرتے ہیں ____ یہ خالص وہم پرستی ہے جس کو ترک کرنا واجب ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں ماہ صَفر کے متعلق بکثرت مصیبتیں اور بلائیں نازل ہونے کا جو اعتقاد اوپر نقل کیا گیا ہے' اسی کی بنیاد پر مذہبی لوگوں نے بھی اس ماہ کو مصیبتوں اور آفتوں سے بھرپور قرار دیا ہے' حتیٰ کے لاکھوں کے حساب سے آفات وبلیّات کے نازل ہونے کی تعداد بھی نقل کردی ہے۔ اور اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ جلیل القدر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی اسی ماہ میں مبتلائے مصیبت ہونا قرار دیا ہے۔ اور پھر خود ہی انہوں نے نماز کے خاص خاص طریقے بتلائے جن پر عمل کرنے سے عمل کرنے والا تمام مصائب و آلام سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ یہ سب من گھڑت اور اپنی طرف سے بنائی ہوئی باتیں ہیں جن کی قرآن و سنّت سے کوئی سند نہیں ہے۔ کیونکہ جب بنیادی طور پر ماہ صفر میں مصیبتوں اور آفتوں کا نازل ہونا ہی باطل ہے اور جاہلیتِ اولیٰ کا ایجاد کردہ نظریہ ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بالکل بے اصل اور بے بنیاد قرار دیا ہے (جیسا کہ عنقریب آرہا ہے) تو اس پر جو بنیاد بھی رکھی جائے گی وہ بھی باطل اور غلط ہی ہوگی۔ ذیل میں ان باتوں کا ایک اقتباس دیا جاتا ہے تاکہ بخوبی سمجھ کر اجتناب کرنا آسان ہو۔

دوسرا مہینہ سال میں "صَفر" کا ہوتا ہے۔ یہ مہینہ نزول بلا کا ہے' تمام سال میں دس لاکھ اسی ہزار بلائیں نازل ہوتی ہیں۔ ان میں سے نولاکھ بیس ہزار بلائیں خاص ماہ صفر میں نزول کرتی ہیں' چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو کوئی ماہ صفر کے گزرنے کی خوشخبری سنادے میں اس کو بہشت میں داخل ہونے کی بشارت دوں۔ حضرت آدم صفی اللہ سے لغزش ہوئی تو اسی مہینہ میں ہوئی۔ حضرت خلیل علیہ السلام آگ میں ڈالے گئے تو اول تاریخ صَفر کی تھی۔ حضرت ایوب علیہ السلام جو مبتلائے بلا ہوئے تو اسی مہینے میں ہوئے۔ حضرت زکریا علیہ السلام' حضرت یحیٰی علیہ السلام' حضرت جرجیس علیہ السلام' حضرت یونس علیہ السلام اور حضرت محمد سیدالانبیا علیہ الصلوٰۃ والسلام سب مبتلائے بلا اسی مہینہ میں ہوئے۔ حضرت ہابیل بھی اسی مہینہ میں شہید ہوئے۔ اسی لئے شبِ اوّل روزِ اوّل ماہ صَفر میں ہر مسلمان کو چاہئے کہ چار رکعت اس طرح پڑھے کہ پہلی رکعت میں بعد الحمد پندرہ بار سورۃ الکفرون' دوسری میں اسی قدر قل ھواللہ' تیسری میں اسی قدر سورۃ الفلق اور چوتھی میں اسی قدر سورۃ الناس پڑھے' بعد سلام کے ستر مرتبہ

سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر

کہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ہر بلا اور ہر آفت سے محفوظ رکھے گا اور ثوابِ عظیم عطا فرمائے گا۔

دوسری نماز اسی مہینے میں یہ بھی ہے کہ پہلی تاریخ کو غسل کرے اور چاشت کے وقت دو رکعت نفل پڑھے اور ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد گیارہ گیارہ بار قل ھواللہ پڑھے'

بعد سلام کے ستر بار درود شریف۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِنِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

پڑھے اور اس کے بعد یہ دعا پڑھے :

اَللّٰهُمَّ صَرِّفْ عَنِّيْ سُوْءَ هٰذَا الْيَوْمِ وَاَعْصِمْنِيْ مِنْ سُوْءِهٖ وَنَجِّنِيْ عَمَّا اَصَابَ فِيْهِ مِنْ نُحُوْسَاتِهٖ بِفَضْلِكَ يَا دَافِعَ الشُّرُوْرِ وَيَا مَالِكَ النُّشُوْرِ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

"اے اللہ دور رکھ مجھ سے بُرائی اس دن کی اور بچا مجھ کو اس کی برائی سے اور نجات دے مجھ کو اس چیز سے کہ جو پہنچے اندر اس کے نحوست اور سختیوں سے اپنے فضل سے اے شر کی چیزوں کے دور کرنے والے اور اے مالک قیامت کے اے سب مہربانوں کے مہربان"۔

(راحت القلوب۔ جواہر غیبی)

آخری چہار شنبہ میں دو رکعت نفل پڑھے۔ ہر رکعت میں بعد الحمد کے تین تین بار "قل ھواللہ" پڑھے بعد سلام کے "الم نشرح" اور "والتین" اور "اذاجاء" اور سورہ اخلاص ان سب کو اَسّی (۸۰) مرتبہ پڑھے۔ اللہ تعالیٰ اس نماز کی برکت سے اس کے دل کو غنی کردے گا۔

(ہکذا فی رسالہ فضائل الشہور والایام)

خلاصہ یہ کہ یہ تمام باتیں محض غلط، بے بنیاد اور من گھڑت ہیں۔ قرآن وحدیث، صحابہ و تابعین، ائمہ مجتہدین اور سلف صالحین میں سے کسی سے بھی ان کا کچھ ثبوت نہیں ہے، بلکہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صاف اور واضح ارشادات کے ذریعے زمانہ جاہلیت کے توہمات اور قیامت تک پیدا ہونے والے تمام باطل خیالات اور صفر کے متعلق وجود میں آنے والے تمام نظریات کی تردید اور نفی فرما دی ہے اور اس کے ساتھ عرب کے دورِ جاہلیت میں جن جن طریقوں سے نحوست، بدفالی اور بدشگونی لی جاتی تھی ان سب کی بھی مکمل نفی فرمادی ہے اور مسلمانوں کو ان تمام توہمات سے بچنے کی تاکید فرمائی۔ چنانچہ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات مع تشریح ملاحظہ ہوں۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لاعدویٰ ولا طیرۃ ولا ھامۃ ولا صفر وفرّ من المجذوم کما تفرّ من الاسد (رواہ البخاری)

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ مرض کا لگ جانا، اُلّو اور صَفَر اور نحوست، یہ سب باتیں بے حقیقت ہیں۔ اور جزامی شخص سے اس طرح بچو اور پرہیز کرو جس طرح شیر ببر سے بچتے ہو"۔ (بخاری شریف)

عن جابر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال سمعت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول لا عدویٰ ولا صفر ولا غول (رواہ مسلم)

"حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے خود

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ فرما رہے تھے کہ مرض لگ جانا' صَفَر اور غول بیابانی سب خیالات ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں"۔ (مسلم شریف)

عن ابی ہریرۃؓ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا عدویٰ ولا ھامۃ ولا نوء ولا صَفَر (رواہ مسلم)

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : مرض کا لگ جانا' اُلّو' ستارہ اور صَفَر یہ سب وہم پرستی کی باتیں ہیں' ان کی کوئی حقیقت نہیں"۔ (مسلم شریف)

تشریح ◆ یہ سب بخاری و مسلم کی صحیح صحیح حدیثیں ہیں' دیکھئے ان میں رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے صَفَر کے متعلق جتنے باطل نظریات' خیالات اور توہّمات زمانۂ جاہلیت میں عربوں کے اندر رائج تھے' ان سب کی صاف صاف نفی فرمادی اور کسی بھی قسم کے توہمات کی کوئی گنجائش نہیں رکھی۔ اور جہاں ان ارشادات کے ذریعے زمانہ جاہلیت کے توہّمات کی تردید ہوگئی وہاں آپ کے انہی پاک ارشادات سے بعد کے زمانہ میں قیامت تک پیدا ہونے والے تمام غلط سلط خیالات و تصورات کی نفی بھی ہوگئی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات قیامت تک کے لئے ہیں۔ اور ثابت ہوگیا کہ ماہ صفرا لمظفر میں ہرگز کوئی نحوست نہیں ہے اور آفات و بلیّات و اَمراض بھی اس مہینہ میں نازل نہیں ہوتے۔

ان احادیث میں اور ان جیسی دوسری احادیث میں صَفَر کے علاوہ اور بھی بعض چیزوں کا ذکر ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بھی تردید فرمائی ہے۔ ذیل میں ان کی بھی مختصر تشریح کی جاتی ہے :

ایک کی بیماری دوسرے کو لگنا

زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا یہ اعتقاد تھا کہ بیمار کے پاس بیٹھنے یا اس کے ساتھ کھانے پینے سے اس کی بیماری دوسرے تندرست اور صحت مند آدمی کے لگ جاتی ہے اور یہ لوگ ایسی بیماری کو عُدْوٰی (یعنی متعدی مرض اور چھوت کی بیماری) کہتے تھے۔ قدیم اور جدید طِب میں بھی بعض بیماریوں کو متعدی اور چھوت کی بیماری قرار دیا گیا ہے مثلاً کوڑھ، خارش، چیچک، خسرا، گندہ دہنی (پائیوریا) آشوبِ چشم اور عام وبائی امراض وغیرہ۔ عام لوگوں میں چھوت چھات کا اعتقاد اور ایک کی بیماری دوسرے کو لگنے کا گمان بھی کافی عام ہے۔ چنانچہ ہمارے معاشرے میں بھی وبائی امراض میں مبتلا ہونے والوں سے بہت پرہیز کیا جاتا ہے' ان کا کھانا پینا' رہنا سہنا اور اوڑھنا بچھونا سب علیحدہ کردیا جاتا ہے' کھانے پینے کے برتن جدا کردیئے جاتے ہیں' اور ان سے مِلنا جُلنا بھی ترک کردیا جاتا ہے' بچوں تک کو ان کے قریب آنے نہیں دیا جاتا اور حد سے زیادہ چھوت چھات کا برتاؤ کیا جاتا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عقیدہ اور نظریہ کو باطل قرار دیا اور فرمایا لَاعُدْوٰی یعنی بذاتِ خود ایک شخص کی بیماری بڑھ کر کسی دوسرے کو نہیں لگتی بلکہ بیمار کرنا' نہ کرنا قادرِ مطلق کے اختیار میں ہے' وہ جس کو چاہے بیمار کرے اور جس کو چاہے بیماری سے محفوظ رکھے۔

ایک دوسری حدیث میں اس کی مزید تشریح اس طرح ہے کہ ایک دیہاتی نے آکر عرض کیا "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! خارش اول اونٹ کے ہونٹ میں شروع ہوتی ہے یا پھر اس کی دم سے آغاز کرتی ہے اور پھر یہ خارش دوسرے تمام اونٹوں میں پھیل جاتی ہے"۔ اس پر رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"(اچھا یہ بتاؤ) پہلے اونٹ کو کیسے خارش ہوئی اور کس کے ذریعہ لگی؟"

وہ دیہاتی یہ سن کر لاجواب ہوگیا۔ پھر آپ نے فرمایا:

"یاد رکھو! متعدی مرض، چھوت، شگون اور بدفالی کوئی چیز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کو پیدا کر کے اس کی زندگی، روزی اور مصیبت مقرر کردی ہے"۔

(ما ثبت بالسنۃ)

یعنی موت و حیات، مرض و صحت اور مصیبت و راحت سب تقدیر میں لکھ دیا گیا ہے، جو کچھ بھی ہوتا ہے سب تقدیر سے ہوتا ہے۔ اگر ایک بیماری دس آدمیوں کو ہوتی ہے تو وہ بھی تقدیر سے اور اذنِ الٰہی سے ہوتی ہے، بیماری میں بذاتِ خود یہ طاقت ہرگز ہرگز نہیں ہے کہ وہ بغیر اذنِ الٰہی کے کسی دوسرے کے لگ جائے۔ اور تجربہ اور مشاہدہ بھی بتلاتا ہے کہ وبائی امراض میں سب ہی مبتلا نہیں ہوتے، بہت سے لوگ ان بیماریوں سے محفوظ اور صحت مند بھی رہتے ہیں۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ بیماری خود سے کسی کو نہیں لگتی۔ جب اور جس وقت اور جس کو حق تعالیٰ شانہ چاہتے ہیں بیمار کرتے ہیں اور جس کو نہیں چاہتے اس کو بیمار نہیں کرتے۔

مذکورہ حدیث میں ایک کی بیماری دوسرے کو لگنے کے شبہ کا بے نظیر جواب دیا گیا ہے۔ چنانچہ آپ نے دیہاتی سے پوچھا : اچھا بتاؤ اگر ایک کی بیماری دوسرے کو لگتی ہے تو سب سے پہلے جس کو وہ بیماری ہوئی تھی اس کو کس کی بیماری لگی؟ ظاہر ہے کہ کسی دوسرے کی ہرگز نہیں لگی تو ماننا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ بیماری اس کے اندر ہی پیدا ہوئی ہے اور کہیں سے اڑ کر نہیں آئی۔ جب پہلی مرتبہ اس کو تسلیم کرلیا گیا تو ہر ہر مریض کے بارے میں بھی یہی کہا جائے گا کہ اس میں بھی وہ بیماری مستقل طور پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے پیدا ہوئی ہے اور وہ بیماری از خود بغیر اذنِ الٰہی کے کسی دوسرے کی نہیں لگی۔

البتہ ماہ صفر کے سلسلہ میں جو احادیث اوپر آئی ہیں ان میں پہلی حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جزامی آدمی سے جو شیر کی طرح بچنے کا حکم دیا ہے اور اس کے علاوہ دیگر روایات میں بھی جہاں طاعون پھیلا ہوا ہو وہاں جانے سے منع

فرمایا ہے' تو ان کے متعلق سمجھنا چاہئے کہ آپ کا یہ حکم اس بناء پر نہیں ہے کہ جزام اور طاعون بذاتِ خود دوسرے کے لگ جاتے ہیں۔ بلکہ کمزور ایمان والوں کے ایمان واعتقاد کی حفاظت کی غرض سے آپ نے بچنے کا حکم فرمایا کہ مبادا کسی ضعیف الایمان شخص کو جزامی کے پاس بیٹھنے سے جزام ہو جائے یا طاعون زدہ علاقہ میں جانے سے طاعون ہو جائے تو اس کا اعتقاد بگڑ جائے گا اور وہ سمجھنے لگے گا کہ جزامی کے پاس بیٹھنے سے یہ جزام ہوا ہے یا طاعون زدہ علاقہ میں جانے سے طاعون ہوا ہے' نہ میں جزامی کے پاس بیٹھتا اور نہ طاعون زدہ علاقہ میں جاتا اور نہ یہ مرض ہوتا حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جزام یا طاعون اس کے لئے پہلے ہی سے مقدر تھا۔ جزامی کے پاس بیٹھنے یا طاعون والے علاقہ میں جانے سے نہیں ہوا بلکہ اگر وہ وہاں بالکل نہ جاتا تب بھی ضرور ہوتا اور خدا کا حکم پورا ہو کر رہتا۔ بہرحال بچنے کا یہ حکم عقیدہ کی حفاظت کے لئے دیا گیا ہے۔

اسی طرح جس شہر' بستی اور علاقہ میں طاعون یا کوئی وبائی بیماری پھیلی ہوئی ہو تو اپنے آپ کو اس بیماری سے بچانے کی غرض سے اس آفت زدہ علاقہ کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ جانے سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اور صبر کے ساتھ وہیں مقیم رہنے کی تاکید فرمائی ہے۔ اس میں بھی اسی اعتقاد کی حفاظت مقصود ہے کہ نکلنے والے کو یہ اعتقاد نہ ہو جائے کہ چونکہ وہ اس علاقہ سے باہر چلا گیا تھا اس لئے وہ طاعون اور وباء سے محفوظ رہا ورنہ مبتلا ہو جاتا۔ حالانکہ یہ بات نہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ اس کی تقدیر میں طاعون مقدر ہی نہ تھا اور حق تعالیٰ کو منظور ہی نہ تھا اس لئے اس کو طاعون نہیں ہوا اور اگر طاعون ہونا مقدر ہوتا تو اس علاقہ سے نکل جانے پر بھی طاعون ہو جاتا اور اگر مقدر نہیں تھا تو اس علاقہ میں رہنے کے باوجود طاعون نہ ہوتا۔

البتہ حفظ ماتقدم کے طور پر وبائی بیماریوں سے بچاؤ کے لئے حفاظتی ٹیکے بچوں اور بڑوں کے لگوانا اور اعتدال کے اندر رہتے ہوئے دیگر جائز احتیاطی تدابیر اختیار

کرنا شرعاً جائز ہے' اسلام اس سے منع نہیں کرتا اور ہرگز وہ اس کے خلاف نہیں ہے۔ لیکن ان میں بھی یہ اعتقاد رکھنا ضروری ہے کہ حفاظتی ٹیکے اور احتیاطی تدابیر اپنے مؤثر ہونے میں حکمِ خداوندی کی محتاج ہیں۔ جب تک حکمِ ربی ہے حفاظتی ٹیکے وغیرہ مفید اور باعث حفاظت ہیں' اور جب حق تعالیٰ کو بیمار کرنا مطلوب ہوگا تو یہ تمام حفاظتی ٹیکے اور تمام احتیاطی تدابیر خاک ہو جائیں گی جس کا تجربہ اور مشاہدہ آنکھوں کے سامنے ہے۔

آج کل حفاظتی ٹیکے لگوانا بھی بے حد ضروری سمجھا جانے لگا ہے اور ٹیکے لگوانے پر ایسا مکمل یقین ہوتا ہے کہ اب وہ بیماری جس کی حفاظت کا ٹیکہ لگوایا ہے نہیں ہو سکتی اور نہ لگوانے پر اگر بیماری ہو جائے تو اس کی ساری ذمّہ داری ٹیکہ نہ لگوانے کو قرار دیا جاتا ہے۔ حق تعالیٰ کی ذات پر کچھ بھی توکّل اور بھروسہ معلوم نہیں ہوتا۔ یہ بھی حد سے تجاوز ہے اور قابلِ اصلاح بات ہے کیونکہ حفاظتی ٹیکہ محض ایک تدبیر ہے جس کو اختیار کرنے میں بذاتِ خود کوئی قباحت نہیں' مگر اس میں حد سے بڑھ کر حق تعالیٰ سے نظر ہٹا لینا کسی طرح جائز نہیں' اعتقاد اور بھروسہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہونا ضروری ہے اور اس بات کا یقین رکھنا واجب ہے کہ بیماری اور تندرستی سب اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتی ہے۔

بدشگونی اور بدفالی

زمانہ جاہلیت میں عربوں کے اندر شگون اور فال لینے کا بھی بہت رواج تھا۔ ان کی یہ عادت تھی کہ جب کوئی کام کرنے کا ارادہ کرتے تو کسی ہرن کو اس کی جگہ سے دوڑاتے اور بھڑکاتے یا کسی پرندے کو اڑا دیتے۔ اگر پرندہ یا ہرن دائیں جانب جاتا تو اس کو مبارک سمجھتے اور نیک فال لیتے اور وہ کام کرلیتے' نیز سفر پر جانا ہوتا تو چلے جاتے۔ اور اگر پرندہ بائیں طرف کو اڑتا یا ہرن بائیں جانب چلا جاتا تو اس کو نامبارک اور منحوس سمجھتے اور پھر وہ کام نہ کرتے اور جہاں جانا ہوتا وہاں بھی نہ

جاتے۔

(اشعۃ اللمعات)

رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے لَاطِیَرَۃَ فرما کر اس کی مکمل تردید فرمادی اور واضح فرمایا کہ بدفالی اور بدشگونی محض بے حقیقت اور غلط بات ہے۔ ان کا کسی کام کے بُرے ہونے یا کسی ضرر و نقصان کے دور کرنے یا کسی قسم کا فائدہ حاصل ہونے میں بالکل دخل نہیں ہے بلکہ اس قسم کا اعتقاد رکھنا جائز بھی نہیں ہے۔ کامیابی اور ناکامی، نفع و نقصان سب حق تعالیٰ کے قبضہ میں ہے، وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، کوئی چیز اس کی قدرت سے باہر نہیں۔ پرندے یا ہرن کے دائیں طرف جانے میں کوئی خیر اور بائیں جانب جانے میں کسی طرح کی کوئی بُرائی بالکل نہیں ہے۔

ہمارے معاشرے کی بدشگونیاں

ہمارے معاشرے میں بھی بدشگونی اور بدفالی کی بہت سی صورتیں مرّوج ہیں جو سب ہی غیر معتبر ہیں اور اس قابل ہیں کہ فوراً توبہ کر کے ہمیشہ کے لئے اس سے پرہیز کیا جائے۔

- ○ اکثر لوگ خصوصاً عورتیں مرض چیچک اور کنٹھی میں علاج کرانے کو بُرا خیال کرتے ہیں اور بعض عوام اس مرض کو بھوت پریت کے اثر سے سمجھتے ہیں۔ یہ خیال بالکل غلط ہے۔
- ○ بعض عورتیں یہ سمجھتی ہیں کہ اگر نئی دلہن اپنے گھر یا صندوق وغیرہ کو تالا لگا دے تو اس کے گھر وغیرہ کو تالا لگ جاتا ہے یعنی ویران ہو جاتا ہے۔ یہ خیال بھی بالکل غلط ہے۔
- ○ بعض عوام یہ سمجھتے ہیں کہ جو کوئی "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ" کا وظیفہ پڑھے، اس کا ناس ہو جاتا ہے۔ یہ خیال

بھی غلط ہے' بلکہ اس کی برکت سے تو وہ مصائب سے نجات پاتا ہے۔

○ بعض لوگ خصوصاً عورتیں کہتی ہیں کہ دروازہ کی چوکھٹ پر بیٹھ کر کھانا کھانے سے آدمی مقروض ہو جاتا ہے۔ یہ خیال بھی غلط ہے۔

○ بعض عورتیں ایسی عورت کے پاس جانے اور بیٹھنے سے رکتی ہیں جس کے بچے اکثر مر جاتے ہوں' اور یوں کہتی ہیں کہ "مرت بیائی" لگ جائے گی۔ یہ بہت بُری بات ہے' ایسا کرنے سے گناہ ہوتا ہے۔

○ بعض لوگ خصوصاً عورتیں یہ سمجھتی ہیں کہ ہر آدمی پر اس کی عمر کا تیسرا اور آٹھواں' تیرہواں اور اٹھارواں' اکیسواں اور اڑتیسواں' تینتالیسواں اور اڑتالیسواں سال بھاری ہوتا ہے۔ یہ خیال بھی غلط اور بُرا عقیدہ ہے۔

○ اکثر عوام سمجھتے ہیں کہ کتّے کے رونے سے کوئی وباء یا بیماری پھیلتی ہے۔ یہ بھی محض بے اصل بات ہے۔

○ مشہور ہے کہ اگر کسی گھر میں لڑائی کروانی منظور ہو تو اس گھر میں سہ (قنفذ) کا کانٹا رکھ دو' جب تک وہ کانٹا اس گھر میں رہے گا' اہلِ خانہ لڑتے رہیں گے۔ سو یہ بھی محض غلط بات ہے۔

○ جہلا میں دستور ہے کہ جب کوئی سفر کو جاتا ہے تو عورتیں کہتی ہیں کہ ابھی جھاڑو نہ دو کیونکہ فلاں ابھی ابھی سفر کو گیا ہے۔ سو یہ بھی لغو بات ہے۔

○ مشہور ہے کہ جب اولے پڑیں تو موسل کو سیاہ کر کے باہر پھینک دیا جائے تو اولے بند ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی بے اصل ہے۔

○ مشہور ہے کہ خرمن میں ہاتھ دھو کر کھانا نہ کھانا چاہئے اور اس سے یہ مطلب لیا جاتا ہے کہ خرمن ہی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ سو یہ بھی غلط ہے۔

○ مشہور ہے کہ عورت حالت حیض میں یا حمل میں فوت ہو جائے اس کو سنگل ڈال کر دفن کیا جائے کیونکہ وہ ڈائن ہو جاتی ہے اور جو اسے ملے اسے کھا جاتی ہے۔ یہ شرک ہے۔

○ مشہور ہے کہ جہاں میت کو غسل دیا جائے وہاں تین دن چراغ جلایا جائے۔ سو یہ بھی محض بے اصل اور غلط ہے۔

○ بعض لوگ کہتے ہیں کہ فلاں جانور کے بولنے سے موت پھیلتی ہے۔ سو یہ بھی محض بے اصل اور غلط ہے۔

○ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ مرد کی بائیں آنکھ اور عورت کی دائیں آنکھ پھڑکنے سے کوئی مصیبت یا رنج پیش آتا ہے اور اگر اس کے اُلٹ ہو کہ مرد کی دائیں اور عورت کی بائیں آنکھ پھڑکے تو اس سے کوئی خوشی پیش آتی ہے سو یہ بھی محض غلط خیال ہے۔

○ بعض لوگ صبح کے وقت کسی خاص مقام جیسے نانوتہ' کیرانہ یا کسی خاص جانور جیسے سانپ' سور وغیرہ کے نام لینے کو منحوس اور بُرا سمجھتے ہیں۔ یہ بھی بالکل لغویات ہے۔

○ بعض لوگ کسی خاص دن یا کسی خاص وقت میں سفر کرنے کو اچھا یا بُرا سمجھتے ہیں۔ یہ کفار یا نجومیوں کا اعتقاد ہے' مسلمانوں کو اس اعتقاد سے بچنا واجب ہے۔

○ اکثر لوگ کہتے ہیں کہ ہتھیلی میں خارش ہونے سے مال ملتا ہے اور تلوے میں خارش ہونے یا جوتے پر جوتا چڑھنے سے سفر درپیش ہوتا ہے یہ بھی سب لغو اور مہمل باتیں ہیں۔

○ بعض عورتیں مکان کی مُنڈیر پر کوّے کے بولنے سے کسی مہمان کی آمد کا شگون لیتی ہیں۔ یہ خیال بھی گناہ ہے۔

○ اکثر عوام سمجھتے ہیں کہ ڈوئی مارنے سے ہوکا ہو جاتا ہے یعنی جس کے ڈوئی ماری جائے وہ کھانا زیادہ کھانے لگتا ہے۔ یہ بھی بالکل بے اصل بات ہے۔

○ عوام میں رائج ہے کہ کسی کو دوسرے کے ہاتھ سے جھاڑو لگ جائے تو وہ معیوب سمجھتا ہے اور بُرا مان کر کہتا ہے کہ میں کنویں میں نمک ڈال دوں گا جس سے تیرے منہ پر چھائیاں پڑ جائیں گی۔ یہ بھی محض بے اصل بات ہے۔

○ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جھاڑو مارنے سے جس کے جھاڑو ماری جائے اس کا بدن سوکھ جاتا ہے۔ لہٰذا جھاڑو پر تھتکار دو تاکہ سوکھیہ کے مرض سے بچ جائے۔ سو یہ بات بھی محض بے اصل ہے۔

○ بعض لوگوں کے یہاں مروّج ہے کہ جب کوئی آدمی کہیں جا رہا ہو اور اسے پیچھے سے بُلایا جائے تو وہ لڑائی لڑنے پر تیار ہو جاتا ہے کہ مجھے پیچھے سے تم نے کیوں بُلایا ہے کیونکہ اب میرا کام نہیں ہوگا۔ سو اس بات کی بھی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے۔

○ بعض عورتیں چکی کا ہاتھا چھوٹنے سے مہمان کے آنے کا شگون لیتی ہیں۔ سو یہ بھی مہمل بات ہے۔

○ عموماً عورتوں میں مشہور ہے کہ صحنک سے آٹا اڑنے سے مہمان آتا ہے۔ سو یہ بھی محض غلط خیال ہے۔

○ لوگوں میں مشہور ہے کہ شام کے وقت مرغا اذان دے تو اسے فوراً ذبح کر دو کیونکہ یہ اچھا نہیں ہے۔ سو اس کی بھی کوئی اصل نہیں۔

○ لوگوں میں مشہور ہے کہ اگر مرغی اذان دے تو اسے فوراً ذبح کر دو کیونکہ اس سے وبا پھیلتی ہے۔ سو یہ بھی غلط بات ہے اور غلط عقیدہ ہے۔

○ اگر مریض کے لئے دو آدمی حکیم کو بُلانے جاویں تو اسے بُرا سمجھا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اب مریض صحتیاب نہیں ہوگا۔ سو یہ بھی غلط بات ہے۔

○ جب کوئی نئی دلہن کنویں پر پانی لینے جاتی ہے تو اس کو تاکید کی جاتی ہے کہ پہلے کنویں پر چراغ جلائے پھر پانی لائے۔ سو یہ بات بھی غلط بلکہ شرک ہے۔

○ دستور یہ ہے کہ جب کوئی کہیں جا رہا ہو اور کوئی چھینک دے تو جانے والا واپس آجاتا ہے اور کہتا ہے کہ اب کام نہیں ہوگا۔ سو یہ بھی غلط ہے۔

○ بعض لوگ رات کو جھاڑو دینے کو یا منہ سے چراغ گُل کرنے کو یا دوسرے کے کنگھا کرنے کو اگرچہ باجازت ہو' برا سمجھتے ہیں۔ اس کی بھی کچھ اصل نہیں۔

○ مشہور ہے کہ مریض کے لئے جب حکیم کو بُلانے جانا ہو تو گھوڑے پر زین نہ لگاؤ۔ سو یہ بھی غلط ہے۔ (اغلاط العوام)

نجومی سے فال نکلوانا :

فال نکلوانے کا ایک آسان طریقہ وہ ہے جو ہمارے شہروں میں کثرت سے رائج ہے' خصوصاً بڑے شہروں میں اس کی بڑی شہرت ہے۔ جگہ جگہ نجومیوں' دست شناسوں اور عاملوں کے بڑے بڑے بورڈ آویزاں ہیں جن پر بڑی بڑی باتیں اور بلند بانگ دعوے درج ہوتے ہیں' ہر ناممکن کو ممکن بنانے کے دعوے ہوتے ہیں اور ہر شخص کو اپنی قسمت معلوم کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ اس طرح یہ ایک مستقل کاروبار بنا ہوا ہے۔

شہر کی بڑی بڑی شاہراہوں پر دست شناس اور نجومی دیوار سے ایک بہت بڑا پردہ لٹکائے بیٹھے ہوتے ہیں اور ان کے پاس پرندے خصوصاً تربیت یافتہ طوطے پنجروں پر بیٹھے ہوتے ہیں اور فرش پر بچھے ہوئے کپڑے پر درجنوں لفافے رکھے ہوتے ہیں' جن میں اچھے' بُرے' مختلف مضامین پر مشتمل خطوط ہوتے ہیں جو محض خود ساختہ ہوتے ہیں اور بلآخر وہی لوگوں کی قسمت قرار پاتے ہیں۔ اور قریب ہی چاک سلیٹ ہوتی ہے جس سے علم جَفر کی روشنی میں حساب کتاب کرکے غیب کی باتیں مثلاً مقدّمہ کی کامیابی یا ناکامی' امتحان میں پاس یا فیل' کاروبار کی ترقی یا ناکامی وغیرہ واضح کی جاتی ہیں' یا علم نجوم کی روشنی میں قسمت کے ستارے کا روشن یا گردش میں ہونا بتلا کر اچھی بُری قسمت بتلائی جاتی ہے' یا علم قیافہ کے ذریعے ہاتھ کی لکیریں اور اس کے خدوخال دیکھ کر مقدر کا اچھا یا بُرا ہونا اور اپنے مقاصد میں کامیاب یا ناکام ہونا واضح کیا جاتا ہے۔

ان میں سب سے سستی فال وہ ہوتی ہے جو طوطے یا کسی پرندہ کے ذریعہ لفافہ اٹھوا کر نکلوائی جاتی ہے۔

اکثر مصیبت زدہ' پریشان حال' بے روزگار' مقروض' بیمار اور دوسرے شہروں

سے کمانے کے لئے آنے والے سادہ لوگ ان کے پاس پہنچتے ہیں اور اپنی فال نکلوا کر دیکھتے ہیں اور سنتے ہیں۔ اچھی فال اور اچھی قسمت کھلے تو کامیابی پر یقین کرتے ہیں اور بُری فال نکلے' یا ستارہ گردش میں معلوم ہو' یا دست شناس سے حالات اچھے نہ معلوم ہوں تو اپنی بدحالی کا اور زیادہ یقین ہو جاتا ہے۔

خوب یاد رکھئے : ان لوگوں کے پاس فال کھلوانے کے لئے جانا' فال کھلوانا اور اس پر یقین کرنا یہ سب کچھ حرام ہے اور سخت گناہ ہے اس سے صدقِ دل کے ساتھ توبہ کر کے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اجتناب کرنا واجب ہے۔ احادیث میں اس پر سخت وعیدیں آئی ہیں جن میں سے چند احادیث ملاحظہ ہوں :

حدیث :-

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ : جو شخص کاہن یا نجومی کے پاس آیا اور اس سے کوئی بات پوچھی (اور اس پر یقین کرلیا تو) اس کی چالیس راتوں کی نمازیں قبول نہیں ہوتیں۔

(رواہ مسلم)

حدیث :-

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ : جو شخص کسی کاہن کے پاس آیا اور جو کچھ کاہن نے بتلایا اس کی تصدیق کی (سچ سمجھا) تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کچھ نازل ہوا ہے اس نے اس کا انکار کردیا۔

(رواہ ابوداؤد)

اور ایک روایت میں یہ ہے کہ :

جو شخص کسی نجومی اور کاہن کے پاس (غیب وغیرہ کی باتیں دریافت کرنے آیا) پھر اس سے کوئی بات دریافت کی تو چالیس راتوں تک اس کی توبہ قبول ہونے سے رُکی رہتی ہے اور اگر اس نے نجومی کی بات کی تصدیق بھی کر دی (یعنی دل سے بھی اس کو سچ سمجھا اور اس پر یقین کر لیا) تو اس نے کفر کیا۔

(رواہ الطبرانی) (مرقاہ)

قرآن کریم سے فال نکلوانا

جب کسی شخص کی چوری ہو جاتی ہے تو بعض عاملوں اور بعض مسجد کے اماموں کے ذریعے ایک خاص انداز اور خاص طریقہ سے قرآن کریم یا کسی اور کتاب مثلاً دیوان حافظ یا گلستان وغیرہ سے فال کھلوائی جاتی ہے اور اس کے سچ ہونے پر پورا عقیدہ ہوتا ہے اور فال میں جس شخص کا تعین ہوتا ہے آنکھیں بند کر کے اسی کو مجرم قرار دے کر مالِ مسروقہ اسی سے طلب کیا جاتا ہے۔ جس میں بسا اوقات وہ شخص جس پر چوری کا الزام لگایا جاتا ہے قرآنِ کریم کی توہین کر کے کافر ہو جاتا ہے' چنانچہ ایک مرتبہ قرآن کریم سے فال نکالی گئی اس میں اسی شخص کا نام نکلا جس پر شبہ تھا۔ جب اس کو معلوم ہوا تو اس نے مسجد میں جا کر قرآن کریم کے چند اوراق پھاڑے اور نعوذ باللہ ان پر پیشاب کیا اور کہنے لگا کہ قرآن کریم بھی جھوٹا اور فال نکالنے والا بھی جھوٹا۔

اس طرح کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ یہ سب شریعت کے احکام کی خلاف ورزی کا نتیجہ ہے' ایک طرف مجرم اپنا ایمان گنوا بیٹھا' دوسری طرف بدظنی اور بدگمانی یقینی ہو گئی جس نے آگے بڑھ کر الزام تک نوبت پہنچا دی اور باہم لڑائی جھگڑا علیحدہ رہا' جسمانی' ذہنی اور مالی پریشانی جدا رہی۔

واضح رہے کہ اس طرح قرآن کریم یا کسی اور کتاب سے فال نکالنا یا نکلوانا اور اس پر یقین کرنا بالکل ناجائز ہے بلکہ قرآن کریم سے فال نکلوانا اور بھی سخت گناہ ہے۔ کیونکہ اس سے بسا اوقات قرآن مجید کی توہین ہوتی ہے یا اس کی طرف سے بد عقیدگی پیدا ہو جاتی ہے۔

(کفایت المفتی بتصرف)

جنّات کی باتوں پر یقین کرنا

بعض لوگ ایسا بھی کرتے ہیں کہ اگر کسی مرد یا عورت یا حسین لڑکے پر جن سوار ہو اور وہ بولتا ہو تو اس سے غیب کی باتیں دریافت کرتے ہیں' مثلاً اگر چوری ہو گئی تو پوچھتے ہیں کہ یہ چوری کس شخص نے کی ہے' وہ کہاں ہے؟ اس کا نام کیا ہے اور چوری کا زیور' روپیہ کس کے پاس ہے؟ پھر جو کچھ وہ بتلا دے شرعی ثبوت کے بغیر اس پر مکمل یقین کیا جاتا ہے۔ یا اس سے دریافت کرتے ہیں کہ ہم پر کس نے جادو کیا ہے' وہ کون ہے اور کہاں رہتا ہے؟ یا ہماری فلاں گمشدہ چیز کس کے پاس ہے؟ یا کل یا آئندہ کیا کچھ ہونے والا ہے؟ اور پھر جو کچھ وہ بتلائے اس پر یقین کر لیا جاتا ہے۔ یہ سب حرام اور ناجائز ہے' کیونکہ شرعی اصول کے مطابق تحقیق کے بغیر محض جن کی باتوں پر یقین کر کے کسی کو چور سمجھنا اور اس پر چوری کا الزام لگانا حرام ہے اور گناہِ کبیرہ ہے۔

حاضرات کا عمل کرانا

بعض جگہ جب کسی کی یہاں چوری ہو جاتی ہے یا کچھ اور نقصان ہو جاتا ہے تو وہ حاضرات کراتے ہیں۔ جس کی صورت کچھ اس طرح ہوتی ہے کہ کسی نابالغ بچہ کے ناخن پر سیاہی لگا کر بچہّ کو اس سیاہ ناخن پر نظر جمانے کو کہا جاتا ہے اور عامل اس

پر اپنی توجہ ڈالتا ہے جس سے اس بچہ کو سیاہ ناخن میں اس کے خیالات متشکل ہو کر نظر آنے لگتے ہیں۔ پھر عامل جو کچھ اس سے دریافت کرتا ہے وہ بچہ بتلاتا ہے۔ اس طرح چوری یا لاپتہ چیز کو دریافت کیا جاتا ہے اور اس دریافت پر پورا یقین ہوتا ہے۔

واضح رہے کہ شرعاً اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے' اس سے جو باتیں معلوم ہوتی ہیں وہ غیر یقینی ہوتی ہیں' دلیل شرعی کے بغیر ان پر عمل کرنا جائز نہیں ہے' چنانچہ اگر اس کے ذریعے کسی شخص کے بارے میں یہ پتہ چل جائے کہ وہ چور ہے تو اس کے متعلق چوری کا یقین کرلینا جائز نہیں بلکہ شرعی اصول کے مطابق تحقیق کرنا ضروری ہے۔ جب تک شرعی ثبوت نہ ہو اس کے چور ہونے کا یقین کرنا اور اس کو تکلیف دینا جائز نہیں۔

بیمار کی صحت کے لئے جانور ذبح کرنا

ہمارے معاشرے میں ایک صورت یہ بھی رائج ہے کہ جب کوئی شخص سخت بیمار ہو جاتا ہے تو اس کی طرف سے بکرا ذبح کرکے اس کا گوشت فقیروں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ جان کا بدلہ جان دینے سے مریض کی جان بچ جائے گی اور صحت ہو جائے گی یا آئندہ حفاظت ہو جائے گی' اور جانور کے علاوہ کسی چیز کے صدقے کو کافی نہیں سمجھا جاتا۔ سو اس کی بھی شریعت میں کوئی اصل نہیں۔ لہٰذا اس موقع پر جانور ذبح کرنے کی تخصیص اور پابندی بدعت ہے جس سے بچنا واجب ہے۔

(ملخص از امداد الفتاویٰ)

احادیث میں آفات و بلیّات دور ہونے اور ان سے حفاظت کے لئے بغیر کسی خاص چیز کے مطلق صدقہ وخیرات کی ترغیب آئی ہے اس کے مطابق کسی بھی شکل میں صدقہ کیا جاسکتا ہے۔

(احسن الفتاویٰ بتصرف)

شیخ احمد کا وصیّت نامہ

چونکہ مسلمانوں نے اپنے آپ کو دین سے دور کر لیا ہے اور اللہ کی ذات پر پورا بھروسہ اور توکّل نہیں ہے' بلکہ مزید اپنی جہالت اور نادانی سے بدفالی' بدشگونی' نحوست' چھوت چھات اور طرح طرح کی خرابیوں میں مبتلا ہیں جس کی بناء پر دشمنانِ اسلام نے مسلمانوں کی اس دینی کمزوری سے پورا فائدہ اٹھایا اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔

چنانچہ دشمنانِ اسلام نے ایک فرضی وصیّت نامہ ڈیڑھ سو سال پہلے شیخ احمد نامی کسی شخص کے نام سے شائع کیا جو اب تک مسلمانوں میں چل رہا ہے۔ اس میں جو کچھ لکھا ہوا ہوتا ہے' مسلمان اس سے ڈر کریا نفع ہونے کی موہوم اُمید پر اب تک اس کو چلا رہے ہیں جس کی حقیقت اور شرعی حیثیت درج ذیل ہے :

> یہ وصیّت نامہ فرضی ہے۔ شیخ احمد نامی کوئی صاحب روضۂ اقدس کے خادم نہیں ہیں۔ اس میں جو عبادت کی طرف متوجہ ہونے اور آخرت کی فکر میں لگنے کو لکھا ہے یہ اچھی باتیں ہیں اور ضروری ہیں مگر ان پر عمل پیرا ہونے کے لئے قرآن و حدیث کے خطابات کافی ہیں۔ فرضی افسانہ شائع کرنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی تراشیدہ بات کو منسوب کرنا سخت گناہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جو شخص میری جانب سے جھوٹی بات کہہ دے اس کو چاہئے کہ دوزخ میں اپنا ٹھکانہ بنالے"۔

(مشکوٰۃ شریف صفحہ ۳۲)

یہ وصیّت نامہ نیا نہیں ہے' سو ڈیڑھ سو سال سے شائع ہوتا آرہا

ہے۔ پہلی مرتبہ جب یہ چھپا تھا اس وقت علماء نے تحقیق کی تھی تو معلوم ہوا تھا کہ شیخ احمد روضۂ اقدس کا کوئی خادم نہیں ہے اور نہ اس نام کے کبھی کوئی صاحب تھے' کیونکہ پہلے اس میں یہ بھی شائع ہوا تھا کہ شیخ احمد روضۂ اقدس کا خادم ہے اور ان کو بشارت ہوئی ہے ــــــ الخ بلکہ علماء کی تحقیق یہ بھی ہے کہ یہ وصیت نامہ عیسائیوں کا جاری کردہ ہے۔ ابتداءً جب انگریزوں کا تسلط ہندوستان پر ہوا تھا تو انھیں مسلمانوں کی جانب سے جہاد کرنے کا خوف دامنگیر ہوا۔ تو انھوں نے مسلمانوں کو نماز روزے پر لگانے اور جہاد سے غافل کرنے کے لئے یہ اسکیم بنائی کہ ایک فرضی وصیت نامہ بنا کر شائع کردیا۔ اور چونکہ اس وصیت نامہ میں یہ بھی ہے کہ جو اس کو پڑھے گا اور چھپوا کر تقسیم کرے گا تو اس کو اتنا اتنا نفع ہو گا اور جو اس کو پڑھ کر تقسیم نہیں کرے گا وہ غم دیکھے گا اور اس کو نقصان ہو گا۔ وغیرہ وغیرہ' اس لئے مسلمان اس کو آگے خود ہی شائع کرتے رہتے ہیں۔ جب اس کا ذکر و فکر ختم ہو جاتا ہے تو کوئی دوسرا شائع کر دیتا ہے۔ اس طرح یہ سلسلہ ابتک چلتا آرہا ہے۔

خلاصہ یہ کہ یہ وصیت نامہ جعلی' فرضی اور خود ساختہ ہے شرعاً اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

ہمزاد کی وضاحت

لوگوں میں بالخصوص عاملوں کی دنیا میں ہمزاد کے متعلق طرح طرح کی باتیں مشہور ہیں' مثلاً ایک یہ مشہور ہے کہ جب آدمی مرجاتا ہے اور دفن کردیا جاتا ہے تو اس کا ہمزاد قبر سے نکل آتا ہے وہ مرتا نہیں ہے اور وہ دوسروں کو ستاتا ہے۔ یہ تصور

اور اس طرح کے دوسرے خیالات اور توہمات سب بے اصل اور غیر معتبر ہیں۔

البتہ حدیث سے اتنا ثابت ہے کہ ہر انسان کی پیدائش کے وقت اس کے مقابلہ میں ایک شیطان بھی اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے اور وہ انسان کی اس زندگی میں اس کے ساتھ رہتا ہے لیکن انسان کے مرنے کے ساتھ ہی اس کا مرنا کہیں منقول نہیں۔ اور اس کو ہمزاد انسان کے ساتھ ساتھ پیدا ہونے کی بناء پر کہا جاتا ہے۔

(لمعات التنقیح امداد الفتاویٰ بتصرف)

خلاصہ یہ کہ ہر قسم کی بدفالی اور بدشگونی لینا ناجائز اور خلافِ شرع ہے' اچھا یا بُرا ہونا' بیمار یا تندرست ہونا' کامیاب یا ناکام ہونا' بامراد یا نامراد ہونا سب کچھ محض اور محض اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور اس کی قدرت سے ہوتا ہے' بغیر اس کے حکم کے کچھ نہیں ہو سکتا اور جب حکم ہو جائے تو کوئی روک نہیں سکتا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے اور اسی سے بھلائی اور کامیابی طلب کرنی چاہئے وہی ہر چیز پر قادر ہے۔

نیک فال

شریعت نے بدفالی اور بدشگونی سے منع فرمایا ہے جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے لیکن نیک فال لینے سے منع نہیں کیا ہے بلکہ نیک فال لینا پسندیدہ ہے اور سنّت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے نیک فال لیا کرتے تھے خصوصاً آدمیوں کے ناموں سے اور ان کی جگہوں سے۔ اور نیک فال اس طرح لی جاتی ہے کہ مثلاً کوئی بیمار جب بیماری میں یہ خیال کرنے لگے کہ معلوم نہیں کہ مجھے صحت یابی ہوگی یا نہیں' پھر وہ کسی کو کہتا سنے کہ اے تندرست! تو مریض یہ سن کر خوش ہو جائے اور یہ سمجھے کہ اب مجھے شفا ہو جائے گی اور صحت ہو جائے گی' یا کسی شخص کی کوئی شے گم ہو گئی ہو اور وہ اس کی تلاش و جستجو میں لگا ہوا ہو' اسی دوران کسی کو اپنے متعلق کہتا ہوا

سنے کہ اے پانے والے! تو یہ شخص خوش ہو جائے اور یہ سمجھے کہ اب گمشدہ چیز مجھے مل جائے گی' یا کوئی شخص راستہ بھول گیا اور وہ راستہ تلاش کر رہا تھا کہ اتنے میں کوئی شخص اس کو کہے کہ اے راستہ پانے والے! تو یہ شخص یہ گمان کرے کہ اب اس کو راستہ مل جائے گا تو اس کو نیک فال کہتے ہیں۔ (اشعۃ اللمعات)

نیک فال لینا سنّت ہے

حدیث :-

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نیک فال لیا کرتے تھے' بدفالی سے پرہیز کرتے تھے اور اچھا نام پسند فرماتے تھے۔

(مشکوٰۃ)

حدیث :-

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ چھوت چھات کچھ ہے نہ بد شگون' مجھے تو نیک فال پسند ہے جو اچھے (اور پاکیزہ) کلام کے ساتھ ہو۔

(الادب المفرد)

حدیث :-

حضرت حبہ تیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہوام (جانوروں) میں کچھ نہیں ہے (یعنی جو لوگ اس سے فال لیتے ہیں کہ مثلاً بلی

راستہ کاٹ گئی یا اُلّو بول پڑا یا کوے کی کائیں کائیں سنی تو کہنے لگے کہ اب یہ ہوگا اور یہ نہ ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب فضول اور ناقابل توجہ والتفات باتیں ہیں' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے) اور سچا شگون فال ہے اور نظر لگنا بَرحق ہے۔ (الادب المفرد)

تشریح ◆ ان احادیث سے یہ ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نیک فال لیا کرتے تھے اور بدفالی سے مکمل پرہیز کرتے تھے اور دوسروں کو بھی بدفالی اور بدشگونی سے منع فرماتے تھے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نیک فال اس طرح لیتے کہ مثلاً کسی کا اچھا نام سنتے تو اس کو پسند فرماتے' اچھی امید رکھتے اور خوش ہوتے۔ چنانچہ حضرت بُرَیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی عامل (گورنر) کو (کسی شہر کا عامل مقرر کرکے) روانہ کرتے تو اس کا نام دریافت فرماتے' اگر اس کا نام اچھا ہوتا تو آپ خوش ہوتے اور چہرہ انور پر خوشی اور مسرّت ظاہر ہوتی' اور اگر اس کا نام اچھا نہ ہوتا تو آپ اس کو ناپسند فرماتے اور ناپسندیدگی کے آثار چہرہ مبارک سے ظاہر ہوجاتے' (اسی طرح) جب کسی بستی میں داخل ہوتے تو اس کا نام دریافت فرماتے' اگر اس کا نام آپ کو پسند آتا تو آپ خوش ہوتے اور ناپسند ہوتا تو چہرہ انور سے اس کا اندازہ ہوجاتا۔

(ابوداؤد)

اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی ضرورت سے باہر نکلتے اور کسی کو اے کامیاب یا اے صحیح راہ پانے والے! کہتا سنتے تو اظہار مسرّت فرماتے۔

(ترمذی)

اور جب کسی کا بُرا نام سنتے تو اس کو تبدیل فرماکر اس کی جگہ اچھا نام رکھ

دیتے۔ اچھا نام رکھنا بھی نیک فال ہے کیونکہ اچھا نام' خوبصورتی کا زیور' کمال کا تتمہ اور ذکر جمیل میں داخل ہے' اور اچھے نام سے مسمّٰی میں اچھے اور پاکیزہ اخلاق و اعمال کی توقع ہوتی ہے۔

بدفالی کے ناجائز اور نیک فال کے جائز ہونے کی حکمت

علماء کرام رحمہم اللہ نے نیک فال کے جائز ہونے میں یہ نکتہ بیان فرمایا ہے کہ نیک فال میں دراصل بندہ کا حق تعالٰی سے نیک گمان ہوتا ہے بھلائی کا آرزومند اور اس کے فضل و رحمت کا امیدوار ہوتا ہے' جس کے افضل اور بہتر ہونے میں کچھ شک نہیں' اگرچہ یہ گمان اور آرزو پوری نہ ہو۔ اور بدفالی اور بدشگونی میں حق تعالٰی سے کوئی امید نہیں ہوتی بلکہ حق تعالٰی سے نظر ہٹا کر اور بدگمان ہو کر مصیبت آنے کا یقین ہوجاتا ہے۔

ایسے خیال اور تصرف کا غلط اور بُرا ہونا عقل کے بھی مطابق ہے اور شریعت کے بھی' اس لئے شریعت نے اس کو ناجائز قرار دیا ہے۔

(اشعۃ اللمعات بتصرف)

نحوست

بدشگونی سے ملتی جُلتی ایک چیز نحوست بھی ہے' زمانۂ جاہلیت میں لوگ خاص خاص دن' خاص خاص تاریخ اور خاص خاص جانوروں میں نحوست سمجھتے تھے۔ خاص کر عورت' گھوڑے اور مکان میں نحوست کا زیادہ اعتقاد رکھتے تھے۔ اور آج کل بھی بعض خاص خاص دن' تاریخ اور جگہ میں نحوست سمجھی جاتی ہے۔ خصوصاً جس تاریخ میں یا جس جگہ میں کوئی حادثہ یا ہلاکت یا خسارہ ہوجائے تو اس تاریخ اور اس جگہ کو بڑا منحوس کہا جاتا ہے' اور اگر کسی خاص جگہ پر متعدّد بار کوئی جانی یا مالی نقصان

ہو جائے تو اس جگہ کی نحوست پر تو پورا یقین ہو جاتا ہے۔

بہر حال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بدفالی اور بدشگونی کے ساتھ ساتھ نحوست کی بھی نفی اور تردید فرمادی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے واضح ہوا کہ کسی چیز میں کوئی نحوست نہیں ہے۔ بالفرض اگر نحوست ہوتی تو عورت' گھوڑے اور مکان میں ہوتی کیونکہ نحوست قبول کرنے کی ان میں زیادہ صلاحیت ہے' لیکن چونکہ اسلام میں نحوست کا کوئی وجود نہیں ہے اس لئے ان تینوں چیزوں میں بھی کوئی نحوست نہیں ہے جیسا کہ ان کے علاوہ دیگر اشیاء' دن اور تاریخوں میں کوئی نحوست نہیں ہے۔

اور بعض روایتوں سے جو عورت گھوڑے اور مکان میں نحوست کا وجود معلوم ہوتا ہے وہاں اس نحوست سے کراہت اور ناپسندیدگی مراد ہے' حقیقی نحوست مراد نہیں ہے۔ مثلاً عورت کی نحوست سے مراد بانجھ ہونا' بدزبان ہونا' زیادہ مہروالی ہونا اور خاوند کی نظر میں بدصورت اور ناپسندیدہ ہونا وغیرہ۔

گھر کی نحوست سے مراد گھر کا تنگ اور چھوٹا ہونا' اس میں تازہ اور کھلی آب و ہوا اور روشنی کا نہ ہونا اور اس کے پڑوسی کا خراب ہونا وغیرہ وغیرہ۔ اور گھوڑے کی نحوست سے مراد یہ ہے کہ اس پر جہاد نہ کرنا یا غرور و تکبر سے اس پر سواری کرنا یا سواری کرنے سے محروم رہنا اور اس کا قیمتی ہونا یا مالک کی مرضی کے موافق نہ ہونا وغیرہ وغیرہ۔

یہ باتیں اپنی جگہ درست اور مسلّم ہیں کہ اگر کسی مکان کے باشندے اپنے مکان کی رہائش پسند نہ کرتے ہوں' یا کوئی شوہر اپنی بیوی سے صحبت ناپسند کرتا ہو اور کسی طرح دل نہ ملتا ہو' یا گھوڑا ناپسندیدہ ہو تو ایسی صورت میں مکان چھوڑ دینا' بیوی کو طلاق دے دینا اور گھوڑا بیچ دینا جائز ہے تا آنکہ نحوست کی یہ کھٹک دل سے نکل جائے۔ اور یہ بالکل ایسا ہے جیسا کہ ایک شخص نے رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وسلم

سے عرض کیا' یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم پہلے جس گھر میں رہتے بستے تھے وہاں ہماری تعداد زیادہ تھی اور مال بہت زیادہ تھا' پھر ہم دوسری جگہ منتقل ہو گئے جہاں ہماری تعداد اور مال کم ہو گیا تو کیا ہم اس جگہ کو چھوڑ دیں اور کسی دوسری جگہ چلے جائیں؟ جس کے جواب میں ارشاد عالی ہوا کہ اس گھر کو چھوڑ دو اور کسی دوسرے گھر میں منتقل ہو جاؤ تاکہ دل میں جو ناپسندیدگی بس گئی ہے اور غلط وہم ہو گیا ہے وہ دور ہو جائے۔ یہ مطلب نہیں کہ بذاتِ خود اس جگہ میں کوئی نحوست تھی جو اثر انداز ہوئی اور اس کے اثر سے مال و افراد میں کمی آئی۔ غرضیکہ ان اشیاء کو تبدیل کرنا اور اپنے سے جدا کرنا یا خود جدا ہو جانا ناجائز' ممنوع اور بدشگونی میں داخل نہیں ہے بلکہ جائز ہے۔ (مرقات بتصرف)

ھَامَہ کی حقیقت

احادیث بالا میں صَفر کے ساتھ ساتھ ھَامَہ کی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نفی فرمائی ہے' اس کی حقیقت سے بھی باخبر ہونا چاہیے۔ ھَامَہ کے لفظی معنی "سر" اور "پرندہ" کے آتے ہیں۔ احادیث میں پرندہ والے معنی مراد ہیں' کیونکہ زمانہ جاہلیت کے عرب لوگ ھَامَہ یعنی پرندے سے بدشگونی اور نحوست مراد لیتے تھے اور اس کے متعلق ان میں طرح طرح کی باتیں پھیلی ہوئی تھیں مثلاً :

- ان کا خیال تھا کہ مقتول کے سر سے ایک پرندہ نکلتا ہے جس کا نام ھَامَہ ہے وہ ہمیشہ فریاد کرتا رہتا ہے کہ مجھے پانی پلاؤ' مجھے پانی پلاؤ اور جب مقتول کا بدلہ قاتل سے لے لیا جاتا ہے تو پھر یہ پرندہ بہت دور اڑ جاتا ہے۔
- بعض کا خیال تھا کہ مردہ کی ہڈیاں جب بوسیدہ اور معدوم ہو جاتی ہیں تو وہ ھَامَہ بن کر قبر سے نکل جاتی ہیں اور اِدھر اُدھر گھومتی

رہتی ہیں اور اپنے گھر والوں کی خبریں لیتی پھرتی ہیں۔

○ بعض کا یہ اعتقاد تھا کہ ھَامَہ وہ اُلّو ہے جو کسی کے گھر پر بیٹھ کر آوازیں لگاتا ہے اور انہیں ہلاکت و بربادی اور موت کی خبریں دیتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعتقاد کو باطل قرار دیا اور ایسا اعتقاد رکھنے سے منع فرمایا اور واضح فرمایا کہ ھَامَہ کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

(مرقات واشعۃ اللمعات)

ارواح کی آمد و رفت

ہمارے معاشرے میں بھی ھَامَہ سے ملتی جلتی کچھ چیزیں رائج ہیں جو ھَامَہ کی طرح بے حقیقت ہیں مثلاً بعض لوگوں کا اعتقاد ہے کہ تمام ارواح جمعہ یا جمعرات کی رات کو اپنے گھروں پر آتی ہیں اور خیرات کرنے کی درخواست کرتی ہیں اور خیرات نہ کرنے والوں پر بددعا کرتی ہیں۔ اور مرنے کے بعد روزانہ ایک ماہ تک اپنے گھر کا گشت کرتی رہتی ہیں۔ اسی طرح لوگوں کا خصوصاً عورتوں کا خیال ہے کہ شبِ برأت' شبِ معراج' شبِ قدر اور عید وغیرہ میں بھی روحیں اپنے گھروں پر آتی ہیں اس لئے وہ ایصالِ ثواب کا اہتمام کرتے ہیں۔ یہ اعتقاد غلط ہے کسی حدیثِ صحیح سے اس کا ثبوت نہیں ہے۔

اور جن بعض روایات میں ارواح کا آنا منقول ہے' اول تو وہ روایات ضعیف ہیں اور باب عقائد میں ضعیف احادیث معتبر نہیں۔ دوسرے وہ اپنے آنے میں بالکل آزاد اور خود مختار نہیں کہ جب چاہیں اور جہاں چاہیں چلی جائیں بلکہ وہ اذنِ الٰہی کی محتاج ہیں۔ اذنِ خداوندی کے بغیر کہیں آنے جانے کا انہیں کوئی اختیار نہیں۔ اس لئے ہر حال میں ان کے آنے جانے کا اعتقاد رکھنا بالکل غلط اور بے اصل

ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ بتصرف)

غول بیابانی

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے صَفر کی تردید کرتے ہوئے غول بیابانی کی تردید بھی فرمائی ہے۔ اور غول بیابانی کیا چیز ہے؟ وہ جنّات اور شیاطین کی ایک خاص قسم ہے جس کے متعلق زمانۂ جاہلیت کے عربوں نے مختلف خیالات قائم کر رکھے تھے۔

○ بعض کا یہ خیال تھا کہ غول بیابانی ایک جانور ہے جو جنگل میں لوگوں کے سامنے مختلف شکلوں میں آتا ہے اور راستے بھٹکا دیتا ہے اور انھیں ہلاک کر دیتا ہے۔

○ بعض کا خیال یہ تھا کہ غول بیابانی وہ جادوگر جنّات ہیں جو لوگوں کو فتنہ وفساد میں مبتلا کرتے ہیں اور ان کو راستے سے بھٹکا دیتے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لَاغَوْلَ فرما کر عربوں کے ان تمام باطل خیالات اور تصورات کی نفی فرمادی' انہیں بے حقیقت قرار دیا اور انہیں توہّم پرستی سے تعبیر کیا اور واضح فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر نہ یہ کسی کو گمراہ کرسکتے ہیں نہ تکلیف پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہلاک کرسکتے ہیں' ہاں جب باری تعالیٰ کا حکم ہو تو ان سے تکلیف پہنچ سکتی ہے۔

البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غول بیابانی کے وجود کی نفی نہیں فرمائی ہے بلکہ دیگر احادیث میں ان کے شر سے بچنے کے لئے حق تعالیٰ کی پناہ میں آنے کی ترغیب دی ہے اور ان کے شر سے بچنے کی یہ تدبیر بھی منقول ہے کہ جب غول بیابانی پریشان کریں تو فوراً آذان دینا شروع کردو تاکہ وہ بھاگ جائیں اور اس طرح ان کے

شر کو اپنے آپ سے دور کرو۔ (مرقات بتصرف)

ستاروں کے اثرات

رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے صفر کے ساتھ ساتھ امورِ جاہلیت میں سے ایک اور چیز کی بھی نفی فرمائی ہے جس کو "اَلنَّوْءُ" کہتے ہیں۔ یہ چاند کی ۲۸ منزلوں کا نام ہے جن میں سے ہر منزل کے مکمل ہونے پر صبح صادق کے وقت ایک ستارہ گرتا ہے اور دوسرا ستارہ اس کے مقابلہ میں اسی وقت مشرق میں طلوع ہو جاتا ہے۔

اہلِ عرب کا بارش کے متعلق یہ گمان تھا کہ چاند یا ستاروں کی ایک منزل کے ختم اور دوسری منزل کے آغاز پر بارش ہوتی ہے۔ (مرقات) یعنی اہلِ عرب بارش کو منزل کی جانب منسوب کرتے اور کہتے تھے کہ فلاں منزل کی وجہ سے ہم پر بارش ہوئی اور ستاروں ہی کو بارش کے سلسلہ میں مؤثر حقیقی مانتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لَانَوْءَ فرماکر اس کی بھی مکمل نفی فرمادی اور اہل عرب کے اس گمان کو باطل اور بے بنیاد قرار دیا کیونکہ ایسا خیال اور نظریہ انسان کو شرک کی حد تک پہنچا دیتا ہے۔

بارش کا برسانا یا نہ برسانا محض حق تعالیٰ شانہ کی قدرت میں ہے وہ جب چاہتا ہے بارش برساتا ہے اور جب نہیں چاہتا بارش نہیں برساتا۔ بلکہ ستاروں اور سیاروں کی گردش اور ان کا طلوع و غروب، بارش ہونے یا نہ ہونے کا ایک ظاہری سبب تو ہوسکتے ہیں لیکن مؤثر حقیقی ہرگز نہیں ہوسکتے۔ مؤثر حقیقی اور قادرِ مطلق محض اللہ جلّ شانہ کی ذات ہے۔ (ملخص از معارف القرآن)

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه محمد وآله واصحابه

وبارك وسلم تسليما كثيرا كثيرا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کی
سیرت اور صورت

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

صورت اور سیرت

حضرتِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز محبوب ہر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے' رات چٹکی ہوئی تھی' چودھویں رات کا چاند نکلا ہوا تھا' ہر طرف چاندنی پھیلی ہوئی تھی' میں کبھی چاند کو دیکھتی اور کبھی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور کو دیکھتی' آپ نے فرمایا! اے عائشہ! کیا کر رہی ہو؟ میں نے عرض کیا' میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں' میں کبھی چاند کو دیکھتی ہوں اور کبھی آپ کو' خدا کی قسم آپ چودھویں رات کے چاند سے کہیں زیادہ حسین ہیں۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

چاند سے تشبیہ دینا بھی' کوئی انصاف ہے
چاند میں ہیں جھائیاں' حضرت کا چہرہ صاف ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ : زلیخا کی سہیلیاں اگر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور دیکھ لے تیں تو بجائے ہاتھوں کے دلوں کو چیر لے تیں"۔ (کیونکہ حسن وجمال کی آپ منتہا ہیں) کیا حقیقت بیان کی ہے ذکی صاحب نے ۔

خُلق کے مُدّعا' انبیاء کی دعا
خاتم الانبیاء' مرحبا مرحبا

رافتوں کی فضا' رحمتوں کی گھٹا
عشق کی ابتدا' حسن کی منتہا

شاہکارِ خدا' اے حبیبِ خدا
لاکھ جانیں بھی مجھ کو' اگر ہوں عطا

تم پہ کردوں فدا' تم پہ لاکھوں سلام

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ : اللہ تعالیٰ نے محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا حسن وجمال ظاہر نہیں فرمایا' اگر ظاہر فرمادیتے تو لوگوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کی طاقت نہ ہوتی' اس راز کو حضرت حسّان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خوب سمجھا ہے اور انہوں نے آپ کی خوبصورتی اور جمال کو اس طرح بیان فرمایا ہے کہ شاید اب تک کوئی اس سے بڑھ کر بیان نہیں کرسکا" ۔

وَاَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِىْ
وَاَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ
خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِّنْ كُلِّ عَيْبٍ
كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

"اور آپ سے بہتر ذات کبھی میری آنکھ نے نہ دیکھی' اور آپ سے زیادہ خوبصورت شخص کبھی عورتوں نے نہیں جنا' آپ کو ہر عیب سے پاک پیدا کیا گیا گویا جس طرح خود آپ نے چاہا اسی طرح آپ کو بنایا گیا (آپ اپنی مثال آپ ہیں' آپ سے بڑھ کر کوئی حسین نہیں ہے)"۔

بہرکیف آپ کے حسن و جمال میں اس نیت سے غور کرنا چاہئے کہ آپ کی محبّت ہمارے دل میں بڑھے اور صداقت کے ساتھ ہمارے دل میں یہ جذبہ پیدا ہو کہ ۔

میرا تن ہو فدا' میرا مَن ہو فدا
میرا دھن ہو فدا' اے رسولِ خدا

لاکھ جانیں بھی گر ہوں مجھ کو عطا
تم پہ کردوں فدا' مظہرِ کبریا (صلی اللہ علیہ وسلم)

---○---

(ذکی کیفی)

دل و جان فدا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم آپ کے ایک ایک حکم کو مانیں اور آپ کی سنّتوں کو اپنے عمل سے زندہ کریں' ورنہ محض زبانی محبت ظاہر کرنے سے کچھ نہیں ہوتا' اگر اُن سے واقعی محبت ہے تو کچھ کر کے دکھائیں! سنّت کے مطابق ڈاڑھی رکھیں' شلوار ٹخنوں سے اوپر رکھیں' سر کے بال سنّت کے مطابق رکھیں یا منڈالیں' کھانا پینا' سونا جاگنا' مِلنا جُلنا سب سنّت کے مطابق اختیار کریں' کیونکہ جس کو جس سے محبّت ہوتی ہے وہ اسی کے مطابق بننے کی کوشش کرتا ہے اور یہی اس کے سچّے عاشق ہونے کی علامت ہے۔

لیجئے! اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں سرشار ہو کر پوری توجہ سے آپ کا حُلیہ مُبارک پڑھئے اور اپنی آنکھوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جمالِ جہاں آرا سے منوّر کیجئے اور دل و دماغ میں اس کو بسا لیجئے تاکہ کسی اور کی محبت دل میں باقی نہ رہے ؎

یہی آرزو ہے جانِ من' ترا نام لیتا ہوا مروں
ترے کوچہ میں نہ سہی مگر' تری رہ گزر پہ مزار ہو

---○---

؎ نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے
یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

---○---

؎ اس لئے آرزو ہے جینے کی
پھر زمیں دیکھ لوں مدینے کی

—O—

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین واقعتاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سچّے عاشق تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی محبت سے کچھ حصّہ ہمیں بھی ضرور عطا فرمائیں۔ آمین۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمِ مبارک کی اس طرح کیفیت بیان کی ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ انہوں نے جسمِ اقدس کا کوئی گوشہ ایسا نہیں چھوڑا جس کا نقشہ نہ بیان کیا ہو۔ حضرت ہِند بن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی صورت و سیرت کے حافظ ہیں' ان ہی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حُلیہ مُبارک سنئے!

حسن و جمال

حضرت ہِند بن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حُلیہِ مبارک ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ :

چہرہ مبارک :

آپ کا چہرہ مبارک ماہِ بدر کی طرح چمکتا تھا' آپ کا قد مبارک بالکل متوسط قد والے آدمی سے کسی قدر طویل تھا' لیکن زیادہ لمبے قد والے سے پَست تھا' سر مبارک اعتدال کے ساتھ بڑا تھا' بال مبارک کسی قدر بَل

کھائے ہوئے تھے' اگر بسہولت مانگ نکل آتی تو نکال لیتے تھے اور اگر کسی وجہ سے بسہولت نہ نکلتی اور کنگھی وغیرہ کی ضرورت ہوتی تو اس وقت نہ نکالتے' کسی دوسرے وقت جب کنگھی وغیرہ موجود ہوتی تو نکال لیتے۔

جس زمانے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک زیادہ ہوتے تو کان کی لو سے متجاوز ہو جاتے تھے۔

رنگ مُبارک :

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ مبارک نہایت چمک دار تھا' اور پیشانی مبارک کشادہ' اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابرو خمدار باریک اور گنجان تھے' دونوں ابرو جُدا جُدا تھے۔ ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہیں تھے' ان دونوں کے درمیان ایک رگ تھی جو غصّہ کے وقت اُبھر جاتی تھی۔

ناک مُبارک :

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناک مُبارک بُلندی مائل تھی اور اس پر ایک چمک اور نور تھا' ابتداءً دیکھنے والا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی ناک والا سمجھتا (لیکن غور سے دیکھنے سے معلوم ہوتا کہ حسن وچمک کی وجہ سے بُلند معلوم ہوتی ہے ورنہ فی نفسہٖ زیادہ بُلند نہیں ہے)

ڈاڑھی مُبارک :

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی مُبارک بھرپور اور گنجان بالوں کی

تھی، اور آنکھ مُبارک کی پُتلی نہایت سیاہ تھی، رخسار مُبارک ہموار ہلکے تھے۔

دَہن مُبارک :

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دَہن مُبارک اعتدال کے ساتھ فراخ تھا (یعنی تنگ منہ نہ تھا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مُبارک باریک آبدار تھے اور ان میں سے سامنے کے دانتوں میں ذرا ذرا فصل بھی تھا، سینے سے ناف تک بالوں کی ایک باریک لکیر تھی۔

گردن مُبارک :

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن مُبارک ایسی خوبصورت اور باریک تھی، جیسا کہ مورتی کی گردن صاف اور تراشی ہوئی ہوتی ہے اور رنگ میں چاندی جیسی صاف اور خوبصورت تھی۔

اعضاء مُبارک :

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب اعضاء نہایت معتدل اور پُرگوشت تھے اور بدن گھٹا ہوا تھا۔ پیٹ اور سینہ مُبارک ہموار تھا، لیکن سینہ فراخ اور چوڑا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں مونڈھوں کے درمیان قدرے زیادہ فصل تھا، جوڑوں کی ہڈیاں قوی اور کلاں تھیں (جو قوت کی

دلیل ہوتی ہے) کپڑا اتارنے کی حالت میں آپ کا بدن مُبارک روشن و چمک دار نظر آتا تھا۔ ناف اور سینہ کے درمیان ایک لکیر کی طرح سے بالوں کی باریک دھاری تھی۔ اس لکیر کے علاوہ دونوں چھاتیاں اور پیٹ مبارک بالوں سے خالی تھا' البتّہ دونوں بازوؤں اور کندھوں اور سینہ مُبارک کے بالائی حصّہ پر بال تھے۔

کلائیاں مُبارک :

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کلائیاں دراز تھیں اور ہتھیلیاں فراخ' نیز ہتھیلیاں اور دونوں قدم گُداز اور پُر گوشت تھے۔ ہاتھ پاؤں کی انگلیاں تناسب کے ساتھ لانبی تھیں۔

تلوے مُبارک :

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تلوے قدرے گہرے تھے' اور قدم ہموار تھے کہ پانی ان کے صاف ستھرا ہونے اور ان کی ملاست کی وجہ سے ان پر ٹھیرتا نہیں تھا' فوراً ڈھل جاتا تھا' جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلتے تو قوت سے قدم اُٹھاتے اور آگے جُھک کر تشریف لے جاتے' قدم زمین پر آہستہ پڑتا زور سے نہیں پڑتا تھا۔

رفتار مُبارک :

آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیز رفتار تھے' اور ذرا کشادہ قدم رکھتے تھے'

چھوٹے چھوٹے قدم نہیں رکھتے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلتے تو ایسا معلوم ہوتا گویا پستی میں اتر رہے ہیں۔ جب کسی طرف توجہ فرماتے تو پورے بدن سے پھر کر توجہ فرماتے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر نیچی رہتی تھی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ بہ نسبت آسمان کے زمین کی طرف زیادہ رہتی تھی۔

دیکھنے کا پیارا انداز :

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ عموماً گوشۂ چشم سے دیکھنے کی تھی' یعنی غایتِ شرم وحیاء کی وجہ سے پوری آنکھ بھر کر نہیں دیکھتے تھے' چلنے میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو اپنے آگے کر دیتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے رہ جاتے تھے' جس سے ملتے سلام کرنے میں خود ابتداء فرماتے۔ (بتصرف شرح شمائل ترمذی صفحہ ۱۰)

بے مثال نمونہ :

واقعی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہر لحاظ سے بے مثال نمونہ ہے' آپ کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے' اور جتنا بھی کوئی آپ کو سمجھے آپ اس سے بالا ہیں۔ یہ اشعار کتنے پیارے ہیں

؎ جتنا سمجھا ہے اہلِ نظر نے تمہیں
تم ہو اس کے سوا' تم پہ لاکھوں سلام

جو تمہارا ہوا' وہ خدا کا ہوا
نازشِ کبریاء' تم پہ لاکھوں سلام

---○---

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہونے کا طریقہ :

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ہونے کے لئے آپ کی سنتوں' آپ کی اداؤں اور آپ کی عادات سے دلی محبّت ضروری ہے۔ اس بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا خود ارشاد ہے :

"اے میرے بیٹے (انس!) اگر تجھ سے ہوسکے کہ صبح و شام اس حالت میں بسر کرو کہ تمہارے دل میں کسی شخص سے کینہ نہ ہو تو ایسا ہی کرو! پھر آپ نے فرمایا : اے میرے بیٹے! یہی میری سنّت ہے اور جس نے میری سنّت سے محبّت کی' اس نے مجھ سے محبّت کی اور جس نے مجھ سے محبّت کی وہ جنّت میں میرے ساتھ ہوگا"۔ (ترمذی)

ایک غلام کو محبوبِ ربّ العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی اور وہ بھی جنّت میں نصیب ہوجائے تو اس سے بڑھ کر کیا سعادت اور کامیابی ہوگی' مگر اس کے لئے صرف زبانی محبّت کافی نہیں' آپ کی سنّتوں سے قلبی محبت اور دل و جان سے ان پر عمل لازمی ہے جو پوری طرح ہمارے اختیار میں

ہے' لہٰذا آپ کی تابعداری کا ہار گلے میں ڈالیں اور آپ کی محبّت دل میں بسائیں پھر دیکھیں کہ راہِ سنّت پر چلنا کس قدر آسان ہوتا ہے۔ سیدی حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

؎ محبت کی کشش اب راہبر معلوم ہوتی ہے
جدھر جاتا ہوں' ان کی راہ گزر معلوم ہوتی ہے

رگ وپے میں ہے ساری لذتِ دردِ جگر پھر بھی
طبیعت تشنۂ دردِ جگر معلوم ہوتی ہے

جہاں تک بھی نظر جاتی ہے جلوہ گاہِ ہستی میں
محبّت ہی محبت جلوہ گر معلوم ہوتی ہے

(عارفی)

---O---

اصل زندگی :

یقین کرو! اصل زندگی وہی ہے جو سنّت کے مطابق ہو' محبوبِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اداؤں سے آراستہ ہو' اس مقصد کے لئے رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائل حمیدیہ کا مطالعہ کیجئے! اور آپ کی ایک ایک عادتِ طیّبہ کو اختیار کرکے ہمیشہ کے لئے ان کو اپنا لیجئے! ذرا یہ اشعار بھی پڑھ لیجئے ؎

یہ حقیقت ہے کہ جینا' وہی جینا ہو گا
جب مرے پیشِ نظر' حسنِ مدینہ ہو گا

آنکھ جب روضۂ اقدس کی جھلک دیکھے گی
اے خدا کیا؟ مبارک وہ مہینہ ہو گا

چومتا نقشِ قدم ان کے پھروں گا ہر سُو
کیا پُرکیف یہ جینے کا قرینہ ہو گا

نغمۂ صَلِّ عَلیٰ ہو گا' لبوں پر جاری
اور ماتھے پہ ندامت کا پسینہ ہو گا

--- ○ ---

اتباع میں کوتاہی ہو جائے' کہیں غلطی ہو جائے' کوئی سنّت چھوٹ جائے تو مایوس نہ ہوں' فوراً اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں' اپنا عہد تازہ کریں اور عمل شروع کر دیں' دعا کریں' اور زندگی بھر یہی کرتے رہیں' اس طرح ایک نہ ایک دن کام بن جائے گا ؎

درِ نبی پر پڑا رہوں گا
پڑے ہی رہنے سے کام ہو گا

کبھی تو قسمت کھُلے گی میری
کبھی تو میرا سلام ہو گا

قرآنِ کریم کا عملی نمونہ :

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کا چلتا پھرتا عملی نمونہ ہیں' آپ کا نقشِ قدم تھامنا' قرآنِ کریم پر عمل کرنا ہے' اور نمونہ دیکھ کر اس کے مطابق عمل کرنا آسان ہوجاتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہے کہ اس نے قرآنِ کریم کے مطابق زندگی گزارنے کا ایک محبوب نمونہ بھی عطا فرمایا۔

﴿اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ دَائِماً اَبَدًا﴾

لیجئے اب رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات طیبہ کا بغور مطالعہ کیجئے اور اللہ تعالیٰ سے توفیقِ عمل مانگتے جایئے!!

اخلاق و شمائل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ عالیہ' اوصافِ کریمہ اور خصائلِ شریفہ کا ذکر ہِند بن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت پیارے اور جامع انداز میں اس طرح بیان فرمایا کہ :

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت آخرت کی فکر میں اور اُمورِ آخرت کی سوچ میں رہتے' اس کا ایک تسلسل قائم تھا کہ کسی وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چین نہیں ہوتا

تھا' اکثر طویل سکوت اختیار فرماتے' بلا ضرورت کلام نہ فرماتے' گفتگو کا آغاز فرماتے تو دَہن مُبارک سے اچھی طرح الفاظ ادا فرماتے' (یعنی متکبّروں کی طرح بے توجہی و بے نیازی کے ساتھ ادھ کٹے الفاظ استعمال نہ فرماتے) اور اسی طرح اختتام فرماتے۔ آپ کی گفتگو اور بیان بہت صاف' واضح اور دو ٹوک ہوتا' نہ اس میں غیر ضروری طوالت ہوتی نہ زیادہ اختصار' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نرم مزاج و نرم گفتار تھے' دُرشت خُو اور بے مروّت نہ تھے' نہ کسی کی اہانت کرتے تھے' اور نہ اپنے لئے اہانت پسند کرتے تھے' نعمت کی بڑی قدر کرتے اور اس کو بہت زیادہ جانتے' خواہ کتنی ہی قلیل ہو (کہ آسانی سے نظر بھی نہ آئے) اور اس کی بُرائی نہ فرماتے' کھانے پینے کی چیزوں کی بُرائی کرتے نہ تعریف' دنیا اور دنیا سے متعلق جو بھی چیز ہوتی اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی غصّہ نہ آتا' لیکن جب خدا کے کسی حق کو پامال کیا جاتا تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلال کے سامنے کوئی چیز ٹھہر نہ سکتی تھی' یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا بدلہ لے لیتے' آپ کو اپنی ذات کے لئے نہ غصّہ آتا نہ اس کے لئے انتقام لیتے' جب اشارہ فرماتے تو پورے ہاتھ کے ساتھ اشارہ فرماتے' جب کسی امر پر تعجب فرماتے تو اس کو پلٹ دیتے' گفتگو کرتے وقت داہنے

ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کے انگوٹھے سے ملاتے' غصّہ اور ناگواری کی بات ہوتی تو روئے انور اس طرف سے بالکل پھیر لیتے' اور اعراض فرمالیتے' خوش ہوتے تو نظریں جھکالیتے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہنسنا زیادہ تر تبسّم تھا جس سے صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندانِ مُبارک جو بارش کے اولوں کی طرح پاک وشفاف تھے' ظاہر ہوتے"۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ جو فردِ خاندان تھے' اور جن کو علم و واقفیت کے بہترین ذرائع اور مواقع حاصل تھے' اور جن کی نظر نفسیاتِ انسانی اور اخلاق کی باریکیوں پر بہت گہری تھی' قریب ترین اشخاص میں سے تھے' اور اسی کے ساتھ وصف نگاری اور منظر کشی میں بھی ان کو سب سے زیادہ قدرت حاصل تھی' آپ کے "خُلقِ عظیم" کے متعلق یہ کہتے ہیں۔

خُلقِ عظیم :

"آپ طبعاً بدکلامی اور بے حیائی و بے شرمی سے دور تھے' اور تکلّفاً بھی ایسی کوئی بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرزد نہیں ہوتی تھی' بازاروں میں آپؐ کبھی آواز بلند نہ فرماتے' بُرائی کا بدلہ بُرائی سے نہ دیتے' بلکہ عفو ودرگزر کا معاملہ فرماتے' آپؐ نے کسی پر کبھی دست درازی نہ فرمائی' سوائے اس کے کہ جہاد فی سبیل اللہ کا موقع ہو' کسی خادم یا

عورت پر آپؐ نے کبھی ہاتھ نہیں اٹھایا' میں نے آپؐ کو کسی ظلم و زیادتی کا انتقام لیتے ہوئے بھی نہیں دیکھا' جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کی خلاف ورزی نہ ہو اور اس کی حرمت و ناموس پر آنچ نہ آئے۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کو پامال کیا جاتا اور اس کے ناموس پر حرف آتا تو آپؐ اس کے لئے ہر شخص سے زیادہ غصّہ ہوتے۔ دو چیزیں سامنے ہوتیں تو ہمیشہ آسان چیز کا انتخاب فرماتے۔ جب اپنے دولت خانہ پر تشریف لے جاتے تو عام انسانوں کی طرح نظر آتے' اپنے کپڑوں کو صاف کرتے' بکری کا دودھ دوہتے' اور اپنی سب ضرورتیں خود انجام دیتے۔

اپنی زبان مُبارک محفوظ رکھتے' اور صرف اسی چیز کے لئے کھولتے جس سے آپؐ کو کچھ سروکار ہوتا' لوگوں کی دلداری فرماتے' اور ان کو متنفّر نہ کرتے' کسی قوم و برادری کا کوئی معزز شخص آتا تو اس کے ساتھ اکرام و اعزاز کا معاملہ فرماتے' اور اس کو اچھے اور اعلیٰ عہدہ پر مقرر کرتے' لوگوں کے بارے میں محتاط تبصرہ کرتے' بغیر اس کے کہ اپنی بشاشت اور اخلاق سے ان کو محروم فرمائیں' اپنے اصحاب کے حالات کی برابر خبر رکھتے' لوگوں سے لوگوں کے معاملات کے بارے میں دریافت کرتے رہتے۔

اچھی بات کی اچھائی بیان کرتے اور اس کو قوّت پہنچاتے' بُری بات کی بُرائی کرتے اور اس کو کمزور کرتے' آپ کا معاملہ معتدل اور یکساں تھا' اس میں تغیرو تبدّل نہیں ہوتا تھا' آپ کسی بات سے غفلت نہ فرماتے تھے اس ڈر سے کہ کہیں دوسرے لوگ بھی غافل ہونے لگیں اور اکتا جائیں۔ ہر حال اور ہر موقع کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس حال کے مطابق ضروری سامان تھا' نہ حق کے معاملہ میں کوتاہی فرماتے نہ حد سے آگے بڑھتے' آپؐ کے قریب جو لوگ رہتے تھے وہ سب سے اچھے اور منتخب ہوتے تھے' آپ کی نگاہ میں سب سے زیادہ افضل وہ تھا جس کی خیرخواہی اور اخلاق عام ہو' سب سے زیادہ قدرو منزلت اس کی تھی جو غمخواری اور ہمدردی اور دوسروں کی مدد اور معاونت میں سب سے آگے ہو' خدا کا ذکر کرتے ہوئے کھڑے ہوتے اور خدا کا ذکر کرتے ہوئے بیٹھتے"۔

شانِ تواضع :

"جب کہیں تشریف لے جاتے تو جہاں مجلس ختم ہوتی اسی جگہ تشریف رکھتے' اور اس کا حکم بھی فرماتے' اپنے حاضرینِ مجلس اور ہم نشینوں میں ہر شخص کو (اپنی توجہ اور التفات میں) پورا حصّہ دیتے۔ آپ کا شریکِ مجلس یہ سمجھتا کہ اس

سے بڑھ کر آپؐ کی نگاہ میں کوئی اور نہیں ہے' اگر کوئی شخص آپؐ کو کسی غرض سے بٹھالیتا یا کسی ضرورت میں آپؐ سے گفتگو کرتا تو نہایت صبرو سکون سے اس کی پوری بات سنتے یہاں تک کہ وہ خود ہی اپنی بات پوری کرکے رخصت ہوتا' اگر کوئی شخص آپؐ سے کچھ سوال کرتا اور کچھ مدد چاہتا تو بلا اس کی ضرورت پوری کئے واپس نہ فرماتے' یا کم از کم نرم و شیریں لہجہ میں جواب دیتے' آپؐ کا حسنِ اخلاق تمام لوگوں کے لئے وسیع اور عام تھا' اور آپؐ ان کے حق میں باپ ہوگئے تھے' تمام لوگ حق کے معاملہ میں آپؐ کی نظر میں برابر تھے' آپ کی مجلس علم و معرفت' حیا و شرم اور صبرو امانت داری کی مجلس تھی' نہ اس میں آوازیں بلند ہوتی تھیں' نہ کسی کے عیوب بیان کئے جاتے تھے' نہ کسی کی عزت و ناموس پر حملہ ہوتا' نہ کمزوریوں کی تشہیر کی جاتی تھی' سب ایک دوسرے کے مساوی تھے' اور صرف تقویٰ کے لحاظ سے ان کو ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہوتی تھی' اس میں لوگ بڑوں کا احترام اور چھوٹوں کے ساتھ رحمدلی اور شفقت کا معاملہ کرتے تھے' حاجت مند کو اپنے اوپر ترجیح دیتے تھے' مسافر اور نووارد کی حفاظت کرتے اور اس کا خیال رکھتے تھے"۔

وہ کہتے ہیں :

انبساط اور کشادہ روئی :

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمہ وقت کشادہ رو اور انبساط و بشاشت کے ساتھ رہتے تھے' بہت نرم اخلاق اور نرم پہلو تھے (یعنی جلد مہربان ہو جانے والے اور بہت آسانی سے در گزر کرنے والے تھے) نہ سخت طبیعت کے مالک تھے' نہ سخت بات کہنے کے عادی' نہ چلّا کر بولنے والے' نہ عامیانہ اور مبتذل (گھٹیا) بات کرنے والے' نہ کسی کو عیب لگانے والے' نہ تنگ دل بخیل' جو بات آپؐ کو پسند نہ ہوتی اس سے تغافل فرماتے (یعنی اس کو نظر انداز کر دیتے اور گرفت نہ فرماتے) اور صراحتاً اس سے مایوس بھی نہ فرماتے' اور اس کا جواب بھی نہ دیتے۔ تین باتوں سے آپ نے اپنے آپ کو بالکل بچا رکھا تھا' ایک جھگڑا' دوسرے تکبر اور تیسرے غیر ضروری اور لایعنی کام' لوگوں کو بھی تین باتوں سے آپ نے بچا رکھا تھا' نہ کسی کی بُرائی کرتے تھے' نہ کسی کو عیب لگاتے تھے اور نہ کسی کی کمزوریوں اور پوشیدہ باتوں کے پیچھے پڑتے تھے' اور صرف وہ کلام فرماتے تھے جس پر ثواب کی امید ہوتی تھی' جب گفتگو کرتے تھے تو شرکاءِ مجلس ادب سے اس طرح سر جُھکا لیتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ ان سب کے سروں پر چڑیاں بیٹھی ہوئی ہیں (یعنی بے حس و

حرکت کہ کہیں جنبش سے چڑیاں اُڑ نہ جائیں) جب آپؐ خاموش ہوتے تب یہ لوگ بات کرتے' آپ کے سامنے کبھی نزاع نہ کرتے' اگر آپ کی مجلس میں کوئی شخص گفتگو کرتا تو بقیہ سب لوگ خاموشی سے سنتے یہاں تک کہ وہ اپنی بات ختم کرلیتا' آپ کے سامنے ہر شخص کی گفتگو کا وہی درجہ ہوتا جو ان کے پہلے آدمی کا ہوتا (کہ پورے اطمینان کے ساتھ اپنی بات کہنے کا موقع ملتا اور اُسی قدر دانی اور اطمینان کے ساتھ اُسے سنا جاتا) جس بات سے سب لوگ ہنستے اس پر آپ بھی ہنستے' جس سے سب تعجب کا اظہار کرتے آپ بھی تعجب فرماتے' مسافر اور پردیسی کی بے تمیزی اور ہر طرح کے سوال کو صبر و تحمل کے ساتھ سنتے' یہاں تک کہ آپ کے اصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایسے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرلیتے (تاکہ آپ پر کوئی بار نہ ہو) آپ فرماتے تھے کہ "تم کسی حاجت مند کو پاؤ تو اس کی مدد کرو" آپ مدح و تعریف اسی شخص کی قبول فرماتے جو حدِّ اعتدال میں رہتا' کسی کی گفتگو کے دوران کلام نہ فرماتے اور اس کی بات کبھی نہ کاٹتے' ہاں اگر وہ حد سے بڑھنے لگتا تو اس کو منع فرمادیتے یا مجلس سے اٹھ کر اس کی بات قطع فرمادیتے"۔

فراخ دلی اور نرمی :

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ فراخ دل' کشادہ قلب' راست گفتار' نرم طبیعت اور معاشرت و معاملات میں نہایت درجہ کریم تھے' جو پہلی بار آپ کو دیکھتا وہ مرعوب ہو جاتا' اور جو آپؐ کی صحبت میں رہتا اور جان پہچان حاصل ہوتی تو آپؐ کا فریفتہ اور دلدادہ ہو جاتا' آپؐ کا ذکرِ خیر کرنے والا کہتا ہے کہ نہ آپؐ سے قبل میں نے آپؐ جیسا کوئی شخص دیکھا نہ آپ کے بعد' صلی اللّٰہ علٰی نبینا وسلم

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو لباس جمال و کمال سے آراستہ فرمایا تھا اور آپ کو محبت و دلکشی اور رعب و ہیبت کا حسین و جمیل پیکر بنایا تھا"۔

ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں :

"آپ بہت خوددار و باوقار اور شان و شوکت کے حامل تھے' اور دوسروں کی نگاہ میں بھی نہایت پُرشکوہ' آپ کا روئے انور چودھویں رات کے چاند کی طرح دمکتا تھا"۔

براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں :

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میانہ قد تھے' میں نے آپ کو ایک مرتبہ سرخ قبا میں دیکھا' اس سے اچھی کوئی چیز میں نے

کبھی نہیں دیکھی"۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ :

"آپؐ میانہ قد تھے' طول کی طرف کسی قدر مائل' رنگ نہایت گورا' ریش مُبارک کے بال سیاہ' دہانہ نہایت مناسب اور حسین' آنکھوں کی پلکیں دراز' چوڑے شانے"۔

آخر میں کہتے ہیں کہ :

"میں نے آپؐ جیسا آپؐ سے پہلے یا آپ کے بعد کبھی نہیں دیکھا"۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ "میں نے حریر و دیباج کو بھی آپ کے دست مُبارک سے زیادہ نرم نہیں پایا' نہ آپ کی خوشبو سے بڑھ کر کوئی خوشبو سونگھی"۔

(نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۱۷۹ بتصرف)

اتباعِ سنّت کا ثواب :

یہ ہیں محبوبِ کائنات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مُبارک اخلاق' ان کو اپنانا اور اختیار کرنا سیرت کا اہم مقصد ہے' اور باعثِ فلاح ہے۔ پھر احادیث میں ان اخلاق و شمائل اور آپ کی دیگر سنتوں پر عمل کرنے کا اجر و ثواب بھی بے حد بیان کیا گیا ہے' ایک حدیث میں ارشاد

ہے :

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ :

"جب میری امّت میں بدعات غالب آجائیں اور جہالت عام ہوجائے اس وقت جو شخص میری سنّت پر عمل کرے گا اس کو سو (۱۰۰) شہیدوں کا ثواب ملے گا"۔ (بیہقی)

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ :

"جس شخص نے میری کسی ایسی سنّت کو زندہ کیا یعنی اس پر عمل کیا جو میرے بعد چھوڑ دی گئی تھی تو اس کو اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا کہ اس سنت پر عمل کرنے والوں کو ملے گا بغیر اس کے کہ ان کے ثواب میں کچھ کمی کی جائے۔ اور جس شخص نے گمراہی کی کوئی ایسی نئی بدعت نکالی جس سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خوش نہیں ہیں تو اس کو اتنا ہی گناہ ہوگا جتنا کہ اس بدعت پر عمل کرنے والوں کو گناہ ہوگا بغیر اس کے کہ ان کے گناہوں میں کوئی کمی کی جائے"۔ (ترمذی)

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ :

"میری ساری امّت جنّت میں جائے گی مگر جس نے انکار کیا اور سرکشی کی (وہ جنّت میں نہ جائے گا) پوچھا گیا وہ کون شخص ہے جس نے انکار کیا اور سرکشی کی؟ آپ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی وہ جنّت میں داخل ہوا، اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار اور سرکشی کی"۔ (بخاری)

لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ بالا اخلاقِ حسنہ کو اختیار کریں اور آپ کی دیگر سنّتوں کو عمل میں لائیں اور ثوابِ عظیم حاصل کریں۔ اس کے نتیجہ میں جو آپ کی سچی اور پکّی محبّت دل میں پیدا ہوگی وہ ساری نعمتوں سے بڑھ کر ہوگی، اللہ تعالیٰ جلد نصیب فرمائیں۔ اس وقت دل کا حال یہ ہوگا ؎

اس لیے آرزو ہے جینے کی
پھر زمیں دیکھ لوں مدینے کی

---○---

؎ مدینہ جاؤں، پھر آؤں، مدینہ پھر جاؤں
الٰہی عمر اسی میں تمام ہوجائے

---○---

؎ یہی ہے تمنا یہی آرزو ہے
یہی تو سنانے کو جی چاہتا ہے

؎ مدینہ کو جاؤں پلٹ کر نہ آؤں
یہیں گھر بنانے کو جی چاہتا ہے

جس کی جاں کو تمنا ہے دل کو طلب
وہ سکوں بخش محفل مدینہ میں ہے

یوں تو جینے کو ہم جی رہے ہیں مگر
جان مدینہ میں ہے دل مدینہ میں ہے

نا امیدو! تم اتنے پریشان نہ ہو
آرزوؤں کا حاصل مدینہ میں ہے

---○---

حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب مد ظلہم کی کیا خوب رباعی ہے ۔

دل تڑپتا ہے میرا سینہ میں
ہائے پہنچوں گا کب مدینہ میں

قلب جس کا نہ ہو مدینہ میں
اس کا جینا ہے کوئی جینے میں

---○---

جناب وکیل احمد قدوائی صاحب نے بڑا ہی پُر حکمت شعر کہا ہے' شاید کوئی اس سے بڑھ کر نہ کہہ سکے ۔

غمِ مصطفیٰ جس کے سینہ میں ہے
جہاں بھی رہے وہ مدینہ میں ہے

---○---

لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی بھرپور کوشش کرنی چاہئے اور زبان پر کثرت سے درود و سلام جاری رکھنا چاہئے۔

یا اللہ رحمتِ کاملہ نازل فرما رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر جس سے آسمان بھر جائے' زمین بھر جائے اور عرش عظیم بھر جائے۔ یا اللہ رحمتِ کاملہ نازل فرما رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر' آپ کے ہر ذکر کی تعداد کے بدلہ دس لاکھ مرتبہ۔ یا اللہ رحمتِ کاملہ نزل فرما ہمارے آقا جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپؐ کی آل پر اولین میں اور آخرین میں۔ یا اللہ رحمتِ کاملہ نازل فرما آپؐ پر ملاء اعلیٰ میں قیامت تک۔ اور رحمتِ کاملہ نازل فرما ہمارے آقا جنابِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کے آل و اصحاب پر اور سلام نازل فرما قرآن کریم کے ایک ایک حرف کے بدلہ' اور ہر حرف کے بدلہ ہزار ہزار مرتبہ۔

یا اللہ رحمت کاملہ نازل فرما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل پر جب کبھی آپ کا ذکر کریں ذکر کرنے والے اور جب کبھی بھول جائیں غفلت والے اور برکتیں اور سلام نازل فرما۔ اور ہماری طرف سے آپؐ کو بہتر سے بہتر اور اعلیٰ سے اعلیٰ ایسی جزا عطا فرما جس کے آپؐ لائق اور اہل ہیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بیٹی اللہ کی رحمت

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی بیانات : جلد نمبر:۲

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بیٹی اللہ کی رحمت

اور زندگی میں تقسیم جائیداد کا طریقہ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضلّ له ومن يضلله فلا هادى له، ونشهد أن لا اله إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبده ورسولهٗ، صلى الله تعالىٰ عليه وعلىٰ اٰله وأصحابه وبارك وسلم تسليمًا كثيرًا كثيراً۔

اما بعد!

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿ إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ○ وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ ○ وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ○ وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ○ وَإِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ○ وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ○ وَإِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ○ وَإِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ ○ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ○ وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ○ وَإِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ ○ وَإِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ ○ وَإِذَا الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ ○ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ أَحْضَرَتْ ○ ﴾ (سورۃ التکویر)

تمہید

میرے قابل احترام بزرگو اور محترم خواتین! ہم لوگ یہاں پر صرف اپنی اصلاح کی غرض سے حاضر ہوتے ہیں تاکہ یہاں پر ہم جو بات سنیں اور کہیں اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں، جب ہم ان باتوں پر عمل کرتے چلے جائیں گے تو ہماری اصلاح ہوتی جائے گی، اور اصلاح کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ سے ہمارا تعلق قوی ہوتا چلا جائے گا، اور یہی تعلق ہمارے دین و دنیا کی کامیابی کی بنیاد ہے۔

اس وقت جو آیات میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہیں، ان میں سے صرف ایک آیت کے بارے میں عرض کرنا چاہتا ہوں، اور اسی طرح اس موضوع پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ نحل کے اندر جو کچھ بیان فرمایا ہے اس کی روشنی میں ایک بہت اہم کوتاہی عرض کرنا چاہتا ہوں، تاکہ اگر واقعۃً یہ کوتاہی ہمارے اندر پائی جاتی ہے تو ہم اس کو دور کرنے کی کوشش کریں۔ اور اپنی اصلاح کی فکر کریں۔

بیٹا اور بیٹی دونوں اللہ تعالیٰ کی عطا ہیں

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو دو صنفوں میں پیدا فرمایا ہے۔ ایک مرد اور ایک عورت، اور اس طرح پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت پر مبنی ہے، پھر کسی کو اللہ تعالیٰ نے صرف بیٹیاں عطا فرمائی ہیں، اور کسی کو صرف بیٹے عطا فرمائے ہیں، اور کسی کو بیٹے اور بیٹیاں دونوں عطا فرمائے ہیں، اور کسی کو نہ بیٹے عطا فرمائے اور نہ بیٹیاں عطا فرمائی ہیں۔ یہ تقسیم بھی خالصۃً اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت پر مبنی ہے۔ اسی تقسیم کی طرف اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اشارہ فرمایا:

﴿يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ۝ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا﴾

(الشوریٰ: ۴۹، ۵۰)

یعنی اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں لڑکیاں عطا فرماتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں لڑکے عطا فرماتے ہیں اور کسی کو لڑکے اور لڑکیاں دونوں عطا فرمادیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں بانجھ کردیتے ہیں، اس کے ہاں نہ لڑکا پیدا ہوتا ہے اور نہ لڑکی پیدا ہوتی ہے، لاکھ کوشش کرلے مگر اس کی اولاد ہی نہیں ہوتی۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت پر مبنی ہے، جس کے لئے جو مناسب سمجھتے ہیں وہ اس کو عطا فرمادیتے ہیں۔ لڑکیاں بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں اور لڑکے بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں۔ لڑکوں کی بھی ضرورت ہے اور لڑکیوں کی بھی ضرورت ہے۔ مرد عورتوں کے محتاج ہیں اور عورتیں مردوں کی محتاج ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے دنیا میں ایک ایسا نظام قائم فرمایا ہے جس میں دونوں کی ضرورت ہے، اور دونوں ایک دوسرے کے محتاج ہیں، اور دونوں کی تخلیق اور پیدائش اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت پر مبنی ہے، اس میں کسی کو ذرہ برابر بھی اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں اور اگر کوئی اعتراض کرتا ہے تو وہ غلط کرتا ہے۔

بیٹے کی پیدائش پر خوشی کا اظہار

اللہ تعالیٰ کی اس حکمت اور مصلحت کی روشنی میں جب ہم اپنا جائزہ لیتے ہیں تو مسلمانوں میں بعض مسلمان آپ کو ایسے نظر آئیں گے کہ ان کے یہاں لڑکے کی بڑی آرزوئیں اور تمنائیں کی جاتی ہیں، اور جب لڑکا پیدا ہوجاتا ہے تو اس وقت بہت خوشی کا اظہار کیا جاتا ہے، اور بڑے زور و شور سے عزیزوں اور دوست و احباب کو اس کی اطلاع دی جاتی ہے، اور خوشی میں مٹھائی تقسیم کی جاتی ہے اور پھر بڑے اہتمام کے ساتھ شاندار طریقے سے اس کا عقیقہ کیا جاتا ہے اور ہر جگہ پر اس کی پیدائش کا تذکرہ ہوتا ہے، اور پھر اس کی پرورش کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے، اگر وہ ذرا بھی بیمار ہوجائے تو فوراً ڈاکٹر صاحب کے پاس دوڑے جاتے ہیں، کبھی ہسپتال

جارہے ہیں، کبھی کسی حکیم کے پاس جارہے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ زیادہ بیمار ہوجائے، اور کہیں مر نہ جائے۔

بیٹی کی پیدائش پر خوش نہ ہونا

اور اگر کسی کے ہاں لڑکی پیدا ہوجائے تو وہاں کسی خوشی کا اظہار نہیں کیا جاتا، اور نہ کسی سے تذکرہ کرتے ہیں کہ ہمارے یہاں لڑکی پیدا ہوئی ہے، اور اگر کوئی پوچھ بھی لے تو جلدی سے نہیں بتاتے، اگر بتاتے ہیں تو بہت آہستہ آواز میں بڑے دبے انداز میں بتاتے ہیں کہ لڑکی پیدا ہوئی ہے۔ لڑکی کی پیدائش پر کوئی خوشی نہیں، کوئی اظہارِ مسرت نہیں، نہ مٹھائی تقسیم کی جاتی ہے، نہ لڈو بانٹے جاتے ہیں، نہ عقیقہ کا اہتمام ہوتا ہے۔ اگر عقیقہ کرتے بھی ہیں تو بس جانور خرید کر اور اس کے گلے پر چھری پھیر کر کسی مدرسے میں پہنچادیتے ہیں۔

بیٹی کی پیدائش پر بیوی سے ناراضگی

بلکہ بعض اوقات بچی کی پیدائش پر شوہر اپنی بیوی سے ناراض ہوجاتا ہے، اور بیوی سے بولنا چھوڑ دیتا ہے، حالانکہ آدمی کو اتنی سمجھ تو ہونی چاہئے کہ اس عورت کے اختیار میں کیا ہے؟ اس کے اختیار میں نہ لڑکا جننا ہے اور نہ لڑکی جننا ہے۔ اس کے اختیار میں تو کچھ بھی نہیں، اور نہ تمہارے اختیار میں ہے، تم دونوں اس معاملے میں برابر ہو، بلکہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم اور مصلحت سے ہے اور وہی پیدا کرنے والا ہے۔ اس نے لڑکا پیدا کرنا چاہا تو لڑکا پیدا ہوگیا، اس نے لڑکی پیدا کرنا چاہی تو لڑکی پیدا ہوگئی، لہٰذا بیوی پر ناراض ہونا اور اس سے بول چال بند کردینا کتنی زیادتی کی بات ہے، لیکن بعض مسلمان ایسے ہیں کہ اگر ان کے یہاں لڑکی پیدا ہوجائے تو وہ بیوی سے ناراض ہوجاتے ہیں، دوست و احباب سے چھپے پھرتے ہیں کہ

کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی ہم سے یہ نہ پوچھ لے کہ تمہارے گھر کس کی ولادت ہوئی ہے؟ تاکہ یہ بتانا نہ پڑے کہ ہمارے گھر میں لڑکی پیدا ہوئی ہے۔

بیٹی کی پیدائش پر طلاق کی دھمکی

ایسے واقعات بھی سننے میں آئے ہیں کہ جب کسی کے گھر ایک دو لڑکیاں پیدا ہوگئیں تو شوہر نے بیوی سے یہاں تک کہہ دیا کہ اگر آئندہ تیرے یہاں لڑکی پیدا ہوئی تو تجھے طلاق دیدونگا۔ (العیاذ باللہ) یہ کس قدر زیادتی کی بات ہے۔ بہرحال، مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو لڑکی کی پیدائش پر ناراض ہوتے ہیں، اس کو اپنے لئے معیوب سمجھتے ہیں اور ذلت کا باعث سمجھتے ہیں اور لڑکے کی پیدائش کو باعثِ عزت اور باعثِ فخر سمجھتے ہیں اور اس کی پیدائش پر بڑی خوشیاں مناتے ہیں، لڑکی کی پیدائش پر کوئی خوشی نہیں مناتے۔ کسی بھی مسلمان کا ایسا طرز عمل ناجائز ہے اور گناہ ہے اور درپردہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت پر ایک طرح سے اعتراض ہے۔

زمانہ جاہلیت میں کفّار کا طرز عمل

قرآن کریم نے یہ عمل کافروں کا بتایا ہے۔ اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں کفارِ عرب کے اندر یہ دستور تھا کہ جب ان کے یہاں لڑکی پیدا ہوتی تو لڑکی کا باپ اس کی پیدائش کو اپنے لئے معیوب اور باعثِ ذلت سمجھتا تھا اور بچے کی ولادت سے چند روز پہلے ہی منظر سے غائب ہوجاتا تھا اور لوگوں سے چھپا چھپا پھرتا تھا کہ معلوم نہیں کہ میرے گھر میں کیا پیدا ہو، پھر اگر لڑکا پیدا ہوجاتا تو وہ اس کو اپنے لئے باعثِ عزت سمجھتا تھا اور اگر لڑکی پیدا ہوجاتی تو اس کو اپنے لئے ذلت اور رسوائی کا باعث سمجھتا تھا، وہ یہ سوچتا کہ اگر لڑکی پیدا ہوئی اور میں لوگوں کے سامنے ہوں گا تو کہیں میری ذلت اور رسوائی نہ ہوجائے، اس لئے وہ پہلے ہی چھپ جاتا تھا، اور لوگوں سے

ملنا جلنا چھوڑ دیتا تھا۔ اگر اس کو لڑکے کے پیدا ہونے کی خوشخبری ملتی تو پھر وہ سب کے سامنے آجاتا اور سب سے کہتا کہ میرے یہاں لڑکا ہوا ہے اور میں نے یہ نام رکھ دیا ہے۔

بیٹی کو زندہ دفن کرنا

پھر وہ لوگ اپنی جہالت میں اس حد تک بڑھے ہوئے تھے کہ وہ لڑکی کی پیدائش کے بعد یہ سوچتے تھے کہ یا تو میں اس لڑکی کو زندہ رکھوں، اور جب تک یہ زندہ رہے اس وقت تک میں ذلیل و خوار رہوں، یا پھر میں اس کو قتل کردوں، یا اس کو ویسے ہی زندہ دفن کردوں (العیاذ باللہ) اور اس مصیبت سے اپنی جان چھڑاؤں، چنانچہ بعض لوگ اپنی لڑکیوں کو زندہ دفن کردیا کرتے تھے، اور بعض لوگ پہلے اس کو جان سے ماردیتے، اور پھر اس کو مٹی میں دبادیتے تھے۔ لڑکیوں پر وہ اس قدر ظلم کیا کرتے تھے۔ چنانچہ قرآن کریم نے سورۃ نحل میں ان کے اس مذموم عمل کا اس طرح ذکر فرمایا ہے:

﴿وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۝ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝﴾

(النحل: ۵۸، ۵۹)

"اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی خوشخبری دی جائے تو سارے دن اس کا چہرہ بے رونق رہے، اور دل ہی دل میں گھٹتا رہے۔ اور جس چیز کی اس کو خبر دی گئی ہے، اس کی عار سے لوگوں سے چھپا چھپا پھرے، یا تو ذلّت کو قبول کر کے اس کو رہنے دے یا اس کو مٹی میں دبا دے، خوب سن لو کہ وہ بہت

برا فیصلہ کرتے ہیں۔"

بیٹی کو باعثِ ذلّت سمجھنا

مفسّرین نے ان کے اس عمل کی کئی وجوہات لکھی ہیں۔ ان میں سے ایک وجہ تو یہ تھی کہ وہ لڑکی کو اپنے لئے ذلت کا باعث سمجھتے تھے جبکہ بیٹا پیدا ہونے کو اپنے لئے عزّت کا باعث سمجھتے تھے۔ اس لئے بیٹی کو زندہ ہی دفن کردیا کرتے تھے۔ بعض مفسرین نے یہ وجہ لکھی ہے کہ یہ لوگ درحقیقت لڑکی کو فقر و فاقہ کا سبب سمجھتے تھے کہ اگر لڑکی پیدا ہوئی تو زندگی بھر اس کو دینا ہی پڑے گا، ساری عمر کما کر کھلانا پڑے گا۔ العیاذ باللہ۔ اس لئے اس کو اپنے لئے ایک بوجھ سمجھتے تھے اور اس کو کھلانے پلانے کو اپنے لئے آفت ناگہانی سمجھتے تھے۔ اس وجہ سے اس کو زندہ ہی دفن کردیا کرتے تھے، یا جان سے مار کر اس کو زمین میں دبادیا کرتے تھے۔

بیٹی اللہ کی اور بیٹا ہمارا

بعض حضرات نے یہ وجہ بیان کی ہے کہ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں، اور جب کسی کے یہاں لڑکی پیدا ہوتی تو وہ اپنے اس عقیدے کی بنیاد پر یہ سوچتا کہ بیٹیاں تو اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہیں اور بیٹے ہمارے ہوتے ہیں، لہٰذا اس لڑکی کو اللہ تعالیٰ تک پہنچادو، اور اللہ تعالیٰ تک پہنچانے کے لئے لڑکی کو زندہ ہی دفن کردیتے کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، اللہ تعالیٰ تک پہنچنی چاہئے۔ بہرحال، یہ عمل چاہے وہ ذلت کی وجہ سے کرتے تھے، یا فقر و فاقہ کے ڈر سے کرتے تھے، یا اس باطل اور غلط عقیدے کی بنیاد پر کرتے تھے کہ بیٹیاں اللہ تعالیٰ کی ہیں اور بیٹے ہمارے ہیں۔ تینوں صورتوں میں ان کا یہ فعل حرام اور ظلم اور ناجائز تھا۔

ایک عبرت آموز واقعہ

زمانہ جاہلیت میں بعض لوگوں نے اپنی دس دس بیٹیاں، بارہ بارہ بیٹیاں زندہ دفن کردی تھیں۔ چنانچہ حدیث میں ایک صاحب کا عجیب واقعہ آیا ہے کہ ایک صاحب مسلمان ہوگئے۔ ظاہر ہے کہ حالت کفر میں انسان نے جتنے بھی گناہ کئے ہوں، اسلام لانے سے وہ سارے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ بہرحال، مسلمان ہونے کے بعد ان صاحب نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے زمانہ جاہلیت کا واقعہ سنایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم! میری ایک بیٹی تھی، آہستہ آہستہ وہ بڑی ہوگئی، مگر مجھے اس کا زندہ رہنا گوارہ نہ ہوا، میں ایک دن اس کو اس کی ماں سے بہانہ کر کے لے گیا، میں نے اس سے کہا کہ چلو ذرا گھومنے چلتے ہیں، پھر میں اس کو جنگل لے گیا، وہاں پر میں نے پہلے سے ایک کنواں کھودا ہوا تھا، وہاں جاکر میں نے اس سے کہا کہ میں یہ کنواں کھودنا چاہتا ہوں تاکہ پانی حاصل ہوجائے۔ میں تمہیں نیچے اتارتا ہوں، تم ڈول میں مٹی بھرنا، میں اس کو اوپر کھینچ لیا کروں گا۔ چنانچہ اس بیٹی نے میرا کہنا مانا، اور وہ نیچے اتر گئی، لیکن جیسے ہی وہ نیچے اتری، میں نے اوپر سے مٹی ڈالنی شروع کردی۔ بیٹی نے کہا ابا! آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟ مجھ پر مٹی گر رہی ہے، لیکن میں ایسا سنگدل تھا کہ مجھ پر اس کی کسی بات کا اثر نہ ہوا، اور میں برابر مٹی ڈالتا رہا، وہ مٹی پہلے اس کے گھٹنوں تک آئی، پھر پیٹ تک پھر گردن تک پھر بالآخر سر کے اوپر تک آگئی، یہاں تک کہ وہ زمین کے برابر ہوگئی، اور وہ بیٹی چیخ و پکار کرتی رہی، آخر اس کی چیخ و پکار بھی ختم ہوگئی اور میں اس طرح اس کو زندہ دفنا کر واپس آگیا۔

وہ صاحب کہتے ہیں کہ جب میں نے یہ واقعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا تو آپ کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے، اور فرمایا کہ ہائے تم نے یہ کیا کیا؟ اس طرح بھی وہ لوگ کیا کرتے تھے۔

مسلمانوں کا یہ طرزِ عمل درست نہیں

اسی طرح آج جو مسلمان بیٹی کی پیدائش پر نفرت کا اظہار کرتے ہیں، یا غصّہ کا اظہار کرتے ہیں، یا اس کی پیدائش کو اپنے لئے باعثِ ذلّت اور باعثِ عار سمجھتے ہیں، اور برملا اس کا اظہار کرتے ہیں، وہ غور کرلیں کہ ان کا یہ عمل کن لوگوں کے مشابہ ہے؟ یاد رکھئے! جس طرح بیٹا اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، اسی طرح بیٹی بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، دونوں کی پیدائش عین اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت کے مطابق ہے، اسلام نے آکر اس ظالمانہ رسم کا خاتمہ کیا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کا اس رسم سے کوئی واسطہ اور تعلق نہیں ہونا چاہئے اور بیٹی کی پیدائش پر ہرگز نفرت یا غصّہ کا اظہار نہ کرنا چاہئے، اور مسلمانوں کو اس سے باز رہنا چاہئے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح بچی کی پیدائش اللہ کی رحمت بتایا ہے اور اس کے ساتھ آپ نے جس مروت، محبّت اور شفقت کا اظہار فرمایا ہے، اس میں ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنی چاہئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ بہت ہی شفقت اور محبّت کا معاملہ فرمایا کرتے تھے۔ آپ کی چار بیٹیاں تھیں: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، حضرت زینب رضی اللہ عنہا، حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا۔ ان میں سے تین بیٹیاں جنّت البقیع میں ایک ہی جگہ پر آرام فرمارہی ہیں۔ اگر آپ جنّت البقیع میں بڑے دروازے سے داخل ہوں گے تو سامنے بائیں ہاتھ کی طرف ایک کونے میں تینوں بیٹیاں آرام فرما ہیں۔ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ایک قول کے مطابق حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے احاطہ میں آرام فرما ہیں، اور دوسرا قول یہ ہے کہ حجرہ شریف جس میں جالیاں لگی ہوئی ہیں،

اس میں ایک مزار نظر آتا ہے، وہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مزار ہے۔ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مکان حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کے بالکل برابر میں تھا، اور اب بھی وہ جگہ حجرہ شریف کے اندر ہی ہے، اس لئے بعض علماء نے اس دوسرے قول کو ترجیح دی ہے۔ پہلی تینوں بیٹیوں کا انتقال جلدی ہوگیا تھا، اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال آپ کے انتقال کے چھ ماہ بعد ہوا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر میں تشریف لے جاتے تو سب سے آخر میں حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے ملتے، اور جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے جاتے۔ اس قدر آپ شفقت اور محبت کا اظہار فرمایا کرتے تھے، آپ نے اپنے طرز عمل سے بیٹی کی عزت، اس کے ساتھ شفقت، اس کا احترام اور اس کے ساتھ محبت کا بیمثال نمونہ قائم فرمایا، تاکہ ہم بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں اپنی بیٹیوں کے ساتھ ویسا ہی سلوک کریں جیسا سلوک آپ نے کرکے دکھایا۔

بیٹی کی پرورش، جنّت میں جانے کا ذریعہ

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹیوں کی پرورش کرنے پر جتنے فضائل بیان فرمائے ہیں، بیٹے کی پرورش پر اس قدر بیان نہیں فرمائے:

> "حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سرکار دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کی تین بیٹیاں ہوں، یا تین بہنیں ہوں، اور وہ ان کے ساتھ احسان اور سلوک کا معاملہ کرے، ان کے ساتھ اچھا برتاؤ اور اچھا معاملہ کرے، (ان کے وجود کو اپنے لئے ذلت اور خواری کا باعث نہ سمجھے) تو اس کی بدولت وہ جنت میں داخل ہوگا۔" (ترمذی)

ایک دوسری حدیث جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:

"حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کی تین بیٹیاں یا تین بہنیں ہوں، یا دو بیٹیاں یا دو بہنیں ہوں، اور وہ ان کے ساتھ بہت اچھے طریقے سے زندگی گزارے (یعنی ان کے جو حقوق شریعت نے مقرر فرمائے ہیں وہ ادا کرے، ان کے ساتھ احسان اور سلوک کا معاملہ کرے، ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے، ان کے وجود کو اپنے لئے مصیبت اور باعثِ ذلّت نہ سمجھے) اور ان کے حقوق کی ادائیگی کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے تو اللہ تعالیٰ اس کی بدولت اس کو جنّت میں داخل فرمائیں گے۔" (ترمذی، باب ماجاء فی النفقۃ علی البنات)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"جس شخص کی تین بیٹیاں یا تین بہنیں ہوں، اور اس کو ان بیٹیوں یا بہنوں کی پرورش کا سابقہ پیش آئے اور وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ان کو پالے اور ان کو تہذیب اور ادب سکھائے اور ان کے کھلانے پلانے اور دیگر ضروریات کے انتظام کی تکلیف پر صبر کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے اس عمل کی وجہ سے اس کو جنّت میں داخل کردیں گے۔ کسی نے سوال کیا کہ اگر کسی کی دو بیٹیاں ہوں تو؟ آپ نے فرمایا دو بیٹیوں کا بھی یہی حکم ہے۔ پھر کسی نے سوال کیا کہ اگر کسی کی ایک بیٹی ہو (تو کیا وہ اس ثواب عظیم سے محروم رہے گا؟) آپ نے فرمایا کہ جو

شخص ایک بیٹی کی اس طرح پرورش کرے گا، اس کے لئے بھی
جنّت ہے۔ (اتحاف السادۃ المتقین)

دیکھئے، یہ فضیلت اور ثواب بیٹوں کی پرورش پر بیان نہیں فرمایا، بلکہ بیٹیوں کی پرورش پر بیان فرمایا ہے۔ اس لئے ہمیں بیٹیوں کی پرورش خوشدلی سے کرنی چاہئے۔

بیٹی جہنّم سے بچنے کا ذریعہ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جس شخص پر لڑکیوں کی پرورش اور دیکھ بھال کی ذمّہ داری ہو
اور وہ اس کو صبر و تحمّل سے انجام دے تو یہ لڑکیاں اس کے
لئے جہنّم سے آڑ بن جائیں گی۔ (ترمذی)

ماں کی شفقت کا عجیب واقعہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک قصّہ منقول ہے، وہ فرماتی ہیں کہ ایک خاتون میرے پاس آئی جس کے ساتھ اس کی دو لڑکیاں تھیں، اس خاتون نے مجھ سے سوال کیا، اس وقت میرے پاس سوائے ایک کھجور کے اور کچھ نہیں تھا، وہ کھجور میں نے اس کو دیدی، اس اللہ کی بندی نے اس کھجور کے دو ٹکڑے کئے اور ایک ایک ٹکڑا دونوں بچیوں کے ہاتھ پر رکھ دیا، خود کچھ نہیں کھایا، حالانکہ خود اسے بھی ضرورت تھی، اس کے بعد وہ خاتون بچیوں کو لے کر چلی گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے اس خاتون کے آنے اور ایک کھجور کے دو ٹکڑے کر کے دونوں بچیوں کو دینے کا پورا واقعہ سنایا۔

آپ نے فرمایا کہ جس کو دو بچیوں کی پرورش کرنے کی نوبت آئے اور وہ ان کے ساتھ شفقت کا معاملہ کرے تو وہ بچیاں اس کو جہنم سے بچانے کے لئے پردہ بن جائیں گی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت

دیکھئے، جنت میں داخل ہونے کا ذریعہ بھی بچیوں کی پرورش ہے، اور جہنم سے بچنے کا ذریعہ بھی بچیوں کی صحیح پرورش ہے۔ بلکہ ایک اور عظیم الشان فضیلت ایک حدیث میں آئی ہے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: وہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کی دو یا تین بیٹیاں ہوں اور وہ ان کی اچھے انداز سے پرورش کرے (اور جب شادی کے قابل ہو جائیں تو ان کی شادی کردے) تو میں اور وہ شخص جنت میں اس طرح داخل ہونگے جس طرح یہ دونوں انگلیاں ملی ہوئی ہیں۔ (ترمذی)

بیٹی کی پرورش پر تین فضیلتیں

تمام فضائل کا خلاصہ تین چیزیں ہیں۔ پہلی یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کے نتیجے میں دوزخ سے پناہ دیں گے، اور دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کے نتیجے میں جنت عطا فرمائیں گے جو ان کا مقامِ رضا اور نعمتوں اور راحتوں کا مقام ہے، تیسری یہ کہ جنت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمراہی نصیب ہوگی جو ساری کامیابیوں کا منتہا ہے۔ یہ تینوں فضیلتیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹیوں کی پرورش کرنے والوں کے لئے بیان فرمائی ہیں، تاکہ جن کے یہاں بچی پیدا ہو، وہ ہرگز اس کی پیدائش پر اظہارِ نفرت نہ کریں، اور اپنا دل ہرگز چھوٹا نہ کریں، اس کو اپنے لئے مصیبت نہ جانیں، اپنے لئے عار نہ سمجھیں، بلکہ صرف اللہ کی رضامندی کے لئے اس کی پرورش کریں، اور اللہ کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق اس کی

پرورش کریں۔ اس طرح انشاء اللہ بچی اس کے لئے جنت میں جانے کا ذریعہ ہوگی، جہنم سے بچنے کے لئے آڑ ہوگی، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنت میں معیّت کا ذریعہ بنے گی۔

لڑکی کی پیدائش پر زیادہ خوشی کا اظہار

ہمارے دین اسلام نے تو ہمیں یہ تعلیم دی ہے۔ لہٰذا اگر ہم بچی پر غصہ کریں یا ناراض ہوں، اور اپنے لئے اس کو ذلّت کا باعث سمجھیں تو یہ اسلامی طریقہ نہیں ہے، یہ کافرانہ طریقہ ہے، اور مسلمانوں کے لئے کافرانہ طریقہ اختیار کرنا ہرگز جائز نہیں۔ اس لئے بعض علماء نے لکھا ہے کہ چونکہ لڑکیوں کی پیدائش پر دل تنگ کرنا اور اس کو رُسوائی اور ذلّت کا باعث سمجھنا کافرانہ طریقہ ہے، اس لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ لڑکی کی پیدائش پر لڑکے کی پیدائش کے مقابلے میں زیادہ خوشی کا اظہار کریں، تاکہ کافروں کی اس بدترین رسم کی تردید ہو، اور اس رسم کا خاتمہ ہو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی روشنی میں لڑکی کی پیدائش باعثِ اجر ہے اور دوزخ سے نجات کا ذریعہ ہے اور جنّت میں جانے کا ذریعہ ہے اور جنت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیّت کا ذریعہ ہے۔ اس لئے اللہ کی رضا کے لئے اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق ہر مسلمان کو اپنی بیٹیوں کی پرورش خوش دلی سے کرنی چاہئے۔

بیٹیوں کے حقوق

بیٹیوں کی پرورش کی فضیلت کے ساتھ ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹیوں کے حقوق بھی بیان فرمائے ہیں۔ یہ وہ حقوق ہیں جو زمانہ جاہلیت میں بیٹیوں سے چھین لئے گئے تھے، آج بھی ان کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہیاں کی جاتی ہیں۔ اس لئے ان حقوق کو سمجھ لینا ضروری ہے، تاکہ ان میں کوتاہی نہ ہو۔

اولاد کے درمیان اظہارِ محبت میں برابری

زندگی میں کسی کو بیٹے سے زیادہ محبت ہوتی ہے، اور کسی کو بیٹی سے زیادہ محبت ہوتی ہیں، زیادہ تر لوگوں کو بیٹے سے زیادہ اور بیٹی سے کم محبت ہوتی ہے۔ جہاں تک محبت کا معاملہ ہے، اس کا تعلق دل سے ہے، اس میں انسان کو اختیار نہیں، اس لئے اس میں انسان برابری کرنے کا بھی مکلف نہیں۔ البتہ محبت کا اظہار اختیار میں ہے، اس کے اندر برابری کرنا ضروری ہے۔ بعض لوگ اظہارِ محبت میں بھی زیادتی کرتے ہیں، وہ بیٹے کو زیادہ پیار کرتے ہیں، بیٹے کو زیادہ چیز کھلاتے ہیں، اس کو زیادہ گھماتے پھراتے ہیں، اور بیٹی کو پوچھتے بھی نہیں ہے۔ اس طرح وہ اظہارِ محبت میں بیٹی کے ساتھ زیادتی کرتے ہیں، اور چونکہ یہ اظہارِ محبت اختیاری چیز ہے، اس لئے اس میں کمی بیشی کرنا غلط ہے۔ لہٰذا کبھی بھی کوئی باپ اپنی زبان سے یا کوئی ماں اپنے اختیار اور طرزِ عمل سے ایسا رویہ اختیار نہ کرے جس سے بچوں کو اندازہ ہو کہ ماں باپ کو فلاں سے زیادہ محبت ہے اور فلاں سے کم محبت ہے، ایسا نہ کریں۔ اگر ماں باپ ایسا کریں گے تو یہ ناانصافی ہوگی اور قیامت کے دن اس پر پکڑ ہوگی۔ لہٰذا اظہارِ محبت میں سب کے ساتھ یکساں معاملہ رکھنا ضروری ہے۔

اولاد کو دینے میں برابری

اور جس طرح اظہارِ محبت میں برابری کرنا ضروری ہے، اسی طرح ہدیہ اور تحفہ دینے میں بھی برابری کرنے کا حکم ہے۔ لہٰذا ماں باپ اپنی زندگی میں اولاد کے درمیان اگر پیسے تقسیم کریں، یا کپڑا تقسیم کریں، یا کھانے پینے کی کوئی چیز تقسیم کریں تو اس میں برابری کرنا ضروری ہے، اور لڑکی کو بھی اتنا ہی دیں جتنا لڑکے کو دیں، یہ نہ کریں کہ لڑکے کو زیادہ دے دیں اور لڑکی کو کم دیں، یا لڑکی کو زیادہ دیدیں اور لڑکے کو کم دیں، بلکہ برابری کریں۔

یہ برابری کرنا اس صورت میں ضروری ہے جب ماں باپ ضرورت سے زائد اور خوشی کے مواقع پر اولاد کے درمیان کچھ تقسیم کریں، جیسے عید کے موقع پر عیدی برابر تقسیم کریں، یا سفر سے واپسی پر تحفہ دیں تو اس میں برابری کریں۔

ضرورت کے مواقع مستثنیٰ ہیں

لیکن اگر ماں باپ ضرورت کے مواقع پر اولاد میں سے کسی پر کچھ خرچ کر رہے ہیں، مثلاً بیماری کے موقع پر خرچہ کر رہے ہیں، یا کسی کی تعلیم پر خرچہ کر رہے ہیں، یا مثلاً بیٹا یا بیٹی سفر پر جا رہے ہیں، اور کسی کا سفر چھوٹا ہے اور کسی کا سفر لمبا ہے، ایک کو سفر میں زیادہ پیسوں کی ضرورت ہوگی، اور دوسرے کو کم پیسوں کی ضرورت ہوگی۔ اس طرح کے ضرورت کے مواقع پر اولاد پر خرچ کرنے میں کمی بیشی کرنے میں کوئی گناہ اور پکڑ نہیں، بلکہ جس اولاد کو جتنی ضرورت ہے، باپ اس کو اتنا دے سکتا ہے۔ لہٰذا حسب ضرورت دینے میں کمی بیشی ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

زندگی میں تقسیم جائیداد ضروری نہیں

اسی طرح بیٹی کا ایک بہت بڑا حق اور ہے، وہ یہ جب کوئی باپ اپنی زندگی میں اپنا مال و جائیداد اولاد میں تقسیم کرنا چاہے تو اس سلسلے میں پہلی بات یہ سمجھ لینی چاہئے کہ زندگی میں اپنا مال و جائیداد اولاد میں تقسیم کرنا ضروری نہیں۔

زندگی میں جائیداد پر اولاد کا حق نہیں

اسی طرح یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ ماں باپ کی صحت والی زندگی میں ان کے مال و جائیداد میں اولاد کا کوئی حق نہیں ہے، بلکہ ماں باپ اپنی جائیداد کے مالک ہیں، ان کو اختیار ہے کہ وہ اپنی جائیداد اپنی زندگی میں اولاد کے درمیان تقسیم کریں اور

چاہیں تو تقسیم نہ کریں، اولاد ان سے یہ مطالبہ نہیں کر سکتی کہ جو کچھ آپ نے کمایا ہے، ہمارے درمیان تقسیم کردیجئے اور ہمارا حق ہمیں دیدیجئے۔ یہ مطالبہ اولاد کو نہیں کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ جب زندگی میں اولاد کا حق ہی نہیں ہے تو پھر مطالبہ کیسا؟ کیونکہ ماں باپ کی صحت والی زندگی میں جائیداد پر اولاد کا کوئی حق نہیں ہے۔

یہ اس لئے عرض کردیا کہ بعض اولاد ماں باپ پر اس طرح زیادتی کرتی ہے کہ وہ ماں باپ کو مجبور کرتی ہے کہ آپ کو تو اب اس جائیداد کی ضرورت نہیں آپ کو اس کا کیا کرنا ہے؟ یہ سب ہمارا حق ہے، آپ اپنی زندگی میں اس کو تقسیم کر کے فارغ کردیجئے۔ آپ کے مرنے کے بعد معلوم نہیں کوئی ہمیں دے یا نہ دے، یا آپ کے بعد ہمارے درمیان جھگڑا ہوجائے، اس لئے آپ ہمیں ابھی دے کر فارغ ہوجائیں۔ یاد رکھئے! جب اولاد کو ان کی زندگی میں ان کی جائیداد پر کوئی حق نہیں ہے تو زبردستی تقسیم کرانا اور تقسیم کرنے پر زور دینا کیسے درست ہوگا؟ ماں باپ اس جائیداد کے مالک ہیں، اور تقسیم کرنا یا نہ کرنا ان کی مرضی پر موقوف ہے، ان کے ذمہ تقسیم کرنا ضروری نہیں۔ ہاں اگر وہ اس میں اپنی مصلحت سمجھتے ہیں تو زندگی میں تقسیم کردیں، اگر تقسیم نہ کریں تو بھی ان کو اختیار ہے۔

زندگی میں سب اولاد کو برابر دے

لیکن اگر ماں باپ اپنی زندگی میں اپنی جائیداد اولاد کے درمیان تقسیم کرنا چاہیں تو اس میں افضل یہ ہے کہ مال و جائیداد میں سے جتنا حصہ ایک بیٹے کو دیں، بیٹی کو بھی اس کے برابر دیں۔ شریعت کا یہ حکم کہ لڑکی کا لڑکے کے مقابلے میں آدھا حصہ ہے، یہ حکم باپ کے انتقال کے بعد اس کی میراث میں ہے، اور یہ قاعدہ دراصل اصول میراث کا ہے، جس میں لڑکی کو لڑکے کے مقابلے میں آدھا حصہ ملتا ہے اور میراث کا یہ قاعدہ ماں باپ کے مرنے کے بعد جاری ہوتا ہے۔ زندگی کا قاعدہ یہ ہے

کہ لڑکی کو لڑکے کے برابر دیا جائے، اس لئے کہ دونوں اس کی اولاد ہیں، دونوں ہی اس کا خون ہیں، دونوں ہی اس کی نظروں میں برابر ہیں۔ اس لئے باپ کو چاہئے کہ اپنا مال و جائیداد سب میں برابر تقسیم کرے۔ البتہ بعض علماء نے اس کی گنجائش دی ہے کہ اگر کوئی شخص برابر نہ دینا چاہے تو یہ بھی کر سکتا ہے کہ بیٹی کو اتنا دے جتنا میراث میں اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے مقرر فرمایا ہے، یعنی جتنا لڑکے کو دے رہا ہے اس کا آدھا لڑکی کو دے۔ مثلاً اگر دس لاکھ روپے لڑکے کو دے رہا ہے تو لڑکی کو پانچ لاکھ روپے دے، اس سے کم کرنا باپ کے لئے جائز نہیں۔

نکاح سے بیٹی کا حق ساقط نہیں ہوتا

ہمارے معاشرے کا یہ حال ہے کہ اول تو بیٹیوں کو زندگی میں مال و جائیداد دیا ہی نہیں جاتا، اگر ان سے کہا جائے کہ تم نے سب کچھ بیٹوں کو دیدیا، بیٹیوں کو کچھ نہ دیا تو جواب یہ دیا جاتا ہے کہ ہم نے ان کی شادی تو کردی، جو کچھ بیٹی کی شادی کے موقع پر جہیز کی شکل میں دیا ہے اس سے اس کا حق ادا ہوگیا۔ یاد رکھئے! یہ بالکل غلط ہے، جس طرح بیٹی کو جہیز دینے سے بیٹی کا حق میراث ختم نہیں ہوتا، اسی طرح بیٹی کو جہیز دینے سے اس کو اپنے مال و جائیداد سے محروم کرنا بھی درست نہیں۔ جس طرح باپ نے بیٹے کی شادی میں خرچ کیا ہے، اسی طرح بیٹی کی شادی میں بھی خرچ کیا، بلکہ عام طور پر یہ دیکھا جاتا ہے کہ بیٹے کی شادی میں بیٹی کی شادی کے مقابلے میں زیادہ خرچ کیا جاتا ہے۔ حالانکہ شادی بیاہ کے خرچ میں بھی برابری کا خیال کرنا چاہئے، جس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ رقم کی ایک خاص مقدار اپنی مالی حیثیت کے مطابق مقرر کرلیں کہ مجھے ہر بیٹے اور بیٹی کی شادی کے موقع پر اتنی رقم خرچ کرنی ہے۔ پھر اسی مقررہ رقم میں سے بیٹے اور بیٹی کے لئے سامانِ ضرورت خریدے، اور اگر پیسے بچ جائیں تو وہ نقد کی شکل میں ان کو دیدے۔ ایسا نہ کرے کہ ایک بچے کی

شادی پر زیادہ خرچ کردے اور دوسرے کی شادی پر کم خرچ کرے۔ یہ بھی ایک طرح کی ناانصافی ہے، جو شرعاً ناپسندیدہ ہے، اس سے بھی بچنا چاہئے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ ہم نے بیٹی کی شادی پر سب کچھ اس کو دیدیا، اب اس کا کوئی حق نہیں، زندگی میں بھی اس کا کوئی حق نہیں، اور مرنے کے بعد بھی میراث میں اس کا کوئی حق نہیں، یہ سراسر اس کی حق تلفی ہے، جو جائز نہیں۔ ہمارے دین میں ایسا کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

عملی قبضہ ضروری ہے

زندگی میں مال و جائیداد کی تقسیم کے سلسلہ میں ایک بات اور یاد رکھنی چاہئے کہ بعض والدین اپنی زندگی میں اپنی جائیدادیں اس طرح تقسیم کرتے ہیں کہ وہ انہیں اپنے مختلف بیٹوں اور بیٹیوں کے نام کردیتے ہیں۔ مثلاً فلاں مکان اس بیٹے کا، فلاں دکان اس لڑکے کی، فلاں فلیٹ اس بیٹی کا، اور فلاں پلاٹ فلاں لڑکی کا۔ لیکن یہ سب محض زبانی یا تحریری ہوتا ہے، باقاعدہ ہر ایک کا حصّہ جدا کر کے عملاً اس کے قبضہ میں نہیں دیا جاتا، بلکہ عام طور پر قبضہ والدین ہی کا رہتا ہے، یا ایک قابل تقسیم جائیداد ایک سے زیادہ اولاد کے نام کردی مثلاً ایک بڑی دوکان یا مکان یا بنگلہ یا پلاٹ دو تین لڑکوں کے نام کردیا، لیکن باقاعدہ تقسیم کر کے ہر ایک کے حصّہ پر اس کا عملی قبضہ نہیں کروایا۔ یاد رکھئے! شرعاً اس طرح محض زبانی یا تحریری طور پر دینے اور نام کرنے کا کوئی اعتبار نہیں، اگر اس طرح جائیداد دی گئی تو کوئی اولاد اس کی مالک نہیں بنے گی، بلکہ وہ جائیداد بدستور باپ کی ملکیت میں رہے گی، اور باپ کے مرنے کے بعد شرعی اصول کے مطابق وارثوں کے درمیان تقسیم کرنا ضروری ہوگا۔

زندگی میں جائیداد تقسیم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جو کچھ تقسیم کرے، پہلے اس کے الگ الگ حصّے کرے، اور پھر اولاد کا عملی قبضہ کرائے، اور اگر جائیدادیں مختلف ہیں تو کم از کم ان کے کاغذات اور ان کی چابیاں ان کے قبضے میں دیدے، اور باپ

اپنا قبضہ ان پر سے ختم کردے۔ عام طور پر دارالافتاء میں یہ سوال آتے رہتے ہیں کہ باپ نے زندگی میں جائیداد تقسیم کردی، اور ان کے نام بھی کردی، لیکن عملی قبضہ بالکل نہیں کروایا۔ ظاہر ہے کہ یہ ساری تقسیم بیکار ہے، اس لئے کہ شرعاً کوئی جائیداد محض کسی کے نام کرنے سے وہ اس کا مالک نہیں بن جاتا اور جب مالک نہیں بنتا تو باپ کے مرنے کے بعد شریعت کے مطابق دوبارہ اس کی تقسیم ضروری ہوگی۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اگر کوئی شخص زندگی میں اپنی جائیداد تقسیم کرنا چاہتا ہو تو پہلے کسی مفتی سے اس کا مفصل طریقۂ کار معلوم کرے اور پھر اس کے مطابق تقسیم کرے، تاکہ اس کی یہ تقسیم شرعاً معتبر ہو جائے۔

یہ بیٹی پر ظلم ہے

بہرحال، بیٹی کو کم دینا یا بالکل نہ دینا شرعاً ظلم ہے اور ناجائز ہے۔
حدیث شریف میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿من قطع میراث وارثہ قطع اللّٰہ میراثہ من الجنۃ﴾

یعنی جس شخص نے اپنے وارث کی میراث کو ختم کیا تو اللہ تعالیٰ جنت میں سے اس کا حصہ ختم کردیں گے۔ بہرحال، یہ ساری ناانصافی دراصل اس جاہلانہ تصوّر کی بنیاد پر ہے جو زمانہ جاہلیت سے چلی آرہی ہے، جیسے کفار عرب لڑکی کو کسی قابل نہیں سمجھتے تھے، بلکہ وہ تو اس کو زندگی کا حق بھی نہیں دیتے تھے، اسی کا تھوڑا سا اثر مسلمانوں کے اندر باقی ہے کہ وہ بیٹی کو میراث سے محروم کردیتے ہیں، اور زندگی میں بھی مال و جائیداد کی تقسیم کرتے وقت اس کو محروم کردیتے ہیں، اور رسمی طور پر شادی بیاہ میں برائے نام اس کو کچھ دیکر یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے ان کا حق ادا کردیا، اب باقی مال و جائیداد سے ان کا کوئی تعلق نہیں، وہ صرف لڑکوں کے لئے ہے۔ مسلمانوں کا یہ طرز عمل درست نہیں۔ بلکہ زندگی میں بیٹی اور بیٹے کا حق برابر ہے،

لہٰذا ان کے ساتھ انصاف کرنا چاہئے، ناانصافی کر کے گناہگار نہ ہونا چاہئے۔

البتہ جیسے اوپر عرض کیا کہ ضرورت کے مواقع پر کمی بیشی کرنے میں کوئی حرج نہیں، جیسے کوئی بیٹی بہت محتاج اور فقیر ہے، اس کو مکان کی زیادہ ضرورت ہے، جبکہ بیٹا مالدار ہے، اس کے پاس ہر چیز موجود ہے۔ اس لئے اگر وہ بیٹی کو بیٹے سے کچھ زیادہ دے دے تو چونکہ یہ ضرورت کی وجہ سے دینا ہے، اس لئے اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن اگر سب ضرورت مند ہیں، اور مالی اعتبار سے سب برابر ہیں تو پھر برابر ہی دینا چاہئے، کمی بیشی نہیں کرنی چاہئے۔

خلاصہ: دو باتیں

پورے بیان کا خلاصہ دو باتیں ہوئیں: پہلی بات یہ ہے کہ بچی کی پیدائش پر غم و غصہ اور نفرت کا اظہار ناجائز ہے، یہ ہرگز اسلامی طریقہ نہیں ہے، اسلام نے اس کی مذمت کی ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و فعل سے اس کو باطل قرار دیا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو اس سے بچنا چاہئے، اور جب کسی کے گھر بچی پیدا ہو تو وہ اس کی پیدائش پر ایسی ہی مسرت کا اظہار کرے، جس طرح وہ بیٹے کی پیدائش پر اظہارِ مسرت کرتا ہے، البتہ دل دل میں بیٹے کی پیدائش کی زیادہ خوشی محسوس ہونا مذموم نہیں، یہ فطری بات ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹی کی پرورش پر جو فضائل اور اجر و ثواب کا ذکر فرمایا ہے، اس پر یقین رکھے، اور اس پر مطمئن رہے، اور یہ سوچے کہ یہ ایک بچی بھی میرے لئے جنت میں جانے کا ذریعہ بن سکتی ہے، اور دوزخ کے عذاب سے بچنے کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ لہٰذا نہایت خوش دلی کے ساتھ جس طرح بیٹوں کی پرورش کرتا ہے، اسی طرح بیٹیوں کی بھی پرورش کرے۔

بیٹا ہونے کا تعویذ

آخر میں بطور تتمہ ایک بات اور عرض کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ بعض لوگوں کے یہاں صرف بیٹیاں ہی بیٹیاں پیدا ہوتی ہیں، اور ان کو بیٹے کی خواہش ہوتی ہے، اور جن کے یہاں بیٹیاں ہوتی ہیں، ان کو ان کے رشتوں کی فکر بھی ہوتی ہے، جو ایک فطری بات ہے۔ شریعت اس سے انکار نہیں کرتی۔ اس لئے تدبیر کے درجے میں ایک عرض ہے کہ اگر کسی کے یہاں بیٹیاں ہی بیٹیاں ہوں، اور اس کے یہاں بیٹا نہ ہوتا ہو تو اس کے لئے حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بیاض میں ایک عمل لکھا ہے، وہ یہ کہ سورۂ یوسف کو کسی کاغذ پر باریک باریک اس طرح لکھے کہ اس کے حروف نہ مٹیں اور پھر اس کو موم جامہ کر کے کوئی خاتون اپنے پیٹ پر باندھ لے، جب تک وہ تعویذ اس کے پیٹ پر بندھا رہے گا، انشاء اللہ لڑکا ہی پیدا ہوگا۔ بعض دوستوں نے اس کا تجربہ کر کے بتایا کہ ہم نے اس کو درست پایا۔

دوسرا عمل

ایک اور عمل مجھے اپنے بزرگوں سے حاصل ہوا ہے۔ وہ یہ کہ جب کسی کی بیوی امید سے ہو، اور اس کی یہ خواہش ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے بیٹا عطا فرمادے تو وہ عورت اپنی شہادت کی انگلی کو اپنی ناف کے اردگرد گھمائے اور اکتالیس مرتبہ "یَامَتِیْنُ" پڑھے، اور پڑھنے کے بعد یہ کہے کہ یا اللہ! میرے پیٹ میں جو بچہ ہے، میں نے اس کا نام آپ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر "محمد" رکھ دیا۔ اس عمل کی یہ برکت ہے کہ اس سے لڑکا پیدا ہوتا ہے کیونکہ "محمد" نام کا لڑکا ہی ہو سکتا ہے، لڑکی نہیں ہو سکتی۔ لیکن یہ سب تدبیریں ہیں، اگر اللہ تعالیٰ چاہیں تو کسی کو ان تدابیر کے اختیار کرنے کے باوجود لڑکی عطا فرمادیں، اور کتنے لوگ ایسے ہیں کہ ان کو ان تدبیروں کے بغیر لڑکا عطا فرما دیتے ہیں۔ یہ تدابیر ایسی ہیں جیسے دوا، کہ ایک ہی دوا

ایک وقت میں کام کرتی ہے اور دوسرے وقت میں کام نہیں کرتی۔ دو مریض ہیں اور ان دونوں کو ایک ہی بیماری ہے، ایک دوا سے اس کو صحت حاصل ہو رہی ہے، اور دوسرے کو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہو رہا ہے۔ لہٰذا جس طرح دواؤں کے اثرت ہیں، ان تدابیر کے اندر بھی اثرات ہیں، وہ اثرات دراصل اللہ تعالیٰ کے حکم کے محتاج ہیں۔ اب آدمی کا کام ہے کہ دوا بھی کرے، تدابیر بھی اختیار کرے، اور اس کے ساتھ دعا بھی کرے۔ پھر جو کچھ اللہ تعالیٰ عطا فرمائے اس پر راضی رہے۔ اسی کا نام عبدیت اور بندگی ہے۔

رشتے کے لئے مجرّب عمل

اسی طرح آج کل ہمارے معاشرے میں بہت سے ماں باپ بچوں کے رشتوں کے سلسلے میں پریشانی کا شکار ہیں۔ اس کے بارے میں بھی بزرگوں سے ایک مجرّب عمل منقول ہے، وہ یہ کہ جس لڑکے یا لڑکی کا رشتہ نہ ہوتا ہو، وہ روزانہ ایک مرتبہ سورۂ مریم پڑھ لیا کرے، اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کر لیا کرے کہ یا اللہ! اپنے فضل سے مجھے نیک رشتہ عطا فرما۔ چالیس دن تک یہ عمل کرلے تو انشاء اللہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس کے لئے رشتہ عطا فرما دیتے ہیں، اور اگر چالیس دن تک یہ عمل کرنے کے بعد بھی رشتہ نہ ہو تو پھر دوسرا چلّہ شروع کردے۔ اگر اس میں بھی کام نہ ہو تو تیسرا چلّہ شروع کردے۔ تین چار چلّوں کے بعد انشاء اللہ ضرور رشتہ طے ہو جائے گا۔ تاہم جب تک مقصد پورا نہ ہو یہ عمل جاری رکھے۔ بہت سے حضرات نے اس کا بھی تجربہ کر کے بتایا کہ انہوں نے اس عمل کو مجرّب پایا ہے۔

سب سے بڑا اور اصل وظیفہ تو دعا ہے، بس جس کی نرینہ اولاد نہ ہوتی ہو، وہ گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرے۔ اگر بچوں کے رشتے نہ آتے ہوں تو وہ تنہائی میں دو رکعت صلوٰۃ الحاجۃ پڑھ کر گڑگڑا کر دعا کرے، اور اس اہم کام کے لئے اس کا

معمول بنالے، انشاء اللہ ضرور رشتے ہوجائیں گے۔ تاہم یہ سب کام تقدیر کے مطابق ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے جو کام جس وقت کے لئے اور جہاں مقرر کردیا ہے، اس کے مطابق وہ کام ہوتا ہے۔ لہٰذا دعا کرتا رہے، اور تقدیر پر ایمان کو تازہ کرتا رہے، اس سے آدمی کی پریشانی کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جائز تدبیر اختیار کرے، دعا کرے اور تقدیر کو یاد کرے، اور اس پر راضی رہے، اور تاخیر میں یا رشتہ وغیرہ نہ ہونے میں یہ سمجھے کہ میرے لئے اس میں کوئی نہ کوئی حکمت اور مصلحت ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم کو سُنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العٰلمین

مسلمانوں کے چار دشمن

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی بیانات: جلد نمبر: ۲

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مسلمانوں کے چار دشمن

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات أعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، ونشھد أن لا الہ إلا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہٗ ونشھد أن سیدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہٗ، صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلٰی اٰلہ وأصحابہ وبارک وسلم تسلیمًا کثیرًا کثیراً۔

اما بعد!

فأعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم۔ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

﴿اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْہُ عَدُوًّا، اِنَّمَا یَدْعُوْ حِزْبَہٗ لِیَکُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ۝﴾ صدق اللّٰہ العظیم (سورۃ فاطر: ٦)

مسلمانوں کے چار دشمن

میرے قابلِ احترام بزرگو! گزشتہ جمعہ کو ناچیز نے آپ کی خدمت میں یہ عرض کیا تھا کہ ہر مسلمان کے اس دنیا میں چار دشمن ہیں، جن میں سے دو دشمن نظر نہیں آتے:

- ایک دشمن نفس ہے۔
- دوسرا دشمن شیطان ہے۔

دو دشمن وہ ہیں جو نظر بھی آتے ہیں:

○ ایک کفار، مشرکین، یہودی اور عیسائی۔

○ دوسرے منافقین۔

یہ چاروں مسلمانوں کے دشمن ہیں اور یہ ایسے دشمن ہیں کہ ان سے بڑھ کر مسلمانوں کا کوئی دشمن نہیں ہے۔ یہ چاروں مسلمانوں کی عزت کے بھی دشمن ہیں، مال کے بھی دشمن ہیں، اور اس سے بڑھ کر دین و ایمان کے دشمن ہیں۔ دین و ایمان جو مسلمان کی سب سے بڑی دولت ہے، اصلاً یہ اسی کے دشمن ہیں۔ آج یہ بتانا چاہتا ہوں کہ یہ نفس اور شیطان کس طرح مسلمان کو بہکاتے ہیں اور ان چاروں دشمنوں سے بچنے کا طریقہ کیا ہے؟ تاکہ ہم ان کے شر سے محفوظ ہوسکیں اور اپنے دین و ایمان کو بچا کر سلامتی کے ساتھ آخرت میں لے جاسکیں۔ اس لئے کہ آخرت کا اصل سرمایہ یہی ایمان ہے اور ان دشمنوں کی خواہش یہ ہے کہ آخرت میں یہ مسلمان نہ تو ایمان سلامتی کے ساتھ لے جاسکیں اور نہ اعمال لے جاسکیں۔ اور جس طرح یہ خود جہنمی اور دوزخی ہیں، اسی طرح مسلمانوں کو بھی جہنمی اور دوزخی بنالیں۔ اور جس شخص کے جتنے زیادہ دشمن ہوتے ہیں اور جتنے بڑے دشمن ہوتے ہیں، وہ اتنا ہی ہوشیار اور محتاط زندگی گزارتا ہے اور اپنی حفاظت کا اہتمام کرتا ہے۔ اب ہمارے دشمن تو بڑے بڑے ہیں، لیکن اس کے باوجود ہم ہوشیاری کے ساتھ محتاط نہیں رہتے، بلکہ لاپرواہی کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں اور ان دشمنوں سے اپنے دین و ایمان کو بچانے کا خاص اہتمام نہیں کرتے۔

نفس امّارہ کے بہکانے کا انداز

علماء کرامؒ نے فرمایا کہ انسان کا جو نفس ہے، یہ تربیتی مجاہدوں اور ریاضتوں کے بعد تو قابو میں آجاتا ہے اور پھر لوّامہ اور پھر مطمئنہ بن جاتا ہے، لیکن تربیت سے پہلے یہ امّارہ ہوتا ہے۔ اپنی اصل فطرت کے لحاظ سے یہ بھی انسان کو بہکاتا ہے۔ اس کے بہکانے کا طریقہ یہ ہے کہ یہ انسان کے دل میں طرح طرح کی خواہشات پیدا

کرتا ہے۔ ہمارے دلوں میں خواہشات کا جو سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے اور روزانہ نئی نئی خواہشات ہمارے دل میں پیدا ہوتی ہیں، جن میں کچھ اچھی خواہشات ہوتی ہیں اور کچھ بُری خواہشات ہوتی ہیں، کچھ جائز خواہشات ہوتی ہیں اور کچھ ناجائز خواہشات ہوتی ہیں، یہ دراصل ہمارے نفس کی کارستانی ہوتی ہے۔ "نفس لوّامہ" ہمارے دل میں اچھی اچھی باتوں کے خیالات ڈالتا ہے اور ناجائز اور گناہوں کی خواہشات، گناہوں کے تقاضے اور جذبات "نفس امّارہ" کی جانب سے پیدا ہوتے ہیں۔ یہ نفس امّارہ ہمارا دشمن ہے جو ہر وقت ہمارے ساتھ ساتھ ہے، اس کا کام ہی یہ ہے کہ وہ ہمارے دل میں بُرے کاموں کی خواہشات پیدا کرتا رہتا ہے۔

نفس گناہ پر مجبور نہیں کرتا

لیکن ان خواہشات کو عملی جامہ پہنانا انسان کا کام ہوتا ہے، کسی کا نفس بھی کسی کو زبردستی کسی کام پر مجبور نہیں کرتا، بس ایک خواہش پیدا کرتا ہے، اب آگے سنبھلنا ہمارا کام ہے۔ اگر اچھی خواہش پیدا ہوئی ہے تو اب ہمارا کام یہ ہے کہ اس خواہش کو عملی جامہ پہنائیں اور اس نیک کام کو انجام دیں۔ اور اگر کسی گناہ کی خواہش اور جذبہ ہمارے دل میں پیدا ہوگیا ہے تو صرف خواہش اور خیال کی حد تک تو ہمارے اوپر کوئی گناہ نہیں، لیکن اگر ہم نے اس کو عملی جامہ پہنادیا تو بس اب گناہ وجود میں آگیا اور ہمارے عمل سے وہ گناہ پایا گیا۔

مثلاً کسی مرد کے دل میں اس کے نفس نے یہ خواہش پیدا کی کہ فلاں نامحرم عورت کو بُری نیت سے دیکھے یا کسی عورت کے دل میں یہ خیال ڈالے کہ وہ کسی نامحرم مرد کو بُرے ارادے سے دیکھے۔ اب اگر اس خیال پر عمل نہیں کیا اور نامحرم کو نہیں دیکھا تو کوئی گناہ نہیں، لیکن اگر اس خواہش پر عمل کرلیا اور اپنے اختیار سے دیکھ لیا تو بس گناہ وجود میں آگیا۔ اس طرح یہ نفس ہمارے اندر نئی نئی خواہشات پیدا کرتا رہتا ہے اور ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری ہے، چاہے وہ بچہ ہو، یا

بوڑھا ہو، یا جوان ہو، مرد ہو یا عورت ہو، امیر ہو یا فقیر ہو، ہر شخص کے دل میں خواہشات کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری ہے۔ لہٰذا یہ نفس انسان کے اندر خواہشات پیدا کرتا ہے اور خواہشات کے ذریعہ انسان کو گناہوں کی دعوت دیتا ہے، نفس کا انسان کو گناہ میں مبتلا کرنے کا یہی طریقہ ہے۔

شیطان کے بہکانے کا طریقہ

شیطان کا انسان کو بہکانے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ گناہوں کو اور گناہوں کی باتوں کو خوشنما اور خوبصورت بنا کر انسان کے ذہن میں ڈالتا ہے۔ کوئی گناہ ایسا نہیں ہے جس میں مزہ اور لذت نہ ہو، اگر گناہ کے اندر لذت نہ ہوتی تو کون گناہ کرتا، گناہ میں لذت کی وجہ سے انسان گناہ کی طرف لپکتا ہے۔ لہٰذا یہ شیطان گناہ کی لذت اور اس کے فوائد اس کے ذہن میں لاکر اس کو گناہ کی طرف آمادہ کرتا ہے۔ اور انسان کے دل میں وسوسے اور خیالات ڈالتا ہے، مثلاً ٹی وی دیکھنا ہے، اس میں کچھ فوائد بھی ہیں اور نقصانات بھی ہیں، اب شیطان نے انسان کے دل میں اس کے فوائد کو ایسا مزین اور آراستہ کر کے پیش کیا کہ اچھے اچھے سمجھدار اور دین دار بھی اس ٹی وی دیکھنے کے گناہ کے اندر مبتلا ہو گئے۔ لہٰذا انسان کا نفس تو انسان کے دل میں خواہشات پیدا کر کے اس کو گناہ کی دعوت دیتا ہے اور شیطان وساوس اور خیالات انسان کے دل میں ڈال کر اس کے ذریعہ گناہ میں مبتلا کرتا ہے۔

حضرت مجذوب رحمۃ اللہ علیہ نے نفس اور شیطان کے بارے میں یہ اشعار ارشاد فرمائے ہیں ؎

نفس اور شیطان ہیں خنجر در بغل
وار ہونے کو ہے اے غافل سنبھل

یعنی نفس و شیطان بغل میں خنجر لئے کھڑے ہیں تاکہ تمہیں گناہ کے اندر مبتلا کردیں۔ اور ہر وقت وار کرنے کو تیار کھڑے ہیں، ایک گناہ سے بچ جائے تو دوسرے گناہ میں مبتلا کردیں اور اس سے بچ جائے تو تیسرے گناہ میں مبتلا کردیں۔ بس اسی

کوشش میں رہتے ہیں کہ کسی طرح یہ انسان گناہ کر بیٹھے، نافرمانی کر بیٹھے، نماز چھوڑ دے، جماعت چھوڑ دے، جھوٹ بول دے، غیبت کرلے وغیرہ۔

پھر آگے فرماتے ہیں ۔ آ نہ جائے دین و ایمان میں خلل
باز آ ہاں باز آ، اے بدعمل
ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

یعنی جہاں کسی شخص نے اپنے نفس کی ناجائز خواہش پر عمل کیا اور شیطان کے ڈالے ہوئے وسوسے پر عمل کیا، تو بس نفس و شیطان کا وار چل گیا اور وہ شخص گناہ کے اندر مبتلا ہوگیا، اور اس کے ایمان اور عمل میں خلل آگیا۔ اور جس شخص نے اپنے نفس کی ناجائز خواہش کو دبالیا اور شیطان کے ڈالے ہوئے وسوسے کو دل سے نکال باہر کیا، تو بس ان کا وار خالی چلا گیا اور وہ شخص بچ گیا۔

نفس وشیطان کے حملوں سے بچنے کا بہترین طریقہ

ہمارے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نفس و شیطان کے حملوں سے بچنے کا ایک بہترین طریقہ ارشاد فرمایا ہے: وہ یہ کہ جب انسان کے دل میں کسی گناہ کا خیال اور کسی بُرائی کا وسوسہ پیدا ہو تو فوراً اس خیال اور وسوسے کو دل سے باہر کردے اور نفس اور شیطان سے کہہ دے کہ مجھے یہ کام نہیں کرنا ہے۔ اور وسوسہ جب تک وسوسہ ہے وہ غیر اختیاری ہونے کی وجہ سے نہ تو گناہ ہے اور نہ مضر ہے۔

بعض لوگوں کو اس بات سے بڑی پریشانی ہوتی ہے کہ ان کے دل میں گندے خیالات اور وسوسے آتے ہیں، کبھی وہ وسوسے اللہ تعالیٰ کی شان میں ہوتے ہیں اور کبھی اللہ کے رسول کی شان میں ہوتے ہیں، کبھی آخرت کے معاملے مین، کبھی قرآن کریم کے بارے میں بُرے بُرے خیالات آتے ہیں جس کی وجہ سے وہ پریشان

رہتے ہیں۔ تو یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ وسوسوں کا اور خیالات کا آنا غیر اختیاری چیز ہے اور انسان غیر اختیاری چیزوں کا مکلف نہیں، اور جب مکلف نہیں تو وہ گناہ بھی نہیں ہے۔ لہٰذا کتنے ہی بُرے سے بُرے خیالات آجائیں، ان کی وجہ سے آدمی گناہ گار نہیں ہوتا، جب گناہ گار نہیں تو پھر ان خیالات کے آنے پر نہ تو غم کرنا چاہئے اور نہ ہی پریشان ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ وہ جتنا ان کی فکر کرے گا تو شیطان اور زیادہ پریشان کرے گا اور پھر اور زیادہ بُرے وسوسے اور بُرے خیالات ذہن میں ڈالے گا۔ لہٰذا اس کا فوری علاج یہ ہے کہ آدمی یہ بات ذہن میں لائے کہ یہ آنیوالے خیالات غیر اختیاری ہیں اور غیر مضر ہیں۔

گناہ کا خیال دل سے فوراً نکال دو

لیکن گناہ کا خیال دل میں آنے کے بعد اگر کسی شخص نے اس خیال کو ذہن میں باقی رکھ لیا اور اس خیال کو اپنے ذہن میں گھمانا شروع کر دیا تو یہ اب اس شخص کا اپنا عمل ہے، اب وہ خیال غیر اختیاری نہ رہا بلکہ اختیاری بن گیا اور اس گناہ کی بنیاد پڑ گئی۔ پھر اگر وہ اس گناہ کے خیال پر عمل کرلے گا تو اس عمل کی جڑ اور بنیاد اسی اختیاری خیال پر ہوگی۔ اگر وہ شخص شروع ہی میں اس خیال کو نکال دیتا تو گناہ کی بنیاد قائم نہ ہوتی، لیکن اس نے اس خیال کو باقی رکھا تو گناہ کی بنیاد پڑ گئی اور اس پر گناہ کی عمارت کھڑی ہو گئی۔

لہٰذا جب بھی کسی گناہ کا خیال اور وسوسہ آئے تو اس کو فوراً نکال دو، جس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اپنی توجہ کو اس گناہ کی طرف سے ہٹا کر اللہ تعالیٰ کی طرف کرلو، اللہ تعالیٰ کے ذکر میں لگ جاؤ، اللہ تعالیٰ کے کمالات اور خوبیاں سوچنا شروع کردو۔ مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ کیسے مہربان ہیں، کیسے رحمٰن و رحیم ہیں، کس قدر قادرِ مطلق ہیں، کیسی طاقت اور قوت والے ہیں، کیسی ان کی بڑی شان ہے، کیسے بڑے بڑے آسمان اور زمین کو پیدا فرمایا۔ یہ چیزیں سوچنا شروع کردیں۔

انسانی ذہن کی خاصیت

انسان کے ذہن کی ساخت کچھ ایسی ہے کہ اس کو سوچنے کے لئے کچھ نہ کچھ چاہئے۔ جب آدمی ایک چیز کو سوچنا شروع کرتا ہے تو دوسری چیزوں کے خیالات آنا بند ہوجاتے ہیں، لہٰذا جب گناہ کے خیال کو دل سے ہٹایا اور ذہن کو اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف متوجہ کردیا یا اللہ تعالیٰ کے کمالات اور خوبیوں کو سوچنے میں مشغول ہوگئے یا کسی اور جائز اور مباح کام کی طرف اپنے ذہن کو متوجہ کرلیا، تو بس وہ وسوسہ اور خیال بھی جاتا رہا اور ہمارا ذہن کام میں لگ گیا۔ اس لئے کہ اس ذہن کی خاصیت یہ ہے کہ یہ جتنا خالی رہے گا اس کے اندر وسوسے اور خواہشات جوش ماریں گی، اور جتنا ہمارا ذہن کسی کام میں مشغول رہے گا، اتنا ہی اس کے اندر وسوسے اور خیال نہیں آئیں گے اور گناہ کی خواہشات پیدا نہیں ہونگی، اور اس طرح نفس و شیطان کو حملہ کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔ یاد رکھئے، آدمی اچانک اور ایک دم سے کسی گناہ کے اندر مبتلا نہیں ہوتا بلکہ گناہ کے اندر مبتلا ہونے کے بعد اگر آدمی غور کرے تو اس کو نظر آئے گا کہ گناہ کرنے سے پہلے اس کے دل میں گناہ کا وسوسہ آیا تھا، اور پھر اس وسوسے کو دور نہ کیا بلکہ اس کے اندر غور کرتا رہا اور اس کو پالتا رہا، حتیٰ کہ وہی وسوسہ بڑھتے بڑھتے گناہ کے اندر مبتلا ہونے کا ذریعہ بن گیا۔ کیونکہ اچانک کسی گناہ کے اندر ابتلاء تو شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔

ایک عابد کا عبرتناک واقعہ

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مجلس میں ایک مرتبہ بنی اسرائیل کے ایک عابد کا عبرتناک واقعہ بیان فرمایا تھا کہ شیطان کس طرح انسان کے دل میں گناہ کا وسوسہ ڈالتا ہے اور آہستہ آہستہ کس طرح انسان کو اصل گناہ میں مبتلا کرتا ہے اور کیسے کیسے گناہ کروا دیتا ہے۔ یہ بڑا عبرتناک واقعہ ہے، ہم سب کو اس سے سبق لینا چاہئے، تاکہ ہم بھی نفس و شیطان کے مخفی ہتھیاروں سے ہوشیار

رہیں، اور اپنے آپ کو ان سے بچانے کی کوشش کریں۔ چنانچہ فرمایا کہ بنی اسرائیل میں ایک بہت بڑا عابد وزاہد آدمی تھا جو دن رات عبادت میں لگا رہتا تھا، بنی اسرائیل میں اس کی عبادت مشہور و معروف تھی، لوگ دور دور سے اس کے پاس آتے اور اس سے پانی پر دم کراتے اور دعا کراتے۔ اس طرح اس کو عوام کے اندر بڑی مقبولیت حاصل تھی۔

اس بزرگ کے پاس دو بھائی بھی آیا کرتے تھے، ان کی ایک کنواری بہن تھی، ان کے والد اور والدہ وغیرہ اور دوسرے رشتہ دار نہیں تھے، بس یہ تین ہی افراد تھے، ایک مرتبہ ان دونوں بھائیوں کو کسی دور دراز کے سفر پر جانا ضروری ہوگیا، اب اِن دونوں کو یہ فکر ہوئی کہ ہم اپنی بہن کو کس کے پاس چھوڑ کر جائیں، کوئی رشتہ دار یا معتبر آدمی نہیں ہے جس کے پاس بہن کو چھوڑ کر جائیں۔ اسی فکر اور پریشانی میں تھے کہ ان کو خیال آیا کہ یہ عابد اور بزرگ شخص جو ہیں، ان سے زیادہ قابل اعتماد کون ہوگا، بس ان کے پاس چھوڑ دیتے ہیں۔ چنانچہ دونوں بھائی ان بزرگ کے پاس گئے اور جاکر درخواست کی کہ ہم دونوں ایک سفر پر جارہے ہیں اور جانا بھی ضروری ہے اور اس بہن کو اکیلا بھی نہیں چھوڑ سکتے اور سفر میں بھی ساتھ نہیں لے جاسکتے، اس لئے ہم اس کو آپ کے پاس چھوڑ کر جانا چاہتے ہیں۔ پہلے تو ان بزرگ نے صاف انکار کردیا، لیکن جب ان دونوں بھائیوں نے بہت اصرار کیا تو انہوں نے کہا کہ اچھا اس کو خانقاہ کے فلاں کمرے میں چھوڑ دو، میں اس کے کھانے پینے کا انتظام کردوں گا۔ چنانچہ وہ دونوں بھائی اپنی بہن کو اس کے پاس چھوڑ کر سفر پر روانہ ہوگئے۔

اب وہ بہن خانقاہ کے ایک کمرے میں رہنے لگی، یہ عابد اس کو کھانا بھجوا دیتا تھا، پھر خالی برتن واپس منگوالیا کرتا تھا۔ اب شیطان نے اس عابد کے دل میں خیال ڈالا کہ یہ دونوں بھائی تو مخلص مریدوں میں سے ہیں اور یہ ان کی بہن ہے، اب میں اس کو اس طرح کھانا بھجوا دیتا ہوں، یہ تو مناسب بات نہیں ہے، کبھی خود جاکر بھی

کھانا دے دینا چاہئے۔ چنانچہ اب کبھی کبھی وہ عابد صاحب خود جاکر کھانا پہنچا دیتے، لیکن کھانا دینے کا وہی طریقہ رکھا کہ کھانا باہر دروازے کے پاس رکھ دیا اور اس بہن نے اندر سے ہاتھ بڑھا کر کھانا اٹھالیا، اور کھانے سے فارغ ہونے کے بعد برتن اس نے باہر رکھ دیئے اور یہ اٹھا کر لے آئے۔

دیکھئے! شیطان نے گناہ کرانے کے لئے پہلا خیال دل میں ڈال دیا۔ اگر وہ عابد اسی موقع پر اپنے آپ کو بچالیتا تو آئندہ کے مراحل پر بھی اس کے لئے بچنا آسان ہوجاتا، لیکن وہ عابد اس پہلے مرحلے پر اپنے آپ کو نہ بچاسکا۔ اب شیطان نے اس کے دل میں دوسرا وسوسہ ڈالا کہ یہ کیا تم نے اس کو اچھوت بنا کر رکھا ہوا ہے کہ بس کھانا رکھا اور آگئے اور پھر برتن لے کر واپس آگئے۔ یہ بھی کوئی طریقہ ہے، آخر وہ بھی تو انسان ہے، اس کا تو یہاں پر کوئی بھائی نہیں، کوئی بہن نہیں، کوئی ماں نہیں، کوئی باپ نہیں، کبھی کھانا پہنچانے کے ساتھ اس کو سلام کرنا چاہئے اور خیریت بھی پوچھ لینی چاہئے۔ اب یہ دوسرا مرحلہ آگیا۔ چنانچہ ان عابد صاحب نے اس کو سلام کرنا اور خیریت پوچھنی شروع کردی۔

کچھ دن کے بعد شیطان نے تیسرا وسوسہ ڈالا کہ باہر سے خیریت پوچھنے سے کیا فائدہ، کبھی اندر کمرے میں جاکر بھی خیریت پوچھنی چاہئے تاکہ اس کو کچھ انس ہوجائے، کیونکہ وہ تو بیچاری اکیلی کمرے میں بند ہے، نہ تو اس کا کوئی ہمدرد ہے، نہ کوئی خیرخواہ ہے۔ چنانچہ اس عابد نے اس خیال پر بھی عمل کرلیا اور اب کمرے کے اندر جانے لگا اور دو چار خیریت کے جملے کہہ کر کھانا دے کر اور برتن لے کر واپس آجاتا۔

پھر شیطان نے چوتھا وسوسہ ڈالا کہ کچھ دیر اس کے پاس بیٹھنا بھی چاہئے، کم از کم دس منٹ اس کے پاس بیٹھنا بھی چاہئے۔ چنانچہ وہ عابد اس کے پاس دس پندرہ منٹ بیٹھنے لگا۔ آپ جانتے ہیں کہ اگر کسی کمرے میں مرد اور عورت اکیلے ہوں تو لازماً تیسرا وہاں شیطان ہوتا ہے۔ چنانچہ دونوں کے درمیان رابطہ بڑھتا رہا حتیٰ کہ

آہستہ آہستہ شیطان نے دونوں کو گناہ کے اندر مبتلا کردیا۔ دیکھئے، پہلے وسوسے نے اس کو کہاں سے کہاں تک پہنچادیا۔

ظاہر ہے کہ گناہ میں مبتلا ہونے کے بعد آدمی کو بڑی شرمندگی ہوتی ہے اور آدمی اپنے عیب کو چھپانے کی بھرپور کوشش کرتا ہے۔ یا تو وہ ایسا بے غیرت ہوجاتا ہے کہ اس کو اس کی کوئی پرواہ ہی نہیں ہوتی اور اگر تھوڑی بہت غیرت ہوتی ہے تو وہ اس عیب کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔ چنانچہ اس عابد نے اس عورت سے کہا کہ تم کسی کو مت بتانا، اور جب تمہارے بھائی آجائیں تو ان کو بھی مت بتانا۔ اس کے بعد اس عورت کے بچہ پیدا ہوگیا، اب اس عابد کو اپنی عزت کی فکر ہوگئی، سب لوگ یہ کہیں گے کہ اس کے بچہ کیسے پیدا ہوگیا؟ اس کا تو کسی سے نکاح ہی نہیں ہوا تھا۔ اس بدنامی سے بچنے کے لئے اس عابد نے اس بچے کو قتل کردیا۔ اب بچے کو قتل کرنے کے بعد اس عابد کو یہ فکر ہوئی کہ یہ عورت تو اپنے بھائی کو ہر حال میں بتادے گی، یہ کیسے مجھے معاف کردے گی، میں نے تو اس کے بچے کو قتل کردیا۔ اب شیطان نے یہ وسوسہ ڈالا کہ اس عورت کو بھی قتل کردو، نہ بچہ رہے گا اور نہ بچے کی ماں رہے گی۔ اور جب اس کے بھائی واپس آئیں گے تو بتادوں گا کہ تمہاری بہن کا تو انتقال ہوگیا۔ چنانچہ اس نے اس عورت کو بھی قتل کردیا اور دونوں کو ایک قبر میں دفن کردیا۔

لیکن شیطان نے اس پر اکتفا نہیں کیا، شیطان نے سوچا کہ اس نے سب کچھ کرلیا لیکن ابھی تو اس کی دنیاوی عزت باقی ہے۔ لہٰذا جب اس عورت کے دونوں بھائی سفر سے واپس آئے تو وہ دونوں اس عابد سے اور اپنی بہن سے ملنے گئے، جب عابد سے ملاقات ہوئی اور اپنی بہن کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ اس کا تو انتقال ہوگیا۔ اس عابد نے جھوٹ بھی بول دیا۔ اس طرح شیطان نے ایک اور گناہ کرادیا۔ چونکہ وہ دونوں بھائی اس پر اعتماد کرکے اپنی بہن اس کے پاس چھوڑ گئے تھے، اس لئے دونوں نے اس کی بات پر یقین کرلیا کہ ہاں اس کا انتقال ہوگیا ہوگا،

زندگی اور موت کا کوئی بھروسہ نہیں ہے۔

لیکن شیطان کہاں پیچھا چھوڑنے والا تھا، اس نے سوچا کہ میں نے اس عابد سے یہ سب کام کرا کے اس کی آخرت تو برباد کرادی مگر ابھی دنیاوی عزت و احترام اس کا باقی ہے۔ لہٰذا اس نے اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ وہ شیطان ان دونوں بھائیوں کے پاس خواب میں آگیا اور کہا کہ تمہاری بہن کہاں ہے؟ انہوں نے کہا کہ اس کا تو انتقال ہوگیا۔ شیطان نے کہا کہ کیسے انتقال ہوگیا؟ اس کا انتقال نہیں ہوا بلکہ اس عابد نے اس کو قتل کیا ہے۔ یاد رکھئے! شیطانی خواب بھی ہوتے ہیں اور رحمانی خواب بھی ہوتے ہیں اور نفسانی خواب بھی ہوتے ہیں۔ یہ خواب شیطانی خواب تھا، خواب میں شیطان نے دونوں بھائیوں سے کہا کہ تم دونوں جاکر تحقیق کرو، عابد نے تمہاری بہن کو قتل کیا ہے، اس کا انتقال نہیں ہوا، اس عابد نے تم سے جھوٹ بولا ہے۔ اس خواب کے نتیجے میں ان کو بھی شبہ ہوگیا۔ چنانچہ ان دونوں نے تحقیق کے لئے مشورہ کیا کہ قبر کھود کر ہم تحقیق کرلیتے ہیں، اس میں کیا حرج ہے، اس سے ہمارا شبہ دور ہوجائے گا۔ اب جب قبر کھود کر دیکھی تو پتہ چلا کہ بہن کو بھی قتل کیا گیا ہے اور اس کے بچے کو بھی قتل کیا گیا ہے اور یہ بچہ اس سے بدکاری کے نتیجے میں پیدا ہوا ہوگا۔ اب دونوں نے جاکر عابد کو پکڑلیا، حقیقت میں وہ قاتل تھا ہی، اس نے جرم کا اقرار کرلیا کہ ہاں مجھ سے یہ غلطی ہوئی ہے۔ بس ان دونوں بھائیوں کو غصہ آگیا، انہوں نے عابد کو پکڑ کر اس کے پیروں میں رسّی باندھی اور اس کا منہ کالا کیا، اور پورے شہر میں سڑکوں پر اس کو گھسیٹا، تاکہ لوگ اس کا منظر دیکھیں اور اس طرح اس کو ذلیل کردیا۔ آج تک پورے شہر میں جس کی عبادت کی شہرت تھی، آج پورے شہر میں اس کی ذلت اور رُسوائی عام ہورہی ہے، اس کی عبادت بھی برباد ہوئی، عزت بھی برباد ہوئی، ذلت اور رُسوائی پوری دنیا کے سامنے آگئی۔

یہ ہے شیطان کی کارستانی۔ دیکھئے! شیطان نے سب سے پہلے اس عابد کے پاس آکر یہ نہیں کہا کہ تو یہ گناہ کرلے، اور نہ ہی شیطان کسی سے یہ کہتا ہے کہ تم نماز

مت پڑھو یا رشوت لے لو یا سود کھالو، بلکہ وہ شیطان پہلے مختلف گناہوں کے وسوسے اور خیالات دل میں ڈالتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ انسان ان خیالات کو قبول کرتا رہتا ہے اور ان پر عمل کرتا رہتا ہے، آخر کار انسان اس بدترین گناہ کے اندر مبتلا ہو جاتا ہے۔

شیطان کے بارے میں ایک لطیفہ

ایک لطیفہ یاد آیا جو شیطان سے متعلق ہے۔ وہ یہ کہ ایک شخص کو شیطان نظر آگیا اور شیطان سے اس کی ملاقات ہوگئی۔ وہ شخص پہچانتا تو تھا نہیں، پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے کہا کہ میں شیطان ہوں، اس نے فوراً کہا ارے کم بخت تو ہے شیطان، پھر اس کا گریبان پکڑ کر اس کو خوب بُرا بھلا کہا کہ تو بڑا بدبخت ہے اور تو ایسا ویسا ہے، مخلوق کو تو نے برباد کیا ہوا ہے، اور لوگوں کو بہکا بہکا کر نہ جانے کیسے کیسے گناہوں کے اندر مبتلا کیا ہوا ہے۔ شیطان نے کہا بھائی! تو مجھ پر اتنا غصہ کیوں کررہا ہے، میں تو کسی کو بہکاتا نہیں ہوں، نہ کسی سے زبردستی گناہ کراتا ہوں، میں تو خالی اشارہ کرتا ہوں مگر لوگ میرے ایسے عاشق ہیں اور میرے ایسے فرمانبردار ہیں کہ میرے اشارے پر ناچنا شروع کردیتے ہیں۔ اس شخص نے کہا کہ وہ کیسے؟ شیطان نے جواب دیا کہ میں ابھی دکھا دیتا ہوں، میں تو کچھ بھی نہیں کرتا، لوگ خواہ مخواہ مجھے بدنام کرتے ہیں، کرتے خود ہیں اور نام میرا لگاتے ہیں۔ تم میرے ساتھ چلو میں تمہیں دکھاتا ہوں۔

چنانچہ شیطان اس کو ایک مٹھائی کی دکان پر لے گیا، وہاں پر گرم گرم جلیبیاں تلی جارہی تھیں۔ شیطان نے اس کی چاشنی کی کڑھائی میں انگلی ڈبوئی اور دیوار پر لگادی، اور اس شخص سے کہا کہ تم یہاں کھڑے رہنا اور تماشہ دیکھتے رہنا، کل کو مت کہنا کہ میں نے کیا ہے، بس میں نے اتنا ہی کیا ہے کہ دیوار پر ذرا سی چاشنی لگائی ہے۔ چنانچہ تھوڑی دیر میں چار پانچ مکھیاں آکر اس چاشنی پر بیٹھ گئیں۔ پھر مکھیوں کو

کھانے کے لئے چھپکلی ان پر دوڑ پڑی۔ قریب میں حلوائی کی بلی کھڑی تھی، اس نے جب چھپکلی کو دیکھا تو وہ اس پر جھپٹ پڑی۔ اور ایک شخص جلیبی خریدنے کے لئے آیا تھا، اس کے ساتھ اس کا شکاری کتا بھی تھا، اس نے جب بلی کو دیکھا تو وہ بلی پر جھپٹ پڑا۔ جب وہ کتا جھپٹ پڑا تو حلوائی کی جلیبی کا تھال نیچے گر پڑا۔ جب حلوائی نے یہ صورت دیکھی تو اس نے فوراً اپنا جھرنا نکال کر کتے کے سر پر مارا جس سے کتا مرگیا۔ اب کتے والے نے حلوائی کی پٹائی کردی۔ اب دس آدمی حلوائی کی طرف سے آگئے اور دس آدمی کتے والے کی طرف سے آگئے اور اب دونوں طرف سے لڑائی شروع ہوگئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پانچ آدمی اس طرف کے مرگئے اور پانچ آدمی دوسری طرف کے مرگئے۔ شیطان نے کہا دیکھو! انہیں میں نے مارا ہے یا یہ خود مرے ہیں، میں نے تو خالی چاشنی لگائی تھی، میں نے اور تو کچھ نہیں کیا، آگے جو کچھ کیا وہ انہی لوگوں کی کارستانی ہے، لیکن اس کو یہ لوگ میرے کھاتے میں لکھ دیتے ہیں کہ شیطان نے سب کچھ کروایا ہے۔ اب بتاؤ کہ کیا چاشنی پر مکھی میں نے بٹھائی تھی؟ کیا چھپکلی کو میں نے بھگایا تھا؟ کیا بلی میں نے اچھالی تھی؟ کیا کتے کو میں نے کہا تھا کہ تو بلی پر جھپٹ پڑ؟ کیا یہ سب کام میں نے کئے تھے؟

شیطان کی کمزور تدبیر

بہرحال، حاصل یہ ہے کہ جو قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ:

﴿اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا﴾ (سورہ نساء: ۷۶)

یعنی شیطان کا مکر بالکل کمزور ہوتا ہے، اس لئے کہ وہ دل کے اندر صرف غفلت اور وسوسہ اور خیال ڈالتا ہے، کبھی شیطان یہ نہیں کرتا کہ کوئی شخص نماز پڑھنے جارہا ہو اور شیطان اس کو ہتھکڑیاں پہنا کر باندھ دے کہ خبردار! میں تمہیں نماز کے لئے نہیں جانے دوں گا۔ کبھی آپ نے شیطان کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا؟ کبھی ایسا نہیں کرتا، بلکہ وہ تو ہمیشہ دل میں وسوسے ڈالتا ہے۔ لہٰذا جو شخص وسوسوں سے بچ گیا وہ

شیطان کے کید سے بچ گیا، اور جس شخص نے وسوسے کو دل میں بٹھالیا اور اس پر عمل کرلیا تو بس وہ گناہ کے اندر مبتلا ہوگیا۔ اور شیطان کے وسوسے ڈالنے کے بہت سے طریقے ہیں اور ان سے بچنے کے بھی بہت سے طریقے ہیں۔ اب ہمیں شیطان کے وسوسوں سے بچنے کے طریقے جان لینے چاہئیں تاکہ ہم گناہوں سے محفوظ رہ سکیں۔

اللہ کی طرف رجوع کریں

نفس و شیطان کے حملوں سے بچنے کے لئے سب سے پہلے تو اللہ تعالیٰ کے فضل کی ضرورت ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہوجائے، بس وہی شخص نفس و شیطان کی مکاریوں اور عیاریوں سے محفوظ رہ سکتا ہے، لہٰذا سب سے پہلے تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رجوع کرنا چاہئے۔ اور نفس کے حملوں سے بچنے کے لئے حدیث شریف میں عجیب و غریب دعا منقول ہے۔ وہ یہ ہے:

﴿يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ، اَصْلِحْ لِي شَأْنِي كُلَّهُ
وَلَا تَكِلْنِي اِلٰى نَفْسِي طَرْفَةَ عَيْنٍ﴾

(ترمذی شریف بحوالہ مناجات مقبول)

اے حی و قیوم! میں آپ کی رحمت سے فریاد کرتا ہوں، میری ہر حالت کی اصلاح فرما دیجئے اور پلک جھپکنے کے برابر بھی مجھ کو میرے نفس کے حوالے نہ فرما۔ یہ دعا ہم یاد کرلیں، عربی میں نہ کرسکیں تو اردو ہی میں یہ دعا مانگ لیا کریں کہ یا اللہ! ہمیں ایک لمحے کے لئے بھی نفس و شیطان کے حوالے نہ فرما، اور ان کے شر سے اپنی پناہ کامل عطا فرما، آمین۔ ہم میں سے کوئی شخص بھی اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر ان کے شر سے بچ نہیں سکتا۔ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل ہوگا تو ہم ان کے شر سے بچ سکیں گے ورنہ نہیں بچ سکتے۔

شیطان کے حملوں سے بچنے کا دوسرا طریقہ

شیطان کے حملوں سے بچنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں شیطان کے مردود ہونے کا جگہ جگہ ذکر فرمایا ہے، اور ہر جگہ پر شیطان نے اس بات کا اظہار کیا ہے کہ اب میں انسانوں کو تیرے سیدھے راستے سے گمراہ کروں گا اور ان کو بہکاؤں گا، تاکہ یہ بھی میرے ساتھ جہنم میں جائیں۔ لیکن ساتھ ہی اس نے یہ بھی کہا کہ:

﴿ اِلَّا عِبَادَکَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ ﴾ (سورۃ الحجر: ۴۰)

یعنی ان انسانوں میں جو آپ کے منتخب اور برگزیدہ بندے ہونگے جو آپ کے مخلص اور فرمانبردار بندے ہونگے، ان کو میں نہیں بہکا سکوں گا، ایسے لوگ میرے داؤ سے بالکل محفوظ رہیں گے۔ یہ خود اس نے کہا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو قرآن کریم میں نقل فرمایا ہے۔ منتخب اور برگزیدہ بندے وہ ہیں جو اعمالِ صالحہ کرنے میں اور گناہوں سے بچنے میں لگے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مشغول رہتے ہیں۔ ایسے نیک اور صالح بندے شیطان کے مکائد سے اور اس کی عیاریوں اور مکاریوں سے محفوظ رہیں گے۔

لہٰذا ہمارے لئے شیطان کے حملے سے بچنے کے لئے یہ ضروری ٹھہرا کہ ہم نیک اور صالح بندوں کی صحبت کو لازم کرلیں، اس لئے کہ منجانب اللہ وہ شیطان سے محفوظ ہیں اور جو ان کے پاس بیٹھے گا وہ بھی محفوظ ہوجائے گا۔ انشاء اللہ۔

چنانچہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آج کل میں مسلمانوں کے لئے اہل اللہ کی صحبت اختیار کرنے کو فرض عین کہتا ہوں۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ایمان کی حفاظت فرض عین ہے اور جس ذریعہ سے ایمان کی حفاظت ہوگی وہ ذریعہ بھی فرض عین ہوگا، اور آج اس زمانے میں ایمان کی حفاظت کا ذریعہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی خدمت اور ان کی صحبت

ہے، ان سے آدمی اخلاص اور سچی طلب کے ساتھ رابطہ قائم رکھے اور ان سے مشورہ لے کر چلے اور ان سے پوچھ پوچھ کر زندگی گزارے۔ بس یہ ہے اللہ والوں کی صحبت اور خدمت میں رہنا، اب چاہے فون کے ذریعہ رابطہ رکھے، چاہے خط و کتابت کے ذریعہ رابطہ رکھے یا زبانی رابطہ رکھے، لیکن ان کی رہنمائی میں چلے اور ان سے پوچھ پوچھ کر اپنی زندگی کے مسائل حل کرے، وہ مسائل جن کا تعلق دین اور شریعت سے ہے اور جن کا تعلق آخرت سے ہے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کا سبق آموز واقعہ

آخر میں حضرت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ عرض کردیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے نیک اور بزرگ شخصیت کے تعلق کی وجہ سے کس طرح ان کے ایمان کی حفاظت فرمائی۔ حضرت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے مفسر، محدث، محقق اور علوم عقلیہ اور نقلیہ کے ماہر تھے۔ جب یہ ظاہری علوم حاصل کر کے فارغ ہوگئے تو اپنے نفس کی اصلاح اور تربیت کے لئے کسی اللہ والے کی تلاش میں نکلے۔ دور دراز کا سفر کیا، لیکن ان کو کسی بزرگ سے مناسبت معلوم نہیں ہوئی۔ آخر کار تلاش کرتے کرتے ایک بزرگ کے پاس پہنچے تو ان سے کچھ مناسبت محسوس ہوئی، ان سے جاکر انہوں نے درخواست کی کہ آپ مجھے بیعت فرمالیجئے، میں آپ کی خدمت میں رہ کر اپنے باطن کی تربیت کرانا چاہتا ہوں۔ پہلے تو ان بزرگ نے انکار کیا لیکن جب ان کا اصرار بڑھا تو ان بزرگ نے ان کو ایک وقت بتادیا کہ فلاں وقت خانقاہ میں آجانا، میں تمہیں بیعت کرلوں گا۔

جب وہ مقررہ وقت آیا تو حضرت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ خانقاہ میں بیعت ہونے کے لئے پہنچے تو ان بزرگ نے خانقاہ کا دروازہ اندر سے بند کرلیا اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کو سامنے بٹھایا، اور ان کے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے ان کے علم کے پندار اور اس کے گھمنڈ کو دور کرنے کے لئے ان کے دل پر توجہ دی۔ توجہ کیا ہے؟

توجہ قوت خیالیہ سے کام لینے کا نام ہے۔ بعض بزرگوں نے خاص خاص حالات میں اپنے پاس اصلاح کے لئے آنے والے لوگوں کی تربیت کے لئے یہ انداز بھی اختیار کیا ہے۔ یہ طریقہ کار اگرچہ جائز ہے لیکن اصلاح کرنے کا لازمی حصہ نہیں ہے، نہ اس کا اثر دائمی ہوتا ہے اور نہ ہر بزرگ اس کو اختیار کرتا ہے، بلکہ بعض محقق حضرات کے ارشاد کے مطابق یہ طریقہ ہر شخص کے لئے مفید بھی نہیں ہوتا، حتیٰ کہ بعض کو اس سے نقصان بھی ہوتا ہے۔ اور بعض لوگ خود کچھ کرنے کے بجائے اسی قسم کے توجہ و تصرف کے منتظر رہنے لگتے ہیں، اسی لئے ہمارے بزرگوں کے ہاں اس کا رواج نہیں۔

چنانچہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ نے فرمایا کہ مجھے تو اپنی توجہ کو سب طرف سے ہٹا کر ایک خاص شخص کی جانب جو مخلوق ہے ہمہ تن متوجہ ہوجانے میں غیرت آتی ہے، یہ تو حق خاص اللہ تعالیٰ ہی کا ہے کہ سب طرف سے توجہ ہٹا کر بس اسی ایک ذات کی طرف ہمہ تن متوجہ رہا جائے۔ البتہ دل سوزی اور خیر خواہی کے ساتھ تعلیم کرنا اور دل سے یہ چاہنا کہ طالبین کو نفع پہنچے اور ان کی دینی حالت درست ہوجائے، یہ توجہ کا ماثور طریق ہے اور یہی حضرات انبیاء علیہم السلام کی سُنّت ہے، اور یہ نفع اور برکت میں توجہ متعارف سے بڑھ کر ہے کیونکہ اس کے اثر کو بقا ہے، برخلاف توجہ متعارف کے کہ اس کا اثر بس اسی وقت ہوتا ہے پھر کچھ نہیں۔ اور فرمایا کہ مجھے تو باوجود جائز ہونے کے توجہ متعارف سے طبعی توحش ہے جیسے اوجھڑی سے کہ اگرچہ حلال ہے لیکن بعض طبیعتیں اس کو قبول نہیں کرتیں۔ (انفاس عیسیٰ صفحہ ۴۴۸)

ہاں خاص خاص حالات میں کسی فوری ضرورت کے تحت اس کے آداب وشرائط کا خیال رکھتے ہوئے بعض بزرگوں نے اس سے کام بھی لیا ہے، جیسے کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قصہ میں یہ بات پیش آئی — واللہ اعلم

اس توجہ سے ان کو یہ محسوس ہونے لگا کہ جیسے کوئی چیز ان کے دل سے نکل رہی ہے۔ جس طرح تیز ہوا سے کتاب کے ورقے خود بخود پلٹتے ہیں، اس طرح ان کو اپنے دل میں ورقوں کے پلٹنے کی آواز محسوس ہوئی۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ان بزرگ سے پوچھا کہ حضرت! یہ کیا ہو رہا ہے؟ یہ کس چیز کی آواز ہے؟ ان بزرگ نے جواب دیا کہ تم جو کچھ پڑھ کر آئے ہو وہ نکل رہا ہے، اور جب یہ ظاہری علم نکل جائے گا تب باطنی علم آئے گا۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً کہا کہ حضرت! ذرا ٹھہر جائیے، یہ ظاہری علوم میں نے بڑی مشکلات کے بعد اور بڑی محنت سے حاصل کئے ہیں، راتوں کو جاگ کر، لمبے لمبے سفر کر کے بڑی مشقتیں جھیل کر ان کو حاصل کیا ہے اور آپ ذرا سی دیر میں ان کو نکال رہے ہیں۔ یہ میرے بس کی بات نہیں، میں آپ سے بیعت نہیں ہوتا، آپ مجھے بیعت مت فرمائیے، مجھے اسی حالت میں رہنے دیں۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ گھبراؤ نہیں، ظاہری طور پر تو یہ علوم نکل جائیں گے، پھر باطنی طور پر جو علوم آئیں گے وہ اس سے بھی بڑھ کر ہوں گے، اس لئے تم بیعت ہو جاؤ۔ لیکن امام رازی رحمۃ اللہ علیہ بیعت نہ ہوئے اور بیعت ہونے سے انکار کر دیا۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ اچھا اب تمہاری مرضی، جب بیعت نہیں ہونا چاہتے تو اب میں زبردستی تمہیں کیا بیعت کروں۔ پھر فرمایا کہ اچھا تم ہم سے بیعت تو نہیں ہوئے، لیکن ہم سے تمہارا تعلق ہے، اب تم اس تعلق کو باقی رکھنا، کبھی کبھار ملتے رہنا، یہ تعلق تمہیں کام آئے گا۔ چنانچہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے وہاں سے رخصت ہونے کے بعد بھی اس تعلق کو قائم رکھا۔ پھر علوم شرعیہ و عقلیہ کے پڑھنے پڑھانے میں مشغول ہو گئے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں دہریوں کا بڑا زور تھا۔ اللہ تعالیٰ کے وجود کا انکار کرنے والے کو "دہریہ" کہا جاتا ہے۔ اور یہ منکرین خدا یہ چاہتے تھے کہ عقل کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے وجود کو ثابت کیا جائے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس اللہ تعالیٰ کے وجود کو عقل سے ثابت کرنے کے سو دلائل موجود تھے۔

جب کسی دھریے سے مناظرہ فرماتے تو بس دس پندرہ دلائل کے ذریعہ ہی اس کو شکست دیدیا کرتے تھے۔

اتفاق سے ان بزرگ کی زندگی ہی میں امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کا وقت قریب آگیا۔ انتقال کے وقت شیطان آپ کے سرہانے آکر بیٹھ گیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو محفوظ رکھے، آمین۔ شیطان نے آکر امام رازی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ بتاؤ اللہ تعالیٰ کا وجود ہے یا نہیں؟ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کیوں نہیں؟ شیطان نے کہا کہ تمہارے پاس کیا دلیل ہے؟ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عقلی دلیل پیش کی۔ شیطان نے اس دلیل کو توڑ دیا۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری دلیل دی۔ شیطان نے اس کو بھی توڑ دیا۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تیسری دلیل دی۔ شیطان نے اس کو بھی توڑ دیا۔ اس طرح دس دلیلیں دیں، شیطان نے ان سب کو توڑ دیا، اب امام رازی رحمۃ اللہ علیہ دلائل پر دلائل دیتے چلے جارہے ہیں اور شیطان ان کو توڑتا جارہا ہے۔ جب ساٹھ ستر دلیلیں پیش کردیں اور شیطان نے ان سب کو توڑ دیا تو اب امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کو بڑی فکر اور تشویش ہوئی کہ یہ کون شخص ہے جو میری ہر دلیل کو توڑ رہا ہے اور میری ہر دلیل کا ایسا جواب دے رہا ہے کہ مجھے لاجواب کرتا جارہا ہے۔ اگر خدانخواستہ اسی رفتار سے یہ جواب دیتا رہا تو ذرا سی دیر میں میرے دلائل کا ذخیرہ ختم ہوجائے گا، اور جب میرے پاس دلائل کا ذخیرہ ختم ہوجائے گا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے وجود میں عقلاً مجھے بھی شبہ ہوگیا، اور یہ میرا آخری وقت ہے، اگر اس آخری وقت میں اللہ تعالیٰ کے وجود میں شبہ ہوگیا تو میرا خاتمہ ہی خراب ہوجائے گا۔ چنانچہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ یہ سوچ کر اور پریشان ہوگئے۔

یہاں تک کہ آپ نے ننانوے دلیلیں دیدیں اور شیطان نے وہ ننانوے دلیلیں توڑ ڈالیں۔ اب امام رازی رحمۃ اللہ علیہ پسینہ پسینہ ہوگئے اور گھبرا گئے کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ اب دیکھئے کہ چونکہ کچھ عرصہ تک ایک بزرگ سے تعلق رہا تھا، اس لئے

وہ تعلق کام آیا، اور اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان بزرگ پر امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی اس گھبراہٹ اور پریشانی کی کیفیت کو منکشف فرمایا۔ اس وقت وہ بزرگ اور شیخ وضو فرمارہے تھے، ان کے ہاتھ میں ایک لوٹا تھا، اسی حالت میں وہ لوٹا انہوں نے زمین پر مارا اور کہا: اے رازی! یوں کیوں نہیں کہہ دیتا کہ میں اللہ تعالیٰ کو بغیر کسی دلیل عقلی کے مانتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ان بزرگ کے وہ الفاظ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے کان میں پہنچا دیئے۔ جب ان بزرگ کی آواز امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے کان میں آئی کہ اے رازی! یوں کیوں نہیں کہہ دیتا کہ میں اللہ تعالیٰ کو بغیر کسی دلیل عقلی کے مانتا ہوں، امام رازی نے فوراً یہ الفاظ اپنی زبان سے کہہ دیئے۔ بس یہ کہنا تھا کہ شیطان فوراً وہاں سے اٹھ کر بھاگ گیا، اس لئے کہ اس دلیل کا کوئی جواب نہیں،اس دلیل کو کوئی توڑ ہی نہیں سکتا کہ میں بلادلیل اللہ تعالیٰ کو مانتا ہوں، آخرت کو مانتا ہوں اور جنت و دوزخ کو مانتا ہوں۔ بس یہ الفاظ کہے اور اس کے بعد آپ کا انتقال ہوگیا، اور نیک تعلق کی برکت سے اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا اور آپ کا خاتمہ ایمان پر ہوگیا۔

خلاصہ

اس لئے بھائی! اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نفس و شیطان کے شر سے محفوظ رکھے۔ اور کسی نہ کسی اللہ والے کا دامن تھامنا چاہئے تاکہ اس کی خدمت اور صحبت میں رہ کر انسان اپنے اعمال کی بھی اصلاح کرسکے، اپنے اخلاق کی بھی اصلاح کرسکے، اور اپنے ایمان کی بھی حفاظت کرسکے۔ اللہ کے نیک بندوں کی خدمت میں اللہ کے واسطے آنے والوں کا خاتمہ اللہ تعالیٰ ضرور ایمان پر فرمادیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا خاتمہ ایمان پر فرمائیں۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین

نماز میں دل کی حفاظت

حضرت مولانا مفتی عبد الرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی بیانات: جلد نمبر: ۲

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نماز میں دل کی حفاظت کیجئے

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیٔات اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، ونشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ، ونشھد ان سیدنا وسندنا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ، صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلی اٰلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیرًا کثیرا۔

اما بعد!

فاعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم۔ بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم
﴿ولقد آتینا لقمٰن الحکمۃ ان اشکر للہ ومن یشکر فانما یشکر لنفسہ ومن کفر فان اللہ غنی حمید۞﴾ (سورۃ لقمان: ۱۲)

تمہید

میرے قابل احترام بزرگو! جو آیت میں نے تلاوت کی ہے، یہ سورۂ لقمان کی آیت ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب دھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت لقمان علیہ السلام کا ایک عجیب و غریب قول نقل فرمایا ہے، اس وقت اسی قول کی تشریح اور وضاحت کرنا مقصود ہے۔

اس قول میں حضرت لقمان علیہ السلام فرماتے ہیں: میں نے چار ہزار پیغمبروں کی خدمت کی ہے، اور ان کی صحبت میں رہا ہوں، اور ان کی تعلیمات سے فیض یاب ہوا ہوں، اور ان کے ارشادات سنے ہیں، ان تمام انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات اور

ارشادات میں سے آٹھ باتیں میں نے خلاصے کے طور پر حاصل کی ہیں، گویا یہ آٹھ باتیں ان کی تمام تعلیمات اور ارشادات کا خلاصہ ہیں:

آٹھ باتیں

① پہلی بات یہ ہے کہ جب تم نماز میں ہو تو اپنے دل کی حفاظت کرو۔

② دوسری بات یہ ہے کہ جب تم دستر خوان پر ہو تو اپنے حلق کی حفاظت کرو۔

③ تیسری بات یہ ہے کہ جب تم لوگوں کے درمیان بیٹھو تو اپنی زبان کی حفاظت کرو۔

④ چوتھی بات یہ ہے کہ جب کسی کے گھر میں جاؤ تو اپنی نظر کی حفاظت کرو۔

⑤ پانچویں بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ یاد رکھو۔

⑥ چھٹی بات یہ ہے کہ موت کو ہمیشہ یاد رکھو۔

⑦ ساتویں بات یہ ہے کہ جب تم کسی کے ساتھ اچھا سلوک اور احسان کرو تو احسان کرنے کے بعد اس کو ہمیشہ کے لئے بھول جاؤ۔

⑧ آٹھویں بات یہ ہے کہ جو شخص تمہارے ساتھ کوئی بدسلوکی کرے، تمہیں تکلیف اور ایذاء دے تو اس کو بھی ہمیشہ کے لئے بھول جاؤ۔

یہ آٹھ باتیں ہیں جن کو حضرت لقمان علیہ السلام نے چار ہزار انبیاء علیہم السلام کی صحبت میں رہ کر حاصل کی ہیں اور جو ان کی تعلیمات کا نچوڑ ہیں اور یہ باتیں اسلامی تعلیمات کا بھی نچوڑ اور لب لباب ہیں اور ان باتوں کی ہمارے دین میں بھی بڑی تاکید اور ترغیب دی گئی ہے۔ یہ باتیں اگر ہمارے ذہن میں بیٹھ جائیں اور ہمارے عمل میں آجائیں تو اس کے نتیجے میں ہماری زندگیوں میں انقلاب آجائے۔ ہم سدھر جائیں اور قرآن و سنت کے مطابق زندگی گزارنے والے بن جائیں۔ اسی لئے اب ان کی وضاحت کی جاتی ہے۔

❶ پہلی بات نماز میں دل کی حفاظت

پہلی بات یہ ہے کہ جب تم نماز میں ہو تو اپنے دل کی حفاظت کرو۔ نماز ہمارے دین کی اہم ترین عبادت ہے، اس کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے، دونوں کو درست کرنا ضروری ہے، اور دونوں کو سُنّت کے مطابق سنوارنا اور بنانا ہماری ذمّہ داری ہے، جب تک ہماری نماز کا ظاہر و باطن درست نہیں ہوگا اس وقت تک ہماری نماز مکمل نہیں ہوگی۔ نماز کے اندر کمال آنے کے لئے اور اس کی خوبصورتی کے لئے ضروری ہے کہ اس کا ظاہر بھی صحیح ہو اور اس کا باطن بھی صحیح ہو۔

نماز میں روزے اور زکوٰۃ کی شان

نماز ایک ایسی بنیادی عبادت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں تمام عبادتوں کی شانیں جمع فرمادی ہیں۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس نماز میں روزے کی شان بھی موجود ہے، روزے کی شان یہ ہے کہ روزہ رکھنے کے بعد کھانا حرام، پینا حرام، جنسی تقاضے پورے کرنا حرام، بالکل اسی طرح نماز کی نیت باندھتے ہی کھانا پینا اور جنسی تقاضے پورے کرنا حرام ہوجاتا ہے۔ اسی طرح نماز میں زکوٰۃ کی شان بھی موجود ہے۔ زکوٰۃ کی شان یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں مال خرچ کرنا پایا جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک مخصوص مقدار زکوٰۃ کے طور پر غریبوں پر خرچ کرنا فرض قرار دیا ہے، اسی طرح نماز کے اندر بھی پیسے خرچ کرنا ضروری ہے، اس لئے کہ نماز کے اندر ستر پوشی فرض ہے، مرد کے لئے ناف سے گھٹنے تک بدن کا حصہ چھپانا نماز میں شرط ہے، اور عورت کے لئے چہرہ اور دونوں ہتھیلیاں اور دونوں پیر کے علاوہ باقی پورا جسم چھپانا نماز میں شرط ہے اور ستر پوشی کے لئے پیسے خرچ کرنا ضروری ہے، پیسے خرچ کئے بغیر کپڑا نہیں ملے گا، لہٰذا نماز کے اندر زکوٰۃ کی شان بھی موجود ہے۔

نماز میں حج کی شان

اسی طرح نماز کے اندر حج کی شان بھی موجود ہے، حج کی شان یہ ہے کہ اس میں بیت اللہ کی تعظیم و تکریم اور اس کا احترام ہے اور اس میں بیت اللہ کی زیارت اور طواف ہے، اسی طرح نماز کے اندر ہر نمازی کو بیت اللہ کی طرف منہ کرنا شرط ہے، چاہے وہ ہوائی جہاز میں نماز پڑھ رہا ہو یا پانی کے جہاز میں، چاہے وہ گاڑی میں نماز پڑھ رہا ہو یا کشتی میں، جب تک وہ قبلہ کی طرف منہ نہیں کرے گا، نماز نہیں ہوگی۔ لہٰذا نماز کے اندر حج کی شان بھی موجود ہے۔

نماز میں اعتکاف کی شان

اسی طرح نماز کے اندر اعتکاف کی شان بھی موجود ہے، اعتکاف کی شان یہ ہے کہ جب معتکف مسجد میں اعتکاف کرلیتا ہے تو پھر مسجد ہی میں رہتا ہے، مسجد سے باہر نہیں جاتا، صرف شرعی ضرورت اور طبعی ضرورت کے لئے باہر جاتا ہے، ورنہ مسجد ہی میں رہتا ہے۔ اسی طرح نمازی نماز کی نیت باندھنے کے بعد نہ وہ عادت کے مطابق چل سکتا ہے، نہ بول سکتا ہے، نہ آنا جانا کرسکتا ہے۔ جس طرح معتکف مسجد میں محبوس ہوجاتا ہے، اسی طرح نمازی جس جگہ پر نماز کی نیت باندھ لیتا ہے اسی جگہ محبوس ہوجاتا ہے، معتکف کو اعتکاف کے دوران پھر بھی مسجد میں چلنے کی اجازت ہوتی ہے، باتیں کرنے کی اجازت ہوتی ہے، لیکن نمازی تو نیت باندھنے کے بعد نہ چل سکتا ہے، نہ باتیں کرسکتا ہے۔ لہٰذا اعتکاف کی شان بھی نماز کے اندر موجود ہے

نماز میں قربانی کی شان

اسی طرح نماز کے اندر قربانی کی شان بھی موجود ہے۔ قربانی کی شان یہ ہے کہ بندہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی کبریائی کا اظہار کرتا ہے۔ اسی

طرح نماز کے اندر بھی بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوتا ہے اور اپنی عزت کو اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سامنے قربان کردیتا ہے۔ چنانچہ وہ قیام کے دوران اللہ تعالیٰ کے سامنے ایسی ہیئت کے ساتھ کھڑا ہوتا ہے کہ اس سے زیادہ عاجزی کی ہیئت اور کوئی نہیں ہوسکتی، پھر رکوع میں اللہ تعالیٰ کے سامنے جھک جاتا ہے، پھر سجدہ میں اپنی باعزت پیشانی کو بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رکھ دیتا ہے، اور اپنی ناک زمین پر رکھ کر اپنی ذلّت کا اظہار کرتا ہے اور اپنے اندر سے تکبر اور بڑائی کو نکال دیتا ہے۔ لہٰذا نماز کے اندر قربانی کی روح اور اس کی شان بھی موجود ہے۔ اس لئے یہ نماز اہم ترین عبادت ہے۔ اگر ہماری نماز صحیح ہوجائے اور حضرت لقمان علیہ السلام کی ہدایت پر عمل ہوجائے تو ہماری نماز کے اندر روح پیدا ہوجائے گی اور اس کے نتیجے میں باقی عبادات بھی زندہ ہوجائیں گی۔

عبادات کی تمام اقسام نماز کے اندر ہیں

پھر عبادات کی کئی شکلیں ہیں۔ جیسے فرائض، واجبات، سُنّت مؤکدہ، سُنّت غیر مؤکدہ، مستحب و مندوب۔ یہ عبادات وہ ہیں جو درجہ بدرجہ ہیں اور ان کے کرنے کا حکم ہے۔ عبادات کی یہ تمام شکلیں نماز کے اندر موجود ہیں۔ چنانچہ نماز میں چھ فرض ہیں، چودہ واجبات ہیں، باون سنتیں ہیں، جن میں سے اکثر سُنّت مؤکدہ ہیں اور کچھ سنتیں غیر مؤکدہ ہیں، چھ یا سات مستحبات ہیں۔ پھر ایک عبادت ہے ذکر۔ اس کی بہت سی شکلیں ہیں۔ جیسے "سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ، درود شریف، استغفار، تلاوت قرآن شریف، دعا، یہ سب ذکر کے اندر داخل ہیں"۔ ذکر اللہ کی یہ آٹھوں شکلیں اللہ تعالیٰ نے نماز کے اندر جمع فرمادی ہیں۔ اس سے اندازہ لگائیں کہ نماز کتنی اہم عبادت ہے۔

نماز میں دوسری مخلوقات کی عبادت

انسان کے علاوہ جو دوسری مخلوقات ہیں اور جن کو اللہ تعالیٰ نے مختلف عبادتوں

میں لگایا ہوا ہے، ان کی عبادتوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے نماز کے اندر جمع فرمادیا ہے۔ مثلاً فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے مختلف عبادتوں میں لگایا ہوا ہے۔ بعض قیام کی حالت میں عبادت کررہے ہیں، بعض فرشتے رکوع کی حالت میں عبادت کررہے ہیں، بعض فرشتے سجدے کی حالت میں عبادت کررہے ہیں۔ فرشتوں کی ان مختلف عبادتوں کو اللہ تعالیٰ نے ہماری نماز میں جمع فرمادیا ہے۔ چنانچہ ہماری نماز میں قیام بھی موجود ہے، رکوع بھی موجود ہے اور سجدہ بھی موجود ہے۔ نیز فرشتوں کے علاوہ جو دوسری مخلوقات ہیں وہ بھی عبادت میں مشغول ہیں۔ چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ پہاڑ قعدے کی حالت میں اللہ کی عبادت میں لگے ہوئے ہیں، بس یہی ان کی عبادت ہے۔ درخت قیام کی حالت میں اللہ کی عبادت کررہے ہیں، چوپائے رکوع کی حالت میں اللہ کی عبادت کررہے ہیں، اسی طرح رینگنے والے جانور کیڑے مکوڑے سانپ وغیرہ یہ سب سجدہ کی حالت میں اللہ کی عبادت کررہے ہیں۔ انسان کی نماز میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہ عبادات جمع فرمادی ہیں۔ اس طرح انسان کی نماز ایک جامع ترین نماز ہے۔

نماز قائم کرنے کا مطلب

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں تقریباً تیس مقامات پر نماز قائم کرنے کا حکم دیا ہے۔ نماز قائم کرنے کا مطلب اور ہے، اور نماز پڑھنے کا مطلب اور ہے۔ ہم لوگ نماز پڑھتے ہیں لیکن نماز قائم نہیں کرتے۔ نماز قائم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نماز کو اس کے تمام فرائض، واجبات، سنن اور مستحبات اور جملہ آداب کے ساتھ اور مرد کو باجماعت نماز ادا کرنا، اور خواتین کا گھر میں ان تمام امور کی رعایت کے ساتھ نماز پڑھنا نماز کو قائم کرنا ہے۔ لیکن اگر نماز کے اندر ہم صرف فرائض و واجبات کو ادا کرلیں، سنتوں اور مستحبات کا کوئی اہتمام نہ ہو، جماعت سے پڑھنے کا اہتمام نہ ہو، اور صرف اٹھک بیٹھک کرلیں اور جلدی جلدی نماز پڑھ لیں تو یہ نماز قائم کرنا نہیں ہے۔ آج سے ہم اس بات کا اہتمام کرلیں کہ ہماری نمازیں سنت کے مطابق ہوں گی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا گورنروں کے نام فرمان

فاروق اعظم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنروں کے نام ایک فرمان جاری کیا تھا، وہ مشکوۃ شریف کے اندر موجود ہے، وہ فرمان یہ تھا کہ:

"تمہارے تمام کاموں میں میرے نزدیک سب سے اہم چیز نماز کی حفاظت ہے، جس شخص نے نماز کی حفاظت کی تو اس کے بارے میں مجھے اطمینان ہے کہ باقی امور بھی وہ ٹھیک انجام دے گا۔ اور اگر اس نے نماز کو ضائع کردیا اور اس کی حفاظت نہ کی تو نماز کے علاوہ دوسرے کاموں کو اور زیادہ ضائع کرنے والا ہوگا"۔

اس کی تشریح میں حضرات محدثینؒ نے فرمایا ہے کہ نماز کی حفاظت یہ ہے کہ آدمی نماز کو اس کے سنن اور مستحبات کے ساتھ ادا کرے۔ نماز کے فرائض، واجبات، سنن اور مستحبات کے بیان پر کتابیں موجود ہیں، مثلاً حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کی کتاب ہے "نمازیں سُنّت کے مطابق پڑھئے" یہ بڑی جامع کتاب ہے؛ اس میں حضرت مولانا مدظلہم نے تکبیر اولیٰ سے لے کر سلام پھیرنے تک نماز پڑھنے کا طریقہ بیان فرمادیا ہے، اگر ہم اپنی نمازوں کو اس کے مطابق کرلیں تو اس کے اندر فرائض و واجبات، سنن اور مستحبات سب آجائیں گے۔ دوسری کتاب کا نام "کامل طریقہ نماز" ہے، اس میں نماز کے فرائض و واجبات اور سنن و مستحبات کو علیحدہ علیحدہ بیان کردیا گیا ہے اور پھر پورا طریقہ نماز مردوں اور عورتوں کے لئے جدا جدا لکھا گیا ہے۔ تیسری کتاب ہے "نماز کی چند اہم کوتاہیاں" اس کے اندر وہ اہم اہم کوتاہیاں بیان کردی گئی ہیں جن کی طرف توجہ نہ دینے سے ہم نماز قائم کرنے سے محروم ہیں، اس کتاب کو پڑھ کر اس پر عمل کرلیں تو انشاء اللہ ہماری نمازوں میں ٹھہراؤ آجائے گا۔ اس کے علاوہ "خواتین کا طریقۂ نماز" نام کا کتابچہ علیحدہ

چھپا ہوا ہے جس میں صرف خواتین کی نماز کے طریقے کو بیان کیا گیا ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ان کا مطالعہ کریں اور اپنی اپنی نمازیں درست کریں۔

نماز کے چار اہم ارکان کی درستی

نماز میں چار چیزیں ایسی ہیں کہ اگر ان کے اندر اطمینان کی کیفیت حاصل ہوجائے تو پھر ہماری نماز بہت حد تک درست ہوجائے گی، اس لئے کہ زیادہ تر کوتاہی انہی چار چیزوں میں ہوتی ہے، وہ چار چیزیں یہ ہیں: رکوع، سجدہ، قومہ، اور جلسہ، ان چاروں کی طرف خصوصی توجہ دینا ہمارے لئے لازم اور ضروری ہے۔ ہم خود بھی ان کتابوں کو پڑھ کر اپنی نمازیں درست کریں اور اپنے گھر والوں کی نمازیں بھی درست کرنے کی کوشش کریں، اور جب نماز درست ہوجائیگی تو ہمارے دوسرے اعمال بھی درست ہوجائیں گے، ان کے اندر جان پڑجائے گی، اور خدانخواستہ اگر ہماری نماز بے جان ہوگی تو دوسرے اعمال بھی بے جان ہوجائیں گے

ہماری نماز کی کیفیت

لہٰذا حضرت لقمان علیہ السلام نے یہ جو نصیحت فرمائی کہ نماز کے اندر اپنے دل کی حفاظت کرو، اس سے نماز کے باطن کی طرف اشارہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح ہماری نمازوں کی ظاہری حالت خراب ہے، اسی طرح ہماری نمازوں کی اندرونی اور باطنی حالت بھی خراب ہے، چنانچہ نیت باندھتے ہی ہمارا ذہن اور دل غائب ہوجاتا ہے، پوری نماز میں شاید ہی کسی وقت یہ خیال آتا ہو کہ ہم نماز پڑھ رہے ہیں، ورنہ سلام پھیرتے وقت ہوش آتا ہے کہ اچھا نماز ختم ہوگئی ہے۔ اسی وجہ سے ہمیں نماز میں بار بار شبہ بھی رہتا ہے کہ معلوم نہیں کتنی رکعتیں پڑھ لیں اور کتنی رکعتیں باقی ہیں۔ یہ نماز سے غائب ہونے کی نشانی ہے، یہ نماز کی باطنی خرابی ہے۔

نماز میں آنے والے وساوس کا علاج

اس خرابی کو دور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ نماز کے اندر دو باتیں ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ غیر اختیاری طور پر نماز میں جو خیالات آتے ہیں، ان کے بارے میں یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ یہ خیالات آنا کبھی بند نہیں ہوں گے، اور نہ ہی ان کے بند کرنے کا کوئی راستہ ہے۔ دوسرے یہ کہ نماز کی نیت باندھ کر سلام تک ہم اپنا ذہن اور اپنا دل نماز کی طرف متوجہ کرتے رہیں، یہ کام اختیاری ہے۔ ہمارا یہ حال ہے کہ جن غیر اختیاری خیالات کو روکنا ہمارے اختیار میں نہیں ہے، ان کو لے کر بیٹھ جاتے ہیں اور اس کا رونا روتے ہیں، اور جو کام ہمارے اختیار میں ہے، اس کو کرنے کی کوشش نہیں کرتے، لہٰذا دھیان لگنا غیر اختیاری ہے ہم اس کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں، اور دھیان لگانا اختیاری ہے اس کو ہم نہیں کرتے، جب کہ حکم بھی دھیان لگانے کا ہے۔ جب ہم اس کی مشق اور کوشش کریں گے تو انشاء اللہ ایک وقت آئے گا کہ ہم اپنا ذہن نماز میں لگانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

کس کی نماز کا ثواب زیادہ ہے

چنانچہ بعض بزرگوں نے یہاں تک فرمایا ہے کہ ایک آدمی وہ ہے جو نماز کی نیت باندھتے ہی اس کا ذہن نماز میں ایسا مشغول ہو جاتا ہے کہ سلام پھیرنے سے اس کا ذہن نماز سے باہر آتا ہے۔ اور دوسرا آدمی وہ ہے کہ نماز کی نیت باندھتے ہی اس کا ذہن اِدھر اُدھر بھٹکتا رہتا ہے لیکن وہ برابر یہ کوشش کرتا رہتا ہے کہ میرا دل نماز میں لگے، یہاں تک کہ پوری نماز اسی کوشش میں ختم ہو جاتی ہے۔ تو ثواب کے اندر یہ دونوں برابر ہیں، بلکہ ہو سکتا ہے کہ دوسرے شخص کا ثواب بڑھ جائے، کیونکہ یہ ایک مجاہدے سے گزر رہا ہے اور بڑی کوشش میں لگا ہوا ہے۔ ہم لوگوں کا یہ حال ہے کہ جو اختیار میں نہیں اس کی فکر میں پڑے رہتے ہیں اور جو اختیار میں ہے اس کو کرتے نہیں ہیں، یہ بڑی ناسمجھی کی بات ہے۔ سمجھ داری کی بات یہ ہے کہ جو چیز

ہمارے اختیار میں ہے اور جس چیز کا ہمیں حکم ہے اس کی فکر کریں اور کوشش کریں۔ اور جس کا حکم نہ ہو یا وہ غیر اختیاری امر ہو اس کی طرف توجہ ہی نہ دیں۔

نماز میں آنے والے خیالات کا پہلا علاج

اب نماز میں خیالات کو روکنے کی جو صورتیں ہیں وہ عرض کردیتا ہوں، جس شخص کے لئے جو صورت آسان ہو وہ اس کو اختیار کرلے۔ ایک صورت یہ ہے کہ نماز کی نیت باندھنے کے بعد ہم یہ تصور باندھتے رہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں، ذہن اگر دوسری طرف چلا جائے تو فوراً یہ تصور دل میں لائیں کہ میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں اور اس کے سامنے نماز پڑھ رہا ہوں۔

دوسرا علاج

دوسری صورت یہ ہے کہ نماز کی نیت باندھنے کے بعد یہ تصور کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں کہ میں کس طرح نماز پڑھ رہا ہوں، کس طرح تلاوت کررہا ہوں، کس طرح قیام کررہا ہوں، کس طرح رکوع کررہا ہوں، کس طرح سجدہ کررہا ہوں۔ اس طرح ہر رکن میں یہ خیال دل میں جماتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں۔

تیسرا علاج

تیسری صورت یہ ہے کہ نماز میں جو تلاوت اور اذکار اور تسبیحات ہیں وہ سب عربی میں ہیں۔ ان کے اردو ترجمہ اور مطلب کی طرف توجہ کریں، جب قرآن کریم کی تلاوت کریں تو اس کے معنی کی طرف توجہ کریں۔ جب رکوع و سجدہ کریں تو ان کی تسبیحات کے معنی کی طرف توجہ کریں۔

چوتھا علاج

چوتھی صورت یہ ہے کہ تلاوت اور اذکار اور تسبیحات کے الفاظ کی طرف توجہ

اور دھیان رکھیں۔ عام لوگوں کے لئے یہ چوتھی صورت بہت آسان ہے، اور انفرادی نماز میں تلاوت اور اذکار ہلکی ہلکی آواز سے اس طرح پڑھیں کہ اپنے کان میں تو آواز پہنچ جائے لیکن برابر والے کی نماز میں خلل نہ آئے۔ پھر اپنے ذہن کو اپنی آواز اور الفاظ کی طرف لگائے، مثلاً اس طرح ذہن لگائے کہ اب سبحان اللہ پڑھ رہا ہوں، اب الحمد للہ پڑھ رہا ہوں، اب سورت پڑھ رہا ہوں۔ اس طرح ذہن الفاظ اور آواز کی طرف لگائے۔

پانچواں علاج

پانچویں صورت یہ ہے کہ ذہن میں یہ تصور باندھے کہ میں بیت اللہ کو دیکھ رہا ہوں، بیت اللہ میرے سامنے ہے، اور میں بیت اللہ کے سامنے نماز پڑھ رہا ہوں۔ اور پوری نماز میں خانہ کعبہ کی طرف تصور جمائے رکھے، اگر تصور بھٹک جائے پھر جمالے۔

چھٹا علاج

چھٹی صورت یہ ہے کہ نماز کے جتنے ارکان ہیں، ان کو سوچ سوچ کر ادا کرے، مثلاً جب نیت باندھ لے تو یہ سوچے کہ اب میں قیام کررہا ہوں، جب رکوع میں جائے تو یہ سوچتا رہے کہ اب میں رکوع ادا کررہا ہوں، جب سجدہ میں جائے تو یہ سوچے کہ اب میں سجدہ کررہا ہوں، جب تشہد میں بیٹھے تو یہ سوچے کہ اب میں تشہد ادا کررہا ہوں۔ اس طرح پوری نماز کے ہر رکن میں سوچتا رہے تو پھر ذہن میں دوسرے خیالات اور وساوس نہیں آئیں گے۔

ان کی مشق کریں

یہ چھ صورتیں ہوگئیں، اب جس شخص کو ان میں سے جس صورت پر عمل کرنا آسان معلوم ہو، وہ نماز کی نیت باندھتے ہی اس صورت کو اختیار کرکے اس پر عمل

کرنا شروع کردے، اور اس پر عمل کرنے کی کوشش اور مشق کرے، کیونکہ یہ چیزیں مشق سے تعلق رکھتی ہیں۔ جب آدمی اس کی مشق کرے گا تو چند روز کے بعد انشاء اللہ اسے کامیابی محسوس ہوگی، اور پھر اس کو نماز کی طرف ذہن لگانا آسان ہوجائے گا، اور اس کے نتیجے میں اس کی نماز میں خشوع و خضوع حاصل ہوجائے گا، اور اس کی ظاہری نماز یعنی اس کے رکوع سجدے اور قومہ اور جلسہ میں بھی ٹھہراؤ آجائے گا اور وہ جلدی جلدی نماز نہیں پڑھے گا۔ اور نماز میں دل کی حفاظت کا یہی مطلب ہے کہ نماز کے ظاہر اور باطن میں سکون اور ٹھہراؤ آجائے، اور اپنا ذہن نماز کے علاوہ کسی اور چیز کی طرف نہ لے جائے۔

نماز پر پانچ انعامات کا وعدہ

ایک حدیث شریف میں ہے کہ جو نماز سکون و اطمینان اور خشوع و خضوع کے ساتھ ادا ہوتی ہے، اس نماز پر اللہ تعالیٰ نمازی کو پانچ انعامات سے نوازتے ہیں۔

پہلا انعام

پہلا انعام یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس کی روزی کی تنگی دور فرمادیں گے۔ یہ روزی دنیا و آخرت کا بہت بڑا مسئلہ ہے، لیکن ایسی نماز کی بدولت اللہ تعالیٰ اس کی دنیاوی تمام ضرورتیں بھی غیب سے مہیا فرمائیں گے، اور قبر اور حشر اور آخرت میں بھی اس کی ضروریات پوری فرمائیں گے، اور اس کو اپنے فضل سے نہایت فراخی اور فراوانی سے مالا مال فرمائیں گے۔ دنیا کا سب سے بڑا وبال وہ فقر و فاقہ اور تنگدستی ہے جو غیر اختیاری طور پر کسی پر آجائے، اس لئے کہ یہ فقر و فاقہ بعض اوقات کفر کا باعث بن جاتا ہے، اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فقر و فاقہ سے پناہ مانگی اور یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ! میں آپ کی فقر و فاقہ سے اور کفر سے اور دنیا و آخرت کی ذلت اور رسوائی سے پناہ مانگتا ہوں۔ فقر و فاقہ کے نتیجے میں نہ عزت باقی رہتی ہے اور نہ ایمان باقی رہتا ہے۔ اگر ہم اپنی نماز صحیح کرلیں اور نماز میں کمال پیدا کرلیں تو اللہ

تعالیٰ کی طرف سے پہلا انعام یہ ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس کی رزق کی تنگی دور فرمادیں گے

دوسرا انعام

نمازی پر دوسرا انعام یہ ہوگا کہ جب وہ دنیا سے اچھی نماز پڑھ کر جائے گا تو قبر میں جاتے ہی اس کا عذاب قبر معاف کردیا جائے گا۔

تیسرا انعام

تیسرا انعام یہ ملے گا کہ قیامت کے دن جب آدمی اپنی قبر سے اٹھے گا تو ہر شخص اس وقت بدحواس اور خوف زدہ ہوگا اور بہت ہی پریشان ہوگا، اور سب سے زیادہ اس بات کا غم ہوگا کہ کہیں میرا نامۂ اعمال میرے بائیں ہاتھ میں نہ دے دیا جائے۔ لیکن نمازی کو یہ انعام ملے گا کہ اس کا نامۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، اس وقت اس کی خوشی کی انتہا نہ ہوگی اور وہ اپنا نامۂ اعمال لے کر اِدھر اُدھر پھرے گا اور لوگوں سے کہے گا کہ اس کو پڑھ کر دیکھو اس میں کیا لکھا ہے۔ مجھ کو تو پہلے ہی معلوم تھا کہ یہ سب کچھ پیش آنے والا ہے۔ اور مجھ پر اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا کہ میرا نامۂ اعمال میرے دائیں ہاتھ میں دے دیا۔ اور جس شخص کا اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو یہ اس کی ذلت اور رسوائی اور جہنم میں جانے کی علامت ہوگی، العیاذ باللہ!

چوتھا انعام

چوتھا انعام یہ ملے گا کہ نامۂ اعمال کے ملنے کے بعد ہر شخص کو پل صراط سے گزرنا ہوگا، چاہے وہ نیک ہو یا بد ہو، اپنے اپنے اعمال کے مطابق ہر شخص اس پل صراط کو عبور کرے گا، پل صراط کے نیچے دوزخ ہوگی اور پل صراط کے اس پار جنت ہوگی، اور جنت میں داخل ہونے کے لئے پل صراط پر سے گزرنا پڑے گا، جو لوگ دوزخ میں جانے والے ہوں گے وہ اسی پل صراط کے اوپر سے دوزخ کے اندر

گر جائیں گے، اور جو لوگ کامیاب ہوں گے اور جنتی ہوں گے وہ آسانی کے ساتھ اس کو عبور کر جائیں گے۔ اور نمازی پر اللہ تعالیٰ کا یہ انعام ہوگا کہ وہ پلک جھپکنے میں اس پل صراط کو عبور کر جائے گا اور جنت میں پہنچ جائے گا۔

پانچواں انعام

پانچواں انعام یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ بلا حساب و کتاب اس کی بخشش فرمادیں گے۔ یہ تو ہر مؤمن کی آرزو ہے، ورنہ کس میں یہ طاقت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے حساب و کتاب دے سکے اور جواب دہی کر سکے۔

خلاصہ

بہرحال، یہ نماز ایک ایسی عبادت ہے جس میں ساری عبادات جمع ہیں، اگر یہ درست ہوجائے تو ساری عبادتیں ہماری درست ہوجائیں، اگر ہم نماز کے اندر اپنے دل کی حفاظت کرنے میں لگ جائیں تو اس کی بدولت انشاء اللہ دوسری عبادتوں میں بھی دل کی حفاظت کی توفیق ہوجائے گی۔ اور دوسری عبادتوں میں بھی خشوع و خضوع کا درجہ حاصل ہوجائے گا۔ اس لئے ہم اپنی نماز کے ظاہر کو بھی درست کرلیں اور باطن کو بھی درست کرلیں۔ تو حضرت لقمان علیہ السلام کی پہلی نصیحت یہ ہے کہ جب تم نماز میں ہو تو اپنے دل کی حفاظت کرو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس نصیحت پر عمل کرنے اور نماز میں اپنے دل کی حفاظت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ باقی نصیحتوں کے بارے میں تفصیل انشاء اللہ آئندہ عرض کروں گا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

حرام کھانے کی نحوست

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی بیانات : جلد نمبر: ۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرام کھانے کی نحوست

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیأت اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، ونشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ، ونشھدان سیدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ، صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلی اٰلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیرًا کثیرا۔

اما بعد!

فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم۔ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

﴿ولقد آتینا لقمٰن الحکمۃ ان اشکر للّٰہ، ومن یشکر فانما یشکر لنفسہ، ومن کفر فان اللّٰہ غنی حمید﴾ --- صدق اللّٰہ العظیم

(سورۃ لقمان: ١٢)

تمہید

یہ سورۃ لقمان کی آیت ہے۔ اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک اور مقبول بندے حضرت لقمان علیہ السلام کی نصیحتیں بیان فرمائی ہیں۔ اور اس آیت کی تفسیر میں سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت لقمان علیہ السلام کا ایک قول نقل فرمایا ہے، جس میں حضرت لقمان علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں نے چار ہزار پیغمبروں کی خدمت اور صحبت میں رہ کر جو کچھ ان سے سنا اور جو ان سے تعلیمات حاصل کیں، اس کا خلاصہ آٹھ باتیں ہیں:

① پہلی بات یہ ہے کہ جب تم نماز میں ہو تو اپنے دل کی حفاظت کرو۔ اس کے بارے میں پچھلے جمعہ کو تفصیل سے عرض کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس نصیحت پر عمل

کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

دوسری نصیحت ”حلق کی حفاظت“

حضرت لقمان علیہ السلام نے دوسری نصیحت یہ فرمائی کہ جب تم دسترخوان پر ہو تو اپنے حلق کی حفاظت کرو۔ اس نصیحت کے دو مطلب ہیں۔ ایک مطلب تو یہ ہے کہ حد سے زیادہ کھانے سے بچو، اس لئے کہ زیادہ کھانے سے معدہ خراب ہوتا ہے، اور سارے جسم کی صحت معدہ کے صحیح ہونے پر موقوف ہے، اگر معدہ خراب ہے تو سارا جسم خراب ہے، اور اگر معدہ صحیح ہے تو سارا جسم صحیح ہے۔ لہٰذا زیادہ کھانے سے بچو تاکہ معدہ صحیح رہے۔ چنانچہ ہمارے دین میں بھی یہی تعلیم دی گئی ہے کہ جب کھانا کھاؤ تو اپنے پیٹ کے تین حصے کر لو، ایک حصہ کھانے کے لئے، ایک پینے کے لئے اور ایک حصہ سانس لینے کے لئے۔ اگر اس اصول پر عمل ہو جائے تو انسان بیمار نہ ہو اور کبھی اس کو پیٹ کی خرابی نہ ہو۔ اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا یہ طریقہ بیان فرمایا ہے کہ جب تھوڑی سی بھوک رہ جائے اس وقت کھانا چھوڑ دو ـــــ اور حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے ایک مجلس میں فرمایا تھا کہ جب کھانا کھاتے کھاتے ایسا مقام آجائے کہ دل کے اندر کشمکش ہونے لگے کہ مزید کھاؤں یا نہ کھاؤں، بس اس وقت کھانا چھوڑ دے تو پھر انشاء اللہ زیادہ کھانے کے مرض میں مبتلا نہیں ہوگا اور معدہ بھی خراب نہ ہوگا ـــــ بہرحال کم خوری اچھی بات ہے اور زیادہ خوری عام طور پر انسان کی صحت کے لئے نقصان دہ ہوتی ہے۔

اپنے حلق کو لقمہ حرام سے بچاؤ

اس نصیحت کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ اپنے حلق کو لقمہ حرام سے بچاؤ۔ اور کھانا کھانے سے پہلے یہ دیکھ لو کہ تمہارے حلق میں حرام یا مشتبہ کھانا تو نہیں جا رہا ہے۔ اگر وہ کھانا حلال و طیب ہے تو بسم اللہ کر کے اس کو کھالو اور اگر خدا نخواستہ وہ کھانا

حرام یا مشتبہ ہے تو پھر اپنے حلق کی اس سے حفاظت کرو کہ حرام کا لقمہ تمہارے حلق سے اترنے نہ پائے، اس لئے کہ یہ ایسا زہر ہے جو دین و ایمان کو ملیا میٹ کرنے والا ہے۔ چنانچہ قرآن و حدیث میں حرام کھانے پر بہت سی وعیدیں آئی ہیں

حرام کھانے سے دعا قبول نہیں ہوتی

مسلم شریف کی ایک حدیث ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کا ذکر فرمایا کہ اس کا سفر بڑا طویل تھا، اس کے بال بکھرے ہوئے، کپڑے غبار آلود، اور وہ اسی حالت میں آسمان کی طرف منہ کر کے یارب یارب کہہ کر دعا مانگ رہا تھا، لیکن اس کی حالت یہ تھی کہ اس کا کھانا حرام، اس کا پینا حرام، اس کا لباس حرام، اور حرام غذا سے اس کی پرورش ہوئی، ایسے شخص کی دعا کیسے قبول ہو سکتی ہے؟ (مسلم شریف)

معلوم ہوا کہ حرام کھانے کی ایک نحوست یہ ہے کہ اس کے کھانے کے بعد آدمی کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ یہ خطرناک معاملہ ہے۔

تین آدمیوں کی دعا کا قبول ہونا

حدیث شریف میں آتا ہے، تین آدمی ایسے ہیں کہ ان کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے، ان کی دعا کی قبولیت میں کوئی شک نہیں ہے۔ ایک مسافر کی دعا، دوسرے باپ کی دعا اولاد کے حق میں، تیسرے مظلوم کی بددعا ظالم کے حق میں۔ لیکن اگر ایک شخص طویل سفر پر ہے مگر اس کا کھانا پینا حرام کا ہے تو پھر حالت سفر میں بھی اگر وہ اللہ تعالیٰ کو پکارے گا تب بھی اس کی دعا قبول نہیں ہوگی۔

حرام کھانے والے کی عبادت قبول نہیں

ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس پر ایک فرشتہ مقرر کیا ہے، اور یہ فرشتہ ہر دن اور ہر رات یہ آواز لگاتا ہے کہ جو شخص حرام کھائے گا، اللہ

تعالیٰ اس کے نہ فرض قبول فرمائیں گے اور نہ نفل۔ (کتاب الکبائر)

ان دونوں احادیث سے یہ معلوم ہوا کہ حرام کھانے والے کی نہ دعا قبول ہوتی ہے اور نہ ہی عبادت قبول ہوتی ہے۔

"مستجاب الدعوات" بننے کا طریقہ

حدیث شریف میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی یا رسول اللہ! آپ اللہ تعالیٰ سے میرے حق میں یہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے مستجاب الدعوات بنادیں ــــ "مستجاب الدعوات" اس کو کہتے ہیں جس کی دعا قبول ہو جایا کرے ــــ تاکہ جب بھی میں دعا کروں تو اللہ تعالیٰ میری دعا قبول فرمالیا کریں۔ جواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے انس! تم حلال کمانے اور حلال کھانے کا اہتمام کرو، اللہ تعالیٰ تمہیں "مستجاب الدعوات" بنادیں گے، پھر تم جو بھی دعا کرو گے، اللہ تعالیٰ اس دعا کو قبول فرمالیا کریں گے، اور حرام سے بچو، اس لئے کہ اگر حرام کھانے کا ایک لقمہ بھی انسان کے منہ میں چلا جائے تو چالیس دن تک اس کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ (الترغیب) حرام کھانے کا یہ نقصان بہت بڑا ہے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے نقصانات ہیں۔

حرام کھانے کے نقصانات

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے حرام کھانے کے مندرجہ ذیل نقصانات شمار کرائے ہیں۔

① پہلا نقصان یہ ہے کہ حرام کھانے سے انسان کے دل سے نور نکل جاتا ہے۔

② دوسرا نقصان یہ ہے کہ حرام کھانے سے طبیعت کے اندر سستی اور کاہلی پیدا ہو جاتی ہے۔

③ تیسرا نقصان یہ ہے کہ انسان کے دل میں بُرے بُرے جذبات اور خیالات کثرت سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور ہر وقت انسان کے دل میں بُرے کام کرنے کا جذبہ ابھرتا رہتا ہے۔

④ چوتھا نقصان یہ ہے کہ نیک کام کی طرف سے انسان کی طبیعت ہٹ جاتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حرام کھانے سے انسان دین سے دور ہوجاتا ہے اور اس کی آخرت برباد ہونے لگتی ہے۔

حرام کھانے والے کی طرف سے شیطان کی بے فکری

ایک روایت میں ہے: حضرت یوسف بن ارطات رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی نوجوان اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی اطاعت کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو شیطان اپنے دوستوں سے کہتا ہے کہ یہ دیکھو اس کی غذا کیا ہے؟ اس کی خوراک کیسی ہے؟ اگر اس کا کھانا پینا مال حرام سے ہے، حرام کھاتا ہے، حرام پیتا ہے، حرام پہنتا ہے، تو شیطان اپنے دوستوں سے کہتا ہے کہ اب تم اس کی طرف سے بے فکر رہو، اب تمہیں اس کی طرف توجہ دینے کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ حرام کھانے سے اس کی عبادت اس کو بالکل فائدہ نہیں دے گی۔ (کتاب الکبائر)

بہر حال، شیطان بھی اس کی غذا دیکھ کر بے فکر ہو جاتا ہے، البتہ شیطان اس شخص کی عبادت خراب کرنے کی فکر کرتا ہے جس کی غذا حلال ہوتی ہے، اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ اس کی عبادت کھری ہے اور یہ عبادت اس کے لئے باعث نجات ہے، باعث قرب اور باعث رضامندی ہے، اور یہ اللہ کا مقرب بندہ بنے گا۔ اور اگر کوئی شخص حرام کھا رہا ہے، حرام پی رہا ہے، حرام پہن رہا ہے تو اس کی طرف سے بے فکر ہو جاتا ہے۔

حرام کھانے کی مختلف صورتیں

آج ہمارے معاشرے میں حرام کے بے شمار طریقے پھیلے ہوئے ہیں، اور لوگ ان میں مبتلا رہتے ہیں اور بالکل پرواہ نہیں کرتے، مثلاً آج کل بجلی کی چوری کتنی عام ہے، کتنی فیکٹریاں، کتنی ملیں، کتنے گھر اور کتنے ادارے ایسے ہیں جو بجلی چراتے ہیں، اور اس بجلی سے سب کام کر رہے ہیں۔ اسی طرح گیس چوری کرتے ہیں، پانی چوری کرتے ہیں، ڈیوٹی کی چوری بھی بہت عام ہے، چاہے سرکاری ملازم ہوں یا غیر سرکاری ملازم ہوں، عام طور پر لوگ ڈیوٹی کم دیتے ہیں اور تنخواہ پوری لیتے ہیں الا ماشاء اللہ، کچھ لوگ نیک ہوں گے جو اس سے بچے ہوئے ہوں گے۔ آج مالکان اپنے ملازمین سے پریشان ہیں کہ وقت پورا نہیں دیتے اور تنخواہ پوری لیتے ہیں۔ اسی طرح تجارت کے اندر سود لینا اور سود دینا، رشوت لینا، کم تولنا، کم ناپنا۔ یہ سب حرام خوری کی مختلف صورتیں ہیں۔ اگر ہم لوگ حرام کھانے سے نہیں بچیں گے تو پھر ہماری طبیعت کیسے عبادت کی طرف راغب ہو گی۔

علم کی کمی نہیں، عمل میں کمی ہے

یاد رکھیے! علم کی کمی نہیں ہے، عمل کی کمی ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم لوگ اپنا لقمہ حلال کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ غالب کا شعر ہے۔

جانتا ہوں میں ثواب طاعت وزہد
پر طبیعت ادھر نہیں آتی

یعنی میں جانتا ہوں کہ نماز پڑھنے کا یہ ثواب ہے، اور نماز نہ پڑھنے کا یہ عذاب ہے۔ جانتا ہوں کہ زکوٰۃ دینے کا یہ ثواب ہے اور نہ دینے کا یہ وبال ہے، لیکن حالت یہ ہے کہ نماز پڑھنے کے لئے طبیعت راغب نہیں ہوتی، آذان ہو رہی ہے لیکن مسجد میں نہیں جا رہے بلکہ دکانداری ہو رہی ہے، ملاقاتیں ہو رہی ہیں، تقریبات ہو رہی

ہیں، لیکن نماز غائب ہے، حالانکہ نماز کی فرضیت کو سب جانتے ہیں۔ پہلے زمانے میں دین کا علم اتنا عام نہیں تھا جتنا اب عام ہے، بڑے بڑے مدارس ہیں، کتابیں ہیں، رسالے ہیں اور وعظ اور تقریریں ہیں، کیسٹیں بھی ہیں، جہاں چاہیں اور جس وقت چاہیں علم دین حاصل کر لیں، لیکن اس کے باوجود دین پر عمل نہیں ہو رہا ہے۔ عمل کی بڑی کمی ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ ہماری غذا کے اندر حرام اور مشتبہ غذا شامل ہے، جس کے نتیجے میں ہمارا باطن تباہ ہوگیا ہے، توفیق سلب ہوگئی ہے، اور دین کی طرف میلان اور جھکاؤ ختم ہوگیا ہے۔ اس لئے سب سے زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو حرام غذا سے بچائیں۔

ایک ہلا دینے والی حدیث

ایک اور روایت انسان کو ہلا دینے والی ہے، خدا کرے کہ واقعۃً ہم ہل جائیں اور کوشش کریں کہ ہم خود بھی حلال کھائیں اور اپنے بچوں کو بھی حلال کھلائیں۔ وہ یہ کہ ایک روایت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت کے روز کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے اس حالت میں لائے جائیں گے کہ ان کی نیکیاں تہامہ پہاڑ کے برابر ہوں گی۔ (تہامہ ایک پہاڑ کا نام ہے۔ یعنی ان کے پاس اعمال صالحہ اور نیکیوں کا بہت بڑا ذخیرہ ہوگا) جب وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونگے تو اللہ تعالیٰ ان کی تمام نیکیاں کالعدم کردیں گے اور ان کو دوزخ میں ڈال دیں گے۔ صحابہ کرامؓ نے سوال کیا کہ حضور! یہ کیونکر ہوگا؟ جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ دنیا میں نماز بھی پڑھا کرتے تھے، روزے بھی رکھتے تھے، حج بھی کرتے تھے، زکوٰۃ بھی دیتے تھے، لیکن جونہی ان کے پاس حرام مال آتا تو یہ لوگ اس کو بے دھڑک لے کر استعمال کر لیتے تھے، اس حرام سے نہیں بچتے تھے، گویا حرام کے استعمال میں بالکل آزاد اور جری تھے۔ اس حرام کے استعمال اور اس کی نحوست کی وجہ سے ان کی یہ ساری عبادتیں کالعدم ہو جائیں گی۔ (کتاب الکبائر)

حرام سے بچنا فرض ہے

جیسے نماز پڑھنا فرض ہے، روزہ رکھنا فرض ہے، زکوٰۃ دینا فرض ہے، بالکل اسی طرح حرام سے بچنا بھی فرض ہے۔ آج ہمارے اندر یہ کوتاہی بہت زیادہ پائی جارہی ہے کہ ہم میں سے بعض لوگ سرکاری ملازم ہیں، لیکن طرح طرح کے بہانوں اور مختلف طریقوں سے رشوت لیتے ہیں، یا اپنی ڈیوٹی کے اندر کوتاہی کرتے ہیں، اسی طرح اور ٹائم نہیں کرتے لیکن اور ٹائم کا معاوضہ وصول کرتے رہتے ہیں۔ یہ خرابی بھی عام ہوتی چلی جا رہی ہے کہ کتنے مسلمان ایسے ہیں جو حاجی بھی ہیں، نمازی بھی ہیں، ڈاڑھی بھی رکھی ہوئی ہے، مگر بینکوں میں ملازم ہیں، اور انشورنس کمپنی میں ملازم ہیں، اس کے علاوہ بجلی کی چوری بھی کررہے ہیں، ریل گاڑی میں ٹکٹ کے بغیر سفر بھی کر رہے ہیں۔ یہ سب کام بھی ہورہے ہیں اور ساتھ ساتھ نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور رمضان میں روزے بھی رکھتے ہیں۔

حلال کو اختیار کرنا فرض ہے

کتنے لوگ ایسے ہیں جو کاروبار میں اپنے آپ کو بالکل آزاد سمجھتے ہیں کہ ہم جس طرح چاہیں اپنا کاروبار کریں، حالانکہ جس طرح نماز کے اندر حلال وحرام ہے، روزے کے اندر حلال وحرام ہے، اس طرح کاروبار کے اندر بھی حلال و حرام ہے، حلال کو اختیار کرنا فرض ہے اور حرام سے بچنا فرض ہے۔

ایک عبرت ناک قصہ

ایک عبرت ناک قصہ سناتا ہوں، حضرت علی بن مدینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے والد صاحب کا انتقال ہوگیا، اور میں اللہ کے فضل سے حافظ قرآن تھا، میرا یہ معمول تھا کہ میں روزانہ والد صاحب کی قبر پر جاتا اور تلاوت قرآن کریم کر کے ایصال ثواب کرتا، ایک مرتبہ رمضان شریف کا زمانہ تھا، ستائیسویں شب تھی،

سحری کھا کر فجر کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد حسب معمول میں فجر کے بعد والد صاحب کی قبر پر جا کر تلاوت کرنے لگا، تو اچانک برابر والی قبر سے مجھے ہائے ہائے کرنے کی آواز آنے لگی، جب پہلی مرتبہ یہ آواز آئی تو میں خوف زدہ ہوگیا، میں ادھر ادھر دیکھنے لگا تو اندھیرے کی وجہ سے مجھے کوئی نظر نہیں آیا، جب میں نے آواز کی طرف کان لگائے اور غور کیا تو پتہ چلا کہ یہ آواز کسی قریب والی قبر سے آرہی ہے، اور ایسا لگا کہ میت کو قبر میں بہت خوفناک عذاب ہو رہا ہے اور اس عذاب کی تکلیف سے میت ہائے ہائے کر رہی ہے، بس پھر کیا تھا، میں پڑھنا پڑھانا تو بھول گیا اور خوف کی وجہ سے میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے، اور میں اسی قبر کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ گیا، پھر جوں جوں دن کی روشنی پھیلنے لگی تو آواز بھی مدھم ہونے لگی، پھر اچھی طرح دن نکلنے کے بعد آواز بالکل بند ہوگئی، جب لوگوں نے آنا جانا شروع کیا تو ایک آدمی سے میں نے پوچھا کہ یہ قبر کس کی ہے؟ اس نے ایک ایسے شخص کا نام لیا جس د میں بھی جانتا تھا کیونکہ وہ شخص ہمارے محلے کا آدمی تھا اور بہت پکا نمازی تھا، پانچ وقت کی نماز باجماعت صف اول میں ادا کرتا تھا اور انتہائی کم گو آدمی اور نہایت شریف آدمی تھا، کسی کے معاملے میں دخل نہیں دیتا تھا، جب بھی کسی سے ملتا تو اچھے اخلاق سے ملتا ورنہ زیادہ تر وہ ذکر و تسبیح میں مشغول رہتا۔ جب میں اس کو پہچان گیا تو مجھ پر یہ بات بہت گراں گزری کہ اتنا نیک آدمی اور اس پر یہ عذاب!!

میں نے سوچا کہ اس کی تحقیق کرنی چاہئے کہ اس نے ایسا کونسا گناہ کیا ہے جس کی وجہ سے اس کو یہ عذاب ہو رہا ہے؟ چنانچہ میں محلے میں گیا اور اس کے ہم عمر لوگوں سے پوچھا کہ فلاں شخص بڑا نیک اور عابد اور زاہد آدمی تھا لیکن میں نے اس کو عذاب کے اندر مبتلا دیکھا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے بتایا کہ وہ ویسے تو بڑا نیک اور بڑا عابد اور بڑا زاہد اور عبادت گزار تھا، مگر اس کی اولاد کوئی نہیں تھی اور اس کا کاروبار بہت وسیع تھا، جب وہ بوڑھا ہوگیا اور اس کے اندر کاروبار کرنے کی طاقت نہ رہی اور کوئی دوسرا اس کے کاروبار کو چلانے والا نہیں تھا، تو اس نے

اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا اور خود بھی سوچا کہ میں اب ذریعہ معاش کے لئے کیا طریقہ اختیار کروں؟ اس کے خبیث نفس نے اس کو یہ تدبیر سمجھائی کہ تو اپنا سارا کاروبار ختم کر اور جو کچھ پیسے آئیں اس کو سود پر دے دے۔ چنانچہ اس نے سارا حلال کاروبار ختم کیا اور جو رقم آئی اس کو سود پر لگا دیا۔ چونکہ کاروبار سے فارغ ہو گیا تھا اس لئے ہر وقت مسجد میں رہتا، اشراق، چاشت، تہجد، اوّابین وغیرہ تمام نوافل پڑھتا، اور پانچوں نمازیں امام کے پیچھے با جماعت صف اول میں تکبیر اولیٰ کے ساتھ پڑھتا اور رات دن ذکر و تسبیح میں مشغول رہتا۔ اور ہر مہینے سود کی معقول رقم مل جاتی اس کے ذریعہ مہینے بھر گزارہ کرتا۔ بس یہ سن کر میں سمجھ گیا کہ اس کو شدید عذاب ہو رہا تھا وہ اسی سود خوری کے گناہ کا وبال تھا۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو حرام کھانے اور حرام پہننے سے بچائے۔ آمین۔

عذاب قبر کی وجہ

باوجود نیک ہونے اور نمازی ہونے کے اس نے اپنے حلق کو حرام غذا سے نہیں بچایا، اس وجہ سے قبر میں اس کو عذاب ہوا، یہ عذاب اسی سود کھانے کی وجہ سے ہوا۔ آج بھی بعض مسلمان ایسے ہیں جو انعامی بانڈ خرید لیتے ہیں، اور اس پر جو انعام نکلتا ہے اس کو بے دھڑک استعمال کرتے ہیں، یہاں تک کہ اس انعام سے حج و عمرہ بھی ادا کر لیتے ہیں، حالانکہ وہ انعام خالص حرام ہے۔ کتنے مسلمان ایسے ہیں کہ ریٹائرمنٹ کے وقت ان کو پنشن کے جو آٹھ دس لاکھ روپے ملتے ہیں، اس کو فوراً بینک کے فکس ڈپازٹ اکاؤنٹ وغیرہ میں رکھ دیتے ہیں اور ہر ماہ اس کا سود وصول کرتے ہیں اور اسی سے اپنا گزارہ کرتے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں حرام کھانے کی یہ مختلف صورتیں ہیں جن سے بچنے کی ضرورت ہے۔

بہر حال، حضرت لقمان علیہ السلام کا فرمانا یہ ہے کہ جب دستر خوان پر بیٹھو تو حرام لقمے سے اپنے حلق کی حفاظت کرو کہ تمہارے حلق میں حرام اور مشتبہ غذا نہ

جانے پائے، اگر حرام لقمہ چلا گیا تو پھر عبادت قبول نہیں ہوگی، دعا قبول نہیں ہوگی، فرض قبول نہیں ہوں گے، نفل قبول نہیں ہوں گے، بلکہ حرام کھانے کا جو ہولناک وبال اور عذاب قرآن وحدیث میں بتایا گیا ہے اس سے بچنا بھی مشکل ہوگا۔

کھانے پینے کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ وہ حلال ہو۔ حلال کھانے میں کیا برکات اور کیا فوائد ہیں، وہ انشاء اللہ آئندہ کسی مجلس میں عرض کرونگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حرام غذا سے محفوظ رکھے اور حلال کھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

حلال روزی کی برکات

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی بیانات : جلد نمبر: ۲

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حلال روزی کے انوار و برکات

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینه ونستغفرہ و نؤمن به ونتوکل علیه، ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیٔات اعمالنا، من یهدہ اللّٰہ فلا مضل له ومن یضلله فلا هادی له، ونشهد ان لا اله الا اللّٰہ وحدہ لاشریک له، ونشهدان سیدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسوله، صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وعلی اٰله واصحابه وبارک وسلم تسلیماً کثیرًا کثیرا۔

اما بعد!

فاعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم۔ بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

﴿ولقد آتینا لقمٰن الحکمة ان اشکر للّٰہ ومن یشکر فانما یشکر لنفسه، ومن کفر فان اللّٰہ غنی حمید﴾ (سورۃ لقمان: ۱۲) صدق اللّٰہ العظیم۔

تمہید

یہ سورۃ لقمان کی آیت ہے، اس آیت کی تفسیر میں سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت لقمان علیہ السلام کا ایک قول نقل فرمایا ہے کہ ”میں نے چار ہزار پیغمبروں کی صحبت اور ان کی خدمت میں رہ کر جو کچھ ان سے سنا اور جو تعلیمات ان سے حاصل کیں، ان سب کا خلاصہ آٹھ باتیں ہیں:

(۱) پہلی بات یہ ہے کہ جب تم نماز میں ہو تو اپنے دل کی حفاظت کرو۔ اس کے بارے میں تفصیل گذشتہ سے پیوستہ جمعہ کو عرض کردی تھی۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ جب تم دسترخوان پر بیٹھو تو اپنے حلق کی حفاظت

کرو۔ اس نصیحت کے دو پہلو ہیں، ایک یہ کہ حرام غذا سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ اس کے بارے میں بھی تفصیل گذشتہ جمعہ کو عرض کردی تھی، جس میں یہ عرض کیا تھا کہ حرام کھانے کی کیا نحوست ہے اور اس میں کیا کیا نقصانات ہیں۔

حلال کھانے کے اثرات

اس نصیحت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ حلال کھانے میں کیا کیا فوائد اور اس میں کیا کیا برکات ہیں؟ اور حلال کھانے کے کیا اثرات ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ اگر انسان حلال کھانے کا اہتمام کرے، چاہے وہ حلال کھانا بہت معمولی کیوں نہ ہو، چٹنی روٹی اور دال روٹی ہی کیوں نہ ہو، تو اس کا اثر یہ ہوگا کہ کھانے والے کے دل میں نور پیدا ہوگا، اور اس نور کے نتیجے میں اس کے دل میں نیکی کے جذبات پیدا ہوں گے، اچھے اچھے کام کرنے کو دل چاہے گا، نیک لوگوں کے پاس بیٹھنے کو طبیعت چاہے گی، نیک بننے کو دل چاہے گا، گناہوں سے نفرت ہوگی، آخرت کی فکر پیدا ہوگی۔ یہ سب حلال کھانے کے اثرات ہیں۔

شاہ جی عبداللہ کا واقعہ

دیوبند میں ایک شاہ جی عبداللہ تھے، درویش اور اللہ والے اور صاحب نسبت بزرگ تھے، انہوں نے اپنے گزارے کے لئے یہ معمول بنا رکھا تھا کہ روزانہ فجر کی نماز پڑھ کر سیدھے جنگل جاتے، اور وہاں سے قدرتی گھاس کاٹ کر اس کی ایک گٹھری بنا کر اور اپنے سر پر رکھ کر منڈی میں جاتے تاکہ اس کو بیچ کر حلال روزی حاصل کریں، چونکہ صاحب نسبت بزرگ اور اللہ والے تھے، اس لئے جو لوگ گھاس خریدنے والے ہوتے تھے وہ شاہ جی کے انتظار میں رہتے کہ کب شاہ جی گھاس لائیں اور ہم ان سے گھاس خریدلیں۔ شاہ جی ایک خاص مقدار کی گھاس لاتے اور اس کو چار آنے میں بیچتے، چونکہ خریدار زیادہ ہوتے تھے، اس لئے جیسے ہی

وہ شاہ جی کو آتا دیکھتے، فوراً ان سے خریدنے کے لئے دوڑ لگاتے، اور شاہ جی کا اصول یہ تھا کہ جو شخص سب سے پہلے اس گٹھری پر ہاتھ لگا دیتا وہ گٹھری اس کو دے دیتے اور اس سے چار آنے وصول کر لیتے، نہ چار آنے سے کم لیتے اور نہ زیادہ لیتے۔

چار آنے کا حسن انتظام

ان چار آنے کو خرچ کرنے میں ان کا حسن انتظام یہ تھا کہ ایک آنہ غرباء اور فقراء اور مساکین پر صدقہ کر دیتے، ایک آنہ اپنی ضرورت کے لئے رکھ لیتے، ایک آنہ اپنی بیٹی کو دیدیتے، اور ایک آنہ دارالعلوم دیوبند کے اکابرین اور بزرگوں کی دعوت کے لئے جمع کر لیتے۔ اس طرح اس چار آنے میں ان کے سارے کام ہوجاتے، دنیا کا گزر بسر بھی ہو رہا ہے، اللہ کے راستے میں صدقہ بھی ہو رہا ہے، صلہ رحمی بھی ہو رہی ہے کیونکہ بیٹی پر خرچ کرنے میں اس کے ساتھ ہمدردی اور صلہ رحمی ہے، اور علماء کرام اور بزرگان دین کی خدمت بھی ہو رہی ہے، ان کی دعوت کے لئے بھی پیسے جمع کر رہے ہیں۔ یہ ان کا روزانہ کا معمول تھا۔

ہم لوگوں کی بد انتظامی

میرے شیخ و مرشد سیدی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے: ہم لوگوں کا حال یہ ہے کہ ہم میں جو لوگ ملازم پیشہ ہیں ان کی ۲۵ تاریخ اور کبھی ۲۰ تاریخ ہی کو تنخواہ ختم ہوجاتی ہے، اور وہ تنخواہ بھی گھر کے اخراجات میں ختم ہوجاتی ہے، یہ نہیں ہے کہ اس میں سے وہ صدقہ و خیرات کر رہے ہیں یا اس کو نیک کاموں میں خرچ کر رہے ہیں، نہ عزیزوں کی خدمت ہو رہی ہے، نہ رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی ہو رہی ہے، نہ فقیروں اور مسکینوں کی خدمت ہو رہی ہے۔ اگر ان سے کسی نیک کام میں خرچ کرنے کے لئے کہا جائے تو کہتے ہیں کہ ارے بھائی! ہماری تنخواہ تو کچھ ہے نہیں، ہمارا خود کا گزارہ نہیں ہوتا، ہم کسی دوسرے کی کیا خدمت کریں؟ آج تین ہزار والے کا بھی گزارہ نہیں ہو رہا ہے، دس

ہزار والے کا بھی گزارہ نہیں ہو رہا ہے، پچیس ہزار والے کا بھی گزارہ نہیں ہو رہا ہے، سب کا یہ حال ہے کہ مہینے کی آخری تاریخوں میں قرض لے رہے ہیں، اور جب پہلی تاریخ آتی ہے تو پھر خوب مرغ مسلّم پک رہے ہیں۔

آمدنی کم اور خرچ زیادہ

یہ سب بد انتظامی کے نتائج ہیں کہ آمدنی کم ہے اور خرچ ہم نے بڑھا رکھے ہیں، اسلامی طریقہ یہ ہے کہ جتنی آمدنی ہو، اتنا ہی خرچ رکھو، بلکہ اس آمدنی میں سے تھوڑی سی بچت بھی کرتے رہو، مگر ہمارے یہاں معاملہ الٹا ہے کہ آمدنی کم ہے اور خرچ بڑھا رکھا ہے، ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ میں معاشرے کا سب سے معزز آدمی بن جاؤں، اور اپنا رہن سہن ایسا رکھنا چاہتا ہے کہ کوئی اس کو دیکھے تو یہ کہے کہ یہ کوئی لکھ پتی اور کروڑ پتی ہے، حالانکہ وہ ہزار پتی بھی نہیں۔ اس کی بیٹھک اور ڈرائنگ روم دیکھو تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی بڑے مالدار اور سیٹھ آدمی کی بیٹھک ہے، ہر چیز اعلیٰ قسم کی اور باہر کی لگا رکھی ہے، اور اگر اس کے سونے کا کمرہ اور بیڈ روم دیکھو تو معلوم ہوگا کہ وہاں ٹاٹ کے ٹکڑے بچھے ہوئے ہیں۔ یہ سب مغربی تہذیب کی لعنت اور اس کا اثر ہے، جس کے نتیجے میں ہمارے اندر بد نظمی اور دکھاوا رچ بس گیا ہے، یہ نہیں سوچتے کہ ہماری آمدنی کتنی ہے اور اس کے مطابق ہمیں کیسی زندگی گزارنی چاہئے۔ اب آپ ایسا نظم بنالیں کہ جتنی آمدنی اللہ تعالیٰ نے دی ہے، اسی کے اندر اپنا گزارہ کریں، اس مقصد کے لئے جس طرح کا لباس پہننا پڑے، پہنیں، جس طرح کا کھانا میسر آئے، اس طرح کا کھانا کھائیں، لیکن مہینے کی پہلی تاریخ اور آخری تاریخ یکساں ہونی چاہئے۔ اس کا یہ فائدہ ہوگا کہ ہر آدمی اپنی حیثیت کے مطابق زندگی گزارے گا، اور اس کی وجہ سے اس کو کوئی پریشانی نہیں ہوگی، یہ پریشانی تو ہم نے خود پال رکھی ہے کہ آمدنی کم ہے اور خرچ زیادہ ہے، پھر پریشانی کے سوا کیا حاصل ہوگا؟

سکون قناعت میں ہے

سکون اور اطمینان تو قناعت میں ہے، اور قناعت یہی ہے کہ جتنی آمدنی ہے، اس کے مطابق خرچ رکھو، اس سے زیادہ مت بڑھاؤ، تو بس آرام سے مہینہ گزر جائے گا۔

بہرحال، حضرت والا فرمایا کرتے تھے کہ ان شاہ جی کا حسن انتظام دیکھئے کہ یومیہ ان کی آمدنی صرف چار آنے ہے، مگر وہ چار آنے کے اندر صدقہ بھی دے رہے ہیں، صلہ رحمی بھی کر رہے ہیں، علماء کرام کی خدمت بھی کر رہے ہیں، اور اپنا گزارہ بھی کر رہے ہیں، یہ ہے دین اسلام کا بتایا ہوا طریقہ۔ اگر ایک آدمی چار آنے کی آمدنی میں صدقہ دے رہا ہے اور دوسرا شخص چار ہزار کی آمدنی میں سے صدقہ نہیں دے رہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی آمد اور خرچ میں کوئی نظم نہیں ہے، بدنظمی کے اندر مبتلا ہے یا پھر مغربی تہذیب کا پیروکار ہے۔ اس کے نتیجے میں وہ پریشان ہے۔

خرچ کم کرنے کی فکر کریں

ہمارے حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ لوگ آمدنی بڑھانے کی فکر تو کرتے ہیں جو غیر اختیاری ہے، اس لئے کہ ہر انسان کی روزی مقدر ہے اس سے زیادہ نہیں مل سکتی، لیکن خرچ کو صحیح کرنے کی فکر نہیں کرتے، حالانکہ خرچ کو صحیح کرنا اور خرچ گھٹانا اختیار میں ہے اور آمدنی بڑھانا اختیار میں نہیں، چونکہ غیر اختیاری کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں، اس لئے ہر آدمی پریشان ہے۔

اکابرین دیوبند کی دعوت

بہرحال، یہ حضرت شاہ جی عبداللہ اپنی آمدنی میں سے ایک آنہ جو علماء دیوبند کی دعوت کے لئے رکھتے، جب دو چار روپے جمع ہوجاتے تو اس وقت کے اکابرین دیوبند

میں سے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ان سب کی دعوت کرتے، کبھی تو اپنے یہاں کھانا پکا کر ان سب کو بلا کر کھلاتے، اور کبھی ایسا کرتے کہ وہ دارالعلوم میں جاکر وہ رقم ان حضرات کو دیدیتے، اور ان سے عرض کرتے کہ مجھے کھانا بھی اچھا پکانا نہیں آتا، اور پکانے کی فرصت بھی نہیں ہے، آپ حضرات اس رقم سے اپنی پسند کا کھانا پکا کر کھالیں، بس یہ میری طرف سے دعوت ہے۔

دعوت کھانے کا اہتمام

ان اکابر میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ہر فن مولیٰ تھے، کھانا پکانا بھی جانتے تھے، سینا پرونا بھی جانتے تھے، اور بہت سے کام کر لیتے تھے، چنانچہ دوسرے حضرات حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب سے درخواست کرتے کہ آپ کھانا پکائیں، چنانچہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب پہلے غسل کر کے کپڑے پہنتے، پھر بازار جاکر ان پیسوں سے سامان لاکر کھانا پکاتے، جب کھانا پک کر تیار ہو جاتا تو باقی حضرات بھی غسل کرتے، پھر حضرت شاہ جی عبداللہ کی دعوت تناول فرماتے۔

اس دعوت کے اثرات

یہ حضرات اکابر فرماتے تھے کہ حضرت شاہ جی عبداللہ کی اس دعوت کا ہمارے اوپر یہ اثر ہوتا کہ ایک ایک مہینے تک ہمارا دل روشن ہوجاتا، اور ہمارے دل میں آخرت کی تیاری کے جذبات ابھر آتے، اور راتوں کو ہم مصلّے پر کھڑے ہوکر اللہ کی یاد میں گزارتے، اور دل کی کیفیت بدل جاتی، قلب منور ہوجاتا اور اللہ اللہ کرنے کو جی چاہتا۔ کھانے سے پہلے یہ کیفیت نہ ہوتی، کھانے کے بعد یہ کیفیت نمایاں طور پر ہمیں محسوس ہوتی اور ایک دن کی دعوت کا ایک مہینے تک اثر رہتا۔

پاکیزہ غذا کے اثرات

بات دراصل یہ ہے کہ غذا کے جسم کے اندر جانے کے بعد پورے جسم کو اس کے ذریعہ توانائی پہنچتی ہے، اس غذا سے آنکھوں کو توانائی ملتی ہے، کانوں کو توانائی ملتی ہے، ہاتھ پاؤں کو توانائی ملتی ہے، دل گردوں کو توانائی حاصل ہوتی ہے، جب پورے جسم کو توانائی ملتی ہے تو پورا جسم کام کرتا ہے، آنکھیں دیکھتی ہیں، کان سنتے ہیں، زبان بولتی ہے — یہ جسمانی طاقت ہے، اسی طرح سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے جسم میں جو قوت ایمانی اور قوت روحانی رکھی ہے، حلال غذا سے اس کو بھی تقویت پہنچتی ہے، اس کے نتیجے میں گناہوں کے جذبات دب جاتے ہیں اور نیکی کے جذبات ابھر کر اپنا کام شروع کردیتے ہیں۔

حلال غذا سے شجاعت اور بہادری پیدا ہوتی ہے

حلال غذا کا ایک اثر یہ ہوتا ہے کہ انسان کے دل میں شجاعت اور بہادری پیدا ہوتی ہے اور انسان کے اندر ہمت اور حوصلہ پیدا ہوتا ہے۔ جبکہ حرام غذا سے بزدلی پیدا ہوتی ہے۔

شجاعت اور بہادری کا ایک عجیب قصّہ

شجاعت اور بہادری کا ایک عجیب قصہ میں نے ایک کتاب میں پڑھا، وہ یہ کہ افغانستان کے امیر عبدالرحمٰن خان جو والیٔ کابل تھے، ان کے دادا امیر دوست محمد خان گزرے ہیں، ان کے زمانے کا یہ قصہ ہے کہ جب وہ افغانستان کے حاکم اور والی تھے، انہوں نے اپنے ایک بیٹے کو اپنا ولی عہد بنایا، اس کے کچھ عرصہ کے بعد افغانستان پر دشمن نے حملہ کردیا، امیر دوست محمد خان نے دشمن سے لڑنے کے لئے اور ان کو شکست دینے کے لئے ایک لشکر روانہ کیا، اور اس لشکر کا امیر اپنے اس بیٹے کو بنایا، اور اس سے کہا کہ تم جاکر دشمن کی سرکوبی کرو اور اس کو بھگا دو، اور

ہمارے ملک کے جتنے حصے پر اس نے قبضہ کرلیا ہے وہ اس سے آزاد کراؤ۔ چنانچہ وہ شہزادہ دشمن کے مقابلے کے لئے روانہ ہوگیا اور دشمن پر حملہ کر کے اس کو بھگادیا، لیکن امیر دوست محمد کو یہ اطلاع ملی کہ شہزادے کو شکست ہوگئی ہے اور وہ دشمن سے ڈر کر بھاگتا ہوا واپس آرہا ہے۔ اس اطلاع سے امیر دوست محمد کو بہت رنج ہوا اور غم ہوا اور افسوس ہوا، اور گھر کے اندر جاکر یہ خبر شہزادے کی والدہ کو سنائی کہ شہزادہ بہت بزدل اور کمزور نکلا، اس کو شکست ہوگئی ہے، اب میدان جنگ سے بھاگ کر واپس آرہا ہے حالانکہ یہ اس کی بہادری اور دلیری کی عمر ہے، شجاعت اور دلیری دکھانے کا وقت ہے مگر یہ بزدل نکلا، دوسری طرف میں نے ولی عہد بھی بنا دیا ہے، اب لوگ کہیں گے کہ تم نے کیسے نالائق اور بزدل کو ولی عہد بنایا جو دشمن کی سرکوبی نہیں کرسکتا، اس لئے مجھے شدید غم اور افسوس ہورہا ہے۔

میرا بیٹا شکست نہیں کھاسکتا

شہزادے کی والدہ نے جب یہ خبر سنی تو فوراً کہا کہ یہ خبر غلط ہے، یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ شہزادہ شکست کھا جائے۔ امیر نے کہا کہ میرے پاس سی آئی ڈی کی اطلاع ہے، میرے پاس باقاعدہ یقینی خبر آئی ہے کہ وہ شکست کھا چکا ہے، اور تم گھر کی چار دیواری میں بیٹھ کر یہ کہہ رہی ہو کہ یہ خبر غلط ہے۔ جب کچھ دیر گزری تو شہزادہ کے واپس پہنچنے سے پہلے دوسری خبر یہ آئی کہ شہزادہ دشمن کو شکست دے کر اور فتح یاب ہوکر واپس آرہا ہے۔ وہ بادشاہ جلدی سے گھر گیا اور اس کی ماں سے جاکر کہا کہ ابھی دوسری خبر یہ آئی ہے کہ اس نے شلست نہیں کھائی اور پہلی خبر غلط تھی، بلکہ وہ دشمن کو شکست دے کر اور اس کو بھگا کر فتح یاب ہوکر واپس آرہا ہے، لیکن تم نے گھر کے اندر بیٹھ کر اتنے یقین کے ساتھ کیسے کہدیا تھا کہ اس کی شکست کی خبر غلط ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ شکست کھاجائے، اس کی کیا وجہ تھی؟

طہارت اور حلال غذا کا اہتمام

شہزادے کی ماں نے کہا کہ وہ بات بتانے کی تو نہیں، لیکن آپ اصرار کر رہے ہیں تو بتا دیتی ہوں، کہ بات دراصل یہ ہے کہ جس وقت یہ شہزادہ میرے پیٹ میں تھا، اسی وقت میں نے تہیہ کرلیا تھا کہ حرام تو حرام، میں کوئی مشتبہ لقمہ بھی اپنے حلق سے نیچے نہیں اتاروں گی، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس حرام اور مشتبہ لقمہ کے اثر سے یہ شہزادہ بزدل پیدا ہوجائے، اس لئے کہ مجھے معلوم تھا کہ حرام غذا سے انسان کا دل کمزور اور بزدل ہوجاتا ہے، اور حلال غذا سے دل دلیر اور طاقتور ہوجاتا ہے، اور میں آخر تک اسی پر کاربند رہی اور اس کا اہتمام کیا۔ جب یہ پیدا ہوگیا تو اس کے بعد بھی میں نے دو باتوں کا اہتمام کیا، ایک یہ کہ میں نے کبھی ناپاکی کی حالت میں اس کو دودھ نہیں پلایا، بلکہ جب بھی دودھ پلایا تو باوضو ہوکر پلایا، اور سورۃ یٰسین شریف پڑھتے ہوئے دودھ پلایا، اور اس کے دودھ پینے کے زمانے میں بھی میں نے اپنے حلق کو حرام اور مشتبہ غذا سے بچایا، تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ حرام غذا میرے پیٹ میں جائے اور اس غذا سے دودھ بنے، اور وہ دودھ اس بچے کے پیٹ میں جائے، اور جس سے اس کی اندرونی صلاحیتیں اور طاقتیں خراب ہوجائیں اور اس کا دل کمزور ہوجائے۔ چونکہ میں نے اس بات کا اہتمام کیا تھا، اس لئے مجھے اس کا پورا یقین تھا کہ یہ شہزادہ بزدل نہیں ہوسکتا، اور جب یہ دشمن سے لڑنے کے لئے گیا ہے تو یقیناً یہ فتح یاب ہوکر آئے گا، اس لئے میں نے یہ کہہ دیا تھا کہ یہ خبر یقیناً غلط ہے

تمام مائیں یہ طریقہ اپنائیں

یہ دراصل دین پر یقین تھا کہ دین میں جب بتایا گیا ہے کہ حلال غذا سے بہادری پیدا ہوتی ہے اور شجاعت پیدا ہوتی ہے تو یہ ایک اٹل حقیقت ہے۔ حلال غذا کے باوجود اگر کسی کے اندر شجاعت نہیں ہے تو پھر سمجھ لیجئے کہ اس کو حلال غذا کا دھوکہ ہوا ہے، کیونکہ حرام غذا کے اندر بزدلی پیدا ہونا یقینی ہے، اور حلال غذا کے

اندر بہادری پیدا ہونا یقینی ہے۔ اس خاتون نے بادشاہ کی بیوی ہونے کے باوجود ایسی پارسائی کا ثبوت دیا اور کیسی حلال اور طیّب غذا کا اہتمام کیا۔ تاریخ اسلام میں ایسی عورتوں کی بیشمار مثالیں ہیں جنہوں نے ایسے سپوت پیدا کئے، وجہ اس کی یہ تھی کہ خود انہوں نے حلال کا اہتمام کیا اور حلال پر کاربند رہیں، اس کے نتیجے میں ایسی اولاد پیدا ہوئی۔ آج بھی اگر ہم اور ہماری خواتین مل کر یہ اہتمام کرلیں کہ تھوڑا کھالیں گی مگر حلال کھائیں گی تو واقعی ہمارے دلوں کی حالت بدل جائے۔

امام احمد بن حنبلؒ کا ایک واقعہ

حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ سنایا تھا کہ ایک مرتبہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا کہ بہت عرصہ ہوا آپ تشریف نہیں لائے، آپ سے ملاقات کو جی چاہتا ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ استاذ ہیں اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ان کے شاگرد ہیں، حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قیام مصر میں تھا، اس لئے وہاں شوافع زیادہ ہیں۔ جواب میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً اپنا پروگرام لکھ کر بھیج دیا کہ میں فلاں دن فلاں تاریخ کو آپ کی خدمت میں مصر حاضر ہو رہا ہوں۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے گھر والوں کو، اپنے ملنے جلنے والوں کو اور دوست احباب اور دوسرے علماء کو ان کے آنے کی اطلاع دی، پھر ان کی دعوت اور ان کے استقبال کا خصوصی اہتمام کیا، اور لوگوں سے بتایا کہ وہ اگرچہ میرے شاگرد ہیں مگر وہ بھی ایک بڑے امام ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑا مرتبہ عطا فرمایا ہے۔ چنانچہ جس دن ان کو پہنچنا تھا، اس دن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنے شاگردوں اور دوسرے علماء کو لے کر ان کے استقبال کے لئے شہر سے باہر تشریف لے گئے، اس وقت مصر کے جو بادشاہ تھے وہ بھی حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے معتقد تھے، وہ بھی امام صاحب کے ساتھ استقبال کے لئے چلے آئے، اور پھر بادشاہ کے ساتھ اس کے ارکان دولت بھی، وزراء اور امراء بھی آگئے، وقت مقررہ

پر حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ پہنچ گئے، حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا بڑا شاندار استقبال کیا، اور پھر عزت واحترام کے ساتھ ان کو لے کر گھر پہنچ گئے، اور ان کے لئے بہترین کھانے کا انتظام کیا۔

خلاف معمول زیادہ کھانا کھانا

اس زمانے میں عام طور پر اولیاء اللہ اور بزرگوں کی شان یہ تھی کہ وہ کھانا بہت کم کھایا کرتے تھے اور رات بھر اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے تھے۔ جب حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کھانا کھانے بیٹھے تو دیر تک اس طرح کھانا کھاتے رہے جیسے کئی روز کے بھوکے ہیں، باقی لوگ کھانا کھا کر اٹھ گئے مگر وہ کھاتے رہے، لوگ بہت متعجب ہوئے کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تو ان کی تعریف کی تھی کہ یہ بڑے اللہ والے اور بزرگ انسان ہیں، مگر یہ تو خوب پیٹ بھر کر کھانا کھا رہے ہیں۔ لوگوں میں اور گھر والوں میں ان کے بارے میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں لیکن کوئی کچھ بولا نہیں۔

عام لوگ تہجد گزار ہوتے تھے

پھر جس کمرے میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے لئے رات۔ وقت آرام کرنے کا انتظام کیا گیا تھا، اس کمرے میں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی بچیوں نے ایک مصلّیٰ بچھا دیا، مسواک رکھ دی، استنجاء کے لئے ڈھیلے اور پانی رکھ دیا اور وضو کے لئے لوٹا بھر کر پانی رکھ دیا تاکہ جب وہ رات کو تہجد کے لئے اٹھیں و انہیں کسی قسم کی کوئی پریشانی نہ ہو۔ اور اس زمانے میں رات کو تہجد کے لئے اٹھنا ایک عام معمول تھا۔

اللہ تعالیٰ بچائے کہ آج ہمارے زمانے میں یہ افسوسناک ماحول ہوگیا ہے کہ صبح آٹھ بجے اور نو بجے اٹھنا ہمارا معمول بن چکا ہے۔ اس زمانے میں تو عام لوگ بھی

تہجد کی نماز پڑھا کرتے تھے، اور قائم اللیل ہوا کرتے تھے، اور جو علماء اور صلحاء تھے وہ تو رات کے وقت عبادت کیا ہی کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی تہجد پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

دلوں میں شبہ پیدا ہونا

بہرحال، حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے رات کو اس کمرے میں آرام کیا اور صبح اٹھ کر فجر کی نماز پڑھنے چلے گئے، جیسے ہی وہ نماز کے لئے نکلے تو حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی بچیاں اس کمرے میں گئیں تو وہاں دیکھا کہ پانی کا لوٹا ویسے کا ویسا پانی سے بھرا ہوا ہے، نہ مسواک استعمال ہوئی، نہ ڈھیلے استعمال ہوئے، اور نہ ہی وضو کے لئے پانی استعمال ہوا، سب کچھ جیسا تھا، ویسا ہی رکھا ہوا ہے۔ اب ان کے دل میں یہ شبہ ہوا کہ شاید رات کو چونکہ کھانا زیادہ کھالیا تھا، اس لئے تہجد کے لئے آنکھ ہی نہیں کھلی جب فجر کی نماز پڑھ کر حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ واپس تشریف لائے تو گھر والوں نے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ آپ نے فرمایا تھا کہ وہ تو بہت بڑے اللہ والے اور بہت بڑے بزرگ ہیں، مگر رات کو انہوں نے کھانا بھی خوب کھایا، اور رات کو ہم نے ان کے وضوء اور استنجاء کے لئے پانی اور ڈھیلے رکھے تھے، وہ بھی استعمال نہیں ہوئے، معلوم ہوا کہ رات کو تہجد کی نماز بھی نہیں پڑھی۔

اب حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی تشویش ہوئی، لہٰذا انہوں نے حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو بلایا اور تنہائی میں لے جا کر ان سے پوچھا کہ اس طرح کی باتیں سننے میں آرہی ہیں کہ آپ نے کھانا بھی غیر معمولی طور پر کچھ زیادہ کھایا اور جس کمرے میں آپ کے لئے سونے کا انتظام کیا گیا تھا، اس کمرے میں آخری شب میں استعمال کے لئے جو چیزیں رکھی گئی تھیں، وہ بھی استعمال میں نہیں آئیں، کیا بات ہوئی؟ آپ پہلے تو ایسے نہیں تھے، کیا یہاں سے جانے کے بعد آپ کے مزاج میں کچھ تبدیلی آگئی ہے؟

حلال کھانے کے انوار وبرکات

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت! میرے بارے میں جو باتیں ہورہی ہیں وہ درست نہیں ہیں بلکہ بات کچھ اور ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ میں جس وقت کھانا کھانے کے لئے آپ کے دسترخوان پر پہنچا اور جس وقت میں نے اس کمرے میں قدم رکھا تو میں نے یہ دیکھا کہ اس کھانے کے حلال اور طیب ہونے کی وجہ سے وہ کمرہ نور سے چکا چوند ہو رہا ہے، اور یہ دیکھا کہ آسمان سے لے کر اس دسترخوان تک انوار کی بارش ہورہی ہے، جب میں نے یہ صورت حال دیکھی تو میں نے سوچا کہ شاید اس سے زیادہ حلال اور طیب کھانا مجھے زندگی میں نہیں ملے گا، لہٰذا جتنا بھی زیادہ سے زیادہ اس کو کھایا جاسکے، کھالیا جائے، اس لئے کہ اس کھانے کا ذرہ ذرہ ایمان کو اور دل کو روشن کرنے والا ہے، اس لئے مجھ سے جتنا زیادہ سے زیادہ کھانا کھایا جاسکا کھالیا، اور میں نے یہ نہیں دیکھا کہ کون کتنا کھارہا ہے، اور کون میرے بارے میں کیا سوچ رہا ہے، جہاں تک مجھ میں کھانے کی سکت تھی میں کھاتا گیا۔ اور پھر حلال کھانے سے بدہضمی بھی نہیں ہوتی، بلکہ وہ سریع الہضم ہوتا ہے اور اندر جاکر جزو بدن بن جاتا ہے اور روح کو منور کرنے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ الحمد للہ میں نے اس کا اثر محسوس کیا، کھانا کھانے کے بعد نہ تو مجھے بدہضمی ہوئی اور نہ مجھے کوئی تکلیف ہوئی۔

عشاء کے وضوء سے فجر کی نماز

پھر کھانا کھانے کے بعد عشاء کی نماز سے فارغ ہوکر جب میں اس کمرے میں پہنچا جہاں آپ نے میرے لئے آرام کا انتظام کیا تھا، وہاں جاکر تو میری حالت ہی بدلی ہوئی تھی، اور سونے کو اور آرام کرنے کو طبیعت ہی نہیں چاہ رہی تھی، اگرچہ میں لمبا سفر کر کے آیا تھا، مگر اس کھانے میں اتنی غذائیت اور توانائی تھی کہ میری تکان بھی ختم ہوگئی اور سستی بھی جاتی رہی۔

اور جب میں سونے کے لئے لیٹا تو مجھے نیند نہ آئی، لہٰذا میں لیٹا رہا اور لیٹے لیٹے قرآن وحدیث میں غور کرتا رہا، حتی کہ پوری رات غور وفکر کرتے ہوئے گزاردی، اور اس رات میں میں نے قرآن وحدیث سے ایک سو مسائل مستنبط کرلئے، اور وہ مسائل ایسے تھے جو اس سے پہلے کبھی میرے ذہن میں آئے بھی نہیں تھے اور نہ ان کی طرف کبھی خیال گیا تھا، لیکن جب آج کی رات میں نے غور کیا تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ قرآن وحدیث کے علوم اور اسرار میرے سامنے کھلے ہوئے ہیں، تمام مسائل کی تفصیل اور جوابات میرے ذہن میں آتے چلے گئے اور صبح تک میں مسائل کا استنباط کرتا رہا، اسی حالت میں صبح ہوگئی۔ یہ سب آپ کے کھانے کا اثر تھا جو رات بھر میں نے محسوس کیا، اس لئے تہجد کے وقت نہ تو لوٹا استعمال کرنے کی ضرورت پیش آئی اور نہ مسواک کی ضرورت پیش آئی، اور وہی عشاء کا وضو میرے لئے فجر میں کام آیا۔ یہ تفصیل سن کر حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے پھر اپنے گھر والوں کو حقیقت حال بتائی، اور جو لوگ ان کے بارے میں غلط قسم کی باتیں کررہے تھے ان سے کہا کہ تم نے ان کی شان میں گستاخی کی ہے، لہٰذا ان سے معافی مانگو، ان کا تو حال یہ ہے۔

حرام اور مشتبہ غذا سے بچنے کی کوشش کریں

بہرحال، واقعی ہمارے اندر جو دین کا جذبہ نہیں ہے اور دین کی طرف میلان نہیں ہے، جبکہ ہم جانتے ہیں کہ دین برحق ہے اور آخرت برحق ہے اور ہمیں آخرت کی طرف متوجہ ہونا چاہئے، پھر بھی دل اس طرف نہیں آتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری غذا میں مشتبہ غذا کو بڑا دخل ہے۔ اس لئے ہم حرام اور مشتبہ غذا سے بچنے کی کوشش کریں، خود بھی بچیں اور اپنے گھر والوں کو اور اپنے بچوں کو بھی حرام اور مشتبہ غذا سے بچائیں کہ کسی کے پیٹ میں حرام اور مشتبہ غذا نہ جانے پائے، ورنہ اس کے وبال سے نہ بچ سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حلال اور طیب روزی عطا فرمائے اور حرام غذا سے ہم سب کی حفاظت فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

آنکھ اور زبان کی حفاظت

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی بیانات : جلد نمبر ۲

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

آنکھ اور زبان کی حفاظت

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیّٰات اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، ونشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ، ونشھد ان سیدنا وسندنا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ، صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلٰی اٰلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً کثیرا۔

اما بعد!

فاعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم۔ بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم
﴿ولقد آتینا لقمٰن الحکمۃ ان اشکر للّٰہ ومن یشکر فانما یشکر لنفسہ ومن کفر فان اللّٰہ غنی حمید، صدق اللّٰہ العظیم﴾ (سورۃ لقمان: ۱۲)

تمہید

یہ سورۂ لقمان کی آیت ہے، اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک اور مقبول بندے حضرت لقمان علیہ السلام کی نصیحتیں بیان فرمائی ہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں سحبان الہند حضرت مولانا سعید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت لقمان علیہ السلام کا ایک قول نقل کیا ہے، وہ قول یہ ہے کہ حضرت لقمان علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے چار ہزار پیغمبروں کی خدمت اور صحبت میں رہ کر جو کچھ ان سے سنا اور ان کی جو تعلیمات حاصل کیں، ان کا خلاصہ یہ آٹھ نصیحتیں ہیں:

پہلی نصیحت

پہلی نصیحت یہ ہے کہ جب تم نماز میں ہو تو اپنے دل کی حفاظت کرو۔

دوسری نصیحت

دوسری نصیحت یہ ہے کہ جب تم دستر خوان پر بیٹھو تو اپنے حلق کی حفاظت کرو۔

ان دونوں نصیحتوں کے بارے میں پچھلے جمعوں میں کافی تفصیل سے عرض کیا جاچکا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

تیسری نصیحت ــــ آنکھ کی حفاظت

حضرت لقمان علیہ السلام نے تیسری نصیحت یہ فرمائی کہ جب تم کسی کے گھر میں جاؤ تو اپنی نظر کی حفاظت کرو۔ پہلے زمانے میں شرعی پردے کا رواج تھا اور اس کا اہتمام ہوتا تھا، اس لئے باہر تو بے پردگی کا کوئی امکان نہیں تھا، البتہ کسی کے گھر میں جاکر ہی اس گھر کی خواتین اور وہاں کی نامحرم عورتوں پر نظر پڑ جانے کا امکان تھا۔ اس لئے اس پس منظر میں یہ نصیحت فرمائی کہ جب تم کسی کے گھر جاؤ تو اپنی نظر کی حفاظت کرو، مثلاً کہیں کواڑ میں کوئی سوراخ ہو، یا کہیں کوئی جنگلہ کھلا ہوا ہو، یا کہیں پردہ ہٹا ہوا ہو، اور وہاں سے تمہیں صاحب خانہ کے گھر والے نظر آسکتے ہوں تو تم اپنی نظر بچالو اور اپنے اختیار سے ان پر نظر مت ڈالو۔ اس لئے کہ ایک تو جس کے گھر میں ہم گئے ہیں، اس کا زیادہ حق ہے کہ ہم اس کے گھر والوں سے اپنی نظر کی حفاظت کریں، ورنہ صاحب خانہ کی یہ خیانت ہوگی۔ دوسری طرف ایک نامحرم عورت پر جان بوجھ کر نظر ڈالنا گناہ کی بات ہے۔ بہرحال، اصل نصیحت اپنی نظر کی حفاظت کرنے کی فرمائی ہے کہ جب کسی کے گھر جاؤ تو زیادہ اہتمام سے اپنی نظر کی حفاظت کرو کہ کسی نامحرم عورت پر نظر نہ پڑنے پائے، اور اگر کبھی ایسا موقع آجائے

تو اپنی نظر کو بچاؤ۔

نظریں نیچی رکھیں

لیکن یہ حکم صرف گھر کے اندر تک محدود نہیں ہے، بلکہ اصل حکم یہ ہے کہ اپنے قصد و اختیار سے نہ تو نامحرم عورتیں نامحرم مردوں کو دیکھیں، نہ ہی نامحرم مرد نامحرم عورتوں کو دیکھیں۔ جہاں اللہ پاک نے پردہ کا حکم دیا ہے، وہاں دوسری طرف نظریں نیچی رکھنے کا بھی حکم دیا ہے۔ یہ حکم مردوں کو بھی دیا ہے اور عورتوں کو بھی دیا ہے۔ چنانچہ مردوں کو حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿قل للمؤمنين يغضوا من ابصارهم ويحفظوا فروجهم﴾ (سورۂ نور)

"یعنی آپ مؤمن مردوں سے فرما دیجئے کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچی رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں"۔

مسلمان خواتین کو حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿قل للمؤمنٰت يغضضن من ابصارهن ويحفظن فروجهن ولا يبدين زينتهن﴾ (سورۂ نور)

"یعنی آپ مؤمن خواتین سے فرمادیجئے کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، اور اپنی آرائش و زیبائش کو ظاہر نہ ہونے دیں"۔

یعنی باقاعدہ مکمل پردے کے ساتھ رہیں تاکہ ان کی آرائش اور زیبائش نامحرم مردوں پر ظاہر نہ ہونے پائے۔

نظریں نیچی رکھنے کا گھر کے اندر بھی حکم ہے اور گھر کے باہر بھی حکم ہے۔

شہوت کے گناہوں کا آغاز نظر سے ہوتا ہے

ہمارے موجودہ دور میں گھر کے اندر بھی بے پردگی ہے اور گھر کے باہر بھی بے

پردگی ہے، ہر جگہ گناہ ہی گناہ کے مناظر نظر آتے ہیں، اس لئے آج اور زیادہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت ہے۔ اور یہ بات یاد رکھئے کہ انسان جن وجوہات کی وجہ سے گناہوں کے اندر مبتلا ہوتا ہے، وہ بنیادی طور پر تین ہیں: ان میں سے ایک بڑی وجہ شہوت ہے، ہر انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور مصلحت سے شہوت رکھی ہے، اور وہ اپنی جگہ بہت بڑی نعمت ہے، لیکن اس کا بے جا استعمال گناہ اور ناجائز ہے اور بڑے بڑے گناہوں کا ذریعہ ہے۔ یہ شہوت مرد میں بھی ہے اور عورت میں بھی ہے، اس لئے خواتین کو پردے کا اور نظریں نیچی رکھنے کا حکم ہے، اور مردوں کو بھی اپنی نظریں بچانے کا حکم ہے۔ اس نظر کے بچانے میں بھی بڑی حکمت ہے، اس لئے کہ جتنے بھی شہوت کے گناہ ہیں، ان کا آغاز نظر سے ہوتا ہے۔ جب ایک نامحرم مرد اور نامحرم عورت ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں بس یہیں سے شیطان اپنا کام شروع کر دیتا ہے اور دونوں کے دلوں میں گناہوں کے جذبات ابھار کر ایک ایک کر کے گناہ کراتا چلا جاتا ہے، اس طرح بعض اوقات ایک دوسرے کو آخری گناہ یعنی بدکاری تک پہنچا دیتا ہے۔

گناہوں سے بچنے کا ایک ذریعہ

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان جائیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی قدم پر بند لگا دیا اور جہاں سے گناہ کی ابتداء ہوتی ہے وہیں پر روک لگا دی اور نظر بچانے کا حکم دے دیا۔ لہٰذا اگر تم نظر کو بچالو گے تو آگے کے تمام گناہوں سے بچتے چلے جاؤ گے، اور جس نے اپنی نظر کو نہیں بچایا تو وہ بعد کے گناہوں میں مبتلا ہوتا جائے گا۔ چنانچہ پہلے وہ نامحرم سے باتیں کرے گا پھر اس کے قریب جائے گا اور بے تکلفی ہوگی، بات چیت ہوگی، اور آخر کار بدکاری میں مبتلا ہو جائے گا، جس کا آغاز بدنگاہی سے ہوا تھا۔ لہٰذا جس نے اپنی نظر کو بچالیا، اس نے باقی گناہوں سے بھی اپنے آپ کو بچالیا، اور جو بدنگاہی سے نہ بچا وہ باقی گناہوں میں بھی مبتلا ہوتا چلا جائے گا۔

نظر کا اثر دل پر

اس لئے ہر عمر کے لوگوں کو اس گناہ سے بچنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ چاہے وہ مرد ہو یا عورت ہو، چاہے وہ جوان ہو یا بوڑھا ہو، اور چاہے وہ بزرگ ہو یا ولی ہو، سب کو اس گناہ سے بچنا چاہئے۔ سکھر میں ہمارے ایک بزرگ حضرت حکیم محمد ابراہیم صاحب رزمی رحمۃ اللہ علیہ گزرے ہیں، انہوں نے بدنگاہی کے سلسلے میں ایک بہت پیارا رباعی کہا ہے، جس میں سبھی کچھ فرمادیا ہے ؎

نظر بر قدم ہو، قدم بر زمیں ہوں
یقیناً یہ صورت تو ہے اختیاری
نہ روکا نظر کو جو بے باکیوں سے
تو لٹ جائے گی دل کی پونجی ہی ساری

اس لئے کہ بدنگاہی کا سب سے پہلا اثر دل پر ہوتا ہے، اگر اس نے دل سے اس نقش کو نہ نکالا تو پھر وہ اندر ہی اندر اپنی جگہ بنالیتا ہے اور دل پر نقش ہوجاتا ہے، اور نقش ہوجانے کے بعد گناہوں کا اور ناجائز خواہش اور ناجائز شہوت کا بیج دل میں ڈل گیا، اب اگر اس نے توبہ کے ذریعہ اس بیج کو دل سے نہ نکالا تو پھر نہ جانے وہ کتنے بے شمار گناہوں میں مبتلا ہونے کا سبب بن جائے گا اور کتنے گناہ اس سے سرزد ہوجائیں گے۔

بدنگاہی سے بچنے کا علاج

بہرحال، بدنگاہی کا پہلا علاج جو ہر انسان کے اختیار میں ہے، یہ ہے کہ اپنی نگاہ کو نیچی رکھے، پھر آہستہ آہستہ جب وہ نظر نیچی رکھنے کا عادی بن جائے گا، تو پھر وہ جنسی تقاضوں اور شہوت کے نتیجے میں جتنے گناہ ہوتے ہیں، انشاء اللہ تعالیٰ ان سے بھی محفوظ ہوجائے گا۔ اور اگر نگاہ کی حفاظت نہ کی تو اس بدنظری کا پہلا اثر دل پر ہوگا، جس کے نتیجے میں اس کے دل سے آخرت کی فکر ختم ہوجائے گی۔ جس طرح چراغ

گل کرنے سے اندھیرا ہوجاتا ہے، اسی طرح اس کے دل میں اس گناہ کی ظلمت پیدا ہوجائے گی یا جیسے گناہوں سے بچنے والے انسان کے دل میں آخرت کی تیاری اور اس کے فکر کی ایک شمع روشن ہوتی ہے، جس کی وجہ سے انسان اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے، قرآن کی تلاوت کرتا ہے، آخرت کی فکر کرتا ہے، گناہوں سے بچنے کی فکر کرتا ہے، اچھا بننے کی کوشش کرتا ہے اور اس کے دل میں اچھے کاموں کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن جب انسان اپنے قصد اور اختیار سے بدنگاہی کے گناہ کو کرنا شروع کردیتا ہے اور توبہ بھی نہیں کرتا تو سب سے پہلے دل کا وہ منور چراغ گل ہوجاتا ہے، اور اس کے گل ہوتے ہی شہوت بھڑکنے لگتی ہے، چاہے اس کو اس کا احساس ہو یا نہ ہو، اور اس کے دل کے سامنے اعمال بد کا اندھیرا ہی اندھیرا ہوتا ہے، اور اس کو تمام راستے بدکاری کی طرف لیجانے لگتے ہیں۔ اب بُرے بُرے جذبات اور بُری بُری خواہشات اور بُرے بُرے تقاضے انسان کے دل میں پیدا ہوتے رہتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ آہستہ آہستہ بڑے بڑے گناہوں کے اندر مبتلا ہوجاتا ہے، حالانکہ بعض مرتبہ ظاہری اعتبار سے وہ بڑا نیک اور صالح معلوم ہوتا ہے۔ لیکن مخفی طور پر وہ ان گناہوں میں مبتلا رہتا ہے۔

ٹی وی دیکھنا بدنگاہی کا ذریعہ ہے

چنانچہ متعدد لوگ ہیں جو حج بھی کرتے ہیں، عمرے بھی کرتے ہیں، نمازیں بھی پڑھتے ہیں، روزے بھی رکھتے ہیں، مگر ساتھ میں ٹی وی پر فلمیں وغیرہ بھی دیکھتے ہیں حالانکہ ٹی وی پر فلمیں وغیرہ دیکھنے میں بدنگاہی اور بدنظری کے سوا اور کیا ہے۔ اس ٹی وی میں جتنی فلمیں اور دیگر پروگرام وغیرہ آتے ہیں وہ اکثر نامحرم مردوں اور نامحرم عورتوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ ان کو شہوت سے دیکھنا بلاشبہ گناہ ہے۔ آج اس ٹی وی کے ذریعہ بدنگاہی کا گناہ کتنے وسیع پیمانے پر ہورہا ہے۔ اور آج انسان ٹی وی دیکھ کر اپنی جنسی خواہش کو تسکین دیتا ہے۔ اس کے نتیجے میں پورے معاشرے

میں بگاڑ پیدا ہورہا ہے، کس قدر بے راہ روی، بے حیائی اور بے غیرتی، عیاشی، بدمعاشی، فحاشی، تیز رفتاری سے ہمارے معاشرے میں پھیل رہی ہے، اور جن گھروں میں ٹی وی دیکھنے کا عام مشغلہ ہے، وہاں پر عموماً دین صرف نام کی حد تک رہ گیا ہے، نہ ان میں اخلاق ہیں نہ کوئی اچھا کردار ہے، نہ کوئی حیا اور شرم باقی ہے، اور اسلام کی کوئی چیز بظاہر وہاں موجود نہیں ہے سوائے نام کے کہ نام مسلمانوں جیسا ہے، ان کا بولنا چالنا، اٹھنا بیٹھنا اور لباس و پوشاک، وضع قطع سب غیر اسلامی ہے، کیونکہ رات دن ٹی وی سے یہی سبق مل رہا ہے اور زبردست بدنگاہی ہو رہی ہے، جس کی وجہ سے معاشرتی خرابیاں تیزی سے پھیلتی جارہی ہیں اور شرم و حیاء کا جنازہ نکل رہا ہے، بے حیائی اور بے غیرتی حد سے زیادہ بڑھتی چلی جارہی ہے۔

ٹی وی دیکھنا چھوڑ دیں

اس کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم پہلی فرصت میں ٹی وی دیکھنے سے بچیں اور اپنے گھر میں اور اپنے خاندان اور برادری میں سب مل کر خواتین میں شرعی پردے کا اہتمام کرائیں۔ تب جاکر ہم اس گناہ سے بچ سکیں گے، ورنہ کم از کم ہر شخص اپنے اوپر تو اختیار رکھتا ہے کہ وہ اپنی نظر کو بچائے، اپنے دل کو بچائے، اپنے کان کو بچائے، لہٰذا ان سب گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔ بہرحال، حضرت لقمان علیہ السلام کی تیسری نصیحت یہ ہے کہ جب تم کسی کے گھر جاؤ تو اپنی نظر کی حفاظت کرو۔ گھر کے اندر بھی حفاظت کرو اور گھر کے باہر بھی حفاظت کرو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضرت لقمان علیہ السلام کی اس نصیحت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

چوتھی نصیحت ـــ زبان کی حفاظت

حضرت لقمان علیہ السلام نے چوتھی نصیحت یہ فرمائی کہ جب لوگوں کے اندر بیٹھو تو اپنی زبان کی حفاظت کرو۔ یہ زبان اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اگر انسان اس کو صحیح استعمال کرے تو ذرا سی دیر میں کروڑوں نیکیاں کما ڈالے۔ ایک کلمہ ہے:

﴿لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ احدا صمدا لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد﴾

اگر کوئی اس کلمہ کو ایک دفعہ پڑھ لے تو ازروئے حدیث اس کے نامۂ اعمال میں بیس لاکھ نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں۔ اگر پانچ مرتبہ پڑھے تو ایک کروڑ نیکیاں ہوگئیں۔ اگر دس دفعہ کہے تو دو کروڑ نیکیاں ہوگئیں، اگر روزانہ ہر نماز کے آگے یا پیچھے بیس مرتبہ پڑھ لے تو روزانہ پانچ کروڑ نیکیاں حاصل ہوجائیں گی، اب دیکھئے کہ ذرا سی دیر میں کتنی نیکیاں حاصل ہوگئیں۔ یہ سب زبان کا کام ہے۔

مختصر کلمات اور ثواب زیادہ

ایک اور کلمہ ہے:

﴿لا الہ الا اللہ واللہ اکبر﴾

یہ بہت مختصر کلمہ ہے جو ہر مسلمان مرد و عورت کو انشاء اللہ تعالیٰ یاد ہوگا۔ حدیث شریف کی رو سے اگر کوئی شخص اس کلمہ کو ایک مرتبہ پڑھ لے تو اس کے جسم کا ایک چوتھائی حصہ جہنم سے آزاد ہوجائے گا۔ اگر دو مرتبہ پڑھے گا تو آدھا جسم آزاد ہوجائے گا۔ اور اگر چار مرتبہ پڑھے گا تو پورا جسم جہنم سے آزاد ہوجائے گا، اور اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ سے بری فرمادیتے ہیں۔ اگر کوئی شخص ہر نماز کے بعد چار مرتبہ اس کلمہ کو پڑھ لیا کرے تو ایک دن میں پانچ مرتبہ اس کو دوزخ سے براءت کا پروانہ مل جائے گا کہ یہ شخص دوزخ سے آزاد ہے، اور چار مرتبہ اس کو پڑھنے میں کچھ دیر بھی نہیں لگتی۔ ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ اگر کوئی شخص تین مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھ لے تو پورے قرآن شریف پڑھنے کا ثواب مل جاتا ہے۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ لا الہ الا اللہ اگر ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور دوسرے پلڑے میں ساتوں زمین اور ساتوں آسمان رکھ دیئے جائیں تو کلمہ والا پلڑا جھک جائے گا، اور اس کے مقابلے میں ساتوں آسمان اور ساتوں زمین والا پلڑا ہلکا

ہو جائے گا۔ لیکن اخلاص سے پڑھنے کی بات ہے۔ جتنا اخلاص سے پڑھیں گے اتنا ہی وزن زیادہ ہو جائے گا۔

زبان کے بعض گناہ

بہرحال، یہ زبان بہت بڑی دولت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں مفت دے رکھی ہے۔ لہٰذا اس زبان کی قدر یہی ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی یاد میں، اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں، اللہ تعالیٰ کے ذکر میں اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے میں لگایا جائے، اور گناہوں سے اس زبان کو بچایا جائے۔ زبان کے بیس گناہ ہیں جن کو حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے "احیاء العلوم" میں تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ اور ان کا خلاصہ "تبلیغ دین" میں بھی لکھا گیا ہے۔ ان میں سے بہت سے گناہوں کو ہم بھی جانتے ہیں۔ مثلاً گانا گانا، جھوٹ بولنا، غیبت کرنا، فضول باتیں کرنا، جھوٹی شہادت دینا، دھوکہ دینا، الزام لگانا وغیرہ، یہ موٹے موٹے گناہ ہیں جن سے زبان کو بچانا ضروری ہے۔

مجلس میں زبان کی حفاظت کریں

اور جب آدمی دوسرے لوگوں کے ساتھ بیٹھتا ہے اس وقت عام طور پر وہ اپنی زبان کو بے لگام کر دیتا ہے۔ ہماری عام عادت یہ ہے کہ اکیلے بیٹھیں گے تو خاموش بیٹھیں گے، لیکن جہاں ہمارے پاس کوئی ملنے والا آیا، یا ہم کسی کے پاس جاکر بیٹھے، اس وقت ہم نے اپنی زبان کو بے مہار کر دیا۔ اب زبان سے کیا نکل رہا ہے، غیبت نکل رہی ہے، جھوٹ نکل رہا ہے، چغلی ہو رہی ہے، ہمیں اس کا کچھ احساس نہیں، نہ جانے کتنے گناہ ہم اس زبان سے کرتے رہتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب ہم مجلس سے اٹھتے ہیں تو کتنے ہی گناہ ہمارے اعمال نامے میں درج ہو چکے

ہوتے ہیں۔ اس لئے اس زبان کی حفاظت کرنے کی بڑی ضرورت ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اور آخرت میں ہمیں اس کا حساب دینا ہے۔

خاموشی کی عادت

اس کی حفاظت کا اصل طریقہ یہ ہے کہ ہم خاموش رہنے کی عادت بنائیں، اصل عادت بولنے کی نہ بنائیں۔ اور جہاں ضرورت ہو وہاں بلاشبہ بولیں، دین کی یا دنیا کی جہاں جائز ضرورت ہو، چاہے خوش طبعی ہو، چاہے اعتدال کے ساتھ کسی کو تکلیف پہنچائے بغیر ہنسی مذاق ہو، چاہے مزاج پرسی ہو، وہاں بقدر ضرورت بولیں۔ البتہ بلا ضرورت اور فضول بولنے کی عادت چھوڑ دیں اور زیادہ وقت خاموش رہیں۔ اور اس خاموشی میں کلمہ طیبہ لا الہ الا اللّٰہ کا ورد کرتے رہیں۔ اور جب خاموش رہنے کی عادت پڑ جائے گی تو انشاء اللہ تعالیٰ فضول گوئی کا مرض جاتا رہے گا۔ پھر انشاء اللہ تعالیٰ گناہ کی دیگر باتیں بھی چھوٹنی شروع ہوجائیں گی۔ اور جب بولیں تو پہلے چند سیکنڈ کے لئے سوچیں کہ جو باتیں میں کرنا چاہ رہا ہوں، وہ فضول یا گناہ کی باتیں تو نہیں ہیں۔ جب اس طرح سوچ کر بولنے کی عادت ڈالیں گے تو انشاء اللہ رفتہ رفتہ اچھی باتیں زبان سے نکالنے کی عادت پڑجائے گی اور بری باتیں چھوٹنی شروع ہوجائیں گی۔ اب دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ ہمیں زبان کی حفاظت کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ اور حضرت لقمان علیہ السلام کی ان دونوں نصیحتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

اپنی موت کو یاد رکھیں

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط وترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی بیانات : جلد نمبر: ۲

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اپنی موت کو یاد رکھیں

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیأت اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، ونشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ، ونشھدان سیدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ، صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلی اٰلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیرًا کثیرا۔

امابعد!

فاعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم۔ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

﴿ولقد آتینا لقمٰن الحکمۃ ان اشکر للّٰہ ومن یشکر فانما یشکر لنفسہ ومن کفر فان اللّٰہ غنی حمید۔ صدق اللّٰہ العظیم﴾ (سورۃ لقمان: ۱۲)

تمہید

یہ سورۃ لقمان کی آیت ہے، اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک اور مقبول بندے حضرت لقمان علیہ السلام کی نصیحتیں بیان فرمائی ہیں، مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت لقمان علیہ السلام کا ایک قول نقل کیا ہے، وہ قول یہ ہے کہ حضرت لقمان علیہ السلام نے فرمایا

کہ میں نے چار ہزار پیغمبروں کی خدمت اور صحبت میں رہ کر جو کچھ ان سے سنا اور جو ان کی تعلیمات حاصل کیں، ان کا خلاصہ یہ آٹھ نصیحتیں ہیں:

① پہلی نصیحت یہ ہے کہ جب تم نماز میں ہو تو اپنے دل کی حفاظت کرو۔

② دوسری نصیحت یہ ہے کہ جب تم دستر خوان پر بیٹھو تو اپنے حلق کی حفاظت کرو۔

③ تیسری نصیحت یہ ہے کہ جب تم لوگوں کے درمیان بیٹھو تو اپنی زبان کی حفاظت کرو۔

④ چوتھی نصیحت یہ ہے کہ جب تم کسی کے گھر جاؤ تو اپنی نظر کی حفاظت کرو۔

ان چار نصیحتوں کے بارے میں پچھلے جمعوں میں عرض کیا جاچکا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

موت یاد رکھنے کی چیز ہے

پھر پانچویں اور چھٹی نصیحت کرتے ہوئے حضرت لقمان علیہ السلام نے فرمایا کہ دو باتوں کو ہمیشہ یاد رکھو، اور دو باتوں کو ہمیشہ کے لئے بھول جاؤ۔ جن دو باتوں کو ہمیشہ یاد رکھو، ان میں سے ایک موت ہے اور دوسری اللہ تعالیٰ کی یاد۔ لہٰذا موت ہر وقت یاد رکھنے کی چیز ہے، اس کو بھولنا نہیں چاہئے، وجہ یہ ہے کہ عام طور پر انسان اس دنیا میں آکر آخرت کو بھول جاتا ہے، اور دنیا کی محبت اس کے دل میں اتر جاتی ہے، اور دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے، اس لئے کہ دنیا کی محبت سے غفلت پیدا ہوتی ہے اور غفلت میں انسان ہر قسم کے گناہ کرلیتا ہے، اب جس درجے کی غفلت ہوگی اسی درجے کے گناہ اس سے صادر ہوں گے اور جیسے جیسے غفلت بڑھتی چلی جاتی ہے ویسے ویسے انسان آخرت سے دور، دین سے دور، اللہ سے دور اور شیطان سے قریب اور گناہوں کے اندر مبتلا ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس غفلت کو دور کرنے والی اور دنیا کی محبت دل سے نکالنے والی چیز موت ہے، جس کے دل میں جتنا

اپنی موت کا استحضار ہوگا، اتنی ہی اس کے دل میں دنیا کی محبت کم ہوگی، اور اتنے ہی اس سے گناہ کم ہوں گے، اور اس کے نتیجے میں وہ کامیاب ہوتا چلا جائے گا۔

موت لذّتوں کو ختم کرنے والی ہے

اسی لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے ارشادات میں موت کو یاد کرنے کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف کی ایک حدیث ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ﴿اکثروا ذکرھا زم اللذات الموت﴾

(ترمذی، صفۃ القیامۃ، حدیث نمبر ۲۳۶۲)

یعنی تم لذّتوں کو توڑنے اور ختم کرنے والی چیز موت کو کثرت سے یاد کرو۔ موت کو کثرت سے یاد کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دنیا کی نعمتیں اور لذّتیں جن کے استعمال کرنے سے انسان کا دل غافل ہوجاتا ہے، موت کے تذکرے سے یہ غفلت ختم ہوجائے گی اور یہ لذّتیں جائز حد تک رہ جائیں گی۔ بلکہ ایک اور حدیث میں ان الفاظ کے بعد ایک جملہ کا اور اضافہ ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر تم مال کی فراوانی کے وقت میں موت کا تذکرہ کرو گے تو باوجود مال زیادہ ہونے کے وہ مال تمہارے لئے کم ہوجائے گا، اور اگر مال کی کمی کی حالت میں موت کو یاد کرو گے تو باوجود کم ہونے کے وہ مال تمہارے لئے زیادہ ہوجائے گا، یعنی مال تو بہت ہوگا لیکن دل میں نہیں ہوگا۔ اور اگر مال دل کے اندر نہ ہو بلکہ باہر ہو تو پھر وہ روئے زمین کے برابر کیوں نہ ہو وہ بھی کوئی نقصان نہیں کرے گا۔ اور خدانخواستہ اگر مال دل کے اندر ہے اور اس کی محبت دل کے اندر ہے تو وہ مال وبال ہے۔ اللہ تعالیٰ بچائے۔ تو موت کی یاد ایسی چیز ہے کہ اگر بادشاہ کو بھی نصیب ہوجائے تو اس کی سلطنت بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑے گی۔ اگر کسی کے پاس مال کم ہو اور اس حالت میں وہ موت کا مراقبہ کرے، موت کو یاد کرے تو وہ مال اس کے حق میں بہت بن

جائے گا۔ اس لئے کہ جب وہ یہ سوچے گا کہ مرنے کے بعد میرا کیا انجام ہونے والا ہے، اور وہاں جاکر مجھے اس مال کا بھی حساب دینا ہے تو وہ قناعت اختیار کرے گا، اور جو تھوڑا مال ہے اسی کو بہت سمجھے گا کہ بس اسی کا حساب ٹھیک ہوجائے تو غنیمت ہے، اور وہ یہ سوچے گا کہ لوگ جب آخرت میں پہنچیں گے تو جن لوگوں کے پاس مال نہیں ہوگا اور وہ فقیر ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہوں گے تو وہ نافرمان مالداروں کے مقابلے میں پانچ سو سال پہلے جنت میں جائیں گے اور مالدار اپنے حساب کتاب میں لگے ہوئے ہوں گے۔ لہٰذا کم مال والا غریب آدمی جب موت کو یاد کرے گا تو وہ مال اس کے حق میں کافی ہوجائے گا۔

موت کو یاد رکھنے کے طریقے

بہرحال، یہ موت ایسی چیز ہے جو دل سے دنیا کی محبت کو کھینچتی ہے، اس سے دنیا کی محبت نکلتی ہے، اس سے بڑا فائدہ اور کیا ہوسکتا ہے۔ بہرحال، موت کی یاد بہت کام کی چیز ہے، اس لئے ہر انسان اپنی موت کو یاد رکھے، اس کا تذکرہ کرتا رہے، اور اس کو سوچتا رہے۔ پھر اس موت کو یاد رکھنے کے بہت سے طریقے ہیں۔

پہلا طریقہ: قبرستان جانا

پہلا طریقہ یہ ہے کہ قبرستان جایا کرے، قبرستان جانے سے انسان کو موت بھی یاد آتی ہے اور انسان کے دل سے غفلت بھی دور ہوتی ہے، دنیا کی محبت نکلتی ہے اور آخرت کی فکر پیدا ہوتی ہے۔ وہاں جانے سے ہر قبر انسان کو یہ درس عبرت دیتی ہے کہ دیکھ ہمارے اندر جو لوگ لیٹے ہوئے ہیں وہ تمہاری طرح ایک دن دنیا میں چلا پھرا کرتے تھے، کاروبار کرتے تھے، وہ بھی شادی بیاہ والے تھے، ان کی بھی اولاد تھی، ان کے بھی ماں باپ تھے، ان کے بھی دوست احباب تھے، لیکن آج بے یار و مددگار تن تنہا اپنی اپنی قبروں میں لیٹے ہوئے ہیں اور نہ جانے کس حال میں ہیں۔

قبرستان جانے کا طریقہ

قبرستان جانے کا طریقہ اور ادب بھی یہی ہے کہ جو شخص قبرستان جائے اس کو چاہئے کہ وہ خاص طور پر قبروں کی زیارت کے لئے اور دنیا کی محبت دل سے نکالنے کے لئے اور موت کی یاد تازہ کرنے کی نیت سے جائے یا کسی جنازہ کے ساتھ جائے تو اب وہاں جاکر بلاضرورت دنیا کی باتیں کرنے میں نہ لگ جائے بلکہ وہاں جاکر اپنے مرنے کو سوچے اور اسی جنازے کو سوچے جو ہمارے کندھوں پر ہے اور جس کو ہم قبر میں اتار رہے ہیں کہ کل تک یہ زندہ تھا اور آج ہم اس کو قبر میں اتارنے کے لئے لیجارہے ہیں، اب اس کو قبر میں دفنا کر واپس آجائیں گے۔ اسی طرح ایک دن مجھے بھی قبرستان لایا جائے گا اور اسی طرح قبر میں اتارا جائے گا، اور مجھے دفنا کر لوگ چلے جائیں گے، اس وقت میرا نہ جانے کیا حال ہوگا۔ اس وقت اس قبرستان میں سینکڑوں مسلمان مدفون ہیں، اپنی اپنی قبروں میں ہیں، ان کا کچھ پتہ نہیں کہ کیا حال ہے، ایک دن مجھے بھی اس دنیا کو چھوڑ کر قبر میں آنا ہے ؎

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

دوسرا طریقہ: اپنی موت کو سوچنا

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ چوبیس گھنٹے میں سے دس منٹ نکالیں، صبح کے وقت یا رات کو سونے سے پہلے، پھر اس وقت اپنے ذہن کو تمام خیالات سے خالی کر کے اور اپنے آپ کو تمام مصروفیات سے فارغ کرکے اپنے مرنے کو سوچیں، مثلاً پہلے اپنے بیمار ہونے کو سوچیں، پھر اپنی جان نکلنے کو سوچیں، پھر یہ سوچیں کہ اب مجھے غسل دیا جارہا ہے، کفن پہنایا جا رہا ہے، اور گہوارے میں ڈال کر نماز جنازہ کے لئے لیجایا

جارہا ہے، اب میری نماز ہو رہی ہے، اب لوگ مجھے اٹھا کر قبرستان لیجارہے ہیں، اب مجھے قبر میں اتارا جارہا ہے، اب سلیپ رکھی جارہی ہیں، اور گارے سے سلیپ بند کئے جارہے ہیں، اور مٹی ڈالی جارہی ہے اور لوگوں کی باتیں کرنے کی آوازیں آرہی ہیں، اب سورۂ بقرہ کا اوّل و آخر میری قبر پر پڑھا جارہا ہے، اب لوگ واپس جارہے ہیں اور میں اکیلا قبر میں پڑا ہوا ہوں، فرشتے آکر مجھ سے سوال وجواب کررہے ہیں اور مجھ سے جواب نہیں دیا جارہا ہے، قبر میں تنگی ہے، اندھیرا ہے، سانپ اور بچھو چاروں طرف سے نکل کر میرے جسم سے لپٹ رہے ہیں اور مجھے عذاب ہو رہا ہے۔

بس یہ سوچیں، اس سوچنے میں بڑی عجیب وغریب تاثیر ہے، وہ تاثیر یہ ہے کہ اس کے ذریعہ دل سے دنیا کی محبّت نکل جائے گی۔ ہمارے دل میں دنیا کے بارے میں جو بڑے بڑے منصوبے ہیں اور ایک ختم نہ ہونے والا سلسلہ ہمارے ذہن میں موجود ہے، تمناؤں اور خواہشات کا ایک سمندر ٹھاٹیں مار رہا ہے، اس سوچ سے یہ سب لہریں ختم ہوجائیں گی، خواہشات کی موجیں ٹھنڈی پڑجائیں گی اور یہ سب منصوبے سرد پڑ جائیں گے اور آخرت کے منصوبے اس کے ذہن میں آنے لگیں گے، آخرت کی تمنائیں اور آرزوئیں اس کے دل میں پیدا ہونے لگیں گی اور وہاں کے اجر و ثواب کی قدر و قیمت اس کے دل میں آنے لگے گی۔ اب اس کا دل یہ چاہنے لگے گا کہ میں یہ نیک کام کرلوں، فلاں نیک کام کرلوں، فلاں گناہ سے بچوں، اور فلاں گناہ سے توبہ کرلوں۔ یہ ہے اس کا عظیم فائدہ اور تاثیر۔

لہٰذا صرف دس منٹ نکال کر اپنی موت کو سوچا کریں، انشاء اللہ یہ دس منٹ ہمارے چوبیس گھنٹے کے لئے چابی کا کام کریں گے، اس کے ذریعہ ہمارے دل میں چابی بھر جائے گی، پھر جہاں بھی جائیں گے، انشاء اللہ یہ موت ہمیں یاد رہے گی۔ شروع شروع میں تو اس کا زیادہ فائدہ محسوس نہیں ہوگا، لیکن جب مسلسل ہم موت کا مراقبہ کریں گے تو ایک وقت ایسا آئے گا کہ ہم چاہے بازار میں ہوں، یا دکان میں ہوں، یا گھر میں ہوں مگر موت ہمیں یاد رہے گی، اور جتنی موت کی یاد رہے گی اتنا ہی

گناہ سے بچنا آسان ہوگا، فوراً موت آکر کہے گی کہ تمہیں مرنا ہے، قبر میں تمہیں یہ عذاب ہوگا، ایسا کام نہ کرو کہ کل کو اس کا بدلہ دینا پڑے۔ بس جس شخص کے اندر یہ فکر پیدا ہوگئی کہ کل مجھے مرنا ہے اور مرکر جواب دینا ہے، بس وہ سب سے بڑا عقل مند ہے، وہی سب سے بڑا ہوشیار اور سمجھدار ہے۔

عقل مند کون؟

ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ سرکار دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا کہ سب سے زیادہ عقل مند اور ہوشیار کون ہے؟ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ جو موت کو یاد کرے اور موت کے بعد کی تیاری کرے وہ سب سے زیادہ ہوشیار اور عقل مند ہے، یہی لوگ ہیں جو دنیا کی نیک بختیاں لیں گے اور آخرت کی بزرگی اور شرافت انہوں نے پائی ہے۔ لہٰذا موت کو یاد کرنے میں دنیا کی بھی کامیابی ہے، مرنے کے بعد کی کامیابی بھی اسی میں پوشیدہ ہے، اس لئے انسان موت کو جتنا یاد کرے گا اتنا ہی اس کو حساب کتاب کا دھڑکا لگا رہے گا، اس کو یہ فکر رہے گی کہ جو کچھ کرنا ہے سوچ سمجھ کر کرنا ہے، مجھے کل اپنی قبر میں جانا ہے، میں کسی کی خاطر اپنی قبر کیوں خراب کروں؟ زبان سے کچھ بولے گا تو سوچ سمجھ کر بولے گا، ہاتھ پیر چلائے گا تو احتیاط سے چلائے گا، بات کرے گا تو احتیاط سے بات کرے گا، لین دین کرے گا تو احتیاط سے کرے گا اور اس طرح خود بخود اس کے تمام معاملات میں درستی، تہذیب اور شائستگی آجائے گی۔

اللہ تعالیٰ سے شرم وحیا کرو

ایک اور حدیث میں آپ نے بہت پیاری بات ارشاد فرمائی ہے جو یاد رکھنے کی ہے، ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے جس طرح حیا کرنے کا حق ہے تم اس طرح اللہ تعالیٰ سے حیا کرو۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ

عنہم اجمعین نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق سے حیا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم لوگ جو حیا کرتے ہو وہ یہاں مراد نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ سے حیا کرنے کا جو حق ہے اس سے مراد کچھ اور ہے، وہ یہ ہے کہ تمہارا سر اور جو کچھ تمہارے سر میں ہے اس کی حفاظت کرو، اور جو کچھ تمہارے پیٹ میں ہے اور اس کے ساتھ جو اعضاء ہیں ان کی حفاظت کرو، اور تم اپنی موت کو اور موت کے بعد ریزہ ریزہ ہوجانے اور اپنی ہڈیوں کے بوسیدہ ہوجانے کو یاد کرو، جب تم یہ کام کرنے لگو گے تو اللہ تعالیٰ سے حیا کرنے کا جو حق ہے وہ ادا ہوجائے گا۔

سر کی حفاظت کے دو مطلب

اس حدیث میں جو فرمایا کہ اپنے سر کی اور جو کچھ سر میں ہے اس کی حفاظت کرو، تو سر کی حفاظت کے دو مطلب ہیں، ایک یہ کہ اپنے سر کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسرے کے سامنے مت جھکاؤ، دوسرے یہ کہ اپنے سر کو تکبر کی وجہ سے اونچا نہ کرو، جو متکبر ہوتا ہے وہ اکڑ کر چلتا ہے، گردن کو ذرا اونچی کر کے چلتا ہے، ٹوپی بھی بہت اونچی پہنتا ہے، تاکہ وہ لوگوں میں بڑا معلوم ہو، اس لئے فرمایا کہ تکبر کی وجہ سے اپنے سر کو اونچا مت کرو، اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کے سامنے مت جھکاؤ، اس سر کو صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کے ساتھ جھکنا چاہئے، جب چلیں تو عاجزی کے ساتھ سر جھکا کر چلیں، بیٹھیں تو عاجزی سے بیٹھیں۔

سر کی چار چیزوں کی حفاظت

سر میں جو چیزیں جمع ہیں وہ چار ہیں، تین ظاہر ہیں اور ایک اندر ہے، ایک کان، دوسرے آنکھ، تیسرے زبان، اور جو اندر ہے وہ دماغ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ زبان سے کوئی گناہ کی بات نہ کرو، جھوٹ نہ بولو، غیبت نہ کرو، کسی پر الزام نہ لگاؤ، فضول باتیں

نہ کرو، گانے نہ گاؤ، کسی پر تہمت نہ لگاؤ، جھوٹی گواہی مت دو، کسی کو دھوکہ مت دو، زبان کو زبان کے گناہ سے بچاؤ۔ اور آنکھ کو آنکھ کے گناہوں سے بچاؤ، مثلاً بدنگاہی اور بدنظری مت کرو، ایسی جگہ مت دیکھو جس کا دیکھنا ممنوع ہے۔ کان کو گناہ کی باتیں سننے سے بچاؤ، کانوں سے گانا نہ سنو، غیبت نہ سنو، کسی کی بُرائی نہ سنو۔

دماغ کی حفاظت

اسی طرح انسان کا دماغ بھی بہت سے گناہ سوچتا رہتا ہے، جتنے خیالات اور تصورات آتے ہیں وہ سب دماغ کے اندر آتے ہیں اور دماغ اندر ہی اندر ان کا منصوبہ بناتا ہے، تمہارے دماغ میں جتنے ناجائز منصوبے اور غلط خیالات آتے ہیں اپنے دماغ سے ان کو نکال دو، ان خیالات کو اپنے دماغ میں مت ٹھہراؤ، ایک طرف سے یہ خیالات آئیں تو دوسری طرف سے ان کو نکال دو، اس لئے کہ نفس و شیطان یہ بُرے بُرے خیالات دماغ میں ڈالتے ہیں لیکن وہ صرف ڈالتے ہیں، وہ خیالات ہوا کے جھونکوں کی طرح آتے ہیں اور جاتے ہیں، اگر کسی نے ان خیالات کو دماغ میں ٹھہرا لیا تو پھر گناہوں میں مبتلا ہوتا چلا جائے گا، اس لئے کہ اگر وہ خیال دل میں ٹھہر گیا تو وہ کچھ کروا کر جائے گا اور اگر خیال آیا اور چلا گیا تو پھر اس خیال کے نتیجے میں عمل کچھ نہیں ہوگا، لہٰذا جیسے ہی گناہوں اور بُرائیوں کے خیالات دل میں آئیں تو فوراً ان کو رخصت کردو، ان خیالات کے آنے سے کوئی گناہ نہیں ہوتا، البتہ ان کے تقاضوں پر عمل کرنے سے گناہ ہوتا ہے۔ لہٰذا دماغ کو بھی گناہوں سے بچاؤ، آنکھوں کو بھی گناہ سے بچاؤ، کانوں کو بھی گناہوں سے بچاؤ اور زبان کو بھی گناہ سے بچاؤ، یہ ہے سر کی حفاظت۔

پیٹ کی حفاظت

یہ جو فرمایا کہ پیٹ کی حفاظت کرو، تو اس کی حفاظت کا مطلب یہ ہے کہ حرام

سے اپنے پیٹ کو بچاؤ اور مشتبہ چیزوں سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ اور پھر پیٹ کے ساتھ اور بھی بہت سے اعضاء ہیں، یہ دونوں ہاتھ بھی پیٹ کے ساتھ ہیں، یہ دونوں پاؤں بھی پیٹ کے ساتھ ہیں، انسان کا ستر اور شرمگاہ بھی پیٹ کے ساتھ ہے۔ لہٰذا اپنے ہاتھ کو بھی گناہوں سے بچاؤ، پیر کو بھی گناہوں سے بچاؤ، اور اپنے ستر اور شرمگاہ کو بھی گناہوں سے بچاؤ۔ اس طرح پیٹ اور اس کے ساتھ جو اعضاء ہیں ان کی حفاظت ہو جائے گی۔

تیسری بات جو اس حدیث میں بیان فرمائی وہ ان دونوں کو گناہ سے بچانے کا طریقہ ہے، وہ یہ کہ اپنی موت کو یاد کرو اور مرنے کے بعد اپنے جسم کے مٹی ہو جانے اور ہڈیوں کے بوسیدہ ہو جانے کو یاد کرو۔ اور جو شخص جتنا اپنی موت کو یاد کرے گا اور اپنے جسم کے ریزہ ریزہ ہو جانے کو یاد کرے گا، اس کے لئے سر کی حفاظت آسان ہو جائے گی اور پیٹ کی حفاظت بھی آسان ہو جائے گی۔

غفلت دور کریں

بہرحال، یہ موت کا تذکرہ بڑی کارآمد چیز ہے، اس وقت ہمارا سب سے بڑا مرض اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے جو بڑے پیمانے پر ہو رہی ہے، اور اس کی وجہ ہماری غفلت ہے اور اس غفلت کی وجہ دنیا کی محبت ہے اور دنیا کی محبت کی جڑ موت کی یاد سے کٹتی ہے، اس لئے موت کا جتنا تذکرہ ہوگا، اتنی ہی ہماری غفلت دور ہوگی، اور جتنی غفلت دور ہوگی اتنی ہی اطاعت کے جذبات ابھریں گے۔

مراقبہ موت کے چند اشعار

حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مراقبہ اردو میں لکھا ہے، اس کا نام ہے "مراقبہ موت" یہ مراقبہ موت بہت آسان اشعار کے اندر لکھا گیا ہے، اگر کوئی اس کو پڑھ لے تو وہ بھی موت کی یاد دلانے کے لئے نہایت

کافی و شافی ہے۔ اس کے ایک دو شعر مجھے یاد آرہے ہیں وہ آپ کو سنا دیتا ہوں ع

تجھے پہلے بچپن نے برسوں کھلایا
جوانی نے پھر تجھ کو مجنوں بنایا
بڑھاپے نے پھر آکے کیا کیا ستایا
اجل تیرا کردے گی بالکل صفایا
جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

یہی تجھ کو دھن ہے رہوں سب سے بالا
ہو زینت نرالی ہو فیشن نرالا
جیا کرتا ہے کیا یونہی مرنے والا
تجھے حسن ظاہر نے دھوکہ میں ڈالا
جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

جو کھیلوں میں تونے لڑکپن گنوایا
تو بدمستیوں میں جوانی گنوائی
جو اب غفلتوں میں بڑھاپا گنوایا
تو بس یوں سمجھ کہ زندگی گنوائی
جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

یہ اشعار ایسے آسان ہیں کہ بچے بھی سمجھ لیں، اگر یہ باتیں ہمارے ذہن میں بیٹھ جائیں تو ہماری زندگی جلدی سے صحیح رخ پر آجائے، بہرحال، موت کو ہر وقت یاد رکھنا چاہئے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی موت یاد رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

اللہ کو یاد رکھیں

حضرت مولانا مفتی عبد الرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی بیانات : جلد نمبر: ۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ کو یاد رکھیں

(۱) احسان کر کے بھول جائیں

(۲) دوسروں کی بدسلوکی بھول جائیں

الحمدللّٰه نحمده ونستعينه ونستغفره ونومن به ونتوكل عليه' ونعوذبالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا' من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له۔ واشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريك له۔ واشهد ان سيدنا ونبينا ومولانا محمدًا عبده ورسوله۔ صلى الله تعالٰى عليه وعلى آله واصحابه وبارك وسلم تسليمًا كثيرا كثيرًا:

اما بعد فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم' بسم الله الرحمٰن الرحيم' ولقد آتينا لقمان الحكمة ان اشكرللّٰه' ومن يشكر فانما يشكر لنفسه' ومن كفر فان الله غنى حميد صدق الله العظيم۔

تمہید

میرے قابل احترام بزرگو! جو آیت میں نے تلاوت کی ہے۔ یہ سورۃ لقمان کی آیت ہے ' اس آیت کی تفسیر میں سحبان الھند حضرت مولانا احمد سعید صاحب نے حضرت لقمان علیہ السلام کا ایک عجیب و غریب قول نقل کیا ہے ' وہ قول یہ ہے کہ حضرت لقمان علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے چار ہزار پیغمبروں کی صحبت اور خدمت میں رہ کر جو کچھ ان سے سنا ان کا خلاصہ یہ آٹھ نصیحتیں ہیں :

(۱) پہلی نصیحت یہ ہے کہ جب تم نماز میں ہو تو اپنے دل کی حفاظت کرو۔

(۲) دوسری نصیحت یہ ہے کہ جب تم دستر خوان پر بیٹھو تو اپنے حلق کی حفاظت کرو۔

(۳) تیسری نصیحت یہ ہے کہ جب تم لوگوں کے درمیان بیٹھو تو اپنی زبان کی حفاظت کرو۔

(۴) چوتھی نصیحت یہ ہے کہ جب تم کسی کے گھر جاؤ تو اپنی نظر کی حفاظت کرو۔

(۵) پانچویں نصیحت یہ ہے کہ موت کو ہمیشہ یاد رکھو۔

ان پانچوں نصیحتوں کے بارے میں گذشتہ جمعوں میں تفصیل سے عرض کر دیا ہے۔

اللہ کی یاد بڑی چیز ہے

حضرت لقمان علیہ السلام نے چھٹی نصیحت یہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کو

ہمیشہ یاد رکھو، یعنی اللہ تعالیٰ کی یاد کو اپنے دل میں زندہ رکھو، اللہ تعالیٰ کی یاد سب سے بڑی چیز ہے اسکی معرفت سب سے بڑی نعمت ہے۔ دنیا میں اللہ ہی کو یاد کرنے کیلئے آئے ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ کی یاد نصیب ہو جاتی ہے، ان کا یہ حال ہوتا ہے کہ ؎

جگ میں آکر ادھر اُدھر دیکھا
تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

یعنی جس چیز پر نظر ڈالتے ہیں، بس اللہ تعالیٰ ہی یاد آتے ہیں۔ ؎

گلستان میں جاکر ہر اک گل کو دیکھا
جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے
خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں
صاف چھپتے بھی نہیں، سامنے آتے بھی نہیں

یعنی ہر چیز یہ کہہ رہی ہے کہ آپ موجود ہیں۔ لیکن کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے اللہ پاک کو دیکھا ہے، دیکھتا بھی نہیں، اور انکار بھی نہیں کر سکتا۔ بہر حال، اللہ تعالیٰ کی یاد سب چیزوں کی سردار ہے، سب سے زیادہ محبوب ہے، اور سب سے بڑا مقصود ہے، حضرت مجذوب صاحبؒ فرماتے ہیں۔

یاد میں تیری سب کو بھلادوں کوئی نہ مجھ کو یاد رہے
تجھ پر سب گھر بار لٹادوں خانہ دل آباد رہے
سب خوشیوں کو آگ لگادوں غم میں ترے دل شاد رہے
اپنی نظر سے سب کو گرادوں تجھ سے فقط فریاد رہے

اللہ کو یاد کرنے سے محبت پیدا ہوتی ہے

پھر اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کے تذکرے سے اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوتی ہے ' اور اللہ تعالیٰ کی محبت ساری اطاعتوں کی جڑ ہے ' جتنی کسی شخص کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت ہو گی ' اتنا ہی وہ فرمانبردار ہو گا ' جوں جوں اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں بھرتی جائے گی ' ویسے ویسے اس کے اعضاء وجوارح اور دل ودماغ اسکی اطاعت میں آگے بڑھتے چلے جائیں گے ' اور اللہ تعالیٰ کی محبت اللہ تعالیٰ کی یاد سے پیدا ہوتی ہے۔ اور قرآن وحدیث اللہ تعالیٰ کی یاد کے فضائل سے بھرے ہوئے ہیں۔

ذکر کی مجلس میں فرشتوں کی آمد

ایک حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ہیں جو راستوں میں گھومتے رہتے ہیں جو ذکر کرنے والوں کو اور ایسی محفلوں اور مجلسوں کو تلاش کرتے رہتے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو رہا ہو جہاں ان فرشتوں کو ایسی مجلس نظر آتی ہے تو وہ فرشتے ایک دوسرے کو آواز دیتے ہیں کہ یہاں آجاؤ۔ یہاں آجاؤ ' تمہارا مقصود یہاں موجود ہے ' تم جس محفل کی تلاش میں ہو ' اور جس چیز کو تم ڈھونڈ رہے ہو ' وہ یہاں ہے ' اللہ تعالیٰ کا تذکرہ یہاں پر ہو رہا ہے۔ بس یہ اعلان سنتے ہی تمام تلاش کرنے والے فرشتے اس طرف لپکتے ہیں اور وہاں جا کر اس مجلس کو اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں ' اور ایک کے اوپر ایک فرشتہ آتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ آسمان تک پہنچ جاتے ہیں۔

فرشتوں سے اللہ تعالیٰ کا سوال وجواب

جب وہ فرشتے مجلس سے فارغ ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچتے ہیں تو باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں' پھر بھی ان فرشتوں سے پوچھتے ہیں کہ اے فرشتوں! میرے بندے کیا کہہ رہے تھے؟ وہ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اے پروردگار عالم! آپ کے وہ بندے آپ کی پاکی' آپکی بڑائی' آپکی حمد اور آپکی بزرگی بیان کررہے تھے وہاں ہم بھی جمع ہوئے تھے۔ وہاں سے واپس آپ کے پاس آرہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتے ہیں کہ جو بندے مجھے یاد کررہے تھے' اور میرا ذکر کررہے تھے کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے؟ وہ فرشتے عرض کرتے ہیں: نہیں' انہوں نے آپ کو نہیں دیکھا۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اچھا اگر وہ مجھے دیکھ لیں تو پھر ان کا کیا حال ہوگا؟ فرشتے عرض کریں گے جتنی اب وہ عبادت کررہے ہیں اس سے زیادہ آپ کی عبادت کریں' اس سے زیادہ آپ کی بزرگی بیان کریں اور اس سے زیادہ آپ کی پاکی بیان کریں۔ (جتنا اس وقت آپ کا ذکر کررہے تھے۔ اس سے زیادہ آپ کو یاد کریں۔ اور اس سے زیادہ وہ آپ پر قربان ہوجائیں)۔ اللہ تعالیٰ پھر سوال کریں گے کہ اچھا یہ بتاؤ وہ کیا چیز مانگ رہے تھے؟ فرشتے عرض کریں گے یا اللہ' وہ آپ سے آپ کی جنت مانگ رہے تھے اور جنت کا سوال کررہے تھے' اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ کیا انہوں نے جنت دیکھی ہے؟ فرشتے عرض کریں گے کہ اے پروردگار! انہوں نے جنت نہیں دیکھی' اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اگر وہ جنت دیکھ لیں تو پھر ان کا کیا حال ہو۔ فرشتے

عرض کریں گے کہ یا اللہ۔ اگر وہ جنت کو دیکھ لیں تو اس سے زیادہ اسکو مانگتے جتنا وہ اب مانگ رہے ہیں۔ اور اس سے زیادہ اسمیں دلچسی لیتے ' اور اس کے لئے اس سے زیادہ آپ کی طرف رجوع کرتے ' اور آپ سے اسکی عطا فرمانے کی درخواست کرتے۔

ذکر کرنے والوں کی مغفرت

ہم کہاں اور رب العالمین کی شان کہاں! ان کی شان رحمت دیکھئے! اور ان کی رحمان الرحیم ہونے کی شان دیکھئے کہ ان حقیر سے بندوں کے بارے میں کس طرح بار بار فرشتوں سے دریافت فرما رہے ہیں- پھر حضور نے فرمایا اللہ تعالیٰ سوال کرتے ہیں کہ اچھا وہ کس چیز سے پناہ مانگ رہے تھے؟ وہ فرشتے عرض کرتے ہیں اے پروردگار عالم ' وہ دوزخ سے پناہ مانگ رہے تھے (جہنم سے ڈر رہے تھے) اللہ تعالیٰ پوچھیں گے کیا انہوں نے دوزخ کو دیکھا ہے؟ فرشتے عرض کریں گے کہ انہوں نے دوزخ کو نہیں دیکھا۔ حق تعالیٰ عرض کریں گے کہ اگر وہ دوزخ کو دیکھ لیتے تو پھر ان کا کیا حال ہوتا؟ فرشتے عرض کریں گے یا اللہ! اگر وہ دوزخ کو دیکھ لیتے تو وہ اور زیادہ اس سے بچتے اور زیادہ سے اس سے ڈرتے (اور اس بارے میں وہ اور زیادہ آپ کی بارگاہ میں رجوع کرتے ' توبہ کرتے ' معافی مانگتے ' پناہ مانگتے)- آخر میں اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ' اے فرشتو! تم گواہ رہنا ' ہم نے ان سب کی مغفرت کر دی۔

پاس بیٹھنے والے بھی محروم نہیں

ان فرشتوں میں سے ایک فرشتہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرے گا یا اللہ! ان کی مجلس میں ایک شخص ایسا بھی تھا جو ذکر کرنے کی نیت سے نہیں آیا تھا' بلکہ وہ تو اپنے کسی کام سے آیا تھا' جب اس نے دیکھا کہ کچھ لوگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس نے سوچا کہ چلو تھوڑی دیر کیلئے میں بھی بیٹھ جاؤں وہ ذکر کرنے کی نیت سے ہرگز نہیں آیا تھا۔ نہ اس نے ذکر کیا تھا۔ تو کیا آپ نے اسکی بھی بخشش فرمادی؟ جواب میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے: ﴿هُمُ الْجُلَسَاءُ لَا يَشْقَى جَلِيسُهُمْ﴾ یہ بیٹھنے والے ایسے پیارے ہیں کہ جو بھی ان کے پاس بیٹھ گیا' اسکی بھی بخشش ہوگئی۔ جب یہ بخشے گئے. تو وہ بھی بخشا گیا۔ (بخاری)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خاص کلمہ کا مطالبہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ سے عرض کیا: پروردگار عالم! مجھے ایسا کوئی خاص کلمہ بتائیے کہ میں تنہا اس کلمے کے ذریعہ آپ کو یاد کیا کروں' کوئی اور اس کلمے کے ذریعہ آپ کو یاد نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے موسیٰ ''لا الہ الا اللّٰہ'' سے مجھے یاد کیا کرو' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا۔ پروردگار عالم! یہ کلمہ تو ایسا ہے کہ ساری مخلوق اس کو پڑھتی ہے' سبھی اس کلمہ کے ذریعہ آپ کو یاد کرتے ہیں۔ میری درخواست تو یہ تھی کہ مجھے کوئی خاص کلمہ ارشاد فرمایا جائے تاکہ میں ہی اس سے آپ کو یاد کروں' کسی اور کو وہ کلمہ معلوم نہ ہو۔ اللہ

تعالیٰ نے ارشاد فرمایا! اے موسیٰ! یہ خاص ہی کلمہ ہے۔ لیکن ہم نے اپنی رحمت سے اسکو عام کیا ہوا ہے۔ .... بہر حال، یہ کلمہ "لا الہ الا اللہ" بہت خاص کلمہ ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اتنا عام کیا ہوا ہے کہ ہر کس و ناکس اسکو پڑھ سکتا ہے۔

اسی لئے یہ کلمہ تمام اذکار کا سردار ہے، اس لئے چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے اس کلمہ کی رٹ لگاتے رہیں۔ اور اسکی طرف دھیان لگاتے رہیں جب یہ زبان پر ایسا رٹ جائے کہ بیساختہ زبان پر جاری ہو جائے، اور دل میں رچ بس جائے اور دیگر اعضاء و جوارح سے حق تعالیٰ کی بھرپور اطاعت کی عادت پڑ جائے اور اسکی نافرمانی سے بچنے کی ہمت ہو جائے۔ تو دل میں اللہ کی محبت بھر جائے گی۔ اور جب دل میں اللہ کی حال محبت بھر جائے گی تو پھر حضرت مجذوب صاحبؒ کا شعر جس میں ان کے دل کا حال مذکورہ ہے وہ انشاء اللہ ہمیں نصیب ہوگا ؎

یاد میں تیری سب کو بھلادوں کوئی نہ مجھ کو یاد رہے
تجھ پر سب گھر بار لٹادوں خانہ دل آباد رہے
سب خوشیوں کو آگ لگادوں غم سے تیرے دل شاد رہے
اپنی نظر سے سب کو گرادوں تجھ سے فقط فریاد رہے
اب تو رہے بس تادم آخر ورد زبان اے میرے اللہ
لا الہ الا اللہ لا الہ الا اللہ

بس "لا الہ الا اللہ" کا ایسا ورد کریں کہ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے زبان

پر یہ رواں ہو جائے۔ اور اسکا طریقہ یہ ہے کہ کثرت تو "لا الہ الا اللہ" کی ہو اور سو پچاس کے بعد اک بار محمد رسول اللہ ﷺ بھی ملا لیا کریں اور صبح وشام کی جو مسنون تسبیحات ہیں۔ وہ بھی اپنے معمول میں رکھئے۔

اس کثرت ذکر کے نتیجے میں دل سے دنیا کی محبت نکلے گی۔ انشاء اللہ۔ اور اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوگی، اور پھر اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنا آسان ہو جائے گا اللہ تعالیٰ ہم سب کے دل میں اپنی یاد جما دیں۔ اور اپنی اطاعت کی توفیق دیں اور ہم سب کو خالص اپنا بنالیں اور اپنے مخلص بندوں میں داخل فرمالیں۔ آمین۔

احسان کر کے بھول جاؤ

حضرت لقمان علیہ السلام نے ساتویں نصیحت یہ فرمائی کہ جب تم کسی پر کوئی احسان کرو، تو احسان کرنے کے بعد اس کو ہمیشہ کیلئے بھول جاؤ۔ دوسرے پر احسان کرنا، اور اللہ کیلئے احسان کرنا یہ بہت بڑی عبادت ہے۔ ہم لوگ احسان کرنے کے بعد اسکو بہت یاد رکھتے ہیں۔ اگر اگلا شخص ہمارے ساتھ بھی احسان کرے تو تب تو ہم اپنا احسان چھپا کر رکھتے ہیں اور اس وقت اس کا اظہار نہیں کرتے کہ ہم نے بھی تم پر احسان کیا ہے، اس لئے وہ اس سے زیادہ ہم پر احسان کر رہا ہے۔ لیکن جس وقت سامنے والے نے ہمارے ساتھ بد سلوکی کی، اور ہمارے احسان کا بدلہ نہ دیا تو فوراً ہم اپنے احسانات کی لسٹ اسکے سامنے کر دیتے ہیں کہ ہم نے فلاں وقت تمہارے ساتھ یہ احسان کیا۔ فلاں وقت یہ احسان کیا۔ فلاں وقت یہ احسان کیا۔ لیکن تم نے

ہمارے سارے احسانات بھلادیئے۔ ہاں بھائی یہ زمانہ تو احسان کرنے کا نہیں ہے، نیکی کرنے کا نہیں۔ میں نے ایسا سلوک کیا اور ایسی ہمدردی کی، اتنے ان کے کام کیے۔ اتنی خدمت کی، اور اس کا مجھے یہ بدلہ ملا ....

دیکھئے سامنے والے شخص نے تو بد سلوکی کی کا گناہ کیا، لیکن احسان کرنے والے نے اپنا احسان جتلا کر اپنے احسان کی نیکی کو برباد کیا۔

صرف اللہ کیلئے احسان کرے

آدمی جب بھی احسان کرے تو صرف اللہ کیلئے کرے۔ (بدلے کی نیت سے نہ کرے۔) اور احسان کرنے کے بعد ہمیشہ کیلئے اس کو بھول جائے، تاکہ وہ احسان کی عبادت ضائع نہ ہو۔ ورنہ ذرا سا احسان جتلانے سے سارے احسان پر پانی پھر جاتا ہے۔ مثلاً ایک لاکھ روپے کے ذریعہ آپ نے کسی کی خدمت کردی۔ یہ احسان کیا، اور اس کا بہت بڑا ثواب ہے لیکن اگر آپ نے وہ احسان جتلادیا تو بس اسی لمحے وہ سب اکارت ہو گیا۔ وہ ایک لاکھ روپیہ خاک اور مٹی بن گیا۔ اور اگر اس لاکھ روپے کا کسی سے تذکرہ ہی نہ کریں، نہ خود اسکے سامنے اور نہ دوسروں کے سامنے، بلکہ اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھیں تو اللہ تعالیٰ اس پر ثواب عظیم عطا فرمائیں گے، جسکی تفصیل احادیث طیبہ میں مذکورہ ہے۔

دوسروں کی مدد کی فضیلت

ایک حدیث میں آتا ہے کہ جب کوئی شخص کسی مسلمان کے ساتھ اسکی کسی خدمت کے سلسلے میں اور اس کے کسی کام کو بنانے کیلئے اس کے ساتھ

مدد کیلئے چلا جاتا ہے تو ہر قدم پر اس کو ستر نیکیاں ملتی ہیں۔ اور ستر گناہ (صغیرہ) معاف ہوتے ہیں۔ یہاں تک وہ اس جگہ واپس لوٹ آئے۔ جہاں سے وہ چلا تھا۔ اور اگر اس کے جانے سے اس کا کام ہو جائے تو یہ کام کرنے والا گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے جیسا کہ آج ہی اسکی ماں نے اسکو جنا ہے۔ اگر اس دوران اس کا انتقال ہو جائے تو بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخل ہوگا۔ (ابن ابی الدنیا)

ستر ہزار فرشتے دعامیں لگادیں

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جب کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کی کسی ضرورت میں کوشش کرتا ہے جس سے اسکا حال بہتر ہو جائے اور اسکی پریشانی دور ہو جائے اور اس کا کام بن جائے جس کے نتیجے میں اس کی طبیعت بہتر ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کام کرنے والے پر ستھتر ہزار فرشتے مقرر فرمادیتے ہیں۔ پھر اگر اس نے اس مسلمان کی حاجت وضرورت صبح کے وقت پوری کی تھی تو اس کے واسطے یہ فرشتے شام تک رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں .... اور اگر شام کے وقت اس نے وہ کام کیا تھا تو صبح تک اسکے لئے دعاء رحمت کرتے رہتے ہیں۔ اور جب وہ کام کر کے واپس لوٹتا ہے تو ہر ہر قدم پر ایک گناہ مٹادیتے ہیں اور ایک درجہ بلند کر دیتے ہیں۔ (ابن حبان)

یہ صرف کوشش کرنے کا ثواب ہے۔ اور اگر ایک شخص دوسرے کی کوئی خدمت کر دے ' اور اس کا کوئی کام بنادے تو اس کا ثواب تو اس سے بھی بڑھ جاتا ہے۔

احسان کرنا عبادت کب ہے؟

بہر حال یہ احسان کرنا بہت بڑی عبادت بھی ہے۔ لیکن یہ عبادت اس وقت ہے جب صرف اللہ کے واسطے ہو۔ اور اس کے کرنے کے بعد آدمی ہمیشہ کیلئے بھول جائے۔ چاہے وہ ہمارے ساتھ بد سلوکی کرے' اور ہمارے احسان کا کوئی بدلہ نہ دے' تب بھی ہم بھول کر بھی اپنی زبان پر وہ احسان نہ لائیں۔ اور احسان نہ جتلائیں۔ کہیں ایسا نہ ہو وہ تو احسان کا بدلہ نہیں دے سکا۔ دوسر طرف ہم احسان جتلا کر اپنے احسان پر خود کلہاڑی مارلیں۔ اور اس احسان پر آخرت میں جو ثواب ملنے والا تھا۔ اس کو ضائع کر دیں' بلکہ آخرت میں اس احسان جتلانے پر پکڑ ہو گی۔ اس لئے کہ احسان کرنے والے کیلئے ثواب ہے۔ اور احسان جتلانے والے کیلئے عذاب ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا:

تین شخص ایسے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے نہ ہم کلام ہوں گے' نہ ان کی طرف نظر رحمت فرمائیں گے اور نہ ان کو پاک وصاف فرمائیں گے۔ اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے مذکورہ بات تین بار ارشاد فرمائی (تاکہ اچھی طرح تاکید ہو جائے اور اہمیت کے ساتھ یہ بات ذہن میں نقش ہو جائے یہ سن کر) حضرت ابوذرؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ یہ تو

خائب وخاسر ہو گئے یہ کون لوگ ہیں؟ .... آپ نے ارشاد فرمایا:

(۱) تہبند یا شلوار وغیرہ ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا

(۲) احسان جتانے والا

(۳) جھوٹی قسم کھا کر سامان کو (فروخت کرنے اور) رواج دینے والا۔

(مسلم شریف)

لہذا احسان جتانے سے بچنا چاہئے اور احسان کر کے احسان کو بھول جانا چاہئے۔

رشتہ داروں کے احسانات

دیکھئے: شوہر بھی احسان کرتا ہے۔ بیوی بھی احسان کرتی ہے۔ ماں باپ بھی احسان کرتے ہیں۔ اولاد بھی احسان کرتی ہے۔ بھائی بھی احسان کرتا ہے۔ رشتہ دار بھی احسان کرتے ہیں۔ معاشرے میں ایک دوسرے پر احسان کیا جاتا ہے۔ اور یہ احسان کرنا زندگی کا ایک لازمہ ہے۔ لیکن یہ یاد رکھیں کہ احسان صرف اللہ کیلئے کریں۔ دوسرے یہ کہ احسان کر کے بھول جائیں۔ کبھی کسی کے سامنے اسکا تذکرہ نہ کریں۔

دوسرے کی بد سلوکی بھول جاؤ

آٹھویں نصیحت یہ فرمائی کہ جب کوئی شخص تمہارے ساتھ بد سلوکی کرے، پریشان کرے اور ستائے تو اس کو ہمیشہ کے لئے بھول جانا چاہئے۔

دیکھئے : انسان دوسرے انسانوں کے ساتھ مل جل کر رہتا ہے ' اور مل جل کر رہنے میں انسان کو جہاں دوسرے انسانوں کی خدمت کرنی پڑتی ہے۔ وہاں دوسرے انسانوں کی طرف سے بدسلوکیاں بھی پیش آتی ہیں۔ دوسرے لوگ لعن و طعن بھی کریں گے۔ تکلیف بھی دیں گے۔ نقصان بھی کریں گے۔ لڑائی جھگڑے بھی کریں گے ' یہ سب انسانوں کی زندگی میں ہوتا ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ انسان دوسرے انسانوں کے ساتھ بھی رہے ' اور پھر کسی کے ساتھ کوئی نا اتفاقی نہ ہو۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ دوسرے انسانوں سے اس کو جو تکلیف پہنچی ہے اسکو اللہ کیلئے معاف کر دے۔ اگرچہ جتنا اس نے ستایا ہے شرعاً اتنا بدلہ بھی لے سکتا ہے۔ لیکن اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اللہ کیلئے اسکو معاف کر دے۔ اور معاف کرنے کے بعد اسکی بدسلوکی کو ہمیشہ کیلئے بھول جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تعلقات بہت جلد بحال ہو جائیں گے۔ دل آپس میں جڑ جائیں گے۔ تعلقات بہتر ہو جائیں گے۔ اور انسان کو زندگی گزارنے کیلئے تعلقات کا بہتر ہونا بہت ضرور ہے۔

دوسروں کی بدسلوکی یاد رکھنے کا نتیجہ

اگر انسان ان تمام تکالیف کو یاد رکھے جو دوسروں سے پہنچی ہیں تو دوسروں سے قطع تعلق رہے گی نا اتفاقی رہے گی ' اور ایک دوسرے کے ساتھ میل جول نہیں ہو سکے گا ' اور یہ نا اتفاقی بیسیوں گناہوں کی جڑ ہے ' اور اگر گناہ نہ بھی سرزد ہوں تب بھی اس کے نتیجے میں انسان کی زندگی بے

آرامی اور بے سکونی کی شکار ہو جائے گی۔ انسان کی زندگی میں اسی وقت راحت ہوتی ہے کہ بھائی بھائی آپس میں جڑے رہیں' ایک دوسرے سے ملاقات کریں' ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات رکھیں۔ اور دوسرے عزیز واقارب کے ساتھ اور عام مسلمانوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات ہوں' محبت کے تعلقات ہوں' اور دنیا کی زندگی کا مزہ اور راحت اسی کے اندر ہے' لہذا دوسروں سے پہنچنے والی تکالیف کو بھول جائے۔

شادی بیاہ میں دوسروں کو منانا

جب شادی بیاہ کا موقع آتا ہے تو وہ روٹھا منائی کا موقع ہوتا ہے۔ ادھر فلاں خاتون روٹھی بیٹھی ہے' دوسرے طرف فلاں رشتہ دار روٹھے بیٹھے ہیں۔ اب ایک دوسرے کو منایا جارہا ہے' ہاتھ پاؤں جوڑے جارہے ہیں۔ اور یہ کہا جارہا ہے اب شادی میں شرکت کرلو۔ اور جو باتیں پہلے ہو چکی ہیں ان کو چھوڑدو .... چنانچہ اسکے جواب میں روٹھنے والا کہتا ہے کہ نہیں صاحب اب تو تم قابو میں آئے ہو' اب تمہیں ساری باتیں صحیح کرنی پڑیں گی' اور اب تم ہمارے سامنے ناک رگڑو' چنانچہ روٹھنے والا اس سے ناک رگڑواتا ہے۔ لیکن وہ یہ نہیں سوچتا کہ کیا تمہارے یہاں شادی نہیں ہوگی' آج تو تم نے اس سے ناک رگڑوادی' جب کل کو تمہارے ہاں شادی ہوگی تو وہ روٹھ جائے گا۔ تو یہ شادی ہے یا قیامت ہے۔ اس لئے حضرت تھانویؒ کا یہ ارشاد بالکل صحیح ہے کہ منگنی قیامت صغریٰ ہے اور شادی قیامت کبریٰ

ہے .... بس راحت اور سکون کا راز اس میں ہے کہ انسان دوسروں کی دی ہوئی تکلیفوں کو بھول جائے' اس کے نتیجے میں ہمیشہ کیلئے دل آپس میں ملے رہیں گے' اور جس نے آپ کو تکلیف دی ہے۔ اور آپ کو ستایا ہے آپ کے خاموش رہنے سے وہ اندر ہی اندر شرمندہ ضرور ہو گا۔ اور پھر کبھی بھی انشاء اللہ وہ ایسی حرکت نہیں کرے گا۔

خلاصہ

بہر حال' حضرت لقمان علیہ السلام کی یہ آٹھ نصیحتیں تھیں۔ جن میں سے پہلی نصیحت یہ تھی کہ جب تم نماز کے اندر ہو تو اپنے دل کی حفاظت کرو۔ دوسری نصیحت یہ تھی کہ جب دستر خوان پر بیٹھو تو اپنے حلق کی حفاظت کرو۔ تیسری نصیحت یہ تھی کہ جب دوستوں میں بیٹھو تو اپنی زبان کی حفاظت کرو۔ چوتھی نصیحت یہ تھی کہ جب تم کسی کے گھر جاؤ تو اپنی نظر کی حفاظت کرو۔ اور پانچویں نصیحت یہ تھی کہ موت کو ہمیشہ یاد رکھو' اور چھٹی نصیحت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ یاد رکھو۔ ساتویں نصیحت یہ تھی کہ احسان کر کے اپنے احسان کو بھول جاؤ' اور آٹھویں نصیحت یہ تھی کہ کسی نے اگر تمہارے ساتھ بد سلوکی کی ہے۔ بد تمیزی کی ہے تو اس کو معاف کر کے اسکے تکلیف پہنچانے کو ہمیشہ کیلئے بھول جاؤ۔ یہ آٹھ نصیحتیں ہیں جو حضرت لقمان علیہ السلام نے چار ہزار پیغمبروں کی خدمت میں رہ کر حاصل کی ہیں۔ اور ہمیں یہ نصیحتیں مفت میں حاصل ہو گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان نصیحتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

گانا سُننا اور سُنانا

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

اصلاحی بیانات : جلد نمبر: ۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

گانے کے موضوع پر سیدی وسندی ومولائی مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی جامعہ دارالعلوم کراچی کا عربی زبان میں ایک رسالہ "کشف العنا عن وصف الغناء" ہے، جس میں حضرت والا نے گانے کے متعلق قرآن وسُنّت کے احکام اور علماء اُمّت کے اقوال نہایت تفصیل سے ذکر فرمائے ہیں، یہ رسالہ بہت مفصّل اور نہایت جامع ہے، مولانا عبدالمعز صاحب نے اس کا اردو زبان میں سلیس ترجمہ کیا ہے اور جگہ جگہ تشریحی حواشی لکھے ہیں، بہت سے نئے دلائل کا اضافہ کیا ہے، اور موسیقی کے ناجائز ہونے پر جو اعتراضات کئے گئے ہیں، ان کا محققانہ اور کافی وشافی جواب دیا ہے۔ اس طرح اردو میں گانے کے موضوع پر یہ کتاب اپنی مثال آپ ہے، کوئی اور کتاب ایسی جامع اور مفصّل احقر کی نظر سے نہیں گزری، تقریباً سوا چار سو صفحات پر یہ کتاب مشتمل ہے جس کا نام "اسلام اور موسیقی" ہے۔ جس شخص کو گانے اور موسیقی کے متعلق مفصّل اور مدلّل مباحث کا مطالعہ کرنا ہو اس کو اسی کتاب کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

احقر نے محسوس کیا کہ علمی تحقیقات اور جرح وتعدیل کے لحاظ سے ضروری کلام اور دیگر مباحث کی وجہ سے مذکورہ کتاب کافی ضخیم ہوگئی ہے، عام استعداد رکھنے والے اور زیادہ مصروف رہنے والے مسلمانوں کے لئے اس سے استفادہ دشوار ہے، لہٰذا احقر نے اس کا جامع خلاصہ لکھنے کی کوشش کی ہے اور کچھ نئی باتوں کا اضافہ بھی کیا ہے تاکہ ایک ہی نشست میں ہر شخص گانے کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کے ارشادات پڑھ سکے اور اس کے گناہ ہونے کو سمجھ لے، اور گانے کو جائز قرار دینے والوں کے مشہور اعتراضات کی حقیقت اور ان کے دلائل کا بے وزن ہونا بھی اس پر واضح ہوجائے تاکہ پورے اطمینان سے وہ گانے اور موسیقی کے گناہ سے بچ سکے، اللہ پاک سب مسلمانوں کو اس گناہ سے بچائے، آمین۔

بندہ عبدالرؤف سکھروی عفا اللہ عنہ

۲۹ / ۱۲ / ۱۴۱۶ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

گانا سُننا اور سُنانا

نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡکَرِیۡمِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ اَجۡمَعِیۡنَ.
اَمَّا بَعۡدُ!

آج ہمارے معاشرے میں گانا سُننا اور سُنانا بہت عام ہو چکا ہے، گھر گھر، گلی گلی اور بازار فلمی گانوں اور میوزک کی آواز سے گونج رہے ہیں، ٹی وی، وی سی آر اور ڈش انٹینا نے ان کو بامِ عروج پر پہنچایا ہوا ہے۔ بعض لوگ شادی بیاہ کی تقریبات میں گانوں کی آواز بلند کر کے پورے محلّے کو بلکہ سارے علاقہ والوں کو فلمی گانے، موسیقی اور میوزک سناتے ہیں، چاہے اس وقت کوئی نماز پڑھ رہا ہو یا قرآنِ کریم کی تلاوت کر رہا ہو یا ذکر میں مشغول ہو یا مطالعہ میں مصروف ہو یا آرام کر رہا ہو، لیکن انہیں تو محلّہ اور علاقہ والوں کو ایک ایک گانا یاد کرانا ہے۔

گانے کی کیسٹوں کا کاروبار کرنے والے اور بعض دیگر تاجر اور ہوٹل والے اپنی اپنی دکان پر بلند آواز سے گانے چلائے رکھتے ہیں، اسی طرح ویگن اور بس والے بھی دورانِ سفر گانا سنانے کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں، ایئرپورٹ اور ہوائی جہازوں میں بھی ہلکی آواز سے موسیقی سنائی جاتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ عام مسلمان کے دل سے اس کا گناہ ہونا نکلتا جارہا ہے اور دینی رہنما بھی تھک ہار کر اس کے بارے میں کہنا سُننا چھوڑتے جارہے ہیں۔

ایک زمانہ تھا کہ اگر کوئی غیر مسلم گانے باجے کے ساتھ اپنی بارات مسجد کے سامنے سے لے جاتا تو مسلمان اس کو مسجد کی بے حرمتی قرار دے کر ان سے لڑ جاتے اور جان دینے سے بھی دریغ نہ کرتے، لیکن آج مسلمان یا ان کی اولاد عین نمازوں کے اوقات میں مسجد کے سامنے فحش فلمی گانے بجاتے ہیں لیکن انہیں کوئی احساس نہیں ہوتا، بلکہ اب تو گانا گانے کو اور گانا سننے کو روح کی غذا بتا کر حلال قرار دینے کی فکر کی جا رہی ہے جو نہایت سنگین صورت حال ہے اور ایمان شکن معاملہ ہے۔ اس لئے خیال آیا کہ اس بارے میں اللہ جل شانہ اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے جو ارشادات موجود ہیں، اختصار کے ساتھ انہیں جمع کر کے مسلمانوں کی خدمت میں پیش کیا جائے تاکہ وہ انہیں پڑھیں اور آگاہی حاصل کر کے خود بھی اس گناہ سے بچیں اور دوسرے مسلمانوں کو بھی بچائیں اور اب تک جو گناہ ہوا اس سے سچی توبہ کریں۔

گانا قرآنِ کریم کی رو سے حرام ہے

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے چار مقامات پر گانے سے منع فرمایا ہے۔ ان میں سے ایک مقام یہ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِیْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝﴾ (لقمان۔ آیت: ٦)

”بعض لوگ ایسے ہیں جو ان باتوں کے خریدار ہیں جو اللہ تعالیٰ سے غافل کرنے والی ہیں تاکہ بے سوچے سمجھے اللہ تعالیٰ کی راہ سے بھٹکائیں اور اس راہِ حق کا مذاق اڑائیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے ذلت آمیز عذاب ہے۔“

اس آیت میں "لَهْوَ الْحَدِيْثِ" سے مراد گانا ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے جب اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا:

"قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں اس سے مراد گانا ہی ہے"۔

آپ نے یہ جملہ تین مرتبہ دوہرایا (تاکہ پوچھنے والا اچھی طرح سمجھ لے)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "لَهْوَ الْحَدِيْثِ" سے گانا اور اسی قسم کی چیزیں مراد ہیں۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ مذکورہ آیت گانے بجانے کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اور اس میں "لَهْوَ الْحَدِيْثِ" سے مراد گانا اور اسی قسم کی دوسری چیزیں ہیں، جیسے رات گئے تک قصّے کہانیاں، لطیفہ گوئی اور خرافات وغیرہ سُننا، بلکہ ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے اور اس کے ذکر سے غافل کر دے (سب اس میں شامل ہیں)

آیت کا مطلب یہ ہے کہ بعض لوگ اللہ تعالیٰ سے غافل کرنے والی چیزوں کے خواہش مند ہیں یعنی وہ گانا سُننا اور سُنانا اور اسی طرح کی دوسری چیزیں پسند کرتے ہیں، ان کا یہ طرزِ عمل راہِ حق سے بھٹکانے بلکہ دینِ متین کا مذاق اڑانے کے برابر ہے، کیونکہ دین کا مقصد انسان کو اللہ تعالیٰ سے جوڑنا ہے اور اس کی عبادت میں لگانا ہے اور گانا وغیرہ بالکل اس کی ضد اور اس کے خلاف ہے، لہٰذا ایسے لوگوں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔ اور جس چیز پر عذاب کی دھمکی دی جائے وہ ناجائز ہوتی ہے، اس لئے گانا سُننا اور سُنانا حرام ہے۔

نیز آیت بالا جس سلسلے میں نازل ہوئی ہے، اس سے بھی گانے اور قصّے کہانیوں کا اسلام کے خلاف ہونا معلوم ہوتا ہے، چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نضر بن حارث کافروں میں ایک شخص تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت مخالف اور بدترین دشمن تھا، وہ چاہتا تھا کہ لوگ قرآنِ کریم کی طرف متوجہ

نہ ہوں، وہ تجارت کی غرض سے ملک فارس جاتا اور وہاں سے رستم اور اسفندیار کے قصّے خرید کر لاتا اور مکہ مکرمہ میں لوگوں کو جمع کر کے سناتا تاکہ لوگ قرآنِ کریم سننے اور اسلام قبول کرنے سے باز رہیں۔ یہ دشمنِ اسلام لوگوں سے کہتا کہ یہ پیغمبر تم کو قومِ عاد اور قومِ ثمود کے قصّے سناتے ہیں، میں تم کو ایران کی مشہور لڑائیوں اور مشہور پہلوانوں کے قصّے سناتا ہوں۔ تم ہی بتاؤ! دونوں قسم کے قصّوں میں سے دل چسپی کون سے قصّوں میں ہے؟

بلکہ ایک دفعہ وہ ایک گانے والی لونڈی خرید کر لایا اور جس کو دیکھتا کہ وہ اسلام کی طرف مائل ہے، اس کو اپنے گھر لے جاکر کھانا کھلاتا اور گانا سنوا کر قرآنِ کریم سے مقابلہ کرتا اور پوچھتا کہ بتاؤ! مزہ اور دل لگی گانے میں ہے یا قرآنِ کریم میں ہے؟ (العیاذ باللہ)

سوال کا مقصد صرف اور صرف یہ تھا کہ لوگ ان قصّے کہانیوں میں اور گانے باجے میں لگ جائیں اور قرآنی ہدایات سے متنفر ہوجائیں۔ اس لئے یہ آیت اسی شخص کے بارے میں نازل ہوئی، اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعہ ہر اس چیز کو حرام قرار دے دیا جو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے اور اس کی یاد سے غافل کردے، خواہ قصّے کہانیاں ہوں یا ہنسنے ہنسانے کی باتیں اور خرافات ہوں یا گانا سُننا سُنانا ہو، سب ناجائز ہیں۔ (تفسیر کشف الرحمٰن تبصرف کثیر صفحہ ۶۵۵ جلد ۲)

بہرحال قرآنِ کریم کی مذکورہ آیت اور دیگر آیات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے والے بیسیوں ارشادات سے واضح طور پر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ فلمی اور غیر فلمی گانے، موسیقی، ڈھولک، سارنگی، ہارمونیم، بانسری، جھانجھ، ڈسکو، میوزک، ڈرامے، جھوٹی کہانیاں، ناولیں، برہنہ یا نیم برہنہ البم اور فلمیں وغیرہ سب ناجائز ہیں، ان میں مشغول ہونا یا دوسروں کو ترغیب دینا بلاشبہ گناہ ہے۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر آج تک ناچ گانا دشمنانِ اسلام کی وہ ٹھنڈی تلوار ہے جس کو انہوں نے ہمیشہ اسلام کو

مٹانے اور مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لئے استعمال کیا ہے، آج کل ٹی وی، وی سی آر اور ڈش انٹینا کے ذریعہ عریاں فلمیں، فحش ڈرامے، ناچ گانے، چوری، ڈکیتی اور قتل و غارت گری کے پروگرام دکھا کر یہ مقصد خوب حاصل کیا جارہا ہے، تاکہ مسلمان ان میں منہمک رہیں اور عیش پرستی میں غرق ہو کر اپنا دین و مذہب چھوڑ دیں اور آخرت سے غافل ہوں اور ان کے غلام رہیں اور پھر کبھی بھی ان کے مقابلہ میں نہ آسکیں۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ دشمنانِ اسلام کے اس خفیہ ہتھیار سے اور خاموش تلوار سے بچیں۔

گانے کے بارے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات یہ ہیں:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کا مقصد

"حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بلاشبہ میں (دنیا میں) بانسریاں (یعنی آلاتِ موسیقی) توڑنے کے لئے بھیجا گیا ہوں۔"

(نیل الاوطار)

"حضرت اُمامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مسلمانوں کے لئے ہدایت اور رحمت بناکر بھیجا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں بانسری، طنبور، صلیب اور امور جاہلیت کو مٹادوں۔ (ابوداؤد)

"حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ ڈھول اور بانسری مٹادوں۔ (جمع الجوامع)

ان تینوں احادیث سے واضح ہوا کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا میں تشریف لانے کا مقصد جہاں کفر و شرک کو مٹانا اور توحید کی دعوت دینا تھا، وہاں آپ کا مقصد یہ بھی تھا کہ آپ دنیا سے گانا باجا، ڈھولک، سارنگی اور تمام آلاتِ موسیقی توڑدیں اور ان کا نام و نشان مٹادیں —— اب آپ ذرا غور کریں کہ جن پر ہم ایمان رکھتے ہیں اور ان کے نام لیوا ہیں، وہ دنیا سے ناچ گانا مٹانے کے لئے تشریف لائے اور ہم ناچ گانے اور موسیقی میں مشغول ہو کر آپ کے تشریف لانے کے مقصد کی مخالفت کریں، کتنے افسوس اور خطرہ کی بات ہے۔ ہمارے دین و ایمان کا ہم سے یہ مطالبہ ہے کہ ہم اپنے نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کرتے ہوئے ہر قسم کے ناچ گانے سننے سے بچیں، اور اس مشغلہ کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ دیں۔

صورتیں مسخ ہونا

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے قریب میری اُمت کے کچھ لوگوں کی صورتیں مسخ کر کے انہیں بندروں اور خنزیروں کی صورتوں میں بدل دیا جائے گا۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا وہ لوگ مسلمان ہوں گے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: ہاں وہ لوگ اس بات کی گواہی دیں گے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور وہ روزے بھی رکھیں گے، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پوچھا یا رسول اللہ! پھر ان کا یہ حال کیوں ہوگا؟ آپ نے فرمایا: وہ لوگ باجوں اور گانے والی عورتوں کے عادی ہوجائیں گے، شرابیں پیا کریں گے، ایک شب جب وہ شراب نوشی اور لہو ولعب میں مشغول ہوں گے تو صبح تک ان کی صورتیں مسخ

ہو چکی ہوں گی۔ (ابن حبان)

"حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس اُمت میں زمین میں دھنسنے، صورتیں بگڑنے اور پتھروں کی بارش کے واقعات ہوں گے، عرض کیا گیا یا رسول اللہ! ایسا کب ہو گا؟ آپ نے فرمایا: جب گانے والیاں عام ہوجائیں گی اور شراب حلال سمجھی جائے گی۔ (ابن ماجہ)

"حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس اُمت میں بھی زمین میں دھنسنے، صورتیں مسخ ہونے اور پتھروں کی بارش کے واقعات ہوں گے، مسلمانوں میں سے ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ! ایسا کب ہو گا؟ آپ نے فرمایا: جب گانے والی عورتوں اور باجوں کا عام رواج ہوجائے گا اور کثرت سے شرابیں پی جائیں گی۔ (ترمذی)

مسخ ہونے کا مطلب

ان احادیث میں گانا گانے اور گانا سننے والوں کے بارے میں کتنی خوفناک وعیدیں مذکور ہیں، پچھلی اُمتوں میں بنی اسرائیل پر ان کی نافرمانی کی وجہ سے بندر اور خنزیر بننے کا عذاب آیا تھا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں گانا سننے اور سنانے والوں کے لئے اس عذاب کی دھمکی دی گئی ہے، اس لئے گانا سننے اور سنانے سے پرہیز کرنا چاہئے۔ البتہ احادیث بالا میں گانے کا مشغلہ رکھنے والوں کے خنزیروں اور بندروں کی شکل میں تبدیل ہونے کے متعلق علماء کرام کے دو قول

ہیں: بعض علماء فرماتے ہیں کہ واقعۃً ان لوگوں کی شکلیں بندروں اور خنزیروں کی شکل میں تبدیل ہو جائیں گی اور وہ انسانوں کے بجائے بندر اور خنزیر بن کر رہ جائیں گے، اور غالباً یہ اس زمانہ میں ہوگا جب قیامت کی بڑی بڑی نشانیاں ظاہر ہو جائیں گی اور یہ بھی اس کی ایک بڑی نشانی ہوگی۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہاں مسخ کے حقیقی معنیٰ مراد نہیں بلکہ مجازی معنیٰ مراد ہیں اور وہ یہ کہ گانے سے دو صفات پیدا ہوتی ہیں، ایک بے حیائی اور بے غیرتی، دوسری بے وقاری اور نقالی۔ بے حیائی اور بے غیرتی کا اصل مالک خنزیر ہے، اور بے وقاری اور نقالی کا حقیقی مالک بندر ہے، لہٰذا گانا سننے اور سنانے والوں میں اس گناہ کی وجہ سے بے غیرتی، بے شرمی، نقالی اور بے وقاری پیدا ہوگی۔ چنانچہ گانے کا شغل رکھنے والوں میں ان دو خصلتوں کا مشاہدہ آج بھی عام ہے کہ ایسے لوگوں میں شرم و حیا کا نام نہیں ہوتا اور دوسروں کی نقالی اور فیشن پرستی میں دن رات مبتلا رہتے ہیں، گویا ان کا باطن پوری طرح بندر اور خنزیر بن چکا ہے، اللہ تعالیٰ کی پناہ!

بانسری کی آواز سے بچنا

”حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ ایک چرواہے کی بانسری کی آواز سنی تو اپنے دونوں کانوں پر انگلیاں رکھ لیں اور اپنی سواری کو راستے سے موڑ لیا، پھر کہنے لگے نافع! آواز آرہی ہے؟ (بار بار پوچھا) حتیٰ کہ میں نے عرض کیا اب آواز نہیں آرہی، تو آپ نے اپنے کانوں پر سے ہاتھ ہٹالئے اور اسی راستے پر آگئے، پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے چرواہے کی بانسری کی آواز سن کر ایسا ہی کیا تھا۔ (ابوداؤد)

اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے بندوں کا یہی شیوہ ہے کہ وہ گانا اور بانسری وغیرہ کی آوازیں جان بوجھ کر تو سنتے ہی نہیں لیکن اگر کبھی بلا قصد وارادہ بھی سننے میں آجائیں تو کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے تھے، ہمیں بھی ان کے نقش قدم پر چلنا چاہئے۔

بلا ارادہ کانوں میں گانے کی آواز آنا

آج کل گانوں کی آواز اتنی عام ہے کہ کوئی گلی، کوئی بازار اس سے خالی نہیں، جہاں سے گزریں بلااختیار گانوں کی آواز کانوں میں آتی ہے، کسی بس یا ویگن میں سفر کریں تو ان میں بھی گانوں کے کیسٹ چلائے جاتے ہیں اور منع کرنے کے باوجود وہ بند نہیں کرتے اور سفر بھی ناگزیر ہوتا ہے، ایسی صورت میں مسئلہ یہ ہے کہ گانا سننے کے گناہ کا دارومدار قصد وارادہ پر ہے یعنی جان بوجھ کر گانا سننے سے گناہ ہوتا ہے، لیکن اگر بلاقصد وارادہ گانے باجے کی آواز کان میں پڑجائے تو گناہ نہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو آواز سنائی دے رہی تھی وہ بلاقصد و اختیار تھی اور ان کے لئے کان بند کرنا ضروری نہ تھا، لیکن انہوں نے ازراہِ تقویٰ کان بند کر لئے تھے، خصوصاً اس وجہ سے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسے موقع پر کان بند کر لئے تھے۔ چنانچہ آج بھی اگر کوئی گانے وغیرہ کی آواز سے کان بند کرلے تو بہتر ہے، لیکن اگر کوئی کان بند نہ کرے اور یوں ہی گزر جائے یا سواری میں بیٹھا رہے اور قصداً گانا نہ سنے تو گناہ نہیں۔

آلاتِ موسیقی حرام ہیں

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے

شراب، جوا، طبل اور طنبور کو حرام کیا ہے، نیز ہر نشہ آور چیز حرام ہے"۔ (ابوداؤد)

"حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے شراب، جوے اور طبل کو حرام کیا ہے، نیز ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ (ابوداؤد)

"حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ طبل حرام ہے، شراب حرام ہے اور بانسریاں حرام ہیں۔ (رواہ مسدد)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ طبل یعنی ڈھول، طنبورہ یعنی ستار اور بانسریوں کا استعمال حرام ہے۔ اور ان آلات کا ذکر بطور مثال کے ہے ورنہ تمام آلاتِ موسیقی کا یہی حکم ہے۔

بہرحال گانا گانا الگ گناہ ہے اور گانے کے ساتھ استعمال ہونے والے آلات جدا حرام ہیں، دونوں سے بچنا چاہئے۔

گانے والے کی نماز مقبول نہیں

"حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات کسی شخص کے گانے کی آواز سنی تو آپ نے تین مرتبہ فرمایا: اس کی نماز مقبول نہیں، اس کی نماز مقبول نہیں، اس کی نماز مقبول نہیں۔ (نیل الاوطار)

گانا سُننا اور سُنانا ایسا منحوس عمل ہے کہ اس میں مشغول ہونے والا شخص اگر نماز ادا کرے تو گو فرض اس کی ذمہ سے اتر جائے لیکن اس کی نماز مقبول نہ ہوگی اور باعث اجر و ثواب نہ ہوگی۔ اور پیچھے حدیث میں گزر چکا ہے کہ گانا سننے والے باوجود

مسلمان ہونے کے اور نماز روزہ ادا کرنے کے ان کی شکلیں بندروں اور خنزیروں کی صورتوں میں بدل جائیں گی۔ لہٰذا گانے کا شغل رکھنے والے اپنے انجام پر غور کرلیں۔

گانے سے لطف اندوزی کفر ہے

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گانا باجا سُننا گناہ ہے، اور اس (گانا سننے) کے لئے بیٹھنا نا فرمانی ہے اور اس سے لطف لینا کفر ہے۔ (نیل الاوطار)

حدیث میں کفر سے "کفرانِ نعمت" مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ اعضاء وجوارح اس لئے دیے ہیں کہ ان سے وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات بجا لائے اور اپنی تمام طاقتوں اور صلاحیتوں کو اس کی عبادت میں لگائے، لیکن اگر وہ ایسا کرنے کے بجائے انہی چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں اور گناہوں میں صرف کرنے لگے تو یہ سب سے بڑی ناشکری اور ناقدری ہے، اس لئے گانا سننے اور سنانے سے بچنا چاہئے۔

گانے کی اجرت حرام ہے

"حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گانے والی عورت کی اجرت اور اس کا گانا دونوں حرام ہیں۔" (طبرانی)

"حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گانے والی اور نوحہ کرنے والی عورتوں

سے روکا ہے اور ان کے ساتھ خرید و فروخت سے منع کردیا ہے اور فرمایا ہے کہ ان عورتوں کی کمائی حرام ہے۔" (ترمذی)

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میں گانے کے آلات توڑنے کے لئے بھیجا گیا ہوں (اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ) گانے والے مرد اور گانے والی عورت کی کمائی حرام ہے، اور فاحشہ عورت کی آمدنی بھی حرام ہے، اور اللہ تعالیٰ نے ضابطہ بنا لیا ہے کہ جنت میں حرام آمدنی سے پرورش پانے والے جسم کو داخل نہیں کریں گے۔" (کنزالعمال)

"ایک دوسری روایت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ گانے والی عورت کی کمائی حرام ہے، اور اس کا گانا سننا اور اس کی طرف دیکھنا بھی حرام ہے۔ نیز اس کی اجرت لینا اسی طرح حرام ہے جس طرح کتے کی قیمت لینا حرام ہے۔ اور جو گوشت حرام کی کمائی سے پروان چڑھتا ہے، دوزخ کی آگ اس کی زیادہ مستحق ہے۔" (المعجم الکبیر)

ان احادیث سے چند باتیں معلوم ہوئیں:

❶ گانا گانا حرام ہے۔

❷ گانا گانے کا معاوضہ لینا دینا حرام ہے۔

❸ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گانے کے آلات توڑنے کے لئے بھیجے گئے ہیں۔

❹ گانا سُننا اور گانے والی عورت کی طرف دیکھنا حرام ہے۔

❺ حرام کی کمائی سے پرورش پانے والا جسم جنت میں نہ جائے گا وہ صرف دوزخ کے لائق ہے۔

آج کل فلمی دنیا میں گانا گانے والے مرد و عورت گانے کی بھاری اجرت وصول

کرتے ہیں اور اس کو کمائی کا اعلیٰ ذریعہ سمجھتے ہیں، لیکن حرام کی اجرت بہرحال حرام ہوتی ہے۔ لہٰذا جب گانا حرام ہے تو اس کا معاوضہ بھی حرام ہے، اور گانے والی عورت کی طرف شہوت سے دیکھنا بھی حرام ہے، اور گانا سُننا بھی حرام ہے، آج گھر گھر ٹی وی، وی سی آر یا ڈش انٹینا کے ذریعہ یہ گناہ عام ہوچکا ہے، افسوس کہ اب مسلمانوں کے ذہن سے اس کا گناہ ہونا بھی نکلتا جارہا ہے۔ بہرحال، ہر مسلمان مرد و عورت کو گناہ کی ان تمام صورتوں سے بچنا چاہئے۔

گانے سے نفاق پیدا ہوتا ہے

"حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: گانا دل میں اس طرح نفاق پیدا کرتا ہے جس طرح پانی کھیتی اگاتا ہے۔

(رواہ البیہقی)

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گانے کی محبّت دل میں اس طرح نفاق پیدا کرتی ہے جس طرح پانی سبزہ اگاتا ہے۔

(دیلمی)

"حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گانا باجا سننے سے بچو! اس لئے کہ یہ دل میں نفاق پیدا کرتا ہے جس طرح پانی کھیتی اگاتا ہے۔ (رواہ البیہقی)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ گانا سننے سنانے سے انسان کے دل میں نفاق پیدا ہوتا ہے اور نفاق کی حقیقت یہ ہے کہ ظاہر میں کچھ ہو اور باطن میں کچھ ہو۔

جو شخص گانے باجے میں مشغول رہتا ہے، عام طور پر اس کا دو حال میں سے ایک حال ضرور ہوتا ہے، یا وہ باوجود مسلمان ہونے کے نماز، روزہ اور دیگر احکام کا تارک ہوگا اور کھلم کھلا گانا گانے اور سننے کا گناہ کرے گا۔ اس حالت میں وہ بدترین قسم کا فاسق وفاجر انسان ہوگا، آج بھی گانے کا مشغلہ رکھنے والے بہت سے مسلمانوں کا یہی حال ہے۔ یا بظاہر وہ نماز روزہ کا پابند ہوگا اور دوسرے احکام بھی بجالائے گا، لیکن ساتھ ساتھ ناچ گانے سے بھی لطف اندوز ہوتا ہوگا۔ تو اس صورت میں وہ جیسا نظر آتا ہے ویسا نہیں ہے، بظاہر تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت ظاہر کرتا ہے کیونکہ ظاہری احکام ادا کررہا ہے لیکن دل میں گانے اور موسیقی کی محبت بھری ہوئی ہے جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت اور ان کی ناراضگی کو بھی نظرانداز کر رہا ہے، اور اس کے دل میں ناچ و گانے کی محبت خدا اور اس کے رسول کی محبت سے زیادہ ہے اور یہ بھی نفاق ہے۔

نیز گانا اور موسیقی انسان میں اس قدر غفلت پیدا کرتے ہیں کہ آدمی میں قرآنِ کریم کو سمجھنے، اس پر غور کرنے اور اس پر عمل کرنے کا جذبہ اور شوق ہی ختم ہوجاتا ہے، بلکہ رفتہ رفتہ وہ انسان کے شہوانی جذبات میں تیزی پیدا کر کے اس کو بدنظری، جنسی بے راہ روی، بدکاری اور زنا جیسے بدترین گناہ میں مبتلا کردیتا ہے جو قرآن کی تعلیم کے بالکل الٹ ہے، کیونکہ قرآنِ کریم انسان کو نفسانی خواہشات کی پیروی سے روکتا ہے، عفّت اور پاکدامنی کا حکم دیتا ہے، شہوانی جذبات میں کنٹرول پیدا کر کے بدکاری اور زناکاری سے باز رکھتا ہے، اس طرح گانا قرآنی تعلیم کے بالکل خلاف محض شیطان کی پیروی کی دعوت دیتا ہے جو سرا سر نفاق ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان کو اپنا دین و ایمان نفاق سے اور شیطان کے اس سلو پائزن سے بچانا چاہئے جس کا واحد طریقہ یہی ہے کہ ناچ گانے کے گناہ سے سچی توبہ کریں اور نکاح کی تقریبات میں بھی اس گناہ سے بچیں، اور عام زندگی میں بھی اس سے اجتناب کریں۔

کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ

"حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی گانے والی باندی کے پاس اس لئے بیٹھے تاکہ اس کا گانا سنے تو قیامت کے دن اس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا۔ (ابن عساکر)

فلمیں خواہ سینما ہال میں دیکھیں یا ٹی وی پر، ان میں جہاں یہ اہم مقصد ہوتا ہے کہ گانے اور ناچنے والی عورت کو دیکھیں اور اس کے حسن و جمال سے جنسی لطف اٹھائیں وہاں یہ مقصد بھی ہوتا ہے کہ اس کا گانا سنیں۔ بلکہ گانا سننے کے ذرائع بنسبت دیکھنے کے زیادہ وسیع ہیں۔ گانے ریڈیو پر اور کیسٹ کے ذریعہ اور ٹیپ ریکارڈ پر بھی عام سنے اور سنائے جاتے ہیں، لیکن گانا سُننا اور سُنانا ہر حال میں گناہ ہے۔ دنیا کی چند روزہ زندگی میں شاید کچھ پتہ نہ چلے لیکن اس کا انجام قیامت کے دن یہ ہوگا کہ جہنم کے آگ میں پگھلا ہوا سیسہ اس کے کانوں میں ڈالا جائے گا۔ اور قیامت کا دن اور حساب و کتاب اور عذاب و ثواب، سب بالکل برحق ہیں۔ اب آپ سوچ لیں!!

دو ملعون آوازیں

"حضرت انس اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: دو قسم کی آوازیں ایسی ہیں جن پر دنیا اور آخرت دونوں میں لعنت کی گئی ہے، ایک خوشی کے موقع پر باجے تاشے کی آواز، دوسرے مصیبت کے موقع پر رونے اور نوحہ کی آواز۔ (رواہ البزاز)

ہر انسان کو عموماً دو حالتیں پیش آتی ہیں، ایک غم کی حالت دوسری خوشی کی حالت، ہر دو حالتوں میں دو عبادتوں کا حکم ہے، غم کی حالت میں صبر کرنا اور اللہ تعالیٰ کی مشیت پر راضی رہنا، اور خوشی کی حالت میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا۔ اور صبر و شکر بڑی عظیم عبادتیں ہیں، قرآن و حدیث ان کے اجر و ثواب سے بھرے ہوئے ہیں۔ شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے وہ ہر موقع پر انسان کو عبادت سے ہٹا کر گناہ میں لگانے کی کوشش کرتا ہے تاکہ وہ ثواب سے اور اللہ تعالیٰ کی رضا سے محروم ہو جائے، یہاں بھی اس نے یہی کیا کہ غم کے موقع پر سینہ پیٹنے، گریبان پھاڑنے اور حد سے زیادہ رونے دھونے میں لگا دیا، اور خوشی کے موقع پر گانے بجانے اور ناچنے میں مشغول کر دیا۔ اور یہ دونوں ہی بڑے گناہ ہیں، اسی لئے ان پر لعنت ہے۔ راہِ نجات یہی ہے کہ گانے باجے سے اور نوحہ سے پرہیز کریں۔

دو احمقانہ اور فاجرانہ آوازیں

”حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ تھاما اور میں آپ کے ساتھ آپ کے بیٹے حضرت ابراہیم کے پاس چلا آیا، حضرت ابراہیم اس وقت نزع کی حالت میں تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی گود میں اٹھا لیا، یہاں تک کہ ان کا انتقال ہو گیا، پھر آپ نے انہیں گود سے اتار دیا اور رونے لگے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ رو رہے ہیں، حالانکہ آپ نے رونے سے منع فرمایا ہے؟ آپ نے جواب دیا: میں نے رونے سے منع نہیں کیا، البتہ دو احمقانہ اور فاجرانہ آوازوں سے منع کیا ہے، ایک خوشی کے موقع پر کھیل کود اور شیطانی باجوں کی آواز سے، دوسرے مصیبت کے وقت

چہرہ پیٹنے، گریبان چاک کرنے اور رونے کی آواز سے۔" (حاکم)

کسی کے انتقال پر حداعتدال میں رونا اور اس کی جدائی پر آنسو بہانا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، اس کی کوئی ممانعت نہیں، ممانعت اس رونے کی ہے جو حد سے زیادہ ہو، جس میں چہرہ نوچا جائے، سینہ پیٹا جائے، گریبان چاک کیا جائے اور بین کر کے رویا جائے۔ اور شادی بیاہ یا کسی اور خوشی کے موقع پر گانا باجا اور کھیل تماشا بھی گناہ ہیں، کیونکہ یہ سب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے خلاف ہیں اور آخرت سے غافل کرنے والی ہیں۔

گھنٹی اور گھنگرو کے استعمال کی ممانعت

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: گھنٹی شیطان کے باجے ہیں۔" (مسلم و ابوداؤد)

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: فرشتے اس جماعت میں شریک نہیں ہوتے جس میں کتا یا گھنٹی ہو۔" (مسلم و ابوداؤد)

"حضرت حوط بن عبدالعزیٰ سے روایت ہے کہ مصر سے ایک قافلہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ ان کے جانوروں پر گھنٹیاں بندھی ہوئی تھیں، آپ نے انہیں حکم دیا کہ گھنٹیاں کاٹ دیں اس طرح آپ نے گھنٹی کو مکروہ قرار دیا اور فرمایا کہ فرشتے ایسی جماعت کے ساتھ نہیں رہتے جس میں گھنٹی ہو۔" (رواہ مسدد)

"حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ایک مرتبہ ایک بچی

لائی گئی جو گھنگرو پہنے ہوئی تھی اور گھنگرو بول رہے تھے تو آپ نے فرمایا کہ ان کو میرے پاس نہ لایا کرو جب تک ان کے گھنگرو نہ کاٹ دو! اس لئے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے جس میں گھنٹی ہو۔" (ابوداؤد)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف گانے باجوں سے منع فرمایا ہے بلکہ گھنٹی اور گھنگرو باندھنے سے بھی منع فرمایا ہے، کیونکہ یہ بھی گانے باجے کے آلات میں داخل ہیں اور ناچ گانے میں زبردست مدد گار ہیں، بلکہ گھنگرو کے بغیر ناچ و رنگ میں جان ہی نہیں پڑتی۔ اس ممانعت میں جانوروں کے گلے اور پیروں میں گھنٹی اور گھنگرو باندھنا بھی داخل ہے۔ اسی طرح بعض عورتیں گھنگرو اور پازیب اور کنگن آواز والے استعمال کرتی ہیں ان کو بھی اس سے بچنا چاہئے۔ البتہ سادہ پازیب اور کنگن جس سے آواز پیدا نہ ہو ان کا استعمال درست ہے۔

گانا سننے والوں کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سفر میں تھے کہ آپ نے دو آدمیوں کے گانے کی آواز سنی، ان میں سے ایک شعر پڑھتا تھا اور دوسرا اس کا جواب دیتا تھا، آپ نے فرمایا ذرا دیکھو! یہ کون لوگ ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا فلاں فلاں ہیں، آپ نے ان کے لئے بددعا فرمائی اور فرمایا اے اللہ! انہیں جہنم میں الٹ دے اور آگ میں دھکیل دے۔" (مجمع الزوائد)

مذکورہ بالا آیات واحادیث سے واضح ہوگیا کہ گانا سُننا اور سُنانا حرام ہے اور اس کے ناجائز ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، ہر مسلمان مرد و عورت کو اس گناہ سے بچنا چاہئے۔

بعض لوگ گانے کو جائز قرار دینے کے لئے عجیب و غریب دلائل دیا کرتے ہیں جنہیں سن کر بعض سادہ لوح مسلمان بھی شک میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ اختصار سے ان کا بھی ذکر کیا جاتا ہے۔

گانے کو جائز کہنے والوں کے بے وزن دلائل

عید کے دن گانے کا جواز

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے یہاں تشریف لائے، اس وقت دو لڑکیاں میرے پاس بیٹھی جنگ بعاث کے گیت گا رہی تھیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم بستر پر لیٹ گئے اور دوسری طرف منہ پھیر لیا، اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگئے انہوں نے مجھے ڈانٹا اور فرمایا کہ یہ شیطانی راگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: جانے بھی دو۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوسرے کاموں میں لگے تو میں نے ان دونوں لڑکیوں کو اشارہ کیا اور وہ باہر نکل گئیں۔ یہ عید کا دن تھا۔" (صحیح بخاری)

"بخاری شریف کی دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے تو اس وقت دو انصاری لڑکیاں میرے پاس بیٹھی وہ اشعار گارہی تھیں جو انصار نے جنگ بعاث میں کہے تھے، یہ دونوں لڑکیاں کوئی پیشہ ور گانے والیاں نہیں تھیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں دیکھتے ہی کہا "یہ شیطانی راگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں؟" یہ عید کے دن کا واقعہ ہے، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوبکر ہر قوم کے لئے عید کا دن ہوتا ہے اور آج ہماری عید ہے۔" (صحیح بخاری)

بعض لوگ مذکورہ حدیثوں کے حوالہ سے گانا گانے اور سننے کو جائز قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب عید کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر لڑکیاں گانا گا رہی تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دی تو ہمارے لئے بھی شادی بیاہ اور ہر خوشی کے موقع پر گانا سُننا اور سُنانا درست ہے۔ لیکن ایسے لوگوں کا ان احادیث سے گانے کی اجازت نکالنا درست نہیں، کیونکہ ان احادیث میں سرے سے گانے کا کوئی ذکر ہی نہیں، بلکہ جنگ بعاث کے گیت اور اشعار ترنم سے پڑھنے کا ذکر ہے اور ایسے اشعار کا گانے سے کوئی تعلق نہیں۔ اور جنگ بعاث اس جنگ کا نام ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے سے تین سال پہلے قبیلہ اوس اور خزرج کے درمیان ہوئی تھی۔ یہ لڑکیاں جو اشعار پڑھ رہی تھیں وہ اس جنگ میں شجاعت اور بہادری کے جذبات ابھارنے سے متعلق تھے، جو ایک طرح سے جہاد کے لئے معاون اور مفید تھے۔ نیز یہ لڑکیاں ابھی نابالغ اور غیر مکلّف تھیں، کوئی پیشہ ور گانے والیاں نہیں تھیں، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہیں فرمایا، ورنہ گانے کی طرح اگر یہ اشعار عشقیہ اور ناجائز مضامین پر مشتمل ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز خاموش نہ رہتے بلکہ آپ

ضرور منع فرماتے، اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان لڑکیوں کو اس لئے منع فرمایا کہ صحابۂ کرام میں عام طور پر یہ بات معروف تھی کہ گانا گانا ناجائز اور شیطانی کام ہے اور انہیں یہ اشعار بھی گانے کے مشابہ محسوس ہوئے اس لئے منع کیا، جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ "جانے بھی دو، آج عید کا دن ہے" درگزر سے کام لو۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان احادیث سے گانے باجے کا جائز ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

دف کے ذریعہ نکاح کا اعلان

"حضرت ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میری رخصتی ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اسی طرح بیٹھے جس طرح تم میرے سامنے بیٹھے ہو، اتنے میں ہماری کچھ بچیوں نے دف پر گاگا کر میرے مقتول باپ و دادا کا مرثیہ کہنا شروع کیا، اس دوران ان میں سے ایک لڑکی نے یہ مصرعہ پڑھا جس کا ترجمہ یہ ہے: "اور ہم میں ایک ایسا نبی ہے جو کل کی بات جانتا ہے" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا: اسے رہنے دو اور جو پہلے کہہ رہی تھیں وہی کہتی رہو۔"

(بخاری شریف)

حضرت ربیع وہ صحابیہ ہیں جن کے والد اور دو چچا حضرت معاذ اور عوف بن عفراء رضی اللہ تعالیٰ عنہما غزوہ بدر میں شہید ہو گئے تھے، گانے والی بچیاں غزوہ بدر میں ان کے والد اور چچاؤں کی دلیری اور بہادری پر مشتمل اشعار گا رہی تھیں، اور چونکہ غیب دان ہونا صرف اللہ تعالیٰ کی خصوصیت ہے اور ایک لڑکی کے مصرعہ میں علم غیب کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی گئی تھی، اس لئے آپ نے

اس مصرعہ کو پڑھنے سے منع فرمایا، نیز اشعار گانے والی کم سن بچیاں تھیں، بالغ عورتیں نہ تھیں اور وہ بھی دف پر شادی میں جنگی اشعار گارہی تھیں۔

"حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نکاح کا اعلان کیا کرو، نکاح مسجد میں پڑھا کرو اور اس موقع پر دف بجاؤ۔"

(ترمذی شریف)

ان دونوں حدیثوں میں اور بعض دوسری حدیثوں میں نکاح کے موقع پر دف بجانے کا ذکر ہے جن سے مقصود نکاح کا اعلان اور اس کی اطلاع کرنا ہے۔ اس لئے حضرات علماء کرام رحمہم اللہ نے فرمایا ہے کہ نکاح کے موقع پر نکاح کا اعلان کرنے کے لئے دف بجانا جائز ہے جبکہ اس کے ساتھ کسی اور حرام کام کا ارتکاب نہ ہو، اور دف اتنی آواز سے بجانا چاہئے جس سے اعلان نکاح کی ضرورت پوری ہوجائے۔ اور نکاح کا اعلان دف بجا کر کرنا بھی ضروری نہیں ہے اگر کسی اور طریقے سے لوگوں کو نکاح کی اطلاع ہوجائے تو وہ بھی کافی ہے، بلکہ بعض علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے دف بجا کر نکاح کا اعلان کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (کذافی امداد الفتاویٰ جلد ۲ صفحہ ۲۳۸)

اس لئے نکاح کے اعلان کے لئے دف نہ بجانے میں احتیاط ہے۔ تاہم یہ ساری تفصیل نکاح کا اعلان کرنے کی غرض سے دف بجانے کے متعلق ہے۔ بعض لوگوں نے دف کی اجازت پر قیاس کر کے مروّجہ گانوں اور گانے بجانے کے آلات جیسے ڈھولک، سارنگی، ہارمونیم اور ڈسکو وغیرہ کو بھی جائز سمجھ لیا ہے، یہ سراسر غلط ہے، کیونکہ گانا باجا اور آلاتِ موسیقی ازروئے شریعت حرام ہیں اور ان سے بچنے کی خاص تاکید ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، اور دف کی اجازت نکاح کے اعلان کی غرض سے ہے اس لئے اس پر قیاس کرنا درست نہیں۔

روح کی غذا

بعض لوگ موسیقی اور گانے باجے کو جائز قرار دیتے ہوئے یہ دلیل دیتے ہیں کہ "موسیقی روح کی غذا ہے" یہ بھی غلط ہے، کیونکہ جو چیز حرام ہو وہ روح کی غذا نہیں ہو سکتی جیسے سور اور بلی حرام ہے وہ انسانی غذا نہیں بن سکتی۔ پھر اگر مزید غور کیا جائے تو گانا اس لئے بھی روح کی غذا نہیں کہ غذا اس کو کہتے ہیں جو کھانے کے بعد جسم میں نشو نما کا باعث بنے اور صحت کے لئے مضر نہ ہو، مثلاً ہم انسان کی غذا گندم، چاول، سبزیاں، حلال گوشت اور پھل وغیرہ کو قرار دیتے ہیں، یہ نہیں کہتے کہ بھوسہ، چارہ، کیڑے مکوڑے، سانپ، بچھو، شراب، ہیروئن انسان کی غذا ہیں، کیونکہ یہ سب انسان کے جسم اور اس کی صحت کے لئے نقصان دہ ہیں، بالکل اسی طرح گانا کانوں کے ذریعہ انسان کے اندر جنسی اور شہوانی جذبات ابھار کر اس کو عیاشی اور بدکاری کے لئے تیار کرتا ہے جو انسان کی روح کے لئے سخت مضر ہے اور مضر چیز غذا نہیں ہو سکتی، اس لئے گانوں کو روح کی غذا قرار دینا درست نہیں۔

قوّالی سُننا اور سُنانا

بعض لوگ گانا سننے اور گانا گانے کو گناہ سمجھتے ہیں لیکن قوّالیاں سننے سنانے کو گناہ نہیں سمجھتے، اس لئے قوّالیاں بے خطر سنتے ہیں، بلکہ سال کے بعض محترم دنوں میں گانے بند کر کے ان کی جگہ قوّالیاں سنتے سناتے ہیں۔ چنانچہ یکم محرم سے دس محرم تک اور یکم ربیع الاوّل سے بارہ ربیع الاول تک یا رمضان المبارک میں یا شبِ براءت میں بجائے گانوں کے قوّالیاں سنی جاتی ہیں۔ اور بعض لوگ ان کو باعث ثواب سمجھتے ہیں اور وہ اپنے یہاں "محفل قوالی" منعقد کرتے ہیں جس میں بڑے بڑے قوّال بلائے جاتے ہیں جو رات بھر قوّالیاں سناتے ہیں اور بھاری اجرت وصول کرتے ہیں۔ یہ لوگ اس کا جواز یہ پیش کرتے ہیں کہ بڑے بڑے بزرگوں نے قوّالی

سنی ہیں، اس لئے ہم بھی سنتے ہیں، حالانکہ جن بزرگوں سے قوالیاں سننا ثابت ہے، ان سے قوالی سننے کی چند شرطیں بھی ثابت ہیں جو یہ ہیں:

- سنانے والا بے ریش لڑکا یا عورت نہ ہو۔
- قوالی کے اشعار کا مضمون فحش اور خلافِ شرع نہ ہو۔
- قوالی سنانے والا اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے قوالی سنائے، قوالی سنا کر اجرت حاصل کرنا اس کا مقصد نہ ہو۔
- قوالی سننے والے سب متقی پرہیز گار ہوں، فاسق و فاجر، دین سے آزاد اور نفس و شیطان کے پیروکار نہ ہوں۔
- قوالی کے ساتھ دف، ڈھولک اور سارنگی وغیرہ بالکل نہ ہوں۔

موجودہ قوالیوں میں یہ شرطیں بالکل نہیں پائی جاتیں، اس لئے آج کل کی قوالیاں سُننا سُنانا حرام ہے اور ان سے بچنا واجب ہے۔

سلطان الاولیاء کی قوّالی سے توبہ

مذکورہ شرائط کے ساتھ جن بزرگوں سے سماع (قوالی سُننا) ثابت ہے، ان میں سے بعض کی اس سے توبہ بھی ثابت ہے، چنانچہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک وعظ "الحدود والقیود" میں تفصیل سے اس کا ذکر فرمایا ہے، حضرت ہی کے الفاظ میں یہ پورا قصّہ ملاحظہ ہو:

ایک بزرگ سے کسی نے سماع کی بابت سوال کیا کہ اس میں آپ کا فیصلہ کیا ہے، یہ جائز ہے یا نہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ عزیز من! تم نے ایسی بات کا سوال کیا ہے جس کا فیصلہ کرنا ہمارا تمہارا کام نہیں، بس میں بجائے جواب کے تم کو ایک حکایت سناتا ہوں، وہ یہ کہ قاضی ضیاء الدین سنامی رحمۃ اللہ علیہ حضرت سلطان الاولیاء سلطان نظام الدین ؒ کے ہمعصر ہیں، سلطان جی صاحب سماع تھے، قاضی صاحب ان کو سماع سے منع کرتے تھے، ایک مرتبہ قاضی صاحب کو معلوم ہوا کہ

سلطان جی کے یہاں سماع ہو رہا ہے تو وہ اپنی فوج کو ساتھ لے کر روکنے آئے، یہاں پہنچ کر دیکھا تو ایک بڑا شامیانہ قائم تھا اور اس کے اندر سلطان جی کی جماعت کا اس قدر ہجوم تھا کہ قاضی صاحب کو اندر جانے کی جگہ نہ ملی، تو انہوں نے حکم دیا کہ خیمہ کی طنابیں کاٹ دو کہ مجمع منتشر ہو جائے۔ فوج نے خیمہ کی طنابیں کاٹ دیں مگر خیمہ اسی طرح ہوا میں معلق رہا، گرا نہیں۔ قاضی صاحب نے اپنی فوج سے فرمایا کہ اس سے دھوکہ نہ کھانا، بدعتی سے خوارق کا صدور ہو سکتا ہے اور یہ موجب قبول نہیں۔

اس وقت تو قاضی صاحب واپس ہو گئے، دوسرے وقت حضرت سلطان جیؒ کے مکان پر گئے اور فرمایا کہ تم سماع سے توبہ نہ کرو گے، سلطان جی نے فرمایا کہ اچھا اگر ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پچھوا دیں جب تو تم منع نہ کرو گے، کہا اچھا پچھوا دو۔ قاضی صاحب کو سلطان جی کی بزرگی کا علم تھا، جانتے تھے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرا سکتے ہیں، اس لئے سوچا کہ اس دولت کو کیوں چھوڑیں، چنانچہ سلطان جی نے ان کی طرف توجہ کی تو ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت مکشوف ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرما رہے ہیں کہ فقیر کو کیوں تنگ کرتے ہو؟ قاضی سنامی رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے کچھ خبر نہیں کہ میں کس حال میں ہوں، جاگ رہا ہوں یا سو رہا ہوں، اور صحیح طور پر سن رہا ہوں اور سمجھ رہا ہوں یا مدہوش ہوں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جو ارشادات حضراتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بحالت یقظہ (بیداری کی حالت میں) آپ سے سن کر بیان فرمائے ہیں، وہ اس ارشاد سے اولیٰ و اقدم (راجح اور مقدم) ہیں جو میں اس وقت سن رہا ہوں۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا۔ اور یہ حالت ختم ہو گئی۔ تو سلطان جی نے فرمایا کہ دیکھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا۔ قاضی صاحب نے کہا: اور دیکھا ہم نے کیا عرض کیا۔ پھر سلطان جی نے قاضی صاحب کے سامنے ہی منشد کو یعنی قوّال کو اشارہ کیا، اس نے سماع

شروع کیا، قاضی صاحب بھی بیٹھے رہے کہ اس بدعت کو یہیں بیٹھ کر توڑوں گا۔ قوّال نے کوئی شعر پڑھا، سلطان جی کو وجد ہوا اور وہ کھڑے ہوگئے، قاضی صاحب نے ہاتھ پکڑ کر بٹھلا دیا، تھوڑی دیر میں غلبہ وجد سے پھر کھڑے ہوگئے، قاضی صاحب نے اس دفعہ بھی ان کو بٹھلا دیا۔ تیسری دفعہ سلطان جی پھر کھڑے ہوئے، اس دفعہ قاضی صاحب ہاتھ باندھ کر سلطان جی کے سامنے کھڑے ہوگئے۔ اس پر قاضی صاحب کی جماعت کو بڑی حیرت ہوئی کہ یہ کیا ہونے لگا۔ سب کا خیال یہ ہوا کہ بس اب آئندہ قاضی صاحب سلطان جی کو سماع سے منع نہ کریں گے، مگر جب مجلس سماع ختم ہوئی تو قاضی صاحب یہ کہہ کر اٹھے کہ اچھا میں پھر کبھی آؤں گا اور تم کو اس بدعت سے روکوں گا۔

واپسی کے وقت قاضی صاحب کی جماعت نے ان سے پوچھا کہ یہ کیا بات تھی کہ تیسری دفعہ آپ سلطان جی کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوگئے۔ فرمایا: بات یہ ہے کہ سلطان جی کو پہلی بار جو وجد ہوا تو ان کی روح آسمان اوّل تک پہنچی، یہاں تک میری بھی رسائی تھی، میں ان کو وہاں سے واپس لے آیا اور بٹھلادیا، دوسری بار جو وجد ہوا تو ان کی روح عرش کے نیچے پہنچی، وہاں تک بھی میری رسائی تھی، میں وہاں سے بھی ان کو واپس لے آیا۔ تیسری بار جو وجد ہوا تو ان کی روح فوق العرش پہنچی، میں نے چاہا کہ وہاں سے بھی واپس لاؤں، ملائکہ عرش نے مجھے روک دیا کہ عرش کے اوپر نظام الدین ہی جاسکتے ہیں، تم نہیں جاسکتے۔ (اس وقت مجمع کی عجیب حالت تھی ۱۲ ظ) اور اس وقت مجھے عرش کی تجلّیات نظر آئیں، میں ان تجلّیات کے سامنے دست بستہ کھڑا ہوگیا تھا، اس بدعتی کے سامنے تھوڑا ہی دست بستہ کھڑا تھا، وہ چاہے عرش سے اوپر پہنچ جائے مگر اس بدعت سے پھر بھی اس کو منع کروں گا۔ یہ بھی بڑے پکے تھے کہ سلطان جی کے مقامات سے بھی واقف تھے اور خود بھی صاحب مقامات تھے اور جانتے تھے کہ سلطان جی کا مقام مجھ سے اعلیٰ و ارفع ہے مگر باایں ہمہ بدعت کو بدعت ہی سمجھتے رہے۔ یہ بڑا کمال ہے، ورنہ ناقص تو ایسے وقت دھوکہ

میں آجائے اور بدعت کے بدعت ہونے میں تأمل کرنے لگے، مگر قاضی صاحب کو اس پر تأمل نہیں ہوا۔ یہ ان کے کمال کی دلیل تھی اور واقعی ایسے ہی صاحب کمال کو سلطان جی پر احتساب کا حق بھی تھا۔

پھر اتفاق ایسا ہوا کہ قاضی صاحب کا وقت وصال سلطان جی سے پہلے آیا، سلطان جی ان کی عیادت کے لئے گئے اور دروازہ پر پہنچ کر اجازت مانگی، قاضی صاحب نے فرمایا کہ سلطان سے کہہ دو کہ یہ وقت وصال حق کا وقت ہے، اس وقت میں بدعتی کا چہرہ نہیں دیکھنا چاہتا (اللہ اللہ! کیا ادا تھی اور کیسی پختگی) سلطان جی نے جواب دیا کہ قاضی صاحب سے عرض کر دو کہ وہ بدعتی ایسا بے ادب نہیں کہ بارگاہ سُنّت میں بدعت سے ملوث ہو کر آتا، وہ حضرت والا کے مذاق سے واقف ہے اور آپ کے مذاق کی پوری رعایت کر کے حاضر ہوا ہے، میں اس بدعت سے توبہ کر کے حاضر ہوا ہوں (سبحان اللہ سبحان اللہ! ؎

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

(اس پر مجمع گویا ذبح ہو گیا تھا ۱۲ ظ) یہ جواب سن کر قاضی صاحب پر حالت طاری ہو گئی اور آبدیدہ ہو کر اپنا عمامہ سر سے اتار کر خادم کو دیا کہ سلطان جی سے کہو: اس عمامہ پر پاؤں رکھتے ہوئے تشریف لائیں، بس ان میں یہی ایک کسر تھی جو جاتی رہی، باقی ان کے مقاماتِ عالیہ اور کمالات سے میں ناواقف نہیں ہوں ؎

گر برسر و چشم من نشینی
نازت بکشم کہ نازنینی

"اگر آپ میرے سر اور آنکھوں پر بیٹھیں تو میں آپ کے ناز برداشت کروں گا، اس لئے کہ آپ میرے محبوب ہیں"۔

خادم قاضی صاحب کا عمامہ لے کر سلطان جی کے پاس حاضر ہوا تو آپ نے عمامہ

کو سر پر رکھ لیا کہ یہ عمامہ شریعت ہے، میں اس کو اپنے سر پر رکھ کر حاضر ہوں گا۔ چنانچہ تشریف لائے اور قاضی صاحب نے فرمایا ؎

آنانکہ خاک رابنظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

"وہ جو ایک ہی نظر سے مٹی کو سونا بنادیتے ہیں، کیا ممکن ہے کہ وہ اپنی ایک نظر ہم پر ڈالیں؟ (ف) تاکہ ہم ناچیز بھی اس کی نظر کیمیا اثر سے سونا بن جائیں"۔

حضرت! اب میرا آخری وقت ہے، اللہ میرے اوپر توجہ فرمائیے، چنانچہ حضرت سلطان جی نے توجہ شروع کی اور ایسی توجہ کی کہ قاضی صاحب کی روح نہایت فرح وشادانی کے ساتھ عالم بالا کو پرواز کرگئی۔ حضرت قاضی صاحب کا وصال ہوگیا تو سلطان جی روتے تھے اور فرماتے تھے کہ افسوس شریعت کا ستون گرگیا۔ اس حکایت کو ذکر کرکے وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ بھائی نہ میں نظام الدین ہوں جو اجازت دوں، نہ ضیاء الدین ہوں جو منع کروں۔ یہ حکایت میں نے اخبار الاخیار میں بھی دیکھی ہے مگر مختصر۔ (وعظ "الحدود والقیود" صفحہ ۳۷ تا ۳۹)

جس تقریب میں گانا ہو اس میں شرکت

آج کل گانا سُننا اور سُنانا اس قدر عام ہے کہ اکثر شادی بیاہ اور دیگر پُر مسرت تقریبات میں بھی گانے خوب چلائے جاتے ہیں، بلکہ بعض محلوں میں اس موقع پر اتنی بلند آواز سے گانے چلائے جاتے ہیں کہ پورا محلہ ان کی آواز سے گونجتا ہے اور سارے محلے والے اس آفت ناگہانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں، کیونکہ گانوں کی بلند آواز سے نہ کوئی مطالعہ کرسکتا ہے، نہ تلاوت کرسکتا ہے، نہ عبادت کرسکتا ہے، نہ ذکر و دعا کرسکتا ہے، بلکہ کوئی آرام بھی نہیں کرسکتا۔ اس طرح گانوں کی آواز سے

دوسروں کو تکلیف پہنچانا حرام اور سخت گناہ ہے، اور ایسی تقریبات میں شریک ہونا بھی جائز نہیں ہے خواہ اہل تقریب کتنا ہی بُرا منائیں۔ اس کی بالکل پرواہ نہ کرنی چاہئے، کیونکہ کسی انسان کو خوش کرنے کی خاطر اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنا جائز نہیں۔

گانا نہ سننے کا ثواب

"حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ کہاں ہیں وہ لوگ جو (دنیا میں) اپنے کانوں اور آنکھوں کو شیطانی باجوں کو سننے اور ان کے بجانے والوں کو دیکھنے سے محفوظ رکھتے تھے، انہیں ساری جماعتوں سے الگ کر دو، چنانچہ فرشتے انہیں الگ کر کے مشک و عنبر کے ٹیلوں پر بٹھا دیں گے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیں گے کہ ان لوگوں کو میری پاکی اور بزرگی (کے گیت) سناؤ! چنانچہ فرشتے انہیں ایسی پیاری (اور سریلی) آوازوں میں اللہ کا ذکر سنائیں گے کہ سننے والے نے کبھی ایسی آواز نہ سنی ہوں گی۔"

(جمع الفوائد)

لہٰذا گانا گانے، گانا سننے، گانے والوں کو دیکھنے اور جس محفل میں گانا باجا ہو رہا ہو وہاں شرکت کرنے سے بچنا چاہئے۔ اور گانا خواہ کسی مرد و عورت سے براہ راست سنا جائے یا کیسٹ کے ذریعہ یا ریڈیو اور ٹی وی کے ذریعہ سنا جائے، بہر صورت اس سے بچنا چاہئے تاکہ سننے کے وبال سے حفاظت ہو اور مذکورہ ثواب ملے۔ اللہ تعالیٰ ہی بچنے کی توفیق دینے والے ہیں۔

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمْ

نمازِ فجر کی اہمیت

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی بیانات : جلد نمبر : ۲

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نماز فجر کی اہمیت

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیأت اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، ونشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ، ونشھد ان سیدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ، صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلٰی اٰلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیرًا کثیرا۔

اما بعد!

فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم۔ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم
﴿أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوۡكِ الشَّمۡسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيۡلِ وَقُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ اِنَّ قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ كَانَ مَشۡهُوۡدًا وَمِنَ الَّيۡلِ فَتَهَجَّدۡ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰٓى اَنۡ يَّبۡعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا﴾ صدق اللہ العظیم

نماز فجر میں ہماری کوتاہی

میرے قابل احترام بزرگو، اور محترم خواتین! آج میں آپ حضرات کو ایک ایسی کوتاہی کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں جو خواتین و حضرات میں یکساں طور پر پائی جاتی ہے۔ ویسے تو یہ کوتاہی سال کے بارہ مہینوں میں پائی جاتی ہے، لیکن موسم گرما میں وہ کوتاہی بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے اور توجہ دلانے کا مقصد یہ ہے کہ ہم اس کوتاہی کو

دور کرنے کی کوشش کریں۔ یہ کوتاہی "نماز فجر" کے بارے میں ہے۔ عام طور پر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ دن کی چار نمازوں میں جماعت سے نماز پڑھنے والوں کی جو تعداد ہوتی ہے۔ فجر کی نماز میں وہ تعداد نظر نہیں آتی۔ ہر بڑی مسجد اور ہر چھوٹی مسجد اور ہر گھر میں یہ صورت حال ہے۔ گھروں میں جو خواتین عشاء، مغرب، عصر، ظہر کی نمازیں جس اہتمام کے ساتھ پڑھتی ہیں۔ فجر کی نماز میں وہ اہتمام نہیں۔ اکثر خواتین کی نماز فجر قضا ہوجاتی ہے اور مردوں میں بھی بہت سے حضرات ایسے ہیں جو دن کی باقی چار نمازیں قضا نہیں پڑھتے۔ لیکن فجر کی نماز قضا کردیتے ہیں اور جماعت تو اکثر حضرات کی نکل ہی جاتی ہے۔ بعض حضرات ایسے ہیں جن کو فجر کی ایک رکعت یا قعدہ اخیرہ بمشکل ملتا ہے۔ یہ ہمارے اندر بڑی کوتاہی ہے۔ جس طرح ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں مردوں کو باجماعت مسجد میں ادا کرنا ضروری ہے اور خواتین کو گھر میں وقت پر ادا کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح فجر کی نماز مردوں کو مسجد میں باجماعت ادا کرنا اور خواتین کو گھر کے اندر اس کے وقت پر ادا کرنا ضروری ہے اور جس طرح ان چار نمازوں کو قضا کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح فجر کی نماز کو بھی قضا کرنا جائز نہیں۔ اور جس طرح عذر شرعی کے بغیر دن کی چار نمازوں کی جماعت چھوڑنا جائز نہیں۔ اسی طرح فجر کی جماعت بھی عذر شرعی کے بغیر چھوڑنا جائز نہیں۔

نماز فجر کی ابتداء

یہ بلاشبہ ایک حقیقت ہے کہ فجر کی نماز کا وقت نیند اور غفلت کا وقت ہے۔ یہی نیند، غفلت اور سستی ہی عام طور پر نماز فجر میں کوتاہی کا سبب بنتی ہے، مگر اللہ تعالیٰ کی یہ عجیب رحمت ہے کہ جس عمل میں ذرا سی مشقت ہوتی ہے۔ وہاں اس عمل کا اجر و ثواب بڑھادیتے ہیں، اور اس کے زیادہ اہتمام کرنے کی طرف متوجہ کردیتے ہیں۔ نماز فجر میں دوسری نمازوں کی بہ نسبت مشقت زیادہ ہے اس لئے اس کا ثواب بھی زیادہ ہے (جو انشاء اللہ ابھی بیان ہوگا) اور اس کی عظمت بھی زیادہ ہے۔ چنانچہ

اس کی عظمت کے سلسلے میں بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ وہ عظیم الشان نماز ہے جو اس دنیا میں سب سے پہلے ادا کی گئی۔ جس کو سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے اس وقت ادا کیا تھا جب آپ جنت سے دنیا میں تشریف لائے تھے۔

اس کا واقعہ یہ ہے کہ جس وقت آپ کو جنت سے دنیا میں اتارا گیا اس وقت دنیا میں رات چھائی ہوئی تھی اور ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ اس تاریکی کو دیکھ کر آپ کو فکر دامن گیر ہوئی اور ڈر لگا کہ یہ دنیا ایسی تاریک اور اندھیری ہے؟ یہاں روشنی کا نام و نشان نہیں۔ اس تاریکی میں کس طرح باقی زندگی گزاروں گا؟ لیکن چونکہ وہ رات کی تاریکی تھی جو وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ گزر جانی تھی اور اس کے بعد دن آنا تھا۔ لیکن پہلے سے چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کو اس کا اندازہ نہ تھا۔ اس لئے آپ یہ سمجھے کہ بس اسی تاریکی کا نام دنیا ہے۔ اس لئے آپ کو بہت فکر لاحق ہوئی۔ پھر آہستہ آہستہ وہ رات ختم ہونے کے قریب ہوئی اور مشرق کی طرف سے صبح صادق کا چاندنا نمودار ہونا شروع ہوا اور روشنی پھیلنی شروع ہوئی۔ بس اس وقت حضرت آدم علیہ السلام کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ اس وقت آپ نے سورج نکلنے سے پہلے دو رکعت ادا فرمائیں۔ ایک رکعت رات کی تاریکی کے جانے کے شکرانے میں اور ایک رکعت روشنی کے نمودار ہونے کے شکرانے میں کہ یا اللہ آپ کا شکر ہے رات اور اس کی تاریکی چلی گئی۔ یا اللہ، آپ کا شکر ہے کہ دن نکل آیا اور روشنی آ گئی۔ اللہ تعالیٰ کو ان کے شکرانے کی یہ دو رکعت اتنی پسند آئیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر فجر کے وقت اس نماز کو فرض فرمادیا۔ بہرحال، یہ وہ عظیم الشان نماز ہے جو دنیا میں سب سے پہلے ادا کی گئی، اور ہم لوگ روزانہ اسی نماز سے اپنی زندگی کے ہر دن کا آغاز کرتے ہیں۔ لہٰذا صحیح وقت پر ادا کرنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔

نماز فجر کا ثواب

احادیث طیبہ میں اس نماز کی بہت فضیلت بیان فرمائی گئی ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جس نے عشاء کی نماز باجماعت ادا کی گویا اس نے آدھی رات عبادت (اور نماز) میں گزار دی اور جس نے فجر کی نماز باجماعت ادا کی تو گویا اس نے پوری رات (عبادت اور) نماز کے اندر گزار دی"۔ (مسلم شریف)

دیکھئے کتنا عظیم ثواب اس نماز پر بیان کیا گیا ہے۔ ساری رات جاگ کر عبادت کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ حتیٰ کہ ہم لوگوں کے لئے ان راتوں میں بھی تمام رات عبادت کرنا مشکل ہوتا ہے جو عبادت کی مخصوص راتیں کہلاتی ہیں۔ مثلاً شب برائت، شب قدر، شب عید، شب بقرہ عید، شب عرفہ وغیرہ۔ ان راتوں میں عبادت کرنے کے مخصوص فضائل ہیں۔ لیکن ان راتوں میں بھی ہم ساری رات نہیں جاگ پاتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی شان کریمی دیکھئے کہ جو شخص فجر اور عشاء کی نماز باجماعت پڑھ لے۔ اس کو ساری رات جاگ کر عبادت کرنے کا ثواب حاصل ہو جاتا ہے۔ اور جو شخص ان دونوں نمازوں کو جماعت سے پڑھنے کا عادی ہی ہو جائے تو وہ سارے سال ہر رات جاگ کر عبادت کرنے والوں کے ثواب میں شامل ہو جائے گا۔ ذرا سی مشقت پر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے کتنا ثواب بڑھا دیا ہے۔ جبکہ نماز کیلئے سو کر اٹھنے پھر استنجاء وضو سے فارغ ہو کر دو رکعت سنت اور دو رکعت فرض باجماعت پڑھنے میں زیادہ سے زیادہ آدھا گھنٹہ خرچ ہوتا ہے اور عشاء کی نماز پڑھنے میں زیادہ سے زیادہ پندرہ بیس منٹ صرف ہوتے ہیں۔ گویا ہم صرف پون گھنٹہ خرچ

کر کے پوری رات عبادت کرنے کا ثواب حاصل کر سکتے ہیں۔ اس طرح محنت کم اور ثواب زیادہ۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت خاص ہے کہ جہاں کہیں کسی عمل میں بندوں پر ذرا سی مشقت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس عمل کا ثواب بڑھا دیتے ہیں۔ اور ثواب ہی مطلوب اور مقصود ہے۔ اس لئے کہ آخرت میں یہ ثواب ہی کام آنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فجر کی نماز میں جو اجر و ثواب رکھا ہے۔ وہ اسی نماز کے ساتھ خاص ہے اور نمازوں میں نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو پابندی سے نماز فجر باجماعت پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کا ثواب

اصل حکم تو یہی ہے کہ مرد حضرات ہر نماز مسجد میں آکر باجماعت ادا کریں۔ اس لئے مسجد کی جماعت کے ثواب کے برابر گھر کی جماعت کا ثواب نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر کبھی مسجد پہنچنے میں دیر سویر ہو جائے تو گھر کے اندر بھی جماعت ہو سکتی ہے۔ بہرحال کوشش کریں کہ پانچوں نمازیں باجماعت مسجد میں ادا ہوں، اور اسی طرح پڑھنے کی ہم عادت ڈالیں۔ اس لئے کہ اس کا ثواب بہت زیادہ ہے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے "فضائل نماز" میں لکھا ہے کہ ایک نماز باجماعت مسجد میں ادا کرنے کا ثواب تین کروڑ پینتیس لاکھ چون ہزار چار سو بتیس درجہ ہے۔ اکیلے جماعت کے بغیر نماز پڑھنے کا یہ ثواب نہیں ہے یہ نماز باجماعت کا ثواب ہے۔

نماز قضا کر دینے کا عذاب

اور جس طرح جماعت سے نماز پڑھنے کا یہ ثواب عظیم ہے۔ اسی طرح نماز کو قضا کر دینے کا عذاب بھی بہت بڑا ہے، اور اس کو زیادہ یاد رکھنا چاہئے، تاکہ ہماری فجر کی نماز قضا نہ ہونے پائے۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ

اگر کوئی شخص ایک نماز بھی جان بوجھ کر بلاعذر شرعی قضا کردے تو چاہے بعد میں اس کو پڑھ بھی لے، پھر بھی اسے ایک نماز جان بوجھ کر قضا کرنے کی وجہ سے دو کروڑ اٹھاسی لاکھ سال تک جہنم کی آگ میں جلایا جائے گا۔ (العیاذ باللہ)

مرد حضرات بھی اور خواتین بھی اس عذاب کو یاد رکھیں، کیونکہ نماز ادا کرنا فرض تھا۔ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا، اور تمام کاموں میں سب سے اہم کام تھا۔ اس کے باوجود تم نے اس میں کوتاہی کیوں کی؟ اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے کی یہ سزا ہے کہ اتنے طویل عرصے تک اس کو جہنم میں جلایا جائے گا۔ البتہ جس شخص نے توبہ کرلی، اور گڑگڑا کر معافی مانگ لی، اور یہ عہد کرلیا کہ آئندہ نماز فجر کو قضا نہیں ہونے دوں گا، اور پھر نماز فجر کے وقت بیدار ہونے کا پورا اہتمام کرے گا، تو پھر انشاء اللہ یہ وبال بھی معاف ہوجائے گا، اور یہ گناہ بھی معاف ہوجائے گا۔ اس لئے ہم کوشش کریں کہ پانچوں نمازیں اور خصوصاً فجر کی نماز مسجد میں آکر باجماعت ادا کریں، تاکہ ساری رات جاگ کر عبادت کرنے کا ثواب بھی مل جائے اور ایک نماز کو باجماعت ادا کرنے کا جو ثواب عظیم بیان کیا گیا ہے وہ بھی ہمیں حاصل ہوجائے۔

نماز فجر سے کاموں میں آسانی اور برکت

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"جس شخص نے فجر کی نماز پڑھ لی وہ شخص اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری میں آجاتا ہے تو اے ابن آدم خیال کر، کہ کہیں اللہ تعالیٰ تجھ سے اپنے ذمہ میں سے کسی چیز کا مطالبہ نہ کر بیٹھے"۔

(مسلم شریف)

لہٰذا جو شخص نماز فجر باجماعت ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری میں بھی نہیں آتا، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری سے باہر ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری

میں آنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص دن بھر انشاء اللہ تعالیٰ ہر قسم کے حادثات، سانحات، مسائل، واقعات اور پریشانیوں سے محفوظ ہوجائے گا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت خاص میں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائیں گے۔ اس کی مدد فرمائیں گے، اس کے تمام کاموں میں اللہ تعالیٰ کی مدد شامل ہوگی۔ جس کے نتیجے میں اس کو ہر کام میں سہولت اور آسانی میسر ہوگی۔ اور جو شخص فجر کی نماز وقت پر نہیں پڑھتا، بلکہ قضا کردیتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی اس ذمہ داری سے خارج ہوجاتا ہے، اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے کاموں میں سہولت اور آسانی نہیں ہوتی، اور وہ شخص حادثات اور پریشانیوں کا شکار ہوسکتا ہے، اور مصیبتوں کے اندر مبتلا ہوسکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دن بھر کے کاموں کے انجام پانے کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ ہم نماز فجر باجماعت کا اہتمام کریں، تاکہ ہم اللہ تعالیٰ کی امان اور حفاظت میں آکر ہمارے دین و دنیا کے سارے کام آسان ہوں اور ان کاموں میں خیر و برکت اور راحت و عافیت حاصل ہو۔

فرشتوں کے ذریعہ انسان کی حفاظت

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی رو سے فجر کی اور عصر کی نمازیں ایسی ہیں کہ جن میں اللہ تعالیٰ کے فرشتے جمع ہوتے ہیں۔ ان میں بعض فرشتے تو وہ ہیں جو انسانوں کی آگے پیچھے، دائیں بائیں ہر طرف سے حفاظت کرتے ہیں اور دنیا میں جتنی چیزیں انسان کو تکلیف پہنچانے والی ہیں۔ مثلاً جنات، شیاطین، سانپ، بچھو، حادثات، سانحات وغیرہ یہ فرشتے ان سب سے انسانوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ بعض مرتبہ ایک انسان کسی جگہ سے گرتے گرتے بچ جاتا ہے اور بعض اوقات ایک انسان کسی حادثے کا شکار ہوتے ہوتے بچ جاتا ہے۔ اب وہ شخص کہتا ہے کہ میرا مرجانا بالکل یقینی تھا۔ میری گاڑی دیکھ کر کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ڈرائیور بچ گیا ہوگا، لیکن میں بال بال بچ گیا۔ مجھے تو خراش تک بھی نہیں

آئی۔ اس قسم کے حادثات میں بعض ہلاک ہوجاتے ہیں اور بعض بچ جاتے ہیں۔ یہی وہ بات ہے کہ جس کی حفاظت کرنا اور بچانا حق تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے وہ بچ جاتا ہے اور جس کی حفاظت مقدر نہیں ہوتی، وہ ہلاک اور تباہ ہوجاتا ہے۔ اب جو شخص بال بال بچ جاتا ہے، درحقیقت اللہ تعالیٰ کے فرشتے اس کو بچالیتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں وہ حادثے کا شکار نہیں ہوتا۔ البتہ جب اللہ تعالیٰ کا لکھا ہوا ــــ جس کو تقدیر کہتے ہیں ــــ سامنے آجاتا ہے اس وقت وہ فرشتے اپنا حفاظتی پہرہ اُٹھا لیتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو تکلیف پہنچنی مقدر ہوتی ہے وہ پہنچ جاتی ہے۔ اس کائنات میں کوئی تکلیف دینے والی چیز اللہ کے حکم کے بغیر دوسرے کو تکلیف نہیں پہنچا سکتی اور نہ کوئی کسی کو اللہ کے حکم کے بغیر رائی برابر نفع پہنچا سکتا ہے۔ تکلیف پہنچنا بھی اسی کی حکمت و مصلحت سے ہے اور نفع پہنچانے والی ذات بھی وہی ہے۔ انہوں نے اپنی رحمت کاملہ کے صدقے میں اپنے بندوں کی حفاظت کے لئے باقاعدہ فرشتوں کی ایک جماعت مقرر کر رکھی ہے جو باقاعدہ اس کی حفاظت کرتے رہتے ہیں۔

حفاظت کا ایک عجیب واقعہ

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ کی حفاظت کا ایک عجیب واقعہ بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ میں ایک دریا کے کنارے بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک میں نے دیکھا ایک بچھو دوڑتا ہوا پانی کی طرف آرہا ہے، مجھے تجسس ہوا کہ یہ کیوں دوڑتا ہوا آرہا ہے۔ میں اس کو دیکھنے لگا، میں نے دیکھا کہ وہ بچھو دریا کے کنارے پر گیا اور کنارے پر ایک کچھوا اس کا انتظار کر رہا تھا۔ یہ پانی کے قریب پہنچ کر فوراً اچھل کر اس کچھوے کی پشت پر سوار ہوگیا۔ جیسے ہی یہ بچھو اس کی پشت پر سوار ہوا، وہ کچھوا اس کو لے کر دریا کے دوسرے کنارے کی طرف روانہ ہوگیا۔ مجھے یہ دیکھ کر بہت تعجب ہوا کہ یہ بچھو اور کچھوے کی دوستی کیسے ہوگئی؟ اور کس طرح یہ بچھو اس کی

پشت پر سوار ہو کر جارہا ہے؟ چنانچہ میں نے بھی ایک کشتی کرایہ پر لی، اور اس پر سوار ہو کر دوسرے کنارے پر پہنچ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ کچھوا آہستہ آہستہ کنارے کی طرف آنے لگا اور جیسے ہی وہ کنارے پر پہنچا، وہ بچھو فوراً کود کر اس کی کمر سے خشکی پر آگیا، اور پھر آگے دوڑنے لگا اور میں بھی اس کے پیچھے چلنے لگا۔ کچھ آگے جانے کے بعد میں نے دیکھا کہ ایک درخت کے نیچے ایک نوجوان شراب کے نشے میں مست پڑا ہوا ہے اور اس نوجوان کے سرہانے ایک کالا ناگ اپنا پھن پھیلائے ڈنگ مارنے کی تیاری کررہا ہے۔ ابھی میں یہ منظر دیکھ ہی رہا تھا کہ وہ بچھو جلدی سے وہاں پہنچا اور اس نے سانپ کے ڈنک مارا۔ ڈنک لگتے ہی وہ سانپ تڑپنے لگا اور تھوڑی دیر میں مرگیا۔ بہرحال وہ سانپ اس نوجوان کو ڈنک نہیں مارسکا۔ یہ سارا منظر دیکھ کر مجھے اللہ تعالیٰ کی قدرت نظر آئی کہ کس طرح اس نے اپنے ایک نافرمان بندے کی حفاظت کا خصوصی انتظام فرمایا۔ اب وہ سانپ اس نوجوان کے سرہانے مرا پڑا ہے اور بچھو ڈنک مار کر جاچکا ہے۔ پھر میں نے اس نوجوان کو اٹھایا اور اس کو سارا واقعہ سنایا کہ دیکھ تو شراب کے اندر مست ہے لیکن خالق کائنات نے تیری حفاظت کا کیسا انتظام فرمایا ہے؟ ایک طرف اتنی دور سے بچھو کو یہاں آنے کا حکم دیا اور پھر کچھوے کو مقرر فرمایا کہ وہ بچھو کو دریا پار کرائے۔ اور پھر بچھو نے آکر سانپ کو ڈنک مارا اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے سانپ کے ڈسنے سے تمہیں بچالیا۔ جب اس نوجوان نے اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت اور اس کی رحمت کو سنا تو وہ زار و قطار رونے لگا کہ ہائے میں ایسا گناہ گار اور نافرمان بندہ ہوں، لیکن وہ مجھ پر پھر بھی بڑے رحمٰن و رحیم ہیں۔ اس کے بعد اس نے حضرت کے ہاتھ پر توبہ کی اور عہد کیا کہ آج کے بعد میں اپنے پروردگار کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہیں کروں گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی یہ سمجھ عطا فرمائیں کہ اپنے گناہوں سے سچی توبہ کر کے حق تعالیٰ جل شانہ کی فرمانبرداری اختیار کریں۔ آمین

بہرحال یہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حفاظت اور قدرت کا ایک نمونہ ہمیں دکھادیا ہے۔

ورنہ فرشتوں کی ڈیوٹی ہر ہر انسان پر مقرر ہے اور وہ تمام انسانوں کی ہر وقت حفاظت کرتے رہتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو جنات انسان کی بوٹی بوٹی نوچ لیں۔ ایذا دینے والے جانور انسانوں کو ختم کر کے رکھ دیں۔ لیکن یہ اللہ کے فرشتے جو ہمیں نظر نہیں آتے وہ سوتے جاگتے ہر وقت ہمارے ساتھ رہتے ہیں اور چاروں طرف سے ہماری حفاظت کرتے رہتے ہیں۔

فرشتے نیکی کا خیال دل میں ڈالتے ہیں

یہ فرشتے ہماری حفاظت کے علاوہ ایک کام اور بھی کرتے ہیں، وہ یہ کہ اچھے اچھے کاموں کی رغبت ہمارے دل میں ڈالتے ہیں۔ مثلاً اذان ہوئی تو فرشتے دل میں یہ رغبت ڈالیں گے کہ اذان ہو چکی ہے۔ نماز پڑھنا فرض ہے اور باجماعت نماز پڑھنے کا بڑا ثواب ہے۔ اس لئے مسجد میں جاکر نماز ادا کرنی چاہئے۔ اسی طرح ہر اچھے کام کے کرنے کی طرف ہمارے دل میں رغبت اور شوق پیدا کرتے رہتے ہیں اور ہر گناہ سے بچنے کا داعیہ پیدا کرتے رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر مؤمن اچھے کام کی موقع پر اپنے دل میں اچھائی کا جذبہ محسوس کرتا ہے۔ اور ہر برے کام کے موقع پر اس سے بچنے کا خیال بھی دل میں آتا ہے۔ جب چاہیں اس کا تجربہ کر کے دیکھ لیں۔ البتہ کسی کا دل بالکل سیاہ ہو چکا ہو اور گناہوں کی وجہ سے اس کا دل بالکل مردہ ہو چکا ہو تو وہ الگ بات ہے۔ اس صورت میں اس کو ان نیک جذبات کا احساس نہیں ہوتا، بلکہ یہاں تک منقول ہے کہ اگر کوئی مسلمان کوئی گناہ کر بیٹھتا ہے تو اس وقت فرشتے اس کے دل میں یہ جذبہ اور داعیہ ڈالتے ہیں کہ اس گناہ سے جلدی توبہ کرلو، اور اس گناہ سے باز آجاؤ، اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لو۔

اعمال لکھنے والے فرشتے

فرشتوں کی دوسری جماعت وہ ہے جو انسانوں کے اعمال لکھنے پر مقرر ہیں۔ جن کو

"کراماً کاتبین" کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ ہمارے دائیں طرف مقرر کیا ہوا ہے، اور دوسرا فرشتہ بائیں طرف مقرر کیا ہوا ہے۔ دائیں طرف والا فرشتہ انسان کی نیکیاں لکھنے پر مقرر ہے اور بائیں طرف والا فرشتہ انسان کے گناہ لکھنے پر مقرر ہے۔ اور ان میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کا عجیب معاملہ فرمایا ہوا ہے کہ دائیں طرف والا فرشتہ امیر ہے اور بائیں طرف والا فرشتہ اس کے ماتحت ہے۔ چنانچہ جب انسان کسی نیک کام کے کرنے کا پختہ ارادہ کرلیتا ہے تو دائیں طرف والا فرشتہ فوراً اس کی ایک نیکی لکھ لیتا ہے۔ چونکہ وہ خود امیر اور حاکم ہے۔ اس لئے اس کو دوسرے فرشتے سے پوچھنے کی ضرورت نہیں، اور جب انسان ایک نیک عمل کرتا ہے تو یہ فرشتہ اس کے اعمال نامے میں کم از کم دس نیکیاں لکھ دیتا ہے۔ پھر جس نیک عمل میں جتنا اخلاص بڑھتا جاتا ہے۔ اور جب انسان کوئی گناہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس وقت بائیں طرف والا فرشتہ دائیں طرف والے فرشتے سے پوچھتا ہے کہ اس انسان نے گناہ کرنے کا ارادہ کرلیا ہے، میں اس کا یہ گناہ لکھ لوں؟ تو دائیں طرف والا فرشتہ کہتا ہے کہ ابھی اس نے گناہ کہاں کیا ہے؟ لہٰذا ابھی یہ گناہ مت لکھو! چونکہ بائیں طرف والا فرشتہ ماتحت ہے۔ اس لئے اس کو اس کی بات ماننی پڑتی ہے۔ چنانچہ وہ گناہ نہیں لکھتا۔ اس کے بعد جب انسان گناہ کرلیتا ہے تو پھر پوچھتا ہے کہ اب تو اس نے گناہ کرلیا ہے، اب لکھ لوں؟ دائیں طرف والا فرشتہ کہتا ہے کہ ابھی مت لکھو، اور جلدی مت کرو، ہوسکتا ہے کہ یہ توبہ کرلے۔ اگر توبہ کرلے گا تو تمہیں وہ گناہ مٹانا پڑے گا۔ اس لئے مٹانے سے بہتر ہے کہ تھوڑا سا انتظار کرلیا جائے، فوراً نہ لکھا جائے۔ اس کے بعد وہ فرشتہ اس کے دل میں یہ خیال ڈالتا ہے کہ تم نے یہ گناہ کیا ہے۔ بری بات ہے۔ گڑگڑا کر توبہ کرو، اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو۔ پھر ایک خاص وقت تک انتظار کرتا ہے۔ اگر وہ توبہ کرلیتا ہے تو ٹھیک۔ لیکن اگر وہ خبردار نہیں ہوتا اور فرشتے کی تلقین کے باوجود وہ توبہ نہیں کرتا تو اب دائیں طرف کا فرشتہ کہتا ہے کہ اچھا بھائی، اب اس کے اعمال نامے میں ایک گناہ لکھ لو،

ایک سے زیادہ مت لکھنا۔ چنانچہ وہ فرشتہ ایک گناہ لکھ لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر کتنی عظیم رحمت ہے۔ وہ حقیقت میں اپنے بندوں کو معاف ہی کرنا چاہتے ہیں۔ بہرحال، یہ سب کام فرشتے انجام دیتے ہیں۔

فجراور عصر کی نمازوں میں فرشتوں کا اجتماع

اللہ تعالیٰ کے فرشتے فجر کی نماز میں بھی جمع ہوتے ہیں اور عصر کی نماز میں بھی، دن والے فرشتے عصر کی نماز کے بعد واپس جاتے ہیں، اور رات والے فرشتے عصر کی نماز میں آجاتے ہیں۔ اسی طرح دن والے فرشتے فجر کی نماز میں آجاتے ہیں اور رات والے فرشتے واپس چلے جاتے ہیں اور جب یہ فرشتے واپس جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ علم رکھنے کے باوجود ان سے پوچھتے ہیں کہ جب تم واپس آرہے تھے اس وقت میرے بندوں کو تم نے کس حالت میں پایا؟ اور کس حالت میں تم نے ان کو چھوڑا؟ وہ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ اے پروردگار عالم، جب ہم وہاں پہنچے تب بھی ان کو نماز پڑھتے ہوئے پایا اور جب واپس آئے اس وقت بھی نماز اور آپ کے ذکر میں پایا ـــــ بہرحال، فجر اور عصر کی نماز کا وقت فرشتوں کی حاضری کا وقت ہے اور جہاں کہیں فرشتوں کا اجتماع ہوتا ہے وہ خصوصی برکات کا حامل ہوتا ہے۔ اس لئے کہ یہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی مقبول، محبوب اور گناہوں سے پاک مخلوق ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کی فطرت ہی میں نیکی رکھ دی ہے۔ گناہوں سے ان کو بچایا ہوا ہے۔ لہٰذا جو شخص ان دو نمازوں میں حاضر ہوگا، وہ ان فرشتوں کے اجتماع کی برکت سے بھی فیض یاب ہوگا۔

فرشتوں کے اجتماع کی برکت

ان فرشتوں کے اجتماع کی برکت کے نتیجے میں انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ آخرت کی فکر پیدا ہوتی ہے۔ نیک بننے کو دل

چاہتا ہے۔ نیک لوگوں کے پاس جانے کو دل چاہتا ہے۔ اچھے اچھے کام کرنے کی طرف طبیعت مائل ہوتی ہے۔ اللہ اللہ کرنے کو دل چاہتا ہے۔ لہٰذا جس طرح نیک لوگوں کی صحبت کے اثرات ہوتے ہیں۔ اسی طرح فرشتوں کی صحبت اور ان کی برکت سے بھی نیک اثرات پیدا ہوتے ہیں۔ لہٰذا اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمارا دن اچھا گزرے اور دن بھر نیک کاموں میں لگے رہیں اور گناہوں سے بچے رہیں تو اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم فجر کی نماز کا اہتمام کریں۔ اور اس کو باجماعت ادا کریں تاکہ سارے دن اس کی برکات ہمیں حاصل رہیں۔ اور جب دن خیریت سے گزر جائے تو پھر عصر کی نماز باجماعت ادا کرنے کا اہتمام کریں تاکہ دوبارہ فرشتوں کے اجتماع کی برکات ہمیں حاصل ہوں۔ اور ان دونوں نمازوں کے بعد تسبیح فاطمی پڑھنے کا بھی اہتمام کریں اس لئے کہ اللہ کے ذکر سے اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے اور اس کا بڑا ثواب ہے۔

نماز فجر اور عصر چھوڑنے کی نحوست

جو شخص عصر کی نماز اور فجر کی نماز قضا کردے گا تو وہ ایک طرف تو نماز قضا کرنے کے گناہ میں مبتلا ہوگا۔ دوسری طرف اس کے کاموں کے اندر مشکلات اور دشواریاں پیش آئیں گی۔ معمولی سے معمولی کام اس کو پہاڑ محسوس ہوگا اور اس کے اندر راحت اور آرام نصیب نہ ہوگا اور وہ شخص فرشتوں کے اجتماع کی برکات سے محروم ہوجائے گا۔

نماز فجر کے لئے تکلیف گوارہ کرنا

ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اگر لوگوں کو یہ معلوم ہوجائے کہ عشاء کی نماز اور فجر کی نماز

میں کیا ثواب ہے تو لوگ اس ثواب کو حاصل کرنے کے لئے
مسجدوں میں پہنچ جائیں گے۔ چاہے ان کو گھسٹ گھسٹ کر پہنچنا
پڑے"۔ (بخاری و مسلم)

گویا کہ اس ثواب کی خاطر گھسٹنے کی تکلیف برداشت کرلیں گے لیکن اس ثواب سے محروم ہونا ان کو گوارہ نہ ہوگا۔ اس حدیث کے ذریعہ ہمیں یہ بتادیا کہ وہ اجر و ثواب ہمیں معلوم ہو یا نہ ہو، لیکن ہم اور آپ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر یقین رکھیں کہ واقعی نماز فجر اور نماز عشاء میں اتنا عظیم ثواب ہے کہ اس کے لئے بہرصورت ہمیں جب تک ممکن ہو جماعت سے ادا کرنے کے لئے مسجد میں آنا چاہئے۔ اگر اس کے لئے ہمیں اپنی نیند قربان کرنی پڑے یا کوئی اور راحت قربان کرنی پڑے تو کردینا چاہئے، بلکہ اس کے لئے اگر کچھ تکلیف بھی گوارہ کرنی پڑے تو اس کو گوارہ کرلینا چاہئے، کیونکہ اس ثواب کے مقابلے میں اس تکلیف کی کوئی حقیقت نہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ثواب کی حرص

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بس آخرت کے بندے تھے ان کی نظر ہر وقت آخرت پر رہتی تھی۔ اس لئے آخرت کے ثواب کے حاصل کرنے کا جو کوئی موقع ان کے سامنے آتا، وہ لوگ اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث سنی کہ جو شخص بازار جاتے وقت یہ دعا پڑھ لے:

﴿اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ، لہ
الملک ولہ الحمد یحیی ویمیت وھو حی لا
یموت بیدہ الخیر وھو علی کل شئی قدیر﴾

یہ بازار میں جانے کی دعا ہے، حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نماز

حنفی میں اس دعا کے پڑھنے کا یہ ثواب لکھا ہے کہ "بازار میں اس دعا کے پڑھنے والے کو اللہ تعالیٰ دس لاکھ نیکیاں عطا فرماتے ہیں اور دس لاکھ گناہ صغیرہ معاف فرماتے ہیں اور اس کے دس لاکھ درجے بلند فرمادیتے ہیں۔ تیس لاکھ کا سودا ہے جبکہ اس دعا کے پڑھنے میں تین منٹ بھی خرچ نہیں ہوتے۔ چنانچہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اگر بازار میں کوئی کام بھی نہ ہوتا، بلکہ گھر جانے کا ارادہ کرتے تو ایک دوسرے سے کہتے کہ گھر تو جانا ہی ہے، چلو بازار سے یہ دعا پڑھتے ہوئے گھر چلے جائیں تاکہ یہ ثواب بھی حاصل ہوجائے۔ تو یہ حضرات اجر و ثواب کے بہت حریص تھے۔ بہرحال جن حضرات کی دکان ہی بازار کے اندر ہے ان کو نہایت آسانی سے بار بار مفت میں یہ ثواب حاصل ہوسکتا ہے اور جن حضرات کو بازار میں کام کے لئے جانا پڑتا ہے ان کو بھی یہ قیمتی سودا ہاتھ آگیا، بس جب بھی بازار جائیں یہ دعا پڑھتے ہوئے چلے جائیں۔ جب دوسرے بازار میں داخل ہوں تو پھر یہ دعا پڑھ لیں۔ جب دوسرے بازار سے تیسرے بازار میں داخل ہوں تو پھر یہ دعا پڑھ لیں۔ اس طرح اجر و ثواب جمع کرتے چلے جائیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور نماز باجماعت کا اہتمام

چونکہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کا ثواب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سن رکھا تھا۔ اس لئے ان کا یہ حال تھا کہ جو حضرات معذور تھے۔ اور جن کے لئے شرعی طور پر مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنا واجب نہیں تھا اور ان کو گھر میں نماز پڑھنے کی شرعاً اجازت تھی۔ لیکن وہ صرف ثواب حاصل کرنے کی خاطر عذر کے باوجود مسجد میں تشریف لاتے، اگر کوئی نابینا ہیں تو بھی مسجد میں تشریف لارہے ہیں۔ اگر کوئی لاٹھی کے سہارے آسکتے ہیں تو وہ لاٹھی کے سہارے مسجد میں آرہے ہیں۔ حتیٰ کہ اگر کوئی صحابی دوسرے حضرات کے سہارے آسکتے تھے تو وہ دوسروں کے سہارے مسجد میں آجاتے۔ صحابہ

کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانے میں مردوں کے لئے بغیر جماعت نماز پڑھنے کا تصور ہی نہیں تھا۔ اگر کوئی شخص جماعت سے پیچھے رہ جاتا تو یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ بیمار ہے اور مسجد میں آنے پر قادر نہیں ہے اس لئے وہ مسجد میں نہیں آیا لہٰذا اس کی عیادت کے لئے اس کے گھر پہنچ جاتے۔

نماز فجر جماعت سے پڑھنا ساری رات نفل پڑھنے سے بہتر ہے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے کا ایک واقعہ ہے کہ ایک صحابی جن کا نام حضرت سلیمان بن حثمہ رضی اللہ عنہ تھا۔ ایک مرتبہ وہ فجر کی نماز میں تشریف نہ لا سکے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ حضرت سلیمان رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف نہیں لائے۔ نماز کے بعد آپ کو بازار جانا تھا۔ راستے میں حضرت سلیمان رضی اللہ عنہ کا مکان تھا۔ ان کی والدہ کا نام حضرت شفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھا۔ چنانچہ آپ ان کے مکان پر پہنچے اور ان کی والدہ سے پوچھا کہ آج حضرت سلیمان نماز فجر میں تشریف نہیں لائے۔ کیا بات ہے؟ ان کی والدہ محترمہ نے جواب دیا کہ آج وہ ساری رات نماز پڑھتے رہے۔ صبح کے قریب ان کی آنکھ لگ گئی۔ اس لئے وہ فجر کی نماز میں نہیں آسکے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے نزدیک ساری رات نماز پڑھنے کے مقابلے میں فجر کی نماز باجماعت پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔ (مرقاۃ) یعنی آدمی ساری رات سوتا رہے اور فجر کی نماز جماعت سے پڑھ لے۔ یہ اس سے بہتر ہے کہ ساری رات نماز پڑھتا رہے اور فجر کی نماز چھوڑ دے۔ اس لئے کہ ساری رات نماز پڑھنا نفل ہے اور فجر کی نماز فرض ہے اور جماعت سے پڑھنا واجب ہے۔ اور ساری رات کے نفل فرض و واجب کے برابر نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا رات کو نماز پڑھنے کے ساتھ اس کا اہتمام کرے کہ اس کی فجر کی نماز بھی فوت نہ ہو۔ تاکہ رات کو نفل پڑھنے کا ثواب بھی حاصل ہو اور فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنے کا الگ ثواب حاصل ہو۔

اپنی ذمہ داری پوری کریں

اس لئے میرے عزیزو اور بزرگو! ہم سب کو اپنا اور اپنے گھر والوں کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ ہم میں سے کون کون فجر کی نماز قضا کرتا ہے اور کون کون بغیر جماعت کے ادا کرتا ہے۔ جو شخص قضا پڑھتا ہے اس کو بھی محبت اور شفقت سے سمجھانے کی ضرورت ہے اور جو شخص بغیر جماعت کے پڑھتا ہے اس کو بھی محبت اور شفقت سے سمجھانے کی ضرورت ہے، تاکہ جو شخص قضا پڑھتا ہے وہ ادا پڑھ لیا کرے اور جو جماعت کے بغیر نماز پڑھتا ہے وہ جماعت سے پڑھنے لگے۔ خواتین بھی اپنے گھر کے اندر یہ کام کریں اور جو بچے اور بچیاں ایسی ہیں جن پر نماز فرض ہے۔ ان کو جلدی اٹھنے کی تاکید کریں۔ یہ نہ ہو کہ کوئی سات بجے اٹھ رہا ہے کوئی نو بجے اٹھ رہا ہے اور کوئی دس بجے اٹھ رہا ہے اور ان کی نماز فجر قضا ہو رہی ہے اور ہمیں اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے، حالانکہ باپ اپنی اولاد کا ذمہ دار ہے۔ شوہر اپنی بیوی کا ذمہ دار ہے۔ لہٰذا گھر کے تمام افراد کا یہ حال ہونا چاہئے کہ مرد مسجد میں جاکر باجماعت نماز فجر ادا کریں۔ اور خواتین گھر میں وقت پر نماز فجر ادا کریں اور اس کو قضا نہ ہونے دیں۔

فجر کی نماز قضا ہونے کی وجہ

فجر کی نماز قضا ہونے کی سب سے بڑی وجہ ہماری نیند ہے۔ اس میں ہماری طرف سے ایک زبردست کوتاہی ہو رہی ہے۔ وہ یہ کہ ہم لوگ رات کو بہت دیر سے سونے کے عادی ہو گئے ہیں۔ بارہ بجے تک رات کو جاگنا معمولی بات ہے۔ رات کے ایک دو بجے تک جاگیں تو خیال آتا ہے کہ ہاں اب کچھ زیادہ وقت ہو گیا ہے، پھر اس کے بعد ہم سونے کی تیاری کرتے ہیں۔ رات کو اتنی دیر تک جاگنا جس کے نتیجے میں فجر کی نماز قضا ہو جائے۔ جائز نہیں، چاہے وہ جاگنا نیک اور اچھے کام کے لئے کیوں نہ

ہو، مثلاً کوئی شخص عشاء کی نماز کے بعد ذکر میں یا تلاوت میں یا تسبیحات میں لگ جائے، یا وعظ و تقریر میں یا دین کی کتابوں کے مطالعے میں یا تکرار مطالعہ میں یا امتحان کی تیاری وغیرہ میں مشغول ہو جائے۔ جس کی وجہ سے اس کی فجر کی نماز قضا ہو جائے تو یہ جائز نہیں۔ جبکہ عام لوگ رات کے ایک دو بجے تک جن کاموں میں مشغول ہوتے ہیں وہ تو سرے سے عبادت بھی نہیں ہیں۔ بلکہ ان میں سے بہت سے کام تو ناجائز ہوتے ہیں۔ مثلاً ٹی وی دیکھنا، وی سی آر کے ذریعہ فلمیں دیکھنا، گانے سننا، ڈرامے دیکھنا یا ویسے ہی مل بیٹھ کر حد سے زیادہ ہنسی مذاق کی باتیں کرنا۔ یہ سب گناہ کے کام ہیں جبکہ شریعت کا حکم یہ ہے کہ عشاء کے بعد جتنی جلدی ہو سکے، سو جائیں، البتہ عشاء کے بعد بقدر ضرورت تھوڑی دیر کے لئے دین کی باتیں یا دنیا کی ضرورت باتیں کر سکتے ہیں۔

صحت کے لئے چھ گھنٹے سونا ضروری ہے

اصل حکم یہ ہے کہ عشاء کے بعد جتنی جلدی ہو سکے سو جائیں۔ اور ہر آدمی کو اس کی جسمانی صحت کے لئے چھ گھنٹے سے آٹھ گھنٹے تک نیند پوری کرنا ضروری ہے۔ مثلاً بہت چھوٹی عمر والوں کو آٹھ گھنٹے سونا چاہئے۔ جو ان سے زیادہ عمر کے ہوں۔ ان کو سات گھنٹے اور جو ان سے زیادہ عمر کو پہنچ جائیں ان کو چھ گھنٹے ضرور سونا چاہئے۔ لہذا عام طور پر ایک متوسط صحت والے آدمی کو کم از کم چھ گھنٹے سونا ضروری ہے۔ اور رات میں چھ گھنٹے سونے کے بعد وہ آسانی سے صبح اٹھ سکتا ہے۔ اگر اس کی نیند پوری نہیں ہوگی تو اس کو اٹھنے میں دشواری ہوگی، اور اس دشواری کا ذمہ دار وہ خود ہوگا کہ اس نے اپنے جسم کو چھ گھنٹے کی پوری نیند کیوں نہیں دی۔ اب مثلاً آج کل گرمی کا موسم ہے تو اس موسم میں فجر کی نماز کو جماعت سے ادا کرنے کے لئے صبح پانچ بجے اٹھنا ضروری ہے۔ پانچ بجے اٹھنے کے لئے وہ کم از کم گیارہ بجے رات کو سو جائے، تاکہ پانچ بجے آسانی کے ساتھ اٹھ سکے۔ زیادہ سے

زیادہ ساڑھے گیارہ بجے سو جائے۔ ورنہ اگر آپ زیادہ دیر سے سوئیں گے تو پھر گھڑی کا الارم آپ کو نہیں اٹھا سکے گا۔ اس لئے کہ آپ کے جسم کو جتنی نیند درکار تھی وہ آپ نے پوری نہیں دی۔ اب تو وہ جسم اپنی نیند پوری کر کے ہی بیدار ہو گا۔ اس سے پہلے نہیں ہو گا۔ لہٰذا جس شخص کے چھ گھنٹے جس وقت پورے ہوں گے وہ اسی وقت اٹھے گا۔ اسی حساب سے کوئی صبح چھ بجے اٹھے گا، کوئی سات بجے، کوئی آٹھ بجے، کوئی نو بجے اٹھے گا اور اگر کسی شخص نے اپنے جسم کو زیادہ آرام اور زیادہ نیند دینے کا عادی بنادیا ہے تو جب اس عادت کے مطابق اس کا جسم نیند پوری کرلے گا اس وقت وہ بیدار ہو گا۔ اس سے پہلے بیدار نہیں ہو گا۔

صبح جلدی اُٹھنے کی تدابیر

بچّوں کو جلدی سونے کا عادی بنائیں

لہٰذا سب سے بڑی کوتاہی ہماری دیر سے سونے کی ہے۔ اگر ہم دیر سے سوئیں اور پھر شکوہ کریں کہ صاحب، فجر کی نماز کے لئے آنکھ نہیں کھلتی۔ یہ شکوہ درست نہیں۔ اس میں ہماری پکڑ ہوگی۔ اس لئے کہ غلطی ہماری ہے۔ لہٰذا ہم خود بھی اور ہمارے گھر والے بھی رات کو جلدی سونے کی عادت ڈالیں۔ دیر تک جاگنے کی عادت چھوڑ دیں۔ اس مقصد کے لئے اپنے گھر والوں کو جمع کر کے پہلے آپس میں یہ طے کرلیں کہ ہمارا اس طرح رات کو دیر تک جاگنا شرعی لحاظ سے درست نہیں اور کسی طرح بھی مناسب نہیں۔ ہمیں جلدی سونا چاہئے۔ اور آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ ساڑھے گیارہ بجے بتی بند ہوجایا کرے گی۔ جب ایک مرتبہ تمام گھر والے یہ بات طے کرلیں گے تو پھر کوئی مسئلہ نہیں ہو گا۔ ابتداء میں چند روز تک ذرا تکلیف ہوگی اور نیند نہیں آئے گی لیکن جب رفتہ رفتہ عادی ہوجائیں گے تو انشاء اللہ پھر گیارہ

بجے نیند آنے لگے گی۔

رات کا کھانا جلدی کھائیں

دوسری وجہ یہ ہے کہ ہم لوگ رات کو کھانا دیر سے کھانے کے عادی ہو گئے ہیں۔ جن حضرات کی دکانیں رات دیر تک کھلی رہتی ہیں۔ مثلاً بیکری والے اور مٹھائی والے، یہ حضرات تو دکان بند کر کے گھر آکر کھانا کھاتے ہیں اور کھانے کا خمار بھی بہت زبردست ہوتا ہے۔ اگر پیٹ بھر کر کھانا کھا کر آدمی سو جائے تو پھر عموماً پانچ چھ گھنٹے سے پہلے نہیں اُٹھ سکتا۔ اگر ہم رات کو گیارہ بجے یا بارہ بجے کھانا کھائیں گے تو صبح فجر کی نماز میں کس طرح اُٹھ سکیں گے، پھر تو صبح نو بجے ہی کھانے کا خمار اترے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ نماز فجر بھی گئی اور اشراق کی نماز بھی گئی۔ لہٰذا دوسرا کام ہم یہ کریں کہ مغرب کی نماز کے فوراً بعد کھانا کھانے کی عادت ڈالیں۔ چاہیں دکان پر ہی کھانا پڑے۔ اگر مغرب کے فوراً بعد کھانے میں دشواری ہو تو عشاء سے ذرا پہلے کھالیں۔ اور گرمیوں کے موسم میں عشاء کی نماز سے پہلے آسانی کے ساتھ کھانا کھایا جاسکتا ہے۔ اس لئے کہ دن بڑا ہوتا ہے اور آدمی کو اس وقت تک بھوک لگ جاتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ عشاء کے فوراً بعد کھالیں۔ لہٰذا اگر آپ نے گیارہ بارہ بجے کھانا کھایا تو پھر فجر کے وقت آنکھ کھل جانے کی کوئی ضمانت نہیں۔ اس لئے کہ آپ نے خود ہی اپنے جسم کے اندر نیند کی گولی بھردی۔ لہٰذا دوسرا کام یہ کریں کہ کھانا جتنی جلدی ہو سکیں کھالیا کریں۔ اس کا بہت اہتمام کریں۔

رات کا کھانا کم کھائیں

تیسری بات یہ ہے کہ شام کا کھانا بہت معمولی اور ہلکا پھلکا ہونا چاہئے۔ نہ تو اس کی مقدار زیادہ ہونی چاہئے اور نہ زیادہ بھاری اور ثقیل ہونا چاہئے۔ وہ کھانا جتنا کم ہوگا، اور جتنا ہلکا ہوگا، اتنا ہی وہ بہتر رہے گا اور اگر کھانا زیادہ ہوگا تو وہ آپ کے اندر

زیادہ کسل اور سستی پیدا کرے گا، اس کی وجہ سے فجر کی نماز میں اٹھنا مشکل ہوگا۔ لہٰذا شام کے وقت ہلکا پھلکا کھانا کھایا جائے۔

عشاء کے بعد پانی نہ پئیں

چوتھا کام یہ کریں کہ شام کے وقت کم سے کم مقدار میں پانی پئیں۔ صبح اور دوپہر کو جتنا پانی چاہیں پی لیں اور شام کی ساری کسر دن میں پوری کرلیں۔ لیکن عشاء کے بعد زیادہ پانی نہ پئیں۔ اس لئے کہ پانی کی زیادتی سے رطوبت زیادہ پیدا ہوتی ہے اور رطوبت کی زیادتی سے نیند بھی زیادہ آتی ہے اور سستی اور کاہلی بھی زیادہ ہوتی ہے۔ اس کے نتیجے میں صبح فجر کے وقت اٹھنا مشکل ہوجاتا ہے۔ اس لئے رات کے وقت پانی کم پئیں۔

کھانے کے بعد چہل قدمی کرلیں

ایک کام یہ کریں کہ اگر آپ نے عشاء کے بعد کھانا کھایا ہے تو پھر تھوڑی دیر ضرور چہل قدمی کرلیں۔ تاکہ وہ کھانا تحلیل ہوجائے اور کھانا جتنا تحلیل ہوگا۔ اس کے اندر سستی پیدا کرنے والے اثرات کم ہوں گے اور یہ عمل صحت کے لئے بھی مفید ہے۔ اس لئے تھوڑی دیر ٹہل لیں۔

الارم لگا کر سوئیں

ایک کام یہ کریں کہ ایسا الارم لگائیں جس کی آواز سے آپ بیدار ہوسکیں۔ اب بعض لوگوں کا مزاج یہ ہوتا ہے کہ وہ ہلکی اور معمولی آواز سے بھی بیدار ہوجاتے ہیں اور بعض لوگ بہت تیز اور بھاری آواز سے بیدار ہوتے ہیں۔ یہ تو ہر ایک کا اپنا مزاج ہے۔ لہٰذا اپنے مزاج کے مطابق الارم لگا کر سوئیں اور اس طرح

اپنی طرف سے نماز فجر کے لئے بیدار ہونے کا پورا انتظام کر کے سوئیں۔ جو لوگ صبح جلدی اٹھنے کے عادی نہیں ہوتے۔ بعض مرتبہ وہ لوگ ایک کام یہ کرتے ہیں کہ الارم کی آواز پر ان کی آنکھ تو کھل جاتی ہے لیکن وہ ہاتھ بڑھا کر الارم کا بٹن دبا کر اس کو بند کر دیتے ہیں اور دوبارہ سوجاتے ہیں۔ ایسے حضرات اپنا الارم اتنا دور رکھیں جہاں ان کا ہاتھ نہ پہنچ سکے۔ تاکہ وہ ہاتھ بڑھا کر بند نہ کر سکیں بلکہ بند کرنے کے لئے ان کو کھڑا ہی ہونا پڑے اور کھڑے ہو جانے کے بعد سوجانا سراسر اپنی کوتاہی ہے۔

گھر کے بڑوں کو بیدار کرنے کے لئے کہہ دیں

عام طور پر گھروں میں کوئی ایک اللہ کا بندہ ایسا ہوتا ہی ہے جو صبح جلدی اٹھا کرتا ہے۔ سوتے وقت ہم ان سے بھی کہہ کر سوئیں کہ آپ مجھے فجر کی نماز میں ضرور بیدار کردیجئے گا اور خود بڑوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ چھوٹوں کو بیدار کیا کریں۔ چھوٹے بڑوں سے کہہ کر سوئیں اور یہ بھی کہہ دیں کہ اگر میں آواز دینے سے نہ اٹھوں تو میرے منہ پر ٹھنڈا پانی ڈال دینا۔ یہ ٹھنڈا پانی الارم سے زیادہ کام کرتا ہے۔ اس کی وجہ سے ساری سستی دور ہو جاتی ہے اور آدمی چست ہو جاتا ہے۔

یہ آیات تلاوت کر کے سوئیں

ایک کام یہ کریں کہ رات کو سوتے وقت سورہ کہف کی آخری چار آیتیں پڑھ کر سوئیں جو اِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلاً سے شروع ہوتی ہیں اور سورۃ کے آخر تک ہیں۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ تاثیر رکھی ہے کہ صبح جتنے بجے آدمی اٹھنا چاہے ٹھیک اتنے بجے اس کی آنکھ خود بخود کھل جائے گی۔ اس کا تجربہ کر کے دیکھ لیں۔

دعا کر کے سوئیں

ایک کام یہ کریں کہ سونے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ یا اللہ میرے اندر فجر کے وقت سونے کا مرض ہے۔ یہی میری کوتاہی اور غلطی ہے۔ میں اس کا اقرار کرتا ہوں۔ یا اللہ میری مدد فرما۔ میری اس کوتاہی کو دور فرما اور فجر کی نماز باجماعت پڑھنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین۔ بہرحال جو شخص دعا کر کے اور سورہ کہف کی آخری آیات تلاوت کر کے اور اٹھنے کے لئے مذکورہ تمام انتظامات کر کے سوئے گا اولاً تو وہ ضرور بیدار ہوجائے گا۔ بالفرض اگر اٹھنے میں دیر بھی ہوگئی اور جماعت نہ ملی۔ البتہ نماز قضا نہ ہوئی تو بھی انشاء اللہ اس کو جماعت کا ثواب مل جائے گا کیونکہ ایک حدیث میں ہے کہ:

> "جو شخص (اپنے گھر سے) اچھی طرح وضو کر کے مسجد میں (جماعت کے ساتھ) نماز پڑھنے کے ارادے سے (مسجد کی طرف) جائے اور وہاں پہنچ کر معلوم ہو کہ جماعت نکل چکی ہے تو بھی اللہ تعالیٰ اس کو جماعت سے نماز پڑھنے کا ثواب عطا فرمادیں گے اور اس ثواب کی وجہ سے ان لوگوں کے ثواب میں کچھ کمی نہ ہوگی جنہوں نے جماعت سے نماز پڑھی ہے"۔ (الترغیب)

نوافل اور صدقہ ادا کریں

اوپر جو کچھ عرض کیا گیا ہے اول تو ان پر عمل کرنا ہی کافی ہے اور اکثر ان پر عمل کرنے سے نماز فجر باجماعت ادا کرنا آسان ہوجاتا ہے۔ لیکن اگر کسی کا نفس نماز کا بہت ہی چور ہو اور کسی طرح وہ اس کوتاہی سے باز نہ آئے تو اس کے لئے ایک تدبیر بہت کارگر اور نہایت مجرب ہے۔ وہ یہ ہے کہ ایسا شخص دل دل میں اپنے آپ سے یوں کہے اے نفس! دیکھ یا تو فجر کی نماز ادا اور باجماعت پڑھو، ورنہ نماز فجر قضا

کرنے پر سو روپے صدقہ کروں گا اور بیس رکعت نفل ادا کروں گا اور فجر کی جماعت ترک کرنے پر پچاس روپے صدقہ کروں گا اور دس رکعت نفل ادا کروں گا پھر خدانخواستہ جب نماز فجر قضا ہو جائے تو بلاتاخیر فوراً سو روپے صدقہ کریں اور بیس رکعت نفل ادا کریں۔ اگر جماعت فوت ہوجائے تو پچاس روپے صدقہ کریں اور دس رکعت نفل ادا کریں۔ یقین جانیں! یہ نوافل و صدقہ کی سزا نفس پر اتنی گراں ہے کہ بہت جلد وہ فجر کی نماز باجماعت ادا کرنے لگے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

نوافل اور صدقہ کی مذکورہ مقدار بطور مثال ہے۔ اصل مقصود یہ ہے کہ جس شخص میں یہ غفلت اور کوتاہی پائی جاتی ہو وہ اپنے حسب حال نوافل اور صدقہ کی اتنی مقدار مقرر کرلے جس کی ادائیگی اس کے نفس پر شاق ہو، اور پھر کوتاہی ہونے پر نوافل اور صدقہ کرنے میں سستی نہ کرے۔ ان کی ادائیگی روزانہ یا جب نماز فجر میں کوتاہی ہو فوراً کرے کیونکہ یہ نفس کو سزا دینا ہے۔ اگر سزا نقد نہ دی تو نفس سیدھا نہ ہوگا، بلکہ وہ بدستور کوتاہی کرتا رہے گا۔

ایک بزرگ کی جماعت فوت ہونے کا واقعہ

ایک بزرگ کا واقعہ یاد آیا ایک دن ان کی فجر کی جماعت فوت ہوگئی۔ جب وہ مسجد کے دروازے پر پہنچے تو دیکھا جماعت ختم ہوچکی ہے تو فجر کی جماعت نکل جانے کا ان کو بہت صدمہ ہوا اور بہت افسوس ہوا۔ دوسری رات جب وہ سوئے تو فجر کی نماز کے وقت کوئی صاحب ان کے پاس بیدار کرنے کے لئے پہنچ گئے جلدی سے ان کو بیدار کیا تاکہ وہ فجر کی نماز پڑھ لیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جماعت فوت ہوجائے۔ ان بزرگ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور پوچھا تم کون ہو؟ کہاں سے آئے؟ اور کیسے آئے؟ جبکہ گھر کا دروازہ بھی بند ہے۔ اس نے کہا بات یہ ہے کہ کل آپ کی فجر کی جماعت چھوٹ گئی تھی۔ میں نے سوچا کہیں ایسا نہ ہو آج بھی چھوٹ جائے۔ اس لئے میں بیدار کرنے آیا ہوں۔ ان بزرگ نے فرمایا یہ بات تو ٹھیک ہے لیکن دروازہ

بند ہے تم اندر کیسے آئے؟ اور کس کی اجازت سے آئے؟ اور تم کون ہو؟ صاف صاف بتادو ورنہ میں نہیں چھوڑوں گا نہیں۔ اس نے کہا کہ حضرت میں شیطان ہوں اور آپ کو بیدار کرنے کے لئے آیا ہوں۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ شیطان اور نیکی؟ ارے! نیک کام سے تمہیں کیا غرض؟ تم نے میرے ساتھ یہ نیکی کیسے کی۔ اس میں بھی ضرور تمہارا کوئی مکر ہے۔ اب تمہارا ہاتھ میرے ہاتھ میں ہے جب تک اصل وجہ نہیں بتاؤ گے؟ اس وقت تک میں نہیں چھوڑوں گا۔ شیطان نے جواب دیا کہ حضور میں بہت عرصہ سے اس کوشش میں تھا کہ کسی طرح آپ کی فجر کی نماز قضا کرادوں۔ برسوں کی محنت کے بعد تھوڑی سی کامیابی ہوئی تھی۔ اگرچہ میں آپ کی نماز تو قضا نہیں کرا سکا۔ لیکن گزشتہ کل آپ کی جماعت نکلوادی۔ اس وقت میں بہت خوش ہوا کہ چلو ایک قدم تو آگے بڑھا۔ آج جماعت نکلی، کل نماز قضا بھی ہوجائے گی۔ لیکن جماعت فوت ہونے کے نتیجے میں مسجد کے دروازے پر آپ نے جس افسوس اور غم کا اظہار کیا اور آپ نے جو آہیں نکالیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اتنا ثواب عطا فرمایا کہ وہ ثواب باجماعت نماز پڑھنے کے ثواب سے بھی بڑھ گیا۔ میں نے سوچا کہ آپ کو سلانے میں نقصان ہے۔ اٹھانے میں فائدہ ہے۔ اس لئے میں آج آپ کو اٹھانے آیا ہوں۔

اہتمام کے باوجود اگر نماز نکل جائے تو!

بہرحال، اگر ہم نے اپنی طرف سے فجر کے وقت اٹھنے کی پوری کوشش کرلی اور سارے انتظامات کر کے سوئے۔ اس کے باوجود آنکھ لگ گئی تو پھر اگر نماز قضا ہوگئی تو انشاء اللہ اس کا وبال نہیں ہوگا اور اگر جماعت نکل گئی تو امید ہے کہ انشاء اللہ اس کا ثواب بھی مل جائے گا ہم ایسی صورت میں جب مسجد کی جماعت فوت ہوجائے تو گھر کے افراد کو جمع کر کے جماعت کرلینی چاہئے۔ تاکہ جماعت واجبہ ادا ہوجائے۔ اللہ کرے کہ آج کے بعد ہم سب نماز باجماعت کے پابند ہوجائیں۔ ہمارے بچے بھی

نماز کے پابند ہوجائیں اور گھر میں خواتین بھی وقت پر نماز پڑھنے کی پابند ہوجائیں۔
آمین

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

ہمارے تین گناہ

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی بیانات جلد نمبر: ۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہمارے تین گناہ

الحمدلله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيآت اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريک له ونشهدان سيدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله صلى الله تعالى عليه وعلى آله واصحابه وبارک وسلم تسليمًا كثيرًا كثيرا۔

اما بعد!

فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم۔ بسم الله الرحمن الرحيم

﴿ان تجتنبوا كبائر ما تنهون عنه نكفر عنكم سيأتكم وندخلكم مدخلا كريما۔ صدق الله العظيم﴾

تمہید

میرے قابلِ احترام بزرگو اور محترم خواتین! اس وقت میں آپ کی خدمت میں ایسے تین گناہ بیان کرنا چاہتا ہوں جن میں ہم میں سے اکثر لوگ مبتلا ہوتے ہیں۔ اور ان تینوں کا تعلق نماز پڑھنے والوں سے ہے۔ اور یہ مجمع بھی ایسے ہی حضرات پر مشتمل ہے جو اللہ کے فضل و کرم سے نماز کے پابند ہیں، اس لئے ان تین گناہوں کے بارے میں توجہ سے بات سننا ضروری ہے۔ تاکہ ہم میں سے جو شخص ان تینوں گناہوں میں یا ان میں سے کسی ایک گناہ کے اندر مبتلا ہو تو وہ اس گناہ کو چھوڑ دے اور توبہ کرے۔ اور آئندہ اس گناہ سے بچنے کا اہتمام کرے۔

ہماری اصل بیماری اور اس کا علاج

ہمارا اصل مرض اور بیماری گناہ ہے، اور گناہوں کو چھوڑنا اور اس سے توبہ کرنا

یہ اس کا علاج ہے۔ ہمارے یہاں پر جمع ہونے کا مقصد بھی یہی ہے کہ ہم اپنی روحانی بیماریوں کو پہچانیں۔ اور پھر ان کو دور کرنے کی کوشش کریں۔ تاکہ آہستہ آہستہ ہمارے تمام امراضِ روحانی ختم ہوجائیں اور صحت ایمانی و روحانی حاصل ہوجائے۔ ہم سب مل کر اپنا جائزہ لیں، اور اپنے باطن میں جھانک کر دیکھیں کہ وہاں کون کون سے گناہ گھونسلہ بنائے ہوئے ہیں۔ اور کون کون سی بُری عادتیں ہمارے اندر موجود ہیں۔ جن کی وجہ سے ہم اللہ کی رضامندی اور رحمت سے دور ہو رہے ہیں۔ اور پھر ہم کوشش کریں کہ ہماری بُری عادتیں ختم ہوں اور اسکے بدلے اچھی عادتیں پیدا ہوجائیں۔ ہم گناہوں سے تائب ہوجائیں۔ اور اللہ کی رضامندی والے کام اختیار کرلیں۔ تاکہ دنیا میں بھی فلاح حاصل ہو اور آخرت میں بھی نجات حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

وضو میں پانی کا اسراف

ان تین گناہوں میں سے پہلا گناہ "وضو میں پانی کا اسراف کرنا" ہے۔ وضو کرنے کے لئے پانی استعمال کرنا ضروری ہے۔ اور وضو میں جن اعضاء کو دھویا جاتا ہے اِن کو تین تین مرتبہ دھونا سُنّت ہے۔ چنانچہ ہاتھوں کو تین مرتبہ دھونا سُنّت ہے، چہرے کو تین مرتبہ دھونا سُنّت ہے، پیروں کو تین مرتبہ دھونا سُنّت ہے، لیکن بلا ضرورت اور بلا وجہ چار مرتبہ یا پانچ مرتبہ دھونا اسراف میں داخل ہے۔ بعض لوگ اس اسراف میں مبتلا ہوتے ہیں۔ مثلاً پاؤں دھو رہے ہیں تو بلا ضرورت چار مرتبہ، پانچ مرتبہ، بلکہ دس مرتبہ پیر دھو دیئے۔ یہ سب اسراف ہے، اور ناجائز ہے۔

لیکن زیادہ تر مرد حضرات اور خواتین اسراف کی ایک دوسری صورت میں مبتلا ہوتے ہیں۔ وہ دوسری صورت یہ ہے کہ وضو خانے میں وضو کرتے وقت یا بیسن پر وضو کرتے وقت ٹونٹی کو کھلا چھوڑ دیتے ہیں اور مسلسل اس سے پانی گرتا رہتا ہے۔ اور اسی حالت میں وضو کرنے والا اس سے پانی لیکر ہاتھ دھو رہا ہے، کلّی کر رہا ہے، ناک میں پانی ڈال رہا ہے، چہرہ دھو رہا ہے، اس کو مسل رہا ہے، داڑھی کا خلال

کر رہا ہے، انگلیوں کا خلال کر رہا ہے، اور پانی مسلسل تیزی کے ساتھ نالی میں بہہ رہا ہے۔ اس طرح پانی مسلسل گرانے کا عام معمول بن گیا ہے۔ گھروں میں بیسن پر وضو کرتے وقت بھی یہی کیفیت ہوتی ہے۔ اور مساجد میں وضو خانے پر وضو کرتے وقت بھی یہی حالت ہوتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک آدمی کو سُنّت کے مطابق وضو کرنے کے لئے جتنا پانی درکار ہے۔ جس کی مقدار صرف اتنی ہے جتنا پانی اس نے ہاتھ دھونے یا کلی کرنے یا ناک میں پانی ڈالنے کے لئے اور چہرہ وغیرہ دھونے کے لئے استعمال کیا ہے۔ اور اس کے علاوہ جو پانی ٹونٹی سے بلا استعمال ضائع ہوگیا، جس کی مقدار اس پانی سے کئی گنا زیادہ ہوگی جتنا پانی درکار تھا۔ اس طرح اس پانی کو ضائع کرنا سراسر اسراف ہے اور گناہ ہے۔

وضو تو ذریعہ مغفرت ہے

شریعت نے تو وضو کے بارے میں بتایا تھا کہ وضو کرنے سے وضو کرنے والے کے اعضاء کے تمام گناہ پانی کے ساتھ نکل جاتے ہیں۔ چنانچہ جب وضو کرنے والا ہاتھ دھوتا ہے تو ہاتھ کے گناہ نکل جاتے ہیں۔ جب کلی کرتا ہے تو منہ کے گناہ نکل جاتے ہیں۔ جب ناک صاف کرتا ہے تو ناک کے گناہ نکل جاتے ہیں، جب چہرہ دھوتا ہے تو چہرے کے گناہ نکل جاتے ہیں اور جب پیر دھوتا ہے تو پیر کے گناہ نکل جاتے ہیں۔ لہٰذا وضو کا مقصد تو یہ تھا کہ جس طرح اس کے ذریعہ ہم ظاہری پاکی اور طہارت حاصل کرتے ہیں۔ اسی طرح گناہوں سے باطنی طہارت بھی حاصل کریں لیکن نفس و شیطان نے ہمیں خفیہ طریقے سے اسراف کے گناہ کے اندر مبتلا کردیا۔ اور اب ہمارے خیال میں بھی یہ نہیں آتا کہ یہ بھی کوئی گناہ ہے۔ بلکہ اب ہم اس گناہ کے عادی ہوگئے ہیں۔ عرصۂ دراز سے ہم وضو کے دوران اس گناہ کے اندر مبتلا ہیں، چنانچہ ہر جگہ اکثر وضو کرنے والوں کے اندر یہ گناہ آپ کو نظر آئے گا۔ پانی جو اللہ تعالیٰ کی گرانقدر نعمت ہے۔ اور بہت بڑی دولت ہے۔ اس کو ہم اس طرح بیجا بہا دیتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناقدری اور ناشکری بھی ہے، اور اس

کے ساتھ ساتھ اسراف کرنے کا گناہ بھی ہماری گردنوں پر آجاتا ہے، اور وہ وضو جو ہمارے لئے باعثِ مغفرت تھا، اس وضو کو ہم نے اپنی غفلت سے باعثِ گناہ بنالیا۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم سب اپنے وضو کی طرف توجہ دیں۔ اور ابتک جو گناہ ہوچکا ہے اس سے سچی توبہ کریں، اور آج کے بعد جب بھی ہم وضو کریں تو اس گناہ سے ضرور بچیں۔

اس گناہ سے بچنے کا طریقہ

اس گناہ سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سب کو دو ہاتھ عطا فرمائے ہیں، لہٰذا نلکے پر وضو کرتے وقت یہ ضروری ہے کہ ہم ایک ہاتھ پانی لینے کے لئے استعمال کریں اور دوسرا ہاتھ اول سے آخر تک نلکا کھولنے اور بند کرنے کے لئے مخصوص کردیں، ایک ہاتھ میں پانی لیں اور دوسرے ہاتھ سے نلکا بند کریں۔ پھر نلکا بند کرنے کے بعد چاہیں تو دوسرا ہاتھ بھی دھونے میں استعمال کرلیں۔ سارے اعضاء کو دھوتے وقت یہ عمل کریں۔ اس لئے کہ اعضاء وضو کو دھونے کے لئے بے تحاشا پانی بہانا کوئی ضروری نہیں ہے۔ شرعاً دھونے کے لئے کم از کم اتنی مقدار پانی کی کافی ہے کہ ہر عضو کو دھونے کے بعد اس سے تین چار پانی کے قطرے ٹپک جائیں۔ یہ دھونے کی کم سے کم حد ہے۔ مسح کرنے اور دھونے میں یہی فرق ہے کہ مسح کے اندر پانی نہیں ٹپکتا، گیلا ہاتھ پھیر دینے کو مسح کہتے ہیں۔ اور دھونا اس کو کہتے ہیں کہ دھونے کے بعد پانی کے چند قطرے ٹپک جائیں۔ لہٰذا ایک چلو پانی جو ہم ایک ہاتھ میں لیتے ہیں وہ پانی دھونے کی مذکورہ بالا شرعی حد سے کہیں زیادہ ہوتا ہے۔ اور اس پانی سے وضو کے پانی کی مسنون مقدار پوری طرح سے حاصل ہوجاتی ہے۔ لہٰذا کوئی شخص یہ عذر نہیں کرسکتا کہ ایک ہاتھ سے وضو کرنے کا جو طریقہ آپ نے بتایا ہے اس سے ہم کس طرح وضو کریں؟ اور ایک ہاتھ سے تو وضو ہی نہیں ہوسکتا۔ حقیقت میں یہ ہمارے نفس کا دھوکہ ہے۔ ورنہ ایک ہاتھ میں جتنا پانی آتا ہے شریعت کے مطابق مسنون طریقے پر وضو کرنے کے لئے وہ بالکل کافی ہے۔

توجّہ اور دھیان کی ضرورت ہے

بس اس کے لئے توجّہ کی ضرورت ہے، اور اپنے اندر اس احساس کو بیدار کرنے کی ضرورت ہے کہ ہم اسراف کے گناہ میں مبتلا ہیں۔ جس سے بچنا ہمارے ذمّے ضروری ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کے یہاں پکڑ ہوگی، عذاب ہوگا، اور جواب دینا ہوگا کہ تم نے پانی جیسی گرانقدر نعمت میں یہ گناہ کیوں کیا؟ اگر یہ ڈر اور خوف ہمارے دلوں میں آجائے تو پھر صرف ایک ہی نماز کے وضو میں یہ گناہ چھوٹ سکتا ہے ؎

اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

علاج تو موجود ہے مگر کوئی شخص اپنے کو مریض سمجھنے کے لئے تیار نہیں۔ اگر کوئی مریض ہی نہ ہو تو طبیب کیا کریگا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک ہاتھ پانی لینے کے لئے استعمال کرنا اور دوسرا ہاتھ ٹونٹی کھولنے اور بند کرنے کے لئے استعمال کرنا، وضو کو سُنّت کے مطابق کرنے کے لئے بالکل کافی ہے۔

بس اس کی ذرا سی مشق کی ضرورت ہے، اب تک چونکہ ہم نے اپنی عادت بے تحاشا پانی استعمال کرنے کے لئے بگاڑ رکھی ہے، اس لئے شروع میں ایک ہاتھ استعمال کرنے میں ذرا تکلف ہوگا۔ لیکن جب گناہ سے بچنا ہے تو یہ کام کرنا پڑے گا۔ انشاء اللہ چند روز گزرنے کے بعد آپ کو محسوس ہوگا کہ واقعۃً اس سے پہلے ہم بیکار اور بے فائدہ اس گناہ کے اندر مبتلا رہے۔ اور اب ہمارے لئے ایک ہاتھ سے وضو کرنا بے حد آسان ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی طرف توجہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور اس گناہ کو ہم سے چھڑادے۔ آمین۔

مسجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھنے کا ثواب

اب دوسرا گناہ لے لیجئے۔ یہ دوسرا گناہ بطور خاص مسجد کے اندر پایا جاتا ہے۔ جو حضرات مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے آتے ہیں وہ بعض مرتبہ اس گناہ میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ خصوصاً وہ نمازی جو اپنا اکثر وقت مسجد میں گزارتے ہیں۔ اور نماز کے

وقت سے بہت پہلے مسجد میں آجاتے ہیں۔ اور صف اول میں جماعت کے انتظار میں بیٹھ جاتے ہیں۔ مسجد میں بہت جلدی آجانا اور صف اول میں نماز کے انتظار میں بیٹھ جانا اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے۔ آمین۔ اس لئے کہ جب تک نمازی مسجد میں جماعت کے انتظار میں رہتا ہے اس شخص کو برابر نماز پڑھنے کا ثواب ملتا رہتا ہے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے "فضائل نماز" میں فرمایا ہے کہ اکیلے نماز پڑھنے کے مقابلے میں باجماعت مسجد میں نماز پڑھنے والے کو تقریباً تین کروڑ پینتیس لاکھ، چون ہزار چار سو بتیس گنا ثواب زیادہ ملتا ہے۔ یہ ثواب کتنا عظیم ہے۔

مسجد میں دنیاوی باتیں کرنا

لیکن جس عمل پر جتنا عظیم ثواب حاصل ہوتا ہے، اِس عظیم ثواب سے محروم کرنے کے لئے شیطان بھی اپنا پورا زور لگا دیتا ہے۔ چنانچہ اس ثواب سے انسان کو محروم کرنے کے لئے شیطان یہ کرتا ہے کہ جو نمازی مسجد میں نماز کے وقت سے بہت پہلے آجاتے ہیں، اور نماز کے بعد بھی دیر تک ذکر و اذکار اور وظائف میں مشغول رہتے ہیں، چپکے سے ان کو اس گناہ میں مبتلا کر دیتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مسجد میں آکر جتنی نیکیاں وہ کماتے ہیں وہ سب اس گناہ کی وجہ سے برباد ہو جاتی ہیں۔ وہ گناہ ہے "مسجد میں بیٹھ کر دنیا کی باتیں کرنا" یاد رکھنا چاہئے کہ یہ مساجد صرف نماز کے لئے، ذکر و اذکار کے لئے، تلاوت قرآن کے لئے، تسبیحات، درود شریف پڑھنے کے لئے ہیں۔ گویا مساجد کا مقصد یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے، یہ مساجد دنیا کے بازار نہیں ہیں کہ جس طرح ہم بازار میں آزادانہ جو چاہیں کرسکتے ہیں، وہ سب مساجد میں بھی کریں۔ بلکہ یہ تو خالص اللہ کی عبادت کے لئے ہیں۔ یہاں آکر ہر شخص کو اللہ کی عبادت میں لگنا چاہئے۔ جب مسجد میں ہم داخل ہوں تو بازار کے معاملات کو باہر ہی چھوڑ دیں۔ گھر کی باتوں کو بھی باہر چھوڑ دیں۔ اور جو کچھ بھی باہر کے معاملات ہیں ان سب کو باہر ہی چھوڑ دیں۔ مسجد کے

اندر آکر صرف اللہ تعالیٰ سے لو لگانی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا ہے۔ اس کا ذکر کرنا ہے۔ اِس سے دعا مانگنی ہے۔ اب اگر مسجد کے اندر آکر بھی ہم دنیا کو نہ چھوڑیں بلکہ دنیا کی باتوں میں مشغول ہو جائیں تو یہ بدترین گناہ ہے۔

مسجد میں باتیں کرنے کی ممانعت

مسجد میں دنیاوی باتیں کرنے کی ممانعت بہت سی احادیث میں آئی ہے۔ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

> "میری اُمت کے آخر زمانہ میں ایسے لوگ آئیں گے جو مسجدوں میں حلقے بنا کر بیٹھیں گے، ان کے پاس دنیا کا تذکرہ ہوگا اور دنیا ان کو محبوب ہوگی ان کے پاس (ہرگز) نہ بیٹھنا، اللہ تعالیٰ کو ان لوگوں کی کوئی حاجت نہیں"۔ (المدخل لابن حاج)

دیکھئے! اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طرف تو ان کے پاس بیٹھنے سے منع فرمادیا، دوسری طرف یہ اِشارہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کی عبادت، ان کے ذکر و اذکار اور تسبیحات وغیرہ مقبول نہیں، اللہ تعالیٰ ان سے ناراض اور خفا ہیں۔

ہماری مساجد کا حال

مساجد میں دنیاوی باتیں کرنے والوں کے حلقے آج ہمیں اپنے زمانے کی مساجد میں نظر آتے ہیں، بڑی بڑی مساجد میں آپ دیکھیں گے کہ کہیں چار آدمی کہیں پانچ آدمی حلقہ بنائے ہوئے اس طرح بیٹھے ہوئے ہیں جیسے اپنے گھر کی بیٹھک میں بیٹھے ہیں۔ اور دنیاوی باتیں ہو رہی ہیں۔ اگر وہ بازار کی مسجد ہے تو بازار کے مسائل وہاں زیر بحث ہیں۔ اور اگر دفاتر کی مسجد ہے تو وہاں دفتر کے مسائل پر تبصرہ ہو رہا ہے۔ تفریح گاہ کی مسجد ہے تو تفریح کے مسائل پر گفتگو ہو رہی ہے۔ اگر گاؤں کی مسجد ہے تو گاؤں کے سارے مسائل وہاں زیر بحث ہیں۔ اور سرحد اور بلوچستان کے بعض

علاقوں میں تو یہ رواج ہے کہ نماز سے پہلے اور نماز کے بعد اور دوسرے اوقات میں بھی لوگوں کی ٹولیاں مسجد میں بیٹھی ہوئی ہوتی ہیں۔ اور جس طرح اپنے گھر کی بیٹھک میں آزادانہ باتیں کرتے ہیں، بالکل اسی طرح مسجد کے صحن میں بیٹھے ہوئے باتیں کررہے ہیں۔ اور اگر سردی کا موسم ہے تو مسجد کے ہال میں بیٹھے ہوئے باتیں کررہے ہیں۔ مسجد ہی میں کھانا کھایا جارہا ہے، وہیں چائے کا دور بھی چل رہا ہے، بس مسجد کو گھر کی بیٹھک بنایا ہوا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہی وہ زمانہ ہے جس کی اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے۔ میرے عزیزو! مسجد میں بیٹھ کر دنیا کی باتیں کرنا سنگین گناہ ہے۔

مسجد میں گناہ کی باتیں کرنا

پھر مسجد میں بیٹھ کر دنیاوی باتیں کرنے کی کئی قسمیں ہیں:

(۱) ایک یہ کہ مسجد کے اندر بیٹھ کر گناہ کی باتیں کی جائیں، یہ بالکل حرام اور ناجائز ہے۔ مثلاً مسجد میں بیٹھ کر دوسروں کی غیبت کرنا، مسجد کی انتظامیہ کی بُرائیاں بیان کرنا۔ یا اِمام صاحب سے کوئی شکایت ہے تو اس کی غیبت کرنا۔ یا مؤذن اور مسجد کے خادم کی غیبت کرنا۔ بعض اوقات امام یا مؤذن اور خادم کو کسی نمازی سے کوئی شکایت ہوتی ہے تو وہ بھی اس گناہ میں شریک ہوجاتے ہیں۔ یہ سب غیبت میں داخل ہے اور حرام ہے۔ اور غیبت کی تعریف ہی یہ ہے کہ جو بُرائی بیان کی جارہی ہے وہ واقعۃً اس شخص کے اندر موجود ہے۔ اور اگر ہم مسجد میں بیٹھ کر دوسروں کی ایسی بُرائی بیان کررہے ہیں جو واقعۃً اس میں موجود نہیں ہے تو یہ بہتان کا گناہ ہے، اور بہتان لگانے کا گناہ غیبت سے بھی زیادہ ہے۔ اور غیبت کے بارے میں حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

﴿الغیبۃ اشدّ من الزّنا﴾

"غیبت زنا سے بھی زیادہ بدتر ہے"۔

اب ذرا اس کا تصوّر کریں کہ کوئی شخص "معاذ اللہ" مسجد کے اندر زنا کا ارتکاب کرے تو ہم اس کو کیسا خیال کریں گے؟ ظاہر ہے کہ ہم اِس کا تصوّر بھی نہیں کرسکتے۔ اور اس فعل کو انتہائی بُرا سمجھیں گے۔ اور غیبت زنا سے بدتر ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ مسجد کے اندر زنا کرنے کو تو حرام تصوّر کریں اور غیبت سے بچنے کا بالکل بھی اہتمام نہ کریں۔ یہ ہماری کوتاہی اور کم فہمی کی بات ہے، اس لئے ہمیں مسجد میں بیٹھ کر غیبت اور بہتان اور جھوٹ سے بہت زیادہ بچنا چاہئے۔ ایک گناہ کی کڑی دوسرے گناہ کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ جب ایک گناہ کا آغاز کریں گے تو اس کے ساتھ دس گناہ اور ہوجائیں گے۔ اس لئے گناہ سے بچنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ اپنی زبان کو تالہ لگائیں، اگر زبان کھولیں تو یادِ الٰہی کے لئے کھولیں، تلاوت اور ذکر اللہ اور تسبیح کے علاوہ اور کچھ بھی ہماری زبان سے نہ نکلے۔

مسجد میں کاروباری باتیں کرنا

(۲) دوسری قسم یہ ہے کہ مسجد میں بیٹھ کر جو باتیں کر رہے ہیں وہ اگرچہ گناہ کی باتیں نہیں ہیں لیکن دنیاوی باتیں ہیں۔ مثلاً کاروباری معاملات کی باتیں کرنا، آپس کے معاملات کی باتیں کرنا، حالاتِ حاضرہ پر جائز گفتگو کرنا وغیرہ۔ بعض مرتبہ یہ سب باتیں مسجد کی صف اول میں بہت زور و شور سے ہوتی ہیں۔ مسجد میں اس قسم کی دنیاوی باتیں کرنا بھی گناہ ہے، اور اس مقصد کے لئے مسجد میں بیٹھنا بھی گناہ ہے۔ ایسی باتوں سے بہت بچنا چاہئے۔

مسجد میں ضروری بات کرنا

(۳) تیسری قسم یہ ہے کہ بعض اوقات مسجد میں بیٹھے ہوئے اچانک دنیا کی کوئی بات کہنی پڑجاتی ہے۔ مثلاً کسی کو کوئی پیغام یا اطلاع دینے کی ضرورت پیش آگئی۔ اور اس شخص سے مسجد میں ملاقات ہوگئی۔ اس کے بارے میں حکم شرعی یہ ہے کہ اس قسم کی ضرورت کی بات مسجد میں کہنے کی گنجائش ہے۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ

جس سے وہ بات کہنی ہو اس کے قریب جا کر آہستگی سے وہ بات کہدیں تاکہ دوسروں کی عبادت میں خلل نہ آئے، البتہ بہتر یہ ہے کہ اس قسم کی جائز اور ضروری بات بھی مسجد میں نہ کریں بلکہ مسجد سے باہر کریں، جس کا طریقہ یہ ہے کہ جس سے وہ بات کہنی ہے اس کو اشارہ کر کے مسجد سے باہر بلالیں یا مسجد کے وضو خانے میں بلالیں اور وہاں اس سے وہ بات کرلیں، بہرحال، مسجد میں فضول باتیں کرنا، دنیاوی باتیں کرنا بڑا گناہ ہے۔ اس سے تو لاکھ درجہ بہتر یہ ہے کہ عین نماز کے وقت مسجد میں آئیں اور نماز پڑھنے کے بعد فوراً گھر چلے جائیں اور باتیں کرنے کے لئے مسجد میں نہ ٹھیریں۔ یہاں بیٹھ کر اللہ کے گھر کی بے حرمتی کر کے اپنی نیکیوں کو برباد نہ کریں۔ اب یہ دیکھئے کہ مسجد میں دنیاوی باتیں کرنے کا گناہ کتنا سنگین ہے۔ اور اس پر کتنا عذاب اور وبال ہے۔!!

اِس گناہ کی سنگینی

ہمارے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے۔ جس کا نام "آداب المساجد" ہے، ہم میں سے ہر شخص کو ضرور اس کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ اس رسالے میں مسجد کے آداب بھی بیان فرمائے ہیں۔ اور یہ کہ کون کون سے کام مسجد میں کرنا جائز ہیں اور کون کون سے کام مسجد میں کرنا ناجائز ہیں۔ اور چونکہ ہم مسجد میں آتے ہیں اس لئے مسجد کے آداب اور اس کے مسائل سے باخبر رہنا ہم پر فرض ہے۔ ان مسائل سے بے خبری ہی کا نتیجہ ہے کہ ہم اس سنگین گناہ کے اندر مبتلا ہو رہے ہیں۔ اگر ہم ان مسائل سے باخبر ہوتے تو اس گناہ کے اندر مبتلا نہ ہوتے۔ اس رسالے میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دو حدیثیں تحریر فرمائی ہیں۔ ایک حدیث یہ کہ مسجد کے اندر باتیں کرنے والے کی نیکیاں اس طرح ختم ہو جاتی ہیں جس طرح آگ سے جل کر لکڑی ختم ہو جاتی ہے۔ مسجد میں تو ہم اس لئے آتے ہیں تاکہ نیکیوں کا ذخیرہ جمع کریں۔ اس لئے تو نہیں آتے کہ ہماری نیکیاں جل کر ختم ہو جائیں۔ لیکن اپنی لاعلمی کی وجہ سے اس گناہ میں مبتلا ہو کر ان نیکیوں کو

ختم کر کے مسجد سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ یہ کتنے خسارے کی بات ہے؟

مسجد میں باتیں کرنے پر وعید

دوسری حدیث یہ ہے کہ جب کوئی شخص مسجد میں دنیاوی باتیں کرنے لگتا ہے تو ملائکہ اس شخص سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں اسکت یا ولی اللہ اے اللہ کے ولی خاموش ہو جا۔ تیرے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ تو اللہ کے گھر میں بیٹھ کر ایسی باتیں کرے جس سے تیرا خالق و مالک اور تیرا پروردگار ناراض ہو۔ وہ کام کر جس سے تیرا خالق و مالک خوش ہو۔ اگر وہ شخص خاموش ہو جاتا ہے تب تو ٹھیک لیکن اگر وہ باز نہیں آتا اور برابر باتیں کرتا رہتا ہے تو فرشتے دوبارہ ان الفاظ سے مخاطب ہوتے ہیں کہ اسکت یا بغیض اللہ او اللہ کی نظر سے گر جانے والے خاموش ہو جا۔ دیکھئے، ذرا سی دیر میں ولایت چھن گئی اور اللہ کے دوست اور ولی ہونے کا لقب چھن گیا اور اب اللہ کا مبغوض اور ناپسندیدہ بن گیا۔ اگر وہ اب بھی خاموش ہو جائے تو غنیمت ہے۔ لیکن اب بھی اگر وہ خاموش نہیں ہوتا بلکہ مسلسل دنیاوی باتیں کرتا رہتا ہے اور مسجد کا احترام نہیں کرتا تو اب تیسری مرتبہ فرشتے اس سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اسکت لعنۃ اللہ علیک خاموش ہو جا، تجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔ (المدخل)

اس سے زیادہ اللہ کا غضب اور ناراضگی اور کیا ہوگی۔ تھوڑی دیر پہلے جس کو "ولی اللہ" کہہ کر مخاطب کیا تھا، اب اسی کو "اللہ کے دشمن" کا لقب مل رہا ہے، اور پھر اس پر لعنت کی جا رہی ہے، اور لعنت اللہ تعالیٰ کی سخت ناراضگی کا نام ہے اور یہ تو اللہ کے غضب کی خوف ناک حد ہے۔ ذرا دیر کے لئے غور کریں کہ ہم مسجد میں اللہ کو راضی کرنے کے لئے آتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینے کے لئے آتے ہیں۔ ا ـ لئے جب بھی مسجد میں آئیں تو اس بات کا خصوصی خیال رکھیں کہ بجز اللہ تعالیٰ کی یاد کے دنیا جہاں کی کوئی بات نہ کریں۔ اور اس مذکورہ بالا وعید کو ذہن میں رکھیں۔

ایک عبرتناک حدیث

ایک کتاب کا نام "دقائق الاخبار" ہے اس میں بھی مسجد میں دنیاوی باتیں کرنے کے بارے میں ایک روایت ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب قیامت کے روز تمام لوگ میدانِ حشر میں جمع ہوں گے تو بچھو کی نسل کا ایک جانور نکلے گا جس کا نام حریش ہوگا،اُس کا سر آسمان پر ہوگا اور اس کی دم زمین پر ہوگی، اتنا بڑا جانور ہوگا، اور وہ ستر مرتبہ یہ آواز لگائے گا کہ این من بارز الرحمن، واین من حارب الرحمن وہ لوگ کہاں ہیں جنہوں نے اللہ رب العالمین کو مقابلہ کی دعوت دی ہے؟ اور کہاں ہیں وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے جنگ کا اعلان کیا ہے؟ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام اس جانور سے مخاطب ہوکر پوچھیں گے: اے حریش! تجھے کن لوگوں کی تلاش ہے؟ جواب میں وہ کہے گا مجھے پانچ آدمیوں کی تلاش ہے۔

نماز چھوڑنے والے کہاں ہیں؟

(۱) این من ترک الصلوۃ؟ وہ لوگ کہاں ہیں جو دنیا میں نماز نہیں پڑھا کرتے تھے؟ بے نمازیوں کو وہ تلاش کرے گا۔ ہم میں بھی بعض لوگ ایسے ہوں گے جو فجر کی نماز چھوڑ دیتے ہیں، کبھی عشاء کی نماز چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ لوگ غور کریں، حالانکہ پانچوں وقت کی نماز فرض ہے، فجر اور عشاء کی نماز پڑھنا بھی فرض ہے، اور جو بالکل ہی نماز نہیں پڑھتے وہ بھی ذرا فکر کریں۔ کیونکہ قیامت کا دن آنے والا ہے اور برحق ہے۔ دنیا چند روزہ ہے۔ اس چند روزہ زندگانی میں نماز کے اندر سستی نہیں ہونی چاہئے۔ نہ خواتین کو سستی کرنی چاہئے اور نہ مرد حضرات کو سستی کرنی چاہئے۔ اور کوئی نماز قضاء نہ ہونے پائے۔ ہر نماز اپنے وقت پر ادا ہوتی رہے۔ یہ "حریش" جانور تمام بے نمازیوں کو ایک ایک کرکے پکڑ لے گا۔

زکوٰۃ نہ دینے والے کہاں ہیں؟

(۲) این من منع الزکاۃ؟ پھر وہ جانور پکارے گا کہ وہ لوگ کہاں ہیں جو دنیا میں

مال و دولت کے مالک تھے، لیکن مال کی زکوٰۃ نہیں دیا کرتے تھے۔ آج بھی بہت سے مسلمان مرد اور خواتین ایسی ہیں جن کی ملکیت میں اتنا مال ہوتا ہے جس میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے لیکن وہ زکوٰۃ نہیں دیتے۔ اکثر خواتین زیورات بنوانے کی تو بڑی شوقین ہوتی ہیں۔ لیکن زکوٰۃ ادا کرنے کی فکر نہیں کرتیں۔ مرنے کے بعد وہ زیور ان کے لئے سانپ کا ہار بن جائے گا۔ بہرحال یہ جانور "حریش" بروز حشر میں ایسے لوگوں کو ایک ایک کرکے تلاش کرے گا جو اپنے مالوں کی زکوٰۃ نہیں دیتے۔

شراب پینے والے کہاں ہیں؟

(۳) این من شرب الخمر؟ پھر وہ "حریش" پکارے گا کہ وہ لوگ کہاں ہیں جو دنیا میں شراب نوشی کیا کرتے تھے؟ ہمارے یہاں شراب نوشی کا رواج بڑھتا جارہا ہے۔ کیونکہ ہم ٹی وی کے فحش پروگرام دیکھنے کے عادی ہوتے جارہے ہیں اور یہ ٹی وی تو تمام بُرائیاں سکھانے کا ماسٹر ہے۔ اس کے ذریعہ ہمیں دھٹائی کے ساتھ شراب نوشی بھی سکھائی جاتی ہے۔ جس کے نتیجے میں اوپر کی سطح پر کثرت سے ہمارے معاشرے میں شراب نوشی پھیلتی جارہی ہے۔ اور وہ آہستہ آہستہ نیچے کے طبقے میں بھی آجائے گی۔ یاد رکھئے: شراب اسلام کے اندر حرام ہے۔ اور اس کا یہ وبال ہے کہ میدانِ حشر میں یہ جانور ان لوگوں کو تلاش کرکے پکڑلے گا جو دنیا میں شراب نوشی کیا کرتے تھے۔

سُود کھانے والے کہاں ہیں؟

(۴) این من اکل الربوا؟ چوتھے نمبر پر وہ "حریش" پکارے گا کہ وہ لوگ کہاں ہیں جو دنیا میں سُود کھایا کرتے تھے؟ یہ گناہ ایسا ہے جو آج ہمارے معاشرے کے اندر عام ہوگیا ہے۔ اور ہماری معیشت کی ریڑھ کی ہڈی بن چکا ہے۔ جب کوئی شخص کارخانہ لگاتا ہے تو اکثر سودی قرض لے کر کارخانہ لگاتا ہے۔ اور معمولی کاروبار کرنے والے بھی بینک سے سُودی قرض لیتے ہیں۔ آج کتنے مسلمان ایسے ہیں جو اپنی رقمیں بینکوں کے اندر فکس ڈپازٹ میں یا سیونگ اکاؤنٹ میں رکھواتے ہیں اور اس کے

زریعہ بینک سے سُود وصول کرکے اپنا کام چلاتے ہیں۔ یاد رکھیں بینک کا سُود خالص سُود ہے اور سخت ترین حرام ہے۔ اس کے بارے میں قرآنِ کریم میں ارشاد ہے کہ:

"اگر تم سُود سے باز نہیں آتے تو اللہ اور اس کے رسول سے اعلانِ جنگ سن لو"۔

جس قوم کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلانِ جنگ ہو، وہ قوم کیسے ترقی کرسکتی ہے؟ انہی گناہوں کی وجہ سے ہم پریشانیوں میں، ذلت اور رُسوائی میں، طرح طرح کے عذابوں اور وبالوں میں گرفتار ہیں، جب تک ہم ان گناہوں کو نہیں چھوڑیں گے اور توبہ کرکے اللہ تعالیٰ کو راضی نہیں کریں گے۔ اس وقت تک ہمارے حالات بدلنا مشکل ہے۔ بہرحال یہ "حریش" ان لوگوں کو تلاش کرکے پکڑلے گا جو دنیا میں سُود کھایا کرتے تھے۔ یا سُودی لین دین کیا کرتے تھے۔

بیمہ کرنے اور کرانے والے

آج ہمارے ملک میں انشورنس کمپنیاں قائم ہیں۔ جس میں مکان کا بیمہ، کارخانے کا بیمہ، دوکان کا بیمہ، جان کا بیمہ، آنکھ کا بیمہ ہورہا ہے۔ جس میں بیمہ کرنے والے بھی مسلمان ہیں اور کرانے والے بھی مسلمان ہیں۔ اور انشورنس کی بنیاد سُود اور جوے پر ہے۔ اور اسلام میں سُود بھی حرام ہے اور جوا بھی حرام ہے۔ اور اب تو انشورنس کے مسئلہ پر پوری دنیا کے ۴۵ اسلامی ملکوں کے ۱۵۰ علماء و محققین اور فقہاء متفق ہوچکے ہیں۔ اور انہوں نے متفقہ طور پر سُود اور جوے کی بنیاد پر بیمہ کو حرام قرار دیا ہے۔ اس لئے انشورنس کے گناہ سے بچنا بھی ضروری ہے۔ ورنہ اس کے وبال اور عذاب سے دنیا و آخرت میں دوچار ہونا پڑے گا۔

مسجد میں دنیاوی باتیں کرنے والے کہاں ہیں؟

⑤ پانچویں مرتبہ وہ "حریش" اعلان کرے گا این من یتحدث بحدیث الدنیا فی المساجد ؟ کہ وہ لوگ کہاں ہیں جو مساجد میں بیٹھ کر دنیا کی باتیں کیا کرتے تھے؟ اس اعلان کے بعد وہ جانور اپنا کام اس طرح شروع کرے گا کہ اپنی گردن سے ان پانچ قسم کے لوگوں کو ایک ایک کرکے اُچک لے گا اور اپنے منہ میں جمع کرتا جائے گا۔ ور پھر ان سب کو لے کر جہنم کے اندر چلا جائے گا۔ العیاذ باللہ۔ (صفحہ ۳۸)

دیکھئے: ایک تو اس جانور کے منہ کے اندر جانا اور پھر جہنم کے اندر جانا، یہ کتنا ہولناک اور دردناک عذاب ہوگا۔ اس لئے ہمیں مسجد میں بیٹھ کر دنیا کی باتیں کرنے سے اپنی زبانوں کو تالہ لگالینا چاہئے۔ یہ گناہ تو ہماری گھٹی میں ایسا پڑگیا ہے کہ جب ہم میں سے کوئی حج یا عمرہ کے لئے جاتا ہے تو بیت الحرام اور مسجد نبوی میں بھی ہم دنیاوی باتیں کرنے سے باز نہیں آتے۔ اور وہاں اللہ کے گھر میں بیٹھ کر وہاں کی چیزوں اور لوگوں پر تبصرہ شروع کردیتے ہیں۔ یہ ایسی بُری عادت ہے کہ وہاں جاکر بھی یہ عادت نہیں چھوٹتی، اس لئے اگر ہم یہاں رہ کر اس گناہ سے بچنے کی کوشش کرتے رہے تو انشاء اللہ حج اور عمرہ کے موقع پر بھی اس گناہ سے بچ جائیں گے۔ بہرحال اس عادت کو فوراً چھوڑنا ضروری ہے اور اس گناہ سے سچی توبہ کرنا لازمی ہے۔

ایسے بچّوں کو مسجد میں لانا جائز نہیں

تیسرا گناہ جو مسجد میں ہوتا ہے، وہ بچّوں سے متعلق ہے۔ بچّوں کی تین قسمیں ہیں۔

① بچّوں کی پہلی قسم وہ ہے جو ابھی معصوم اور چھوٹے ہیں۔ اور جن کو مسجد کا شعور ہی نہیں۔ نہ ان کو مسجد کے آداب کا علم ہے، نہ ان کو نماز کی خبر ہے، اور نہ

ان کو یہ علم ہے کہ یہ مسجد اللہ کی عبادت کی جگہ ہے۔ اور ان بچوں سے یہ بھی خطرہ ہے کہ وہ مسجد میں پیشاب کردیں یا مسجد میں کھیلیں کودیں اور اس کی بے حرمتی کریں، جیسے پانچ چھ سال کی عمر تک کے بچے ہوتے ہیں۔ ایسے بچوں کے بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ ان کو مسجد میں لانا جائز نہیں۔ اور ماں باپ کو اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ ایسے بچے مسجد میں نہ لائیں۔ اور اگر ایسے بچے مسجد میں لائیں گے اور وہ آکر مسجد کی بے حرمتی کریں گے تو ماں باپ گناہ گار ہوں گے، اس لئے کہ وہ بچے خود تو معصوم ہیں۔ مسجد کی انتظامیہ بھی ایسے بچوں کو مسجد میں آنے سے روک سکتی ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ شریعت میں ہر چیز کی حد مقرر ہے۔ اور ان حدود ہی کا نام دین ہے، اور ان حدود کی ہم سب کو پابندی کرنی ہے۔

ایسے بچوں کو مسجد میں نہ لانا بہتر ہے

بچوں کی دوسری قسم وہ ہے جو ان سے ذرا بڑے ہوتے ہیں جو سات سال سے ۱۱ سال تک کی عمر کے ہوتے ہیں، ایسے بچے مسجد کو مسجد سمجھتے ہیں۔ اس کا تھوڑا بہت احترام بھی کرتے ہیں۔ لیکن ابھی پوری سمجھ نہ ہونے کی وجہ سے مسجد کا پورا احترام بجالانے سے قاصر ہیں۔ ایسے بچوں کو مسجد میں لانا جائز ہے، لیکن نہ لانا بہتر ہے۔

ایسے بچوں کو مسجد میں لانا چاہئے

بچوں کی تیسری قسم وہ ہے جو بالغ ہونے کے قریب ہیں۔ جن کی عمر ۱۲ سال سے ۱۴ سال تک کی ہوتی ہے۔ البتہ ۱۵ سال کی عمر کا بچہ شرعاً بالغ سمجھا جاتا ہے، چاہے اس کے اندر بالغ ہونے کی علامات ظاہر ہوں یا نہ ہوں، ایسے بچوں کے بارے میں حکم یہ ہے کہ ان کو مسجد میں لانا چاہئے، تاکہ ان کے اندر نماز باجماعت ادا کرنے کی عادت پڑجائے۔ کیونکہ بالغ ہوتے ہی ان پر نماز فرض ہوجائے گی۔ اور مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنا واجب ہوجائے گا۔ اگر ہم نے پہلے سے ان کو نماز

باجماعت کا عادی نہیں بنایا تو بالغ ہونے کے بعد عادت پڑنے میں وقت لگے گا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ نمازیں بھی قضاء کریں گے اور جماعت بھی چھوڑیں گے۔ لہٰذا جب بچہ بالغ ہونے کے قریب ہو جائے تو اس کو مسجد میں لانا شروع کردیں۔ اور گھر میں اس کو بتاتے رہیں کہ مسجد کا احترام کرنا چاہئے۔ وہاں جاکر نمازیں پڑھتے ہیں۔ ذکر اور تسبیح کرتے ہیں۔ وہاں شور و شغب نہیں کرتے۔ ایسے بچّوں کو مسجد کی جماعت میں بھی شامل کریں۔

بچّوں کی صف مردوں کے بعد

اور جب مردوں کی صفیں مکمل ہو جائیں تو اس کے بعد ان بچّوں کی صفیں بنائیں۔ یہی سُنّت طریقہ ہے۔ اور نماز شروع ہونے کے بعد جو لوگ آئیں وہ ان بچّوں ہی کی صفوں میں دائیں اور بائیں شامل ہو جائیں۔

بچّوں کو ان کی صف سے پیچھے کرنا جائز نہیں

لیکن بعض لوگ اس موقع پر ایک غلطی کرتے ہیں، وہ یہ کہ نماز شروع ہونے کے بعد جب وہ لوگ مسجد میں آتے ہیں اور صف میں شامل ہوتے ہیں۔ اور بچّوں کو صف میں کھڑا دیکھتے ہیں تو ان کا طرزِ عمل یہ ہوتا ہے کہ وہ بچّوں کو پیچھے کردیتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص آیا اور بچے کو صف میں کھڑا دیکھ کر اس کو کان سے پکڑ کر پیچھے کی صف میں کھڑا کردیا، اور اگر بچہ تھوڑی ضد کرے تو اس کو دونوں ہاتھوں سے اٹھاکر پیچھے کی صف میں کھڑا کر دیتے ہیں، اکثر مساجد میں آپ کو یہ تماشہ نظر آئے گا۔ اب جو شخص بھی آرہا ہے وہ یہ عمل کررہا ہے۔ فرض کریں کہ اگر بچہ جماعت کھڑی ہوتے وقت پہلی صف میں تھا تو سلام کے وقت وہ آخری صف میں پہنچ جاتا ہے، اس لئے کہ ہمارے یہاں عموماً جماعت کھڑی ہوتے وقت نمازی تھوڑے ہوتے ہیں۔ اور اکثریت بعد میں آنے والوں کی ہوتی ہے۔ اب جو بھی بعد میں آتا ہے وہ

بچّوں کو پچھلی صف میں دھکیل دیتا ہے اور خود اس کی جگہ کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور ذہنوں میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ بچّوں کے برابر میں کھڑے ہونے سے نماز نہیں ہوتی۔ یہ بات بالکل غلط ہے۔ ذہن کو اس سے بالکل صاف کر لینا چاہئے۔ شرعی حکم یہ ہے کہ آپ بچّوں کے برابر میں کھڑے ہو جائیں۔ چاہے بچہ اگلی صف میں ہو یا پچھلی صف میں ہو۔ دائیں طرف کھڑا ہو یا بائیں طرف ہو۔ اس کی وجہ سے بالغان کی نماز میں کوئی خلل نہیں آتا۔

ایک اور مسئلہ

ایک بات یہ یاد رکھئے کہ بچّوں کی نماز بچ مچ نماز ہے۔ اگرچہ وہ بالغ نہیں ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کی نماز چاہے فرض نہ ہو، لیکن وہ نفل نماز ضرور ہے۔ اور جس طرح ہماری نفل نماز ہے، اسی طرح بچّوں کی نفل نماز ہے۔ اور جس طرح ہمیں کوئی شخص اگلی صف سے پچھلی صف میں کھینچ کر نہیں لاتا۔ اور اگر کوئی یہ حرکت کرے تو ہم لڑنے مرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔اسی طرح بچّوں کو بھی اگلی صف سے کھینچ کر پچھلی صف میں نہیں لانا چاہئے۔ اسی وجہ سے حضراتِ فقہاء کرامؒ نے یہ مسئلہ لکھا ہے، کہ اگر صف پوری ہو چکی ہو اور اس کے بعد ایک شخص آیا اور اس نے دیکھا کہ اگلی صف مکمل ہو چکی ہے تو وہ اگلی صف سے ایک شخص کو پکڑ کر پچھلی صف میں لائے پھر دونوں مل کر پچھلی صف میں کھڑے ہو جائیں۔ لیکن ساتھ ہی حضراتِ فقہاء کرامؒ نے یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب اس شخص کو یہ مسئلہ معلوم ہو جس کو آپ پیچھے کھینچ رہے ہیں۔ اور جب آپ اس کو کھینچیں گے تو وہ آرام سے پیچھے آجائے گا، اور اگر اندازہ یہ ہے کہ وہ شخص پیچھے آنے کے بجائے لڑنے کے لئے تیار ہو جائے گا تو اس صورت میں اکیلے ہی پچھلی صف میں کھڑے ہو جائیں اور دوسروں کی نماز خراب نہ کریں۔

بعد میں آنے والے پیچھے صف بنائیں

بہرحال، جس طرح ہم اپنے لئے اس بات کو ناقابل گوارہ سمجھتے ہیں کہ کوئی شخص ہمیں کھینچ کر پیچھے کرے۔ تو پھر یہ بچے کیسے گوارہ کرلیں گے کہ ان کو پیچھے کیا جائے۔ لہٰذا جب بچہ اپنی صحیح جگہ پر کھڑا ہوا ہے تو اس کو اس کی جگہ سے ہٹانا جائز نہیں، اور بعد میں آنے والے جو نمازی ہوں، ان کو چاہئے کہ بچوں کے دائیں اور بائیں کھڑے ہوجائیں۔ اور جب وہ بچوں والی صف پوری ہوجائے تو باقی لوگ اپنی صف بچوں کے پیچھے بنائیں۔ اس لئے کہ یہ بعد میں آنے والے خود تاخیر سے آئے۔ اور اب مجبوراً ان کو پیچھے کھڑا ہونا پڑا۔ اب بچوں کو پیچھے ہٹانا اور خود ان کی جگہ پر کھڑے ہوجانا بالکل درست نہیں۔ گناہ کی بات ہے۔ اور اس عمل کے ذریعہ ہم ان کی نماز فاسد کرتے ہیں۔ جس کا عذاب اور وبال ہماری گردن پر ہوگا۔

بچوں کو مردوں کی صفوں میں کھڑا کرنا

دوسری صورت یہ ہے کہ جو بچے مسجد میں نماز پڑھنے آرہے ہیں اگر وہ غیر تربیت یافتہ ہیں۔ اور ہم نے ان کی کوئی تربیت نہیں کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اگرچہ وہ بالغ ہونے کے قریب ہیں، لیکن مسجد میں بھاگتے دوڑتے رہتے ہیں، کھیل کود کرتے ہیں۔ مسجد میں باتیں کرتے رہتے ہیں۔ ایسے غیر تربیت یافتہ بچے جب مسجد میں آئیں تو اگر ان سب بچوں کو ایک ساتھ کھڑا کیا جائے گا تو سب آپس میں شرارتیں کریں گے۔ اور ایک دوسرے کو نماز میں دھکے دیں گے۔ جس کی وجہ سے ان مردوں کی بھی نماز فاسد ہوسکتی ہے جو ان کے دائیں بائیں کھڑے ہوں گے۔ لہٰذا ایسے بچوں کے بارے میں حکم یہ ہے کہ ان کی علیحدہ صف نہ بنائی جائے، بلکہ ان کو بالغان کی صفوں میں متفرق طور پر کھڑا کردیا جائے۔ کسی کو دائیں طرف اور کسی کو بائیں طرف، تاکہ نہ تو ان بچوں کی نماز خراب ہو اور نہ مردوں کی نماز خراب ہو۔ اور اگر

ایک دو بچے ہوں تو ان کو مردوں کی صف میں کھڑا کردینا بلا کراہت جائز ہے۔ لہٰذا ہمارے ذہنوں میں جو یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ اگر بچے مردوں کی صفوں میں شامل ہوں تو مردوں کی نماز فاسد ہوجاتی ہے، یہ تصور غلط ہے، اس کی اصلاح کرلینی چاہئے۔

بچوں کو ڈانٹنا درست نہیں

اسی سلسلے کی ایک اور بات ہے، وہ یہ کہ بچے بہرحال بچے ہوتے ہیں۔ آپ ان کو کتنا بھی سمجھالیں، وہ بچہ بچہ ہی رہے گا۔ وہ بڑے ابا تو نہیں بنے گا، اور شرارت کرنا ان کی فطرت ہے، لہٰذا جب وہ مسجد میں آئیں گے تو کچھ نہ کچھ شرارت ان سے ہو ہی جائے گی۔ لیکن اس وقت ہم بچے کے ساتھ بہت نازیبا طرز عمل اختیار کرتے ہیں۔ وہ یہ کہ جب وہ مسجد میں کوئی شرارت کرتا ہے تو ہم اس کو بُری طرح ڈانٹ دیتے ہیں۔ اور بعض لوگ ایسی گرجدار آواز سے ڈانٹتے ہیں کہ جس سے بچے کے پیشاب خطا ہونے کا ڈر لگتا ہے۔ اور اس بچے کو اس طرح مسجد سے نکال دیتے ہیں جس طرح کسی کتے کو بھگایا کرتے ہیں۔ یہ بہت بدتمیزی کی بات ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

﴿من لم یرحم صغیرنا ولم یؤقر کبیرنا فلیس منّا﴾

جو ہمارے چھوٹوں پر رحم اور شفقت نہ کرے۔ اور جو ہمارے بڑوں کا احترام نہ کرے، وہ ہم سے نہیں ہے۔ یعنی ایسا شخص میرے طریقے پر اور میری سُنّت پر قائم نہیں ہے۔ کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی بچے کو ڈانٹا تھا؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنے بچپن کے دس سال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گزارے، ان کی والدہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے ان کو آپ کی خدمت کے لئے آپ کے پاس چھوڑ دیا تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس دس سال کے عرصے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک مرتبہ بھی نہیں ڈانٹا، اور نہ

کبھی آپ نے یہ پوچھا کہ یہ کام کیوں کیا؟ اور فلاں کام کیوں نہیں کیا؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بچّوں کے ساتھ طرزِ عمل

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز کسی کام کے لئے بھیجا، میں نے کہا خدا کی قسم میں نہیں جاؤں گا اور دل میں یہ بات تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کام کے لئے حکم فرمایا ہے ضرور جاؤں گا غرض یہ کہ میں چل دیا، بازار میں مجھے بچّے کھیلتے ہوئے ملے (میں انہیں دیکھنے لگا حضور میرا انتظار فرما کر وہاں تشریف لائے) اچانک میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے سے میری گدی پکڑے ہوئے ہیں، میں نے آپ کی طرف دیکھا تو آپ مسکرا رہے تھے اور فرمایا اُنَیس! جہاں جانے کے لئے میں نے تم سے کہا تھا تم وہاں گئے میں نے عرض کیا ہاں اے اللہ کے رسول جا رہا ہوں"۔ (مسلم)

حالانکہ یہ غصّہ کرنے کا موقع تھا کہ بھائی! ہم نے تمہیں کام کے لئے بھیجا اور تم کھیل میں لگ گئے؟ لیکن رحمۃ للعالمین جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت اور رحمت کا یہ عالَم تھا کہ اس موقع پر بھی آپ نے مسکرا کر صرف اتنا فرمایا کہ بھائی تمہیں ہم نے جس کام کے لئے بھیجا تھا۔ وہاں گئے؟ بس اس سے زیادہ کچھ نہیں فرمایا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت تو یہ ہے۔

بچّوں کے ساتھ شفقت کا معاملہ کریں

اور ہمارا طرزِ عمل یہ ہے کہ ہم مسجد میں دوسروں کے بچّوں کو اس طرح ڈانٹتے ہیں کہ اپنے بچّوں کو بھی اس طرح نہیں ڈانٹتے۔ بچّوں کے ساتھ یہ بے رحمی کا

معاملہ کرنا کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے؟ جب یہ آپ کی سنت نہیں ہے اور ہم مسلمان ہیں اور آپ کے امتی ہیں تو ہمارے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہی قابلِ عمل ہونا چاہئے۔ اور ایک بات یہ بھی ہے جو شخص غصے میں بچوں کو ڈانٹتا ہے اس کا کبھی پائیدار اثر نہیں ہوتا۔ اس وقت وقتی طور پر وہ سہم جائیں گے، لیکن وہ بچے وہ عمل دوبارہ کریں گے۔ لیکن اگر آپ پیار سے ان کو سمجھائیں گے کہ بیٹا! مسجد میں خاموش رہتے ہیں۔ شرارت نہیں کرتے ہیں۔ اس کا ادب کرتے ہیں۔ تو وہ بچہ آپ کی بھی عزت کرے گا اور انشاء اللہ دوبارہ وہ شرارت نہیں کریگا۔ لہٰذا جب آپ اس بچے کی عزت کریں گے، اِس کا احترام کریں گے تو وہی بچہ بڑا ہو کر آپ کی خدمت کرے گا۔ بشرطیکہ آپ نے اس کے ساتھ شفقت کا معاملہ کیا ہو۔ لیکن اگر آج آپ اس کو اس طرح ڈانٹ دیں گے تو کل وہ آپ کی طرف رخ بھی نہیں کرے گا۔ لہٰذا جب ہم مسجد میں آنے والے بچوں کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کریں گے تو بچے ضرور بات قبول کریں گے اور ان کے دل میں بات اترے گی۔ اور اگر اس طرح ان کے ساتھ نازیبا برتاؤ کریں گے تو ہم گناہ گار بھی ہوں گے اور بچوں کی بھی اصلاح نہیں ہوگی۔

بس یہ تین گناہ ہیں۔ جو آج ہماری مساجد میں جگہ جگہ نظر آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

شبِ عید کی فضیلت

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی بیانات : جلد نمبر: ۲

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شبِ عید کی فضیلت

اور ہمارے گناہ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ○

﴿عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَامَ لَیْلَتَی الْعِیْدَیْنِ مُحْتَسِبًا لَمْ یَمُتْ قَلْبُہٗ یَوْمَ تَمُوْتُ الْقُلُوْبُ﴾ (رواہ ابن ماجہ)

”حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے دونوں عیدوں (عیدالفطر اور عید الاضحیٰ) کی راتوں کو ثواب کا یقین رکھتے ہوئے زندہ رکھا تو اس کا دل اس دن نہ مرے گا جس دن لوگوں کے دل مردہ ہوجائیں گے“۔

عیدالفطر اور بقرعید کی شب کو زندہ رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ان راتوں کو عبادت الٰہی میں مشغول رکھیں اور ذکر و تسبیح، صلہ رحمی، نیک لوگوں کی ہم نشینی میں اس وقت کو پورا کریں۔ اہل و عیال کے ساتھ انس و محبت سے پیش آئیں۔ عزیز و اقارب سے میل ملاقات اور حسن سلوک کریں۔ یہ سب کارہائے خیر ہیں، ان کو کریں اور دیگر عبادات میں ان راتوں کو گزاریں۔

اور یہ جو فرمایا گیا کہ ان راتوں میں عبادت کرنے والے کا دل مردہ نہ ہوگا اس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن میں جب ہر طرف خوف و ہراس اور دہشت اور گھبراہٹ پھیلی ہوگی، لوگ بدحواس اور مدہوش ہوں گے اور خوف کے مارے ان کی نشہ کی سی کیفیت ہوگی حالانکہ انہیں نشہ قطعاً نہ ہوگا، لیکن عذاب الٰہی ایسی سخت چیز ہے جس سے لوگوں کی یہ حالت ہوگی۔ ایسے قیامت خیز دن میں حق تعالیٰ شانہ اس بندہ کو نعمتوں سے بھرپور اور باسعادت زندگی بخشیں گے، خوف و دہشت کا دور دور کوئی نشان نہ ہوگا، ہر بھلائی اسی کے قدم چومے گی، اس پر رحمت ہی رحمت برستی ہوگی، اور وہ بہت پُرلطف اور پُرمسرت زندگی میں مگن ہوگا۔ (حاشیۃ الترغیب بتصرف) حق تعالیٰ ہمیں بھی یہ نعمت نصیب فرمائیں آمین۔

اس لئے عید کی شب بڑی مبارک اور باسعادت رات ہے، اس کی قدر کرنی چاہئے۔ اور اس کی قدردانی یہی ہے کہ اس رات کو کثرت ذکر اللہ اور درود شریف میں اور دیگر عبادات میں لگ کر گزارنی چاہئے۔ ساری رات نہ جاگ سکیں تو جتنی رات آسانی سے جاگ کر عبادت کر سکیں اتنا ہی کرلیں، کم از کم عشاء اور فجر کی نماز تو ضرور ہی تکبیر اولیٰ کے ساتھ باجماعت ادا کریں اور درمیان میں جتنی دیر ذکر و عبادت کر سکیں وہ کریں پھر سوجائیں۔ اتنا کرنے پر بھی امید ہے کہ حق تعالیٰ محروم نہ فرمائیں گے۔

پانچ مبارک راتیں

﴿عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحْیَا اللَّیَالِی الْخَمْسَ وَجَبَتْ لَہُ الْجَنَّۃُ لَیْلَۃَ التَّرْوِیَۃِ وَلَیْلَۃَ عَرَفَۃَ وَلَیْلَۃَ النَّحْرِ وَلَیْلَۃَ الْفِطْرِ وَلَیْلَۃَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ﴾ (رواہ الاصبہانی)

"حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے (ذکر و عبادت کے ذریعہ) پانچ راتیں زندہ رکھیں، اس کے لئے جنت واجب ہوگئی (وہ پانچ راتیں یہ ہیں) آٹھ ذی الحجہ کی رات، عرفہ کی رات، بقرعید کی رات، عید الفطر کی رات اور پندرہویں شعبان کی رات"۔ (کذافی الترغیب)

حدیث بالا میں ان پانچ راتوں کی ایک خاص فضیلت یہ بتلائی گئی ہے کہ جو شخص کوشش کر کے ان راتوں میں جاگ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے جن میں شبِ عید الفطر بھی داخل ہے، اور حق تعالیٰ کی عبادت و طاعت میں لگا رہے تو ایسے شخص کی اس محنت کا بدلہ اللہ تعالیٰ کے یہاں صرف اور صرف جنت ہے۔ سال بھر کی سینکڑوں راتوں میں سے صرف ان پانچ راتوں میں جاگنا اور عبادت میں لگنا کوئی بہت زیادہ کٹھن اور مشکل کام نہیں ہے، دنیا کے معمولی معمولی نفع اور فائدے کے لئے ہم بیسیوں راتیں جاگ کر گزار دیتے ہیں، چنانچہ چوکیداری کرنے والے چند پیسوں کی خاطر ساری رات جاگتے ہیں، کپڑا بننے والی ملوں میں ملازم تمام رات ڈیوٹی ادا کرتے ہیں۔ غور کرنے سے اس طرح کی اور بھی بہت سی مثالیں مل جائیں گی، تو کیا آخرت کے ہولناک دن کی ہولناکی سے بچنے، پاکیزہ زندگی حاصل کرنے اور مقام جنت پانے کے لئے ہم نہیں جاگ سکتے اور عبادت نہیں کرسکتے؟ ضرور کرسکتے ہیں، تو فوراً کمربستہ ہوجائیں، نفس و شیطان کا مقابلہ کریں اور ان قیمتی راتوں کو ضائع اور برباد نہ کریں، ذکر و تسبیح، عبادت و طاعت اور دیگر کارہائے خیر سے جہاں تک ہوسکے ان مبارک راتوں کو زندہ رکھیں۔

شبِ عید کی ناقدری

گزشتہ احادیث سے ثابت ہوا کہ عید الفطر کی شب بھی ایک اہم رات ہے جس کے تفصیلی فضائل اوپر بیان ہوچکے، مگر افسوس ہم نے ان سب برکتوں سے اپنے آپ کو محروم کیا ہوا ہے، اور نہ صرف محروم بلکہ اس مبارک شب کو طرح طرح کی لغویتوں، فضول باتوں، لایعنی کاموں اور طرح طرح کے گناہوں میں گزارا جاتا ہے۔ جس کی چند مثالیں یہ ہیں۔

○ بعض لوگ یہ مبارک رات مختلف کھیلوں میں مصروف ہوکر گزارتے ہیں، مثلاً شطرنج، چوسر، لوڈو، کیرم بورڈ اور دیگر ہار جیت والے کھیل۔ جن میں شطرنج اور چوسر تو حرام ہی ہیں اور باقی کھیل بھی شرائطِ جواز مفقود ہونے کی بناء پر ناجائز ہوتے ہیں۔ بالفرض اگر کوئی کھیل جائز بھی ہو تب بھی یہ مبارک رات لہو ولعب کے لئے نہیں، عبادت و طاعت کے لئے ہے، اس کو عبادت ہی میں مشغول رکھنا چاہئے، جائز اور مباح کھیلوں سے بھی اجتناب کرنا لازم ہے۔

○ بہت سے لوگ ٹی وی کے پروگرام دیکھنے میں مصروف رہتے ہیں حالانکہ ٹی وی متعدّد مفاسد اور بہت سے گناہوں کا مجموعہ ہے جس کی بناء پر اس کو دیکھنا جائز نہیں، خواہ پروگرام مذہبی یا تعلیمی نوعیت کا ہو۔ پھر اس مقدس شب میں اس لعنت میں مبتلا ہونا اس کے گناہ کو اور بھی سخت کردیتا ہے، اس لئے اس نامراد چیز سے بالعموم اور اس مبارک شب میں بالخصوص اجتناب کرنا لازم ہے۔

○ بعض لوگ اس مبارک رات میں بازاروں کی سجاوٹ، چمک دمک، خریداروں کی کثرت دیکھنے کے لئے بازاروں میں تفریح کرتے ہیں اور اس طرح رات کا اکثر و بیشتر حصّہ ضائع کرتے ہیں، جبکہ بازار روئے زمین پر حق تعالیٰ کے یہاں سب سے زیادہ بدتر اور مبغوض ہیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ بازار اکثر گناہوں کا اور بڑے بڑے گناہوں کا مرکز ہیں۔ مثلاً عورتوں کا بن سنور کر بے پردہ خرید و فروخت کرنا اور

بازاروں میں گھومنا، گانا بجانا عام ہونا، دھوکہ، فریب، جھوٹ، غیبت، گالی گلوچ، لڑائی جھگڑا ہونا، کم تولنا اور کم ناپنا، ملاوٹ وغیرہ کرنا۔ اس لئے بازار میں تمام گناہوں سے حتی الامکان بچتے ہوئے ضرورت کے وقت بقدرِ ضرورت ہی جانا چاہئے، ورنہ بلاضرورت بازاروں میں تفریح کرنے والے بھی طرح طرح کے گناہوں میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ اس طرح اس مبارک رات میں بجائے کچھ حاصل کرنے کے اور گناہوں میں مشغول ہونا اور حق تعالیٰ کی سب سے زیادہ ناپسندیدہ جگہ میں بلاضرورت جانا اپنے آپ کو حق تعالیٰ کی رحمت و مغفرت سے محروم کرنا ہے۔

○ بعض لوگ اس رات کو ہوٹلوں میں ٹھنڈے گرم مشروبات پینے میں مصروف ہو کر اور گھنٹوں اِدھر اُدھر کی فضول باتوں بلکہ گناہ کی باتوں میں مشغول ہو کر اس مقدس شب کا بہترین اور اکثر حصہ ضائع کرتے ہیں جو سراسر محرومی ہے اور گناہوں کا ارتکاب جدا ہے۔

○ بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جنہیں اس شب کی عظمت و فضیلت ہی کا علم نہیں، اس لئے وہ کبھی اس رات میں ذکر و فکر، عبادت اور تسبیح و مناجات کی طرف متوجہ نہیں ہوتے، اس طرح وہ اپنی جہالت و نادانی سے بیسیوں راتیں گنوا چکے ہیں اور ان کی اس جہالت نے انہیں آخرت کے ثواب عظیم سے محروم کیا ہوا ہے جو بڑے ہی خسارہ کی بات ہے۔

○ بعض لوگ جنہیں اس رات کی عظمت و فضیلت کا علم ہے، دین اور علم دین سے ان کو نسبت ہے، دیکھا جاتا ہے کہ وہ بھی اس کو کوئی اہمیت نہیں دیتے، اگر کوئی غلطی سے انہیں اس طرف توجہ دلائے تو فوراً جواب ملتا ہے کہ اس رات میں جاگنا کوئی فرض و واجب نہیں۔ بیشک اس رات میں جاگنا اور عبادت وغیرہ کا اہتمام کرنا فرض و واجب نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا یہ سب ترغیبات فضول ہیں؟ اور اسی قابل ہیں کہ انہیں غیر فرض قرار دیکر رد کردیا جائے، آخر ان ترغیبات کا کون مکلف ہے؟ اہل علم تو انہیں غیر ضروری قرار

دے کر ٹھکرادیں اور عوام اپنی جہالت اور ناواقفیت کی بناء پر اہتمام نہ کریں تو پھر اُمت میں کون اس پر عمل کرے گا؟ ذرا بتلائیے! آخرت کے اتنے عظیم ثواب اور رضائے الٰہی اور حصول جنت سے اپنے آپ کو محروم کرنا کیا کوئی خسارہ کی بات نہیں، اور کیا یہ چیزیں آپ حاصل کرچکے ہیں؟ اگر نہیں تو استغناء سے پناہ مانگئے اور استغفار کیجئے۔

○ بعض تاجر اس شب میں دنیاوی مصروفیت کو کم کرنے کے بجائے اور بڑھالیتے ہیں اور اس میں اس قدر منہمک اور مصروف ہوتے ہیں کہ بسا اوقات اس دھن میں فرض نمازیں بھی قربان ہوجاتی ہیں جو کسی طرح بھی جائز نہیں۔ ایسے تاجر اگر کاروباری مصروفیت کم نہیں کرسکتے اور اس رات کو ذکر و تلاوت اور عبادت و طاعت میں نہیں گزار سکتے تو کم از کم فجر اور عشاء کی نماز باجماعت ادا کرکے اور چلتے پھرتے ذکر و دعا کے ذریعہ کسی نہ کسی درجہ میں وہ بھی اس شب کی فضیلت حاصل کرسکتے ہیں۔

بات اصل میں فکر و طلب اور قدر و قیمت کی ہے، جس کے دل میں ذرا بھی اہمیت ہے اور فکر ہے، وہ سخت سے سخت مشغولیت میں اس فضیلت کو حاصل کرنے کا کوئی نہ کوئی راستہ نکال لے گا، اور جس کو طلب نہیں بلکہ دنیا اور دنیاوی منافع ہی اس کی نظر میں اصل مقصود ہیں تو اس کے دل میں ان باتوں سے اعتراض ہی پیدا ہوگا اور اس کا نفس طرح طرح کے حیلے بہانے پیش کرکے بالآخر اس کو اس شب کی برکات سے محروم کردے گا۔ حق تعالیٰ محفوظ رکھیں۔ آمین

عید کو برباد نہ کیجئے

عید الفطر کا دن مسلمانوں کے لئے بڑی مسرت اور خوشی کا دن ہے، اور یہ خوشی اس بناء پر ہے، کہ حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے رمضان شریف کے دنوں میں روزے رکھنے کی توفیق بخشی اور راتوں میں تراویح ادا کرنے اور اس میں کلام الٰہی

پڑھنے اور سننے کی سعادت عطا فرمائی۔ حق تعالیٰ کے نزدیک عید کا دن اور عید کی رات دونوں ہی بہت مبارک اور فضیلت والے ہیں جس کا اندازہ آپ کو آنے والی حدیث سے ہوگا۔

عید میں مغفرت وانعام

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جنّت کو رمضان شریف کے لئے خوشبوؤں کی دھونی دی جاتی ہے اور شروع سال سے آخر سال تک رمضان کی خاطر آراستہ کیا جاتا ہے۔ پھر جب رمضان المبارک کی پہلی رات ہوتی ہے تو عرش کے نیچے سے ایک ہوا چلتی ہے جس کا نام مثیرہ ہے جس کے جھونکوں کی وجہ سے جنّت کے درختوں کے پتے اور کواڑوں کے حلقے بجنے لگتے ہیں جس سے ایسی دل آویز سریلی آواز نکلتی ہے کہ سننے والوں نے اس سے اچھی آواز کبھی نہیں سنی۔

حوروں سے منگنی

پس خوشنما آنکھوں والی حوریں اپنے مکانوں سے نکل کر جنّت کے بالا خانوں کے درمیان کھڑی ہو کر آواز دیتی ہیں کہ کوئی ہے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہم سے منگنی کرنے والا تاکہ حق تعالیٰ شانہ اس کو ہم سے جوڑ دیں۔ پھر وہی حوریں جنّت کے داروغہ "رضوان" سے پوچھتی ہیں کہ یہ کیسی رات ہے؟ وہ لبیک کہہ کر جواب دیتے ہیں کہ رمضان المبارک کی پہلی رات ہے، جنّت کے دروازے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت کے لئے (آج) کھول دیئے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہ "رضوان" سے فرمادیتے ہیں کہ جنّت کے دروازے کھول دے اور مالک (جہنّم کے داروغہ) سے فرمادیتے ہیں کہ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت کے روزہ داروں پر جہنّم کے دروازے بند کردے، اور جبرئیل علیہ السلام کو حکم ہوتا

ہے کہ زمین پر جاؤ اور سرکش شیاطین کو قید کرو اور گلے میں طوق ڈال کر دریا میں پھینک دو کہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے روزوں کو خراب نہ کریں۔

مغفرت کی صدا

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہ رمضان کی ہر رات میں ایک منادی کو حکم فرماتے ہیں کہ تین مرتبہ یہ آواز دے کہ ہے کوئی مانگنے والا جس کو میں عطا کروں، ہے کوئی توبہ کرنے والا کہ میں اس کی توبہ قبول کروں، ہے کوئی مغفرت چاہنے والا کہ میں اس کی مغفرت کروں، کون ہے جو غنی کو قرض دے، ایسا غنی جو نادار نہیں، ایسا پورا پورا ادا کرنے والا جو ذرا بھی کمی نہیں کرتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہ رمضان شریف میں افطار کے وقت ایسے دس لاکھ آدمیوں کو جہنم سے خلاصی مرحمت فرماتے ہیں جو جہنم کے مستحق ہو چکے تھے، اور جب رمضان کا آخری دن ہوتا ہے تو یکم رمضان سے آج تک جس قدر لوگ جہنم سے آزاد کئے گئے تھے، ان کے برابر اس ایک دن میں آزاد فرماتے ہیں۔

فرشتوں کا نزول

اور جس رات شبِ قدر ہوتی ہے تو حق تعالیٰ شانہ کے حکم سے حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک بڑے لشکر کے ساتھ زمین پر اترتے ہیں، ان کے ساتھ ایک سبز جھنڈا ہوتا ہے جس کو کعبہ کے اوپر کھڑا کرتے ہیں اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کے سو بازو ہیں جن میں سے دو بازو کو صرف اسی رات میں کھولتے ہیں جن کو مشرق سے مغرب تک پھیلا دیتے ہیں، پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کو حکم دیتے ہیں کہ جو مسلمان آج کی رات میں کھڑا ہو یا بیٹھا ہو، نماز پڑھ رہا ہو یا ذکر کر رہا ہو، اس

کو سلام کریں اور مصافحہ کریں اور ان کی دعاؤں پر آمین کہیں۔ صبح تک یہی حالت رہتی ہے، جب صبح ہوجاتی ہے تو جبرئیل علیہ السلام آواز دیتے ہیں کہ اے فرشتوں کی جماعت! اب کوچ کرو اور چلو۔

چار افراد کی بخشش نہیں

فرشتے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت کے مؤمنوں کی حاجتوں اور ضرورتوں میں کیا معاملہ فرمایا۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر توجہ فرمائی اور چار شخصوں کے علاوہ سب کو معاف فرمادیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ چار شخص کون ہیں؟ ارشاد فرمایا:

- ایک وہ شخص جو شراب کا عادی ہو۔
- دوسرا وہ شخص جو والدین کی نافرمانی کرنے والا ہو۔
- تیسرا وہ شخص جو قطع رحمی کرنے والا اور ناطہ توڑنے والا ہو۔
- چوتھا وہ شخص جو کینہ رکھنے والا اور آپس میں قطع تعلق کرنے والا ہو۔

عید کی صبح یقینی مغفرت

پھر جب عید الفطر کی رات ہوتی ہے تو اس کا نام آسمانوں پر لیلۃ الجائزہ (انعام کی رات) سے لیا جاتا ہے، اور جب عید کی صبح ہوتی ہے تو حق تعالیٰ شانہ فرشتوں کو تمام شہروں میں بھیجتے ہیں، وہ زمین پر اتر کر تمام گلیوں اور راستوں کے سروں پر کھڑے ہوجاتے ہیں اور ایسی آواز سے جس کو جنات اور انسان کے سوا ہر مخلوق سنتی ہے، پکارتے ہیں کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت! اس رب کریم کی درگاہ کی طرف چلو جو بہت زیادہ عطا فرمانے والا ہے اور بڑے بڑے قصور معاف کرنے والا ہے۔ پھر جب لوگ عید گاہ کی طرف چلتے ہیں تو حق تعالیٰ شانہ فرشتوں

سے دریافت فرماتے ہیں کہ کیا بدلہ ہے اس مزدور کا جو اپنا کام پورا کرچکا ہو۔ وہ عرض کرتے ہیں کہ ہمارے معبود اور ہمارے مالک! اس کا بدلہ یہی ہے کہ اس کی مزدوری پوری پوری دے دی جائے، تو حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اے فرشتو! میں تمہیں گواہ بناتا ہوں، میں نے ان کو رمضان کے روزوں اور تراویح کے بدلہ میں اپنی رضا اور مغفرت عطا کردی۔ اور بندوں سے خطاب فرما کر ارشاد ہوتا ہے کہ اے میرے بندو! مجھ سے مانگو، میری عزت کی قسم، میرے جلال کی قسم، آج کے دن اپنے اس اجتماع میں مجھ سے اپنی آخرت کے بارے میں جو سوال کروگے عطا کروں گا اور دنیا کے بارے میں جو سوال کروگے اس میں تمہاری مصلحت پر نظر کروں گا۔ میری عزت کی قسم، جب تک تم میرا خیال رکھوگے میں تمہاری لغزشوں پر ستاری کرتا رہوں گا (اور ان کو چھپاتا رہوں گا) میری عزت کی قسم اور میرے جلال کی قسم، میں تمہیں مجرموں (اور کافروں) کے سامنے رُسوا اور فضیحت نہ کروں گا۔ بس اب بخشے بخشائے اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ، تم نے مجھے راضی کردیا اور میں تم سے راضی ہوگیا۔ پس فرشتے اس اجر و ثواب کو دیکھ کر جو اس اُمت کو عید الفطر کے دن ملتا ہے، خوشیاں مناتے ہیں اور کِھل جاتے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْھُمْ۔

(فضائل رمضان)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ عید الفطر کی شب اور اس کا دن انعامات الٰہی کی وصولی اور اللہ کی خوشنودی حاصل ہونے کا مبارک دن ہے، مگر افسوس کہ ہم نے ان کو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، اور تعجب یہ ہے کہ ایسی باتوں کو ہم گناہ بھی نہیں سمجھتے جو اور بھی خطرناک بات ہے۔

یہاں ذیل میں کچھ ایسی ہی چند باتیں عرض کرتا ہوں، صرف اس امید پر کہ شاید کوئی اللہ کا بندہ توجہ سے ان باتوں کو پڑھے اور اسے عمل کی توفیق ہوجائے۔ حق تعالیٰ ہم سب کو ان منکرات سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

عید کارڈ

ہمارے معاشرے میں عیدین کے موقع پر بالخصوص میٹھی عید میں عید کارڈ بھیجنے کا بہت ہی رواج ہے۔ ہر خاص و عام پڑھا لکھا یا جاہل عید کارڈ بھیجنے کا اہتمام کرتا ہے، اور ایک نہیں متعدد کارڈ بھیجتا ہے اور خوبصورت سے خوبصورت کارڈ روانہ کرتا ہے۔ عیدالفطر آنے سے ہفتوں پہلے بک اسٹالوں کا چکر لگانا شروع کر دیتا ہے، جہاں رمضان ہی سے نت نئے عید کارڈ فروخت کے لئے موجود ہوتے ہیں، جن میں اعلیٰ، متوسط اور ادنیٰ ہر قسم کے ہوتے ہیں اور اعلیٰ سے اعلیٰ قیمتوں والے کارڈ بھی ہوتے ہیں۔ انہیں خریدنے اور ارسال کرنے کو نہ کوئی گناہ سمجھتا ہے اور نہ خلاف شریعت، بلکہ اس کو اظہار مسرّت اور عید کی مبارکباد کا ایک جدید اور مہذّب طریقہ سمجھا جاتا ہے، حالانکہ عید کارڈ میں سراسر اسراف ہے جو قرآن و سُنّت کی رو سے گناہ ہے، اور یہ انگریزوں کے کرسمس کارڈ کی نقل بھی ہے جبکہ کافروں اور خدا کے باغیوں کی نقل اتارنا گناہ عظیم ہے۔ اور بھی اس میں بہت سی قباحتیں ہیں جن کی بناء پر عید کارڈ بھیجنا جائز نہیں۔ چنانچہ عید کارڈ میں مزید گناہ کی باتیں یہ ہیں۔

○ بہت سے عید کارڈ جانداروں کی تصاویر پر مشتمل ہوتے ہیں۔ مثلاً کسی میں طوطا، کسی میں بگلا، کسی میں کوئی دوسرا خوبصورت پرندہ یا جانور بنا ہوا ہوتا ہے جبکہ جانداروں کی تصاویر کھینچنا، بنانا، دیکھنا اور پسند کر کے دوسرے شخص کے پاس بھیجنا گناہ ہی گناہ ہے۔

○ بہت سے عید کارڈ فلمی ستاروں، ایکٹروں، اداکاروں کی رنگین تصاویر پر مبنی ہوتے ہیں جنہیں خاص مقبولیت حاصل ہوتی ہے، ایسے عید کارڈوں کے گناہِ عظیم ہونے میں کیا شک ہے۔

○ بعض عید کارڈ ایسے بھی ہوتے ہیں جس میں عریاں یا نیم عریاں عورتوں کی رنگین تصاویر ہوتی ہیں جن کو دیکھنا، چھاپنا سب گناہ ہے، ان کو خرید کر بھیجنا اور بھی

بڑا گناہ ہے۔

○ بعض عید کارڈ آیاتِ قرآنی پر مشتمل ہوتے ہیں اور جب عید کارڈ وصول ہوجاتا ہے تو اس کو دیکھنے اور پڑھنے کے بعد ردّی کی ٹوکری میں ڈال دیا جاتا ہے یا کسی اور جگہ ڈال دیا جاتا ہے جس سے آیاتِ الٰہی کی بے ادبی اور سخت بے حرمتی ہوتی ہے جو بلاشبہ گناہ ہے۔

○ پھر عید کارڈ بھیجنے والوں کا آپس میں اعلیٰ سے اعلیٰ عید کارڈ بھیجنے کا مقابلہ ہوتا ہے، ہر شخص دوسرے سے بہتر اور عمدہ عید کارڈ بھیجنے کی کوشش کرتا ہے، تاکہ اس کے عید کارڈ کی سب سے زیادہ تعریف اور تذکرہ ہو۔ یہ کھلی ریاکاری ہے جو گناہِ عظیم ہے، اور گناہ کے کام میں مسابقت اور مقابلہ اس کی سنگینی کو اور بڑھا دیتا ہے۔

○ پھر جو شخص گھٹیا عید کارڈ بھیجتا ہے، یا نہیں بھیجتا تو اس کو طرح طرح کے طعنے دیے جاتے ہیں، حالانکہ اوّل تو کسی کو طعنہ دینا خود گناہِ عظیم ہے، پھر ایک گناہ کی بات پر دوسرے کو طعنے دے کر مجبور کرنا یا ابھارنا اور بھی گناہ کی بات ہے۔

○ بعض جگہ عید کارڈ بھیجنے میں ادلہ بدلہ کا تصور بھی کارفرما ہوتا ہے، آپ نے بھیجا تو دوسرا بھی بھیجے گا، اگر آپ نے نہ بھیجا تو دوسرا بھی نہ بھیجے گا۔ اور گناہ میں ادلہ بدلہ بھی گناہ ہے اور گلہ شکوہ بھی بُرا ہے۔

○ بعض عید کارڈ ان ظاہری خرافات سے خالی ہوتے ہیں، مثلاً کسی میں گلاب کے خوبصورت پھول ہوتے ہیں، بعض میں حضراتِ اہل بیت رضی اللہ عنہم کے نام درج ہوتے ہیں، بعض میں حرمین شریفین کے فوٹو اور خوبصورت باغات اور سینریاں بنی ہوتی ہیں۔ ان میں جانداروں کی تصاویر نہیں ہوتیں لیکن ایسے عید کارڈ بھی اسراف اور تبذیر اور غیر مسلموں کی مشابہت کی وجہ سے ناجائز ہیں۔

○ عید کارڈ بھیجنے میں یہاں تک غلو ہوچکا ہے کہ ہزاروں بندگانِ خدا روزہ کی نعمت سے محروم ہیں اور صدقۃ الفطر ادا نہیں کرتے، لیکن عید کارڈ قیمتی سے قیمتی خریدنا اور احباب کو روانہ کرنا نہیں بھولتے کہ جیسے یہ بھی کوئی فرض ہے۔ کس قدر غفلت

اور گناہ کی بات ہے۔

○ بعض لوگ ٹیلیفون اور تار کے ذریعے عید کی مبارکباد دینا ضروری تصور کرتے ہیں، حالانکہ اس کو ضروری سمجھنا صحیح نہیں۔ یہ محض ایک رسم ہے۔

اس طرح بے شمار گناہوں کے ساتھ عید کارڈوں میں ہزاروں، لاکھوں روپیہ ضائع و برباد ہوتا ہے جو بلاشبہ اسراف و تبذیر میں داخل ہے اور گناہ در گناہ ہے۔ اگر اتنی رقم غرباء اور فقراء اور مساکین میں خرچ کی جائے تو کتنے ہی تنگ دست گھرانے خوشحال ہو جائیں، بیمار تندرست ہو جائیں، روزی کے محتاج برسر روزگار ہو جائیں۔ حق تعالیٰ فہم صحیح عطا فرمائیں اور اس گناہ عظیم سے بچنے کی توفیق بخشیں۔ آمین

عید کی تیاری

ایک فتنہ عید کی تیاری کا ہے جو عید الفطر میں زیادہ اور بقرعید کے موقع پر کچھ کم برپا ہوتا ہے۔ عیدالفطر اور عید الاضحیٰ کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے بلاشبہ مسرّت کا دن قرار دیا ہے اور اتنی بات بھی شریعت سے ثابت ہے کہ اس روز جو بہتر سے بہتر لباس کسی شخص کو میسّر ہو وہ لباس پہنے، لیکن آج کل اس غرض کے لئے جن بے شمار فضول خرچیوں اور اسراف کے سیلاب کو عیدین کے لوازم میں سمجھ لیا گیا ہے، اس کا دین و شریعت سے کوئی تعلق نہیں۔

آج یہ بات فرض و واجب سمجھ لی گئی ہے کہ کسی شخص کے پاس مالی طور پر گنجائش ہو یا نہ ہو، لیکن وہ کسی نہ کسی طرح گھر کے ہر فرد کے لئے نئے سے نئے جوڑے کا اہتمام کرے، گھر کے ہر فرد کے لئے جوتے ٹوپی سے لے کر ہر چیز نئی خریدے، گھر کی آرائش و زیبائش کے لئے نت نئے سامان فراہم کرے، دوسرے شہروں میں رہنے والے اعزہ اور اقارب کو قیمتی کارڈ بھیجے اور تمام امور کی انجام دہی میں کسی سے پیچھے نہ رہے۔

اس کا نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ ایک متوسط آمدنی رکھنے والے شخص کے لئے عید اور

بقرعید کی تیاری ایک مستقل مصیبت بن چکی ہے۔ اس سلسلہ میں وہ اپنے گھر والوں کی فرمائشیں پوری کرنے کے لئے جب جائز ذرائع کو ناکافی سمجھتا ہے تو مختلف طریقوں سے دوسروں کی جیب کاٹ کر وہ روپیہ فراہم کرتا ہے تاکہ ان غیر متناہی خواہشات کا پیٹ بھر سکے۔

اور اس عید کی تیاری کا کم سے کم نقصان تو یہ ہے کہ رمضان اور خاص طور سے آخری عشرے کی راتیں اور اسی طرح ذی الحج کے پہلے عشرے کی راتیں بالخصوص عید اور بقرعید کی شب جو گوشہ تنہائی میں اللہ تعالیٰ سے عرض و مناجات اور ذکر و فکر کی راتیں ہیں، وہ سب بازاروں میں گزرتی ہیں۔

مصافحہ کی فضیلت

سب سے پہلے مصافحہ اور معانقہ سے متعلق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ملاحظہ ہوں۔

حدیث: حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: یقیناً جب ایک بندۂ مؤمن دوسرے بندہ مؤمن سے ملاقات کرتا ہے پھر اس کو سلام کرتا ہے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اس سے مصافحہ کرتا ہے تو دونوں کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح درخت کے پتے (موسم خزاں میں خشک ہو کر گر جاتے ہیں) (الترغیب والترھیب ۴۳۶/۳)

حدیث: حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب دو مسلمان باہم ملاقات کرتے ہیں (اور) پھر باہم مصافحہ کرتے ہیں تو ایک دوسرے سے جدا ہونے

سے پہلے پہلے ان کی مغفرت ہو جاتی ہے۔

(رواہ الطبرانی فی الاوسط والترغیب والترہیب صفحہ ۴۳۶ جلد ۳)

مصافحہ سلام کا تکملہ ہے

حدیث: حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے آپس میں سلام کی تکمیل (سلام کے بعد) مصافحہ کرنا ہے۔

(رواہ الترمذی، مشکوٰۃ صفحہ ۴۰۲)

حدیث: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: سلام کی تکمیل ہاتھ پکڑنا ہے یعنی مصافحہ کرنا ہے۔

(رواہ الترمذی صفحہ ۸۵)

معانقہ سفر سے آنے پر ہے

حدیث: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (کسی سفر سے) مدینہ منورہ آئے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف فرما تھے، وہ آپ سے ملاقات کے لئے تشریف لائے اور دروازہ کھٹکھٹایا، چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (ان کے آنے کی خوشی میں) کھلے بدن کے ساتھ (جب کہ ستر چھپا ہوا تھا) ایک چادر اپنے بدن پر ڈالتے ہوئے ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں، بخدا میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت میں کسی کا استقبال

کرتے ہوئے نہ کبھی اس سے پہلے دیکھا اور نہ کبھی اس کے بعد۔ پھر آپ نے زید بن حارثہ سے معانقہ کیا اور بوسہ لیا۔ (رواہ الترمذی، مشکوٰۃ صفحہ ۴۰۲)

حدیث: حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کے حبشہ سے واپسی کے قصہ میں منقول ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم حبشہ سے نکلے یہاں تک کہ مدینہ منورہ پہنچ گئے، پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے ملے اور مجھ سے معانقہ فرمایا۔ (رواہ فی شرح السنۃ، مشکوٰۃ صفحہ ۴۰۲)

مصافحہ اور معانقہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل

حدیث: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ جب آپس میں ملاقات کرتے تو مصافحہ کرتے اور جب کسی سفر سے واپس لوٹتے تو معانقہ کیا کرتے تھے۔

(رواہ الطبرانی، الترغیب والترہیب صفحہ ۴۳۳ جلد ۳)

ان احادیث سے اور ان جیسی دیگر احادیث سے یہ ثابت ہوا کہ مصافحہ اور معانقہ کرنے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا طریقہ یہ تھا کہ جب آپس میں ملاقات ہوتی تو پہلے سلام کرتے اور سلام کے بعد مصافحہ کرتے اور جب سفر سے آتے تو معانقہ کرتے۔ مصافحہ اور معانقہ کا کوئی خاص وقت یا دن مقرر نہ تھا۔ بس اسی طرح بالکل اسی تفصیل سے مصافحہ کرنا اور معانقہ کرنا مسنون و مستحب اور کارِ ثواب ہے، اس پر عمل کرنا چاہئے، اسے نہ کوئی روک سکتا ہے نہ کسی کی مجال ہے۔

عید کے دن گلے ملنا

چنانچہ اگر کوئی شخص مصافحہ اور معانقہ کو عید کے دن خاص عید کی سُنّت یا عید کی وجہ سے لازم اور ضروری نہ سمجھے اور پھر عیدین کے دن اتفاقاً بوقت ملاقات سلام کر کے مصافحہ کرلے تو کوئی مضائقہ نہیں، یا جو عزیز یا رشتہ دار یا دوست عید کے دن سفر سے آئے اور سفر سے آنے کی بنا پر اس سے گلے ملے تو بھی نہ صرف جائز بلکہ سُنّت ہے، لیکن عید کے دن مصافحہ اور معانقہ کو عید کی سُنّت سمجھنا یا واجب جاننا اور خاص عید کی وجہ سے اس کا اہتمام کرنا جیسا کہ عام طور پر رواج ہے تو ایسا مصافحہ اور معانقہ بلاشبہ ناجائز ہے اور اس کو ترک کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ کسی دلیل شرعی سے اس کا ثبوت نہیں ہے اور ہمارے اکابر رحمہم اللہ نے اسی پہلو سے اس کو بدعت قرار دیا ہے۔

عید کی مبارکبادی

عید کی مبارکبادی کے بارے میں تحقیق یہ ہے کہ یہ کسی صحیح اور مستند حدیث سے ثابت نہیں، اور شروع ہی سے اس میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ چنانچہ اس میں علماء کے پانچ اقوال ہیں۔

① جائز ② مباح ③ مندوب ④ مکروہ ⑤ بدعت۔

لہٰذا اگر عید کی مبارکبادی تمام منکرات سے خالی ہو، مثلاً نہ اس کو سُنّت سمجھا جائے اور نہ فرض و واجب کی طرح ضروری سمجھا جائے اور نہ فرض و واجب کا سا اس کے ساتھ معاملہ کیا جائے، اور جو اس کا اہتمام نہ کرے اس کو بُرا بھلا نہ کہا جائے اور نہ اس کو ٹیڑھی ترچھی نگاہوں سے دیکھا جائے، اور جب ملاقات ہو تو پہلے باقاعدہ مسنون سلام کیا جائے، اس کے بعد تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنَّا وَمِنْكَ یا اس کے ہم معنیٰ کوئی دوسرا لفظ جیسے ”عید مبارک“ ہے کہہ دیا جائے تو جائز اور دعا ہونے کی بناء

پر باعث ثواب ہے۔

لیکن اگر اس میں حد سے تجاوز کیا جائے، مثلاً سُنّت سمجھا جائے یا فرض و واجب کی طرح اس کو ضروری سمجھا جائے اور اس طرح اس کا جو درجہ ہے اس سے اس کو بڑھادیا جائے تو پھر مکروہ و ممنوع ہے۔

عید کی سوّیاں

حدیث: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن عید گاہ طاق مرتبہ (یعنی تین، پانچ، سات، نو) چھوہارے کھا کر تشریف لے جاتے تھے۔ (جمع الفوائد صفحہ ۲۸۳ جلد۱)

علماء اور فقہاء رحمہم اللہ نے اس حدیث کو اور اس جیسی دیگر احادیث کو سامنے رکھ کر فرمایا ہے کہ عید الفطر کے دن عیدگاہ جانے سے پہلے طاق مرتبہ کھجور یا چھوہارے کھا کر جانا افضل ہے۔ اگر کھجوریں موجود نہ ہوں تو کوئی دوسری میٹھی چیز کھالیں۔ میٹھی چیز بھی نہ ہو تو جو چیز بھی ہو وہی کھالیں اور اگر بغیر کچھ کھائے پیے کوئی شخص نماز عید کے لئے چلا جائے تب بھی کچھ گناہ نہیں۔ ملاحظہ ہو:

﴿فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح: وندب ان یکون المأکول تمرًا ان وجدوان یکون عدده وترا۔ ولو لم یأکل قبلها لا یاثم، إلیٰ قوله ویاکلهن وترا ومن ثم استحب بعض التابعین ان یفطر علی الحلو مطلقا کالعسل، فان لم تیسر التمر اکل حلوا غیره کما ذکرنا فان لم تیسر تناول ماتیسر﴾

(صفحہ ۶۸۸ و ۶۸۹ وکذا فی الشامی صفحہ ۵۵۶ جلد۱)

اس تفصیل سے یہ بات ثابت ہوئی کہ شریعت میں کوئی خاص چیز معین و مقرر نہیں ہے، وقت پر جو چیز بھی مل جائے کھالیں، کھجور یا چھوہارے یا اور کوئی میٹھی چیز کھالینا بہتر ہے، یہ نہ ہو تو کوئی اور چیز خواہ وہ نمکین ہی ہو وہ کھالیں، اور اگر کچھ نہ کھائیں تب بھی کوئی حرج نہیں۔

لہٰذا خاص سویوں کو عید کی سُنّت قرار دینا یا انہیں عید کے دن پکانے کو ایسا لازمی اور ضروری سمجھنا کہ جو شخص عید کے دن سویاں نہ پکائے تو اس پر شرعی حیثیت سے نکیر کی جائے، ناجائز ہے۔ البتہ جو لوگ ایسا نہ سمجھیں بلکہ محض اپنی سہولت یا پسند کے مطابق بنائیں تو اس کو بدعت نہیں کہا جائے گا۔

بعض قرائن اور شواہد کی بناء پر عید کی سویوں کے متعلق احقر کا تأثر یہ ہے کہ عام لوگ اس کو عید کی سُنّت یا ایسا لازمی سمجھتے ہیں کہ اس کے ترک کو قابل طعن قرار دیتے ہیں۔ اس طرح یہ بھی عید کی ایک رسم بن چکی ہے، اس لئے قابل ترک ہے۔

دعا نمازِ عید کے بعد کیجئے

اکثر مقامات پر خطباء عید کے خطبہ کے بعد دعا کرتے ہیں، یہ طریقہ سُنّت کے مطابق نہیں ہے، کیونکہ احادیث میں ہر نماز کے بعد دعا کی قبولیت عمومی طور پر وارد ہے، لہٰذا نماز عید بھی اس عموم میں داخل ہوگی اور اس کے بعد دعا کرنا مستحب قرار پائے گا۔ البتہ خطبے کے بعد دعا کسی طرح بھی ثابت نہیں ہے، چنانچہ نماز کے بعد دعا ترک کرکے خطبہ کے بعد دعا کرنے سے سُنّت میں تبدیلی لازم آئے گی جس سے بچنا چاہئے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہٗ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"البتہ بعد نماز کے آثارِ کثیرہ میں مشروع ہے اور دبر الصلوات

اوقات اجابت دعا بھی ہے، بہرحال بعد نماز دعا کرنا۔ اور بجائے اس کے بعد خطبہ مقرر کرنا تغیر سُنّت اور قابل احتراز ہے"۔

(امداد الفتاویٰ صفحہ ۷۶ ۳ جلد ۱)

حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

"الحاصل، استحباب دعا بعد نماز عیدین احادیث مذکورہ سے ثابت ہے اور خطبہ کے بعد دعا ثابت نہیں۔ پس معلوم ہوا کہ اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عیدین کے بعد دعا کرنے میں ہے نہ کہ اس کے ترک میں، اور خطبے کے بعد اتباع سُنّت دعا نہ کرنے میں ہے۔ باقی ترک ایسے امورِ مستحبہ کا ظاہر ہے کہ لائق ملامت نہیں ہے۔ واللہ اعلم"

(عزیز الفتاویٰ صفحہ ۳۰۲)

لیکن خطبہ کے بعد دعا مانگنے کو بالکل ناجائز نہیں کہا جائے گا، کیونکہ جب احادیث سے دعا کرنے کا صراحۃً کوئی مقام ثابت نہیں ہے تو اس کو بالکل ناجائز قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ سوال صرف افضل اور بہتر کا ہے، ہمارے نزدیک دعا نماز عید کے بعد ہی کرنا بہتر ہے۔ تاہم اگر کوئی شخص خطبہ عید کے بعد دعا مانگے تو متعدد علماء نے اس کو بھی جائز رکھا ہے اور اس کے ناجائز ہونے کی کوئی صریح دلیل بھی موجود نہیں۔ اس لئے اس کو ناجائز قرار نہیں دیا جاسکتا۔ واللہ اعلم

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ

رمضان المبارک کا آخری دن

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی بیانات : جلد نمبر: ۲

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

رمضان المبارک کا آخری دن

اور دوزخ کا تذکرہ

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیأت اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، ونشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ، ونشھدان سیدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ، صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلی اٰلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیرًا کثیرا۔

امابعد!

فاعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم۔ بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

﴿یاایھا الذین آمنوا قوا انفسکم واھلیکم نارا وقودھا الناس والحجارۃ علیھا ملئکۃ غلاظ شداد لایعصون اللّٰہ ما امرھم ویفعلون مایؤمرون ۝﴾ (التحریم:٦)

"اے ایمان والو! تم اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں جس پر تندخو مضبوط فرشتے ہیں جو خدا کی نافرمانی نہیں کرتے کسی بات میں جو ان کو حکم دیتا ہے، اور جو کچھ ان کو حکم دیا جاتا ہے اس کو بجالاتے ہیں"۔

میرے قابل احترام بزرگو! یہ جمعہ اس ماہ مبارک کا آخری جمعہ ہے اور اس کا

بھی احتمال ہے کہ یہ اس کا آخری دن ہو، اس لئے ہم سب کو اس آخری دن کی بہت زیادہ قدر کرنے کی ضرورت ہے، اس کا ایک ایک لمحہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہنے، اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے اور اس کی عبادت کرنے اور خاص طور پر سچے دل سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ کر گناہوں کو چھوڑنے کا عہد کرنے کا دن ہے، لہٰذا اس دن گڑگڑا کر آہ وزاری کر کے اللہ تعالیٰ کے گھر میں دھرنا دے کر بیٹھ جائیں اور اپنے آپ کو جہنم سے آزاد کرنے کی سرتوڑ کوشش کریں۔

چار کام

سرکار دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک میں مسلمانوں کے کرنے کے لئے چار عمل ارشاد فرمائے ہیں۔

(۱) ایک کثرت سے لا الہ الا اللہ پڑھنا یعنی چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے ہر دم زبان پر لا الہ الا اللہ، لا الہ الا اللہ، لا الہ الا اللہ کا ورد رکھنا۔

(۲) دوسرے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دل سے توبہ استغفار کرتے رہنا۔

(۳) تیسرے اللہ جل شانہ سے جنت مانگنا اور تہہ دل سے گڑگڑا کر محتاج بن کر جنت کی درخواست کرنا۔

(۴) چوتھے جہنم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنا اور رو رو کر یہ دعا کرنا کہ اے اللہ اپنی رحمت سے ہمیں دوزخ سے آزاد فرما۔

جہنّم خوفناک ہے

یہ چوتھا عمل دوزخ سے پناہ مانگنے کا بہت ہی اہم اور بہت ہی قابل توجہ عمل ہے اور اس وجہ سے اور زیادہ قابل توجہ ہے کہ ہماری اس کی طرف توجہ نہیں کہ جہنم کیا ہے؟ یہ بڑی خوفناک جگہ کا نام ہے، ہم لوگ دنیا میں کچھ ایسے ڈوبے ہوئے ہیں کہ بخدا نہ ہمیں عذاب قبر سے ڈر لگتا ہے اور نہ عذاب جہنم سے، ہم پر ایک بے حسی

ایسی چھائی ہوئی ہے کہ صبح سے شام تک گناہ کئے چلے جارہے ہیں، نہ توبہ کرتے ہیں نہ معافی مانگتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ آخرت سے غافل ہو کر ہم زبردستی اپنے آپ کو جہنّم میں دھکیل رہے ہیں تو شاید مبالغہ نہ ہو۔ بہرحال، جہنّم کی تھوڑی سی تفصیل عرض کرنا چاہتا ہوں اور اس لئے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ رمضان المبارک کا شاید آخری دن ہو، اگر یہ آخری دن ہوا تو آج کا دن وہ دن ہے جس میں ازروئے حدیث افطار کے وقت اللہ پاک تقریباً ایک کروڑ مسلمانوں کو دوزخ سے آزاد فرمائیں گے۔ اور یہ تعداد ہمارے سمجھنے سمجھانے کے لئے بتلائی ہے ورنہ اصل مقصود لاتعداد لوگوں کو جہنّم سے آزادی کا پروانہ عطا کرنا ہے، لہٰذا ایسا نہ ہو کہ رمضان شریف گزر جائے اور ہماری بخشش نہ ہو اور ہم اپنی غفلت کی وجہ سے آزادی حاصل نہ کرسکیں۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ تھوڑا سے جہنّم کا حال آپ کے سامنے رکھوں اور اس سے آزادی کا جو طریقہ بتلایا گیا ہے وہ عرض کردوں، اس کے بعد پھر ہم میں سے ہر آدمی عاقل بالغ ہے اپنے کئے کا ہر ایک ذمہ دار ہے، جس کا جی چاہے اللہ پاک سے اس کی جنّت مانگ لے اور دوزخ سے پناہ مانگ لے۔

جہنّم کی آگ کی تیزی

ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل امین سے فرمایا، اے جبرئیل! مجھے ذرا جہنّم کی کیفیت بتاؤ! جبرئیل امین نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! جہنّم کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا پھر اس کو ایک ہزار سال تک جلایا (اور یہاں تک اس کو جلایا کہ اس کی آگ) سرخ رنگ کی ہوگئی، اس کے بعد پھر ایک ہزار سال تک اس کو تیز کیا یہاں تک کہ (اس کی آگ) زرد رنگ کی ہوگئی، پھر ایک ہزار سال تک جہنّم کی آگ کو جلایا، بھڑکایا اور تیز کیا یہاں تک کہ اس کی آگ تاریک رات کی طرح سیاہ ہوگئی، اب اس کی حالت یہ ہے کہ نہ تو اس کی لپٹیں کم

ہوتی ہیں اور نہ اس کے انگارے بجھتے ہیں (یعنی تین ہزار سال تک جہنم کی آگ کو تیز کیا گیا یہاں تک کہ انتہائی تیز ہوگئی)

جہنم کی اس تیزی کا آپ اس سے بھی اندازہ کریں کہ ایک مرتبہ اللہ پاک نے جبرئیل امین کو مالک جہنم کے پاس بھیجا کہ جاؤ اور ان سے کچھ آگ ہمارے آدم کے لئے لے کر آؤ تاکہ وہ دنیا میں اس پر کچھ کھانا وغیرہ پکا سکیں۔ جبرئیل امین مالک جہنم کے پاس جہنم میں تشریف لے گئے اور ان سے فرمایا: تھوڑی سی آگ چاہئے، انہوں نے پوچھا کہ حضرت کتنی آگ دیدوں؟ جبرئیل امین نے فرمایا کہ ایک چھوارے کے برابر دیدو، تو مالک جہنم نے عرض کیا کہ حضرت! اگر آپ ایک چھوارے کے برابر جہنم کی آگ دنیا میں لے گئے تو اس کی گرمی سے ساتوں آسمان اور ساتوں زمین پگھل جائیں گے، تو جبرئیل امین نے فرمایا اچھا اگر اس میں اس قدر تیزی ہے تو ایسا کرو کہ چھوارے کی ایک گٹھلی کے برابر دیدو! تو مالک جہنم نے اس پر عرض کیا کہ حضرت اگر ایک چھوارے کی گٹھلی کے برابر آپ جہنم کی آگ دنیا میں لے گئے تو اس دنیا میں نہ کبھی بارش کا ایک قطرہ ٹپکے گا اور نہ کبھی زمین سے سبزہ اگے گا، اس پر جبرئیل امین نے اللہ رب العزت سے عرض کیا کہ یا اللہ! میں (دنیا کے لئے) کتنی آگ لے لوں؟ حق تعالیٰ نے فرمایا ایک ذرہ کے برابر لے لو، چنانچہ جبرئیل امین نے جہنم کی آگ کا ایک ذرہ لے لیا اور اس کو ستر مرتبہ نہر میں غوطہ دیا، بجھایا اور ٹھنڈا کیا، اس کے بعد اس کو دنیا میں حضرت آدم علیہ السلام کے پاس لائے اور دنیا کے سب سے بلند اور مضبوط پہاڑ کی چوٹی پر اس کو رکھا، اس وقت بھی اس میں اتنی گرمی اور تیزی تھی کہ اس ایک ذرے کی گرمی اور تیزی سے وہ مضبوط پہاڑ پگھل گیا اور اس ذرے کا دھواں پتھروں اور لوہے میں جذب ہو گیا، پھر وہ ذرہ واپس جہنم میں واپس کر دیا گیا۔

اب دنیا کی جو آگ ہے جس میں ایک منٹ بھی ہم ہاتھ نہیں رکھ سکتے، ایک منٹ بھی دنیا کی آگ ہم برداشت نہیں کر سکتے، یہ اس ایک ذرے کا دھواں ہے۔

آج وہی آگ ہمارے گھروں میں زیر استعمال ہے جس سے لوہا بھی پگھل جاتا ہے، پتھر بھی چونا بن جاتا ہے تو جہنم کیسی ہولناک ہوگی؟ جس کا ایک ذرہ جس کو ستر مرتبہ پانی میں ٹھنڈا کیا گیا اور پھر وہ واپس بھی کر دیا گیا تب بھی دنیا کی آگ کا یہ حال ہے کہ کوئی انسان اس کی تاب نہیں رکھتا تو غور کیجئے کہ جہنم کی آگ کیسے برداشت ہوگی۔ العیاذ باللہ، العیاذ باللہ۔

آپ ان باتوں کو توجہ سے سن لیجئے، یہ کھیل کی باتیں نہیں ہیں، یہ تماشے کی باتیں نہیں ہیں، یہ سچی باتیں ہیں، کیونکہ ہمارا ایمان ہے کہ جہنم برحق ہے، اس کی آگ برحق ہے، قرآن وحدیث کی جہنم کے بارے میں اور جنت کے بارے میں جتنی باتیں ہیں وہ بالکل سچ ہیں۔

جہنّم کا سب سے ہلکا عذاب

ایک روایت میں سرکار دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جہنم کا سب سے ہلکا عذاب یہ ہے کہ جہنمی کو (جہنم سے) دو جوتیاں (نکال کر) پہنا دی جائیں گی (وہ خود جہنم میں نہیں ہوگا، صرف اس کے پیروں میں جہنم کی دو جوتیاں ہوں گی) لیکن ان دو جوتیوں کی وجہ سے اس کے دماغ کی یہ حالت ہوگی کہ وہ ہانڈی کی طرح پک رہا ہوگا اور اس کے پکنے اور ابلنے کی آواز آس پاس اس کے پڑوسیوں کو (صاف) سنائی دے گی۔ العیاذ باللہ۔ اس کی ڈاڑھیں انگارہ بنی ہوئی ہوں گی، اس کے ہونٹ شعلہ بنے ہوئے ہوں گے، اس کے پیٹ کی آنتوں اور قدموں سے آگ کی لپٹیں نکل رہی ہوں گی اور وہ اپنے بارے میں یہ سمجھ رہا ہوگا کہ اسے جہنم کا سب سے زیادہ ہولناک عذاب ہو رہا ہے، حالانکہ اس کو سب سے ہلکا عذاب ہو رہا ہوگا۔

ٹخنوں سے نیچے شلوار کرنے کا عذاب

صرف دو جوتیاں پہنانے کا یہ حال ہوگا اور خدانخواستہ جس کے پیر اور ٹخنے ہی

جہنّم کے اندر ہوں تو اس کی کیا حالت ہوگی؟ اور کس کے دونوں ٹخنے جہنّم کے اندر ہوں گے؟ تو سنئے! وہ مسلمان مرد جو نماز کے اندر بھی اور نماز کے باہر بھی، گھر کے اندر بھی اور گھر کے باہر بھی، دکان میں بھی آفس میں بھی فیکٹری میں بھی کارخانے میں بھی شہر میں بھی اور شہر کے باہر بھی ہر جگہ اپنی شلوار ٹخنوں سے نیچے رکھتا ہے، اس کے دونوں پیر مع ٹخنوں کے جہنّم کے اندر ہوں گے۔ یہ بخاری شریف کی حدیث سے ثابت ہے جس کی احادیث کے صحیح ہونے میں کوئی شک نہیں۔ کوئی مانے یا نہ مانے یہ باتیں بالکل برحق ہیں، کب تک ہم اس دنیا کی خاطر اپنے آپ کو جہنّم کے اندر داخل کرنے والے کام کرتے رہیں گے، سوچ لینا چاہئے! اور جو شخص سارا ہی جہنّم میں داخل ہوگا اس کا کیا حال ہوگا؟

ہماری بے حسی

سرکار دو جہاں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنّت کی بھی سیر فرمائی ہے، جہنّم کی بھی سیر فرمائی ہے اسی لئے آپ سے بڑھ کر جہنّم سے کوئی ڈرانے والا نہیں ہے، لہٰذا آپ نے اپنی امت کو جہنّم سے بہت ڈرایا ہے اور آپ نے یہاں تک فرمایا کہ میری مثال ایسی ہے کہ میں تمہیں زبردستی کھینچ کھینچ کر جہنّم سے بچاتا ہوں اور تم ہو کہ ہاتھ چھڑا چھڑا کر زبردستی جہنّم میں داخل ہو رہے ہو۔

آپ کے جہنّم سے بچانے کی کوشش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ بتا رہے ہیں کہ دیکھو فلاں فلاں کام گناہ ہیں، یہ بھی گناہ ہے یہ بھی گناہ ہے اور یہ گناہ بھی دوزخ میں لے جانے والا ہے اور یہ گناہ بھی دوزخ میں لے جانے والا ہے، یہ کام حرام ہے یہ ناجائز ہے یہ کبیرہ گناہ ہے اس سے بچو اس سے بچو، یہ سب جہنّم میں اور دوزخ میں لے جانے والے کام ہیں۔ اور باوجود سننے کے اور باوجود جاننے کے ہمارے جوں نہیں رینگتی اور پھر دیدہ دانستہ کبائر پہ کبائر کا ارتکاب کئے چلے جا رہے ہیں۔ معلوم ہے کہ یہ فعل حرام ہے، معلوم ہے کہ یہ ناجائز ہے، معلوم ہے کہ یہ خلاف شرع

ہے، گناہ کبیرہ ہے، جہنّم کا عذاب خوفناک ہے لیکن ماحول کی خاطر دوستوں کی خاطر بیوی کی خاطر بہن بھائیوں کی خاطر احباب کی خاطر اپنے آپ کو جہنّم میں داخل کرنے والے کام گوارہ ہیں۔

جہنّم کے سات دروازے

ایک مرتبہ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے دریافت کیا کہ اے جبرئیل! جہنّم کے جو دروازے ہیں وہ اسی طرح (ایک سطح پر کھلتے) ہیں جس طرح ہمارے مکانات کے دروازے ایک سطح پر کھلتے) ہیں یا اوپر نیچے کھلتے ہیں؟ تو حضرت جبرئیل امین علیہ السلام نے جواب دیا کہ دوزخ کے دروازے اوپر نیچے کھلتے ہیں اور جہنّم سات منزلہ ہے اور ہر دو منزل کے درمیان سات ہزار سال کی مسافت ہے، ہر نچلی منزل بنسبت اوپر والی منزل کے زیادہ شدید گرم ہے (اس طرح سب سے زیادہ ہولناک عذاب سب سے نچلی منزل میں ہے اس سے کم دوسری اس سے کم تیسری سب سے کم ساتویں منزل میں ہے) آپ نے فرمایا کہ اے جبرئیل! یہ ان سات منزلوں میں کون کون سے دوزخی داخل کئے جائیں گے اور رکھے جائیں گے؟ تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ جہنّم کے سب سے نیچے والی منزل میں منافقین کو ڈالا جائے گا، اس کے بعد دوسری منزل میں مشرکین کو ڈالا جائے گا، تیسری منزل میں صابیوں کو ڈالا جائے گا، قرآن کریم میں ہے: والصبئین والنصاری یہ بھی ایک کافر فرقہ گزرا ہے۔ غرضیکہ اس میں صابی ڈالے جائیں گے، چوتھی منزل میں مجوسیوں کو ڈالا جائے گا یعنی آتش پرستوں کو۔ اور مجوسیوں کا شعار ہے ڈاڑھی منڈانا، مجوسیوں کا شعار ہے موٹی موٹی مونچھیں رکھنا، اس کو بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ہم بھی ایسا کر کے کن کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ اور پانچویں منزل کے اندر یہودیوں کو ڈالا جائے گا اور چھٹی منزل میں عیسائیوں کو داخل کیا جائے گا۔ یہاں تک بیان کر کے

حضرت جبرئیل علیہ السلام خاموش ہو گئے۔ آپ نے فرمایا کہ اے جبرئیل علیہ السلام ساتویں منزل کے بارے میں آپ نے کچھ نہیں بتلایا کہ اس میں کون داخل ہو گا؟ جبرئیل امین علیہ السلام چونکہ آپ کے مزاج اقدس سے واقف تھے کہ آپ کو اپنی اُمت پر بے انتہا شفقت ہے اور ان کی ادنیٰ سی تکلیف آپ کے لئے ناقابل برداشت ہے اس لئے آگے بیان کرنے سے خاموش ہو گئے۔ دوبارہ آپ نے پوچھا کہ اے جبرئیل! ساتویں منزل کے رہنے والوں کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔تو جبرئیل امین علیہ السلام نے عرض کیا کہ حضور اگر آپ پوچھنا ہی چاہتے ہیں تو بتلاتا ہوں کہ اس درجہ میں آپ کی امت کے وہ مسلمان جو دنیا میں گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتے رہے اور پھر بغیر توبہ کئے مر گئے، ان کو اس ساتویں منزل میں داخل کیا جائے گا۔ العیاذ باللہ، العیاذ باللہ۔

آپ سنتے ہی بے ہوش ہو گئے، جب آپ ہوش میں آئے تو فرمایا کہ اے جبرئیل! تم نے میری مصیبت بڑھا دی اور میرے غم کو زیادہ کر دیا، کیا واقعی میری امت کے گناہ کبیرہ کرنے والے اس میں داخل کئے جائیں گے؟ حضرت جبرئیل امین نے عرض کیا کہ ہاں آپ کی امت کے وہ لوگ جو کبیرہ گناہوں سے توبہ نہیں کریں گے، کبائر سے نہیں بچیں گے اور توبہ نہیں کریں گے اور بغیر توبہ کیے مرجائیں گے وہ اس ساتویں منزل میں جہنم کے اندر داخل کئے جائیں گے۔ یہ سن کر آپ رونے لگے اور آپ کے ساتھ جبرئیل امین بھی رونے لگے تو آپ نے فرمایا اے جبرئیل! تم کیوں روتے ہو تم تو روح الامین ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ مجھے یہ خطرہ ہے کہ میں کسی آزمائش میں اس طرح مبتلا نہ ہو جاؤں جس طرح ہاروت اور ماروت مبتلا ہوئے تھے، مجھے اس آزمائش کے خوف نے رلایا ہے۔ پھر اللہ پاک نے وحی بھیجی اے جبرئیل اور اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے تم کو جہنم سے دور کر دیا ہے لیکن پھر بھی بے خوف نہ رہنا۔

رحمۃ للعالمین سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تو ہمارے جہنم میں جانے کے غم

سے رو رہے ہیں اور ہم کبیرہ گناہ کرنے کے عادی ہو رہے ہیں۔ اب رمضان شریف دیکھئے بالکل کنارے آلگا ہے، ہائے افسوس! ہم نے اب بھی خالص توبہ نہ کی، لہٰذا جلدی توبہ کریں۔

جہنّم کے سانپ اور بچھو

جہنّم کے بارے میں ایک روایت میں ہے کہ جہنّم کے اندر سانپ اونٹ کی گردن کی طرح لمبے اور موٹے موٹے ہیں اور بچھو خچر کی طرح ہیں یعنی خچر کے برابر بچھو ہیں اور اونٹ کی گردن کے برابر سانپ ہیں اور وہ اہل جہنّم کا تعاقب کریں گے اور ان کا پیچھا کریں گے، آگے آگے جہنّمی دوڑ رہے ہوں گے پیچھے پیچھے سانپ اور بچھو اور آخر یہ ان کو پکڑلیں گے۔ العیاذ باللہ۔ العیاذ باللہ۔ اور پیشانی کے بالوں سے دوزخیوں کو ڈسنا شروع کریں گے اور پیر کے انگوٹھے تک ڈستے چلے جائیں گے العیاذ باللہ۔ اور یہ جب کسی کے ایک مرتبہ ڈسیں گے تو چالیس سال تک اس کی تکلیف محسوس ہوگی۔

جہنّم سے حق تعالیٰ کی پناہ کا طریقہ

اس جہنّم سے ماہ رمضان میں نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگنے کی تاکید فرمائی ہے کہ رمضان شریف میں تم اللہ پاک سے جہنّم سے پناہ مانگو، جہنّم سے آزادی مانگو، جہنّم سے اپنی گردن آزاد کراؤ، اپنے گھر والوں دوست احباب عزیز و اقارب کے لئے گڑگڑا کر جہنّم سے آزادی کا پروانہ حاصل کرو۔ یہ پورا عشرہ جہنّم سے آزادی کا ہے جس کا آج یہ آخری دن اور آخری دن کا آدھا دن باقی ہے، لہٰذا جلدی توبہ کریں۔ اور توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اپنے گناہ پر دل میں شرمندہ ہو، دل میں اپنے کئے پر پچھتائے نادم ہوجائے اس کا دل دکھے کہ ہائے میں نے یہ کیسے گناہ کیا، ہائے یہ گناہ مجھ سے کیوں ہوگیا۔ پھر ندامت میں ڈوب کر رونے والے کی سی شکل بنا کر اللہ تعالیٰ سے گڑگڑائے اور اس گناہ کی معافی مانگے اور اس گناہ کو

فوراً چھوڑ دے۔ یہ بات خاص طور پر یاد رکھنے کی ہے کہ توبہ کے اندر فی الحال گناہ چھوڑنا بھی ضروری ہے۔ پھر یہ عرض کرے کہ میرے اللہ! میں عہد کرتا ہوں کہ میں یہ گناہ نہیں کروں گا، اے اللہ مجھے معاف کر دیجئے یا اللہ مجھ سے درگزر کر دیجئے! اگر آپ نے مجھے نہ بخشا تو میں کہیں کا نہ رہوں گا۔ توبہ کی اس حقیقت پر اگر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ہم نے اپنے کبائر سے مکمل توبہ کی ہی نہیں، رمضان شریف کا رحمت والا عشرہ بھی گزر گیا اور مغفرت والا عشرہ بھی گزر گیا، جہنم سے آزادی کا عشرہ کنارے لگنے والا ہے لیکن ہم اب تک اپنے گناہوں سے پوری طرح باز نہیں آئے، جو جس گناہ میں مبتلا ہے وہ زبان سے تو استغفراللہ، استغفراللہ کہتا ہے لیکن دل میں کوئی تہیہ نہیں ہے اس گناہ کو چھوڑنے کا۔ مثلاً اگر ڈاڑھی مونڈنے کا فعل حرام اور کبیرہ گناہ ہو رہا ہے تو پورا رمضان جاری ہے، رمضان کے بعد بھی ہوتا رہتا ہے تو پھر ہم نے کہاں توبہ کی؟ مونچھیں موٹی موٹی رکھنے کا اگر طریقہ اپنایا ہے تو رمضان گزرنے والا ہے لیکن ہم نے ابھی تک اس سے توبہ نہیں کی، شلوار اگر ٹخنے سے نیچے رکھنے کا فیشن اپنایا ہے تو رمضان شریف گزر رہا ہے لیکن ہماری شلواریں بدستور ٹخنوں سے نیچے چل رہی ہیں، اگر ٹی وی دیکھنے کا گناہ اپنالیا ہے اور ننگی فلمیں دیکھنے کا اپنے کو عادی بنا لیا ہے اور رمضان شریف کے لمحات میں بھی اپنے آپ کو اس لعنت سے نہیں بچایا تو پھر ہم نے توبہ کہاں کی؟ اور آخر ہم توبہ کب کریں گے اگر رمضان شریف بغیر توبہ کے گزر گیا تو جہنم تو سامنے ہے ہی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا کا خطرہ

دوسری طرف یہ خطرہ بھی ہے کہ کہیں سرکار دوعالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا نہ لگ جائے کہ جس شخص نے رمضان شریف کا مہینہ پایا اور رمضان شریف میں اپنے آپ کو گناہوں سے بچاکر اور توبہ کر کے اور فرائض و واجبات ادا کر کے اپنی بخشش نہ کرا سکا اور اللہ تعالیٰ کو راضی نہ کر سکا تو ایسا شخص

تباہ ہو جائے برباد ہو جائے اور ہلاک ہو جائے۔ اور کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق بہت سے روزہ رکھنے والے ایسے ہیں کہ ان کے روزہ کے بدلہ میں فاقہ کے سوا کچھ نہیں اور بعض (تراویح میں) رات کو جاگنے والے ایسے ہیں کہ ان کے لئے جاگنے کی مشقت کے سوا (اجر و ثواب) کچھ نہیں، اس لئے کہ انہوں نے گناہوں کو نہیں چھوڑا، کبائر سے توبہ نہیں کی، رمضان شریف آیا مگر وہ بدستور کبائر میں مبتلا رہے، رمضان شریف گزرتا رہا لیکن وہ گناہوں کے چھوڑنے کی طرف متوجہ نہ ہوئے، بعض نے تسبیح تو پڑھ لی استغفراللہ، استغفراللہ کی اور جھوٹ موٹ کچھ توبہ بھی کرلی لیکن روح نے توبہ حاصل نہیں کی۔

خالص توبہ اور چند گناہ

یاد رکھئے! اللہ پاک کے ہاں حقیقت معتبر ہوتی ہے، اللہ پاک اس کو دیکھتے ہیں کہ کس کے دل میں ہمارے گناہوں کو چھوڑنے کی نیت ہے، کس کے دل میں جذبہ ہے، کون سچے دل سے اپنے کئے پر نادم ہے، کم تولنا، کم ناپنا، جھوٹ بولنا، غیبت کرنا، بدنظری کرنا، نامحرم عورتوں کو شہوت کے ساتھ قصداً دیکھنا، عید کارڈ بھیجنا، یہ سب گناہ ہیں۔ یاد رکھئے کہ عید کارڈ بھیجنا بھی ناجائز ہے اور خصوصاً وہ عید کارڈ جس کے اندر کسی جاندار کی تصویر بنی ہوئی ہو جیسے کسی عورت یا مرد یا کسی اداکار یا کھلاڑی کی اس میں تصویر ہو، ایسے عید کارڈ خریدنا اور بھیجنا سب ناجائز ہیں، سادہ اور بغیر تصویر کا عید کارڈ بھیجنا بھی ناجائز ہے اور تصویر والے میں دوہرا گناہ ہے۔ آپ دیکھئے کہ جس نے تراویح نہیں پڑھی، روزے نہیں رکھے، وہ عید کارڈ بھیجنے کے لئے تیار ہے بلکہ بھیج بھی چکا ہوگا۔ خواتین کو دیکھئے! رمضان شریف آئے لیکن انہوں نے بے پردگی سے کوئی توبہ نہیں کی، نہ ان کے باپ نے منع کیا، نہ ان کے بھائی نے، نہ ان کے شوہر نے کہا اور نہ ان کے بیٹوں نے کہا کہ پردہ کر لیجئے، ہاں تراویح پڑھ لیں روزے رکھ لئے لیکن گناہوں کو نہ چھوڑا۔ برا نہ مانئے گا بعض لوگ ایسے بھی ہیں

کہ رمضان میں تو انہوں نے گناہوں کو چھوڑ دیا ہے اور تھوڑی سی ڈاڑھی بھی بڑھالی اور دوسرے گناہوں سے بھی کچھ تھوڑا سا اپنے کو فی الحال بچالیا لیکن دل میں یہی ہے کہ رمضان جیسے ہی گزرے گا عید کی رات ہی ڈاڑھی کٹانی ہے اور عید کی رات میں ہی وہ سارے گناہ کرنے ہیں جو رمضان المبارک سے پہلے جاری تھے۔ یہ تو بھائی اللہ پاک کو دھوکہ دینے والی بات ہے، توبہ تو اللہ تعالیٰ کے سامنے ہوتی ہے مخلوق کے سامنے نہیں ہوتی اور سچی توبہ کی علامت یہ ہے کہ انسان اس گناہ کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ دے۔ تو رمضان شریف گزرنے والا ہے اگر اب تک بھی ہم نے غفلت سے کام لیا ہے تو عرض یہ ہے کہ اب بھی کچھ وقت باقی ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوجائیں، گڑگڑالیں اور سچی توبہ کرلیں تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا سے بھی بچ جائیں اور اس ہولناک جہنم سے بھی بچ جائیں اور اپنے ظاہر کو بھی شریعت کے مطابق بنالیں، اپنے اخلاق شریعت کے مطابق اپنالیں، اپنے اعمال کو سنوار لیں اور جن کبائر میں آج دنیا ڈوبی ہوئی ہے اور ہم بھی ان میں مبتلا ہیں ان سے بچیں اور اپنی جانوں پر رحم کھائیں۔ توبہ سے انسان جہنم سے بچتا ہے اور فرائض و واجبات ادا کرنے سے جنت کا مستحق بنتا ہے۔

گناہوں سے بچنا ضروری ہے

اگر ہم نے روزے رکھ لئے ہیں، تراویح پڑھ لی ہیں، زکوٰۃ دیدی ہے، عمرہ کرلیا ہے، حج کرلیا ہے تو ایک پہلو ہم نے پورا کرلیا ہے لیکن دوسرا پہلو جو اس سے بھی اہم ہے وہ باقی ہے جس سے نہ بچنے کی صورت میں جہنم میں جانے کا شدید خطرہ ہے۔ تو خدا کے لئے اب بھی کچھ وقت باقی ہے اور میں یہ عرض کروں گا کہ آج تو عصر کے بعد مسجد میں دھرنا دے کر بیٹھ جائیں کہ یا اللہ! آج ہم آپ کے گھر سے اپنی بخشش کا پروانہ لے کر اٹھیں گے، آج ہم اپنے آپ کو جہنم سے آزاد کرکے اٹھیں گے۔ بندے کی ذرا سی ندامت اور دل میں یہ تہیّہ ہو کہ میں آئندہ یہ گناہ نہیں

کروں گا، کچھ بھی ہو جائے میں یہ گناہ نہیں کروں گا اور یہ بھی کہدیں کہ یا اللہ! اگر غلطی سے ہو بھی گیا تو پھر توبہ کرلوں گا۔ اور یہ بھی عرض کردیں کہ یا اللہ! مجھے اتنی قوت دیدیجئے اور اتنا حوصلہ عطا فرمادیجئے کہ آج کی سچی توبہ پر مرتے دم تک قائم رہوں۔ یا اللہ! میرا ماحول اور میرے دوست اعزہ اور اقرباء مجھے دوبارہ اس گناہ کی طرف مائل نہ کردیں، میں کمزور ہوں میں آپ سے مدد چاہتا ہوں۔ مگر کوئی دل سے چاہے تو سہی، دل میں ندامت تو ہو شرمندگی تو ہو۔

گناہ کو گناہ نہ سمجھنا

اب تو ہماری یہ بدترین حالت ہے کہ گناہ درگناہ کر رہے ہیں لیکن گناہ کو گناہ نہیں سمجھ رہے، جتنے گناہ میں نے آپ کے سامنے بیان کئے ہیں آپ سو آدمیوں سے پوچھیں گے تو ننانوے لوگ غالباً ایسے ہی ملیں گے جو کہیں گے کہ یہ تو کوئی گناہ نہیں ہے، یہ سب چلتا ہے۔ یہ ایمان شکن جملہ ہے، قیامت میں معلوم ہوگا کہ چلتا ہے یا نہیں۔ اسی طرح یہ جملہ کہ اس میں کیا حرج ہے یہ بھی بہت خطرناک ہے، اس میں یہی تو حرج ہے کہ دنیا کی خاطر ہم اتنے بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کریں اور رمضان بھی گزار دیں اور پھر بھی ہم تائب نہ ہوں حالانکہ اس کا انجام جہنم ہے۔ اس لئے آج عصر کے بعد دھرنا دے کر بیٹھ جائیں اور سچی توبہ کرکے اٹھیں، اور سچی توبہ کرتے ہی انشاء اللہ تعالیٰ جب ان سے مدد مانگیں گے تو وہ مدد بھی فرمائیں گے، اللہ تعالیٰ اپنی مدد مانگنے والوں کی ضرور مدد فرماتے ہیں، جب مدد مانگیں گے تو ضرور ان کی نصرت آئے گی اور انشاء اللہ تعالیٰ استقامت نصیب ہوگی اور گناہوں سے بچنا آسان ہوگا۔

گناہوں سے بچنا آسان ہے

حقیقت تو یہ ہے کہ بذات خود گناہ سے بچنا کوئی مشکل نہیں ہے، یہ سب ہم نے مشکل بنا رکھا ہے۔

جو آسان سمجھو تو آسانیاں ہیں
جو دشوار سمجھو تو دشواریاں ہیں

آخر میں حضرت مجذوب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک رباعی یاد آئی ہے وہ سناتا ہوں ؎

جو کھیلوں میں تو نے لڑکپن گنوایا
تو بدمستیوں میں جوانی گنوائی
جو اب غفلتوں میں بڑھاپا گنوایا
تو بس یوں سمجھ زندگانی گنوائی

توجّہ الی اللہ

بھائی! یہ زندگانی ختم ہونے والی ہے، نہ جانے کس وقت موت واقع ہوجائے، اس لئے ہوش میں آجانا چاہئے۔ اور اللہ پاک کو ناراض رکھنا بہت خطرناک چیز ہے، ہم میں سے کوئی بھی اللہ پاک کی ناراضگی برداشت نہیں کرسکتا اور ان کی ناراضگی گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے آتی ہے اور ان کی رضامندی فرائض و واجبات وغیرہ کے ادا کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے ہم سب یہ تہیّہ کرلیں اور عصر سے لے کر مغرب تک اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہیں، روتے رہیں، گڑگڑاتے رہیں، معافی مانگتے رہیں، شاید ہمارا یہ آخری رمضان ہو اور جس وقت یہ رمضان رخصت ہورہا ہو تو شاید ہمیں بھی مغفرت کا، بخشش کا اور جہنّم سے آزادی کا پروانہ مل جائے۔ اللہ پاک ضرور ہم پر اپنا کرم فرمائیں اور اپنے فضل سے ہم کو دوزخ سے آزاد فرمائیں اور جنّت الفردوس عطا فرمائیں۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

نکاح کا مسنون طریقہ

۱

حضرت مولانا مفتی عبد الرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب

مولانا محمد زاہد صاحب : مولانا محمد وسیم صاحب

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ط

نکاح کا مسنون طریقہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَأَشْھَدُاَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَأَشْھَدُاَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَعَلیٰ اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔

أَمَّا بَعْدُ!

فقد قال النبيِ صلى الله عليه وسلم قال: النكاح من سنتي، وقال رسولِ الله صلىِ الله عليه وسلم : فمن رغب عن سنّتي فليس مِنّي۔

نکاح بھی ایک عبادت ہے

میرے قابلِ احترام بزرگوں اور محترم خواتین! جس طرح نماز ایک عبادت ہے اور روزہ ایک عبادت ہے، حج اور زکوٰۃ ایک عبادت ہے، ایسے ہی مسلمان مرد و عورت کا نکاح کرنا بھی ایک عبادت ہے۔ اور جس طریقہ سے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کا ایک طریقہ ہے جو شریعت سے ثابت ہے، اسی طریقہ سے نکاح کرنے کا بھی ایک طریقہ ہے جو شریعت سے ثابت ہے۔ جو نکاح شریعت کے مطابق ہوگا، سنّت کے موافق ہوگا وہ نکاح عبادت ہوگا اور باعثِ اجر و ثواب ہوگا اور خیر و برکت سے بھرپور ہوگا، اور جو نکاح اور جو شادی بیاہ شریعت سے ہٹ کر ہوگا، سنّت کے خلاف ہوگا تو چاہے نکاح منعقد ہو جائے لیکن نکاح کی جو برکتیں ہیں اور اللہ پاک نے اس میں دنیا و آخرت کے جو فائدے رکھے ہیں، وہ نکاح ان سے خالی رہ جائے گا، جیسے خلافِ سنّت نماز پڑھنے سے چاہے نماز کا فرض اتر جائے، اور خلاف سنّت حج و عمرہ کرنے سے چاہے حج و عمرہ کا واجب ادا ہو جائے، لیکن سنّت سے ہٹ کر ادا کرنے کی وجہ سے اور سنّت کے خلاف عمل کرنے کی وجہ سے نماز کی نورانیت اور مقبولیت ختم ہو جاتی ہے، حج و عمرہ مقبول نہیں ہوتا، ایسے ہی وہ نکاح بھی خیر و برکت سے محروم ہو جاتا ہے۔

اس لئے ہر مسلمان مرد و عورت کو چاہئے کہ جب ان کے ہاں نکاح

کی تقریب ہو تو اپنے اس نکاح کو شریعت اور سنّت کے مطابق کرنے کی کوشش کریں، جیسے نماز ہمیں سنّت کے مطابق ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، حج و عمرہ اور ہماری دیگر عبادتیں سنّت کے مطابق ہونی چاہئیں، اسی طرح ہمارا نکاح بھی سنّت کے مطابق ہونا چاہئے۔ اور جیسے نماز کا طریقہ، حج و عمرہ کا طریقہ اور دیگر عبادتوں کے طریقے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول و ثابت ہے۔ اسی طرح نکاح کرنے کا طریقہ بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول اور ثابت ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے بھی نکاح کئے ہیں، اور اپنی بیٹیوں کے بھی نکاح کئے ہیں، صحابہ کرامؓ کے نکاح بھی پڑھائے ہیں، نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پیاری بیٹی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو جنّت میں تمام عورتوں کی سردار ہوں گی، ان کا نکاح سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کیا ہے۔ اور کس طرح کیا ہے؟ اس کا واقعہ سیرت کی کتابوں میں موجود ہے، اسی کا خلاصہ آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں تاکہ کم از کم ہمیں یہ معلوم تو ہو کہ ہمارے آقا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنّت کی عورتوں کی سردار حضرت فاطمۃ الزہراؓ کا نکاح کس طرح کیا تھا؟ اور پھر ہم بھی اس کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کریں اور اس طریقہ میں جو ہدایات و تعلیمات ہیں وہ ہمیں معلوم ہوں اور ہم ان کو محفوظ رکھیں۔

حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کا واقعہ

وہ واقعہ یہ ہے کہ جب حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا ساڑھے پندرہ سال کی ہوئیں، تو سب سے پہلے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نکاح کا پیغام دیا، اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نکاح کا پیغام دیا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی عمر زیادہ ہونے کی وجہ سے عذر فرمادیا اور معذرت کرلی کہ میری بیٹی کی عمر کم ہے اور تمہاری عمر زیادہ ہے۔

اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کی عمر اکیس سال ہوگئی تھی، انہوں نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر اس نعمتِ عظمیٰ کے عطاء فرمانے کی درخواست کی، ان کی درخواست کو سن کر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم آیا کہ یہ رشتہ منظور کرلیا جائے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست قبول فرمالی اور منگنی ہوگئی۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا اے انس! جاؤ اور ابوبکر، عمر، عثمان، طلحہ، زبیر اور انصار کی ایک جماعت کو بلا کر لاؤ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) جب یہ سب لوگ جمع ہوگئے تو نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ پڑھا، اور حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کردیا، اور مہر تقریباً چار سو درہم مقرر فرمایا، اور ایک طباق میں

تھوڑے سے چھوارے رکھ کر حاضرین کو پہنچائے، اس کے بعد حضرت ام ایمنؓ سے فرمایا کہ تم فاطمہؓ کو حضرت علیؓ کے گھر پہنچادو۔ چنانچہ حضرت ام ایمنؓ کے ہمراہ نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاتون جنّت کی رخصتی فرمادی، حضرت امّ ایمنؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کو حضرت علیؓ کے گھر پہنچاکر آگئیں۔ یہ دونوں جہاں کے سردار جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کی رخصتی ہے جو جنّت کی عورتوں کی سردار ہیں۔

اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر تشریف لے گئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا: پانی لاؤ! وہ ایک پیالہ میں پانی لائیں، آپ ﷺ نے اس کے اندر لعاب مبارک ڈالا اور فرمایا کہ ذرا سامنے ہو، پھر آپ ﷺ نے ان کے سر پر اور ان کے سینے مبارک پر کچھ پانی چھڑکا، پھر فرمایا کہ پیٹھ میری طرف کرو، پھر ان کے دونوں شانوں پر پانی چھڑکا اور پھر دعا دی کہ اے اللہ! میں ان کو اور ان کی اولاد کو شیطان مردود کے شر سے آپ کی پناہ میں دیتا ہوں۔ پھر ان سے فرمایا کہ باقی پانی تم پی لو، چنانچہ انہوں نے پانی پی لیا۔

پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ پانی لاؤ! وہ گئے اور وہ بھی پانی لے کر آئے اور اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کا کٹورا لے کر اس میں لعاب مبارک ڈالا اور ان کے سر اور سینے پر کچھ پانی چھڑکا،

لیکن پشت کی طرف دونوں شانوں کے درمیان نہیں چھڑکا اور ان کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی پینے کے لئے عطا فرمایا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گھر تشریف لے جانے کے بعد ایک پیالہ میں پانی لیا، اور قل اعوذ برب الفلق، اور قل اعوذ برب الناس پڑھ کر پانی پر دم کیا اور دونوں کے آگے پیچھے چھڑکا اور پینے کے لئے بھی فرمایا اور یہ فرمایا کہ تم اس سے وضوء کرو۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے نیک اور نصیب دار اولاد ہونے کی دعا دی، اور اچھی اچھی پاکیزہ دعائیں عطا فرمائیں، اور فرمایا کہ خیر و برکت کے ساتھ اور طہارت کے ساتھ رہو۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا جہیز

اور جہیز میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند چیزیں عطا فرمائیں، جن میں چار گدے، دو رضائی، دو چاندی کے بازو بند، ایک چادرہ، ایک تکیہ، ایک پیالہ، ایک مشکیزہ اور ایک چکی آٹا پینے کے لئے، اور ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک پلنگ بھی آپ ﷺ نے عطا فرمایا تھا، یہ چیزیں آپ ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کو ان کے جہیز میں عطا فرمائیں۔

اور آپ ﷺ نے ان کے گھر تشریف لے جانے کے بعد گھر کے اندر کے کاموں کے انجام دینے کی ذمہ داری مثلاً گھر کی صفائی و ستھرائی، کھانا پکانا، آٹا پیسنا، پانی بھرنا، حضرت بی بی فاطمہؓ کے سپرد فرمائی اور گھر سے

باہر کے کاموں کی ذمہ داری حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اوپر ڈالی کہ گھر سے باہر کے کام انجام دینا تمہاری ذمہ داری ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ولیمہ

نکاح کے بعد دوسرے دن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ولیمہ فرمایا۔ ولیمہ کے اندر چند صاع مکوہ، ایک صاع تقریباً ساڑھے تین سیر کا ہوتا ہے، اور چند جو کی روٹیاں اور کچھ کھجوریں تھیں، بس اس طریقہ سے حضرت علیؓ نے اپنا ولیمہ فرمایا۔

یہ مختصر سا طریقہ ہے اُس نکاح کا جس کے کرنے والے دونوں جہاں کے سردار ہیں، اور جس کا نکاح ہو رہا ہے وہ جنّت کی عورتوں کی سردار ہیں، اور جس کے ساتھ ہو رہا ہے وہ چوتھے خلیفہ راشد ہیں۔ تو تمام نبیوں کے سردار اپنی بیٹی کا کس سادگی کے ساتھ اور کس اختصار کے ساتھ اور کس سہولت و آسانی کے ساتھ اور کتنے معمولی مہر پر اپنی بیٹی کا نکاح فرما رہے ہیں، اور حضرت علیؓ کس سادگی کے ساتھ ہلکا پھلکا ولیمہ کر رہے ہیں، یہ وہ طریقہ ہے جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔

مذکورہ واقعہ میں ہمارے لئے ہدایات

اس میں ہمارے لئے بڑی ہدایات ہیں اور بڑی تعلیمات ہیں، اور دراصل یہ طریقہ ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔ اللہ کرے کہ ہم دل و جان

سے ان ہدایات کو اور ان تعلیمات کو سنیں اور سمجھیں اور جب اس کا موقع آئے تو ان پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔

پہلی ہدایت

سب سے پہلی بات جو اس طریقہ سے معلوم ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ جب لڑکیاں اور لڑکے بالغ ہو جائیں اور نکاح کے قابل ہو جائیں اور مناسب رشتہ مل جائے تو پھر بغیر کسی معتبر عذر کے ان کے نکاح میں تاخیر نہیں کرنی چاہئے، جلد ہی نکاح کر دینا چاہئے، بلا وجہ یا بلا عذر لڑکے یا لڑکی کو بغیر نکاح کے رکھنا مناسب نہیں، البتہ اگر کوئی معتبر عذر ہو تو الگ بات ہے۔

اور دوسری حدیثوں میں بھی اس کی تاکید و ترغیب ہے کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ جب ان کا وقت آ جائے تو ان میں تاخیر نہیں کرنی چاہئے، ان میں سے ایک نکاح بھی ہے۔ پھر جب مناسب رشتہ مل جائے تو تاخیر نہ کرو، اگر تاخیر کرو گے تو فساد پھیل جائے گا، معاشرے میں تباہی اور بربادی رونما ہو گی، اور اس کے اندر جو دینی اور دنیوی نقصانات ہیں وہ ہر عاقل و بالغ شخص کے اوپر واضح اور روشن ہیں۔

دوسری ہدایت

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ نکاح کے اندر لڑکے اور لڑکی کی

عمروں کے درمیان تناسب ملحوظ رکھنا چاہئے، لڑکے کی عمر لڑکی سے کچھ زیادہ ہونی چاہئے، جیسے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر اکیس سال اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر اس وقت ساڑھے پندرہ سال تھی، تقریباً چار پانچ سال کا فرق ہے، تو معمولی سا فرق ہو، اس کے برعکس نہیں ہونا چاہئے کہ لڑکی بڑی عمر کی ہو اور لڑکا چھوٹی عمر کا ہو، یا بہت زیادہ فرق ہو، یہ مناسب نہیں، اگرچہ کم زیادہ عمر کے ساتھ بھی نکاح جائز ہے، کیونکہ نکاح تو باہمی رضامندی کے ساتھ ہوتا ہے، اور باہمی رضامندی میں چھوٹی عمر والی لڑکی بڑے عمر کے لڑکے سے نکاح کرلے، یا چھوٹی عمر والا لڑکا کسی بڑی عمر کی عورت سے نکاح کرلے تو جائز تو ہے، لیکن ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کو دیکھیں تو اس کے اندر جو بات سمجھ میں آرہی ہے وہ بڑی اہم اور قابل قدر اور قابل توجہ ہے، لہٰذا جہاں تک ہوسکے ہم اس کے مطابق اس نیک کام کو انجام دیں، تاکہ حضور ﷺ کی سنت کا نور اس کے اندر رچ بس جائے اور اس کی برکتیں ظاہر ہوں اور وہ ہمیں حاصل ہو جائیں۔

سنت سے عُمروں کے تناسب کا ثبوت

تو دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ عمر کا تناسب بھی ہونا چاہئے اور اس کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے، چنانچہ مذکورہ واقعہ میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی آپ ﷺ کی خدمت میں رشتہ پیش کیا، لیکن ان کی عمر

زیادہ تھی، اس لئے آپ ﷺ نے ان کی درخواست قبول نہیں فرمائی حضرت عمرؓ نے درخواست پیش کی، لیکن ان کی عمر بھی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے زیادہ تھی، ان کی درخواست بھی آپ ﷺ نے قبول نہیں فرمائی، حضرت علیؓ نے درخواست پیش کی تو آپ ﷺ نے اللہ کے حکم سے ان کی درخواست قبول فرمالی۔ لہٰذا کس طریقے سے آپ ﷺ نے عمر کا جوڑ اور تناسب دیکھا، تو معلوم ہوا کہ یہ تناسب دیکھنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، اس لئے ہر مؤمن مرد و عورت کو اس کا خیال رکھنا چاہئے، لیکن جہاں کوئی مجبوری ہو یا کوئی عذر ہو تو کوئی حرج نہیں۔

تیسری ہدایت

اور تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے اپنی بیٹی کے نکاح کرنے کا وعدہ اور ان کی درخواست کس سادگی کے ساتھ قبول فرمائی، نہ خاندان جمع ہوا، نہ برادری آئی، نہ قوم آئی اور نہ کوئی لینا دینا اور کرنا دھرنا ہوا، کس سادگی اور کس اختصار کے ساتھ ذرا سی دیر میں یہ مسئلہ طے ہوگیا۔

منگنی کی حقیقت

معلوم ہوا کہ منگنی کی حقیقت اصل میں اتنی ہی ہے کہ لڑکے والے لڑکی والوں سے درخواست کرتے ہیں اور لڑکی والے اپنے اطمینان کے بعد

درخواست قبول کر لیتے ہیں، بس منگنی تو اس کا نام ہے، اس حد تک اگر کوئی منگنی کرے تو اس کے اندر کوئی خرچہ ہی نہیں، یہ بات ٹیلی فون اور خط و کتابت سے بھی طے ہو سکتی ہے، اگر دونوں گھرانے قریب ہیں تو آکر اور بیٹھ کر بھی طے کر سکتے ہیں، اس کے سوا دوسرے لوازمات کچھ بھی نہیں ہیں۔

لیکن ہمارے معاشرے میں اس میں چاروں طرف لوازمات و رسومات کی جو ایک طویل اور مضبوط دیوار حائل ہے اس کو پھلانگنا ہر ایک کا کام نہیں اور نہ ہی ہر ایک کے بس کی بات ہے، اس کا یہاں کوئی نام و نشان ہی نہیں، حضرت علیؓ آئے، انہوں نے درخواست کی، آپ ﷺ نے درخواست قبول فرمائی، بس منگنی ہو گئی۔

لہٰذا ہم حضور ﷺ کے اس نقشِ قدم کو اپنے ذہن میں جمائیں اور اس کو نقش کر کے اس سے ہٹ کر جو کچھ ہم نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے، اور انہیں ضروری قرار دے لیا ہے کہ ان کے بغیر منگنی ہو ہی نہیں سکتی، ان سے ہم اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کریں، حضور ﷺ کے نقش قدم کو چھوڑ کر وہ وہ مصیبتیں اور پریشانیاں ہم نے اپنے اوپر بڑھالی ہیں کہ جس کے نتیجے میں منگنی جو انتہائی آسان اور سہل تھی وہ کس قدر مشکل اور مصیبت بن گئی ہے۔

دو لفظوں میں منگنی اور شادی کی حقیقت

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے منگنی اور نکاح کے بارے میں ایک لفظ ایسا ارشاد فرمایا ہے کہ جس میں ہمارے اس دور کی منگنی اور شادی کی ساری حقیقت بیان ہو گئی ہے، مختصر سے دو لفظوں میں حضرت نے سب کچھ بیان کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

ہمارے زمانے کی منگنی "قیامتِ صغریٰ" ہے اور شادی "قیامت کبریٰ" ہے۔

ہمارے زمانے کی شادی بیاہ اور منگنی کا نقشہ کھینچنے کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی لفظ نہیں ہو سکتا، یہ منگنی قیامت بنی ہوئی ہے، اس میں اتنی رسمیں اور خرافات اور اس قدر نمود و نمائش اور پھر ان سے بڑھ کر بڑے بڑے کبیرہ گناہوں کا ارتکاب اور طرح طرح کی پابندیاں اور لوازمات پائے جاتے ہیں کہ نماز و روزہ سے بڑھ کر وہ ضروری ہیں، کوئی نماز نہ پڑھے، روزہ نہ رکھے، حج نہ کرے، زکوٰۃ نہ دے، کوئی پوچھنے والا نہیں، لیکن اگر منگنی کی ان رسموں کو انجام نہ دیا جائے اور ان کی خانہ پوری نہ کی جائے تو جناب لعن وطعن کی بارش شروع ہو جاتی ہے، طعن و تشنیع سے آدمی کا جینا دوبھر کر دیا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسی مصیبت ہم نے بنالی کہ واقعی جیسے حضرت نے فرمایا کہ قیامتِ صغریٰ ہے، یہ بات حقیقت ہے۔ اس کے مقابلہ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح آسانی اور سادگی سے اپنی چہیتی کی منگنی فرمائی،

یہ بھی ہم دیکھ لیں۔

نکاح کا پیغام کون دے؟

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نکاح کا پیغام لڑکے والوں کو دینا مناسب ہے کہ لڑکے والے لڑکی والوں کو پیغام دیں اور لڑکی والے اس کو قبول کریں، اور اس کے برعکس بھی جائز ہے کہ لڑکی والے لڑکے والوں کو پیغام دیں۔ مگر مذکورہ واقعہ میں طریقہ دیکھئے کہ حضرت علیؓ خود درخواست لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آرہے ہیں اور حضور ﷺ بیٹی والے ہیں اور آپ ﷺ ان کی درخواست قبول فرمارہے ہیں۔ کرنے والے کون ہیں؟ کس کا نکاح ہو رہا ہے؟ کس سے ہو رہا ہے؟ یہ سب دیکھتے چلے جائیں، یہ ہیں ہمارے رہبر اور رہنما اور یہی ہمارے اصل طریقے ہیں جس میں دنیا و آخرت کی نجات ہے۔ اس لئے اسی طریقہ کو اختیار کریں، اور اس سے ہٹ کر آج کل ہم جو کچھ کر رہے ہیں اس سے اپنے آپ کو بچائیں۔ خصوصاً جو حرام اور ناجائز کام اور ناجائز اور خلاف شرع رسمیں اس کے اندر پائی جاتی ہیں، ان سے اپنے آپ کو ضرور ہی بچانے کی کوشش کریں۔

نکاح میں کن لوگوں کو بلایا جائے؟

اس کے بعد سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص خاص صحابہ

کرامؓ کو بلایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ نکاح کے موقع پر اپنے بہت ہی قریبی اور خاص خاص احباب کو بلانا چاہئے اور ان کے بلانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اب وہ خاص چاہے رشتہ کے اعتبار سے ہوں، یا پڑوس کی وجہ سے ہوں یا محبت و تعلق کی وجہ سے ہوں یا دوست و احباب ہوں۔ اور اس میں بنیادی مقصد یہ ہے کہ اس نکاح کا اعلان ہو جائے اور ان سب کے علم میں آ جائے کہ فلاں کا نکاح فلاں کے ساتھ ہو گیا ہے، یہ اس کا مقصودِ اصلی ہے، یہ نہیں کہ یہ اتنا بڑا اور اتنا اہم خوشی کا موقع ہے، اگر ہم اس کے اندر دوسروں کو نہیں بلائیں گے تو انہیں گلہ شکوہ ہو گا اور وہ روٹھیں گے اور ان کو منانا پڑے گا، لہٰذا اس موقع پر ان کو بلانا بہت ضروری ہے، ان کے بغیر تو نکاح ہو ہی نہیں سکتا، یہ کوئی تصور نہیں بلکہ صحیح تصور اور تعلیم یہ ہے کہ یہ موقع نکاح کے اعلان کا ہے اور اس اعلان کی زیادہ ضرورت خاص خاص لوگوں کو ہے جو ہر دم کے ساتھی اور ہر وقت ان کی آمدورفت رہتی ہے اور ملتے جلتے رہتے ہیں تاکہ ان کے علم میں آ جائے کہ کس لڑکی کا نکاح کس لڑکے کے ساتھ ہوا ہے اور وہ بے فکر ہو جائیں۔

مسجد میں نکاح کرنا مستحب ہے

اس لئے مسجد کے اندر نکاح کرنا مستحب ہے کہ مسجد کے اندر اعلان زیادہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اپنے خاص خاص احباب کو بلانے میں جن کے آنے میں پریشانی نہ ہو، کوئی تکلیف نہ ہو، دشواری نہ ہو، بس وہی کافی ہیں، لہٰذا جو

بہت ہی دور دور کے رشتہ دار ہیں، یا دوسرے شہروں کے اندر رہتے ہیں یا ہماری صرف ان سے سلام دعاء ہے، انہیں بلانے کی ضرورت نہیں۔ لہٰذا نکاح کے موقع پر یہ جو سمجھا جاتا ہے کہ جتنے بھی خون کے رشتے ہیں، چاہے ان کا تعلق باپ دادا پردادا سے ہو، یا نانی پر نانی سے ہو، ان سب ہی کو بلانا ضروری ہے، اور جتنے بچپن سے لے کر اب تک کے شناسا ہیں، جو کہ کبھی کسی محلّہ یا مکان میں رہتے تھے، وہاں کے پڑوسی پھر ان کے پڑوسی، اور اگر کسی راستہ میں بازار میں کسی سے سلام دعاء ہوگئی تو ان کو کارڈ بھیجنا بھی ضروری ہے، حیثیت سو آدمیوں کو بلانے کی نہیں ہے اور دعوت ہزار آدمیوں کی ہے۔ اور اس کے لئے بڑے لمبے لمبے اخراجات، لمبے لمبے سودی قرضے اور رشوتیں لی جاتی ہیں بھیک جمع کی جاتی ہے، اور جمع کر کے سب کو بلانا ضروری سمجھ کر ان کو دعوت دی جاتی ہے۔ یہ سب کچھ غلط ہے جس سے بچنا لازم ہے۔

لسٹوں کی تیاری

چنانچہ اس کے لئے گھروں کے اندر لسٹیں بنتی ہیں، ایک لسٹ بنی وہ کینسل، دوسری بنی وہ کینسل، تیسری بنی وہ کینسل، مہینوں لسٹ بننے میں لگتے ہیں، اس لئے کہ زبانی سب کہاں یاد رہتے ہیں، ایک دوسرے سے رابطے کئے جاتے ہیں، جہاں کہیں شادی ہوئی ہوتی ہے تو ان سے لسٹیں مانگی جاتی ہیں کہ آپ نے کس کس کو بلایا تھا، تو اس طریقہ سے چلتے ہوئے مسافر کو

بھی دعوت دے دی جاتی ہے، اسی طرح جو دکان دار دکان پر بیٹھا ہے اور اس کے جو گاہک ہیں، ان کو بھی دعوت دی جاتی ہے۔ یہ سب غیر ضروری باتیں ہیں اور سب غلط طریقے ہیں جن کو ہم نے اپنے اوپر لاد لیا ہے، اور جس نکاح کا طریقہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سستا، ہلکا، آسان، اور خیر و برکت سے بھرپور ہمیں عطا فرمایا تھا، اس طریقہ کو ہم نے پسِ پشت ڈال دیا، اور ہم نے اس کو انتہائی مشکل، انتہائی مہنگا اور مصیبتوں سے بھرپور، اور نمود و نمائش کے لباس سے اس کو آلودہ کر کے اختیار کر لیا۔

حضور ﷺ نے کن لوگوں کو بلایا تھا؟

نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ابو بکر، عمر، عثمان، طلحہ، زبیر، اور انصار (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کی ایک جماعت کو بلایا تھا، جب وہ آگئے تو آپ ﷺ نے ان کے سامنے خطبہ پڑھا اور نکاح کر دیا، بس یہی تعلیم ہمیں حاصل کرنی چاہئے۔

شادی کارڈ کی حقیقت

شادی کی اطلاع کیلئے کارڈ چھپوانے کی بھی زیادہ ضرورت نہیں، اگر ضروری ہو تو معمولی درجہ کا کارڈ چھپوالیں، شادی کارڈ کے اندر لوگ بڑے پیسے خرچ کرتے ہیں، بہت مہنگا بناتے ہیں، ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں روپے خرچ کرتے ہیں، حالانکہ اسکا حاصل صرف اطلاع دینا ہے، جس گھر میں آیا

پڑھا اور ایک طرف رکھ دیا، بنانے والے تو یہ سمجھتے ہیں کہ یادگار رہے گا، لیکن ذرا سوچیں کون یاد کرتا ہے؟...... دوسرے دن جب ولیمہ ختم، کارڈ سارے کے سارے ٹوکری میں چل دیئے، اور لاکھوں روپے ضائع ہو گئے۔

شادی کارڈ کے بارے میں حضرتؒ کا طریقہ

اس بارے میں ہم نے سیدی حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بڑا پیارا طریقہ دیکھا، کہ حضرتؒ کا جو لیٹر پیڈ تھا، اس پر حضرت نے نکاح کے دعوت نامہ کا خود مضمون تحریر فرمایا اور اس کی فوٹو کاپی کروا کر یا کسی پریس میں دے کر مناسب انداز میں چھپوا کر سادے لفافہ میں رکھ کر دے دیا، خرچ بھی زیادہ نہیں ہوا، اور مقصد بھی حاصل ہو گیا۔ تو حضرت کے اس عمل میں آسانی ہی آسانی ہے، اور اس طریقے سے یہ کام بسہولت انجام دیا جا سکتا ہے، یا وقت پر اپنے خاص خاص احباب کو تحریری طور پر یا ٹیلی فون پر یا زبانی اطلاع دے دی جائے اور مسجد میں نکاح رکھ لیا جائے۔

مقدار مہر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح میں ۴ سو درہم مہر مقرر فرمایا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم عورتوں کا مہر زیادہ نہ بڑھاؤ، اس لئے کہ زیادہ مہر عورتوں کے اندر اگر کوئی خیر کی بات ہوتی، بھلائی کی چیز ہوتی، یا کوئی عزت کی چیز ہوتی اور آخرت کے اعتبار سے کوئی تقویٰ کی بات

ہوتی تو اس کے سب سے زیادہ مستحق سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

مہر فاطمی کی حقیقت اور اس کی اہمیت

لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں اور بیٹیوں کا مہر ۱۲ اور ۱۳ اوقیہ چاندی سے زیادہ مقرر نہیں فرمایا۔ اور ایک روایت میں ساڑھے بارہ اوقیہ بھی ہے۔ اور ساڑھے بارہ اوقیہ چاندی کے پانچ سو درہم بنتے ہیں، اور درہم چاندی کا ہوتا ہے اور ایک درہم تین ماشہ ۱/۵ ۱ کے برابر ہوتا ہے، اس طرح پانچ سو درہم کا حساب تولہ ماشہ کے اعتبار سے ایک سو اکتیس تولہ تین ماشہ چاندی بنتی ہے۔ یہ وزن مہر مسنون ہے اور اسے مہر فاطمی بھی کہتے ہیں، اور یہ وہ مہر ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں اور بیٹیوں کا مقرر فرمایا، لہذا ہو سکے تو یہ مسنون مہر سنت کی نیت سے مقرر کرنا اچھا ہے، جب بھی کسی کا نکاح ہو تو وہ اپنے نکاح کے اندر مہر فاطمی یعنی ۱۳۱ تولہ تین ماشہ چاندی مقرر کر سکتا ہے۔

مہر کی ادائیگی کس طرح کریں؟

ادائیگی میں اختیار ہے جس طرح چاہیں کرلیں، چاہیں تو چاندی کا وزن دے دیں، یعنی چاہیں تو اتنی مقدار چاندی مہر میں دے دیں، یا جو ادائیگی کا وقت مقرر ہو اس وقت چاندی کی جو قیمت بنتی ہو وہ ادا کر دیں۔

مہر کی کم از کم مقدار اور زیادہ کی حد

شریعت میں کم از کم مہر کی مقدار دس درہم مقرر ہے جس کی مالیت دو تولہ ساڑھے سات ماشہ چاندی بنتی ہے، اور زیادہ کی شریعت میں کوئی حد مقرر نہیں، بس مہر اتنا ہی ہونا چاہئے کہ جس کو شوہر آسانی کے ساتھ ادا کر سکے، اور اس کی نیت بھی ادا کرنے کی ہو، اور وہ ادا کرنے کی استطاعت بھی رکھتا ہو۔

فخر کے طور پر زیادہ مہر مقرر کرنا

لہٰذا فخر کے طور پر اور دکھاوے کے طور پر، نمائش کے طور پر بڑی بڑی رقمیں جو مہر کے اندر مقرر کی جاتی ہیں، یاد رکھئے! مقرر کرنے سے وہ واجب ہو جاتی ہیں اور ریاکاری کا گناہ الگ ہوتا ہے اور ادا نہ کرنے کی نیت کا گناہ الگ ہوتا ہے، چنانچہ اگر پانچ لاکھ یا دس لاکھ مہر مقرر کریں گے تو وہ واجب ہو جائیگا، اور پھر وہ ادا کرنا پڑے گا۔ اور اتنی بڑی مقدار اگر اس لئے مقرر کی تاکہ برادری میں میرا نام روشن ہو کہ فلاں کے مہر کی اتنی بڑی رقم تھی کہ آج تک کسی کا اتنا مہر مقرر نہیں ہوا، یہ ریاکاری اور دکھاوا ہو گیا، اور ریاکاری حرام ہے، ناجائز ہے اور گناہ کبیرہ ہے۔ گناہ بھی ہوا اور مقررہ مہر واجب بھی ہوا، اور اگر پوچھیں کہ بھائی اتنا مہر کیوں مقرر کیا؟ تو کہتے ہیں کہ دیتا کون ہے، نام ہو گیا اور کیا چاہئے، نہ کوئی دیتا ہے نہ مانگتا ہے، اللہ بچائے۔

مہر نہ دینے پر وعید

ایک حدیث میں آتا ہے کہ جس آدمی نے مہر مقرر کیا اس حال میں کہ اس کے مہر دینے کی نیت نہیں تھی، تو اللہ بچائے اس کو بدکاری کا گناہ ہوگا اور وہ بدکار کہلائے گا۔

مہر معاف کرانے کے دو موقعے

اور پھر ایسے ہی لوگوں کے بارے میں سننے میں آتا رہتا ہے کہ وہ پہلی ہی رات میں اپنی بیوی سے اپنا مہر معاف کرا لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پہلے آپ میرا مہر معاف کریں بعد میں آپ سے ملاقات کر سکوں گا۔

مرد ہو کر بیوی سے مہر معاف کرانا بڑی ہی بے غیرتی اور بے حیائی کی بات ہے، مردانگی تو یہ ہے کہ پانچ لاکھ مقرر ہو تو دس لاکھ ادا کرے، بہادری تو اس کا نام ہے، نہ یہ کہ پانچ لاکھ مہر بندھوالیا اب پانچ ہزار دینے کی طاقت نہیں، اب بیوی سے معافی مانگ رہے ہیں کہ مہر بہت زیادہ ہے، شاید معاف کر دے، یہ بات مردانگی اور غیرت کے خلاف ہے۔

مذکورہ معافی معتبر نہیں

دوسرے اگر اس نے مجبور ہو کر یا لحاظ میں آکر یا شرم کی وجہ سے معاف کر بھی دیا تو وہ مہر معاف نہیں ہوگا، بعد میں دینا پڑے گا۔ ایک تو اس

موقع پر لوگ اپنا مہر معاف کراتے ہیں۔ لہٰذا اس موقع پر مہر کی معافی معتبر نہیں۔

دوسرا موقعہ

اور ایک موت کے وقت معاف کراتے ہیں، جب کسی کے شوہر کا انتقال ہو گیا اور زندگی میں اس نے مہر ادا کرنے کی فکر نہیں کی، اور ہزاروں لاکھوں روپے کا مہر اپنی گردن پر لے گیا، تو جب اس کی میت گھر سے نکلنے لگتی ہے تو عورتیں اس کی بیوہ سے کہتی ہیں کہ اری مہر معاف کر دے ورنہ یہ کہاں اپنے سر پر بوجھ لے کر جائے گا، اس وقت انکار کرنا بھی بڑی بے شرمی کی بات ہوتی ہے، لہٰذا اس وقت وہ مجبور ہو کر، بادلِ نخواستہ اور عورتوں کے جبر اور زبردستی کی وجہ سے بے چاری معصوم بیوہ اپنا مہر معاف کر دیتی ہے، اس وقت بھی مہر کی معافی معتبر نہیں۔

مہر کب معاف ہوتا ہے؟

مہر اس وقت معاف ہوتا ہے جب عورت خوش دلی سے اور اللہ کے واسطے معاف کر دے، پھر معاف ہو جاتا ہے۔

لیکن غیرت مند شوہر کے لئے اس طرح کی معافی کا قبول کرنا گوارہ نہیں ہو سکتا، مرد کی مردانگی یہ ہے کہ وہ پورا پورا مہر ادا کرے، یا پھر مہر مقرر کرتے وقت نام و نمود سے پرہیز کرے اور اتنی مقدار مقرر کرے کہ

جتنی مقدار ادا کرنے کی اس میں طاقت اور مالی استطاعت ہو اور جس کو وہ آسانی سے ادا کر سکے جو کم از کم تقریباً پونے تین تولہ چاندی ہو یا اس سے بڑھ کر ہو مگر حسب حیثیت ہو، بہتر یہ ہے کہ مسنون مہر کے مطابق ہو۔

اور اگر کسی خاندان میں اس سے زیادہ کا رواج ہو تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں، البتہ ہر حال میں مہر کی ادائیگی ہونی چاہئے، چاہے فی الحال ادائیگی ہو، یا جب باہمی رضامندی سے اس کی ادائیگی طے ہو جائے۔

چنانچہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر کی تعلیم میں اعتدال ہی اعتدال ہے، آپ کا مقرر کردہ مہر نہ زیادہ اور نہ کم بلکہ مناسب اور بالکل درمیانہ ہے۔

صراطِ مستقیم کی تعبیر اعتدال کے ساتھ

اور اعتدال اسلام کی روحِ رواں ہے اور اعتدال ہی صراطِ مستقیم ہے۔ اور صراطِ مستقیم کی تعبیر اعتدال کے ساتھ فرمانا یہ حضرت عارف باللہ ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنی تھی، کئی مرتبہ فرمایا کہ ہم ہر نماز میں صراطِ مستقیم کہتے ہیں، معلوم بھی ہے کہ صراطِ مستقیم کسے کہتے ہیں؟

فرمایا صراطِ مستقیم راہِ اعتدال کا نام ہے، اور یہ ہم ہر نماز کی ہر رکعت میں کہتے ہیں۔ اور ان میں کیوں کہتے ہیں؟ اس لئے کہتے ہیں کہ زندگی کے ہر موڑ پر اعتدال درکار ہے، شادی ہو، غمی ہو، ملازمت ہو، تجارت ہو، تفریح ہو، جہاں بھی ہوں جس حال میں بھی ہوں، جس شعبہ زندگی میں

ہوں، ہر جگہ ہر مسلمان مرد و عورت کا اعتدال پر عمل کرنا صراطِ مستقیم ہے، اور ہر آدمی کو تمام شعبہ زندگی میں اعتدال نصیب ہو جائے تو سمجھو وہ کامیاب و کامران ہے، اور آج کل ایک جگہ اعتدال ہے اور دوسری جگہ اعتدال نہیں، تو یہ بے اعتدالی ہے۔

مہر شرع محمدی ½۳۲ روپے کی حقیقت

اس سلسلے کا ایک گناہ اور بھی ہے، وہ یہ کہ ہمارے معاشرے کے اندر مہر کی ایک صورت اور بھی ہے جو بڑی مشہور و معروف ہے جس کو ساڑے بتیس روپے مہر شرع محمدی کہا جاتا ہے، اور بڑے ہی اہتمام سے اس کو مقرر کیا جاتا ہے۔ اس کو فی الحال مہر شرع محمدی کہنا بالکل غلط ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ شریعت میں مہر کی جو کم سے کم مقدار مقرر ہے وہ پونے تین تولہ چاندی ہے، اور آج کل چاندی تقریباً ۸۰ روپے تولہ ہے، جس کے تقریباً ۲۲۵ روپے بنتے ہیں، اب اگر کوئی شریعت کے مطابق کم از کم مقدار پونے تین تولہ چاندی بھی مقرر کرے تو اس کے بھی تقریباً سوا دوسو روپے بنتے ہیں، ساڑھے بتیس روپے تو کسی صورت میں نہیں بنتے۔ اور مہر مسنون جو کہ ۱۳۱ تولہ تین ماشہ چاندی ہے، یہ وزن ۵۰۰ درہم کا ہے جس کو مہر فاطمی کہتے ہیں اور مہر مسنون بھی اسی کو کہتے ہیں، یہ تقریباً ۱۲، ۱۳ ہزار روپے کا بنتا ہے، یہ مہر بہت ہی درمیانہ اور معتبر ہے، اس سے زیادہ بھی مہر ہو سکتا ہے جتنا کہ شوہر بغیر چہرہ کے تیور بدلے آسانی سے بخوشی ادا

کر سکے اور اس کو بیوی سے معافی نہ مانگنی پڑے۔ چاہے وہ ایک لاکھ ہو یا ۲۰ لاکھ، لیکن جو جتنا مقرر کرے گا وہ واجب ہو جائے گا، تو ساڑھے بتیس روپے کا کوئی ثبوت نہیں اور اس کی کوئی بنیاد نہیں۔

بس اتنا کہہ سکتے ہیں کہ پہلے کسی زمانے میں جب چاندی بہت سستی ہوگی دس بارہ روپے تولہ، تو اس زمانے میں ممکن ہے کہ کسی نے مہر شرع محمدی ساڑھے بتیس روپے مقرر کیا ہوگا، یا اتنی سستی ہوگی کہ ۱۳۱ تولہ تین ماشہ چاندی ساڑھے بتیس روپے میں آ جاتی ہوگی، تو اس زمانہ کی حد تک اس کو مقرر کرنا درست ہو سکتا تھا، لیکن آج کل یہ مہر شرع محمدی نہیں، اور اگر کوئی مقرر کرے گا تو اسے پونے تین تولہ چاندی کے پیسے جس کے آج کل تقریباً سوا دو سو روپے بنتے ہیں، دینا واجب ہونگے۔ لہٰذا جہاں کہیں یہ مہر باندھا جاتا ہو، ہرگز ہرگز نہیں باندھنا چاہئے، اور مہر فاطمی بھی صرف مسنون ہے، فرض و واجب نہیں، لہٰذا اگر کسی کی حیثیت اس کے ادا کرنے کی نہ ہو اور وہ پانچ ہزار مقرر کرنا چاہے تو وہ بھی جائز ہے۔ بہرحال شوہر اور بیوی دونوں کی حیثیت دیکھ کر مہر مقرر کرنا چاہئے۔

چھواروں کی تقسیم

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین کے پاس کچھ چھوارے طباق میں ڈال کر بھیجے تاکہ حاضرین ان کو لے لیں، چنانچہ اگر حاضرین میں کچھ چھوارے تقسیم کر دیئے جائیں تو اچھا ہے، اس سے خوشی کا

اظہار ہوتا ہے۔

ہماری بے اعتدالی

لیکن ہمارے زمانہ میں چھواروں کے ساتھ کچھ اور چیزیں بھی چپک گئی ہیں، جیسے چنگم چپکتی ہے ایسے کچھ اور چیزیں بھی اس کے ساتھ چپک گئی ہیں اور ان کا چپکانا ہنگامے سے خالی نہیں، خالی چھواروں کی تقسیم آج بھی انتہائی پرسکون ہو سکتی ہے اگر ان کو اوپر لٹایا نہ جائے بلکہ ویسے ہی لوگوں میں تقسیم کر دیا جائے، کیونکہ صرف چھواروں کی لوگوں کے دلوں میں اب خواہش کم ہو گئی ہے وہ طلب و تڑپ نہیں رہی، بس خاموشی سے چپکے چپکے ہر آدمی لے لیتا ہے۔

مسجد کی بے حرمتی

اور اگر اس میں کچھ اور جیسے پان چھالیہ، ٹافیاں، اور سپاریاں بھی اس کے اندر بھری ہوئی ہیں تو پھر مسجد کیا، پھر وہ ایک کھیل کا میدان ہے، اس میں ایسی لوٹ مار اور چھینا جھپٹی ہوتی ہے کہ الامان والحفیظ، اور اس چھینا جھپٹی میں مسجد اور ایک دوسرے کی بے حرمتی ہوتی ہے، کبھی تھیلیاں پھٹ رہی ہیں اور کبھی تھیلا پھٹ رہا ہے، کبھی آدمی کا سر پھٹ رہا ہے، ایک طرح کا ہنگامہ ہوتا ہے، اللہ بچائے، ذرا سا سنت سے ہٹے اور کیسی کیسی مصیبتوں میں مبتلاء ہو گئے، بچے بھی، بوڑھے بھی، جوان بھی سارے ہی اس کی طرف

لپک جاتے ہیں اور ایسے لپکتے ہیں کہ معلوم نہیں کتنے دن کے بھوکے تھے اور آج پہلی مرتبہ ان کے سامنے یہ چیز آئی ہے، اللہ بچائے بانٹنے والے اور لینے والے دونوں مصیبت میں مبتلاء ہیں، بھائی ایسی مصیبت اپنی طرف سے بڑھائی کیوں؟ کس نے کہا تھا اس کو بڑھاؤ؟

محض اپنے فخر کے لئے، نام کے لئے، بڑائی کے لئے، تاکہ معلوم ہو کہ ہمارے یہاں شادی ہوئی تھی اور اس میں یہ چیز بٹی تھی۔ اور ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ تمہارے یہاں شادی ہوئی تھی اس میں تھیلی میں کیا کیا ڈالا گیا تھا، اگر اس نے پانچ چیزیں ڈالی تھیں تو اگلا سات ڈالے گا، اور پھر اگلا نو ڈالے گا، یعنی اس میں بھی مقابلہ بازی ہو رہی ہے، اور جس کی زیادہ موٹی تھیلی اور زیادہ خوبصورت اور زیادہ رنگین بٹوہ اس کی تقسیم میں زیادہ مصیبت اور پھر وہ سب کو دکھاتا پھرے گا، اور سب ایک دوسرے کو دکھائیں گے، یہ سب کچھ کیا ہے؟ نام و نمود ہے، دکھاوا اور نمائش ہے، اس دکھاوے اور نمائش سے تو کچھ نہیں ہوتا۔

دیکھئے! چھواروں سے آگے بڑھتے ہی فتنہ ہو گیا، اب مسجد میں جاؤ وہاں مصیبت، کہیں اور جگہ جاؤ وہاں پریشانی، اور بے حرمتی الگ ہو رہی ہے، لوگ ان کے چھلکے اور گٹھلیاں وغیرہ مسجد میں ہی ڈال دیتے ہیں، حالانکہ جب آئے تھے تو مسجد صاف ستھری تھی، جب گئے تو معلوم ہوا کہ گندی ہو گئی، دریاں بھی خراب، قالین بھی خراب، اور فرش بھی گندا، جگہ جگہ بنیوں وغیرہ کے ریزے بکھرے ہوئے ہیں، گٹھلیاں پڑی ہوئی ہیں،

مسجد کی یہ بے حرمتی کیسے گوارہ کی جاسکتی ہے؟ اور کسی مسلمان کا اپنے نکاح میں اس طرح مسجد میں گندگی کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے؟ پھر ایسے نکاح میں کیسے خیر و برکت آسکتی ہے جس میں خانہ خدا کو پامال کر دیا گیا ہو اور اس کو گندا کر دیا گیا ہو۔

حضرت فاطمہؓ کی رخصتی

اس کے بعد حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رخصتی دیکھئے! اس میں کس قدر سادگی اور اختصار ہے، حضرت امّ ایمنؓ حضرت بی بی فاطمہؓ کو لے کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر تشریف لے گئیں اور ان کو وہاں پہنچا دیا۔ معلوم ہوا کہ شادی اور رخصتی میں اختصار کرنا چاہئے، اس کے ساتھ کسی دھوم دھام کی ضرورت نہیں، شور شرابے اور نمود و نمائش کی ضرورت نہیں، اختصار اور سادگی کے ساتھ بیٹی کو دلہا کے گھر پہنچا دو۔

ہمارے یہاں کا طریقہ

لیکن ہمارے یہاں دیکھئے کہ اس کے پیچھے کتنا بڑا ہنگامہ ہے، اور جب تک ہال نہ ہو اس وقت تک رخصتی ممکن نہیں، لہٰذا آج کل کے زمانہ میں بیٹی کی رخصتی کے لئے ہال کا ہونا بھی شرط ہے، وہ تو شکر ہے کہ گورمنٹ نے کھانے پر پابندی لگادی تو کچھ معاملہ ہلکا ہو گیا ورنہ پوری برات اور برادری کی دعوت بھی ضروری سمجھی جاتی ہے، بصورتِ دیگر نکاح کا تصور ہی نہیں،

اگر کوئی اس طرح کر بھی لے تو لعن و طعن کی ایسی بارش ہوتی ہے کہ انسان کا زندگی گزارنا اور برادری میں بیٹھنا مشکل ہو جاتا ہے، جبکہ مذکورہ واقعہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹی کی شادی پر دعوت نہیں فرمائی، بیٹی کی شادی کی دعوت کا یہاں کہیں ذکر نہیں، صرف حضرت علیؓ نے ولیمہ کیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف بیٹی کو رخصت فرمایا ہے۔

بیٹی کی شادی کی دعوت سنّت سمجھ کر کرنا غلط ہے

اس لئے علماء کرام نے فرمایا کہ بیٹی کی شادی کی دعوت ولیمہ کی طرح سنّت سمجھ کر کرنا غلط اور ناجائز ہے، اور یہ سمجھنا کہ یہ ضروری ہے اور اس کے بغیر ہم اپنی بیٹی کو رخصت کر ہی نہیں سکتے، اور جب تک اس کی دعوت نہ ہو اور سب لوگوں کو نہ بلایا جائے اور دھوم دھام سے نہ ہو، چاہے حیثیت بھی نہ ہو لیکن وہ ضروری سمجھتے ہیں، تو ضروری سمجھ کر کرنا بھی صحیح نہیں، یہ بھی غلط ہے۔

البتہ یہ گنجائش ہے کہ حسبِ استطاعت جو خاص خاص عزیز و اقارب ہوں ان کو بلالیا جائے، اور جب اپنے گھر میں بلایا جائے گا تو کھانا بھی کھلایا جائے گا، اس طرح یہ ان کی مہمان نوازی ہوگی، وہ بھی کھالیں گے، بچی اور گھر والے بھی کھالیں گے، کھانے کے بعد بچی کی رخصتی ہو جائے گی۔

لیکن یہاں تو لڑکے والوں سے پوچھا جاتا ہے کہ آپ کے کتنے آدمی آئیں گے، اور بعض اوقات تو وہ خود ہی لسٹ بھیج دیتے ہیں کہ کم از کم پانچ

سو افراد ہمارے ہوں گے، اور ہزار لڑکی والوں نے بلا رکھے ہیں، اب ڈیڑھ ہزار آدمیوں کا کھانا کوئی معمولی بات ہے؟ اور اگر یہ نہ ہو تو پھر نکاح نہیں ہو سکتا، رخصتی نہیں ہو سکتی۔

یہ جو لمبے لمبے خرچے ہم نے اپنی طرف سے بنالئے ہیں، یہ سراسر ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا ہوا ہے، زیادتی کر رکھی ہے، جس کی وجہ سے شادی بیاہ کے مسائل کو ہم نے خود ہی مشکل سے مشکل بنالیا ہے۔ بہر حال دیکھ لیجئے کہ حضور اکرم ﷺ کی صاحبزادی آپ ﷺ کے گھر سے کس طرح رخصت ہو رہی ہیں، اس بات کو ہم یاد رکھیں۔ اگر بیٹی کے لئے کچھ کرنا ہی ہے تو مختصر سے مختصر اور کم سے کم، بس اپنے خاص خاص عزیز و اقارب اور اپنے گھر کی حد تک اور دو چار پڑوسیوں کی حد تک محدود رکھیں، جس کے لئے کوئی لمبا چوڑا انتظام کرنے کی ضرورت نہیں، اور یہ بھی وہ کرے کہ جس میں استطاعت ہو، جس کی یہ بھی استطاعت نہیں اس کے لئے یہ بھی کوئی ضروری نہیں۔

قیامت کبریٰ

بہر حال، آج ہم نے اپنے ذہنوں کے اندر شادی بیاہ کے لئے رائج الوقت رسومات و لوازمات کے ساتھ جو ایک معیار مقرر کرلیا ہے اپنے ماحول اور اپنے معاشرہ کے اعتبار سے اور پھر اس معیار کے مطابق امیر و غریب سارے کے سارے پابندی کرنے والے ہوگئے ہیں، یہ ایک قیامت

کبریٰ ہے اور یہ ایک بڑی آفت و مصیبت ہے، اب غریب آدمی اتنا روپیہ کہاں سے لائے، یا تو اس کی بیٹی گھر بیٹھے بیٹھے بوڑھی ہو جائے اور وہ اس غم میں مر جائے اور ہارٹ فیل ہو جائے، یا پھر وہ معاشرہ میں بھیک مانگے، زکوۃ و خیرات مانگے، فطرہ مانگے، اس طریقہ سے وہ پیسے اکٹھے کرے تاکہ کسی طریقہ سے وہ معاشرہ کا پیٹ بھر سکے، اور ان کی رسمیں پوری کر سکے، اور ان کے مقرر کردہ معیار کو کسی طریقہ سے پورا پورا ادا کر سکے، اللہ بچائے۔

معوّذتین کی سنّت

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ الناس اور سورۃ الفلق پڑھنے کا عمل فرمایا، لہٰذا اگر کسی کی بیٹی کی شادی ہوئی ہو، اور اس سے پہلے داماد سے بے تکلف ہوں جیسے بھائی بھائی کے بیٹا اور بیٹی ہوتے ہیں، تو یہ لوگ محرم بھی ہوتے ہیں اور بے تکلفی بھی ہوتی ہے تو اس موقع پر یہ سنت بھی ادا کر دینی چاہئے جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل فرمایا، اگر ہم بھی آپ ﷺ کی اتباع میں اس سنت کا عمل کر لیں تو یہ کیسا خیر و برکت کا عمل ہے اور سراسر سعادت مندی کی بات ہے۔

اور اگر کسی کے ماں باپ نہ کر سکیں تو میاں بیوی یہ عمل خود بھی کر سکتے ہیں، سورۃ الناس اور سورۃ الفلق پانی پر دم کر کے دونوں پی لیں اور جس طرح حضور ﷺ نے پانی چھڑکا اسی طریقہ سے وہ بھی چھڑک لیں، میاں بیوی کے لئے تو یہ عمل بہت ہی آسان ہے، وہ اس سنت پر عمل

کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

شادی بیاہ کی اہمیت

۲

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب

مولانا محمد زاہد : مولانا محمد وسیم

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

شادی بیاہ کی اہمیت

اور

ہمارے گناہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِىَ لَهٗ وَأَشْهَدُاَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُاَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَعَلىٰ اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا ۔

أَمَّا بَعْدُ!

فقد قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم :
النکاح من سنتی ۔ وقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ
علیہ وسلم: فمن رغب عن سنتی فلیس منی۔
(ابن ماجہ: باب ماجاء فی فضل النکاح، ص ۱۳۲)

تمہید

میرے قابل احترام بزرگو!

اس وقت میں آپ کے سامنے نکاح کی اہمیت و فضیلت اور اس کا باعثِ اجر و ثواب ہونا (انشاء اللہ تعالیٰ) بیان کروں گا۔ خاص طور پر اس عظیم نعمت کے ملنے کے موقع پر اور اس عظیم سنّت کی ادائیگی کے وقت ہمارے معاشرہ میں جو بڑے بڑے گناہ کئے جاتے ہیں، ان میں سے بعض گناہوں کی طرف انشاء اللہ تعالیٰ متوجہ کروں گا، تاکہ جب کسی مسلمان مرد و عورت کو یہ عظیم نعمت حاصل ہو، اور انبیاء علیہم السلام کی اس عظیم سنّت پر عمل کرنے کا موقع میسّر ہو تو وہ اپنے نکاح کو شریعت کے مطابق انجام دے اور اس موقع پر ہونے والے گناہوں سے اپنے آپ کو بچائے، تاکہ اس نعمت کا صحیح شکر ادا ہو اور پھر وہ باعثِ برکت بنے۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرکے اور ان کو ناراض کرکے اس نعمت کی برکتوں سے اپنے آپ کو محروم نہ کیجئے۔

نکاح کی اہمیت

اس نکاح کی اہمیت آپ اسی سے سمجھ سکتے ہیں کہ نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اربع من سنن المرسلین

چار چیزیں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنّتوں میں سے ہیں۔

(۱) نکاح کرنا۔

(۲) ختنہ کرنا۔

(۳) مسواک کرنا۔

(۴) خوشبو لگانا۔

اور دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

النکاح من سنّتی۔

نکاح کرنا میری سنّت ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سارے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سردار ہیں، ان کی بھی یہ سنّت ہے اور جن کے سردار ہیں یعنی تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ان کی سنّتوں میں سے بھی ایک سنّت نکاح کرنا ہے۔ لہٰذا جو چیز سارے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنّت ہو اور دونوں جہانوں کے سردار رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی سنّت ہو تو وہ کتنی اعلیٰ درجہ کی عبادت ہوگی، اور جو چیز عبادت ہو وہ یقیناً دین کا حصّہ ہوتی ہے اور اللہ

تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا باعث ہوتی ہے۔ اور اس کی اہمیت اس لئے بھی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام سنّتوں کے بارے میں ایک ارشاد فرمایا کہ:

فَمَنْ رغبَ عَن سنتی فلیس منّی

جس نے میری سنّت سے اعراض کیا وہ میرے طریقہ پر نہیں اور میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

یہ حدیث خاص نکاح سے متعلق نہیں ہے بلکہ عام سنّتوں کی اہمیت کے سلسلے میں ہے، لیکن جس طرح اور سنّتیں ہیں اس طرح نکاح بھی ایک سنّت ہے۔ لہٰذا جو لوگ نکاح پر قدرت کے ہوتے ہوئے نکاح نہیں کرتے، ان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناراضگی کا اظہار فرما رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ ایک عظیم سنّت ہے اور جتنی عظیم سنّت ہوتی ہے اتنی ہی وہ عبادت اور باعثِ اجر و ثواب ہوتی ہے، بشرطیکہ اس سنّت پر اسی طریقہ سے عمل کیا جائے جیسا کہ شریعت کے اندر منقول ہے۔

اللہ کی نظر رحمت کے مستحق

ایک روایت میں ہے کہ جب شوہر بیوی کی طرف محبّت سے دیکھتا ہے اور بیوی شوہر کی طرف محبت سے دیکھتی ہے تو اللہ تعالیٰ دونوں کو رحمت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

نکاح سے پہلے تو دونوں ایک دوسرے کے لئے اجنبی تھے، اور خدا

ناخواستہ نکاح سے پہلے اگر کوئی مرد بری نظر سے کسی عورت کو دیکھے، یا کوئی عورت کسی مرد کو دیکھے تو یہ گناہ ہے اور از روئے حدیث آنکھوں کا زنا ہے، اور نکاح ہونے کے بعد اگر ایک دوسرے کو دیکھیں تو اللہ تعالیٰ کی نظر رحمت کے مستحق بن جائیں۔

نکاح کیلئے بیوی کا انتخاب

ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ:
ایسی عورت سے نکاح کرو جو شوہر سے بہت محبّت کرنے والی ہو اور جو بہت بچے جننے والی ہو۔ کیونکہ میں قیامت کے دن تمہاری کثرت پر پچھلی امتوں کے مقابلے میں فخر کروں گا۔

اور چونکہ امّت کا کثیر ہونا نکاح پر موقوف ہے، اس لئے اس کی ترغیب دی گئی۔ اور ویسے بھی اللہ پاک نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اعزاز بخشا ہے کہ قیامت کے میدان میں کل (۱۲۰) ایک سو بیس صفیں ہوں گی، ان میں سے چالیس صفیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ تمام انبیاءؑ کے امتیوں کی ہوں گی اور اسی (۸۰) صفیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی امّت کی ہوں گی، گویا کہ پہلے انبیاءؑ کے امتیوں کی صفوں سے تعداد کے اعتبار سے دگنی صفیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امّت کی ہوں گی، اور تعداد بڑھتی ہے نکاح کرنے سے، اس لئے نکاح مطلوب و مقصود اور عبادت

ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں اضافہ کا باعث ہے۔

نیک اولاد درجات کی بلندی کا باعث ہے

اور ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص آخرت میں پہنچے گا تو اپنے لئے غیر معمولی اجر و ثواب اور درجات دیکھے گا، وہ حیران ہوگا کہ میں نے تو اتنے نیک کام نہیں کئے تھے، میرے لئے یہ کہاں سے اتنے درجات اور اتنی نیکیاں آگئیں، اور خلاف توقع اتنے انعامات کہاں سے آگئے؟ اس کو بتایا جائے گا کہ تمہارے انتقال کے بعد تمہاری اولاد تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتی تھی، اس کی بدولت یہ سب کچھ تجھے ملا ہے۔

اور اولاد نکاح کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے، لہٰذا آخرت کے اندر بلند درجات کا حاصل ہونا نیک اولاد کے ذریعہ ہوگا، اور نیک اولاد حاصل ہوتی ہے نکاح کرنے سے، تو نکاح کتنی بڑی عبادت اور نعمت ہے کہ اس کے ذریعہ سے انسان آخرت کے اندر بہت سے اجر و ثواب کو حاصل کر سکتا ہے۔

نیک اولاد ماں باپ کو نہیں بھولتی

اور نیک اولاد واقعی دنیا میں اس کام کو یاد رکھنے والی ہے کہ وہ اپنے والدین کو مرتے دم تک بھولتی نہیں، ہر سال ان کے لئے قربانی کرنا اور استطاعت ہو تو ان کے لئے حج و عمرہ کرنا، رمضان شریف میں ان کے لئے

صدقہ نکالنا، اور انہیں ثواب پہنچانے کی نیت سے افطار کرانا، کپڑے دینا، یہ نیک اولاد کا معمول ہوتا ہے، جو آج بھی ہم دیکھتے ہیں۔

نیک اولاد اور ایصال ثواب

اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ انہوں نے اس دنیا سے جانے کے بعد قیامت آنے سے پہلے پہلے ایصال ثواب کا ایسا بہترین ذریعہ رکھا ہے کہ اگر کوئی دنیا سے خالی ہاتھ چلا بھی گیا ہو اور اس کے ساتھ زیادہ نیکیوں کا ذخیرہ نہ گیا ہو، لیکن اس نے اپنے پیچھے نیک اور صالح اولاد چھوڑی ہو اور نیک دوست احباب اور نیک عزیز واقارب چھوڑے ہوں تو ان کی دعاؤں اور ایصال ثواب اور ان کے صدقہ و خیرات کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ اس کو عالم برزخ میں نعمتوں سے مالامال فرمائیں گے اور اس میں نیک اولاد کو سب سے زیادہ دخل ہے، اور تو سب بھول جاتے ہیں لیکن عام طور پر نیک اولاد نہیں بھولتی، چاہے وہ خود بھی بوڑھی ہو جائے۔

حضرت مفتی صاحبؒ کے والد صاحب کا ایک جملہ

مجھے اپنے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بات یاد آئی کہ جب حضرتؒ کی عمر ۸۲ سال تھی اور اس وقت حضرتؒ اکثر بیمار اور صاحب فراش رہتے تھے، اس وقت حضرتؒ سے یہ بات سنی، حضرتؒ فرماتے تھے کہ جب میرے والد صاحبؒ کے انتقال کا وقت قریب ہوا تو ایک موقع

پر والد صاحب نے مجھ سے میرا نام لے کر فرمایا کہ "دیکھو! بھول تو سب ہی جایا کرتے ہیں تم ذرا جلدی مت بھولنا۔"

فرمایا کہ والد صاحب کا یہ ارشاد ایسا دل پر نقش ہے کہ اب میری عمر تقریباً ۸۰ سال سے اوپر ہو گئی ہے لیکن مجھے اپنے والد صاحب کا یہ ارشاد ایسا یاد ہے جیسے ابھی فرمایا ہے۔

لہٰذا نیک اولاد اپنے ماں باپ کو یاد رکھتی ہے اور زندگی بھر ان کے لئے ایصال ثواب کرتی رہتی ہے، اور پھر یہی نیک اولاد آدمی کے لئے نجات کا ذریعہ بھی بن جاتی ہے، بلکہ دوسری حدیث کی روشنی میں یہ نیک اولاد آدمی کے لئے صدقہ جاریہ ہے، وہ اسطرح کہ ماں باپ تو دنیا سے چلے گئے لیکن وہ نیک اولاد چھوڑ گئے اب یہ ان کے لئے ایصالِ ثواب کر رہی ہے، اور ان کے آخرت کے ذخیرہ میں اضافہ کر رہی ہے۔

ناقص بچہ بھی جنّت میں لے جائے گا

حدیثِ شریف میں ہے کہ اگر کسی عورت کی ولادت کا وقت پورا ہونے سے پہلے ہی ناقص بچہ پیدا ہو جائے تو وہ بچہ بھی قیامت کے دن اس وقت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کھڑا ہو جائے گا جس وقت اس کے ماں باپ کے لئے جہنم میں جانے کا حکم ہو جائے گا، اور یہ بچہ کہے گا کہ یااللہ! میرے ماں باپ کو تو آپ جہنم میں بھیجیں اور مجھے جنّت میں بھیجیں یہ نہیں ہو سکتا، کچھ بھی ہو میں تو انہیں جنّت میں لے کر جاؤں گا، اور وہ اڑ جائے گا اور ضد

کرے گا کہ میں بھی جنّت میں نہیں جاؤں گا جب تک ان کو آپ جنّت میں نہیں بھیجیں گے، اور وہ اللہ تعالیٰ سے مسلسل کہتا رہے گا یہاں تک کہ اللہ پاک اس کی ضد پوری فرماکر ان کو بھی جنّت میں بھیج دیں گے، چنانچہ وہ اپنے ساتھ ان کو بھی جنّت میں لے جائے گا۔ اس سے اندازہ کریں کہ یہ نکاح کتنی بڑی نعمت اور دولت ہے۔

نکاح کے ذریعے نصف دین کی حفاظت

اور اس نکاح کے ذریعہ آدمی کا آدھا دین محفوظ ہو جاتا ہے، باقی آدھے دین کی اگر آدمی حفاظت کرنا چاہے تو آسانی سے کر سکتا ہے، اس لئے کہ انسان سے جو گناہ سرزد ہوتے ہیں وہ یا تو انسان کی جنسی خواہش سے پیدا ہوتے ہیں یا اس کے علاوہ دوسری وجوہات سے پیدا ہوتے ہیں، انسان سے گناہوں کے صادر ہونے کے یہ دو سبب ہیں، جب اللہ تعالیٰ نے نکاح کی نعمت عطا فرمادی اور دو مرد و عورت کو نکاح کے اندر جوڑ دیا تو اب اللہ پاک نے ایک حلال اور پاکیزہ تعلق ان کو عطا فرمادیا، جس کے ذریعے جنسی بے راہ روی کے جو گناہ ہوتے ہیں ان سے اللہ تعالیٰ نے ان کو محفوظ کر دیا، اب وہ آسانی سے اپنی نظر کی بھی حفاظت کر سکتے ہیں، اور اپنی زبان، کان اور اپنے جسم کو بھی گناہوں سے بچا سکتے ہیں، اور جب اللہ تعالیٰ نے ان کو حرام سے بچاکر ایک حلال نعمت عطا فرمادی، اس لئے اب انہیں چاہئے کہ جنسی خواہش کے علاوہ دوسرے گناہوں سے بھی بچنے کی فکر کریں اور ان سے بچنا

بھی کوئی مشکل نہیں۔ بہر حال نکاح ایک عظیم نعمت ہے، جس کے اندر اس کی استطاعت ہو اس کو ضرور یہ سنت ادا کرنی چاہئے، اور اس نیت سے ادا کرنی چاہئے کہ میں عفیف اور پاک دامنی کے ساتھ اپنی باقی زندگی گزاروں کہ میری نظر بھی پاک ہو میری زبان اور میرا دل و دماغ بھی پاک ہو اور میرا جسم بھی پاک ہو۔

نکاح شریعت کے مطابق ہو

اور جب نکاح عبادت اور سنت ہے تو ظاہر ہے کہ اس کے انجام دہی کے وقت شریعت والا طریقہ اختیار کرنا چاہئے، جیسے نماز، زکوۃ، حج عبادتیں ہیں اور ان سب کا ایک طریقہ ہے، اسی کے مطابق کریں گے تو یہ قابل قدر اور قابل قبول ہونگیں، تو جیسے ان تمام عبادتوں کو اس طریقہ سے کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاں باعث قبول ہے ایسے ہی نکاح کے اندر بھی ہے۔

چنانچہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نکاح کیا اور آپ ﷺ کے نکاح میں گیارہ بیویاں آئیں، حضرات خلفاء راشدین نے نکاح کئے، صحابہ و تابعین نے نکاح کئے اور آج تک علماء امت اور صلحاء امت نکاح کرتے آئے ہیں، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے جس طرح نکاح کرنا ثابت ہے، اسی طرح اس کا طریقہ بھی ثابت ہے، اسی کے مطابق ہم مسلمانوں کو نکاح کرنا چاہئے۔

اور اس کا خلاصہ یہی ہے کہ سادگی کے ساتھ ہو، اختصار کے ساتھ

ہو، اور گناہوں سے اجتناب کرتے ہوئے ہونا چاہئے۔ اس موقع پر گناہوں کا ارتکاب بہت ہوتا ہے، جس طرح ہمارے اور کاموں میں بگاڑ آگیا ہے، جس طرح اور طور طریقے ہمارے خراب اور بگڑ گئے ہیں، جس طرح ہماری نمازوں میں طرح طرح کی کوتاہیاں بھر گئی ہیں، حج اور زکوۃ میں طرح طرح کی کوتاہیاں اور خرابیاں اور خامیاں آگئی ہیں، اسی طرح نکاح کے موقع پر بھی ایسی ایسی کوتاہیاں اور کمزوریاں اور ایسی ایسی خامیاں اور ایسے ایسے گناہ وجود میں آگئے ہیں کہ ’’الامان والحفیظ‘‘

آج نکاح کی برکت اٹھ گئی

ان گناہوں نے اس نکاح کی عبادت کی خیر و برکت اڑادی اور اس عظیم نعمت کو طرح طرح کے گناہوں سے ایسا آلودہ کردیا کہ اس کی جو حقیقی مسرتیں ہیں اور حقیقی خوشیاں اور فوائد اور حقیقی برکات و ثمرات ہیں اس سے ہم محروم ہوگئے، لہٰذا ضروری ہے کہ ہم اس کی طرف متوجہ ہوں اور اس معاشرتی مسئلہ کو صحیح کرنے کی کوشش کریں۔

پہلا گناہ: تصویر کشی

﴿۱﴾ اس موقع پر جو ایک بہت خطرناک اور بہت ہی سنگین گناہ ہوتا ہے وہ تصویر کشی کا گناہ ہے۔ منگنی سے اس کا آغاز ہوتا ہے اور عام طور پر دعوتِ ولیمہ پر اس کا اختتام ہوتا ہے، ابتدا تا انتہاء ہر مرحلہ پر یہ گناہ

کثرت سے ہوتا ہے، ہر حلہ پر جی بھر کر تصویر کھینچی جاتی ہے، باقاعدہ یادگار کے لئے اور البم بنانے کے لئے تصویریں کھینچی جاتی ہیں، اور بڑے فوٹو کھنچوا کر فریم کروا کے لگائے جاتے ہیں، یہاں تک کہ اس کی ویڈیو بھی بنتی ہے۔ حالانکہ ہمارے دین اور ہماری شریعت کے اندر جاندار کی تصویر کھینچنا ناجائز اور گناہ ہے اور احادیث میں اس پر بڑی سخت سے سخت وعیدیں آئی ہیں۔ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

"ان اشد الناس عذاباً عندالله يوم القيامة المصورون"

قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب تصویر بنانے والوں کو ہوگا۔

(بخاری، کتاب اللباس، باب عذاب المصورین یوم القیامۃ)

نکاح کے وقت ہم انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنّت ادا کر رہے ہیں، تمام پیغمبروں کے سردار جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کو زندہ کر رہے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ اس موقع پر ایسا کام بھی کر رہے ہیں جس پر سب سے زیادہ عذاب ہونے والا ہے۔

قرآن کریم میں سب سے زیادہ سخت عذاب ایک تو آل فرعون کے بارے میں آیا ہے کہ فرعون اور فرعون کے ماننے والوں کو سب سے زیادہ سخت عذاب ہوگا، اور ایک سب سے زیادہ سخت عذاب حدیث شریف میں تصویر بنانے والے کے لئے بیان ہوا ہے۔

جہنم میں سب سے ہلکا عذاب

اس خوفناک عذاب کا ایک مضمون حدیث شریف میں وارد ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جہنم کا سب سے ہلکا عذاب یہ ہے کہ کسی شخص کو جہنم سے دو تپتی ہوئی چپلیں نکال کر پہنائی جائیں گی جس سے اس کے دماغ کا یہ عالم ہوگا جیسے پھک پھک ہنڈیا پک رہی ہوتی ہے، اور اس کے منہ کی تمام ڈاڑھیں سرخ انگارہ بنی ہوئی ہوں گی، اور آنتوں سے بھی لپٹیں نکل رہی ہوں گی، گویا وہ سر سے پیر تک آگ میں ہوگا، اور وہ اپنے ذہن میں سوچے گا کہ مجھے جہنم کا سب سے سخت عذاب ہو رہا ہے، حالانکہ اس کو سب سے ہلکا عذاب ہو رہا ہوگا۔ جو سب سے ہلکے عذاب میں ہے اس کا یہ حال ہے تو تصویر بنانے والوں کے بارے میں تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ یہ فرما رہے ہیں کہ جاندار کی تصویر بنانے والے قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب میں ہوں گے، توان کا کیا حال ہوگا۔

اس خوشی کے موقع کو ہم نے جہنم میں داخل ہونے کا ذریعہ بنا دیا، اس تقریب کو جہنم کا ایندھن بنا کر رکھ دیا۔ منگنی کے موقع پر کتنی تصویریں کھینچی ہیں، پھر منگنی کے بعد مختلف موقعوں پر، خاص شادی والی رات کو، پھر دن کے اندر، پھر اس رات کو، پھر رخصتی کے موقع پر، پھر اس کے بعد ولیمہ کے موقع پر کتنے ہی جہنم کے انگارے اپنے اوپر برسائے۔اور ہم نے جتنی تصویریں کھینچی ہوں گی، ان میں سے ہر تصویر پر الگ الگ عذاب ہوگا۔

تصویروں کی تعداد کے برابر عذاب دینے والے

ایک روایت میں یہ مضمون ہے کہ جتنی تصویریں کسی نے کھینچی اور کھچوائی ہوں گی، قیامت کے دن ان تمام تصویروں کے مطابق ایک ایک آدمی اللہ تعالیٰ بنائیں گے، اور وہ سارے کے سارے مجسّم انسان اس تصویر بنانے والے کو جہنم کے اندر عذاب دیں گے، اس سے کتنی تکلیف ہوگی؟ مثلاً پانچسو فوٹو کھچوائے ہیں تو جہنم میں پانچسو انسان اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کو عذاب دیں گے۔ اب گھر جاکر دیکھ لیں کہ کس کس نے اپنی شادی کے البم بناکر رکھے ہوئے ہیں اور اس میں جاکر تصویریں شمار کرلیں، اگر ایک سو ہیں تو عذاب دینے والے سو ہوں گے، دوسو ہیں تو دوسو، ہزار ہیں تو ہزار ہوں گے۔

تصویر پر ایک اور عذاب

اور ایک جگہ تو اللہ پاک نے اس قدر ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے کہ جتنی کسی نے تصویریں کھینچی ہوں گی تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس تصویر بنانے والے کو اپنے سامنے بلائیں گے، اور فرمائیں گے کہ جب تم نے یہ تصویریں بنائی ہیں تو اس میں روح بھی ڈالو (جب تم نے آنکھ، کان، ناک، پیٹ کی تصویر کھینچ لی تو اس میں روح بھی ڈالو) اور وہ روح ڈال نہیں سکیں گے، لہٰذا اس کی وجہ سے ان کو سخت عذاب ہوگا۔

تصویر پر سنگین عذاب کی وجہ

اس گناہ کی سنگینی کی ایک خاص وجہ ہے، وہ یہ ہے کہ جیسے بڑائی اللہ تعالیٰ کی شان ہے۔

ولہ الکبریاء فی السمٰوات والارض وھو العزیز الحکیم۔

اور آسمان اور زمین میں اللہ تعالیٰ ہی کے واسطے بڑائی ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ ہی بڑے ہیں اور بڑائی لائق بھی انہیں کے ہے، ان کے سامنے اور ان کے مقابلہ میں کوئی بھی بڑا ہے ہی نہیں، لہٰذا اگر کوئی دنیا میں بڑا بننا چاہے گا اور تکبر اختیار کرنا چاہے گا تو بس سمجھ لو کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی صفت کبریائی پر دست درازی کی ہے، چنانچہ اس پر اللہ تعالیٰ اس کو ایسا ذلیل کریں گے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ (یہ جو چھوٹے چھوٹے کیڑے یا چونٹیاں ہوتی ہیں) قیامت کے دن متکبر ان کیڑے مکوڑوں کے مانند ہوں گے اور لوگ ان کے اوپر آجا رہے ہوں گے۔ دنیا میں انہوں نے اپنے آپ کو بڑائی کا تاج پہنا کر بڑا بننے کی کوشش کی اور اللہ تعالیٰ کی صفت کبریائی میں دخل اندازی کی، اس کی سزا ان کو یہ ملے گی کہ آخرت میں اس طرح ان کو ذلیل کر دیا جائے گا۔

حقیقی مصوّر اللہ تعالیٰ ہیں

ایسے ہی تصویر بنانا، یہ اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفت ہے، اور جو بندہ کسی جاندار کی تصویر بناتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت مصوری میں دست درازی کرتا ہے اور اس صفت میں دخل اندازی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو سخت عذاب دیتے ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی بڑائی پر ہاتھ ڈالنا بڑا گناہ اور جرم ہے (اور اسی لئے تکبر حرام ہے) ایسے ہی مصوّر اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفت ہے، کسی انسان کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو حلال نہیں کیا کہ وہ ان کی اس صفت کے اندر دخل دے، اگر کوئی شخص دخل دے گا تو اس پر یہ عذاب شدید ہوگا۔

پہلے سے گناہ سے بچنا طے کرلیں

میرے عزیزو اور میرے بزرگو!

ہمیں چاہئے کہ جب یہ نکاح کی تقریب شروع ہو تو اس کے شروع ہونے سے بہت پہلے ہی لڑکے والے بھی اور لڑکی والے بھی آپس میں جس طرح دن اور تاریخ طے کرتے ہیں، وہاں اس بات کو بھی طے کرلیں کہ اس موقع پر اس گناہ سے مکمل پرہیز کریں گے۔ اس تقریب میں آپ کے بھی رشتہ دار شامل ہوں گے اور ہمارے بھی رشتہ دار ہوں گے اور وہ سب ہمارے پیچھے ہیں، اگر ہم آپس میں بیٹھ کر اس بات کو طے کرلیں گے کہ اس

موقع پر کسی قسم کی کوئی تصویر کشی نہیں ہوگی، اور کسی مرحلہ پر بھی ہم اس گناہ کو نہیں کریں گے، اور پھر طے کر لینے کے بعد اپنے تمام احباب کو دونوں مطلع کر دیں کہ اس موقع پر کسی قسم کی کوئی تصویر نہیں کھینچی جائے گی، اور ہم بھی اس سے اجتناب کریں گے اور آپ بھی اس سے اجتناب کریں، تو دیکھیں اس سے بچنا کتنا آسان ہوتا ہے اور کچھ بھی مشکل نہ ہوگی، ہم بچنا چاہیں تو نہایت آسانی سے بچ سکتے ہیں اور نہ بچنا چاہیں تو پھر بہانے ہی بہانے ہیں۔

تو ہی اگر نہ چاہے تو بہانے ہزار ہیں

لیکن یاد رکھیں کہ یہ بہانے دنیا میں تصویر کشی کے لئے استعمال کر لیں گے لیکن قبر اور آخرت میں یہ بہانے نہیں چل سکتے، وہاں تو خطرہ ہی خطرہ ہے۔

تصویریں جلادی جائیں

اس لئے جس جس نے اپنی تصویریں شادی کی یا شادی کے علاوہ کی کھچوائی ہوئی ہیں اور بعض جگہوں میں تو باقاعدہ گھروں میں باپ، دادا، پردادا وغیرہ کی تصویریں آویزاں ہوتی ہیں، ایسی تمام غیر ضروری، شوقیہ، یادگار کے طور پر کھچوائی ہوئی اور بنوائی ہوئی تصویروں کو جلادینا چاہئے۔

ضرورت کے لئے تصویر کھچوانا

اور پاسپورٹ کے لئے، شناختی کارڈ وغیرہ کے لئے چھوٹی تصاویر کی ضرورت ہوتی ہے ان کے کھچوانے کی گنجائش ہے، لیکن یہ تصویریں بھی بند کر کے رکھنی چاہئیں۔

نوٹ اور اشیاء پر تصاویر

اور ہمارے گھروں کے اندر ویسے بھی بہت سی چیزیں آتی ہیں جن پر تصویریں ہوتی ہیں تو ان کو بھی مٹانا چاہئے، اسی طرح نوٹ پر تصویر ہوتی ہے، تو یہ تو بند رکھنے کی چیز ہے، بند کرنے کے بعد اس کا حکم وہ نہیں رہتا جو آویزاں کرنے کا ہے، لہٰذا وہ بند کر دیں تو بند ہو گئیں۔

اخبارات، رسائل اور مصنوعات کی تصاویر

اسی طرح جو تصویریں اخبارات و رسائل میں ہوتی ہیں، یا دیگر مصنوعات پر ہوتی ہیں، تو اخبارات ورسائل کو بھی جلدی سے پڑھ کر لپیٹ کر رکھنا چاہئے تاکہ اس کی تصویریں بھی کھلی نہ رہیں، اور جو استعمال کی چیزوں کے اوپر ہوتی ہیں تو اس میں بھی ان کا منہ مٹا دینا چاہئے۔

تصویر سے رحمت کے فرشتے نہیں آتے

کیونکہ تصویر کی ایک نحوست یہ ہے کہ جس گھر میں تصویریں

آویزاں ہونگی یا رکھی ہوئی ہوں گی، اس گھر میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے فرشتے نہیں آئیں گے۔ اسی لئے ہمارے گھروں میں سکون نہیں، نکاح میں خیر و برکت نہیں اور وہ خوشی و مسرت نہیں جو نکاح کے اندر ہوا کرتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے نکاح کو کس قدر بگاڑ دیا ہے اور کس قدر برباد کر دیا ہے، اس کی خیر و برکت کا تو جنازہ ہی نکال دیا، اب اس میں وہ راحت و سکون اور خوشی و مسرت کہاں آئے گی اور ہمارے گھروں کے اندر دل کو اطمینان و قرار کیسے نصیب ہوگا؟ آج کل یہ گناہ بڑے وسیع پیمانے پر نکاح و دیگر پُر مسرت تقریبات کے موقع پر ہوتا ہے، ایسی تمام تقریبات پر ہمیں تصویر کشی سے بچنا چاہئے۔

دوسرا گناہ: گانا بجانا

﴿۲﴾ اور دوسرا گناہ جو اس موقع پر ہوتا ہے وہ گانا بجانے کا گناہ ہے۔ اس میں تین گناہ ہوتے ہیں جو ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں (۱) گانا گانا (۲) گانے باجے کے آلات کا استعمال کرنا (۳) ناچنا۔ اس موقع پر کہیں عورتیں، کہیں مرد، کہیں دونوں مل کر باقاعدہ ناچتے ہیں۔ اور یہ ناچنے کی تعلیم اسکول و کالج میں باقاعدہ دی جاتی ہے، اور جب ناچنے کی تعلیم حاصل کریں گے تو ناچیں گے، اور جب وہی لوگ شادی بیاہ کریں گے تو وہاں جو سیکھ لیا وہی وہاں دکھائیں گے، حالانکہ یہ ناچنا بھی بہت سخت گناہ ہے۔ ایسے ہی گانے بجانے کے آلات، ڈھولک، سارنگی، ڈھولک تو عام

تقریبات اور نکاحوں کے اندر عام ہے۔ اور ان سب کو ملا کر کیا جائے تو تین گناہ ہوتے ہیں، اور یہ سب منگنی سے لے کر ولیمے تک چلتے ہیں۔ دیہات سے لے کر شہر تک چلے جاؤ ہر جگہ یہ تین گناہ ہوتے نظر آئیں گے۔ خاص طور پر جب نکاح کی تقریب ہوتی ہے تو مردوں اور عورتوں میں گانا بجانا بہت ہوتا ہے، اور یہ گانا بجانا بھی ایسا ہی گناہ ہے جیسے تصویر کھینچنا گناہ ہے اور اس کے بارے میں بڑی سخت سخت وعیدیں آئی ہیں۔

خوشی اور غمی کے موقع پر شریعت کا طریقہ

اور اس میں اصل بات یہ ہے کہ شیطان کسی وقت بھی اپنا کام کرنے سے نہیں چوکتا، اور ہم ایسے ہیں کہ ہر وقت تیار دشمن سے بالکل غافل رہتے ہیں۔ دو موقع ایسے ہیں جس کے اندر شیطان بہت زیادہ انسان کو بہکاتا ہے (۱) ایک خوشی کا موقع (۲) دوسرا غمی کا موقع، دونوں موقعوں پر انسان غافل اور بے اختیار ہو جاتا ہے۔ لیکن اسلام اور شریعت نے مسلمانوں کو دونوں موقعوں پر اہم عبادات انجام دینے کا حکم دیا ہے، خوشی کے موقع پر شکر کی تاکید کی ہے کہ جب تمہیں اللہ پاک نے نعمتیں عطا فرمائی ہیں تو اس کا شکر بجالاؤ، اور اپنی اس نعمت کو دوام بخشو، اور اس میں ترقی کے چار چاند لگاؤ، الحمدللہ کہو، اور شکرانے کے نفل پڑھو اور دیگر عبادات میں لگو، اسی طرح نکاح کے موقع پر دیکھیں! اس میں خطبہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور تجدید ایمان ہوتا ہے، کلمہ شہادت اس کے اندر ہوتا ہے،

سرکارِ دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام ہوتا ہے اور قرآن کریم کی تین آیتیں پڑھی جاتی ہیں، چند احادیث پڑھی جاتی ہیں، اس کے بعد ایجاب و قبول ہوتا ہے اور نکاح مکمل ہو جاتا ہے۔ دیکھئے! کیسا سادہ اور عمدہ اور پاکیزہ طریقہ ہے، اس کے اندر اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ہی شکر بھرا ہوا ہے۔ اسی طرح عید بھی خوشی کا موقع ہے، شکرانے کے دو نفل عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر میں ادا کیے جاتے ہیں۔ اسی طرح جمعہ کا دن بھی ہفتہ واری عید کا دن ہے، اس کے اندر نماز جمعہ اورخطبۂ جُمعہ ادا کیے جاتے ہیں، یہ سب خوشی کے موقع ہیں۔ اور ان سب میں شکر ہی کی تعلیم، تلقین اور تاکید ہے۔

شیطان اپنا حصّہ لگالیتا ہے

اور غم کے موقع پر صبر کا حکم دیا ہے اور صبر کا ثواب یہ بتایا ہے:

اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ۔

(سورۂ زمر، آیت ۱۰)

بیشک صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا۔

اگر غم کا موقع ہے تو صبر کرو، خوشی کا موقع ہے تو شکر کرو، صبر اور شکر ہی سے زندگی گزار دو، اور دنیا آخرت میں کامیاب ہو جاؤ۔ لیکن شیطان نے دیکھا کہ اگر انہوں نے شکر کیا تو ان کا نفع، صبر کیا تو ان کا نفع، ان کی تو نہ دنیا گئی نہ آخرت گئی، دونوں جگہوں میں یہ کامیاب ہوگئے۔ لہٰذا اس نے

اپنا داؤ مار دیا، خوشی کے موقع پر گانے بجانے میں لگا دیا اور ایسے گناہوں میں لگا دیا کہ وہ سر سے لے کر پیر تک ناشکری ہی شکری اور نافرمانی ہی نافرمانی اور ناقدری ہی ناقدری ہے۔

ایسے ہی غمی کے موقع پر اس نے نوحہ کرنے اور گریبان پھاڑنے میں لگا دیا جو سراسر گناہ اور نافرمانی ہی نافرمانی ہے۔

دو آوازوں پر اللہ کی لعنت

حدیث شریف میں آتا ہے کہ دو آوازیں ایسی ہیں کہ جن پر دنیا و آخرت میں خدا کی لعنت ہے:

(۱) ایک خوشی کے موقع پر گانے بجانے کی آواز۔

(۲) اور دوسرے غمی کے موقع پر رونے دھونے اور نوحہ کرنے کی آواز، رو رو کر بین کر کے رونے کی آواز۔

ان دونوں آوازوں پر دنیا اور آخرت میں لعنت ہے۔ پھر اگر نکاح کے موقع پر آکر گانے بجائے جائیں اور ڈھولک و سارنگی بجائی جائے، تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی لعنت ہی وہاں آئے گی، پھر اس میں خیر و برکت کیسے آئے گی۔ ہمارے یہاں شیطان نے ایسا بیج بو دیا کہ جو موقع تھا شکر کرنے کا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگنے کا، اُس نے اس سے ہٹا کر گانے باجے میں لگا دیا۔

بانسری کی آواز سن کر کان بند کر لینا

حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ سواری پر جارہا تھا کہ یکایک انہوں نے دونوں انگلیاں اپنے کانوں کے اندر ٹھونس لیں، اور وہیں سے اپنی سواری کو موڑ لیا تاکہ آگے جانے سے کانوں میں مزید آواز نہ پڑے، حضرت نے پوچھا نافع بتاؤ! اب آواز تو نہیں آرہی؟ میں نے کہا کہ ابھی تو کچھ کچھ آرہی ہے، پھر کچھ اور چل کر دوسری طرف چلے اور پوچھا کہ اب تو نہیں آرہی؟ میں نے کہا کہ نہیں حضرت! اب آواز بند ہو گئی ہے، پھر آپ نے اپنے کانوں سے انگلیاں نکالیں اور فرمایا کہ میں بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سفر میں تھا، تو آپ ﷺ نے بھی بانسری والے کی آواز سن کر اپنے کانوں میں اسی طرح انگلیاں دے لی تھیں جس طرح میں نے دی تھیں۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بانسری کی آواز سن کر اپنے کانوں میں انگلیاں دے لی تھیں اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّتوں کے شیدائی تھے اور صحابہ کرامؓ میں سب سے زیادہ سنّتوں پر عمل کرنے میں مشہور تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک سنّت پر قربان تھے، اسی لئے اس موقع پر انہوں نے بھی سنّت پر عمل کرتے ہوئے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں اور بانسری کی آواز سن کر

اپنے کانوں کو انگلیوں سے بند کرلیا۔

دوسری طرف ہمارا طرز عمل

اور آج ہم لوگ اپنی شادی بیاہ کے اندر ڈھولک، سارنگی، گانا بجانا، اتنی تیزی کے ساتھ چلاتے ہیں کہ نہ صرف یہ کہ اہل مجلس اور شادی والے سنیں بلکہ پورے محلّے والے سنیں، اور اگر کوئی برابر والے ہال میں ہے تو ان تک بھی وہ آواز پہنچے، اور اگر گاؤں میں شادی ہو جائے تو سارے گاؤں والے سنیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابیؓ کا تو یہ عمل ہے کہ بانسری کی آواز سن کر اپنے کانوں کو بند کر رہے ہیں اور ہمارا یہ عمل ہے، وہ اس سے بچنے کا اہتمام کر رہے ہیں اور ہم اس کو کرنے کا اہتمام کر رہے ہیں، جس طرح کھانے پینے اور بیٹھنے کا انتظام کیا جاتا ہے اسی طرح باقاعدہ گانے بجانے کا انتظام کیا جاتا ہے اور تصویر کشی کا انتظام کیا جاتا ہے۔ ہمارے اور ان کے درمیان کتنا زمین و آسمان کا فرق ہے۔

مجھے آلاتِ موسیقی ختم کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے

جبکہ تین حدیثوں کے اندر ایک مشترکہ بات صاف واضح طور پر موجود ہے، اور وہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے اللہ پاک نے دنیا میں اس لئے بھیجا ہے تاکہ میں گانے بجانے کے آلات اور

بانسریوں کو مٹاؤں۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا میں تشریف لانے کے جہاں اور بہت سے فرائض ہیں مثلاً لوگوں کو توحید کی دعوت دینا، کفر و شرک سے بچنے کی تلقین کرنا، کتاب و حکمت کی تعلیم دینا، وہاں آپ ﷺ یہ بھی فرمارہے ہیں کہ میں دنیا میں اس لئے بھیجا گیا ہوں تاکہ بانسریاں اور موسیقی کے آلات کو دنیا سے مٹادوں اور ختم کردوں، اللہ کے نبی تو دنیا میں ان چیزوں کو مٹانے کے لئے آئے ہیں، اور آپ ﷺ کے امتی اس کا انتظام واہتمام کریں، کتنی خطرناک بات ہے۔

بلاقصد آواز کا کان میں پڑنا

البتہ ایک بات درمیان میں سمجھ لینی چاہئے کہ الحمد للہ بہت سے مسلمان ایسے ہیں جو گانے بجانے سے پرہیز کرتے ہیں، لیکن معاشرہ اس کی لپیٹ میں ہے، اور جہاں وہ رہتے ہیں وہاں گردوپیش کے اندر کہیں گھروں کے اندر سے آواز آرہی ہے، کہیں دکانوں سے اور کہیں کسی تقریب سے آواز آرہی ہے، تو اس کا حکم یہ ہے کہ جو آواز خود بخود آئے اور کان میں پڑ جائے تو آدمی اس سے گناہ گار نہیں ہوتا، قصداً سننے کی وجہ سے گناہ گار ہوتا ہے، یعنی اگر اپنے قصد و اختیار سے گانا چلائے، ڈھولک بجائے، یا خدانخواستہ ناچے، یا ایسی محفل میں جائے اور وہاں جاکر بیٹھے، یا خود اپنے گھر کے اندر ریڈیو، ٹی وی پر ناچ گانا سنے سنائے، یا دیکھے، یا خود گائے تو گناہ گار ہوتا ہے، اور اگر وہ خود تو بچتا ہے، لیکن بازاروں میں اور دکانوں میں لوگ گانے

چلاتے ہیں، یا اسی طریقہ سے گاڑی میں یا بس میں یا ویگن میں سوار ہے اور اس گاڑی والے نے گانے چلا رکھے ہیں، اور اب یہ منع کرتا ہے لیکن وہ باز نہیں آتا اور بعض دفعہ تو اس کی ہمّت بھی منع کرنے کی نہیں ہوتی اور سننا بھی نہیں چاہتا، تو ان سب صورتوں میں بلاارادہ اور بلا قصد اگر کان میں آواز پڑے تو آدمی گناہ گار نہیں ہوتا، اور اگر اس موقع پر بھی آدمی اپنا ذہن اور اپنا دل اس سے ہٹا کر رکھے تو یہ انشاء اللہ تعالیٰ اس کے لئے بہتر ہے اور وہ گناہ گار نہیں ہوگا۔

گناہ کی تقریب میں شرکت نہ کریں

لہٰذا جس تقریب کے بارے میں پہلے سے معلوم ہو کہ وہاں تصویر کشی اور گانا بجانا ہوگا تو پھر اپنے اختیار سے وہاں نہیں جانا چاہئے، اور اگر ان سے کوئی خصوصی تعلق ہے تو آدمی ایک دن پہلے یا ایک دن بعد جاکر شادی کی مبارک باد دے سکتا ہے اور اگر کوئی تحفہ دینا چاہے تو تحفہ دے سکتا ہے، لیکن اس گناہ کی موجودگی میں وہاں جانے سے بچنا چاہئے اور پرہیز کرنا چاہئے۔

گانا سننے پر سخت وعید

ایک حدیث میں بڑی ہی خوفناک اور ہولناک وعید آئی ہے کہ جو شخص دنیا کے اندر گانا گائے گا یا سنے گا تو قیامت کے دن جہنم کی آگ میں

سیسہ پگھلا کر اس کے کانوں میں ڈالا جائے گا۔

سیسہ ویسے ہی معمولی آگ سے پگھل جاتا ہے اس کو جہنم کی آگ میں کھولایا جائے گا، جب وہ کھولے گا اور خوب گرم ہو کر پگھلنے لگے گا تو پھر وہ ان لوگوں کے کانوں میں ڈالا جائے گا جو دنیا میں گانا سنتے تھے، اور جو سارنگی کا شوق رکھتے تھے، ہارمونیم سنا کرتے تھے، ڈسکو کے عاشق تھے، ان کے کانوں میں یہ پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا۔ اب اس میں ذرا سوچیں کہ دنیا کی یہ شادی اور خوشی کتنے دن کی ہے، اور اب تو چند دن کی بھی نہ رہی چند گھنٹوں کی رہ گئی اور وہ بھی خشک رہ گئی، اس موقع پر اگر آدمی اتنے بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کرے تو پھر کیا ہے، یہ وقت گزر جائے گا اور گناہ نامہ اعمال میں درج ہو جائے گا، اور خدانخواستہ توبہ بھی نہ کی تو پھر آگے کیا ہو سکتا ہے، یہ ہم خود سوچ لیں۔ اس لئے مسلمان خواتین و حضرات سب کو مل کر سوچنا چاہئے۔

صورت مسخ ہونے کا عذاب

اور ایک حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب قیامت قریب آئے گی تو میری امت میں سے کچھ لوگوں کی صورتیں مسخ ہو کر خنزیروں اور بندروں کی شکل میں تبدیل ہو جائیں گی۔ صحابہ کرامؓ نے سن کر عرض کیا کہ کیا وہ لوگ مسلمان نہیں ہوں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ لوگ اس بات کی گواہی

دیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس بات کی گواہی دیں گے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، اور وہ نماز پڑھیں گے، یعنی مسلمان ہوں گے۔ صحابہ کرامؓ نے پوچھا کہ حضور ﷺ! پھر ان کے ساتھ اتنا خوفناک معاملہ کیوں ہوگا کہ ان کی شکلیں سوروں اور بندروں میں تبدیل ہوں گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ لوگ باجے اور گانے والی عورتوں کے عادی اور عاشق ہو جائیں گے، اور شراب نوشی کرنے لگیں گے، اور ایک رات پھر اسی طرح کھیل کود اور تماشے میں مشغول ہوں گے کہ صبح صادق ہونے سے پہلے پہلے ان کی صورتیں مسخ ہو جائیں گی۔

ہم لوگوں کی حالت

اب آپ دیکھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ عذاب اس امت کے ان لوگوں کا بیان فرما رہے ہیں جو گانے بجانے کی عادت، اس کا شغل اور اسے پسند کرنے والے ہیں اور یہ بھی بتا دیا کہ وہ مسلمان ہوں گے۔ چنانچہ آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ وہ حج و عمرہ بھی کرتے ہیں، رمضان شریف میں روزے بھی رکھتے ہیں، زکوٰۃ بھی دیتے ہیں، اور ساتھ میں ان کے گھروں کے اندر ٹی وی بھی چلتا ہے، کھانا پینا، سونا جاگنا سب گانے کی آواز میں ہوتا ہے، ان کی شادی بیاہ ناچ گانوں اور آلاتِ موسیقی سے پُر اور بھری ہوئی ہوتی ہے، بارات آرہی ہے تو باجے تماشے کے ساتھ آرہی ہے، ہال جا رہی ہے تو باجے تماشے کے ساتھ جا رہی ہے، اور جب

تک یہاں تقریب ہو رہی ہے گانا چلتا رہتا ہے۔

بنی اسرائیل کی نافرمانی

اپنی امت کے لئے خوفناک اور ہولناک عذاب کی آپ خبر دے رہے ہیں اور جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ یہ عذاب وہ ہے جو بنی اسرائیل کے اوپر آیا تھا، بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ نے ہفتہ کا دن صرف عبادت کے لئے مقرر کر دیا تھا، اور یہ ان بنی اسرائیل کے لئے تھا جو کہ سمندروں کے کنارے رہتے تھے اور ان کا گزر بسر دریا کی مچھلی پر تھا، ان کو حکم یہ تھا کہ ہفتہ کے دن تم لوگ عبادت میں لگو اور کوئی شخص مچھلی کا شکار نہ کرے، اور جب ہفتہ کا دن گزر جائے پھر شکار کرو، چھے دن اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے مقرر کر دیے اور ایک دن اپنے لئے مقرر کر دیا، لیکن وہ ہفتہ کے دن بھی شکار کرنے لگے، جس کا طریقہ انہوں نے یہ اختیار کیا کہ جب ہفتہ کی شب شروع ہوتی تو وہ دریا پہ جا کر وہاں سے لمبی لمبی نالیاں نکال لیتے اور دور لے جا کر ایک گہرا گڑھا بنا دیتے اور آ جاتے، جب ہفتہ کی شب شروع ہوتی تو دریا کے پانی کے ساتھ مچھلیاں نالیوں کے ذریعہ سے ہوتی ہوئیں گڑھوں میں آ جاتیں جو تالاب کی شکل اختیار کر لیتے، اور جوں ہی ہفتہ کا دن گزرتا اور اتوار کی شب شروع ہوتی تو یہ لوگ آکر ان نالیوں کا جو دھانہ دریا کے کنارے پر ہے وہاں مٹی ڈال دیتے، مٹی ڈالتے ہی دروازہ بند اور سب کی سب مچھلیاں تالاب میں جمع ہو جاتیں، یہ انہوں نے حیلہ اختیار کیا۔ ان

کے جو پیغمبر تھے انہوں نے ان کو منع کیا اور فرمایا کہ دیکھو یہ سب تم حیلہ کر رہے ہو، اس دن تمہیں شکار کرنے سے منع کیا گیا ہے اور یہ جو طریقہ تم نے اختیار کیا ہوا ہے یہ طریقہ بھی ممنوع ہے، اس سے بھی پرہیز کرو۔ لیکن وہ باز نہیں آئے، جب وہ باز نہیں آئے تو ان کے اندر تین قسم کی جماعتیں پیدا ہو گئیں (۱) ایک تو وہ تھی جو بالکل خاموش تھی، نہ ان کو منع کرتی نہ ان کی تائید کرتی (۲) دوسری جماعت وہ تھی جو ان کو منع کرتی کہ تم غلط اور ناجائز کام کر رہے ہو، اللہ تعالیٰ کا عذاب آئے گا اور تم اس میں مبتلاء ہو جاؤ گے، اس سے باز آ جاؤ (۳) اور تیسری وہ جو شکار کھیلتی تھی۔

اب جو لوگ شکار کھیلنے والوں کو منع کرتے تھے، انہوں نے اپنے اور شکار کھیلنے والوں کے درمیان ایک دیوار بنالی اور اس میں چھوٹے دروازے بنالئے، اس لئے کہ خاندان اور برادری ایک ہونے کی وجہ سے دونوں جانب ایک دوسرے کے عزیز و اقارب رہتے تھے، اور دن میں تو ایک دوسرے کے پاس آتے جاتے اور ملتے جلتے تھے، لیکن جب رات ہوتی تو جو لوگ شکار سے بچنے والے تھے وہ اپنی طرف سے تمام دروازے بند کر لیا کرتے تھے، تاکہ اگر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی وجہ سے کسی طریقہ کا ان پر عذاب آئے تو وہ ادھر ہی رہے، اِدھر نہ آئے اور ہم اس عذاب سے بچ جائیں، اگر ہم بھی ادھر ہوں گے تو ہم پر بھی اللہ تعالیٰ کا عذاب آ سکتا ہے، اس لئے انہوں نے راستے بند کرنے کا اہتمام کیا۔

نافرمانی کرنے والے بندر بنادیے گئے

ایک دن ایسا ہوا کہ مچھلی کا شکار کرنے والے رات کو مل ملا کر اپنے اپنے گھروں میں چلے گئے، اور انہوں نے اپنی طرف سے سب دروازے بند کر لئے، سویرے جب اٹھے تو دیکھا کہ برابر والی آبادی میں بالکل سناٹا ہے، نہ کوئی رونق ہے اور نہ ہی کوئی شور شرابہ ہے، اور نہ کوئی کنڈی کھول رہا ہے، نہ کوئی آرہا ہے اور نہ کوئی جارہا ہے، تو انہوں نے خود ہی کنڈیاں کھولیں اور کھول کر اس طرف گئے تو دیکھا کہ گلیاں اور راستے بھی سب سنسنان پڑے ہیں، کہیں کوئی شخص نظر نہیں آرہا، بڑے حیران ہوئے کہ ایک دم سارے کے سارے کہاں چلے گئے، اب چونکہ گھروں کے اندر سب ان کے رشتہ دار ہی تھے، کسی کا بھائی تھا، کسی کا باپ تھا، کسی کی ماں تھی، لہٰذا اب وہ گھروں کے اندر داخل ہوگئے تو گھروں کے اندر کہیں کوئی انسان نہیں نظر آیا، بلکہ انسانوں کے بجائے وہاں خنزیر اور بندر تھے، ان لوگوں میں جتنے بوڑھے تھے وہ خنزیر کی شکل میں تبدیل ہوگئے، اور جو جوان تھے وہ سارے کے سارے بندروں کی شکل میں تبدیل ہوگئے، اسی طرح بوڑھی عورتیں مادہ خنزیر کی شکل میں تبدیل ہوگئیں اور جو لڑکیاں تھیں وہ بندریوں کی شکل میں تبدیل ہوگئیں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے توبہ نہ کی تو اللہ تعالیٰ کے عذاب نے ان کو آپکڑا۔

تین دن کے بعد مر گئے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہو جاؤ تم سب ہی بندر، چنانچہ سب کے سب بندر بن گئے، تین دن تک وہ سب زندہ رہے، پہلے دن ان کے چہرے بالکل سرخ ہوگئے پھر دوسرے دن زرد ہوگئے، آخری دن سب کے چہرے کالے اور سیاہ پڑ گئے، پھر سب کے سب مر کر ختم ہوگئے۔

موجودہ بندر بنی اسرائیل کی نسل نہیں

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ موجودہ بندروں اور خنزیروں کی جو نسل ہے یہ ان کی نسل ہے، حالانکہ یہ بات غلط ہے، یہ ان کی نسل نہیں، وہ تو اللہ تعالیٰ کے عذاب میں مبتلاء ہونے کے بعد ختم ہوگئے تھے اور باقی ہی نہیں بچے، جبکہ یہ سور اور بندر تو حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے چلے آرہے ہیں اور قیامت تک چلتے رہیں گے، یہ الگ نسل ہے، یہ جانور ہیں، وہ انسان سے جانور بنے تھے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے کی وجہ سے خنزیر اور بندروں میں تبدیل ہوئے تھے، اور تین دن کے بعد سارے کے سارے مر گئے تھے۔

قرب قیامت میں مسلمان بندر بن جائیں گے

اس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ جب قیامت قریب ہوگی تو میری امت میں سے بعض لوگوں کی صورتیں مسخ

ہو کر بندر اور خنزیر میں تبدیل ہو جائیں گی، حالانکہ وہ مسلمان ہوں گے، نماز پڑھتے ہوں گے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ گانوں اور باجوں کے رسیا ہوں گے، گھروں میں بھی ان کے گانے ہوں گے، شادی بیاہوں میں ان کے گانے باجے ہوں گے، اور شراب نوشی کے بھی عادی ہو جائیں گے۔

شراب نوشی کا گناہ

گانے بجانے کے بعد اگلا قدم شراب نوشی کا ہی آتا ہے، اور دنیا کے اندر عیاشی کا یہی طریقہ ہے کہ ناچ گانا ہو اور شراب نوشی ہو ۔

آ تجھ کو بتاؤں تقدیر امم کیا ہے
شمشیر و سنا اوّل طاؤس و رباب آخر

اور جو قوم عیاشی میں مبتلاء ہو جاتی ہے، وہ خنزیر اور بندر بننے کے قابل ہی رہتی ہے۔ اب آپ دیکھ لیجئے کہ شادی بیاہ کے موقع پر کیسا خوفناک اور خطرناک گناہ ہو رہا ہے، اور ہمیں پتہ بھی نہیں کہ ہم کیسا خطرناک کام کر رہے ہیں، اس لئے سوچنے اور غور کرنے کی ضرورت ہے کہ ہم کیا کر رہے ہیں؟

جو چیز سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت ہے اور ساری انبیاء علیہم السلام کی سنّت ہے، عبادت ہے اور باعث اجر و ثواب اور باعث خیر و برکت ہے، دنیا و آخرت کے اندر اس کا بڑا ثواب ہے، اس کے واسطہ سے انسان کو نیک اولاد جیسی نعمت جو کہ بہترین صدقہ جاریہ ہے حاصل ہوتی

ہے، اور ہم اس کو گانے بجانے سے آلودہ کر کے تباہ و برباد کر رہے ہیں۔

مسخ صورت والی حدیث کی تشریح

علماء کرام نے حدیث شریف کی شرح میں یہ فرمایا ہے کہ آخر یہ سور اور بندر کیسے بنیں گے؟ اور یہ سور اور بندر ان کو حقیقتاً کہا ہے یا مجازاً کہا ہے؟ بعض علماء کرام تو یہ فرماتے ہیں کہ یہ سچ مچ سور اور بندر بن جائیں گے، اور یہ اس وقت ہوگا جب قیامت کی بڑی بڑی نشانیاں ظاہر ہو جائیں گی، ان بڑی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی یہ ہوگی کہ صورتیں مسخ ہو جائیں گی۔

گانے سے دو بری عادتیں پیدا ہونا

اور بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ اس سے مجازی معنی مراد ہیں کہ ظاہر میں تو شکلیں نہیں بدلیں گی، لیکن جو لوگ گانا گانے اور ڈھول سارنگی کے عاشق ہوں گے، ان کے اندر دو خبیث اور بری خصلتیں پیدا ہو جائیں گی۔

ایک انکے اندر بے شرمی اور بے حیائی کی صفت پیدا ہو جائے گی، اور دوسرے ان کے اندر نقالی کی صفت پیدا ہو جائے گی۔ بے حیائی اور بے شرمی کا اصل مالک خنزیر ہے، اس لئے کہ جانوروں میں سب سے زیادہ بے شرم و بے حیا جانور خنزیر اور سور کہلاتا ہے، اور جانوروں میں سب سے بہتر نقالی کا ماہر بندر ہے۔

اب جو لوگ گانا گانے اور ناچنے اور آلات موسیقی کا معمول بنالیں گے اور ان کے عادی بن جائیں گے، ان کے اندر یہ دو بداخلاقیاں پیدا ہو جائیں گی، ان کے اندر بے حیائی کوٹ کوٹ کر بھر جائے گی، بے شرمی ان کے سر کا تاج بن جائے گی، نقالی کا وہ نمونہ بن جائیں گے۔ اور یہ چیز ہمیں ہمارے معاشرے میں اپنی آنکھوں سے نظر آتی ہے کہ جن کی نسلوں میں اور جن کے گھروں میں ناچ گانا عام ہے، ان میں حیاء و شرم کہاں ہوتی ہے۔ حیاء و شرم کے نکل جانے کی وجہ سے تو یہ کام ہو رہا ہے، ان کی شرم و حیاء کا تو جنازہ ہی نکل چکا، شرم و حیاء رکھنے والے انسان کہاں اس کو گوارہ کرتے ہیں، اگر ذرا بھی کسی کے اندر شرم و حیاء ہو وہ کیسے ناچ سکتے ہیں؟ کیسے گانا گا سکتے ہیں اور ڈھولک سارنگی اور ہارمونیم بجا سکتے ہیں؟ جو لوگ اس کے عادی ہو جاتے ہیں تو دوسرے معنی میں یہ سمجھ لیجئے کہ وہ خنزیر کی شکل کے مالک بن گئے، خنزیر کے اندر جو بے حیائی پائی جاتی ہے وہ بے حیائی ان کے اندر بھی آجاتی ہے۔

نقالی اور فیشن پرستی پیدا ہونا

اور جو لوگ ٹی وی، وی سی آر، اور گانے باجے کے عادی ہوتے ہیں، ان کے ہاں تو روز مرہ نقل ہی نقل فیش ہی فیش ہوتا ہے، وہ تو فیشن کے غلام ہیں، جیسا فیشن آگیا ویسا ہی کرنا ہے اور ویسے ہی چلنا ہے، چاہے گھر میں کھانے پینے کو نہ ہو، لیکن انہوں نے تو ویسا ہی لباس پہننا ہے اور ویسی

ہی شکل اور وضع بنانی ہے، جو نمونہ دیکھ لیں تو پھر یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے، ان کے لباس میں کوئی وقار نہیں، کوئی ٹھہراؤ نہیں، کوئی اعتدال نہیں، ان کے اٹھنے بیٹھنے میں کوئی شرم و حیاء نہیں۔ یہ اگر مجازی معنی مراد لے لیں تو یہ بات آج ہمیں اپنے معاشرے میں نظر آتی ہے۔

اس بات کی طرف ہم خصوصی طور پر توجہ دیں، اپنی عام زندگی میں بھی اس نحوست کو اپنے گھروں سے نکالیں اور اس گناہ عظیم سے اپنے آپ کو بچائیں، اپنے بچوں کو بچائیں، اپنی تقریبات کو بچائیں۔

ان گناہوں سے بچنے کے دو راستے

اور اس گناہ سے بچنے کے دو طریقے ہیں:

﴿۱﴾ پہلا طریقہ جو ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے تھے جو بڑا حکیمانہ طریقہ ہے، وہ یہ ہے کہ جو گناہ اجتماعی شکل اختیار کر جائیں ان سے بچنے کا بھی اجتماعی طریقہ اختیار کرنا چاہئے، اگر اجتماعی طریقہ اختیار کیا جائے گا تو بہت ہی سہولت اور آسانی سے بچاؤ ہو جائے گا، جیسے کوئی تقریب ہوتی ہے اور اس میں تصویر کشی اور ناچ گانا ہوتا ہے اور پوری برادری اسے کر رہی ہے، تو اب برادری کے بڑے بڑے حضرات جن کا اثر و رسوخ برادری پر ہوتا ہے، وہ سب اکٹھے ہو کر آپس میں بیٹھ جائیں، اور آپس میں اس بات کا فیصلہ کرلیں کہ ہماری برادری اور خاندان میں کوئی

تقریب تصویر کشی کے ساتھ نہیں ہوگی، گانے باجے کے ساتھ نہیں ہوگی، اور اس بات کو مکمل طور پر طے کرلیں۔ جب برادری کی سطح پر یہ مسئلہ طے ہو جائے گا تو ایک منٹ میں سب گناہ ختم ہو جائیں گے، پھر امیر غریب سب کے لئے بچنا آسان ہو جائے گا کہ بڑوں نے طے کر دیا ہے، شادی بیاہ کی خوشی اور غمی کی ساری رسومات اور بدعات اور تمام ناجائز اور خلاف شرع کاموں کو چھوڑنے کا یہ بہترین طریقہ ہے۔ اگر تمام برادری والے اپنی اپنی سطح پر یہ فیصلہ کرلیں تو بہت جلد یہ خرابیاں دور ہو سکتی ہیں۔

دوسرا طریقہ شرکت سے معذرت

﴿۲﴾ دوسرا طریقہ انفرادی ہے، کہ اگر برادری کی سطح پر یہ فیصلہ نہ ہو تو نہ صحیح، ہم تو الگ الگ صاحب ایمان ہیں، اور الگ الگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے ہیں، جب الگ الگ ایمان لائے ہیں تو الگ الگ جواب دہ ہیں، جب ہر ایک نے الگ الگ جواب دینا ہے تو ہر آدمی اپنی ذمہ داری پوری کرے، اور جس تقریب میں بھی وہ جانا چاہے تو پہلے ہی سے معلوم کرلے کہ وہاں کیا ہوگا؟ اور پہلے ہی سے یہ ذہن بنالے کہ اگر پہلے معلوم نہ ہوا کہ وہاں کیا ہوگا اور وہاں جاکر پتہ چلا تو میں واپس آجاؤں گا۔ جب کارڈ آئے تو کارڈ لانے والے سے معلوم کرلیں یا ٹیلیفون نمبر اس پر ہوگا، فیکس نمبر ہوگا اس سے معلوم کرلیں کہ بھائی شادی ہو رہی ہے اس میں کیا کیا ہوگا؟ اگر وہ کہے کہ اس میں سب کچھ ہوگا، تو کہہ دیں کہ میں

آپ کو اس تقریب کی ٹیلی فون پر مبارک باد دیتا ہوں، لیکن میں حاضری سے معذرت چاہتا ہوں۔

اور اگر خدانخواستہ انہوں نے دھوکہ سے کام لے لیا اور کہدیا کہ کچھ نہیں ہوگا، آپ بالکل آئیں اور ضرور آئیں، اور وہاں سب کچھ ہو رہا ہے تو پھر آپ وہاں سے واپس آجائیں۔ اور یہ بچنا ہر مرد و عورت کے ذمہ ضروری ہے، وہاں جاکر بھی اُلّو نہ بنیں کہ آپ تصویر سے بچنے کے لئے اور گانے سے بچنے کے لئے چھپ کر بیٹھے رہیں، یہ کوئی تقریب میں شرکت کرنا ہے، یہ تو اس طریقہ سے الّو بننا ہے، یہ تقریب کوئی واجب نہیں بلکہ جس تقریب میں یہ خرافات ہو رہی ہوں تو ایسی تقریب میں شریک ہونا درست بھی نہیں ہے۔ اور میں نے جیسے عرض کیا کہ کوئی قریبی رشتہ دار ہے، اس کو مبارک باد دینی ہے، تحفہ دینا ہے، تو وہ آگے پیچھے بھی ہو سکتا ہے، لیکن خود بھی اس سے بچیں اور اپنے بچوں کو بھی اس سے بچائیں، اور اگر پہلا طریقہ اختیار کریں تو سب کے لئے بچنا آسان ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہماری تقریبوں کو ان دونوں گناہوں سے بھی اور دوسرے گناہوں سے بھی محفوظ فرمائیں۔ آمین۔

اور اگر کسی کے ماں باپ تصویر کشی کی اجازت دیں، گانے بجانے کی اجازت دیں، تو ان کی اجازت دینے کا کوئی اعتبار نہیں، اور ان کی اجازت سے اولاد کے لئے ان کاموں کو کرنا جائز نہیں، کیونکہ ماں باپ کی اطاعت جائز امور کے اندر ہے، حرام اور ناجائز کاموں میں ان کی اطاعت نہیں ہے۔

تیسرا گناہ: مخلوط اجتماع

﴿۳﴾ اور تیسرا گناہ جو عام طور پر شادی بیاہ کے موقع پر دیکھا جاتا ہے کہ ان تقریبات کے اندر مخلوط اجتماع ہوتا ہے، مرد و عورت جو ایک دوسرے کے حق میں نامحرم اور اجنبی ہوتے ہیں وہ سب ایک ہی جگہ پر اکھٹے اور جمع ہو جاتے ہیں، آمنے سامنے دائیں بائیں بے پردہ عورتیں ہوتی ہیں اور ان کے سامنے نامحرم مرد ہوتے ہیں اور یہ سب اس نکاح کی تقریب میں ایک ہی جگہ پر جمع اور اکھٹے ہوتے ہیں۔ یہ بھی ایک عام رواج ہوتا جارہا ہے، بلکہ منگنی سے لے کر ولیمہ تک جہاں جہاں بھی خواتین و حضرات کا اجتماع ہوتا ہے وہ مخلوط اجتماع ہوتا ہے، دونوں مکس ہوتے ہیں، کہیں تو آنا جانا اٹھنا بیٹھنا کھانا پینا بالکل ہی ایک دوسرے کے ساتھ ہوتا ہے اور کہیں بس اتنا اہتمام ہوتا ہے کہ ایک لان یا ایک ہی ہال ہے، ہال کی ایک جانب خواتین بیٹھی ہیں اور دوسرے حصّہ میں مرد حضرات بیٹھے ہیں، اور عورتوں والے حصّے میں مردوں کا آنا جانا بالکل کھلّم کھلاّ اور اعلانیہ ہے، یہ بھی مخلوط اجتماع کہلاتا ہے، اور آپ جانتے ہیں کہ مردوں اور عورتوں کا اس قدر بے حجابانہ اختلاط اور اجتماع ہمارے دین کے اندر گناہ ہی گناہ ہے جس سے بچنا مردوں کو بھی ضروری ہے اور عورتوں کو بھی ضروری ہے۔

نامحرم سے پردہ کرنا ضروری ہے

اس کی وجہ یہ ہے کہ شریعت میں قرآنِ کریم کے اندر اور چالیس سے زیادہ احادیث کے اندر عورتوں پر نامحرم مردوں کے سامنے جانے یا ان کے پاس سے نکلنے کے لئے پردے کو فرض قرار دیا ہے، کسی نامحرم عورت کے لئے یہ حلال نہیں کہ وہ بے پردہ ہو کر کسی نامحرم مرد کے سامنے آ جائے شریعت نے اس کو جائز قرار نہیں دیا، ناجائز قرار دیا ہے، گناہ قرار دیا ہے۔

اور حکم یہ ہے کہ عورت پردہ کر کے آئے، جب بھی عورت گھر سے باہر نکلے، چاہے بازار جائے، چاہے اپنے کسی رشتہ دار کے ہاں جائے اور چاہے کسی تقریب میں شرکت کے لئے جائے، ہر حالت میں اس کو شرعی پردہ اختیار کرنا ضروری ہے، سر سے پیر تک اپنے آپ کو اس طرح چھپائے کہ اس کے جسم کا کوئی حصہ نظر نہ آئے اور نہ جھلک آئے۔ راستہ دیکھنے کے لئے ایک آنکھ کھولنے کی اجازت ہے، اور اگر جالی ہو تو دونوں آنکھوں سے بھی راستہ دیکھا جاسکتا ہے اور رنگین چشمہ بھی لگایا جاسکتا ہے، تو آنکھیں کھولنے کی اجازت راستہ دیکھنے کی ضرورت کی وجہ سے ہے، اگر بغیر آنکھیں کھولے راستہ نظر آسکتا ہو جیسے میں نے عرض کیا چشمہ لگائے یا برقع کے اندر جالی بنالے، یا موٹے کپڑے کی نقاب ہو اور آنکھوں کے آگے باریک کپڑا ہو، تو آنکھوں کو چھپا کر پھر وہ سامنے آسکتی ہے اور سامنے سے گزر سکتی

ہے اور کسی تقریب میں جاسکتی ہے۔ اس میں مردوں سے زیادہ عورتوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ جب گھر سے باہر نکلیں تو سر سے پیر تک اپنے آپ کو کسی بڑی چادر کے اندر اس طرح چھپالیں کہ ان کا جسم بالکل پوشیدہ اور مستور ہو جائے، نہ ان کے کپڑے نظر آئیں، نہ ان کا زیور نظر آئے اور نہ ہی ان کے ہاتھ اور چہرہ نظر آئے، سب پوشیدہ ہو۔

بے پردہ باہر نکلنا

لیکن اس طریقہ سے گھر سے باہر نکلنا اور کہیں جانا کہ نہ برقع ہے نہ چادر ہے نہ دوپٹہ ہے، بالکل بے حجابانہ طریقہ سے نکلنا کہ سر بھی کھلا ہو، گردن بھی کھلی ہو، بازو اور سینہ بھی کھلے ہوں، پیٹھ اور پیٹ بھی کھلے ہوں، اسی طریقہ سے خاص طور پر آراستہ پیراستہ ہو کر شادی بیاہ کی تقریبات میں جانا سراسر گناہ ہے اور بڑے ہی عذاب اور وبال کی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی حفاظت میں رکھیں۔

ایک حدیث میں عبرتناک واقعہ

ایک حدیث میں ہے جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے، یہ دونوں فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم دونوں ملنے کے لئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے، ہم نے جاکر دیکھا کہ نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زار و قطار

رو رہے ہیں اور آج تک کبھی ہم نے آپ کو اس طرح روتے ہوئے نہیں دیکھا تھا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح روتا ہوا دیکھ کر ہمیں بڑا افسوس بھی ہوا اور تعجب بھی ہوا کہ کس بات پر آپ ﷺ کو اتنا رونا آرہا ہے، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت کیا کہ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں! کس بات کی وجہ سے آپ ﷺ اتنا رو رہے ہیں؟

چھے عورتیں

آپ ﷺ نے فرمایا کہ شبِ معراج میں جب میں جہنم دیکھنے کے لئے گیا تو میں نے جہنم میں اپنی امت کی چھ عورتوں کو بہت ہی ہولناک عذاب میں مبتلاء دیکھا، ان کا اس عذاب میں مبتلاء ہونا اس وقت مجھے یاد آرہا ہے جس کی وجہ سے مجھے رونا آرہا ہے کہ ہائے ان کا کیا حال ہوگا۔ پھر آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ آپ ﷺ نے جو چھے عورتیں جہنم میں دیکھیں آپ ﷺ نے ان کو کس عذاب میں مبتلاء دیکھا؟

پہلی عورت کا عذاب

(۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک عورت کو میں نے اس طرح دیکھا کہ وہ اپنے سر کے بالوں کے بل جہنم میں لٹکی ہوئی ہے، اور اس کا دماغ ہنڈیا کی طرح پک رہا ہے۔ اب آپ خود اس سے اندازہ

لگالیں کہ ایک تو خود جہنم میں ہونا کتنے بڑے عذاب کی بات ہے، پھر بالوں کے بل لٹکنا کہ سارے جسم کا وزن بالوں پر، لہٰذا کسی عورت کا بالوں کے ساتھ بندھی ہوئی ہونا، محض اس تصور ہی سے آدمی کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، چہ جائیکہ جہنم کے اندر کسی کے ساتھ یہ معاملہ ہو، اور پھر اس کے ساتھ جہنم کی آگ کی گرمی کی وجہ سے دماغ کا ہنڈیا کی طرح پکنا۔ اپنی امّت کی عورتوں میں سے ایک عورت کو یہ عذاب ہوتا ہوا دیکھا۔

دوسری، تیسری اور چوتھی عورت کو عذاب

(۲) اور دوسری عورت کو میں نے اس حالت میں دیکھا کہ اس کی زبان کو کھینچ کر باندھا ہوا ہے اور وہ اپنی زبان کے بل جہنم میں لٹکی ہوئی ہے۔

(۳) اور تیسری عورت وہ ہے جو اپنے سینے کے بل جہنم میں لٹکی ہوئی ہے۔

(۴) اور چوتھی عورت کو جہنم میں اس طرح دیکھا کہ اس کے دونوں ہاتھ پیشانی سے بندھے ہوئے ہیں اور دونوں پیر سینے سے بندھے ہوئے ہیں اور سانپ اور بچھو اس کو لپٹے ہوئے ہیں۔

پانچویں اور چھٹی عورت کو عذاب

(۵) اور پانچویں عورت کو جہنم میں اس حالت میں دیکھا کہ اس

کا چہرہ خنزیر کی طرح اور باقی جسم گدھے یا کتے کی طرح ہے۔

(۶) اور چھٹی عورت کو اس حالت میں دیکھا کہ اس کا سارا جسم گدھے کی طرح ہے اور جہنم کی آگ اس کے منہ میں داخل ہو رہی ہے اور پاخانہ کے راستہ سے نکل رہی ہے اور فرشتے گرز لے کر اس کو مار رہے ہیں۔

آپ ﷺ نے اپنی امت کی یہ چھ عورتیں جہنم کے اندر عذاب میں مبتلاء دیکھیں، اور آپ ﷺ کو جن کے عذاب کی تکلیف دیکھ کر رونا آ رہا تھا۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ حضور ﷺ! ان عورتوں کو یہ عذاب کس بناء پر ہو رہا تھا!

پہلی عورت کے عذاب کی وجہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے پہلی عورت کے بارے میں فرمایا! جس کو سر کے بل جہنم میں لٹکا ہوا دیکھا تھا وہ میری امت کی وہ عورت ہے جو بے پردہ گھر سے نکلا کرتی تھی اور اپنے سر کے بالوں کو نامحرم مردوں سے نہیں چھپاتی تھی۔

تقریبات اور بے پردگی

آج ہماری تقریبات کے اندر یہ بات سو فیصد پائی جاتی ہے کہ جہاں مرد و عورت ایک ہی لان اور ایک ہی حال میں مخلوط بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں،

وہاں جو خواتین شرکت کے لئے آتی ہیں وہ اس حالت میں ہی آتی ہیں کہ ان کے جسم پر پردہ نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی، دوپٹہ اوّل تو ہوتا ہی نہیں، اگر ہوتا ہے تو پٹی کی طرح وی (V) شکل میں گلے میں پڑا ہوا ہوتا ہے، اور ان کا چہرہ، سر کے بال اور گدی بالکل کھلی ہوئی ہوتی ہے، بلکہ قمیض بھی اتنی باریک اور اتنی چست اور اتنی نامکمل ہوتی ہے کہ ہر چیز اس کے اندر سے نمایاں ہو جاتی ہے، جسم کے اوپر والا حصّہ اکثر کھلا ہوا ہوتا ہے اور گردن سے کافی نیچے تک قمیض کا گلا ہوتا ہے، اس میں گدّی سے بھی نیچے دور تک کا حصّہ نظر آتا ہے، سامنے سے بھی گلے کے نیچے تک کا بہت سا حصّہ کھلا ہوا ہوتا ہے، اور آستین اتنی چھوٹی کہ کہنی سے اوپر تک ہوتی ہے اور اس کے اندر بازو کھلے ہوئے ہوتے ہیں۔

فیشن ہی یہ ہے کہ سر کے بال اچھی طریقہ سے بنا کر اور ان کو کھول کر تقریبات کے اندر شرکت کی جائے۔ حدیث شریف کے اندر ایسی عورت کے لئے یہ عذاب اور وبال بیان ہوا ہے کہ جب وہ مرے گی اور توبہ بھی نہ کی اور اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے معاف بھی نہ فرمایا تو صرف جہنم میں ہی نہ ڈالا جائے گا بلکہ جہنم کے اندر ڈال کر اس کو بالوں کے بل لٹکایا بھی جائے گا۔

قربِ قیامت میں ظاہر ہونے والی دو جماعتیں

اور ایک حدیث میں بے پردہ عورتوں کے لئے یہ وعید آئی ہے کہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری امت میں آخری زمانہ میں دو جماعتیں ہوں گی، جن کو ابھی تک میں نے نہیں دیکھا (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں وہ ظاہر نہیں ہوئیں بلکہ قیامت کے قریب ان کا ظہور ہوگا) ان میں سے ایک جماعت تو وہ ہوگی کہ جن کے ہاتھوں میں گائے کی دم کی طرح کوڑے ہوں گے اور وہ کوڑے لوگوں کو مارتے ہوں گے، یعنی ایک ظالموں کی جماعت ہوگی جو لوگوں پر ظلم کرتے ہوں گے اور زیادتی کرتے ہوں گے اور اُن کو ناحق ستاتے ہوں گے۔

اور ایک جماعت عورتوں کی ہوگی جو بظاہر لباس پہننے کے باوجود ننگی اور برہنہ ہوں گی، اور وہ خود بھی مردوں کو اپنی طرف مائل کرنے والی ہوں گی اور ان کے سر بختی اونٹ کے ٹیڑھے کوہان کی طرح ہوں گے۔

فرمایا کہ یہ دونوں جماعتیں جنّت کی خوشبو بھی سونگھ نہ سکیں گی حالانکہ اتنے اتنے فاصلے سے جنّت کی خوشبو آجائے گی۔

چنانچہ بعض روایتوں میں ہے کہ سو (۱۰۰) سال کی مسافت سے خوشبو آنے لگے گی، اور بعض روایتوں میں ہے کہ پانچ سو سال کی مسافت سے خوشبو آنے لگے گی۔ لیکن اس گناہ کی وجہ سے ان عورتوں کو جنّت کی خوشبو تک نہ آئے گی۔ پھر یہ جو فرمایا کہ جو بظاہر لباس تو پہنے ہوئے ہوں گی لیکن حقیقت میں برہنہ ہوں گی:

چُست لباس، ننگا پہناوا ہے

اس کی تشریح علماءِ کرام نے یہ فرمائی ہے کہ یا تو ان کے جسم پر لباس ہی اتنا چُست ہو گا کہ لباس کے چُست ہونے کی وجہ سے ان کے جسم کے اعضاء و جوارح کی جو ہیئت اور شکل ہے وہ صاف اور بالکل نمایاں ہو گی۔

جبکہ لباس ایسا ہونا چاہئے جو کہ ان کے لئے پردہ پوشی کا باعث ہو۔ لباس کا مقصد ہوتا ہے ستر پوشی، جسم پوشی، جسم کو چھپانا مقصود ہوتا ہے، اور خاص طور پر وہ اعضاء جن کو زیادہ سے زیادہ چھپانے کی ضرورت ہے، چنانچہ لباس ایسا ڈھیلا ڈھالا ہو کہ ان کی ہیئت اور ان کی شکل زیادہ سے زیادہ نمایاں نہ ہو بلکہ کم سے کم نمایاں ہو، لیکن جب لباس چست ہو گا تو ایسی صورت میں اس کے اندر لباس برائے نام ہی ہو گا، ورنہ اعضاء و جوارح جتنے ہیں وہ سارے کے سارے صاف اور نمایاں نظر آتے ہیں۔

باریک لباس

اور دوسرا مطلب اس کا یہ بتلایا کہ وہ لباس پہننے کے باوجود برہنہ ہوں گی یعنی ان کے لباس میں اتنا باریک کپڑا ہو گا کہ اس کپڑے کے اندر سے جسم جھلک رہا ہو گا۔

اور یہ بات بھی ہمارے معاشرہ کے اندر عام ہے، جون جولائی کے مہینہ میں خواتین ایسا باریک کپڑا استعمال کرتی ہیں کہ سر سے لے کر پیر تک

جہاں تک بھی وہ لباس ہوتا ہے، ہر طرف سے جسم نمایاں ہوتا ہے، جالی کا کپڑا تو عام استعمال ہو رہا ہے، اسی طرح لان بھی عام استعمال میں آتی ہے اور بعض لان کے کپڑے تو اتنے باریک اور ہلکے ہوتے ہیں کہ ان کے اندر سے جسم صاف اور نمایاں نظر آتا ہے، لیکن خواتین ایسا باریک لباس پہن کر گھر سے باہر نکلتی ہیں، تقریبات اور شادی بیاہ میں شرکت کرتی ہیں، اور وہاں ایسے ہی لباس کے اندر نامحرم مردوں کے سامنے آتی جاتی ہیں، ان کے ساتھ بیٹھتی ہیں، ان سے باتیں کرتی ہیں، اس حال میں کہ ان کا جسم کپڑے کے اندر سے جھلکتا نظر آتا ہے اور نمایاں ہوتا ہے۔ یہ دونوں باتیں اس کے اندر داخل ہیں، میری امت کی یہ دونوں جماعتیں جہنم کی جماعتیں کہلائیں گی۔

یہ عورتیں ملعون ہیں

ایک طرف تو ان کا جہنمی ہونا بتلایا، دوسری روایت میں ان کے بارے میں فرمایا کہ میری اُمت میں ایسی عورتیں ہوں گی جو لباس پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی، ایسی عورتوں پر لعنت کرنا، کیونکہ وہ ملعون عورتیں ہوں گی۔

لعنت کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور، اور یہ کسی جائز اور حلال کام پر نہیں ہو سکتی، جو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہوگا وہ جہنم میں جائے گا۔ اور یہ دونوں جہاں کے سردار جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

بتلارہے ہیں، لہٰذا جس کام پر یہ لعنت ہو اور جس کام کی وجہ سے سر کے بال سے جہنم میں لٹکائی جائیں، جس کام کی وجہ سے جہنم کی جماعت میں شمولیت واقع ہو، اللہ بچائے وہ کیسے جائز کام ہو سکتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم اپنی شادی بیاہ کی تقریبات میں اپنی خواتین کو سمجھائیں۔

تقریبات میں ان باتوں کا اہتمام کریں

لہٰذا جو بھی کسی تقریب کا اہتمام کرے، وہ سب سے پہلے اس بات کا اہتمام کرے کہ مردوں اور عورتوں کا مخلوط اجتماع بالکل نہ ہو، عورتوں اور مردوں کے آنے جانے کا راستہ بالکل جدا جدا ہو، اسی طریقہ سے ان کے بیٹھنے کی جگہیں بھی بالکل الگ الگ ہوں، عورتوں کے حصّہ میں مردوں کے آنے جانے کا کوئی عمل دخل نہ ہو، نہ مرد آئیں اور نہ قریب البلوغ لڑکے آئیں۔

بالغ لڑکے یا بالغ ہونے کے قریب لڑکے بھی مرد ہوتے ہیں، ان کے سامنے آنا جانا یا ان سے باتیں کرنا یہ بھی ناجائز ہے۔ اور اسی طریقہ سے جو ہالوں کے منتظمین ہوتے ہیں، عام طور پر تو ان کی پرواہ ہی نہیں کی جاتی، نہ مرد پرواہ کرتے ہیں اور نہ ہی عورتیں پرواہ کرتی ہیں، وہ مرد ہی عورتوں کی جگہ میں گھس کر کھانے کا اور دوسری چیزوں کا انتظام کرتے ہیں، اور عورتیں بھی ان کے سامنے بے حس بیٹھی رہتی ہیں، یہ بھی گناہ اور بے پردگی کے اندر داخل ہے۔

ملازم اور نوکر سے بھی پردہ

چاہے ملازم ہو، چاہے نوکر ہو، چاہے قریب البلوغ لڑکا ہو یا بالغ لڑکا ہو، یا کوئی ادھیڑ عمر کا ہو، یا بڑی عمر کا ہو، یہ سارے نامحرم مرد ہیں، عورتوں کو چاہئے کہ ان سب سے پردہ کریں، ان کے سامنے بے پردہ اور بے حجابانہ ہو کر آنے جانے سے پرہیز کریں۔

اور شادی بیاہ کی تقریب کرنے والوں کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس کا پورا پورا انتظام اور اہتمام کریں، ورنہ وہ خود ذمہ دار ہوں گے۔

اور ایسی تقریب منعقد کرنا ہی گناہ ہے اور ایسی تقریب میں شرکت کرنا بھی گناہ ہے، اور ایسی تقریب کہ جس کے اندر مخلوط اجتماع ہو، شادی بیاہ تو درکنار تعلیم و تعلّم میں بھی جائز نہیں۔

تعلیم و تعلّم کے وقت پردہ

اور دنیاوی تعلیم بھی اسی طریقہ سے ہوتی ہے کہ اسکولوں اور کالجوں میں مخلوط تعلیم ہوتی ہے اور مخلوط تعلیم بھی ناجائز ہے، اور اگر خدانخواستہ کسی دینی مدرسہ میں ایسا ہونے لگے کہ وہاں بھی بغیر پردہ کے استاد بیٹھا ہوا ہے اور سامنے طالبات بیٹھی ہیں اور استاد ان کو پڑھا رہا ہے تو یہ بھی گناہ ہے اور ناجائز ہے، اور یہ مخلوط تعلیم آج کل کی ناجائز ہے۔

اور شادی بیاہ کے اندر ایسا مخلوط اجتماع ناجائز اور گناہ ہے، یہ اس لئے

کہ عورتوں پر نامحرم مردوں سے پردہ کرنا فرض ہے، اور بے پردگی گناہ ہے، جب یہ چیزیں گناہ ہیں تو سب جگہ گناہ ہیں، چاہے شادی ہال میں ہو، چاہے اسکول و کالج میں ہو، چاہے مدرسہ و مسجد میں ہو، جہاں بھی بے پردگی ہوگی گناہ ہوگا، اور یہ گناہ عذاب اور وبال کو دعوت دینے والا ہے۔

بدنگاہی کا گناہ

اور پھر یہ بے پردگی تو گناہ ہے ہی، لیکن اس گناہ سے نہ جانے کتنے گناہ وجود میں آتے ہیں، سب سے بڑا گناہ جو وجود میں آتا ہے وہ بدنگاہی کا گناہ ہے، بری نیت سے کسی عورت کو دیکھنا یا کسی عورت کا کسی مرد کو دیکھنا یہ ایک الگ گناہ ہے، یعنی عورت کا بے پردہ ہونا الگ گناہ ہے اور اس کے بے پردہ ہونے کی وجہ سے اس کا یا دوسروں کا بدنگاہی اور بدنظری میں مبتلاء ہونا یہ الگ گناہ ہے۔

حدیث شریف میں اس کو فرمایا گیا ہے کہ آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں اور آنکھوں کا زنا بدنظری اور بدنگاہی ہے۔ وہ خواتین خاص طور پر سوچیں جن کا بے پردہ رہنے کا ایک معمول اور دستور بن چکا ہے، اور جن کی عادت بن گئی ہے کہ جب وہ گھر سے نکلیں گی چاہے سارا دن گھر سے باہر رہیں یا چاہے شادی میں شرکت کے لئے گئی ہوں وہ جہاں بھی رہیں گی بے پردہ رہیں گی، اور بے پردہ رہنے کی وجہ سے کتنے ہی مردوں نے ان کو بری نیت سے دیکھا ہوگا اور بدنظری اور گناہ میں مبتلا ہوئے ہوں گے، تو جتنے مردوں

نے ان کو دیکھا اور بدنظری اور بدنگاہی کا گناہ کیا وہ تو سب ہی اس گناہ کی وجہ سے گناہ گار ہوئے، لیکن ان سب کے برابر یہ عورت بھی گناہ گار ہوئی، اس لئے کہ ان سب کے گناہ کا ذریعہ یہ عورت بن رہی ہے، تو اگر خدانخواستہ کوئی عورت گھر سے بے پردہ ہوکر نکلی یا کسی شادی بیاہ کی تقریب میں اس نے شرکت کی اور وہاں پردہ کا کوئی انتظام نہ تھا اور وہ خود بھی بے پردہ تھی، پھر اگر ایک ہزار مردوں نے اس کو بری نظر سے دیکھا اور اس کو دیکھ کر بدنگاہی کا عمل کیا تو اس کی وجہ سے وہ ایک ہزار مرد گناہ گار ہوئے اور اس کے برابر گناہ اس عورت کو الگ ہوا اور اپنی بے پردگی کا گناہ الگ ہوا اور ایک ہزار نامحرم مردوں کی بدنظری اور بدنگاہی کا گناہ بھی اس کو ہوا کیونکہ یہ ذریعہ بنی۔

گناہ کا ذریعہ بننے والا بھی گناہ گار ہے

اور جو شخص کسی گناہ کا ذریعہ بن جائے تو اس کو بھی گناہ ہوتا ہے جس طرح کوئی آدمی نیکی کا ذریعہ بن جائے تو نیکی کا ثواب اس کو بھی ملتا ہے، جیسے نیک کام کا راستہ بتانے سے آدمی کو کرنے کا ثواب ملتا ہے، ایسے ہی برائی کے راستہ میں کسی کو ڈالنے سے برائی کا بھی عذاب اور وبال آتا ہے۔

ایک حدیث میں فرمایا کہ جس شخص نے اسلام میں اور دین میں کوئی اچھا طریقہ جاری کر دیا، نیکی اور بھلائی کا کام کیا اور وہ مسلمانوں کے اندر جاری ہوگیا تو اس کو تو اس کا ثواب ملے گا، لیکن جتنے مسلمان اس کام کو

کریں گے اور جب تک کرتے رہیں گے ان سب کو بھی ثواب ملے گا اور ان سب کے برابر ثواب اس کو بھی ملے گا۔

اور اگر خدانخواستہ کسی نے دین کے اندر کوئی گناہ کا کام جاری اور ساری کر دیا کہ خود بھی اس نے گناہ کا کام کیا اور لوگ بھی اس کے دیکھا دیکھی گناہ کرتے چلے جارہے ہیں، تو اللہ بچائے اللہ بچائے، اس کو اپنے عمل کا بھی گناہ ہوگا اور جتنے لوگوں نے اس گناہ کو کیا تو اس کے خود کرنے کی وجہ سے وہ سب بھی گناہ گار ہوں گے اور ان سب کے برابر اس کو بھی گناہ ہوگا۔

خواتین گناہ کا ذریعہ بننے سے بچیں

اس لئے خواتین کے واسطے یہ بات سوچنے کی ہے کہ وہ دنیا کی تھوڑی سی سہولت کی خاطر، ذرا سے ایک فیشن کی خاطر، ایک ذرا سی اپنی طبیعت کی چاہت کی خاطر، وہ بے پردگی اختیار کر کے خود تو فرض چھوڑ ہی رہی ہیں اور بے پردگی کا گناہ کر رہی ہیں، لیکن ان کی دیکھا دیکھی دوسری عورتوں نے بھی بے پردگی اختیار کرلی اور ان کے بے پردگی کی وجہ سے نہ جانے کب تک وہ بے پردہ رہیں اور اس تمام عرصہ میں نہ جانے کتنے نامحرم مردوں نے اس کو دیکھا اور گناہ کے اندر مبتلاء ہوئے تو یہ وبال اور سارا گناہ ان خواتین کے کھاتے میں بھی لکھا جائے گا جنہوں نے بے پردگی کا آغاز کیا اور اسے اختیار کیا۔

سبق آموز حدیث

اور ایک عجیب و غریب حدیث ہے جس کا خلاصہ بڑا ہی جامع ہے کہ نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں جہنم کا مشاہدہ کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہنم کے معاینہ کے دوران یہ دیکھا کہ میری امت کی عورتیں بنسبت مردوں کے زیادہ جہنم کے اندر ہیں، اور دوسری احادیث میں اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وجہ بھی بیان فرمائی ہے، لیکن یہاں جو وجہ بیان فرمائی وہ بڑی ہی عجیب و غریب اور بڑی ہی جامع ہے، اس کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ چار وجہ سے میری امت کی عورتیں زیادہ جہنم میں داخل ہوں گی:

اللہ کی اطاعت میں کمی

(۱) ان کے اندر اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کا مادہ کم پایا جاتا ہے، نیک صالح پابندِ صوم و صلاۃ خواتین بہت کم ہوتی ہیں، آزاد اور دین و آخرت سے بیگانہ ہو کر زندگی بسر کرنے والی خواتین زیادہ ہوتی ہیں، یہ مشاہدہ ہم نے اپنی آنکھوں سے کیا ہے۔

رسول ﷺ کی اطاعت میں کمی

(۲) سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری کرنے کا جذبہ بھی ان کے اندر کم پایا جاتا ہے۔

یہ سب ارشادات وہ ہیں جو عورتوں کے بے پردہ ہونے کے سلسلہ میں ہیں، اور سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ارشادات کے ذریعہ مسلمان خواتین سے یہ فرمارہے ہیں کہ تم شرعی پردہ کا اہتمام کرو، بے پردگی سے پرہیز کرو، جس خاتون کے دل میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا جذبہ ہوگا تو میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس کے بعد وہ بے پردگی کرسکتی ہے، لیکن اگر کرتی ہے تو اس کے اندر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا جذبہ یا تو ہے ہی نہیں یا برائے نام ہے، ورنہ ایمان کا تقاضا تو یہ ہے کہ جو مرد و عورت مؤمن ہو بس اس کے اندر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم ماننے اور ان کی تابعداری کا جذبہ سب سے زیادہ ہونا چاہئے۔

شوہر کی اطاعت میں کمی

(۳) ان کے اندر اپنے شوہر کی تابعداری کا جذبہ بھی کم پایا جاتا ہے، خاص طور سے اگر شوہر دین کی بات کہے یا شریعت کی بات کہے یا سنّت کی بات کہے تو بہت جلدی مخالفت کرتی ہیں، اور خاص طور سے شادی بیاہ کے موقع پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور خاوند اگر یہ بات کہیں کہ تم وہاں ذرا پردہ سے رہنا، پردہ میں آنا، پردہ میں جانا، تو اس کے لئے ماننے کو واقعی تیار نہیں ہوتیں، اللہ بچائے عام طور پر تینوں کو ٹھکرادیتی ہیں، یہ بڑی خطرناک بات ہے اور اپنے آپ کو جہنم میں دھکیلنے والی بات ہے۔

عورتوں کا بن سنور کر باہر نکلنا

(۴) چوتھی بات جو ارشاد فرمائی وہ یاد رکھنے کی ہے، اور وہ اس وقت ان کے حال کے عین مطابق ہے جس میں ان کی دکھتی ہوئی رگ پر آپ نے ہاتھ رکھا ہے، اور وہ یہ ہے کہ عورتوں کے اندر بن ٹھن کر آراستہ پیراستہ ہو کر، میک اپ کر کے، بے پردہ ہو کر نامحرم مردوں کے سامنے نکلنے کا جذبہ زیادہ پایا جاتا ہے، یہ عورتوں کا وہ جذبہ ہے جس نے ان کو بے پردہ کیا، جس نے ان کو ننگا کر کے باہر نکالا ہے، جس نے ان کو لباس پہننے کے باوجود ننگا کر دیا ہے، یہ وہ جذبہ ہے جس میں سر کھلا ہے، باہیں کھلی ہیں، گردن کھلی ہے، گلا کھلا ہے، بازو کھلے ہیں، پنڈلی کھلی ہے اور جسم پر کپڑا وہ بھی اتنا باریک اور اتنا چست کہ نہ ہونے کے برابر ہے، اس کے بعد ان کو گھر سے نکلنے میں نہ کوئی حجاب محسوس ہوتا ہے، نہ کوئی عیب محسوس ہوتا ہے، بلکہ یہ سمجھتی ہیں کہ یہ دور حاضر کا فیشن ہے، ایسا ہی نکلنا چاہئے۔ یہ جذبہ ان کے اندر پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے ان کی طبیعت یہ چاہتی ہے کہ ہم نکلیں تو بے پردہ ہو کر ہی نکلیں تاکہ لوگ ہمیں دیکھیں، اللہ بچائے۔

یہ چار وجوہات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہیں اور فرمایا کہ ان کی وجہ سے میری اُمت کی عورتیں زیادہ جہنم میں ہوں گی۔ خواتین ان ارشادات اور ان وجوہات کو سن کر اپنی زندگی کو بدلیں اور اس ناپاک اور آلودہ زندگی سے اپنے آپ کو بچائیں اور پاکیزہ زندگی اختیار کریں۔

عورت کا خوشبو لگانا

ایک حدیث میں ہے کہ جب کوئی عورت خوشبو لگا کر نامحرم مردوں کے پاس سے گزرے تاکہ وہ اس کی خوشبو سونگھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایسی عورت بدکار ہے، اور وہ نظر بھی بدکار ہے جو بری نیت سے اس کو دیکھے۔

مرد اپنی نظروں کی حفاظت کریں

اور مردوں کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ اپنی نظر کی حفاظت کریں اور قصداً کسی نامحرم عورت پر ہرگز اپنی نظر نہ ڈالیں، اچانک چلی جائے تو فوراً ہٹالیں، اسی طرح عورتوں کو بھی چاہئے کہ نامحرم مردوں کو نہ دیکھیں جہاں تک ہوسکے ان سے اپنی نظر کو بچائیں، اچانک نظر چلی جائے تو اپنی نظر ہٹالیں۔ قرآنِ کریم دونوں کو یہ حکم دیتا ہے کہ اپنی نظر نیچے رکھیں اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کریں، اصل طریقہ یہ ہے۔ اور خواتین نظر بچانے کے ساتھ ساتھ شرعی پردہ کا بھی اہتمام کریں اور بے پردہ ہو کر گھر سے نکلنے اور شادی بیاہ کے اندر شریک ہونے سے پرہیز کریں۔

ایک عبرتناک واقعہ

گلگت کا ایک واقعہ یاد آیا اور اس واقعہ کی میں نے وہاں کے اکابر علماء سے بھی تصدیق کی، انہوں نے بھی کہا کہ یہ واقعہ ہمارے گلگت میں اتنا

مشہور تھا کہ ہر آدمی جانتا تھا کہ یہ پر اسرار واقعہ ہوا ہے اور یہ سچ ہے، اور اللہ تعالیٰ عبرت کے واقعات دکھاتے رہتے ہیں، اور اس لئے دکھاتے رہتے ہیں تاکہ لوگ عبرت لیں اور ان گناہوں سے بچنے کی کوشش کریں۔ وہ واقعہ یہ ہے:

کوئی شخص گلگت کے قبرستان سے گزر رہا تھا، یکایک اس کو قبر سے یہ آواز آئی کہ میں زندہ ہوں مجھے نکالو، ایک دو مرتبہ اس نے اسے اپنا خیال سمجھا لیکن جب مسلسل یہ آواز آئی تو یہ متوجہ ہوا اور جب اس کو یہ یقین ہو گیا کہ واقعتاً یہ آواز قبر میں سے آرہی ہے، میرا وہم نہیں ہے، تو وہ گاؤں گیا اور وہاں سے دو چار آدمیوں کو بلا کر لایا، انہوں نے بھی یہ آواز سنی کہ قبر میں سے میت کہہ رہی ہے کہ میں زندہ ہوں مجھے نکالو، اس کے بعد وہ اپنے امام صاحب کے پاس گئے اور کہنے لگے کہ اس طرح سے قبر میں سے آواز آرہی ہے اور میت کہہ رہی ہے کہ میں زندہ ہوں مجھے قبر میں سے نکالو، آپ بتائیں کہ کیا کریں۔

انہوں نے کہا کہ جب زندہ ہے تو نکالو، چنانچہ یہ لوگ گئے اور جا کر مٹی ہٹائی، تختے ہٹائے، دیکھتے ہیں کہ ایک برہنہ عورت بیٹھی ہوئی ہے اور اس کا کفن بالکل خراب ہو چکا ہے، اس نے کہا کہ جلدی سے میرے گھر جاؤ اور اس نے اپنے گھر کا پتہ اور محلہ بتایا اور کہا کہ جلدی سے میرے کپڑے اور چادر لے کر آؤ، میں کپڑے اور چادر پہن کر یہاں سے نکلوں گی۔

چنانچہ وہ لوگ دوڑ کر اس کے گھر گئے اور اس کے کپڑے لائے اور

اس کی قبر کے اندر پھینکے، اس نے وہ کپڑے پہنے اور چادر اوڑھی اور بجلی کی طرح قبر میں سے نکلی اور سیدھے اپنے گھر گئی اور اپنے گھر کے اوپر جو کمرہ تھا اس کے اندر جاکر اس نے اندر سے کنڈی لگالی، لوگ پیچھے بھاگے اور تھوڑی دیر کے بعد یہ سب لوگ وہاں پہنچ گئے، انہوں نے جاکر دستک دی کہ تم کنڈی کھولو، کیا بات ہے تم کیسے زندہ ہو گئیں؟ تمہیں تو مرے ہوئے عرصہ گزر گیا تھا، پھر کیسے زندہ ہو کر یہاں پر آئیں؟

اس نے کہا کہ دروازہ میں بعد میں کھولوں گی، پہلے تم یہ فیصلہ کرو کہ اندر کون کون آئے گا، اس لئے کہ ہر آدمی میرے پاس نہیں آسکتا اور ہر آدمی مجھے نہیں دیکھ سکتا، اس لئے کہ ہر آدمی کے اندر مجھے دیکھنے کی طاقت نہیں، میری حالت ایسی خوفناک ہے کہ اگر کوئی معمولی برداشت والا آدمی دیکھے گا تو وہ بے ہوش ہو جائے گا، لہٰذا جو بہت ہی مضبوط دل والے ہیں اور جو میری حالت دیکھ کر اپنے ہوش و حواس میں رہ سکتے ہیں تو وہی لوگ اندر آئیں اور کوئی نہ آئے، اس کے بعد دو چار آدمیوں نے ہمت کی اور حوصلہ کیا کہ چلو ہم چل کر دیکھتے ہیں، اور انہوں نے کہا کہ ہم دو تین آدمی اندر آئیں گے اور کوئی نہیں آئے گا، تم کنڈی کھولو۔

سر کے بال کھولنے کا عذاب

اس نے دروازہ کھولا اور اپنے آپ کو اس نے چادر میں چھپایا ہوا تھا، اس کے بعد اس نے ان کے سامنے تھوڑی دیر کے بعد اپنا سر کھولا، تو سر کیا

تھا خالی کھوپڑی تھی، نہ بال نہ کھال، دونوں غائب تھے، ایک دم ان کو دیکھ کر خوف آیا لیکن انہوں نے برداشت کیا اور کہا کہ تیرے سر کا یہ کیا حال ہوا، یہ سر کے بال کہاں چلے گئے، کھال کہاں اُتر گئی۔

اس نے کہا کہ جب میں قبر کے اندر اتاری گئی اور لوگ مجھے دفنا کر چلے گئے اور سوال وجواب ہو چکے تو عذاب کے فرشتے عذاب دینے کے لئے اندر آئے، اور سب سے پہلے انہوں نے سر سے عذاب دینا شروع کیا، اور یہ کہا کہ تو جس طریقہ سے دنیا کے اندر بے پردہ سر کھول کر نامحرم مردوں کے سامنے نکلا کرتی تھی، آج ہم تجھے اس کا مزا چکھائیں گے، اور پھر انہوں نے میرا ایک ایک بال کھینچنا شروع کیا اور جہاں تک بال کھال کے اندر پیوست تھا وہاں تک کھال سمیت وہ بال باہر نکلتا تھا، اور میری چیخیں نکلتی تھیں، میں چلّاتی تھی، چیختی تھی، ہائے ہائے کرتی تھی لیکن وہاں کوئی سننے والا نہیں تھا، اور پھر دوسرا بال نکالتے اور اس طرح نکالتے کہ اس کے ساتھ ساتھ کھال بھی نکل جاتی، اس طریقہ سے انہوں نے میرا ایک ایک بال نوچا اور سارے سر کے بال انہوں نے نوچ لئے اور بالوں کے ساتھ ساتھ کھال بھی چلی گئی، اس لئے میرے سر پر نہ کوئی بال ہے اور نہ کھال ہے، اتنا خوفناک اور ہولناک عذاب مجھے ننگے سر گھر سے نکلنے اور نامحرم مردوں کے سامنے آنے جانے کی وجہ سے ہوا ہے۔

لپ اسٹک لگانے کا عذاب

اس کے بعد اس نے اپنا منہ کھولا تو ۳۲ کے ۳۲ دانت نظر آئے، اس نے کہا کہ اس کے بعد میرے ساتھ یہ سلوک ہوا کہ انہوں نے قینچی سے میرے ہونٹ کاٹے، اس لئے میرے ہونٹ غائب ہیں اور دانت باہر ہیں۔ اور یہ خوفناک عذاب مجھے لپ اسٹک لگا کر نامحرم مردوں کے سامنے آنے جانے کی وجہ سے ہوا ہے۔

نیل پالش لگانے کی سزا

اس کے بعد اس نے اپنے ہاتھوں کی انگلیاں کپڑے سے باہر کیں تو ہم نے دیکھا کہ انگلیاں تھیں لیکن ان میں ایک بھی ناخن نہیں تھا، ہم نے پوچھا کہ ناخن کہاں گئے؟ اس نے کہا کہ چونکہ میں نیل پالش لگا کر گھومنے پھرنے کی عادی تھی اس لئے جب میں قبر کے اندر رکھی گئی تو فرشتے زمبور اور پلاس لے کر آئے اور انہوں نے میرا ایک ناخن کھینچا اور کہا کہ مزا چکھ اس نیل پالش کا جو تو نامحرم مردوں کے سامنے لگا کر نکلتی تھی تا کہ وہ تیرے ناخن پالش کو دیکھیں اور تیری تعریف کریں، تیری لپ اسٹک کو دیکھیں اور تیری تعریف کریں، تیرے سر کے بالوں کو دیکھیں اور تیری تعریف کریں، انہوں نے میرا ایک ایک ناخن کھینچ لیا، اس لئے میرا کوئی ناخن باقی نہیں بچا، میری چیخیں نکلتی تھیں لیکن میں اپنے کیے کی سزا بھگت رہی تھی۔ یہ کہہ

کر وہ پھر دوبارہ مردہ ہوگئی، انہوں نے دوبارہ کفن دے کر اس کو قبر میں دفنا دیا۔

عذاب قبر حق ہے

اللہ تعالیٰ کبھی کبھی ایسے عبرت کے واقعات دکھادیتے ہیں، کیونکہ قبر کا عذاب برحق اور سچا ہے، قبر میں سوال و جواب بالکل برحق ہے، نیک آدمیوں کو وہاں پر آرام و راحت نصیب ہوتا ہے اور بدکار مرد و عورت کو وہاں پر عذاب ہوتا ہے، اس عذاب کے واقعات اللہ تعالیٰ کبھی کبھی اس طریقہ سے مختلف علاقوں میں دکھاتے رہتے ہیں، جب سے یہ دنیا چلی ہے اس وقت سے یہ واقعات ہو رہے ہیں، علماء کرام نے ان واقعات کے اوپر موٹی موٹی کتابیں لکھی ہیں، جس میں یہ بھی لکھا ہے کہ فلاں دن فلاں قبر میں فلاں وقت یہ عذاب ہوتا ہوا دیکھا۔

یہ عذاب کن عورتوں کو ہوگا؟

یہ عذاب جو اس واقعہ کے اندر بتایا گیا ہے، یہ انہیں عورتوں کا عذاب اور وبال ہے جو بے پردہ گھومتی پھرتی ہیں، شادی بیاہ کے اندر بے پردہ آتی جاتی ہیں، نامحرم مردوں کے سامنے اٹھتی بیٹھتی ہیں، اور جو مخلوط اجتماع میں ہوتی ہیں، ان عورتوں کا یہ بیان ہے۔

محرم کے سامنے بناؤ سنگھار کی اجازت

ورنہ اگر کوئی اپنے شوہر اور اپنے محرم کے سامنے لپ اسٹک لگائے یا ناخنوں کے اوپر پالش لگائے اور نماز کے اوقات میں اس کو صاف کرلے، یا شوہر کے سامنے سر کے بال کھلے ہوئے ہوں یا والد کے سامنے سر کھل جائے تو یہ کوئی گناہ نہیں ہے، بے پردگی تو نامحرم مردوں کے سامنے ناجائز ہے، اپنے باپ سے اپنے بیٹے سے اپنے سگے بھائی سے تو کوئی پردہ نہیں ہے، ان کے سامنے اگر سر کھل بھی جائے تو کوئی گناہ نہیں ہے اور گھر کے اندر اگر اس نے باپ بھائی یا شوہر کے سامنے ناخنوں پر پالش لگالی یا کوئی جائز فیشن کرلیا تو اس میں کوئی حرج نہیں، گھر میں تو کوئی منع نہیں ہے۔

ممانعت تو اس بات کی ہو رہی ہے کہ یہ کام کر کے بے پردہ اور بے حجابانہ گھر سے نکلے، جیسا کہ آج کل کا دستور ہے اور پھر شادی بیاہ میں شرکت کرے، جہاں اللہ بچائے دونوں طرف مرد و عورتیں ہوتی ہیں، نامحرم مرد نامحرم عورتوں کی طرف مائل ہیں، نامحرم عورتیں نامحرم مردوں کی طرف مائل ہیں، مرد عورتوں کو دیکھ رہے ہیں، عورتیں مردوں کو دیکھ رہی ہیں، جس کے نتیجہ میں بدنظری اور بدنگاہی کا ارتکاب بھی ہوتا ہے جو کہ بڑے عذاب اور وبال کی چیز ہے۔

اور اللہ بچائے ہماری شادی بیاہ کے اندر یہ گناہ بھی بہت زبردست ہو رہا ہے، جس سے ہمیں بھی بچنا چاہئے اور اپنی خواتین کو بھی بچانے کی

کوشش کرنی چاہیے۔ اور بھی اس موقع پر بڑے بڑے گناہ ہو رہے ہیں سب کا بیان کرنا تو بڑا مشکل ہے، ان میں سے بس اہم اہم ہی میں آپ کی خدمت میں بیان کر رہا ہوں کہ ان سے زیادہ سے زیادہ ہمیں بچنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان گناہوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

جہیز اور نیوتہ کی حقیقت

(۳)

حضرت مولانا مفتی عبد الرؤف صاحب کھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب

مولانا محمد زاہد : مولانا محمد وسیم

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ط

جہیز اور نیوتہ کی حقیقت

اور

شادی میں ہونے والے گناہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَأَشْھَدُاَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَأَشْھَدُاَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا

وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَعَلیٰ اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔

أَمَّا بَعْدُ!

عن علی رضی اللّٰه عنه قال: كان جهاز فاطمه خَمِيْلَةً وَوِسَادَةً مِن اُدْم حشوهماليف ۔ اوكما قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم۔

(زرقانی شرح بخاری)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی کو جو جہیز دیا اس کے بارے میں علماء نے لکھا ہے کہ اس سے تین باتیں معلوم ہوئیں، وہ یاد رکھنے کی ہیں۔

حیثیت کے مطابق جہیز دیں

پہلی بات جو معلوم ہوئی وہ یہ کہ جو شخص اپنی بیٹی کو جہیز دے تو حسبِ استطاعت دے یعنی جس کی جتنی طاقت ہو اس کے اندر اندر دے، جس کی ماہوار (۵۰۰۰) پانچ ہزار روپے آمدنی ہے وہ اس کے مطابق دے، جس کی دس ہزار روپے آمدنی ہے وہ اس کے مطابق دے، اور جس کی پچاس ہزار روپے آمدنی ہے وہ اس کے مطابق دے، اپنی اپنی حیثیت کے اندر رہ کر دے، اس کے اندر بڑے فوائد پوشیدہ ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ اس

کو کہیں بھی ہاتھ نہیں پھیلانا پڑے گا۔

جہیز دینے کے لئے زکوٰۃ مانگنا

آج ہمارے معاشرے کے اندر زکوٰۃ جس طریقہ سے مدارس کے اندر لی جاتی ہے اسی طرح کتنے ہی لوگ اپنی بیٹیوں کا نکاح کرنے کے لئے، رشتہ اور شادی کرنے کے لئے زکوٰۃ مانگتے پھرتے ہیں۔ یہ کیوں مانگتے ہیں؟ اس لئے مانگتے ہیں کہ ان کو جہیز اتنا دینا ہوتا ہے جتنا کہ (۱،۰۰،۰۰۰) ایک لاکھ روپے آمدنی والا دے رہا ہے، اپنے ذہن میں جہیز کا ایک معیار مقرر کرلیا ہے، اب امیر وغریب سب اس کے پابند ہوگئے ہیں۔

پھر اس میں بھی مقابلہ جاری ہے، خلاصہ یہ ہے کہ غریب آدمی یا تو اپنی بیٹی کی شادی نہیں کرسکتا، اور اگر کرے تو اس کے لئے وہ سمجھتا ہے کہ میں جب تک اس معیار کے مطابق جہیز کی تمام شرائط پوری نہیں کروں گا، میری بیٹی کی شادی نہیں ہوسکتی، ورنہ تو لوگ مجھے بُرا بھلا کہیں گے، ملامت کریں گے، لعن طعن کریں گے، میری ناک کٹ جائے گی۔ تو اپنی ناک کے پیچھے، فخر کے طور پر، نمود و نمائش کے لئے، دکھاوے کے لئے، معاشرہ کا پیٹ بھرنے کے لئے وہ بھی اس معیار کے مطابق شادی کرتا ہے اور جہیز دیتا ہے اور پھر اس کے لئے بھیک مانگتا ہے، اللہ بچائے۔ اللہ بچائے، پہلی بات جو ہمارے واسطے ہدایت اور تعلیم ہے وہ یہ ہے کہ نکاح کے اندر اگر جہیز دینا ہے تو اپنی حیثیت کے مطابق دیں۔

ضرورت کی چیز دیں

دوسری بات جو معلوم ہوئی ہے وہ یہ کہ ایسی چیزیں دیں جس کی اس کو وہاں ضرورت ہو یعنی جہیز میں وہ چیزیں دیں جو ضرورت کی ہوں، مثلاً پلنگ کی ضرورت ہے، تکیہ کی ضرورت ہے، گدے کی ضرورت ہے، پیالہ کی ضرورت ہے، چادر کی ضرورت ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ضرورت کی چیزیں دیں، سجانے کے لئے کوئی چیز نہیں دی۔

جہیز کی لعنت

آج ہمارے معاشرے کے اندر جہیز ایک لعنت کی صورت اختیار کرچکا ہے، اور اب تو اللہ بچائے لڑکے والے خود فہرست پیش کرتے ہیں، اور درخواست کرتے ہیں کہ جہیز کے اندر فلاں فلاں چیز دینا ضروری ہے، جب تو رشتہ منظور ہے ورنہ ہمیں منظور نہیں۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

یہ شادی تو نہ ہوئی دکانداری ہوگئی، سودے بازی ہوگئی گویا عورت اصل مقصود نہیں، جہیز اصل مقصود ہے۔ لڑکے والوں کا جہیز سے کیا تعلق، جہیز تو باپ اپنی بیٹی کو دینا چاہتا ہے، وہ اپنی حیثیت کے مطابق کم دے یا زیادہ دے، لڑکے والوں کو اس سے کوئی غرض ہی نہیں ہونی چاہئے۔

لیکن اب الٹا معاملہ ہے کہ رشتہ بعد میں ہوتا ہے، پہلے یہ پوچھا جاتا ہے کہ آپ جہیز میں کیا دیں گے؟ بلکہ لڑکے والے باقاعدہ شرطیں لگاتے ہیں کہ فلاں فلاں چیز بھی دینی ہوگی، یہاں تک کہ یہ باتیں سننے میں آتی ہیں، اللہ بچائے، کار بھی دینی ہوگی، دکان اور بنگلہ بھی دینا ہوگا، یعنی کہ بالکل ہی انسان انسانیت سے نکل چکا ہے، اور جانور سے بدتر ہوگیا، جانور بھی اس سے بہتر ہے، اس معاملہ میں نہ حیاء رہی، نہ شرم رہی، نہ غیرت رہی، اور نہ کسی چیز کا پاس رہا، معلوم ہوتا ہے کہ بالکل ہی دنیا کے پجاری بن گئے ہیں۔

پھر وہاں کوئی شادی کامیاب بھی نہیں ہوتی، اس لئے کہ وہاں شادی اور نکاح مقصود ہی نہیں ہوتا، پیسہ مقصود ہے، اور جب پیسہ مل گیا تو جہاں پیسہ پر شادی ہوتی ہو وہ کہاں کامیاب ہوتی ہے اور اس میں کیسے خیر ہوسکتی ہے؟ اور کہاں دل مل سکتے ہیں؟ اس میں تو بس طعن و تشنیع کی بارش ہوتی ہے، پہلے ہی دن سے لڑکے والے جہیز کے اندر عیب نکالنے شروع کردیتے ہیں کہ اچھا تو یہ دیا ہے، وہ دیا ہے، اور ہم تو سمجھ رہے تھے کہ اتنا ملے گا، حالانکہ اتنا سا دیا ہے، اور لاؤ، وہ لاؤ، یہ دو، وہ دو، اور جو کچھ دیا اس میں بھی دس عیب نکالتے ہیں کہ فرنیچر خراب ہے، یہ بہت گھٹیا ہے، یہ بہت سستا ہے، اور تمہارے ماں باپ نے دیا ہی کیا ہے، رات دن طعن و تشنیع بہو پر ہوتی رہتی ہے، شوہر کی بہنیں بھی، اس کی ماں بھی، باپ بھی اور خاندان والے بھی اس پر لعن طعن کرتے رہتے ہیں، جس کی وجہ سے اس کا ایک دن

بھی زندگی گزارنا مشکل ہو جاتا ہے۔

اور اگر لڑکے والے یہ شرطیں نہ بھی لگائیں تو زیادہ سے زیادہ جہیز دینے کا چونکہ اب فیشن بن گیا ہے، لہٰذا لڑکی والے بھی اپنی حیثیت سے بڑھ کر دیتے ہیں۔

جہیز کیلئے سودی قرض لینا

جہاں تک مجھے معلوم ہے بعض لوگ سودی قرض لے کر جہیز دیتے ہیں، زکوٰۃ مانگ مانگ کر دینے کا تو عام رواج ہو گیا ہے کہ جو معیار ہمارے معاشرے نے ایجاد کیا ہے، اس سے اگر اس کی مالی حیثیت کم ہے فوراً زکوٰۃ مانگنے کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے، عزیزوں اور رشتہ داروں سے رجوع کیا جاتا ہے کہ جناب ہماری بچی کی شادی ہو رہی ہے اور ہمارے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں کہ ہزار افراد کی دعوت کر سکیں، اور پانچ یا دس لاکھ کا جہیز دے سکیں۔ اور جب زکوٰۃ نہ ملی تو دکان بیچ دی، مکان بیچ دیا، سودی قرض لے لیا، اور پورے گھر میں جھاڑو پھیر دی، پھر یہاں بھی لعنت کی بارش ہوتی ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے شریعت کی حدود کو پامال کر دیا اور ہم نے راہِ سنت کو ترک کر دیا، پھر اس کا تو یہ وبال ہی آئے گا، پھر شادی خانہ آبادی نہیں بلکہ شادی خانہ بربادی ہوتی ہے، جب چاہیں جہاں چاہیں یہ حال دیکھ لیں، اس لڑکی کی زندگی اپنے ماں باپ کے گھر لاکھ درجہ بہتر تھی کہ اس نے اپنے گھر سے جاکر یہ دن دیکھے۔

اس کی کئی وجوہات ہیں، اوّل تو جب آپ سودی قرض لے کر جہیز دیں گے تو وہ کیسے راس آئے گا؟ نمائش کے لئے جب آپ جہیز دیں گے تو اس میں کیا خیر و برکت آئے گی؟ اور جب لڑکے والے لڑکی والوں سے شرطیں لگا لگا کر جہیز لیں گے تو اس سے کیا راحت آئے گی؟ لیکن آج کل ہمارے معاشرے میں یہ باتیں عام ہو چکی ہیں جس کی وجہ سے بچیوں کے رشتے نہیں ہوتے، شادیاں نہیں ہوتیں، اور جو ہو جاتی ہیں ہفتے دو ہفتے، مہینے دو مہینے کے بعد طلاق تک نوبت پہنچ جاتی ہے، تو وہ شادی ناکامی کا شکار ہو جاتی ہے۔

جو کچھ دینا ہے اپنی حیثیت اور سنّت کے مطابق دیں اس سے کون منع کرتا ہے؟ شریعت نے جہیز کی جو حدود بتلائی ہیں ان کے مطابق دیں، ضرورت کی چیزیں دیں۔

نمائش نہ کریں

تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ دکھادے کے طور پر نہ دیں اور جہیز دکھاوے کے لئے دیا جاتا ہے، تو پھر آپ دیکھتے ہیں کہ اس کی نمائش بھی کتنی زبردست ہوتی ہے، اگر کسی نے اپنی حیثیت کے مطابق اور ضرورت کے لئے دیا تو پھر اس کے اندر نمائش کیوں کرتے ہیں؟ باقاعدہ اس کو کمرہ کے اندر سجانا اور پھر لڑکے والوں کا آنا اور پھر ایک ایک چیز کو اٹھا اٹھا کر دیکھنا، اس پر تبصرہ کرنا، اس کو دیکھتے ہی نجانے کتنی نظریں اس سے پار ہوتی

ہیں، اور پھر وہ نظر لگا ہوا جہیز بہت ہی کم راس آتا ہے۔

یہ ساری مصیبتیں اس لئے ہیں کہ ہم نے شادی بیاہ کے اندر بہت بڑے بڑے گناہوں کو چپکایا ہوا ہے، اور ہمارے معاشرے میں یہ چیزیں رواج پا گئی ہیں۔ لیکن یاد رکھئے کہ جتنا کوئی گناہ رواج پاتا ہے اتنا ہی وہ سنگین ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کا غضب اور اس کی ناراضگی اور زیادہ اس کے اندر بھر جاتی ہے، اللہ بچائے۔

نیوتہ یا سلامی کی رسم

زمانہ دراز سے ایک بڑی بدترین رسم شادی بیاہ میں چلی آرہی ہے، جس کو ہمارے علاقہ میں نیوتہ یا سلامی کی رسم کہتے ہیں اور سرحد اور کشمیر میں نندرہ کی رسم کہتے ہیں، یہ رسم آج بھی شادی بیاہ کے موقع پر ہوتی ہے۔ اور ہوتا یہ ہے کہ جس شخص نے شادی کے موقع پر دلہا یا دلہن والوں کی جتنی مدد کی ہے، اس کو باقاعدہ رجسٹر میں نام کے ساتھ لکھا جاتا ہے، جس میں شادی کی تاریخ پڑی ہوئی ہوتی ہے، اور دینے والے کا نام لکھا ہوا ہوتا ہے، اور سامنے اس کی رقم لکھی ہوتی ہے کہ فلاں ابن فلاں نے ہمارے خاندان کی فلاں بنت فلاں کی شادی پر اتنی رقم دی۔ اس کو آپ نے بھی دیکھا ہوگا۔ میں نے تو کراچی میں کئی جگہ دیکھا ہے کہ اس رقم کو لکھنے کے لئے شادی ہال کے باہر ایک آدمی ایک ٹیبل پر باقاعدہ رجسٹر لئے بیٹھا ہوا ہوتا ہے، اس کو دیکھ کر مجھے یاد آیا کہ یہ اتنی پرانی رسم آج بھی موجود ہے،

پہلے زمانے میں تو ہوتی تھی مگر کراچی جیسے شہر میں آج بھی یہ رسم موجود ہے۔ یہاں آدمی کو کچھ نہ کچھ تو الف، ب آتی ہے، کچھ تو پڑھے لکھے ہیں۔

پڑھے لکھے جاہل

مگر اس تعلیم سے کیا فائدہ جس میں جہالت ہی جہالت بھری ہوئی ہو، پھر یہ تو پڑھے لکھے جاہل ہوگئے، پڑھ لکھ کر بھی جہالت دور نہ ہوئی تو پھر کب ہوگی؟ یہاں طور طریقے تو سارے ہی جدید اختیار کر لئے، لیکن گلے کا کانٹا نہ نکالا، گلے کا جو کانٹا ہے وہ ویسے کے ویسے ہی چبھتا چلا آرہا ہے۔

تو جس کے بیٹے یا بیٹی کی شادی ہے وہ شادی ہال کے باہر رجسٹر کھول کر بیٹھ جاتا ہے، اور جب کوئی شخص آکر اس کو رقم دیتا ہے تو وہ رجسٹر میں اس کا کھاتا دیکھتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ میں نے آپ کو اتنی رقم دی تھی اور آپ اتنی دے رہے ہیں، کم دے دو تو راضی ہی نہیں ہیں، مثلاً اگر آپ نے اس کو پچاس روپے دیے، اس نے آپ کو سو روپے دیے تھے تو پچاس روپے تو لینا ممکن ہی نہیں، آپ تو اندر جا نہیں سکتے، گیٹ پر کھڑے رہیں، یا تو سو روپے پر ۱۱۰ یا ۱۲۰ یا ۵۰۰ روپے تک دو تو ٹھیک ہے، فائدہ ہوگیا، ۱۰۰ روپے دیئے تھے اور ۱۲۰ روپے مل رہے ہیں، شکریہ، تشریف لے جائیے۔ مفت میں تھوڑی کھانا کھانا ہے، اور اب تو کھانا بھی نہیں ہے، لہٰذا اور بھی معاملہ مہنگا ہوگیا، صرف بوتل بہت مہنگی پڑتی ہے۔ تو رجسٹر دیکھا جاتا ہے کہ ہم نے اِتنے دیے تھے، آپ کتنے دے رہے ہیں، برابر سرابر میں بھی وہ

غصہ کے ساتھ رکھ لے گا، لیکن اگر آپ نے دس بیس کم دے دیئے تو پھر آپ کی خیر نہیں، ناراض ہوگا، خفا ہوگا، قطع تعلق ہوگا، بول چال بند ہو جائے گی، سلام و دعا ختم ہو جائے گی۔ اس طریقہ سے ہر ایک اپنا حساب دیکھتا ہے اور اپنا کھاتا کھول کر بیٹھ جاتا ہے، لالہ جی کی طرح کہ کتنے دیے تھے اور کتنے آئے، زیادہ آگئے تو پھر صحیح، کم آئے تو پھر لڑائی، اللہ بچائے۔

سودی معاملہ

علماء کرام نے فرمایا کہ یہ سودی معاملہ ہے، اس لئے کہ اگر یہ ہدیہ ہوتا تو ہدیہ میں واپسی کا کوئی سوال ہی نہ ہوتا، یہ تو قرض لیا تھا تو قرض واپس کیا جاتا ہے، اس میں برابر سرابر ہو تو آدمی کو کچھ گناہ نہیں ہوتا، سو دیے تھے تو سو لے گا، دو سو دیے تھے تو دو سو لے گا، اور کم پر اس لئے راضی نہیں ہوتا کہ سو دیے ہیں اس سے کم پر کیسے راضی ہو جائے؟ ہاں زیادہ ملے پھر وہ نفع ہے۔

اور شرعی لحاظ سے سو کے بدلے سو لینا تو ٹھیک ہے اور وہ بھی اس وقت جب واقعی ضرورت ہو، یہاں کیا ضرورت ہے؟ قرض تو ضرورت کے موقع پر لیا دیا جاتا ہے اور وہ بھی قرض حسنہ، یعنی جتنا دیا ہے اتنا ہی واپس لینا ہے نہ کم نہ زیادہ، لیکن یہاں تو سرے سے کوئی ضرورت ہے ہی نہیں، بلا ضرورت یہ لیا دیا جا رہا ہے، اور شریعت کے اندر بلا ضرورت قرض لینا یا بلا ضرورت قرض مانگنا یہ بھی اچھا نہیں۔

پہلے کسی زمانے میں اس کی ضرورت ہوتی ہوگی جب غربت کا زمانہ

تھا، لیکن آج تو الحمدللہ جہاں یہ کام ہوتے ہیں وہاں اس کی عام ضرورت بالکل نہیں ہوتی، لیکن بالفرض اگر ضرورت کے موقع پر قرض لے بھی لے تو جتنا دیا ہے اتنا ہی واپس لے سکتا ہے۔

مگر یہاں تو ارادہ پہلے ہی سے یہ ہوتا ہے کہ جتنا دیا ہے اس سے زیادہ واپس لینا ہے، یہ تصور پہلے ہی سے ہوتا ہے اور اس بات کی پہلے ہی سے کوشش ہوتی ہے، اس لئے برابر سرابر لینے پر وہ خوش نہیں ہوتا، اتنا تو ہم نے بھی دیا تھا، تم نے دے دیا تو کون سا کمال کر دیا؟ اور کم پر لڑنے مرنے کے لئے تیار ہیں، اس کے اندر نااتفاقی ہو جاتی ہے، اور طعن و تشنیع تو لازمی ہے۔ تو جتنا دیا تھا اس سے زیادہ جو لیا جا رہا ہے یہ سود ہے، اس لئے کہ ہر وہ قرض جس کے اوپر ذرا سا بھی نفع لیا جائے، وہ سود ہے۔

سود کا گناہ

اور سود کتنا سنگین گناہ ہے۔ تین حدیثوں کے اندر تین الفاظ آئے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ سود میں ستر ۷۰ گناہ ہیں۔ دوسری حدیث میں ہے کہ سود کے اندر بہتر ۷۲ خرابیاں ہیں، تیسری روایت میں یہ ہے کہ سود کے اندر تہتر ۷۳ وبال ہیں۔

سود کا کم از کم گناہ

اور کم سے کم اس کا گناہ ایسا ہے جیسے کوئی اپنی ماں کے ساتھ زنا

کرے۔ اور ایک حدیث میں سود کا ایک درہم ۳۳ مرتبہ اور ایک حدیث میں ۳۶ مرتبہ زنا کرنے سے زیادہ برا ہے۔

اور اس کا عذاب جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ ایک مرتبہ خواب میں اور ایک مرتبہ شب معراج میں دیکھا ہے، خواب کے اندر آپ ﷺ نے اس طرح دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دو آدمی آئے اور مجھے لے کر چلے، راستے میں ایک نہر پر سے گزر ہوا، دیکھا کہ وہ خون کی نہر ہے اور وہ خون سے بھری ہوئی ہے اور اس کے بیچ میں ایک آدمی کھڑا ہوا ہے اور کنارے پر بھی ایک آدمی کھڑا ہوا ہے اور اس کے پاس بہت سارے بڑے بڑے پتھر ہیں، جب نہر کے درمیان کا آدمی باہر نکلنے کی کوشش کرتا ہے اور کنارے کی طرف آتا ہے تو وہ باہر کھڑا ہوا آدمی اس کے سر پر اس زور سے پتھر مارتا ہے کہ وہ قلابازی کھاتا ہوا پھر نہر کے بیچوں بیچ پہنچ جاتا ہے اور پھر وہیں ٹھہر جاتا ہے، وہ پھر دوبارہ نہر سے نکلنے کی کوشش کرتا ہے، تو یہ پھر اس کے سر پر پتھر مارتا ہے۔

تو جو دو آدمی مجھے لے کر آئے تھے میں نے ان سے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ یہ کون آدمی ہے جو خون کی نہر میں کھڑا ہوا ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ یہ آپ ﷺ کی امت کا سود خور ہے، یہ سود کھانے والا آدمی ہے جو خون کی نہر میں کھڑا ہوا ہے اور یہ فرشتہ ہے جو اس کو عذاب دینے پر مقرر ہے۔

سود خور کے لئے ایک اور عذاب

اور شبِ معراج میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم آسمانوں کے اوپر تشریف لے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مقام پر دیکھا کہ بجلی بڑی کڑک رہی ہے اور چمک رہی ہے، اور بڑی ہولناک اور کڑکنے کی آواز آرہی ہے، اور ساتھ یہ دیکھا کہ کچھ لوگ ہیں جن کے پیٹ مکانوں کے برابر ہیں، اللہ بچائے، اللہ بچائے، اتنے بڑے بڑے پیٹ جیسے ایک گھر ہوتا ہے، اور ان کے پیٹ کی کھال اتنی باریک ہے کہ اندر کی چیزیں باہر سے نظر آرہی ہیں اور ان کے پیٹ میں سانپ بچھو بھرے ہوئے ہیں، صبح و شام ان کو دوزخ کے سامنے لے جایا جاتا ہے اور آلِ فرعون ان کو روندتے ہوئے گزرتے ہیں۔ اس سے آپ خود ہی اندازہ لگالیں کہ روندنے سے ان کی کیا حالت ہوتی ہوگی۔ اس کے نتیجے میں وہ اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے ہیں کہ یا اللہ قیامت برپا نہ فرما، قیامت برپا نہ فرما، جب یہیں ہمارے لئے اتنی بڑی قیامت ہے تو آگے نہ جانے ہمارے لئے کتنا عذاب و وبال ہوگا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معلوم کیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ تو بتایا گیا کہ یہ لوگ سود کھانے والے ہیں، جو لوگ دنیا میں سود کھاتے ہیں ان کا یہ حال اور عذاب ہے۔

سود کی حرمت قرآن وحدیث سے

چنانچہ سود کا یہ لین دین معمولی گناہ نہیں ہے، بہت ہی خوفناک اور بہت ہی خطرناک، بڑا ہی سنگین اور بڑا ہی حرام کام ہے، جس کا حرام ہونا قرآن کریم سے ثابت ہے اور ایک نہیں دس آیتوں سے ثابت ہے، اور چالیس سے زیادہ احادیث اس کے حرام ہونے پر موجود ہیں، اور پوری امت اس کے حرام اور ناجائز ہونے پر متفق ہے، لہٰذا اب چاہے ساری دنیا حلال کہے، ان کے کہنے سے کیا ہوتا ہے، جو کچھ بھی ہوتا ہے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے کہنے سے ہوتا ہے۔ جب انہوں نے اس کو حرام کر دیا تو قیامت تک حرام ہے، چاہے ساری دنیا کھائے پیئے۔ بہرحال نہایت سنگین اور خطرناک گناہ ہے۔

شادی میں بے برکتی کی وجہ

شادی کے موقع پر دیکھیں کہ یہ سودی معاملہ کس طریقہ سے کھلے عام ہو رہا ہے، جس شادی کے اندر سود کا لین دین ہوگا، بتایئے اس کے اندر کہاں سے خیر آئے گی؟ کہاں سے راحت آئے گی؟ کہاں سے اس میں برکتیں آئیں گی؟ کہاں سے اس میں سکون آئے گا؟ کہاں سے میاں بیوی کے دلوں میں جوڑ پیدا ہوگا؟ کیسے میاں بیوی میں اتفاق ہوگا؟ کیسے دونوں ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے والے ہوں گے؟ دونوں خاندانوں کے

لئے کیسے وہ آنکھوں کی ٹھنڈک بنیں گے؟

توڑنے کے سارے انتظامات ہم نے پہلے ہی کر رکھے ہیں، ایسے رشتہ کا کامیاب رہنا مشکل ہے، اور اگر نہ ٹوٹا تو نکاح کے مقاصد سے تو محروم ہو ہی جائے گا، اور جو نکاح کے فوائد سے، نکاح کے ثمرات سے، نکاح کی برکات سے، اور اللہ کی رحمتوں اور نوازشوں سے خالی ہوگیا، اس کے اندر بے سکونی، بے قراری اور بے چینی کے علاوہ اور کیا ہوگا، اور اس گناہ کے اندر دین دار لوگ بھی مبتلاء ہیں، اللہ بچائے۔

آج کل کی دینداری

ہمارے ایک استاد فرمایا کرتے تھے کہ آج کل دینداری کرتے ٹوپی تک رہ گئی ہے، بس ٹوپی سر پر رکھ لی، کرتا پہن لیا، ٹخنوں سے اوپر شلوار کرلی، بس اس کا نام ہے دینداری، یہ ہیں دیندار صاحب، چاہے سود لیں چاہے سود دیں، چاہے رشوت لیں یا رشوت دیں، اب چاہے وہ کچھ بھی کرتے رہیں، ان کی دینداری پر کوئی فرق نہیں آتا۔

تبلیغی جماعت کا ایک قصّہ

ایک قصّہ یاد آیا، تبلیغی جماعت کے ساتھی جب کہیں جاتے ہیں تو واپسی پر بعض مرتبہ عجیب وغریب واقعات سناتے ہیں، چنانچہ ایک جماعت کہیں کسی محلّہ میں سے گزر رہی تھی، انہوں نے دیکھا کہ ایک گھر کے باہر

بہت لوگ جمع ہیں اور بڑے پریشان ہیں تو انہوں نے گزرتے ہوئے پوچھا کیا بات ہے؟ کیا ہو گیا؟ کیوں پریشان ہیں؟

انہوں نے کہا کہ ایک آدمی کا انتقال ہو گیا ہے اور گھر کے اندر اس کی میت موجود ہے، لیکن اس کے سینے پر ایک ناگ بیٹھا ہے، ہم نے اس کو ہٹانے کی بہت کوشش کی مگر ہٹتا ہی نہیں، ڈر بھی لگ رہا ہے کہ کسی کو ڈنگ نہ مار دے، جبکہ ہمیں اسے غسل دینا ہے، کفن دینا ہے، نماز پڑھنی ہے، ہماری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا کریں؟ اس لئے ہم پریشان ہیں، وہ عام سانپ اور ناگ کی طرح نہیں ہے کہ لکڑی سے وہ ہٹ جائے۔

جماعت والے سمجھ گئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا عذاب نازل کیا ہے جو اس کے کسی گناہ کا وبال و عذاب ہے جو اس شکل میں اللہ تعالیٰ نے دکھایا ہے۔ چنانچہ جماعت والوں نے بتایا کہ ہم اندر گئے اور دیکھ کر ہمیں یقین آ گیا کہ یہ اس میت کا کوئی برا عمل ہے، کوئی ایسا گناہ ہے جو اس نے کیا ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ نے اس شکل میں ظاہر کیا ہے، ہم اس کمرہ میں ایک طرف بیٹھ گئے، اور اللہ تعالیٰ سے اس کی مغفرت کی دعا کرنے لگے اور پڑھ پڑھ کر ایصال ثواب کرنے لگے، گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ گزرا ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کی شان وہ ناگ ایک دم غائب ہو گیا، پتہ نہیں کہاں اڑ گیا، پتہ نہیں کہیں گھس گیا، پتہ ہی نہیں چلا کہ کیسے غائب ہوا، حالانکہ سب دیکھ رہے تھے، دیکھتے ہی دیکھتے نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ وہ ناگ جیسے ہی وہاں سے ہٹا تو انہوں نے جلدی سے اسے نہلایا، کفنایا اور نماز پڑھی، اور جلدی سے اسے قبرستان لے گئے،

اور جب اس کو قبر میں رکھا تو قبر میں رکھتے ہی وہ کالا ناگ پھر دوبارہ اس کے سینے پر آکر بیٹھ گیا، جب ہم نے اس کو دیکھا تو کہا کہ اب اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بچانے والا نہیں ہے، جلدی سے ہم نے تختے رکھے، مٹی ڈالی اور خوف کے مارے ہم جلدی سے وہاں سے آگئے۔

پھر واپس آکر ہم نے اس کے گھر والوں سے پوچھا کہ بھائی! یہ کیا ایسا کام کرتا تھا جس کی وجہ سے اللہ پاک نے اس کا یہ خوفناک حال ہمارے سامنے ظاہر کر دیا؟

تو انہوں نے بتلایا کہ مرنے والا سودی لین دین کرتا تھا۔

توبہ توبہ!! مسلمانو! اس واقعہ سے عبرت لو اور سودی لین دین سے بچو، نیوتہ وسلامی سے توبہ کرو!

ایک اور عجیب وغریب قصہ

ایک اور عجیب وغریب قصہ یاد آیا، گزشتہ واقعہ تازہ ہے اور یہ واقعہ بہت پرانا ہے۔

عبداللہ ابن احمد مدینی ایک بزرگ گزرے ہیں، انہوں نے اپنے بچپن کا واقعہ سنایا کہ میں حافظِ قرآن تھا، اور میرے والد کا بچپن میں انتقال ہو گیا تھا، میں روزانہ والد صاحب کے مزار پر جاتا تھا اور فاتحہ اور یٰسین شریف وغیرہ پڑھ کر ان کو ثواب پہنچانا میرا معمول تھا۔

اسی دوران رمضان شریف آگئے، اور رمضان میں بھی میرا یہ

معمول جاری رہا، ایک دن آخری عشرہ تھا اور طاق رات تھی، اور رات شبِ قدر بھی تھی، لیکن تاریخ یاد نہیں کہ ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۲۹ میں سے کون سی رات تھی، چنانچہ رات گزار کر اور نماز فجر پڑھ کر میں سیدھا والد صاحب کی قبر پر چلا گیا، جس وقت میں گیا اس وقت ابھی قبرستان میں اندھیرا تھا، میں نے سوچا کہ سویرے سویرے فاتحہ پڑھ کر گھر جاکر سو جاؤں گا، میں والد صاحب کے مزار پر گیا اور جو میرا معمول تھا وہ میں بیٹھ کر اندھیرے میں پڑھنے لگا، ابھی میں نے تھوڑا سا ہی پڑھا تھا کہ مجھے ایسی آواز سنائی دینے لگی کہ جیسے کوئی آدمی ہے جو بہت زیادہ درد کے ساتھ کراہ رہا ہے، اور اس کی آواز ایسی نکل رہی تھی جیسے کہ اس کا کلیجہ چیرا جارہا ہے، اور اس کے اوپر نہ جانے کتنی مصیبت ڈالی جارہی ہے اور نہ جانے اس کو کتنی تکلیف ہو رہی ہے، اور اس کی بڑی ہی دردناک اور دل دوز آواز مجھے سنائی دینے لگی، اور میں نے جب اندازہ لگایا کہ یہ آواز کہاں سے آرہی ہے تو معلوم ہوا کہ قریب ہی ایک سفید رنگ کی پکی قبر ہے، اس میں سے یہ آواز آرہی ہے، تو میں پڑھنا پڑھانا سب بھول گیا اور خوف کے مارے میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے، اور میں پوری طرح اس آواز کی طرف متوجہ ہو گیا، پھر جیسے جیسے دن نکلنے لگا آواز ہلکی ہونے لگی، یہاں تک کہ جب بالکل چاندنا ہو گیا تو وہ آواز بالکل مدہم ہوگئی، اس کے بعد پھر بند ہوگئی۔ میں وہاں بیٹھا ہوا تھا کہ لوگ آنا جانا شروع ہوگئے، میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کس کی قبر ہے؟ انہوں نے فوراً نام بتلایا، میں اس شخص کو پہچان گیا جس کی یہ قبر

تھی، وہ ہمارے محلّہ کا رہنے والا تھا اور میں اس کو جانتا تھا، وہ بڑا ہی نیک نمازی اور بڑا ہی خاموش اور دوسروں کے معاملوں میں دخل نہ دینے والا انسان تھا، پانچوں نمازیں باجماعت پہلی صف کے اندر ادا کرتا تھا، مسجد کے اندر بھی کسی سے بحث و مباحثہ نہ کرتا تھا، بس اپنے ذکر و تلاوت اور دعا میں لگا رہتا تھا، اس کے علاوہ اس کو کوئی اور کام نہیں تھا، جب میں اس کو پہچان گیا اور اس کی نیکی مجھے یاد آئی تو مجھے اس کا یہ عذاب بہت ہی زیادہ ناقابل برداشت معلوم ہوا کہ یا اللہ! اتنے نیک آدمی کے اوپر اتنا ہولناک عذاب ہے تو ہمارا کیا ہوگا، وہ تو بڑا متقی آدمی تھا، طبیعت کا بہت ہی نرم تھا، لیکن اس کے اوپر اتنا خوفناک عذاب ہو رہا ہے۔ صبح ہو جانے کے بعد میں اس محلّہ میں گیا جس میں اس کی رہائش تھی، اور میں اس کے دوستوں سے ملا اور اپنا سارا واقعہ انہیں سنایا۔

اس کے دوستوں نے بتلایا کہ بھائی جیسے تمہارے ذہن میں اس کی نیکی کا روپ ہے وہ ایسا ہی تھا، لیکن ایک کام اس سے بڑا غلط ہو گیا اور یہ کہ وہ بے اولاد تھا، اس کی کوئی اولاد نہ تھی اور جب تک وہ جوان رہا اور جب تک وہ بڑھاپے میں بھی کاروبار کے قابل رہا، اس نے کاروبار کیا، تجارت کی، حلال کمایا، حلال کھایا، حلال پہنا، جب وہ بوڑھا ہو گیا تو اولاد تو اس کی تھی نہیں جو کاروبار سنبھالتی۔

نفس خبیث کی شرارت

تو اس کے نفس شریر نے اور اس کے نفس خبیث نے اس کو یہ سمجھایا کہ تو اکیلا ڈیوٹی دے نہیں سکتا، دکان سنبھال نہیں سکتا، اور زندگی پتہ نہیں کتنی باقی ہے، اگر تو نے ویسے ہی بیٹھ کر اپنا سرمایہ کھالیا تو ہو سکتا ہے کہ پیسہ پہلے ہی ختم ہو جائے اور تیرا انتقال بعد میں ہو۔

لہٰذا ایسا کر کہ اپنی دکان بیچ، کاروبار ختم کر، اور جو پیسہ آئے اسے سود پر لگا دے، اور جو سود آئے اس سے اپنا گزارا کر اور مسجد میں اللہ اللہ کر، تیری رقم بھی محفوظ اور سود پر تیرا گزارا ہوتا رہے گا، اب چاہے تو سو برس زندہ رہ یا دو سو برس زندہ رہ، تجھے کیا فکر۔ تو اس کے نفس خبیث نے اسے یہ سبق سکھایا اور اسی پر اس نے عمل کر لیا، اللہ بچائے۔

لہٰذا وہ سود ی کھانا کھاتا رہا اور سود ہی کھا کھا کر اس نے نمازیں پڑھیں اور مسجد کے اندر اس نے حاضری دی۔

حرام کے ایک لقمہ کا گناہ

یاد رکھئے! حرام کا ایک لقمہ بھی اگر ہمارے حلق سے اتر جائے تو چالیس دن تک نہ فرض قبول ہوتے ہیں نہ نفل قبول ہوتے ہیں اور نہ دعا قبول ہوتی ہے، حرام خوری کے اندر اتنا عذاب اور وبال ہے۔ دیکھئے اس آدمی کا کیا حال ہوا، اس کی نماز وغیرہ قبول نہیں ہوئیں، سود کا معاملہ ایسا

خطرناک معاملہ ہے کہ اس سے ایسا عذاب اور وبال آتا ہے۔

چند سودی معاملات

آج بھی کتنے مسلمان ہیں جن کے بینکوں کے اندر پیسے رکھے ہوئے ہیں، سیونگ اکاونٹ انہوں نے کھولے ہوئے ہیں، فکس ڈپازٹ ان کے موجود ہیں، ڈیفنس سیونگ سرٹیفکیٹ لے رکھے ہیں، انعامی بانڈ حاصل کر رکھے ہیں، یہ سب سودی معاملے ہیں، یہ سب سود کے دائرے میں آتے ہیں، نیوتہ اور نندرہ کی رسم بھی سود پر مشتمل ہے۔

اس لئے اس گناہ سے فوری طور پر بچنے کی اور توبہ کرنے کی ضرورت ہے، اگر کسی نے یہ قرض دے رکھا ہے تو جتنا دیا تھا اتنا ہی لے لیں بس، یا پھر اللہ کے لئے معاف کر دیں، اور ساتھ میں اس معاملے کے کرنے کا جو گناہ گردن پر چڑھا ہوا ہے اس سے بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سچی توبہ کریں اور عہد کرلیں کہ آئندہ سے یہ رسم نہیں ہوگی۔

اجتماعی گناہ سے بچنے کا طریقہ

میں یہ بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جو اجتماعی گناہ ہماری شادی بیاہ کے اندر ہوتے ہیں، ان سے بچنے کا راستہ بھی یہی ہے کہ اجتماعی طور پر ان کو ختم کیا جائے، برادری کے بڑے بڑے لوگ بیٹھیں اور بیٹھ کر ان گناہوں کی لسٹ بنائیں، نہ سمجھ میں آئے تو ہم سے آکر مشورہ کریں، اور پھر بیٹھ کر

فیصلہ کر دیں کہ آج کے بعد سے ہماری برادری اور خاندان کے اندر یہ گناہ نہیں ہوں گے، ان کے بغیر شادی ہوگی، اور اگر کوئی شادی کے اندر یہ گناہ کرے گا تو ہم شامل نہیں ہوں گے۔ دیکھئے! کتنی جلدی اصلاح ہوتی ہے، اتنی جلدی اصلاح ہوگی کہ اتنی جلدی اصلاح کسی چیز سے نہیں ہو سکتی، مگر ہم چاہیں تو سہی، علاج تو موجود ہے، دین تو بالکل آسان ہے، ہم نے اس کو مشکل بنا رکھا ہے، مشکل بنانے کی ذمہ داری ہمارے اوپر ہے، دین تو کچھ مشکل نہیں، آج ہی خاندان والے فیصلہ کرلیں تو دوسرے دن ہی رسم مٹ جائے گی، گناہ ختم ہو جائے گا۔

ہماری ذمہ داری

لیکن اگر کسی کی برادری کسی کی قوم ان ناجائز رسموں اور کاموں کو ختم نہیں کرتی تو ہم اس کے ٹھیکہ دار اور ذمہ دار نہیں ہیں، بلکہ گناہ سے بچنے کے ہم خود الگ الگ ذمہ دار ہیں، ہم میں سے ہر آدمی از خود گناہ سے بچنے کا ذمہ دار ہے، لہٰذا جہاں یہ گناہ ہوں وہاں نہ جائیں، جانے کے بعد پتہ چلے تو وہاں سے واپس آجائیں، اور خود بھی نہ کریں اور نہ ایسی محفلوں میں جاکر شرکت کریں، اور اصل ذمہ داری یہی ہے کہ ہم میں سے ہر آدمی اس گناہ سے بچے۔ ان رسموں کے اندر اور بھی بہت ساری قباحتیں اور خرابیاں ہیں، سود کی خرابی ان کا صرف یک پہلو تھا۔

دار العلوم کراچی کا مفصل و مدلل فتویٰ

جامعہ دار العلوم کراچی کے دار الافتاء سے اس کے بارے میں ایک مفصل اور مدلل فتویٰ جاری ہوا ہے، اگر کسی کو ضرورت ہو تو وہاں سے لے سکتا ہے، تاکہ اسے اچھی طرح پڑھے اور سمجھے، تاہم اس میں جو بنیادی خرابی ہے وہ میں نے آپ کے سامنے عرض کر دی۔

نمازیں قضاء ہونا

ایک گناہ یہ ہوتا ہے شادی بیاہ کے موقع پر کہ دلہا اور دلہن کی کتنی ساری نمازیں قضاء ہوتی ہیں، منگنی کے اندر مردوں اور عورتوں کی کتنی نمازیں قضاء ہوتی ہیں، نکاح کی محفل میں کتنی نمازیں قضاء ہوتی ہیں، پھر لڑکی کی دعوت میں کتنی نمازیں قضاء اور برباد ہوتی ہیں، اور آگے ولیمہ کے اندر اور پھر ولیمہ کے بعد۔

بلا عذر ایک نماز قضاء کرنے کا گناہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فضائل نماز میں ایک حدیث کی روشنی میں لکھا ہے کہ جس آدمی نے جان بوجھ کر بلا عذر شرعی ایک نماز بھی قضاء کر دی؛ اب چاہے اس نے اس کی قضاء بھی پڑھ لی، تب بھی اس کو جہنم میں ایک حقب جلایا جائے گا، اور ایک حقب کا

حساب حضرت نے دو کروڑ اٹھاسی لاکھ سال بتلایا ہے، اللہ بچائے۔

اور جہاں دلہا دلہن سے لے کر اوّل تا آخر شریک ہونے والوں کی سینکڑوں نمازیں قضاء ہو رہی ہوں، اندازہ لگایئے کیا وہ شادی ہے یا تباہی ہے؟ یہ سب کچھ صرف اس وجہ سے ہے کہ ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ چھوڑ دیا اور جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ چھوڑ دیا تو پھر دوسرا راستہ گمراہی کا راستہ ہو سکتا ہے، اور گمراہی کے اندر پھر اسی طرح کی خرابی ہوتی ہے اور اسی طریقے کے اس میں گناہ ہوتے ہیں اور پھر ایسے ہی گناہوں کا اس کے اندر عذاب و وبال ہوتا ہے۔

نمازیں قضاء ہونے کی وجہ

نمازیں قضاء ہونے کی عام طور پر یہ وجہ ہوتی ہے کہ دلہن کا تو بیوٹی پالر میں لے جاکر میک اپ کرادیا، اب وہ کوئی نماز نہیں پڑھ سکتی، وضوء تھا ہی نہیں، اگر ہو بھی تو زیادہ دیر نہیں رہ سکتا ہے اور نہ تازہ ہو سکتا ہے، کیونکہ میک آپ خراب ہوگا، لہٰذا اس کی تو نہ جانے کتنی نمازیں قضاء و برباد ہوتی ہیں، اسی طرح دلہا کی بھی کتنی نمازیں قضاء ہوتی ہیں، ایک تو وہ بعض دفعہ خود بے نمازی ہوتا ہے اور اگر نہیں ہوتا تو بعض مرتبہ آدمی ایسے موقع پر تو ہو ہی جاتا ہے، اور پھر اس کے گھر والوں کی کتنی نمازیں قضاء ہوتی ہیں، اور جب راتوں کو جاگیں گے تو فجر کی نماز یقیناً قضاء ہوگی، اور بارات کے اور مہمانوں کی آمد کے انتظامات میں منتظمین کی کتنی نمازیں قضاء ہوتی ہیں،

جماعتوں کے فوت ہونے کا تو کوئی تصور ہی نہیں، وہ تو بے شمار و بے حد ہوتی ہیں، ان کی تو کوئی حیثیت ہی نہیں کہ جماعت نکل رہی ہے یا نہیں نکل رہی۔

یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے؟ یہ ہماری شادی ہے؟ اس کا نام شادی ہوتا ہے؟ اگر آنکھ بند ہو جائے تو معلوم ہو کہ سوائے غم کے کچھ نہیں، یہ شادی نہیں تباہی ہے جس میں اتنے بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب ہو اور نماز جیسی اہم چیز اس کے اندر ترک کر دی جائے جو کہ ایسے معمولی عذر میں بالکل جائز نہیں۔

ایک بزرگ کا قصّہ

ایک بزرگ کا واقعہ یاد آیا کہ وہ حج کرنے کے لئے تشریف لے جا رہے تھے، اور حج ان پر فرض نہیں تھا، بس ایسے ہی بیت اللہ کی زیارت کے لئے تشریف لے جا رہے تھے کہ راستے میں جماعت فوت ہو گئی، وہیں سے واپس آ گئے۔ کیونکہ جب حج فرض نہیں تو پھر جانا بھی فرض نہیں ہے، لیکن نماز باجماعت پڑھنا تو واجب ہے، اور بلا عذر شرعی کے جماعت چھوڑنا جائز نہیں۔ تو جب حج فرض نہیں اور جماعت پہلے ہی چھوڑ دی تو فائدہ نہ ہوا، نقصان ہو گیا، گھاٹا ہو گیا۔ اور یہاں عام حالات میں شادی فرض بھی نہیں ہوتی اور اس پر ہزاروں فرض قربان کر دیئے جاتے ہیں، کتنی بڑی تباہی کی بات ہے۔

لعنت کے دو کام

اور دو کام بڑے لعنت کے ہوتے ہیں، اللہ بچائے، وہ عورتوں کے ساتھ ہوتے ہیں، دونوں کام تقریباً عام ہیں، اور جس زمانے میں ہم ہیں اس میں تقریباً سارے گناہ ہی عام ہیں، کوئی نہ بھی چاہے تو دوسرے کروادیتے ہیں۔

ایک گناہ بھنویں بنانے کا ہے۔ شاید ہی کوئی گھر خالی ہوگا جس کے اندر خاتون اپنی بھنویں نہ تراشتی ہوں اور ان کو باریک نہ بناتی ہوں۔

دوسرا گناہ یہ ہے کہ اگر عورت کے بال کم ہو جائیں، گر جائیں، جھڑ جائیں، تو ان کے ساتھ دوسرے بال لگائے جاتے ہیں۔

یاد رکھئے! بھنویں اگر منڈوا کر ان کو باریک کیا جائے، یا بال نوچ نوچ کر انہیں باریک کیا جائے، یہ بھی گناہ ہے، حدیث میں اس کے اوپر لعنت آئی ہے۔

اور ایسے ہی جس کے بال کم ہوں، اور وہ دوسری عورت کے بال اپنے بالوں میں ملا کر یہ ظاہر کرے کہ اس کے سر کے بال بہت گھنے ہیں اور بہت ہی زیادہ ہیں، بہت موٹی چٹیا ہے، حالانکہ بہت پتلی چٹیا ہے، تو یہ دھوکہ ہے اور حدیث میں اس پر بھی لعنت ہے اور یہ بھی ناجائز اور گناہ کی بات ہے۔ آج کل یہ ایسا منحوس فیشن ہے کہ دلہن کی بھنویں بنانا تو لازمی سمجھا جاتا ہے، اور جتنی عورتیں اس کی شادی میں شریک ہیں ٪۹۵ ان کی بھی

بھنویں بنی ہوئی ہوں گی، یہ ایک گناہ ہوا۔

بالوں کے بارے میں گنجائش

البتہ بالوں کا مسئلہ یہ ہے کہ جس عورت کے بال کم ہوتے ہیں بس وہی اس گناہ میں عموماً مبتلاء ہوتی ہے۔

لیکن اس میں ایک گنجائش بھی یاد رکھنی چاہئے، جس عورت کے سر کے بال کم ہوں، یا بالکل ہی نہ ہوں یا بہت کم ہوں تو وہ مصنوعی بال لگا سکتی ہے، مصنوعی بال پلاسٹک کے بنے ہوئے ہوتے ہیں، دور سے پتہ چل جاتا ہے کہ یہ مصنوعی ہیں۔ اسی طرح انسانی بال کے علاوہ کسی اور حیوان کے بال ہوں، وہ بھی مصنوعی بال کے ضمن میں ہیں، تو مصنوعی بال اگر کوئی لگائے تو اس کی گنجائش ہے، وہ گناہ نہیں۔

حدیث کا مصداق

حدیث میں جس پر لعنت آئی ہے اس کا مصداق مصنوعی بال نہیں ہیں، اسی طرح انسان کے علاوہ دیگر حیوان کے بال بھی اس کے مصداق نہیں ہیں، بلکہ حدیث میں جس پر لعنت آئی ہے اس سے مراد کسی دوسری عورت کے یا کسی دوسرے انسان کے سر کے بال لے کر عورت کسی بھی طریقہ سے اپنے بالوں میں ملائے، اور اپنی چٹیا کو موٹا کر کے دکھائے، یہ حدیث کا مصداق ہے، اس پر لعنت ہے اور گناہ ہے اور ناجائز ہے جس سے

بچنا ضروری ہے۔

لیکن بھنویں باریک کرنے کا جو آج کل فیشن ہے، یہ بالکل ناجائز ہے جس سے بچنا ضروری ہے، شادی کے موقع پر بھی شادی کے علاوہ بھی، مگر اب یہ عام فیشن بن گیا ہے، آج کل اس سے بچنے کی بڑی سخت ضرورت ہے۔

یہ دو گناہ ہمارے ہاں شادی کے موقع پر خاص طور سے ہوتے ہیں۔

عورتوں کا پٹھے بال رکھنا

ایک گناہ یہ بھی ہوتا ہے کہ عورتیں اپنے سر کے بال چٹیا کی شکل میں نہیں رکھتیں بلکہ پٹھے بال کروالیتی ہیں۔ اور یہ بھی آج کل کا فیشن ہے کہ عورتیں اپنے بالوں کو کٹوا کر کترواکر چھوٹے کرلیتی ہیں اور پھر وہ ایسی لگتی ہیں جیسے مرد ہوتے ہیں، یہ بھی ناجائز ہے۔

کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ لعنت ہے ان مردوں پر جو عورتوں کی مشابہت اختیار کریں اور لعنت ہے ان عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت اختیار کریں۔

یہ ہیں وہ گناہ جو آج کل ہمارے ماحول میں شادی بیاہ کے موقع پر جی بھر کر کئے جاتے ہیں۔

میرے عزیزو، میرے بزرگو!

ہمارے یہاں جمع ہونے کا مقصد صرف ایک ہے کہ کچھ دین کی باتیں خیر خواہی کے طور پر بیان کی جائیں، بیان کرنے والا بھی اور سننے والے بھی اس کو سنیں اور سمجھیں اور سمجھنے کے بعد جس گناہ کا تذکرہ ہوا ہے اس سے توبہ کریں اور آئندہ بچنے کی کوشش کریں۔

اور اگر کسی کام کے کرنے کا تذکرہ ہو تو اس کو اہتمام کے ساتھ اپنے معمول میں لانے کی کوشش کریں، تاکہ ہمارے ظاہر کی بھی اصلاح ہو اور ہمارے باطن کی بھی اصلاح ہو اور ہم دین کے اوپر اور شریعت کے اوپر صحیح صحیح قائم ہو جائیں جس کا ہمارا ایمان ہم سے مطالبہ کرتا ہے۔

دین کا مطالبہ

ہمارا دین ہر وقت ہم سے مطالبہ کرتا ہے کہ اے مسلمانو! تم اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔ ہم پورے پورے داخل نہیں ہیں، لہٰذا ہم پورے پورے داخل ہو جائیں اور پورے پورے دین پر چلنے والے ہو جائیں، تاکہ اس کے نتیجے میں دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رضا ہمیں نصیب ہو جائے، صلاح اور فلاح ہم کو نصیب ہو اور ہماری زندگی دنیا میں بھی حیاتِ طیبہ کی مصداق بن جائے اور مرنے کے بعد ہمارے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا معاملہ ہو، عذابِ قبر سے بھی محفوظ رہیں، اور قیامت کے دن کی ہولناکی سے بھی ہماری حفاظت ہو، اور بغیر حساب و کتاب کے محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جنّت میں داخل ہوں، اللہ تعالیٰ سے دعا

فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس مقصد میں ہمیں کامیابی عطا فرمائیں۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اولاد کی تربیت

(۴)

حضرت مولانا مفتی عبد الرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اولاد کی تربیت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُاَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُاَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔

أَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ یٰٓاَ یُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْا

اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰئِكَـةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَا اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَايُؤْمَرُوْنَ O

(سورۃ التحریم آیت نمبر ٦)

نیک تربیت والدین پر اولاد کا حق ہے

میرے قابل احترام بزرگو، گزشتہ اتوار کو آپ کی خدمت میں والدین کی عظمت، ان کا احترام، ان کی خدمت اور ان کے حقوق کے ادا کرنے کے بارے میں عرض کیا تھا۔ آج انشاء اللہ تعالیٰ اولاد کی نیک تربیت کے بارے میں کچھ باتیں عرض کرنے کا ارادہ ہے، کیونکہ جس طرح ماں باپ کی خدمت، ان کا احترام اولاد پر ضروری ہے، اسی طرح ماں باپ پر بھی اولاد کے حقوق ہیں اور ان کی بھی کچھ ذمہ داریاں ہیں، اس لئے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ وہ کیا حقوق اور کیا ذمہ داریاں ہیں؟ اور ماں باپ کو اپنی اولاد کے ساتھ کیسا برتاؤ کرنا چاہئے؟ اور کس طرح ان کی خدمت اور دینی تربیت کرنی چاہئے؟ یہ دینی تربیت اولاد کا ماں باپ پر انتہائی اہم حق ہے جو ماں باپ کو ادا کرنا چاہئے۔ جو ماں باپ اولاد کی دینی تربیت کی ذمہ داری پوری کریں گے، وہ دنیا میں بھی سرخرو ہوں گے اور آخرت میں بھی سرخرو ہوں گے۔ اور جو ماں باپ اولاد کی دینی تربیت نہیں کریں گے تو ان کو اس ذمہ داری کے ادا نہ کرنے پر بڑا عذاب اور وبال ہوگا۔

شریعت کی رو سے اولاد کی تربیت والدین پر فرض ہے

اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں باپ کے ذمے اولاد کی تربیت کو ضروری قرار دیا ہے، اور جس چیز کو ضروری قرار دیدیا جائے، اس میں بندے کو اختیار نہیں ہوتا کہ چاہے تو وہ کرے اور چاہے تو نہ کرے، نفل اور مستحب کام کے اندر انسان کو کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہوتا ہے، لیکن جو چیز فرض و واجب ہو، ضروری اور لازم ہو، اس میں اختیار نہیں ہوتا، اگر اس کو نہیں کریں گے تو پکڑ ہوگی۔

جو آیت میں نے تلاوت کی ہے، اس کی تفسیر میں علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ "صاحب روح المعانی" نے یہ حدیث بیان فرمائی ہے کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب ان ماں باپ کو ہوگا جنہوں نے اپنی اولاد کی نیک تربیت نہیں کی ہوگی۔ حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "تربیت اولاد" میں اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ بچے کی دینی تربیت اور نیک تربیت بچپن ہی سے شروع ہوتی ہے اور یہ فریضہ بچپن ہی سے ماں باپ پر عائد ہو جاتا ہے، بچے کے پیدا ہوتے ہی اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے احکام ماں باپ کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں کہ تم بچے کے سلسلے میں ان امور کو بجا لاؤ۔ لہٰذا اگر ماں باپ نے بچپن ہی سے ان احکام کے مطابق بچے کی تربیت نہ کی، اور وہ بچے دینی تربیت کے بغیر بڑے ہوتے چلے گئے، اور پھر مکلف ہونے کے بعد ان سے گناہوں کا صدور

شروع ہو گیا تو چونکہ ان کے گناہوں میں ماں باپ کی کوتاہی کو بھی دخل ہے، ان کی غفلت اور سستی کا بھی اس میں دخل ہے، اس لئے بچے بھی گناہ گار ہوں گے اور ان کے ساتھ ساتھ ماں باپ بھی گناہ گار ہوں گے۔

اولاد میں کوتاہیاں دیکھنا اور خاموش رہنا

مثلاً بچے بالغ ہونے کے باوجود نہ نماز پڑھ رہے ہیں، نہ روزہ رکھ رہے ہیں، نہ زکوٰۃ دے رہے ہیں، لڑکیاں پردہ نہیں کر رہی ہیں۔ سب آزادانہ زندگی گزار رہے ہیں، اور ماں باپ خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں، برائے نام کبھی کچھ کہہ کر یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے تو اپنی ذمہ داری ادا کر دی۔ یاد رکھئے! ہم نے اپنی ذمہ داری واقعۃً ادا نہیں کی، ہم نے اس فریضے میں زبردست کوتاہی کی۔ اور برابر کوتاہی کرتے چلے جا رہے ہیں، جس کے نتیجے میں ہمارے گناہوں میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے، حتیٰ کہ اگر ماں باپ کا انتقال بھی ہو گیا، لیکن اولاد عیاشی میں اور گناہوں میں مبتلا ہے، تو اب بھی ماں باپ کے گناہوں میں اس تربیت میں کوتاہی کرنے کے نتیجے میں اضافہ ہو رہا ہے۔ لہٰذا بچے کے پیدا ہونے سے لے کر بچوں کے مرنے تک ماں باپ نے جو ان کی دینی تربیت نہیں کی، اور ان کے جو دینی حقوق تھے وہ ادا نہیں کئے، تو اس کے ادا نہ کرنے سے یہ سارا وبال اور عذاب ماں باپ پر آئے گا۔ اسی لئے علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایسے ماں باپ کو سب سے زیادہ سخت عذاب ہوگا۔

تربیت میں سستی پر تنبیہ

ہم سب کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جانا ہے، ہم پر صرف اپنی ذات کی ذمہ داری نہیں ہے کہ صرف اپنی ذات کو شریعت کے پابند بنائیں اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے احکام کا پابند بنالیں، بلکہ گھر والوں کی ذمہ داری اور اولاد کی ذمہ داری بھی ہمارے اوپر ہے، اپنے تمام ماتحتوں کی ذمہ داری بھی ہمارے اوپر ہے اور ماتحتوں میں سب سے پہلے بیوی بچے ہیں، اور بعض علماء نے فرمایا کہ ملازم اور نوکر چاکر بھی اس میں داخل ہیں، چاہے وہ ملازم دکان میں کام کرتے ہوں، چاہے وہ گھر میں کام کرتے ہوں۔ قرآن کریم کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

> اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں (جیسے ایندھن ڈالنے سے آگ اور تیز ہو جاتی ہے، اسی طرح انسان اور پتھر ڈالنے سے وہ جہنم اور تیز ہو جائے گی) اس جہنم پر ایسے فرشتے مقرر ہیں جو سخت طبیعت کے ہیں، تند خو اور مضبوط اور طاقت ور ہیں (کوئی ان کو ہٹا کر اور جہنم سے نکل کر بھاگ نہیں سکے گا) جو اللہ تعالیٰ ان کو حکم دیدیتے ہیں وہ اس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے اور جس چیز کا ان کو حکم دیا جاتا ہے

وہ اس کو کر لیتے ہیں۔

مثلاً ان کو یہ حکم دیا جائے گا کہ دیکھو کوئی شخص جہنم سے نکلنے نہ پائے، تو بس اس حکم پر پوری طرح عمل کریں گے۔ اس جہنم سے بچنے کا حکم دیا جا رہا ہے کہ تم خود اس آگ سے بچو اور اپنے گھر والوں کو بھی اس سے بچاؤ، اور اس جہنم سے بچنے کا راستہ یہی ہے کہ ہم بچوں کے حقوق بھی ادا کریں جو حقوق شریعت نے مقرر کئے ہیں، اور یہ حقوق بچے کے پیدا ہوتے ہی شروع ہو جاتے ہیں۔

بچے کا پہلا حق: پیدائش پر اظہار مسرت

چنانچہ بچے کا پہلا حق یہ ہے کہ جب بچہ پیدا ہو چاہے وہ لڑکا ہو یا لڑکی ہو، وہ اس پر مسرت کا اظہار کرے۔ آج کل لڑکے کی پیدائش پر خوشی کا اظہار ہوتا ہے، لڑکی کی پیدائش پر اظہار نفرت ہوتا ہے، یہ نفرت کا اظہار کافرانہ روش ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے کافروں کا یہ طریقہ تھا کہ جب ان کے یہاں بچی پیدا ہوتی تو وہ اس پر نفرت کا اظہار کرتے اور غصہ کا اظہار کرتے۔ ہمارے دین میں اس پر مذمت آئی ہے، بچی کی پیدائش پر ناراضگی یا غصہ کا اظہار کرنا جائز نہیں، اس کی وجہ سے ملنا جلنا چھوڑنا یا بیوی کو قصوروار ٹھہرانا جائز نہیں، یہ ظلم ہے۔

جیسے بیٹا نعمت ہے بیٹی بھی نعمت ہے

ہمارے دین میں جیسے بیٹا نعمت ہے، اسی طرح بیٹی بھی نعمت ہے، اللہ

تعالیٰ جس کو چاہیں بیٹے عطا فرما دیں جس کو چاہیں بیٹیاں عطا فرما دیں، اور جس کو چاہیں دونوں عطا فرما دیں، اور جس کو چاہیں کچھ بھی نہ دیں، یہ تو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت ہے، وہ جس کو جس نعمت سے سرفراز کرنا چاہتے ہیں سرفراز فرمادیتے ہیں۔ لہٰذا جب کسی کے گھر اولاد پیدا ہو تو وہ اس پر خوشی کا اظہار کرے۔

دوسرا حق: دعائیں دینا

دوسرا حق یہ ہے کہ دوسرے لوگ عزیز و اقارب، رشتہ دار، دوست احباب اس کو دعا دیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اس بچے یا بچی کو نیک اور صالح بنائے، اللہ تعالیٰ اس کی عمر میں برکت دے، اللہ تعالیٰ اس کو آنکھوں کی ٹھنڈک بنائے۔ اس طرح کی دعائیں دیں۔

تیسرا حق: کان میں اذان اور اقامت کہنا

تیسرا حق یہ ہے کہ جب بچے کو پاک صاف کر دیا جائے تو پھر اس کے دائیں کان میں اذان کہی جائے۔ دیکھئے! ان کاموں کے ذریعہ بچے کو شروع ہی سے دین کی طرف لایا جا رہا ہے، خوشخبری، بشارت، دعائیں، اذان، اقامت، یہ سب دین کے کام ہیں، دنیا میں جب وہ پہلا قدم رکھ رہا ہے تو وہ دعاؤں کی چھاؤں میں قدم رکھ رہا ہے اور سب سے پہلے اس کے کان میں جو آواز آ رہی ہے وہ اللہ کے نام کی آ رہی ہے، "اللہ اکبر، اللہ اکبر" اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے۔ پھر بائیں کان میں اقامت کے

کلمات کہے جائیں۔

اذان و اقامت کہنے میں عجیب نکتے کی بات

بعض بزرگوں نے اس کی عجیب و غریب وجہ بھی بیان فرمائی ہے، وہ یہ کہ اذان و اقامت کے ذریعہ اس کو یہ بتلانا مقصود ہوتا ہے کہ دنیا میں تیرے کو اتنا وقت رہنا ہے جتنا وقت اقامت اور جماعت کھڑی ہونے کے درمیان ہوتا ہے۔ بس اس زندگی کو خیال سے گزارنا اور اس زندگی کو آخرت کی تیاری میں لگانا، اس لئے کہ تیری اذان بھی ہو چکی ہے، تیری اقامت بھی ہو چکی ہے، اب صرف نماز باقی ہے اور نماز کے بعد آخرت کی طرف جانا ہے۔ اسی لئے نماز جنازہ کے شروع میں نہ اذان ہے اور نہ اقامت ہے، جیسے ہی جنازہ آیا اور صفیں درست کیں بس "اللہ اکبر" کہہ کر نماز شروع ہو گئی۔ لیکن انسان اس دھوکے میں ہے کہ میری عمر پچاس سال ہو گئی، ساٹھ سال ہو گئی، حالانکہ آخرت کے مقابلے میں یہ زندگی ایک لمحہ ہے، یہاں دنیا میں آیا اور تھوڑی دیر بعد رخصت ہو گیا ؎

بس اتنی سی حقیقت ہے فریب خواب ہستی کی
کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ بن جائے

آنکھیں بند ہوتے ہی پوری زندگی کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔

چوتھا حق: تحنیک کرانا

بچے کا چوتھا حق یہ ہے کہ کسی بزرگ سے اس کی تحنیک کرائی جائے۔ اس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ کسی بزرگ سے کھجور یا چھوارا چبوا کر اس کا تھوڑا سا حصہ بچے کے تالو سے لگا دیا جائے۔ اس عمل کو "تحنیک" کہا جاتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں اذان اور اقامت کہنے کا رواج تو ہے، لیکن یہ تحنیک جو سنّت ہے اس کا رواج نہیں ہے، پھر اس کے لئے کسی بڑے بزرگ کا ہونا کوئی ضروری نہیں، بلکہ گھر میں یا قرب و جوار میں یا مسجد میں کوئی نیک صالح متقی پرہیزگار انسان ہو، اس سے یہ تحنیک کرالی جائے، اور گھر کی نیک خاتون سے بھی یہ کام کرایا جاسکتا ہے۔ جس طرح اذان اور اقامت کے کلمات سے اس کے دل کے اندر اللہ تعالیٰ کی عظمت، ایمان کی مضبوطی اور آخرت کی فکر پیوست کی گئی ہے، اسی طریقے سے اگر کسی بزرگ سے تحنیک کرائی جائے تو اس بزرگ کے اثرات اور ان کی برکات تحنیک کے ذریعے بچے کے پیٹ میں منتقل ہو جاتی ہیں۔

تحنیک کا دنیاوی فائدہ

اس میں دنیاوی فائدہ بھی ہے، وہ یہ کہ جب میٹھی چیز اس کے منہ میں جائے گی تو وہ منہ چلائے گا، اس سے اس کے دماغ کے تمام عضلات اور جسم کے تمام اعصاب سب کے سب بیدار ہو جائیں گے اور متحرک ہو کر

کام کرنے لگیں گے، ذہن بھی کام کرنے لگے گا، کان بھی اور آنکھیں بھی کام کرنے لگیں گی، اور سر ہی ان تمام چیزوں کا مرکز اور جسم کا سردار ہے، اسی کے اندر پورے جسم کو کنٹرول کرنے کی صلاحیت ہے۔ نیز بچے کے اندر چوسنے کی صلاحیت پیدا ہوگی جس سے ماں کا دودھ آسانی سے پی سکے گا۔ اور اللہ پاک نے کھجور اور چھوارے کے اندر ہر قسم کی توانائی بھری ہوئی ہے جس کی اس کو فوری ضرورت ہے۔

دیکھو دین کی ہر بات میں فوائد ہی فوائد ہیں، اب ہم ہی نہ کریں تو ہمارا قصور ہے، ورنہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ہمیں ایسی چیزیں بتادی ہیں کہ جس کے اندر دین و دنیا دونوں کی بھلائیاں ہیں اور ان کو نہ کرنے میں دین و دنیا دونوں کا نقصان ہے۔ کھجور اور چھوارا وقت پر میسر نہ ہو تو پھر شہد بھی لیا جاسکتا ہے، یا باریک چینی اس کے منہ میں ڈالدی جائے تاکہ وہ اس کو چوس لے۔

تحنیک کا دوسرا طریقہ

بعض بزرگوں نے یہ طریقہ بھی لکھا ہے کہ اگر کسی کے پاس کسی بزرگ کا کپڑا ہو جیسے رومال یا اس کے مستعمل کپڑے تو اس سے چھوٹا سا کرتا سلوالیا جائے اور سب سے پہلے اس کو یہ پہنادیا جائے، تاکہ اس بزرگ کے لباس میں جو برکات ہیں اس سے اس بچے کے اندر اس بزرگ کے اثرات بھی آجائیں گے۔

پانچواں حق: اچھا نام رکھنا

بچے کے نام رکھنے میں کوشش کی جائے کہ اگر لڑکا ہے تو انبیاء علیہم السلام کے ناموں میں سے رکھا جائے، یا اللہ تعالیٰ کے جو صفاتی نام ہیں وہ سب سے بہتر ہیں، ان میں سے رکھا جائے، جیسے عبداللہ، عبدالرحمن، عبدالستار، عبدالجبار، عبدالرحیم وغیرہ، یا صحابہ کرامؓ کے ناموں میں سے کوئی نام رکھا جائے، یا بزرگانِ دین میں سے کسی کا نام رکھا جائے۔

بچی ہے تو پچھلی امتوں میں جتنی نیک عورتیں گزری ہیں ان کے ناموں میں سے نام رکھا جائے، یا ازواج مطہرات کے ناموں میں سے یا صحابیات کے ناموں میں سے رکھا جائے۔ اور ان سب کے نام حضرت تھانویؒ نے بہشتی زیور میں تحریر فرمائے ہیں۔

نام رکھنے میں احتیاط

آج کل ایسے بے معنی نام رکھے جاتے ہیں کہ ان میں نام ہونے کی بھی صلاحیت نہیں ہوتی، یا پھر فلمی اداکاروں اور ٹی وی اداکاروں کے نام رکھے جاتے ہیں، یا پھر اللہ بچائے انگریزوں، ملحدوں، کافروں کے نام رکھے جاتے ہیں۔ خوب سمجھ لو! جیسا نام رکھو گے بچے کے اندر ویسے ہی اثرات آئیں گے، ہمیں دین اسلام یہ تعلیم دیتا ہے کہ دنیا میں آتے ہی بچے کے ساتھ وہ عمل کرو کہ اس میں نیکی کے جذبات پرورش پائیں۔

بچے میں نام کے اثرات پر واقعہ

حضرت تھانویؒ کے مواعظ میں ہے کہ ایک شخص حضرت کی خدمت میں آتا تھا، وہ اپنے کسی بچے کے بارے میں کہا کرتا تھا کہ وہ بیمار بہت رہتا ہے، علاج کرواکر تھک گئے ہیں مگر ٹھیک ہی نہیں ہوتا۔ ایک دن حضرت نے پوچھا کہ اس کا نام کیا ہے؟ کہا کہ اس کا نام کلیم ہے، اور کلیم کے ایک معنی زخمی کے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ نام ہی ایسا ہے تو ٹھیک کیسے ہوگا؟ پھر حضرتؒ نے کلیم ہٹا کر سلیم نام رکھ دیا، اور سلیم کے معنی تندرست کے ہیں، چنانچہ نام بدلتے ہی بچہ تندرست ہوگیا اور ساری بیماری زائل ہوگئی۔ تو جس نام کے معنی اچھے ہوں گے اس کے اثرات بھی بچے کے اندر اچھے ہوں گے، اور جس نام کے معنی برے ہوں گے اس کے اثرات بھی بچے کے اندر برے ہوں گے۔ برے نام جیسے شیطان، فرعون، ہامان رکھے گا تو کیا بچہ نیک بنے گا۔ اسی لئے منع کرتے ہیں کہ اس قسم کے نام مت رکھو، یہ کافروں کے نام ہیں، ان میں کفر کی بدبو بھری ہوئی ہے، جیسے ان ناموں کے رکھنے کو ہم بُرا سمجھتے ہیں، ایسے ہی وہ نام جن کے معنی برے ہیں ان سے بھی ہمیں بچنا چاہئے۔

پیدائش کے ساتویں دن کے مستحب اعمال

نام ویسے تو ساتویں دن سے پہلے بھی رکھ سکتے ہیں لیکن ساتویں دن

نام رکھنا مستحب و مسنون ہے۔

عقیقہ کرنا

دوسرا عمل ساتویں دن عقیقہ کرنا، یہ بھی مستحب ہے۔ اگر لڑکا ہے تو صحیح سالم بے عیب دو بکرے یا دو بکریاں اور اگر لڑکی ہے تو بے عیب ایک بکرا یا ایک بکری۔ اگر استطاعت نہ ہو تو عقیقہ نہ کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔ بہرحال کرنے میں یہ فوائد ہیں: ایک حدیث میں ہے کہ عقیقہ کرنے سے بچے سے تمام آفات اور مصیبتیں ٹل جاتی ہیں، بچہ مکمل محفوظ و مامون ہو جاتا ہے۔ ایک اور اس کی عجیب برکت ہے کہ قیامت کے دن بچہ اپنے والدین کی شفاعت کرے گا۔ سبحان اللہ!

اگر کوئی ساتویں دن نہ کر سکے تو بعد میں بھی کر سکتا ہے، لیکن بعد میں بھی ساتویں دن کا خیال کرنا بہتر ہے، اور اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ بچے کی پیدائش سے ایک دن پہلے کرے، مثلاً اگر بچہ جمعہ کے دن پیدا ہوا ہے تو بعد میں جب بھی عقیقہ کرے تو جمعرات کو کرے، اس حساب سے یہ ساتواں دن پڑے گا۔

اسی طرح بہتر یہ ہے کہ عقیقہ کے گوشت کے تین حصے کرے، ایک حصہ اپنے گھر کے لئے رکھے، ایک حصہ اپنے پڑوسیوں میں تقسیم کردے اور ایک حصہ غریبوں اور مسکینوں کو خیرات کردے، اس لئے کہ صدقہ کا فائدہ ہی یہ ہے کہ اس سے بلائیں اور مصیبتیں دور ہوتی ہیں۔

بچے کے سر کے بال منڈوانا

اسی طرح ساتویں دن مستحب یہ ہے کہ بچہ ہو یا بچی استرے سے اس کے سر کے بال منڈوا دیے جائیں۔ اس کا دنیاوی فائدہ یہ ہے کہ اس کے سر کے سارے مسامات کھل جائیں گے اور اس کا دماغ صحیح کام کرنے لگے گا۔ اور اس کے بالوں کے ہم وزن چاندی یا چاندی کی قیمت خیرات کر دینا بھی مستحب ہے۔

اب آپ ذرا سوچیں کہ ہمارے دین اسلام میں بچہ کی کیسی عمدہ تربیت ہو رہی ہے کہ ایک طرف عقیقہ ہو رہا ہے تو اس میں بھی صدقہ دیا جا رہا ہے، عزیز و اقارب کو بھی کھلایا جا رہا ہے، پڑوسیوں کو بھی دیا جا رہا ہے، غریبوں کو بھی کھلایا جا رہا ہے، جب سب کھائیں گے تو سب خوش ہوں گے، خوشی میں دل سے دعائیں نکلیں گی اور پھر صدقہ بذاتِ خود اجر و ثواب کا باعث ہے۔ اور دوسری طرف سر منڈوایا جا رہا ہے تاکہ اس کے دماغ کی تمام صلاحیتیں کار آمد ہوں اور دماغ صحیح کام کرنے لگے۔

حکمت کی بات

اس کے بعد اگر تھوڑی سی زعفران میسّر ہو تو پانی میں گھول کر سر منڈوانے کے بعد اس کے سر پر مل دی جائے۔ طبّی لحاظ سے زعفران گرم اور خشک ہوتی ہے، اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ ایک تو طاقت پہنچائے گی اور

دوسرے گرد و پیش کا موسم اس کے سر اور دماغ پر اثر انداز نہیں ہوگا، اس سے انشاء اللہ نزلہ وغیرہ بھی نہیں ہوگا۔

بچے کی ختنہ کرانا

اسی طرح ساتویں دن اس کی ختنہ کروا دینا بھی مستحب ہے، بعد میں بھی تو کروانی ہے اس وقت کروا دینے میں بڑی آسانی ہے، کیونکہ پھر جیسے جیسے بچہ بڑا ہوتا جاتا ہے ختنے کا کام مشکل ہو جاتا ہے۔

شرعی نقطۂ نظر سے ختنے کا حکم

شرعی لحاظ سے ختنہ کروانا سنّتِ مؤکدہ ہے، تمام انبیاء علیہم السلام کی سنّت ہے، شعائرِ اسلام میں سے ہے، کروانا ضروری ہے، نہیں کروائے گا تو گناہگار ہوگا۔

ختنے کا دنیاوی فائدہ

کسی ڈاکٹر نے کہا ہے کہ مسلمانوں کے ہاں جو ختنہ کا عمل ہے، اس کا فائدہ یہ ہے کہ ختنہ کروانے سے آدمی پچاس فیصد کینسر سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ دیکھئے! شریعت کے ہر حکم میں کتنا فائدہ ہے اور بچے کے ساتھ کتنی خیر خواہی اور ہمدردی ہے۔

بچے کی تربیت کے سلسلے میں مزید تاکید

اس کے بعد پھر بچے کی تربیت کے سلسلے میں مزید یہ بھی تاکید ہے کہ اگرچہ بچہ ہمارے سامنے بالکل معصوم ہے، نہ بول سکتا ہے، نہ چل سکتا ہے، نہ کوئی چیز مانگ سکتا ہے، بس ابھی تو اس کے دو ہی کام ہیں ہنسنا اور رونا، چیز مل جائے تو ہنس دیتا ہے، نہ ملے تو رو دیتا ہے، لیکن حقیقت میں وہ اپنے ماں باپ کی ایک ایک اداء کو کھینچ رہا ہے اور اپنے اندر جذب کر رہا ہے، ماں باپ کے ہنسنے کو بولنے کو ہر ہر قول و فعل کو ان کی معاشرت کو اپنے اندر لے رہا ہے۔

لہٰذا اب ضروری ہے کہ جب بچہ گھر آگیا تو پہلے ماں باپ خود نیک بن جائیں، نیک بنیں گے، نیک رہیں گے اور نیکی کا ماحول اپنے گھر میں قائم رکھیں گے تو وہی ماحول بچے کے دل و دماغ پر نقش ہوگا۔

بچوں کی تربیت جو خراب ہو رہی ہے وہ اسی وجہ سے ہو رہی ہے کہ ماں باپ خود تو نیک بنتے نہیں، خود تو نمازی بنتے نہیں، خود تو قرآن شریف کی تلاوت کرتے نہیں، خود تو نظروں کی حفاظت کرتے نہیں، خود تو ٹی وی دیکھنے والے ہیں، فلمیں دیکھنے والے ہیں، خود تو بے حیا اور بے شرم ہیں تو بچہ کیسے حیادار اور شرم والا ہوگا؟ وہ کیسے نمازی بنے گا؟ وہ کیسے اللہ اللہ کرنے والا ہوگا؟ وہ کیسے تسبیح پڑھنے والا ہوگا؟ اس نے تو جب دنیا میں آنکھ کھولی تو ماں باپ کو جیسے دیکھا ویسا ہو گیا۔ سب سے بڑی کوتاہی یہیں

سے شروع ہوتی ہے، اس میں ہم بچے کو قصوروار نہیں ٹھہرا سکتے، اپنے آپ کو قصوروار ماننا چاہئے۔ ہم نے اس کے سامنے اللہ کے نافرمانوں والا نمونہ پیش کیا اور وہ نافرمان بن گیا۔ حاصل یہ ہے کہ ہم نے اپنے آپ کو ہی جہنم سے بچانے کی کوشش نہیں کی تو پھر ہم اپنے بچوں کو کیسے جہنم سے بچا سکتے ہیں۔

بچے کو سب سے پہلے اللہ کا نام سکھاؤ

حکم یہ ہے کہ سب سے پہلے اللہ کا نام سکھاؤ، سب سے پہلے اذان کے ذریعہ اللہ کا نام سنایا تھا، اب اللہ ہی کا نام سکھاؤ تاکہ اس کی زبان پر سب سے پہلے اللہ کا نام آئے، اور جب اللہ کا نام اس کی زبان پر آئے گا تو اللہ کے نام کے اثرات اس کے دل میں آئیں گے، اللہ کی محبت اس کے دل میں پیدا ہو گی۔

جناب رسول اللہ ﷺ کی محبت بچوں کے دلوں میں پیدا کیجائے

نیز یہ کہ بچوں کی تربیت کے لئے گھر میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے واقعات پڑھ کر سنائیں۔ آپ ﷺ کی زندگی کے حالات کہ کس طرح آپ ﷺ دنیا میں تشریف لائے، کس طرح آپ ﷺ نے دین کو دنیا میں پھیلایا۔ کیا کیا آپ ﷺ نے خدمات انجام دیں، کس طرح آپ ﷺ نے فکر مندی سے کام کیا، کس کس طریقے سے

آپ ﷺ نے جہاد کئے۔ آپ ﷺ کی پوری زندگی محفوظ ہے۔یہ باتیں ان کو سنائیں تاکہ ان کے دل میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اور پکی محبت پیدا ہو۔

دوسرے نمبر پر سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں اور اہلِ بیت اور خاندان والے جو مسلمان گزرے ہیں ان کی محبت ان کے دل میں پیدا کی جائے۔ چنانچہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا یہی طریقہ تھا۔ صحابہ کرامؓ اپنے بچوں کے سامنے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اس طرح سناتے اور یاد کراتے تھے جس طرح قرآن شریف کی سورت یاد کراتے ہیں۔ اب سوچو! ہم میں اور ان میں کتنا فرق ہو گیا، ہم تو کبھی نام بھی نہیں لیتے۔

گھر میں تعلیم کا اہتمام کرنا

اسی طرح بچوں کی تربیت کے لئے دس پندرہ منٹ لازمی نکالیں۔ اس وقت سب گھر والے جمع ہوں، اکٹھے بیٹھیں، سیرت کی کوئی سی کتاب پڑھ کر سنائیں۔ ایک سیرت کی کتاب ہمارے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی لکھی ہوئی ہے "سیرت خاتم الانبیاءؐ" کے نام سے، اس کا معمول بنالیں۔ انشاء اللہ آپ دیکھیں گے کہ آپ کو خود بھی بہت سے فوائد محسوس ہوں گے اور گھر والوں پر بھی بہترین اثر ہوگا، اس لئے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ایسی پُراثر ہے کہ جو بھی سنے گا اس سے

ضرور متاثر ہوگا۔ آپ کی وفات کا واقعہ جتنی دفعہ بھی آپ پڑھ لیں ہر دفعہ آنکھوں سے بے ساختہ آنسو ٹپکنا شروع ہو جائیں گے، حالانکہ آپ کی وفات کو چودہ سو سال گزر گئے، لیکن ایسا اس کے اندر اثر ہے کہ کوئی مؤمن اس کو پڑھے تو روئے بغیر نہیں رہ سکتا، اور یہ واقعہ سیرت کی تمام کتابوں میں ہے۔ اور اگر اس سے بڑی کتاب لینا چاہیں تو حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھیؒ کی "تاریخ اسلام" کے نام سے لکھی ہوئی کتاب لے لیں، یہ انتہائی آسان اردو میں ہے اور بہت ہی پر اثر ہے۔ اسی طرح ایک اور کتاب ہے "سیرت المصطفیٰ" حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ کی لکھی ہوئی ہے، اس میں کہیں کہیں طرزِ تحریر عالمانہ ہے، لیکن اردو میں ہے اور بڑی آسان اور عام فہم ہے۔ ایک اور کتاب "رحمۃ للعالمین" حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی لکھی ہوئی ہے، جن کا حال ہی میں انڈیا کے اندر انتقال ہوا ہے۔ "علی میاں" کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ کتاب کراچی میں بھی ملتی ہے، دو جلدوں میں ہے، بڑی آسان اور عام فہم ہے اور بہت ہی دلنشین ہے۔ اسی طرح حضرت تھانویؒ کی کتاب "نشر الطیب" ہے اس میں حضرت تھانویؒ نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال اور خصوصیات تحریر فرمائی ہیں، بڑی عجیب و غریب کتاب ہے۔

توان میں سے جو کتاب بھی آسانی سے مل جائے، دس منٹ روزانہ اپنے گھر میں بچوں کو پڑھ کر سنا دیا کریں۔

بچوں کو بزرگوں کی مجلسوں میں لے جانا

اور ایک کام یہ کریں کہ ہفتہ میں ایک مرتبہ یا پندرہ دن میں ایک مرتبہ اپنے بچوں اور بچیوں کو اور اپنے گھر والوں کو کسی نیک مجلس میں لے جایا کریں۔ یہ گر ایسا ہے کہ اس میں صرف لانا لے جانا ہے، باقی سب کچھ خود ہی ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اولاد اور ماں باپ کے تعلق میں بے تکلفی غالب رہتی ہے اور بے تکلفی کی وجہ سے ماں باپ کی بات میں وہ اثر نہیں ہوتا جو ہونا چاہئے، اب وہ اثر کہاں سے لائیں؟ تو وہ بزرگوں کی مجلس سے حاصل ہو جاتا ہے۔ جب وہ دین کی باتیں دوسروں سے سنیں گے اور سننے کے بعد وہ بات ان کے دل میں اترے گی تو جیسے ہمارے دل میں اثر ہو رہا ہے ایسے ہی ان کے دل میں بھی اثر ہوگا، اور اس کی برکت سے خود بخود ذہن بھی بدلے گا اور ماحول بھی تبدیل ہوگا، اور جو ہم بچوں کی تربیت چاہتے ہیں وہ رفتہ رفتہ حاصل ہو جائے گی۔

پہلے زمانے میں یہی طریقہ تھا کہ ماں باپ خود بھی اللہ والوں کی صحبت میں جاتے تھے اور اپنے ساتھ اپنے بچوں کو بھی لے جاتے تھے، اور خواتین کے بھی اللہ والوں سے تعلقات ہوتے تھے، نتیجہ یہ کہ پورا گھر کا گھر نیک اور صالح ہوتا تھا۔ اب وہ صحبتیں نہ رہیں مجلسیں نہ رہیں ؎

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے

دوسری طرف سے یہ معاملہ ہے کہ ؎

خواجہ درد نیست ورنہ طبیب ہست

ہمارے اندر ہی وہ طلب نہ رہی، لگن نہ رہی، تڑپ نہ رہی، جذبہ نہ رہا، ایسی مجلسوں سے ہم دور ہوتے چلے گئے اس لئے محروم ہوگئے۔ تو بہرحال جو ہوا سو ہوا، ابھی جب تک زندگی باقی ہے ہمارے اختیار میں پلٹنا باقی ہے۔

بچوں اور گھر والوں کے ساتھ کیسا رویہ اپنانا چاہئے

اور ایک بات یہ بھی ضروری ہے کہ عام طور پر یہ دیکھا جاتا ہے کہ گھر سے باہر اگر ہم کسی سے اصلاح کی بات کریں گے تو بڑی سنجیدگی اور نرمی اور محبّت اور شفقت کے ساتھ کریں گے، اور گھر میں اس کا بالکل اُلٹ معاملہ ہوگا، بات بات پر ڈانٹنا ڈپٹنا، تنبیہ کرنا اور لڑنے مرنے کو تیار ہو جانا، یہ ہمارا طریقہ ہوتا ہے گھر میں اصلاح و تربیت کا۔ یہ کونسا اصلاح کا طریقہ ہے؟ ہم سوچیں! اگر ہمارے ساتھ کوئی ایسا کرے تو کیا ہماری اصلاح ہو جائے گی؟ ہم تو لڑنے مرنے کو تیار ہو جائیں گے، تو جب ہم اپنے بارے میں یہ رویہ برداشت نہیں کرسکتے تو بیوی بچوں کے بارے میں ہم نے کیسے برداشت کرلیا، آپ کی جو اصلاح ہوئی تو کیا ایک منٹ میں ہوئی یا ایک دن میں جو اپنے گھر والوں کی ایک دن میں کرنا چاہتے ہو، یہ تو ایسے ہی ہے جیسے عمارت کے نیچے بم رکھ دو ایک منٹ میں نیچے آجائے گی۔ جیسے وہ کام ایسے ہی یہ کام کہ اپنے گھر کو تباہ کرنا ہے۔ اللہ بچائے سب نے یہی طریقہ اختیار

کر رکھا ہے۔

اولاد کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنا

ارے میاں! اولاد کی تربیت آسان کام نہیں، سب سے پہلے تو اس میں اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنی چاہیے، جب اللہ پاک کا فضل ہوگا تو یہ کام آسان ہو جائے گا ورنہ یہ کام آسان نہیں۔

دوسرا یہ کہ سب سے پہلے خود نیک بننا شرط ہے، اس کے بعد بچوں کے ساتھ شفقت محبّت اور نرمی کے ساتھ پیش آنا لازمی ہے، تنبیہ، غصہ شاذونادر کبھی کبھی، ہر وقت بچوں کو ٹوکنے سے بچوں میں ضد پیدا ہو جاتی ہے۔

ہمارے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بڑا عجیب و غریب طریقہ تھا، حضرت تربیت فرماتے تھے تو بات بات پر ٹوکتے نہیں تھے، ہاں البتہ نظر رکھتے تھے کہ کس نے کب کیا کیا؟ اور اس کی باتیں ذہن میں رکھتے تھے کہ آج اس نے یہ گڑبڑ کی، کل اس نے فلاں غلطی کی، جب مہینہ بھر گزر گیا، پھر علیحدہ اس کو بلایا، ڈانٹ ڈپٹ کے بغیر اس کو فرماتے کہ فلاں دن تم سے یہ غلطی ہوئی تھی، فلاں دن تم نے یہ کیا تھا، اس کو دور کرنا چاہیے، اس میں یہ خرابی ہے۔ چھوڑنے کا یہ فائدہ ہے اور کرنے میں یہ نقصان ہے، یہ باتیں چھوڑنے کی ہیں کرنے کی نہیں۔ چھوٹے بچے کی عزت بھی رکھی، احترام بھی کیا، نرمی بھی برتی، سب کے سامنے اس کو رسوا بھی

نہیں کیا اور ڈانٹ ڈپٹ بھی نہیں کی۔ بھلا بتلایئے وہ بچہ قربان نہیں ہو گا تو کیا ہو گا؟

ہمارا رویہ اپنی اولاد کے ساتھ

ہمارا جو رویہ ہے آج کل اپنی اولاد کے ساتھ کہ ہمارا کمرہ گویا کہ عدالت کا کمرہ ہے، بچوں کو مجرموں کی طرح پکڑ کر لا رہے ہیں، گھسیٹتے ہوئے، گالیاں دیتے ہوئے، منہ پہ تھپڑ مارتے ہوئے، تم ایسے ہو ویسے ہو، نماز نہیں پڑھتے ہو، سوئے رہتے ہو، نکل جاؤ میرے گھر سے۔ تو جب تم آج اس کو گھر سے نکلنے کا کہہ رہے ہو تو کل وہ جوان ہو جائے گا تو تمہیں نکلنے کا کہے گا۔

عبرت آموز واقعہ

ہمارے ایک بزرگ نے اس موضوع پر ایک واقعہ سنایا تھا کہ انڈیا کے کسی شہر میں ایک سکھ تھا، وہ بوڑھا ہو گیا اور بیٹا جوان ہو گیا، بوڑھے کو دمے کا مرض لاحق ہو گیا، اب رات ہوتے ہی دمے کا شدید زور ہو جاتا، کھانسی اور بلغم نکلنا شروع ہو جاتا۔ چنانچہ ساری رات یہ سلسلہ جاری رہتا، وہ بیچارہ خود بھی پوری رات جاگتا اور شور کی وجہ سے دوسرے بھی جاگتے، بیٹا سارا دن کام سے تھکا ہارا ہوتا، بار بار نیند اکھڑتی تو بہت تنگ ہوتا، آخر پھر سوچتا کہ کوئی بات نہیں باپ ہے، لیکن رفتہ رفتہ جب دیکھا کہ روز کا ہی

قصہ ہے، نہ تو یہ مرتا ہے نہ جان چھوڑتا ہے، یہ تو ساری رات جگاتا ہی ہے، ایک دن اس کو خیال آیا کہ کیوں نہ اس کا کام ختم ہی کردوں، قریب میں ایک دریا بہتا تھا، ایک دن اس نے اپنے بوڑھے باپ کو کندھوں پہ اٹھایا اور دریا کی طرف چل دیا، اب باپ خاموش کچھ نہیں بول رہا کہ کہاں لے جا رہے ہو اور کیوں لے جا رہے ہو؟ بیماری کی وجہ سے ویسے ہی سوکھ کر کانٹا ہوگیا تھا، مقابلے کی سکت نہ تھی اور دل کا چور جانتا تھا، جیسی کرنی ویسی بھرنی۔

چنانچہ جیسے ہی بیٹا دریا میں اترا اور پانی پنڈلیوں تک آیا اور پھینکنے کا ارادہ کیا تو باپ نے کہا: بیٹا ذرا اس جگہ سے ہٹ کر فلاں جگہ پہ مجھے پھینک دے، یہاں مت پھینک، بیٹے نے کہا: یہاں میں اور وہاں میں کیا فرق ہے؟ یہاں بھی پانی ہے وہاں بھی پانی ہے، باپ نے کہا بس میری خواہش ہے، بیٹے نے کہا پہلے مجھے بتاؤ اس میں کیا راز ہے پھر پھینکوں گا، باپ کہنے لگا کہ اصل بات یہ ہے کہ میں نے بھی اپنے باپ کو یہیں پھینکا تھا۔

بیٹا سمجھدار تھا، کہنے لگا اچھا تو یہ بات ہے، فوراً دریا سے نکلا اور سیدھا واپس اپنے گھر گیا، جاکر باپ کا کمرہ صاف کیا، بستر کو دھویا، چادر بدلی اور صبح جب ہوئی تو اس کو ڈاکٹر کے پاس لے گیا، دوا دلوائی اور بقیہ زندگی خوب اس کی خدمت کی۔ وہ بہتر ہوا نہ ہوا لیکن اس نے اپنا فرض پورا کیا۔ اللہ بچائے۔ اللہ بچائے، جب ہم اپنی اولاد کے ساتھ بدتمیزی سے پیش آرہے ہیں اور ان کو گالیاں دے رہے ہیں، تو پھر ہم کیسے ان سے خدمت کی امید

کر رہے ہیں۔

لہٰذا ضروری ہے کہ ہم اپنے بچوں کے ساتھ محبّت و شفقت کا اور نرمی کا سلوک کریں، سب سے بڑھ کر یہ کہ ہم ان کے سامنے نیک نمونہ پیش کریں، جب ہم نیک ہوں گے، بااخلاق ہوں گے اور شریعت کے پابند ہوں گے تو ہماری اولاد بھی نیک اور صالح ہوگی اور ہمارا احترام اور خدمت کرنے والی ہوگی۔

یہ تو میں نے مسلمان گھرانے کے بچے کے پیدا ہونے کے بعد شروع کے آداب بتائے۔ ان ہی سے اندازہ لگالیں کہ باقی زندگی میں ہمارے اوپر کتنی ذمہ داریاں ہوں گی کہ ہم ان کو کس طرح نیک بنائیں، یہ ہماری ساری زندگی کی ذمہ داریاں ہیں، اس کو ساری زندگی انجام دینا ہیں، بزرگوں سے وابستہ رکھیں اور خود بھی وابستہ رہیں اور پوچھ پوچھ کر چلتے رہیں، پوچھ کر چلنے میں بڑی آسانی ہے اور سہولت ہے۔ ہر آدمی کا حال الگ الگ ہوتا ہے، ماحول الگ الگ ہوتا ہے، اس سلسلے میں دینی رہنمائی حاصل کرکے اپنے گھر میں دینی ماحول کا اہتمام کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کی توفیق عطاء فرمائے، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

موت کے وقت کی بدعات

(۵)

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم

موت کے وقت کی بدعات اور رسمیں

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات أعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضلّ لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، وأشھد أن لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، وأشھد ان سیدنا ونبینا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ، صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیمًا کثیرًا

أما بعد! فأعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: ﴿وَمَا آتٰـكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ صدق اللہ العظیم (سورۃ الحشر: ۷)

میرے قابل احترام بزرگو! قرآن کریم اور احادیث طیبہ اس تاکید سے بھری ہوئی ہیں کہ مسلمانوں پر رحمتِ کائنات جناب رسول اللہ ﷺ کی تابعداری اور فرمانبرداری واجب ہے اور اسی میں مسلمانوں کی کامیابی ہے۔ لہٰذا خوشی کا موقع ہو یا غمی کا موقع ہو، ہر حالت میں ہر مسلمان مرد وعورت اس بات کا پابند ہے کہ وہ یہ علم حاصل کرے کہ اس موقع پر جناب رسول اللہ ﷺ کی کیا تعلیم اور ہدایت ہے، پھر جو کام کرنے کا آپ نے حکم دیا ہو اسکو بجالائے اور جس کام سے روکا ہو اس سے رک جائے۔

اس اصولی ہدایت کی روشنی میں یہ عرض ہے کہ جب ہمارے یہاں کسی کا انتقال ہو جاتا ہے تو اس موقع پر ہم بہت سے کام ایسے کرتے ہیں جو شریعت اور سنت سے ثابت نہیں ہیں، ان کاموں سے بچنا ضروری ہے، جو اور امور سرکار دو عالم ﷺ سے ثابت ہیں، ان امور کو بجالانا ضروری ہے، ہمارے ایمان کا اور ہمارے دین وشریعت کا یہی مطالبہ ہے۔

موت کے وقت ”کلمہ شہادت“ کی تلقین

جب کسی شخص کے انتقال کا وقت قریب ہو جائے اور آثار سے یہ اندازہ ہو کہ اب اس کا آخری وقت ہے تو اس وقت اسکے پاس بیٹھنے والے کلمہ شہادت پڑھیں یا خالی کلمہ پڑھیں، درمیانی آواز سے اس طرح پڑھیں کہ وہ شخص سنتا رہے، لیکن کوئی شخص اس سے یہ نہ کہے کہ آپ کا آخری وقت ہے، آپ کلمہ پڑھ لیں۔ یہ طریقہ صحیح نہیں، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ تکلیف کی وجہ سے انکار ہی نہ کردے کہ میں نہیں پڑھتا، اس طرح معاملہ خراب ہو جائیگا۔ اس لئے اس سے کلمہ پڑھنے کو ہرگز نہ کہا جائے کہ تم کلمہ پڑھ لو، بلکہ تلقین کا طریقہ یہ ہے کہ اسکے پاس آہستہ آواز سے کلمہ پڑھتے رہو۔

جب وہ ایک مرتبہ کلمہ پڑھ لے تو بس اب خاموش ہو جاؤ، تلقین ہو گئی، اور اب اس سے کوئی دنیا کی بات نہ کرو، اور یہ دعا کرو کہ جب اس نے کلمہ پڑھ لیا تو اب یہی اس کا آخری کلام ہو جائے تاکہ وہ اس حدیث کا مصداق ہو جائے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کا آخری کلمہ ”لا الٰہ الا اللہ“ ہوگا وہ جنت میں جائیگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے، آمین۔

ہاں اگر وہ پھر دنیا کی کوئی بات کرے تو پھر دوبارہ اسکو تلقین کرو اور اسکے سامنے کلمہ شہادت پڑھو، جب وہ کلمہ پڑھ لے تو پھر خاموش ہو جاؤ۔

انتقال کے بعد فوری کرنے کا کام

پھر جب اسکی روح نکل جائے تو روح نکلتے ہی فوراً اسکی آنکھیں بند کر دی جائیں اور اس کا منہ بند کر دیا جائے، اور کپڑے کی ایک پٹی اسکے جبڑوں کے نیچے سے لے کر سر تک باندھ دی جائے تاکہ اس کا منہ کھلا نہ رہ جائے اور اسکے پیروں کو سیدھا اور قریب قریب کر کے دونوں پیروں کے انگوٹھوں کو ایک پٹی سے باندھ دیا جائے تاکہ پیر پھیل نہ جائیں۔ اگر آسانی سے ممکن ہو تو میت کو قبلہ رُخ کر دیا جائے۔

تجہیز و تکفین میں تاخیر نہ کریں

اسکے بعد میت کے عزیز و اقارب اور رشتہ داروں کو اور اسکے پڑوسیوں کو اس کے مرنے کی اطلاع کر دی جائے۔ اسکے بعد جتنی جلدی ہو سکے میت کو غسل دینے کا انتظام کریں، پھر جلدی سے اسکو کفن پہنائیں اور پھر نماز جنازہ پڑھ کر دفن کر دیں۔ اگر جمعہ کے دن صبح کسی کا انتقال ہو گیا اور جمعہ کی نماز سے پہلے اسکو دفنا کر واپس آسکتے ہیں تو پھر جمعہ کی نماز تک اس انتظار میں روکے رکھنا کہ جمعہ کی نماز میں بہت بڑا اجتماع ہو گا اور بہت سارے مسلمان اسکی نماز جنازہ پڑھیں گے، اس لئے جمعہ کی نماز کے بعد اسکو دفن کرینگے۔ اس انتظار میں اس کو روکنا جائز نہیں، کیونکہ جمعہ کی نماز کے بڑے اجتماع میں نماز جنازہ پڑھوانا نہ فرض ہے اور نہ واجب ہے، یہ تو ہماری اپنی خواہش ہے، ورنہ نماز جنازہ صحیح ہونے کیلئے تین آدمی بھی کافی ہیں، اسکے ذریعہ فرض ادا ہو جائیگا۔ لیکن نماز جنازہ میں زیادہ افراد کی شمولیت کی خاطر نماز جنازہ کو اور میت کی تدفین کو مؤخر کرنا جائز نہیں۔

کسی کے انتظار میں میت کو روکنا

اب ہمارے معاشرے میں ہوتا یہ ہے کہ جب کسی کا انتقال ہوتا ہے تو اسکے

رشتہ دار جو دوسرے شہروں میں ہوتے ہیں، پہلے ان کو اطلاع دی جاتی ہے، مثلاً کوئی رشتہ دار لاہور میں ہے، کوئی کوئٹہ میں ہے، کوئی ملتان میں ہے، کوئی اسلام آباد میں ہے، کوئی حیدر آباد میں ہے، کوئی سعودی عرب میں ہے، کوئی امریکہ میں ہے۔ تو ہوتا یہ ہے کہ انتقال کے فوراً بعد فون کے ذریعہ اطلاع تو کر دی جاتی ہے کہ فلاں کا انتقال ہو گیا، لیکن اب اطلاع کے بعد ان رشتہ داروں کے آنے کے انتظار میں میت کو دفن ہونے سے روک رکھا ہے، ذرا فلاں جگہ سے بیٹا آجائے اور وہ باپ کی شکل دیکھ لے، پھر دفن کریں گے۔ کہیں میت کی ماں کا انتظار ہو رہا ہے، کہیں باپ کا انتظار ہو رہا ہے، کبھی بھائی کا انتظار ہو رہا ہے، کبھی بیوی کا انتظار ہو رہا ہے، کبھی شوہر کا انتظار ہو رہا ہے، تاکہ یہ رشتہ دار آکر آخری مرتبہ شکل دیکھ لیں۔ چنانچہ شکل دکھانے کے لئے کبھی چھ گھنٹے کا انتظار، کبھی دس گھنٹے، کبھی پندرہ گھنٹے انتظار ہو رہا ہے، اور اس دوران میت کو برف کی سلیوں میں رکھا جا رہا ہے تاکہ وہ رشتہ دار آکر آخری مرتبہ چہرہ دیکھ لیں، اب سارے عزیز و اقارب اسی انتظار میں بیٹھے ہیں۔ اس طرح میت کو انتظار میں رکھنا بڑا سخت گناہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم

یہ گناہ اتنا عام ہے کہ شاید ہی کوئی گھر اس گناہ سے خالی ہو، حالانکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد کا مفہوم یہ ہے کہ میت کو جتنا جلدی ہو سکے اسکو اسکی جگہ پر پہنچاؤ، کیونکہ اگر یہ میت نیک ہے تو پھر اسکو اسکے اصلی گھر جانے سے کیوں روک رہے ہو؟ جلدی سے اسکو اسکے اصلی گھر میں پہنچاؤ، تاکہ یہ آرام و راحت اور چین و سکون حاصل کرے۔ اور اگر یہ بد ہے تو پھر اس بد کو جلدی سے اپنے کندھے سے اتارو، اس سے چھٹکارا حاصل کرو، کب تک اسکو اپنے گھر میں لٹائے

رکھو گے۔

لہٰذا حضور اقدس ﷺ اس کی تاکید فرمارہے ہیں کہ میت کے کفن دفن اور جنازہ میں جلدی کرو، لیکن ہم عزیز واقارب کے آنے کے انتظار میں بلاوجہ تاخیر کررہے ہیں، یہ بہت بڑا گناہ ہے اسکو یادرکھیں اور اس سے بچنے کی کوشش کریں اور میت کو جلد از جلد کفن دیکر نماز جنازہ پڑھ کر دفنانے کی فکر کریں۔

کھانے کا انتظام

ایک گناہ یہ ہوتا ہے کہ جب کسی گھر میں کسی شخص کا انتقال ہوجاتا ہے تو گھر والے اور میت کے پسماندگان تجہیز وتکفین اور تدفین کے لئے آنے والوں کے لئے کھانے کا انتظام کرتے ہیں، اس دعوت اور کھانے کا انتظام کرنا ایسا گناہ ہے جس میں بہت سے گناہ شامل ہیں، لہٰذا اس کھانے کے گناہ کو چھوڑنا واجب ہے اور آئندہ کے لئے اس گناہ سے بچنا واجب ہے، اور اس گناہ سے بچنا ہر مسلمان کے اختیار میں ہے۔

وہ اختیار اس طرح ہے کہ آنے والوں کے لئے کھانے کا بالکل انتظام نہ کیا جائے، اور میت کے گھر والے اس کا بالکل خیال نہ کریں کہ قبرستان سے جب لوگ میت کو دفنا کر واپس آئیں گے تو یہ کہاں سے کھائیں گے اور کیا کھائیں گے؟ اور نہ کھلانے کے نتیجے میں وہ لوگ چاہیں دس باتیں سنا کر جائیں یا دس طعنے دیکر جائیں، لیکن پھر بھی یہ نہ سوچیں کہ جو لوگ ملنے کے لئے اور تعزیت اور تسلی دینے کے لئے آئیں گے وہ کہاں سے کھائیں گے اور کیسے کھائیں گے؟ اور آپ ان کی باتیں سننے کے لئے اور ان کے طعنے سننے کے لئے تیار رہیں۔ اس طرح جب مرنے والے کے پسماندگان اپنا دل مضبوط کر کے اور ہمت کر کے یہ کام کرلیں گے تو یہ گناہ ختم ہو جائیگا۔

میت کے گھر والوں کے لئے کھانا لے جائیں

بلکہ پسماندگان کی اس ہمت کے نتیجے میں ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صحیح طریقہ جاری فرمادیں اور تعزیت کے لئے آنے والوں کے دل میں یہ خیال آجائے کہ جب انہوں نے کچھ کھانا وغیرہ نہیں پکایا تو چلو ہم ہی ان کے لئے پکا کر لے چلیں اور ان پسماندگان کو کھانا کھلائیں۔ تو صحیح طریقہ یہی ہے کہ جو تعزیت کرنے والے ہیں وہ اپنی ذمہ داری کو پورا کریں اور کھانا پکا کر میت کے گھر پہنچائیں۔ اور پھر اس ذمہ داری کو دو یا تین افراد مل کر پورا کرلیں تاکہ ایک ہی قسم کا کھانا میت کے گھر پہنچ جائے، اور یہ سوچ کر کھانا تیار کرائیں کہ یہ کھانا ہم اپنے لئے نہیں پکوا رہے ہیں بلکہ میت کے پسماندگان کو کھلانے کے لئے پکوا رہے ہیں۔ اور یہ کھانا پر تکلف اور لمبا چوڑا نہیں ہونا چاہئے بلکہ وہ کھانا بس اتنا ہونا چاہئے جو میت کے پسماندگان اور ان کے یہاں آئے ہوئے مہمانوں کے لئے کافی ہو جائے۔ یہ کھانا صرف پہلے دن کے لئے پکا کر بھیجا جائے، دوسرے دن اور تیسرے دن پکا کر بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ بس پہلے دن دوپہر کو کھلادیں، اور شام کا کھانا کھلادیں بس اب آپ کی ذمہ داری ختم ہو گئی، اس کے بعد ان کو کھلانے کی ذمہ داری آپ پر نہیں، اب دوسرے دن وہ خود پکا کر کھائیں۔

کتنے روز تک سوگ منایا جائے؟

یہ جو مشہور ہے کہ تین روز تک سوگ منایا جائے، اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ مرنے والوں کے گھر والوں نے اپنے ذمہ تین دن تک غم منانے اور سوگ منانے کو جو ضروری قرار دے رکھا ہے، یہ بالکل بے اصل ہے، بلکہ یہ دراصل دوسرے لوگوں کے لئے ہے یعنی جو لوگ میت کے جنازے میں شریک نہیں ہو سکے اور ان کو مرنے کی اطلاع تاخیر سے ملی تو وہ بعد میں بھی جاکر تعزیت

کر سکتے ہیں۔

لہٰذا تین دن کی تحدید تعزیت کرنے والوں کے لئے ہے، گھر والے اور پسماندگان کے لئے نہیں ہے کہ وہ تین دن تک ضرور غم منائیں، بلکہ صرف ایک دن غم منالیں کہ اگر پہلے دن غم کی وجہ سے دکان پر نہیں جا سکتے نہ جائیں، یہ جانا ضروری نہیں۔ لیکن دوسرے دن دکاندار اپنی دکان پر جاکر بیٹھیں، کارخانہ دار اپنے کارخانے کو جاکر دیکھیں، زمین دار اپنی زمین کو جاکر دیکھیں، ملازم پیشہ اپنی ملازمت پر جائیں۔

زیادہ دیر بیٹھنا

آج کل تعزیت کرنے والوں نے یہ جو طریقہ اختیار کر رکھا ہے کہ جب کسی مرنے والے کے گھر میں تعزیت کے لئے جاتے ہیں تو وہاں گھنٹوں بیٹھتے ہیں، یہ طریقہ بالکل غلط ہے، بلکہ جس طرح عیادت کے لئے بیمار کے پاس مختصر بیٹھنے کا حکم ہے، اسی طرح تعزیت کے لئے میت کے گھر میں مختصر بیٹھنے کا حکم ہے، اس لئے کہ تعزیت کا اصل مقصد ان کو تسلی دینا ہے، دو چار جملے آپ ان کے لئے تسلی کے کہدیں، بس اخلاص کے ساتھ کہے ہوئے دو چار جملے اس کے دل کو بڑھادیں گے اور اس کے غم کو ہلکا کر دیں گے۔ وہاں جاکر ایک دو گھنٹے بیٹھنا کوئی ضروری نہیں ہے، اس سے جانے والے کا بھی حرج ہوتا ہے اور جس کے پاس گئے ہیں۔ اس کا بھی حرج ہوتا ہے، یہ گھنٹوں بیٹھنے کی رسم نے تین دن تک آنے والوں سے گھر بھر دیا ہے۔ اسی رسم نے میت کے پسماندگان کو تین دن تک دکان جانے سے روک رکھا ہے۔ لہٰذا زیادہ دیر بیٹھنے سے پرہیز کریں۔

دعوت ناجائز ہونے کی وجوہات

بہر حال، میت کے پسماندگان کی طرف سے آنے والوں کی دعوت کرنا

ناجائز ہے، اور اس کے ناجائز ہونے کی کئی وجوہات ہیں۔

(۱) پہلی وجہ یہ ہے کہ حضور اقدس نبی کریم ﷺ نے یہ حکم دیا ہے کہ جس کے گھر میں میت ہوئی ہے، اس کے پڑوسی کھانا پکا کر میت کے گھر میں پہنچائیں۔ شریعت کا اصل حکم یہ ہے، لیکن اس رسم دعوت کے نتیجے میں شریعت کے اس حکم کے بالکل خلاف ہو رہا ہے کہ مرنے والے کے پسماندگان ہی کھانے کا انتظام کر رہے ہیں اور اہل محلّہ کو اور رشتہ داروں کو کھلا رہے ہیں، جس سے شریعت کے حکم کی صریح مخالفت ہو رہی ہے۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ شریعت میں دعوت خوشی کے موقع پر جائز ہے، غمی کے موقع پر جائز نہیں۔ اور یہ غم کا موقع ہے، خوشی کا موقع نہیں، اس لئے یہ دعوت جائز نہیں۔

(۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ دعوت کرنا ھندوانہ طریقہ ہے، مسلمانوں کا طریقہ نہیں ہے، اور غیر مسلموں کا طریقہ مسلمانوں کو اختیار کرنا جائز نہیں۔ جیسے کرسمس منانا، سالگرہ کرنا، انگریزوں کا طریقہ ہے، اس لئے مسلمانوں کو یہ منانا اور اختیار کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح یہ میت والوں کی طرف سے دعوت ھندوؤں کی تہذیب کا ایک حصہ ہے، لہٰذا جس طرح کرسمس اور برسی منانا جائز نہیں، اسی طرح یہ دعوت کرنا بھی جائز نہیں۔

(۴) چوتھی وجہ یہ ہے کہ میت کے پسماندگان میں بعض مرتبہ یتیم بچے بھی ہوتے ہیں، عورتیں بھی ہوتی ہیں، یا کچھ بالغ مرد ایسے ہوتے ہیں جو اس وقت وہاں موجود نہیں ہوتے، مثلاً دوسرے ملک سفر پر ہوتے ہیں اور ان کی اجازت کا علم نہیں ہوتا، اور نابالغ اور یتیم بچے کی اجازت کا کوئی اعتبار نہیں۔ اور عورتوں سے اس بارے میں کوئی پوچھتا ہی نہیں ہے، حالانکہ وہ بھی میراث کے اندر حصہ دار ہیں، لیکن ان کو حقدار سمجھتے ہی نہیں ہیں۔ لہٰذا آنے والوں کی

دعوت کے لئے نابالغ کا مال خرچ کرنا یا عورتوں کا مال اور غائب وارثین کا مال ان کی اجازت کے بغیر خرچ کرنا ناجائز اور حرام ہے۔ قرآن کریم کا صاف صاف ارشاد ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا﴾ (سورۃ النساء: ۱۰)

یعنی جو لوگ یتیموں کا مال ظلماً ناحق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں انگارے بھرتے ہیں۔

لہٰذا اس طرح سے یتیموں کا مال جائز نہیں بلکہ حرام ہے۔ اس وجہ سے بھی یہ دعوت ناجائز ہے۔

(۵) پانچویں وجہ یہ ہے کہ جب آدمی سنّت سے اور شریعت کے صحیح طریقے سے ہٹتا ہے تو پھر دور ہی ہٹتا چلا جاتا ہے، چنانچہ اس دعوت کے اندر نام و نمود بھی شامل ہے، دکھاوا اور نمائش بھی ہے، چنانچہ آج لوگ اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ ہمارے ابّا جان کے انتقال کی دعوت پر فلاں فلاں چیزیں کھلائی گئی تھیں۔ اور اب تو خوب بڑھیا سے بڑھیا کھانے پکائے جاتے ہیں تاکہ خاندان اور برادری میں نام ہو کہ فلاں نے تو بڑی شاندار دعوت کی تھی۔ یہ سب دکھاوا اور نمائش ہے، اور نام و نمود اور دکھاوا سب حرام اور ناجائز ہے۔ اس وجہ سے بھی یہ ناجائز ہے۔

ان پانچ وجوہات کی بناء پر یہ دعوت ناجائز ہے۔

دعوت کی تمام صورتیں ناجائز ہیں

پھر یہ دعوت ہر صورت میں ناجائز ہے، چاہے لوگوں کے قبرستان سے واپس آنے کے وقت ہو، یا تیسرے دن ہو، یا چالیسویں دن یہ دعوت ہو، لہٰذا چالیس دن گزرنے کے بعد میت کے گھر والے جس دعوت کا انتظام کرتے ہیں وہ

بھی ان مذکورہ بالا وجوہات کی بناء پر ناجائز ہے۔ اور ناجائز ہونے میں یہ سب دعوتیں برابر ہیں۔ اس لئے آئندہ اس قسم کی دعوتوں سے بچنے کا پورا اہتمام کرنا چاہئے۔

تعزیت کے وقت ہاتھ اٹھاکر دعا کرنا

ایک اور بدعت تعزیت کے وقت کی جاتی ہے، وہ یہ کہ جو شخص تعزیت کے لئے میت کے گھر آتا ہے، وہ بس آکر بیٹھتے ہی لفظ "فاتحہ" کہہ کر دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیتا ہے، اور پھر طوطے کی طرح الٹے سیدھے کلمات پڑھے اور ہاتھ منہ پر پھیر لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ میت کے پسماندگان بچارے صبح سے لے کر شام تک ہر آنے والے کے ساتھ سینکڑوں مرتبہ ہاتھ اٹھاتے ہیں اور گراتے ہیں، اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہی تعزیت کرنے کا طریقہ ہے، اور تین دن تک یہی طریقہ جاری رہتا ہے۔ یاد رکھئے! اس کا شرعی تعزیت سے کوئی تعلق نہیں، یہ خالص بدعت ہے جو آج ہمارے معاشرے کے اندر اختیار کر لی گئی ہے۔

یہ بدعت سرحد کے علاقے میں جاری ہے، وہیں سے ہمارے اندر آگئی ہے۔ چونکہ ہمارا وہاں جانا رہتا ہے اور وہ لوگ ہمارے یہاں آتے رہتے ہیں، ان کے ساتھ کاروباری تعلقات ہیں، ان کے دیکھا دیکھی ہمارے یہاں بھی یہ رسم آگئی ہے، اس کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں۔ لہٰذا اس طرح ہاتھ اٹھاکر دعا کرنا ناجائز ہے، اس کا ترک کرنا واجب ہے۔

صحیح طریقہ

اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ جو کوئی شخص تعزیت کے لئے میت کے گھر جائے، وہ ہاتھ اٹھائے بغیر یہ دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت اور بخشش فرمائے، اس کے درجات بلند فرمائے، اور آپ حضرات کو صبر جمیل عطا

فرمائے۔ اور بھائی صبر کریں، صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے، اور صبر کرنے میں اجر وثواب ہے، بے صبری سے کچھ حاصل نہیں۔ بس یہ دو چار تسلّی اور دعا کے جملے کہہ دو، یہ کافی ہیں۔ اس کے بعد اٹھ کر چلے آؤ۔ زیادہ دیر بیٹھنے کی ضرورت نہیں۔ اور جب ایک مرتبہ تعزیت کرلی تو بار بار تعزیت کے لئے جانے کی ضرورت نہیں۔ بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ جو قریبی رشتہ دار ہوتے ہیں، وہ صبح شام میت کے گھر کا چکر لگاتے ہیں۔ صبح تسلّی دے کر آگئے، شام کو پھر تسلی دینے پہنچ گئے، حالانکہ تعزیت کا حکم صرف ایک مرتبہ ہے، جب پہلے دن تعزیت کرلی تو بس تعزیت ہوگئی۔ بہر حال، تعزیت کے لئے جانے کے بعد وہاں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا شریعت سے اور سنت سے ثابت نہیں۔

نماز جنازہ کے بعد دعا کرنا

تیسری بات یہ ہے کہ لوگ نماز جنازہ پڑھنے کے بعد دو کام کرتے ہیں، ایک یہ کہ اجتماعی دعا کرتے ہیں، حالانکہ یہ اجتماعی دعا بدعت اور ناجائز ہے، اس لئے کہ نماز جنازہ خود میت کے لئے دعا ہے، جب شریعت کے مطابق ایک مرتبہ دعا ہوگئی تو پھر دوسری مرتبہ یہ دعا آپ نے اپنی طرف سے کیوں ایجاد کرلی؟ کیونکہ نماز جنازہ میں تیسری تکبیر کے بعد میت کے لئے دعا ہی کی جاتی ہے کہ "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيْرِنَا وَكَبِيْرِنَا وَذَكَرِنَا وَاُنْثَانَا۔ یعنی اے اللہ! ہمارے زندوں کی مغفرت فرما، ہمارے مُردوں کی مغفرت فرما، ہمارے حاضرین کی مغفرت فرما، ہمارے غائبین کی مغفرت فرما، ہمارے چھوٹوں کی مغفرت فرما، ہمارے بڑوں کی مغفرت فرما، ہمارے مَردوں کی مغفرت فرما اور ہماری عورتوں کی مغفرت فرما۔ اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْيَيْتَهٗ مِنَّا فَاَحْيِهٖ عَلَى الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَى الْاِيْمَانِ" اے اللہ! ہم میں سے جس کو آپ زندہ رکھیں اس کو اسلام پر زندہ رکھئے، اور جب کسی کو وفات دیں تو اس کو ایمان پر

وفات دیں۔ جب یہ دعا کرلی تو اب اس کے بعد سلام پھیر دو۔ لیکن چونکہ دعا کا ادب یہ ہے کہ دعا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی جائے، اور اس کے بعد حضور اقدس ﷺ پر درود بھیجا جائے، اس کے بعد دعا کی جائے۔ اس لئے نماز جنازہ میں پہلی تکبیر کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد کی جاتی ہے۔ اور دوسری تکبیر کے بعد حضور اقدس ﷺ پر درود بھیجا جاتا ہے۔ جب شریعت کے مطابق دعا ہو گئی تو اب نماز جنازہ کے بعد دوبارہ ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا کیا مقصد ہے؟ گویا کہ شریعت نے جو دعا کا طریقہ بتایا ہے اس کے ذریعہ دعا کی تکمیل نہیں ہوئی، اب ہم نماز کے بعد اس کی تکمیل کر رہے ہیں۔ انّا للہ وانّا الیہ راجعون ارے ہم شریعت میں اضافہ کرنے والے کون ہوتے ہیں؟ یہ شریعت کے اندر اضافہ ہو گیا۔ لہٰذا اس بدعت کو چھوڑنا چاہئے۔

جنازہ کو اٹھانے کا طریقہ

جنازہ کو اٹھانے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے جنازہ کا اگلا داہنا پایا اپنے داہنے کاندھے پر رکھ کر دس قدم چلے۔ پھر پچھلا داہنا پایا اٹھا کر دس قدم چلے۔ پھر جنازہ کا اگلا بایاں پایا اپنے بائیں کندھے پر اٹھا کر دس قدم چلے۔ پھر پچھلا بایاں پایا اٹھا کر دس قدم چلے۔ اس طرح ہر شخص چالیس قدم تک اس کو لے کر چلے۔ اب ہوتا یہ ہے کہ ابھی ایک شخص اٹھا کر دو قدم ہی چلا تھا کہ دوسرے شخص نے جلدی سے آکر اس سے چھین لیا۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ آرام آرام سے لے کر چلیں اور دس قدم تک چلنے کا دوسرے کو موقع دیں، جب دس قدم پورے ہو جائیں پھر دوسرا آدمی آگے بڑھ کر اس سے لے لے، اس سے پہلے نہ لے۔

☆☆☆

جنازہ لے جاتے وقت متوسط چال چلیں

نماز جنازہ سے فارغ ہونے کے بعد جب میت کو قبرستان لیجاتے ہیں تو اس وقت ایک کوتاہی یہ ہوتی ہے کہ میت کو اتنی تیزی سے چلتے ہوئے لیجاتے ہیں کہ متوسط درجے کا صحت مند آدمی بھی کاندھا دیتے ہوئے ڈرتا ہے، بڑے بوڑھے اور کمزور آدمی کو کاندھا دینا ناممکن ہوتا ہے، اس لئے کہ وہ اس بات سے ڈرتا ہے کہ اس دوڑنے میں کہیں میں خود ہی نہ گر جاؤں۔ یہ طریقہ غلط ہے، صحیح طریقہ یہ ہے کہ نہ تو بہت تیز رفتاری کے ساتھ لیجانا چاہئے اور نہ ہی بہت سست رفتاری سے لیجانا چاہئے، بلکہ میانہ روی سے درمیانی رفتار سے لیکر جانا چاہئے۔

جنازہ لیجاتے وقت "کلمہ شہادت" کا نعرہ

دوسری بات یہ ہے کہ نماز جنازہ کے بعد جب جنازہ کو اٹھایا جاتا ہے تو مسجد سے لیکر قبرستان پہنچنے تک ایک نعرہ لگایا جاتا ہے "کلمہ شہادت" یہ نعرہ بھی ہم نے اپنی طرف سے بڑھایا ہے، شریعت نے یہ نعرہ ہمیں نہیں بتایا، بلکہ جس طرح سیاسی جماعتیں اپنا اپنا نعرہ لگاتی ہیں، اسی طرح ہم نے یہ مذہبی نعرہ ایجاد کر لیا، حالانکہ ایسا کوئی کلمہ پکارنا کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے، بلکہ یہ خالص بدعت ہے جو ہمارے معاشرے میں رائج ہو چکی ہے، لہٰذا ہر مسلمان کو اس سے بچنا ضروری ہے۔

میت کو قبر میں لٹانے کا طریقہ

ایک اہم بات یہ ہے کہ نوے فیصد مسلمانوں کو میت کو قبر میں لٹانے کا طریقہ معلوم نہیں ہے۔ اس کی وجہ سے غلط طریقے سے میت کو قبر میں لٹا دیتے ہیں۔ وہ غلط طریقہ یہ ہے کہ میت کو قبر میں سیدھا بالکل چت لٹا دیتے ہیں اور

صرف اس کا چہرہ قبلے کی طرف موڑ دیتے ہیں۔ یہ سنت کے خلاف ہے۔ سنت طریقہ یہ ہے کہ میت کو پوری طرح دائیں کروٹ پر لٹانا چاہئے اور اس کے پورے جسم کا رخ قبلے کی طرف کرنا چاہئے، ہم صرف چہرہ قبلے کی طرف کر دیتے ہیں اور سارا جسم آسمان کی طرف رہتا ہے۔ جیسے انسان زندگی میں جب سنت کے مطابق لیٹتا ہے تو پوری طرح داہنی طرف کروٹ لے کر لیٹتا ہے، اسی طرح میت کو قبر میں پوری داہنی کروٹ دینی چاہئے۔ اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ میت کی پوری کمر مشرقی دیوار سے لگا دیں، اس کے نتیجے میں اس کا چہرہ اس کا پیٹ اس کا سینہ سب قبلے کی طرف ہو جائیں گے۔ لیکن آج کل ایسا کوئی نہیں کرتا، بلکہ اگر کوئی کرتا بھی ہے تو دوسرے لوگ اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ صاحب! ہم نے تو یہ طریقہ کہیں دیکھا ہی نہیں ہے۔ ارے بھائی تمہارا نہ دیکھنا کوئی حجت اور دلیل تو نہیں ہے، حالانکہ ان کو تو یہ کہنا چاہئے کہ اب تک ہم نے غلط طریقے سے دفناتے ہوئے لوگوں کو دیکھا ہے اور آج صحیح طریقے سے دیکھا ہے۔ بہر حال، سنت طریقہ یہ ہے کہ مرنے والا چاہے بوڑھا ہو، یا بچہ ہو، یا جوان ہو، مرد ہو یا عورت ہو، اس کو قبر میں داہنی کروٹ پر لٹانا چاہئے، صرف منہ کو قبلہ رخ کر دینا کافی نہیں ہے۔

کفن کی پٹیاں کھولنا

اس کے بعد کفن جن پٹیوں سے باندھا تھا، ان کی گرہیں کھول دیں۔ اور پھر پٹیوں کو باہر نکال دیں۔ وہ پٹیاں قبر کے اندر نہ چھوڑیں، کیونکہ وہ پٹیاں کفن کا حصہ نہیں ہیں۔ بلکہ وہ پٹیاں اس لئے باندھی تھیں تاکہ کفن درمیان میں نہ کھل جائے۔ اور اب ان پٹیوں کی ضرورت نہیں رہی، اس لئے وہ تین پٹیاں جو پیر کی طرف اور سر کی طرف اور درمیان میں باندھی تھیں، ان کو نکال دیں۔

قبر کو کوہان نما بنانا

قبر تیار کرتے وقت جو کام شریعت کے اور سنت کے خلاف کیے جاتے ہیں، ان میں سے ایک کام یہ ہے کہ قبر پر مٹی اتنی مقدار میں ڈالی جاتی ہے کہ اس کے نتیجے میں وہ قبر بہت اونچی ہو جاتی ہے، اور پھر وہ دیکھنے سے چھوٹا سا ٹیلہ معلوم ہوتا ہے، حالانکہ سنت یہ ہے کہ قبر کو اونٹ کے کوہان کے برابر اونچا بنانا چاہئے، اور اس کی مقدار علماء اور بزرگوں نے یہ بتائی ہے کہ قبر زمین سے ایک بالشت یا سوا بالشت اونچی ہونی چاہئے، اس سے زیادہ اونچی نہیں ہونی چاہئے، لیکن آج کل بعض علاقوں میں دو بالشت تین بالشت چار بالشت اونچی قبریں بنادیتے ہیں۔

ایک حدیث شریف ہے، جس کا مفہوم یہ ہے:

ایک مرتبہ جناب رسول اللہ ﷺ کسی قبرستان میں میت کو دفنانے میں مصروف تھے۔ وہاں آپ نے اعلان فرمایا کہ کیا تم میں کوئی شخص ہے جو مدینہ منورہ جاکر تین کام کر آئے (۱) ایک یہ کہ مدینہ منورہ میں جتنے بُت ہیں، ان سب کو پاش پاش کردے۔ (۲) دوسرے یہ کہ مدینہ منورہ میں جتنی قبریں زیادہ اونچی اونچی ہیں، ان کو درست کرکے آجائے۔ (۳) تیسرے یہ کہ مدینہ طیبہ میں جتنی تصویریں ہیں، ان کو مٹاکر آجائے۔ ایک صحابی کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا کہ میں یہ تینوں کام ابھی کرکے آتا ہوں۔ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صحابی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ ابھی حضور اقدس ﷺ قبرستان ہی میں تھے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ تینوں کام کرکے واپس آگئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے مدینہ منورہ میں کوئی قبر ایسی نہیں چھوڑی جس کو درست نہ کردیا ہو، اور کوئی بُت ایسا نہیں چھوڑا جسے پاش پاش نہ کردیا ہو، اور کوئی تصویر ایسی نہیں چھوڑی جسے نہ بگاڑ دیا ہو۔ آپ ﷺ ان کے اس کام سے خوش ہوئے اور پھر ارشاد فرمایا:

آج کے بعد اگر کسی شخص نے ان تینوں کاموں میں سے کوئی کام کیا تو سمجھ لو کہ جو دین میں لیکر آیا ہوں اس نے اس کا انکار کیا۔

اشارہ اس طرف فرمادیا کہ میرے آنے کا مقصد ہی ان تین چیزوں کو مٹانا اور ختم کرنا ہے، لہٰذا ان کاموں کو کرنے والا میرے دین کا انکار کرنے والا ہے۔

قبر کو پختہ بنانا

آج ہماری قبروں کا یہ حال ہے کہ اگر قبر کچی ہے تو وہ بہت اونچی ہے، یا پھر وہ سنگ مرمر کی پختہ قبر بنی ہوئی ہے۔ آج آپ قبرستان جائیں گے تو پچانوے فیصد آپ کو پختہ قبریں نظر آئیں گی۔ حالانکہ اسطرح پختہ قبریں بنانا جناب رسول اللہ ﷺ کی ہدایت اور سنت کے خلاف ہے، آپ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ یاد رکھئے! سنت طریقے پر چلنے میں کامیابی اور فلاح ہو گی، اور خلاف سنت طریقے پر چلنے کی صورت میں عذاب اور وبال ہو گا۔

یہ سنت مٹ چکی ہے

قبر کو کچی بنانے کی سنت آج مٹ چکی ہے اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو شخص ایسی سنت کو زندہ کرے جو مٹ چکی ہو، اس کو سو شہیدوں کا اجر وثواب دیا جائے گا۔ اور ہر شخص کو اپنے مرحوم عزیز واقارب کی قبروں کو ٹھیک کرنے کا اختیار ہے، لہٰذا اپنے مرحومین کی قبریں جاکر دیکھیں، وہ اگر ہم نے غلط طریقے پر بنوادی ہیں یا کسی اور نے بنوادی ہیں تو ہم اب جاکر اس کو صحیح تو کرواسکتے ہیں۔ لہٰذا آج ہی یہ نیت کرلیں کہ ہم اپنے مرحومین کی قبروں کو سنت کے مطابق بنوائیں گے۔

اور ہم اپنی اولاد کو یہ وصیت کرجائیں کہ ہمارے مرنے کے بعد ہماری قبروں کو سنت کے مطابق بنایا جائے۔ اپنی اولاد کو اور پسماندگان کو صحیح طریقہ

بتا کر سمجھادیں، اور ان کے سامنے اپنے مرحومین کی قبروں کو ٹھیک کریں تاکہ صحیح طریقہ ان کو اچھی طرح معلوم ہو جائے۔

قبر پر پھولوں کی چادر چڑھانا

جب مرنے والے کی قبر تیار ہو جاتی ہے تو اس کی قبر پر پھولوں کی چادر چڑھائی جاتی ہے، چنانچہ آپ قبرستان جاکر دیکھیں گے تو ہزاروں پھول کی پتیاں قبروں پر سوکھی پڑی نظر آئیں گی، جن پر ہزاروں روپے خرچ ہو چکے ہونگے۔ یاد رکھئے! پھولوں کی چادر قبروں پر چڑھانا خلاف شرع اور ناجائز ہے، اور جناب رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کے بالکل خلاف ہے۔ معلوم نہیں یہ غلط طریقہ کہاں سے مسلمانوں کے اندر رائج ہو گیا ہے۔ لہٰذا آئندہ جب کسی کا انتقال ہو تو اس کی قبر پر پھولوں کی چادر ہر گز نہ چڑھائیں، اس میں پیسوں کا ضیاع بھی ہے۔

پھولوں کی یہ چادر جس طرح میت کو دفنانے کے بعد چڑھائی جاتی ہے، اسی طرح خاص خاص راتوں میں بھی چڑھائی جاتی ہے۔ مثلاً شب براءت میں لوگ جب مرحومین کی قبر پر جاتے ہیں تو اس وقت بھی پھولوں کی چادر چڑھا دیتے ہیں۔ یا گھر میں کوئی خوشی کا موقع آیا تو اس وقت بھی والد صاحب کی قبر پر پھولوں کی چادر چڑھانے کا خیال آجاتا ہے، اسی طرح عید اور بقر عید کے موقع پر پھولوں کی چادر چڑھا دیتے ہیں، حالانکہ مرنے کے بعد چادر چڑھانا یا کسی خوشی کے موقع پر چادر چڑھانا، دونوں صورتوں میں منع اور ناجائز ہے اور اس کے اندر اسراف کا گناہ بھی ہے۔ اس لئے اس عمل سے بھی مکمل طور پر پرہیز کرنا چاہئے۔

قبر پر کپڑے کی چادر چڑھانا

جب پھولوں کی چادر چڑھانا جائز نہیں تو کپڑے کی چادر چڑھانا اس سے بھی زیادہ ناجائز ہو گی، اس لئے کہ حدیث شریف میں اس کی صاف ممانعت

موجود ہے، وہ یہ کہ "قبروں کو کپڑے مت پہناؤ" یہ چادر چڑھانا اس کو کپڑے پہنانا اور اس کو کپڑے میں چھپانا ہے، لہٰذا چاہے کسی بھی کپڑے کی چادر ہو، یہ سب ناجائز ہے۔ اسلئے اس سے بچنا چاہئے۔

قبر میں عرق گلاب اور عرق کیوڑہ چھڑکنا

ایک اور غلط کام قبر پر ہوتا ہے، وہ یہ کہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب جنازہ جاتا ہے تو عرق گلاب اور عرق کیوڑہ کی بوتلیں اور اگربتیوں کا پیکٹ بھی اس کے ساتھ جاتا ہے، بلکہ جب کفن خریدنے جاتے ہیں تو یہ سامان بھی ساتھ میں لاتے ہیں اور کفن بیچنے والے بھی یہ سامان اپنی دکان پر رکھتے ہیں اور جب کوئی شخص کفن دفن کا سامان طلب کرتا ہے تو دکاندار یہ عرق گلاب اور عرق کیوڑہ اور اگربتی کا پیکٹ بھی ساتھ دیدیتا ہے، وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ بھی کفن دفن کا حصہ ہے، حالانکہ قبر پر اگربتی جلانا یا قبر کے اندر اگربتی کی دھونی دینا اور قبر کے اندر عرق گلاب اور عرق کیوڑہ چھڑکنا یہ سب کام ناجائز اور گناہ ہیں، اور جناب رسول اللہ ﷺ سے یہ اعمال ثابت نہیں ہیں، بلکہ ان سب کاموں سے ممانعت ثابت ہے۔ کیونکہ یہ کام بعد کی ایجادات ہیں، لوگوں نے اپنی طرف سے گھڑ کر دین کا حصہ بنادیا ہے۔ شریعت کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

قبر پر اگربتی یا چراغ جلانا

پھر یہ عمل جس طرح دفن کے وقت ناجائز ہے، اسی طرح بعد میں بھی ناجائز ہے۔ چنانچہ بہت سی قبروں پر آپ کو یہ نظر آئے گا کہ مرنے والے کو تو مرے ہوئے برسوں گزر چکے ہیں، لیکن مرنے والے کی قبر پر ہر جمعرات کو اگربتی جل رہی ہے، اور بعض لوگوں کی قبروں پر چراغ جلتا نظر آئے گا۔ یا تو مرنے والا وصیت کر جاتا ہے کہ ہر جمعرات کو میری قبر پر چراغ جلادینا، یا مرنے والے

کے پسماندگان اپنی طرف سے یہ عمل کرتے ہیں کہ ہر جمعرات کو ایک آدمی وہاں جاتا ہے اور چراغ جلا کر آجاتا ہے۔ اب یہ پتہ نہیں کہ اس روشنی کے ذریعہ کس کو فائدہ پہنچانا مقصود ہوتا ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں نے یہ سن رکھا ہے کہ قبر میں چونکہ اندھیرا ہوتا ہے، اس لئے قبر کے اوپر چراغ جلادو، تاکہ اندر روشنی ہو جائے۔ ارے بھائی! ذرا یہ تو سوچیں کہ اس چراغ کے ذریعہ روشنی قبر کے اوپر ہو رہی ہے یا قبر کے اندر ہو رہی ہے؟ جو چراغ قبر کے اوپر جل رہا ہے اس کی روشنی تو باہر دور تک نہیں پھیل رہی ہے تو قبر کے اندر اس کی روشنی کیسے چلی جائے گی؟

ناجائز کام پر ثواب نہیں ملتا

اور اگر کسی کے ذہن میں یہ بات ہے کہ قبر پر چراغ جلانے سے ثواب ملے گا اور ثواب روشنی ہے، اور قبر والے کی قبر میں وہ ثواب پہنچ کر روشنی کا باعث بن جائے گا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ یہ عمل ہی ناجائز ہے، اور ناجائز کام کا ثواب نہیں ملتا، جائز اور نیک کام کا ثواب ملتا ہے، بلکہ ناجائز کام کا تو گناہ ہوتا ہے۔ اور قبر کے باہر چراغ جلانا ناجائز کام ہے اور جب ناجائز کام کا ثواب کرنے والے کو نہیں ملے گا تو میت کو وہ ثواب کیسے پہنچے گا؟ بہر حال، قبر پر چراغ جلانا خلاف سنت اور بے فائدہ عمل ہے، اس کو ترک کرنا چاہئے۔ پہلے زمانے میں قبر پر اصلی گھی کے چراغ جلائے جاتے تھے، مقصد یہ ہوتا تھا کہ چونکہ ہمارے والد صاحب زندگی میں اصلی گھی کا چراغ جلایا جائے۔ ارے بھائی! جتنے پیسے اصلی گھی پر یا تیل پر خرچ ہو رہے ہیں، اگر اتنے پیسے خیرات کر دیتے تو میت کی قبر میں چراغ جل جاتا، اسی طرح جتنے پیسے پھولوں کی چادر پر اور اگر بتیوں پر اور عرق گلاب اور عرق کیوڑہ پر خرچ ہو رہے ہیں، وہ اللہ کی رضا کے لئے کسی غریب کو دیکر اس کا ثواب مرحوم کو پہنچا دیتے تو اس کی قبر میں چراغ جل جاتا۔ اس لئے

کہ ثواب نور اور روشنی ہے، اس کا فائدہ میت کو پہنچے گا۔ لیکن اگر آپ نے قبر پر چراغ جلادیا تو اس سے میت کو کیا فائدہ ہوا؟ وہ تھوڑی دیر جل کر ختم ہو جائے گا۔

قبر پر تلاوت کے لئے تنخواہ دار حافظ کا تقرر

اسی طرح ایک گناہ اور کیا جاتا ہے، وہ یہ کہ بہت سے لوگ مرحومین کی خیر خواہی کے لئے کسی حافظ صاحب کی خدمات حاصل کرتے ہیں اور ان کی تنخواہ مقرر کرتے ہیں، پھر وہ حافظ صاحب روزانہ مرحوم کی قبر پر قرآن شریف پڑھ کر ثواب پہنچا کر آجاتے ہیں۔ ہر قبرستان میں اکادکا حافظ پڑھتا ہوا نظر آئے گا، اور ایسے شخص کی قبر پر نظر آئے گا جو خود بھی سیٹھ تھا اور اس کا بیٹا بھی سیٹھ ہے۔ عام طور پر وہ حافظ جی سورۃ یٰسین پڑھ کر ایصال ثواب کر کے چلا جاتا ہے، اور مہینہ ختم ہونے پر اس کے گھر جاکر تنخواہ وصول کرلیتا ہے۔ اب کرنے والا تو خیر خواہی کی بنیاد پر کرتا ہے، لیکن یاد رکھئے! ہر خیر خواہی معتبر نہیں ہے، بلکہ وہ خیر خواہی معتبر ہے جو شریعت کے مطابق ہو۔ یاد رکھئے! کسی کو پیسے دیکر قرآن شریف پڑھوا کر اس کا ایصال ثواب کرانا جائز نہیں۔ جس طرح تراویح میں پیسے لیکر قرآن شریف پڑھنا اور پڑھوانا جائز نہیں، اسی طرح پیسے دیکر ایصال ثواب کے لئے قرآن شریف پڑھنا اور پڑھوانا جائز نہیں، کیونکہ جو شخص پیسے لئے بغیر خالص اللہ کی رضا کے لئے قرآن شریف پڑھے گا تو اس کو ثواب ملے گا، اور جب پڑھنے والے کو ثواب ملے گا، تبھی تو وہ ثواب آگے پہنچائے گا۔ اور جس حافظ صاحب نے قرآن کریم پڑھنے کے لئے پیسے لے لئے تو وہ دنیا کا کام ہو گیا، آخرت کا کام نہ رہا، تو پھر اس کو ثواب کہاں ملے گا، اور جب پڑھنے والے کو ثواب نہیں ملے گا تو وہ ثواب آگے کیسے پہنچائے گا؟ اس لئے یہ طریقہ ناجائز ہے۔

قبر پر اذان دینا

بعض علاقوں میں ایک بدعت یہ رائج ہے کہ میت کو دفنانے کے بعد قبر پر اذان دی جاتی ہے۔ یہ اذان دینا بھی خلاف سنت ہے اور غلط طریقہ ہے۔ اذان تو پانچ فرض نمازوں کیلئے مشروع ہے، پانچ نمازوں کے علاوہ بھی بعض مواقع ایسے ہیں کہ وہاں پر اذان دینے کی اجازت ہے، لیکن دفنانے کے بعد قبر پر اذان دینا کسی حدیث سے ثابت نہیں۔ لہٰذا اس سے بچنے کی اور پرہیز کرنے کی ضرورت ہے۔

بعض لوگ درخت کی تازہ شاخ اور ٹہنی توڑ کر قبر پر لگاتے ہیں اور اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ ایک مرتبہ دو قبروں کے پاس سے گزرے، آپ نے دیکھا کہ ان کو عذاب ہو رہا ہے تو آپ نے ایک درخت سے ایک ٹہنی توڑ کر اس کے دو ٹکڑے کر کے ان قبروں پر لگادیے، اور فرمایا کہ جب تک یہ شاخیں ہری بھری رہیں گی، ہو سکتا ہے کہ ان کا عذاب ہلکا ہو جائے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ایک تو حضور اقدس ﷺ نے اپنی زندگی میں ایک مرتبہ یہ عمل کیا ہے، دوسرے یہ کہ حضور ﷺ کو ان کے عذاب کا علم ہو گیا تھا۔ لہٰذا اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے آپ بھی کسی وقت ہری ٹہنی لگادیں، لیکن گلاب کے پھول لگانا کسی حدیث سے ثابت نہیں۔ لہٰذا یہ طریقہ خلاف سنت اور قابل ترک ہے۔

میت کو دوسرے شہر منتقل کرنا

ایک اور گناہ یہ ہوتا ہے کہ بعض علاقوں میں یہ دستور ہے کہ اگر کسی شخص کا اس کے آبائی وطن یا گاؤں سے باہر انتقال ہو گیا، مثلاً کوئی شخص پشاور کا رہنے والا

تھا، اس کا کراچی میں انتقال ہو گیا، یا سعودی عرب میں یا امریکہ یا برطانیہ میں اس کا انتقال ہو گیا، تو اب اس کا تابوت وہاں سے اس کے گاؤں لایا جائے گا، اور گاؤں لا کر اس کو دفن کیا جائے گا۔ چاہے اس پر ان کے ہزاروں بلکہ لاکھوں روپیہ خرچ ہو جائے، چاہے میت گل سڑ جائے، چاہے وہ کسی حادثے میں زخمی ہو کر مرا ہو، یا جل کر مرا ہو، لیکن ہر حال میں اس کو اپنے گاؤں لا کر ہی دفن کیا جائے گا۔ اگر غریب ہو گا تب بھی بھیک مانگ کر سودی قرض لیکر میت کو تابوت میں رکھ کر ہوائی جہاز کے ذریعہ اس کے آبائی گاؤں پہنچانا ضروری ہے۔ یاد رکھئے! یہ عمل بالکل ناجائز ہے اور سرکار دو عالم ﷺ کی تعلیمات کے بالکل خلاف ہے۔

صحابہ کرام کہاں دفن ہوئے؟

دیکھئے! صحابہ کرام کی تعداد تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار تھی، اکثر مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ کے رہنے والے تھے، لیکن مدینہ طیبہ کے قبرستان "جنت البقیع" میں تقریباً دس ہزار صحابہ کرام مدفون ہیں، اور تقریباً چار پانچ ہزار صحابہ کرام مکہ مکرمہ کے قبرستان "جنت المعلّی" میں مدفون ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ باقی ایک لاکھ دس ہزار صحابہ کرام کہاں گئے؟ وہ سب دین کی اشاعت کے لئے دنیا کے دوسرے علاقوں میں تشریف لے گئے اور وہیں ان کا انتقال ہو گیا اور وہیں پر ان کو دفن کر دیا گیا۔ کسی صحابی کا تابوت ان علاقوں سے مدینہ منورہ نہیں لایا گیا، اور کسی کی لاش مکہ مکرمہ میں نہیں لائی گئی۔

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر

خود جناب رسول اللہ ﷺ کی اہلیہ محترمہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال مکہ مکرمہ کے قریب مسجد عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تھوڑے سے فاصلے پر ہو گیا۔ "مسجد عائشہ" جہاں سے عمرہ کا احرام باندھ کر آتے ہیں۔ یہ مسجد

آج کل مکہ مکرمہ کے اندر ہی آگئی ہے۔ چنانچہ انکو وہیں پر دفن کر دیا گیا، اور آج بھی لب سڑک ان کا مزار موجود ہے۔ ان کو مکہ مکرمہ کے قبرستان "جنت المعلیٰ" میں نہیں لایا گیا، حالانکہ اس جگہ سے "جنت المعلیٰ" کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ یہ حضور اقدس ﷺ کی تعلیم پر عمل تھا۔ لہٰذا آج کل کا یہ رواج خلاف سنت اور قابل ترک ہے اور یہ رواج ناجائز ہے۔ بہر حال، جس مسلمان کا دنیا کے جس علاقے میں بھی انتقال ہو جائے، اس کو وہیں مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دینے کا حکم ہے۔ وہاں سے منتقل کر کے اس کے آبائی گاؤں لیجانا ناجائز ہے۔ یہ گناہ ہمارے بعض علاقوں مثلاً سرحد کے علاقوں میں بطور رواج کے رائج ہے، یہ رواج بالکل ناجائز ہے، اس کو ختم کرنا چاہئے۔

غزوہ احد کے شہداء کی قبر

دیکھئے! جبل اُحد مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلے پر ہے، اور اب تو مدینہ منورہ کے بالکل متصل آچکا ہے بلکہ بعض آبادیاں جبل اُحد کے ساتھ بنی ہوئی ہیں۔ غزوہ اُحد اسی پہاڑ کے دامن میں پیش آیا، غزوہ احد میں جو صحابہ کرام شہید ہوئے، ان کو مدینہ منورہ کے قبرستان "جنت البقیع" میں لاکر دفن نہیں کیا گیا، بلکہ جبل احد کے دامن میں ان کو دفن کر دیا گیا، اور آج بھی ان کے مزارات وہیں موجود ہیں۔ حالانکہ ان کو مدینہ طیبہ لاکر دفن کرنا کچھ مشکل نہیں تھا اور زیادہ دور بھی نہیں تھا۔ لہٰذا حضور اقدس ﷺ کی سنت یہی ہے کہ جس کا جہاں انتقال ہو، جس شہر میں انتقال ہو، اس کو وہیں دفنایا جائے، دوسری جگہ منتقل کرنا سنت کے خلاف ہے۔ یہی مسلمانوں کا اصل طریقہ ہے جو آج تک چلا آرہا ہے۔

☆☆☆

مرنے والوں کی تصاویر گھر میں آویزاں کرنا

ایک اور بہت بڑا گناہ یہ ہوتا ہے کہ مرنے والے کی یاد کو زندہ رکھنے کے لئے اس کی بڑی بڑی تصویریں گھروں میں لگا لیتے ہیں، کبھی کئی کئی پشتوں کی تصویریں لگادی جاتی ہیں، یہ پردادا کی تصویر ہے، یہ دادا جان کی تصویر ہے، یہ ابا جان کی تصویر ہے، سب کی تصویریں دیواروں پر آویزاں ہیں اور ان کو دیکھ کر ان کی یاد تازہ کرتے رہتے ہیں۔ یہ عمل بالکل ناجائز اور خلاف شرع ہے۔ اصل تو یہ ہے کہ مرنے کے بعد مرنے والے کی یاد کو بھلایا جائے، تاکہ انسان اطمینان سے زندگی کے دوسرے کام انجام دے سکے۔ اگر مرنے والا بار بار یاد آتا رہے گا تو پھر انسان زندگی کے دوسرے کام بخوبی انجام نہیں دے سکے گا۔ اس لئے یہ طریقہ چھوڑنا چاہئے اور اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کے تمام احکام پر عمل کرنیکی توفیق عطا فرمائے۔ اور بدعات اور منکرات سے بچنے کی ہمت عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

مہمان نوازی کے آداب

۶

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مہمان نوازی کے آداب

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضلّ له ومن يضلله فلا هادى له، ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له ونشهد ان سيدنا ونبينا ومولانا محمداً عبده ورسوله صلى الله تعالىٰ عليه وعلىٰ آله واصحابه وبارك وسلم تسليماً كثيراً كثيراً

اما بعد!

فاعوذ بالله من الشيطٰن الرجيم بسم الله الرحمٰن الرحيم

﴿وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَا اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا، قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ، فَلَمَّا رَاٰ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّا اُرْسِلْنَا اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ﴾ صدق الله العظيم

(سورة هود)

تمہید

میرے قابل احترام بزرگو! اس وقت میں نے سورۃ ہود کی دو آیتیں تلاوت کی ہیں جن میں حق تعالیٰ جل شانہ نے حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام

کی ایک سنت اور اس کے آداب کا ذکر فرمایا ہے۔ اور وہ سنت ایسی ہے جو ہمارے دین و مذہب میں بھی سنت ہے، اس لئے میں آج اس سنت کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں تاکہ اس سنت کی ادائیگی میں اگر ہم سے کچھ کوتاہی ہو رہی ہے تو وہ دور ہو جائے یا اس سنت کی ادائیگی میں ہم نے اپنی طرف سے کچھ غلط باتیں شامل کر لی ہیں تو ان سے ہم اجتناب کریں۔

اور ان آیات میں اس سنت کے جن آداب کا ذکر ہے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سنت کی جو فضیلت بیان فرمائی ہے ہم اس سنت کو ان آداب کے ساتھ کرنے اور اس کی فضیلت حاصل کرنے کی نیت سے ہم اس سنت کو انجام دیں۔

یہ سنت ایسی ہے کہ جس کی ضرورت تقریباً ہر مسلمان مرد اور عورت کو زندگی میں بار بار پیش آتی ہے، لہٰذا بار بار پیش آنے میں اور زیادہ ضروری ہے کہ ہم اس کے آداب سے واقف ہوں اور اس کے اجر و ثواب سے باخبر ہوں، تاکہ جب اس کے ادا کرنے کا وقت آئے تو ہم ثواب سے محروم نہ ہو جائیں یا گناہوں کا ارتکاب کر کے بجائے ثواب کے اور ہم اپنے اوپر وبال مول لے لیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام

حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبروں میں سے ہیں، آپ کو ابو الانبیاء کہا جاتا ہے، اس لئے کہ بیشتر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام آپ ہی کی نسل سے ہیں۔ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی دو بیویاں تھیں، ایک حضرت سارہ اور دوسری حضرت ھاجرہ، حضرت ھاجرہ رحمھا اللہ کے بطن سے حضرت اسمٰعیل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام پیدا ہوئے اور پھر انہی کی نسل سے آخر میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے جو سارے نبیوں کے سردار ہیں۔ اور خاتم النبیین ہیں۔ اور حضرت ابراہیم

علیہ السلام کی دوسری اہلیہ حضرت سارہ کے بطن سے حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اور حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے حضرت یعقوب علی نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں، حضرت یعقوب علیہ السلام کا عبرانی زبان میں نام "اسرائیل" تھا اور "اسرائیل" کے معنی ہیں عبداللہ (اللہ کا بندہ)۔ کیونکہ "اسرا" کا معنی ہیں بندہ، اور ئیل کے معنی ہیں اللہ، اور بنی کہتے ہیں "اولاد" کو۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے، ایک حضرت یوسف علیہ السلام اور باقی گیارہ بیٹے ان کے علاوہ تھے، ہر بیٹے کا ایک پورا خاندان تھا، ان بارہ خاندانوں کو "بنی اسرائیل" کہا جاتا ہے، کیونکہ سب یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کے خاندان تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سارے نبیوں کے سردار، رحمت کائنات، سردار دوجہاں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس لئے آپ کو ابوالانبیاء کہتے ہیں، کیونکہ سارے پیغمبروں میں آپ سب کے جد امجد ہیں۔

دین ابراہیمی دین اسلام ہی تھا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین جو دراصل دین اسلام تھا، اس کے بہت سے احکام جس طرح "بنی اسرائیل" کے اندر جاری وساری تھے، اسی طرح سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے اندر بھی بہت سے ان کے احکام جاری وساری ہیں۔ اور سبھی جانتے ہیں کہ قربانی کرنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے جو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں بھی جاری وساری ہے۔

صحابہ کرامؓ نے جب یہ پوچھا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس قربانی کرنے کی کیا حقیقت ہے؟ کیوں کرتے ہیں؟ آپ نے یہ فرمایا "سنة ابیکم ابراھیم" یہ تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ ختنہ کرانا یہ

بھی حضرت ابراہیم علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے۔

مہمان نوازی کی سنّت

اسی طرح ایک سنّت اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے اور وہ سنّت ہے "مہمان کی ضیافت" اور مہمان کی "مہمان نوازی اور خاطر تواضع" یہ دراصل حضرت ابراہیم علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے، کیونکہ اس دنیا میں سب سے پہلے یہ ضیافت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شروع کی، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ مبارک عادت تھی کہ جب تک کوئی ان کے دستر خوان پر مہمان نہ آتا تو کھانا نہ کھاتے، انتظار میں رہتے تھے کہ کوئی مہمان آجائے یا کوئی میرے ساتھ میرے دستر خوان پر کھانا کھانے کے لئے آجائے تو کھانا کھائیں جب کوئی آجاتا تو اس وقت آپ کھانا تناول فرماتے۔

ایک عجیب قصہ

ایک عجیب قصہ اس مقام پر لکھا ہے کہ حضرت اپنی عادت کے مطابق کسی کے انتظار میں تھے کہ کوئی آجائے تو میں اس کے ساتھ مل کر کھانا کھاؤں تاکہ اس کی ضیافت بھی ہو جائے اور میں بھی کھانا کھالوں، اتنے میں ایک شخص آیا اور حضرت کے ساتھ کھانے پر بیٹھ گیا، حضرت نے فرمایا "بسم اللہ" کہو اور کھانا کھاؤ، اس نے کہا کہ بسم اللہ کیا ہوتی ہے؟ اللہ کون ہے؟ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام خفا ہوئے کہ اس بندے کو یہ بھی نہیں معلوم کہ اللہ کسے کہتے ہیں؟ آپ خفا ہو گئے اور اسے اپنے دستر خوان سے اٹھا دیا کہ تم بسم اللہ بھی نہیں جانتے؟ اللہ کو بھی نہیں جانتے؟ تم اس قابل نہیں کہ میرے ساتھ کھانا کھاؤ، حضرت نے اس کو اپنے دستر خوان سے اٹھا دیا اور وہ اٹھ کر چلا گیا۔

جب وہ چلا گیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت جبرئیل علیہ السلام یہ وحی

لیکر آئے کہ اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ ابراہیم! ہم نے تو اس کے بچپن سے لیکر اب تک کافر ہونے کے باوجود ایک وقت بھی اس کا کھانا نہیں روکا اور ایک وقت بھی ہم نے اس کو رزق سے محروم نہ کیا اور آپ نے ایک لقمہ دیتے ہوئے بخل سے کام لیا۔ اللہ تعالیٰ کیسے کریم ہیں اور کیسے مہربان ہیں۔ جب ابراہیم علیہ السلام کو یہ پیغام ملا تو دوڑے تاکہ اس کو بلا کر لائیں، وہ آتو گیا لیکن اس نے کہا کہ میں اس وقت تک کھانا نہیں کھاؤں گا جب تک کہ آپ دوبارہ بلانے کی وجہ نہیں بتائیں گے، پہلے آپ وجہ بتائیے تب کھانا کھاؤں گا ورنہ نہیں کھاؤں گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وجہ بتادی کہ تمہارے جانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ پیغام بھیجا کہ ہم نے تو کبھی اس کی روزی روکی نہیں حالانکہ وہ بچپن سے کافر ہے اور آپ نے اس کو ایک ہی وقت میں اپنے پاس کھانے سے اٹھادیا۔ جب اس نے یہ بات سنی تو اس نے کہا کہ وہ رب کیسا کریم ہے کہ جس نے واقعی میرے کافر ہونے کے باوجود مجھ پر اپنا دستر خوان کشادہ ہی رکھا اور ایک بار بھی اس نے مجھے بھوکا نہیں رکھا، لہٰذا وہ اسی لائق ہے کہ اس پر ایمان لایا جائے، لہٰذا آپ مجھے پہلے مسلمان کیجئے پھر میں بسم اللہ پڑھ کر کھانا کھاؤنگا۔ پہلے وہ وہیں بیٹھے بیٹھے مسلمان ہوا پھر اس کے بعد اس نے بسم اللہ پڑھ کر کھانا کھایا۔

کھانے سے پہلے "بسم اللہ"

لہٰذا ہمیں بھی کھانے کے شروع میں بسم اللہ پڑھنے کا خاص اہتمام کرنا چاہئے اور اپنے چھوٹے معصوم بچوں اور بچیوں کو بھی بسم اللہ پڑھ کر کھانے کی عادت ڈلوانی چاہئے۔ یہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے جو ہمارے مذہب کے اندر بھی بلاشبہ سنت ہے۔ لہٰذا تو جب آدمی کھانا کھائے تو دونوں ہاتھ دھو کر اللہ کا نام لیکر کھانا کھائے اور جب کھانا کھاچکے تو اللہ کی حمد کرے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ سنت اور عادت تھی، ایسا اہتمام نہ ان سے پہلے کبھی کسی نے کیا تھا اور شاید اس کے بعد بھی کبھی کسی نے اتنا اہتمام نہ کیا ہو کہ جب تک کھانے میں شریک ہونے کے لئے کوئی آنہ جائے اس وقت تک کھانا نہ کھائے، اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ ادا ایسی پسند آئی کہ اس زمانے سے لیکر آج تک یہ ضیافت کی سنت چلی آرہی ہے۔

چونکہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے تھے اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل سے یہ سارے عرب ہیں جن میں سارے نبیوں کے سردار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں، اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ سنت عربوں کے اندر بھی بہت زیادہ ہے، اسلام سے پہلے بھی اور اسلام کے بعد بھی دنیا کے اندر عرب لوگ مہمان کی مہمان نوازی کے اندر مشہور و معروف ہیں۔

مہمان نوازی کا عجیب واقعہ

ان کے عجیب عجیب واقعات تواریخ کے اندر مذکور ہیں۔ فضائل صدقات میں مہمان نوازی کا ایک عجیب قصہ لکھا ہے۔ حضرت ابو الربیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ یہ خبر سنی کہ ایک گاؤں میں ایک عورت ہے، اس کے گھر میں ایک ایسی بکری ہے جس کے ایک تھن سے خالص دودھ آتا ہے اور دوسرے تھن سے خالص شہد آتا ہے۔ میں نے یہ خبر سنی تو میں حیران رہ گیا کہ یا اللہ! کیسی آپ کی قدرت ہے؟ اور مجھے یہ سن کر پوری طرح یقین بھی نہ آئے کہ واقعی شہد بھی بکری کے تھنوں سے آسکتا ہے؟ میں نے اس بکری کو دیکھنے کا ارادہ کیا اور اس خبر کی تصدیق کرنا چاہی کہ یہ واقعہ درست ہے یا نہیں؟ تو میں اس گاؤں میں پہنچا اور پھر اس گھر میں پہنچا جس گھر میں یہ بکری تھی۔ دروازے پر میں نے دستک دی تو جس خاتون کی یہ بکری تھی وہ گھر میں موجود

تھیں لیکن ان کے شوہر گھر میں موجود نہیں تھے، انہوں نے دروازے کے پیچھے سے پوچھا کون ہے اور کس لئے آئے ہیں؟ میں نے اپنے آنے کا مقصد بتلایا کہ اس طریقے سے میں نے آپ کے ہاں ایسی بکری کے بارے میں سنا ہے، کیا واقعی یہ صحیح ہے؟ انہوں نے کہا ہاں یہ بات صحیح ہے اور میرے پاس یہ بکری موجود ہے۔

شیخ ابو الربیع فرماتے ہیں کہ میں نے تجربہ کرنے کے لئے چلتے چلتے راستے میں سے ایک نیا پیالہ بھی خرید لیا تھا کہ خالی بکری دیکھنا تو کافی نہیں، دودھ نکال کر اور شہد نکال کر بھی دیکھوں گا کہ واقعی شہد نکلتا بھی ہے یا نہیں یا کسی نے ایسے ہی اڑادی ہے۔

میں نے اس سے کہا کہ میں بکری دیکھنے کے لئے آیا ہوں اور پیالہ بھی ساتھ لایا ہوں، کہنے لگیں اچھا، انہوں نے پردے سے بکری باہر کی طرف نکال دی اور کہا یہ بکری ہے دیکھ لو، میں نے بکری کو ایک طرف کھڑا کیا اور اپنا پیالہ نیچے لگادیا اور دودھ نکالنا شروع کیا تو واقعتاً میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ ایک تھن سے دودھ آرہا تھا اور دوسرے تھن سے شہد آرہا تھا، میں نے اپنے ہاتھوں سے نکالا اور اپنی آنکھوں سے دیکھا، اپنے منہ سے پی کر دیکھا۔

جب مجھے یقین ہو گیا کہ یہ خبر بالکل سچی ہے اور ایسی عجیب و غریب اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھی جو اس سے پہلے نہ کبھی سنی اور نہ کبھی دیکھی، تو میں نے ان سے پوچھا کہ یہ بکری کس مارکیٹ سے لائی ہیں آپ؟ اگر ایسی بکری ایک اور ہو تو میں بھی لے لوں، یہ بکری آپ کو کہاں سے ملی؟ تو ان صاحبہ نے فرمایا کہ دراصل یہ بکری اللہ تعالیٰ کا ایک انعام خاص ہے، یہ عام مارکیٹوں میں نہیں ملا کرتی، یہ بس اللہ کا ایک خاص انعام ہے۔

☆☆☆

بکری کہاں سے ملی؟

اور اس انعام کی اس نے وجہ یہ بیان فرمائی کہ مجھ پر یہ انعام اس طرح ہوا کہ ہم لوگ خانہ بدوش لوگ ہیں، غریب اور انتہا درجے کے مالی اعتبار سے تنگ لوگ ہیں، ہمارے گھر میں ایک بکری تھی، بس ہمارے سارے گھر والوں کا گزارہ اسی پر تھا، ہمارا کچھ اور ذریعہ معاش نہیں تھا، بس تھوڑا بہت کہیں سے کچھ مل گیا تو وہ کھالیا، ورنہ بس شام کو بچے بھی اور بڑے بھی اس بکری کا دودھ دو دو تین تین گھونٹ پی کر وقت گزار دیتے، ہمارے پاس اور کچھ نہیں تھا، اسی اثناء میں بقر عید کا زمانہ آگیا، بقر عید کے زمانے میں میرے شوہر نے مجھ سے کہا کہ میں قربانی کرنا چاہتا ہوں، قربانی کرنے کو میرا دل چاہتا ہے، یہ بکری گھر میں موجود ہے اس کی قربانی کر لیتے ہیں۔ میں نے اپنے شوہر سے عرض کیا کہ دیکھئے! قربانی کرنا ہم پر نہ فرض ہے نہ واجب ہے، اور ہمارا گزر بسر اس بکری کے دودھ پر ہے، اگر آپ اس بکری کو بھی ذبح کر دیں گے تو پھر ہمارے بچوں کا کیا ذریعہ ہوگا؟ بچے بھی پریشان ہوں گے، ہم بھی تکلیف میں آجائیں گے، ہم تو جیسے تیسے تکلیف برداشت کرلیں گے لیکن بچوں کی تکلیف ہم سے نہیں دیکھی جائے گی، اس لئے آپ قربانی نہ کریں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ میری یہ بات ان کے دل کو لگ گئی اور انہوں نے قربانی کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور بقر عید گزر گئی۔

بقر عید کے چند روز کے بعد ہمارے گھر ایک مہمان آگیا، اس وقت گھر میں کچھ بھی نہیں تھا جس سے ان کی ضیافت کریں؟ انکی خدمت میں کیا پیش کریں؟ کچھ بھی گھر میں نہیں تھا، تو میں نے اپنے خاوند سے کہا: ہمارے گھر اور تو کچھ بھی نہیں یہ بکری ہے آپ ایسا کریں کہ اس بکری کو ذبح کریں اور اس کا گوشت بنا کر دے دیں، بس میں وہ پکالوں گی آپ مہمان کی خاطر تواضع کر لیجئے گا۔

اللہ اکبر! اندازہ کیجئے وہی خاتون قربانی کرنے کے لئے تو منع کر رہی ہیں،

لیکن مہمان کی ضیافت کرنے کا اس کے اوپر اتنا شوق غالب ہے کہ از خود ہی شوہر سے کہہ رہی ہیں کہ آپ مہمان کی ضیافت کریں اور بکری ذبح کریں، اور اگر آپ گھر کے اندر بکری ذبح کریں گے تو بچوں کے سامنے جب بکری ذبح ہو گی تو بچے روئیں گے اور یہ کہیں گے کہ ہم دودھ کس کا پئیں گے، لہٰذا ایسا کیجئے کہ آپ بکری کو باہر لیجائیے اور ایک کونے میں لیجا کر ذبح کیجئے۔

شوہر نے بکری کھولی اور چھری لے کر گلی میں ایک طرف لیجا کر اسے ذبح کرنے لگے۔ اس عورت نے کہا کہ شوہر صاحب تو بکری لیکر باہر چلے گئے، تھوڑی دیر کے بعد میں نے دیکھا کہ ہماری چھت کے اوپر وہ بکری کھڑی ہے اور نیچے آنے کی کوشش کر رہی ہے، جب میں نے اس کو چھت پر دیکھا تو میں یہ سمجھی کہ شوہر صاحب جو بکری باہر لے گئے ہیں وہ چھوٹ کر بھاگ گئی ہے اور کسی طرح چھت پر چڑھ گئی ہے۔

تو میں یہ بتانے کے لئے کہ بکری چھت پر ہے آپ کہیں پریشان ہوں، آپ چھت پر سے ہی پکڑلیں، میں یہ بتانے کے لئے دروازے سے باہر نکلی تو وہاں دیکھا کہ وہ اس بکری کی کھال اتار رہے ہیں جو میرے گھر کے اندر بندھی ہوئی تھی، میں نے ان سے کہا کہ ایک بکری تو گھر میں بھی آگئی ہے، کہا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے اور وہ خاص بکری ہے جو سنبھال کر رکھنا۔ بس میں جیسے ہی گھر آئی تو چند لمحوں بعد وہ بکری اوپر سے نیچے آگئی، میں نے اس کے گلے میں رسی باندھی اور کھونٹے سے باندھ دیا۔ ایک بکری باہر ذبح ہو رہی ہے اس کے بدلے میں اللہ پاک نے ایک بکری یہاں بھیج دی، وہ بکری جو ذبح ہوئی اس سے مہمان کی خوب خاطر تواضع کی۔

اور جب اس بکری کے تھن کو ہاتھ لگایا تو ایک تھن سے دودھ نکلنے لگا اور ایک تھن سے شہد ٹپکنے لگا، ہماری بھی حیرت کی انتہا نہ رہی، ہم سمجھ گئے کہ

مہمانوں کی خاطر تواضع اور انکی ضیافت کے بدلے میں اللہ پاک نے یہ بہترین بدل اور انعام عطا فرمایا ہے۔

اس دن سے لے کر آج تک بحمد للہ یہ سلسلہ جاری ہے، پہلی بکری کے تھن سوکھے ہوئے تھے، بڑی مشکل سے تھوڑا سا دودھ آتا تھا، اور اس میں تو دودھ کی کوئی کمی نہیں ہوتی، ایک مہمان آجائے یا سو مہمان آجائیں، اس کے تھن تو ویسے کے ویسے ہی دودھ دیتے ہیں، جتنے چاہے آدمی پی لیں اور ایک تھن سے خوب شہد آتا ہے، الحمد للہ ہم بھی اس سے خوب آرام سے سیر ہوتے ہیں۔

اور ان خاتون نے کہا کہ میں نے اپنے بچوں سے کہہ دیا ہے، کہ دیکھو جب تک تمہاری نیت صحیح رہے گی یہ اللہ تعالیٰ کا انعام باقی رہے گا اور جہاں تمہاری نیت خراب ہوئی تو پھر یہ نعمت چھن جائے گی۔

ذرا اندازہ لگایئے کہ اس زمانے میں خواتین کے اندر بھی نیکی کے کیسے جذبات تھے، مہمان کی خاطر تواضع کرنے کا کیسا جذبہ ان کے اندر تھا، اور آج ہم ہیں کہ مہمان کو اپنے لئے وبال اور مصیبت سمجھتے ہیں۔ اس لئے عربوں کے اندر مہمان نوازی مشہور رہے، بلا شبہ اللہ پاک نے ان کو اس میں بڑی برتری عطا فرمائی ہے۔

سنانے کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں بھی مہمان کی آمد پر بجائے اس کے کہ ہم دل چھوٹا کرلیں اور چہرہ بگاڑ لیں، نہیں بلکہ اللہ کی رضا کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سمجھ کر ہمیں بھی مہمان نوازی کو اپنا لینا چاہئے۔

آیت میں ضیافت کا واقعہ

یہ جو آیت میں نے تلاوت کی ہے اس میں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ضیافت کا ذکر ہے۔

اس کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت سارہؓ کے اب تک کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی اور وہ بوڑھی بھی ہو چکی تھیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی بوڑھے ہو چکے تھے، ظاہراً اب اولاد ہونے کی کوئی توقع نہ تھی، فطرتاً انکے دل میں یہ آرزو تھی کہ کاش میری بھی اولاد ہوتی اور ان کی یہ خواہش تھی کہ میرا بھی کوئی بیٹا ہوتا۔ اللہ پاک اپنے نیک بندوں کی آرزوؤں کو بھی پورا فرمایا کرتے ہیں جو صحیح معنٰی میں بندہ ہو، چنانچہ اللہ پاک نے ان کی آرزو کو پورا فرمانے کے لئے اور حضرت اسحاق علیہ السلام کے پیدا ہونے کی بشارت دینے کے لئے حضرت جبرئیل علیہ السلام، حضرت میکائیل علیہ السلام، حضرت اسرافیل علیہ السلام کو بھیجا کہ جاؤ انکو خوش خبری سناؤ کہ تمہارے بیٹا ہوگا۔ جب یہ تینوں حضرات تشریف لائے تو پہلی مرتبہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ نہیں سمجھے کہ یہ فرشتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے پاس یہ خوشخبری لیکر آئے ہیں، بلکہ آپ نے ان کو عام مہمانوں کی طرح مہمان سمجھ کر بٹھایا اور بٹھاتے ہی فوراً ان کی ضیافت کے لئے اندر تشریف لے گئے اور جلدی سے ایک بچھڑا بھنوا کر لائے اور اس کو لاکر دسترخوان پر رکھ دیا اور عرض کیا کہ آپ کھانا کھائیے، لیکن انہوں نے ہاتھ نہیں بڑھائے۔ جب انہوں نے ہاتھ نہیں بڑھائے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تشویش ہوئی کہ کیا بات ہوئی کہ یہ کیوں نہیں کھا رہے ہیں؟ دوسری آیت میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بے تکلفی کے ساتھ یہ ظاہر کر دیا کہ تمہارے ہاتھ نہ بڑھانے سے مجھے تو ڈر لگ رہا ہے، بھئی کس نیت سے آئے ہو؟ کیا ارادہ لیکر آئے ہو؟ میں تو تمہاری خاطر تواضع کرنا چاہتا ہوں اور تم ہاتھ بھی نہیں بڑھا رہے ہو، جب انہوں نے یہ سنا تو انہوں نے ظاہر کر دیا کہ ہم تو اللہ کے فرشتے ہیں اور آپ کے لئے ایک خوشخبری لیکر آئے ہیں، اور وہ خوشخبری یہ سنائی کہ آپ کی اہلیہ حضرت سارہؓ کے یہاں حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہونگے

اور وہ صاحبِ اولاد ہوں گے، پھر ان کے یہاں حضرت یعقوب علیہ السلام پیدا ہوں گے۔

تو یہ آیت اللہ پاک نے ان کی اس مہمان نوازی اور ضیافت کے بارے میں نازل فرمائی ہے چنانچہ فرمایا کہ ﴿فَمَا لَبِثَ اَنْ جَاءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ﴾ یعنی نہ ٹھہرے حضرت ابراہیم علیہ السلام لیکن یہ کہ ذرا سی دیر میں تلا ہوا بچھڑا لیکر آگئے۔ اب اس ایک آیت سے کئی آداب علماء نے بیان فرمائے ہیں۔

ضیافت کا پہلا ادب

علماء نے فرمایا کہ اس آیت سے ایک ادب تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ میزبان کو اپنے مہمان کی خود خاطر تواضع کرنی چاہئے۔ یہ ادب "لبث" اور "ان جاء" کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے، کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام گئے اور خود بھنا ہوا بچھڑا لے کر آئے، کسی اور سے نہیں کہا۔ لہٰذا مہمان کا ادب یہ ہے کہ میزبان مہمان کی مہمان نوازی کی خدمت حتی الامکان خود انجام دے۔ یہ بھی جائز ہے کہ نوکروں سے کہہ دے کہ ہمارے مہمان کو کھانا کھلادیں۔ یہ بھی مہمان نوازی ہے، لیکن یہ صورت مہمان کے اکرام کے مناسب نہیں ہے، اس کے ادب اور احترام کے خلاف ہے، اگرچہ گناہ نہیں جائز ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ میزبان خود اپنے مہمان کا اکرام کرے اور اس کے لئے کھانے کا خود بندوبست کرے، کھانا لانے میں وہ خود بھی کچھ نہ کچھ حصہ لے، خود کھانا لائے، خود رکھے، پھر بے شک بیٹھ جائے، لیکن یہ کہ خود کچھ بھی نہ کرے یہ بھی جائز ہے لیکن خلاف ادب ہے۔

دوسرا ادب

دوسرا ایک ادب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں بیلوں کا اور گائیوں کا کاروبار ہوتا تھا، تو ان میں سے حضرت نے بچھیا کا انتخاب کیا، بچھیا کا

گوشت بنسبت بیل کے یا بڑی عمر کی گائے کے بہتر ہوتا ہے اور لذیذ ہوتا ہے۔ اس سے دوسرا ادب معلوم ہوا کہ جو کچھ گھر میں موجود ہو اس میں سے جو بہتر ہو اس کے ذریعہ دعوت کرے، یہ نہیں کہ اچھا اچھا اپنے لئے بچا کر رکھ لے اور دال روٹی مہمان کے سامنے رکھ دے، بعض لوگ ایسا بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ اگر ایسا مہمان آجائے کہ جس سے اپنے بہت سے کام نکلیں گے، پھر تو اس کے لئے اچھی اچھی چیزوں کا انتظام کر کے اس کے سامنے رکھیں گے اور چٹنی روٹی اپنے لئے بچا کر رکھیں گے، اور اگر ایسا مہمان آگیا جس سے ہمیں کوئی فائدہ نہیں اور کھلانا بھی بھاری پڑ رہا ہے تو بچا کچا اس کے سامنے رکھیں گے اور بڑھیا بڑھیا اپنے لئے بچا کر رکھیں گے۔ یاد رکھئے! ہمیں کسی سے کوئی فائدہ ہو یا نہ ہو، ہمیں تو اللہ کی رضا کے لئے اس کی خاطر تواضع کرنی ہے، اس لئے بہتر یہ ہے کہ گھر کے اندر سب سے بہتر جو چیز ہو اس سے تواضع کرنی چاہئے۔

تیسرا ادب

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام گھر سے باہر کچھ لینے کے لئے نہیں گئے بلکہ جیسے ہی مہمان آئے ان کو بٹھایا اور فوراً اندر گئے۔ اس سے تیسرا ادب یہ بھی ملا کہ جیسے ہی مہمان آئے اس وقت فوری طور پر تو جو کچھ گھر میں ہو اس سے اس کی خدمت کر دے اور باقی مزید انتظامات کے لئے بعد میں انتظامات کرنے چاہئیں، یہ نہیں کہ مہمان تھکا تھکا آیا، اب آپ نہ اس کو کچھ کھلا رہے ہیں نہ پلا رہے ہیں، بس اس کو ایک دفعہ ہی دعوت کے دستر خوان پر بٹھانا ہے، اس سے پہلے چاہے وہ بھوکا پیاسا مرتا رہے۔ ایسا نہ کرے بلکہ جب مہمان آجائے تو جو موجود ہے وہ تو اسی وقت لا کر رکھ دینا چاہئے، اگر آپ کو اس کا مزید اکرام کرنا ہے تو اس کا انتظام بعد میں کرتے رہنا۔

"فَمَا لَبِثَ" کے معنی ہیں بس ذرا دیر ٹھہرے اور جو گھر میں تھا لا کر سامنے

رکھ دیا۔ لہٰذا آج کل جیسے چائے ہو یا شربت ہو، وہ لا کر رکھ دو، کھیر ہو تو وہ کھیر رکھ دو، دال روٹی ہو تو وہ دال روٹی رکھ دو، اس کے بعد مزید اکرام کرنا ہو تو بعد میں کریں۔

چوتھا ادب

وہ جو بچھڑا تھا اس کی ایک صفت دوسری آیت میں یہ بیان فرمائی کہ: "بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ" "سَمِيْن" کے معنی آتے ہیں تگڑا، چکنا، موٹا تازہ، تو اس سے چوتھا ادب یہ معلوم ہوا کہ وہ چیز جنس کے اعتبار سے بھی بہتر ہو تو ساتھ ساتھ نوعیت کے اعتبار سے بھی بہتر ہو (موٹا ہو مگر روکھا نہ ہو) اور روکھے گوشت میں وہ لذت نہیں ہوتی جو چکنے گوشت میں ہوا کرتی ہے، وہ چکنا بھی تھا۔

پانچواں ادب

پانچواں ادب اس آیت کے آخری لفظ سے معلوم ہو رہا ہے وہ آخری لفظ "حنیذ" ہے، جس کے معنی ہیں بھنا ہوا۔ ایک ہوتا ہے شوربے والا سالن، ایک ہوتا ہے روسٹ، اگر دونوں کو مہمان کے سامنے رکھو گے تو وہ سالن کی طرف دیکھے گا بھی نہیں، چاہے میزبان کہتا رہ جائے کہ بھئی یہ بھی اچھا ہے یہ لے لو، لیکن مہمان یہ چاہے گا کہ پہلے وہ طشتری ختم ہو جائے جس کے اندر بھنا ہوا رکھا ہے، پھر بعد میں سالن کو دیکھیں گے۔ لہٰذا نوعیت کے اعتبار سے بھی اعلیٰ کھانا مہمان کے سامنے رکھنا چاہئے۔

چھٹا ادب

چھٹا ادب یہ ہے کہ شکل کے اعتبار سے بھی وہ اعلیٰ ہو۔ بہر حال وہ کھانا جنس کے اعتبار سے بھی، نوعیت کے اعتبار سے بھی، صورت کے اعتبار سے بھی اعلیٰ

ہو۔ یہ آیت کا ایک حصہ ہے جس سے مہمان نوازی کے چھے ادب معلوم ہوئے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے کلام کی برکت ہے۔

مہمان نوازی کی فضیلت

بہر حال، یہ مہمان نوازی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی یہ سنت ہے۔ اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جہاں سنت ہے وہاں اس کا آپ نے ثواب بھی بڑا عجیب وغریب بیان فرمایا ہے، بس وہی ثواب بطور خاص مجھے اس وقت بیان کرنا ہے، اور بیان اس لئے کرتا ہے کہ الحمد للہ ہم بھی مسلمان ہیں اور اللہ کے فضل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہمیں بھی اپنے اپنے مہمانوں کی مہمان نوازی کرنے کا اور خاطر تواضع کرنے کا اور ضیافت کرنے کا موقع ملتا رہتا ہے۔

تو اب تک ہم جو ضیافت کرتے آئے ہیں اس میں دین سے اور اللہ کی رضا سے ہٹ کر ہمارے بہت سے دنیاوی مقاصد بھی تھے، تو جب کسی دنیا کے جائز مقصد کے لئے اگر دعوت کرے تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں، لیکن ہر حال میں افضل اور بہتر یہ ہے کہ جب ہم کسی مسلمان کی ضیافت کریں، چاہے وہ ہمارا رشتہ دار ہو، قرابت دار ہو، دوست ہو، ملنے جلنے والا ہو یا عام مسلمان ہو، اللہ کی رضا کے لئے کرنے کی عادت ڈالیں، کیوں کہ اس میں جو ثواب ہے وہ عجیب وغریب ہے۔

میزبان اور جہنم کے درمیان سات خندقیں

ایک روایت میں یہ آتا ہے کہ اگر کوئی کسی مسلمان کو جو بھوکا ہو، چاہے وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو، اگر اللہ کی رضا کے لئے اس کو پیٹ بھر کر کھانا کھلادے تو اللہ تعالیٰ اس مہمان نوازی کے بدلے میں اس پیٹ بھر کر کھانا کھلانے والے کے

اور جہنم کے درمیان سات خندقیں حائل کردیں گے، جس میں ہر خندق کے درمیان اتنا فاصلہ ہوگا جتنا زمین سے لیکر آسمان تک کا فاصلہ۔ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کو پیٹ بھر کر کھانا کھلانے کا یہ ثواب ہے، گویا کہ اللہ تعالیٰ اس کو بالکل ہی جہنم سے باہر اور بہت دور کردیں گے۔

ایک حدیث میں تو آپ نے بہت ہی اہتمام کے ساتھ ایک مسلمان کی ضیافت سے لیکر دس مسلمانوں کی ضیافت کا الگ الگ ثواب بیان فرمایا ہے۔

یہ حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف ہے لیکن فضائل میں ضعیف حدیث بھی معتبر ہوتی ہے۔

حدیث مسلسل بالضیافت

اس حدیث میں خاص بات یہ ہے کہ سب سے پہلے خود سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور اور زمزم کے پانی سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ضیافت کی اور پھر اس حدیث کے ذریعہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ضیافت کا ثواب بیان فرمایا، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پہلے ضیافت کی پھر بعد میں یہ حدیث سنائی۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے آج تک اسی طرح یہ حدیث منتقل ہوتی چلی آرہی ہے کہ جب استاد یہ حدیث اپنے شاگرد کو پڑھاتا ہے تو پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں اس کی ضیافت کرتا ہے کھجور اور پانی سے پھر یہ حدیث سناتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پہلے ضیافت کی اور ضیافت کرکے یہ حدیث سنائی، اس خاص عمل کے ساتھ یہ حدیث منتقل ہو کر ہمارے پاس پہنچی ہے۔ پچھلے مہینے مجھے اللہ پاک نے اسی ترتیب سے یہ حدیث عطا فرمائی، وہ اس طرح کہ دارالعلوم کراچی میں حضرت شیخ الاسلام مولانا محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے مدینہ منورہ سے کھجوریں منگوائیں، زمزم کا پانی یہیں

پر مل گیا، حاضرین کو زمزم کا پانی دیا گیا اور کھجوریں بھی تقسیم کی گئیں، سب نے وہ کھجوریں کھائیں، اور پھر آپ نے وہ حدیث مع سند کے پڑھ کے سنائی اور اس پر بحث کی۔ آپ اندازہ کیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اداؤں کو کس کس طریقے سے امت نے محفوظ کیا، آپ نے ضیافت کا ادب کر کے یہ حدیث سنائی تو امت نے اسی ضیافت کا ادب کرتے کرتے ...... حدیث منتقل فرمادی اور اسی طرح آج تک یہ حدیث پہنچی اور اسی طرح انشاءاللہ آگے منتقل ہوگی۔

ایک یا دو یا تین مسلمانوں کی ضیافت کا ثواب

بہر حال، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ضیافت کی اور ضیافت فرمانے کے بعد آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے ایک مسلمان کی مہمان نوازی اور ضیافت کی تو اس کا ایسا ثواب ہے جیسے اس نے حضرت آدم علیہ السلام کی ضیافت اور دعوت کی، اور جس نے دو مسلمانوں کی ضیافت کی تو اس کا ایسا ثواب ہے جیسے اس نے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام کی ضیافت کی، اور جس نے تین مسلمانوں کی ضیافت کی تو اس کا ایسا ثواب ہے جیسے اس نے حضرت جبرئیل علیہ السلام، حضرت میکائیل علیہ السلام اور حضرت اسرافیل علیہ السلام کی ضیافت کی۔

چار مسلمانوں کی ضیافت کا ثواب

اور جس نے چار مسلمانوں کی ضیافت کی تو اس کا ایسا ثواب ہے جیسے کہ اس نے توراۃ، زبور، انجیل اور قرآن کریم کی تلاوت کی، یعنی جیسے کوئی شخص ان چاروں کتابوں کی تلاوت کریگا تو اس پر اس کو جو ثواب ملے گا وہ ثواب اس کو چار مسلمانوں کی مہمان نوازی پر اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں گے۔ قرآن شریف تو آپ پڑھ لیں گے، توراۃ، زبور، انجیل، کہاں پڑھیں گے؟ وہ تو اپنی اصلی حالت ہی میں

نہیں لیکن یہ ثواب عظیم اللہ کی رضا کے واسطے چار مسلمانوں کی ضیافت پر مل سکتا ہے۔

پانچ مسلمانوں کی ضیافت کا ثواب

اور جس شخص نے پانچ مسلمانوں کی ضیافت کی، اس کو اللہ تعالیٰ یہ ثواب عطا فرماتے ہیں کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو وجود بخشا ہے اس وقت سے لیکر قیامت تک ایک شخص برابر پانچوں نمازیں اپنے وقت پر باجماعت ادا کرتا رہا، تو اس کو جو ثواب ملے گا اللہ تعالیٰ پانچ مسلمانوں کی ضیافت کرنے والے کو یہ ثواب عطا فرمائیں گے۔

اور حدیث شریف میں ہے کہ اگر آدمی اکیلے نماز پڑھے تو ایک نماز کا ثواب ملتا ہے، اور اگر باجماعت نماز پڑھے تو شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فضائل نماز میں حساب کتاب جوڑ کر بتایا ہے کہ باجماعت نماز پڑھنے والے کو ایک نماز پڑھنے پر تقریباً تین کروڑ گنا ثواب ملتا ہے۔ جو لوگ جماعت سے نماز نہیں پڑھتے، سوچیں! ان کا کتنا خسارہ ہو رہا ہے؟ دکان داری کے پیچھے کتنی جماعتیں چھوڑ دیتے ہیں؟ ڈیوٹی میں کتنی جماعتیں نکل جاتی ہیں؟ اس شخص کو تین کروڑ گنا ملنے والا ثواب ضائع ہو گیا، کتنا بڑا نقصان ہے؟ یہاں پر اسی حساب سے سمجھ لیجئے، جو جماعت سے نماز پڑھنے کا ثواب اللہ تعالیٰ عطا فرماتے ہیں کتنا بے شمار اور بے حساب ثواب ہے، یہ ثواب پانچ مسلمانوں کی ضیافت کرنے پر بھی عطا فرما دیتے ہیں۔

چھ مسلمانوں کی ضیافت کا ثواب

اگر کوئی شخص چھ مسلمانوں کی ضیافت کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے سات غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب عطا

فرماتے ہیں۔ اور جہنم سے آزاد ہونے کے لئے ایک غلام آزاد کرنا کافی ہے۔ بقیہ چھ غلام درجات کی بلندی کا ان شاء اللہ ذریعہ بنیں گے۔

سات مسلمانوں کی ضیافت کا ثواب

اگر کوئی شخص سات مسلمانوں کی ضیافت کرے تو اللہ تعالیٰ جہنم کے ساتوں دروازے اس پر بند کر دیتے ہیں "لَهَا سَبْعَةُ اَبوابٍ" جہنم کے سات دروازے ہیں اور ہر دروازے کے لئے ایک حصہ تقسیم ہو چکا ہے (یعنی مخصوص تعداد میں افراد ہر ہر دروازے سے داخل ہوں گے) لیکن سات مسلمانوں کی ضیافت کرنے والے کے لئے ساتوں کے ساتوں دروازے بند کر دیے جاتے ہیں۔

آٹھ مسلمانوں کی ضیافت کا ثواب

اور جو شخص آٹھ مسلمانوں کی ضیافت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیتے ہیں جس دروازے سے چاہے جنت میں چلا جائے، یہ شخص بڑا خوش نصیب ہوگا۔ جنت میں مسلمان مختلف دروازوں سے داخل ہوں گے، کوئی باب الصلوٰۃ سے جائے گا، کوئی باب الزکوٰۃ سے جائے گا، کوئی باب الصوم سے جائے گا، کوئی باب التواضع سے جائے گا، لیکن آٹھ مسلمانوں کے ضیافت کرنے والے شخص کے لئے آٹھوں دروازے کھلے ہوں گے اور ہر دروازے سے فرشتے کہیں گے کہ حضرت! یہاں سے آجایئے۔ یہ اس کے لئے بہت بڑا اعزاز اور اکرام ہے جو اس کو حاصل ہوگا۔

نو مسلمانوں کی ضیافت کا ثواب

اور نو مسلمانوں کی ضیافت کرنے والے کا ثواب ایسا ہے کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو وجود بخشا ہے اس وقت سے لیکر قیامت تک کوئی آدمی

برابر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا رہا، اس کے گناہوں کی جو تعداد ہو گی، اس تعداد کے مطابق نو آدمیوں کی ضیافت کرنے والے شخص کو اللہ تعالیٰ نیکیاں عطا فرمائیں گے۔

ثواب گناہوں کے برابر کیوں؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ گناہوں کے حساب سے نیکی دینے میں کیا حکمت ہے؟ اس کے اندر یہ حکمت ہے کہ نیکی تو ہمیشہ محدود ہوتی ہے، اس کے مقابلے میں گناہ لامحدود ہوتے ہیں، گناہ آدمی زیادہ کرتا ہے نیکی کم کرتا ہے، اس لئے معیار نیکی کو نہیں بنایا بلکہ گناہ کو بنایا ہے۔ جو آدمی دنیا کے وجود میں آنے سے قیامت تک گناہ کرتا رہے، اس کے گناہوں کی تعداد کے برابر اس کو نیکیاں عطا فرمائیں گے جو بے شمار ہوں گی، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی شمار نہیں کر سکتا۔

دس مسلمانوں کی ضیافت کا ثواب

اور جو شخص دس مسلمانوں کی ضیافت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ایسا ثواب عطا فرماتے ہیں جیسے کوئی شخص قیامت تک برابر نمازیں پڑھتا رہا، روزے رکھتا رہا، حج کرتا رہا، عمرے کرتا رہا، اس کا جو ثواب ہو گا وہ دس مسلمانوں کی ضیافت کرنے والے کو ملے گا۔

اور دعوت کے لئے قورمہ بریانی ضروری نہیں، خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے کھجور اور پانی سے ضیافت کی پھر بیان فرمایا، اور کھجور اور پانی سے ضیافت کرکے اپنے عمل سے آپ نے یہ بتلا دیا کہ ضیافت کے لئے قورمہ اور بریانی کی دعوت کرنا ضروری نہیں، تاکہ غریب آدمی یہ نہ سوچے کہ ہم اس ثواب عظیم کو حاصل کرنے سے محروم رہیں گے، امراء تو بڑی بڑی دعوتیں کرکے یہ ثواب حاصل کر لیں گے اور ہم غریب کہاں جائیں گے۔ حضور اقدس

صلی اللہ علیہ وسلم تو غریبوں کے بھی نبی ہیں، آپ نے اپنے عمل ہی سے بتادیا کہ یہ ثواب عظیم کھجور اور پانی کی ضیافت سے مل سکتا ہے، لہٰذا کوئی کسی وقت اس ثواب سے اپنے آپ کو محروم نہ کرے، قورمہ روٹی پکانے کا تکلف نہ کرے، تکلف کے پیچھے اس ثواب عظیم کو ضائع نہ کرے۔

دعوت کے لئے اخلاص کی ضرورت ہے

اور یہ دعوت اخلاص سے کرے اور اخلاص سے ہم یہ دعوت روزانہ کر سکتے ہیں، اس لئے کہ روزانہ کسی نہ کسی کو چائے پلاتے ہیں، کسی کو بوتل پلاتے ہیں، کسی کو شربت پلاتے ہیں اور کسی کو کباب بھی کھلادیتے ہیں، صبح سے شام تک یہی ہوتا ہے، دکان پر ہوں تو یہ دعوت ہو رہی ہے، گھر پر ہوں تو یہ دعوت ہو رہی ہے، اب اگر ہر جگہ اخلاص کے ساتھ دعوت کرنے کی نیت کرلیں گے تو اس صورت میں اگر ایک مہمان آئے گا تو نمبر ایک کا ثواب کھرا ہو جائے گا، دو آجائیں گے تو دو کا ثواب ہوگا، تین آجائیں گے تو تین کا ثواب حاصل ہوگا، لہٰذا جب کوئی گاہک آجائے تو یہ سمجھو کہ یہ دنیا کا بھی گاہک ہے اور آخرت کا بھی گاہک ہے، لہٰذا جو آگیا اس کو جانے مت دو بلکہ کسی کی بوتل سے تواضع کردو، کسی کو چائے کی پیالی پلادو، آپ کا کیا؟ آپ کا تو یہ معمول ہے اور جس کا معمول نہ ہو اس کے لئے معمول بنالینے میں کیا مشکل ہے، لیکن جناب اس کے بدلے میں ثواب عظیم ملنے والا ہے یہ اتنا سستا سودا ہے کہ اس سے سستا سودا نہیں ہو سکتا کہ خرچ کچھ نہیں اور پہاڑ کے پہاڑ اجر و ثواب کے نامہ اعمال میں درج ہو جائیں گے۔

گھر والوں کو ضیافت کی فضیلت بتاؤ

اور پھر اپنے گھر والوں کو بھی جاکر یہ حدیث سناؤ کیونکہ آپ کی ضیافت کا دارومدار انہی کی مہربانی پر ہے، وہ خفا ہو جائیں تو پھر دعوت مشکل ہے، پھر تو آپ

کا کھانا بھی مشکل ہے۔ لہٰذا وہ اگر حدیث کو سن کر دعوت کے لئے تیار ہو گئیں تو آپ کی ضیافت دوگنی ہو جائے گی انشاء اللہ۔ اس لئے بیوی بھی نوٹ کرلے اور آپ بھی نوٹ کرلیں کہ ایک مہمان آئے یا دو آئیں، بس یہ اللہ کی رحمت آگئی اور جو مہمان آئے گا تو دونوں کی قسمت کھلے گی، لہٰذا دونوں خوش دلی کے ساتھ اپنے مہمان کا اکرام کریں اور بے تکلفی کے ساتھ جو کچھ حاضر ہو اس سے تواضع کر کے ثواب بنائیں اور آپ کو اللہ تعالیٰ اور توفیق دیں۔

دعوت سے دنیاوی مقصد حاصل کرنا نہ ہو

مگر دعوت کے اندر نام و نمود، دکھلاوا، نمائش، گردن اونچی، ناک کٹنے سے بچنا، یہ سب چیزیں نہ ہوں، کیونکہ ان کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔ ہماری زیادہ تر ضیافتیں اسی لئے ہوتی ہیں کہ تعلقات پیدا ہوں گے، دنیا کے مقاصد حاصل ہوں گے، اس سے فلاں کام نکلے گا، اس سے فلاں کام لینا ہے، کسی موقع پر اس سے کچھ کروانا ہے۔ یاد رکھئے! ایسی دعوت رشوت ہے، اللہ کے ہاں رشوت کا کوئی ثواب نہیں ملتا، بلکہ عذاب ہی عذاب ہے۔

جو مہمان آئے، ہمارا دنیا کا کوئی کام نکلے یا نہ نکلے، بس اللہ کی رضا کے لئے اس کی تواضع کرتے رہیں گے، بس اس ثواب کو اپنے ذہن میں رکھیں، آنے والا مہمان جان پہچان کا ہو یا اجنبی ہو، معمولی درجے کا ہو یا اعلیٰ درجے کا، اس کی تواضع کریں گے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ ہر مہمان کا اعلیٰ درجے کا اکرام کریں، یہ نہیں، بلکہ مہمان کا حسب درجہ حسب مرتبہ الگ الگ اکرام کریں، لیکن کریں ضرور، یہ نہیں کہ اعلیٰ درجے کا مہمان آگیا تو آپ نے اس کا بڑا اکرام کیا اور جو بے چارہ کم درجے کا آگیا تو اس کو آپ نے ایسے ہی رخصت کر دیا، ایسا نہیں کرنا چاہئے، وہ تو آپ کے لئے نعمت بن کر ہی آیا ہے، لہٰذا وہ مہمان تو اپنی قسمت ہی کا کھائے گا،

آپ کو آپ کی قسمت کا ثواب دے جائے گا۔

بس یہ حدیث میں نے آپ کو خاص طور پر سنانی تھی، وقت بھی ختم ہو رہا ہے، اب دعا فرمالیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

تین بھائی، تین جواب

⑦

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب
مولانا محمد وسیم

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تین بھائی ۔ تین جواب

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَأَشْھَدُاَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَأَشْھَدُاَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا ۔

أَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَیَرَی اللّٰہُ

عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○

(سورۃ التوبۃ: آیت نمبر ۱۰۵)

وقال تعالیٰ: تَبٰرَكَ الَّذِىْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ز وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ○ الَّذِىْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً ج وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ○ صدق اللّٰه العظیم۔

(سورۂ ملک: آیت نمبر ۱)

تمہید

میرے قابل احترام بزرگو! ان دو آیتوں میں جن میں سے پہلی آیت سورۂ توبہ کی ہے اور دوسری آیت سورۂ ملک کی ہے، ان میں اور ان کے علاوہ دوسری بہت سی آیات میں اور اسی طرح رحمت کائنات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار ارشادات میں مسلمانوں کو عمل کرنے اور اعمالِ صالحہ کو اختیار کرنے کی بڑی تاکید اور ترغیب ہے، اور مختلف انداز سے اعمال صالحہ کو اختیار کرنے کی طرف متوجہ فرمایا ہے۔ مختلف پیرایوں میں اور مثال دے کر کوئی بات ذہن نشین کرنا، اس کو علم الامثال کہتے ہیں۔ یہ مثالوں کا علم ایسا علم ہے کہ باریک سے باریک اور پیچیدہ سے پیچیدہ بات

مثال کے ذریعہ نہایت آسان ہو کر ذہن میں اُتر جاتی ہے، حق تعالیٰ شانہ نے بھی قرآنِ کریم میں متعدد مثالیں بیان فرمائی ہیں اور رحمتِ کائنات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی متعدد مثالیں بیان فرمائی ہیں۔

باعمل زندگی بنائیں

اس آیت کی روشنی میں میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ ایک مثال آپ کی خدمت میں عرض کروں گا، تاکہ اس مثال کو سمجھنے اور اس کے ذہن نشین ہو جانے کے بعد ہماری پوری توجہ اپنے آپ کو باعمل بنانے کی طرف ہو جائے، اور اعمالِ صالحہ کو اختیار کرنے کی طرف ہو جائے جو کہ دین کا مقصودِ اصلی ہے۔ سارے دین کا لُبِ لُباب یہی ہے کہ ہم لوگ اعمالِ صالحہ اختیار کرنے کی طرف متوجہ ہو جائیں اور اس راہ پر عمل پیرا ہو جائیں، اس لئے کہ جو کچھ ہوگا عمل کرنے سے ہوگا، باتیں کرنے سے تو کچھ نہیں ہوگا، آخرت میں ہر جگہ عمل کی پوچھ ہوگی، اس لئے ہمیں اصل چیز کی طرف زیادہ سے زیادہ متوجہ ہونے کی ضرورت ہے۔

تین بھائیوں کی مثال

وہ مثال یہ ہے کہ ایک مرتبہ رحمتِ کائنات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک مثال سنو! صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کی طرف متوجہ ہو گئے، آپ نے فرمایا کہ ایک شخص

کے تین بھائی تھے، ایک بڑا ایک منجھلا یعنی درمیانہ اور ایک تیسرا سب سے چھوٹا، یہ تین بھائی تھے۔

بڑے بھائی سے التجاء

جب اس شخص کے انتقال کا وقت قریب آیا اور موت کی سختی میں اور جان کنی کی حالت میں وہ مبتلاء ہوا تو اس نے اپنے بڑے بھائی کو بلایا، اور اس سے کہا کہ بھائی صاحب! میں اس وقت بڑی تکلیف میں ہوں، اور بڑے کرب کے اندر مبتلا ہوں، میری رگ رگ کے اندر سے جان نکلنے والی ہے، اور میرا بہت ہی کڑا وقت ہے اور آخری وقت ہے، میں نے آپ پر اپنی جان اور اپنا تن من دھن سب کچھ قربان کیا، جو کچھ مجھ سے ہو سکا میں نے آپ کی خدمت کی، ہر طرح سے میں نے آپ کے ساتھ تعاون کیا، اور ہر طرح کی نعمتیں آسائشیں سہولتیں آپ کو پیش کیں، اور آپ کی خاطر میں نے نہ دن دیکھا نہ رات دیکھی، جس طرح بھی مجھ سے بن سکا میں آپ کی خدمت میں لگا رہا، آپ پر ہر چیز میں نے فدا کر دی اور آپ کو ہر طرح کی راحتیں میں نے پہنچائیں، میں نے نہ کھایا مگر آپ کو کھلایا، میں نے نہ پیا مگر آپ کو پلایا، میں نے اپنا علاج نہ کیا مگر آپ کا کیا، جو کچھ مجھ سے ہو سکتا تھا میں نے کیا، اپنی طرف سے میں نے کوئی کسر نہ چھوڑی، اب میرا آخری وقت ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ آپ میرے کام آئیں گے، اور اس مشکل وقت میں آپ میری کچھ مدد کر سکیں گے، مجھے آپ سے پوری پوری

امید ہے کہ آپ میرے ساتھ ہمدردی خیر خواہی اور جو کچھ تعاون ہو سکے گا ضرور کریں گے، اسی لئے میں نے آپ کو یاد کیا ہے اور آپ کو بلایا ہے، میں اپنے زندگی بھر کے احسانات کا واسطہ دے کر آپ سے عرض کرتا ہوں کہ آپ میرے ساتھ ہمدردی کریں اور اس مشکل وقت میں میری مدد کریں۔

بڑے بھائی کا جواب

تو بڑا بھائی صاف صاف یہ کہہ دیتا ہے کہ میاں کس کو بلایا ہے اور کس سے امید رکھتے ہو، جو کچھ تم نے میرے ساتھ کیا ہے جھک مارا، یہ تمہاری غلطی تھی، لیکن میں دوٹوک الفاظ میں کہہ دیتا ہوں کہ میں اس وقت تمہارے کچھ کام نہیں آسکتا، اور میرے سے اس وقت کسی قسم کی خیر خواہی کی امید نہ رکھنا، تم نے جو کیا سو کیا، وہ تمہاری اپنی سمجھ تھی، لیکن اگر تم نے یہ سب کچھ اس خیال سے کیا تھا کہ اس وقت میں تمہارے کام آؤں گا تو یہ تمہاری غلطی تھی۔ اس طریقہ سے بڑا بھائی اس کو یہ ٹکا سا جواب دے دیتا ہے اور طوطے کی طرح آنکھیں پھیر لیتا ہے، اور کہتا ہے کہ میں بس اتنا کر سکتا ہوں کہ جب تک تمہاری جان میں جان ہے، میں تمہارے پاس ہوں، لیکن جب تمہارا انتقال ہو جائے گا تو میں کون اور تم کون، تم کسی اور عالم میں جاؤ گے، میں کسی اور کا ہو جاؤں گا، لہٰذا مجھ سے کسی تعاون کی، خیر خواہی کی اور ہمدردی کی توقع نہ رکھنا۔

یہ سن کر اس کا دل ٹوٹ جاتا ہے، اور بہت ہی غمگین اور افسردہ ہو

جاتا ہے، اور سوچتا ہے کہ ہائے جس کے ساتھ میں نے دن رات ایک کیا اور ہر طرح سے اس کے ساتھ ہمدردی اور اچھا سلوک کیا، آج اس نے کیسا ٹکا سا جواب دے دیا، اسے اس کا بہت افسوس ہوتا ہے۔

منجھلے بھائی سے التجاء

اس کے بعد بڑے بھائی سے مایوس ہو کر وہ منجھلے بھائی کو بلاتا ہے، یعنی درمیانے بھائی کو بلاتا ہے، اور اسے بھی وہ ساری باتیں کہتا ہے جو بڑے بھائی کو کہی تھیں، اور اسے بھی یہی کہتا ہے کہ میں نے زندگی بھر تمہارے ساتھ ہمدردی خیر خواہی اور اچھا سلوک کیا، ہر طرح سے تم کو کھلایا اور پلایا، اور ہر طرح سے میں نے تمہاری تمام ضروریات کا خیال رکھا، خود نہ کھایا تمہیں کھلایا، اور اپنی بیماری کو تمہاری بیماری میں بھول گیا اور میں نے تمہارے ساتھ اچھا سلوک اور اچھا برتاؤ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، ساری زندگی میں تمہارے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرتا چلا آیا ہوں، اور آج یہ میری زندگی کا آخری وقت ہے، اور بڑی سختی، تکلیف اور پریشانی کا وقت ہے، اور نزع کا عالم ہے، اور میں دنیا سے جانے والا ہوں، اور اب میں امید رکھتا ہوں کہ اس وقت تم میرے کام آؤ گے اور میری کچھ مدد کرو گے اور میری خدمت کرو گے۔

منجھلے بھائی کا جواب

تو یہ منجھلا بھائی بھی ویسے ہی جواب دے دیتا ہے جیسے کہ بڑے بھائی نے دیا تھا، اور کہتا ہے کہ تم نے جو کچھ میرے ساتھ کیا تھا اگر اس دن کے واسطے کیا تھا تو تجھے غلط فہمی ہوئی، میں تیرے کام آنے والا نہیں، میں تیری کوئی مدد نہیں کر سکتا، میں تیرے ساتھ آگے نہیں جاسکتا، میں بس اتنا تو کر سکتا ہوں کہ جب آپ کا انتقال ہو جائے گا تو آپ کو نہلا دھلا کر اور کفن پہنا کر قبر میں آپ کو اتار کر آ جاؤ گا، لیکن آگے پھر کیا ہوتا ہے وہ تم جانو، میں آگے تمہارا کوئی کام نہیں کر سکتا، تمہاری کوئی خدمت نہیں کر سکتا اور نہ ہی کوئی تعاون و ہمدردی کر سکتا ہوں اور نہ ہی مجھ سے ایسی کوئی توقع رکھنا۔ اس طریقہ سے وہ بھی طوطے کی طرح آنکھیں پھیر لیتا ہے، اور ٹکا سا جواب دینے کی وجہ سے اس کا دل ٹوٹ جاتا ہے، اور بہت ہی افسوس کی حالت میں وہ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتا ہے کہ ہائے میں نے ساری زندگی بڑے بھائی کے ساتھ سلوک، ہمدردی اور خیر خواہی کی اور منجھلے بھائی کے ساتھ بھی میں نے بہت قربانی کا معاملہ کیا اور ہر طرح سے ان کو راحتیں پہنچائیں اور نعمتیں دیں اور ہر طرح کی سہولتوں سے میں نے ان کو ہمکنار کیا، لیکن افسوس کہ بڑے بھائی نے بھی ٹکا سا جواب دے دیا اور منجھلے بھائی نے بھی طوطے کی طرح آنکھیں پھیر لیں۔ بے چارہ بہت ہی افسردہ اور غمگین ہو جاتا ہے۔

چھوٹے بھائی سے درخواست

آخر میں وہ چھوٹے بھائی کو بلاتا ہے اور چھوٹے بھائی کو بلا کر کہتا ہے کہ اے میرے چھوٹے بھائی! مجھے اس بات کا بڑی ندامت کے ساتھ اعتراف ہے، اور اپنے اوپر مجھے افسوس بھی ہے کہ میں نے بڑے بھائی کا تو بہت خیال رکھا اور منجھلے بھائی کے ساتھ بھی بہت ہمدردی کی، اور ان دونوں کے ساتھ میں نے اعلیٰ سے اعلیٰ اور بہتر سے بہتر سلوک کیا، مگر میں آج شرمندہ ہوں کہ میں نے آپ کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا، میں نے آپ کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں کی، آپ کی خاطر میں نے کوئی قربانی نہیں دی، میں اپنے اچھے سلوک نہ کرنے پر اس وقت نادم اور شرمندہ ہوں، لیکن بھائی پھر بھائی ہوتا ہے، کچھ بھی ہو اس وقت میں بڑی مشکل میں ہوں، اور بہت تکلیف میں ہوں، اور میرا آخری وقت ہے، پریشانی کا عالم ہے، دنیا سے چلنے والا ہوں اور دنیا کو خیرباد اور الوداع کہنے والا ہوں، اور میں بڑے بھائی اور منجھلے بھائی کی طرف سے بالکل ناامید ہو چکا ہوں، اس لئے اب آخر میں میں نے آپ کو یاد کیا ہے، زندگی بھر تو میں نے آپ کے ساتھ اچھا سلوک نہ رکھ سکا، میں نے آپ کے ساتھ بہت بدسلوکی کی، آپ کو تکلیفیں دیں، اور آپ کے ساتھ بڑی حق تلفی کا معاملہ کیا اور آپ کے حقوق ادا نہیں کیے، اور میں اس پر اب نادم ہوں، لیکن کیا کروں، آخری وقت ہے، بھائی بھائی کو پکارا کرتا ہے، اس لئے میں نے آپ کو یاد کیا

ہے، اب میرا یہ مشکل وقت ہے، اس میں میں آپ سے مدد کی، تعاون کی اور ہمدردی کی امید کرتا ہوں، لہٰذا آپ میری کچھ مدد کریں، کچھ کام آئیں، اس وقت آپ میرے کچھ کام آجائیں تو بہت اچھا ہوگا، آپ میرے بھائی ہیں۔

چھوٹے بھائی کا جواب

چھوٹا بھائی یہ کہتا ہے: بھائی! آپ بالکل فکر نہ کرو، اور نہ ہی آپ ذرا سا غم کرو، آپ بالکل مت گھبراؤ، میں آپ کے ساتھ ساتھ ہوں، ہر طرح سے میں آپ کی خدمت کروں گا، ہر تکلیف دہ چیز سے میں آپ کو بچانے کی کوشش کروں گا، گو آپ نے میرے ساتھ زندگی بھر اچھا سلوک نہیں کیا، مجھے بہت ستایا اور تکلیفیں دیں اور میری بڑی حق تلفیاں کی، لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے شریف الطبع اور سلیم الطبع بنایا ہے، میں ان تمام کوتاہیوں کو فراموش کرکے بس آپ کی آواز پر لَبَّیْك کہتا ہوں اور میں ہر طرح آپ کی خدمت کرنے کے لئے تیار ہوں، آپ بالکل بے فکر و بے غم رہو، جہاں آپ ہوں میں وہاں آپ کے ساتھ ہوں۔ اللہ اکبر۔

یہ نبی اکرم جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بھائیوں کا تذکرہ فرمایا اور پھر صحابہ کرامؓ سے پوچھا کہ بتاؤ ان تین بھائیوں سے کیا مراد ہے، یعنی بڑے بھائی سے منجھلے بھائی سے اور چھوٹے بھائی سے کون مراد ہیں؟ صحابہ کرامؓ کا عام جواب یہ ہوتا تھا واللہ اعلم، اللہ اور اس کے رسول ہی

بہتر جانتے ہیں کہ ان سے کون مراد ہیں، وہی زیادہ بہتر جاننے والے ہیں۔ فرمایا کہ اچھا یہ بڑا بھائی کیسا ہے؟ سب نے عرض کیا کہ حضور ﷺ! بڑا بھائی بڑا نکما اور بڑا نالائق اور بڑا احسان فراموش ہے کہ جس کے ساتھ سب سے اچھا سلوک کیا، اسی نے سب سے ٹکا سا جواب دیا، وہ تو بڑا ہی بد تمیز ہے اور بڑا ہی نالائق ہے اور بالکل ہی نمک حرام ہے۔ پھر پوچھا کہ درمیانہ اور منجھلا بھائی کیسا ہے؟ عرض کیا حضور ﷺ! وہ بھی بہت برا ہے اور بڑا ہی نالائق اور نہایت احسان فراموش ہے اور ہرگز اس لائق نہیں ہے کہ اسے بھائی کہا جائے۔ پھر پوچھا کہ تیسرا بھائی کیسا ہے؟ عرض کیا حضور ﷺ! تیسرا بھائی صحیح معنی میں بھائی ہے، اس کو بھائی کہنا چاہئے، وہ نہایت شریف اور نہایت سلیم الطبع ہے اور اس نے واقعی بھائی کے بھائی چارہ کا حق ادا کیا اور بھائی کے آڑے وقت میں کام آیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اچھا ان سے کون مراد ہیں؟

بڑا بھائی "مال و دولت"

پھر آپ ﷺ نے ان کی وضاحت فرمائی کہ بڑے بھائی سے مراد ہے انسان کا روپیہ پیسہ اور اس کا مال و دولت، سونا چاندی، زمین، مکان، جائیداد، یہ انسان کا بڑا بھائی ہے، سب سے زیادہ انسان اپنی زندگی میں اس مال و دولت کی خدمت کرتا ہے، اس کے لئے دن رات ایک کرتا ہے، اس کے لئے لمبے لمبے سفر کرتا ہے، بڑی بڑی مشقتیں جھیلتا ہے اور کیسی کیسی

پریشانیاں گوارہ کرتا ہے، یہاں تک کہ اللہ بچائے اس کے پیچھے ایمان تک گنواں دیتا ہے، اس کی خاطر جھوٹ بولتا ہے، کم تولتا ہے، کم ناپتا ہے، اور کوشش کرتا ہے کہ یہ بڑا بھائی کسی طریقہ سے حاصل ہو جائے اور کسی طریقہ سے یہ میرا بن جائے، اس کے بنانے کے لئے آدمی کیا کچھ نہیں کرتا، اولاد کو چھوڑتا ہے، بیوی کو چھوڑتا ہے، ماں باپ کو چھوڑتا ہے، دوستوں کو چھوڑتا ہے، شہر کو چھوڑتا ہے، اپنے ملک اور وطن کو چھوڑ دیتا ہے، اور دور دراز کے ملکوں میں جاکر زندگی گزارتا ہے، نہایت تکلیف کے ساتھ ایک ایک کمرے میں آٹھ آٹھ نونو آدمی رہتے ہیں، اور مشین کے پرزے کی طرح ڈالر کمانے کے لئے لگے ہوئے ہیں، ہر راحت اس پر قربان ہے، تمام تر توانائیاں اس پر فدا ہیں، یہ بڑا بھائی ہے، ساری محنت اس کی خاطر ہو رہی ہے، راتوں کی میٹھی نیند اس پر قربان ہے، کتنی فیکٹریاں ہیں کہ ساری رات ان میں کام ہوتا ہے، گرمیوں میں بھی اور سردیوں میں بھی ساری ساری رات کام ہوتا ہے، سویرے سویرے تین چار بجے اٹھ کر جانا اس کی خاطر کچھ مشکل نہیں، اس پر صحت بھی قربان، جوانی بھی قربان، بیوی بچے بھی قربان، ماں باپ بھی قربان، اور خود بھی قربان، اس کے لئے کیا کچھ نہیں کرتا، لہذا جتنی خدمت آدمی اس بڑے بھائی کی کرتا ہے کسی کی نہیں کرتا۔

مال و دولت کا ساتھ کہاں تک؟

لیکن اس بڑے بھائی کا حال یہ ہے کہ جب انسان کا آخری وقت قریب آتا ہے تو لاکھوں روپے بینک میں رکھے ہوئے ہیں، ہزاروں روپے گھر کے اندر رکھے ہوئے ہیں، لیکن کوئی بھی اس کے کام آنے والا نہیں ہے، پیسہ تو اتنا بھی کام نہیں آتا کہ انسان کے ساتھ قبر تک چلا جائے، بس یہ کہتا ہے کہ جب تک تیرے سانس میں سانس ہے میں تیرا، اور تیرے بعد میں پرایا، آنکھ بند ہوتے ہی یہ دوسروں کا ہو جاتا ہے، زندگی تو اس نے قربان کی اور اپنے آپ کو اس پر فدا کیا، تن من دھن کی بازی لگائی، اور لمبی لمبی ڈیوٹی ادا کی، اپنے عیش و آرام کو اس پر قربان کیا، لیکن آنکھ بند ہوتے ہی یہ دوسروں کا ہو گیا، اس کا حساب اس کی گردن پر رہ گیا۔ یہ بڑا بھائی ہے جس پر ہم لوگ فدا ہیں ۔

رنگ رلیوں پہ زمانہ کی نہ جانا اے دل
یہ خزاں ہے جو باانداز بہار آئی ہے
جو چمن سے گزرو تو اے صبا! یہ کہنا بلبل زار سے
کہ خزاں کے دن بھی ہیں سامنے نہ لگانا دل کو بہار سے
یہ چمن صحرا میں بدل جائے گا یہ خبر بلبل کو دو
تاکہ اپنی زندگی کو سوچ کر قربان کرے

اس لئے اس بڑے بھائی پر اعتماد کرنے کا تو یہ حال ہے کہ جب کام کا وقت آئے گا تو طوطے کی طرح آنکھیں پھیر لے گا، بلکہ وہ کہتا ہے کہ تو نے جو کچھ میرے ساتھ کیا تیری غلطی تھی، اگر میری خدمت کی تھی اور مجھے کمایا تھا اور مجھے اپنی نعمتوں سے نوازا تھا تو یہ تیری غلطی تھی۔ میں تو تیری جان کے ساتھ ہوں، بس جب تک تیری جان میں جان ہے تو میں تیرے پاس بیٹھا ہوں، ادھر تو نے آنکھ بند کی ادھر میں دوسری طرف گیا۔

منجھلا بھائی: بیوی بچے

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ منجھلے بھائی سے مراد ہے انسان کی بیوی اور بچے، انسان جو دوسری قربانی دیتا ہے وہ اپنے بیوی بچوں کے لئے دیتا ہے، ان کی محبّت میں انسان راتوں کو جاگتا ہے، بیوی یا بچہ بیمار ہو جائے تو اس کی محبّت میں ساری رات گزار دیتا ہے، ان کی بے چینی اور ان کا درد دیکھا نہیں جاتا، ان کی تکلیف دیکھی نہیں جاتی، اور بیوی بچوں کو بہتر حالت میں لانے کے لئے انسان ان کی خاطر کیسی کیسی قربانیاں دیتا ہے، اپنی جوانی کو اپنی طاقت کو اپنی توانائی کو اپنے آرام و راحت کو قربان کرتا ہے، بیوی شوہر کی محبّت میں، ماں باپ اولاد کی محبّت میں، اولاد ماں باپ کی محبّت میں نہ جانے کیا کیا کر گزرتے ہیں، ان کی خاطر انسان حلال و حرام کی پرواہ نہیں کرتا، جائز و ناجائز کی پرواہ نہیں کرتا، دن رات کی پرواہ نہیں

کرتا، بس ان کی خاطر کما کما کے یہ چاہتا ہے کہ میرے بیوی بچے خوش رہیں، بس اس کو یہ فکر رہتی ہے کہ میرے مرنے کے بعد میرے بیوی بچوں کا کیا ہوگا، اسی فکر میں وہ اپنی ساری جوانی قربان کر دیتا ہے، اپنی توانائیاں قربان کر دیتا ہے، زندگی بھر ان کی خدمت کرتا ہے۔

بیوی بچوں کا حال

اور ان کا یہ حال ہے کہ جب انسان کا آخری وقت آتا ہے تو یہ بس اتنا ہی کرتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ قبرستان تک چلے جائیں گے، بیوی تو قبرستان بھی نہیں جاتی، بچے اگر سمجھدار ہیں، بالغ ہیں تو وہ اور دوسرے احباب ہی اس کو قبر تک پہنچانے کے لئے جاتے ہیں اور وہاں پہنچا کر واپس آجاتے ہیں، اور کوئی بھی قبر میں اس کے ساتھ نہیں لیٹتا، چاہے کتنا ہی محبوب شوہر ہو لیکن بیوی کہہ دے گی کہ میں اس کے ساتھ قبر میں نہیں جاتی، ایسے ہی کتنی محبوب بیوی ہو تو شوہر کہہ دیتا ہے کہ میں تمہیں قبر میں اتار دوں گا لیکن قبر میں تمہارے ساتھ لیٹ نہیں سکتا، ایسے ہی نہ اولاد قبر میں آنے والی مصیبتوں سے بچا سکتی ہے۔

حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بڑا پیارا شعر ہے:

زندگی بھر کی محبت کا صلہ یہ دے گئے
دوست و احباب آکر مجھ کو مٹی دے گئے

اور لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ ہمارا دوست تھا، نماز جنازہ نہ ملی نہ سہی،

کم از کم اس کو مٹی دینے میں شریک ہو جائیں، اولاد اور محبین و مخلصین سارے کے سارے آخر میں تین مٹھی مٹی ڈال کر یہ سمجھتے ہیں کہ یہ آخری حق تھا جو ہم نے ادا کر دیا، آگے وہ جانے اور اس کا کام جانے، لیکن اس کی قبر میں اترنے والا کوئی نہیں ہے۔ مال جہاں تھا وہیں رہا، دوکان اپنی جگہ سے ایک قدم (انچ) بھی آگے نہ بڑھی، کارخانہ اپنی جگہ پر رہا، پیسہ اپنی جگہ پر رکھا رہا، دولت اپنی جگہ پر رکھی رہی، وہ اس کی مدد کے لئے اپنی جگہ سے ایک قدم بھی آگے نہ بڑھی، ایک انچ بھی اس کے ساتھ نہ چلی، مال و دولت وہیں کے وہیں رہ گئے اور انہوں نے وہیں سے جواب دے دیا۔ یہ تو بڑے بھائی تھے۔ اور اولاد نے بھی ٹکا سا جواب دے دیا کہ اگر تم نے اس دن کے واسطے ہماری خدمت کی تھی تو یہ تمہاری غلطی تھی، آگے تم جانو تمہارا کام جانے، یہ درمیانے بھائی کا جواب ہو گیا۔

چھوٹا بھائی: نیک عمل

اب رہ گیا چھوٹا بھائی، تو چھوٹا بھائی وہ انسان کا نیک عمل ہے، زندگی بھر آدمی عمل کے ساتھ سب سے زیادہ بدسلوکی کرتا ہے۔ اگر ہم جائزہ لے لیں تو یہ نظر آئے گا کہ ہم روزانہ نماز کا گلا گھونٹتے ہیں، کبھی وقت پر اور کبھی بے وقت پڑھتے ہیں، کبھی ادا اور کبھی قضاء پڑھتے ہیں، کبھی سنتیں چھوڑ رہے ہیں اور کبھی واجبات چھوڑ رہے ہیں، جلدی جلدی پڑھ رہے ہیں، الٹا سیدھا وضوء کر رہے ہیں، نماز پڑھ بھی رہے ہیں تو اس میں نہ توجہ ہے نہ

دھیان ہے نہ لگاؤ ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ:

تیرا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

روزانہ ہمارا نماز کے ساتھ یہی حال ہے کہ اگر ہم نماز میں ہیں تو دل دوکان میں ہے، اگر ہم سجدہ میں ہیں تو دل گھر میں ہے۔ اسی طریقہ سے حج فرض ہے، لیکن حج کی ادائیگی کی طرف توجہ نہیں جاتی، زکوٰۃ واجب ہے لیکن کوئی حساب وکتاب نہیں، زکوٰۃ دی دی نہ دی نہ دی، اور اگر دی تو ایسی جگہ دی جہاں زکوٰۃ کی ادائیگی ہی نہیں ہوتی، اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ ساری بدسلوکی عمل کے ساتھ ہے، عمل یہ کہہ رہا ہے کہ آنکھیں بچاؤ، کانوں کو بچاؤ، زبان کو بچاؤ، لیکن وہیں ہماری آنکھیں ہمارے کان اور ہماری زبان بے دھڑک استعمال ہو رہی ہے، تو جتنی بھی بدسلوکی اور بے وفائی ہو رہی ہے وہ چھوٹے بھائی کے ساتھ ہو رہی ہے، ہر طرح کی قربانی تو بڑے اور منجھلے بھائی کے ساتھ ہو رہی ہے اور بے وفائی اور بدسلوکی چھوٹے بھائی کے ساتھ ہو رہی ہے، جو کام آنے والا ہے اس کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں ہے، کوئی خیر خواہی نہیں، اس کے ساتھ کوئی اچھا سلوک نہیں ہے، اس کے ساتھ تو بدسلوکی ہی بدسلوکی ہے اور بدتمیزی ہی بدتمیزی ہے، اسے ذلیل ورسوا کیا جا رہا ہے اور اسے بدنام اور اس کے ساتھ بُرا برتاؤ کیا جا رہا ہے، حالانکہ حقیقت میں یہی مرنے کے بعد انسان کے کام آتا ہے، جب مرنے کا وقت قریب آتا ہے تو قبر میں ساتھ جانے والا یہ چھوٹا بھائی ہے، وہی اس کے ساتھ رہتا ہے اور وہی اس کے ساتھ قبر میں اترتا ہے۔

نیک اعمال عذاب قبر سے حفاظت کرنے والے ہیں

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب آدمی قبر میں رکھا جاتا ہے اور قبر کا عذاب اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے، تو اگر اس نے قرآن شریف کی کچھ آیتیں یاد کر رکھیں تھیں جو اس کے ذہن کے اندر محفوظ تھیں، تو اس صورت میں اگر قبر کا عذاب سر کی جانب سے آتا ہے تو وہ آیتیں کھڑی ہو جاتی ہیں اور عذاب قبر سے کہتی ہیں کہ خبردار! اگر تو نے یہاں سے قدم بڑھایا، اگر تو ادھر سے آیا تو تیری خیر نہیں، اور اگر وہ عذاب دائیں جانب سے آتا ہے تو دائیں جانب نماز کھڑی ہو جاتی ہے اور وہ کہتی ہے کہ خبردار! اگر تو نے ادھر سے اس پر حملہ کیا، تو میں اس کے لئے سینہ سپر ہوں، آگے بڑھ کر دیکھ تجھے پتہ چل جائے گا کہ آگے بڑھنے کا کیا انجام ہوتا ہے۔ اور اگر بائیں طرف سے عذاب آتا ہے تو "روزہ" اس کے لئے ڈھال بن جاتا ہے، اللہ اکبر، اور وہ یہ کہتا ہے کہ یہاں سے تجھے آنے کی اجازت نہیں ہے، یہاں میرا سنگین پہرا لگا ہوا ہے، ادھر سے تو آگے نہ بڑھ، میں اس کی حفاظت کے لئے تیار ہوں، اور اگر پیروں کی طرف سے عذاب آنا چاہتا ہے اور اسے عذاب دینا چاہتا ہے تو زکوۃ و صدقات کھڑے ہو جاتے ہیں اور وہ اس کی حفاظت کرتے ہیں اور عذاب کو خبردار کرتے ہیں کہ اِدھر سے نہ آنا، ہم اِدھر سے اس کا پہرہ دے رہے ہیں اور اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ تو اگر کوئی شخص زندگی بھر چھوٹے بھائی کی خدمت کرے تو قبر کا

عذاب اندر ہی نہ آئے، پہلے ہی سے اسے کہہ دیا جائے کہ "نم کنومة العروس" کہ تو اس طرح آرام کر جیسے دلہن پہلی شب میں آرام کیا کرتی ہے۔

مؤمن کی قبر کا حال

حدیث شریف میں یہی آتا ہے کہ جب کوئی نیک بندہ قبر میں جاتا ہے اور سوالوں کا جواب دے دیتا ہے، تو اس کے بعد اس کی قبر جہاں تک اس کی نگاہ جاتی ہے کشادہ کر دی جاتی ہے اور جنّت کے قالین اس کے لئے بچھا دئے جاتے ہیں، جنّت کی کھڑکی کھول دی جاتی ہے، جہاں سے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں اس کے پاس آتی ہیں اور خوشبوئیں اس کے پاس آتی ہیں، اور اس سے کہا جاتا ہے کہ تو بالکل سکون و آرام سے رہ اور بالکل بے خوف رہ، اب تجھے کسی قسم کا کوئی خدشہ اور اندیشہ نہیں۔ لیکن وہ قبر میں تنہاء ہوتا ہے، تھوڑی دیر کے بعد ایک آدمی آتا ہے، بہت ہی خوبصورت چہرہ والا اور بہت ہی بہترین لباس پہنا ہوا، دور سے وہ اسے آتا ہوا دیکھتا ہے، جب وہ قریب آتا ہے تو یہ میّت اسے کہتی ہے کہ آپ کون ہیں؟ آپ کا چہرہ تو بہت ہی حسین ہے اور بہت خوبصورت ہے، صرف چہرہ دیکھنے ہی سے مجھے بڑا سکون محسوس ہو رہا ہے، آپ کی آمد میرے لئے باعث بشارت اور باعث راحت معلوم ہوتی ہے، آپ کون ہیں؟ وہ کہتا ہے "انا عملك الصالح" اوکما قال: میں تیرا نیک عمل ہوں، اب میں تیرے پاس آیا ہوں

اور تیرے ساتھ رہوں گا، تیرا دل بہلاؤں گا، تو یہاں اکیلا رہے گا تو تیرا دل گھبرائے گا، میں تیرے ساتھ رہوں گا، اور میں تیرا مونس و غمخوار ہوں اور تیرا ہمدرد ہوں اور ہر جگہ میں تیرے ساتھ رہوں گا، تو بالکل غم مت کر اور بالکل نہ گھبرا، میں ہر جگہ تیرے ساتھ ہوں۔ انسان کا یہ نیک عمل قبر میں آکر اسے خوش خبری سناتا ہے، اور وہ یہ سن کر باغ باغ ہو جاتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ مجھے یہ غم تھا کہ میں یہاں پر اکیلا کیا کروں گا؟ اب تم آگئے ہو تو اب وقت آرام سے کٹے گا، اور نہایت آرام سے باقی وقت گزر جائے گا۔

قیامت اور نیک عمل

اور جب قیامت برپا ہو گی اور لوگ اپنی اپنی قبروں سے نکلیں گے، تو وہ وقت بھی بڑی گھبراہٹ کا وقت ہو گا اور بڑی پریشانی کا وقت ہو گا، نفسی نفسی کا وقت ہو گا۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ جب قیامت برپا ہو گی اور لوگ اپنی اپنی قبروں سے نکلیں گے، تو جس شخص نے دنیا میں سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر، لا الٰہ الا اللہ اور لا حول ولا قوۃ الا باللہ پڑھا ہو گا اور پڑھتا رہا ہو گا تو لا الٰہ الا اللہ اس کے سامنے ہو گا، اور اللہ اکبر سر پر ہو گا، دائیں طرف سبحان اللہ ہو گا، بائیں طرف الحمد للہ ہو گا، اور پیچھے لا حول ولا قوۃ الا باللہ ہو گا، یہ چاروں طرف سے اس کو اس طرح گھیرے میں لیں گے جس طرح سپاہی کسی کو اپنے گھیرے میں لیتے ہیں۔ تو یہ کلمات دائیں طرف سے

بھی بائیں طرف سے بھی آگے سے بھی اور پیچھے سے بھی، غرض یہ کہ چاروں طرف سے اسے اپنے حصار میں لے کر چلیں گے اور اسے کہیں گے کہ تو مت گھبرا، یہ وقت تیرے پریشان ہونے کا نہیں ہے، تو ہماری حفاظت میں ہے اور ہم ہر جگہ تیرے ساتھ ہیں، اور تیرے سارے مراحل ہم طے کروادیں گے، تو مت گھبرا (اللہ اکبر) یہ ہے عمل صالح اور یہ ہے چھوٹا بھائی کہ جس کے ساتھ انسان ساری زندگی بدسلوکی کرتا ہے اور وہی اس کے ساتھ آخر میں اچھا سلوک کرتا ہے اور اس کے کام آتا ہے۔

کونسا بھائی اچھا؟

یہ ہیں تین بھائی، اب آپ خود فیصلہ کر کے بتایئے کہ ان میں سے کون سا بھائی اس قابل ہے کہ اس کے ساتھ دوستی کی جائے اور اس کے ساتھ اچھا سلوک اور اچھا برتاؤ کیا جائے اور اس کی خدمت کی جائے اور اس پر اپنے آپ کو قربان کیا جائے؟ ظاہر ہے کہ تیسرا بھائی اس قابل ہے، لہٰذا بڑے اور منجھلے بھائی کو چھوڑ کر چھوٹے بھائی کو اختیار کرنا چاہئے کہ وہی انسان کے کام آنے والا ہے۔

ایک عبرتناک واقعہ

''نزہۃ البساتین'' میں ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک بزرگ ایک جنازہ میں شریک ہوئے اور دفنانے کے لئے قبرستان بھی تشریف لے گئے،

تو جب میت کو قبر میں دفنا دیا گیا اور دفنانے کے بعد یہ واپس ہونے لگے تو ابھی چند قدم ہی یہ لوگ چلے تھے کہ قبر میں بڑی زور کا دھماکہ ہوا اور سب لوگ ڈر گئے اور کھڑے ہوگئے اور سوچنے لگے کہ کیا معاملہ ہے، ابھی سوچ ہی رہے تھے اور خوف میں مبتلاء تھے کہ دوسرا دھماکہ ہوا جو پہلے سے بھی زیادہ زور کا دھماکہ تھا، جس سے یہ لوگ لرز گئے اور کانپ گئے، اور سوچنے لگے کہ ایسا لگتا ہے کہ اس میت کو قبر کا عذاب ہو رہا ہے اور یہ دھماکوں کی آواز اس عذاب قبر کی ہے، قریب تھا کہ یہ لوگ ڈر کر بھاگنے لگتے تو ان بزرگ نے ان کو ہمت دلائی کہ تھوڑی دیر ٹھیرو، ابھی یہ کچھ ہی دیر ٹھہرے تھے کہ پہلے دو دھماکوں سے بھی زیادہ زور سے تیسرے دھماکہ کی آواز سنائی دی اور دوسرے ہی لمحہ قبر پھٹ گئی اور اس میں سے کالے رنگ کا ایک کتا نکل کر کے بھاگا، یہ جو بزرگ تھے ان پر اللہ تعالیٰ نے بطور کرامت کے یہ منکشف فرمایا کہ یہ کتا عذاب ہے، چنانچہ انہوں نے اس کتے سے پوچھا کہ تو کون ہے اور یہ دھماکہ کی آواز کیسی تھی؟ تو اس کتے نے بتایا کہ میں اس کا بد عمل ہوں، جب یہ قبر میں رکھا گیا تو میں اس کو عذاب دینے کے لئے اس کی قبر میں آیا تھا تاکہ میں اس کو عذاب دیتا، لیکن جیسے ہی میں نے اس کو عذاب دینے کا ارادہ کیا تو سورۂ یٰسین اور سورۂ تبارک الذی یہ شخص پڑھا کرتا تھا وہ قبر کے اندر کہیں سے آ گئیں اور انہوں نے کہا کہ ہم تجھ کو عذاب نہیں دینے دیں گے۔ اور تم نے جو دھماکوں کی آواز سنی تھی تو ان کے ہاتھوں میں بڑے بڑے گرز تھے، جب پہلا دھماکہ ہوا تو اس وقت

انہوں نے مجھے گرز مارا تھا مجھے بھگانے کے لئے اور عذاب قبر سے باز رکھنے کے لئے، لیکن میں باز نہ آیا تو انہوں نے دوبارہ میرے گرز مارا، لیکن میں پھر بھی باز نہ آیا اور میں نے ارادہ کیا کہ اس کو عذاب پہنچاؤں اور تکلیف پہنچاؤں، لیکن تیسری مرتبہ انہوں نے میرے اس زور سے گرز مارا کہ پھر میں رہ نہ سکا اور قبر سے نکل کر کے بھاگنے پر مجبور ہو گیا، ورنہ میں اس کا برا عمل ہوں اور اس کو عذاب دینے کے لئے آیا تھا۔

بہر حال، بعض اوقات اللہ پاک اس طریقے سے دوسروں کو دکھلاتے ہیں، اس لئے چھوٹے بھائی کو اتنا کمزور نہ کرلیں کہ پھر وہ کام ہی نہ آسکے، یہ یاد رکھنے کی بات ہے۔ یہ واقعہ جب انہوں نے کسی دوسرے بزرگ کو سنایا تو انہوں نے بتایا کہ اصل بات یہ ہے کہ اس شخص کے یہ دو نیک عمل تو تھے ہی اس کے علاوہ اور بھی کچھ نیکیاں ایسی تھیں جو کہ اس کے گناہوں سے بھاری تھیں، اس لئے یٰسین شریف اور تبارک الذی عذاب قبر سے بچنے کا ذریعہ بن گئیں۔

سورۂ تبارک الذی کی فضیلت

حدیث میں آتا ہے کہ سورۂ تبارک الذی منجیۃ ہے، یعنی عذاب قبر سے بچانے والی ہے، جو آدمی سونے سے پہلے اس کا ورد رکھے گا انشاء اللہ تعالیٰ عذاب قبر سے محفوظ رہے گا۔ اور یٰسین شریف کے بھی بڑے فضائل ہیں۔

چھوٹے بھائی کی خدمت کریں

لہٰذا اگر خدانخواستہ کسی کی نیکیاں بالکل کم ہوں اور گناہ بہت زیادہ ہوں اور توبہ کر کے بھی نہ مرا ہو تو پھر اس کا نیک عمل اتنا کمزور ہو جاتا ہے کہ پھر وہ عذاب کو دور نہیں کر سکتا۔ لہٰذا چھوٹے بھائی کی خدمت تو بہت ضروری ہے، اس کے ساتھ خوب ہمدردی کی جائے، ہر طرح سے اس کے ساتھ تعاون کیا جائے اور اس کو اپنایا جائے، تو پھر انشاء اللہ تعالیٰ یہ وہ بھائی ہے جو ساتھ جانے والا ہے اور قدم قدم پہ مدد کرنے والا ہے، بشرطیکہ اس کے اندر طاقت ہو، اگر خدانخواستہ اس کے اندر طاقت ہی نہ ہوئی تو پھر یہ کیا مدد کرے گا۔

حضرت فضیل بن عیاضؒ کا واقعہ

اس پر ایک بڑی پیاری حکایت حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی یاد آئی اور یہ حکایت بھی ”نزہۃ البساتین“ میں ہے۔ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے ان کی توبہ کا واقعہ پوچھا، تو فرمایا کہ شروع میں بالکل آزاد تھا اور دین کی طرف میری بالکل توجہ نہ تھی، بے عملی کی راہوں پر میں گامزن تھا، اسی زمانہ میں میں نے ایک خوبصورت باندی خریدی اور اس باندی سے اللہ تعالیٰ نے مجھ کو ایک بیٹی عطا فرمائی، وہ بچی بہت ہی خوبصورت اور معصوم تھی اور میں اپنا دل اس سے بہت ہی بہلایا کرتا تھا،

جب وہ بڑی ہوگئی اور بولنے لگی تو بس میری خوشی کی انتہاء نہ رہی، میں گھنٹوں اس کے ساتھ کھیلتا اور اس کی پیاری پیاری باتیں سنتا اور اس سے کرتا، اس طرح سے میرے دن اس کے ساتھ بڑے اچھے گزر رہے تھے، اور میں بڑے آرام و راحت اور عیش و عشرت میں زندگی بسر کر رہا تھا، آخرت سے غافل تھا، برائے نام مسلمان تھا، اس طرح سے میرے دن گزر رہے تھے کہ میری بچی بیمار ہوئی اور اس طرح بیمار ہوئی کہ میں نے پانی کی طرح پیسہ بہایا لیکن وہ جانبر نہ ہو سکی، ایک دن اچانک اس کا انتقال ہو گیا۔

جب اس کا انتقال ہو گیا تو بس دنیا میری نظروں کے آگے اندھیر ہو گئی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دنیا ہے ہی نہیں، اب میرا دل نہ گھر میں لگتا نہ گھر سے باہر لگتا نہ دوستوں میں لگتا، میرا حال بہت ہی بُرا تھا اور میں اس کی یاد میں جنگلوں میں گھومتا تھا، ویرانوں میں بیٹھتا تھا، اور اس کی یاد مجھے آتی رہتی تھی، جتنا وہ مجھے یاد آتی اتنا ہی مجھے رونا آتا، لیکن میرے پاس سوائے رونے کے اور کچھ نہ تھا، اس لئے کہ وہ جاچکی تھی، اور میں غم سے نڈھال، دنیا میں مجھے نہ کھانا اچھا لگے نہ پینا اچھا لگے نہ پہننا اچھا لگے نہ رہنا اچھا لگے، میری طبیعت ہر چیز سے اچاٹ ہو گئی۔ ایک دن میں اسی طرح اس کی یاد میں رو رہا تھا اور روتے روتے میں لیٹ گیا اور مجھے نیند آگئی، تو خواب کے اندر میں نے دیکھا کہ قیامت برپا ہے، اور سب لوگ اپنی اپنی قبروں سے نکل کر میدانِ محشر کی طرف جا رہے ہیں، تو میں بھی اپنی قبر سے نکلا، جیسے ہی میں اپنی قبر سے نکلا تو میں بڑا پریشان کہ یا اللہ میرا کیا ہوگا، میرے پاس تو کچھ

بھی نہیں ہے، میں کیا پیش کروں گا؟ ابھی میں اسی فکر میں تھا کہ مجھے اپنے پیچھے سے سرسراہٹ کی آواز سنائی دی جیسے کوئی چیز تیزی سے گھسٹتی ہوئی میری طرف آرہی ہو، میں نے جو پیچھے مڑ کر دیکھا تو ایک بہت ہی خطرناک کالے رنگ کا بڑا سا اژدھا پھن پھیلائے ڈسنے کے لئے میرے پیچھے چلا آرہا ہے، بس اسے دیکھتے ہی میرے پیروں تلے زمین نکل گئی اور خوف کے مارے میرا برا حال ہو گیا، اور اب وہ میرے پیچھے پیچھے میں آگے آگے، میں جتنی تیزی سے دوڑتا اتنی تیزی سے وہ بھی دوڑتا، کبھی اِدھر جارہا ہوں کبھی اُدھر جارہا ہوں، آخر میں ایک پہاڑ پر چڑھ گیا، جب میں پہاڑ کے اوپر چڑھا تو وہ بھی میرے پیچھے چڑھتا ہوا آگیا، میں نے ارادہ کیا کہ پہاڑ کی دوسری جانب اُتر جاؤں، جب اس طرف دیکھا تو جہنّم دھک رہی تھی، جہنّم کو دیکھ کر کے میرا حال اور (پتلا) برا ہو گیا اور جان بچانے کے لئے پھر میں پہاڑ سے نیچے اترا تو اسے دیکھتا ہوں کہ وہ میرے پیچھے چلا آرہا ہے، میں نیچے اتر کر پھر دوڑنے لگا۔

راستے میں مجھے ایک بہت ہی کمزور اور نحیف اور سفید لباس سفید چہرہ والے سفید ڈاڑھی والے بزرگ ملے، میں نے دوڑتے دوڑتے جلدی سے اُن سے درخواست کی کہ میں بہت پریشان ہوں اور یہ اژدھا میرے پیچھے لگا ہوا ہے اور یہ مجھے جہنم میں ڈالنا چاہتا ہے، اور میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ خدا کے لئے آپ میری کچھ مدد فرمائیے، اس لئے کہ میں اکیلا اس سے مقابلہ نہیں کرپا رہا اور یہ مجھے جان سے مار دے گا، اگر

اس نے مجھے ڈس لیا تو میں کہیں کا نہیں رہوں گا۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ بیٹا تم تو دیکھ ہی رہے ہو کہ میں کتنا کمزور ہوں، میں تمہاری مدد تو نہیں کر سکتا، تم ایسا کرو کہ آگے جاؤ وہاں ایک پہاڑ ہے، وہاں مسلمانوں کی امانتیں رکھیں ہوئی ہیں، شاید تمہاری بھی کوئی امانت رکھی ہوئی ہو جو تمہارے کام آجائے۔ میں ان کی بات سن کر آگے گیا، لیکن پریشانی کے عالم میں مجھے کچھ سجھائی نہ دیا، میں گھومتا گھومتا پھر ان کے پاس سے گزرا، میں نے پھر ان سے درخواست کی حضرت! آپ ہی میری کچھ مدد فرما دیجئے، میں بہت پریشانی کے عالم میں ہوں اور یہ میرا پیچھا نہیں چھوڑ رہا اور میری جان نہیں چھوڑ رہا۔ تو انہوں نے کہا کہ بیٹا میں نے تمہیں پہلے بھی کہا تھا کہ میں بہت کمزور ہوں، میری ہڈیوں میں بھی جان نہیں ہے، زیادہ چل پھر نہیں سکتا، میں اس طاقت ور سانپ سے تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں، البتہ میں نے تمہیں کہا تھا کہ اس طرف جاؤ، اس طرف ایک گول سا پہاڑ ہے اور اس میں بہت سے دروازے ہیں، اس پہاڑ کے پاس تم جاؤ اس کے اندر مسلمانوں کی امانتیں محفوظ ہیں، وہاں اگر تمہاری کوئی امانت ہوگی تو تمہیں انشاء اللہ تعالی مل جائے گی اور تمہارے کام آئے گی۔

میں توجہ سے ان کی بات کو سن کر اس طرف چلا، جب میں ادھر گیا تو مجھے وہ پہاڑ نظر آیا، میں جلدی سے اس کے قریب گیا تو میں نے دیکھا کہ فرشتے اس پر پہرہ دے رہے تھے، جیسے ہی میں گیا تو انہوں نے نچلی منزل کے دروازے کھول دیے، جیسے ہی دروازے کھولے تو اندر سے چھوٹے

چھوٹے بہت سارے بچے نورانی چہرہ والے باہر آئے، انہوں نے پوچھا کہ بھائی تمہارے بھی کسی بچہ یا بچی کا انتقال ہوا ہے؟ میں نے کہا کہ ہاں میری بھی ایک بچی کا انتقال ہو گیا ہے، تو انہوں نے دیکھ کر بتایا کہ یہاں تو کوئی نہیں ہے اوپر والی منزل میں دیکھتے ہیں، ابھی وہ اوپر والی منزل کھول ہی رہے تھے کہ اوپر والی منزل کی گیلری سے میری بچی نے مجھے پکارا اور کہا کہ ابا! تم یہاں کہاں ہو اور یہ تمہارے پیچھے اژدھا کیسے لگا ہوا ہے، اور پھر اس نے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھایا اور مجھے اپنی طرف کھینچ لیا اور اس نے لے جا کر مجھے اندر کمرہ میں بٹھایا اور میری سانس بحال ہوئی اور میرا خوف دور ہوا، اور وہ زندگی میں جیسے میری گود میں بیٹھا کرتی تھی اور میری ڈاڑھی سے کھیلا کرتی تھی اسی طریقہ سے وہ میری گود میں بیٹھ گئی اور میرا سارا غم کافور ہو گیا اور ساری دہشت جاتی رہی، اور میں بڑے آرام و سکون سے وہاں بیٹھ گیا۔ اور اس نے کہا ابا! اب تم بے فکر رہو اور اب تمہیں اس کی طرف سے ڈرنے کی ضرورت نہیں، اور وہ مجھ سے پھر پیاری پیاری باتیں کرنے لگی، تو میں نے اس سے پوچھا کہ بیٹی! تم یہاں کیا کرتی ہو؟ اس نے کہا ابا ہم یہاں قرآن شریف پڑھتے ہیں۔

میں نے پوچھا کہ یہ جو سانپ میرے پیچھے تھا یہ کیا ہے؟ ابا یہ تمہارا برا عمل ہے، تم جو زندگی عیش و عشرت اور عیاشی میں گزار رہے ہو اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں زندگی بسر کر رہے ہو، تو تمہارے سارے گناہوں نے یہ بدشکل اختیار کرلی ہے اور یہ تمہیں دوزخ میں ڈالنا چاہتا تھا، شکر ہے کہ تم

یہاں آگئے اور فی الحال تم اس سے بچ گئے۔ پھر میں نے پوچھا کہ اچھا بیٹی وہ بزرگ جو مجھے راستہ میں ملے تھے وہ کون تھے؟ اس نے کہا ابا وہ تمہارے نیک عمل ہیں، لیکن تم نیک عمل کرتے نہیں، تم نے نیک اعمال کی طرف توجہ ہی چھوڑی ہوئی ہے، اس کی وجہ سے تمہارے یہ نیک عمل اتنے کمزور ہیں کہ یہ تمہیں عذابِ قبر سے اور قیامت کے اس عذاب سے بچانے میں تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکتے۔ ان نیک اعمال کی طرف تمہاری توجہ نہیں ہے اور جس کی طرف تمہاری توجہ ہے وہ تو تمہارے گناہ ہیں، بداعمالیاں ہیں، نافرمانیاں ہیں، اور یہ بداعمالیاں اور نافرمانیاں چاہتی ہیں کہ تمہیں ہلاک و برباد کردیں۔ اور پھر پوچھا کہ تم یہاں کب تک ہو؟ اس نے جواب دیا کہ ابا! ہم قیامت تک یہیں رہیں گے، تمہارے آنے کا انتظار ہے، جب تم آجاؤ گے تو تمہارے ساتھ آگے چلیں گے۔ یہ باتیں وہ مجھ سے کررہی تھی کہ اچانک میری آنکھ کھل گئی۔ اور وہ شعبان کی پندرہویں شب تھی اس رات میں نے یہ خواب دیکھا۔

بس آنکھ کھلتے ہی میں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سچی توبہ کرلی، شراب نوشی سے عیّاشی سے اور جن گناہوں کے اندر میں مبتلا تھا سب سے میں نے اسی رات اسی لمحہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑا کر سچی توبہ کرلی اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ لی، اور پھر میں نے نیک اعمال سے دوستی کرلی اور چھوٹے بھائی کو اپنا لیا۔ اس کے بعد حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ اولیاء اللہ کی صف میں شامل ہوگئے اور اللہ تعالیٰ نے ان

کو اتنا مقام عالی عطا فرمایا کہ آج ان کا شمار بزرگوں میں ہوتا ہے اور الحمد للہ وہ ہمارے سلسلے کے بزرگوں میں سے ہیں۔

نیک عمل کب کام دے گا؟

بہر حال، نیک عمل بھی اس وقت قبر کے عذاب سے بچانے کا باعث بنتا ہے جب اس میں کچھ طاقت ہو گی، قوت و توانائی ہو گی۔ لہٰذا قرآنِ کریم کی ان دو آیتوں میں سے پہلی آیت میں اسی نیک عمل کے کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے، اور سورۂ تبارک الذی کی آیت میں بھی یہی کہا گیا ہے کہ:

اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً ؕ

(سورۂ تبارک الذی آیت ۲)

اللہ تعالیٰ نے موت و حیات کو اس لئے پیدا فرمایا ہے تاکہ تمہیں آزمائیں کہ کون سب سے اچھے عمل کرتا ہے۔

لہٰذا یہ چھوٹا بھائی ہی سب سے زیادہ کام آنے والا ہے، بڑے بھائی اور منجھلے بھائی سے کوئی توقع رکھنا نا سمجھی کی بات ہے۔

چھوٹے بھائی کی دوستی سے بڑے بھائی کا کار آمد ہونا

اور جو کوئی چھوٹے بھائی کو اپنا لیتا ہے اور اس کا حق ادا کرتا ہے، اس

کے ساتھ اچھا سلوک اور ہمدردی کرتا ہے اور تن من دھن اس پر قربان کرتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ یہ بھی مہربانی فرماتے ہیں کہ پھر بڑا بھائی بھی چھوٹے بھائی کی طرح کار آمد ہو جاتا ہے، کیونکہ جب انسان نیک عمل کرے گا تو یہ نیک عمل یہ سکھلائے گا کہ اس بڑے بھائی یعنی مال و دولت کو کس طریقہ سے نیکی میں استعمال کرنا چاہئے، پھر وہ حرام سے بچائے گا، ناجائز سے بچائے گا، غفلت سے بچائے گا اور اس مال و دولت کو آخرت کے لئے استعمال کرنا سکھلائے گا، نیک راہوں میں لگانے کا طریقہ بتائے گا، پھر انسان حلال طریقہ سے کمائے گا، جائز طریقہ سے کمائے گا، دل میں اس کی محبت نہ ہوگی، اور پھر اس کو کسی مسجد میں لگائے گا، کسی مدرسہ کی تعمیر میں لگائے گا، کہیں پانی کا کنواں کھدوائے گا۔ اور پھر مرنے کے بعد خود قبر میں لیٹا ہوا ہوگا اور اس کی بنی ہوئی مسجد میں لوگ نمازیں پڑھ رہے ہوں گے، تلاوت کر رہے ہوں گے، ذکر و دعا کر رہے ہوں گے، وعظ اور درسِ قرآن اور درس حدیث ہو رہا ہوگا، اور سارا ثواب اسے قبر کے اندر پہنچ رہا ہوگا، ثواب کے پارسل کے پارسل اس کے پاس آ رہے ہوں گے۔ دیکھئے چھوٹے بھائی کی دوستی سے وہ بڑا بھائی بھی کار آمد ہو رہا ہے۔

منجھلے بھائی کا کار آمد ہونا

ایسے ہی یہ منجھلا بھائی بھی اس آدمی کے لئے کار آمد ہو جاتا ہے جو آدمی خود نیک ہوتا ہے اور اپنے بیوی بچوں کو نیکی کی راہوں پر لگاتا ہے، تو

سب سے بڑا صدقہ جاریہ انسان کی نیک اولاد ہوتی ہے، مسجد سے بھی، مدرسہ سے بھی، کنویں سے بھی، پل سے بھی۔ ماں باپ نے اولاد کو نیک راہ پر لگایا تھا اس سے وہ اولاد نیک بن گئی، اب وہ جو بھی نیک کام کرے گی زندگی بھر اس کا ثواب ماں باپ کو پہنچتا رہے گا، اور وہ جو دعائیں کرے گی ان دعاؤں کا ثواب بھی ان کو ملے گا اور جو ایصال ثواب کرے گی تو اس کا ثواب بھی ان کو پہنچتا رہے گا۔

ایک حکایت

نزہۃ البساتین میں ایک حکایت لکھی ہے: ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں ایک قبرستان میں گیا، اور وہاں ایک طرف کو میں لیٹ گیا اور میری آنکھ لگ گئی، میں نے دیکھا کہ ایک میدان ہے اور بہت سے آدمی اس میدان کے اندر بیٹھے ہوئے ہیں، اور ان پر کوئی سفید سی چیز برس رہی ہے اور وہ اسے چن چن کر اکھٹا کر رہے ہیں، اور ایک آدمی وہاں ایک طرف بیٹھا ہوا ہے اور وہ وہاں سے کوئی چیز نہیں اٹھا رہا، تو میں نے اس سے جا کر پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں اور کیا چیز اٹھا رہے ہیں اور آپ ان کے ساتھ اٹھانے میں کیوں شریک نہیں ہیں؟ اس نے کہا کہ یہ سب اہلِ قبور ہیں، اس قبرستان میں جتنے مسلمان ہیں یہ سب ان کی روحیں ہیں، اور یہ میدان میں جمع ہو کر جو چیز چن رہے ہیں تو دراصل دنیا والوں نے ان کے لئے جو ایصالِ ثواب کیا ہے اور ان کے لئے جو دعائے مغفرت کی ہے اور جو ان کو ثواب

پہنچایا ہے وہ ان پر برس رہا ہے اور پہنچ رہا ہے، جس کو جتنا پہنچایا گیا ہے وہ اس کو اس میدان میں سے چن رہا ہے، اس کو اٹھا کر اور جمع کر کے یہ لوگ اپنی اپنی قبروں میں چلے جائیں گے، میں نے پوچھا آپ کیوں نہیں یہ ثواب اٹھا رہے ہیں؟ اس نے کہا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ میرا ایک بیٹا ہے، وہ روزانہ پورا ایک قرآن شریف ختم کر کے اس کا ثواب مجھے پہنچا دیتا ہے، میرے پاس جتنا آ جاتا ہے ان کے پاس اس کا ہزارواں حصہ بھی نہیں آرہا، میں نے کہا کہ اپنے بیٹے کا نام اور پتہ بتاؤ اور کس بازار میں وہ تجارت کرتا ہے؟ چنانچہ اس نے پتہ بتا دیا اور بازار بتا دیا، جب میں بیدار ہوا اور اس بازار پہنچا جس بازار کا پتہ انہوں نے مجھے بتلایا تھا اور جو چہرہ مہرہ انہوں نے بتایا تھا اس چہرہ مہرہ والا ان کا بیٹا میں نے تلاش کر لیا، تو میں نے دیکھا کہ وہ لوبیہ بیچ رہا تھا، اور میں نے دیکھا کہ اس کی زبان مسلسل ہل رہی تھی، تو میں اس کے پاس گیا اور اس کو سلام کیا اور میں نے پوچھا کہ کیا آپ کے والد صاحب زندہ ہیں؟ اس نے کہا کہ نہیں وفات ہو گئی، میں نے کہا اچھا تو پھر آپ یہ کیا پڑھ رہے ہیں، اس نے کہا کہ میں روزانہ ایک قرآن شریف اپنے والد صاحب کے لئے ختم کرتا ہوں، اپنا سامان بھی بیچتا رہتا ہوں اور گاہک کے جانے کے بعد پھر شروع کر دیتا ہوں، اور قرآن شریف مجھے ازبر یاد ہے، صبح شروع کرتا ہوں شام تک ختم کر دیتا ہوں اور اپنے والد صاحب کو بخش دیتا ہوں۔ میں نے اپنا خواب اس کو سنایا کہ تمہارا ثواب روزانہ ان کو پہنچ رہا ہے اور تمہارے والد صاحب تو بادشاہ بنے ہوئے ہیں،

بھائی! اس سلسلہ کو جاری رکھنا، تمہارے والد صاحب تم سے بہت خوش ہیں۔

وہ بزرگ کہتے ہیں کہ کچھ عرصہ کے بعد دوبارہ میں اس قبرستان سے گزرا اور میں ایک جگہ لیٹا تو اللہ تعالیٰ نے پھر اس قبرستان کا حال مجھ پر منکشف فرمادیا، اب میں نے دیکھا کہ اسی طریقہ سے اس میدان میں سب لوگ جمع ہیں اور اسی طریقہ سے سفید سفید چیز ان کے اوپر برس رہی ہے جس کو وہ زمین پر سے چن رہے ہیں، اور وہ آدمی بھی چن رہا ہے جس کو میں نے پہلے اکیلے بیٹھے ہوئے دیکھا تھا تو میں اس کے پاس گیا اور میں نے پوچھا کہ پہلے تو تم اکیلے بیٹھے ہوئے تھے اور اب تم بھی چن رہے ہو، اس نے کہا کہ اب میرے اس بیٹے کا انتقال ہو گیا ہے، لہٰذا اب میں بھی اس کا محتاج ہوں، اور دنیا والے جو دعائیں اور ایصال ثواب پہنچاتے ہیں وہ میں بھی ان کے ساتھ چن رہا ہوں، جیسے وہ محتاج ہیں ایسے ہی اب میں بھی محتاج ہوں۔ دیکھ لیا آپ نے، پورا قرآن شریف بیٹا اپنے باپ کو پہنچا رہا تھا۔

اب سوال یہ ہے کہ روزانہ پورا قرآن شریف ہم میں سے کون پہنچا سکتا ہے؟ تو میں اس کی ترکیب بتا دیتا ہوں، حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو آدمی فجر کی نماز کے بعد بارہ مرتبہ "قل ھو اللہ" پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو چار قرآن شریف ختم کرنے کا ثواب دیتے ہیں، اور اگر کوئی ایک مرتبہ یٰسین شریف پڑھتا ہے تو دس قرآن کریم پڑھنے کا ثواب ملتا ہے۔ تو بھائی کم از کم بارہ مرتبہ "قل ھو اللہ" پڑھ کر ہم بھی اپنے ماں باپ کو اور

اپنے دادا دادی کو اپنے نانا نانی کو اپنے ساس سسر کو اور اپنے بیوی بچوں کو ثواب پہنچا سکتے ہیں، روزانہ بارہ مرتبہ "قل ھو اللہ" پڑھ کر اس کا ثواب اپنے مرحومین کو پہنچادو، ان کی عید آجائے گی، ہمارا کچھ بھی نہ جائے گا، اور انشاء اللہ ہمارے ثواب میں بھی کوئی کمی نہ آئے گی۔

بہر حال، یہ چھوٹا بھائی کام کا ہے، اگر یہ درست ہو جائے اور اس کو ہم ٹھیک کرلیں یعنی اعمالِ صالحہ کی طرف متوجہ ہو جائیں اور اعمالِ صالحہ کو اختیار کرلیں تو بیوی بچے بھی نیکی کی راہ پر چلیں گے، پھر یہ بھی ہمارے مرنے کے بعد ہمارے لئے استغفار کریں گے، دعا کریں گے، ایصال ثواب کریں گے، دنیا و آخرت میں ہمارے کام آئیں گے۔

بہر حال، اگر ہم اس تیسرے بھائی یعنی نیک عمل کے ساتھ خدمت کا تعلق رکھیں گے، اس کو اپنائیں گے، تو یہ مال و دولت یعنی بڑا بھائی بھی نیک بن جائے گا، اور پھر یہ بھی حلال و طیّب بن کر اعتدال کے ساتھ ہمارے لئے صدقہ جاریہ بنے گا، دنیا میں بھی اسے ہم انشاء اللہ تعالیٰ نیک کاموں میں اور نیک راہوں میں لگائیں گے اور اپنی اولاد کو بھی نیک کاموں میں لگانا سکھائیں گے تو پھر یہی مال ہماری اولاد ہمارے مرنے کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ صدقہ جاریہ میں لگائے گی۔ جو لوگ خود نیک ہوتے ہیں اور جن کی اولاد بیوی بچے نیک ہوتے ہیں، انہیں کی اولاد پھر ہر سال ان کے لئے قربانی بھی کرتی ہے، عمرہ بھی کرتی ہے، طواف بھی کرتی ہے، صدقہ و خیرات اور مغفرت کی دعائیں اور ایصالِ ثواب بھی کرتی ہے، اور جس نے

مال و دولت کو اپنا خدا بنالیا، یا دین کو چھوڑ کر اپنے بیوی بچوں کو سب کچھ بنایا اور دین کو پسِ پشت ڈال دیا تو پھر اس سے بڑھ کر اس کے لئے کوئی عذاب و وبال اور پریشانی کی چیز نہیں ہو سکتی، پھر یہ صرف دنیا تک ساتھ ہیں، آگے جانے والا کوئی نہیں، آگے تو آدمی پھر اکیلا ہی جائے گا۔

خلاصہ

رحمتِ کائنات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کے ذریعہ ہم کو صرف ایک چیز کی طرف متوجہ فرمایا ہے، کہ دیکھو دنیا اور بیوی بچے یہ دل لگانے کی چیز نہیں ہے، یہ اس لئے ہیں کہ تم دنیا میں اِن کے ساتھ رہو اور ان کو بھی دین کے راستہ پر لگاؤ، دل لگانے کی چیز تو بس اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اور دل میں تو صرف اللہ تعالیٰ کی محبت ہونی چاہئے، نہ پیسہ کی محبّت اور نہ ہی اولاد کی محبّت۔ ان کی محبت اتنی زیادہ نہ ہو کہ یہ محبت غالب ہو کر دین کی محبت کو پیچھے کر دے، ان کی اتنی محبّت رہے کہ یہ بھی ہمارے ساتھ رہیں، کیونکہ ہم ان کے محتاج ہیں، ان کے بغیر انسان کی زندگی گزر نہیں سکتی، لیکن ان کو تابع کر کے رکھو، خادم بنا کر رکھو، ان کو اپنا متبوع و مخدوم نہ بناؤ اور ان کو زندگی کا مقصود نہ بناؤ۔ مقصود اصلی تو دین ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور آخرت ہے، اگر ان کو اپنا مقصودِ اصلی بنایا اور ان کو اپنایا اور ان پر اپنی جان قربان کی اور ان پر اپنا تن من دھن قربان کر دیا، تو انشاء اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے یہ بھی رام ہو

جائیں گے، اور یہ بھی دنیا و آخرت میں ہمارے خیر خواہ اور ہمدرد بن جائیں گے، ورنہ مال و دولت تو صرف دنیا میں ہمارے ساتھ ہے، مرتے ہی دوسروں کا ہو جائے گا اور وارث اس کے مالک بن جائیں گے، اور بیوی بچے اور دوست احباب بھی صرف قبر تک ہمارے ساتھ ہیں لیکن قبر کے باہر باہر، اور قبر کے اندر ہم اکیلے ہوں گے، وہاں تو نیک عمل ہی جائے گا اگر نیک عمل ہوگا ورنہ برا عمل جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم کو صحیح فہم نصیب فرمائے اور اپنے فضل و کرم سے ہمیں ایسی توفیق عطا فرمائے کہ دین ہی ہمارا مقصودِ اصلی بن جائے اور آخرت زندگی کا سب سے اہم مقصد بن جائے اور اللہ تعالیٰ اس چھوٹے بھائی سے دوستی اور اس کا حق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

فضول کاموں میں وقت ضائع نہ کریں

۸

حضرت مولانا مفتی عبد الرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب

مولانا محمد وسیم

میمن اسلامک پبلشرز

۱/۱۸۸۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فضول کاموں میں وقت ضائع نہ کریں

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له. ونشهد ان لااله الا الله وحده لا شريك له، ونشهد أن سيدنا ونبينا ومولانا محمداً عبده ورسوله، صلى الله تعالىٰ عليه وعلىٰ آله واصحابه وبارك وسلم تسليماً كثيراً كثيرا.

امابعد فاعوذ بالله من الشيطٰن الرجيم. بسم الله الرحمن الرحيم.
﴿وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِىْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾ (سورة العصر) صدق الله العظيم.

تمہید

میرے قابل احترام بزرگو اور محترم خواتین! آج میں انشاء اللہ آپ کی خدمت میں وہ پانچویں حدیث بیان کروں گا جس کو امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے پانچ لاکھ حدیثوں میں سے منتخب فرمایا تھا، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ

علیہ نے پانچ لاکھ احادیث میں سے پانچ حدیثوں کو منتخب فرمایا تھا اور ان پانچ حدیثوں پر عمل کرنے کی اپنے بیٹے حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ کو وصیت فرمائی تھی اور یہی بات حضرت امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمائی ہے، چنانچہ انہوں نے فرمایا ہے کہ میں نے پانچ لاکھ احادیث میں سے چار ہزار آٹھ سو (۴۸۰۰) احادیث سے ابوداؤد شریف مرتب کی ہے، جس میں تمام احادیث سند کے اعتبار سے صحیح ہیں، یا صحیح کے قریب ہیں، اور پھر ان چار ہزار آٹھ سو حدیثوں کا خلاصہ چار حدیثیں ہیں ان میں یہ حدیث بھی شامل ہے جو ابھی میں آپ کے سامنے بیان کروں گا، اس کے علاوہ بھی دیگر علماء کرام نے فرمایا ہے کہ پورے دین کا ایک چوتھائی حصہ نبی کریم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کے اندر جمع فرمادیا ہے، بلکہ بعض علماء کرام نے آگے بڑھ کر یہاں تک فرمادیا ہے کہ یہ حدیث نصف العلم ہے یعنی آدھا دین یہ حدیث ہے، اور باقی آدھا دین دوسری تمام حدیثیں ہیں، یعنی جس کسی نے اس حدیث کو سمجھ لیا اور سمجھ کر اس پر عمل کرلیا، تو اس کا تقریباً آدھے دین پر عمل ہوگیا۔

بہترین حدیث

وہ حدیث مبارک یہ ہے کہ سرکار دوعالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ"۔

(ترمذی، کتاب الزہد، باب نمبر ۱۱، حدیث نمبر ۲۳۱۸)

ترجمہ: انسان کے اسلام کی ایک خوبی یہ ہے کہ جس کام میں دین یا دنیا

کا کوئی فائدہ نہ ہو اس کو چھوڑ دے۔

جس کام میں دین کا یا آخرت کا کوئی فائدہ ہو، یا دنیا کا کوئی جائز فائدہ ہو اس کو بیشک کرے، تاکہ اس کو کرنے سے دین کا اور آخرت کا فائدہ حاصل ہو یا دنیا کا جائز فائدہ اس کو حاصل ہو، لیکن ایسا کوئی کام یا ایسی بات نہ کرے کہ جس میں نہ دین کا کوئی فائدہ ہو، نہ دنیا کا کوئی فائدہ ہو اور نہ ہی آخرت کا کوئی فائدہ ہو، یا تو بالکل ہی بے فائدہ ہے، یا بے فائدہ سے بڑھ کر اس میں نقصان بھی ہے، تو اس سے بدرجہ اولیٰ پرہیز کرے، کہ اس میں آخرت کا دین کا اور دنیا کا نقصان ہے۔

گناہوں کے نقصانات

جتنے بھی گناہ ہیں ان میں دنیا و آخرت کا نقصان ہے، گناہوں سے دنیا میں بھی تباہی اور بربادی آتی ہے، آدمی کا سکون اڑ جاتا ہے، بے چینی اور بے قراری میں انسان مبتلاء ہو جاتا ہے، اور آخرت کا نقصان تو یقیناً ہے، سب سے بڑا عذاب جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ قبر اور دوزخ کا عذاب ہے، اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اس سے پناہ میں رکھے۔ آمین

زندگی قیمتی ہے

بہرحال، فضول اور لایعنی کاموں سے بچنا یہ وہ اہم ارشاد ہے جسے ہمیں فی الفور اپنانے کی ضرورت ہے، اس لئے کہ یہ جو زندگی ہم سب کو ملی ہوئی ہے

یہ بڑی قیمتی ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات کے ذریعہ اس کی اہمیت اور قدر و قیمت کو بیان فرمایا ہے، اگر ہم ذرا غور کریں گے تو ہمیں بھی یہ بات سمجھ میں آ جائے گی کہ یہ لمحاتِ زندگی کتنے قیمتی ہیں، اور اس کا صحیح اندازہ تو آخرت میں جا کر ہوگا، لیکن اس وقت ہمارے اختیار میں کچھ نہ ہوگا۔

دو رکعتوں کی اہمیت

سرکارِ دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ آپ ایک قبر کے پاس سے گذرے تو آپ نے صحابہ کرامؓ سے ارشاد فرمایا کہ تم جب کسی وقت جلدی جلدی میں دو رکعتیں پڑھ لیتے ہو اور ان کو معمولی سمجھتے ہو، وہ معمولی نہیں ہیں، یہ میت جو اس قبر کے اندر ہے، وہ یہ حسرت اور تمنّا کر رہی ہے کہ کاش مجھے زندگی کے دو منٹ اور مل جاتے تو میں بھی دو رکعتیں اور پڑھ لیتا، اس کے نزدیک دو رکعتیں پڑھ لینا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے، یعنی دنیا میں جتنی بھی نعمتیں ہیں سونا ہے چاندی ہے روپیہ ہے عہدہ ہے بادشاہت ہے سلطنت ہے عزت ہے اور نہ جانے کتنی انگنت نعمتیں ہیں، یہ دنیا کی نعمتیں بھی کوئی شمار نہیں کر سکتا، اس کے نزدیک یہ دو رکعتیں ان تمام نعمتوں سے افضل اور بہتر ہیں، اس لئے تمنّا کر رہا ہے کہ کاش مجھے دو منٹ زندگی کے اور مل جاتے تو دو رکعتیں اور پڑھ لیتا۔ تم ان دو رکعتوں کو معمولی سمجھ رہے ہو، اس سے پوچھو وہ دو رکعتیں کتنی قیمتی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا عمل

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ سفر میں تھے، راستے میں آپ ایک قبر کے پاس رُکے، اور سواری سے اترے اور دو رکعت نفل پڑھی اور پھر سواری پر آ کر بیٹھ گئے اور روانہ ہو گئے، آپ کے ساتھی نے یہ سمجھا کہ یہ کسی خاص شخص کی قبر ہے اس لئے دو رکعت نفل آپ نے یہاں پڑھی ہیں، تو پوچھا کہ حضرت یہ دو رکعت آپ نے کس لئے پڑھی ہیں؟ فرمایا کہ یہ دو رکعت میں نے اس لئے پڑھی ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میت یہ حسرت اور تمنا کرتی ہے کہ کاش دو منٹ مجھے اور مل جاتے تو میں دو رکعت اور پڑھ لیتا، لیکن اب اس کا تو عمل منقطع ہو چکا، اب اگر یہ دو رکعتیں پڑھنا چاہے تو نہیں پڑھ سکتا۔ تو میں نے سوچا کہ مجھے تو اللہ نے ابھی عمل کی اجازت دی رکھی ہے، مجھے تو فرصت دے رکھی ہے، وقت دیا ہوا ہے، مہلت دے رکھی ہے، کیوں نہ میں دو رکعتیں پڑھ لوں، اس لئے میں نے سواری سے اتر کر دو رکعتیں پڑھ لیں تا کہ میرا تو کم از کم عمل ہو ہی جائے، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسی توفیق عطاء فرما دیں۔ آمین

مرنے والا سب کچھ جان لیتا ہے

حقیقت یہ ہے کہ مرنے والا اپنے عزیز واقارب دوست واحباب کی دعاؤں اور ایصال ثواب کا ایسا محتاج ہوتا ہے جیسے ڈوبنے والا زندگی کے سہارے ڈھونڈتا ہے، کیونکہ وہ میت جانتا ہے کہ نیک کاموں کا کیا ثواب

ہے، اور گناہوں کا کیا عذاب ہے، اب تو ہر چیز اس کے سامنے مثل آئینہ کے ہے، نیکیوں کا اجر وثواب بھی اس کو سامنے نظر آ رہا ہے کہ ''سبحان اللہ'' پڑھنے کا یہ ثواب ہے، ''الحمد للہ'' پڑھنے کا یہ ثواب ہے، ''اللہ اکبر'' کا یہ ثواب ہے دو رکعتوں کا یہ ثواب ہے تلاوت کا یہ ثواب ہے، صدقہ کا یہ ثواب ہے اور ہر نیک کام کا یہ ثواب ہے سب کچھ سامنے نظر آ رہا ہے، جتنی بھی آخرت کی نعمتیں ہیں سب نظر آ رہی ہیں، اس لئے وہ دیکھ کر تمنا کرتا ہے کہ ہائے میرے والد صاحب میرے لئے دعا کر دیں، میری ماں میرے لئے یٰسین شریف بخش دے میرا بھائی میرے لئے صدقہ وخیرات کر کے ثواب بخش دے وہ ایسا بے چینی اور انتظار کے ساتھ اپنے بھائیوں کی دعاؤں اور استغفار اور ایصال ثواب کا منتظر ہوتا ہے جیسے کہ ڈوبنے والا زندگی کے سہارے ڈھونڈتا ہے۔

ایک بزرگ کا واقعہ

ایک بزرگ قبرستان سے گذر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ایک صاحب قبر کا حال ان پر منکشف فرما دیا اور ان کو میت قبر کے اندر بیٹھی ہوئی قرآن شریف کی تلاوت میں مشغول نظر آئی، انہوں نے میت سے پوچھا کہ ہم نے سنا تھا کہ قبر کے اندر عمل نہیں کرنا پڑتا، وہاں تو بس آرام ہی آرام ہے، مگر تمہیں دیکھ رہا ہوں کہ تم عمل کے اندر مشغول ہو، اس میت نے کہا کہ یہاں عمل کرنے کی کوئی تاکید نہیں اور حکم نہیں لیکن یہاں پر ایک معمول ہے کہ جب کوئی شخص منکر نکیر کے سوالوں کا جواب دے کر کامیاب ہو جاتا ہے، اور

عذاب قبر سے محفوظ ہو جاتا ہے، تو اس سے یہ پوچھا جاتا ہے کہ قیامت تک تمہیں قبر کے اندر انتظار کرنا ہے۔ جب تک دنیا آباد ہے اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی، جب دنیا ختم ہوگی تو قیامت آئے گی، قیامت کے بعد حساب وکتاب ہوگا، حساب وکتاب کے بعد جنّت یا جہنم میں جاؤ گے، اب تم قبر میں کب تک انتظار کرو گے لہٰذا تمہارا کوئی مشغلہ ہونا چاہئے تاکہ تم اس میں مشغول رہو، اور تمہارا وقت آسانی کے ساتھ گذر جائے، لہٰذا ہر ایک سے یہ پوچھا جاتا ہے کہ تم اپنا پسندیدہ کام بتلادو اگر وہ تمہارے حسب حال ہوگا تو تمہیں اس کی اجازت دے دی جائے گی، چنانچہ جب میں اللہ کے فضل وکرم سے اپنے سوال وجواب میں کامیاب ہوگیا اور عذاب قبر سے نجات پائی اور قبر کی پرسکون زندگی پائی، تو مجھ سے بھی پوچھا گیا کہ تم کونسا کام کرنا پسند کرو گے، تاکہ تم اس میں لگے رہو، میں دنیا کے اندر قرآن شریف کا حافظ تھا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے دنیا کے اندر قرآن شریف پڑھنے کا بہت ہی شوق عطا فرمایا تھا، میں دنیا کے اندر قرآن شریف کی تلاوت میں منہمک رہتا تھا، اور اللہ تعالیٰ نے اس کا مجھے بہت ہی ذوق عطا فرمایا تھا، اس لئے میں نے کہا کہ مجھے قرآن شریف پڑھنے کی اجازت مل جائے تو عنایت ہوگی، چنانچہ مجھے اس کی اجازت دے دی گئی، لہٰذا میں رات دن قرآن شریف کی تلاوت کرتا رہتا ہوں اور یہاں پر نہ نیند ہے نہ اونگ ہے نہ بھوک ہے نہ پیاس ہے، نہ کمزوری ہے نہ بیماری ہے، اس لئے کہ یہ تو سارے جسم کے لوازمات تھے اور وہ دنیا میں رہ گیا، یہ تو عالم برزخ ہے اور عالم برزخ میں روح ہوتی ہے اور روح کو نہ بھوک لگتی ہے نہ پیاس لگتی ہے نہ کمزوری ہوتی ہے نہ بیماری، بس رات دن قرآن

شریف کی تلاوت میں مشغول رہتا ہوں۔

ایک سبحان اللہ کی قیمت

جب سے میں اس قبر میں آیا ہوں، اس وقت سے اب تک میں نے ستر ہزار قرآن شریف ختم کر لئے ہیں، وہ ستر ہزار قرآن شریف میں تمہیں دیتا ہوں تم ایک "سبحان اللہ" کا ثواب مجھے بخش دو، میں نے کہا کہ ارے بھائی! کیوں ستر ہزار تم مجھے دے رہے ہو اور ایک سبحان اللہ کا ثواب لے رہے ہو، آخر ان دونوں میں نسبت ہی کیا ہے، ایک کے بدلہ میں دس ہوتے یا سو ہوتے تو کوئی بات تھی، اس نے کہا نہیں پہلے تم مجھے ایک سبحان اللہ بخش دو پھر میں تمہیں بتاؤں گا، تو ان بزرگ نے کہا کہ پہلے تم بتلاؤ پھر میں تمہیں دونگا، دنیا میں تو ستر تو کیا سات بھی دینے کے لئے کوئی تیار نہیں ہے، ایک سبحان اللہ کے بدلہ میں ایک قرآن شریف بھی نہیں دیگا، اور تم ستر ہزار قرآن شریف دے رہے ہو، اس نے جواب دیا کہ بات دراصل یہ ہے کہ یہاں قرآن کریم کی تلاوت کا کوئی ثواب نہیں، اس لئے کہ یہ دارالجزاء ہے دارالعمل نہیں، یہاں ستر ہزار تو کیا ستر لاکھ کا بھی ثواب نہیں ہے، لیکن جہاں تم ہو وہاں سبحان اللہ کہنے سے الحمد للہ کہنے سے اتنا ثواب ہے کہ میزان عمل کا آدھا پلڑا بھر جاتا ہے، اور وہ میزان عمل کوئی چھوٹی ترازو نہیں ہے بلکہ ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں اس میں رکھ دیں تو وہ اس کے اندر سما جائیں گے۔ میرے ستر ہزار کا کوئی ثواب نہیں تمہارے سبحان اللہ کا اتنا ثواب ہے، اس لئے میں کہہ رہا ہوں کہ ستر ہزار تم لے لو ایک سبحان اللہ مجھے دے دو۔

یہ زندگی قیمتی ہے

اس وقت ہم زمین کے اوپر ہیں اور ہم ابھی سبحان اللہ کہہ سکتے ہیں جو کہ وہ میت ستر ہزار قرآن کریم کے بدلے مانگ رہی تھی، ہم الحمد للہ کہہ سکتے ہیں اللہ اکبر کہہ سکتے ہیں لا الہ الا اللہ کہہ سکتے ہیں، تو یہ دنیا کی زندگی کتنی قیمتی ہے اس میت نے ستر ہزار قرآن شریف ختم کر لئے اس کا تو کوئی ثواب نہیں اور دنیا میں رہنے والا ایک مرتبہ سبحان اللہ کہتا ہے تو اس کا اتنا بڑا ثواب ہے، ہماری زندگی اتنی قیمتی ہے، چھوٹے چھوٹے اعمال پر اللہ تعالیٰ کے رسول نے ایسے ایسے ثواب بیان فرمائے ہیں کہ ان کو پڑھ کر عقل حیران رہ جاتی ہے۔

"سبحان اللہ وبحمدہ" کا ثواب

ایک حدیث میں ہے کہ اگر کوئی آدمی صرف سبحان اللہ وبحمدہ سو (۱۰۰) مرتبہ پڑھے، تو اس کا آخرت میں اتنا بے حساب اجر وثواب ہوگا کہ کسی کا بھی اتنا ثواب نہ ہوگا، سوائے اس شخص کے کہ اس نے بھی یہی کلمہ اتنی مرتبہ پڑھا ہو یا اس سے زیادہ پڑھا ہو، لہٰذا اگر اس کے ساتھ "سُبْحَانَ اللہِ الْعَظِیْمِ" بھی ملا لیا جائے تو اس کا اور بھی زیادہ ثواب ہو جاتا ہے، جتنے کلمات بڑھیں گے اتنا ثواب بھی بڑھتا چلا جاتا ہے۔

درود شریف کا ثواب

ایک کتاب ہے "درود وسلام کا حسین مجموعہ" اس میں ایک چھوٹا سا درود

ہے، وہ یہ "اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ اَفْضَلَ صَلٰوتِکَ" اس کتاب میں یہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ یہ درود شریف پڑھنا دس ہزار مرتبہ درود شریف پڑھنے کے برابر ہے، اور اگر کوئی شخص دس مرتبہ یہ درود شریف پڑھ لے تو ایک لاکھ مرتبہ درود شریف پڑھنے کے برابر ہوگیا، اب روزانہ کون ایک لاکھ مرتبہ درود شریف پڑھ سکتا ہے۔ ایک لاکھ تو درکنار، دس ہزار مرتبہ پڑھنا بھی آسان کام نہیں ہے، لیکن یہ درود شریف پڑھنا سب کے لئے آسان ہے، مصروف سے مصروف آدمی بھی ہر نماز کے بعد دس مرتبہ بآسانی پڑھ سکتا ہے، نماز پڑھنے کے لئے آرہے ہیں تو راستے ہی میں پڑھ لیں، مسجد میں آنے کے بعد مسجد میں بیٹھ کر پڑھ لیں، نماز کے بعد جب تسبیحات پڑھتے ہیں ان کے بعد دس مرتبہ پڑھ لیں، تو روزانہ جب دس مرتبہ پڑھے گا تو ایک نماز میں ایک لاکھ مرتبہ ثواب ہو جائے گا، اور دن میں جب پچاس مرتبہ پڑھے گا تو پانچ لاکھ مرتبہ درود شریف پڑھنے کا ثواب ہو جائے گا، اللہ پاک نے کیسے اپنی رحمت برسا رکھی ہے، آخرت چونکہ بے انتہا ہے اس لئے اجر وثواب بھی بے انتہاء ہے، تو جب بندے آخرت کی زندگی میں پہنچیں گے تو جیسے وہ آخرت کی زندگی لامتناہی ہے تو اس کے لئے اجر وثواب بھی بے انتہا ہے۔ اللہ نے اجر وثواب کے دروازے کھولے ہوئے ہیں۔

ایک عجیب بابرکت کلمہ

ایک اور کلمہ بڑا ہی عجیب وغریب ہے وہ یہ ہے کہ: "لَآ اِلٰـــــهَ اِلَّا اللہ وحده لا شریک له احداً صمداً لم یلد ولم یولد ولم یکن له کفواً

احد" اس دعا میں آدھا تو قل ھو اللہ ہی ہے "لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ" یہ تو ہر مسلمان کو یاد ہوتا ہے، اس سے آگے دو جملے ہیں اَحَداً صَمَداً اس سے آگے قل ھو اللہ ہے لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفواً احد۔ لیکن اس کلمہ کی فضیلت یہ ہے کہ اگر کوئی ایک مرتبہ پڑھے تو اس کو بیس لاکھ نیکیاں ملتی ہیں، اگر پانچ مرتبہ پڑھ لیں تو ایک کروڑ نیکیاں ہونگیں، دس مرتبہ پڑھ لیں تو دو کروڑ ہوگئیں، اب بتلایئے ہر نماز سے پہلے یا بعد میں دس مرتبہ یہ چھوٹا سا کلمہ پڑھنا کیا مشکل کام ہے، اور اس سے اندازہ لگائیں کہ ہماری یہ زندگی کتنی قیمتی ہے، اس میں آخرت کے لئے کیا کیا کما سکتے ہیں، لیکن ہم لوگ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں، لایعنی کاموں کے اندر مشغول ہیں۔

کاموں کی تین قسمیں

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: انسان کے جتنے بھی کام ہیں وہ تین قسموں پر مشتمل ہیں (۱) یا تو وہ کام ایسا ہے کہ جس کے اندر دین یا دنیا کا کوئی فائدہ ہے یعنی دنیا کا کوئی جائز فائدہ حاصل ہے یا دین کا اور آخرت کا فائدہ ہے، مثلاً اس میں اللہ کی رضا ہے مغفرت ہے بخشش ہے، یہ سارے فضائل ہیں اور نفع ہے آخرت کا، اور ان کے ساتھ دنیا کا بھی نفع ہوتا ہے کہ آدمی کو سکون ملتا ہے چین ملتا ہے، آرام ملتا ہے، عزت ملتی ہے راحت ملتی ہے حیاتِ طیبہ نصیب ہوتی ہے، یہ دنیا کے فوائد ہو گئے۔

(۲) دوسرے وہ کام ہیں کہ جن کے اندر یا تو آخرت کا کوئی نقصان ہے یا دنیا کا کوئی نقصان ہے، مثلاً دین کا یہ نقصان ہے کہ وہ گناہ ہے چاہے کبیرہ ہو یا صغیرہ ہو، چاہے ہاتھ کا گناہ ہو، چاہے آنکھ کا گناہ ہو، چاہے کان کا

گناہ ہو، چاہے دل کا گناہ ہو، چاہے پیسے کا گناہ ہو یا عہدہ و منصب کا گناہ ہو، اور دنیا کا نقصان یہ ہے کہ اس میں خسارہ ہے، بے عزتی ہے انسان کی بے حرمتی ہوتی ہے وقار گرتا ہے، یہ نقصانات دنیا کے ہو گئے، مالی نقصان ہو یا جانی نقصان ہو یا عزت جاتی رہی یا اور کوئی دنیاوی نقصان پہنچ گیا۔

(۳) اور تیسری قسم کاموں کی وہ ہے کہ جس میں نہ نفع ہے نہ نقصان ہے، نہ دین کا کوئی فائدہ ہے، نہ آخرت کا کوئی فائدہ ہے، نہ دین کا کوئی نقصان ہے، نہ دنیا کا کوئی نقصان ہے، مثلاً وہ بے فائدہ لایعنی کام ہے۔

اب جس کام میں دنیا یا آخرت کا کوئی فائدہ ہے وہ تو کارآمد ہوا، اسے تو چاہئے کہ انسان اختیار کرے، اور اپنی چوبیس گھنٹے کی زندگی کو ایسے ہی کاموں کے لئے وقف کردے، اور صبح سے شام تک ایسے کاموں کو اختیار کرے کہ جن میں یا تو دنیا کا حلال یا جائز نفع ہو، یا آخرت کا کوئی اجر وثواب من جانب اللہ مقرر ہو، تاکہ اس کے کرنے سے آخرت کا اجر وثواب یا دنیا کا کوئی حلال و جائز فائدہ نصیب ہوجائے، وہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، وہ نافع اور مفید ہے، اور جتنے وہ کام ہیں کہ جن میں دنیا یا آخرت کا کوئی نقصان ہے اس میں کوئی عذاب ہے، وبال ہے وہ گناہ ہیں نافرمانیاں ہیں جن پر دنیا میں بھی طرح طرح کے عذاب اور وبال اترتے ہیں، اور آخرت میں بھی ان پر عذاب ہے تو ایسے کاموں سے اپنے آپ کو بچائیں۔

رہے وہ کام جن میں نہ نقصان نہ نفع نہ نیکی نہ بدی نہ اجر وثواب نہ کوئی نقصان تو حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ جو تیسری قسم کے کام ہیں اگر آدمی غور کرے تو یہ بھی نقصان دہ ہے اس لئے کہ جتنا وقت اس نے اس

بے کار اور لایعنی کام میں گزار دیا اگر کار آمد میں گزارتا تو نہ جانے کتنا فائدہ حاصل کرتا۔

تین کاموں کی مثال۔ایک واقعہ

اس کی ایک بڑی ہی اچھی مثال بیان فرمائی ہے کہ ایک آدمی جو بہت ہی غریب محتاج یتیم اور مفلوج خستہ حالت ہے، فقر و فاقہ سے عاجز آ گیا ہے، وہ اتفاق سے ایک جزیرہ میں پہنچ جاتا ہے وہاں سونے کا ایک پہاڑ ہوتا ہے، اور پہاڑ کا مالک اس سے کہتا ہے کہ تم بہت غریب آدمی ہو اور فقر و فاقہ سے عاجز آ گئے ہو، مجھ سے تمہاری حالت دیکھی نہیں جاتی' اس لئے تم جتنا سونا اس پہاڑ میں سے نکالو گے وہ تمہاری ملکیت ہوگا، میری طرف سے تمہیں اجازت ہے، اور دیکھو جس وقت میں مناسب سمجھوں گا تمہیں لینے سے منع کروں گا لیکن میں یہ نہیں بتاتا کہ کس وقت منع کروں گا اور جب تک میں منع نہ کروں تم جتنا چاہے سونا لے سکتے ہو، اور جب منع کروں گا تو ایک رتی اس میں سے لینے کی اجازت نہ ہوگی، اور تم لینا بھی چاہو گے تو نہیں لے سکو گے، اور پھر اگر تم اس جزیرے سے نہ بھی جانا چاہو گے تو زبردستی تمہیں نکلوا دوں گا۔

عقل مندی کا تقاضا

ظاہر ہے کہ عقل مندی کا کام یہ ہے کہ وہ اپنا ایک لحہ بھی غفلت میں نہ گزارے، اس لئے کہ وہ تو جانتا ہے کہ میں تو ایسے ایسے فقر و فاقہ میں رات دن گزار کر آیا ہوں' لہٰذا وہ تو رات دن سونا کھودنے ہی میں لگا رہے گا، یہ سمجھے گا یہ تو بڑا قیمتی وقت ہے اسمیں جتنا زیادہ سے زیادہ ہو سکے سونا نکال لوں۔

اور اگر کوئی شخص اس سے یہ کہے گا کہ یہ جزیرہ تو بڑا عمدہ ہے چلو تفریح کرتے ہیں تو یہ جواب دیگا چھوڑو تفریح کو میں تو سونا نکالوں گا تمہیں تفریح مبارک، اس کو تو جتنا بھی وقت ملے گا اوزار لے کر کے سونا کھود کر کے اپنی بوری میں جمع کریگا اور یہ سوچے گا کہ یہ سونا کیسے لے کر کے جاؤں گا رات دن اسی فکر میں رہے گا، اور اس میں تو اسی کا فائدہ ہے جتنا سونا لے جائے گا اتنا ہی فائدہ ہوگا اس کی نسلیں بیچ کر کے کھائیں گی، لیکن اگر وہ فقیر اس مالک کی یہ بات سن کر اس جزیرے کی سیر و تفریح میں لگ جائے اور سونے کو ہاتھ نہ لگائے تو بظاہر اس میں بھی اس کا کوئی نقصان نہیں ہے، لیکن حقیقت میں کتنا بڑا نقصان ہے، کہ اس کو اس میں سے کتنا سونا با آسانی مل سکتا تھا لیکن اس نے حاصل نہ کیا اور جب مالک نے کہا کہ نکلو یہاں سے جتنا لے لیا بس لے لیا، اب مزید لینے کی اجازت نہیں، اب اگر وہ چاہے کہ لاؤ میں جلدی سے کچھ اور لے لوں تو نہیں لے سکے گا۔ تو یہی بے فائدہ کاموں کی مشغولیت ہے تو دنیا میں آئے تھے اس لئے تاکہ آخرت کا سونا حاصل کرتے، یا دنیا کا کوئی جائز فائدہ حاصل کرتے سونا نہ سہی چاندی ہی سہی، تو چاندی بھی مفید سونا اور ڈالر بھی مفید، تو جتنا بھی حاصل کرتے فائدہ ہوتا، لیکن اللہ بچائے جس نے یہاں آ کر کے اپنے اوقات بجائے سونا حاصل کرنے کے فضول اور لایعنی کاموں میں گزار دیے تو ایسا ہی ہے جیسے کہ اس کو سونے کا پہاڑ ملا لیکن اس نے ایک رتی بھی حاصل نہ کیا۔

ہماری حالت

آج ہمارے معاشرے کے اندر اپنے اوقات کو گنوانے کے اتنے مشغلے

پھیل چکے ہیں، اور اتنے کام ہمارے لایعنی اور فضول ہو گئے ہیں کہ جن کے اندر ہماری زندگی کے قیمتی اوقات ضائع ہو رہے ہیں، گناہوں کی باتوں کو تو بیان ہی نہیں کر رہا ہوں اس لئے کہ گناہوں کی باتوں کی لمبی فہرست ہے ہمارا پورا معاشرہ گناہوں کی دل دل میں دھنسا ہوا ہے، ان میں دنیا کا بھی خسارہ اور آخرت کا بھی خسارہ اس سے تو بچنا ہر حال میں ضروری ہے، لیکن ان گناہوں کے علاوہ ایک طریل فہرست ہماری لایعنی کاموں کی ہے لایعنی باتوں کی ہے اور لایعنی مجلسوں کی ہے، اگر ہم آپس میں باتیں کرنا شروع کرتے ہیں تو گھنٹوں ادھر ادھر کی فضول باتوں میں اپنا وقت ضائع کر دیتے ہیں مرد حضرات بھی اس میں مبتلا ہیں خواتین بھی اس میں مبتلا ہیں، آپس میں جب بھی بیٹھیں گے چاہے وہ تقریبات ہو یا غیر تقریبات ہوں چاہے کاروباری مصروفیات ہوں چاہے تفریحی مصروفیات ہوں، جہاں کہیں بھی بیٹھیں گے، فضول باتوں میں لگ جاتے ہیں اگر کوئی ہماری باتوں کی ٹیپ لگا دے اور ہمیں نہ بتائے اور اس کے بعد جب ہم اس محفل سے اٹھیں اور وہ ہمیں وہ ہمارا ٹیپ سنا دے تو ہم خود ہی اندازہ لگا لیں گے کہ ایک ہزار باتوں کے اندر ایک بھی کام کی بات نہیں، بلکہ ہوسکتا ہے کہ اس میں سینکڑوں باتیں غیبت کی ہوں گی، برائی کی ہوں گی، گناہ کی ہوں گی، یا وہ باتیں ہوں گی کہ جن میں نہ دین کا کوئی فائدہ ہے اور نہ دنیا کا، لایعنی باتوں سے ہماری مجلسیں بھری ہوئی ہیں، اللہ تعالیٰ بچائے جہاں کہیں دو دوست بیٹھیں گے تو ایسی باتیں کریں گے کہ جن میں نہ دنیا کا کوئی فائدہ ہے اور نہ آخرت کا، ہمارا یہ فعل ایسا ہے جیسے کہ سونے کے پہاڑ کو گنوا دینا، یہ ایسے ہی بے دردی کے ساتھ

زندگی کے لمحات کو ضائع کرتا ہے جیسے کسی کو ہزاروں کروڑوں روپے کمانے کا موقع ملے اور وہ اسے فضول ضائع کردے۔

اپنے کو آراستہ کرنا

ان کاموں میں سے ایک کام عورتوں اور مردوں میں مشترک ہے البتہ عورتوں میں زیادہ پایا جاتا ہے، وہ ہے اپنے آپ کو فیشن کے طور پر آراستہ کرنا بقدر ضرورت اپنے آپ کو آراستہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن ہمیں اپنے آپ کو کسی تقریب میں سجانے کے لئے گھنٹوں درکار ہوتے ہیں، نہ جانے کتنے مرحلوں سے گذر کر خواتین اس قابل ہوتی ہیں کہ وہ کسی تقریب میں جاکر شامل ہوں، بیوٹی پارلر سے لیکر گھر تک اور گھر سے لے کر باہر تک یہ سارے مراحل مجھ سے زیادہ آپ جانتے ہیں، یہ فضول اور لایعنی ہے، ایسے ہی مرد حضرات بھی عورتوں کو دیکھ کر میک اپ کے عاشق ہوگئے لہٰذا وہ بھی جب کسی تقریب یا کسی شادی میں جائیں گے تو عورتوں سے کم ان کا بھی میک اپ نہیں ہوتا، وہ بھی آراستہ اور پیراستہ ہونے کیلئے کبھی یہ چیز لگا رہے اور کبھی وہ لگا رہے ہیں عورتوں سے وہ بھی پیچھے نہیں ہیں، گھنٹوں اس کام میں صرف ہوتے ہیں نہانے کے لئے بھی گھنٹوں چاہئیں اور پھر میک اپ کرنے میں اور کلف والے سوٹ پہننے میں گھنٹوں چاہئے اور پھر ایک آدمی رہنمائی کے لئے بھی چلتا ہے اور کہتا ہے اب پاؤں یوں رکھو اب یوں رکھو یہ سب فضول اور لایعنی چیزیں ہیں، اللہ بچائے۔

موت سے پہلے کچھ کرجاؤ

حضرت مجذوب صاحبؒ فرماتے ہیں ؎

حسن ظاہر پر اگر تو جائے گا
عالم فانی سے دھوکہ کھائے گا
یہ منقش سانپ ہے ڈس جائے گا
یاد رکھ ورنہ پچھتائے گا
ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جوکرنا ہے آخر موت ہے

اور ایک جگہ فرماتے ہیں۔

یہی تجھ کو دھن ہے رہوں سب سے بالا
ہو زینت نرالی، ہو فیشن نرالا
جیا کرتا ہے کیا یوں ہی مرنے والا
تجھے حسن ظاہر نے دھوکہ میں ڈالا
جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے معاشرہ میں ان فضول اور لایعنی کاموں کا ایک سلسلہ ہے، جن میں ہماری زندگی کے قیمتی لمحات اور اوقات ضائع ہوکر برباد ہو جاتے ہیں جن سے ہمیں بچنے کی ضرورت ہے۔

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شعر ہے وہ فرماتے ہیں:

یہ کہاں کا افسانہ ہے سود وزیاں
جو گیا سوگیا جو ملا سو ملا

کہو دل سے فرصت عمر ہے کم
جو دلا تو خداہی کی یاد دلا

لہٰذا وہ کام کرو جس سے خدا یاد آئے، وہ کام کرو جن میں دنیا و آخرت کا کوئی نفع ہو، ایسے کاموں سے بچو جن میں نہ دنیا کا کوئی نفع نہ آخرت کا کوئی فائدہ ہو۔

حضرت میاں جی نور محمدؒ کا واقعہ

حضرت میاں جی نور محمد رحمۃ اللہ علیہ جو کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ ہیں، اللہ پاک نے ان کا عجیب مزاج بنایا تھا، حضرت کا یہ مزاج تھا کہ اپنے سارے پیسے اپنی ایک تھیلی میں رکھتے تھے، اور جب کسی دوکاندار کے پاس کوئی چیز خریدنے کے لئے جاتے، تو خریدنے کے بعد اپنی تھیلی اس کے سامنے رکھ دیتے کہ جتنے تمہارے پیسے بنتے ہیں اتنے لے لو، وہ کہتا کہ حساب کرلو تو جواب دیتے کہ حساب کتاب کو چھوڑو، اتنی دیر میں کئی مرتبہ ''سبحان اللہ'' کہہ لوں گا جتنے دیر میں حساب کروں گا، تم اپنا حساب خود ہی لگالو، تو دکاندار بھی بڑی احتیاط سے جتنے پیسے بنتے اتنے پیسے گن کر کے لے لیتے تاکہ کوئی پیسہ زیادہ نہ آجائے اور باقی پیسے گن کر کے تھیلی میں ڈال دیتے اتنی دیر حضرت اللہ اللہ کرنے میں لگے رہتے۔

حافظ ابن حجرؒ کا ایک واقعہ

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے حافظ ابن حجرؒ کا ایک واقعہ سنایا تھا پرانے زمانہ میں قلم کاٹنے کا ہوتا تھا تو اس کو بار بار باریک

کرنا ہوتا تھا قط لگانا ہوتا تھا، تو قط لگانا یہ بھی عبادت کا حصہ ہوا لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا یہ حال تھا کہ جب کتاب لکھنے کے دوران وہ قلم سنوارتے اور اس کے اوپر قط لگاتے تو اس دوران ان کی زبان سے اللہ اللہ نکلتا رہتا تھا۔ یہ جو تھوڑا سا وقت قلم بنانے میں گذرتا تھا اس کو بھی ضائع نہیں ہونے دیتے تھے، کہ ہاتھ تو بیشک قلم بنانے میں مصروف ہے آنکھیں دیکھنے میں مصروف ہیں تو زبان اللہ کے ذکر میں کیوں نہ مشغول ہو، جن کو اللہ پاک عقل عطاء فرماتے ہیں آخرت کی فکر عطاء فرماتے ہیں۔ وہ اپنے لمحات زندگی کو اس طریقہ سے بچا بچا کر آخرت کے کاموں میں استعمال کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی توفیق عطاء فرمائیں۔ آمین

چار کام کرلیں

اب ہم اپنی زندگی کو کیسے آخرت کے کاموں کے لئے استعمال کریں؟ اس کے لئے چار کاموں کی ضرورت ہے، اس سے ہم فضول اور لایعنی کاموں سے بچیں گے اور زندگی کے لمحات دنیا کے جائز نفع اور آخرت کے اجر و ثواب کے لئے مشغول ہو جائیں گے، انشاء اللہ تعالیٰ۔

پہلا کام: گناہوں سے بچیں

(۱) سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ دنیا میں جتنے بھی ناجائز اور گناہ کے کام ہیں ان سے سچی توبہ کرلیں، اور آئندہ ان سے بچنے کا پکا عہد کرلیں اور

ہمت بھی کریں اور اللہ تعالیٰ سے توفیق بھی مانگیں۔

دوسرا کام: اللہ کی رضا کیلئے ہر کام کریں

(۲) دوسرے یہ کہ وہ کام، جن میں دین اور دنیا کا نفع ہے جن کو عبادت بھی کہہ سکتے ہیں جائز اور مباح بھی کہہ سکتے ہیں، اس کے اندر تو ہم صرف اللہ کے واسطہ کرنے کی نیت کرلیں صبح سے شام تک جتنے کام بھی ہم کریں گے ان کے اندر عبادتیں بھی آئیں گی، اور وہ کام بھی آئیں گے جن کے اندر دنیا کا حلال و جائز نفع ہے۔ ان کے اندر خالص اللہ کو راضی کرنے کی نیت کرلیں، تو سارے کے سارے کام ہو جائیں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ لہٰذا یہ نیت کرلیں جو کام بھی کریں وہ اللہ کی رضا کے لئے کریں۔

تیسرا کام: ذکر کی عادت

(۳) تیسرا کام یہ کریں کہ ہم رات دن اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرنے کے عادی بنیں یہ بہت بڑی دولت ہے اور یہی دولت حضرت حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کو نصیب تھی، کہ ہاتھ سے قلم بنارہے ہیں اور زبان اللہ اللہ کرنے میں مصروف ہے، جب کسی کو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کی عادت پڑ جاتی ہے، وہ لیٹے بھی بیٹھے بھی چلتے بھی پھرتے بھی آتے بھی جاتے بھی اس کی زبان اللہ کے ذکر میں مشغول ہو جاتی ہے، جب زبان مشغول ہو جاتی ہے پھر آہستہ آہستہ دل بھی اس کے ساتھ مشغول ہو جاتا ہے، اس طریقہ سے سر سے پیر تک وہ سراپا ذکر بن جاتا ہے، پھر وہ اس کا مصداق بن جاتا ہے جو حدیث

شریف میں آیا ہے "اَلَّذِیْنَ اِذَا رُؤُوْا ذُکِرَ اللّٰہُ" اللہ کے جو نیک بندے ہوتے ہیں انہیں دیکھنے سے اللہ یاد آتا جاتا ہے، جس کو اردو میں کہا کہ:

ذکر کیا ہم نے تیرا اتنا
قابل ذکر ہوگئے ہم بھی

تو ذکر اللہ کی کثرت وہ نعمت ہے وہ دولت ہے کہ جس کا اجر وثواب بھی بے انتہا ہے اور اس سے انسان کی زندگی کے لمحات اللہ کی یاد میں گذر سکتے ہیں۔

چوتھا کام: فضول کام چھوڑیں

(۴) اور چوتھا کام یہ کریں کہ جتنے بھی فضول اور لایعنی کام ہیں، فضول اور لایعنی بحثیں ہیں، اور فضول لایعنی مجلسیں ہیں، اور فضول ولایعنی پروگرام ہیں، ان سب سے اپنے آپ کو بچائیں، اور روزانہ ان چار کاموں پر عمل کرکے اپنی صبح سے شام تک کی زندگی کا جائزہ لیں؛ مثلاً یہ کہ میں نے صبح ارادہ کیا تھا کہ میں فرائض وواجبات ادا کروں گا گناہوں سے اپنے آپ کو بچاؤں گا، لایعنی کاموں سے پرہیز کروں گا کثرت سے ذکر اللہ کروں گا اور سارے کام اللہ کی رضا کے لئے کروں گا، اب میں نے دن کیسا گذارا، سونے سے پہلے پانچ منٹ نکال کر جائزہ لیں، اگر اس کے اندر کمی ہوگئی ہو تو اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر معافی مانگیں ابھی تو اس کی تلافی بہت آسان ہے، مرنے کے بعد بہت مشکل ہوگی، کیا معلوم کل ہمیں نصیب بھی ہو یا نہ ہو، اس لئے صبح سے شام تک جو نقصان ہوگیا اور اب تک پچھلی زندگی میں جو نقصان ہوگیا سب کی تلافی سونے سے پہلے کرلیں اور پھر دعا کریں کہ یا اللہ

اگلا دن مجھ کو عطاء فرما تاکہ اگلا دن بھی میرا آپ کی ہی رضا کے مطابق گذرے آپ کی اتباع آپ کی فرمانبرداری میں گذرے۔ بس روزانہ یہ عمل کرتے رہیں انشاء اللہ کامیاب ہوجائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان سب باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین.

مثنوی کی سبق آموز حکایت

۹

حضرت مولانا مفتی عبد الرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ترتیب
محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مثنوی کی سبق آموز حکایت

الحمدلله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سئيات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له، ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له ونشهد ان سيدنا ونبينا ومولانا محمدًا عبده ورسوله صلى الله تعالىٰ عليه وعلى آله واصحابه وبارك وسلم تسليماً كثيراً كثيرا، اما بعد:فأعوذ بالله من الشيطٰن الرجيم بسم الله الرحمٰن الرحيم يا يها الذين منوا اتقوا الله وكونوا مع الصّدقين (سورة توبہ: ۱۱۹)

تین کتابیں

میرے قابل احترام بزرگو!

اس وقت حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ملفوظ میرے ذہن میں آیا ہے۔ حضرت کا ارشاد یہ ہے کہ تین کتابیں بڑی عظیم اور بہت ہی محبوب اور پسندیدہ ہیں (۱) ایک قرآن کریم (۲) دوسری بخاری شریف۔ (۳) تیسری مثنوی شریف۔

مولانا جلال الدین رومیؒ اور ان کی مثنوی شریف

"مثنوی شریف" حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی "الہامی کتاب" ہے، اللہ پاک نے ان کے سینے میں عشق و محبت کی ایک شمع روشن فرمائی تھی، اور اس کے نتیجے میں اللہ پاک نے ان کے قلب پر تقریباً ساڑھے اٹھائیس

(۲۸۵۰۰) ہزار اشعار القاء فرمائے، جن سے مثنوی شریف مرتب فرمائی۔ اس مثنوی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ؎

ہست قرآن در زبانِ پہلوی

کہ مثنوی شریف فارسی زبان میں قرآن کریم ہے۔

مثنوی میں مضامین قرآن کی جھلک

جس طرح قرآن کریم عربی میں ہے، بس اسی کی جھلک مثنوی شریف کے اندر بھی ہے۔ اور قرآن کریم کا جو انداز بیان ہے وہ تقریباً ہر مسلمان جانتا ہے کہ اس میں حق تعالیٰ جل شانہ نے دین کی باتوں کو مختلف واقعات کی روشنی میں سمجھایا ہے اور دل نشین مثالوں سے ذہن نشین فرمایا ہے، چنانچہ اس میں واقعات بھی ہیں، حکایات بھی ہیں، قصے بھی ہیں، پچھلی امتوں کے حالات بھی ہیں، اور عجیب عجیب مثالیں بھی ہیں جن سے حق تعالیٰ شانہ اپنے احکام اور اپنی ہدایات کو لوگوں کے دلوں میں اتارتے ہیں۔ اسی طرح مثنوی شریف میں بھی حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی انداز اختیار فرمایا ہے۔ مثنوی شریف میں وہی قرآن کریم کی باتیں ہیں اور وہی تعلیمات اور ہدایات ہیں جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے، لیکن ان کا انداز مثال دے کر سمجھانے کا ہے، اور واقعات بیان کر کے پھر ان واقعات کی روشنی میں نصیحتیں فرمانے کا ہے۔ آپ نے یہ انداز اس لئے اختیار فرمایا کہ واقعات کے ذریعے، حکایات کے ذریعے، تمثیلات کے ذریعے جو بات بتائی اور سمجھائی جاتی ہے وہ بہت زیادہ آسانی سے ذہن میں بیٹھ جاتی ہے۔ اور مثالوں کے ذریعے کوئی بات سمجھانا یہ بھی ایک فن ہے اور اللہ تعالیٰ کی ایک خاص نعمت ہے جو کسی کسی کو اللہ پاک عطا فرماتے ہیں۔

فن تمثیل میں دو نمایاں حضرات علماء

ہمارے اکابر میں اللہ تعالیٰ نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ تمثیل کا فن ایسا عطا فرمایا تھا کہ مشکل سے مشکل بات کو بھی ایک ذرا سی مثال سے دل نشین کر دیا کرتے تھے، اسی طرح حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اللہ پاک نے تمثیل کا فن بہت عطاء فرمایا تھا۔

مثنوی شریف کا تعارف

اس لئے مثنوی شریف کے اندر آپ کو واقعات، حکایات، قصے اور مثالیں ملیں گی، اور ان واقعات اور مثالوں میں سے کچھ واقعات فرضی بھی ہو سکتے ہیں، کیونکہ ان کا اصل مقصد تو دین کی بات کو ذہن نشین کرانا ہے اور اس پر عمل کی دعوت دینا ہے، اب اس کے لئے کوئی بھی انداز اختیار کر لیا جائے۔ ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کچھ واقعات سچ مچ پیش آئے ہوں، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بات کو سمجھانے کے لئے کچھ واقعات بنا لئے گئے ہو۔

بہر حال، مثنوی شریف میں مولانا یہ واقعات اور حکایات اور تمثیلات جگہ جگہ لے کر آئے ہیں اور پھر ان واقعات کے ذیل میں حضرت نے ایسی گرانقدر نصیحتیں فرمائی ہیں کہ ان واقعات کو سمجھنے اور ذہن نشین کرنے کے بعد پھر ان نصیحتوں کا سمجھنا اتنا آسان ہو جاتا ہے کہ بس پھر عمل کرنے ہی کو جی چاہتا ہے۔

تصوف کے چاروں سلسلوں میں مثنوی کا مقام

اس لئے جب سے اللہ پاک نے اس دنیا میں مثنوی شریف کو حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ مرتب فرمایا ہے، اس وقت سے لے کر آج تک طریقت اور تصوف کے تمام سلسلوں میں اس کو ایک خاص مقام حاصل

ہے، اور صوفیاء کرام اور اولیاء عظام اور جو لوگ طریقت میں قدم رکھنے والے اور تربیت حاصل کرنے والے اور تربیت دینے والے ہیں، ان کے ہاں مثنوی شریف کی خاص اہمیت ہے۔ ہمارے اکابر نے بھی اس سے بہت ہی زیادہ لگاؤ رکھا اور آج تک رکھا ہوا ہے، حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں تو باقاعدہ اس کا درس ہوا کرتا تھا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اردو میں اس کی شرح لکھی جو تقریباً بائیس (۲۲) یا چوبیس (۲۴) جلدوں میں چھپی ہوئی ہے اور بھی دوسرے علماء نے اس کی شرحیں لکھی ہیں۔

اردو میں مثنوی کا جامع انتخاب

موجودہ دور میں ہمارے حضرت حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم نے مثنوی شریف کا ایک بہت ہی مختصر اور جامع انتخاب اردو میں فرمایا ہے جس کا نام "معارف مثنوی" ہے۔ یہ کتاب بھی بہت پیاری ہے اور پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے، عام آدمی بھی اس کو پڑھ کر مثنوی شریف کے علوم و معارف سے آگاہ ہو سکتا ہے، اور اس کو پڑھ کر دل کے اندر واقعی آخرت کی فکر اور دنیا سے بے رغبتی پیدا ہوتی ہے۔ یہ معارف مثنوی ایک جلد میں ہے، ہم لوگ اس کو ہی پڑھ لیں تو بہت غنیمت ہے، یہ پڑھنے کی کتاب ہے۔

قصہ محمود غزنوی اور سبق آموز حکایت

مثنوی شریف میں حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک عجیب و غریب واقعہ تحریر فرمایا ہے اور پھر اس کے ذیل میں نصیحتیں فرمائی ہیں۔ آج اسی کو سنانے کے لئے جی چاہتا ہے! لکھا ہے کہ ایک مرتبہ سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ رات کو اپنے شاہی محل

میں شاہی لباس اتار کر عامیانہ لباس پہن کر محل کے خفیہ راستہ سے باہر تشریف لائے، اور ارادہ یہ تھا کہ ایک عامیانہ لباس پہن کر شہر اور شہر کے گرد و نواح میں جاکر اپنی رعایا کے حالات معلوم کروں کہ وہ کس حال میں ہیں؟ آرام سے سو رہے ہیں یا تکلیف میں ہیں۔

ہر فرد مسلم کی ذمہ داری

اور یہ ہر شخص کی ذمہ داری ہے، چاہے وہ بادشاہ مملکت ہو یا اپنے گھر کا بادشاہ ہو کہ اپنی اولاد اور اپنے ماتحتوں کا خیال رکھے، ان کا دھیان رکھے کہ وہ آرام سے ہیں، راحت سے ہیں، تکلیف میں تو نہیں ہیں۔ اگر وہ تکلیف میں ہیں تو ان کی تکلیف دور کرنے کی کوشش کرے، اور ان کی نگرانی کرے کہ وہ کسی غلط راہ پر تو نہیں جارہے ہیں۔ یہ ہم میں سے ہر ایک کی ذمہ داری ہے جس کی جواب دہی کل قیامت کے روز ہر ایک نے کرنی ہے، جس کے دل میں خوف خدا ہوتا ہے وہ اس ذمہ داری کو ضرور پورا کرتا ہے۔

اندھیری رات کا چشم دید واقعہ

اسی ذمہ داری کو ادا کرنے کے لئے سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ شاہی محل سے باہر آئے اور گشت کرنے لگے۔ اندھیری رات تھی، کچھ دور گئے تو دیکھا کہ ایک جگہ شہر کے باہر کچھ لوگ بیٹھے ہوئے آپس میں باتیں کر رہے ہیں، تو سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ یہ دیکھنے کے لئے کہ یہ کون لوگ ہیں اور کیا باتیں کر رہے ہیں، ان کے قریب جاکر بیٹھ گئے۔ کیونکہ رات اندھیری تھی، جو لوگ بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے سمجھا کہ ہمارا کوئی ساتھی ہے جس کی وجہ سے ہمارے ساتھ آکر بیٹھا ہے، ان کے آنے پر کوئی خاص توجہ نہ دی، اندھیرے کی وجہ سے ایک دوسرے کو زیادہ نظر بھی نہیں آرہا تھا، اس لئے پہچان بھی نہ سکے کہ

یہ کون ہے؟! اجنبی ہے یا اپنا ہی کوئی ساتھی ہے، جیسے ہی بیٹھے تو انہوں نے آپس میں گفتگو شروع کی اور انہوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ:

مجرمانہ ہنر یا چوروں کا کمال فن

بھائی آج ہمیں ایک جگہ چوری کرنی ہے تو چوری کرنے سے پہلے مناسب یہ ہے کہ ہم میں سے ہر آدمی اپنی صلاحیت اور اپنی قابلیت بیان کر دے اور اپنا کمال اور اپنا ہنر ظاہر کر دے تاکہ وہی خدمت اس کے سپرد کر دی جائے اور اسی کے مطابق پھر منصوبہ بنایا جائے۔

ان میں سے ایک چور نے کہا کہ میرے اندر تو یہ کمال ہے کہ اگر کتا بھونکتا ہے تو میں اس کی بولی سمجھ کر میں بتا دیتا ہوں کہ یہ اپنی بولی میں کیا کہہ رہا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ چوروں کو سب سے زیادہ کتوں سے واسطہ پڑتا ہے، اس لئے سب خاموش ہو گئے کہ چلو بھئی ٹھیک ہے اس کی بھی ضرورت پیش آسکتی ہے۔

دوسرے چور نے کہا کہ میرے اندر یہ خاصیت ہے کہ مٹی سونگھ کر بتا دیتا ہوں کہ خزانہ کہاں مدفون ہے، کھودنے کی ضرورت نہیں، جہاں شبہ ہو وہاں کی مٹی میں سونگھ لیتا ہوں اور سونگھ کر مجھے معلوم ہو جاتا ہے کہ سونا کہاں دفن ہے چاندی کہاں دفن ہے۔

تیسرے نے کہا کہ میرے اندر یہ کمال ہے کہ میں رات کی تاریکی میں اگر کسی کو دیکھ لوں تو دن کو بھی بے شک وشبہ اس کو پہچان لیتا ہوں۔ دن میں پہچان لینے میں مجھے کوئی تردد اور تأمل نہیں ہوتا، اس قدر میری آنکھوں میں پہچاننے کی صلاحیت ہے۔

چوتھے نے کہا کہ میرے بازوؤں میں اتنی طاقت ہے کہ میں مضبوط سے مضبوط دیوار میں نقب لگا لیتا ہوں، یعنی اس میں سوراخ کر کے اندر چلا جاتا ہوں، چاہے سنگ مرمر کی دیوار ہو اور چاہے پکی اینٹوں کی دیوار ہو۔

پانچویں نے کہا کہ میرے بازوؤں میں اتنی قوت ہے کہ کتنا ہی اونچا محل ہو، کتنی ہی اونچی عمارت ہو، میں رسّہ پھینک کر اس عمارت کے کنگرے میں اس کو پھنسا کر اندر اتر جاتا ہوں، میرے اندر یہ خوبی اور یہ کمال ہے۔

چھٹا سلطان محمود غزنوی کا کمال

پھر ان سب نے محمود غزنوی سے پوچھا، وہ سمجھ رہے تھے کہ یہ بھی ہمارا کوئی ساتھی ہے جو یہاں بیٹھا ہوا ہے، ان سے دریافت کیا کہ جناب آپ کے اندر کیا کمال ہے اور آپ میں کیا خوبی پائی جاتی ہے؟ تو سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میری ڈاڑھی کے اندر یہ خاصیت ہے کہ جس وقت مجرموں کو پھانسی کے لئے تختہ دار پر لے جایا جارہا ہو اگر عین اس وقت میری ڈاڑھی ہل جائے تو فوراً وہ مجرم اس سزا سے بری ہو جاتے ہیں اور فوراً ان کی وہ سزا معاف ہو جاتی ہے اور وہ موت کے منہ سے نکل جاتے ہیں۔

جب انہوں نے یہ سنا تو سارے کے سارے اچھل پڑے اور کہنے لگے کہ آپ تو ہمارے سردار ہیں اور آپ تو ہمارے قطب ہیں، اس لئے کہ آپ کے پاس جو کمال ہے وہ ہم میں سے کسی کے پاس نہیں، کیونکہ ہم میں سے ہر ایک کے پاس جو بھی ہے اس سے چوری کی تکمیل تو ہوتی ہے لیکن اگر پکڑے گئے تو نجات کا ہنر ہم میں سے کسی کے پاس بھی نہیں، یہ آپ کے پاس ہے، لہٰذا سب سے بڑا جو خطرہ تھا جس کا علاج ہم میں سے کسی کے پاس بھی نہ تھا وہ آپ کے پاس ہے، اب تو گھبرانے کی ضرورت ہی نہیں۔

اس ہنر اور کمال کو مولانا رومیؒ نے اپنے شعر میں بڑے عجیب انداز میں بیان فرمایا ہے، فرمایا کہ: ؎

مجرماں راچوں بجلا داں دہند
چوں بجنبد ریش من ایشاں ہند

کہ جب مجرموں کو پھانسی دینے کے لئے جلادوں کے حوالے کیا جاتا ہو اس وقت اگر میری داڑھی ہل جائے تو وہ فوراً رہا ہو جاتے ہیں اور ان کو نجات مل جاتی ہے۔ یہ سن کر وہ سب لوگوں نے ان سے جو کچھ کہا اس کو مولانا اپنے اشعار میں فرماتے ہیں ؎

قوم گفتندش کہ قطب ما توئی
روز محنت ہا خلاص ما توئی

ان سب چوروں نے کہا کہ ہمارے قطب تو آپ ہیں اور مصیبت کے وقت رہائی اور نجات پانا تو تمہارے ذریعہ ہے۔

لہٰذا اب تو ہمیں بالکل بے خوف وخطر ہو کر چھوٹی موٹی چوری نہیں بلکہ کچھ بہت بڑا کام کرنا چاہئے، کیونکہ اب تو ہر طرح کا خطرہ بھی ٹل گیا اور سارے اپنے فن کے ماہر جمع ہو گئے۔

شاہی خزانے سے مالا مال ہونے کا خواب

لہٰذا انہوں نے کہا کہ اب ایسا کرتے ہیں کہ سلطان محمود غزنوی کے محل میں چوری کرنے چلتے ہیں اور شاہی خزانہ لوٹتے ہیں تاکہ بس ایک ہی مرتبہ خزانہ ہاتھ آجائے اور پشتہا پشت کے لئے کے لئے فراغت ہو جائے۔ یہ کہہ کر وہ سب کے سب سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے محل کی طرف چوری کرنے کے ارادہ سے چلے، اب راستے میں کتے بھونکنے شروع ہو گئے، شاہی محل کے شکاری اور شاہی کتوں نے جیسے ہی محل کی طرف اجنبی لوگوں کی آہٹ سنی تو وہ زور زور سے بھونکنے لگے، تو کسی نے اس چور سے کہا جس نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ میں کتوں کی بولی کو سمجھ لیتا ہوں، ذرا بتاؤ تو سہی کہ یہ کتے کیا کہہ رہے ہیں؟ تو اس نے کہا کہ یہ کتے یہ کہہ رہے ہیں کہ سلطان محمود غزنوی تمہارے ساتھ ہیں۔

حرص وہوس کا اندھاپن

یہ سن کر دوسرے چور کہنے لگے واہ جی پاگل! تو بولی جانتا بھی ہے یا نہیں جانتا؟ کیا سلطان بھی ہماری طرح چور ہے؟ کیا وہ ہمارے ساتھ رہتا ہے؟ وہ کوئی چوری کرتا ہے؟ تو پاگل تو نہیں ہے، کبھی کتوں کی بولی سمجھی بھی ہے؟ مولانا فرماتے ہیں وہ تو بیچارہ صحیح کہہ رہا تھا، لیکن یہ دولت کی ہوس میں ایسے اندھے ہو چکے تھے کہ اس کی سچی بات کو بھی انہوں نے سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ یہ حرص ایسی بری بلا ہے کہ یہ ہر ہنر اور کمال کو بھی انسان سے پوشیدہ کر دیتی ہے مولانا فرماتے ہیں۔

صد حجاب از دل بسوئے دیدہ شد
چوں غرض آمد ہنر پوشیدہ شد

کہ جب دل پر پردے پڑ جاتے ہیں تو پھر انسان کے سامنے اصل حقیقت بھی اوجھل ہو جاتی ہے۔ تو وہ بیچارہ بالکل صحیح کہہ رہا تھا اور واقعی کتوں کی بولی سمجھ کر کہہ رہا تھا، لیکن چونکہ سارے کے سارے چور اس وقت خزانے کے ہوس میں اندھے ہو چکے تھے، اب اسکی صحیح بات کا بھی انہوں نے مذاق اڑایا۔ آج بھی جو اللہ کے نیک بندے، علماء حق، آخرت کی فکر رکھنے والے اللہ کے بندے جو بات کہتے ہیں حقیقتاً وہ بالکل صحیح کہتے ہیں، لیکن ہم دنیا کی محبت میں ایسے غرق ہیں کہ ان کی بات پر یقین نہیں کرتے۔

ایک سچی حکایت

یہاں درمیان میں ایک چھوٹی سی حکایت یاد آگئی، ایک شخص کا انتقال ہو گیا، انتقال ہونے کے بعد اس کو کسی نے خواب میں دیکھا تو خواب میں اس نے مرنے والے سے دریافت کیا کہ تم یہ بتاؤ کہ یہ ہمارے علماء کرام مرنے کے بعد

کی زندگی سے متعلق عذاب وثواب کی جو باتیں بیان کرتے ہیں وہ کس حد تک صحیح ہیں؟ تم نے یہاں آکر کیا دیکھا کیا پایا؟

تو اس مرنے والے نے کہا کہ جو کچھ ہمارے علماء فرماتے ہیں بالکل برحق ہے، جن باتوں پر عذاب ہوتا ہے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، واقعۃً یہاں عذاب ہو رہا ہے اور جن باتوں پر ثواب ملتا ہے اور آخرت کی نعمتیں ملتی ہیں، میں نے یہاں آکر اس کو بھی دیکھ لیا، وہ نعمتیں ملنا بالکل برحق ہے۔ اس لئے تم ان کی بات پر یقین رکھنا، میں نے تو یہاں آکر دیکھ لیا۔

بات یہ ہے کہ علماء اور ہمارے اکابر جو کچھ کہتے ہیں، برحق بات ہے، اور کیوں نہ برحق ہوں جبکہ وہ قرآن وحدیث کی باتیں کہتے ہیں، لیکن اس کے باوجود ہم سنتے ہیں، کرتے نہیں۔ اللہ پاک ہم سب کو کرنے والا بنادے (آمین)

چوروں کی شاہی محل کی طرف روانگی

بہرحال، کتوں کی آواز سمجھنے والے کی بات پر کسی نے بھی یقین نہیں کیا اور سارے کے سارے محل کی طرف روانہ ہوگئے اور وہاں پہنچ کر ایک نے دیوار میں نقب لگائی اور اندر داخل ہوگیا، دوسرے نے محل کے کنگرے سے رسہ باندھا اور اندر اتر گیا، اس طرح سارے کے سارے اندر پہنچے، پھر جس کے اندر یہ صلاحیت تھی کہ وہ مٹی سونگھ کر بتلایا کرتا تھا کہ یہاں خزانہ ہے اس نے نشاندہی کردی کہ اس جگہ خزانہ مدفون ہے، چنانچہ ان سب نے خزانہ کھودا اور کھودنے کے بعد نکال لیا اور جمع کر کے جلدی جلدی اس کے حصے بنائے اور سب نے اپنے اپنے حصے اٹھائے اور چل دیے۔ سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سب کو دیکھا، ان کی راہوں کو دیکھا اور جہاں وہ جارہے تھے اس کو بھی سمجھ لیا اور پھر دوسرے خفیہ راستہ سے واپس محل کے اندر آگئے۔ سب چور اپنا اپنا حصہ لے کر اپنے گھروں کو پہنچ گئے۔ سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ یہ واقعہ

دیکھ کر اپنے محل میں واپس آ گئے۔ اب دوسرے دن دربار لگا اور تمام اہل دربار کے سامنے رات کا سارا واقعہ بیان کیا۔

چوروں کی گرفتاری

اور ایک خصوصی دستہ انکو گرفتار کرنے کے لئے اور شاہی خزانہ حاصل کرنے کے لئے روانہ فرمایا۔ وہ دستہ جب وہاں پہنچا تو وہ لوگ ابھی سو ہی رہے تھے، رات بھر کے جاگے ہوئے تھے، جو سامان لائے تھے وہ ابھی بندھا کا بندھا رکھا ہوا تھا، کھول کر ابھی انہوں نے دیکھا بھی نہیں تھا، اسی حالت میں ان کو گرفتار کر لیا۔ سارا خزانہ بھی مل گیا اور پانچوں کے پانچوں چور بھی پکڑے گئے اور ان کو ہتھکڑیاں پہنا کر اسی وقت سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے دربار میں حاضر کر دیا۔ جس وقت ان کو دربار میں لایا گیا تو خوف کے مارے ان سب کا برا حال تھا، چہرے زرد پڑ گئے، ہوائیاں چہرے پر اڑ رہی تھیں، خوف کے مارے کلیجہ ان کا منہ کو آنے لگا۔

چوروں کو سزائے موت کا حکم

جب وہ سامنے آگئے تو سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے سب کو سزائے موت سنادی اور حکم دیا کہ انکو جلاد کے حوالے کیا جائے اور انکو پھانسی دیدی جائے۔ اور چونکہ یہ میرا اپنا چشم دید واقعہ ہے اس لئے اس میں کسی گواہ کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

چہرہ شناس پر اطمینان کے آثار

جیسے ہی ان کو سزائے موت سنائی، بس ان کے پاؤں وہیں تھر تھر کانپنے لگے اور خوف کے مارے برا حال ہو گیا۔ لیکن ان میں جو ایک چور چہرہ شناس تھا جس

کے اندر یہ خاصیت تھی کہ وہ رات کی تاریکی میں اگر کسی کو دیکھ لے تو دن کے اندر بھی وہ اس کو پہچان لیا کرتا تھا، اس کا حال ذرا مختلف تھا۔ کبھی تو اس کے چہرے پر سکون کی لہر آجاتی اور بڑا بے فکر اور بڑا مطمئن نظر آتا، اور کبھی اس کے چہرے پر بھی دہشت کے اور خوف کے آثار نمایاں ہو جاتے، کیونکہ اس نے پہچان لیا تھا کہ جو تخت شاہی پر بیٹھا ہوا ہے اور پھانسی کی سزا سنا رہا ہے، یہ تو وہی ہے جو رات میں ہمارے ساتھ تھا اور جس کے بارے میں کتے کی بولی جاننے والے ہمارے ساتھی نے جو نشاندہی کی تھی وہ صحیح کی تھی۔ ابھی تو اس نے سزا سنائی ہے لیکن جیسے ہی اس کی ڈاڑھی رحم سے ہلے گی ہم فوراً نجات پا جائیں گے، ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔

چہرہ شناس کو سلطان کے جاہ و جلال کا خوف

لیکن کبھی کبھی اس کا دل یہ کہتا کہ ہو سکتا ہے کہ بادشاہ سلامت اپنا یہ ہنر ظاہر نہ کریں، کیونکہ وہ تو بادشاہ ہیں، ہمارے تابع تھوڑی ہیں، ہو سکتا ہے کہ جو فیصلہ انہوں نے سنایا ہے اس کو جاری رکھیں، پھر تو موت سامنے ہے، اس لئے کبھی اس کا دل خوف کے مارے دھڑکنے لگتا اور کبھی اس آس پر کہ شاید بادشاہ سلامت اپنا ہنر ظاہر کر دیں تو انشاء اللہ تعالیٰ ہم سب نجات پا جائیں گے، پھر کیا غم ہے کیا خوف ہے۔

لیکن بادشاہ سلامت بالکل خاموش بیٹھے تھے اور ذرہ برابر بھی انکے چہرہ سے یہ ظاہر نہیں ہو رہا تھا کہ وہ کچھ رعایت دینا چاہتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے حکم دے دیا کہ ان کو لے جاؤ اور جلاد کے حوالے کر دو۔

چہرہ شناس کی آہ و زاری اور اس کی مقبولیت

جب وہ چور عدالت میں مجرموں کے کٹہرے سے نکلنے لگے تو چہرہ شناس

نے ہمت کی اور کہا کہ حضور ایک عرض ہے اگر آپ سن لیں! سلطان نے کہا بتاؤ کیا بات ہے! اس نے کہا کہ حضور بات یہ ہے کہ میں نے آپ کو پہچان لیا، آپ ہمارے ساتھ تھے، جیسا آپ کہہ رہے ہیں کہ یہ میرا چشم دید واقعہ ہے بلاشبہ چشم دید ہے مگر آپ تو ہمارے ہم راہی ہیں، اور آپ نے یہ فرمایا تھا کہ میری ڈاڑھی میں یہ خاصیت ہے کہ اگر مجرموں کو پھانسی دینے کے لئے جلاد کے حوالے کیا جارہا ہو تو اگر عین اس وقت میری ڈاڑھی رحم سے ہل جائے تو فی الفور مجرموں کو پھانسی کی سزا سے نجات مل سکتی ہے، تو ہم پھانسی کی سزا سن چکے ہیں، اب آپ جلدی سے اپنی داڑھی کا ہنر دکھلا دیجئے، ہمارا کلیجہ منہ کو آرہا ہے اور ہمارا رنگ فق ہورہا ہے اور ہم نیم مردہ ہو چکے ہیں۔ اب آپ جلدی اپنا ہنر دکھلائیے۔ ہم سب نے تو اپنا اپنا ہنر دکھلادیا، ہمارے اندر جو کچھ بھی کمال تھا وہ ہم نے ظاہر کردیا اور ہمارے ہنر نے ہمیں ہتھکڑیاں اور بیڑیاں ڈلوادیں۔ جب سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی یہ بات سنی تو مسکرائے اور ان لوگوں کی آہ وزاری اور توبہ کرنے اور معافی مانگنے سے دریائے کرم جوش میں آگیا اور سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

نگاہ سلطان شناسی کا انعام، عفو و درگزر

اب مجھے تمہاری اس نگاہ سلطان شناس کے ہوتے ہوئے سزا جاری کرنے میں شرم آتی ہے، تم نے مجھے پہچان لیا، اور تم اس قدر لرزاں و ترساں ہو اور رو رہے ہو، لہٰذا اب اگر تم آئندہ کے لئے توبہ کرلو تو بس میں جلدی سے ڈاڑھی ہلاتا ہوں۔ وہ بولے ہم تو توبہ پہلے ہی سے کرچکے جس وقت پکڑے گئے تھے، اسی وقت ہمارے تو پیروں تلے زمین نکل چکی تھی بس اب جلدی سے معافی کا اعلان فرمادیں۔ سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے فی الفور ان کی معافی فرمادی اور ان کی سزا کو معاف کردیا، اس لئے کہ وہ توبہ کرچکے تھے، اور فرمایا کہ اگر تم اپنی اس نگاہ شناسی کا مظاہرہ نہ کرتے تو میں وہی فیصلہ جاری رکھتا جو میں سنا چکا تھا لیکن اب

جب تم مجھے پہچان چکے ہو تو اب پہچاننے کے بعد تمہاری وجہ سے میں نے تمہیں بھی اور تمہارے سب ساتھیوں کو معاف کر دیا۔

یہ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے حکایت بیان فرمائی ہے جو دلچسپ بھی ہے لیکن بڑی سبق آموز بھی ہے، اس حکایت کے ضمن میں حضرت مولانا نے چند بڑی نصیحتیں بھی فرمائی ہیں۔

ہم جہاں جس حال میں ہیں اللہ ہمارے ساتھ ہیں

سب سے پہلی نصیحت یہ فرمائی ہے کہ دیکھو یہ دنیا ایسی ہے جیسے اندھیری رات ہے، اور اس اندھیری رات میں اس دنیا کے اندر انسان جہاں بھی ہوتا ہے اور جو کچھ بھی کرتا ہے اس وقت اس کے ساتھ اللہ پاک موجود ہوتے ہیں، نماز پڑھ رہا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ موجود ہیں اور خدانخواستہ کوئی گناہ کر رہا ہے تو بھی اللہ پاک اس کے پاس موجود ہیں، جیسے محمود غزنوی ان چوروں کیساتھ ہر وقت موجود تھے۔ چنانچہ وہ چور رات میں جس وقت چوری کا منصوبہ بنا رہے تھے، اور جس وقت چوری کرنے کے لئے جا رہے تھے، اور جس وقت چوری کر رہے تھے، سلطان محمود غزنوی ان کے ساتھ تھے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ"

جہاں کہیں بھی تم ہو اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہونے کا مراقبہ

چنانچہ اگر تم اس بات کا مراقبہ کر لو اور مراقبے کے ذریعے اپنے ذہن میں اس بات کو بٹھا لو کہ اللہ پاک تمہارے ساتھ ہیں تو جس دن تمہارے ذہن میں یہ بات بیٹھ جائے گی، بس اس کے بعد گناہ کے قریب جانا تمہارے لئے مشکل

ہو جائے گا۔ ہم سے جو گناہ ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے غافل ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے غفلت کی وجہ سے گناہ سرزد ہوتا ہے، اگر یہ استحضار ہو جائے اور قلب کے اندر یہ بات پیوست ہو جائے کہ اللہ پاک ہمارے ساتھ ہیں تو پھر کیسے گناہ ہو سکتا ہے، گناہ جب بھی ہوتا ہے غفلت کی وجہ سے ہوتا ہے، چاہے وہ غفلت انتہا درجہ کی ہو کہ جس میں انسان دیدہ و دانستہ گناہ کرتا ہے یا ادنیٰ درجہ کی ہو کہ اس کے اندر عزم و ارادہ تو نہیں ہوتا، ہاں! غفلت اور سستی ہوتی ہے، اس مرض کا علاج ہی یہ ہے کہ اس بات کا مراقبہ کیا جائے کہ اللہ پاک ہمارے ساتھ ہیں۔

صوفیاء کرام اس کا خاص طور سے مراقبہ کراتے ہیں، یہ کوئی مشکل کام نہیں، بس آدمی روزانہ پانچ منٹ یا دس منٹ نکال لے اور بالکل تنہائی میں بیٹھ کر اس وقت میں یہ تصور جمائے کہ اللہ پاک مجھے دیکھ رہے ہیں، اللہ پاک میرے ساتھ ہیں، میں چل رہا ہوں تو میرے ساتھ ہیں، میں بیٹھا ہوں تو میرے ساتھ ہیں، میں کھا رہا ہوں تو میرے ساتھ ہیں، میں سو رہا ہوں تو میرے ساتھ ہیں، چہار طرف اللہ پاک ہیں، اور اللہ پاک میرے ساتھ ہیں اور میں ان کے سامنے ہوں، بس چند روز کے بعد ہی یہ خیال ذہن میں جمنا شروع ہو جائے گا۔

اللہ کے دھیان کے لئے کثرت ذکر اللہ کی ضرورت

کثرت ذکر اللہ بھی اس کے لئے بہت معین و مددگار ہے، اور صوفیاء کرام ذکر اللہ بھی کثرت سے کرواتے ہیں۔ چاروں سلسلوں میں کثرت ذکر اللہ ہے، جیسے صحبت اہل اللہ ضروری ہے ایسے ہی کثرت ذکر اللہ بھی ضروری ہے۔ اس کثرت ذکر اللہ سے بھی انسان کے قلب کے اندر اللہ تعالیٰ کی یاد بستی ہے، اللہ تعالیٰ کا دھیان انسان کے دل میں آتا ہے۔ اور جس دن یہ دھیان دل میں بیٹھ جاتا ہے تو اسی دن سے انسان گناہوں سے کنارہ کش ہونے لگتا ہے، فرائض کے ادا

کرنے کی اس کے اندر فکر پیدا ہونے لگتی ہے۔

حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ اس واقعہ سے یہ نصیحت فرمانا چاہتے ہیں کہ ہم میں سے ہر ایک کو اس بات کی اپنے اندر صلاحیت پیدا کرنی چاہئے کہ اس کے دل میں ہر دم اللہ کی یاد رہے، ہر دم اللہ تعالیٰ کا استحضار رہے۔ اور جب ہر وقت اللہ تعالیٰ کا استحضار رہے گا تو اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجالانا بھی آسان ہوگا اور اسکی نافرمانی سے بچنا بھی آسان ہوگا۔

ہمارے حضرت مفتی اعظمؒ کے اشعار

ایک مرتبہ میں اپنے شیخ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت اپنے کچھ پرانے کاغذات کی چھانٹی کر رہے تھے، اور ان میں جو کام کے تھے وہ ایک طرف رکھ رہے تھے اور جو کسی کام کے نہ تھے وہ الگ رکھ رہے تھے، اسی دوران حضرت نے ایک ورق اٹھایا اور حضرت نے اسے کھولا اور کھول کر درمیان میں سے اس کو تھوڑا سا چاک کیا اور مجھے عطاء فرمادیا، اس وقت تو وہ ورق میں نے لے کر رکھ لیا اور پھر کمرے میں آکر جب میں نے اسے کھولا تو اس میں حضرت کے دستِ مبارک سے اردو کے کچھ اشعار لکھے ہوئے تھے، غالب یہ ہے کہ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہی کے اپنے اشعار تھے، کیونکہ اس میں کسی شاعر کی معرفت یا کسی شاعر کا اور کوئی لقب موجود نہیں تھا۔ اس میں یہی حقیقت بتائی گئی تھی کہ ہم اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے، بدکرداریوں کی وجہ سے اور معاصی ونافرمانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے بہت دور ہیں، ورنہ وہ تو ہمارے ساتھ ہیں وہ تو ہماری شہہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ اس کے دو شعر میں آپ کو سناتا ہوں:۔

تیرے دیکھنے کی جو آس ہے یہی زندگی کی اساس ہے
میں ہزار تجھ سے بعید ہوں یہ عجب کہ تو میرے پاس ہے

تیری ذات پاک ہے لازوال، تیری سب صفات ہے بے مثال
تو برونِ وہم وخیال ہے تو ورائے عقل وقیاس ہے
کسی انجمن میں قرار دل نہ کسی چمن میں بہار دل
کہوں کس سے یہ حال دل کہ یہ ہر جگہ میں اداس ہے

دوسرے شعر میں حضرت نے فرمایا کہ ہم آپ سے بہت دور ہیں لیکن آپ تو بالکل ہمارے قریب ہیں۔

حکیم محمد ابراہیم رزمیؒ کے اشعار

ایسے ہی ہمارے سکھر میں ایک بزرگ تھے حکیم سید محمد ابراہیم رزمی رحمۃ اللہ علیہ، یہ حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اعزازی خلیفہ تھے اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ماسٹر ثامن علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے اور حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھیوں میں سے تھے، ان کے اشعار بھی بڑے سبق آموز ہیں۔ ان کے بھی چند اشعار میں اللہ تعالیٰ کا نزدیک ہونا اور ہمارا ان سے دور ہونا بیان کیا گیا ہے، اور یہ کہ کس طریقے سے ہم اس حقیقت پر آجائیں اور ہمارے اندر یہ استحضار پیدا ہو جائے، اس کا طریقہ بھی حضرت نے اپنے اشعار میں بیان فرمایا ہے، چنانچہ حضرت فرماتے ہیں:۔

دور ہے محمل سے کوئی، کوئی ہے محمل کے پاس
کس کو سمجھائیں کہ لیلیٰ ہے حریم دل کے پاس
کیا کہا کیا وہ کبھی آتے نہیں سائل کے پاس
تو یہ ذکر وفکر کی دھڑکن ہے کیسی دل کے پاس
وہ تو رہتے ہیں ہمیشہ سب کے جان ودل کے پاس
یہ حجاب اٹھتا ہے لیکن مرشدِ کامل کے پاس

(رزمی)

شیخ کامل کی ضرورت

حضرت والا نے قرب کا یہ طریقہ بیان فرمایا کہ ہم اپنے آپ کو بہت بعید پاتے ہیں، اس کی وجہ یہی ہے کہ ہماری اصلاح نہیں ہوئی اور تعلق مع اللہ ہمیں ابھی تک نصیب نہیں ہوا۔ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کا وہ بیان جو دو جمعہ پہلے تعلق مع اللہ کے موضوع پر حضرت نے یہاں فرمایا تھا وہ دل و دماغ میں بسانے کے قابل ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہونے کا استحضار اصل میں کسی اللہ والے کی صحبت میں جا کر نصیب ہوتا ہے، خالی کوئی نسخہ بتادینے سے اور اسے استعمال کر لینے سے حاصل نہیں ہوتا، بلکہ نسخہ استعمال کرنے کے بعد پھر اتار چڑھاؤ طبیعت میں ہوتا ہے تو پھر اس کی اطلاع دینے کے لئے کسی طبیب کی اور شیخ کامل کی طرف رجوع لازمی ہے۔ اس لئے حکیم محمد ابراہیم رزمی صاحب نے فرمایا کہ شیخ کامل اور مرشد کامل ہی اس سلسلہ میں رہنمائی کرے گا۔ تو اس طریقہ سے ہمارے اندر یہ صلاحیت پیدا ہو جائے گی کہ ہمیں ہر دم اللہ تعالیٰ کا استحضار رہنے لگے گا اور جب اللہ پاک کا ایسا استحضار اور ایسی حضوری حاصل ہو جائے گی تو پھر گناہوں سے بچنا ہمارے لئے آسان تر ہو جائے گا اور احکام کو بجالانا سہل ہو جائے گا۔ ایک نصیحت تو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمائی۔

گناہوں کی کثرت اور اللہ کا حکم

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری نصیحت یہ فرمائی کہ دیکھو جب ہم اس دنیا میں کوئی گناہ کرتے ہیں یا کوئی نافرمانی کرتے ہیں یا کسی حق کے اندر کوتاہی کرتے ہیں تو اس وقت اللہ پاک ہمیں دیکھ رہے ہوتے ہیں، ہماری وہ کوتاہی،

ہماری وہ غفلت، ہمارا وہ گناہ، ہماری وہ نافرمانی اللہ پاک کے علم میں ہوتی ہے، لیکن اللہ پاک اس قدر حلیم و بردبار ہیں کہ رات دن اس کے بندے کیسی کیسی نافرمانیاں کر رہے ہیں، کفر و شرک جو نافرمانی کی انتہا ہے اتنی وسیع پیمانے پر دنیا کے اندر ہو رہی ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ دنیا میں اکثریت کافروں کی، مشرکوں کی، دھریوں کی، ملحدوں کی اور بے دینوں کی پائی جاتی ہے اور پھر جو مسلمان ہیں ان کے اندر بھی کس قدر بے راہ روی، بے پردگی، بے حیائی، اور کس قدر چوریاں، ڈکیتیاں، قتل و غارت گری اور کتنے بڑے بڑے جرائم اور بڑے بڑے گناہ ہو رہے ہیں، اور ایسے ایسے گناہ ہو رہے ہیں جو خداوند قدوس کو اعلان جنگ کی دعوت دینے والے ہیں، وہ کس قدر وسیع پیمانے پر ہو رہے ہیں، سود کا لین دین کس قدر دنیا پہ چھایا ہوا ہے۔ یہ سراسر اللہ تعالیٰ کو جنگ کی دعوت دینے کے برابر ہے۔ کتنا سنگین گناہ ہے، لیکن اللہ پاک کس قدر حلیم ہیں اور کس قدر بردبار ہیں کہ اتنی نافرمانیوں کے باوجود بھی وہ فی الحال کسی کو اس جرم کی حقیقی سزا نہیں دیتے کب دیں گے؟ جب دنیا ختم ہو جائے گی، عالم آخرت برپا ہو جائے گا، قیامت قائم ہو گی، اس وقت ان تمام انسانوں کو اور ان تمام مجرموں کو اللہ پاک قیامت کے دن حاضر کریں گے جنہوں نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔

اللہ تعالیٰ کو ہمارے گناہوں کا علم ہے

ہمیں اس بات کو یاد رکھنا چاہئے کہ اگر ہم گناہ کر رہے ہیں اور اس پر ہمیں کوئی سزا نہیں مل رہی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ پاک کو معلوم نہیں ہے، بلکہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے مگر علم کے ساتھ ساتھ اللہ پاک حلم کی صفت سے آراستہ ہیں، وہ ہمیشہ سے حلیم ہیں اور ہمیشہ ہمیشہ حلیم ہی رہیں گے، اس وجہ سے وہ فی الحال سزا نہیں دیتے بلکہ آخرت میں سزا دیں گے۔ اس لئے ہمیں گناہ کرنے پر جرأت نہیں کرنی چاہئے۔

جیسے سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ ان کے چوری کے منصوبے بنانے کے وقت بھی ان کے پاس تھے، جب وہ چوری کرنے کے لئے جارہے تھے تب بھی وہ ساتھ تھے، اور جب وہ چور محل میں گھسے تو بھی وہ ان کے ساتھ تھے، اور جب خزانہ لوٹا تو اس وقت بھی وہ ساتھ تھے اور جس وقت خزانہ باندھا تو بھی ساتھ تھے لیکن اس وقت محمود غزنوی نے انہیں کچھ نہیں کہا۔ دوسرے دن عدالت قائم کی تو ان سب کو پھانسی کی سزا سنادی۔ بالکل اسی طرح جب آنکھ بند ہوگی تو جتنے بھی گناہ کئے ہونگے ان سب کی سزاؤں کا اللہ پاک کی طرف سے اعلان ہوگا۔

آج کا کیا کل سامنے آجائے گا

اس لئے ہمیں گناہ کرتے وقت ڈرنا چاہئے کہ آج ہم جو کچھ کریں گے، آج ہم کسی کا پیسہ کھالیں گے، آج ہم کسی کی عزت خاک میں ملادیں گے، آج ہم کسی کو طعنہ دیدیں گے، کسی کی غیبت کریں گے، کسی کو ذلیل کریں گے، کسی کو رُسوا کریں گے، کسی پر ظلم کریں گے، کسی کے ساتھ غلط برتاؤ کریں گے، کسی کو ستائیں گے اور پھر ہم بے فکر ہوجائیں گے تو ہم آج تو یہ سب کام کرلیں گے لیکن کل قیامت میں اس کی سزا بھی بھگتنی ہوگی۔

آج کا ہنسنا کل رونے کا سبب بن سکتا ہے

آج تو کفار مسلمانوں کے اوپر ہنستے ہیں، کل جب مسلمان کامیاب ہونگے تو وہ ان پر ہنسیں گے۔ "اِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ" کہ تم آج ہنس لو، کل قیامت میں ہم تم پر ہنسیں گے، ہمیں اس وقت کامیابی ہوگی اور تم اس وقت ناکام اور ذلیل ہوجاؤ گے۔

دنیا میں سزا نہ ملنا مہلت خداوندی ہے

اس لئے گناہ کرتے وقت ہمیں کانپنا چاہئے، اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہئے اور ان کے حلم سے خوف کھانا چاہئے، آج وہ ہم سے بردباری کا معاملہ فرما رہے ہیں، ڈھیل دے رہے ہیں، لیکن ان کی ڈھیل سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ ہمارا گناہ کرنا جائز اور درست ہے، اللہ بچائے۔ اللہ تعالیٰ کے حلم سے ڈرنا چاہئے۔ ان کے حلم اور بردباری کا تو یہ عالم ہے کہ:

اللہ کے حلم کا عجیب وغریب واقعہ

ہمارے ایک بزرگ جو ہمارے حضرت کے خلیفہ ہیں اور دارالعلوم کے قریب رہتے ہیں، انہوں نے ایک مرتبہ یہ واقعہ سنایا اور ان کو کسی عربی نے یہ واقعہ سنایا کہ کسی بستی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کا فیصلہ ہو گیا، اور اللہ پاک نے عذاب نازل کرنے کے لئے اور عذاب بھیجنے کے لئے فرشتوں کو مقرر کر دیا اور وہ فرشتے اس علاقے کی طرف روانہ ہو گئے جہاں جاکر عذاب نازل کرنا تھا۔ ابھی فرشتے زمین و آسمان کے درمیان تھے کہ بستی میں لوگ اپنی معمول کی زندگی گزار رہے تھے اور کاروبار چل رہا تھا، عورتیں اپنے گھروں میں کام کاج میں مشغول تھیں کہ ایک عورت اپنے گھر میں دوپہر کو آٹا گوندرہی تھی، اس کا دودھ پیتا بچہ قریب میں لیٹا ہوا تھا اور وہ رو رہا تھا اور وہ اپنی ماں کو یاد کر رہا تھا کہ کسی طرح مجھے گود میں لے لے اور دودھ پلادے۔ وہ عورت اس کو تسلی دے رہی تھی کہ بیٹا تو خاموش ہو جا، میں ابھی آٹا گوند کر تجھے دودھ پلاؤں گی، لیکن بچہ بچہ ہی ہوتا ہے وہ برابر روتا ہی رہا اور ماں اس کو برابر تسلی دیتی رہی۔ تسلی دیتے دیتے یکایک اس کی زبان سے یہ نکل گیا۔ اسکت یا بنیّ ان ربی حلیم اسکت یا بنیّ ان ربی حلیم میرے بیٹے خاموش ہو جا میرا پروردگار بڑا حلیم اور بردبار ہے، میرے

بیٹے خاموش ہو جا میرا پروردگار بڑا حلیم اور بردبار ہے، بس جیسے ہی اس کی زبان سے یہ جملہ نکلا، اللہ پاک نے ان فرشتوں کو واپس بلالیا جو عذاب لیکر روانہ ہوئے تھے، اور فرمایا کہ اس بستی میں ایک عورت نے ہمارے تعریف کر دی اور اس نے ہمیں حلیم کہہ دیا ہے، حلیم کہنے کے بعد اب عذاب دینا شان حلم کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو وہیں سے واپس بلالیا۔

وہ تو ایسے حلیم ہیں تو اس حلم کا تقاضہ تو یہ ہونا چاہئے کہ ہمیں نافرمانی سے اور بچنا چاہئے کہ ایسے مہربان اور بردبار پروردگار کی نافرمانی کریں۔ نہ یہ کہ ان کے حلم سے ناجائز فائدہ اٹھا کر خدانخواستہ ان کی نافرمانی میں آدمی مبتلا ہو جائے۔

دنیا کے ہنر اور پیشے باعث نجات نہیں

آخر میں مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نصیحت یہ فرمائی ہے کہ آپ نے دیکھ لیا اس واقعہ کے اندر کہ ہر ایک چور نے اپنا اپنا ہنر دکھایا لیکن کسی کا کوئی ہنر کام نہیں آیا، بس ایک آدمی کا ہنر کام آیا جس نے رات کی تاریکی میں سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کو پہچان لیا تھا اور اس کے ہنر نے دوسرے دن سب کی نجات کروادی۔ ایسے ہی دنیا کے اندر جتنے بھی پیشے ہیں، جتنے بھی اس کے اندر کمالات ہیں، جتنے بھی اس دنیا میں ہنر اور پیشے پائے جاتے ہیں کوئی بھی ان میں سے بندے کے لئے باعث نجات نہیں۔

باعث نجات ہنر

بس باعث نجات ہنر تو یہ ہے کہ یہاں رہ کر اللہ تعالیٰ کو پہچاننے کی نظر حاصل کی جائے۔ نگاہ سلطان شناس یہاں بھی درکار ہے، جس نے اس دنیا میں رہ کر اللہ تعالیٰ کا صحیح تعلق پالیا اور اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت حاصل کرلی اور اللہ کی سچی محبت اپنے اندر پیدا کرلی اور اس دنیا کے ظلم کدے میں اس نے اپنے خالق حقیقی کو پہچان لیا تو بس اس کی نگاہ سلطان شناس کل آخرت میں نجات کا ذریعہ بن جائے

گی جس طرح اس ایک چور کی نگاہ نجات کا ذریعہ بنی تھی۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولانا رومیؒ فرماتے ہیں۔

ہر یکے خاصیتِ خود وانمود
ایں ہنرہا جملہ بدبختی فزود

کہ ہر ایک نے اپنی اپنی خاصیت اور اپنا اپنا ہنر دکھادیا لیکن ہر ایک کے ہنر نے اس کی بدبختی کو بڑھادیا۔

دنیاو آخرت کی فلاح کا ذریعہ

لہٰذا اللہ تعالیٰ کے تعلق سے ہٹ کر دنیا کے جتنے بھی ہنر اور پیشے ہیں وہ انسان کے لئے آخرت میں بدبختی کو بڑھانے والے ہیں۔ لیکن جس طرح اس واقعے میں نگاہ سلطان شناس کام آئی، ایسے ہی دنیا میں اگر تعلق مع اللہ جس کو حاصل ہو جائے گا بس اس کا یہی تعلق اس کی دنیا کی فلاح کا بھی ذریعہ بنے گا اور آخرت میں بھی اسکے کام آئے گا اور اس کی نجات کا ذریعہ بنے گا۔

اللہ کی محبت حاصل کرنے کے دو طریقے

اس لئے ہم سب کو اس بات کی فکر کرنی چاہئے کہ اس دنیا میں رہ کر ہمیں اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت اور ان کی سچی محبت حاصل ہو جائے۔ اور اس کے حاصل کرنے کے دو ہی طریقے ہیں: ایک صحبت اہل اللہ اور دوسرا کثرت ذکر اللہ۔ بس یہ دو چیزیں اگر اہتمام کے ساتھ ان کے آداب اور شرائط کے ساتھ اپنائی جائیں۔ تو پھر انسان کو اس میں اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت اور سچی محبت حاصل ہو جاتی ہے، اتباع سنت کی دولت سے مالا مال ہو جاتا ہے، جس کے نتیجہ میں دنیاو آخرت کی فلاح کا جو وعدہ ہے، پھر وہ انشاء اللہ اس کے حق میں پورا ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

اصلاح باطن اور ضرورت شیخ

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم ط

اصلاحِ باطن اور ضرورتِ شیخ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِىَ لَهٗ وَأَشْهَدُاَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُاَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا ۔

أَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُبِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ○

(سورۃ التوبۃ:۱۱۹)

وَقَالَ رسولُ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم . اَلاَ اِنَّ فِی الجَسَدِ مُضْغَۃً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الجَسَدُ کُلُّہٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ اَلاَ وَھِیَ الْقَلْبُ۔

(اتحاف السادۃ المتقین، ج ۳، ص ۱۵۳)

صدق اللّٰہ العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم ونحن علٰی ذٰلک من الشاھدین والشاکرین والحمد للّٰہ رب العٰلمین۔

دین پر عمل کرنے کی بنیاد

میرے قابلِ احترام بزرگو! حضرت امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ کو پانچ لاکھ حدیثوں میں سے پانچ حدیثوں پر عمل کرنے کی وصیّت فرمائی تھی۔ ان پانچ حدیثوں میں سے ایک حدیث کے آخری حصّے کے بارے میں جو مذکورہ آیت کے بعد میں نے پڑھی ہے، اس کی کچھ تشریح اور وضاحت کرنے کا ارادہ ہے، اس لئے کہ یہ حدیث بہت طویل ہے اور پوری حدیث بیان کرنا اور ساری حدیث کی وضاحت و تشریح کرنا وقت کی کمی کے باعث اس وقت مشکل ہے۔ نیز اس حدیث کا آخری حصہ بہت ہی اہم ہے اور یہ حصہ اتنا اہم ہے کہ جب سے ہم دین کی باتیں سنتے آرہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل و توفیق سے اور اس کے کرم و مہربانی سے جب تک ہم سنتے

رہیں گے، اُن پر عمل کرنے کی ترکیب اور طریقہ اور اس کی بنیاد اس حدیث کے آخری حصے میں بتائی گئی ہے۔

دین کا مقصد عمل ہے

ظاہر ہے کہ جتنا بھی دین ہے اس کا مقصد بجز عمل کے اور کچھ نہیں ہے، سارے دین کا لُبِّ لُباب یہی ہے کہ ہم اپنی زندگی کو اس کے مطابق ڈھال لیں اور اس کے مطابق ہم چلنے والے ہو جائیں۔ دین کی جو باتیں ہم سنتے ہیں، پڑھتے ہیں یا مطالعہ کرتے ہیں، ان کے مطابق ہمارا عمل کیسے ہو؟ تو اس کے طریقے بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمائے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں۔ اس لحاظ سے جو آیت میں نے تلاوت کی ہے اور حدیث کا جو آخری حصہ میں نے پڑھا ہے، بہت ہی اہم ہے۔ اگر یہ بات ہمارے ذہن میں منقش ہو جائے تو ہمارے عمل میں کوتاہی اور خامی انشاء اللہ ختم ہو جائے گی، **بس یہ** سمجھئے کہ دین پر عمل کرنے کی کنجی اس آیت اور حدیثِ مبارکہ میں بیان فرمائی گئی ہے، وہ کنجی لے لیں تو انشاء اللہ عمل کا دروازہ کھل جائے گا۔ البتہ اس کو سمجھنے سے قبل چند ضروری باتیں آپ کے سامنے عرض کرتا ہوں تاکہ اس حدیث کا مفہوم سمجھنے میں مزید آسانی ہو جائے۔

انسان کا ظاہر و باطن

۱۔ جس کو انسان کہا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس میں دو جہان پیدا

فرماتے ہیں: ایک ظاہر کا جہاں اور ایک باطن کا جہاں۔ ظاہر کے جہاں کو جسم اور مادہ کہتے ہیں، جس میں دو ہاتھ، دو آنکھیں، دو کان، منہ، کمر، پیر، ہڈیاں، گوشت اور خون وغیرہ ہے۔ یہ ایک الگ اور مستقل جہاں ہے اور اس میں مستقل تفصیلات ہیں، دنیاوی اعتبار سے بھی اس کی تفصیلات بہت زیادہ ہیں، طب کے اندر بھی اس کی بے شمار تفصیلات ہیں، بڑے بڑے اسپتال اس کی اصلاح اور درستگی کے لئے بنے ہوئے ہیں اور بنتے چلے جا رہے ہیں اور اس میں بڑے بڑے ماہرین پائے جاتے ہیں، کوئی آنکھ کا ماہر ہے، کوئی کان کا ماہر ہے، کوئی ناک کا ماہر ہے، کوئی دل کا ماہر ہے، کوئی گردوں کا ماہر ہے اور کوئی پتے کا ماہر ہے یہ انسان کی ایک ظاہری دنیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر بنائی ہوئی ہے۔

باطن کی دنیا

انسان کے اندر ایک باطن کی دنیا ہے جس کو دل کی دنیا کہتے ہیں، جو ان ظاہری آنکھوں سے نظر نہیں آتی، لیکن ہر آدمی اس کو محسوس کرتا ہے اور اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ باطن کی دنیا وہ دنیا ہے جہاں طرح طرح کی خواہشات جنم لیتی ہیں اور انسان عجیب عجیب تمنائیں کرتا ہے اور طرح طرح کی فکریں اور سوچیں اس کے اندر اپنا گھر بناتی ہیں۔ اب اگر کوئی شخص انسان کا دل چیر کر ان خواہشات و تمناؤں کو دیکھنا چاہے کہ یہ کہاں ہیں؟ تو نہ دل میں اور نہ ہی دماغ میں کہیں یہ چیزیں نظر نہیں آئیں گی، لیکن ہر آدمی کے اندر خواہ مرد ہو یا عورت، بوڑھا ہو یا بچہ، سب کے اندر یہ خواہشات موجود ہیں۔ بلکہ جب انسان

اس دنیا میں آتا ہے اور اس کو کچھ شعور آتا ہے تو اس کی خواہشات اس وقت سے جنم لینا شروع کر دیتی ہیں اور جوں جوں انسان بڑھتا ہے، اس کی خواہشات بھی بڑھتی رہتی ہیں، بلکہ خواہشات اس سے آگے بڑھ جاتی ہیں اور موت پہلے آجاتی ہے اور اس کے منصوبے رکھے رہ جاتے ہیں اور وہ پہلے ہی دنیا کو خیر باد کہہ جاتا ہے۔ اس کو دل کی دنیا کہتے ہیں۔

فقہ ظاہری احکام کا نام ہے

غرض کہ انسان میں یہ دو جہاں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے: پہلا جسم اور مادّے کا جہاں یعنی جسم کی دنیا، دوسرا قلب اور روح کا جہاں یعنی دل کی دنیا۔ اور ان دونوں کے متعلق اللہ پاک نے احکام دیئے ہیں۔ ظاہری اعضاء یعنی جسم سے متعلق بھی بہت سے احکامات ہیں جنہیں انسان ادا کرتا ہے، جیسے نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ ہے، اسی طرح جسم سے متعلق ایسے احکامات بھی ہیں جن سے بچنے کا اللہ پاک نے حکم فرمایا ہے، جیسے جھوٹ بولنا، بد نگاہی کرنا، بد زبانی کرنا، بد تمیزی کرنا، الزام تراشی کرنا، ناحق کسی کو ہاتھ یا پاؤں سے تکلیف پہنچانا وغیرہ، یہ ایسے احکامات ہیں کہ جن کے نہ کرنے کا حکم ہے، اور ان ظاہری احکام کا نام فقہ ہے۔

تصوّف باطنی احکام کا نام ہے

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے باطن اور دل سے متعلق بھی بہت سے احکام دیئے

ہیں۔ جیسے صبر کرنا، شکر کرنا، زہد اختیار کرنا، ورع و تقویٰ اپنانا، اللہ تعالیٰ کی محبت سے سرشار ہونا، آخرت کی فکر کا دل میں ہونا، اللہ تعالیٰ کے غصّے و غضب سے ڈرنا اور ان کے حساب سے خوف کھانا، یہ سب دل کے فرائض و واجبات ہیں۔ اسی طرح دل سے متعلق ایسے احکامات بھی ہیں جن میں بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جیسے حسد، بغض، تکبّر، عجب، خود پسندی، خود بینی، وغیرہ ہیں۔ ان باطن کے احکامات کو تصوّف کہتے ہیں۔ تو گویا ظاہر کے احکام کو فقہ اور باطن کے احکام کو تصوّف کہتے ہیں اور دونوں کے مجموعے کو شریعت کہتے ہیں۔ لہٰذا ظاہری احکام پر بھی عمل کرنے کا حکم ہے اور باطن کے احکام پر بھی عمل کرنے کا حکم ہے اور دونوں پر عمل کرنا شریعت پر عمل کرنا ہے، صرف ظاہر کے احکام پر عمل کر لینا کافی نہیں، باطن کے احکام پر بھی عمل کرنا ضروری ہے۔ اسی لئے قرآن کریم اور احادیث طیبہ میں ظاہر و باطن کے احکام بکثرت اور تفصیل سے ملیں گے، علماءِ امت نے بھی دونوں کے احکامات کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔

شریعت و طریقت ایک ہیں

لہٰذا بعض لوگوں کے ذہنوں میں جو یہ بات بسی ہوئی ہے کہ شریعت اور چیز ہے اور طریقت دوسری چیز ہے اور دونوں علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں، یہ بات سراسر غلط ہے، یہ تو جاہل لوگوں کا بنایا ہوا مقولہ ہے، وہ کہتے ہیں کہ جو جو چیزیں شریعت میں ناجائز ہیں وہ طریقت میں جائز ہو جاتی ہیں۔ العیاذ باللہ! یعنی ان کے اس قول کا مطلب یہ ہوا کہ شریعت میں نماز چھوڑنا ناجائز ہے لیکن طریقت میں

جائز ہے، تو یہ سراسر گمراہی اور بے دینی پر مبنی بات ہے جس کا حقیقت سے دور کا بھی تعلق نہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ شریعت اور طریقت دونوں الگ اور جدا نہیں ہیں بلکہ طریقت شریعت پر چلنے اور عمل کرنے کا نام ہے، شریعت مجموعۂ احکام کو کہتے ہیں اور طریقت اس پر عمل کرنے کو کہا جاتا ہے، اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ شریعت مجموعۂ احکام کو کہتے ہیں اور ان احکامات میں سے باطنی احکامات کو اوران پر عمل کرنے کو طریقت کہتے ہیں اور اسی کا نام تصوّف ہے۔

جسم اور روح کی بیماریاں

۲۔ جس طرح انسان کا یہ ظاہری جسم بیمار ہوتا ہے، کبھی بخار ہو رہا ہے، کبھی درد ہو رہا ہے، کبھی دست آرہے ہیں، کبھی قبض ہو رہا ہے، کبھی سردی لگ رہی ہے اور کبھی بے انتہاء پیاس لگ رہی ہے، تو جب یہ بیماریاں انسان کے ظاہری جسم کو لاحق ہوتی ہیں تو ان کا علاج ہوتا ہے اور اس کے علاج کے کچھ لوگ ماہر اور طبیب ہوتے ہیں، بالکل اسی طرح اس دل کی دنیا کے اندر بھی انسان کی روح اور اس کا دل بیمار ہوتا ہے اور اس میں بھی طرح طرح کی بیماریاں اور کمزوریاں پیدا ہوتی ہیں، ان باطنی کمزوریوں اور بیماریوں کے بھی کچھ ماہر علاج کرنے والے ہوتے ہیں۔

جسمانی بیماری کی حقیقت

جسمانی بیماری ظاہری جسم کی بے اعتدالی کا نام ہے، کیونکہ اللہ پاک نے

جسم میں چار چیزیں پیدا فرمائی ہیں، ان میں صفراء، **سودا، بلغم** اور خون ہے، جب یہ چار چیزیں اعتدال میں رہتی ہیں تو انسان کو صحتِ جسمانی حاصل رہتی ہے اور جب ان چار چیزوں میں یا ان میں سے کسی ایک میں کمی یا زیادتی واقع ہوتی ہے تو انسان کا مزاج بگڑ جاتا ہے اور طبیعت خراب ہو جاتی ہے، پھر طبیعت کی خرابی کی بھی مختلف شکلیں اور صورتیں ہیں، کسی کو بخار ہو رہا ہے، کسی کو قبض ہے اور کسی کو دست آرہے ہیں، کسی کو سردی لگ رہی ہے، کسی کو بھوک نہیں لگ رہی وغیرہ وغیرہ، پھر ڈاکٹر صاحبان اور حکماء ایسی ایسی دوائیں تجویز کرتے ہیں اور غذائیں بتاتے ہیں کہ اس کی طبیعت اعتدال پر آجائے اور وہ صحت مند ہو جائے۔

روح کی بیماری کی حقیقت

تو جس طرح انسان کا ظاہری جسم بیمار ہوتا ہے اسی طرح باطن کے اندر بھی بہت سی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ باطنی اطباء نے اس باطن یعنی قلب و روح کی صحت اور اس کی بے اعتدالی کی بھی تفصیلات بیان کی ہیں جس کا خلاصہ اطباء روحانی نے یہ بیان فرمایا ہے کہ:

باطن کی تین طاقتیں

اللہ پاک نے انسان کے دل میں تین طاقتیں رکھی ہیں:

۱۔ عقل ۲۔ شہوت ۳۔ غصہ۔

یہ انسان کے باطن کی تین طاقتیں ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے تین درجات

ہیں۔

۱۔ عقل

عقل انسان کے باطن کے اندر ایک ایسی قوت و طاقت کو کہتے ہیں جس کے ذریعے انسان اچھے بُرے کو سمجھتا ہے، ذلّت و عزت کو سمجھتا ہے، اپنے اور پرائے کو، دوست اور دشمن کو سمجھتا اور جانتا ہے۔ یہ سب باتیں انسان عقل کے ذریعے معلوم کرتا ہے اور اچھی اور مفید باتوں کو پسند کرتا ہے اور بُری باتوں کو ناپسند کرتا ہے۔ اسی طرح عقل سلیم یہ کہتی ہے کہ انسان اپنے پالنے اور پیدا کرنے والے کو پہچانے، اسے کبھی ناراض نہ کرے۔

جُربُزَہ

جب یہ عقل حد سے آگے بڑھ جائے تو اس کو ''جُربُزَہ'' کہتے ہیں، یہ عقل کا وہ درجہ ہے جس میں عقل حد اعتدال سے زیادہ تجاوز کر جائے، اس میں بھی انسان روحانی طور پر بیمار ہو جاتا ہے اور بیمار ہونے کی بنا پر پھر وہ طرح طرح کے گناہوں اور خرابیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ ''معاذ اللہ'' انسان خدا کا ہی انکار کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے تو عقل سے سمجھاؤ اور اللہ تعالیٰ کو دکھاؤ، پھر مانوں گا، بغیر دیکھے میں کیسے مان لوں۔ یہ سب کچھ عقل کی زیادتی کی وجہ سے ہے کہ عقل اتنی بڑھ گئی ہے کہ جو چیز انسان کی نظر دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتی، اس کو بھی دیکھنے کا مطالبہ کرنے لگا، حالانکہ دنیا میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو نظر

نہیں آتیں مگر پھر بھی انسان ان کو مانتا ہے، اللہ تعالیٰ تو پھر بہت ہی اونچے اور عظیم ہیں۔

حماقت

جب یہ عقل حد سے بہت نیچے گر جائے تو اس کو "حماقت" کہتے ہیں اور ایسے شخص کو لوگ بے وقوف اور احمق کہتے ہیں کہ بھئی اس سے دور رہو، اس کے پاس عقل تو ہے نہیں، اس لئے یہ بے وقوفی کی باتیں کرے گا، اور ایسا آدمی دھوکہ میں بھی جلد آجاتا ہے۔

حکمت

بہر حال، عقل اگر حد سے بڑھ جائے تو بھی نقصان دہ ہے اور اگر یہی عقل حد سے کم ہو جائے تو بھی انسان کے لئے نقصان دہ ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے وہ بیوقوف ہو جاتا ہے اور اس کو سمجھانا نہایت مشکل ہو جاتا ہے۔ ان دونوں کے درمیان بھی عقل کا ایک درجہ ہے اس کو "حکمت" کہتے ہیں۔ 'سبحان اللہ' کیسا پیارا نام ہے کہ جب عقل اعتدال میں اور درمیان میں رہتی ہے تو پھر انسان حکیم اور دانا کہلاتا ہے جو حق وباطل کو اور اچھے اور برے کو پہچان سکتا ہے، جو تمام خوبیوں کی جڑ ہے۔ اسی کے بارے میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے:

"جس کو حکمت نصیب ہوئی اس کو خیر کثیر عطا ہوئی۔"

۲۔ شہوت

دوسری طاقت اللہ تعالیٰ نے انسان کے دل میں شہوت کی رکھی ہے۔ شہوت کا ایک عام مفہوم ہے جسے عام طور پر لوگ جنسی خواہش کا نام دیتے ہیں، مگر تصوّف کی اصطلاح میں شہوت صرف جنسی خواہش کا نام نہیں بلکہ شہوت کا مفہوم عام ہے، وہ یہ ہے کہ "ہر کام کی اور نفع کی چیز کو چاہنے اور حاصل کرنے کو شہوت کہتے ہیں" اب یہ نفع چاہے مال سے متعلق ہو یا جان سے متعلق ہو یا ذات سے متعلق ہو یا خاندان سے متعلق ہو یا مدرسے سے متعلق ہو یا جنسی تقاضوں سے متعلق ہو، اس کا نام شہوت ہے۔ بہر حال! شہوت انسان کے باطن کی اُس قوت کا نام ہے جس کے ذریعے سے انسان کے دل میں ہر چیز کو لینے کی خواہش اور چاہت پیدا ہوتی ہے۔

فجور

شہوت کے بھی تین درجات ہیں، جب شہوت اعتدال سے آگے بڑھ جائے تو اس کو "فجور" کہتے ہیں۔ یہ لفظ عام طور سے اردو زبان میں فسق و فجور یعنی نافرمانی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور ایسے شخص کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ بڑا فاسق و فاجر آدمی ہے۔ بہر حال! جس شخص میں فجور کی حد تک شہوت بڑھ جاتی ہے تو نہ اس کے جنسی تقاضوں میں اعتدال ہوتا ہے، نہ مال کے تقاضوں میں اعتدال ہوتا ہے، نہ عزت و آبرو کے بارے میں اس کو خیال ہوتا

ہے، ہر جگہ یہ شخص لڑتا جھگڑتا ہے، مارتا ہے دھاڑتا ہے، بے شرمی، بے حیائی اور ہر طرح کی عیاشی و بد معاشی میں ڈوبا رہتا ہے، اسراف و فضول خرچی اور ریاکاری میں مبتلا رہتا ہے، یہ سب کچھ اس کی شہوت کے حد سے آگے بڑھ جانے کا نتیجہ ہے اور اسی وجہ سے وہ طرح طرح کے گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

خمود

جب شہوت حد سے کم ہو جائے اور حدِ اعتدال سے نیچے گر جائے تو اس کو ''خمود'' کہتے ہیں۔ اس کی وجہ سے اس شخص کے اندر غیرت ہی نہیں رہتی، پھر کوئی چاہے اس کی ماں کے ساتھ بُرا سلوک کرے، چاہے اس کی بیٹی کے ساتھ بُرا سلوک کرے، چاہے خاندان والوں کے ساتھ بُرا سلوک کرے، اس کو اس کی قطعاً پرواہ نہیں ہوتی۔ اس کی شہوت اتنی بجھ چکی ہوتی ہے کہ اب اس کو نہ رشتہ داروں اور عزیز و اقارب کی پرواہ ہوتی ہے اور نہ عزت و آبرو کی پرواہ ہوتی ہے، کیونکہ اس کی غیرت و حمیت بالکل ہی ختم ہو چکی ہوتی ہے۔

عِفّت

ان دونوں کے درمیان بھی شہوت کا ایک درجہ ہے اس کا نام ''عِفّت و پاکدامنی'' ہے، جس کو اللہ تعالیٰ شہوت حدِ اعتدال میں عطا فرما دیں تو اس کو عفّت و پاکدامنی حاصل ہو جاتی ہے، پھر وہ مال میں بھی عفیف ہوتا ہے، عزت و

آبرو میں بھی عفیف ہوتا ہے، جنسی تقاضوں میں بھی عفیف ہوتا ہے، اور جائز و حلال طریقے سے ہی اپنی خواہش پوری کرتا ہے، کسی کا مال ناجائز طریقے سے نہیں لیتا، کسی کی آبرو پر ہاتھ نہیں ڈالتا، کسی پر تہمت و الزام نہیں لگاتا اور کسی کی غیبت و بُرائی نہیں کرتا اور کسی خاتون پر بری نظر نہیں ڈالتا بلکہ عفّت و پاکدامنی سے رہتا ہے۔ اسی لئے حدیث شریف میں یہ دعا آئی ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الصِّحَةَ وَ الْعِفَّةَ وَالْاَمَانَةَ
وَحُسْنَ الْخُلْقِ وَالرِّضٰی بِالْقَدْرِ۔

اے اللہ میں آپ سے صحت اور پاکدامنی اور امانتداری
اور حسن اخلاق اور تقدیر پر راضی ہونا مانگتا ہوں۔

یعنی جو کچھ آپ نے میری قسمت میں لکھدیا ہے، یا اللہ میں دل و جان سے اس پر راضی ہوں، آپ مجھے یہ تقدیر پر راضی ہونے کی نعمت عطا فرما دیجئے۔

۳۔ غصّہ

تیسری طاقت اللہ پاک نے انسان کے اندر غصّہ کی پیدا فرمائی ہے۔ اس کے بھی تین درجات ہیں۔

تہوّر و بے باکی

جب غصّہ حد سے بڑھ جائے تو اس کو تہوّر کہتے ہیں اور ایسے شخص کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ بھئی اس کی تو ناک پر غصّہ رکھا رہتا ہے، بات بات پر

جھگڑتا ہے، اس کے قریب مت جانا، یہ تو بھیڑیا ہے۔ اللہ بچائے، جس شخص میں حد سے زیادہ غصہ ہوتا ہے اور ہر شخص اس سے ڈرتے ہوئے یہ کہتا ہے کہ اس کے پاس تو وہ جائے جس کی عزت نہ ہو، یہ بھی ایک بدترین عیب اور بیماری ہے۔

جُبن (بزدلی)

جب غصہ حد سے زیادہ کم ہو جائے تو اس کو بزدلی کہتے ہیں، اور بزدل شخص ایسا ہو جاتا ہے کہ کوئی اس کو بلا وجہ مار رہا ہے تو کہتا ہے کہ اور مار لے اور اگر کوئی پیسے چھین رہا ہے تو کہتا ہے کہ ٹھہرو گھر پر بھی رکھے ہیں وہ بھی لا کر دیتا ہوں، بتائیے ذرا یہ بھی کوئی چیز ہے۔ اللہ بچائے دشمن مارنے کے لئے آیا ہوا ہے، حملہ کر رہا ہے، بیوی بچوں کو پکڑ رہا ہے، مال چھین رہا ہے، مگر اس سے لڑا ہی نہیں جا رہا، خوف وڈر کی وجہ سے بزدل بنا ہوا ہے۔ اور بعض لوگ تو اتنے بزدل ہوتے ہیں کہ معمولی معمولی باتوں سے بھی ڈرتے ہیں، یہ سب بزدلی کا نتیجہ ہے۔

شجاعت و بہادری

ان دونوں کے درمیان غصہ کا ایک درجہ ہے اس کا نام شجاعت ہے۔ ''سبحان اللہ'' جس موقع پر اس غصے کے استعمال کا حکم ہے اور جتنا استعمال کرنے کا حکم ہے، اس کو اتنا ہی استعمال کرنا شجاعت کہلاتا ہے۔

جب اللہ کے لئے غصہ آتا ہے تو کیسے اعتدال کے ساتھ آتا ہے اور پھر کیسا کارگر ہوتا ہے۔ اس کے بارے میں ایک قصہ آپ کو سناتا ہوں، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی غصے میں اعتدال نصیب فرمائے۔ آمین۔

اللہ کیلئے غصہ آنا

یہ قصہ حضرت مولانا نورالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، یہ اسلامی تاریخ میں کسی خلیفہ کے زمانے میں ایک عالم گزرے ہیں، بڑے متقی، پرہیزگار اللہ والے عالم تھے، ایک دن یہ دریا کے کنارے ٹہل رہے تھے کہ اچانک انہوں نے دیکھا کہ ایک کشتی کنارے پر آکر ٹھہری اور ان لوگوں نے جو اس کشتی میں سوار تھے، کشتی پر سے شراب کے مٹکے اتار کر کنارے پر رکھنے شروع کر دیئے۔ حضرت کو یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ یہ اسلامی حکومت ہے اور اسلامی حکومت میں شراب کا تصور نہیں ہو سکتا، چہ جائیکہ اتنی کثیر مقدار میں یہاں شراب اتاری جا رہی ہے، وہ حیران بھی ہوئے اور انہیں غصہ بھی آیا کہ اسلامی حکومت میں شراب کیوں، کس کے لئے اور کہاں سے آئی۔ حضرت شراب اتارنے والوں کے قریب تشریف لائے اور ان سے پوچھا کہ تم لوگ کہاں سے آئے ہو اور یہ شراب کس کے لئے لائے ہو؟ ان لوگوں نے جواب دیا کہ یہ شراب خلیفہ کے لئے لائی گئی ہے، یہ سن کر حضرت کو بہت زیادہ غصہ آیا اور فرمایا کہ خلیفہ کے لئے شراب لائے ہو؟ اس کا تو یہ فرض ہے کہ وہ شراب کو اپنی مملکت اور حکومت میں ممنوع قرار دے، چہ جائیکہ اس کے لئے شراب لائی جا

رہی ہے۔ حضرت کے ہاتھ میں عصا تھا، انہیں اس وقت ایسا غصہ آیا کہ انہوں نے نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ، مٹکے پھوڑنا شروع کر دیئے، کل دس مٹکے تھے لیکن انہوں نے نو مٹکے پھوڑ دیئے اور دسواں مٹکا چھوڑ دیا، ان لوگوں نے جو شراب کشتی میں سے اتار رہے تھے، فوراً جاکر رپورٹ کی کہ خلیفہ کے لئے شراب آئی تھی مگر ایک صاحب آئے اور انہوں نے نو مٹکے پھوڑ دیئے اور ایک مٹکا بچادیا۔ رپورٹ ملتے ہی حضرت کی گرفتاری کا حکم ہو گیا اور گرفتار کر کے خلیفہ کے سامنے پیش کر دیا گیا، خلیفہ کی مجلس میں بھی حضرت بے دھڑک جاکر کھڑے ہو گئے، خلیفہ نے پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ حضرت نے فرمایا میرا نام عبداللہ ہے، اس نے کہا کہ عبداللہ تو سب ہی ہیں، آپ اپنا اصلی نام بتائیں، تب انہوں نے فرمایا کہ میرا اصل نام ابوالحسن نوری ہے۔ خلیفہ نے غصہ سے کہا کہ شراب کے مٹکے تم نے توڑے ہیں؟ حضرت نے جواب دیا ہاں! میں نے توڑے ہیں۔ کیونکہ ان میں شجاعت تھی، اس لئے خوب رعب سے جواب دیا۔ پھر خلیفہ نے پوچھا کہ تم نے کس کے حکم سے یہ مٹکے توڑے؟ حضرت نے جواباً فرمایا کہ اس کے حکم سے توڑے جو تجھ پر بھی بادشاہ ہے۔ "اللہ اکبر" خلیفہ بھی چونکہ مسلمان تھا، جب اس نے یہ جواب سنا تو اس کو بھی خدا یاد آگیا اور اس کا غصہ بھی ٹھنڈا ہو گیا۔

خلیفہ نے حضرت کے اس جواب کے بعد ذرا نرم لہجے اور نرم انداز سے پوچھا کہ جب آپ نے اللہ کے حکم سے یہ مٹکے پھوڑے ہیں تو نو پھوڑے دسواں کیوں چھوڑ دیا؟

جواب سنیئے جو کہ یاد رکھنے کے قابل ہے اور اس واقعہ میں یہی بتلانا

مقصود ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ بات دراصل یہ ہے کہ جب میں نے یہ سنا کہ یہ شراب خلیفہ کے لئے آئی ہے تو مجھے اللہ کے لئے اتنا غصہ آیا کہ میں اس غصے میں لگاتار مٹکے توڑتا چلا گیا اور غیر اللہ کا مجھے خیال تک نہیں آیا، مگر جب میں نے نو توڑ دیئے تو اچانک آپ کا خیال آیا کہ خلیفہ کیا کہے گا کہ اس نے بے خوف و خطر سارے ہی مٹکے توڑ دیئے، میری سزا اور پکڑ، قید و بند اور میری بادشاہت سے بھی نہیں ڈرا۔ بس یہ خیال آتے ہی رک گیا اور میں نے سوچا کہ اب دسواں مٹکا توڑنا اپنی بہادری جتلانے کے لئے ہوگا، اللہ کے لئے نہیں ہوگا، کیونکہ اب تک جو مٹکے توڑے تھے وہ اللہ ہی کے لئے توڑے تھے، میرے ذہن میں غیر اللہ کا خیال تک بھی نہیں آیا تھا، مگر دسواں مٹکا توڑنے سے قبل چونکہ خلیفہ کا خیال آگیا، اس لئے میں وہیں رک گیا اور یہ مٹکا چھوڑ دیا کہ اس کو توڑنا اللہ کے لئے نہیں بلکہ اپنی بہادری دکھلانے کے لئے ہوگا۔ یہ سن کر خلیفہ نے کہ بھئی آپ تو بہت ہی اونچے آدمی نکلے، لہٰذا آج کے بعد سے آپ میری سلطنت میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے شعبہ کے وزیر اعلیٰ ہیں، یہ شعبہ آپ ہی سنبھالیں، مجھے آپ جیسا آدمی چاہئے جو مملکت کے اندر اچھی باتوں کا حکم دے اور بُری باتوں سے منع کرے۔

غور کیجئے! انہیں غصہ تو آیا لیکن وہ غصہ اللہ کے لئے آیا تھا اور جہاں تک آیا، اس کو وہیں تک استعمال کیا، اور جب یہ غصہ اللہ کے لئے خالص نہ رہا تو اس کو چھوڑ دیا کہ اب یہ غصہ اللہ کے لئے نہیں رہا بلکہ اس میں غیر اللہ کی شمولیت ہو گئی، اس کا اثر یہ ہوا کہ ابھی تو نو مٹکے توڑے تھے اب نو سو (۹۰۰) مٹکے توڑنے

کا اختیار مل گیا۔ سبحان اللہ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اخلاص

ایسا ہی ایک قصہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مشہور ہے۔ایک مرتبہ ایک دشمن سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقابلہ ہوا، آپ نے اس کو زیر کرلیا اور اس کو گرا کر اس کے سینے پر بیٹھ گئے تاکہ اس کا سر قلم کردیں، ابھی آپ اس کافر کو قتل کرنے کا ارادہ فرما ہی رہے تھے کہ اس نے اچانک آپ کے چہرے پر تھوک دیا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوراً اس کو چھوڑ کر کھڑے ہوگئے، وہ دشمن ہکا بکا رہ گیا کہ کہاں تو حضرت میری طاقت سے بھی زیر نہیں ہو رہے تھے اور مجھے چھوڑنے کے لئے تیار نہیں تھے اور کیا ذرا سے تھوک دینے سے مجھے چھوڑ کر کھڑے ہوگئے۔اس کافر اور دشمن دین نے کہا کہ **حضرت** ! یہ کیا ہوا؟ اتنی آسانی سے اور اتنی چھوٹی اور معمولی سی بات پر آپ نے مجھے معاف کردیا، حالانکہ اب تو آپ کو اور زیادہ غصہ آنا چاہئے تھا کہ میں نے آپ کی توہین اور بے عزتی میں کمی نہیں کی، بجائے مجھے قتل کرنے کے آپ نے مجھے معاف کیوں کردیا؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ بات دراصل یہ ہے کہ جس وقت میں تمہارے سینے پر بیٹھا تھا اور تمہیں قتل کرنے لگا تھا تو اس وقت تمہیں قتل کرنے کا ارادہ اور میرا غصہ خالص اللہ کے لئے تھا، تم دشمن خدا تھے، میرے ذمے تھا کہ میں تمہیں ختم کردوں، لیکن جس وقت تم نے میرے منہ پر تھوکا تو میرے نفس کو اشتعال آیا اور میرے دل میں غصہ پیدا ہوا وہ غصہ میرے

اپنے لئے تھا، وہ غصہ اللہ کے لئے نہیں تھا، تو میں نے سوچا کہ اب اس کو قتل کرنا خالص اللہ کے لئے نہیں ہوگا بلکہ اپنے لئے ہوگا اور اپنے لئے غصہ کرنے کی ممانعت ہے، اس لئے میں نے تمہیں معاف کر دیا۔

یہ سن کر اس کافر نے کہا کہ حضرت! ہاتھ بڑھائیں، میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں اور کلمہ پڑھتا ہوں کہ جس مذہب کے اندر اتنی دقیق تعلیم ہو اور جس مذہب میں اتنی حد بندی ہو کہ جہاں تک غصہ اللہ کے لئے ہے، اسے استعمال کرو اور جہاں غصہ اللہ کے لئے نہ ہو، اسے استعمال کرنا چھوڑ دو، تو وہ زہب سچ ہی ہو سکتا ہے، لہٰذا میں مسلمان ہوتا ہوں۔

بہر حال، غصہ اگر اعتدال میں ہو تو شجاعت ہے اور حد سے زیادہ کم ہو جائے تو بزدلی ہے۔

اعتدال و عدالت

وہ تین طاقتیں جو اللہ پاک نے انسان کے باطن میں پیدا فرمائی ہیں، ان میں درمیان کے درجات بھی ہیں، پہلی طاقت عقل ہے جس کا درمیانی درجہ حکمت ہے، دوسری طاقت شہوت ہے جس کا درمیانی درجہ عِفَّت ہے اور تیسری طاقت غصے کی ہے اور اس کا درمیانی درجہ شجاعت ہے، اور ان تینوں کے مجموعے کا نام اعتدال ہے۔ اور اگر اوپر کے الفاظ کے ساتھ اس کو ان کے ہم وزن کہنا چاہیں تو اس کا نام عدالت ہے اور اسی کا نام صحت روحانی ہے، اللہ پاک ہم سب کو نصیب فرمائے۔ آمین۔

جب یہ تین طاقتیں اعتدال میں رہتی ہیں تو انسان حکمت، عِفت اور شجاعت کا حامل رہتا ہے اور صحت روحانی اسے حاصل ہوتی ہے، پھر اس کو اللہ تعالیٰ کی تجلّیات نصیب ہوتی ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی محبّت میں غرق ہوتا ہے، دنیا کی محبّت اس کے دل سے نکل جاتی ہے اور وہ تمام شعبہ ہائے زندگی میں اپنے اوپر شریعت کی بالادستی قائم کرتا ہے، عقائد بھی اس کے صحیح ہوتے ہیں، عبادات بھی سنّت کے مطابق، معاشرت بھی سنّت کے مطابق اور معاملات بھی سنّت کے مطابق ہوتے ہیں، اچھے اخلاق سے وہ شخص آراستہ ہوتا ہے اور بداخلاقیوں سے پاک ہوتا ہے۔

بے اعتدالی مرض ہے

اور جب ان تین طاقتوں میں کمی بیشی ہوتی ہے تو پھر انسان روحانی طور پر بیمار ہو جاتا ہے، مثلاً غصّے کے اندر اگر بے اعتدالی پیدا ہو جائے تو اس سے نفرت، حسد اور بغض کی بیماریاں جنم لیتی ہیں، اور بعض مرتبہ اسی غصّے کی وجہ سے ناحق کسی کو قتل کرنے سے بھی انسان نہیں رکتا اور قتل و غارت گری کا بازار گرم کر دیتا ہے۔

اسی طرح اگر شہوت حد سے بڑھ جائے تو حرام و ناجائز طریقے سے انسان جنسی خواہشات کو پورا کرنے لگتا ہے، لوٹ مار کرتا ہے اور نہ جانے کتنے ایسے بے شمار روحانی امراض میں مبتلا ہو جاتا ہے جنہیں گناہ کہا جاتا ہے، ظاہری گناہوں میں بھی مبتلا ہوتا ہے اور باطنی گناہوں میں بھی مبتلا ہو جاتا ہے، بلکہ

ظاہری اعضاء و جوارح کے جتنے احکام ہیں، ان میں بھی کمال اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب انسان ان تینوں چیزوں کے اندر اعتدال رکھتا ہے۔

بہرحال! جس طرح جسم کے اعتدال کے لئے صفرا، سوداء، بلغم اور خون، ان چار چیزوں کا اعتدال میں ہونا ضروری ہے، اگر یہ چاروں چیزیں اعتدال میں نہ رہیں یا ان میں سے کوئی ایک چیز اعتدال میں نہ رہے تو یہ جسم بیمار ہو جاتا ہے، بالکل اسی طرح انسان کے باطن کے اعتدال کے لئے عقل، غصّہ اور شہوت کا اعتدال میں ہونا ضروری ہے، اگر یہ تینوں چیزیں اعتدال میں نہ رہیں تو انسان کا باطن یعنی قلب و روح بھی بیمار ہو جاتے ہیں، اور پھر جس طرح جسمانی امراض کے لئے اطبآءِ جسمانی کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، اسی طرح روحانی بیماریوں کے لئے اطبآءِ روحانی کی خدمت میں حاضری ضروری ہو جاتی ہے، ان کو تلاش کیا جائے اور ان کی خدمت و صحبت کو لازمی طور پر اختیار کیا جائے۔

اہل اللہ کی صحبت

اللہ پاک نے قرآن کریم کی اس آیت میں اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ کُوۡنُوۡا
مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ۔

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچ بولنے والوں
کے ساتھ ہو جاؤ۔

اور اس حدیث میں بھی جو میں نے ابتدا پڑھی تھی اسی طرف اشارہ ہے کہ:

سن لو جسم کے اندر ایک ٹکڑا ہے، جب وہ درست ہو تا ہے
تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو
سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔ سن لو جسم کا وہ ٹکڑا دل ہے۔

تو گویا ایک دل تو جسم کا ہے جو گوشت کا ٹکڑا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ایک باطنی دل باطنی جسم میں بھی پیدا فرمایا ہے اور اس دل کی صحت و بیماری، باطن کی صحت و بیماری ہے۔ جسمانی اور باطنی دونوں دلوں میں ایک ایسا باریک تعلق اور جوڑ اور ایک ایسا باریک راستہ ہے کہ اللہ کے سوا اس کو کوئی نہیں جانتا، مگر یہ بات یقینی ہے کہ یہ تعلق اور واسطہ انسان کے جسم اور باطن میں موجود ہے۔

شیخ کامل کی علامات

اطبآء روحانی جو انسان کے باطن کی بیماریوں کا علاج کرتے ہیں، ان کی پانچ علامتیں ہیں، جس شخص میں وہ پانچ علامتیں پائی جائیں، اس کو طبیبِ روحانی کہتے ہیں، پھر اس کے پاس جانا چاہئے، اس کے پاس بیٹھنا چاہئے، اپنے دل اور باطن کا حال اس کو بتانا چاہئے اور پھر اس سے اپنے روحانی امراض کا علاج کرانا چاہئے۔

نمبر ا۔ طبیبِ روحانی کی سب سے پہلی علامت یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو اور ہر مسلمان پر دین کا جتنا ضروری علم جاننا فرض عین ہے، اس فرض عین کے مطابق دین کا ضروری علم اس کے پاس ہو، یعنی حلال و حرام، جائز و ناجائز، نیکی و

بدی اور اصلاح و تربیت کا ضروری علم اس کے پاس ہو۔

نمبر ۲۔ دوسری علامت یہ ہے کہ وہ متبعِ سنت اور متبعِ شریعت ہو۔ یعنی اس کی زندگی شریعت اور سنت کے مطابق ہو۔

نمبر ۳۔ تیسری علامت یہ ہے کہ اللہ پاک نے اسے کثرتِ ذکر اللہ کی توفیق دے رکھی ہو، کیونکہ اس راہ میں سب سے پہلا قدم کثرتِ ذکر اللہ اور دوسرا قدم صحبتِ اہل اللہ ہے۔ کثرت ذکر اللہ اور صحبت اہل اللہ، یہ دو چیزیں ایسی ہیں کہ جن سے عام طور انسان کو بآسانی صحتِ روحانی حاصل ہو جاتی ہے، بہر حال! کثرتِ ذکر اللہ کا یہ شخص عادی ہو۔ اب ذکر اللہ کی بہت ساری قسمیں اور صورتیں ہیں، جن میں قرآن شریف کی تلاوت تمام اذکار کی سردار ہے، اس کے علاوہ تسبیحات، اور خالصتاً اللہ کی رضا کے لئے وعظ و نصیحت، درس و تدریس، تعلیم و تعلم اور تصنیف و تالیف وغیرہ بھی ذکر اللہ میں شامل ہیں۔

نمبر ۴۔ چوتھی علامت یہ ہے کہ اس طبیبِ روحانی نے بھی کسی اللہ والے کی جس میں یہ پانچ علامتیں پائی جاتی ہیں، خدمت و صحبت میں رہ کر اپنی اصلاح و تزکیہ و تربیت کرائی ہو اور پھر اس کے بعد اس نے اس کو کہا ہو کہ ہاں اب تم بھی دوسروں کی رہنمائی اور اصلاح و تربیت کر سکتے ہو، بالفاظِ دیگر اس کو اپنا مجاز بنایا ہو کہ تم سے کوئی اللہ کا نام پوچھے تو اس کو بتا دینا۔ اس لئے کہ جو خود ابھی اصلاح کے مراحل سے گزر رہا ہو اور ابھی خود ہی مریض روحانی ہو تو وہ دوسرے کو صحیح راہ کیسے بتا سکتا ہے؟ جو خود ہی اندھیرے میں ہو وہ دوسرے کو کیسے روشنی فراہم کر سکتا ہے؟ کیونکہ جس کے پاس روشنی ہو وہی دوسرے کو

بھی روشنی فراہم کر سکتا ہے۔

نمبر ۵۔ طبیبِ روحانی کی پانچویں علامت یہ ہے کہ اس کے پاس بیٹھنے سے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور آخرت کی فکر بڑھتی ہوئی محسوس ہوتی ہو اور دل میں دنیا سے نفرت اور گناہوں سے بچنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہو۔

جس اللہ کے نیک بندے کے اندر یہ پانچ علامتیں موجود ہوں، وہ شیخ کامل ہے، وہ مرشدِ روحانی اور طبیبِ روحانی ہے اور معتبر پیر صاحب ہیں۔ ایسی علامتوں والے جس بزرگ سے مناسبت ہو جائے، اس کا دامن تھام لینا چاہئے، وہی ہمارے لئے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت عطّار رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح ہے، پھر اس چیز کی فکر نہ کریں اور اس انتظار میں نہ رہیں کہ واقعتاً اگر حضرت جنید بغدادیؒ آئیں گے تو میں ان کی خدمت و صحبت میں رہوں گا۔

یاد رکھئے! اب کوئی اصلی جنید بغدادیؒ نہیں آئیں گے، وہ تو آکر چلے گئے ہیں۔ جس طرح علاجِ جسمانی کے لئے بھی آج کل جالینوس نہیں ہے اور نہ آسکتا ہے تو پھر کیوں مختلف ڈاکٹروں اور حکیموں سے علاج کرا رہے ہو، حکیم جالینوس کا ہی انتظار کرنا چاہئے، جتنے بھی بڑے بڑے اطباءِ جسمانی ہیں، وہ سب گزر چکے ہیں، آج وہ کسی کو میسر نہیں ہیں، اب تو علاجِ جسمانی ان کے شاگردوں کے شاگردوں کے شاگردوں کے شاگردوں سے ہو رہا ہے، بس بالکل اسی طرح حضرت جنید و شبلی اور عطّار و رازی وغیرہم رحمہم اللہ اور یہ جتنے بھی بڑے بڑے امام اور صوفیاء گزرے ہیں، ان کے شاگردوں کے شاگردوں کے شاگردوں

کے شاگردوں کے شاگرد آج بھی موجود ہیں، ان سے بھی اسی طرح روحانی علاج کرایا جاسکتا ہے جس طرح جالینوس اور بو علی سینا کے شاگردوں سے جسمانی علاج کرایا جارہا ہے۔ لہٰذا اب بڑے بڑے امام اور صوفیاء اور بڑے بڑے اطبآء جسمانی کے انتظار میں رہنا، یہ شیطان کا دھوکہ ہے۔

ہمارے شیخ و مرشد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ تمہارے اندر دین کی طلب اور اصلاح کی فکر ہونی چاہئے، اگر واقعی تمہارے اندر دین کی طلب اور اصلاح کی فکر ہے اور اپنی روح کو درست کرنے اور اس کی بیماریوں کو دور کرنے کا جذبہ ہے تو تم اپنی مسجد کے مؤذن کے پاس بھی اسی نیت سے بیٹھو گے تو تمہیں باطنی نفع پہنچے گا۔ بس جذبہ یہ ہونا چاہئے کہ:

آرزوئیں خون ہوں یا حسرتیں پامال ہوں
اب تو اس دل کو بنانا ہے ترے قابل مجھے
خون کی موجیں گزر جائیں نہ کیوں
آستانہ ہیں نہ چھوڑوں گا مگر

یہ جذبہ اگر ہو تو پھر ہم جس کے پاس بھی جائیں گے، اس کے پاس بیٹھنے سے بھی ہمیں انشاءاللہ دین کا فائدہ و نفع ہوگا۔

مناسبت

مذکورہ بالا پانچ شرائط تو شیخ کامل سے متعلق ہیں اور ایک شرط مریض

روحانی سے متعلق ہے، وہ یہ ہے کہ اس مرید یا روحانی مریض کو بھی ایسے کسی بزرگ اور اللہ والے شیخ کامل سے مناسبت ہو۔ یہ شرط لازمی ہے، اس لئے کہ اگر شیخ کامل کے اندر پانچوں علامتیں موجود ہیں، مگر ہمارا اس سے مزاج نہیں مل رہا اور طبیعت اس کے ساتھ نہیں چل رہی تو پھر بھی فائدہ نہیں ہوگا، اس لئے طبیعت کا ملنا اور مناسبت کا ہونا بے حد ضروری ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جس طرح بعض اوقات جسمانی امراض میں بڑے سے بڑے ڈاکٹر سے اطمینان نہیں ہوتا اور اپنے معمولی درجے کے ڈاکٹر سے اطمینان اور فائدہ ہو جاتا ہے، حالانکہ اس سے بڑے بڑے اور ماہر اور تجربہ کار ڈاکٹر اور طبیب موجود ہیں، مگر مناسبت اور طبیعت نہ ملنے کی وجہ سے ان سے اطمینان نہیں ہوتا، بالکل اسی طرح روحانی امراض میں ہوتا ہے کہ بعض مرتبہ کوئی بزرگ بہت اونچے درجے کا ہوتا ہے لیکن ہمیں اس سے مناسبت اور طبیعت نہ ملنے کی وجہ سے فائدہ نہیں ہوتا۔

بہر حال! باطن کی اصلاح اور نفع کے لئے مناسبت کا ہونا شرطِ اعظم ہے، جس سے بھی مناسبت ہو جائے، خواہ ظاہر میں چاہے وہ دوسروں سے کم تر ہو، بس وہی ہمارے لئے کامل طبیبِ روحانی ہے، آنکھ بند کر کے اس کا دامن پکڑ لیں اور اپنے باطن کے تمام امراض اس کو بتلائیں اور اپنا کوئی باطنی حال اس سے نہ چھپائیں، ہر برائی بھلائی اس کے سامنے رکھدیں اور جو ہدایات وہ دے، اس کے مطابق عمل کر کے اس کو اطلاع کرتے رہیں اور اس طرح مسلسل اس سے رابطہ رکھیں۔

اصلاح کیلئے گہرا رابطہ

جس طرح جسمانی امراض میں مسلسل رابطہ رکھنا پڑتا ہے، ہر مہینے یا دو مہینے کے بعد ڈاکٹر صاحب کی ہدایت کے مطابق آدمی جاتا ہے، رپورٹ وغیرہ دکھاتا ہے، نسخے لکھواتا ہے، پھر انہیں استعمال کرتا ہے، پرہیز کرتا ہے اور آتا جاتا رہتا ہے، اسی طرح انسان کی زندگی ختم ہو جاتی ہے، بالکل اسی طرح یہ اصلاحی تعلق بھی مرتے دم تک ہے، مرتے دم تک اپنا ہر حال انسان اپنے شیخ کامل اور اپنے طبیب روحانی کو بتاتا رہے اور اس کی ہدایت پر عمل کرتا رہے، یہاں تک کہ انسان کی زندگی ختم ہو جائے۔

عبث ہے جستجو بحر محبت کے کنارے کی
بس اس میں ڈوب جانا ہی ہے اے دل پار ہو جانا

اس راستہ میں انسان قدم رکھدے اور پھر اس میں یہ خواہش اور ہوس غلط ہے کہ میری اصلاح کب مکمل ہو گی؟ کسی نے کیا خوب کہا ہے ۔

مکتبہ عشق کا دستور نرالا دیکھا
اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

جسمانی امراض میں صحت ہونے پر چھٹی مل جاتی ہے، لیکن امراض روحانی میں اگر صحت حاصل ہو جائے تب بھی آدمی اپنے شیخ سے تعلق رکھنے اور اس کی رہبری اور رہنمائی کا محتاج رہتا ہے، اس لئے کہ یہ تعلق تو مرتے دم تک کے

لئے ہے، بلکہ مرنے کے بعد بھی انشاء اللہ قائم رہے گا۔ بہر حال! طبیب روحانی دو کام کراتا ہے، ایک تو وہ کثرت ذکر اللہ کی پابندی کرتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ذکر وہ انرجی اور وہ طاقت روحانی ہے جس سے انسان کے قلب کی بے شمار بیماریاں ختم ہوتی ہیں، ایمان میں جو کمزوری آتی ہے وہ بھی ذکر اللہ سے دور ہو جاتی ہے اور ان کمزوریوں کی وجہ سے جتنے بھی امراض روحانی اور بے اعتدالیاں پیدا ہوتی ہیں، وہ بھی ذکر اللہ کی قوت سے روحانی طاقت آنے کے بعد خود بخود ختم ہو جاتی ہیں اور دل کی صلاحیتیں سنورنا شروع ہو جاتی ہیں۔ یہ سب کچھ شیخ کامل کی صحبت و برکت اور اس کی رہنمائی سے ہوتا ہے اور وہی نصائح اور ہدایات دیتا رہتا ہے کہ یہ کرو وہ کرو، اس سے پرہیز کرو، اب یہ کام کرو اور اب اتنا کرو اور یہ نہ کرو وغیرہ۔ کرنے والے تو اصل میں اللہ تعالیٰ ہی ہیں، جس طرح جسمانی صحت محض اللہ کے سوا کوئی دینے والا نہیں ہے، اسی طرح روحانی صحت بھی محض اللہ ہی عطا فرماتے ہیں اور وہی اپنے نام کی برکت اور اپنے نام کی توفیق عطا فرماتے ہیں، جب اللہ کے نام کی توفیق ہونے لگے اور کسی اللہ والے سے تعلق ہو جائے تو سمجھ لو کہ اب اصلاح و تربیت کا سفر شروع ہو گیا۔

کتاب اللہ اور رجال اللہ

ہمارے اندر جو سب سے بڑی کمزوری اور کمی پائی جاتی ہے، وہ یہی ہے کہ ہم کثرتِ ذکر اللہ کے پابند نہیں ہیں، اگر ذکر اللہ کے پابند ہیں تو پھر کسی طبیب روحانی سے ہمارا تعلق نہیں ہے، جب کہ اللہ پاک نے دنیا کے اندر دو سلسلے

جاری فرمائے ہیں: ایک سلسلہ کتاب اللہ کا، دوسرا سلسلہ رجال اللہ کا۔ کتابوں کا سلسلہ اللہ پاک نے نازل فرمایا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر توریت، حضرت داؤد علیہ السلام پر زبور، حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل نازل فرمائی اور دونوں جہاں کے سردار رحمت للعالمین جناب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن شریف نازل فرمایا، ان کے علاوہ دیگر صحائف بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام پر نازل فرمائے۔

دوسرا سلسلہ اللہ کے بندوں کا ہے، جس میں سرِ فہرست سرکار دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، پھر ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءِ کرام، پھر حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، پھر تابعینؒ، تبع تابعینؒ، ائمہ مجتہدینؒ پھر سلف صالحینؒ اور پھر اولیاء اللہ ہیں۔ یہ اللہ کے نیک اور مقرب بندوں کا سلسلہ ہے جو دنیا میں لوگوں کو نیک بنانے اور نیک بنا سکھانے کے لئے تشریف لائے۔

عملی نمونے زیادہ کتابیں کم

اللہ پاک نے کتابیں کم نازل فرمائی ہیں، نیک بندے زیادہ بھیجے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم سے زیادہ عمل کی ضرورت ہے اور باعمل لوگوں کی زیادہ ضرورت ہے اور باعمل لوگوں سے ہی علم عمل میں آتا ہے۔ اس آیت میں بھی اللہ پاک نے یہی ارشاد فرمایا ہے:

يٰـاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ

الصّٰدِقِیْنَ۔

اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو اور اللہ کے نیک اور سچے بندوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

سچے بندوں کے ساتھ ہونے کا مطلب یہی ہے کہ اگر باعمل لوگوں کی صحبت میں رہو گے تو تم بھی باعمل بن جاؤ گے، اور اگر صحبت اختیار نہیں کرو گے تو پھر دین پر عمل مشکل ہو جائے گا۔

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

اللہ والوں کی صحبت ہی سے انسان باعمل بنتا ہے اور اللہ والا بنتا ہے۔ اسی بارے میں ایک اور شعر بھی ہے کہ۔

ان سے ملنے کی ہے یہی اک راہ
ملنے والوں سے راہ پیدا کر

اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے اللہ والوں کی صحبت اختیار کرنا ضروری ہے، اس سے قلب و روح بھی صحت مند رہتے ہیں اور انسان کو دین پر عمل کرنے کی بھی توفیق ہوتی ہے۔

جب سے اللہ پاک نے یہ دنیا پیدا فرمائی ہے، اس وقت سے یہ سلسلہ جاری ہے، حضور اقدس جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں بھی یہ سلسلہ جاری ہے ادر قیامت تک چلتا رہے گا۔ چنانچہ جب ہم اپنے اکابر پر نظر

ڈالتے ہیں تو وہاں بھی یہی چیز نظر آتی ہے۔ اکابر علماءِ دیوبند میں حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور حکیم الامّت مجدد الملّت، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، یہ تمام بزرگ بالواسطہ یا بلاواسطہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق رکھتے تھے، ان کی خدمت و صحبت میں رہے اور ان کی خدمت و صحبت میں رہ کر آفتاب و ماہتاب بن گئے۔

جگر مراد آبادیؒ کی توبہ کا واقعہ

جگر مراد آبادیؒ کا قصہ یاد آیا جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت و صحبت کی برکت سے کیا سے کیا بن گئے تھے۔ اب بھی کچھ لوگ ہوں گے جنہوں نے جگر مراد آبادی کو دیکھا ہوگا، وہ ہندوستان کے مانے ہوئے شاعر تھے اور غزل کہنے میں اپنے وقت کے امام تھے۔ جگر صاحبؒ کے جاننے والے لوگوں میں سے حکیم الامّت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ خاص حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے، وہ ڈپٹی کلکٹر تھے، لیکن شکل سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا فرشتہ ہیں، سفید ٹوپی، سفید لمبا کرتا، شلوار ٹخنوں سے اوپر، نورانی چہرہ اور تسبیح ہاتھ میں لئے ہوئے، کہاں ڈپٹی کلکٹر اور کہاں یہ شکل و صورت!!! ایک مرتبہ جگر صاحب کی خواجہ صاحب سے ملاقات ہوئی، جگر

صاحب نے کہا: خواجہ صاحب! یہ روپ کہاں سے لائے ہو، اتنا پیارا روپ آپ کو کہاں سے ملا ہے؟ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تھانہ بھون میں حکیم الامّت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جلوہ افروز ہیں، یہ سب ان کا صدقہ ہے۔ جگر صاحب نے کہا: خواجہ صاحب! میرا بھی حضرت تھانویؒ کی خدمت میں جانے کو بہت دل چاہتا ہے، مگر مجھ سے شراب نوشی کی ایک ایسی بُری عادت لگی ہوئی ہے کہ جس کی وجہ سے میں وہاں نہیں جا سکتا، کیونکہ میں وہاں جاؤں گا تو میں وہاں بھی شراب پیے بغیر نہیں رہ سکوں گا، یہ عادت تو میری زندگی کا لازمی حصّہ بن چکی ہے، اس کے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکتا، اور اس عادت کے ہوتے ہوئے میں حضرت تھانویؒ کے ہاں جا نہیں سکتا، اگر اسی حالت میں جاؤں تو نا معلوم حضرت اجازت بھی دیں گے یا نہیں؟ اس لئے خواجہ صاحب! آپ مجھے یہ بتائیں کہ اگر میں اپنی شراب نوشی کی عادت رہتے ہوئے تھانہ بھون چلا جاؤں تو وہاں پر مجھے شراب پینے کی اجازت مل جائے گی؟ خواجہ صاحب نے مختصر اً جواب دیتے ہوئے فرمایا: بھئی مجھے تو معلوم نہیں اس بارے میں، میں خود کچھ نہیں کہہ سکتا، بظاہر شراب نوشی کی اجازت ملنا مشکل ہے، تاہم میں آپ کو پوچھ کر بتا دوں گا۔

جب خواجہ صاحب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا کہ حضرت! جگر صاحب سے میری ملاقات ہوئی تھی اور وہ آپ کے پاس آنے کے لئے اپنی خواہش کا اظہار کر رہے تھے اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہہ رہے تھے کہ میرے اندر شراب نوشی کی ایک ایسی بُری عادت ہے کہ

اس کے بارے میں نا معلوم حضرت کیا کہیں گے اور مجھے اس کے ساتھ آنے کی اجازت بھی دیں گے یا نہیں؟

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ خواجہ صاحب! آپ نے کیا جواب دیا؟ خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ میں نے انہیں یہ کہدیا کہ بھئی خانقاہ میں شراب نوشی کی اجازت ملنا مشکل ہے۔ یہ سن کر حضرت تھانویؒ نے فرمایا ارے خواجہ صاحب! آپ نے صحیح جواب نہیں دیا، خیر کوئی بات نہیں، آئندہ اگر ملاقات ہو جائے تو میرا سلام کہنا اور یہ کہنا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کافر کو اپنا مہمان بنا سکتے ہیں تو "جگر" تو پھر مسلمان ہے، میں اپنے گھر میں ایک کمرہ ان کے حوالے کر دوں گا، پھر وہ جانیں اور ان کا خدا جانے، ہاں البتہ خانقاہ میں شراب نوشی کی اجازت نہیں ہو سکتی، اس لئے کہ وہ قومی ادارہ اور قومی امانت ہے، وہاں پر ایسی چیزوں کی اجازت نہیں ہو سکتی۔

خواجہ صاحب نے یہ جواب جب جگر صاحب کو سنایا تو وہ زار و قطار رونے لگے اور کہنے لگے کہ ہائے! مجھ جیسے نالائق کو بھی حضرت قبول کرنے کے لئے تیار ہیں، "اللہ اکبر" بس پھر کیا تھا جگر صاحب حضرت کی خدمت میں پہنچ گئے۔ آگے اس قصے میں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ شیخ کامل کی خدمت و صحبت میں پہنچنے پر کیا سے کیا تبدیلی ہوتی ہے۔

حضرت تھانویؒ کی خدمت میں حاضری اور چار دعائیں

بہر حال! جگر صاحب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے

اور یہ عرض کیا کہ حضرت! میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، آپ میرے لئے چار دعائیں فرما دیجئے۔ پہلی دعا یہ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ شراب نوشی کی عادت مجھ سے چھڑوا دیں، میں نے پینے کو تو بے حساب پی ہے، اب یوم حساب کا ڈر ہے کہ آخرت میں کیا ہوگا؟ بس اللہ تعالیٰ مجھے اس گناہ سے نجات دیدیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ جب دل میں گناہ سے بچنے کا دھڑکا ہو اور خوف ہو تو پھر اس گناہ سے بچنے کے اسباب بھی حق تعالیٰ پیدا فرما دیتے ہیں، مگر جو شخص گناہ کو گناہ ہی نہ سمجھے اور گناہ سے بچنے کا ارادہ ہی نہ کرے تو پھر کیا اللہ تعالیٰ زبردستی توفیق دیدیں گے، ہرگز نہیں، اسی بات کو قرآن کریم نے بھی بیان کیا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

اَنُلْزِمُکُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا کٰرِهُوْنَ۔

کیا ہم زبردستی اپنی رحمت تمہارے چمٹادیں، حالانکہ تم
اس کو ناپسند کرتے ہو۔

بہر حال! جگر صاحب شراب تو پیتے تھے مگر اللہ کا خوف، پکڑ اور حساب و کتاب کا ڈر لگا رہتا تھا، اور یہی ڈر حضرت تک انہیں لے کر آیا اور انہوں نے آکر سب سے پہلے شراب نوشی کے ترک کی دعا کرائی۔

دوسری دعا جگر صاحب نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ کرائی کہ اللہ تعالیٰ مجھے داڑھی رکھنے کی توفیق عطا فرمادیں۔

تیسری دعا یہ کرائی کہ اللہ تعالیٰ مجھے حج بیت اللہ نصیب فرمادیں۔

چوتھی دعا یہ کرائی کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں میری مغفرت فرمادیں۔ یہ چار دعائیں جگر صاحب نے حضرت سے کرائیں۔ حضرت نے چاروں دعائیں سن کر دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے، اللہ والوں کی دعائیں دل سے نکلتی ہیں اور عرش تک پہنچنے والی ہوتی ہیں، ہماری طرح ان کی دعائیں نہیں ہوتیں۔ بہر حال! حضرت نے چاروں دعائیں فرمادیں اور حضرت کی اس دعا کا نقد اور فوری اثر یہ ظاہر ہوا کہ پہلی ہی ملاقات میں جگر صاحب نے شراب نوشی سے سچی توبہ کرلی۔ شراب نوشی چونکہ جگر صاحب کی بہت پرانی عادت تھی اور شراب نوشی اچانک ترک کردینے سے انسان عام طور سے بیمار ہو جاتا ہے، یہی جگر صاحب کے ساتھ ہوا، وہ بھی بیمار پڑگئے، اب چونکہ وہ ہندوستان کے مانے ہوئے شاعر تھے اور ہندوستان کی انہیں ایک قومی امانت سمجھا جاتا تھا، اس لئے بڑے بڑے ماہر اور تجربہ کار ڈاکٹران کے علاج کے لئے جمع ہوگئے اور انہوں نے کہا کہ جگر صاحب! آپ کی بیماری کا واحد حل اور علاج یہی ہے کہ آپ کو تھوڑی بہت شراب پینا ہی پڑے گی ورنہ جان نکل جائے گی، ہاں آہستہ آہستہ چھوڑنے میں بیماری سے افاقہ ممکن ہے۔

یہ سن کر جگر صاحب نے ڈاکٹروں سے کہا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ اگر میں شراب پیتا رہوں گا تو مزید کتنے دن زندہ رہوں گا؟ ڈاکٹروں نے کہا کہ کم از کم اٹھ دس سال تک آپ شراب نوشی کرتے ہوئے مزید زندہ رہ سکتے ہیں، جگر صاحب نے کہا کہ "شراب پی پی کر دس سال تک قہر الٰہی میں زندہ رہنے سے بہتر ہے کہ میں شراب نہ پی کر دس سال پہلے ہی سایۂ رحمت میں مر جاؤں"

سبحان اللہ! کیا پیارا جواب ہے؟ جب انسان ایسا تہیّہ کر لیتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ بھی ضرور مدد فرماتے ہیں، پھر خدا کی شان دیکھئے کہ اللہ پاک نے انہیں اس بیماری اور گناہ سے صحت و نجات عطا فرمائی اور وہ پہلے سے بھی زیادہ صحت مند ہو گئے اور جب تک کے لئے اللہ پاک نے انہیں زندگی عطا فرمائی وہ زندہ رہے، اس طرح شراب کی لعنت سے ان کی جان چھوٹ گئی۔ یہ سچی توبہ حضرت تھانویؒ کی دعا کی برکت سے حاصل ہوئی۔

اس کے بعد جگر صاحب حج کرنے کے لئے بھی تشریف لے گئے، چار پانچ مہینے وہاں رہے تو ایک مشت داڑھی بھی آ گئی، وہاں تو انہیں آئنہ دیکھنے کا موقع نہ ملا، واپس آ کر جہاز سے اترتے ہوئے آئنہ دیکھا تو خوشی اور شکر کے ملے جلے جذبات میں انہوں نے یہ شعر کہا۔

چلو دیکھ آئیں ماجرا جگر کا
سنا ہے وہ کافر مسلمان ہو گیا

اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دو دعائیں بھی قبول فرمالیں کہ حج بھی نصیب ہو گیا اور داڑھی بھی سنت کے مطابق آ گئی۔ یہ شعر جگر صاحب نے جہاز سے اترتے وقت کہا تھا، اس کے بعد وہ بمبئی سے لکھنؤ پہنچے، اسٹیشن سے باہر نکل کر تانگے میں بیٹھے، جگر صاحب ہندوستان کے اتنے مقبول شاعر تھے کہ وہ تانگے کے پیچھے والے حصہ میں بیٹھے ہوئے تھے اور اس کے اگلے حصہ میں تانگے والا یہی شعر پڑھ رہا تھا کہ ۔

چلو دیکھ آئیں ماجرا جگر کا
سنا ہے وہ کافر مسلمان ہو گیا

جگر صاحب نے جب تانگا چلانے والے سے یہ شعر سنا تو اندر رہی اندر زار و قطار رونے لگے کہ میں نے یہ شعر کہاں کہا تھا اور کہاں اس کی زبان سے یہی شعر ادا ہو رہا ہے۔

اس کے بعد انہوں نے کہا کہ میری تین تمنائیں تو پوری ہو گئیں کہ شراب نوشی کی عادت بھی چھوٹ گئی، حج بھی نصیب ہو گیا اور ایک مشت داڑھی بھی آگئی، اب چوتھی دعا کی میں اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کہ وہ میری یہ آخری دعا بھی قبول فرما کر آخرت میں میری مغفرت بھی فرمادیں گے۔

اس واقعہ میں غور کیجئے! ایک ایسا شاعر جو غزل خواں ہو اور شراب نوشی کا عادی ہو، لیکن جب وہ شیخ کامل حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچتا ہے تو کیسی کایا پلٹتی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ باعمل لوگوں کی اور شیخ کی صحبت اختیار کی جائے، جب آدمی ایسوں کی صحبت میں رہتا ہے تو گناہ چھوٹنے لگتے ہیں، وہ دعائیں بھی کرتے ہیں، علاج بھی کرتے ہیں، نسخے بھی بتاتے ہیں اور ہدایات بھی دیتے ہیں۔ اس طرح انسان کے اخلاق میں آہستہ آہستہ تبدیلی آتی ہے، اعمال میں درستگی آتی ہے اور اس کی روح میں خصوصاً عقل، شہوت اور غصّے میں جو بے اعتدالی ہے وہ ختم ہو جاتی ہے۔

چار درہم کے بدلہ چار دعائیں

جگر صاحب کی چار دعاؤں کے قبول ہونے پر اسی قسم کا ایک اور واقعہ یاد آیا وہ عرض کرتا ہوں۔ یہ واقعہ نزھۃ البساتین میں لکھا ہوا ہے کہ ایک آزاد قسم کا آدمی تھا، اس کے کئی غلام تھے، جب وہ اپنے کاروبار سے فارغ ہو کر شام کے وقت اپنے گھر آتا تو اپنے یاروں اور دوستوں کے ساتھ اپنے گھر میں مجلس لگاتا، سب لوگ کھانا کھاتے، پھر گانے باجے کی محفل ہوتی اور شراب نوشی کا دور چلتا، اس طرح وہ پوری رات عیش وعشرت میں گزارتے۔

ایک مرتبہ اسی طرح اس کے سب یار دوست جمع تھے، کھانا پکنے میں ابھی دیر تھی، اس لئے اس نے اپنے ایک غلام کو چار درہم دیئے اور اس سے کہا کہ تم مارکیٹ سے مغزیات وغیرہ لے آؤ، تاکہ کھانا پکنے تک اس کو کھاتے رہیں، جب کھانا پک جائے گا تو پھر کھانا کھالیں گے، وہ غلام چار درہم لے کر مارکیٹ کی طرف چلا، مارکیٹ سے پہلے درمیان میں حضرت حمّاد رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس ہوتی تھی، جب یہ غلام وہاں سے گزرا تو اس نے دیکھا کہ مجلس ہو رہی ہے لیکن بیان نہیں ہو رہا، حضرت خاموش بیٹھے ہوئے ہیں اور ایک سائل حضرتِ کی مجلس میں کھڑا ہوا ہے، غلام یہ ماجرا دیکھنے کے لئے کھڑا ہو گیا، اس نے دیکھا کہ حضرت یہ فرمارہے ہیں کہ بھئی یہ سائل چار درہم مانگ رہا ہے، میرے پاس تو چار درہم نہیں ہیں، اگر حاضرین مجلس میں کوئی شخص اس سائل کو چار درہم دیدے تو میں اس کے بدلے اس کو چار دعائیں دے دوں گا۔ ''اللہ اکبر'' غلام یہ

سب کچھ دیکھ اور سن رہا تھا، اس نے موقع غنیمت جانا۔ غور کیجئے کہ جب اللہ پاک کا فضل ہوتا ہے تو کس طرح ہوتا ہے، جگر صاحب پر بھی اللہ کا فضل ہوا اور اس غلام پر بھی اللہ پاک کا فضل ہوا اور یہ فضل اللہ والوں کی صحبت سے ہوا۔

بہر حال! یہ غلام مارکیٹ جانے کی بجائے آگے بڑھا اور وہ چار درہم جو اس کے آقا نے اس کو مغزیات لانے کے لئے دیئے تھے، سائل کے ہاتھ میں رکھ کر حضرت حمّاد رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے جاکر بیٹھ گیا اور کہا کہ حضرت! میں نے آپ کے کہنے کے مطابق چار درہم اس سائل کو دے دیئے ہیں، اب آپ چار دعائیں مجھے دے دیجئے۔

حضرت حمّاد رحمۃ اللہ علیہ نے **فرمایا**: بتاؤ پہلی دعا کیا کروں؟ اس غلام نے کہا کہ حضرت میں غلام ہوں، دعا کر دیجئے کہ اللہ پاک مجھے آزادی کی نعمت عطا فرمادے، حضرت نے دعا فرمادی یا اللہ! اس کو آزادی عطا فرما۔ حضرت نے دوسری دعا کے بارے میں پوچھا، غلام نے کہا: یہ دعا فرمادیں کہ اللہ پاک مجھے ان چار درہم کا نعم البدل عطا فرمادیں "سبحان اللہ" کیسی پیاری دعا ہے، حضرت نے یہ دعا بھی کر دی۔ تیسری دعا کے متعلق حضرت نے پوچھا تو غلام نے کہا کہ میرا آقا اللہ تعالیٰ سے اور آخرت سے غافل ہے اور عیش وعشرت میں مبتلا ہے، یہ دعا فرمادیں کہ اللہ پاک اس کو توبہ کی توفیق عطا فرمادیں، حضرت نے یہ دعا بھی فرمادی۔ پھر حضرت نے چوتھی اور آخری دعا کے متعلق دریافت فرمایا تو غلام نے کہا کہ چوتھی دعا یہ کردیں کہ اللہ پاک میری، آپ کی، میرے آقا کی، اس کے گھر والوں کی اور تمام حاضرین کی مغفرت فرمادیں، حضرت نے یہ دعا

بھی فرمادی۔

دعاؤں کی قبولیت

یہ غلام چاروں دعائیں کرا کے یہیں سے واپس گھر آیا، اس کا آقا بے چینی سے اس کا انتظار کر رہا تھا کہ مارکیٹ تو قریب ہی ہے، میرا غلام کہاں چلا گیا اور بقیہ تمام لوگ بھی بے چینی سے اس کے منتظر تھے، جیسے ہی وہ غلام دور سے آتا ہوا دکھائی دیا تو آقا نے دیکھا کہ اب بھی خالی ہاتھ آتا نظر آرہا ہے، قریب آتے ہی آقا نے اپنے غلام سے کہا کہ اتنی دیر میں آیا اور اب بھی خالی ہاتھ آیا، کہاں رہ گیا تھا، کیا معاملہ ہو گیا؟ اس غلام نے جواباً کہا: حضور عجیب و غریب واقعہ ہو گیا ہے، آپ غصہ نہ کریں، پہلے میری بات سن لیجئے پھر جو چاہے کر لیجئے گا۔ آقا نے کہا بتاؤ کیا بات ہو گئی؟ غلام نے کہا: حضور بات یہ ہے کہ میں آپ کے حکم کے مطابق مارکیٹ جارہا تھا کہ راستے میں حضرت حمّاد رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں ایک سائل کھڑا تھا اور حضرت یہ فرمارہے تھے کہ جو اس کو چار درہم دے گا، میں اس کو چار دعائیں دوں گا تو حضور میں **نے چاروں درہم اس کو دے دیئے اور میں چار دعائیں لے کر آیا ہوں۔**

آقا نے کہا جلدی بتا، کون کونسی دعائیں کروائی ہیں؟ چونکہ دراہم اسی آقا کے تھے اس لئے اس کو یہ اشتیاق ہوا کہ مجھے چار درہم کے بدلے جو دعائیں ملی ہیں، وہ کون کونسی ہیں۔ غلام نے کہا کہ پہلی دعا یہ کرائی کہ اللہ پاک مجھے آزادی عطا فرمادے، آقا نے فوراً کہا کہ جا آج سے تو اللہ کے لئے آزاد ہے۔

دوسری دعا کے متعلق آقا نے پوچھا تو غلام نے کہا: دوسری دعا یہ کرائی ہے کہ اللہ پاک مجھے ان چار درہم کا نعم البدل عطا فرمادیں، آقا نے کہا کہ میرے خزانے سے چار ہزار درہم گن کر لے لے، میری طرف سے یہ تجھے ہدیہ ہیں۔

تیسری دعا کے بارے میں آقا نے پوچھا تو غلام نے کہا: تیسری دعا یہ کرائی کہ اللہ پاک آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو توبہ کی توفیق عطا فرمادے، تو آقا نے یہ سن کر کہا تو گواہ رہ، میں نے اللہ کے واسطے توبہ کرلی۔ "اللہ اکبر" اور پھر اس آقا نے اندر جا کر اپنے دوستوں اور ساتھیوں سے کہا کہ بھئی میں نے تو توبہ کرلی ہے، اب اگر تم میرے سچے اور مخلص دوست ہو تو تم بھی توبہ کرلو، انہوں نے کہا کہ جہاں تم وہاں ہم، ہم تیرے ساتھی ہیں، جب تو نے توبہ کی تو ہم نے بھی توبہ کرلی۔ "اللہ اکبر"

آقا نے کہا: چوتھی دعا بتا، اس غلام نے کہا: چوتھی دعا یہ ہے کہ اللہ پاک میری، آپ کی، آپ کے گھر والوں کی، حضرت کی اور حضرت کی مجلس کے تمام حاضرین کی مغفرت فرمادے، یہ سن کر آقا نے کہا: یہ میرے بس کی بات نہیں ہے، یہ صرف خالق کائنات کے اختیار میں ہے، اس کے علاوہ کسی کے بس میں نہیں۔

مغفرت و بخشش

لکھا ہے کہ رات کو جب یہ آقا سویا تو خواب میں منجانب اللہ اس سے یہ کہا گیا کہ جب تم نے وہ تینوں کام کرلیے جو تمہارے اختیار میں تھے تو کیا ہم وہ

کام نہیں کریں گے جو ہمارے اختیار میں ہے۔ "اللہ اکبر" لہٰذا ہم نے حضرت حمادؒ کی، ان کی مجلس کے تمام حاضرین کی، تمہاری، تمہارے غلام کی اور تمہارے سارے دوستوں کی مغفرت کردی۔

اہل اللہ کی مجالست کا مقصد اصلاح ہے

بہرحال! اللہ والوں کی صحبت میں کبھی اس طرح سے دعائیں بھی مل جاتی ہیں، لیکن ان کی خدمت و صحبت میں رہ کر اصل چیز کرنے کی یہ ہے کہ انسان اپنے باطن کی اصلاح اور تزکیہ کی طرف ہی متوجہ رہے، صرف دعاؤں ہی کے لئے ان کی خدمت و صحبت میں نہ جائے کہ حضرت دعا کر دیجئے کہ میری شادی ہو جائے، میرا کارخانہ چل جائے، میرا کاروبار کھل جائے، میرا قرضہ اتر جائے، میں مقدمے میں جیت جاؤں وغیرہ۔ اللہ معاف فرمائے آج کل بعض لوگ اللہ والوں کے پاس صرف اسی لئے جاتے ہیں کہ ان سے اپنے دنیاوی مقاصد کے حصول کے لئے دعائیں کرائیں، کیونکہ لوگوں کے ذہنوں میں یہ بٹھا رکھا ہے کہ اگر تمہاری مصیبتیں دور نہیں ہو رہی ہیں تو کسی اللہ والے سے بیعت ہو جاؤ، تمہاری ساری پریشانیاں اور مصیبتیں دور ہو جائیں گی، یہ بالکل غلط سوچ ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص کسی مریض کو یہ مشورہ دے کہ تو کسی وکیل سے دوستی کرلے یا کسی انجینئر کی شاگردی اختیار کرلے تو تیری بیماری صحیح ہو جائے گی۔ بھئی انجینئر یا وکیل کا جسمانی بیماریوں سے کیا تعلق؟ کسی ماہر طبیب یا حکیم کے پاس جانے کا مشورہ دیتے تب تو کوئی معقول بات ہوتی، جیسے یہ

نا معقول ہے، ایسے ہی یہ بھی نا معقول بات ہے کہ اللہ والوں سے بیعت ہو جاؤ مصیبتیں دور ہو جائیں گی۔ اللہ والے تو طبیب روحانی ہیں، وہ تو تمہاری دینی رہنمائی کر سکتے ہیں، تمہیں مشورہ دے سکتے ہیں تاکہ تمہارے باطن کی بیماریاں دور ہوں، مثلاً وہ تمہیں غصہ، ریا، تکبر، حسد اور کینہ وغیرہ کا علاج بتائیں گے، یہ نہیں کہ ان کے پاس ایسے نسخے موجود ہیں کہ وہ ایک تعویذ دیں گے جس سے بچوں اور بچیوں کی شادیاں ہو جائیں گی، کارخانے چل جائیں گے، دکانیں چل جائیں گی، ملازمتیں فوراً مل جائیں گی، ترقی بھی روزانہ ہو گی وغیرہ وغیرہ، تعویذوں اور نسخوں سے ایسا نہیں ہوتا، اگر ایسا ہونے لگے تو پھر گھر بیٹھے بیٹھے ہی آدمی پوری کی پوری حکومت و سلطنت سنبھال لے۔

ہاں یہ بات ممکن ہے کہ اللہ والوں سے آدمی کا تعلق محض اللہ کی رضا اور واقعی اخلاص سے ہو تو جس طرح وہ دینی رہنمائی کرتے ہیں، اسی طرح وہ دعائیں بھی کرتے ہیں اور ان کی دعائیں قبول بھی ہو جاتی ہیں۔ لیکن صرف اسی کام کے لئے آدمی ان کے پاس جا کر پڑ جائے اور اپنی اصلاح کی فکر نہ ہو، یعنی نہ اپنی اصلاح کرنی ہے، نہ اپنے اعمال کی درستگی کرنی ہے، نہ گناہوں کو چھوڑنا ہے، نہ ٹی۔وی، وی سی آر چھوڑنا ہے، نہ شلوار ٹخنوں سے اوپر کرنی ہے اور نہ عورتوں کو بے پردگی سے توبہ کرنی ہے، ان کے علاوہ اور بہت سارے گناہ برابر جاری ہیں، ان کو چھوڑنے کا کوئی ارادہ نہیں، بس حضرت کے ہاتھ چومے جا رہے ہیں اور روزانہ رات دن حاضری لگائی جا رہی ہے، کس مقصد کے لئے؟ کہ حضرت کوئی ایک نسخہ بتادیں یا ایسا وظیفہ بتادیں یا ایسی دعا بتادیں یا ایسی دعا خود

ہی کر دیں کہ بیڑا پار ہو جائے، گویا تمام دعائیں دنیا کے مطلب کی ہیں، اپنی اصلاح کی اور آخرت سنوارنے کی دعا بالکل نہیں ہے، اگر ہے تو برائے نام ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کسی جسمانی مریض کو ڈاکٹر کی بجائے وکیل سے جوڑ دیا جائے کہ وہاں جا، وہاں تیرا مطلب پورا ہو جائے گا، تو بھئی ایسا نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ بہر حال! اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل و کرم سے عقل سلیم عطا فرمائے اور فہم صحیح بھی عطا فرمائے۔ آمین۔

قرآنِ کریم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہمیں دعوت دے رہا ہے کہ ہم اپنے باطن کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں اور اس کا جو صحیح طریقہ ہے اس کو اختیار کریں، جس میں ہم سے بہت کوتاہی ہو رہی ہے کہ اپنے باطن کی اصلاح اور درستگی کے لئے کسی اللہ والے سے ہمارا رابطہ نہیں ہے، لہٰذا سب سے پہلا کام یہی ہے کہ ہم کسی اللہ والے سے رابطہ قائم کریں۔ اور اس رابطہ کا مطلب سمجھ لیں کہ وہ کیا ہے؟

اصلاح کا صحیح طریقہ

رابطہ کا مطلب عام لوگوں کے ذہنوں میں یہ ہے کہ اللہ والوں کے پاس جاؤ اور جاتے ہی بیعت ہونے کی درخواست کر دو۔ یہ مطلب نہیں ہے، اصلاح و تربیت کی راہ میں بیعت ہونا مستحب ہے، جبکہ ظاہر و باطن کی اصلاح فرض عین ہے۔ بلکہ رابطہ کا مطلب یہ ہے کہ انسان کسی اللہ والے کے پاس جائے اور اس سے کہے کہ حضرت مجھ سے فلاں فلاں گناہ ہوتے ہیں، ظاہر کے فلاں فلاں

گناہوں میں اور باطن کے فلاں فلاں گناہوں میں مبتلا ہوں، ظاہر و باطن کے فلاں فلاں فرائض و واجبات میں مجھ سے کوتاہیاں ہو رہی ہیں، لہٰذا آپ مجھے کوئی ایسی تدبیر بتائیں کہ مجھ سے یہ کوتاہیاں دور ہو جائیں اور ظاہر و باطن کے جو فرائض و واجبات ہیں، ان کو سنّت اور شریعت کے مطابق ادا کرنے والا بن جاؤں، اور جتنے بھی ظاہر و باطن کے کبیرہ گناہ ہیں، ان سے بچنے کی توفیق ہو جائے۔

اس کے لئے پہلے اُن سے رابطے کی اجازت لی جاتی ہے، اجازت لینے کے بعد پھر انسان ٹیلیفون کے ذریعے یا اکثر و بیشتر خط و کتابت کے ذریعے اپنا ایک ایک حال ان کو بتاتا ہے، وہ اللہ والے اس کو مشورہ دیتے ہیں اور یہ مشورہ لے کر اس پر عمل کرتا ہے اور عمل کر کے دوبارہ صورت حال سے آگاہ کرتا ہے۔ اس کو اصلاحی تعلق کہتے ہیں۔

اپنے حالات جاننے کے لئے انسان صبح سے شام تک جو زندگی گزارتا ہے، اس میں غور و فکر کر کے اپنا جائزہ لیتا رہے کہ میرا معاملہ کس کے ساتھ کیسا ہوتا ہے، اس میں انسان کے معاملات اچھے بھی ہوتے ہیں اور غلط بھی، تو جو غلط طرز عمل ہے اس سے بچے اور جس سے نہ بچ سکتا ہو اس پر اپنے شیخ کو مطلع کرے اور مطلع کرنے کے بعد ان سے رہنمائی اور ہدایت حاصل کرے۔

اس طرح کرتے ہوئے جب ایک زمانہ گزر جاتا ہے اور انسان کی طبیعت کے اندر خیر غالب آجاتی ہے اور شر مغلوب ہو جاتا ہے تو اعتدال بھی آجاتا ہے اور اس بندے کا اللہ تعالیٰ سے بھی تعلق بڑھ جاتا ہے، ایسے موقع پر کبھی شیخ خود

بھی کہہ دیتا ہے کہ اب تمہیں بیعت کر لیتا ہوں اور کبھی مرید خود درخواست پیش کر دیتا ہے کہ حضرت! اب مجھے داخل سلسلہ فرما لیجئے تا کہ اس سلسلے کی برکات بھی مجھے حاصل ہو جائیں، تو اس طرح وہ بیعت کر لیتے ہیں، لیکن اس کی کوئی مدّت مقرر نہیں ہے کہ چار سال لگیں گے یا پانچ سال لگیں گے یا چھے سال لگیں گے۔ اور یہ عمل صرف مستحب کا درجہ رکھتا ہے کہ کوئی زندگی بھر نہ کرے تو گناہ نہیں ہو گا، اصل چیز تو اصلاحی رابطہ اور اصلاحی تعلق ہے جو ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے فضل و کرم سے اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہونے کی توفیق عطا فرمائیں اور ہمارے ظاہر و باطن کی اصلاح فرمائیں اور اپنی محبّت سے ہمارے قلوب کو سرشار فرمائیں اور اپنے ماسوا کی محبّت سے پاک فرمائیں۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

والدین کے حقوق

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡم ط

والدین کے حقوق اور ان کی اطاعت

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ نَحۡمَدُهٗ وَ نَسۡتَعِيۡنُهٗ وَ نَسۡتَغۡفِرُهٗ وَ نُؤۡمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيۡهِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَيِّئَاتِ اَعۡمَالِنَا ۔ مَنۡ يَّهۡدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنۡ يُّضۡلِلۡهُ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ وَنَشۡهَدُاَنۡ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحۡدَهٗ لَاشَرِيۡكَ لَهٗ وَنَشۡهَدُاَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّداً عَبۡدُهٗ وَ رَسُوۡلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيۡهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسۡلِيۡمًا كَثِيۡرًا

اَمَّا بَعۡدُ!۔

فَاَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ط

وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ط

(سورۃ بنی اسرآئیل، آیت ۲۳)

اللہ تعالیٰ اور بندوں کے حقوق

میرے قابلِ احترام بزرگو اور محترم خواتین! اللہ جل شانہ نے ہمیں جو احکام دیئے ہیں، اُن کی دو قسمیں ہیں، بعض احکام حقوق اللہ کہلاتے ہیں اور بعض احکام حقوق العباد کہلاتے ہیں۔ حقوق العباد اور حقوق اللہ یہ دونوں ہی اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے احکام ہیں اور دونوں ہی ہمارے دین کا حصہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی بڑی تفصیل ہے جیسے نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، حج کرنا، زکوٰۃ دینا، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنا، فسق و فجور سے بچنا اور دیگر فرائض و واجبات کو ادا کرنا۔

اسی طرح حقوق العباد کی بھی بڑی تفصیل ہے، جیسے ماں باپ کے حقوق، اولاد کے حقوق، شوہر کے حقوق، بیوی کے حقوق، پڑوسیوں کے حقوق، رشتہ داروں کے حقوق، عام مسلمانوں کے حقوق، اپنے ماتحت نوکروں اور غلاموں کے حقوق، اور اپنے سے درجہ میں جو اوپر ہوں ان کے حقوق ادا کرنا، مثلاً جیسے ہمارا کوئی افسر ہے، یا ہمارا کوئی اور ذمہ دار ہے، کوئی صاحبِ منصب ہے، اس کے حقوق شریعت کے مطابق ادا کرنا، یہ حقوق العباد کہلاتے ہیں۔

حقوق کی ادائیگی دین کا حصہ ہے

حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد، یہ سب شریعت کا حصہ ہیں، اور ان سب کو ادا کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے، اور ان سب کو ادا کرنا سراپا دین ہے۔ ہمارا دین صرف نماز روزہ تک محدود نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کو ادا کرنا جس میں اس کی نافرمانی سے بچنا بھی ہے، اور اللہ پاک نے اپنے بندوں کے جو حقوق مقرر فرمائے ہیں، شریعت کے مطابق ان کو ادا کرنا بھی دین کا حصہ ہے۔ اور جب تک آدمی اللہ تعالیٰ اور بندوں کے حقوق ادا نہ کرے، اس وقت تک وہ پورا مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں ہے، اور اس کو اللہ تعالیٰ کی کامل رضا حاصل ہونا مشکل ہے۔ لہٰذا ہمیں دین کے تمام تقاضوں کو اپنے عمل میں لانے کی فکر کرنی چاہئے۔

اداءِ حقوق کی فکر

نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے دیگر حقوق کو بھی ادا کرنے کا اہتمام کرنا چاہئے، اور اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے بندوں کے حقوق کو بھی ادا کرنے کا اہتمام کرنا چاہئے، بلکہ بعض اعتبار سے بندوں کے حقوق کی ادائیگی کا معاملہ زیادہ اہم ہے اور اس کی طرف زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں اگر کوئی کوتاہی ہوئی تو اللہ

تعالیٰ کی طرف سے ان کی معافی کی قوی امید ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ بڑے مہربان اور نہایت رحم والے ہیں، وہ تو بندے کے کہے بغیر ہی اس کی کوتاہیاں معاف کرتے رہتے ہیں، اگر بندہ ان سے معافی مانگے اور سچی توبہ کرے اور توبہ کے جو آداب و شرائط ہیں، انہیں بجا لائے تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں۔

لیکن اگر کسی بندہ کی کوتاہی اور حق تلفی کی یا اس پر ظلم کیا یا کوئی زیادتی کی تو اس کی اس وقت تک توبہ مکمل نہیں ہوگی جب تک وہ بندہ معاف نہ کر دے جس کی حق تلفی کی گئی ہے، لہٰذا جب تک اس سے معافی نہ مانگیں یا اس کا حق ادا نہ کریں، اس وقت تک توبہ مکمل نہ ہوگی۔

تین رجسٹر

اس بارے میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنا ایک قاعدہ اور ضابطہ مقرر فرمایا ہے جو بہت مضبوط ہے۔

چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں قیامت کے دن تین رجسٹر ہوں گے۔

❀...... ایک رجسٹر ایسا ہوگا کہ اس میں جو کچھ لکھا ہوگا، اللہ تعالیٰ اسے ہرگز ہرگز معاف نہیں فرمائیں گے، العیاذ باللہ! اللہ تعالیٰ ذرہ برابر اس میں رعایت اور نرمی کا معاملہ نہیں فرمائیں گے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھیں۔ آمین۔

۞...... ایک رجسٹر ایسا ہوگا کہ اس میں جو کچھ لکھا ہوگا، اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو معاف فرما دیں گے، چاہیں گے تو بدلہ لے لیں گے، اس میں معافی کی امید بہت زیادہ ہے، اور اللہ تعالیٰ اس میں بہت ہی درگزر اور نرمی کا معاملہ فرمائیں گے۔

۞...... تیسرا رجسٹر ایسا ہوگا کہ اس میں جو اعمال درج ہوں گے اور جو کوتاہیاں لکھی ہوئی ہونگی، اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ پورا پورا دلوائیں گے۔

پہلے رجسٹر سے مراد یہ ہے کہ اس میں بندوں کا کفر و شرک لکھا ہوا ہوگا، العیاذ باللہ، مثلاً اگر کسی بندہ نے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں کسی کو شریک ٹھرایا ہوگا یا اس نے دنیا کے اندر کفر اختیار کیا ہوگا، یعنی دنیا میں وہ کافر تھا اور اسی کفر و شرک کی حالت میں وہ دنیا میں رہا اور مرا، تو اس کے نامہ اعمال میں کفر و شرک لکھا ہوا ہوگا اور اس کی بخشش نہیں ہوگی، مغفرت نہیں ہوگی، وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔

دوسرا رجسٹر وہ ہوگا جس میں بندوں کی اللہ تعالیٰ کے حقوق میں کوتاہیاں لکھی ہوئی ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ کے جو حقوق ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو فرائض واجبات بندوں پر مقرر کئے ہیں جیسے نماز، روزہ، حج وغیرہ، ان میں بندوں نے جو کوتاہیاں کی ہوں گی وہ اس رجسٹر میں درج ہوں گی۔ اس رجسٹر کے بارے میں اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو سزا دیں گے اور چاہیں گے تو معاف فرما دیں گے، درگزر فرما دیں گے۔ بہرحال! اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ جو حقوق

وابستہ ہیں، اللہ تعالیٰ ان میں رعایت فرمائیں گے اور درگزر سے کام لیں گے، اور معاف فرمادیں گے، تاہم مواخذہ بھی فرماسکتے ہیں۔

تیسرا رجسٹر وہ ہوگا جس کے اندر بندوں کے حقوق میں جو کوتاہیاں کی گئی ہیں وہ لکھی ہوئی ہوں گی، حقوق العباد کی کوتاہیاں اور نافرمانیاں اس میں درج ہوں گی، کسی دن کسی انسان کو ناحق مار دیا، کسی کا ناحق پیسہ کھالیا، کسی کی بے عزتی کر دی، کسی پر تہمت لگا دی، کسی پر الزام لگا دیا، کسی کو پریشان کر دیا، کسی کو تکلیف پہنچا دی، کسی کو ستایا، یہ ہیں بندوں کے حقوق کی کوتاہیاں، اس قسم کی کوتاہیاں اس رجسٹر میں لکھی ہوئی ہوں گی۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا عام دستور یہ ہوگا کہ وہ خود ان کو معاف نہیں فرمائیں گے بلکہ بدلہ دلوائیں گے یا جس بندہ کی اس میں حق تلفی لکھی ہوئی ہے، جب وہ بندہ معاف کر دے گا تو اللہ تعالیٰ بھی معاف فرما دیں گے۔ اور اگر وہ کہے کہ میں اپنا بدلہ لوں گا کہ اس نے میرے پیسے کھائے تھے، میری زمین دبائی تھی، اس نے میری بے عزتی کی تھی، میرے ساتھ بدتمیزی کی تھی، مجھے ستایا تھا، پریشان کیا تھا، دل دکھایا تھا، میں تو اس کا بدلہ لوں گا، مجھے بدلہ دلوائیں، تو اللہ تعالیٰ اس کو بدلہ دلوائیں گے، لہٰذا جب تک صاحب حق معاف نہیں کرے گا، اللہ تعالیٰ معاف نہیں فرمائیں گے، اور اگر وہ بدلہ مانگے گا تو اللہ تعالیٰ پورا پورا بدلہ دلوائیں گے، اس بارے میں اللہ تعالیٰ رعایت نہیں فرمائیں گے۔ یہ تین قسم کے رجسٹر ہیں جو قیامت کے دن ہوں گے، اس لئے بندوں کے حقوق کے اندر کوتاہی کرنا بڑی خطرناک بات ہے۔ لہٰذا جس بندہ کی حق تلفی کی ہے، اس کا حق ادا

کرے یا اس سے معافی مانگے اور اللہ تعالیٰ سے بھی معافی مانگے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما دیں گے اور اس طرح اس کی توبہ قبول ہو جائے گی، غرض یہ کہ بندوں کے حقوق کی ادائیگی کا زیادہ اہتمام اور خیال کرنا چاہیے۔

والدین کے حقوق اور ہماری کم علمی

بندوں کے حقوق میں سے آج میں آپ کے سامنے والدین کے کچھ حقوق کے بارے میں بیان کرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ عام بندوں میں ان کا درجہ سب سے اونچا ہے، ان کا مقام سب سے بلند ہے، اس لئے ان کے حقوق کی ادائیگی کا معاملہ بھی بہت اہم ہے۔ ماں باپ کے حقوق ادا نہ کرنے کا آج عام مرض پایا جاتا ہے، ایک تو ماں باپ کے حقوق کا عام طور پر علم ہی نہیں ہے، اور علم اس لئے نہیں ہے کہ علماء صلحاء اور نیک لوگوں کی صحبت میں آنا جانا نہیں ہے، کیونکہ نیک مجلسوں میں نیک باتوں کا تذکرہ ہوتا ہے اور اس میں جہاں دین کی اور باتوں کا تذکرہ ہوتا ہے، حقوق العباد کا تذکرہ بھی آتا رہتا ہے تو نیک مجلس میں آئیں تو سنیں، اور سنیں تو پتہ چلے اور عمل ہو سکے۔

دوسرے دین کی کتابوں کے مطالعہ کا شوق بھی بہت کم ہے، اگر آدمی کسی نیک مجلس میں نہ جائے لیکن دین کی کتابوں کے مطالعہ کرنے کا معمول رکھے تو دین کی کتابوں میں یکے بعد دیگرے دین کی تمام باتوں کا تذکرہ ہوتا ہے، چنانچہ جہاں نماز روزہ کے بارے میں کتابیں ہیں، وہاں اردو میں والدین کے حقوق کے بارے میں بھی کتابیں ہیں۔ بہرحال مذکورہ دو باتوں کی وجہ

سے بعض لوگوں کو معلوم ہی نہیں کہ والدین کے کیا حقوق ہیں، اس کی وجہ سے والدین کے حقوق میں کوتاہیاں ہوتی رہتی ہیں۔

ایک تیسری وجہ اور بھی ہے کہ ہمارے معاشرہ میں دین غالب نہیں ہے، بلکہ دین سے آزادی اور یورپ کی تقلید اور مغرب کا اثر ہمارے اوپر زیادہ حاوی ہے، تھوڑا بہت جو دین کا شوق رکھنے والے ہیں، وہ بے چارے تو کسی شمار میں نہیں ہیں، لیکن مجموعی طور پر اگر ہم اپنے معاشرہ کا جائزہ لیں تو بس مغربی ماحول میں پل رہے ہیں اور جوان ہو رہے ہیں اور بوڑھے ہو رہے ہیں اور مر رہے ہیں، اس ماحول کے اندر تو ماں باپ کے حقوق کی ادائیگی کا تصور ہی نہیں، اس کی بنیاد تو خود غرضی پر ہے، دنیا داری پر ہے، حبِ دنیا پر ہے، اللہ کی نافرمانی اور فسق و فجور پر ہے، جس معاشرہ کی بنیاد یہ ہو وہاں ماں باپ کے مقام کا کیا تصور ہوگا اور ان کے ساتھ کسی اچھے سلوک کا کیا خیال ہوگا، وہاں اچھا سلوک کرنے، خدمت کرنے، اطاعت کرنے کا تصور ہے ہی نہیں، ایسے ماحول میں تو بڈھے خانہ بنے ہوئے ہیں، جب ماں باپ کسی قابل نہ رہیں تو انہیں بڈھے خانہ میں داخل کر دو، وہاں خود ہی ان کی خدمت ہوتی رہے گی، اور اگر خدمت نہ ہوئی تو مر جائیں گے اور ختم ہو جائیں گے، اولاد کا ماں باپ سے کیا واسطہ اور ماں باپ کون ہوتے ہیں؟ العیاذ باللہ! مغرب زدہ معاشرہ میں ماں باپ کے حقوق ادا کرنے اور ان کی عزت کرنے کا کوئی تصور نہیں، اُسی کا ہمارے یہاں غلبہ ہو رہا ہے، اس وجہ سے بھی ماں باپ کے ساتھ آج بڑی زیادتیاں ہوتی ہیں اور ان کے حقوق میں بڑی کوتاہیاں ہوتی ہیں اور ان

کی نافرمانیاں عام ہیں۔

جمع ہونے کا مقصد

اس وقت ہمارے یہاں جمع ہونے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہم اپنا جائزہ لیں، اور جائزہ لے کر دیکھیں کہ ہم سے اس سلسلہ میں کوئی کوتاہی تو نہیں ہورہی، ہم اس سلسلہ میں دین سے کہیں بے خبر تو نہیں، اور ہم اپنے ماں باپ کے حقوق کی ادائیگی میں کہیں غافل تو نہیں، اگر ہوں تو ہم اپنی اصلاح کرلیں، اپنی غفلت دور کرلیں، اپنی کوتاہی دور کرلیں اور ان کو دور کر کے اپنے ماں باپ کے حقوق کی ادائیگی کی فکر کریں۔ اور اب تک اگر ہم نے ان کی حق تلفی کی ہے، ان کو ستایا ہے، تکلیف دی ہے، پریشان کیا ہے، اور ابھی وہ زندہ ہیں، تو ان سے معافی مانگ کر ان کو راضی کرلیں۔

اور اگر وہ وفات پاچکے اور اب ہمیں معلوم ہوا کہ ان کا اتنا بڑا مقام تھا اور اتنا اونچا درجہ تھا اور ان کو ستانے کا یہ عذاب اور وبال تھا اور ہم ان کو ستاچکے ہیں تو اب ہم کیا کریں؟ تو پہلے ایک پیارا شعر سن لیجئے ۔

تو ملے تو کوئی مرض نہیں
نہ ملے تو کوئی دوا نہیں

اللہ تعالیٰ سے اگر کسی کا رابطہ ہو جائے تو ہر مشکل حل ہے، پھر کوئی مرض مرض نہیں، ہر مشکل کا حل موجود ہے، ماں باپ کے انتقال کے بعد بھی نافرمان اولاد کے لئے ماں باپ کی خدمت کرنے کا راستہ موجود ہے، وہ نافرمان اولاد

جس نے زندگی بھر ان کو ستایا اور پریشان کیا، اور ماں باپ دنیا سے رخصت ہو گئے، اب اولاد کو احساس ہوا کہ ہائے ہم نے یہ کیا کیا؟ ہمیں ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا، ہمیں تو بجائے ستانے کے دل و جان سے ان کی خدمت کرنی تھی اور ان کی دعائیں لینی تھی، تو اس کا حل یہ ہے کہ اب ان کے لئے دل و جان سے استغفار کرنے میں لگ جاؤ، ان کے لئے مغفرت کی دعائیں کرتے رہو، بخشش کی دعائیں کرتے رہو، ایصالِ ثواب کرتے رہو، نفلی عبادات کا ثواب ان کو پہنچاتے رہو اور زندگی بھر کے لئے اس کو اپنا وظیفہ اور معمول بنالو، پھر انشاء اللہ تعالیٰ جب قیامت میں اٹھو گے تو والدین کے فرمانبرداروں میں اٹھائے جاؤ گے۔

اہم بات جو دل سے دل میں اتری

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بات یاد آئی ہے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کتاب میں لکھا بھی ہے اور زبانی بھی میں نے سنا ہے۔

فرماتے تھے کہ جب میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو میں والد صاحب کے پاس ہی موجود تھا، حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آنکھیں کھولیں اور فرمایا (ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا نام لیا) کہ محمد شفیع! میں ایک بات کہتا ہوں، میں نے کہا فرمایئے! فرمایا کہ "بھول تو سب جایا کرتے ہیں مگر تم ذرا جلدی مت بھولنا" اللہ اکبر!! کیسی اہم بات ارشاد فرمائی۔ چنانچہ ہمارے حضرت قدس سرہٗ اخیر عمر میں فرمایا

کرتے تھے جبکہ حضرتؒ کی عمر اسی (۸۰) سال ہوگئی تھی، فرماتے تھے کہ میرے والد صاحبؒ نے یہ بات آج سے چالیس سال پہلے فرمائی تھی، لیکن آج بھی یہ میرے ذہن میں اس طرح نقش ہے جیسے ابھی فرمائی ہو، کیونکہ اس کا عنوان ہی ایسا عجیب وغریب اور دل میں اتر جانے والا ہے جو ہمیشہ یاد رہتا ہے اور ان کے لئے مغفرت کی دعائیں اور ایصالِ ثواب ہوتا رہتا ہے۔

نیک اولاد پر والدین کا حق

اگر کسی اولاد نے ماں باپ کی فرمانبرداری کی ہے، تب بھی ان کا حق ہے کہ ساری زندگی ان کو یاد رکھے۔اور دو کام تو ایسے ہیں کہ آدمی ماں باپ کا حق ادا کرنے کے لئے ان کی زندگی ہی میں شروع کرسکتا ہے۔

(۱) ایک کام یہ ہے کہ فجر کی نماز کے بعد روزانہ ۱۲ ار مرتبہ ’’قل ھو اللہ‘‘ پڑھ کر ان کو ایصال ثواب کرنے کا معمول بنالیا جائے، چاہیں والدین زندہ ہوں یا وفات پاچکے ہوں، اس لئے کہ ایصال ثواب زندہ کے لئے بھی ہوسکتا ہے جیسے مردہ کے لئے ہوسکتا ہے، یہ تو ایک ہدیہ ہے، اور ہدیہ جیسے انسان زندہ کو دے سکتا ہے مردہ کو بھی دے سکتا ہے، ایسے ہدیہ میں مردہ اور زندہ دونوں برابر ہیں، اور اگر وفات پاچکے ہوں تو پھر تو یہ معمول ہونا ہی چاہئے، بارہ مرتبہ ’’قل ھو اللہ احد‘‘ پڑھ کر یوں کہہ دیا کرے کہ ’’یا اللہ! اس کا ثواب میرے والدین کی روح کو پہنچا دیجئے‘‘۔

اور اگر والدین زندہ ہوں تو ان کو ثواب پہنچانے کے لئے یہ الفاظ

کہہ دیا کریں کہ ''یا اللہ میرے والد اور میری والدہ کو اس کا ثواب پہنچا دیجئے۔

۱۲ رمرتبہ سورۂ اخلاص کا ثواب

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو آدمی فجر کی نماز کے بعد بارہ مرتبہ قل هو الله احد پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے چار مرتبہ قرآن شریف ختم کرنے کا ثواب عطاء فرماتے ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی شخص بارہ مرتبہ قل هو اللّٰه احد پڑھکر والدین کو ثواب پہنچائے گا تو والدین کی خدمت میں اتنا ثواب پہنچے گا۔

والدین کے لئے دعا

(۲) دوسرا کام یہ ہے کہ ان کے لئے یہ دعا کرلیا کریں!

یا اللہ! میرے والدین کی مغفرت فرما اور ان پر رحم فرما۔

قرآن شریف کی یہ دعا بھی بڑی پیاری دعا ہے:

رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِىْ صَغِيْراً۔

اے اللہ! ان دونوں (والدین) پر اس طرح رحم فرما
جس طرح شفقت کے ساتھ انہوں نے میری پرورش
کی۔

یہ دعا جو اوپر گزری کہ یا اللہ! میرے والدین کی مغفرت فرما اور ان پر رحم فرما، اس کے بارے میں حدیث شریف میں یہ فضیلت آئی ہے کہ جو شخص ان الفاظ سے کسی بھی مرحوم مسلمان کے لئے دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ مرنے والے

کی قبر میں پہاڑوں کے برابر ثواب پہنچا دیتے ہیں۔

اس دعا سے تو دعا کرنے والے کے مرحوم ماں باپ کی عید بقرہ عید آجائے گی اور وہ کہیں گے کہ ہمارا یہ بیٹا تھا تو بڑا نالائق اور نافرمان، لیکن اب تو یہ اجر و ثواب کے بڑے بڑے پارسل بھیج رہا ہے۔ اور وہ وہاں اس کے بڑے سخت محتاج ہوں گے، اور شاید وہ یہ دعائیں دینا شروع کر دیں کہ یا اللہ! اب یہ ٹھیک ہوگیا ہے، یا اللہ! اب یہ اسی ایصالِ ثواب کے کام میں لگا رہے، نماز پڑھتا رہے، روزہ رکھتا رہے، حج کرتا رہے، اور نیک کاموں میں لگا رہے۔ بہرحال! دیکھئے یہ دونوں کام کتنے آسان ہیں، کچھ مشکل نہیں، روزانہ بارہ مرتبہ قل ھو اللّٰہ احد کا ثواب اپنے والدین کو پہنچا دیا کریں، ہر نماز کے بعد یا کم از کم فجر کی نماز کے بعد روزانہ پڑھ کر اس کا ثواب ان کو پہنچا دیا کریں۔

والدین عظیم نعمت ہیں

اگر کسی کے ماں باپ زندہ ہیں تو اس کو بہت بڑی دولت حاصل ہے، بہت بڑی نعمت اللہ تعالیٰ نے اس کو عطا فرما رکھی ہے، جتنا بھی وہ اس نعمت کی قدر اور احترام کر سکتا ہے اور ان کی خدمت کر سکتا ہے اور ان کی خدمت کر کے اپنی آخرت بنا سکتا ہے، اس میں دریغ نہ کرے، یہ نعمت چلی گئی تو پچھتانے کے سوا کچھ نہ ہوگا، ابھی بہت بڑی نعمت حاصل ہے۔ وہ بہت بڑی نعمت یہ ہے کہ حدیث شریف سے یہ بات ثابت ہے کہ اگر اولاد اپنے ماں باپ کے چہرہ پر

ایک مرتبہ شفقت بھری نظر ڈالے، شفقت سے اور محبت سے ان پر نظر ڈالے کہ یہ میرے ماں باپ ہیں، میرے بہت بڑے محسن ہیں، دنیا میں میرے وجود میں آنے کا باعث ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کا بہت بڑا درجہ رکھا ہے، تو ایک شفقت بھری نظر ڈالنے پر اللہ تعالیٰ اس کو ایک مقبول حج کا ثواب عطاء فرماتے ہیں۔ اللہ اکبر!!

آج کل ایک مرتبہ حج کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے، وہ بھی سال میں ایک مرتبہ، اس لئے کہ جس طرح سال میں ایک ہی مرتبہ رمضان آتا ہے، اسی طرح ایک ہی مرتبہ حج ہوتا ہے۔ پھر ہر سال ہر آدمی حج کر بھی نہیں سکتا، اور اگر کرے بھی تو آسان کام نہیں، اس کے لئے وقت بھی چاہئے، پیسے بھی چاہئیں، صحت بھی چاہئے، اگر ان تینوں میں سے ایک چیز بھی کم ہو جائے تو حج مشکل ہو جائے گا، اگر کسی طرح کر بھی لے تو ہر حج کا مقبول ہونا آسان نہیں، اور یہاں ایک ہی نظر پر ایک مقبول حج کا ثواب ملنا حدیث شریف سے ثابت ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی رحمت ہے۔

سو حج کا ثواب

اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ ماں باپ کا کتنا اونچا مقام ہے، اگر کسی شخص نے صبح سے شام تک سو مرتبہ والدین پر شفقت بھری نظر ڈالی تو اس کو سو حج کا ثواب انشاء اللہ تعالیٰ ایک ہی دن میں حاصل ہو گیا، اور جہاں والدین اولاد کے ساتھ رہتے ہیں، وہاں تو ہر دم نظر پڑتی ہی رہتی ہے، اولاد کی ماں

باپ پر اور ماں باپ کی اولاد پر، بس اولاد کے دل میں ان کی عظمت ہو، ان کا اکرام ہو، ان کا احترام ہو، اور جب بھی نظر ڈالیں تو شفقت سے اور عزت و احترام سے ان پر نظر ڈالیں کہ یہ میرے ماں باپ ہیں، ان کا بہت اونچا مقام ہے، یا اللہ! یہ مجھ سے راضی رہیں، یا اللہ! مجھے ان کی خدمت کی توفیق عطا فرما۔ اس طرح دل کی گہرائی سے جب ان پر نظر پڑے گی تو ہر نظر پر ایک مقبول حج کا ثواب نامہ اعمال میں درج ہوتا رہے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ اگر ان کی طرف سے کوئی زیادتی بھی ہو تو آدمی برداشت کر لے۔ قرآن کریم میں متعدد جگہ ماں باپ کے حقوق کا بیان ہے، احادیث طیبہ میں بھی جگہ جگہ ماں باپ کے حقوق کا بیان ہے، ان سب کا بیک وقت بیان کرنا آسان نہیں، ہاں تھوڑا سا بیان ہوسکتا ہے۔

والدین کے چند حقوق

جو آیت میں نے تلاوت کی ہے، اس میں ماں باپ کے چند حقوق بیان ہوئے ہیں۔ پہلے تو اللہ پاک نے اپنی توحید کے بیان کے ساتھ ماں باپ سے اچھا سلوک کرنے کا ذکر فرمایا، جس سے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ دیکھو ماں باپ کا اتنا بڑا درجہ ہے کہ ہم نے ان کو اپنے ساتھ ذکر کیا، جس طرح ہماری توحید فرض ہے، ہمیں وحدہٗ لاشریک ماننا فرض ہے، ماں باپ کا حق پہچانا بھی ضروری ہے، ان کا مرتبہ اور مقام جاننا بھی ضروری ہے، اور ان کے ساتھ اچھا سلوک اور اچھا برتاؤ کرنا بھی ضروری ہے۔ لہٰذا والدین کا

پہلا ۔ یہ ہے کہ آدمی ساری زندگی اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک اور اچھا برتاؤ کرے، بدسلوکی، بدتمیزی، بدتہذیبی، نافرمانی، ستانے اور پریشان کرنے سے پرہیز کرے۔ والدین کے ساتھ اچھا سلوک فرض ہے، بدسلوکی حرام ہے، آگے اسی کی تفصیل ہے۔ اور پھر خاص طور سے ان کے بڑھاپے کے زمانہ کا ذکر فرمایا ہے۔

جوانی میں تو ماں باپ قوی ہوتے ہیں اولاد پر غالب ہوتے ہیں، اولاد ان کے تابع ہوتی ہے، ماتحت ہوتی ہے، اس لئے وہاں ماں باپ کی زیادہ نافرمانی اور حق تلفی نہیں ہوتی، اور اس وقت بھی اولاد پر ماں باپ کی جائز امور میں اطاعت ضروری ہے اور جائز امور کے اندر ان کی نافرمانی ناجائز ہے اور بڑا گناہ ہے اور اس وقت بھی ان کی اطاعت و فرمانبرداری اور خدمت اولاد کے ذمہ ہے۔

لیکن جب کسی کے ماں باپ بوڑھے ہو جائیں، ضعیف ہو جائیں، کمزور ہو جائیں، کمانے کھانے کے قابل نہ رہیں، یا خاص طور سے جب بیمار ہو جائیں اور وہ اولاد کی خدمت کے محتاج ہو جائیں، اس وقت اولاد کا امتحان ہوتا ہے کہ کون اس وقت ماں باپ کا احترام کرتا ہے، عزت کرتا ہے، خدمت کرتا ہے اور فرمانبرداری کرتا ہے اور ان کا دل خوش کر کے ان سے دعائیں لیتا ہے۔

جس نے ماں باپ کی بڑھاپے میں اس طرح خدمت کی کہ ان کو خوش کر کے ان سے دعائیں لے لیں، بس وہ امتحان میں پاس ہو گیا، اس نے

میدان جیت لیا، اس نے اپنی آخرت بنالی، اور جس نے یہ امتحان پاس نہ کیا وہ فیل ہوگیا۔

بچپن اور پچپن

بڑھاپے میں اکثر آدمی کا مزاج چڑچڑا ہو جاتا ہے اور کچھ آدمی کی طبیعت عجیب سی ہو جاتی ہے، یا یوں کہیے کہ بچپن اور پچپن ایک جیسا ہو جاتا ہے، بچپن میں جو عادتیں ہوتی ہیں وہ بڑھاپے میں واپس آ جاتی ہیں، البتہ اتنا فرق ہے کہ بچہ کی عادتیں پسند ہوتی ہیں اور بوڑھے کی ناپسند ہوتی ہیں۔

ایک بوڑھے کا عبرتناک واقعہ

اسی موضوع پر ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے بیان فرماتے ہوئے ایک قصہ سنایا تھا، جو یہ ہے:

ایک شخص تھا، جب وہ بوڑھا ہوگیا اور بیٹا جوان ہوگیا تو جوان ہونے کے بعد ایک مرتبہ بیٹا باپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور کسی کام میں مشغول تھا، باپ معذور تھا، وہ چار پائی پر بیٹھا ہوا تھا، بڑھاپے میں نظر بھی نہیں آتا اور سمجھ میں بھی نہیں آتا، تو دیوار پر ایک کوّا آ کر بیٹھا، تو باپ نے پوچھا بیٹا یہ کیا ہے؟ بیٹے نے کہا ابا کوّا ہے، تھوڑی دیر کے بعد پھر اس نے پوچھا بیٹا یہ کیا ہے؟ بیٹے نے کہا کہ ابھی تو بتایا تھا کوّا ہے، تھوڑی دیر میں پھر پوچھا بیٹا یہ کالا کالا سا کیا ہے؟ ابھی تو بتایا تھا کوّا ہے، باپ خاموش ہوگیا، پھر پوچھا یہ کالا کالا سا کیا ہے

بیٹا؟ اب بیٹا غصہ میں بولا کہ آپ کا دماغ چل گیا ہے، ابھی تو بتایا تھا کہ کوّا ہے، پانچویں مرتبہ پھر بڑے میاں نے پوچھ لیا، بیٹا یہ کیا ہے؟ اب تو بیٹا مرنے مارنے کے لئے تیار ہوگیا کہ آپ کا دماغ چل گیا ہے اور یہ ہوگیا وہ ہوگیا اور یہ ہے اور وہ ہے، سمجھ میں تو کچھ آتا نہیں، نظر آتا نہیں، بتا تو دیا ہے ہزار مرتبہ کہ کوّا ہے۔

جب بیٹے نے اس قدر بدتمیزی کا برتاؤ کیا اور غصہ اور ناراضگی کا اظہار کیا تو باپ کچھ زیادہ ہی ہوشیار تھا، وہ اٹھا اور اندر جا کر ایک پرانی ڈائری اٹھا کر لایا، جس میں بیٹے کی تاریخ ولادت لکھی ہوئی تھی، ڈائری نکال کر اس کا ایک صفحہ کھولا اور کہا بیٹا ذرا یہ پڑھ کر دیکھو، اس میں لکھا ہوا تھا کہ فلاں دن اور فلاں تاریخ کو میں اور یہ میرا اکلوتا بیٹا ایک ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں دیوار پر ایک کوّا آ کر بیٹھا، اور اس نے مجھ سے پوچھا کہ ابا یہ کیا ہے؟ میں نے کہا بیٹا کوّا ہے، پھر اس نے پوچھا کہ ابا یہ کیا ہے؟ میں نے کہا بیٹا کوّا ہے، پھر اس نے پوچھا کہ ابا یہ کیا ہے؟ میں نے کہا بیٹا کوّا ہے۔ پچیس مرتبہ اس نے پوچھا، میں نے ہر مرتبہ پیار سے جواب دیا، بلکہ اس کا یہ پوچھنا ہی مجھ کو بہت بھلا معلوم ہو رہا تھا۔ باپ نے یہ واقعہ بتا کر کہا کہ دیکھو باپ اور بیٹے میں یہ فرق ہوتا ہے، یہ تیرا جواب ہے اور وہ میرا جواب تھا، تو پانچ مرتبہ میں ہی مارنے کے لئے تیار ہوگیا، اور میں پچیس مرتبہ میں بھی پیار کرتا رہا۔ اسی لئے میں کہتا ہوں کہ بچپن اور پچپن کچھ ایک ہی جیسا ہوتا ہے۔

اولاد کو والدین کی تکالیف کا اندازہ نہیں

تمہیں کیا معلوم ہے کہ ماں باپ نے بچپن میں تمہارے ساتھ کیسا پیار کا معاملہ کیا تھا، اور تمہارے کیسے کیسے ناز و نخرے سہے تھے، اور کیسی کیسی تکلیفیں برداشت کی تھیں اور تمہارے کتنے ہی انگنت سوالوں کا جواب دیا تھا اور ہر سوال کا جواب پیار و محبت سے دیا تھا، اور آج تم پانچ مرتبہ کے سوالوں پر چراغ پا ہو گئے اور یوں ڈانٹنے لگے اور اس طریقہ سے غصہ اور ناراضگی کا اظہار کرنے لگے۔

آج کل حقیقت حال یہی ہے کہ ماں باپ کی نرمی بھی اولاد سے برداشت نہیں ہوتی، غصہ اور ناراضگی تو کون برداشت کرے گا، ماں باپ اگر آج شفقت و محبّت سے اپنی اولاد سے کہتے ہیں کہ فلاں گناہ نہ کرو، نماز جماعت سے پڑھ لیا کرو، ماحول خراب ہے باہر مت نکلا کرو، کوئی سننے کے لئے تیار نہیں ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ اگر وہ ذرا سی ناراضگی کا اظہار کر دیں تو اولاد مرنے مارنے کے لئے تیار ہو جاتی ہے۔

بہر حال! والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم ہے، خاص طور سے جب وہ بڑھاپے کی حالت کو پہنچ جائیں، اس وقت ان کی کسی بات پر چیں بجبیں ہونا، پیشانی پر شکن لانا، تیور بدلنا، آنکھوں یا چہرہ سے غصہ کا اظہار کرنا، یا زبان سے اُف تک کہنا، یاد رکھئے! ان سب کی ممانعت ہے، ان کی کوئی گنجائش نہیں، والدین کو ڈانٹنا ڈپٹنا، تنبیہ کرنا، خدانخواستہ مارنا پیٹنا، یہ تو

بالکل ہی حرام ہے۔

ہمارے معاشرے میں ماں باپ کو مارنے، ستانے، پریشان کرنے، ان کے سامنے زبان چلانے، ترکی بترکی جواب دینے کے واقعات سامنے آتے رہتے ہیں اور ہمارے معاشرے میں عام ہو رہے ہیں۔ جبکہ قرآن شریف میں یہ فرمایا:

فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا۔

(سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۲۳)

ان کو اف بھی نہ کہو اور ان کو جھڑکو بھی نہیں۔ اگر انہوں نے کوئی ایسی بات کہی ہے کہ تم اس کے جواب میں اُف وغیرہ کہہ سکتے ہو تو تم اس کے جواب میں وہ بھی نہ کہو بلکہ خاموش رہو۔

وَلَا تَنْهَرْهُمَا۔

اور ان کو ڈانٹو بھی نہیں، تنبیہ بھی نہ کرو اور مارنا پیٹنا تو دور کی بات ہے۔

جوانی اور متکبر کا حال

عام طور سے جوانی کے اندر آدمی میں اکڑفوں زیادہ ہوتی ہے، اللہ بچائے، اور آدمی کمزور کے سامنے زیادہ اکڑتا ہے، متکبر کو اکڑ کر چلنے کا شوق ہوتا ہے، اور یہ بھی خواہش ہوتی ہے کہ کوئی مجھے دیکھے تاکہ پتہ چلے کہ کون گزرا؟ اور وہ کچھ تعریف بھی کرے، متکبر تو خود ہی تعریف کا خواہاں ہوتا ہے، اگر کوئی تعریف نہ کرے تو تعریف کرانے کا خواہاں ہوتا ہے، اللہ بچائے۔

ایک آدمی ایک بزرگ کے پاس سے گزرا اور اکڑتا ہوا گزرا، انہوں نے ان کی طرف کوئی توجہ نہ کی کہ کون گزرا، اس نے پوچھا معلوم بھی ہے کہ آپ کے پاس سے کون گزرا؟ انہوں نے کہا کہ ہاں مجھے معلوم ہے کون گزرا؟ کہا کون گزرا؟

جواب دیا کہ وہ شخص جس کا اوّل ناپاک قطرہ ہے اور آخر ایک مردار لاشہ ہے اور درمیان میں اس کے پیٹ میں پاخانہ، مثانہ میں پیشاب اور رگ رگ میں ناپاک خون بھرا ہوا ہے، گویا اس کی یہ حقیقت بیان فرما دی کہ تیری پیدائش ایک ناپاک قطرہ سے ہے، تیرا انجام ایک مردار جسم ہے اور ان دونوں کے درمیان جسم میں نجاست لئے پھرتا ہے، وہ سن کر شرمندہ ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کس بات پر اکڑے اور اترائے، اور کس بنا پر خود کو بڑا سمجھے؟ وہ ہر حال میں حقیر و ذلیل ہے، بڑائی کی اس میں کوئی بات نہیں، بڑائی صرف اور صرف حق تعالیٰ کے لائق ہے۔

بہرحال والدین کے بارے میں حق تعالیٰ کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ ان کے سامنے اپنے آپ کو عاجز اور پست بنا کر رکھو، بیشک تم طاقتور سہی، قوی سہی، جوان سہی، لیکن مرتبہ میں تم ان کے برابر نہیں، لہٰذا ان کے سامنے عاجز بنے رہو، غلاموں، تابع داروں اور فرمانبرداروں کی طرح رہو۔

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ

اور یہ تمہارا ان کے سامنے عاجزی کرنا، انکساری اختیار
کرنا اور پستی اختیار کرنا بھی از راہ شفقت و مہربانی ہو

کہ یہ میرے ماں باپ ہیں۔

اور صرف یہ نہیں کہ ظاہر میں ان کے سامنے عاجزی سے رہو بلکہ دل سے بھی ان کے لئے دعائیں کرتے رہو،

رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْراً

جب اولاد ان کو یہ دعا دے گی اور ان کی تابعدار رہے گی اور خدمت کرے گی تو ایسے شخص کو والدین کی دلی دعائیں ملیں گی، اور جسے ماں باپ کی دلی دعائیں مل گئیں تو انشاء اللہ اس کی دنیا و آخرت سنور جائے گی، اللہ پاک والدین کی خدمت کرنے کی توفیق عطاء فرمائے، آمین۔

والدین کی دعا کا عجیب واقعہ

ماں باپ کی دعا کا ایک عجیب وغریب واقعہ یاد آیا جو نزھۃ البساتین میں لکھا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وحی آئی کہ سمندر کے کنارے پر جاؤ اور ہماری قدرت کا ایک عجیب نمونہ دیکھو! حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے ہمراہ انسان و جنات کو لے کر وہاں پہنچے اور دائیں بائیں دیکھا مگر کوئی خاص چیز نظر نہ آئی، تو آپ نے ایک جن کو حکم دیا کہ تم اس سمندر میں غوطہ لگاؤ اور اندر کی صورتحال سے مجھے آگاہ کرو، اس نے غوطہ لگایا اور کچھ دیر کے بعد اوپر آیا اور عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی! میں نے اس سمندر میں پے در پے غوطے لگائے مگر اس کی تہہ تک نہ پہنچ سکا اور جہاں تک میں گیا کوئی خاص چیز مجھے نظر نہ آئی۔ آپ نے دوسرے جن کو حکم دیا کہ تم سمندر میں

غوطے لگاؤ اور اندر کے حال سے مطلع کرو، اس نے بھی غوطہ لگایا اور باہر آ کر وہی جواب دیا جو پہلے جن نے دیا تھا کہ اس نے پہلے جن سے دوگنا غوطے لگائے لیکن سمندر کی تہہ تک وہ بھی نہ پہنچ سکا اور واپس آ گیا، اور عرض کیا کہ حضرت وہاں مجھے کچھ نہیں ملا، حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر تھے "آصف برخیاء" آپ نے ان کو حکم دیا کہ آپ جائیے اور اندر کا حال بتلائیے، وہ گئے اور تھوڑی ہی دیر میں سمندر کی تہہ سے ایک سفید قبہ نکال کر لائے، جو بالکل گول تھا، جس میں چار دروازے تھے اور چاروں دروازے کھلے ہوئے تھے، ایک ان میں موتی کا تھا، ایک یاقوت کا، ایک زمرد کا اور ایک ہیرے کا، ان چاروں کے چار دروازے بنے ہوئے تھے اور چاروں دروازے کھلے ہوئے تھے، لیکن پانی کا ایک قطرہ اندر نہیں گیا تھا، حالانکہ وہ سمندر کی تہہ میں تھا، اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھئے!

آصف برخیار نے جب حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے یہ قبہ حاضر کیا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے دیکھا کہ اندر قالین بچھا ہوا ہے اور ایک خوبصورت جوان اس میں نماز پڑھ رہا ہے، جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو حضرت سلیمان علیہ السلام اندر تشریف لے گئے اور اس سے جا کر ملے اور سلام کیا، اور دریافت فرمایا کہ آپ یہاں کیسے آئے؟ کس چیز نے آپ کو یہاں پہنچایا؟

اس نوجوان نے عرض کیا کہ حضرت! میں اپنے ماں باپ کی دعا کی بدولت یہاں آیا ہوں، میرے ماں باپ دونوں کے دونوں معذور تھے، میری ماں نابینا

تھی اور میرے والد آپاہج تھے، میں نے ستر برس ان کی خدمت کی، میرے سوا ان کا کوئی خدمتگار نہ تھا، لہٰذا رات دن میں ان کی خدمت کرتا تھا، جب میری والدہ کے انتقال کا وقت قریب آیا تو میری والدہ نے ایک دعا دی کہ!

''یا اللہ! میرے بچے کو عمر دراز عطا فرما اور اس کو ساری
عمر اپنی عبادت میں گزارنے کی توفیق عطا فرما۔''

اور میری ماں کا انتقال ہوگیا، پھر میں والد صاحب کی خدمت میں لگا رہا، جب ان کے انتقال کا وقت قریب آیا تو انہوں نے بھی انتقال سے پہلے مجھے ایک دعا دی کہ:

''یا اللہ میرے بیٹے کو ایسی جگہ عبادت کی توفیق دینا
جہاں شیطان کا عمل دخل نہ ہو۔''

جب میرے والد صاحب کا بھی انتقال ہوگیا اور میں ان کو دفن کر کے آیا تو میرے پاس سوائے آنسوؤں کے کچھ نہیں تھا، دل میں سوچنے لگا کہ اب گھر میں کون ہے جس کے پاس جاؤں گا، میں بہت ہی اداس اور غمگین اس سمندر کے کنارہ آیا تو دور سے مجھے یہ قبہ نظر آیا، مجھے تجسس پیدا ہوا کہ یہ کیا چیز ہے؟ چنانچہ دیکھنے کے لئے قریب آیا تو یہ بڑا خوبصورت تھا، چنانچہ میں اس کی خوبصورتی دیکھنے کے لئے اندر آیا تو ایک فرشتہ نے اٹھا کر سمندر کی تہہ میں رکھدیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پوچھا کہ تم زندہ ہو، کھانا پینا کہاں سے ہوتا ہے؟

اس نے کہا کہ حضرت! ایک سبز پرندہ روزانہ میرے پاس آتا ہے اور اپنی چونچ میں انسان کے سر کے برابر ایک زرد رنگ کی چیز کھانے کی لاتا ہے، میں اسے کھالیتا ہوں، اس میں دنیا کی ساری نعمتوں کا ذائقہ آجاتا ہے، اس کے کھانے کے بعد چوبیس گھنٹہ تک نہ مجھے بھوک لگتی ہے نہ پیاس لگتی ہے، نہ تکلیف ہوتی ہے نہ بیماری ہوتی ہے، نہ تھکن ہوتی ہے، نہ سستی ہوتی ہے، کچھ بھی نہیں ہوتا، یہاں تک کہ یہاں اکیلا پن بھی محسوس نہیں ہوتا، نہ تنہائی کی وحشت محسوس ہوتی ہے، بالکل تندرست توانا چاق و چوبند ہو جاتا ہوں۔

حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دریافت فرمایا کہ تم کس زمانہ میں یہاں آئے تھے؟ اس نے کہا کہ میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں یہاں آیا تھا، میں ان کا امّتی ہوں، حضرت سلیمان علیہ السلام نے تاریخ دیکھی تو دو ہزار سال ہو چکے تھے۔ وہ بالکل جوان تھا، اس کے سر کا ایک بال بھی سفید نہیں ہوا تھا اور عبادت میں مشغول تھا، باپ کی دعا بھی خوب لگی اور ماں کی دعا بھی خوب لگی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: کیا تم چاہتے ہو کہ ہمارے ساتھ چلو یا ہم تمہیں تمہاری جگہ پہنچا دیں؟ اس نے کہا نہیں مجھے اپنی جگہ پہنچا دیں، چنانچہ آپ نے آصف برخیاء سے فرمایا کہ انہیں ان کی جگہ پہنچا دو، چنانچہ انہوں نے پہنچا دیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ ماں باپ کی دعا کا اثر دیکھو کہ کس طریقہ سے اللہ پاک نے اسے کہاں پہنچایا ہوا ہے اور اپنی عبادت میں لگایا ہوا ہے، نہ کھانے کی فکر، نہ پینے کی فکر، نہ کوئی بیماری نہ کوئی غم، سارے غموں

سے نجات پا گیا، لہٰذا اپنے ماں باپ کی نافرمانی سے بچو اور ان کو ستانے سے پرہیز کرو اور ان کی خدمت کر کے ان سے دعائیں لو!

عبرتناک واقعہ

ایک عبرت ناک واقعہ ہمارے ایک بزرگ نے سنایا تھا کہ جیسے دعا سے آدمی کو بڑا عالی مقام ملتا ہے، ایسے ہی والدین کی نافرمانی اور ایذا رسانی سے نجانے کیا انجام ہوتا ہے۔

ایک ماں تھی اور ایک ہی اس کا بیٹا تھا، ماں بیچاری بیمار تھی اور بیٹے کے سوا اس کا کوئی خدمت گار نہیں تھا، بیٹا رات دن ماں کی خدمت کرتا، لیکن جب بھی حج کا زمانہ آتا تو اس کا حج کرنے کو بہت دل چاہتا، اور وہ اپنی والدہ سے کہتا کہ امی جان! آپ مجھے حج کرنے کی اجازت دے دیں، والدہ کہتی بیٹا! تیرے سوا میرا کوئی خدمت کرنے والا اور دھیان کرنے والا ہے نہیں، میں تجھے کیسے اجازت دے دوں، حج میں کوئی دو دن تو لگتے نہیں، اچھا خاصا وقت لگتا ہے اور تمہارے پیچھے میرا کیا بنے گا؟

بہرحال! ماں یہی کہتی رہی کہ بیٹا! جب تک کوئی متبادل انتظام نہیں ہوتا صبر کرو، جب موقع ملے چلے جانا، لیکن بیٹے کو جانے کا شوق ہوتا تھا، آخر ایک دن اتنا شوق ہوا کہ والدہ کو بتائے بغیر ہی گھر سے نکل گیا۔ اس زمانہ میں قافلے حج کے لئے جایا کرتے تھے اور لوگ انہی کے ساتھ چل دیا کرتے تھے، تو وہ ایک قافلہ کے ساتھ چل دیا، ایک دو منزل کے بعد قافلہ نے کسی شہر کے

باہر قیام کیا اور قافلہ والے شہر میں اپنی اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے چلے گئے، چنانچہ بیٹا خود اپنا واقعہ بیان کرتا ہے کہ میں بھی کسی مسجد میں جا کر عبادت میں مشغول ہوگیا، رات کو میں عبادت میں مشغول تھا کہ شہر میں چوری ہوگئی اور تھانیدار نے پولیس کو چور پکڑنے کے لئے روانہ کر دیا، پولیس والے مسجد میں بھی آئے، انہوں نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا تو کہا چور یہی ہے، اور نماز کے بہانے اپنی جان چھڑانا چاہتا ہے، اور مجھے گرفتار کر کے تھانیدار کے سامنے پیش کر دیا، وہ بھی کوئی جلاد قسم کا آدمی تھا، اس نے لوگوں پر رعب اور اپنی دھاگ بٹھانے کے لئے میرے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کٹوا دیئے، اور میرے دھڑ کو ایک ریڑھی پر رکھ کر منہ کالا کر کے شہر میں گھمایا کہ جو بھی چوری کرے گا اس کا یہ انجام ہوگا، اور ساتھ ساتھ ایک آدمی اعلان کرتا گیا کہ دیکھو جو چوری کرے گا اس کا یہ انجام ہوگا۔ میں نے کہا نہیں بلکہ یہ اعلان کرو کہ جو ماں کی اجازت کے بغیر حج کرنے جائے گا، اس کا یہ انجام ہوگا، جب بار بار یہ اعلان کیا گیا تو لوگ مجھے پہچان گئے، کیونکہ یہ ماں بیٹے عبادت اور بزرگی کے اندر دور دور تک معروف تھے کہ یہ فلانی کا بیٹا ہے اور اس کی ماں رابعہ بصریہ کی طرح عبادت گزار ہے، اور یہ بھی بڑا ہی اور نیک صالح بندہ ہے۔ لوگوں نے ایک دم تھانیدار کا گھیراؤ کر لیا کہ کم بخت تو نے ان بزرگ کے ساتھ یہ کیا زیادتی کی؟ اسے معلوم ہوا تو وہ بھی کانپ گیا اور معافی مانگنے لگا اور توبہ کرنے لگا، خیر میں نے اسے معاف کیا اور میں نے کہا کہ مجھے میری ماں کے پاس پہنچا دو، اور میری ماں کو اطلاع نہ کرنا کہ تیرا بیٹا آیا ہے، بلکہ مجھ کو لے

جا کر میری ماں کے گھر کے دروازے کے پاس رکھ دینا، کیونکہ اس کے اب نہ ہاتھ تھے نہ پیر تھے۔

لوگوں نے میرے کہنے کے مطابق میری ماں کے جھونپڑے کے پاس مجھے رکھ دیا اور میں تکلیف سے کراہنے لگا، میری ماں نے سمجھا کہ شاید کوئی فقیر کھانا مانگنے کے لئے آیا ہے تو میری ماں نے کھانا نکالا اور کہا: لو بابا کھانا لے لو! میں نے آواز دی کہ اماں! میرے تو پیر ہی نہیں ہیں، میں کھانا کیسے لے لوں، وہ آئیں اور میرے پاس کھانا رکھ دیا کہ لو کھانا کھالو، میں نے کہا کہ اماں! میرے تو ہاتھ بھی نہیں ہیں، میں کھانا کیسے کھالوں، جب انہوں نے تین مرتبہ میری آواز سنی تو پہچان گئی کہ ہائے یہ تو میرا ہی بیٹا ہے، اور پھر وہ اٹھا کر مجھے اندر لے گئیں، ساری رات ماں اور بیٹا روتے رہے اور گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہے کہ یا اللہ! جو گناہ مجھ سے ہوگیا ہے، مجھے معاف فرما دیجئے اور ماں کی نافرمانی کا جو وبال مجھ پر آگیا ہے، اسے دور فرما دیجئے، روتے روتے اور دعا کرتے کرتے **دونوں کی آنکھ لگ گئی**، سویرے اٹھے تو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے دونوں ہاتھ اور دونوں پیر صحیح وسالم تھے، ماں باپ کی دعاؤں کا یہ اثر ہے، اس لئے ہمیں ماں باپ کا بڑا احترام کرنا چاہئے۔

ماں اور بیوی دونوں کا حق ادا کریں

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے اپنے ایک بیان میں بڑی پیاری بات بیان فرمائی تھی، وہ بھی یاد رکھنے کی ہے کہ ماں

باپ کا بلاشبہ مقام بڑا اونچا ہے، لیکن ایسا بھی نہ ہو کہ ماں باپ کی محبت کی وجہ سے شوہر بیوی پر ظلم ڈھائے اور بیوی کے ساتھ زیادتی کرے اور اس کی حق تلفی کرے، یہ بھی ناجائز ہے اور ایسے ہی بیوی کی وجہ سے ماں باپ کے ساتھ زیادتی کرنا اور ان کی حق تلفی کرنا اور ان پر ظلم کرنا یہ بھی ناجائز ہے۔

ماں باپ کے حقوق الگ ہیں، بیوی کے حقوق الگ ہیں، دونوں کو ادا کرنا ضروری ہے۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ شوہر ماں باپ کی وجہ سے اپنی بیوی پر ظلم کرتا ہے اور اس کی حق تلفی کرتا ہے اور اس کے ساتھ زیادتی کرتا ہے جو سراسر ناجائز ہے، اس میں بھی آخرت برباد ہوتی ہے، اور ایسے ہی کبھی بیوی کی محبت میں ماں باپ کی نافرمانی کرتا ہے اور ان کے ساتھ زیادتی کرتا ہے، بیوی جو کچھ کہہ دیتی ہے، اسے سچ سمجھتا ہے اور ماں باپ جو کچھ کہہ دیتے ہیں، اسے جھوٹا سمجھتا ہے اور ان کے ساتھ زیادتی اور ان کی نافرمانی کرتا ہے، یہ بھی جائز نہیں، دونوں کے حقوق ادا کرنے کی ضرورت ہے اور دونوں کے حقوق ضروری ہیں۔

گناہ میں والدین کی اطاعت جائز نہیں

البتہ ماں باپ ہوں یا کوئی بھی مخلوق ہو، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت جائز نہیں۔

لہٰذا اگر ماں باپ کسی کو داڑھی منڈوانے کے لئے کہیں یا گانا گانے یا گانا سننے کے لئے کہیں یا کسی اور ناجائز اور خلافِ شرع کام کرنے کا حکم دیں تو

اس میں ان کی اطاعت جائز نہیں ہے، ادب سے معذرت کر دے کہ میں یہ کام نہیں کرسکتا، لیکن بدتمیزی بھی نہ کرے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی بھی ماں باپ کے کہنے کی وجہ سے نہ کرے۔ ہاں جو دین کی باتیں ہیں جیسے فرائض ہیں، واجبات ہیں یا جائز اور مباح باتیں ہیں، ان میں اگر ماں باپ اولاد کو حکم دیں تو اس کے اندر ماں باپ کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنی چاہئے۔

ایذارسانی سے بچیں

زیادہ تر اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ ہمارے کسی قول وفعل سے اور ہمارے کسی طرزِ عمل سے اشارۃً یا کنایتاً یا صراحتاً کسی بھی انداز سے ماں باپ کو ہم سے تکلیف نہ پہنچے، بلکہ تازندگی اس بات کی کوشش کرتے رہیں کہ ہم اس انداز سے رہیں اور اس انداز سے ان کی خدمت، ان کا احترام اور ان کا اکرام کریں کہ ان کا دل ہم سے باغ باغ رہے اور وہ دل سے ہمیں دعائیں دیں، اللہ تعالیٰ توفیق بخشیں، آمین۔

اداءِ حق کا طریقہ

اس کا طریقہ یہ ہے کہ جو کچھ بھی کرنا ہو، اس میں ہمیشہ اہل علم سے اور علماء کرام سے اور اہل فتویٰ حضرات سے مشورہ کرتے رہیں کہ ہمارے والد صاحب یہ کہتے ہیں تو میں اس معاملہ میں کیا کروں اور میری والدہ یہ فرماتی ہیں تو میں اس بارے میں کیا طرز عمل اختیار کروں؟ کیونکہ علم تو ہمارے پاس ہے

نہیں، ہم بے علمی میں نہ جانے کیا کریں اور کیا نہ کریں، تو نہ جاننے والے کا علاج پوچھنا ہے، دریافت کرتے رہیں اور چلتے رہیں اور پوچھ پوچھ کر عمل کرتے رہیں۔ بیوی کے حقوق بھی ہیں، ماں باپ کے حقوق بھی ہیں اور اپنے حقوق بھی ہیں، جن کو ادا کرنا چاہئے، ان سب کے بارے میں دریافت کرتے رہیں، اور دعا کرتے رہیں تو اللہ تعالیٰ مدد فرما ہی دیتے ہیں اور آسانی ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے فضل و کرم سے ماں باپ کا حق پہچاننے کی توفیق دیں اور ان کا حق ادا کر کے ان سے دلی دعائیں لینے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین بحرمۃ سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

خوفِ خدا

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خوفِ خدا

الحمد للّٰه نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به و نتوكل عليه و نعوذ باللّٰه من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا من يهده اللّٰه فلا مضل له و من يضلله فلا هادى له و نشهدان لا اِله الا اللّٰه وحده لا شريک له و نشهد ان سيّدنا و نبيّنا و مولانا محمداً عبده ورسوله صلى اللّٰه تعالىٰ عليه و علىٰ اله و اصحابه و بارک وسلم تسليماً كثيراً كثيرا. اما بعد.

فاعوذ باللّٰه من الشيطٰن الرجيم. بسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم. اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِىْ الْخَيْرٰتِ وَ يَدْعُوْنَنَا رَغَباً وَّرَهَباً وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ○
(الانبياء:۹۰) صدق اللّٰه العظيم

وہ لوگ دوڑتے تھے بھلائیوں پر اور پکارتے تھے ہم کو توقع اور ڈر سے اور تھے ہمارے آگے عاجز۔

میرے قابلِ احترام بزرگو اور محترم خواتین! اللہ تعالیٰ سے ہم کو یہ دعا مانگنی چاہیے

کہ وہ ہم کو اپنی اس قدر خشیت اور خوف عطا فرمادے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور ہمارے درمیان حائل ہو جائے، جب کوئی گناہ کا موقع آئے یا نافرمانی کی صورت سامنے آئے تو اسی لمحے اللہ تعالیٰ کا خوف اور خشیت آ کر ہمیں اس سے روک دے۔

اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کریں

ہمارے گناہوں کی بڑی وجہ اس خوف اور خشیت کا کم ہونا ہے یا نہ ہونا ہے، جب کسی کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں ہوتا یا جتنا ہونا چاہیئے اتنا نہیں ہوتا تو اسی لمحے بندہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مبتلا ہوتا ہے۔ ہماری غفلت، سستی، کاہلی، بے توجہی اور بے فکری کی وجہ بھی یہی ہے۔ حق تعالیٰ کا خوف اور خشیت وہ نعمت ہے کہ جس کو بھی نصیب ہو جائے پارسا بن جائے، یہی تقویٰ کی روح ہے۔ تقوی کہتے ہیں ڈرنے کو اور بچنے کو کہ اللہ سے ڈرے اور اس کی نافرمانی سے بچے، تو یہ ڈرنا بچنا جب ہی نصیب ہوتا ہے جب دل میں خشیت الٰہی بھری ہوئی ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہم سب کے دلوں میں اپنی خشیت بھر دے اور اپنا اتنا خوف عطا فرمادے کہ ہم اس کی نافرمانی سے دور رہیں۔ قرآن کریم میں اور احادیث طیبہ میں جگہ جگہ اللہ تعالیٰ کے خوف کی بڑی فضیلت اور بڑی تاکید اور بڑی ترغیب آئی ہے، ان سب کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم اپنے اندر خشیت الٰہی پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

خشیت پیدا کرنے کا طریقہ

اب سوال یہ ہے کہ خشیت پیدا کیسے ہو؟ تو اس کے پیدا کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں کو اپنی خشیت سے نوازا ہے اور جن بندوں اور بندیوں کے دل میں خوفِ خدا بھرا ہوا ہے ان کے پاس بیٹھیں، انکے پاس بیٹھنے سے

بیٹھنے والوں کے دل بھی خوف سے بھر جاتے ہیں، ان کی خدمت میں بیٹھنے سے اللہ تعالیٰ کی خشیت دل میں منتقل ہو جاتی ہے۔ جتنی بھی باطنی خوبیاں اور باطنی کمالات ہیں ان سب کا عام طریقہ یہی ہے کہ اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھو، ان کے پاس بیٹھنے سے ان کے قلب کے اندر اللہ تعالیٰ کے عشق و محبت کی جو شمع روشن ہے یا خوف و خشیت کا جو دیا جل رہا ہے، بیٹھنے والوں کے دل میں بھی وہی دیا منتقل ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے اور درجات بلند فرمائے حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحئی صاحبؒ کے جو ہمارے شیخ و مرشد ہیں اور ہمارے مشائخ میں سے ہیں، ماشاء اللہ بہت سے ان کی زیارت کرنے والے حضرات آج بھی موجود ہیں، حضرت تھانویؒ کے مخصوص خلفاء میں سے تھے، آپ پر حضرت تھانویؒ کی تربیت کا ایک خاص رنگ تھا، حضرت تھانویؒ اپنے مواعظ میں طریقت اور شریعت کے بہت سے مسائل جس کو عام آدمی نہیں سمجھ سکتا، معمولی معمولی مثالوں سے اس طرح سمجھاتے تھے کہ ذرا سی دیر میں معمولی سمجھ رکھنے والا بھی ان کو سمجھ لیتا تھا، ان کے جو مخصوص خلفاء تھے، ان کے اندر بھی یہ خصوصیت تھی۔ حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحبؒ کے اندر بھی اللہ پاک نے یہ خوبی رکھی تھی کہ عجیب عجیب مثالیں بیان فرماتے تھے۔

ایک دفعہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے پاس بیٹھ کر اپنے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کا خوف پیدا کرنے کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چراغ یا موم بتی جو جل رہی ہو اور آپ چاہیں کہ آپ کی موم بتی بھی جل جائے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ آپ اپنی موم بتی اس چراغ یا موم بتی کے قریب لے آؤ، پہلے تو اس چراغ کی روشنی آپ کے چراغ یا موم بتی پر بلکہ آپ پر بھی پڑے گی، پھر جتنا قریب ہوتے جاؤ گے منور ہوتے چلے جاؤ گے، یہاں تک کہ جب آپ اپنی موم بتی کا دھاگا اس جلتے

ہوئے چراغ کی لو سے ملادو گے تو ذرا سی دیر میں وہ شعلہ جو اس چراغ کی بتی میں جل رہا تھا آپ کی موم بتی یا چراغ میں بھی منتقل ہو جائیگا، جس طرح پہلا چراغ روشنی دے رہا تھا آپ کا چراغ بھی روشنی دینے لگے گا۔ جیسے ایک چراغ سے دوسرا چراغ جلتا ہے ایک موم بتی سے دوسری موم بتی جلتی ہے، اسی طریقے سے جب تم کسی اللہ والے کے دل سے اپنا دل ملادو گے اور جتنا اس سے قریب ہو جاؤ گے اور قریب ہونے کا مطلب یہاں یہ ہے کہ جتنا تمہارا مزاج اس اللہ والے کے مزاج سے مل جائے گا، طبعیت میں جتنی یکسانیت جتنی یگانگت جتنی محبت اور الفت ہوگی، جتنا گہرا تعلق ہوگا، یوں سمجھو یہ چراغ کا جلتے چراغ کے قریب آنا ہے، پھر جس دن مزاج میں خوب یکسانیت اور قربت پیدا ہو جائے گی اسی دن اللہ تعالیٰ کی وہ محبت اور خشیت جو اس اللہ والے کے دل میں اللہ تعالیٰ نے بھر رکھی ہے، آپ کے دل میں بھی بھر جائے گی۔ تو چراغ سے چراغ جلانے کی مثال ایسی ہے جس سے نیک صحبت کا مطلب ہر آدمی آسانی سے سمجھ سکتا ہے، اور آج ہمارے اندر اس نیک صحبت اختیار کرنے کی سب سے زیادہ کمی ہے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ کا خوف اور خشیت اپنے اندر پیدا کرنے کی شرط یہی ہے کہ آپ اس اللہ والے کے ہم مزاج اور ہم مذاق بن جائیں، اس سے آپ کا ایسا خصوصی **تعلق محبت کا اور اطاعت** اور تابعداری کا ہو جائے اور ایسی سچی تڑپ آپ کے اندر پیدا ہو جائے جیسی موم بتی جلانے والے میں ہوتی ہے، وہ محتاج اور ضرورت مند ہو کر اسکو جلانا چاہتا ہے تو قریب جا کر جلا لیتا ہے، جس میں تڑپ نہیں ہوتی وہ اندھیرے میں بیٹھا رہتا ہے۔ لہذا جو کسی اللہ والے سے دور رہے گا وہ ایسا ہی ہے جیسے موم بتی یا چراغ سے دور رہے۔

جتنے بھی باطنی کمالات ہیں ان کو حاصل کرنا ہمارے ذمے ہے، لیکن وہ قیل و قال سے حاصل نہیں ہوتے، نہ کتابوں اور درس سے حاصل ہوتے ہیں، بلکہ نیک صحبت سے حاصل ہوتے ہیں ؎

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

بزرگوں کی نظر یہی ہے کہ آدمی اپنے آپ کو ان کے سامنے اتنا مٹا دے اور اپنی مرضی کو ان کے سامنے اتنا فنا کر دے کہ بس انہیں کی مرضی اپنے اوپر چلنے لگے، تب کہیں جا کر ان کے دل میں جو اللہ تعالیٰ کا درد ہے اور محبت ہے وہ آپ کے دل میں بھی بھر جائے گی، بہرحال خشیت اپنے دل کے اندر پیدا کرنی چاہئے اور اس کا طریقہ یہی ہے جو عرض کیا گیا۔

صحبتِ اہل اللہ کم ہو رہی ہے

اللہ والوں کی صحبت جس کی مثال ابھی عرض کی گئی ہے وہ بھی اب عنقا ہوتی جا رہی ہے، پہلے کراچی میں ماشاء اللہ ہر گوشے میں اللہ تعالیٰ کے ایسے نیک بندے موجود تھے کہ جدھر جاؤ کوئی نہ کوئی اللہ والا بیٹھا ہوا ہے، اس کی صحبت میں جا کر بیٹھ جاؤ، اس سے مل لو، دعاء لے لو، اس کی باتیں سن لو اور اس کی خدمت میں حاضری کا فائدہ اٹھا لو، مگر اب یہ صحبتیں ذرا کم ہونے لگی ہیں۔

یاد رکھئے! اللہ تعالیٰ کے ایسے نیک لوگوں کی صحبتیں کم تو ہوں گی ناپید نہیں ہوں گی، کیونکہ تربیت، تزکیہ اور اصلاح باطنی کا یہ طریقہ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کیلئے رکھا ہے اور جب قیامت تک تربیت کا حکم ہے تو پھر نیک صحبت بھی قیامت تک ضرور ملے گی، کمی تو ہو سکتی ہے لیکن ختم نہیں ہو سکتی انشاء اللہ۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے اسکے کچھ

بدل پیدا فرمادیئے ہیں کہ اصل میں اگر کمی آجائے تو بدل سے مستفید ہوتے رہیں۔ جو بدل سے مستفید ہوتا رہے گا اس کو انشاء اللہ تعالیٰ اصل بھی نصیب ہو جائے گا۔

اللہ والوں کی صحبت کے تین بدل

اگر کسی کو اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی خدمت میں بیٹھنے کا موقع نہ ملے تو تین چیزیں اس کی بدل ہیں:

ایک اللہ والوں کے واقعات اور حکایات پر مشتمل کتابیں پڑھنا۔ بحمد اللہ ایسی کتابیں اردو میں موجود ہیں، جن میں سے ایک کتاب ''نزہۃ البساتین'' ہے۔ اس میں پہلے زمانے کے اونچے درجے کے جو بزرگان دین اور اولیاء اللہ گزرے ہیں جیسے حضرت جنید بغدادیؒ، حضرت شبلیؒ، حضرت ابراہیم ابن ادہمؒ اور حضرت ذوالنون مصریؒ ان کی حکایات اور واقعات ہیں، ان کے پڑھنے سے انسان کا ایمان تازہ ہوتا ہے۔ اس سے اوپر حضرات صحابہ کرامؓ حضرات تابعینؒ و تبع تابعینؒ کے احوالِ زندگی اور ان کے خوف وخشیت کے واقعات الحمدللہ اردو میں موجود ہیں، چنانچہ حیاۃ الصحابہ، حکایات صحابہ اور فضائل صدقات یہ سب اردو میں ایسی ہی کتابیں ہیں، اگر آدمی روزانہ کچھ وقت ان کا مطالعہ کرے تو ایسا محسوس ہو جیسے ان کی خدمت میں بیٹھا ہے۔ انکے بعد اور ان سے نیچے ہمارے اکابر علمائے دیوبندؒ ہیں، جو اپنے زمانے کے آفتاب و ماہتاب تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی اپنے عشق ومحبت کا بہت بڑا حصہ عطا فرمایا تھا، ان کی حکایات بھی الحمدللہ موجود ہیں، ان میں سے ایک کتاب ''حکایات اولیاء'' ہے، اس میں حضرت تھانویؒ نے اکابر علمائے دیوبند کے جو واقعات وحکایات بیان فرمائے ہیں، ان کو جمع کیا گیا ہے اور حاشیے میں حضرت تھانویؒ کی طرف سے اس میں کچھ وضاحتیں بھی ہے۔ اسی کا ایک خلاصہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب

دامت برکاتہم نے بھی مرتب فرمایا ہے، اس کا نام ہے ''اکابر دیو بند کیا تھے'' ۔ اس میں گویا اکابر دیو بند کی حکایات کا نچوڑ ہے۔ ہر حکایت ایسی سبق آموز ہے کہ اگر آدمی اس کو پڑھے اور سمجھے تو انسان کی زندگی پلٹنے لگے۔ تیسری کتاب ''حکایات الصالحین اور حکایات اسلاف'' ہے جو ہمارے دار العلوم کراچی کے ایک فاضل مولانا اعجاز احمد سنگھانوی مدظلہ نے مرتب کی ہے، اس میں حضرت تھانویؒ کے خلفاء اور ان کے ہم عصر علمائے دیو بند کی حکایات جمع کی ہیں۔ اگر کسی کو براہ راست اللہ والوں کی خدمت میں بیٹھنا نصیب نہ ہو اور وہ ان حکایات کا ہی مطالعہ کرتا رہے تو سمجھو وہ بھی اللہ والوں کی صحبت میں ہے، جب وہ ان کے درد بھرے واقعات پڑھے گا تو اس کے دل میں بھی اللہ تعالیٰ کے عشق و محبت کا درد پیدا ہوگا، ان کی فکر آخرت کا حال پڑھنے سے اپنے اندر بھی آخرت کی فکر پیدا ہوگی۔

اللہ والوں کی صحبت کا دوسرا بدل ٹیپ ریکارڈ

الحمد للہ یہ ٹیپ ریکارڈ اللہ تعالیٰ کی ایسی نعمت ہے کہ جن بزرگوں کی خدمت اور صحبت میں بیٹھنا چاہتے ہوں، ان کی آواز، ان کے بیانات ان ہی کی آواز میں براہ راست سن سکتے ہیں، لیکن اس کے لئے بھی ذرا ادب کی ضرورت ہے، چاہے آپ پندرہ منٹ سنیں یا آدھا گھنٹہ سنیں، لیکن با ادب ہوکر اور طلب لے کر بیٹھیں اور یہ نیت لے کر بیٹھیں کہ میں ان بزرگ کا وعظ اس لئے سنتا ہوں تاکہ میری اصلاح ہو جائے، میرے عیب دور ہو جائیں اور میرے اندر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا سچا جذبہ پیدا ہو جائے، پھر ٹیپ چلائیں اور خوب متوجہ ہوکر سنیں۔ ٹیپ کے ذریعے باتیں سننے میں بھی دل پر اثر ہوتا ہے۔ آج بھی حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحبؒ کی کیسٹ سنیں گے تو ایسا محسوس ہوگا حضرت کی مجلس میں بیٹھے ہیں۔ ہمارے حضرتؒ کی کیسٹیں بھی

ملتی ہیں۔مجلس کی عجیب تاثیر ہے ،کتاب پڑھنے سے زیادہ اس میں اثر ہوتا ہے۔طلب کے ساتھ سنا جائے تو اللہ تعالیٰ اس میں اصل کا سا اثر بھر دیتے ہیں ، یہ بھی بہترین بدل ہے۔

اللہ والوں کی صحبت کا تیسرا بدل خط و کتابت

جس بزرگ سے آپ باطنی استفادہ کرنا چاہتے ہیں اوراپنی اصلاح کرانا چاہتے ہیں ،لیکن ان کی خدمت اور صحبت آپ کو میسّر نہیں ہے،اگر وقتاً فو قتاً نصیب ہو جائے یہ بھی غنیمت ہے لیکن تحریری رابطہ اصلی رابطہ ہے، بلکہ اصلاح نفس کا سب سے بہتر اور مؤثر طریقہ یہی ہے۔لہذا آپ کا تحریری رابطہ مسلسل ان سے رہے، آپ اپنے باطن کی ایک ایک کمزوری سے خط کے ذریعے ان کو آگاہ کریں اور جو ہدایات ان کی طرف سے دی جائیں ان پر عمل کریں۔

بہرحال اصل طریقہ یہی ہے کہ اللہ والوں کی صحبت اختیار کی جائے ،جب جہاں اور جتنی بھی مل جائے اسکو غنیمت سمجھیں اوراس سے فائدہ اٹھائیں۔اگر نہ ملے یا کم ملے تو اسکے بدل پر عمل پیرا رہیں ،ان کو اپنے عمل میں رکھیں ،انشاءاللہ تعالیٰ ادب واحترام اور جذبہ اطاعت کے ساتھ جب طلبِ صادق ہوگی تو یہ بدل بھی اصل کے برابر کام کرینگے اور محروم نہیں ہونے دیں گے۔

خشیت کا ذکر قرآن وحدیث میں

خشیت کے بارے میں قرآن وحدیث بھرے ہوئے ہیں۔ایک آیت میں ہے:

افمن هذا الحديث تعجبون و تضحكون ولا تبكون

ترجمہ: کیاتم اس قرآنِ کریم سے تعجب کرتے ہواور (اس پر) ہنستے ہواور

اس کا استہزا کرتے ہو اور تم (عذاب کے خوف سے) روتے نہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی اور اصحاب صُفّہ نے سنا تو وہ سب رونے لگے، نبی کریم ﷺ نے ان کے رونے کی آواز سنی تو آپ بھی رو پڑے، صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو روتا دیکھ کر ہم اور بھی زیادہ رونے لگے، جب رو چکے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''جو اللہ کے خوف سے روتا ہے وہ کبھی دوزخ میں نہیں جائے گا''، کتنی بڑی بشارت ہے، اللہ کرے ہماری زندگی میں وہ لمحات بار بار آئیں کہ ہم خلوت میں ہوں یا جلوت میں، ہمارا دھیان اللہ تعالیٰ کی طرف لگے اور اپنی کوتاہیاں یاد آکر آنکھوں سے ایک آدھا آنسو ٹپک جائے، تو سمجھو بڑا قیمتی لمحہ ہے چاہے ایک قطرہ ہی نکل آئے بلکہ مکھی کے سر کے برابر ہی آنسو آنکھ میں تیر جائے، انشاء اللہ وہ نہ صرف آنکھ کو بلکہ آنکھ کے صدقے پورے جسم کو دوزخ سے بچالے گا، اس پر جہنم کی آگ حرام کروادیگا۔ یہ اس لئے کہہ رہا ہوں کہ حدیث میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے۔

فضیلت سے پہلے آپ کو ایک قصہ سنادوں، حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے زادالسعید میں یہ واقعہ نقل فرمایا ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوگا، جب اس کے اعمال تولے جائیں گے تو اس کی نیکیاں ہلکی پڑ جائیں گی اور گناہ بھاری ہوجائیں گے، چنانچہ اسے دوزخ میں جانے کا حکم دیدیا جائے گا، جب وہ بہت ہی مایوسانہ انداز میں وہاں سے لوٹنے لگے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی آنکھ کے ایک بال کو قوتِ گویائی عطا فرمائیں گے، وہ بال اللہ تعالیٰ سے درخواست کرے گا اور عرض کریگا: اے اللہ تعالیٰ! میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، میری ایک درخواست سن لیجئے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: بتاؤ کیا ہے؟ وہ عرض کریگا اے اللہ! آپ نے جو حکم سنایا

ہے وہ سر آنکھوں پر لیکن یا الٰہ العالمین! میری درخواست یہ ہے کہ ایک مرتبہ یہ بندہ آپ کے خوف سے رویا تھا تو اگر چہ اس کی آنکھ میں آنسو نہیں آیا تھا لیکن ہلکی سی سیم آئی تھی جو مجھے لگ گئی تھی، میں اس سیم سے نمناک ہو گیا تھا، اور آپ کے یہاں قاعدہ یہ ہے کہ جو خوف خدا سے گیلا ہو جائے بھیج جائے، اس پر آپ دوزخ حرام فرما دیتے ہیں، یا اللہ! میں اس قاعدے سے مستثنیٰ ہو رہا ہوں، مجھے آپ جہنم سے بچا دیجئے، تو حق تعالیٰ شانہ اس کی درخواست سن کر فرمائیں گے، اچھا تو بھی جہنم سے بری اور جس شخص کا تو بال ہے وہ بھی جہنم سے بری۔

رونے کی نعمت

اللہ تعالیٰ سے دعا کریں اللہ تعالیٰ ہمیں بھی رونے والی نعمت عطا فرما دے۔ اس نعمت سے ہم محروم ہیں، صبح سے شام تک ایسی افراتفری کی ہماری زندگی ہے کہ ان چیزوں کو سوچنے، اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں لانے، آخرت کی طرف متوجہ ہونے اور اللہ تعالیٰ کی خشیت سے آنسو بہانے کا خیال ہی دل سے نکل گیا ہے۔ حدیث شریف میں ہے، تین آدمی ایسے ہیں جو جہنم دیکھیں گے بھی نہیں، جانا تو درکنار، پھر فرمایا:

ایک وہ شخص جس کی آنکھیں اللہ تعالیٰ کے راستے میں جاگیں جیسے جہاد میں رات کو پہرہ دیا۔

دوسرا وہ شخص جس کی آنکھیں اللہ کے خوف سے رو پڑیں۔

تیسرا وہ شخص جس نے اپنی آنکھوں کو حرام مواقع سے بچا لیا، بدنگاہی اور بدنظری سے اپنی آنکھوں کو بچا کر رکھا۔ جس جگہ اللہ تعالیٰ نے دیکھنے کو حرام قرار دیا ہے، گناہ قرار دیا ہے، ناجائز قرار دیا ہے، وہاں اس نے اپنی آنکھوں کو نیچے کر لیا تو ایسی آنکھ والا بھی قیامت کے دن دوزخ میں جانا تو درکنار انشاء اللہ دوزخ کے

قریب بھی نہیں جائے گا۔ اللہ تعالیٰ رات کے آخری حصے میں ہمیں بھی رونا نصیب فرمائے، وہ رونے والوں کا خاص وقت ہے۔ کسی کا ایک مصرع یاد ہے ؎

دل کی آہیں نہ رہیں قلب کے نالے نہ رہے

یعنی ایک زمانہ تھا کہ آخرت کی فکر اور خوفِ خدا سے لوگوں کے دلوں سے آہیں نکلا کرتی تھیں، اپنے گناہوں پر آنسو بہایا کرتے تھے ؎

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے

وہ دکان ہی بند ہوگئی۔ ورنہ پہلے اللہ والوں کا تو خیر ایک خاص مزاج اور مذاق تھا ہی، عام لوگوں کا یہ حال تھا کہ اگر کبھی گھر کسی محلے سے رات کو کسی کا گزر ہو گیا تو کسی گھر سے رونے کی آواز آرہی ہے، کسی سے ذکر اللہ کی آواز آرہی ہے، کسی گھر سے دعاء کی آواز آرہی ہے، اب تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے قبرستان سے گزر رہے ہیں۔ اب ہمارے گھر قبرستان بن گئے ہیں، اللہ کی یاد کرنیوالے، خدا کا خوف دل میں رکھنے والے، اللہ کے خوف سے رونے والے بہت کم ہو گئے ہیں۔ ہمارے بزرگوں میں سے بہت سے ایسے تھے جو رات کے آخری حصے میں پھوٹ پھوٹ کر رویا کرتے تھے، اگر کوئی ان کے قریب سے گزر جائے تو وہ بھی رونے لگے۔

حضراتِ انبیاء کرامؑ اور اولیاءؒ کا گریہ

ان بزرگوں میں سے حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ رات کے آخری حصے میں اس طرح روتے تھے جیسے بچہ بلک بلک کر روتا ہے۔ حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ کے خلفاء میں سے حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ کی آپ میں سے بہت سے حضرات نے زیارت کی ہوگی، وہ بکاء مشہور تھے، (یعنی بہت رونے والے) ان کے رونے کا عجیب انداز تھا، وہ بیساختہ روتے تھے، اور ایسا روتے تھے کہ دیکھنے والوں کو

حیرانی ہوتی تھی ،اللہ تعالیٰ نے ان کو رونے کی عجیب کیفیت عطا فرمائی تھی ،حضرت تھانویؒ کے زمانے سے روتے تھے ،آج بھی کیسٹوں میں ان کے رونے کی آواز محفوظ ہے۔حضرت تھانویؒ کے ایک اور خلیفہ حضرت مولانا حبیب اللہ صاحبؒ سکھر میں تھے ،یہ ضحاک مشہور تھے ،ہر وقت ہنستے اور مسکراتے رہتے تھے ،کسی کی کوئی شان ہے ،کسی کی کوئی شان ہے ،پھول سارے پھول ہی ہیں ،کسی کی خوشبو کیسی اور کسی کی رنگت کیسی؟ یہ اصل میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی شانوں کا عکس ہے ،تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی شانیں حضور اکرم ﷺ میں جمع ہیں اور وہاں سے یہ شانیں اولیاء کرام میں حسب استعداد وصلاحیت منتقل ہوئی ہیں۔

حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ واقعہ

حضرت تھانویؒ کے مواعظ میں دو پیغمبروں کا ذکر ہے ،ایک حضرت یحییٰ علیہ السلام کا اور دوسرے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا۔ یہ دونوں باہم خالہ زاد بھائی ہیں ، رشتہ بھی قریب کا ہے لیکن ان دونوں کی شان الگ الگ ہے ،حضرت یحییٰ علیہ السلام پر خشیت الٰہی کا غلبہ تھا ،وہ ہر وقت روتے رہتے تھے ،اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان یہ تھی کہ وہ ہر وقت مسکراتے رہتے تھے ،ایک دفعہ ان دونوں کی ملاقات ہوئی ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضرت یحییٰ علیہ السلام سے کہا کہ بھائی صاحب! آپ اللہ تعالیٰ سے اتنا کیوں ڈرتے ہیں؟ اتنا خوف کیوں ہے؟ آخر اللہ تعالیٰ رحمٰن ورحیم بھی تو ہیں ،دیکھئے! آپ نے روتے روتے اپنے رخسار بھی خراب کر لئے۔حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں آپ روتے ہی نہیں ،جب دیکھو ہنستے رہتے ہیں ،آپکو بھی اللہ تعالیٰ کا خوف ہونا چاہیئے۔حالانکہ دونوں اللہ کے نبی ہیں ، دونوں برحق ہیں ،دونوں کا حال اپنی اپنی جگہ سچا ہے بہرحال ، اللہ تعالیٰ نے ان

دونوں کے درمیان فیصلہ کرنے کیلئے ایک فرشتہ نازل فرمایا، اس نے ان دونوں سے عرض کیا کہ اللہ پاک نے مجھے آپ دونوں کی خدمت میں بھیجا ہے اور فرمایا ہے کہ یحییٰ علیہ السلام کا حال بھی درست ہے اور عیسیٰؑ کا حال بھی صحیح ہے، خشیت الٰہی سے رونا بھی برحق ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مسکرانا بھی سچ ہے، رونا بھی چاہیئے اور مسکرانا بھی چاہیئے، لیکن فرمایا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کا جو حال ہے وہ تنہائی میں ہونا چاہیئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حال جلوت میں ہونا چاہیئے۔ یعنی جب سب کے سامنے ہو تو چہرے پر مسکراہٹ ہونی چاہیئے اور جب تنہائی میں ہو تو اپنے گناہوں پر رونے والا ہونا چاہیئے۔ لہذا ہمارے لئے راہ عمل یہ ہے کہ تنہائی میں اپنے گناہوں، اپنی کوتاہیوں، خامیوں، کمزوریوں اور اللہ تعالیٰ کے حقوق کی عدمِ ادائیگی پر رونا چاہیئے، کہ یا اللہ میں بہت خطا کار ہوں، آپ کے احکام کی بجا آوری میں بڑا غافل اور نالائق ہوں، آپ سے معافی چاہتا ہوں، معاف کردیجئے۔ تنہائی میں یہ جذبہ ہو اور سب کے سامنے چہرے پر مسکراہٹ ہو۔

نجات کا راستہ

ایک حدیث میں ہے کسی صحابی نے جناب رسول اللہ ﷺ سے پوچھا "ما النجاۃ" اے اللہ کے رسول ﷺ! نجات کا راستہ کونسا ہے؟ آپ نے تین باتیں ارشاد فرمائیں:

ایک زبان سے کوئی بیہودہ بات نہ نکلے۔

دوسرے تمہارا گھر تمہارے لئے کشادہ ہوجائے۔ (یعنی جہاں تک ہوسکے اپنے گھر میں رہو)

تیسرے اپنی خطاؤں پر رو۔

تو زبان کو قابو میں رکھنا بلاشبہ ہم سب جانتے ہیں کہ نہایت ضروری ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ ننانوے فیصد لوگ زبان کو بے قابو رکھنے کے مرض میں مبتلا ہیں تو شاید مبالغہ نہ ہو۔ اس زبان نے ہم کو بیشمار گناہوں میں مبتلا کیا ہوا ہے، اس میں مرد و عورت تقریباً سب برابر ہیں، پہلے کسی زمانے میں کہا جاتا تھا کہ عورتیں بہت بولتی ہیں اور بہت زیادہ باتیں کرتی ہیں، لیکن اب مردوں کا حال بھی یہی ہے کہ جہاں موقع آجائے پھر زبان ایسی چلتی ہے کہ کسی کی غیبت، کسی پر تہمت، کسی پر الزام، فضول لایعنی تبصرے اور مباحثے، یہ ہماری زندگی کا حصہ بن گئے ہیں۔ نجات کا پہلا قدم یہ ہے کہ ہم اپنی زبان پر قابو پائیں، جہاں ضرورت ہو جتنی ضرورت ہو اتنی ہی زبان استعمال کریں ورنہ خاموش رہیں۔ الحمدللہ اپنے بزرگوں کو اس پر عمل کرتے ہوئے دیکھا ہے، حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحبؒ ہر وقت دین کی باتیں کرتے رہتے تھے حتی کہ جب مطب تشریف لے جاتے تو پہلے وہاں مجلس ہوتی تھی پھر دواخانہ شروع ہوتا تھا، یا تو دین کی بات کرتے ورنہ خاموش اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ ہمارے حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا بھی یہی حال تھا، بلکہ آخر عمر میں جب حضرت کا ضعف زیادہ بڑھ گیا تو وہاں خاموش مجلس بھی ہوتی تھی، یہ مجلس اکثر فجر کے بعد ہوا کرتی تھی، اور اس کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ وصال سے چند سال پہلے بعض بزرگوں کو الہام ہوا کہ اب حضرتؒ کے دنیا سے رخصت ہونے کا وقت قریب آ گیا ہے، تو جن کو یہ الہام ہوا یا خواب میں اشارہ ملا، انہوں نے مشورہ دیا کہ علم و فضل اور زہد و تقویٰ کے اس چراغ سحری سے جتنا استفادہ کر سکتے ہو کر لو اور جتنا جلد ممکن ہو اس چراغ سے اپنا قلبی چراغ روشن کر لو، ایسا کوئی فارغ وقت نظر نہیں آتا تھا کہ حضرت کی خدمت میں جائیں اور استفادہ کریں، فجر کے بعد

کا وقت کچھ فارغ نظر آیا، چنانچہ حضرت کی اجازت سے فجر کے بعد اس خاموش مجلس کا آغاز ہوا، حضرت نے اپنے خاص محبّین اور مخلصین کو ان کے اصرار پر اس وقت حاضر ہونے کی اجازت دی تھی کہ تم لوگ فجر کے بعد میرے کمرے میں آجایا کرو، میں اپنے کام میں رہوں اور تم لوگ خاموش بیٹھے رہا کرو، کبھی حضرت لیٹے ہوتے، کبھی بیٹھے ہوتے، لیکن اپنے کام میں مشغول رہتے (یعنی تلاوت یا ذکر میں مصروف رہتے) اور حاضرین حضرت کے سامنے خاموش بیٹھے رہتے، حضرت خود ہی کبھی کبھی کچھ ارشاد فرمادیں تو فرمادیں ورنہ یہ وعظ و نصیحت کی معروف مجلس نہیں تھی، لیکن یہ بڑی پُر اثر مجلس تھی، اس میں بھی جس کو جو کچھ ملنا تھا مل گیا۔

اتوار کی مجلس

ایک مجلس اتوار کو ہوا کرتی تھی ساڑھے گیارہ بجے سے ساڑھے بارہ بجے تک، ابتداء میں دارالافتاء میں ہوا کرتی تھی، پھر یہی مجلس حضرت کی علالت اور کمزوری کی وجہ سے دارالعلوم ہی میں حضرت کے کمرے میں ہوا کرتی تھی جہاں حضرت آرام فرما ہوا کرتے تھے۔ حضرت کو اطلاع کردی جاتی تھی کہ شہر سے لوگ آگئے ہیں، حضرت باوجود نقاہت اور کمزوری کے آنے والوں کو محروم نہیں فرمایا کرتے تھے، بہرحال حضرت فرماتے تھے اچھا بلالو، حاضرین سے پورا کمرہ بھر جاتا تھا، حضرت آرام فرمارہے ہوتے تھے، کبھی کبھی فرماتے تھے کہ جب میں تقریر کیا کرتا تھا تو کہا کرتا تھا کہ انسان کے سارے اعضاء تھک جاتے ہیں مگر زبان نہیں تھکتی، دن رات بولتی رہتی ہے، لیکن اب معلوم ہوا کہ زبان بھی تھک جاتی ہے، اسکے اندر بھی بولنے کی تاب نہیں رہتی، لہٰذا صحیح بولو، اللہ کا نام لو، غلط جگہ استعمال نہ کرو، اور میرے حال سے عبرت لو!!

بہرحال، سب سے پہلے زبان کو قابو میں کریں اور اسکو قابو میں کرنے کا ایک

طریقہ یہ ہے کہ جب کسی اللہ والے کے پاس جا کر بیٹھو گے تو پتہ چلے گا کہ وہ کب، کتنا اور کیسے بولتے ہیں۔ زبان سے بہت سارے گناہ ہوتے ہیں، اعضاء و جوارح کے گناہ بھی عموماً اسی کے تابع ہوتے ہیں، بہت سے گناہ پہلے زبان کرتی ہے پھر ہاتھ پاؤں چلتے ہیں، زبان قابو میں آجائے تو اعضاء و جوارح کے ایسے بہت سے گناہ بھی ختم ہو جائیں۔

دوسری کوتاہی ہمارے اندر فضول ادھر ادھر گھومنے اور گھنٹوں دوستوں کے پاس بیٹھنے کی ہے، گھر میں دل ہی نہیں لگتا، کھایا پیا اور باہر نکل گئے۔ ضرورت سے باہر جانے کی ممانعت نہیں ہے، تفریح کے لئے جانے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ تفریح جائز ہو، لیکن بلاضرورت گھر سے باہر گھومتے رہنے کی عادت مؤمن کی شان نہیں ہے، اگر ہم آخرت کی نجات چاہتے ہیں تو گھر کے اندر وقت گزارنے کی عادت ڈالیں، جب گھر میں رہنے کی عادت ہو گی تو بہت سا وقت بچے گا، اس وقت میں ذکر کریں، تلاوت کریں، علم دین حاصل کریں، اللہ تعالیٰ سے آہ و زاری کریں، اور اللہ والوں کے واقعات پڑھنے اور ان کی کیسٹیں سننے کا موقع ملے گا جس سے رجوع الی اللہ کی توفیق ہو گی۔

تیسرا عمل اگرچہ وہ گھر کے ساتھ مخصوص نہیں لیکن عموماً گھر کے اندر آدمی کو اس کے لئے آسانی سے وقت مل جاتا ہے، ورنہ مسجد ہو یا جہاں بھی آسانی ہو، اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی مغفرت کی دعا کریں اور ان کی تلافی کریں، کسی بندے کا حق اپنے ذمے ہے تو اسے ادا کر دیں یا معاف کرائیں۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں کوتاہی ہوگئی ہے اور نمازیں قضا ہیں، روزے قضا ہیں، زکوۃ ابھی تک ادا نہیں کی، حج فرض ہونے کے باوجود نہیں کیا، تو ان کے ادا کرنے کی فکر کریں اور جو کمی یا کوتاہی رہ گئی ہے

اس پر معافی مانگیں اور آنسو بہائیں۔ایک بزرگ کی رباعی یاد آگئی ہے ؎

تم اپنے کئے کی مکافات کرلو
جو راہیں بھلا دیں انہیں یاد کرلو
طریقہ صحابہؓ پہ آجاؤ گے تم
تو پھر ساری دنیا پہ چھاجاؤ گے تم

حضرات صحابہ کرامؓ کے نقش قدم تھامنے میں آخرت کی نجات یقینی ہے، اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی شوکت اور غلبہ عطا فرمائیں گے جیسے عطا فرما چکے ہیں۔

جہنم کا ایندھن انسان اور پتھر

قرآن کریم کی ایک آیت ہے:

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا.
وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ (التحریم:٦)

اے ایمان والوں! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن پتھر اور انسان ہوں گے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور پھر اس کی وضاحت فرمائی کہ وہ جہنم جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے اس کی کیفیت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ پاک نے جہنم کی آگ کو ایک ہزار سال تک تیز کیا یہاں تک کہ وہ سرخ رنگ کی ہوگئی، پھر ایک ہزار سال تک تیز کیا تو وہ زرد رنگ کی ہوگئی پھر ایک ہزار سال تک گرم کیا تو وہ سیاہ رنگ کی ہوگئی، اور اب اس کی لپٹیں ختم نہیں ہوتیں، ایک صحابی آپ کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے، یہ کیفیت سنکر رونے لگے، ان کے رونے کی وجہ سے حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور حضور اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ

یہ جو صاحب آپ کے سامنے بیٹھے رو رہے ہیں، یہ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ حبشہ کے رہنے والے ہیں (غالباً حضرت بلالؓ ہوں گے) حدیث میں نام صراحۃً مذکور نہیں ہے) نیک آدمی ہیں۔

حضرت جبرئیل امین نے عرض کیا کہ اللہ پاک فرمارہے ہیں کہ میری عزت کی قسم، میرے جلال کی قسم اور عرش پر میرے بلند ہونے کی قسم (اللہ تعالیٰ نے تین قسمیں کھائیں) جو شخص میرے خوف سے اس طرح روئے گا اس پر میں دوزخ حرام کردونگا۔

دو قطرے اور دو نشان محبوب ہیں

ایک حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کو دو قطرے اور دو نشان سب سے زیادہ محبوب ہیں، ایک خون کا وہ قطرہ جو اللہ کے راستے میں شہید کے جسم سے گرے اور دوسرا آنسو کا وہ قطرہ جو خدا کے خوف سے نکلے۔ یہ دو قطرے اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہیں، جب قطرہ محبوب ہوگا تو قطرے والا بھی محبوب ہوگا، اللہ تعالیٰ بہت مہربان ہیں۔ اسی لئے حدیث شریف میں آتا ہے کہ دعاء کے اول وآخر درود شریف پڑھ لیں تو دعا قبول ہوگی، کیونکہ درود شریف یقیناً قبول ہے تو یہ کریم کے کرم سے بعید ہے کہ اول وآخر کو قبول فرمالیں اور درمیان کو قبول نہ فرمائیں، ایسے ہی یہ بعید ہے کہ قطرہ تو محبوب ہو اور قطرے والا محبوب نہ ہو۔ اصل میں قطرے والا ہی محبوب ہوتا ہے لیکن چونکہ وہ قطرے کی وجہ سے محبوب ہے اس لئے قطرے کا ذکر ہے۔ اللہ کے خوف سے رونے کی جو محبوبیت ہے وہ سب رونے والوں کے لئے ہے، شہید ہونے کا عمومی موقع تو ہر ایک کے لئے مشکل ہے، مثلاً اسکے لئے جہاد عام ہو اور آدمی اس میں شریک ہوسکے اور اس میں بھی معلوم نہیں شہید ہوکر اسکے خون کا

قطرہ گرے گا یا نہیں، ہوسکتا ہے غازی بن کر لوٹے لیکن اللہ کے خوف سے رونا یہ تو ہر جگہ رونے والے مرد و عورت کو حاصل ہوسکتا ہے۔

اصل رونا دل کا رونا ہے

یہاں ایک بات اچھی طرح سمجھ لیجئے! رونے سے مراد دل کا رونا ہے، بعض طبیعتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کی آنکھ میں آنسو تو کیا سیم بھی نہیں آتی اور وہ اس پر شرمندہ رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے دل اتنے پتھر ہیں کہ ہمیں بالکل رونا نہیں آتا۔ اور بعض طبعیتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ذرا سی بات سے آنسوؤں کی لڑیاں بندھ جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ہمارے اکابر کو، فرمایا رونے سے اصل مراد دل کا رونا ہے، اگر کوئی اپنے گناہوں، اپنی کوتاہیوں اور اپنی خامیوں پر نظر کر کے دل میں نادم ہوتا ہے، اس کا قلب پشیمان ہوتا ہے اور شرمندہ ہوتا ہے کہ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا اور عرض کرتا ہے یا اللہ! آپ مجھے معاف کر دیجئے، تو ایسا شخص عقلاً رو رہا ہے چاہے آنسو نہ بہائے، اور اگر آنسو بھی نکل آئے تو کیا کہنے۔ بہر حال دل کا رونا مراد ہے، اسکی یہ سند ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ اگر رونا نہ آئے تو رونے والے کی شکل وصورت بنالے (تو وہ بھی سچ مچ رونے والے کی طرح ہے)

دو نشان اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہیں: ایک وہ نشان جو اللہ کے راستے میں کسی کو زخم لگنے سے ہو جائے، خواہ زخم اچھا بھی ہو جائے لیکن نشان باقی رہ جائے، اب یہ نشان چاہے چہرے پر ہو یا ہاتھ پر ہو یا ٹانگ پر ہو یا پیٹھ پر ہو یا پیٹ پر ہو، غرض جسم کے کسی بھی حصے پر ہو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے۔

دوسرا وہ نشان جو اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کو بجالانے کی وجہ سے جسم پر پڑ جائے، جیسے نماز پڑھنے والوں میں بعض نمازیوں کی پیشانی پر، گھٹنوں پر یا قاعدے میں بیٹھنے

کی وجہ سے پیروں پر نشان پڑ جاتے ہیں، جس کی جلد زیادہ نرم ہوتی ہے اس کے زیادہ اثر ہوتا ہے اور جس کی جلد سخت ہوتی ہے اس کے کم اثر ہوتا ہے، اصل نشان تو وہی ہے جو عمل انجام دینے سے پڑ چکا ہو، چاہے ہمیں نظر آئے یا نہ نظر آئے لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں لکھا جا رہا ہے، اگر جسم پر بھی نشان پڑ جائے تو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے، اور یہ نشان آج کالا ہے کل چاند کی طرح روشن ہوگا، جس کی وجہ سے حضور ﷺ اپنے امتیوں کو پہچان لیں گے اور اعضائے وضوء کے روشن ہونے کی وجہ سے بھی پہچان لیں گے۔

لیکن عبادت کرنے کی وجہ سے پڑنے والا نشان مراد ہے، تکلف کر کے نشان بنانا مراد نہیں، لہذا کوئی شخص سجدے میں جا کر پیشانی رگڑنے لگ جائے کہ کسی طرح نشان پڑ جائے تو ایسا مصنوعی نشان عند اللہ مقبول نہیں، سنت کے مطابق نماز پڑھنی چاہیئے، اگر نشان پڑ جائے تو سبحان اللہ، ورنہ چاہے نشان ہمیں نظر نہ آئے لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں نشان شمار ہوگا۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کا خوف اور خشیت بہت بڑی نعمت ہے اسے اپنے اندر پیدا کرنا چاہیئے۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

کھانے کی قدر کریں

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ط

کھانے کی قدر کریں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَأَشْھَدُاَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَأَشْھَدُاَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔

أَمَّا بَعْدُ!

پانی کے اسراف کے گناہ کے بارے میں کچھ تفصیل آپ کے سامنے پیش کی گئی تھی کہ پانی کو فضول ضائع اور برباد کرنا ایک گناہ ہے اور ہم محض اپنی

سستی و غفلت اور کوتاہی کی وجہ سے اس گناہ کے مرتکب ہو جاتے ہیں، اس سے بچنے اور احتیاط کرنے کی ضرورت ہے۔

کھانے میں احتیاط

یہی کوتاہی روٹی سالن اور کھانے کے سلسلے میں ہوتی ہے کہ جب کھانا اور روٹی بچ جاتے ہیں تو ان کے بارے میں ہم احتیاط نہیں کرتے اور اُن میں ایسی کوتاہی ہو جاتی ہے جس سے ان نعمتوں کی ناقدری اور ناشکری معلوم ہوتی ہے، حالانکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمتیں ہیں، جو ان نعمتوں سے محروم ہیں، ان سے ان کی قدر پوچھیں، جن کے یہاں پانی نہیں ہے ان سے پانی کی ور جن کے ہاں کھانا نہیں ہے ان سے کھانے کی قدر پوچھیں کہ وہ ان کے لئے کیسے ترس رہے ہیں۔

بہرحال! یہ بہت بڑی نعمتیں ہیں، ہمیں چونکہ اللہ تعالیٰ نے بغیر محنت و مشقت اور بلا پریشانی کے محض اپنے فضل و کرم سے ضرورت سے زیادہ کھانا دیا ہوا ہے، اس لئے ہم سے یہ ساری غفلت اور سستی ہو رہی ہے، ہمیں اس غفلت و سستی سے بچنے کی شدید ضرورت ہے، کیونکہ جہاں اس کے اور بہت سے وبال ہیں، وہاں ایک وبال یہ بھی ہوتا ہے کہ بعض مرتبہ آدمی دانے دانے کو ترس جاتا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھیں، آمین۔ اور پھر بعض آدمی وظیفے پڑھ پڑھ کر تھک جاتے ہیں، دعائیں کروا کروا کر بظاہر مایوس ہو جاتے ہیں، لیکن فراخی و کشادگی کا دروازہ نہیں کھلتا، کیونکہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ان کو

بہت مہلت دی تھی اور ان کے ساتھ بڑے عفو و درگزر کا معاملہ فرمایا تھا، مگر جب یہ حد سے بڑھ گئے تو پھر اللہ تعالیٰ نے گرفت فرمالی اور جب اللہ تعالیٰ کسی کی گرفت فرماتے ہیں تو پھر کوئی اس سے چھڑانے والا نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی گرفت بہت سخت ہوتی ہے جیسا کہ اس کی رحمت بہت وسیع ہے، اس لئے اس سے ڈرتے رہنا چاہئے اور اس کی ان تمام نعمتوں کی دل سے قدر کرنی چاہئے۔

نعمتوں کی قدر بزرگوں سے سیکھیں

ان نعمتوں کی قدر بھی بزرگوں کی صحبت و خدمت میں رہنے سے نصیب ہوتی ہے۔ حکیم الامّت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نوّر اللہ مرقدہ کی خاص تعلیمات میں سے ایک تعلیم یہ بھی ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اِن چھوٹی چھوٹی نعمتوں کی بہت قدر کی جاتی تھی۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ملفوظ ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ:

> مجھے بڑی حیا آتی ہے کہ کھانے کی جس نعمت کے کثیر اجزاء سے میں سیر ہوا اور انہیں کھا کر میں نے اپنی بھوک مٹائی اور ان سے لذّت و فرحت حاصل کی، اب اس کے تھوڑے سے ذرّات جو بچ گئے ہیں، ان کو ضائع کروں، ان کو ضائع کرتے ہوئے میرا دل لرزتا ہے کہ جس نعمت کے اکثر حصے سے میں لطف اندوز ہوا ہوں اس کے کم

حصے کو میں ضائع کردوں۔

دسترخوان پر اسراف

ہمارے دسترخوان کی حالت یہ ہے کہ اس پر موجود کھانے پینے کی چیزوں میں حددرجہ اسراف پایا جاتا ہے، کیونکہ اس کی بہت ساری چیزیں بلاوجہ ضائع کر دی جاتی ہیں، حالانکہ دسترخوان پر بچی ہوئی چیزیں نہ صرف جانوروں کے کام کی ہیں بلکہ انسانوں کے بھی کام آسکتی ہیں لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ ان بچی ہوئی چیزوں کو نہ دوسرے لوگوں کو استعمال کرنے کے لئے دیتے ہیں اور نہ ہی جانوروں کے سامنے ڈالتے ہیں بلکہ یونہی ضائع کر دیتے ہیں اور نالی میں بہادیتے ہیں یا کوڑے کے ڈبے میں ڈال کر ضائع کر دیتے ہیں، یہ کس قدر خوف اور ڈر کی بات ہے کہ کس بے دردی سے ہم اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناقدری کر رہے ہیں۔

حضرت میاں صاحبؒ کا واقعہ

ہمارے شیخ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ سنایا تھا جو میں ابھی آپ کے سامنے عرض کرتا ہوں۔

یہ واقعہ حضرت کے استادِ محترم جناب حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جو کہ دارالعلوم دیوبند میں مدرّس تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ میرے صرف استاد ہی نہیں تھے بلکہ مجھ پر بہت ہی

زیادہ شفیق اور مہربان بھی تھے اور میرا ان کے ساتھ کچھ کاروبار بھی تھا اور اکثر ان کے یہاں آمد ورفت بھی رہتی تھی، اس لئے استادِ محترم سے میری کچھ بے تکلفی بھی تھی، ایک مرتبہ میں حضرت مولانا سید اصغر حسین رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچا اور وہاں کچھ دیر قیام کیا، اس دوران حضرت کے ساتھ کھانا بھی کھایا، کھانا کھانے کے بعد میں نے کہا کہ حضرت! میں دسترخوان جھاڑ آتا ہوں، تو استادِ محترم نے فرمایا کہ پہلے یہ بتاؤ کہ تمہیں دسترخوان جھاڑنا آتا بھی ہے یا نہیں؟ میں نے کہا کہ حضرت! یہ بھی کوئی فن ہے جو دسترخوان جھاڑنے کے لئے ضروری ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ ہاں بھائی! اس کا بھی طریقہ ہے اور پھر خود حضرت میاں صاحبؒ نے اس کی تفصیل بیان فرمائی۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ اِس دسترخوان پر سے پہلے میں ہڈیاں الگ کرتا ہوں پھر چھیچھڑے علیحدہ کرتا ہوں اور پھر روٹی اور بوٹی کے بڑے بڑے ذرّات علیحدہ اور چھوٹے چھوٹے ذرّات علیحدہ کرتا ہوں اور پھر پھل وغیرہ مثلاً آم کے چھلکے ہوں تو انہیں الگ کر لیتا ہوں اور پھر ان میں سے ہر ایک کے رکھنے کی الگ الگ جگہیں مقرر ہیں۔ سبحان اللہ۔ فرمایا کہ ہڈی کی ایک جگہ مقرر ہے، وہاں پر ایک کتا آتا ہے، یہ ہڈی اس کی غذا ہے، وہ آکر اس ہڈی کو چباتا ہے اور اس میں اس کی جو غذا ہوتی ہے وہ اس کو حاصل کر کے واپس چلا جاتا ہے۔ اور چھیچھڑے وغیرہ دوسری جگہ رکھتا ہوں، وہاں پر بلّی آتی ہے اور جو کچھ اس میں کھانے کا حصّہ ہوتا ہے، وہ اس کو حاصل کر لیتی ہے۔ اور روٹی اور بوٹی کے بڑے بڑے ذرّات فلاں جگہ رکھتا ہوں تاکہ وہاں سے پرندے اپنی خوراک

حاصل کرلیں اور چھوٹے چھوٹے اور باریک ذرّات فلاں جگہ درختوں کی جڑ میں ڈالتا ہوں جہاں پر چیونٹیوں کے گھر ہیں، تاکہ وہاں سے یہ چیونٹیاں اپنی غذا لے لیں۔ اور چھلکوں کے بارے میں یہ معمول ہے کہ یہ میں فلاں جگہ ڈالتا ہوں جہاں سے بکریوں کا گزر رہتا ہے، تاکہ وہ انہیں کھا کر پیٹ بھرلیں۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس وقت معلوم ہوا کہ دسترخوان کے لئے بھی اتنے علم وفن کی ضرورت ہے، اسے یونہی کوڑے میں ڈال دینا مناسب نہیں ہے، بلکہ اس کے جھاڑنے کا بھی ایک طریقہ ہے کہ دسترخوان پر اگر کچھ گرا ہے تو وہ ضائع نہیں ہو رہا بلکہ محفوظ ہے اور کس قدر حسنِ انتظام سے کہاں کہاں اور کس کس کو اس کی غذا پہنچائی جا رہی ہے کہ اس غذا میں جتنا اپنا حصّہ تھا وہ لے لیا اور پھر دوسری مخلوقِ خدا کا جو حصّہ تھا وہ ان تک پہنچا دیا۔ سبحان اللہ!

آموں کا واقعہ

ایک اور قصّہ حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے آموں کے سلسلے میں سنایا تھا کہ آم کے موسم میں حضرت کے ہاں بہت آم آیا کرتے تھے اور ہم بے تکلّفی کی وجہ سے حضرت کے ہاں جاکر خوب آم کھایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ہم نے آم کھائے تو آم کے کھانے کے بعد چھلکوں کے بارے میں حضرت نے بڑی عجیب وغریب بات ارشاد فرمائی کہ ان چھلکوں کو یونہی باہر نہیں پھینکنا چاہئے،

بلکہ اس کے پھینکنے کا بھی ایک طریقہ ہے، وہ یہ ہے کہ میں جس محلّے میں رہتا ہوں اس میں اکثر لوگ غریب ہیں اور ان کو اتنے آم میسّر نہیں آتے جتنے اللہ پاک محض اپنے فضل وکرم سے مجھے عنایت فرماتے ہیں، یہ بے چارے غریب لوگ ہیں، کبھی آم مل گیا تو ٹھیک ہے اور نہ ملا تو نہ سہی، تو ایسے غریب علاقے میں کسی کے ہاں اگر خوب آم ہوں اور وہ ان کو چوس کر گھر کے باہر چھلکوں کا ڈھیر لگا دے تو محلّے میں کھیلنے والے بچوں اور محلّہ کے غریبوں کا دل کڑھ سکتا ہے کہ افسوس ہم اس نعمت سے محروم ہیں۔

لہٰذا حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا یہ معمول تھا کہ آم کے چھلکے اور گٹھلیاں علیحدہ علیحدہ رکھتے تھے۔ اور آپ حضرات میں سے جو پرانے لوگ ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ اس زمانے میں غربت کی وجہ سے آم کی گٹھلی بھون کر کھائی جاتی تھی اور وہ بڑی مزیدار لگتی تھی، تو غریب لوگ گٹھلیاں ہی بھون کر کھالیتے تھے کہ آم میسّر نہ آئے تو چلو اس کی گٹھلی ہی سہی۔ بہرحال، حضرت چھلکے اور گٹھلیاں الگ الگ رکھتے تھے اور پھر چھلکے بھی ایک جگہ نہیں ڈالتے تھے، بلکہ مختلف جگہیں ان کے لئے مقرر کی تھیں اور یہ عموماً وہ جگہیں تھیں جہاں سے بکریوں کا گزر ہوتا تھا۔ اور پھر ان جگہوں پر کچھ کچھ فاصلے پر دور دور یہ چھلکے ڈالتے تھے، دور دور اس لئے ڈالتے تھے تاکہ محلّے کے بچوں اور محلّے کے غریبوں کو یہ احساس نہ ہو کہ ان کے گھر میں اتنے آم آئے اور انہوں نے اتنے سیر ہوکر آم کھائے ہیں اور ہمیں تو دیکھنے کو بھی نہیں ملے اور ان کا دل نہ دکھے، تو ان کے دل کو تکلیف سے بچانے کے لئے متفرق جگہوں پر ڈالتے

تھے۔ اور بکریوں کی گزرگاہوں میں ڈالنے کی وجہ یہ تھی تاکہ وہ آسانی سے انہیں کھاسکیں اور وہ ضائع ہونے سے محفوظ رہیں۔ اور گٹھلیاں محلّے میں مختلف جگہوں پر اس لئے رکھتے تھے کہ بچے وہاں کھیلتے ہیں، کھیلنے کے بعد وہاں سے وہ گٹھلیاں لے کر بھون کر کھالیں، اس طرح حضرت گٹھلی بھی ضائع نہیں فرماتے تھے۔

دین کی فہم مانگیں

اللہ تعالیٰ اللہ والوں کو ہی یہ فہم اور سمجھ عطاء فرماتے ہیں اور اسی کا نام دین کی سمجھ ہے۔ اور جب دین کی سمجھ آ جاتی ہے تو پھر اس طریقے سے انسان معمولی معمولی چیزوں کی قدر کرتا ہے اور قدر کر کے ان سے بھی نفع اٹھالیتا ہے۔ دیکھئے! حضرت کے کھانے کے دسترخوان اور آم کے دسترخوان کی کوئی بھی چیز ضائع نہیں ہوئی کہ مغز خود کے کام میں آ گیا اور گٹھلیاں اور چھلکے دوسری مخلوق کے کام آ گئے۔ یہ دین کی فہم ہے اور اس طرح عمل کرنا یہ تفقہ فی الدین ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی خاص عطاء اور اس کا خاص انعام ہے۔ اس لئے یہ دعا ہمیں گڑگڑا کر کرنی چاہئے:

اَللّٰهُمَّ فَقِّهْنَا فِی الدِّیْنِ وَعَلِّمْنَا التَّاوِیْلَ۔

یا اللہ! ہمیں تفقہ فی الدین عطا فرما اور دین کی فہم عطا فرما۔

کیونکہ ہمارا دین یہ بہت بڑی نعمت اور دولت ہے، اس کا تو ہر ہر جز حسنات سے بھرا ہوا ہے، انگلی چاٹنے کا علیحدہ ثواب اور فائدہ، پلیٹ صاف

کرنے کا الگ ثواب اور فائدہ، اس کے بعد کلی کرنے کا الگ ثواب اور فائدہ، خلال کرنے کا الگ ثواب اور فائدہ اور دستر خوان پر جو چیز نیچے گر جائے تو اس کو اٹھا کر کھانے کا علیحدہ ثواب، اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ کیا چیز ضائع ہو رہی ہے، بس سمجھ ہونی چاہئے کہ سمجھیں اور سمجھ کر عمل کریں، بس یہی سب کچھ ہے ورنہ خالی جاننے سے کیا ہوتا ہے۔

نالی میں سے روٹی کا ٹکڑا اٹھا کر کھانا

مجھے ایک واقعہ اور یاد آیا، حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ وضو فرما رہے تھے اور آپ کا غلام آپ کو وضو کرا رہا تھا، دورانِ وضو آپ نے دیکھا کہ نالی میں روٹی کا ایک ٹکڑا پڑا ہوا ہے اور اس پر نجاست لگی ہوئی ہے، آپ نے جلدی سے اُس ٹکڑے کو وہاں سے اٹھایا اور پانی سے اس کی نجاست کو دور کیا اور اس کو صاف اور پاک کیا اور غلام سے کہا کہ اس کو ہاتھ میں رکھو، جب میں وضو سے فارغ ہو جاؤں تو یہ ٹکڑا مجھے دیدینا۔ جب آپ وضو سے فارغ ہوئے تو غلام سے وہ روٹی کا ٹکڑا مانگا، اس غلام نے کہا کہ حضرت! وہ تو میں نے کھالیا۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سن کر فرمایا کہ جا تجھے میں نے اللہ کے لئے آزاد کر دیا۔ غلام یہ سن کر ہکا بکا رہ گیا اور کہنے لگا کہ حضرت! ایسا میں نے کونسا بڑا عمل کیا ہے کہ آپ نے مجھے یک بیک فوراً آزاد کر دیا، حضرت! اگرچہ میرے لئے یہ آزادی ہزار عیدوں سے بڑھ کر ہے لیکن مجھے اپنا ایسا کوئی عمل نظر نہیں آ رہا کہ جس پر آپ نے مجھے یہ انعام بخش دیا۔ حضرت

حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اپنے نانا جان جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ جو شخص روٹی کا ٹکڑا اس طریقے سے ناپاکی یا گندگی کی جگہ میں دیکھے اور پھر اس کو اٹھا کر پاک و صاف کر کے کھالے تو اس کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ چونکہ یہ نعمت مجھے ملی تھی، میں نے یہ سوچا تھا کہ وضو سے فارغ ہونے کے بعد میں اس کو کھا کر یہ فضیلت حاصل کرلوں گا، اب چونکہ یہ نعمت اور فضیلت تم نے حاصل کرلی تو اب تم گویا جنّتی ہو گئے اور اب میرے لئے کیسے مناسب ہے کہ میں کسی جنّتی آدمی سے خدمت لوں ''اللہ اکبر'' چونکہ اہل مغفرت اور اہل جنت سردار ہیں اور مخدوم ہیں اور تم اس عمل کی وجہ سے سردار ہو گئے، اس لئے میں نے تمہیں آزاد کر دیا۔

ہماری بے حسی

ہم دسترخوان کی نعمتوں کی ناقدری کر رہے ہیں اور اس کا ہمیں احساس تک نہیں ہے۔ پلیٹیں صاف کرتے ہوئے ان کے اندر موجود روغن کو اس بیدردی اور بے حسی سے ہم ضائع کرتے ہیں کہ اَلْاَمَانُ وَالْحَفِیْظ اور اس روغن کی انتہائی ناقدری کی جاتی ہے۔ ناقدری یہ ہے کہ اس کو ہم نالی میں بہا دیتے ہیں، اگر آپ کو دل کی تکلیف ہے یا شوگر کی بیماری ہے یا خدانخواستہ کوئی اور تکلیف ہے اور روغن آپ کے لئے مضر ہے تو آپ روغن کو علیحدہ پیالی میں جمع کرلیں۔

آج کل حال یہ ہے کہ ہر آدمی روغن سے بہت ہی پرہیز کرنے لگا

ہے، معلوم نہیں کہ چکنائی کھانے سے کیا ہو جائے گا؟ اگر واقعتاً کوئی مریض ہے، اس کو تو ڈرنا صحیح ہے، لیکن جو مریض نہ ہو، اس کو ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔ مگر آج کل یہ دیکھا گیا ہے کہ بعض نوجوان بالکل صحیح وتندرست ہیں، جنہیں کوئی بیماری نہیں ہے، وہ بھی بیچارے ڈر کے مارے روغن سے بہت بچتے ہیں، روغن اگرچہ تھوڑا سا ہی ہو، وہ اس کو بھی الگ کریں گے اور سادہ سالن کھائیں گے۔ اللہ کے بندو!! ایسا بھی ڈرنے کی کیا ضرورت ہے، وہ بھی ایک نعمت ہے، مریض کے لئے اگرچہ مضر ہے لیکن جو مریض نہیں، اس کے لئے تو وہ مفید ہے، ہاں یہ بھی نہیں ہونا چاہئے کہ روغن ہی روغن پینا شروع کر دیں جیسا کہ بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ ان کے سالن میں مصالحے وغیرہ کا نام و نشان نہیں، بس روغن ہی ہوتا ہے، ایسا بھی نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ یہ بذاتِ خود کھانے کی چیز نہیں ہے بلکہ کھانے میں لذّت پیدا کرنے کے لئے ہے، اگر بغیر روغن کے کھانا پکایا جائے تو وہ لذیذ اور مزیدار نہیں ہوگا۔ بہرحال! روغن بذاتِ خود کھانے کی چیز نہیں ہے، لیکن اس قدر ڈرنے اور بچنے کی بھی ضرورت نہیں ہے جس طرح عام لوگ اس سے ڈ رہے ہیں، ہاں مریض کا معاملہ اس سے جدا ہے، وہ پرہیز کر سکتا ہے، لیکن مریض کے لئے بھی یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس روغن کو نالی میں ضائع اور برباد کرے، جس کو ڈاکٹر نے احتیاط کے لئے کہا ہے وہ احتیاط کرے۔ خلاصہ یہ کہ روغن کے ساتھ بڑی بے احتیاطی ہو رہی ہے۔

بہرحال! ہمیں کھانے کی چیزوں کے استعمال میں محتاط ہونے کی

ضرورت ہے اور جو چیزیں ہمارے لئے مضر ہوں اور ہم ان کو استعمال نہیں کر سکتے تو وہ کسی اور کے کام آ جائیں، مثلاً یہی بچا ہوا روغن ہے، اگر اس کو ہم محفوظ کرلیں تو یہ کہیں نہ کہیں ضرور کام آ جائے گا، کبھی سالن میں، کبھی چاولوں میں اور کبھی تلائی وغیرہ میں کام آ سکتا ہے، گھریلو عورتیں اس کے استعمال سے خوب واقف ہیں۔ گھر کے اندر ان نعمتوں کی قدر کی جائے تو ہمارا اچھا خاصا خرچ بچ سکتا ہے اور اگر ہم بچے ہوئے سالن کو، بچی ہوئی روٹی کو اور بچے ہوئے روغن کو یونہی ضائع کرتے رہیں تو اِسراف کا گناہ بھی ہوگا اور ساتھ ساتھ اس نعمت کی ناقدری بھی ہوگی اور اس ناقدری کے نتیجے میں بے برکتی اور پھر اس بے برکتی کے نتیجے میں انسان پر فقر و افلاس مسلّط ہوسکتا ہے۔ دیکھئے! ان چیزوں کے ضائع کرنے میں دین و دنیا دونوں اعتبار سے نقصانات ہی نقصانات ہیں، اس لئے ہمیں اپنے دسترخوان کا جائزہ لے کر ان چیزوں کو ضائع کرنے سے بچنا چاہئے۔

چاول کھانے میں احتیاط

اسی طرح چاول کھانے میں بچوں سے تو بے احتیاطی ہوتی ہی ہے، بعض بڑے بوڑھے بھی اس میں احتیاط نہیں کرتے، چاول کھانے کا سلیقہ ان میں نظر نہیں آتا، جس کی ایک وجہ یہ ہے جس کو چاول کھانے کا طریقہ آتا ہو وہی دوسرے کو سکھائے گا، تو جن ماؤں کی آغوش میں انہوں نے پرورش پائی ہے انہیں خود چاول وغیرہ کھانے کا طریقہ معلوم نہ تھا تو وہ بچوں کو کیا سکھاتیں،

لیکن کسی نے سکھایا ہو یا نہ سکھایا ہو، اب تو اللہ نے عقل وسمجھ اور فہم دیدی ہے اور سن بھی لیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اس کی ناقدری نہیں کرنی چاہئے تو اب تو اس میں احتیاط کرنی چاہئے اور اس طریقے سے چاول کھانے چاہئیں کہ دسترخوان پر گرنے نہ پائیں اور اگر گر بھی جائیں تو انہیں اٹھا کر کھانے کی یا کسی دوسری پلیٹ میں جمع کرنے کی عادت ہونی چاہئے۔

کھانے کی دیگر اشیاء میں بے احتیاطی

اسی طرح چاول کے ساتھ بھی بہت بے احتیاطی ہوتی ہے، اکثر لوگ ہڈی اور مصالحے سے چاول کو الگ کئے بغیر ہڈی وغیرہ پھینک دیتے ہیں اور اس کے ساتھ لگے ہوئے چاول ضائع کر دیتے ہیں، اس طرح ہڈی اور گرم مصالحہ کے ساتھ بیسیوں چاول کوڑادانی میں پھینک دیتے ہیں۔ یہ نعمت کی سخت ناقدری ہے، اس طرح چاول کھائیں کہ سب چاول کھانے میں آ جائیں اور نیچے دسترخوان پر کوئی چاول نہ گرے اور نہ ہی کوئی چاول ہڈی کے ساتھ جائے اور نہ خراب بوٹی کے ساتھ اور نہ ہی مصالحے کے ساتھ کوئی چاول ضائع ہو، بلکہ جو نعمت اپنے استعمال کی ہے اسے خود استعمال کریں اور جو اپنے استعمال کی نہیں ہے اسے جانور وغیرہ کے لئے الگ رکھ لیں، اور پھر دسترخوان کو اس طرح جھاڑیں کہ کھانے کے اجزاء جانوروں کے کام آ جائیں، کیونکہ پرندے، چیونٹیاں اور چڑیا وغیرہ سب انہیں کھاتے ہیں، آپ جب چاہیں اس کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ یہ خیال رہے کہ اسے مٹی میں نہ ڈالیں، ڈالنے کی جگہ یا تو ٹین

کی چادر ہو یا کاغذ ہو مگر کاغذ لکھا ہوا نہ ہو، کیونکہ یہ بھی بے ادبی کی بات ہے، بعض لوگ اخبارات وغیرہ پر اس قسم کی بے ادبی کر لیتے ہیں، یہ بھی مناسب نہیں۔ بہرحال ایسی جگہ پر ان کو ڈالیں کہ مٹی نہ مل پائے تو آپ خود اس کا مشاہدہ کریں گے کہ جو کچھ آپ نے ڈالا تھا وہ سب کا سب چرند پرند وغیرہ کھا گئے اور وہ جگہ بالکل صاف پڑی ہوئی ہوگی۔ ہم دارالعلوم میں تو الحمدللہ اس کا روزانہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ رات کو کچھ رکھتے ہیں تو صبح کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کچھ رکھا ہی نہ تھا، جس کو جب موقع ملتا ہے وہ اپنا حصہ لے جاتا ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس میں ثواب واجر بھی ملتا ہے، برکت بھی ہوتی ہے اور اس بات پر دل بھی خوش ہوتا ہے کہ الحمدللہ کوئی چیز ضائع نہیں ہوئی۔

نعمتوں کو ضائع نہ کریں

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جو تمام نعمتیں ہمیں عطا فرمائی ہوئی ہیں، ان سب میں یہی بات ہے کہ انہیں ضائع نہ ہونے دیں۔ پیسوں میں بھی یہی بات ہے کہ پیسے پہلے تھوڑے سے تھے، اب اللہ تعالیٰ نے فراوانی عطا فرما دی ہے، تو اب ایک یا دو روپے کے بوسیدہ نوٹوں کی ناقدری دل میں آنے لگتی ہے، اگر کہیں گر جائیں تو کچھ لوگ ان کے اٹھانے کو عار سمجھنے لگے ہیں اور کہیں گرے پڑے ہیں تو انہیں اٹھانے میں قباحت محسوس ہوتی ہے، حالانکہ ان کی بھی قدر کرنی چاہئے، کیونکہ یہی ایک یا دو یا پانچ کے نوٹ جو کل تک ہمیں دیکھنے کو بھی نہیں ملتے تھے، آج ہم ان کو حقیر اور کمتر سمجھ رہے ہیں۔ بچپن میں

حضرت والد صاحبؒ اگر ایک روپیہ ہمیں دیتے تھے تو اسی پر ہم نجانے کتنی خوشی منایا کرتے تھے اور آج اللہ تعالیٰ نے وسعت و فراخی عطا فرمادی ہے تو آج اسی روپے سے یہ بے نیازی برتنا کتنی بڑی ناانصافی کی بات ہے۔ یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ یہ ایک روپیہ اُسی بڑے نوٹ کا ہی ایک جز ہے، اگر اس روپے کی ناقدری کی تو یہ اُس بڑے نوٹ کی بھی ناقدری و ناشکری ہوگی، پھر کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ بڑے نوٹ بھی ملنے بند ہو جائیں اور پھر تم ان کے پیچھے پیچھے پھرو گے تو وہ بھی پھر نہ ملیں گے، اس لئے یہ بڑے ڈرنے کی بات ہے۔

پیسوں کی قدر

اس لئے اگر کہیں کوئی پیسہ گر جائے، چاہے چونی ہو یا اٹھنی یا ایک روپیہ، اس کا حق یہ ہے کہ اس کو کچھ تلاش کیا جائے اور تلاش کے بعد اگر مل جائے تو اسے اٹھالیا جائے اور اس کو احتیاط سے رکھ لیا جائے اور نہ ملے تو پھر سمجھیں کہ چلو گم ہو گیا، صبر کریں اور انا اللہ پڑھیں۔

ہر نعمت کے محتاج

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا:

رَبِّ اِنِّیۡ لِمَاۤ اَنۡزَلۡتَ اِلَیَّ مِنۡ خَیۡرٍ فَقِیۡرٌ۔

اے میرے رب! جو خیر بھی آپ مجھے عطا فرمائیں میں اس کا محتاج ہوں۔

مطلب یہ ہے کہ نعمت چاہے چھوٹی ہو یا بڑی، سب ہی کے ہم فقیر و

محتاج ہیں اور ضرورتمند ہیں اور ضرورت مند کا یہ طریقہ نہیں ہوتا کہ بیدردی سے اس کو خرچ کر دے، بلکہ اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اسے بہت ہی احتیاط سے اٹھاتا ہے اور احتیاط سے رکھتا ہے اور بہت ہی احتیاط سے استعمال کرتا ہے۔

کاغذوں اور لفافوں کے استعمال میں احتیاط

اور جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کیا تھا کہ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا چھوٹی بڑی سب نعمتوں کے بارے میں یہی معمول تھا کہ انہیں نہایت احتیاط سے خرچ کرتے تھے، کاغذوں کے بارے میں بھی حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی معمول تھا کہ جو کاغذ کے ٹکڑے بچ جاتے تھے، حضرت ان کو کاٹ کر علیحدہ رکھ لیتے تھے، جب بعد میں چھوٹے بڑے مختلف کاغذوں کی ضرورت پڑتی تھی تو پھر یہی ٹکڑے استعمال میں آتے تھے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ایک اور عجیب وغریب معمول یہ تھا کہ ڈاک کے لفافے کو دو بار استعمال کیا جاتا تھا۔ اس کی ترتیب اس طرح تھی کہ اس لفافے کو کھلوا کر الٹا کر کے دوبارہ چپکا لیا جاتا تھا، اس طرح ایک اور نیا لفافہ بن جاتا تھا، پہلے والا لکھا ہوا حصہ اندر ہو جاتا اور اندر والا سادہ حصہ اوپر ہو جاتا، کونے پر ٹکٹ لگا کر روانہ کر دیا جاتا تھا، سبحان اللہ۔ عام طور سے لوگ اس لفافے کو ایک مرتبہ استعمال کر کے پھینک دیتے ہیں مگر حضرت کے ہاں یہ معمول تھا۔ حضرت کے زمانے میں ہی ایک انگریز نے یہ الٹا لفافہ استعمال

ہوتے دیکھا تو حیران رہ گیا کہ یہ کون شخص ہے جس نے اتنی ہوشیاری، مہارت اور خوبی کے ساتھ یہ الٹا لفافہ استعمال کیا اور اس نے اس پر تعریف کی اور کہا کہ اگر ہمیں پہلے یہ معلوم ہو جاتا تو ہم اس بات پر لوگوں کو پابند کرتے کہ لفافے کو دو بار استعمال کئے بغیر نہ پھینکا جائے۔

حضرت والاؒ کے یہاں معمول

یہی دونوں باتیں ہم نے اپنے حضرت سیدی حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں دیکھیں کہ دارالعلوم کے دارالافتاء میں تمام لفافے الٹے کرکے باقاعدہ چپکا کر رکھے جاتے تھے، پھر وہ لفافے ڈاک کے بھی کام آتے تھے اور دستی بھی کام آتے تھے۔ اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنے کمرے میں رات دن چونکہ پڑھنے لکھنے کے کام میں مصروف رہتے تھے، تو چھوٹے بڑے کاغذ کے ٹکڑے ایک کانٹے میں لٹکے رہتے تھے اور نجانے کتنے کام ان کاغذ کے ٹکڑوں سے ہو جاتے تھے، جب ضرورت ہوتی تھی تو سامنے لٹکے ہوئے ان ٹکڑوں سے نکال کر استعمال کر لیتے تھے، اور جو لوگ یہ ٹکڑے محفوظ نہیں کرتے وہ اس سلسلے میں پریشان رہتے ہیں کہ اب کہاں سے کاغذ لائیں، اب یا تو کاپی میں سے پھاڑتے ہیں یا رجسٹر میں سے پھاڑتے ہیں، تو اس طرح پھاڑنے سے کاپی اور رجسٹر دونوں ہی خراب ہو جاتے ہیں اور ان کی عمر بھی کم ہو جاتی ہے۔ یہ سب کچھ ناقدری اور بے احتیاطی کا نتیجہ ہے، ان بزرگوں سے ان نعمتوں کے استعمال کے طریقے سیکھنے چاہئیں، کیونکہ ہمارے

گھروں اور کمروں میں بھی بہت سے کاغذ ایسے ہی ہوتے ہیں۔

حاصل یہ کہ ملبوسات، مطعومات اور مشروبات وغیرہ تمام چیزوں میں ہم یہ اصول اپنالیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نعمتیں قابل قدر ہیں، اسی طرح چھوٹی چھوٹی نعمتیں بھی قابل قدر اور قابل شکر ہیں، اور اس بات کا دھیان اور فکر ہونی چاہئے کہ ہمارے ہاتھ سے یا ہمارے کسی عمل سے کوئی نعمت ضائع تو نہیں ہورہی، اگر خدانخواستہ ضائع ہورہی ہے تو اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر معافی مانگیں، توبہ واستغفار کریں اور آئندہ کے لئے اس میں احتیاط کریں اور اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں کو بہت ہی سنبھال سنبھال کر رکھنے کی کوشش کریں، تو اس سے جو برکت حاصل ہوتی ہے وہ بتانے سے سمجھ میں نہیں آسکتی، اس کا تعلق تجربے سے ہے، جو تجربہ کرے گا اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو احتیاط سے استعمال کرکے قدر کرے گا تو ایک عرصہ اس پر عمل کرنے کے بعد وہ مشاہدہ کرے گا کہ یہ کتنی بڑی نعمت اور دولت ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیسی برکت ہوتی ہے۔

بہرحال! سب چیزوں میں اس بات کا خیال رکھیں کہ کوئی چیز ضائع و برباد نہ ہونے پائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

پانی کی قدر کریں

حضرت مولانا مفتی عبد الرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

پانی کی قدر کریں

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ نَحۡمَدُہٗ وَ نَسۡتَعِیۡنُہٗ وَ نَسۡتَغۡفِرُہٗ وَ نُؤۡمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّئَاتِ اَعۡمَالِنَا مَنۡ یَّھۡدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَأَشۡھَدُاَنۡ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَاشَرِیۡكَ لَہٗ وَأَشۡھَدُاَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّداً عَبۡدُہٗ وَ رَسُوۡلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسۡلِیۡمًا کَثِیۡرًا کَثِیۡرًا۔

أَمَّا بَعۡدُ!

فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ، بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ : اِنَّ الۡمُبَذِّرِیۡنَ کَانُوۡآ اِخۡوَانَ الشَّیٰطِیۡنِ ط وَکَانَ الشَّیۡطٰنُ لِرَبِّہٖ کَفُوۡرًا ○

صدق اللہ العظیم۔ (سورۃ الاسراء، آیت ۳۷)

میرے قابلِ احترام بزرگو اور محترم خواتین!

ہم سب کو سب سے زیادہ گناہوں سے بچنے کی کوشش کرنی چاہئے، یہ بہت ہی اہم عمل ہے اور اس کے فوائد و برکات بے شمار ہیں، اس کے لئے نہ پیسہ خرچ ہوتا ہے نہ وقت خرچ ہوتا ہے اور نہ ہی طاقت خرچ ہوتی ہے، اس میں خرچ تو کچھ بھی نہیں ہوتا مگر فوائد بہت ہی زیادہ اور عظیم ہیں۔ اور گناہوں سے بچنے کی کوشش ہم میں سے ہر ایک شخص کر سکتا ہے، اور اس کوشش کے نتیجے میں اللہ کے فضل و کرم سے ہم گناہوں سے بچ جائیں گے، یہ خود بہت بڑی دولت ہے، لیکن بچنے کی کوشش کے باوجود اگر غلطی ہو گئی اور گناہ ہو گیا تو توبہ کرنے کی توفیق ہو جائے گی۔ بہر حال! گناہوں سے بچنا یہ بڑی نعمت ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ اسی کے فضل و کرم اور اسی کی توفیق سے ہم گناہوں سے بچے اور اگر غلطی ہو گئی تو سچے دل سے توبہ کر لیں، توبہ نصیب ہونا بھی بڑی دولت اور بڑی نعمت ہے۔

بہر حال گناہ چاہے بڑے ہوں یا چھوٹے سب سے بچنے کی کوشش کرنی چاہئے، اس لئے کہ گناہ کی مثال ایسی ہے جیسے انگارہ، بڑے گناہ کی مثال جیسے بڑا انگارہ اور چھوٹے گناہ کی مثال ایسی ہے جیسے چنگاری، اب چاہے انگارہ ہو یا چنگاری دونوں سے بچنے کی ضرورت ہے، اور یہ بات کوئی بیوقوف ہی کہے گا کہ انگارے سے تو بچو لیکن چنگاری جیب میں رکھ لو یا اس کو اپنے پیسوں میں رکھ لو یا اپنے بستر اور کمبل میں چھپالو، کیونکہ ہر شخص یہی کہے گا کہ جس طرح انگارے

سے آگ لگتی ہے اسی طرح چنگاری سے بھی آگ لگ سکتی ہے، جس طرح انگارے سے اپنے آپ کو بچانا چاہئے، اسی طرح چنگاری سے بھی اپنے آپ کو بچانا چاہئے کیونکہ یہ چنگاری ہی بڑھ کر انگارہ بن جاتی ہے اور پورے گھر کو جلا کر خاک کر دیتی ہے، اور شروع میں تو چنگاری ہی نکلتی ہے، اسی سے آگ لگنے کے بعد پھر انگارے اور آگ کی بڑی بڑی لپٹیں نکلتی ہیں، اس لحاظ سے چھوٹے چھوٹے گناہوں سے بھی بچنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

وضو میں بے احتیاطی

آج میں ایک گناہ کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو ہمارے معاشرے میں بہت زیادہ پھیلا ہوا ہے اور اس کی طرف توجہ بہت ہی کم ہے۔ اور...... وہ گناہ "پانی کو ضائع کرنا" ہے، .... یہ گناہ بھی بہت ہی زیادہ عام ہو گیا ہے اور ساری دنیا میں پھیلا ہوا ہے، خاص طور پر وضو کے دوران بہت زیادہ پانی ضائع کیا جاتا ہے اور پانی کا اسراف بلاشبہ ایک گناہ ہے اور اگر اس گناہ کی عادت پڑ جائے تو اور زیادہ سنگین ہو جاتا ہے اور اس وقت حالت یہ ہے کہ اس گناہ کی عام عادت بن گئی ہے۔

اسراف کی عادت کی وجہ

یہ عادت غالباً اس وقت سے زیادہ بنی ہے جب سے نلکے لگے ہیں، اللہ تعالیٰ نے نلکا ہمیں ایک نعمت دی ہے جس کی وجہ سے ہمیں پانی کے استعمال میں

بڑی آسانی اور سہولت ہوگئی ہے۔ اس سے پہلے یہ سہولت نہیں تھی، کیونکہ پہلے مٹکے اور بالٹی وغیرہ میں سے وضو کے لئے پانی لیا جاتا تھا پھر پتیلی وغیرہ میں ڈال کر اس کو گرم کیا جاتا تھا، اگر زیادہ گرم ہو جائے تو ٹھنڈا ملانا پڑتا تھا، پھر لوٹے میں بھر کر ہاتھ منہ دھوتے تھے یا وضو کرتے تھے اور کپڑے وغیرہ دھوتے تھے، اس وقت کافی مشقت تھی، لانے کی مشقت، رکھنے کی مشقت اور استعمال کی مشقت، گویا مشقت ہی مشقت تھی، اللہ پاک نے پائپ لائن کی صورت میں ایسی نعمت عطا فرما دی کہ اب گھر گھر میں ہر بیت الخلاء اور غسل خانے اور باورچی خانے میں اور بیسن میں اور جہاں ضرورت ہو وہاں پائپ لائن پہنچ رہی ہے، ٹھنڈے پانی کی لائن بھی موجود ہے اور گرم پانی کی بھی موجود ہے، اب نہ ٹھنڈا پانی لانے کی ضرورت ہے اور نہ گرم پانی کرنے کی ضرورت ہے، مسجدوں میں بھی ٹھنڈا گرم پانی موجود ہے، گرمیوں میں ٹھنڈے پانی سے اور سردیوں میں گرم پانی سے وضو کرنے کی سہولت موجود ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، مگر اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کی ہم نے ناقدری کی اور اس نعمت کو ہم نے گناہ کا ذریعہ بنالیا۔

نلکوں سے پانی کا ضیاع

اب صورت حال یہ ہے کہ بیت الخلاء میں بھی وضو خانے میں بھی اور غسل خانوں میں بھی اور بیسن پر بھی بے تحاشا پانی ضائع ہو رہا ہے اور اس کی طرف کوئی توجہ نہیں ہے کہ ہم گناہ کر رہے ہیں اور اس کی عادت پڑ گئی ہے، روزانہ کا مشاہدہ ہے کہ لوگ وضو کے لئے آئیں گے اور بڑی لاپرواہی سے نلکا

کھولکر بیٹھ جائیں گے، کبھی آستین چڑھائیں گے، کبھی اِدھر اُدھر دیکھیں گے یا باتیں کرنا شروع کردیں گے اور پانی مسلسل بہہ رہا ہے، یہاں تک کہ آج کل بعض جگہ گرم پانی بھی اسی طرح بہتا رہتا ہے اور نالی میں ضائع ہوتا رہتا ہے، جبکہ پانی کی قلت ہے، بارشیں عرصہ سے نہیں ہوئی ہیں، ندی نالے سوکھ چکے ہیں، کنویں خشک ہو چکے ہیں، ڈیم سوکھے جارہے ہیں، سب لوگ پریشان ہیں، استسقاء کی نماز پڑھ پڑھ کر تھک چکے ہیں، مگر بارش کا ایک قطرہ نہیں ٹپک رہا ہے اور بہت سے علاقے قحط کی زد میں آئے ہوئے ہیں، ہزاروں جانور مر چکے ہیں اور ہزاروں آدمی نقل مکانی کر چکے ہیں، زمینیں بے آب وگیاہ پڑی ہوئی ہیں، اور ہمارا یہ حال ہے کہ ہم نالی میں پانی ضائع کر رہے ہیں۔ قحط زدہ علاقوں کے لوگ کیڑوں والا پانی پی رہے ہیں بلکہ اس کو بھی ترس رہے ہیں اور ہمیں اللہ پاک نے محض اپنے فضل وکرم سے نہ جانے کس کے صدقے کچھ پانی عطا فرمایا ہوا ہے تو اس کو ہم نالی میں بہارہے ہیں، گرم پانی بھی بہہ رہا ہے اور ٹھنڈا پانی بھی ضائع ہو رہا ہے۔ بیسن پر اگر ہم ہاتھ وغیرہ دھونے کے لئے یا کلّی کرنے کے لئے کھڑے ہوں تو بیسن کا نل کھلا رہتا ہے اور ہم باتیں کر رہے ہوتے ہیں یا ایک انگلی دھو کر باتیں شروع ہو جاتی ہیں پھر تین انگلیاں دھو کر باتیں شروع ہو جاتی ہیں، پانی مسلسل ضائع ہو رہا ہوتا ہے، کس قدر بے حسی ہمارے اندر آچکی ہے کہ احساس ہی نہیں ہوتا کہ ہم کوئی گناہ کر رہے ہیں، اسے ڈھیٹ بننا کہتے ہیں، اللہ بچائے ہم اتنے ڈھیٹ بن چکے ہیں کہ گناہ کر رہے ہیں مگر اس گناہ کا احساس نہیں ہے اور پھر جب کوئی آفت آجاتی ہے یا کوئی مصیبت سر پر پڑتی ہے

تو پھر ہوش آتا ہے اور پھر بھاگے بھاگے پھرتے ہیں کہ ہائے مر گئے ہائے یہ کیا ہو گیا۔

گناہگار ہونے پر بے گناہی کا احساس

پھر بعض لوگوں کے ذہن میں یہ آتا ہے کہ معلوم نہیں ہم سے کون سا گناہ ہو گیا تھا جو یہ مصیبت ہم پر آ گئی، یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم تو فرشتے ہیں، ہم سے تو عموماً اور قصداً گناہ ہوتے ہی نہیں، معلوم نہیں،ہو سکتا ہے لاعلمی میں کوئی گناہ ہوا ہوگا، اس کے نتیجے میں یہ وبال آ گیا، یوں نہیں کہتے کہ ہم سر سے پیر تک گناہوں میں ڈوبے ہوئے ہیں، خدا کا شکر ہے کہ اس سے بڑھ کر مصیبت نہیں آئی، یعنی اب بھی اپنے بارے میں یہ حسنِ ظن ہے کہ ہم تو کوئی گناہ کرتے نہیں، گویا فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہیں، ہم سے کوئی غلطی نہیں ہوتی، ہاں شاید نادانی یا لاعلمی اور بے توجہی میں کوئی غلطی ہو گئی ہو گی جس کے نتیجے میں یہ مصیبت آ گئی ہے، بس اللہ تعالیٰ اس کو دور کر دے اور معاف کر دے۔ ایسا انداز اختیار کرتے ہیں گویا اپنے آپ کو گناہوں سے بالکل پاک صاف اور بے گناہ سمجھتے ہیں، حالانکہ حال یہ ہے کہ ہم گناہ کرنے کے عادی بنے ہوئے ہیں۔ الا ماشاء اللہ۔

اسراف سے بچنے کا طریقہ

اس گناہ سے بڑی توجہ اور احتیاط سے بچنے کی ضرورت ہے۔ پانی اللہ

تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، کسی جگہ بھی یہ ضائع نہ ہو، اس میں اسراف نہ ہو اور یہ برباد اور بلاوجہ ضائع نہ ہو۔ وضو کے دوران سب سے زیادہ بے احتیاطی ہوتی ہے، اس لئے وضو کے دوران سب سے زیادہ احتیاط کرنے کی ضرورت ہے، اور اس اسراف سے بچنا کوئی مشکل کام بھی نہیں، اگر مشکل ہو تو آدمی کچھ سوچے بھی کہ اس سے بچوں تو کیسے بچوں؟ کیونکہ نل کو جس طرح کھولنا ہمارے اختیار میں ہے، اس کو بند کرنا بھی ہمارے اختیار میں ہے، اور اس کا سیدھا سادھا اور آسان طریقہ یہ ہے کہ نل کو ہم کم ہی کھولیں اور الٹا ہاتھ کھولنے بند کرنے کے لئے مخصوص کردیں، جب چلّو بھر جائے تو نل کو بند کردیں اور جہاں ایک ہاتھ سے کام چلتا ہے ایک ہاتھ سے کام چلالیں، جہاں دونوں ہاتھوں سے ہی کام چلتا ہے تو دونوں ہاتھ نل بند کرنے کے بعد استعمال کرلیں جیسے کہ چہرہ دھونے کے لئے دونوں ہاتھوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ بہر حال! اتنی آسان ترکیب موجود ہے کہ بائیں ہاتھ سے آدمی نلکا کھولے اور بند کرے اور دائیں ہاتھ سے پانی لے اور اسے استعمال کرے، اس طرح سے بھی سنت کے مطابق با آسانی وضو ہو سکتا ہے اور یہی مقصود و مطلوب ہے۔ تو اگر سنت کے مطابق وضو بھی ہو جائے اور پانی کے اندر اسراف کے گناہ سے بھی ہم بچ جائیں تو یہ کتنی بہتر صورت ہے اور اتنی بہتر صورت ہمارے اختیار میں ہے اور ہم پھر بھی اس کو اختیار نہ کریں تو کتنی خسارے کی بات ہے۔

ایسے ہی جب ہم ہاتھ دھونے کے لئے یا کلّی کرنے کے لئے جائیں تو اس میں بھی احتیاط کر سکتے ہیں کہ بائیں ہاتھ سے نلکا کھولکر دائیں ہاتھ سے پانی لے

کر کلی کر لیں۔ اگر دونوں ہاتھ دھونے ہیں تو بے شک نلکا کھول لیں اس لئے کہ یہ ضرورت ہے، اور یہ نعمت اللہ پاک نے اسی لئے دی ہے کہ آپ دونوں ہاتھ استعمال کریں، لیکن اگر ہاتھوں کو صابن لگانا ہے تو اب نلکا کھلا چھوڑ کر صابن لگانے کا کیا جواز ہے، یہ تو سراسر اسراف ہے اور پانی کو ضائع کرنا اور برباد کرنا ہے، بھئی! نلکا بند کر کے صابن لگالو! اور اگر ہاتھوں کو دھونا ہے تو نلکا کھول کر انہیں پانی سے دھولو۔

بوتل اور چائے کو ضائع نہ کریں

ایسے ہی پانی پینے بوتل پینے اور چائے پینے میں بھی آپ دیکھیں گے کہ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ بلاوجہ پانی، بوتل اور چائے بچادیتے ہیں، اور یہ اکثر فیشن کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں کہ کوئی یوں نہ کہدے کہ یہ بھوکا پیاسا تھا ساری پی گیا، بھئی یہ بتاؤ کہ وہ بوتل آخر آئی کس لئے تھی؟ پانی پینے کے لئے نہیں تو اور کس مقصد کے لئے ہے، چائے آخر پینے کے لئے نہیں ہوتی تو پھر کس لئے ہوتی ہے، یہ محض ایک فیشن ہے کہ آدھی بوتل بچانی ہے اور آدھی پیالی چائے کی بچانی ہے۔ اور پھر ظلم اور مصیبت یہ ہے کہ اس بچے ہوئے کو پھر کوئی دوسرا بھی استعمال نہیں کرتا، اتنا حوصلہ اور تہذیب تو ہے نہیں کہ کسی دوسرے کا بچا ہوا کھانا یا پانی استعمال کرلیں، حالانکہ ہمارے دین میں مؤمن کا بچا ہوا موجب شفاء ہے،

سُؤْرُ الْمُؤْمِنِ شِفَاءٌ -

مؤمن کا جھوٹا شفاء ہے۔

ہندو اگرچہ اس کو منحوس سمجھتے ہیں مگر ہمارے دین میں یہ شفاء ہے اور اچھی خاصی ایک دوا ہے کہ اگر کوئی پینا چاہے تو اس کے حق میں شفاء ہے۔ بہر حال، اگر کوئی دوسرا شخص اس کو پی لے تب بھی وہ چیز ضائع نہ ہو، مگر مصیبت یہ ہے کہ کوئی اس کو استعمال نہیں کرتا، وہ سیدھا نالی میں جاتا ہے، پانی تو جاتا ہی نالی میں ہے بوتل بھی نالی میں اور چائے بھی نالی میں جاتی ہے، اللہ بچائے، حالانکہ اس میں شکر بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کی بڑی عظیم نعمت ہے، پتی ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، دودھ بھی ہے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی گرانقدر نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے اور پانی بھی نعمت جس کا عظیم نعمت ہونا بالکل واضح ہے، اُس کی تیاری میں مشینیں استعمال ہوئی ہیں، چولہا اور گیس استعمال ہوئی ہے، جو اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، صرف چائے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اتنی ساری نعمتیں ہمیں عطا فرمائیں اور ہم اسے انتہائی بے دردی کے ساتھ نالی میں بہادیں، یہ کھلی ناقدری اور ناشکری ہے۔ اس لئے بیسن کے اوپر ہوں یا وضو خانے میں ہوں یا غسل خانے میں ہوں اس بات کا خاص طور سے خیال کریں کہ پانی ضائع نہ ہو۔

گرم پانی لینے میں احتیاط

غسل خانے میں پانی کے ضائع کرنے کی ایک اور صورت ہوتی ہے جو خاص طور سے سردیوں میں پیش آتی ہے، وہ یہ کہ گیزر میں گرم پانی ہوتا ہے، لائینوں میں گرم پانی ہر وقت نہیں ہوتا، اب اگر ہاتھ دھونا ہو یا کلی کرنی ہو یا مثلاً

غسل ہی کرنا ہو تو نل کھولتے ہی گرم پانی نہیں آتا، ہاں نل کھولتے ہی گرم پانی اس صورت میں آسکتا ہے کہ گیزر بالکل قریب ہو، اگر گیزر کہیں دور ہو تو جب تک اس لائن کا سارا ٹھنڈا پانی نہیں نکلے گا اس وقت تک گرم پانی نہیں آئے گا، تو ایسی صورت میں عام طور پر نل کھولکر سارا ٹھنڈا پانی ضائع کردیا جاتا ہے اور نالی میں بہادیا جاتا ہے، تو یہ نالی میں اس طرح پانی بہانا یہ بلاوجہ اور فضول ہے، لہٰذا اس سے بچنا چاہئے، جس سے بچنے کے کئی طریقے ہیں، انہیں اختیار کر کے اس پانی کو ضائع ہونے سے بچایا جاسکتا ہے۔

ان میں سے سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ آپ اپنے غسل خانے میں دو بالٹیاں یا ایک کین اور ایک بالٹی رکھ لیں اور ایک پائپ لے لیں، پھر پائپ لگا کر ٹھنڈا پانی اپنے کین میں بھرلیں، جب گرم پانی آجائے تو اسے بالٹی میں لے لیں۔ بہرحال اس ٹھنڈے پانی کو محفوظ کرلیں، اب یہ محفوظ شدہ پانی مزید دوسرے کاموں میں کام آسکے گا، مثلاً ڈبلیو سی کی صفائی میں کام آسکتا ہے، غسل خانے کی نالی کو بھی دھونے کی ضرورت پڑتی ہے اسے دھونے اور صاف کرنے کے لئے بھی یہ پانی کام آسکتا ہے، بیسن کو دھونے کی بھی ضرورت پڑتی ہے، اس کے لئے بھی یہ پانی استعمال کیا جاسکتا ہے، غسل خانے کو دھونے کی ضرورت میں بھی یہ پانی کام آسکتا ہے۔ بہرحال اس محفوظ شدہ پانی کو کام میں لانے کی چار صورتیں میں نے بتادی ہیں، ان کے علاوہ ایک ترکیب اور بھی ہے، اور وہ یہ ہے کہ اگر بالٹی میں پانی بھر کر نہایا جائے تو گیزر اگر بہت ہی زیادہ دور نہ ہو تو عام طور سے آدھی بالٹی ٹھنڈے پانی سے بھرتی ہے اور باقی آدھی بالٹی تیز

گرم پانی سے بھر جاتی ہے تو دونوں مل کر پانی برابر ہو جاتا ہے، تو اس سے غسل کر کے پانی کو ضائع ہونے سے بچایا جا سکتا ہے، اب اس ٹھنڈے پانی کو بہانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اور کبھی گیزر قریب ہو تو ایک لوٹا ہی پانی نکالنا پڑتا ہے تو اس ایک لوٹے سے ڈبلیو سی کی صفائی ہو سکتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں کہ پانی کے بے جا استعمال سے بچنے کی کتنی ساری صورتیں نکل آئی ہیں، اس طرح احتیاط کریں تو بہت سارا پانی بچ سکتا ہے۔

مفت میں نعمت ملنے کی وجہ سے ناقدری

اصل میں بات یہ ہے کہ ہمیں پانی مفت میں مل رہا ہے، اس لئے یہ سارے نخرے ہیں، اللہ نہ کرے اگر وہ دو دن ہی پانی بند کر دیں تو انسان کا دماغ ٹھکانے آجائے، اور پھر ایک ایک قطرہ سنبھال کر استعمال کرنے لگے۔ اگر آج ہی خدانخواستہ یہ اعلان ہو جائے کہ آئندہ ایک ہفتہ پانی بند رہے گا تو ہر ایک پھر یہی کوشش کرے گا کہ ٹینکی، بالٹی اور دیگر برتن بھر لے اور ایک گلاس پانی بھی ضائع نہ ہو اور گھر میں پانی کے بارے میں مارشل لاء لگا دے کہ کہیں بھی ایک قطرہ پانی ضائع نہ ہو۔ تو بھائی خدانخواستہ ایسی نوبت آنے سے پہلے ہی اس قسم کا مارشل لاء لگالیں اور ابھی سے احتیاط کرنا شروع کر دیں جیسا کہ اُس وقت احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے کہ جیسے اس کٹھن وقت میں ہمیں پانی کی ضرورت ہے اور ہم اس کے محتاج ہیں، ایسے ہی ہم آج بھی محتاج ہیں، اور جو اس وقت پوچھنے والا ہے وہی اب بھی پوچھنے والا ہے کہ تم کو ہم نے

پانی کی فراوانی کی نعمت سے نوازا تھا، تم نے ہماری نعمت کی اسقدر ناشکری وناقدری کیوں کی اور تم نے کیوں پانی کو ضائع کیا؟ تو یاد رکھئے کہ ہم میں سے کوئی بھی اس کا جواب نہیں دے سکتا۔ اس لئے پانی کے بے جا استعمال سے سخت پرہیز کریں۔

غسل میں پانی استعمال کرنے کی حد

بعض لوگوں کا یہ خیال ہوتا ہے کہ پھر نہائیں کیسے؟ تو بھئی نہانے کے لئے بقدرِ ضرورت پانی استعمال کرنے میں کوئی ممانعت نہیں ہے، بقدرِ ضرورت کا مطلب یہ ہے کہ صابن لگا کر میل کچیل دور کر لیا اور تین مرتبہ اچھی طرح پانی دائیں بائیں، آگے پیچھے، اوپر نیچے بہالیا، یہ ضرورت پوری ہوگئی۔ لیکن بعض دفعہ اس سے بڑھکر مزید فرحت حاصل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ راحت و سکون حاصل ہو، کیونکہ پانی کو جسم پر بہانا یہ بھی ایک بڑی عجیب و غریب نعمت ہے کہ جس سے طبیعت میں بڑا سرور اور بڑی فرحت اور نشاط پیدا ہوتا ہے، اور یہ صرف تین مرتبہ پانی جسم پر ڈالنے سے حاصل نہیں ہوتا، جی چاہتا ہے کہ فوّارہ کھول کر اس کے نیچے بیٹھے رہیں اور ایسا معلوم ہو جیسے بارش ہو رہی ہے، تو بھئی یہ بھی ایک ضرورت ہے اور یہ بھی پانی کا بے جا استعمال نہیں ہے بلکہ بر محل استعمال ہے، چاہے پانی گرم ہو یا ٹھنڈا۔ بہر حال اگر مزید دل چاہ رہا ہے کہ ایک مرتبہ اور پانی ڈالیں اور اس سے طبیعت اور زیادہ کھل رہی ہے اور طبیعت میں مزید لطف و سرور حاصل ہو رہا ہے تو مزید پانی استعمال

کرلیں، کیونکہ یہ بھی ضرورت میں داخل ہے۔ ممانعت اس کی ہے کہ آدمی بلاوجہ اور بلاضرورت پانی بہادے، جہاں ایک لوٹا پانی کی ضرورت ہے وہاں دولوٹے بہادیئے تو یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناقدری ہے، وضواور غسل اور کلی وغیرہ کرنے میں اور بیسن وغیرہ پر ہاتھ دھونے میں اس کا خیال رکھیں کہ یہ گناہ ہم سے نہ ہونے پائے، اگر اب تک ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ کر آئندہ پرہیز کریں۔

اسراف کا وبال

یہ ذہن میں رکھیں کہ یہ اسراف کا گناہ ہے اور اللہ بچائے اسراف کا گناہ ایسا ہے کہ اس کا وبال بہت خطرناک ہے، وہ خطرناک اس طرح ہے کہ بعض دفعہ اسراف کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس نعمت سے محروم کردیتے ہیں، پھر آدمی ناک رگڑ رگڑ کے بھی مانگتا ہے تو وہ نعمت نہیں ملتی، عام طور سے روزی کے جو تنگ ہونے کے اسباب ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے، بعض لوگوں کی روزی تنگ ہو جاتی ہے اور تنگ ہی رہتی ہے، بیچارے وظیفہ پڑھ پڑھ تھک جاتے ہیں، چلّے کھینچ کھینچ کر ہار جاتے ہیں اور دعا کر کر کے بظاہر مایوس ہو جاتے ہیں، مگر روزی کا دروازہ نہیں کھلتا، وجہ اس کی یہی ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی روزی کو بڑی بے دردی کے ساتھ پامال کیا اور روزی کی ناقدری و ناشکری کرنے کے ساتھ ساتھ اس کو برباد اور ضائع کیا اور اس میں اسراف کے مرتکب ہوئے۔ اللہ تعالیٰ بندے کو ڈھیل دیتے ہیں، وہ کبھی کسی بندے کو ایک دم نہیں پکڑتے بلکہ

عفو و در گزر سے کام لیتے ہیں، اس لئے کہ وہ تو حلیم و بردبار ہیں، وہ کسی سے فوراً بدلہ اور انتقام ہر گز نہیں لیتے، بلکہ جب بندہ حد سے گزر جاتا ہے تو پھر ان کی طرف سے گرفت آتی ہے اور جب ان کی طرف سے گرفت آتی ہے تو پھر ان سے کوئی چھڑانے والا نہیں ہوتا، اور اللہ بچائے جب کسی شخص پر روزی کا دروازہ بند ہوتا ہے تو اس کی ایک وجہ یہ ہوتی ہے کہ پہلے تو وہ اس نعمت کو نالی میں بہاتا رہا، دستر خوان میں ضائع کرتا رہا، پھینکتا رہا اور جی بھر کے ناقدری کرتا رہا، اب جب اس کی روزی تنگ ہو گئی تو اب چیختا ہے چلّاتا ہے ہائے ہائے کرتا ہے، اب ایسا کرنے کا کیا فائدہ ہے، اس لئے خیال کرنا چاہئے کہ اسراف نہ ہونے پائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

کھانے کی چیزوں میں احتیاط

دوسرا گناہ کھانے کو ضائع کرنا ہے۔ کھانے پینے کی چیزوں میں بھی ہمارے ہاں بہت بے احتیاطی پائی جاتی ہے، ان میں بھی احتیاط کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ کھانے کی کوئی چیز اگر نیچے گر جائے تو اس کو اٹھانے کی ہمیں عادت ہی نہیں ہے اور نہ ہی اس کا خیال ہے، دستر خوان پر خوراک کے ذرّات، روٹی کے ٹکڑے اور چاول وغیرہ گر جاتے ہیں جب انہیں کو لوگ نہیں اٹھاتے اور ان کو اٹھانا معیوب سمجھتے ہیں تو زمین پر گرے ہوئے ذرّات کا اٹھانا تو دور کی بات ہے، بلکہ اسی طرح دستر خوان کو خراب جگہیں اور کوڑا کرکٹ کی جگہ میں جھاڑ دیتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ کی یہ نعمتیں جن کا بہت بڑا حصّہ ہمارے پیٹ میں جا چکا ہے، انہیں میں سے چند ذرّات دستر خوان پر گرے تھے، ہم بے دردی و بے حسی کے ساتھ دستر خوان کے ساتھ جھاڑ دیتے ہیں، آپ مسلمانوں کے کسی بھی محلے سے گزر کر دیکھ لیں، کہیں آپ کو دال، سالن، چاول پڑے ہوئے نظر آئیں گے اور کہیں تو سالم روٹیاں پڑی ہوئی نظر آئیں گی، اللہ بچائے اللہ بچائے، ہم اللہ کی روزی کے ساتھ یہ معاملہ کر رہے ہیں۔ ہاں ان میں سے کوئی چیز سڑ گئی ہو یا خراب ہو گئی ہو تو چلو وہ تو پھینکنے کے قابل ہے، لیکن ہر وقت ہر چیز ہر حال میں اس طرح نہیں ہوا کرتی۔ ساری خرابی گھر کے اندر کھانے والے لوگوں کی بے احتیاطی کی ہے، یہ نوبت کیسے آئی؟ آجکل عام طور سے یہ نوبت نہیں آسکتی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اب ہر گھر میں فریج، ڈیپ

فریزر موجود ہے، اور اگر فریج وغیرہ موجود نہ بھی ہو تو پہلے زمانے میں بھی تو لوگ اپنے سالن روٹی کو بچا کر رکھتے تھے، بعض لوگ پکا کر رکھتے تھے اور اس میں کچھ ایسی چیزیں ڈالتے تھے کہ جس سے وہ سالن خراب نہیں ہوتا تھا، آج بھی کھانے کو دیر تک محفوظ رکھنے کی ترکیبیں کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں، ان سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔

کھانا صدقہ دیکر محفوظ کرنا

بہر حال اگر کھانے کو احتیاط سے رکھتے اور احتیاط سے کھاتے تو وہ دوسرے وقت بھی کام آسکتا تھا اور اگر ایک وقت کا کھانا دوسرے وقت کھانے کو طبیعت نہیں چاہتی اور تازہ کھانا ضرورت سے زائد ہے تو اُسے اخلاص کے ساتھ صدقہ بھی کیا جاسکتا ہے، اخلاص کے ساتھ صدقہ کرنا اس کھانے کو دراصل محفوظ کرنا ہے اور اس سے بڑھ کر محفوظ کرنے کا کوئی طریقہ نہیں، کیونکہ ڈیپ فریزر میں رکھا ہوا کھانا پھر بھی خراب ہو سکتا ہے مگر یہ صدقہ کے طور دیا ہوا کھانا محفوظ تو ہوگا ہی، ساتھ ساتھ انشاءاللہ بڑھتا بھی جائے گا، اور اتنا بڑھے گا کہ حدیث میں آتا ہے کہ کوئی آدمی اللہ کے راستے میں چھوارا صدقہ دیدے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں اور اگر اس نے خلوص سے دیا ہے تو اس کو بڑھا بڑھا کر پہاڑ کے برابر کر دیتے ہیں۔

کھانے کو محفوظ کرنے کا یہ کتنا اچھا ذریعہ ہے، پھر پھینکنے کی کیا ضرورت ہے، روٹی، سالن، دال اور قورمہ وغیرہ کسی بھی چیز کے پھینکنے کی قطعاً ضرورت

نہیں ہے، اگر آپ کی ضرورت سے زائد ہے اور دوسرے وقت کھانے کو طبیعت نہیں چاہ رہی تو کوئی حرج نہیں ہے، آپ اس کو خیرات یا صدقہ کر دیں۔ آبادی سے ذرا سا باہر نکلیں تو بھوک سے ترستے ہوئے کافی لوگ آپ کو نظر آئیں گے جو بے چارے اس انتظار میں ہیں کہ کہیں سے ہمیں کھانا میسّر آجائے تو ہماری بھوک مٹ جائے۔ تو کتنے لوگ کھانے کے منتظر بھی ہیں اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہم کھانے کو پھینک کر ضائع کرنے والے بنے ہوئے ہیں۔

دستر خوان پر کھانے کا ادب

لہٰذا دستر خوان وغیرہ پر جب بھی کھانے کے لئے بیٹھیں تو اس بات کا خیال رکھیں کہ کھانا ضائع اور برباد نہ ہو اور دستر خوان پر بھی نہ گرے، اگر گر جائے تو اسے اٹھالیں، اور کھانا اتنا ہی لیں جتنا ایک وقت میں آپ کھا سکیں، اسی طرح مطبخ سے کھانا لیتے وقت بھی طلبائے کرام کو اسی احتیاط کی ضرورت ہے، ضرورت سے زیادہ کھانا لینے کی کوشش ہی نہ کریں، اگر زیادہ لے لیا ہے تو اب اس کی حفاظت ضروری ہے، ایک وقت میں اگر زیادہ لے لیا ہے تو دوسرے وقت کھانا لینے کی ضرورت نہیں ہے، اسے ہی استعمال کرلیں۔ اسی طرح روٹی اگر بچی ہے تو اس کے لئے بھی اللہ نے سوئی گیس کی سہولت دے رکھی ہے، اگر روٹی درمیان سے یا کناروں سے پھولی ہوئی ہے تو اسے درمیان یا کناروں سے کاٹ لیا جائے اور پھر اس کو گرم کرلیا جائے تو شاندار روٹی تیار ہو جاتی ہے، اس طرح جو روٹی بچی ہے وہ پک جاتی ہے اور پکنے کے بعد انتہائی لذیذ ہو جاتی ہے۔

کوتاہی کی جڑ

کوتاہی کی جڑ اصل میں یہ ہے کہ بعض لوگوں کو یہ سب کچھ بلا مشقت و محنت مفت میں مل رہا ہے، اس لئے یہ تمام کوتاہیاں ہو رہی ہیں اور دماغ اتنا چڑھا ہوا ہے، اگر خوب محنت و مشقت کے بعد یہ سب کچھ ملتا تو چٹنی بھی سنبھال کر رکھتے اور وہ قورمہ سے زیادہ لذیذ لگتی اور اب قورمہ میں بھی کیڑے نکالے جا رہے ہیں کہ اس میں مرچیں کم ہیں، اس میں بال پڑا ہوا ہے، گھی کم ہے، بوٹی صحیح سے گلی نہیں ہے وغیرہ، بس بھئی! بات وہی ہے کہ مفت میں مل رہا ہے اس لئے دماغ خراب ہو رہا ہے، جن کو کھانے کے لئے نہیں مل رہا ان سے اس کی قدر و قیمت معلوم کریں۔ اور بعض لوگوں میں غفلت اور لاپرواہی کا مرض ہے۔ بہر حال دونوں صورتیں قابلِ اصلاح ہیں۔

فقر و فاقہ اور روضۂ اقدس سے محبّت

ایک چھوٹا سا قصہ یاد آیا وہ آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ حج کے لئے تشریف لے گئے۔ اس زمانے میں شاہ سعود کی حکومت ابھی قائم نہیں ہوئی تھی یا ہونے والی تھی، اس وقت وہاں پر انتہائی غربت و افلاس کا عالم تھا۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم نے چاول اُبالے اور جیسا کہ معمول ہے کہ چاول اُبال کر پانی پھینک دیا جاتا ہے، ہم نے بھی چاول ابال کر پانی

پھینک دیا تو ایک بدّو کا بچہ اس جگہ کی ریت اٹھا کر چوسنے لگا جس جگہ ہم نے پانی گرایا تھا، اس قدر ان کے ہاں فقر و فاقہ کی حالت تھی۔ حضرتؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے یہ دیکھا نہ گیا کہ یہ حرم کے رہنے والے ہیں اور ان کا یہ حال ہے، ہم نے اس بچے کو بلایا اور اس سے کہا کہ تم ہمارے ساتھ رہو اور ہمارے ساتھ کھاؤ پیو، اور اپنے والدین سے اجازت بھی لے لو اور ہمارے ساتھ ہندوستان چلو، ہم تمہیں وہاں کھلائیں گے بھی، پہنائیں گے بھی اور پڑھائیں گے بھی، وہ بچہ اپنے گھر گیا اور اپنے والدین سے ذکر کیا کہ یہ حضرات مجھ سے اس طرح ساتھ چلنے کے لئے کہہ رہے ہیں، تو اس کے والدین نے اجازت دیدی، چونکہ حج کے لئے کافی دن وہاں رہنا ہوتا ہے اس لئے ہم وہیں رہے، پھر جب واپسی کا وقت قریب آیا تو ہم نے اس کو بتایا کہ ہم فلاں دن، فلاں وقت جائیں گے، تم اپنی تیاری وغیرہ مکمل کر کے وقت مقررہ پر پہنچ جاؤ، تو اس بچے نے برجستہ کہا کہ میں بالکل تیار ہوں، چونکہ وہاں سے رخصتی کے وقت سلام پیش کرنے کے لئے روضۂ رسول ﷺ پر آنا ہوتا ہے، ہم وہاں گئے تو وہ بچہ بھی ہمارے ہمراہ تھا، اس موقع پر اس بچے نے دامن پکڑ کر کہا کہ تم لوگ جہاں مجھے لے کر جا رہے ہو وہاں پر یہ روضہ ہے یا نہیں؟ ہم نے کہا کہ یہ روضہ تو وہاں نہیں ہے، تو اس بچے نے کہا کہ پھر میں یہاں ہی صحیح ہوں، اسے چھوڑ کر میں وہاں نہیں جا سکتا، "اللہ اکبر"!!! اگر یہ روضۂ مبارک وہاں نہیں ہے تو پھر میں وہاں جا کر کیا کروں گا، میں تو اسی کے سائے میں رہنا چاہتا ہوں "اللہ اکبر"!!! اتنی محتاجی اور فقر و فاقہ میں بھی ان کی محبت کا یہ عالم ہے!! جب انہوں نے محبت ایسی کی تو اللہ پاک نے دروازہ بھی ایسا

ہی کھولا کہ مال، دولت ان کی لونڈی بن کر رہ گئی۔

خلاصۂ بیان

بہر حال ہمارے یہاں اِسراف کا گناہ بہت زیادہ پھیل گیا ہے، کھانے پینے اور پہننے میں اور پانی کے استعمال میں یہ گناہ ہم سے بہت زیادہ ہو رہا ہے، اس کی طرف ہم توجہ دیں اور اپنا جائزہ لیں اور جہاں جہاں یہ گناہ ہو رہا ہے اور غلطی ہو رہی ہے، اس سے توبہ کریں اور آئندہ بچنے کا اہتمام کریں! اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عمل عطا فرمائیں۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وقت کی قدر کریں

حضرت مولانا مفتی عبد الرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

وقت کی قدر کریں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَأَشْھَدُاَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَأَشْھَدُاَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا

أَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرحمٰن الرحیم۔ وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ

لَفِیْ خُسْرٍ ۝ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْم۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کو بہت ساری نعمتیں عطا کی ہیں اور وہ تمام کی تمام نعمتیں بہت بڑی نعمتیں ہیں اور سب ہی کی قدر کرنے کی ضرورت ہے اور سب ہی کی قدر کرنے کی تاکید بھی ہے۔ لیکن بعض نعمتیں عظیم الشان ہیں اُن کی طرف توجہ دینے کی زیادہ ضرورت ہے، اس لئے کہ لوگوں کو ان نعمتوں کا قیمتی ہونا معلوم نہیں ہے، اور اگر کسی کو تھوڑا بہت معلوم بھی ہے تو اس کو ان کی قدر کرنے کی طرف توجہ نہیں ہے اور اگر توجہ ہے تو پوری نہیں ہے۔

بہرحال، میرے عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم سب کو ان نعمتوں کا قیمتی ہونا معلوم ہو جائے اور اگر ہم ان نعمتوں کی قدر نہیں کر رہے ہیں تو قدر کرنی شروع کر دیں اور احتیاط سے انہیں استعمال کریں تاکہ وہ ہمارے لئے زیادہ سے زیادہ نافع اور مفید ہو جائیں اور اب تک اس سلسلہ میں ہم سے جو غفلت اور کوتاہی ہوئی ہے وہ دور ہو جائے۔

وقت عظیم نعمت ہے

اُن عظیم الشان نعمتوں میں سے ایک وقت کی نعمت ہے جس کی اللہ پاک نے ''سورۃ العصر'' میں قسم کھائی ہے۔ اللہ پاک نے فرمایا کہ:

وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ...... الخ

اور قسم ہے زمانے کی، بلاشبہ انسان خسارے میں ہے

سوائے ان کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور
ایک دوسرے کو نیکی کی نصیحت کرتے رہے اور ایک
دوسرے کو صبر رکھنے کی نصیحت کرتے رہے۔

اللہ تعالیٰ نے زمانے کے عظیم الشان ہونے کی وجہ سے اس کی قسم کھائی ہے۔ دنیا میں آنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو زمانے اور وقت کی نعمت عطا فرمائی ہے، اب یہ نعمت یعنی زمانہ اور وقت اور عمر ہر ایک کی الگ الگ ہے، کسی کی کم کسی کی زیادہ اور کسی کی بہت کم اور کسی کی بہت زیادہ۔ بہر حال دنیا میں جو بھی آیا ہے وہ وقت کی نعمت ضرور لے کر آیا ہے، اور کامیاب شخص وہی ہے جو اس نعمت کو صحیح طریقے سے استعمال کرلے۔

وقت کے استعمال کی پہلی صورت

وقت کے استعمال کی تین صورتیں ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ وقت کو اللہ تعالیٰ کی یاد میں، اطاعت میں اور عبادت میں صرف اور خرچ کیا جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کی یہ اطاعت و یاد صرف چند عبادات کا ہی نام نہیں ہے بلکہ سارے دین کا نام ہے، اور مسلمان کو ساری زندگی عمل کے لئے دین کا کوئی نہ کوئی شعبہ اس کے سامنے آتا رہتا ہے۔ لہٰذا زندگی کے کسی بھی موڑ پر دین کا کوئی بھی شعبہ یا دین کا کوئی بھی حکم عمل کرنے کے لئے سامنے آجائے تو اس پر عمل کرنا یہ اپنے وقت کو عبادت و اطاعت میں گزارنا اور اپنے وقت کو قیمتی بنانا ہے۔ مثال کے طور پر کبھی تبلیغ کا حکم ہے، کبھی جہاد کا حکم ہے، کبھی اصلاح لینے

کا حکم ہے، کبھی نمازِ جنازہ پڑھنے کا حکم ہے، کبھی اچھے اخلاق سے پیش آنے کا حکم ہے، اسی طرح والدین کی خدمت اور نماز پڑھنے کا حکم ہے، اسی طرح جب روزہ رکھنے کا وقت آیا تو روزہ رکھ لیا، زکوٰۃ دینے کا وقت آ گیا تو زکوٰۃ دیدی، صلہ رحمی کرنے کا وقت آ گیا تو صلہ رحمی کرلی، سچ بولنے کا موقع آ گیا تو سچ بولدیا، حلال کمانے کا موقع آیا تو حلال کمالیا، حرام سے بچنے کا وقت آیا تو حرام سے بچ گیا، ٹی وی دیکھنے کا موقع آیا تو اپنے آپ کو اس سے بچالیا، گانا سننے کا موقع آیا تو اپنے کانوں کو اس سے بچالیا، بدنگاہی کا موقع آیا تو بدنگاہی سے اپنے آپ کو بچالیا، لڑائی کا موقع آیا تو اپنے آپ کو بچالیا، بے صبری کا موقع آیا تو دامنِ صبر تھام لیا، شکر کرنے کا وقت آیا تو شکر کرنے لگا اور کسی عبادت کا وقت اور موقع آیا تو عبادت کرنے لگا تو یہ تمام احکامات وقتاً فوقتاً انسان کو پیش آتے رہتے ہیں، اور ان احکامات میں وقت لگانا اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت میں وقت لگانا ہے۔ بہرحال، پہلی صورت یہ ہوئی کہ اپنے وقت کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں، اطاعت میں اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں گزارے اور جس وقت جو بھی دین کا حکم اور تقاضا ہو اس پر عمل کرے اور یہی صورت سب سے بہتر اور اعلیٰ ہے، کیونکہ اطاعتِ خداوندی میں، اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں اور اللہ تعالیٰ کا حکم بجالانے میں جو وقت گزر گیا، بس وہی وقت سب سے سنہری اور قیمتی ہے اور یہی زندگی کا مقصدِ اصلی بھی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں اور جنات کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے کہ وہ اپنے اوقات کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں گزاریں اور نافرمانی سے بچیں، کیونکہ

نافرمانی سے بچنا یہ بھی اطاعت ہی ہے۔

دوسری صورت

وقت کے استعمال کی دوسری صورت جس سے اللہ پاک ہمیشہ ہمیں محفوظ رکھیں، یہ ہے کہ وہ وقت اللہ تعالیٰ کی نافرمانی، فسق و فجور اور گناہ کرنے میں گزر جائے، مثلاً بدنگاہی کرنے میں، جھوٹ بولنے میں، غیبت کرنے میں، الزام تراشی میں، لایعنی باتوں میں، فضول تبصروں میں، بے کار اور لایعنی خبریں پڑھنے میں، ایسی کتابیں اور ایسے رسالے اور ایسے مضامین کے پڑھنے میں جو بالکل فضول اور لایعنی ہوں، ایسے گندے ناول اور افسانے جن سے بے حیائی، بے غیرتی، عیاشی اور بدمعاشی کی تعلیم دی جاتی ہو، اور ان کے پڑھنے والے پر بُرے اثرات پڑتے ہوں تو ایسے گندے ناول وغیرہ پڑھنے میں، ٹی وی دیکھنے میں، وی سی آر کے ذریعے فلمیں دیکھنے میں، انٹرنیٹ کے ذریعے حرام اور ناجائز پروگرام دیکھنے میں، کیبل کے ذریعے ننگی دنیا دیکھنے میں، نامحرم عورتوں کو شہوت کے ساتھ دیکھنے میں، بے ریش لڑکوں کو شہوت سے دیکھنے میں، چوری کرنے میں، ڈاکہ ڈالنے میں، شراب پینے میں، جان بوجھ کو نماز چھوڑنے میں اور بلا عذر جماعت کی نماز چھوڑنے میں یا کسی اور گناہ میں اگر کسی نے اپنا وقت گزارا تو بس گویا اس نے اپنے وقت کا خون کرلیا اور اپنے کو تباہ و برباد کرلیا۔

پس خلاصہ یہ ہے کہ جس وقت کوئی بندہ گناہ میں مشغول ہوتا ہے تو اس

وقت وہ بندہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں انتہائی مبغوض اور ناپسندیدہ ہوتا ہے اور جس وقت کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کی اخلاص کے ساتھ عبادت کر رہا ہوتا ہے، چاہے وہ سات کمروں میں چھپ کر اور بند ہو کر عبادت کرے تو اس وقت یہ بندہ اللہ تعالیٰ کا انتہائی پسندیدہ اور محبوب ہوتا ہے۔ بہرحال، دوسری صورت یہ ہوئی کہ اگر ہم اپنے وقت کو اللہ کی نافرمانی میں اور گناہ میں گزار دیں تو جتنا وقت بھی گناہ میں گزرے، اس وقت کو گویا ہم نے ضائع کر دیا، برباد کر دیا، اس وقت کی ناشکری و ناقدری کی اور اپنا قیمتی سرمایۂ حیات ہم نے ضائع و برباد کر دیا۔

تیسری صورت

وقت کے استعمال کی تیسری صورت یہ ہے کہ اس وقت کے اندر ہم نہ کوئی نیکی کا کام کریں اور نہ ہی کوئی گناہ کا کام کریں بلکہ کوئی جائز اور مباح کام کریں۔ جائز اور مباح کام وہ ہوتا ہے جس کے کرنے میں کوئی ثواب نہیں اور چھوڑنے میں کوئی گناہ بھی نہیں، یعنی کرنے میں کوئی ثواب نہیں اور نہ کرنے میں کوئی عذاب نہیں تو ایسے کام کو جائز اور مباح کہتے ہیں۔ مباح اور جائز کاموں کی فہرست بہت طویل ہے۔

صبح و شام آدمی جتنے کام کرتا ہے، ان میں عموماً یہ تینوں صورتیں ہوتی ہیں۔ صبح سے شام تک کا آدمی یہ جائزہ لے کہ آج کا یہ دن میں نے کس طرح گزارا ہے تو وہ خود یہ محسوس کرے گا کہ کچھ تو اس نے نیک کام کئے ہیں، کچھ برے کام بھی کئے ہیں اور کچھ ایسے کام کئے ہیں جنہیں نہ اچھا کہا جا سکتا ہے

اور نہ برا کہا جا سکتا ہے، جو اچھے کام کئے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے کہ اسی کی توفیق سے میں نے یہ کام کئے، اس میں میرا کوئی کمال نہیں، اس پر فخر نہ کرے اور عجب میں مبتلا نہ ہو۔ اور جو برے کام کئے ہیں، یعنی جو وقت کسی گناہ کے کام میں گزارا، مثلاً کسی کو کوئی ایک جملہ ایسا کہدیا جس سے اس کے دل کو تکلیف پہنچی، کسی کی برائی کر دی، کسی پر تہمت لگا دی، کسی کو ناجائز اور بلاوجہ ڈانٹ دیا، والدین کو ستایا، بہن بھائیوں کو پریشان کیا یا کوئی اور گناہ کیا، تو ان پر فوراً توبہ و استغفار کرے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے اور گڑگڑائے اور اس سے آئندہ بچنے کا اہتمام کرے۔

اور کچھ وقت پورے دن میں ایسا گزرا کہ جس میں ایسے کام کئے کہ ان پر نہ ثواب ہے اور نہ عتاب ہے بلکہ جائز اور مباح کام کئے، مثلاً سونا، کھانا، پینا، زائد از ضرورت پہننا، زیب و زینت اختیار کرنا، کسی سے ملنے کے لئے جانا، اب اگر اللہ کے لئے ملنے گیا تو یہ عبادت بن جائے گا اور اگر ویسے ہی گیا تو یہ جائز اور مباح ہوگا، اس کے علاوہ اور بھی بہت سے مباح کام انسان دن بھر کرتا ہے، تو ان پر نہ ثواب ہے اور نہ عذاب ہے۔

حسن نیت سے مباح کام بھی عبادت بن جاتا ہے

البتہ جائز اور مباح کام بھی ایسے ہیں کہ انہیں بھی حسنِ نیت کی وجہ سے آسانی کے ساتھ عبادت بنایا جا سکتا ہے، ایک کام جو اپنی ذات کے اعتبار سے جائز ہے، اگر اس کو کرتے وقت ہم اچھی نیت کرلیں تو وہی جائز اور مباح کام

آسانی سے عبادت بن جائے گا، وہ کام بذاتِ خود تو جائز اور مباح ہی رہے گا لیکن حسنِ نیت کی وجہ سے وہ عبادت بن جائے گا اور ہمارے لئے باعثِ اجر و ثواب ہو جائے گا۔ تو جتنے بھی جائز اور مباح کام ہوں، ان میں اچھی نیت کو ہم اپنے دامن میں باندھ لیں یعنی ہر مباح کام کرتے ہوئے اس میں اچھی نیت کرلیں تو یہ ہمارے لئے عبادت بن کر اجر وثواب کا موجب ہو جائے گا، حسنِ نیت اتنا بہترین عمل ہے کہ اس میں نہ پیسہ خرچ ہوتا ہے، نہ طاقت خرچ ہوتی ہے اور نہ ہی کوئی خاص وقت خرچ ہوتا ہے، ذرا سا دل کا رخ صحیح کرلیں تو وہ جائز اور مباح کام ہمارے لئے نیکی بن جائے گا۔

نیت کا دوسرا رخ

نیت کا دوسرا رخ یہ بھی ہے کہ اگر خدانخواستہ کسی عبادت میں بری نیت کرلی تو عبادت بھی گناہ بن جاتی ہے، مثلاً نفلی نماز پڑھتے وقت کوئی یہ نیت کرے کہ لوگ مجھے عابد و زاہد کہیں، حج اس لئے کرے تاکہ لوگ مجھے حاجی اور الحاج کہیں، اور رشتہ داروں کے ساتھ اس لئے حسن سلوک کرے کہ برادری کے لوگ کہیں کہ اس کو تو بہت ہی زیادہ اپنے رشتہ داروں کا خیال رہتا ہے، یہ تو قوم کا بہت ہی ہمدرد اور بہی خواہ ہے، تو اب ان تینوں صورتوں میں پیسے بھی خرچ ہوئے، وقت بھی خرچ ہوا اور محنت و مشقت بھی برداشت کی، لیکن پھر بھی اس کے نامہ اعمال میں گناہ لکھا جائے گا کہ یہ نمائشی اور ریاکار ہے اور اس کی ایسی کوئی عبادت قابلِ قبول نہیں، اور اگر یہی تینوں کام اللہ کی رضا کے

لئے کر لئے جائیں تو یہ سارے کام عبادت بن جائیں اور کندن بن جائیں اور تھوڑی سی عبادت بھی بہت ہو جائے اور مقبول ہو جائے۔

بہر حال، یہ نیت ایسی پیاری چیز ہے کہ اگر اس کو جائز اور مباح کاموں میں اچھے طریقے سے استعمال کیا جائے تو تمام جائز کام بھی باعثِ اجر وثواب ہو جائیں۔

کمرہ کی مثال

مثلاً ایک کمرے میں تین چار ساتھی رہتے ہیں اور سب ساتھیوں کا اس طرح مل کر رہنا یہ ایک جائز اور مباح کام ہے، اب اگر کوئی شخص اس طرح ساتھ رہنے میں یہ نیت کرلے کہ میں اس کمرے میں اپنے ساتھیوں کی خدمت کرنے کے لئے رہوں گا اور چونکہ وہ سب ساتھی طالب علم ہیں اور دین کا علم حاصل کرنے آئے ہوئے ہیں تو میں ان کی خدمت اس لئے کرونگا تاکہ اور زیادہ دلچسپی سے وہ اللہ کا دین حاصل کریں اور پھر جب فارغ ہو کر جائیں گے تو وہ اللہ کے دین کو پھیلائیں گے اور اس طرح وہ دین کی خدمت میں لگیں گے تو مجھے ثواب ملے گا۔ اب اس نیت سے ساتھیوں کے ساتھ مل کر رہنا بھی عبادت بن جائے گا، اب یہ شخص دن کو بھی عبادت میں ہے، رات کو بھی عبادت میں ہے اور اس کے علاوہ جب بھی اور جتنا بھی وقت کمرے میں گزرے گا وہ عبادت میں شمار ہوگا۔

ایک سے زیادہ نیتیں

اس نیت کے اندر اللہ پاک نے ایک سہولت اور بھی رکھی ہے، اور وہ یہ ہے کہ ایک وقت میں ایک سے زائد نیتیں بھی انسان کرسکتا ہے اور ہر نیت کا علیحدہ ثواب ملے گا۔ جیسے کمرے میں رہنے میں ایک نیت تو ساتھیوں کی خدمت کرنے کی ہوگئی اور اللہ کے لئے اپنے دوستوں، بہن بھائیوں اور حتیٰ کہ عام انسانوں کی خدمت کرنا یہ خود اعلیٰ درجے کی عبادت ہے اور پھر طلباء و علماء کی خدمت کرنا اس کا اور بھی زیادہ ثواب ہے۔ اس میں دوسری نیت یہ بھی کرسکتا ہے کہ اگر ان ساتھیوں میں سے کوئی بیمار ہوگا تو میں اس کی بیمار پرسی کروں گا۔ اور بیمار کی بیمار پرسی کرنا، اس کی عیادت کرنا اور اس کی بیماری میں اس کی دیکھ بھال کرنا یہ بھی عبادت ہے۔

تیسری نیت یہ بھی کرسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان ساتھیوں کو جو علم عطا فرمائیں گے، میں ان سے یہ علم حاصل کروں گا اور اللہ پاک جو علم مجھے عطا فرمائیں گے محض اپنے فضل سے، وہ علم میں ان تک پہنچادوں گا، اب اس میں تکرار، مطالعہ اور زبانی مذاکرہ سب داخل ہوجائیں گے۔

چوتھی نیت ساتھیوں کے ساتھ رہنے میں یہ بھی ہوسکتی ہے کہ مجھے ان کے ساتھ رہنے میں ان کے ذریعہ نیک صحبت میسّر آجائے گی، یہ میرے ساتھی اللہ والے اور نیک ہیں اور یقیناً مجھ سے افضل ہیں، کیونکہ ہر مسلمان کے لئے دوسرا مسلمان فی الحال اس سے افضل ہے اور مجھے کسی نہ کسی نیک صحبت میں

رہنا چاہئے، تو میں نیک ساتھیوں کے ساتھ رہتا ہوں تا کہ ان کی نیک صحبت میں رہنے سے مجھے بھی فائدہ ہوتو اس نیت کا الگ ثواب ملے گا۔

دیکھئے! ایک ہی وقت میں مختلف نیتیں کرنے سے انسان ان سب کا ثواب حاصل کرسکتا ہے، جیسا کہ مذکورہ مثال سے واضح ہوا کہ کمرہ ایک ہے، ساتھی بھی وہی ہیں اور وقت بھی ایک ہے، مگر نیتیں مختلف کرنے سے ہر نیت کا علیحدہ ثواب مل رہا ہے۔ اسی طرح مختلف نیتیں درسگاہ کے لئے بھی ہم کر سکتے ہیں اور مارکیٹ جانے کے لئے بھی مختلف نیتیں کرنے سے ان سب کا ثواب حاصل کر سکتے ہیں، کیونکہ جب یہ اچھی اچھی نیتیں کر کے انسان مارکیٹ جائے گا تو وہاں جا کر جو کام کرے گا وہ بھی عبادت میں شمار ہوگا اور اس کا آنا جانا یہ بھی عبادت میں شامل ہو کر اس کے لئے باعثِ اجر وثواب ہو جائے گا۔

اسی لئے میں عرض کر رہا ہوں کہ نیت کو ہم سب اپنے پلّے میں باندھ لیں، کیونکہ یہ ایک ایسی عجیب وغریب نعمت ہے کہ اس سے وقت بہت جلد اور بہت ہی زیادہ قیمتی بن جاتا ہے۔

مباح کاموں میں زیادہ وقت گزرتا ہے

بہرحال! عبادات کا وقت اور حصہ تھوڑا ہوتا ہے اور مباحات کا وقت اور حصہ بہت زیادہ ہوتا ہے اور گناہ کا وقت بھی بہت تھوڑا ہوتا ہے، اِلَّا یہ کہ انسان گناہ پر کمر ہی کس لے ”اللہ بچائے“ کیونکہ گناہ کے مواقع بھی صبح سے شام تک بہت کم آتے ہیں، زیادہ وقت انسان عام طور پر مباح کام کرنے میں ہی

گزارتا ہے، تو مباح کاموں میں جو وقت گزرتا ہے اس وقت کو قیمتی بنانے کے لئے نیت کا استعمال بہت زیادہ کردیں تاکہ ہمارے اجر و ثواب اور نیکیوں میں اضافہ ہوتا رہے۔

حسن نیت کا ایک واقعہ

نیت کے بہترین استعمال کرنے پر ایک واقعہ یاد آیا جو کہ ہمارے دارالعلوم کے ہی ایک استاد صاحب کا ہے۔ انہوں نے ایک مرتبہ بتایا کہ میں نے فجر کی نماز کے بعد ٹہلنے کے معمول میں پچاس نیتیں سوچیں۔ تو آپ غور کریں کہ صبح صبح ٹہلنا، یہ ایک ہی عمل ہے اور اس میں ایک ہی وقت صرف ہوتا ہے، مگر وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ذہن میں اس وقت اس کے بارے میں پچاس نیتیں ڈالیں تو میں نے وہ پچاس کی پچاس نیتیں کرلیں، اس طرح ایک ہی وقت اور ایک ہی عمل میں ہر نیت کا الگ الگ ثواب مل جائے گا۔

اہل اللہ کا کمال

اللہ والوں کا یہی کمال ہوتا ہے کہ اول تو ان کا وقت غفلت میں بہت ہی کم گزرتا ہے، پھر اللہ پاک انہیں یہ گر استعمال کرنے کی بھی توفیق دے دیتے ہیں کہ جس کی وجہ سے ان کے اوقات میں شاید ہی کوئی وقت ایسا ہو جو غفلت میں گزرے، ورنہ ان کا سارا وقت یا تو یاد الٰہی میں گزرتا ہے یا حسن

نیت کی وجہ سے عبادت میں گزرتا ہے اور اگر کہیں کمی کوتاہی ہوگئی تو توبہ و استغفار میں گزرتا ہے، اس طرح ان کی زندگی کے اوقات کسی نہ کسی طرح عبادت میں گزرتے ہیں۔

مرید کا پیر صاحب کو گھر لیجانا

ایک واقعہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ میں بھی آتا ہے کہ ایک مرید نے اپنا نیا مکان **بنوایا**، جب مکان بن کر تیار ہوگیا تو اس نے اپنے پیر صاحب کو دعوت دی کہ حضرت! آپ گھر تشریف لے چلیں اور گھر کا افتتاح فرمادیں اور ساتھ ساتھ کھانا بھی تناول فرمائیں اور برکت کے لئے دعا بھی فرما دیں، آپ کے آنے کی وجہ سے گھر میں برکت ہو جائے گی۔

پیر صاحب اس مرید کے گھر تشریف لے گئے، اس نے اپنے حضرت کو اپنی نئی بیٹھک میں بٹھایا، اس بیٹھک میں **اس نے** ایک کھڑکی بھی لگوائی تھی، حضرت کو کھڑکی کے قریب ہی بٹھایا اور خود بھی حضرت کے سامنے ہی بیٹھ گیا، پیر صاحب نے پوچھا کہ بھئی یہ کھڑکی کیوں لگوائی ہے؟ تو اس نے کہا کہ حضرت! ہوا اور روشنی آنے کے لئے لگوائی ہے، تو حضرت نے قدرے تأسف سے فرمایا کہ اگر نیت اس کھڑکی کے لگوانے میں یہ کر لیتا کہ میں کھڑکی اس لئے لگوا رہا ہوں تاکہ اس میں سے اذان کی آواز آئے، تو اذان کی آواز آنے کی نیت سے جب تک یہ کھڑکی یہاں رہتی، تمہیں اس کا ثواب ملتا رہتا۔ ''سبحان اللہ'' کیا بہترین تعلیم فرمائی۔ تو دروازے اور کھڑکیاں عام طور پر آنے جانے

اور ہوا اور روشنی وغیرہ کی نیت ہی سے لگوائے جاتے ہیں جو ایک جائز اور مباح نیت ہے، لیکن اس کے ساتھ بہت سے نیک کام بھی تو وابستہ ہیں، اگر عقل ہو جو اللہ والوں کو نصیب ہوتی ہے، اللہ پاک ان کے طفیل ہمیں بھی نصیب فرمائے، تو پھر ایسی ایسی نیتیں بھی ہوسکتی ہیں کہ وہی دروازہ وہی کھڑکی ہوگی مگر حسن نیت ان کو عبادت میں تبدیل کر دے گی اور ہوا اور روشنی تو پھر بھی آ کر ہی رہے گی۔

بہر حال! تیسرا وقت ہمارا صبح و شام ایسا ہوگا کہ جس میں ہم نہ نیکی کر رہے ہوں گے اور نہ ہی کوئی برا کام کر رہے ہوں گے، بلکہ وہ وقت ایک جائز اور مباح کام میں صرف ہو رہا ہوگا، تو اگر صرف جائز اور مباح کام میں کوئی وقت صرف ہوا تو بھی یہ ایک طرح کا نقصان ہے، اس لئے کہ کسی وقت میں گناہ کرنا یہ تو واضح نقصان ہے ہی، لیکن ایک صورت یہ ہے کہ تھوڑے سے وقت میں معمولی عمل سے ہم بہت سارا ثواب حاصل کر سکتے تھے مگر اپنی غفلت اور سستی کی وجہ سے وہ وقت جائز اور مباح کام میں صرف کر کے وہ ثواب حاصل نہ کر سکے تو یہ بھی ایک طرح کا نقصان ہی ہے، اور اسی کو عدم النفع کہتے ہیں۔ یعنی نفع کا نہ ہونا یہ بھی ایک طرح کا نقصان ہے، اور دنیا والے تو اس کو نقصان سمجھتے ہیں مگر دین والے الا ماشاء اللہ اس کو نقصان نہیں سمجھتے، یہ بڑے افسوس کی بات ہے۔

ایک تاجر کا واقعہ

عدم النفع کو نقصان سمجھنے پر ایک تاجر کا واقعہ یاد آیا، ہمارے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ایک تاجر آیا کرتے تھے اور جب بھی آتے تو سال بھر کی تجارت کا خسارہ حضرت کو سناتے تھے کہ حضرت! اس سال بیس کروڑ کا خسارہ ہوگیا، اس سال دس کروڑ کا خسارہ ہوگیا اور اس سال پانچ کروڑ کا خسارہ ہوگیا۔ تو وہ کروڑوں اور لاکھوں میں حضرت کو اپنا نقصان بتاتے اور حضرت یہ سن کر بہت دِلگیر ہوتے کہ یہ بے چارہ مسکین سال بھر محنت کرتا رہتا ہے اور آخر میں اس کو اتنا بھاری نقصان ہو جاتا ہے۔ آخر ایک دن حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس تاجر سے پوچھا کہ بھائی! تم ایسا کونسا کاروبار کرتے ہو کہ اس میں نفع کا کوئی خانہ ہی نہیں، کبھی یہ نہیں بتاتے کہ اتنا نفع ہوا بلکہ جب بھی بتاتے ہو تو نقصان ہی نقصان کا ذکر کرتے ہو، تو تمہیں کونسی ایسی مجبوری ہے کہ اتنے نقصان والے کاروبار کو اختیار کئے ہوئے ہو، یہ کیسا نقصان ہے کہ تم ہمیشہ اس کو برداشت کرتے رہتے ہو اور ذکر کرتے رہتے ہو، مگر اس کو چھوڑنے کا نام تک نہیں لیتے، بھئی اگر اتنا بڑا نقصان تمہیں مستقل برداشت کرنا پڑ رہا ہے تو اس کاروبار کو چھوڑ کر کوئی ایسا کاروبار کرو جس میں نفع بھی ہو، ہمیشہ خسارہ دینے والے کاروبار کو چھوڑ دو۔ تو اس تاجر نے کہا کہ حضرت دراصل بات یہ ہے کہ ہم جب کوئی فیکٹری یا کارخانہ لگاتے ہیں یا کوئی مال وغیرہ خریدتے ہیں تو ہم اپنے ذہن میں یہ اندازہ لگاتے ہیں کہ اس سال اس میں ہمیں اتنا نفع

ہونا چاہئے، مثلاً ہم یہ اندازہ لگاتے ہیں کہ اس سال اس فیکٹری یا کارخانے میں ہمیں دس کروڑ کا فائدہ ہونا چاہئے اور پھر اس میں اگر پانچ کروڑ کا نفع ہوا تو ہم لوگوں کو یہ بتاتے ہیں کہ اس میں پانچ کروڑ کا نقصان ہوا ہے، یا مثلاً ہم نے یہ تخمینہ لگایا کہ اس سال ہمیں پچاس لاکھ کا فائدہ ہونا چاہئے اور چالیس لاکھ کا نفع ہوا تو ہم کہتے ہیں کہ دس لاکھ کا نقصان ہوگیا۔ یعنی دس لاکھ جو کہ متوقع نفع تھا، اس کو نقصان شمار کرتے ہیں اور حقیقت میں جو چالیس لاکھ کا فائدہ اور نفع ہوا اس کا کہیں بھی تذکرہ نہیں کرتے۔ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ سنا تو سر پکڑ کر بیٹھ گئے اور فرمانے لگے کہ میں سمجھا کہ اس بیچارے کا کتنا نقصان ہو رہا ہے، مگر معلوم ہوا کہ ان تاجر لوگوں کے ہاں عدم النفع بھی خسارہ ہے اور عموماً ہمارے یہاں اس کی زیادہ اہمیت نہیں، حالانکہ آخرت کے اعتبار سے ہمیں اس کی طرف زیادہ توجہ دینی چاہئے کہ جن جن اوقات ولمحات اور جن کاموں میں ہم حسن نیت کے ذریعہ یا کسی اور طرح سے آخرت میں ثوابِ عظیم حاصل کر سکتے ہیں تو کر لینا چاہئے، اور اگر نہ کر سکیں تو یہ بہت بڑا خسارہ اور نقصان ہے۔

تہجد کی عظیم فضیلت

تہجد کے بارے میں ایک فضیلت اس وقت مجھے یاد آئی، وہ آپ کو سناتا ہوں، ایک روایت میں ہے کہ جو شخص مسجدِ نبوی ﷺ میں نماز پڑھے تو اس کو دس ہزار گنا نماز پڑھنے کا ثواب ملتا ہے، بعض روایتوں میں پچاس ہزار کا

بھی ذکر ہے، مگر اس روایت میں دس ہزار کا ذکر ہے، ورنہ عام طور سے مسجد نبوی ﷺ میں پچاس ہزار گنا اور بیت المقدس میں پچیس ہزار گنا ثواب ملنے کا ذکر ہے اور اس روایت میں اس طرح ہے کہ مسجد نبوی ﷺ میں نماز پڑھنے کا ثواب دس ہزار گنا زیادہ ہے اور حرم شریف میں نماز پڑھنے کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے، اور سرحدِ اسلام کی حفاظت کے دوران نماز پڑھنے کا ثواب بیس لاکھ کے برابر ہے اور تہجد کے وقت دو رکعت نفل پڑھنے کا ثواب اِس سے بھی زیادہ ہے۔ تو تہجد کی دو رکعت نماز پڑھنے کا ثواب بیس لاکھ سے بھی زیادہ ہے تو کہاں بیس لاکھ اور کہاں دو رکعت۔

اب تہجد کے لئے اٹھنا ہم میں سے ہر ایک کے اختیار میں ہے اور آسان ہے، کوئی مشکل نہیں ہے، بس ذرا سی ہمت اور دعا اور نیت کی ضرورت ہے، آج کل تو موقع بھی ہے، کیونکہ سردیوں میں راتیں لمبی ہوتی ہیں، ساڑھے پانچ بجے بھی اگر آدمی اٹھ جائے تو وضو کر کے آرام سے دو رکعتیں پڑھ سکتا ہے اور جو اِن دنوں میں پابندی کرلے گا تو گرمیوں میں بھی اس کے لئے انشاء اللہ تعالیٰ اُٹھنا آسان ہو جائے گا۔ بہرحال یہ کام کوئی اتنا مشکل نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ہمارے لئے آسان فرمادیں۔ آمین۔

بہرحال تہجد کی دو رکعتوں کا ثواب بیس لاکھ سے زیادہ ہے۔ اور سوچنے کی بات یہ ہے کہ دو رکعت میں بمشکل عام طور سے ڈھائی یا تین منٹ لگتے ہیں اور ذرا ٹھہر ٹھہر کر آرام سے پڑھے تو چار یا پانچ منٹ میں آسانی سے دو رکعت

مکمل ہو جاتی ہیں، لمبی قرأت اور لمبے رکوع و سجود کی بات علیحدہ ہے، تو ان دو رکعتوں میں کتنا قلیل اور معمولی سا وقت خرچ ہوتا ہے لیکن یہی وقت اتنا قیمتی بن جاتا ہے کہ ایک دم دو رکعت پڑھنے سے بیس لاکھ نمازوں کا ثواب آخرت میں اس کے نامۂ اعمال میں درج کیا ہوا ملے گا۔

بیس لاکھ نیکیاں

اسی طرح:

لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ وَحْدَہٗ لاَ شَرِیْکَ لَہٗ اَحَدًا صَمَدًا لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ

یہ کلمہ بہت مشہور و معروف ہے، اس میں آدھی تو قل ھو اللہ ہے جو کہ ہر بچے کو یاد ہوتی ہے، شروع میں کلمہ شریف ہے وہ بھی ہر مسلمان کو یاد ہوتا ہے، بس درمیان میں دو لفظ احداً صمداً یہ نئے ہیں، انہیں یاد کرلیں۔ تو اِس کلمے کے بارے میں یہ فضیلت ہے کہ اگر کوئی شخص ایک مرتبہ یہ کلمہ پڑھ لے تو اس کو بیس لاکھ نیکیاں ملتی ہیں۔ آپ سوچئے کہ اس میں کتنا وقت گزرا ہے؟ ایک منٹ نہیں بلکہ چند سیکنڈ صرف ہوئے ہیں، تو یہ چند سیکنڈ کتنے قیمتی ہیں جو اس کے پڑھنے میں گزر گئے کہ بیس لاکھ نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں درج ہو گئیں۔ اور اگر پانچ مرتبہ پڑھ لیا تو ایک کروڑ نیکیاں مل گئیں، دس دفعہ پڑھ لیا تو دو کروڑ نیکیاں ہو گئیں، روزانہ ہر نماز کے بعد دس مرتبہ پڑھ لیں تو دس کروڑ نیکیاں روزانہ اس کے نامۂ اعمال میں درج ہو جائیں گی۔ دیکھئے اس میں

وقت تھوڑا سا لگ رہا ہے اور کروڑوں نیکیاں اس کے لئے جمع ہو رہی ہیں۔

دس ارب نیکیاں

اسی طرح حج کے اندر یہ فضیلت ہے کہ منیٰ سے عرفات تک جو شخص پیدل جائے تو اس کو از روئے حدیث دس ارب نیکیاں ملتی ہیں۔ حالانکہ چھ میل کا فاصلہ ہے اور اس میں پیدل چلنے میں چھ گھنٹے بھی نہیں لگتے، بمشکل چند گھنٹے لگتے ہیں اور دس ارب نیکیاں نامۂ اعمال میں لکھی جاتی ہیں۔ آپ اس سے اندازہ لگائیں کہ ہمارے یہ لمحاتِ زندگی کتنے قیمتی ہیں کہ اگر انہیں بچا بچا کر انسان اچھے کاموں میں خرچ کرے تو تھوڑے سے وقت میں نہ جانے کتنے اجر و ثواب کا مالک بن جائے۔

جنّت میں محل

دس مرتبہ قل ھو اللہ پڑھنے سے جنّت میں ایک محل تیار ہوتا ہے۔ اور ایک مرتبہ اپنے والد یا والدہ کی طرف محبت سے نظر ڈالنے میں ایک مقبول حج کا ثواب ملتا ہے۔ اس حدیث میں مقبول کی بھی صراحت ہے، ورنہ ایک لاکھ روپیہ خرچ کر کے بھی اگر کوئی حج کر آئے تو اس کے مقبول ہونے کا یقین کرنا مشکل ہے اور پھر اس میں وقت بھی بہت زیادہ خرچ ہوگا، لیکن والد یا والدہ کی طرف محبّت سے ایک نظر ڈالنے میں وقت بھی معمولی لگے گا اور پھر ثواب بھی مقبول حج کا ملے گا۔ اب اگر کسی نے محبت کی نظر اپنی والدہ یا والد پر ہزاروں

بار ڈالی تو اس کے نامۂ اعمال میں ہزاروں مقبول حج کا ثواب درج ہو جائے گا۔ سبحان اللہ!

زندگی کی قیمت پہچانیں

ہمیں سوچنا چاہئے کہ اللہ پاک نے ہمیں کتنی قیمتی زندگی دے رکھی ہے، مگر ہم اس کو انتہائی بے دردی کے ساتھ ضائع کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ کسی نے اس کو کیا خوب کہا ہے ؎

ہو رہی ہے عمر مثلِ برف کم
چپکے چپکے رفتہ رفتہ دم بدم

کہ یہ زندگی برف کی طرح پگھل رہی ہے۔ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہماری زندگی کی مثال برف بیچنے والے کی سی ہے کہ برف بیچنے والے کا کل سرمایہ برف ہے اور وہ برابر پگھل پگھل کر بہہ رہا ہے اور اس کا قطرہ قطرہ نالی میں جا رہا ہے، اس کا فائدہ اس میں ہے کہ جتنی جلدی برف بک جائے گی اتنی جلدی پیسے کھرے ہو جائیں گے اور جو بچ جائے گی وہ اس کا سرمایہ پانی بن کر بہہ جائے گا۔ بالکل اسی طرح ہماری زندگی کے یہ سانس بھی گنے چنے ہیں، جو سانس ایک مرتبہ لے لیا وہ لے لیا، اب دوبارہ لوٹ کر نہیں آئے گا، اب نیا سانس آئے گا۔ اسی طرح جو منٹ، گھنٹہ، دن، ہفتہ، مہینہ حتی کہ جو سال گزر گیا وہ گزر گیا، اب دوبارہ واپس نہیں آئے گا، وہ ختم ہو گیا، جو گیا سو گیا اور جو آیا اس کو اگر صحیح استعمال کر لیا تو کھرا کر لیا، اگر ضائع کر دیا تو

کھو دیا۔

وقت کو ضائع کرنے سے بچیں

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے سرمایہ حیات کو محض اپنے فضل سے حقیقتاً اس کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے کہ یہ ہمارا وقت بے کار اور فضولیات میں ضائع نہ ہو اور فضول مجلسوں، فضول بیٹھکوں، فضول کاموں اور فضول باتوں میں ضائع نہ ہو۔ آج کل اس کی بہت عادت ہے کہ ہمارا وقت یا تو معاصی میں ضائع ہوتا ہے اِلا ماشاء اللہ یا پھر فضول اور بے کار بیٹھے ہوئے ہیں، بے کار لیٹے ہوئے ہیں، بے کار باتیں کر رہے ہیں، ادھر ادھر کے تبصرے ہو رہے ہیں، کبھی اخبارات پر، کبھی ان کی خبروں پر، کبھی حکومت پر، کبھی اپنے ملک پر اور کبھی دوسرے ممالک پر کہ جن کا نہ تو کوئی فائدہ ہے، نہ ضرورت و حاجت ہے، اور نہ ہی اس کا کوئی نتیجہ اور حاصل ہے، بس فضول وقت ضائع کیا جا رہا ہے۔

اسی طرح اگر کمروں میں جا کر بیٹھتے ہیں تو فضول بیٹھے ہوئے ہیں اور گھنٹوں ادھر ادھر کی باتیں ہانکنے میں لگے ہوئے ہیں، ان میں فضول اور لایعنی باتیں تو خود معصیت ہیں ہی، اس کے علاوہ ان میں غیبتیں، جھوٹ، الزام، بہتان، دل آزاری، بدتمیزی، بدتہذیبی، بداخلاقی، اور ساتھ ساتھ ایسا مذاق و استہزاء کہ جس سے دوسرے کو تکلیف اور اذیّت ہو، یہ سب شامل ہوتے ہیں، اس طرح وقت گزارنا یہ تو معصیت میں وقت گزارنا ہے اور جس وقت کوئی

بندہ معصیت میں وقت گزار رہا ہوتا ہے تو اس وقت وہ بندہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں انتہائی مبغوض اور ناپسندیدہ ہوتا ہے۔

دعا

اس لئے میرے عزیزو اور بزرگو! دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے اس قیمتی سرمایہ حیات کو جو کہ اس نے محض اپنی رحمت سے ہم سب کو عطا فرمایا ہوا ہے، زیادہ سے زیادہ آخرت کے کاموں میں اور زیادہ سے زیادہ اچھے کاموں اور حسن نیت کے ساتھ جائز اور مباح کاموں میں لگانے کی توفیق دیں اور جو وقت گزر گیا اس کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیں اور جو خصوصاً وقت گناہ اور معصیت اور لایعنی وفضول کاموں میں گزرا ہے، اس کو بھی معاف فرما دیں۔ اور ان کی قدرت میں یہ بھی داخل ہے اور ان کے خزانہ رحمت میں کوئی کمی بھی نہیں آئے گی کہ جو نیک کام اِن اوقات ماضیہ میں ہوسکتے تھے اور ہم نہ کرسکے، اللہ پاک ان کا ثواب بھی ہمارے اعمال ناموں میں درج فرما دیں۔ ہمیں دعا تو کرنی چاہئے، وہ کریم الکرماء ہیں، انہوں نے دعا قبول کرنے کا وعدہ فرمایا ہوا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے

اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ۔

تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔

دل و جان سے گڑگڑا کر دعا کریں کہ یا اللہ! ہم تو ناواقف اور نالائق ہیں، بس آپ ہم پر اپنا کرم فرما دیجئے، آپ کے کرم سے ہی اوّل بھی کام

چلے گا اور آپ ہی کے کرم سے آخر میں بھی کام چلے گا، اور اے اللہ! جو وقت ہم غفلت میں گزار چکے ہیں، اے کریم! آپ اس وقت کو بھی کھرا کر دیجئے، اور ہماری نمازوں، حج، تسبیح اور نیک کاموں پر ثواب لکھ دیجئے، اور ہم سے جو گناہ ہوگئے ہیں ان پر معافی کا قلم پھیر دیجئے۔ اور اب تک جو وقت گزرا سو گزرا، اب انشاء اللہ ہمارا کوئی وقت غفلت اور نافرمانی میں نہیں گزرے گا اور جائز ومباح کام میں بھی جو وقت گزرے گا تو انشاء اللہ کوشش کرکے حسن نیت کرکے اس کو بھی کارآمد بنائیں گے۔ اور مستقبل کے لئے بھی یہ تہیہ کرلیں اور دعا بھی کرتے رہیں کہ یا اللہ! اب جو وقت ہمارا باقی رہ گیا ہے، وہ گناہوں، نافرمانیوں، فضولیات اور بے کار کاموں میں نہ گزرے بلکہ آپ کی یاد میں اور آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں گزرے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عمل عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

رمضان المبارک کی تیاری

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط وترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

رمضان المبارک کی تیاری کریں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ
نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ
اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا
مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَأَشْهَدُاَنْ لَّا
اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُاَنَّ
سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ
صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ
وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا ۔

أَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُبِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلاً كَرِيْمًا O

(سورۃ النساء: آیت نمبر ۳۱)

صدق اللہ العظیم۔

تمہید

میرے قابل احترام بزرگو اور محترم خواتین! آج بھی حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم اپنی کسی اہم مصروفیت کی وجہ سے تشریف نہیں لا سکے اور مجھے حاضر ہونے کا حکم دیا، اس لئے ناچیز آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ اور آئندہ اتوار کو حضرت کا سفر ہے، اس لئے آئندہ اتوار بھی حضرت تشریف نہ لا سکیں گے، اور اس کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ رمضان شریف کا مہینہ شروع ہو جائے گا، اور آپ سب حضرات کو معلوم ہے کہ رمضان المبارک میں مجلس کا یہ سلسلہ موقوف ہو جاتا ہے۔

انفاس عیسیٰ اور اصلاح نفس

البتہ اس سے بہتر ایک اور سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ رمضان المبارک میں حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم دارالعلوم کراچی کی جامع مسجد میں روزانہ ظہر کی نماز کے بعد بیان

فرماتے ہیں اور وہ بیان بڑا ہی اہم ہوتا ہے، اس وجہ سے اہم ہوتا ہے کہ وہ اصلاحِ نفس کے ساتھ خاص ہوتا ہے۔ اصلاحِ نفس کے سلسلہ میں حکیم الامّت مجدد الملّت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کتاب "انفاسِ عیسیٰ" جو ان کے خلیفہ اجل حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت کے ملفوظات و مواعظ میں سے انتخاب فرماکر مرتب فرمائی ہے، اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے باطن کے اخلاق کے بارے میں جو ہدایات و تعلیمات اور حقائق بیان فرمائے ہیں اور ان کے حاصل کرنے کے طریقے بیان فرمائے ہیں ان کو اس کتاب میں جمع کیا گیا ہے، اور جہاں جہاں حکیم الامّت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے باطن کی جو بداخلاقیاں اور رذائل بیان کئے ہیں، اور اُن کی حقیقت واضح فرمائی ہے، اور اُن سے بچنے کے طریقے بیان فرمائے ہیں اور اس سلسلہ میں باریک باریک جزئیات کا ذکر فرمایا ہے، وہ بھی اس کتاب میں جمع ہیں۔

طریقت کا مقصودِ اصلی

اور طریقت کا موضوع اور مقصود اصلی یہی ہے کہ ہر مسلمان مرد و عورت کے دل میں وہ اچھے اخلاق پیدا ہو جائیں جن سے قرآن وسنّت بھرے ہوئے ہیں، اور ان کا باطن ان تمام رذائل سے پاک ہو جائے اور وہ ساری بداخلاقیاں دور ہو جائیں جن کے دور کرنے کی تاکید سے قرآن و سنّت بھرے ہوئے ہیں۔ قرآن و حدیث میں جہاں نماز روزہ کا ذکر ہے اور

حج وزکوٰۃ کا حکم ہے وہاں حسنِ معاشرت کا بھی حکم ہے اور سوءِ معاشرت سے بچنے کی بھی تاکید ہے۔ قرآنِ کریم میں جہاں ماں باپ کے حقوق کا ذکر ہے وہاں تکبّر کے حرام ہونے کا بھی ذکر ہے، فخر کے ناجائز ہونے کا بھی ذکر ہے، محبّ دنیا کی مذمت بھی قرآن و حدیث میں بکثرت موجود ہے، حسد کرنے سے، بغض کرنے سے، غیبت کرنے سے، لڑائی جھگڑا کرنے سے، طعنہ زنی کرنے سے، ایک دوسرے پر تہمت اور الزام تراشی کرنے سے، جھوٹی قسمیں کھانے سے بچنے کا بھی حکم ہے، صبر کا حکم بھی ہے، شکر کا حکم بھی ہے، زہد کا حکم بھی ہے، ورع کا حکم بھی ہے، اللہ تعالیٰ کی محبّت کا بھی ذکر ہے، اللہ تعالیٰ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت حاصل کرنے کا بھی ذکر ہے، تو یہ جو طریقت کہلاتی ہے وہ ان باتوں کی اصلاح کا نام ہے، ظاہر کے احکام تو شریعت کا حصّہ ہی ہیں، یہ باطن کے احکام بھی شریعت کا حصّہ ہیں۔

باطنی اعمال کی ضرورت واہمیت

اور جب تک انسان کے باطن کی اصلاح نہ ہو اور اس کے اندر اچھے اخلاق پیدا نہ ہوں اور بداخلاقیاں دور نہ ہوں، اس وقت تک انسان کے ظاہری اعمال بھی بے جان رہتے ہیں، وہ بھی ناقص و نامکمل رہتے ہیں، ان میں کمال بھی اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب انسان کے باطنی اعمال درست ہوتے ہیں۔ بہرحال اس کتاب "انفاس عیسیٰ" میں ان سب چیزوں کی

تفصیل موجود ہے اور حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم اس کتاب میں سے حضرت تھانوی صاحبؒ کے ملفوظات پڑھتے ہیں اور پھر ان کی تشریح فرماتے ہیں، لہٰذا کتاب تو ہو حضرت حکیم الامّت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی اور تشریح کرنے والے ہوں حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم تو یہ نورٌ علیٰ نور ہو جاتا ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کو علم کا بہتا ہوا دریا بنایا ہے، چنانچہ کبھی تو حضرت ایک ہی ملفوظ بیان فرماتے ہیں اور پورا بیان اسی پر ہو جاتا ہے، اور اس کی کیسٹیں بھی ملتی ہیں،اس لئے مایوس ہونے کی ضرورت نہیں، جن کے پاس وہاں جانے کا وقت نہ ہو وہ پچھلے سال کی کیسٹیں حاصل کر سکتے ہیں، اور اپنے گھر والوں کو بھی سنا سکتے ہیں اور خود بھی سن سکتے ہیں اور سفر میں بھی اپنے ساتھ رکھ سکتے ہیں، اور جن کو اللہ تعالیٰ اتنی ہمّت و طاقت عطا فرمائیں، ان کے لئے یہ نعمت حاصل کرنے کے لئے رمضان شریف میں روزانہ ظہر کی نماز دار العلوم میں جاکر پڑھنا اور بیان سن لینا کچھ مشکل کام نہیں۔

رحمتوں والا مہینہ

یہ جو ماہِ مبارک آرہا ہے، یہ کوئی معمولی مہینہ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا یوں تو روزانہ ہی ہم پر بڑا کرم اور اس کا احسان اور اس کا انعام ہے، روزانہ ہی ان کی نوازشیں اور عنایتیں انگنت اور بے شمار ہیں، چوبیس گھنٹے ہمارے اوپر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کی بارش ہوتی رہتی ہے، اور ہم اتنے نکمے اور نالائق

اور کور چشم ہیں کہ بس وہ لمحات گزرتے رہتے ہیں اور ہم غفلت میں پڑے رہتے ہیں۔

ان کے الطاف تو ہیں عام شہیدی سب پر
تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

وہ تو اپنا کرم اور اپنی عنایتیں فرماتے ہی رہتے ہیں، ہم ان کو حاصل نہ کریں تو ہماری کوتاہی ہے، ان کی عطا میں تو کوئی کمی نہیں۔

سوا تین کروڑ گنا ثواب

یوں تو نماز کے بڑے فضائل ہیں، لیکن "فضائل نماز" میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بعض روایات میں جو فضائل آئے ہیں نماز باجماعت کے، ان سب فضائل کو جوڑ کر ان کا حساب لگا کر بیان فرمایا ہے کہ جو آدمی مسجد میں جاکر نماز باجماعت ادا کرتا ہے، اس کو سوا تین کروڑ گنا نماز پڑھنے کا ثواب ملتا ہے۔

ایک نماز قضاء کرنے کا گناہ

اور دوسری طرف یہ وعید بھی حضرت نے لکھی ہے کہ اگر کوئی آدمی بلا کسی شرعی عذر کے دانستہ کوئی نماز قضاء کردے پھر چاہے وہ بعد میں قضاء بھی پڑھ لے تو اللہ بچائے اس کو ایک نماز جان بوجھ کر بلا عذر شرعی قضاء کرنے کی بناء پر جہنم میں دو کروڑ اٹھاسی لاکھ سال تک جلایا جائے گا،

العیاذ باللہ، ہاں! اگر وہ سچی توبہ کرلے گا تو معاف ہو جائے گا، کیونکہ نماز قضاء کرنا اتنا سنگین گناہ ہے کہ اس کی یہ سزا ہے لیکن توبہ سے ہر گناہ معاف ہو جاتا ہے، یہ گناہ بھی معاف ہو گا تو اس کی سزا بھی معاف ہو جائے گی، انشاء اللہ تعالیٰ، تو دو کروڑ اٹھاسی لاکھ سال یہ عذاب ہے اور سوا تین کروڑ گنا ثواب ہے۔ اس اعتبار سے اللہ کی رحمت اس کے غضب پر پھر بھی غالب ہے۔

انچاس کروڑ گنا ثواب کی حقیقت

اور تبلیغی جماعت میں جو فضیلت بیان کی جاتی ہے کہ جو اللہ کے راستہ میں نکلے گا اور نکل کر اللہ کے راستہ میں جو بھی بدنی عبادت انجام دے گا، جیسے نماز ہے، روزہ ہے، حج ہے، عمرہ ہے اور سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ ہے، قرآن کریم کی تلاوت ہے، یہ سب جسمانی عبادات کہلاتی ہیں، تو اس کو انچاس کروڑ گنا ثواب ملتا ہے، تو یہ ثواب اس تعداد کے ساتھ صاف صاف حدیث میں تو نہیں ہے، البتہ یہ دو تین حدیثوں کو جوڑ کر حساب لگایا گیا ہے اور حساب سے یہ ثواب بنتا ہے اور یہ فضیلت درست ہے، غلط نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے راستوں کی مختلف صورتیں

لیکن یہ مذکورہ ثواب تبلیغی جماعت میں نکلنے کے ساتھ خاص نہیں

کیونکہ اللہ تعالیٰ کے راستے بہت سارے ہیں،اس مخصوص طریقہ کے تحت نکلنا یہ بھی اللہ تعالیٰ کے راستہ میں نکلنا ہے۔ اسی طرح کوئی شخص مثلاً کہیں دین کے موضوع پر وعظ کہنے کے لئے جائے تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے، یا کوئی وعظ سننے کے لئے جائے تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے، یا کسی مدرسہ میں دین کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے جائے، یا اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے فی سبیل اللہ دین کی تعلیم دینے کے لئے جائے، یا اپنے گھر سے نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں آئے، یا حج وعمرہ کرنے کے لئے جائے، یا جہاد کرنے کے لئے جائے، یا کوئی اپنے ماں باپ کی خدمت کرنے کے لئے اپنے گھر سے جائے، یہ سب دین کے راستے ہیں، اللہ تعالیٰ کے راستے ہیں، اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ان کاموں میں سے کسی کام کے لئے نکلے گا اور نکل کر راستہ میں کوئی بدنی عبادت انجام دے گا تو اس کو انچاس کروڑ گنا ثواب ملے گا۔

رحمٰن کی مخصوص رحمتیں

یوں تو اللہ تعالیٰ کی ہم پر روزانہ ہی بڑی عنایتیں اور بڑی مہربانیاں ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ بطورِ انعام کے سال کے مختلف دنوں، راتوں اور مہینوں میں اور زیادہ اپنی رحمتیں اور برکتیں بندوں کے اوپر متوجہ فرماتے ہیں، جیسے شب برأت ہے کہ اس کے اندر اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمتوں کا نزول ہوتا ہے، عرفہ کی رات ہے، عیدالاضحیٰ کی رات ہے، عیدالفطر کی رات ہے،

دس محرم الحرام کا دن ہے، جمعہ کا دن ہے، شب جمعہ ہے، اور یکم ذی الحجہ سے لے کر دس ذی الحجہ تک کے دن اور رات ہیں، ان دس دنوں میں سے ہر دن کی رات شب قدر کے برابر ہے، اور دس تاریخ کے علاوہ باقی دن کے روزوں میں سے ہر روزہ کا ثواب ایک سال کے روزوں کے برابر ہے۔ مختلف راتوں اور دنوں میں اللہ تعالیٰ اپنی خصوصی مہربانیاں اپنے بندوں پر کرتے رہتے ہیں، ان خاص دنوں میں اگر بندے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں تو اللہ تعالیٰ ان کو خاص الخاص اجر و ثواب سے مالا مال فرما دیتے ہیں۔

اہمیتِ رمضان اور اس کی تیاری

ان سارے مواقع میں سب سے خاص رمضان شریف کا مہینہ ہے، اس کے اجر و ثواب کی تو انتہاء ہی نہیں، بس یہ سمجھ لیا جائے کہ سال میں بارہ مہینے ہوتے ہیں، گیارہ مہینے اللہ تعالیٰ نے ہمارے واسطے مقرر کئے ہیں اور یہ ایک مہینہ انہوں نے اپنے لئے خاص فرمایا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کا ہم سے یہ مطالبہ ہے کہ یہ مہینہ خاص میرے لئے ہے، اس کو خاص میری عبادت میں گزارنے کی کوشش کرو۔ لہٰذا ہمیں اس مہینہ کے اندر اس کا کوئی لمحہ ضائع کئے بغیر زیادہ سے زیادہ اس کے رات و دن میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کے لئے پہلے سے تیاری کرنے کی ضرورت ہے، کیونکہ دنیا میں یہی قاعدہ ہے کہ جب کوئی کسی سیزن میں تجارت کرنا چاہتا ہے تو اس کے آنے سے بہت پہلے وہ اس کی تیاری کرتا ہے، اور جو تیاری کرتا ہے

وہ سیزن میں کماتا ہے، اور جو سیزن آنے کے بعد تیاری شروع کرتا ہے، تو وہ خسارہ سے دوچار ہوتا ہے، اب اگر رمضان شریف کے آنے کے بعد ہم نے تیاری کرنی شروع کی تو مہینہ ہفتہ بھر میں گزر جائے گا پتہ ہی نہ چلے گا، تیاری سوچتے سوچتے آدھا مہینہ ہو جائے گا، پھر کچھ کرنا شروع کریں گے تو باقی مہینہ ختم ہو جائے گا۔

پہلی تیاری دعا

لہٰذا ضروری ہے کہ اب ہم رمضان شریف کے لئے اس کے آنے سے پہلے ہی تیاری کریں اور پوری طرح اس کے واسطے تیار رہیں، تیاری کے لئے ہمیں چند کام کرنے ہوں گے، جن میں سب سے پہلا کام تو دعا ہے اور یہ دعا نبی کریم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت اور منقول ہے، ایک دعا رجب کے مہینہ کے شروع میں کرنا ثابت ہے اور دوسری دعا رمضان شریف کا مہینہ شروع ہونے سے کچھ دن پہلے کرنا ثابت ہے، دونوں دعائیں ہم اردو میں بھی مانگ سکتے ہیں، اور اس کے علاوہ بھی مانگتے رہیں۔

ماہ رجب کی دعا

ماہ رجب کا چاند دیکھ کر آپ جو دعا فرماتے وہ یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ رَجَبَ وَشَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا

رَمَضَانَ۔

اے اللہ! ہمیں رجب اور شعبان کے مہینہ میں برکت عطا فرما اور ہم کو عافیت کے ساتھ ماہ رمضان نصیب فرما۔

ہم روزانہ یہ دعا کریں، کیونکہ کچھ پتہ نہیں کہ کس وقت موت آ جائے، وہ چاہیں گے تو انشاء اللہ تعالیٰ ماہِ مبارک نصیب ہو جائے گا اور اگر نہ چاہیں گے تو چاند رات میں بھی کسی کا انتقال ہو سکتا ہے۔

ایک واقعہ

اور آئے دن ایسے واقعات سامنے آتے رہتے ہیں، ابھی ہمارے دارالعلوم کے قریب ایک صاحب ادھیڑ عمر کے تھے، ماشاء اللہ صحت مند تھے، کوئی ایسی تکلیف نہیں تھی، بالکل ٹھیک ٹھاک تھے، دوکان پر بیٹھے تھے، مغرب کے وقت نماز پڑھنے کے لئے مسجد تشریف لے گئے، نماز سے فارغ ہو کر مسجد سے باہر اپنے ایک دوست کے ساتھ آ رہے تھے، ایک کنارے پر اپنے دوست کے ساتھ باتیں کرنے لگے، بس گرے اور انتقال ہو گیا۔ کسی کو پتہ نہیں کہ کس وقت اس کا پروانہ آ جائے، اس لئے دھوکہ میں نہیں رہنا چاہئے کہ ابھی میں بہت زندہ رہوں گا، یہ دھوکہ انسان کو لے ڈوبنے والا ہے، جو کچھ کرنا ہے فوراً کرلیں، جس نے کرلیا اس نے پالیا، جس نے امید لگائی وہ رہ گیا۔ اس لئے یہ دعا بھی بڑی اہم اور ضروری ہے، رمضان شریف

وہی نصیب فرمانے والے ہیں، وہی توفیق دینے والے ہیں، وہی گناہوں سے بچانے والے ہیں، وہی رمضان شریف کی برکتوں سے مالا مال کرنے والے ہیں۔

قرب رمضان کی دعا

اور جب رمضان شریف کا مہینہ بالکل قریب آجاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآنِ کریم کی ایک آیت کی طرح اہتمام سے یہ دعا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو سکھایا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ سَلِّمْنِیْ لِرَمَضَانَ وَسَلِّمْ رَمَضَانَ لِیْ وَسَلِّمْهُ لِیْ مُتَقَبَّلاً۔

اے اللہ! مجھے رمضان کے لئے سلامت رکھئے، اور رمضان کو میرے لئے سلامت رکھئے، اور میرے لئے رمضان کو مقبول بناکر سلامت رکھئے۔

چنانچہ اگر رمضان شریف نصیب ہو لیکن وہ ہمارے حق میں مقبول نہ ہو، تو اس کا کیا فائدہ؟ کچھ بھی نہیں، اصل تو یہ ہے کہ رمضان شریف بھی نصیب ہو، ہم بھی سلامت رہیں، اور رمضان شریف بھی سلامت رہے، اور اللہ تعالیٰ کے یہاں رمضان شریف مقبول بھی ہو جائے تو پھر ہم نے انشاء اللہ تعالیٰ بھرپور نفع اٹھالیا، یہ انہیں کی توفیق سے ہوگا، انہیں کی عطاء سے ہوگا، وہی رمضان شریف نصیب فرمانے والے ہیں، وہی اس میں توفیق

عمل دینے والے ہیں، وہی مغفرت کرنے والے ہیں، وہی بخشش کرنے والے ہیں، وہی دنیا و آخرت کی نعمتیں عطاء کرنے والے ہیں، وہی اجر و ثواب کی بارش برسانے والے ہیں، بیدہ الخیر، خیر انہیں کے قبضہ میں ہے، انك علیٰ كل شیٔ قدیر۔ بیشک آپ ہی ہر چیز پر قادر ہیں۔ تو سب سے پہلے یہ دعا کرنی ہے، اور دعا کی توفیق ہو جانا یہ انشاء اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق ملنے کی علامت ہے، جس دن اور جس وقت آپ کے دل میں یہ داعیہ پیدا ہو گیا تو سمجھ لیجئے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہے اور توفیق ملنے والی ہے۔

تیاری کا دوسرا حصّہ

اور تیاری کا دوسرا حصّہ یہ ہے کہ رمضان المبارک سے پہلے وہ کام کرلیں جن کا تعلق رمضان میں سحری اورافطاری سے ہے، یا بازار کی خریداری سے ہے، یا عید کی خریداری سے ہے، اسی طریقہ سے ہمارے بہت سارے کام رمضان شریف کے ایسے ہیں جو ہم رمضان سے پہلے کر سکتے ہیں، ہر آدمی کو اپنے کاموں کا اندازہ ہوتا ہے، اپنے گھر کا اندازہ ہوتا ہے، اپنی دکان کا اندازہ ہوتا ہے۔ اسی طریقہ سے گھر کا سامان ہے، کپڑے ہیں، جوتے ہیں، ٹوپی ہے، اور جو بھی ضروریات ہیں، وہ ساری کی ساری جس قدر ہو سکتی ہوں وہ رمضان شریف سے پہلے پہلے لا کر فارغ ہو جائیں، گھر والوں سے مشورہ کر کے تمام چیزیں پہلے سے لا کر گھر میں رکھ لیں، تاکہ رمضان

شریف کے مہینہ میں ہمارا کم سے کم وقت بازار میں گزرے اور زیادہ سے زیادہ وقت تلاوت میں ذکر میں تسبیح میں دعا میں اور توجہ الی اللہ میں گزر سکے۔ بس وہی چند کام رہ جائیں جو رمضان شریف سے پہلے نہیں ہو سکتے، جن کو رمضان شریف میں کرنا ناگزیر ہے، تو ان کو کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور ان میں بھی زیادہ سے زیادہ اس بات کی کوشش کریں کہ مثلاً بازار میں ایسے وقت جائیں کہ اس وقت رش نہ ہو، بھیڑ نہ ہو، اور جو کام شام میں ایک گھنٹہ میں ہوتا ہے اور سویرے پندرہ منٹ میں ہوتا ہے تو سویرے کے وقت میں کر کے آجائیں۔

باقی وقت یاد الٰہی میں

اور دل میں ہر وقت یہ فکر ہو کہ دنیا کے یہ جتنے بھی کام ہیں، یہ جتنی جلدی ہو سکیں نمٹ جائیں اور جو وقت بچے وہ سارا کا سارا اللہ تعالیٰ کی یاد کے لئے اور تلاوت کرنے کے لئے فارغ رہے، اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عبادت کے واسطے فارغ کرنے کی کوشش کرتے رہیں، اگر ہم اس کا اہتمام کریں گے تو انشاء اللہ تعالیٰ بہت سا وقت ہمارا بچ جائے گا اور پھر احتیاط سے رمضان شریف کے لیل و نہار کو یاد الٰہی میں، ذکر الٰہی میں اور دعا مانگنے میں لگانے کی فکر کریں اور کوشش کریں۔

لوگوں سے ملاقاتیں بند کردیں

اسی طرح جن سے ملنا جلنا ہو تو بہت سی میل ملاقات ایسی ہوتی ہیں جو بہت زیادہ اہم اور ضروری نہیں ہوتیں، یا ضروری ہوتی ہیں لیکن روزانہ ضروری نہیں ہوتیں، ایک مرتبہ کی ملاقات مہینہ بھر کے لئے کافی ہوتی ہے، تو ایسی تمام ملاقاتیں بھی رمضان شریف سے پہلے کرکے فارغ ہو جائیں، اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے رمضان شریف میں بھی ملاقات جائز ہے کوئی حرج نہیں، لیکن غیر ضروری اور بلا ضرورت ملاقات کا بھی یہ مہینہ نہیں ہے، یہ تو بس اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا مہینہ ہے۔

جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن
بیٹھے رہیں تصور جاناں کئے ہوئے
آشنا بیٹھا ہو یا نا آشنا
ہم کو مطلب اپنے سوز و ساز سے

یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہنے کا مہینہ ہے، اس لئے غیر ضروری ملاقات سے اجتناب کرنا چاہئے۔ یہ مہینہ تو خالص آخرت کمانے کے واسطے ہے، اس کے لئے ہم اپنے آپ کو فارغ کریں۔

حقوق واجبہ ادا کرلیں

اور رمضان شریف کی تیاری کا یہ بھی حصّہ ہے کہ رمضان المبارک

آنے سے پہلے پہلے جتنے بھی فرائض و واجبات اور حقوق العباد ہمارے ذمہ واجب ہیں اور اب تک ہم نے ان کی ادائیگی نہیں کی تو رمضان شریف کے آنے سے پہلے پہلے ان کی ادائیگی کر کے فارغ ہو جائیں، نمازیں قضاء ہیں تو وہ پڑھنا شروع کر دیں، روزے قضاء ہیں تو ان کو ادا کرلیں، کوئی منّت واجب ہو چکی ہے اور اسے پورا نہیں کیا تو اسے پورا کرلیں، قرآنِ کریم کے سجدے واجب ہیں ادا نہیں کئے تو اُن کو ادا کرلیں، پچھلے سال کی زکوٰۃ ادا نہیں کی ہے تو اس کو ادا کر کے فارغ ہو جائیں تاکہ نئے سال کی زکوٰۃ کی ادائیگی نئے سال میں شروع ہو جائے، اگر کوئی قسم کھائی ہے اور کفارہ واجب ہے تو اسے ادا کرلیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے حقوق کہلاتے ہیں۔

بندوں کے حقوق کی ادائیگی کرلیں

اور بندوں کے حقوق میں یہ ہے کہ کسی کو مارا ہے، کسی کو پیٹا ہے، کسی کو طعنہ دیا ہے، کسی کی غیبت کی ہے، کسی کو ستایا ہے، کسی کو پریشان کیا ہے، کسی کا پیسہ کھایا ہے، زمین دبائی ہے، دکان پر قبضہ کیا ہے، مکان قبضہ میں لے رکھا ہے اور اس کو خالی کر کے نہیں دیتے، یہ سب حقوق العباد کی کوتاہیاں کہلاتی ہیں، ان سب کی ادائیگی یا معافی تلافی کر لینی چاہئے، جس جس کا دل دکھایا ہے اس سے معافی مانگ لے، کسی سے کینہ ہے یا کسی سے حسد کا مادہ دل میں ہے تو اس کو دور کرلے، کسی کو مارا پیٹا ہے تو یا بدلہ دیدے یا اس سے معاف کرالے، پیسے کھائے ہیں تو پیسے ادا کردے یا معافی کرالے۔

رمضان شریف سے پہلے پہلے بندوں کے حقوق کی تلافی کر دے۔ یہ تو زندگی میں بار بار کرتے ہی رہنا چاہئے لیکن خاص خاص موقعوں پر جیسے رمضان شریف کے مہینے سے پہلے اور عمرہ یا حج پر جانے سے پہلے اس کا خاص اہتمام کرنا چاہئے، یہ بڑا اچھا موقع ہوتا ہے، آسانی سے حقوق العباد کی معافی تلافی ہو جاتی ہے۔

سابقہ زندگی کا کچا چٹھا بنالو

حضرت مولانا عبدالمجید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک رباعی ہے جو اس سلسلہ میں یاد رکھنے کا ہے۔

تم اپنے کئے کی مکافات کرلو
جو راہیں بھلا دیں انہیں یاد کرلو
طریقہ صحابہؓ پہ آ جاؤ گے تم
تو پھر ساری دنیا پر چھا جاؤ گے تم

مکافات یہی ہے کہ جس جس کو ستایا ہے، پریشان کیا ہے، جو اعمال میں کوتاہیاں رہ گئی ہیں، ان سب کا حساب صاف کر کے برابر کرلیں۔ لوگ اس ماہ میں زکوٰۃ نکالنے کے لئے حساب بنارہے ہیں، ہم اپنی زندگی کا حساب کرلیں کہ اب تک جو زندگی گزری ہے، کیسی گزری ہے؟ کس کس کے ساتھ ہم نے زیادتی کی ہے؟ کس پر ہم نے ظلم کیا ہے؟ کس کو ہم نے طعنے دئے ہیں؟ کس کس کی غیبتیں کی ہیں؟ کس کس کو مارا ہے پیٹا ہے؟ یہ حقوق

العباد کی کوتاہیاں ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے رکاوٹ ہیں، اگر ایک آدمی ساری رات تہجد پڑھتا ہے، دن بھر روزے سے رہتا ہے، لیکن دوسروں کا دل دکھاتا ہے، یاد رکھئے! اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل نہیں ہو سکتی، اس کو تعلق مع اللہ کی ہوا بھی نہیں لگ سکتی، اللہ تعالیٰ کا تعلق اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لئے جہاں اللہ تعالیٰ کے حقوق کو ادا کرنا ضروری ہے، وہاں بندوں کے حقوق کی ادائیگی بھی ضروری ہے، اگر کوتاہی پائی جاتی ہے تو اس کی تلافی ضروری ہے۔ رمضان شریف آنے سے پہلے پہلے یہ بھی اس کی تیاری کا ایک حصہ ہے کہ ان تمام باتوں سے ہم اپنے آپ کو فارغ کرلیں تاکہ جب رمضان شریف آئے تو ہمارے اوپر نہ کوئی قضاء نماز ہو، نہ کوئی روزہ قضاء ہو، نہ کسی بندہ کا کوئی حق ہمارے ذمہ واجب ہو۔

قضاء نمازوں کی ادائیگی

اگر کسی کی بہت ساری نمازیں یا روزے قضاء ہیں تو وہ کیا کرے؟ ظاہر ہے کہ رمضان سے پہلے تو سب کی قضاء ہو نہیں سکتی، اس کا طریقہ یہ ہے کہ اوّلاً توبہ کرے اور پھر توبہ کرکے ادا کرنا شروع بھی کردے اور رمضان شریف میں بھی نفلی عبادت کم کرے اور زیادہ سے زیادہ اپنی قضاء نمازیں پڑھے، اور زیادہ سے زیادہ اپنے دیگر واجبات ادا کرتا رہے، اس لئے کہ فرض کی تو آخرت میں پوچھ ہوگی نوافل کی پوچھ نہیں ہوگی، لہٰذا فرائض پہلے

پورے ہونے چاہئیں، لیکن نوافل بالکل بھی نہ چھوڑے، اس لئے کہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ بالکل ہی محروم رہ جائے، اس لئے ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ میں نوافل کا بھی اہتمام رکھیں، لیکن زیادہ سے زیادہ تعداد میں فرائض و واجبات کی طرف متوجہ رہیں۔

رمضان سے پہلے سچی توبہ

اور رمضان شریف کی تیاری کا ایک اہم ترین حصہ یہ بھی ہے کہ ہر شخص رمضان سے پہلے اپنے گناہوں سے توبہ استغفار کرلے، اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ یا اللہ! میں بڑا نالائق اور آپ کا بڑا نافرمان بندہ ہوں اور بڑا ہی خطاکار اور سیاہ کار ہوں، یا اللہ! مجھے ہرگز ہرگز یہ کام نہیں کرنا چاہئے، یا اللہ! یہ گناہ مجھ سے ہوتا ہے، میں اپنے کئے پر بڑا ہی نادم اور شرمندہ ہوں، مجھے ہرگز ہرگز یہ کرنا نہیں چاہئے تھا۔ اور جو شخص اپنے گناہ پر شرمندہ اور نادم ہی نہ ہو اور وہ گناہ کو گناہ ہی نہ سمجھتا ہو تو اس کے توبہ کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔

سچی توبہ کے تین رکن

﴿۱﴾ توبہ کا پہلا رکن یہی ہے کہ جو گناہ ہو چکا اس پر اپنے دل میں شرمندہ اور نادم ہو۔

﴿۲﴾ اور دوسرا رکن یہ ہے کہ فی الحال اس گناہ کو چھوڑ بھی

دے، یعنی جس وقت توبہ کر رہا ہے اس وقت اس گناہ کے قریب بھی نہ ہو، یہ نہ ہو کہ گناہ بھی کر رہا ہے اور استغفر اللّٰہ استغفر اللّٰہ کی تسبیح بھی پڑھ رہا ہے، تو ایسی توبہ و استغفار پر تو شیطان کو بھی ہنسی آتی ہے۔

سبحہ برکف توبہ برلب دل پُر از ذوق گناہ

معصیت را خندہ می آید براستغفارما

ہاتھ میں تسبیح زبان پر توبہ اور دل ذوق گناہ سے پُر ہے، تو ایسی توبہ پر گناہ بھی ہنستا ہے کہ یہ کیسا مذاق کر رہا ہے، یہ کیسی توبہ کر رہا ہے، گناہ کرنے کا داعیہ اور جذبہ دل میں بدستور باقی ہے، چھوڑنے کا کوئی ارادہ نہیں، اوپر سے استغفر اللہ استغفر اللہ پڑھے چلے جا رہا ہے، تو ایسی توبہ و استغفار سے کیا ہوتا ہے، ایسی توبہ سے اس کے مقصد میں تو کوئی خلل نہیں آتا ہے، لہٰذا توبہ کا دوسرا رکن یہی ہے کہ فی الحال اس گناہ کو چھوڑے اور ترک کرے۔

توبہ کا تیسرا رکن

اور تیسرا رکن یہ ہے کہ اپنے دل میں آئندہ گناہ نہ کرنے کا پکا عہد بھی کرے، یعنی اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کرے کہ یا اللہ! آئندہ اب میں یہ گناہ نہیں کروں گا۔ چاہے اس کا دل یہ کہہ رہا ہو کہ یہ گناہ ایسا ہے کہ میں چھوڑ نہیں سکتا، میں بہت کمزور ہوں اور میں اس کا ایسا عادی ہوں کہ مجھ سے چھوٹے گا نہیں، تو اس میں کوئی حرج نہیں، مگر اس وقت چھوڑ کر آئندہ نہ

کرنے کا دل میں ارادہ کرلیں، اور پھر اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کریں، وہی بچنے کی توفیق دینے والے ہیں، وہی اعمال صالحہ کی توفیق دینے والے ہیں، تو ان سے یہ عرض کرے کہ یااللہ! یہ گناہ ایسا ہے کہ عرض تو کر رہا ہوں کہ آئندہ نہیں کروں گا لیکن آپ میری ہر ہر چیز سے واقف ہیں، میں تو بڑا ہی نالائق ہوں اور میں تو اس کا عادی بن چکا ہوں، یا اللہ! مجھے تو نہیں لگتا کہ میں بچ سکوں گا جب تک آپ کی مدد شامل حال نہ ہو، لہٰذا میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ میری مدد فرمائیں اور ایسی مدد فرمائیں کہ یہ گناہ مجھ سے ہمیشہ کے لئے چھوٹ جائے۔ بس جس وقت آپ یہ دعا کریں گے تو یقیناً اللہ تعالیٰ کی مدد آپ کے شامل حال ہو گی، پھر انشاء اللہ تعالیٰ دیکھئے گا کہ چند دن بعد ہی اس گناہ سے بچنا کیسے آسان ہو جاتا ہے۔

جب یہ تین باتیں کوئی آدمی کسی گناہ کے سلسلے میں اپنے اندر جمع کرلیتا ہے، تو سمجھ لو کہ اس کی توبہ سچی ہو گئی اور سچی توبہ ہونے کے بعد بڑے سے بڑا گناہ چاہے وہ کفر و شرک ہی کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں، کفر و شرک سے بڑھ کر تو دنیا میں کوئی گناہ نہیں ہے، فسق و فجور سب اس سے نیچے ہیں، لہٰذا جتنے بھی گناہ ہو چکے یا خدانخواستہ ہو رہے ہیں تو ان سے سچی توبہ کرلینے کی ضرورت ہے، رمضان شریف آنے سے پہلے پہلے توبہ کر کے ان گناہوں سے بچنا شروع کر دیں۔

ٹی وی دیکھنے کا گناہ

ان گناہوں میں سے چند ایک گناہ بہت زیادہ اہم ہیں، ان کی طرف بھی توجہ کرنی چاہئے، ان گناہوں میں سے سرفہرست گناہ وہ ہے جو آج کل بہت زیادہ پھیلا ہوا ہے اور ہمارے اوپر چھایا ہوا ہے، وہ ہے ٹی وی دیکھنے کا گناہ، یہ گناہ بڑا ہی سنگین اور بڑا سخت گناہ ہے، اور اس کے دیکھنے سے ایک نہیں بلکہ بیسیوں گناہوں کے اندر آدمی مبتلا ہو جاتا ہے، اور یہ گناہ اتنا عام ہے کہ گھر گھر یہ گناہ ہو رہا ہے، اب تو جھونپڑیوں کے اندر بھی ڈش انٹینا آپ کو لگے نظر آئیں گے، شہر کے اندر مکانات کی چھتوں پر ایک نہیں بلکہ دس دس انٹینا لگے ہوئے ہیں، اور اگر شہر کے وسط سے نکل کر کناروں پر چلے جاؤ تو معلوم ہو گا کہ جھونپڑیوں کے اندر بھی جہاں آرام و راحت کا سامان نہیں ہے مگر ٹی وی کی لعنت وہاں موجود ہے، یہ گناہ ہمارے گھروں کے اندر اتنا عام ہو گیا ہے کہ ایسا لگتا ہے کہ مسلمانوں نے اسے گناہ سمجھنا ہی چھوڑ دیا ہے، اللہ تعالیٰ اپنی حفاظت میں رکھیں۔

ٹی وی گھر پر رکھنا ہی ناجائز ہے

لیکن میرے عزیزوں اور بزرگوں یاد رکھو! اس کے گناہ ہونے پر ہمارے تمام علماء کرام کا اتفاق ہے، جو علماء حق کہلاتے ہیں، جن کے پیچھے ہم چلتے ہیں، جن کی عمریں قرآن و حدیث کے اندر غور و فکر کرنے اور ان کی

نشر و اشاعت میں گزریں، جن پر امت کا اعتماد اور بھروسہ ہے، ان کا فتویٰ یہی ہے کہ ٹی وی گھر پر رکھنا ہی ناجائز ہے اور ہمارے دار العلوم کراچی کا بھی یہی فتویٰ ہے، دیکھنا تو ہے ہی گناہ، اس کا گھر میں رکھنا بھی ناجائز ہے، اور حال یہ ہے کہ مسلمان رمضان شریف میں روزہ رکھ کر تراویح پڑھ کر جب فارغ ہوتے ہیں تو جاکر ٹی وی کے سامنے بیٹھ جاتے ہیں، یعنی دن بھر روزہ رکھا، او روزہ کی برکت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے روزہ دار کو گناہوں سے پاک و صاف فرمادیتے ہیں اور تراویح کی فضیلت بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے پچھلے تمام صغیرہ گناہ معاف فرمادیتے ہیں، تو روزہ رکھ کر اور تراویح پڑھ کر پھر اس لعنت کے سامنے سر جھکا کر بیٹھ جاتے ہیں، اور پھر اپنی آنکھوں کو گناہوں سے آلودہ، اپنے کانوں کو گناہوں سے آلودہ، اپنے دماغ کو گناہوں سے آلودہ اور اپنے دل کو گناہوں سے آلودہ کرنے میں رات گزار دیتے ہیں۔ کم از کم رمضان شریف کے مہینہ میں اس کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت نہ دیں، خود بھی بچیں اور اپنے گھر والوں کو بھی بچائیں، بچوں کو بھی بچائیں، بچیوں کو بھی بچائیں، یہ گناہ تو ایسا ہے کہ ہر دم اس سے بچنے کی ضرورت ہے، رمضان شریف کی بھی خصوصیت نہیں، لیکن رمضان شریف کا مہینہ جس میں رات دن اللہ تعالیٰ کی رحمتیں برستی ہیں اور ان کی طرف سے مغفرت کے اعلانات ہوتے رہتے ہیں، رمضان میں ہر رات مغرب سے لے کر صبح صادق تک فرشتے یہ اعلان کرتے ہیں کہ کوئی توبہ کرنے والا ہو تو اس کی توبہ قبول کرلیں، کوئی

مغفرت چاہنے والا ہو تو اس کی مغفرت کر دیں، کوئی عافیت مانگنے والا ہو تو اس کو عافیت دے دیں، کوئی فلاں چیز چاہنے والا ہو تو فلاں چیز دے دیں، اس طرح کے مختلف اعلانات ہوتے رہتے ہیں۔

وقت افطار کی اہمیت

اور اللہ تعالیٰ افطار کے وقت روزانہ ایسے دس لاکھ آدمیوں کو دوزخ سے آزاد فرماتے ہیں جو جہنّم کے مستحق ہو چکے ہوتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ روزانہ رمضان کی ہر رات میں چھ لاکھ آدمیوں کو دوزخ سے بری فرماتے ہیں۔

اور جب رمضان شریف کا آخری افطار ہوتا ہے تو اس افطار کے وقت روزانہ اللہ تعالیٰ پورے مہینہ میں جتنے لوگوں کو دوزخ سے آزاد فرماتے ہیں، اس تعداد کے برابر آخری افطار میں آزاد فرماتے ہیں جو تقریباً تین کروڑ ہوں گے، اور دونوں مل کر چھ کروڑ ہو گئے۔

اور اللہ تعالیٰ روزانہ ہر رات میں چھ لاکھ لوگوں کو دوزخ سے بری فرماتے ہیں، آخری شب میں پورے مہینہ کی تعداد کے برابر اللہ تعالیٰ دوزخ سے آزاد فرمائیں گے، اس لئے افطاری کا وقت کتنا قیمتی ہو گیا، اس وقت آدمی کو چاہئے کہ بس ہمہ تن اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے، تلاوت میں ذکر میں اور آخر میں دعا کے اندر مشغول رہے، قسمت میں جو افطاری لکھی ہے وہ تو مل جائے گی، اس وقت زیادہ افطاری کو بنانے سجانے اور جھانکنے کی طرف متوجہ نہیں رہنا چاہئے۔

عصر کے بعد کی اہمیت

عصر کے بعد کا وقت تو انتہائی خاص الخاص وقت ہے، یہ وقت تو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہنے کا اور تلاوت میں لگنے کا ہے، لیکن ہوتا یہ ہے کہ خواتین کا افطاری کی تیاری میں سارا وقت گزر جاتا ہے اور مردوں کا دستر خوانوں پر بیٹھ کر افطاری کو دیکھنے میں گزر جاتا ہے، کوئی گلاب جامن دیکھ رہا ہے، کوئی امرتی دیکھ رہا ہے، کوئی سموسہ دیکھ رہا ہے، کوئی کچھ دیکھ رہا ہے، اور اس انتظار میں ہیں کہ جلدی سے سائرن بولے تو ہم شروع کریں۔ بھائی! جب سائرن بولے گا تو اس وقت شروع ہو جانا، لیکن اس وقت تک تو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہو، یہ تو دس لاکھ آدمی دوزخ سے بری ہونے کا وقت ہے، اپنا نام بھی ان میں رقم کروالو، اور جو روزی سامنے رکھی ہے، وہ قسمت کی ہے کہاں جائے گی، روزی تو آدمی کو اس طرح تلاش کرتی ہے جس طرح موت آدمی کو تلاش کرتی ہے، تو ہماری قسمت کے جو گلاب جامن ہیں وہ کہیں جائیں گے کیا؟ دیکھو یا مت دیکھو، بیٹھو یا مت بیٹھو، آپ کی قسمت کا کوئی دوسرا کھا نہیں سکتا، یہ وقت بڑا ہی قیمتی ہوتا ہے۔

سحری کا وقت

اور ایک سحری کا وقت ہے، سحری کا وقت بھی سحری پکانے میں اور کھانے کھلانے میں گزر جاتا ہے، حالانکہ یہ وقت خاص اللہ تعالیٰ کی طرف

متوجہ رہنے کا ہے، لہٰذا دستر خوان پر آنے کا وقت بالکل آخر میں رکھیں جب پندرہ بیس منٹ رہ جائیں، اس سے پہلے اپنے مصلّے پر اپنے کمرہ میں توجہ الی اللہ اور ذکر اللہ میں گزاریں اور مغفرت کی دعا کرنے میں گزاریں، اور جب پندرہ بیس منٹ یا آدھا گھنٹہ رہ جائے تو اب آجائیں اور آکر دستر خوان پر بیٹھ جائیں اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے قسمت میں لکھا ہے وہ کھالیں۔

رمضان کے یہ رات دن تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے برسنے کے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرتوں کے عطاء کرنے کے لمحات ہیں، ان لمحات میں اللہ بچائے ٹی وی دیکھنا، وی سی آر پر فلمیں دیکھنا، ڈرامے دیکھنا، اور جانوروں کی تصاویر دیکھنا، نامحرم عورتوں کو دیکھنا، عورتوں کا نامحرم مردوں کو دیکھنا جس کے نتیجے میں پھر انسان کے جنسی تقاضے بیدار ہو ہی جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ بچائے یہ مہینہ کوئی ایسے کام کرنے کا ہے؟ یاد رکھئے! گیارہ مہینے بھی اس کام کے لئے نہیں ہیں لیکن رمضان شریف کا مہینہ بہت ہی زیادہ اس سے بچنے کا ہے، اس لئے اس مہینہ میں اس گناہ سے بہت زیادہ بچیں اور ابھی سے بچیں، جو ابھی سے بچے گا وہ رمضان شریف میں بھی بچے گا، اور جو ابھی سے نہ بچے گا وہ رمضان شریف میں کیسے بچے گا؟

خواتین کا بے پردہ رہنا

اور دوسرا گناہ خواتین کا بے پردہ رہنا ہے، یہ گناہ بھی ایسا ہے کہ پوری دنیا میں پھیل چکا ہے، اور شاید ہی کوئی خاتون شرعی پردہ کرتی ہو، ورنہ

اللہ بچائے یہ شرعی پردہ عنقاء بن گیا ہے۔ لہٰذا خواتین پر یہ فرض ہے کہ وہ اپنے شرعی پردہ کا اہتمام کریں اور شرعی پردہ کی تفصیل پر میرا ایک چھوٹا سا رسالہ ہے "چھ گناہ گار عورتیں" اس میں اس کی حدود اور تفصیل بقدر ضرورت آگئی ہے، اگر کسی کو پڑھنا ہو وہ اس کو پڑھ لے۔

شرعی پردہ جس طرح باہر کے نامحرم مردوں سے ضروری ہے، اسی طرح گھر کے نامحرم مردوں سے بھی ضروری ہے، جو دین دار خواتین کہلاتی ہیں ان میں سے بعض وہ ہیں جو کہ باہر کے نامحرم مردوں سے تو پردہ کرلیتی ہیں، لیکن گھر میں جو دیور جیٹھ وغیرہ رہتے ہیں ان سے شرعی پردہ نہیں کرتیں، رواجی پردہ تو کرلیتی ہیں، شرعی پردہ نہیں کرتیں، اس رسالہ میں اس کی حدود بھی لکھ دی گئی ہیں، وہاں دیکھ لیں اور دیکھ کر اس کے مطابق عمل کریں۔

دین پر عمل آسان ہے

شرعی پردہ کرنا کوئی مشکل کام نہیں، بشرطیکہ ہم اس کو مشکل نہ سمجھیں، اور اگر ہم نے مشکل سمجھ لیا تو کوئی آسان کو مشکل سمجھ لے تو پھر آسان بھی مشکل ہو جاتا ہے۔

حضرت مجذوب صاحبؒ کے اشعار ہیں ؎

نہ لو نام الفت جو خودداریاں ہیں
یہاں سرفروشوں کی سرداریاں ہیں

جو آسان سمجھو تو آسانیاں ہیں
جو دشوار سمجھو تو دشواریاں ہیں
امیری غریبی میں یکساں رہے ہم
نہ جب ذلتیں تھیں نہ اب خواریاں ہیں

تو دین تو بالکل آسان ہے، اس کا ہر حکم آسان ہے، ٹی وی سے بچنا بھی آسان ہے، کیا بچنے والے دنیا میں نہیں رہتے؟ شرعی پردہ کرنے والی خواتین بھی تو دنیا میں رہتی ہی ہیں، دنیا میں ان کے یہاں بھی شادی بیاہ ہوتے ہیں، ساری دنیا کے کام ان کے یہاں بھی ہوتے ہیں، مگر انہوں نے اسے آسان سمجھا تو آسانی سے کرلیا۔

تو خواتین شرعی پردہ کا اہتمام کریں اور جس وقت وہ تہیہ کرلیں گی اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں گی اور شرعی پردہ کا اہتمام کرلیں گی تو انشاء اللہ آسان ہو جائے گا۔

گھر کے جو مرد حضرات ہیں، ان کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ان کے شرعی پردہ میں اہتمام اور پورا پورا تعاون کریں۔ اور عورتیں بھی پختہ تہیہ اور ارادہ کرلیں کہ کچھ بھی ہو جائے لیکن اب ہم غیر شرعی پردہ سے مکمل طور پر اپنے آپ کو بچائیں گی، بے پردگی کے گناہ سے بچیں گی، ورنہ ایک طرف بے پردگی کا گناہ ہو رہا ہے اور دوسری طرف تہجد ہو رہی ہے، تو کیا فائدہ ہوگا۔

ڈاڑھی منڈوانے کا گناہ

تیسرا گناہ ڈاڑھی منڈوانے کا ہے، یہ گناہ بڑا سنگین گناہ ہے، یہ گناہ بھی بڑا ہی سخت اور ہمہ وقتی گناہ ہے، لہٰذا رمضان شریف کے مہینہ میں تو کم از کم اس گناہ سے توبہ کر ہی لیں، اور سچی توبہ کر کے تہیہ کرلیں کہ پورا رمضان ہم اپنی ڈاڑھی نہ منڈوائیں گے اور نہ کترواکر ایک مٹھی سے کم کریں گے، کیونکہ کم از کم ایک مٹھی بھر ڈاڑھی رکھنا ہر مسلمان عاقل بالغ مرد کے اوپر واجب ہے، اور ایک مٹھی سے کم کتروانا یا منڈوانا یہ ناجائز اور حرام ہے، اس گناہ سے بارہ مہینے اور تازندگی بچنے کی ضرورت ہے۔

لیکن رمضان شریف کا مہینہ اس لئے نہیں ہے کہ اعلانیہ آدمی اپنے چہرہ کو اللہ تعالیٰ کے باغیوں کے مشابہ بنائے، یہ تو بڑی خطرناک بات ہے، اس لئے اس گناہ سے بھی بہت زیادہ اہتمام کے ساتھ بچنا چاہئے۔

شلوار ٹخنوں سے نیچے رکھنے کا گناہ

اور چوتھا گناہ جو کہ آج کل بہت ہی زیادہ عام ہے اور وہ بھی مردوں سے تعلق رکھتا ہے، وہ یہ ہے کہ آج کل یہ عام فیشن بن گیا ہے کہ مرد حضرات اپنی شلوار عام طور پر ٹخنوں سے نیچے رکھتے ہیں، یہ بھی گناہ کبیرہ ہے اور ناجائز ہے جس سے بطور خاص بچنے کی ضرورت ہے، یعنی مردوں کو چاہئے کہ وہ اپنی شلوار ہمیشہ ٹخنوں سے اوپر رکھیں، تہبند باندھیں یا پاجامہ

پہنیں یا شلوار پہنیں تو اس کو ٹخنے سے اوپر رکھیں۔ بعض مرد یہ سمجھتے ہیں کہ شاید نماز کے اندر اس کا حکم ہے، نماز کے باہر مرضی ہے چاہے اوپر کریں یا نیچے، یہ غلط ہے، نماز کے اندر بھی یہی حکم ہے۔ لہٰذا اگر کسی کی نماز کے اندر شلوار ٹخنوں سے نیچے ہو گی تو اس کی نماز مقبول نہیں ہو گی۔ اور نماز کے باہر بھی ٹخنے کھلے رکھنے کا حکم ہے، گھر کے اندر بھی، آفس کے اندر بھی، دکان کے اندر بھی، بازار کے اندر بھی، ہر جگہ مردوں کے ذمہ ضروری ہے کہ وہ اپنی شلوا[illegible] سے اوپر رکھا کریں، یہ گناہ بھی بہت زیادہ عام ہو چکا ہے، اس لئے اس سے بھی بچنا چاہئے۔

مسجد میں دنیاوی باتیں کرنے کا گناہ

اور ایک گناہ جو مسجد میں خاص طور پر ہوتا ہے اور پھر وہ رمضان شریف میں بھی ہوتا رہتا ہے، وہ مسجد میں گناہ کی اور دنیا کی باتیں کرنا ہے، مسجد دنیا کی باتیں کرنے کی جگہ نہیں ہے، اور گناہ کی باتیں کرنے کی جگہ نہ مسجد ہے نہ مسجد کے باہر، لیکن مسجد میں دنیا کی باتیں کرنا بھی گناہ اور ناجائز ہے اور اس کا بھی بہت بڑا عذاب اور بڑا وبال ہے، اس لئے جب مسجد میں آئیں تو گناہ اور دنیا کی باتوں سے اپنے منہ کو تالا لگا کر آئیں، یہاں آکر منہ کھولیں تو اللہ تعالیٰ کی یاد میں کھولیں، ذکر میں کھولیں، تلاوت میں کھولیں، اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے میں کھولیں، دنیا کی باتیں کرنے سے اور گناہ کی باتیں کرنے سے اپنی زبان کو بند رکھیں، مسجد میں خاص اس بات کا خیال اور اہتمام کریں۔

"گناہ بے لذت" کا مطالعہ کریں

ان کے علاوہ اور بھی بہت سارے گناہ ہیں، اس کے لئے بہتر طریقہ یہ ہے کہ ایک رسالہ ہے جس کا نام ہے "گناہ بے لذت" جو ہمارے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ترتیب دیا ہوا ہے، اس میں حضرت نے کبیرہ اور صغیرہ گناہوں کی فہرست دے دی ہے، اب اس فہرست کو پڑھ کر ہم میں سے ہر آدمی آسانی سے اپنا جائزہ لے سکتا ہے کہ میرے اندر کون کون سے گناہ ایسے ہیں جو میں کرتا ہوں اور کون کون سے گناہ ایسے ہیں کہ جن سے اللہ پاک نے مجھے بچایا ہوا ہے۔

تو جو گناہ ہو رہے ہیں چاہے کبیرہ ہوں یا صغیرہ ان پر صحیح کا نشان لگا دیں اور صحیح کا نشان لگا کر اب ان سے بچنا شروع کر دیں، اگر بچنا مشکل ہو تو پھر اللہ والوں سے مشورہ کریں اور ان سے رجوع کریں کہ مجھ سے یہ گناہ ہوتا ہے، میں اس سے بچنا چاہتا ہوں اور یہ میں نے کوشش کی ہے اس سے بچنے کی مگر میں ناکام ہوں، اس سلسلہ میں آپ میری مدد فرمایئے۔ تو وہ آپ کی رہنمائی کریں گے، آپ کو تعلیم دیں گے اور ایسا طریقہ اور علاج بتلائیں گے کہ اس پر عمل کرنے سے انشاء اللہ تعالیٰ وہ گناہ چھوڑنا آسان ہو جائے گا۔

لیکن رمضان شریف کی تیاری میں یہ داخل ہے کہ رمضان شریف سے پہلے پہلے ہم اپنے آپ کو ہر قسم کے گناہوں سے بچالیں، جب بچالیں

گے تو پھر جب انشاء اللہ تعالیٰ رمضان شریف کا مہینہ آئے گا اور رمضان شریف کی پہلی رات آئے گی تو اس پہلی رات ہی کو انشاء اللہ تعالیٰ جو پہلا جھونکا اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کا آئے گا وہ انشاء اللہ تعالیٰ ہماری بخشش کا سامان کرتا چلا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے کرم اور اپنے فضل سے ہم سب کو رمضان شریف سے پہلے رمضان شریف کی دل و جان سے تیاری کرنے کی توفیق عطاء فرمائے، آمین

ہم تراویح کہاں پڑھیں؟

آخر میں ایک بات اور عرض کرنی تھی کہ رمضان شریف شروع ہونے سے پہلے پہلے ہم اس بات کو سوچ لیں کہ ہم تراویح کہاں پڑھیں؟

اس میں ایک تو عام ذہن ہے وہ تو یہ ہے کہ ایسی مسجد میں جاؤ جہاں بیس منٹ میں بیس تراویح ہو جائیں، کوئی ایسا حافظ ملے کہ ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے لیکن والناس تک کسی طرح پہنچادے، بس یعلمون تعلمون کے سوا کچھ سمجھ میں نہ آئے، تین روز میں یا پانچ روز میں دس روز میں کسی طریقے سے وہ ہمیں پار لگادے، تاکہ ہماری جلدی چھٹی ہو جائے العیاذ باللہ۔

بعض لوگ وہ ہیں جو ایسی مسجد کی تلاش میں رہتے ہیں کہ جہاں اٹھک بیٹھک ہوتی رہے اور اٹھک بیٹھک ہو کر جلدی سے چھٹی مل جائے، یہ تو رمضان شریف کا خون کرنا ہے اور تراویح کا خون کرنا ہے، تراویح تو اس لئے نہیں ہے کہ اس کو اس طریقہ سے بیکار ڈال دیں۔

حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ملفوظ

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہر سال فرماتے تھے، الحمد للہ حضرت کے وہ بیانات ''رمضان المبارک کے انوار و برکات'' کے نام سے چھپے ہوئے ہیں، وہ پڑھ لینے چاہئیں۔

وہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس ماہ مبارک میں اپنے بندوں کو اپنا مقرب بنانے کے لئے اضافی چالیس سجدے عطا فرمائے ہیں، جن کے ذریعہ سے بندہ اللہ تعالیٰ کے نہایت قریب سے قریب ہو جاتا ہے، ایک ہی سجدہ میں بندہ اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ قریب ہو جاتا ہے، تو چالیس سجدے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے ہیں۔

ایک سجدہ کی فضیلت

اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک سجدہ پر اللہ تعالیٰ جنّت میں ایک ایسا درخت لگاتے ہیں کہ ایک گھوڑ سوار اس کے سایہ کو پانچ سو سال میں جاکر طے کرے گا، اور ایک سجدہ کے بدلہ میں ڈیڑھ ہزار نیکیاں لکھ دیتے ہیں اور اس سجدہ کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنّت میں ایک ایسا محل بنائیں گے جس کے ساٹھ ہزار دروازے ہوں گے، اور ہر دروازہ میں سرخ یاقوت سے مزیّن ایک محل ہوگا۔ کسی بھی رات میں کوئی بھی سجدہ کرلے اس کا یہ ثواب ہے۔

پہلے دن کے روزے کی فضیلت

اور روزانہ صبح سے شام تک روزہ دار کے لئے ستر ہزار فرشتے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں استغفار فرماتے ہیں، اور جب کوئی مسلمان پہلے دن کا روزہ رکھتا ہے تو اس کے پچھلے سارے گناہ صغیرہ اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں۔ ایسا زبردست ماہ مبارک اور ایسی عظیم الشان نماز تراویح اور ہم اس کے ساتھ یہ گناہوں کا معاملہ کریں تو پھر ہم سے زیادہ محروم کون ہوگا؟

اس لئے صحیح بات یہ ہے کہ ہم ایسی مسجد تلاش کریں کہ جہاں بڑے آرام آرام سے اور بڑے اطمینان سے قرآن کی تلاوت کی جاتی ہو، اور آرام و سکون سے نماز تراویح ادا کی جاتی ہو۔ پہلے سے تلاش کرلیں کہ کس مسجد میں ایسا اچھا انتظام ہوگا، وہاں کے حافظ صاحب بہت اچھے اور پکے اور قاری ہوں گے اور جو آرام آرام سے تراویح پڑھائیں گے، اس کا انتخاب کرلیں اور وہاں جاکر اپنی تراویح ادا کریں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے فضل و کرم سے ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین

خوشبو لگانے کی فضیلت

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم ؕ

خوشبو لگانے کی فضیلت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا۔ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِىَ لَهٗ وَأَشْهَدُاَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُاَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ؕ لَقَدْ كَانَ

لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ O صدق اللّٰه العظیم

(سورۃ الاحزاب، آیت ۲۱)

ایک عجیب واقعہ

میرے قابلِ احترام بزرگو اور محترم خواتین! اس مرتبہ رمضان المبارک میں حق تعالیٰ شانہ نے ایک خصوصی انعام فرمایا کہ مدینہ طیبہ میں حاضری کی توفیق عطا فرمائی۔ اس حاضری کے موقع پر وہاں ایک عجیب وغریب واقعہ ایک قابل اعتماد شخص نے سنایا، وہ یہ کہ سعودی حکومت نے مسجد نبوی کے قدیم حصہ میں جوترکی عمارت پر مشتمل ہے، زمین دوز ائرکنڈیشنڈ نصب کرنے کا ارادہ کیا اور اس کا حکم دیدیا، جو جدید مسجد نبوی ہے اس میں یہ سسٹم پہلے ہی زمین دوز ہے، اس میں جو پلر کھڑے ہوئے ہیں، ان کے چاروں اطراف سے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے آتے ہیں، اسی کے مطابق انہوں نے یہ چاہا کہ جوترکی عمارت ہے، اس میں بھی اسی طرح ائرکنڈیشنڈ نصب کیا جائے۔

اس کے بعد جو لوگ اس کام کے لئے مقرر تھے، انہوں نے ایک جگہ پر پردہ ڈال کر زمین کی کھدائی شروع کی، جہاں انہوں نے کھدائی کی تو یکایک وہاں سے عجیب وغریب خوشبو نکلنی شروع ہوئی اور اتنی زیادہ خوشبو وہاں سے پھیلی کہ مسجد نبوی ﷺ اس خوشبو سے مہک اٹھی، اس غیر معمولی خوشبو کو سونگھنے کے بعد انہوں نے اپنے انجینئر سے رجوع کیا اور اس کو اس صورتحال سے باخبر

کیا، اس نے مسجد نبوی کے امام صاحب کو اس صورتحال سے آگاہ کیا اور انہوں نے امام کعبہ کو مطلع کیا کہ یہاں سے غیر معمولی خوشبو مہک رہی ہے اور نکل رہی ہے تو اس صورت میں کیا کیا جائے؟ امام کعبہ نے شاہ فہد کو اطلاع دی۔

واقعہ سنانے والے نے بتایا کہ جب شاہ فہد کو اطلاع ملی تو وہ خود آئے اور انہوں نے بھی آ کر اس خوشبو کو محسوس کیا اور کہا کہ یہ تو کوئی راز کی بات ہے، اس کو راز ہی میں رہنا چاہئے، لہٰذا اس کو ایسے ہی رہنے دیا جائے، اور اس کو یہیں بند کر دیا جائے، اور ائرکنڈیشنڈ کی لائنیں دیواروں پر اور چھت کی طرف نصب کر دی جائیں، چنانچہ اب وہیں پر نصب ہیں۔ یہ واقعہ عجیب و غریب ہے۔

اس واقعہ کی حقیقت

اس کی کیا حقیقت ہے؟ وہ اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ اس میں ایک احتمال یہ بھی ہے کہ مسجد نبوی ﷺ میں قریب ہی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما ہیں، آپ ﷺ تو اپنی ذات اقدس کے اعتبار سے ''معطر'' تھے، تو کیا بعید ہے کہ آپ کے زمین کے اندر آرام فرمانے کی وجہ سے اندر ہی اندر خوشبو مہک رہی ہو۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کچھ اور اس کی حقیقت ہو، اللہ ہی بہتر جانتے ہیں۔

حضور اکرم ﷺ کے جسم اطہر کی خوشبو کی کیفیت

لیکن احادیث میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو شان بیان کی گئی ہے، ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک میں بغیر خوشبو لگائے بھی ایسی عجیب و غریب خوشبو ہوتی تھی اور آپ کا جسم ایسا مہکتا تھا کہ مشک و عنبر لگانے سے وہ مہک نہیں آ سکتی۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے آپ کی اس شان کو بہت تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ حسین اور خوبصورت تھے، آپ کا رنگ مبارک گورا اور کھلتا ہوا تھا، اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) جب چلتے تو ذرا سا آگے کو مائل ہو کر چلتے تھے، یعنی آپ کی چال میں بھی تواضع ہوتی تھی، جیسے پہاڑوں سے کوئی نیچے اترے تو ذرا سا آگے جھکا ہوا ہوتا ہے اور پاؤں بھی مضبوطی سے رکھتا ہے، قوت سے اٹھاتا بھی ہے اور رفتار میں قدرے تیزی بھی ہوتی ہے۔ تقریباً یہ تمام صفات سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عام رفتار میں پائی جاتی تھیں، اور یہی ہمیں بھی کوشش کرنی چاہئے کہ ذرا سا آگے کو جھکتا ہوا چلیں۔ اکڑ کر اور سینہ تان کر چلنا یہ مسلمانوں کی شان نہیں ہے، یہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ نہیں ہے۔ اسی طرح چال میں ذرا سی تیزی بھی ہونی چاہئے، اور تواضع کے ساتھ چلے، چلنے میں عاجزی پائی جائے۔

اور فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ٹخنے بالکل موتی کی طرح

گول معلوم ہوتے تھے۔ اور فرمایا کہ آپ کے دست مبارک کی ہتھیلی تو ایسی ملائم، گداز اور ایسی نرم و نازک تھی کہ آج تک میں نے ایسا ملائم، ایسا نرم اور گداز ریشم نہ دیکھا نہ چھوا۔ اور بغیر خوشبو لگائے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر سے جو خوشبو مہکا کرتی تھی، ایسی خوشبو نہ کسی مشک سے آئی اور نہ کسی عنبر سے۔ ’’صلی اللہ علیہ وسلم‘‘

حضور اکرم ﷺ کے پسینہ مبارک کی خوشبو

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی خالہ ہیں، اور رضاعی خالہ ایسی ہی حرام ہوتی ہے جیسے سگی خالہ حرام ہوتی ہے، اور جیسے سگی خالہ سے کوئی پردہ نہیں ہوتا، ایسے ہی رضاعی خالہ سے کوئی پردہ نہیں ہوتا، اس لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر پر آیا کرتے تھے اور ان کے گھر میں آرام بھی فرمایا کرتے تھے۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لاتے تو حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کے آرام کرنے کے لئے چمڑے کا ایک فرش بچھا دیا کرتی تھیں، اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما ہوتے اور سو جایا کرتے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو پسینہ بہت آیا کرتا تھا، خاص طور پر نیند کی حالت میں، تو جب آپ نیند کی حالت میں ہوتے تو حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کا وہ پسینہ تنکے کے ذریعہ اٹھا اٹھا کر ایک شیشی میں جمع کرلیا

کرتی تھیں اور پھر اس پسینے کو اپنی دوسری خوشبوؤں میں ملا دیا کرتی تھیں، آپ کا پسینہ ملانے کے بعد وہ خوشبو ساری خوشبوؤں سے بڑھ جاتی تھی۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

وہ بیان فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ ہمارے گھر میں نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما رہے تھے اور میں آپ کی پیشانی مبارک سے پسینے کے موتی تنکے کے ذریعہ ایک شیشی میں جمع کر رہی تھی کہ اسی دوران جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوگئے اور آپ نے فرمایا کہ اے ام سلیم! آپ یہ کیا کر رہی ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت میں آپ کا پسینہ جمع کر رہی ہوں، دنیا میں جتنی خوشبوئیں ہیں، ان سب سے اعلیٰ درجہ کی خوشبو یہ آپ کا پسینہ مبارک ہے، اور پھر میں اس کو دوسری خوشبو کے ساتھ ملا دیتی ہوں تو وہ اطیب الطیب ہو جاتی ہے، یعنی ساری خوشبوؤں سے بڑھ کر خوشبو بن جاتی ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

یہ شان تھی سرکار دو جہاں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

حضور اکرم ﷺ کے دست مبارک کی خوشبو

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بھی شان تھی کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سے مصافحہ کر لیتے تو اس دن وہ آدمی دوسروں سے ممتاز ہو جاتا تھا، الگ پہچان میں آ جاتا کہ آج اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کیا ہے، اس لئے کہ اس کے ہاتھ سے ایسی خوشبو آتی تھی جو اوروں کے ہاتھوں سے

نہیں آتی تھی۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اور اس کی خاص وجہ یہی تھی کہ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر سے خوشبو مہکتی تھی، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے بھی ایسی خوشبو مہکتی تھی۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں زندگی کی سب سے پہلی نماز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد نبوی سے باہر نکلا اور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا کہ آپ کے سامنے کچھ بچے آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شفقت سے ان بچوں کے سروں پر اپنا دست مبارک پھیرا اور پیار کیا اور پھر میرے بھی دونوں رخساروں پر دست مبارک پھیرا، یہ میری سعادت تھی کہ میرے دونوں رخساروں پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک پھیرا۔ جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک پھیرا، اس وقت میں نے دو چیزیں محسوس کیں: ایک تو میں نے دست مبارک کی ٹھنڈک محسوس کی، اور دوسری مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے ایسی خوشبو محسوس ہوئی جیسے خوشبو بیچنے والا عطّار اپنی کپّی کا منہ کھولتا ہے تو اس میں سے خوشبو پھیلتی ہے اور مہکتی ہے۔

یہ آپ کے دست مبارک کی کیفیت تھی، اس لئے جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کر لیتا تو اس کی ہتھیلی میں بھی خوشبو سما جاتی تھی۔

حضور اکرم ﷺ کا بچوں کو سلام کرنا

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بھی سنت ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم راستہ میں تشریف لے چلتے اور کہیں بچے مل جاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کو سلام فرماتے۔ آج تقریباً یہ سنت ختم ہوگئی ہے، خال خال اور کہیں کہیں کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو بچوں کو سلام کرتے ہوں، ورنہ بچوں کو سلام کرنا تو سکھاتے ہیں، لیکن یہ نہیں کہ جب بچوں اور بڑوں کا آمنا سامنا ہو تو بڑے ہی سلام کرلیں، بلکہ بڑے یہ چاہتے ہیں کہ بچے ہی ہمیں سلام کریں اور ہم بچوں کو سلام نہ کریں، اور بچوں کو سلام کرتے ہوئے اپنے اندر حجاب محسوس کرتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کی چھوٹوں پر شفقت

جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر موقع کا جو حق ہوتا تھا، اس کو ادا فرماتے تھے، تو جب بچوں سے ملاقات ہو تو بچوں کا یہ حق ہے کہ ان کے ساتھ شفقت سے پیش آئیں، شفقت میں یہ بھی داخل ہے کہ بڑے بچوں کو سلام کریں، موقع ہو تو ان کے سر پہ ہاتھ پھیریں اور ان سے شفقت کا برتاؤ کریں۔

بچوں کو یہ حکم ہے کہ وہ بڑوں کا اکرام کریں اور بڑوں کا احترام کریں، اور بڑوں کو یہ حکم ہے کہ وہ بچوں پر شفقت کریں۔ لہٰذا نیت کرلیں کہ آج سے

ہم بھی انشاء اللہ تعالیٰ جہاں راستے میں بچے ملیں گے ان کو سلام کریں گے، تاکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سنت زندہ ہو۔ آپ سلام بھی فرماتے تھے اور موقع ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سروں پر شفقت سے ہاتھ بھی پھیر دیا کرتے تھے جیسے اس واقعہ میں آپ نے دیکھ لیا۔

حضور اکرم ﷺ کی سنّت پر عمل کا عزم کرلیں

اور کوئی یہ نہ سمجھے کہ ہم تو بہت مصروف ہیں اور بہت مشغول ہیں، اس لئے اس مصروفیت میں ہمیں دھیان ہی نہیں رہتا۔ یاد رکھو! سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی مصروف نہیں ہوسکتا، ان کی مصروفیت کا خود اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ذکر فرمایا ہے، ان سے بڑھ کر کون مصروف ہوسکتا ہے؟ کتنی بڑی اور بھاری ذمّہ داری ان کے اوپر تھی جس کو انہوں نے ادا فرمایا، لیکن ان مصروفیات اور ذمّہ داریوں کے باوجود ہر موقع پر اس کا حق بھی ادا فرما دیا۔ لہٰذا یہ تو محض ہمارا بہانہ ہے، اس بہانہ کو پس پشت ڈال کر اس سنّت پر عمل کرنے کا عزم کرلیں۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے سر پر دست مبارک پھیرنے کی برکت

دست مبارک شفقت سے پھیرنے کا ایک دوسرا واقعہ ابھی میرے ذہن میں آیا، وہ یہ کہ حضرت عطا روایت کرتے ہیں کہ میرے آقا حضرت سعید بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی داڑھی بڑھاپے میں بالکل سفید ہوگئی تھی

لیکن سر کے بال بالکل کالے تھے، میں نے عرض کیا کہ حضور! یہ آپ کا سر سفید نہیں ہوا، داڑھی مبارک آپ کی سفید ہوگئی، عام طور پر سر پہلے سفید ہوتا ہے اور داڑھی بعد میں سفید ہوتی ہے لیکن آپ کا سر بالکل ہی کالا ہے جیسے جوان کا ہوتا ہے، داڑھی بالکل سفید ہے جیسے بوڑھے کی ہوتی ہے۔ میرے آقا نے جواب دیا کہ میرے سر کے بال ہمیشہ کالے ہی رہیں گے، کبھی سفید نہیں ہوں گے، میں نے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے؟ کہنے لگے کہ ایک مرتبہ جب میں بچہ تھا اور بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا، ہمارے پاس سے سرکارِ دو جہاں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گزرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سلام کیا، میں بچوں میں زیادہ سمجھدار تھا، میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سلام کا جواب دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا اور پھر میرا نام پوچھا، میں نے اپنا نام اور اپنے والد کا نام بتایا، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا اور فرمایا "بارک اللّٰہ فیک" اللہ تعالیٰ آپ کو برکت دے۔ تو جس سر پر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک لگا ہو وہ کیسے سفید ہوسکتا ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ کالے ہی رہیں گے۔ یہ درحقیقت جناب سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا۔

سلام کرنا تواضع کی علامت ہے

اس واقعہ میں دیکھئے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کو سلام کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ جس میں تواضع ہوگی وہ بچوں کو سلام کرے گا اور جس میں تکبر

ہوگا وہ یہ چاہے گا کہ دوسرے مجھے سلام کریں، میں کیوں سلام کروں؟ وہ بچوں سے بھی سلام کروانا ہی چاہے گا، بچوں کو سلام کرتے ہوئے اس کو اپنی طبیعت میں رکاوٹ محسوس ہوگی، اگر رکاوٹ محسوس ہو تو خطرہ کی نشانی ہے، اللہ بچائے!!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کو بھی سلام فرمایا کرتے تھے، لہٰذا ہمیں بھی بچوں کو سلام کرنا چاہئے۔

حضور اکرم ﷺ کی خوشبو کی کیفیت

اسی طرح اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی گلی سے گزر جاتے تو اس گلی سے بھی خوشبو آیا کرتی تھی، اور اس خوشبو کی وجہ سے یہ پہچان لیا جاتا تھا کہ اس گلی سے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم گزرے ہیں۔

ایک صحابی کا عجیب وغریب واقعہ حدیث میں لکھا ہے: حضرت ام عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے شوہر عقبہ بن ارقد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چار بیویاں تھیں، اور چاروں میں سے ہر بیوی ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر اعلیٰ سے اعلیٰ خوشبو استعمال کرتی تھی تاکہ وہ اپنی ساتھی (سوکن) سے خوشبو میں آگے بڑھ جائے، ہر وقت ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کا جذبہ کارفرما رہتا۔

ادھر ہمارے شوہر عقبہ کا یہ حال تھا کہ وہ خوشبو کو ہاتھ بھی نہیں لگاتے

تھے، بس ایک تیل تھا وہ کبھی کبھی داڑھی میں لگالیا کرتے تھے، اس کے باوجود عقبہ کے جسم سے ایسی خوشبو آتی تھی کہ ہماری خوشبو اس کے آگے ماند پڑ جاتی۔ اور اگر کبھی حضرت عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں کے اندر تشریف لے جاتے تو لوگ آپؓ کی خوشبو سونگھ کر کہتے کہ عقبہؓ جیسی خوشبو تو ہم نے آج تک کسی میں نہیں سونگھی، یہ عجیب خوشبو لگاتے ہیں جو اپنی مثال آپ ہے۔

حضرت ام عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے ان سے عرض کیا کہ ہم تو ایک دوسرے کا مقابلہ کر کر کے ہار گئے، کوئی نہ جیت سکا، لیکن آپ کے جسم سے یہ خوشبو بغیر کوئی خوشبو لگائے ایسے کیسے بھڑکتی اور مہکتی ہے؟ اس کی کیا وجہ ہے؟

چنانچہ انہوں نے ایک عجیب قصہ سنایا، فرماتے کہ ایک مرتبہ میرے جسم میں ''پِتی'' اچھل گئی (اور آپ جانتے ہیں کہ اس سے پورے جسم میں سرخ داغ ہو جاتے ہیں اور لال لال نشان پڑ جاتے ہیں اور اس میں بڑی جلن اور سوزش ہوتی ہے) اور میں بڑا بے چین اور بے قرار ہوگیا اور اسی بے چینی میں سیدھا نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ جس طرح روحانی طبیب تھے اسی طرح جسمانی طبیب بھی تھے۔ (''طبِ نبوی'' آپ ﷺ کی چھپی ہوئی ہے)

میں نے جا کر عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے بڑی تکلیف ہو رہی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا! تم اپنے سارے کپڑے اتارو

اور میرے سامنے بیٹھ جاؤ، میں نے اپنے سارے کپڑے اتار لئے، بس اپنے ستر کو ایک چادر سے چھپالیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ پڑھ کر اپنے دست مبارک پر دم کیا اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ مبارک میرے سارے جسم پر پھیر دیئے، اس ہاتھ پھیرنے کی وجہ سے بیماری کا بھی نام ونشان ختم ہوگیا اور اس کے بعد سے یہ خوشبو میرے جسم میں مہک گئی۔ اس دن سے لے کر آج تک میرے جسم میں یہ خوشبو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی وجہ سے ایسی پیوست ہوگئی ہے کہ اب مجھے کسی خوشبو لگانے کی ضرورت نہیں۔

حضور اکرم ﷺ خوشبو لگانا پسند فرماتے تھے

یہ تو وہ خوشبو تھی جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک سے بغیر کسی خوشبو کے لگائے خود بخود مہکتی تھی، لیکن اس کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوشبو دار چیز کو اور خوشبو کو بہت پسند فرماتے تھے اور استعمال فرماتے تھے، اور استعمال کرنے کی ترغیب بھی دیا کرتے تھے۔

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو کی ضرورت نہیں تھی، لیکن اس کے باوجود کثرت سے خوشبو استعمال فرماتے تھے اور استعمال کرنے کی ترغیب بھی دیتے تھے۔ اس میں یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ میرے امتی بھی میرے خوشبو استعمال کرنے کی اس سنت پر عمل کریں، اور انہیں بھی میری اس سنت پر عمل کرنے کا ثواب ملے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ''ریحان'' خوشبو بہت پسند تھی۔ ریحان خوشبو کے کئی معنی لکھے ہیں: ایک معنی ہیں عطر مرکب، اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ جو بھی خوشبو ہو وہ ریحانی خوشبو ہے، چنانچہ جو بھی خوشبو ہم استعمال کریں اور سنّت کی نیت سے لگائیں انشاء اللہ تعالیٰ اس سے خوشبو لگانے کی سنّت ادا ہو جائے گی۔

حضور اکرم ﷺ کی پسندیدہ خوشبو

زادالمعاد میں لکھا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبوؤں میں سب سے زیادہ دو خوشبوئیں محبوب تھیں: ایک مشک اور ایک عود، اور دونوں خوشبوئیں آج کل مل بھی جاتی ہیں، کوئی نایاب نہیں ہیں، لہٰذا جو خوشبو بھی میسّر آ جائے، آدمی سنّت کی نیت سے لگالے، لیکن کبھی کبھی اگر میسّر ہو تو مشک لگالے یا عود لگالے۔

ہمارے اندر خوشبو کا استعمال بہت کم ہے، کچھ تو ہمارے یہاں خوشبوئیں ایسی ناقص ملتی ہیں کہ اِدھر لگاؤ اُدھر غائب، یعنی گھر سے باہر نکلنا بھی لگانے والے کو نصیب نہیں ہوتا، وہ اندر ہی اڑ کر ختم ہو جاتی ہے، باہر تو کیا خاک آئے گی؟ بعض بہت ہی گھٹیا قسم کی خوشبوئیں ہوتی ہیں، ذرا اعلیٰ قسم کی خوشبوئیں اگر لگائی جائیں تو وہ کچھ دیرپا ہوتی ہیں۔

مردوں کی خوشبوؤں کا معیار

لیکن ایک بات یاد رکھیں! مردوں اور عورتوں کی خوشبو کا معیار الگ الگ ہے جو احادیث میں بیان کیا گیا ہے، اس معیار کو بھی ذہن میں رکھنا چاہئے اور اسی کے مطابق مردوں اور عورتوں کو خوشبو کا اہتمام کرنا چاہئے۔

مردوں کے لئے خوشبو کا یہ معیار بتایا گیا ہے کہ وہ پھیلنے والی ہو، رنگ دار نہ ہو، یعنی اس کے لگانے سے کپڑوں پر رنگ نہ آئے، دھبہ نہ لگے، جیسا کہ گلاب کی خوشبو ہوتی ہے، سادہ رنگ کی ہوتی ہے، اس کو لگاؤ تو خوشبو ہی خوشبو آتی ہے مگر کوئی داغ دھبہ اس کا جسم پر یا کپڑوں پر نظر نہیں آتا، کیوڑے کی خوشبو ہے، سُنبل کی خوشبو ہے، اور اگر رنگ دار بھی ہو تو اس احتیاط سے مردوں کو لگانا چاہئے کہ کپڑوں پر اس رنگ کے نشانات نہ پڑیں، داغ دھبے نہ آنے پائیں، خوشبو آئے، داغ نہ آئے، اس کا اہتمام کرنا چاہئے۔

خوشبو لگاتے وقت سنّت کی نیت

اور جب خوشبو لگائیں تو اس میں سنّت کی نیت تو کرنی ہی چاہئے، لیکن اگر یہ نیت بھی کرلیں کہ میں اس لئے خوشبو لگا رہا ہوں تاکہ دوسروں کو بھی یہ خوشبو محسوس ہو اور انہیں بھی راحت ملے، تو ایسی نیت کرنے سے دوسروں کی راحت رسانی کا ثواب بھی مل جائے گا۔

خوشبو لگانے کا طریقہ اور اس کیلئے ایک خاص دعا

نیز جب خوشبو لگائیں تو پہلے دائیں جانب لگائیں اور پھر بائیں جانب لگائیں، یہ ہے خوشبو لگانے کا سنّت طریقہ۔

اور ایک دعا بھی ہے جو اگرچہ اس خاص موقع پر منقول نہیں ہے کہ جب خوشبو لگائیں تو وہ دعا مانگیں، لیکن وہ اس کے مناسب ہے، اس لئے آدمی بغیر سنّت سمجھے وہ دعا پڑھ لیا کرے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ وہ دعا یہ ہے۔

اللّٰھم ارحنی رائحۃ الجنّۃ ولا ترحنی رائحۃ النّار۔

یا اللہ! مجھ کو جنّت کی خوشبو سونگھانا اور دوزخ کی بدبو سے بچانا۔

یہ دعا سلف صالحین سے ناک میں پانی دیتے وقت منقول ہے کہ جب وضو کریں اور ناک میں پانی ڈالیں تو یہ دعا کریں:

اللّٰھم ارحنی رائحۃ الجنّۃ ولا ترحنی رائحۃ النّار۔

اور خوشبو لگائیں تو اس وقت بھی یہ دعا پڑھنا مناسب ہے۔

ہر حال میں اللہ کی طرف رجوع

چونکہ دنیا میں جتنی بھی نعمتیں ہیں، جنّت کی نعمتوں کی نقل ہیں اور جنّت کی نعمتیں یاد دلانے والی ہیں، اس لئے ہمیں ہمیشہ آخرت پیش نظر رکھنی چاہئے، اور جب یہاں کی کوئی نعمت استعمال کریں تو فوراً جنّت کی نعمت کا استحضار کریں

اور اللہ تعالیٰ سے مانگیں۔

اور جب یہاں کوئی بدبو سونگھیں یا کوئی تکلیف پیش آئے تو یہ سوچیں کہ دنیا کی ان تمام تکلیفوں، ساری مصیبتوں، ساری پریشانیوں اور ساری بدبوؤں کا مرکز جہنم ہے العیاذ باللہ! لہٰذا اگر کوئی تکلیف، کوئی صدمہ، کوئی غم، کوئی پریشانی لاحق ہو تو فوراً اللہ تعالیٰ کے عذاب سے پناہ مانگیں، قبر کے عذاب سے پناہ مانگیں اور جہنم کے عذاب سے پناہ مانگیں۔

اور جب کوئی نعمت ملے، کوئی خوشی ملے تو ان تمام نعمتوں کا مرکز جنّت ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ سے اس کی رضا مانگیں، جنّت مانگیں، عافیت مانگیں، خاتمہ بالخیر کی دعا کریں۔ اور خوشبو سونگھیں تو یہ دعا کریں:

یا اللہ! جنّت کی خوشبوئیں بھی عطا فرما۔

جنّت کی خوشبو اور جہنم کی بدبو کی کیفیت

اور جنّت کی خوشبوؤں کی یہ کیفیت ہے کہ جنّت کے اندر جانے میں پانچ سو سال کی مسافت سے خوشبو آنا شروع ہو جائے گی، اور جہنم کی بدبو کا یہ حال ہے کہ اگر جہنم سے کوئی ایک لباس نکال کر دنیا میں لٹکا دیا جائے تو اس کی بدبو سے دنیا والے مر جائیں گے، اس کے اندر شدید بدبو ہوگی۔ العیاذ باللہ۔

عورتوں کی خوشبوؤں کا معیار

اور عورتوں کے لئے خوشبوؤں کا معیار یہ ہے کہ اس کے اندر رنگ

غالب ہو اور خوشبو زیادہ پھیلنے والی نہ ہو جیسے ''مہندی'' کہ مہندی اصل میں خوشبودار چیز ہے کہ اس کو ہاتھ میں لگالو، پیروں میں لگالو، مہندی کی خوشبو ہاتھ میں بس جاتی ہے، اس کے پھول میں خوشبو ہوتی ہے، اس کے پتوں میں بھی خوشبو ہوتی ہے، اس کے رنگ میں بھی خوشبو ہوتی ہے، لیکن اس میں رنگ غالب ہے، خوشبو بس ہتھیلی تک محدود ہے، ہتھیلی سونگھیں تو خوشبو آئے گی ویسے نہیں آئے گی۔ بالوں میں اگر آپ لگائیں تو بس بالوں کے قریب اگر آپ ناک لے جائیں تو اس میں سے مہندی کی خوشبو آئے گی ورنہ رنگ نظر آئے گا۔

یا جیسے زعفران ہے کہ زعفران کے اندر بھی رنگ غالب ہے، خوشبو اس کے اندر مغلوب ہے، لیکن زعفران کی خوشبو کتنی پیاری اور کتنی عمدہ ہوتی ہے۔

تو خواتین کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ ایسی خوشبو لگائیں جس میں رنگ زیادہ ہو، اور ایسی خوشبو لگائیں جس میں خوشبو کا مہکنا، بھڑکنا اور پھیلنا کم سے کم ہو، مردوں کے لئے جو خوشبو ہوتی ہے ایسی خوشبو استعمال نہ کریں، کیونکہ عورتوں کو اس کی ممانعت ہے کہ وہ ایسی خوشبو لگا کر نکلیں جو پھیلتی ہوئی نامحرم مردوں تک جائے۔

عورتوں کیلئے خوشبو لگا کر نکلنے کی ممانعت

اور حدیث میں اس پر سخت ممانعت اور سخت وعید آئی ہے:

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں

کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو عورت خوشبو لگا کر گھر سے باہر اس لئے نکلے تا کہ نامحرم مرد اس کی خوشبو سونگھیں تو ایسی عورت زنا کار ہے۔

اس لئے خواتین کو خوشبو استعمال کرنے میں اور میک اَپ کرنے میں اس بات کا خصوصی خیال رکھنا چاہئے کہ اس کی خوشبو پھیلنے والی نہ ہو، دور تک جانے والی نہ ہو، دوسروں تک پہنچنے والی نہ ہو، ان کی حد تک ہی رہے۔

خواتین یا تو خوشبو لگا کر ہی نہ نکلیں اور اگر خوشبو لگانی ہی ہے تو اس بات کا پورا پورا اہتمام رکھیں کہ وہ خوشبو دوسرے مردوں تک نہ پہنچنے پائے، ورنہ اس میں گناہ ہوگا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ایک خاتون خوشبو لگا کر نکلیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو محسوس ہوگیا تو انہوں نے مارنے کے لئے درّہ اٹھایا اور تنبیہ کی کہ تم اس طرح کیوں نکلی ہو کہ تمہاری خوشبو دوسروں تک آرہی ہے، میلی کچیلی اور بغیر خوشبو لگائے گھر سے نکلا کرو، یہ آپ نے تنبیہ فرمائی۔

اس لئے خواتین اس بات کا خیال رکھیں کہ ایسی خوشبو نہ لگائیں جو دوسروں تک پہنچنے والی ہو، ہاں اپنے محرم یا اپنے شوہر تک جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن اگر نامحرم مردوں تک خوشبو جائے گی تو اس پر اللہ کی طرف سے پکڑ ہو جائے گی۔

سینٹ یا پرفیوم کے استعمال کا حکم

خوشبوؤں میں ہمارے یہاں ایک خوشبو سینٹ اور پرفیوم کہلاتا ہے، اس کا حکم بھی سمجھ لینا چاہئے۔

سینٹ لگانا جائز ہے لیکن نہ لگانا بہتر ہے، اور یہ نہ لگانا بہتر اس وجہ سے ہے کہ اس کی پاکی مشکوک ہے، اس لئے کہ عموماً سینٹ میں ''الکحل'' شامل ہوتا ہے اور الکحل ناپاک شرابوں کا بھی ہوسکتا ہے، جیسے انگور کی شراب، منقا کی شراب، کشمش کی شراب، یا کھجور اور چھوارے کی شراب، ان کی شراب سے جو الکحل حاصل ہوتا ہے اگر اس کی ماہیت تبدیل نہ کی جائے تو وہ جس طریقہ سے حرام ہے اور ناپاک ہے، اگر اس قسم کی شراب کا الکحل کسی سینٹ میں شامل ہوگا تو وہ بھی ناپاک ہوگا۔

اور ان کے علاوہ باقی چیزوں کی جو شرابیں ہوتی ہیں جیسے جو کی شراب، مکئی کی شراب، گنے کی شراب، ان سے جو الکحل حاصل ہوتا ہے وہ پاک ہوتا ہے، عموماً گھٹیا شرابیں چونکہ ان چیزوں سے بنتی ہیں، اس لئے ان کا الکحل بھی پاک ہوتا ہے، وہ الکحل جس چیز (سینٹ وغیرہ) میں شامل ہوگا وہ بھی پاک ہوگا۔

اور لکھا ہوا کسی میں بھی نہیں ہوتا کہ کونسی قسم کی شراب کا الکحل اس میں شامل ہے، تو اس میں احتمال پیدا ہوگیا کہ ہوسکتا ہے کہ کسی ناپاک شراب کا الکحل اس میں شامل کیا گیا ہو۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ اصل حکم تمام چیزوں میں

پاکی کا ہے، اس لئے اصل حکم تو یہ لگے گا کہ پاک ہے، محض شک اور احتمال کی وجہ سے ناپاک نہیں کہا جائے گا، لیکن یہ کہا جائے گا کہ احتیاط کرنا بہتر ہے اور نہ لگانا اچھا ہے۔

لیکن اب تو ایسے بھی اسپرے، سینٹ اور خوشبوئیں آرہی ہیں کہ اس میں لکھا ہوتا ہے کہ اس میں کسی قسم کا الکحل شامل نہیں ہے، اس کے استعمال میں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

خوشبو لگانے کی سنّت کا اہتمام کرنا چاہئے

بہرحال! یہ خوشبو لگانا بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور اسے بھی ہمیں زندہ کرنا چاہئے، یہ سنت کافی مردہ ہوگئی ہے، مسجد میں آؤ بلکہ جمعہ کے دن بھی آؤ تو کوئی خوشبو محسوس نہیں ہوتی۔

رمضان شریف میں مسجد نبوی ﷺ میں دیکھا کہ ماشاء اللہ لوگ خود بھی خوشبو لگاتے ہیں اور دوسروں کے بھی لگاتے ہیں، ایک آدمی اٹھے گا اور پوری صف میں لگاتا چلا جائے گا، کوئی ادھر سے اٹھے گا اور ادھر تک لگاتا ہوا چلا جائے گا، ماشاء اللہ مسجد معطر ہو جاتی ہے۔

مساجد میں دھونی دینا

اور یہاں ہماری مسجدیں معطّر نہیں ہوتیں، ہمارے یہاں تو مسجدوں کے اندر دھونی کا بھی کوئی انتظام نہیں، حالانکہ یہ بھی سنّت ہے۔

آپ اندازہ لگائیے! ہمارے دین میں خوشبو کی کتنی اہمیت ہے کہ مسجد کو بھی دھونی دینا عود کی یا کسی بھی خوشبودار چیز کی یہ سنّت ہے۔

یہ سنّت تقریباً ہماری مساجد میں مردہ ہوگئی ہے، اس لئے ہلکی ہلکی کوئی خوشبو یا اگربتی یا کوئی دھونی ہماری مساجد میں ہونی چاہئے۔ اور جو بھی یہ سنّت زندہ کرے گا انشاء اللہ تعالیٰ سنّت کا ثواب ملے گا، لیکن اتنی بھی خوشبو نہ لگائیں کہ لوگوں کو نزلہ ہو جائے، اس کا بھی خیال رکھیں، تھوڑی تھوڑی ہی لگائیں تو بہتر ہے۔

سفر و حضر میں آپ ﷺ کے ساتھ رہنے والی اشیاء

زاد المعاد میں لکھا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سرہانے سفر میں بھی اور حضر میں بھی سات چیزیں رکھی رہتی تھیں، ان میں ایک تیل کی شیشی، کنگھا، سرمہ دانی، قینچی، آئنہ، مسواک اور ایک چھوٹی سی لکڑی جو سر کھجانے کے کام آیا کرتی تھی، یہ سات چیزیں آپ کے پاس ہوتی تھیں۔

حضور اکرم ﷺ کا خوشبو استعمال کرنے کا اہتمام

اور زاد المعاد میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم رات کے آخری حصہ میں بھی خوشبو لگایا کرتے تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نیند سے بیدار ہوتے تو پہلے استنجا فرمایا کرتے تھے، استنجا فرمانے کے بعد وضو فرماتے، وضو سے فارغ ہونے کے بعد اپنے لباس مبارک پر خوشبو لگایا کرتے

تھے۔

آپ اس سے اندازہ لگایئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو سے کتنی دلچسپی تھی؟ اور کتنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو سے تعلق اور محبت تھی؟ ہم بھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے امتی ہیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو سراپا عطر تھے، اس کے باوجود اتنا خوشبو کا اہتمام فرمایا کرتے تھے، تو ہمیں بھی اس کا اہتمام کرنا چاہئے۔

حضور ﷺ کی خواب میں زیارت کا ایک عجیب واقعہ

اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان دنیا سے جانے کے بعد بھی باقی ہے، خواب میں اگر آپ کہیں تشریف لے جاتے تو وہاں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خوشبو والی خاص صفت ظاہر ہو جاتی ہے۔

حضرت ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک شخص کا یہ معمول تھا کہ وہ خاص تعداد میں روزانہ درود شریف پڑھ کر سویا کرتے تھے (اللہ تعالیٰ ہمیں بھی نصیب فرمائے۔ آمین) تو انہوں نے ایک خاص مقدار بطور معمول کے درود شریف پڑھنے کی مقرر کی ہوئی تھی اور وہ درود شریف پڑھ کر رات کو سو جایا کرتے تھے، ایک مرتبہ خواب میں سرکارِ دو جہاں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لائے، اور جو درود شریف پڑھا کرتے تھے ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ بھئی! وہ منہ کہاں ہے جو مجھ پر کثرت سے درود شریف پڑھا کرتا ہے کہ میں اس کو بوسہ دوں (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ صاحب

کہتے ہیں کہ مجھے اپنا گندا منہ سامنے کرتے ہوئے شرم آئی تو میں نے رخسار آگے کردیا، اسی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوسہ لیا، جب میں نیند سے بیدار ہوا تو میرا کمرہ خوشبو سے مہکا ہوا تھا، مشک کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی (صلی اللہ علیہ وسلم) خواب میں تشریف لائے پھر بھی کمرہ مہکا گئے (صلی اللہ علیہ وسلم)

حضور ﷺ کے ساتھ تعلق کے نتیجے میں ایک کرامت

حضرت مولانا فیض الحسن صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ ہمارے بزرگوں میں سے ہیں، جب ان کا انتقال ہوگیا تو ان کے داماد نے بیان کیا کہ حضرت مولانا کے اس کمرہ سے جس میں ان کا انتقال ہوا، ایک مہینے تک مشک وعنبر کی خوشبو آتی تھی، تو کسی نے یہ صورتحال حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے پاس جاکر بیان کی کہ حضرت! مولانا کے کمرہ سے انتقال کے بعد بھی خوشبو آتی رہی اور مہک آتی رہی، تو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی ______ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بھئی یہ برکت ہے درود شریف کی، مولانا مرحوم ہر شب جمعہ میں ساری رات جاگ کر درود شریف پڑھا کرتے تھے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

درود شریف کی کثرت اور اتباع سنّت کی برکت

بھئی! درود شریف کی کثرت اور اتباع سنت یہ واقعی اگر کسی کو نصیب ہو جائیں تو انشاء اللہ اس کو بھی اس خوشبو میں سے کچھ نہ کچھ حصہ ملے گا۔

ایک خاص درود شریف کی فضیلت

اور جمعہ کے دن کا خاص درود شریف ہے، وہ میں آپ کو بتادوں کہ جو آدمی جمعہ کے دن عصر کی نماز کے بعد جہاں اس نے عصر کی نماز پڑھی ہے وہیں پر اسّی (۸۰) مرتبہ یہ درود شریف پڑھے:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِنِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی
آلِہٖ وَسَلِّمْ تَسْلِیْماً۔

اللہ تعالیٰ اس کے اسّی (۸۰) سال کے گناہ صغیرہ معاف کر دیتے ہیں اور اسّی (۸۰) سال کی عبادت کا ثواب عطا فرماتے ہیں۔

اندازہ لگائیے! دنیا کا بھی نفع اور آخرت کا بھی نفع۔ اور ویسے بھی جمعہ کے دن کثرت سے درود شریف پڑھنے کی تاکید ہے، اس لئے صبح سے شام تک زیادہ سے زیادہ درود شریف پڑھنے کا معمول بنانا چاہئے۔

اور درود شریف سے زیادہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک سنت کو اپنانے کی کوشش کرنی چاہئے، جس میں سے ایک سنّت آج آپ کے سامنے بیان ہوگئی کہ خوشبو کا استعمال کرنا بھی سنّت ہے اور اس کا اہتمام کرنا چاہئے۔

مرد حضرات ایسی خوشبو لگائیں جو پھیلنے والی ہو اور عمدہ ہو، اور خواتین ایسی خوشبو لگائیں جو ان تک محدود رہے اور دوسروں تک نہ پھیلے، جس میں

رنگ غالب ہو اور خوشبو زیادہ نہ ہو۔

اب دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

آمین۔

صلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقه محمد

وعلیٰ اٰلہٖ و اصحابہٖ اجمعین

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وضوء، غسل اور تیمّم

کا مسنون طریقہ

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وضوء، غسل اور تیمّم کا مسنون طریقہ

اور اس کا فائدہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِىَ لَهٗ وَأَشْهَدُاَنْ لَّا إِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُاَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔

أَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَقُوْلُوْا قَوْلاً سَدِیْداً ○ یُصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَیَغْفِرْلَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ ، وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْماً ○ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ۔

(سورۃ الاحزاب، آیت ۷۰،۷۱)

دین زندگی کے ہر شعبے سے متعلق ہے

میرے قابلِ احترام بزرگو اور محترم خواتین! ہمارے اور آپ کے یہاں جمع ہونے کا اصل مقصد دین کی ضروری باتیں جاننا اور ان پر عمل کرنا ہے۔ اور دین ہماری پیدائش سے لے کر موت تک، ساری زندگی پر محیط ہے، اس میں عقائد بھی ہیں، عبادات بھی ہیں، معاملات بھی ہیں، معاشرت بھی ہے، اخلاقیات بھی ہیں، دین کا تعلق صحت اور مرض سے بھی ہے، شادی اور غمی سے بھی ہے، ولادت اور وفات سے بھی ہے اور دین کا تعلق تجارت، زراعت اور ملازمت سے بھی ہے۔ یہ تمام زندگی کے مراحل ہیں اور ہر مرحلے میں ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کے احکام موجود ہیں۔

اور جب ہم اپنا جائزہ لیتے ہیں تو نظر آتا ہے کہ ہر شعبہ زندگی میں ہم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو فراموش کئے ہوئے ہیں، اس لئے کبھی کسی شعبہ سے متعلق دین کی باتیں بیان کی جاتی ہیں، اور کبھی کسی شعبہ سے متعلق دین کی باتیں بیان کی جاتی ہیں، ان سب کے بیان کرنے کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ ہر شعبہ زندگی سے متعلق ہماری خامیاں دور ہوں اور ہر لحاظ سے ہم ایک سچے اور پکے مسلمان بن سکیں۔ صحیح اور کامل مؤمن وہی ہے جو عبادات میں بھی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات پر عمل کرتا ہو، اور معاملات میں بھی، معاشرت میں بھی، اخلاقیات میں بھی، ہر مرحلے پر جو چیزیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہمارے لئے جائز ہیں، وہ اس پر عمل کرتا ہو اور جو باتیں ناجائز ہیں ان سے پرہیز کرتا ہو۔

آج کے بیان کا مقصد

اسی مقصد کے پیش نظر آج میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ آج میں آپ کے سامنے وضوء اور غسل کا کامل طریقہ بیان کروں، جس میں فرائض بھی آجائیں، سنتیں بھی آجائیں، مستحبات بھی آجائیں، اور وہ طریقہ ہم اچھی طرح اپنے ذہن میں رکھ کر آج ہی سے اپنے وضوء اور غسل کی اصلاح کرلیں، اور آئندہ جو بھی ہمارا وضوء اور غسل ہو وہ اس بیان کردہ طریقے کے مطابق ہو۔

وضوء اور غسل کی ضرورت

وضوء کی تو ہمیں روزانہ دن میں کم از کم پانچ مرتبہ ضرورت پیش آتی ہی ہے، مردوں کو بھی آتی ہے اور خواتین کو بھی آتی ہے، اور غسل کی ضرورت بھی ہفتہ میں دو چار مرتبہ پیش آ ہی جاتی ہے، گرمیوں میں زیادہ ضرورت پیش آتی ہے اور سردیوں میں کم، لیکن آتی ہے، چنانچہ ہم لوگ جیسے تیسے وضوء اور غسل کر ہی لیتے ہیں، لیکن کیا ہی اچھا ہو کہ ہمارا وضوء سنّت کے مطابق ہو اور کیا ہی اچھا ہو کہ ہمارا غسل بھی سنّت کے مطابق ہو، جس میں ہمارے لئے دنیا کے بھی اور آخرت کے بھی بہت سے فوائد ہیں۔

وضوء کامل اور غسل کامل کا فائدہ

سب سے بڑا فائدہ تو یہ ہے کہ جب وضوء کامل ہوگا یعنی سنّت کے مطابق ہوگا، اور غسل بھی کامل ہوگا اور سنّت کے مطابق ہوگا، تو یہ سنّت کے مطابق ہونے کی وجہ سے عبادت بن جائے گا اور باعثِ اجر و ثواب ہوگا۔ باعث اجر و ثواب میں وہ فضیلت بھی داخل ہے جو وضوء اور غسل کے بارے میں ایک حدیث شریف میں آئی ہے کہ جب وضوء کرنے والا وضوء کرکے فارغ ہوتا ہے یا غسل کرنے والا غسل کرکے فارغ ہوتا ہے تو وہ سر سے پیر تک تمام (صغیرہ) گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے، اللہ پاک اس کو تمام خطاؤں اور گناہوں سے پاک و صاف فرما دیتے ہیں۔ یہ کتنا بڑا فائدہ ہے، خلافِ

سنّت وضوء اور غسل کرنے میں یہ فضیلت ملنا مشکل ہے، یوں اللہ پاک اپنی رحمت سے عطاء فرما دیں تو ان کے خزانے میں کوئی کمی نہیں ہے، لیکن احادیث طیبہ میں کامل طریقے سے وضوء اور غسل کرنے کی یہ فضیلت بیان کی گئی ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کا کشف

کامل اور مسنون طریقہ سے وضوء کرنے پر گناہوں کا دُھلنا، یہ ایک ایسی بات ہے کہ بعض اہلِ کشف کو اللہ پاک نے آنکھوں سے دِکھائی ہے۔ ان اہل کشف میں سے ہمارے حضرت امامِ اعظم ابو حنیفہؒ بھی ہیں، آپ وضوء کا پانی دیکھ کر بتا دیتے تھے کہ اس پانی میں کون سا گناہ کبیرہ بہہ کر جا رہا ہے یا کون سا گناہ صغیرہ دھل کر جا رہا ہے، نیز اولیٰ اور خلافِ اولیٰ کا بھی فرق ہوتا ہے، حضرت امام صاحب یہ بھی بتا دیا کرتے تھے کہ اس پانی میں خلافِ اولیٰ کام کا گناہ بہہ کر جا رہا ہے یا مکروہ تنزیہی کا گناہ دھل کر جا رہا ہے۔ تو حضرت امام صاحبؒ کی نظر میں پانی کو دیکھ کر اولیٰ اور خلافِ اولیٰ کا بھی فرق ظاہر ہوتا تھا، جو بہت ہی باریک بات ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں یہ کیفیت عطاء فرما دیتے ہیں۔

ایک مرتبہ آپ نے وضوء خانے میں دیکھا کہ ایک شخص کے وضوء کے پانی میں ماں باپ کی نافرمانی کا گناہ بہہ کر جا رہا تھا تو آپ نے وضوء کرنے والے سے فرمایا کہ بیٹا! ماں باپ کی نافرمانی سے بچنا چاہئے، اس نے

اقرار اور اعتراف کیا اور امام صاحب کے ہاتھ پر توبہ کی۔

ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے وضوء کے پانی میں بدکاری کا گناہ بہہ کر جارہا تھا، آپ نے اس سے فرمایا کہ بھئی! اس گناہ سے باز رہنا چاہئے، اس نے اقرار کیا اور امام صاحب کے ہاتھ پر توبہ کی اور وعدہ کیا کہ آئندہ میں یہ گناہ نہیں کروں گا۔

ایک آدمی کو دیکھا کہ اس کے وضوء کے پانی میں شراب نوشی کا گناہ بہہ کر جارہا تھا، آپ نے اس کو بھی تنبیہ فرمائی، اس نے بھی آپ کے ہاتھ پر توبہ کی اور وعدہ کیا کہ آئندہ میں یہ گناہ نہیں کروں گا۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ کیفیتِ انکشاف عطاء فرمائی تھی کہ وضوء کا پانی دیکھ کر بتا دیا کرتے تھے کہ کس پانی میں کونسا گناہ بہہ کر جارہا ہے۔ لیکن آپ اس سے بہت تنگ آگئے اور اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعا کی کہ اے اللہ! مجھ سے اپنے بندوں کے عیوب کو پردہ فرما دیجئے کہ میرے سامنے آپ کے بندوں کے گناہ نظر نہ آیا کریں اور اپنی رحمت سے اس صورتحال سے آپ مجھ کو بچالیجئے اور جس طرح پہلے میرے سامنے آپ کے بندوں کے گناہ نہیں آتے تھے، اب بھی نہ آئیں۔ بہت گڑگڑا کر دعا کی، تب یہ دعا قبول ہوئی اور اللہ پاک نے دوبارہ ان پر پردہ ڈال دیا۔

اللہ پاک کتنے مہربان ہیں، ہمارے گناہوں پر کس طرح پردہ ڈالے ہوئے ہیں کہ وضوء کے دوران ہمیں تو ایک جیسا ہی پانی بہتا ہوا نظر آتا

ہے، مگر اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں کہ کس شخص کے وضوء کے پانی میں اس کے کون کون سے گناہ ڈھل ڈھل کر جارہے ہیں، لیکن یہ بات یقینی ہے کہ وضوء کرنے سے گناہوں کی معافی ہوتی ہے اور غسل کرنے سے بھی انسان کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ ہاں یہ ہے کہ وضوء اور غسل سنّت کے مطابق ہو تو انشاء اللہ اس کے گناہوں کی بخشش کی زیادہ قوی امید ہوگی جیسا کہ احادیثِ طیّبہ میں بخشش کی صراحت ہے۔ اور گناہوں کی بخشش ہو جانا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا انعام ہے اور بڑا عظیم فائدہ ہے۔

مسنون طریقے میں زیادہ وقت نہیں لگتا

اگر ہم کامل طریقے سے وضوء کریں گے یا غسل کریں گے تو یہ بات نہیں ہے کہ جس طرح سے ہم پہلے وضوء یا غسل کرتے تھے، اُس کے مقابلے میں اب کچھ زیادہ وقت لگ جائے گا، یا اس میں کچھ زیادہ طاقت خرچ ہوگی، کچھ نہیں، تقریباً وہی وقت لگے گا، ویسی ہی توانائی خرچ ہوگی، لیکن وضوء اور غسل پہلے سے کہیں زیادہ اچھا ہوگا اور آسان ہوگا، اور سنّت کے مطابق اور آداب کے مطابق ہونے کی وجہ سے باعثِ قربِ الٰہی ہوگا۔

سنّت پر عمل کرنے سے حضور ﷺ کا قرب حاصل ہوتا ہے

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے اعمال کی یہ فضیلت بیان فرمائی ہے کہ جو شخص فلاں عمل کرے گا وہ قیامت کے دن میرے

زیادہ قریب ہوگا اور فلاں عمل بندے کو اللہ تعالیٰ کے بہت قریب کرنے والا ہے، فلاں عمل سے بندہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت قریب ہوگا۔ ان میں سے دو عمل آپ نے یہ بیان فرمائے ہیں، ان میں سے پہلا عمل یہ ہے کہ جو آدمی جتنا زیادہ میری سنتوں پر عمل کرنے والا ہوگا، وہ اتنا ہی زیادہ قیامت میں میرے قریب ہوگا۔ اندازہ لگایئے! ہم سب ہی کو قیامت میں سرکار دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربت اور آپ کے جھنڈے کے نیچے کھڑے ہونے کی ضرورت ہے، ہر مؤمن کے دل کی آرزو ہے کہ وہ قیامت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ہو، کیونکہ جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ہوگا وہ ساری مصیبتوں اور عذابوں اور پریشانیوں سے محفوظ رہے گا۔ اس کا آسان طریقہ یہی ہے کہ یہاں پر ہمارا ہر عمل سنت کے مطابق ہو جس میں وضوء اور غسل بھی داخل ہیں۔

دوسرا عمل آپ نے یہ بیان فرمایا کہ جو دنیا میں جتنا زیادہ درود شریف پڑھنے والا ہوگا، اتنا ہی زیادہ وہ قیامت میں میرے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ہوگا۔ یہ دو عمل ہیں، ایک درود شریف کی کثرت اور دوسرا سنتوں پر زیادہ سے زیادہ عمل کرنا ہے۔

ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے بہترین کلام اللہ کا کلام ہے، اور سب سے بہترین طریقہ سرکار دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے۔ اس لئے بھی ضرورت ہے کہ ہمارا وضوء اور غسل سنت کے مطابق ہو جو باعث مغفرت بھی ہے، باعث

اجر بھی ہے اور قیامت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب بھی کرنے والا ہے۔ بہر حال سنت کے مطابق وضوء اور غسل کرنے کے یہ چند فائدے ہیں۔

وضوء کا کامل طریقہ اور آداب

قبلہ رخ اور بلند جگہ بیٹھنا

وضوء کا کامل طریقہ یہ ہے کہ جب آپ وضوء کرنے کا ارادہ کریں تو کسی پاک اور بلند جگہ پر قبلہ کی طرف منہ کر کے بیٹھ جائیں تاکہ وضوء میں استعمال ہونے والا پانی جسم اور کپڑوں پر نہ گرے اور نیت کریں کہ یا اللہ! میں آپ کی رضاء کے لئے اور آپ کی خوشنودی کے لئے اور پاک و صاف ہونے کے لئے وضوء کرتا ہوں۔

وضوء کے شروع میں بسم اللہ

اس کے بعد "بسم اللّٰه" کہیں، یہ کم سے کم ہے۔ (احمد) یا "بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم" پڑھیں، تیسری دعاء ہے "بسم اللّٰه والحمدللّٰه" (طبرانی) چوتھی دعاء ہے "بسم اللّٰه العظیم والحمدللّٰه

علی دین الاسلام" (کنز العمال) یہ چار دعائیں ہو گئیں، چاروں میں جو نسی چاہے اختیار کرلیں، ہر طرح سے ٹھیک ہے، صرف بسم اللہ کہنا بھی کافی ہے جو کتنا آسان ہے، یا پھر **بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم** کہہ لیں، یا **بسم اللّٰہ والحمدللّٰہ** کہہ لیں۔

بسم اللہ والحمد للہ کی فضیلت

بسم اللہ والحمد للہ کی یہ فضیلت حدیث میں آئی ہے کہ جو آدمی وضوء کے شروع میں یہ کلمہ کہتا ہے اور اس سے وضوء کو شروع کرتا ہے تو وضوء کرنے کے بعد جب تک اس کا وضوء نہیں ٹوٹے گا، چاہے ایک گھنٹے تک نہ ٹوٹے، چاہے چار گھنٹے تک نہ ٹوٹے، جب تک اس کا وضوء قائم رہے گا، اس وقت تک وہ فرشتے جو اس کی نگرانی کے لئے اس کے کندھوں پر مقرر ہیں، وہ برابر اس کے نامۂ اعمال کے اندر نیکیاں لکھتے رہیں گے۔ یعنی وضوء کرنے کا ثواب جدا ہے اور بسم اللہ والحمد للہ کہنے کا ثواب الگ ملے گا، اب جس کا جتنی دیر تک وضوء رہے گا، اتنی دیر تک اس کا ثواب لکھا جاتا رہے گا، وضوء ٹوٹ جائے پھر دوبارہ کرلیں، جب دوبارہ بسم اللہ والحمد للہ پڑھ کر وضوء کرلیں گے تو پھر جب تک وضوء رہے گا، فرشتے برابر اس کے نامۂ اعمال میں نیکیاں لکھتے رہیں گے۔

جس کو چاروں دعائیں یاد ہوں وہ چاروں بھی پڑھ سکتا ہے۔ بہر حال نیت کرنے کے بعد ان چاروں میں سے کوئی سی دعا پڑھ لیں۔

اس کے بعد ہاتھ میں پانی لیں اور تین مرتبہ دونوں ہاتھ گٹوں تک دھوئیں اور تین دفعہ انگلیوں کا خلال کریں۔

مسواک کرنے اور اس کے پکڑنے کا طریقہ

اس کے بعد مسواک کریں اور مسواک کو داہنے ہاتھ میں لینا چاہئے۔ اس کے پکڑنے کا طریقہ یہ ہے کہ بیچ کی تین انگلیاں مسواک کے اوپر ہونی چاہئیں، انگوٹھا اور چھنگلی انگلی مسواک کے نیچے ہونی چاہئے۔ مسواک کو پانی سے تر کرلیں، اس کے بعد مسواک منہ میں ڈال کر پہلے دائیں طرف اوپر کے دانتوں میں اندر اور باہر مسواک کریں، پھر بائیں طرف اوپر کے دانتوں میں اندر اور باہر مسواک کریں، پھر دائیں طرف نیچے کے دانتوں میں اندر باہر مسواک کریں، پھر بائیں طرف نیچے کے دانتوں میں اندر باہر مسواک کریں۔ یہ ایک مرتبہ ہوگیا، پھر مسواک منہ سے نکال کر پانی سے دھولیں اور نچوڑلیں، پھر پانی سے ترکر کے اسی طریقے کے مطابق دوبارہ مسواک کریں، پھر اسی طرح تیسری مرتبہ مسواک کریں۔

(بحرالرائق)

ویسے مسواک جس طرح بھی پکڑیں گے اور مسواک کریں گے تو مسواک کی سنت ادا ہو جائے گی، مگر حضرات فقہاء کرامؒ نے اس کے پکڑنے کا ایک ادب اور طریقہ بتایا ہے کہ اس طرح سے مسواک پکڑنے میں سہولت رہتی ہے اور مسواک کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ اس لئے اس

طریقے سے تین دفعہ مسواک کریں۔

مسواک ایک بالشت ہونی چاہئے، اور انگلی کی موٹائی کے برابر ہونی چاہئے، نہ بہت پتلی اور نہ بہت موٹی، کیونکہ اس کے پکڑنے میں آسانی ہوتی ہے، اور ایک بالشت سے چھوٹی مسواک بھی جائز ہے جو اتنی چھوٹی ہو کہ وہ پکڑ میں آسکے اور جب اس سے بھی چھوٹی ہو جائے تو بدل لینی چاہئے۔

کلّی کریں

مسواک کرنے کے بعد پھر تین مرتبہ کلّی کریں، اگر روزہ نہ ہو تو کلّی کرنے میں غرغرہ بھی کریں اور پورے منہ میں اچھی طرح پانی گھمائیں، اگر روزہ ہو تو پھر غرغرہ نہ کریں، بس ویسے ہی اچھی طرح پانی گھمالیں، لیکن اس طرح گھمائیں کہ پانی حلق میں جانے نہ پائے، اگر حلق میں پانی چلا گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ تین دفعہ اس طریقے سے کلّی کریں۔

ناک میں پانی ڈالیں

اس کے بعد دائیں ہاتھ سے ناک میں پانی ڈالیں، اور ناک میں پانی اس طرح ڈالیں کہ جہاں تک ناک کا نرم حصّہ ہے ہڈی سے پہلے پہلے، وہاں تک پانی پہنچ جائے، اس کے لئے اگر ہلکا سا اوپر کو سانس لے لیں تو بڑی آسانی سے ناک کی ہڈی تک پانی پہنچ جاتا ہے۔ اگر ذرا سا بھی تیز سانس لے لیا تو پھر دماغ میں پانی چڑھ جائے گا، پھر چھینک آئے گی یا نزلہ ہو جائے گا،

اس لئے ہلکا سا سانس لینا کافی ہے۔ اور الٹے ہاتھ کی جو چھنگلی انگلی ہے اس سے ناک کے دونوں سوراخوں کی صفائی کریں، اس کے بعد الٹے ہاتھ ہی سے ناک چھنکیں، سیدھے ہاتھ سے نہ چھنکیں، سیدھا ہاتھ صرف پانی لینے کے لئے استعمال کریں۔ اس طرح تین دفعہ ناک میں پانی دیں اور اس کو صاف کریں۔

چہرہ دھوئیں

اس کے بعد پھر دونوں ہاتھوں میں پانی لے کر چہرہ دھوئیں یعنی پیشانی کے بالوں سے لے کر تھوڑی کے نیچے تک اور دائیں کان کی لو سے بائیں کان کی لو تک، پھر ایک مرتبہ چہرے پر پانی ڈالیں اور اچھی طرح چہرے کو اور آنکھوں کو ملیں، ڈاڑھی کو مسلیں کہ پانی اچھی طریقے سے پہنچ جائے، اور جہاں جہاں پانی کے نہ پہنچنے کا اندیشہ ہو، وہاں احتیاط سے پانی پہنچائیں، جیسے صبح کے وضوء کے اندر ہوتا ہے کہ رات بھر سونے کی وجہ سے بعض مرتبہ میل آنکھ کے کناروں میں جمع ہو جاتا ہے اور جم جاتا ہے، جمنے کی وجہ سے اگر آدمی توجہ نہ دے تو وہ جما رہ جاتا ہے۔ لہٰذا اگر ایسی صورت ہو تو آنکھوں کو بھی اچھی طریقے سے مل کر دھونا چاہئے، تاکہ کہیں کوئی جگہ ایسی رہنے نہ پائے جہاں پانی نہ پہنچے۔ ہر جگہ اچھی طریقے سے پانی پہنچ جائے۔ اس طریقے سے تین دفعہ چہرے کو دھوئیں۔

چہرہ دھوتے وقت اس کا بھی خیال رکھا جائے کہ احتیاط سے چہرے پر

پانی ڈالیں، نہ اپنے کپڑوں پر پانی گرے اور نہ ہی دوسروں کے کپڑوں پر گرے، اس کا بھی خصوصی خیال رکھنا ضروری ہے۔ بعض لوگ چہرے پر اتنے زور سے پانی مارتے ہیں کہ وہ خود بھی نہا جاتے ہیں اور برابر والے بھی آدھے نہا جاتے ہیں، یہ بڑی بد تمیزی اور بد تہذیبی کی بات ہے۔ وضوء کے پانی کو خود اپنے کپڑوں اور بدن پر گرانا بھی منع ہے بلکہ اس سے بچنے کا حکم ہے، دوسروں کے اوپر پانی گرانا تو بہت ہی بری بات ہے اور یہ سراسر دوسروں کو تکلیف پہنچانا ہے جو ناجائز ہے۔

اونچی جگہ پر بیٹھ کر وضوء کرنے میں یہی حکمت ہے کہ وضوء کا پانی جسم اور کپڑوں پر جہاں تک ہو سکے گرنے نہ پائے، سارا وضوء کا مستعمل پانی نالی میں گرے، زمین پر گرے، جسم اور کپڑوں پر نہ گرے۔

ڈاڑھی کا خلال کریں

چہرہ دھونے کے ساتھ ساتھ درمیان میں ڈاڑھی کے اندر خلال بھی کریں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ چلّو میں پانی لے کر اور ڈاڑھی کو پکڑ کر پانی اس کے اندر ڈالیں، اور خلال کرنے کے لئے دائیں ہاتھ کی انگلیوں کو ڈاڑھی کے اندر اس طرح داخل کریں کہ ہتھیلی کا رخ سامنے کی طرف رہے اور ہتھیلی کی پشت آپ کی طرف رہے، ہتھیلی کے رخ کو اپنی طرف کر کے خلال نہیں کرنا چاہئے، لیکن اگر کسی نے اس طرح کر لیا تو بھی خلال ہو گیا۔ (شامیہ)

کہنیوں سمیت ہاتھ دھوئیں

اس کے بعد دائیں ہاتھ میں پانی لے کر انگلیوں کی طرف سے کہنیوں کی طرف پانی ڈالیں، اور پھر بائیں ہاتھ کی مدد سے اس پانی کو کہنیوں تک لیجائیں اور پھر کہنیوں سے لیتے ہوئے دوبارہ انگلیوں تک لے آئیں، یہیں انگلیوں سے پانی گیا تھا، گھوم کر یہیں پر پانی آگیا، یہ ہے کہنیوں سمیت ہاتھ دھونے کا طریقہ۔ بعض لوگ خالی کہنی نلکے کے نیچے کر کے اس کو دھونا شروع کر دیتے ہیں، یہ ہاتھ دھونا تو ہے مگر الٹا دھونا ہے، ہاتھ سیدھا دھونا چاہئے نہ کہ الٹا، سیدھا یہی ہے کہ چلّو میں پانی لے کر انگلیوں سے کہنیوں کی طرف لایا جائے اور پھر انگلیوں کی طرف سے ہی پانی گرایا جائے۔ تین دفعہ اس طریقے سے دایاں ہاتھ دھویا جائے، اور پھر تین دفعہ بایاں ہاتھ اسی طرح دھویا جائے کہ بائیں چلّو میں پانی لے کر انگلیوں سے کہنیوں کی طرف ڈالا جائے اور دائیں ہاتھ کی مدد سے اس پانی کو کہنیوں تک لایا جائے اور پھر کہنیوں سے لیتے ہوئے دوبارہ انگلیوں تک لایا جائے۔

سر کا مسح کریں

اس کے بعد سر کا مسح کریں۔ سارے سر کا مسح کرنا مردوں کے لئے بھی سنّت ہے اور عورتوں کے لئے بھی سنّت ہے۔ سر کا مسح کرنے میں اکثر لوگوں سے غلطیاں ہوتی رہتی ہیں اور ان کو سر کا صحیح مسح کرنے کا طریقہ

نہیں آتا۔ اس لئے اس کا طریقہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔ یہی سر کے مسح کا طریقہ مردوں کے لئے بھی ہے اور عورتوں کے لئے بھی ہے۔

اس کا طریقہ یہ ہے کہ سر کے مسح کے لئے دونوں ہاتھوں کو پانی سے تر کریں، اور دونوں ہاتھ کی تین تین انگلیاں ملا کر سر کے اگلے حصہ پر اس طرح رکھیں کہ ہتھیلیاں کنپٹی پر آجائیں اور انگلیاں سامنے کے بالوں پر آجائیں، اور شہادت کی انگلی اور انگوٹھا سر سے الگ رہیں، پھر ہاتھوں کو پیچھے لے کر جائیں جہاں تک بال ہیں، پھر چھنگلی انگلی کانوں کے سوراخ کے لئے استعمال کریں، یہ مستحب ہے، اور کان میں جو سلوٹیں ہیں، ان میں شہادت کی انگلی گھمائیں اور گھما کر کان کی لو تک لائیں، اور انگوٹھے سے کان کے اوپر والے حصے پر مسح کریں، اور انگلیوں کی پُشت سے گردن کا مسح کریں۔ کانوں کے نیچے جسم کا جو حصہ ہے، یہ گردن ہے اور انگلیوں کی پشت سے اس کا مسح کیا جائے گا۔

اس طریقے پر مسح کرنے سے خواتین کے سر کے بال خراب نہیں ہوں گے، اور جن لوگوں کے سر پر بھی بڑے بال ہیں ان کے بال بھی خراب نہیں ہوں گے۔

سر کے مسح کا دوسرا طریقہ

سر کے مسح کا ایک دوسرا طریقہ ایسا ہے کہ اس سے بھی سارے سر کا مسح ہو جاتا ہے، لیکن اس میں پیچھے کے سارے بال آگے آجاتے ہیں،

جس میں بعض اوقات آدمی کو پریشانی ہوتی ہے۔ وہ طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کی تین تین انگلیاں ملا کر سر کے اگلے حصے پر اس طرح رکھیں کہ ہتھیلیاں بالوں سے اٹھی رہیں، پھر یہ انگلیاں پیچھے تک لے جائیں جہاں تک بال ہیں، پھر انگلیاں بالوں سے اٹھالیں اور ہتھیلیاں پیچھے کے بالوں پر رکھ کر آگے لائیں، باقی مسح کا طریقہ اسی طرح سے ہے جیسے پیچھے گزرا۔

اس طرح بھی پورے سر کا مسح ہو جائے گا مگر بال آگے آ جائیں گے۔ مقصود تو پورے سر کا مسح کرنا ہے، چاہے پہلے طریقے سے کیا جائے یا دوسرے طریقے سے، پورے سر کا مسح کرنا یہ سنت ہے، طریقہ کوئی سا بھی اختیار کر لیا جائے جس میں سہولت ہو۔

گدّی اور گلے کا مسح نہیں

یاد رکھیں! گدّی پر مسح نہیں کرنا چاہئے اور گلے کا بھی مسح نہیں کرنا چاہئے، عام طور پر آپ کو یہ دو کوتاہیاں بہت نظر آئیں گی کہ بعض لوگ گدی کا مسح بہت کرتے ہیں، اور گدّی پر اس طرح ہاتھ کھینچتے ہیں جیسے تلوار کھینچ رہے ہوں، اور بعض لوگ گلے پر ہاتھ پھیرتے ہیں اور بعض لوگ تو بیچارے پورا ہاتھ دھو کر گدی اور گردن اور گلے سب پر خوب اچھی طرح ہاتھ گھماتے ہیں، اللہ جانے وہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ یہ طریقے درست نہیں، جو لوگ ایسا کرتے ہیں انہیں اس سے بچنا چاہئے۔

وضوء کے درمیان کی دعا

حدیث میں وضوء کے درمیان ایک دعا آئی ہے، وہ بھی دوران وضوء پڑھ لینی چاہئے۔ وہ دعا یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِی ذَنْبِیْ وَ وَسِّعْ لِی فِیْ دَارِیْ وَبَارِكْ لِیْ فِیْ رِزْقِیْ -

اے اللہ! میری بخشش فرما دیجئے اور میرے گھر میں وسعت عطاء فرما دیجئے اور میری روزی میں برکت عطاء فرما دیجئے۔

یہ دوران وضوء کہیں بھی پڑھی جاسکتی ہے، خاص سر کے مسح کے بعد کی جگہ اس کے لئے مقرر نہیں ہے، بلکہ شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنے کے بعد کہیں بھی یہ دعا پڑھ لی جائے، کلّی کرتے وقت یا منہ دھوتے وقت یا ہاتھ دھوتے وقت، جہاں چاہے پڑھ سکتے ہیں۔

ٹخنوں سمیت پاؤں دھوئیں

اس کے بعد پھر دایاں پاؤں ٹخنوں تک دھوئیں، پہلے ایک مرتبہ دھوئیں اور اچھی طرح سے ملیں، پانی سیدھے ہاتھ سے ڈالیں اور الٹے ہاتھ سے ملیں، اور الٹے ہاتھ کی چھنگلی انگلی سے پاؤں کی انگلیوں کا خلال کریں، خلال دائیں پاؤں کی چھنگلی انگلی سے شروع کریں اور انگوٹھے پر ختم کریں۔

پھر اسی طرح بایاں پاؤں ٹخنوں تک دھوئیں اور اچھی طرح سے ملیں، اس میں بھی الٹے ہاتھ کی چھنگلی انگلی سے پاؤں کی انگلیوں کا خلال کریں۔ خلال بائیں پاؤں کے انگوٹھے سے شروع کریں اور چھنگلی انگلی پر ختم کریں۔

اس طریقے سے تین تین مرتبہ دونوں پاؤں ٹخنوں سمیت دھوئیں، اور پیروں کے دھونے میں اس کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ ایڑی کی جانب جو پاؤں کا حصّہ ہے، وہ سوکھا رہنے نہ پائے، جب موسم خشک ہوتا ہے یا جب موسم سرد ہوتا ہے تو اس وقت بعض دفعہ یہ پیچھے کا حصّہ سوکھا رہ جاتا ہے۔

اس لئے تمام اعضاءِ وضوء کو مَل مَل کر دھونا یہ الگ مستقل سنّت ہے، تاکہ کہیں بھی بال برابر جگہ سوکھی رہنے نہ پائے، ہاتھوں کو بھی اسی طرح مَل مَل کر دھونا ہے، چہرے کو بھی مَل مَل کر دھونا ہے، پیروں کو بھی مَل مَل کر دھونا ہے، تاکہ ہر جگہ پانی اچھی طریقے سے پہنچ جائے۔

چوڑی، انگوٹھی، لونگ اور گھڑی کا حکم

اگر خواتین نے چوڑیاں پہن رکھی ہوں یا انگوٹھیاں پہن رکھی ہوں، تو انگوٹھیوں کو اور چوڑیوں کو اچھی طرح ہلالینا چاہئے، اسی طرح ناک میں اگر لونگ پہنی ہوئی ہے اور اندازہ یہ ہے کہ لونگ اتنی تنگ ہے کہ سوراخ میں پانی نہیں پہنچے گا یا انگوٹھی اتنی تنگ ہے کہ پانی اس کے نیچے نہیں پہنچے گا تو اس صورت میں ان کو ہلانا اور پانی پہنچانا ضروری ہے، اور اگر ڈھیلی ڈھالی

ہے تب بھی مستحب ہے کہ انہیں اچھی طریقے سے ہلالیں تاکہ پانی اندر پہنچ جائے۔

بعض مرد حضرات گھڑی پہنے پہنے ہی وضوء کرلیا کرتے ہیں کیونکہ ان کی گھڑی میں پانی نہیں جاتا، اس لئے وہ گھڑی اتارنے کی زحمت نہیں کرتے، تو اس میں یہی مسئلہ ہے کہ اگر ڈھیلی ہے تو اس کو ہلالینا مستحب ہے تاکہ اس کے نیچے پانی پہنچ جائے اور اگر کس کر باندھی ہوئی ہے تو پھر اس کو کھولنا یا اس کو اس طرح ہلانا واجب ہے کہ اس کے نیچے پانی اچھی طریقے سے پہنچ جائے۔

وضوء کے بعد کی دعا

وضوء سے فارغ ہونے کے بعد آسمان کی طرف منہ کرکے پھر یہ مشہور دعا پڑھیں:

اَشْهَدُاَنْ لاَ اِلٰـهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَحْدَهٗ لاَ شَرِيْكَ لَـهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِىْ مِنَ التَّـوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِىْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ۔

ایک دعا یہ بھی ہے:

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ اَشْهَدُاَنْ لاَّ اِلٰـهَ اِلاَّ اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ۔

ان میں سے جو بھی دعا یاد ہو وہ پڑھلیں۔ تینوں ہی دعائیں یاد ہوں تو بہت اچھا ہے۔ ان دعاؤں کی برکت سے اللہ پاک جنّت کے اور آسمانوں کے آٹھوں دروازے اس کے لئے کھول دیتے ہیں۔

اس طرح وضوء کرنے کا اہتمام کرنا چاہئے اور اس کے مطابق وضوء کرنے کی عادت ڈالنی چاہئے۔

قبلہ رخ وضو خانے کو ترجیح دینی چاہئے

ہر مسجد میں جو وضو خانے ہوتے ہیں، ان میں سے بعض وضو خانوں میں کچھ حصہ کا رخ قبلہ کی طرف ہوتا ہے اور وضوءکرنے والا قبلہ کی طرف منہ کرکے بیٹھ سکتا ہے، تو اگر ایسی جگہ خالی مل جائے تو اس کو ترجیح دینی چاہئے، تاکہ وہاں بیٹھ کر ہمارا چہرہ بھی قبلہ کی طرف ہو جائے، اور وضوء میں قبلہ کی طرف منہ کرنا جو مستحب ہے وہ ادا ہو جائے۔

بیٹھ کر وضوء کرنے کو ترجیح دینی چاہئے

جہاں کھڑے ہوکر وضوء کرنے اور بیٹھ کر وضوء کرنے، دونوں کا انتظام ہو تو اگر کوئی معذوری اور کوئی بیماری نہ ہو تو بیٹھ کر وضوء کرنے کو ترجیح دینی چاہئے، کیونکہ بیٹھ کر وضوء کرنے میں وضوء کا مستعمل پانی جسم اور کپڑوں پر کم سے کم گرتا ہے، اور کھڑے ہوکر وضوء کرنے میں کافی جھکنا پڑتا ہے اور اس کے باوجود پھر بھی اچھا خاصا پانی کپڑوں کے اوپر گر جاتا ہے،

بیسن پر کھڑے ہو کر وضوء کرنا

بیسن پر کھڑے ہو کر وضوء کرنا جائز ہے، اس میں یہ احتیاط کرنی چاہئے کہ جہاں تک ہو سکے وضوء کا مستعمل پانی جسم اور کپڑوں پر گرنے نہ پائے، باوجود احتیاط کے گر جائے تو کوئی حرج نہیں، لیکن جہاں تک ہو سکے اس سے بچنا چاہئے۔

وضوء کے پانی میں اسراف کرنا گناہ ہے

البتہ وضوء میں ایک بات یاد رکھنے کی ہے، وہ یہ کہ جب سے ہمارے یہاں نلکوں کا رواج ہوا ہے، اس وقت سے پانی کے اندر اسراف کا گناہ بہت ہونے لگا ہے، وہ اس طرح کہ بعض لوگ وضو خانے میں بھی اور بیسن پر بھی نلکا کھول کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور پانی مسلسل گرتا رہتا ہے، اس طریقے سے ایک آدمی جو ایک لوٹے سے وضوء کر سکتا ہے، وہ تقریباً نو لوٹے، آٹھ لوٹے، سات لوٹے، پانچ لوٹے، جیسا بھی نلکا ہو، بلا استعمال اور بلا وجہ پانی بہا دیتا ہے، جو اسراف ہے اور گناہ ہے، اسراف تو سمندر میں بھی جائز نہیں، دریا میں بھی جائز نہیں، تو یہاں جس شہر میں پانی کی قلّت ہو، وہاں یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ بہر حال اسراف کا یہ گناہ آج ہمارے یہاں بہت ہی زیادہ پایا جاتا ہے، اس لئے اس پر گناہ سے بہت زیادہ اہتمام کے ساتھ بچنا چاہئے۔

اسراف سے بچنے کا طریقہ

اس سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ جب وضوء کرنے کے لئے بیسن پر کھڑے ہوں یا نلکے پر بیٹھیں تو الٹا ہاتھ نلکا کھولنے اور بند کرنے کے لئے مخصوص کر دیں اور سیدھا ہاتھ پانی لینے کے لئے مقرر کر دیں، الٹے ہاتھ سے نلکا بند کر کے پھر الٹا ہاتھ بھی سیدھے ہاتھ کے ساتھ ملا کر پانی کا استعمال کریں، اس میں ذرا سی مشق کرنے کی ضرورت ہے، کوئی مشکل نہیں ہے، اس طرح ہم اسراف کے گناہ سے بچ سکتے ہیں۔ یہاں تک وضوء کا کامل طریقہ مکمل ہو گیا۔

غسل کا مسنون طریقہ اور آداب

اس کے بعد غسل کا کامل اور مسنون طریقہ معلوم ہونا چاہئے۔ غسل کرنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص غسل کرنے کا ارادہ کریں تو سب سے پہلے نیت کریں، کہ یا اللہ! میں آپ کی خوشنودی کے لئے غسل کرتا ہوں، یا یا اللہ! میں طہارت اور پاکیزگی حاصل کرنے کے لئے غسل کرتا ہوں۔ یہ دل کے اندر نیت کریں۔

اس کے بعد اب پہلے اپنے دونوں ہاتھ گٹوں تک تین مرتبہ

دھوئیں، اس کے بعد پانی سے استنجاء کریں، چھوٹا بھی اور بڑا بھی، خواہ ضرورت ہو یا نہ ہو۔ اس کے بعد اگر جسم پر کہیں ناپاکی لگی ہوئی ہو تو اس کو پاک کرلیں۔

اس کے بعد اب سنت کے مطابق وضوء کریں، وضوء کرنے میں چونکہ بسم اللہ بھی پڑھنی ہے اور دعائیں بھی پڑھنی ہیں، تو یہ دیکھیں کہ آپ نے غسل خانے میں جاکر سب کپڑے اتار دیئے ہیں یا نہیں، اگر آپ نے سب کپڑے اتار دیئے ہیں تو اب اللہ کا نام لینا بے ادبی کی بات ہے۔ اسی طرح اگر غسل خانہ پاک وصاف نہیں ہے تب بھی باوجود کپڑے پہننے کے اللہ کا نام لینا ناپاک جگہ پر اور گندی جگہ پر بے ادبی کی بات ہے اور اس میں اللہ کے نام کی بے حرمتی ہے۔ لہٰذا اس وقت اللہ کا نام نہ لیں، بلکہ ویسے ہی بغیر بسم اللہ اور دعاؤں کے پورا وضوء کریں، وضوء کا طریقہ وہی ہے جو پیچھے بیان ہوا۔

لیکن اگر غسلخانہ صاف وشفاف ہے اور ابھی آپ نے کم از کم تہبند باندھا ہوا ہے یا شلوار پہنی ہوئی ہے، باقی جسم چاہے کھول لیا ہو، لیکن ستر چھپا ہوا ہو، وہ برہنہ نہ ہو، تو پھر وضوء اسی طریقے سے کریں جیسے وضوء کے بیان میں گزرا، یعنی سنت کے مطابق وضوء کریں، وضوء کی جتنی دعائیں ہیں وہ بھی پڑھیں، شروع کی دعا بھی پڑھیں، درمیان کی دعا بھی پڑھیں، اور آخر کی بھی پڑھیں اور مذکورہ طریقے سے وضوء مکمل کریں۔

البتہ پاؤں دھونے میں اتنی بات یاد رہے کہ اگر اس غسلخانے میں پانی

جمع ہوتا ہے اور آہستہ آہستہ پانی نکلتا ہے تو پاؤں ابھی نہ دھوئیں بلکہ غسل سے فارغ ہونے کے بعد وہاں سے الگ ہو کر دھوئیں، اور اگر پانی جمع نہیں ہوتا، ساتھ ساتھ سب پانی بہہ جاتا ہے تو پھر پاؤں بھی اسی وقت دھو کر اپنا وضوء مکمل کر لیں۔

ڈونگے سے نہانے کا طریقہ

وضوء مکمل کرنے کے بعد اب نہانے کا نمبر آئے گا، تو نہانے کے دو طریقے ہیں، ایک شاور کے نیچے اور ایک بالٹی اور ڈونگے کے ذریعے۔ ڈونگے کے ذریعہ اگر نہانا ہو تو پہلے ایک ڈونگا بھر کر سر پر ڈالیں کہ پانی نیچے تک آجائے، پھر دائیں طرف پانی ڈالیں کہ پانی نیچے تک آجائے، پھر بائیں طرف ڈالیں کہ پانی نیچے تک آجائے، اب اپنے جسم کو ملیں اوپر سے نیچے، دائیں سے بائیں سے، جس طرح سہولت ہو، بہر حال اچھی طرح اپنا جسم ملیں اور جسم کو صاف کریں، صابن لگانے کی ضرورت ہو تو صابن لگالیں، پھر جب دوبارہ پانی ڈالیں تو پہلے سر پر ڈالیں، پھر دائیں طرف ڈالیں، پھر بائیں طرف ڈالیں اور ہر مرتبہ اتنا پانی ڈالیں کہ وہ پانی نیچے تک پہنچ جائے، اور اپنے جسم سے میل کو دور کریں، صابن کو دور کریں اور جسم کو صاف ستھرا کریں، مزید صابن لگانے کی ضرورت ہو تو مزید لگالیں، اس کے بعد جب پانی ڈالیں تو پہلے سر پر ڈالیں، پھر دائیں طرف ڈالیں، پھر بائیں طرف ڈالیں، اور ہر مرتبہ اتنا پانی ڈالیں کہ نیچے تک آجائے۔

بس اسی طریقے سے سر سے پیر تک پورے جسم کو تین مرتبہ اچھی طرح پانی سے دھوئیں کہ بال برابر جگہ بھی سوکھی رہنے نہ پائے۔ اگر تین مرتبہ سے زیادہ پانی ڈالنے کی ضرورت ہو، یا تو اس وجہ سے کہ صابن دور نہیں ہوا، یا اس وجہ سے کہ میل دور نہیں ہوا، چکناہٹ باقی ہے، تو مزید اور پانی ڈال لیں۔ اس طریقے سے نہانے کے بعد اب مزید فرحت حاصل کرنے کے لئے یا ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے نہانے کو دل چاہ رہا ہے تو مزید پانی ڈال سکتے ہیں، مگر پانی اسی ترتیب سے ڈالیں کہ پہلے سر پر پھر دائیں طرف پھر بائیں طرف، یہ بہتر ہے۔

شاور سے نہانے کا طریقہ

شاور کے نیچے نہانا ہے تو اس کے اندر بھی یہی طریقہ اختیار کریں کہ پہلے سر پر پانی ڈالیں، پھر دائیں طرف ڈالیں، پھر بائیں طرف ڈالیں۔ شاور دو قسم کا ہوتا ہے، ایک وہ ہے جو آدمی ہاتھ میں لئے بیٹھا رہتا ہے، جدھر چاہے گھمالے، اور ایک شاور وہ ہوتا ہے جو دیوار میں لگا ہوتا ہے، اس میں آدمی کو گھومنا پڑتا ہے، تو جہاں خود کو گھومنا پڑے وہاں خود گھوم جائیں، بیٹھے بیٹھے گھومیں یا کھڑے ہو کر گھومیں اور پہلے پانی سر پر لیں، پھر دائیں طرف لیں، پھر بائیں طرف لیں، اس میں دائیں بائیں کھسکنا پڑے گا، اور ہاتھ والے میں خود کو گھومنا نہیں پڑے گا بلکہ اسی کو گھمانا پڑے گا، اسے پہلے سر پر گھمالیں، پھر دائیں طرف گھمالیں، پھر بائیں طرف گھمالیں۔

غسل مسنون آسان بھی، فائدہ مند بھی

دیکھئے! دین کے احکام میں اور سنّت پر عمل کرنے میں کہیں کوئی دشواری نہیں ہے، غسل وہی ہے جو ہم اب تک کرتے آرہے ہیں، سنّت کے مطابق بھی وہی غسل ہوگا، لیکن سنّت کے مطابق جو غسل ہوگا، وہ زیادہ اچھا اور بہتر بھی ہوگا اور نیز وہ عبادت اور باعث اجر و ثواب بھی ہوگا، اور باعث اجر و ثواب میں یہ کتنی عظیم بشارت ہے کہ وہ سنّت قیامت میں اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک کرنے والی ہو جائے گی، اس سے بڑی اور کیا سعادت چاہئے کہ دنیا کے اندر بھی جو مقصود ہے جسم کی طہارت، نظافت اور جسم کو ٹھنڈک پہنچانا، وہ بھی اس طریقے سے حاصل ہو رہا ہے، اور ساتھ ساتھ وہ عبادت بھی بن رہا ہے، جبکہ اپنے طریقے سے غسل کرنے میں وہ بات حاصل نہیں ہو رہی، اس لئے غسل کا مسنون طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔

غسل کے بعد بدن پونچھنا

غسل سے فارغ ہونے کے بعد اب بدن پونچھنے کا مرحلہ آتا ہے، تو قربان جائیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ آپ ﷺ نے غسل کے بعد بدن پونچھا بھی ہے اور نہیں بھی پونچھا، دونوں میں سرکار دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سنّت چھوڑ گئے ہیں، تاکہ میرے امتی جس

موقع پر جس سنّت پر عمل کرنا چاہیں اور میرے جس طریقے کو اپنانا چاہیں تو میرا نمونہ ان کے پاس موجود ہو۔ اللہ اکبر۔ لہٰذا اگر دل چاہ رہا ہے بدن پونچھنے کو جیسا کہ سردیوں میں ہوتا ہے تو پونچھنے کی سنّت کی نیت سے اپنے بدن کو پونچھ لیں، اور گرمیوں میں نہ پونچھنے کو دل چاہتا ہے تو اس وقت یہ نیت کرلیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ جسم نہیں پونچھا، اس لئے میں بھی اس سنّت پر عمل کرتا ہوں۔ ایسا کرنے میں سنّت کا ثواب بھی مل رہاہے اور طبیعت کا تقاضا بھی پورا ہو رہا ہے، فطرت بھی پوری محفوظ ہے اور اس کے تقاضے بھی پورے ہو رہے ہیں، لیکن اب سب سنّت کے دائرے میں یہ تقاضے پورے ہو رہے ہیں۔

غسل خانے میں جانے اور باہر نکلنے کا ادب اور دعا

غسل خانے میں جانے اور باہر نکلنے کے آداب اور دعائیں وہی ہیں جو بیت الخلاء میں جانے اور نکلنے کے لئے ہیں، یعنی جب غسلخانہ میں داخل ہوں تو باہر ہی دعا پڑھ لیں، صرف بسم اللہ پڑھلیں یا بیت الخلاء والی دعا "بسم اللّٰہ اللھم انی اعوذبك من الخبث والخبائث" پڑھلیں، اور جب غسلخانہ سے باہر نکلیں تو باہر آکر باہر نکلنے کی دعا "غفرانك الحمدللّٰہ الذی اذھب عنی الاذیٰ وعافانی" پڑھلیں۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہی دونوں دعائیں غسلخانہ میں آنے جانے کے لئے بھی ہیں۔

اور جس طریقے سے بیت الخلاء میں جب داخل ہوتے ہیں تو پہلے بایاں پاؤں اندر رکھتے ہیں اور جب نکلتے ہیں تو پہلے دایاں پاؤں باہر رکھتے ہیں، غسلخانہ میں بھی یہی ترتیب رکھنی ہے کہ جب اندر جائیں تو پہلے بایاں پاؤں اندر رکھیں اور جب باہر نکلیں تو پہلے دایاں پاؤں باہر رکھیں۔

غسلخانہ میں جانے کی ایک اور دعا

سیدی حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے پُرنور دعاؤں میں ایک عجیب و غریب دعا غسل کے لئے جانے سے پہلے پڑھنے کی لکھی ہے، وہ دعا یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْجَنَّةَ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنَ النَّارِ۔

جب غسلخانہ میں نہانے کے لئے آدمی جائے تو داخل ہونے سے پہلے یہ دعا پڑھ لے، اے اللہ! میں آپ سے جنّت مانگتا ہوں اور آپ سے دوزخ کی پناہ مانگتا ہوں۔ اللہ اکبر کیسی جامع دعا ہے۔ گناہوں کی بخشش تو انشاء اللہ سنّت کے مطابق وضوء کرنے کے بعد ہو ہی جائے گی، یعنی صغیرہ گناہوں کی بخشش ہو جائے گی، اور ساتھ میں یہ دعا بھی اس کے ساتھ لگ جائے گی کہ یا اللہ! یہ عمل آپ نے سنّت کے مطابق کروادیا جو باعث بخشش ہے اور میری درخواست بھی آپ سے یہی ہے۔ اور اسی لئے میں نے یہ عمل کیا ہے۔ کہ اے اللہ! آپ مجھے اپنے فضل سے جنّت عطاء فرما دیجئے اور دوزخ سے بری فرما دیجئے، دوزخ سے اپنی پناہ دیدیجئے اور جنّت الفردوس

عطاء فرما دیجئے۔ یہ باہر نکلنے کی دعا ہے، عربی میں یاد نہ ہو تو اردو میں بھی مانگی جاسکتی ہے، اور عربی میں یاد کرنا بھی کوئی مشکل نہیں ہے جیسے اردو میں مانگنا کوئی مشکل نہیں ہے۔ یہ دعا بڑی دھیان سے مانگ لینی چاہئے، بڑی جامع دعا ہے۔

خالی بسم اللہ پڑھنا کم سے کم ہے، اس کو تو ہر مسلمان یاد کر سکتا ہے، لہٰذا بسم اللہ کہہ کر اندر داخل ہوں، یہ کتنا آسان ہے۔ اور باہر نکلنے کے بعد کم سے کم جو چھوٹی دعا حدیث میں آئی ہے وہ "غفرانک" ہے، اے اللہ! میں آپ سے مغفرت مانگتا ہوں، وہ پڑھ لیں،

سنّت کے مطابق بیت الخلاء جانا بھی عبادت ہے

ایک روایت جو میں نے کسی کتاب میں تو نہیں دیکھی لیکن حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنی ہے۔ امید ہے حضرت نے کسی کتاب میں دیکھی ہو گی۔ حضرت اکثر اس کی مثال دیا کرتے تھے کہ دیکھو! انسان استنجاء کرنے کے لئے جاتا ہے تو یہ انسان کی ایک طبعی حاجت ہے اور ضرورت ہے، جس کو پورا کرنے کے لئے جانا ناگزیر ہے، لیکن ایک اپنی مرضی سے آدمی بیت الخلاء جاتا ہے اور اپنی مرضی سے فارغ ہو کر آجاتا ہے، تو اس میں نہ کوئی ثواب نہ کوئی عذاب۔

فرمایا کہ اگر بیت الخلاء کوئی سنّت کے مطابق جائے کہ سر کو ڈھک کر جائے، پیروں میں چپل پہن کر جائے، اور دعا پڑھ کر جائے اور بایاں پاؤں

اندر رکھے اور جتنا نیچے ہو کر جسم کھول سکے، اتنا نیچے ہو کر جسم کھولے، اس کے بعد جو سنّت طریقہ ہے اس کے مطابق استنجاء کر کے باہر آئے تو پہلے دایاں قدم باہر رکھے اور پھر دعا پڑھے، تو فرماتے تھے کہ جو کوئی اس طرح بیت الخلاء میں جاتا ہے تو جتنی دیر وہ اندر بیٹھا رہتا ہے اتنی دیر ایک فرشتہ دروازے پر کھڑے ہو کر اس کی عبادت کا ثواب لکھتا رہتا ہے۔

اللہ اکبر، اندازہ لگایئے کہ آدمی پیشاب کرنے کے لئے، پاخانہ کرنے کے لئے گیا ہے لیکن اس کے لئے عبادت کرنے کا ثواب لکھا جا رہا ہے، کیونکہ وہ سنّت کے مطابق گیا ہے۔ تو سنّت کے مطابق استنجاء بھی کرے تو وہ باعث اجر ہے، وضوء سنّت کے مطابق کرے تو وہ بھی باعث مغفرت ہے، غسل سنّت کے مطابق کرے تو وہ بھی گناہوں کی بخشش کا ذریعہ ہے۔ کیونکہ اصل چیز اتباع ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی، اتباع کی برکت سے یہ سب عبادت بن گئے۔

ایک بزرگ کی پیاری بات

ایک بزرگ کی بڑی پیاری بات یاد آئی، انہوں نے فرمایا کہ تم اس دنیا میں خدا چاہی کر لو، قیامت کے دن جنّت میں مَن چاہی کر لینا۔ سبحان اللہ! یعنی تم یہاں اللہ تعالیٰ کا کہا مان لو، جنّت میں اللہ تعالیٰ تمہارا کہا مان لیں گے، جو تم کہو گے وہ اللہ تعالیٰ تم کو عطاء فرمائیں گے۔ اور وہ مدّت (جنّت کی) بہت لمبی ہے اور یہ مدّت (دنیا کی) بہت چھوٹی ہے، اس چھوٹی سی مدت

میں خدا چاہی کرنا زیادہ مشکل نہیں، اس کے بدلے میں ابد الآباد تک ثمن چاہی کا موقع مل رہا ہو تو اس کو کر ہی لینا چاہئے، سودا بہت سستا ہے بشرطیکہ کوئی قبول کرے۔ اللہ پاک ہمیں نصیب فرمادیں اور توفیق عطاء فرمادیں۔ آمین۔

ناقص وضوء سے نماز میں نقصان

اگر ہمارا وضوء سنّت کے مطابق ہو جائے، اور ہمارا غسل سنّت کے مطابق ہو جائے، تو اس سے نماز کے اندر بھی کمال آئے گا، اس لئے کہ نماز میں جو نقصان آتا ہے وہ بعض دفعہ وضوء کے نقصان کی وجہ سے آتا ہے، چنانچہ بعض حدیثوں میں ذکر ہے کہ نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں سہو ہو گیا، تو آپ ﷺ نے اسی طرف متنبہ فرمایا کہ بھئی! لوگ وضوء اہتمام سے کر کے نہیں آتے، جس کی وجہ سے بعض مرتبہ امام کو بھی سہو ہو جاتا ہے۔ تو ہمارے وضوء اور طہارت کے کمال کا نماز کے کمال کے ساتھ خصوصی تعلق ہے ہماری نماز میں جو نقصان ہے وہ اس وجہ سے بھی ہے کہ ہمارے وضوء اور غسل میں نقصان ہے اور اس میں کمی ہے۔ وضوء اور غسل ہمارے سنّت کے مطابق کامل ہو جائیں تو انشاء اللہ تعالیٰ پھر نماز بھی کامل ہو جائے گی۔

نماز کیسے کامل ہو؟

اور نماز کیسے کامل ہو؟ اس کا طریقہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے اپنی کتاب میں لکھ دیا ہے۔ اس کتاب کا نام ہے "نمازیں سنّت کے مطابق ادا کیجئے" یہ کتابچہ عام ملتا ہے، اس سے ہم اور آپ اپنی نمازیں بھی تکبیر اولیٰ سے لے کر سلام پھیرنے تک مکمل کر سکتے ہیں، اور وضوء اور غسل کا طریقہ اس کتاب میں بیان کیا گیا ہے۔

لہٰذا اس کے مطابق آج سے عہد کرلیں کہ ہم جب وضوء کریں گے یا غسل کریں گے تو انشاء اللہ سنّت کے مطابق کریں گے، اور ہمیشہ مرتے دم تک اس کے مطابق عمل کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عمل عطاء فرمائے۔ آمین۔ اب کچھ تیمّم کے بارے میں عرض ہے۔

تیمّم کا بیان

ہر وقت باوضوء رہنا افضل ہے

تیمّم کی ایک خاص بات پہلے سمجھ لیں، کہ ویسے تو اعلیٰ اور افضل یہی ہے کہ آدمی ہر وقت باوضوء رہے، یعنی جہاں تک ہو سکے باوضوء رہے۔ صرف نماز کے اوقات ہی میں وضوء نہ ہو بلکہ نماز کے علاوہ بھی جہاں تک

ہو سکے باوضوء رہے۔ اس کی بڑی فضیلت ہے۔

باتیمّم رہنا بھی سنّت ہے

لیکن اگر کسی کو ہر وقت باوضوء رہنا مشکل ہو تو تیمم سے رہنا بھی درست ہے۔ حکیم الامّت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مقالات حکمت میں تحریر فرمایا ہے کہ تیمّم سے رہنا بھی سنّت ہے۔ بس اتنی بات ہے کہ اس تیمّم سے ہم نماز نہیں پڑھ سکتے، اس تیمم سے ہم قرآن شریف کو چھو نہیں سکتے، طواف نہیں کرسکتے، کیونکہ یہ تیمّم ان شرائط کے مطابق نہیں ہے جس کے اندر ان کو کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ بہرحال تیمّم سے رہنا بھی پاک رہنے کے حکم میں ہے، جیسے وضوء سے آدمی پاک ہوتا ہے، تیمّم سے بھی پاک ہوتا ہے اور اس میں بھی ثواب ملتا ہے، اس لئے کہ یہ بھی سنّت ہے، اور وضوء وغیرہ کی جگہ کے علاوہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تیمّم کرنا ثابت ہے۔ تو یہ بہت آسانی ہوگئی، خاص طور سے سردیوں میں یا ویسے بھی گرمیوں میں اگر کسی آدمی کو سوتے وقت وضوء کرنے کی ہمّت نہ ہو تو تیمّم کرنا بہت آسان ہے، استنجاء سے فارغ ہوتے ہی تیمّم کرکے آدمی آرام سے سوسکتا ہے، ایسے ہی دن میں بھی اگر وضوء کرنا اس کے لئے مشکل ہے تو تیمّم کرکے رہنا کچھ مشکل نہیں۔ بہرحال تیمّم کرنے میں ہمارے لئے کتنی آسانی ہے۔

بیمار آدمی تیمّم کر کے نماز پڑھے

اور جب کسی شخص کے لئے پانی استعمال کرنے کی قدرت نہ ہو، مثلاً بیماری کی وجہ سے یا پانی نہ ملنے کی وجہ سے، تو اس صورت میں تیمّم کرنا جائز ہوتا ہے، اس وقت وضوء کے بجائے تیمّم کر لینا چاہئے اور پھر اس سے نماز پڑھنی چاہئے۔

تیمّم بھی وضوء کی طرح پاکی کا ذریعہ ہے

اس میں ایک بڑی کوتاہی ہمارے اندر یہ پائی جاتی ہے کہ اچھے خاصے نمازی جب بیمار ہو جاتے ہیں اور بیماری کے اندر ڈاکٹر صاحبان ان کو پانی استعمال کرنے سے منع کر دیتے ہیں تو وہ بیچارے تیمّم کر کے نماز نہیں پڑھتے، اگر ان سے کوئی کہے تو کہتے ہیں کہ ہمارا دل نہیں مانتا، ارے! تم دل کو دیکھ رہے ہو یا اللہ کے حکم کو دیکھ رہے ہو؟ یہ تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، اس میں دل کا کیا دیکھنا، یہاں تو اللہ کا حکم دیکھنا ہے، اسی کے حکم سے پانی ہمارے لئے پاکی کا ذریعہ بنا ہے، اسی کے حکم سے مٹی ہمارے لئے پاکی کا ذریعہ ہے، جب ان کا حکم ہے تو دونوں ہمارے لئے برابر ہیں۔ لہٰذا تیمّم کر کے دل اسی طرح مطمئن اور خوش ہونا چاہئے جیسے پانی سے وضوء کرنے کے بعد ہوتا ہے، اس کا نام ہے بندگی اور عبدیت، اور اسی کا نام ہے حکم ماننا۔

لہٰذا جب ان کا حکم ہے کہ اب تیمّم کرو، تو تیمّم ہمارے لئے ایسا ہی

ہونا چاہئے جیسے صوء، اور جب ان کا حکم ہو کہ وضوء کرو تو وضوء کرنا چاہئے، تیمّم جو اس کے قائم مقام ہے اب اس کی ضرورت نہیں۔ تو بیماری ہو یا کسی اور وجہ سے، پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہو تو ایسی صورت میں بلا تردد تیمّم کرلینا چاہئے۔

تیمّم کرنا کن چیزوں پر جائز ہے

تیمّم مٹی پر یا زمین پر یا زمین کی جنس سے جو جو چیزیں ہیں، ان سب پر جائز ہے، چاہے وہ سنگ مرمر ہو، چاہے چپس کا فرش ہو، چاہے ٹائل ہو، اور چاہے بلاک اور اینٹ ہو، کچی ہو یا پکی ہو۔ جو چیزیں آگ میں نہیں جلتیں وہ سب زمین کی جنس سے ہیں، ان سب پر تیمّم کرنا جائز ہے۔ مٹی ہی پر یا جس چیز پر مٹی ہو صرف اُسی پر تیمّم کرنا ضروری نہیں، سنگ مرمر پر بھی تیمّم ہو سکتا ہے، چاہے اس پر پالش بھی ہو چکی ہو، البتہ پینٹ والی چیز پر نہیں ہو سکتا، یا جس پر ڈسٹمبر کیا ہوا ہو، چاہے وہ دیوار ہو یا چاہے وہ کوئی اور چیز ہو، اس پر تیمّم نہیں ہو سکتا، ہاں جس پر چونا کیا ہوا ہو اس پر تیمّم ہو سکتا ہے۔

تیمّم کرنے کا صحیح طریقہ

تیمّم کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے تیمّم کی نیت کریں، بلکہ تیمّم میں تو نیت کرنا ضروری ہے کہ یا اللہ! میں آپ کی رضاء کے لئے

تیمّم کرتا ہوں۔ اس کے بعد بسم اللہ پڑھیں۔ اس کے بعد دونوں ہاتھ مٹی یا پتھر وغیرہ پر ماریں، اگر ہاتھوں پر مٹی لگ جائے تو دونوں انگوٹھوں کو آپس میں مار کر ہاتھوں کو جھاڑلیں، دونوں ہتھیلیوں کو آپس میں ملاکر نہ جھاڑیں ورنہ ساری مٹی صاف ہو جائے گی، اور اگر صاف پتھر وغیرہ پر ہاتھ مارنے کی وجہ سے ہاتھوں پر مٹی نہ لگے تو پھر جھاڑنے کی ضرورت نہیں، صرف ہاتھ مارلیں۔

اس کے بعد سب سے پہلے اپنے چہرے پر دونوں ہاتھ اس طرح پھیریں کہ بال برابر جگہ بھی ایسی نہ رہے جس پر ہاتھ نہ پھرا ہو، جیسے وضوء کے اندر اگر بال برابر جگہ سوکھی رہ جائے گی تو وضوء نہیں ہوگا، تیمّم میں بھی اگر بال برابر جگہ ایسی رہ گئی جہاں ہاتھ نہ پھیرا ہو تو تیمّم نہیں ہوگا۔ اس لئے خوب اچھی طریقے سے چہرے پر ہاتھ پھیرنے چاہئیں۔ اور تیمّم میں ڈاڑھی کے اندر خلال کرنا مستحب ہے۔ بس یہ ایک دفعہ چہرے کے لئے ہاتھ مارنا ہوگیا۔

پھر دوبارہ مٹی یا پتھر پر ہاتھ ماریں، اور پہلے بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ پر اور پھر دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر پھیریں، اور اچھی طرح کہنیوں تک ہاتھ پھیریں، اور انگلیوں کے اندر بھی ہاتھ پھریں، تاکہ کوئی جگہ پھیرنے سے رہ نہ جائے۔

تیمّم میں صرف دو مرتبہ ہاتھ مٹی وغیرہ پر مارتے ہیں، پھر اس کو ایک مرتبہ چہرے پر پھیرتے ہیں اور دوسری مرتبہ دونوں ہاتھوں پر کہنیوں

سمیت پھیرتے ہیں، پاؤں پر ہاتھ نہیں پھیرتے اور نہ اس میں سر کا مسح ہوتا ہے، اور مٹی سے کلّی وغیرہ بھی نہیں ہوتی، ایک شخص نے مجھے بتایا کہ ہم نے ایک شخص کو تیمّم ایسا کرایا تھا کہ مٹی سے اس کی کلّی بھی کروائی تھی، تو اس تیمّم کرنے والے نے کہا کہ بھئی! یہ تو بڑا مشکل تیمّم ہے، میں تو نہیں کر سکتا۔ تو یہ کسی جاہل آدمی نے ایسی حرکت کی ہوگی، اس بیچارے نے تیمّم کا طریقہ نہیں سمجھا، وہ سمجھا ہوگا کہ تیمّم بھی وضوء کی طرح ہوتا ہوگا، جس طرح اس میں پانی سے کلّی ہوتی ہے، اس میں مٹی سے کلّی ہوتی ہوگی۔ یہ تو جہالت کی بات ہے، اللہ بچائے۔

اسی طرح غسل میں پانی استعمال کرنے کی قدرت نہ ہو تو تیمّم غسل کی جگہ بھی ہوتا ہے۔ بہرحال اس وقت تینوں باتیں پوری طرح بیان ہو گئیں، اللہ تعالیٰ ان کو قبول فرمائیں، نافع فرمائیں اور اپنے فضل و کرم سے ہم کو باطہارت رہنے کی توفیق عطاء فرمائیں۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

ہمارے دینی مدارس کا بنیادی مقصد

حضرت مولانا مفتی عبد الرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱/۱۸۸، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ہمارے دینی مدارس کا بنیادی مقصد

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِیْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَیْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ یُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ وَأَشْهَدُاَنْ لَّا إِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُاَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَیْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا كَثِیْرًا كَثِیْرًا ۔

أَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُبِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ

رَسُوْلاً مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔ صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ۔

(سورۃ الجمعۃ، آیت ۲)

محترم علماء کرام و اساتذہ کرام، عزیز طلباء و طالبات اور میرے قابل احترام بزرگو!! اس وقت اس جدید خوبصورت، باسلیقہ اور عظیم دینی درسگاہ میں حاضری کا شرف حاصل ہونے پر میرا دل بہت خوش ہوا، دل سے دعا ہے اللہ جلّ شانہ حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم کو، جو ہمارے اکابر میں سے ہیں اور ہمارے اکابر کی نشانی ہیں، جلد صحت کاملہ عاجلہ مستمرہ دائمہ عطا فرمائے اور ہمیں بھی عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ ان کے فیوض و برکات کو اور زیادہ سے زیادہ عام، تام اور مقبول فرمائے اور ان کے صدقہ جاریہ کو اپنے فضل سے شرفِ قبول عطا فرمائے اور ہمیشہ اسے قائم رکھے، اور یہاں سے جو علماء اور طلباء فارغ ہوں اللہ تعالیٰ انہیں بھی اپنے دین کی خدمت کے لئے قبول فرمائے، تاکہ اس پاور ہاؤس سے جہاں بھی یہ علمی بلب پہنچیں، ہمیشہ روشن رہیں اور یہاں سے پڑھنے والے اور فارغ ہونے والے صرف اور صرف عالم ہی نہ ہوں بلکہ عالم ہونے سے بڑھ کر باعمل بھی ہوں۔ آمین۔

دینی مدارس کا مقصد

اس بات کو ہمیں اچھی طرح ذہن نشین کرلینا چاہئے کہ ہمارے ان مدارس کا بنیادی مقصد صرف درسِ نظامی پڑھنا اور پڑھانا نہیں بلکہ اس درس نظامی کے مطابق باعمل بنانا بھی ہے۔ دارالعلوم دیوبند جس کی طرف ہم اپنی نسبت کرتے ہیں اور اس نسبت کو ہم اپنے لئے بہت قابلِ قدر اور قابلِ شرف سمجھتے ہیں، اس دارالعلوم کی خصوصیات تو بہت ہیں مگر ان میں سے جو بنیادی خصوصیات ہیں وہ دو ہیں۔

﴿۱﴾ اللہ والا پیدا کرنا، یہ اصل مقصد ہے۔

﴿۲﴾ علومِ شرعیہ کا ماہر بنانا۔ یہ دوسرا مقصد ہے، اس کے نمبر دو پر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ علومِ شرعیہ کا ماہر ہونا دراصل ذریعہ ہے، جیسے وضوء نماز کا ذریعہ ہے، لہٰذا باعمل ہونا یہ مقصود ہے، اس کو یوں سمجھیں جیسے نماز کہ جس طرح نماز جو اصل مقصود ہے، یہ وضوء کے بغیر صحیح نہیں ہوسکتی، اسی طرح باعمل ہونا یہ اصل مقصد ہے اور یہ علم کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا، لہٰذا معلوم ہوگیا کہ باعمل بننے کے لئے باعلم ہونا ضروری ہے۔

ہندوستان میں مکتبِ فکر

دارالعلوم دیوبند قائم ہونے سے پہلے ہندوستان میں دو طرح کے

مکتبِ فکر پائے جاتے تھے اور اسی کے مطابق وہاں کچھ مدارس قائم تھے۔ ایک طرف یہ مقصد تھا کہ علوم نقلیہ اور عقلیہ کو پڑھا اور پڑھایا جائے جسمیں علومِ عقلیہ غالب اور علومِ نقلیہ مغلوب تھے، جبکہ دوسری طرف خانقاہوں کا سلسلہ تھا، خانقاہوں کے اندر صرف اصلاح و تربیت اور تزکیے کی طرف توجہ دی جاتی تھی، علم کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں تھی۔ یہ دو سلسلے ہندوستان میں قائم تھے اور دونوں افراط و تفریط کا شکار تھے، وہاں علم برائے علم رہ گیا اور خانقاہوں میں طریقت کے نام پر نہ جانے کتنی خلافِ شرع باتیں رائج ہو گئیں، بلکہ دین کے نام پر بے دینی عام ہو گئی، غیر مقصود کو مقصود بنالیا گیا۔ اس طرح دونوں ہی مکتب فکر غلطی پر تھے اور دونوں ہی کی اصلاح کی ضرورت تھی، علوم شرعیہ کی بھی ضرورت تھی اور علوم شرعیہ کے مطابق عمل پیرا ہونے کی بھی ضرورت تھی جس کو طریقت کہتے ہیں۔

ان دونوں مقاصد کے ساتھ ایک فکر اور تھی، وہ یہ کہ ہندوستان پر انگریز قابض ہو چکا تھا جو مسلمانوں کا بدترین دشمن تھا، اور آج تک اس کی دشمنی مثل آفتاب کے ہمارے سامنے ہے، پہلے تو اس کا مقابلہ کیا گیا اور ہمارے اکابر باقاعدہ اس کے خلاف جہاد کے لئے میدان میں اترے اور شاملی کے میدان تک باقاعدہ دو بدو جنگ ہوئی اور تھانہ بھون سے لے کر شاملی تک کا تمام علاقہ ہمارے اکابر نے فتح کیا اور اس میں اسلامی نظام نافذ کیا، لیکن شاملی کے میدان میں جاکر یہ جہاد ناکام ہو گیا اور اب مقابلے کی یہ صورت ختم ہو گئی اور دفاع کی صورت سامنے آگئی، کیونکہ جب مقابلہ نہ ہو سکے تو پھر اپنا

دفاع کرنا ضروری ہوتا ہے اور اس دفاع میں اپنے دین کی حفاظت سب سے پہلے ہے۔

علومِ شرعیہ کی حفاظت

لہٰذا اب یہ فکر ہوئی کہ ہمارے پاس قرآن و حدیث اور دیگر علوم ہیں، اور صدیوں سے ہم انہیں پڑھتے پڑھاتے چلے آرہے ہیں، اب ہم مغلوب ہوگئے ہیں تو انگریز ان سب کو ختم کردے گا، لہٰذا اب ان کی حفاظت ضروری ہے، اور ان کی حفاظت کی ایک ہی صورت ہو سکتی ہے کہ اب فوراً دینی مدارس قائم کئے جائیں اور دنیا سے بالکل منہ موڑ کر، حکومت اور مالداروں سے بالکل رخ پھیر کر، فقر و فاقے کو اپنے سر کا تاج بنا کر، اللہ کی رضا اور اس کے دین کی حفاظت کے لئے اور علومِ شرعیہ اور دین کو اپنی اصلی حالت میں محفوظ کرکے آئندہ نسلوں تک پہنچانے کے لئے مدرسے قائم کئے جائیں، اس لئے دارالعلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور کی بنیاد رکھی گئی، چنانچہ ہمارے یہ اکابر یکسوئی سے علومِ شرعیہ پڑھنے پڑھانے میں مشغول ہوگئے اور اس افراط و تفریط کو جو اس زمانے کے مدرسوں اور خانقاہوں میں تھی، اس کو دور کیا اور ایسا دارالعلوم قائم فرمایا جو ایک طرف تو دینی علوم کی درسگاہ تھی اور دوسری طرف خانقاہ، چنانچہ دارالعلوم دیوبند کی جو اصل اور قدیم مسجد ہے، اس میں دارالعلوم کی سنگ بنیاد کی تاریخ جن الفاظ سے نکلتی ہے وہ آج بھی وہاں کندہ ہیں، وہ الفاظ یہ ہیں:

"درمدرسہ خانقاہ دیدیم"

ہم نے مدرسے میں خانقاہ دیکھی، دن کو یہ مدرسہ ہے اور رات کو خانقاہ ہے، دن کو اس کی درسگاہوں سے قال اللہ اور قال الرسول کی آوازیں بلند ہوتی ہیں اور رات کو ہچکیوں، رونے، اللہ اللہ کرنے اور والہانہ دعاؤں کی آوازیں اور صدائیں بلند ہوتی ہیں، اور یہ سماں بھی ہوتا ہے کہ کوئی مطالعہ کر رہا ہے، کوئی یاد کر رہا ہے، کوئی دعا کر رہا ہے، کوئی ذکر کر رہا ہے، کوئی تلاوت کر رہا ہے، کوئی تہجد پڑھ رہا ہے۔

راہِ اعتدال

بہر حال ہمارے اکابر نے علم اور عمل کے دونوں چراغ روشن کئے اور دونوں کے اندر اعتدال پیدا کیا جو سب سے کٹھن کام ہے، اعتدال نام ہے صراطِ مستقیم کا اور صراطِ مستقیم ہی جنّت میں جانے کا راستہ ہے۔ یہ اعتدال ہمارے اکابر علماءِ دیوبند اور مشائخ دیوبند کا طرّۂ امتیاز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا معتدل مزاج بنایا کہ ایسا اعتدال اور کہیں نظر نہیں آتا، علم کے اندر بھی یہ لوگ پہاڑ کی طرح بلند تھے اور عمل میں بھی اپنی مثال آپ تھے، ان اکابر کے عمل کے بارے میں کسی نے بہت ہی خوبصورت بات فرمائی ہے کہ "یہ صحابی تو نہ تھے لیکن صحابی کا نمونہ تھے۔"

ہمارے مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی دارالعلوم کراچی فرمایا کرتے تھے کہ میرے والد ماجد حضرت

مولانا محمد یٰسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: میں نے دارالعلوم دیوبند کا وہ زمانہ دیکھا ہے کہ جس میں دارالعلوم دیوبند کے مہتمم اور صدر مدرّس سے لے کر دربان، چوکیدار اور چپڑاسی تک سب ولی کامل تھے۔

حضرت گنگوہیؒ کی شان

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھا ہے کہ حضرت اپنے زمانے کے ابو حنیفہ کہلاتے تھے۔ "ابو حنیفہ ٔ وقت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ " یہ حضرت کا لقب ہے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ میں ان کی وہی شان جھلکتی ہے جو ایک عظیم الشّان فقیہ کی ہوتی ہے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ مجھ کو قرآن و حدیث میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ایسا نظر آتا ہے جیسے آسمان میں چودھویں رات کا چاند نظر آتا ہے، تو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک جو اتنا واضح اور روشن نظر آتا تھا تو یہ گہرے علم کے بعد ہی نظر آتا ہے، یعنی جو صحیح معنوں میں عالم ہوگا وہ ہی اس کی روح تک پہنچے گا، جس کے پاس علم ہی نہ ہو تو اس کو کیا نظر آئے گا، اس کے لئے تو چاند ایسا ہو جائے گا جیسے وہ مہینے کی آخری راتوں میں ہوا کرتا ہے کہ خوب تلاش کرنے کے بعد بھی دیکھو تو نظر نہ آئے، دنیاوی چاند کو دیکھنے کے لئے تو یہ ظاہری آنکھیں چاہئیں اور حنفی مذہب کو قرآن و حدیث میں دیکھنے کے لئے علمی آنکھیں چاہئیں۔

حضرت نانوتویؒ کی شان

دوسرے بزرگ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے علم و فضل کا کیا ٹھکانہ، ان کی اردو میں لکھی ہوئی کتابیں آج بھی موجود ہیں، مثلاً ''آبِ حیات'' حضرت کی اردو میں لکھی ہوئی مایہ ناز تصنیف ہے جو پڑھنے کے لائق ہے، لیکن حضرت نانوتویؒ کی اردو میں لکھی ہوئی کتابیں ایسی ہیں کہ بے چارے عوام اور عام عالم تو انہیں کیا سمجھیں گے، چوٹی کے علماء کا ذہن بھی کچھ دور جاکر غائب ہو جاتا ہے کہ اب حضرت کیا فرما رہے ہیں؟ ان کی یہ کتابیں ہیں تو اردو میں مگر ان کے اندر بڑا گہرا علم ہے اور منطق و فلسفہ کی اصطلاحات کا ایسا بے تکلف استعمال ہے جن کا ہمارے ہاں استعمال اور استحضار زیادہ معروف نہیں اور وہاں ان کی عادتِ ثانیہ ہے، وہ بے تکلف ان کے مطابق اردو میں کلام فرما رہے ہیں۔ بہرحال آج کے بڑے بڑے عالم بھی ان کو زیادہ نہیں سمجھ سکتے۔

حضرت کی ایک عجیب و غریب شان یہ بھی تھی کہ جب حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے تھے تو بیان کرتے کرتے درمیان میں کچھ ٹھہر جاتے تھے اور چند سیکنڈ وقفہ کرنے کے بعد پھر دوبارہ بیان شروع فرماتے تھے، تو کسی نے پوچھا حضرت! کیا بات ہے آپ مسلسل بیان نہیں فرماتے، دورانِ بیان آپ بار بار وقفہ فرماتے ہیں، کیا درمیان میں مضامین کی آمد بند ہو جاتی ہے یا بھول ہو جاتی ہے؟ حضرت نے

فرمایا: اصل بات یہ ہے کہ جب میں کوئی بات لوگوں کو بتلانا چاہتا ہوں اور سمجھانا چاہتا ہوں تو عین اس وقت میرے ذہن میں اس بات کو سمجھانے کے بیس بیس عنوانات آ جاتے ہیں کہ اِس بات کو میں اس طرح بھی دلنشین کر سکتا ہوں، اِس طرح بھی سمجھا سکتا ہوں، اِس طرح بھی بتا سکتا ہوں، اس وقت میں سوچنے لگتا ہوں کہ اِن میں سے کونسا عنوان اختیار کروں اور کونسا انداز اپناؤں جو لوگوں کے لئے زیادہ سے زیادہ نافع اور مفید ہو، اس لئے مجھے درمیان میں وقفہ کرنا پڑتا ہے اور ان عنوانات میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑتا ہے جو منجانب اللہ میرے ذہن میں آتے ہیں۔ تو بھائی! یہ علم کے اعلیٰ مقام پر فائز ہونے کی علامت ہے۔

براہِ راست فیضان علمی

ان لوگوں کا چونکہ سر چشمہ علوم یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس سے تعلق تھا، اس لئے کتابوں سے ہٹ کر علم براہِ راست ان کے دِل پر وارد ہوتا تھا، جیسا کہ حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

بینی اندر خود علومِ انبیاءؑ
بے کتاب و بے معید و اوستا

یعنی جب تمہارا اللہ جلّ شانہ سے صحیح تعلق قائم ہو جائے گا تو پھر تم اپنے دل کے اندر پیغمبرانہ علوم کا مشاہدہ بغیر کسی استاد و کتاب کے کروگے، اس لئے کہ استاد اور کتاب کی مدد تو بس ایک حد تک ہے، اس کے بعد پھر وہ

واسطہ ہٹ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے واسطہ قائم ہو جاتا ہے جو کہ سرچشمہ علوم ہیں، جب ان سے رابطہ قائم ہو جاتا ہے تو پھر درمیان کے تمام رابطے اور واسطے ختم ہو جاتے ہیں اور پھر براہِ راست منجانب اللہ جو علوم اِلقاء ہوتے ہیں ان کی کوئی انتہاء نہیں۔

عِلم و عمل کے جامع

ہمارے تمام اکابر علماءِ دیوبندؒ کی یہی شان تھی کہ ایک طرف تو ہر ایک علم کے اندر اپنے اپنے وقت کا امام تھا، دوسری طرف عمل میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا، طریقت کی اعلیٰ منزلیں ان حضرات نے طے کیں، اور طریقت کی وہ منزل جو مشکل سے سر ہوتی ہے یہ اکابر اُس کی انتہاء کو پہنچے ہوئے تھے اور وہ منزل تواضع کی ہے۔ تواضع طریقت کی وہ منزل ہے جو مشکل سے حاصل ہوتی ہے اور سب سے آخر میں آدمی اس پر فائز ہوتا ہے، ورنہ جس طرح علم کی وجہ سے بعض مرتبہ انسان کے اندر غرور اور بڑائی پیدا ہو جاتی ہے، اللہ بچائے اسی طرح اگر سالک طریقت میں شیخ کامل سے صحیح رہنمائی حاصل نہ کرے اور اس پر عمل نہ کرے تو بعض مرتبہ وہ اس راستے میں قدم رکھ کر بھی تکبر میں مبتلا رہتا ہے، اور جوں جوں وہ آگے بڑھتا ہے بڑائی کا خنّاس اس کے دماغ میں گھستا چلا جاتا ہے اور وہ اپنے کو بزرگ، اللہ والا اور عابد و زاہد سمجھنے لگتا ہے۔ بہرحال اگر کسی کو اس راستے میں تواضع نہ ملی تو سمجھ لیں وہ بالکل کورا اور محروم ہے، اس کو کچھ نہیں ملا۔

اس راہ میں پہلا قدم بھی تواضع ہے اور آخری قدم بھی تواضع ہے، اس کے بغیر کچھ نہیں۔

اللہ پاک نے ہمارے اِن اکابر کو باوجود علم و فضل کا بحر بے کراں ہونے کے تواضع میں بھی ایسا بے مثال بنایا تھا کہ انشاء اللہ ان کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ ان جیسی مثال نہیں لاسکتا۔ جس طرح علم و فضل کے اندر یہ اپنی مثال آپ ہیں، طریقت و تواضع اور مقامِ فناء الفناء پر فائز ہونے میں بھی یہ اپنی مثال آپ ہیں۔ ان حضرات نے اپنے اندر شریعت و طریقت دونوں کو جمع کیا ہے اور یہی ہمارے اِن دینی مدارس کا بنیادی مقصد ہے، اس مقصد کو ہمیں ذہن نشین کرنا چاہئے اور اسی کی طرف ہمیں قدم بڑھانا چاہئے، اگر اس راستے پر چلیں گے تو ہم علماءِ دیوبند کی طرف نسبت کرانے میں حق بجانب ہوں گے اور اگر خدانخواستہ ہم علم تو حاصل کر رہے ہیں لیکن ہماری اصلاح نہیں ہو رہی، تربیت و تزکیہ نہیں ہو رہا، اخلاق نہیں سدھر رہے، علم ہمارے عمل میں نہیں آرہا تو ہم اصل مقصود سے ہٹتے چلے جارہے ہیں۔

حضرت شیخ الہندؒ کی تواضع

ہمارے اِن حضرات میں سے ہر ایک کے تواضع کے اتنے واقعات ہیں کہ ان کے سننے اور سنانے کے لئے گھنٹوں چاہئیں۔ ایک واقعہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا عرض کرتا ہوں جو اس وقت میرے ذہن میں ہے۔

یہ واقعہ اس زمانے کا ہے جب حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا ہندوستان میں علم و فضل کا ڈنکا بج رہا تھا، ہندوستان میں آپ کی شہرت تھی، ہر آدمی آپ سے متاثر اور آپ کا نام لیوا تھا، اجمیر کی طرف وہ علماء زیادہ رہتے تھے جو علومِ عقلیہ کو زیادہ اہمیت دیتے تھے، اور طریقت سے ان کا کوئی خاص لگاؤ نہ تھا، اِن علماء کرام تک بھی حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی شہرت پہنچی، وہاں کے علماء میں حضرت مولانا معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے، انہوں نے جب یہ شہرہ سنا کہ دارالعلوم دیوبند کے اندر ایک ہستی ہے جس کو شیخ الہند کہا جاتا ہے اور ان کا بڑا چرچا ہے، تو سوچا کہ کبھی ان کی زیارت کرنی چاہئے، لہٰذا انہوں نے حضرت شیخ کی زیارت کا ارادہ کیا، چنانچہ ایک مرتبہ انہیں اجمیر سے دیوبند کی طرف آنا تھا اور وہاں سے آگے جانا تھا، انہوں نے یہ پروگرام بنایا کہ پہلے دیوبند اتریں اور دو چار گھنٹے حضرت شیخ الہند کے یہاں گزار کر اور اُن کی زیارت و ملاقات کر کے پھر آگے چلے جائیں، چنانچہ یہ ارادہ کر کے وہ اجمیر سے چلے، پہلی مرتبہ دیوبند کے اسٹیشن پر پہنچے، گاڑی سے اتر کر تانگے میں بیٹھے اور تانگے والے سے کہا کہ مجھے حضرت شیخ الہند سے ملنا ہے، ان کے پاس لے چلیں، چونکہ حضرت شیخ الہند دیوبند میں حضرت شیخ الہند کے لقب سے مشہور نہیں تھے، بلکہ دیوبند میں بڑے مولوی صاحب کے نام سے مشہور تھے اور شیخ الہند کے لقب سے دوسری جگہ مشہور تھے، اس لئے تانگے والے نے کہا کہ مجھے حضرت شیخ الہند کا تو معلوم نہیں کہ وہ کون ہیں اور کہاں رہتے ہیں؟ ہاں بڑے مولوی

صاحب کا گھر جانتا ہوں، مولانا معین الدین صاحب نے کہا کہ مجھے انہیں کے پاس پہنچا دو! گرمی کا زمانہ تھا، دوپہر کا وقت تھا، ٹانگے والے نے بڑے مولوی صاحب کے گھر کے دروازے پر ٹانگہ ٹھہرا دیا۔

مولانا معین الدین صاحب وہاں اتر گئے، انہوں نے جاکر دروازے پر دستک دی تو اندر سے ایک صاحب باہر نکلے جنہوں نے ناف کے اوپر تہبند باندھا ہوا تھا اور نیچے کا حصہ ٹخنوں سے اوپر تھا، باقی جسم پر نہ بنیان نہ ٹوپی اور نہ ہی کوئی دوسرا کپڑا تھا، چونکہ گرمی کا زمانہ تھا اس لئے وہ صاحب اسی لباس میں باہر تشریف لے آئے۔ مولوی معین الدین صاحب نے ان سے کہا کہ میں حضرت شیخ الہند سے ملنے آیا ہوں، میری ان سے ملاقات کرا دیجئے، ان صاحب نے کہا کہ ہاں میں ابھی ملاقات کراتا ہوں، آپ اندر بیٹھک میں تشریف رکھیں، انہوں نے اندر جاکر بیٹھک کھولدی اور انہیں چارپائی پر بٹھاکر خود اندر تشریف لے گئے اور تھوڑی دیر بعد ٹھنڈا شربت لاکر انہیں پلایا انہوں نے پانی پیا اور کہا کہ میں اجمیر سے آیا ہوں، حضرت شیخ الہند سے مجھے ملاقات کر کے اگلی گاڑی سے آگے جانا ہے، میں عجلت میں ہوں اس لئے آپ جلد از جلد میری حضرت سے ملاقات کرا دیں، انہوں نے کہا کہ انشاء اللہ ابھی ملاقات ہو جائے گی، گرمی کا وقت ہے، آپ بے فکر ہو کر آرام کریں، پانی پلا کر وہ اندر گئے اور تھوڑی ہی دیر میں کھانا لے کر آ گئے اور انہیں کھانا کھلایا، وہ درمیان میں بار بار تقاضا کرتے رہے کہ شیخ الہند کو جلدی بلاؤ تاکہ میں ان سے مل لوں اور ان کے انتظار میں مجھے مزید دیر نہ

لگے، انہوں نے کہا کہ اجی آپ کھانا تو کھایئے! ابھی ملاقات ہو جائے گی، کھانا کھلانے کے بعد انہوں نے مولانا معین الدین صاحب سے فرمایا کہ اب ایسا ہے کہ گرمی کا وقت ہے آپ لیٹ جائیں اور آرام فرمائیں، اور خود پنکھا لے کر جھلنے لگے، کیونکہ وہ مہمان تھے اور مہمان کا اکرام کرنا ضروری ہے، اب تو مولانا معین الدین صاحب کو غصہ آگیا اور غصے میں ہی ان سے کہا کہ میں تمہیں کافی دیر سے کہہ رہا ہوں کہ حضرت شیخ الہند سے ملاقات کراؤ، تم کبھی پانی پلا رہے ہو، کبھی کھانا کھلا رہے ہو، اور اب کہہ رہے ہو کہ لیٹ جاؤ، میں یہاں رہنے کے لئے آیا ہوں یا ملنے کے لئے آیا ہوں، میں اتنی دیر سے کہہ رہا ہوں، کیوں میری ملاقات نہیں کراتے ہو؟

اس وقت حضرت نے فرمایا کہ بھئی! شیخ الہند تو یہاں کوئی نہیں ہے، بندۂ محمود مجھے ہی کہا جاتا ہے۔ اللہ اکبر! بس یہ سننا تھا کہ ایسا لگا جیسے ان پر بجلی گر گئی ہو، کہنے لگے: آپ شیخ الہند ہیں؟ اور فرمایا حضرت! جیسا سنا تھا آپ کو اس سے بالا پایا، آپ نے اس قدر اپنے آپ کو مٹایا ہوا ہے کہ میں سمجھا یہ گھر کا کوئی نوکر اور خادم ہے، نہ جبہ ہے نہ قبہ ہے نہ عمامہ اور نہ کوئی شان و شوکت، کسی پہلو سے میں سمجھ ہی نہ سکا کہ آپ کو شیخ الہند کہتے ہیں، آپ کے معاملات دیکھ کر میں سمجھا کہ گھر کا کوئی ملازم ہے، حضرت! یہ کیا غضب ڈھا دیا، آپ نے واللہ جیسا میں نے سمجھا تھا آپ اس سے بھی بالا ہیں۔

یہ حضرت کی ظاہری تواضع تھی، اب باطنی تواضع بھی دیکھ لیں،

لیکن یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ تواضع کتابوں سے اور باب التواضع پڑھنے سے نہیں آتی، صحاح ستہ کی کتابیں ہم پڑھتے ہیں اور ان میں باب التواضع بھی پڑھتے ہیں لیکن بعض مرتبہ تواضع کی ہوا بھی نہیں لگتی، اس بارے میں یہ مشہور شعر ہے لیکن معنی خیز ہے:

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

ایک دین ہے اور ایک علم دین ہے، دونوں میں فرق ہے، علم دین کتابوں اور اساتذہ کرام سے آتا ہے، مگر دین یعنی عمل یہ اہل عمل سے اور اہل تقویٰ سے اور اللہ والوں کی صحبت و خدمت سے آتا ہے، تو لیجئے اب آپ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی باطنی تواضع کا بھی حال سن لیں۔

حضرت شیخ الہندؒ کی باطنی تواضع

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ کے استاد ہیں۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ "لوگوں نے ان کو شیخ الہندؒ کا لقب دے کر ان کی ناقدری کی ہے، اتنی بڑی ہستی کو اتنا چھوٹا لقب دیا، یہ تو شیخ العالم کہلانے کے لائق تھے نہ کہ شیخ الہند"

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون میں آنے سے پہلے کانپور کے اندر ایک مدرسہ جامع العلوم میں مدرس تھے، تقریباً چودہ برس حضرتؒ نے وہاں تدریس فرمائی ہے، وہاں یہ حال تھا کہ کانپور کے مقامی

علماء، علماءِ دیوبند کو کچھ نہیں سمجھتے تھے، ان کی نظروں میں علماءِ دیوبند کی کوئی خاص وقعت نہیں تھی، وہ لوگ علومِ عقلیہ کے ماہر تھے اور علومِ نقلیہ سے کچھ زیادہ تعلق نہ تھا، برائے نام ان کے ہاں قرآن و حدیث کی تعلیم ہوتی تھی، وہ لوگ منطق و فلسفے میں اپنے کو امام سمجھتے تھے، جبکہ علماءِ دیوبند الحمد للہ دونوں کے ماہر تھے، مگر ان کو یہ غلط فہمی تھی کہ علماء دیوبند معقولات جانتے ہی نہیں، ہم ہی جانتے ہیں اور ہمارا کوئی ثانی نہیں، اور یہ لوگ صرف قرآن و حدیث کے علوم ہی پڑھتے پڑھاتے ہیں۔ العیاذ باللہ ان کی نظر میں قرآن و حدیث کے علوم جو حقیقی علوم ہیں ان کی وقعت کم تھی اور جو علوم ہی نہیں بلکہ فنون ہیں ان کی وقعت زیادہ تھی، اس لئے یہ حضرات علماء دیوبند کو ذرا کم نظر سے دیکھتے تھے۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ چونکہ اندر کے آدمی تھے وہ جانتے تھے کہ ان کو مغالطہ ہو گیا ہے، اگر یہ کبھی ہمارے اکابر میں سے کسی کی تقریر سن لیں تو ان کو پتہ چل جائے کہ یہ علومِ عقلیہ کے کیسے ماہر ہیں بلکہ یہ تو ایسے ماہر ہیں کہ ان کو اُس کی ہوا بھی نہیں لگی، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ خواہش تھی کہ کبھی کانپور میں جلسہ ہو اور اکابر علماء دیوبند تشریف لائیں، خصوصاً حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف لائیں اور انہیں کا بیان بھی ہو اور خدا کرے ان کے بیان میں منطق اور فلسفے کے موضوع پر کلام ہو، تو اِن حضرات کو بھی پتہ چلے کہ یہ لوگ صرف منقولات ہی کے نہیں بلکہ معقولات کے بھی زبردست ماہر ہیں۔ حضرت تھانویؒ کی یہ خواہش خدا

خدا کرکے پوری ہونے کو آئی کہ کانپور میں جلسہ دستار بندی وغیرہ کا منعقد ہوا اور حضرت شیخ الہندؒ کا آنا بھی طے ہوا اور حضرت شیخ الہندؒ تشریف بھی لائے اور حضرت کا بیان بھی شروع ہوا، جب بیان شروع ہوا تو میرا یہ جی چاہنے لگا کہ یا اللہ! حضرت علومِ عقلیہ میں سے کسی علم کے کسی خاص موضوع پر کلام فرمائیں جیسا کہ حضرت کا نہایت ہی عالمانہ، فاضلانہ اور محققانہ کلام ہوا کرتا ہے اور اُسی دوران یہ لوگ جو اپنے کو معقولی سمجھتے ہیں آجائیں اور حضرت کی تقریر سنیں تو ان کے دماغ کے تالے کھل جائیں، اللہ کا شکر کہ اللہ نے میری یہ خواہش بھی پوری کردی کہ حضرت کا بیان کسی اور موضوع پر ہو رہا تھا کہ ہوتے ہوتے اسی موضوع پر چل پڑا، اور حضرت تو جس موضوع پر کلام فرماتے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ علم و فضل کا دریا بہہ رہا ہے، حضرت علومِ عقلیہ پر کلام کرنے لگے، ایسا لگ رہا تھا جیسے سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے، اور میں نے اِدھر اُدھر دیکھا کہ وہ لوگ ابھی آجائیں تو اچھا ہو، خدا کی شان کہ تھوڑی دیر میں میں نے دیکھا کہ ان کی پوری جماعت جلسے میں حضرت کا بیان سننے کے لئے آرہی ہے، میرا دل باغ باغ ہوگیا کہ ان لوگوں کو علماء دیوبند سے جو غلط فہمی ہے وہ دور ہو جائے گی، اور جن کے اعتقاد کمزور ہیں اگر معتقد نہ بھی ہوئے تو نہیں کم از کم اتنا تو پتہ چل جائے گا کہ عقلی علوم ہم ہی نہیں کوئی اور بھی جانتا ہے، اور علماءِ دیوبند صرف منقولات ہی کے نہیں بلکہ معقولات کے بھی امام ہیں۔ اب کیا ہوا کہ جیسے ہی وہ لوگ جلسہ گاہ میں داخل ہوئے اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ

علیہ کی ان پر نظر پڑی تو حضرت نے اپنا بیان ختم کر دیا اور وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ فرما کر نیچے اتر گئے۔ اب میں حیران رہ گیا کہ یا اللہ! یہی تو وقت تھا بیان کرنے کا اور اسی وقت حضرت نے بیان ختم کر دیا، میری وہ خلش جیسی تھی دل میں ویسی کی ویسی رہ گئی، میں اندر ہی اندر بڑا تڑپا کہ یا اللہ! حضرت نے یہ کیا کیا کہ وہ لوگ آئے تھے اور حضرت کا بیان بھی اُسی موضوع پر ہو رہا تھا کہ اچانک آپ خاموش ہو کر کرسی سے نیچے تشریف لے آئے۔ اس وقت تو بات کرنے کا موقع نہیں تھا کیونکہ سب جلسے میں بیٹھے ہوئے تھے، جب حضرت کے ساتھ تنہائی میں ملاقات ہوئی تو میں نے کہا کہ حضرت! اتنے دن کے بعد تو میری آرزو پوری ہونے والی تھی اور بیان کا وقت ابھی آیا تھا جب وہ جلسہ گاہ میں آئے تھے اور عین اُسی وقت آپ نے وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ فرما دیا؟ حضرت نے جواباً ارشاد فرمایا کہ ہاں میرے بھی ذہن میں یہ بات آگئی تھی کہ بیان کا وقت یہی ہے اس لئے بیٹھ گیا تھا، کہ اب یہ بیان علم بگھارنے کے لئے ہوگا اللہ کے لئے نہیں ہوگا، "اللہ اکبر" اور فرمایا کہ میرے دل میں یہ آیا اب یہ بیان ان کے لئے ہوگا اللہ کے لئے نہیں ہوگا، اس لئے میں نے وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہدیا کہ میں ان کو سنانے آیا تھا یا اللہ کو سنانے آیا تھا؟ میں تو اللہ کی رضا کے لئے بیان کر رہا تھا، جب تک اللہ کی رضا کے لئے ہوا وہ صحیح ہوا جب یہ لوگ آگئے تو اللہ تعالیٰ کے لئے خالص نہ رہا تو میں کیسے بیان کرتا۔

یہ اِن حضرات کے دل کا حال ہے، ہمارے تمام علماء دیوبند اسی خلوص کا پیکر تھے، لیکن یہ خلوص صرف باب الاخلاص پڑھنے سے نہیں آتا، یہ اللہ والوں کی صحبت و خدمت سے حاصل ہوتا ہے۔

یہ تھے ہمارے اکابر علماءدیوبند جنہوں نے علم و عمل دونوں کو جمع کیا، ہمیں بھی دونوں میں ماہر ہونے کی ضرورت ہے، علم کے اندر بھی اور عمل کے اندر بھی۔ اکابر علماء دیوبند کے بارے میں کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ "گو صحابی تو نہ تھے مگر صحابی کا نمونہ تھے" ایسا ہمیں بھی ہونے کی ضرورت ہے، مگر حال یہ ہے کہ دونوں کے اندر نہایت ہی کمزوری آچکی ہے،بلکہ علم سے جو مقصود ہے یعنی عمل اس میں معاملہ صفر ہے "العیاذ باللہ" اور جب عمل میں صفر ہے تو علم بھی صفر ہو رہا ہے، اس لئے علم کی لائن بھی کمزور سے کمزور تر ہو رہی ہے۔ یہ بات میں اپنی طرف سے نہیں بلکہ حضرت کی بات اور حضرت ہی کے ارشادات کی بنیاد پر کہہ رہا ہوں۔

بانی دارالعلوم کراچی سیدی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ علیہ فرماتے تھے کہ "اب ہمارے مدرسے بانجھ ہوگئے ہیں" بانجھ اس عورت کو کہتے ہیں جس کے اولاد نہ ہو جبکہ نکاح کا مقصد نیک اولاد حاصل کرنا ہے، ان مدرسوں کا مقصد اولیاء اللہ پیدا کرنا ہے اور بغیر علم کے اللہ والا ہو ہی نہیں سکتا، اس لئے ہمارے اکابر نے علم و عمل دونوں کو جمع کیا۔

جامعہ دارالعلوم کراچی کا مقصد

چنانچہ حضرت مفتی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے دارالعلوم کراچی اس لئے قائم کیا ہے کہ یہاں سے اللہ والے پیدا ہوں، اس لئے نہیں کہ یہاں سے کوئی بہت بڑا محقق پیدا ہو، کیونکہ محقق تو بہت پیدا ہو رہے ہیں اور ہم ایسا محقق پیدا کر بھی نہیں سکتے جیسا دنیا کے اندر یہود و نصاریٰ اور مستشرقین پیدا کر رہے ہیں، وہ لوگ قرآن کریم اور احادیث کی شرحیں لکھ رہے ہیں، لغتیں لکھ رہے ہیں اور ایسی لکھ رہے ہیں کہ شاید ہم بھی نہیں لکھ سکتے مگر پھر بھی وہ کافر کے کافر اور اسلام کے دشمن ہیں۔ اس لئے اصل مقصد یہ نہیں ہے بلکہ اصل مقصد اللہ والا پیدا کرنا ہے کہ وہ عالم بھی ہو اور ساتھ ساتھ باعمل بھی ہو، اب ان مدرسوں سے اللہ والے پیدا ہونا بند ہوگئے ہیں۔

عمل بھی سیکھیں

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی فرماتے تھے کہ علم و عمل دونوں سگے بھائی ہیں، جس جگہ علم آتا ہے وہ آکر اپنے بھائی عمل کو آواز دیتا ہے، اگر وہاں عمل ہوتا ہے تو علم بھی وہاں ٹھہر جاتا ہے، اگر عمل نہیں ہوتا تو پھر علم بھی وہاں سے چلا جاتا ہے، یعنی علم نافع نہیں رہتا کیونکہ دونوں سگے بھائی ہیں اکٹھے ہی رہیں گے اکیلے نہیں رہ سکتے۔ اس لئے ان مدارس میں اس

بات کی اشد ضرورت ہے، جس طرح ہم یہاں علم پڑھتے پڑھاتے ہیں اس کے ساتھ عمل بھی سیکھیں اور سکھائیں۔ ماشاء اللہ حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم نے اس کا اہتمام کیا ہوا ہے کہ مدرسہ اور خانقاہ ساتھ ساتھ ہیں، اللہ تعالیٰ اسے کامیاب فرمائیں اور جو مقصود ہے وہ حاصل ہو۔ اسی طرح الحمدللہ ہمارے یہاں دارالعلوم کراچی میں بھی اللہ پاک نے ایسا ہی فضل و کرم فرمایا ہوا ہے کہ وہاں بھی جہاں ایک طرف علم و فضل کی بہاریں ہیں وہاں دوسری طرف خانقاہ کا رنگ بھی الحمدللہ قائم و دائم ہے جو سب بانی دارالعلوم حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا فیض ہے۔

علم و عمل کے لئے محنت کی ضرورت ہے

جس طرح علم حاصل کرنے کے لئے وقت، محنت اور مال خرچ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح عمل حاصل کرنے کے لئے بھی ان تین چیزوں کی ضرورت ہے۔ یہ ہماری اپنے ساتھ انتہائی درجے کی ناانصافی ہے کہ درسِ نظامی کو پڑھنے کے لئے تو آٹھ سال یا سولہ سال لگاتے ہیں تاکہ یہ علوم شرعیہ ہمیں حاصل ہوں اور ہم عالم بن جائیں، لیکن باعمل بننے کے لئے آٹھ ماہ یا آٹھ عشرے یا ایک چلّہ بھی نہیں لگاتے، تو بتلاؤ جب علم کے لئے ہم نے سولہ سال یا آٹھ سال قربان کئے اور عمل کے لئے آٹھ مہینے بھی خرچ نہ کئے تو جس طرح محض آٹھ مہینے میں درسِ نظامی نہیں حاصل ہو سکتا تو پھر یہ بات یاد رکھئے کہ عمل بھی ہمارے پاس آٹھ مہینے نہ

لگانے کی صورت میں نہیں آسکتا، اور پھر اس کے بعد ہم یہ کہیں کہ اللہ کی رضا کے لئے پڑھ رہے ہیں اور اعدادیہ سے لے کر دورۂ حدیث تک ہم ہر سال یہی نیت کرتے اور کراتے ہیں کہ اللہ کے لئے پڑھ رہے ہیں، تو بھئی! اللہ کی رضا کے لئے پڑھنے کا مطلب کیا ہوا؟ اللہ تعالیٰ کی رضا تو محض پڑھنے سے حاصل نہیں ہوگی بلکہ پڑھ کر عمل کرنے سے حاصل ہوگی، تو پھر ہم کب تک اپنے آپ کو عمل سے غافل رکھیں گے، کیونکہ عمل کرنے کے لئے ہم نے نہ کوشش کی نہ وقت نکالا نہ محنت کی اور نہ ہی مال خرچ کیا، تو صرف خالی تمنا کرنے سے عمل ہرگز حاصل نہیں ہوسکتا، یہی تمنا اگر ہم گھر بیٹھ کر علم کے لئے کرتے تو کبھی بھی عالم نہ بنتے۔

یاد رکھئے! آٹھ سال اس طریقے سے لگانے کے بعد اگر عمل کے بارے میں یہی آرزو رہی تو پھر آٹھ کو دس سے ضرب دے کر اسّی ۸۰ سال بھی ہو جائیں تو بھی عمل کی حالت صفر ہی رہے گی، کیونکہ آرزو اور تمنا سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ عمل کو حاصل کرنے کے لئے عزمِ مصمّم اور جہدِ مسلسل شرط ہے جیسے عالم بننے کے لئے مذکورہ چیزوں کی ضرورت ہے۔

حضرت تھانویؒ کا درد بھرا ارشاد

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ملفوظ میں نے پڑھا ہے بڑے درد سے فرماتے تھے کہ:

اے اِن مدرسوں کے پڑھنے والے طلباء! تم علم حاصل

کرنے کے لئے آٹھ سال اپنے پاس سے نکلتے ہو، کم
از کم عمل کے لئے آٹھ مہینے ہی نکال لو اور میری خانقاہ
میں آجاؤ!

رمضان شریف کا مہینہ جو خالص توجہ إلی اللہ کا مہینہ ہے، اس مقدس مہینے میں حضرت تھانویؒ کے ہاں لوگوں کی اصلاح کے لئے شامیانہ لگ جاتا تھا، اس لئے کہ مدارس کے علماء و طلباء اس زمانے میں چھٹیاں ہونے کی وجہ سے بکثرت حضرت کی خدمت میں اصلاح کے لئے حاضر ہوتے تھے، اور خانقاہ چھوٹی پڑ جاتی تھی اور شامیانہ لگانے کی ضرورت پیش آجاتی تھی، اور حضرت اپنی یکسوئی قربان کر کے ان کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے کہ چلو ان چھٹیوں کے زمانے میں انہیں کچھ حاصل ہو جائے۔

علم اور عمل دونوں کی کوشش

محترم بزرگو اور عزیز اساتذہ اور طلباء و طالبات! اگر ہم علماء دیوبند سے وابستہ ہیں اور اکابر علماء دیوبند سے ہمارا تعلق ہے تو اس تعلق کا حاصل یہ ہے کہ ہم دو باتوں کو اختیار کریں۔

﴿۱﴾ علم حاصل کرنے میں تن من دھن قربان کر دیں اور اس میں کامل مہارت حاصل کریں اور اپنے اندر پوری صلاحیت پیدا کریں جس کی آج کل شدید ضرورت ہے۔

﴿۲﴾ اس سے کہیں زیادہ تن من دھن باعمل بننے میں قربان

کریں، لہٰذا درجہ اعدادیہ سے ہی ہمیں عمل کی کوشش شروع کر دینی چاہئے تاکہ جب ہم دورہ حدیث سے فارغ ہوں تو علم و عمل دونوں کے جامع ہوں۔ ہمارے تمام اکابر علماء دیوبند کو اس وقت سے لے کر شروع کے اس دور تک جس کا میں نے ابتداءً تذکرہ کیا تھا، آپ انشاء اللہ ان کو ایسا ہی پائیں گے کہ علم کے اندر بھی اللہ پاک نے ان کو اپنی مثال آپ بنایا تھا اور عمل میں بھی ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ اور طریقہ یہی ہے کہ اس کے لئے محنت اور کوشش کرنی ہوگی کیونکہ بغیر محنت اور کوشش کے کچھ نہیں ہو سکتا۔ انہیں کلمات پر میں اکتفاء کرتا ہوں اور آپ سب حضرات سے اپنے لئے دعا چاہتا ہوں کہ اللہ پاک نے جن بزرگوں کی یہ باتیں کہنے کی توفیق عطا فرمائی ہے ان کے علمی و عملی کمالات میں سے کوئی ذرہ اپنے فضل سے مجھے بھی عطا فرما دیں اور آپ کو بھی عطا فرما دیں اور ہم میں سے کوئی بھی اس سے محروم نہ رہے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

خواتین کا پردہ

پاکدامنی کا ذریعہ

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی بیانات : جلد نمبر: ۵

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

خواتین کا پردہ

پاکدامنی کا ذریعہ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ نَحۡمَدُہٗ وَ نَسۡتَعِیۡنُہٗ وَ نَسۡتَغۡفِرُہٗ وَ نُؤۡمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّاٰتِ اَعۡمَالِنَا ۔ مَنۡ یَّھۡدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَاَشۡھَدُاَنۡ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَاشَرِیۡکَ لَہٗ وَاَشۡھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّداً عَبۡدُہٗ وَ رَسُوۡلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسۡلِیۡمًا کَثِیۡرًا ۔

أَمَّا بَعۡدُ! فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلۡ لِّاَزۡوَاجِکَ وَبَنٰتِکَ وَنِسَآءِ

الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَا بِیْبِهِنَّ
ذٰلِكَ اَدْنٰی اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْ ذَیْنَ وَ کَانَ اللّٰهُ
غَفُوْرًا رَّحِیْمًا o صدق اللّٰہ العظیم۔

(سورۃ الاحزاب، آیت ۶۹)

نماز روزے کی طرح پردہ بھی فرض ہے

میرے قابل احترام بزرگو! آج میں انشاء اللہ تعالیٰ آپ حضرات کی خدمت میں اس آیت کی روشنی میں خواتین کے پردے بارے میں کچھ باتیں عرض کروں گا تاکہ مردوں اور خواتین دونوں کو شرعی پردہ کے ضروری احکام معلوم ہوں۔

خواتین کو پردہ کا حکم اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے ذریعہ دیا ہے، چنانچہ میں نے ابھی جو آیت تلاوت کی ہے، اس آیت میں بھی پردہ کا حکم ہے اور اس کے علاوہ متعدد آیات میں صاف صاف پردے کے احکام موجود ہیں اور شریعت کا قاعدہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں جب اللہ تعالیٰ کسی کام کا حکم دے دیں تو وہ کام فرض ہو جاتا ہے۔ نماز کا حکم اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں دیا، اس لئے مسلمان مردوں اور عورتوں پر نماز فرض ہے۔ رمضان شریف کے روزوں کا حکم اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں دیا، اس لئے رمضان کے روزے مردوں اور عورتوں پر فرض ہیں۔ اسی طرح زکوٰۃ اور حج کا حکم بھی قرآن کریم میں آیا ہے، اس لئے یہ چاروں فرائض اسلام میں شامل ہیں۔ اسی طرح پردہ کا حکم بھی قرآن کریم میں آیا ہے، اس لئے مسلمان عورتوں پر پردہ کرنا فرض

ہے۔

پردہ نہ کرنے پر سخت وعیدیں ہیں

اور جس طرح نماز نہ پڑھنا، رمضان کے روزے نہ رکھنا، زکوٰۃ فرض ہونے کے باوجود ادا نہ کرنا، حج فرض ہونے کے باوجود ادا نہ کرنا بڑا گناہ ہے، اسی طرح جب مسلمان خاتون پر بالغ ہونے کی وجہ سے پردہ فرض ہو جائے تو اس فرض کو ادا نہ کرنا بڑا گناہ ہے۔ اسی وجہ سے پردہ نہ کرنے پر احادیث میں بڑے خوفناک عذاب کی وعیدیں آئی ہیں۔ جس طرح نماز نہ پڑھنے پر، روزہ نہ رکھنے پر، زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر اور حج نہ کرنے پر قسم قسم کے عذابوں کا ذکر ہے، اسی طرح جو خواتین شرعی پردہ نہیں کرتیں، ان کے لئے بھی طرح طرح کے عذابوں کی وعیدیں آئی ہیں۔

پردہ کرنے پر شکر ورنہ استغفار

اس سے آپ اندازہ کریں کہ نماز روزے کی طرح شرعی پردہ بھی ایک مسلمان خاتون کے لئے ضروری ہے۔ جو خواتین شرعی پردہ کرتی ہیں وہ تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ایک حکم بجا لا رہی ہیں اور جو خواتین شرعی پردہ نہیں کرتیں، انہیں چاہئے کہ شرعی پردہ کا اہتمام کریں اور اس پردہ کو ضروری سمجھیں، اور اگر اس میں کچھ کوتاہی ہو رہی ہے تو اس کو اپنی کوتاہی سمجھیں اور اپنے کو گناہ گار سمجھیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ یا اللہ! میں اپنی غلطی کا اعتراف کرتی ہوں اور آپ کے اس حکم کو صحیح سمجھتی ہوں، آپ مجھے

ہمت عطا فرمائیں کہ میں اس حکم پر عمل کروں۔

دو گناہ گاروں میں فرق

دیکھئے! ایک شخص وہ ہے جو گناہ کرتا ہے لیکن گناہ کو گناہ سمجھتا ہے اور اپنی غلطی کا اقرار کرتا ہے اور اللہ جل شانہ کی طرف رجوع کرتا ہے، معافی مانگتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ یا اللہ! مجھے اس گناہ سے بچنے کی ہمت اور توفیق دیدیجئے۔ دوسرا شخص وہ ہے جو گناہ کرتا ہے لیکن اس گناہ کو گناہ نہیں سمجھتا بلکہ یہ کہتا ہے کہ یہ شریعت کا حکم نہیں ہے، یہ تو مولویوں نے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے وغیرہ وغیرہ، ان دونوں شخصوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ یہ دوسرا شخص شریعت کے حکم کو ماننے اور اس پر عمل کرنے سے انکار کر رہا ہے اور اس حکم کو من گھڑت کہہ رہا ہے، اس کا تو ایمان ہی جا رہا ہے اور پہلا شخص جو گناہ کا اقراری مجرم ہے، کم از کم اس کا ایمان تو محفوظ ہے، اور جب وہ گناہ کا اقرار کر رہا ہے تو ایک دن انشاء اللہ اس کو گناہوں سے سچی توبہ کرنے کی بھی توفیق ہو جائے گی۔

یہ خطرناک بات ہے

پردہ کے حکم کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے کہ بعض لوگ ایسے ہیں کہ قرآن کریم اور حدیث شریف میں واضح طور پر پردہ کا حکم موجود ہونے کے باوجود اس کو نہیں مانتے یا حکم تو مانتے ہیں مگر صاف صاف یہ کہہ دیتے ہیں کہ آج کے دور میں اس پر عمل ناممکن ہے، اور پھر طرح طرح کے حیلے اور بہانے اس حکم پر

عمل نہ کرنے کے لئے نکالتے رہتے ہیں، یہ بہت خطرناک بات ہے، اس لئے ہر مسلمان مرد وعورت کو بچنا چاہئے۔

پردہ کو تسلیم کریں اور توبہ کریں

البتہ اگر اپنی کمزوری یا ماحول سے مرعوب ہونے کی بناء پر بعض خواتین شرعی پردہ کا اہتمام نہ کر پاتی ہوں اور ان کے لئے ایک دم سے پورے شرعی پردے پر عمل کرنا مشکل ہو رہا ہو تو انہیں چاہئے کہ وہ اس حکم کو تسلیم کریں اور اقرار کریں کہ یا اللہ! بیشک یہ آپ کا حکم ہے، میں اس کو بلاشبہ مانتی ہوں، لیکن میں خطاکار ہوں، سیاہ کار ہوں، یا اللہ! مجھے فوری طور پر اس پر عمل کرنا مشکل معلوم ہو رہا ہے، میں بہت کمزور ہوں، لیکن میں وعدہ کرتی ہوں کہ اس حکم کو بجالاؤں گی اور اس حکم پر عمل کرنے کی پوری کوشش کروں گی، یا اللہ! میری اعانت اور نصرت فرما اور میرے دل کو اور میرے ایمان کو اتنا مضبوط اور قوی فرما کہ میں دل و جان سے اس حکم کو پوری طرح بجالاؤں۔ پھر جب تک وہ اس گناہ کے اندر مبتلا رہے، اس گناہ سے برابر توبہ کرتی رہے اور یہ عزم کرتی رہے کہ میں انشاء اللہ تعالیٰ اپنا ماحول بدلوں گی اور اس حکم پر پورا پورا عمل کروں گی۔

گھر کے اندر رہنے والے نامحرم سے پردہ کا طریقہ

بہرحال! قرآن و حدیث کی روشنی میں مسلمان خواتین کے لئے اصل حکم یہ ہے کہ وہ اپنے گھر کے اندر رہیں، ان کا گھر کے اندر رہنا یہ بھی پردہ کی

ایک شکل ہے، لہٰذا جہاں تک ہو سکے مسلمان خواتین اپنے گھروں کے اندر رہیں اور بلاضرورت گھر سے باہر نہ نکلیں۔

خواتین کو چاہئے کہ گھر کے اندر جو نامحرم رشتہ دار مرد رہتے ہیں ان سے بھی پردہ کا اہتمام کریں، مثلاً دیور ہے یا جیٹھ ہے، ان سے بھی پردہ کا اہتمام کریں، اسی طرح جو نامحرم مرد گھر میں آتے جاتے ہیں، جیسے شوہر کے چچا، تایا، ماموں وغیرہ، ان سے بھی پردہ کا اہتمام کریں۔

ان رشتہ داروں سے پردہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جب وہ خاتون اپنے کمرے سے باہر نکلنے کا ارادہ کرے اور اس کو یہ اندازہ ہو کہ کمرہ سے باہر نامحرم مرد موجود ہیں تو وہ خاتون نماز پڑھنے کا دوپٹہ اپنے سر پر اس طرح لپیٹ لے جس طرح نماز میں لپیٹا جاتا ہے اور اس میں سر کے بال، گردن اور دونوں بازو کلائیوں تک چھپ جائیں، البتہ ہتھیلیاں کھلی رہیں تو کوئی مضائقہ نہیں اور بہتر یہ ہے کہ چہرے کے آگے گھونگٹ ڈال لے، جیسے پہلے زمانے کی شریف خواتین کیا کرتی تھیں، لہٰذا گھونگٹ ڈال کر گھر کے سارے کام انجام دے۔ گھر کے اندر دیور اور جیٹھ سے اور دوسرے گھر کے نامحرم مردوں سے بوقت ضرورت بات کرنا بھی جائز ہے، ان کی خیریت پوچھنا بھی جائز ہے، ان کو کھانا دینا بھی جائز ہے، ان سے گھر کی ضرورت کی اشیاء منگوانا بھی جائز ہے، اس طرح گھر داری کے سارے کام انجام دے سکتی ہے۔

چہرہ اور ہتھیلیاں کھولنے کی گنجائش

اگر کسی خاتون کو چہرے پر گھونگٹ ڈالنا مشکل ہو تو اس صورت میں ہمارے علماء کرام نے فرمایا ہے کہ اگر چہرہ اور دونوں ہتھیلیاں کھلی ہوئی ہوں، لیکن کلائیاں چھپی ہوئی ہوں تو اس کی بھی گنجائش ہے، البتہ بہتر یہ ہے کہ چہرے پر گھونگٹ رہے، اس لئے کہ عورت کا چہرہ حسن و جمال کا مرکز ہے اور اس کے کھلے رہنے کی وجہ سے فتنہ پھیلنے کا خطرہ ہے، لہٰذا جس گھر میں نامحرم مردوں سے فتنہ کا اندیشہ ہو، وہاں تو گھونگٹ ڈالنے کا اہتمام کرنا ہی چاہئے لیکن جہاں فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، وہاں گھونگٹ نہ ڈالنے کی بھی گنجائش ہے۔ بہر حال! یہ حکم تو ان نامحرم مردوں سے پردے کے بارے تھا جو گھر کے اندر رہتے ہیں، اس لئے کہ ہر وقت اپنے کمرے میں چھپ کر رہنا بھی مشکل ہے اور برقع پہن کر گھر کے کام کاج کرنا بھی مشکل ہے، اس لئے شریعت نے یہ سہولت عطا فرما دی ہے تاکہ سہولت کے ساتھ خواتین گھر کا کام انجام دے سکیں۔

باہر سے آنے جانے والے رشتہ داروں سے پردہ کا طریقہ

کچھ نامحرم مرد وہ ہوتے ہیں جو گھر کے اندر تو نہیں رہتے لیکن گھر میں بے تکلف آتے جاتے رہتے ہیں، جیسے بیوی یا شوہر کے چچا زاد بھائی، تایا زاد بھائی، پھوپھی زاد بھائی، ماموں زاد بھائی، خالہ زاد بھائی وغیرہ، یہ رشتے کے بھائی کہلاتے ہیں، ان سے کوئی خاص پردے کا اہتمام نہیں کیا جاتا، حالانکہ ان سے پردے کا اہتمام ہونا چاہئے۔ ان رشتہ داروں سے پردہ کرانے کا طریقہ

یہ ہے کہ گھر کے جو بڑے ہیں، وہ سب ایک مرتبہ بیٹھ کر اس مسئلے کو طے کریں اور سب سے یہ کہہ دیں کہ آج کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ ہمارے گھر میں پردے کا اہتمام ہوگا، لہٰذا جتنے بھی رشتے کے بھائی ہیں یا دوسرے نامحرم مرد جو رشتہ دار ہیں اور گھر کے اندر آتے ہیں، آئندہ جب وہ آئیں گے تو انہیں بیٹھک میں اور ڈرائنگ روم میں بٹھایا جائے گا، یہ حضرات جواب تک سیدھے گھر کے اندر چلے جاتے تھے اور خواتین کے کمروں میں بھی داخل ہو جاتے تھے اور خواتین کے قریب بے تکلّف جا کر بیٹھ جاتے تھے اور ان سے بے تکلّف باتیں شروع کر دیتے تھے، آئندہ اس صورت حال سے بچیں گے اور پرہیز کریں گے۔

مردوں کو مردانہ کمرے میں بٹھایا جائے

جب بھی کوئی نامحرم مرد گھر میں آئے، چاہے وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو، وہ مرد ہی سے ملے گا، وہ گھر کی نامحرم خواتین سے نہیں ملے گا، ہاں اگر محرم ہو تو بے شک وہ خواتین سے بھی ملے، کیونکہ ان سے پردہ ہی نہیں ہے۔ بہر حال! اس طرح ایک مرتبہ سب کو بٹھلا کر طے کرنا ہوگا، جب اس طرح ایک مرتبہ طے کر لیا جائے گا تو پھر خواتین کے لئے بھی نامحرم مردوں سے پردہ کرنا آسان ہو جائے گا۔ طے کرنے کے بعد بیوی کے نامحرم رشتہ دار اور شوہر کے نامحرم رشتہ دار مثلاً شوہر کے چچا، شوہر کے تایا، شوہر کے خالو، شوہر کے پھوپھا، شوہر کے ماموں، یہ سب چونکہ بیوی کے لئے نامحرم ہیں یا بیوی کے خالہ زاد، تایا زاد، چچا زاد، ماموں زاد وغیرہ آئیں تو ان سے صرف گھر کے مرد ملاقات

کریں اور ان کو مردانہ کمرے میں بٹھایا جائے، گھر کی خواتین ان سے بات کرنا چاہتی ہیں تو وہ پردے کے پیچھے سے بات کرلیں یا انٹر کام پر بات کرلیں یا فون پر بات کرلیں۔

تو ہی اگر نہ چاہے تو بہانے ہزار ہیں

یہ عمل چند روز تو عجیب محسوس ہوگا، لیکن اس کے اندر آپ کو بھی بڑی عافیت محسوس ہوگی اور خواتین کو بھی اس کے اندر راحت محسوس ہوگی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ شرعی پردہ کا اہتمام ہو جائے گا اور بے پردگی کے گناہ سے مرد اور خواتین دونوں بچ جائیں گے۔ لہٰذا اس عمل کے لئے خواتین کو اپنا ذہن تیار کرنے کی ضرورت ہوگی اور مردوں کو ان کی مدد کرنے کی ضرورت ہوگی، اس طرح جب آپس میں سب باتیں طے کرلیں گے تو ذرا سی دیر میں یہ مسئلہ حل ہو جائے گا اور اگر مرد اور خواتین اس کام کے لئے تیار نہ ہوں تو ساری عمر یہ گناہ ہوتا رہے گا۔

تو ہی اگر نہ چاہے تو بہانے ہزار ہیں
اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

چونکہ گناہ کا احساس نہیں اور اس گناہ سے بچنے کا اہتمام نہیں اور اس سے بچنے کی فکر نہیں ہے، اس لئے بچنا مشکل معلوم ہوتا ہے، ورنہ بچنے کا آسان طریقہ موجود ہے۔

گھر سے باہر نکلتے وقت پردہ کی کیفیت

خواتین کو بقدر ضرورت گھر سے باہر نکلنا جائز ہے، لیکن جب گھر سے باہر نکلیں تو شرعی پردہ کے ساتھ نکلیں، شرعی پردہ کے اندر چند بنیادی باتیں ہیں جن کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

﴿۱﴾ چادر یا برقع سے پورا جسم چھپے

پہلی بات یہ ہے کہ جب کوئی خاتون گھر سے باہر نکلے تو اپنے پورے جسم کو کسی موٹی لمبی چوڑی چادر سے یا برقع سے اچھی طرح چھپا کر نکلے، البتہ راستہ دیکھنے کے لئے ایک آنکھ کھولنے کی اجازت ہے یا اپنے چہرے پر ایسی نقاب ڈال لے جس سے پردہ بھی ہو جائے اور راستہ بھی نظر آ جائے اور کوشش اس بات کی کی جائے کہ جسم کا کوئی حصہ کھلنے نہ پائے۔

﴿۲﴾ چادر اور برقع موٹا ہو

دوسری بات یہ ہے کہ وہ چادر یا برقع اتنا بڑا اور موٹا ہو کہ سر سے لے کر پاؤں تک جسم اور لباس کا کوئی حصہ اس میں سے جھلکنے نہ پائے، اگر باریک ہوگا تو جسم اور کپڑے جھلکیں گے، اس سے پردے کا مقصد حاصل نہیں ہوگا، اور وہ چادر یا برقع چاہے کالے رنگ کا ہو یا سفید رنگ کا، کوئی خاص رنگ ضروری نہیں ہے۔

﴿۳﴾ برقع مزیّن نہ ہو

تیسری بات یہ ہے کہ وہ چادر یا برقع بھڑک دار، مزیّن اور پھول بوٹیوں سے آراستہ نہ ہو۔ کیونکہ خواتین کے لئے گھر سے باہر نکلتے وقت یہ حکم ہے کہ وہ اپنی آرائش، اپنی زیبائش اور اپنی خوبصورتی کو چھپا کر نکلیں، عموماً خواتین کا لباس بھی خو بصورت، زیورات بھی خوبصورت، وضع قطع بھی خوبصورت ہوتی ہے، ان سب کو چھپا کر نکلنے کا حکم ہے، لہٰذا برقع کا کپڑا خوبصورت اور پھول بوٹیوں اور بیلوں والا نہیں ہونا چاہئے، بلکہ برقع بالکل سادہ ہونا چاہئے، نہ وہ چمکدار ہو، نہ بھڑک دار ہو، نہ بیل دار ہو، نہ پھول دار ہو، اور اتنا بڑا ہو کہ سر سے پیر تک سارے جسم کو ڈھانپ لے۔

﴿۴﴾ برقع ڈھیلا ڈھالا ہو

چوتھی بات یہ ہے کہ وہ برقع اتنا ڈھیلا ڈھالا ہو کہ اس کے اندر سے جسم کے اعضاء کی ہیئت نمایاں نہ ہو، اگر برقع چست ہوگا تو پھر پردہ کا مقصد حاصل نہیں ہوگا، اس لئے کہ چست ہونے کے نتیجے میں جسم کی بناوٹ اور ہیئت نمایاں ہو جائے گی، اس سے پردہ کا مقصد فوت ہو جائے گا، اس لئے برقع خوب ڈھیلا ڈھالا ہونا ضروری ہے۔

﴿۵﴾ خوشبو لگی ہوئی نہ ہو

پانچویں بات یہ ہے کہ اس برقع کے اوپر یا اندرونی لباس میں کسی قسم کی

پھیلنے والی خوشبو لگی ہوئی نہ ہو۔ اگر ایسی خوشبو لگی ہو جس کی مہک باہر نہ آئے بلکہ اندر ہی محدود رہے تو اس میں کچھ حرج نہیں، مہکنے اور پھیلنے والی خوشبو لگا کر گھر سے باہر نکلنے والی خواتین کے بارے میں سخت وعید آئی ہے، اس لئے ایسی خوشبو لگا کر باہر نکلنا جائز نہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں :

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو زنا کار فرمایا ہے۔ (نسائی)

بہر حال! مندرجہ بالا پانچوں باتوں کا لحاظ کرتے ہوئے خاتون ضرورت کے وقت گھر سے باہر نکل سکتی ہے۔

شہر کے اندر محرم کی ضرورت نہیں

پھر اگر اس خاتون کا گھر سے باہر نکلنا اپنے شہر کے اندر ہو تو اس کے ساتھ محرم ہونا بہتر ہے، ضروری نہیں۔ اسی طرح اگر وہ خاتون سفر پر جا رہی ہے لیکن وہ سفر اڑتالیس میل یا تقریباً ۷۷ کلومیٹر سے کم ہے تو بھی محرم کا ساتھ ہونا ضروری نہیں، جبکہ کسی فتنہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ نہ ہو، ورنہ اکیلے سفر سے بچنا چاہئے اور اگر وہ خاتون اڑتالیس میل یا تقریباً ۷۷ کلومیٹر سے زیادہ دور کہیں سفر میں جانا چاہتی ہے، چاہے کراچی سے حیدرآباد، سکھر، ملتان یا لاہور کا سفر کرنا چاہتی ہے یا حج وغیرہ کے سفر پر جانا چاہتی ہے تو مذکورہ تمام پابندیوں کے ساتھ ساتھ اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس سفر میں اس کے ساتھ اس کا محرم مرد یا شوہر کا ہونا ضروری ہے، بغیر شوہر کے یا بغیر محرم کے اتنا لمبا سفر کرنا یا خدانخواستہ نامحرم مرد کے ساتھ سفر کرنا جائز نہیں، سراسر گناہ

ہے۔

سفرِ حج کیلئے محرم کا ہونا ضروری ہے

دیکھئے! اگر کسی خاتون پر حج فرض ہو گیا لیکن سفرِ حج کے لئے اس کو محرم نہیں مل رہا ہے، مثلاً شوہر جانے کے لئے تیار نہیں یا اس کے محرم مثلاً باپ، بھائی، سگا بھتیجا، سگا بھانجا موجود ہیں، لیکن ان میں سے کوئی بھی جانے کے لئے تیار نہیں ہے، یا ان کو لے جانے کے لئے عورت کے پاس کرایہ نہیں ہے، تو شرعاً اس کو اکیلے حج کے سفر پر جانے کی اجازت نہیں، کیونکہ اس صورت میں حج ادا کرنا ہی اس کے ذمے ضروری نہیں، بلکہ ایسی خاتون کے لئے شرعی حکم یہ ہے کہ ساری عمر محرم کا انتظار کرے، اگر زندگی میں محرم ساتھ جانے والا میسّر آجائے یا شوہر ساتھ جانے کیلئے تیار ہو جائے تو اس کے ساتھ حج کرنے کے لئے چلی جائے، اگر ساری زندگی کوئی محرم نہ ملے تو اس کے لئے حکم یہ ہے کہ اپنی طرف سے حج بدل کرنے کی وصیت کر دے کہ میرے اوپر حج فرض تھا لیکن مجھے حج ادا کرنے کے لئے محرم نہ مل سکا، لہٰذا میں وصیت کرتی ہوں کہ میرے مرنے کے بعد میرے مال سے میرا حج بدل کرا دیا جائے۔

یہ ہے شریعت کا حکم، شریعت نے یہ نہیں کہا کہ جب تمہارے اوپر حج فرض ہے اور تمہیں محرم نہیں مل رہا ہے، تو تم محرم کے بغیر حج کرنے چلی جاؤ، ہرگز یہ حکم نہیں دیا۔ یہ ساری احتیاط اور مکمل پردہ کا حکم محض اس لئے ہے تاکہ عورت کی عزت اور عصمت محفوظ رہے۔

بے پردگی پر سخت وعیدیں

لہٰذا جو عورتیں گھر کے اندر نامحرموں سے پردہ نہیں کرتیں یا جو خواتین گھر سے باہر نکلنے کے وقت پردہ کے ساتھ نہیں نکلتیں، ان کے بارے میں احادیث میں بڑی سخت وعیدیں آئی ہیں، وہ ان کو پڑھیں اور بے پردگی کے سنگین گناہ سے بچیں اور شرعی پردہ کا اہتمام کریں، اللہ پاک توفیق بخشیں، آمین۔

چار جنتی عورتیں

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چار عورتیں جنتی ہیں اور چار عورتیں دوزخی ہیں۔

﴿۱﴾ جنت میں جانے والی چار عورتوں میں سے ایک عورت وہ ہے جو نہایت عفیف اور پاکدامن ہو، اللہ جل شانہ کی بھی فرمانبردار ہو اور اپنے شوہر کی بھی اطاعت کرتی ہو۔

﴿۲﴾ دوسری عورت وہ ہے جو بہت حیادار ہو اور شرم و حیا کا پیکر ہو، جب شوہر گھر میں موجود نہ ہو تو اپنی عزت کی حفاظت کرتی ہو، نامحرم مردوں سے ناجائز تعلق نہ رکھتی ہو، اور جب شوہر گھر پر ہو تو اپنی زبان درازی سے اس کو تکلیف نہ دیتی ہو۔

﴿۳﴾ تیسری عورت وہ ہے جو بہت بچوں والی ہو اور ان بچوں کی قدردان

ہو اور صابر ہو اور شوہر کی طرف سے اس کو جو کچھ ملتا ہے اس پر صبر کے ساتھ قناعت کرتی ہو اور اس پر راضی رہتی ہو۔

﴿۴﴾ چوتھی عورت وہ ہے جس کے شوہر کا انتقال ہوگیا ہو اور اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہوں اور ان بچوں کے خاطر قربانی دیتے ہوئے وہ دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے، کیونکہ نکاح کے بعد شوہر کے حقوق ادا کرنے ہوتے ہیں جس کی وجہ سے بچوں کی تربیت صحیح نہیں ہوسکے گی، اس لئے اس نے ان بچوں کی تربیت اور پرورش کی خاطر دوسرا نکاح نہ کیا اور اسی طرح اس نے زندگی گزار دی۔ (الزواجر)

یہ چار عورتیں جنتی ہیں جو جنت میں جائیں گی۔

چار دوزخی عورتیں

دوزخ میں جانے والی چار عورتیں یہ ہیں:

﴿۱﴾ ایک وہ عورت جو بدزبان ہو، شوہر کے ساتھ بدزبانی کرتی ہو، اس کی ہر بات کا جواب دینا، اس کو طعنے دینا، اس کے والدین کو بُرا بھلا کہنا، اس کے گھر والوں کو بُرا بھلا کہنا، اس کا معمول ہو اور وہ اپنی ان بری عادتوں کی وجہ سے شوہر کو ایذاء اور تکلیف پہنچاتی ہو اور جب شوہر گھر میں نہ ہو تو اس وقت اپنی عزت کی بھی حفاظت نہ کرتی ہو، ایسی عورت دوزخی ہے۔

﴿۲﴾ دوسری وہ عورت جو شوہر کی مالی حیثیت سے بڑھ کر اس سے اپنی

فرمائشیں اور طرح طرح کے مطالبات کرتی ہو، فلاں چیز لا کر دو، فلاں کام کر دو، اس عورت کو اس سے کوئی غرض نہیں کہ میرے شوہر کی کیا آمدنی ہے، اس آمدنی کے ذریعہ ہم اپنی جائز خواہشات کس حد تک پوری کر سکتے ہیں، اس سے اس کو کوئی واسطہ نہیں، شادی کے بعد سے روزانہ اس کے نئے نئے مطالبے اور نئی نئی خواہشات شوہر کے سامنے آتی رہتی ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کا شوہر جب یہ دیکھتا ہے کہ جائز آمدنی سے اس کے مطالبات پورے نہیں ہوتے تو وہ ناجائز آمدنی کے ذرائع تلاش کرتا ہے تو ایسی عورت بھی دوزخی ہے۔

﴿۳﴾ تیسری وہ عورت جو بے پردہ گھر سے باہر نکلنے کی عادی ہو۔ یعنی جب بھی وہ گھر سے باہر نکلتی ہے تو آراستہ پیراستہ ہو کر بے پردہ گھر سے باہر نکلنے کی عادی ہے، یہ بھی جہنمی عورت ہے۔ آج کل اکثر عورتوں کا یہی حال ہے، وہ اس سے عبرت لیں!

﴿۴﴾ چوتھی وہ عورت جو نہ نماز پڑھتی ہے اور نہ روزہ رکھتی ہے بلکہ اس کا کام صرف کھانا پینا اور سونا ہے، اس کے علاوہ کوئی کام نہیں کرتی، نہ اس کو شوہر کے حقوق کی کوئی فکر ہے اور نہ اس کو گھر کی ذمہ داری کا احساس ہے، گھر میں کیا کام پڑا ہے اور گھر میں کون آرہا ہے اور کون جارہا ہے، اس سے اس کو کوئی غرض نہیں، کسی بھی خاتون کے لئے یہ کوئی اچھی عادت نہیں بلکہ بدترین عادت ہے، یہ عورت بھی جہنمی

ہے۔ بہر حال! یہ چار عورتیں ہیں جن کے بارے میں فرمایا گیا کہ یہ جہنمی ہیں۔ (الزواجر)

بخشی ہوئی عورت اور ملعون عورت

ایک اور حدیث میں ہے کہ جو عورت (اللہ تعالیٰ کی فرمانبردار ہو، اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تابع دار ہو اور) اپنے شوہر کی فرمانبردار (اور خدمت گزار ہو) اس کے لئے ہواؤں میں پرندے، سمندر میں مچھلیاں (آسمانوں میں) فرشتے اور چاند اور سورج اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا مانگتے ہیں جب تک وہ اپنے شوہر کی رضا کی طالب رہتی ہے۔ اور جو عورت (اللہ تعالیٰ کی اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمان ہو اور) شوہر کی نافرمانی کرے، اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ جو عورت بے جا بات کر کے شوہر کا موڈ بگاڑ دے تو وہ اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں رہتی ہے جب تک وہ اس کو خوش نہ کردے اور جو عورت شوہر کی اجازت کے بغیر اس کے گھر سے چلی جائے تو اس کے واپس آنے تک اس پر فرشتے لعنت کرتے رہتے ہیں۔ (الزواجر)

جہنم میں خواتین کی کثرت کی وجوہات

ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جب جہنم کے اندر دیکھا تو اس کے اندر عورتوں کو زیادہ پایا۔ اب اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کے بارے میں علماء کرام نے فرمایا کہ اس کی تین وجوہات

ہیں:

﴿۱﴾ ایک وجہ یہ ہے کہ خواتین اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت کم تابع دار ہوتی ہیں، ان کے اندر فرمانبرداری کا جذبہ بہت کم پایا جاتا ہے، عام طور پر خواتین میں یہ بات واقعۃً پائی جاتی ہے۔

﴿۲﴾ دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کے اندر شوہر کی فرمانبرداری اور ان کی اطاعت کا جذبہ بھی کم پایا جاتا ہے، گو بعض خواتین اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والی اور شوہر کی فرمانبردار اور خدمت گزار ہوتی ہیں۔

﴿۳﴾ تیسری وجہ یہ ہے کہ ان کے اندر بے پردہ ہو کر گھر سے باہر نکلنے کا جذبہ بہت زیادہ پایا جاتا ہے۔

گھر سے باہر نکلنے والی لاکھوں عورتوں میں چند ہی عورتیں واقعۃً شرعی پردہ کرنے والی ہوتی ہیں، ورنہ اکثر عورتیں یا تو بے پردہ ہوتی ہیں یا ان پر برائے نام پردہ ہوتا ہے۔ اکثر عورتوں کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ آراستہ ہو کر بن ٹھن کر بے پردہ ہو کر گھر سے باہر نکلیں، آج ہماری مارکیٹوں کو اور بازاروں کو دیکھ لیجئے، تفریح گاہوں کو اور تقریبات کو دیکھ لیجئے، ہر جگہ نظر آئے گا کہ خواتین پورے بناؤ سنگھار کے ساتھ بے پردہ موجود ہیں جس کی وجہ سے نگاہوں کو پناہ ملنا مشکل ہے۔ (الزواجر)

شیطان کا عورت کو تکنا

ایک حدیث شریف میں ہے کہ:

جب کوئی عورت گھر سے باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کو
تاک لیتا ہے۔ (الزواجر)

یعنی شیطان نامحرم عورتوں کے دل میں یہ خیال ڈالتا ہے کہ وہ نامحرم مردوں کو دیکھیں اور نامحرم مردوں کے دلوں میں یہ خیال ڈالتا ہے کہ وہ نامحرم عورتوں کو دیکھیں، اس طرح وہ مردوں اور عورتوں کو بدنگاہی کے گناہ میں مبتلا کر دیتا ہے، چنانچہ جو عورت بن سنور کر باہر نکلتی ہے، اس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ نامحرم مرد مجھے دیکھیں اور نامحرم مردوں کے دل میں بھی خواہش ہوتی ہے کہ وہ ایسی عورت کو دیکھیں۔ لہٰذا وہ عورت دونوں کے لئے گناہ کا ذریعہ بنتی ہے، بدنگاہی اور بدنظری کا ذریعہ بنتی ہے اور بدنگاہی آنکھوں کا زنا ہے، لہٰذا جتنے مرد بھی اس عورت کو دیکھ کر بدنگاہی کے اندر مبتلا ہونگے، ان سب کے گناہوں کے برابر اس عورت کو گناہ ہوگا، کیونکہ وہ عورت ان مردوں کے گناہ میں مبتلا ہونے کا ذریعہ بنی ہے اور خود چونکہ بے پردہ نکلی ہے، اس لئے اس کا گناہ الگ ہوگا۔

نابینا سے پردہ کا حکم

ایک حدیث جو مشہور و معروف ہے کہ ایک مرتبہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھیں، اتنے میں مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو نابینا صحابی تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کیلئے تشریف لے آئے، جب وہ صحابی گھر کے اندر داخل ہوئے تو ان دونوں امہات المؤمنین

نے ان سے پردہ نہیں کیا، اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم دونوں ان سے پردہ کیوں نہیں کرتیں؟ انہوں نے کہا کہ یہ تو نابینا ہیں، یعنی جب یہ نابینا ہونے کی وجہ سے ہمیں نہیں دیکھ رہے ہیں تو ان سے کیا پردہ کرنا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تو نابینا ہیں مگر کیا تم بھی نابینا ہو؟ کیا تم ان کو نہیں دیکھ رہی ہو؟ لہٰذا ان سے پردہ کرو۔

ہمیں پردہ کی زیادہ ضرورت ہے

آپ اس واقعہ کے اندر ذرا غور کریں کہ ایک طرف تو حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی ہیں اور دوسری طرف امہات المؤمنین ہیں جو ان کی بھی مائیں ہیں اور ہماری بھی مائیں ہیں، جن کے دلوں میں دور دور تک کسی برائی کا خیال بھی نہیں گزر سکتا، دونوں طرف پاک ہستیاں ہیں، لیکن ان سب کے باوجود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ کرایا۔ درحقیقت اس واقعہ کے ذریعہ امت کو یہ تعلیم دیدی کہ نامحرم سے پردہ کرنا ہی چاہئے، اور جب امہات المؤمنین کو صحابہ کرامؓ سے پردہ کرنے کا حکم دیا تو ہم اور آپ کیا ان سے بھی زیادہ پاک دامن ہیں کہ پردہ کے حکم پر عمل نہ کریں؟ معلوم ہوا کہ ہمیں تو ان سے بھی زیادہ پردہ کی ضرورت ہے، کیونکہ ہم تو سر سے لے کر پاؤں تک گناہوں کے اندر ڈوبے ہوئے ہیں، لہٰذا خواتین کو تمام نامحرم مردوں سے پردہ کرنے کی ضرورت ہے، چاہے وہ نابینا ہو یا بینا ہو اور شرعی پردہ کا بہت ہی اہتمام کرنا چاہئے۔

بے پردگی بے شمار گناہوں کا ذریعہ ہے

بے پردگی ایسا گناہ ہے کہ یہ دسیوں گناہ کا ذریعہ بنتا ہے، چنانچہ جتنے جنسی گناہ ہیں، ان سب کی بنیاد عورت کی بے پردگی، مرد کی بدنگاہی اور بدنظری ہے، اور یہی گناہ آگے بڑھ کر مردوں اور عورتوں کو بے شمار گناہوں کے اندر مبتلا کر دیتے ہیں جس سے دنیا بھی برباد ہوتی ہے اور آخرت بھی برباد ہوتی ہے۔ اس لئے مردوں کو بھی چاہئے کہ وہ اپنی نظروں کی حفاظت کریں اور کسی نامحرم عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ بیٹھیں اور بلا ضرورت اس سے باتیں نہ کریں۔

گھر کے نوکر اور ڈرائیور سے پردہ کریں

بعض گھروں میں نامحرم مرد نوکر اور ملازم ہوتے ہیں، ان میں سے بعض ملازم گھر کے باہر کے کام انجام دیتے ہیں اور بعض ملازم گھر کے اندرونی کاموں کو انجام دینے کے لئے رکھے جاتے ہیں، جیسے گھر کی صفائی کرنا، کھانا پکانا اور گھر کے دوسرے امور کا انتظام کرنا وغیرہ۔

جن مردوں کو ملازم رکھا گیا ہے، چاہے وہ گھر کے اندر کے کاموں کے لئے مقرر ہوں یا باہر کے کاموں کے لئے مقرر ہوں، چاہے وہ بڑی عمر کے ہوں یا درمیانی عمر کے ہوں، جوان ہوں یا نوجوان، گھر کی خواتین کے لئے یہ سب نامحرم ہیں اور گھر کی خواتین کا ان سب کے سامنے بے پردہ آنا درست نہیں، سراسر گناہ کی بات ہے، اس لئے ان سے بھی پردہ کرنا چاہئے، اور ذہن

میں یہ بات رہنی چاہئے کہ جو شخص نامحرم ہے وہ نامحرم ہے، چاہے وہ نامحرم ملازم ہو، کھانا پکانے والا ہو یا گھر کی صفائی کرنے والا ہو، چاہے وہ ڈرائیور ہو یا باہر کے کام کرنے والا ہو، گھر میں اس ملازم کے مسلسل رہنے یا بار بار آنے جانے یا کام کاج کرنے کی وجہ سے وہ محرم نہیں بن جاتا، جس طرح دوسرے نامحرم مردوں سے پردہ کرنے کا حکم ہے، اسی طرح ان ملازمین سے بھی پردہ کرنے کا حکم ہے اور خواتین کے لئے ان کے سامنے بے پردہ آنا درست نہیں۔

عورت کی آواز کا بھی پردہ ہے:

ایک مسئلہ یہ ہے کہ جس طرح خواتین کے لئے اپنے جسم کو نامحرم مردوں سے چھپانا ضروری ہے، اسی طرح اپنی آواز کو بھی نامحرم مردوں تک پہنچنے سے بچانے کی کوشش کرنی چاہئے، البتہ جہاں ضرورت ہو وہاں خاتون نامحرم مرد سے پردہ کے پیچھے سے بات کرسکتی ہے، اسی طرح ٹیلیفون پر بھی ضرورت کے وقت بات کرسکتی ہے، البتہ ادب یہ ہے کہ نامحرم سے بات کرتے وقت عورت اپنی آواز کی قدرتی لچک اور نرمی کو ختم کر کے ذرا خشک لہجے میں بات کرے تاکہ قدرتی لچک اور نرمی ظاہر نہ ہونے پائے اور نامحرم مرد کو عورت کے نرم انداز گفتگو سے بھی کسی گناہ کی لذت لینے کا موقع نہ مل سکے، اس سے شریعت کی احتیاط کا اندازہ لگائیے، اللہ اکبر!

آج کل ہمارے معاشرہ میں جن گھروں میں کچھ پردہ کا اہتمام ہوتا

ہے، وہاں بھی عورت کی آواز کے سلسلے میں عموماً کوئی احتیاط نہیں کی جاتی بلکہ نامحرم مردوں سے بلا ضرورت بات چیت ہوتی رہتی ہے اور ان سے گفتگو میں ایسا انداز ہوتا ہے جیسے اپنے محرم کے ساتھ گفتگو کا انداز ہوتا ہے، مثلاً جس بے تکلفی سے انسان اپنی ماں کے ساتھ، اپنی بیٹی کے ساتھ، اپنی بیوی کے ساتھ اور اپنی سگی بہن کے ساتھ بات چیت کرتا ہے اور ہنستا بولتا ہے اور اس میں کوئی مضائقہ بھی نہیں ہے، لیکن بعض اوقات یہی انداز نامحرم عورتوں کے ساتھ گفتگو کے وقت بھی ہوتا ہے اور نامحرم عورتیں نامحرم مردوں کے ساتھ یہی انداز اختیار کر لیتی ہیں اور گفتگو کے دوران ہنسی مذاق، دل لگی اور چھیڑ چھاڑ بھی کچھ ہوتا ہے، آج یہ باتیں ہمارے معاشرے میں عام ہیں۔ یاد رکھئے! جس طرح عورت کے جسم کا پردہ ہے، اسی طرح اس کی آواز کا بھی پردہ ہے، جس طرح عورت کے ذمہ یہ ضروری ہے کہ اپنے آپ کو نامحرم مرد کے سامنے آنے سے بچائے، اسی طرح اس کے ذمہ یہ بھی ضروری ہے کہ اپنی آواز کو بھی بلاوجہ نامحرم مردوں تک جانے سے روکے، البتہ جہاں ضرورت ہو وہاں بقدر ضرورت گفتگو کرنا جائز ہے، مثلاً دیور ہے، جیٹھ ہے، بہنوئی ہے، خالو ہے، پھوپھا ہیں، یہ سب نامحرم ہیں، ان سب سے بھی بلاضرورت بات چیت کرنے سے پرہیز کرنا چاہئے۔

اہل جہنّم کی دو جماعتیں

ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل

جہنم کی دو جماعتیں ایسی ہیں جن کو ابھی تک میں نے دیکھا نہیں ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ان کا ظہور نہیں ہوا تھا، لیکن آپ پہلے سے ان جماعتوں کے بارے میں پیشن گوئی فرما رہے ہیں اور آج وہ دونوں جماعتیں ہمارے زمانہ میں موجود ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک جماعت وہ ہے جن کے ہاتھوں میں بیل کی دم کی طرح کوڑے ہوں گے جس سے وہ لوگوں کو مار رہے ہوں گے اور دوسری جماعت ان عورتوں کی ہے جو لباس پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی اور وہ مردوں کو اپنی طرف مائل کرنے والی ہوں گی اور خود ان کی طرف مائل ہونے والی ہوں گی اور ان کے سروں پر بختی اونٹ کے کوہان کی طرح اونچے اونچے بال ہوں گے اور وہ مٹک مٹک کر چل رہی ہوں گی، یہ دونوں جماعتیں جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکیں گی، حالانکہ جنت کی خوشبو بہت دور کی مسافت سے محسوس ہوگی۔ یہ حدیث شریف کا خلاصہ ہے۔

پہلی جماعت: دوسروں پر ظلم کرنے والوں کی ہے

اس حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہنم کی دو جماعتوں کا ذکر فرمایا، پہلی جماعت سے وہ لوگ مراد ہیں جو لوگوں پر ظلم کریں گے، ناحق لوگوں کو ماریں گے، ناحق ان سے پیسے کھائیں گے اور ناحق ان سے کام لیں گے۔ آج ہمارے معاشرے میں یہ جماعت موجود ہے، چنانچہ آج ایسے ظالم خواہ صاحب اقتدار ہوں یا وہ سرکاری افسر ہوں یا غیر سرکاری افسر ہوں، چاہے وہ شہر میں ہوں یا دیہات میں، عموماً یہ لوگ کمزوروں پر،

غریبوں پر، مسکینوں پر بڑا ہی ظلم اور زیادتیاں کرتے ہیں اور ان سے زبردستی کام لیتے ہیں، زبردستی ان سے پیسے بھتے اور رشوتیں لیتے ہیں۔ برادریوں میں بعض چودھری اور گاؤں میں بعض نمبردار بھی ایسے ہوتے ہیں اور وہ یہ سب کام کرتے ہیں، شہر میں غنڈے اور آوارہ قسم کے لوگ یہ کام کرتے ہیں، ان لوگوں نے اپنی اپنی جماعتیں بنا رکھی ہیں، یہ لوگ تاجروں کو اور دکانداروں کو تنگ کرتے ہیں، ان کا ماہانہ بھتہ مقرر ہے، اگر ان کو بھتہ ملتا رہے تو لوگ عافیت سے رہتے ہیں اور جس دن لوگ بھتہ دینے سے انکار کر دیں، اس دن ان کی خیر نہیں، پھر نہ ان کی جان کی ضمانت ہے اور نہ عزت کی خیر ہے۔ ایسے لوگ اہل جہنم اور دوزخی جماعت والے ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں پیشن گوئی فرما دی تھی۔ بہر حال! ایک جماعت تو یہ ہے۔

دوسری جماعت: لباس پہننے کے باوجود ننگی خواتین کی ہے

جہنمیوں کی دوسری جماعت خواتین کی ہے جن کی علامات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائیں۔ پہلی علامت یہ بیان فرمائی کہ وہ خواتین لباس پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی، یعنی ان کے جسم پر لباس تو ہوگا لیکن لباس کا جو اصل مقصد ہے کہ وہ جسم کو چھپائے اور جسم کی جو قدرتی بناوٹ ہے، اس کو پوشیدہ کرے، ان کا لباس اس مقصد کو پورا نہیں کرے گا۔ اس مقصد کو پورا نہ کرنے کی دو وجہ ہوں گی، ایک وجہ یہ ہوگی کہ وہ لباس یا اتنا باریک ہوگا کہ

اس میں سے جسم صاف ظاہر ہو رہا ہوگا، جیسے آج کل گرمی کے زمانے میں بعض خواتین لون کی قمیض اور شلوار استعمال کرتی ہیں جس سے ان کا جسم پوشیدہ نہیں ہوتا بلکہ ان کا جسم ظاہر ہو رہا ہوتا ہے۔

باریک لباس پہننے کی ایک جائز صورت

حالانکہ اگر لون کا سوٹ کسی خاتون کو پہننا ہو تو اس کا جائز طریقہ یہ ہے کہ قمیض کے نیچے شمیز پہن لیں اور شلوار کے اندر باریک وائل لگالیں تاکہ باریک کپڑے پہننے کا جو مقصد ہے یعنی گرمی نہ لگنا، وہ بھی حاصل ہو جائے اور پردہ بھی حاصل ہو جائے۔ لیکن ایسی خواتین بہت کم ہیں، جو خواتین شرعی پردہ نہیں کرتیں، وہ لون کے نیچے بنیان یا شمیز پہننے کا بھی اہتمام نہیں کرتیں اور نہ ہی شلوار کے اندر ''وائل'' لگانے کا اہتمام کرتی ہیں، اور ایسی خواتین کا دوپٹہ بھی برائے نام ہوتا ہے بلکہ وہ بھی "V" کی شکل میں گلے میں پڑا ہوتا ہے۔ ایسی خواتین ہی کے بارے میں اس حدیث میں بیان فرمایا گیا ہے کہ وہ کپڑا پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی۔

چُست لباس پہننے والی خواتین

دوسری وجہ یہ ہوگی کہ وہ لباس باریک تو نہیں ہوگا بلکہ موٹا ہوگا لیکن وہ لباس اتنا چُست ہوگا کہ جسم کے اعضاء کی بناوٹ کو نمایاں کر رہا ہوگا، ان کی بناوٹ کو پوشیدہ نہیں کر رہا ہوگا، جس کے نتیجے میں کپڑے پہننے کا جو مقصود ہے یعنی پردہ کرنا، وہ مقصود حاصل نہیں ہو رہا ہوگا، لہٰذا ایسی خواتین بھی کپڑا پہننے کے

باوجود ننگی ہوگی۔

ناقص لباس پہننے والی خواتین

حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک تیسری وجہ بھی بیان فرمائی ہے، وہ یہ کہ جسم پر لباس تو ہوگا لیکن وہ ناقص اور ناتمام ہوگا، جیسے آج کل اس کا رواج ہے کہ قمیض کی آستین بغلوں تک ہے اور پورا بازو کھلا ہوا ہے حتی کہ کندھے بھی نظر آ رہے ہیں اور دوسری طرف گردن کھلی ہوئی ہے، سینہ کھلا ہوا ہے، کمر کھلی ہوئی ہے، شلوار بھی پنڈلیوں تک کھلی ہوئی ہے، بس برائے نام لباس ہے، لباس کا جو اصل مقصد ہے یعنی ستر پوشی، وہ اس لباس سے حاصل نہیں ہوتا۔ لہٰذا ایسی خواتین بھی لباس کے باوجود ننگی ہوگی اور ان کا ایسا لباس جہنم میں جانے کا باعث ہے۔

ساڑھی ایک ننگا پہناوا ہے

آج کل جو ساڑھی پہنی جاتی ہے، عموماً اس کا یہی حال ہے، چنانچہ ساڑھی کے اندر عورت کی پیٹھ اور پیٹ بالکل ننگا ہوتا ہے اور ایسی حالت میں وہ عورت گھر سے باہر نکلتی ہے، ایسی عورت بھی جہنم کی اس جماعت میں داخل ہے جس کی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشن گوئی فرمائی ہے۔ لہٰذا جو عورتیں ایسا باریک لباس پہنی ہوئی ہیں جس سے جسم جھلک رہا ہے یا وہ لباس اتنا چست ہے کہ اس کی وجہ سے اعضاء کی بناوٹ نظر آ رہی ہے یا وہ لباس اتنا ناقص اور نامکمل ہے کہ جن اعضاء کو چھپانے کا حکم ہے، وہ اعضاء اس لباس

میں مستور نہیں ہیں، یہ تینوں قسم کی عورتیں لباس پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی۔

مردوں کو مائل کرنے والیں اور خود مائل ہونے والیں

اس حدیث میں ان خواتین کی ایک صفت یہ بیان کی گئی کہ وہ خواتین خود بھی مردوں کی طرف مائل ہونے والی ہوں گی اور مردوں کو بھی اپنی طرف مائل کرنے والی ہوں گی اور ان خواتین نے اپنے سر کے بالوں کو فیشن کے طور پر اس طرح بنایا ہوا ہوگا کہ دیکھنے سے یہ معلوم ہوگا کہ ان کے سروں پر بہت بال ہیں اور وہ بال بختی اونٹ کے کوہان کی طرح اونچے ہوں گے۔ یعنی جس طرح اونٹ جب چلتا ہے تو اس کا کوہان کبھی ایک طرف جھکتا ہے اور کبھی دوسری طرف جھکتا ہے، اسی طرح وہ خواتین اپنے سروں کو اس طرح حرکت دیتے ہوئے چلیں گی کہ ان کے سر کے بال بھی کبھی ایک طرف جھکیں گے اور کبھی دوسری طرف جھکیں گے جس کو دیکھ کر لوگ یہ محسوس کریں گے کہ ان کے سر کے بال بہت لمبے ہیں۔

ایسی خواتین جہنم میں جائیں گی

یہ لباس جو ان خواتین نے پہنا ہوگا، وہ مالی تنگی کی وجہ سے نہیں بلکہ فیشن کی وجہ سے ان خواتین نے باریک لباس یا چُست لباس یا ناقص لباس پہنا ہوگا، اور ایسے لباس میں وہ اپنے آپ کو آراستہ کر کے اور میک آپ کر کے اور بال بنا کر گھر سے باہر نکلیں گی تاکہ نامحرم مرد اُن کی طرف مائل ہوں اور وہ ان مردوں کی طرف مائل ہوں، یہ بھی ان جہنمی عورتوں کی علامت اور نشانی ہے۔

ایسی خواتین کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں جانا تو درکنار، یہ جنت کی خوشبو بھی نہ سونگھ سکیں گی۔ جبکہ دوسری حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب جنت تک پہنچنے میں سو سال کی مسافت باقی ہوگی، اتنی دور سے جنت کی خوشبو آنی شروع ہو جائے گی، لیکن جو عورتیں دنیا میں بے حجاب اور بے پردہ رہیں گی، وہ جنت کی خوشبو سے بھی محروم رہیں گی، جس کا مطلب یہ ہے کہ ایسی خواتین جہنم میں جائیں گی، البتہ اگر خاتمہ ایمان پر ہوگیا تو اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد جنت میں جاسکیں گی۔

حضور ﷺ کا امت کی خواتین کو دیکھ کر رونا

علامہ حافظ ابن حجر ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الزواجر'' جس میں کبیرہ گناہوں کو بیان فرمایا ہے، اس کتاب میں ایک روایت نقل کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم رو رہے ہیں، ان دونوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ کس وجہ سے رو رہے ہیں؟ نبی کریم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس رات کو مجھے آسمان کی اور جنت اور جہنم کی سیر کرائی گئی، اس رات میں نے جہنم میں اپنی امت کی خواتین کو مختلف قسم کے عذابوں کے اندر مبتلا پایا، ان عذابوں کی ہولناکی کی وجہ سے مجھے رونا آ رہا ہے۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت پر سب سے زیادہ شفقت تھی، ہم پر ہمارے

ماں باپ جتنے شفیق ہو سکتے ہیں اور ہم اپنی جانوں پر جتنے شفیق ہو سکتے ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس سے زیادہ شفیق اور مہربان تھے۔

خواتین کو چھ طریقوں سے عذاب

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے اپنی امّت کی عورتوں کو کس قسم کے عذاب میں مبتلا پایا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿۱﴾ میں نے ایک عورت کو اس حال میں دیکھا کہ وہ اپنے سر کے بالوں کے ذریعہ جہنم میں لٹکی ہوئی ہے اور اس کا دماغ جہنم کی آگ کی وجہ سے پک رہا ہے۔

﴿۲﴾ اور ایک عورت کو اس حال میں دیکھا کہ وہ اپنی زبان کے بل جہنم میں لٹکی ہوئی ہے اور اس کے منہ میں گرم پانی ڈالا جا رہا ہے۔

﴿۳﴾ ایک عورت کو اس حال میں دیکھا کہ اس کے دونوں پیر سینے سے بندھے ہوئے ہیں اور اس کے دونوں ہاتھ پیشانی سے بندھے ہوئے ہیں اور سانپ اور بچھو اس پر مقرر ہیں جو اس کو ڈس رہے ہیں۔

﴿۴﴾ ایک عورت کو اس حال میں دیکھا کہ وہ اپنے سینے کے بل جہنم میں لٹکی ہوئی ہے۔

﴿۵﴾ ایک عورت کو اس حال میں دیکھا کہ اس کا سر اور چہرہ تو خنزیر کی طرح ہے اور باقی جسم گدھے کی طرح ہے، اور ہزاروں قسم کے عذاب اس

کو ہو رہے ہیں۔

﴿۶﴾ اور ایک عورت کو اس حال میں دیکھا کہ اس کا پورا جسم کتے کی طرح ہے اور اس کے منہ میں جہنم کی آگ داخل ہو رہی ہے اور پاخانہ کے راستے سے نکل رہی ہے اور فرشتے اس کے جسم پر آگ کے گرز مار رہے ہیں۔

اس طرح آپ ﷺ نے مختلف عورتوں پر ہونے والے عذابوں کا ذکر فرمایا۔

بے پردگی کی وجہ سے عذاب

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ان عورتوں کو یہ عذاب کن گناہوں کی وجہ سے ہو رہا تھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو عورت اپنے سر کے بالوں کے ذریعہ جہنم میں لٹکی ہوئی تھی اور اس کا دماغ جہنم کی آگ کی وجہ سے ہنڈیا کی طرح پک رہا تھا، یہ وہ عورت تھی جو دنیا میں نامحرم مردوں کے سامنے بے پردہ آتی جاتی تھی۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ جو عورت بے پردہ ہوتی ہے عموماً اس کا سر کھلا ہوتا ہے، جبکہ نامحرم مردوں کے سامنے جس طرح اور جسم کو چھپانا ضروری ہے اسی طرح بالوں کو بھی چھپانا ضروری ہے، لہٰذا جو عورتیں بے پردہ بازاروں میں گھومتی ہیں، وہ اس عذاب سے عبرت حاصل کریں، ایک تو جہنم کے اندر داخل ہونا کتنے بڑے عذاب کی چیز ہے، دوسری طرف سر کے بالوں کے ذریعہ لٹکا ہوا ہونا اس سے بڑا عذاب

ہے اور اس کے علاوہ آگ کی وجہ سے دماغ کا پکنا اس سے بھی زیادہ بڑا عذاب ہے۔

دنیا میں خدا چاہی کرلو

یہ دنیا کی چند روزہ زندگی ہے، آدمی اس میں اللہ تعالیٰ کا حکم مان لے یہ بہتر ہے۔ ایک بزرگ کا بڑا پیارا جملہ ہے کہ ''تم یہاں دنیا میں خدا چاہی کرلو، جنت میں من چاہی کرلینا''۔ یعنی اس دنیا کی تھوڑی سی زندگی میں اللہ تعالیٰ کا کہنا مان لو اور اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں وہ کر کے دکھادو، تو پھر جنت میں وہ سب کچھ کرسکو گے جو تمہارا دل چاہے گا، اللہ تعالیٰ وہاں تمہاری ہر جائز خواہش پوری فرمادیں گے۔ اس چند روزہ زندگی کے عوض آخرت کی ابدالآباد والی زندگی ملنے والی ہے، یہ بہت نفع کا سودا ہے۔ لیکن اگر دنیا میں کسی نے من چاہی کرنا چاہا تو اس پر بڑا عذاب اور بڑا وبال ہے۔ لہٰذا دنیا کی چند روزہ زندگی کی خاطر اپنے آپ کو بے پردہ رکھنا اور بے پردہ گھر سے نکلنا اور نامحرم مردوں کے سامنے بے پردہ آنا جانا اور اپنے سر کو کھول کر نکلنا، اس میں وقتی طور پر آدمی کو تھوڑی سی آزادی محسوس ہوتی ہے۔

بے پردگی میں آزادی کا دھوکہ

لیکن درحقیقت بے پردگی میں نہ آزادی ہے نہ راحت وسکون ہے بلکہ سکون کا دھوکہ ہے، راحت کا دھوکہ ہے، آزادی کا دھوکہ ہے، اگر واقعتہً بے پردگی میں راحت ہوتی تو اللہ تعالیٰ پردہ کا حکم نہ دیتے، اللہ تعالیٰ اور اللہ کے

رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حکم دیا ہے، حقیقت میں اسی کے اندر راحت ہے، اسی میں عزت ہے، اسی میں عفّت ہے، اسی میں پاکدامنی ہے، دنیا کی چند روزہ زندگی کی خاطر اتنے بڑے عذاب کو مول لینا یہ کوئی عقلمندی کی بات نہیں۔

زبان درازی پر عذاب

پھر دوسری عورت کے بارے میں فرمایا کہ جو عورت زبان کے بل لٹکی ہوئی تھی، یہ وہ عورت تھی جو دنیا میں زبان دراز تھی اور بداخلاق تھی اور اپنے شوہر سے لڑتی جھگڑتی تھی اور اپنی زبان کے ذریعہ ناحق اپنے شوہر کو ستاتی تھی، ایسی عورت کو زبان کے ذریعہ جہنم میں لٹکایا جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی مرد اپنی بیوی کو ستائے گا اور پریشان کرے گا، اس پر طعن و تشنیع کرے گا، اس کو اور اس کے ماں باپ کو بُرا بھلا کہے گا، ایسا مرد بھی گناہ گار ہوگا۔ ایسا نہیں ہے کہ عورتیں اگر گناہ کریں گی تو وہ پکڑی جائیں گی اور مرد آزاد ہیں جو چاہیں، کرتے رہیں، ان کی کوئی پوچھ نہیں ہوگی، ایسا نہیں ہے، بلکہ مرد اگر زبان کے ذریعہ گناہ کریں گے تو ان کی بھی پکڑ ہوگی۔

ناپاک رہنے اور مذاق اڑانے پر عذاب

تیسری عورت جس کو اس حال میں دیکھا کہ اس کے دونوں ہاتھ پیشانی سے اور اس کے دونوں پیر سینے سے بندھے ہوئے ہیں اور اس کو جہنم کا عذاب ہو رہا ہے، اس کے بارے میں فرمایا کہ یہ وہ عورت تھی جو جنابت کے بعد اور مخصوص ایام کے گزرنے کے بعد غسل کا اہتمام نہیں کرتی تھی بلکہ غسل کے

سلسلے میں کوتاہی اور لاپرواہی کرتی تھی اور نہ صرف یہ کہ نماز نہیں پڑھتی تھی بلکہ نماز کا مذاق اڑاتی تھی۔

غسل میں لاپرواہی کرنا

بعض خواتین غسل کرنے میں بہت لاپرواہی کرتی ہیں کہ غسل فرض ہوگیا لیکن وقت پر غسل نہ کرنے کی وجہ سے نماز قضا ہو رہی ہے، اس کوتاہی میں بہت سے مرد بھی مبتلا ہوتے ہیں، خاص طور پر نوجوان مرد اور نوجوان عورتیں تو اس میں زیادہ مبتلا ہیں یا عین نماز کے وقت بیدار ہوتے ہیں لیکن غسل میں اتنی دیر لگاتے ہیں کہ اس کے نتیجے میں بعض اوقات جماعت نکل جاتی ہے اور بعض اوقات نماز ہی قضا ہو جاتی ہے، یاد رکھیے! غسل میں اتنی دیر لگانا کہ اس کی وجہ سے جماعت چھوٹ جائے یا نماز ہی قضاء ہو جائے، گناہ کی بات ہے۔

پاکی کا وقت شروع ہونے پر نماز فرض ہو جاتی ہے

اسی طرح خواتین کے جو نماز نہ پڑھنے کے ایام ہوتے ہیں، ان ایام کے پورے ہو جانے پر خواتین اس کا اہتمام کریں کہ جس وقت وہ ایام ختم ہوں، فوراً غسل کر کے نماز شروع کر دیں۔ بعض خواتین اس میں سستی کرتی ہیں اور کئی کئی نمازیں لاپرواہی میں قضا کر دیتی ہیں، جبکہ ان ایام کے ختم ہو جانے کے بعد ایک نماز بھی چھوڑنے کی اجازت نہیں، حتیٰ کہ اگر کوئی خاتون ایسے وقت میں پاک ہوئی جب کہ نماز کا وقت ختم ہونے میں صرف اتنا وقت باقی

ہے کہ وہ خاتون غسل کر کے تکبیر تحریمہ ''اللہ اکبر'' کہہ سکتی ہے تو اس صورت میں بھی اس خاتون پر اس وقت کی نماز فرض ہو جاتی ہے۔ لیکن آج کل خواتین کا یہ حال ہے کہ بعض مرتبہ خواتین رات کو پاک ہو جاتی ہیں، مگر اس کے باوجود دن میں بھی غسل نہیں کرتیں۔ خواتین کو یہ چاہئے کہ اس مسئلہ کو اچھی طرح سمجھ لیں اور بڑی فکر کے ساتھ اس مسئلہ پر عمل کریں، اس کی پوری تفصیل ''بہشتی زیور'' میں موجود ہے، وہاں اس مسئلہ کو پڑھ کر سمجھ لیں ملا اگر سمجھ میں نہ آئے تو کسی عالم سے سمجھ لیں۔ اس کے علاوہ ''تحفۂ خواتین'' میں بھی حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کو اچھی طرح بیان فرمایا ہے، وہاں دیکھ لیں۔

ناجائز تعلقات پر عذاب

چوتھی عورت جس کو آپ نے دیکھا کہ وہ سینے کے بل جہنم میں لٹکی ہوئی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ وہ عورت تھی جو دنیا میں نامحرم مردوں کے ساتھ ناجائز تعلقات رکھتی تھی۔ آپ جانتے ہیں کہ ان ناجائز تعلقات کا اصل سبب بے پردگی ہے، جہاں بے پردگی ہوتی ہے، وہاں دوسرے مردوں سے ناجائز تعلقات بھی قائم ہوتے چلے جاتے ہیں، یہ بڑی وبال اور عذاب کی چیز ہے، اللہ تعالیٰ تمام خواتین کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

جھوٹ اور چغلی پر عذاب

پانچویں عورت جس کو آپ ﷺ نے اس حال میں دیکھا کہ اس کا

چہرہ تو خنزیر کی طرح تھا اور باقی جسم گدھے کی طرح تھا اور اس کو ہزاروں قسم کے عذاب ہو رہے تھے، اس کے بارے میں فرمایا کہ یہ وہ عورت تھی جو دنیا میں جھوٹ بولتی تھی اور چغلی کھاتی تھی، جو عورت اُدھر کی باتیں اِدھر اور اِدھر کی باتیں اُدھر لگاتی ہے اور اس کے نتیجے میں دو عورتوں میں اور دو مردوں میں لڑائی کروادیتی ہے، اسی کا نام چغلی کھانا ہے، ان دونوں گناہوں کی وجہ سے اس عورت کو یہ دردناک عذاب ہو رہا تھا۔ پھر یہ کام عورت کے ساتھ خاص نہیں بلکہ مرد بھی کرسکتا ہے، لہٰذا اگر کوئی مرد بھی یہ کام کرے گا تو وہ بھی گناہ گار ہوگا۔ یہ دونوں گناہ ایسے ہیں جو معاشرے کو تباہ کرنے والے ہیں۔

نااتفاقی کا سبب جھوٹ اور چغلی

اگر آپ غور کریں گے تو یہ نظر آئے گا کہ اکثر ہمارے گھروں میں اور خاندانوں میں جو لڑائی اور جھگڑے ہوتے ہیں یا نااتفاقیاں ہوتی ہیں، اس میں ان دونوں باتوں کو خاص طور پر دخل ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ جس گھر میں لڑائی جھگڑا زیادہ ہوگا، وہاں پر جھوٹ بولنے کی عادت زیادہ ہوگی اور جو جھوٹ بولتا ہے وہ چغلی بھی لگاتا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان دونوں کو ایک ساتھ بیان فرمایا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عام طور پر یہ دونوں گناہ ایک دوسرے کے ساتھ لازم اور ملزوم ہیں۔

چغلی کی حقیقت

چغلی میں یہ ہوتا ہے کہ ایک شخص نے وہ بات کہی نہیں لیکن آپ نے

جا کر دوسرے سے وہ بات کہہ دی کہ فلاں شخص تمہارے بارے میں یہ کہہ رہا تھا۔ ہمارے یہاں تحقیق کرنے کا رواج نہیں ہے، بس دوسرے سے جو بات سن لی، وہ پتھر کی لکیر ہے اور وہ شخص جس کے متعلق وہ بات کہی گئی ہے، وہ اگر قسم کھا کر بھی یہ کہہ دے کہ میں نے یہ بات نہیں کہی، پھر بھی اس کی بات نہیں مانی جاتی۔ جب دونوں طرف کی باتیں ادھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر ہوں گی تو اس کے اندر جھوٹ بھی ہوگا، چغلی بھی ہوگی اور غیبت بھی ہوگی، اس کے نتیجے میں لڑائی جھگڑا اور نااتفاقیاں ہوں گی۔ اگر مرد حضرات بھی اور خواتین بھی واقعۃً ان دونوں گناہوں سے آج ہی پکی توبہ کرلیں تو آدھے سے زیادہ ہمارے گھروں کا فساد ختم ہو جائے، گھروں سے نااتفاقی ختم ہو جائے اور گھروں میں چین وسکون اور آرام وراحت کی لہر آ جائے۔

حسد کرنے اور احسان جتلانے پر عذاب

چھٹی عورت جس کو آپ ﷺ نے اس حال میں دیکھا کہ اس کا جسم کتے کی طرح تھا اور اس کے منہ سے جہنم کی آگ داخل ہو رہی تھی اور پاخانے کے راستے سے باہر نکل رہی تھی اور اس کو جہنم کے گرز مارے جا رہے تھے، یہ وہ عورت تھی جو دنیا میں دوسروں پر احسان کر کے احسان جتلاتی تھی اور دوسروں کی چیزوں پر حسد کرتی تھی۔ یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں کہ اگر عورتوں کے اندر پائی جائیں تو ان کے لئے باعث عذاب اور اگر مردوں کے اندر پائی جائیں تو ان کے لئے بھی باعث وبال ہیں، ہر مسلمان مرد وعورت کو چاہئے کہ وہ احسان

جتلانے سے بھی بچیں اور حسد کرنے سے بھی بچیں۔

حسد کی حقیقت

حسد کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کے پاس کوئی نعمت دیکھے، مثلاً ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے خاص منصب عطا فرمایا ہے یا مال عطا فرمایا ہے یا دین و دنیا کے اعتبار سے کسی اور نعمت سے سرفراز فرمایا ہے، اب کوئی شخص اس کی نعمت کو دیکھ کر دل میں جلتا رہے اور کڑھتا رہے اور دل دل میں یہ تمنا کرے کہ کسی طرح اس کی یہ نعمت اس سے چھن جائے، مجھے ملے یا نہ ملے لیکن اس کے پاس یہ نعمت نہ رہے، اس کا نام ''حسد'' ہے۔ مثلاً کسی کے کپڑے دیکھ کر حسد کرنا یا زیور دیکھ کر حسد کرنا، یا اس بات پر حسد کرنا کہ اس کے پاس اتنی اچھی گاڑی کہاں سے آگئی، اس کے پاس اتنا عمدہ مکان کہاں سے آگیا، یا اس کو اتنا اچھا رشتہ کیوں مل گیا، خلاصہ یہ کہ کوئی بھی نعمت کسی کو ملی، اب دوسرا شخص چاہے مرد ہو یا عورت، وہ اپنے دل میں اس نعمت کو دیکھ کر یہ خواہش کرے کہ کسی طرح سے اس کی یہ نعمت اس کے پاس سے چھن جائے، چاہے مجھے ملے یا نہ ملے، یہ حسد ہے جو ناجائز اور حرام ہے۔

حسد کا علاج

اگر کسی شخص کے دل میں حسد محسوس ہو تو اس کا علاج یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرے کہ اے اللہ! آپ نے جو نعمت اس کو عطا فرمائی ہے، اس نعمت میں اس کے لئے برکت اور ترقی عطا فرما اور مجھے بھی اپنے فضل سے یہ نعمت

عطاء فرما، جس طرح آپ نے اس پر کرم فرمایا، مجھ پر بھی اپنا کرم فرما۔ اس دعا کی برکت سے انشاء اللہ تعالیٰ حسد کی بیماری جاتی رہے گی۔

اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر اعتراض

"حسد" میں درحقیقت اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر اعتراض ہوتا ہے، کیونکہ جس انسان کو جو نعمت ملتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی تقسیم سے ملتی ہے، قرآن کریم میں ارشاد ہے:

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ (سورۃ الزخرف: ۳۲)

یعنی ہم نے دنیاوی زندگی میں ان کے درمیان ان کی معیشت تقسیم کر دی ہے۔ لہٰذا جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے جو نعمت دی ہے وہ اپنی حکمت اور قدرت اور فضل سے عطاء فرمائی ہے، اگر کسی کو عزت ملی یا منصب ملا، یا مال ملا یا اولاد ملی یا مکان ملا وہ سب منجانب اللہ ملا ہے اور جب منجانب اللہ ملا ہے تو ہم اس پر اعتراض کرنے والے کون ہوتے ہیں اور یہ آرزو کرنے والے ہم کون ہوتے ہیں کہ اس کی یہ نعمت چھن جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس کو دینا چاہتے ہیں اور ہم چھیننا چاہتے ہیں۔ لہٰذا یہ "حسد" کرنا درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اس تقسیم پر اعتراض کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر اعتراض کرنا بڑا سنگین گناہ ہے، اس لئے "حسد" سے بچنا چاہئے۔ مرد اور عورت دونوں کو اس گناہ سے بچنے کی ضرورت ہے۔

احسان جتلانا گناہ ہے

دوسرا گناہ جو اس حدیث میں بیان فرمایا، وہ ہے ''احسان جتلانا'' یہ بات سب جانتے ہیں کہ اگر کوئی کسی دوسرے شخص کو کوئی چیز دے اور دینے کے بعد پھر اس سے یہ کہے کہ ہم نے تمہیں یہ چیز دی ہے، یہ احسان جتلانا ہے جو بڑا گناہ ہے۔ آج ہمارے معاشرے میں یہ گناہ بھی بہت پایا جاتا ہے، خاص طور پر یہ گناہ ان لوگوں میں زیاہ پایا جاتا ہے جو رسم و رواج کے تابع ہوکر دوسروں کو تحفے اور ہدایا دیتے ہیں یا نمائشی طور پر ہدیے اور تحفے دیتے ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہدیہ اور تحفہ اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں دیا اور جب اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں دیا تو اب دیتے وقت یہ نیت ہوتی ہے کہ جب ہم نے اس کو تحفہ دیا ہے تو اس کا بدلہ بھی ہمیں ملنا چاہئے، اب اگر بدلہ نہیں ملا یا تحفہ کے مقابلے میں بدلہ کم ملا تو اس تحفہ پر احسان جتلاتے ہیں کہ صاحب! ہم نے ان صاحب کو یہ دیا، ان کے وقت میں ہم نے ان کی یہ خدمت کی، لیکن وہ صاحب تو نہ ہمیں ملنے کے لئے آئے اور نہ ہی ہمیں کچھ دیا، بس کھا کر بیٹھ گئے، دینے کا نام ہی نہیں لیتے، یہ بڑے کنجوس ہیں۔ یاد رکھئے! یہ باتیں احسان جتلانے کے اندر داخل ہیں اور ناجائز اور حرام ہیں۔

نیک سلوک اور ہدیہ تحفہ اللہ تعالیٰ کیلئے دو

لہٰذا اگر کسی کے ساتھ اچھا سلوک اور اچھا برتاؤ کرنا ہے یا کسی کو کوئی ہدیہ یا تحفہ دینا ہے تو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے دو، ورنہ مت دو، اس لئے کہ

ہدیہ دینا کوئی فرض و واجب نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لئے دینے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ سے لینے کی نیت کریں اور وہ اجر وثواب ہے، اور جب اللہ تعالیٰ کے لئے اور اجر وثواب کی امید پر دے رہے ہیں تو پھر کسی انسان سے اس کے بدلہ کی امید نہیں رکھنی چاہئے، اب چاہے وہ دے یا نہ دے، یا کم دے یا زیادہ دے، ہماری اس سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہئے، لہٰذا کسی سے اچھا برتاؤ کر کے، اچھا سلوک کر کے اور کسی کو ہدیہ اور تحفہ دے کر ہمیشہ کے لئے بھول جانا چاہئے۔ اور جب دیتے وقت اللہ تعالیٰ کے لئے دینے کی نیت ہوگی تو اس کا بدلہ نہ دینے پر تمہیں کوئی اعتراض بھی نہیں ہوگا اور جب اعتراض نہیں ہوگا تو احسان جتلانے کی نوبت بھی نہیں آئے گی، اس لئے اگر کسی نے احسان کر کے احسان جتلایا ہو تو وہ اس گناہ سے توبہ کر لے اور آئندہ اس گناہ سے پرہیز کرے۔ بہرحال! جو عورت احسان کر کے احسان جتلانے والی ہوگی اور جو عورت دوسروں کی نعمت پر حسد کرنے والی ہوگی، ایسی عورت کا عذاب اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔

خلاصہ

اس حدیث میں چھ قسم کی عورتوں پر عذاب کو بیان فرمایا ہے۔ جس میں سے پہلی قسم کی عورت وہ ہے جو بے پردہ ہو کر نامحرم مردوں کے سامنے آتی جاتی ہے۔ لہٰذا خواتین کے لئے نامحرم مردوں سے پردہ کرنا ضروری ہے، گھر کے اندر بھی اور گھر کے باہر بھی، خاص طور پر جب کوئی خاتون کسی ضرورت

سے باہر نکلے تو اس کو شرعی پردہ کر کے نکلنا چاہئے، بے پردہ نکلنا گناہ کی بات ہے۔

گھر کے مرد خواتین کو پردہ کرنے پر آمادہ کریں

مردوں کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے گھر کی عورتوں کو اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر عمل کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کریں، نرمی سے ان کو سمجھائیں اور اس موضوع پر جو کتابیں چھپی ہوئی ہیں ان کو پڑھوانے سے بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم آسانی سے معلوم ہو جائے گا، پھر انشاء اللہ تعالیٰ عمل کرنے کا جذبہ بھی پیدا ہوگا، چنانچہ حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب بلند شہری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''شرعی پردہ'' اور دوسری کتاب ''پردۂ شرعی کی چہل حدیث'' ہے جو حضرت مولانا نور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی لکھی ہوئی ہے، یہ کتابیں یا تو پڑھ کر خواتین کو سنائیں یا خواتین خود مطالعہ کر لیں، رفتہ رفتہ اس حکم پر عمل کرنے کی فکر کریں اور کوشش کریں، ہمت کر کے قدم آگے بڑھائیں اور شرعی پردہ کا اہتمام فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے تمام مسلمان خواتین کو بے پردگی کے گناہ سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے اور شرعی پردہ کا اہتمام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

پل صراط کے سات مراحل

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی بیانات : جلد نمبر: ۵

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پُلِ صراط کے سات مراحل

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم،

اما بعد فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرّجیم. بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم. یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْا اَنْفُسَکُمْ وَ اَھْلِیْکُمْ نَارًا وَّقُوْدُھَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَۃُ عَلَیْھَا مَلٰٓئِکَۃٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّایَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ. صدق اللّٰہ العظیم،

(سورۃ التحریم، آیت ٦)

قیامت کے دن پلِ صراط پر سات اعمال کی جانچ پڑتال

میرے قابل احترام بزرگو! اس ایک آیت میں قیامت کا ایک حال ہے جس کو علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے۔ بعض علمائے کرام کے حوالے سے وہ عرض کرنا چاہتا ہوں، کیونکہ وہ بہت قابلِ توجہ ہے اور یاد رکھنے کے قابل ہے، اس کو اگر سمجھ لیں تو ہماری زندگی کی اصلاح ہو جائے گی، وہ بات یہ ہے:

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: قیامت کے دن جب لوگ پل صراط پر سے گزریں گے تو راستے میں سات جگہوں پر سات اعمال کی جانچ پڑتال ہوگی، جو شخص ان ساتوں اعمال میں کامل نکلے گا اور یہ اعمال اس کے مکمل ہوں گے، تو وہ کامیاب ہو جائے گا اور وہ پل صراط سے گزر کر سیدھا جنت میں چلا جائے گا۔ اور جو ان ساتوں اعمال میں یا ان میں سے کسی ایک عمل میں فیل ہو گیا اور ناکام ہو گیا اور اس کا وہ عمل خدانخواستہ صحیح نہیں نکلا تو اس کی سزا پانے کے لئے اس کو پل صراط کے اوپر سے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

پل صراط سے گزرنے والے کون لوگ ہوں گے؟

یہ بات تو واضح ہے کہ پل صراط سے گزرنے والے سارے انسان ہوں گے جس میں کفار بھی ہوں گے، مشرکین بھی ہوں گے، مسلمان بھی ہوں گے۔ کفار اور مشرکین تو وہاں سے سیدھے جہنم میں گر جائیں گے اور جہنم میں چلے جائیں گے اور مسلمان جب پل صراط سے گزریں گے تو جو کامل اور مکمل ہوں گے وہ آسانی سے اپنے اپنے عمل کے درجے کے حساب سے گزر جائیں گے اور جن کے اعمال میں کوتاہیاں ہوں گی، خامیاں ہوں گی تو ان کو عارضی طور پر دوزخ میں ڈالا جائے گا اور پھر وہ اپنے گناہوں کی سزا پا کر جنت میں چلے جائیں گے۔

پل صراط پر سب سے پہلے ایمان کی جانچ پڑتال ہوگی

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے مرحلے پر جس چیز کی

جانچ پڑتال ہوگی، وہ ایمان کی اور کلمہ شہادت کی جانچ پڑتال ہوگی، جیسے ہی مسلمان پل صراط پر سے گزرے گا تو دیکھا جائے گا کہ اس کا ایمان خالص خدا کے واسطے تھا یا نہیں، پھر جن کا ایمان کامل اور مکمل ہوگا اور خالص اللہ تعالیٰ کے واسطے ہوگا، وہ لوگ آسانی سے یہ پُل پار کریں گے اور جن کا کلمہ صحیح نہیں نکلے گا یعنی وہ دل سے مسلمان نہیں ہوں گے، لوگوں کو دکھانے کے لئے یا دھوکہ دینے کے لئے انہوں نے زبان سے کلمہ پڑھا تھا، وہ کلمہ انہوں نے دل سے نہیں پڑھا تھا جیسا کہ منافقین کلمہ پڑھتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو منافقین تھے، وہ زبان سے تو کلمہ پڑھتے تھے اور اپنے آپ کو مسلمان بھی کہتے تھے، کہنے کے مطابق نماز بھی پڑھتے تھے، جہاد میں بھی چلے جاتے تھے لیکن اس کے باوجود ان کا وہ کلمہ پڑھنا شیطان کا کلمہ پڑھنا تھا، وہ اسلام ان کا نمائشی اسلام تھا، دکھانے کے لئے تھا، دل سے وہ مسلمان نہیں تھے، لہٰذا وہ دوزخ ہی میں جائیں گے۔

اسی طرح ہمارے زمانے میں قادیانی جتنے بھی ہیں، یہ بھی تو کلمہ پڑھتے ہیں لیکن اس کے باوجود یہ کلمہ معتبر نہیں اور کلمہ پڑھنے کے باوجود اور نماز پڑھنے کے باوجود وہ مسلمان نہیں۔

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے جو تہتر/۷۳ فرقے ہوں گے، ان تہتر/۷۳ فرقوں میں سے بہت سے فرقے اپنے عقائد کی وجہ سے کافر

ہوں گے، اپنے عقائد باطلہ کی وجہ سے وہ کافر ہوں گے اور جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے، حالانکہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے، مسلمان ہی سمجھتے تھے، لیکن عقائد کفریہ کی وجہ سے وہ مسلمان نہیں ہوں گے جس کی وجہ سے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دوزخ میں ڈالے جائیں گے اور جو کافر نہیں ہوں گے وہ اپنے کیے کی سزا بھگتنے کے بعد دوزخ سے نکال لیے جائیں گے۔

خلاصہ یہ ہے کہ پل صراط کے پہلے مرحلے پر کلمہ کی جانچ پڑتال ہوگی اور ایمان کی جانچ پڑتال ہوگی کہ کس کا ایمان خالص اللہ کے لیے تھا اور کون دل سے اللہ پر اور اس کے رسول پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور کون دکھانے کے لئے اور نمائش کے لئے اور مسلمانوں میں رہ کر مسلمانوں کے مفادات کو حاصل کرنے کے لئے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا تھا، حالانکہ حقیقت میں وہ مسلمان نہ تھا، تو ایسا شخص وہاں فیل ہو جائے گا (اللہ بچائے) اور اس کو دوزخ کی آگ میں ڈال دیا جائے گا۔

دوسرے نمبر پر نماز کی جانچ پڑتال ہوگی

دوسرے مرحلے پر جب پہنچیں گے تو وہاں نماز کی جانچ پڑتال ہوگی اور نماز کی تفتیش ہوگی کہ کس کی نماز مکمل ہے اور کس کی نماز نامکمل ہے، تو جس مسلمان مرد عورت کی نماز مکمل نکلے گی، اس کو وہاں سے آگے گزرنے کی اجازت دیدی جائے گی اور خدانخواستہ جو نماز ہی نہیں پڑھتا تھا (اللہ بچائے) کتنے مسلمان ایسے

ہیں جو ہیں تو مسلمان مگر نماز نہیں پڑھتے، حالانکہ نماز نہ پڑھنا یہ بہت بڑے عذاب اور وبال کی بات ہے، یا نماز تو پڑھتا تھا مگر سنت کے مطابق نہیں پڑھتا تھا، اس کی نماز برائے نام تھی، اسے نماز کہنا مشکل تھا، حالانکہ اس کو اس چیز کا اہتمام کرنا ضروری تھا کہ وہ اپنی نماز آرام آرام سے اور اطمینان سے سنّت کے مطابق ادا کرنے کی فکر کرتا، تو اس مرحلے پر جس کی نماز مکمل نکلے گی، اس کو آگے گزرنے کی اجازت دیدی جائے گی اور اگر خدانخواستہ وہ نماز ناقص نکلی یا قابل قبول نہ نکلی تو اس کو سزا کے طور پر آگے جانے کی اجازت نہیں ملے گی اور اس کو وہیں سے دوزخ میں ڈال دیا جائیگا۔

نمازیں سنّت کے مطابق پڑھئے

ہمیں یہاں دنیا میں اپنی نماز کو سنّت کے مطابق بنانے کی فکر کرنی چاہئے۔اس کے لئے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کا رسالہ بڑا ہی مقبول اور بہت ہی آسان اور بہت ہی عام فہم ہے، اس کا نام ہے ''اپنی نمازیں سنّت کے مطابق پڑھئے'' جو بہت ہی قابل قدر ہے، ہمیں ضرور اس کو دیکھ کر اپنی نماز کے ہر ہر رکن کو اس کے مطابق ادا کرنے کی مسلسل مشق کرنی چاہیے اور اسی کو سامنے رکھتے ہوئے خواتین کا بھی طریقہ نماز مرتب کیا گیا ہے، مختصر کتابچہ ہے ''خواتین کا طریقہ نماز'' اس میں بھی تکبیر تحریمہ سے لے کر سلام پھیرنے تک خواتین کے لئے نماز کے ہر ہر رکن کو سنت کے مطابق

ادا کرنے کی کیفیت بیان کردی گئی ہے۔

مرد حضرات وہ کتابچہ لے لیں جو مردوں کے لئے لکھا گیا ہے اور خواتین وہ رسالہ لے لیں جو ان کے لئے مرتب کیا گیا ہے، ان کتابوں کو لے کر ہم اس کے مطابق اپنی نماز کو سدھارنے کی فکر کریں تاکہ ہماری نماز سنت کے مطابق ہو۔

نماز سے چوری

ایک حدیث میں ہے کہ سرور کائنات جناب رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا ''بدترین چور وہ ہے جو نماز سے چوری کرے'' صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا حضرت! نماز سے چور کیسے چوری کرے گا؟ نماز کی چوری کس طرح ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز کی چوری یہ ہے نہ نماز میں رکوع سجدہ اچھی طرح ادا نہ کیا جائے۔

اپنی نماز کا جائزہ لیں

آج ہم اپنی نماز کا جائزہ لیں تو دیکھیں گے کہ ہم نماز جلدی جلدی پڑھنے کے عادی ہیں اور اس جلد بازی کی وجہ سے ہماری نماز بڑی ناقص ہو رہی ہے، خاص طور سے چار جگہ ہماری نماز بڑے خطرے میں پڑ جاتی ہے، ایک تو رکوع میں اور دوسرے سجدے میں، کہ جلد بازی کی وجہ سے رکوع سجدہ صحیح ادا نہیں ہوتا، اور ایک قومہ میں اور ایک جلسہ میں، قومہ اور جلسہ میں تو بڑی عجلت ہوتی ہے بلکہ اس میں آدمی رکوع سجدہ سے زیادہ جلد بازی میں ہوتا ہے (قومہ رکوع سے سیدھا

کھڑے ہونے کو کہتے ہیں اور پہلا سجدہ کرنے کے بعد جو بیٹھتے ہیں اس کو جلسہ کہتے ہیں) یہ دونوں واجب ہیں، قومہ کے اندر کم از کم ایک تسبیح کے برابر اطمینان سے کھڑے رہنا واجب ہے اور جلسہ کے اندر بھی کم از کم ایک تسبیح کے برابر اپنی کمر سیدھی رکھنا واجب ہے، اگر کوئی شخص اس کو واجب جانتا ہے پھر بھی جان بوجھ کر اس واجب کو چھوڑ دیتا ہے تو جان بوجھ کر اس واجب کو چھوڑنے سے نماز ہی نہیں ہوتی، اس کو نئے سرے سے نماز پڑھنا ضروری ہوتا ہے، اور چونکہ ہم تو جلد بازی سے نماز پڑھنے کے عادی ہیں، اس لئے ہم سے بھول نہیں ہوتی الا ماشاء اللہ، ہمارا حال تو یہ ہے کہ ہم دانستہ قومہ کا واجب چھوڑ دیتے ہیں اور کبھی جلسہ کا واجب چھوڑ دیتے ہیں اور رکوع کے اندر کبھی اتنا تھوڑا جھکتے ہیں کہ رکوع پوری طرح ادا نہیں ہوتا۔

سجدہ بھی سنّت کے مطابق سکون اور اطمینان سے ادا ہونا چاہئے، رکوع بھی سنّت کے مطابق سکون اور اطمینان سے ادا ہونا چاہئے، جلسہ اور قومہ بھی سنّت کے مطابق سکون اور اطمینان سے ادا ہونا چاہئے۔

قومہ کے اندر پڑھنے کے لئے کچھ دعائیں منقول ہیں جو حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم نے اپنے رسالے میں ''مسنون دعائیں'' کے نام سے لکھی ہیں، ان دعاؤں کو پڑھنا زیادہ بہتر ہے، لیکن جب وہ دعائیں یاد ہو جائیں تو وہ پڑھیں، جب تک وہ یاد نہ ہوں اس وقت تک قومہ کے اندر رَبَّنَا لَکَ

اَلْحَمْدُ کے بعد یہ دعا پڑھنی چاہئے حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُبَارَکًا فِیْہِ ، اگر ہم یہ دعا پڑھ لیں گے تو انشاء اللہ ہمارا قومہ بہت آرام سے صحیح ادا ہو جائیگا۔

ایسے ہی جلسے کے اندر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ''اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ'' (اے اللہ! میری مغفرت فرما) بھی ثابت ہے، یہ دعا ایسی ہے کہ ہر مسلمان مرد وعورت کو آسانی سے یاد ہو سکتی ہے، تو جب پہلا سجدہ کر کے بیٹھیں تو بیٹھتے ہی فوراً دوسرے سجدہ میں نہ جائیں بلکہ آرام سے بیٹھ کر ''اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ'' کم از کم ایک مرتبہ تو پڑھ لیں، اچھا تو یہ ہے کہ تین مرتبہ پڑھیں، جس طرح رکوع میں تین مرتبہ تسبیح پڑھتے ہیں، سجدے میں تین مرتبہ تسبیح پڑھتے ہیں، اسی طرح جلسے میں تین دفعہ ''اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ'' پڑھ لیں اور اسی طرح قومہ کے اندر یہ دعا پڑھ لیں ''حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُبَارَکًا فِیْہِ'' تو خود بخود ان چار جگہوں پر ٹھہراؤ آجائے گا، جب ان چاروں جگہوں پر ٹھہراؤ آئے گا تو باقی جگہوں پر بھی انشاء اللہ ٹھہراؤ آجائے گا، تو کافی حد تک ہماری نماز اچھی ہو جائے گی اور درست ہو جائے گی۔

ناقص نماز دُخولِ جہنم کا ذریعہ

بہر حال! جس مرحلے پر نماز کی جانچ پڑتال ہوگی وہاں اگر نماز صحیح نکلے گی تو اس کو نجات ملے گی اور اگر خدانخواستہ نماز صحیح نہیں نکلی اور ناقص نکلی تو اس کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

تیسرے نمبر پر رمضان کے روزوں کی جانچ پڑتال ہوگی

تیسرے مرحلے پر جب پہنچیں گے تو وہاں رمضان المبارک کے روزوں کی جانچ پڑتال ہوگی، جس شخص نے رمضان المبارک کے روزے صحیح رکھے ہوں گے اور اس کے روزے مکمل نکلیں گے، اس کو آگے گزرنے دیا جائے گا اور آگے گزرنے کی اجازت دیدی جائے گی، مگر جس شخص نے روزے رکھے ہی نہیں تھے یا روزے رکھے تھے مگر وہ روزہ رکھنا بس ایسے ہی تھا کہ جیسے حدیث شریف میں آتا ہے کہ بعض روزہ رکھنے والے ایسے ہوں گے کہ ان کے روزے میں بھوکا رہنے کے سوا کچھ بھی نہیں، ان کو کوئی ثواب نہیں، کوئی اجر نہیں، بس بھوکا رہنا ملے گا، یعنی روزہ تو رکھ لیا مگر آنکھوں کا روزہ نہ رکھا، کانوں کا روزہ نہ رکھا، زبان کا روزہ نہ رکھا اور دل و دماغ کا روزہ نہ رکھا، ہاتھ کا روزہ نہ رکھا۔ ہاتھ کا روزہ یہ ہے کہ ہاتھ سے ہاتھ والے گناہ نہ ہوں، آنکھوں کا روزہ یہ ہے کہ آنکھوں سے گناہ نہ ہوں، کانوں کا روزہ یہ ہے کہ کانوں سے گناہ نہ ہوں۔

حقیقی روزہ وہ ہے جس میں اعضاء کو گناہوں سے بچایا جائے

روزہ جب رکھ لیا تو بس انسان جیسے اپنے منہ کو کھانے اور پینے سے محفوظ رکھتا ہے کہ روزے کی حالت میں کھانا پینا حرام ہے، ایسے ہی روزے کی حالت میں اپنے منہ کو جھوٹ سے بچائے، غیبت سے بچائے، کان کو گانا سننے سے بچائے، غیبت سننے سے بچائے اور ہاتھوں کو کسی کے ساتھ زیادتی کرنے سے

بچائے، تو جتنے بھی ہاتھ، پیر، آنکھ، کان، ناک اور منہ کے گناہ ہیں، ان سے بھی اپنے آپ کو بچائے، تب تو رمضان شریف کا روزہ واقعی روزہ ہے اور اگر خالی پیٹ کا روزہ ہے تو اس کے لئے حدیث کے مطابق سوائے بھوکا پیاسا رہنے کے کچھ نہیں، یعنی کوئی ثواب نہیں، اسی لئے ضروری ہے کہ جب روزہ رکھیں تو پھر کوئی گناہ نہ ہو، اگر ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کے حضور اس گناہ سے توبہ کریں، تو جن لوگوں کے روزے مکمل نکلیں گے، ان کو آگے گزرنے دیا جائے گا اور جانے کی اجازت مل جائے گی ورنہ وہیں سے ان کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

چوتھے نمبر پر زکوٰۃ کی جانچ پڑتال ہوگی

چوتھے مرحلے پر جب پہنچیں گے تو وہاں زکوٰۃ کی جانچ پڑتال ہوگی کہ زکوٰۃ دیتے تھے یا نہیں؟ پائی پائی کی زکوٰۃ نکالتے تھے یا نہیں؟ زکوٰۃ نکالنے کے بعد اس کو صحیح مصرف میں خرچ کرتے تھے یا نہیں؟

زکوٰۃ کے صحیح مصرف کون ہیں؟

بہت سے مرد حضرات صاحب زکوٰۃ ہوتے ہیں مگر وہ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے، اسی طرح بہت سی خواتین کے پاس بھی سونے کے زیورات ہوتے ہیں لیکن یا تو ان کی زکوٰۃ ہی نہیں نکالتیں، یا دھیان سے نہیں نکالتیں، آج کل تو یہ بھی ہے کہ زکوٰۃ نکالنے والے یہ خیال نہیں رکھتے کہ جہاں زکوٰۃ دے رہے ہیں وہ شرعی مصرف بھی ہے یا نہیں۔

آج کل زکوٰۃ میں چندے جیسا معاملہ ہے، بس جو چندہ مانگنے والا پسند آ گیا اس کو دیدیا جاتا ہے بلکہ بغیر کسی تحقیق کے دیدیا جاتا ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ بھی کہ ہر مانگنے والے کو دیدی جاتی ہے، اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ دیکھا جائے جس کو زکوٰۃ دے رہے ہیں وہ مصرف زکوٰۃ ہے یا نہیں۔

زکوٰۃ کا جو خاص مصرف ہے، اس مصرف میں زکوٰۃ پہنچائیں گے تب ہی زکوٰۃ ادا ہوگی، اگر اپنی مرضی سے ہم نے بلا کسی تحقیق کے اور بلا کسی امتیاز کے کسی ایسے شخص کو زکوٰۃ دیدی جو زکوٰۃ کا شرعی مصرف نہیں ہے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ جو خود زکوٰۃ نہیں دیتے وہ زکوٰۃ ادا کرنے کی فکر کریں اور جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں وہ اس بات کا خیال رکھیں کہ اپنا حساب صحیح رکھیں۔

زکوٰۃ سے متعلق ایک اہم کوتاہی

جو لوگ انگریزی سال کے حساب سے زکوٰۃ نکالتے ہیں، ان کو چاہیے کہ وہ ہر سال گیارہ دن کی زکوٰۃ زیادہ دیں، کیونکہ اسلامی سال کے حساب سے انگریزی سال کے حساب میں گیارہ دن کا فرق پڑتا ہے، اگر کوئی انگریزی سال کے حساب سے زکوٰۃ دیتا رہے گا تو ۳۳ سال کے بعد ایک سال کی زکوٰۃ اس کے ذمے میں واجب رہ جائے گی، اس لئے ہمیں چاہیے کہ ہر سال گیارہ دن کی زکوٰۃ زیادہ ادا کریں، تاکہ ۳۳ سال کے بعد ایک سال کی زکوٰۃ ہمارے ذمہ واجب نہ رہ جائے۔

بہر حال چوتھے مرحلے پر آ کر زکوۃ کا سوال ہوگا اور اس کی جانچ پڑتال ہوگی، جس نے زکوۃ پوری دی ہوگی اور اس کی ادائیگی صحیح کی ہوگی تو اس کو آگے جانے کی اجازت دیدی جائے گی اور اگر کسی نے زکوۃ ہی نہ دی یا اس کی ادائیگی صحیح نہیں کی تو اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا، کیونکہ زکوۃ نہ دینے کا عذاب یہی ہے کہ دوزخ میں ڈالا جائے۔

زکوۃ نہ دینے والوں کا انجام

جیسے ایمان نہ لانے کا عذاب دوزخ ہے، جیسے نماز نہ پڑھنے کا عذاب دوزخ ہے، روزے نہ رکھنے کا عذاب دوزخ ہے، اسی طرح زکوۃ نہ دینے والوں کا انجام بھی یہی ہے کہ اس کی سزا میں اس کو دوزخ میں ڈالا جائیگا۔

پانچویں نمبر پر حج وعمرے کی جانچ پڑتال ہوگی

پانچویں مرحلے پر جب پہنچیں گے تو وہاں ان کے حج وعمرے کا امتحان ہوگا اور اس کی جانچ پڑتال ہوگی کہ جب اللہ نے حج فرض کیا تھا تو انہوں نے حج کیا یا نہیں کیا؟ اور اگر کیا تو صحیح کیا یا نہیں؟ اس لئے کہ جب اللہ نے حج فرض کیا ہے تو یہ بھی فرض کیا ہے کہ اس کا طریقہ سیکھیں، اس کے فرائض کو سیکھیں، اس کے واجبات کو سیکھیں، اور پھر ان فرائض اور واجبات کے مطابق اپنے حج کو ادا کریں۔

عمرہ اگرچہ فرض نہیں، مگر جب آدمی احرام باندھ کر وہاں چلا جائے تو اس کی

ادائیگی ضروری ہو جاتی ہے اور جب ادائیگی ضروری ہو گئی تو اس کے فرائض اور واجبات بھی جاننا ضروری ہیں، پھر عمرہ کے فرائض وواجبات جان کر اس کو ٹھیک ٹھیک ادا کرنا ضروری ہے، کیونکہ اگر فرائض وواجبات سیکھے بغیر حج یا عمرہ ادا کرے گا تو ممکن ہے کسی فرض کے ادا نہ ہونے کی وجہ سے اس کے حج یا عمرے میں گڑبڑ ہو جائے اور واجب چھوٹنے کی وجہ سے اس میں کوئی کمی کوتاہی ہو جائے، پھر اگر دنیا میں ہی اس کی تلافی کر لی اور توبہ کر لی تو اچھا ہو ہے ورنہ قیامت میں سزا ملے گی۔

ہمارا حال تو یہ ہے کہ ہم چھوٹے سے بڑے ہو گئے ہیں لیکن ہم نے کبھی وضو کرنا نہ سیکھا، ہم نے نماز پڑھنا نہ سیکھی، روزہ رکھنا نہ سیکھا، زکوٰۃ دینی نہ سیکھی، حج کرنا نہ سیکھا۔ ہر سال کتنے ہی مسلمان مرد وعورت حج کرنے کے لئے جاتے ہیں، مگر بہت کم لوگ ہیں جو حج کا طریقہ سیکھ کر جاتے ہوں اور اس کے مسائل سیکھ کر جاتے ہوں، اکثر تو ایسے ہی چلے جاتے ہیں اور پھر ایسی ایسی غلطیاں کر کے آتے ہیں کہ ''الامان باللہ'' اس لئے جو لوگ حج وعمرہ کرنے جائیں ان کے لئے ضروری ہے کہ علمائے حق سے حج کے مسائل سیکھ کر جائیں، کم ازکم وہ مسائل سیکھ لیں جن پر حج کی ادائیگی موقوف ہے، فرائض اور واجبات وغیرہ اچھی طرح جان لیں اور سمجھ لیں۔

تفریحی حج

ایک روایت میں ہے کہ:

''جب قیامت قریب آئے گی تو میری امت کے امراء حج تفریح کے لئے کریں گے''

جیسے اردن، امریکہ اور پیرس گھومنے کے لئے جاتے ہیں، ایسے ہی وہاں بھی گھومنے کے لئے جائیں گے، مکہ مکرمہ بڑا ترقی یافتہ شہر ہے اور مدینہ منورہ بھی، دونوں جگہوں میں حرم قابل دید ہے، اس میں کوئی شک نہیں، ظاہری طور پر بھی قابل دید ہیں اور باطنی طور پر بھی قابل قدر ہیں۔ یہ اس لئے گئے ہیں کہ دیکھ لیں کہ حرم کیسا ہے، اس کی تعمیر کیسی ہوئی ہے، خانہ کعبہ کی تعمیر نو کیسی ہوئی ہے، اس میں کس قسم کا پتھر استعمال کیا گیا ہے، اس میں کس طرح کا اے سی لگایا گیا ہے، اس کے ستون کیسے ہیں، اس کا مینار کیسا ہے، اس کی لائٹیں کیسی ہیں اور اس میں فانوس کس قسم کے لگائے گئے ہیں؟ وہ تو حج کرنے نہیں گئے تھے بلکہ تفریح کرنے گئے تھے۔

دکھلاوے کا حج

تاجر لوگ حج کریں گے تفریح کے لئے اور علماء حج کریں گے شہرت کے لئے، وہ ہر سال حج کرنے جا رہے ہیں اور خوب شہرت ہو رہی ہے کہ فلاں شخص ہر سال حج کر رہے ہیں، یہ اس لئے تاکہ لوگوں کے اندر الحاج مشہور ہوں۔ اور

غرباء اور فقراء بھیک مانگنے کے لئے حج کریں گے، بہت سے فقراء اسی غرض سے جاتے ہیں کہ اتنی بھیک اور صدقہ خیرات تو کہیں نہیں ملتا جتنا وہاں ملتا ہے، وہاں تو ریال ملتے ہیں، تو غرباء اس لئے حج کرنے جاتے ہیں کہ وہاں ان کو خوب صدقہ اور خیرات ملے گا۔

زندگی کا کایا پلٹ جانا قبولیت حج کی علامت ہے

اللہ کے لئے وہی حج کریں گے جو اللہ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق کریں گے، اللہ کے واسطے حج کرنے والوں کی علامت یہ ہوتی ہے کہ ان کی زندگی پلٹ جاتی ہے۔ (اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسا ہی حج کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین) ان کی زندگی تبدیل ہو جاتی ہے، اللہ کے گھر سے بہتر جگہ کوئی نہیں ہے، جہاں اللہ کے رسول پیدا ہوئے، جہاں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے، جہاں اللہ کا کلام نازل ہوا، اگر وہ جگہ دیکھ کر بھی انسان نہ بدلے تو پھر کہاں بدلے گا......؟

اپنی ظاہری باطنی حالت کو سنّت نبوی کے مطابق ڈھال لے

لہٰذا حج کی علامت یہ ہے کہ انسان جیسا بھی جائے لیکن جب واپس پلٹے تو زندگی بالکل بدل چکی ہو، چہرے پر سنّت کے مطابق داڑھی آ چکی ہو، لباس سنّت کے مطابق ہو چکا ہو، نماز کا پابند ہو چکا ہو، گناہوں سے بچنے والا ہو چکا ہو۔ اگر ایسا حج وعمرہ کر کے آئے تو سبحان اللہ! اس کا بدلہ اللہ کے ہاں جنت کے سوا کچھ

نہیں۔

چھٹے نمبر پر وضو اور غسل کی جانچ پڑتال ہوگی

چھٹے مرحلے پر جا کر وضو اور غسل کی جانچ پڑتال ہوگی، ہر شخص سے پوچھا جائے گا کہ وہ وضو صحیح کرتا تھا یا نہیں؟ وہ غسل جنابت صحیح کرتا تھا یا نہیں؟

وضو کے چار فرائض اور اس کی باریکیاں

یاد رکھئے! وضو کے اندر چار فرض ہیں پہلا فرض! پورا چہرہ دھونا، دوسرا فرض! کہنیوں سمیت دونوں ہاتھ دھونا، تیسرا فرض! چوتھائی سر کا مسح کرنا، چوتھا فرض! ٹخنوں سمیت دونوں پاؤں دھونا۔

غسل جنابت کے اندر پہلا فرض! منہ کے اندر پانی گھمانا کہ حلق کے اندر اچھی طرح پانی گھوم جائے، دوسرا فرض! ناک میں پانی ڈالنا جہاں تک ناک کی نرم ہڈی ہے، تیسرا فرض! سارے جسم پر پانی اس طرح بہانا کہ کہیں بھی بال برابر بھی جگہ سوکھی نہ رہے اگر بال برابر بھی جگہ سوکھی رہ گئی تو غسل نہ ہوگا۔

وضو کے اندر بھی اگر بال برابر جگہ بھی سوکھی رہ گئی تو وضو نہیں ہوگا اور جب وضو نہیں ہوگا تو پھر نماز بھی نہیں ہوگی۔ کیونکہ غسل کرنے والوں جب پتہ ہے کہ غسل کے اندر تیسرا فرض سارے جسم پر پانی بہانا ہے تو اس نے کیوں نہیں پانی بہایا؟ اس کو معلوم تھا کہ وضو میں کن کن اعضاء کو اچھی طرح دھونا ضروری ہے، اگر بال برابر بھی جگہ سوکھی رہ گئی تو وضو نہیں ہوگا، پھر بھی اس نے کیوں اہتمام نہیں کیا

اور کیوں غفلت سے کام لیا۔

غفلت سے وضو کرنے والوں کے لئے تنبیہ

چنانچہ جب آدمی جلد بازی میں وضو کرتا ہے تو اس کی کہنیاں سوکھی رہ جاتی ہیں اور سردیوں میں خاص طور پر سوکھی رہ جاتی ہیں، سردی میں آدمی وضو نا تمام سا کرتا ہے اور اہتمام سے کہنیوں تک پانی نہیں پہنچاتا، حالانکہ وضو میں کہنیوں تک پانی پہنچانا ضروری ہے، وضو اور غسل کے وقت اس بات کا خاص خیال رکھیں کہ ایڑیاں اور کہنیاں سوکھی نہ رہنے پائیں، سردیوں میں زیادہ خیال رکھیں، کیونکہ سردیوں میں جسم سست ہوتا ہے، سستی کی وجہ سے کہنی تک پانی صحیح طرح سے نہیں پہنچ پاتا، بعض دفعہ اوپر سے ایسے ہی بہہ جاتا ہے اندر سوکھا رہ جاتا ہے، ایڑیاں، کہنیاں اور جہاں جہاں پر بھی یہ خطرہ ہو کہ پانی نہیں پہنچے گا، وہاں تک پانی پہنچائیں۔

سب سے بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہم وضو اور غسل سنت کے مطابق کرنے والے بن جائیں، کیونکہ جب ہم ہمیشہ کے لئے وضو سنّت کے مطابق کرنے کے عادی بن جائیں گے اور غسل سنّت کے مطابق کرنے کے عادی بن جائیں گے تو پھر انشاء اللہ کوتاہی نہ ہوگی اور سنّت کا ثواب الگ ملے گا، وضو اور غسل بھی انشاء اللہ کامل ہو جائے گا۔ وضو کے لئے ایک کتابچہ ہے "وضو درست کیجئے" اس کے اندر پورا وضو کا طریقہ سنّت کے مطابق لکھا ہوا ہے۔

غسل کا مسنون طریقہ

غسل کے لئے ایک چھوٹا سا رسالہ ہے "مسائل غسل" یہ رسالہ خاص طور پر نوجوانوں کے لئے لکھا گیا ہے، نوجوانوں کو بعض دفعہ غسل کے فرائض بھی معلوم نہیں ہوتے اور بعض دفعہ یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ غسل کب فرض ہوتا ہے اور فرض غسل کس طرح کیا جاتا ہے؟ جب معلوم ہی نہیں ہوگا تو وہ کس طرح غسل کریں گے۔ یہ رسالہ سب ہی کے لئے مفید ہے لیکن نوجوانوں کے لئے بہت اہم اور ضروری ہے، نوجوانوں کے لئے اس کا مطالعہ بہت ضروری ہے، یہ کتابیں لے لیں تاکہ ہمارا وضو بھی مکمل ہو اور سنّت کے مطابق ہو اور ہمارا غسل بھی سنّت کے مطابق ہو اور مکمل ہو۔

لہٰذا ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ ہمارے وضو اور غسل صحیح ہو جائیں اور سنّت کے مطابق ہو جائیں، تاکہ جب ہم اس مرحلے پر پہنچیں تو خدانخواستہ وہاں یہ ناقص اور قابل گرفت نہ نکلیں۔

ساتویں نمبر پر حقوق العباد کی جانچ پڑتال ہوگی

اس کے بعد ساتویں مرحلے پر حقوق العباد کی جانچ پڑتال ہوگی، یعنی ایک انسان نے دوسرے انسان کے ساتھ جو زیادتیاں کی ہوں گی، ان کی وہاں پر جانچ پڑتال ہوگی کہ اس نے کسی کا حق تو نہیں مارا، اس نے کسی کے ساتھ زیادتی تو نہیں

کی، اس نے کسی کے ساتھ ظلم تو نہیں کیا، اس نے کسی کی عزت تو خراب نہیں کی، اس نے کسی کا پیسہ تو ناحق نہیں کھایا۔ اگر اس نے کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کی ہوگی اور کسی کا کوئی حق اس کے ذمے واجب نہیں ہوگا تو اس کو وہاں سے گزرنے دیا جائے گا، بس یہاں سے گزرتے ہی وہ پل صراط سے پار ہو جائے گا۔

پل صراط کا سب سے مشکل مرحلہ

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ سات مرحلوں میں سب سے مشکل جو مرحلہ ہوگا، وہ یہ ساتواں مرحلہ ہوگا، یہاں آکر حاجی بھی، نمازی بھی، روزہ رکھنے والے بھی، زکوٰۃ دینے والے بھی اٹک جائیں گے، یہاں آکر فیل ہو جائیں گے اور دوزخ میں ڈال دیے جائیں گے، یہاں سے گزرنا بڑا مشکل ہوگا، یہاں سے گزرنے والا بڑا خوش قسمت ہوگا (اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمیں بھی ان ہی میں شامل فرمادے جو یہاں سے بھی آسانی سے گزر جائیں گے)

اس دنیا میں ہم اس طرح سے رہنا سیکھیں کہ کسی انسان کی ہم سے کوئی حق تلفی نہ ہو، اس لئے کہ حقوق العباد میں جو کوتاہیاں ہیں وہی آخرت میں خطرناک ہیں۔

اپنی آخرت کو دنیا ہی میں سنوار لیں

دنیا میں تو اس کی تلافی بہت آسان ہے کہ جس کا حق لیا ہے، یا تو اس کو ادا کر دو یا معافی مانگ لو، یہاں تو بہت ہی آسان ہے، یہاں کسی کے پاؤں میں اپنی

پگڑی رکھ دینا کوئی مشکل کام نہیں، یہاں کسی آدمی سے عاجزی سے معافی مانگنا کوئی عیب کی بات نہیں، لیکن اگر خدانخواستہ کوئی انسان دنیا سے اس حالت میں چلا گیا کہ کسی کو گالی دے رکھی ہے، کسی کی عزت اتاری ہوئی ہے، کسی کی غیبتیں کی ہوئی ہیں، کسی کے پیسے کھائے ہوئے ہیں، کسی کو ستایا ہوا ہے، کسی کو مارا ہوا ہے اور کسی کو پریشان کیا ہوا ہے، تو یہ چیزیں انسان کے کے لئے بخشش میں رکاوٹ بن جائیں گی۔

کیونکہ نماز میں بھی پاس ہو گیا، روزہ میں بھی پاس ہو گیا، زکوٰۃ میں بھی پاس ہو گیا، حج میں بھی پاس ہو گیا، وضو اور غسل میں بھی پاس ہو گیا تو اب یہاں آ کر پوچھا جائے گا کہ تم رہتے کس طرح تھے؟ یہاں آ کر انسان رک جائے گا، تم مرد ہو تو بیوی پر ظلم تو نہیں کیا، بیوی ہو تو شوہر پر ظلم تو نہیں کیا، پڑوسی کے ساتھ زیادتی تو نہیں کی، اپنے خریداروں کے ساتھ زیادتی تو نہیں کی، تمہارے خریدنے والوں نے بیچنے والوں کے ساتھ ظلم تو نہیں کیا، یہ سارے معاملے ہیں بندوں کے ایک دوسرے کے ساتھ، یہ وہاں جا کر جانچے جائیں گے۔

معاشرے کی عام برائیاں

اور ایک بہت بڑی خطرناک برائی جو ہمارے معاشرے کے اندر سب سے زیادہ پھیلی ہوئی ہے، وہ ہے بجلی کی چوری، گیس کی چوری، ٹیلی فون کی چوری، ریلوے کی چوری، پانی کی چوری، دفتروں میں اور آفسوں میں جو چیزیں دفتر کے

کام کرنے کے لئے دی جاتی ہیں مثلاً کاغذ ہے، پنسل ہے، لفافے ہیں تو یہ اپنے استعمال میں لاتے ہیں، یہ سب کام چوری میں داخل ہیں۔

رشوت اور سود کا عام ہونا

رشوت کتنی عام ہوگئی ہے، سب جانتے ہیں کہ رشوت حرام ہے، لیکن کسی بھی دفتر میں انسان چلا جائے تو سارے قانونی تقاضے پورے کرنے کے باوجود بھی وہ کام بغیر رشوت کے نہیں ہوتا، عدالتوں کا جو حال ہے وہ ہمارے سامنے ہے، سود کا لین دین کتنا عام ہوگیا ہے، اتنا عام ہوگیا ہے اتنا عام ہوگیا ہے کہ جس کو دیکھو بینک میں پیسے رکھ رہا ہے اور وہاں سے سود لے رہا ہے، اب یہ سب حقوق العباد کی پامالیاں ہیں۔

گھناؤنے جرم جو سب سے زیادہ ہلاکت کا باعث بنیں گے

ایک چوری ہوتی ہے کسی ایک انسان کی اور ایک چوری ہوتی ہے پوری قوم کی۔ بجلی کی چوری، ٹیلی فون کی چوری، پانی کی چوری، گیس کی چوری، ڈاک خانے کی چوری، ریلوے کی چوری یہ پوری قوم کی چوری ہے۔ اللہ کی پناہ! اگر کسی نے یہ چوری کررکھی ہے تو قیامت کے دن پوری قوم ایک طرف ہوگی اور یہ آدمی ایک طرف ہوگا، پوری قوم اللہ سے فریاد کرے گی کہ یا اللہ! اس نے ہماری حق تلفی کی ہے، ہمارا مال چرایا ہے، ہمارے پیسے کھائے ہیں، لہٰذا ہمیں اس کی نیکیاں دلوائیں، یہ آدمی کیسے اکیلا سب کا حق ادا کرے گا؟ اس لئے میرے عزیزو!

میرے بزرگو! ہمیں اس دنیا سے ضرور جانا ہے، جب جانا ہی ہے تو ان باتوں کو یاد رکھنا ضروری ہے کہ ہم اس قسم کی کسی چوری میں مبتلا تو نہیں ہیں، کہیں ہم رشوت لینے کے بدترین گناہ میں تو مبتلا نہیں، اگر رشوت کے پیسے لئے ہیں تو واپس دینے پڑیں گے چاہے دس لاکھ لیے ہوں یا دس پیسے لیے ہوں۔

آج نہیں تو کل دینے پڑیں گے

آج نہیں تو کل دینے پڑیں گے، چاہے وہ دینے والا خوشی سے دے رہا ہو، کیونکہ رشوت دینا تو خوشی سے بھی حلال نہیں، کچھ بھی اس کا نام رکھ لو، چاہے اس کا نام تحفہ رکھ لو، چاہے ہدیہ رکھ لو، چاہے مٹھائی کا ڈبہ اس کا نام رکھ لو، مگر وہ رشوت تو رشوت ہی ہے، وہ تو حلال نہیں ہوگی، جس سے لی ہے اس کو واپس دینی پڑے گی، یا تو دنیا میں واپس کر دو ورنہ پھر آخرت میں دینی پڑے گی۔

جس جس سے سود کھایا ہے وہ تو دینا ہی پڑے گا، اس کا جو عذاب ہے (اللہ بچائے) بہت ہی ہولناک ہے اور بہت ہی خوفناک ہے۔ ان چیزوں کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے، جب چوری حرام ہے تو بس اب وہ حرام ہے، وہ حلال نہیں ہوسکتی، چاہے قوم کی چوری ہو، چاہے قوم کے ایک فرد کی چوری ہو، رشوت بھی حرام ہے، سود بھی حرام ہے، اب یہ باہمی رضا مندی سے سود حلال نہیں ہوسکتا جیسے باہمی رضا مندی سے بدکاری حلال نہیں ہوسکتی، چوری بھی حلال نہیں ہوسکتی، شراب بھی حلال نہیں ہوسکتی، جوا بھی حلال نہیں ہوسکتا، اسی طرح انسانوں کی اور

قوم کی چوری اور حق تلفی یہ حلال نہیں ہوسکتی، اور یہ معاملہ آخرت میں سب سے زیادہ سنگین ہوجائے گا۔

اللہ تعالیٰ کے پاس بندوں کے تین رجسٹر ہیں

ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تین رجسٹر ہیں:

(۱) ایک رجسٹر کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں۔

(۲) دوسرے رجسٹر کے بارے میں فرمایا کہ جو کچھ اس کے اندر ہے، وہ ہرگز معاف نہیں ہوگا۔

(۳) اور تیسرے رجسٹر کے بارے میں فرمایا کہ اس کے اندر جو کچھ ہے، اس کے بارے میں ضرور حساب ہوگا۔

اس کی تشریح یوں فرمائی گئی ہے کہ:

پہلا رجسٹر

پہلا رجسٹر جس کے بارے میں حق تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں، یہ وہ رجسٹر ہے جس کے اندر انسان کی ان کوتاہیوں کا تذکرہ ہوگا جو اس نے اللہ کے حقوق میں کی ہوں گی، جیسے نماز میں کوتاہی کی، روزہ میں کوتاہی کی، صدقہ میں کوتاہی کی، یہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کہلاتے ہیں، اس طرح کی یہ کوتاہیاں اس رجسٹر میں لکھی ہوئی ہوں گی، اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے اس طرح کی کوتاہیاں

معاف فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ نے معاف فرمانے کے بہت سے وعدے کیے ہوئے ہیں، تو اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے، چاہوں تو حساب لوں گا، چاہوں تو معاف کردوں گا۔

دوسرا رجسٹر

دوسرا رجسٹر جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جو کچھ اس کے اندر ہے، وہ ہرگز معاف نہیں ہوگا، یہ وہ رجسٹر ہے جس میں کفر و شرک بندوں کا لکھا ہوا ہوگا، اس لیے اس کی ہرگز ہرگز معافی نہ ہوگی، جن لوگوں نے اللہ کے ساتھ شرک کیا ہوگا، اس رجسٹر میں ان کا کفر لکھا ہوگا، اس بارے میں ان کے ساتھ کوئی رعایت نہیں ہوگی، ذرہ برابر بھی اس معاملے میں اللہ تعالیٰ نرمی نہیں فرمائیں گے اور ان کو ہمیشہ کے لئے دوزخ میں ڈال دیں گے۔ (اللہ بچائے)

تیسرا رجسٹر

اور تیسرا رجسٹر جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ فرمایا ہوا ہے کہ جو کچھ اس کے اندر ہے، اس کے بارے میں ضرور حساب لوں گا، یہ وہ رجسٹر ہے جس کے اندر بندے کی حق تلفیاں لکھی ہوئی ہوں گی، ایک انسان نے دوسرے انسان کو جو ستایا ہوگا اور جو تکلیف دی ہوگی، وہ سب اس رجسٹر میں لکھا ہوا ہوگا، اسی طرح حقوق العباد کی جتنی کوتاہیاں ہوں گی، وہ سب اس کے اندر درج ہوں گی، اور اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہے کہ وہ ضرور بہ ضرور اس کا

حساب کتاب لیں گے اور انصاف دیں گے۔

دنیا میں ہی اپنا محاسبہ کرلو

بہتر یہ ہے کہ آخرت کے حساب سے پہلے ہمیں دنیا میں ہی اپنا محاسبہ کرنا چاہئے۔

حاسبوا قبل ان تحاسبوا

"اس سے پہلے کہ تمہارا حساب کیا جائے اپنا محاسبہ کرلو"

یہاں محاسبہ بہت آسان ہے، یہاں بہت سستا سودا ہے بہ نسبت آخرت کے۔

ناحق کسی مسلمان کا حق مارنے کی ہولناک سزا

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص سے ایک دانق بھی ناحق لے لے گا تو قیامت کے دن (ایک دانق ایک درہم کا چھٹا حصہ ہوتا ہے اور ایک درہم تقریباً ساڑھے تین ماشہ کا ہوتا ہے) اس ایک دانق کے بدلے میں اِس کو سات سو مقبول نمازیں دینی پڑیں گی۔ وہاں کا معاملہ کتنا نازک ہے، اس لئے جس جس کے ساتھ کوتاہیاں ہوگئی ہوں، زیادتیاں ہوگئی ہوں، بس آج ہی اس بات کا اہتمام شروع کردیں کہ ایک دوسرے سے معافی تلافی کرلیں، ایک دوسرے کو معاف کردیں، پیسہ لیا دیا ہے تو پیسہ لے دے کے معاملہ صاف کرلیں اور جس نے رشوت یا سود لیا ہے تو وہ واپس کریں، جس نے حرام مال کھایا ہوا ہے، وہ اپنے مال میں سے اتنی مقدار نکالے، سمجھ میں نہ آئے تو یہاں آکر ترکیب

پوچھیں، تدبیر پوچھیں، علماء کرام رہنمائی فرمائیں گے اور ان سے پوچھ پوچھ کر ہم مرنے سے پہلے اپنا دامن دنیا میں اس طرح صاف کرلیں کہ کسی انسان کی حق تلفی ہمارے ذمہ نہ رہے، اس طرح ہم اپنا دامن صاف کرلیں گے تو یہ مشکل مرحلہ بھی آسان ہوجائے گا۔

خلاصہ بیان

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سات مرحلے لکھے ہیں کہ پہلے مرحلے پر کلمہ اور ایمان کی جانچ پڑتال ہوگی، دوسرے مرحلے میں نماز کی، تیسرے مرحلے میں روزوں کی، چوتھے مرحلے پر زکوٰۃ کی، پانچویں مرحلے پر حج وعمرہ کی، چھٹے مرحلے پر وضو اور غسل کی اور ساتویں مرحلے پر بندوں کے حقوق کی جانچ پڑتال ہوگی، اللہ تعالیٰ ہم سب کے لئے یہ راستہ آسان فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العٰلمین

سچ بولنے کے فوائد

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی بیانات : جلد نمبر : ۵

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ط

سچ بولنے کے فوائد

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُاَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

قَالَ اللّٰہُ ھٰذَا یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُھُمْ لَھُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا

اَبَدًا ط رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ط ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (سورۃ المائدہ: آیت ۱۱۹)

صدق اللّٰہ العظیم۔

تمہید

میرے قابل احترام بزرگو! سچ بولنا ایک اعلیٰ درجے کی نیکی اور اعلیٰ درجے کا عمل ہے اور قرآن وحدیث میں کثرت کے ساتھ سچ بولنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے، اس لئے سچ کو اختیار کرنا چاہئے۔

زبان اور عمل دونوں میں سچا ہونا چاہئے

ہمارے دین میں سچ سے مراد زبان سے سچ بولنا تو ہے ہی، عمل کے اعتبار سے بھی سچا ہونا مراد ہے، یعنی دین کی باتیں جس طرح زبان سے کہتا ہے، عمل بھی اسی کے مطابق کرتا ہے، لہٰذا ہر مسلمان مرد وعورت کو قول وعمل دونوں میں سچا ہونا چاہئے، اس کا ظاہر و باطن اور قول وعمل ہر ایک سچائی پر مشتمل ہو، ایسا نہ ہو کہ زبان سے تو بڑی اچھی باتیں کرتا ہے لیکن عمل بالکل اس کے برعکس کرتا ہے تو یہ کوئی خوبی کی بات نہیں بلکہ عیب اور بُرائی کی بات ہے، مؤمن کو تو زبان اور عمل دونوں میں سچا ہونا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک سچا بندہ

جب کسی کی زبان اور اس کا عمل سچائی پر مشتمل ہو جاتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ

کے ہاں بھی سچ مچ سچا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث شریف ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

''جو شخص لوگوں کے سامنے بہت عمدہ طریقے سے نماز ادا کرتا ہے اور اسی طرح تنہائی میں بھی بہت اچھی طرح ادا کرتا ہے تو (ایسے شخص کے بارے میں) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ واقعی میرا یہ بندہ سچ مچ صحیح اور سچا ہے''۔

لہٰذا جب ہمیں خالصتاً اللہ تعالیٰ ہی کے لئے عمل کرنا چاہئے تو ہر ہر عمل کے اندر ہماری یہ عادت بن جائے کہ چاہے کوئی دیکھنے والا ہو یا نہ ہو، ہم وہ عمل نہایت خشوع وخضوع اور اہتمام سے کریں اور کسی بھی عمل کو انجام دیتے وقت توجہ نہ دیں، نہ تو مخلوق کے لئے کوئی عمل کرنا چاہئے، نہ مخلوق کی وجہ سے چھوڑنا چاہئے اور نہ ہی مخلوق کی وجہ سے اپنے عمل کو چھپانا چاہئے، بلکہ ہر حال میں اپنے پروردگار کے لئے عمل کرنا چاہئے اور بہتر سے بہتر انجام دینا چاہئے۔ اب جو شخص اس طریقے سے سچائی، اخلاص اور خوبصورتی کے ساتھ عمل کرنے کا عادی بن جاتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی سچا لکھ دیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی بہت قدر کرتے ہیں، کیونکہ اب اس کی نظر مخلوق سے ہٹ کر صرف اور صرف خالق پر ہوگئی ہے اور جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے ہاں سچا بن جاتا ہے تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بندہ بھی بن جاتا ہے، لہٰذا زبان کا بھی سچا ہونا چاہئے اور عمل کے اعتبار سے بھی سچا بننے کی کوشش کرنی چاہئے۔

سچا آدمی صدیق کے درجے پر پہنچ جاتا ہے

جب آدمی سچ بولنے کا عادی ہو جاتا ہے تو پھر یہ شخص قرآن کریم اور حدیث شریف میں بیان کئے گئے اُن بڑے بڑے انعامات کا مستحق ہو جاتا ہے جو صادقین کے لئے مقرر کئے گئے ہیں مثلاً ایک سب سے بڑا مرتبہ صدیق ہونے کا ہے، یہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد سب سے بڑا درجہ ہے، اس کے بعد شہداء کا درجہ ہے پھر صالحین کا مرتبہ و مقام ہے، یہ چار درجات ہیں جو قرآن و حدیث میں بیان کئے گئے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کے مقبولین اور جنتیوں کے درجے ہیں، جس کو ان کی ہمراہی نصیب ہوگئی تو اس کا بھی بیڑا پار ہو جائے گا۔

انبیاء علیہم السلام کا درجہ تو ایسا ہے کہ کوئی شخص اپنے عمل اور محنت سے حاصل نہیں کر سکتا، یہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل و عطا ہی سے ممکن ہے کہ وہ جسے جب چاہیں عطا فرما دیں، لہٰذا اس درجہ کو تو انسان حاصل نہیں کر سکتا، کیونکہ یہ انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔

البتہ صدیقین، شہداء اور صالحین، یہ تین درجات ایسے ہیں جو انسان کے اختیار میں ہیں، ان میں سب سے اونچا درجہ صدیقین کا ہے اور صدیقین کے امام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، وہ سب سے بڑے صدیق ہیں مگر سچ بولنے والا ایک عام مسلمان بھی سچ اختیار کرنے کی وجہ سے انشاء اللہ تعالیٰ ان کی جوتیوں میں بیٹھ جائے گا۔ حدیث شریف میں ہے: ''جناب نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آدمی سچ بولتا ہے تو یہ سچ بولنا اس کی نیکی کی طرف رہنمائی کرتا ہے یعنی اُسے نیک کام کرنے کی توفیق ہونے لگتی ہے اور نیک کام کرنے کی توفیق ہو جانا یہ ایسا عمل ہے جو جنت کا راستہ دکھلاتا ہے۔ اس کے بعد حدیث مبارکہ میں یہ ہے کہ جب آدمی اس طرح سچ بولتا رہتا ہے تو آخر کار اُسے صدیقین کی فہرست میں شمار کرلیا جاتا ہے۔'' اس سے معلوم ہوا کہ سچ بولنا اتنا بڑا اور خوبصورت عمل ہے کہ جو شخص ہمیشہ سچ بولنے کا عادی ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو انبیاء کے قریب اور انبیاء سے نیچے والا درجہ عطا فرما دیتے ہیں اور ایسا شخص انبیاء کے قدموں میں بیٹھے گا انشاء اللہ العزیز۔ یہ کتنا عظیم اور بلند مقام ہے حالانکہ سچ بولنے میں آدمی کا کچھ بھی خرچ نہیں ہوتا۔

سچ ہر حال میں نفع بخش ہے

ایک حدیث شریف میں یہ آتا ہے کہ بعض اوقات سچ بولنے میں انسان کو نقصان محسوس ہوتا ہے، اس کے بارے میں فرمایا کہ وہ گھاٹا نہیں ہے بلکہ وہ بھی نفع ہی ہے۔ اگر بالفرض سچ بولنے میں نقصان ہو بھی رہا ہے تو آخرت کے ثواب عظیم کے لئے سچ بولنا مہنگا سودا ہرگز نہیں ہے، دنیا کا تھوڑا بہت نقصان ہوگا لیکن آخرت میں نفع ہی نفع ہوگا اور پھر سچ بولنے کی وجہ سے دنیا میں جو تھوڑا بہت نقصان ہو بھی جائے گا تو اللہ تعالیٰ غیب سے اس کی تلافی فرما دیں گے، کیونکہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کے لئے سچ بولنے کی کوشش میں نقصان برداشت کر رہا ہے۔ اور اگر کوئی شخص سچ بولنا چاہ رہا ہو لیکن اس میں کوئی خطرہ محسوس کرے تو

اس کو چاہئے کہ سچ بولنے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرما دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں تین چیزیں بڑی ہیں

اللہ تبارک وتعالیٰ نے تین چیزوں کو سب سے بڑا قرار دیا ہے۔

(۱) ان میں سے پہلی بڑی چیز اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذاتِ اقدس ہے، اس سے بڑھ کر کوئی چیز بڑی نہیں ہو سکتی، جسے یوں فرمایا: ''اللہ اکبر'' کہ اللہ تعالیٰ سب سے بڑے ہیں، ان کا کوئی شریک اور ہمسر نہیں ہے، وہ ہی سب سے بڑے اور عظیم ہیں۔

(۲) دوسری بڑی چیز اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذکر اور اس کی یاد ہے جسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے یوں بیان فرمایا:

''ولذکر اللہ اکبر''

اور اللہ تعالیٰ کا ذکر سب سے بڑی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہمیں نصیب فرمائیں آمین۔ کیونکہ یہ بہت بڑی دولت اور نعمت ہے، اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس سب سے اعلیٰ اور اکبر اور ارفع ہے تو اس کی یاد بھی سب سے اعلیٰ اور اکبر اور ارفع ہوگی۔ جس کو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا نصب ہو گیا اس کو سب سے بڑی دولت نصیب ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر بھی شامل ہیں اور قرآن کریم بھی شامل ہے بلکہ ہر نیک عمل شامل ہے، یہاں تک کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، صدقہ وخیرات وغیرہ بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر میں شامل

ہیں، اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کا ذریعہ ہیں۔ اسی طرح ہر گناہ سے بچنا یہ بھی ذکر اللہ میں شامل ہے، کیونکہ جب اللہ کا خوف اور اس کا ڈر اور اس کی یاد دل میں نہ ہوگی تو کیسے گناہ سے بچا جا سکتا ہے، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ بات ہے کہ تمام دین اور تمام احکامات بھی ذکر اللہ میں شامل ہیں۔

(۳) تیسری بڑی چیز اللہ تبارک وتعالیٰ کی خوشنودی اور اسکی رضامندی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس طرح ارشاد فرمایا:

"ورضوان من اللّٰہ اکبر"

اللہ تعالیٰ کی رضا سب سے بڑی چیز ہے، اللہ تعالیٰ کسی بندے سے راضی اور خوش ہو جائیں تو یہ بہت بڑی دولت اور نعمت ہے جو اس نیک بخت کو حاصل ہوگئی ہے۔ اسی رضا و خوشنودی کو حاصل کرنے کے لئے ہمیں دنیا میں بھیجا گیا ہے، لہٰذا اس دنیا میں جس کو جتنی عمر ملی ہے، اس کی عمر کا منتہائے مقصود یہی ہے کہ بندہ دنیا میں رہ کر اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرے اور جس نے اللہ تعالیٰ رضا اس دنیا میں رہ کر حاصل کر لی تو وہ شخص آخرت میں کامیاب ہونے والوں میں سے ہوگا اور آخرت اور جنّت کی تمام نعمتیں اسی شخص کے لئے ہوں گی۔ دنیا میں بھی ان نعمتوں کا ظہور ہوتا رہتا ہے لیکن حقیقی ثمرہ اور بدلہ تو آخرت میں ہی سامنے آئے گا جس کا پہلا قدم جنّت ہے اور دوسرا قدم اللہ تعالیٰ کی زیارت ہے۔ لہٰذا جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کا ذکر سب سے بڑھ کر ہے، اسی طرح اس کی رضا اور خوشی بھی سب سے بڑھ کر ہے۔

سچ بولنے سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے

اسی رضا کو اللہ پاک نے قرآنِ کریم کی اس آیت میں بیان فرمایا ہے جو میں نے ابتداء میں آپ حضرات کے سامنے پڑھی تھی۔ اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی رضا کا اعلان جنت میں اپنی زیارت کے موقع پر فرمائیں گے، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ قیامت کا دن وہ ہے جس دن سچ بولنے والوں کا سچ ان کو فائدہ اور نفع دے گا اور وہ نفع یہ ہے کہ:

لهم جنٰت تجری من تحتها الانهٰر

سچ بولنے والوں کے لئے ایسے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہونگی۔ **خٰلدین فیها ابداً** جس میں وہ سچے لوگ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، **رضی الله عنهم و رضوا عنه**، اللہ تعالیٰ ان سے اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوں گے

ذلك الفوز العظيم۔

یہی عظیم الشان کامیابی ہے۔ یہ کامیابی سچ بولنے سے حاصل ہوگی، ہم سچ بولنے کے عادی ہو جائیں تو یہ کامیابی ہمیں بھی حاصل ہوسکتی ہے لیکن اس کے لئے قول کا سچا ہونا ہی کافی نہیں ہے بلکہ عمل کا بھی سچا ہونا ضروری ہے، گویا ظاہر وباطن میں سچا ہو، جب کوئی شخص ایسا سچا ہو جائے گا اور سچ اس کی عادت بن جائے گی تو اللہ تعالیٰ یہ عظیم الشان کامیابی اس شخص کو عطا فرمادیں گے اور جنت میں جانا نصیب ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا پروانہ اس شخص کو مل

جائے گا۔ قرآن کریم کی اس آیت میں بیان کی گئی اس عظیم الشان کامیابی کے حصول کے لئے ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ ہماری گفتگو سچائی پر مشتمل ہو، سچ سے ہم کسی بھی حال میں خالی نہ ہوں اور جھوٹ سے ہر حال میں پاک ہو جائیں، جب ہماری یہ حالت ہوگی تو ہمیں جنت میں داخلہ بھی مل جائے گا اور اللہ تعالیٰ کی زیارت اور اس کی رضا بھی نصیب ہو جائے گی۔

دو دعاؤں کا اہتمام کرنا چاہئے

جنت میں چلے جانا یہ بہت بڑی کامیابی ہے، اسی لئے حدیث مبارکہ میں فرمایا کہ دو باتوں کا مخصوصی اہتمام کرنا چاہئے، ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ سے اس کی رضا اور جنت کا اعلیٰ درجہ مانگتے رہنا چاہئے جو جنت الفردوس ہے، یہ جنت کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے، اس کے اوپر عرش الٰہی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم اللہ تعالیٰ سے جنت مانگو تو جنت الفردوس مانگا کرو اور اس کی رضا کے طالب رہا کرو کہ یا اللہ اپنی رضا اور جنت نصیب فرما۔ دوسری یہ کہ دو چیزوں سے ہمیشہ پناہ مانگا کرو، کیونکہ ان سے پناہ مانگنا نہایت ضروری ہے، ایک اس کی ناراضگی سے پناہ مانگو اور دوسرا جہنم سے پناہ مانگو۔ اس لئے کہ جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائیں تو اس کا کہاں ٹھکانہ ہوگا، یہ تو مقام غضب ہے، جس سے اللہ پاک ناراض ہوتے ہیں، اسے جہنم میں ڈال دیتے ہیں، لہٰذا ان دو باتوں سے اہتمام کرکے پناہ مانگنی چاہئے، اس لئے زندگی بھر یہ معمول بنالیں اور گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے اس بات کی دعا کرتے رہیں کہ یا اللہ مجھے! ہمیشہ

اپنے غضب سے بچائے رکھنا اور مجھ سے جتنی کمی کوتاہی اور غلطیاں ہو جائیں، انہیں معاف فرما دینا اور ہمیشہ توبہ کی توفیق عطاء فرماتے رہنا۔

جھوٹ نہ بولنے پر انعام

ایک حدیثِ مبارکہ میں سرکارِ دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جو شخص مجھے اس بات کی ضمانت دیدے کہ وہ حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دے، لڑائی نہ کرے، خاموش ہو جائے اور صبر سے کام لے تو میں اس کے لئے اطرافِ جنّت یعنی جنّت کے گرد و نواح میں محل دلوانے کا ذمہ دار ہوں، پھر فرمایا کہ جو شخص مجھے جھوٹ چھوڑنے کی یا جھوٹ نہ بولنے کی ضمانت دیدے تو میں جنّت کے بیچوں بیچ اس کو محل دلوانے کے لئے تیار ہوں۔ سبحان اللہ۔ اور تیسری بات اسی حدیث شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی کہ جو شخص مجھے حسنِ اخلاق اختیار کرنے کی ضمانت دے دے تو میں اس کو جنّت کے اعلیٰ درجہ میں مکان دلوانے کا ذمہ دار ہوں" اللہ اکبر۔

اس حدیث مبارکہ میں جھوٹ کو چھوڑنے پر کتنا عظیم بدلہ اللہ تعالیٰ عنایت فرما رہے ہیں اور جھوٹ چھوڑنا یہ دراصل سچ ہی کو اختیار کرنا ہے، کیونکہ جو شخص جھوٹ نہیں بولے گا تو یقیناً وہ سچ ہی بولے گا۔

جھوٹ سے بچنے کا طریقہ

سچ بولنا یہ اعلیٰ درجے کا حسن خلق بھی ہے، اس کے علاوہ اور بھی بہت

اچھے اچھے اخلاق ہیں جیسے تواضع و انکساری، شکر، زہد، ورع، تقویٰ وغیرہ، یہ سب بہت عمدہ اخلاق ہیں، اللہ تعالیٰ یہ تمام اخلاق ہم سب کو نصیب فرمادیں، یہ تمام اخلاق ہمارے اختیار میں ہیں، ان میں سے جسے چاہیں اور جب چاہیں، ہم اختیار کر سکتے ہیں، کوئی غیر اختیاری نہیں ہے، ہر ایک کو اپنے اندر پیدا کرنے کے طریقے موجود ہیں، جس طرح روزے رکھنے اور نماز پڑھنے اور حج وغیرہ کرنے کے طریقے موجود ہیں، ایسے ہی صبر و شکر، تقویٰ و ورع وغیرہ اور سچ بولنے اور جھوٹ چھوڑنے کے بھی طریقے موجود ہیں اور جس طرح نماز وغیرہ سیکھنے کے لئے کسی استاد کی ضرورت ہوتی ہے، ایسے ہی ان تمام اچھے اچھے اخلاق کو سیکھنے کے لئے بھی کسی استاد کی ضرورت ہوتی ہے اور اسی استاد کو پیر، شیخ یا رہبر و رہنما کہتے ہیں لہٰذا جس سے دل لگتا ہو، اس سے سچا پکا رابطہ اور تعلق قائم کرلے اور اس کی رہنمائی میں چلے تو انشاالله العزیز ظاہر و باطن کی اصلاح بھی ہو جائے گی، اچھے اچھے اخلاق بھی پیدا ہوں گے، سچ بولنے کی بھی عادت پڑ جائے گی اور جھوٹ سے بچنے کی عادت بھی پیدا ہو جائے گی اور اس طرح حدیث مبارکہ میں بیان کی گئی ''جھوٹ چھوڑنے'' کی فضیلت بھی انشاالله حاصل ہو جائے گی۔

جنت کا ایک منظر

اللہ تعالیٰ کی رضا بہت ہی اہم اور اعلیٰ چیز ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائیں۔ اس کا ذکر ایک حدیثِ مبارکہ میں آتا ہے اور یہ حدیث جمعہ

کی فضیلت سے متعلق ہے۔ حدیث مبارکہ کا خلاصہ یہ ہے کہ جب جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں چلے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں ایسا اندازہ عطا فرمائیں گے جس سے وہ یہ سمجھ لیں گے کہ آج کا دن تو وہ ہے جو دنیا میں جمعہ کا دن ہوا کرتا تھا، جب یہ دن آجائے گا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتے یہ اعلان کریں گے کہ اے جنتیوں! اپنے اپنے گھروں سے نکلو اور میدانِ مزید میں جمع ہو جاؤ، میدانِ مزید اتنا لمبا چوڑا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اس کی لمبائی چوڑائی معلوم نہیں ہے، وہاں پر مشک کے ٹیلے ہوں گے، بہت سے جنتی تو ان ٹیلوں کے اوپر جا کر بیٹھ جائیں گے، انبیاء علیہم السلام کے لئے مسہریاں لائی جائیں گی اور صدیقین، شہداء اور صالحین کے لئے بھی حسب درجات کرسیاں لاکر رکھی جائیں گی اور ان کرسیوں کو اس میدان کے اندر حسب ہدایت رکھ دیا جائے گا، اس کے بعد تمام جنتی اپنے اپنے مرتبوں کے اعتبار سے اپنی اپنی جگہوں پر آکر بیٹھ جائیں گے، انبیاء علیہم السلام، صدیقین، شہداء اور صالحین بھی اپنے اپنے مرتبے کے اعتبار سے آکر بیٹھ جائیں گے، اس کے بعد ایک ہوا چلے گی اور مشک کو اڑائیگی اور وہ مشک وعنبر کی خوشبو اس میدان میں بیٹھے ہوئے تمام جنتیوں کے جسم اور کپڑوں پر اس طرح لگا دے گی کہ دنیا کا کوئی بھی ماہر سے ماہر خوشبو لگانے والا بھی ایسی خوشبو نہیں لگا سکتا، اس خوشبو سے تمام جنتی مہک جائیں گے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوگا کہ میرا عرش ان جنتیوں کے بیچوں بیچ رکھا جائے، حکم کی تعمیل ہوگی اور عرش الٰہی تمام جنتیوں کے درمیان رکھدیا جائے گا ابھی تک اللہ تعالیٰ پردے میں ہوں گے اور اپنے

بندوں سے مخاطب ہوں گے (اللہ تعالیٰ ہمیں بھی یہ دولت نصیب فرمائے، آمین) سب سے پہلا کلام جو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اور جنتی اپنے کانوں سے سنیں گے، وہ یہ ہوگا کہ ''میرے وہ بندے کہاں ہیں جو بغیر دیکھے مجھ پر ایمان لائے تھے اور میرے پیغمبروں پر ایمان لائے تھے اور بغیر دیکھے میری اطاعت کرتے رہے اور میری نافرمانی سے بچتے رہے، مانگو تم کیا مانگتے ہو؟'' یہ سن کر تمام جنتی یہ کہیں گے کہ پروردگارِ عالم! ہمیں تو بس آپ اپنی رضا مندی عنایت فرما دیجئے اور ہمیشہ کے لئے آپ ہم سے راضی ہو جائیے، کبھی ناراض مت ہوئیے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میری رضا تو تمہیں حاصل ہے ہی، اس لئے کہ اگر میں تم سے راضی نہ ہوتا تو تم جنت میں کیسے آتے؟ یہاں آجانا ہی میری رضا کی علامت ہے، جن سے میں ناراض ہوتا ہوں، ان کا یہ ٹھکانہ ہرگز نہیں ہوتا، لہٰذا میری رضا تو تمہیں حاصل ہے، کوئی اور چیز مانگو؟ تو پھر تمام جنتی کہیں گے کہ یا اللہ! بس اب تو آپ اپنا دیدار کرا دیجئے۔

اسی خوبصورت اور پسندیدہ موقع کے لئے مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہ اشعار ہیں:

تیرے دیکھنے کی جو آس ہے یہی زندگی کی اساس ہے
میں ہزار تجھ سے بعید ہوں، یہ عجب کہ تو میرے پاس ہے
تیری ذات پاک ہے لازوال، تیری سب صفات ہیں بے مثال
تو برون وہم و خیال ہے تو ورائے عقل و قیاس ہے
کسی انجمن میں قرارِ دل نہ کسی چمن میں بہارِ دل

کہوں میں کس سے حالِ دل کہ یہ ہر جگہ میں اداس ہے
تیرا کچھ پتہ بھی جو پا لیا وہ سارے جہاں پہ چھا گیا
اسے اب نہ کسی سے امید ہے نہ کسی سے خوف و ہراس ہے

مظہر گھر گیا

حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کا وقت جب قریب آیا تو وہ آنکھیں بند کئے ہوئے لیٹے ہوئے تھے اور ان کے اردگرد ان کے گھر والے بیٹھے ہوئے تھے تو حضرت نے ان کی تسلی کے لئے ایک شعر کہا:

لوگ کہتے ہیں مظہر مر گیا
اور مظہر درحقیقت گھر گیا

اللہ اکبر

یعنی ان کو اس پیارے انداز سے تسلی دی کہ تم یہ مت سمجھنا کہ میں کہاں چلا گیا؟ میں تو اپنے اصلی گھر جا رہا ہوں اور کسی کے اپنے اصلی گھر جانے پر کوئی رویا کرتے ہیں؟ جیسے کسی کا خدانخواستہ کوئی بھائی جیل میں بند ہو اور وہ جیل سے رہا ہو کر اپنے گھر جا رہا ہو تو کیا اس پر جیل والے روتے ہیں؟ یقیناً نہیں بلکہ یہ تو خوش ہونے کا مقام ہے اسی طرح مؤمن جب دنیا سے جاتا ہے تو وہ جیل خانہ سے رہا ہو کر اپنے اصلی گھر جاتا ہے۔

بہرحال جنتی اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کریں گے کہ یا اللہ! بس اب

آپ اپنا دیدار کرا دیجئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ اپنے اور جنتیوں کے درمیان جتنے بھی پردے حائل ہوں گے، سب کو زائل فرما دیں گے اور تمام جنتی اللہ تعالیٰ کو اس طرح دیکھیں گے جیسے چودھویں رات کا چاند نظر آتا ہے۔ سبحان اللہ۔

اسی موقع کے لئے کیا خوب شعر ہے:

جب مہر نمایاں ہوا سب چھپ گئے تارے
وہ مجھ کو بھری بزم میں تنہا نظر آیا

اللہ والوں کو تو یہاں بھی ایسا ہی نظر آتا ہے اور اللہ پاک کی تجلی نظر آتی ہے لیکن وہاں تو سچ مچ ہر جنتی جنت میں ہوگا اور اپنی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کا دیدار اور زیارت کرے گا۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان کی حیرت اور دلچسپی

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جب یہ بشارت سنی (اور یہ تو ہر مؤمن کے دل کی آواز بھی ہے) تو انہوں نے حیرانگی اور دلچسپی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھا کہ اتنے سارے لوگ اللہ تعالیٰ کو آسانی کے ساتھ اچھی طرح دیکھ بھی پائیں گے یا نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا تم یہ بتاؤ کہ جب چودھویں رات کا چاند آسمان پر چمکتا اور جگمگاتا ہے اور پوری دنیا دیکھنے والی ہوتی ہے تو کیا اتنے زیادہ لوگوں کے چاند کو دیکھنے کی وجہ سے تمہیں کوئی تکلف یا تکلیف یا پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ ﷺ! بلکہ چاند تو بیچ آسمان میں اس طرح چمک رہا

ہوتا ہے کہ دیکھنے والے ہزاروں لاکھوں لوگوں کو کسی بھی قسم کی پریشانی نہیں ہوتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بالکل اسی طرح جنت کے اندر تمام جنتی بغیر کسی مشقت اور پریشانی کے اللہ پاک کی زیارت کریں گے اور اللہ تعالیٰ کا نور ہر ایک کے اوپر چھا جائیگا اور سب نور میں چھپ جائیں گے اور جب تک اللہ پاک کو منظور ہوگا وہ اللہ تعالیٰ کی زیارت کرتے رہیں گے۔ پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ پردے میں چلے جائیں گے اور جنتی نور میں چھپ جانے کی وجہ سے ایک دوسرے کو بھی صحیح طرح نہ پہچان سکیں گے، پھر دھیرے دھیرے انکا نور دور ہوگا تو وہ ایک دوسرے کو پہچان سکیں گے۔

ایک اور روایت کا خلاصہ

ایک روایت میں یہ ہے کہ تمام جنتی ایک عجیب وغریب بازار میں جائیں گے، وہاں نہ مٹھائی فروخت ہورہی ہوگی اور نہ خربوزے بک رہے ہوں گے، بلکہ وہاں تھالوں کے اندر نہایت خوبصورت شکلیں رکھی ہوئی ہوں گی اور ہر جنتی کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ ان شکلوں میں سے جسے چاہے پسند کرلے، پسند کرتے ہی اللہ تعالیٰ اس کی شکل ویسی ہی بنا دیں گے۔ کیسا عجیب وغریب بازار ہوگا (اللہ تعالیٰ ہم سب کو وہاں جانا نصیب فرمائے) اس کے بعد تمام جنتی اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں گے، گھر پہنچتے ہی ان کے گھر والے ان سے کہیں گے کہ پہلے تو آپ اتنے خوبصورت نہیں تھے، اب بہت خوبصورت لگ رہے ہیں؟ اسکی کوئی خاص وجہ ہے؟ جواباً جنتی کہیں گے کہ ہم اللہ جل شانہ

کی زیارت کر کے آ رہے ہیں اور وہ تو سراپا سر چشمہ حسن و جمال ہیں، ان کے دیدار نے ہمیں بھی حسین بنا دیا۔ پھر جنتی اپنے گھر والوں سے کہیں گے کہ تم بھی تو پہلے اتنے حسین نہیں تھے؟ وہ کہیں گے کہ ہمیں بھی تو زیارت نصیب ہوئی ہے، اس لئے ہمارے حسن کا یہ حال ہے جو تم دیکھ رہے ہو۔ بہر حال اللہ تبارک وتعالیٰ جنت ہی میں اپنی رضا کا اعلان فرمائیں گے اور کہیں گے کہ اب میں تم سے کبھی ناراض نہ ہوں گا بلکہ ہمیشہ خوش رہوں گا۔ اللہ اکبر۔

جنت میں لیجانے والے اعمال

سچ بولنا جنت میں داخلے کی کنجی ہے اور جس طرح سچ جنت میں لیجانے کا ذریعہ ہے، اسی طرح دیگر نیک اعمال بھی جنت میں لیجانے کا ذریعہ بنیں گے اور تمام بُرے اعمالِ سیئہ جہنم میں لیجانے کا ذریعہ بنیں گے۔

سید احمد کبیر رفاعیؒ

سید احمد کبیر رفاعیؒ ۵۵۵ھ میں بڑے اونچے درجے کے بزرگ گزرے ہیں اور یہ ایسے عظیم بزرگ ہیں کہ ایک مرتبہ سرکارِ دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر پہنچے اور سلام عرض کرنے کے بعد کچھ اشعار پڑھے تو روضۂ اقدس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دستِ مبارک ظاہر ہوا، انہوں نے آگے بڑھ کر دستِ مبارک کا بوسہ لیا۔ اس وقت مسجد نبوی میں چھے ہزار لوگ موجود تھے، سب نے دستِ مبارک کی زیارت کی، انہی میں حضرت شیخ

عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔

سید احمد کبیر رفاعیؒ کا خواب

ایک مرتبہ سید احمد کبیر رفاعیؒ پر اللہ تعالیٰ نے اپنا دیدار فرمایا، حضرت رفاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ خواب میں یہ دیکھا کہ ایک بہت ہی بڑی خوبصورت سفید اور گول عمارت ہے، اس میں ہر طرف دروازے ہی دروازے ہیں، وہاں میں نے ایک اعلان سنا کہ جو شخص اللہ پاک کی زیارت کرنا چاہتا ہے، وہ اس عمارت کے اندر داخل ہو کر زیارت کر لے۔ جب میں نے یہ اعلان سنا تو میرے دل میں یہ شوق اور خواہش پیدا ہوئی کہ یہ تو بہت ہی اچھا موقع ہے، زیارت ضرور کرنی چاہئے۔

لہٰذا زیارت کرنے کے لئے جونہی میں آگے بڑھا تو میں نے دیکھا کہ ایک دروازے پر اتنا زیادہ رش اور ہجوم ہے کہ تل دھرنے کو جگہ نہیں ہے اور لوگ سب سے پہلے داخل ہونے کے چکر میں ایک دوسرے سے مل کر اس بُری طرح پھنس چکے ہیں کہ کوئی بھی اندر داخل نہیں ہو پا رہا۔ یہ دیکھ کر میں بہت پریشان اور فکر مند ہوا کہ اب کیا کیا جائے؟ خیال آیا کہ اگلے دروازے سے داخل ہونے کی کوشش کرنی چاہئے، وہاں پہنچا تو وہاں بھی یہی صورتحال تھی کہ کثرتِ ازدھام اور سب سے پہلے میں داخل ہونے کی حرص کی وجہ سے کوئی بھی اندر داخل نہیں ہو پا رہا تھا، اسی طرح تیسرے چوتھے دروازے کا حال تھا۔ غرض ہر دروازے پر یہی صورتحال دیکھ کر میں بہت ہی زیادہ حیران و پریشان تھا

اور یہ سوچ رہا تھا کہ یا اللہ! کیسے میں اندر داخل ہو کر آپ کی زیارت کروں، کیونکہ ہجوم کی وجہ سے اندر داخل ہونے کی کوئی صورت نہیں بن رہی تھی۔ اچانک میں نے نظر اٹھائی تو دروازوں کے اوپر کچھ لکھا ہوا دیکھا، جب میں نے غور سے دیکھا تو کسی دروازے پر لکھا ہوا تھا ''باب الصوم'' یعنی روزے کا دروازہ، کسی پر لکھا ہوا تھا ''باب الصلوٰۃ'' یعنی نماز کا دروازہ، کسی پر ''باب الحج''، کسی پر ''باب العمرۃ'' کسی پر ''باب الصدقۃ'' کسی پر ''باب الجہاد'' کسی پر ''باب التلاوۃ'' اور کسی پر ''باب الذکر'' وغیرہ لکھا ہوا دیکھا اور ہر جگہ بے حد بھیڑ تھی، کوئی بھی اندر نہیں جاپا رہا تھا اور جانے کا راستہ بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ جب مجھے کہیں سے بھی اندر جانے کا راستہ نظر نہ آیا تو میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ میں اس عمارت کا لمبا چکر کاٹ کر اس عمارت کی دوسری جانب جاؤں، شاید وہاں رش نہ ہو یا کم ہو اور وہاں سے اس عمارت کے اندر داخل ہو کر اللہ تبارک وتعالیٰ کی زیارت کا موقع نصیب ہو جائے۔ چنانچہ میں بہت دیر تک گھومتا پھرتا جب دوسری جانب پہنچا تو وہاں پہنچ کر میرا دل بہت خوش ہوا، کیونکہ وہاں رش بہت ہی کم تھا اور ایک دروازہ تو ایسا ملا کہ وہ بالکل خالی تھا، ایک بھی آدمی وہاں موجود نہیں تھا، لہٰذا میں تو اسی دروازے پر پہنچ گیا، دروازے سے اندر داخل ہونے سے پہلے میں نے سوچا کہ پڑھ تو لوں اس دروازے پر کیا لکھا ہوا ہے؟ جب میں نے دیکھا تو اس پر لکھا ہوا تھا ''باب التواضع'' یعنی تواضع اور عاجزی وانکساری کا دروازہ۔ چنانچہ میں اس دروازے سے اندر داخل ہو گیا، اندر داخل ہونے کے بعد میں نے سامنے ان دروازوں

پر نظر ڈالی جہاں سے میں نے پہلے داخل ہونے کی کوشش کی تھی کہ دیکھوں وہ لوگ اندر داخل ہوئے یا نہیں؟ تو میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ لوگ ابھی تک اُسی طرح ایک دوسرے سے اندر داخل ہونے کے لئے زور آزمائی کر رہے ہیں مگر اندر کوئی داخل نہیں ہو پا رہا۔ الحمدللہ میں اندر داخل ہوا اور اللہ پاک کی زیارت سے مشرف ہوا۔

خواب کی تعبیر

اگلے روز صبح حضرت نے اپنا یہ خواب بھی بیان فرمایا اور پھر اس کی تعبیر بھی خود ہی بیان فرمائی کہ عمارت سے مراد شریعت کی عمارت ہے اور شریعت کے دروازے اعمال صالحہ ہیں، چونکہ شریعت پر عمل کرنے سے مقصود اللہ تعالیٰ کی زیارت اور اس کی رضا ہے، اس لئے یہ کہا گیا کہ جو اللہ پاک کی زیارت کرنا چاہتا ہے وہ ان اعمال یعنی نماز، روزہ، حج، عمرہ وغیرہ پر عمل کرے اور انہیں اختیار کرے، لیکن اگر کوئی شریعت پر عمل کئے بغیر اللہ پاک کی رضا حاصل کرنا چاہتا ہے تو نہیں کرسکتا، نہ زیارت حاصل ہوگی نہ رضا حاصل ہوگی جیسے کافروں، مشرکوں اور ملحدوں کے ساتھ ہوگا کہ نہ انہیں اللہ تعالیٰ کی زیارت حاصل ہوگی اور نہ ہی ہم کلامی کا شرف حاصل ہوگا بلکہ محروم ہی محروم ہوں گے۔

پھر فرمایا کہ رش کی وجہ سے جو لوگ اندر داخل نہیں ہو پا رہے تھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ لوگ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، عمرہ اور دیگر اعمال کرتے تو تھے مگر ان کے یہ تمام نیک اعمال ناقص اور نامکمل تھے، اس قابل نہ تھے کہ اللہ

تعالیٰ کی زیارت کا ذریعہ بن سکیں۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان اعمال کو اختیار تو ضرور کرو مگر سنت کے مطابق ادا کرنے کا اہتمام کرو اور اخلاص پیدا کرتے ہوئے ان اعمال کے ظاہر و باطن کو درست کرو، جب تمام نیک اعمال اخلاص کے ساتھ سنت کے مطابق ادا کرو گے تو پھر انشا اللہ تعالیٰ کہیں رکاوٹ نہ ہوگی۔ پھر فرمایا کہ یہ جو خواب میں دکھایا گیا کہ تواضع کا دروازہ خالی تھا، اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ مسلمانوں میں عاجزی کرنے والے، تواضع اختیار کرنے والے اور خاکساری اپنانے والے بہت ہی کم ہیں، اس لئے تواضع کا دروازہ خالی ہے، اس دروازے سے جانے والا کوئی نہیں ہے۔

خواب بیان کرنیکا مقصد اور اسکا خلاصہ

حضرت سید احمد کبیر رفائیؒ اس خواب سے مسلمانوں کی اس طرف رہنمائی کرنا اور توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ انہیں چاہئے کہ سب سے زیادہ تواضع اختیار کریں۔

تواضع کی حقیقت

تواضع اس چیز کا نام ہے کہ آدمی اپنے دل کے اندر اپنے آپ کو سب سے کم تر سمجھے اور ہر مسلمان کو چاہے وہ کیسا ہی گنہگار ہو، اپنے سے فی الحال اچھا سمجھے اور اللہ پاک نے علم وعمل، تقویٰ وطہارت، روزہ وغیرہ اور عزت، عہدہ، منصب، غرضیکہ دین ودنیا کی جو بھی نعمت عطا فرمائی ہے، اس کو محض اللہ تبارک و

تعالیٰ کا فضل ہی سمجھے، اپنا کمال نہ سمجھے کہ یہ میری فہم، میری سمجھ اور میری لیاقت وصلاحیت سے مجھے حاصل ہوئی ہے، مثلاً مکان ہے، تو یہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، دکان ہے تو اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، علم ہے تو اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، وہ جب چاہیں سلب فرمالیں اور جب چاہیں عطا فرمادیں، حتیٰ کہ تمہارا یہ جسم اور روح بھی اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، ہر چیز کے بارے میں یہ تصور کرے کہ میں تو ان میں سے کسی بھی چیز کے لائق نہیں تھا، میں تو اس لائق بھی نہ تھا کہ آپ کا نام لیتا، آپ کی اطاعت وفرمانبرداری کرتا، یہ تو آپ کا فضل ہے کہ آپ نے مجھے نماز، روزہ، ذکر وتلاوت کی توفیق بخشی، جھوٹ سے بچنے کی توفیق عطا فرمائی اور سچ بولنے کا داعیہ پیدا فرمایا۔ جب کوئی شخص اس طرح ہر چیز کو اللہ تعالیٰ کا فضل سمجھے گا تو پھر تکبر پیدا نہیں ہوگا، جب کسی کو حقیر نہیں سمجھے گا تو بڑائی پیدا نہیں ہوگی بلکہ اس کے اندر تواضع پیدا ہوجائے گی، جتنا اس بات کا استحضار اپنے اندر پیدا کرے گا کہ میں کچھ بھی نہیں اور لاشیٔ محض ہوں، میری کوئی ہستی اور کوئی حقیقت نہیں ہے، جو کچھ ہے میرے مالک کا فضل ہے اور اس کی عطا ہے، اتنی اس کے اندر انشاء اللہ تواضع پیدا ہوگی اور باب التواضع خالی پڑا ہوا ہے۔ اس میں سے داخل ہوجائے گا اور سب سے پہلے اللہ پاک کی زیارت کرے گا۔ لہٰذا تواضع اختیار کریں، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے قریب پہنچنے کا قریب ترین راستہ ہے، خالی بھی ہے، سب سے زیادہ عافیت کا راستہ بھی ہے اور سب سے زیادہ بلندی پر پہنچانے والا بھی ہے۔

سچ بولنے کی فضیلت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مجھے چھے باتوں کی ضمانت دیدے، میں اُسے جنّت میں جانے کی ضمانت دیدوں گا۔ آپ اندازہ کریں کہ کتنا مبارک اور اہم عمل ہے جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنّت کی ضمانت دے رہے ہیں۔ فرمایا کہ (۱) جب بات کرے تو سچ بولے (۲) جب وعدہ کرے تو پورا کرے (۳) جب اس کے پاس امانت رکھوائی جائے تو ٹھیک ٹھیک واپس کر دے (۴) اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے (۵) اپنی نظر کی حفاظت کرے (۶)..........................

تو ان چھے باتوں میں ایک سچ بولنا بھی ہے کہ آدمی جب بولے تو سچ ہی بولے، عمل کا بھی سچا بننے کی کوشش کرے، مذاق میں بھی سچ ہی بولے، بچوں کے ساتھ بھی سچ ہی بولنے کا اہتمام رکھے۔

سچ بولنا بہت ہی پیارا اور بڑا عمل ہے۔

ہمارے معاشرے میں سچ کی کمی

آج کل ہمارے معاشرے میں ہر طرف جھوٹ ہی جھوٹ ہے، اب کوئی یہ کہے کہ بھئی ہر طرف جھوٹ ہی جھوٹ ہے، ہم سچ کیسے بولیں؟ تو یہ بات غلط ہے، اس لئے کہ جیسے یہ سب لوگ اپنے اختیار سے جھوٹ بول رہے ہیں، اسی طرح یہ سب اپنے اختیار سے سچ بھی بول سکتے ہیں، جیسے نماز نہ پڑھنا

اپنے اختیار میں ہے، اسی طرح نماز پڑھنا بھی اپنے اختیار میں ہے، یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ نماز پڑھنا چاہیں اور کوئی روک دے، پڑھنا چاہیں تو مسجدیں ان کے لئے کھلی ہوئی ہیں، اذان کی آواز بھی انہیں آرہی ہے، چاہیں تو آکر نماز پڑھ سکتے ہیں۔

بہرحال! جس طرح جھوٹ بولنا ہمارے اختیار میں ہے، اسی طرح سچ بولنا بھی ہمارے اختیار میں ہے، لہٰذا جھوٹ بولنے سے توبہ کرکے سچ بولنے کا ارادہ کریں اور اہتمام کریں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں مرتے دم تک سچا پکا مسلمان بننے کی توفیق عطا فرمادیں اور زبان وعمل میں اللہ تعالیٰ سچ کو پیوست فرمادیں اور جھوٹ سے بچنے کی توفیق عطا فرمادیں۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اتباع سنت اور درود شریف

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی بیانات : جلد نمبر: ۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اتباع سنت اور درود شریف

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً کَثِیْراً۔

اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا. صدق اللّٰہ العظیم.

دو اہم عبادات کا ذکر

میرے قابل احترام بزرگو اور محترم خواتین! اس وقت میں آپ کی خدمت

میں دین کی دو اہم اور جامع عبادتیں بیان کرنا چاہتا ہوں، اللہ تعالیٰ مجھے بیان کرنے اور پھر ہم سب کو ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ان میں سے ایک عبادت ہے درود شریف پڑھنے کی اور دوسری عبادت ہے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل کرنے کی۔ یہ دونوں عبادتیں بہت ہی خاص الخاص ہیں اور اتنی اہم ہیں کہ ان کی اہمیت کو جتنا بھی بیان کیا جائے کم ہے۔

سرکار دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر عمل کرنے کی اہمیت آپ سب جانتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنا یہ ہماری پوری زندگی پر محیط ہے۔

پانچوں شعبوں کی درستگی سنت پر موقوف ہے

اسلام کے پانچوں شعبوں کے اندر یہ بات مکمل طور پر پائی جاتی ہے، ہمارے عقائد بھی اسی وقت صحیح ہو سکتے ہیں جب وہ سنت کے مطابق ہوں، عبادتیں بھی ہماری اسی وقت قابل قبول ہو سکتی ہیں جب وہ سنت کے مطابق ہوں، ہماری معاشرت بھی اسی وقت صحیح ہو سکتی ہے جب وہ سنت کے دائرے میں ہو، ہمارے معاملات بھی اسی وقت درست ہو سکتے ہیں جب وہ سنت کے طریقے پر ہوں، ہمارے اخلاق اور ظاہر و باطن کے اعمال بھی اسی وقت اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل

قبول ہو سکتے ہیں جب وہ سنت پر ہوں۔ بہرحال دین کا ہر عمل ہمیں یہ دعوت دیتا ہے کہ اس کو ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق کریں۔

نجات صرف اتباع میں ہے

خود سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ سب سے بہترین کلام اللہ کا کلام ہے اور سب سے بہترین طریقہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے۔ نجات کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے سوا کوئی اور طریقہ اور راستہ ہے ہی نہیں، اگر کسی کو اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا حاصل کرنی ہے تو اس کو اپنی زندگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر اور سنت کے مطابق گزارنا ضروری ہے۔ اس سلسلے میں دو کتابوں کے مطالعے کی طرف میں توجہ کرنا چاہوں گا جس سے ہم بہت حد تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو آسانی سے اپنے عمل میں لا سکتے ہیں۔

سنتوں کے اہتمام کے لئے ایک مفید کتاب

ایک تو چھوٹی سے کتاب ہے لیکن بڑی جامع اور بہت ہی آسان کتاب ہے جو حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمائی ہے، اس کا نام ہے "علیکم بسنتی" یہ کتاب تمام دینی اداروں اور دینی کتب خانوں سے بآسانی مل جاتی ہے، اس میں

حضرت نے چوبیس گھنٹے کی سُنتیں لکھی ہیں، صبح آدمی کس طرح اٹھے اور شام تک سنتوں کے مطابق اپنا دن کس طرح گزارے اور جب رات کو بستر پر آئے تو سنت کے مطابق کس طرح سوئے۔

ہمارا ہر کام دین بن جائے گا

ہم روزانہ بہت سارے کام کرتے ہیں مگر اپنی مرضی کے مطابق اور اپنی طبیعت کے مطابق کرتے ہیں، وہی کام ہم سنت کے مطابق بھی کر سکتے ہیں، سنت کے مطابق کرنے سے وہ کام دین بھی بن جائے گا اور مقبول بھی ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ بھی بن جائے گا، اس میں نہ ہمیں کوئی الگ سے زیادہ وقت لگانا پڑے گا اور نہ کوئی نئے کام ہمیں کرنے پڑیں گے۔

ہر انسان کو صبح سو کر اٹھنا ہے اور اٹھ کر اپنی طبعی ضرورت کے لئے بیت الخلاء میں جانا بھی ہے، پھر بیت الخلاء سے آنا بھی ہے، پھر وضو بھی کرنا ہے، کپڑے بدلنے ہیں، پھر اس کے بعد نماز پڑھنی ہے، نماز کے لئے مردوں کو گھر سے باہر مسجد میں جانا ہے، مسجد سے آنا ہے، خواتین کو گھر میں نماز پڑھنی ہے، واپس آنے کے بعد ناشتہ کرنا ہے، ناشتہ کرنے کے بعد پھر گھر سے نکلنا ہے، مردوں کو اپنی حلال روزی کمانے کے لئے جانا ہے، عورتوں کو امور خانہ داری انجام دینے ہیں، اسی طرح شام ہو جاتی ہے، یہ سب چیزیں سنت کے مطابق بھی ہو سکتی ہیں۔ بازار میں بھی جب ہم خرید و فروخت کرتے ہیں، لین دین کرتے ہیں، ایک

دوسرے سے ملتے ہیں، اس میں بھی سنت کے طور طریقے موجود ہیں، یہ تمام طریقے اس کتاب میں موجود ہیں، یہ عجیب وغریب کتاب ہے، بس مطالعہ کرنے کے قابل ہے۔

ہر مسلمان مرد عورت کے پاس یہ کتاب ہونی چاہئے، اس میں چوبیس گھنٹے کی سنتیں اور اس کے علاوہ اور بھی سنتیں اس میں لکھی گئی ہیں، یہ بہت اہم رسالہ ہے۔

سنتوں کے اہتمام کے لئے دوسری مفید کتاب

دوسری کتاب ہے "اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم" یہ حضرت ڈاکٹر عبد الحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمائی ہے، یہ دراصل اسی "علیکم بسنتی" کی شرح ہے اور پوری "علیکم بسنتی" اس کے اندر موجود ہے، پھر حضرت نے اس کے اندر اضافہ کیا اور یہ کمال پیدا فرمایا کہ پیدائش سے لے کر موت تک کی تمام سنتیں اس کے اندر لکھ دیں، یعنی زندگی کے تمام اہم گوشوں کے بارے میں حضرت نے اہم اہم سنتیں اس کے اندر اردو زبان میں بہت ہی آسان اور عام فہم انداز میں بیان فرمائی ہیں، یہاں تک کہ موت کی وقت کی سنتیں حضرت نے اس میں تحریر فرمادیں۔

سنتوں پر عمل قرب کا ذریعہ ہے

دو چیزیں ایسی ہیں جو بندے کو قیامت کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کے سب سے زیادہ قریب کرنے والی ہوں گی، ان میں سے ایک اتباع سنت ہے، جتنا کوئی شخص حضور کی سنتوں کو اپنے عمل میں لائے گا اور سنتوں پر عمل کرنے کا عادی بنے گا، اتنا ہی وہ قیامت کے دن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ قریب ہوگا۔

کثرتِ درود شریف قرب کا ذریعہ ہے

دوسری چیز درود شریف کی کثرت ہے، جو شخص جتنا زیادہ درود شریف پڑھنے کا عادی ہوگا، اتنا ہی وہ قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قریب ہوگا۔

قیامت کی ہولناکیوں سے حفاظت کا ذریعہ ہے

ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ اللہ پاک درود شریف کثرت سے پڑھنے والوں کو سب سے زیادہ قیامت کی ہولناکیوں سے محفوظ و مامون رکھیں گے۔

قیامت ایک اٹل حقیقت ہے

قیامت کا آنا بھی بالکل اٹل ہے جیسے مرنا بالکل اٹل ہے۔ قیامت کی ہولناکیاں جو احادیث کے اندر اور قرآن کریم کے اندر بیان کی گئی ہیں، وہ بالکل حرف بحرف سچی ہیں، قیامت ضرور آنی ہے اور قیامت کے ساتھ قیامت کی تباہ کاریاں بھی ضرور آئیں گی، ان تباہ کاریوں سے بچنے کے ایسے ایسے آسان

طریقے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے ہیں کہ اگر ہم ان کو اختیار کرلیں تو جب قیامت آئے گی تو ان طریقوں پر عمل کرنے والا انشاء اللہ قیامت کی تمام ہولناکیوں سے، تباہ کاریوں سے، ہلاکتوں سے اور پریشانیوں سے بالکل محفوظ رہے گا۔ ان میں سے ایک طریقہ اتباع سنت ہے اور دوسرا طریقہ درود شریف کی کثرت ہے، جو شخص دنیا میں کثرت سے درود شریف پڑھتا ہوگا، وہ قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قریب ہوگا اور جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قریب ہوگا، وہ کیسے قیامت کی ہولناکیوں سے دوچار ہوگا۔

کثرت درود کی بنا پر عرش کا سایہ نصیب ہوگا

ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو عرش کا سایہ عطا فرمائیں گے اور جو شخص عرش کے سائے میں چلا گیا اور اس کو عرش الٰہی کا سایہ نصیب ہوگیا (اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے) تو سمجھ لیجئے کہ وہ کامیاب ہوگیا۔

ایک مثال سے سمجھیں

اس کی ایک ہلکی سی مثال عرض کرتا ہوں کہ جون جولائی کا مہینہ ہو، قیامت خیز گرمی پڑ رہی ہو، ہر طرف دھوپ ہی دھوپ ہو، دور دور تک سائے کا نام ونشان نہ ہو، ایسی حالت میں ایک شخص ائیر کنڈیشن کمرے کے اندر آرام کر رہا ہے اور

باقی لوگ دھوپ کے اندر بغیر سائے کے تکلیف میں ہیں، پریشانی میں ہیں اور حیران و پریشان ہیں کہ کہاں جائیں، نہ پانی پینے کو ملتا ہے، نہ سائے کے لئے کوئی درخت نظر آتا ہے، تو بتاؤ! یہ شخص جو ائیر کنڈیشن کمرے مین آرام کر رہا ہے، وہ دوسروں کی بنسبت کتنا زیادہ آرام اور چین وسکون میں ہوگا۔

اسی طرح جو لوگ عرش کے سائے میں ہوں گے وہ قیامت کی ساری تکلیفوں سے اور ساری پریشانیوں سے بالکل محفوظ و مامون رہیں گے اور جو لوگ عرش الٰہی سے باہر ہوں گے وہ قیامت کی ہولناکیوں سے دوچار ہوں گے۔

اس لئے ہمیں چاہئے کہ ان دونوں عبادتوں کو زندگی بھر کا معمول بنالیں۔

سنتوں پر عمل کرنے کا طریقہ

سنتوں پر عمل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے ''علیکم بسنتی'' کی ایک ایک سنت اپنے عمل میں لے لیں اور پیار ومحبت کے ساتھ اپنے گھر والوں کے عمل میں لانے کی کوشش کریں۔ جب یہ کتاب ایک دو مرتبہ پوری ہو جائے تو پھر ''اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم'' شروع کر دیں اور رات کو سونے سے پہلے اپنے بچوں کو جمع کر کے ایک صفحہ یا آدھا صفحہ ''اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم'' کا پڑھ کر سنا دیا کریں۔ یہ زندگی بھر کا معمول بنالیں، جیسے روزانہ سونا اور جاگنا ہے، کھانا اور پینا ہے، اسی طرح روزانہ یہ اتباع سنت کی تعلیم دینا اور لینا ہے، اس طرح سے آہستہ آہستہ جب سنتیں ذہن میں بیٹھیں گی تو انشاء اللہ تعالیٰ عمل میں بھی آئیں گی۔ اس

کے ساتھ ساتھ ایک یہ بھی معمول بنالیں کہ روزانہ بلا ناغہ گڑ گڑا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہیں کہ یا اللہ! مجھ کو اور میرے اہل وعیال کو اتباع سنت کی مکمل توفیق عطا فرما، تاکہ ہمارا ظاہر و باطن اور ہماری ساری زندگی سنت کے سانچے میں ڈھل جائے۔

زندگی میں ایک بار درود پڑھنا فرض ہے

اور دوسری عبادت یہ ہے کہ ہم زبان سے کثرت سے درود شریف پڑھنے کے عادی بن جائیں، زندگی میں ایک بار درود شریف پڑھنا فرض ہے، جیسے زندگی میں ایک مرتبہ حج فرض ہوتا ہے، ایسے ہی ایک مرتبہ درود شریف پڑھنا فرض ہے۔

درود پاک کے کچھ مسائل

اس کے بعد جس مجلس میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہم خود اپنی زبان سے لیں یا کسی کی زبان سے سنیں یا کسی کتاب میں پڑھیں یا کسی کتاب پڑھنے والے سے سنیں یا کسی نعت میں یا نظم میں پڑھیں یا سنیں اور چاہے ریڈیو پر سنیں یا بغیر ریڈیوں کے ویسے ہی سنیں، جب ہم کسی مجلس میں پہلی مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی سنیں گے تو ایک مرتبہ درود شریف پڑھنا واجب ہوگا اور اسی مجلس میں ایک سے زیادہ مرتبہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سنیں گے تو ہر مرتبہ درود شریف پڑھنا مستحب ہے، اس کو بھی یاد رکھنا چاہئے۔

بسا اوقات ہم بیٹھے ہوتے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی

ہمارے کانوں میں آتا ہے تو اگر کسی نے پوری مجلس کے اندر ایک مرتبہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کو سننے کے بعد درود شریف نہ پڑھا تو یہ ترک واجب ہو گیا، لہٰذا ترک واجب کا گناہ ہوگا (اللہ بچائے) جو بڑا سنگین گناہ ہے۔

اور اگر ایک سے زیادہ مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی لیں یا سنیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات کا تقاضہ ہے کہ ہر مرتبہ ہی درود شریف پڑھنا چاہئے، اور پھر "صلی اللہ علیہ وسلم" ایسا درود شریف ہے جو چھوٹا سا بھی ہے، جامع بھی ہے، مکمل بھی ہے اور آسان بھی ہے، لہٰذا یہ تو ہم سب کی زبان پر بالکل ایسا رواں ہونا چاہئے جیسے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہماری زبان پر آسان اور رواں ہے۔ تو جب بھی ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیں تو صلی اللہ علیہ وسلم پڑھ لیا کریں، اگر حضور کا نام سو مرتبہ لیں یا سنیں، تو سو مرتبہ ہمیں صلی اللہ علیہ وسلم کہنا چاہئے، خالی علیہ السلام کہنے میں اکتفا نہیں کرنا چاہئے۔

بعض کوتاہیوں پر تنبیہ

بعض لوگ جب کتاب لکھتے ہیں یا خط لکھتے ہیں تو اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی آتا ہے تو صلی اللہ علیہ وسلم نہیں لکھتے بلکہ "ﷺ" کا نشان بنا دیتے ہیں یا "ﷺ" سے آگے بڑھ کر "صلعم" اس کے اوپر لکھ دیتے ہیں جو اشارہ ہوتا ہے "صلی اللہ علیہ وسلم" کا۔ یاد رکھیں! اس اشارے سے درود شریف ادا نہیں ہوتا، یہ درود شریف نہیں ہے۔ یہ درود شریف کی علامت ہے اور درود شریف کا اشارہ ہے

اور یہ لکھنا بخل ہے۔

اگر کسی نے پورے خط میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی ایک یا ایک سے زیادہ مرتبہ لکھا اور ایک مرتبہ بھی صلی اللہ علیہ وسلم پورا نہ لکھا تو وہ ترک واجب کی وجہ سے گناہ گار ہوگا، چاہے ہر جگہ اس نے ''ؐ'' کا نشان بنایا ہو اور چاہے ہر جگہ اس نے ''صلعم'' لکھا ہو، تب بھی درود شریف چھوڑنے کا گناہ ہوگا اور اگر ایک مرتبہ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' لکھ دیا یا زبان سے کہہ دیا تو واجب ادا ہوگیا، آگے نہ لکھا تو مستحب کی فضیلت سے محروم ہو جائے گا، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جو احسانات ہیں، ان کا تقاضہ یہ ہے کہ جہاں زبان سے کہنے کا موقع آجائے تو ہر مرتبہ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کہے اور جہاں لکھنے کا موقع آجائے تو ہر مرتبہ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' لکھے۔

حضرات محدثین کا عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

یہ جو حضرات محدثین ہیں جن کا کام ہے حدیثیں لکھنا، ان کو سب سے زیادہ اس کی ضرورت ہوسکتی تھی کہ وہ حضور کے نام کے ساتھ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' نہ لکھتے، اس لئے کہ حدیثوں میں ہر سطر کے اندر ورنہ ایک دو سطر کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آتا ہے، لیکن الحمد للہ یہ حضرات محدثین اس معاملے میں اس بات کے بڑے پابند ہیں کہ ہر مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' لکھتے ہیں۔

آپ بخاری شریف دیکھ لیں، ترمذی شریف دیکھ لیں اور صحاح ستہ کی کوئی کتاب دیکھ لیں یا حدیث کی دوسری کتابوں میں دیکھ لیں کہ ہر مرتبہ حضور کے نام کے ساتھ "صلی اللہ علیہ وسلم" لکھا ہوتا ہے، حالانکہ ان کو سب سے زیادہ اس بات کی ضرورت پیش آتی ہے کہ بجائے بار بار صلی اللہ علیہ وسلم لکھنے کے صرف "ؐ" یا "صلعم" لکھ دیں مگر وہ پورا صلی اللہ علیہ وسلم لکھتے ہیں، اور ہمیں تو زیادہ لکھنے کی ضرورت بھی پیش نہیں آتی، لہٰذا ہمیں تو ہر مرتبہ پورا "صلی اللہ علیہ وسلم" پڑھنا یا لکھنا چاہئے۔

درود پاک لکھنے کی ایک خاص فضیلت

درود شریف لکھنے کی ایک خاص فضیلت بھی ہے، وہ خاص فضیلت یہ ہے کہ جس کتاب میں یا جس کاغذ میں صلی اللہ علیہ وسلم لکھا ہوا ہوگا، وہ جب تک لکھا رہے گا، لکھنے والے کو برابر ثواب ملتا رہے گا۔ اس میں سراسر ہمارا ہی فائدہ ہوا کہ اگر لکھ دیا یا لکھنے کے بعد چھاپ دیا تو جب تک وہ درود شریف موجود رہے گا، برابر ثواب ملتا رہے گا۔

درود کی برکت باعث مغفرت ہوگی

زاد السعید میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کاتب کی حکایت لکھی ہے کہ ایک کاتب تھے، ان کاتب صاحب کا یہ معمول تھا کہ جب وہ کوئی مضمون لکھتے اور دورانِ کتابت مضمون میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی

آتا تو اگر اصل مضمون نگار نے صلی اللہ علیہ وسلم نہ لکھا ہوتا تو کاتب صاحب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم بڑھا دیتے تھے، جب ان کا انتقال ہوگیا تو کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ وہ فرمانے لگے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے بخش دیا ہے، انہوں نے پوچھا کہ کس عمل کی بدولت تمہاری بخشش ہوئی؟ تو کاتب صاحب نے فرمایا کہ چونکہ میرا یہ معمول تھا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم بڑھا دیا کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ کو میرا یہ عمل ایسا پسند آیا کہ اس کی برکت سے اللہ پاک نے میری بخشش فرمادی اور مجھ کو ایسی ایسی نعمتیں عطا فرمادیں جو آج تک نہ کسی آنکھ نے دیکھیں نہ کسی کان نے سنیں اور نہ کسی کے وہم وگمان میں ان کا خیال گزرا، یعنی کسی کے وہم وگمان میں بھی ایسی نعمتیں نہیں آئیں جو مجھے اللہ پاک نے درود شریف لکھنے کی برکت سے عطا فرمادیں۔

درود شریف لکھنے کا انعام

حضرت تھانویؒ نے ایک اور عجیب قصہ لکھا ہے کہ ایک کاتب صاحب تھے، ان کا بھی عجیب معمول تھا (اللہ تعالیٰ یہ اچھے اچھے معمول ہمیں بھی بنانے کی توفیق عطا فرمائے) انہوں نے ایک الگ سی کاپی بنائی ہوئی تھی، ان کا یہ معمول تھا کہ روزانہ جب وہ اجرت کے طور پر کتابت کرنے کے لئے بیٹھتے تو سب سے پہلے اس کاپی کے اندر ایک درود شریف بہت ہی خوش خط لکھتے اور کاپی رکھ دیتے اور

پھر شام تک کتابت کرتے اور اس کی اجرت سے اپنا گزارا کرتے، زندگی اسی طرح گزر رہی تھی۔

جب انتقال کا وقت آیا تو آپ کے کوئی شاگرد آپ کے پاس آئے، آپ ان کو کہنے لگے کہ آخرت کا معاملہ سامنے ہے، دیکھو کیا انجام ہوتا ہے، میرے ساتھ کیا معاملہ ہوتا ہے، ان کو بہت ہی خوف محسوس ہونے لگا تو اس وقت ایک مجذوب ان کے پاس سے گزرا اور اس نے کہا کہ بابا کیوں گھبراتا ہے، تمہاری وہ کاپی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوگئی ہے اور اس پہ صحیح کے نشان بن گئے ہیں کہ یہ درود شریف بھی صحیح ہے، یہ بھی بہت اچھا ہے، یہ بھی بہت اچھا ہے، یہ بھی ٹھیک ہے، یہ بھی ٹھیک ہے، تمہارے درود وہاں پر پاس ہو رہے ہیں اور تم یہاں گھبرا رہے ہو، تمہیں گھبرانے کی کیا ضرورت ہے، حقیقت یہ ہے کہ درود شریف ایسی بڑی دولت ہے (اللہ تعالیٰ ہمیں مرتے دم تک نصیب فرمائے) آمین۔

درود شریف کی برکت سے اسّی سال کے گناہ معاف

ایک حدیث میں آیا ہے کہ اگر کوئی آدمی صرف ایک مرتبہ درود شریف پڑھے اور اخلاص سے پڑھے اور وہ قبول ہو جائے تو اسی لمحے اس کے اسّی سال کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، اتنی بڑی دولت ہے اور اتنی بڑی نعمت ہے۔

خواب میں مُردے سے ملاقات کا اکسیر نسخہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ قصہ فضائل

درود کے اندر لکھا ہے کہ:

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک عورت آئی اور اس نے کہا کہ حضرت! میری بیٹی کا چند روز پہلے انتقال ہو گیا ہے اور وہ اب تک مجھے خواب میں نظر نہیں آئی، میرا جی چاہتا ہے کہ میں خواب میں دیکھوں کہ وہ کس حال میں ہے، حضرت! کوئی ترکیب بتایئے کہ خواب میں میری بیٹی مجھ کو نظر آجائے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تم رات کو سونے سے پہلے چار رکعت نفل پڑھو اور چاروں رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد الھٰکم التکاثر والی سورۃ پڑھو اور چار رکعت نفل پڑھنے کے بعد بستر پر لیٹ جاؤ، کسی سے بات نہ کرو اور درود شریف پڑھتی پڑھتی سو جاؤ تو خواب میں کے اندر تمہاری اپنی بیٹی سے ملاقات ہو جائے گی اور اس کی زیارت تم کو ہو جائے گی اور وہ اپنا حال تم کو بتا دے گی۔

یہ سن کر وہ عورت چلی گئی اور اسنے جا کر اس پر عمل کیا تو خواب میں اس کو بیٹی نظر آگئی۔ لیکن اس نے اپنی بیٹی کو بہت ہی خوفناک اور ہولناک عذاب میں مبتلا دیکھا، اس نے دیکھا کہ تارکول کا لباس اس کو پہنایا ہوا ہے، ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں جہنم کی آگ کی زنجیریں بندھی ہوئی ہیں۔ اس قدر ہولناک اور خوفناک حالت میں اس نے اپنی بیٹی کو دیکھا۔ (اللہ تعالیٰ ہم سب کو قبر کے عذاب سے اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھے۔ آمین)

درود پاک بخشنے کی وجہ سے ستر ہزار کی بخشش

صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو اس کی چیخیں نکل گئیں اور روتی ہوئی حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ حضرت! بیٹی سے ملاقات تو ہوگئی لیکن میں نے اس کو ہولناک اور خوفناک عذاب میں مبتلا دیکھا ہے، اب آپ کوئی ترکیب بتلایئے کہ وہ اس عذاب سے چھٹکارا پائے۔ حضرت نے فرمایا ایسا کرو اس کی طرف سے صدقہ دو شاید اللہ پاک صدقہ کی برکت سے اس سے عذاب کو ٹال دیں اور اس کو اس سے نجات عطا فرمادیں۔

ایک دو روز کے بعد پھر حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے خواب دیکھا کہ ایک بہت ہی خوبصورت باغ ہے اور اس کے اردگرد بہت بلند تخت ہے اور وہ تخت بڑا آراستہ اور مزین ہے، اس تخت کے اوپر ایک بہت ہی حسین وجمیل لڑکی بیٹھی ہوئی ہے اور اس کے سر پر ایک نور کا تاج ہے جس کی وجہ سے اس کے چاروں طرف نور ہی نور پھیلا ہوا ہے۔

اس لڑکی نے خود ہی حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ حضرت! آپ مجھے پہچانتے ہیں، میں کون ہوں؟ حضرت نے فرمایا کہ میں نہیں پہچانتا کہ تم کون ہو، وہ کہنے لگی کہ میں اسی عورت کی بیٹی ہوں جس نے مجھے دیکھنے کے لئے آپ سے ترکیب پوچھی تھی، میں وہی لڑکی ہوں، وہ میری ماں تھی جو آپ کے پاس آئی تھی، حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تمہاری ماں نے تو تمہارا

حال بہت ہی ہولناک اور خوفناک بتایا تھا اور تم تو یہاں ماشاء اللہ موج کر رہی ہو، تمہاری حالت تو بہت اچھی ہے، یہ کیا بات ہے؟ تمہاری ماں نے کیسی حالت میں دیکھا تھا اور میں ایسی حالت میں دیکھ رہا ہوں کہ تم بہت آرام میں ہو، راحت میں ہو اور ہر طرح کی سہولت اللہ تعالیٰ نے تمہیں دے رکھی ہے، اس نے کہا کہ میری ماں نے بھی صحیح دیکھا تھا اور آپ بھی صحیح دیکھ رہے ہیں۔

قصہ یہ ہوا کہ ابھی ایک دو دن پہلے اللہ کے ایک نیک بندے اور بزرگ شخص ہمارے قبرستان میں آئے، انہوں نے آکر نجانے کس دل کی گہرائی سے کوئی درود شریف پڑھا، بس وہ اللہ کے ہاں ایسا قبول ہوگیا کہ میں اور میرے ساتھ ستر ہزار آدمی جو اس عذاب میں گرفتار تھے، اس عذاب سے نجات پا گئے اور ان ہی کے درود شریف پڑھنے کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ درجہ عطا فرمایا جس کو آپ دیکھ رہے ہیں۔

درود شریف کو زندگی کا معمول بنالیں

اس لئے ہمیں چاہئے کہ ہم درود شریف کو زندگی بھر کے لئے معمول بنالیں، روزانہ سو مرتبہ صبح اور شام کو درود شریف پڑھ لیا کریں، بہت زیادہ مصروفیت ہو تو تینتیس تینتیس مرتبہ پڑھ لیا کریں اور اتنا بھی نہ ہو سکے تو کم سے کم گیارہ گیارہ دفعہ پڑھ لیا کریں، یہ تو انتہائی مجبوری میں ہے، ورنہ عام حالت میں ہمیں کم سے کم سو مرتبہ صبح اور سو مرتبہ شام روزانہ درود شریف پڑھنے کا معمول رکھنا چاہئے۔

درود شریف پڑھنے کے درجات

جمعہ کے دن چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تاکید ہے کہ مجھ پر کثرت سے درود شریف پڑھا کرو۔ تو اس سلسلے میں حضرات علماء کرام نے فرمایا کہ کثرت سے درود شریف پڑھنے کے تین درجے ہیں، ادنیٰ درجہ ہے تین سو مرتبہ، درمیانہ درجہ ہے ایک ہزار مرتبہ، اعلیٰ درجہ ہے تین ہزار مرتبہ۔ اور صلی اللہ علیہ وسلم ایسا آسان درود شریف ہے کہ تین سو مرتبہ پڑھنا اور ایک ہزار مرتبہ پڑھنا اور تین ہزار مرتبہ پڑھنا سب آسان ہے، جس کا دل چاہے تین سو مرتبہ پڑھ لے، جس کا دل چاہے ایک ہزار مرتبہ پڑھ لے اور جس کا دل چاہے تین ہزار مرتبہ پڑھ لے، جو پڑھے گا انشاء اللہ وہی درود کے عجیب وغریب برکات سے مالا مال ہوگا۔

مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا معمول

میرے استاد محترم حضرت مولانا سعادت صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا کہ میں ایک مرتبہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا (یہ حضرت مفتی صاحب کے آخری زمانے کا قصہ ہے) میں نے عرض کیا کہ حضرت! حدیث شریف میں آیا ہے کہ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود شریف پڑھا کرو تو کثرت کی کیا مقدار ہونی چاہئے جس پر عمل کرنے سے ہم کثرت سے درود شریف پڑھنے والوں میں شامل ہو جائیں اور ان میں ہمارا شمار ہو جائے، حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تین ہزار

مرتبہ درود شریف پڑھنے سے کثرت میں شمار ہوتا ہے اور آج کل الحمد للہ اسی پر میرا معمول ہے۔

میں یہ سنانا چاہتا تھا کہ یہ جو ہمارے اکابر گزرے ہیں، اللہ پاک نے ان کو بہت نوازا تھا، جہاں ایک طرف انہوں نے علوم کے دریا بہائے، وہیں دوسری طرف انہوں نے اپنی آخرت بھی اچھے طریقے سے بنائی اور آخرت کے لئے سب کچھ کیا، ایک ہم ہیں کہ فضائل سنتے ہیں، مگر سن سن کر سُن ہو گئے، سُن ہونے سے کچھ نہیں ہوتا، کچھ کریں گے تو وہاں کچھ ملے گا، ہمارا آخرت کا حال بڑا خراب ہے، یہ اکابر بھی ہماری طرح اس دنیا میں رہ کر گئے ہیں، دنیا کے سارے لوازمات ان کے ساتھ بھی تھے لیکن انہوں نے آخرت کے لئے بھی بہت کچھ کیا۔ لہٰذا ہمیں بھی کم از کم روزانہ صبح و شام سو مرتبہ درود شریف پڑھنا چاہئے،

درود شریف پڑھنے سے حاجتوں کا پورا ہونا

ایک حدیث شریف میں ہے کہ:

”جو آدمی سو مرتبہ درود شریف پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس کی سو ضرورتیں پوری فرمائیں گے، تیس دنیا کی اور ستر آخرت کی“

لہٰذا جو شخص روزانہ صبح و شام سو سو مرتبہ درود شریف پڑھے گا تو اس کی ساٹھ ضرورتیں پوری ہوں گی دنیا کی اور ایک سو چالیس آخرت کی، جبکہ ہماری روزانہ ساٹھ ضرورتیں بھی نہیں ہوتیں، جب بھی ہم غور کریں گے تو کسی کی تین کسی کی

پانچ کسی کی دس کسی کی پندرہ کسی کی بیس کسی کی پچیس کسی کی تیس ضرورتیں ہوں گی، انشاء اللہ ساٹھ سے زیادہ کسی کی نہیں نکلیں گی، لیکن اگر درودشریف کا معمول بن جائے تو اللہ کی غیبی مدد ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ اور ہماری وہ تمام ضرورتیں اور حاجتیں پوری ہوں گی جن کے لئے ہم سرگرداں رہتے ہیں اور حیران و پریشان رہتے ہیں اور بے چین و بے قرار رہتے ہیں کہ فلاں پریشانی دور ہو جائے، فلاں ضرورت پوری ہو جائے، فلاں حاجت پوری ہو جائے، فلاں کام ہو جائے، فلاں سے یہ کام نکل جائے، کسی طریقہ سے یہ کام ہو جائے، تو بھائی! اللہ تعالیٰ نے طریقہ عطا فرما رکھا ہے، ہم اس طریقہ کو اپناتے نہیں ہیں، ہائے ہائے کرتے رہتے ہیں، ہائے ہائے کرنے سے کیا ہوتا ہے، بس طریقہ اختیار کرنا چاہئے، طریقہ یہی ہے کہ درودشریف کو اپنی زندگی کا معمول بنالیں، جب صبح سو دفعہ پڑھیں گے اور شام کو سو دفعہ پڑھیں گے تو انشاء اللہ تعالیٰ یہ برکتیں حاصل ہوں گی۔

درودشریف پڑھنے والا اپنا ٹھکانہ دیکھ کر مرتا ہے

ایک حدیث میں ہے کہ جو آدمی ایک ہزار مرتبہ درودشریف پڑھے گا تو اس وقت تک اس کا انتقال نہیں ہوگا جب تک کہ وہ اپنی آنکھوں سے جنت میں اپنا ٹھکانہ نہ دیکھ لے۔ اللہ تعالیٰ پہلے ہی اس کو دنیا میں مطمئن کرتے ہیں کہ تو بے غم رہ، جب تو آخرت میں آئے گا تو تیرا یہ ٹھکانہ ہوگا۔

اہم بات غور سے سنیں

لیکن ایک بات یاد رکھنے کی ہے، یہ جتنے بھی فضائل بیان کیے جاتے ہیں، ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان اعمال کے یہ فضائل ہیں بشرطیکہ گناہوں کا ارتکاب نہ ہو، اگر ہو جائے تو سچی توبہ اس کے ساتھ ہو، لیکن اگر کوئی دوسری طرف چوری کرے گا یا ڈاکہ ڈالے گا، بدنظری کرے گا، جھوٹ بولے گا، غیبت کرے گا، کم تولے گا، کم ناپے گا، گانا سنے گا، فلمیں دیکھے گا، خواتین بے پردگی کریں گی تو ان گناہوں کا وبال جو حدیث میں ارشاد ہوا ہے، وہ بھی سچا ہے اور بالکل برحق ہے، لہٰذا ان فضائل کے ساتھ ساتھ ہم اس بات کا بھی پورا پورا اہتمام کریں کہ جو بدعات ہیں، منکرات ہیں اور خواہشات ہیں جن میں ہم غرق ہیں، ان سے ہم بچیں اور ان سے سچی توبہ کریں اور ان پر نادم اور شرمندہ ہوں، اور آئندہ اس سے بچنے کی پوری پوری کوشش کرتے رہیں۔ اگر ہم گناہوں سے بچنے کی پوری کوشش کرتے رہے اور گناہ ہونے پر توبہ کرتے رہے پھر اسی حالت میں ہماری موت آ گئی تو کوئی رکاوٹ گناہوں کی ہمارے ساتھ نہ ہوگی اور انشاء اللہ تعالیٰ بغیر حساب و کتاب کے جنت میں چلے جائیں گے، ورنہ پہلے ہمارا حساب ہوگا، اللہ تعالیٰ چاہیں تو عذاب دیدیں اور چاہیں تو اپنی رحمت سے معاف فرما دیں، یہ اس کی رحمت پر مبنی ہے۔

ایک ہزار مرتبہ درود پڑھنے پر خاص بشارت

ایک ہزار مرتبہ درود پڑھنے پر عجیب قصہ یاد آیا ایک شخص کہتے ہیں کہ بغداد میں ایک ہمارے استاد تھے قاری ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ، میں ان کی خدمت میں پہنچا تا کہ میں ان سے قرآن شریف سیکھوں، چنانچہ میں اور میرے ساتھیوں کی ایک جماعت ان کی خدمت میں حاضر ہوئی تو دیکھا کہ تلاوت ہو رہی ہے اور شاگرد ان سے استفادہ کر رہے ہیں اور ذوق وشوق کے ساتھ ان سے قرآن شریف سیکھ رہے ہیں، اسی دوران قاری صاحب کی خدمت میں ایک بڑے میاں تشریف لائے، وہ بہت ہی پرانا اور بوسیدہ عمامہ باندھے ہوئے تھے، ان کا کرتہ بھی پرانا اور انتہائی بوسیدہ تھا، جیسے ہی وہ قاری صاحب کی خدمت میں آئے تو قاری صاحب ان کے استقبال کے لئے کھڑے ہو گئے اور ان کو اپنی جگہ پر بٹھایا اور ان سے ان کے بچوں کی خیریت دریافت کی، اس کے بعد ان بڑے میاں نے بتایا کہ رات کو ہمارے یہاں ایک نومولود بچے کی ولادت ہوئی ہے اور گھر والوں نے مجھ سے شہد اور گھی کا کہا ہے، مگر میرے اندر تو اس کی استطاعت نہیں ہے کہ میں ان کو یہ سامان مہیا کر سکوں۔ قاری ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ نے جب ان کی یہ خستہ حالی دیکھی تو ان کو بہت ہی غم ہوا اور بہت ہی رنج ہوا، اس کے بعد قاری صاحب تھوڑی دیر آرام کرنے کی غرض سے لیٹ گئے، خواب میں جناب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قاری

صاحب سے فرمایا کہ تم اتنا غم کیوں کر رہے ہو، ان کی خستہ حالی پر تم اتنے پریشان کیوں ہو؟ ایسا کرو کہ اس وقت جو وزیر علی بن عیسیٰ ہے، اس کے پاس جاؤ اور میرا سلام کہو اور بطور علامت کے اس کو یہ کہو کہ تم روزانہ رات کو سونے سے پہلے مجھ پر جو ایک ہزار مرتبہ درود شریف پڑھتے ہو، وہ مجھ تک پہنچتا ہے اور آج پورے ایک ہزار مرتبہ درود شریف تم نے شروع میں نہیں پڑھا بلکہ ابھی آٹھ سو مرتبہ پڑھا تھا کہ بادشاہ کا آدمی تمہیں بلانے آ گیا، تم اس کے ساتھ چلے گئے پھر بعد میں آ کر تم نے اس مقدار کو پورا کیا، اس طرح تم نے ایک ہزار مرتبہ درود شریف مکمل کیا، لہٰذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک سو اشرفیاں ان بڑے میاں کو دیدو جو خستہ حال ہیں، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں ان کو فرمایا۔

قاری صاحب کہتے ہیں کہ جب میری آنکھ کھلی تو میں ان بڑے میاں کو ساتھ لے کر وزیر علی بن عیسیٰ کے پاس پہنچ گیا، میں نے سلام کیا اور پھر میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام پیش کیا پھر درود شریف والی بات جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کی تھی، میں نے وہ بھی سنا دی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام بھی سنا دیا، پیغام سنتے ہی انہوں نے ایک تھیلی منگوائی جس میں ایک ہزار اشرفیاں تھیں، انہوں نے سب سے پہلے سو اشرفیاں نکال کر مجھے دیں تا کہ میں ان بڑے میاں کی خدمت میں پیش کر دوں، پھر سو اشرفیاں نکال کر مجھے دیں کہ یہ آپ کا نذرانہ ہے، اس لئے کہ آپ میرے لئے بشارت لے کر آئے پھر سو اشرفیاں نکال کر اور دیں کہ حضرت! سو اشرفیاں بشارت لانے کا ہدیہ اور سو

اشرفیاں بشارت سنانے کا ہدیہ، پھر سو اور دیں کہ حضرت! اتنی دور زحمت گوارا کرنے کا ہدیہ، اس طرح مختلف بہانوں سے وہ اشرفیاں نکالتے گئے اور مجھے دیتے گئے، یہاں تک کہ انہوں نے پوری ایک ہزار اشرفیاں مجھے دیدیں اس میں سے سو اشرفیاں میں نے ان بڑے میاں کی خدمت میں پیش کردیں اور نو سو اشرفیاں یہ کہہ کر واپس کردیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سو اشرفیوں کا کہا تھا، اس سے ایک بھی کم یا زیادہ نہیں لینا چاہئے، اس کے بعد میں گھر واپس آگیا۔

درود پاک پہنچانے پر مستقل ڈاکیے

حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے درود شریف پہنچانے کے لئے فرشتے مقرر کر رکھے ہیں، جب بھی کوئی امتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھتا ہے تو فرشتہ خود لے جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں اس کا اور اس کے باپ کا نام لے کر پیش کرتا ہے۔

لہٰذا اس سے بڑی سعادت کیا ہوگی کہ امتی کا نام اور امتی کے والد کا نام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس فرشتے کے ذریعے اس کا بھیجا ہوا تحفہ قبول فرماتے ہیں۔

علمائے دیوبند کا متفقہ عقیدہ

اور جو شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک پر جا کر درود شریف

پڑھتا ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خود اس کا درود سنتے ہیں، تمام علماء دیوبند کا متفقہ عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روضۂ مبارک میں حیات ہیں اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام خود سنتے ہیں اور خود جواب عطا فرماتے ہیں، یہ بھی کتنی بڑی دولت اور کتنی بڑی سعادت ہے۔

کثرت درود کی وجہ سے عظیم نعمت کا ملنا

کثرت سے درود شریف پڑھنے والوں کو جو خصوصی دولت نصیب ہوتی ہے، وہ ہے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا میں زیارت کا نصیب ہونا۔ ایسے لوگوں کو خواب میں بکثرت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوتی رہتی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہو جانا بہت بڑی نعمت ہے اور بہت بڑی دولت ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا درود پڑھنے والے کے منہ کو بوسہ دینا

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے زاد السعید میں ایک نیک آدمی کا قصہ لکھا ہے کہ روزانہ ان کا معمول تھا کہ وہ ایک خاص مقدار میں درود شریف پڑھ کر سوتے تھے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں اپنا معمول پورا کر کے سویا تو خواب میں دیکھا کہ جناب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف لائے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میرا پورا کمرہ نور سے منور ہو گیا اور مشک کی خوشبو سے مہک اُٹھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ منہ میرے پاس لاؤ جو کثرت سے مجھ پر درود شریف پڑھتا ہے، مجھے بڑی شرم آئی کہ میرا گندہ منہ اس قابل کہاں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کروں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو بوسہ دیں، میں نے منہ تو نہیں کیا البتہ اپنا رخسار سامنے کر دیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے رخسار پر بوسہ لیا، بس جیسے ہی آپ نے بوسہ لیا تو گھبرا کر میری آنکھ کھل گئی، آنکھ کھلی تو پورا کمرہ مشک کی خوشبو سے مہک رہا تھا، آٹھ دن تک برابر اس کی خوشبو آتی رہی۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشق کا واقعہ

ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی بڑی طلب تھی، بڑی لگن تھی، بڑی تڑپ تھی اور اس بات کی خواہش تھی کہ خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو جائے، چاہے ایک ہی دفعہ ہو جائے لیکن ان کو زیارت نہیں ہوتی تھی۔

وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ خواب میں کسی نے مجھ سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرو گے؟ میں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہی کے لئے تو میں جی رہا ہوں اور کس کے لئے میں جی رہا ہوں، جلدی بتاؤ کہاں زیارت ہوگی؟ انہوں نے کہا کہ فلاں گھر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں وہاں جا کر زیارت کر لو۔

کہتے ہیں کہ میں اٹھ کر چل دیا جب وہاں پہنچا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکان کے صحن میں تشریف فرما تھے، دونوں طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین تھے، بیچ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے کے لئے ایک بالکل ممتاز اور الگ راستہ تھا، کہتے ہیں میں اسی راستہ سے ہوتا ہوا سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گیا اور وہاں پہنچ کر میں نے اپنے دونوں گھٹنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹنوں سے ملا دیے اور اپنی نظریں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال جہاں آراء اور چہرۂ انور پر جمادیں اور ٹکٹکی باندھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کی زیارت کرنے لگا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی حیران تھے کہ یہ کیسا مستانہ آیا ہے کہ نہ بول رہے ہیں، نہ کچھ کہہ رہے ہیں، بس میری زیارت کرر ہے ہیں۔

عاشق رسول کی درخواست

جب میں نے خوب جی بھر کر زیارت کر لی تو میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری ایک درخواست ہے کہ آپ میرے لئے دعا فرمادیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا دعا کروں؟ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ دعا کر دیجئے کہ اللہ تعالیٰ میری یہ نظریں اب واپس لے لے، یہ نظریں میں نے صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال جہاں آراء کو دیکھنے کے لئے بچار کھی تھیں، اب میرا مقصد حاصل ہوگیا، جن آنکھوں سے آپ صلی اللہ

علیہ وسلم کو دیکھا ہے، میں ان سے کسی اور کو دیکھنا نہیں چاہتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میری بے تابانہ درخواست کو قبول فرمایا اور ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی، سویرے جب میں اٹھا تو نابینا ہو چکا تھا۔

ہمارے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحبزادے زکی کیفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ قصہ بہت مزے لے لے کر سنایا کرتے تھے اور پھر وہ ایک شعر سنایا کرتے تھے، بڑا عجیب وغریب شعر ہے، وہ شعر یہ ہے:

چھین لے مجھ سے نظر اے جلوۂ خوش روئے دوست
میں کوئی محفل نہ دیکھوں اب تیری محفل کے بعد

یہ شعر واقعی بالکل واقعہ کے مطابق ہے۔

سنت کے طریقے کے بعد کوئی طریقہ نہیں

لہٰذا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کو دیکھ لیا تو اب کسی اور کا طریقہ کیا دیکھنا، سارے طریقوں سے نظریں ہٹا کر ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر نظریں جما دینی چاہئیں، ہماری شکل، ہماری صورت، ہماری وضع قطع، ہمارا لباس پوشاک اور ہمارا رہن سہن سب سنت کے سانچے میں ڈھلنا چاہئے اور ہمارے دل اور زبان سے درود شریف جاری ہونا چاہئے، بس یہ ہماری زندگی کا حاصل ہے۔

یہی ہے تمنا یہی آرزو ہے

یہی تو سنانے کو جی چاہتا ہے

مدینے کو جاؤں پلٹ کر نہ آؤں

یہیں گھر بنانے کو جی چاہتا ہے

سیاہ کاریوں کی فراوانیاں ہیں

پریشانیاں ہی پریشانیاں ہیں

جبیں تیرے قدموں میں اِک روز رکھ کر

گناہ بخشوانے کو جی چاہتا ہے

دل دھڑکتا ہے میرے سینے میں

کب پہنچوں گا میں مدینے میں

جس کا دل نہ ہو مدینے میں

یہ بھی کوئی جینا ہے جینے میں

اگر کوئی مدینے میں نہ جاسکے تو ایک اور عجیب وغریب شعر ہے، وہ بھی سن لینا چاہئے، دو چیزیں ہیں ایک اتباع سنت اور دوسری کثرت درود شریف، جس کو یہ دولت نصیب ہوگئی پھر وہ چاہے مدینے نہ جائے پھر بھی وہ مدینے میں ہے۔

غمِ مصطفیٰ جس کے سینے میں ہے

جہاں بھی رہے وہ مدینے میں ہے

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العلمین

آیت الکرسی

جان و مال کی حفاظت کا ذریعہ

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی بیانات : جلد نمبر: ۵

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡم ط

آیت الکرسی

جان و مال کی حفاظت کا نسخہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ۔ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا۔ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِىَ لَهٗ وَأَشْهَدُاَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔

أَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط

اَللّٰهُ لَآاِلٰـهَ اِلَّا هُوَ ج اَلْحَیُّ الْقَيُّوْمُ ج لَاتَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ط لَـهٗ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ط مَنْ ذَا الَّذِیْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِـهٖ ط يَعْلَمُ مَابَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ج وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ج وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ج وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ط وَهُوَالْعَلِیُّ الْعَظِيْمُ O

صدق اللّٰہ العظیم۔ (سورۃ البقرہ: آیت ۲۵۵)

تمہید

میرے قابلِ احترام بزرگو! آج میں آپ حضرات کے سامنے قرآن کریم کی سب سے افضل، سب سے بہتر اور مشہور آیت، یعنی ''آیت الکرسی'' کے بارے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ ارشادات عرض کروں گا، تاکہ ہمارے دلوں میں اس عظیم آیت کی اہمیت بیٹھ جائے اور ہم اس آیت کی قدر کریں اور اس کے پڑھنے کا معمول بنائیں، کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہماری حفاظت کا زبردست انتظام فرمایا ہے، اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جو فضائل و برکات رکھے ہیں اور جو اجر وثواب رکھا ہے، ان کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

سب سے افضل آیت

احادیث میں اس آیت کی بہت سی فضیلتیں اور برکتیں بیان کی گئی ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ رحمت کائنات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ اے اُبی! یہ بتاؤ کہ قرآن کریم کی سب سے افضل آیت کونسی ہے؟ انہوں نے کچھ دیر سوچ کر جواب دیا کہ یا رسول اللہ! ''آیت الکرسی'' قرآن کریم کی سب سے افضل آیت ہے۔ یہ جواب سن کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابومنذر! تم کو علم مبارک ہو، اس آیت کی ایک زبان اور دو ہونٹ ہیں، یہ عرش کے قریب اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتی رہتی ہے۔ (بہرحال! تم نے صحیح جواب دیا، بلاشبہ قرآن کریم کی آیات میں سب سے افضل اور بہترین آیت ''آیت الکرسی'' ہے۔) اس لئے اس کو پڑھنا چاہئے۔

عالم مثال میں ہر چیز کی ایک صورت ہے

عالم مثال میں اللہ جل شانہ نے اس آیت کو یہ صورت عطاء فرمائی ہے کہ اُس کی ایک زبان اور دو ہونٹ ہیں اور اس خاص شکل وصورت میں یہ آیت اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرتی رہتی ہے۔ اس دنیا میں جتنے انسان ہیں، وہ سب اچھے اور برے جو اعمال انجام دیتے ہیں، ان کی ایک شکل وصورت بھی ہوتی ہے، اس دنیا میں وہ شکل وصورت عام طور پر ہمیں نظر نہیں آتی، لیکن

عالم مثال میں اللہ تعالیٰ نے ہر عمل کی ایک خاص شکل بنائی ہے، اعمال صالحہ کی بھی شکلیں ہیں اور گناہوں کی بھی شکلیں اور صورتیں ہیں، عالم برزخ اور جہنم میں یہی گناہ خوفناک شکل وصورت اختیار کرلیں گے اور پھر وہ اس گناہ گار کو ایذاء وتکلیف اور عذاب دیں گے، اسی طرح نیک اعمال قبر میں اور جنت میں حسین اور خوبصورت شکلیں اختیار کرلیں گے اور پھر وہ اپنے کرنے والوں کو راحت اور آرام پہنچائیں گے۔ اسی طرح میدان حشر میں حساب وکتاب کے وقت ترازو میں نیک اور برے اعمال وزن کئے جائیں گے، ایک قول کے مطابق ان کو مخصوص شکل میں لاکر ان کا وزن کیا جائے گا، پھر جس کی نیکیوں والا پلڑا جھک جائے گا، اس کی بخشش کا فیصلہ ہو جائے گا اور جس کے گناہوں کا پلڑا بھاری ہو جائے گا، یا تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے فضل سے معاف فرمادیں گے یا اس کے جہنم میں جانے کا فیصلہ ہو جائے گا۔

ایک بزرگ کی نماز

چنانچہ نماز کے بارے میں ایک بزرگ کا واقعہ مشہور ومعروف ہے کہ وہ نماز کو بہت ہی عمدہ طریقے سے سنت کے مطابق ادا کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ اور ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ اپنی نماز اور دوسرے اعمال کو بہتر سے بہتر اور اعلیٰ سے اعلیٰ طریقے سے انجام دینے کی کوشش کرے۔ ایک دن ان بزرگ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یا اللہ! جو نماز میں آپ کی رضا کے لئے ادا کرتا ہوں، مجھے وہ نماز خواب میں دکھا دیجئے تاکہ میں یہ اندازہ کروں کہ جو

نماز میں ادا کرتا ہوں وہ کیسی ہے اور اس میں کیا کمی اور خامی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی، چنانچہ ایک روز خواب میں نماز کو ایک حسین و جمیل اور خوبصورت عورت کی شکل میں دیکھا، جس کا جسم خوبصورت، قد مناسب اور کپڑے عمدہ، لیکن وہ عورت اندھی ہے۔ جب وہ بیدار ہوئے تو سوچا کہ کیا ماجرا ہے؟ میں نے تو اس نماز میں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں کی، پھر وہ عورت آنکھوں سے اندھی کیوں ہے؟

نماز کی مثال حسین و جمیل عورت

چنانچہ وہ اپنے شیخ کے پاس گئے اور ان کو سارا قصہ سنایا کہ حضرت! میں اللہ کے فضل سے اور آپ کے فیض سے نماز بہت اہتمام سے ادا کرنے کی کوشش کرتا ہوں، ایک مرتبہ بہت ہی اہتمام سے نماز ادا کرنے کے بعد میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اے اللہ! مجھے یہ نماز خواب میں دکھا دیجئے۔ چنانچہ آج رات میں نے نماز کو ایک خوبصورت اور حسین و جمیل عورت کی شکل میں دیکھی لیکن وہ آنکھوں سے اندھی تھی، میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ وہ آنکھوں سے کیوں اندھی تھی؟ شیخ نے سنتے ہی فرمایا کہ تم آنکھیں بند کر کے نماز پڑھتے ہو گے؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہاں! میں اس لئے آنکھیں بند کر کے نماز پڑھتا ہوں تاکہ نماز میں میری توجہ مرکوز رہے اور دھیان نماز کی طرف لگا رہے اور ذہن اِدھر اُدھر بھٹکنے نہ پائے۔ شیخ نے فرمایا کہ اس طرح نماز پڑھنا خلاف سنت ہے اور خلافِ سنت ہونے کی وجہ سے تمہاری نماز اصل شکل کے اندر نابینا

اور اندھی ہے، لہٰذا تم اس کمی کو بھی دور کرو۔

نماز میں آنکھیں بند کرنا

دیکھئے! ان صاحب کو ان کی نماز ایک عورت کی شکل میں دکھلائی گئی، اصل حکم یہ ہے کہ دھیان لگانے کے لئے اگر کوئی شخص آنکھ بند کرکے نماز پڑھے تو یہ جائز ہے لیکن خلاف سنت ہے، سنت طریقہ یہ ہے کہ آنکھیں کھول کر نماز ادا کرے۔ قیام کے وقت اپنی نظر سجدہ کی جگہ پر رکھے، رکوع میں پاؤں کے دونوں انگوٹھوں پر رکھے، سجدے میں اپنی ناک پر اور قعدہ میں اپنی گود پر نظر رکھے، چاہے کتنے خیالات اور وسوسے آئیں لیکن آنکھیں کھول کر نماز پڑھے۔ اس لئے کہ غیر اختیاری طور پر جو خیالات اور وساوس آتے ہیں، اس سے نماز میں کوئی خلل نہیں ہوتا، لہٰذا بلا وجہ اس سنت کے خلاف نہ کرے۔ نماز میں خلل ان خیالات سے آتا ہے جو اپنے اختیار سے لائے جائیں یا جو خیالات غیر اختیاری طور پر آ گئے پھر اپنے اختیار سے ان خیالات کے اندر غور وفکر کرنے میں لگ گئے، اس سے نماز میں خلل آتا ہے اور نماز کے خشوع و خضوع میں فرق واقع ہوتا ہے۔ بعض لوگ ان غیر اختیاری خیالات سے گھبراتے ہیں، صحیح یہ ہے کہ ان سے ہرگز نہیں گھبرانا چاہئے، بس آپ یہ کام کریں کہ ان خیالات سے ذہن کو ہٹا کر نماز کی طرف لگاتے رہیں۔

نماز میں غیر اختیاری خیالات و وساوس

ایک شخص وہ ہے جو نیت باندھنے سے لے کر سلام پھیرنے تک مسلسل

غیر اختیاری خیالات اور وساوس میں گھرا رہتا ہے، لیکن وہ برابر اپنے ذہن کو اِدھر اُدھر کے خیالات سے ہٹا کر نماز کی طرف لگانے کی کوشش کرتا رہتا ہے، اور دوسرا شخص وہ ہے جس کو نیت باندھنے سے لے کر سلام پھیرنے تک غیر اختیاری کوئی خیال ہی نہیں آتا بلکہ برابر اس کا دھیان نماز کی طرف جما رہتا ہے۔ یہ دونوں فضیلت اور ثواب کے اعتبار سے برابر ہیں، بلکہ بعض اعتبار سے پہلے شخص کو زیادہ اجر ملے گا، اس لئے کہ اس کا مجاہدہ، محنت اور مشقت زیادہ ہے اور دوسرے شخص کو کوئی محنت اور مشقت نہیں ہے، اس لئے آنکھیں کھول کر نماز پڑھنا بہتر ہے اس سے کہ آدمی آنکھیں بند کر کے نماز ادا کرے۔

آیت الکرسی کی صورت

بہرحال! عالم مثال میں جس طرح نماز کی ایک خاص شکل وصورت ہے، اسی طرح "آیت الکرسی" کی بھی ایک خاص شکل وصورت ہے، جیسا کہ حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ اس آیت کے دو ہونٹ اور ایک زبان ہے اور یہ آیت عرش کے قریب اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرتی رہتی ہے۔

آیت الکرسی چوتھائی قرآن کے برابر ہے

ایک اور حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آیت الکرسی چوتھائی قرآن کریم کے برابر ہے۔ اس حدیث کے دو مطلب ہیں، ایک مطلب یہ ہے کہ جو مضامین قرآن کریم کے اندر بیان ہوئے ہیں،

ان تمام مضامین کا ایک چوتھائی حصہ ''آیت الکرسی'' کے اندر موجود ہے، اس لحاظ سے یہ چوتھائی قرآن کریم کے برابر ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہ ''آیت الکرسی'' اجر وثواب کے اعتبار سے چوتھائی قرآن کریم کے برابر ہے، لہٰذا جو شخص ایک مرتبہ آیت الکرسی پڑھے گا، اس کو ایک چوتھائی قرآن کریم پڑھنے کے برابر ثواب ملے گا اور جو شخص اس آیت کو چار مرتبہ پڑھے گا، اس کو ایک قرآن کریم ختم کرنے کا ثواب ملے گا۔ اور یہ ثواب ہر مسلمان روزانہ حاصل کرسکتا ہے اور ہر نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھ کر حاصل کرسکتا ہے۔

آیت الکرسی پڑھنے پر فرشتہ کا تقرر

نسائی شریف کی ایک روایت میں ہے کہ جو شخص جس وقت آیت الکرسی پڑھتا ہے، اس وقت سے لے کر اگلے دن وہی وقت آنے تک اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک فرشتہ مقرر فرما دیتے ہیں جو اس کے نامہ اعمال میں نیکیاں لکھتا رہتا ہے اور گناہ مٹاتا رہتا ہے۔ اب اگر کوئی شخص روزانہ ہر فرض نماز کے بعد ایک مرتبہ آیت الکرسی پڑھ لیا کرے تو روزانہ کم از کم پانچ فرشتے اس کے نامہ اعمال کا آپریشن کرنے کے لئے مقرر ہو جائیں گے، وہ فرشتے اس کے گناہوں کو مٹاتے رہیں گے اور نیکیاں لکھتے رہیں گے۔

اعمال کے ذریعہ صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں

لیکن یہاں ایک بات سمجھ لیں، وہ یہ کہ گناہوں سے مراد گناہ صغیرہ

ہیں، اللہ تعالیٰ بہانے بہانے سے گناہ صغیرہ معاف فرماتے رہتے ہیں اور بے شمار اعمال صالحہ کے ذریعہ بھی اللہ تعالیٰ ان سے درگزر فرماتے رہتے ہیں، جیسے وضو کے ذریعہ اعضاء کے گناہ دھل جاتے ہیں، ایک نماز کے بعد جب بندہ دوسری نماز پڑھتا ہے تو دونوں نمازوں کے درمیان کے وقت میں جو صغیرہ گناہ کئے تھے، وہ سب معاف ہو جاتے ہیں، اس طرح روزانہ پانچ وقتوں کی نماز پڑھنے سے چوبیس گھنٹے کے صغیرہ گناہوں کی مغفرت ہوتی رہتی ہے، اور جمعہ کی نماز پڑھنے سے ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ کے درمیان کے صغیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں، رمضان کے روزے رکھنے پر ایک رمضان سے دوسرے رمضان کے درمیان میں کئے ہوئے صغیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

کبیرہ گناہوں کی معافی کیلئے توبہ ضروری ہے

کبیرہ گناہوں کے بارے میں ضابطہ یہ ہے کہ جس گناہ کبیرہ کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے، مثلاً شراب پینا یا جھوٹ بولنا یا بدکاری کرنا وغیرہ، اس قسم کے گناہوں میں اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کر لینا کافی ہے۔ البتہ توبہ کے لئے تین شرائط کا ہونا ضروری ہے، پہلی شرط یہ ہے کہ آدمی اس گناہ پر نادم اور شرمندہ ہو، دوسری شرط یہ ہے کہ اس گناہ کو فوراً چھوڑ دے اور تیسری شرط یہ ہے کہ آئندہ گناہ کے نہ کرنے کا پختہ عزم کرے اور پھر توبہ استغفار کرے تو وہ سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

حقوق العباد سے توبہ کا طریقہ

اور اگر وہ گناہ ایسا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے ساتھ ساتھ کسی بندے کی حق تلفی یا اس کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے، مثلاً کسی کو ناحق مارا، یا کسی کو طعنہ دیا، یا کسی کا دل دکھایا، یا کسی پر بہتان لگایا، یا کسی کو مالی نقصان پہنچایا، یا کسی کی اجازت کے بغیر اس کا مال کھالیا، یا کسی کی امانت میں خیانت کرلی، یہ سب ایسے کام ہیں کہ ان میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی بھی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان باتوں کو حرام قرار دیا ہے اور بندوں کے ساتھ بھی زیادتی پائی گئی ہے۔ ایسے گناہوں سے توبہ کے مکمل ہونے کے لئے پہلی تین شرطوں کے ساتھ ایک چوتھی شرط یہ بھی ہے کہ جن بندوں کا حق پامال کیا ہے یا تو ان کا حق ادا کرے یا ان سے معاف کرائے، اس کے بعد توبہ مکمل ہوگی۔

بہرحال! کبیرہ گناہ توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوتے اور صغیرہ گناہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے نیک اعمال کے ذریعہ بھی معاف فرما دیتے ہیں۔ لہٰذا ''آیت الکرسی'' کی یہ جو فضیلت آئی ہے کہ اس کے پڑھنے پر اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ مقرر فرما دیتے ہیں جو اس کے گناہوں کو اس کے نامہ اعمال سے مٹاتا رہتا ہے، اس سے مراد صغیرہ گناہ ہیں، کبیرہ گناہ مراد نہیں۔ اس لئے ہمیں ہر فرض نماز کے بعد ایک مرتبہ آیت الکرسی پڑھنے کا معمول بنالینا چاہئے تاکہ روزانہ پانچ فرشتے ہمارے نامہ اعمال میں نیکیاں لکھنے اور گناہ صغیرہ مٹانے پر مقرر ہو جائیں۔

’’آیت الکرسی‘‘ جنّت میں لیجانے والی ہے

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے منبر پر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھتا ہے، اس کے اور جنّت کے درمیان صرف موت حائل ہوتی ہے۔ یعنی آیت الکرسی پڑھنے کی وجہ سے وہ شخص جنتی ہوگیا، بس صرف مرنا باقی ہے، اگر ابھی مرگیا تو ابھی جنّت میں چلا جائے گا۔ اس فضیلت کا مطلب یہ ہے کہ آیت الکرسی پڑھنے کی بذات خود یہ فضیلت ہے کہ اگر اس شخص کے جنّت میں جانے کے لئے کوئی اور چیز رکاوٹ نہ ہو تو تنہا اس کا یہ عمل بھی اس کو سیدھا جنّت میں لے جانے والا ہے، لیکن اگر جنّت میں جانے کے لئے دوسری رکاوٹیں واقع ہوئیں، مثلاً اس کی گردن پر کبیرہ گناہوں کا بوجھ ہو یا حقوق العباد میں اس نے کوتاہیاں کی ہوئی ہوں تو یہ گناہ کبیرہ اور دوسروں کے حقوق پامال کرنا اس کے جنت میں جانے سے رکاوٹ بن جائیں گے، لیکن اگر اس کے ذمہ بندوں کے حقوق بھی نہیں ہیں اور کبیرہ گناہوں سے بھی اس نے پکی توبہ کی ہوئی ہے اور پھر اس نے یہ عمل کیا تو انشاء اللہ وہ سیدھا جنت میں جائے گا۔

آیت الکرسی پڑھنے والا صدّیق یا عابد ہوگا

دوسری بات اس حدیث میں یہ ہے کہ آیت الکرسی پڑھنے کا دائمی معمول نہیں بناتا ہے مگر وہ شخص جو صدیق ہو یا عابد ہو۔ یعنی ہر شخص اس کا

معمول نہیں بناتا بلکہ عام طور پر اس کے پڑھنے کی توفیق ان لوگوں کو ہوتی ہے جو عبادت گزار ہوتے ہیں اور اطاعت شعار اور فرمانبردار ہوتے ہیں، آخرت کی فکر رکھنے والے ہوتے ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ یہ توفیق عطا فرماتے ہیں۔ اس میں ایک بڑی بشارت کی طرف اشارہ ہے کہ جس شخص کو ہر نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھنے کی توفیق ہو جائے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرمالیا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے عابد ہوگا یا انشاء اللہ تعالیٰ صدیق کے مرتبہ تک پہنچ جائے گا۔

آیت الکرسی حفاظت کا ذریعہ

تیسری بات اس حدیث میں یہ ارشاد فرمائی کہ جو شخص آیت الکرسی پڑھ لیتا ہے، وہ خود بھی محفوظ ہو جاتا ہے اور اس کے گھر کے دائیں بائیں کے دونوں پڑوسی بھی اور ان کے پڑوسی بھی اور قرب و جوار کے چند اور گھر بھی اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں آجاتے ہیں۔ ذرا غور کریں کہ اگر سارے مسلمان اس آیت کے پڑھنے کا معمول بنالیں تو سارا شہر محفوظ ہو جائے بلکہ پورا ملک شیطانوں کے شر سے محفوظ ہوسکتا ہے۔

چالیس روز تک کیلئے حفاظت

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص رات کو ایک مرتبہ آیت الکرسی پڑھ

لیتا ہے تو اس گھر سے شیطان چالیس دن اور چالیس رات کے لئے دور ہو جاتا ہے، یعنی چالیس دن تک وہ گھر شیطان سے محفوظ ہو جاتا ہے اور چالیس رات تک اس گھر میں کوئی جادوگرنی یا جادوگر داخل نہیں ہوسکتا اور وہ گھر جادو کے اثر سے محفوظ رہتا ہے۔ اے علی! تم خود بھی آیت الکرسی کو سیکھ لو اور اپنے اہل و عیال کو بھی سکھاؤ اور اپنے پڑوسیوں کو بھی سکھاؤ، اللہ تعالیٰ نے اس سے بڑی کوئی آیت نازل نہیں فرمائی۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی چوکیداری کا ایک واقعہ

ایک واقعہ یاد آیا، مدینہ کے باہر سرکاری غلّہ رکھا گیا تھا، رات کے وقت اس غلّہ کی حفاظت اور چوکیداری کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقرر فرمایا۔ صحابہ کرامؓ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت سادہ اور مسکین طبیعت کے انسان تھے، چنانچہ وہ رات کے وقت اس غلّہ کی چوکیداری کے لئے وہاں بیٹھ گئے، وہ خود فرماتے ہیں کہ جب رات کا کافی حصّہ گزر گیا تو میں نے دیکھا کہ غلّہ کے ایک طرف ایک شخص بیٹھا ہوا اپنے کپڑے میں غلّہ بھر رہا ہے، میں جلدی سے اس کے پاس پہنچا اور میں نے اس سے کہا کہ یہ کیا کر رہے ہو؟ بغیر پوچھے یہ غلّہ کیسے اٹھا رہے ہو؟ پھر میں نے اس کو پکڑ لیا اور اس سے کہا کہ میں صبح تمہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جاؤں گا، اس شخص نے بڑی عاجزی سے کہا کہ اے ابو ہریرہؓ! میں بہت غریب آدمی ہوں، مسکین ہوں، بچے بھوکے

ہیں، مجبور ہوکر میں یہاں آیا ہوں، مجھ سے غلطی ہوگئی، آج تم مجھے معاف کردو، میں آئندہ نہیں آؤں گا، مجھے اس کی باتیں سن کر رحم آگیا اور میں نے اس کو چھوڑ دیا۔

جب صبح ہوئی اور میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے پوچھا اے ابوہریرہؓ! رات کو جو شخص تمہارے پاس آیا تھا، تم نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جب وہ غلّہ لینے لگا تو میں نے اس کو پکڑ لیا، جب وہ بہت رویا اور معافی مانگی تو مجھے اس پر رحم آگیا اور میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ شخص جھوٹا ہے اور آج رات دوبارہ آئے گا۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمادیا کہ وہ دوبارہ آئے گا تو مجھے یقین ہوگیا کہ وہ دوبارہ ضرور آئے گا، چنانچہ اگلی رات کو میں پھر غلّہ کے پاس چوکیداری کے لئے بیٹھ گیا، رات کا ایک حصہ گزرنے کے بعد دیکھا تو وہ شخص دوبارہ بیٹھا ہوا اپنے کپڑے میں غلّہ بھر رہا ہے، میں نے پھر اس کو پکڑ لیا اور اس سے کہا کہ تم کل یہ کہہ کر گئے تھے کہ میں آئندہ کبھی نہیں آؤں گا، اب تم پھر آگئے؟ اس نے پھر معافی مانگنی شروع کردی کہ اے ابوہریرہؓ! میں مجبوراً آگیا، میرے گھر والے بھوکے ہیں، خدا کے لئے مجھے ایک دفعہ اور معاف کردو، میں دوبارہ نہیں آؤں گا، مجھے رحم آگیا اور میں نے اس کو چھوڑ دیا۔

جب صبح ہوئی تو میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر

ہوا۔ آپ نے پوچھا کہ اے ابو ہریرہؓ! رات تمہارے پاس آنے والے شخص کا کیا ہوا؟ میں نے کہا کہ حضور! وہ آیا تھا اور غلّہ چوری کرنے لگا تھا، میں نے اس کو پکڑ لیا، لیکن جب وہ بہت رویا اور معافی مانگی تو مجھے اس پر رحم آ گیا اور میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ جھوٹا ہے اور وہ دوبارہ آئے گا۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما دیا کہ وہ دوبارہ آئے گا تو مجھے یقین ہو گیا کہ وہ دوبارہ ضرور آئے گا۔ چنانچہ اگلی رات میں پھر غلّہ کے پاس چوکیداری کے لئے بیٹھ گیا، رات کا ایک حصّہ گزرنے کے بعد دیکھا تو وہ شخص پھر بیٹھا ہوا غلّہ چوری کر رہا ہے، میں نے جلدی سے جا کر اس کو پکڑا اور اس سے کہا کہ تم نے کل یہ کہا تھا کہ میں نہیں آؤں گا، تم پھر آ گئے، اس شخص نے پھر معافی مانگی اور رونے لگا کہ اے ابو ہریرہؓ! بس کیا بتاؤں، مجبوراً مجھے آنا پڑا، میرے گھر والے بھوکے ہیں، خدا کے لئے تم مجھے ایک دفعہ اور معاف کر دو۔ میں نے کہا کہ اب تمہیں نہیں چھوڑوں گا، تم جھوٹا وعدہ کرتے ہو کہ اب میں نہیں آؤں گا پھر آ جاتے ہو، اب میں تمہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کروں گا۔ جب اس نے دیکھا کہ میرا چھوٹنا مشکل ہے تو اس نے کہا کہ اے ابو ہریرہؓ! میں ایک ترکیب بتاتا ہوں، تم اس ترکیب پر عمل کرو گے تو پھر میں کبھی نہیں آؤں گا۔

لیکن میں یہ ترکیب جب بتاؤں گا جب آپ یہ وعدہ کریں کہ مجھے چھوڑ دیں گے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے وعدہ کر لیا اور پوچھا کہ وہ کیا ترکیب ہے؟ اس شخص نے کہا کہ ''آیت الکرسی'' پڑھ کر دم کر لیا کرو

اور پھر آرام سے سو جایا کرو، پھر تمہیں چوکیداری کرنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں، پھر میری مجال نہیں کہ میں وہاں آ جاؤں، جب اس نے یہ کام کی بات بتائی تو میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ صبح میں پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے پوچھا اے ابوہریرہؓ! رات کو آنے والے شخص کا کیا قصہ ہے؟ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ حضور! جیسا آپ نے فرمایا تھا کہ وہ آئے گا، وہ آیا تھا، میں نے اس کو پکڑ بھی لیا تھا، لیکن آج رات کو وہ ایک ترکیب بتا گیا جس کی وجہ سے میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اس نے کیا ترکیب بتائی ہے؟ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ اس نے یہ ترکیب بتائی کہ تم آیت الکرسی پڑھ کر دم کرلیا کرو، پھر میں کبھی نہیں آؤں گا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شیطان تھا اور حقیقت میں تو وہ جھوٹا تھا لیکن سچی بات کہہ گیا، یعنی اپنا راستہ بند کرنے کا صحیح طریقہ وہ خود بتا گیا۔ واقعی یہی بات ہے کہ جس چیز پر آیت الکرسی پڑھ دی جائے وہ چیز محفوظ ہو جاتی ہے اور شیطان کا عمل دخل اس پر نہیں رہتا۔

ایک دلچسپ واقعہ

اس وقت سہارنپور کا ایک دلچسپ واقعہ یاد آ گیا۔ ہندوستان میں دو ہی مدرسے مشہور تھے، ایک دارالعلوم دیوبند اور ایک مظاہر العلوم سہارنپور، یہ دونوں مدرسے تمام مدارس کی اصل اور بنیاد ہیں، باقی تمام مدرسے ان دونوں

کی شاخیں ہیں۔ یہ اس زمانے کا واقعہ ہے جب وہاں پر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ جلوہ افروز تھے، یہ شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ تھے، اس زمانے میں مدرسے کے ایک خزانچی تھے، ان کا تکیہ کلام تھا ''اللہ کے فضل سے ایسا ہوا'' یعنی جب بھی کوئی بات کہتے تو یہ ضرور کہتے کہ ''اللہ کے فضل سے ایسا ہوا''۔ ایک روز یہ خزانچی حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ حضرت! آج تو اللہ کے فضل سے اللہ کا غضب ہوگیا، حضرت والا ہنس پڑے اور پوچھا کہ اے بھائی! اللہ کے فضل سے اللہ کا غضب کس طرح ہوگیا؟ وہ خزانچی کہنے لگے کہ جس کمرے میں مدرسہ کا سرمایہ اور دوسری قیمتی اشیاء محفوظ ہوتی ہیں، میں نے آج رات اس کمرے پر تالہ لگایا اور آیت الکرسی پڑھ کر دم کر دیا اور پھر میں سوگیا، رات کو جب میری آنکھ کھلی تو دیکھا چور آئے ہوئے ہیں اور اس کمرہ کا تالہ توڑنے کے لئے زور لگا رہے ہیں، میں نے ان چوروں سے کہا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے آیت الکرسی پڑھ کر اس پر دم کیا ہوا ہے، میں جب جانوں جب تم اس کو توڑ کر دکھا دو، اللہ کے فضل سے صبح صادق ہوگئی، ساری رات وہ تالہ توڑنے کی کوشش کرتے رہے مگر اللہ کے فضل سے تالہ نہیں ٹوٹا۔ حضرت نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اس یقین کے ساتھ ''آیت الکرسی'' پڑھے تو اس کی حفاظت میں ذرہ برابر شبہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ ایسی عظیم آیت عطا فرمائی ہے جو حفاظت کے لئے تیر بہدف ہے۔

آیت الکرسی اور معوذتین پڑھکر دم کرنا

تین چیزیں ایسی ہیں کہ اگر انسان ان کو اپنی زندگی کا معمول بنالے تو انشاء اللہ اس کو کبھی کوئی نقصان نہیں پہنچے گا، ایک آیت الکرسی ایک قل اعوذ برب الفلق اور ایک قل اعوذ برب الناس، یہ تینوں چیزیں حفاظت کے لئے اکسیر ہیں، اگر کوئی شخص اپنا یہ معمول بنالے کہ سات مرتبہ آیت الکرسی پڑھ کر اپنے دونوں ہاتھوں پر دم کر کے اپنے پورے جسم پر ہاتھ پھیر لے اور پھر ''قل اعوذ برب الفلق'' سات مرتبہ پڑھ کر اسی طرح دم کرے، پھر ''قل اعوذ برب الناس'' سات مرتبہ پڑھ کر اسی طرح دم کرے تو انشاء اللہ تعالیٰ جنات سے، آسیب سے، جادو سے، نظر بد سے اور تمام موذی چیزوں سے اس کی حفاظت ہو جائے گی، اگر کسی کو نظر لگ گئی ہو یا جادو یا جنات کا اس پر اثر ہو تو اس کا بھی یہی علاج ہے، روزانہ صبح وشام ۷۔۷ مرتبہ پڑھ کر دم کرلیا کرے اور کم از کم ۲۱؍روز تک یہ عمل کرے تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کا اثر دور ہو جائے گا اور زندگی بھر کا معمول بنالے تو بہت اچھا ہے، ورنہ کم از کم ہر نماز کے بعد ایک ایک مرتبہ آیت الکرسی اور چاروں قل پڑھنے کا معمول رکھے اور سوتے وقت چاروں قل تین تین مرتبہ پڑھ کر اپنے اوپر دم کرلے۔ یہ چیزیں ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری حفاظت کے لئے بتائی ہیں اور یہ احادیث طیبہ سے ثابت ہیں۔

روزانہ کھجوریں چوری ہونا

اس طرح کے اور بھی کئی واقعات ہیں۔ ایک صحابی کے یہاں روزانہ کھجوریں چوری ہو جاتی تھیں اور پتہ نہیں چلتا تھا کہ کون لے جاتا ہے؟ ایک رات کو وہ ہوشیار ہو کر بیٹھ گئے کہ دیکھوں، کون چوری کرتا ہے؟ تو رات کا ایک حصہ گزرنے کے بعد ایک شخص آیا جس کے ہاتھ کتے کے ہاتھ کی طرح تھے، آ کر وہ کھجوریں چوری کرنے لگا، ان صحابی نے اس کو پکڑ لیا اور کہا کہ اچھا تم ہو جو روزانہ میرا نقصان کرتے ہو۔ اس شخص نے جب دیکھا کہ اب میں اس کے قابو میں آ گیا ہوں اور یہ مجھے نہیں چھوڑیں گے تو اس نے بہت عاجزی کا اظہار کیا اور کہا کہ حضور! میں آپ سے معافی چاہتا ہوں اور آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ مجھے چھوڑ دیجئے، میں آپ کو ایک کام کی بات بتلا دیتا ہوں، وہ یہ کہ آپ اپنی کھجوروں پر آیت الکرسی پڑھ کر دم کر دیا کریں، پھر یہ کبھی کم نہیں ہوں گی، چنانچہ ان صحابی نے اس کو چھوڑ دیا۔ جب ان صحابی نے یہ واقعہ رحمت کائنات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا تو آپ نے اس کی تصدیق کی اور فرمایا کہ جو چوری کرنے کے لئے آتا تھا، وہ شیطان تھا لیکن وہ جو بات کہہ گیا ہے وہ درست ہے کہ جس چیز پر آیت الکرسی پڑھ دی جائے گی وہ شیطان کی قدرت سے باہر ہو جائے گی، پھر شیطان اس کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔

مال کی حفاظت کا ذریعہ

بہر حال! اس آیت الکرسی کا یہ فائدہ بہت ہی اہم ہے جس کی ہم سب کو سخت ضرورت ہے۔ کتنے مسلمان آئے دن اپنی پریشانی ظاہر کرتے رہتے ہیں کہ صاحب! گھر میں ہم پیسے کیسے رکھیں؟ گھر سے پیسے چوری ہو جاتے ہیں اور غائب ہو جاتے ہیں، ان لوگوں کے لئے یہ بہترین نسخہ ہے۔ مگر اس کی حفاظت کی دو شرطیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ پیسہ حلال کا ہو، دوسرے یہ کہ اگر وہ بقدر نصاب ہے تو اس کی زکوٰۃ نکلی ہوئی ہو، پھر انشاء اللہ آیت الکرسی کا یہ اثر ضرور ظاہر ہوگا۔ اور اگر خدانخواستہ وہ پیسہ حرام کا ہے، وہ تو خود ہی جانے والا ہے، اور اگر اس مال کی زکوٰۃ نکلی ہوئی نہیں ہے تو وہ بھی جانے والا ہے اور ہلاک ہونے والا ہے، لہٰذا وہ مال حلال ہو اور اس کی زکوٰۃ نکلی ہوئی ہو، پھر اس پر آیت الکرسی کا دم کر دیا جائے تو وہ مال انشاء اللہ تعالیٰ کہیں جانے والا نہیں ہے۔

جنّات چوری کرتے ہیں

تالے کے اندر سے جو مال چوری ہوتا ہے، وہ بعض اوقات جنات کی حرکت ہوتی ہے، جنات وہ پیسے چوری کر کے لے جاتے ہیں، چنانچہ بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ مال دکان کے اندر بند کر کے رکھا ہوا ہے لیکن وہ اندر ہی اندر کم ہو رہا ہے، یا کارخانے کے اندر مال تیار کر کے رکھا ہوا ہے لیکن وہ مال

کم ہو رہا ہے، مگر یہ معلوم نہیں کہ وہ کیسے کم ہو رہا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ جنات اور شیاطین چوری کرتے ہیں، کیونکہ جس طرح انسان چوری کرتے ہیں، اسی طرح جنات اور شیاطین بھی چوری کرتے ہیں، ان سے بچنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ آیت الکرسی پڑھ کر دم کر دو، پھر انشاء اللہ چوری نہیں ہوگی۔

دکان پر آیت الکرسی کا معمول

اگر کسی دکان پر ''آیت الکرسی'' پڑھنے کا معمول بنالیا جائے تو وہاں پر کسی مسلح گارڈ کو رکھنے کی انشاء اللہ تعالیٰ ضرورت پیش نہیں آئے گی، وہاں پر ''آیت الکرسی'' حفاظت کا ذریعہ موجود ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ''آیت الکرسی'' میں یہ تاثیر رکھی ہے کہ جس دکان پر ''آیت الکرسی'' پڑھ کر دم کر دیا جائے، اس میں چور اور ڈاکو داخل نہیں ہوسکتے، لیکن اوپر جو دو شرطیں بتائی ہیں، ان کا پایا جانا ضروری ہے، لہٰذا اگر آیت الکرسی کا دم کرنے کے باوجود چوری ہو جائے تو پھر آیت الکرسی کا قصور نہیں، ہمارا قصور ہے، یا تو ہم نے اس مال کی زکوٰۃ نہیں دی یا اس مال میں خدانخواستہ حرام مال شامل ہے، لہٰذا شریعت کے مطابق وہ مال حلال ہو اور زکوٰۃ اس کی نکالی ہوئی ہو تو پھر آیت الکرسی پڑھنے کے بعد آرام سے بیٹھیں۔

تین کام باعثِ حفاظت اور باعث خیر و برکت

بار ہا کے تجربے سے ایک بات بہت ہی مفید اور حفاظت کا باعث اور

بے حد خیر و برکت کا ذریعہ ثابت ہوئی ہے اور اس کا مأخذ قرآن کریم اور حدیث ہیں، وہ یہ کہ ہم دکان کھولتے وقت یا کارخانہ کھولتے وقت اور گھر میں داخل ہوتے وقت تین کام اہتمام سے کرلیا کریں، ایک یہ کہ داخل ہوتے وقت ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' پڑھ لیا کریں یا گھر میں داخل ہونے کی دعا پڑھ لیا کریں۔ وہ دعا یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُكَ خَیْرَ الْمَوْلِجِ وَ خَیْرَ الْمَخْرَجِ بِسْمِ اللّٰهِ وَلَجْنَا وَبِسْمِ اللّٰهِ خَرَجْنَا وَعَلَی اللّٰهِ رَبِّنَا تَوَكَّلْنَا۔

دوسرا کام یہ کریں کہ داخل ہونے کے بعد ایک مرتبہ آیت الکرسی پڑھ کر دکان اور کارخانے کے مال پر اور پیسے رکھنے کے گلے پر دم کردیں. تیسرا کام یہ کریں کہ دکان اور کارخانے کے اندر داخل ہونے کے بعد کچھ نفلی صدقہ اپنی حیثیت اور اپنی استطاعت کے مطابق نکال کر الگ رکھ دیں، چار آنے، آٹھ آنے، ایک روپیہ نکالنا تو ہر آدمی کی استطاعت میں ہوتا ہے، جس کو زیادہ کی استطاعت ہو وہ زیادہ نکال دیں، لیکن یہ نکالنا صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو، پھر ان پیسوں کو نکال کر الگ رکھ دیں، چاہے اس کے لئے الگ لفافہ بنالیں یا چاہے دراز الگ کرلیں، اس کے بعد شام تک دکان اور کارخانے میں کام کریں، جب شام کو دکان یا کارخانہ بند کرنے کا ارادہ کریں یا سوتے وقت گھر کے دروازے بند کرنے کا ارادہ کریں تو اس وقت پھر یہ عمل دوبارہ کریں

کہ دروازہ ''بسم اللہ'' پڑھ کر بند کر دیں اور آیت الکرسی پڑھ کر دم کر دیں اور پھر ایک روپیہ، دو روپے، پانچ روپے، یا جتنی حیثیت ہو، نفلی صدقہ کی نیت سے الگ کر کے رکھ دیں، روزانہ کا یہ معمول بنائیں، دو تین چلّے گزرنے کے بعد آپ کو اپنی آنکھوں سے یہ نظر آئے گا کہ آپ واقعۃً اللہ تعالیٰ کی خاص حفاظت میں ہیں۔

بسم اللہ کی برکات

اور جو تاثیر ''آیت الکرسی'' کی ہے وہی تاثیر ''بسم اللہ'' کی ہے کہ ''بسم اللہ'' پڑھ کر جس چیز پر دم کر دیا جائے وہ محفوظ ہو جاتی ہے اور جس دروازے پر دم کر کے بند کر دیا جائے، شیطان اس کے اندر داخل نہیں ہوتا۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ جب کوئی شخص عشاء کی نماز کے بعد اپنے گھر کی طرف جاتا ہے تو شیطان بھی اس کے ساتھ چلتا ہے، اگر وہ شخص گھر میں داخل ہوتے وقت ''بسم اللہ'' پڑھ لیتا ہے تو شیطان باہر کھڑا رہ جاتا ہے اور اندر داخل نہیں ہوتا، اور جب وہ شخص کھانا شروع کرتے وقت بسم اللہ پڑھ لیتا ہے تو شیطان اس کے ساتھ کھانے میں بھی شریک نہیں ہوتا اور پھر شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے کہ میں تو یہ آس لے کر آیا تھا کہ آج میں اس گھر میں رات گزاروں گا اور اس کے ساتھ کھانا بھی کھاؤں گا، لیکن اس شخص نے میرا دروازہ بند کر دیا، اس شخص نے ''بسم اللہ'' پڑھ کر مجھے گھر میں داخلے سے بھی محروم کر دیا اور کھانے سے بھی محروم کر دیا، اب یہاں پر نہ میرے داخلے کی

گنجائش ہے اور نہ ہی کھانے کی گنجائش ہے، اب میں کوئی اور گھر تلاش کروں گا۔

بسم اللہ نہ پڑھنے کی نحوست

اور اگر وہ شخص ''بسم اللہ'' پڑھے بغیر داخل ہوتا ہے تو شیطان بھی اس کے ساتھ اندر داخل ہو جاتا ہے اور جب وہ شخص ''بسم اللہ'' پڑھے بغیر کھانا کھاتا ہے تو شیطان بھی اس کے ساتھ کھانے میں شریک ہو جاتا ہے۔ پھر وہ اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے کہ میری طرف سے بے فکر ہو جاؤ، مجھے تو رات گزارنے کی جگہ بھی مل گئی اور کھانا بھی مل گیا، اب تم اپنی فکر کرو کہ تمہیں بھی رات گزارنے کے لئے کوئی جگہ ملتی ہے یا نہیں؟ اب وہ شیطان اس گھر کے اندر رات گزارتا ہے جس کے نتیجے میں اس گھر سے سکون اٹھ جاتا ہے اور ان کے ساتھ کھانا کھانے کے نتیجے میں کھانے سے بھی برکت اٹھ جاتی ہے اور وہ شیطان ان کے گھر کے اندر پوری کارروائی کرتا ہے، سب گھر والوں کو گناہوں پر ابھارتا ہے اور آپس میں لڑائی جھگڑے کراتا ہے اور سب گھر والوں کو بے سکونی اور بے اطمینانی کے اندر مبتلا کر دیتا ہے۔

گھر میں داخل ہوتے وقت ''بسم اللہ''

اور اگر گھر میں داخل ہوتے وقت ''بسم اللہ'' یا داخل ہونے کی دعا پڑھ لی تو اب شیطان کا اس گھر میں داخلہ بند ہو گیا، وہ شیطان باہر کھڑا رہ جائے گا، آپ عافیت کے ساتھ گھر کے اندر داخل ہو جائیں، اور جب کھانے کے وقت

''بسم اللہ'' پڑھ لی تو اب شیطان کھانے کے اندر بھی آپ کے ساتھ شامل نہیں ہوگا جس کے نتیجے میں وہ کھانا بابرکت ہوگا۔

نفلی صدقہ کی اہمیت

اور یہ جو کہا گیا کہ صبح کو دکان اور کارخانہ میں داخل ہوتے وقت کچھ صدقہ الگ کر کے رکھ دیں پھر اسی طرح شام کو دکان اور کارخانہ بند کرتے وقت صدقہ نکالیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ نفلی صدقہ کے اندر اللہ تعالیٰ نے یہ خاصیت رکھی ہے کہ اس کے نتیجے میں پریشانیاں، بیماریاں اور تکالیف دور ہوتی ہیں۔ قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں بیشمار مقامات پر صدقہ نافلہ کے فوائد کا ذکر موجود ہے، صدقہ نافلہ کی مثال ایسی ہے جیسے بارش میں چھتری، جس طرح موسلادھار بارش میں آدمی چھتری کی وجہ سے بارش کے پانی سے محفوظ ہوجاتا ہے، اسی طرح صدقہ کی وجہ سے انسان بہت ساری بیماریوں اور پریشانیوں سے محفوظ ہوجاتا ہے۔

صدقہ میں کالے بکرے کا ذبح جائز نہیں

لیکن ہمارے یہاں یہ رواج ہے کہ جب کسی کی جان پر بن جاتی ہے تو جان بچانے کے لئے خاص کالے بکرے کا صدقہ لازم اور معین سمجھا جاتا ہے مثلاً اگر کسی کا باپ مر رہا ہے یا ماں مر رہی ہے یا بیٹا اسپتال میں داخل ہے اور اس کا آپریشن ہونے والا ہے تو اس وقت صدقہ کا خیال آتا ہے کہ جلدی سے

کالا بکرا لاؤ، اور اس کو ذبح کر کے صدقہ دیدو تا کہ جان بچ جائے۔ یاد رکھئے! جان کے بدلہ جان کا صدقہ دینا یہ لوگوں کا غلط عقیدہ ہے اور اپنی طرف سے کالا بکرا صدقہ کے لئے متعین کرنا جائز نہیں ہے، اس غلط عقیدے سے اور کالے بکرے کو لازم سمجھنے سے بچنا چاہئے۔ از روئے شرع صدقہ میں کوئی بھی چیز دی جاسکتی ہے، کوئی خاص چیز مقرر اور لازم نہیں ہے، بلکہ بہتر یہ ہے کہ جس چیز کے ذریعہ فقیر کی ضرورت زیادہ آسانی سے پوری ہو، ایسی چیز صدقہ میں دیں اور یہ بات ہم جانتے ہیں کہ فقیر کی ضرورت زیادہ آسانی کے ساتھ اکثر پیسوں سے پوری ہوتی ہے، اس لئے جب استطاعت ہو تو پیسے صدقہ کرنے چاہئیں اور بغیر متعین کئے کوئی بھی چیز صدقہ کی جاسکتی ہے۔ بہرحال! کسی مصیبت و پریشانی میں بکرا اور وہ بھی کالا خیرات کرنے سے بچنا چاہئے۔

جان کے بدلے جان کا عقیدہ غلط ہے

جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا کہ بکرا صدقہ کرنے میں ایک غلط عقیدہ پوشیدہ ہے، وہ یہ کہ جان کے بدلے جان دینا ضروری ہے، تب مرنے والے کی جان بچ سکتی ہے ورنہ نہیں بچ سکتی، یہ عقیدہ غلط ہے، کیونکہ شریعت میں سوائے دو جگہوں کے کسی اور جگہ پر جان دینا ثابت نہیں، ایک قربانی میں اور ایک عقیقے میں، قربانی میں بھی جان دی جاتی ہے اور عقیقہ میں بھی بکرا ذبح کیا جاتا ہے، لیکن مصیبت اور تکلیف کے وقت کالا بکرا ذبح کرنا شریعت میں نہیں ہے، اس لئے ایسے موقع پر بکرا ذبح کرنے سے پرہیز کرنا چاہئے۔

بکرے کے بجائے نقد رقم کا صدقہ

لہٰذا نفلی صدقہ میں سب سے بہتر یہ ہے کہ نقد رقم دیدیں اور وہ رقم بھی بکرے کی قیمت کے برابر ہونا ضروری نہیں۔ جب کسی شخص کو منع کیا جاتا ہے کہ صدقہ میں کالا بکرا مت دو، تو فوراً وہ شخص سوال کرتا ہے کہ اچھا کیا بکرے کی قیمت دیدیں؟ حالانکہ اگر بکرے کی قیمت صدقہ میں دیدی تب بھی تصور میں تو بکرے کا صدقہ ہوگا اگرچہ ظاہراً نہ ہوا، اور جب اصل غلط ہے تو اس کا تصور بھی غلط ہے، لہٰذا نہ بکرا دیں اور نہ بکرے کی قیمت دیں بلکہ حسب استطاعت صدقہ دیدیں، چاہے وہ بکرے کی قیمت سے دس گنا زیادہ ہو یا دس گنا کم ہو، بس اللہ کی رضا کے لئے حسب استطاعت صدقہ دیدو۔

صدقہ کا معمول بنالیں

بہرحال! تکلیف اور پریشانی کے وقت بھی صدقہ کرنا مفید ہے، لیکن صدقہ کا حقیقی فائدہ اور حقیقی ثمرہ صدقہ دینے کا معمول بنانے سے ظاہر ہوگا، اب جو چاہے آزما کر دیکھ لے۔ آج کل کوئی گھر بیماری سے خالی نہیں، اس لئے سب سے زیادہ کامیاب کاروبار ڈاکٹروں کا ہے۔ میرے ایک دوست ڈاکٹر ہیں، وہ کہتے ہیں کہ کراچی میں کلینک اتنا چلتا ہے کہ اتنا کسی اور شہر میں نہیں چلتا، اس لئے کہ یہاں مریضوں کی کوئی کمی نہیں، جہاں بیٹھ جاؤ مریضوں کی لائن لگی ہوئی ہے، کوئی گھر مریضوں سے خالی نہیں، گویا ہر گھر ایک لحاظ سے

اسپتال ہے جہاں مریض ہی مریض ہیں، اگر محلّے میں ایک ڈاکٹر ہوتو وہ پورے محلّے کا ڈاکٹر ہے، اس ڈاکٹر کو پھر کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں، پہلے تو صرف بوڑھوں کو بیماریاں ہوتی تھیں، اب ہم دیکھتے ہیں کہ بچہ، بوڑھا، جوان، تینوں بیماری میں برابر ہیں، تینوں گولیاں کھا رہے ہیں۔ الا ماشاء اللہ۔

صدقہ کی برکات

صدقہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ برکت بھی رکھی ہے کہ جس گھر سے مسلسل صدقہ نکلتا رہے گا، اس گھر میں دواؤں کا آنا بند ہو جائے گا اور اس گھر کو دواخانہ سے نجات مل جائے گی، انشاء اللہ! یہ سب بزرگوں کے تجربات عرض کر رہا ہوں، چنانچہ بعض بزرگوں نے بتایا کہ ہمارے یہاں کوئی بیماری نہیں اور کوئی تکلیف نہیں۔ اس کی وجہ انہوں نے یہ بتائی کہ جب سے ہم نے نفلی صدقہ نکالنے کا اہتمام کیا، اس وقت سے ہمارے گھر میں دوا کی شیشی آنا بند ہوگئی اور ڈاکٹروں سے دوستی ختم ہوگئی۔ اور صدقہ سے صرف جسمانی بیماریاں ہی دور نہیں ہوتیں بلکہ دوسری آفات اور بلیات بھی اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے دور فرما دیتے ہیں۔

ان کاموں پر کوئی خرچ نہیں

بہر حال! یہ تین کام ایسے ہیں کہ اگر ہم ان تین کاموں کا معمول بنالیں تو انشاء اللہ گھر کے اندر سے بہت حد تک بیماریاں، پریشانیاں اور تکلیفیں،

آفات اور حادثات ختم ہو جائیں گے۔ اگر گھر کے اندر ان کا معمول ہو تو گھر انشاء اللہ تعالیٰ محفوظ ہوگا، اگر دکان پر ان کا معمول بنالیں تو وہ دکان محفوظ ہو جائے گی اور اگر کارخانہ میں ان کا معمول بنالیں تو انشاء اللہ تعالیٰ وہ کارخانہ محفوظ ہوگا۔ بہرحال! بسم اللہ پڑھنے اور آیت الکرسی پڑھنے اور صدقہ دینے کے انوار و برکات گھر، دکان اور کارخانہ سب جگہوں پر آپ محسوس کریں گے، ان کاموں پر نہ کوئی وقت صرف ہوتا ہے نہ زیادہ پیسے خرچ ہوتے ہیں۔

معمول بنانے والوں کا تجربہ

جن حضرات نے ان تین کاموں کا معمول بنایا ہوا ہے، وہ اپنی زبان سے کہتے ہیں کہ الحمد للہ، ہمیں ان کاموں کی وجہ سے اپنی حفاظت صاف محسوس ہوتی ہے، آدمی کسی قلعہ کے اندر اپنے آپ کو اتنا محفوظ نہیں سمجھتا، جتنا آیت الکرسی پڑھنے کے بعد اپنے آپ کو محفوظ سمجھتا ہے۔ چونکہ ہم سب اس کے محتاج ہیں، اس لئے ہم سب اس سے فائدہ اٹھائیں، آج چوروں کا بازار گرم ہے، ڈاکوؤں کی حکومت ہے، ہر طرف بے اطمینانی اور بے سکونی کا دور دورہ ہے، لہٰذا اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم اپنی جان بھی محفوظ کریں اور اپنا مال بھی محفوظ کریں،اس کے لئے یہ بہترین عمل ہے، اور ان تینوں کاموں کا ماخذ قرآن وحدیث ہیں جن سے ان کا ثبوت ہے،اس لئے آج سے ہم سب ان تینوں کاموں کا معمول بنالیں۔

ریل گاڑی میں حفاظتِ خداوندی کا واقعہ

اور اگر گاڑی کے اندر آیت الکرسی پڑھ لے تو وہ پڑھنے والا بھی اور اس کی گاڑی بھی بفضلہٖ تعالیٰ محفوظ ہو جاتی ہے۔ کئی دوستوں نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کئی حادثات سے بچایا اور یہ سب برکت اور حفاظت آیت الکرسی پڑھنے کی ہے۔ ایک واقعہ یاد آیا کہ چند سال پہلے گھوٹکی کے قریب ریل گاڑی کا بہت ہولناک حادثہ پیش آیا، آج تک اس جیسا ہولناک واقعہ کبھی پاکستان کی تاریخ میں پیش نہیں آیا، اس ریل گاڑی کا ایک ڈبہ جو سواروں سے بھرا ہوا تھا، اس حادثہ میں اس ڈبہ کے تمام سواروں میں سوائے ایک آدمی کے کوئی نہیں بچا، سب کا قیمہ بن گیا، جب اس شخص کو اسپتال میں ہوش آیا تو وہ حیران ہوا کہ میں یہاں کہاں آ گیا؟ اس لئے کہ وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ میں ریل کی برتھ پر سو رہا ہوں، اب آنکھ کھلی تو وہ اسپتال کے بستر پر پڑا ہوا تھا۔ لوگوں نے اس کو بتایا کہ تمہیں کچھ پتہ نہیں، تمہاری ریل پر کیا قیامت گزر گئی اور سخت حادثہ ہو گیا، جس وقت ہم زخمیوں کو جمع کر رہے تھے تو تم اپنی برتھ کے ساتھ ایک درخت کے اوپر تھے اور وہاں پر بے ہوش تھے، ہم نے وہاں سے تم کو اتارا ہے اور اسپتال میں لا کر داخل کیا ہے، اب تمہیں ہوش آیا ہے، لہٰذا یہ بتاؤ کہ تم نے کونسا ایسا عمل کیا تھا جس کی وجہ سے تم بحفاظت درخت پر پہنچ گئے اور وہاں سے اسپتال پہنچا دیے گئے؟ اس نے بتایا کہ مجھے تو کچھ پتہ نہیں، البتہ میرا روزانہ کا معمول ہے کہ عشاء کی نماز کے بعد جب میں سوتا ہوں تو آیت الکرسی

پڑھ کر دم کر کے سوتا ہوں، گاڑی میں میرے پاس برتھ موجود تھی، میں نے معمول کے مطابق جب سونے کا ارادہ کیا تو آیت الکرسی پڑھ کر اپنے اوپر دم کرلیا اور سو گیا۔ لوگوں نے بتایا کہ بس یہ آیت الکرسی کی برکت ہے کہ پورے ڈبے میں تمہارے علاوہ کوئی شخص نہیں بچا اور اس طرح بچے کہ حادثہ کی وجہ سے گاڑی کی چھت پھٹ گئی اور جھٹکے کی وجہ سے برتھ اپنی جگہ سے اکھڑ گئی اور اڑ کر درخت پر جاکر اٹک گئی اور اسی جھٹکے میں تم بے ہوش ہو گئے۔ بہر حال دیکھئے! آیت الکرسی کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اس کی کیسی حفاظت فرمائی؟ لہٰذا جب بھی گاڑی میں بیٹھو، چاہے اسکوٹر ہو، چاہے سائیکل ہو، چاہے ہوائی جہاز ہو، بس آیت الکرسی پڑھنا مت بھولو، انشاء اللہ تعالیٰ حفاظت رہے گی۔

اسم اعظم

آیت الکرسی میں ایک اور فضیلت بھی موجود ہے، وہ یہ کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ دو آیتوں کے اندر ''اسم اعظم'' ہے، ایک آیت الکرسی کے اَللّٰهُ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ والے حصے میں ہے اور دوسرے الٓمّٓ اَللّٰهُ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ میں ہے، ان دونوں آیتوں میں اسم اعظم ہے، اور اسم اعظم پڑھنے کے بعد جب کوئی شخص دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا ضرور قبول فرماتے ہیں۔

کسی عامل کے پاس جانیکی ضرورت نہیں

بہر حال! اگر ہم ہر اہم کام کے شروع میں بسم اللہ پڑھنے کی عادت

ڈال لیں اور نفلی صدقہ کا معمول بنالیں اور آیت الکرسی، سورۂ فلق اور سورۂ ناس کے پڑھنے کا دائمی معمول بنالیں، مرد حضرات بھی اور خواتین بھی، بچے اور بوڑھے بھی، تو نہ جانے کتنی تکلیفوں سے، کتنی بیماریوں سے، کتنی ایذاء دینے والی چیزوں سے اور سحر و آسیب سے محفوظ ہو جائیں، پھر انشاء اللہ تعالیٰ کسی عامل کے پاس جانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

خلاصہ

بہرحال! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ آیت اور حفاظت کی دیگر چیزیں ملی ہوئی ہیں، اب اگر ہم ان پر عمل نہ کریں تو یہ ہمارا ہی قصور ہے اور ہماری کوتاہی ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ہماری جان اور ہمارے مال کی حفاظت کے لئے اور آخرت کے اجر و ثواب کے لئے یہ ایسی ایسی نادر چیزیں عطا فرما رکھی ہیں، اللہ جل شانہ اپنے فضل سے ہمیں ان کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

و آخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین

وصلی اللّٰہ تعالٰی علی النبی الکریم محمد

و آلہ واصحابہ اجمعین ط

فضائل سورۂ یٰسین شریف

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی بیانات : جلد نمبر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

فضائل سورۂ یٰسین شریف

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَاوَنَبِیَّنَا وَ مَوْلَا نَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْرًا۔

أَمَّا بَعْدُ ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ٥ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٥ یٰسٓ ٥ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ ٥ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ٥ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ٥ تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ ٥ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ ۔

تمہید

گذشتہ منگل کو بیان کے آخر میں یہ عرض کیا تھا کہ انشاء اللہ تعالیٰ آپ حضرات

کی خدمت میں دو ایسے عمل بیان کیے جائیں گے جن کو اختیار کرنے سے اختیار کرنے والوں کی مغفرت بھی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا بھی حاصل ہوتی ہے اور عظیم اجر وثواب حاصل ہوتا ہے۔ ان تمام چیزوں کا حاصل ہونا آخرت کے عظیم مقاصد میں سے ہے، وہاں پر ہر بندے کو ان چیزوں کی سخت ضرورت ہوگی، انہی عظیم دولتوں کو اور نعمتوں کو یہاں رہتے ہوئے ساری زندگی حاصل کرنا ہے، اب ہم ان نعمتوں کو جتنا بھی زیادہ سے زیادہ حاصل کریں وہ کم ہیں، جتنی نعمتیں بھی حاصل کرلیں، اس کے باوجود ہم اس سے زیادہ کے محتاج ہوں گے اور اس کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہی کام بنے گا، مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت عمل کرنے والوں پر ہوگی۔

اللہ کے غفور الرّحیم ہونے کا مطلب

جو لوگ ''العیاذ باللہ'' یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بڑے غفور الرّحیم ہیں، اس لئے نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں، روزہ رکھنے کی ضرورت نہیں، زکوٰۃ دینے کی ضرورت نہیں، گناہ چھوڑنے کی ضرورت نہیں، رات دن گا نا گا رہے ہیں، گانا سن رہے ہیں، فلمیں دیکھ رہے ہیں، ڈرامے دیکھ رہے ہیں، عورتیں بے پردگی اختیار کررہی ہیں، اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ یہ سب گناہ کے کام ہیں، ان سے بچنا چاہئے تو جواب میں یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بڑے غفور الرّحیم ہیں، سب بخش دیں گے۔ یاد رکھیے! یہ نفس وشیطان کا دھوکہ ہے، اللہ جل شانہ بلاشبہ غفور الرّحیم

ہیں، رحمٰن ورحیم ہیں، لیکن ان لوگوں کے لئے جو نادانستہ طور پر گناہ کر بیٹھیں، یا دانستہ گناہ کرنے کے بعد نادم اور شرمندہ ہوجائیں اور اپنے کیے پر پچھتانے لگیں اور اللہ تعالیٰ سے رجوع کر کے گڑگڑانے لگیں اور معافی مانگنے لگیں تو ایسے بندوں کے لئے وہ بلاشبہ غفور الرّحیم ہیں اور وہ ایسے بندوں کی ضرور بخشش فرمائیں گے۔

اللہ تعالیٰ شدید العقاب بھی ہیں

لیکن جو لوگ گناہوں پر جمنے والے ہیں اور اصرار کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے غلط فائدہ اٹھانے والے ہیں، ایسے لوگوں کو عام طور پر توبہ کی بھی توفیق نہیں ہوتی اور ایسے لوگوں کا خاتمہ بھی ایمان پر نہیں ہوتا، پھر ان کی کہاں سے بخشش ہوگی، ان پر تو عذاب ہی ہوگا۔ اس لئے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ غفور الرّحیم ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ سریع الحساب بھی ہیں، یعنی جلد حساب لینے والے بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ شدید العقاب بھی ہیں، یعنی سخت سزا دینے والے بھی ہیں، ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے شدید العقاب اور سریع الحساب ہونے کو یاد رکھنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنی چاہئے۔

گناہوں کو چھوڑنا ضروری ہے

وہ دو عمل جو میں انشاء اللہ تعالیٰ ابھی عرض کروں گا، ان کے بارے میں اور

ان کے علاوہ وہ بہت سارے اعمال جو اگرچہ بظاہر دیکھنے میں چھوٹے عمل ہیں اور آسان اور مختصر عمل ہیں، لیکن اس پر اللہ جل شانہ کی طرف سے جو اجر و ثواب ہے اور جو فضائل و برکات ہیں وہ، بہت زیادہ ہیں، لہٰذا جو شخص ان اعمال کو کرے گا اور اس کے ساتھ ساتھ گناہوں سے بھی بچے گا تو انشاء اللہ تعالیٰ یہ فضائل و برکات ظاہر ہوں گی۔ لیکن اگر کسی شخص نے ان اعمال کو تو انجام دیا، مگر ان کے ساتھ ساتھ گناہوں سے اجتناب نہیں کیا، بلکہ گناہوں پر جمارہا اور رات دن گناہوں میں ڈوبا رہا اور گناہوں سے بچنے کا اہتمام نہ کیا تو پھر وہ شخص یہ بات یاد رکھے کہ جس طرح نیک کاموں کا صلہ اجر و ثواب ہے، اسی طرح گناہوں کا بدلہ سزا بھی ہے، لہٰذا اس شخص کو پھر اپنے گناہوں کی سزا بھگتنی پڑے گی، اگر توبہ کرلے تو ٹھیک ہے ورنہ آخرت میں اس کو جہنم میں ڈالا جائے گا، پھر جب وہ اپنے گناہوں کی سزا پالے گا اور گناہوں سے پاک صاف ہو جائے گا، اس کے بعد پھر ان نیک اعمال کی بدولت جنت کا مستحق بن کر جنت میں چلا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا مستحق بن جائے گا۔

دوا سے زیادہ پرہیز ضروری ہے

اس لئے کوئی شخص اس دھوکے میں نہ رہے کہ میں تو فلاں عمل کرتا ہوں اور اس کا یہ ثواب ہے اور اس کی فضیلت ہے، لہٰذا مجھے گناہ چھوڑنے کی کیا ضرورت ہے؟ یاد رکھیئے! یہ شیطان کا دھوکہ ہے، نفس کا دھوکہ ہے، اس لئے کہ صحتِ جسمانی

کے لئے جس طرح دوا کی ضرورت ہے، اسی طرح پرہیز بھی ضروری ہے، اگر کوئی شخص دوا بھی پیتا رہے اور اس کے ساتھ ساتھ بد پرہیزی بھی کرتا رہے تو ظاہر ہے کہ اس کی بیماری دور نہیں ہوگی بلکہ پہلے سے زیادہ اس کا مرض بڑھ سکتا ہے، کیونکہ پرہیز نہ کرنے کے نتیجے میں دوا بھی بے اثر ہو جاتی ہے اور بیماری دور ہونے کے بجائے پیچیدہ ہو جاتی ہے، اس لئے پرہیز تو بہت ہی ضروری ہے۔ بعض اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک آدمی نے بیماری کے دوران دوا تو کوئی نہیں کھائی، لیکن پرہیز خوب کر لیا، اسی پرہیز کے نتیجے میں وہ صحت یاب ہو گیا۔

گناہوں سے بچنا پرہیز ہے

تو جس طرح جسمانی بیماریوں میں دوا کے ساتھ پرہیز ضروری ہے، ایسے ہی روحانی امراض کے اندر بھی دوا اور پرہیز دونوں ضروری ہیں، اعمالِ صالحہ ان روحانی امراض کی دوا ہیں اور گناہوں سے بچنا پرہیز ہے، آدمی کو چاہیے کہ دن رات اعمالِ صالحہ کی طرف متوجہ رہے اور ان کی عادت بنائے اور ساتھ ساتھ دن رات اس بات کا بھی دھیان رکھے کہ میرے سے کوئی گناہ تو سرزد نہیں ہو رہا ہے، کیونکہ اگر اس نے گناہوں سے بچنے کا اہتمام نہ کیا تو اس نے نیک اعمال کے ذریعہ جو نیکیاں کمائی ہیں، وہ بھی غارت ہو جائیں گی۔

ایک خوب صورت مثال

اس پر حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم کی بیان کردہ

مثال یاد آئی۔ حضرت والا کو اللہ تعالیٰ نے مثالوں کے ذریعہ دین کی باتیں سمجھانے کا خصوصی ملکہ عطا فرمایا ہے، یہ درحقیقت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا فیض ہے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے مثالیں دیکر بات سمجھانے کا بڑا ملکہ عطا فرمایا تھا۔ بہر حال! حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم نے یہ مثال بیان فرمائی کہ جون جولائی کی خوب گرمی پڑ رہی ہے، چلچلاتی دھوپ ہے، گرم ہوا چل رہی ہے، ایک شخص اس دھوپ میں اس طرح کھڑا ہے کہ اس کے تن پر کپڑے نہیں ہیں، پیروں میں چپل نہیں ہے، ننگے جسم، ننگے سر، ننگے پیر ہے، بس صرف ستر چھپانے کی حد تک اس کے جسم پر کپڑا ہے، دوپہر کا وقت ہے، بتایئے اس شخص کا کیا حال ہوگا، وہ کس اذیت اور تکلیف میں ہوگا، وہ کس قدر بے چین اور بے قرار ہوگا اور گرمی اس کے لئے کس قدر نا قابلِ برداشت ہوگی۔ اب دوسرا آدمی اس شخص سے کہتا ہے کہ تم یہاں کہاں دھوپ میں کھڑے ہو، یہاں تم کس قدر تکلیف اور اذیت میں ہو، چلو میرے ساتھ، میں تمہیں اپنے کمرے میں لے کر چلتا ہوں۔

اے سی والے کمرے میں انگیٹھیاں

چنانچہ وہ فوراً اس کو اپنے کمرے میں لے گیا جس میں ہر طرح کی راحت ہے، سہولت اور آسانیاں ہیں اور اے سی چل رہا ہے اور نہایت ٹھنڈا کمرہ ہے اور پینے کا ٹھنڈا پانی موجود ہے، اس شخص کو اس کمرے میں نہایت آرام اور سکون ملا،

اور اس کی رگ رگ ٹھنڈی ہوگئی اور اس کی ساری گرمی کافور ہوگئی اور سارا غم ختم ہو گیا۔ لیکن ایک گھنٹہ کے بعد اس کمرے کے مالک نے دو انگیٹھیاں تیار کرائیں اور اس میں کوئلے بھروائے اور آگ سلگوائی، جب انگیٹھیوں میں آگ تیز ہوگئی تو اس نے حکم دیا کہ ان انگیٹھیوں کو اے سی والے کمرے میں رکھ دو، ایک کونے میں ایک انگیٹھی اور دوسرے کونے میں دوسری انگیٹھی رکھ دی گئی، کمرہ بند ہے اور اے سی بھی چل رہا ہے۔

کمرہ گرم ہو جائے گا

تھوڑی دیر کے بعد وہ کمرہ جس میں ٹھنڈک تھی اور بڑا آرام دہ معلوم ہو رہا تھا، آہستہ آہستہ اس کی ٹھنڈک مغلوب ہو جائے گی اور آگ کی گرمی اس پر غالب آجائے گی اور کمرے میں دھواں بھر جائے گا، کمرے کے اندر کی حالت باہر سے زیادہ خراب ہو جائے گی، سانس لینا مشکل ہو جائے گا اور اے سی بھی اپنا کام کرنا چھوڑ دے گا، وہ کمرہ نہایت سخت گرم ہو جائے گا اور نہایت تکلیف دہ ہو جائے گا اور دم گھٹنے لگے گا، وہ شخص اس کمرے سے نکلنے پر مجبور ہو جائے گا اور وہ کہے گا کہ میرے لئے تو باہر کی گرمی اس سے اچھی ہے اور ایک دم اس کمرے سے نکل کر بھاگے گا۔

گناہ کا نتیجہ گرمی ہے

یہ مثال دے کر فرمایا کہ پہلے جب وہ دھوپ میں کھڑا تھا، وہ اس کے گناہوں

کی ابتداء تھی، جب اس نے توبہ کی اور اعمالِ صالحہ اختیار کیے تو گویا وہ اے سی والے کمرے میں آ گیا، ایسے اعمالِ صالحہ جس کے ساتھ گناہ نہ ہوں، اے سی والا کمرہ اس کا نمونہ ہے، اس میں آرام ہے، راحت ہے، اس میں چین ہے، سکون ہے، گرمی کا بھی پتہ نہیں، گھنٹوں سو جائے تب بھی پرواہ نہیں ہے۔ اور جب اس نے کمرے میں دو انگیٹھیاں رکھ لیں تو یہ بد پرہیزی کی مثال ہے، یعنی اس شخص نے آرام و راحت میں آنے کے بعد دوبارہ گناہ کرنے شروع کر دیے، اب اس نے اعمال صالحہ کے ساتھ بد اعمالیوں کو بھی شامل کرنا شروع کر دیا، گناہوں کا ارتکاب بھی شروع کر دیا، فسق و فجور بھی شروع کر دیا، ایک طرف وہ نماز بھی پڑھتا ہے اور روزے بھی رکھتا ہے، زکوۃ بھی دیتا ہے، حج بھی کر رکھا ہے، ذکر بھی کرتا ہے، قرآن کریم کی تلاوت بھی کر لیتا ہے، عزیز و اقارب کے ساتھ صلہ رحمی بھی کرتا ہے، صدقہ خیرات بھی کرتا ہے، مگر ان نیک کاموں کے ساتھ ساتھ وہ ٹی وی بھی دیکھتا ہے، فلمیں بھی دیکھتا ہے، گانے بھی سنتا ہے، ڈرامے بھی دیکھتا ہے، بدنگاہی بھی کرتا ہے، جھوٹ بھی بولتا ہے، غیبت بھی کرتا ہے، بدزبانی بھی کرتا ہے، الزام تراشی بھی کرتا ہے، تہمتیں بھی لگاتا ہے، بے جا مذاق بھی کرتا ہے، ماں باپ کو بھی ستاتا ہے، بیوی بچوں پر بھی زیادتی کرتا ہے، اہل حقوق کے حقوق میں کوتاہیاں بھی کرتا ہے، تو یہ شخص ایسا ہی ہے جیسے اے سی والے بند کمرے میں انگیٹھیاں رکھنے والا۔ جس طرح اس شخص نے اے سی والے کمرے کی افادیت کو

ختم کردیا، اسی طرح جو شخص نیک اعمال کے ساتھ گناہوں سے نہ بچے تو وہ بھی اپنے دل کے سکون کو برباد کرنے والا ہے اور اپنی نیکیاں برباد کرنے والا ہے، لیکن اگر گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرے اور توبہ کرلے تو پھر اس کو راحت اور سکون حاصل ہوجائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ راحت حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ بد پرہیزی سے بچے، جسمانی بیماری ہو یا روحانی بیماری ہو، دونوں میں دوا کے ساتھ ساتھ پرہیز کرنا ضروری ہے۔

گناہوں سے بچنے کا اہتمام نہیں

اسی لئے لوگوں کو اللہ والوں کی صحبت میں جانے کے بعد فائدہ نہیں ہوتا، کوئی بیس سال سے، کوئی دس سال سے اور کوئی پانچ سال سے اللہ والوں کی خدمت میں آرہا ہے، بیان بھی سنتا ہے اور ان کی صحبت بھی اٹھاتا ہے، لیکن ان کی زندگی پر کوئی اثر نظر نہیں آتا۔ یاد رکھیے! اس کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ اس زمانے میں عام لوگوں میں یہ بات دیکھنے میں آرہی ہے کہ اللہ والوں کی صحبت میں آنے جانے سے لوگ چند معمولات کے تو پابند ہوجاتے ہیں، کچھ نیک اعمال کی بھی توفیق ہونے لگتی ہے، لیکن وہ لوگ گناہوں سے بچنے کی کوشش اور اس کا اہتمام نہیں کرتے۔

بدنگاہی میں اب بھی مبتلا ہیں

اگر بدنگاہی کے گناہ میں پہلے مبتلا تھے تو اب بھی مبتلا ہیں، جب داڑھی کالی

تھی تو اس وقت بھی بدنگاہی کے عادی تھے، پھر جب داڑھی آدھی کالی اور آدھی سفید ہوگئی تو پھر بھی بدنگاہی ہورہی ہے، بوڑھے بھی اس گناہ کے اندر مبتلا ہیں، ادھیڑ عمر والے بھی اس گناہ کے اندر مبتلا ہیں، جوان بھی مبتلا ہیں، نوجوان بھی مبتلا ہیں۔ اسی طرح دوسرے گناہوں کا معاملہ ہے کہ لین دین کے اندر صفائی نہیں ہے، معاملات کے اندر صفائی نہیں ہے، جھوٹ بولنے کی عادت ہے، غیبت کرنا تو عام بات ہے، ٹی وی دیکھنا تو کوئی گناہ ہی نہیں سمجھا جاتا، لہٰذا یہ بات تو دیکھنے میں آتی ہے کہ کچھ نیک اعمال تو کرلیتے ہیں، لیکن گناہ نہیں چھوڑتے۔

قرب کے لئے گناہ چھوڑنا لازم ہے

بہرحال! ان اعمالِ صالحہ کو ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ کچھ نیک کام کرلینے کے بعد کچھ اور کرنے کی ضرورت نہیں۔ یاد رکھیے! ان کے علاوہ بھی بہت کچھ کرنے کی ضرورت ہے اور اس کے ساتھ ساتھ پرہیز اور زیادہ اہم اور ضروری ہے، چنانچہ پہلے زمانے میں جو لوگ اللہ والوں کے پاس جایا کرتے تھے، وہ نفلوں کا تو زیادہ اہتمام نہیں کرتے تھے، مگر سب سے زیادہ گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرتے تھے، اس لئے ان کو فائدہ بہت جلد ہوتا تھا اور وہ لوگ بہت جلد اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرلیتے تھے۔ یاد رکھو! گناہ چھوڑے بغیر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں ہوسکتا، چاہے آدمی تسبیحات زیادہ نہ پڑھے، تلاوت زیادہ نہ کرے، نفلی عبادت زیادہ نہ کرے، لیکن گناہوں سے زیادہ بچے۔ جو شخص گناہوں

سے بچے گا، اس کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت ہے۔

سب سے زیادہ عبادت گزار کون؟

چنانچہ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اتق المحارم تكن اعبد الناس

فرمایا کہ تو حرام اور ناجائز کاموں سے بچ، سب سے زیادہ عبادت گزار بن جائے گا۔ اب اس سے بڑھ کر اور بشارت کیا ہوگی؟ ایک شخص ایک ہزار رکعت نفل پڑھتا ہے اور دوسرا آدمی ایک غیبت سے بچتا ہے تو یہ ایک غیبت سے بچنے والا ایک ہزار رکعت نفل پڑنے والے سے افضل ہے۔ ایک آدمی ایک ہزار روزے رکھتا ہے اور دوسرا آدمی ایک جھوٹ سے بچتا ہے، یہ ایک جھوٹ سے بچنے والا ایک ہزار روزے رکھنے والے سے افضل ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ایک ہزار نفل اور ایک ہزار روزے یہ سب مستحب ہیں اور نفل ہیں اور حرام سے بچنا فرض ہے، ظاہر ہے کہ فرض نفل سے افضل ہے، اب اگر کوئی آدمی فرض کی ادائیگی میں تو کوتاہی کرے، اور نفل کا اہتمام کرے تو یہ کوئی عقل مندی نہیں، عقل مندی کا تقاضا یہ ہے کہ فرائض کا پہلے اہتمام کرے اور اس کے ساتھ ساتھ نوافل کا بھی اہتمام رکھے، اس لئے کہ دونوں کا اہتمام کرنا نـور عـلـیٰ نور ہے، اس شخص کی کامیابی یقینی ہے۔

صبح شام سورۂ یٰسین کا معمول

بہر حال! وہ دو عمل جن کے کرنے کا بڑا ثواب ہے، ان میں سے ایک عمل یٰسین شریف پڑھنے کا ہے۔ ویسے بھی مسلمان خواتین و حضرات یٰسین شریف پڑھا ہی کرتے ہیں، لیکن میں اس کے کچھ فضائل بیان کرنا چاہتا ہوں، تاکہ جو لوگ پہلے سے پڑھتے ہیں، وہ اور زیادہ توجہ اور دھیان سے پڑھیں اور جو لوگ نہیں پڑھتے، وہ پڑھنا شروع کر دیں۔ اس کے معمول کے بارے میں عرض کروں گا کہ اس کو ایک مرتبہ صبح اور ایک مرتبہ شام کو پڑھا کریں، اس لئے کہ احادیث میں صبح اور شام کو پڑھنے کی الگ الگ فضیلت آئی ہے، لہٰذا اگر یہ نفلی عمل صبح شام ہو تو بہتر ہے، تاکہ صبح کی فضیلت بھی حاصل ہو اور شام کی فضیلت بھی حاصل ہو اور اگر کوئی شخص ایک ہی مرتبہ پڑھے تو پھر بہتر یہ ہے کہ صبح کے وقت پڑھ لیا کرے لیکن اگر کسی وجہ سے صبح نہ پڑھ سکے تو پھر شام ہی کو پڑھ لے، شام کو پڑھنے کا موقع نہ ملے تو رات کو پڑھ لے، لیکن پڑھے ضرور، ناغہ نہ کرے۔

سورۂ یٰسین یاد کرلیں

حافظوں کو اس کا پڑھنا کیا مشکل ہے، وہ تو مسجد میں جاتے ہوئے اور واپس آتے ہوئے پڑھ لیں، اللہ تعالیٰ نے تو ان کو بہت بڑی دولت عطا فرمائی ہے، اس لئے ان کے لئے تو یہ کوئی مشکل کام نہیں، اور جن کو زبانی یاد نہیں، وہ اس

کو زبانی یاد کرلیں۔ سورۂ یٰسین اور سورۂ تبارک الذی کو یاد کرنا کیا مشکل ہے، یہ تو ایسی سورتیں ہیں کہ ہر مؤمن کے دل میں محفوظ ہونی چاہئیں، تا کہ جو شخص جہاں کہیں بھی ہو، چاہے گھر پر ہو یا سفر پر ہو، وہ ان کی تلاوت سے محروم نہ رہے۔

سورۂ یٰسین یاد کرنے کا طریقہ

اور زبانی یاد کرلینا کوئی مشکل کام نہیں، جس شخص کا ذہن کند ہو، وہ بھی یاد کرسکتا ہے، حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم کا قرآن شریف حفظ یاد کرنے کا نسخہ یاد آیا، یہی نسخہ قرآن شریف حفظ کرنے کا بھی ہے اور یہی نسخہ سورۂ یٰسین اور سورۂ تبارک الذی یاد کرنے کا بھی ہے۔ چنانچہ ایک بیان میں حضرت والا نے فرمایا کہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن شریف حفظ کرنا حافظوں کا کام ہے، ہم حفظ نہیں کر سکتے، اور جو لوگ بوڑھے ہو جاتے ہیں، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم تو بوڑھے طوطے ہو گئے، اب ہم قرآن شریف بھی صحیح طور پر پڑھ نہیں سکتے تو حفظ کیا کریں گے۔

حضرت نے فرمایا کہ قرآن شریف حفظ کرنا ہر عمر کے لوگوں کے لئے آسان ہے، جس طرح بچوں کے لئے آسان ہے، اسی طرح جوانوں کے لئے اور نوجوانوں کے لئے، ادھیڑ عمر والوں کے لئے، یہاں تک کہ بوڑھوں کے لئے بھی آسان ہے اور فرمایا کہ اس کا آسان نسخہ یہ ہے کہ روزانہ ایک آیت یاد کرلیا کرو، یہ ضروری نہیں کہ روزانہ آدھا رکوع یا آدھا صفحہ ہو، جن لوگوں کے ذہن کمزور

ہیں، وہ لوگ آدھے رکوع کا نام سن کر مایوس ہو جاتے ہیں کہ ہم روزانہ آدھا رکوع کیسے یاد کر سکتے ہیں، ہم تو اِدھر یاد کرتے ہیں اور اُدھر بھول جاتے ہیں، ان لوگوں کو چاہئے کہ روزانہ ایک آیت یاد کرلیا کریں اور اگر ایک آیت یاد کرنی مشکل ہو تو آدھی آیت یاد کرلیں، پھر اگر ایک آیت یا آدھی آیت روزانہ یاد نہیں ہوتی تو پھر بھی کوئی غم نہیں، ایک ہفتہ میں ایک آیت یاد کرلیا کریں، دوسرے ہفتہ میں دوسری آیت یاد کرلیا کریں۔

قیامت کے روز حافظ اُٹھایا جائے گا

کسی نے حضرت سے سوال کیا کہ اگر کوئی شخص اس طرح یاد کریگا تو اس کا قرآن شریف کب پورا ہوگا؟ اس طرح تو اس کی زندگی ختم ہو جائے گی اور وہ قرآن پورا ہونے سے پہلے قبر میں پہنچ چکا ہوگا۔ حضرت نے فرمایا کہ زندگی میں پورا قرآن شریف یاد کرلینا تو کوئی ضروری نہیں ہے، اس لئے کہ جو شخص قرآن شریف حفظ کرتے کرتے دنیا سے چلا جائے گا تو قبر میں اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ کی ڈیوٹی لگادیں گے جو اس کو پورا قرآن شریف حفظ کرائے گا، اور جب وہ قیامت کے روز قبر سے اُٹھے گا تو وہ حافظوں میں اُٹھایا جائے گا۔ لہٰذا جلدی کرنے کی کیا ضرورت ہے، آرام سے ایک ایک آیت، آدھی آدھی آیت یاد کرتے رہو، یہاں تک کہ اسی میں تمہاری عمر تمام ہو جائے۔

اپنی عمر قرآن میں ختم کردیں

ہمارے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن شریف ختم کرنے کی چیز نہیں، بلکہ ہم اس قابل ہیں کہ ہم اس میں ختم ہوجائیں، لہٰذا اپنی عمر اس کلام پاک میں ختم کرنے کی چیز ہے، یعنی اس کو پڑھتے پڑھتے دنیا سے چلے جائیں۔

دیکھ کر پڑھ لیا کریں

لہٰذا اگر کسی شخص کو سورۂ یٰسین یاد نہیں ہے تو کوئی غم کی بات نہیں، یہ تو کہیں نہیں لکھا کہ پوری یٰسین کو ایک دن کے اندر یاد کرلو، یا روزانہ ایک رکوع یاد کرلو، بلکہ جس کا جیسا ذہن ہے، وہ اس کے مطابق یاد کرے، اس لئے جو شخص روزانہ ایک آیت یاد کرسکتا ہے وہ روزانہ ایک آیت یاد کرے، دوسرے دن دوسری آیت، تیسرے دن تیسری آیت، سورۂ یٰسین کی جتنی آیتیں ہیں، اتنے دن میں سورۂ یٰسین یاد ہوجائے گی انشاء اللہ۔ بالفرض اگر کسی کو سورۂ یٰسین یاد نہیں ہوتی تو نہ سہی، اس لئے کہ زبانی یاد کرکے سورۂ یٰسین پڑھنا کوئی ضروری نہیں، بلکہ وہ تو آسانی اور سہولت کے لئے ہے، وہ بھی ایک نعمت ہے، ایسی صورت میں چھوٹے سائز میں جو سورۂ یٰسین ملتی ہے وہ ہر وقت اپنے ساتھ رکھے، اس میں دیکھ کر پڑھ لیا کرے یا قرآن شریف میں دیکھ کر پڑھ لیا کرے، ہر جگہ قرآن شریف موجود ہیں، گھروں میں بھی قرآن شریف موجود

ہیں۔ البتہ اگر سورۂ یٰسین شریف کو اپنی جیب میں رکھیں تو پھر بیت الخلاء میں جاتے وقت اُس کو نکال کر جائیں، بیت الخلاء میں ساتھ لے کر جانا بے ادبی کی بات ہے۔

دورانِ سفر سورۂ یٰسین پڑھ لیں

اگر انسان بس میں یا کوچ میں سفر کرتا ہے تو سفر کے دوران سورۂ یٰسین شریف پڑھنے کا بہت اچھا موقع ہوتا ہے، اسی طرح تسبیحات پڑھنے کا بھی بہت اچھا موقع ہوتا ہے، اسی وقت کو لوگ عام طور پر باتوں کے اندر اور اِدھر اُدھر جھانکنے اور دیکھنے کے اندر اور خیالات کی دنیا میں گزار دیتے ہیں۔ ارے خیالوں میں گم ہونے سے کیا حاصل، یٰسین شریف میں گم ہونے کی ضرورت ہے، اللہ کے کلام کی دھن دھیان رکھنے کی ضرورت ہے، اللہ کی یاد میں گم ہونے کی ضرورت ہے۔ لہٰذا اس وقت کو ان کاموں میں لگانا چاہئے، ایک طرف سفر بھی طے ہو رہا ہے اور ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی ہو رہا ہے، تسبیحات بھی ہو رہی ہیں، یٰسین شریف بھی پڑھی جا رہی ہے، تلاوت بھی ہو رہی ہے، اگر اور کچھ نہ ہو سکے تو کم از کم دھیان اللہ تعالیٰ کی طرف رکھو، اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان رکھنا ایک فکر ہے اور بعض اعتبار سے فکر ذکر سے افضل ہے۔

قرآن کا دل سورۂ یٰسین

ایک روایت میں آتا ہے کہ ہر چیز کا ایک دل ہے اور قرآن شریف کا دل

یٰسین شریف ہے، جیسے جسمانی دنیا کے اندر دل تمام اعضاء کا سردار ہے، اس کو سلطان الاعضاء کہتے ہیں، اسی طرح دل کی دنیا میں بھی ''دل'' تمام باطنی قوتوں کا سردار ہے، اس لئے اطباء جسمانی بھی دل کا خصوصی خیال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب تک یہ دل حرکت کر رہا ہے، اس وقت تک انسان زندہ ہے اور جب اس دل کی حرکت بند ہو جائے گی، انسان ختم ہو جائے گا۔ بالکل اسی طرح دل کی دنیا میں بھی اطباء روحانی دل کو سدھارنے کی بڑی کوشش کرتے ہیں، وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ دل ہی سب کچھ ہے، اگر یہ دل صحیح ہو گیا تو اس کی ساری دل کی دنیا درست ہو جائے گی اور جب تک اس کا دل صحیح نہ ہوگا اور دل کے احوال اور اس کی کیفیتیں صحیح نہیں ہوں گی، اس وقت تک وہ روحانی امراض میں مبتلا رہے گا اور اس کو روحانی صحت حاصل نہیں ہوگی اور جب تک روحانی صحت حاصل نہیں ہوگی، اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق حاصل نہیں ہوگا۔

دل کو ذاکر بناؤ

بلکہ انسان کے باطن میں جتنی طاقتیں ہیں، صوفیاء کرام ان میں زیادہ توجہ دل کی طرف دیتے ہیں کہ اپنے دل کو ذاکر بناؤ، اس کے اندر اللہ تعالیٰ کی یاد کو بساؤ اور اس کے اندر اللہ تعالیٰ کا دھن دھیان جماؤ، اس دل میں جتنا اللہ تعالیٰ کا دھیان جمے گا، جتنی اس دل میں اللہ تعالیٰ کی یاد بسے گی اتنی انسان کے باطن کی دوسری طاقتیں بھی ذکر بنیں گی، ان کا ذاکر ہونا بھی دل کے ذاکر ہونے پر

موقوف ہے، اس لئے ہمارے سلسلے کے اکابر خاص طور پر دل کی طرف توجہ دیتے ہیں، باقی طاقتوں کی طرف توجہ نہیں دیتے، کیونکہ دوسری طاقتیں دل کے تابع ہیں، اگر بادشاہ قابو میں آجائے تو ساری حکومت اپنے قبضے میں ہے اور اگر بادشاہ قابو میں نہیں ہے تو کچھ بھی قابو میں نہیں۔

ہارون الرشید کا ایک واقعہ

ایک واقعہ یاد آیا، ایک مرتبہ بادشاہ ہارون الرشید کے دل میں عجیب خیال آیا، اس نے حکم دیا کہ شاہی خزانے میں جتنی قیمتی اشیاء ہیں، وہ دربار میں لاکر لگا دی جائیں، چنانچہ سونا، چاندی، ہیرے، جواہرات، یاقوت، نیلم اور تمام قیمتی اشیاء دربار میں لگا دی گئیں، جب سب چیزیں اپنی جگہ پر لگ گئیں اور تمام درباری اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے تو بادشاہ نے حکم دیا کہ دربار کے دروازے بند کردیے جائیں، جب دروازے بند ہوگئے تو بادشاہ نے ایک عجیب اعلان کیا کہ اس وقت دربار میں جتنی اشیاء ہیں، جس شخص کو جو چیز پسند ہو وہ لے لے، بس یہ اعلان سننا تھا کہ اس پُرسکون دربار میں ہنگامہ شروع ہوگیا، اب کوئی شخص سونے کی طرف لپک رہا ہے، کوئی چاندی کی طرف بڑھ رہا ہے، کوئی شخص ہیرے پر ہاتھ مار رہا ہے، جس شخص کے ہاتھ میں جو آرہا ہے، وہ اس کو سمیٹنے میں لگا ہوا ہے۔

عقل مند کنیز

لیکن ایک کنیز جو سیاہ فام تھی، اس نے یہ اعلان سن کر نہ سونے کو ہاتھ لگایا، نہ

چاندی اور ہیرے جواہرات کو ہاتھ لگایا، بلکہ اس نے سیدھے جا کر ہارون الرشید کے سر پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا کہ میں نے یہ لے لیا، اس لئے کہ آپ نے یہ اعلان کیا تھا کہ جو کچھ دربار میں ہے، اس پر جو شخص ہاتھ رکھ دے وہ اس کا ہے، لہٰذا میں بادشاہ پر ہاتھ رکھتی ہوں۔ لوگوں نے کہا کہ اس دربار میں سب سے زیادہ عقلمند یہ عورت تھی اور جو لوگ سونا چاندی کے ڈھیر کی طرف ہاتھ بڑھانے والے تھے، سب بے وقوف تھے، اس لئے کہ بادشاہ جس کا ہوگیا، ساری حکومت اس کی ہوگئی، سارے خزانے اس کے ہوگئے، جو کچھ دربار میں ہے، وہ بھی اس کا ہوگیا اور جو دربار سے باہر ہے وہ بھی اس کا ہوگیا اور دوسرے لوگوں نے تو تھوڑی سی چیز لے لی، بڑی چیز کو چھوڑ دیا۔

بادشاہ کا کنیز سے نکاح

بادشاہ ہارون الرشید بھی حیران ہوگیا کہ اس کنیز نے یہ کیا کیا، مگر چونکہ اعلان مطلق تھا کہ "دربار میں جو کچھ ہے" اور دربار میں ہارون الرشید بھی تھا، اس لئے اس باندی نے کہا کہ میں نے اس اعلان کے مطابق عمل کیا ہے۔ بات اصل میں یہی ہے کہ اس آدمی کو پسند کرنا چاہئے جو سب کو دے رہا ہے، جب وہ اپنا ہوگیا تو پھر ساری بادشاہت اپنی ہوگئی۔ چنانچہ اس باندی کو بہت عقل مند سمجھا گیا، پھر ہارون الرشید نے باقاعدہ اس باندی کو آزاد کیا اور قاضی کو بلا کر اس سے نکاح کیا، اس نکاح کے نتیجے میں اس کے ہاں بیٹا پیدا ہوا اور اس کا نام "مامون

الرشید'' رکھا۔ ہارون الرشید کی پہلی بیوی ''زبیدہ'' سے کوئی اولاد نہیں تھی، اب اس آزاد کردہ باندی سے بیٹا پیدا ہوا۔

ذکر اللہ کا اہتمام کرو

اسی طرح ہمارے اکابر بھی یہی فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے اپنے دل کو سدھارو، اس کو ذاکر بناؤ، اس میں اللہ کی یاد بساؤ، جب تمہارا دل اللہ کی یاد سے رچ بس جائے گا اور اس میں اللہ کی یاد جم جائے گی تو پھر باقی اعضاء اس کے تابع ہیں، وہ بھی خود بخود ذاکر ہو جائیں گے۔ اور اگر صحیح معنٰی میں ریاضت کی اور اپنے شیخ کی رہنمائی میں ذکر اللہ کا اہتمام کیا تو اس کے نتیجے میں سر سے لیکر پاؤں تک انسان ذاکر ہو جاتا ہے، ہزاروں اولیاء اللہ اس صفت سے آراستہ گزرے ہیں۔ ہمارے شیخ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے دارالعلوم دیوبند کا وہ زمانہ دیکھا ہے جب مہتمم سے لیکر چپراسی تک سب کے لطائف ستہ جاری تھے۔ انسان کے جسم میں چھ لطیف باطنی اور معنوی طاقتیں ہیں، ان کو ''لطائف ستہ'' کہا جاتا ہے، وہ سب طاقتیں اللہ کے ذکر کرنے کی عادی تھیں، اسی کے نتیجے میں انسان سراپا ذکر بن جاتا ہے۔

سورۂ یٰسین کا دس قرآن کے برابر ثواب

بہر حال! یہ دل جس طرح ظاہری اعضاء کی دنیا کا سردار ہے اور باطنی دنیا کا

بھی سردار ہے، اسی طرح قرآن شریف کی سورتوں میں یٰسین شریف تمام سورتوں کی سردار ہے، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر چیز کا ایک دل ہوتا ہے، اور یٰسین شریف قرآن کریم کا دل ہے۔ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص سورۂ یٰسین کو ایک مرتبہ پڑھ لے، اس کو دس قرآن شریف پڑھنے کے برابر ثواب ملتا ہے۔ اب روزانہ دس مرتبہ قرآن شریف پڑھنے کی طاقت کس کے اندر ہے؟ دس تو کیا ایک مرتبہ بھی روزانہ قرآن شریف ختم کرنا حافظوں کے لئے آسان نہیں ہے، آجکل تو حافظ بھی رمضانی ہو گئے کہ رمضان المبارک میں قرآن شریف پڑھتے ہیں، روزانہ تلاوت کرنے والے تو اب عنقاء ہو گئے، روزانہ ایک منزل بلکہ ایک پارہ بھی نہیں پڑھا جاتا، روزانہ ایک قرآن شریف کون پڑھ سکتا ہے، دس قرآن شریف کا تو ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ لیکن یٰسین شریف روزانہ ہر شخص پڑھ سکتا ہے، بلکہ صبح و شام بھی آسانی کے ساتھ پڑھ سکتا ہے۔ اگر ایک مرتبہ پڑھیں گے تو روزانہ دس قرآن شریف پڑھنے کا ثواب مل جائے گا۔ اس لئے روزانہ سورۂ یٰسین پڑھنے کا معمول بنالینا چاہئے اور پھر روزانہ اس کا ثواب اپنے والدین اپنے دادا دادی اور نانا نانی اور ساس سسر کو بخشنا چاہئے، اپنے اہل و عیال کو بھی ثواب بخشنا چاہیے۔

اولاد کے لئے ایصالِ ثواب کریں

لوگ اپنے والدین کو تو ثواب پہنچانے کے لئے یاد رکھتے ہیں، لیکن اپنی

اولاد کو یاد نہیں رکھتے، بلکہ والدین کو ثواب پہنچاتے ہیں اور اولاد کو مال پہنچاتے ہیں، مال فانی ہے اور ثواب باقی ہے، لہٰذا ماں باپ کو تو ایسا ہدیہ دیتے ہیں جو باقی رہنے والا ہے اور اولاد کو ایسا ہدیہ دیتے ہیں جو ختم ہونے والا ہے، حالانکہ عام طور پر انسان کو اولاد سے زیادہ محبت ہوتی ہے، ماں باپ سے کم محبت ہوتی ہے، لہٰذا اولاد کو بھی ایسا ہدیہ دینا چاہئے جو باقی رہنے والا ہو۔

بچوں کے مرنے کے بعد بچوں کا کیا ہوگا

"مجلس صیانۃ المسلمین" کے حضرات نے بہت عرصہ پہلے ایک مضمون شائع کیا تھا، اس مضمون میں ایک عجیب جملہ یہ تھا کہ "لوگوں کو یہ فکر تو ہوتی ہے کہ میرے مرنے کے بعد میرے بچوں کا کیا ہوگا، لیکن یہ فکر بہت کم لوگوں کو ہوتی ہے کہ بچوں کے مرنے کے بعد بچوں کا کیا ہوگا" کیا خوبصورت جملہ ہے، اگر ماں باپ کو یہ فکر ہو جائے تو سب اپنے بچوں کو نیک بنانے کی کوشش کریں اور خود بھی نیک بنیں، تاکہ مرنے کے بعد خود بھی آرام پائیں اور بچوں کے مرنے کے بعد بچے بھی آرام پائیں، ان کو قبر کا عذاب نہ ہو، ان کو دوزخ کا عذاب نہ ہو، لیکن بہت کم لوگ ایسا سوچتے ہیں، زیادہ تر لوگ یہ سوچتے ہیں کہ میرے مرنے کے بعد میرے بچوں کا کیا ہوگا، اسی وجہ سے وہ بچوں کو دنیاوی تعلیم دلاتے ہیں، دینی تعلیم نہیں دلاتے، دنیاوی اعتبار سے ان کو اپنے پیروں پر کھڑا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، چاہے وہ دینی اعتبار سے کتنا ہی پست کیوں نہ ہو، اس کی

طرف کوئی توجہ نہیں دیتے، اس طرح ماں باپ اولاد کی دنیا تو بنا دیتے ہیں لیکن آخرت بگاڑ دیتے ہیں۔

اولاد کو نیک بنانے کی کوشش کریں

اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جب وہ بچے دنیا چھوڑ کر آخرت میں پہنچیں گے تو عذاب میں ہوں گے اور ماں باپ ان کو عذاب میں دیکھ کر اذیت اور تکلیف میں مبتلا ہوں گے۔ اس لئے صحیح طریقہ یہ ہے کہ خود بھی دیندار، نیک اور صالح بنیں اور اپنی اولاد کو بھی نیک بنانے کی کوشش کریں اور جو کچھ پڑھیں اس کا ثواب والدین کے ساتھ اپنی اولاد کو بھی پہنچائیں، اس لئے کہ ثواب جس طرح مُردوں کو پہنچتا ہے، اسی طرح زندوں کو بھی پہنچتا ہے اور سب کو یکساں پہنچتا ہے، ایسا نہیں ہے کہ ایصالِ ثواب صرف مُردوں کے لئے جائز ہے، زندوں کے لئے جائز نہیں، جس طرح دعا کرنا زندہ کے لئے بھی جائز ہے اور مُردہ کے لئے بھی جائز ہے، اسی طرح ایصالِ ثواب بھی ایک دعا ہے کہ یا اللہ! اس کا ثواب فلاں فلاں کی روحوں کو پہنچا دیں اور دعا دونوں کے لئے برابر ہے تو ایصالِ ثواب بھی دونوں کے لئے برابر ہے، بہر حال! اپنی اولاد کو ایصالِ ثواب میں فراموش نہیں کرنا چاہئے۔

صبح تک مغفرت ہو جاتی ہے

ایک حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص رات کو سوتے وقت یٰسین شریف

پڑھتا ہے تو صبح ہونے تک اس کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ مغفرت سے مراد گناہ صغیرہ کی معافی ہے، جتنے بھی اعمال کے فضائل ہیں کہ فلاں عمل سے مغفرت ہو جاتی ہے اور فلاں عمل سے مغفرت ہو جاتی ہے، عام طور پر اس سے صغیرہ گناہوں کی معافی مراد ہوتی ہے، کبیرہ گناہ توبہ سے معاف ہوتے ہیں اور توبہ کرنا کیا مشکل ہے، انسان نے کیسے ہی بڑے بڑے گناہ کر لیے ہوں، بس توبہ کرے اور اللہ تعالیٰ سے کبیرہ اور صغیرہ گناہوں کی معافی مانگ لے، اللہ تعالیٰ معاف فرما دیں گے۔

حاجتیں پوری ہو جاتی ہیں

ایک حدیث شریف میں ہے کہ جو آدمی دن کے شروع میں یٰسین شریف پڑھ لے گا تو شام تک اللہ تعالیٰ اس کی حاجتیں پوری فرما دیں گے، اس میں دنیاوی حاجتیں بھی آ گئیں اور آخرت کی حاجتیں بھی آ گئیں، گھر کی ضرورتیں بھی آ گئیں اور گھر سے باہر کی ضرورتیں بھی آ گئیں، یہ ساری حاجتیں من جانب اللہ پوری ہو جائیں گی۔ یہ ہمارا دین اسلام ایسا نافع ہے کہ اس میں ہماری دنیا کا حل بھی موجود ہے اور آخرت کا حل بھی موجود ہے، دنیا کے فوائد بھی ہیں اور آخرت کے فوائد بھی ہیں، یہ محض اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا کرم ہے کہ وہ ہماری دونوں جہاں کی ضرورتوں کا خیال رکھتے ہیں کہ ان کو جب دیا جائے تو دونوں چیزیں دی جائیں اور کم نہ دیا جائے بلکہ زیادہ دیا جائے۔

دنیا و آخرت کے مسائل کا حل

ہر آدمی جب صبح اُٹھتا ہے تو کوئی نہ کوئی فکر لے کر اُٹھتا ہے کہ آج یہ کام بھی کرنا ہے، فلاں کام بھی کرنا ہے، آج ادھر بھی جانا ہے اور فلاں جگہ پر بھی جانا ہے، آج یہ مسئلہ بھی حل کرنا ہے اور وہ مسئلہ بھی حل کرنا ہے، گھر کے مسائل الگ ہوتے ہیں، باہر کے مسائل الگ ہوتے ہیں۔ اور یٰسین شریف پڑھنے میں دنیا کے مسائل کا بھی حل ہے اور آخرت کے مسائل کا بھی حل ہے، اگر ہم روزانہ یٰسین شریف پڑھیں گے تو من جانب اللہ اس کی برکت سے کاموں کے اندر سہولت اور آسانی ہوگی، اس کا معمول بنا کر دیکھیں، جب اس کے پڑھنے کا معمول بنے گا تو پھر انشاء اللہ اس کی برکتیں ظاہر ہوں گی، مگر معمول بنائے بغیر یہ چاہیں کہ سب کام آسان ہو جائیں تو یہ ذرا مشکل ہے، گو اللہ تعالیٰ اس پر بھی قادر ہیں اور اپنے خاص بندوں کو اس کا مشاہدہ بھی کرا دیتے ہیں، لیکن عام دستور یہ ہے کہ اس کی پابندی کرنے سے انشاء اللہ اس کے فوائد سامنے آئیں گے۔

پیسے مسئلے کا حل نہیں

اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ میرے تو سب کام بہت آسانی سے ہوتے رہتے ہیں، مجھے تو اللہ تعالیٰ نے بڑی فراخی دے رکھی ہے۔ بات یہ ہے کہ وہ شخص فراخی کے باوجود اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے، اس لئے کہ پیسہ ہی ہر مسئلے کا حل نہیں، اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر مشکل کام آسان نہیں ہوتے بلکہ اگر اللہ کی مدد نہ ہو تو آسان کام

بھی مشکل ہو جاتے ہیں، اس لئے پیسے والے مالدار بھی اس کے محتاج ہیں اور آخرت میں تو محتاج ہیں ہی، مرنے کے بعد کی زندگی کے جتنے مسائل ہیں، اس کی جتنی دشواریاں اور مشکلات ہیں، ان کے حل کے لئے اور ان کی آسانی کے لئے ہم میں سے ہر شخص محتاج ہے، یٰسین شریف اس کا بھی حل ہے، اس سے انشاء اللہ تعالیٰ اس کی دنیا و آخرت کی حاجتیں اور ضرورتیں پوری ہوں گی۔

وہ شخص آسانیوں میں رہتا ہے

ایک حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص شام کو سورۂ یٰسین شریف پڑھتا ہے تو وہ صبح تک آسانیوں میں رہتا ہے اور جو صبح پڑھ لیتا ہے وہ شام تک آسانیوں میں رہتا ہے۔ یہ سورۃ ایسی عجیب وغریب چیز ہے کہ اس کے پڑھنے سے اللہ تعالیٰ کی رضا کے ساتھ ساتھ تلاوت کا ثواب الگ ملے گا یعنی ہر حرف پر دس نیکیاں الگ ملیں گی اور یہ فوائد وفضائل الگ حاصل ہوں گے۔ اب دیکھئے! اس حدیث میں صبح پڑھنے کا بھی ذکر ہے اور شام کو پڑھنے کا بھی ذکر ہے، اس لئے میں عرض کر رہا تھا کہ اگر صبح شام اس کے پڑھنے کا معمول بن جائے تو زیادہ اچھا ہے۔ اور صرف ایک ہفتہ تک توجہ دینی پڑے گی، ایک ہفتہ بعد کے پھر خود بخود ہماری ایسی عادت بن جائے گی کہ جب وہ وقت آئے گا تو خود بخود ہماری طبیعت ہمیں اس سورۃ کے پڑھنے کی طرف آمادہ کرے گی، اور جس وقت طبیعت آمادہ کرے بس اس وقت انسان سستی نہ کرے اور غفلت نہ کرے بلکہ اس سورۃ کو پڑھ لے۔ عادت بننے

میں اللہ تعالیٰ نے آسانی رکھی ہے، جب وہ وقت آجاتا ہے تو وہ انسان کو یاد دلاتا ہے، اس طرح وہ عمل آسان ہوجاتا ہے۔

سورۂ یٰسین سے کھانے میں برکت

ایک روایت جو حضرت ابو قلابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اور یہ روایت موقوف ہے، صحابہ کرام جب کوئی حدیث موقوفاً ذکر کریں جس کا تعلق سماع سے ہوتو وہ روایت حکماً مرفوع ہوتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہر چیز کا ایک دل ہے اور قرآن شریف کا دل سورۂ یٰسین شریف ہے، اگر اس سورۃ کو ایسے کھانے پر پڑھا جائے جس کے کم ہوجانے کا اندیشہ ہوتو وہ کھانا کھانے والوں کے لئے پورا ہوجاتا ہے، مثلاً آپ نے گھر میں دعوت کی اور دس مہمان بلائے لیکن دس کے بجائے بیس مہمان آگئے، اب ظاہر ہے کہ فوراً مزید کھانا تیار کرانا بھی مشکل ہے اور ان مہمانوں کو کھانے کے بغیر رخصت کرنا بھی مشکل ہے تو اس کا حل سورۂ یٰسین شریف ہے، سورۂ یٰسین پڑھ کر کھانے پر دم کردو، روٹی، سالن اور چاول سب پر دم کرکے کپڑا ڈھک دو، اور پھر بسم اللہ پڑھ کر اندر سے نکالتے جاؤ اور مہمانوں کو کھلاتے جاؤ، انشاء اللہ اس کھانے میں برکت ہوجائے گی، جب چاہو تجربہ کرکے دیکھ لو۔

مرنے والے پر سورۂ یٰسین پڑھنا

اسی طرح جس شخص کی موت کا وقت قریب ہو، اس پر سورۂ یٰسین پڑھو تو اس

کی روح نکلنے میں آسانی ہو جائے گی۔ اسی لئے مسلمانوں میں مشہور ہے کہ جب کسی کی موت کا وقت قریب آتا ہے تو اس پر سورۂ یٰسین پڑھتے ہیں، اس سے میت کی روح نکلنے میں آسانی ہو جاتی ہے۔

سورۂ یٰسین سے بیماریاں دور ہوتی ہیں

اور اگر موت کا وقت نہیں آیا تو وہ صحت یاب ہو جاتا ہے۔ اس سورۃ کی یہ بھی فضیلت ہے کہ اگر کسی بیمار پر پڑھ دی جائے تو اس سے بیماری دور ہوتی ہے، بعض لوگ مرنے والے کے پاس سورۂ یٰسین شریف پڑھتے ہوئے ڈرتے ہیں کہ کہیں اس کے پڑھنے سے یہ نہ مر جائے، ارے بھائی! یہ سورت مارنے کے لئے نہیں ہے اور نہ اس سے کوئی مرتا ہے، بلکہ ہوتا یہ ہے کہ اس کے پڑھنے سے مرنے والے کی روح آسانی سے نکل جاتی ہے۔ کیا اللہ کے کلام سے کوئی مرتا ہے؟ وہ مرنے والا اپنے وقت پر مرتا ہے، البتہ روح آسانی سے وقت پر نکل جاتی ہے۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ جو شخص سورۂ یٰسین شریف پڑھے گا، اس کی مغفرت کر دی جائے گی۔

خلاصہ

بہر حال! اس سورۃ کی بڑی فضیلتیں اور بڑی برکتیں ہیں، اس سورۃ کو اپنے معمولات میں داخل کر لینا چاہیے، اور ایک روایت میں اس کی فضیلت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سورۂ یٰسین شریف پڑھنے والے کو بیس حج کا ثواب بھی عطا فرماتے

ہیں۔ ایک روایت میں نے پہلے بیان کردی کہ اس سورۃ کے پڑھنے سے دس قرآن شریف پڑھنے کے برابر ثواب ملتا ہے، اگرچہ سند کے اعتبار سے یہ حج والی روایت ضعیف ہے، لیکن فضائل میں ضعیف روایت بھی معتبر ہوتی ہے۔ اب دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے ہم سب کو دین کے ان تمام ہیرے جواہرات کو اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان کو اپنے زندگی کا دائمی معمول بنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین

فضائلِ سورۂ یٰسین

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَعَلٰی کُلِّ مَنْ تَبِعَھُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ط

اَمَّا بَعْدُ!

قرآن مجید سراپا ہدایت، باعثِ خیر و برکت اور سراپا رحمت ہے، ہر چیز کا ایک دل ہے اور قرآن کریم کا دل سورۂ یٰسین ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورۃ کے بہت سے فضائل بیان فرمائے ہیں، یہاں ان میں سے چند فضائل لکھے جاتے ہیں جن میں سورۂ یٰسین کا اجر وثواب اور اس کے فوائد بتائے گئے ہیں، ان کو پڑھیں اور یٰسین شریف سے فائدہ اٹھائیں، اللہ تعالیٰ اس کا دائمی

معمول بنانے کی توفیق بخشیں۔ (آمین)

فضائلِ سورۂ یٰسین

دس مرتبہ قرآن کریم پڑھنے کا ثواب

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر چیز کا ایک دل ہے اور قرآن کریم کا دل (سورۂ) ''یٰسین'' ہے اور جو شخص ایک مرتبہ یٰسین شریف پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس کو اس (سورۃ) کے پڑھنے کے بدلے دس مرتبہ قرآن کریم پڑھنے کا ثواب عطا فرمائیں گے۔ (ترمذی)

سورۂ یٰسین پڑھنے پر بخشش

حضرت جُندُب بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے کسی شب میں (سورۂ) یٰسین پڑھے گا تو وہ صبح اس حال میں کرے گا کہ اس کی بخشش ہو چکی ہوگی۔ (رواہ ابو نعیم فی الحلیہ بسند ضعیف)

مغفرت کا ذریعہ

حضرت مَعْقَل بن یَسَار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سورۂ بقرۃ قرآن کریم کی کوہان اور بلندی ہے (یعنی قرآن کریم میں اس کا بڑا اونچا مقام ہے) اس کی ہر آیت کے ساتھ اسی (۸۰) فرشتے نازل ہوئے۔ اَللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ (یعنی آیۃ الکرسی) عرش کے نیچے سے حاصل کی گئی ہے، پھر یہ (آیۃ الکرسی) اس سورۂ بقرۃ کے ساتھ ملادی گئی اور (سورۂ) یٰسین قرآن کریم کا دل ہے، جو شخص اس کو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اور آخرت (کو سنوارنے) کے ارادے سے پڑھتا ہے تو اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے اور اس کو اپنے مُردوں پر پڑھا کرو۔

(رواہ احمد فی مسندہ)

شہادت کی موت

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص ہر رات (سورۂ یٰسین) پڑھنے پر مداومت کرے گا تو (جب وہ) فوت ہوگا (تو) شہید ہو کر فوت ہوگا۔ (یعنی اس کو شہید کا درجہ حاصل ہوگا۔

(ذکرہ السیوطی فی الدر المنثور)

ضروریات کا پورا ہونا

حضرت عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص دن کے شروع میں

(سورۂ) یٰسین پڑھے گا، اس کی حاجتیں پوری کی جائیں گی۔

(ذکرہ السیوطی فی الدر المنثور)

سہولتیں اور آسانیاں

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جو شخص صبح کے وقت (سورۂ) یٰسین پڑھے گا، اسے اس دن شام تک آسانیاں اور سہولتیں حاصل ہوں گی اور جو شخص رات کے شروع میں اس (سورۂ یٰسین) کو پڑھ لے گا، اسے اس رات صبح تک آسانیاں اور سہولتیں حاصل رہیں گی۔

(ذکرہ السیوطی فی الدر المنثور)

سورۂ یٰسین کی دس برکات

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو وصیت فرماتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (سورۂ) یٰسین کثرت سے پڑھو، کیونکہ سورۂ یٰسین کے پڑھنے میں دس برکات ہیں۔ (جو درج ذیل ہیں)

(۱) بھوکا پڑھے تو اسے سیری حاصل ہو۔

(۲) پیاسا پڑھے تو اسے سیرابی حاصل ہو۔

(۳) جس کے پاس کپڑے نہ ہوں وہ پڑھے تو اسے کپڑے میسر ہوں۔

(۴) بیمار پڑھے تو اسے تندرستی حاصل ہو۔

(۵) خوف زدہ پڑھے تو اسے امن حاصل ہو۔

(۶) قیدی پڑھے تو اسے رہائی حاصل ہو۔

(۷) غیر شادی شدہ پڑھے تو اس کی شادی ہو جائے۔

(۸) مسافر پڑھے تو اس کی سفر میں مدد ہوگی۔

(۹) جس شخص کی کوئی چیز گم ہوگئی ہو وہ پڑھے تو اسے وہ (گم شدہ چیز) مل جائے۔

(۱۰) ایسا شخص جس کی موت کا وقت قریب ہو، اس کے سرہانے (سورۂ یٰسین) پڑھی جائے تو اس پر آسانی کی جائے (یعنی اس پر موت آسان ہو جائے اور موت کی سختی سے حفاظت ہو جائے)

اور جو شخص اس (سورۃ) کو صبح کے وقت میں پڑھے گا تو شام تک اللہ تعالیٰ کی امان میں رہے گا اور جو شخص اس کو شام کے وقت پڑھے گا تو وہ صبح تک اللہ تعالیٰ کی امان میں رہے گا۔

(لمحات الأنوار وله شاهد في شعب الإيمان للبيهقي)

سورۂ یٰسین کے عظیم فائدے

حضرت ابو قلابہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: جس شخص نے سورۂ کہف کی دس آیات یاد کرلیں، وہ دجال کے فتنے سے محفوظ رہے گا اور جو شخص سورۂ کہف جمعہ کے دن پڑھے، وہ ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک محفوظ رہے گا اور اس کو دجال سے واسطہ پڑا تو وہ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا اور

قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح منور ہوگا، اور جو شخص سورۂ یٰسین پڑھے اس کی مغفرت کردی جائے گی، اور جو بھوکا اس کو پڑھے گا تو سیر ہو جائے گا، اور جو راہ بھٹکا ہوا اس کو پڑھے گا تو اس کو راہ مل جائے گی، اور وہ آدمی جس کی کوئی چیز گم ہوگئی ہو وہ اسے پڑھے گا تو اسے گمشدہ چیز مل جائے گی، اور جو آدمی اس کو ایسے کھانے پر پڑھے جس کے کم پڑ جانے کا اندیشہ ہو تو وہ کافی ہو جائے گا، اور جس قریب المرگ آدمی کے پاس اس کو پڑھا جائے تو اس پر (موت) آسان کردی جائے گی، اور جس عورت پر بچے کی ولادت مشکل ہو، اس پر کوئی یہ (سورۃ) پڑھے تو اس عورت پر بچے کی ولادت آسان کردی جائے گی، اور جو شخص اس کو پڑھے تو اس کے لحاظ سے اس نے گیارہ مرتبہ قرآن مجید پڑھا (یعنی اس کو گیارہ مرتبہ قرآن کریم پڑھنے کا ثواب ملے گا) اور ہر چیز کا ایک دل ہے اور قرآن کریم کا دل (سورۂ) یٰسین ہے۔

(رواہ البیهقی فی شعب الایمان)

نوٹ : حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو قلابہ رحمہ اللہ تعالیٰ جو کہ تابعین میں سے ہیں، ان سے یہ حدیث اسی طرح نقل کی گئی ہے اور وہ یہ بات خود نہیں فرما سکتے جب تک اس بات کا صحیح طریقے سے ان تک پہنچنا ثابت نہ ہو۔

(رواہ البیهقی فی شعب الایمان)

سورۂ اخلاص

کی فضیلت واہمیت

حضرت مولانا مفتی عبد الرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط وترتیب
محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی بیانات : جلد نمبر: ۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

سورۂ اخلاص کی فضیلت واہمیت

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَامُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُاَنْ لَّااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَاوَنَبِیَّنَاوَمَوْلَا نَامُحَمَّدًاعَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o قُلْ ھُوَاللّٰہُ اَحَدٌ o اَللّٰہُ الصَّمَدُ o لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ o وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ o صدق اللہ العظیم

چھوٹی اور آسان ترین سورت

میرے محترم بزرگو! دو تین منگل پہلے آپ حضرات کے سامنے سورۂ یٰسین اور سورۂ ملک کی فضیلت اور اہمیت بیان کی گئی تھی، بعد میں ذہن میں آیا کہ قرآن

کریم کی سورتوں میں ایک سورۂ اخلاص بھی ہے جو بظاہر تو بہت چھوٹی اور مختصر ہے، لیکن اپنے مضمون کے اعتبار سے اور اجر وثواب کے اعتبار سے بہت عظیم الشان ہے، اور یہ ایسی آسان سورت ہے کہ مسلمانوں کے بچے بچے کو یاد ہوتی ہے، نوجوان اور بوڑھوں کو بھی یہ سورت یاد ہوتی ہے، شاید ہی کسی مسلمان کی کوئی نماز اس سورت سے خالی ہوتی ہو، کیونکہ یہ بہت چھوٹی اور آسان ترین سورت ہے، ہر شخص آسانی سے اس کو نماز میں پڑھ لیتا ہے لیکن اس کی فضیلت اور اس کی عظمت اور اس کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ اس لئے جی چاہا کہ اس سورت کی بھی کچھ اہمیت اور فضیلت بیان کردی جائے، تا کہ ہمارے دلوں میں اس کی قدر پیدا ہو اور اس سورۃ کو بھی ہم اپنے معمولات میں شامل کرلیں۔ کیونکہ آسان عمل کی پابندی کرنا آسان ہوتا ہے، اس پر مداومت کرنا بھی آسان ہوتا ہے، پھر جبکہ اس کے فضائل بھی بہت زیادہ ہوں تو اس کو عمل میں لانے کی طرف توجہ دینی چاہئے۔

یہاں جمع ہونے کا مقصد

ہمارے یہاں جمع ہونے کا اصل مقصد بھی یہی ہے کہ ہر مرتبہ دین کی کوئی نہ کوئی بات سنیں اور سنائیں اور پھر اس پر عمل کریں، اس طرح ہم لوگ انشاء اللہ ''قطرہ قطرہ دریا شود'' کا مصداق بن جائیں گے۔ اس لئے کہ انسان ایک دم سے سارے دین کے اعمال پر عمل نہیں کرسکتا، البتہ سارے دین پر عمل کرنے کا راستہ یہ ہے کہ دین کی ایک ایک بات کو سنتا جائے اور اس کو اپنے عمل میں لاتا

جائے، اگر ہم ہفتہ میں ایک بار منگل کو یہاں جمع ہوکر دین کی کوئی بات سنیں اور اس کو اپنی زندگی کا معمول بنالیں اور اس کی پابندی کریں تو چند سالوں کے اندر انشاء اللہ تعالیٰ اندازہ ہو جائے گا کہ دین کی بہت ساری باتیں ہمارے معمولات کے اندر داخل ہوگئی ہیں۔

ایک ایک گناہ چھوڑتے جائیں

اسی طرح اس مجلس میں بعض اوقات بعض گناہوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے، کیونکہ گناہوں سے بچنے کا حکم ہے، اب اگر ہر مرتبہ جب کسی گناہ کا ذکر ہو اور ہم اس گناہ سے بچتے رہیں اور بچنے کی عادت بنالیں تو کچھ عرصہ کے بعد معلوم ہوگا کہ اللہ کے فضل سے ہمیں بہت سے گناہوں سے بچنے کی توفیق ہوگئی اور بہت سے گناہوں سے بچنا نصیب ہوگیا۔ مؤمن کی زندگی کا یہی مقصود ہے اور اس کے ایمان کا اس سے یہی مطالبہ ہے کہ جن باتوں کو اللہ تعالیٰ نے کرنے کا حکم دیا ہے چاہے، وہ فرض ہوں، یا واجب ہوں، یا سنت ہوں، یا مستحب ہوں، مؤمن بندوں اور بندیوں کو چاہیے کہ وہ اس پر عمل شروع کردیں اور اس کو اپنی زندگی کا معمول بنالیں اور جتنے بھی حرام اور ناجائز کام ہیں اور جتنے بھی صغیرہ اور کبیرہ گناہ ہیں اور جو خلاف شرع کام ہیں، جن سے بچنے کا حکم ہے، ان کو سنتے جائیں اور ان سے بچتے جائیں، اس طرح انشاء اللہ ہماری اصلاح ہو جائے گی اور ہمارا ظاہر بھی درست ہو جائے گا اور باطن بھی درست ہو جائے گا اور دین ہماری زندگی کے اندر

آجائے گا،

محض معلومات ذریعہ نجات نہیں

اس بات کو اپنے دل پر نقش کرلیں کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں نیک عمل پر بخشش ہوگی اور اسی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوگی اور اسی کے ذریعہ جنت نصیب ہوگی اور دوزخ سے بچنا نصیب ہوگا، کیونکہ محض نیک باتوں کا جاننا کافی نہیں کہ ہمیں دین کی بہت سی باتیں معلوم ہیں، چنانچہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جب ان کے پاس بیٹھو تو گھنٹوں دین کی باتیں سناتے رہیں گے، لیکن اگر ان کی عملی زندگی میں جھانک کر دیکھو تو معلوم ہوگا کہ یہ سب باتیں صرف زبان پر ہیں، عمل میں کچھ نہیں ہے۔ ایسی معلومات سے کیا فائدہ؟ ارے یہ علم تو عمل کے لئے ہے، جب عمل نہیں تو علم بھی بیکار ہے۔ لہٰذا اس بات کو ہم اپنے دل پر نقش کرلیں کی اللہ تعالیٰ کے یہاں نیک معمولات پر بخشش ہوگی، محض معلومات پر بخشش نہیں ہوگی۔

معمولات اور معلومات دو لفظ ہیں، دونوں کے حروف برابر ہیں، لیکن دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے، نری معلومات ذریعہ نجات نہیں، ہم سے زیادہ بعض کافروں کو ہمارے دین کے بارے میں معلومات ہیں، لیکن کافر پھر کافر ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے یہاں نیک معمولات پر مغفرت اور بخشش ہوگی، اسی کی بنیاد پر درجات ملیں گے، اسی پر ثواب ملے گا، چھوٹی سے چھوٹی نیکی بھی اگر

ہوگی تو وہ جنت کی طرف لے جائے گی اور چھوٹے سے چھوٹے گناہ سے بھی اگر بچیں گے تو وہ دوزخ سے دور کرے گا۔

پہلے دور اور موجودہ دور میں فرق

پہلے زمانے میں اور ہمارے زمانے میں بڑا فرق یہی ہے کہ پہلے زمانے میں علم کم تھا اور عمل زیادہ تھا، عام لوگ بھی متقی، پرہیزگار ہوتے تھے، اس لئے ان کے بڑے اور بزرگ بڑے متقی اور پرہیزگار ہوتے تھے، جبکہ آج عوام بیچارے کس شمار میں ہیں، ان میں دین کا اور تقوی وطہارت کا فقدان ہے، اس لئے ان کے خواص بھی ایسے ہی ہیں، بلکہ پہلے زمانے کے عوام کے برابر بھی ان کے اندر تقوی وطہارت نہیں، پہلے زمانے میں اللہ والوں کے پاس بیٹھنا بہت زیادہ پایا جاتا تھا، ان سے سچی محبت بہت زیادہ تھی، اس لئے ان کا تھوڑا عمل بھی ذریعہ نجات بن جاتا تھا۔

علم زیادہ عمل کم

اب آج کے دور میں باتیں تو بہت زیادہ ہیں اور علم بہت ہے، بلکہ علم بہت تیزی سے پھیلتا جارہا ہے، لیکن عمل کم سے کم ہوتا جارہا ہے، اور جب عمل نہیں ہوگا تو بخشش کہاں ہوگی؟ نجات اور مغفرت کیسے ہوگی؟ نجات کا دارومدار تو اللہ تعالیٰ کی رضا پر ہے، اور اللہ تعالیٰ کی رضا عمل کرنے سے حاصل ہوگی اور وہ بخشش اور نجات کا ذریعہ ہوگی۔ اس لئے ہمیں اپنے اسلاف اور اپنے اکابر کے طریقے اور

ان کے نقش قدم پر چلنے کی ضرورت ہے۔

سورۂ اخلاص ایک تہائی قرآن کریم کے برابر

بہر حال! سورۂ اخلاص اگرچہ چھوٹی سورت ہے اور اس کا پڑھنا بہت آسان ہے، لیکن یہ سورت بڑی عظیم الشان ہے، چنانچہ ایک روایت حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے دوسرے شخص کو بار بار سورۂ اخلاص پڑھتے ہوئے دیکھا تو اس شخص کو بہت تعجب ہوا کہ یہ کیوں بار بار سورۂ اخلاص پڑھ رہا ہے اور سننے والے نے اس کے اس عمل کو معمولی سمجھا کہ بار بار سورۂ اخلاص پڑھنا کون سا عظیم الشان کام ہے، پھر جب اس کے عمل کی اطلاع جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ اس کے بار بار سورۂ اخلاص پڑھنے کو معمولی مت سمجھو، اس لئے کہ سورۂ اخلاص تہائی قرآن شریف کے برابر ہے، یعنی سورۂ اخلاص پڑھنا ایسا ہے جیسے کوئی شخص ایک تہائی قرآن شریف پڑھے، تو یہ معمولی عمل نہیں ہے۔ تہائی قرآن شریف کا مطلب ہے دس پارے تلاوت کرنا، اب دس پارے تلاوت کرنا کوئی معمولی بات ہے؟ ہماری کمزوری کا یہ حال ہے کہ ہم سے ایک پارے کی تلاوت بھی نہیں ہوتی، چہ جائیکہ ہم دس پارے پڑھیں، اور سورۂ اخلاص کو ایک مرتبہ پڑھنا، دس پارے پڑھنے کے برابر ہے، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے بار بار سورۂ اخلاص پڑھنے کو معمولی مت سمجھو اور تین مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھنا پورے قرآن کریم پڑھنے کے

برابر ہے، لہٰذا یہ شخص غیر معمولی کام کر رہا ہے۔

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے ایک عجیب انداز سے سوال کیا کہ بتاؤ! کیا تم لوگ روزانہ رات کو سوتے وقت ایک تہائی قرآن شریف پڑھ سکتے ہو؟ صحابہ کرام نے فرمایا کہ روزانہ رات کو ایک تہائی قرآن شریف یعنی دس پارے تلاوت کرنا بڑا مشکل کام ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھنا ایک تہائی قرآن شریف پڑھنے کے برابر ہے۔ پہلے صحابہ کرام کو ایک تہائی قرآن شریف پڑھنا بہت مشکل معلوم ہو رہا تھا، اب اتنا آسان معلوم ہوا کہ تین مرتبہ کیا بلکہ تیس مرتبہ پڑھنا بھی مشکل نہیں، اور پڑھنے والے تین تین سو مرتبہ سورۂ اخلاص روزانہ پڑھ لیتے ہیں۔

ایک اور مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورۃ کی اہمیت بتانے کے لئے اس طرح ارشاد فرمایا کہ جتنے بھی ساتھی یعنی صحابہ کرام جمع ہو سکتے ہیں، جمع ہو جائیں، میں ان کے سامنے ایک تہائی قرآن شریف تلاوت کروں گا، چنانچہ بہت سے صحابہ کرام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت سننے کے لئے جمع ہو گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف لائے اور ایک مرتبہ سورۂ اخلاص کی تلاوت کی اور واپس گھر تشریف لے گئے۔ صحابہ کرام نے آپس میں گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ شاید آپ اس لئے واپس گھر تشریف لے گئے ہیں کہ آپ پر وحی اترنے والی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی پیغام آنے والا ہے۔

چنانچہ صحابہ کرام مسجد نبوی میں اس خیال سے بیٹھے رہے کہ ابھی ایک تہائی قرآن شریف پڑھنا باقی ہے، تھوڑی دیر بعد آپ واپس مسجد میں تشریف لے آئے اور فرمایا کہ میں نے تمہارے سامنے ایک تہائی قرآن شریف کی تلاوت کردی تھی، اس لئے کہ سورۂ اخلاص ایک تہائی قرآن شریف کے برابر ہے۔

بارہ مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھنے کا معمول

اس لئے متعدد حدیثوں میں یہ بات واضح طور پر موجود ہے کہ تین مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھنے سے پورے قرآن شریف کے پڑھنے کا ثواب ملتا ہے، چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ جو آدمی فجر کی نماز کے بعد بارہ مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھے تو اس کو چار مرتبہ مکمل قرآن شریف پڑھنے کے برابر ثواب ملتا ہے۔ اب دیکھئے! آدمی روزانہ ایک قرآن شریف بھی ختم نہیں کرسکتا، آج کل تو ایک پارہ پڑھنا بھی مشکل ہوتا ہے، جو بیچارے حافظ ہیں، وہ بھی کسی دن ایک پارہ پڑھتے ہیں اور کسی دن نہیں پڑھتے، اللہ بچائے، پابندی سے تلاوت کرنے کا تو ماحول ہی ختم ہوگیا۔ لیکن تین مرتبہ سورۂ اخلاص تو ہر شخص روزانہ پڑھ سکتا ہے اور بارہ مرتبہ پڑھنا بھی مشکل نہیں، اس لئے آپ سب حضرات یہ معمول بنالیں کہ فجر کی نماز سے فارغ ہوکر روزانہ بارہ مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھ لیا کریں، اس طرح روزانہ چار مرتبہ قرآن شریف ختم کرنے کا ثواب آپ کو حاصل ہوجائے گا، پھر یہ ثواب آپ اپنے والدین کو اور اپنے اہل وعیال کو بخش دیا کریں، اس میں آپ کا بھی فائدہ

ہے اور مرحومین کا بھی فائدہ ہے، آپ کو بھی چار مرتبہ قرآن شریف ختم کرنے کا ثواب ملے گا اور ان کو بھی چار مرتبہ قرآن شریف ختم کرنے کا ثواب مل جائے گا۔

قرآن کریم کا ثواب تقسیم کردیں

اگر آپ چاہیں تو وہ چار قرآن شریف تقسیم بھی کر سکتے ہیں، مثلاً یہ دعا کرلیں کہ یا اللہ! ان چار قرآن شریف میں سے ایک قرآن شریف کا ثواب میرے والد صاحب کو اور ایک قرآن شریف کا ثواب میری والدہ صاحبہ کو اور ایک قرآن شریف کا ثواب میرے اہل وعیال کو اور ایک میرے شیخ کو پہنچادیں۔ اس طرح تقسیم بھی کر سکتے ہیں۔

ایک صحابی کا ہر رکعت میں سورۂ اخلاص پڑھنا

ایک روایت میں ہے کہ مسجد قبا میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک انصاری صحابی امام تھے، ان کی عجیب شان تھی کہ جب نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد کوئی دوسری سورۃ پڑھتے تو پہلے سورۂ اخلاص پڑھتے، اس کے بعد دوسری سورۃ پڑھتے، ان کے مقتدیوں نے ان سے کہا کہ یہ عجیب بات ہے کہ آپ ہر رکعت کا آغاز دوسری سورۃ سے کرتے ہیں اور صرف اس پر اکتفا بھی نہیں کرتے بلکہ اس کے بعد سورۂ اخلاص بھی ملا دیتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ صاف بات یہ ہے کہ اگر تم کو میرے پیچھے نمازیں پڑھنی ہیں تو میں اس طریقہ کو نہیں چھوڑوں گا، ورنہ کسی اور کو امام بنالو۔ اب وہ مقتدی ان کے علاوہ کسی اور کو

امام بنانا نہیں چاہتے تھے، اس لئے کہ وہ لوگ ان کو امامت کے لئے سب سے اچھا سمجھتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ امام حاضرین میں سے علم وفضل اور تقوی و طہارت کے اعتبار سے سب سے اچھا آدمی ہونا چاہئے۔

سورۂ اخلاص نے اللہ کا محبوب بنا دیا

یہ اطلاع جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئی، مقتدیوں نے جا کر کہہ دیا کہ حضور! ہم ان کے علاوہ کسی اور کو امام بنانا نہیں چاہتے، لیکن وہ سورۂ اخلاص کے ایسے عاشق ہیں کہ وہ تمام نمازوں میں سورۂ قل ھو اللّٰہ پڑھتے ہیں۔ آپ نے ان مقتدیوں سے فرمایا کہ امام صاحب سے وجہ پوچھو کہ وہ ہر رکعت میں سورۂ قل ھو اللہ کیوں پڑھتے ہیں؟ چنانچہ مقتدیوں نے ان سے وجہ پوچھی تو امام صاحب نے فرمایا کہ مجھے سورۂ قل ھو اللّٰہ سے محبت ہے، یہ سورۃ مجھے بہت پسند ہے، اس وجہ سے میں ہر رکعت میں اس سورۃ کو پڑھتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کے اس سورۃ سے محبت کرنے کی وجہ سے اس سورۃ نے ان کو اللہ تعالیٰ کا محبوب بنا دیا ہے۔ یعنی ان کو سورۂ اخلاص سے محبت ہے، اور اللہ تعالیٰ کو ان سے محبت ہے۔

نمازوں میں ایک سورۃ متعین کرنا

لیکن یہ بات یاد رکھیے کہ سورۂ اخلاص کی یہ پابندی انہی کے ساتھ خاص ہے، ورنہ مسئلہ یہ ہے کہ فرض نماز ہو یا سنت مؤکدہ ہو، ان میں کسی ایک سورۃ کو

پڑھنے کے لئے متعین نہیں کرنا چاہئے، بلکہ مختلف سورتیں پڑھنا چاہئے، لیکن یہ ان صحابی کی خصوصی شان تھی جس کی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی طور پر ان کو اس کی اجازت دیدی تھی۔ البتہ نفلوں میں اگر کوئی شخص کوئی متعین سورۃ پڑھا کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن فرائض و واجبات اور سنن مؤکدہ میں ایک ہی سورۃ کو متعین نہیں کرنا چاہئے، البتہ اگر کسی شخص کو ایک ہی سورۃ یاد ہو، دوسری سورۃ یاد نہ ہو، تو جب تک اس کو دوسری سورۃ یاد نہ ہو، مجبوری ہے، وہ اسی ایک سورۃ ہی کو ہر رکعت میں پڑھ لیا کرے، لیکن جب دوسری سورتیں یاد ہو جائیں تو پھر سورتیں بدل بدل کر پڑھنا چاہئے۔

جنت واجب ہوگئی

ایسے ہی ایک شخص کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی کہ یہ شخص سورۂ اخلاص کثرت سے پڑھتے ہیں، آپ نے فرمایا "وجبت" واجب ہوگئی، صحابہ کرام نے یہ سن کر سوال کیا کہ حضور! کیا چیز واجب ہوگئی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت واجب ہوگئی۔ واقعی یہ سورۃ ایسی ہے کہ اس میں خالص توحید کا اور اللہ تعالیٰ کی شان استغناء کا ذکر ہے، اگر کوئی شخص اعتقاد کے ساتھ دل کی گہرائی سے اس سورۃ کو بار بار پڑھے گا، انشاء اللہ وہ شخص جنت کا مستحق ہوگا۔ جس طرح کوئی شخص کلمہ طیبہ "لا الٰہ الا اللہ" صدق دل کے ساتھ پڑھنے سے جنت کا مستحق ہو جاتا ہے، اسی طرح سورۂ اخلاص توحیدِ خالص

پر مشتمل ہے، اس کا پڑھنے والا بھی جنت کا مستحق بن جاتا ہے۔

پچاس سال کے صغیرہ گناہ معاف

ایک روایت میں ہے کہ اگر کوئی شخص ہر روز دوسو مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے پچاس سال کے صغیرہ گناہ معاف فرما دیتے ہیں مگر یہ کہ اس پر قرض ہو۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے کہ گناہ کبیرہ گنے چنے اور تھوڑے سے ہیں اور صغیرہ گناہ لا تعداد ہیں۔ کبیرہ گناہ توبہ کرنے سے معاف ہوجاتے ہیں اور توبہ کرنا بھی آسان ہے، کوئی مشکل نہیں اور صغیرہ گناہ توبہ سے بھی معاف ہوجاتے ہیں، استغفار سے بھی معاف ہوجاتے ہیں اور اس کے علاوہ بہت سے نیک کاموں کے ذریعہ بھی معاف ہوتے رہتے ہیں، ان نیک کاموں میں ایک کام سورۂ اخلاص کا پڑھنا بھی ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص دوسو مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھ لے تو پچاس سال کے صغیرہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔

تین کام کرنے پر انعام

پچاس مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھنے کی ایک اور فضیلت ایک روایت میں آئی ہے کہ جو شخص ایمان کی حالت میں تین کام کرے تو اس کو اختیار ہے کہ جنت کے جس دروازے سے چاہے اندر چلا جائے اور جنت کی جس حور سے چاہے نکاح کرلے۔ یہ دو اختیار اس کو ملیں گے جو اس کے لئے بہت بڑا اعزاز ہوگا، اس لئے کہ جتنے جنتی ہوں گے، ہر ایک کے لئے ایک مخصوص دروازہ مقرر ہوگا جس سے

وہ جنت میں جائے گا، ہر شخص اپنی مرضی سے ہر دروازے سے جنت میں نہیں جاسکے گا۔ البتہ بعض خاص اعمال ایسے ہیں کہ ان اعمال کے کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت کے ہر دروازے سے جنت میں جانے کی اجازت ہوگی، بلکہ بعض لوگوں کو جنت کا ہر دروازہ خود اندر آنے کی دعوت دے گا کہ حضرت! آپ یہاں سے اندر تشریف لے جائیں۔ ان اعمال میں سے مندرجہ ذیل تین اعمال بھی ہیں۔

پہلا عمل: قاتل کو معاف کردینا

پہلا عمل یہ ہے کہ جو شخص اپنے قاتل کو معاف کردے، یعنی کسی شخص نے دوسرے کو اتنا زخمی کردیا کہ اس کے بچنے کی امید نہیں تھی، اس شخص نے مرنے سے پہلے اپنے قاتل کو اللہ تعالیٰ کے لئے معاف کردیا اور اپنے وارثوں سے کہہ دیا کہ اس سے انتقام مت لینا، میں نے اللہ کے لئے اس کو معاف کردیا ہے۔ یہ پہلا عمل ہے۔

دوسرا عمل: پوشیدہ قرض ادا کردینا

دوسرا عمل یہ ہے کہ کوئی شخص اپنا پوشیدہ قرض ادا کردے، یعنی ایسا قرض ہے کہ اگر مقروض ادا نہ کرنا چاہے تو قرض خواہ اس سے زبردستی نہیں لے سکتا، اس لئے کہ اس کے پاس قرض دینے کا کوئی ثبوت نہیں ہے، اس قرض پر نہ کوئی گواہ موجود ہے اور نہ تحریر موجود ہے، یہ پوشیدہ قرض ہے، اب یہ قرض مقروض کے

دینے پر موقوف ہے، اگر اللہ کے خوف سے وہ مقروض قرض ادا کردے تب تو وہ قرض ادا ہو جائے گا، ورنہ وہ قرض ضائع ہو جائے گا۔ یہ پوشیدہ قرض ادا کردینا دوسرا عمل ہے۔

تیسرا عمل: دس مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھنا

تیسرا عمل یہ ہے کہ ہر نماز کے بعد کوئی شخص دس مرتبہ سورۂ قل ھو اللّٰہ پڑھے۔ یہ تیسرا عمل ہے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ تین عمل بتا چکے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اگر کوئی شخص یہ تینوں عمل نہ کرسکے بلکہ ایک عمل کرلے تو اس کا کیا حکم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی بھی یہی فضیلت ہے۔ اب ہمارا کام بن گیا، ہم کہاں سے قاتل کو معاف کریں اور کہاں سے پوشیدہ قرض ادا کریں، اس لئے کہ یہ دونوں عمل اپنے اختیار میں نہیں ہیں، لیکن سورۂ قل ھو اللّٰہ پڑھنا سب کے اختیار میں ہے، ہر شخص ہر نماز کے بعد آسانی کے ساتھ دس مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھ سکتا ہے۔ اس کے نتیجے میں دو انعام ملیں گے، ایک یہ کہ جنت کے ہر دروازے سے جنت میں داخل ہونے کی سعادت نصیب ہوگی اور دوسرا یہ کہ ہر حور سے نکاح کرنے کا اختیار حاصل ہو جائے گا۔ اس لئے اس کا معمول بنانا اچھا ہے۔

ہر شخص کو اس کی کوشش کرنی چاہیے کہ وہ ہر نماز کے بعد دس مرتبہ قل ھو اللّٰہ پڑھ لیا کرے، اور جب ہر نماز کے بعد دس مرتبہ پڑھے گا تو دن میں یہ سورۃ

پچاس مرتبہ ہو جائے گی، پچاس مرتبہ پڑھنے کی فضیلت بھی حاصل ہو جائے گی کہ اللہ تعالیٰ پچاس سال کے گناہ صغیرہ معاف فرمادیں گے۔

دس مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھنے پر جنت میں محل

سورۂ اخلاص کی یہ فضیلت بڑی معروف ومشہور ہے جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام سے مروی ہے کہ سرکار دوعالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص دس مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں ایک محل بنا دیتے ہیں اور جو شخص بیس مرتبہ پڑھے تو اس کے لئے دو محل بنا دیتے ہیں اور جو شخص تیس مرتبہ پڑھے تو اس کے لئے تین محل بنا دیتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! پھر تو ہم جنت میں بہت سارے محل بنوالیں گے، اس لئے کہ یہ نہایت آسان عمل ہے، کوئی مشکل نہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ دینے پر بھی قادر ہیں، تم سورۂ اخلاص پڑھتے پڑھتے اور جنت میں محل بنواتے بنواتے تھک جاؤ گے لیکن اللہ تعالیٰ دینے سے نہیں تھکیں گے، کیونکہ ان کی عطا کی شان وہ ہے جو قرآن کریم نے بیان فرمائی کہ:

عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ (ھود:۱۰۸)

یعنی ان کی شانِ عطا ختم ہونے والی نہیں ہے۔ جس طرح ان کی ذات ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی، اسی طرح ان کی عطا بھی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی،

وہ ہمیشہ سے رزّاق ہیں، ہمیشہ رزّاق رہیں گے، اسی طرح جنت کی نعمتیں وہ ہمیشہ دینے والے ہیں اور ہمیشہ دیتے رہیں گے، بندے اپنے اعمال کر کے تھک سکتے ہیں مگر وہ دیتے دیتے نہیں تھک سکتے، بندوں کے اعمال آخر کار محدود ہیں لیکن ان کی عطالامحدود ہے، لہٰذا جتنی مرتبہ چاہو، پڑھ لو، وہ اس بھی زیادہ دینے والے ہیں۔

دنیا کا محل اور اس میں رہنے والے کا حال

جب دس مرتبہ پڑھنے سے ایک محل بن جاتا ہے تو اگر روزانہ ہر نماز کے بعد دس مرتبہ پڑھیں گے تو ایک دن میں پانچ محل بن جائیں گے۔ بتایئے! کیا دنیا میں کسی شخص کی ایک دن میں پانچ کوٹھیاں بن سکتی ہیں؟ پانچ تو کیا ایک بھی نہیں بن سکتی، بڑی مشکل سے پوری زندگی میں ایک کوٹھی بنتی ہے، اور اگر ایک کوٹھی بن جائے تو اس میں رہنے والے سے پوچھو کہ تم اس کوٹھی کے اندر آرام سے ہو یا تکلیف میں؟ یاد رکھیے! کوٹھی جتنی خوبصورت ہوتی ہے، اکثر اس میں رہنے والا اتنی ہی تکلیف میں ہوتا ہے۔ دنیا کے محلوں کا اور کوٹھیوں کا یہ حال ہے کہ جن کے محلوں میں ہزاروں رنگ کے فانوس لگے ہوئے تھے، ان کی قبروں پر آج جھاڑ جھنکار اُگا ہوا ہے اور ان کا کوئی نام ونشان نہیں ہے، قبر کے اندر معلوم نہیں، ان کا کیا حال ہوگا۔ ہندوستان میں جا کر دیکھ لو بادشاہوں کے محلوں کے کھنڈرات موجود ہیں، لیکن رہنے والوں کا نام ونشان نہیں۔

جن کے محلوں میں ہزاروں رنگ کے فانوس تھے
جھاڑ ہیں ان کی قبر پر اور نشاں کچھ بھی نہیں

اسبابِ راحت موجود، راحت مفقود

بہر حال! یہ تو مرنے کے بعد کا حال ہے، زندگی میں کسی مالدار سے جا کر پوچھ لو کہ تم اپنے گھر میں آرام سے ہو یا تکلیف میں ہو؟ اکثر ان کا یہ حال ہوتا ہے کہ ان کے پاس راحت کے سارے اسباب موجود ہوتے ہیں، لیکن راحت نہیں ہوتی، وجہ یہ ہے کہ "راحت" تو دین پر چلنے سے ملتی ہے، اللہ کی یاد میں سکون ملتا ہے، دنیا کے اسباب میں سکون نہیں ہے، لہٰذا اگر اللہ کے دین پر عمل نہیں ہے اور گناہوں سے بچنے کا اہتمام نہیں ہے اور شریعت پر عمل نہیں ہے تو پھر چاہے دنیا کی ساری نعمتیں اور راحتیں اس کے پاس موجود ہوں اور دولت سے اس کا گھر بھرا ہوا ہو، بینک بیلنس اس کے پاس اتنا ہو کہ اس کے بیٹے بھی کھائیں اور پوتے بھی کھائیں تو بھی ختم نہ ہو، تب بھی وہ شخص انتہائی بے چینی اور بے سکونی کے عالم میں ہوگا، اس لئے کہ اسبابِ دنیا راحت بخش نہیں ہوتے بلکہ تکالیف بخش ہوتے ہیں، انسان کے پاس جتنی دولت آتی ہے، یہ انسان کے پاس تکلیف اور مصیبت لے کر آتی ہے۔

دنیا کی حقیقت

دنیا کے بارے میں ایک عربی مضمون بڑا عجیب ہے، وہ یہ ہے :

إِذَا أَدْبَرَتْ صَارَتْ عَلَى الْمَرْءِ حَسْرَةً
وَ إِذَا أَقْبَلَتْ كَانَتْ كَثِيراً هُمُومُهَا

یعنی جب انسان کے پاس دنیا آتی ہے تو غم، فکر، پریشانیاں اور تکلیفیں لے کر آتی ہے اور جب دنیا جاتی ہے تو حسرت چھوڑ کر جاتی ہے۔ لہٰذا جس شخص کے پاس پیسہ آرہا ہے، وہ یہ نہ سمجھے کہ یہ پیسہ راحت و آرام لیکر آرہا ہے بلکہ جتنا پیسہ زیادہ آرہا ہے اور جتنی دولت زیادہ بڑھ رہی ہے، اسی تناسب سے اس کی تکلیفوں میں اضافہ ہورہا ہے، اس کی فکروں میں اور اس کے غم میں اور اس کی پریشانیوں میں اضافہ ہورہا ہے اور اس کا سکون کم ہوتا جارہا ہے اور اس کے راحت و آرام میں کمی آرہی ہے اور اگر دولت آکر واپس چلی جائے تو پھر غم ہی غم، حسرت ہی حسرت، افسوس ہی افسوس، لہٰذا یہ دنیا آئے تو مصیبت اور جائے تو مصیبت۔

''دین'' راحت بخش ہے

بہر حال! یہ ''دنیا'' بذات خود راحت بخش نہیں ہے بلکہ ایذاء بخش ہے اور تکلیف بخش ہے، البتہ ''دین'' راحت بخش ہے۔ اصل راحت بخش چیز اللہ کی یاد ہے، اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اور گناہوں سے اجتناب ہے، ان چیزوں سے انسان کو راحت ملتی ہے، انسان کو جتنا دین پر عمل کرنا نصیب ہوگا، اتنی ہی اس کو راحت نصیب ہوگی اور اتنا ہی اس کو سکون ملے گا، چاہے وہ جھونپڑے میں رہتا ہو، جھونپڑے میں رہنے والا شخص اگر اللہ کا نیک بندہ ہے اور دین پر چلنے والا ہے تو وہ

ان بادشاہوں سے اور ان امیروں اور وزیروں سے جو محلات میں زندگی گزار رہے ہیں، لاکھوں گنا راحت وسکون میں ہوگا، اس لئے کہ سکون اور راحت کی چیز اس کے پاس موجود ہے، وہ ہے ''دین اور شریعت پر عمل'' یہ سکون کی گولی ہے، جو شخص اس کو کھائے گا، وہ چاہے جہاں کہیں ہو، سکون کی نیند سو جائے گا اور جس شخص کے پاس یہ گولی نہیں ہوگی، وہ دماغ کی خشکی کی وجہ سے ساری رات جاگتا رہے گا، چاہے وہ اپنے محل میں ائیر کنڈیشن والے کمرے میں نرم بستر پر لیٹا ہوا ہو۔

حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کا واقعہ

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ جو سلطنت ''بلخ'' کے بادشاہ تھے، بادشاہت کے زمانے میں ان کو اللہ تعالیٰ سے محبت تھی اور اللہ تعالیٰ سے تعلق کے طالب تھے کہ کسی طرح مجھے اللہ تعالیٰ کا صحیح تعلق نصیب ہو جائے، ہر وقت اس فکر میں رہتے تھے کہ میں کسی طرح اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق مضبوط کروں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کا عجیب وغریب انتظام فرمایا، ایک مرتبہ رات کے وقت وہ محل میں سو رہے تھے، اچانک آنکھ کھلی تو محسوس ہوا کہ محل کی چھت پر کوئی دوڑ رہا ہے، انہوں نے اپنے خادم کو بھیجا کہ جاؤ دیکھو چھت پر کون دوڑ رہا ہے اور کیا کر رہا ہے؟ جب خادم اوپر گیا تو دیکھا کہ ایک آدمی کسی کو تلاش کر رہا ہے اور ڈھونڈ رہا ہے، خادم نے اس سے کہا کہ بادشاہ سلامت تمہیں بلا رہے ہیں، تم نیچے چلو،

چنانچہ خادم اس کو پکڑ لایا اور بادشاہ کے سامنے کھڑا کر دیا، بادشاہ نے اس سے پوچھا کہ تم کون ہو اور محل کی چھت پر کیا کر رہے ہو؟ تمہاری وجہ سے میری آنکھ کھل گئی۔ اس نے جواب دیا کہ حضور! میرا اونٹ جنگل میں گم ہو گیا ہے، اس کو تلاش کر رہا ہوں، بادشاہ نے کہا کہ تمہارا اونٹ جنگل میں گم ہوا ہے، یہاں محل کی چھت پر کہاں ملے گا؟ جنگل میں جا کر تلاش کرو، یہاں محل کی چھت پر اونٹ تلاش کرنا بیوقوفی ہے، اس نے کہا کہ حضور! گستاخی معاف، اگر یہاں محل کی چھت پر اونٹ تلاش کرنا بیوقوفی ہے تو اس محل میں رہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو تلاش کرنا بھی بیوقوفی ہے، بس اتنی بات کہہ کر وہ شخص غائب ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ کی تلاش میں جنگل چلے گئے

اس شخص کی یہ بات حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کے دل میں اتر گئی، وہ پہلے ہی سے تلاش میں تھے کہ کسی طرح اللہ تعالیٰ کا تعلق نصیب ہو جائے، اس واقعے کو اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کا ذریعہ بنا دیا، انہوں نے سوچا کہ واقعی جس طرح اس محل میں اونٹ کو تلاش کرنا بیوقوفی ہے، اسی طرح اس محل میں رہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم کرنے کی کوشش بھی ناسمجھی ہے، اس کے لئے قربانی دینی پڑے گی، چنانچہ انہوں نے بلخ کی بادشاہت کو خیر آباد کہا اور جنگل کی طرف نکل گئے اور ایک عرصہ دراز تک جنگل میں اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول رہے، اور اللہ تعالیٰ کے تعلق سے مالا مال ہوئے۔

مغلوب الحال کا عمل قابل تقلید نہیں

لیکن یہ صورت جو حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کو پیش آئی، یہ ان کا غلبہء حال تھا، لہٰذا اس معاملے میں دوسروں کو ان کی تقلید کرنی درست نہیں کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر جنگل میں چلا جائے، وہ مغلوب الحال تھے اور مغلوب الحال کا عمل دوسرے کے لئے قابلِ تقلید نہیں ہوتا۔ اب حضرت ابراہیم بن ادھمؒ جنگل میں فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے، ایک جھونپڑے میں ان کا قیام تھا اور عامیانہ لباس پہنتے تھے، ایک دن وہ اپنے جھونپڑے کے باہر بیٹھے ہوئے تھے کہ بلخ کا وزیر وہاں سے گزرا، اس نے جب حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کو اس فقیرانہ حالت میں دیکھا تو اس کو آپ کا وہ شاہی زمانہ یاد آگیا جس میں آپ شاہی لباس پہن کر تختِ شاہی پر جلوہ افروز ہوا کرتے تھے اور سواری کے لئے ایک سے ایک اعلیٰ گھوڑے اصطبل میں تیار رہتے تھے اور بلخ کی سلطنت کے مالک تھے، لیکن آج کس بے سروسامانی کی حالت میں ہیں، کپڑے بھی پھٹے ہوئے ہیں، رہنے کی جگہ بھی معمولی سی ہے، بس ایک گھانس پھونس سے بنا ہوا جھونپڑا ہے۔ وہ وزیر آپ کی اس حالت کو دیکھ کر گھوڑے سے اترا اور سلام عرض کیا اور عرض کیا کہ حضور! مجھے آپ کو دیکھ کر آپ کا وہ شاہی زمانہ یاد آگیا جب آپ کے پاس اعلیٰ نسل کے عمدہ گھوڑے ہوا کرتے تھے، آج میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کے پاس کوئی گھوڑا نہیں ہے، جس کا مجھے افسوس ہو رہا ہے۔

اعلیٰ نسل کے چار گھوڑے

آپ نے فرمایا کہ میرے پاس اب بھی اعلیٰ نسل کے چار گھوڑے ہیں اور ایسے گھوڑے ہیں کہ اس سے پہلے کبھی مجھے نصیب نہیں ہوئے تھے۔ وزیر نے یہ سن کر دائیں بائیں نظر دوڑائی کہ شاید وہ گھوڑے قریب میں کہیں بندھے ہوئے ہوں۔ دنیا دار کی نظر دنیا کی طرف ہوتی ہے اور آخرت والوں کی نظر آخرت کی طرف ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو آخرت پر نظر کرنے والا بنا دے۔ آمین۔ لیکن اس وزیر کو کوئی گھوڑا نظر نہ آیا، حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ سمجھ گئے کہ یہ بیچارہ ظاہری گھوڑوں کو دیکھ رہا ہے، چنانچہ آپ نے اس سے فرمایا: میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میرے پاس کون سے گھوڑے ہیں، نمبر ایک: جب اللہ تعالیٰ مجھے کوئی نعمت عطا فرماتے ہیں تو میں "شکر" کے گھوڑے پر سوار ہو جاتا ہوں اور شکر ادا کرتا رہتا ہوں۔ نمبر دو: اور جب مجھے کوئی تکلیف یا کوئی رنج پیش آتا ہے اور طبیعت کے خلاف کوئی بات پیش آتی ہے تو میں "صبر" کے گھوڑے پر سوار ہو جاتا ہوں۔ نمبر تین: جب مجھے کوئی ضرورت اور حاجت پیش آتی ہے تو میں "رجوع الی اللہ" کے گھوڑے پر سوار ہو کر فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہوں اور اس کو تیز دوڑاتا ہوں، یعنی اللہ تعالیٰ سے عرض و معروض کرتا رہتا ہوں۔ نمبر چار: اور جب کوئی تکلیف نہیں ہوتی تو میں "رضا" کے گھوڑے پر سواری کرتا ہوں، یہ چار گھوڑے اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کر رکھے ہیں، اس لئے میں ہر وقت

کسی نہ کسی گھوڑے پر سواری کرتا رہتا ہوں۔

آخرت تک پہنچانے والے گھوڑے

وزیر نے یہ باتیں سن کر کہا کہ حضرت! واقعی آپ نے جن گھوڑوں کا نام لیا ہے، دنیا کے سارے گھوڑے مل کر بھی ان میں سے کسی ایک گھوڑے کی برابری نہیں کر سکتے، آپ کے پاس تو اب بھی شاہی گھوڑے ہیں، وہ دنیا کے شاہی گھوڑے تھے اور یہ آخرت کے شاہی گھوڑے ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کا شوق یہاں بھی پورا کر دیا ہے، آپ کو ایسے چار معنوی گھوڑے عطا فرمائے ہیں جو دنیا سے سوار کر کے آخرت میں اتارنے والے ہیں۔

بلخ کی بادشاہت کی پیش کش

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قصہ بھی مشہور و معروف ہے کہ ایک مرتبہ ایک اور وزیر آپ کے پاس سے گزرا، آپ جنگل میں بیٹھے ہوئے اپنی گدڑی سی رہے تھے، آپ کی اس غربت اور فقر و فاقہ کی حالت دیکھ کر اس کو بہت افسوس ہوا اور آپ سے عرض کیا کہ حضرت! آپ کی ایک شان وہ تھی جب آپ بلخ کے بادشاہ تھے، شاہی محل میں رہتے تھے اور خوبصورت آرام دہ گدوں پر خوبصورت چادریں بچھی ہوتی تھیں، کمروں کی دیواروں پر خوبصورت پردے لٹکے ہوتے تھے، اور آج یہ حال ہے کہ آپ جس گدڑی پر سوتے ہیں، وہ بھی پھٹی ہوئی ہے اور آپ اس میں پیوند لگا رہے ہیں، حضور! آپ کے لئے آج بھی بلخ

کی بادشاہت حاضر ہے، آپ تشریف لے چلیں اور اپنے تخت و تاج کو سنبھال لیں، ہم آپ کے خادم بننے کے لئے پہلے کی طرح تیار ہیں۔

دریا کی مچھلیوں پر حکومت

حضرت ابراہیم بن ادھمؒ نے ان کی ساری باتیں سنیں اور پھر ان کو ایک کرامت دکھائی، وہ یہ کہ جس سوئی سے آپ گدڑی سی رہے تھے، آپ نے وہ سوئی دریا میں پھینک دی اور پھر مچھلیوں کو حکم دیا کہ میری سوئی واپس لاؤ، جیسے ہی آپ نے حکم دیا تو بے شمار مچھلیوں نے پانی سے اپنا منہ نکالا اور ہر ایک کے منہ میں ایک سونے کی سوئی تھی، ہر مچھلی کی یہ خواہش تھی کہ آپ مجھ سے یہ سوئی لے لیں، لیکن آپ نے ان مچھلیوں سے فرمایا کہ مجھے تو میری وہ سوئی چاہئے جو میں نے پھینکی ہے، یہ سن کر سب مچھلیاں واپس چلی گئیں اور ایک چھوٹی سی مچھلی نے آگے بڑھ کر آپ کو آپ کی سوئی لا کر دیدی، آپ نے ہاتھ بڑھا کر وہ سوئی اس کے منہ سے لے لی۔

دلوں پر حکومت ہے

پھر آپ نے وزیر سے فرمایا کہ پہلے بھی میری سلطنت تھی اور اب بھی میری سلطنت موجود ہے، البتہ دونوں سلطنتوں میں فرق ہے، وہ یہ کہ پہلے صرف جسموں پر سلطنت تھی، دلوں پر نہیں تھی، اب دلوں پر حکومت ہے، پہلے ڈنڈوں کے زور پر حکومت تھی، دل کے ساتھ نہیں تھی، اب دل کے ساتھ حکومت ہے، اب

اللہ تعالیٰ نے ان بے زبان جانوروں پر اور سمندر کی مچھلیوں پر حکومت عطا فرمائی ہے جو دل و جان سے مجھ پر فدا اور قربان ہیں، اب تم بتاؤ کہ یہ سلطنت بہتر ہے یا وہ سلطنت بہتر تھی؟ وہ سلطنت تو ایسی تھی کہ سامنے تو لوگ ہاتھ جوڑے کھڑے ہوتے ہیں اور پیچھے سے جوتا دکھاتے ہیں، سامنے آکر گردن جھکاتے ہیں اور پیچھے گالی بکتے ہیں۔ بہر حال! آپ نے یہ کرامت دکھائی۔

اصلی راحت دین پر چلنے میں ہے

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کو نیشاپور کے جنگل میں وہ راحت حاصل تھی جو ان کو بلخ کی بادشاہت میں حاصل نہیں تھی۔ لہٰذا اصلی راحت دین پر چلنے میں ہے، گناہوں سے بچنے میں ہے، شریعت پر عمل کرنے میں ہے، شریعت اور دین کو چھوڑ کر دنیا کمانے میں دنیا کھانے میں، دنیا پہننے میں دنیا استعمال کرنے میں اور دنیا حاصل کرنے میں سوائے تکلیف کے اور کچھ بھی نہیں۔

خلاصہ

خلاصہ یہ کہ ہمیں اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ جو باتیں سنیں، اس کا معمول بناتے جائیں، جو عمل کرنے کا ہو، اس پر عمل شروع کردیں اور جو عمل بچنے کا ہو، اس سے بچنا شروع کردیں، جتنا دین ہمارے اندر آتا جائے گا، راحت حاصل ہوتی جائے گی، سکون بھی حاصل ہوگا، عزت بھی حاصل ہوگی، آسانیاں اور سہولتیں بھی حاصل ہوتی چلی جائیں گی، انہیں اعمال میں سے ایک عمل سورۂ

اخلاص کو پڑھنا ہے، اگر ہم ہر نماز کے بعد بیس مرتبہ پڑھنے کا معمول بنالیں یا دس مرتبہ ہر نماز سے پہلے اور دس مرتبہ ہر نماز کے بعد پڑھ لیا کریں تو روزانہ آسانی سے سو کی تعداد پوری ہو جائے گی، اس طرح سے ہمارے دوسرے کاموں میں بھی خلل واقع نہیں ہوگا اور آسانی سے سورۂ اخلاص پڑھنے کا ثوابِ عظیم بھی حاصل ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے فضل سے ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمين

سورۂ اخلاص کے فضائل

بسم اللہ الرّ حمٰن الرّ حیم

الحمد للہ ربّ العالمین و العاقبة للمتقین و الصّلاة و السّلام علیٰ رسولہ الکریم محمّد و الہ و اصحابہ اجمعین۔ اما بعد !

سورۂ اخلاص قرآن کریم کی چھوٹی سی سورۃ ہے جس کو یاد کرنا اور پڑھنا بیحد آسان ہے، تقریباً ہر مسلمان مرد وعورت کو یہ سورۃ یاد ہوتی ہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بڑے فضائل، فوائد اور ثواب بیان فرمایا ہے، اس سلسلہ میں یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا ایک انتخاب پیشِ خدمت ہے، اس کا مطالعہ کیجئے اور اس مبارک سورۃ سے فائدہ اٹھایئے !

تہائی قرآن کریم کا ثواب

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات سے عاجز ہے کہ وہ رات کو تہائی قرآن کریم پڑھے؟ (پھر فرمایا) جو شخص اللّٰہ الواحد الصمد (یعنی سورۂ اخلاص) پڑھے تو بلاشبہ اس نے تہائی قرآن کریم۔

(ترمذی)

جنت کی خوش خبری

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک انصاری (صحابی) جوان (انصاری صحابہ کرام) کی مسجد میں امامت کرتے تھے، وہ جب بھی کوئی سورۃ ان کے لئے نماز میں (سورۂ فاتحہ کے بعد) شروع کرتے تھے تو اس کے شروع میں قل ھو اللّٰہ احد پڑھتے تھے پھر اس سے فارغ ہوکر دوسری سورۃ پڑھتے اور ہر رکعت میں یہی کرتے تھے، ان کے ساتھیوں نے (اس سلسلہ میں) ان سے بات کی کہ آپ اسی سورۂ (اخلاص) سے (ہر رکعت کا) آغاز کرتے ہیں، پھر آپ اس سورۃ پر اکتفا بھی نہیں کرتے بلکہ دوسری سورۃ بھی ساتھ پڑھتے ہیں، یا تو صرف اسی سورۃ کو پڑھا کریں یا اسکو چھوڑ دیں (کوئی) دوسری سورۃ پڑھیں (بہر حال سورۂ فاتحہ کے بعد صرف ایک سورۃ پڑھیں) تو انہوں نے (جواباً) کہا کہ میں اس (طریقے) کو تو چھوڑوں گا نہیں، اگر تم چاہو تو میں اسی طرح تمہاری امامت کروں گا اور اگر تم کو یہ طریقہ ناپسند ہو تو میں تمہاری امامت چھوڑ دوں گا، اور وہ (انصاری صحابہ کرام) ان (امام صاحب) کو اپنے لوگوں میں سے سب سے بہتر سمجھتے تھے (چنانچہ) انہوں نے اس بات کو ناپسند کیا کہ ان کے علاوہ کوئی اور ان کی امامت کرے، پھر جب ان (انصاری صحابہ کرام) کے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو انہوں نے آپ کو ساری بات بتلائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان صاحب سے) فرمایا: اے فلاں! آپ

کے ساتھی آپ کو جو بات کہتے ہیں، اس کے کرنے میں آپ کو کیا رکاوٹ ہے (اور کیا چیز اس پر عمل کرنے سے روکتی ہے) اور آپ کو سورۂ (اخلاص) کو ہر رکعت میں لازم کرنے پر کیا چیز ابھارتی ہے؟ انہوں (یعنی امام صاحب) نے عرض کیا کہ میں اس (سورۃ) سے محبت کرتا ہوں، آپ نے فرمایا: تیرا اس (سورۂ اخلاص) سے محبت کرنا تجھے جنت میں داخل کردے گا۔ (بخاری)

جنت کا واجب ہونا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک شخص کی طرف متوجہ ہوا، آپ نے ایک آدمی کو (سورۂ) قل هو الله احد پڑھتے ہوئے سنا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: واجب ہوگئی، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا واجب ہوگئی؟ آپ نے فرمایا: جنت۔ (ترمذی)

ایسے شخص (صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے روایت ہے جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پائی، وہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں گیا، آپ ایک شخص کے پاس سے گزرے جو (سورۂ) قل یا ایها الکفرون پڑھ رہا تھا تو آپ نے فرمایا: یہ (شخص) شرک سے بری ہے، راوی فرماتے ہیں کہ اس وقت ایک دوسرا شخص قل هو الله احد پڑھ رہا تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس (سورۂ اخلاص) کی وجہ سے اس شخص کے لئے

جنت واجب ہوگئی۔ (مسند احمد)

پچاس سال کے گناہوں کی بخشش

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ہر روز دو سو مرتبہ **قل ھو اللّٰہ احد** (یعنی سورۂ اخلاص) پڑھے تو اس کے پچاس سالوں کے گناہ مٹا دیے جائیں گے مگر یہ کہ اس پر قرض ہو۔ (ترمذی)

(ف) یعنی اس عمل سے قرض معاف نہ ہوگا، وہ صاحب حق کو ادا کرنے یا اس کے معاف کرنے سے معاف ہوگا۔

جنت میں داہنی طرف سے داخلہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے بستر پر سونے کا ارادہ کرے اور وہ اپنی داہنی کروٹ پر لیٹ جائے پھر سو مرتبہ **قل ھو اللّٰہ احد** (سورۂ اخلاص) پڑھے، تو جب قیامت کا دن ہوگا، رب تبارک وتعالیٰ اس سے فرمائیں گے: اے میرے بندے! اپنی دائیں جانب سے جنت میں داخل ہو جا۔ (ترمذی)

جہنم سے برأت

حضرت ابن الدیلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو نجاشی کے بھانجے ہیں اور نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم رہے ہیں) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص سو مرتبہ قل ھو اللّٰہ احد پڑھے، خواہ نماز میں یا نماز کے باہر، تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے آگ (یعنی جہنم) سے برأت لکھ دیتے ہیں۔

جنت میں محلات

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جو شخص دس مرتبہ قل ھو اللّٰہ احد پڑھے تو اس کے لئے جنت میں ایک محل بنا دیا جاتا ہے اور جو شخص بیس مرتبہ پڑھے تو اس کے لئے دو محل بنائے جاتے ہیں اور جو شخص تیس مرتبہ پڑھے تو اس کے لئے تین (محل) بنائے جاتے ہیں۔ (رواہ الطبرانی فی سندہ ضعف)

بچھو کے زہر کا تریاق

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بچھو نے ڈس لیا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے، جب آپ (نماز سے) فارغ ہوئے تو فرمایا: اللہ بچھو پر لعنت کرے، یہ نہ نمازی کو چھوڑتا ہے اور نہ غیر نمازی کو، پھر آپ نے نمک اور پانی منگوایا اور اس (جگہ) پر ملنے لگے اور قل ھو اللّٰہ احد، قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھنے لگے۔ (رواہ الخلال بسند حسن)

ڈیڑھ ہزار نیکیاں

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص دن میں دو سو مرتبہ قل ھو اللہ احد پڑھ لے تو اس کے لئے ڈیڑھ ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں بشرطیکہ اس پر دَین (قرض) نہ ہو۔

(رواہ مسند أبی یعلی بسند ضعیف)

(ف) اس لئے قرض اور دیگر حقوق العباد کی ادائیگی کا بہت خیال رکھنا چاہئے اوران کی پامالی سے بچنا چاہئے۔

پچاس سال کے گناہوں کی مغفرت

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص قل ھو اللہ احد پڑھے، اللہ تعالیٰ اس کے پچاس سال کے گناہ بخش دیتے ہیں۔ (دارمی)

مرتے ہی جنت میں داخل ہونا

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ہر فرض نماز کے بعد ایۃ الکرسی پڑھے، اس کے جنت میں داخل ہونے کے لئے سوائے موت کے کوئی چیز رکاوٹ نہیں ہوگی، اور ایک روایت میں (ایۃ الکرسی کے ساتھ) قل ھو اللہ احد (کا بھی ذکر) ہے (یعنی مذکورہ فضیلت ایۃ الکرسی اور قل ھو اللہ احد دونوں کے

پڑھنے میں ہے۔ (مجمع الزوائد)

جنت میں ہر دروازے سے داخلہ اور حورِعین سے نکاح

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین کام ایسے ہیں کہ جو شخص ایمان کے ساتھ ان کو انجام دیگا، وہ جنت کے جس دروازے سے چاہے گا داخل ہوگا اور جس حور عین سے چاہے گا اس کا نکاح کیا جائے گا۔

(وہ تین کام یہ ہیں)

(۱) جو شخص اپنے قاتل کو معاف کر دے۔

(۲) اور خفیہ قرض ادا کر دے۔

(۳) اور ہر نماز کے بعد دس مرتبہ قل ھو اللہ احد (سورۃ) پڑھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا (اگر کوئی) ان میں سے ایک (کام کرے تو کیا اس کی) بھی (یہی فضیلت ہے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (ہاں) ان میں سے کسی ایک پر (عمل کرنے کی) بھی (یہی فضیلت ہوگی)۔ (رواہ مسند أبی یعلی بسند ضعیف)

فراخی اور کشادگی

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و

سلم نے فرمایا: قل ھو اللہ احد تہائی قرآن کے برابر ہے اور آپ ان کو فجر کی دو رکعتوں (یعنی سنتوں) میں پڑھا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان دو رکعتوں میں زمانے کی فراخی ہے۔ (رواہ الطبرانی فی سندہ ضعف)

ہر چیز سے کفایت

حضرت عبداللہ بن خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بارش والی اور سخت تاریک رات میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کرتے ہوئے نکلے، تاکہ آپ ہمیں نماز پڑھائیں، تو ہم نے آپ کو پالیا، آپ نے دریافت فرمایا: کیا تم نے نماز پڑھ لی؟ میں بالکل خاموش رہا، پھر آپ نے فرمایا کہو، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں کیا کہوں؟ آپ نے فرمایا: قل ھو اللہ احد اور معوذتین پڑھو (جب تم سورۂ اخلاص، سورۂ فلق اور سورۂ ناس) صبح کے وقت اور شام کے وقت تین (تین) مرتبہ (پڑھو گے تو یہ) ہر چیز سے کافی ہو جائیں گی۔ (ترمذی)

(ف) یعنی تمہاری ہر ضرورت ان کی برکت سے بآسانی پوری ہو گی، انشاء اللہ تعالیٰ۔

سورۂ اخلاص عظیم دولت

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک صحابی سے فرمایا: اے فلاں! کیا آپ نے شادی کی ہے؟ عرض کیا نہیں (اور کہا) اللہ کی قسم یا رسول اللہ! میرے پاس ایسی کوئی چیز نہیں جس کے

ذریعے میں شادی کروں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تیرے پاس قل هو اللّٰه احد بھی نہیں؟ عرض کیا: ہاں ہے، فرمایا: (یہ) تہائی قرآن کریم ہے، فرمایا: کیا تیرے پاس اذا جاء نصر اللّٰه و الفتح نہیں ہے؟ عرض کیا: ہاں ہے، فرمایا: (یہ) چوتھائی قرآن کریم ہے، فرمایا: کیا تیرے پاس قل یا ایها الکٰفرون نہیں ہے؟ عرض کیا: ہاں ہے، فرمایا یہ چوتھائی قرآن کریم ہے، فرمایا: کیا تیرے پاس اذا زلزلت نہیں ہے؟ عرض کیا: ہاں ہے، فرمایا: یہ چوتھائی قرآن کریم ہے، (بعض روایات میں اس کو نصف قرآن بھی فرمایا ہے) فرمایا: شادی کر، شادی کر۔ (ترمذی)

سورۂ اخلاص کا وتر میں پڑھنا

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر (کی نماز) میں (سورۂ فاتحہ کے بعد) سبح اسم ربك الاعلیٰ پہلی رکعت میں اور قل یا ایها الکفرون (دوسری رکعت میں) اور قل هو اللّٰه احد (تیسری رکعت میں) پڑھتے تھے اور جب سلام پھیرتے تو تین مرتبہ کہتے تھے: سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ۔ (مستدرک حاکم)

سب سے عظیم سورت

حضرت اَیْفَعْ بن عبد اللہ رحمہ اللہ سے (مرسلا) روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! قرآن مجید میں کون سی سورۃ سب سے زیادہ عظمت

والی ہے، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: قل ھو اللّٰہ احد، عرض کیا کون سی آیت قرآن مجید میں عظمت والی ہے، فرمایا: آیۃ الکرسی لا الٰہ الا ھو الحی القیوم آپ کون سی آیت اپنے اور اپنی امت کے لئے پسند فرماتے ہیں! آپ نے فرمایا: سورۂ بقرہ کی آخری آیات، اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے عرش کے نیچے اس کی رحمت کے بہترین خزانوں میں سے ہے، اللہ تعالیٰ نے یہ (خاص) اس امت کو عطا فرمائی ہے، یہ دنیا کی ہر بھلائی پر مشتمل ہے۔ (رواہ الخلال)

فجر کی سُنّتوں میں سورۂ اخلاص کا پڑھنا

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فجر سے پہلے کی دو رکعتوں (یعنی فجر کی سنتوں) میں بیس مرتبہ سے زیادہ قل یا ایھا الکفرون اور قل ھو اللّٰہ احد پڑھتے ہوئے سنا۔ (ترمذی)

ہر شر سے حفاظت

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص جمعہ کی نماز کے بعد سات مرتبہ قل ھو اللّٰہ احد، قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھے تو اللہ تعالیٰ عز وجل اس کی وجہ سے اس پڑھنے والے کو دوسرے جمعہ تک ہر شر سے محفوظ فرمائیں۔ (رواہ الخلال بسند ضعیف جداً)

طواف کی دورکعتوں میں سورۂ اخلاص کا پڑھنا

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کی دورکعتوں میں اخلاص کی دوسورتیں یعنی قل یا ایھا الکفرون اور قل ھو اللہ احد پڑھی۔ (رواہ الخلال بسند حسن)

مغرب کی نماز میں سورۂ اخلاص کا پڑھنا

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مغرب (کی نماز) میں قل یا ایھا الکفرون اور قل ھو اللہ احد پڑھتے تھے۔ (رواہ الخلال)

اللہ تعالیٰ کا محبت فرمانا

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سریہ پر ایک شخص کو (امیر بنا کر) بھیجا، وہ اپنے ساتھیوں (کو نماز پڑھاتے ہوئے) اپنی نماز میں قرأت کو قل ھو اللہ احد پر ختم کرتا تھا، جب وہ لوگ واپس لوٹے تو انہوں نے اس بات کا تذکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا، آپ نے فرمایا: اس سے پوچھو! وہ کس وجہ سے ایسا کرتا تھا؟ انہوں نے اس سے پوچھا تو اس نے کہا: کیونکہ یہ (سورۃ) رحمٰن عز وجل کی صفتِ (خاص پر مشتمل) ہے، اس لئے مجھے اس کا پڑھنا پسند ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: اسے خبر دو کہ بیشک اللہ عز وجل اس سے محبت فرماتے ہیں۔ (رواہ الخلال)

بہترین دم

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری عیادت فرمائی (اور) پڑھا: اعیذک باالاحد الصمد الذی لم یلد و لم یولد و لم یکن له کفواً احد من شر ما تجد: آپ نے اس کو سات مرتبہ دھرایا پھر جب آپ نے کھڑے ہونے کا ارادہ کیا تو فرمایا: اے عثمان! ان (کلمات) کے ذریعہ پناہ مانگا کرو (یعنی دم کیا کرو) تم اس سے بہتر کلمات سے پناہ نہیں مانگ سکتے۔ (رواہ الخلال)

فقر و فاقہ کا دور ہونا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے گھر میں داخل ہونے کے وقت قل ھو اللہ احد پڑھا کرے تو اس کے گھر والوں اور (ان کے) پڑوسیوں سے فقر مٹ جاتا ہے (یعنی دور ہو جاتا ہے)۔ (رواہ ابن کثیر بسند ضعیف)

چار مرتبہ قرآن مجید پڑھنے کا ثواب

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص صبح کی نماز کے بعد بارہ مرتبہ قل ھو اللہ احد (یعنی سورۂ اخلاص) پڑھے تو گویا اس نے چار مرتبہ قرآن مجید (مکمل) پڑھ لیا اور اس دن وہ

زمین والوں میں سب سے بہتر ہوگا، بشرطیکہ وہ (اللہ تبارک وتعالیٰ سے) ڈرے (یعنی گناہوں سے بچے)۔ (رواہ الطبرانی بسند ضعیف)

سوتے وقت کا دم

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات بستر پر جب تشریف فرما ہوتے تو اپنی ہتھیلیوں کو جمع فرما لیتے پھر ان میں دم فرماتے اور ان میں قل ھو اللہ احد اور قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھتے پھر ان (ہتھیلیوں) کو اپنے جسم پر پھیرتے جہاں تک ممکن ہوتا، آغاز سر مبارک اور چہرہ مبارک اور جسم کے اگلے حصے سے فرماتے اور ایسا تین مرتبہ فرماتے۔ (بخاری)

فراخیِ رِزق کا مجرب عمل

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اپنی غربت اور تنگدستی کی شکایت کی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: جب تم اپنے گھر میں داخل ہونے لگو تو پہلے سلام کرو، خواہ گھر میں کوئی موجود ہو یا نہ ہو، پھر مجھ پر سلام بھیجو اور ایک دفعہ "قل ھو اللّٰہ احد" پڑھو، چنانچہ اس شخص نے اس پر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر روزی کشادہ فرما دی (جس سے اس کا فقر و فاقہ دور ہو گیا) بلکہ (اس کی برکت سے) اس کے پڑوسی اور رشتہ دار بھی فیضیاب ہوئے۔ (القول البدیع بسند ضعیف)

(ف) اس حدیث کے مطابق گھر میں اس طرح داخل ہوں۔

۱ گھر میں داخل ہوتے وقت اگر کوئی شخص موجود ہو تو یہ کہیں!

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ

اگر گھر خالی ہو تو یہ کہیں!

اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَ عَلٰی عِبَادِاللّٰهِ الصَّالِحِیْنَ ط

۲ اس کے بعد یہ کہیں!

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ

۳ اس کے بعد یہ کہیں!

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ○ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ○ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ ○

فتنۂ قبر سے حفاظت

حضرت عبداللہ بن شخیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے مرض الموت میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھے، وہ اپنی قبر میں فتنہ میں نہیں ڈالا جائے گا، بلکہ قبر کے فتنہ سے محفوظ رہے گا اور قیامت کے دن اس کو فرشتے اپنے ہاتھوں پر اٹھالیں گے، حتی کہ اس کو پل صراط سے گزار کر جنت تک پہنچادیں گے۔ (رواہ الطبرانی بسند ضعیف)

بے مثال سورتیں

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے فرمایا: اے عقبہ بن عامر! کیا میں تجھے ایسی سورتیں نہ سکھاؤں کہ ان جیسی نہ تورات میں نازل ہوئیں اور نہ زبور میں، نہ انجیل میں اور نہ ہی قرآن مجید میں (نازل ہوئیں) میں ہر رات ان کو پڑھتا ہوں (اور وہ یہ ہیں) قل ھو اللہ احد، قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس۔ (مجمع الزوائد)

سورۂ اخلاص پڑھنے پر مغفرت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابیؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو قل یا ایھا الکفرون پڑھتے ہوئے سنا تو آپ نے فرمایا: یہ شخص شرک سے بری ہے اور دوسرے کو قل ھو اللہ احد پڑھتے ہوئے سنا تو فرمایا: اس شخص کی مغفرت کردی گئی۔ (مسند احمد)

سفر میں فراخی

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ جب سفر میں جاؤ تو وہاں تم اپنے سب رفقاء سے زیادہ خوشحال اور بامراد ہو اور تمہارا سامان زیادہ ہو جائے؟ انہوں

نے عرض کیا یا رسول اللہ! بیشک میں ایسا چاہتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (آخر قرآن کی) پانچ سورتیں سورۂ کافرون، سورۂ نصر، سورۂ اخلاص، سورۂ فلق اور سورۂ ناس پڑھا کرو اور ہر سورۃ کو بسم اللہ سے شروع کرو اور بسم اللہ ہی پر ختم کرو۔ حضرت جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ویسے مالدار تھا (لیکن) جب میں سفر کرتا جن کے ساتھ میرا سفر اللہ تعالیٰ چاہتے تو میں اپنے دوسرے ساتھیوں کے بالمقابل کم توشہ والا ہوتا تھا، جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تعلیم پر عمل کیا اور ان سورتوں کو پڑھتا تو میں ان سب سے اچھی حالت میں ہوتا اور زیادہ مال والا ہوتا۔ یہاں تک کہ میں اپنے سفر سے واپس لوٹتا۔ (مسند ابی یعلی موصلی)

جہنم کا حرام ہونا

حضرت کعب احبارؒ فرماتے ہیں: جو شخص قل ھو اللہ احد پڑھے، اس کے گوشت کو آگ پر (یعنی جہنم پر) حرام کردیا جاتا ہے۔

(رواہ الخلال و فی سندہ ضعف)

گناہوں سے حفاظت

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں: جو شخص فجر کے بعد قلْ ھو اللہ احد یعنی سورۂ اخلاص دس مرتبہ پڑھ لے تو وہ کسی گناہ میں مبتلا نہیں ہوگا، اگرچہ شیاطین اس پر اپنے زور لگائیں۔ (رواہ ابن أبی شیبۃ بسند ضعیف)

عظیم سعادتیں

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص سو مرتبہ (سورۂ) قل ھو اللہ احد ایسی پاکی کے ساتھ پڑھے جیسی پاکی نماز کے لئے ہوتی ہے (یعنی باوضو ہوکر) (جبکہ آغاز سورۂ فاتحہ سے کرے پھر سو مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں لکھیں گے، دس گناہ معاف فرمائیں گے اور اس دن اس کے دس درجے بلند فرمائیں گے اور اس کے لئے جنت میں سو محل بنائیں گے اور اس دن اس کے عمل کو تمام لوگوں کے عمل کے برابر درجہ ملے گا اور گویا اس نے ۳۳ مرتبہ قرآن شریف پڑھا اور اس کے لئے شرک سے برأت ہوگی۔ اس (سورۂ اخلاص) کی ایک آواز عرش کے اردگرد ہے اور اپنے پڑھنے والے کا تذکرہ کرتی ہے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس (سورۂ اخلاص کے پڑھنے والے) کی طرف نظر فرماتے ہیں اور جس پر اللہ تعالیٰ نظرِ (رحمت) فرماتے ہیں پھر اس کو کبھی عذاب نہیں دیں گے۔ (شعب الایمان)

شفاعت قبول ہونا

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان عرفہ کے دن زوال کے بعد میدانِ عرفات میں قبلہ رخ ہوکر سو مرتبہ لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک و لہ

الحمد وهو علی کل شئی قدیر اور سو مرتبہ (سورۂ اخلاص) یعنی قل هو اللّٰہ احد پڑھے پھر سو مرتبہ (درود ابراہیمی) اللھم صل علیٰ محمد وعلی ال محمد کما صلّیت علیٰ ابراھیم و علیٰ اٰل ابراھیم انك حمید مجید و علینا معھم پڑھے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائیں گے: اے میرے فرشتو! میرے اس بندے کی کیا جزاء ہے جس نے میری تسبیح و تہلیل، تکبیر و تعظیم، تعریف و ثنا کی اور میرے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود بھیجا؟ اے میرے فرشتو! تم گواہ رہو میں نے اس کو بخش دیا ہے اور اس نے جس کی شفاعت کی اس کے حق میں شفاعت قبول کر لی اور اگر وہ اہل عرفات کے لئے شفاعت کرتا تو بھی میں قبول کر لیتا۔

(شعب الایمان)

سورۂ اخلاص کی وجہ سے عظیم مرتبہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) معاویہ بن معاویہ لیثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہو گیا ہے، کیا آپ ان پر نماز (جنازہ) پڑھنا پسند کریں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں، تو جبرئیل علیہ السلام نے اپنا پیر زمین پر مارا جس سے نہ تو کوئی درخت باقی رہا اور نہ کوئی پردہ حائل رہا، درمیان کی ہر چیز پامال ہو کر رہ گئی

اوران کا جنازہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کر دیا گیا، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھا اور اس پر نماز جنازہ پڑھی اس حال میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے فرشتوں کی دو صفیں تھیں، ہر ایک صف میں ستر ہزار فرشتے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے جبرئیل! انہیں منجانب اللہ یہ عظیم مرتبہ کیسے ملا؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا قل ھو اللّٰہ احد سے محبت کرنے اور اس کو آتے جاتے، اٹھتے بیٹھتے، ہر حال میں پڑھنے کی وجہ سے (ان کو یہ مرتبہ ملا)۔ (مسند أبی یعلی موصلی)

سورۂ اخلاص قبرستان میں پڑھنے کا ثواب

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ جو شخص قبرستان سے گزرے اور گیارہ مرتبہ قل ھو اللّٰہ احد پڑھے، پھر اس کا ثواب مُردوں کو بخش دے تو مُردوں کی تعداد کے برابر اسے اجر دیا جائے گا۔ (شرح الصدور)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص قبرستان میں داخل ہو، پھر فاتحۃ الکتاب (سورۂ فاتحہ) اور قل ھو اللّٰہ احد اور الھٰکم التکاثر پڑھے پھر کہے کہ اے اللہ! میں نے آپ کے کلام سے جو کچھ پڑھا، اس کا ثواب قبرستان کے ایماندار مردوں اور عورتوں کو بخش دیا، تو وہ سارے قبرستان والے

اللہ تعالیٰ کے ہاں اس (پڑھنے والے) کے لئے سفارشی ہوں گے۔ (شرح الصدور)

اسم اعظم

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو پڑھتے ہوئے سنا (وہ پڑھ رہا تھا):

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسئَلُكَ بِاَنَّكَ أَنْتَ اللّٰهُ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَ لَمْ یُوْلَدْ وَ لَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے اللہ تعالیٰ سے اس اسم اعظم کے ذریعے سوال کیا ہے کہ جب اس کے ذریعے سوال کیا جاتا ہے تو پورا کیا جاتا ہے اور جب اس کے ذریعے دعا کی جاتی ہے تو قبول ہوتی ہے۔

(سنن ابن ماجه)

سورۂ اخلاص جس کے فضائل اوپر ذکر ہوئے مع ترجمہ یہ ہے:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۞ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۞ لَمْ یَلِدْ وَ لَمْ یُوْلَدْ ۞ وَ لَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ ۞

آپ کہہ دیجئے! وہ اللہ پاک ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ کسی کو جنا نہ کسی سے جنا گیا اور نہیں اس کے جوڑ کا کوئی۔

تمت بحمد للّٰہ و المنۃ وصلی اللّٰہ علی حبیبه و آله وسلمدائماً ابداً

سورۂ ملک

عذاب قبر سے بچانے والی ہے

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۰/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی بیانات : جلد نمبر: ۵

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

سورۂ ملک عذابِ قبر سے بچانے والی ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَامُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔

أَمَّا بَعْدُ ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہ تَبَارَکَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ وَ ھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ ہ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیَاۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً ہ وَ ھُوَالْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ہ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمِ۔

تمہید

میرے قابلِ احترام بزرگو اور دوستو! گذشتہ منگل کو سورۂ یٰسین کی فضیلت تفصیل سے عرض کردی تھی۔ آج ایک دوسری سورۃ جو سورۂ یٰسین سے چھوٹی ہے، اور دو رکوع پر مشتمل ہے جسے سورۃ الملک کہتے ہیں، آج اس کی فضیلت عرض کرنے کا ارادہ ہے،

فضیلت بیان کرنے کا مقصد

اس کی فضیلت بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس کی فضیلت سننے کے بعد ہم مرتے دم تک اس کے عامل بن جائیں اور اس سورۃ کو زندگی کے معمولات میں شامل کرلیں اور سونے سے پہلے ایک مرتبہ اس سورۃ کو پڑھ لیا کریں، سونے سے پہلے پڑھنا بہتر ہے، البتہ مغرب کے بعد اور عشاء کے بعد بھی پڑھ سکتے ہیں، اگر سوتے وقت پڑھنے میں نیند آنے کا خطرہ ہو تو اس خطرہ سے بچنا ضروری ہے، تاکہ معمول کا ناغہ نہ ہو اور اس ناغہ سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ اگر لیٹ کر پڑھنے میں نیند آجاتی ہو تو بیٹھ کر پڑھ لیں اور اگر بیٹھ کر پڑھنے میں نیند آتی ہو تو کھڑے ہو کر پڑھ لیں اور اگر کھڑے ہو کر پڑھنے میں نیند آتی ہو تو ٹہل ٹہل کر پڑھ لیں لیکن ناغہ نہ کریں، جب آدمی کے دل میں کسی معمول کی اہمیت بیٹھ جاتی ہے اور اس کی قدر دل میں جم جاتی ہے تو پھر اس معمول کا ناغہ نہیں ہوتا اور جس معمول کی

دل میں اہمیت اور قدر نہیں ہوتی، عام طور پر اس معمول کو پورا کرنے میں غفلت اور لاپرواہی ہوتی ہے۔

مستحبات کی پابندی بھی مطلوب ہے

یاد رکھنا چاہئے کہ چاہے سورۂ یٰسین ہو یا سورۂ ملک، اگر چہ ان کا پڑھنا نفل کے درجے میں ہے اور زیادہ سے زیادہ مستحب ہے، لیکن ان کے فضائل اور فوائد اتنے ہیں کہ ان فضائل اور فوائد کے پیشِ نظر آدمی ان کی پابندی کرے اور بلا عذر ان کو نہ چھوڑے، جس طرح فرائض وواجبات کی ادائیگی پابندی کے ساتھ مطلوب ہے، اسی طرح سنن و مستحبات کی پابندی سے ادائیگی بھی مطلوب ہے، بلکہ جتنے مستحبات اور نوافل ہیں، ان کو اگر کسی عذر کی وجہ سے چھوڑ دے تو کوئی حرج نہیں، لیکن یہ سمجھ کر نہیں چھوڑنا چاہئے کہ یہ کام تو نفلی ہے، مستحب ہے، ہم نہیں کریں گے تو کیا ہوگا، یہ سوچ بہت بری ہے اور اپنے آپ کو محروم کرنے والی سوچ ہے، جس شخص کے ذہن میں یہ سوچ اور فکر ہوگی، وہ فرائض وواجبات بھی مکمل طور پر ادا نہیں کرسکتا، اس کے فرائض وواجبات بھی ناقص اور نامکمل ہوں گے، سنن و مستحبات کا مکمل ہونا تو دور کی بات ہے، اس کا انجام یہ ہوگا کہ اس کے سارے ہی اعمال خراب، ناقص اور ناتمام ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کی محبت کا تقاضا

اللہ جل شانہ کی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ خواہ وہ کسی حکم کو فرض کا درجہ دیدیں،

یا واجب کا یا سنت کا یا نفل کا درجہ دیدیں، بندہ کا کام بس اس کا حکم بجالانا ہے، یہ تو ان کی رحمت ہے کہ انہوں نے یہ درجات مقرر فرمادیے جس کے نتیجے میں ہمارے لئے سہولت ہوگئی اور آسانی ہوگئی، اگر سارے ہی حکم فرض ہوتے تو ہمارے لئے کتنی مشکل ہوجاتی، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو احکام فرض و واجب نہیں، ان کو بالکل ہی چھوڑ دیا جائے، بلکہ حسب استطاعت قدردانی کے ساتھ ان پر عمل کرتے رہنا چاہئے اور ان کو اپنے معمولات میں داخل کرنا چاہئے۔

سورۂ ملک کی خاص فضیلت

بہر حال! اس سورۂ ملک کے بارے میں احادیث میں ایک خاص بات یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ سورۃ عذاب قبر سے بچانے والی ہے، یہ اس سورۃ کی بہت بڑی فضیلت ہے، اس لئے کہ قبر کا عذاب برحق ہے اور قبر کا ثواب برحق ہے، اور قبر کے عذاب اور ثواب کے اتنے بے شمار واقعات پیش آچکے ہیں کہ اس کے بعد عذاب قبر کا انکار خلاف عقل ہے، جیسے یہ بات خلاف عقل ہے کہ دن میں سورج نہیں نکلتا یا چودھویں رات کو چاند نہیں ہوتا، کوئی آدمی اس کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہے، اسی طرح قبر کا عذاب بھی برحق ہے اور قبر کا ثواب بھی برحق ہے، اگر کوئی شخص قبر کے عذاب یا ثواب کو نہیں مانتا تو ایسا شخص گمراہ ہے اور جب قبر کا عذاب اور ثواب برحق ہے تو جو چیز بھی عذاب قبر سے بچنے کا ذریعہ بنے، وہ

ہمارے لئے نہایت مفید ہے۔

عذاب قبر کا ایک واقعہ

عذاب قبر کا ایک واقعہ اس وقت میرے ذہن میں آرہا ہے، وہ سنا دیتا ہوں، یہ بغداد کا واقعہ ہے، بغداد میں ایک لوہار تھا، اس کا یہ کام تھا کہ وہ پرانا لوہا خریدتا اور اس کو بھٹی میں ڈال کر نرم کرتا، پھر اس کے ذریعہ کیل، کانٹے، چھری، چاقو، درانتیاں اور مختلف اوزار بنا کر بیچتا تھا، اس نے یہ واقعہ سنایا جو کتابوں میں درج ہے کہ ایک مرتبہ میرے پاس ایک شخص لوہے کی بڑی بڑی کیلیں لے کر آیا اور اس کو لاکر مجھے فروخت کر دیں، میں نے خرید لیں اور اس کو پیسے دیدیے، وہ شخص چلا گیا، اس کے بعد میں نے ان کیلوں کو بھٹی کے اندر گرم کیا، تاکہ اس کو نرم کر کے اس کے ذریعہ ضرورت کے مطابق اوزار بناؤں، لیکن میں نے دیکھا کہ آگ کا اس لوہے پر ذرہ برابر اثر نہیں ہو رہا ہے، وہ کیلیں آگ پر گرم کرنے کی وجہ سے آگ کا انگارہ بن گئیں، لیکن جب میں اس پر ہتھوڑے سے چوٹ مارتا ہوں تو اس پر ذرہ برابر اثر نہیں ہوتا، میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا، اس لئے کہ زندگی میں میں نے کبھی ایسا سخت لوہا نہیں دیکھا، چنانچہ میں ان کیلوں کے ذریعہ دوسرے اوزار بنانے سے عاجز آ گیا اور میرے پیسے ضائع ہو گئے۔

میں نے دو چار آدمیوں سے اس کا تذکرہ کیا تو انہوں نے کہا کہ جس نے یہ کیلیں تمہیں فروخت کی ہیں، اس کو واپس کر دو، میں نے کہا کہ وہ تو بیچ کر چلا

گیا، اب میں اس کو کیسے واپس کروں؟ لوگوں نے کہا کہ ارے وہ شخص بغداد ہی کا رہنے والا ہوگا، تلاش کرو، میں نے اس شخص کو تلاش کرنا شروع کیا، کبھی اس بازار میں تلاش کرتا، کبھی دوسرے بازار میں تلاش کرتا، شاید وہ شخص مجھے مل جائے تو میں اس سے کہوں کہ یہ کیلیں واپس لے جاؤ، یہ میرے کام کی نہیں ہیں اور تم یہ کیلیں کہاں سے لائے تھے؟ چنانچہ ایک دن وہ شخص مجھے ایک دکان پر بیٹھا مل گیا، میں فوراً اس کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ تم جو کیلیں مجھے فروخت کر کے چلے گئے، اللہ کے بندے! وہ معلوم نہیں کس دنیا کا لوہا ہے، وہ پگھل کر نہیں دیتا، تم کہاں سے لائے تھے؟ تم وہ کیلیں واپس لیلو اور میرے پیسے واپس دو، اور سچ سچ بتاؤ کہ تم وہ کیلیں کہاں سے لائے ہو؟ اس نے کہا کہ تم نے حقیقت پوچھ لی ہے تو میں تم کو بتا دیتا ہوں، ورنہ یہ بتانے کی بات نہیں ہے۔

پھر اس نے تفصیل بتائی کہ میں دراصل چور ہوں اور قبرستان میں مُردوں کی چوری کرتا ہوں جو مجھے کچھ نہیں کہتے، میں زندوں کی چوری نہیں کرتا، اس لئے کہ وہ پکڑ لیتے ہیں، چنانچہ میں قبر کھولتا ہوں اور جو کچھ اس کے اندر ملتا ہے، لے لیتا ہوں اور اپنا کام چلا لیتا ہوں۔ ایک دن میں نے اپنی عادت کے مطابق ایک پرانی قبر کو کھولا تو میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس مُردے کے سر سے لیکر پاؤں تک اس کی ہڈیوں میں لوہے کی یہ بڑی بڑی کیلیں گڑی ہوئی تھیں۔ العیاذ باللہ۔ پہلے پہل تو میں بھی ڈر گیا اور پھر میں نے ان کیلوں کو نکالنے کی کوشش

کی اس خیال سے کہ ان کو فروخت کر کے اپنا گزارا کروں گا، چنانچہ میں نے زنبور اور پلاس سے ان کیلوں کو نکالنے کی بہت کوشش کی لیکن یہ اپنی جگہ سے نہ ہلیں، بالآخر میں نے ایک بڑے پتھر سے اس مُردے کی ایک ایک ہڈی کو چکنا چور کیا، تب یہ نکلیں، اس طرح میں نے یہ کیلیں حاصل کی ہیں۔

یہ درحقیقت اس میت کا عذاب تھا اور یہ عذاب اتنا خوف ناک تھا کہ اس کی ہڈیوں کے اندر لوہے کی کیلیں گاڑی گئی تھیں، قبر کا عذاب اصل تو روح کو ہوتا ہے لیکن ساتھ ساتھ جسم کو بھی ہوتا ہے۔ اور یہ کیلیں دنیا کے لوہے کی نہیں تھیں بلکہ آخرت کے لوہے کی تھیں، اسی وجہ سے دنیا کی آگ نے اس پر کوئی اثر نہیں کیا۔ یہ ہے قبر کا عذاب جو برحق ہے، اس سے ہم سب کو ڈرنا چاہیے۔

عذاب قبر سے پناہ مانگو

سرکار دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ عذاب قبر کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: قبر کے عذاب سے پناہ مانگو، قبر کے عذاب سے پناہ مانگو، قبر کے عذاب سے پناہ مانگو۔ انسان کے گناہ انسانوں کو جہنم کی طرف لے جانے والے ہیں، اگر انسان سچی توبہ نہ کرے اور گناہوں سے باز نہ آئے تو یہ گناہ عذاب قبر میں مبتلا کرنے والے ہیں۔

عذاب قبر نظر آنا ضروری نہیں

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم جب قبر کھولتے ہیں تو ہمیں وہاں کوئی عذاب نظر

نہیں آتا۔ بات دراصل یہ ہے کہ ہمیں قبر کا عذاب نظر آنا ضروری نہیں، اس لئے کہ ہماری نظروں کے سامنے پردہ ہے، لہٰذا قبر میں جو عذاب اور ثواب ہوتا ہے، وہ ہمیں نظر نہیں آتا، اس میں اللہ تعالیٰ کی کوئی حکمت اور مصلحت ہے، بلکہ اگر کسی شخص کو قبر کے اندر دفن ہی نہ کیا جائے، مثلاً کوئی شخص آگ میں جل کر کوئلہ ہوجائے اور راکھ بن جائے، یا مثلاً ایکسیڈنٹ (Accident) کے نتیجے میں وہ بالکل قیمہ بن جائے یا سمندر میں ڈوب جائے، پھر بھی اس کو عذابِ قبر ہوگا۔

عذاب وثواب روح کو ہوتا ہے

وجہ اس کی یہ ہے کہ اصل عذاب روح کو ہوتا ہے اور روح کبھی مُردہ نہیں ہوتی اور فنا نہیں ہوتی بلکہ وہ بدستور باقی رہتی ہے اور اسی کو عذاب ہوتا ہے، البتہ اس عذاب وثواب کا تعلق اس کے جسم کے ساتھ بھی قائم کردیا جاتا ہے، چاہے وہ جسم جہاں کہیں ہو اور جس حالت میں ہو، چاہے اس کے جسم کو جانوروں نے کھالیا ہو یا مچھلیوں نے نگل لیا ہو، وہیں پر اس کو عذاب وثواب کا احساس ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر صورت میں عذاب دینے پر قادر ہیں، اس لئے قبر کے عذاب سے ڈرنے کی ضرورت ہے۔

گناہوں سے بچنا عذاب قبر سے بچنے کا ذریعہ ہے

اور ہمیں ایسے کاموں کو اختیار کرنا چاہئے جو قبر کے عذاب کو دور کرنے والے ہیں، جن میں سب سے اہم عمل گناہوں سے بچنے کا اہتمام ہے، جتنا ہم اپنی

آنکھوں کو، اپنے کانوں کو، اپنی زبان کو، اپنے دل کو، اپنے اعضاء کو، اپنے ظاہر کو اور اپنے باطن کو گناہوں سے بچانے کی کوشش میں لگیں گے، یہی عذاب قبر سے بچنے کا اور آخرت کی تکالیف سے بچنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، ہمارے دین کا اور ہمارے ایمان کا بھی ہم سے یہی مطالبہ ہے کہ ہم گناہوں سے بچیں، ہم اپنے دین کے اس مطالبے کو پورا کریں، اس میں ہمارا ہی فائدہ ہے۔

عذاب قبر کا ایک اور واقعہ

ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میرے پاس میرے ایک دوست ملنے کے لئے آئے، میں نے ان سے کہا کہ ہمارے پڑوس میں ایک شخص کے بھائی کا انتقال ہوگیا ہے، آؤ اس کی تعزیت کرنے چلیں، اس لئے کہ تعزیت کرنا مسلمان کا حق ہے، چنانچہ ہم دونوں اس پڑوسی کے گھر گئے، ہم نے جا کر اس کی تعزیت کی اور اس کو تسلی دی کہ اللہ تعالیٰ تم کو صبر کی توفیق دے اور اللہ تعالیٰ تمہارے بھائی کی مغفرت فرمائے، آمین۔ اور یہ صبر کرنے کا موقع ہے، صبر کرنے کی بڑی فضیلت ہے۔ ہم اس کو تسلی دیتے رہے مگر وہ مسلسل روتا رہا اور اس کو صبر ہی نہیں آرہا تھا بلکہ ہم اس کو جتنی تسلی دیں، وہ اور زیادہ رونا شروع کر دیتا، ہم اس کے اس انداز پر بہت حیران ہوئے اور ہم نے اس سے کہا کہ سب کے بھائی مرا کرتے ہیں، کسی کے ماں باپ مرجاتے ہیں، کسی کی اولاد کا انتقال ہوجاتا ہے، کون سا گھر ہے جس میں کسی کا انتقال نہ ہوا ہو؟ لیکن تمہیں اتنا رونا کیوں آرہا ہے؟

اس پر اس نے کہا کہ بات دراصل یہ ہے کہ میرے ساتھ واقعہ ہی ایسا پیش آیا ہے کہ اس کے نتیجے میں مجھے کسی طرح صبر نہیں آرہا ہے۔ ہم نے اس سے پوچھا کہ بتاؤ تمہارے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا؟ اس پر اس نے بتایا کہ قصہ یہ پیش آیا کہ جس وقت ہم اپنے بھائی کو دفنا کر فارغ ہوئے اور قبرستان سے واپس ہوئے تو ابھی ہم چند قدم ہی چلے تھے کہ قبر کے اندر سے میرے بھائی کے چلانے کی آواز آئی اور چیخنے کی ہائے ہائے کرنے کی آواز آئی، میں اس کی آواز سن کر کانپ گیا اور میں نے کہا کہ یہ میرے بھائی کی آواز ہے، میرے بھائی کو کیا ہوگیا؟ اس وقت سب لوگوں پر خوف طاری ہوگیا اور ایک دوسرے کو خوف سے دیکھنے لگے کہ کیا ماجرا ہے؟ میں نے کہا کہ میں تو اپنے بھائی کی قبر کھولوں گا، لوگوں نے کہا کہ ایسا نہ کرو، جو ہونا تھا وہ ہوگیا، اب واپس چلو، اتنی دیر میں دوبارہ مجھے اپنے بھائی کی چیخ سنائی دی، اس آواز سے یہ اندازہ ہوا کہ اس کو بہت زیادہ تکلیف ہو رہی ہے، میں نے لوگوں سے کہا کہ میں تو قبر کھول کر دیکھوں گا کہ کیا بات ہے؟ ابھی تو میں نے اس کو صحیح سالم قبر میں رکھا ہے، اس کو کیا ہوگیا، لوگوں نے پھر مجھے منع کیا کہ قبر کھولنا ٹھیک نہیں ہے، جو ہونا تھا وہ ہوگیا، اب وہ جانے اور اللہ تعالیٰ جانے، تم گھر واپس چلو، میں نے کہا کہ میں کیسے جاسکتا ہوں، اتنی دیر میں مجھے تیسری مرتبہ اپنے بھائی کی آواز سنائی دی، بس اس وقت میں دیوانہ وار اپنے بھائی کی قبر کی طرف لپکا اور جلدی جلدی اس کی قبر کی مٹی ہٹائی اور قبر کھولی اور اندر کود گیا، اندر

جا کر یہ دیکھا کہ میرے بھائی کے گلے میں انگاروں کا ہار پڑا ہوا ہے اور اس کی وجہ سے میرا بھائی چیخ رہا ہے اور اس کی تپش اور جلن کی وجہ سے میرا بھائی بے چین اور بے قرار ہے، چنانچہ یہ سوچ کر بے ساختہ میرا ہاتھ آگے بڑھا کہ اس ہار کو دور کر دوں تا کہ میرے بھائی کی تکلیف دور ہو جائے، اب جونہی میرا ہاتھ ان انگاروں کے قریب ہوا تو میرے ہاتھ کی پانچوں انگلیاں جل کر کوئلہ ہو گئیں۔ پھر اس نے اپنا ہاتھ جیب سے نکال کر دکھایا تو واقعۃً صرف اس کی ہتھیلی باقی تھی اور انگلیاں غائب تھیں۔ اور اس کی وجہ سے میری چیخیں نکل گئیں، پھر میں نے اپنے بھائی کو اسی حالت میں چھوڑا اور قبر سے نکل کر بھاگا، پھر لوگوں نے اس قبر کو دوبارہ بند کر دیا۔

اب ایک طرف تو مجھے اپنے ہاتھ کی سخت تکلیف کا احساس ہو رہا ہے اور اس سے بڑھ کر مجھے بھائی کے عذاب کا خیال آ رہا ہے کہ جس کے گلے میں ان انگاروں کا ہار ہے، اس کا کیا حال ہوگا، اس پر کیا بیت رہی ہوگی، اب مجھے کسی طرح کا سکون اور قرار نہیں آ رہا ہے۔ بہر حال! قبر کا عذاب برحق ہے، اس لئے اس عذاب سے بچنے کا انتظام سوچنا چاہئے اور یہ انتظام ہمارے دین میں سو فیصد موجود ہے، اس پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔

صرف اعمال قبر میں انسان کے ساتھ جاتے ہیں

جب انسان دنیا سے مر کر قبر میں جاتا ہے تو تین چیزیں اس کے ساتھ جاتی

ہیں، ایک اس کا مال اس کے ساتھ جاتا ہے (پہلے دور میں جب کسی کا انتقال ہو جاتا تھا تو لوگ اس کا مال اس کی قبر تک لے جاتے اور دفنانے کے بعد اس کو واپس لے آتے تھے، مرتب) دوسرے اس کے اہل وعیال اور دوست واحباب اس کو دفنانے کے لئے ساتھ جاتے ہیں اور دفنانے کے بعد واپس آجاتے ہیں، تیسرے اس کے اعمال اس کے ساتھ جاتے ہیں اور یہ اعمال اس کے ساتھ قبر کے اندر جاتے ہیں۔

مال بے وفا چیز ہے

یہ مال جس کے حاصل کرنے پر انسان سب سے زیادہ محنت کرتا ہے اور اس پر اپنی جان قربان کرتا ہے، اتنا بے وفا ہے کہ انسان کے مرتے ہی یہ دوسروں کا ہو جاتا ہے اور طوطے کی طرح آنکھیں پھیر لیتا ہے اور وارثوں کا ہو جاتا ہے، وہ مال جس کے لئے رات دن ایک کئے، پاپڑ بیلے، بھوکا رہا، راتوں کو جاگا، لیکن وہ مال مرتے ہی دوسروں کا ہو جاتا ہے اور ایک انچ بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلتا کہ چلو اس کی قبر تک اس کے ساتھ چلا جاؤں۔ اس مال کے بارے میں کسی نے بڑا اچھا شعر کہا ہے کہ:

یہ چمن ویراں بھی ہوگا، یہ خبر بلبل کو دو
تاکہ اپنی زندگی کو سوچ کر قرباں کرے

سوچ لو کہ تم اپنی زندگی کو کس پر قربان کر رہے ہو، کس پر اپنی زندگی کے قیمتی لمحات

خرچ کر رہے ہو اور ضائع کر رہے ہو، یہ سب کچھ ختم ہونے والا ہے۔

رنگ رلیوں پہ زمانے کی نہ جانا اے دل

یہ خزاں ہے جو باندازِ بہار آئی ہے

یعنی یہ دنیا کی چمک دمک، عیش و عشرت، آرام و راحت، دنیا کا ساز و سامان، یہ انسان کو دھوکے میں ڈالے ہوئے ہیں اور اس کی خاطر انسان دن رات ایک کر دیتا ہے، لیکن اپنی قبر کو عذاب سے پاک کرنے کا اہتمام نہیں کرتا، عذاب سے بچنے کا انتظام نہیں کرتا، قبر کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنانے کی کوشش نہیں کرتا۔ یہ بہار خزاں میں بدلنے والی ہے، موت آتے ہی خزاں سے بدل جائے گی، بعض اوقات زندگی ہی میں خزاں آجاتی ہے، مرنے بعد تو آنی ہی آنی ہے۔ بہر حال! یہ مال بہت بے وفا ہے کہ مرتے ہی وارثوں کا ہو جاتا ہے۔

اہل وعیال بھی مرنے کے بعد کام نہیں آتے

دوسرے اس کے دوست واحباب اور اہل وعیال اور عزیز واقارب، یہ تھوڑی دیر کے لئے رو پیٹ لیں گے اور کہیں گے ہائے ابا کا انتقال ہو گیا اور اس پر آنسو بہائیں گے، کوئی اصلی آنسو بہائے گا، کوئی مصنوعی آنسو بہائے گا، لہٰذا کوئی اس دھوکے میں نہ رہے کہ میرے مرنے بعد میرے بچے مجھے یاد رکھیں گے، میرے لئے ایصالِ ثواب کریں گے، ارے تمہیں جو کچھ کرنا ہے اپنی زندگی میں کر کے چلے جاؤ، آج کل کوئی دوسرے کے لئے کچھ نہیں کرتا الا ماشاء اللہ، کون کس کو یاد

رکھتا ہے۔

نیک آدمی کو لوگ ثواب پہنچاتے ہیں

ہاں، اگر کوئی آخرت کی تیاری کرنے والا بندہ ہے اور وہ اس دنیا میں رہ کر زندگی کے مقصد کو پہچانتا ہے، اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کی فکر میں رہتا ہے، گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرتا ہے، بزرگوں سے تعلق رکھتا ہے، اپنے ظاہر و باطن کی اصلاح کرتا ہے، تو وہ چونکہ خود بھی اپنی زندگی میں دوسروں کو یاد رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کا بدلہ بھی عطا فرماتے ہیں، جس کے نتیجے میں دوسرے لوگ بھی اس کو مرنے کے بعد یاد رکھتے ہیں۔ جیسے بزرگانِ دین ساری زندگی زندوں اور مُردوں کو ثواب پہنچاتے رہتے ہیں، اور جب ان کا انتقال ہو جاتا ہے تو ان کے متعلقین ان کو یاد رکھتے ہیں، لیکن جو شخص دنیا کمانے میں لگا رہے اور آخرت کو فراموش کر دے اور پھر دوسروں سے یہ توقع رکھے کہ ہمارے مرنے کے بعد لوگ ہمیں ثواب پہنچایا کریں گے، یہ محض خام خیالی ہے۔

گھر والے بھی مرنے کے بعد تعلق ختم کر دیتے ہیں

بہر حال! انسان کے گھر والے بھی اس کے مرنے کے بعد کچھ دیر رو پیٹ لیں گے، اس کے بعد یہ کہیں گے کہ اس کو قبرستان لیجاؤ، چاہے مرنے والے سے کتنی محبت ہو، چاہے اس پر کتنے فدا ہوں اور قربان ہوں، لیکن مرتے ہی اس سے ڈرنا شروع کر دیں گے، جس کمرے میں باپ مرا ہوا ہوگا، اس کمرے میں اس کی

بیوی بھی ڈر کے مارے نہیں آئے گی، حالانکہ اس کی وہی دو آنکھیں ہیں، وہی دو کان ہیں، وہی ناک ہے، وہی پیر ہیں، وہی ہاتھ ہیں، وہی زبان ہے، کوئی نئی چیز نہیں ہے، ساری رات وہ مُردہ اس کمرے میں اکیلا پڑا رہے گا، نہ بیوی اس کمرے میں آئے گی اور نہ ہی بچے اس کمرے میں آئیں گے۔ جب ابھی سے اس سے خوف کا یہ حال ہے تو اس کو کون اپنے گھر میں رکھے گا، ہر ایک یہی کہے گا کہ اس کو جلدی سے یہاں سے لے جاؤ اور دفنا دو۔

مرنے والے! عبرت حاصل کر

ارے مرنے والے! تو ان باتوں سے عبرت حاصل کر، تو کیوں اپنے بیوی بچوں میں دل اٹکاتا ہے، تو کیوں ان کی وجہ سے ٹی وی (TV) دیکھتا ہے اور ان کی وجہ سے حرام اور ناجائز کام کر رہا ہے، ان کی وجہ سے حرام کما رہا ہے، ان کی وجہ سے نمازیں چھوڑ رہا ہے، ان کی وجہ سے ناجائز اور خلافِ شرع کام کیوں کر رہا ہے، وہ تو اتنے بھی وفادار نہیں کہ تیرے مرنے کے بعد تجھ سے محبت کریں، وہ تجھ کو ایک دن بھی گھر میں رکھنے کے لئے تیار نہیں، حالانکہ وہ گھر بھی تیرا ہے۔ اس سے عبرت لینی چاہئے۔

دوست احباب بھی مرنے کے بعد کام نہیں آتے

یہی معاملہ دوستوں کا ہے، کتنا بھی گہرا دوست ہو، کتنا ہی گہرا تعلق ہو، لیکن مرتے ہی وہ کہے گا کہ چلو اس کو مٹی دینے میں شرکت کرلیں اور دنیا کی دوستی کی

آخری حد اس کو قبر کی مٹی دینے تک ہے کہ چلو فلاں کو مٹی دے آئیں۔ ایک مرتبہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ایک قبرستان میں جانے کا موقع ملا تو حضرت والا نے قبرستان میں ایک شعر سنایا :

؎ زندگی بھر کی محبت کا صلہ یہ دے گئے
دوست اور احباب آکر مجھ کو مٹی دے گئے

دنیا کے جتنے دوست ہیں جن کی خاطر آدمی جھوٹ سچ ایک کر دیتا ہے، جائز اور ناجائز برابر کر دیتا ہے اور ان کے ساتھ ہنسی مذاق میں نہ جانے کیسے کیسے گناہوں کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے، یہ سب کام یاروں کا دل خوش کرنے کی خاطر کرتا ہے، لیکن ایسے سب دوست بھی اس کے مرنے کے بعد آخری حق دوستی کا یہی سمجھتے ہیں کہ ہم اس کی قبر کی مٹی میں جا کر شریک ہو جائیں اور تین مٹھی بھر کر اس کی قبر پر ڈال دیں، بس دوستی کا حق ادا ہو گیا، اب تو جانے تیرا کام۔

خلاصہ

بہرحال! انسان کا مال بھی واپس آجاتا ہے، عزیز و رشتہ دار اور اہل و عیال اور اولاد بھی قبر تک پہنچا کر واپس آجاتے ہیں، یار دوست بھی قبرستان تک پہنچا کر واپس آجاتے ہیں، اب آگے مرنے والا جانے اور اس کی قبر جانے۔ اب اگر اس نے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو فراموش کر کے روپیہ کمانے میں اپنے کو کھپایا تھا اور بیوی بچوں میں اپنا دل اٹکایا تھا اور یار دوستوں میں زندگی

کو برباد کیا تھا تو قبر میں اترتے ہی اندھیرا ہی اندھیرا ہوگا، ظلمت ہی ظلمت ہوگی، وحشت ہی وحشت ہوگی، قبر کا عذاب اس کا استقبال کرے گا، اس لئے یہ عبرت کا مقام ہے۔

البتہ اس کا عمل اس کے ساتھ قبر میں جائے گا، اگر نیک اعمال کیے تھے تب تو اس کی قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہوگی، لیکن اگر اس نے نیک اعمال نہیں کیے تو اس کی قبر جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہوگی، پھر جیسے انسان کی بداعمالیاں ہوتی ہیں، ویسے ہی عذاب ہوتا ہے۔

سورۂ ''تبارک الذی'' عذابِ قبر کو دور کرتی ہے

اور سورۂ تبارک الذی کی یہ فضیلت بتائی گئی ہے کہ یہ قبر کے عذاب روکنے والی ہے اور قبر کے عذاب کو دور کرنے والی ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی شخص قبر کے اندر رکھا جاتا ہے تو اس کے سر کی جانب سے عذاب آتا ہے، میت کا سر اس عذاب سے کہتا ہے کہ خبردار جو تو یہاں سے آگے بڑھا، خبردار جو تم نے اس کو عذاب دینے کی کوشش کی، اس لئے کہ یہ میت ''تبارک الذی'' پڑھنے والے کی ہے، یہاں سے تم کو عذاب دینے کا موقع نہیں مل سکتا، اس لئے پیچھے ہٹ جاؤ۔ وہ عذاب یہ سن کر پیچھے ہٹ جاتا ہے اور گھوم کر میت کے سینے کی جانب سے آنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کا سینہ اس عذاب سے

کہتا ہے کہ خبردار جو تو یہاں سے آگے بڑھا اور اس کو عذاب دینے کی کوشش کی، تجھے معلوم کہ یہ "تبارک الذی" پڑھنے والے کی میت ہے، یہاں سے تجھ کو عذاب دینے کا موقع نہیں مل سکتا، دور ہٹ جا، چنانچہ وہ عذاب دور ہٹ جاتا ہے، پھر وہ عذاب میت کے پیروں کی جانب سے آتا ہے، تاکہ وہاں سے اس کو عذاب دے، تو اس کے پیر کہتے ہیں کہ ادھر مت آنا، خبردار جو تو یہاں سے آگے بڑھا، یہ میت "تبارک الذی" پڑھنے والے کی ہے، اس کو عذاب دینے کی کوئی صورت نہیں ہے، دور ہٹ جا، چنانچہ وہ عذاب دور ہٹ جاتا ہے،

اب بتایئے اس سے بڑھ کر کیا وضاحت ہوسکتی ہے کہ یہ "سورۂ تبارک الذی" کس طرح قبر کے عذاب کو دور کرنے والی ہے اور میت کو قبر کے عذاب سے بچانے والی ہے، چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے جس رات میں سورۂ "تبارک الذی" پڑھی، وہ رات ثواب کے اعتبار سے عظیم اور مبارک رات ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ یہ ایسی پیاری سورۃ ہے۔

سورۂ ملک زبانی یاد کرلیں

اس لئے ہمیں یہ سورۃ زبانی یاد کرلینی چاہئے اور اگر زبانی یاد نہ ہو تو قرآن شریف میں دیکھ کر پڑھ لینا چاہیے۔ البتہ زبانی یاد ہونے میں یہ فائدہ ہے کہ انسان آسانی کے ساتھ جب چاہے پڑھ سکتا ہے، کیونکہ ہر جگہ اور ہر وقت قرآن شریف پاس نہیں ہوتا اور اگر قرآن شریف موجود بھی ہو تو وضوء کرنے کا موقع ہو یا

نہ ہو، اس لئے زبانی یاد نہ ہونے کی صورت میں کسی روز آدمی اس کو پڑھ لے گا اور کسی دن چھوڑ دے گا، حالانکہ اعمالِ صالحہ جو نفل کے درجے میں ہوں، ان پر مداومت پسندیدہ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو وہ عمل پسند ہے جس پر مداومت کی جائے اگرچہ وہ تھوڑا ہو۔ لہٰذا زبانی یاد ہونے کی صورت میں پابندی سے پڑھنا آسان ہوگا، اس لئے کوشش کریں کہ یہ سورۃ زبانی یاد ہو جائے۔

اس کو یاد کرنے کی ترکیب میں پہلے بھی بتا چکا ہوں، وہ یہ کہ روزانہ ایک آیت یاد کرلیں، کل تیس آیتیں ہیں، ایک مہینے میں ان شاء اللہ یہ سورۃ یاد ہو جائے گی۔ بہر حال! جب تک یاد نہ ہو، آپ ناظرہ ہی روزانہ پڑھتے رہیں، لیکن ناغہ نہ کریں، اگر سوتے وقت نہ پڑھ سکیں تو مغرب کے بعد پڑھ لیں یا عصر کے بعد پڑھ لیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش

کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ میری یہ خواہش ہے کہ یہ سورۃ ہر مؤمن کے دل میں محفوظ ہو۔ جب ہمارے آقا اس بات کے خواہش مند ہیں تو ہم ان کی اس خواہش پر لبیک کہیں اور اس سورۃ کو زبانی یاد کرلیں اور اس کو روزانہ پڑھنے کا معمول بنالیں۔

یہ سورۃ عذاب قبر سے نجات دینے والی ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ اصحابِ نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی صحابی نے ایک قبر کے اوپر خیمہ لگالیا اور انہیں معلوم نہ تھا کہ یہ قبر ہے، چنانچہ وہ کسی ایسے شخص کی قبر تھی جو سورۃ تَبَارَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ کی تلاوت کرر ہے تھے، یہاں تک کہ انہوں نے سورۃ پوری ختم کرلی (اور یہ صحابی سنتے رہے، جب یہ ختم ہوگئی تو) وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ! میں نے اپنا خیمہ قبر کے اوپر لگایا تھا مجھے علم نہیں تھا کہ یہ کوئی قبر ہے، چنانچہ وہ ایسے شخص کی قبر تھی جو سُوْرَۃُ الْمُلْكُ کی تلاوت کرر ہے تھے، یہاں تک کہ انہوں نے پوری سورۃ پڑھ کر ختم کردی (یہ سن کر) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ سورۃ (عذاب) کوروکنے والی ہے اور یہ مُنْجِیَۃ ہے یعنی عذابِ قبر سے نجات دلاتی ہے۔ (رواہ الترمذی)

عذابِ قبر دور ہونے کا واقعہ

اسی طرح کا ایک واقعہ ''نزهة البساتین'' میں لکھا ہے کہ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں ایک میت کے ساتھ قبرستان گیا، جب میت کو دفنا کر فارغ ہوئے اور واپس ہونے لگے تو اچانک ایک قبر سے دھماکہ کی آواز سنائی دی، سب لوگ ڈر گئے اور خوف کی وجہ سے سب کے چہرے کا رنگ فق ہوگیا، ابھی سب لوگ خوف کی وجہ سے ایک دوسرے کو دیکھ ہی رہے تھے کہ اچانک وہ قبر پھٹ گئی اور قبر میں سے ایک کالا کتا باہر نکلا، ان بزرگ نے اس کتے سے پوچھا کہ کمبخت تو کون ہے اور یہاں کیا کرنے آیا تھا اور کہاں سے آیا؟ اور یہ دھماکے کی آواز کس کی تھی؟

اس کتے نے جواب دیا کہ میں اس میت کی بداعمالیاں اور گناہ ہوں، مرتے ہی اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ شکل دیدی جو تم دیکھ رہے ہو اور میں اس کو قبر میں عذاب دینے آیا تھا، جیسے ہی میں عذاب دینے کے لیے اندر داخل ہوا تو اتنے میں سورۂ یٰسین شریف اور سورۂ تبارک الذی قبر کے اندر آ گئیں اور انہوں نے کہا کہ خبردار! جو تو نے اس کو ہاتھ لگایا، ہم تجھے اس کو عذاب دینے نہیں دیں گے، کیونکہ یہ زندگی میں ہماری تلاوت کرتا تھا، ان کے ہاتھ میں لوہے کا ایک گرز تھا، چنانچہ جب میں نے عذاب دینے کی کوشش کی تو انہوں نے وہ گُرز مجھے زور سے مارا، وہ آواز اسی گرز کی تھی، اور اتنے زور سے وہ گُرز مارا کہ میرے لئے قبر سے نکل کر بھاگنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا اور مجھے اپنی جان بچانے کی فکر ہو گئی۔

سورۂ ملک پڑھنے کے ساتھ ساتھ نیک اعمال بھی کرے

پھر ان بزرگ نے اپنا یہ واقعہ دوسرے ایک بزرگ کو سنایا تو دوسرے بزرگ نے جو بات ارشاد فرمائی، وہ یاد رکھنے کی بات ہے، فرمایا: یاد رکھو کہ اس مرنے والے کے گناہ مغلوب تھے اور نیکیاں غالب تھیں اور ان نیکیوں میں سرِ فہرست سورۂ یٰسین اور سورۂ تبارک الذی کی تلاوت تھی، تب وہ عذابِ قبر سے بچ گیا، لیکن اگر معاملہ اس کے برعکس ہوتا کہ اس کے گناہ غالب اور زیادہ ہوتے اور نیکیاں مغلوب اور کم ہوتیں تو پھر اس کو عذابِ قبر سے کوئی چیز نہ بچاتی، اس کو قبر کا عذاب ہو جاتا، چاہے وہ یٰسین شریف اور سورۂ تبارک الذی کی تلاوت کرتا

ہوتا۔ اس لئے کہ بلاشبہ سورۂ یٰسین شریف اور سورۂ تبارک الذی کی یہ فضیلت اپنی جگہ برحق ہے کہ وہ عذابِ قبر سے بچاتی ہیں، لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ دوسرے گناہوں سے بھی بچتا ہو، یہ نہیں کہ آدمی کو جب پتہ چل گیا کہ یہ سورتیں عذابِ قبر سے بچانے والی ہیں تو اب ان سورتوں کی تلاوت کرتا رہے اور گناہوں پر جری ہو جائے اور دن رات گناہوں میں غرق ہو جائے۔

بہر حال! جیسے سورۂ یٰسین شریف اور سورۂ تبارک الذی کی فضیلت برحق ہے، اور دوسرے نیک اعمال کا ثواب برحق ہے، اسی طرح گناہوں کا عذاب بھی برحق ہے، جھوٹ بولنے کا یہ عذاب ہے، غیبت کرنے پر یہ عذاب ہے، رشوت لینے کا یہ عذاب ہے، فلاں گناہ کا یہ عذاب ہے، یہ سب بھی برحق ہے، لہٰذا اگر تم نے دونوں کام کئے، نیک اعمال بھی کئے اور گناہ بھی کئے، تو پھر وہاں حساب وکتاب ہوگا، پھر حساب وکتاب کے اعتبار سے اگر تمہارے گناہ زیادہ وزنی ہوئے اور تمہاری طرف سے ان گناہوں پر توبہ بھی نہ ہوئی تو پھر قبر کا عذاب بھی ہوگا اور دوزخ کا عذاب بھی ہوسکتا ہے، پہلے سزا ملے گی اور پھر نیکیوں کی وجہ سے جنت ملے گی، اور اگر کسی شخص نے گناہ بالکل نہیں کئے یا کم کئے اور نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوگیا تو اللہ کے فضل سے وہ شخص عذاب سے بچ جائے گا، اب چاہے اللہ کا وہ فضل سورۂ تبارک الذی کی وجہ سے ہو، یٰسین شریف کی وجہ سے ہو یا کسی اور نیک عمل کی وجہ سے ہو، اس لئے کوئی شخص ان اعمال کے فضائل سن کر دھوکے میں نہ

رہے کہ صرف یہ سورتیں پڑھتا رہوں اور سب گناہ بھی کرتا رہوں، یہ نفس و شیطان کا دھوکہ ہے، اس سے بچنا ضروری ہے۔

نجات کا راستہ

البتہ یہ کریں کہ نیکیاں بھی کریں اور گناہوں سے بھی بچیں اور غلطی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتے رہیں تو یہ نجات کا راستہ ہے، اس لئے ہمیں اپنے معمولات میں صبح کے وقت ایک مرتبہ سورۂ یٰسین شریف پڑھنی چاہئے اور بہتر یہ ہے کہ شام کو بھی ایک مرتبہ پڑھ لیں اور سونے سے پہلے ایک مرتبہ سورۂ تبارک الذی پڑھنی چاہئے اور گناہوں سے بچنے کا بہت اہتمام کرنا چاہیے اور اپنی اصلاح کی فکر کرنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب پر اپنا فضل خاص اور کرمِ خاص فرمائے اور دین کی سمجھ عطا فرمائے اور ہمارے ظاہر و باطن کی اصلاح فرمائے، آمین۔

و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العٰلمين

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فضائل سورۂ ملک

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

اَمَّا بَعْدُ!

سورۂ ملک بڑی مبارک سورۃ ہے، احادیث میں اس کا بڑا اجر وثواب بیان کیا گیا ہے، چنانچہ اس کے پڑھنے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس کا پڑھنے والا اس کی برکت سے قبر کے عذاب سے محفوظ رہتا ہے، اس لئے ہر مسلمان مرد وعورت کو روزانہ رات کو سونے سے پہلے اس سورۃ کے پڑھنے کا معمول بنانا چاہئے، خواہ دیکھ کر پڑھیں یا زبانی، دونوں طرح درست ہے، اللہ پاک توفیقِ عمل عطا فرمائے، آمین۔

سورۃ لکھنے سے پہلے احادیثِ طیبہ میں سے چند فضائل ترغیب کے لئے لکھے جاتے ہیں۔

سورۂ ملک کے فضائل

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا معمول

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک نہیں سوتے تھے جب تک (سورۂ) الٓمٓ تَنْزِیْلُ السَّجْدَۃ اور (سورۂ) تَبَارَكَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْكُ نہ پڑھ لیتے۔ (رواہ الترمذی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے یہ بات پسند ہے کہ یہ (سورۃ) ہر مؤمن کے دل میں ہو (زبانی یاد ہو) یعنی سورۂ تَبَارَكَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْكُ۔

(رواہ الحاکم وقال ھذا اسنادہ عند الیمانین صحیح)

بخشش کا ذریعہ

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی کتاب (یعنی قرآن مجید) کی ایک سورۃ ہے جس کی تیس آیات ہیں، وہ (اپنے پڑھنے والے) آدمی کے لئے (ایسی) سفارش کرے گی، کہ اس کی بخشش کردی جائے گی (وہ سورۂ) تَبَارَكَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْكُ (ہے)۔ (رواہ ابو داؤد و الترمذی)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک آدمی تم سے پہلے لوگوں میں سے تھا، وہ فوت ہوا، اس کے پاس (سورۃ) تَبَارَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ کے سوا اللہ تعالیٰ کی کتاب میں سے کچھ نہ تھا، اسے جب قبر میں دفن کیا گیا تو اس کے پاس فرشتہ آیا، تو سورۃ (مُلک) اس (میت) کے چہرے پر پھیل گئی، اس (فرشتے) نے اس (سورۃ) سے کہا تو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں سے ہے اور میں تجھے ہٹانا نہیں چاہتا، اور نہ ہی میں تیرے اور نہ اس (میت) کے اور نہ ہی اپنے نفس کے نفع ونقصان کا مالک ہوں، تو اگر اس (میت) کے ساتھ اس (خیر) کا ارادہ کرچکی ہے تو تُو پروردگار کی بارگاہ میں حاضر ہو اور اس کے لئے سفارش کر، وہ سورۃ پروردگار کی بارگاہ میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: اے میرے پروردگار! بیشک فلاں آدمی (میت مذکورہ) نے تیری کتاب میں سے میرا انتخاب کیا، چنانچہ اس نے مجھے سیکھا اور میری تلاوت کی، کیا آپ اسے آگ سے جلانے والے ہیں اور اسے عذاب دینے والے ہیں حالانکہ میں اس کے اندر ہوں؟ اگر آپ ایسا کرنے والے ہیں (یعنی اسے جلانے اور عذاب دینے والے ہیں) تو مجھے اپنی کتاب سے مٹا دیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: میں تجھے دیکھ رہا ہوں کہ تو ناراض ہوگئی ہے، اس سورۃ نے عرض کیا کہ مجھے حق پہنچتا ہے کہ میں ناراض ہوں، اس پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: تو جا! وہ آدمی میں نے تجھے دیا اور میں نے اس کے حق

میں تیری سفارش قبول کر لی۔

پھر اس سورۃ نے کہا کہ خوش آمدید اس منہ کو جس نے میری تلاوت کی اور کہا کہ خوش آمدید اس سینے کو جس نے مجھے محفوظ کیا اور خوش آمدید ان دونوں قدموں کو جنہوں نے میرے ساتھ قیام کیا اور وہ سورۃ اس کو اس کی قبر میں مانوس کرتی ہے تاکہ اس کو وحشت نہ ہو۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث بیان فرمائی تو ہر چھوٹے بڑے، آزاد غلام نے یہ سورۃ سیکھ لی اور جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام مُنجِیَۃٌ (نجات دینے والی) رکھا۔

(رواہ ابن عساکر بسند ضعیف)

عذاب قبر سے بچانے والی

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک آدمی سے فرمایا: کیا میں تجھے ایسی حدیث تحفہ میں نہ دوں جس سے تو خوش ہو جائے؟ اس نے عرض کیا کیوں نہیں، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: آپ سورۂ تَبَارَکَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ پڑھیں اور یہ (سورۃ) آپ اپنے گھر والوں، اپنے تمام بچوں اور ہمسایوں کو سکھائیں، اس لئے کہ یہ (سورۂ ملک) عذابِ قبر سے بچانے والی ہے اور اپنے پڑھنے والے کے لئے قیامت کے دن اپنے رب کے ہاں جھگڑا کرنے والی ہے اور اپنے پڑھنے والے کے لئے جہنم کے

عذاب سے نجات کا مطالبہ کرے گی اور اس کا پڑھنے والا قبر کے عذاب سے محفوظ رہے گا۔ پھر فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ یہ (سورۃ) میری امت کے ہر آدمی کے دل میں ہو۔ (رواہ الطبرانی و الحاکم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ اصحابِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی صحابی نے ایک قبر کے اوپر خیمہ لگالیا اور انہیں معلوم نہ تھا کہ یہ قبر ہے، چنانچہ وہ کسی ایسے شخص کی قبر تھی جو سورۂ تَبَارَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ کی تلاوت کررہے تھے، یہاں تک کہ انہوں نے سورۃ پوری ختم کرلی (اور یہ صحابی سنتے رہے، جب یہ ختم ہوگئی تو) وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ! میں نے اپنا خیمہ قبر کے اوپر لگایا تھا، مجھے علم نہیں تھا کہ یہ کوئی قبر ہے، چنانچہ وہ ایسے شخص کی قبر تھی جو سورۃ الْمُلْكُ کی تلاوت کررہے تھے، یہاں تک کہ انہوں نے پوری سورۃ پڑھ کر ختم کردی (یہ سن کر) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ سورۃ (عذاب) کو روکنے والی ہے اور یہ مُنْجِیَة ہے یعنی عذابِ قبر سے نجات دلاتی ہے۔

(رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ آدمی کو جب اس کی قبر میں رکھا جاتا ہے تو (عذاب کے فرشتے) اس کے دونوں پاؤں کی طرف سے آتے ہیں، یہ پاؤں کہتے ہیں کہ تمہارے لئے میری

جانب سے کوئی راستہ نہیں ہے، کیونکہ یہ شخص سورۃ المُلک پڑھا کرتا تھا، پھر وہ اس کے سینے یا بعض نے کہا کہ پیٹ کی جانب سے آتے ہیں تو وہ (سینہ یا پیٹ) کہتا ہے کہ تمہارے لئے میری طرف سے بھی آنے کا کوئی راستہ نہیں ہے، اس لئے کہ یہ شخص سورۃ المُلک کی تلاوت کرتا تھا، پھر وہ اس کے سر کی جانب سے آتے ہیں تو سر کہتا ہے کہ تمہارے لئے میری طرف سے بھی آنے کا کوئی راستہ نہیں ہے، کیونکہ یہ شخص سورۃ المُلک پڑھتا تھا، چنانچہ یہ سورۃ مانع ہے، عذابِ قبر کو روکنے والی ہے، اور یہ سورۃ تورات میں بھی ہے، جو شخص اس کو رات میں پڑھے گا وہ ثواب کے لحاظ سے بہت زیادہ ہوجائے گا اور پاکیزگی کے اعتبار سے بہت بہترین ہوگا۔

(رواہ الحاکم)

سورۂ ملک کا ثواب

حضرت ابو قرصافہ جُندرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کو شرفِ صحابیت حاصل ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ٹوپی اوڑھائی تھی، لوگ ان کے پاس آتے تھے، آپ ان کے لئے دعا کرتے اور برکت کی دعا فرماتے، چنانچہ ان میں حضرت ابو قرصافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک صاحبزادے روم کے علاقے میں مصروفِ جہاد تھے، حضرت ابو قرصافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صبح سحری کے وقت عسقلان سے اپنے بیٹے کو بلند آواز سے پکارتے،

اے قُرّ صَافہ! نماز (پڑھ) اور جنابِ قُرّ صَافہ روم کے علاقے سے جواب دیتے، جی ابا جان! جناب قُرّ صَافہ کے ساتھیوں نے کہا: تیرا ناس ہو تو کس کو آواز دیتا ہے؟ جناب قُرّ صَافہ نے فرمایا: رب کعبہ کی قسم! میرے والد مجھے نماز کے لئے جگاتے ہیں۔ حضرت ابو قُرّ صافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: جو شخص اپنے بستر پر پہنچ کر سورۂ تَبَارَكَ الَّذِیْ پڑھے پھر کہے:

اَللّٰهُمَّ رَبَّ الْحِلِّ وَالْحَرَمِ وَرَبَّ الْبَلَدِ
الْحَرَامِ وَرَبَّ الرُّكْنِ وَالْمَقَامِ وَرَبَّ
الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَبِحَقِّ كُلِّ اٰيَةٍ اَنْزَلْتَهَا
فِیْ شَهْرِ رَمَضَانَ بَلِّغْ رُوْحَ مُحَمَّدٍ ﷺ
مِنِّیْ تَحِيَّةً وَّسَلَامًا

چار مرتبہ (پڑھے) تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے دو فرشتے مقرر فرماتے ہیں، وہ دونوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور اس کا یہ (سلام) آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں، اس کے جواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: میری طرف سے فلاں بن فلاں (یعنی سلام بھیجنے والے پر) سلام ہو اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں۔ (طبقات المحدثین باصبهان)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

نقل فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جو شخص عشاء (کی نماز) کے بعد چار رکعات پڑھے، پہلی دو رکعتوں میں (سورۃ) قُلْ یٰاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ اور قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ پڑھے اور دوسری دو رکعتوں میں (سورۃ) الٓمّٓ تَنْزِیْلُ السَّجْدَۃ اور (سورۃ) تَبٰرَکَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ پڑھے تو اس کے لئے لیلۃ القدر میں چار رکعات (پڑھنے) کی طرح (ثواب کے اعتبار سے) لکھی جائیں گی (یعنی جتنا ثواب لیلۃ القدر میں چار رکعات پڑھنے پر ملتا ہے، اتنا ہی ثواب اس طرح چار رکعات پڑھنے سے حاصل ہوگا۔ (ذکر الهیثمی فی المجمع)

حج کی تیاری

اس میں حج کی فضیلت، حج کے آداب، مدینہ طیبہ اور حضور ﷺ
کے روضۂ اقدس پر حاضری کے آداب لکھے گئے ہیں

حضرت اقدس مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی دامت برکاتہم العالیہ
نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ناشر
مکتبۃ الاسلام کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِىَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْراً۔

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِى الْحَجِّ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى وَاتَّقُوْنِ يٰاُولِى الْاَلْبَابِ۝

(الحج : ١٩٧)

ترجمہ:

حج کے چند مہینے ہیں جو معلوم ہیں، لہٰذا جو شخص ان میں حج مقرر کر لے تو پھر نہ کوئی فحش بات ہے اور نہ کوئی بے حکمی ہے اور نہ کسی قسم کا نزاع زیبا ہے، اور جو نیک کام کرو گے خدا تعالیٰ کو اس کی اطلاع ہوتی ہے اور خرچ ضرور لے لیا کرو، سب سے بڑی بات خرچ میں (گناہوں سے) بچا رہنا ہے اور اے عقل والو! مجھ سے ڈرتے رہو۔

میرے قابل احترام بزرگو اور معزز خواتین! اللہ جل شانہ کا ہم سب پر یہ فضل ہے کہ اس نے ہمیں یہاں جمع ہونے کی توفیق عطا فرمائی اور حج کے سلسلہ میں یہاں حاضر ہونے کی سعادت نصیب فرمائی۔ ایک تو خود اللہ جل شانہ کے گھر میں حاضری کی توفیق ہونا بڑی نعمت ہے اس لئے کہ جس سے اللہ پاک خوش ہوتے ہیں اس کو اپنے گھر میں آنے کی توفیق عطا فرماتے ہیں اور نیک کاموں کی توفیق دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جس سے ناراض ہو جاتے ہیں اس کو اپنے گھر پر آنے کی توفیق بھی نہیں دیتے۔

مسجد کی حاضری بڑا انعام ہے

اس پر مجھے حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ کی ایک حکایت یاد آئی جو انہوں نے مثنوی شریف میں بیان فرمائی ہے، وہ حکایت یہ ہے کہ کسی زمانے میں جب غلام باندیوں کا دور تھا۔ ایک کافر آقا تھا، اس کا ایک

مسلمان غلام ''حننسر'' تھا، تو غلام مسلمان تھا اور اس کا آقا اور مالک غیر مسلم تھا لیکن اس کافر آقا کو اپنے مسلمان غلام پر بہت اعتماد اور بھروسہ تھا اور وجہ اس کی یہ تھی کہ وہ مسلمان غلام اپنے آقا کے حقوق بھی ٹھیک ٹھیک ادا کرتا تھا اور اپنے اصلی اور بڑے آقا اللہ جل شانہ کے فرائض بھی ٹھیک ٹھیک ادا کرتا تھا، اس غلام کا معمول یہ تھا کہ جب وہ اپنے آقا کے ساتھ بازار جاتا اور بازار میں خریداری کے دوران اذان ہو جاتی تو یہ اپنے آقا سے کہتا کہ حضور میرے بڑے آقا مجھے یاد فرما رہے ہیں، اگر اجازت ہو تو میں ان کو سلام کر آؤں یعنی نماز پڑھ آؤں، تو وہ خوشی سے اجازت دے دیتا، اس وجہ سے کہ اس کے دل میں اپنے مسلمان غلام کی بڑی عزت تھی اور وہ اس کا بڑا احترام کرتا تھا اس لئے وہ جب کبھی خریداری کیلئے بازار جاتا تو وہ بجائے کسی اور غلام کو لیجانے کے اس مسلمان غلام کو ساتھ لیکر جاتا، کیونکہ اس کے ایماندار ہونے کی وجہ سے اس پر اس کو زیادہ بھروسہ تھا۔

غلام کا مسجد میں جانا

ایک مرتبہ وہ کافر آقا اپنے مسلمان غلام کو لیکر خریداری کیلئے بازار گیا ہوا تھا کہ خریداری کے دوران اذان ہوگئی، معمول کے مطابق اس کے غلام نے کہا حضور! مجھے میرے آقا یاد فرما رہے ہیں، اگر اجازت ہو تو میں نماز پڑھ کر آجاؤں؟ اس نے کہا خوشی سے جاؤ اور جب تم واپس آؤ گے تب ہی میں باقی خریداری کرونگا اور میں مسجد کے باہر تمہارا انتظار کر رہا ہوں، تم جلدی سے نماز پڑھ کر آجاؤ، چنانچہ وہ مسلمان غلام مسجد میں گیا اور جماعت

میں شامل ہوگیا اور جماعت سے فارغ ہونے کے بعد باقی سنتوں اور نفلوں کے پڑھنے میں مشغول ہوگیا، لوگ سنتیں اور نفلیں پڑھ کر نکلنے لگے، لیکن اس کا مسلمان غلام باہر نہیں آیا، اس نے سوچا کہ وہ نماز میں مشغول ہوگا، اس لئے تھوڑی دیر میں آجائیگا، لیکن دیکھتے ہی دیکھتے مسجد خالی ہوگئی لیکن اس کا غلام مسجد سے باہر نہیں آیا، اس نے آواز دی ''ارے خَنْسَر! بہت دیر ہوگئی، سب لوگ نماز پڑھ کر آگئے اور تم ابھی تک نہیں آئے کیا بات ہے؟'' اس نے اپنے آقا کی آواز سنکر جواب دیا حضور! میں ابھی آیا، اور ہوا یہ کہ جب وہ نماز سے فارغ ہوکر دعا مانگنے لگا تو اس کا دل دعا میں اتنا کھنچنے لگا کہ بس اس کا اٹھنے کو جی ہی نہ چاہا۔

ذکر و دعا میں دل لگنا

یہ نعمت تقریباً ہم مسلمانوں کو ملتی ہے، کہ بعض دفعہ دعا میں اسکا ایسا دل لگتا ہے جیسے بعض دفعہ ذکر میں لگتا ہے، جی چاہتا ہے کہ کئے جائیں اور کبھی تلاوت میں اتنا دل لگتا ہے جی چاہتا ہے کہ کئے جائیں اور کبھی نماز میں اتنا دل لگتا ہے جی چاہتا ہے کہ پڑھتے جائیں۔

لہٰذا جب کسی کو یہ موقع ملے تو یہ سمجھ لیجئے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت متوجہ ہے اور اللہ پاک اس کو نوازنا چاہتے ہیں اور اسے اپنی نعمتوں سے سرفراز فرمانا چاہتے ہیں، اس لئے اس کے دل کو اپنی طرف کھینچ لیا ہے لہٰذا اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہئے اور اس وقت جتنے غیر ضروری کام ہیں انہیں چھوڑ دینا چاہئے، ذکر میں دل لگ رہا ہے تو ذکر کرتے رہئے، دعا میں دل

لگ رہا ہے تو دعا مانگتے رہئے اور دنیا و آخرت کی جتنی بھلائیاں مانگ سکتے ہیں مانگ لیں اور اگر کچھ سمجھ نہ آئے تو یہ دعا مانگتے رہیں یا اللہ! سرکارِ دو عالم ﷺ نے آپ سے دنیا و آخرت کی جو جو بھلائیاں مانگی ہیں وہ سب مجھے، میرے والدین، میرے اہل وعیال، میرے عزیز و اقارب اور تمام مسلمانوں کو عطا فرما دیجئے اور جن چیزوں سے آپ ﷺ نے پناہ مانگی ہے مجھے، میرے والدین، میرے اہل وعیال، میرے عزیز و اقارب اور تمام مسلمانوں کو ان سے پناہِ کامل عطا فرما دیجئے، آمین۔

اس غلام کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا۔ جب وہ دعا کرنے لگا تو دعا میں اس کا اتنا دل لگا کہ وہ اپنے آقا کے انتظار کو بھول گیا اور مغلوب الحال ہو گیا جو شرعی لحاظ سے بندوں کے اداءِ حقوق میں معذور ہوتا ہے اور دعا کے اندر مشغول ہو گیا، کچھ دیر کے بعد آقا نے پھر اس کا نام لیکر آواز دی ''ارے خُنْسَر! بہت دیر ہو گئی سب لوگ نکل گئے تم کیوں نہیں آ رہے ہو، میں تمہارا باہر انتظار کر رہا ہوں'' کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد تیسری دفعہ اس نے پھر آواز دی کہ کیا بات ہے، تمہیں کس نے اندر روکا ہوا ہے، کون ہے جس نے تمہیں اندر پکڑا ہوا ہے اور باہر نہیں آتے، میں تمہارا انتظار کرتے کرتے تھک گیا ہوں۔

غلام کا جواب

اس کے جواب میں غلام نے کہا ''حضور! جو آپ کو اندر نہیں آنے دیتا وہ مجھے باہر نہیں آنے دیتا'' یعنی جس نے تمہیں باہر بٹھایا ہوا ہے تمہاری

مجال نہیں کہ تم اندر آؤ اسی نے مجھے اندر روکا ہوا ہے کہ میں باہر آنے سے قاصر ہوں سبحان اللہ۔

اس لئے میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے اپنے گھر میں جمع ہونے کی توفیق عطا فرمائی، یہ محض اس کا فضل ہے کہ اس نے ہمارے دل میں یہ بات ڈال دی کہ مسجد میں جا کر بیٹھ جائیں، ورنہ اس واقعہ میں دیکھو کہ جوان کا دشمن ہے وہ باہر بیٹھا ہوا ہے اس کو اندر آنے کی توفیق نہیں دی اور جوان کا نام لیوا ہے وہ اندر بیٹھا ہوا ہے، ایسے ہی نہ جانے کس کس کو خانہ کعبہ کے سامنے حاضری نصیب ہونے والی ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو بار بار عافیت کے ساتھ حاضری نصیب فرمائے، آسانی کے ساتھ نصیب فرمائے، قبولیت کے ساتھ نصیب فرمائے، آمین۔ جس کو وہاں کی سعادت نصیب ہونے والی ہے اس پر اس سے بھی بڑھ کر اللہ تعالیٰ کا احسان ہونے والا ہے اور اس کو انعام ملنے والا ہے، خاص عنایت اس پر ہونے والی ہے، خاص الخاص کرم اس پر ہونے والا ہے، چند اشعار یاد آئے، ؎

میری طلب بھی انہی کے کرم کا صدقہ ہے
قدم یہ اٹھتے نہیں اٹھائے جاتے ہیں

؎

ان کے الطاف تو عام ہیں شہیدی سب
تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوگا،

عازمینِ حج کو مبارک باد!

بہر حال! ان کی کچھ عنایت ہم پر ہوگئی اور انہوں نے اپنی رحمت

سے اپنے گھر میں بلا لیا، ہمارے دل میں خواہش پیدا فرمادی، درخواست دلوادی، منظور کروادی، اور یہاں بھیج دیا، انشاءاللہ آگے کے مراحل کا انتظام بھی وہی فرمائیں گے، لہٰذا یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے کہ انہوں نے حج وعمرہ کا ارادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائی، جن خواتین حضرات نے اس سال حج وعمرہ کا ارادہ کیا ہے وہ سب قابلِ مبارکباد ہیں۔

اداءِ شکر کے تین طریقے

ہم سب کو چاہئے کہ اس انعام پر اللہ تعالیٰ کا دل وجان سے شکر ادا کریں اور برابر کرتے رہیں اس لئے کہ جتنی بڑی نعمت ہوتی ہے اتنا ہی بڑا اس کا شکر بھی ہوتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام بہت بڑا افضل اور بہت بڑا کرم ہے اس لئے اس کا شکر بھی اتنا ہی بڑا ہونا چاہئے اور دل وجان سے ہونا چاہئے۔

اور شکر تین طرح سے ادا ہوتا ہے۔

(۱) دل سے

(۲) زبان سے

(۳) اعضاء وجوارح سے

دل کا شکر یہ ہے کہ آدمی کا دل اللہ تعالیٰ کے سامنے جھک جائے اور دل میں یہ سمجھے کہ یا اللہ! کہ میں ہرگز اس نعمت کے لائق نہیں تھا، آپ نے محض اپنے فضل وکرم سے میری نالائقی اور کسی قابلیت اور استحقاق کے نہ ہونے کے باوجود مجھے اس نعمت سے سرفراز فرمایا اور اس کے اسباب مجھے عنایت فرمائے۔

اور زبان کا شکر یہ کہ زبان سے الحمدللہ، الحمدللہ کہے اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ کہے اور جب بھی اس نعمت کا خیال آئے تو یہ کہے الحمدللہ، یا اللہ! آپ کا شکر ہے، یا اللہ! آپ کا فضل ہے، آپ کا کرم واحسان ہے کہ آپ نے مجھے اپنے گھر کی حاضری کی توفیق عطا فرمائی، اور اس حاضری کا ذریعہ مجھے عطا فرمایا، اس طرح برابر شکر ادا کرتے رہیں اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہیں کہ یا اللہ! آپ کا کرم بے پایاں ہے اور میں بالکل نالائق ہوں، آپ میری نالائقی پر نظر نہ فرمائیے بلکہ آپ نے اپنی جس رحمت کے صدقے مجھے اس نعمت سے بہرہ ور فرمایا ہے اسی رحمت کے صدقے اس کو انجام دینا بھی میرے لئے بے حد آسان فرما دیجئے۔

سہولتِ حج کی دعا

یہ آسانی اور سہولت کی دعا اس لئے ہے کہ حج وعمرہ جہاں بہت بڑی عبادت اور بڑے اجر وثواب کا ذریعہ ہیں وہاں جب تک اللہ تعالیٰ کی مدد شاملِ حال نہ ہو ان کی ادائیگی آسان نہیں ہے، حالانکہ اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کی ادائیگی کی اتنی سہولتیں عطا فرما دی ہیں کہ پچھلے لوگوں کے وہم وگمان میں نہیں ہوں گی، لیکن اس کے باوجود جب تک اللہ تعالیٰ کی مدد شاملِ حال نہ ہو بندہ ان کو بآسانی انجام نہیں دے سکتا، چنانچہ اگر ذرا سی دیر کے لئے ان کی مدد اور رحمت ہٹ جائے تو آسان بھی مشکل ہو جاتا ہے اور حقیقت یہی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ آسان بنا دیتے ہیں تو ان کے ادا کرنے میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے، لہٰذا اس دعا کو یاد رکھیں کہ یا اللہ! آپ اگر مشکل

کو بھی آسان فرمادیں تو وہ آسان ہے اور اگر آسان کو آپ آسان نہ کریں تو وہ بھی مشکل ہے، لہٰذا ہمارے لئے اس کو آسان فرمادیجئے، خواہ عمرہ کرنے کیلئے جارہے ہوں (جیسا کہ بعض حضرات رمضان شریف میں جاتے ہیں) یا حج کرنے کیلئے جارہے ہوں۔

بہرحال! جس نے حج کا ارادہ کرلیا ہے وہ حج یا عمرہ کا احرام باندھنے سے پہلے اگر مکروہ وممنوع وقت نہ ہو تو دو رکعت نماز نفل ادا کریں اور پھر یہ دعا کریں یا اللہ! مجھے سنت کے مطابق، شریعت کے مطابق سہولت، آسانی، عافیت اور صحت کے ساتھ اس عبادت کو ادا کرنے کی توفیق عطا فرما۔

شکر کی تیسری قسم اعضاء وجوارح کا شکر ہے اور اعضاء وجوارح کا شکر یہ ہے کہ جب ہم اللہ تعالیٰ کے گھر آگئے اور اللہ تعالیٰ کے گھر جانے والے ہیں تو بھئی! یہ جو ہمارا چھ فٹ کا وجود ہے سر سے پیر تک، ظاہر و باطن، اعضاء وجوارح ان سب سے بھی شکر ادا کرنا چاہئے، ان کے ذریعے شکر کی ادائیگی یہ ہے کہ ہم انکو اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری میں لگائیں، مسجد میں آنا فرمانبرداری ہے، بیت اللہ کے اندر جانا فرمانبرداری ہے، مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے اندر حاضری بھی تابعداری ہے، ہم اس نعمت کے شکرانے میں اپنے وجود کو اللہ تعالیٰ کے احکام کا پابند بنائیں، جو آدمی اس طرح سے شکر ادا کرے گا وہ جونہی اپنے گھر سے باہر نکلے گا اور جونہی لبیک کہے گا انشاءاللہ اس کی مغفرت کا پروانا جاری ہوجائیگا، اور وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے آغوش میں چلا جائیگا، اور قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کی نوازشوں کا مستحق ہوگا۔

تین باتیں

اس نعمت کا شکر ادا کرنے میں مختصراً تین باتیں آپکی خدمت پیش کرونگا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کے سننے اور سنانے، سمجھنے اور سمجھانے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

(۱) ایک یہ ہے کہ حج کی نعمت کتنی بڑی ہے، مختصراً اس کے بارے میں عرض کرونگا۔

(۲) دوسرے حج کے متعلق آداب

(۳) تیسرے سرکارِ دوعالم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضری اور اس کے آداب۔

حج کا ثواب

پہلی بات کے بارے میں عرض ہے کہ حج اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اللہ تعالیٰ یہ نعمت ہمیں بار بار نصیب فرمائیں اور عافیت و کامرانی کے ساتھ نصیب فرمائیں، جب کوئی آدمی حج یا عمرہ کا احرام باندھ کر لبیک کہتا ہے تو اس کے لبیک کہنے کے ساتھ ساتھ اس کے دائیں طرف جتنی بھی مخلوقات ہیں خواہ وہ پہاڑ ہوں یا ٹیلے، پتھر ہوں یا درخت، خواہ ان کے علاوہ کوئی اور مخلوق ہو، غرض کہ اس کے دائیں طرف جتنی مخلوقات ہیں یہاں تک کہ دنیا کے آخری کنارے تک اسی طرح بائیں طرف بھی دنیا کے آخری کنارے تک جتنی مخلوقات ہیں سب اس حج یا عمرہ کرنے والے کے ساتھ لبیک کہتی ہیں۔ (ترمذی)

اسی طرح یہ حج یا عمرہ پر جانے والا تنہا لبیک نہیں کہتا بلکہ اس کے

دائیں بائیں طرف کی ساری مخلوقات بھی اس کے ساتھ لبیک کہتی ہیں، اس طرح یہ لبیک کی صداؤں میں لبیک کہتا ہوا اللہ تعالیٰ کی طرف روانہ ہوتا ہے اور یہ کوئی معمولی اعزاز واکرام نہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندے کی لبیک کی بے انتہا قدر دانی ہے اور احرام باندھنے کے بعد وہ اللہ تعالیٰ کے وفد میں شامل ہو جاتا ہے جس میں منجانب اللہ یہ انعام ملتا ہے کہ اگر کسی کیلئے مغفرت کی دعا کرے تو اللہ اس کی مغفرت فرمادیتے ہیں اور اگر دنیا وآخرت کی کوئی جائز مراد مانگے تو اس کو عطا فرماتے ہیں اور یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس حاجی کے گھر یا اس کے خاندان میں سے چار سو افراد کے متعلق اس کی سفارش قبول فرمائیں گے (یہ راوی کو شک ہے الترغیب) یعنی اس کی سفارش پر اللہ تعالیٰ نے اس کے خاندان والوں میں سے یا اس کے گھر والوں میں سے چار سو افراد کو بخشنے کا وعدہ فرمایا ہے، اور وہ سفارش کرے گا کہ یا اللہ! میرے گھر کے فلاں آدمی کو بخش دیجئے، میرے خاندان کے فلاں آدمی کو بخش دیجئے، اللہ تعالیٰ اس کی سفارش کو قبول فرماتے ہوئے انکی مغفرت کا فیصلہ فرمائیں گے، یہ کتنی بڑی سعادت ہے جو ایک حاجی کو اللہ تعالیٰ حج کرنے کی وجہ سے عطا فرمائیں گے۔

گناہوں کی مغفرت

ایک روایت میں ہے کہ جب حج کرنے والا یا عمرہ کرنے والا حج یا عمرہ کا احرام باندھ کر لبیک کہنا شروع کرتا ہے تو جب اس دن کا سورج غروب ہوگا تو وہ سورج اس کے تمام صغیرہ گناہوں کو لیکر غروب ہوگا اور وہ گناہوں سے ایسا پاک ہو جائے گا جیسا اس روز تھا کہ جس روز اس کی ماں نے

اس کو جنا تھا۔ (ابن ماجہ) اندازہ لگائے کہ کتنی بڑی نعمت ہے اور کتنی بڑی دولت ہے یہ حج وعمرہ۔

ستر ہزار نیکیاں

ایک حدیث میں ہے کہ جب کوئی شخص کامل وضو کر کے (کامل وضو وہ ہوتا ہے جو سنت کے مطابق ہو) یعنی سنت کے مطابق وضو کر کے طواف کرنے حجر اسود کے قریب آئے تا کہ اس کا استلام کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں داخل ہو جاتا ہے اور جب حجر اسود کا استلام کر کے وہ یہ کلمہ پڑھتا ہے:

بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ
لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ

اور اسے پڑھ کر طواف شروع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کو ڈھانپ لیتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اس پر چھا جاتی ہے اور اس کے بعد جب وہ طواف کرتا ہے تو ہر ہر قدم پر اللہ تعالیٰ اس کو ستر ہزار نیکیاں عطا فرماتے ہیں اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کے گھر کے ستر افراد کے حق میں اس کی سفارش قبول فرمائیں گے، ستر ہزار گناہ معاف فرماتے ہیں اور ستر ہزار درجات بلند فرماتے ہیں اور جب وہ طواف کے سات چکر پورے کر کے مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت نماز ادا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو حضرت اسمٰعیل علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد میں سے چار غلام آزاد کرنے کا ثواب عطا فرماتے ہیں۔ (الترغیب)

اگر کوئی آدمی ایک غلام آزاد کر دے (جو آج کل ناممکن ہے کیونکہ

اب غلام باندی کا دور نہیں) تو اللہ تعالیٰ اس غلام کے ایک ایک عضو کے بدلے میں اس آزاد کرنے والے کے ایک ایک عضو کو دوزخ سے آزاد فرماتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ ہر مسلمان کسی غلام کو آزاد نہیں کرسکتا لیکن طواف ہر حج وعمرہ کرنے والا مسلمان کرسکتا ہے اور طواف کے بعد دوگانہ طواف کر کے اس فضیلت کو حاصل کرسکتا ہے اور ایک نہیں بلکہ چار غلاموں کو آزاد کرنے کا ثواب اس کو حاصل ہوتا ہے، اب ایک غلام کے بدلے میں اس کی بخشش ہوگئی اور باقی تین غلاموں کے بدلے میں انشاء اللہ العزیز اس کو بلند درجات نصیب ہونگے اور اسی اوپر والی حدیث کے آخر میں ہے کہ جس وقت آدمی دوگانہ ادا کر کے فارغ ہوگا تو وہ گناہوں سے ایسا پاک صاف ہو چکا ہوگا جیسا کہ وہ اپنی ولادت کے وقت گناہون سے پاک وصاف تھا۔

گناہوں کی مغفرت

بہرحال! حج اور عمرے کی بدولت اللہ پاک حج اور عمرہ کرنے والے کے تمام صغیرہ گناہ معاف فرما دیتے ہیں اور اگر آدمی توبہ کرلے تو بڑے سے بڑا کبیرہ گناہ بھی معاف ہوجاتا ہے اور صغیرہ گناہوں کو تو اللہ تعالیٰ بہانے بہانے سے معاف فرماتے ہیں حج کرنے کی بدولت، عمرہ کرنیکی بدولت، طواف کرنے کی بدولت، دوگانہ طواف ادا کرنے کی بدولت وغیرہ۔

بہرحال! حاجی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے قدم قدم پر مغفرت کا تحفہ ملتا ہے اور اس کی دعا بھی کرنی چاہئے کہ ہمیں ایسی مغفرت ملے جو ہمیشہ ہمارے لئے نجات کا زریعہ ہو۔

ہر نیکی پر ایک لاکھ گنا ثواب

ایک اور بہت بڑا فضل اللہ تعالیٰ کا حاجی پر یہ ہوتا ہے کہ جونہی وہ حدودِ حرم میں داخل ہوتا ہے تو حدودِ حرم میں قدم رکھتے ہی اس کے ہر نیک عمل کا ثواب ایک لاکھ گنا ہو جاتا ہے، جدہ سے مکہ مکرمہ جاتے ہوئے راستہ میں مکہ میں داخل ہونے سے پہلے ایک عظیم الشان رحل آتی ہے جس پر قرآن شریف بنا ہوا ہے اس کے قریب سعودی حکومت نے حدودِ حرم شروع ہونے کی علامت بنادی ہے، جونہی اس کے قریب جائیں سب خواتین وحضرات سے درخواست کرونگا کہ اس وقت کو غفلت میں نہ گزاریں اور بلا وجہ اس کے اندر داخل ہونے میں تاخیر نہ کریں اور اس وقت دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں، اللہ تعالیٰ سے لو لگائیں اور دل کا کانٹا اللہ تعالیٰ کی طرف کرلیں اور دل میں یہ استحضار ہو کہ یا اللہ! آج وہ موقع آ گیا ہے کہ آپ مجھ کو اپنی رحمت سے اس جگہ داخل ہونے کی سعادت نصیب فرما رہے ہیں، جہاں انبیاء کرام داخل ہوتے تھے، اور جب وہ داخل ہوتے تھے تو سواری سے اتر جاتے اور ننگے پاؤں ہو جاتے تھے، بہر حال حدودِ حرم کے اندر قدم رکھتے ہی ہر نیک عمل کا ثواب ایک لاکھ گنا بڑھ جاتا ہے اس لئے ایسے وقت یوں دعا کریں ''یا اللہ! برسوں کی تمنا کے بعد آج یہ موقع آیا ہے کہ میں حرم میں داخل ہو رہا ہوں، یا اللہ! آپ کو آپکی شانِ رحمت کا واسطہ کہ جس طرح آپ نے اس کو محترم بنایا ہے مجھے اس کے اندر داخل ہونے کے لائق بنا دیجئے، مجھے اس کا اکرام کرنے والا بنا دیجئے، اس کے آداب بجالانے والا بنا دیجئے اور میرے گوشت، میری کھال، میری ہڈیوں، میرے بالوں اور میرے وجود کو

سر سے پیر تک دوزخ پر حرام کر دیجئے اور جس طرح آپ نے اس میں شکار کرنے کو حرام کیا ہے اس کی بے حرمتی کو حرام کیا ہے اسی طرح یا اللہ! آپ مجھے دوزخ پر حرام کر دیجئے،'' اس طرح اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے داخل ہو جائیں، اور پھر زیادہ سے زیادہ نیک اعمال میں مشغول رہنے کی کوشش کیجئے۔

چنانچہ اس میں داخل ہونے کے بعد ایک مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰہِ کہیں گے تو ایک لاکھ مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰہِ کہنے کے برابر ثواب ملے گا اور اگر ایک مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہیں گے تو ایک لاکھ مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہنے کے برابر ثواب ہوگا اور ایک مرتبہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہیں گے تو ایک لاکھ مرتبہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہنے کے برابر ثواب ہوگا اور ایک مرتبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہیں گے تو ایک لاکھ مرتبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنے کے برابر ثواب ہوگا۔

حضرت والد صاحبؒ (اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور انہیں انکی خدمات کا بہتر سے بہتر صلہ عطا فرمائے۔آمین) تقریباً ہر سال حج کرنے جایا کرتے تھے اور اپنی دعاؤں اور بیانات میں اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے، امید ہے کہ یہ ان کے حق میں قبول ہوا ہے ؎

مدینہ جاؤں پھر آؤں، مدینہ پھر جاؤں
الٰہی! عمر اسی میں تمام ہو جائے

اور انکی عمر واقعی اسی میں پوری ہوئی کہ ہر سال حج کرنے کیلئے جاتے تھے، بعض حکایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی ستر ہزار مرتبہ لَا اِلٰـہَ اِلَّا

اللّٰہُ پڑھ کر اپنے کسی رشتہ دار کو یا کسی اور مسلمان کو جو اللہ بچائے عذابِ قبر میں مبتلا ہو بخشدے تو اللہ تعالیٰ اس کا عذابِ قبر اٹھا دیتے ہیں۔

عذابِ قبر سے نجات

چنانچہ ''نزهة البساتین ''میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک بزرگ فرماتے ہیں میرے محلے میں ایک مجذوب رہتا تھا اور مجھے انکے بارے میں یہ شبہ تھا کہ یہ واقعی مجذوب ہیں یا مصنوعی مجذوب، جو واقعی مجذوب ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوتا ہے اور جو مصنوعی ہوتا ہے وہ عموماً دھوکہ باز ہوتا ہے مجھے ان کے بارے میں یہ شبہ رہتا تھا کہ یہ واقعی مجذوب ہیں یا انہوں نے مجذوبوں کا روپ دھارا ہوا ہے، ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ایک مجلس کے اندر میں بھی موجود تھا اور وہ بھی موجود تھے، میں نے دیکھا کہ وہ اچانک کہنے لگے ''میری ماں کو قبر میں عذاب ہو رہا ہے، میری ماں کو قبر میں عذاب ہو رہا ہے'' اس وقت میں نے سوچا کہ آج اس کے امتحان کا اچھا موقع ہاتھ آگیا ہے، میں دیکھتا ہوں کہ یہ سچ مچ مجذوب ہے یا مصنوعی مجذوب، چنانچہ میں نے لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ ستر ہزار مرتبہ پڑھا ہوا تھا اسی وقت میں نے دل دل میں اللہ تعالیٰ سے یہ عرض کیا کہ اس کا ثواب اس کی والدہ کو پہنچا دیا جائے تو وہ ہنسنے لگے اور ہنستے ہوئے کہنے لگے الحمد للّٰہ، الحمدللّٰہ میری ماں سے عذاب ختم ہو گیا اور اب میری ماں آرام میں ہوگئی، وہ بزرگ فرماتے ہیں اس واقعہ سے میرے دو شبہے دور ہو گئے ایک شبہ تو ان کے بارے میں تھا کہ یہ حقیقۃً مجذوب ہیں یا مصنوعی مجذوب ہیں؟ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ یہ حقیقی

مجذوب ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان پر انکی ماں کا عذاب منکشف فرمایا اور اس کا دور ہونا بھی منکشف فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ یہ حقیقی مجذوب ہیں مصنوعی مجذوب نہیں اور وہ اپنے اس قول میں سچے ہیں، جھوٹے نہیں۔

دوسرے مجھے اس روایت کے بارے میں شبہ تھا کہ حدیث کس درجہ کی ہے معتبر ہے یا نہیں؟ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اس کلمہ کی برکت سے انکی ماں کا عذاب اٹھالیا تو معلوم ہوا کہ یہ روایت صحیح ہے اور اس روایت میں اس کلمہ کی یہی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ اگر کسی آدمی کو پڑھ کر بخش دیا جائے اور وہ عذابِ قبر میں مبتلا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کا عذابِ قبر اٹھا لیتے ہیں۔

حضرت والد صاحبؒ یہ فرمایا کرتے تھے کہ یہاں تو ستر ہزار مرتبہ کلمہ پڑھنا مشکل ہے لیکن مکہ مکرمہ میں جانے کے بعد ایک مرتبہ لَا اِلٰـــهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھنے کا ثواب ایک لاکھ مرتبہ پڑھنے کے برابر ہو جاتا ہے، لہٰذا اس کلمہ کو زیادہ سے زیادہ پڑھنا چاہئے اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اس کا ثواب بخشنا چاہئے، سرکارِ دو عالم ﷺ کی امت میں سے جتنے لوگ اب تک گذر چکے ہیں اور جتنے لوگ قیامت تک آئیں گے اس کا ثواب ان سب کو پہنچا سکتے ہیں۔

بھئی! مکہ مکرمہ قیام کے دوران کم از کم ستر ہزار مرتبہ کلمہ پڑھنا اچھا ہے اور ستر ہزار میں سے ہر کلمہ ایک لاکھ کے برابر ہے اور ستر ہزار کو ایک لاکھ سے ضرب دیں تو کتنے لاکھ بن جائیں گے، اور اگر آپ اس کا ثواب آپ ﷺ کی امت کو بخشدیں تو آپ کے ثواب میں کوئی کمی نہیں آئے گی اور بہت سے افراد کی بخشش ہو جائے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

اسی طرح وہاں قیام کے دوران اگر ایک مرتبہ یٰسٓ شریف پڑھیں

گے تو ایک لاکھ مرتبہ یٰسٓ شریف پڑھنے کے برابر ثواب ملے گا اور ایک مرتبہ یٰسٓ شریف پڑھنے والے کو دس مرتبہ قرآن پڑھنے کے برابر ثواب ملتا ہے تو اندازہ لگائیے اللہ تعالیٰ کی کتنی رحمت ہے، انکی رحمت کی کوئی انتہا نہیں، ہم پڑھنے سے عاجز آسکتے ہیں لیکن انکی رحمت میں کمی نہیں آسکتی۔

اگر آدمی دس مرتبہ سورہ اخلاص پڑھے تو از روئے حدیث اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں ایک محل عطا فرمائیں گے، جب حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یہ سنا تو انہوں نے فرمایا یا رسول اللہ! پھر تو ہم جنت کے اندر بہت سے محل بنالیں گے تو آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ دینے پر قادر ہیں، ہم سورہ اخلاص پڑھ کر تھک سکتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی عطا ختم ہونے والی نہیں، یہاں پر دس لاکھ مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھنے کے برابر ثواب ملے گا۔

جب حدودِ حرم شروع ہونگی تو ہر جگہ ہر نیکی کا ثواب ایک لاکھ نیکیوں کے برابر ہوگا، کتنی بڑی دولت ہے اور یہ حاضری کتنی بڑی نعمت ہے، یہ سب حج وعمرہ کی سعادت کی بدولت ہے، لہٰذا ہمیں دل وجان سے اس کی قدر کرنی چاہئے اور دل وجان سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔

حج کی صحیح تیاری

اب میں دوسری بات کی طرف آتا ہوں، وہ یہ کہ جب یہ نعمت اتنی بڑی ہے اور اس پر اتنے بڑے بڑے اجر وثواب کے وعدے ہیں تو جتنی بڑی نعمت ہوتی ہے اور جس کام میں جتنا زیادہ نفع ہوتا ہے اس کی تیاری بھی اسی کے مطابق ہوتی ہے، چنانچہ جتنا بڑا کاروبار ہوتا ہے اس کی تیاری بھی اتنی

بڑی ہوتی ہے اور حج اور عمرہ آخرت کی کمائی کا بہت بڑا ذریعہ ہیں لہٰذا اس کے لئے تیاری بھی اسی کے مطابق ہونی چاہئے، اس کی تیاری کے متعلق بہت سی باتیں ہیں، ان سب کا بیان کرنا اس مختصر وقت میں بظاہر مشکل ہے لیکن ان میں سے چند اہم اہم باتیں عرض کرتا ہوں۔

نیت درست کرلیں

ان میں سب سے پہلی بات اپنی نیت کی درستگی ہے، لہٰذا جتنے خواتین وحضرات حج کیلئے جارہے ہیں یا صرف عمرہ کرنے جارہے ہیں ان کا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ وہ اپنی نیتوں کو درست کرلیں۔

نیت کو کس طرح درست کیا جاتا ہے اس کو درست کرنا یہ ہے کہ ہم دل میں یہ ارادہ کرلیں کہ ہم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کیلئے حج اور عمرہ کرنے کیلئے جارہے ہیں، اس کے علاوہ کوئی اور نیت نہ ہو یا یہ نیت ہو کہ ہم صرف اور صرف اس لئے حج وعمرہ کیلئے جارہے ہیں تاکہ ہماری مغفرت ہوجائے، ہماری بخشش ہوجائے اور اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہوجائیں، حج اور عمرہ کا جو ثواب احادیثِ طیبہ میں بیان کیا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہم کو عطا فرمادیں، بہر حال اس اجر کو حاصل کرنے کی نیت کرنا، اپنی مغفرت وبخشش کی نیت کرنا اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی نیت کرنا نیت کی درستگی ہے، جب ایک مرتبہ دل میں اللہ تعالیٰ کے واسطے حج وعمرہ کرنے کی نیت کرلی تو نیت درست ہوگئی، اس کے بعد اگر ریاکاری، نام ونمود اور دکھاوے کے وسوسے آئیں تو ان میں کوئی حرج نہیں۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے ایک ہی

جملے میں اس مسئلے کا حل بیان فرما دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ وسوسۂ ریا ریا نہیں ہے یعنی وہ تو ریا کاری کا خیال اور وسوسہ ہے اور ریا کاری کا خیال اور وسوسہ اور چیز ہے اور ریا کاری اور چیز ہے، ریا کاری میں آدمی کا اپنا اختیار شامل ہوتا ہے جبکہ ریا کاری کا وسوسہ اور خیال غیر اختیاری چیز ہے اور غیر اختیاری چیز سے آدمی نہ گنہگار ہوتا ہے، نہ اس کے عمل میں کوئی خلل آتا ہے اور نہ اس کے ایمان میں کوئی خرابی آتی ہے وہ تو معاف ہے، بس ادھر سے خیال آئے تو اُدھر سے نکال دیں، اس سے نیت میں کوئی خلل اور فتور نہیں آتا، لہٰذا اپنے قصد و اختیار سے ہر مسلمان مرد و عورت ایک مرتبہ حج یا عمرہ کی نیت کو درست کرے، یا اللہ! میں آپکی رضا حاصل کرنے کیلئے حج و عمرہ ادا کرنے جا رہا ہوں، اس کے بعد ایک مرتبہ یا ایک ہزار مرتبہ ریا کاری کا وسوسہ آئے اس سے بالکل نہ گھبرائیں کیونکہ اس سے نہ آپکے حج میں کوئی خلل آئیگا اور نہ آپکے عمرہ میں کوئی خلل آئے گا اور نہ کسی عمل میں کوئی خلل آئے گا، بعض اوقات آدمی اس وسوسہ سے بہت پریشان ہوتا ہے کہ میں تو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے عبادت کر رہا ہوں اور یہ دکھاوے اور ریا کاری کا خیال آرہا ہے۔

ہاں خدانخواستہ اگر کوئی نیت ہی غلط کر لے مثلاً یہ نیت کر لے کہ میں حج اس لئے کر رہا ہوں تا کہ لوگ مجھے حاجی کہیں، میں اس لئے عمرہ کر رہا ہوں تا کہ لوگ کہیں کہ یہ تو ہر سال عمرہ کرنے جاتا ہے اور میں اس لئے حج و عمرہ کر رہا ہوں تا کہ لوگوں میں میرا نام ہو، اگر کوئی ایسی نیت کرے گا تو بے شک یہ ریا کاری کی نیت ہو گی، دکھاوے اور نام و نمود کی نیت ہو گی اور اللہ بچائے ایسی نیت بڑی خراب نیت ہے اور عمل کی مقبولیت کو تباہ و برباد کرنے والی نیت ہے۔

چنانچہ ایک روایت میں اس کے متعلق آتا ہے کہ میری امت کے بعض مالدار لوگ سیر وتفریح کیلئے حج کریں گے یعنی کچھ مالدار لوگ سیر وتفریح کیلئے حج وعمرہ کریں گے کہ لندن نہیں گئے، جرمنی نہیں گئے فرانس نہیں گئے، سنگاپور نہیں گئے مکہ مدنیہ چلے گئے کہ وہاں پر بھی بڑے خوب صورت ہوٹل ہیں، بڑی خوبصورت عمارتیں ہیں، خود بیت اللہ اور مسجد نبوی کی عمارت بھی بڑی خوشنما ہے، اس کو دیکھنے چلے گئے یہ تو حج وعمرہ کیلئے جانا نہیں ہوا، اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے جانا نہیں ہوا، عبادت کرنے کیلئے جانا نہیں ہوا بلکہ ان جگہوں کو دیکھنے کیلئے جانا ہوا، گھومنے پھرنے اور سیر وتفریح کیلئے جانا ہوا۔

فرمایا کہ میری امت کے درمیانے درجے کے لوگ تجارت کیلئے حج کا سفر کریں گے یعنی جا تو رہے ہیں حج وعمرہ کیلئے لیکن ان کا اصل مقصد تجارت ہوگی، یہاں سے کچھ مال لیکر چلے گئے اور وہاں جا کر بیچ دیا، اور وہاں سے کچھ مال لا کر یہاں بیچ دیا، یہاں سے کچھ آڈر وہاں لے گئے اور وہاں سے کچھ آڈر یہاں لے آئے، لہٰذا جب جا رہے ہیں تو اس لئے جا رہے ہیں کہ جدہ بہت بڑا تجارتی مرکز ہے وہاں جا کر کچھ تجارت کرلیں گے اور اس آنے جانے میں حج وعمرہ بھی ادا ہو جائے گا اور اگر حج وعمرہ نہ ہوا تو کیا ہوا تجارت تو ہو ہی جائے گی، لہٰذا یہ سفر خالص حج وعمرہ کے لئے نہیں ہوگا بلکہ تجارت کے لئے ہوگا۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ علماء حج وعمرہ کریں گے ناموری کے لئے، شہرت کے لئے تاکہ لوگ کہیں کہ فلاں عالم بڑے بزرگ ہیں وہ تو ہر سال حج وعمرہ کے لئے جاتے ہیں ''اللہ بچائے'' یہ نام ونمود اور شہرت طلبی کیلئے حج ہوا،

اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے نہیں ہوا۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے غریب لوگ مانگنے کے لئے حج وعمرہ کریں گے یعنی حج وعمرہ کے لئے تو جائیں گے، لیکن اصل مقصد حج وعمرہ نہیں بلکہ لوگوں سے بھیک مانگنے کے لئے جائیں گے۔

اس لئے بھئی! سب سے پہلے اپنی نیت درست کر لینی چاہئے جتنی نیت سچی اور خالص ہوگی اتنا ہی حج وعمرہ انشاء اللہ العزیز اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہوگا، اس اخلاص کی نیت کے اندر یہ بھی داخل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں حج مبرور کا بدلہ بجز جنت کے اور کچھ نہیں، حجِ مبرور کا بدلہ صرف اور صرف جنت ہے یعنی جس آدمی کا حجِ مبرور ہو گیا اور جس کو حجِ مبرور نصیب ہو گیا تو اس کے جنّتی ہونے کا فیصلہ ہو گیا اور یہی مومن کا منتہائے مقصود ہے، اس لئے اخلاص کے ساتھ یہ دعا شروع کر دیں کہ یا اللہ! ہم سب کو بآسانی حجِ مبرور اور عمرۂ مبرورہ نصیب فرما۔ آمین

حجِ مبرور کی تعریف

حجِ مبرور کسے کہتے ہیں؟ یہ بھی سُن لیں، اس کے بارے میں عرض ہے کہ حجِ مبرور نام ہے اس بات کا کہ آدمی اس طرح حج کرے کہ اس حج کے اندر جہاں تک ہو سکے گناہوں سے پرہیز کرے، جہاں تک ہو سکے گناہوں سے بچنے کی کوشش کرے، اگر کہیں کوئی غلطی ہو جائے تو بلا تاخیر توبہ کر کے آئندہ بچے، اگر کسی انسان کے ساتھ کوئی زیادتی ہو جائے یا کسی ہم سفر کی حق تلفی ہو جائے تو اس کی بھی فوراً معافی وتلافی کر لے اس کو حجِ مبرور کہتے ہیں۔

حجِ مبرور کی اس کے علاوہ اور بھی کئی تعریفیں، اور نشانیاں بیان کی گئی

ہیں، کہ حجِ مبرور کے اندر آدمی نرمی سے گفتگو کرے، جھگڑے سے بچے، لب و لہجہ بھی سخت اختیار کرنے سے گریز کرے، نرم لہجہ اختیار کرے اور ہر ایک کو سلام کرے، یہ بھی حجِ مبرور کی علامتیں ہیں، جس نے ان باتوں کو اختیار کرلیا تو انشاءاللہ اس کو حجِ مبرور نصیب ہو جائے گا۔

حجِ مبرور کی دعا

لہٰذا ابھی سے یہ دعا کرنی چاہئے کہ یا اللہ! ہم کو حجِ مبرور نصیب فرما، اگر دل سے دعا مانگیں گے تو انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ دولت ضرور نصیب فرمائیں گے، اس لئے کہ جب انہوں نے بغیر درخواست کے ہم پر یہ کرم فرمایا ہے تو درخواست پر تو انشاء اللہ تعالیٰ بدرجۂ اولیٰ کرم فرمائیں گے، انہوں نے ہماری کسی قابلیت اور لیاقت کے بغیر ہی یہ احسان فرمایا کہ ہماری حاضری کا انتظام فرمایا، تو بھئی! اگر ہم ابھی سے دعا کریں گے تو انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ ہمیں حجِ مبرور اور عمرۂ مبرورہ بھی نصیب فرمائیں گے جو ہر حاجی کا مقصود ہے۔

حجِ مبرور حاصل کرنے کا طریقہ

اب حجِ مبرور اور عمرۂ مبرورہ حاصل کرنے کے لئے ہمیں چند کام کرنے ضروری ہیں۔

(۱) ان میں سے پہلا کام یہ ہے کہ اب تک کی زندگی میں جو کچھ ہوا ہے اس کی معافی تلافی کرلیں اور معافی تلافی اللہ تعالیٰ کے حقوق کی بھی کرنی ہے اور بندوں کے حقوق کی بھی کرنی ہے، اللہ تعالیٰ کے حقوق کی

مثال جیسے نماز فرض ہے، زکوۃ فرض ہے، روزے فرض ہیں، صدقہ فطر واجب ہوا مگر ادا نہ کیا، قربانی واجب ہوئی لیکن ادا نہ کر سکے، یہ سب اللہ تعالیٰ کے حقوق ہیں، لہٰذا بالغ ہونے سے لیکر اب تک ہر مسلمان مرد وعورت اس لحاظ سے اپنی زندگی کا جائزہ لے لیں، جتنی نمازیں قضاء ہیں ان کا بھی اندازہ لگا کر حساب کر لیں اور اپنے پاس نوٹ کر لیں اور ابھی سے اپنی قضاء نمازوں اور قضاء روزوں کو ادا کرنا شروع کر دیں، قدرتی مجبوری کی وجہ سے خواتین کے عموماً ہر سال رمضان میں کچھ نہ کچھ روزے چھوٹ جاتے ہیں، لیکن لا پروائی کی وجہ سے ادائیگی نہیں ہوتی، لہٰذا ابھی سے وہ روزے رکھنا شروع کر دیں اور رمضان شریف سے پہلے پہلے ان کو ادا کرنے کی کوشش کریں تاکہ اگلے رمضان آنے سے پہلے ان کے پچھلے تمام روزے ادا ہو جائیں اور حج کے اعتبار سے بھی ان کی ادائیگی ہو جائے، اور اگر کسی کے ذمہ زکوٰۃ فرض ہوئی تھی اور اس نے زکوٰۃ ادا نہیں کی تو وہ اسے حج سے پہلے پہلے ادا کرنے کا اہتمام کرے، اگر کسی کام کے ہونے پر منت مانی تھی پھر وہ کام ہو گیا لیکن منت پوری نہیں کی تو وہ اس منت کو ادا کر دے، اسی طرح اگر کسی کے ذمے سجدۂ تلاوت واجب ہے تو وہ اس کو ادا کر لے، یہ سب اللہ تعالیٰ کے حقوق ہیں۔ لہٰذا جس کے ذمے ان میں سے جتنے جتنے حقوق باقی ہیں اس کو چاہئے کہ حج مبرور حاصل کرنے کے لئے وہ حج سے پہلے پہلے انکو ادا کرے، لیکن اگر کچھ رہ جائیں تو وہاں جا کر ادا کر لیں وہاں تو فرصت ہی فرصت ہوگی، لہٰذا زیادہ سے زیادہ طواف کریں اور یہ کام بھی کریں، لیکن ابتدا ابھی سے کر لینی چاہئے۔

(۲) دوسرے بندوں کے حقوق ہیں کہ بندوں کے ساتھ ہمارا

برتاؤ اور سلوک کیسا رہا ہے؟ یہ پہلو سب سے سنگین اور سب سے زیادہ قابلِ توجہ ہے کہ بالغ ہونے سے لیکر اب تک جن لوگوں کے ساتھ ہمارا معاملہ رہا ہے وہ کیسا رہا ہے، اگر ہم نے ناحق کسی کو ستایا ہے، کسی کو تکلیف دی ہے، کسی کو مارا ہے، کسی پر زیادتی کی ہے، اسکی بے عزتی کی ہے، کسی پر بہتان لگایا ہے یا کسی کے پیسے دبائے ہیں تو یاد رکھئے! کہ یہ حج اور عمرہ کی مقبولیت میں کوہِ گراں ہیں اور آخرت کے اندر بھی بڑی تباہی اور بربادی کا سبب ہیں۔

چنانچہ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے ارشار فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ اصلی مفلس کون ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مفلس وہ شخص ہے کہ جس کے پاس زندگی گزارنے کے اسباب اور مال و دولت نہ ہو تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حقیقی مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے دربار میں اس طرح حاضر ہوگا کہ اپنے ساتھ نیکیوں کے پہاڑ لے کر آئے گا اس کے پاس بے شمار نمازیں ہوں گی، تسبیحات، تلاوتیں اور دعائیں ہونگی، ذکر، صدقہ اور حج ہوگا، عمرے اور طواف ہونگے، اور ان کے علاوہ بے شمار نیکیاں اس کے ساتھ ہونگی، اور وہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوگا، اس کے ذہن میں یہ ہوگا کہ اسے جنت میں داخل کر دیا جائے گا لیکن جب وہ اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچے گا تو اہلِ حقوق بھی آجائیں گے اور اپنے حقوق کا مطالبہ کریں گے کہ پروردگار عالم! اس نے دنیا میں ہمیں گالی دی تھی، ہمیں ناحق مارا تھا، اس نے ہمارے ناجائز پیسے کھائے تھے، اس نے ہماری زمین دبائی تھی، اس نے ہمارے مکان پر قبضہ کیا تھا، اس نے ہم سے زبردستی رشوتیں لی تھیں، اس نے سود کھایا تھا۔ وغیرہ

اس طرح وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے یا اللہ! ہمیں ہمارے حقوق دلوادیجئے، ہر صاحب حق یہ عرض کرے گا کہ یا اللہ اس کے ذمے میرا یہ حق بنتا ہے وہ دلوایئے، تو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے حقوق دلوائیں گے اور اللہ تعالیٰ اہلِ حقوق کے حقوق کے مطابق اس کو اس کی نیکیاں دیدیں گے، کیونکہ آخرت کے سارے معاملات نیکیوں کی بنیاد پر طے ہونگے، مغفرت اور بخشش بھی نیکیوں کی بنیاد پر ہوگی اور لین دین بھی نیکیوں کی بنیاد پر ہوگا، لہٰذا جس جس کا اس نے حق مارا ہوگا اس کے بدلے اللہ تعالیٰ اس کو اس کی نیکیاں عطا فرمائیں گے۔

چنانچہ امام قرطبیؒ نے اپنی کتاب التذکرہ میں لکھا ہے کہ ایک چونی کے بدلے سات سو مقبول نمازیں دی جائیں گی، اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے اس طرح سے اس کی نیکیوں کے پہاڑ اہلِ حقوق میں تقسیم ہو جائیں گے اور ختم ہو جائیں گے، پھر بھی اہل حقوق باقی رہیں گے اور کہیں گے کہ پروردگار عالم! ہمارے حقوق باقی ہیں، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ بھئی اس کی نیکیاں تو ختم ہوگئی ہیں تو وہ کہیں گے کہ پروردگار عالم! ہمیں تو ہمارے حقوق چاہئیں، ہم نہیں جانتے کہ اس کے پاس نیکیاں ہیں یا نہیں ہیں تو اللہ تعالیٰ جل شانہ فرمائیں گے کہ اچھا بھئی تم لوگ اپنے اپنے حق کے مطابق اپنے گناہ اس پر ڈالدو کیونکہ اب اس کی نیکیاں باقی نہیں رہیں، لہٰذا جتنا اس نے تمہارے ساتھ ظلم کیا ہے، زیادتی کی ہے، ناانصافی کی ہے، ستایا ہے، پریشان کیا ہے تم اتنے ہی گناہ اس کے اوپر ڈالتے جاؤ تا کہ حساب برابر ہو جائے، چنانچہ اب ان کے گناہ اس کے سر پر ڈالے جائیں گے آیا تو تھا نیکیوں کے پہاڑ لیکر لیکن لوٹے

گا گناہ لیکر اور حکم ہوگا کہ اس کو جہنم میں ڈالدو، اس طرح لوگوں کے گناہ اپنے سر پر لیکر لوٹے گا اور دوزخ میں ڈالدیا جائے گا، یہ انسان آخرت کے اعتبار سے حقیقی مفلس ہے۔

اس لئے حقوق العباد کا معاملہ آخرت کے اعتبار سے بھی خطرناک ہے اور دنیا کہ اعتبار سے بھی خطرناک ہے، لہٰذا ابھی سے اس کی تلافی کرنے کی ضرورت ہے اور تلافی کا آسان طریقہ یہ ہے کہ جن جن لوگوں سے ہم مل سکتے ہیں یا رابطہ کر سکتے ہیں خواہ براہِ راست یا ٹیلی فون پر یا خط و کتابت کے ذریعے ان سے رابطہ کرلیں، اگر تم نے اس کو ستایا ہے یا پریشان کیا ہے یا زبانی طور پر اس کو ایذائیں پہنچائیں ہیں یا ہاتھ سے مارا ہے تو اس سے کہیں بھئی میں نے آپکے ساتھ بہت زیادتیاں کی ہیں، آپکے بہت سے حقوق ضائع کئے ہیں، آپ مجھے اللہ کے لئے معاف فرمادیں، میرا ارادہ حج میں جانے کا ہے لہٰذا جس کسی کے ساتھ اس طرح کا معاملہ ہوگیا ہو اس سے جا کر ملیں اور اس سے معافی مانگیں۔

(۳) حج کا مقصد اپنی بخشش کرانا ہے نہ کہ گناہوں کا پہاڑ اپنے سر پر رکھنا، لہٰذا وہاں جا کر خواتین خود بھی پردہ کا اہتمام کریں اور دیگر خواتین کو بھی پردہ کرنے کی تلقین کریں اور ابھی سے شرعی پردہ کا اہتمام شروع کریں گی تو انشاء اللہ العزیز جب وہاں جائیں گی تو ان کے لئے شرعی پردہ کرنا زیادہ آسان ہوگا۔

(۴) چوتھی بات یہ ہے کہ ابھی سے ہمیں خود کو گناہوں سے بچانے کی کوشش کرنی ہوگی اس لئے کہ حج مبرور کی ایک علامت یہ بیان کی گئی

ہے کہ جب حاجی حج کر کے واپس آئے تو پہلے جو گناہ وہ کیا کرتا تھا وہ چھوٹ چکے ہوں، پہلی گناہ آلود زندگی ختم کر کے گناہوں سے پاک نئی زندگی کا آغاز کر چکا ہو، پہلی زندگی نافرمانی، فسق و فجور، گناہوں اور نماز نہ پڑھنے کی زندگی تھی اب واپس آیا تو نماز کا پابند ہو گیا، پاکیزہ زندگی اختیار کر لی، تو بھئی! یہ ہے حجِ مبرور کی علامت اور نشانی ہے۔

مقبول حج کی نورانیت

پہلے زمانے میں لوگ حج کے لئے جایا کرتے تھے وہ اسی کا نمونہ ہوا کرتے تھے، پہلے حج کے لئے جانے کے ذرائع بڑے مشکل اور دشوار گزار تھے اس لئے جب لوگ حج کو جاتے تھے تو یہ سمجھ کر جاتے تھے کہ واپس نہیں آئیں گے لیکن جب واپس آتے تھے تو انکے چہرے پر حج کا نور ہوتا تھا انکی زندگی بدلی ہوئی ہوتی تھی، ان کے اخلاق بدلے ہوتے تھے اور اب جانے کی سہولتیں اتنی ہو گئیں کہ ہر سال بآسانی حج پر جایا جا سکتا ہے لیکن بآسانی جانے کے ساتھ ساتھ آج کل لوگ جیسے جاتے ہیں عام طور پر ویسے ہی آ جاتے ہیں، آدمی جو گناہ کرتے ہوئے گیا تھا اللہ بچائے وہی گناہ کرتے ہوئے واپس آیا، جو نماز نہیں پڑھتا تھا اسی حال میں واپس آیا کہ اب بھی نماز نہیں پڑھتا، جو جھوٹ بولتا ہوا گیا تھا جھوٹ بولتا ہوا واپس آیا، گانا سنتے ہوئے گیا تھا گانا سنتے ہوئے واپس آیا، فلمیں دیکھتے ہوئے گیا تھا فلمیں دیکھتے ہوئے واپس آیا، عورتیں بے پردہ گئی تھیں بے پردہ واپس آئیں، یہ اصلاح اور قابلِ توجہ بات ہے۔

اگر ہم حجِ مبرور کی سعادتِ عظمیٰ حاصل کرنا چاہتے تو آج سے ہی اس کا تہیہ کر لیں کہ پچھلے سب گناہوں سے سچی توبہ اور آئندہ گناہوں سے بچنے کا اہتمام ہوگا۔

مدینہ منورہ حاضری

تیسری بات آپ حضرات کی خدمت میں پیش کرنی ہے اور وہ مدینہ منورہ کی حاضری ہے جو اکثر و بیشتر حاجی اور عمرہ کرنے والے کو نصیب ہوتی ہے جو دراصل سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضری ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جو آدمی حج کرے اور حج سے فارغ ہونے کے بعد مدینہ طیبہ میں حضور ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو دو حج کا ثواب عطا فرماتے ہیں۔

مسجدِ قبا کی فضیلت بھی بتا دوں کہ جو آدمی وہاں جا کر رات میں یا دن میں دو رکعت نفل ادا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو ایک عمرے کا ثواب عطا فرماتے ہیں، تو لہٰذا دو حج کا ثواب مدینہ منورہ پہنچ کر مل جاتا ہے اور جتنی مرتبہ مسجدِ قبا میں جا کر دو رکعت نفل نماز ادا کرے تو ہر مرتبہ اللہ تعالیٰ اس کو ایک عمرے کا ثواب عطا فرمائیں گے۔

ایک حدیث میں یہ ہے کہ جس نے میرے مرنے کے بعد میری قبر کی زیات کی تو وہ ایسا ہے جیسے اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔

ایک اور حدیث میں اس طرح ہے کہ جس نے میرے مرنے کے بعد میری قبر کی زیارت کی تو مجھ پر اس کی شفاعت واجب ہو جائے گی، لہٰذا اس لئے وہاں جانا چاہئے تاکہ وہاں جا کر ہم حضور ﷺ کی شفاعت کے مستحق

ہوں۔

ایک روایت میں تو آپ ﷺ نے عجیب انداز میں فرمایا کہ:

مَنْ حَجَّ فَلَمْ يَزُرْنِىْ فَقَدْ جَفَانِىْ

جس نے حج کیا اور میری زیارت کرنے کے لئے (مدینہ طیبہ میں) نہیں آیا تو اس نے میرے ساتھ بے وفائی کی۔

تو بھئی جیسا بھی گنہگار سے گنہگار اور نافرمانی کرنیوالا ہو، خواہ وہ حاجی ہو یا عمرہ کرنیوالا، بہرحال عام طور پر اس کو مدینہ طیبہ میں حاضری کی سعادت نصیب ہو جاتی ہے اور یہ سعادت اس لئے ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ اپنے مزارِ اقدس میں حیات ہیں اس لئے وہاں کھڑے ہو کر جو آدمی بھی صلوٰۃ و سلام پیش کرتا ہے حضور ﷺ خود بنفسِ نفیس اس کا سلام سنتے ہیں اور یہ سعادت پوری دنیا میں اس جگہ کے علاوہ کہیں اور حاصل نہیں ہو سکتی، اس لئے کہ آپ ﷺ کے روضۂ اقدس کے علاوہ کہیں اور اگر درود و سلام پڑھا جاتا ہے تو فرشتے وہ درود حضور ﷺ کی خدمتِ اقدس میں پہنچاتے ہیں، لیکن جب روضۂ اقدس پر کھڑے ہو کر کوئی شخص سلام پیش کرتا ہے تو آپ ﷺ خود اسے سنتے ہیں اور سن کر اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔

اس لئے علماء نے فرمایا ہے کہ فرائض و واجبات کے بعد نوافل میں جو سب سے بڑی فضیلت کی چیز ہے، جو سب سے بڑی باعث اجر چیز ہے وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر صلوٰۃ و سلام پیش کرنا ہے، جو درود و سلام کا ویسے بھی بڑا اجر و ثواب ہے، ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو آدمی ایک مرتبہ

درود شریف پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر اس کے بدلے دس رحمتیں نازل فرماتے ہیں، اس کے دس گناہ معاف فرماتے ہیں دس نیکیاں عطا فرماتے ہیں اور دس درجے بلند فرماتے ہیں، آپ اس سے اندازہ لگائیے! کہ اگر آدمی سو مرتبہ درود شریف پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس پر کتنی رحمتیں نازل فرمائیں گے اور اسے کتنی نیکیاں عطا فرمائیں گے اور اس کے کتنے گناہوں کی مغفرت ہو جائے گی۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو آدمی سو مرتبہ درود شریف پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی سو حاجتیں پوری فرماتے ہیں تیس دنیا کی اور ستر آخرت کی۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ جو آدمی ایک ہزار مرتبہ درود شریف پڑھے گا تو اس وقت تک اس کا انتقال نہیں ہوگا جب تک وہ اپنی آنکھوں سے جنت میں اپنا مقام نہ دیکھ لے گا۔

کثرت سے درود شریف پڑھنے والے کے لئے احادیث میں دو فضیلتیں اور آئی ہیں ایک یہ کہ وہ جتنا درود شریف پڑھے گا قیامت کے دن اتنا ہی حضور ﷺ کے قریب ہوگا اور دوسرے زیادہ درود شریف پڑھنے والے کو اللہ تعالیٰ اپنے عرش کا سایہ عطا فرمائیں گے۔

بہرحال کسی بھی امتی کے لئے سب سے بڑی سعادت یہ ہے کہ وہ آپکی خدمت میں حاضر ہوکر درود وسلام پیش کرے اور حضور ﷺ سے اپنے لئے مغفرت کی درخواست کرے اور حضور ﷺ سے شفاعت کی درخواست کرے، جس طرح آپ ﷺ صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں اسی طرح شفاعت کی درخواست بھی سنتے ہیں، لہٰذا یہ سب سے بڑی دولت ہے اور بہت بڑی

سعادت ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو بار بار نصیب فرمائیں، آمین مدینہ منورہ کی یاد میں چند اشعار یاد آئے۔

یہی ہے تمنا، یہی آرزو ہے — یہی تو سنانے کو جی چاہتا ہے
مدینے کو جاؤں پلٹ کر نہ آؤں — وہیں گھر بنانے کو جی چاہتا ہے
سَلَامٌ عَلَيْكَ نَبِیَّ مُكَرَّمْ — سَلَامٌ عَلَيْكَ نَبِیَّ مُعَظَّمْ
خدا کی قسم تیرے روضہ پہ آ کر — یہ ہر دم سنانے کو جی چاہتا ہے
سیاہ کاریوں کی فراوانیاں ہیں — پریشانیاں ہی پریشانیاں ہیں
جبیں تیرے قدموں پہ ایک روز رکھکر — گناہ بخشوانے کو جی چاہتا ہے،

ایک شاعر نے کہا۔

سمٹتے آرہے ہیں دردوالے — کہ یہ دل کے سہاروں کی زمین ہے،
تجلی گاہِ انوارِ رسالت — اور اس کے ماہ پاروں کی زمین ہے،
جو دن کے تھے مجاہد، شب کے راہب — انہی شب زندہ داروں کی زمین ہے،
یہیں ٹھہرو کہاں جاؤ گے دانش! — یہ رحمت کے نظاروں کی زمین ہے،

دو کاموں کا اہتمام

حاجی اور عمرہ کرنے والے اس بات کو یاد رکھیں کہ جب وہ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ روانہ ہوں تو دو کاموں کا اہتمام کریں، ایک درود شریف کثرت سے پڑھیں یعنی ہر وقت اپنی زبان پر درود شریف رکھیں۔

دوسرے سنتوں پر عمل کرنا شروع کر دیں سنتوں پر عمل یہیں سے شروع کر دینا چاہئے اور وہاں بطور خاص اس کا اہتمام کریں، اس کے لئے

ایک کتاب میرے والد ماجدؒ کی لکھی ہوئی "عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ" ہے جو عام ملتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے بہت مقبولیت عطا فرمائی ہے، اس کے مطالعہ سے ہمارے چوبیس گھنٹے بآسانی سنت کے مطابق گزر سکتے ہیں، ہمارا کھانا پینا، سونا، جاگنا، پہننا اور بیت الخلاء جانا سب سنت کے مطابق ہوسکتا ہے، اس کو لیکر اہتمام کے ساتھ اس کا مطالعہ کریں اور ہر ہر سنت پر عمل کریں اور خاص طور پر جب مدینہ طیبہ جائیں تو وہاں اس چیز کا خیال رکھیں کہ کوئی کام خلافِ سنت نہ ہو اور ہر کام کو دھیان کے ساتھ اور اہتمام کے ساتھ سنت کے مطابق ادا کریں۔

مدینہ طیبہ پہنچ کر حضور ﷺ کی خدمت میں سلام کرنے کے لئے جائیں تو اگر پہلے نہا سکیں تو نہانا بہتر ہے، سنت کے مطابق لباس پہنیں، انگریزی لباس سے پرہیز کریں، شلوار ٹخنوں سے اوپر رکھیں، نیچے نہ رکھیں، خوشبو لگائیں اور راستے میں کسی غریب کو کچھ پیسے خیرات کریں، گردن جھکاتے ہوئے، اپنے گناہوں پر نادم اور شرمندہ ہوتے ہوئے اور یہ سمجھتے ہوئے کہ میں حضور ﷺ کا ایک نالائق امتی آپ ﷺ کی خدمت میں سلام پیش کرنے کیلئے جارہا ہوں، آپکی سنتوں کو پامال کر کے آیا ہوں، آپکو بہت خفا اور ناراض کر کے آیا ہوں، یا اللہ! میری حاضری کو آسان فرما دیجئے اور میرا سلام قبول فرمائیے اور پھر مسجد نبوی میں سنت کے مطابق داخل ہوں، اگر مکروہ وقت نہ ہو تو ریاض الجنۃ میں جا کر دو رکعت نفل پڑھیں، اگر وہاں جگہ خالی نہ ملے تو جہاں جگہ ہو وہاں پڑھ لیں، اور دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعا کریں، کہ یا اللہ! میں آپ ﷺ کی خدمت میں سلام پیش کرنے

کے لئے حاضر ہورہا ہوں، یا اللہ! میں نالائق ہوں اور میں نے بہت سنتیں توڑی ہیں، اور میں نے آپ ﷺ کو بہت ناراض کیا ہے، یا اللہ! میں آپکو آپکے کرم کی دہائی دیتا ہوں کہ آپ میری مدد فرمائیے، اور جیسا بھی میرا ٹوٹا پھوٹا سلام پیش ہو آپ اس کو حضور کی شان کے لائق صحیح کر کے پیش کر دیجئے، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مجھ سے راضی کر دیجئے، اس طرح گردن جھکاتے ہوئے آرام آرام سے چلئے، جلد بازی سے پرہیز کیجئے اور اگر آپکو ایسا موقع مل جائے کہ آپ ﷺ کے روضۂ مبارک کے سامنے جو ستون ہیں وہاں درمیان میں کھڑے ہو جائیں تو اور بھی اچھا ہے لیکن حج میں بھیڑ کی وجہ سے اس کا موقع کم ملتا ہے لیکن بعض اوقات مل بھی جاتا ہے اور وہ بعض اوقات میں آپکو بتائے دیتا ہوں، ایک صبح نو اور دس بجے کے درمیان آپ وہاں کھڑے ہو کر بآسانی درود شریف پڑھ سکتے ہیں اور دوسرے عشاء کے بعد جب مسجد نبوی بند ہونے کا وقت ہوتا ہے اس وقت بھی آدمی کچھ دیر وہاں آسانی سے کھڑا ہو سکتا ہے۔

پہلی دفعہ جو درود و سلام پیش کریں، اس میں اس بات کی کوشش کریں کہ وہاں کھڑے ہو جانے کا موقع مل جائے، لیکن اس سے کسی کو تکلیف نہ ہو اور کسی کے انتظام میں خلل نہ ہو، اس کا خیال رکھیں، ہر طرف کا خیال رکھنا ضروری ہے اور اگر موقع مل جائے تو وہاں پر کھڑے ہو کر آہستہ اور درمیانی آواز کے ساتھ توجہ سے درود و سلام پیش کریں، وہ وقت تو اپنی نالائقی کے استحضار اور ان کے مرتبہ کو ذہن میں لانے کا وقت ہے، اتنے جلیل القدر پیغمبر، سارے نبیوں کے سردار، رحمۃ للعلمین سامنے آرام فرما ہیں اور میں ادنی

امتی انکے سامنے کھڑا ہوں پھر پوری توجہ اور دل کی گہرائی کے ساتھ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ کہیں، اور ایک قدم آگے بڑھ کر درخواست کریں کہ یا رسول اللہ! میرے تمام احباب نے آپکی خدمت میں سلام پیش کیا ہے اور اس کے بعد یہ درخواست کریں کہ یا رسول اللہ! میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے بندے اور اللہ کے رسول ہیں۔

اس کے بعد حضور ﷺ سے درخواست کریں کہ حضور میں آپ کا ادنی امتی ہوں، نالائق ہوں، خطا کار ہوں، سیاہ کار ہوں، آپ اللہ تعالیٰ سے میری مغفرت کی دعا کیجئے، میرے لئے بھی، میرے والدین کے لئے بھی اور جن لوگوں نے آپکی خدمت میں سلام پیش کرنے کے لئے کہا ہے وہ سب آپکی شفاعت کے امیدوار ہیں آپ ان سب کے لئے سفارش فرمادیجئے، پھر شیخین کی خدمت میں سلام پیش کریں اور پھر آپکی خدمت میں آئیں، اگر موقع مل جائے تو دوبارہ صلوٰۃ وسلام پیش کریں۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ جو آدمی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر یہ آیت پڑھتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ (الأحزاب:٥٦)

اس کے بعد ستر مرتبہ یہ درود شریف پڑھتا ہے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ، بہتر یہ ہے کہ اس طرح پڑھیں اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ یا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تو ایک فرشتہ یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت تیری طرف متوجہ ہے، مانگ کیا مانگتا ہے اور تیری حاجتیں پوری کردی جائیں گی، تو

اس وقت یہ دعا کریں ''یا اللہ! حضور ﷺ کے صدقے مجھے اپنی رضا اور جنت نصیب فرما اور مجھے اپنے اطاعت شعار بندوں کی سی زندگی نصیب فرما، دنیا و آخرت میں عافیت عطا فرما اور مجھے بار بار یہاں کی حاضری صحت و عافیت کے ساتھ نصیب فرما'' اور آخر میں یہ دعا کریں،'' یا اللہ! سرکار دو عالم ﷺ جو سامنے آرام فرما ہیں انہوں آپ سے دنیا و آخرت کی جتنی بھلائیاں مانگی ہیں وہ سب عطا فرما اور جن جن چیزوں سے آپ نے دنیا و آخرت میں پناہ مانگی ہے ان سے کامل پناہ عطا فرما، یا اللہ! میں ان کے سامنے آپ سے انہی کے وسیلے سے انہیں کی بتائی ہوئی دعا مانگ رہا ہوں،'' بس یہ دعا کریں، اور اپنے لئے اور اپنے والدین کے لئے خوب گڑ گڑا کر دعائیں کریں، اور پھر اس کے بعد دوبارہ سلام پیش کریں یہ آپ کی طرف سے سلام پیش ہو گیا پھر اس جگہ سے چلے جائیں اور دو رکعت نماز ادا کریں، یہ دو نفل شکرانے کے ہوتے ہیں، اور پھر اللہ تعالیٰ سے گڑ گڑا کر دعا کریں ''یا اللہ! آپ کا شکر ہے کہ آپ نے سلام پیش کرنے کی توفیق دی، اب آپ اس کو اعلیٰ سے اعلیٰ بنا کر اور حضور ﷺ کی شان کے لائق بنا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش فرما دیجئے اور میری بخشش فرما دیجئے''، یہ اتنی بڑی دولت ہے، اور اتنی بڑی سعادت ہے جو ایک معمولی انسان کو بھی وہاں حاصل ہو سکتی ہے۔

آخری بات یہ ہے کہ جب تک مدینہ طیبہ کے اندر ہیں کوشش کریں کہ ہر نماز کے بعد حضور ﷺ کی خدمت میں صلوٰۃ والسلام پیش کریں لیکن مختصراً، اور مختصر یہ کہ جو لائن چل رہی ہو آپ بھی اس کے ساتھ چلتے رہیں اور جیسے ہی حضور ﷺ کے روضۂ شریف کے سامنے پہنچیں تو وہاں اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ

عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰه پڑھیں اور آگے چلیں اور اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا سَيِّدَنَا اَبَابَكْرِ ن الصِّدِّيْق ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا سَيِّدَنَا عُمَرَ الْفَارُوْق ، اس لئے کہ مختصر سلام بھی ثابت ہے اور طویل بھی ثابت ہے، طویل سلام پڑھنے کا موقع نہ ملے تو مختصر سلام پڑھیں لیکن اپنے آپ کو محروم نہ کریں۔

اور میں یہ بات اس لئے کہہ رہا ہوں کہ بعض احباب ایسا کرتے ہیں کہ صبح سلام پیش کر لیا اور شام کو سلام پیش کر لیا باقی اوقاتِ نماز میں مسجد نبوی میں کہیں بھی نماز پڑھ لی اور پھر سیدھے ہوٹل چلے گئے ، اتنی بڑی سعادت کا موقع ملے اور پھر آدمی اس سعادت سے محروم ہو جائے تو اس سے بڑی محرومی اور کیا ہوگی اور ایک طرح سے یہ بیوفائی ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے ساتھ کہ مدینے میں ہو اور سلام پیش کرنے کے لئے بھی حاضر نہ ہو، اس لئے کم از کم ہر نماز کے بعد سلام پیش کرنے کے لئے جانا اچھا ہے، خواہ مختصر ہی سہی تاکہ حاضری ہو جائے اور ہمارا یہ مختصر سلام بھی سرکارِ دو عالم ﷺ سنتے ہیں اور جواب عطا فرماتے ہیں جیسے کہ طویل سلام سنتے ہیں، بہر حال خود حاضر ہو کر صلوٰۃ و سلام پیش کرنا بڑی دولت ہے، بہت بڑی نعمت ہے، اللہ تعالیٰ بار بار نصیب فرمائیں۔ آمین

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

☆☆☆☆☆

دنیا کی بے ثباتی

- حب دنیا ایک خطرناک مرض
- ایک کتاب کا تعارف
- ہارون الرشید کے بیٹے کا عبرت انگیز اور سبق آموز واقعہ

حضرت اقدس مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی دامت برکاتہم العالیہ

نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ناشر

مکتبۃ الاسلام کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَ سَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

اما بعد!

ہمارا بنیادی مرض

گذشتہ منگل کو دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری کا، اس کے فانی ہونے، ختم ہونے اور اس کی محبت میں مبتلا ہونے کی بناء پر آخرت کے برباد ہونے کا تذکرہ تھا، اور یہ عرض کیا گیا تھا کہ ہمارا بنیادی مرض حبِ دنیا ہے۔ اس حبِ دنیا کی وجہ سے ہم طرح طرح کے گناہوں میں مبتلا ہیں، اگر یہ حبِ دنیا کا مرض دور ہو جائے اور ہمیں اس بیماری سے صحت حاصل ہو جائے تو انشاء اللہ ہماری کافی حد تک اصلاح ہو جائے۔

حُبِّ دنیا خطرناک مرض ہے

حُبِّ دنیا بہت مہلک مرض ہے اور اس کا علاج بہت ضروری ہے اس لئے اسی سلسلہ میں مزید کچھ عرض کرنے کا ارادہ ہے، اللہ جل شانہ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو حُبِّ دنیا کے مرض سے نجات دیں۔ دنیا کی محبت کو مغلوب فرما دیں، ہمارے ظاہر و باطن کو اپنی یاد سے اور اپنی اطاعت سے آراستہ

فرمادیں، اپنی نافرمانی سے محفوظ فرمادیں اور ہمارے دل میں اپنی محبت کو اپنے ماسوا کی محبت پر غالب فرمائیں۔ آمین

اللہ والوں کی حکایات ان کی مجلس کا بدل ہیں

اس وقت "نـزهة البسـاتين" کا ایک واقعہ بیان کرنا ہے، یہ بہت پیاری کتاب ہے، جو ہر گھر میں ہونی چاہئے، اور روزانہ ہمیں اپنے گھر میں سب گھر والوں کو جمع کر کے اس کی حکایات اور واقعات کو سنانا چاہئے اس لئے کہ جس طرح کسی اللہ والے کی خدمت وصحبت میں اثر ہوتا ہے، اور اس کے پاس بیٹھنے سے دنیا کی محبت نکلتی ہے، آخرت کی فکر بڑھتی ہے، اسی طرح نیک لوگوں اور اللہ والوں کی حکایات بھی ان کی مجلس کا بدل ہیں، ان کی خدمت وصحبت میں رہنے کے قائم مقام ہیں اور یہ بدل ایسا ہے کہ اسے ہر آدمی بآسانی اختیار کرسکتا ہے، لہٰذا اسے بھی اختیار کرنا چاہئے اور کسی اللہ والے کی خدمت وصحبت میں بھی جانا چاہئے، ان سے بھی ملتے رہنا چاہئے اور ان کے پاس بیٹھنا چاہئے، ان سے مشورہ لینا چاہئے، اور حکایات پر مشتمل کتابوں کا بھی مطالعہ کرنا چاہئے تاکہ دونوں سے آدمی کو پورا پورا فائدہ پہنچے۔

کتاب "نزهة البساتين" کیا ہے؟

اس کتاب میں پہلے زمانہ کے بڑے بڑے اولیاء اللہ کی حکایات ہیں جو نہایت پر اثر ہیں، اصل کتاب عربی میں ہے جس کا نام "روض الرّیاحین" ہے، اس کا ترجمہ حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی صاحبؒ نے فرمایا، حضرت چونکہ ماشاء اللہ فصیح و بلیغ اور ادیب آدمی تھے اس لئے انہوں

نے اردو میں ترجمہ ایسا کیا ہے کہ پڑھنے سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ اصل کتاب ہے، اس کے پڑھنے سے بڑا اثر ہوتا ہے اور دل کے اندر آخرت کی فکر بیدار ہوتی ہے، نیک لوگوں کی محبت بڑھتی ہے، جو سراسر فائدے کی چیز ہے۔

ایک سبق آموز واقعہ

اس میں ہارون رشید کے ایک بیٹے کا واقعہ لکھا ہے کہ جس زمانہ میں ہارون رشید مسلمانوں کے امیر اور خلیفہ تھے اس زمانہ میں ان کا ایک بیٹا تھا جس کی عمر تقریباً سولہ سال تھی، اور وہ بچپن ہی سے نیک، عابد اور زاہد تھا کیونکہ نیک لوگوں کے ساتھ رہتا تھا، عابدوں اور زاہدوں کی صحبت میں اپنا وقت گذارتا تھا۔

نیک صحبت کا اثر

یہاں سے ہمیں یہ سبق مل گیا کہ نیک صحبت کا بڑا اثر ہوتا ہے، جہاں تک ہو سکے ہمیں نیک صحبت اختیار کرنی چاہئے، ہم خود بھی نیک صحبت میں رہیں اور اپنے بچوں کے لئے بھی نیک صحبت اختیار کریں جس کا طریقہ پہلے بیان کر دیا گیا ہے۔

ہارون رشید کے بیٹے کا قبرستان جانا

ہارون رشید کا بیٹا نیک لوگوں، زاہدوں اور عابدوں کی خدمت میں رہنے کی وجہ سے بڑا عابد اور زاہد تھا۔ اس کی دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی فکرمندی کا یہ حال تھا کہ وہ وقتاً فوقتاً قبرستان جایا کرتا تھا اور گھنٹوں قبرستان

کے اندر رہتا تھا۔ وہ کبھی کبھی اہلِ قبور سے مخاطب ہو کر اس طرح ان سے عرض کرتا کہ اے کاش! مجھے معلوم ہو جاتا کہ تم اپنی قبروں کے اندر کس حال میں ہو؟ اور جب تم دنیا میں تھے تو کس طرح رہتے تھے؟ کیا کھاتے تھے؟ کیا پیتے تھے؟ کیا پہنتے تھے؟ آپس میں کیا باتیں کرتے تھے؟ اور اب تمہارا یہ حال ہے کہ اپنی اپنی قبروں کے اندر ہو اچھی حالت میں ہو یا بری حالت میں ہو؟ اس طرح سے یہ ان سے باتیں کرتا اور پھر پھوٹ پھوٹ کر اپنی حالت پر روتا، دنیا سے بے رغبتی اختیار کرتا اور آخرت میں دلچسپی لیتا۔

ایک اہم ہدایت

اس سے ایک دوسری ہدایت مل گئی کہ قبرستان جانا چاہئے اور جہاں ہم فاتحہ پڑھیں اور ایصالِ ثواب کریں، وہاں اہلِ قبور کے حالات وانجام، ان کی ظاہری بے بسی اور بے کسی کی حالت سے سبق لیں اور سوچیں کہ جیسے ہم اس دنیا کے اندر کھا رہے ہیں، پی رہے ہیں اور پہن رہے ہیں، یہ بھی سب لوگ ایسے ہی تھے، یہ سب بیوی بچوں والے تھے، دوست واحباب والے تھے، ان کے بھی عزیز واقارب تھے، آج دیکھو کیسے بے یار ورمددگار اور تنِ تنہا اپنی قبروں میں مدفون ہیں، وہ عذاب میں ہیں یا ثواب میں ہیں کچھ معلوم نہیں، جو انجام ان کا ہے، وہ میرا بھی ہونے والا ہے، اس طرح مدفون ہونے والوں کی حالت سے عبرت لینا حُبِ دنیا کا علاج ہے۔

ہارون رشید کے بیٹے کی درویشی

ایک دن کی بات ہے کہ یہ اپنے والد ہارون رشید کے پاس اس

وقت آیا جب ہارون رشید اپنے دربار میں جلوہ افروز تھا، تمام امراء اور وزراء اپنی نشستوں پر بیٹھے ہوئے تھے، دربار لگا ہوا تھا، اس حالت میں یہ اپنے والد سے ملنے کے لئے دربار میں آیا، چونکہ شہزادہ تھا اس لئے آنے پر کوئی پابندی نہیں تھی، لیکن اس حالت میں آیا کہ ایک کمبل اس نے اوڑھ رکھا تھا اور ایک چادر تہبند کی جگہ باندھی ہوئی تھی، جیسا کہ اس زمانہ میں درویشوں کا لباس تھا، عام علماء وصلحاء بھی اس طرح کا سادہ لباس پہنتے تھے، خاص طور پر جو زاہد اور دنیا سے اعراض کرنے والے لوگ تھے ان کا لباس بہت سادہ ہوتا تھا۔ حالانکہ وہ شہزادہ تھا، زرق برق لباس بھی پہن سکتا تھا لیکن اس کے دل میں دنیا تھی ہی نہیں، وہ تو آخرت کا بندہ تھا، اس لئے وہ سادہ لباس پہن کر دربار میں آیا۔

تمام درباریوں نے جب شہزادے کو اس حالت میں دیکھا تو چہ مگوئیاں شروع ہوگئیں وہ آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ دیکھو بادشاہ کا بیٹا کس حالت میں دربار کے اندر آیا ہے۔ ایسی ہی اولاد نے بادشاہوں میں امیر المؤمنین کو بدنام کیا ہوا ہے، بادشاہِ سلامت اسے کچھ کہتے نہیں ہیں، اگر وہ اس کو تنبیہ کریں اور سمجھائیں کہ بھئی تم شہزادے ہو، شہزادوں کی طرح رہا کرو، ان کی طرح کا لباس پوشاک استعمال کیا کرو تو شاید یہ سمجھ جائے، بہر حال! درباریوں نے آپس میں اس طرح کی باتیں کیں۔

بیٹے کی کرامت

رفتہ رفتہ یہ سب باتیں ہارون رشید تک پہنچ گئیں، جب ہارون رشید کو یہ

باتیں پہنچیں تو اس کو یہ مشورہ پسند آیا کہ اس کو سمجھانا تو چاہئے، تنبیہ کرنی چاہئے، کیا بعید ہے کہ یہ سمجھ جائے اور اپنی اس موجودہ حالت کو چھوڑ کر شاہی لباس استعمال کرنے لگے، چنانچہ ہارون رشید نے اپنے اس بیٹے سے مخاطب ہو کر کہا کہ:

صاحبزادے! تمہارے اس طرزِ عمل نے مجھے رسوا کر دیا، جب بادشاہِ سلامت نے یہ بات کہی تو اس نے ہارون رشید کو ایک نظر اٹھا کر دیکھا، لیکن کچھ نہ کہا اور جواب نہیں دیا اور نظر نیچی کر لی، اور تھوڑی دیر نظر نیچی کر کے ایک کرامت دکھائی، اس محل کے گنبد پر ایک کبوتر بیٹھا ہوا تھا اس کو اشارہ کیا اور اس سے کہا تجھ کو تیرے پیدا کرنے والے کی قسم! میرے ہاتھ پر آ کر بیٹھ جا، جیسے ہی اس نے اشارہ کیا وہ کبوتر اوپر سے اڑ کر دربار میں نیچے آیا اور سیدھا اس کے ہاتھ پر آ کر بیٹھ گیا۔ ہارون رشید نے بھی دیکھا اور سارے درباریوں نے بھی دیکھا، تھوڑی دیر وہ کبوتر اس کے پاس رہا جیسے اس کا پالتو کبوتر ہو، نہ بھاگا اور نہ ڈرا بلکہ بیٹھا رہا، تھوڑی دیر کے بعد اس نے کہا اب تو واپس وہیں چلا جا! چنانچہ وہ کبوتر اُڑ کر سیدھا وہیں جا کر بیٹھ گیا جہاں سے آیا تھا اور اُس نے کہا کہ دیکھو امیر المؤمنین کے ہاتھ پر نہ آنا، چنانچہ وہ نہ آیا۔

اس طرح اس نے ایک کرامت دیکھائی اور اپنے فعل سے گویا بتا دیا کہ تم مجھے دنیا کے پہننے، اوڑھنے اور کھانے پینے کی ترغیب دیتے ہو اصل چیز تو آخرت ہے، آخرت میں دل لگانا چاہئے، وہاں کی تیاری کرنی چاہئے، یہ اللہ کا فضل ہے کہ اس نے کبوتر کو میرے تابع کر دیا۔

ساتھ رہنے سے معذرت

بیٹے نے پھر باپ سے کہا کہ مجھے بھی آپ کی حُبِ دنیا نے رسوا کر دیا ہے، اب میں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ میں آپ کے ساتھ نہیں رہوں گا، آپ چاہتے ہیں کہ میں دنیا میں اپنے آپ کو غرق کرلوں اور دنیا کو اوڑھنا بچھونا بنا لوں، یہ مجھ سے نہیں ہوسکتا، لہٰذا اب میرا آپ کے پاس رہنا مناسب نہیں۔

اس کے بعد وہ بغیر کسی توشہ کے اور بغیر کسی ساز و سامان کے ایسے ہی تنِ تنہا بغداد کو چھوڑ کر بصرہ کی طرف روانہ ہوگیا، چلتے چلتے ایک قرآن شریف اپنے ساتھ لے لیا، اور ایک انگوٹھی زبردستی اس کی والدہ نے اس کو دے دی تاکہ کبھی ضرورت پڑ جائے تو اسے بیچ کر کام چلا لے۔

صاحبزادے کا مزدوری کرنا

بصرہ میں ابو عامر بصری نامی ایک شخص رہتے تھے وہ فرماتے ہیں ایک دن میرے گھر میں ایک دیوار گر گئی تھی، مجھے اس کے بنوانے کی ضرورت پیش آئی، میں بازار گیا جہاں مزدور اور مستری بیٹھا کرتے تھے کہ کسی مستری کو لاؤں اور اس سے اپنی دیوار اور چنائی کا کام پورا کراؤں۔

ابو عامر بصریؒ کہتے ہیں جب میں وہاں پہنچا تو میں نے مزدوروں کی لائن میں ایک بہت ہی حسین و جمیل، خوبصورت، نیک اور صالح لڑکا بیٹھا ہوا دیکھا، اس کے سامنے زنبیل میں اوزار وغیرہ رکھے ہوئے تھے اور وہ بیٹھا قرآن شریف کی تلاوت کر رہا تھا، میں سیدھا اس کے پاس گیا اور میں نے جا کر سلام کیا، اس نے سلام کا جواب دیا، میں نے پوچھا: صاحبزادے کچھ

کام کرو گے ؟ کہا ہاں، کیوں نہیں ۔ کام ہی کے لئے تو پیدا ہوئے ہیں، یہ بتائیے کہ آپ کس قسم کا کام کروائیں گے ۔ میں نے کہا گارے مٹی کا کام کروانا ہے، اس نے کہا میں حاضر ہوں لیکن دیکھو میں صرف ایک درہم اور دانق اجرت لوں گا اور نماز کے وقت اپنی نماز پڑھوں گا، اگر منظور ہو تو میں حاضر ہوں ۔ (درہم چاندی کا ایک سکہ ہے، دانق اس کے چھٹے حصہ کو کہتے ہیں)۔

معاملات کی صفائی

اس میں ہمارے لئے یہ سبق ہے کہ اس لڑکے نے ابو عامر بصری کے ساتھ صاف معاملہ کیا؟ اور معاملہ کرتے وقت نماز کی بات بھی طے کر لی، اس لئے ملازمت کے وقت ہمیں چاہئے کہ اپنی نماز کی بات بھی طے کر لیا کریں، ایسا نہ ہو کہ نوکری کرنے کے بعد مالک کہے کہ صاحب آپ تو نماز پڑھنے جا رہے ہیں، اس سے میری دکان کا حرج ہوتا ہے، میرے کام میں خلل واقع ہوتا ہے۔

مسلمان کا کام یہ ہے کہ جب کسی سے معاملہ کرے اور اس میں نماز کا وقت آتا ہو تو اپنی نماز کا بھی معاملہ صاف صاف طے کر لینا چاہئے اسی طرح اجرت بھی ۔ جیسا کہ اس نے بھی اجرت صاف صاف طے کر لی اور صاف کہہ دیا کہ میں اپنے وقت پر نماز پڑھوں گا، نماز کے وقت آپ کو کوئی شکایت نہیں ہونی چاہئے کہ آپ نماز پڑھنے کیوں گئے؟

تاجروں کے لئے نصیحت

ایسے ہی تجارت کے دوران ہر مسلمان مرد کو چاہئے کہ وہ دکانداری کے دوران نماز باجماعت کا اہتمام کرے، آج کل اس میں سخت کوتاہی پائی جاتی ہے، اور اصل حکم یہ ہے کہ مسجد میں جا کر نماز باجماعت ادا کرے، لیکن اگر اتفاقاً کسی وجہ سے مسجد میں نہ جا سکے تو بھی جماعت نہ چھوڑے، بلکہ دکان ہی میں جماعت کا انتظام ہونا چاہئے تا کہ جماعت نہ چھوٹے۔

بقدرِ ضرورت سے کمانا

ابو عامر بصری کہتے ہیں کہ میں اس سے دو باتیں طے کر کے آیا اور آکر اسے کام بتا دیا کہ یہ دیوار گری ہوئی ہے، یہ مٹی ہے، اس کا گارہ بنا کر آپ چنائی کر دیں اور دیوار مکمل کر دیں۔ میں اسے کام پر لگا کر اپنے کام سے چلا گیا، جب شام کو میں واپس آیا تو حیران رہ گیا کہ اس لڑکے نے اکیلے دس آدمیوں کے برابر کام کیا ہے، تو میں نے بجائے ایک درہم اور ایک دانق دینے کے پورے دو درہم دینا چاہا تو اس نے لینے سے انکار کر دیا اور کہا میں ایک درہم اور ایک دانق سے زیادہ لے کر کیا کروں گا؟ اس کے بعد میں نے ایک درہم اور ایک دانق اس کو دیا اور وہ چلا گیا۔

دوسرے دن میں پھر اس کو لینے بازار گیا تو وہ نہ ملا، لوگوں سے پوچھا، کل مجھے یہاں ایک لڑکا ملا تھا، اس نے بہت اچھا کام کیا تھا، وہ کہاں ہے؟ لوگوں نے کہا کہ وہ تو ہفتہ میں ایک دن مزدوری کرتا ہے، اب آپ کو وہ

اگلے ہفتہ ملے گا اور جہاں کل ملا تھا وہیں ملے گا، اس کا یہی معمول تھا کہ ہفتہ بھر کی مزدوری ایک ہی دن کرلیا کرتا تھا۔

ایک درہم اور ایک دانق اس کے ہفتہ بھر کی اجرت تھی، جس میں وہ اپنے پورے ہفتہ کا گزارہ کرتا تھا، ایک دانق سمجھ لو ایک آنہ کے برابر ہے اور ایک درہم میں چھ دانق ہوتے ہیں، اس طرح سات آنے وہ ہفتہ بھر کے کمالیا کرتا تھا اور ایک آنہ سے وہ روزانہ اپنا گزارہ کرتا تھا۔

جب میں دوسرے ہفتہ اسے لینے گیا تو وہ اسی طرح ملا جیسے پہلے ملا تھا، میں نے اسے سلام کیا، اس نے جواب دیا اور آج بھی وہی دو باتیں اس نے طے کیں، اس نے کہا کیا کام کراؤ گے، میں نے کہا گارے مٹی کا کام ہے، اس نے کہا ٹھیک ہے، چنانچہ میں نے اسے گھر لاکر کام پر لگا دیا۔

صاحبزادے کی کرامت

ابو عامر بصری کہتے ہیں کہ ایک ہفتہ سے میں سوچ رہا تھا کہ ایک آدمی نے دس آدمیوں کے برابر کام کیسے کرلیا؟ اس لئے میں نے اس دفعہ ایسا کیا کہ اسے کام پر لگا دیا اور خود ایک جگہ چھپ کے بیٹھ گیا تاکہ دیکھوں کہ یہ اتنا کام اکیلے کیسے کرتا ہے؟ تو جب میں چھپ کر بیٹھا تو دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس نے گارہ بنایا اور گارہ لے جاکر دیوار پر پھیلا دیا اور جتنی اینٹیں تھیں وہ خود بخود جاکر دیوار میں لگ گئیں اور ایک دوسرے سے مل گئیں، پھر دوبارہ اس نے گارہ اٹھایا اور اسے دیوار پر پھیلا دیا، ادھر سے اینٹیں خود ہی جاکر لگ گئیں، تب مجھے پتہ چلا کہ ارے یہ تو کوئی اللہ تعالیٰ کا نیک اور برگزیدہ بندہ

ہے، اللہ تعالیٰ کا ولی ہے، جس کی اللہ تعالیٰ مدد فرماتے ہیں، اس کا کام صرف گارہ ڈالنا ہے، باقی اینٹیں خود بخود ہی سیدھی ہو جاتی ہیں اور قاعدے سے لگ جاتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ اکیلا آدمی دس آدمیوں کے برابر کام کر لیتا ہے۔

جب میں شام کو اس کے پاس آیا تو میں نے اس کو تین درہم دینے کی کوشش کی، لیکن اس اللہ کے بندے نے ایک درہم اور ایک وانق ہی اپنی اجرت لی، اس سے زیادہ نہیں لی اور کہا میں اس سے زیادہ لے کر کیا کروں گا، اس کے بعد پھر وہ چلا گیا تو میں نے سوچا آئندہ ہفتہ جب وہ ملے گا تو اسے ہی بلا کر لاؤں گا۔

تیسرے ہفتہ جب میں اسے لینے گیا تو وہاں جا کر معلوم ہوا کہ وہ موجود نہیں ہے، کسی سے میں نے معلوم کیا کہ کیا بات ہے؟ یہاں پر ہر ہفتہ اس شان کا ایک مزدور ملا کرتا تھا، وہ آج نظر نہیں آرہا؟ جواب ملا کہ وہ بیمار ہے اور فلاں جنگل کی ایک ویران عمارت کے اندر لیٹا ہوا ہے اور اس کے انتقال کا وقت قریب ہے۔

میں نے کسی کو پیسے دیئے کہ مجھے اس کا پتہ بتا دو، میں اس سے ملنا چاہتا ہوں، اس کی خدمت کرنا چاہتا ہوں، وہ تو اللہ تعالیٰ کا کوئی نیک اور برگذیدہ بندہ ہے، تم خدا کے لئے مجھے وہاں پہنچا دو۔ الحمد للہ، میں اس کے پاس پہنچ گیا۔

جب میں وہاں پہنچا تو دیکھا کہ نہ در ہے، نہ دروازہ، نہ کھڑکیاں ہیں نہ چوکھٹ، ایک ویران سی عمارت ہے، نہ کوئی بچھونا ہے، نہ کوئی بستر ہے،

اس کسمپرسی کی حالت میں وہ لیٹا ہوا ہے، سر کے نیچے بھی ایک اینٹ ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چند لمحوں کا مہمان ہے، میں قریب گیا۔

آخری وقت اور چند وصیتیں

میں نے جا کر اسے سلام کیا تو اس نے آنکھیں کھولیں، جب انہوں نے مجھے دیکھا تو پہچان لیا اور کہا کہ ابو عامر! اچھا ہوا تم آ گئے، یہ میرا آخری وقت ہے، میں بیٹھ گیا اور اس کا سر اپنی گود میں رکھنا چاہا تو اس نے منع کیا اور کہا کہ میرے سرہانے کے لئے تو اینٹ ہی بہتر ہے، اپنی گود میں میرا سر کیوں رکھ رہے ہو، میں نے کہا کہ تمہارے لئے میری گود ہی مناسب ہے۔

اس کے بعد اس نے مجھے چند وصیتیں کیں کہ دیکھو جب میرا انتقال ہو جائے تو مجھے میرے انہی کپڑوں کے اندر دفنا دینا جو میں نے پہنے ہوئے ہیں اور یہ کفن کے اعتبار سے پورے ہیں، میں نے کہا میں تمہیں نئے کپڑوں میں کیوں نہ کفناؤں، اس نے کہا کہ اے ابو عامر! ساری زندگی تو ان پرانے کپڑوں میں گزار دی، اب نئے کپڑے لے کر کیا کروں گا، اور اگر نئے کپڑے تم نے مجھے پہنا بھی دیئے تو وہ بھی آخر قبر میں جا کر بوسیدہ ہو جائیں گے لہٰذا انہی میں کفنا دینا۔

پھر اس نے کہا کہ دیکھو! یہ میری زنبیل اور میرا تہبند ہے یہ میری قبر کھودنے والے کو اجرت میں دے دینا، اور یہ انگوٹھی اور قرآن شریف لے کر بغداد جانا اور بغداد جا کر امیر المؤمنین ہارون رشید کے ہاتھ میں دینا اور کہنا کہ یہ تمہارے بیٹے کے پاس تمہاری امانت تھی جو اس نے آپ کو واپس کر دی،

اور میرے والد صاحب کو کہنا کہ دیکھو اس دنیا کی چمک دمک میں اور دنیا کی سلطنت سے تمہیں دھوکہ نہ لگ جائے اور اسی غفلت کی حالت میں تمہاری موت واقع نہ ہو جائے۔

وفات

ابو عامر بصری کہتے ہیں کہ جب اس نے یہ باتیں بتائیں تو مجھے پتہ چلا کہ یہ تو ہارون رشید کا بیٹا ہے، امیر المؤمنین خلیفۃ المسلمین کا جگر گوشہ ہے، خیر تھوڑی دیر میں اس کا انتقال ہو گیا۔

آخری نصیحت

انتقال سے پہلے اشعار کی صورت میں اس نے ایک یہ نصیحت بھی مجھے کی جو ہر مسلمان کے کام کی ہے اور وہ یہ تھی کہ: ؎

يَا صَاحِبِیْ لَا تَغْتَرِرْ بِتَنَعُّمٍ　　فَلْعُمْرُ يَنْفَدُ وَالنَّعِيْمُ يَزُوْلُ
فَاِذَا حَمَلْتَ اِلَی الْقُبُوْرِ جِنَازَةً　　فَاعْلَمْ بِاَنَّكَ بَعْدَهَا مَحْمُوْلُ

ترجمہ

اے میرے دوست تم دنیا کے عیش و آرام اور راحت سے دھوکہ مت کھاؤ، عمر ختم ہو رہی ہے اور نعمتیں ختم ہو جانے والی ہیں، جب تو قبرستان کوئی جنازہ لے کر جائے تو یقین کر کہ تیرا بھی جنازہ اس طرح قبرستان جائے گا۔

اور اس کے بعد اس کا انتقال ہو گیا۔

تجہیز و تکفین

فرماتے ہیں کہ میں نے اس کی وصیتوں کے مطابق اس کو غسل دیا، کفنایا، نماز پڑھی اور دفنا دیا، دفنانے کے بعد میں نے اس کی وصیت کے مطابق اس کی زنبیل اور تہبند قبر کھودنے والے کو دیدی اور اپنے کاموں سے فارغ ہو کر انگوٹھی اور قرآن شریف لے کر بغداد پہنچا۔

ابو عامر بصریؒ امیر المؤمنین کی خدمت میں

بیان کرتے ہیں کہ ابھی میں ارادہ ہی کر رہا تھا کہ کسی طرح شاہی محل میں جاؤں اور امیر المؤمنین سے ملوں، اتنے میں دیکھا کہ ایک بہت بڑا لشکر آرہا ہے جس میں تقریباً ایک ہزار سوار ہوں گے، اس طرح تقریباً دس دستے میرے سامنے سے گزرے جن میں سے ہر دستہ میں ایک ہزار سوار تھے۔ آخری دستہ میں امیر المؤمنین کی سواری تھی جس میں ہارون رشید بیٹھے ہوئے تھے۔ جب وہ میرے قریب آئے تو میں نے کہا کہ میں حضور کی قرابت کا آپ کو واسطہ دیتا ہوں آپ ٹھہر جایئے اور میری بات سن لیجئے، جب امیر المؤمنین نے میری آواز سنی تو انہوں نے اپنی سواری کو ٹھہرایا اور میں جلدی سے ان کی خدمت میں پہنچا اور کہا کہ یہ انگوٹھی اور قرآن شریف آپ کے صاحبزادے کی امانت ہے، اس نے آپ کی خدمت میں پہنچانے کے لئے کہا ہے اور جو اس کا پیغام تھا وہ بھی میں نے ان کو دیدیا۔

ہارون رشید کی حالت

ہارون رشید اپنے بیٹے کی وفات کی خبر سنتے ہی غمگین ہوئے اور انہوں نے اپنے خادم سے کہا کہ یہ امانت رکھو اور ابو عامر کو بھی ساتھ رکھو اور جب میں محل میں واپس پہنچ جاؤں تو انہیں مجھ سے ملوانا۔ اس کے بعد امیر المؤمنین واپس پہنچے اور پہنچ کر انہوں نے پردے ڈلوائے اور خلوت مہیا کی اور خادم سے کہا کہ ابو عامر کو میرے پاس بھیج دو۔

ابو عامر کہتے ہیں کہ جب میں تنہائی میں جانے لگا تو خادم نے کہا کہ اس وقت امیر المؤمنین بہت غمگین اور افسردہ ہیں اگر تم کو دس باتیں کرنی ہوں تو پانچ ہی کرنا تا کہ ان کا غم زیادہ نہ ہو، خیر میں جب اندر گیا تو دیکھا واقعی ہارون رشید اپنے بیٹے کے غم میں بہت رنجیدہ تھے انہوں نے مجھ سے کہا کہ تم میرے بیٹے کو جانتے تھے؟ میں نے کہا، ہاں۔ پوچھا وہ کیا کام کرتا تھا؟ میں نے کہا کہ وہ گارے مٹی کا کام کرتا تھا، کہا کیا تم نے بھی اس سے کوئی کام کروایا؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں، اس پر ہارون الرشید نے کہا کہ تم کو شرم نہیں آئی، تم نے میرے بیٹے سے گارے مٹی کا کام لیا۔ تم امیر المؤمنین، خلیفۃ المسلمین کا کچھ تو احترام کرتے؟ میں نے کہا میں آپ سے معافی چاہتا ہوں، مجھے اس وقت معلوم نہیں تھا کہ وہ آپ کا جگر گوشہ ہے، مجھے تو اس کی نصیحت اور وصیت سے پتہ چلا کہ وہ آپ کا بیٹا ہے۔ بہر حال! ہارون رشید اپنے بیٹے کی جدائی میں بہت دیر تک روتا رہا اور اس کی باتیں کر کے مجھے بھی رلاتا رہا۔

ہارون رشید اپنے بیٹے کی قبر پر

جب کافی دیر ہوگئی تو انہوں نے کہا کہ اب میرا ارادہ ہے کہ بصرہ جا کر اس کی قبر پر حاضری دوں، چند روز کے بعد ہارون رشید اس کی قبر پر پہنچے اور قبر پر پہنچ کر بیٹے کی قبر دیکھتے ہی بے ہوش ہوگئے، ہوش میں آنے کے بعد دیر تک زار و قطار روتے رہے اور دردناک اشعار پڑھ کر خود بھی روتے رہے اور دوسروں کو بھی رلاتے رہے، اس کے بعد وہ چلے گئے اور میں رات کو اپنے گھر واپس آکر سو گیا، خواب میں ہارون رشید کے بیٹے کو دیکھا کہ نور کا ایک قُبّہ (نورانی گنبد) ہے، اس کے اوپر نور کا ایک ابر ہے وہ ابر پھٹا اور اس میں سے ہارون رشید کا یہ بیٹا نکلا اور بہت ہی ہنستا، مسکراتا ہوا سامنے آیا، اور کہا: تمہارا بہت بہت شکریہ اے ابو عامر! تم نے میری وصیت بہت اچھے انداز سے پوری کی، میں نے کہا صاحبزادے! تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ تو جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی ہیں، ذرا بھی مجھ سے ناراض نہیں ہیں۔

آخرت میں نجات

میرے پروردگار نے مجھ سے فرمایا کہ جو بھی دنیا کی نجاستوں اور خباثتوں سے اور دنیائے دَنی سے اس طرح نکل آئے گا جیسے تو نکل کر آیا ہے تو میں اس کو بھی اسی طرح اپنی نعمتوں سے نوازوں گا جس طرح تجھے سرفراز کیا ہے اور اس کو ایسے ہی نجات دوں گا جیسے تجھ کو نجات دی ہے۔

اس واقعہ سے نصیحت

دیکھئے! دنیا میں تو وہ شہزادہ ہونے کے باوجود سادہ زندگی گزار گیا

لیکن آخرت کا شہزادہ بن گیا اور آخرت کی کامیابی سے ہمکنار ہو گیا، تو دنیا سے دل ہٹانے اور اللہ تعالیٰ سے لو لگانے اور آخرت کا دھیان لگانے سے یہ فائدہ ہوتا ہے، یہی اس واقعہ میں ہمارے لئے سبق ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں یہ سبق لینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

☆☆☆☆☆

دنیا سے عبرت
اور
فکرِ آخرت

- نصیحتوں سے اصل مقصد
- ایک اہم نصیحت
- فکرِ آخرت کا طریقہ
- انقلاباتِ عالم سے سبق لینے کا ثمرہ

حضرت اقدس مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی دامت برکاتہم العالیہ
نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ناشر
مکتبۃ الاسلام کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله نستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيآت اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الله وحده لا شريك له ونشهد ان سيدنا ومولانا محمد اعبده ورسوله صلى الله عليه وعلى آله واصحابه وبارك وسلم تسليما كثيرا كثيراً،

اما بعد!

گذشتہ منگل کو ایک نصیحت کا بیان باقی رہ گیا تھا، وہ نصیحت بعد میں یاد آئی اس لئے اب اس کو بیان کیا جاتا ہے۔

نصیحتوں کا مقصد

ان نصیحتوں کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم ان کو یاد رکھیں اور ان پر عمل کریں، کیونکہ یہ باتیں دین کی باتیں ہیں، چاہے پہلی شریعتوں میں بیان کی گئیں ہوں یا ہماری شریعت میں بیان کی گئیں ہوں، سب باتیں دین کی ہیں اور عمل کرنے کے لئے ہیں اور ان کو سننے سنانے کا مقصد بھی عمل کرنا ہی ہے، اگر ہم نے ان کو اپنے عمل میں لے لیا تو ہم لوگوں نے اچھا سنا اور صحیح سنا اور اگر عمل نہ کیا تو سوچئے کہ ایسے سننے سے کیا فائدہ؟

یہ نصیحت جو اللہ پاک نے آج ہم تک پہنچائی ہے یہ ہزاروں سال پرانی ہے اور عمل ہی کے لئے ہے، اللہ تعالیٰ کی خصوصی مہربانی ہے کہ ہزاروں

سال پرانی یہ نصیحتیں اپنے کرم اور اپنے فضل سے ہم تک پہنچائی ہیں جن میں سے چھ بیان ہو چکی ہیں، ایک باقی ہے۔

ایک اہم نصیحت

وہ اہم نصیحت یہ ہے کہ ''جب تو دن رات دنیا کے اندر انقلابات کو دیکھتا ہے پھر کیسے مطمئن ہو کر بیٹھ جاتا ہے یعنی اس دنیا کے اندر بلکہ آدمی اگر غور کرے تو بآسانی محسوس کرے گا کہ اپنی ذات کے اندر بھی اور اپنی ذات کے باہر بھی ہر دم تغیر و تبدل ہو رہا ہے، ہر وقت اس میں تبدیلی واقع ہو رہی ہے، ہر جگہ انقلابات، حادثات ہیں، سانحات ہیں، واقعات ہیں، آج کچھ کل کچھ، ہر جگہ ہر علاقہ میں ہر وقت یہی ہو رہا ہے، آج دن ہے تو کل رات ہے، آج رات ہے تو کل دن ہے۔ یہ بھی دنیا کا ایک انقلاب ہے اور روزانہ ہمارے سامنے ہے اور پھر ہم اس سے سبق نہیں لیتے۔ گرمی ہے، سردی ہے، موسم خزاں ہے، موسم بہار ہے ایک شاعر کہتا ہے۔

رنگ رلیوں پہ زمانہ کے نہ جانا اے دل
یہ خزاں ہے جو باندازِ بہار --- آئی ہے

دنیا کی خوبصورتی، دنیا کی دل فریبی، چمک دمک، بناوٹ حسن و جمال بناؤ سنگھار یہ سب چند روزہ بہاریں ہیں۔ اس کے اندر فنا چھپی ہوئی ہے، باہر سے تم کو یہ باغ بڑا لہلہاتا ہوا نظر آرہا ہے، موسم خزاں میں دیکھنا کہ اس میں الو بول رہے ہونگے۔

جو چمن سے گذرے تو اے صبا یہ کہنا بلبلِ زار سے
کہ خزاں کے دن بھی ہیں نہ لگانا دل کو بہار سے

یعنی بلبل جو ہرے بھرے باغ میں چہچہا رہی ہے، کود رہی ہے، کبھی اس درخت پہ جا کر جھوم رہی ہے اور پھل کھا رہی ہے اور کبھی اس درخت پر جا کر جھوم رہی ہے اور کود رہی ہے، ایسا دل اس کے اندر لگا ہوا ہے کہ جیسے یہ بہار سدا رہے گی یعنی اگر تو نے اس بہار سے دل لگا لیا تو کل اس میں خزاں آجائے گی اس وقت کے ہرے بھرے درخت کے پتے جھڑ جائیں گے، پھول سوکھ جائیں گے، زمین کے اوپر سبزہ کا نام ونشان نہ ہوگا، ہریالی غائب ہو جائے گی، پیلا پن چھا جائے گا اس وقت تو یہاں کیسے رہے گی تو پھر روئے گی، ہائے یہ کیا ہوا تو اسی لئے ہم پہلے سے کہہ رہے ہیں کہ اس بہار سے دل مت لگانا۔

کائنات کی ہر چیز فانی ہے

یہ باغ تو ایک مثال ہے دنیا والوں کا یہی حال ہے، کسی نے بچوں پر دل لگا رکھا ہے، کسی نے بہن بھائی میں دل لگایا ہوا ہے اور کسی نے یار دوستوں میں دل لگا رکھا ہے کسی نے مال و دولت میں دل پھنسایا ہوا ہے، کسی نے ڈالروں میں دل اٹکایا ہوا ہے اور کسی نے مکان و دکان میں دل پھنسایا ہوا ہے، کسی نے گاڑی و سائیکل میں دل اٹکایا ہوا ہے، اسی طرح ان چیزوں میں دل کو پھنسایا ہوا ہے پھر جب یہ چیزیں ہاتھ سے نکل جائیں گی تو ہائے ہائے کرے گا، تو بھئی! تو نے ان میں دل کیوں اٹکایا تھا؟ یہ سب چیزیں تو جانے والی ہیں اور جا رہی ہیں روزانہ ہر چیز آ رہی ہے اور جا رہی ہے، ختم ہو رہی ہے، نہ ان میں دل اٹکاتا، نہ یہ دن رونے کا دیکھنا پڑتا، اس لئے شاعر یہ کہہ رہا ہے کہ ان میں دل مت پھنسانا، ان انقلاباتِ خزاں و بہار سے سبق

لے کہ تیرے اندر بھی رات دن یہی ہو رہا ہے پھر جب تو دنیا سے جائے گا تو پھر تیرا کیا حال ہوگا؟ ایک اور شعر یاد آیا جو بڑا پیارا ہے۔

یہ چمن ویراں بھی ہوگا یہ خبر بلبل کو دو
تا کہ اپنی زندگی سوچ کر قربان کرے

نصیحت کا خلاصہ

اس نصیحت کا حاصل یہ ہے کہ نہ تمہاری جوانی رہنے والی ہے، نہ بچپنا رہنے والا ہے نہ بڑھاپا رہنے والا ہے، نہ عزت رہنے والی ہے، نہ دولت رہنے والی ہے، نہ بچے رہنے والے ہیں، نہ بیوی رہنے والی ہے، نہ ماں باپ رہنے والے، نہ بہن بھائی رہنے والے ہیں، نہ دوست واحباب رہنے والے ہیں اور نہ محلے والے رہنے والے ہیں، نہ پڑوسی رہنے والے ہیں، نہ تم رہنے والے ہو اور نہ ہم، یہ سب چیزیں آنے جانے والی ہیں اور ہر چیز آرہی ہے اور جارہی ہے، بچپن سے اب تک کتنی چیزیں کھا کر ختم کر دیں اور پہن کر پرانی کر دی ہیں اور کتنی جگہوں پر آپ گئے اور رہے اور چھوڑ کر آ گئے ہر روز یہی ہو رہا ہے اور ایسے ہی ہوتے ہوتے ایک دن اس دنیا کو چھوڑ کر ہم بھی چلے جائیں گے تو اسی کو شاعر کہہ رہا ہے کہ یہ خزاں ہے جو باندازِ بہار آئی ہے اور نصیحت میں بھی یہ بات کہی جارہی ہے کہ ”جب تو رات دن یہ انقلابات دیکھتا ہے، رات دن یہ واقعات و سانحات اپنے سامنے ہوتے دیکھتا ہے تو پھر کیوں بے فکر ہو کر بیٹھا ہے۔ تجھے بڑا متفکر رہنا چاہئے کہ نہ جانے ذرا سی دیر کے بعد کیا ہو جائے، جب ”نہ جانے کیا ہو جائے“ کا خطرہ ہے، تو جو کچھ فی الحال کر سکتا ہے کر لے، جو صحت حاصل ہے جو فرصت حاصل ہے، جو

تندرستی اور وقت حاصل ہے، زندگی کے جو لمحات تجھ کو حاصل ہیں ان کو آخرت کے لئے استعمال کر لے، تھوڑی دیر کے بعد پتہ نہیں کیا ہو جائے، آدمی کے مرتے دیر نہیں لگتی، کل کس نے دیکھی؟ لہٰذا کل پر مت ٹال، گناہوں سے توبہ کرنی ہے تو فوراً کر لے، بچنا ہے تو بچ لے، ابھی گناہ سے بچ جا، یہ مت سوچ کہ بھئی ابھی تو میں ذرا اور گناہ کرلوں پھر میں آخر میں توبہ کرلوں گا، تو آخر کس نے دیکھا، ایسی غلطی مت کر، نماز پڑھنی ہے تو وقت میں پڑھ کر فارغ ہو جا، اس انتظار میں مت رہ کہ میں کل پڑھ لونگا، پرسوں پڑھ لوں گا۔

ہر روز گھڑیال یہ دیتا ہے منادی
کہ گردوں نے تیری عمر سے ایک گھڑی اور گھٹادی

جب گھنٹہ بجتا ہے تو ہم سمجھتے ہیں کہ چار بج گئے، ارے! تیری زندگی کے چار گھنٹے گھٹ گئے، ہم خوش ہوتے ہیں کہ ہماری عمر پچاس سال ہوگئی یعنی پچاس سال کے ہوگئے، بڑے ابا بن گئے، نانا ابا بن گئے، بے وقوف! پچاس سال گھٹ گئے تیری عمر کے، اگر سات سال کا ہوگیا ہے تو سات سال عمر سے کم ہوگئے اور یہ سات سال پہ بچھ رہا ہے اور ذرا ناسمجھی کا عالم بھی دیکھو کہ جو پچاس سال کے ہوگئے تو بھئی عمر تو اتنی ہوگئی ارے دیکھو دانت کہاں گئے تیرے، بینائی کہاں گئی تیری، کالا رنگ بالوں کا کہاں چلا گیا، گالوں کی سرخی کہاں چلی گئی، ہاتھوں کا گوشت کہاں گیا، پیروں میں جو طاقت تھی بھاگنے کی، چڑھنے کی وہ کہاں گئی؟ اچھلنے کودنے کی طاقت کا کیا ہوا اور سوچ یہ رہا ہے کہ میں ساٹھ سال کا، نوے سال کا، اسی سال کا ہوگیا، یہ نہیں سوچ رہا کہ سب کچھ چلا گیا اور اکثر حصہ چلا گیا تھوڑا سا رہ گیا ہے اور جو رہ گیا ہے وہ بھی

برابر جا رہا ہے، سو رہا ہے تو، جاگ رہا ہے تو، جا رہا ہے تو وہ برابر نکل رہا ہے اور یہ بڑی عمر ہونے میں مست ہے، یہ سب ناسمجھی کی بات ہے۔

فکرِ آخرت کا طریقہ

جب کسی کا سرمایہ خدانخواستہ گھٹ رہا ہو اور تیزی سے کم ہوتا نظر آرہا ہو، گھر بھی بک رہا ہو، دکان بھی فروخت ہو رہی ہو تو راتوں کی نینداڑ جاتی ہے اور اس فکر میں پڑتا ہے کہ کیا کروں؟ کیا نہ کروں، کیسے کروں؟ کچھ ایسی کیفیت ہماری آخرت کے لئے ہونی چاہئے کہ جب ساری چیزیں موت کے گھاٹ اتر رہی ہیں اور ہر چیز فنا ہو رہی ہے، ہمیں چاہئے تھا فکرمندی کے ساتھ آخرت کی طرف متوجہ ہوتے کہ لاؤ بھئی! یہ نیکی بھی کرلوں، یہ بھی کرلوں، یہ کام نہ رہ جائے، کہیں وہ نہ رہ جائے، لہٰذا آج جو فرصت، فراغت اور زندگی کی عظیم نعمت اللہ پاک نے ہمیں عطا فرمائی ہے اس کو غنیمت جانیں اور جو کرنا ہے آج ہی کرلیں، اسے کل پر مت چھوڑیں، چنانچہ حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سُقْمِكَ وَغِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ وَفَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ وَحَيٰوتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ۔

(مشکوٰۃ: ج٢ - ص٤٤١)

ترجمہ

پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو

(۱) جوانی کو جانو بڑھاپے سے پہلے

(۲) تندرستی کو بیماری سے پہلے

(۳) مالداری کو فقر سے پہلے

(۴) فراغت کو مشغولیت سے پہلے

(۵) زندگی کو موت سے پہلے

بہرحال دنیا کے سارے انقلابات ہمیں اس بات کی خبر دے رہے ہیں کہ تم چلنے کی راہ پر نکلے ہوئے ہو اور تم کسی بھی وقت آخرت کے اسٹیشن پر اترنے والے ہو، یہ اسٹیشن عنقریب آنے والا ہے، جو کچھ اپنا سامان آخرت کے لئے باندھنا ہے جلدی باندھ لو مگر اس کو ہم پھیلانے میں لگے ہوئے ہیں۔ ہر آدمی کے ذہن میں لمبے لمبے منصوبے بنے ہوئے ہیں کہ اب میں اتنے پیسے کما لوں گا اور پھر یوں کروں گا اور وہ کروں گا، یہ مکان خریدوں گا اور پھر اس کو اس طریقے سے بنواؤں گا، ایسی ایک گاڑی خریدوں گا اور پھر یہ ہوگا اور وہ ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ موت ایک قدم پر ہے اور سوچ سو قدم پر ہے، ایک سال کے بعد اس کا انتقال ہونے والا ہے اور شب براءت میں اس کا مردوں میں نام لکھا جا چکا ہے اور وہ ابھی دس سال کا منصوبہ بنانے بیٹھا ہوا ہے اور اکثر لوگوں کا یہ حال ہے الا ماشاء اللہ اور یہ دنیا کے انقلابات سے غافل ہونے کی علامت ہے اور اس سے سبق نہ لینے کی علامت ہے۔

بہرحال! یہ ایک اہم نصیحت ہے ہمارے لئے کہ اس دنیا کے اندر ہم لمبے چوڑے منصوبوں سے پرہیز کریں، فی الحال اللہ پاک نے جو صحت دے رکھی ہے، عافیت دے رکھی ہے، مال دے رکھا ہے، قدرت دے رکھی ہے،

قوت دے رکھی ہے اور نیک صحبت دے رکھی ہے، نماز کی توفیق دے رکھی ہے تلاوت کی سعادت بخشی ہوئی ہے، اپنا نام لینے کی توفیق دی ہوئی ہے اس کا دل و جان سے خوب ہی شکر ادا کریں اور شکر ادا کرنے میں ساری طاقت لگا دیں اور پھر شکر ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے اور توفیق مانگے کہ یا اللہ! میری یہ زندگی تو بہت محدود ہے، ہوش اب آیا اور ایسے وقت آیا کہ اب میری زندگی کچھ باقی نہ رہی اور نہ معلوم کتنی باقی ہے، یا اللہ! آپ کے انعامات کا تقاضا تو یہ تھا کہ میں بچپن سے لے کر اب تک دن رات آپ کی ہی رضا میں کوشاں رہتا اور آپ کی اطاعت کے لئے محنت اور کوشش کرتا رہتا اور آپ کی طلب میں اور آپ کی یاد میں اور آپ کی محبت میں، میں اپنے تمام لمحات فدا کر دیتا مگر افسوس! میں نہ کر سکا اب میری تھوڑی سی زندگی باقی ہے، یا اللہ! آپ تو اس پر بھی قادر ہیں کہ اس وقت سے لے کر اب تک جو کچھ کر سکتا اس کا اجر و ثواب آپ اس وقت بھی عطا کر سکتے ہیں اور اگر آپ چاہیں تو ایک منٹ میں بھی عطا کر سکتے ہیں، پروردگار! آپ اپنی رحمت و مہربانی پر نظر کرتے ہوئے اب میرے وقت کی اس کمی کو نہ دیکھئے، اپنی رحمت کو دیکھتے ہوئے میرے دامن کو بھر دیجئے۔ پروردگار! میں اب آپ کی طرف متوجہ ہوں، میری داڑھی سفید ہوگئی ہے، سر کے بال سفید ہو گئے ہیں اور میری طاقت جواب دے چکی ہے، ہموم و غموم کے پہاڑ میرے سر پر رکھے ہوئے ہیں، نہ مجھے اپنا ہوش ہے نہ گھر والوں کی فکر ہے، یا اللہ! میں اب ہوش میں آیا ہوں اب میں کیا کروں، کیا نہ کروں، بس آپ میری دستگیری فرمائیے اور

میری مدد فرمائیے اور میرے دل کو اپنی محبت سے بھر دیجئے اور میری زبان کو اپنی یاد سے تا دمِ آخر تازہ اور تر رکھئے اور میرے وجود کو اپنے دین کا تابع کر دیجئے''

اور دعا کے ساتھ ساتھ بھر پور کوشش بھی کریں، دعا کے بعد اصل چیز کوشش ہے، جو کوشش کرتا ہے کامیاب ہوتا ہے عربی کا منقولہ ہے ''مَنْ جَدَّ وَجَدَ'' جو کوشش کرتا ہے وہ کوشش کا نتیجہ پاتا ہے، کوشش کرے اور اس کے ساتھ ساتھ دعا بھی کرے، یہ بھی کوشش ہی کا ایک حصہ ہے، دعا کرنے کے ساتھ ساتھ کسی اللہ والے سے رابطہ کر کے رہنمائی حاصل کرے، جو شخص یہ کر لے گا تو یوں سمجھو کہ اس نے دنیا کے عبرت کدہ میں عبرت حاصل کر لی اور زمانہ کے انقلابات سے اس نے صحیح سبق سیکھ لیا اور جو یہ سبق سیکھ لے گا تو اس کو انشاء اللہ یہ دولت نصیب ہوگی۔

سینکڑوں غم ہیں زمانہ ساز کو
اک ترا غم ہے ترے ناساز کو
ہو آزاد فوراً غمِ دوجہاں سے
تیرا ذرۂ غم اگر ہاتھ میں ہے

(از حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب مدظلہ)

انقلاباتِ عالم سے سبق لینے کا ثمرہ

اب بیشک دنیا کے اندر ہزاروں زلزلے آئیں، ہزاروں طوفان،

ہزاروں واقعات، حادثات و سانحات پیش آئیں آپ کا عمل اس طرح ہو کہ "جدھر مولا ادھر شاہ دولہ" تو انشاء اللہ اس کے نتیجہ میں آپ کے دل کا یہ حال ہوگا جیسا کہ مجذوب صاحب فرماتے ہیں:

یاد میں تیری سب کو بھلا دوں کوئی نہ مجھ کو یاد رہے
تجھ پہ سب گھربار لٹا دوں خانۂ دل آباد رہے
سب خوشیوں کو آگ لگا دوں غم سے ترے دل شاد رہے
سب کو نظر سے اپنی گرا دوں تجھ سے فقط فریاد رہے
اب تو رہے بس تادمِ آخر وردِ زباں اے میرے الٰہ!
لا الہ الا اللہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ لا الہ الا اللہ

خلاصہ یہ کہ جو شخص ان انقلاباتِ عالم سے سبق لے کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اس کو دونوں جہاں کی فلاح نصیب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

☆☆☆☆☆

حُبِّ دنیا
اور
اس کا علاج

- قرآن کریم
- بخاری شریف
- مثنوی شریف

حضرت اقدس مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی دامت برکاتہم العالیہ
نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ناشر
مکتبۃ الاسلام کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسوله الکریم

اما بعد!

میرے قابل احترام بزرگو! آج میں آپ کی خدمت میں حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ کی ایک حکایت کا خلاصہ پیش کرتا ہوں جو انہوں نے مثنوی شریف میں بیان کی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کو مخلوق کی اصلاح کے لئے ان کے زمانہ میں چن لیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے ان پر مثنوی شریف الہام فرمائی اور ان کے دل پر اس کو القاء فرمایا۔

مثنوی الہامی کتاب ہے

مثنوی شریف ایک الہامی کتاب ہے جو بڑی نافع اور مفید ہے، یہ فارسی زبان میں ہے، اس لئے فارسی جاننے والے اس سے زیادہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں، لیکن الحمدللہ ہمارے اکابر نے اس کا اردو ترجمہ بھی کیا ہے اردو میں اس کی شرح بھی فرمائی ہے۔

مثنوی کی ۲۲ رجلدوں میں شرح

چنانچہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی شریف کی ایک شرح

تحریر فرمائی ہے جو تقریباً ۲۲؍ چھوٹی چھوٹی جلدوں میں ہے، یہ مثنوی شریف کی بہترین شرح ہے اور ہمارے زمانے میں حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم مثنوی شریف کے بڑے ماہر ہیں، مثنوی کے بے شمار اشعار حضرت کو زبانی یاد ہیں جن کی تشریح کرنے میں وہ اپنی مثال آپ ہیں، حضرت نے مثنوی شریف کا خلاصہ بھی تحریر کیا ہے، جس کا نام ''معارفِ مثنوی'' ہے، یہ بڑی پیاری کتاب ہے اس میں حضرت حکیم صاحب نے مثنوی میں جو حکایات، واقعات اور مثالیں ہیں ان کا خلاصہ نقل کر کے ان کی مناسب اور عمدہ انداز میں تشریح فرمائی ہے، ہمارے زمانہ میں اگر کوئی مثنوی شریف سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے تو اس کے لئے آسان کتاب ''معارفِ مثنوی'' ہے۔

تین کتابیں بڑی پیاری ہیں

بہر حال مثنوی سے فائدہ اٹھانا چاہئے اس لئے کہ یہ ہمارے سلسلہ کے بزرگوں کے یہاں اصلاح و تربیت اور اللہ تعالیٰ سے عشق و محبت پیدا کرنے والی خاص کتاب ہے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ فرماتے تھے کہ تین کتابیں بڑی عمدہ اور بڑی پیاری اور پسندیدہ ہیں۔

(۱) قرآن پاک

(۲) بخاری شریف

(۳) مثنوی شریف

ہمارے اکابر میں درسِ مثنوی کا معمول

ہمارے اکابر میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ اس کا درس

دیا کرتے تھے، پھر حضرت تھانویؒ نے اس کی باقاعدہ شرح لکھی، آپ کے خلفاء میں حضرت شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ بڑے عشق و محبت کے ساتھ اس کا درس دیا کرتے تھے۔ انہی سے حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم بطورِ خاص فیضیاب ہوئے اور انہوں نے مثنوی شریف کی مختصر شرح اور خلاصہ ''معارفِ مثنوی'' کے نام سے لکھی ہے جو عام ملتی ہے، یہ کتاب ہم سب کو پڑھنی چاہئے تاکہ اصل مثنوی شریف (جس سے ہمارے اکابر فیض یاب ہوتے رہے ہیں) سے اگر ہم اس درجہ میں فائدہ نہ اٹھا سکیں تو کم از کم نمونے کے طور پر ہم اس سے تعارف حاصل کرلیں اور اس میں مولانا رومیؒ نے جو اللہ تعالیٰ کے عشق و محبت کی باتیں دلنشین انداز میں بیان فرمائی ہیں اس سے کچھ ہم بھی نفع حاصل کرلیں تاکہ دل میں اللہ کی محبت پیدا ہو۔

مثنوی میں ذکر کردہ حکایات وتمثیلات کا اصل مقصد

حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ کا مثنوی شریف میں طریقہ یہ ہے کہ وہ اکثر حکایات بیان فرماتے ہیں، واقعات، قصے اور مثالیں بیان فرماتے ہیں اور اس کے ذیل میں نصیحتیں فرماتے ہیں، معرفتِ الٰہی اور محبتِ الٰہی پیدا کرنے کا یہ ایک طریقہ ہے اس طریقے سے مقصودِ اصلی وہ نصیحتیں ہیں جو حضرت کسی واقعے کے بعد وہ ارشاد فرماتے ہیں یا کبھی درمیان میں ہی ذکر کر دیتے ہیں، واقعہ اصل مقصود نہیں ہوتا۔ قصہ اور واقعہ تو دراصل ان نصیحتوں کو سمجھانے کے لئے ہے اس لئے مثنوی شریف میں ذکر کردہ تمام واقعات کا حقیقت میں ہونا کوئی ضروری نہیں، بعض واقعات سچ مچ بھی ہو سکتے ہیں اور ہیں بھی اور بعض واقعات اس میں فرضی بھی ہو سکتے ہیں جو ''اصل

نصیحت ''کو سمجھانے کے طور پر بیان کئے گئے ہیں، اس لئے اس تحقیق میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ یہ واقعات اصلی ہیں یا نہیں؟ ہمیں اپنی نظر اور نگاہ ان نصیحتوں پر مرکوز کرنی چاہئے اور پوری توجہ اس سبق اور درس پر دینی چاہئے جو نصیحت کی صورت میں حضرت مولانا اس واقعہ سے دینا چاہتے ہیں۔

حکایات کا مقصد

دنیا کس طرح انسان کو دھوکہ دیتی ہے اور کس طرح اس کو آخرت سے غافل کر کے اپنا گرویدہ اور اپنے اوپر قربان کر لیتی ہے اس کی حقیقت واضح کرنے اور سمجھانے کے لئے مثنوی شریف میں حضرت مولانا رومیؒ نے ایک واقعہ بیان فرمایا ہے جو ابھی انشاء اللہ آپ کے سامنے عرض کرتا ہوں۔

رشتہ کی فکر

مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ ایک بادشاہ تھا اور اس کا ایک اکلوتا بیٹا تھا، جب وہ بڑا ہوا اور شادی کے قابل ہو گیا تو بادشاہ اور اس کی بیوی کے درمیان مشورہ ہوا کہ اب شہزادہ بڑا ہو گیا ہے اور شادی کے قابل ہو گیا ہے لہٰذا اب اس کی شادی کرنی چاہئے اور اس کے لئے کہیں رشتہ دیکھنا چاہئے اور مشورہ میں یہ بات بھی طے ہوئی کہ رشتہ کہاں دیکھنا چاہئے؟ بیوی کا خیال تھا کہ یہ شہزادہ ہے، بادشاہ کا بیٹا ہے لہٰذا کسی شہزادی سے اس کا رشتہ ہونا چاہئے، کسی اعلیٰ اور مالدار خاندان میں اس کی شادی ہونی چاہئے جو ہمارے جوڑ کا ہو، بادشاہ کی رائے اس کے برعکس تھی، بادشاہ کا خیال یہ تھا کہ شہزادہ کا رشتہ کسی نیک اور دیندار گھرانے میں ہونا چاہئے، کسی نیک اور صالح لڑکی کا رشتہ اس کے لئے تلاش کرنا چاہئے، خواہ وہ مالدار ہو یا نہ ہو اور خواہ وہ غریب

ہی کیوں نہ ہو ہمیں صرف دینداری دیکھنی چاہئے نہ یہ کہ دنیا داری اور مالداری دیکھ کر رشتہ کریں۔ مگر بادشاہ سلامت کی بیوی اس رائے سے متفق نہیں تھی، کافی عرصہ دونوں میں مشورہ چلتا رہا، بات چیت ہوتی رہی، بالآخر بادشاہ بیوی سے اپنی بات منوانے میں کامیاب ہوگیا، بیوی نے کہا کہ ٹھیک ہے پھر آپ کسی دیندار گھرانے میں اس کا رشتہ دیکھ لیں اور اس کا نکاح کردیں۔

رشتہ کرنے میں دینداری کو پیشِ نظر رکھیں

ہمارے دین اور شریعت کا حکم بھی یہی ہے کہ شادی بیاہ اور رشتہ کرنے میں جب کسی لڑکے یا لڑکی کا انتخاب کریں تو اس میں دینداری کو ترجیح دیں، حضور ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا:

تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ لِمَالِهَا وَلِنَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِيْنِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّيْنِ تَرِبَتْ يَدَاكَ۔ (مشکوٰۃ: ص ٦٦)

ترجمہ

عورت سے نکاح (عموماً) چار وجہوں سے ہوتا ہے۔
(۱) اس کے مال کی وجہ سے۔
(۲) اس کے حسب ونسب کی وجہ سے۔
(۳) اس کے حسن وجمال کی وجہ سے۔
(۴) اس کے دین کی وجہ سے۔
(اے ابو ہریرہ!) تو دیندار عورت سے نکاح کر کے کامیاب ہوجا، تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں۔

اس لئے دینداری کو ترجیح دینی چاہئے، دینداری کے ساتھ اگر مالداری بھی آجائے، خوبصورتی اور حسب ونسب بھی جمع ہو جائے تو ''سبحان اللہ'' یہ بہت ہی اچھی بات ہے، لیکن اگر دینداری کو بالکل نظر انداز کر دیا اور صرف اور صرف مالداری، حسن و جمال، خاندانی شرافت، بزرگی اور برتری کی بنیاد پر رشتہ کیا تو یہ اچھا نہیں اور ایسے رشتوں میں دینی اور دنیاوی بڑے بڑے نقصانات ہوتے ہیں اور جو رشتہ دین کی بنیاد پر ہوتا ہے تو ایسا رشتہ بڑا ہی مبارک، قابلِ قدر، قابلِ رشک اور دین اور دنیا کی فلاح کا باعث ہوتا ہے، اس لئے نبی کریم ﷺ نے ہر حال میں دینداری کو ترجیح دینے کی ترغیب دی ہے۔

بہر حال! بادشاہِ سلامت اپنی بات منوانے میں کامیاب ہو گیا اور اپنی بیوی سے یہ کہا کہ تو دنیا داری دیکھ رہی ہے، مالداری دیکھ رہی ہے، شہزادے کے واسطے شہزادی دیکھ رہی ہے، یاد رکھ! یہ دنیا دیکھنے کی چیز نہیں ہے، اختیار کرنے کی چیز نہیں ہے، قابلِ ترجیح نہیں ہے، قابلِ ترجیح تو آخرت ہے اور دینداری اصل چیز ہے، اس لئے کہ جس کے اندر دین ہوگا، آخرت کی فکر ہوگی وہ بہت زیادہ عافیت، سلامتی اور راحت میں ہوگا اور جس کے پاس دین نہ ہوگا، صرف دنیا ہی دنیا ہوگی اور دنیا طلبی اس کے اندر پائی جائے گی، دنیا کی شہرت اور وجاہت کا وہ طالب ہوگا تو یاد رکھو! وہاں نہ سکون ہوگا نہ چین ہوگا نہ آرام ہوگا نہ راحت ہوگی، اور شادی بیاہ تو آرام و راحت کے لئے ہوتی ہیں۔

آخرت کا غم باعثِ نجات

اس موقع پر حضرت حکیم صاحب دامت برکاتہم نے دو شعر لکھے ہیں

جو بڑے اچھے ہیں۔

ہو آزاد فوراً غمِ دو جہاں سے
تیرا ذرۂ غم اگر ہاتھ آئے

یعنی یا اللہ! اگر آپ کا غم اور آپ کی رضا کی فکر اور آخرت سنوارنے اور سدھارنے کی فکر پیدا ہو جائے تو ہزاروں غموں سے نجات مل جائے،

ہو آزاد فوراً غمِ دو جہاں سے
تیرا ذرۂ غم اگر ہاتھ آئے

اللہ تعالیٰ کا غم نصیب ہو جائے، اللہ تعالیٰ کی یاد نصیب ہو جائے، اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی فکر انسان کو لاحق ہو جائے تو دنیا کا غم بھی ختم ہو جائے اور آخرت کا غم بھی ختم ہو جائے، اور دوسرا شعر یہ ہے۔

سینکڑوں غم ہیں زمانہ ساز کو
اک تیرا غم ہے تیرے ناساز کو

کہ دنیا والوں کو تو ہزاروں غم ہیں۔ پیسے کا غم، عزت کا غم، زمین اور مکان کا غم اس کے علاوہ اور سینکڑوں غم ہیں جبکہ اللہ والوں کو ایک ہی غم ہے کہ اللہ پاک راضی ہو جائیں اور وہ خوش ہو جائیں۔

غمِ آخرت عصاءِ موسیٰ کی طرح ہے

ہمارے حضرتؒ بھی اس بات کو ایک بڑی پیاری مثال سے سمجھایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا غم اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی فکر ایسی ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام کا عصاء اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصاء کا قصہ یہ ہے کہ جب فرعون نے اپنے زمانے کے جادوگروں سے مقابلہ کروایا تو ایک

مقررہ دن کے اندر پورے ملک سے بڑے بڑے ماہر جادوگروں کو جمع کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ان سے مقابلہ کروایا، انہوں نے میدان کے اندر جادو کے زور سے لاکھوں سانپ بنا دیئے، اپنے ساتھ وہ بہت سی رسیاں، لکڑیاں اور لاٹھیاں لائے تھے وہ سب انہوں نے میدان میں ڈال دیں اور لوگوں کی نظروں پر جادو کر دیا، نظر بندی کی وجہ سے وہ تمام رسیاں، لکڑیاں اور لاٹھیاں لوگوں کو سانپ معلوم ہونے لگے جس سے سب کے سب ڈر گئے، انہیں خوف آنے لگا کہ اتنے سارے سانپ کہاں سے جمع ہو گئے؟ حالانکہ حقیقت میں ان میں سانپ ایک بھی نہیں تھا، یہ سب نظر کا پھیر تھا اور جادو کی حقیقت بھی یہی ہے کہ اس سے نظر بندی ہو جاتی ہے جیسا کہ ان جادوگروں نے دیکھنے والوں کی نظروں پر ایسا تصور جما دیا تھا کہ وہ لکڑیاں اور رسیاں انہیں سانپ نظر آنے لگے جبکہ حقیقت میں وہ رسیاں رسیاں ہی تھیں اور لاٹھیاں لاٹھیاں ہی تھیں، لیکن اس سے ایسا خوف پھیلا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی اپنے جی میں تھوڑا سا خوف محسوس ہوا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰی قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰی

ترجمہ

پھر پانے لگا اپنے جی میں ڈر موسیٰ، ہم نے کہا تو مت ڈر مقرر تو ہی رہے گا غالب۔ (ترجمہ از شیخ الہند)

غور کرو اور دیکھو! اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کا کتنا بڑا فائدہ ہے، پھر اس پر بھی غور کرو کہ موسیٰ علیہ السلام اکیلے تن تنہا کھڑے ہیں ان کے سامنے فرعون اور اس کے درباری، اس کے ماننے والے اور جادوگر ہیں جو

ایک نہیں ، ہزاروں نہیں لاکھوں کی تعداد میں ہیں اور جادو کے زور سے ہزاروں سانپ بنا رہے ہیں ،ادھر موسیٰ علیہ السلام اپنی تنہا جان لئے ہوئے کھڑے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی مدد ان کے ساتھ ہے، جب انہوں نے اپنا جادو دکھا دیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنا معجزہ ظاہر کرنے کی باری آئی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنی لاٹھی میدان میں ڈالی تو وہ سچ مچ ایک بہت بڑا اژدھا بن گیا اور اس نے بڑا سا منہ کھولا اور انتہائی تیز رفتاری سے جتنے ان کے سانپ بچھو میدان میں بھاگ دوڑ رہے تھے سب کو کھانا شروع کر دیا اور آن کی آن میں سب کو کھا کر ختم کر دیا اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے اس سانپ کو اٹھایا تو وہ دوبارہ لاٹھی بن گیا اور ساری رسیاں ، لاٹھیاں اور لکڑیاں غائب ہو گئیں ، جادوگر سمجھ گئے کہ یہ جادو نہیں ہے یہ معجزہ ہے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جادو تو آنکھوں پر خیال جمانے کا نام ہے، حقیقت میں کوئی لاٹھی ،لکڑی یا رسی سانپ نہیں بنتی اور موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی ایسا سانپ بنی کہ ہماری ساری لکڑیوں اور رسیوں کو بھی ختم کر دیا ، یہ صرف معجزہ ہی ہوسکتا ہے اس لئے انہوں نے فوراً اقرار کرلیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے سچے اور برحق نبی ہیں اور بے اختیار سجدے میں گر گئے اور بیک زبان کہا:

اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ط رَبِّ مُوْسٰی وَ هٰرُوْنَ

ترجمہ

ہم ایمان لے آئے رب العالمین پر ہارون علیہ السلام
اور موسیٰ علیہ السلام کے رب پر۔ (الشعراء: ۴۸)

چونکہ وہ معجزہ دیکھ چکے تھے اس لئے فوراً اللہ تعالیٰ نے ان کو ایمان کی نعمت سے سرفراز فرمایا۔

مثال سے اہم سبق

ہمارے حضرت فرماتے تھے جیسے اس مثال کے اندر ایک طرف جادوگروں کے ہزاروں سانپ بچھو ہیں اور دوسری طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک عصا ہے جب وہ سانپ بنتا ہے تو سب کو ختم کر دیتا ہے ایسے ہی اللہ تعالیٰ کا خوف اور اللہ تعالیٰ کی محبت، اللہ تعالیٰ سے تعلق اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی فکر یہ موسیٰ علیہ السلام کے عصا کی طرح ہے، جب یہ کسی کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے تو دنیا کے اور آخرت کے غم ختم ہو جاتے ہیں اور اس کا یہ حال ہوتا ہے: ۔

ہو آزاد فوراً غمِ دو جہاں سے
تیرا ذرۂ غم اگر ہاتھ آئے

اولاد ہونے کی فکر

بہر حال! بادشاہ سلامت اپنی بیوی کو اس بات پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہو گیا کہ رشتہ ناطہ کرنے میں دینداری دیکھنے کی چیز ہے، دنیا داری اور مالداری زیادہ دیکھنے کی چیز نہیں ہے، اس کے بعد شہزادے کی شادی کسی دیندار گھرانے میں ہو گئی۔

اور شادی سے پہلے ماں باپ کے لئے یہ غم ہوتا ہے کہ کسی طرح شادی ہو جائے اور ان کے بچوں کے نکاح اپنے اپنے وقت پر صحیح جگہ ہو جائیں لیکن جب شادی ہو جاتی ہے تو پھر دوسرا غم یہ ہوتا ہے کہ بچہ کب

ہوگا؟ شادی ہوتے ہی جو پہلا غم لاحق ہوتا ہے خاص طور پر سسرال والوں کو وہ یہ ہوتا ہے کہ بچہ ہوا یا نہیں؟ اگر نہیں ہوا تو کیوں نہیں ہوا؟ کب ہوگا؟ یہ ایک مستقل غم ہے۔

ارے بھائی! اللہ کا شکر ادا کرو تمہارے بچے اور بچی کا رشتہ ہوگیا، شادی ہوگئی اب شادی کی خوشی تو کم سے کم کرو، لیکن مہینے دو مہینے بھی نہیں گزر پاتے لوگ کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ بچہ کب ہوگا؟ کچھ ہوا یا نہیں؟

اولاد نہ ہونے کی وجہ اور اللہ کی طرف رجوع

بہر حال! اس واقعہ میں بھی یہی ہوا کہ جب سال چھ مہینے گزر گئے تو اب سوالات کا سلسلہ شروع ہوا کہ بھئی! کیا بات ہے؟ کوئی شہزادہ شہزادی نہیں ہوئی۔ تو یہاں دیکھئے! ابھی تو شادی ہوئی ہے اور ابھی یہ فکر لاحق ہوگئی کہ اس کی اولاد کیوں نہیں ہوئی کیا بات ہے؟ تو جناب! اس بارے میں تحقیقات شروع ہوگئیں کہ قصہ کیا ہے؟ بات کیا ہے؟ سال گزر گیا بچہ نہیں ہوا، کب ہوگا، کیسے ہوگا؟ تفتیش کی تو معلوم ہوا کہ اس شہزادہ پر کسی نے جادو کر دیا ہے اور جادو کرنے کی وجہ سے یہ آج تک اپنی بیوی کے پاس نہیں جا سکا اور اور جادو بھی کسی خرانٹ بڑھیا نے کیا ہے جو انتہائی بدشکل اور بدصورت ہے، جادو کے زور سے اس نے اس کو اپنا غلام بنا رکھا ہے، اب یہ اپنی بیوی کو تو دیکھتا نہیں اور اس کے پاس جاتا نہیں، جاتا ہے تو اس بڑھیا کے پاس جاتا ہے اور اس پر قربان اور فدا ہے، جب یہ پتہ چلا تو بادشاہ کے پاؤں تلے زمین نکل گئی وہ بڑا افسردہ اور غمگین ہوا اور بڑا پریشان ہوا، بیوی نے بھی کہا کہ میں تو پہلے ہی کہہ رہی تھی کہ تم کہیں اس کے جوڑ کا رشتہ دیکھو، بے جوڑ رشتہ

دیکھنے کا یہی انجام ہوتا ہے تو اس کو بیوی کی بات تیر کی طرح لگی، حالانکہ بادشاہ نے اپنے طور پر جو کچھ بھی فیصلہ کیا تھا وہ صحیح فیصلہ تھا لہٰذا اب ہر طرف سے اس کو طعنے سننے پڑے اور وہ خود بھی بڑا پریشان ہوا کہ یہ کیا معاملہ ہو گیا بالآخر اس نے اپنے دوست واحباب، مصاحبین اور مشیروں سے اس بارے میں مشورہ کیا اور مشورہ کے علاوہ خود بھی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوا۔

یہ اس واقعہ کے اندر اصل نصیحت ہے جو یاد رکھنے کے قابل ہے کہ دنیا میں پریشانی تو امیر کو بھی آتی اور غریب کو بھی، بادشاہ کو بھی آتی ہے اور وزیر کو بھی، فقیر کو بھی آتی ہے اور دولتمند کو بھی، کوئی انسان اس دنیا میں پریشانی سے خالی نہیں ملے گا بڑے سے بڑا مالدار بھی آج ایسا پریشان ہے کہ آپ اس کی پریشانی سن کر اپنی پریشانی بھول جائیں گے اور غریب آدمی بھی آج تکالیف اور پریشانیوں میں گھرا ہوا ہے، دنیا ان سب کے مجموعے کا نام ہے، لہذا دنیا میں رہتے ہوئے دنیا کے اعتبار سے کسی کو راحت نہیں ہو سکتی، وہ تو اللہ تعالیٰ اپنے مقرب بندوں کو ہی اس دنیا میں پاکیزہ اور پر عافیت زندگی عطا فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی نصیب فرمائیں (آمین) تو اس کا بہترین علاج یہی ہے کہ جب کوئی پریشانی پیش آئے تو فوراً آدمی اللہ کی طرف رجوع ہو، تکلیف چھوٹی سے چھوٹی ہو یا بڑی سے بڑی آدمی اس بات کی عادت ڈال لے کہ پہلے وہ اپنے آقا کی طرف رجوع کرے، اللہ تعالیٰ سے مدد مانگے، عافیت اور صحت مانگے، روزی مانگے، سلامتی مانگے اور پھر مانگتا ہی رہے، اول بھی مانگے آخر بھی مانگے، درمیان میں بھی مانگے، وہ فوراً قبول ہو یا نہ ہو، کچھ ملے یا نہ ملے بس مانگتا ہی رہے۔ فارسی کے دو شعر یاد آئے، بڑے پیارے ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

مفلسا نیم آمده درکوئے تو
شیأً للہ از جمالِ روئے تو

ہم مفلس اور فقیر آپ کے دربار میں حاضر ہوئے ہیں، اپنے چہرے کے جمال کا کچھ صدقہ ہمیں بھی دیدیجئے۔

دست بکشا جانبِ زنبیل ما
آفریں بردست وبر بازوئے تو

ہم فقیروں کی، مسکینوں کی زنبیل کی طرف اپنا دستِ کرم بڑھا دیجئے۔

آپ کے ہاتھ اور بازو پر صد آفرین ہو اور مبارک ہو کہ آپ نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور ہماری جھولی میں کچھ ڈال دیا۔

ہر مشکل کا حل

ہر مشکل کا حل یہی ہے کہ بندہ اللہ کی طرف رجوع کرے، ہر حاجت کا تقاضہ یہ ہے کہ اللہ کی طرف رجوع ہو اور ہر بیماری کا علاج یہ ہے کہ اللہ کی طرف رجوع ہو، یہ ایسا گر ہے جو کبھی خطا نہیں جاتا جس کو یہ گر مل گیا گویا اس کو دنیا اور آخرت کی کامیابی مل گئی۔

بادشاہ سلامت کو دیکھئے کہ رات کو وہ آخرِ شب میں اٹھا اور دو رکعت نفل پڑھی اور پھر اس نے اپنا سر سجدہ میں رکھ دیا اور اللہ کی طرف متوجہ ہو کر زار و قطار رونے لگا کہ یا اللہ! میں اس وقت دنیا میں اکیلا ہوں، کوئی میرا حمایتی نہیں ہے، کوئی میرا ساتھ دینے والا نہیں ہے، سب مجھے برا بھلا کہہ رہے ہیں اور میں خود بھی اپنے بچے کی وجہ سے افسردہ اور غمگین ہوں، یا اللہ! یہ کیا

ماجرا ہے، کیا معاملہ ہے؟ اس مشکل کا حل سوائے آپ کے کسی کے پاس نہیں ہے اور میرا آپ کے سوا کوئی در نہیں جہاں میں جا کر کسی اور کو پکار لوں، لہٰذا آپ اس سلسلہ میں میری مدد فرمایئے اور دیر تک بادشاہ روتا رہا، دعا کرتا رہا یہاں تک کہ اس کی دعا قبول ہوئی اور جونہی وہ دعا کر کے فارغ ہوا غیب سے ایک مرد ظاہر ہوا اور بادشاہ سے کہا کہ آپ ابھی میرے ساتھ چلئے، میں آپ کے بچے کا مسئلہ حل کرتا ہوں اور پھر بادشاہ کو ایک پرانے قبرستان میں لے گیا اور ایک پرانی قبر کھودی اور اس میں سے ایک بال نکالا جس میں جادو کے زور سے سو گرہیں لگی ہوئی تھیں، اس مرد غیب نے اس بال کو ہاتھ میں لیا اور مُعَوِّذَتَین (قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ) پڑھ پڑھ کر دم کرتا گیا اور بال کی ایک ایک گرہ کھولتا گیا، جب اس نے آخری گرہ کھولی تو شہزادہ اس خرانٹ بڑھیا کے جادو کی قید سے آزاد ہو گیا اور بالکل صحیح سلامت، تندرست اور توانا ہو گیا جیسے کہ شادی سے پہلے تھا اور بادشاہ کا یہ مسئلہ منجانب اللہ بڑی آسانی سے حل ہو گیا اور شہزادہ جیسے ہی ہوش میں آیا اور اس نے اپنے حالات کا جائزہ لیا تو وہ اپنے کیے پر انتہائی نادم اور شرمندہ ہوا کہ میرے ماں باپ نے میرے لئے اچھی اور دیندار لڑکی تلاش کی اور اچھی جگہ میرا رشتہ اور نکاح کیا جبکہ میں نے آج تک ادھر کا رخ ہی نہ کیا، رخ بھی کیا تو کس طرف؟ اور اس کو بڑھیا کی شکل سے نفرت اور قئی آنے لگی اور اپنے کیے پر بہت پشیمان ہوا اور جب اس نے اپنی بیوی کو دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا، اس کو بڑا افسوس ہوا کہ میں نے اس کے ساتھ زیادتی کی اور اب تک اس کا کوئی حق ادا نہ کیا۔

دنیا و آخرت کی مثال

یہ واقعہ مولانا رومیؒ نے مثنوی میں بیان فرمایا ہے، اب وہ اس سے نصیحت فرماتے ہیں۔

فرماتے ہیں: اے لوگو! تم سب مسلمان مردوں اور عورتوں کی مثال شہزادے کی ہے اور دنیا کی مثال بڑھیا کی ہے اور آخرت کی مثال شہزادی کی ہے، آخرت مثل شہزادی کے ہے، دنیا مثل خرانٹ بڑھیا کے ہے اور تم سب مثل شہزادہ کے ہو کہ تم سب کو اللہ پاک نے آخرت کے لئے بنایا ہے، ایمان اس کی علامت اور دلیل ہے، تم سب کو اللہ پاک نے آخرت اور جنت میں داخل کرنے کے لئے پیدا فرمایا ہے، ایمان دے کر اللہ پاک نے تم کو اپنا بنا لیا ہے اور تمہارے اپنا ہونے کا اعلان کر دیا ہے اور جنت کا تمہیں مستحق بنایا ہے، لیکن اس دنیا نے تم پر جادو کر دیا جس کی وجہ سے تمہیں آخرت نظر نہیں آتی اور آخرت کی طرف تم متوجہ نہیں ہوتے اور دنیا کی اس خرانٹ بڑھیا پر تم فدا اور قربان ہو رہے ہو یعنی دنیا کے تم پر جادو کر دینے کی وجہ سے تم دنیا کے عاشق اور دنیا پر فدا اور قربان ہو، دنیا ہی تمہارا اوڑھنا بچھونا بن گئی ہے، حالانکہ یہ ساری دنیا اور دنیا کا سارا روپیہ پیسہ، مال و دولت عہدے اور مناصب اور دنیا کی چھوٹی بڑی ساری چیزیں مل کر بھی مچھر کے پَر کے برابر نہیں ہیں، ان کی حقیقت ایسی ہی ہے جیسے وہ خرانٹ بڑھیا جو کسی قابل نہیں، ہر لحاظ سے قابل نفرت اور قابلِ ترک ہے، اس سے دور رہنے میں سراسر عافیت ہے مگر اس کے باوجود تم اس فانی دنیا پر فدا اور قربان ہو رہے ہو، اس پر فریفتہ ہو رہے ہو اور آخرت سے غافل اور آخرت سے بیگانہ ہو، یہ سب کیوں ہو رہا ہے؟ یہ

اس لئے ہے کہ اس دنیا نے تم پر جادو کر دیا ہے جس کی وجہ سے تم آخرت سے غافل ہو گئے ہو اور دنیا تمہاری زندگی کا مقصد بن گئی ہے، دن رات تمہیں اگر کوئی سوچ ہے، فکر ہے، دن رات تمہیں اگر کوئی غم ہے تو اسی دنیا کا ہے اور نہیں ہے کوئی غم تو وہ آخرت کا ہے، اصلاح کی فکر نہیں، تربیت کی فکر نہیں، تزکیے کی فکر نہیں ہے، گناہوں کے چھوڑنے کی فکر نہیں ہے، اللہ کو راضی کرنے کی فکر نہیں ہے، اگر کسی کو کچھ فکر ہے تو وہ بھی رسمی ہے۔ الا ماشاء اللہ

مقصود و مطلوب یہ ہے کہ دل سے تم اس دنیا کو لات مارو، دل میں اس کی محبت مت لاؤ۔ یعنی دنیا کی محبت کو غالب نہ ہونے دو، مغلوب رکھو!

دنیا کی محبت اور اس کی علامت

دل میں دنیا کی محبت کی علامت اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے اور دل سے دنیا کی محبت نکلنے یا مغلوب ہونے کی علامت اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہے خواہ وہ کسی بھی شعبۂ زندگی سے وابستہ ہے، سمجھ لو دنیا اس کے دل سے باہر ہے، وہ دنیا کا عاشق نہیں ہے، آخرت کا عاشق ہے اور ''اللہ بچائے'' جو شخص نافرمانی میں لگا ہوا ہے آنکھیں بھی گناہ کر رہی ہیں، دل بھی گناہ کر رہا ہے، کھانے میں بھی حرام، پینے میں بھی حرام، پہننے میں بھی حرام ہے، اور حلال و حرام میں کسی چیز کی وہ پرواہ نہیں کر رہا ہے، جھوٹ کی اس کو کوئی پرواہ نہیں، غیبت سے اس کو کوئی ڈر نہیں، الزام تراشی کی اس کو کوئی پرواہ نہیں، نماز قضاء ہو جائے تو اس کی اس کو کوئی پرواہ نہیں، جماعت چھوٹ جائے تو اس کا اس پر کوئی اثر نہیں، بداعمالیوں کے اندر وہ ڈوبا ہوا ہے تو یاد رکھو! وہ دنیا دار ہے، وہ عاشقِ دنیا ہے، وہ آخرت کا عاشق

نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار نہیں۔ فارسی کے ایک شعر میں یہ حقیقت بیان کی گئی ہے۔

چیست دنیا؟ از خدا غافل شدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

یعنی دنیا کیا ہے؟ خدا سے غافل ہونا ہے نہ کہ غلام، چاندی اور اولاد و بیوی۔

دنیا بذاتِ خود بری نہیں

دنیا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا نام ہے اور اللہ تعالیٰ سے غافل ہونے کا نام ہے، سونا چاندی، روپیہ پیسہ کا نام دنیا نہیں ہے، روپیہ پیسہ، مال و دولت اگر حلال اور جائز طریقے سے حاصل ہو اور جائز جگہ میں خرچ ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے لیکن اگر یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا ذریعہ ہوں، ناجائز طریقے سے حاصل ہوں، حرام جگہ استعمال ہوں اور ناجائز طریقے سے استعمال ہوں تو سن لو اور سمجھ لو! یہ وہ دنیا ہے جو شریعت کی نظر میں قابلِ مذمت ہے جس نے اس پر جادو کیا ہوا ہے اور آخرت سے اسے غافل کیا ہوا ہے اور اپنا عاشق بنایا ہوا ہے، اس سے بچنے کی ضرورت ہے۔

حبِ دنیا کا علاج

دنیا کا علاج کیا ہے؟ جو جادو دنیا نے ہمارے اوپر کر رکھا ہے اس کا توڑ کیا ہے؟ بزرگانِ دین نے اس کا توڑ بھی بتایا ہے، وہ یہ ہے کہ اس کے لئے درج ذیل چند کام کرنے چاہئیں۔

(۱) پہلا کام یہ ہے کہ آدمی موت کا مراقبہ کرے جو حدیث شریف سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَكْثِرُوا ذِكْرَهَا زِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتِ

ترجمہ

لذتوں کو توڑ دینے والی چیز موت کو کثرت سے یاد کرو

(حلیۃ الاولیاء ج۹ص ۲۵۲)

موت کے تذکرہ اور مراقبۂ موت میں اللہ پاک نے ایسی خاصیت رکھی ہے کہ جب آدمی کچھ عرصہ اس کی پابندی کرتا ہے تو آہستہ آہستہ اس کے دل سے دنیا کی محبت نکلتی ہے اور آخرت کی فکر پیدا ہوتی ہے۔

(۲) اپنے شیخ کی رہنمائی میں ذکر اللہ کثرت سے کرے، اس میں بھی اللہ پاک نے ایسی خاصیت رکھی ہے کہ اس سے آہستہ آہستہ دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوتی ہے اور دنیا کی محبت نکلتی ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ آدمی جس چیز کا ذکر زیادہ کرے گا اس کی محبت دل میں زیادہ ہوگی، ہمارے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت فی الحال اتنی نہیں ہے جتنی ہونی چاہئے اسی وجہ سے ذکرِ الٰہی ہماری زبانوں پر اتنا نہیں ہوتا جتنا مطلوب ہے، جب ہم اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کریں گے جس میں کسی نہ کسی شیخ کی رہنمائی کی بہرحال ضرورت پڑے گی تو اس سے اللہ تعالیٰ کی محبت ان کی طلب اور ان کی تڑپ دل میں پیدا ہوگی، اب جو ذہن اور دماغ دنیا کی طرف لگا ہوا ہے، خواب

میں بھی دنیا نظر آتی ہے، اوڑھنا بچھونا بھی دنیا ہے، رات دن اسی کی فکر سوار ہے تو آہستہ آہستہ یہ فکر آخرت کی فکر میں تبدیل ہو جائے گی، پھر اللہ تعالیٰ کی یاد دل میں آئے گی، اللہ تعالیٰ کا خیال آئے گا، اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان ہو جائے گا اور انہیں کی رحمتیں یاد آئیں گی، ان کی پکڑ کا خوف دل میں آئے گا خواب بھی انہیں کے نظر آئیں گے، بیداری بھی انہی کی اطاعت میں گزرے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

(۳) تیسرا کام یہ کرے کہ کسی اللہ والے کی خدمت میں خلوص کے ساتھ جائے، اور اخلاص سے اس کے ساتھ اپنا تعلق قائم کرے، یہ بات آج کل بہت ہی کم ہے۔

اللہ والوں کے پاس جانے کا اصل مقصد

اللہ والوں سے تعلق رکھنے والے تو بہت ہیں لیکن اخلاص سے تعلق رکھنے والے ہزاروں میں کوئی کوئی ہوتا ہے، اسی لئے اللہ والوں کی خدمت میں جانے والوں کو فائدہ نہیں ہوتا کہ جانے والے وہاں بھی بہت سے دنیاوی مقاصد لے کر جاتے ہیں، ننانوے فیصد (99%) لوگوں کے دنیاوی مقاصد ہوتے ہیں تو بھئی! اگر وہاں دنیا لینے جاؤ گے تو وہاں تو دنیا ہے نہیں، آخرت وہاں مل سکتی تھی، اس کے طالب تم نہیں، اس لئے تم چاہے دس سال گزاردو یا پچاس سال، تم جہاں ہو وہیں کے وہیں رہو گے، لہٰذا وہاں جانا ہے تو صرف ایک کام کے لئے جاؤ کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی محبت نصیب ہو جائے اور یہ دنیا کا جادو کٹے اور آخرت کی فکر بڑھے، اس کے سوا اور کوئی مقصد نہ

ہو۔ اگر اچھا مقصد لے کر گئے تو پھر دور سے اللہ والوں کو دیکھ لینا بھی بہت ہے، پاس بیٹھنا، ان کی بات سننا تو نافع اور مفید ہے ہی صرف دور سے دیکھنا بھی نافع ہے۔ اسی سے باطنی نفع پہنچ جائے گا بہر حال اہل اللہ کی خدمت و صحبت کا فائدہ یہ ہے کہ آپ کے دل سے دنیا کی محبت نکل کر آخرت کی فکر پیدا ہو جائے گی، حرام حلال کی فکر ہوگی، نیکی بدی کی فکر ہوگی، آخرت بنانے کی فکر ہوگی، اللہ اللہ کرنے کو جی چاہے گا، گناہوں سے بچنے کی فکر ہوگی۔

خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون کا عجیب واقعہ

مجھے ایک چھوٹا سا قصہ یاد آ رہا ہے، آپ کو وہ سنا دوں، پھر دعا کروں گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت تھانویؒ کی خانقاہ میں ایک مرتبہ ان کے خاص خاص خلفاء جمع تھے، ان میں سے غالباً حضرت مولانا خیر محمد صاحب نور اللہ مرقدہ نے دوسروں کے سامنے اپنا حال بیان کیا کہ جب میں یہاں خانقاہ میں آتا ہوں تو میرا حال یہ ہوتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سارے مجھ سے آگے ہیں، میں سب سے پیچھے ہوں، دوسرے نے کہا کہ میرا بھی یہی حال ہے، دوسرے نے تیسرے کو بتایا سب نے یہی کہا کہ ہمارا حال بھی یہی ہے کہ جب ہم خانقاہ اشرفیہ میں آتے ہیں اور حضرت کی خدمت میں رہتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ مجھے کچھ حاصل نہیں ہو رہا۔ میں سب سے پیچھے ہوں، میں لاشئ محض ہوں اور جو دوسرے ہیں، خوب آگے بڑھ رہے ہیں، خوب ترقی کر رہے ہیں، مقاماتِ قربِ الٰہی طے کر رہے ہیں اور جب چار پانچ کا یہی حال سامنے آیا تو انہوں نے کہا کہ ایسا کرو حضرت سے وقت لو اور وقت لے کر حضرت کے

سامنے اپنا یہ حال بیان کرو کیوں کہ ہم انہیں کی خدمت میں آئے ہوئے ہیں۔ وہی اس مسئلہ کو حل فرمائیں گے، اب یہ حضرات وقت لے کر حضرت تھانویؒ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا کہ حضرت! ہمیں اپنا کچھ حال سنانا ہے، حضرت نے فرمایا سناؤ! انہوں نے کہا ہمارا یہ حال ہے کہ جب بھی ہم خانقاہ میں آتے ہیں تو ایسا لگتا ہے ہم سب سے پیچھے ہیں، باقی سب ہم سے آگے ہیں، تو حضرت نے فرمایا کہ میرا بھی یہی حال ہے، یہ سن کر سب چپ ہوگئے۔ اب حضرت کے سامنے کیا بولتے؟ اس لئے خاموش بیٹھے رہے، پھر تھوڑی دیر بیٹھ کر واپس آگئے اور آکر ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ ارے بھئی! اصل بات یہ ہے کہ ہمارے شیخ تواضع میں ڈوبے ہوئے ہیں اور وہ اپنے دل میں خود کو بالکل مٹائے ہوئے ہیں ان کے دل کا یہ عکس جمیل ان کی خانقاہ میں ہر آنے والے کے دل پر پڑتا ہے، تو ان کے پاس بیٹھنے اور ان کی خدمت میں آنے کا یہ اثر ہے، چونکہ وہ اپنے آپ کو مٹائے ہوئے ہیں اس لئے جو لوگ ان کے پاس ان کی خانقاہ میں آتے ہیں وہ بھی مٹے جا رہے ہیں، مجذوب صاحب نے ان کے بارے میں کہا ہے۔ ؎

جس قلب کی آہوں نے دل پھونک دیئے لاکھوں
اس دل میں خدا جانے کیا آگ بھری ہوگی

؎

پھر ذرا مُضطرِبْ اسی انداز سے
جی اٹھے مردے تیری آواز سے

اللہ والوں کی صحبت بے اثر نہیں ہوتی

دیکھو! اللہ والوں کی صحبت میں جانے کا یہ اثر ہوتا ہے کہ اگر ان میں

تواضع ہوگی تو جو لوگ اخلاص سے ان کے پاس ہوں گے ان کے دل میں بھی تواضع ہوگی، پیر کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت بھری ہوگی تو مریدین کے دل میں بھی اللہ تعالیٰ کی محبت آئے گی، شیخ کی صحبت کا اثر اس کے مریدین کے دلوں میں ضرور ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کے لئے تین باتوں کی پابندی کرلیں۔

تین باتوں کی پابندی

(۱) موت کا مراقبہ

(۲) اللہ والے کی رہنمائی میں ذکر اللہ کی کثرت

(۳) کسی اللہ والے سے پرخلوص تعلق

جو شخص ان تین باتوں کی پابندی کرے گا تو اس پر جو دنیا کا جادو چل چکا ہے وہ کٹ جائے گا اور دنیا کا جادو کٹنے کے بعد اس پر آخرت کی خوبی، کمال، اہمیت اور فکر آشکارا ہوجائے گی اور دنیا سے نفرت انشاء اللہ نصیب ہوگی، دنیا سے اس کا رخ پھر جائے گا اور آخرت کی طرف ہوجائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو فکرِ آخرت نصیب فرمائیں۔ اور اپنی محبت سے سرشار فرمائیں۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

وصلی اللہ تعالیٰ علی النبی الکریم

محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

☆☆☆☆☆

احادیثِ طیبہ کا پیغام

- احادیث مبارکہ کا ہم سے مطالبہ
- بزرگانِ دین کے چند واقعات
- سنت کے مطابق زندگی گزارنے کا طریقہ

حضرت اقدس مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی دامت برکاتہم العالیہ
نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ناشر
مکتبۃ الاسلام کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونومن بہ ونتوکل علیہ ونعوذباللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھدان لاالہ الااللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہ ونشھدان سیدنا ونبینا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ الہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیما کثیرًا کثیرًا ۔

امّا بعد!

فاعوذباللّٰہ من الشیطان الرجیم بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ط

"لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ "[الاحزاب:۲۱]۔(صدق اللہ العظیم)

میرے قابلِ احترام اساتذۂ کرام، معلّمات[۱]، طلباء، طالبات اور دیگر حاضرین!

اس وقت میں آپ کی خدمت میں ایک ایسی بات عرض کرنا چاہتا ہوں جو قرآنِ کریم کا خلاصہ ہے اور احادیثِ طیبہ کا ایک اہم پیغام ہے، لیکن اس کو بیان کرنے سے پہلے میں یہ بات واضح کردوں کہ قرآن وحدیث کے

[۱] اس موقع پر طالبات ومعلمات بھی علیحدہ پردہ کی جگہ میں موجود تھیں۔

حوالے سے جو بھی بات بیان کی جاتی ہے وہ عام طور سے پڑھے لکھے مسلمان کو پہلے سے معلوم ہوتی ہے، لہٰذا اس بات کو سن کر خدانخواستہ کوئی یہ نہ سوچے کہ بھئی یہ بات تو ہمیں پہلے سے ہی معلوم ہے اور اس بات کو تو ہم نے پہلے بھی متعدد بار سنا ہوا ہے لہذا یہ کوئی اہم بات نہیں ہے یاد رکھیئے! یہ خیال شیطانی خیال ہے اور اس کو ذہن سے نکال دینا چاہیئے، اس لئے کہ ہمارا تو سارا دین حضور ﷺ سے منقول ہے، یہ وہ دین ہے جو چودہ سو سال سے بیان ہورہا ہے اور ہوتا ہی رہے گا یہاں تک کہ قیامت آجائے گی اور یہی وہ دین ہے جسے ہم پڑھتے اور پڑھاتے ہیں اور اسی کو بیان کیا جاتا ہے اور اسی پر عمل کیا جاتا ہے۔

لہٰذا جو بات عرض کرنا چاہتا ہوں وہ بھی نئی نہیں ہے لیکن میں نے اس لئے اس کو اختیار کیا ہے کہ وہ احادیثِ طیبہ اور اس سال کے اسباق کے ختم اور خاص طور پر بخاری شریف کے ختم کے زیادہ مناسب ہے، اللہ کرے ہم اس بات کو دل وجان سے سنیں اور اپنے دلوں میں اتار کر اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔

احادیثِ طیبہ کا پیغام اور مطالبہ

تمام احادیثِ طیبہ کا ہم سے یہ مطالبہ ہے کہ تم نے مشکوٰۃ شریف سے لے کر بخاری شریف تک سرکارِ دوعالم جنابِ رسول ﷺ کے بے شمار ارشادات مستند طور پر پڑھ لئے تو اب یہ بتاؤ کہ تمہاری زندگی میں حضور ﷺ کے ان ارشادات کی کوئی جھلک بھی ہے یا نہیں؟ کیونکہ تم نے حضور کی

زندگی پڑھ لی، حضور کے نماز پڑھنے کا طریقہ پڑھ لیا، کھانا کھانے کے آداب پڑھ لئے، آپ کے لباس و پوشاک کے طریقے پڑھ لئے، آپ کے شمائل پڑھ لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر شعبہ ھائے زندگی پڑھ لئے، اب ذرا یہ دیکھیں کہ ان میں سے کچھ حصہ ہماری زندگی میں بھی آیا یا نہیں؟ یعنی حضور ﷺ کی ساری زندگی پڑھنے کے بعد آپ کے طریقوں اور سنتوں پر ہمیں کس قدر عمل کیا اور کس قدر عمل کی توفیق ہوئی؟ ان احادیثِ طیبہ کا ہم سے یہ مطالبہ اور سوال ہے کہ اگر ابھی تک ہم نے کچھ نہیں کیا تو اب آئندہ کے لئے تیار ہو جائیں کہ انشاء اللہ اب بقیہ زندگی سرکارِ دو عالم ﷺ کی سنتوں کے سانچے میں ڈھالیں گے اور جیسا ہم نے پڑھا ہے اس کے مطابق اپنے آپ کو سنوارنے اور سنت کے مطابق زندگی گزارنے کی پوری کوشش کریں گے۔ یہی وہ پیغام ہے جو تمام احادیثِ طیبہ، بخاری شریف، صحاحِ ستہ اور قرآن شریف سے ہمیں ملا ہے اور ہمارے تمام اسلاف کی زندگی بھی اسی سے بھری ہوئی ہے۔

مسلمان کی زندگی کا مقصد

اس دنیا میں آنے کے بعد مسلمان کی زندگی کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کو سنت کے مطابق بنانے کی کوشش میں لگ جائے۔ جس کی زندگی میں جتنا سنت کا نور آئے گا وہ اتنا ہی کامیاب و کامران ہوگا اور جس کی زندگی میں جتنا سنت کا نور نہ ہوگا اور سنت کے مطابق اسکی زندگی نہ ہوگی وہ اتنا ہی ناکام و نامراد ہوگا۔ ہمارے تمام دینی مدارس کا بنیادی مقصد بھی یہی ہے اور ہماری تمام خانقاہوں میں کئے جانے والے تربیتی اقدامات کا لُبِّ

لباب بھی یہی ہے کہ ہر مسلمان مرد وعورت اپنی زندگی سنت کے مطابق گزارنے کی کوشش کرے اس کا کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا، ملنا جلنا حتیٰ کہ تمام چیزیں سنت کے مطابق ہوں، ہمارے تمام اکابر اسی کی تعلیم دیتے رہے ہیں، اور ہمیشہ سے دیتے آئے ہیں۔

سلسلۂ امدادیہ اشرفیہ کی خصوصیت

اللہ تبارک وتعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے ہمیں سلسلۂ امدادیہ اشرفیہ سے وابستہ فرمایا ہے اس سلسلہ میں اتباعِ سنت کی تعلیم پر بہت زور دیا جاتا ہے اور اتباعِ سنت کی بہت تاکید وترغیب ہے۔

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے اس سلسلے میں یہ خصوصیت رکھی ہے جو شخص اخلاص اور ہمتِ مردانہ کے ساتھ اس میں قدم رکھتا ہے اس کو بہت جلد اللہ تعالیٰ کا قربِ خاص اور تعلقِ خاص نصیب ہوجاتا ہے اس کی خاص وجہ یہی ہے کہ اس سلسلے میں اتباعِ سنت کی سب سے زیادہ تعلیم دی جاتی ہے، پہلے قدم پر بھی اتباعِ سنت کی تعلیم ہے اور آخری قدم پر بھی اتباعِ سنت کی تعلیم ہے، لہٰذا جب سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے قریب کرنے کا اور ہر قسم کی مصیبتوں اور نفس وشیطان کے وسوسوں اور دھوکوں سے محفوظ رہنے کا سہل اور سب سے زیادہ آسان راستہ موجود ہے تو کیوں نہ اس کو اختیار کیا جائے، اسی اہتمام کی وجہ سے اس مبارک سلسلے میں جو شخص اخلاص اور ہمت کے ساتھ داخل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ بہت جلد اسے اپنا محبوب بنالیتے ہیں۔

اتباعِ سنت کی اہمیت اور افادیت اور اس پر عمل ہونے کی شدید

ضرورت پر دو واقعات یاد آئے ہیں اور دونوں واقعات حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے ہیں۔

پہلا واقعہ

پہلا واقعہ سناتے ہوئے حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب میں تمام علومِ ظاہری سے فارغ ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ بات ڈالی کہ خانقاہوں میں جو اعمال و اخلاق سکھائے جاتے ہیں ان کے حصول کے لئے بھی ان کے پاس جانا چاہئے حضرت فرماتے ہیں کہ الحمد للہ میں ان خانقاہوں میں گیا اور ان سے عرض کیا کہ آپ کے ہاں جو کچھ سکھایا جاتا ہے اور جو تربیت دی جاتی ہے میں وہ سیکھنے کے لئے حاضر ہوا ہوں تو اُنہوں نے فرمایا کہ تم ہمارے یہاں رہو تو تمہیں یہاں کی باتیں سمجھ میں آجائیں گی اور جو کچھ ہمیں معلوم ہے وہ ہم تمہیں سکھا دیں گے اور انشاء اللہ اس پر عمل بھی کرا دیں گے۔

حضرتؒ فرماتے ہیں کہ میں وہاں ٹھہر گیا اور جب تک انہوں نے مجھے اپنے ہاں رکھنا چاہا میں طلبِ صادق کے ساتھ ان کے یہاں رہا اور انہوں نے جو مجاہدے، ریاضتیں اور وظائف مجھ سے کروائے میں نے خوب دلجمعی سے کئے اور جس طرح انہوں نے کہا میں اُسی طریقے سے ان کی خدمت میں مشغول ہو گیا یہاں تک کہ انہوں نے مجھ سے کہا کہ ہمارے پاس جو علوم تھے اور تعلق مع اللہ کا جو سبق پڑھانا تھا وہ ہم نے آپ کو سکھا دیا۔ فرماتے ہیں اس طرح میں چاروں سلسلوں کی خانقاہوں میں گیا اور جس طرح انہوں نے میری تربیت کرنا چاہی میں نے اپنی تربیت کرائی،

اس طرح میں مدارس سے فارغ ہونے کے بعد خانقاہوں سے بھی فارغ ہو گیا۔

اس کے بعد میں اپنے باطن میں اللہ کی محبت اور عشق کے غیر معمولی حال محسوس کرنے لگا اور تعلق مع اللہ کی منزلیں تیز رفتاری سے طے کرنے لگا اور اللہ نے اپنا خاص تعلق مجھے عطا فرمایا اور وہ منزل عطا فرمائی کہ اس مقام پر پہنچنے کے بعد اگر میں اپنے باطن کی کوئی بات علماءِ ظاہر کے سامنے بیان کروں تو وہ مجھ پر کفر کا فتویٰ لگائیں اور خانقاہوں کے اندر بیٹھنے والے صوفیائے کرام اور مشائخ عظام کے سامنے اپنے دل کا کوئی دُکھڑا سناؤں تو وہ مجھ پر زندیق ہونے کا فتویٰ لگائیں لیکن اللہ کے فضل وکرم سے میں اس مقام پر فائز ہوں اور اس بات کو بخوبی جانتا ہوں کہ میں جو کچھ علماءِ ظاہر کے سامنے کہوں گا اس کی کیا حقیقت ہے اور جو صوفیائے کرام اور مشائخ عظام کے سامنے کہنا چاہتا ہوں اس کی کیا حقیقت؟ ہے لیکن میں اپنی زبان نہیں کھول سکتا اس لئے کہ وہ اس مقام پر نہیں ہیں اور اُس مقام پر پہنچنے کے بعد ہی وہ بات سمجھ میں آسکتی ہے۔

اتباعِ سنت کی اہمیت

اس کے بعد حضرت مجدّد الف ثانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس عظیم اور بلند مقام پر پہنچنے کے بعد بھی میں نے جس بات کو اپنے نزدیک سب سے زیادہ نفع دینے والی اور سب سے زیادہ حق تعالیٰ کے قریب کرنے والی پایا اور یہ سمجھا کہ اس سے زیادہ بہتر کوئی بات نہیں ہوسکتی وہ یہ ہے کہ ''کسی مرد یا عورت کو سرکارِ دوعالم جناب نبیٔ کریم ﷺ کی کسی سنت پر عمل کی توفیق

ہو جائے''اللہ اکبر!

اب آپ اندازہ لگائیں کہ وہ اتنی محنتیں اور مشقتیں اٹھانے کے بعد اور اتنے اونچے مقام پر پہنچنے کے بعد بھی اس نتیجے پر پہنچ رہے ہیں کہ اتباعِ سنت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ اس لئے ہمیں اتباع سنت کا نہایت اہتمام کرنے کی ضرورت ہے۔

دوسرا واقعہ

دوسرا واقعہ بھی حضرت مجدّد الف ثانی رحمہ اللہ کا ہی ہے۔ حضرت مجدّد الف ثانی رحمہ اللہ، حضرت خواجہ باقی باللہ رحمہ اللہ کے مجاز ہیں اور حضرت خواجہ باقی باللہ رحمہ اللہ ہندوستان کے مشہور و معروف بزرگ ہیں۔

ایک مرتبہ ایک بزرگ جو حضرت خواجہ صاحبؒ کے مرید تھے، حضرت مجدّد الفِ ثانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت میں خواجہ صاحبؒ کا مرید ہوں جب تک حضرت حیات تھے اس وقت تک میں ان کی خدمت میں جاتا رہتا تھا، ایک مرتبہ میں باطنی قبض میں مبتلا ہو گیا تھا اور میری حالت اتنی غیر ہو گئی تھی کہ میں اپنی جان سے بھی بیزار ہو گیا تھا تو میں نے حضرت خواجہ صاحبؒ سے اپنا یہ حال بیان کیا اور توجہ کی درخواست کی تو حضرت نے میری طرف توجہ فرمائی اور الحمدللہ میرا باطنی قبض بسط میں تبدیل ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی یاد کا شوق و ذوق اور اُنس کی نعمت سے سرفراز فرمایا مگر اب حضرت خواجہ صاحبؒ انتقال فرما چکے ہیں اور انہوں نے اپنے تمام مریدین آپ کے حوالے کئے ہیں لہٰذا اسی حوالے سے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اور آپ سے میری درخواست ہے کہ آپ بھی

میری طرف توجہ فرمایئے اور اپنے دِل سے میرے دل میں کچھ اتار دیجئے۔

حضرت مجدّد الف ثانی رحمہ اللہ نے یہ سن کر فرمایا کہ بھائی میرے پاس تو سوائے اتباعِ سنت کے اور کچھ بھی نہیں ہے، کہتے ہیں جیسے ہی حضرت مجدّد الف ثانیؒ کی زبان سے اتباعِ سنت کے الفاظ نکلے تو وہ بزرگ یہ الفاظ سن کر بے خود ہوگئے اور یہ الفاظ سن کر جھومنے لگے اور ان کے ساتھ ساتھ سرہند کی زمین بھی جھومنے لگی، جب حضرت الف ثانی رحمہ اللہ نے ان کی یہ کیفیت دیکھی تو خادم سے فرمایا کہ طاقچے میں میری مسواک رکھی ہوئی ہے وہ لے کر آؤ، خادم وہ مسواک لے کر آیا تو حضرت نے اپنے دستِ مبارک سے جونہی اُس مسواک کو زمین سے لگایا فوراً زمین نے جھومنا اور حرکت کرنا بند کر دیا اور ساتھ ہی ان بزرگ کا جھومنا بھی موقوف ہوگیا اور ان کی جو کیفیت تھی وہ بھی ختم ہوگئی۔

اصل چیز اتباعِ سنت ہے

اس کے بعد حضرت نے جو بات ارشاد فرمائی وہ یاد رکھنے کے قابل ہے فرمایا کہ جناب! آپ کے جھومنے سے سرہند کی زمین جھومنے لگی اور مجھ پر اللہ تعالیٰ نے یہ انعام اور فضل فرمایا ہوا ہے کہ اگر ابھی میں ہاتھ اٹھا کر دعا کروں کہ اے پروردگارِ عالم! آپ سرہند کی زمین میں جتنے مردے دفن ہیں سب کو زندہ کر دیجئے تو سارے مردے اپنی قبروں سے کھڑے ہو جائیں گے لیکن یاد رکھو کہ میری دعا سے سرہند کے مردوں کا زندہ ہو جانا اور تمہاری وجہ سے سرہند کی زمین کا حرکت کرنا، ان دونوں کی حیثیت اتنی بھی نہیں کہ کوئی مسلمان وضو میں ایک مرتبہ سنت کے مطابق مسواک کرے یعنی جو مسلمان

ایک مرتبہ وضو کے اندر سنت کے مطابق مسواک کرے تو میرے نزدیک اس کا درجہ میری اس دعا سے جس سے سرہند کے مردے زندہ ہو جائیں اور اس کرامت سے جس سے سرہند کی زمین حرکت کرنے لگے، بڑھ کر ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں چیزیں کرامت کہلاتی ہیں اور یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ کرامت کسی بزرگ کے مقرّب ہونے کی علامت تو ہوسکتی ہے مگر اس کرامت کے ظاہر ہونے سے بندے کا کوئی درجہ اللہ تعالیٰ کے یہاں نہیں بڑھتا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کرامت یہ بندے کا فعل نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی نیک بندے کی نیکی بتانے کے لئے اس کی تائید میں اپنی قدرت سے اسے ظاہر فرماتے ہیں تو یہ براہِ راست اللہ تعالیٰ کا فعل ہوا، بندہ کا نہیں اور بارگاہِ خداوندی میں تقرب اپنے نیک اعمال سے ہوا کرتا ہے لہٰذا سنت کے مطابق مسواک کرنا یہ کرنیوالے کا عمل ہے جو مسنون ہے اور ہر مسنون عمل محبوب ہوتا ہے اور جو محبوب ہو وہ باعثِ قربِ الٰہی ہے۔

بہر حال! ان تمام احادیثِ طیبہ کا ہمارے لئے یہ پیغام ہے کہ ہم آج ہی سے یہ تہیہ کریں کہ بقیہ ساری زندگی سنت کے مطابق ہی گزارنے کی کوشش کریں گے۔ انشاء اللہ العزیز۔

سنت کے مطابق زندگی گزارنے کا طریقہ

سنت کے مطابق زندگی گزارنے کا طریقہ اگر معلوم ہو تو پھر سنت کے مطابق زندگی گزارنا آسان ہو جاتا ہے۔ تو اس طریقے کے لئے چند باتیں عرض کرتا ہوں۔

(۱) سب سے پہلی بات یہ ہے کہ آدمی شریعت پر عمل کرنے کی

نیت، ہمت اور عزم مصمم کرلے، جیسا کہ بخاری شریف کی سب سے پہلی حدیث "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَاتِ" سے ثابت ہے اور نیت کا مطلب پختہ ارادہ ہے قلبی نیت کے بغیر صرف لفظی نیت کافی نہیں، ایسی پکی نیت جس کے بعد عمل کا آغاز ہو۔

(۲) دوسرے سنتوں کا عمل کرنے کی نیت سے صحیح صحیح مطالعہ کرنا یعنی ایک ایک سنت کا مطالعہ کرتے جائیں اور اپنے عمل میں لاتے جائیں اس کیلئے عربی میں تو بے شمار احادیث کی کتب موجود ہیں اور ہمارے اکابر نے (اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے) اردو میں بھی بہت بڑا ذخیرۂ احادیث منتقل فرمادیا ہے۔ میرے والد ماجد حضرت مولانا عبدالحکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مشہور کتاب "عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ" ہے جو درحقیقت اتباعِ سنت کا نورانی قاعدہ ہے اور ایک رسالہ حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم کا ہے جس کا نام "پیارے رسول کی پیاری سنتیں" ہے، اس کے اندر بھی ۲۴ گھنٹے کی بہت اہم اہم سنتیں موجود ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ ان کتابوں کو اپنے سرہانے رکھ لیں اور سفر و حضر میں ان کے مطالعے کے بعد ان کو اپنے عمل میں لاتے جائیں۔ اگر مسنون و مستحب اعمال کا تفصیلاً مطالعہ کرنا

ہو تو اس کے لئے حضرت ڈاکٹر محمد عبد الحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم'' کا مطالعہ کریں جو بہت ہی نافع اور مفید کتاب ہے۔

(۳) تیسری چیز جو ان دونوں سے اہم اور بڑھ کر ہے وہ یہ کہ کسی متبعِ سنت، متبع شریعت اللہ والے بزرگ سے اپنا اصلاحی تعلق قائم کرلیں، یہ دراصل بنیادی چیز ہے کیونکہ نیت کو خالص کرنے کیلئے اور سنتوں کا مطالعہ کرنے کیلئے اور پھر مطالعہ کے بعد اپنے آپ کو ان پر عمل پیرا کرنے کے لئے دل کے اندر ایک کشش کی ضرورت ہوتی ہے جسے عشق و محبت کہتے ہیں اور جب تک اللہ تعالیٰ اور جناب نبی کریم ﷺ کی سچی محبت اور سچا عشق ہمارے اندر نہیں ہوگا تو بعض مرتبہ خالص نیت اور مطالعہ بھی کارآمد نہیں ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کتابیں پڑھنے سے نہیں آتی بلکہ اصل محبت تو کسی اہلِ محبت سے تعلق قائم کر کے اس سے آدابِ محبت سیکھنے اور اس کی صحبت و خدمت کرنے سے آتی ہے۔

اس لئے جس کو جس کسی اللہ والے متبعِ سنت بزرگ سے مناسبت اور محبت ہو اور جس کو جس سے زیادہ فائدہ ہوتا ہو تو ان کی صحبت کو اختیار

کرے اور اپنا ایک ایک حال اور کیفیت ان کو بتا بتا کر ان سے تعلیم اور مشورہ لیتا رہے اور اس کے مطابق عمل کرتے ہوئے اپنی ساری زندگی گزار دے، تو جب کسی اللہ والے کی صحبت میں بیٹھے گا اور طلبِ صادق لے کر ان کے پاس آتا جاتا رہے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ اس میں اتباعِ سنت کا سچا جذبہ پیدا ہو جائے گا۔ تو جناب! یہ تیسرا درجہ ایسا ہے کہ اس سے پہلی بات بھی زندہ اور کارآمد و نافع ہو جائے گی اور دوسری بات بھی ان شاء اللہ کارآمد اور نافع ہو جائے گی اور اللہ والوں کی خدمت وصحبت ہی کی برکت سے انشاء اللہ العزیز اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول جناب نبی کریم ﷺ کی محبت پیدا ہو جائے گی اور ان احادیثِ طیبہ سے جو پیغام یعنی اتباعِ سنت کا ہمیں ملا ہے ان شاء اللہ اس پر عمل کرنے کی منزل قریب آجائے گی اور اس پر عمل کی توفیق ہو جائے گی۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم سب کو اتباعِ سنت کی زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

☆☆☆☆☆

صدقۂ جاریہ
کی
فضیلت واہمیت

- علم دین
- نہر بنوانا
- کنواں کھدوانا
- درخت لگانا
- مسجد بنانا
- قرآنِ پاک
- نیک اولاد

حضرت اقدس مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی دامت برکاتہم العالیہ
نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ناشر
مکتبۃ الاسلام کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللّٰہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلامضل لہ و من یضللہ فلاھادی لہ و نشھد ان لاالٰہ الااللّٰہ وحدہ لاشریک لہ ۔

امّا بَعْدُ فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم ○ بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم ۔مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کَمَثَلِ حَبَّۃٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ کُلِّ سُنْبُلَۃٍ مِائَۃُ حَبَّۃٍ وَاللّٰہُ یُضَاعِفُ لِمَنْ یَّشَاءُ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۔(البقرۃ: ٢٦١)

میرے قابلِ احترام بزرگو!

اس آیت کریمہ میں جو ابھی میں نے تلاوت کی ہے اللہ رب العزت نے اپنے راستے میں مال خرچ کرنے اور صدقہ دینے کی فضیلت بیان فرمائی ہے، جس کی تفصیل ان شاء اللہ میں ابھی آپ کے سامنے عرض کروں گا۔

راہِ خدا میں مال خرچ کرنا

اس سے پہلے آپ یہ سمجھ لیں کہ دنیا فانی ہے اور آخرت باقی ہے اور

اس فانی دنیا سے ہمیں باقی کو لینا ہے یعنی اس دنیا میں رہ کر اپنی ہمیشہ ہمیشہ کی آخرت کی زندگی کو بنانا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے کاموں اور اس کی رضا کے کاموں میں لگنے اور ان کی فکر کرنے سے بنے گی، اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے اور خوش کرنے والے کاموں میں جہاں نماز، روزہ، حج وعمرہ، نوافل اور اذکار وغیرہ ہیں وہاں صدقہ بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے اور خوش کرنے کا ایک بہترین عمل ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ کے راستے میں صرف اس کی رضا کی خاطر اخلاص کے ساتھ اس کے دیئے ہوئے مال میں سے کچھ نہ کچھ خیر کے کاموں میں لگاتے رہنا چاہئے۔

صدقہ کی دو قسمیں

صدقہ کی دو قسمیں ہیں، ایک عام صدقہ، کہ صدقہ کرنے کے بعد صدقہ کرنے والے کو اس کا ثواب مل جاتا ہے لیکن اس کا ثواب ہمیشہ ہمیشہ جاری نہیں رہتا، مثلاً کوئی فقیر بھوکا تھا اس کو کھانا کھلانا صدقہ ہے اگر اس کو کھانا کھلایا اور اس نے کھانا کھایا اور اس کا پیٹ بھر گیا تو کھانا کھلانے والے کو اس کا ثواب مل گیا لیکن اس کا پیٹ بھرنے کے بعد کھانا کھلانے والے کو ہمیشہ اس کا ثواب نہیں ملے گا۔ اسی طرح کوئی بیمار ہے اس کو علاج ومعالجہ کیلئے پیسے دیدیئے، اس نے علاج کرالیا اور وہ ٹھیک ہوگیا تو پیسے دینے والے کو اس کا ثواب مل گیا، لیکن اس کا ثواب ہمیشہ جاری نہیں رہے گا، تو ایک صدقہ یہ ہوا، یہ بھی عبادت ہے، اس کا بڑا ثواب ہے، اس میں بھی حسبِ استطاعت حصہ لیتے رہنا چاہئے۔

صدقہ کرنے کا آسان طریقہ

اس کی آسان ترکیب یہ ہے کہ ہر شخص اپنی آمدنی کا کچھ حصہ اللہ کی راہ میں صدقہ کرنے کیلئے مخصوص کر لے، چاہے ایک فیصد ہو یعنی سو روپے پر ایک روپیہ، ایک ہزار روپے پر دس روپے اور دس ہزار پر سو روپے، اور اس قدر صدقہ وہ باقاعدگی سے ماہوار یا ہفتہ وار ادا کرتا رہے اور اتنا معمولی صدقہ ہر شخص بآسانی دے سکتا ہے لہٰذا نفلی صدقہ دینے کا کچھ نہ کچھ دائمی معمول بنانا چاہئے۔

صدقہ کرنے والے اور نہ کرنے والے کیلئے فرشتہ کی دعا

ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَامِنْ يَوْمٍ يُصْبِحُ الْعِبَادُ فِيْهِ اِلَّا مَلَكَانِ يَنْزِلَانِ فَيَقُوْلُ اَحَدُهُمَا اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُنْفِقاً خَلَفاً وَيَقُوْلُ الْاٰخِرُ اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُمْسِكاً تَلَفاً ۔(رواہ البخاری)

ترجمہ

ہر صبح جب دن چڑھتا ہے تو دو فرشتے (آسمان سے) اترتے ہیں، ان میں سے ایک فرشتہ یہ دعا کرتا ہے ''اے اللہ! جو آپ کے راستے میں خرچ کرے اس کا بدل عطا فرما'' اور دوسرا فرشتہ کہتا ہے ''اے اللہ! جو آپ کے راستے میں خرچ نہ کرے اسکے مال کو ہلاک فرما''۔ (بخاری)

اس سے اندازہ لگایئے کہ اللہ کی راہ میں صدقہ دینے سے مال بڑھتا ہے اور نہ دینے سے مال گھٹتا ہے، دیکھئے! صدقہ دینے کا دنیا میں کتنا بڑا فائدہ ہے اور نہ دینے کا کتنا بڑا نقصان ہے اور صدقہ دینے میں آخرت میں بھی فائدہ ہے اور نہ دینے میں نقصان ہے۔

ایک کھجور صدقہ کرنے کا اُحد پہاڑ کے برابر ثواب

آخرت میں اس کا فائدہ یہ ہے کہ کم از کم اس کا دس گنا ثواب ہوگا۔ مثلاً اگر کوئی شخص ایک روپیہ صدقہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ کم از کم اس کو اس کا دس گنا ثواب آخرت میں عطا فرمائیں گے، اور اگر اللہ تعالیٰ چاہیں تو اس کا ثواب اس سے بھی بڑھا چڑھا کر عطا فرما سکتے ہیں، چنانچہ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ تَمْرَةٍ مِنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ وَلَا يَقْبَلُ اللّٰهُ اِلَّا الطَّيِّبَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتَقَبَّلُهَا بِيَمِيْنِهٖ ثُمَّ يُرَبِّيْهَا لِصَاحِبِهَا كَمَا يُرَبِّيْ اَحَدُكُمْ فُلُوَّهٗ حَتّٰى تَكُوْنَ مِثْلَ الْجَبَلِ۔

وفی روایة مثل احد کذا فی البیهقی (مشکوٰة: ص ١٦٧ ج۔١)

ترجمہ

جو شخص (اپنی) حلال کمائی سے کھجور کے برابر صدقہ کرتا ہے اور (جان لو کہ) اللہ پاک صرف مالِ حلال ہی قبول کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے دائیں ہاتھ سے قبول کرتے ہیں اور پھر اس (صدقہ) کو صدقہ دینے والے

کیلئے اس طرح پالتے ہیں جیسا کہ کوئی شخص بچھڑا پالتا ہے یہاں تک کہ وہ (صدقہ یا اس کا ثواب) پہاڑ کی مانند ہوجاتا ہے۔ ''السنن الکبریٰ'' کی ایک روایت میں ہے ''یہاں تک کہ وہ صدقہ احد پہاڑ کے برابر ہوجاتا ہے''۔

کہاں ایک کھجور کا ٹکڑا اور کہاں احد پہاڑ (احد پہاڑ مدینہ کے پہاڑوں میں سب سے بڑا پہاڑ ہے)۔

اس سے اندازہ لگا لیجئے! کہ اللہ کی رضا کیلئے ایک کھجور کا ٹکڑا صدقہ کرنے کا اجر وثواب کتنا زیادہ ہے۔

امتِ محمدیہ کے لئے خصوصی انعام

ایک روایت میں بہت عجیب وغریب انداز سے اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے جس کے اندر یہ آیتِ کریمہ بھی ہے جو میں نے ابھی آپ کے سامنے تلاوت کی ہے۔

اس سے پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ پچھلی امتوں میں یہ ہوتا تھا کہ اگر ان کا کوئی شخص ایک نیکی کرتا تھا تو ایک ہی نیکی کا ثواب لکھا جاتا تھا ایک نیکی پر دس گنا ثواب ملنے کا دستور نہیں تھا اور اگر کوئی گناہ کرتا تو ایک گناہ بھی لکھا جاتا تھا۔

سرکارِ دوعالم ﷺ کے صدقے اور آپ کے طفیل اللہ پاک نے حضور ﷺ کی امت پر یہ احسان فرمایا کہ حضور ﷺ کا امتی کوئی نیک عمل یا کوئی نیک کام کرے چاہے وہ صدقہ ہو، نفلی صدقہ ہو یا صدقہ جاریہ ہو یا اور کوئی نیکی ہو، تلاوت، سخاوت، صلح رحمی، ہمدردی اور خیر خواہی وغیرہ ہو تو اس کا کم از کم دس

گناہ ثواب لکھا جائے گا اور ایک گناہ کرنے پر صرف ایک گناہ لکھا جائے گا۔ اور یہ بھی اس وقت لکھا جائے گا جب واقعۃً وہ گناہ کرلے، کرنے سے پہلے نہیں لکھا جائے گا، تو گناہ ایک لکھا جائے گا اور نیکی دس گنا لکھی جائے گی، اس میں ایک بہت ہی خاص اللہ تعالیٰ کی رحمت پوشیدہ ہے، وہ یہ کہ آخرت میں جب سب لوگ پہنچیں گے تو آخرت میں اعمال کی گنتی نہیں ہوگی بلکہ وزن ہوگا، چنانچہ دوسری امتوں کی طرح حضور ﷺ کی امت کا بھی حساب ہوگا، تو ان کا جب حساب ہوگا تو گناہ ایک ایک لکھا ہوگا، اور نیکیاں دس دس گنا لکھی ہوں گی اور جب ان کی نیکیاں تولی جائیں گی تو امید ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ ہر مؤمن کی نیکیاں زیادہ ہی نکلیں گی، تو اس میں اللہ پاک نے ایک خاص رحمت پوشیدہ کرکے حضور ﷺ کی امت کی بخشش کا زیادہ سے زیادہ سامان کردیا ہے جو پچھلی امتوں کو حاصل نہیں تھا۔

صدقہ کے اجر میں بتدریج اضافہ

جب سرکارِ دو عالم محمد رسول اللہ ﷺ پر یہ آیت نازل ہوئی:

"مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا"

(الانعام: آیت: ١٦١)

ترجمہ

جو شخص ایک نیکی بجالائے گا تو اس کو دس گنا اجر ملے گا۔

تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت خاص انعام ہوا جو اس سے پہلے کبھی کسی اور امت پر نہیں ہوا تو حضور پاک علیہ السلام نے یہ محسوس فرمایا کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں ہے اور کسی امت پر اللہ پاک نے اپنا

یہ کرم نہیں فرمایا جو میری امت پر فرمایا ہے اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہئے، لہٰذا آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ یا اللہ! آپ نے اپنے کرم اور اپنے فضل سے میری امت کی نیکی کو دس گنا بڑھا دیا ہے، یا اللہ! اس سے بھی زیادہ آپ بڑھانے پر قادر ہیں، یا اللہ! میری امت کے اجر وثواب میں اگر اور اضافہ فرمادیں تو بہتر ہے، آپ کے خزانہ رحمت میں کوئی کمی نہیں آئے گی اور میری امت کا بھلا ہو جائے گا، آپ ثواب اور بڑھا دیجئے، تو دوسری آیت نازل ہوئی یہ وہی آیت ہے جو میں نے تلاوت کی ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِىْ كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ۔

(البقرة: ٢٦١)

ترجمہ

جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں ان کے خرچ کئے ہوئے مالوں کی حالت (عند اللہ) ایسی ہے جیسے ایک دانہ کی حالت جس سے سات بالیں اگیں (اور) ہر بالی کے اندر سو دانے ہوں۔ اور افزونی خدا تعالیٰ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے ہیں۔

(بیان القرآن)

حضور ﷺ کی اس درخواست پر اللہ پاک نے دس گنا کو بڑھا کر

سات سو گنا کر دیا، تو نیکی ایک، ثواب سات سو گنا۔ نماز ایک، ثواب سات سو گنا اللہ پاک نے حضور ﷺ کی درخواست قبول فرمائی اور آپ کی امت کے ثواب کو دس گنا بڑھا کر سات سو گنا کر دیا، جو بھی نیکی کریں گے اگر ان کے اندر ایسا اخلاص ہوگا جس کی وجہ سے وہ سات سو گنا کا مستحق بن جائے تو سات سو گنا اس کو ثواب ہوگا، نیکی ایک اور ثواب سات سو گناہ۔

جب سات سو گنا اللہ پاک نے بڑھا دیا تو آپ ﷺ نے اپنی امت کے حق میں اللہ تعالیٰ سے مزید درخواست کی کہ اس سے بھی زیادہ میری امت کے ثواب کو بڑھا دیا جائے، چنانچہ تیسری آیت نازل ہوئی:

"مَنْ ذَاالَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضاً حَسَناً فَیُضَاعِفَہٗ لَہٗ اَضْعَافاً کَثِیْرَۃً"۔ (البقرۃ:۲٤٥)

ترجمہ

جو لوگ ہمارے راستے میں دیں گے ہم ان کو بڑھا چڑھا کر دیں گے۔

اس میں سات سو گنا کی قید اللہ پاک نے ختم فرمادی کہ سات سو گنا کی قید نہیں ہم اس کو بہت زیادہ بڑھا چڑھا کر اجر دیں گے۔

لیکن بہت بڑھانے کے بعد پھر بھی اس کے اندر حساب اور شمار والی بات باقی رہی۔ تو پھر آپ ﷺ نے درخواست کی کہ یا اللہ! اگر آپ چاہیں تو میری امت کے ثواب کو اس سے بھی زیادہ بڑھا سکتے ہیں تو اللہ پاک نے چوتھی آیت نازل فرمائی جس میں یہ ارشاد فرمایا:

"اِنَّمَا یُوَفَّی الصَّابِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ"

(الزمر:١٠)

ترجمہ

محض صبر کرنے والوں کو بدلہ دیا جائے گا ان کے اجر کا بے حساب۔

یعنی جو ہمارے راستے میں صبر سے کام لیں گے تو ان صبر کرنیوالوں کو ان کے اعمال کا بدلہ بغیر حساب کے دیا جائے گا، ان کے اجر و ثواب کا کوئی حساب و شمار نہ ہوگا، بے حساب اجر و ثواب ملے گا۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت دیکھو! ان کے کرم کا معاملہ دیکھو اور ہمارا کام بنتا دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے حضور ﷺ کے صدقہ اور آپ کے طفیل ہمارا کتنا بڑا کام بن گیا کہ اگر ہم اللہ کے واسطے، اللہ کی رضا کے واسطے اس کے راستے میں اگر کچھ مال خرچ کریں گے تو انشاء اللہ تعالیٰ بے حساب بھی اجر و ثواب مل سکتا ہے۔

قبولیت صدقہ کی شرائط

لیکن اس کے لئے دو کام کرنے ہونگے۔

(۱) ایک مال حلال ہو

(۲) دوسرے نیت خالص ہو۔

اس میں دکھاوے کی نیت نہ ہو، نمائش کی، تعریف چاہنے کی، لوگوں کے اچھا کہنے کی، واہ واہ کرنے کی، نام روشن ہونے کی نیت نہ ہو بلکہ اس کا شائبہ بھی نہ ہو، صرف اور صرف دل کے اندر یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ راضی ہوں اور اس کے بدلہ وہ میری آخرت بنا دیں اس کے سوا کچھ نیت نہ ہو۔

تو انشاء اللہ آخرت میں بھی بے حساب اجر ملے گا اور دنیا میں بھی اس کے مال میں خوب خیر و برکت ہوگی۔ جو چاہے تجربہ کر کے دیکھ لے نیز فرشتے کی دعا جو اوپر گزری ہے، روزانہ وہ بھی اس کو لگے گی، اسی طرح اللہ کے واسطے جو اللہ کے راستے میں حلال مال دیتا رہے گا فرشتے کی دعا اس کو لگتی رہے گی اور فرشتے کی دعا قبول ہوتی ہے بہرحال مال کے صدقہ کا عظیم فائدہ ہوا۔ اس کے علاوہ جو تکالیف، بلائیں اور پریشانیاں ہیں وہ بھی اس مالی صدقہ کی برکت سے دور ہوتی رہتی ہیں تاہم یہ پہلا صدقہ ہے جو نفلی صدقہ کہلاتا ہے اور یہ نفلی صدقہ بھی بہت بڑی نعمت ہے اور بہت بڑی عبادت ہے اس کا بھی اہتمام کرتے رہنا چاہئے، اس کی بھی ضرورت ہے۔

صدقہ جاریہ

ددوسرا ایک اور صدقہ ہے جو صدقہ جاریہ کہلاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کوئی تادیر قائم رہنے والی خیر اور دیر تک فائدہ پہنچانے والی چیز دوسروں کیلئے مقرر کردی جائے تو اس کو صدقۂ جاریہ کہتے ہیں، جب اس کو قائم کرلیا جائے تو قائم کرنیوالے کے لئے اس کا ثواب جاری ہو جاتا ہے، چنانچہ اس بنانیوالے کی زندگی میں بھی اس کا ثواب اس کے نامہ اعمال میں درج ہوتا رہتا ہے اور جب وہ دنیا سے چلا جاتا ہے، اس کا انتقال ہوجاتا ہے اور قبر میں پہنچ جاتا ہے تو قبر میں بھی اس کا ثواب اس کو پہنچتا رہتا ہے۔ کیونکہ عام طور پر صدقہ جاریہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ہوتا ہے اور ہمیشہ اس کو اس کا ثواب ملتا رہتا ہے۔ کرنیوالا تو دنیا سے چلا گیا لیکن کام ایسا کر گیا کہ اب اس کے مرنے کے بعد بھی وہ جاری ہے تو اس کو ثواب برابر ملتا رہے گا، ایسے صدقہ کو صدقۂ

جاریہ کہتے ہیں۔

صدقۂ جاریہ کا فائدہ

یہ صدقہ بہت زیادہ قیمتی اور بہت ہی زیادہ اہم ہے اس کو ہم سب بھی کر سکتے ہیں اور ہمارے لئے اس میں حصہ لینا بے حد آسان ہے، اس میں دو باتیں یادرکھنی ضروری ہیں، ایک تو اخلاص ہو، دوسرا اگر وہ مال ہے تو وہ حلال ہو ان دونوں باتوں کے بعد صدقۂ جاریہ میں شرکت آسان اور فائدہ اتنا زبردست کہ دنیا میں بھی اس کے ثواب سے مالا مال ہو اور جب خود عمل کرنے سے عاجز ہو جائے مرنے کی وجہ سے تو دنیا سے جانے کے بعد بھی اس کو برابر ثواب ملتا رہے، اس سے بڑھ کر کیا فائدہ ہوگا؟

صدقۂ جاریہ کی سات صورتیں

حدیث شریف میں اس کی سات مثالیں بیان کی گئیں ہیں، چنانچہ ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

سَبْعَةٌ يَجْرِىْ لِلْعَبْدِ اُجُوْرُهُنَّ وَهُوَ فِىْ قَبْرِهٖ بَعْدَ مَوْتِهٖ مَنْ عَلَّمَ عِلْمًا اَوْ كَرىٰ نَهْرًا اَوْ حَفَرَ بِئْرًا اَوْ غَرَسَ نَخْلًا اَوْ بَنىٰ مَسْجِدًا اَوْ وَرَّثَ مُصْحَفًا اَوْ تَرَكَ وَلَدًا يَسْتَغْفِرُ لَهٗ بَعْدَ موتِهٖ۔

(رواه البیهقی فی "شعب الایمان ص۲٤۸ ج۔۳ رقم الحدیث ۳٤٤۹)

ترجمہ

سات آدمی ایسے ہیں جنہیں ان (کے صدقات واعمال) کا اجر موت کے بعد ان کی قبر میں دیا جاتا ہے (اور وہ یہ ہیں)

(۱) جو شخص علم سکھائے
(۲) یا نہر بنادے
(۳) یا کنواں کھود دے
(۴) یا درخت لگادے
(۵) یا مسجد بنادے
(٦) یا قرآن پاک ترکہ میں چھوڑ دے
(۷) یا ایسا لڑکا چھوڑ جائے جو اس کی موت کے بعد اس کے لئے استغفار کرتا رہے۔

یہ سات آدمی ایسے ہیں کہ جب وہ دنیا سے چلے جائیں گے اور اپنی اپنی قبروں میں پہنچ جائیں گے تب بھی ان کے کئے ہوئے صدقۂ جاریہ کا ثواب برابر ان کے لئے جاری رہتا ہے۔

علم پڑھنا اور پڑھانا

اس حدیث شریف میں سب سے پہلی مثال یہ بیان فرمائی کہ:

مَنْ عَلَّمَ عِلْماً

جو شخص علم سکھائے۔

یعنی ایک صدقۂ جاریہ یہ ہے کہ کسی شخص نے اپنی دنیا کی زندگی میں

اللہ تعالیٰ کی رضا کے واسطے کسی کو دین کا علم سکھا دیا ہو۔

دین کا علم سکھانے میں نورانی قاعدہ سے لے کر بخاری شریف پڑھانا، قاضی اور مفتی بنانا، حافظ وقاری بنانا اور قرآن شریف پڑھانا سب آگئے بلکہ جتنے بھی علوم شرعیہ ہیں سب کا پڑھنا پڑھانا اس میں آگئے، قرآنِ کریم کے مکتب سے لے کر بڑی سے بڑی جامعات بھی آگئیں۔ بہرحال مدارسِ دینیہ علمِ دین پڑھنے اور پڑھانے کے مرکز ہیں۔ ان میں جو علمِ دین پڑھا اور پڑھایا جاتا ہے یہ سب صدقۂ جاریہ ہے، مدارس جو علمِ دین کا مرکز ہیں وہ خود بھی صدقہ جاریہ ہیں۔

اشاعتِ دین کا مقام

علمِ دین ایک بہت بڑی عبادت ہے، چنانچہ جتنی بھی نفلی عبادتیں ہیں ان میں سب سے زیادہ ثواب اس کا ہے یہاں تک کہ جہاد سے بھی، یہاں تک کہ تبلیغ سے بھی، تبلیغ اور جہاد سے بھی زیادہ فضیلت علمِ دین کی ہے، اس لئے تمام نفلی عبادات میں سب سے زیادہ باعثِ اجر وثواب جو عمل ہے وہ دین کا علم سیکھنا اور سکھانا ہے۔ اس لئے بلاشبہ یہ اہم صدقۂ جاریہ ہے۔

ختم نہ ہونے والا صدقۂ جاریہ

کسی شخص نے کسی دوسرے شخص کو نورانی قاعدہ پڑھا دیا، کسی کو قرآن شریف با تجوید پڑھا دیا، کسی کو علومِ شرعیہ پڑھا کر قرآن شریف کے معنیٰ اور مطلب سے آگاہ کردیا، کسی کو مزید علومِ شرعیہ پڑھا کر باقاعدہ عالم اور عالمہ بنادیا، اس نے آگے بڑھ کر کسی اور کو مفتی بنادیا، اس کے بعد پڑھانیوالا دنیا سے چلا گیا، اب جتنا اس نے زندگی میں دین پڑھایا تھا اس

کے بعد اس کے شاگرد پڑھا رہے ہیں اور اس کو برابر ثواب مل رہا ہے، اگر اس کے شاگردوں نے، طلبہ نے، طالبات نے، بنین نے، بنات نے، اپنے اساتذہ سے سیکھ کر، اپنی معلّمات سے سیکھ کر دوسروں کو سکھا دیا اور دوسروں کو پڑھا دیا اور دوسروں تک پہنچایا، جس کو پہنچا پھر انہوں نے آگے پڑھانا شروع کردیا تو بس یہ ایک ختم نہ ہونے والا سلسلہ ہوگا جو انشاء اللہ قیامت تک چلتا رہے گا، سب سے پہلے جس نے پڑھایا تھا اس کو اپنے پڑھانے کا ثواب اپنی قبر میں ملے گا اور جب مزید واسطہ در واسطہ یہ سلسلہ چلے گا تو اس کا ثواب الگ ہوگا، اب اس سے اندازہ لگائیے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے زمانہ سے لے کر ہم تک تقریباً چودہ سو سال ہوگئے ہیں اور پندرہویں صدی چل رہی ہے تو حضور ﷺ سے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے سیکھا، صحابہؓ سے تابعینؒ نے سیکھا، تابعینؒ سے تبع تابعینؒ نے سیکھا اور آج تک ایک دوسرے سے علمِ دین سیکھتے سکھاتے چلے آرہے ہیں اور آج چودہ سو (۱۴۰۰) سال کے بعد اس پندرہویں صدی میں یہ تمام علومِ شرعیہ ہم تک پہنچ گئے ہیں اور ہمارے مدرسوں میں ان کو پڑھا پڑھایا جارہا ہے جتنے ہم سے پہلے گزرے ہیں بعد والے ان کے لئے صدقۂ جاریہ ہیں، ان کی علمی محنتیں، تعلیمی اور تصنیفی کاوشیں سب صدقۂ جاریہ ہیں، اب جو بھی بندے اور بندیاں ان کی تصنیفوں اور علوم کو پڑھنے پڑھانے میں لگے ہوئے ہیں ان سب کا ان کو برابر ثواب ملتا رہے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

تعلیم وتعلّم سونے کی زنجیر ہے

علم پڑھنے پڑھانے کی مثال سونے کی زنجیر کی سی ہے، اب اس سونے کی زنجیر میں جو بھی جڑ جائے گا تو وہ بھی اس چین میں چل پڑے گا۔

اس کا ایک سرا سرکارِ دو عالم ﷺ کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا سرا آخرت سے جڑا ہوا ہے جو بھی اس سے ہمکنار ہو جائے گا اور اس زنجیر سے جڑ جائے گا بس وہ بھی سونا بن جائے گا، لہٰذا اگر ایک استاذ نے اپنی زندگی میں ایک ہزار طلبہ اور طالبات کو دین کا علم سکھایا، اس کے مرنے کے بعد ایک ہزار طلبہ اور طالبات جو ساری زندگی اس علم کو پڑھیں گے، پڑھائیں گے، سیکھیں گے، سکھائیں گے، عمل کریں گے، عمل کرائیں گے، تبلیغ کریں گے، اشاعت کریں گے، جتنے بھی وہ نیک کام کریں گے اس علم کو حاصل کرنیکی وجہ سے ان تمام اعمال صالحہ کا ثواب استاذ کو ہوگا۔

دینی مدارس آخرت بنانے کی فیکٹریاں ہیں

اس لئے یہ مدرسے، جامعات اور مکاتب قرآنیہ اس لحاظ سے آخرت میں اجر وثواب کمانے کا بہت ہی بڑا ذریعہ ہیں اور یوں کہنا چاہئے کہ یہ آخرت کے کارخانے ہیں، یہ فیکٹریاں ہیں، جس نے یہاں کوئی مشین لگا دی مثلاً ایک مشین تو استاذ ہے، طلبہ وطالبات ہیں اور دوسرے یہ عمارت خواہ وہ دنیا میں رہے یا نہ رہے اس کی یہ مشین چلتی رہے گی اس سے جتنے لوگ پڑھتے رہیں گے، پڑھاتے رہیں گے اس کا ثواب ملتا رہے گا اور اس کو اجر وثواب کے پارسل ملتے رہیں گے بہرحال یہ علم بھی صدقۂ جاریہ ہے اور اس میں پڑھنا اور پڑھانا بھی صدقۂ جاریہ ہے، لیکن ہر آدمی پڑھا نہیں سکتا کیونکہ علمِ دین پڑھانے کا کام ہی ایسا ہے کہ آدمی جب کم از کم قرآن شریف پڑھا ہوا ہو تو وہ آگے پڑھا سکتا ہے، اس کے بغیر پڑھانا مشکل ہے، اس لئے علمِ دین عالم ہی پڑھا سکتا ہے، عام آدمی کیسے پڑھا سکتا ہے؟ نہیں پڑھا سکتا۔

عوام کے لئے صدقۂ جاریہ کی مختلف صورتیں

ایسے لوگ جو خود پڑھا نہیں سکتے ان کے لئے بھی راستہ ہے، وہ راستہ یہ ہے کہ وہ نورانی قاعدے، قرآن مجید، تفسیر کی کتابیں، حدیث کی کتابیں، فقہ کی کتابیں اور شریعت کی کتابیں فراہم کریں اور مدارس میں وقف کریں، ان کے لئے یہ مستقل صدقۂ جاریہ ہے، اب اس کی کتابوں سے طلبہ پڑھ رہے ہیں، اساتذہ پڑھا رہے ہیں اور جب تک وہ کتابیں رہیں گی اوران سے پڑھنا پڑھانا جاری رہے گا اور ان سے پڑھ پڑھ کر عالم بنیں گے، حافظ بنیں گے، قاری بنیں گے تو کتاب دینے والے کو سب کا ثواب ملے گا، کتاب چھپوانا تو ہمارے اختیار میں ہے، اگر نہیں چھپوا سکتے تو قیمۃً خرید کر مدرسہ میں وقف کردیں، گوکہ جس طرح ہم خود عالم نہیں بن سکے مگر ان کتابوں سے عالم بننے کا ثواب تو حاصل کر سکتے ہیں۔

چہل حدیث کی خاص فضیلت

حدیث میں ہے:

سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَا حَدُّ الْعِلْمِ اِذَا بَلَغَہٗ الرَّجُلُ كَانَ فَقِيْهاً؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: "مَنْ حَفِظَ عَلٰى اُمَّتِىْ اَرْبَعِيْنَ حَدِيْثاً فِىْ اَمْرِ دِيْنِهَا بَعَثَہُ اللّٰہُ فَقِيْهاً وَكُنْتُ لَہٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ شَافِعاً وَشَهِيْدًا۔

(مشکوٰۃ کتاب العلم ص۳٦ ج۔۱)

ترجمہ

رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ علم کی وہ حد کیا ہے جب آدمی وہاں تک پہنچ جائے تو وہ فقیہ ہو جائے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص میری امت پر (شفقت کرتے ہوئے) دین کے معاملہ میں چالیس حدیثیں یاد کرلے اللہ پاک اس کو (قیامت کے دن) فقیہ بنا کر اٹھائیں گے اور میں اس کے لئے روزِ قیامت شفاعت کروں گا اور اس کے لئے گواہی دوں گا۔

لہٰذا اگر عالم بننے کی فضیلت حاصل کرنی ہے تو چالیس حدیثیں یاد کرلیں۔ چالیس حدیثیں جو شخص یاد کرلے گا قیامت میں وہ عالموں کی صف میں ہوگا۔ اگر زبانی یاد کرنا مشکل ہو تو پھر چھپوا کر تقسیم کردیں۔ بہرحال جس نے چالیس حدیثیں حضور ﷺ کی امت کے فائدے کی حضور ﷺ کی امت تک پہنچادیں وہ بھی عالموں کی صف میں کھڑا ہوگا، عالم کہاں اور کہاں چالیس حدیثیں؟ اور چالیس حدیثیں کتابوں کی شکل میں بھی چھپی ہوئی ہیں انہیں خرید کر تقسیم کردیں اور ایسی چھوٹی چھوٹی چہل احادیث بھی ہیں کہ ایک ہی صفحہ میں چالیس حدیثیں ہیں اور ایسی چالیس احادیث چالیس دن میں آدمی زبانی یاد کرسکتا ہے، بہرحال علم ایک عظیم صدقۂ جاریہ ہے۔

مدارس کی قدر کریں

اس لئے مدرسوں کی جہاں پر قرآن شریف کی تعلیم ہوتی ہو، دینی

علوم کی تعلیم ہوتی ہو قدر کرنی چاہئے اور قدر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم یہ سوچیں کہ یہ بھی ہماری آخرت بنانے کا ذریعہ ہیں، ہماری جتنی حیثیت ہو اور جتنی اس میں حصہ لینے کی طاقت ہو حلال مال سے، خلوص کے ساتھ اس میں حصہ لینا چاہئے، نہ کسی کو بتائیں نہ کسی کے سامنے تذکرہ کریں اور اگر کوئی تذکرہ کرے تو اس کو بھی پسند نہ کریں، دل میں سوچیں کہ میں نے یہ دنیا کو دکھانے کیلئے نہیں دیا ہے بہرحال اس حدیث شریف میں جتنے بھی صدقے ذکر کئے گئے ہیں ان میں علم دین کا صدقہ سب سے بڑھ کر ہے اس سے بڑھ کر کوئی اور صدقۂ جاریہ نہیں۔

نہر بنوانا بھی صدقۂ جاریہ ہے

دوسری مثال حدیث شریف میں یہ فرمائی گئی کہ:

اَوْ کَرٰی نَهْرًا

یا اس نے نہر بنادی

پانی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے

پانی انسان کی بنیادی ضرورت ہے، جہاں پانی نہیں ہوتا وہاں لوگ کتنی تکلیف سے زندگی گزارتے ہیں اور کتنے میلوں سے پانی لے کر آتے ہیں اور جس علاقہ سے نہر گزرتی ہو وہاں راحت کی کوئی انتہا نہیں کہ ہر وقت پانی موجود ہے، ٹھنڈا میٹھا پانی موجود ہے جس کے لانے میں کوئی تکلیف نہیں، کپڑے دھونے میں کوئی تکلیف نہیں، برتن دھونے میں کوئی تکلیف نہیں، گھر کے اندر پانی استعمال کرنے میں کوئی تکلیف نہیں۔ بہرحال یہ بھی صدقۂ

جاریہ ہے۔

نہرِ زبیدہ

اس پر مجھے ہارون الرشید کی بیوی زبیدہ کی نہر کا قصہ یاد آیا۔ جو میں سنانا چاہتا ہوں، یہ بہت سبق آموز واقعہ ہے۔ نہرِ زبیدہ بنوانے سے پہلے زبیدہ نے ایک خواب دیکھا جو ظاہراً اچھا نہ تھا۔ جبکہ ہارون الرشید کی بیوی زبیدہ بڑی عابدہ، زاہدہ، بڑی نیک اور اللہ والی خاتون تھی اس نے دیکھا کہ میں ایک چوراہے پر ہوں اور جو شخص آرہا ہے مجھ سے بدکاری کر کے جارہا ہے، ایک عابدہ، زاہدہ خاتون کو ایسا خواب نظر آنا اس کے لئے بہت ہی تکلیف دہ ہوتا ہے، اس نے جب یہ خواب دیکھا تو پریشان ہوئی اور اپنی خادمہ کو کہا کہ تم یہ خواب اپنی طرف منسوب کر کے علامہ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے جا کر تعبیر پوچھو کہ اس خواب کی کیا تعبیر ہے؟ میرا نام نہ بتانا، اپنا اس نے نام بتانے سے اس لئے منع کیا کہ اس نے سوچا بظاہر اس قسم کے خواب کی تعبیر بہت ہی خراب ہوگی جو میرے لئے رسوائی کا باعث ہوگی۔ لہٰذا اس کے کہنے کے مطابق خادمہ نے علامہ ابن سیرینؒ سے جا کر کہا کہ حضرت! میں نے اس قسم کا خواب دیکھا ہے اس کی کیا تعبیر ہے؟ علامہ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے جب خواب سنا تو کہا "یہ تیرا خواب نہیں ہے" "یہ تیرا خواب نہیں ہوسکتا، ایسا خواب تو ہر کس و ناکس نہیں دیکھ سکتا، یہ تو کسی خوش نصیب شخص کا خواب ہے، یہ تو بہت اہم خواب ہے، سچ سچ بتا کس کا خواب ہے؟ خادمہ نے کہا حضرت! جس کا یہ خواب ہے اس نے نام بتانے سے منع کیا ہے، علامہ ابن سیرینؒ نے فرمایا کہ جا کر اس سے اجازت لے کر آ، ورنہ میں خواب کی

تعبیر نہیں بتاؤں گا، خادمہ زبیدہ کے پاس واپس آئی اور کہا کہ حضرت نے فرمایا ہے کہ یہ تیرا خواب نہیں ہے، جس کا خواب ہے اس کا نام بتاؤ تب تعبیر بتاؤں گا، حضرت سمجھ گئے ہیں کہ یہ میرا خواب نہیں ہے کسی اور کا خواب ہے، زبیدہ نے خادمہ سے کہا اچھا جا کر میرا نام بتادو کہ زبیدہ نے یہ خواب دیکھا ہے، خادمہ نے جا کر عرض کیا حضرت! زبیدہ نے یہ خواب دیکھا ہے، علامہ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اسی لئے میں نے کہا تھا کہ یہ تیرا خواب نہیں ہے، ایسا خواب ہر کس و ناکس دیکھ ہی نہیں سکتا یہ تو کسی خوش قسمت ہی کا خواب ہوسکتا ہے، پھر علامہ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے تعبیر دی کہ اللہ تعالیٰ ملکہ کے ہاتھ سے ایسا صدقۂ جاریہ قائم فرمائیں گے جس سے رہتی دنیا تک لوگوں کو فائدہ پہنچے گا۔ اب ظاہراً خواب کیسا؟ اور اس کی تعبیر کیسی اعلیٰ؟ اس نے زبیدہ سے جا کر ذکر کیا، زبیدہ نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اللہ کا شکر ہے کہ تعبیر ایسی اچھی ملی، حالانکہ خواب تو بظاہر بڑا خراب تھا۔

پھر چند سالوں کے بعد ہارون الرشید نے حج کا ارادہ کیا ملکہ زبیدہ بھی ساتھ گئیں، تقریباً یہ آج سے بارہ سو سال پہلے کی بات ہے، ہارون الرشید کے زمانہ میں مکہ مکرمہ میں پانی کی بے حد تنگی تھی، حاجیوں کو بہت تکلیف ہوتی تھی، جب ہارون الرشید وہاں پہنچے تو وہاں کے لوگوں کی ہارون الرشید سے پانی کا انتظام کرنے کے لئے خود تو کہنے کی ہمت نہیں ہوئی البتہ انہوں نے ملکۂ زبیدہ سے درخواست کی کیونکہ وہ بہت نرم دل تھی کہ مکہ مکرمہ میں پانی کی بہت تکلیف ہے، اگر آپ مناسب سمجھیں تو وہاں پانی آسانی ملنے کا انتظام کردیں، ملکۂ زبیدہ کی سمجھ میں یہ بات آئی کہ یہ تو بہت اہم جگہ ہے،

یہاں دوسرے ملکوں سے بھی لوگ آتے ہیں، ان کو پانی کی بہت تکلیف ہوتی ہے، یہ تکلیف تو ان کی دور ہونی چاہئے ملکۂ زبیدہ نے ہارون الرشید سے اس کی اجازت چاہی جو اس کو مل گئی اس وقت اسلام دنیا میں اپنے شباب پر تھا اور افسوس کہ آج زوال پذیر ہے اور اس وقت کافر طاقتیں مسلمانوں کے زیرِ نگیں تھیں، مسلمان دنیا کے اندر غالب تھے اور ان کا ڈنکا بجا ہوا تھا، اس وقت ہرفن کے بڑے بڑے ماہرین مسلمانوں کے اندر موجود تھے۔

ملکۂ زبیدہ نے پوری سلطنت کے اندر اعلان کرادیا کہ جہاں جہاں اس کے کوئی ماہر انجینئر ہیں وہ مکہ مکرمہ آجائیں، اعلان ہوتے ہی تمام بڑے بڑے شہروں سے ماہرین جمع ہوگئے اور ایک بہت بڑی جماعت ماہرین کی وہاں حاضر ہوگئی، ان سے ملکۂ زبیدہ نے کہا: مجھے مکہ مکرمہ کے کونے کونے اور گلی گلی میں پانی چاہئے، کیسے آئے گا؟ کہاں سے آئے گا؟ یہ کام تمہارا ہے سوچو! سب مل کر منصوبہ بناؤ! مجھے بہر حال یہاں پانی چاہئے۔

سارے کے سارے انجینئر سر جوڑ کر بیٹھ گئے، سب نے مشورہ کیا اور بیٹھ کر ایک نقشہ بنایا اور مکہ مکرمہ کے چاروں طرف نہرِ زبیدہ کا جال بچھادیا، کہیں بھی کوئی چشمہ کسی پہاڑی کے اندر تھا جس سے ایک قطرہ ٹپکتا تھا اس کو بھی لے لیا، جو نالی کی شکل میں بہتا تھا اس کو بھی لے لیا، اس طریقے سے جہاں جہاں جتنے بھی چشمے تھے سب کو نہر کی شکل میں لے لیا۔

نہرِ زبیدہ کی لمبائی چوڑائی

تقریباً چودہ میل لمبی یہ نہر بنائی جس میں جگہ جگہ ٹینک بنائے کہ پانی آتا رہے اور ٹینک میں جمع ہوتا رہے اور پانی کہیں ختم نہ ہو اور جگہ جگہ ڈھکن

والے پانی کے ذخیرے بنائے تاکہ کہیں بھی شہر کے باہر ہوں تو ڈھکن اٹھا کر ان ذخیروں سے پانی حاصل کیا جا سکے، اگر کھلا ہوا ذخیرہ ہے تو وہاں سے پانی لے لیں، بند حصہ ہے تو ڈھکن اٹھا کر پانی لے لیں، اس طرح انہوں نے مکہ مکرمہ کے اندر یہ نہرِ زبیدہ پہنچادی، اور مکہ مکرمہ میں پانی کی قلت دور ہوگئی اور عرصۂ دراز تک اہلِ مکہ اس کے پانی سے استفادہ کرتے رہے لیکن اب یہ بند ہو چکی ہے اس کے کچھ آثار مکہ مکرمہ میں اور مکہ مکرمہ کے باہر خصوصاً میدانِ عرفات میں باقی ہیں۔ تاہم ہارون الرشید کے زمانے میں کڑوڑوں درا ہم اس کے تیار ہونے پر خرچ ہوئے جو آج کے حساب سے اربوں روپے بنتے ہیں، اس طرح دنیا بھر کے حاجی مکہ مکرمہ میں نہرِ زبیدہ سے عرصہ تک نفع اٹھاتے رہے۔

جب نہرِ زبیدہ تیار ہوگئی تو وہ انجینئر جو اس پورے منصوبے کا ذمہ دار تھا اس نے حساب و کتاب کی فائل تیار کر کے بغداد حاضری دی اور محل میں پہنچا اس وقت ملکۂ زبیدہ دریائے دجلہ کے کنارے تفریح کر رہی تھی، اس وقت اس نے اطلاع دی کہ مکہ مکرمہ کی نہرِ زبیدہ کی تیاری کا حساب لے کر انجینئر حاضر ہوا ہے زبیدہ نے اسی وقت انجینئر کو طلب کر لیا، انجینئر نے فائل پیش کی اور عرض کیا کہ ملکہ صاحبہ یہ نہر زبیدہ کے منصوبے کی تکمیل کے حساب و کتاب کا فائل ہے۔ آپ نے جو حکم دیا تھا وہ میں نے پورا کر دیا، آپ اس کو دیکھ سکتی ہیں اور مکہ مکرّمہ کی گلی گلی اور کوچے کوچے میں پانی کا انتظام کر دیا گیا ہے، اب مکہ مکرّمہ کے رہنے والوں اور حج وعمرہ کرنے کے لئے آنیوالوں کو ان شاء اللہ کسی قسم کی پانی کی کوئی تکلیف نہ ہوگی، اب یہ حساب آپ کے

سامنے ہے، آپ حساب لے لیجئے اور مجھے اجازت دیجئے، زبیدہ نے اس کا فائل لیا اس پر دستخط کئے اور اس کو درمیان سے چاک کر کے دریائے دجلہ میں ڈال دیا اور کہا:

تَرَکْنَاالْحِسَابَ لِیَوْمِ الْحِسَابِ

ترجمہ

ہم نے آخرت کے حساب کی وجہ سے اس کا حساب چھوڑ دیا اور کہا اگر ہماری طرف کچھ نکلتا ہے تو لے لو اور اگر ہمارا تمہاری طرف کچھ نکلتا ہے تو ہم نے معاف کیا۔

چودہ سو سال سے یہ نہر چل رہی ہے، اب اگرچہ شہر کے اندر اس کے آثار مٹ گئے ہیں، شہر کے باہر اس کے کافی نشانات موجود ہیں اور میدانِ عرفات میں خاص طور سے اس کے کافی آثار موجود ہیں، پندرہ سال پہلے تو میں نے خود اس کے نلکے مکہ مکرمہ میں دیکھے تھے، اس کا پانی لے کر پیا بھی تھا لیکن آٹھ دس سال کے بعد اب وہاں سعودی حکومت نے پانی کا اتنا زبردست انتظام کر دیا ہے کہ سمندر کو میٹھا کر دیا ہے، پہلے میرا خیال یہ تھا کہ اب یہ نہر ختم ہوگئی ہے جیسا کہ شروع میں عرض کیا لیکن ایک قابلِ اعتماد دوست نے بتایا کہ اب بھی نہرِ زبیدہ جاری ہے۔ لیکن اب حکومت نے اس کو زمزم کے کنویں میں ملا دیا ہے۔ واللہ اعلم

نہرِ زبیدہ عظیم صدقۂ جاریہ ہے

بارہ سو سال سے تقریباً عام مسلمان اس سے فائدہ اٹھاتے آرہے

ہیں اس کا ثواب انشاء اللہ زبیدہ کو بھی ملے گا اور اگر یہ بات درست ہے کہ اب اس کو زمزم کے کنویں میں ملا دیا ہے تو زمزم چونکہ ساری دنیا میں جارہا ہے، اس لئے یہ اس کے ثواب میں مزید اضافہ کا باعث بنتا رہے گا۔ بہرحال یہ نہرِ زبیدہ جو ایک صدقۂ جاریہ ہے، جتنے لوگ اس کو پیئں گے، جتنے آدمی اس سے غسل کریں گے، کپڑے پاک کریں گے، مسجدیں صاف ہوں گی اس کا اجر وثواب اس کو بھی انشاء اللہ تعالیٰ ملتا رہے گا۔

کنواں بنوانا

حدیث شریف میں تیسری مثال یہ دی کہ:

اَوْ حَفَرَ بِئْرًا

یا کنواں کھودا

یعنی کسی نے کہیں کنواں بنوادیا، اب کنواں ایسا صدقۂ جاریہ ہے کہ ہم میں سے ہر آدمی اس میں حصہ لے سکتا ہے نہر بنوانا تو ہمارے لئے مشکل ہے اور بنتی ہوئی نہر میں حصہ لینا ذرا مشکل ہے، لیکن اتنا تو ہم کر سکتے ہیں کہیں مسجد ہو، مدرسہ ہو، محلّہ ہو، گاؤں ہو، دیہات ہو اور وہاں پانی کی تکلیف ہو، کنواں کھدوانے کی ضرورت ہو، ٹیوب ویل لگانے کی ضرورت ہو، بورنگ کی ضرورت ہو اس میں حصہ لے لیں اور ہر جگہ حصہ لے سکتے ہیں، اس کی شہر میں بھی ضرورت ہے، دیہات میں بھی ضرورت ہے، جنگلوں میں بھی ضرورت ہے، سب جگہ اس کی ضرورت ہوتی ہے بہرحال یہ بھی صدقۂ جاریہ ہے، اس میں ضرور حصہ لیں، اس کے ذریعے جانور پانی پیئں گے، انسان کھانا پکائیں گے، کپڑے دھوئیں گے، غرض جو کچھ بھی اپنی ضرورت پوری کریں

گے سب کا ثواب ملتا رہے گا، جب تک وہ پانی جاری رہے گا اس وقت تک انشاء اللہ صدقۂ جاریہ قائم اور اس کا ثواب ملتا رہے گا، اس لئے جہاں کہیں بھی ایسا موقع ہو وہاں ہمت کر کے کچھ پیسے شامل کر لینے چاہئیں تاکہ ہمارا حصہ بھی اس میں لگ جائے اور ہم رہیں یا نہ رہیں جتنے بھی نیک کام اس پانی سے انجام پائیں ان میں ہمارا حصہ ہو۔

درخت لگانا بھی صدقۂ جاریہ ہے

صدقہ جاریہ کی چوتھی مثال حدیث شریف میں یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ:

اَوْغَرَسَ نَخْلاً

یا اس نے کوئی درخت لگایا

یعنی کسی نے کوئی درخت لگایا تو یہ بھی صدقۂ جاریہ میں ہے، چاہے سایہ دار لگائے یا پھل دار درخت لگائے، بہرحال اس کے پتوں سے، اس درخت کی شاخوں سے، اس درخت کے پھلوں سے جو بھی مستفید ہوگا، چاہے انسان مستفید ہوں یا جانور، مرنے والے کو اور اس درخت لگانے والے کو اس کا ثواب ملتا رہے گا، اس لئے جہاں کہیں درخت لگانے کی ضرورت ہو ضرور درخت لگانا چاہئے اور اس نیت سے درخت لگانا چاہئے تاکہ اس سے دوسروں کو راحت ملے، دوسروں کو سایہ ملے، دوسروں کو پھل ملے، دوسروں کو پتے ملیں، جانوروں کو بھی ملیں، سب کو فائدہ اور سب کو فیض پہنچے اور جس کو جس قسم کا فیض پہنچ جائے گا درخت لگانے والے کو ان شاء اللہ تعالیٰ اس کا ثواب ملے گا، لہٰذا جب تک وہ درخت رہے گا لگانے والے کو اس کا ثواب ملتا رہے گا۔

قرآن شریف میراث میں چھوڑنا

اس حدیث میں پانچویں مثال یہ دی ہے کہ

اَوْ وَرَّثَ مُصْحَفاً

ترجمہ

یا اس نے قرآن کریم ترکہ میں چھوڑا۔

یعنی اگر کوئی شخص قرآن شریف چھوڑ کر چلا گیا اور اس کے مرنے کے بعد اس کے وارث اس قرآن شریف کو پڑھتے رہے تو جب تک وہ قرآن شریف صحیح، سلامت رہے گا اور جب تک اس کے گھر والے اس کو پڑھتے رہیں گے برابر اس کو ثواب ملتا رہے گا، اس صدقہ میں یہ بھی داخل ہے کہ قرآن شریف کی اگر مسجد میں ضرورت ہو تو وہاں لاکر رکھنا، مدرسہ میں ضرورت ہو تو مدرسہ میں دینا۔

مسجد میں قرآنِ کریم رکھنے کا حکم

لیکن مسجد میں رکھنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ اس مسجد میں ضرورت ہے یا نہیں ہے، آجکل مسجدوں میں لوگوں نے اتنے قرآن پاک رکھ دئے ہیں کہ گل کر ختم ہو رہے ہیں، تعداد اتنی ہے کہ وہ پڑھنے والوں سے زیادہ ہے، اس لئے قرآن شریف رکھنے کا مقصد یہ ہے کہ پڑھا جاسکے اور جب وہ اتنی تعداد میں پہلے سے موجود ہیں کہ کوئی پڑھے گا نہیں تو یہ اپنے صدقہ کو ضائع کرنا ہے، اس کو رکھے رکھے دیمک کھا جائے گی اور ہمارا نقصان ہوگا، اس لئے دیکھ بھال کر یہ کام کریں جہاں ضرورت ہو وہاں دیں۔

ایک اہم مشورہ

اس لئے احقر کا مشورہ ہے کہ اگر قرآن شریف کی ضرورت نہیں ہے، نورانی قاعدوں کی ضرورت ہے تو وہ دیدیں، دینی کتابوں کی ضرورت ہو تو وہ دیدیں، جس چیز کی ضرورت ہو وہ خرید کر وقف کر دیں اللہ کی رضا کے لئے، مسجد میں ضرورت ہو مسجد میں، مدرسہ میں ضرورت ہو مدرسہ میں وقف کریں تاکہ وہ کتابیں پڑھی اور پڑھائی جائیں، اور آپ رہیں یا نہ رہیں آپ کو اس کا ثواب ملتا رہے، قرآنِ کریم جو کہ ساری کتابوں کا سردار ہے اس کا ذکر بطور مثال آ گیا ہے، باقی تمام دینی کتابیں اس کے تحت آ گئیں کہ ان کا وقف بھی صدقۂ جاریہ ہے۔

مسجد بنانا

اَوْ بَنٰی مَسْجِداً
یا کوئی مسجد بنا دی

ایک وہ شخص ہے جس نے مسجد بنا دی تو یہ مسجد بھی بڑا اونچا صدقۂ جاریہ ہے، بہت ہی اعلیٰ صدقۂ جاریہ ہے، جس نے یہ مسجد بنائی یا مسجد کی تعمیر میں تھوڑا سا بھی حصہ لے لیا اخلاص سے اور مالِ حلال سے تو حدیث میں آتا ہے کہ کسی نے قطا پرندے کے گھونسلے کے برابر مسجد کی تعمیر میں حصہ لے لیا جس کا اندازہ ایک اینٹ کے برابر ہے تو اللہ پاک قیامت کے دن اس کو جنت میں پورا ایک محل عطا فرمائیں گے اور اس میں جتنے نیک کام ہوں گے سب کا ثواب ان شاء اللہ تعالیٰ مسجد میں حصہ لینے والے کو ملتا رہے

گا، اور جب تک مسجد رہے گی انشاء اللہ تعالیٰ اس وقت تک اس میں نمازیں بھی ہوں گی، ذکر بھی ہوگا، اور تسبیح بھی ہوگی، تلاوت بھی ہوگی، دعا بھی ہوگی، اعتکاف بھی ہوگا، تعلیم بھی ہوگی قرآنی نصیحتیں بھی ہوں گی، جتنے بھی نیک کام ہیں جو مسجد میں ہوتے رہتے ہیں، ان سب کا ثواب مسجد کی تعمیر میں حصہ لینے والے کو ملے گا، اس لئے یہ بھی بہت اعلیٰ درجہ کا صدقۂ جاریہ ہے۔ حسب استطاعت اس میں بھی حصہ لیتے رہنا چاہئے۔

نیک اولاد

آخر میں ساتویں مثال صدقۂ جاریہ کی یہ بیان فرمائی کہ:

اَوْ تَرَكَ وَلَداً يَسْتَغْفِرُلَهٗ بَعْدَ موتِهٖ

یا ایسا لڑکا چھوڑا جو اس کی موت کے بعد اس کے لئے استغفار کرتا رہتا ہے۔

یعنی کسی نے اپنے پیچھے نیک اولاد چھوڑی، اگر وہ اولاد نیک عالم ہو تو بہت ہی اچھا ہے، لیکن اگر وہ عالم نہیں ہے لیکن نیک ہے، تو یہ بھی اس کے لئے صدقۂ جاریہ ہے مثلاً اپنی زندگی میں اولاد کو نیک راستے پر لگاتا رہا، اس کو دیندار بناتا رہا، نیک کاموں میں لگاتا رہا، دنیا سے اس حال میں گیا کہ اس کی اولاد نیک ہے، آوارہ، بدمعاش نہیں ہے، دین سے دور نہیں ہے، دیندار ہے، باعمل ہے، متقی اور پرہیزگار ہے تو یہ پرہیزگار اولاد بھی ماں باپ کے لئے صدقۂ جاریہ ہے جو اپنے والدین کے لئے انشاء اللہ تعالیٰ ایصالِ ثواب بھی کرے گی اور مغفرت کی دعا بھی کرے گی، قربانی بھی کرے گی، صدقہ بھی دے گی، اور دوسرے کارہائے خیر بھی اپنے والدین کی طرف سے کرے گی۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا واقعہ

یادر کھئے! نیک اولاد کبھی اپنے ماں باپ کونہیں بھولتی، جونا فرمان، فاسق وفاجراولاد ہوتی ہے اور دین سے دور ہوتی ہے وہ بسا اوقات فراموش کرنے والی ہوتی ہے نیک اولاد کبھی اپنے ماں باپ کوفراموش کرنے والی نہیں ہوتی، مجھے اپنے حضرتؒ کا واقعہ یاد آیا، ہمارے حضرت (مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ) نے فرمایا کہ جب میرے والد صاحب کے انتقال کا وقت قریب آیا (ہمارے حضرتؒ کے والد صاحب مولانا محمد یٰسین صاحبؒ ہیں جودارالعلوم دیوبند میں فارسی کے استاذ تھے، بڑے عابد، زاہداورحضرت گنگوہیؒ کے مریدین میں سے تھے، تو حضرت نے فرمایا کہ جب میرے والد ماجد حضرت مولانا محمد یٰسین صاحبؒ کے انتقال کا وقت قریب آیا) تو انتقال سے کچھ پہلے میں حضرت والد صاحبؒ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، حضرت والد صاحب نے ایک بات ارشادفرمائی کہ میاں محمد شفیع! بھول تو سب ہی جایا کرتے ہیں، ذرا جلدی مت بھولنا، حضرت فرماتے ہیں کہ والد صاحبؒ نے کچھ ایسے انداز سے یہ بات ارشادفرمائی کہ میرے دل کے اندر نقش ہوگئی اوراس وقت جب حضرت کی عمر تقریباً اسّی (۸۰) یابیاسی (۸۲) سال کی ہوچکی تھی حضرت نے فرمایا کہ آج تک میرے دل میں یہ بات ایسی تازہ ہے جیسے ابھی ابھی میرے والد صاحب نے مجھ سے کہی ہے حالانکہ حضرت والد صاحب کا انتقال ہوئے بھی برسہابرس گزر چکے تھے لیکن چونکہ حضرت مفتی صاحبؒ ان کے نیک وصالح بیٹے تھے کیسی ان کی وصیت تھی؟ پھر کس طرح

حضرت مفتی صاحبؒ نے اس کو یاد رکھا کہ روزانہ اپنے والد صاحب کے واسطے ایصالِ ثواب فرماتے تھے۔

بہر حال نیک اولاد بھی صدقہ جاریہ ہے، تو بھئی! ہمیں بھی اپنی اپنی اولاد پر محنت کرنی چاہئے، اور اس کو نیک بنانے کی کوشش کرنی چاہئے۔

اولاد کی اصلاح پر خصوصی توجہ دیں

اولاد کی اصلاح پر خصوصی توجہ دینی چاہئے، دنیاوی علوم پڑھنا پڑھانا منع نہیں ہے لیکن دنیاوی علوم کے ساتھ ساتھ ان کو نیک لوگوں کی صحبت میں لانا اور بھیجنا ضروری ہے، ان کو تبلیغی جماعت سے جوڑیں، اگر وہ تبلیغی جماعت سے جڑیں گے تو ان میں دینداری آئے گی، آخرت کی فکر آئے گی، نیک وصالح بنیں گے، ماں باپ کی قدر پہچانیں گے، اس لئے خود بھی جڑیں اور انہیں بھی جوڑیں، علماء حق اور بزرگانِ دین سے جوڑیں تو بہر حال نیک اولاد بھی ماں باپ کے لئے صدقۂ جاریہ ہے۔

اس طرح حدیث شریف میں صدقۂ جاریہ کی سات مثالیں بیان کی گئی ہیں جو اہم اور بنیادی ہیں، لہٰذا زندگی میں جب اور جہاں صدقۂ جاریہ کا موقع ملے اس میں حصہ لینے سے دریغ نہ کریں، آج کا دیا انشاء اللہ تعالیٰ کل کام آئے گا۔

صدقۂ جاریہ کا آسان طریقہ

اب آخر میں صدقۂ جاریہ میں حصہ لینے کا جو آسان طریقہ ہے وہ عرض کرتا ہوں، وہ یہ ہے کہ جہاں پیسے کی ضرورت ہو اپنے حلال پیسوں میں

سے کچھ پیسے اپنی حیثیت کے مطابق محض اللہ کی رضا کے لئے خاموشی سے دے دیں، اگر کوئی ایک روپیہ دے سکتا ہے تو ایک ہی روپیہ دیدے، کوئی آٹھ آنے لگا سکتا ہے آٹھ آنے لگا دے اگر کوئی ایک لاکھ لگا سکتا ہے تو ایک لاکھ روپیہ لگا دے۔

اللہ تعالیٰ کے یہاں اخلاص کی قدر ہے

اللہ پاک خلوص کو دیکھتے ہیں فلوس کو نہیں دیکھتے، یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ اللہ پاک پیسوں کو نہیں دیکھتے، دل کے خلوص کو دیکھتے ہیں، ایک آدمی خلوص سے ایک لاکھ روپیہ دے رہا ہے، ایک آدمی خلوص سے ایک روپیہ دے رہا ہے اللہ تعالیٰ دونوں کو برابر ثواب دیں گے ان کے خلوص کی وجہ سے، اللہ پاک مقدار کو نہیں دیکھتے دل کو دیکھتے ہیں، دل میں جتنا خلوص ہوگا، جتنا اللہ کو راضی کرنے کی نیت ہوگی جس قدر نام ونمود اور دکھاوے سے وہ دور ہوگا اور پاک ہوگا اتنا ہی اس کا صدقہ عظیم ہوگا اور اجر وثواب کا باعث ہوگا۔

دیکھئے! یہ کتنا آسان راستہ ہے دینے کا کہ حلال مال دو اور خلوص کے ساتھ دو، خواہ کتنا ہی کم ہو۔

رقم خرچ کئے بغیر تعمیر مسجد میں حصہ لینا

اگر کسی کے پاس پیسے ہی نہیں ہیں دینے کے لئے تو اوّل تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ پیسے نہیں ہیں، کیونکہ جب دنیا کے ہر کام کے لئے الحمدللہ ہمارے پاس پیسے موجود ہیں تو اللہ کے راستے میں دینے کے لئے بھی پیسے ہو

نے چاہئیں، لیکن فرض کرلو کسی کے پاس واقعۃً پیسے نہیں ہیں اور کوئی دینی مدرسہ تعمیر ہورہا ہے یا مسجد بن رہی ہے تو اس میں اس طرح بھی حصہ لے سکتا ہے کہ تعمیر کے لئے اینٹیں اٹھا اٹھا کر رکھ دیں، مسالہ پہنچادیں، ملبہ ڈال دیں یہ بن پیسے مبارک صدقۂ جاریہ میں شرکت کی ترکیب ہے کہ ایک پائی خرچ نہیں ہوئی، صرف جان خرچ ہوئی اور یہ جان لگانا بھی صدقۂ جاریہ میں حصہ لینا ہے، خود سرکارِ دوعالم ﷺ کا ایسا مبارک عمل ثابت ہے اور صحابۂ کرامؓ سے ثابت ہے کہ جب مسجد قباء کے لئے تعمیر ہوئی تو سرکارِ دوعالم ﷺ بنفس نفیس اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اس میں شریک ہوئے، سب نے پتھر لالا کر دیواریں تعمیر کیں اور مسجد نبوی کی بنیاد رکھی گئی تو حضور ﷺ نے بھی پتھر ڈالے، اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے بھی پتھر ڈالے اور سب نے مل کر مسجدِ نبوی کی تعمیر کی اور اس میں حصہ لیا، تو اس طرح بھی ایسے کارِ خیر میں ہر شخص حصہ لے سکتا، یہ کوئی مشکل بھی نہیں، دن کو اپنا دنیا کا کام کریں، شام کو کسی کے ساتھ مل کر راتوں رات اِدھر سے اُدھر بجری، سیمنٹ کی بوریاں منتقل کردیں، سویرے سہولت ہوجائے گی، مزدوری بچ جائے گی اور ہمارا حصہ لگ جائے گا۔

اگر خود مزدور بننا بھی مشکل ہے تو چوکیداری کریں، نگرانی کا کام کریں کہ سیمنٹ کہیں چوری نہ ہوجائے، سریا نہ اٹھ جائے، چوکیدار بن جانا بھی حصہ لینا ہے اگر چوکیدار بننا بھی مشکل ہے تو پھر کوئی خیر خواہی کا مشورہ دیدیں، کسی کے ذہن میں اگر کوئی اچھا سا مشورہ آرہا ہے جس کا مسجد یا مدرسہ کے لئے دینا مفید ہے تو اس نیت سے کہ چاہے انتظام کرنے والے میرے

مشورہ پر عمل کریں یا نہ کریں، میں اپنا کام کردوں اور مشورہ دیدوں، یہ بھی ایک طرح سے شرکت ہے۔ لیکن پھر سمجھ لیں کہ اپنا مشورہ منوانے کی نیت سے اور عمل کرانے کی نیت سے نہ دیں، اچھی بات پہنچانے کی نیت سے مشورہ دیں ورنہ اگر منوانے کی نیت سے مشورہ دیں گے تو جھگڑا ہوگا، فساد پھیلے گا، بس اللہ کی رضا کے لئے خیر خواہی کا جو مشورہ ذہن میں آرہا ہے وہ منتظمین کو پہنچادیں اور اپنے ذہن میں یہ رکھیں، یہ میرے مشورہ پر عمل کریں تب بھی راضی، عمل نہ کریں تو بھی راضی، یہ بھی صدقۂ جاریہ میں ایک قسم کا حصہ ہے۔

دعا کرنے والا بھی اجر میں برابر کا شریک ہوتا ہے

ایک طریقہ اس سے بھی آسان ہے۔ وہ یہ کہ صدقۂ جاریہ مکمل ہونے کی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس کی تعمیر آسان فرمادیں اور اس کی تعمیر کو ہمیشہ قائم رکھیں، اس کی ہمیشہ حفاظت فرمائیں، اس میں ہمیشہ دین کی نشر واشاعت جاری رہے، دین اور قرآن کی تعلیم ہمیشہ جاری رہے، یہاں سے کلام اللہ اور دوسرے علومِ دینیہ کی اشاعت ہو، یہاں سے لوگوں کی، محلہ والوں کی اصلاح اور تربیت ہو، یہاں سے قرآن پڑھنے والے حافظِ قرآن بن کر نکلیں، دین ہمارے گھروں میں آجائے، محلے والوں میں، بازاروں میں، شہروں میں دین آجائے اور یہ دین ساری دنیا میں پھیل جائے وغیرہ۔

یاد رکھیں! مؤمن کے دل سے نکلنے والی دعا اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اس کی دعا کی بدولت غیب سے اس کی تکمیل کا ان شاء اللہ تعالیٰ انتظام فرمادیں گے، اگر پیسے کی ضرورت ہوگی تو پیسے آجائیں گے،

سریا وسمنٹ کی ضرورت ہوگی تو وہ آ جائے گا، جس چیز کی ضرورت ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ وہ آسانی سے مہیا ہوجائے گی، اس لئے جب اخلاص کے ساتھ دعا ہوگی تو دعا ہی سے کام چلیں گے۔ درحقیقت کاموں کو کرنے والے اللہ پاک ہیں، بندہ کرنے والا نہیں ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا کتنا احسان ہے کہ ہم سے دعا کرالیں، یا مشورہ دلوادیں، یا جسمانی محنت ومزدوری کرادیں، یا ہم سے پیسے دلوادیں، یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، جس پر بھی ہوجائے، اور جتنا بھی ہوجائے وہ سب اس کا کرم ہے۔ بہرحال ان صورتوں میں حصہ لینا اس کے لئے صدقۂ جاریہ ہوگا اور جب تک وہ صدقۂ جاریہ قائم رہے گا ان کو برابر ثواب ملتا رہے گا اور اس کے مرنے کے بعد بھی قبر میں انشاء اللہ ثواب پہنچتا رہے گا، اس لئے بھئی! یہ مدرسہ بھی صدقۂ جاریہ ہے، مسجد بھی صدقۂ جاریہ ہے، علم بھی صدقۂ جاریہ ہے، قرآن شریف بھی صدقۂ جاریہ ہے، اب جس کو جہاں جس صدقۂ جاریہ میں حصہ لینے کا موقع مل جائے وہ اس میں حصہ لینے میں کوتاہی نہ کرے، جتنا بھی ہو سکے، جیسے بھی ہو سکے اس میں حصہ ڈال لیں تاکہ اس کا یہ حصہ آخرت کیلئے صدقۂ جاریہ بن جائے۔

غرض صدقہ کی مختلف صورتیں ہیں ان میں سے بعض کا ذکر درج ذیل حدیث میں ہے:

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ؛ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ صَدَقَةٌ قَالُوْا : فَإِنْ لَّمْ يَجِدْ ؟ قَالَ : فَيَعْمَلُ بِيَدَيْهِ فَيَنْفَعُ نَفْسَهُ وَيَتَصَدَّقُ ، قَالُوْا : فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ اَوْ لَمْ يَفْعَلْ ؟ قَالَ : فَيُعِيْنُ ذَا الْحَاجَةِ الْمَلْهُوْفَ

قَالُوْا : فَاِنْ لَّمْ يَفْعَلْ ؟ قَالَ : فَلْيَأْمُرْ بِالْخَيْرِ اَوْ قَالَ بِالْمَعْرُوْفِ ، قَالَ: فَاِنْ لَمْ يَفْعَلْ ؟ قَالَ : فَلْيُمْسِكْ عَنِ الشَّرِّ فَاِنَّهُ لَهُ صَدَقَةٌ ـ

(رواه البخاری "مطبوعة بيروت": ٥،ص: ٢٢٤١)

ترجمہ

آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر مسلمان پر صدقہ کرنا لازم اور ضروری ہے، صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا کہ اگر وہ (صدقہ کرنے کیلئے کوئی چیز) نہ پائے تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ اپنے ہاتھ سے مزدوری کرے اور خود کو بھی نفع پہنچائے اور صدقہ بھی کرے، صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا کہ اگر وہ یہ (بھی) نہ کر سکے تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ کسی پریشان حال شکستہ دل حاجتمند کی مدد (کر کے صدقہ کا ثواب حاصل) کرے، صحابۂ نے عرض کیا اگر وہ یہ (بھی) نہ کر سکے تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ خیر کا حکم کرے یا فرمایا نیکی کا حکم دے صحابہ نے عرض کیا کہ اگر وہ یہ (بھی) نہ کر سکے؟ تو آپ نے فرمایا وہ کسی کو تکلیف دینے سے باز رہے، اس کے لئے یہی صدقہ ہے۔

(رواہ البخاری)

بس اب دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ ہمیں ہمہ قسم کے صدقات پر عمل کرنے کی توفیقِ کامل عطا فرمائے۔آمین یارب العٰلمین

وآخر دعانا ان الحمدللہ رب العالمین۔

☆☆☆☆☆

ختم بخاری شریف

- وحی کی ضرورت
- ایمان کی اہمیت
- حُسنِ نیت کی افادیت
- عملِ صالح کی ضرورت

حضرت اقدس مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی دامت برکاتہم العالیہ
نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ناشر

مکتبۃ الاسلام کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا۔

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا۔ (سورہ الاحزاب پ ۲۲)

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلِمَتَانِ حَبِيْبَتَانِ اِلَى الرَّحْمٰنِ خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ (صحیح البخاری ج۲) صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

بابرکت مجلس

میرے قابلِ احترام بزرگو! محترم اساتذۂ کرام، معزز مہمان اور معزز حاضرین، محترم معلمات، عزیز طلبہ اور طالبات اللہ رب العزت کا ہم سب پر یہ فضل ہے کہ آج ہم سب بخاری شریف کی اس آخری حدیث کی تلاوت کرنے اور اس کے متعلق دین کی کچھ باتیں سننے اور سنانے کے لئے یہاں جمع ہوئے ہیں، جس کی ہم جتنی بھی قدر کریں کم ہے اس لئے کہ جس محفل میں اللہ جل شانہ کا ذکر ہو اور رحمت عالم جناب رسول اللہ ﷺ کی حدیث کا ذکر ہو تو ان کا ذکر بذات خود وہ باعثِ برکت، باعثِ خیر ہے، اور جس جگہ مسلمان جمع ہوں وہاں بھی دعا قبول ہوتی ہے اور اگر وہاں جمع ہو کر اللہ جل شانہ اور اس کے دین کا اور اس کے حبیب ﷺ کا تذکرہ کریں تو فرشتے اس محفل کو چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں اور اپنی آغوش میں لے لیتے ہیں اور اللہ جل شانہ کی طرف سے ان پر رحمتِ خاص کا نزول ہوتا ہے۔ پھر اس محفل میں تو کلام پاک کے بعد جو سب سے زیادہ مستند، معتبر اور صحیح ترا حادیثِ طیبہ کا مجموعہ ہے جو پوری دنیا کے اندر مشہور و معروف ہے جس کو بخاری شریف کہتے ہیں اس کی آخری حدیث کا بیان ہے اور بلاشبہ جس طرح قرآنِ کریم کسی محفل میں ختم کیا جائے تو اس محفل میں قرآنِ کریم کے ختم پر مانگی جانے والی دعاء قبول ہوتی ہے، اسی طرح بخاری شریف میں بھی اللہ پاک نے یہ برکت رکھی ہے کہ جس محفل میں یہ ختم ہو اس محفل میں مانگی جانے والی دعاء قبول ہوتی ہے، اسی لئے ہمارے اکابر کا یہ معمول چلا آرہا ہے کہ جب بخاری شریف کا ختم ہوتا ہے تو بخاری شریف کی آخری حدیث کے بارے میں پہلے کچھ بیان

ہوتا ہے اس کے بعد دعاء ہوتی ہے اور وہ دعاء اس لئے ہوتی ہے کہ اس مجلس میں بخاری شریف کا ختم ہوا ہے لہٰذا قوی امید ہوتی ہے کہ وہ دعاء قبول ہوگی۔

عمل کی نیت سے دین کی باتیں سننا

اس لحاظ سے یہ اجتماع قابلِ قدر اور قابلِ شکر ہے اس لئے ہمیں توجہ کے ساتھ یہاں دین کی باتوں کو سننا چاہئے اور اپنی توجہ دین کی طرف رکھنی چاہئے اور جو باتیں بتائی جائیں انکو ذہن نشین کر کے اپنے آپ کو ان پر عمل کرنے کے لئے آمادہ کرنا چاہئے۔

جو حدیث میں نے آپ کے سامنے پڑھی ہے اس کے متعلق انشاء اللہ تعالیٰ آخر میں عرض کروں گا اس سے پہلے یہ بات کہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری شریف کو کس دقتِ نظر اور کس تفقہ کے ساتھ مرتب فرمایا ہے اس کے متعلق کچھ باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں تاکہ ابتداء اور انتہاء دونوں کے متعلق کچھ باتیں سامنے آجائیں اور ہمیں اندازہ ہو کہ اللہ پاک نے حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کو کتنا اونچا مقام عطاء فرمایا ہے، ان کو فقہ میں کس قدر گہری نظر عطاء فرمائی ہے، انہوں نے کس قدر سمجھداری سے اس کتاب کو مرتب کیا، نیز کس اخلاص کے ساتھ اور کس قدر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رجوع کرتے ہوئے اس کو مرتب فرمایا ہے؟ ان میں جو خاص خاص باتیں ہمارے لئے نافع اور مفید ہیں وہ ہمارے سامنے آجائیں جس سے ایک طرف امام بخاری کی باریک بینی کا اندازہ ہوگا دوسری طرف ہمارا ان کو جاننے کا فائدہ ہوگا اور اگر ہم ان کو اپنے عمل میں لے لیں تو ہمارا بیڑا پار ہو جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ، اور ہماری کشتی پار لگ جائے گی۔

صحیح بخاری کی اجمالی ترتیب

حضرت امام بخاریؒ نے اپنی کتاب میں سب سے پہلے وحی کو ذکر فرمایا ہے، اس کے بعد کتاب الایمان کو ذکر فرمایا پھر سب سے پہلے حدیث اِنَّمَا الاَعْمَالُ بِالنِّیَاتِ کو ذکر فرمایا، اس کے بعد باقی ابواب لائے ہیں اور آخر میں یہ حدیث ذکر فرمائی ہے جس کی تلاوت ابھی میں نے آپ کے سامنے خطبہ کے بعد کی ہے، یہ اس کا اجمال اور خلاصہ ہو گیا اب اسی کی میں ذرا تشریح کرتا ہوں جس سے اندازہ ہوگا کہ اس مختصر سے خلاصہ میں حضرت امام بخاریؒ نے علم وعمل کا کتنا بڑا دریا بہایا ہے۔ اللہ پاک ہمیں اس سے فیض یاب ہونے کی توفیق عطاء فرمائے۔ (آمین)۔

وحیِ الٰہی سرچشمۂ ہدایت ہے

غور فرمایئے! بخاری شریف کے شروع میں حضرت امام بخاریؒ نے "بَابُ بَدْءِ الْوَحْیِ" قائم فرما کر سب سے پہلے وحی کا تذکرہ فرمایا اس لیے کہ اس دنیا میں جو چیز اصل ہے اور جس پر ہدایت کا اور انسان کی فلاح و بہبود کا دارومدار ہے، اور انسان کی صلاح وفلاح جس پر موقوف ہے، جس کے بغیر دنیا میں کوئی بڑے سے بڑا عاقل، بڑے سے بڑا فلاسفر، اور بڑے سے بڑا سمجھدار نجات نہیں پا سکتا، ہدایت نہیں پا سکتا، وہ ہے اللہ تعالیٰ کی وحی، اس کو ذکر فرمایا آپ یہ سمجھیں! کہ یہ اس دنیا میں سب سے بڑی نعمت اور سب سے بڑی دولت ہے جو سرچشمۂ ہدایت اور صلاح وفلاح کی بنیاد ہے اگر اس کائنات میں کوئی بنیادی چیز ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی وحی ہے جو انہوں نے اپنے

نبی جناب رسول ﷺ پر نازل فرمائی یہ وحی جو آخری نبی پر نازل ہوئی یہ وحی جب تک نہیں آئی تھی تو دنیا میں اندھیرا ہی اندھیرا تھا، ہر جگہ گمراہی پھیل چکی تھی، آپ کے تشریف لانے سے پہلے جو آسمانی شریعتیں دنیا میں آئیں تھیں وہ مٹ چکی تھیں، ان میں تحریف ہو چکی تھی، وہ اپنی اصلی حالت میں موجود نہ تھیں اور ان پر عمل کر کے کوئی شخص آخرت میں نجات حاصل نہیں کرسکتا تھا۔

وحی کی قدر کریں

اگر یہ وحی اللہ جلّ شانہ کی جانب سے نازل نہ ہوتی تو قیامت تک کوئی ہدایت اور نجات کا راستہ نہ ملتا، جہنم سے بچنے کا کوئی راستہ نظر نہ آتا، انسان گمراہی کے اندر ڈوبتا ہی چلا جاتا، اللہ جل شانہ کا بہت بڑا فضل ہوا، کرم ہوا، کہ اس نے اپنے سب سے زیادہ محبوب جناب رسول اللہ ﷺ کو قیامت تک آنے والے انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے مبعوث فرمایا اور ان پر اپنی وحی نازل فرمائی، اس لئے امام بخاریؒ نے سب سے پہلے وحی کو بیان فرما کر یہ بات ذہن نشین کرائی کہ دیکھو! دنیا میں سب سے اہم چیز وحی ہے اس کی دل و جان سے قدر کرو اور اللہ کا شکر ادا کرو کہ اس نے اپنے کرم سے اپنے آخری نبی کی امت میں ہم کو پیدا فرمایا اور اپنی وحی کی نعمت عظمیٰ سے ہمیں سرفراز فرمایا اور وہ وحی قرآن کی شکل میں اپنی اصلی حالت میں بعینہ محفوظ اور موجود ہے اور جناب رسول ﷺ کے ارشادات کی روشنی میں بھی جو اسی کلام پاک کی تفسیر اور تشریح ہے محفوظ اور موجود ہے جن میں سب سے مشہور اور معتبر مجموعہ ہمارے اور آپ کے لئے یہ بخاری شریف ہے۔

ہماری ناقدری

ہم دراصل ایسے لوگ ہیں کہ بس دن و رات دنیا میں منہمک اور مصروف ہیں، ہمارا اوڑھنا بچھونا دنیا ہے ہمارے دل و دماغ میں دنیا کی قدر و قیمت ہے، پیسے کی قدر و قیمت ہے، مال و جائیداد کی قدر و قیمت ہے، نہیں ہے تو اللہ بچائے۔ دین کی قدر نہیں ہے الا ماشاء اللہ تو رات و دن ہمارا اسی دنیا میں رہنا سہنا، اسی کا لینا، اسی کا دینا، اسی کا کمانا، اسی کا بیچنا، غرض ہمارے رات و دن اسی دنیا کی محنت پر صرف ہو رہے ہیں، اس لئے ہمیں دین اور اس سے متعلق چیزوں کی صحیح قدر نہیں ہے جیسی ہونی چاہئے، صحابہ کرام کی جماعت حضور ﷺ کی امت میں سب سے اعلیٰ اور سب سے ارفع جماعت ہے، ان سے بہتر کوئی جماعت ہو ہی نہیں سکتی، ان کو دین کی ہر ہر بات کی جتنی قدر تھی اور کسی کو نہیں ہو سکتی۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک وحی کی قدر

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک وحی کی اتنی بڑی قدر تھی اس کا اندازہ آپ اس حدیث سے لگائیں کہ جب رحمت کائنات جناب رسول اللہ ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی جگہ خلیفہ بنے تو ایک دن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے عمر! آؤ ہم حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کی خدمت میں چلیں، ان سے ملاقات اور ان کی زیارت کریں جیسا کہ سرکارِ دو عالم ﷺ ان کے پاس جایا کرتے تھے اب یہ دونوں حضرات حضرت ام ایمن رضی اللہ

عنہا کی خدمت میں پہنچے اور بیٹھے تو تھوڑی دیر میں حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا رونے لگیں تو ان دونوں حضرات نے غالباً یہ محسوس کیا کہ حضرت ام ایمن کو نبی اکرم ﷺ کی یاد آرہی ہے اور حضور ﷺ کی جدائی میں ان کو رونا آرہا ہے، تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کی تسلی کے لئے فرمایا دیکھئے! آپ ذرا صبر سے کام لیجئے۔ نبی اکرم جناب رسول اللہ ﷺ ہم سے جدا ہو کر اللہ جلّ شانہ کی بارگاہ میں پہنچ گئے ہیں آپ کا اللہ جلّ شانہ کی بارگاہ میں پہنچنا بنسبت ہمارے آپ کے حق بدرجہا بہتر ہے، لہٰذا آپ جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچ گئے ہیں تو یہ ہمارے لئے باعثِ تسلی ہے، آپ ﷺ ہمارے پاس ہوتے تو بلاشبہ آپ کا وجودِ بابرکات ہمارے لئے نہایت ہی بڑی نعمت تھا آپ ﷺ کا اللہ تعالیٰ کے پاس چلے جانا بھی آپ کے لئے بہت بڑی راحت کی چیز ہے، عافیت کی چیز ہے، باعثِ خیر ہے، تو اس لئے ذرا تسلی سے کام لینا چاہئے اور اس پر صبر کرنا چاہئے لیکن حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا اس وجہ سے نہیں رو رہی تھیں، جب ان کو تسلی دی تو انہوں نے فرمایا کہ تم مجھے اس لئے تسلی دے رہے ہو کہ میں اس کو نہیں جانتی کہ حضور ﷺ کا وہاں پہنچنا آپ کے لئے بہتر ہے۔ یہ بات جیسے تمہیں معلوم ہے مجھے بھی معلوم ہے، میں بھی اچھی طرح جانتی ہوں کہ آپ کا اللہ تعالیٰ کے پاس تشریف لے جانا یہاں رہنے سے بہتر ہے، اس لئے میں اس وجہ سے نہیں رو رہی ہوں بلکہ میں اس وجہ سے رو رہی ہوں کہ سرکارِ دو عالم جناب رسول اللہ ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے سے اب وحی نازل ہونے کا سلسلہ بند ہو گیا ہے اللہ اکبر، اب وحی کا

سلسلہ منقطع ہوگیا ہے، پہلے تو یہ تھا کہ کبھی کوئی آیت نازل ہورہی ہے، کبھی کوئی سورۃ نازل ہورہی ہے، کبھی کوئی رکوع نازل ہورہا ہے، کبھی کوئی حصہ نازل ہورہا ہے، کبھی کوئی حصہ نازل ہورہا ہے، جیسے جیسے ضرورت پڑتی جاتی تھی وحی آتی رہتی تھی، اس وحی کا نازل ہونا بہت بڑی نعمت تھی ہائے افسوس! کہ اب حضور ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد قیامت تک کے لئے وحی کا آنا بند ہو گیا، مجھے تو اس پر رونا آرہا ہے کہ رحمت کا ایک دروازہ تھا جو بند ہوگیا کیونکہ حضور ﷺ کی ذات خود رحمت تھی اور آپ ﷺ پر وحی کا آنا بھی رحمت تھا اب یہ دگنی رحمت ہم سے جدا ہوگئی ہے مجھے تو اس پر رونا آرہا ہے۔ جب انہوں نے یہ اہم بات کہی تو اس اہم بات کو سن کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بھی رونے لگے کیونکہ وہ بھی جانتے تھے کہ وحی کتنی بڑی دولت ہے اس کا نازل ہونا ہم مسلمانوں کے لئے کس قدر باعثِ خیر ہے لہٰذا حضرت صدیقِ اکبر، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہما اور حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا تینوں اس غم میں رونے لگے کہ ہائے یہ وحی کا سلسلہ بند ہوگیا اور ایک خیر کی چیز سے محروم ہو گئے؟ تو اس لئے بھائی دنیا میں سب سے بڑی دولت وحی ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کی باریک بینی

امام بخاریؒ کی باریک بینی دیکھئے کہ انہوں نے اپنی کتاب کو وحی کے بیان سے شروع کیا کہ وحی کیسے آتی تھی تا کہ کتاب پڑھنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ سب سے بڑی دولت وحی ہے اس کی قدر کرو اور اس کی قدر یہ

ہے کہ اب بیشک وحی کا آنا موقوف ہوگیا تاہم جو آچکی ہے وہ کیا کم نعمت ہے، نہیں! وہ بھی بہت بڑی نعمت ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن کریم ہے جس کی ایک شرح یہ بخاری شریف بھی ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا خواب

قرآن کریم کے متعلق حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا ایک خواب مجھے یاد آیا جو فضائل قرآن کے موقعہ پر ہمارے حضرت مفتی صاحبؒ اکثر سنایا کرتے تھے فرماتے تھے کہ امام احمد بن حنبلؒ کو خواب میں اللہ تعالیٰ کی ننانوے مرتبہ زیارت ہوئی اور خواب میں زیارت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تجلی کسی شکل وصورت میں نظر آتی ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات نظر نہیں آتی کیونکہ وہ تو دنیا میں ممکن نہیں وہ تو آخرت میں ہوگی، خواب میں اگر کسی کو زیارت ہوتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی تجلی کسی شکل میں متشکل ہوکر نظر آتی ہے، یہ بھی بہت بڑی نعمت ہے، جو حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو خواب میں ننانوے مرتبہ حاصل ہوئی۔ جب ننانوے مرتبہ زیارت ہو چکی تو انہوں دل میں سوچا کہ اگر سوویں مرتبہ بھی اللہ تعالیٰ نے اپنا کرم فرمایا اور زیارت کرائی تو میں اللہ تعالیٰ سے ایک سوال کروں گا اور سوال یہ کروں گا کہ یا اللہ یہ بتائیے کہ کونسا عمل ایسا ہے جو بندے کو سب سے زیادہ آپ کے قریب کرنے والا ہے تاکہ میں بھی اس کو اختیار کروں اور مسلمانوں کو بھی بتاؤں وہ بھی اسے اختیار کریں اور سب اللہ تعالیٰ کے مقرب بنیں، کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہوا، فضل ہوا کہ سویں مرتبہ بھی اللہ تعالیٰ کی خواب میں زیارت نصیب ہوگئی۔ جب اللہ جل شانہ، کی زیارت نصیب ہوگئی تو میں نے

عرض کیا پروردگار عالم! یہ بتائیے کہ کونسا عمل ایسا ہے جو بندے کو سب سے زیادہ آپ کے قریب کرنے والا ہے، یوں تو سارے ہی اعمال صالحہ ایسے ہیں جو کہ آپ کے قریب کرتے ہیں لیکن مجھے ایسا عمل بتائیے جو بندے کو سب سے زیادہ آپ کے قریب کردے اور بہت زیادہ نزدیک کردے تو اللہ جل شانہ، نے فرمایا تلاوۃ القرآن یعنی قرآنِ کریم کی تلاوت اور میرے کلام کی تلاوت ایسا عمل ہے کہ فرائض واجبات کے بعد نوافل میں سب سے زیادہ میرے بندے کو میرے قریب کرنے والا ہے. اور حضرت امام تو امام ہیں پھر امام مجتہد اور فقیہ ہیں لہٰذا انہوں نے ایک اور فقیہانہ سوال کیا کہ بِفَهْمٍ اَوْ بِلَا فَهْمٍ ؟ یا اللہ! قرآن شریف سمجھ کر پڑھنا بندے کو آپ کے سب سے زیادہ قریب کرتا ہے یا بغیر سمجھے پڑھنا بھی بندے کو سب سے زیادہ آپ کے نزدیک کرتا ہے؟ اللہ جلّ شانہ نے فرمایا بِفَهْمٍ اَوْ بِلَا فَهْمٍ ؟ چاہے کوئی قرآن کو سمجھ کر پڑھے یا بغیر سمجھے پڑھے دونوں صورتوں میں قرآنِ کریم کی تلاوت میرے بندے کو سب سے زیادہ میرے قریب کرنے والی ہے۔

صبح شام تلاوتِ قرآن کا اہتمام رکھیں

یہ اس لئے ہے کہ قرآنِ کریم وحی ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے اور اس وقت جو ہمارے پاس کلام پاک کا مجموعہ موجود ہے یہ خود بہت بڑی نعمت ہے، بہت بڑی دولت ہے، اتنی بڑی نعمت ہے کہ خود اس کے معنی سمجھے بغیر بھی اس کی تلاوت بندے کو اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ قریب کرنے والی ہے اس لئے ہر مسلمان مرد وعورت کو چاہئے کہ ہر روز تلاوتِ قرآن کا اہتمام کرے، جب تک صبح سویرے گھر کا ہر

فرد قرآن شریف کی تلاوت نہ کرے دنیا کے کاموں کو ہاتھ نہ لگائیں، ساری زندگی صبح وشام اس کی تلاوت کا ماحول رکھیں۔

وحی کی دو قسمیں

تو بھئی! وحی بہت بڑی دولت اور نعمت ہے اور یہ مجموعۂ احادیث بھی وحی ہے، اس لئے کہ وحی کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس کی تلاوت ہوتی ہے جیسے قرآن شریف اور دوسری وہ جس کی با قاعدہ قرآن کی طرح تلاوت نہیں ہوتی جیسے احادیث، اس لئے امام بخاریؒ نے سب سے پہلے وحی کو ذکر فرمایا تا کہ سب کے ذہنوں میں یہ بات بیٹھ جائے، طلبا، اور طالبات کے ذہن میں یہ بات بیٹھ جائے کہ اس دنیا میں سب سے بڑی نعمت اللہ کی طرف سے بندوں کے اوپر وحی کا نزول ہے۔

آخرت کی کامیابی ایمان پر موقوف ہے

اس سے اس طرف اشارہ ہے کہ وحی کے آنے کے بعد انسان کا کام ایمان لانا ہے۔ کیونکہ سب سے پہلے جو وحی آئی اس نے آکر اس دنیا میں سب سے پہلے لوگوں کو ایمان کی دعوت اور توحید کا درس دیا، اللہ تعالیٰ کے وحدہ لا شریك له کے اقرار پر جمنے رہنے کا درس دیا لہٰذا وحی کے ساتھ جو سب سے بڑی دولت آئی ہے وہ ایمان ہے اس لئے دنیا اور آخرت میں جو سب سے بڑی نعمت ہے وہ ایمان ہے یہ ایمان اتنی بڑی نعمت ہے، اتنی بڑی نعمت ہے کہ آخرت کی صلاح وفلاح اس پر موقوف ہے اس کے ساتھ ساتھ چاہے کتنا بڑا بھی کوئی فاسق وفاجر ہو۔ اہلسنت والجماعت کا عقیدہ یہ

ہے کہ اگر اس نے دنیا کے اندر سچی توبہ نہیں کی تو اس کو قبر کے اندر عذاب ہوسکتا ہے، دنیا میں بھی اس کو گناہوں کی سزا مل سکتی ہے، قبر میں بھی عذاب ہوسکتا ہے، اور اپنے گناہوں کی پاداش میں قیامت کے دن بھی قیامت کی ہولناکیوں سے دوچار ہوسکتا ہے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کچھ عرصہ کے لئے حسب گناہ جہنم میں بھی ڈالا جائے لیکن ایمان کی برکت سے بالآخر وہ جہنم سے نکال لیا جائے گا اور جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

سب سے آخری جنتی کا حال

اور جو شخص آخر میں اپنے ایمان کے ذریعہ دوزخ سے نکل کر جنت میں جائے گا تو احادیث میں اس کا عجیب وغریب تذکرہ آتا ہے کہ اللہ پاک اسے فرمائیں گے کہ بھائی تو جنت میں جا اور جتنی دنیا ہے اس کے برابر اور اس سے دس گنا جنت تیرے لئے ہے اور جب وہ جنت میں جائے گا تو ہر جگہ محلات بھرے ہوئے نظر آئیں گے تو وہ اللہ تعالیٰ سے عرض کرے گا کہ اے پروردگار عالم! آپ تو فرما رہے تھے کہ دنیا سے دس گنا بڑی جنت تیرے لئے ہے اور یہاں تو کوئی جگہ خالی نظر ہی نہیں آرہی، سب محلات بھرے پڑے ہیں آپ میرے ساتھ مذاق فرما رہے ہیں؟ حالانکہ اَنْتَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ آپ تو رب العالمین ہیں آپ میرے ساتھ مذاق فرما رہے ہیں؟ یہاں تو جگہ ہی نہیں ہے اور آپ فرما رہے ہیں کہ تیرے لئے اتنی بڑی جگہ ہے، تو اللہ پاک فرمائیں گے کہ بھائی ہم کہاں مذاق فرما رہے ہیں تو آگے تو چل تیرے لئے بہت کچھ ہے، تو وہ شخص جو سب سے کم درجہ کا جنتی ہے اور سب سے آخر میں جنت میں جائے گا سچ مچ اس کو یہ دنیا اور اس کے برابر دس گنا زیادہ جنت ملے

گی اور اللہ پاک ایک اور کرم فرمائیں گے اس سے یہ فرمائیں گے کہ اچھا بھائی اب تو اپنی تمنائیں کر کیا کیا تجھے چاہئے جو تو کہے گا تجھے دیا جائے گا، اب وہ اللہ تعالیٰ سے مانگتا رہے گا کہ یا اللہ! یہ بھی دیدیجئے، یہ بھی دیدیجئے، یہ بھی دیدیجئے، یہ بھی مجھے چاہئے، یہ محلات چاہئیں، یہ باغات چاہئیں، یہ مکانات چاہئیں، یہ چیزیں چاہئیں، یہ سواریاں چاہئیں، جو جو چیزیں اس کے دل میں آتی جائیں گی وہ اللہ تعالیٰ سے مانگتا چلا جائے گا، مانگتے مانگتے آخر وہ تھک جائے گا اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اور مانگ لے بھائی کوئی چیز رہ نہ گئی ہو، پھر وہ ذہن پر زور دے گا پھر کچھ مانگے گا، پھر ٹھہر جائے گا پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اور مانگ لے بھائی پھر وہ کچھ مانگے گا، پھر حدیث میں آتا ہے کہ آخر میں اللہ تعالیٰ یاد دلائیں گے کہ دیکھ! فلاں چیز تو تو نے مانگی نہیں وہ بھی تو تیری ضرورت کی چیز ہے تو کہے گا ہاں ہاں یا اللہ! یہ بھی دیدیجئے پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ فلاں چیز بھی تیری ضرورت کی ہے تو کہے گا یا اللہ! میں تو بھول ہی گیا تھا یہ بھی دیدیجئے، اب رب العالمین اس کو یاد دلاتے چلے جائیں گے اور وہ ہاں ہاں کرتا چلا جائے گا اللہ اکبر، (الترغیب والترھیب)۔

اس طرح سے اللہ تعالیٰ اسکو یاد دلاتے جائیں گے اور عنایت فرماتے چلے جائیں گے یہاں تک کہ آخر میں اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ جو کچھ تو نے مانگا اور جو کچھ ہم نے تجھے دیا اور اس سے دس گنا اور بھی تو لے لے سبحان اللہ!! کیا کریمی ہے؟

یہ ایمان کی بدولت سب سے آخر میں جنت میں جانے والے کا حال ہے اور جو شروع میں جانے والے ہوں گے، اور جو درمیان میں

جانے والے ہوں گے اور سیدھے جنت میں جانے والے ہوں گے ان کا حال ہوگا'' اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان میں شامل فرمائے آمین''۔

ستر ہزار بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے

ایک حدیث میں آتا ہے کہ سرورِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں سے ستر ہزار لوگ ایسے ہوں گے جو بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے اور پھر ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ستر ستر ہزار لوگ ہوں گے جو سب بغیر حساب کے سیدھے جنت میں جائیں گے۔ اللہ پاک اپنی رحمت سے ہم سب کو بھی انہی لوگوں میں شامل فرمائیں ایمان اتنی بڑی دولت ہے کہ آخرت میں بھی نجات بالآخر ایمان ہی کے ذریعہ ہوگی اور نجات کے بعد پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جنت ہی کی نعمتیں ہیں اور وہ سب ایمان عملِ صالح کی بدولت ہیں۔

جنت کی سب سے بڑی نعمت

اور پھر جنت کی ان ابدی اور سرمدی نعمتوں میں جو سب سے بڑی نعمت ہے اور سب سے بڑی دولت ہے وہ اللہ جل شانہ کی رضا اور ان کی زیارت ہے وہ بھی ایمان داروں کو نصیب ہوگی ، کافر اس سے محروم ہوں گے۔ تو بھائی! جنت کی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت اللہ جل شانہ کی زیارت ہے یاد رکھئے۔

از روئے حدیث عام مسلمانوں کو تو ہفتہ میں ایک دن اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوا کرے گی جمعہ کے دن جس وقت نمازِ جمعہ ہوتی ہے، اس کا ایک اندازہ ان کو اللہ تعالیٰ عطا فرما دیں گے اس وقت میدانِ مزید میں ہر ہفتہ

جنتیوں کو اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوا کرے گی اور اللہ تعالیٰ ہر جنتی کی طرف خصوصی توجہ فرمائیں گے اور اپنی ہم کلامی کے شرف سے اس کو مشرف فرمائیں گے اور یہ دولت عظمیٰ بھی ایمان کی بدولت ہے جن کے پاس ایمان نہیں ہوگا وہ اللہ پاک کی زیارت سے بھی محروم ہوں گے، اللہ تعالیٰ کی ہم کلامی سے بھی محروم ہوں گے، ان کے حصہ میں اللہ تعالیٰ کا غضب، اللہ تعالیٰ کی ناراضگی، اور ''اللہ بچائے'' ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دوزخ میں رہنا ہوگا اس لئے جو ایمان ہمیں اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اس کی دل کی گہرائی سے قدر کرنی چاہئے اور اس کا شکر ادا کرنا چاہئے اور اسے محفوظ رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

صوفی محمد اسلم صاحب رحمہ اللہ کا تذکرہ

اس پر مجھے یہاں ایک بڑی پیاری بات یاد آئی، مدینہ منورہ میں ایک بزرگ تھے صوفی محمد اسلم صاحبؒ، اب ان کا انتقال ہوگیا ہے یہ بہت عرصہ سے وہاں مقیم تھے اور صاحب خدمت تھے۔ ان کی خدمت میں حضرت والد صاحب (حضرت مولانا مفتی عبدالحکیم صاحبؒ) بھی جایا کرتے تھے اور الحمد للہ ان کے ساتھ احقر کا بھی جانا ہوا، پھر اخیر میں حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحبؒ سکھر سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو حضرت ڈاکٹر صاحب کا بھی یہ معمول تھا کہ ہر اتوار کو صوفی اسلم صاحبؒ کی زیارت کے لئے جایا کرتے تھے اور ہمارے جتنے بھی اکابر ہیں یہ سب ان کے پاس جایا کرتے تھے، بلکہ حضرت تھانویؒ کے آخری خلیفہ جو ہندوستان کے شہر ہردوئی میں رہتے ہیں یعنی حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب دامت

برکاتہم انہوں نے تو یہ وصیت فرمائی کہ جو شخص بھی مدینہ منورہ جائے ان کی زیارت ضرور کرے تو الحمدللہ کئی مرتبہ ان کی خدمت میں جانا ہوا اور کئی مرتبہ ان کی زیارت کی۔

ایک مرتبہ انہوں نے بڑی عجیب وغریب بات ایمان کے متعلق فرمائی، انہوں نے فرمایا کہ میں جب صحت مند تھا تو میں ایک بزرگ کے پاس گیا انہوں نے مجھے ایک بات کہی وہ بات مجھے بھی عجیب لگی تو اس لئے وہ میں تمہیں بھی سنا رہا ہوں تا کہ تم بھی اس کو یاد رکھنا، صوفی صاحب نے فرمایا کہ انہوں نے مجھ سے یہ کہا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے ایک معاہدہ کیا ہے، وہ یہ کہ یا اللہ! میری ایک امانت ہے اور آپ سے بڑھ کر کوئی امین نہیں اور آپ سے بڑھ کر کوئی وعدہ پورا کرنے والا نہیں ہے، امانت میری بڑی قیمتی ہے وہ میں آپ کے پاس رکھوانا چاہتا ہوں، پروردگار عالم! میری وہ امانت میرا ایمان ہے، میں اپنے ایمان کی امانت ایمان کی نعمت پروردگار عالم! آپ کے پاس رکھوانا چاہتا ہوں آپ سے بڑھ کر کوئی امانت دار نہیں ہوسکتا آپ سے بڑھ کر کوئی وعدہ پورا کرنے والا نہیں ہوسکتا اس لئے کہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ کہ اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں فرماتے اس لئے میں امانت رکھوانا چاہتا ہوں اور آپ سے یہ وعدہ لینا چاہتا ہوں کہ یا اللہ! جب میں دنیا سے جانے لگوں تو یہ امانت مجھے واپس دیدینا جب تک میں دنیا میں ہوں میرا ایمان آپ کے پاس امانت ہے اور جب میں دنیا کو چھوڑ کر آخرت میں قدم رکھنے لگوں تو اس وقت مجھے اس امانت کی بڑی ضرورت پڑے گی آپ مہربانی فرما کر حسب ضرورت یہ امانت مجھے واپس عطا فرما دیجئے گا، وہ بزرگ کہتے

ہیں کہ میں نے تو اللہ تعالیٰ سے یہ وعدہ کرلیا ہے اور اپنی امانت اللہ پاک کے پاس امانت رکھوا دی کہ میں تو اس کی حفاظت کر نہیں سکتا آپ ہی اس کی حفاظت فرما دیں، تو صوفی صاحب کہتے ہیں کہ یہ تو نقد کرنے کا کام ہے اس میں ادھار بھی نہیں کرنا چاہئے۔

ایمان اللہ کے پاس امانت رکھدیں

کیونکہ امانت بہت قیمتی ہے ڈاکو اس کے بڑے ہیں نفس و شیطان سب اس کے ڈاکو ہیں، سارے کافر اور مشرک اس کے ڈاکو ہیں لہذا امانت بڑی قیمتی ہے ڈاکو بہت زیادہ ہیں بدامنی کا دور دورہ ہے اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی امین ہے نہیں اور ان سے بڑھکر کوئی وعدہ پورا کرنے والا نہیں ہے، اس لئے بلا تاخیر یہ وعدہ کر لینا چاہئے اور میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ بھی فوراً ہی کرلیں! بھائی کیوں دیر لگائیں، گھر جا کر موقعہ ملے یا نہ ملے ''واللہ اعلم'' اس لئے یہاں کرلیں، بیٹھے بیٹھے، دل دل میں یہ معاہدہ کرلیں کہ یا اللہ ! ہم اپنا ایمان آپ کی حفاظت میں دیتے ہیں آپ اپنے فضل وکرم سے ہمارا یمان محفوظ فرمالیں اور جب ہم دنیا سے جانے لگیں تو آپ ہماری یہ امانت ہمارے سپرد فرمادیں (چنانچہ حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے اس ارشاد پر پورے مجمع نے فوراً ''ہم نے اپنا ایمان اللہ پاک کے پاس امانت رکھوا دیا'' کہا، لہٰذا کیا ہی اچھا ہو کے قارئین حضرات بھی اس بات کو پڑھ کر فوراً اپنا ایمان مذکورہ طریقے کے مطابق اللہ تعالیٰ کے پاس امانت رکھوا دیں۔ (از مرتب)

گناھوں کی دو قسمیں

اور ایمان اتنا قیمتی ہے یاد رکھئے کہ جتنے بھی انسان کے گناہ ہیں وہ دو قسم کے ہیں کچھ تو گناہ کبیرہ ایسے ہیں جن کا محض تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے، جیسے معاذ اللہ کسی نے شراب پی لی یہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے یا معاذ اللہ کسی نے نماز قضا کردی یا روزہ نہیں رکھا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے، ایک تو یہ گناہ کبیرہ ہیں جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے بندے کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

دوسرے گناہ کبیرہ وہ ہیں جن کا تعلق بندوں سے بھی ہے جیسے کسی کو ناحق مار دیا، ناحق کسی کے پیسے کھا لئے، کسی سے رشوت لے لی، سود کھا لیا، پیسے چھین لئے، یا کسی کو تھپڑ مار دیا اس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی بھی ہے اور بندے کے ساتھ بھی زیادتی ہے تو اس کے اندر مسئلہ کی تفصیل یہ ہے کہ جو پہلے قسم کے گناہ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق ہے انکی معافی کا معاملہ بہت آسان ہے، صدق دل سے توبہ کرلے، اپنے کئے پر شرمندہ ہوجائے آئندہ نہ کرنے کا پختہ عزم کرلے انشاء اللہ تعالیٰ اسی آن بڑے سے بڑا گناہ معاف ہوجائے گا، کیونکہ ہمارے گناہوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے آگے، اللہ تعالیٰ کی رحمت کے اربوں کھربوں حصوں میں سے ایک ادنیٰ سا حصہ بھی ہمارے گناہوں کی بخشش کے لئے کافی وشافی ہے، اس کے سامنے ہمارے گناہوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے، بس ندامت ہو اور آئندہ نہ کرنے کا عزم مصمم ہو اور دل وجان سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں معافی مانگی جائے تو اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں گے۔

حقوق العباد کا معاملہ دنیا میں آسان ہے

اور دوسری قسم کے جو گناہ ہیں جن میں بندوں کے ساتھ حق تلفی اور بندوں کے ساتھ زیادتی پائی جاتی ہے اس میں توبہ کے مکمل ہونے کے لئے چوتھی بات اور بھی ضروری ہے کہ جس بندے کو ستایا ہے، جس بندے کو تکلیف دی ہے اس سے بھی معافی مانگے اور اس کا حق ادا کرے، چنانچہ حدیث شریف میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ كَانَتْ لَهُ مَظْلِمَةٌ لِأَخِيْهِ مِنْ عِرْضِهٖ أَوْ شَيْءٍ فَلْيَتَحَلَّلْهُ مِنْهُ الْيَوْمَ قَبْلَ أَنْ لَّا يَكُوْنَ دِيْنَارٌ وَلَا دِرْهَمٌ إِنْ كَانَ لَهُ عَمَلٌ صَالِحٌ أُخِذَ مِنْهُ بِقَدْرِ مَظْلِمَتِهٖ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ حَسَنَاتٌ أُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتِ صَاحِبِهٖ فَحُمِلَ عَلَيْهِ۔

(رواه البخاری بحواله مشکوة ج ۲۔ ص: ٤٣٥)

ترجمہ

جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کا کوئی حق رکھتا ہو اور خواہ وہ حق (غیبت و برائی کرنے یا روحانی وجسمانی ایذاء رسانی وغیرہ کی صورت میں) آبروریزی کا ہو یا کسی اور چیز سے متعلق ہو (جیسے کوئی مالی مطالبہ و معاملہ یا ناحق خون وغیرہ) تو اس کو چاہئے کہ وہ اس کو آج ہی کے دن (یعنی اس دنیا میں) معاف کرالے اس سے پہلے پہلے کہ وہ دن آئے (یعنی قیامت کا دن کہ جس دن اس کے

پاس) نہ کوئی درہم ہوگا اور نہ دینار (جس سے وہ اپنا دنیاوی حق ادا کر سکے) اگر اس نے دنیا میں اپنا حق معاف کرالیا تو بہتر ورنہ پھر) ظالم کے اعمال نامہ میں جو کچھ نیکیاں ہوں گی تو ان میں سے اس کے ظلم کے برابر نیکیاں لے لی جائیں گی اور اگر اس (ظالم) کے پاس نیکیاں نہیں ہوں گی تو پھر مظلوم کی بُرائیاں لے کر ظالم (کی گردن) پر لاددی جائیں گی ۔ (بخاری)

بہر حال! اگر اس سے دنیا میں معافی مانگ لی اور اس کا حق ادا کر دیا اور اللہ تعالیٰ سے بھی معافی مانگ لی تو توبہ مکمل ہوگئی ۔ معاملہ یہیں آسان ہوگیا ، دنیا میں اس کی تلافی نہایت ہی آسان ہے اور آخرت میں نہایت مشکل ہے ۔ اللہ بچائے ۔ آخرت میں نہایت مشکل اس لئے کہ کوئی آدمی دنیا سے اس حالت میں چلا گیا کہ اس نے بڑی نیکیاں کیں اور دوسری طرف اس نے ۔ اللہ بچائے ۔ لوگوں کو بڑا ستایا ، بڑا مارا پیٹا ، بڑی ایذائیں دیں ، تکلیفیں دیں اور ستایا اور اس حالت میں بغیر توبہ کئے ، بغیر بندے سے معافی مانگے چلا گیا تو پھر قیامت کے دن اس کے ساتھ معاملہ دوسرا ہوگا ۔ کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا اور جتنے بھی اہلِ حقوق ہوں گے وہ سارے کے سارے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آئیں گے اور اپنا حق مانگیں گے ، اللہ پاک ان سب کو ان کا حق دلوائیں گے ۔ چنانچہ حدیث کے اندر اس مفلس کا تذکرہ ہے کہ وہ نیکیوں کے پہاڑ لے کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچے گا ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں نمازیں ، ہزاروں روزے ، بے شمار زکوٰۃ ، حج وعمرے تسبیحات ، ذکر ،

تلاوت، تبلیغ، جہاد، تعلیم، تربیت اور نہ جانے کتنی نیکیاں اس نے کر رکھی ہوں گی، نیکیوں کے پہاڑ لے کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچے گا، اور اسے خیال یہ ہوگا کہ میں جاتے ہی بخشا جاؤں گا، لیکن جوں ہی وہ نیکیاں لے کر اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچے گا دوسری طرف اہلِ حقوق آجائیں گے جن کو دنیا میں ستایا تھا، تکلیفیں دی تھیں، پریشان کیا تھا، ان کا حق مارا تھا، وہ سب آجائیں گے اور کہیں گے کہ پروردگار! ہمارا حق دلوایئے تو اللہ تعالیٰ قاعدے کے مطابق جتنا اس نے جس کا حق مارا ہوگا اتنی نیکیاں اس کو دیتے جائیں گے۔

(مشکوٰۃ ص ۴۳۵ ج ۲۔ ومسلم)

ایک روپیہ کے بدلہ میں سات سو نمازیں دینی ہونگی

اور امام قرطبیؒ کا قول یہ ہے (اللہ بچائے بڑے ڈرنے کی بات ہے) کہ ایک چونی کے بدلے، اور اب اس کو ایک روپیہ سمجھ لو مہنگائی ہوگئی ہے۔ کہ ایک روپیہ کے بدلے میں سات سو مقبول نمازیں دینی پڑیں گی، اللہ بچائے، اگر سات سو مقبول نمازیں دینا پڑیں گی ایک روپیہ کے بدلہ میں تو بھائی! جس نے ہزاروں روپے کھا رکھے ہوں، زمینیں غصب کر رکھی ہوں، دکانوں پر قبضہ کر رکھا ہو، کرایہ بند کر کے مالک بن بیٹھا ہو، اس کا کیا حال ہوگا؟ اس لئے وہاں پر جس جس نے کسی کا حق مارا ہوگا اللہ پاک اس کے حق کے بدلہ میں اس کی نیکیاں اس کو دیں گے کیونکہ آخرت میں بدلہ تو نیکیوں کی صورت میں ہوگا، دنیا کے پیسے تو وہاں چلیں گے نہیں، وہاں پر تو نیکیاں چلیں گی، حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ساری نیکیاں اہلِ حقوق کو دیدیں گے اور اس کی نیکیوں کے پہاڑ ختم ہو جائیں گے، اور اہلِ حقوق اب بھی باقی رہ

جائیں گے اور جو باقی ہوں گے وہ کہیں گے یا اللہ! ہمارا حق تو ابھی باقی ہے اس نے ہمیں مارا تھا پیٹا تھا، ہماری غیبتیں کی تھیں، بے جا ظلم کیا تھا، ہمیں بھی حق دلوایئے۔

اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اس کی نیکیاں تو ختم ہوگئیں اب کہاں سے دلوائیں، پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اچھا ایسا کرو کہ جتنا اس نے تمہارا حق مارا ہے اتنے ہی اپنے گناہ اس کی گردن پر ڈال دو (اللہ بچائے اللہ بچائے) وہ لوگ اپنے اپنے حق کے مطابق اپنے اپنے گناہ اس کی گردن پر ڈالیں گے اور پھر وہ ان گناہوں کو لے کر دوزخ میں چلا جائے گا، اور ایسے شخص کو حدیث میں حقیقی مفلس (یعنی نادار اور تنگ دست) فرمایا گیا ہے پوری حدیث اس طرح ہے:-

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَتَدْرُوْنَ مَا الْمُفْلِسُ؟ قَالُوْا: اَلْمُفْلِسُ فِيْنَا مَنْ لَّا دِرْهَمَ وَلَا مَتَاعَ فَقَالَ: اِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ اُمَّتِىْ مَنْ يَّأْتِىْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِصَلٰوةٍ وَصِيَامٍ وَزَكٰوةٍ وَيَأْتِىْ قَدْ شَتَمَ هٰذَا وَقَذَفَ هٰذَا وَأَكَلَ مَالَ هٰذَا وَسَفَكَ دَمَ هٰذَا وَضَرَبَ هٰذَا فَيُعْطٰى هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ وَهٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ فَاِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهٗ قَبْلَ اَنْ يُّقْضٰى مَا عَلَيْهِ اُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِى النَّارِ۔

(رواه مسلم بحواله مشكوٰة ج:۲ ص:۴۳۵)

ترجمہ

آنحضرت ﷺ نے (صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے) فرمایا: کیا جانتے ہو مفلس (نادار اور تنگ دست) کسے کہتے ہیں؟ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا کہ مفلس ہم میں سے وہ شخص (کہلاتا) ہے جس کے پاس نہ درہم ہو اور نہ کوئی ساز و سامان۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری امت میں سے مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ اور زکوٰۃ (کے ڈھیر) لے کر حاضر ہو، اور وہ اس حال میں آئے گا کہ (دنیا میں) اس نے کسی کو گالی دی ہوگی، اور کسی پر تہمت لگائی ہوگی اور کسی کا مال (ناحق) کھایا ہوگا اور (ناحق) کسی کا خون بہایا ہوگا اور (ناحق) کسی کو مارا ہوگا، لہٰذا اس کی نیکیاں لے کر ان سب کو دی جائیں گی، یہاں تک کہ اگر اس کے ان گناہوں کا فیصلہ ہونے سے پہلے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو گئیں تو ان (حقداروں اور مظلوموں) کے گناہ لے کر اس (کی گردن) پر ڈال دیئے جائیں گے اور پھر اس کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ (یہ میری امت میں اصل مفلس ہے)۔

بہر حال! یہ دوسرے قسم کے گناہوں کا معاملہ ہے لیکن علماء کرام نے فرمایا ہے کہ نیکیوں کے ساتھ تو اللہ تعالیٰ دینے کا معاملہ فرمائیں گے، مگر اس کا

ایمان کسی کی حق تلفی کے بدلے نہیں دیا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس کا ایمان بچا کر رکھیں گے، تا کہ میرے بندے کی بخشش کا ایک راستہ تو رہے، جہنم میں جائے تو بے شک چلا جائے لیکن وہاں سے نکلنے کا ایک راستہ بذریعہ ایمان اس کا باقی رہے، اس لئے کیسی ہی اس نے کسی کے ساتھ زیادتی کی ہو، اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ ایمان نہیں دیں گے، تو بھائی ایمان اتنی بڑی دولت ہے، تو حاصل یہ ہوا کہ سب سے بڑی دولت وحی ہے اور وحی کے بعد سب سے بڑی دولت ایمان ہے، اس لئے ہمیں اس کی قدر کرنی چاہئے، اس لئے جتنے بزرگ آپ کو پکے اور سچے ملیں گے سب سے زیادہ وہ اپنے ایمان کے بارے میں متفکر ہوں گے اور اللہ تعالیٰ سے بسلامت دنیا سے لے جانے کی دعاء کرتے ہوئے نظر آئیں گے کہ یا اللہ! یہ ایمان کسی طرح قبر تک صحیح سلامت چلا جائے اس لئے کہ اگر ایمان بسلامت چلا گیا تو اس کی وجہ سے رعایتیں ہی رعایتیں ہوں گی اور شفاعتیں ہی شفاعتیں ہوں گی، پھر قدم قدم پر مغفرت کے بہت سے انتظامات ہوں گے اور اس کی بخشش کا انتظام بھی ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اس لئے امام بخاریؒ نے وحی کے بعد کتاب الایمان کو بیان فرمایا تا کہ پڑھنے والوں کو پتہ چلے کہ ایمان کتنی بڑی نعمت ہے۔

عقلمند کون ہے؟

اس پر مجھے ایک قصہ اور یاد آ گیا چلو وہ بھی سنا دوں جو حضرت بہلولؒ کا واقعہ ہے اور جو اللہ والے ہوتے ہیں بعض لوگ انکی سادگی کی وجہ سے کسی کو مجنوں کہہ دیتے ہیں۔ کوئی ان کو بھولا بھالا کہہ دیتا ہے، کوئی کچھ کہہ دیتا ہے مگر درحقیقت آخرت کے اعتبار سے وہ نہایت عقلمند ہوتے ہیں، وہ

دراصل دنیا کو بے حقیقت سمجھ کر دنیا سے توجہ ہٹانے والے ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسے ہی لوگوں میں شامل کردے (آمین)۔ اس لئے کہ واقعی دنیا دھوکے کا سامان ہے، اور واقعی آخرت میں نیکیوں کا ذخیرہ نجات کا سامان ہے تو واقعی عقلمندی اسی کا نام ہے کہ دنیا کو بے حقیقت سمجھ کر اپنا دل اس سے ہٹا لے اور آخرت کی اہمیت کو سمجھ کر اپنا دل وہاں لگا لے، سارے بزرگ یہی سکھاتے آئے ہیں۔ قرآن وحدیث کی ہمیں یہی تعلیم ہے تو حضرت بہلولؒ کو لوگ بہلولِ مجنوں کہتے تھے حالانکہ بہلول بڑے داناں تھے، لیکن دنیا والے ان کو بے وقوف سمجھتے تھے اور دنیا کا دستور یہ چل پڑا ہے کہ جو دنیا کمانا نہ جانے اور جو آخرت کمانا جانے اس کو لوگ بے وقوف سمجھتے ہیں، اور جو دنیا کمانا جانے اس کو عقلمند سمجھتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ جو دنیا چھوڑ کر آخرت کمانا جانے وہ عقلمند ہے دنیا کے اعتبار سے بھی اور آخرت کے اعتبار سے بھی، تو اسی دنیاوی دستور کے مطابق لوگ حضرت کو بہلولِ مجنوں کہتے تھے۔

حضرت بہلول رحمہ اللہ کا واقعہ

اب ان کا قصہ سنو دیکھو کیسا عقلمندی کا قصہ ہے؟ یہ ہارون رشیدؒ کے زمانے میں تھے، ہاروں رشیدؒ اور ان کی بیوی زبیدہ دونوں بزرگوں کے بڑے معتقد اور بڑے قدرداں تھے، ایک دن ہارون رشید اور ان کی بیوی زبیدہ کہیں سے آرہے تھے تو دیکھا کہ حضرت بہلولؒ راستہ سے ہٹ کر ریت کے ڈھیر پر بیٹھے ہوئے ہیں اور چھوٹے چھوٹے گھر بنا رکھے ہیں جیسا کہ بچے ریت میں پاؤں ڈال کر گھروندے بناتے ہیں ایسے ہی حضرت گھروندے بنا رہے تھے، کوئی بہت بڑا، کوئی اس سے چھوٹا اور کوئی اس سے بھی چھوٹا، کوئی

بہت ہی چھوٹا، اس طرح ریت کے چھوٹے چھوٹے گھر بنا رکھے ہیں، جب ہارون رشیدؒ نے دیکھا کہ حضرت یہاں بیٹھے ہوئے ہیں تو فوراً اپنے گھوڑے سے اترے اور خدمت میں حاضر ہو کر سلام کیا، طبیعت پوچھی، مزاج پوچھا، اور کہا کہ حضرت! یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟ حضرت بہلولؒ نے فرمایا کہ جنت کے مکان بنائے ہیں یہ، کہا حضرت! کیا آپ بیچ رہے ہیں انہیں؟ فرمایا اور کس لئے بنائے ہیں، بیچنے کے لئے ہی تو بنائے ہیں، کہا اچھا، کتنے کتنے کے ہیں؟ حضرت نے اشارہ کیا یہ پانچ روپے کا، یہ چار روپے کا، یہ تین روپے کا، یہ دو روپے کا، یہ ایک روپے کا، یہ آٹھ آنہ کا وغیرہ، ہارون رشیدؒ سمجھے کہ یہ بزرگ ہیں ان کی ایک لٹک ہے بس، ایک مزاج ہے بزرگوں کا، اور آج مزاج میں آکر حضرت اس شان میں ہیں، وہ یہ نہ سمجھے کہ سچ مچ جنت کا بازار کھلا ہوا ہے، وہ کہنے لگے حضرت! ماشاء اللہ مجھے بھی دعاؤں میں یاد رکھنا مصافحہ کیا اور چلے گئے، پیچھے ان کی بیوی زبیدہ آرہی تھی اس نے دیکھا حضرت یہاں بیٹھے ہوئے ہیں وہ بھی نیچے اتری اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آداب بجا لائی، سلام عرض کیا، خیریت پوچھی اور پوچھا کہ حضرت! یہ کیا بنا رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: تجھے کیا خبر یہ میں جنت کے مکان بنا رہا ہوں، زبیدہ نے کہا: کیا آپ جنت کے مکان بیچنے کے لئے بنا رہے ہیں؟ فرمایا اور کس لئے بازار کھولا ہے، الاٹ کرنے کے لئے بیٹھا ہوں، پوچھا حضرت! کتنے کتنے کے ہیں؟ حضرت نے وہی ریٹ اسکو بھی بتا دیئے کہ یہ کوٹھی اتنے کی ہے اور یہ کواٹر اتنے کا ہے، اس نے کہا کہ حضرت! میں نے سارے خرید لئے اور خادم سے کہا کہ سب کے پیسے حضرت کو ادا کر دو،

فوراً حساب لگایا اور سب کے پیسے حضرت کی خدمت میں پیش کر دیئے، حضرت نے اپنے ایک ہاتھ میں پیسے لئے اور دوسرے ہاتھ سے اپنے سارے مکانات گرا کر برابر کر دیئے فرمایا مکان تیرے ہو گئے اور پیسے خیرات کر دیئے، اب جب ہارون رشید اور زبیدہ رات کو اپنے کمرے میں سوئے تو ہارون رشید نے خواب دیکھا۔

یہ محل کس کا ہے؟

ایک بہت ہی خوبصورت، بہت ہی عالیشان باغ ہے ایسا باغ کبھی زندگی میں دیکھا نہیں، اپنی سلطنت میں بھی کہیں نہیں دیکھا۔ حیران ہوا کہ کس کا باغ ہے؟ دل میں آیا کہ اندر تو چلو، جب اندر گیا تو اور حیران رہ گیا کہ اتنا ہرا بھرا، اتنا پھلوں اور پھولوں سے لدا ہوا، خوشبو سے مہکا ہوا، جدھر دیکھو بہار ہی بہار ہے، ذرا اور آگے بڑھا تو حیران رہ گیا کہ اس کے بیچوں بیچ خوبصورت محل بنا ہوا ہے اور محل بھی اتنا حسین وجمیل کہ آج تک کبھی وہم وگمان میں بھی ایسا محل نہیں دیکھا، حالانکہ خود محل میں رہتا تھا مگر وہ محل اس کے سامنے ہیچ اور لاشئی معلوم ہوا، اس نے پوچھا کہ اتنا خوبصورت باغ اور اتنا عالیشان محل کس کا ہے؟ بتانے والے نے کہا کہ تختی لگی ہوئی ہے، اوپر دیکھ لو، یہاں تو جس کا محل ہوتا ہے اس کے نام کی تختی اوپر لگ جاتی ہے، اوپر دیکھا تو لکھا تھا کہ یہ محل ملکۂ زبیدہ کا ہے، ہارون یہ دیکھ کر بڑا حیران ہوا کہ زبیدہ نے یہ محل کب بنوایا؟ مجھے بھی نہیں بتایا، کن پیسوں سے بنوایا ہے، کہیں میرے خزانے میں سے تو اس نے پیسے استعمال نہیں کئے۔ پھر کہا کہ پیچھے بھی دیکھوں، جب پیچھے سے دیکھنے گئے تو ایک راستہ اور ملا اس پر چلا تو دوسرے باغ میں نکلا، دوسرا

باغ پہلے سے بھی بڑھیا اس سے اعلیٰ اس سے عمدہ اب پہلا باغ اس کے آگے چھوٹا لگنے لگا اور دوسرا اس سے بھی بڑا، جب اس کے بیچ میں گئے اس میں پہلے سے بھی زیادہ بڑا محل، اور پہلے سے کہیں زیادہ خوبصورت اور حسین محل تھا، اب وہ ہکا بکا رہ گیا کہ میں یہ کیا دیکھ رہا ہوں، اور یہ کیا ماجرا ہے وہاں بھی اس نے پوچھا کہ یہ کس کا محل ہے؟ کہا گیا کہ ہمیں نہیں معلوم کتبہ دیکھ لو، وہ کتبہ دیکھا تو اس پر بھی زبیدہ کا نام کندہ تھا، جب یہ منظر دیکھا تو گھبرا کر اس کی آنکھ کھل گئی۔ آنکھ کھلی تو دیکھا کہ اپنی چارپائی پر پڑا ہوا ہے زبیدہ دوسری چارپائی پر سوئی ہوئی ہے، کہنے لگا کہ زبیدہ اٹھ جلدی، جلدی سے اٹھ زبیدہ، اس کو اٹھایا، اس سے پوچھا کہ آج میں نے ایسا ایسا خواب دیکھا ہے، کیا معاملہ ہے؟ اس نے کہا مجھے کیا معلوم، کہا کچھ تو بات ہے، ابھی تو دو ہی دیکھے تھے کیا معلوم اور بھی ہوں گے، سچ بتا کیا ماجرا ہے؟ کہنے لگی مجھے معلوم نہیں، کل شام کو ہم دونوں ہی گھومنے کے لئے گئے تھے، حضرت بہلولؒ ریت کے مکانات بنا رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ یہ اتنے اتنے کے ہیں، کہا ہاں ہاں میں بھی تو حضرت سے ملا تھا سب سے پہلے تو میں نے ملاقات کی تھی، ہارون نے پوچھا کیا تو نے سب کے پیسے دیدیئے تھے؟ زبیدہ نے کہا کہ ہاں میں نے تو سب کے پیسے ادا کر دیئے، (افسوس سے کہنے لگا کہ) ارے مجھے کیا معلوم یہ سچ مچ سودا ہو رہا ہے، میں تو سمجھا تھا کہ حضرت اپنی ایک شان میں ہیں، بڑھاپے میں کبھی بچپنہ غالب آجاتا ہے جیسے بچے گھر بناتے ہیں حضرت بھی بچوں کی شان میں آئے ہوں گے، میں تو کچھ سمجھا ہی نہیں اور تو نے سچ مچ پیسے بھی دیدیئے؟ زبیدہ نے جواب دیا: ہاں میں نے تو پیسے بھی دیدیئے تھے۔

یہ جنت کے مکان ہیں

زبیدہ کی بات سُن کر اس نے ساری رات کروٹیں بدلتے ہوئے اور یہ دعاء کرتے ہوئے گزاری کہ خدا کے لئے کل بھی اسی طرح حضرت ریت کے اوپر بیٹھے مل جائیں اور ویسے ہی ریت کے اوپر گھر بنا رکھے ہوں اور حضرت کے پاس جا کر میں بھی لے لوں، غرض بڑی مشکل سے اس نے رات گزاری اور نہایت مشکل سے اس نے دن کاٹا، شام ہوئی تو پھر اسی طرح دونوں کے دونوں سوار ہو کر ٹہلنے کے لئے نکلے ہارون رشید آگے آگے اور زبیدہ پیچھے پیچھے، اس نے کہا کہ تم پیچھے ہی رہو، کبھی وہ پھر آگے بڑھ جائے، اور وہ حضرت کے پاس پہنچے، دور سے دیکھا کہ حضرت ہیں اور اب بھی گھروندے بنا رکھے ہیں جیسے کل بنائے تھے اب جان میں جان آئی کہ شاید اب بات بن جائے، اب جیسے ہی حضرت کے پاس ہارون رشید پہنچا تو ویسے ہی اترا جیسے کل اترا تھا اور سلام عرض کیا، آداب بجالایا، خیریت پوچھی، طبیعت پوچھی، مزاج پوچھا، سب کچھ پوچھا، کہا حضرت! یہ کیا کر رہے ہیں؟ حضرت نے اسی طرح فرمایا کہ یہ جنت کے مکان بنائے ہوئے ہیں، حضرت کیوں بنائے ہیں؟ بھائی بیچنے کے لئے بنائے ہیں اور کس لئے بنائے ہیں، ہارون نے کہا کہ: حضرت! کتنے کتنے کے ہیں؟ حضرت نے جو مکان ایک کمرے کا بغیر بیت الخلاء اور بغیر باورچی خانہ کے تھا اس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ سلطنت دیدو اور یہ لے لو، سلطنت کا مطالبہ سن کر اس کی تو آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، اس نے کہا کہ حضرت کل تو یہ ایک آنہ کا تھا، اور آج پوری سلطنت

اس کی قیمت بن گئی، حضرت نے فرمایا کہ کل بغیر دیکھے سودا ہو رہا تھا آج دیکھ کر سودا ہو رہا ہے، اور یہ سودا تو اب بھی سستا ہے اگر چا ہے، لیکن بادشاہوں کے لئے کرسی زیادہ عزیز ہوتی ہے، ''اللہ بچائے'' اس لئے نہ وہ سلطنت دے سکتا تھا اور نہ محل لے سکتا تھا۔

ایمان کی مثال

تو ہمارے بزرگوں نے فرمایا کہ ایمان کی یہی مثال ہے کہ ہم نے جنت نہیں دیکھی، دوزخ نہیں دیکھی، پُل صراط نہیں دیکھا، ہم نے اللہ جلّ شانہ کو نہیں دیکھا، اور ہم نے سرکارِ دو عالم ﷺ کا زمانہ نہیں پایا، سب چیزیں ہماری نظروں سے غائب ہیں مگر ایمان ہے الحمد للہ، اللہ کے ہاں اُس ایمان کی قیمت ہے جو بغیر دیکھے ہو اور یہی ایمان معتبر ہے، دیکھ کر ایمان لانا کیا ایمان لانا ہے، وہ تو معتبر ہی نہیں، مثلاً اگر کوئی آدمی موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا ہو کر قبر کے حالات دیکھنے لگے، عالمِ برزخ کے حالات دیکھنے لگے اور ایمان لانے لگے تو اس وقت اس کا ایمان لانا کوئی معتبر نہیں، کیوں کہ اس نے آخرت کے حالات کو دیکھ لیا، دیکھ کر ایمان لانے کی کوئی قیمت نہیں، ہاں! بن دیکھے ایمان لانے کی بہت بڑی قیمت ہے، اور علاماتِ برزخ وغیرہ دیکھ کر ایمان لانا اللہ کے ہاں مقبول نہیں، جیسا کہ مسلم شریف کی حدیث میں ہے:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَطْلُعَ

الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا فَإِذَا طَلَعَتْ مِنْ مَغْرِبِهَا اٰمَنَ النَّاسُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ فَيَوْمَئِذٍ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِىْ اِيْمَانِهَا خَيْرًا۔ (رواہ مسلم: ج۱،ص:۸۸)

ترجمہ

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک سورج مغرب سے نہیں نکلے گا، اور جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا تو سب کے سب لوگ (یہ دیکھ کر) ایمان لے آئیں گے پس! اس دن کسی ایسے شخص کو اس کا ایمان نفع نہیں دے گا جو اس سے پہلے (بن دیکھے) ایمان نہ لایا ہو یا اپنے ایمان میں کوئی نیک عمل نہ کیا ہو۔

ایک دوسری حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

ثَلَاثَةٌ اِذَا خَرَجْنَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِىْ اِيْمَانِهَا خَيْرًا۔

(۱) طُلُوْعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا۔

(۲) وَالدَّجَّالُ۔

(۳) وَدَابَّةُ الْاَرْضِ۔

(رواہ مسلم: ج۱،ص:۸۸)

ترجمہ

تین چیزیں ایسی ہیں کہ جب ان کا ظہور ہوگا تو کسی انسان کو اس کا ایمان نفع نہیں دے گا، جو اس سے پہلے ایمان نہ لایا ہو یا ایمان کی حالت میں اس نے کوئی نیک عمل نہ کیا ہو:

(۱) سورج کا مغرب سے نکلنا۔

(۲) دجال کا نکلنا۔

(۳) دابۃ الارض کا نکلنا۔

اسی طرح قرآن کریم کی ایک آیت میں اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا:

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَأْتِيَهُمُ الْمَلٰئِكَةُ اَوْ يَأْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَأْتِيَ بَعْضُ اٰيَاتِ رَبِّكَ ؕ يَوْمَ يَأْتِيْ بَعْضُ اٰيَاتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ۔ (الانعام: ۱۵۸)

ترجمہ

یہ لوگ (جو واضح دلائل کے بعد اب بھی ایمان نہیں لاتے) صرف اس امر کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا آپ کے پاس آپ کا رب آئے یا آپ کے رب کی کوئی بڑی نشانی آئے، جس دن آپ کے

رب کی بڑی نشانی آپہنچے گی (اس روز) کسی ایسے شخص کا
ایمان کام نہ آئے گا جو پہلے سے ایمان نہ رکھتا ہو یا اس
نے اپنے ایمان میں کوئی نیک عمل نہ کیا ہو، آپ (مزید)
فرمادیجئے کہ تم منتظر رہو، ہم بھی منتظر ہیں۔

سمجھ لیجئے! بن دیکھے ایمان کو شریعت میں معتبر اور مقبول قرار دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے متقین کی صفات میں اسی ایمان کو ذکر فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ

ترجمہ

(متقین وہ ہیں) جو بن دیکھے ایمان لاتے ہیں۔

بہر حال! بن دیکھے ایمان بہت بڑی نعمت ہے، اس لئے امام بخاریؒ وحی کے بعد کتاب الایمان لے کر آئے کہ ایمان اتنی بڑی دولت ہے اور اتنی بڑی نعمت ہے۔ اور اس کے جتنے تقاضے ہیں وہ سارے بخاری شریف کے اندر ہم نے جمع کر دیئے ہیں، کتاب الایمان سے لے کر آخری باب تک جس کی آخری حدیث آپ کے سامنے پڑھی گئی ہے جس میں پیدائش سے لے کر موت تک ہر شعبہ کے متعلق جناب سرکارِ دوعالم ﷺ کی تعلیمات ہیں جن پر عمل کرنے کا ہمیں حکم ہے اور ہم سے مطالبہ ہے امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان پر عمل کرنے سے پہلے اپنی نیت صحیح کر لو اس لئے سب سے پہلی حدیث اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَاتِ لائے ہیں۔

ایمان کے بعد تصحیح نیت سب سے اہم ہے

ایمان لانے کے بعد نیت اتنی بڑی چیز ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں اگر نیت صحیح ہے تو عمل صحیح ہے، اگر نیت خراب ہے تو عمل خراب ہے، نیت روح ہے عمل ایک جسم ہے اگر روح صحیح ہوگی جسم بھی صحیح رہے گا، اگر روح خراب ہوگی تو جسم بھی خراب اور برباد ہوگا۔ اس لئے سب سے پہلے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ والی حدیث لائے تاکہ پڑھنے والے اور پڑھنے والیاں سب سے پہلے اپنی نیت کو صحیح کرلیں، اور سب مسلمان مردوں اور عورتوں کو یہی حکم ہے کہ وہ جب بھی کوئی عمل کریں سب سے پہلے یہ دیکھیں کہ نیت کیا ہے؟ اگر کوئی سب سے اعلیٰ اور سب سے ارفع عمل کرے اور اس میں خدانخواستہ دکھاوے کی نیت ہے، ریاکاری کی نیت ہے، نام ونمود کی نیت ہے، یا کسی اور غرض کے لئے وہ کام کر رہا ہے تو جتنا بھی وہ کام کرلے اس کی کوئی حیثیت اللہ تعالیٰ کے ہاں نہ ہوگی، نہ اس کا کوئی وزن ہوگا۔

حُسنِ نیت کا عجیب واقعہ

احادیث کے اندر حُسنِ نیت جس کو اخلاص بھی کہتے ہیں اس کا واقعہ بڑا مشہور ومعروف ہے قیامت کے دن اللہ جل شانہ، کے سامنے ایک بندے کو لایا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کے گناہوں کے رجسٹر کھولے جائیں گے جو کہ ننانوے ہوں گے۔ اس بندے کے گناہوں کے ننانوے دفتر ہوں گے، ننانوے رجسٹر ہوں گے اور ایک رجسٹر اتنا لمبا چوڑا

ہوگا کہ جہاں تک نظر جائے گی وہاں تک رجسٹر ہی رجسٹر نظر آرہا ہوگا، ایسے لمبے چوڑے ننانوے رجسٹر اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کئے جائیں گے اور ہر رجسٹر میں گناہ ہی گناہ درج ہوں گے ان میں کوئی نیکی نہیں ہوگی اللہ تعالیٰ اس بندے سے پوچھیں گے کہ یہ سب گناہ تو نے کئے ہیں؟ وہ انکار نہیں کرسکے گا اقرار کرے گا جو کچھ ان میں لکھا ہے بالکل درست ہے، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ دیکھ لو ہمارے فرشتوں نے اس میں کوئی غلطی تو نہیں کی؟ کہ تو نے نہ کیا ہو اور انہوں نے گناہ لکھ دیا ہو؟ کہے گا نہیں، آپ کے فرشتوں نے اس میں کوئی غلطی نہیں کی اور نہ آپ کے فرشتوں نے غلط لکھا ہے، جو کچھ لکھا ہے بالکل بجا ہے، میں اعتراف کرتا ہوں کہ مجھ سے غلطیاں ہوئیں۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ یہ میری غلطیاں ہیں جو ان میں لکھی ہوئی ہیں، تو پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ ان ننانوے رجسٹروں کو لے کر جا اور اعمال نامے کے ترازو کے پلڑے کے اندر تلوا، وہ کہے گا پروردگارِ عالم! میں تو پہلے ہی اقرار کررہا ہوں کہ یہ میرے گناہ ہیں اور میرے پاس نیکی کوئی ہے نہیں، میں کیا ان کو وہاں تلواؤں گا، اس میں تو میری رُسوائی ہوگی، آپ جو فیصلہ فرمانا چاہتے ہیں یہیں فرمادیں، اللہ پاک فرمائیں گے کہ نہیں بھائی ہم آج کسی پر رائی کے دانے کے برابر بھی ظلم نہیں کریں گے تیری ایک نیکی ہمارے پاس محفوظ ہے اس کو ہم نیکیوں کے پلڑے میں رکھیں گے اور ننانوے دفتر گناہوں کے پلڑے میں رکھیں گے۔ وہ شخص اتنا مایوس ہوگا، اتنا شرمندہ ہوگا، اتنا پریشان ہوگا کہے گا کہ پروردگارِ عالم! مجھے تو اپنا حساب نظر آگیا، کیا تلواؤں اور آپ وہاں لے جاکر میرے گناہوں کو کیا تولیں، میں تو عرض کررہا ہوں کہ بس جو بھی ہے میرا تو یہی انجام ہے، لیکن اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ نہیں بھائی آج ہر

ایک کے ساتھ انصاف ہوگا، خیر اب اس کے ننانوے رجسٹر لے جا کر گناہوں کے پلڑے میں رکھ دیئے جائیں گے پھر اللہ تعالیٰ ایک ورقہ نکالیں گے جس کے اندر اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ لکھا ہوا ہوگا اس نے یہی ایک نیکی کی ہوگی اور نہایت خلوص اور حُسنِ نیت کے ساتھ کی ہوگی ۔ جو اللہ تعالیٰ کے ہاں محفوظ اور مقبول تھی ، لہٰذا جیسے ہی وہ کاغذ کا چھوٹا سا پُرزہ نیکیوں کے پلڑے میں رکھا جائے گا ایک دم نیکیوں کا پلڑا زمین پر بیٹھ جائے گا اور ننانوے رجسٹروں والا پلڑا آسمان پر چڑھ جائے گا، اللہ اکبر! وہ تو بالکل اپنی بخشش سے مایوس تھا، ہکّا بکّا رہ جائے گا، سوچے گا کہ واقعی یہ سچ مچ ہو رہا ہے یا جو کچھ مجھے نظر آ رہا ہے یہ حقیقت ہے؟ لیکن سب کچھ حقیقت میں ہو رہا ہوگا کہ گناہوں کا پلڑا جس میں ننانوے رجسٹر رکھے ہوئے ہیں وہ آسمان سے باتیں کر رہا ہوگا اور ایک نیکی جو جس پلڑے میں رکھی ہوگی وہ زمین پر ہوگا، فیصلہ ہوگیا جاؤ تمہاری بخشش ہوگئی، تم جنت میں چلے جاؤ۔ یہ ہے حُسنِ نیت کی برکت کہ اس نے سچی نیت کے ساتھ، اخلاص کے ساتھ ایک مرتبہ یہ نیکی کی تھی ، وہ نیکی ایسی وزنی ہوگئی کہ جس کے نتیجے میں اس کی بخشش کا سامان بن گیا تو بھائی تیسری چیز نیت کا خالص ہونا ہے کہ نماز پڑھیں ، روزہ رکھیں زکوٰۃ دیں ، حج کریں یا کسی کے ساتھ تعاون کریں ، کسی کے ساتھ اچھا سلوک کریں ، کسی کو ہدیہ دیں، تحفہ دیں محض اللہ کی رضا کے لئے اللہ کی محبت کے لئے ۔ اللہ کے واسطے، دین کی نسبت سے دیں، دنیوی اغراض، دنیوی مقاصد قطعاً اس میں شامل نہ ہوں ، لہٰذا نماز بھی اللہ کے واسطے ہوگی تو درست ہے، اور لوگوں کو دکھانے کے لئے ہوگی تو چاہے ساری رات مُصلّے پر گزار دے اس کا کوئی فائدہ نہیں۔

صحابہؓ کے برابر کسی کا اخلاص نہیں ہو سکتا

حُسنِ نیت اور اخلاص جس قدر صحابۂ کرامؓ کو حضور ﷺ کی برکت سے حاصل ہوا وہ دنیا میں اور کسی کو حاصل نہیں ہوا چنانچہ حدیث میں آپ ﷺ نے اپنے صحابہؓ کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ اگر میرا صحابی ایک مد گندم جو تقریباً ایک سیر کے برابر ہوتا ہے اللہ کے راستہ میں صدقہ کر دے یعنی ایک سیر کے قریب قریب گندم خیرات کرے اور غیر صحابی اُحد پہاڑ کے برابر سونا خیرات کرے تب بھی وہ میرے صحابی کے ایک مد گندم کے برابر نہیں پہنچ سکتا۔ بہرحال بھائی! نیت بہت بڑی چیز ہے اس لئے ہر عمل سے پہلے دیکھ لیں کہ نیت کیا ہے؟ اگر نیت صحیح نہیں ہے تو پھر سب سے پہلے نیت صحیح کر لے اور جب نیت صحیح ہو جائے تو پھر عمل کرے پھر ان شاء اللہ اخلاص کی برکت سے وہ عمل قبول ہوگا اور اگر نیت صحیح نہیں تو پھر بظاہر عمل کتنا بھی اچھا ہو وہ بھی برباد ہوگا۔

ان کو تہجد گزار لکھ دو

ایک روایت میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں کچھ اللہ کے بندے ایسے بھی پیش ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائیں گے کہ ان کے نامۂ اعمال میں لکھ دو کہ انہوں نے ساری عمر تہجد پڑھی ہے، ساری عمر انہوں نے روزے رکھے، ساری عمر انہوں نے فلاں نیک کام کیا، فرشتے عرض کریں گے کہ یا اللہ! انہوں نے تو کبھی تہجد پڑھی ہی نہیں اور آپ فرما رہے ہیں کہ ان کو تہجد گزار لکھ دو، کبھی انہوں نے نفلی روزے تو رکھے

نہیں، رمضان کے روزے تو خیر رکھے لیکن نفلی روزے تو رکھے نہیں اور آپ فرما رہے ہیں کہ ان کو صائم لکھ دو، اور فلاں عمل بھی انہوں نے کیا نہیں اور فرما رہے ہیں کہ ان کو فلاں عمل کرنے والا لکھ دو، یا اللہ! اس میں کیا حکمت ہے، کیا راز ہے، نامۂ اعمال میں تو ہم نے چونکہ ان کو تہجد پڑھتے دیکھا نہیں اس لئے لکھا ہی نہیں، اور جو عمل ہم نے ان کو کرتے ہوئے نہیں دیکھا وہ لکھا ہی نہیں اور آپ فرما رہے ہیں کہ لکھ دو، یا اللہ! اس میں کیا حکمت ہے؟ یا اللہ! آپ کا حکم سر آنکھوں پر ہم لکھنے کے لئے تیار ہیں بس ذرا سا پوچھنا چاہتے ہیں کہ اس نے یہ کون سا ایسا خفیہ عمل کیا ہے کہ آپ ان کو تہجد گزار لکھوا رہے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ یہ روزانہ تہجد کی نیت کر کے سوتے تھے، لہٰذا اس نیت کی وجہ سے ہم نے اس کو تہجد گزار لکھ دیا، اس کی نیت فلاں نیک کام کی ہوتی تھی اس لئے ہم نے اس کا ثواب دیدیا ہے۔ (الترغیب و الترھیب ص ۲۳۱ ج ۱)

مؤمن کی نیت اسکے عمل سے بہتر ہے

حدیث میں آتا ہے نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِنْ عَمَلِهٖ (مرقاۃ ص ٥) کہ مؤمن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے، بعض اوقات نیت عمل سے بڑھ جاتی ہے، بس نیت صحیح ہو اس لئے کہ نیت میں خلوص ہی خلوص ہوتا ہے اور عمل میں خلوص بھی ہو سکتا ہے اور ریاکاری بھی ہو سکتی ہے اور دونوں کی ملاوٹ بھی ہو سکتی ہے، جیسے ہمارا حال ہے کہ اللہ بچائے کہ خلوص بھی آ گیا ریاکاری بھی آ گئی تو اس کا پاس ہونا بھی ذرا مشکل ہے لہٰذا جس کی نیت ہی صرف اللہ کے لئے روزہ رکھنے کی ہوگی، اللہ ہی کے لئے نوافل پڑھنے کی ہوگی، اللہ ہی کے لئے صدقہ خیرات کرنے کی ہوگی تو اس کو اس نیت کے بدولت بھی ثواب ملے

گا، اور بعض مرتبہ اس عمل سے بڑھ کر اس کو ثواب ملے گا، تو بھائی نیت بہت بڑی چیز ہے۔

حُسنِ نیت سے کھانا پینا عبادت

زیادہ تفصیل تو میں آپ کے سامنے بیان نہیں کر سکتا اس لئے کہ کافی دیر ہو رہی ہے لیکن ایک واقعہ پانی پت کا سنا دوں لیکن اس سے پہلے میں یہ عرض کر دوں کہ جتنے بھی اعمالِ صالحہ ہیں خواہ وہ فرائض و واجبات ہوں یا سنن و مستحبات، ان کو خلوصِ نیت اور صحیح نیت سے کرنا تو ہے ہی بہت اونچا عمل اللہ تعالیٰ ہمیں نصیب فرمائے اور بیان کرنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ آج ہم اس بات کو پلے بندھ لیں، لیکن اس نیت کے صحیح ہونے کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ ہم اگر اس کو صحیح کرنے کی عادت ڈال لیں تو ہمارے وہ کام بھی جو بذاتِ خود عبادت نہیں ہیں وہ بھی عبادت بن جائیں گے یہ اللہ تعالیٰ نے اس میں خاصیت رکھی ہے جو اس واقعہ سے ان شاء اللہ آپ کی سمجھ میں آجائے گی، یہ واقعہ پانی پت کے اس زمانہ کا ہے جب وہاں دریائے جمنا کے اوپر پُل نہیں تھا، بس قاعدہ یہ تھا کہ سردیوں میں تو لوگ نیچے ہی سے گزر جاتے، شلوار اوپر کی اور پانی میں ادھر سے اُدھر پار ہو گئے اس لئے کہ سردیوں میں دریا خشک ہو جاتا ہے اور گرمیوں میں اس کے اندر سیلاب آیا کرتا تھا، جب سیلاب آتا تو کشتیوں کے ذریعہ اِدھر سے اُدھر پار ہو جاتے اور جب سیلاب آتا تو کشتیاں بند ہو جاتی تھیں اب اِدھر کا اُدھر اور اُدھر کا اِدھر کوئی نہیں جا سکتا تھا۔

دو مخلص دوست

یہ اس زمانے کا واقعہ ہے جب سیلاب آیا ہوا تھا اس زمانہ میں دریائے جمنا کے اس پار بھی اور اس کے اُس پار بھی دو بزرگ رہتے تھے اور دونوں ایک دوسرے کے گہرے دوست تھے، دونوں ایک دوسرے سے اللہ کے واسطے محبت رکھتے تھے، اس لئے دونوں کبھی کبھی ملتے بھی تھے اور کبھی کبھی ایک دوسرے کو ہدیہ بھی دیا کرتے تھے، اللہ کے واسطے ملنا اور اللہ کے واسطے ایک دوسرے کو ہدیہ دینا بہت بڑی عبادت ہے، اس کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے، کسی بھی مسلمان کو کوئی اللہ کے واسطے ہدیہ دے یہ بھی بہت بڑی دولت ہے بہت بڑی نعمت ہے اس پر بھی بڑا اجر وثواب ہے۔

اس زمانہ میں ایک دن ایسا ہوا کہ دریا کے اس کنارے جو بزرگ رہتے تھے ان کے ایک معتقد یا ایک مرید ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان بزرگ نے اس سے کہا کہ آج ہمارے گھر میں بہت اچھا کھانا پکا ہے اور بہت دن کے بعد پکا ہے، میرا دل چاہتا ہے کہ جو کھانا ہے یہ میرا بھائی جو دوسرے کنارے رہتا ہے اس کو بھجواؤں، اس لئے تم یہ کھانا اس کو پہنچا آؤ، اس نے کہا بہت اچھا آپ کا حکم سرآنکھوں پر، لائیے لیکن ایک منٹ کے لئے یہ تو بتائیے کہ سیلاب آیا ہوا ہے کشتیاں بند ہیں میں کیسے جاؤں گا؟ بزرگ نے کہا کہ تم اس کی فکر نہ کرو بس تم دریائے جمنا کے قریب جا کر میرا سلام کہنا اور کہنا کہ فلاں بزرگ نے بھیجا ہے جس نے آج تک نہ کبھی کھانا کھایا اور نہ پانی پیا ہے، راستہ دیدو، یہ سنا تو وہ بھی ذرا ہوشیار ہوا کہ حضرت کیا فرما رہے ہیں، مگر حضرت کا کام بھی کرنا ہے اس لئے اس نے سوچا کہ پہلے کام کر آؤں پھر

آ کر حقیقت پوچھوں گا، جناب اس نے کھانا لیا اور سیدھا جمنا کے کنارے پہنچا، سلام کہا اور کہا کہ فلاں بزرگ جنہوں نے مجھے جانے کے لئے کہا ہے انہوں نے کہا کہ مجھے راستہ دیدے اور یہ وہ بزرگ ہیں جنہوں نے آج تک نہ کھانا کھایا نہ کبھی پانی پیا ہے، جیسے ہی یہ کہا تو جمنا کا پانی ایک دم اوپر کا اوپر رہ گیا اور نیچے کا نیچے چلا گیا اور جو بزرگ کے معتقد تھے آرام سے نیچے اترے اور جا کر ان دوسرے بزرگ کو اُن بزرگ کا سلام کہا اور کھانا پیش کیا انہوں نے دیکھا تو کہا کہ سبحان اللہ، سبحان اللہ، اللہ تعالیٰ میرے بھائی کو جزائے خیر دے بڑے موقعہ پر کھانا بھیجا ہے آج کل ہم کئی دن سے فاقہ میں مبتلا تھے، کئی دن سے فاقہ تھا آج طبیعت کھانے کو بہت چاہ رہی تھی بھائی نے آج بڑے موقعہ پر یاد کیا ہے، میرے بھائی کا بہت بہت شکریہ ادا کرنا، انہوں نے فرمایا کہ میں برتن کہاں بھجواؤں گا لہٰذا تم ایسا کرو کہ تھوڑی دیر بیٹھ جاؤ میں تمہارے سامنے کھانا کھا کر برتن تمہیں دے دیتا ہوں، برتن بھی ساتھ ہی لیجانا، اب جناب انہوں نے سامنے کھانا کھایا پانی پیا، برتن خالی کئے اور پھر میرے حوالے کئے، تو میں نے کہا کہ حضرت! آ تو گیا تھا مگر جاؤں کیسے؟ حضرت نے فرمایا کہ آئے کیسے تھے؟ کہا کہ حضرت نے یہ فرمایا تھا کہ جمنا کو میرا سلام کہہ دینا اور کہنا کہ آج تک جس نے نہ کھایا نہ پیا اس نے کہا ہے کہ راستہ دیدے، میں نے یہ کہا تو جمنا نے راستہ دیدیا اور میں آ گیا، حضرت نے فرمایا کہ یہی میری طرف سے جمنا سے کہہ دینا، میرا نام لے کر اس سے کہنا کہ اس نے سلام کہا ہے اور یہ کہا ہے کہ جس نے آج تک نہ کھایا نہ پیا وہ کہتا ہے کہ راستہ دیدو، معتقد اور مرید صاحب کہتے ہیں کہ اب میں حضرت کے منہ کو دیکھ رہا

ہوں کہ ابھی میرے سامنے کھانا کھایا ہے، برتن خالی کر کے مجھے دیئے ہیں اور اب کیا فرمارہے ہیں؟ مگر میں نے کہا کہ پہلے اس پار تو کسی طرح چلے جاؤں پھر دیکھیں گے، کہتے ہیں کہ میں جلدی سے آیا حضرت سے مل کر اور جیسے حضرت نے فرمایا تھا میں نے ویسے ہی سلام اور پیغام جمنا سے کہہ دیا اور میں نے جیسے ہی کہا تو فوراً وہ ویسے ہی ہوگئی جیسے پہلے ہوئی تھی کہ اوپر کا پانی اوپر اور نیچے کا پانی نیچے، تو میں جلدی سے اس پار سے اس پار پہنچا اور خیریت سے حضرت کے پاس پہنچ گیا اور جا کر کہا کہ حضرت میں کھانا پہنچا کر کے آیا ہوں اور حضرت نے بڑی خوشی کا اظہار کیا ہے اور شکریہ ادا کیا ہے، مگر حضرت میں تو ایک بڑے اشکال کے اندر مبتلا ہو گیا ہوں، میں حیران ہوں آپ کو تو میں نے بہر حال کھانا کھاتے ہوئے نہیں دیکھا، لیکن ہے یہاں بھی مشکل کہ آپ نے یہ کہلوایا تھا کہ جنہوں نے آج تک نہ کبھی کھانا کھایا نہ پانی پیا ہے، لیکن حضرت آپ کے بھائی نے تو حد کر دی کہ میرے سامنے کھانا کھایا، پانی پیا، برتن صاف کئے اور مجھے دیدیئے، میں نے پوچھا کہ جاؤں کیسے؟ تو انہوں نے بھی فرمایا کہ جمنا کو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ جس نے آج تک نہ کبھی کھانا کھایا اور نہ پانی پیا اس نے کہا ہے کہ راستہ دیدے، اس کے اس کہنے سے جمنا نے بھی راستہ دیدیا، حضرت! انہوں نے تو میری آنکھوں کے سامنے کھایا پھر میں کیسے کہہ دوں کہ کھانا نہیں کھایا، لیکن دریائے جمنا بھی دونوں کا کہنا مان رہی ہے، راستہ دے رہی ہے، یہ کیا ماجرا ہے؟ میری سمجھ سے باہر ہے، حضرت! کچھ آپ ہی اس کی وضاحت فرمایئے، حضرت نے فرمایا کہ اب آپ نے پوچھ ہی لیا ہے تو بتا دیتے ہیں ورنہ یہ باتیں بتانے کی نہیں ہوتیں یہ راز کی باتیں

راز میں رکھی جاتی ہیں مگر تم نے پوچھ لیا ہے تو تمہیں بتا دیتے ہیں، کہتے ہیں کہ میں نے جو یہ کہا کہ آج تک کھانا نہیں کھایا پانی نہیں پیا یہ بھی صحیح ہے اور میرے بھائی نے جو کہا کہ آج تک کھانا نہیں کھایا پانی نہیں پیا وہ بھی صحیح ہے اس لئے کہ اسکا مطلب یہ ہے کہ ہم جو کھانا کھاتے یا پانی پیتے ہیں وہ محض اپنی خواہش پوری کرنے کے لئے نہیں کھاتے پیتے بلکہ محض اللہ کا حکم سمجھ کر اور حضور ﷺ کی اتباع میں کھاتے ہیں اور جو ہم نے اللہ کے لئے کھانا کھایا وہ تو اللہ کے لئے کھانا ہوا، ہمارا کھانا کہاں ہوا، یہی بات میں نے کہی اور یہی بات ہمارے بھائی نے کہی، انہوں نے بیشک تمہارے سامنے کھایا تھا، لیکن وہ اللہ کے لئے کھایا تھا، لہٰذا وہ اللہ کے لئے ہوا اپنے لئے نہ ہوا، جو کھانا اللہ کے واسطے کھایا گیا ہو وہ اللہ کے لئے ہے اور جو اپنے نفس کی خواہش کے لئے یا اپنی بھوک مٹانے کے لئے کھایا گیا ہو وہ اپنے لئے ہے، اس میں حسن نیت کا کوئی اجر وثواب نہیں۔

جو عمل اللہ کے لئے کیا جائے وہ اللہ کے لئے ہوتا ہے

جو عمل اللہ کے لئے ہو وہ اللہ کے لئے ہوتا ہے، چاہے وہ سبحان اللہ، اللہ اکبر ہو یا چاہے نماز ہو، چاہے کھانا پینا ہو یا مرنا جینا، بس وہ اللہ کے لئے ہو، وہ باعثِ اجر ہے اور باعثِ قربِ الٰہی ہے، نیت دیکھ لیجئے کتنی اونچی چیز ہے، تو بھائی! بزرگوں کے جو درجے بڑھتے ہیں وہ اسی لئے بڑھتے ہیں کہ ظاہری طور پر تو ان کے اعمال ہمیں نظر نہیں آتے لیکن باطن کے اندر ان کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا عجیب وغریب تعلق ہوتا ہے کہ اس کی وجہ سے ان کے ظاہری کام جنہیں ظاہری طور پر عبادت نہیں سمجھا جا سکتا وہ بھی ان کی حُسنِ

نیت کی وجہ سے عبادت بنے ہوئے ہوتے ہیں اس لئے وہ چوبیس گھنٹے کی زندگی میں عام لوگوں سے ہزار گنا تیز رفتاری سے اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتے رہتے ہیں اور مقاماتِ قرب طے کرتے رہتے ہیں، اور عام لوگ جہاں ہیں بے چارے وہیں کھڑے رہتے ہیں، لہٰذا اخلاص کی برکت سے اور اچھی نیت سے عام معمولاتِ زندگی بھی عبادت بن جاتے ہیں، اس لئے امام بخاریؒ نے حُسنِ نیت کی طرف اشارہ کر دیا کہ ایمان لانے کے بعد اب عمل ہی عمل کرنا ہے جس سے سارا قرآن شریف بھرا ہوا ہے، جس سے ساری بخاری شریف بھری ہوئی ہے اس لئے اس کے لئے اب تم حُسنِ نیت کی کشتی میں سوار ہو جاؤ تو تمہاری کشتی پار ہو جائے گی اور اگر تم نے حُسنِ نیت کو چھوڑ دیا تو پھر یاد رکھنا کہ اب تمہاری زندگی کا کامیاب ہونا مشکل ہے، لہٰذا اخلاص اور حُسنِ نیت بہت بڑی دولت ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اخلاص کا عجیب قصہ

اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قصہ یاد آیا وہ بھی سنا دوں پھر آگے چلوں گا ان شاء اللہ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ایک مرتبہ جہاد میں ایک دشمن سے مقابلہ ہوا اور بڑا زبردست مقابلہ ہوا جس میں بالآخر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اسے زیر کر لیا اور اس کا سر قلم کرنے کے لئے اس کے سینے پر بیٹھ گئے، عین اس وقت جب حضرت علیؓ اس کے سینے پر بیٹھے اور اس کے سر کو قلم کرنے کا ارادہ فرما رہے تھے کہ اس نے آپؓ کے چہرے پر تھوک دیا، جونہی اس نے حضرت کے چہرے پر تھوکا حضرت اس کے سینے سے اُٹھ کر کھڑے ہو گئے وہ حیران رہ گیا کہ انہوں نے مجھے کیسے چھوڑ دیا جبکہ میں پوری طرح

ان کے قابو میں تھا اور چند لمحے باقی تھے میرے ذبح ہونے میں، آخر انہوں نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟ خود ہی اس نے پوچھا کہ حضرت آپ نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟ فرمایا کہ جب تو نے میرے چہرے پر تھوکا تو میرے نفس کو جوش آیا اس وقت اگر میں تجھے قتل کرتا تو یہ نفس کے لئے ہوتا اور پہلے تجھے اللہ کے واسطے قتل کرنے کی نیت تھی تو میرا یہ عمل اللہ کے لئے تھا جب تو نے میرے چہرے پر تھوکا تو مجھے غصہ آ گیا اب میں نے سوچا کہ اب اگر اس کو قتل کروں گا تو اپنے غصے کو ٹھنڈا کرنے کے لئے قتل کروں گا اور اب قتل کرنا اللہ کے لئے نہیں ہوگا اس لئے میں نے تجھے چھوڑ دیا کہ یہ قتل اللہ کے لئے نہیں ہے۔ یہ ہے تعلیم، اس نے جب حضرت کی یہ بات سُنی تو اس نے کہا کہ حضرت آپ کا مذہب سچا ہے، میں کافر ہوں غلطی پر ہوں، لو میں اسلام قبول کرتا ہوں اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

ریاکاری ناجائز اور حرام ہے

جس مذہب کے اندر اتنی باریک تعلیم ہو وہ حق ہی ہوسکتا ہے ناحق نہیں ہوسکتا، یاد رکھئے! نیت دل کے اندر ہوتی ہے، ہمارے معاشرے میں ریاکاری اور نمود و نمائش کے کام بے شمار ہوتے ہیں۔

شادی بیاہ کے موقعہ پر عام طور پر جتنے لین دین، کھانا پانی اور تحفے تحائف ہوتے ہیں اسی طرح جتنی رسومات ہوتی ہیں سب نمائش کے لئے ہوتی ہیں الا ماشاء اللہ، یاد رکھئے! ان سے توبہ کرنے کی ضرورت ہے، اور جب کسی کا انتقال ہو جاتا ہے تو جتنی رسومات اور بدعات ہوتی ہیں وہ بھی عام طور پر برادری کو دکھانے کے لئے ہی ہوتی ہیں کہ ہماری برادری میں یہ

رسومات اوپر سے ہوتی چلی آرہی ہیں، لہٰذا ہم بھی کریں گے، اگر نہ کریں تو قوم اور برادری کیا کہے گی؟ ناک کٹے گی، ناک کی وجہ سے، برادری کی وجہ سے، طعن و تشنیع کی وجہ سے، وہ ناجائز کام بھی کر لئے جاتے ہیں؟ بدعات کا ارتکاب کیا جاتا ہے یہ سب دکھاوے اور نمود و نمائش کے لئے ہوتا ہے، دکھاوا اور نمائش ریا ہے اور ریاکاری ناجائز، حرام اور شرکِ خفی ہے، تو بھائی امام بخاریؒ نے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ حدیث لاکر ہمیں سکھایا ہے کہ نیت صحیح کرلو، وحی بھی آچکی، ایمان بھی تم کو مل گیا، اس کے بعد جو سب سے اہم چیز ہے وہ حسنِ نیت ہے اس کو اپنے دامن میں لے لو، پھر جو بھی عمل کرو پہلے اپنی نیت صحیح کرلو پھر اس کو انجام دو، جب تمہاری نیت صحیح ہوگی تو پھر تمہارا تھوڑا عمل بھی بہت ہوگا اور ریاکاری کے ساتھ تو بے شمار نیکیاں بھی رائیگاں ہوں گی۔

جب وقت آخر ہو

اس کے بعد چلتے چلتے آخر میں اس حدیث پر امام بخاریؒ نے بخاری شریف کو ختم فرمایا سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ، اس پر آپ نے اس لئے ختم فرمایا کہ مؤمن کی زندگی کا آخری حال یہ ہونا چاہئے کہ وہ جب دنیا سے جارہا ہو تو اس کی زبان پر اللہ کا نام آرہا ہو، ساری زندگی اللہ کی عبادت میں لگا رہے اس کی اطاعت میں مشغول رہے، زبان کو اللہ کے ذکر سے تر رکھے ظاہر اور باطن کو سنوارتا رہے یہاں تک کہ جب اس کا آخری وقت آئے تو اس کا آخری کلمہ اللہ تعالیٰ کا نام ہو، جس مسلمان کا آخری کلمہ لاالٰہ الا اللّٰہ ہو وہ جنتی ہے۔

ایک شعر یاد آگیا ؎

یہی آرزو ہے کہ جانِ من تیرا نام لیتا ہوا مروں
تیرے کوچے میں نہ سہی مگر تیری رہ گزر پہ مزار ہو

اور یہ حدیث تو مشہور ہے کہ جس مؤمن کا آخری کلمہ لاالٰہ الااللّٰہ ہوگا وہ جنت میں جائے گا لہٰذا سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ کہہ کر یہ فرمایا کہ بھائی! اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کو زندگی کا لازمی حصہ بنالو، یہ مغز ہی مغز ہے سارے دین کا اور سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ کو کیوں اختیار فرمایا اور بھی تو کلمات ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ دنیا میں جتنے بھی کلمات ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جاتا ہے ان تمام کلمات میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو محبوب چار کلمات ہیں:

(۱) سُبْحَانَ اللّٰہِ
(۲) اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ
(۳) اَللّٰہُ اَکْبَرُ
(۴) لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

اور یہ چار کلمات سب سے زیادہ محبوب کیوں ہیں؟ اس لئے کہ ان چاروں کلموں میں اللہ تعالیٰ کے چار مقامات کا ذکر ہے اور وہ چار مقامات اللہ تعالیٰ کے نہایت عالی اور نہایت بلند ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات بلند ہے وہ مقامات بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں، کسی اور کو نہیں مل سکتے، اسی طرح یہ کلمات بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا پہلا مقام

پہلا مقام اللہ تعالیٰ کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بے عیب ہیں، ہر قسم کے عیب سے پاک ہیں، ہر قسم کی کمزوری سے پاک ہیں، کسی قسم کا کوئی نقص، کوئی عیب، کوئی خامی، کوئی خرابی اللہ تعالیٰ کی ذات میں نہیں ہے، ہر نقص سے پاک اور وراء الوراء ہیں، ہمارے حضرت (حضرت مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ) کے چند اشعار یاد آ گئے جو میرے پاس حضرت کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں، اس میں حضرت نے اللہ تعالیٰ کی تعریف کی اور توصیف بیان کی ہے، فرماتے ہیں: ؎

تیرے دیکھنے کی جو آس ہے یہی زندگی کی اساس ہے
میں ہزار تجھ سے بعید ہوں یہ عجب کہ تو میرے پاس ہے،
تیری ذات پاک ہے لازوال تیری سب صفات ہیں بے مثال
تو بروند وہم و خیال ہے تو وراءِ عقل و قیاس ہے
کسی انجمن میں قرارِ دل نہ کسی چمن میں بہارِ دل
کہوں کس سے حالتِ زارِ دل کہ یہ ہر جگہ میں اداس ہے
تیرا کچھ پتہ بھی جو پا گیا وہ تمام جہاں پہ چھا گیا
اسے اب کسی سے امید ہے نہ کسی سے خوف و ہراس ہے

اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو صحیح اور سچا عشق نصیب ہو جائے تو یقیناً وہ دنیا میں بھی کامیاب اور آخرت میں بھی فلاح یاب ہو گیا، تو بے شک اللہ تعالیٰ ہر عیب سے وراء الوریٰ ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات ہر عیب، کمزوری اور نقص سے پاک ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا ہر مخلوق عیب دار

ہے، مخلوق عیب دار اور خالق بے عیب ہے ہر نقص سے ہر عیب سے یہ پہلا مقام ہے جو سبحان اللہ میں بیان کیا گیا ہے، سبحان اللہ کا معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر عیب اور کمزوری سے پاک ہے۔

دوسرا مقام

اللہ تعالیٰ کا دوسرا مقام یہ ہے کہ تمام خوبیاں، سارے کمالات، ساری اچھائیاں اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کے اندر موجود ہیں، اگر کسی مخلوق کے اندر بھی کوئی خوبی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے، بندے کا اس میں کوئی ذاتی کمال نہیں ہے بس ساری خوبیوں کے مالک اللہ تعالیٰ ہیں، ہر طرح کی خوبی، ہر طرح کی خیر، ہر طرح کا علم، ہر طرح کا کمال، ہر طرح کا فضل، جتنی اچھائیاں ہوسکتی ہیں سب اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کے اندر موجود ہیں اور منحصر ہیں، مخلوق کو جو کچھ ملتا ہے ان کے عطاء کرنے سے ملتا ہے، جتنا، عطاء فرما دیتے ہیں بس اتنا ہی بندے کو ملتا ہے وہ بھی ان کے حقیقی کمالات کا پرتاوَ اور عکس ہوتا ہے حقیقت تو بندے کے اندر ہو ہی نہیں سکتی، لہٰذا یہ دوسرا مقام الحمدللہ کے اندر بیان کیا گیا ہے۔

تین چیزیں سب سے بڑی

جب اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے، ہر خوبی سے مالا مال ہے تو بس سب سے بڑی ذات انہی کی ہے:

وَلَـهُ الْكِبْـرِيَـآءُ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۔ (پارہ ۲۵)

ترجمہ

اور اسی (اللہ) کے لئے برائی ہے زمین و آسمان میں،

اور وہ زبردست حکمت والا ہے۔

ایک بزرگ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تین چیزوں کو قرآن شریف میں بڑا فرمایا ہے (یاد رکھنا بڑے کام کی بات عرض کررہا ہوں انشاء اللہ تعالیٰ) کہ تین چیزیں ایسی ہیں جن کو اللہ نے سب سے بڑا فرمایا

۱۔ اللہ اکبر، اللہ سب سے بڑے ہیں، اللہ تعالیٰ کے برابر کوئی نہیں ہوسکتا، نہ ہوا ہے، نہ ہوگا، نہ ہوسکتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی ذات سب سے بڑھ کر ہے اس میں تو کوئی شک ہی نہیں۔

۲۔ دوسری چیز فرمایا

وَلَذِکْرُاللّٰہِ اَکْبَرُ۔ (پارہ : ۲۱)

کہ اللہ کا ذکر سب سے بڑی چیز ہے۔

سب سے بڑی دولت ہے، اسی پر امام بخاریؒ نے اپنی کتاب کو ختم فرمایا ہے، اللہ پاک فرمارہے ہیں وَلَذِکْرُاللّٰہِ اَکْبَرُ اللہ تعالیٰ کا ذکر سب سے بڑی دولت ہے، ذکر میں قرآن شریف بھی آگیا، ذکر میں ہر نیکی آگئی، ذکر میں تسبیحات بھی آگئیں، تلاوت بھی آگئی، اللہ تعالیٰ کی یاد آگئی اس پر مجذوب صاحب کے اشعار یاد آگئے وہ سنادوں، مجذوب صاحب فرماتے ہیں:۔

یاد میں تیری سب کو بھلا دوں کوئی نہ مجھ کو یاد رہے
تجھ پر سب گھر بار لٹا دوں خانۂ دل آباد رہے
سب خوشیوں کو آگ لگا دوں غم میں تیرے دل شاد رہے
اپنی نظر سے سب کو گرا دوں تجھ سے فقط فریاد ہے
اب تو رہے بس تا دمِ آخر وردِ زباں اے میرے الٰہ
لا الٰہ الا اللّٰہ لا الٰہ الا اللّٰہ

بھائی! اللہ کا ذکر سب سے بڑی چیز ہے اس لئے اللہ کے ذکر کا عادی بننا چاہئے، آدمی کو صبح وشام بھی اللہ کا ذکر کرنے کی عادت ڈالنی چاہئے، مسنون تسبیحات کی پابندی کرلیں اور چلتے پھرتے بھی درود شریف اور لا الٰہ الا اللّٰہ پڑھنے کا دائمی معمول بنالیں۔

۳۔ اور تیسری چیز جس کو اللہ نے بڑا فرمایا وہ ہے:

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ

اللہ کی رضا سب سے بڑھ کر ہے

(اللہ پاک یہ دولت ہمیں بھی نصیب فرمائے، اللہ پاک نصیب فرمائے آمین) جیسے اللہ کی ذات سب سے بڑھ کر ہے ایسے ہی اللہ کی یاد اور اللہ کی رضا بھی سب سے بڑھ کر ہے۔

تیسرا مقام

تیسرا مقام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ساری کمزوریوں، عیبوں سے پاک، ساری خوبیوں کے مالک ہیں، سب سے بڑی انہی کی ذات ہے اس لئے اللہ اکبر میں اللہ تعالیٰ کا تیسرا مقام بیان فرمایا گیا ہے۔

چوتھا مقام

لاالٰہ الا اللّٰہ میں مقامِ توحید بیان کیا گیا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کا چوتھا مقام ہے کہ جب وہ بے عیب ذات ہے، اور جب وہ ہر قسم کی خوبیوں کی مالک ہے، اور جب وہ سب سے بڑھ کر ہے تو پھر ان کے سوا کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں ہے، کوئی ان کی ذات وصفات میں شریک نہیں ہے وہ وحدہ لا شریک ہے بس انہی کو مانو، اُسی کے ہو جاؤ اُسی کی طرف ہو جاؤ بس یہ ان کی طرف سے حکم ہے اور یہ چوتھا مقام ہوا۔

یہ چار مقامات اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں

یہ چار مقامات اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں، اور یہ مقامات اللہ تعالیٰ کو ایسے مخصوص اور عزیز ہیں کہ جن کلمات کے اندر ان مقامات کو بیان کیا گیا ہے وہ کلمات بھی اللہ تعالیٰ کو نہایت عزیز ہیں اور جو ان کلمات پر عامل ہوگا وہ بھی سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو عزیز اور پیا ہوگا، لہٰذا سُبْحَانَ اللّٰہِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ لَااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، پڑھنے کا معمول بنالیں، اور جو اس کے اندر اللہ تعالیٰ کا مقام بیان کیا گیا ہے اس کو ذہن میں رکھ کر پڑھیں، پھر دیکھو کیسا اثر ہوتا ہے، اور اگر بھول جائیں تو ایک بات کو یاد رکھیں جسے میں عرض کردیتا ہوں، چاہے کوئی بھی تسبیح پڑھیں، سُبْحَانَ اللّٰہِ کی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کی، اَللّٰہُ اَکْبَرُ کی یا لَااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ کی یا سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ پہلے یہ نیت کرلیں کہ یا اللہ میں اس لئے پڑھ رہا ہوں تاکہ آپ کی محبت میرے دل کے اندر پیدا ہو جائے، بس اللہ تعالیٰ کی محبت میرے دل میں آجائے یہ نیت کر کے آپ تسبیح پڑھیں اگر چار مقام یاد نہ رہیں تو یہ تو یاد

رہے گا، مقام محبت تو بھولنے والا نہیں ہوتا بھائی، وہ ہمیشہ یاد رکھنے کا ہوتا ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ میرے بندے میرا نام لیں تاکہ میری محبت ان کے دل کے اندر اتر جائے، تو بس اللہ کی محبت کے لئے اس کو پڑھنا شروع کر دیں۔

یہ مقامات ان کلمات میں موجود ہیں

یہ چاروں مقامات سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ میں موجود ہیں اسی لئے سرکار دو عالم ﷺ فرماتے ہیں كَلِمَتَانِ حَبِيْبَتَانِ اِلَى الرَّحْمٰنِ یہ دو کلمے ایسے ہیں جو رحمٰن کے نزدیک بہت ہی محبوب ہیں خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ، زبان پر بہت ہی ہلکے ہیں ثَقِيْلَتَانِ فِى الْمِيْزَانِ، اور میزانِ عمل میں بہت بھاری ہیں اور وہ ہیں سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ، چونکہ اللہ پاک نے ہمیں اپنی نوازش، بخشش اور مغفرت سے نوازنے کا ارادہ کر لیا ہے اس لئے وہ کلمات جو آخرت کے ترازو میں نہایت بھاری ہوں گے ان کو یہاں نہایت ہلکا کر دیا تاکہ میرے کمزور بندے آسانی سے اس کو لے سکیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے سارے القاب حذف کر دیئے، اپنے آداب معاف کر دیئے، اور ہر حالت میں اپنا نام لینے کی اجازت دیدی یہاں تک کہ جنابت وحیض سے پاک ہونا بھی ضروری نہیں، حالتِ جنابت وحیض میں بھی تسبیح پڑھنا جائز ہے تلاوت کرنا جائز نہیں، لیکن اللہ کا ذکر کرنا جائز ہے، اللہ نے بخشنے اور نوازنے کا ارادہ کر لیا ہے اگر اللہ تعالیٰ حکم دیدیتے کہ پہلے اپنے منہ کو اچھی طرح پاک وصاف کرو اور پھر جس طرح تم دنیا کے بادشاہوں کے نام لینے سے پہلے لمبے لمبے القاب لگاتے

ہو ایسے ہی ہماری شان کے لائق القاب لگاؤ، اور پھر کہیں جا کر ہمارا نام لینا تو زندگی بھر میں کوئی بڑی مشکل سے ہی ایک مرتبہ اللہ کا نام لے سکتا ہے، کیونکہ اللہ کی شان تو ایسی ہے کہ اول تو ہمارا منہ پاک نہیں ہو سکتا، پھر اللہ کی ذات اتنی بڑی ہے اس کے لئے اتنے القاب چاہئیں کہ بے شمار و بے حساب اور جتنے بھی ہم القاب لگائیں وہ سب کم پڑ جائیں اور ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو، پھر کہیں جا کر ایک مرتبہ اس کا نام لینا نصیب ہوتا۔

اللہ تعالیٰ رحمٰن و رحیم ہیں انہوں نے اپنی اس صفت کی وجہ سے منہ کا پاک ہونا بھی ختم کر دیا کہ یہ بھی کوئی ضروری نہیں، ہو تو بہتر، نہیں تو کوئی حرج نہیں، اور یہ بھی فرما دیا کہ ہمارے لئے القاب کی بھی کوئی ضرورت نہیں، تم جس حالت میں بھی ہو، جہاں بھی ہو، چل رہے ہو، بیٹھے ہو، سو رہے ہو، لیٹے ہو، جہاں بھی ہو جس حال میں بھی ہو ہمارا نام لے سکتے ہو، تو یہاں اللہ پاک نے اپنا نام لینا اور ذکر کا کرنا اتنا آسان کر دیا ہے، اور یاد رکھنا! آخرت میں ان کلمات کا حقیقی وزن ظاہر ہوگا۔

حضرت نوح علیہ السلام کی چار وصیتیں

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ کے متعلق حضرت نوح علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی ایک وصیت یاد آ گئی وہ سنا کر ان شاء اللہ بات کو ختم کروں گا، کافی دیر ہو گئی ہے، حضرت نوح علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے اپنے انتقال سے پہلے اپنے بیٹوں کو جمع فرمایا، اور فرمایا کہ دیکھو میرا انتقال ہونے والا ہے میں تمہیں اپنی ساڑھے نو سو سال کی تبلیغ کا خلاصہ بتانا چاہتا ہوں، وہ تم یاد رکھنا، میرے مرنے کے بعد

پلے باندھ لینا، اس پر عمل کرتے رہنا، تم کامیاب ہو جاؤ گے، اب آپ اندازہ لگا لو کہ حضرت نوح علیہ السلام کی ساڑھے نوسو سال کی تبلیغ کا خلاصہ بطور وصیت فرمارہے ہیں جو ہمارے لئے بھی نہایت اہم ہے، یادر کھنے کے قابل ہے، ہمیں بھی اس پر عمل کرنے کی ضرورت ہے، اللہ پاک توفیق عطا فرمائیں۔ جب سب بیٹے جمع ہو گئے اور حضرت کی طرف متوجہ ہو گئے تو حضرت نے فرمایا کہ پوری تبلیغ کا حاصل اور لُبِّ لُباب یہ ہے کہ دو باتوں کا ہمیشہ خیال رکھنا اور تا زندگی کرتے رہنا اور دو باتوں سے ہمیشہ بچتے رہنا (مستدرك حاكم ،الترغيب و الترهيب ص٢٦٩ ج٢) پھر حضرت نے ان کی وضاحت فرمائی۔

پہلی وصیت

پہلی وصیت یہ ہے کہ ہمیشہ شرک سے بچنا، شرک کی وجہ سے انسان کی بخشش نہیں ہوتی، شرک کے ہوتے ہوئے انسان کے اچھے کام بھی آخرت میں اُس کے کام نہیں آتے، اللہ تعالیٰ اس سے ہماری حفاظت فرمائے۔ ''آمین''

دوسری وصیت

دوسری وصیت حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو یہ کی کہ تکبر سے بچنا، اور یہ چیز آج بھی ہمارے معاشرے کے اندر کثرت سے پائی جاتی ہے، تکبر بہت پایا جاتا ہے، اور کچھ نہ کچھ تکبر ہر شخص میں ہوتا ہے، الا ماشاء اللہ، اور کسی نہ کسی وجہ سے ہو ہی جاتا ہے، عالموں کو علم کی وجہ سے، عاملوں کو عمل کی وجہ سے، مجاہدوں کو جہاد کی وجہ سے، مبلغین کو تبلیغ کی وجہ سے، مدرسین کو درس

کی وجہ سے اور متعلمین کو متعلم ہونے کی وجہ سے ہو جاتا ہے، متعلمات کو متعلمہ ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے، خوبصورت کو خوبصورتی کی وجہ سے، طاقتور کو طاقت کی وجہ سے، گورے کو گورے پن کی وجہ سے، پڑھے لکھے کو پڑھا لکھا ہونے کی وجہ سے، صاحبِ عہدہ کو عہدہ کی وجہ سے اور صاحبِ منصب کو منصب کی وجہ سے ہوتا ہے، اور تو اور حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ یہ تکبر کم بخت ایسی بُری بَلا ہے کہ بھنگیوں کے اندر بھی ہے، بھنگیوں کے اندر بھی تکبر پایا جاتا ہے کہ جب ایک بھنگی کی دوسرے بھنگی سے لڑائی ہوگی تو وہ کہے گا کہ تو کیا جانے کمانا جیسے مجھے کمانا آتا ہے، یعنی تجھے کیا پاخانہ اٹھانا آئے گا جیسے مجھے پاخانہ اٹھانا آتا ہے اب بھلا بتاؤ، یہاں بھی تکبر موجود ہے تو پھر کہاں نہ ہوگا، تو بھائی تکبر جو ہے یہ بہت بُری بَلا ہے، تکبر کے معنی ہوتے ہیں کہ دل میں اپنے آپ کو دوسرے سے اچھا سمجھے اور دوسرے کو حقیر سمجھے، یہ حرام ہے اور انسان کی لُٹیا کو ڈبونے والی چیز ہے، اللہ بچائے، تکبر دنیا و آخرت میں انسان کو ذلیل کرنے والی چیز ہے۔

تواضع اختیار کرنا فرض ہے

اس کے مقابلہ میں تواضع اختیار کرنا فرض ہے اور تواضع بھی دل میں ہوتی ہے، تکبر بھی دل میں ہوتا ہے اور تواضع یہ ہے کہ ہر مسلمان اپنے دل میں اپنے آپ کو دوسرے مسلمان سے کمتر سمجھے اور دوسرے ہر مسلمان کو اپنے سے افضل سمجھے چاہے ظاہر میں وہ کیسا ہی فاسق و فاجر ہو، کیسا ہی فسق و فجور میں مبتلا ہو، اس کی بداعمالیوں کو تو گناہ سمجھو، مگر اس کی ذات کو اپنے سے اچھا سمجھو، یہ ہے تواضع، یاد رکھنا! تواضع اختیار کرنا فرض ہے، تکبر کرنا حرام ہے، اللہ بچائے۔ بہرحال! حضرت نوح علیہ السلام نے دوسری نصیحت یہ فرمائی کہ

ہمیشہ تکبر سے بچنا، اس کو یاد رکھیں۔

تیسری وصیت

تیسری وصیت یہ فرمائی کہ دو باتوں کو ہمیشہ کرتے رہو، ایک لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہمیشہ پڑھتے رہنا اور دوسری سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْم پڑھتے رہنا۔ پھر فرمایا کہ میں تمہیں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی اہمیت ایک مثال سے بتلاتا ہوں اور وہ مثال یہ ہے کہ اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں ملا کر ایک گول کڑا بنایا جائے جیسے سونے چاندی کا کڑا ہوتا ہے تو ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں، اور زمین تو پھر بھی لوگوں نے دیکھ بھال لی کہ یہ ایک کُرّہ ہے لیکن آسمان کی وسعت کو کوئی نہیں جانتا اللہ کے سوا، پھر ایک نہیں سات آسمان ہیں زمین سے لے کر آسمان تک پانچ سو سال کی مسافت ہے، اسی طرح ہر دو آسمان کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے پھر ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک جانے کے لئے پانچ سو سال چاہئیں، لمبائی چوڑائی الگ ہے، ان کا فاصلہ اتنا لمبا ہے تو آسمان کتنے وسیع وعریض ہوں گے؟ فرماتے ہیں کہ ساتوں آسمان ملا لو اور ساتوں زمینیں ملا لو، اور ملا کر ایک گول کڑا بنا لو اور لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اس کے اوپر رکھو، آسمان و زمین کٹ سے دو ٹکڑے ہو جائیں گے، اتنا وزن ہے اس میں، یہ وزن جناب والا یہ ہے ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَان قیامت کے دن جب لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ترازو میں رکھا جائے گا تو یہ وزن اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس میں بھر دیا جائے گا بشرطیکہ اخلاص اور حسنِ نیت سے کہا ہو، اس لئے فرمایا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کو پلے باندھ لینا، اس کو ہر وقت پڑھتے رہنا، جتنا زیادہ ہو سکے صبح و شام اس کو پڑھتے رہنا۔

چوتھی وصیت

اور چوتھی وصیت یہ فرمائی کہ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْم پڑھنا، پھر فرمایا کہ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ وہ کلمہ ہے کہ آسمانوں اور زمینوں میں، بحر و بر میں اللہ تعالیٰ کی جتنی جاندار مخلوقات ہیں ان سب کو اللہ تعالیٰ اس کلمے کی بدولت روزی عطاء فرماتے ہیں، اور تم اگر ورد کرو گے تو کیا تم روزی سے محروم ہو جاؤ گے؟ اور روزی صرف دنیا کی نہیں بلکہ دنیا اور آخرت دونوں کی روزی اللہ تعالیٰ اس کی بدولت عطاء فرماتے ہیں، تو بھائی! اگر یہ ہمارے معمولات میں شامل ہو تو دنیا کی معاش کی فکر بھی ختم ہو جائے اور آخرت کی ضروریات بھی ان شاء اللہ، اللہ پاک مہیا فرمادیں، تو بھائی! یہ ہے بابرکت کلمہ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْم جس پر حضرت امام بخاریؒ نے اپنی کتاب بخاری شریف کو ختم فرمایا۔

ہدیۂ تبریک

اب میں مبارکباد پیش کرتا ہوں ان طالبات کو جنہوں نے ماشاء اللہ بخاری شریف ختم کی، اور مدرسہ کے مہتمم صاحب اور ان اساتذۂ کرام کو جنہوں نے ان کا درس مکمل کرایا، اوران کے نصاب کی تکمیل کروائی، اور مدرسہ کے معاونین کو بھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو توفیق دی کہ یہ کارِ خیر ان کی بدولت انجام کو پہنچا، اللہ تعالیٰ ان سب کی کوششوں کو قبول فرمائے اور جو

باتیں بیان کی گئی ہیں اپنی رحمت سے ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں" آمین"۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علی النبی الکریم محمد وآلہٖ واصحابہ اجمعین۔

☆☆☆☆☆

ماہِ محرم کے فضائل

- اسلامی سال کا پہلا مہینہ
- چار محترم مہینے اور ان کے محترم ہونے کا مطلب
- دس محرم کی اہمیت اور اس کے فضائل
- محرم میں ہماری کوتاہیاں اور ان کا ازالہ

حضرت اقدس مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی دامت برکاتہم العالیہ

نائبِ مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ناشر

مکتبۃ الاسلام کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمده و نصلی علی رسوله الكريم

امابعد !

فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم، بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم "اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ مِنْهَا اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ○ (صدق اللّٰہ العظیم ○)

ہدیۂ تبریک

میرے قابلِ صداحترام بزرگو! سب سے پہلے میں ان بچوں کو جنہوں نے ابھی آپ کے سامنے قرآنِ کریم ختم کیا جن میں سے دو بچوں نے ماشاء اللہ حفظ قرآنِ کریم پورا کیا اور ایک بچے نے ناظرہ قرآنِ کریم ختم کیا، ان کو میں ختم کلام پاک کی اس دولت اور اس نعمت پر مبارکباد دیتا ہوں، ان کے والدین کو بھی اور ان کے استاذِ محترم کو بھی۔ کیونکہ یہ سب کیلئے بہت بڑی نعمت ہے اور بہت بڑی سعادت ہے اور "الحمد للہ" اس مدرسہ (مدرسہ تعلیم القرآن و جامع مسجد فاطمہ حیدرآباد) کی کارکردگی کا بھی بہترین نتیجہ بھی ہے اس لئے اس کے منتظمین بھی مبارکباد کے مستحق ہیں، اللہ پاک جل جلالہ اپنے فضل وکرم سے ہم سب کو اس نعمت سے سرفراز فرمائے اور اپنا کلام پاک

ہمارے سینوں میں محفوظ فرمائیں، اور اس کے انوار و تجلیات سے ہمارے ظاہر و باطن کو منور فرمائیں، اور اس کے احکام پر ظاہراً و باطناً عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، اور اخیر دم تک اللہ پاک ہم کو اپنے کلام سے وابستہ رکھیں، اور اپنی یاد کی توفیق سے سرفراز فرمائیں، اور پھر قبر و حشر میں بھی اس کلام پاک کو ہم سب کے لئے ذریعۂ نجات بنائیں، آمین۔

تجوید سے قرآن پڑھنا سیکھیں

ہم کو چاہئے کہ ہم میں سے جس شخص نے قرآنِ کریم نہیں پڑھا ہے وہ ضرور پڑھیں اور جنہوں نے سیکھا ہوا ہے لیکن تجوید کے خلاف پڑھا ہے تو وہ بھی اپنا کلام پاک تجوید کے مطابق صحیح کرلیں تاکہ غلط قرآنِ کریم پڑھنے کے گناہ سے وہ بچ سکیں، غلط طریقہ سے قرآنِ کریم پڑھنا بھی گناہ ہے۔ لہٰذا وہ اس گناہ سے اپنے آپ کو بچائیں، اور اپنی اس عظیم نعمت کو مکمل کریں۔ مجہول اور تجوید کے خلاف پڑھنا، غلط پڑھنا غلط کہلاتا ہے۔ لہٰذا اس کی اصلاح کرنی چاہئے، تاکہ یہ نعمت کامل اور مکمل ہوجائے۔

صبح و شام تلاوتِ قرآن

نیز ہر مسلمان مرد و عورت کو چاہئے کہ جس نے قرآن کریم پڑھا ہوا ہے وہ روزانہ اس کی تلاوت کا اہتمام کرے، حفاظِ کرام بھی اس کی تلاوت کا اہتمام کریں۔ صرف رمضان شریف کا انتظار نہ کریں کہ جب رمضان المبارک آئے گا قرآنِ کریم کی تلاوت کریں گے، یہ بات صحیح نہیں، کیونکہ قرآنِ کریم کی تلاوت سے اپنے آپ کو دور رکھنا بہت بڑی محرومی ہے۔ اس لئے کہ حافظ کے لئے ایک پارہ پڑھنا یا پانچ پارے پڑھنا کوئی بڑا مشکل کام

نہیں اور نہ پڑھنا بڑی محرومی کی بات ہے۔ اور ایک عظیم دولت پاس ہوتے ہوئے اس سے فائدہ نہ اٹھانے والی بات ہے۔ اور جو حضرات ناظرہ قرآن پڑھتے ہیں وہ بھی دن میں کم از کم ایک پارہ پڑھ لیا کریں اور اس کے ساتھ ساتھ صبح وشام کی جو سورتیں ہیں وہ پڑھ لیا کریں، اس طرح ان کا کوئی دن تلاوت سے خالی نہیں جائے گا، بلکہ نہ صبح خالی ہوگی نہ شام۔ دن کے شروع حصہ میں بھی اللہ کے کلام کی تلاوت ہو اور رات کو سوتے وقت بھی اللہ کے کلام کی تلاوت ہو۔ بہر حال! اس طرح سب اپنے آپ کو کلام پاک سے جوڑ لیں، اور جب قرآن سے جوڑ اور تعلق قائم ہو جائے گا تو یاد رکھو! یہ بہت بڑا تعلق ہے اور یہ براہ راست اللہ تعالیٰ سے تعلق ہے اور اللہ پاک ایسے شخص پر خصوصی نظرِ کرم فرماتے ہیں۔ اور اللہ پاک اس کو اپنا خصوصی قرب عطا فرماتے ہیں۔

بہر حال! اللہ پاک ان بچوں کے لئے بھی اس کلامِ پاک کو ختم کرنا مبارک فرمائے اور ہم سب کو صبح وشام اس کی تلاوت کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

ماہِ محرم کے متعلق چند باتیں

محرم کا مہینہ چونکہ شروع ہو چکا ہے جو اسلامی سال کا پہلا مہینہ ہے اور یہ مبارک مہینہ ہے اور اس میں دس محرم کا دن بڑا مبارک دن ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بارے میں کچھ باتیں بیان کر دی جائیں، تاکہ جو باتیں یا فضیلتیں اس کے بارے میں ثابت ہیں ان پر عمل ہو اور جو باتیں لوگوں نے اپنی طرف سے ایجاد کی ہیں اور اپنی طرف سے

گھڑ کر انہیں اختیار کیا ہوا ہے ان سے بچا جائے اور اگر غلطی سے ان پر عمل ہو گیا ہے تو اس پر توبہ کریں اور آئندہ مکمل طور پر ان سے بچیں۔

محرم اسلامی سال کا پہلا مہینہ ہے

محرم کا مہینہ اسلامی مہینوں میں پہلا مہینہ ہے اور اسلامی سال محرم سے شروع ہوتا ہے، اور ذوالحجہ پر ختم ہوتا ہے۔

سال میں بارہ مہینے ہوتے ہیں، ان بارہ مہینوں میں سے چار مہینے اَشْهُر حُرُم یعنی ''محترم مہینے'' کہلاتے ہیں، یوں تو بارہ کے بارہ مہینے اللہ کے بنائے ہوئے ہیں جب اللہ پاک نے آسمان و زمین کو بنایا تھا تو اس کے ساتھ ہی اللہ نے سال کے بارہ مہینے بھی بنائے تھے، بہر حال یہ مہینے اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ہیں لوگوں کے بنائے ہوئے نہیں ہیں، اور پھر اللہ پاک نے ہی ان چار مہینوں کو خصوصی فضیلت عطا فرمائی ہے۔ ان کا بڑا درجہ ہے۔

چار محترم مہینے

ان چار مہینوں میں تین مہینے تو مسلسل اور لگاتار ہیں، اور وہ یہ ہیں:

(۱) ذوالقعدہ

(۲) ذوالحجہ

(۳) محرم الحرام

(۴) ایک مہینہ الگ ہے اور وہ ہے رجب المرجب۔

یہ چار مہینے اسلامی مہینوں میں سب سے زیادہ محترم، معظم اور قابلِ قدر ہیں، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور ﷺ کے زمانہ تک آسمان

سے جتنی بھی شریعتیں نازل ہوئی ہیں ہر شریعت میں اور ہر نبی کے زمانہ میں ان چار مہینوں کو محترم قرار دیا گیا ہے۔

چار مہینوں کے محترم ہونے کا مطلب

ان کے محترم بنانے اور بتانے کا مطلب یہ ہے کہ چار مہینوں میں زیادہ سے زیادہ اللہ پاک کی عبادت کی جائے، اور زیادہ سے زیادہ نیک کام کئے جائیں اور زیادہ سے زیادہ گناہوں سے بچنے کا اہتمام کیا جائے، یہاں تک کہ پچھلی شریعتوں کے اندر ان چار مہینوں میں لڑنا بھی حرام تھا، جنگ وجدال اور کفار سے جہاد تک ممنوع تھا، سال کے آٹھ مہینوں میں جہاد ہوسکتا تھا لیکن ان چار مہینوں میں کفار سے لڑنا بھی حرام اور ممنوع تھا، اس سے آپ اندازہ کریں کہ یہ مہینے کس قدر قابلِ قدر اور محترم ہیں۔

سرکار دو عالم ﷺ کی تشریف آوری کے بعد آپ کی شریعت میں بھی ان کا احترام باقی رہا، جو آیت میں نے شروع میں تلاوت کی ہے، اس میں ان کا محترم ہونا بیان کیا گیا ہے، البتہ اس شریعت میں ایک حکم منسوخ ہوگیا ہے، وہ یہ کہ پچھلی شریعتوں کے اندر ان چار مہینوں میں کافروں سے لڑنا حرام تھا، حضور ﷺ کی شریعت میں حلال ہے، لیکن ان کا محترم ہونا، قابلِ قدر ہونا اب بھی باقی ہے، اور ان کے قابلِ احترام ہونے میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو آدمی ان چار مہینوں کے اندر نیک کاموں کی طرف خصوصی توجہ دے گا اور عبادت کی طرف خاص دھیان دے گا، اللہ کے ذکر میں لگے گا، گناہوں سے بچنے کا خصوصی اہتمام کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو سال کے باقی آٹھ مہینوں میں بھی اس کو زیادہ سے زیادہ نیک کاموں کی توفیق ہوگی اور زیادہ سے زیادہ

وہ دین کے قریب ہوگا، اور اللہ کی رضا کے کاموں میں مشغول رہے گا۔

جہاں ثواب زیادہ وہاں گناہ بھی زیادہ

یہ بات ہمیشہ ذہن نشین رہنی چاہئے کہ جس طرح یہ ماہ عبادت کیلئے بطور خاص ہیں اسی طرح گناہوں سے بچنے کیلئے بھی بطور خاص ہیں، کیونکہ جو زمانہ محترم ہوتا ہے یا جو جگہ محترم ہوتی ہے وہاں جس طرح نیک کام کرنے کا ثواب زیادہ ہوتا ہے اسی طرح گناہ کرنے کا وبال بھی زیادہ ہوتا ہے، جیسا کہ رمضان المبارک کا مہینہ حضور ﷺ کی امت کیلئے خاص الخاص مہینہ ہے کہ اس میں نیک کاموں کا اجر بڑھا دیا جاتا ہے اسی طرح رمضان شریف میں گناہ کرنے کا وبال بھی بہت سخت ہے، نیز جس طرح عام بازار یا گھر میں گناہ کرنا گناہ ہے لیکن وہی گناہ اگر کوئی مسجد میں آکر کرے تو اور سخت گناہ ہے اور وہی گناہ خانۂ کعبہ میں جا کر کرے تو اس سے بھی زیادہ سخت گناہ ہے، لہٰذا جو ان چار مہینوں میں گناہ کرنے سے پرہیز نہیں کرے گا اور خدانخواستہ گناہ کرے گا تو ان محترم مہینوں میں گناہ کرنے کا وبال بھی زیادہ ہوگا، جس میں سے ایک محرم الحرام کا مہینہ ہے اس لئے محرم کے مہینے میں اور باقی تین مہینوں میں بھی گناہوں سے بچنے کا زیادہ اہتمام ہونا چاہئے، جس کے نتیجے میں انشاء اللہ ایسے آدمی کو سال کے باقی آٹھ مہینوں میں بھی گناہوں سے بچنے کی زیادہ توفیق ہوگی۔

ہجری سن یاد رکھنا فرضِ کفایہ ہے

ماہِ محرم سے اسلامی تاریخ شروع ہوتی ہے، جس کو سنِ ہجری کہتے ہیں اور مسلمانوں کے لئے اپنی اسلامی تاریخ یاد رکھنا اور اپنے عمل

میں لانا فرضِ کفایہ ہے۔

فرضِ کفایہ کسے کہتے ہیں

فرضِ کفایہ اسے کہتے ہیں کہ اگر کچھ مسلمان اس پر عمل کرلیں اور کچھ عمل نہ کریں تو سب کے سب گناہ سے بچ جائیں گے لیکن جو عمل کرنے والے ہیں وہ عمل نہ کرنے والوں سے بہتر ہیں، جیسے نمازِ جنازہ فرضِ کفایہ ہے کہ اگر کسی مسلمان میت کا کوئی شخص بھی نمازِ جنازہ نہیں پڑھے گا تو وہاں کے جتنے مسلمان ہیں جہاں کا وہ جنازہ ہے وہ سارے کے سارے گناہ گار ہوں گے، لیکن اگر وہاں کے رہنے والوں میں سے دو، تین یا دس نے بھی نمازِ جنازہ پڑھ لی تو سب مسلمانوں کی طرف سے فرضِ کفایہ ادا ہو جائے گا، لیکن جن دو، تین یا دس افراد نے نمازِ جنازہ پڑھی ہے ان کا نمازِ جنازہ پڑھنا بہتر ہے بنسبت ان لوگوں کے جنہوں نے نہیں پڑھی۔

بہر حال! جو لوگ اسلامی تاریخ کو یاد رکھتے ہیں وہ فرضِ کفایہ کو ادا کرنے والے ہیں، ان کو اس کا زیادہ ثواب ملے گا، جو عمل کرنے والے نہیں وہ اس ثواب سے محروم ہونگے، اگرچہ ان کا فرضِ کفایہ ادا ہو جائے گا، حاصل یہ ہے کہ ہر مسلمان کو اسلامی تاریخ یاد رکھنی چاہئے اور اپنے معاملات میں اسے اختیار کرنا چاہئے۔

فرضِ کفایہ کا درجہ

فرضِ کفایہ کا درجہ سنت مؤکدہ سے اور واجب سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ ذرا سوچیں! ہم لوگ کتنی بڑی کوتاہی میں مبتلا ہیں، فرض کفایہ کا یہ مطلب

نہیں ہوتا کہ دوسرے مسلمان ادا کرلیں تو ہم جان بوجھ کر اس پر عمل کرنا چھوڑ دیں، یہ تو اللہ پاک کی رحمت ہے کہ انہوں نے کسی عمل کو فرضِ عین کیا اور کسی کو فرضِ کفایہ کر دیا، اگر ہر فرض فرضِ عین ہوتا تو ہر ایک کا عمل کرنا ضروری ہوتا، اور جو اس پر عمل نہ کرتا وہ گناہ گار ہوتا، یہ اللہ پاک کی مہربانی ہے کہ انہوں نے چند اعمال ایسے کردئے کہ بعض آدمی عمل کرلیں تو باقی لوگ گناہ گار نہیں ہوتے، یہ سب اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے مگر اللہ کی رحمت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ عمل بالکل ہی چھوڑ دیں، جیسا کہ چھوڑا ہوا ہے، اس وقت مسلمانوں کی اکثریت کا یہ حال ہے کہ اسلامی تاریخ لکھنا ان کے عمل میں نہیں ہے۔

اسلامی تاریخ کو رواج دیں

ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ جتنے بھی مسلمان ہیں وہ سب اپنے اپنے خطوط، اپنے کاغذات اور اپنے حساب وکتاب میں اسلامی تاریخ کو فوقیت دیتے، ضمناً انگریزی تاریخ لکھنے میں بھی کوئی حرج نہیں، انگریزی تاریخ کو اگر نیچے اور اسلامی تاریخ کو تاج کی جگہ رکھیں اور اس کو سرتاج بنائیں تو کوئی حرج نہیں، اس طرح اسلامی تاریخ پر جو فرضِ کفایہ ہے، خوش اسلوبی کے ساتھ عمل ہوتا رہے گا، اور اس پر عمل کرنے اور اس کو زندہ رکھنے کا ثواب بھی ملے گا، اور دنیا کے حساب وکتاب اور لین دین میں اگر انگریزی تاریخ نیچے اور تابع رہے تو اس میں کوئی حرج نہیں، سعودیہ عربیہ میں الحمدللہ یہی بات دیکھنے میں آئی ہے کہ وہاں سرکاری سطح پر بھی پہلے اسلامی تاریخ لکھی جاتی ہے پھر نیچے انگریزی تاریخ درج ہوتی ہے، یہاں بھی

ایسا ہوسکتا ہے، جب ہوسکتا ہے تو اس پر عمل کرنا چاہئے، اور آج ہم اس نیت بلکہ پختہ عزم کے ساتھ یہاں سے جائیں کہ کل سے ہم بھی اسلامی تاریخ کو اختیار کریں گے، تا کہ یہ فرض کفایہ ہم سے زندہ ہو اور ہم اس فرضِ کفایہ کو عمل میں لاکر اسلامی تاریخ کو زندہ کریں اور فرضِ کفایہ پر عمل کریں اور اس کے اجر و ثواب کے مستحق بنیں۔

محترم مہینوں کو منحوس جاننا جہالت ہے

ایک بات یہ عرض کرنی ہے کہ جب یہ مہینہ محترم ہے اور آج سے نہیں اور حضور ﷺ کے زمانے سے نہیں بلکہ جب سے اللہ پاک نے اس دنیا میں اپنی شریعتیں نازل فرمائی ہیں، اور پیغمبروں کا سلسلہ جاری فرمایا ہے اس وقت سے محرم کا مہینہ قابلِ قدر، قابلِ احترام اور قابلِ عزت مہینہ ہے، اب ہمارے زمانے میں ''اللہ بچائے'' شیعوں کے اثر کی وجہ سے اس کو منحوس سمجھا جانے لگا ہے، شیعوں کی نقل کرتے ہوئے بعض مسلمان بھی ''اللہ بچائے'' اس ماہ کو منحوس سمجھتے ہیں، ایسے ہی ذوالقعدہ کے مہینے کو منحوس سمجھتے ہیں، جس کی علامت یہ ہے کہ شوال کے مہینے میں شادی بیاہ کریں گے، اور جب ذوالقعدہ کا مہینہ شروع ہوگا شادیاں کرنا بند کردیں گے، اور لوگوں نے ذوالقعدہ کا نام ''خالی کا مہینہ'' رکھا ہے، یعنی معاذ اللہ یہ خیر سے خالی ہے، غور فرمائیں! اللہ پاک تو اس کو خیر کا مہینہ کہیں اور ہم نے اس کو صفر اور خیر سے خالی کا مہینہ سمجھا ہوا ہے اور کہتے ہیں ارے بھئی! خالی کا مہینہ آگیا ہے، اب شادی بیاہ ختم، اب نہ منگنی ہوگی نہ شادی ہوگی، کچھ بھی نہیں ہوگا چنانچہ اس مہینے میں اکثر شادی ہال خالی ہوجاتے ہیں اور جیسے ہی

بقرعید (عیدالاضحیٰ) کا مہینہ شروع ہوتا ہے تو پھر سے شادیاں شروع ہو جاتی ہیں، اور لوگ بقرعید کا گوشت ولیمہ میں چلانا شروع کر دیتے ہیں اور جیسے ہی بقرعید کا مہینہ ختم ہوتا ہے اور محرم کا مہینہ شروع ہوتا ہے تو پھر وہی حرام، حرام کی رٹ شروع ہو جاتی ہے، اب کوئی شادی اس مہینہ میں نہیں ہوگی، اس لئے کہ شیعہ کہتے ہیں کہ محرم کا مہینہ غم کا مہینہ ہے۔

ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ

بعض لوگوں نے اپنی نادانی کی وجہ سے محرم کے مہینہ کو حرام سمجھ لیا ہے، حالانکہ محرم کے معنی یہاں حرام نہیں، بلکہ محرم کے معنی محترم کے ہیں، یہ حرام ہونے کا مفہوم اس کے ساتھ اپنی طرف سے چپکا لیا ہے اور اصل وجہ یہی ہے کہ چونکہ شیعہ اس مہینے کو منحوس سمجھتے ہیں، سنیوں نے ان کے ساتھ رہ رہ کر ان سے یہ اثر لے لیا کہ جیسے شیعہ اس مہینہ میں شادیاں نہیں کرتے بلکہ دس محرم کے دن تو وہ شادی کرنے کو حرام سمجھتے ہوں گے، یکم سے لے کر دس محرم تک کوئی شادی بیاہ نہیں ہوتا کیونکہ وہ بزعمِ خود یہ سمجھتے ہیں کہ یہ غم کا مہینہ ہے، چنانچہ اس مہینے میں سینہ پیٹتے ہیں اور مصنوعی رونا روتے ہیں، اس لئے ان کے یہاں ان سب دنوں میں شادی بیاہ کا کوئی تصور نہیں ہوسکتا، ان کی نقل کرتے ہوئے بعض سنیوں نے بھی یہ عمل اختیار کرلیا کہ محرم کا مہینہ آتے ہی شادی بیاہ کرنا چھوڑ دیتے ہیں اس طرح سنیوں نے بھی اس مہینے کو اپنے عمل سے منحوس سمجھ لیا، حالانکہ یہ بڑی سنگین غلطی ہے، یعنی وہ مہینہ جو شروع سے محترم چلا آرہا ہے اور اسلام میں بھی وہ محترم ہے مگر کچھ مسلمانوں

نے اپنی لاعلمی، نادانی اور جہالت کی وجہ سے اس کو منحوس سمجھ رکھا ہے، لہٰذا اب اس کا علاج یہ ہے کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ذوالقعدہ کے مہینہ میں بھی شادی بیاہ کیا کریں، خوشی کی تقریبات منعقد کیا کریں، اپنے بچوں کا عقیقہ بے دھڑک کیا کریں، اور محرم کے مہینہ میں بھی خصوصاً یکم سے لے کر دس تک خوشی اور شادی بیاہ کی تقریبات کرلیا کریں، تاکہ ذہنوں میں جو غلط تصور بیٹھ گیا ہے وہ ذہن سے نکلے، اور اس کا محترم ہونا، قابلِ قدر ہونا یا عزت ہونا، شادی بیاہ کے سو فیصد قابل اور لائق ہونا ذہنوں کے اندر بیٹھ جائے، اگر کسی کے ذہن میں خدانخواستہ شیعوں والا تصور ہے تو اسے فوراً توبہ کرلینی چاہئے۔

دس محرم کی اہمیت

ایک بات یہ ہے کہ ماہِ محرم میں دس تاریخ جس کو عاشوراء کا دن کہتے ہیں، یہ بھی خاص دن ہے، بلکہ یوں سمجھیں کہ یہ اس پورے مہینہ کا دل ہے، اور پچھلی شریعتوں میں دس محرم کا روزہ فرض تھا، اور اسلام کے شروع میں بھی جب تک رمضان شریف کے روزے فرض نہیں ہوئے تھے دس تاریخ کا روزہ فرض تھا، جب اللہ پاک کی طرف سے رمضان شریف کے روزے مسلمانوں پر فرض ہو گئے تو محرم کے روزے کا فرض ہونا منسوخ ہو گیا، البتہ اس کا مستحب اور پسندیدہ ہونا اب بھی باقی ہے، سنت ہونا اس کا اب بھی باقی ہے، چنانچہ حدیث شریف میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں۔

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَأْمُرُنَا بِصِيَامِ يَوْمِ عَاشُوْرَاءَ وَيَحُثُّنَا عَلَيْهِ وَيَتَعَاهَدُنَا عِنْدَهٗ فَلَمَّا فُرِضَ رَمَضَانُ

لَمْ يَأْمُرْنَا وَلَمْ يَنْهَنَا وَلَمْ يَتَعَاهَدْنَا عِنْدَهُ۔

رواه مسلم بحواله مشكوة: (ص ۱۸۰)

ترجمہ

نبی کریم ﷺ ہمیں دس محرم کا روزہ رکھنے کا حکم فرماتے تھے اور اس پر ہمیں ابھارا کرتے اور اس کی ہمیں بہت تاکید کرتے پس جب رمضان المبارک کا روزہ فرض ہوگیا تو آپ ہمیں نہ حکم فرماتے اور نہ اس سے منع فرماتے اور نہ اس کی زیادہ تاکید فرماتے۔

اس لئے محرم کی دس تاریخ خاص تاریخ ہے اور خاص دن ہے۔

یوم عاشوراء کی فضیلت

یوم عاشورہ کی دو فضیلتیں احادیث طیبہ سے ثابت ہیں۔

(۱) جس میں ایک فضیلت تو اس دن کا روزہ رکھنا ہے، جو متعدد احادیث سے ثابت ہے چنانچہ ایک حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ:

''جو شخص عاشوراء کے دن روزہ رکھے گا مجھے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ اللہ پاک اس کے گزشتہ ایک سال کے گناہ معاف فرمادیں گے۔''

ایک اور حدیث ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے:

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَمَّا قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ فَوَجَدَ الْيَهُوْدَ

صِيَامًا يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : مَاهٰذَا الْيَوْمُ الَّذِىْ تَصُوْمُوْنَه؟ فَقَالُوْا : هٰذَا يَوْمٌ عَظِيْمٌ اَنْجَى اللّٰهُ فِيْهِ مُوْسٰى وَقَوْمَه، وَغَرَّقَ فِرْعَوْنَ وَقَوْمَه، فَصَامَه، مُوْسٰى شُكْرًا فَنَحْنُ نَصُوْمُه، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : فَنَحْنُ اَحَقُّ اَوْلٰى بِمُوْسٰى مِنْكُمْ فَصَامَه، رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَاَمَرَ بِصِيَامِه۔ متفق عليه ۔ (مشكوة ١٨٠)

ترجمہ

نبی کریم ﷺ جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ نے یہودیوں کو دس محرم کا روزہ رکھتے ہوئے پایا، آپ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا کہ آپ اس دن روزہ کیوں رکھتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا یہ وہ عظیم دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ (علیہ اسلام) اور اس کی قوم (بنی اسرائیل) کو نجات عطا فرمائی، اور فرعون اور اس کی قوم کو غرقِ آب کیا، چنانچہ موسیٰ علیہ اسلام نے اس کے شکرانے کے طور پر روزہ رکھا تو ہم (بھی آپ کی اتباع میں) اس (دن) کا روزہ رکھتے ہیں، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہم موسیٰ (علیہ السلام) کے تم سے زیادہ قریب اور حقدار ہیں، لہٰذا آپ ﷺ نے (خود بھی) روزہ رکھا اور (اپنے صحابہؓ کو بھی) اس (دن) روزہ رکھنے

کا حکم فرمایا۔

حضرت ابن عباسؓ سے ہی ایک دوسری روایت بھی مروی ہے، فرماتے ہیں۔

حِیْنَ صَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَاشُوْرَاءَ وَاَمَرَ بِصِیَامِهٖ قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهٗ یَوْمٌ یُعَظِّمُهُ الْیَهُوْدُ وَالنَّصَارٰی فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَئِنْ بَقِیْتُ اِلٰی قَابِلٍ لَاَصُوْمَنَّ التَّاسِعَ۔

رواہ مسلم، مشکوٰۃ: (ص١٧٨)

ترجمہ

جب رسول اللہ ﷺ نے دس محرم کا روزہ رکھا تو صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! یہود و نصاریٰ اس دن کی بڑی تعظیم کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: اگر میں آئندہ سال تک زندہ رہا تو (دسویں کے ساتھ) ٩ نومحرم کا روزہ بھی رکھوں گا۔

مسلم بحوالہ مشکوٰۃ: (ص١٧٨)

بہرحال! آنحضرت ﷺ نے آئندہ سال دسویں تاریخ کے ساتھ ایک روزہ نویں یا بعض روایات کے مطابق گیارہویں تاریخ کا روزہ رکھنے کا ارادہ فرمایا، لیکن آئندہ سال ماہِ محرم سے پہلے پہلے (ماہِ ربیع الاوّل میں) آنحضرت ﷺ کا وصال ہوگیا اور آپ دنیا سے تشریف لے گئے، اورمزید ایک دن کا روزہ آپ نہیں رکھ سکے، لیکن آپ یہ فرما گئے کہ میں اگر زندہ رہا تو ایک

دن کا مزید روزہ رکھونگا، اس لئے علماءِ کرام رحمہم اللہ نے فرمایا ہے کہ بہتر یہی ہے کہ جو شخص بھی دس محرم کو روزہ رکھے تو اس کے ساتھ ایک روزہ اور بھی رکھے، چاہے نو اور دس کا رکھے، چاہے دس اور گیارہ کا روزہ رکھے، ایک دن کا روزہ مزید ملا لینا بہتر اور افضل ہے، خالی ایک دن یعنی ۱۰ محرم کا روزہ رکھنا مکروہ تنزیہی اور خلافِ اولیٰ ہے، تاہم اگر کسی میں ایک ہی دن کی ہمت ہو تو وہ ایک ہی روزہ رکھ لے، تاکہ بالکل محرومی سے بچ جائے، ثواب عظیم سے وہ محروم نہ ہو لیکن جس میں ہمت اور طاقت ہو تو اس کے لئے بہتر ہے کہ وہ دس تاریخ کے ساتھ آگے پیچھے کا کوئی ایک روزہ ضرور رکھے۔

یوم عاشوراء کے ساتھ مزید ایک روزہ رکھنے کی حکمت

اس کی حکمت علماء کرام نے جو ارشاد فرمائی ہے وہ بہت اہم ہے، توجہ سے سنئے! آنحضرت ﷺ نے عبادت کے اندر بھی غیر مسلموں کی مشابہت گوارا نہیں کی، کیونکہ یہودی دس تاریخ کا روزہ رکھتے تھے اور ایک ہی دن کا روزہ رکھتے تھے، آپ ﷺ نے یہ پسند نہیں فرمایا کہ مسلمان بھی اس دن کا ایک ہی روزہ رکھیں، اس لئے کہ اگر وہ ایک ہی دن کا روزہ رکھیں گے تو وہ ایک دن کا روزہ رکھنے میں یہودیوں کے مشابہ ہوں گے اور سوچنے کی بات ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ایک عبادت میں، ایک نیک کام میں بھی غیر مسلموں کی مشابہت گوارا نہیں فرمائی، اس لئے فرمایا کہ آئندہ سال میں اس کے ساتھ ایک روزہ اور رکھوں گا، ہمارے دو روزے ہونگے، ان کا ایک روزہ ہوگا، ہم روزہ رکھنے میں ان سے جدا ہوگئے، وہ ہم سے الگ اور ہم ان سے الگ ہوگئے، اس لئے افضل یہی ہے کہ دو روزے رکھیں۔

غیر مسلموں کی مشابہت سے بچنا ضروری ہے

اس سے ہم یہ مسئلہ ذہن میں رکھیں کہ غیر مسلموں کے ساتھ کسی گناہ کے اندر مشابہت اختیار کرنا تو کتنی سنگین بات ہے، ہمارے آقا ﷺ تو عبادت میں بھی غیر مسلموں کی مشابہت اختیار نہیں فرماتے تھے، اور ہم ایسے نالائق ہیں کہ ہم غیر مسلموں کے ساتھ گناہوں کے اندر بھی مشابہت اختیار کرتے ہیں، جیسے انگریزی بال رکھنا، خدانخواستہ داڑھی منڈوانا، شلوار ٹخنے سے نیچے رکھنا، کوٹ پتلون پہننا، ٹائی لگانا، یہ ساری باتیں غیر مسلموں کی مشابہت کی ہیں، گو ان میں درجے کا فرق ہے لیکن یہ ساری باتیں غیر مسلموں کی مشابہت والی ہیں، ان کو بھئی! اس لئے گناہ بھی سمجھنا چاہئے اور گناہ کے ساتھ ساتھ بچنے کا بھی اہتمام کرنا چاہئے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہمارے دل میں ایسا ایمان بھر دے کہ جس میں کافروں کی نفرت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہو، یہ ہمارے دین میں مطلوب ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان

حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی شان اللہ پاک جل جلالہ نے یہ ارشاد فرمائی ہے:

اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ

ترجمہ

آپس میں وہ نہایت شفیق ومہربان ہیں اور
کافروں کے مقابلہ میں نہایت سخت ہیں۔

یعنی کافروں کے مقابلہ میں ننگی تلوار ہیں، ننگی تلوار بننا دل میں سخت نفرت کا تقاضا کرتا ہے کہ کافروں کے اعمال، ان کے کردار، ان کے طور طریقوں سے مؤمن کے دل میں سخت نفرت ہونی چاہئے، اللہ پاک اس کو اپنی رحمت سے ہمارے دلوں میں بھی پیدا فرما دیں۔ آمین

فی الحال یہ مطلوبہ نفرت ہمارے دل میں نہیں ہے۔ اگر یہ نفرت ہمارے دل میں ہوتی تو ہمارے وجود میں ان کی کوئی مشابہت نہ ہوتی۔

کفار کی مشابہت دشمن سے محبت کی علامت ہے

عام طور پر جس کے دل میں کسی کی محبت ہوتی ہے تو وہ اس کی مشابہت اختیار کرتا ہے اور جس سے نفرت ہوتی ہے کبھی اس کی مشابہت اختیار نہیں کرتا، آپ نے کبھی اپنے دشمن کی کسی بات پر عمل کیا ہے؟ یا اپنے دشمن کی کوئی بات سننا آپ گوارا کر سکتے ہیں؟ نہیں کر سکتے، نہ کیا ہوگا، وہ دشمن دشمن ہی نہیں جس پر آدمی دل و جان سے فدا ہو، ایسا شخص کبھی دشمن نہیں ہو سکتا۔

آہ! اپنوں کی بے حسی

اس وقت ہم ذرا غور کریں کہ دنیا کے یہ سارے کافر خصوصاً انگریز، عیسائی اور ہندو، مسلمانوں کو کچا چبا رہے ہیں، بمباری کر رہے ہیں، برباد کر رہے ہیں، ان کے ممالک کو لوٹنے کی کوشش کر رہے ہیں، دہشت گردی کی انتہا کئے ہوئے ہیں، اور ہماری بے غیرتی کا یہ عالم ہے کہ اب بھی ہم ان کی شکل و صورت بنانا گوارا کر رہے ہیں، ان کے نقشِ قدم پر چلنے کو اپنی سعادت سمجھ رہے ہیں، عزت سمجھ رہے ہیں، اندازہ کریں! کس قدر ہماری

پستی کا عالم ہے، کس قدر ہماری دین سے دوری کا عالم ہے؟ کہ دشمن ہماری کمر میں چھرا گھونپ رہا ہے اور ہم اسی کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کررہے ہیں، اور کہہ رہے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں، ہم تمہارے ساتھ ہیں، اکثر مسلمان حکومتوں کا بھی آج یہی حال ہے، عوام کا بھی یہی حال ہے، الا ماشاء اللہ!۔

ارے بھئی! ہمارے آقا ﷺ تو ان کے ساتھ ایک روزہ رکھنے میں موافقت نہیں فرمارہے ہیں اور ہم دشمن کا لباس پہننے کو بھی اپنے لئے باعثِ عزت سمجھ رہے ہیں۔

کفار کا طرزِ زندگی اپنانے والوں کے لئے ایک وعید

یہ خطرناک صورتحال ہے، جس کے متعلق ایک ہولناک وعید ہے جو ہماری سمجھ میں آجائے تو ہم ایک منٹ بھی کافروں کی مشابہت برداشت نہ کریں، اور وہ وعید یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا!

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ

(سنن ابی داؤد: رقم الحدیث ٤٠٣١: (ص ٤٤ ج ٤)

ترجمہ:

جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے گا وہ انہی میں سے ہوگا۔ یعنی انہی میں سے اس کا شمار ہوگا۔

حدیث کی وضاحت

کافروں میں اس کا شمار ہونے کے دو مطلب علماء کرام نے بیان

فرمائے ہیں۔

(۱) ایک مطلب یہ ہے کہ اگر اس نے انہی کی مشابہت کو پسند کرلیا اور مسلمانوں کی مشابہت کو ناپسند کیا تو اس کا ایمان ہی جاتا رہے گا، اور ایمان جاتا رہا تو حقیقتاً اس کا شمار کفار میں ہوگا۔

(۲) دوسرا مطلب یہ ہے کہ آدمی دل سے تو غیر مسلموں سے نفرت کرے اور ان کے لباس و پوشاک سے بھی نفرت کرے لیکن حالات کی وجہ سے یا ان کے ساتھ رہنے سہنے کی وجہ سے ان کا طرزِ زندگی اختیار کرے، تو یہ شخص اگر چہ کافر تو نہیں ہوگا لیکن ہوسکتا ہے کہ قیامت کے دن انہی کی صف میں کھڑا کر دیا جائے، جب اس کا حساب و کتاب ہوگا تو وہ اپنی اس ظاہری مشابہت کی وجہ سے سزا بھگتے گا پھر اس کے ساتھ مغفرت اور بخشش کا معاملہ ہوگا، لیکن شروع میں وہ انہی کے ساتھ کھڑا ہوگا، یہ کوئی معمولی بات نہیں، بڑی ذلت و رسوائی کی بات ہے۔ لہٰذا ہم اس صورتحال کا جائزہ لیں اور سر سے پیر تک دیکھیں کہ ہم کس کس طرح غیر مسلموں کی مشابہت اختیار کئے ہوئے ہیں؟ اگر ایسی کوئی حالت ہے تو پھر اپنے آپ کو متبعِ سنت بنانے کی پوری پوری کوشش کریں۔

حضور ﷺ نے لباس و پوشاک، وضع وقطع کے جو جو طریقے بتائے ہیں ان کو اختیار کریں۔ اور غیر مسلموں کی جتنی باتیں ہیں ان کو ترک کردیں۔

دس محرم کو کھلانا برکت کا ذریعہ ہے

(۲) دوسری فضیلت اس دن کی ایک ضعیف حدیث سے ثابت ہے کہ جو آدمی اپنے گھر والوں کو عام طور پر جس طرح کا کھانا کھلاتا ہے، دس محرم کے دن وہ اس سے بہتر کھانا پکا کر کھلائے تو سال بھر اس کے گھر میں اور اس کی روزی میں خیر و برکت ہوگی۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ ہم نے اس کا بارہا تجربہ کیا ہے ہمیشہ اس کو درست پایا یعنی یوم عاشوراء میں انہوں نے اچھا کھانا اپنے گھر والوں کو کھلایا تو گھر میں سارا سال برکت اور فراوانی رہی۔

چند اہم ہدایات

بہر حال! یہ بھی ایک فضیلت کی چیز ہے، یہ بھی حدیث سے ثابت ہے البتہ اس میں چند باتیں سمجھنے کی ہیں۔

(۱) پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ آدمی کے پاس خواہ پیسے ہوں یا نہ ہوں وہ اپنے گھر والوں کے لئے اچھے کھانے ضرور پکائے، یہ ایک فضیلت ہے، کوئی آدمی اس پر عمل کرلے تو موجب فضیلت ہے، عمل نہ کرے تو کوئی

گناہ نہیں۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ اس دن کیلئے کوئی خاص کھانا مخصوص نہیں، ہر آدمی اپنی طبیعت اور حیثیت کے موافق بہتر سے بہتر کوئی کھانا اپنے گھر والوں کے لئے بنوا سکتا ہے، لہٰذا جب شریعت کی طرف سے کوئی کھانا مخصوص نہیں تو ہمیں بھی مخصوص کرنے کا کوئی اختیار نہیں۔

ایک سنگین غلطی

یہاں پر بعض لوگوں سے غلطی ہو جاتی ہے، بعض لوگ اپنی طرف سے خاص خاص دنوں میں کھانے بھی خاص خاص بنوانے کی پابندی کرتے ہیں، یاد رکھیں! یہ پابندی ثابت نہیں۔

چنانچہ بعض لوگوں نے محرم میں حلیم کھچڑا، شعبان میں حلوہ اور ربیع الاوّل میں بریانی خاص کی ہوئی ہے، یہ چار کھانے ہم نے مخصوص کرر کھے ہیں لہٰذا جب رجب کا مہینہ آتا ہے تو کونڈے ہی کونڈے ہوتے ہیں، اور کونڈے کرتے کرتے آدمی کا اپنا کونڈا ہو جاتا ہے۔ مگر کونڈا ضرور کرتے ہیں، اور جب پندرہ شعبان کی رات آتی ہے تو ہر جگہ حلوہ ہی حلوہ چڑھا ہوتا ہے، کہیں بیسن کا حلوہ، کہیں چنے کی دال کا حلوہ، کہیں سوجی کا حلوہ ہوتا ہے، تو یہ سب کھانے اپنی طرف سے خاص کرر کھے ہیں جو قرآن وحدیث اور شریعت سے ثابت نہیں ہیں، اور جو چیز شریعت سے ثابت نہ ہو اس کو ترک کرنا چاہئے، اس سے بچنا چاہئے، اس سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے گھر میں اہتمام نہ کریں اور کسی دوسرے کے ہاں شرکت بھی نہ کریں،

اور اگر کہیں سے آجائے تو قبول بھی نہ کریں۔ زبردستی اگر کوئی دے جائے تو کسی غریب کو دیدیں نہ خود استعمال کریں اور نہ اپنے بچوں کو استعمال کرنے دیں، اور یاد رکھیں! وہ کھانا اپنی ذات کے اعتبار سے حرام نہیں ہے، اگر وہ حلال پیسے سے ہے، لیکن جب ان خاص دنوں میں شریعت کی طرف سے مقرر نہیں ہے تو ہم مقرر کرنے والے کون ہوتے ہیں، ہم تو شریعت پر عمل کرنے کے پابند ہیں، شریعت میں کسی قسم کا اضافہ ہم نہیں کر سکتے۔

گناہ کی خاصیت ہے

بہر حال ان کھانوں کو لازم کرنے کی وجہ سے ہم گنہگار ہو رہے ہیں، اور گناہ کی خاصیت یہ ہے کہ جب آدمی ایک گناہ کرتا ہے تو دس گناہ اس کے ساتھ اور چپک جاتے ہیں، جس طرح نیکی نیکیوں کو کھینچتی ہے اسی طرح گناہ گناہوں کو کھینچتے ہیں، یہ تجربہ کی بات ہے کہ جب آدمی گناہ کرتا ہے تو بعض مرتبہ وہ ایک گناہ کیلئے دس گناہ اور کر لیتا ہے، جس طرح کوئی آدمی ایک نیکی کرتا ہے تو بعض مرتبہ اللہ پاک اس کو مزید نیکیوں کی توفیق عطا فرماتے ہیں، ورنہ کم از کم ایک نیکی کا دس گنا ثواب تو مل ہی جاتا ہے۔

دس محرم وغیرہ کے دنوں میں مخصوص کھانوں کے مفاسد

حلیم کھچڑے میں بھی یہی بات ہے، اس میں بھی درج ذیل کئی مفاسد پائے جاتے ہیں۔

(۱) پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ ثابت نہیں، اس کو اپنی طرف سے گھڑ لیا گیا ہے۔

(۲) پھر پابندی کے ساتھ اس کو کرنے کا گناہ علیحدہ ہے۔

(۳) اس گناہ کے اندر لوگوں کو دعوت دینے کا گناہ الگ اور مستقل ہے۔

(۴) اس کام کیلئے لوگوں کو مجبور کرنے کا گناہ الگ ہے۔

(۵) نیز اس کے لئے بعض مقامات پر چندہ کیا جاتا ہے، اور چندہ بھی جبری ہوتا ہے، جبری چندہ حرام ہے۔

(۶) عام طور پر یہ کھانے جبری چندے سے پکتے ہیں پھر وہ عموماً گھروں میں نہیں پکتے بلکہ گلیوں میں پکائے جاتے ہیں، جس سے ہر آنے جانے والے کو تکلیف ہوتی ہے، نیز چونکہ یہ کھانا دس محرم کو پکتا ہے اس لئے ساری رات پکایا جاتا ہے، گلیوں میں رات بھر شور و شغب ہوتا ہے، جس کی وجہ سے گھر میں نہ کوئی سو سکتا ہے، نہ کوئی کھا سکتا ہے، نہ کوئی پڑھ سکتا ہے، نہ کوئی ذکر کر سکتا ہے، نہ کوئی عبادت کر سکتا ہے، اسی طرح اگر کوئی مریض ہے تو وہ بھی رات بھر مصیبت میں مبتلا رہتا ہے، الغرض! ہر آدمی مصیبت اور تکلیف میں ہوتا ہے۔ اور مسلمان کو تکلیف دینا حرام ہے۔

(۷) اس کے علاوہ رات بھر ہزار ہزار وولٹ کے بلب روشن ہوتے ہیں، اور کنڈے لگا کر چوری کی بجلی استعمال کی جاتی ہے۔ یہ بھی سخت گناہ ہے۔

بہرحال! یہ سب گناہ محرم کے مہینے میں ہوتے ہیں، اور ایک گناہ کی

وجہ سے یہ سب گناہ ہوتے ہیں، اگر پہلا گناہ (کھانوں کی مخصوص دیگیں چڑھانا) نہ ہوتا تو شاید بقیہ گناہ بھی نہ ہوتے۔

اس رسمِ بد کو ختم کرنے کا طریقہ

لوگ کہتے ہیں: ''نہیں صاحب! مہینہ محرم کا ہو اور حلیم کھچڑا نہ پکے تو پھر محرم کا مہینہ ہم کیسے منائیں گے؟''، ارے بھائی! محرم منانے کی چیز نہیں ہے، نہ کھانے پینے کا نام محرم ہے، یہ تو اللہ تعالیٰ کی یاد کا مہینہ ہے، عبادت کا مہینہ ہے، گناہوں سے توبہ کرنے کا مہینہ ہے، گناہ کرنے کا مہینہ نہیں ہے ''اللہ بچائے'' اس لئے ضروری ہے کہ حلیم سے توبہ کی جائے، نہ خود اپنے گھروں میں بنائیں اور نہ دوسروں کے گھروں میں جا کر اس گناہ میں شریک ہوں، اگر کوئی کھانا بھیج دے تب بھی استعمال نہ کریں تاکہ یہ رسمِ بد ختم ہو، تاکہ یہ ناجائز طریقہ جو مسلمانوں میں جاری ہو گیا ہے ختم ہو۔ اس کے علاوہ کوئی اور چیز دل چاہے پکالیں۔

اسی طرح اس مہینے میں بعض لوگ دعوت کرنے کو ضروری سمجھتے ہیں، اور دوسروں کے گھروں میں کھانا پہنچانے کو بھی ضروری سمجھتے ہیں، یہ بھی صحیح نہیں البتہ صدقہ وخیرات کرنے میں کوئی حرج نہیں، اگر کسی نے اچھا کھانا پکایا ہے اپنے گھر والوں کے لئے اور ساتھ ہی اس نے غریب ومسکین اور محتاجوں کو بھی دیدیا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اور اس حد تک کوئی قباحت نہیں، بشرطیکہ اسے لازم نہ سمجھے اور نہ کھانا مخصوص ہونا چاہئے، بس اس کا خاص خیال رکھنا چاہئے۔

اوپر شروع میں اس مہینے سے متعلق احادیث کے حوالے سے جو چند فضیلتیں ذکر کی گئی ہیں وہ تو ثابت ہیں، اس کے علاوہ جو کچھ اس مہینہ کے اندر ہوتا ہے، عموماً شیعہ لوگ انہیں کرتے ہیں ان سے بہت زیادہ بچنے کی ضرورت ہے۔

گناہ کا دیکھنا بھی گناہ ہے

یہ اس لئے میں عرض کر رہا ہوں کہ ہمارے کچھ سنی بھائی بھی اس ماہ میں آدھے شیعہ بن جاتے ہیں، مثلاً بعض سنی ایسے ہیں جو شیعہ نہیں ہیں مگر وہ بھی تعزیہ اور علم بناتے ہیں، وہ بھی دُلدُل بناتے ہیں، وہ بھی تعزیہ نکالتے ہیں، اور کچھ نہیں تو جہاں یہ کام ہو رہا ہوگا وہاں ضرور جائیں گے، عورتیں اور بچے تو کیا بوڑھے تک دیکھنے جاتے ہیں، گلی میں سے اگر تعزیہ گذرتا ہے تو سارے محلّہ کی عورتیں اوپر اور بچے نیچے، سب دیکھنے میں مشغول ہوتے ہیں۔

بھائی! جس چیز کا بنانا گناہ ہے اس کا دیکھنا بھی گناہ ہے، اس کے اندر شریک ہونا بھی گناہ ہے، یہاں پر بھی وہی مشابہت کی بات ہے ہم نے ان کے ان کاموں میں شرکت کر کے خودکوان جیسا اور انکے مشابہہ بنالیا ہے۔

دوسرے یہ کہ کسی گروہ میں شریک ہوکر اس کی تعداد بڑھانے سے آدمی انہی میں شمار ہوتا ہے، حدیث میں ہے کہ:

مَنْ كَثَّرَ سَوَادَ قَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ

(فتح الباری: ص ۳۷۔ ج۔ ۱۳)

ترجمہ

جس نے کسی قوم کی تعداد میں اضافہ
کردیا تو وہ بھی انہی میں شمار ہوگا۔

لہٰذا جو لوگ تعزیہ دیکھنے جاتے ہیں، اوران کی محفلِ سماع یا محفلِ عزا میں جاتے ہیں اور مرثیہ سنتے یا پڑھتے ہیں، اوران کی دُلدُل یا علم سدا دیکھتے ہیں، یا تعزیہ دیکھتے ہیں تو اس حدیث کی رو سے ان کا شمار بھی انہی لوگوں میں ہوگا، یہ بھی گنہگار ہیں اور وہ بھی گنہگار ہونگے، کیونکہ یہ سارے کام گناہ کے ہیں، اس لئے بھائی اس تاریخ میں اور اس کے علاوہ آگے پیچھے بھی ان سب گناہوں سے اپنے آپ کو بچانے کا خصوصی اہتمام کرنا چاہئے، اپنے بچوں کو بھی ان گناہوں سے بچائیے۔

ٹی وی منکرات وفواحش کا مجموعہ ہے

محرم کی دس تاریخ کو سرکاری چھٹی ہوتی ہے گھر میں رہتے ہیں لیکن گھر میں تعزیئے دیکھنے کا ایک راستہ اور ہے، وہ ہے ''ٹی وی'' کہ باہر جا کر نہیں دیکھ رہے تو گھر میں بیٹھے دیکھ رہے ہیں، ٹی وی چل رہا ہے، اور اس میں پورا کراچی اور اس کا ایم اے جناح روڈ نظر آرہا ہے اور سارے تعزیئے نظر آرہے ہیں، باہر نکل کر دیکھنے سے تو ایک دو ہی تعزیئے نظر آرہے تھے، معلوم ہوا کہ ٹی وی پر تو سب کے سب نظر آرہے ہیں، لہٰذا معاملہ اس سے بھی زیادہ بدتر ہوگیا، کیونکہ گناہ کی چیز خواہ چھپ کر دیکھیں یا علانیہ دیکھیں، براہ راست دیکھیں، بلا واسطہ دیکھیں یا بالواسطہ دیکھیں، گناہ تو گناہ ہی ہے، لہٰذا جب گناہ ہے تو پھر ٹی وی پر اس کا دیکھنا بھی گناہ ہے، جیسے گھر سے باہر نکل کر اصلی تعزیہ

کو دیکھنا گناہ ہے ایسے ہی ٹی وی پر دیکھنا بھی گناہ ہے، اس لئے ان سب سے بچنا چاہئے۔

غلط عقیدے سے سبیلیں لگانا

ایک اور گناہ جو اس مہینہ میں ہوتا ہے ''اللہ بچائے'' وہ سبیلوں کا سلسلہ ہے، اصل میں تو یہ کام شیعہ لوگ کرتے ہیں، اور اپنے مسلک کے مطابق کرتے ہیں، جس میں ان کا خاص عقیدہ پایا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیاسے شہید ہوئے تھے، مخالفین نے انہیں پانی نہیں پینے دیا تھا، لہٰذا سبیلیں لگائی جائیں اور پانی پلایا جائے تاکہ ان کی پیاس بجھے، یہ بے بنیاد اور من گھڑت عقیدہ ہے، کیونکہ اس میں دو باتیں غلط ہیں۔

(۱) چودہ سو سال گذر گئے اور ہر سال اتنی سبیلیں لگ رہی ہیں تو کیا ابھی تک ان کی پیاس نہیں بجھی؟

(۲) کیا دنیا کا پانی وہاں (عالمِ برزخ) میں پہنچتا ہے جو انکی پیاس بجھنے کا ذریعہ بنے؟

غلط عقیدہ کی اصلاح

دنیا اور آخرت سے مختلف ایک الگ عالم ہے، یہاں کا پانی یہاں کی پیاس بجھانے کے لئے ہے، عالمِ برزخ اس دنیا سے بالکل الگ جہان اور علیحدہ دنیا ہے، یہاں کی کوئی چیز وہاں نہیں پہنچتی کہ یہاں کھاؤ اور عالمِ برزخ میں کھانا پہنچ جائے۔ اسی طرح یہاں پانی پیؤ اور وہ عالمِ برزخ میں پہنچ جائے، ایسا نہیں ہوسکتا، یہ غلط عقیدہ ہے، یہاں کی کوئی چیز وہاں نہیں پہنچتی، جیسے وہاں کی کوئی چیز یہاں نہیں پہنچتی، جیسے یہاں کی چیز جنت میں نہیں

جاسکتی، اسی طرح جنت کی چیزیں یہاں نہیں آتیں، عالمِ آخرت الگ ہے، عالمِ دنیا الگ ہے، اور ان دونوں کے درمیان الگ جہان ہے جسے عالمِ بَرزَخ کہا جاتا ہے، ایک عالم کی چیز دوسرے عالم میں منتقل نہیں ہوتی، مثلاً خدانخواستہ قبر میں کسی کو عذاب ہو رہا ہو اور اس کو وہاں پیاس لگے، یہاں سے اس کے پسماندگاں کتنا ہی ٹنوں ٹن وزن پانی خیرات کردیں اگر وہ میت خدانخواستہ غیر مسلم ہے، تو ٹنوں پانی خیرات کرنے سے رتی برابر بھی اس کی پیاس نہیں بجھے گی، اگر وہ مسلمان ہے تو بھی پانی وہاں نہیں پہنچے گا، ہاں دنیا میں کئے گئے نیک اعمال کا ثواب وہاں پہنچ سکتا ہے۔ اور ثواب پہنچانا اور چیز ہے لیکن یہ تصور سرے سے ہی غلط ہے کہ یہاں کی عام چیزیں وہاں پہنچ جائیں، یہ بات عقل ونقل اور شریعت کے بھی خلاف ہے، چونکہ سرے سے یہ بنیاد ہی غلط ہے، اس لئے یہ عقیدہ بھی غلط ہے، اور اس کی بنیاد پر یہ سبیلیں لگانا بھی صحیح نہیں، جب صحیح نہیں تو مسلمانوں کو اس سے بچنا چاہئے۔

مسلمانوں کے لئے راہِ عمل

مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے؟ انہیں چاہئے کہ حتی الوسع جتنا مال باآسانی اللہ کے راستہ میں صدقہ وخیرات کرسکیں چپکے سے کرلیں، جس کو اللہ تعالیٰ اس کی توفیق دیں وہ اپنے حلال مال سے خاموشی کے ساتھ اللہ کی راہ میں خرچ کردے اور یہ نیت کرلے یا اللہ! اس کا ثواب فلاں فلاں کو پہنچے، حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے خاندان اور دیگر مسلمانوں کو پہنچے، پھر چاہے اس کے لئے آپ پیسے خیرات کریں یا کپڑے خیرات کریں بلاشبہ ان کا ثواب ان تک پہنچ جائے گا، ثواب پہنچانا بالکل برحق ہے، بالکل بجا ہے، اہل السنت والجماعت کا یہی عقیدہ ہے کہ زندہ اور مردہ دونوں کو ایصالِ

ثواب کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کے لئے رواجی طور طریقوں سے بچنا چاہئے، اسی طرح لوگوں نے ایصالِ ثواب کے لئے اپنی طرف سے جو نئے نئے طریقے ایجاد کرر کھے ہیں ان سے بھی بچنا بے حد ضروری ہے۔

ایصالِ ثواب نیکی کا ہوتا ہے گناہ کا نہیں

یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ ایصالِ ثواب کا ہوتا ہے گناہ کا نہیں ہوتا، بہر حال جتنے ناجائز کام شیعوں کی طرف سے ہوتے ہیں وہ سارے کام گناہ ہیں، ان سے اپنے آپ کو اور اپنے بچوں کو بچانا چاہئے، اللہ پاک ہم سب کو راہِ سنت پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں اور تمام رسومات و بدعات سے، ناجائز اور خلافِ شرع کاموں سے پرہیز کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

واخردعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

☆☆☆☆☆

حکمت کی باتیں

اور

کامیابی کے تین اصول

- محنت وکوشش
- قلبی دعا
- نیک صحبت

حضرت اقدس مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی دامت برکاتہم العالیہ
نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ناشر
مکتبۃ الاسلام کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَ سَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

اما بعد!

کئی منگلوں[1] سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے واقعہ میں دو یتیم بچوں کے خزانے میں سونے کی تختی پر جو نصیحتیں لکھی ہوئی تھیں ان کی تشریح ہو رہی ہے گذشتہ منگل کو وہ سب تقریباً پوری ہو گئیں تھیں لیکن ایک نصیحت رہ گئی تھی جو بعد میں یاد آئی اور وہ بھی بہت اہم نصیحت ہے اس لئے وہ میں اس وقت عرض کرتا ہوں اور نیز اس واقعہ کے میں جو اہم حصہ باقی ہے وہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ عرض کروں گا۔

اہم نصیحت

وہ نصیحت یہ ہے کہ جو شخص روزانہ دنیا میں انقلابات عالم کے تغیر و تبدل اور فنا و بقاء کو دیکھتا ہے وہ کیونکر مامون رہ سکتا ہے، یہ ایک نصیحت ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیا میں ہر دم ہر جگہ تبدیلی ہو رہی ہے۔ طرح طرح کے واقعات رونما ہو رہے ہیں، حالات روز بروز بدل رہے ہیں، حادثات رونما ہو رہے ہیں، نئے نئے واقعات پیش آ رہے ہیں، حالات تیزی سے بدل رہے ہیں، بچہ جوان ہو رہا ہے، جوان بوڑھا ہو رہا ہے اور بوڑھا مر رہا ہے،

[1] ہر منگل کو عصر کی نماز کے بعد یہ اصلاحی بیان جامعہ دار العلوم کراچی میں ہوا کرتا ہے۔

زمین سے آسمان تک انقلابات ہی انقلابات ہیں، خود آدمی کی اپنی ذات میں زبردست انقلاب برپا ہے، پھر ان سب انقلابات کے ہوتے ہوئے آدمی بے خوف کیسے رہ سکتا ہے، ایسے انقلابات کی صورت میں اور حالات کے بدلنے کی صورت میں اور تغیر و تبدل میں ہر وقت آدمی کو ہوشیار رہنا چاہئے کہ خدا جانے تھوڑی دیر میں میرے ساتھ کیا ہو جائے، ابھی تو اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ عافیت حاصل ہے، صحت حاصل ہے، عزت حاصل ہے، نعمتیں حاصل ہیں، سکون حاصل ہے، خدا نہ کرے ذرا سی دیر میں عافیت کا خاتمہ ہو جائے، عزت خاک میں مل جائے، راحتیں ہمیشہ کے لئے منہ موڑ لیں، پریشانیوں کے اندر گھر کر رہ جاؤں، مصیبتیں میرا استقبال کرنے لگیں، آفتیں مجھ پر برس پڑیں اور ہر طرف سے نقبت اور پریشانی کا سامنا ہو، ہر حالت میں ہر طرف سے میرے سامنے موت ہی موت ناچتی نظر آئے، اچانک ایسا ہو سکتا ہے، کیونکہ روزانہ سینکڑوں واقعات اس طرح کے رونما ہو رہے ہیں۔ آج کا امیر کل کا فقیر، کل کا فقیر آج کا امیر ہے، کل وہ بالکل صحت مند، تندرست و توانا تھا، آج ایسا بیمار ہے کہ وہ چلنے پھرنے سے، کھانے پینے اور بولنے چالنے سے عاجز دلاچار ہے، کل وہ بالکل تندرست و توانا تھا سویرے اطلاع ملتی ہے کہ انتقال بھی ہو گیا، کل سامنے ہوا کھا رہا تھا آج اس کی قبر پر فاتحہ پڑھی جا رہی ہے، تو ہر چیز فنا کے گھاٹ اتر رہی ہے کسی شخص کی حالت کو ٹھہراؤ نہیں ہے، قرار نہیں، سکون نہیں، آرام نہیں ہے، راحت نہیں ہے اور اگر ایک راحت ہے تو سینکڑوں غم ہیں تو یہ قابلِ اطمینان صورتِ حال نہیں ہے کہ ہم اطمینان کر لیں کہ اس وقت جو کچھ حاصل ہے وہ ایسا ہی رہے گا، نہ صحت کو بقاء ہے، نہ علم کو بقاء ہے نہ عمل کو بقاء ہے نہ انسان کو بقاء ہے، نہ اس کی عزت کو بقاء

ہے، نہ اس کی نعمتوں کو بقاء ہے، کسی چیز کو بھی بقاء نہیں ہے، اب ہے تھوڑی دیر میں نہیں، آج ہے کل نہیں ہے، تو جب یہ ہماری حالت ہے تو ایسی حالت میں کون عقل مند بے خوف رہ سکتا ہے اور اطمینان کر کے رہ سکتا ہے کہ اب میں مرتے دم تک ایسا ہی رہوں گا اگر کسی کو اپنے حال پر ایسا اطمینان ہے تو وہ عقل مند نہیں، اس کو سمجھ نہیں، اس کو فہم نہیں، وہ حقیقتِ حال کو سمجھتا نہیں ہے جو اس کو سمجھتا ہے اس کو سکون نہیں ہوسکتا اور وہ مطمئن نہیں ہوسکتا اور وہ بے خوف نہیں ہوسکتا۔

جبکہ ہماری حالت بظاہر ایسی ہی ہے کہ ہم بے خوف ہیں ہمیں اپنے بارے میں کسی چیز کا کوئی خطرہ نہیں کوئی اندیشہ نہیں، خواہ قصداً ایسا سمجھیں یا کہ بلاقصد۔

بہر حال! شعوری یا غیر شعوری طور پر ہمارے ذہن میں یہ بیٹھا ہوا ہے کہ بس ہم تو ایسے ہی رہیں گے اور بڑھیں گے، گھٹیں گے نہیں اور اگر یہ کہہ دیا جائے کہ بھئی! یقین تو ہے کہ مرنا ہے لیکن ہماری جو ظاہری طرز زندگی ہے اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ مریں گے نہیں، اللہ بچائے ایسی ہی ہماری حالت بگڑی ہوئی ہے کہ موت سے بڑھ کر کوئی یقینی چیز نہیں، اس کے باوجود مرنے کا خوف نہیں اور ظاہراً یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ ہمیں مرنا ہی نہیں۔

فکرِ آخرت کی علامت

اب ایک علامت بتلاتا ہوں جس سے ہماری حالت واضح ہوگی کہ اگر موت کا خوف ہو تو موت کی تیاری ضروری ہے اگر ان انقلابات کا واقعی

ہم کو استحضار اور یقین ہو تو ان سے سبق لینا ضروری ہے، اور انقلابات عالم سے سبق لینے کی علامت یہ ہے کہ ہم اپنی اصلاح کی طرف متوجہ رہیں کچھ پتا نہیں کہ بھئی کل کیا ہو جائے، جو کچھ کرنا ہے ابھی کرلو، اس اصول پر ہماری زندگی مرتب ہو اور وہ ہے نہیں اس طرف توجہ نہیں ہے اور اس اصول کے مطابق ہماری زندگی نہیں گذر رہی تو پھر یہ اس بات کی علامت ہے کہ ہم موت سے بے خوف ہیں اور انقلاباتِ عالم سے بھی بے خوف ہیں، بہر حال! یہ دونوں نصیحتیں اس تختی پر انہوں نے لکھیں کہ تم کو دنیا کے انقلابات سے بے خوف نہیں رہنا چاہئے۔

جو کرنا ہے آج ہی کرلیں

موجودہ حالات پر اطمینان کر کے نہیں بیٹھنا چاہئے جو کچھ کرنا ہے آج ہی کرلیں۔ اگر خدانخواستہ کسی کے ساتھ زیادتی کی ہے تو اس سے آج ہی معافی تلافی کرلیں جو کچھ کرنا ہے آج ہی کرلیں، کل تو بہت دور ہے، پل کی بھی خبر نہیں، اگر زندگی ہے تو اس کا بھی بھروسہ نہیں میں جس حالت پر ہوں نہ جانے تھوڑی دیر کے بعد کیا ہو جائے، ''اللہ بچائے'' حدیث شریف میں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بادِرُوْا بالاَعمالِ فِتَناً کَقِطَعِ اللَّیْلِ الْمُظْلِمِ یُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِناً وَیُمْسِیْ کَافِراً وَیُمْسِیْ مُؤْمِناً وَیُصْبِحُ کَافِراً یَبِیْعُ دِیْنَہٗ بِعَرَضٍ مِّنَ الدُّنْیَا۔

(مشکوۃ: ج۲ -ص ۶۴۲)

ترجمہ

نیک اعمال کرنے میں جلدی اور سبقت کرو ان فتنوں کے آنے سے پہلے پہلے جو کالی تاریک رات کے (سیاہ) ٹکڑوں کی طرح (خطرناک) ہوں گے (چنانچہ) آدمی صبح کو مؤمن ہوگا اور شام کو کافر ہو جائے گا اور شام کو مؤمن ہوگا اور صبح کافر ہو جائے گا اور آدمی اپنا دین دنیا کے چند سکوں کے خاطر بیچ ڈالے گا۔

چنانچہ اس حدیث کے مطابق دنیا کے اندر اگر ہم دیکھیں تو کتنے ہی صبح کو مسلمان تھے اور شام کو ان کا اسلام رخصت ہو گیا، صبح مسلمان اور شام کو کافر ہو گئے، اور ایسے بھی ہیں کہ شام کو کافر اور صبح مسلمان ہو گئے، ایمان کا بھروسہ نہیں۔ اعمال کا بھروسہ نہیں، افعال کا بھروسہ نہیں، کسی چیز کا بھروسہ ہی نہیں، کسی چیز کا اطمینان نہیں، کوئی کہہ ہی نہیں سکتا کہ جو کچھ اس وقت میرے پاس موجود ہے وہ میرے پاس سدا موجود رہے گا اور وہ ایسے ہی رہے گا، نہ علم کا بھروسہ، نہ عمل کا بھروسہ، نہ تقویٰ کا بھروسہ، رات دن واقعات پیش آتے رہتے ہیں کہ صاحب! اتنا بڑا عالم ذرا سی دیر میں سارا علم بھول گیا، دماغ میں ایسی چوٹ لگی کہ سب کچھ محو ہو گیا، بھئی! ایسا صدمہ پیش آیا کہ پاگل ہو گیا، پاگل ہونے کے بعد اب کیا علم کام آئے گا، بھئی وہ تو علم سے بھی گیا اور عمل سے بھی گیا۔ اپنے آپ سے بھی گیا اور گھر والوں سے بھی گیا تو ایک نصیحت اس تختی کے اندر یہ ہے کہ آدمی کو بے خوف نہیں رہنا چاہئے، ہر وقت زندگی بڑی محتاط رہ کر گذارنی چاہئے، کوئی وقت اپنا ضائع نہ کرے نہ بیکار رہے، نہ لایعنی اور فضول بات میں لگے، اپنی اس موجودہ صحت کو موجودہ وقت

کو، موجودہ عافیت کو، موجودہ نعمتوں کو، موجودہ راحت کو آخرت کے لئے، اللہ کے لئے، دین کے لئے، شریعت کی پاسداری کے لئے استعمال کرتا رہے، اس بھروسہ پر نہ رہنا چاہئے کہ کل کرلیں گے، کل کا بھروسہ بہت بڑا دھوکہ ہے، ہم ایک منٹ کا بھی بھروسہ نہیں کر سکتے، ہر شخص جو ابھی کر سکتا ہے کرلے۔

نصیحت کا خلاصہ

اس نصیحت کا حاصل یہ ہے کہ چاہے اعمال صالحہ کی انجام دہی ہو، یا گناہوں سے بچنے کی کوشش ہو اس میں ہم کل کی کوئی امید نہ رکھیں کہ بھئی شام کو کرلیں گے، کل کرلیں گے، پرسوں کرلیں گے، جو ایسا کرے گا پھر وہ رہ جائے گا، خدا جانے کل کیا ہو کچھ پتہ نہیں کہ خود بھی رہے گا یا نہیں۔ کتنے لوگ ہیں کہ زندگی میں نجانے کتنے لمبے لمبے منصوبے بنائے کہ ہم ایسا کریں گے، ایسا کریں گے منصوبے ابھی وہیں کے وہیں رکھے ہیں اور وہ دنیا سے قبر میں بھی جا پہنچے بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان پتہ نہیں دماغ میں کیا کیا منصوبے بنائے رکھتا ہے اور اجل پہلے ہی آجاتی ہے اس لئے کامل مؤمن ابن الحال ہوتا ہے۔ ابن الحال کہتے ہیں ''حال کی فکر کرنے والے کو'' تو مؤمن موجودہ حالت کی فکر کرنے والا ہوتا ہے مومن کو جو وقت حاصل ہے، جو دن حاصل ہے، جو گھڑی حاصل ہے اور جو نعمتیں حاصل ہیں ان میں نیک کاموں کی فکر کرتا ہے ان کاموں کی فکر کرتا ہے جس سے میرا پروردگار مجھ سے راضی ہو، بہر حال مومن کا یہ حال ہونا چاہئے وہ ابن الحال ہو، وہ لمحۂ موجود کی فکر کرے، زمانۂ مستقبل کی زیادہ فکر نہ کرے، ہاں مستقبل کے بارے میں اچھی

نیت کر سکتا ہے، اچھے اچھے کاموں کی نیت کر کے مستقبل کو سنہری بنا سکتا ہے جیسے ماضی پر توبہ واستغفار کر کے اس کو پاک وصاف بنا سکتا ہے۔

ماضی کی غفلتوں سے توبہ واستغفار اور حال میں عمل کرنے کی فکر یہ بڑی اہم اور ضروری بات ہے اور اگر کوئی اس سے لاپرواہی برتے گا تو نقصان اٹھائے گا اور ہمارا اصل مرض یہی ہے کہ حال کی فکر نہیں، بس آرزوئیں اور تمنائیں ہیں، تمناؤں سے آرزوؤں سے کچھ نہیں ہوتا اور وہ سب پوری ہوتی بھی نہیں الا ماشاء اللہ، نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ نہ آدمی کی اصلاح ہوتی ہے نہ تزکیہ ہوتا ہے، نہ تربیت ہوتی ہے اور نہ اس کو اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق نصیب ہوتا ہے، بس آس ہی آس میں اور امید ہی امید میں اس کی عمر گذر جاتی ہے اور وقت گذر جاتا ہے اور اگر واقعۃً حال کی فکر کر لی جائے اور یہ سمجھ لیا جائے کہ جو کچھ بھی میرے پاس ہے اور جو کچھ بھی مجھے حاصل ہے بس یہی ہے، کل کی خبر نہیں، پل کی خبر نہیں، مجھے جو کچھ کرنا ہے ابھی کرنا ہے، ابھی کوشش کرنی ہے تو انشاء اللہ تعالیٰ وہ کامیاب ہوگا۔

کامیابی کے لئے جدوجہد ضروری ہے

کامیابی کے لئے کوشش شرط ہے۔ یاد رکھئے! چاہے وہ علم دین کے لئے کوشش ہو، چاہے اعمال صالحہ کے لئے کوشش ہو، چاہے اصلاح کے لئے کوشش ہو، خواہ اخلاق واعمال کے درست کرنے کے لئے کوشش ہو یا دنیا حاصل کرنے کے لئے ہو، بہرحال کوشش ہر آدمی کے لئے شرط ہے، اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے خوب دعا بھی مانگے کیونکہ توفیق تو منجانب اللہ ہی ملا کرتی ہے، ساتھ ہی دوسروں سے مشورہ اور رہنمائی بھی لے، اگر اعمال و

اخلاق کی، اصلاح مقصود ہے تو کسی اللہ والے سے رہنمائی لے اور اگر علم حاصل کرنا ہے تو استاذ سے رہنمائی لے، کوئی ہنر سیکھنا ہے تو صاحب ہنر سے رہنمائی لے، دنیا کمانی ہے تو جو دنیا کمانے والے ہیں ان سے رہنمائی حاصل کرے۔

اصلاح میں کامیابی کے تین رکن

استاذ سے رہنمائی، شیخ سے رہنمائی، اللہ تعالیٰ سے دعا اور کوشش یہ کامیابی کے تین رکن ہیں، یاد رکھئے! محنت خود ہی کرنی ہوگی دین ہو یا دنیا ہو، جب تک ہم خود محنت نہیں کریں گے تو محض امیدوں سے کچھ نہیں ہو سکتا بلکہ ساری امیدیں اور ساری تمنائیں اور ساری آرزوئیں خاک ہو جائیں گی، اس لئے اپنا مدّعیٰ اور مقصد کے لئے ہر قیمت پر کوشش کر کے، مشورہ کر کے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کر کے حاصل کرنا یہ کامیابی کا گر ہے۔ اصلاح و تربیت کے سلسلہ میں ایک شعر یاد آیا۔

آرزوئیں خون ہوں یا حسرتیں پامال ہوں
اب تو اس دل کو تیرے قابل بنانا ہے مجھے

یعنی چاہے آرزوئیں پوری ہوں یا نہ ہوں،،،، خواہشات مکمل ہوں یا نہ ہوں لیکن مجھے ہر حال میں اپنے نفس کی اصلاح کرنی ہے، اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے۔ اس کے لئے مجھے تن من دھن کی بازی لگانی ہے تو اصلاح کے لئے ایسے جذبہ کی ضرورت ہے۔ ایک دوسرا شعر یاد آیا اس سے بھی یہی پتا چلتا ہے۔

آئینہ بنتا ہے رگڑے لاکھ جب کھاتا ہے دل
کچھ نہ پوچھو دل بڑی مشکل سے بن پاتا ہے دل

رگڑوں سے مراد یہی محنت، کوشش، جدوجہد ہے، جب آدمی اپنا حال اپنے شیخ کو سناتا ہے اور پھر شیخ اس پر تعلیم دیتا ہے تو وہ تعلیم پر عمل کر کے گویا قلب کو رگڑا دیتا ہے، جو دل کی صفائی اور منجھائی ہے، اس طرح آہستہ آہستہ دل نیکیوں کا عادی اور گناہوں سے بچنے لگتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی یاد دل میں بستی ہے۔

بغیر محنت کے شیخ سے تعلق ناکافی ہے

جو شخص اپنے شیخ کی تعلیم پر عمل نہیں کرتا وہ کاہل ہے، سست ہے، وہ قربانی دینا نہیں چاہتا، کوشش اور محنت کرنا نہیں چاہتا، جب نہیں چاہتا تو کسی اللہ والے کی ایسی صحبت اس کی زندگی کو تبدیل نہیں کرتی، اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھ کر جو زندگی میں انقلاب آتا ہے اس کے لئے قربانی دینا شرط ہے، تو ہم اپنے جذبات کی قربانی دیں، اپنی خواہشات کو قربان کریں اور جیسے وہ کہے اس طرح کر کے دکھائیں، چاہے ہمارے اندر، ہماری طبیعت میں کیسا ہی اس کے خلاف جوش پیدا ہو رہا ہو اور ہماری طبیعت کتنا ہی اس سے اعراض کر رہی ہو، اس پر عمل کرنا نہ چاہتی ہو لیکن سب کچھ قربان کر کے اس کا کہنا مان کر دکھاؤ تو اصلاح ہوگی چند اشعار سنئے:

یہ دل پامال ہو یا زیست کا پیمانہ بھر جائے
مگر ہر سانس میرا آپ کے در پہ گزر جائے

ازل سے پی کر آئے ہیں ابد تک مست رہنا ہے
نہیں یہ وہ نشہ جو ترشیٔ غم سے اتر جائے
اسی میں عافیت ہے جس کو سودا ہو محبت کا
کہ ان کے آستانۂ ناز پہ سر رکھ کے مر جائے

یعنی جو اللہ تعالیٰ کی محبت کا طالب ہے اور یہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عشق اس کو نصیب ہو، اللہ کا درد اور اس کی محبت اس کے دل میں پیدا ہو تو اس کے لئے اس کو چاہئے کہ حق تعالیٰ کے ان کے آستانۂ ناز پر سر رکھ کہ مر جائے، یعنی اپنی تمام خواہشات اور جذبات کو دبا کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ہار اپنے گلے میں ڈال لے۔

ہم ان کی بے نیازی کا یہی مفہوم سمجھتے ہیں
جئے وہ جس کو جینا ہے، جسے مرنا ہے مر جائے

یہ جینا دراصل جینا نہیں ہے بلکہ مرنا دراصل جینا ہے "اللہ اکبر" اللہ تعالیٰ نصیب فرمائیں۔ بہر حال! بھئی کوشش اور محنت اصل چیز ہے، دین کے لئے بننا ہے یا دنیا کے لئے، اس کیلئے محنت اور کوشش اپنی طرف سے ضروری ہے، اساتذہ، مشائخ اور اکابر، سب یہی کہتے ہیں کہ کوشش ضروری ہے، اگر کوشش اور محنت ہوگی تو انشاء اللہ تعالیٰ، اللہ کے فضل سے کامیاب ضرور ہوگا اور اگر اپنی طرف سے محنت نہیں ہوگی تو بھئی بڑے سے بڑے اساتذہ اور بڑے سے بڑا مدرسہ اور بڑے سے بڑا کتب خانہ اور بڑی سے بڑی خانقاہ بھی ہمارے اندر کوئی تبدیلی نہیں لاسکتی، بہر حال! یاد رکھنا چاہئے اللہ تعالیٰ سے دعا ہو، اللہ والوں کی رہنمائی ہو اور محنت وکوشش جتنی ہمارے اختیار میں ہے وہ ہو تو انشاء اللہ تعالیٰ کامیابی ہوگی۔ اب یہ نصیحت یہاں پر مکمل ہو جاتی ہے۔

ادب کی انوکھی تعلیم

اس واقعہ میں ایک ادب کی تعلیم بھی ہے جو زندگی بھر یاد رکھنے کی ہے اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے اسی واقعہ میں ہے اور وہ یہ ہے کہ جب حضرت خضر علیہ السلام نے ان تینوں واقعات کی تفصیل بیان فرمائی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمراہی میں ظاہر ہوئے تھے تو حضرت خضر علیہ السلام نے یہ واقعات عجیب ادب کے دائرے میں رہ کر بیان فرمائے، وہ ادب بھی یاد رکھنے کے قابل ہے اس کو سمجھنے سے پہلے ایک اور ادب کی تعلیم حضرت ابراہیم علیہ السلام سے منقول ہے وہ بھی قرآن کریم میں ہے، پہلے اس کو سمجھ لیں اس سے اس ادب کا سمجھنا آسان ہو جائے گا، انشاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ادب

وہ یہ ہے کہ اصل میں دنیا میں جو کچھ بھی ہوتا ہے سب اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتا ہے، دنیا میں خیر بھی اللہ کے حکم سے اور شر بھی اللہ کے حکم سے ہے، بغیر اللہ کے حکم کے نہ کوئی شر وجود میں آ سکتا ہے نہ کوئی نقصان ہو سکتا ہے، نہ کوئی صحت ہو سکتی ہے اور نہ کوئی مرض ہو سکتا ہے یہاں تک کہ کفر و شرک بھی اللہ کے حکم اور ان کی حکمت و مشیت سے دنیا میں پیدا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ نہ چاہتے تو دنیا میں کفر کہاں سے آتا، نہ کفر آتا نہ شرک آتا نہ فسق آتا نہ بدعت آتی، دوسری طرف ایمان بھی ہے، اطاعت بھی ہے، فرمانبرداری بھی ہے، نیکی بھی ہے، تو نیکی اور بدی، کفر و اسلام، ایمان و کفر، خیر و شر سب اللہ تعالیٰ کی

طرف سے ہے، لیکن حضرات انبیاء علیہم السلام کا یہ ادب ہے کہ جب وہ خیر کو بیان کرتے ہیں تو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں، اور شر کو بیان کرتے ہیں تو اپنی طرف منسوب کرتے ہیں چنانچہ بیماری بظاہر تکلیف کی چیز ہے اور صحت ایک نعمت ہے اور یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہیں اور منجانب اللہ ہیں لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں:

وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ (الصفّت، آیت۸۰)

اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو شفا اللہ تعالیٰ دیتے ہیں۔

اور فرماتے ہیں:

اَلَّذِىْ هُوَ يُطْعِمُنِىْ وَيَسْقِيْنِ (الصفّت، آیت۷۹)

اللہ تعالیٰ وہ ہیں جو مجھے کھلاتے ہیں اور پلاتے ہیں،

وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ (الصفّت، آیت۸۰)

اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو وہ مجھے شفا دیتے ہیں۔

کھلانا پلانا تو خیر ہی خیر ہے، اس لئے اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کر رہے ہیں کہ اللہ کی ذات اقدس وہ ہے جو مجھے کھلاتے بھی ہیں اور پلاتے بھی ہیں، اس کے بعد جب بیماری کا ذکر آیا تو بیماری کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کی بلکہ اپنی طرف کی اور یہ کہا کہ:

وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ (الصفّت، آیت۸۰)

اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی (اپنے کرم) سے شفا دیتے ہیں۔

اس میں بیماری کے بعد پھر شفاء کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی، تو آپ خیر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کررہے ہیں اور شر کی نسبت اپنی طرف کر رہے ہیں یہ بڑے ادب کی بات ہے، حالانکہ دراصل مرض بھی منجانب اللہ ہے اور شفاء بھی منجانب اللہ ہے لیکن مرض ظاہراً شر ہے، تکلیف ہے، بیماری ہے اور صحت نعمت ہے، انعام ہے، کرم ہے، فضل ہے اس لئے کھلانے اور پلانے اور شفاء کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کررہے ہیں اور بیچ میں بیماری کا ذکر آیا تو فوراً رخ بدل دیا اور یہ کہا کہ جب میں بیمار ہوتا ہوں تو پھر شفاء بھی وہی عطا فرماتے ہیں، تو ادب یہ ہے کہ خیر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے اور شر کی نسبت اپنی طرف۔

حضرت خضر علیہ السلام کا ادب

ایسے ہی ان تینوں واقعات کے اندر پہلا واقعہ یہ تھا کہ حضرت خضر علیہ السلام نے وہ کشتی توڑ دی تھی جس میں یہ دونوں حضرات سوار ہوئے تھے چنانچہ جب کشتی چلی تو تھوڑی دور جا کر انہوں نے کلہاڑی اٹھائی اور اس کا ایک تختہ توڑ دیا، جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو ٹوکا تو بعد میں انہوں نے اس کی حقیقت بیان فرمائی جس میں کشتی کو عیب دار بنانا ظاہراً برائی تھی حالانکہ حقیقت میں وہ خیر ہی تھی کہ کشتی کو ظالم بادشاہ کے غصب کرنے سے بچانا مقصود تھا اور وہ بچ بھی گئی لیکن ظاہر میں اس کو عیب دار کیا تو اس کے اس ظاہری عیب کو جب حضرت خضر علیہ السلام نے بیان فرمایا تو اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت نہیں کی بلکہ یوں کہا کہ:

فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِیْبَهَا۔۔۔الآیہ (کہف، آیت ۷۹)

کہ میں نے ارادہ کیا کہ اس کشتی کو عیب دار بنادوں

تاکہ آگے جاکر ظالم بادشاہ اس پر قبضہ نہ کرلے اوران بے چاروں کے گذارے کا یہ سامان ختم نہ ہوجائے۔

دیکھئے اس میں کشتی کو عیب دار بنانا جو ظاہراً اچھی بات نہیں ہے اگر چہ یہ اللہ کے حکم سے کر رہے تھے لیکن انہوں نے اس کی نسبت اپنی طرف کی، اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کی یہ ادب کی بات ہے۔

دوسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ جب وہ دریا میں سفر کرتے ہوئے کنارے پر اترے تو دیکھا کہ کنارے پر کچھ لڑکے کھیل رہے ہیں وہ آگے بڑھے اور ایک بچہ کا سرتن سے الگ کردیا یعنی قتل کردیا، اب قتل کرنا برائی کی بات ہے لیکن ان کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے ان کو یعنی اس کے ماں باپ کو نیک و صالح اولاد عطا فرمائی، جو اس کا نعم البدل تھی۔ اس میں خیر ہی خیر تھی، قتل کرنے میں ظاہراً شر ہی شر تھا۔ اب اس میں دو باتیں جمع ہیں ایک خیر کی دوسرے شر کی، تو حضرت خضر علیہ السلام نے ان دونوں کے لئے جمع کا صیغہ استعمال فرمایا کہ ''فَاَرَدْنَا'' اور یہ اس لئے فرمایا تاکہ اس میں دونوں پہلو جمع ہوجائیں ایک خیر کا پہلو جو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے اور دوسرے شر کا پہلو جس کو انہوں نے اپنی طرف منسوب کیا، تو دیکھئے! کس طرح احتیاط سے اللہ تعالیٰ کا ادب کر رہے ہیں۔

تیسرا واقعہ یہ پیش آیا جس کے بارے میں یہ تشریح چل رہی ہے کہ

دیوار جھکی ہوئی تھی اس کے نیچے یتیموں کا خزانہ دفن تھا اس میں سونے کی تختی تھی جس میں یہ نصیحتیں لکھی ہوئی تھیں، جس کو حضرت خضر علیہ السلام نے ہاتھ لگا کر سیدھا کر دیا تو اس میں تو خیر ہی خیر تھی شر کا کوئی پہلو تھا ہی نہیں تو یہاں پر انہوں نے واحد مذکر غائب کا صیغہ استعمال کیا کہ:

فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا ۔۔ الایہ

(کہف، آیت ۸۲)

اس لئے آپ کے رب نے اپنی مہربانی سے چاہا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچ جائیں۔

یہاں اپنے آپ کو بیچ میں سے بالکل ہی نکال دیا اور یہ کہا کہ آپ کے پروردگار نے یہ چاہا کہ یہ بالغ ہوں اور جوان ہوں اور جوان ہو کر اپنا خزانہ نکال لیں، کیوں کہ اس میں خیرِ محض تھی تو خیر کی ساری نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کر دی، اپنی طرف کوئی نسبت ہی نہیں کی۔

اندازہ لگائیے! پہلے واقعہ میں صورتاً شر ہی شر تھا تو ساری نسبت اپنی طرف کی اور فرمایا فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا، دوسرے واقعہ میں شر و خیر دونوں جمع تھے تو اس میں فَاَرَدْنَآ استعمال کیا اور تیسرے واقعہ میں خیر ہی خیر تھی اور خیرِ محض تھی تو اس کی ساری نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی اور کہا کہ فَاَرَادَ رَبُّكَ۔

مذکورہ ادب سے مؤمن کے لئے سبق

اس سے معلوم ہوا کہ مؤمن کو چاہئے کہ اپنی زندگی کے اندر جب اسے کوئی نعمت ملے تو اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کرم

فرمایا۔ اللہ پاک نے یہ فضل فرمایا وغیرہ، صحت ملے، علم ملے، عمل کی توفیق ہو، اخلاق اچھے ہوں، سب کچھ اللہ کی طرف سے ہیں، محض اس کی عنایت ہے، اس کا کرم ہے، میرا اس میں کوئی کمال نہیں ہے، اس میں میری استعداد اور قابلیت کا کوئی دخل نہیں ہے اور جو کچھ ہے محض اس کا کرم ہے اور یہ بالکل حقیقت ہے اور بناوٹ کی کوئی بات نہیں اور جب کوئی نقصان ہو جائے، خدانخواستہ کوئی حادثہ پیش آجائے اور کوئی واقعہ ہو جائے اور کوئی پریشانی پیش آجائے تو خیال کرے کہ یہ میری غلطی ہے، میری خطا ہے اور میری کوتاہی ہے اور میرے گناہوں کی وجہ سے ہے، میری بداعمالیوں کی وجہ سے ہے، میری کمزوری کی وجہ سے ہے اور میری نالائقی کی وجہ سے ایسا ہو گیا ہے، اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے، اللہ تعالیٰ مجھ سے درگذر والا معاملہ فرمائے اور اپنے فضل سے مجھ کو اس پریشانی سے نجات دے۔ یہ ہے اس ادب کا خلاصہ۔

حضرت خضر کی موسیٰ علیہ السلام کو نصیحت

آخر میں جب یہ واقعہ مکمل ہو گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت خضر علیہ السلام سے جدا ہونے لگے تو انہوں نے جدا ہوتے وقت حضرت خضر علیہ السلام سے درخواست کی، حضرت! مجھے کچھ نصیحت فرمائیں، وہ نصیحت ہمارے لئے ساری زندگی یاد رکھنے کی ہے۔

اولاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس درخواست سے ہمیں یہ نصیحت حاصل ہوئی کہ جب شاگرد یا مرید، ایک مدت کے لئے اپنے استاذ اور شیخ سے جدا ہو رہا ہو تو اس کو نصیحت کی درخواست کرنی چاہئے، لیکن یہ رسماً نہ ہو بلکہ حقیقتاً اور عمل کرنے کی نیت سے ہو اور پھر عمل کرنے کی زندگی بھر کوشش کرتا

رہے۔ اور موقعہ محل دیکھ کر ہو۔

حصولِ علم سے اصل مقصد

حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عجیب نصیحت فرمائی، وہ نصیحت یہ فرمائی کہ:

تَعَلَّمْ لِتَعْمَلَ بِهٖ وَلَا تَتَعَلَّمْ لِتُحَدِّثَ بِهٖ

کہ علم عمل کرنے کی نیت سے حاصل کرنا چاہئے، علم بھگارنے کے لئے حاصل نہیں کرنا چاہئے یعنی اس نیت سے علم حاصل کرے کہ عمل کروں گا، اس لئے نہیں کہ میں علامہ کہلاؤں گا یا بڑا عالم کہلاؤں گا، اپنی علمیت جتانے کے لئے اور اپنی بڑائی کو ظاہر کرنے کے لئے، اپنے کو علامہ ظاہر کرنے کے لئے علم کا حصول نہ ہو یہ سب نیتیں خراب ہیں۔

حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا:

تَعَلَّمْ لِتَعْمَلَ بِهٖ وَلَا تَتَعَلَّمْ لِتُحَدِّثَ بِهٖ

اندازہ لگائیے! کہ جب شروع میں وہ قصہ پیش آیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے اندر وعظ کہا اور دورانِ وعظ کسی نے دریافت کرلیا کہ اس وقت سب سے بڑا عالم کون ہے؟ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ظاہری اعتبار سے یہ فرمایا تھا کہ میں اس وقت اللہ تعالیٰ کے احکام کو سب سے زیادہ جاننے والا ہوں، اس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اصلاح کے لئے حضرت خضر علیہ السلام کے پاس بھیجا، چنانچہ وہ ان کے پاس تشریف لے گئے تو حضرت خضر علیہ السلام نے بھی آخر میں یہی نصیحت فرمائی کہ بھئی علم صرف عمل کرنے کی نیت سے حاصل کرنا چاہئے، حالانکہ حضرت

موسیٰ علیہ السلام نے کوئی بے جا بات نہیں کہی تھی، یہ نہیں کہا تھا کہ میں بڑا عالم ہوں لیکن صورۃً ایک نامناسب سا اندازہ ہو گیا تھا اس پر یہ سارا اصلاحی واقعہ اللہ پاک کی طرف سے رونما ہوا، اور آخر میں حضرت خضر علیہ السلام نے بھی وہی نصیحت فرمائی، جس کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف لے گئے تھے لہٰذا ہم سب زندگی بھر کے لئے یہ نصیحت اپنے پلے باندھ لیں کہ علم کا مقصد صرف اللہ کو راضی کرنا ہے، اور راضی کرنا موقوف ہے عمل پر، اسی غرض کے لئے علم حاصل کرنا چاہئے نہ یہ کہ آدمی علم پڑھ کر عالم بننے کا دعوی کرنے لگے یا اس لئے علم حاصل کرے تا کہ بڑا عالم مفتی اور قاضی کہلائے، اور لوگ اس کے سامنے جھکیں اور اس کے ہاتھ چومیں اور اس کی جوتیاں اٹھائیں اور اس کی بات سنیں، اگر ان دنیوی اغراض و مقاصد کے لئے علم حاصل کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسا علم مقبول نہیں۔ اس سلسلہ میں دو احادیث ملاحظہ فرمائیں:

(۱) مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا يُبْتَغىٰ بِهِ وَجْهُ اللّٰهِ لَايَتَعَلَّمُهُ اِلَّا لِيُصِيْبَ بِهِ عَرَضاً مِّنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَعْنِىْ رِيْحَهَا۔

(مشکوٰۃ: ج۱- ص۳۵)

ترجمہ

جس نے ایسا علم حاصل کیا جس سے اللہ کی رضا مطلوب ہوتی ہے، اس نے اس مقصد سے علم حاصل نہیں کیا بلکہ صرف دنیاوی سازوسامان حاصل کرنے کے لئے علم

حاصل کیا تو ایسا شخص جنت کی خوشبو نہیں سونگھ سکے گا۔

(۲) مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِيُجَارِيَ بِهِ الْعُلَمَاءَ أَوْ لِيُمَارِيَ بِهِ السُّفَهَاءَ أَوْ يُصَرِّفَ بِهِ وُجُوهَ النَّاسِ إِلَيْهِ أَدْخَلَهُ اللّٰهُ النَّارَ۔

(رواه الترمذی بحواله مشکوٰة: ج ۱ - ص ۳٤)

ترجمہ

جس نے علم اس لئے طلب کیا تا کہ وہ علماء سے مقابلہ کرے یا بیوقوف لوگوں سے جھگڑا کرے یا لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرے اللہ پاک ایسے شخص کو جہنم میں داخل کریں گے۔

یاد رکھئے! علم صرف عمل کرنے کے لئے ہوتا ہے، اپنے آپ کو مٹانے کے لئے ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار بنانے کے لئے ہوتا ہے، اور اس کی اطاعت اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لئے ہوتا ہے: لہٰذا صرف اور صرف اس نیت سے علم حاصل کرنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

☆☆☆☆☆

دینی مدارس کا بنیادی مقصد

- ہندوستان کے چند مکاتبِ فکر
- علومِ شرعیہ کی حفاظت
- اکابرِ امت کے اہم واقعات
- علم وعمل کی جامع شخصیات
- علم وعمل حاصل کرنے کا طریقہ

حضرت اقدس مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی دامت برکاتہم العالیہ

نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ناشر

مکتبۃ الاسلام کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جامعہ کی نئی عمارت واقع گلستان جوہر کا افتتاح رجب المرجب ۱۴۲۱ھ میں ختم بخاری شریف کی مبارک تقریب سے کیا گیا اس موقع پر دارالعلوم کراچی سے جناب حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب دامت برکاتہم کو بھی مدعو کیا گیا، حضرت مفتی صاحب نے دینی مدارس کے مقاصد کے موضوع پر طویل بیان فرمایا، یہ بیان ٹیپ ریکارڈر کی مدد سے پہلے ماہنامہ ''الابرار'' میں شائع ہوا اور اب مزید افادۂ عام کے لئے ''اصلاحی بیانات'' (جلد ششم) کا حصہ بنا کر دوبارہ شائع کیا جارہا ہے۔

الحمد للّٰہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نومن بہ ونتوکل علیہ و نعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلامضل لہ ومن یضللہ فلاھادی لہ و اشھد ان لاالہ الااللّٰہ وحدہ لاشریک لہ وا شھدان سیدنا و نبینا و مولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ و علی الہ وا صحابہ و بارک وسلم تسلیما کثیرا کثیرا۔

امابعد!

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (صدق اللہ العظیم)

محترم علماء کرام، اساتذۂ کرام، عزیز طلباء و طالبات اور میرے قابلِ احترام بزرگو!

اس وقت اس با سلیقہ، جدید، خوبصورت، اور عظیم دینی درسگاہ میں حاضری کا شرف حاصل ہونے پر مجھے بے حد خوشی ہوئی ہے، دل سے دعا ہے کہ اللہ جل شانہ حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم کو جو ہمارے اکابر میں سے ہیں اور اکابر کی نشانی ہیں، اور اس دینی درس گاہ کے بانی ہیں، جلد صحت کاملہ، عاجلہ، مستمرہ دائمہ عطا فرمائے اور ان کے ساتھ ہمیں بھی صحت عطا فرمائے اور اس دینی تعلیم گاہ کو مزید ترقیات سے نوازیں۔ آمین۔

اس بات کو ہمیں اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ ہمارے ان مدارس کا بنیادی مقصد صرف درسِ نظامی پڑھنا پڑھانا نہیں بلکہ اس درسِ نظامی کے مطابق باعمل بننا بھی ہے، دارالعلوم دیوبند جس کی طرف ہم اپنی نسبت کرتے ہیں اور اس نسبت کو اپنے لئے قابلِ قدر اور قابلِ شرف سمجھتے ہیں اسکی خصوصیات تو بہت ہیں مگر ان میں سے جو بنیادی خصوصیات ہیں وہ دو ہیں۔

۱۔ اللہ والا پیدا کرنا۔

۲۔ علوم شریعہ کا ماہر بنانا اس کے نمبر دو پر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ علوم شریعہ کا ماہر ہونا دراصل ذریعہ ہے جیسے وضو نماز کا ذریعہ ہے لیکن باعمل ہونا مقصود اصلی ہے اس کو یوں سمجھیں کہ جیسے نماز اصل مقصود ہے یہ وضو کے بغیر صحیح نہیں ہوسکتی اس طرح باعمل ہونا بھی اصل مقصد ہے اور یہ علم کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا لہٰذا معلوم ہوگیا کہ باعمل بننے کے لئے باعلم ہونا ضروری ہے۔

ہندوستان میں چند مکاتبِ فکر

دارالعلوم دیوبند قائم ہونے سے پہلے ہندوستان میں دو طرح کے مکاتبِ فکر پائے جاتے تھے اور اسی کے تحت وہاں کچھ مدارس قائم تھے جن کا مقصد تھا کہ علومِ نقلیہ اور عقلیہ کو پڑھا اور پڑھایا جائے جس میں علومِ عقلیہ غالب اور علومِ نقلیہ مغلوب تھے جبکہ دوسری طرف خانقاہوں کا سلسلہ تھا خانقاہوں کے اندر صرف اصلاح، تربیت اور تزکیہ کی طرف توجہ دی جاتی تھی، علم کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں تھی، یہ دو سلسلے ہندوستان میں ابتدا میں تو غالباً تقسیمِ کار کے طور پر قائم ہوئے تھے مگر وقت گذرنے پر دونوں افراط وتفریط کا شکار ہوگئے۔ مدارس میں علم برائے علم رہ گیا اور خانقاہوں میں طریقت کے نام پر نہ جانے کتنی خلافِ شرع باتیں رائج ہوگئیں بلکہ دین کے نام پر بے دینی عام ہوگئی، غیر مقصود کو مقصود بنالیا گیا یہ دونوں قسم کے مکاتب فکر غلطی پر تھے اور دونوں کی اصلاح کی ضرورت تھی کیونکہ علوم شرعیہ کی بھی ضرورت تھی

اور علوم شرعیہ کے مطابق عمل پیرا ہونے کی بھی ضرورت تھی جس کو طریقت کہتے ہیں، ان دونوں مقاصد کے حصول کی فکر کے ساتھ ایک فکر اور تھی وہ یہ کہ ہندوستان پر اس وقت انگریز قابض ہو چکا تھا جو مسلمانوں کا بدترین دشمن تھا اور انہیں ہر طرح مغلوب کرنے کی فکر میں تھا اور آج تک اس کی دشمنی مثلِ آفتاب ہمارے سامنے ہے چنانچہ پہلے تو اس کا حربی مقابلہ کیا گیا اور ہمارے اکابر باقاعدہ اس کے خلاف جہاد کے لئے میدان میں اُترے اور شاملی کے میدان تک باقاعدہ دوبدو جنگ ہوئی اور تھانہ بھون سے لے کر شاملی تک کا تمام علاقہ ہمارے اکابر نے فتح کیا اور اس میں اسلامی نظام نافذ کیا لیکن شاملی کے میدان میں جا کر مختلف وجوہ سے یہ جہاد ناکام ہو گیا اور اب مقابلے کی یہ صورت ختم ہو گئی اور دفاع کی صورت سامنے آگئی کیونکہ جب مقابلہ نہ ہو سکے تو پھر اپنا دفاع کرنا ضروری ہوتا ہے اور اس دفاع میں اپنے دین کی حفاظت سب سے پہلے ہے۔

علومِ شرعیہ کی حفاظت

چنانچہ اب یہ فکر لاحق ہوئی کہ ہمارے پاس قرآن وحدیث اور دیگر علوم ہیں اور صدیوں سے ہم انہیں پڑھتے اور پڑھاتے چلے آرہے ہیں اب ہم مغلوب ہو گئے ہیں تو انگریز ان سب کو ختم کر دے گا لہٰذا اب ان کی حفاظت کی ایک ہی صورت ہو سکتی ہے کہ فوراً دینی مدارس قائم کئے جائیں اور دنیا سے بالکل منہ موڑ کر، حکومت اور مالداروں سے بالکل رخ پھیر کر فقر و فاقے کو اپنے سر کا تاج بنا کر اللہ کی رضا اور اس کے دین کی حفاظت کے لئے علومِ شرعیہ اور دین کو اپنی اصلی حالت میں محفوظ کر کے آئندہ نسلوں تک

پہنچانے کے لئے مدرسے قائم کئے جائیں اس لئے پھر دار العلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور کی بنیاد رکھی گئی اور ہمارے اکابر یکسوئی سے علومِ شرعیہ پڑھنے پڑھانے میں مشغول ہو گئے مگر اس انداز سے یہ کام شروع فرمایا کہ اس افراط وتفریط کو جو اس زمانے کے مدرسوں اور خانقاہوں میں تھی دور کر دیا گیا اور ایسا دار العلوم قائم فرمایا جو ایک طرف تو دینی علوم کی درسگاہ تھی اور دوسری طرف خانقاہ بھی تھی، چنانچہ دار العلوم دیوبند کی جو اصل اور قدیم مسجد ہے اس میں دار العلوم کے سنگ بنیاد کی تاریخ جن الفاظ سے نکلتی ہے وہ آج بھی وہاں کندہ ہیں وہ الفاظ یہ ہیں ''در مدرسہ خانقاہ دیدیم'' ہم نے مدرسے میں خانقاہ دیکھی کہ دن کو یہ مدرسہ اور رات کو خانقاہ ہے، دن کو اسکی درسگاہوں سے قال اللہ اور قال الرسول کی آوازیں بلند ہوتی ہیں اور رات کو یہ سماں ہوتا ہے کہ کوئی مطالعہ کر رہا ہے، کوئی سبق یاد کر رہا ہے، کوئی دعا کر رہا ہے، کوئی ذکر کر رہا ہے، کوئی تلاوت کر رہا ہے اور کوئی تہجد پڑھ رہا ہے۔

راہِ اعتدال

بہر حال ہمارے اکابر نے علم اور عمل کے دونوں چراغ روشن کئے اور دونوں کے اندر اعتدال پیدا کیا جو سب سے کٹھن کام ہے، اعتدال نام ہے ''صراط مستقیم'' کا اور صراط مستقیم ہی جنت میں جانے کا راستہ ہے، یہ اعتدال ہمارے اکابر علماء دیوبند اور مشائخ دیوبند کا طرۂ امتیاز ہے کہ اللہ پاک نے انہیں ایسا معتدل مزاج بنایا کہ ایسا اعتدال اور کہیں نظر نہیں آتا، علم کے میدان میں بھی یہ لوگ پہاڑ کی طرح بلند تھے اور میدانِ عمل میں بھی اپنی مثال آپ تھے، ان کے عمل کے بارے میں کسی نے بہت ہی خوبصورت

بات فرمائی ہے کہ ''یہ صحابی تو نہ تھے لیکن صحابی کا نمونہ تھے۔''

ہمارے مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی دارالعلوم کراچی فرمایا کرتے تھے کہ میرے والد ماجد حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں نے دارالعلوم دیوبند کا وہ زمانہ دیکھا ہے کہ جس میں دارالعلوم دیوبند کے مہتمم اور صدر مدرس سے لے کر دربان، چوکیدار اور چپڑاسی تک سب ولی کامل تھے۔

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی شان

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ حضرت اپنے زمانے کے ابوحنیفہ کہلاتے تھے۔ ابوحنیفہ حضرت گنگوہیؒ کا لقب ہے، حضرت گنگوہیؒ کے فتاویٰ میں ان کی وہی شان جھلکتی ہے جو ایک عظیم الشان فقیہ کی ہوتی ہے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ مجھ کو قرآن وحدیث میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک ایسا نظر آتا ہے جیسے آسمان میں چودھویں رات کا چاند نظر آتا ہے۔ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کو حضرت امام صاحبؒ کا مسلک جو اتنا واضح اور روشن نظر آتا تھا یہ گہرے علم کے بعد ہی نظر آسکتا ہے یعنی جو صحیح معنوں میں عالم ہوگا وہ ہی اس کی روح تک پہنچے گا جس کے پاس علم ہی نہ ہو تو اس کو کیا نظر آئیگا اس کیلئے تو چاند ایسا ہو جائیگا جیسے وہ مہینے کی آخری راتوں میں ہوتا ہے کہ خوب تلاش کرنے کے بعد بھی دیکھو تو نظر نہ آئے دنیاوی چاند کو دیکھنے کے لئے تو جسمانی آنکھیں چاہئیں اور حنفی مذہب کو قرآن وحدیث میں دیکھنے کے لئے علمی آنکھیں چاہئیں۔

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی شان

دوسرے بزرگ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ہیں ان کے علم و فضل کا کیا ٹھکانہ۔ ان کی اردو میں لکھی ہوئی کتابیں آج بھی موجود ہیں مثلاً ''آبِ حیات'' حضرت کی اردو میں لکھی ہوئی مایہ ناز تصنیف ہے جو پڑھنے کے لائق ہے لیکن حضرت نانوتوی کی اردو میں لکھی ہوئی کتابیں ایسی ہیں کہ بے چارے عوام اور عام عالم تو انہیں کیا سمجھیں گے چوٹی کے علماء کا ذہن بھی کچھ دور جا کر غائب ہو جاتا ہے کہ اب حضرت کیا فرمارہے ہیں ان کی یہ کتابیں ہیں تو اردو میں مگر ان کے اندر گہرا علم ہے اور اس کے ساتھ ساتھ منطق و فلسفہ کی اصطلاحات کا ایسا بے تکلف استعمال ہے جن کا ہمارے ہاں استعمال اور استحضار اب زیادہ معروف نہیں رہا اور وہاں انکی عادت ثانیہ ہے، وہ بے تکلف ان کے مطابق اردو میں کلام فرمارہے ہیں بہرحال آج کے علماء گو کہ ان کے دقیق مضامین کو زیادہ اچھی طرح نہیں سمجھ سکتے مگر حضرت نانوتویؒ کی گہری نظر کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

حضرت نانوتویؒ کی ایک عجیب وغریب شان یہ بھی تھی کہ جب آپ بیان فرماتے تھے تو بیان کرتے کرتے کبھی درمیان میں کچھ دیر کے لئے ٹھہر جاتے تھے اور چند سیکنڈ کے وقفہ کے بعد پھر دوبارہ بیان شروع فرماتے تھے۔ کسی نے پوچھا حضرت! کیا بات ہے آپ مسلسل بیان نہیں فرماتے، دورانِ بیان آپ وقفہ فرماتے ہیں کیا درمیان میں مضامین کی آمد بند ہو جاتی ہے یا بھول ہو جاتی ہے؟ حضرت نے فرمایا اصل بات یہ ہے کہ جب میں کوئی بات لوگوں کو بتلانا چاہتا ہوں، سمجھانا چاہتا ہوں تو عین اس وقت میرے ذہن میں

اس بات کو سمجھانے کے بیس بیس عنوانات ایک ساتھ آجاتے ہیں کہ اس بات کو میں اس طرح بھی دلنشین کرا سکتا ہوں، اس طرح بھی سمجھا سکتا ہوں، اس طرح بھی بتا سکتا ہوں اس وقت میں سوچنے لگتا ہوں کہ ان میں سے کون سا عنوان اختیار کروں اور کونسا انداز اپناؤں جو لوگوں کے لئے زیادہ سے زیادہ نافع اور مفید ہو اس لئے مجھے درمیان میں وقفہ کرنا پڑتا ہے، تو بھائی! یہ علم کے اعلیٰ مقام پر فائز ہونے کی ہی علامت ہے۔

براہِ راست فیضانِ علمی

ان لوگوں کا چونکہ سرچشمۂ علوم یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس سے تعلق تھا اس لئے کتابوں سے ہٹ کر علم براہِ راست ان کے دل پر وارد ہوتا تھا جیسا کہ حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں: ؎

بینی اندر خود علومِ انبیاء   بے کتاب و بے معید و استاد

یعنی جب تمہارا اللہ جل شانہ سے صحیح تعلق قائم ہو جائے گا تو پھر تم اپنے دل کے اندر پیغمبرانہ علوم کا مشاہدہ بغیر کسی استاد اور کتاب کی مدد کے کروگے، اس لئے کہ استاد اور کتاب کی مدد تو بس ایک حد تک ہے اس کے بعد پھر وہ واسطہ ہٹ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے واسطہ قائم ہو جاتا ہے جو کہ سرچشمۂ علوم ہیں جب ان سے رابطہ قائم ہو جاتا ہے تو پھر درمیان کے تمام واسطے ختم ہو جاتے ہیں اور پھر براہِ راست منجانب اللہ جو علوم القاء ہوتے ہیں ان کی کوئی انتہا نہیں۔ ایسے القائی علوم میں بعض اوقات کسی آسان تعبیر اختیار کرنا مشکل ہوتا ہے حضرت نانوتویؒ کے ساتھ یہ صورت پیش آجایا کرتی تھی۔

علم وعمل کے جامع

ہمارے تمام اکابر علماء دیوبند کی یہی شان تھی کہ ایک طرف تو ہر ایک علم کے اندر اپنے اپنے وقت کے امام تھے دوسری طرف عمل میں کوئی ان کا ثانی نہ تھا، طریقت کی اعلیٰ منزلیں ان حضرات نے طے کیں اور طریقت کی وہ منزل جو مشکل سے سر ہوتی ہے یہ اکابر اس کی انتہاء کو پہنچے ہوئے تھے اور وہ منزل تواضع کی ہے، حقیقی تواضع جس کو فنائیت بھی کہا جاتا ہے طریقت کی وہ منزل ہے جو مشکل سے حاصل ہوتی ہے اور سب سے آخر میں آدمی اس پر فائز ہوتا ہے ورنہ جس طرح علم کی وجہ سے بعض مرتبہ انسان کے اندر بڑائی اور غرور پیدا ہو جاتا ہے ''اللہ بچائے''، اسی طرح اگر سالک، طریقت میں شیخ کامل سے صحیح رہنمائی حاصل نہ کرے اس پر عمل نہ کرے تو بعض مرتبہ وہ اس راستے میں قدم رکھ کر بھی تکبر میں مبتلا رہتا ہے اور جوں جوں وہ آگے بڑھتا ہے بڑائی کا خناس اس کے دماغ میں گھستا چلا جاتا ہے اور وہ اپنے کو بزرگ، اللہ والا اور عابد وزاہد سمجھنے لگتا ہے۔ بہرحال اگر کسی کو اس راستے میں تواضع نہ ملی تو سمجھ لے کہ وہ ابھی تک بالکل کورا اور اس طریق کا محروم ہے اس کو کچھ نہیں ملا۔ اس راہ میں پہلا قدم بھی تواضع ہے اور آخری قدم بھی تواضع ہے اس فنائیت کے بغیر کچھ حاصل نہیں۔ اللہ پاک نے ہمارے ان اکابر کو باوجود علم وفضل کا بحر بیکراں ہونے کے ماشاء اللہ تواضع میں بھی ایسا بنایا تھا کہ ان کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ پر ان جیسی مثال ملنا مشکل ہے، جس طرح علم وفضل کے اندر یہ اپنی مثال آپ ہیں طریقت وتواضع اور مقام فناء پر فائز ہونے میں بھی یہ اپنی مثال آپ ہیں۔ ان حضرات نے اپنے اندر شریعت وطریقت

دونوں کو جمع کیا ہے اور یہی جامعیت پیدا کرنا ہمارے ان دینی مدارس کا بنیادی مقصد ہے، اس مقصد کو ہمیں ذہن نشین کرنا چاہئے اور اسی کی طرف ہمیں قدم بڑھانا چاہئے، اگر اس راستے پر چلیں گے تو ہم علماء دیوبند کی طرف نسبت کرانے میں حق بجانب ہوں گے اور اگر خدانخواستہ ہم علم تو حاصل کررہے ہیں لیکن ہماری اصلاح نہ ہوئی، تربیت و تزکیہ نہ ہوا، اخلاق نہ سدھرے اور علم ہمارے عمل میں نہ آیا تو ہم اصل مقصود سے ہٹتے چلے جائیں گے۔

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی تواضع

ہمارے ان حضرات میں سے ہر ایک کی تواضع، عاجزی اور انکساری کے اتنے واقعات ہیں کہ ان کے سننے سنانے کے لئے گھنٹوں چاہئیں۔ ایک واقعہ حضرت شیخ الہندؒ کا عرض کرتا ہوں جو اس وقت میرے ذہن میں آیا ہے۔

یہ واقعہ اس زمانے کا ہے جب حضرت شیخ الہندؒ کے علم و فضل کا پورے ہندوستان میں ڈنکا بج رہا تھا اور ہندوستان بھر میں آپ کی شہرت تھی، ہر آدمی آپ سے متاثر اور آپ کا نام لیوا تھا۔ اجمیر کی طرف وہ علماء زیادہ رہتے تھے جو علوم وفنون کو زیادہ اہمیت دیتے تھے، طریقت سے ان کو کوئی خاص لگاؤ نہ تھا ان علمائے کرام تک بھی حضرت شیخ الہندؒ کی شہرت پہنچی، وہاں کے علماء میں حضرت مولانا معین الدین اجمیریؒ بھی تھے انہوں نے جب یہ شہرہ سنا کہ دارالعلوم دیوبند کے اندر ایک ایسی ہستی ہے جس کو شیخ الہندؒ کہا جاتا ہے اور ان کا بڑا چرچا ہے تو انہوں نے سوچا کہ کبھی ان کی

زیارت کرنی چاہئے لہٰذا انہوں نے حضرت شیخ الہندؒ کی زیارت کا ارادہ کرلیا چنانچہ ایک مرتبہ انہیں اجمیر سے دیوبند کی طرف آنا تھا اور وہاں سے کہیں اور آگے جانا تھا انہوں نے یہ پروگرام بنایا کہ پہلے دیوبند اتریں اور دو چار گھنٹے حضرت شیخ الہندؒ کے یہاں گزار کر اور ان سے ملاقات کر کے پھر آگے چلے جائیں چنانچہ یہ ارادہ کر کے وہ اجمیر سے چلے پہلی مرتبہ دیوبند کے اسٹیشن پر پہنچے، گاڑی سے اتر کر تانگے میں بیٹھے اور تانگے والے سے کہا کہ مجھے حضرت شیخ الہندؒ سے ملنا ہے ان کے پاس لے چلیں چونکہ حضرت شیخ الہند دیوبند میں حضرت شیخ الہند کے لقب سے مشہور نہیں تھے بلکہ دیوبند میں بڑے مولوی صاحب کے نام سے مشہور تھے اور شیخ الہند کے لقب سے دوسری جگہ مشہور تھے اس لئے تانگے والے نے کہا کہ حضرت! مجھے شیخ الہند کا تو علم نہیں کہ وہ کون ہیں اور کہاں رہتے ہیں؟ ہاں بڑے مولوی صاحب کا گھر جانتا ہوں، مولانا معین الدین صاحب نے کہا کہ مجھے ان ہی کے پاس پہنچا دو! گرمی کا زمانہ تھا اور دوپہر کا وقت تھا تانگے والے نے بڑے مولوی صاحب کے گھر کے دروازے پر تانگہ ٹھہرا دیا۔

مولوی معین الدین صاحبؒ وہاں اتر گئے انہوں نے جا کر دروازے پر دستک دی تو اندر سے ایک صاحب باہر نکلے جنہوں نے تہبند باندھا ہوا تھا جو ناف اور ٹخنوں سے اوپر تھا۔ باقی جسم پر نہ بنیان تھا نہ ٹوپی اور نہ ہی کوئی دوسرا کپڑا تھا چونکہ گرمی کا زمانہ تھا اس لئے وہ صاحب اسی لباس میں باہر تشریف لے آئے، مولوی معین الدین صاحب نے ان سے کہا کہ میں حضرت شیخ الہندؒ سے ملنے آیا ہوں میری ان سے ملاقات کرا دیجئے، ان صاحب نے کہا کہ ہاں میں ابھی ملاقات کراتا ہوں آپ اندر بیٹھک میں

تشریف رکھیں انہوں نے اندر جا کر بیٹھک کھول دی اور انہیں چار پائی پر بٹھا کر خود اندر تشریف لے گئے اور تھوڑی دیر بعد ٹھنڈا شربت لا کر انہیں پلایا انہوں نے پانی پیا اور کہا کہ میں اجمیر سے آیا ہوں، حضرت شیخ الہندؒ سے ملاقات کر کے اگلی گاڑی سے آگے جانا ہے، میں عجلت میں ہوں اس لئے آپ جلد از جلد میری حضرت سے ملاقات کرا دیں انہوں نے کہا انشاء اللہ ابھی ملاقات ہو جائے گی، گرمی کا وقت ہے آپ بے فکر ہو کر آرام کریں، پانی پلا کر وہ اندر گئے اور تھوڑی ہی دیر میں وہ کھانا لے کر آ گئے، انہیں کھانا کھلایا، وہ درمیان میں بار بار تقاضا کرتے رہے کہ شیخ الہندؒ کو جلدی بلاؤ تا کہ میں ان سے مل لوں اور ان کے انتظار میں مجھے مزید دیر نہ لگے، انہوں نے مولانا معین الدین صاحب سے کہا چونکہ گرمی کا وقت ہے اس لئے آپ لیٹ جائیں اور آرام فرمائیں، اور خود پنکھا لے کر جھلنے لگے کیونکہ وہ مہمان تھے اور مہمان کے آرام کا خیال رکھنا ضروری ہے لیکن مولانا معین الدین صاحب کو غصہ آ گیا اور غصے میں ہی ان سے کہا کہ میں تمہیں کافی دیر سے کہہ رہا ہوں کہ حضرت شیخ الہندؒ سے ملاقات کراؤ تم کبھی پانی پلا رہے ہو کبھی کھانا کھلا رہے ہو اور اب کہہ رہے ہو کہ لیٹ جاؤ، میں یہاں رہنے کے لیے آیا ہوں یا ملنے کے لیے آیا ہوں؟ میں اتنی دیر سے کہہ رہا ہوں آپ ان سے کیوں میری ملاقات نہیں کراتے ہو؟

اس وقت حضرت نے فرمایا کہ بھئی! شیخ الہند تو یہاں کوئی نہیں ہے، بندۂ محمود مجھے ہی کہا جاتا ہے اللہ اکبر! بس یہ سننا تھا کہ ایسا لگا کہ ان پر بجلی گر گئی ہو کہنے لگے آپ شیخ الہند ہیں؟ اور کہا حضرت جیسا سنا تھا واللہ! آپ کو اس سے بالا پایا، آپ نے اس قدر اپنے آپ کو مٹایا ہوا ہے کہ میں سمجھا یہ گھر کا کوئی نوکر اور خادم ہے، نہ جبہ ہے نہ قبا، نہ عمامہ ہے نہ کوئی شان، میں کسی

پہلو سے بھی میں نہ سمجھ سکا کہ شیخ الہندؒ اس کو کہتے ہیں آپ کے معاملات دیکھ کر میں سمجھا کہ گھر کا کوئی ملازم ہے حضرت! یہ کیا غضب ڈھادیا آپ نے واللہ! جیسا میں نے سمجھا تھا آپ اس سے بھی بالا ہیں۔

یہ حضرت کی ظاہری تواضع تھی اب باطنی تواضع بھی دیکھ لیں لیکن یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ یہ تواضع کتابوں سے اور باب التواضع پڑھنے سے نہیں آتی، صحاح ستہ کی کتابیں ہم پڑھتے ہیں اور ان میں باب التواضع بھی پڑھتے ہیں لیکن بعض مرتبہ تواضع کی ہوا بھی نہیں لگتی اس بارے میں مشہور شعر ہے لیکن معنی خیز ہے۔

کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

ایک دین ہے اور ایک علم دین ہے دونوں میں فرق ہے۔ علم دین کتابوں اور اساتذہ کرام سے آتا ہے مگر دین یعنی عمل اہل عمل سے اور اہل تقویٰ سے اور اللہ والوں کی صحبت وخدمت سے آتا ہے۔ تو لیجئے! اب آپ حضرت شیخ الہندؒ کی باطنی تواضع کا حال بھی سن لیں۔

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کا اخلاص

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ کے استاد ہیں حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ ''لوگوں نے ان کو ''شیخ الہند'' کا لقب دے کر ان کی ناقدری کی ہے، اتنی بڑی ہستی کو اتنا چھوٹا لقب دیا، یہ تو ''شیخ العالم'' کہلانے کے لائق تھے، نا کہ ''شیخ الہند''۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون میں آنے سے پہلے کانپور

کے اندر ایک مدرسہ جامع العلوم میں مدرس تھے، تقریباً چودہ برس حضرت نے وہاں تدریس کی۔ وہاں یہ حال تھا کہ اطراف کے مقامی علماء، علمائے دیو بند کو کچھ نہیں سمجھتے تھے، ان کی نظروں میں علمائے دیو بند کی کوئی خاص وقعت نہیں تھی، وہ لوگ علوم عقلیہ کے ماہر مانے جاتے تھے اور علوم نقلیہ قرآن و حدیث سے کچھ زیادہ تعلق نہ تھا، برائے نام ان کے ہاں قرآن و حدیث کی تعلیم ہوتی تھی، وہ لوگ منطق اور فلسفے میں اپنے آپ کو امام سمجھتے تھے جب کہ علمائے دیو بند الحمد للہ دونوں کے ماہر تھے مگر ان کو غلط فہمی تھی کہ علماء دیو بند معقولات نہیں جانتے، ہم ہی جانتے ہیں اور اس میں ہمارا کوئی ثانی نہیں، اور یہ لوگ صرف قرآن و حدیث کے علوم ہی پڑھتے پڑھاتے ہیں ''العیاذ باللہ'' ان کی نظر میں قرآن و حدیث کے علوم جو کہ حقیقی علوم ہیں ان کی وقعت کم تھی اور جو علوم ہی نہیں بلکہ فنون ہیں ان کی وقعت زیادہ تھی اس لیے یہ حضرات علمائے دیو بند کو ذرا کم نظری سے دیکھتے تھے۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ چونکہ اندر کے آدمی تھے وہ جانتے تھے کہ ان کو مغالطہ ہو گیا ہے، اگر یہ کبھی ہمارے اکابر میں سے کسی کی تقریر سن لیں تو ان کو پتہ چل جائے کہ یہ علوم عقلیہ کے کیسے ماہر ہیں بلکہ یہ تو ایسے ماہر ہیں کہ خود ان کو اس کی ہوا بھی نہیں لگی۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ خواہش تھی کہ کانپور میں کبھی جلسہ ہو اور اکابر علمائے دیو بند تشریف لائیں، خصوصاً حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ بھی تشریف لائیں اور انہی کا بیان بھی ہو، اور خدا کرے ان کے بیان میں منطق اور فلسفے کے موضوع پر کلام ہو تو ان حضرات کو بھی پتہ چل جائے کہ یہ لوگ صرف منقولات ہی کے ماہر نہیں بلکہ معقولات کے بھی زبردست ماہر ہیں، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ خواہش خدا خدا کر کے

پوری ہونے کو آئی کہ کانپور میں ایک جلسہ منعقد ہوا، حضرت شیخ الہندؒ کا آنا بھی طے ہوا اور حضرت تشریف بھی لائے۔

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کا بیان شروع ہوا، جب بیان شروع ہوا تو حضرت تھانوی صاحبؒ فرماتے ہیں میرا یہ جی چاہنے لگا کہ یا اللہ! حضرت علوم عقلیہ میں سے کسی علم کے خاص موضوع پر کلام فرمائیں جیسا کہ حضرت کا نہایت ہی عالمانہ، فاضلانہ اور محققانہ کلام ہوا کرتا ہے اور اسی دوران یہ علماء جو ہمیں (علمائے دیوبند کو) معمولی سمجھتے ہیں، آجائیں اور حضرت کی تقریر سنیں تو ان کے دماغ کے تالے کھل جائیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری یہ خواہش بھی تھوڑی دیر کے لئے پوری کردی کہ حضرت کا بیان کسی اور موضوع پر ہو رہا تھا کہ ہوتے ہوتے اسی موضوع پر چل پڑا اور حضرت تو جس موضوع پر کلام فرماتے تھے ایسا لگ رہا تھا جیسے علم و معرفت کا دریا بہہ رہا ہے، حضرت علوم عقلیہ پر کلام کرنے لگے ایسا لگ رہا تھا جیسے سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے، میں نے ادھر ادھر دیکھا کہ یہ لوگ ابھی آجائیں تو اچھا ہو، خدا کی شان کہ تھوڑی دیر میں میں نے دیکھا کہ ان کی پوری جماعت جلسے میں حضرت کا بیان سننے کے لیے آرہی ہے، میرا دل باغ باغ ہو گیا کہ ان لوگوں کو علمائے دیوبند سے جو غلط فہمی ہے وہ دور ہو جائے گی اور جن کے اعتقاد کمزور ہیں اگر معتقد نہ بھی ہوئے تو انہیں کم از کم اتنا تو پتہ چل جائے گا کہ عقلی علوم صرف ہم ہی نہیں جانتے، کوئی اور بھی جانتا ہے اور علمائے دیوبند صرف منقولات ہی کے نہیں معقولات کے بھی امام ہیں، اب کیا ہوا کہ جیسے ہی یہ لوگ جلسہ گاہ میں داخل ہوئے اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی نظر ان پر پڑی تو حضرت نے اپنا بیان ختم کردیا اور و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین فرما کر نیچے

اتر گئے ۔ میں حیران رہ گیا کہ یا اللہ! یہی تو وقت تھا بیان کرنے کا اور اس وقت حضرت نے بیان ختم کر دیا۔ میری خلش جیسی تھی دل میں ویسی کی ویسی ہی رہ گئی ۔ میں اندر ہی اندر بڑا تڑپا کہ یا اللہ! حضرت نے یہ کیا کیا کہ وہ لوگ آئے تھے اور حضرت کا بیان بھی اسی موضوع پر ہو رہا تھا کہ اچانک آپ خاموش ہوکر کرسی سے نیچے تشریف لے آئے ، اس وقت تو بات کرنے کا موقع تھا کیونکہ سب جلسے میں بیٹھے ہوئے تھے ، جب حضرت کے ساتھ تنہائی میں ملاقات ہوئی تو میں نے کہا کہ حضرت اتنے دنوں کے بعد میری آرزو پوری ہونے والی تھی اور بیان کا وقت بھی ابھی آیا تھا جب وہ جلسہ گاہ میں آئے تھے اور عین اس وقت آپ نے وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین فرما دیا۔ حضرت نے جوابا ارشاد فرمایا کہ ہاں میرے ذہن میں بھی یہ بات آگئی کہ بیان کا وقت یہی ہے ، میں اسی لئے بیٹھ گیا تھا کہ اب یہ بیان علم بگھارنے کے لئے ہوگا اللہ کے لئے نہیں ہوگا اللہ اکبر! اور فرمایا میرے دل میں یہ آیا کہ اب یہ بیان ان کے لئے ہوگا اللہ کے لئے نہیں ہوگا اس لئے میں نے وآخردعوانا ان الحمد للہ رب العالمین کہہ دیا کہ میں تو اللہ کی رضا کے لیے بیان کر رہا تھا ، جب تک اللہ کی رضا کے لئے ہوا وہ صحیح ہوا جب یہ لوگ آگئے تو اس خیال کی وجہ سے اللہ کے لئے خالص نہ رہا تو میں کیسے بیان کر دیتا۔

یہ ان حضرت کے دل کا حال ہے ، ہمارے تمام علمائے دیوبند اسی اخلاص کا پیکر تھے لیکن یہ خلوص صرف ''باب الاخلاص'' پڑھنے سے نہیں آتا بلکہ یہ اللہ والوں کی صحبت و خدمت سے حاصل ہوتا ہے یہ تھے ہمارے اکابر علماء دیوبند جنہوں نے علم وعمل دونوں کو جمع کیا ، ہمیں بھی دونوں میں ماہر

ہونے کی ضرورت ہے علم کے اندر بھی اور عمل کے اندر بھی اکابر علمائے دیو بند کے بارے میں کسی نے خوب کہا ہے کہ:

''یہ صحابی تو نہ تھے مگر صحابی کا نمونہ تھے۔''

ایسا ہمیں بھی ہونے کی ضرورت ہے لیکن حال یہ ہے کہ دونوں کے اندر نہایت کمزوری آچکی ہے بلکہ علم سے جو مقصود ہے یعنی عمل اس میں تو اکثر معاملہ صفر ہے العیاذ باللہ۔ جب عمل صفر ہے تو علم بھی صفر ہو رہا ہے، اس لئے علم کی لائن بھی کمزور سے کمزور تر ہو رہی ہے، یہ بات میں اپنی طرف سے نہیں بلکہ حضرت کی بات اور حضرت ہی کے ارشادات کی بنا پر کہہ رہا ہوں۔

بانئ دارالعلوم کراچی سیدی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ ''اب ہمارے مدرسے بانجھ ہو گئے ہیں۔'' بانجھ اس عورت کو کہتے ہیں جس کی اولاد نہ ہوتی ہو، جب کہ نکاح کا بڑا مقصد نیک اولاد حاصل کرنا ہے۔ ان مدرسوں کا مقصد اولیاء اللہ پیدا کرنا ہے اور بغیر عمل کے اللہ والا ہو ہی نہیں سکتا، آج کل کے پڑھنے والے عملی تربیت کی طرف متوجہ نہیں ہوتے اس لئے ولایت اور قرب سے محروم رہتے ہیں، اسی بناء پر حضرت مدارس کو بانجھ ہونا فرماتے تھے۔ ہمارے اکابر نے علم وعمل دونوں کو جمع کیا، اسی کی ضرورت اب بھی ہے۔

جامعہ دارالعلوم کراچی کا مقصد

چنانچہ حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے دارالعلوم کراچی اس لئے قائم کیا ہے کہ یہاں سے اللہ والے پیدا ہوں، محض اس لئے نہیں کہ یہاں سے کوئی بہت بڑا محقق پیدا ہو، کیونکہ محقق تو بہت پیدا ہو رہے ہیں اور ہم

ایسا محقق پیدا کر بھی نہیں سکتے جیسا دنیا کے اندر یہود ونصاریٰ اور مشرکین پیدا کر رہے ہیں، وہ لوگ قرآن کریم اور احادیث کی شرحیں لکھ رہے ہیں اور ایسی لکھ رہے ہیں کہ شاید ہم بھی نہیں لکھ سکتے مگر پھر بھی بڑے کافر اور اسلام کے دشمن ہیں اس لئے اصل مقصد محض محقق پیدا کرنا نہیں ہے بلکہ اصل مقصد اللہ والا پیدا کرنا ہے کہ وہ عالم بھی ہو اور ساتھ ساتھ باعمل بھی ہو، اب ان مدرسوں سے اللہ والے پیدا ہونا بند ہو گئے ہیں۔

عمل بھی سیکھیں

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی فرماتے تھے کہ علم و عمل دونوں سگے بھائی ہیں، جس جگہ علم آتا ہے وہ آکر اپنے بھائی عمل کو آواز دیتا ہے اگر وہاں عمل ہوتا ہے تو علم بھی وہاں ٹھہر جاتا ہے اگر عمل نہیں ہوتا تو فرمایا کہ پھر علم بھی وہاں سے چلا جاتا ہے یعنی علم نافع نہیں رہتا کیونکہ دونوں سگے بھائی ہیں اکٹھے ہی رہیں گے، اکیلے نہیں رہ سکتے اس لیے ان مدارس میں اس بات کی اشد ضرورت ہے جس طرح ہم یہاں علم پڑھتے جاتے ہیں اس کے ساتھ عمل بھی سیکھیں اور سکھائیں۔

ماشاء اللہ حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم نے اس کا اہتمام کیا ہوا ہے کہ مدرسہ اور خانقاہ دونوں ساتھ ساتھ ہیں اللہ تعالیٰ اسے کامیاب فرمائیں اور جو مقصود ہے وہ حاصل ہو۔ اسی طرح الحمد للہ ہمارے یہاں دارالعلوم کراچی میں بھی اللہ پاک نے ایسا ہی فضل و کرم فرمایا ہوا ہے کہ وہاں بھی جہاں ایک طرف علم و فضل کی بہاریں ہیں تو دوسری طرف خانقاہ کا رنگ بھی الحمد للہ قائم و دائم ہے جو سب بانیٔ دارالعلوم حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا

فیض ہے۔

علم وعمل کے لیے محنت کی ضرورت

جس طرح علم حاصل کرنے کے لیے وقت، محنت اور مال خرچ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح عمل حاصل کرنے کے لیے بھی ان تینوں کی ضرورت ہوتی ہے، یہ اپنے ساتھ انتہائی درجے کی ناانصافی ہے کہ درس نظامی کو پڑھنے کے لئے تو آٹھ سال یا سولہ سال لگاتے ہیں تاکہ یہ علوم شریعہ ہمیں حاصل ہوں اور ہم عالم بن جائیں لیکن باعمل بننے کی خصوصی تربیت کے لئے آٹھ ماہ یا آٹھ عشرے یا ایک چلہ بھی نہیں لگاتے تو بتلاؤ جب علم کے لیے ہم نے آٹھ سال یا سولہ سال قربان کئے اور عملی تربیت کے لیے آٹھ مہینے بھی خرچ نہ کئے تو عمل کس طرح آئے گا، جس طرح محض آٹھ مہینے میں درس نظامی حاصل نہیں ہوسکتا اسی طرح یہ بات یاد رکھئے کہ عمل بھی ہمارے پاس آٹھ مہینے نہ لگانے کی صورت میں نہیں آسکتا اور پھر اس کے بعد ہم یہ کہیں کہ اللہ کی رضا کے لئے پڑھ رہے ہیں اور اعدادیہ سے لے کر دورۂ حدیث تک ہم ہر سال یہی نیت کرتے اور کراتے ہیں کہ اللہ کی رضا کے لئے پڑھ رہے ہیں تو بھئی اللہ کی رضا کے لئے پڑھنے کا کیا مطلب ہوا؟ اللہ کی رضا تو محض پڑھنے سے حاصل نہیں ہوگی بلکہ پڑھ کر اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوگی، آخر کب تک ہم اپنے آپ کو عمل سے غافل رکھیں گے، کیونکہ عمل کرنے کے لئے ہم نے نہ کوشش کی، نہ وقت نکالا، نہ محنت کی اور نہ ہی مال خرچ کیا تو صرف خالی تمنا کرنے سے عمل ہرگز حاصل نہیں ہوسکتا۔ یہی تمنا اگر ہم گھر بیٹھ کر علم کے لئے کرتے تو کبھی بھی عالم نہ بنتے۔

یاد رکھئے! آٹھ سال اس طریقے سے لگانے کے بعد اگر عمل کے بارے میں یہی آرزو رہی تو پھر آٹھ کو دس میں ضرب دے کر اسی سال بھی ہو جائیں تو بھی عمل کی حالت صفر ہی رہے گی کیونکہ آرزو اور تمنا سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ عمل کو حاصل کرنے کے لئے عزمِ مصمم اور جہد مسلسل شرط ہے جیسے عالم بننے کے لئے مذکورہ چیزوں کی ضرورت ہے۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا درد بھرا ارشاد

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ کا ایک ملفوظ میں نے پڑھا ہے، حضرت بڑے درد سے فرماتے تھے کہ:

> ''اے مدرسوں کے پڑھنے والے طلباء! تم علم حاصل کرنے کے لئے آٹھ سال اپنے پاس سے نکالتے ہو، عمل کے لئے کم از کم آٹھ مہینے ہی نکال لو اور میری خانقاہ میں آجاؤ''۔

رمضان شریف کا مہینہ جو خالص توجہ الی اللہ کا مہینہ ہے اس مقدس مہینے میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ کے ہاں لوگوں کی اصلاح کے لئے شامیانہ لگ جاتا تھا اس لئے کہ مدارس کے علماء وطلباء اس زمانے میں چھٹیاں ہونے کی وجہ سے بکثرت حضرت کی خدمت میں اصلاح کے لئے حاضر ہوتے تھے اور خانقاہ چھوٹی پڑ جاتی تھی اور شامیانہ لگانے کی ضرورت پیش آجاتی تھی اور حضرت اپنی یکسوئی قربان کر کے ان کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے کہ چلو ان چھٹیوں کے زمانے میں انہیں کچھ حاصل ہو جائے۔

علم وعمل حاصل کرنے کا طریقہ

محترم بزرگو، عزیز اساتذہ، طلباء اور طالبات! اگر ہم علمائے دیوبند سے وابستہ ہیں اور اکابر علمائے دیوبند سے ہمارا تعلق ہے تو اس تعلق کا حاصل یہ ہے کہ ہم دو باتوں کو اختیار کریں۔

(۱) علم حاصل کرنے میں تن من دھن قربان کردیں اور اس میں کامل مہارت حاصل کریں اور اپنے اندر پوری صلاحیت پیدا کریں جس کی آج کل شدید ضرورت ہے۔

(۲) اس سے کہیں زیادہ تن من دھن باعمل بننے میں قربان کریں۔ لہٰذا درجۂ اعداد یہ ہی سے ہمیں عمل کی کوشش شروع کردینی چاہئے تاکہ جب ہم دورۂ حدیث سے فارغ ہوں تو علم وعمل دونوں کے جامع ہوں۔ ہمارے تمام اکابر علمائے دیوبند کو اس وقت سے لے کر شروع کے اس دور تک جس کا میں نے ابتدا میں تذکرہ کیا تھا انشاء اللہ آپ ان کو ایسا ہی پائیں گے کہ علم کے اندر بھی اللہ پاک نے انہیں اپنی مثال آپ بنایا تھا اور عمل میں بھی انکا کوئی ثانی نہیں تھا اور طریقہ یہی ہے کہ اس کے لئے محنت اور کوشش ہو کیونکہ بغیر محنت اور کوشش کے کچھ نہیں ہوسکتا۔

ان ہی کلمات پر میں اکتفاء کرتا ہوں اور آپ سے اپنے لئے دعا چاہتا ہوں کہ اللہ پاک نے جن بزرگوں کی یہ باتیں کہنے کی توفیق عطاء فرمائی

ہے ان کے علمی و عملی کمالات میں سے کوئی ذرہ اپنے فضل سے مجھے بھی عطاء فرمادیں اور آپ کو بھی عطا فرمادیں اور ہم میں سے کوئی بھی اس سے محروم نہ رہے آمین۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

☆☆☆☆☆

شیخ سے تعلق کی ضرورت
اور
فائدے

- بیعت سے اصل مقصد
- شیخ سے خط و کتابت
- شیخ سے تعلق کے فوائد
- شیخ کی صحبت کا اثر
- امام رازیؒ کا ایمان افروز واقعہ

حضرت اقدس مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی دامت برکاتہم العالیہ
نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ناشر
مکتبۃ الاسلام کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (صدق اللہ العظیم)
(التوبۃ: ۱۱۹)

میرے قابل احترام بزرگو!

اللہ پاک نے ہمیں جن بزرگوں سے وابستہ فرمایا ہے ان کی ہمیں بہت ہی زیادہ قدر کرنی چاہئے اور ان سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنا چاہئے، پھر بعد میں سوائے افسوس کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا، کیونکہ جتنے بھی بزرگ گزر گئے ہیں ان میں سے بہت ہی کم بزرگوں کا نعم البدل حاصل ہوا ہے، ورنہ ابتک ان کی وہ جگہیں خالی پڑی ہیں۔ جب تک یہ نعمت حاصل تھی اس وقت تک اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا مگر جب یہ نعمت چھن گئی تو اب

کفِ افسوس ملنے سے کیا فائدہ ہوگا۔ اس لئے بھئی! جن حضرات وخواتین کو جن بزرگوں سے نسبت حاصل ہے اور ان سے ان کا اصلاحی تعلق اور رابطہ ہے تو وہ اپنے اس تعلق کو قوی سے قوی تر کر کے زیادہ سے زیادہ مستفید اور فیضیاب ہوں کیونکہ اس کے بغیر عمل کا حاصل ہونا مشکل ہے، اسی کے بارے میں یہ شعر ہے:

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے ہے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

یہ دین اللہ والوں کی صحبت وخدمت سے ہی حاصل ہوتا ہے اور خدمت وصحبت کے دو طریقے ہیں۔

مجالس میں شرکت

خدمت وصحبت کا ایک طریقہ یہ ہے کہ ہم اللہ والوں کی مجلس میں جا کر بیٹھیں اور ان کا وعظ و درس اور ان کی باتیں سنیں، بلاشبہ یہ بھی بے حد نافع اور مفید ہے اور ضروری بھی ہے اور ان سے مستفید ہونے کا ایک طریقہ بھی ہے لیکن اس میں عام مضمون بیان ہوتا ہے جس کا عمومی فائدہ ہوتا ہے۔

خط وکتابت سے رابطہ

خدمت وصحبت کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جس شخص کو جس بزرگ سے تعلق ہو وہ ان کی ہدایت کے مطابق اپنا ذاتی حال زبان یا خط وکتابت کے ذریعے ان کی خدمت میں پیش کرے۔ یہ طریقہ بھی بے حد ضروری ہے کیونکہ اس طریقے کے مطابق انسان کی شخصی حالت کی اصلاح اور انفرادی

تربیت اور تزکیہ ہوتا ہے اور ہر آدمی کی انفرادی طور پر اصلاح اور تربیت و تزکیہ تب ہی ہوسکتا ہے جب وہ یہ طریقہ اپنائے، اور ہماری اصل ذمہ داری بھی یہی ہے جو فرضِ عین کے درجے میں ہے، لہٰذا ہمارا اپنے شیخ سے یا کسی بھی بزرگ، متبعِ سنت، متبعِ شریعت اور اللہ والے سے خصوصی رابطہ ہونا چاہئے۔

اللہ والوں سے تعلق ضروری ہے

اسی خصوصی رابطے یا تعلق کو یا عمومی رابطے کو حکیم الامت حضرت تھانویؒ اپنے مواعظ میں فرضِ عین فرماتے تھے۔ وہ فرماتے تھے کہ یہ تعلق فرضِ عین ہے کیونکہ ایمان کا بچانا اور اس کی حفاظت فرضِ عین ہے اور ہم سب پر اپنے اپنے ایمان کی حفاظت فرضِ عین ہے جیسے ایمان لانا فرض ہے ایسے ہی اس کی حفاظت بھی فرض ہے جب اس کی حفاظت فرض ہے تو جو اس ایمان کی حفاظت کا ذریعہ ہوگا وہ بھی فرض ہوگا۔

ایمان کی حفاظت کا ذریعہ

حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے دور میں فرماتے تھے کہ اس دور میں ایمان کی حفاظت کا واحد ذریعہ اللہ والوں کی صحبت اور ان سے اپنا اصلاحی تعلق اور رابطہ ہے، اب یہ رابطہ عام درجے کا ہو یا خاص درجے کا، دونوں ہی ضروری ہیں، اس لئے فرمایا کہ کسی نہ کسی اللہ والے سے ہمارا رابطہ رہنا ضروری ہے کہ یہ ایمان کی حفاظت کا ذریعہ ہے اور اس رابطے میں یہ ہو کہ ہم جو کچھ کریں ان سے پوچھ کر کریں، اپنی رائے اور مرضی سے کچھ نہ کریں ان کے مشورے کو مقدم رکھیں اور ان کی خدمت وصحبت اور ان کی مجالس میں آتے جاتے رہیں اور اخلاص کے ساتھ، صرف اللہ کے لئے ان سے محبت

رکھیں تو اس تعلق اور رابطے کا ادنیٰ فائدہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کے ایمان کی حفاظت فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی محبت کے بڑے درجات ہیں ان کی کوئی انتہا نہیں، جیسے کسی نے کہا کہ: ؎

عبث ہے جستجو بحرِ محبت کے کنارے کی
بس اس میں ڈوب جانا ہی ہے اے دل پار ہو جانا

کہ اللہ کی محبت تو وہ بحرِ بیکراں ہے کہ اس کی کوئی انتہاء نہیں جتنا کوئی قریب پہنچا اس کے آگے اتنا ہی لا متناہی سلسلہ اور نظر آیا کیونکہ اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ ایسے ایسے قلبی احوال عطا فرماتے ہیں اور ایسے ایسے اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرماتے ہیں اور اپنی محبت ایسی عطا فرماتے ہیں کہ اس کی کوئی انتہاء نہیں ہوتی، جتنا کوئی آگے بڑھتا چلا جاتا ہے وہ اپنے آپ کو اتنا ہی پیچھے محسوس کرتا ہے۔

ایمان سب سے بڑی نعمت ہے

بہر حال اللہ والوں سے تعلق و رابطے اور ان کی خدمت وصحبت کا ادنیٰ فائدہ اور درجہ یہ ہے کہ اللہ پاک اس کا ایمان بچا دیتے ہیں اور اس دنیا میں سب سے بڑی نعمت ایمان ہی ہے اور اس کی قدر و حفاظت بھی اتنی ہی زیادہ ہونی چاہئے۔ جو مؤمن دنیا سے اپنا ایمان سلامتی کے ساتھ قبر میں لے جاتا ہے وہ بہت ہی بڑی کامیابی سے ہم کنار ہو جاتا ہے اور اگر خدانخواستہ کوئی مرد یا عورت اس دنیا سے اس حال میں گیا کہ اس کا ایمان یہیں رہ گیا اور وہ بغیر ایمان کے قبر میں چلا گیا تو پھر اس سے بڑی مصیبت، آفت اور ہلاکت وعذاب کی کوئی چیز نہیں ہے۔

اللہ والوں کی صحبت کی برکت سے ایمان کے بچ جانے کے بڑے عجیب وغریب قصے ہیں۔انہیں میں سے ایک قصہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

امام رازی رحمہ اللہ کی تلاش اور جستجو

یہ قصہ حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جو میں نے کسی بزرگ سے سنا ہے یا حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے مواعظ میں پڑھا ہے۔ امام رازیؒ جب تمام علومِ نقلیہ وعقلیہ جو انہوں نے لمبے لمبے سفر کر کے اور اپنے مشائخ سے دور دراز کے علاقوں میں جا کر حاصل کئے تھے فارغ ہو گئے تو انہوں نے ایک سفر اللہ والوں کی صحبت وخدمت میں رہنے کے لئے بھی کیا۔ یہ سفر اس لئے کیا کہ اب کسی اللہ والے کی صحبت تلاش کریں تا کہ ان کی خدمت وصحبت میں جا کر اپنی اصلاح کرا سکیں اور جو کچھ پڑھا ہے اس کو اپنے عمل میں لا سکیں، کیونکہ جس طرح علم کتابوں اور استادوں سے سیکھا جاتا ہے اسی طرح عمل اللہ والوں سے سیکھا جاتا ہے، اور اللہ والے تربیت کے ماہر ہوتے ہیں، انہیں کی خدمت وصحبت میں رہنے سے یہ علومِ ظاہری عمل میں آتے ہیں اور یہ معلومات پھر معمولات میں تبدیل ہو جاتی ہیں اور آخرت میں نجات اور کامیابی کا دارومدار بھی معمولات پر ہے معلومات پر نہیں۔ بہر حال امام رازی رحمہ اللہ اپنی تمام معلومات کو معمولات میں تبدیل کرنے کے لئے باعمل اولیاء اللہ کی صحبت کو تلاش کرنے کے لئے نکلے اور اس کے لئے انہوں نے ایک طویل سفر فرمایا، مختلف بزرگوں کے پاس تشریف لے گئے، ہر ایک کے پاس کچھ وقت گزارا لیکن کہیں بھی کسی بزرگ سے مناسبت نہ ہوئی تو

وہاں سے چل دیئے۔

شیخ سے مناسبت ضروری ہے

اس باطنی اصلاح اور تربیت کے لئے مزاج میں یکسانیت، یگانگت اور مناسبت شرطِ لازم ہے، جب تک آپ کو کسی بزرگ سے قلبی مناسبت نہیں ہوگی اس وقت تک آپ کو باطنی نفع نہیں ہوگا اور آپ ان سے فیض یاب نہیں ہوسکیں گے اگر چہ وہ بزرگ مرتبے میں حضرت جنید بغدادیؒ، حضرت شبلیؒ، حضرت جلال الدین رومیؒ اور شیخ فرید الدین عطارؒ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں، اگر آپ کا دل ان سے نہیں ملتا، ان سے آپ کو مناسبت نہیں اور ان کی باتیں دل کو نہیں لگ رہیں تو آپ کو ان سے فائدہ نہیں ہوگا۔ اس کے مقابلے میں اگر کوئی بزرگ ظاہری طور پر گو معمولی درجے کے ہوں اور ان سے آپ کو قلبی مناسبت ہے اور ان کی باتیں دل کو لگتی ہیں تو ان سے آپ کو باطنی نفع اور فائدہ حاصل ہوگا۔

مناسبت کی علامت

بہر حال اصلاح و تربیت اور تزکیہ کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ جس بزرگ سے آپ اصلاحی رابطہ اور تعلق قائم کرنا چاہتے ہوں، آپ کا دل ان سے ملا ہوا ہو، جس کی علامت یہ ہے کہ اس کی ہر بات آپ کو اچھی معلوم ہوتی ہو، ان کی باتیں آپ کے دل میں اترتی ہوں اور آپ کے دل میں اثر پیدا ہوتا ہو، دنیا سے دل ہٹتا ہو اور آخرت کی طرف مائل ہوتا ہو۔ غرض یہ کہ ان کی ہر ادا آپ کو بھاتی ہو اور انہیں بھی اسی طرح آپ سے محبت اور تعلق ہو، جب دونوں طرف سے یہ مناسبت ہو جاتی ہے، مزاج مل جاتا ہے تو پھر باطنی

نفع شروع ہو جاتا ہے اور تربیت شروع ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں آنا شروع ہو جاتی ہے۔

ایک بزرگ سے مناسبت

بہرحال! امام رازیؒ کئی بزرگوں کے پاس گئے، انہیں جب کہیں بھی مناسبت معلوم نہ ہوئی تو انہیں یہ مایوسی شروع ہوگئی کہ شاید میری قسمت میں کوئی ایسا بزرگ نہیں ہے کہ جس سے میرا مزاج ملے اور ان کا مجھ سے مزاج ملے اور اس طرح پھر میرا باطنی نفع اور فائدہ شروع ہو تو وہ اسی کشمکش میں تھے کہ کسی نے انہیں ایک جگہ کسی بزرگ کے بارے میں بتایا کہ آپ وہاں بھی جا کر دیکھ لیں شاید آپ کی اصلاح ان سے ہو جائے تو حضرت امام رازیؒ وہاں تشریف لے گئے جب یہ وہاں پہنچے اور کچھ دن ان کے ہاں قیام کیا تو انہیں اپنے مزاج میں کچھ مطابقت محسوس ہوئی تو انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ بس اب یہیں رہ کر ان بزرگ سے استفادہ کر کے اپنی اصلاح و تربیت اور تزکیہ کرانا ہے اور انہیں سے اخلاق و اعمال کی عملی تعلیم حاصل کرنی ہے، چنانچہ یہ سوچ کر وہ وہیں رک گئے اور مزید کچھ دن گزرنے کے بعد انہوں نے جب یہ محسوس کیا کہ مناسبت اچھی خاصی ہے تو امام رازی رحمہ اللہ نے ان بزرگ سے بیعت ہونے کی درخواست کر دی۔

بیعت میں عجلت مناسب نہیں

پہلے زمانے میں بزرگ فوراً بیعت نہیں کرتے تھے، حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلے میں بھی یہی طریقہ رہا ہے کہ کوئی ان

کے سلسلے والوں سے بیعت ہونے کی درخواست کرتا تو وہ فوراً بیعت نہیں کرتے تھے بلکہ پہلے وہ اس بات کا اندازہ کرتے کہ یہ شخص جو بیعت کے لئے درخواست کر رہا ہے آیا اس کے اندر طلب بھی ہے یا نہیں؟ کہیں رسمی طور پر تو بیعت نہیں ہو رہا یا نمود و نمائش تو اس کا مقصد نہیں ہے؟

بیعت کے مروّجہ مقاصد

ہمارے ہاں آج کل رسمی طور پر بیعت ہونے کا بہت رواج ہے کہ بس بھئی صرف بیعت ہو جاؤ، یہاں صرف رسماً ہی بیعت نہیں ہوتے بلکہ دنیاوی مقاصد کے لئے بھی بیعت ہوتے ہیں مثلاً کسی کا کاروبار نہیں چل رہا تو لوگ اس کو مشورہ دیتے ہیں کہ کسی اللہ والے سے بیعت ہو جاؤ تمہارا کاروبار چمک جائے گا حالانکہ بیعت ہو جانے کا کاروبار کے چمکنے سے دور کا بھی تعلق نہیں کہ بیعت ہوتے ہی آمدنی میں اضافہ ہو جائے گا یہ قطعاً لازمی اور ضروری نہیں ہے، بہرحال اب یہ شخص ضد کرے گا کہ حضرت! مجھے بیعت کر لیں، میں آپ سے بیعت ہونا چاہتا ہوں اور آپ کے قدموں میں رہنا چاہتا ہوں وغیرہ وغیرہ، حالانکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ کاروبار چمک جائے، مقدمہ جیت جاؤں، دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی ہو جائے اور دنیا کے تمام کام درست ہو جائیں۔

بیعت ہونے کا دوسرا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جب لوگوں کے درمیان میں بیٹھوں اور لوگ پوچھیں کہ تمہارا کس سلسلے سے تعلق ہے تو میں یہ کہہ سکوں کہ میں بھی صاحبِ سلسلہ ہوں اور فلاں سلسلے سے میرا تعلق ہے مثلاً میں نقشبندی یا قادری سلسلے سے تعلق رکھتا ہوں وغیرہ۔ اس مقصد میں بھی دنیا کی

بڑائی، ناموری اور ریا مقصود ہے اللہ کی رضا ہرگز مقصود نہیں ہے۔

سچی طلب کے بعد بیعت کرنا

اس لئے حضرت تھانویؒ پہلے یہ دیکھتے کہ یہ کس غرض کے لئے بیعت ہو رہا ہے آیا یہ واقعی اپنی اصلاح چاہتا ہے یا برائے نام بیعت ہونے پر اصرار کر رہا ہے اور یہ بھی لازمی طور پر دیکھا جاتا ہے کہ مناسبت بھی ہے یا نہیں کیوں کہ جب مناسبت ہی نہیں ہوگی تو پھر دس برس ہی کیوں نہ گزر جائیں قطعاً کوئی فائدہ نہیں ہوگا، پھر جب یہ حضرات یہ دیکھ لیتے کہ اس میں واقعی سچی طلب ہے اور خالصتاً اللہ کی رضا چاہتا ہے اور اللہ کی رضا کی خاطر ہر قربانی دینے کو تیار ہے تو پھر وہ بیعت فرما لیتے۔ اسی کے بارے میں یہ شعر ہے:

آرزوئیں خون ہوں یا حسرتیں پامال ہوں
اب تو اس دل کو ترے قابل بنانا ہے مجھے

ایک اور شعر بھی اسی مقصد و مفہوم کو واضح کرتا ہے:

خون کی موجیں گزر جائیں نہ کیوں
آستانہ میں نہ چھوڑوں گا مگر

بہرحال اللہ والے جب یہ جذبہ دیکھتے ہیں تو پھر بیعت کر لیتے ہیں۔

ظاہری علوم کا نکلنا

لہٰذا امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ان بزرگ سے بیعت ہونے کی درخواست کی تو ابتداً حسب معمول انہوں نے انکار کر دیا یہ دیکھنے کے لئے ان

میں تڑپ کیسی ہے اور یہ کہ مناسبت بھی ہے یا نہیں؟ مگر جب امام رازیؒ بار بار اصرار کرتے رہے تو شیخ نے یہ اندازہ لگالیا کہ ان میں واقعی طلب صادق ہے اور واقعی یہ اخلاص سے اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے اور اپنے علم کو عمل میں لانے کے لئے اپنا اصلاحی تعلق و رابطہ قائم کرنا چاہتے ہیں تو انہوں نے امام رازیؒ کی درخواست قبول کر لی اور امام رازیؒ کو ایک خاص وقت بتا دیا کہ فلاں وقت میں میری خانقاہ آجائیں میں تمہیں بیعت کرلوں گا۔ چنانچہ امام رازیؒ وقتِ مقررہ پر پہنچ گئے۔ ان بزرگ نے انہیں اندر بلا لیا اور دروازہ اندر سے بند کر کے امام رازیؒ کو اپنے سامنے بٹھا لیا اور پھر ان کے دل پر توجہ دینا شروع کی۔ دورانِ توجہ کچھ دیر کے بعد امام رازیؒ نے ایسا محسوس کیا ان کے سینے سے کوئی چیز اس طرح نکل رہی ہے جیسے تیز ہوا چلتے وقت کتاب کے اوراق سے پھڑ پھڑانے کی آواز نکلتی ہے انہوں نے جب یہ محسوس کیا کہ سینے اور دل سے کچھ نکل رہا ہے تو گھبرا کر عرض کیا حضرت مجھے عجیب سی کیفیت لاحق ہو رہی ہے اور ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ میرے سینے سے کوئی چیز نکل رہی ہے، حضرت! یہ کیا ہے؟

باطنی علوم کی آمد

شیخ نے فرمایا کہ جو علومِ ظاہرہ تم پڑھ کر آئے ہو وہ نکل رہے ہیں جب یہ ظاہری علوم نکل جائیں گے تو پھر تمہارے دل میں باطنی علوم آئیں گے، اسی کی طرف حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمہ اللہ نے یوں اشارہ

فرمایا ہے:

بینی اندر خود علوم انبیاء
بے کتاب و بے معید و اوستا

فرمایا کہ جب تم اللہ تعالیٰ کے تعلق سے فیض یاب ہو جاؤ گے تو پھر بغیر کسی کتاب و استاد کی مدد اور پیغمبرانہ علوم کا مشاہدہ کرو گے کیوں کہ اب تمہارا براہِ راست سرچشمۂ علوم یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات سے رابطہ ہو گیا لہٰذا اب براہِ راست اللہ تعالیٰ کی ذات سے علوم تم پر اتریں گے۔

بیعت سے انکار

بہر حال شیخ نے امام رازیؒ سے کہا کہ میں باطنی علوم کے لئے تمہارے دل کو فارغ کر رہا ہوں جن کو حاصل کرنے کے لئے تم یہاں آئے ہو۔ اس کے جواب میں امام رازیؒ نے عرض کیا کہ حضرت! یہ علوم میں نے لمبے لمبے سفر طے کر کے حاصل کئے ہیں، بہت فاقے برداشت کئے ہیں اور ان علوم کے حصول کے لئے بہت محنتیں اور مشقتیں برداشت کی ہیں بہت سی مشکلات سے گزر کر میں نے یہ علوم حاصل کئے ہیں اور آپ چند لمحات میں انہیں صاف کر رہے ہیں۔

حضرت! یہ مجھ سے برداشت نہیں ہو سکتا اگر ان علوم کے رہتے ہوئے آپ بیعت فرمالیں اور توجہ فرمادیں تو ٹھیک ہے، ورنہ میں آپ سے معذرت خواہ ہوں، میں اس طریقے سے آپ سے بیعت نہیں ہوتا کہ پہلے آپ میرے ان علوم کو نکالیں جو میں نے بڑی محنتوں سے حاصل کئے ہیں اس

لئے آپ میرے ان علوم کو یہیں رہنے دیں۔

شیخ نے فرمایا کہ گھبراؤ نہیں جو کچھ نکل رہا ہے اسے نکلنے دو، انشاء اللہ تم کورے نہیں رہو گے اور تم نے بیعت کا ارادہ کر ہی لیا ہے تو اب بیعت ہو جاؤ مگر امام رازیؒ نے کہا کہ نہیں حضرت! مجھے یہ برداشت نہیں کہ آپ میری برسوں کی محنت ذرا سی دیر میں ختم فرمادیں اور میرے تمام علوم کو خارج فرمادیں، شیخ نے پھر اصرار کیا کہ نہیں تمہارے لئے اسی میں بہتری ہے کہ تم بیعت ہو جاؤ مگر امام رازیؒ نہ مانے۔ اب ایک وقت تو وہ تھا جب امام رازیؒ بیعت ہونے کے لئے اصرار فرمارہے تھے اور شیخ انکار کر رہے تھے اور اب شیخ کہہ رہے ہیں کہ بیعت ہو جاؤ بیعت ہو جاؤ اور وہ انکار کر رہے ہیں کہ میں بیعت نہیں ہوتا۔

شیخ نے فرمایا! مجھ سے بیعت ہونے کے لئے تو یہ شرط ہے کہ پہلے ان علومِ ظاہرہ کو نکلنے دو اور تم اس کے لئے تیار نہیں ہو تو اب تمہاری مرضی ہے بیعت ہو یا نہ ہو، بہرحال جب امام رازیؒ شیخ کے کہنے کے باوجود بیعت نہ ہوئے تو انہوں نے امام رازیؒ کو ایک نصیحت فرمائی۔

تعلق ختم نہ کرنا

شیخ نے فرمایا کہ ”بھئی ٹھیک ہے، تم ہم سے بیعت تو نہیں ہو رہے مگر ہم سے تعلق ضرور رکھنا“، یعنی اگرچہ تم داخل سلسلہ تو نہیں ہوئے لیکن ہم سے رابطہ تو ہو گیا، بس اب تم اسی رابطے کو قائم رکھنا، ختم نہ کرنا۔

درس وتدریس میں مشغولیت

امام رازیؒ اس رابطے اور تعلق کو قائم و برقرار رکھنے کا عہد کر کے واپس اپنے وطن تشریف لے آئے اور درس وتدریس کا سلسلہ شروع کر دیا اور علومِ عقلیہ ونقلیہ کے دریا بہا دیئے اور اپنے زمانے کے امام بن گئے، رات دن انہوں نے علومِ شرعیہ کی تعلیم میں اپنا وقت گزارا۔

دہریوں کا عقیدہ

حضرت امام رازیؒ کے زمانے میں دہریوں کا بڑا زور تھا۔ دہریے خدا کے وجود کے منکر ہوتے ہیں۔ یہ لوگ قرآن و حدیث کو تو مانتے ہی نہیں بلکہ عقل کو مانتے ہیں۔ لہٰذا اگر خدا کا وجود عقل میں آجائے تو مانیں گے اگر عقل میں نہ آئے تو نہیں مانتے گویا ان کا خدا ان کی عقل ہے۔

اللہ تعالیٰ عقل سے ماوراء ہیں

اسی بارے میں کسی نے کیا خوب شعر کہا ہے: ؎

تو دل میں تو آتا ہے پر عقل میں نہیں آتا
معلوم ہوا تیری پہچان یہی ہے

اللہ اکبر! بس یہ عقل سے سمجھنے کی چیز نہیں ہے بلکہ ماننے کی چیز ہے جو مان لے گا بات اس کی عقل میں بھی آجائے گی لیکن جو پہلے سمجھنا چاہے پھر ماننا چاہے تو ایسا نہیں ہوسکتا کیونکہ عقل تو دنیا ہی کی بہت سی چیزوں کو سمجھنے سے عاجز رہی ہے وہ ربِ کائنات کو کیا سمجھے گی لیکن جو مان لیتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کی عقل کو بھی صحیح کر دیتے ہیں پھر اس کے اندر سمجھنے کی بھی صلاحیت پیدا ہو

جاتی ہے اس کے بعد پھر اس کا یہ حال ہوتا ہے کہ:

گلستان میں جا کر ہر ایک گل کو دیکھا
جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تو ہے

جگ میں آ کر اِدھر اُدھر دیکھا
تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

بے حجابی اس قدر کہ ذرہ میں جلوۂ آشکارا
اور حجاب اتنا کہ صورت آج تک دیکھی نہیں

تو بہر حال یہ لوگ خدائے پاک کے منکر ہوتے ہیں۔

امام رازیؒ کا دہریوں سے مناظرہ

حضرت امام رازیؒ نے ان سے مناظرے کئے اور عقل کے ذریعے ہی ان سے یہ منوایا کہ اللہ تعالیٰ کا وجود برحق ہے۔ امام رازیؒ کے پاس دو چار یا دس بیس دلائل نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے وجود کو ثابت کرنے کے لئے سو عقلی دلائل تھے اس لئے بڑے سے بڑا دہریہ بھی امام رازیؒ کے سامنے نہ ٹھہر سکتا تھا اور دو چار دلائل کے بعد ہی امام رازیؒ اس کو اس بات پر قائل کر لیتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا وجود بالکل برحق ہے۔

شیطان سے مناظرہ

اسی طرح امام رازیؒ کی زندگی گزر گئی اور اپنے شیخ کی زندگی میں ہی ان کے انتقال کا وقت قریب آ گیا۔ جب کسی مسلمان کے انتقال کا وقت قریب آتا ہے تو شیطان اس کے قریب آ کر آخری کوشش یہ کرتا ہے کہ کسی

طرح اس کا ایمان چلا جائے اور اس کا خاتمہ ایمان پر نہ ہو۔ اللہ پاک ہم سب کے ایمان کو محفوظ فرمائیں آمین۔ شیطان ایسا مکار اور عیار ہے کہ عالم کے پاس عالم اور جاہل کے پاس جاہل بن کر جاتا ہے۔

بہر حال امام رازیؒ کے انتقال کے وقت شیطان ان کے قریب جا کر بیٹھ گیا اور ان سے پوچھنے لگا کہ کیا اللہ تعالیٰ کا وجود برحق ہے اور کیا اس پر تمہارے پاس کوئی دلیل بھی ہے؟ امام رازیؒ نے فرمایا: ہاں! میرے پاس صرف دلیل ہی نہیں بلکہ دلائل موجود ہیں، اس نے کہا کہ ایک دلیل پیش کرو تو امام رازیؒ نے اللہ تعالیٰ کے وجود کو ثابت کرنے کے لئے ایک عقلی دلیل پیش کر دی اور اسے بتایا کہ اس دلیل سے اس طرح اللہ تعالیٰ کا وجود اور برحق ہونا ثابت ہوتا ہے۔ شیطان نے فوراً اس دلیل کو اپنی عقلی دلیل سے توڑ دیا، اس کے بعد امام صاحب نے دوسری دلیل پیش کی تو اس نے دوسری دلیل بھی کاٹ دی یہاں تک کہ امام رازیؒ نے اچھے خاصے دلائل پیش کئے جن کی آج تک کسی دہریئے کے سامنے پیش کرنے کی نوبت نہیں آئی تھی لیکن یہاں معاملہ بالکل برعکس رہا کہ حضرت پے در پے دلائل دیئے جا رہے ہیں اور وہ ہر دلیل کو توڑتا چلا جا رہا ہے۔ اب حضرت کو ہلکی سی تشویش اور پریشانی شروع ہوئی کہ یہ کونسا ایسا دہریہ ہے جو میری ہر دلیل کو توڑتا چلا جا رہا ہے۔ لیکن چونکہ ابھی دلائل کا ذخیرہ کافی تعداد میں موجود تھا اس لئے بہر حال مطمئن تھے لیکن جب امام رازیؒ ۹۸ دلائل دے چکے اور اس نے ان سب کو بھی توڑ دیا تو اب واقعتاً تشویش اور پریشانی شروع ہوئی کہ اب دلائل کا ذخیرہ کم ہو رہا ہے اور یہ ہر دلیل کو توڑتا چلا جا رہا ہے اور خدانخواستہ اگر اس آخری وقت میں میرے ایمان میں شبہ پیدا ہو گیا تو میرا خاتمہ ہی خراب ہو جائے گا اور اگر

خاتمہ ہی خراب ہوا، خاتمہ بالخیر اور ایمان پر نہ ہوا تو پھر اس سے بڑی بدقسمتی اور بدنصیبی اور کوئی نہیں، کیونکہ حدیث شریف میں ہے:

"اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالْخَوَاتِیْمِ"

تمام اعمال کا دارومدار خاتمے پر ہے۔

اگر خاتمہ صحیح ہو گیا تو زندگی بھر کے اعمال بھی صحیح ہیں اور ان پر اجر و ثواب ملے گا، اگر خدانخواستہ خاتمہ خراب ہو گیا تو پھر زندگی بھر کے تمام اعمال بھی اکارت اور ضائع ہو جائیں گے۔

لہٰذا اب امام رازیؒ کو تشویش شروع ہو گئی کیونکہ جو بھی دلیل پیش کرتے ہیں وہ اس کو توڑ رہا ہے حتیٰ کہ آخر میں یہ ہوا کہ امام رازیؒ ۹۹ دلائل دے چکے اور اس نے سب کو ہی توڑ دیا تو اب امام رازیؒ پسینہ پسینہ ہو گئے کہ اب کیا ہو گا؟

شیخ کا تعلق کام آ گیا

میں نے شروع میں عرض کیا تھا کہ اللہ والوں سے تعلق اور ان سے نسبت کہیں نہ کہیں کام آ جاتی ہے اس تعلق اور نسبت کا ایک اہم فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کا ایمان بچا لیتے ہیں اور وہ آدمی سوء خاتمہ سے بچ جاتا ہے تو امام رازیؒ نے جس وقت ۹۹ دلائل پیش کر دیئے اور ان کے پاس صرف ایک دلیل باقی رہ گئی اور حضرت پسینہ پسینہ ہو گئے تو عین اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کے شیخ پر ان کا یہ حال منکشف فرمایا یہ وہی شیخ تھے جن کے پاس امام رازیؒ بیعت ہونے کے لئے گئے تھے وہ اس وقت وضو فرما رہے تھے۔

ان پر اس وقت یہ منکشف ہوا کہ رازی کا وقتِ انتقال قریب ہے، شیطان ان کے سامنے بیٹھا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ کے وجود پر ۹۹ عقلی دلائل توڑ چکا ہے اور صرف ایک دلیل باقی ہے اور سوءِ خاتمہ کا شدید خطرہ ہے۔

ان کے شیخ پر اس وقت ایک خاص کیفیت طاری ہوئی اور اسی کیفیت میں انہوں نے فرمایا: ''اے رازی! تو یوں کیوں نہیں کہہ دیتا کہ میں اللہ تعالیٰ کو بغیر دلیل کے مانتا ہوں''۔

شیخ کے یہ پیارے، سکون بخش اور ایمان بخش الفاظ اللہ تعالیٰ نے امام رازیؒ کے کانوں تک پہنچا دیئے اور ان کو اس گھبراہٹ کے عالم میں شیخ کی یہ آواز سنائی دی۔ اوّل تو شیخ کی آواز ویسے ہی مسرور کن ہوتی ہے اور پھر اس میں ایسی تازگی، تقویت اور ایسی زبردست دلیل تھی جس کا دنیا میں کسی کے پاس توڑ نہیں۔

ایمان پر خاتمہ

جب امام رازیؒ کو اپنے کانوں میں یہ آواز سنائی دی تو انہوں نے فوراً بے ساختہ شیطان سے کہا کہ ''میں اللہ تعالیٰ کو دلائل سے نہیں مانتا بلکہ بغیر کسی دلیل کے اللہ تعالیٰ کے وجود کو تسلیم کرتا ہوں اور یہ مانتا ہوں کہ اللہ پاک برحق ہیں اور وہ وحدہٗ لاشریک ہیں وہی حاجت روا اور مشکل کشا ہیں ان کے علاوہ کوئی نہیں۔'' یہ ایسی دلیل ہے کہ کسی کے پاس بھی اس کا جواب نہیں ہے، شیطان کیا جواب دے گا۔ اس نے جب یہ سنا تو وہ فوراً وہاں سے دُم دبا کر بھاگا، اس کے بعد امام رازیؒ پر نزع کی کیفیت طاری ہوگئی اور ان کا خاتمہ ایمان پر ہوگیا۔

شیخ سے تعلق کا فائدہ

امام رازیؒ کا اپنے شیخ سے محض رابطہ اور تعلق تھا اور صرف اس تعلق اور رابطے کی وجہ سے ان کا ایمان بچ گیا اور ان کا خاتمہ ایمان پر ہو گیا۔ اسی لئے ہمارے اکابر فرماتے ہیں کہ اللہ والوں سے رابطہ رکھنے، ان کی صحبت و مجلس میں بیٹھنے اور ان سے اپنا تعلق رکھنے کا فائدہ یہ ہے کہ انشاء اللہ اس بیٹھنے والے کا ایمان محفوظ رہے گا اور اگر وہ مکمل طریقے سے اخلاص کے ساتھ استفادہ کرے گا، اپنے اخلاق، اعمال، عادات واطوار کی اصلاح کرے گا اور جتنی اس کے پاس دین کی تعلیم اور سمجھ بوجھ ہے اس کو عمل میں لانے کی فکر کرے گا تو پھر اس شخص کے اندر جیسی تڑپ اور جیسی صلاحیت و قابلیت ہو گی اللہ تعالیٰ اس کو ویسا ہی اپنا قربِ خاص اور مقام خاص عطا فرمائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہونے کی ایک صورت

اللہ تعالیٰ کا قرب اور مقامِ خاص حاصل ہونے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اللہ پاک اس کے دل سے دنیا کی محبت نکال کر اپنی محبت بھر دینگے سبحان اللہ۔ یہ مقامِ خاص، خاص بندوں کو نصیب ہوتا ہے اور جس کو بھی یہ مقام نصیب ہوتا ہے پھر اس کے سامنے دنیا کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ وہ شخص دنیا میں تو رہتا ہے اور سب کے حقوق بھی ادا کرتا ہے مگر اس کا دل اللہ تعالیٰ سے ملا رہتا ہے۔

آشنا بیٹھا ہو یا نا آشنا
مجھ کو مطلب اپنے سوز و ساز سے

جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن
بیٹھا رہوں تصورِ جاناں کئے ہوئے

مجذوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی مفہوم کی طرف اشارہ فرماتے ہیں:

یاد میں تیری سب کو بھلا دوں کوئی نہ مجھ کو یاد رہے
تجھ پر سب گھر بار لٹا دوں خانۂ دل آباد رہے
سب خوشیوں کو آگ لگا دوں غم میں تیرے دل شاد رہے
اپنی نظر سے سب کو گرا دوں تجھ سے فقط فریاد رہے
اب تو رہے بس تا دمِ آخر ورد زباں اے میرے اللہ
لاالٰہ الا اللہ .... لاالٰہ الا اللہ

جب دل سے دنیا نکلتی ہے تو پھر یہ جی چاہتا ہے کہ بس سب کچھ اللہ تعالیٰ پر قربان ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی محض اپنے فضل و کرم اور اپنی مہربانیوں سے یہ دولت نصیب فرمائیں۔ آمین۔

بہر حال شیخ سے تعلق اور رابطے کا ایک درجہ یہ ہے کہ ایمان بچ جاتا ہے اور کبھی بخشش و مغفرت بھی ہو جاتی ہے کیونکہ جب ایمان بچ گیا اور بندہ اپنے ساتھ ایمان کی عظیم دولت لے کر گیا تو اس کی بخشش ضرور ہوگی۔ ہاں یہ علیحدہ بات ہے کہ سزا پا کر بخشش ہو جائے یا بغیر سزا ملے ہی بخشش ہو جائے کہ ادھر دنیا سے گیا اور اُدھر بخشش کا پروانہ مل گیا اور اصل بخشش تو یہی ہے۔ اللہ پاک ہم سب کو نصیب فرمادیں، آمین۔

بخشش کا ذریعہ

اللہ والوں سے تعلق اور رابطہ آخرت میں بخشش اور مغفرت کا ذریعہ ہے جس کا ایک واقعہ یہ ہے کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے دوستوں اور متعلقین میں سے ایک بزرگ وصل بلگرامی تھے ان کا حضرت تھانویؒ کے زمانے میں ہی انتقال ہوگیا تھا، ان کے متعلق حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ نے خواب دیکھا اور حضرت کی وصل بلگرامی صاحب سے ملاقات ہوئی تو حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ نے ان سے پوچھا کہ وصل صاحب آپ کی اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیشی و حاضری ہوئی ہوگی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ اور برتاؤ کیا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں اللہ کے حضور میری پیشی ہوئی تو حق تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا کہ وصل! تم قابلِ بخشش تو نہیں ہو کیوں کہ تمہارے پاس ایسی کوئی چیز نہیں کہ ہم تمہاری مغفرت اور بخشش کردیں لیکن چلو ہم تمہیں محض اس لئے بخش رہے ہیں کہ تم ہمارے دوست کے دوست ہو، ''اللہ اکبر''۔

حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ نے یہ خواب حضرت تھانویؒ کو سنایا تو حضرت نے جواباً عرض فرمایا کہ الحمد للہ، اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے اور میرے ذریعے ایک بندے کی مغفرت فرمادی۔

وصل صاحب کا حضرت تھانویؒ سے محبت کا تعلق تھا اور یہی تعلق کتنا کام آیا کہ ان کی زندگی کی مراد پوری ہوگئی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے راحت و سکون پاگئے۔ اللہ پاک ہمیں بھی نصیب فرمائیں، آمین۔

بخشش کا ایک اور واقعہ

اسی طرح کا ایک واقعہ میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے مرید کے ساتھ پیش آیا، انہیں والد صاحب حضرت مولانا عبد الحکیم صاحب رحمہ اللہ سے بے انتہا محبت تھی ایسی محبت بہت ہی کم لوگوں کو ہوا کرتی ہے۔ ان کا انتقال ہو گیا تو انتقال کے بعد ان کے بیٹے نے انہیں خواب میں دیکھا اور ان سے پوچھا: ''ابا جی! اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا'' انہوں نے جواب دیا کہ بھئی بات یہ ہے کہ میری اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیشی ہوئی تو حق تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا کہ تم قابلِ بخشش تو نہیں ہو مگر تمہارا پیر بہت تگڑا ہے اس لئے ہم نے تمہیں بخش دیا، سبحان اللہ۔ انہیں چونکہ اپنے پیر سے بہت زیادہ محبت تھی اور بہت گہرا تعلق تھا لہذا یہ تعلق ہی ان کے لئے نجات اور بخشش کا ذریعہ بن گیا۔

اس لئے ہمیں بھی اللہ والوں سے سچی محبت رکھنی چاہئے اور یہ محبت صرف اللہ کے لئے ہو کسی دنیاوی مقصد اور لالچ کے لئے نہ ہو تو پھر انشاء اللہ یہی محبت ہمارے بھی کام آجائے گی جیسا کہ ان دو بزرگوں کے لئے نجات کا ذریعہ بنی۔

تاہم اللہ والوں سے تعلق کسی بھی حالت میں نفع سے خالی نہیں ہے اسلئے ہمیں اس تعلق اور رابطے کی بے حد قدر کرنی چاہئے۔

خط و کتابت کے ذریعہ رابطہ

قدر کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اہتمام اور پابندی کے ساتھ خود بھی

ان کی خدمت وصحبت میں جائیں اور اپنے گھر والوں اور متعلقین کو بھی لے کر جائیں۔ اسی طرح پھر ان سے اپنا خصوصی رابطہ بھی قائم کر لیں۔ اور یہ خصوصی رابطہ خط وکتابت کے ذریعے نہایت ہی مفید ہے۔ خط وکتابت کے ذریعے اپنا انفرادی حال جلدی جلدی انہیں بتائیں اور ان سے مشورہ طلب کرتے رہیں پھر مشورے کے بعد جو بھی وہ ہدایت وتعلیم دیں اس پر نہایت دل لگی اور شوق واہتمام سے عمل کریں۔ بزرگوں کی قدر اور ان سے استفادے کا اصل طریقہ یہی ہے اور اسی سے انسان کی زندگی میں غیر معمولی تبدیلی آتی ہے کیونکہ ہمارے دل کے حالات عام طور پر کسی اللہ والے کو معلوم نہیں ہوتے، کیونکہ وہ عالم الغیب نہیں ہیں، عالم الغیب تو صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کی ذات ہے۔ جب ہم زبانی لکھ کر ان کی خدمت میں اپنے احوال پیش کرینگے تب ہی وہ علاج تجویز فرمائیں گے۔ ہاں اللہ تعالیٰ کسی بزرگ پر جس کسی کے بارے میں چاہتے ہیں اس کا حال ان پر کھول دیتے ہیں لیکن یہ کوئی ضابطہ نہیں ہے کہ ہر آدمی کا حال اس کے پیر پر ہر حال میں منکشف ہو بلکہ اس کا ضابطہ اور طریقہ یہی ہے کہ اپنا حال ان کو بتائے اور پھر اس پر ان سے تعلیم حاصل کر کے عمل کرے۔ جب یہ دونوں تعلق ہم اپنائیں گے تو ہمارے قلب کی حالت بہتر ہوگی اور بدلے گی اور پھر ان شاء اللہ تعالیٰ دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہو جائے گی۔

بہر حال بھئی! بزرگوں کی خدمت وصحبت میں بیٹھنے سے عجیب وغریب فوائد حاصل ہوتے ہیں، بزرگوں کی صحبت وخدمت میں بیٹھنے اور رہنے کا ایک عجیب قصہ حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے سنایا آپ بھی سن لیجئے۔

شیخ کی صحبت کا اثر

فرمایا کہ ایک مرتبہ حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کی خانقاہ میں ان کے بڑے بڑے خلفاء جمع تھے جن میں حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی جامعہ اشرفیہ لاہور، حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی جامعہ خیر المدارس ملتان (یہ حضرت کے خاص خلفاء میں سے تھے)، حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ (یہ تو حضرت کے پاس بھی رہا کرتے تھے) اور ان کے علاوہ دیگر اور بڑے بڑے خلفاء موجود تھے۔ ایک مرتبہ ان تمام خلفاء کی آپس میں ایک محفل ہوئی اس محفل میں ان خلفاء میں سے کسی نے یہ عرض کیا کہ ''میرے دل کا عجیب حال ہے کہ میں جب یہاں خانقاہ میں آکر حضرت کی خدمت میں رہتا ہوں تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ میں نے اب تک حضرت سے کچھ فیض حاصل نہیں کیا اور سارا فیض میرے ساتھی اور حضرت کے دیگر متعلقین اور مجازین سمیٹ رہے ہیں اور یہ سب لوگ ماشاء اللہ خوب پروازوں پر ہیں اور بلند بلند مرتبوں پر پہنچے ہوئے ہیں اور خوب سلوک کی منزلیں طے کر رہے ہیں اور یہ سب لوگ مجھ سے آگے ہیں میری حالت بہت ابتر ہے میں سب سے پیچھے ہوں اور میں کچھ بھی نہیں کر پا رہا ہوں۔''

یہ سن کر دوسرے کسی بزرگ نے عرض کیا کہ میرا بھی یہی حال ہے کہ جب میں یہاں آتا ہوں تو مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے کہ میں ہی سب سے پیچھے ہوں اور کچھ نہیں کر رہا ہوں۔ تیسرے نے عرض کیا کہ میرا بھی یہی حال ہے کہ میں بھی یہی سوچتا ہوں کہ یا اللہ! حضرت کی صحبت وخدمت میں آتے

ہوئے اتنا عرصہ گزر گیا ہے لیکن میں تو ابھی تک کچھ نہیں بنا اور یہ سب لوگ کچھ نہ کچھ بن گئے ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ کا تعلق بھی نصیب ہو گیا ہے ان کے اخلاق، اعمال، عادات و اطوار بھی سنور گئے ہیں اور ماشاء اللہ ان سب میں بہت بہتری پیدا ہوگئی ہے اور میں ایسا نالائق ہوں کہ حضرت کی صحبت وخدمت میں جیسا آیا تھا ویسا ہی ہوں اور سب سے پیچھے ہوں۔ اسی بارے میں مجذوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا شعر ہے: ۔

ارے کچھ تو مجذوب یاروں کا حق بھی
یہ چھپ چھپ کے پینا اکیلے اکیلے

بہرحال سب نے باری باری یہی کیفیت بیان کی۔ اس کے بعد اب ان سب خلفاء کا مشورہ ہوا کہ ہم سب حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا یہ حال عرض کرتے ہیں کہ حضرت ہمارا یہ حال ہے کہ جیسے آئے تھے ویسے کے ویسے ہی ہیں آپ خصوصی نظر کرم فرمائیں تاکہ ہم بھی کچھ بن جائیں۔ ۔

دیر سے آیا ہوں ساقی دور سے آیا ہوں میں
ہو عطائے خاص مجھ کو عطائے عام ہو

اور یہ کہیں گے کہ حضرت ہمیں بھی کوئی خصوصی نسخہ عطا فرما دیں تاکہ اس کو اپنا کر ہم اپنی حالت سنوار لیں۔

عکسِ جمیل

مشورہ کر کے یہ تمام حضرات حضرت تھانوی صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت! کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں حضرت نے

فرمایا بتاؤ کیا چاہتے ہو؟ تو سب نے مشورے کے مطابق اپنے اپنے دل کی حالت اور کیفیت حضرت کو بتادی، جب سب کے دلوں کی حالت اور کیفیت حضرت سن چکے تو آپ نے جواباً فرمایا کہ:

''میرے دل کا بھی یہی حال ہے''......اللہ اکبر

فرمایا کہ مجھے بھی ایسا لگتا ہے کہ تم سب آگے ہو اور میں تم سب سے پیچھے ہوں سب کچھ تم کر رہے ہو میں تو کچھ بھی نہیں کر رہا۔ یہ سن کر سب خاموش ہو گئے اور واپس آ کے اور ایک دوسرے سے کہا کہ اچھا اب سمجھ آیا کہ ہمارا یہ حال تو شیخ کے دل کا عکسِ جمیل ہے اور یہی شیخ کا فیض ہے جو ہمارے دلوں کے اندر منتقل ہو رہا ہے۔ ''سبحان اللہ''

شیخ کا فیض اپنے مریدین میں

بہرحال بھئی! شیخ کی اور اللہ والوں کی خدمت وصحبت میں بیٹھنے کا فائدہ اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ چپکے چپکے جو کچھ شیخ کے دل میں ہوتا ہے وہ مریدین کے دل میں بھی منتقل ہوتا رہتا ہے۔ چونکہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ خود مقامِ فناء پر فائز تھے اور اپنے آپ کو مٹائے ہوئے تھے اس لئے مریدین کے دلوں میں بھی یہی بات آرہی تھی کہ ہم کچھ بھی نہیں کر رہے، سب کچھ دوسرے ہی کر رہے ہیں۔ وہ دل جو پہلے دنیا دار تھا اور آخرت سے غافل اور اللہ کے تعلق سے خالی تھا اب اسی دل میں دیکھتے ہی دیکھتے اللہ تعالیٰ کی محبت آگئی اور دنیا کی محبت خارج ہوگئی۔ اور ایک وقت اس کا حال یہ تھا کہ دوسروں کا حق مار لینے کا جذبہ اس میں بھرا ہوا تھا اب حال یہ ہے کہ اسے یہ فکر

لاحق ہے کہ جس جس کا حق دبایا ہوا ہے یا کھایا ہوا ہے اسے ادا کردوں اور بری الذمہ ہو جاؤں ''اللہ اکبر'' یہ جذبہ اور دل کی یہ کیفیت اور حالت اللہ والوں کی خدمت وصحبت سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی نصیب فرمائیں، آمین۔

ایک چور کا قصہ

ایک چور کا قصہ ہے کہ اس نے کسی اللہ والے کی خدمت میں پہنچ کر توبہ کرلی کہ آئندہ چوری نہیں کروں گا اور یہ توبہ کر کے اس نے حضرت سے بیعت ہونے کا ارادہ ظاہر کیا تو حضرت نے فرمایا کہ ''بیعت ہونے کی یہ شرط ہے کہ تم نے جس جس گھر میں چوری کی ہے اور جن گھروں میں ڈاکہ ڈالا ہے ان کے مالکان کے پاس جاؤ اور وہاں جا کر یا تو محنت مزدوری کر کے اور کمائی کر کے ان کا حق ادا کرو یا پھر ان سے معافی مانگ کر اپنا حق معاف کرالو۔'' جب تم ان کا حق ادا کر کے یا معافی مانگ کر آجاؤ گے تو میں تمہیں بیعت کرلوں گا، اس کے بغیر تمہاری توبہ مکمل نہیں ہوسکتی کیونکہ اصلاح وترتیب کا پہلا قدم توبہ ہے۔

جب بندہ مؤمن کے دل میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور اخلاص آتا ہے تو پھر وہ بڑی سے بڑی مصیبت جھیلنے کے لئے تیار ہوجاتا ہے اور جب وہ تیار ہوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی مدد اس کے شامل حال ہوجاتی ہے لہٰذا یہ شخص بھی تیار ہوگیا اور اس نے جہاں جہاں چوریاں اور ڈاکے ڈالے تھے ان سب کے گھر پہنچا، لیکن چونکہ یہ بدنام زمانہ چور تھا اس لئے جیسے ہی وہ کسی کے

دروازے پر دستک دیتا تو اس کا نام سنتے ہی سب گھر والے خوف کی وجہ سے چھپ جاتے اور دروازہ نہ کھولتے، یہ شخص کہتا کہ بھئی کھولو تو سہی میں چوری کرنے نہیں آیا ہوں بلکہ میں تو معافی مانگنے آیا ہوں کیوں کہ چوری کرنے کا طریقہ اور اس کی ادا اور ہوتی ہے۔ لہٰذا جب گھر والوں کو اطمینان ہو جاتا کہ واقعی اب یہ پہلے والے رنگ میں نہیں ہے تو وہ دروازہ کھول دیتے اور یہ شخص عاجزی وانکساری سے ہاتھ باندھ کر ایک طرف کھڑا ہو جاتا اور ان سے کہتا کہ میں نے فلاں وقت آپ کی چوری کی اور آپ کو بہت ستایا اب اگر آپ کہیں تو میں محنت مزدوری کر کے آپ کا حق ادا کر دوں اور اگر آپ چاہیں تو مجھے معاف کر دیں۔

لہٰذا جب وہ دیکھتے کہ یہ مجبور ہے اور معافی مانگ رہا ہے تو وہ اس کو معاف کر دیتے اسی طرح وہ جہاں بھی جاتا سب اس کو معاف کر دیتے اور خوش ہوتے کہ چلو اللہ نے اس کو توبہ کی توفیق دے دی اور یہ صحیح راستے پر آ گیا جس کی وجہ سے ہم بھی اب پُر امن رہیں گے۔

پلاٹ صاف کرنے پر معافی

ایک ہندو کے یہاں بھی اس شخص نے چوری کی تھی۔ ہندو ''اللہ بچائے'' پیسے کا بڑا پجاری ہوتا ہے، اس نے سوچا یہ تو بہت اچھا موقع ہاتھ آیا، اسے کیوں ضائع کیا جائے۔ اس ہندو نے اس چور سے کہا کہ دریا کے کنارے میرا ایک بہت قیمتی پلاٹ ہے مگر اس وقت اس پر ریت کا ایک تودہ گرا ہوا ہے جس کی وجہ سے نہ وہ پلاٹ میرے کسی کام کا ہے اور نہ دریا کا وہ کنارہ میرے کسی کام کا ہے۔ لہٰذا میں تو تمہیں اس وقت معاف کروں گا جب

تم وہ ریت میرے پلاٹ سے ہٹا دو تاکہ میں اس میں کھیتی باڑی کر کے اس سے فائدہ حاصل کرسکوں۔ تم کل سے اس کھیت اور پلاٹ میں کام شروع کردو جس دن تم یہ میدان صاف کر دو گے اور مٹی وغیرہ ہٹا دو گے تو میں تمہیں معاف کر دوں گا اس کے علاوہ میں تمہیں معاف نہیں کروں گا۔

صلوٰۃ الحاجۃ ہر مشکل کا حل

چور نے ہندو کی یہ شرط منظور کر لی۔ رات کو اپنی قیام گاہ پر گیا، وضو کر کے دو رکعت نفل پڑھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ہر مشکل میں صلوٰۃ الحاجات پڑھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔ یہ ایسا زبردست عمل ہے کہ نہ کوئی وظیفہ پڑھنے کی ضرورت ہے، نہ تعویذ گنڈوں کی ضرورت ہے اور نہ ہی چلّے وغیرہ کھینچنے کی ضرورت، کیونکہ یہ عمل سب کا سردار ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں براہِ راست درخواست ہے۔ اب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں درخواست کرنے کو تو ہم معمولی سمجھیں اور تعویذ گنڈوں کو زیادہ اہمیت دیں تو یہ بڑی ناسمجھی کی بات ہے۔ بس اصل طریقہ یہی ہے کہ جب بھی کوئی مشکل پیش آئے یا پریشانی لاحق ہو تو فوراً دو رکعت صلوٰۃ الحاجت پڑھیں، درود شریف پڑھ کر گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں کہ یا اللہ! اس پریشانی کو دور فرما دیجئے اور اس کام کو اپنی جانب سے پورا فرما دیجئے۔

لہٰذا اس چور نے بھی ایسا ہی کیا، دو رکعت نفل پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ یا اللہ! یہ کام تو میری طاقت سے باہر ہے لیکن آپ کی قوت میں داخل ہے اور میں نے یہ تہیہ کر لیا ہے کہ اگر اس کام کے کرنے پر مجھے معافی

ملتی ہے تو یہ میرے لئے سستا سودا ہے، یا اللہ! میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ میری اس مشکل کو آسان فرما دیجئے تا کہ مرنے سے پہلے میں جلد از جلد اس کی یہ شرط پوری کر کے اس سے معافی مانگ کر بری ہو جاؤں، بس یہ آخری شخص رہ گیا ہے جس کا حق میرے ذمے باقی ہے۔

رات کو یہ دعا کر کے سو گیا، رات ہی رات اللہ تعالیٰ نے ایک طوفانی ہوا بھیجی اور اس ہوا کا رخ اسی مٹی کے پہاڑ یا تودے کی طرف تھا۔ اس تیز ہوا نے راتوں رات اس تودے کی مٹی ایسی اڑائی کہ جہاں تک اس ہندو کا پلاٹ تھا وہ حصہ پورا صاف ہو گیا اور پلاٹ قابلِ کاشت ہو گیا۔

صبح ہونے کے بعد یہ چور اس میدان کو صاف کرنے کے لئے اس زمین کی طرف چلا، وہاں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ پہاڑ اور ریت کے تودوں کا نام و نشان نہیں ہے یہ شخص سمجھا کہ میں راستہ بھول گیا ہوں۔ لہٰذا یہ چور ہندو کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ آپ نے تو کہا تھا کہ فلاں جگہ پر ریت کا پہاڑ ہے وہاں تو کچھ بھی نہیں ہے بلکہ پلاٹ صاف پڑا ہے۔ ہندو نے یہ سن کر کہا کہ تم میرے بتائے ہوئے پتے پر نہیں گئے اب اس دوسرے راستے سے جاؤ تو تمہیں وہ ریت کا پہاڑ نظر آ جائے گا۔ یہ بیچارہ دوبارہ گیا اور ادھر اُدھر خوب دیکھا مگر ریت کا پہاڑ کہیں نظر نہ آیا تو یہ دوبارہ اس ہندو کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ بھئی وہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔ ہندو یہ سن کر غصے میں آ گیا اور اس سے کہا کہ تو جھوٹ بولتا ہے اور تو وہاں جانا نہیں چاہتا، چلو اس مرتبہ میں خود ہی تمہیں اس جگہ لے چلتا ہوں، لہٰذا تیسری مرتبہ یہ دونوں اس جگہ پر گئے۔ وہاں پہنچ کر ہندو بنیا یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ واقعی پہاڑ اور ریت کا نام

ونشان نہیں ہے، وہ یہ سمجھا کہ شاید میں ہی راستہ بھول گیا ہوں اور غلط جگہ آ گیا ہوں مگر ہندو چونکہ لالچی تھا اس لئے اپنی مزید تسلی کے لئے اس نے کہا کہ میں نقشہ نکال کر چیک کرتا ہوں کہ کس کالونی اور کس علاقے میں میرا پلاٹ تھا۔ چنانچہ اس نے نقشہ نکال کر دیکھا تو وہ بالکل صحیح تھا۔ اب اس ہندو کو یقین ہو گیا کہ ہاں یہی جگہ اور یہی پلاٹ ہے اور اس نے چور سے کہا کہ ہاں! تو سچا ہے اور یہی میرا پلاٹ ہے۔ تو نے یہ شرط حیرت انگیز طور پر بجائے دو مہینے کے ایک ہی رات میں پوری کر دی اور اپنی شرط پوری کرنے میں کامیاب ہو گیا لہٰذا میں تجھے معاف کرتا ہوں۔ اس طرح یہ چور سب سے معافی مانگ کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت نے اس کو بیعت کر لیا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی پکی اور سچی توبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور ہمارے اعمال واخلاق کی اصلاح فرمائے اور اپنے نیک بندوں سے سچی محبت عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

☆☆☆☆☆

شب برأت کی فضیلت

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱/۱۸۸۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی بیانات : جلد نمبر : ۷

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

شب برأت کی فضیلت

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْم، أَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْم بِسْمِ اللّٰهِ
الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ وَّالشَّفْعِ
وَالْوَتْرِ وَالَّيْلِ اِذَايَسْرِ هَلْ فِیْ ذَالِكَ قَسَمُ الَّذِیْ
حِجْرٍ۔ صدق اللّٰہ العظیم!

شب برأت کی کچھ فضیلت

میرے قابل احترام عزیزو اور دوستو! چونکہ آئندہ جمعہ سے پہلے شب برأت آنے والی ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شب برأت سے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو ارشادات ہیں ان کا خلاصہ بیان کر دیا جائے تاکہ ہم اس مبارک رات کی اہمیت کو سمجھیں اور پھر اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم کو یہ بابرکت رات نصیب فرمائے اور ہم زیادہ سے زیادہ اس رات میں عبادت کر کے، ذکر کر کے، تلاوت کر کے اور نوافل پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے

کی کوشش کریں اور جو اجر و ثواب اس مبارک رات میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے دیئے جانے کا وعدہ کیا گیا ہے، اس کے حاصل کرنے کی کوشش فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں۔

پانچ مبارک راتیں

حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانچ راتیں برکت والی راتیں ہیں، جو لوگ ان راتوں کو ذکر کے ذریعے، عبادت کے ذریعے زندہ رکھیں گے، یعنی ان راتوں میں بیدار رہیں گے، عبادت کریں گے، نوافل پڑھیں گے، ذکر کریں گے، تسبیح پڑھیں گے، اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگیں گے اور دیگر اعمال صالحہ کر کے اس رات کو شب بیداری میں گزاریں گے تو ان کے لئے جنت واجب ہو جائے گی، اور پھر فرمایا کہ وہ پانچ عبادت کی راتیں یہ ہیں:

۱۔ آٹھ ذوالحجہ کی رات۔

۲۔ نویں ذوالحجہ کی رات۔

۳۔ دس ذوالحجہ کی رات یعنی بقرہ عید کی شب۔

۴۔ عیدالفطر کی رات۔

۵۔ شعبان کی پندرہویں رات۔

یہ پانچ راتیں مبارک راتیں ہیں، جو شخص ان مبارک راتوں میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوگا اور ذکر و دعا میں نوافل اور عبادت میں مصروف

ہوگا تو اللہ تعالیٰ کی اس کے اوپر نظر خاص ہوگی، اور رحمت خاص ہوگی، اور اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنتی ہونے کا فیصلہ فرمادیں گے۔

شب برأت میں سب کی بخشش ہو جاتی ہے

دوسری روایت حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب شعبان کی پندرہویں رات ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی ساری مخلوق کی طرف خاص نظر کرم فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ ساری مخلوق کو بخش دیتے ہیں، سوائے دو آمیوں کے۔

سات بندوں کی بخشش اس رات نہیں ہوتی

اور دوسری روایت میں ہے پانچ آدمیوں کا ذکر ہے۔ دونوں حدیثوں کو ملاؤ تو حاصل یہ نکلے گا کہ سوائے سات آدمیوں کے باقی ساری مخلوق کی اللہ تعالیٰ مغفرت فرمادیتے ہیں، وہ سات آدمی ایسے بدنصیب ہیں اور وہ ایسے سنگین گناہ کے اندر مبتلا ہیں کہ وہ اس مغفرت اور بخشش کے موسم بہار میں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت خاص سے محروم ہو جاتے ہیں۔

پہلا مشرک جس کی بخشش نہیں ہوتی

ان سات آدمیوں میں سے ایک وہ آدمی ہے جو (العیاذ باللہ) اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں کسی اور کو شریک کرتا ہے، جس کو مشرک کہتے ہیں، خدا نخواستہ جو آدمی شرک کے گناہ عظیم میں مبتلا ہے، وہ اس رات میں بخشا نہیں

جائے گا، اس کا مطلب یہ ہے کہ جتنے بھی کفار اور مشرکین ہیں وہ سارے کے سارے اللہ تعالیٰ کی اس رحمت خاص سے محروم ہو جاتے ہیں۔

بعض مسلمان بھی ایسے شرکیہ اعمال میں مبتلا ہو جاتے ہیں جیسے وہ لوگ جو بزرگوں کے مزاروں پر جاتے ہیں، ان مزاروں پر جا کر ان بزرگوں کی قبر پر سجدہ کرتے ہیں، رکوع کرتے ہیں اور ان سے براہ راست مانگتے ہیں، اور اس بزرگ سے براہ راست مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ ہمیں بیٹا دے دیجئے، ہمیں روزی دیدیجئے، ہماری فلاں مشکل حل کر دیجئے، ہمارا فلاں فلاں کام ہو جائے، اور ان کی منتیں مانتے ہیں، ان پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں، اور پھر ان سے براہ راست کہتے ہیں کہ اگر آپ نے ہماری بگڑی بنادی تو ہم آپ کے مزار پر چادر یا دیگ چڑھائیں گے، اگر آپ نے میرا فلاں کام کر دیا تو میں مزار کے مجاورین کی دعوت کروں گا، اللہ پاک سے نہیں مانگتے، کیونکہ اللہ سے مانگنا اور اس کے وسیلے سے مانگنا تو درست ہے لیکن وہ نہ تو وسیلے سے مانگتے ہیں اور نہ ہی اللہ پاک سے براہ راست مانگتے ہیں، بلکہ براہ راست وہ ان بزرگوں سے مانگتے ہیں، ان کے مزاروں پر چادر اور چڑھاوا چڑھاتے ہیں، ان کے ذہن میں یہ بیٹھا ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری سنتا نہیں اور ان کی ٹالتا نہیں (العیاذ باللہ، معاذ اللہ، معاذ اللہ) کہ کتنی بڑی گستاخی ہے گویا اللہ تعالیٰ ان کے سامنے اتنے مجبور ہیں کہ اگر وہ کہہ دے تو کرنی پڑے گی (العیاذ باللہ) دونوں باتیں غلط ہیں، اور اللہ جل شانہ کی شان میں گستاخی ہے، اگر کوئی مسلمان

ان کاموں میں مبتلا ہوگا اس کی بھی اس رات میں بخشش نہیں ہوگی۔

دوسرا کینہ ور

دوسرا کینہ رکھنے والے کی بھی اس رات میں بخشش نہیں ہوگی اور کینہ رکھنا اپنے دل میں گناہ کبیرہ ہے، کینہ اس کو کہتے ہیں انسان کا کسی سے جھگڑا ہو جائے یا لڑائی ہو جائے یا کوئی بھی بڑی بات آپس میں ہو جائے تو اس کو دل میں رکھ لے۔

کینہ کسے کہتے ہیں؟

بعض دفعہ آدمی بدلہ لینے سے عاجز ہو جاتا ہے، یہ اس وقت ہوتا ہے کہ جب سامنے والا شخص ہم سے زیادہ طاقت ور ہو، یا صاحب منصب ہو اب ہم اس کے سامنے عاجز ہیں، ہم زبان نہیں کھول سکتے، ایسی صورت میں اانسان کا اندر ہی اندر خون کھولتا ہے اور خون کھولنے سے اس کی بدخواہی دل میں آجائے، کسی طرح سے اس کا بیڑا غرق ہو جائے، کسی نہ کسی طرح اس کا ایکسیڈنٹ ہو جائے، کسی نہ کسی طرح اس کا جانی یا مالی نقصان ہو جائے، انتقام کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اسی بدخواہی کا نام کینہ ہے، اور یہ کینہ بہت بڑا گناہ ہے، اور ایسی مبارک رات میں بھی ایسے آدمی کی بخشش نہیں ہوتی، اس کینہ سے بچنے کے دو ہی راستے ہیں یا تو بدلہ لے لے یا اللہ کے لئے معاف کردے، مگر بدلہ اتنا لے جتنا اس نے ستایا ہے، یا پھر معاف کردے، معاف کردینے میں کوئی حرج نہیں اس کا بھی بڑا اجر ہے، لیکن اگر بدلہ بھی نہ لے اور اسے معاف بھی نہ کرے اور اس کے نتیجے میں

اندر ہی اندر اسے تباہ کرنے کے برباد کرنے کے منصوبے بناتا رہے یہ منصوبہ بندی دل کے اندر کا گناہ ہے، اس سے بچنا چاہئے۔

تیسرا شرابی

اور تیسرا وہ شخص ہے جو شراب پینے کا عادی ہے، اور وہ روز شراب پیتا رہتا ہے، یا اور کوئی نشہ کرتا رہتا ہے، اور وہ اس کا عادی ہو گیا ہے (اللہ بچائے اللہ بچائے) اس کی بھی اس رات میں بخشش نہیں ہوتی۔

چوتھا قطع تعلقی کرنے والا

اور چوتھا وہ جو اپنے رشتہ داروں سے قطع تعلقی کرتا ہے، انسان جب دوسرے انسانوں کے ساتھ رہتا ہے تو کچھ نہ کچھ نا اتفاقی پیش آتی ہے، لیکن ہمارے، مذہب میں ہے کہ اس کو معاف کر دیں، اس لئے کہ جب عام مسلمانوں سے اس طرح قطع تعلقی گناہ ہے، تو اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں سے اس طرح قطع رحمی اور بھی زیادہ گناہ ہے، لہٰذا جس کا جس کسی سے جھگڑا ہو گیا ہو، اور سلام کرنا چھوڑ دیا ہو، اس کو اپنے دل سے معاف کر دینا چاہئے، اور سلام کرنا شروع کر دینا چاہئے، ہاں یہ ضروری نہیں جس طرح پہلے گہرے تعلقات تھے اب دوبارہ بھی اس طرح رکھے، بلکہ دل صاف کرنا ضروری ہے۔

ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر حقوق

ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر یہ حق یہ ہے کہ جب ملے تو سلام

کرے، جب بیمار ہو جائے تو بیمار پرسی کرے، اگر انتقال ہو جائے تو نماز جنازہ پڑھے، اگر چھینک آئے تو الحمد للہ کے جواب میں یرحمک اللہ کہے، اور اگر کبھی دعوت میں بلائے تو دعوت کو قبول کرے، بشرطیکہ اس میں کوئی اور خلاف شرع بات نہ ہو، یہ مسلمان کے عام حقوق ہیں، لہٰذا اتنا زیادہ قطع تعلق کر دینا کہ سامنے آئے تو منہ پھیر لے، وہ سلام کرے تو جواب نہ دے، یہاں تک کہ نماز جنازہ میں بھی شرکت نہ کرے، اس کا کوئی جواز نہیں، ایسا کرنے والا کبھی اس رات میں بخشا نہیں جائے گا۔

پانچواں شلوار ٹخنے سے نیچے لٹکانے والا

پانچواں وہ آدمی ہے جو اپنی شلوار، پتلون، پینٹ ٹخنوں سے نیچے رکھتا ہے، یہ وہ گناہ ہیں جس پر ہم سب کو توجہ دینی چاہئے۔ کیونکہ یہ گناہ ایسا ہے جس میں آج باہر کی دنیا والے تو مبتلا ہیں ہی، لیکن وہ بھی اس میں مبتلا ہیں جو مسجد میں جمع ہونے والے احباب ہیں، یہ گناہ ایسا ہے جس کو مسلمانوں نے فیشن کے طور پر بھی اپنا لیا، جس کو دیکھو کوئی نمازی ہو، غیر نمازی، حاجی ہو، غیر حاجی، باشرع ہو یا بے شرع، اس کی شلوار ٹخنوں سے نیچے نظر آتی ہے، اس حدیث میں اول تو صاف بات آگئی یہ بدترین گناہ ہے، اس گناہ کے کرنے والے کی اس رات میں بخشش نہیں ہوگی، اور دوسری روایت میں بہت ہی ہولناک وعید ہے اس گناہ کے ارتکاب کرنے والے کی (خدا کرے ہمارے دل میں وعید آجائے، اور ہم بلا تاخیر اس گناہ سے ہمیشہ کے لئے باز آجائیں)

رحمت الٰہی سے محروم تین اشخاص

ایک روایت میں ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین آدمی ایسے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نہ ان پر نظر رحمت فرمائیں گے، نہ ان سے ہم کلام ہوں گے، نہ ان کا تذکرہ فرمائیں گے، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے جب یہ ہولناک وعید سنی تو گھبرا گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تین لوگ کون ہیں؟ جن کے لئے ایسی ہولناک وعید ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۱۔ ایک شخص وہ ہے جو اپنے تہبند اور اپنی شلوار کو ٹخنوں سے نیچے رکھتا ہے۔

۲۔ اور ایک وہ دوکاندار اور تاجر جو جھوٹی قسمیں کھا کر اپنا مال فروخت کرتا ہے،

۳۔ تیسرا آدمی وہ ہے جو احسان کر کے جتاتا ہے۔ (العیاذ باللہ)

اگر ہم جائزہ لیں تو تینوں گناہ ایسے ہیں جو آج ہمارے معاشرے میں عام ہیں، جہاں تک شلوار ٹخنوں سے نیچے رکھنے کا معاملہ ہے تو میں نے عرض کر دیا کہ یہ آج کل کا فیشن ہے، اور یہ فیشن کن کا ہے؟ انگریزوں کا ہے، انگریزی تہذیب کا فیشن ہے، افسوس کہ ہم نے مسلمان ہو کے اس کو اختیار کر لیا، نہ صرف اختیار کر لیا بلکہ اب تو ایسا لگتا ہے جیسے ہم اس کو چھوڑنے کے لئے تیار ہی نہیں، ورنہ اگر ذرا بھی ہمارے دل میں خوف خدا ہو تو ایسی ہولناک وعید سننے کے بعد بھی شلوار ٹخنوں سے نیچے رکھنا ممکن ہی نہیں۔

ہمارے دل پتھر ہو چکے ہیں

بھائیو! معلوم ہوتا ہے کہ گناہ کر کر کے ہمارے دل اتنے پتھر ہو گئے ہیں کہ کسی ہولناک سے ہولناک وعید کا بھی ہمارے دل پر کوئی اثر نہیں ہوتا ہے، اور کثرت گناہ کی بلاشبہ خاصیت ہوتی ہے کہ رفتہ رفتہ اس گناہ کی برائی دل سے نکل جاتی ہے، رفتہ رفتہ انسان کا دل پتھر ہو جاتا ہے، اور رفتہ رفتہ پھر اس کے دل میں بے حسی اور تاریکی چھا جاتی ہے کہ اس کے دل سے گناہ کا گناہ ہونا بھی جاتا رہتا ہے۔

عورتوں کی ایک بری خاصیت

اسی طرح احسان کر کے احسان جتانے کا معاملہ بھی عورتوں اور مردوں میں اتنا عام ہے کہ جہاں اس نے ہمارے ساتھ بدسلوکی کی تو ہم نے اس کے ساتھ کئے ہوئے تمام احسان اس کے سامنے کھول دئے کہ ہم نے تمہارے ساتھ یہ کیا، فلاں دن ہم نے تمہاری مدد کی، فلاں دن ہم نے تمہاری مدد کی، یہ کہہ کے اس نے اس پر جتنے بھی احسان کئے ان سب پر اس نے یک دم پانی پھیر دیا۔

اگر اللہ کے لئے تم نے احسان کیا تھا تو اللہ تعالیٰ ہی اس کا بدلہ اور صلہ دے گا، اس میں اس پر احسان جتانے کا کیا فائدہ، بلکہ اپنی نیکی ضائع کرنے والی بات ہے، وہ جس سلوک کا مستحق ہوگا اس کو اس کا ہی اجر ملے گا، اگر اس نے ہمارے اچھے سلوک کے بدلے میں بدسلوکی کی تو ہم نے اس پر احسان جتا دیا، تو جیسے اس نے ہمارے ساتھ کیا ہم نے بھی اس کے ساتھ وہی سلوک کر کے برابر

کر دیا۔

اور اصل بات یہ ہے جیسا ہم نے اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا ویسا ہی وہ ہمارے ساتھ اچھا سلوک کرے تو یہ احسان ہے، انسان وہی ہے جو اچھا سلوک کرنے والے کے ساتھ اچھا سلوک کرے، لیکن کمال کی بات تو یہ ہے کہ اگر ہمارے ساتھ کوئی بدسلوکی کرے تو ہم اس کے ساتھ اچھے سلوک سے پیش آئیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کردار

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک مخالف تھا اور وہ حضرت کی برائیاں کرتا رہتا تھا، اور حضرت کو اس کی باتیں پہنچتی رہتی تھیں اور حضرت نے یہ کام شروع کیا کہ روزانہ ایک طشتری میں اشرفیاں رکھ کر اس کو کپڑے سے ڈھک کر اس کی طرف بھیج دیتے تھے، وہ حضرت کی طرف سے مخالفانہ باتیں کرتا، اور حضرت اس کے ساتھ یہ سلوک کرتے، جب دو چار مرتبہ اس طرح ہوا تو اس کو شرم آنے لگی کہ میں روزانہ حضرت کے خلاف برائیاں کرتا ہوں اور وہ جواب میں مجھ کو ہدیہ پیش فرماتے ہیں اس کو بڑی شرم آئی اور اس نے آہستہ آہستہ اپنا طرز عمل بدل ڈالا۔

ایک دن ایسا بھی آیا کہ اس نے حضرت کی مخالفت چھوڑ دی، تو حضرت نے طشتری بھیجنا بھی چھوڑ دی، جب طشتری آنا بند ہوگئی تو اس کو بڑا تعجب ہوا کہ جب میں حضرت کی شان میں گستاخی کرتا تھا تو ہدیہ طشتری میں رکھ کر

میرے پاس آتا تھا، اب جب کہ میں نے ان سے کنارہ کشی اختیار کر لی ہے تو ہدیہ آنا بھی بند ہو گیا، اس نے کہلا بھیجا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ وہ تو احسان کا بدلہ احسان تھا، اور وہ اس طرح کہ تم میری برائیاں کر کے اپنی نیکیاں پارسل کر دیتے تھے، تو بھئی! نیکیاں تو آخرت کا سکہ ہے اور دنیا کا سکہ آخرت کے سکوں کی برابری نہیں کر سکتا، اس لئے مجھے شرم آتی تھی کہ تم آخرت کی نیکیاں مجھ تک بھیج رہے ہو، تو پھر میں نے سوچا کہ تمہیں دنیا کی رنسی بھیجوں اس لئے میں نے دنیا کی اشرفیاں تم تک بھیجنا شروع کر دیں، تم مجھے اپنی نیکیاں پارسل کر رہے تھے، تو میں نے اس کے بدلے میں حقیر سا نذرانہ تمہیں بھیجنا شروع کر دیا اور جب کی تم نے اپنی نیکیاں مجھے دینا چھوڑ دیں تو میں نے بھی بدلہ دینا چھوڑ دیا۔

غیبت کریں تو ماں کی کریں

اسی طرح کسی نے حضرت سے پوچھا کہ آپ کبھی کسی کی برائی نہیں کرتے، نہ ہی کسی کی غیبت کرتے ہیں تو انہوں نے کہا میں کیوں کروں، اگر کروں گا بھی تو اپنی ماں کی کروں گا، تو سننے والے نے کہا یہ بھلا کیا بات ہے؟ اگر کرنی ہے تو کسی اور کی کریں ماں کی ہی کیوں کریں گے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ اصل بات یہ ہے کہ جو آدمی غیبت کرتا ہے تو غیبت کرنے والے کی نیکیاں اس کو دی جاتی ہیں جس کی وہ غیبت کرتا ہے اور اگر میں غیبت کروں گا تو خدا نخواستہ اپنی ماں ہی کی کروں گا، تا کہ بیٹے کی نیکیاں ماں ہی کے پاس رہیں، گھر

کی نیکیاں گھر میں رہیں باہر نہ جائیں یہ تو آخرت کی دولت ہے اول تو کروں گا ہی نہیں اگر کروں گا بھی تو اس صورت میں کہ گھر میں ہی رہیں۔

اصل احسان یہ ہے کہ ہم اچھائی کریں اگلا جو بھی کرے

اصل احسان تو یہ ہے کہ اگلا بدسلوکی کرے تو ہم اس کے ساتھ اچھا سلوک کریں، یہ کمال کی بات ہے، لیکن اگر ہم اس کی بدسلوکی پر بھی اپنا احسان جتاتے ہیں تو اس سے بڑی خسارے والی بات نہیں کہ اس سے احسان بھی کیا اور احسان جتانے کا گناہ بھی گردن پر آ گیا اور یہ ایسا وبال ہے اور یہ ایسا گناہ ہے کہ اس کے نتیجے میں آدمی شب برأت میں بھی اس کی رحمت سے محروم ہو جاتا ہے، اور ایسے ہی آج دوکانداروں کا اصول ہے جو جتنا زیادہ جھوٹ بولے، وہ ناپ تول میں کمی بیشی کر کے، جتنی بھی اس کی جیب کاٹ لے، اتنا ہی بڑا دوکاندار ہے، اور جو صحیح تول کر، سچ بول کر کے، دیانتداری کے ساتھ، امانت داری کے ساتھ سودا بیچے وہ اتنا ہی بڑا بیوقوف کہلاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نظر سے اچھا

بھائیو! دنیا والوں کے بیوقوف سمجھنے سے کیا کوئی بے وقوف ہوسکتا ہے؟ ساری دنیا والے کسی کو فرشتہ کہیں تو فرشتہ نہیں بن سکتا، ساری دنیا والے کسی کو برا کہیں تر وہ برا نہیں ہوسکتا، جس کو اللہ پاک اچھا کہے اس کو ساری دنیا والے برا کہیں تو بھی وہ برا نہیں ہوسکتا، اگر وہ اللہ کے ہاں برا ہے اور ساری دنیا والے اس کی تعریف کریں تو کچھ حاصل نہیں، بہرحال تین آدمی ایسے ہیں (العیاذ با

للہ) ان کے لئے ایسی ہولناک وعید ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان پر نظر رحمت نہیں فرمائیں گے، اور آپ تو جانتے ہیں کہ وہاں تو اللہ تعالیٰ کی نظر رحمت سے ہی کام ہوگا، اللہ پاک ان سے ہم کلامی بھی نہیں فرمائیں گے، جو ہر مؤمن کے دل کی آرزو ہے، اور اللہ پاک ان کا تذکرہ بھی نہیں فرمائیں گے، جتنے بھی مؤمن گناہگار ہوں گے اور دنیا میں انہوں نے توبہ کی ہوگی ان کو پاک کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ ان کا تذکرہ بھی فرمائیں گے، ان کی نجاست کی غلاظت کو دور فرما کر اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں داخل فرمائیں گے۔

ٹخنے ہر وقت کھلے رکھنا لازمی ہے

حدیث میں واضح طور پر موجود ہے کہ جس کے ٹخنے تہبند، شلوار وغیرہ سے چھپے ہوئے ہوں گے، اس کے دونوں ٹخنے مع پیروں کے جہنم میں ڈالے جائیں گے، جہنم میں سب سے ہلکا عذاب یہ ہے کہ جہنم سے نکال کر دو جوتیاں آگ کی اس کو پہنا دی جائیں گی، اور ان جوتیوں کی گرمی کا یہ عالم ہوگا کہ اس کا دماغ اس طرح پک رہا ہوگا جس طرح چولہے پر ہانڈی پکتی ہے، یہ جہنم کا سب سے ہلکا عذاب ہے، اور یہاں یہ دھوکا بھی نہیں ہونا چاہئے جو بعض لوگوں کو ہوتا ہے کہ صرف نماز میں جلدی جلدی اپنی شلوار ٹخنے سے اوپر کر لیتے ہیں، نماز میں اپنے پائنچے موڑ لیتے ہیں، اور بعد میں نیچے کر لیتے ہیں، ایسا شخص شب قدر کی مقدس رات میں بھی بخشا نہیں جائے گا۔

والدین کے نافرمان کو نقد سزا دنیا میں مل جاتی ہے

اور چھٹا وہ آدمی جو اپنے والدین کی نافرمانی کرے، والدین کو ستانے والا اور انہیں تکلیف دینے والا بھی اس مقدس رات میں بخشا نہیں جائے گا، اور یہ بھی دیکھئے کہ یہ گناہ آج کل کتنا عام ہے، شاید ہی کوئی گھر ایسا ہو جس میں والدین کا نافرمان نہ ہو، آج ہر گھر میں نافرمان اولاد موجود ہے، جو طرح طرح سے اپنے والدین کو اذیت دیتی ہے، اور یہ بات برحق ہے کہ اگر والدین کسی کو کسی گناہ کی بات کی اجازت دیں تو اس میں ان کی اطاعت جائز نہیں، اور اگر کسی جائز بات کا کہیں تو اس میں ان کی اطاعت جائز ہے، ان کو طرح طرح سے ستانا اور اذیت دینا اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس کی سزا تو اللہ دنیا میں ہی نقد دیدیتا ہے، اور آخرت میں بھی جو سزا ہوگی وہ تو ہوگی، لیکن دنیا میں بھی اس کی سزا دیدی جاتی ہے، اور یہ گناہ ہمارے معاشرے میں عام پایا جاتا ہے، بہت کثرت سے پایا جاتا ہے، اس لئے اس گناہ سے بھی ہمیں بہت اہتمام سے بچنا چاہئے۔

ماں باپ کو دیکھنا حج کے برابر ثواب ہے

والدین تو وہ ہیں جن کے بارے میں حدیث پاک میں آتا ہے کہ اگر کوئی اپنے والدین کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھتا ہے تو اسے مقبول حج کا ثواب ملتا ہے، اگر کوئی سو مرتبہ نظر ڈالے تو اسے سو حج کا ثواب ملے گا۔

اللہ کے ہاں تو کمی نہیں، کمی تو ہمارے مانگنے میں ہے، اور ہمارے عمل کرنے میں ہے، ان کے عطا کرنے میں نہیں ہے، ان کی عطا غیر منقطع ہے،

ساری دنیا بھی مانگے تب بھی کمی نہیں آئے گی، والدین تو جنت کے دو دروازے ہیں یا جہنم کے دو دروازے ہیں، اگر ان کی اطاعت کریں تو جنت کے دروازے ہیں، اگر نافرمانی کریں تو جہنم کے دروزے ہیں۔

ساتواں آدمی

اور ساتواں وہ آدمی ہے جو کسی کا ناحق قتل کرے، قتل کرنے والا بھی اس رات میں بخشا نہیں جائے گا۔ بہر حال! یہ وہ سات آدمی ہیں جو اس مقدس رات میں بھی بخشے نہیں جائیں گے، جو شخص ان گناہوں میں مبتلا ہوگا وہ اس مقدس رات میں بھی اللہ کی مغفرت عام سے دور ہوگا، اور اگر کوئی اس رات کے آنے سے پہلے پہلے صدقہ دیدے، توبہ کرلے، اور اس بات کا تہیہ کرے کہ شلوار ٹخنوں سے اوپر رکھے گا، والدین کو راضی کرلے اور ان سے معافی مانگ لے، اور اسی طرح دوسرے گناہوں سے بھی توبہ کرلے اور معافی مانگ لے تو انشاء اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت ہوجائے گی، بخشش ہوجائے گی، تو مغفرت تو اس وقت تک نہ ہوگی جب تک وہ ان سے معافی نہ مانگ لے، اور اگر ان میں مبتلا رہے گا اور اسی حال میں یہ مقدس رات آجائے تو ایسے شخص کی مغفرت نہیں ہوگی۔

احکام کی دو اہم قسمیں، ۱۔اوامر، ۲۔نواہی

ہمارے دین میں ہر موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو طرح کے احکام ملتے ہیں، ایک کرنے کے، دوسرے بچنے کے، جو کرنے کے ہیں ان کو اوامر کہتے ہیں، اور جو بچنے کے ہیں انہیں نواہی کہتے ہیں، ہر موقع پر آپ کو یہ دو چیزیں ملیں

گی، اور جب ہم کرنے کے کام بجالائیں گے، اور بچنے کے کاموں سے اپنے آپ کو بچالیں گے، تب اللہ کی رضا ملے گی۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ فضائل سننے کے بعد آدمی ان اعمال کو انجام دینے لگتا ہے، جن کی فضیلت سنتا ہے، اور بلا شبہ ان اعمال کو انجام دینا باعث اجر ہے، لیکن اس کے ساتھ جو پرہیز بتایا گیا ہے، وہ پرہیز نہیں کرتے، اور جن گناہوں سے بچنے کا حکم ہے اس سے نہیں بچتے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کو اللہ کی رضا حاصل نہیں ہوتی، اور جب تک اللہ کی رضا حاصل نہیں ہوگی اس وقت تک کامیابی نہیں ہوگی، اس وقت تک فلاح نہیں ہوگی، فلاح اسی پر موقوف ہے کہ جو کام گناہ ہیں، ان سے اپنے آپ کو بچائے اور جو کام کرنے کے ہیں، انہیں انجام دے۔

پندرہ شعبان کو آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا جنت البقیع میں تشریف لے جانا

دوسری حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک رات جب میں اٹھی تو میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گھر میں نہیں پایا تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ک وتلاش کرنے کے لئے گھر سے نکلی، اور تلاش کرتے کرتے جنت البقیع میں پہنچی، اور وہاں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو موجود پایا، اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پہچانا تو فرمایا: تمہارا خیال ہے اللہ اور اس کا رسول تجھ پر ظلم کریں گے اور تیری باری ہوتے ہوئے میں کسی اور اہلیہ محترمہ کے پاس چلا گیا ہوں، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں مجھے ایسا ہی خیال گزرا تھا، آپ صلی اللہ علیہ

وسلم کسی اور اہلیہ کے ہاں تشریف لے گئے ہوں، فرمایا ایسی بات نہیں، ایسا کیسے ہوسکتا ہے۔

۱۵/ شعبان کی خاص فضیلت

اصل بات یہ ہے کہ آج شعبان کی پندرھویں رات ہے، اور دعا کی رات ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر خاص نظر کرم فرماتے ہیں، مغفرت فرماتے ہیں، اور قبیلہ بنو کلب کی بھیڑ بکریوں کے جسم پر جتنے بال ہیں ان سے زیادہ تعداد میں اپنے بندوں کو دوزخ سے بری فرماتے ہیں، اور ان کی مغفرت فرماتے ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس رات میں جاگنا چاہئے، اور عبادت بھی کرنی چاہئے اور اگر کسی کے گھر کے قریب میں ایسا قبرستان ہو جس میں میلہ نہ لگا ہو، اہو اور نہ خرافات اور غیر شرعی امور کا ارتکاب ہو رہا ہو تو کبھی کبھار اس مبارک رات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں قبرستان مین چلے جانا بھی سعادت ہے۔

ہر کام میں حدود کا خیال کرو

لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہر سال یہ رات آئی ہے، ان میں صرف ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گئے ہیں، اس لئے ہمیں بھی بہت زیادہ اس کو ضروری نہیں سمجھنا چاہئے، قبرستان چاہے گھر سے کتنا ہی دور ہو، یا وہاں برائیوں کا ارتکاب ہو رہا ہو، یا میلہ لگا ہوا ہو، لیکن جانا ضروری ہے، اس

سے بچنا چاہئے، اور احتراز کرنا چاہئے۔

کراچی کے اکثر لوگوں کا حال یہ ہے کہ جیسے ہی شب برأت شروع ہوئی اور مغرب سے ویگنیں ٹھٹھہ جانا شروع ہوئیں، اور لوگوں نے بھی جانا شروع کر دیا، وہاں میلہ لگا ہوا ہوتا ہے، عورتوں اور مردوں کا اختلاط ہوتا ہے، اور کتنے شرکیہ امور قبروں کے اوپر اور مزاروں کے اوپر ہوتے ہیں، یہ بھی حد سے تجاوز ہے، اور بلا تاخیر اس سے بچنا چاہئے۔

اللہ کا بڑا اکرم ہے کہ ہمارے دار العلوم میں ایسا قبرستان ہے کہ ہر قسم کے منکرات سے پاک ہے، عشاء کی نماز پڑھو اور چلے جاؤ، یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔

شب برأت میں ہونے والے کام

دوسری حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا، اے عائشہ! تم کو معلوم ہے کہ اس رات میں کیا ہوتا ہے؟ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ آپ ہی بتائیں کیا ہوتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آئندہ سال پیدا ہونے والے بچوں کے نام لکھ دیئے جاتے ہیں، اور ہر اس آدمی کا نام بھی لکھ دیا جاتا ہے جس کا آئندہ انتقال ہونے والا ہے، اور نیز اس رات میں بندوں کے گناہ، اعمال قبول کرنے کے لئے اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوتے ہیں، اور اس رات میں بندوں کا رزق نازل کیا جاتا ہے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص بھی اللہ کی رحمت کے بغیر جنت میں نہ جائے گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ یہ جملہ ارشاد فرمایا، اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ کی رحمت کے بغیر جنت میں نہیں جائیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر جھکایا، کچھ دیر سکوت فرمایا اور پھر کہا میں بھی اس وقت تک جنت میں نہ جاؤں گا جب تک اللہ تعالیٰ اپنی رحمت نہیں فرمائے گا، میں بھی اللہ کی رحمت کی بغیر جنت میں نہ جاؤں گا، اس بات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت نیک کام کرنے سے اور گناہوں سے پرہیز کرنے سے ہوتی ہے، جب دونوں باتیں جمع کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اپنی آغوش میں لے لے گی۔

اس رات کو خاص اعلان

روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب شعبان کی پندرھویں رات ہو تو تم نماز میں کھڑے رہو، اور پندرھویں رات کو گزار کر صبح کا روزہ رکھو، اور فرمایا کہ اس رات میں مغرب کے وقت سے ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اعلانات کئے جاتے ہیں کہ کوئی ہے ہم سے بخشش مانگنے والا؟ ہم اس کو اپنی بخشش عطا کریں، کوئی ہے توبہ کرنے والا؟ اس کی توبہ قبول کرلیں، اور کوئی ہے صحت مانگنے والا؟ اس کو صحت عطا کر دیں، اور کوئی ہے روزی مانگنے والا؟ اس کو روزی عطا کردیں، یہ اعلانات

مغرب سے لے کر صبح صادق تک ہوتے رہتے ہیں، یہ اعلانات ویسے ہر روز رات کے آخری حصہ میں ہوتے ہیں، رات کے آخری حصہ میں جب تہجد کا وقت ہوتا ہے، اس وقت بھی اللہ کی طرف سے ملائکہ یہ اعلان کرتے ہیں، لیکن اس رات میں تو ملائکہ مغرب سے ہی یہ اعلان کرنا شروع کر دیتے ہیں، کیونکہ غروب آفتاب سے ہی یہ رات شروع ہو جاتی ہے، اس سے ثابت ہوا کہ یہ رات جاگنے کی ہے، عبادت کی ہے اور صبح کا نفلی روزہ بھی ہے۔

شعبان میں خرافات کا تذکرہ

اور اس رات میں ہم کو اپنی اپنی استعداد کے مطابق عبادت کرنی چاہئے، کچھ لوگوں کے اندر مشہور ہے کہ پہلی رکعت میں اتنی مرتبہ قل ھو اللہ پڑھیں، دوسری رکعت میں اتنی مرتبہ قل ھو اللّٰہ پڑھیں، ایسی کوئی بات ثابت نہیں ہے، اور بغیر ضروری سمجھے اسی طرح پڑھ لے تو کوئی حرج نہیں ہے، لیکن ایسا سمجھنا کہ اس طرح پڑھنا چاہئے اور اس رات میں ان نوافل کے پڑھنے کا یہی طریقہ ہے، اور اس طریقے سے پڑھنے کا زیادہ ثواب ہے تو یہ منع ہے، ان سے بچنا ضروری ہے، اور جس طریقے سے عام نفلیں پڑھتے ہیں اسی طرح نفلیں پڑھنی چاہئیں، مگر اس میں قیام، رکوع، سجود لمبے کریں جتنا بھی لمبا کر سکتے ہیں۔

اس شب کے خاص اعمال

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نفل نمازوں کے اندر قیام، رکوع اور سجود طویل ہوتے تھے، ہم اسی سنت پر عمل کرتے ہوئے رکوع اور سجدے لمبے کریں،

رکوع اور سجدے کی تسبیحات بڑھالیں، ایسے ہی قیام میں قرأت بڑھالیں، نیز قرأت کو ٹھہر ٹھہر کر آرام آرام سے پڑھیں تاکہ ہمارا قیام، رکوع اور سجود طویل ہوں۔

معتکف کے لئے محل کی بشارت

میں تو یہ عرض کروں گا کہ مغرب سے لے کر عشاء تک مسجد میں نفلی اعتکاف کرلیں، جہاں اس میں آسانی سے آپ اوابین پڑھ سکیں گے وہاں ایک فضیلت یہ ہے کہ مغرب سے لے کر عشاء تک مسجد میں اعتکاف کرنے والا اور کسی سے دنیا کی بات نہ کرنے والا اس کے لئے اللہ پاک جنت میں ایک محل بنادے گا، بس مسجد میں رہے، مگر عبادت کرتا رہے، کسی سے باتیں نہ کرے، اور عشاء کے بعد کیا ہی اچھا ہو کہ صلوٰۃ التسبیح پڑھ لے کہ وہ بھی اسی حدیث سے ثابت ہے، اور اور اس رات میں گناہ سے بچ جائے کہ مغفرت کی رات ہے، اس کے بعد مسجد میں زیادہ اجتماع نہ کرے، نفل عبادت چھپ کر کرنی چاہئے، اس لئے مساجد میں اکھٹے ہو کر عبادت کرنا بھی ثابت نہیں ہے، اس کا گھر میں اہتمام کرنا چاہئے، اور گھروں میں اپنے بچوں کو بٹھانا چاہئے، اور ان کو بھی انعام کی ترغیب دے کر ان سے تسبیحات پڑھانی چاہئیں، سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر، لاالہ الا اللہ، سارے گھر والے بیٹھ جائیں اور سب اپنے ہاتھ میں تسبیح لے لیں، اور بچوں کا انعام مقرر کردیں، جو بچہ ایک تسبیح پڑھے گا اس کو ایک روپیہ انعام ملے گا، جو پچاس پڑھے اس کے پچاس روپے ہوں گے، جو سو

پڑھے گا اس کے سو روپے ہوں گے، اور سچ مچ دے، یہ نہیں کہ دکھانے کی نیت سے کہیں، سچ مچ دینے کی نیت سے کہیں، اور سچ مچ دے بھی دیں اگر وہ پڑھ لیں، اس طریقہ سے ان کو معلوم ہو کہ یہ بابرکت رات ہے، اس میں عبادت کرنی چاہئے۔

۱۵/ شعبان میں دعاؤں کا خوب اہتمام کریں

اور اس رات کا خاص عمل تمام عبادتوں کے بعد یہ ہے کہ گڑگڑا کر دعا، اس لئے کہ اگلے سال کے تمام اہم فیصلے اس مبارک رات میں ہوتے ہیں، یعنی فرشتوں کے حوالے کر دئے جاتے ہیں، اور ادھر دعا کی ترغیب دی گئی ہے، اور دعا وہ مبارک عمل ہے جو خلوص سے کیا جائے تو اللہ تعالیٰ تقدیر بدل دیتے ہیں، تو اگر کچھ تقدیری فیصلہ ہماری قسمت میں وہاں کچھ اور لکھے جاتے ہیں، اور دعا کرنے والا وہ بدلوا سکتا ہے، اس لئے گڑگڑا کر اپنے لئے، اپنے والدین کے لئے اور اپنے اہل وعیال کے لئے خوب جی بھر کے دعا مانگے، اور آخر میں یہ دو دعائیں مانگنا نہ بھولیں، ایک عافیت کی دعا مانگنا نہ بھولیں، اے اللہ! میرے والدین کو، میرے اہل وعیال کو، سارے احباب کو، پوری امت مسلمہ کو ہر طرح کی عافیت عطا فرما، ہر طرح ہر لمحہ عافیت کی دعا مانگیں، عافیت سے بڑھ کر کوئی دعا نہیں ہو سکتی۔

انتہائی خاص اور جامع دعا

دوسری وہ جامع دعا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے، جس کا

خلاصہ یہ ہے کہ یوں دعا کریں کہ یا اللہ! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا و آخرت کی جتنی بھلائیاں آپ سے مانگیں ہیں ہمیں عطا فرمادے، جو بھی پناہ مانگی ہے یا اللہ! ہم سب کو پناہ دیدیں، اور عشاء کی نماز بھی با جماعت تکبیر اولیٰ کے ساتھ ادا کریں، اسی طرح فجر کی نماز بھی تکبیر اولیٰ کے ساتھ ادا کریں، ساری رات جاگنا ضروری نہیں ہے، جب تھک جائیں تو سو جائیں لیکن عشاء کی نماز با جماعت پڑھیں۔

ساری رات عبادت سے افضل نماز فجر

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جو شخص عشاء کی نماز با جماعت ادا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو آدھی رات جاگ کر عبادت کرنے کا ثواب عطا فرماتے ہیں، اور اگر فجر کی نماز با جماعت ادا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی آدھی رات جاگ کر عبادت کرنے کا ثواب عطا فرماتے ہیں، اسی طرح فجر اور عشاء کی نماز با جماعت ادا کرنے والا ساری رات جاگ کر عبادت کرنے والوں میں لکھ دیا جاتا ہے، اس پر عمل کرلیں، اس طریقے سے انشاء اللہ تعالیٰ اس رات کی برکتوں اور رحمتوں سے محرومی نہیں ہوگی، لیکن ان گناہوں سے بطور خاص بچے جو میں نے عرض کئے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کی رضائے کاملہ نصیب ہو اور فلاح دارین ہم سب کو نصیب ہو۔

عورتیں ٹخنے چھپا کر رکھیں

یہ ایک پرچہ آیا ہے کہ خواتین اپنی شلوار ٹخنوں سے اوپر کرنے کی عادت

بنائے ہوئیں ہیں، فیشن بنائے ہوئیں ہیں الٹی گنگا بہنے کی بات ہوگئی۔

مردوں کو حکم تھا شلوار ٹخنوں سے اوپر رکھیں اور عورتوں کو حکم تھا اپنے ٹخنے چھپا کر رکھیں کہ ان کے ٹخنے ستر کے اندر داخل ہیں، انہیں کھولنا نامحرم کے سامنے حرام اور ناجائز ہے، مگر افسوس کہ ایسا فیشن چلا کہ مردوں کے انگوٹھے بھی نظر نہ آئیں، اس کا بوٹ بھی اتنا ہے کہ ٹخنے سے اوپر چلا جائے، موزے کی ایسی سخت پابندی ہے کہ وہ پنڈلی سے اوپر ہوں، اس طریقے سے اس کے جسم کا حصہ نظر نہ آئے، اور جن کو حکم تھا کہ ان کا انگوٹھا بھی نظر نہ آنا چاہئے، جب وہ گھر سے باہر نکلیں تو موزے پہن کر نکلیں، ان کو (اللہ بچائے، اللہ بچائے) یہ فیشن دیدیا گیا ہے کہ انہوں نے اپنے پورے پیر بھی کھول لئے اور ٹخنے بھی کھول لئے، یہ بھی یاد رکھیں کہ یہ سخت گناہ ہے اور سخت ناجائز ہے۔

بیان کا خلاصہ

حاصل تو یہ ہے کہ اس رات میں ہم سب گناہوں سے توبہ کرلیں، اور ہر قسم کے گناہوں سے توبہ کرلیں، اور انشاء اللہ اس رات کی برکتوں سے مالا مال ہوجائیں گے۔

دعا

اللھم صلی علی سیدنا ومولانامحمد وعلی ال سیدنا ومولانامحمد وبارك و سلم یااللّٰہ یا ارحم الرّاحمین یاحی یا قیوم برحمتك استغیث

یا اللہ! ہم سب کی، ہمارے والدین کی، ہمارے اہل وعیال کی، ہمارے سارے اساتذہ کرام کی اور پوری امت مسلمہ کی مغفرت فرمادے، جن گناہوں کا تذکرہ ہوا ان گناہوں سے سچے دل کے ساتھ توبہ کرتے ہیں، اور اس کے علاوہ جو گناہ ہمارے ماحول اور معاشرے میں پھیلے ہوئے ہیں، ہم اس میں مبتلا ہیں، یا اللہ! ہم کو اور ہم سب مسلمانوں کو اس سے بچنے کی توفیق عطا فرما، اور اس رات کی برکتوں سے ہم سب کو مالا مال کردے، یا اللہ! ہم کو اس رات کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرما، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

رمضان المبارک کس طرح گزاریں؟

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی بیانات : جلد نمبر: ۷

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

رمضان المبارک کس طرح گزاریں؟

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ آمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ، اَیَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ (البقرۃ:) صدق اللّٰہ العظیم۔

رمضان سے فائدہ اٹھائیں

میرے قابل احترام بزرگو! آج میں آپ کی خدمت میں انشاء اللہ رمضان المبارک کے کچھ فضائل اور رمضان المبارک کا دستور بیان کرنا چاہتا ہوں، فضائل اس لئے بیان کرنا چاہتا ہوں تاکہ ہمارے دلوں میں اس مہینے کی عظمت اور اہمیت پیدا ہو، اور ہم دل و جان سے اس مہینے کی قدر کریں، اور اس کے قیمتی لمحات کو ضائع کرنے سے بچیں، اور اللہ پاک نے اس ماہ میں اپنے نیک بندوں کو جن انعامات سے نوازنے کا وعدہ فرمایا ہے، ہم وہ انعامات حاصل کرسکیں، اور اس ماہ رمضان کی کسی خیر سے محروم نہ رہ جائیں، اور اگر ہم اللہ تعالیٰ کے وعدہ فرمائے ہوئے بڑے بڑے اجر و ثواب کے مستحق نہ ہوسکیں تو کم از کم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بد دعا

سے بچنے کی کوشش کرلیں، اور جہنم سے بچنے کی کوشش کرلیں، اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچنے کی کوشش کرلیں۔

دستور العمل کی ضرورت

اور دستور العمل اس لئے بیان کرنا چاہتا ہوں تاکہ اگر ہم اس ماہ رمضان کو اس دستور العمل کے مطابق گزاریں گے تو انشاء اللہ اعلیٰ درجہ بھی اللہ تعالیٰ عطا فرمادیں گے، کیونکہ جب کسی کام کے کرنے کا صحیح طریقہ معلوم ہو اور اس کا دستور العمل بھی معلوم ہو اور آدمی اس کے مطابق عمل کرے تو عموماً کامیاب ہوجاتا ہے، لیکن اگر دستور العمل ہی معلوم نہ ہو تو کس طرح عمل کرے گا؟ اس لئے جس طرح رمضان المبارک کی فضیلت اور اس کی اہمیت کا جاننا ضروری ہے، اسی طرح اس کے گزارنے کا طریقہ بھی معلوم ہونا چاہئے۔

رمضان کے فضائل پر کتابچے

ویسے تو رمضان المبارک کے فضائل بہت زیادہ ہیں، ان سب فضائل کو جاننے کے لئے میں دو تین کتابوں کا نام بتادیتا ہوں، یہ کتابیں آج ہی خرید لیں، اور رمضان المبارک کے شروع ہونے تک ہم ان کا مطالعہ کرلیں، اور اپنے گھر والوں کو بھی پڑھ کر سنادیں، تاکہ رمضان المبارک شروع ہونے سے پہلے ہی اس کے تفصیلی فضائل معلوم ہوجائیں، ان میں سے ایک کتاب تو ''فضائل رمضان'' ہے، جو شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی لکھی ہوئی ہے، اور ''فضائل اعمال'' کا حصہ بن کر شائع ہوچکی ہے، یہ بڑی جامع کتاب ہے، اس کے علاوہ احقر کے دو رسالے ہیں، ایک ہے ''رمضان المبارک کے فضائل و برکات''

جو" مکتبہ دارالعلوم کراچی" نے شائع کیا ہے، اور اردو بازار میں بھی مل جائے گا، ایک اور رسالہ جو اس کا خلاصہ ہے اس کا نام ہے" رمضان المبارک کے فضائل اور مسائل" یہ رسالہ" ایچ ایم سعید کمپنی پاکستان چوک کراچی" نے شائع کیا ہے، اور ہر جگہ مل جاتا ہے، چونکہ رمضان المبارک میں دن میں روزہ اور رات کو تراویح ہوتی ہے، لہٰذا جن لوگوں پر روزے فرض ہیں، ان کو روزے کے ضروری مسائل جاننا بھی فرض ہے، اور اس کا یہی وقت ہے کہ رمضان شروع ہونے سے پہلے روزے کے ضروری مسائل جان لے، اس کو اس بات کا علم ہونا چاہئے کہ کن باتوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اور قضا و کفارہ واجب ہوتا ہے، اور کن باتوں سے ٹوٹ جاتا ہے لیکن صرف قضا واجب ہوتی ہے، اور کفارہ واجب نہیں ہوتا، اور وہ کون سے باتیں ہیں جن سے روزہ صرف مکروہ ہوتا ہے، ٹوٹتا نہیں ہے، اور کون سی باتیں روزے کی حالت میں جائز اور مباح ہیں، ان تمام باتوں کا بقدر ضرورت جاننا مرد و عورت پر فرض ہے، اس رسالے میں یہ ضروری مسائل تحریر کردئے ہیں، اس رسالہ کا ضرور مطالعہ کرلیں۔

مسائل تراویح

اسی طرح تراویح کے ضروری مسائل بھی ہمیں معلوم ہونے چاہئیں، چنانچہ اس موضوع پر احقر کا رسالہ" مسائل تراویح" کے نام سے ہے، یہ رسالہ صرف قرآن شریف سنانے والوں کے لئے نہیں ہے، بلکہ تمام مسلمان جو تراویح پڑھتے ہیں، ان کو بھی اس رسالہ کا مطالعہ کرنا چاہئے، یہ رسالہ ہر جگہ دستیاب ہے، تیسرے یہ کہ رمضان المبارک کے فضائل و برکات بھی معلوم ہونے چاہئیں، وہ بھی ان رسالوں کے پڑھنے سے معلوم ہو جائیں گے، ان فضائل میں سے چند احادیث کا

خلاصہ میں آپ کے سامنے عرض کرتا ہوں، تاکہ اس مہینے کی عظمت ہمارے دلوں میں پیدا ہو، اور اللہ تعالیٰ ہمیں دل و جان سے اس ماہ کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

رمضان کی پہلی رات

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جب رمضان المبارک کی پہلی رات ہوتی ہے تو آسمانوں کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، اور اخیر رمضان تک پھر کوئی دروازہ بند نہیں کیا جاتا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا نزول ہوتا رہتا ہے، اور برکتیں نازل ہوتی ہیں، بندوں کو مغفرت کے پروانے دیے جاتے ہیں، اور بندوں کے اعمال صالحہ کو بارگاہ الٰہی میں شرف قبول سے بخشا جاتا ہے، اور جب رمضان المبارک کی پہلی رات ہوتی ہے اور کوئی بندہ اللہ کے لئے نماز پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو نماز کے ہر سجدے کے بدلے ڈیڑھ ہزار نیکیاں عطا فرماتے ہیں، اور اس کے لئے جنت میں سرخ یاقوت کا ایک محل تیار کردیتے ہیں، جس کے سات ہزار دروازے ہوں گے، اور ہر دروازے کے اندر سونے کا ایک محل ہوگا، جو سرخ رنگ کے یاقوت سے آراستہ ہوگا، اور جب کوئی شخص رمضان کا پہلا روزہ رکھتا ہے تو اس کے تمام سابقہ صغیرہ گناہ معاف کردیے جاتے ہیں، البتہ گناہ کبیرہ کے لئے توبہ کرنا ضروری ہے، اور توبہ کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے، آج ہی ہمیں اپنے گناہوں سے توبہ کرلینی چاہئے، اور روزہ دار کے لئے روزانہ صبح سے لے کر شام تک ستر ہزار فرشتے مغفرت کی دعا کرتے رہتے ہیں، ان فرشتوں کی یہی ڈیوٹی ہوگی کہ وہ ان کے لئے مغفرت کی دعا کرتے رہیں گے، اور فرشتے تو معصوم ہیں

ان کی دعا تو مقبول ہی مقبول ہے، اور ان کی دعائیں روزہ داروں کے درجات کی بلندی کا باعث ہوں گی۔

رمضان میں ایک سجدہ

نیز یہ کہ رمضان المبارک میں رات میں یا دن میں کوئی بندہ نماز پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر سجدے میں جنت کے اندر ایک ایسا درخت لگادیں گے کہ اگر ایک سوار اس درخت کے نیچے سے گزرے گا تو پانچ سو سال تک وہ سوار اس درخت کے نیچے مسافت طے کرے گا، تو اس درخت کا سایہ ختم ہوگا، ایک طرف تو پانچ سو سال کی مدت کتنی طویل ہے، دوسری طرف گھڑسوار جو تیزی سے سفر کرتے ہوئے گزرے گا۔ اتنے عظیم الشان درخت ہر سجدے کے بدلے اس نمازی کو ملیں گے۔ اس سے اندازہ لگائیں کہ جو جنت ایسے محلات اور ایسے درختوں پر مشتمل ہوگی تو وہ جنت کتنی بڑی ہوگی؟

گناہوں سے بچیں اور توبہ کریں

ان فضائل کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم ابھی سے رمضان المبارک کے لئے تیار ہو جائیں، اور اپنے گناہوں سے سچی توبہ کرلیں، اور تمام گناہوں سے بچنے کا اہتمام ابھی سے شروع کردیں، اپنی آنکھوں کو، اپنے کانوں کو، اپنی زبان کو، اپنے ہاتھوں اور پیروں کو، اپنے دل ودماغ کو، اپنے ظاہر وباطن کو تمام گناہوں سے بچانے کی کوشش شروع کردیں، تاکہ جب رمضان المبارک شروع ہو تو ابتداء ہی میں ہماری بخشش ہوجائے، اور یہ عظیم الشان اجر وثواب اللہ کے فضل وکرم سے ہم کو نصیب ہوجائے۔

جنت کا سجایا جانا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رمضان شریف کے لئے جنت شروع سال سے لے کر آخر سال تک سجائی جاتی ہے، سجانے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح دنیا میں انسان سیزن کے موقع پر اپنی دکان کو سجاتا ہے، اور اپنے مال کو صاف کر کے بنا کر سنوار کر سجاتا ہے، تاکہ خریدار پسند کر کے اس کا مال خرید لیں، اسی طرح رمضان المبارک آخرت کا سیزن ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ فرشتوں کے ذریعے جنت کو آراستہ کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے یہ جنت اپنے بندوں کو عطا کرنے کے لئے پیدا فرمائی ہے، اور جہنم اس لئے پیدا فرمائی ہے تاکہ بندے اپنے آپ کو اس سے بچانے کا بندوبست کریں، اللہ تعالیٰ نہیں چاہتے کہ اس کے بندے جہنم میں جائیں، جو جاتے ہیں وہ اپنے عمل اور اختیار سے جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ پھر بھی درگزر سے کام لیتے ہیں۔ بہرحال! جہنم اس لئے نہیں بنائی کہ اس کے بندے اس میں جائیں بلکہ اس لئے بنائی ہے تاکہ بندے اس کی نافرمانی سے بچیں، اور اس کی ناراضگی سے ڈریں، اور جہنم سے اپنے کو بچانے کی کوشش کریں، اور جنت اس لئے بنائی ہے تاکہ بندے اعمال صالحہ کے ذریعہ اس میں داخل ہوسکیں۔

جنت کی درخواست اور محلات

جب رمضان شریف شروع ہوتا ہے تو اس وقت جنت عرض کرتی ہے کہ یا اللہ! اپنے بندوں میں سے کچھ بندے میرے اندر رہنے کے لئے مقرر کر دیجئے، جو اعمال صالحہ کر کے میرے اندر داخل ہوسکیں، اور جنت میں جو حوریں ہیں وہ بھی

اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتی ہیں کہ یا اللہ! اپنے بندوں میں سے کچھ بندوں کو ہمارا خاوند بنا دیجئے، اس کے بعد حدیث شریف میں ہے کہ جس شخص نے رمضان کے مہینے میں اپنے نفس کی گناہوں سے حفاظت کی اور کوئی نشہ والی چیز نہیں پی اور نہ کسی پر کوئی بہتان یا الزام لگایا، اور نہ کوئی گناہ کبیرہ کیا، اس حدیث میں تین گناہوں کو خاص طور پر بیان فرمایا ایک یہ کہ کوئی نشہ والی چیز نہیں پی اس لئے کہ ہر نشہ والی چیز کا پینا گناہ اور ناجائز ہے، شراب نوشی حرام ہے، دوسرے یہ کہ کسی پر الزام لگانا، تہمت لگانا، بہتان باندھنا بھی حرام اور ناجائز ہے، تیسرے کبیرہ گناہ، اس لئے کبیرہ گناہوں کا ارتکاب حرام اور ناجائز ہے، اگر کسی نے ان سب گناہوں سے اپنی حفاظت کر لی اور اگر غلطی سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا تو فوراً توبہ کر لی تو اس کو وہی ثواب ملے گا جس کا بیان آگے آرہا ہے، تو اللہ تعالیٰ رمضان شریف کی ہر رات میں سو حوریں اس کے نکاح میں دیں گے، اور اللہ تعالیٰ اس کے واسطے سونے چاندی یاقوت اور زمرد سے مرکب ایک محل بنائیں گے، اس محل کی لمبائی چوڑائی کا یہ عالم ہوگا کہ پوری دنیا اس محل کے اندر بکریوں کے باڑے کے برابر ہوگی، وہ محل اتنا وسیع وعریض ہوگا۔

رمضان میں احتیاط کریں

اور جس شخص نے اس مہینے میں کوئی نشہ والی چیز پی لی یا کسی شخص پر کوئی بہتان اور تہمت لگائی یا کوئی گناہ کبیرہ کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے پچھلے ایک سال کے نیک اعمال کا ثواب ختم کر دیں گے، اس لئے فرمایا کہ رمضان شریف میں بے احتیاطی سے بچو، اور اپنے نفس کی پوری پوری حفاظت کرو، اور اس نفس سے محتاط اور چوکنے رہو، تاکہ یہ نفس تم سے کوئی گناہ نہ کرالے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے سال کے اندر ۱۲

مہینے رکھے ہیں جس میں سے ۱۱ مہینے ہمارے لئے ہیں، جس میں کماؤ، کھاؤ، پیو لیکن ایک مہینہ خاص اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے ہے، اس مہینے میں حد سے آگے نہ بڑھو، اور بے احتیاطی نہ کرو۔

نافرمانیوں سے بچیں

بہر حال؛ میرے بزرگو! جہاں اس ماہ مبارک میں بے پناہ اجر و ثواب کے وعدے ہیں اور ان کے اعلانات ہیں جنت کے دروازے کھلے ہوئے ہیں، جہنم کے دروازے بند ہیں، آسمانوں کے دروازے کھلے ہوئے ہیں، ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکتوں کا نزول ہو رہا ہے، رحمتوں کی بارش ہو رہی ہے، مغفرتوں کے پروانے دیے جا رہے ہیں، مگر یہ سب اسی وقت ہے جب ہم اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بچنے کی بھی پوری کوشش کرتے رہیں، یہ نہ ہو کہ دیدہ و دانستہ، کھلم کھلا، بے خوف و خطر گناہ کبیرہ کے اندر مبتلا رہیں، ایسی صورت میں تو اجر و ثواب ملنے کے بجائے خطرہ یہ ہے کہ کہیں گذشتہ ایک سال کی نیکیاں بھی ڈوب جائیں، اور ایک سال کی محنت پر پانی پھر جائے، اس کا بہت خطرہ ہے، اس لئے یہ حدیث بہت اہتمام سے یاد رکھنے کی ضرورت ہے، جس میں دونوں پہلو بیان کر دیے گئے ہیں کہ جو شخص اس ماہ مبارک میں گناہوں سے بچنے کی کوشش کرے گا تو اس کو بڑے اجر و ثواب ملنے کی امید ہے۔

ورنہ روزہ اور تراویح سے کچھ حاصل نہیں ہوگا

خدانخواستہ اگر کسی شخص کا رمضان المبارک میں بھی وہی حال رہا جو رمضان سے پہلے تھا، رمضان سے پہلے وہ جن گناہوں میں مبتلا تھا، اب بھی ان گناہوں کے

اندر مبتلا ہے، تو ایسے شخص کے بارے میں حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعض روزہ دار ایسے ہوں گے کہ ان کو روزے میں سوائے بھوکا رہنے کی تکلیف کے کچھ حاصل نہ ہوگا، اور اسی طرح تراویح کے بارے میں فرمایا کہ بہت سے تراویح میں قیام کرنے والے ایسے لوگ ہیں کہ ان کو اس تراویح کے اندر سوائے جاگنے کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا، ویسے تو تراویح پڑھنے سے بہت کچھ حاصل ہوتا ہے، تراویح میں قرآن کریم کی مکمل تلاوت ہوتی ہے، لہٰذا قرآن کریم کے سننے اور پڑھنے کی فضیلت حاصل ہوتی ہے، اور ایک ایک حرف پر نیکیاں لکھی جاتی ہیں، لیکن جس شخص نے تراویح کو صحیح طریقہ سے نہیں پڑھا وہ اس فضیلت سے نیکیوں سے محروم رہ گیا۔

ایسی مسجد کا انتخاب کریں

اس لئے میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ تراویح کے لئے آپ ایسی مسجد کا انتخاب کریں جس میں حافظ صاحب قرآن کریم آہستہ آہستہ آرام کے ساتھ تلاوت کریں، اور کسی ایسی مسجد میں ہرگز نہ جائیں جس میں قرآن کریم غلط طریقے سے پڑھا جاتا ہے، اور اتنی تیزی سے پڑھا جاتا ہو کہ اس کے نتیجے میں حروف کٹتے ہوں، یا حروف اپنے مخارج سے ادا نہ ہوتے ہوں، اور یعلمون اور تعلمون کے علاوہ کچھ سمجھ میں نہ آتا ہو، اور رکوع سجدہ میں اٹھک بیٹھک ہوتی ہو، تو ایسی تراویح تباہی اور بربادی کا باعث ہے، ایسی مسجد میں جا کر ہم اپنی تراویح کو تباہ اور برباد نہ کریں، اور ۱۵، ۲۰ منٹ جلدی فارغ ہونے کی کوشش میں اپنی تراویح کو خراب نہ کریں، اگر تراویح میں کچھ دیر لگ گئی تو وہ وقت اللہ کی عبادت ہی میں گزرا، جبکہ ہمارا مقصود ہی یہ ہے کہ ہمارا زیادہ سے زیادہ وقت اللہ کی عبادت میں گزرے۔

تراویح مغفرت کا ذریعہ

یہ تراویح تو اسی لئے ہے کہ اس کے ذریعہ سے ہماری مغفرت ہو جائے، چنانچہ حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّ اِحْتِسَابًا غُفِرَ لَہٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ۔ یعنی جس نے ایمان کی حالت میں ثواب کی نیت سے تراویح ادا کی تو اللہ تعالیٰ اس کے پچھلے تمام صغیرہ گناہ معاف فرما دیتے ہیں۔ روزانہ تراویح کے ذریعہ یہ مغفرت کا پروانہ ملے گا، اور اس پر جو اجر و ثواب ہے وہ اس کے علاوہ ہے، جیسا کہ ابھی عرض کیا۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ ہم تراویح پڑھنے کے لئے اچھی جگہ کا انتخاب کریں، جہاں ہماری تراویح اطمینان اور سکون سے ادا ہو، اور تلاوت کلام پاک بھی صحیح اور ٹھیک ہو۔

اگر روزے کا ثواب معلوم ہو جائے تو!

اکثر احادیث میں تو یہ بتایا گیا ہے کہ روزے کا کیا ثواب ہے؟ یہ اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہی آخرت میں روزے کا ثواب عطا فرمائیں گے۔ لیکن بعض احادیث میں روزے کا کچھ ثواب بھی بیان کیا گیا ہے، وہ درحقیقت روزے کے اصل ثواب کی ایک جھلک ہے، ورنہ حقیقت حال تو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں کہ روزہ رکھنے پر اپنے بندوں کو کیا کیا اجر و ثواب عطا فرمائیں گے، چنانچہ ابو مسعود غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رمضان شریف کا چاند نظر آنے پر میں نے رحمت کائنات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ رمضان شریف کی کیا حقیقت ہے تو میری امت یہ تمنا کرتی کہ سارے سال ہی رمضان شریف ہوتا۔ یعنی رمضان

شریف میں اللہ تعالیٰ جو بے پناہ اجر وثواب عطا فرماتے ہیں اگر وہ پورا میری امت کو معلوم ہو جاتا تو وہ یہ تمنا کرتے کہ ایک ماہ کے لئے نہیں تین ماہ کے لئے نہیں چھ ماہ کے لئے نہیں بلکہ ہمیشہ پورے سال ہی رمضان المبارک رہتا۔

دنیا کمانے کے سیزن میں تمنا

دیکھئے! جب دنیا میں کسی کاروبار میں سیزن میں دس بیس گناہ نفع ہو جاتا ہے تو پھر آدمی یہ تمنا کرتا ہے کہ کاش! یہ سیزن تین ماہ کے بجائے آٹھ ماہ کا ہو جاتا، حالانکہ اس دنیا کی کوئی حقیقت نہیں لیکن اس پر بھی آدمی کو یہ آرزو ہونے لگتی ہے اور آخرت کے اجر وثواب کی تو کوئی انتہا ہی نہیں، بلاشبہ انسان کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ پورے سال رمضان کا مہینہ رہتا۔

جنت اور اس کی حوروں کی درخواست

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی تو اس وقت قبیلہ خزاعہ کا ایک شخص کھڑا ہوا، اور اس نے سوال کیا، حضور! پھر آپ ہی بتائیں کہ رمضان شریف کی کیا حقیقت ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ جنت کو شروع سال سے لے کر آخیر سال تک رمضان المبارک کے لئے سجایا جاتا ہے، اور جب رمضان کی پہلی رات ہوتی ہے تو عرش الٰہی کے نیچے سے ایک ہوا چلتی ہے جس کے نتیجے میں جنت کے درختوں کے پتے ہلنے لگتے ہیں، اور اس وقت جنت عرض کرتی ہے کہ یا اللہ! اپنے بندوں میں سے کچھ بندے میرے اندر رہنے کے لئے داخل فرمادیں، اور جنت میں جو حوریں ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ سے عرض کرتی ہیں کہ اے پروردگار عالم! اپنے بندوں میں سے کچھ بندوں کو ہمارا خاوند بنادیجئے،

تا کہ وہ ہمیں دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کریں، اور ہم ان کو دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کریں۔

جنت کی حور سے نکاح

اس کے بعد جب رمضان المبارک کا پہلا دن ہوتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، اور وہ دروازے پورے مہینے کھلے رہتے ہیں، کوئی دروازہ آخر رمضان تک بند نہیں کیا جاتا، اور جب روزہ دار روزہ رکھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ایک ایسی حور سے اس روزہ دار کا نکاح کر دیتے ہیں جو ایک ہی موتی سے بنے ہوئے قبے کے اندر رہتی ہے، اور بطور دلیل کے آپ نے یہ آیت تلاوت کی: حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ (الرحمٰن)

جنت کی حور کی کیفیت

اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی عورتوں کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جنت کی عورتوں میں سے ہر عورت کے جسم پر ستر قسم کا لباس ہوگا، اور ہر لباس کا رنگ دوسرے لباس سے علیحدہ ہوگا، اور لباس بہت باریک اور لطیف ہوگا، ان کو ستر قسم کی خوشبو دی جائے گی، اور ہر خوشبو کی بو دوسرے سے جدا ہوگی، اور ہر خوشبو علیحدہ محسوس ہوگی، ایسا نہیں ہوگا کہ ایک ہی مرکب خوشبو محسوس ہو، اور جنت کی ان عورتوں کے لئے ستر ہزار نوکرانیاں اور ستر ہزار خادم ہوں گے، اور ہر خادم کے ہاتھ میں سونے کا ایک پیالہ ہوگا، جس میں ستر قسم کا کھانا ہوگا، اور ہر کھانے کے آخری لقمہ کی لذت پہلے لقمہ سے کہیں زیادہ ہوگی، دنیا کے معاملے سے بالکل برعکس ہوگا، اس لئے کہ دنیا میں لذیذ کھانے کا یہ حال ہے کہ پہلا

لقمہ زیادہ لذیذ ہوتا ہے، اور بعد کے لقموں میں لذت کم ہوتی چلی جاتی ہے، اور جب پیٹ بھر جاتا ہے تو پھر اس کھانے کو دیکھنے کا بھی جی نہیں چاہتا، اور پھر زبردستی بھی کوئی کھلانا چاہے تو آدمی کھانے کے لئے تیار نہیں ہوتا، لیکن جنت کے کھانے کا یہ حال ہوگا کہ اس کی لذت میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا، اور نہ اس کو کھانے سے گرانی ہوگی، اور نہ ہی بدہضمی ہوگی، پورا کا پورا کھانا جزو بدن بن جائے گا۔

حوروں کا جہیز

اور جنت کی عورتوں کے لئے سرخ یاقوت کے تخت ہوں گے، جن پر ستر گدے ہوں گے، اور ان کے استر موٹے ریشم کے ہوں گے، اور یہ گویا کہ ان عورتوں کا جہیز ہوگا، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ان عورتوں کے شوہروں کو بھی عطا فرمائیں گے، وہ شوہر سرخ یاقوت کے تخت پر بیٹھے ہوں گے، اور ان کے ہاتھوں میں دو کنگن ہوں گے۔ دنیا میں تو مردوں کے لئے کنگن پہننا حرام ہے لیکن جنت میں ان کے لئے یہ حلال ہو جائیں گے۔

جنت کے محلات اور دنیاوی بیویاں

پھر فرمایا کہ یہ سب کچھ رمضان شریف کے ایک روزے کا بدلہ ہے، اب جو چاہے رکھے، اور ہر روزے کا یہ بدلہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کو ملے گا۔ اور دنیا کی عورتیں جنت میں مثل "ملکہ" کے ہوں گی، اور جنت کی حوریں نوکرانیوں کے درجے میں ہوں گی، اور شوہر اپنی جنت کے حصے میں مثل "بادشاہ" کے ہوگا، اور بااختیار ہوگا، اور جنت کے محلات اتنے بڑے اور وسیع و عریض ہوں گے کہ ان محلات میں ہر جگہ اس کے اہل و عیال آباد ہوں گے، اور وہ جنتی جنت میں جہاں

جائے گا وہ گھر میں ہی جائے گا، وہ کسی مسافر خانے میں نہیں ٹھہرے گا۔ تو بھائی جب ایک روزے کا یہ ثواب ہے تو تیس روزوں کا کتنا اجر وثواب ہوگا۔

یہ بدلہ کس روزہ پر ملے گا؟

لیکن یہ یاد رکھیں کہ یہ اجر وثواب روزے پر اس وقت ملے گا جب پیٹ کے علاوہ باقی دوسرے اعضاء کا بھی روزہ ہو، چنانچہ پیٹ کے روزے کے ساتھ آنکھوں کا روزہ بھی ہو، کانوں کا روزہ بھی ہو، زبان کا روزہ بھی ہو، دل و دماغ کا روزہ بھی ہو، اعضاء و جوارح کا روزہ ہو، اس لئے کہ روزہ کی حالت میں جس طرح کھانا اور پینا حرام ہے، اسی طرح روزہ کی حالت میں غیبت بھی حرام ہے، جھوٹ بھی حرام ہے، بدنگاہی بھی حرام ہے، گانا سننا بھی حرام ہے، کسی کو ناحق مارنا اور اس پر ظلم و زیادتی کرنا، اور ایذاء تکلیف دینا بھی حرام ہے، جب روزہ دار ان سب باتوں سے پرہیز کرے گا تو انشاء اللہ اس کے روزے بھی بے پناہ اجر وثواب کے باعث ہوں گے، اور اس کے علاوہ جو نیک اعمال کرے گا ان پر بھی انشاء اللہ اس کو بے پناہ اجر وثواب ملے گا۔

پہلے سچی توبہ کرلیں

بہر حال! رمضان المبارک گزارنے کا مختصر دستور العمل یہ ہے کہ رمضان المبارک شروع ہونے سے پہلے اپنے تمام گناہوں سے سچی توبہ کرلیں، اور ہر نماز کے بعد اور صبح شام اپنے گناہوں سے توبہ کرتے رہیں، اور اس کے ساتھ ساتھ گناہوں سے بچنے کی پوری پوری کوشش کرتے رہیں، بالخصوص رمضان شروع ہونے کے بعد تو گناہوں سے ہم کوسوں دور رہیں، اور اگر غلطی ہو جائے تو فوراً اللہ

تعالیٰ کی بارگاہ میں گڑگڑا کر توبہ کرلیں، پورے رمضان میں یہ معمول جاری رہے۔

نمازیں ادا کرنے کا اہتمام کریں

رمضان المبارک میں مرد تمام نمازیں مسجد میں تکبیر اولیٰ کے ساتھ ادا کرنے کی پوری کوشش کریں، خواتین گھروں میں تمام نمازیں اذان ہوتے ہی اول وقت میں ادا کرنے کی عادت ڈالیں، بعض خواتین فجر کی نماز کو تاخیر سے ادا کرتی ہیں، بعض خواتین عشاء کی نماز کو تاخیر کر کے رات کو ۱۲ بجے ادا کرتی ہیں، ایسا ہرگز نہ کریں۔ اگر کسی کو شرعی عذر ہو، یا بیماری ہو، یا کمزوری ہو تو پھر تاخیر کرنے میں کوئی حرج نہیں، ورنہ ہر نماز اول وقت میں ادا کریں، اور عشاء کی نماز ۱۲ بجے کے بعد پڑھنا مکروہ ہے، اس کا مستحب وقت نکل جاتا ہے، لہٰذا اس کی کوشش کریں کہ ۱۲ بجے سے پہلے پہلے پڑھ لیں، لیکن رمضان شریف میں خواتین کا عام معمول یہ ہونا چاہئے کہ عشاء کی اذان ہوتے ہی اول وقت میں پہلے فرائض ادا کرلیں، اور پھر سنتیں ادا کرنے کے بعد تراویح پڑھ کے فارغ ہو جائیں۔

نوافل اور معمولات کی پابندی کریں

اور صبح و شام کے معمولات اذکار، تسبیحات پابندی سے ادا کریں، اس کے علاوہ نوافل کو بھی بڑے اہتمام کے ساتھ ادا کریں، جیسے اشراق، چاشت، اوّابین، قیام اللیل، سنن اول، تہجد، تحیۃ المسجد، تحیۃ الوضوء، اس کے علاوہ جتنی سنن غیر مؤکدہ ہیں، سب کو اہتمام کے ساتھ اور اطمینان کے ساتھ ادا کریں، کیونکہ رمضان شریف کا ہر سجدہ اور ہر رکعت بڑی قیمتی ہے، اس لئے کہ نفل فرضوں کے برابر ہیں، اور فرض ستر فرضوں کے برابر ہیں، اور وہ ثواب علیحدہ ہے جو ابھی میں نے آپ کے سامنے

عرض کیا۔

اور قرآن شریف کی تلاوت جتنی زیادہ سے زیادہ ہو سکے، رمضان المبارک میں خصوصی طور پر اس کا معمول بنانے کی ضرورت ہے، تمام دنوں میں اگر ہم روزانہ ایک پارہ تلاوت کرتے ہیں تو رمضان شریف میں ۴، ۵ پاروں کی تلاوت کا معمول بنائیں، اور اگرچہ مختلف اوقات میں ہو، مثلاً ایک پارہ فجر کے بعد تلاوت کریں، ایک پارہ ظہر کے بعد تلاوت کریں، ایک پارہ عصر کے بعد وغیرہ، راتیں لمبی ہیں، تراویح کے بعد اگر موقع ہو تو ایک پارہ تلاوت سونے سے پہلے کر لیں۔ بہرحال! رمضان شریف میں تلاوت کلام پاک کا زیادہ سے زیادہ معمول بنائیں۔

چار باتوں کا معمول بنالیں

اور چار باتیں حدیث شریف سے ثابت ہیں، جو رمضان شریف کے خصوصی معمولات ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ کثرت سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کریں، اور استغفار کثرت سے کریں

(۲) دوسرے کلمہ طیبہ ''لا الہ الا اللہ'' کی کثرت کریں، چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے اس کلمے کو پڑھتے رہیں، اس کے لئے آسان ترکیب یہ ہے کہ ہر مرد اور عورت معمول بنائے کہ ستر ہزار مرتبہ یہ کلمہ پڑھنا ہے، اور ایک سو مرتبہ کے بعد ''محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' پڑھ لیا کریں، اس کے نتیجے میں خاص فضیلت حاصل ہو جائے گی، اور پورے مہینے میں ستر ہزار مرتبہ پڑھنا کیا مشکل ہے، مزید وقت مل جائے تو اپنے والدین میں سے ہر ایک کے لئے ستر ستر ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھ لیں، اور موقع ملے تو اپنی اولاد کے لئے بھی پڑھ لیں، اور ان کو بخش دیں۔

(۳)(۴) تیسرے یہ کہ ہر نماز کے بعد اور افطار کے وقت اور تہجد کے وقت اور چلتے پھرتے دو دعائیں اللہ تعالیٰ سے بطور خاص اپنے لئے بھی کریں، اور اپنے والدین کے لئے، اپنے اہل وعیال کے لئے، اور تمام مسلمانوں کے لئے کریں، ایک یہ کہ یا اللہ! ہم سب کو اپنی رضا اور جنت عطا فرما، اور دوسرے یہ کہ ہم سب کو اپنی ناراضگی اور دوزخ سے پناہ عطا فرما۔ بس یہ مہینہ خاص طور پر ان چار کاموں کے لئے ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں جنت دینا چاہتے ہیں اور دوزخ سے بری کرنا چاہتے ہیں، لہٰذا جو شخص گڑگڑا کر عرض کرے گا وہ ضرور جنت کا مستحق ہو جائے گا، اور جہنم سے بری ہو جائے گا، اس لئے ان دعاؤں کو نہ بھولیں، اور ساتھ میں یہ دعا بھی کریں کہ یا اللہ! ہم سے حساب اور باز پرس نہ فرمایئے گا، اور بغیر حساب وکتاب کے جن ہزاروں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے جنت میں داخل فرمائیں گے، یا اللہ! ہمیں ان میں شامل کر دیجئے گا۔

درس قرآن کریم میں شمولیت

اس کے علاوہ یہ معمول بنائیں کہ جہاں کہیں معتبر اور مستند درس قرآن ہوتا ہو، وہاں ضرور شامل ہو جایا کریں، جیسے ہمارے جامعہ دارالعلوم کراچی میں حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم کا نادر اور اصلاحی بیان روزانہ ظہر کی نماز کے بعد ہوتا ہے، آپ میں سے جو لوگ وہاں آسکیں تو وہاں حاضر ہو جایا کریں، ورنہ شہر میں جہاں کہیں درس قرآن ہوتا ہو، وہاں پر اپنی اصلاح کی غرض سے حاضر ہو جایا کریں۔ اسی طرح افطاری کا وقت اور سحری کا وقت ضائع ہونے سے بچائیں، اور دنیا کی مصروفیات رمضان المبارک میں جتنی کم کر سکتے ہوں ان کو کم کر دیں، اور آخرت کی تیاری میں لگ جائیں، اس طریقے سے گناہوں سے بچتے ہوئے اگر ہم رمضان

المبارک گزاریں گے تو انشاء اللہ ، اللہ تعالیٰ نے جن فضیلتوں اور برکتوں اور اجر وثواب کے وعدے فرمائے ہیں، وہ ضرور اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم سب کو عطا فرمائیں گے، اور ضرور انشاء اللہ ہم سب کی بخشش ہوگی، اور مغفرت ہوگی، اور دوزخ کے عذاب سے نجات نصیب ہوگی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان معمولات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور رمضان کی تمام خیر وبرکت ہم سب کو عطا فرمائے، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

عشرہ ذی الحجہ کے فضائل

حضرت مولانا مفتی عبد الرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی بیانات : جلد نمبر : ۷

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

عشرہ ذی الحجہ کے فضائل

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ. صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ۔ (سورۃ الفجر: ۱،۵)

دس ایام

میرے قابلِ احترام بزرگو! آج ذی الحجہ کا پہلا دن ہے، اور ذی الحجہ کے شروع کے دس دن بڑے مبارک دن ہیں، اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کی بڑی عظمت اور بڑی قدر ہے، اور ان دنوں میں کیا ہوا نیک عمل اور کی ہوئی عبادت اللہ تعالیٰ کے یہاں بہت ہی مقبول، محبوب اور پسندیدہ ہے، ایسے مبارک دن رات اللہ تعالیٰ

نے ہمیں اپنے فضل سے نصیب فرمائے ہیں، اب ہمیں چاہیے کہ ہم ان مبارک دنوں اور راتوں کی قدر کریں، اور ان دنوں اور راتوں کو اللہ کی یاد میں، اس کی عبادت اور اس کی اطاعت میں لگائیں، اور ان دنوں میں گناہوں سے بچنے کا بہت زیادہ اہتمام کریں، احادیث طیبہ میں ان دنوں کی خاص خاص فضیلت آئی ہے، ہمیں چاہئے کہ ہم ان فضیلتوں کو سنیں اور ان کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کریں۔

ان ایام میں کی ہوئی عبادت کی اہمیت

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی دن ایسا نہیں ہے جس میں نیک عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں ان دس دنوں کے عمل سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہو۔ یہ سن کر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا جہاد بھی ان ایام کے عمل کے برابر نہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! جہاد بھی ان ایام میں کیے ہوئے عمل کے برابر نہیں، مگر ہاں وہ شخص جو اپنی جان اور اپنا مال دونوں لے کر اللہ کے راستے میں نکلا، اور پھر ان میں سے کوئی چیز بھی بچا کر واپس نہیں لایا۔ یعنی جان اور مال دونوں اللہ کے راستے میں قربان کر دیے، اور شہید ہو گیا تو اس شخص کا یہ عمل ان ایام میں کیے ہوئے عمل کے برابر ہو سکتا ہے، ورنہ کوئی عمل ان ایام میں کیے ہوئے عمل کے برابر نہیں ہو سکتا۔

اس حدیث کے اعتبار سے ان دس دنوں کے علاوہ دنوں میں پڑھی ہوئی نمازیں ان دنوں کی نمازوں کے برابر نہیں ہو سکتیں، ان دس دنوں کے علاوہ دنوں میں رکھے ہوئے روزے ان دس دنوں میں رکھے ہوئے روزوں کے برابر نہیں ہو سکتے، اسی طرح زکوٰۃ، خیرات، صدقہ، تسبیحات، درود شریف اور تلاوت قرآن

کریم اور جو بھی نفلی اعمال ان دس دنوں کے علاوہ دنوں میں کیے جائیں وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اتنے محبوب اور پسندیدہ نہیں جتنے وہ نیک اعمال اور نفلی عبادات پسندیدہ ہیں، جو ان دس دنوں میں کئے ہیں۔

وہ اللہ کا محبوب بن جائے گا

اور جب عمل محبوب ہوگا تو عمل کرنے والا بھی محبوب ہوگا، لہٰذا جو شخص ان دس دنوں میں زیادہ نیک اعمال کی طرف متوجہ ہوگا، فرائض و واجبات کی ادائیگی کی طرف زیادہ توجہ دے گا، اور زیادہ سے زیادہ گناہوں سے بچنے کی کوشش اور اہتمام کرے گا، وہ تھوڑے عمل کے نتیجے میں اللہ کا محبوب اور مقرب بن جائے گا، اس لئے ہم سب کو چاہئے کہ ان دس دنوں کا بہت ہی اہتمام کریں، اور ان دنوں کو زیادہ سے زیادہ اللہ کی عبادت اور اس کی اطاعت میں، اور نیک کاموں کے انجام دینے میں، فرائض و واجبات کو ادا کرنے میں گزاریں، اور کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ ایام غفلت اور لاپرواہی میں اور سستی میں ضائع ہو جائیں۔

نماز باجماعت کا اہتمام

جس میں سے ایک یہ ہے کہ تمام نمازیں باجماعت مع تکبیر اولیٰ کے ادا کرنے کا اہتمام کریں، اگر آج سے پہلے کوتاہی ہوتی تھی تو اب کوتاہی نہ ہو، اور خواتین گھر میں تمام نمازیں اپنے وقت پر ادا کرنے کا اہتمام کریں، اور جتنی نفل عبادات جو عام دنوں میں آپ کے معمولات کے اندر داخل ہیں، ان دس دنوں میں بھی ان کو اپنے معمول کے اندر داخل کر دیں، اور ان کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کریں، تسبیحات کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کریں۔

گناہوں سے بچنے کا اہتمام

اور سب سے قابل توجہ چیز ہمارے گناہ ہیں، اور اصل بیماری ہمارے اندر یہی ہے کہ عبادت تو کچھ نہ کچھ اللہ کے فضل سے کر ہی لیتے ہیں، لیکن گناہوں سے بچنے اور ان کو چھوڑنے کی طرف زیادہ توجہ نہیں ہوتی، گناہوں کو چھوڑنے والے بہت کم لوگ ہیں، اور زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ گناہوں کو سب سے پہلے چھوڑنے کی کوشش کی جائے، اور کم از کم وہ بڑے بڑے گناہ جن کے بارے میں ہم بار بار سنتے رہتے ہیں، اور جن کے بارے میں ہمیں علم حاصل ہو چکا ہے، تو اب علم ہونے کے باوجود اس کے اندر مبتلا رہنا یہ بڑی غفلت کی بات ہے۔

دو بڑے گناہوں سے بچئے

مثلاً ڈاڑھی منڈوانے کا گناہ ہے، بار بار اس کا تذکرہ ہو چکا ہے کہ یہ گناہ کبیرہ ہے، اور ناجائز ہے، اور اس گناہ کا ارتکاب کرنے والا ہر وقت گناہ کے اندر ڈوبا رہتا ہے، ایسے خطرناک، سنگین اور ہمہ وقت ہونے والے گناہ سے تو فوراً طور پر آدمی کو بچنے کی فکر ہونی چاہئے۔ اسی طرح شلوار اور پائجامہ کو ٹخنے سے نیچے رکھنے کا گناہ، یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ جس کے گناہ ہونے میں کوئی شک نہیں، اور احادیث میں اس پر بڑی سخت وعید آئی ہیں، کہ جو شخص اپنی شلوار یا پائجامہ ٹخنے سے نیچے رکھے گا، اس کا ٹخنہ جہنم کی آگ میں جلے گا، اور جہنم کی آگ کوئی معمولی آگ نہیں ہے، اس کے باوجود اس گناہ کے اندر مبتلا رہنا بڑی دلیری کی بات ہے، بس یہ ایک بدترین اور دشمن ترین قوم کا فیشن ہے، جو مسلمانوں کے سب سے زیادہ دشمن ہیں، یعنی انگریزوں کا فیشن ہے، جو ہمارے دشمن، ہمارے دین کے دشمن، ہمارے ملک کے دشمن ہیں، ایسے دشمن کا ہم طور طریقہ اختیار کرلیں، اور پھر اس میں ہم اپنی عزت

سمجھیں، اور شلوار کو ٹخنوں سے اوپر کرنے کو اپنے لئے باعث عار سمجھیں، باعث شرم سمجھیں، یہ بڑی تباہی کی بات ہے، اور اس گناہ سے بچنا کوئی مشکل بھی نہیں، بہت آسانی سے بچ سکتے ہیں۔

خواتین بے پردگی کے گناہ سے بچیں

اسی طرح خواتین کا بے پردہ باہر نکلنا، یہ گناہ اتنا عام ہو گیا ہے کہ پوری دنیا میں پھیل گیا ہے، اب شرعی پردہ کرنے والی خواتین دنیا میں چند گنی چنی نظر آئیں گی، یہ نہیں کہہ سکتے کہ ایک ہزار میں ایک عورت ایسی ہے جو شرعی پردہ کرتی ہے، ایک لاکھ میں بھی ایک عورت مل جائے تو یہ بھی مشکل ہے، لاکھوں میں کوئی عورت ایسی ہوگی جو واقعی شرعی پردہ کرتی ہوگی، کیونکہ گھر کے اندر بھی تو شرعی پردہ کے احکام ہیں، گھر کے اندر بھی تو نامحرم مرد رہتے ہیں، جیسے دیور ہے، جیٹھ ہے، اور دوسرے رشتے کے بھائی ہیں، وہ کثرت سے گھر کے اندر آتے رہتے ہیں، ان سے پردہ کرنے والی خواتین کہاں ہیں؟ الا ماشاء اللہ، اگر کچھ خواتین پردہ کرتی بھی ہیں تو وہ گھر سے باہر پردہ کرتی ہیں، اس کے اندر بھی اکثر کا حال تو یہ ہے کہ ان کا پردہ برائے نام ہوتا ہے، شرعی پردہ نہیں ہوتا، حالانکہ شرعی پردہ فرض ہے، جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ فرض ہیں، اسی طرح نامحرم مردوں سے شرعی پردہ بھی فرض ہے، اور بے پردگی حرام اور ناجائز ہے۔

بے پردہ عورت پر اللہ کی لعنت

جس طرح داڑھی منڈوانا حرام اور ناجائز ہے، اسی طرح بے پردہ رہنا حرام ہے، جس طرح سود لینا، رشوت لینا، جھوٹ بولنا اور شراب پینا حرام ہے، اسی طرح نامحرم مردوں کے سامنے آجانا، خواہ گھر کے اندر ہو، خواہ گھر کے باہر ہو، یہ بھی

حرام اور نا جائز ہے، اور جتنی دیر عورت نامحرم کے سامنے بے پردہ رہے گی، اتنی دیر دیر وہ عورت برابر بے پردگی کے گناہ کے اندر مبتلا رہے گی، اور بے پردہ عورت پر خدا کی لعنت ہے، فرشتوں کی لعنت ہے، اور ان کے لئے جہنم کے عذاب کی وعیدیں احادیث میں موجود ہیں، لہٰذا خواتین اس گناہ سے بچنے کا پورا اہتمام کریں۔

گانے سننے اور آلات موسیقی کا استعمال

اسی طرح گانا سننا اور سنانا، اس کے حرام اور نا جائز ہونے میں کوئی شک نہیں، لیکن آج ہر گھر، ہر گلی، ہر محلہ گانے باجے سے بھرے ہوئے ہیں اور ٹی وی، وی سی آر کی لعنت نے ہر گھر کو سینما بنایا ہوا ہے، گانا گانا الگ گناہ ہے، اور اس کے ساتھ آلات موسیقی کا استعمال الگ گناہ ہے، اور پھر اس میں نامحرم مردوں اور عورتوں کا اختلاط الگ گناہ ہے، لیکن آج لوگ بے پردگی، بے حجابی اور بے شرمی میں آگے بڑھتے چلے جارہے ہیں، اور گانے سننے سنانے میں آگے بڑھتے چلے جا رہے ہیں، چنانچہ پہلے ہمارے معاشرے میں پہلے سینما آیا، اس کے بعد ریڈیو آیا، پھر ٹی وی آیا، پھر وی سی آر آیا، پھر ڈش آگئی، پھر کیبل آیا، اور اب انٹرنیٹ آگیا، اب پوری دنیا کی ننگی فلمیں انٹرنیٹ پر دیکھی جارہی ہیں، اور مسلمان مرد عورت، ماں باپ، بیوی بچے سب ایک جگہ بیٹھ کر دیکھ رہے ہیں، یہ کتنا سنگین گناہ ہے، اور یہ گناہ بھی بے پردگی کی طرح عالمگیر گناہ ہے۔

اصل کام گناہ چھوڑنا ہے

ہم لوگ عبادت تو تھوڑی بہت کر لیتے ہیں، لیکن ہماری اصل بیماری جو ہے یعنی ان گناہوں سے بچنا، اس کی طرف توجہ نہیں دیتے، اور یاد رکھئے! جب تک ہم ان کبیرہ گناہوں سے نہیں بچیں گے اور جب تک ان سے توبہ نہیں کریں گے، اس

وقت تک نہ ہمارا ایمان مکمل ہوگا، نہ ہماری اصلاح ہوسکتی ہے، اور نہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوسکتی ہے، جو عبادت کریں گے اس کا ثواب ملنے کی تو انشاء اللہ امید ہے، لیکن گناہوں کے چھوڑے بغیر کبھی بھی ہماری زندگی میں تبدیلی نہیں آسکتی، اور ہم یہ جو چاہتے ہیں کہ ہماری زندگی واقعۃً مکمل طور پر مسلمان کی سی زندگی ہو، ہمارا ایمان مکمل ہو، جس کے نتیجے میں دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہم پر برسیں، اور عافیت اور سلامتی نصیب ہو، اور خاتمہ ایمان پر ہو، اور آخرت میں بھی ہم قبر اور دوزخ کے عذاب سے بچ جائیں، اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ جہاں ہم فرائض و واجبات ادا کریں، وہاں مندرجہ بالا گناہوں سے بھی بہت اہتمام سے بچیں، اگر گناہ ہوجائے تو فوراً توبہ کریں، اور ان گناہوں سے بچنے کی کوشش جاری رکھیں۔

اصل بیماری اور اس کا علاج

ایک حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے سوال کیا کہ کیا میں تم کو یہ نہ بتاؤں کہ تمہاری اصل بیماری کیا ہے؟ صحابہ کرامؓ نے فرمایا کہ ضرور بتایئے! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہاری اصل بیماری تمہارے گناہ ہیں، پھر آپ نے فرمایا کہ کیا میں تم کو تمہاری بیماری کا علاج نہ بتاؤں؟ صحابہ کرامؓ نے فرمایا کہ بتلا دیجئے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا علاج توبہ اور استغفار ہے، او کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام...

بہر حال! یہ دس دن اس لئے ہیں کہ ہم اپنے گناہوں کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوجائیں، اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں صدق دل سے توبہ کریں، آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم کریں، تو پھر ان دنوں کی برکات خوب حاصل ہوں گی، پھر

انشاء اللہ دنیا اور آخرت دونوں کا فائدہ حاصل ہوگا۔

ان ایام میں چار کلمات کی کثرت

ایک روایت میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رحمت کائنات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان دس دنوں سے زیادہ عظمت والا دن کوئی نہیں، اور ان دنوں کے عمل کے عمل کے مقابلے میں کسی اور دن کیا ہوا عمل اتنا محبوب نہیں۔ لہٰذا تم ان دنوں میں تسبیح اور تحمید کثرت سے کیا کرو، لہٰذا ان دنوں میں سبحان اللہ الحمد للہ اللہ اکبر لا الہ الا اللہ کی کثرت کرنی چاہئے، کیونکہ جتنے بھی ایسے کلمات ہیں جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی جاتی ہے، ان سب کے سردار یہ چار کلمات ہیں (۱) سبحان اللہ (۲) الحمد للہ (۳) اللہ اکبر (۴) لا الہ الا اللہ۔ لہٰذا یہ ایام بھی سب سے زیادہ عظمت والے اور ان ایام میں کیا ہوا عمل بھی سب سے زیادہ عظمت والا ہے، اور یہ چار کلمات تمام کلمات کے سردار ہیں، اور عظمت والے ہیں، لہٰذا جو شخص ان کلمات کو ان ایام میں کثرت سے پڑھے گا، وہ بھی انشاء اللہ سردار بن جائے گا، اور اللہ تعالیٰ کا محبوب و مقبول بن جائے گا، کیونکہ ان کلمات کا ثواب بہت ہے۔

اُحد پہاڑ کے برابر عمل

ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے سوال کیا کہ کیا تم میں سے کوئی شخص ایسا ہے جو احد پہاڑ کے برابر عمل کرلے؟ احد پہاڑ مدینہ طیبہ کے پہاڑوں میں سب سے بڑا پہاڑ ہے، صحابہ کرامؓ نے جواب دیا کہ ہم میں سے کوئی بھی شخص ایسا نہیں ہے جو احد پہاڑ کے برابر عمل کرسکے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ہر آدمی عمل کرسکتا ہے، صحابہ کرامؓ حیران

ہو گئے کہ ہم میں سے ہر آدمی احد پہاڑ کے برابر عمل کر لے؟ یہ کیسے ممکن ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "سبحان اللہ" کا ثواب احد پہاڑ سے زیادہ ہے، "الحمد للہ" کا ثواب احد پہاڑ سے زیادہ ہے، "اللہ اکبر" کا ثواب احد پہاڑ سے زیادہ ہے، "لا الہ الا اللہ" کا ثواب احد پہاڑ سے زیادہ ہے، عمل کتنا ہلکا ہے، دو سیکنڈ میں آدمی "سبحان اللہ" ادا کر لے، اور آخرت میں اس کا ثواب احد پہاڑ کے برابر اس کے نامہ اعمال میں پہنچ جائے گا۔

سیکنڈوں میں عظیم ثواب کا حصول

فضائل ذکر کی ایک روایت بہت مشہور ہے جو فضائل اعمال میں موجود ہے، وہ یہ کہ اگر کوئی شخص سو مرتبہ "سبحان اللہ" کہے تو اس کو ایسا ثواب ملتا ہے جیسے کہ اس نے سو عربی غلام اللہ کے لئے آزاد کر دیے، اور جس شخص نے سو مرتبہ "الحمد للہ" کہا تو اس کو ایسا ثواب ملتا ہے جیسے اس نے سو گھوڑے ساز و سامان کے ساتھ اللہ کے راستے میں جہاد کے لئے بھیجے، اور سو گھوڑے دینا ایسا ہے جیسے آج کل سو ٹینک دینا کیونکہ اُس زمانے میں گھوڑوں پر جہاد ہوتا تھا، اور اب ٹینک پر جہاد ہوتا ہے، سو مرتبہ "الحمد للہ" کتنا آسان ہے، لیکن اس کا ثواب کتنا عظیم ہے، اس میں اللہ کی کتنی بڑی رحمت ہے، گویا کہ تم نے نہ کوئی محنت کی، نہ پیسہ خرچ کیا، اور ثواب اتنا عظیم مل گیا۔

اللہ اکبر کا ثواب

اگر کسی شخص نے سو مرتبہ "اللہ اکبر" کہا تو اس کو ایسا ثواب ملے گا جیسے اس نے سو اونٹ اللہ کی راہ میں قربان کئے ہوں، اور وہ قبول بھی ہو گئے ہوں، اب دیکھئے! سو اونٹ کی قربانی آج کل کون کر سکتا ہے؟ اگر ایک مرتبہ کسی نے کر لی تو ہر

سال تو نہیں کر سکتا، لیکن ''اللہ اکبر'' کی ایک تسبیح تو روزانہ پڑھ سکتے ہیں، بلکہ ہر نماز کے بعد پڑھ سکتے ہیں، اب آج کل اونٹ کی قربانی ہوتی تو ہے، لیکن اس کی نمائش بہت زیادہ ہوتی ہے، اور اس کی قربانی کو دور دور سے دیکھنے کے لئے لوگ آتے ہیں، تو جس عمل میں قصداً ریاکاری یا دکھاوا ہو جائے تو اس کا ثواب ختم ہو جاتا ہے، اور وہ عمل مقبول نہیں ہوتا۔ بہر حال! کوئی عمل بڑا بھی ہو، مقبول بھی ہو، یہ بات آسان نہیں ہے، لیکن سو مرتبہ ''اللہ اکبر'' پڑھنے پر سو اونٹ کی مقبول قربانی کا ثواب اللہ تعالیٰ عطا فرما دیتے ہیں، اور ایک اونٹ میں سات حصے ہوتے ہیں، اس طرح سات سو قربانیوں کا ثواب عطا ہو گیا، یہ کتنا بڑا ثواب ہے۔

واجب قربانی ادا کرنی ضروری ہے

اس میں تو غریب کا بھی قربانی کا مسئلہ حل ہو گیا، اگر کسی غریب کے پاس قربانی کے پیسے نہیں ہیں تو ''اللہ اکبر'' کی تسبیح پڑھنا تو اس کے اختیار میں ہے، جب چاہے سو مرتبہ ''اللہ اکبر'' پڑھ لے، اور اپنے نامہ اعمال میں سو اونٹوں کی مقبول قربانی کا ثواب لکھوا لے۔ لیکن یہ بات یاد رکھیں کہ اس کے پڑھنے سے ثواب تو ملتا ہے، لیکن واجب قربانی ادا نہیں ہوتی، کبھی کوئی شخص یہ سمجھے کہ اب گائے خریدنے کون جائے، کون ہزاروں روپے خرچ کرے، بس گھر میں بیٹھ کر ''اللہ اکبر'' کی تسبیح پڑھ لو، یہ مطلب نہیں، بس ثواب ملتا ہے، قربانی ادا نہیں ہوتی، لہٰذا جس پر قربانی واجب ہے وہ اپنی قربانی ضرور کرے، اور جس پر قربانی واجب نہیں ہے وہ بھی اگر قربانی کرے گا تو اس کو بھی اس کا ثواب ملے گا۔

لا الہ الا اللہ

اگر کوئی شخص سو مرتبہ ''لا الہ الا اللہ'' پڑھے گا تو حدیث شریف میں ہے کہ

اللہ تعالیٰ اس کو اتنا ثواب عطا فرماتے ہیں کہ زمین سے لے کر آسمان تک جو خلا ہے وہ اس ثواب سے بھر جاتا ہے، ان چاروں کلموں میں یہ کلمہ سب سے زیادہ عظیم ہے، اور سب کا سردار ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی عظیم وصیت

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا کہ تم دو باتوں کو ہمیشہ یاد رکھنا اور ان پر عمل کرتے رہنا، اور دو باتوں سے ہمیشہ پرہیز کرنا، ایک یہ کہ شرک سے بچنا، اور دوسرے یہ کہ ہمیشہ تکبر سے بچنا، اس لئے کہ یہ تمام گناہوں کی جڑ ہیں، اور بہت سنگین گناہ ہیں، اور دو باتوں پر عمل کرنا، ایک یہ کہ ''لا الہ الا اللہ'' کثرت سے پڑھنا، دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے رہنا، پھر اس کلمہ کی عظمت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ دیکھو! اس کلمہ کی عظمت اس مثال سے سمجھو کہ ساتوں آسمان اور ساتوں زمین کا ایک گول کڑا بنایا جائے، اور پھر یہ ایک کلمہ اس کڑے پر رکھا جائے تو وہ کڑا دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو کر ٹوٹ جائے گا، یہ اتنا وزنی کلمہ ہے۔

زندگی کے لمحات قیمتی بنائیں

لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے اس کلمہ کو پھول کی پتی سے زیادہ آسان کیا ہوا ہے اور جنت کے حصول کو کتنا آسان کیا ہوا ہے، کہ ہم جب چاہیں اپنی زبان سے ہزار مرتبہ ''لا الہ الا اللہ'' کہہ لیں، نہ زبان تھکے، اور نہ ہی وقت زیادہ خرچ ہو، نہ پیسے خرچ ہوں، اللہ تعالیٰ نے ہمیں سمجھ اور فکر دیدی کہ ہم اپنی زندگی کے قیمتی لمحات کو اللہ تعالیٰ کی یاد میں گزار دیں، اور چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے ''لا الہ الا اللہ'' کثرت سے ان دس دنوں میں پڑھتے رہیں۔ دوسرے یہ کہ ہر نماز کے بعد یا نماز

سے پہلے ''سبحان اللہ'' کی ایک تسبیح ''الحمد للہ'' کی ایک تسبیح ''لا الہ الا اللہ'' کی ایک تسبیح اور ''اللہ اکبر'' کی ایک تسبیح تو ضرور پڑھ لیا کریں، اور اس سے زیادہ بھی جتنا پڑھ سکیں بہتر ہے۔

ان دس راتوں کی اہمیت اور فضیلت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی دن ایسا نہیں ہے جس میں عبادت کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان دس ایام کی عبادت سے زیادہ پسندیدہ ہو، کیونکہ ان دس دنوں میں ہر دن کا روزہ ثواب کے اعتبار سے ایک سال کے روزوں کے برابر ہے، اور ان دس دنوں میں ہر رات کی عبادت شب قدر میں عبادت کرنے کے برابر ہے، اور آپ کو معلوم ہے کہ شب قدر کی عبادت ایک ہزار مہینوں کی عبادت سے زیادہ افضل ہے، اور ایک ہزار مہینوں میں تیس ہزار راتیں ہوتی ہیں، گویا کہ ایک شب قدر میں عبادت تیس ہزار راتوں کی عبادت سے افضل ہے، اور شب قدر رمضان شریف میں ایک ہوتی ہے، اور وہ بھی آخری عشرہ کی طاق راتوں میں دائر رہتی ہے، اور یہاں یہ فرما رہے ہیں کہ ہر رات کی عبادت شب قدر کی عبادت کے برابر ہے، تو اس طرح دس راتیں شب قدر کی عبادت کی مل رہی ہیں، لہٰذا ان راتوں کو خوب اللہ کی عبادت میں لگانا چاہئے، اس سے ان راتوں اور دنوں کی عظمت کا اندازہ لگائیں۔

رات کی فضیلت حاصل کرنے کا طریقہ

اب سوال یہ ہے کہ اس رات کی فضیلت کس طرح کریں؟ اس کی ترکیب ''تہجد کی بیان'' میں تفصیل سے عرض کردی ہے، وہ ترکیب یہاں بھی چل جائے

گی، جس میں سے ایک اعلیٰ درجہ ہے، اور دوسرا ادنیٰ درجہ ہے، ادنیٰ درجہ یہ کہ مغرب کی نماز باجماعت مع تکبیر اولیٰ کے ادا کریں، عشاء کی نماز باجماعت مع تکبیر اولیٰ کے ادا کریں، اور فجر کی نماز باجماعت مع تکبیر اولیٰ کے ادا کریں، اور اس کے ساتھ کچھ رکعات اور اوراد و وظائف میں اضافہ کرلیں، تو انشاء اللہ یہ راتیں باعث اجر و ثواب بن جائیں گی، اور شب قدر کا ثواب آسانی سے حاصل ہو جائے گا۔

ان ایام کے روزوں کی فضیلت

ان دنوں کی فضیلت یہ بیان فرمائی کہ ہر دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر ہے۔ دس تاریخ کا روزہ رکھنا تو ناجائز ہے، باقی نو دن رہ گئے، اگر ان کی قدر کرلیں تو یہ دن کم نہیں ہیں، جیسے کسی نے کہا کہ: ''ہر شب شب قدر است گر قدر بدانی'' یعنی ہر شب، شب قدر ہے اگر تم اس کی قدر پہچانو۔ اس لئے جن کو اللہ تعالیٰ ہمت دیں اور توفیق دیں وہ روزہ رکھیں، دیکھئے! رمضان شریف کے روزوں کی فضیلت میں یہ بتایا جاتا ہے کہ جو شخص رمضان شریف میں پورے مہینے کے روزے رکھے، اور پھر شوال کے چھ روزے رکھے تو اس کو پورے ایک سال کے روزے رکھنے کا ثواب ملتا ہے، اور یہاں ان ایام میں ایک روزے پر ایک سال کے روزوں کا ثواب ملتا ہے، کتنی آسانیاں اللہ تعالیٰ نے فرما دی ہیں، لہٰذا جو خواتین ایسی ہیں جن کے ذمے قضا روزے باقی ہیں، وہ ان ایام میں قضا روزے بھی رکھ لیں، اور ان ایام کی فضیلت حاصل کرنے کی نیت بھی کرلیں، تو انشاء اللہ قضا روزہ بھی ادا ہو جائے گا اور اس نیت کا ثواب بھی حاصل ہو جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ جس طرح عمل پر ثواب عطا فرماتے ہیں، اسی طرح صحیح نیت پر بھی ثواب عطا فرماتے ہیں، اور جن کے ذمے روزے قضا نہیں ہیں، وہ نفلی روزہ رکھ لیں۔ کوئی مشکل کام

نہیں ہے، موسم بھی عمدہ ہے، موسم بہار ہے، اور موسم بہار کا روزہ بھی بہار والا ہوگا۔

بال اور ناخن نہ کٹائیں

ان ایام کا ایک عمل یہ ہے کہ جس کے ذمے قربانی ہو، وہ یکم ذی الحجہ سے قربانی کرنے تک اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے، یہ مستحب ہے، واجب نہیں، اور اگر کسی شخص پر قربانی واجب نہیں ہے اس لئے کہ وہ صاحب استطاعت نہیں ہے، لیکن اس کا دل یہ چاہتا ہے کہ اگر میرے پاس پیسے ہوتے تو میں بھی قربانی کرتا، تو اس کے لئے بزرگوں نے ایک طریقہ لکھا ہے، اور بعض روایتوں سے اس کی تائید ہوتی ہے، وہ یہ کہ اگر ان دس دنوں میں بال اور ناخن نہیں کاٹے گا تو انشاء اللہ اس کا یہ عمل قربانی کے قائم مقام ہو جائے گا، اور اللہ تعالیٰ اس کو بھی قربانی کا ثواب عطا فرمائیں گے۔

حقیقی روزہ رکھیں

بہر حال! ان ایام میں روزہ رکھیں، لیکن صحیح معنوں میں روزہ رکھنے کی کوشش کرلیں، یعنی خالی زبان اور پیٹ کا روزہ نہ ہو، بلکہ صحیح روزہ وہ ہوتا ہے جس میں زبان اور پیٹ کے روزے کے ساتھ گناہوں سے بچنے کا بھی روزہ ہو، آنکھوں کو بھی گناہوں سے بچایا جائے، کانوں کو بھی گناہوں سے بچایا جائے، زبان کو بھی گناہوں سے بچایا جائے، اور ظاہر و باطن کے دوسرے اعضاء کو بھی گناہوں سے بچایا جائے، اگر ایسا روزہ رکھا جائے تو وہ ہی باعث اجر و ثواب ہوتا ہے۔

نوتاریخ کے روزے کی اہمیت

پھر نوتاریخ کے روزے کے ایک خاص فضیلت حدیث شریف میں آئی ہے، وہ یہ کہ جو شخص یوم عرفہ کا روزہ رکھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے ایک سال اگلے اور ایک سال پچھلے تمام صغیرہ گناہوں کا کفارہ فرمادیں گے۔ لہٰذا نوتاریخ کا روزہ آنے والا ہے، اس کو رکھنے کا اہتمام کریں، اس کے علاوہ دوسرے ایام میں بھی جس کے اندر روزہ رکھنے کی ہمت اور طاقت ہو وہ بھی جتنے چاہے روزے رکھ لے۔

عیدالاضحیٰ کی رات کی فضیلت

اس کے علاوہ دس ذی الحجہ کی رات اور نو ذی الحجہ کی رات یہ دونوں بڑی بابرکت راتیں ہیں، عیدالاضحیٰ کی راتوں کی تو یہ فضیلت ہے کہ جو شخص عیدالاضحیٰ کی راتوں میں جاگ کر عبادت کرے گا تو اللہ جل شانہ قیامت کے دن جب تمام انسانوں کے دل اس دن کی ہولناکی سے مردہ ہو جائیں گے، اس دن اللہ تعالیٰ اس کا دل زندہ رکھیں گے، اور اس دن گھبراہٹ اور بے چینی سے بالکل محفوظ رکھیں گے۔

فضیلت والی پانچ راتیں

حدیث شریف میں آتا ہے کہ سال میں پانچ راتیں ایسی ہیں کہ جو آدمی ان پانچ راتوں کی قدر کرلے گا اور ان میں عبادت کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کو واجب کردیتے ہیں، ان سے ایک نو ذی الحجہ کی رات ہے، ایک دس ذی الحجہ کی رات ہے، ایک عیدالفطر کی رات ہے، ایک شب قدر کی رات ہے، اور ایک شب برأت کی رات ہے، بہرحال ان میں سے دو راتیں آرہی ہیں، ان کی قدر کرلیں، اور ان راتوں میں کم از کم یہ تو کرلیں کہ عشاء کی نماز، مغرب کی نماز اور فجر

کی نماز با جماعت مسجد میں ادا کریں، اور عشاء کے بعد جاگ کر تھوڑا اسا ذکر کر لیں، اس کے بعد جو جائز اور مباح کام ہو وہ کر کے سو جائے، اور اس رات میں گناہ کے عمل سے اپنے کو بچائے، بس یہ کام کرلے گا تو انشاء اللہ وہ شخص اس رات میں عبادت کرنے والوں میں شمار ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العٰلمین

گناہ چھوڑنے پر پانچ انعامات

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی بیانات : جلد نمبر: ۷

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

گناہ چھوڑنے پر پانچ انعامات

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَ مَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَ مَوْلَا نَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیراً۔

أَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ قُلْ یٰا عِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِھِمْ لَاتَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّہٗ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ○ صدق اللّٰہ العظیم۔ (الزمر: ۵۳)

ایک اہم مسئلہ پر تنبیہ

میرے قابل احترام بزرگو اور محترم خواتین! اس وقت میں آپ کی خدمت میں انشاء اللہ تعالیٰ چار ضروری باتیں ذکر کروں گا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ لیکن ان چار باتوں کو بیان کرنے سے پہلے نماز کے متعلق ایک ضروری بات عرض کرنا چاہتا ہوں، کیونکہ ہمارے یہاں جمع ہونے کا مقصد ہی یہ ہے کہ جو باتیں ہمارے اندر قابل اصلاح ہوں ان کی طرف توجہ کی جائے، اور اصلاح کر لی جائے، اور نماز کے بارے میں یہ بات ہے کہ جب نماز کھڑی ہو تو صفوں کو سیدھا کرنا، صفوں میں کوئی جگہ خالی نہ چھوڑنا نمازیوں کی ایک اہم ترین ذمہ داری ہے، لہٰذا جس طرح صف کو سیدھا کرنا ضروری ہے، اس کو پورا کرنا بھی ضروری ہے، عموماً بڑی مساجد کے اندر یہ دیکھا جاتا ہے کہ جب جماعت کھڑی ہونے لگتی ہے تو آنے والے نمازی اگلی صفوں کو مکمل کیے بغیر نئی صفیں بنانا شروع کر دیتے ہیں، بعض دفعہ پہلی صف پوری نہیں ہوتی دوسری صف شروع ہو جاتی ہے، ابھی وہ مکمل نہیں ہوئی کہ تیسری صف بنانی شروع کر دی، ابھی تیسری صف مکمل نہیں ہوئی تھی کہ چوتھی صف بنانا شروع کر دی، یہ کوتاہی تقریباً ہر بڑی مسجد کے اندر پائی جاتی ہے، اور یہ بڑی سنگین کوتاہی ہے، نماز تو اللہ تعالیٰ کی رضا کا عمل ہے، اور ہم اس کوتاہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے کا سامان کر رہے ہیں، کیونکہ جتنے لوگ اگلی صف کو مکمل کیے بغیر پچھلی صف میں کھڑے ہوں گے، ان کی نماز مکروہ ہوگی، وہ گناہ گار ہوں گے،

اس لئے کہ انہوں نے نماز کے قائم کرنے کا ایک اہم واجب ترک کر دیا ہے، ان کے ذمہ یہ لازم تھا کہ پہلے وہ اگلی صف مکمل کرتے، یہ ان کی غلطی ہے، کوتاہی ہے، گناہ ہے، اور اس کی وجہ سے ان کی نماز مکروہ ہو جائے گی۔ نماز تو اس لئے پڑھی جاتی ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوں، مکروہ کے معنی نامقبول کے بھی ہیں، تو وہ نماز اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں ہوگی، اور مکروہ گناہ کو بھی کہتے ہیں تو اس نماز کو ہم نے اپنی ذرا سی غفلت کی وجہ سے بجائے باعث اجر بنانے کے اس کو گناہ کا ذریعہ بھی بنالیا ہے، حالانکہ پہلی صف کو یا دوسری صف کو جو نامکمل ہے پورا کرنے کے لئے زیادہ محنت کرنے کی ضرورت نہیں، بس ذرا سا چند قدم چلنا ہی تو ہے، اور اگر دائیں بائیں دھوپ ہے تو اس دھوپ میں کھڑے رہنا کوئی مشکل بات نہیں، لیکن اس کی وجہ سے اپنی نماز کو ناقص کرنا اور گناہ کا ارتکاب کرنا بڑی خطرناک بات ہے، لہٰذا اس بات کو ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ جب ہم کسی بھی مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے جائیں اور جماعت شروع ہونے لگے تو فوراً ہم دائیں بائیں کا جائزہ لیں، اگر دائیں طرف یا بائیں طرف کوئی صف خالی ہے اور آدمی کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے تو ہمیں وہاں جا کر خود اس خلا کو پُر کرنا ہے، جس طرح صفوں کو سیدھا کرنے کا حکم ہے، خالی جگہ کو پُر کرنے کا ویسے ہی تاکیدی حکم ہے۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تاکیدی حکم کو یاد رکھیں، اور جہاں بھی صف میں جگہ خالی نظر آئے، چاہے وہاں دھوپ ہو یا نہ ہو، ہمیں وہیں جا کر صف کو پورا کرنا چاہیے۔

شاہ اسماعیل شہیدؒ اور سنت کا اہتمام

شاہ اسماعیل شہیدؒ کا واقعہ یاد آیا، ایک مرتبہ آپ کسی مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے تشریف لے گئے، آپ نے دور سے دیکھا کہ اگلی صف میں ایک آدمی کی جگہ خالی ہے، اور خالی اس وجہ سے تھی کہ وہاں پر ایک گڑھا تھا، جس کے اندر پانی بھرا ہوا تھا، اس پانی کے بھرنے کی وجہ سے کوئی بھی وہاں کھڑا نہیں ہو رہا تھا، اس لئے وہ جگہ خالی پڑی ہوئی تھی، حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے جب دیکھا کہ جگہ خالی ہے تو پانی کے گڑھے کی پرواہ نہیں کی، خود جا کر سیدھے وہاں پہنچے اور وہاں نیت باندھ لی، صف کو پورا کیا، سنت کو زندہ کیا، اسی لئے اللہ پاک نے ان کو اونچا مقام عطا فرمایا۔

شاہ صاحب صحابیت کا نمونہ تھے

آپ کو اتنا اونچا مقام اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا کہ (اللہ اکبر) قرون اولیٰ کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی یاد تازہ کردی، وہ صحابی تو نہ تھے لیکن صحابیت کا نمونہ تھے، اللہ پاک جن کو اونچے مقام عطا فرماتے ہیں تو ان کے اعمال بھی ایسے ہوتے ہیں، جس کی بدولت اللہ تعالیٰ ان کو نوازتے ہیں، ان کی اتباع ہمارے لئے قابل فخر ہے انہوں نے پانی کے گڑھے کی پرواہ نہیں کی، ہم دھوپ کی پرواہ کر رہے ہیں، یا اس وجہ سے کہ وہ کنارہ بہت دور ہے، اتنی دور کون چل کر جائے، توبہ توبہ، استغفر اللہ، اپنے گھر سے یہاں تک آگئے اب مسجد کے صاف شفاف فرش پر دوسرے کونے میں جانا ہمارے لئے مشکل ہوگیا ہے،

لہٰذا ایک تو اس کوتاہی سے بچنا چاہیے۔

باجماعت نمازوں میں صفوں کوسیدھا کرنے کا طریقہ

دوسری ایک بات اس سلسلے کی، وہ بھی بہت اہم ہے، اس طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ جب جماعت کھڑی ہو جاتی ہے تو جماعت میں نئی صف بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ بالکل امام کے پیچھے ایک آدمی کھڑا ہو جائے، اس کے بعد دوسرا اس کے دائیں طرف کھڑا ہو پھر تیسرا اس کے بائیں طرف کھڑا ہو، بس اسی طریقے سے آنے والے صف کو پورا کرتے رہیں، آنے والا یہ دیکھے کہ کس طرف آدمی کم ہیں، وہ اس طرف کھڑا ہو، پھر بعد میں آنے والا یہ دیکھے کہ اب کس طرف آدمی کم ہیں، وہ وہاں جا کر کھڑا ہو، اس ترتیب سے آنے والے شامل ہوتے رہیں کہ امام کے دونوں جانب شامل ہونے والے نمازیوں کی تعداد برابر رہے، اگر ایسا نہ کریں گے تو نماز مکروہ ہوگی، مثلاً صف اول میں ایک جانب پچاس آدمی ہیں اور دوسری جانب پچیس ہیں تو ان پچاس میں سے پچیس نمازیوں کی نماز مکروہ ہوگی، کیونکہ وہ صف میں غلط کھڑے ہو گئے ہیں، وہ گناہ گار ہوں گے، اس کو کہتے ہیں نماز قائم کرنا۔

نماز پڑھنا اور ہے قائم کرنا اور ہے

اللہ پاک نے قرآن کریم میں تیس بتیس جگہ میں نماز قائم کرنے کا حکم دیا ہے، نماز پڑھنے کا نہیں دیا، نماز پڑھنا تو وہی ہے جیسے ہم پڑھتے ہیں، (اللہ بچائے) نماز قائم کرنا تو یہ ہے کہ نماز کو اس کی تمام شرائط، فرائض، واجبات، سنن اور مستحبات

کے ساتھ ادا کرنا، جیسے صفوں کو سیدھا کرنا اور صفوں میں شامل ہونے کے جو آداب ہیں ان کو بجالانا ہے۔

تقوی کی ضرورت اور اس کی اہمیت

اب وہ چار باتیں عرض کرتا ہوں جو اس وقت کے حالات کے مناسب ہیں، پہلی بات یہ ہے کہ اس وقت ہم سب کو تقوی اختیار کرنے کی بطور خاص ضرورت ہے، یوں تو ساری زندگی مؤمن کو متقی اور نیک بننا ضروری ہے، لیکن خاص خاص حالات میں اس طرف توجہ دینے کی خاص ضرورت ہوتی ہے، آج کل ہمیں اس طرف زیادہ متوجہ ہونے کی ضرورت ہے، اپنا جائزہ لیں، اور جائزہ لینے کے بعد جتنے گناہ ہم سے سرزد ہو رہے ہیں ان سے بچیں، توبہ کریں، اور بچنے کی کوشش کریں، اور اللہ تعالیٰ سے ان گناہوں کی معافی مانگ کر ان کے وبال کی بھی اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگیں، اس لئے کہ دنیا وآخرت میں جتنی بھی فلاح، کامیابی وکامرانی ہے اور جتنی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں، اس کی عنایتیں اور برکتیں ہیں، اور جو جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے ساتھ مدد کے وعدے فرمائے ہیں، وہ سارے تقوی کے ساتھ خاص ہیں جب ہم تقوی کی صفت اپنے اندر پیدا کرلیں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے تمام وعدے پورے کردیں گے۔

گناہوں سے بچنا نزول رحمت الٰہی کا اہم ذریعہ ہے

جب بھی کسی نے تقوی اختیار فرمایا اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے دروازے کھل گئے، اور تقوی اس کا نام ہے کہ آدمی گناہوں سے بچنے کی کوشش کرے، یہ

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ تقوی اس کا نام ہے کہ آدمی گناہوں سے بچنے کی اپنی طرف سے پوری کوشش کرے، اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے جب پوری کوشش کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی پوری مدد فرمائیں گے، وہ انشاء اللہ گناہوں سے بچنے والا ہو ہی جائے گا، کیونکہ معصوم تو اللہ تعالیٰ کے انبیاء کرام اور نابالغ بچے ہیں، باقی لوگ معصوم تو نہیں ہیں، لیکن وہ گناہوں سے بچنے کی کوشش تو کر سکتے ہیں، کوشش کرنا تو سب کے اختیار میں ہے، مردوں کے بھی اختیار میں ہے، عورتوں کے بھی اختیار میں ہے، ہم جب اپنا جائزہ لیں گے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ہم گناہوں سے بچنے کی کوشش ہی نہیں کرتے، جب تو خود ہی نہ چاہے تو بہانے ہزار ہیں، ہم ہی کوشش نہ کریں تو پھر ہماری مدد کیسے ہوگی، ہم نماز پڑھنا چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہوگی، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَ اَنْتُمْ لَهَا كَارِهُوْنَ (هود:۲۸)

''ہم اپنی رحمت زبردستی تم سے چمٹا دیں جبکہ تم اس کو ناپسند کرنے والے ہو''

تو بھائی ہم نماز پڑھنا چاہیں گے تو وہ ہماری مدد فرمائیں گے، ہمارے لئے نماز پڑھنا آسان فرمادیں گے، روزہ رکھنا چاہیں گے تو اللہ پاک آسان فرمادیں گے، روزہ رکھ لیں گے انشاء اللہ تعالیٰ، ایسے ہی گناہوں سے بچنے کی کوشش کریں گے تو اللہ تعالیٰ مدد فرمائیں گے، اور گناہوں سے بچنا آسان ہو جائے گا، کتنے ہی لوگ ہیں جو گناہوں سے بچنے

کے لئے کوشش کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرماتے ہیں اور وہ گناہوں سے بچ جاتے ہیں۔

اللہ کی مدد اور کوشش کے بغیر گناہ سے بچنا مشکل ہے

گناہوں سے بچنے والے امریکا، جاپان، لندن اور فرانس میں بھی موجود ہیں، وہاں پر ایسی خواتین بھی موجود ہیں جو شرعی پردہ کرنے والی ہیں، اور شرع کے مطابق لباس پہننے والے مرد وعورت بھی ہیں، اور سنت کے مطابق زندگی گزارنے والے ہیں کہ کفر کی جہنم میں اتباع سنت پر قائم ہیں، اتباع شریعت اور گناہوں سے بچ کر پاک زندگی اپنائے ہوئے ہیں، اور اگر آدمی نہ بچنا چاہے تو مکہ مدینہ میں بھی نہ بچے، وہاں بھی (اللہ اکبر) ٹی وی دیکھنے والے کیسے کیسے گناہ کے کام کرنے والے آپ کو مل جائیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ تقویٰ گناہوں سے بچنے کی کوشش کرنے کا نام ہے، بس آدمی اپنے دل میں سوچے کہ گناہوں کو اللہ پاک نے حرام قرار دیا ہے، ناجائز قرار دیا ہے، اس لئے ہم ان سے اپنے آپ کو بچائیں گے اور بچنے کی کوشش کریں گے۔

جب ہم گناہوں سے بچنے کی کوشش کریں گے تو اللہ پاک کی طرف سے پانچ انعام عطا کئے جائیں گے۔

گناہ چھوڑنے پر پہلا انعام

ایک آیت میں اللہ تعالیٰ بیان فرمایا:

وَ مَنْ يَّتَّقِى اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا (الطلاق: ٤)

''جو آدمی اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے کام کو آسان بنا دیں گے''

پہلا انعام یہ ہے کہ بہت سے کام اللہ پاک آسان بنا دیں گے، دنیا کے ہوں یا آخرت کے، جب بھی کوئی مشکل سامنے آئے گی، اللہ تعالیٰ اس میں آسانی پیدا کر دیں گے، اب یہ تو ہم میں سے ہر آدمی کے دل کی آواز ہے، ہم میں سے ہر آدمی کے کام اٹکے ہوئے ہیں کہ جب کوئی دوسرا پریشانی سنتا ہے تو اپنی پریشانی بھول جاتا ہے، وہ سوچتا ہے یا اللہ یہ تو بہت ہی زیادہ پریشان ہے، یہ تو بہت ہی زیادہ مصیبت میں گرفتار ہے، یہ تو کسی طریقے سے بھی جینے کے قابل نہیں ہے۔

گناہ بے لذت کی وجہ سے ہر آدمی پریشان ہے

ہم میں سے تقریباً ہر آدمی کا حال یہی ہے، الا ماشاء اللہ، لیکن نسخہ موجود ہے، استعمال کرنے والا کوئی نہیں، الا ماشاء اللہ ہے، کوئی کسی پریشانی میں، کوئی کسی پریشانی میں، یہاں تک کہ حکومت پاکستان ہی پریشان ہے، اس پریشانی کا حل تو ہمارے پاس موجود ہے کہ ہم انفرادی طور پر بھی گناہوں کو چھوڑیں، اور اجتماعی طور پر بھی گناہوں کو چھوڑیں، پھر دیکھیں کیسے اللہ پاک کی مدد آتی ہے، اور مشکلیں کیسے آسان ہو جاتی ہیں۔ ان کا وعدہ ہے:

وَ مَنۡ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجۡعَلۡ لَّهٗ مِنۡ اَمۡرِهٖ یُسۡرًا (الطلاق: ٤)

''جو آدمی اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے کام کو آسان

بنادیں گے"

یعنی جو کام مشکل ہیں اس میں بھی اللہ تعالیٰ ایسی آسانی کا راستہ نکال دیں گے کہ اس میں سہولت ہو جائے گی، کام آسان ہو جائے گا، پتہ بھی نہیں چلے گا، جتنا بھی مشکل کام ہو گا اتنا ہی زیادہ آسان ہو جائے گا، کتنا بڑا اللہ کا فضل ہے، اور کتنا بڑا انعام ہے، لیکن گناہوں سے بچنے کی کوشش کرنا شرط ہے، گناہ کرتے ہوئے یہ آسانی نہیں مل سکتی، گناہ بھی نہ چھوڑیں اور آسانی بھی چاہیں، یہ تو نہیں ہو سکتا، آگ اور پانی جمع نہیں ہو سکتے، پہلے ضروری ہے کہ ہم گناہوں سے توبہ کریں اور آئندہ گناہوں سے بچنے کا تہیہ کریں، اور ہمت کریں اور کوشش کریں تو جب کوشش کریں تو اللہ پاک کہیں گے کہ ہاں بندہ سچا ہے، اور یہ واقعی میری نافرمانی سے بچنے پر کمر کس رہا ہے، کوشش کر رہا ہے، تو وہ اپنا یہ انعام کا دروازہ کھول دے گا، اور بیسی نکل آئے گی پریشانیوں کے حل ہونے کی، جتنی بھی پریشانیاں ہیں وہ ساری ایک ہی بیسی میں حل ہو جائیں گی۔

دوسرا انعام

دوسرا انعام اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ:

وَمَنْ يَتَّقِي اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهُ مَخْرَجًا وَّ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ

(الطلاق: ۲،۳)

دو انعام اس آیت میں بیان فرمائے ہیں ایک یہ کہ جو آدمی اللہ سے ڈرے گا تو اللہ تعالیٰ ہر پریشانی، دشواری میں اس کے لئے راہ نجات نکالیں گے،

مثلاً وہ کسی پریشانی میں، کسی بیماری میں، کسی حادثہ میں جس میں اس کی جان اٹکی ہوئی ہے، ذہن اٹکا ہوا ہے، اور وہ پریشان ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی پریشانی کو دور فرمادیں گے، یجعلہ مخرجا یعنی اللہ تعالیٰ اس کے لئے راہ نجات نکال دیں گے، نجات کا راستہ اور عافیت کا راستہ اللہ پاک اس کو عطا فرما دیں گے، اس مصیبت سے بعافیت عہدہ براہو جائے گا، یا مثلاً بچیوں کے رشتے نہیں ہو رہے، اس کی بدولت اللہ پاک اس میں آسانی فرمادیں گے، یا مقدمہ آن پڑا ہے، اس کی بدولت اللہ تعالیٰ اس میں بعافیت عہدہ برآ فرمادیں گے، یا کوئی بیماری لگ گئی، اللہ پاک اس کی بدولت ایسی دوا عطا فرمادیں گے کہ ایک ہی پُڑیا سے اس کا کام چل جائے گا، شافی مطلق اللہ تعالیٰ ہیں، قادر مطلق بھی اللہ پاک ہیں، سب کچھ تو ان ہی کے پاس ہے، بس بندہ ان کا ہونا چاہیے، جو ان کا ہوگیا تو اللہ پاک سب کچھ کردیں گے، اور ان کو چھوڑ کر کہیں سے کچھ بھی نہیں ہوسکتا، کسی کا اتنا پیارا شعر ہے:

تم ملے تو کوئی مرض نہیں
نہ ملے تو کوئی دوا نہیں

اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر پھر کیا ہوگا، دنیا و آخرت دونوں برباد، دونوں تباہ، کوئی حل نہیں مل سکتا، اور جس کو اللہ تعالیٰ سے تعلق حقیقی نصیب ہوگیا، اس کا کوئی کام مشکل نہ رہا، اس کا تو ہر مسئلہ حل ہے۔

تیسرا انعام

آج ہر آدمی پریشان ہے کہ کہاں سے کمائیں، کہاں سے کھائیں، بازار

والے بھی رو رہے ہیں، مارکیٹ والے بھی رو رہے ہیں، دنیا والے بھی رو رہے ہیں، کہ بھئی کہاں سے لائیں، کہاں سے کمائیں، کہاں سے کھائیں، حالات ایسے ہیں، ویسے ہیں، رات دن کا رونا دھونا، ہر گھر کا یہ مسئلہ ہے تو اللہ تعالیٰ تیسرا انعام یہ بیان فرمارہے ہیں کہ:

"تم تقویٰ اختیار کرلو، تمہیں ایسی جگہ سے روزی عطا فرمادیں گے جہاں سے تمہارا وہم وگمان بھی نہ ہوگا"

روزی سے مراد یہاں صرف جسمانی نہیں ہے، بلکہ روحانی بھی ہے، دنیا کی روزی بھی ہے، آخرت کی روزی بھی ہے، اتنا عطا فرمادیں گے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، کہ یہاں بھی بے غم وہاں بھی بے غم، اللہ کے نیک بندے ایسے ہوتے ہیں کہ نہ دنیا میں کوئی غم ہے اور نہ ہی آخرت میں کوئی غم ہے، دونوں جگہ سے بے غم ہو جاتے ہیں۔ حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب کا بڑا پیارا شعر ہے:

ہو آزاد غمِ دو جہاں سے
تیرا زرہ غم اگر ہاتھ آئے

اللہ تعالیٰ کا غم لگ جائے تو دونوں جہاں کے غم سے نجات مل جائے گی، دونوں جہاں کا غم جبھی ہے جب ان کا غم نہیں ہے، جس کو اس کا غم لگ جاتا ہے، اس کو نہ دنیا کا غم ہے اور نہ ہی آخرت کا۔ دلیل یہ ہے کہ:

اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ

''جو اللہ والے ہیں ان کے اوپر نہ کوئی غم ہوگا، نہ پریشانی ہوگی، بے غم اور بے خوف ہوں گے''

اللہ تعالیٰ دنیا کے غم سے بھی نجات دیتے ہیں اور آخرت کے غم سے بھی نجات دیتے ہیں، قبر میں بھی ان کے لئے عافیت، میدان قیامت میں بھی ان کے لئے عافیت، دنیا و آخرت میں بھی ان کے لئے عافیت ہی عافیت، ہر جگہ ان کے لئے عافیت والا معاملہ ہوگا، ساری پریشانیاں دور ہوں گی۔

دنیا جہاں کی معیشت کو اللہ ٹھیک کرے گا

آج معاشی مسئلہ سب سے بڑا مسئلہ ہے، معاشی مسئلہ کا حل اللہ پاک نے ایک نسخہ میں دیدیا ہے کہ بھئی ہمارے بن جاؤ، روزی تو ہم دینے والے ہیں، تم اس کی فکر کیوں کرتے ہو، ہم پہنچادیں گے روزی اور ایسی جگہ سے پہنچادیں گے جہاں تمہارا خیال بھی نہ جائے گا۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا تقوی

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا جب انتقال ہوا تو ان کے خزانے میں ۵۶،۰۰،۰۰،۰۰۰ (چھپن کروڑ) روپے تھے، یہ سب کیوں تھا، محض تقوی کی بدولت تھا، اور وہ تقوی کیسا اونچا تھا۔ سنئے! ایک دفعہ وہ دوپہر کو ظہر کی نماز پڑھنے مسجد میں تشریف لے جارہے تھے تو دھوپ کی کی وجہ سے مکانوں کے سائے میں ہوکر گزر رہے تھے، لیکن جب ایک مکان آیا تو وہاں اس مکان کا سایہ چھوڑ کر دھوپ سے گزرنے لگے، اور جب اس مکان کا سایہ ختم ہوا تو پھر

دوسرے مکانوں کے سائے میں ہوتے ہوتے گزرتے چلے گئے، جو شخص حضرت کے ساتھ تھا اس نے کہا کہ یہ کیا حضرت! آپ نے رخ تبدیل فرمادیا، پہلے تو آپ مکانوں کے سائے میں تھے، اس ایک مکان کے سائے کو آپ نے چھوڑا، آگے پھر دوسرے مکانوں کے سائے کو اختیار فرمایا، حضرت نے فرمایا کہ بھائی جس مکان کے سائے سے میں نے پرہیز کیا وہ میرا مقروض ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس قرض پر ذرا سا بھی نفع حاصل ہو، وہ سود ہے، تو میں نے سوچا کہ اس مقروض کے مکان کے سائے سے نفع اٹھانا کہیں اس حدیث کی وعید میں داخل نہ ہو، اس لئے میں نے اپنے مقروض کے مکان کے سائے سے بھی اپنے آپ کو بچالیا، (اللہ اکبر) یہ ہے تقوی کہ ذرا سے شبہ سے بھی اپنے آپ کو بچالیا، تو ورع اور تقوی سے مال آتا ہے، بابرکت روزی آتی ہے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ایک نصیحت آموز واقعہ

ایک اور قصہ یاد آیا کہ حضرت کا کپڑے کا کاروبار تھا، بڑی بڑی فیکٹریاں تھیں جن میں کپڑا تیار ہوتا تھا، اور دور دور تک حضرت کا کپڑا سپلائی ہوتا تھا، چالیس آپ کے کارندے تھے، جو کاروبار کو سنبھالے ہوئے تھے، ایک دفعہ آپ نے کپڑے کی ایک لاٹ اپنے ایک ملازم کے حوالے کی اور کہا کہ یہ کپڑا اتنے روپے میں فروخت کر دینا، پیسے بھی بتادئے، پیمائش بھی بتادی کہ یہ کپڑا ہے، اتنی مقدار میں، اتنے پیسوں میں کل اسے بیچ دینا، اس نے کپڑا سنبھال لیا، اور دوسرے دن جب اس نے بیچنے کا ارادہ کیا تو اس کو اندازہ ہوا کہ اس کپڑے

کی مانگ مارکیٹ میں بہت زیادہ ہے، اگر اس کو ایک ہفتہ روک لیا جائے تو یہ آسانی سے دگنے پیسوں میں فروخت ہوسکتا ہے، اس نے ایسا ہی کیا، فوراً بیچنے کے بجائے ایک ہفتہ بعد وہ کپڑا بیچا، اور اس وقت اس کے دام دگنے ہوچکے تھے، اور دگنے پیسوں میں بیچ کر بڑا خوش خوش حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا کہ حضرت مجھے شاباش بھی دیں گے اور کچھ انعام بھی دیں گے کہ حضرت نے جتنے پیسے بتائے تھے اس سے دگنے پیسوں میں میں نے بیچا ہے، جب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا کہ حضرت اتنا کپڑا تھا، اتنے پیسے ہیں، حضرت نے کہا کہ بھائی یہ تو تم بہت پیسے لے آئے ہو، میں نے تو تمہیں اتنے پیسوں میں بیچنے کو کہا تھا، اتنے سارے پیسے کہاں سے آگئے؟ خادم نے کہا کہ حضرت اس کپڑے کی مارکیٹ میں بڑی مانگ تھی، اور بہت لوگ اس کی تلاش میں تھے، تو میں نے سوچا اس کو ایک ہفتہ بعد بیچیں گے تو زیادہ پیسے ملیں گے، تو اس وجہ سے میں نے اس کو روک لیا، ایک ہفتے بعد اس کو بیچا تو دگنے پیسے آگئے۔

اس چیز کا کیا فائدہ جس سے مسلمان وقت پر نفع نہ اٹھائیں

حضرت نے فرمایا ارے نالائق! تو نے تو میرا اصل بھی کھویا، جا جلدی سے اصل بھی اور جو تو نے ایک ہفتے روک کر جو نفع کمایا، سب کا سب خیرات کر کے آ، اس لئے تو نے ذخیرہ اندوزی کی، جب مسلمانوں کو ضرورت تھی تو تو نے ان کی ضرورت پر ان کو کپڑا فراہم نہیں کیا، ایسے نفع کو میں لے کر کیا کروں گا کہ جس میں ان کو ان کی ضرورت کی چیز وقت پر نہ ملے. لہٰذا اب یہ پیسے بھی خیرات

کر کے آ، جو اصل ہیں وہ بھی خیرات کر کے آ، مجھے نہیں چاہئیں ایسے پیسے۔

دیکھئے! حضرت ناراض ہوئے کہ تو نے میرا اور نقصان کیا، ہم تو شاباش ہی دیتے، لیکن حضرت نے بجائے شاباش دینے کے فرمایا کہ تو نے میرا اصل بھی خراب کر دیا، حالانکہ فتوی کی رو سے وہ ذخیرہ اندوزی نہیں تھی، اگر کپڑا مارکیٹ میں مل رہا ہو، چاہے اس کی جتنی بھی مانگ ہو، اگر آدمی اس کو مہنگا بیچ دے تو وہ ناجائز ذخیرہ اندوزی میں داخل نہیں ہے، جائز ہے، مگر حضرت تو تقوی کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے، ورع پر عمل فرمانے والے تھے، اس کو بھی ذخیرہ اندوزی میں داخل کر دیا، اس لئے حضرت نے نفع کو بھی رکھنا پسند نہ کیا، بلکہ سارا ہی خیرات کر دیا، سارا خیرات کریں گے تو دس گناہ واپس آئے گا، اللہ کے راستے میں دیں گے تو دس گناہ ملے گا۔

امام صاحبؒ کوفہ کے غریبوں کے لئے حاتم تائی کا مقام رکھتے تھے

آپ کے صدقے کا یہ حال تھا کہ کوفہ کے اندر جتنے بھی غرباء، فقراء، مساکین، بیوائیں اور یتیم تھے سب کے نام حضرت کے پاس لکھے ہوئے تھے اور اس کے جسم پر جو لباس آتا ہے وہ کتنے گز کپڑے سے تیار ہوگا، اس کی لمبائی چوڑائی بھی لکھی ہوئی تھی، جب رمضان شریف آتا تو ان تمام غرباء، فقراء، مساکین اور مستحقین کے جوڑے حضرت کے ہاں تیار ہوتے تھے، اور چاند رات کو حضرت کی طرف سے ان کے گھر پہنچائے جاتے تھے، لینے کے لئے بھی نہیں آتے تھے، حضرت اس قدر ان کی عزت کا خیال فرماتے تھے، اور جب عید کی

نماز پڑھنے کے لئے بڑے بڑے امراء اور مالدار لوگ اچھے اچھے کپڑے پہن کر نماز عید کو جاتے تو یہ غرباء، فقراء اور مساکین امام صاحبؒ کو دعائیں دیتے تھے کہ یا اللہ ان کو سلامت رکھنا، ان کی بدولت آج ہم کو یہ احساس نہیں ہے کہ آج عید کے دن ہم کپڑے پہنے ہوئے نہیں ہیں، ہمیں بھی ان کی بدولت اللہ پاک نے نئے نئے کپڑے عطا فرمائے، جیسے مالدار لوگ نئے نئے کپڑے پہن کر نماز عید کو جا رہے ہیں، تو جب ہم اتنا صدقہ نکالیں گے اس سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ ہمیں عطا فرمائیں گے۔

جائز کاروبار سے اس دور میں بھی برکت آسکتی ہے

یہ وعدہ قرآن شریف میں ہمارے لئے بھی موجود ہے، آج بھی ہم اگر تقوی اختیار کرلیں، مالیات کے اندر حرام مال سے اپنے آپ کو بچائیں، حلال کمانے کی فکر کریں، تو انشاء اللہ تعالیٰ ہمارے مال میں بھی برکت ہوگی، اب اگر ہم چاہیں کہ ایک ہی رات میں کروڑ پتی بن جائیں، تو جو کچھ موجود ہے وہ بھی جائے گا، مثلاً لاکھوں کی لاٹری کھل گئی وہ جو لاکھوں روپے آئیں گے، وہ روپے ایسے جائیں گے جیسے آئے تھے، حرام تو رکتا ہی نہیں ہے، وہ تو اور بہا کر لے جاتا ہے، اگر گھر میں تھوڑا بہت حلال رکھا ہوگا، تو وہ اس کو بھی سمیٹ کر لے جائے گا، اللہ بچائے ایسی خطرناک چیز سے، تو بھائی یہ جو سب سے بڑا مسئلہ ہے کہ کہاں سے کھائیں، کہاں سے پئیں، تو یہ تقوی سے حل ہو رہا ہے کہ اگر ہم تقوی اختیار کرلیں تو ہماری یہ پریشانی دور ہوسکتی ہے، اللہ تعالیٰ ایسا انتظام فرمادیں گے کہ

روزی ایسی جگہ سے پہنچے گی جہاں سے ہمارا وہم وگمان بھی نہ ہوگا۔

چوتھا انعام

تقوی اختیار کرنے پر چوتھا اور پانچواں انعام اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ہے کہ:

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗ اَجْرًا (الطلاق: ۵)

یہ دونوں آخرت میں ملتے ہیں، ایک تو یہ ہے کہ سب سے بڑا ڈر گناہ کا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے، اپنے کرم سے ہم سب کو محفوظ فرمائے، گناہ سب سے بڑا آخرت کا کانٹا ہے، گناہ قدم قدم پر آخرت میں آدمی کے لئے پریشانی کا باعث ہوں گے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے معاف فرمائے، اور دوسرے یہ کہ وہاں ثواب عظیم کی قدم قدم پر ضرورت ہوگی، لہٰذا وہاں پہنچ کر ہر آدمی کی یہ خواہش ہوگی کہ میرے گناہ نہ ہوں اور ثواب میرے پاس بہت ہو، اگر کوئی دنیا کے اندر تقوی اختیار کرلے تو یہ دونوں انعام بھی اللہ تعالیٰ عطا فرمادیں گے۔

تقوی کی بدولت اس کے لئے اجر وثواب کو بڑھا دیں گے، اب گناہ صغیرہ ختم ہوگئے اور ثواب بڑھ گیا، اب گناہ کبیرہ سے معافی کوئی مشکل نہیں، اس کے لئے توبہ ہے، ایسے گناہ کبیرہ ہوتے ہی کم ہیں، ان کی تعداد اور کم ہے، صغیرہ گناہوں کی تعداد بہت زیادہ ہے، تو کبیرہ گناہ کم ہوتے ہیں، اگر ہوں بھی تو ان سے توبہ کرنا مشکل نہیں، جب چاہو، جس وقت چاہو توبہ کرکے اپنے گناہ معاف کروالو، اور جب صغیرہ گناہ معاف ہوگئے تقوی سے اور کبیرہ معاف ہوگئے توبہ

سے، اب یہ دھڑ کا ختم ہو گیا، ایک کانٹا تو آپ نے نکال دیا، اب یہ ہے کہ ثواب کم نہ ہو، زیادہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ویعظم لہ اجرا اس کا ثواب بھی بڑھا دیں گے، اور عظیم کر دیں گے۔

ایک عمل کی برکت سے پانچ انعامات

بہرحال ایک عمل پر پانچ انعام ہو گئے۔

۱۔ ایک تو اللہ تعالیٰ اس کے کاموں کو آسان فرما دیں گے۔

۲۔ ہر مصیبت اور تنگی میں اس کے لئے راہ نجات نکالیں گے۔

۳۔ جہاں سے وہم و گمان نہ ہو گا وہاں سے روزی کا دروازہ کھول دیں گے۔

۴۔ اس کے صغیرہ گناہ معاف فرما دیں گے۔

۵۔ اس کے اجر و ثواب کو بڑھا دیں گے۔

جو چیز انسان کے اختیار میں نہیں اس کا حکم نہیں

یہ پانچ انعام ملیں گے اس کو جو اس دنیا کے اندر تقوی اختیار کر لے گا، اور تقوی اختیار کرنا ہم میں سے ہر شخص کے اختیار میں ہے، کیونکہ اگر اختیار میں نہ ہوتا تو حکم ہی نہ ہوتا، اور قرآن و سنت کے اندر تقوی اختیار کرنے کا حکم اور تاکید سب سے زیادہ ہے، لہٰذا یہ بہت آسان ہے، آسان اس طرح ہے کہ ہم تہیہ کر لیں کہ آئندہ ہم گناہوں سے بچیں گے، اور بچنے کی پوری پوری کوشش کریں گے، ساتھ میں ہم اللہ سے دعا بھی کرتے رہیں کہ اپنے فضل و کرم سے

اس میں ہماری مدد فرما، لہٰذا ہم اپنے چاروں طرف ماحول کا جائزہ لیں، اور سر سے پاؤں تک اپنا جائزہ لیں، اور جائزہ لے کر اب تک جو گناہ ہو گئے ہیں ان سے توبہ کریں۔

گناہ دو قسم کے ہیں

جو گناہ ہوئے ہیں وہ دو قسم کے ہو سکتے ہیں، ایک وہ جن میں اللہ تعالیٰ کے حقوق ہم سے پامال ہوئے ہیں، مثلاً نمازیں نہیں پڑھیں، روزے نہیں رکھے، حج نہیں کیا، زکوٰۃ نہیں دی، یا ہم نے رشوت لے لی، سود لے لیا، بدنظری کی، بدنگاہی کی، بدزبانی کی، تہمت لگائی، الزام لگایا، گانے سنے، ٹی وی پر انڈیا کی امریکا کی فلمیں دیکھیں، یہ سارے آج کل کے بڑے بڑے گناہ ہیں جو ہمارے معاشرے میں پھیلے ہوئے ہیں، اسی طرح خواتین کا بے پردہ رہنا، مردوں کا داڑھی منڈوانا، شلوار ٹخنوں سے نیچے رکھنا، ہم سب اپنا اپنا جائزہ لے لیں، اگر کوئی ٹی وی دیکھتا ہے تو ٹی وی سے بچے، اگر کوئی داڑھی منڈواتا ہے تو داڑھی منڈوانے سے بچے، اگر کوئی عورت بے پردہ رہتی ہے تو بے پردگی سے توبہ کرے، اگر خدانخواستہ کسی نے رشوت لی ہے تو توبہ بھی کرے اور جس سے رشوت لی ہے اس کو واپس بھی کرے، کیونکہ بندوں کی حق تلفیاں اگر کسی نے کی ہیں تو وہ خالی توبہ سے معاف نہیں ہوں گی، اللہ تعالیٰ کے جتنے حقوق ہیں وہ تو معاف ہوں گے توبہ سے، لیکن جو فرائض و واجبات ہیں ان کو ادا بھی کرنا ہوگا۔ جیسے نماز نہیں پڑھی، توبہ کرنے سے نماز نہیں پڑھنے کا گناہ معاف ہو جائے گا،

لیکن نماز پھر بھی پڑھنی پڑے گی، لیکن اگر نماز قضا کر دی تو نماز قضا کرنے کا گناہ توبہ سے معاف ہو جائے گا، لیکن جو بندوں کے حقوق ہیں ان میں توبہ کرنے کے لئے شرط یہ بھی ہے کہ بندے کا حق یا تو ادا کرے یا پھر بندے سے معافی مانگے، اگر کسی سے سود لیا ہے تو اس کو واپس کرنا بھی ضروری ہوگا، اگر کسی سے رشوت لی ہے تو رشوت واپس کرنی ہوگی۔ امانت میں خیانت کی ہے، تو وہ امانت واپس بھی دینی ہوگی، مکان پر قبضہ کرلیا، زمین پر قبضہ کرلیا، تو توبہ کرنے کے ساتھ ساتھ وہ مکان واپس بھی کرنا ہوگا، دکان بھی واپس کرنے ہوگی، بعض کرایہ دار بھی تو قبضہ کر کے بیٹھ جاتے ہیں، مالک کہہ رہا ہے کہ بھائی مجھے اپنے بچے کی شادی کرنی ہے، مجھے مکان چاہیے، مالک ہاتھ پاؤں جوڑ رہا ہے تو وہ خالی نہیں کرر ہا ہے، تو بھئی اس میں جب تم مالک کے حکم کے مطابق اس کا مکان، اس کی دکان خالی نہیں کرو گے اس وقت تک توبہ قبول نہیں ہوسکتی۔

توبہ کے لئے حق ادا کرنا بھی ضروری ہے

توبہ قبول ہونے کے لئے شرط یہی ہے کہ اس بندے کا حق بھی ادا کرو اور یا اس سے معافی مانگو، پھر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو گے تو توبہ قبول ہو جائے گی۔

سچی توبہ کے آداب

بعض باتیں توبہ کے اندر ضروری ہوگئیں، نمبر ایک: جتنے گناہ اب تک ہوئے ہیں آدمی دل سے ان پر نادم اور شرمندہ ہو، نمبر ۲: فی الحال ان کو چھوڑے، گناہ کرتے کرتے توبہ نہیں ہوسکتی، فی الحال اس کو چھوڑے بھی، نمبر ۳: آئندہ نہ

کرنے کا پکا ارادہ کرلے، یہ تین باتیں جو اپنے اندر پیدا کرلے گا، تو اللہ تعالیٰ کے حقوق میں جتنی بھی کوتاہیاں ہوئی ہیں، اور گناہ ہوئے ہیں، وہ سب معاف ہو جائیں گے، اور اگر کسی بندے کی حق تلفی اس میں شامل ہے، یا کسی بندے کو آپ نے ستایا مارا، اس پر تہمت لگائی یا اس کا مذاق اڑایا، اس کو کسی طریقے سے ایذا پہنچائی یا اس کی غیبت کی اور اس کو پتہ چل گیا، یا اس کے پیسے کھالئے، تو پھر چوتھا کام کرنا بھی ضروری ہے کہ اس سے معافی مانگو، یا بدلہ دو، پھر اللہ تعالیٰ سے توبہ کرو۔

تقویٰ کا راستہ اور طریقہ

تو اس طریقے سے ایک تو جائزہ لے کہ جو گناہ ہوئے ہیں ان پر سچی توبہ کریں اور پھر آئندہ نہ کرنے کا پکا ارادہ کریں کہ آئندہ کوئی گناہ نہیں کریں گے، اس کے ساتھ کسی اللہ والے سے جس سے آپ کی طبیعت ملتی ہو تو اس سے مشورہ لیتے رہیں، اس لئے کہ نہ ہمارے پاس عقل ہے نہ علم ہے، اس صورت میں ہمیں ہر حال میں ضرورت ہے کسی متبع سنت اور اللہ والے کی رہنمائی میں جب ہم قدم اٹھائیں گے تو انشاء اللہ پھر کامیابی سے ہمکنار ہوں گے۔

اہم بات استغفار کو لازم کرلو

دوسری بات یہ ہے کہ بحالت موجودہ ہمیں استغفار کو لازم کرنے کی ضرورت ہے، توبہ تو کرلیں، توبہ کرنے کے بعد استغفار بھی ہم اپنے معمول میں رکھیں، اور استغفار جس طرح بڑے گناہوں سے ہوتا ہے، اسی طرح چھوٹے

گناہوں سے بھی ہوتا ہے، نیز جتنی بھی ہمارے اعمال کے اندر کوتاہیاں ہوتی ہیں، ان سے بھی ہوتا ہے، نماز میں کوتاہی ہوگئی، ذکر میں کوتاہی ہوگئی، تلاوت میں کوتاہی ہوگئی، نعمت کے شکر کرنے میں کوتاہی ہوگئی، صبر میں کوتاہی ہوگئی، زہد میں کوتاہی ہوگئی، جتنے بھی ظاہر و باطن کے اعمال ہیں ان میں کوتاہی ہوگئی، سب سے استغفار ہوتا ہے، تو استغفار ایسی بڑی دولت ایسی بڑی نعمت ہے، اللہ تعالیٰ کو بہت ہی زیادہ محبوب ہے۔

استغفار کرنے پر تین انعام

ایک حدیث میں استغفار کا معمول بنانے والے آدمی کے لئے تین فضیلتیں اور تین انعامات آئے ہیں، ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر پریشانی کے اندر عافیت والا راستہ نکال دیں گے، دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو ایسی جگہ سے روزی عطا فرمادیں گے جہاں سے اس کو وہم وگمان بھی نہ ہوگا، تیسرا انعام اس وقت مجھے یاد نہیں ہے، تین انعام اللہ پاک نے استغفار کے لازم کرنے والے کے لئے بیان فرمائے ہیں، لہٰذا آدمی صبح شام سو سو مرتبہ استغفار کر لیا کرے۔

استغفار کا مؤثر طریقہ

استغفار کا طریقہ یہ ہے کہ جب بھی استغفار کی تسبیح پڑھنا شروع کریں تو پہلے دل میں یہ خیال کریں کہ یا اللہ میں سر سے پیر تک آپ کا خطا کار روسیاہ کار بندہ ہوں، میرے ہر عمل میں کوتاہیاں ہی کوتاہیاں بھری ہوئی ہیں، ہر لحاظ سے یا

اللہ میں قابل گرفت ہوں، اور میں خطاؤں کا مجموعہ ہوں، یا اللہ میں سارے گناہوں سے معافی کے لئے، ساری کوتاہیوں سے معافی کے لئے، یا اللہ میں استغفار کرتا ہوں، جب یہ نیت کر کے آپ استغفار کی تسبیح پڑھیں گے تو اپنے باطن میں عجیب وغریب اثر محسوس کریں گے، اور جب روزانہ ہی اس طریقے سے استغفار کرنے کا معمول بنالیں گے تو آپ کو تسبیح پڑھنے کے بعد محسوس ہوگا کہ ہم نے استغفار کی تسبیح پڑھی ہے، اور حدیث میں آتا ہے کہ جب آدمی تین مرتبہ کہتا ہے اللّٰھم اغفرلی اللّٰھم اغفرلی اللّٰھم اغفر لی تو تیسری مرتبہ کہتے ہی اس کی مغفرت ہو جاتی ہے، اس لئے بھائی یہ جو استغفار ہے اس کی بڑی سخت ضرورت ہے، دشمن اس وقت ہماری سرحدوں پر دستک دے رہا ہے، اور نجانے کسی وقت بھی کیا ہو جائے۔ اس لئے ضرورت ہے استغفار کو اپنا معمول بنانے کی، اور دن رات استغفار کو ہم اپنے معمول میں رکھیں۔

استغفار کے درجات

استغفار میں کم از کم درجہ تو استغفر اللّٰہ استغفر اللّٰہ ہے، اور درمیانہ درجہ استغفر اللّٰہ ربی من کل ذنب و اتوب الیک ہے، اور عام طور پر یہی سب کو یاد ہوتا ہے، اور یہی ان شاء اللہ تعالیٰ کافی ہے، لیکن اردو میں بھی مانگ لینا چاہیے، فرضوں کے بعد دعا مانگیں تو اس وقت دعا اردو میں بھی کر لیں، استغفار کا مطلب یاد ہو، استغفر اللہ کے معنی یاد ہوں تو بہت ہی اچھا ہے، تو اردو میں بھی اللہ تعالیٰ سے کہیں یا اللہ میں بہت ہی خطا کار ہوں، بہت سیاہ کار ہوں، اور میرے

تمام اعمال میں کوتاہیاں ہی کوتاہیاں ہیں، یا اللہ میری ساری خطائیں معاف فرما، میرے چھوٹے بڑے سب گناہوں کو معاف فرما، میرے والدین کی مغفرت فرما۔

سب مسلمانوں کے لئے استغفار کریں، نیکیاں کمائیں

تمام مسلمانوں کی لئے بھی استغفار کریں، ایک تو مسلمانوں کے لئے استغفار ان کے حق میں بھی مفید ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے جب کوئی مسلمان مردوں اور عورتوں کے لئے استغفار کرتا ہے تو ہر مؤمن کے حق میں استغفار کے بدلے اللہ تعالیٰ اس کو ایک نیکی عطا فرماتا ہے۔ تو بھئی حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک اور اب سے لے کر قیامت تک جتنے مسلمان آئیں گے، انسان و جنات سب کے لئے استغفار کرے گا تو بھئی کتنی نیکیاں حاصل ہو جائیں گی، اندازہ تو لگاؤ، کتنی کام کی چیز ہے، لیکن ہم اس کی طرف سے غافل ہیں۔

فرمانِ نبوی ہے کہ مجھے دو امان عطا کیے گئے ہیں

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد کا خلاصہ بیان کرتا ہوں، آپ نے فرمایا کہ اللہ پاک نے مجھ کو عذاب سے بچنے کے دو امان عطا فرمائے ہیں، ایک یہ کہ جب تک میں ان کے اندر موجود ہوں، ہم اپنا عذاب نازل نہیں کریں گے، دوسرے یہ کہ جب تک یہ استغفار کرتے رہیں گے تو بھی ان پر عذاب نازل نہیں ہوگا، تو یہ دو امان ہیں جس کا ذکر قرآن پاک میں فرمایا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ کو دو امان عطا فرمائے ہیں کہ میں جب تک تمہارے اندر ہوں

تمہارے اوپر اللہ کا عذاب نہیں آسکتا، اور جب میں دنیا سے چلا جاؤں گا تو قیامت تک تمہارے اندر استغفار کی امان موجود رہے گی، جب تک تم استغفار کرتے رہو گے، اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ رہو گے، استغفار عذاب الٰہی سے امان ہے۔

حضرت مفتی صاحبؒ کے عجیب نکات

ہمارے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے معارف القرآن میں لکھا ہے کہ مکہ مکرمہ میں اللہ پاک نے عذاب نازل نہیں فرمایا، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ آگئے تو پھر عذاب آنا چاہیے تھا، تو اس پر فرمایا کہ وہاں کچھ مسلمان رہ گئے تھے، وہ استغفار کرتے تھے، اس لئے اللہ پاک نے عذاب نازل نہیں فرمایا، تو آگے فرمایا کہ آخر میں جو مسلمان ضعفاء تھے وہ بھی مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ چلے گئے تھے اور مکہ مکرمہ میں سوائے کفار کے باقی کوئی نہیں رہا، پھر عذاب کیوں نازل نہیں ہوا۔ ہمارے حضرت نے لکھا ہے کہ وہ جو کفار مکہ تھے وہ جب طواف کرتے تھے تو غفرانک غفرانک کہتے تھے، یا اللہ بخش دیجئے یا اللہ بخش دیجئے، تو اللہ پاک ان کے استغفار کی وجہ سے بھی عذاب نازل نہیں فرماتے تھے، یعنی دنیا کے اندر کافروں کا استغفار بھی دنیا میں عذاب سے بچنے کا سامان تھا، یعنی استغفار میں اتنی تأثیر ہے کہ کافر بھی استغفار کی بدولت عذاب سے محفوظ رہا، تو بھائی مسلمان کیسے نہیں بچ سکتے، کتنی اونچی چیز ہے یہ استغفار، تو یہ قیامت تک کے لئے ایسی امان ہے جب بھی کوئی

قوم اور جب بھی مسلمان استغفار کو اپنا معمول بنائیں گے تو انشاء اللہ تعالیٰ اللہ پاک کے عذاب سے محفوظ رہیں گے۔

عذاب مختلف صورتوں میں آتا ہے

دنیا میں عذاب مختلف قسم کے آئے ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کسی قوم پر دشمن مسلط ہوتا ہے تو تباہی آتی ہے، چاہے سلمانوں کی طرف اللہ کی رحمت ہو اور کافروں کی طرف اللہ کا عذاب ہو، لیکن تباہی تو دنیا میں آتی ہے۔

مجاہدین تقوی اور استغفار کا خاص طور پر اہتمام کریں

حکم یہ ہے کہ تم لڑائی کی تمنا مت کرو، لیکن جب لڑائی ہو جائے تو پھر ثابت قدم رہو، پھر اللہ پر بھروسہ کرو، اور تقوی اختیار کرو، اور پھر جان و مال کی بازی لگا دو، اس لئے لڑائی کی تمنا کرنا مناسب نہیں ہے، لیکن تیاری کرنا تو ضروری ہے، تیاری جہاں اسلحہ کے ساتھ ضروری ہے، جان کے ساتھ ضروری ہے، مال کے ساتھ بھی ضروری ہے، وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ تقوی اختیار کرو، ظاہر و باطن دونوں کی تیاری ہونی چاہیے، باطن کی تیاری میں یہ بھی ہے کہ تقوی بھی ہو اور استغفار بھی معمول میں رکھیں، جتنا زیادہ استغفار ہوگا اتنی زیادہ انشاء اللہ تعالیٰ اللہ پاک کی مدد ہوگی، اتنا ہی زیادہ اللہ پاک کے عذاب سے محفوظ رہیں گے، استغفار ہمیں معمول میں رکھنا چاہیے۔

دعا مسلمان کا ہتھیار ہے

اور تیسری چیز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعا بھی کرتے رہنا چاہیے

کہ اللہ تعالیٰ پاکستان کی حفاظت فرمائے اور مسلمانوں کی حفاظت فرمائے، اور اللہ تعالیٰ اسلام کی حفاظت فرمائے، اور لاج رکھے، اور مجاہدین کشمیر کی اللہ تعالیٰ غیب سے مدد فرمائے، کیونکہ از روئے حدیث غائب کی دعا غائب کے لئے ضرور ہی قبول ہوتی ہے، وہ ہمارے مجاہد بھائی جو اپنی جان ہتھیلی پر رکھے ہوئے جان کی بازی لگائے ہوئے ہیں، کم از کم ان کے حق میں دعا تو کریں، ان کا تو بہت بڑا حق ہے ہمارے اوپر کہ وہ ہماری طرف سے بھی لڑ رہے ہیں، اور ہمارے ملک کی طرف سے بھی لڑ رہے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے لڑ رہے ہیں، جہاد کا فریضہ انجام دے رہے ہیں، تو ہمیں مال بھی ان کے پاس بھیجنا چاہیے، لیکن مال سے کہیں زیادہ انہیں دعا کی ضرورت ہے، اور دعا ایسی چیز ہے وہ بہت بڑی دولت ہے، بہت بڑی نعمت ہے، وہ احکم الحاکمین کی بارگاہ میں درخواست کرنے کا نام ہے، تو جو قادر مطلق ہے وہ جب چاہے کایا پلٹ دے، اور جس کو چاہے اوپر کر دے، جس کو چاہے نیچے کر دے، جن کے آگے ساری طاقتیں ہیچ ہیں، ان سے عرض کرنا کتنی بڑی بات ہے، جب وہ چاہیں گے کافر کا بیج ہی مٹا دیں گے، کتنے کافروں کے بیج مٹائے ہیں، یہ کافر کوئی بڑی چیز ہے کیا؟ مگر ہم عرض تو کریں، عرض کرنے کو معمول بنالیں۔ ویسے تو عام حالت میں دعا کرنی چاہیے، لیکن خاص طور پر اس وقت جب مسلمانوں پر ظلم و ستم ہو رہا ہو، اور کافر تباہ و برباد کر رہے ہوں، ان کو ایذائیں اور تکلیفیں پہنچا رہے ہوں، اس وقت سب کے لئے ہم دعائیں مانگنے کا

معمول بنائے رکھیں، اور خاص طور پر مجاہدین کشمیر اس وقت بہت اہم معرکہ میں مشغول ہیں، اس وقت ان کے لئے خاص طور پر بڑی توجہ اور دھیان سے دعا کی ضرورت ہے، اس لئے کہ الدعاء سلاح المؤمن "دعا مؤمن کا ہتھیار ہے" جتنے بھی غزوات ہیں، جن میں سرکار دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس خود شرکت فرمائی ہے تو تاریخ اسلام پڑھ کر دیکھیں تو یہ نظر آئے گا کہ ایک طرف صحابہ کرام اور جو کچھ تھوڑا بہت ہتھیار ہے اس کی تیاری ہے، اور دوسری طرف سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے رات بھر دعائیں کی ہیں۔

غزوہ بدر کی رات آپ کا ساری رات رونا

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات کے اندر لکھا ہے کہ جس رات کو گزر کر سویرے غزوہ بدر ہونا تھا، وہ رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھپر میں گزاری، اور پہرے دار حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں پہرہ دے رہا تھا کہ کوئی دشمن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف نہ پہنچائے، اندر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں سر رکھے روتے رہے روتے رہے، یہاں تک کہ پوری رات رونے میں گزاردی، اللہ اکبر، جب رات کا آخری حصہ ہوا تو مجھ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رونا برداشت نہیں ہوا، تو میں اندر گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کندھا مبارک سجدے سے اٹھایا کہ حضور اتنا نہ روئے، آپ کا رونا مجھ سے دیکھا نہیں جاتا، خدا کے لئے بس اب اٹھ جائیے، بہت رولیا آپ نے ہمارے لئے، بس جیسے ہی

حضور ﷺ اللہ کی طرف سے فتح کی بشارت لے کر حضرت جبرئیل علیہ السلام پہنچ گئے، دعا اتنی بڑی چیز ہے۔ تو یہ موقع ایسا ہے کہ دعا کی بھی ضرورت ہے کہ ہم اللہ کے سامنے گڑگڑائیں کہ اللہ مجاہدین کشمیر کی خصوصی مدد فرمائے، اور ان کو فتح مبین عطا فرمائے، اور ان کی مدد کے لئے اللہ فرشتوں کو نازل فرمائے، اور ان کو مکمل کامیابی عطا فرمائے، اور ان کے مقابلے میں جتنے بھی ہندو، یہودی، مجوسی، کفار اور مشرکین ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب کا بیج مٹادیں، ان کی ساری طاقت کو ٹکڑے ٹکڑے کردے، ان کی قوت کو پارہ پارہ کردے، ان کو اپنی گرفت میں لے لے، جیسے کوئی طاقتور اپنی گرفت میں لیتا ہے، اللہ تعالیٰ ان کو اپنی گرفت میں لے اور ہمیشہ کے لئے ان کا نام مٹادے، اسلام اور مسلمانوں کو دنیا میں اللہ تعالیٰ شان وشوکت عطا فرمادے، اور اسلام کا بول بالا اللہ تعالیٰ پورے عالم میں فرمادے۔

دعا کی برکت سے حالات بدل جاتے ہیں

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ دعا کی بدولت اللہ تعالیٰ تقدیر بھی بدل دیتے ہیں، دعا سے تقدیر بدل جاتی ہے، کیونکہ تقدیر کے سامنے اللہ تعالیٰ عاجز تو نہیں ہیں، جب عاجز نہیں ہے تو بلاشبہ جو ان سے درخواست کرے گا وہ اس کو اپنی حکمت سے بدل بھی سکتے ہیں، اس لئے گڑگڑا کر دعا کرنی ہے، صرف ابھی نہیں کرنی بلکہ مستقل ہمیں اپنا معمول بنانا ہے، اور کوشش کرنی چاہیے کہ اپنی اپنی مسجدوں میں قنوط نازلہ شروع کردیں، اور فجر کی نماز میں قنوط نازلہ پڑھی جائے، سرکار دوعالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ الحمد للہ ہمارے

دار العلوم میں فجر کی نماز میں قنوط نازلہ ہو رہی ہے، تقریباً ایک ہفتہ ہو گیا ہے، مجاہدین کشمیر کے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے دعا ہو رہی ہے۔

مجاہدین کے لئے جان مال ایک کر دیں

چوتھی بات یہ تھی کہ مجاہدین کشمیر کے لئے ہمیں مال سے بھی مدد کرنی چاہیے، جان سے بھی تیار رہنا چاہیے کہ جب موقع ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ جان بھی دیں گے، اور فی الحال ان کو مال کی بڑی سخت ضرورت ہے، مال سے بھی اللہ کے راستے میں حصہ دینا چاہیے، جو ایک روپیہ اللہ کے راستے میں دے گا، کم از کم سات سو گناہ اس کو ثواب ملے گا، اور مزید اس میں اخلاص ہوگا تو سات لاکھ تک اس کا ثواب بڑھ جائے گا، ایک روپیہ دے گا ساتھ لاکھ روپیہ دینے کا ثواب ملے گا، تو آج ہی سے ہم اپنی آمدنیوں کا تناسب مقرر کرلیں کہ اتنا ہر ماہ باقاعدگی سے دیں گے، جتنی بھی اللہ تعالیٰ جس کو توفیق دے، وہ وہاں ان کو پہنچانے کی کوشش کرے، تاکہ زیادہ سے زیادہ ہمارے مال سے ہماری جہاد میں شرکت ہو جائے، اور جہاد میں شرکت کا جو ثواب عظیم ہے، مال سے بھی شرکت ہوتی ہے، جان سے بھی شرکت ہوتی ہے، دعا سے بھی شرکت ہوتی ہے، ہر طرح سے شرکت ہو سکتی ہے، اس وجہ سے جس طرح ممکن ہو اس میں شرکت کریں، اب دعا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان چار باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

قحط سالی کے اسباب

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی بیانات : جلد نمبر: ۷

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

قحط سالی کے اسباب

اور

ان کا علاج

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم ۔اما بعد !

فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرّجیم ٥بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم ٥ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ٥ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ٥ وَ يُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِيْنَ وَ يَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّ يَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ٥صدق اللّٰہ العظیم

(سورۃ النوح)

سب مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں

میرے قابل احترام بزرگو! متعدد احادیث میں یہ مضمون موجود ہے کہ تمام مسلمان ایک جسم کی طرح ہیں ،جس طرح ایک جسم کے کسی عضو میں درد ہوتو

سارے جسم میں درد ہوتا ہے، کان میں درد ہوتو سارا جسم درد کرتا ہے، گردے میں درد ہوتو سارا جسم درد میں تڑپتا ہے، دل میں درد ہوتو سارا جسم نڈھال ہو جاتا ہے اور تکلیف محسوس کرتا ہے، جسم کے کسی حصہ میں کانٹا یا سوئی چبھ جائے تو سارے جسم میں اس کا احساس ہوتا ہے، اسی طرح ساری دنیا کے مسلمان ہیں، دنیا کے کسی کونے میں کسی مسلمان پر کوئی تکلیف آجائے، یا انہیں کوئی پریشانی پیش آجائے، یا کسی حادثے سے دوچار ہو جائیں تو ان کی اس تکلیف سے باقی دنیا کے مسلمانوں کو بھی احساس ہونا چاہئے، اس لئے کہ سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں، اور سارے مسلمان ایک جسم کی طرح ہیں، جس طرح جسم کے اندر کسی ایک حصہ کی تکلیف کو سارا جسم محسوس کرتا ہے اسی طرح پوری امت مسلمہ کے کسی ایک حصہ کو تکلیف پہنچے تو باقی حصے کے بھی تمام مسلمانوں کو اس کا احساس ہونا چاہئے، اس کو محسوس کرنا چاہئے اور ان کو ان کی اس تکلیف کی وجہ سے تکلیف ہونی چاہئے۔

غیروں کا درد اپنا درد، غیروں کی راحت اپنی راحت

یہ بھی ہمارے دین وایمان کا ہم سے تقاضا ہے اور ہم سے اس کا مطالبہ ہے کہ ہمارے اندر ایسا احساس ہونا چاہئے اور ہمارا ضمیر اتنا زندہ ہونا چاہئے کہ ہمیں دوسرے مسلمانوں کی تکلیف سے خود کو تکلیف ہو، اور ان کی راحت سے ہمیں راحت محسوس ہو، ان کی مسرت سے ہمیں مسرت ہو اور ان کی تکلیف سے ہمیں تکلیف ہو، اور اگر ان کی تکلیف سے ہمیں تکلیف نہیں ہوتی تو ہمارے ضمیر

کے مردہ ہونے علامت ہے، اور ہمارے بے حس ہونے کی نشانی ہے، اور اس بات کی علامت ہے کہ ہمارے اندر ہمارے اپنے بھائیوں کا درد نہیں، اور جن لوگوں کو ایمان کامل ہوتا ہے اور جن کے اعمال کامل ہوتے ہیں ان کے اندر یہ بات پورے طور پر پائی جاتی ہے، ان کو دوسرے مسلمانوں کی تکلیف کا ایسا احساس ہوتا ہے کہ اپنی تکلیف کا بھی اتنا احساس نہیں ہوتا۔

حضرت تھانویؒ کے دل میں امت کا درد وغم

حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں یہ بات جگہ جگہ موجود ہے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں مسلمان بڑی بڑی تکلیفوں اور مصیبتوں میں مبتلا تھے، رسوائی مسلمانوں کے اوپر چھائی ہوئی تھی، انگریزوں کا دور تھا، تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب کبھی سونے کے وقت مجھے مسلمانوں کی خستہ حالی اور بدحالی اور ان کی پریشانیوں کا دھیان آجاتا ہے تو میری نیند اُڑ جاتی ہے، اور اگر ان کی تکالیف کا بھوک کے وقت دھیان آتا ہے تو میری بھوک اُڑ جاتی ہے۔ اللہ کے نیک بندے ہیں ولی ہیں ان کا یہ حال ہے کہ ان کے لئے مسلمانوں کی تکلیف ایسی ہے جیسی اپنی تکلیف ہے۔

روحانی باپ کے دل میں روحانی اولاد کا غم

مسلمانوں کی پریشانی کا ایسا خیال ہے جیسے اپنے بچوں کی پریشانی کا خیال ہے، جیسے ننھی منی اولاد کو اگر رات کو تکلیف آگھیرے تو والدین اپنی تکلیف بھول

جاتے ہیں، کھانے کے وقت اگر معلوم ہو جائے کہ بیٹے کے ساتھ یہ کچھ ہوا تو کھانا چھوڑ دیتے ہیں کہ اولاد سے محبت ہے، ماں باپ سے محبت ہے، بہن بھائیوں سے محبت ہے، تعلق ہے، اس تعلق کی وجہ سے انسان اپنا کھانا، پینا، جاگنا، سونا چھوڑ دیتا ہے۔

ہمارا باطن ٹھیک نہیں

یہی احساس ہمارے اندر ہمارے اپنے مسلمان بھائیوں کا بھی ہونا چاہئے، اگر ہمارے اندر یہ احساس نہیں ہے تو ہمارے اندر بہت بڑی کمی ہے اور ہماری کمزوری ہے، اور ہمارے باطن کے صحیح نہ ہونے کی علامت ہے، جن کا باطن بن جاتا ہے، ان کا یہ حال ہوتا ہے کہ دوسرے مسلمانوں کی تکلیف بھی ان کی اپنی تکلیف بن جاتی ہے ان کی پریشانی بھی اپنی پریشانی بن جاتی ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ حال تھا۔ لہٰذا ہمیں بھی اس کا کچھ احساس ہونا چاہئے، یوں تو اس وقت پوری دنیا کے مسلمانوں پر طرح طرح کی آفتیں ٹوٹ پڑی ہیں، طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا ہیں، کفار ان پر مسلط ہیں، اور ان پر طرح طرح کے ظلم ڈھارہے ہیں۔

قحط زدہ مسلمان اور ہماری ذمہ داریاں

مسلمان باوجود بے شمار لاتعداد ہونے کے کافروں کے سامنے مغلوب ہیں، ان کا تختہ مشق بنے ہوئے ہیں، لیکن کچھ علاقوں میں صورت حال ایسی ہے جو بہت زیادہ اذیت ناک اور تکلیف دہ ہے۔ جیسے بوچستان کے علاقے تھر تھے

پڑ گیا ہے، اسی طرح افغانستان کے بعض علاقوں میں قحط پڑا ہوا ہے، روزانہ وہاں جانور مر رہے ہیں، کھانے کو نہیں ہے، پینے کے لئے کچھ نہیں ہے، سبزہ نہیں ہے، بارش بند ہے، اور بارش کے بند ہونے کی وجہ سے قحط پڑ گیا، جس کی وجہ سے ندی نالے، نہر، تالاب سب خشک پڑے ہیں، جب پانی نہیں ہے، سبزہ نہیں ہے تو ظاہر ہے جانور کا تو اسی پر گزارا ہے، اسی طرح جب فصلیں نہیں اُگیں گی تو وہاں کے رہنے والوں کے لئے غذائی قلت پیدا ہوگی، جس کی وجہ سے وہاں کے مسلمانوں کے لئے بہت بڑی تکلیف ہے اور پریشانی ہے، اور سب سے بڑی پریشانی یہ ہے کہ ان کا قیمتی سرمایہ جو جانوروں کی صورت میں ہے یہ سب کچھ نہ ہونے کی وجہ سے ہلاک ہو رہا ہے، ان کے سامنے وہ دم توڑ رہے ہیں، یہ کتنی اذیت اور تکلیف والی بات ہے، اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ نہ کرے قحط سالی بڑھ گئی اور جس طرح سے ہم سب کو اس طرف توجہ دینی چاہئے تھی ہم نہیں دے رہے تو وہ سب بھی بھوک سے ہلاک ہو جائیں گے۔ نقل مکانی پر وہ مجبور تو ہو رہے ہیں، خدانخواستہ کسی اور پر یہ قحط سالی پڑے تو اسے پتہ چلے گا، اس کا اندازہ اسی کو ہے جس پر یہ پڑتی ہے، یہ کتنی زبردست تکلیف ہے۔ لیکن جس درجہ کا ہمارے اندر اس تکلیف کا احساس ہونا چاہئے وہ احساس ہمارے اندر پیدا نہیں ہو رہا، بیان کرنے کا مقصد صرف یہی ہے کہ یہ بھی ہمارے دین و ایمان کا حصہ ہے، اور ہماری ذمہ داری ہے، دین و ایمان ہم سے یہ مطالبہ کر رہا ہے کہ تمہیں اپنے بھائیوں کی تکلیف کا ایسے ہی احساس

ہونا چاہئے جیسے تمہیں اپنی تکلیف کا احساس ہوتا ہے، اپنے گھر والوں کی تکلیف کا احساس ہوتا ہے، اپنے اہل وعیال کی تکلیف کا احساس ہوتا ہے، اپنے رشتہ داروں کی تکلیف کا احساس ہوتا ہے، اسی طرح سے تمہیں ان کی بھی تکلیف کا احساس ہونا چاہئے، اور احساس ہونے کے ساتھ ساتھ ہمیں ان کی تکلیف دور کرنے کے لئے ہم سے جو ہوسکتا ہو، وہ ہمیں کرنا چاہئے۔ تو سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ہمارے اندر احساس ہونا چاہئے اور اگر احساس نہیں ہے تو پھر احساس پیدا کریں۔

دوسروں کی خوشی میں خوش ہونا اور غمی میں غمگین ہونا یہی اصل احساس ہے

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا جب کہ ایک زمانے میں میری یہ کیفیت ہوگئی تھی کہ اسباب میسر سے بھی مجھے خوشی نہیں ہوتی تھی یعنی خوشی کے اسباب ہونے کے باوجود بھی مجھے کوئی مسرت نہیں ہوتی تھی، اور جن باتوں سے انسان کو غم ہوتا تھا وہ مجھے پیش آتی تھیں، لیکن مجھے غم نہیں ہوتا تھا، تو اس زمانے کے اندر جب کوئی خوشی پیش آتی تھی تو میں بتکلف خوش ہوتا تھا، اور جب کوئی غم پیش آتا تھا تو بتکلف غمگین ہوتا تھا۔ تو میری اس کوشش کے نتیجے میں اللہ کے فضل وکرم سے میری پہلی حالت تبدیل ہوگئی، اور جو دوسری حالت تھی وہ میری طبیعت بن گئی کہ خوشی کی حالت میں میری حالت خوشی والی ہوتی تھی اور غم کے وقت میری حالت غم والی ہوتی تھی، اور اگر کوئی اور ہوتا تو پہلی والی حالت کو بہت ہی اعلی سمجھتا کہ یہ تو بہت ہی بڑے مقام پر فائز ہیں، ان کو تو نہ غم کا

غم رہا، اور نہ خوشی کی خوشی رہی، یہ تو رنج وغم کی حالت سے بہت دور چلے گئے، بہت اونچے چلے گئے، حالانکہ اونچے نہیں بلکہ نیچے آگئے، اس لئے نیچے آگئے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال نہیں تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تو یہ حال تھا کہ غم کی باتوں سے غم ہوتا تھا اور خوشی کی باتوں سے خوشی ہوتی تھی۔

آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے بیٹے کے پاس تشریف لے جانا

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو دودھ پلانے کے لئے مدینہ طیبہ سے باہر ایک لوہار کی بیوی کو دیے ہوئے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی تشریف لے جاتے تھے، ان کی بیماری کے زمانے میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آخری مرتبہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے گئے تو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں پہنچے تو حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ کی گود میں دیا گیا تو ابھی وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود ہی میں تھے کہ ان کا سانس چل گیا اور نزع کی کیفیت طاری ہوگئی اور تھوڑی ہی دیر میں حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں انتقال ہوگیا،

بیٹے کی وفات پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رونا

اور جیسے ہی آپ کا انتقال ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو یہ سمجھتے تھے کہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو اللہ کے اولوالعزم پیغمبروں میں سے ہیں، آپ پر شاید اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا، ایسی بات سے متأثر نہیں ہوں گے، لیکن دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو ان کے انتقال پر رو رہے ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں، تو انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ بھی رو رہے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں میں بھی غمگین ہوں، لیکن میں زبان سے وہی کہوں گا جس کا حکم ہے اور فرمایا انا للّٰہ و انا الیہ راجعون، اور پھر فرمایا کہ اے ابراہیم! ہم تمہاری موت پر بہت غمگین ہیں۔ دیکھئے! حضور کے صاحبزادے کا انتقال ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم رو رہے ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو آرہے ہیں، تو غم کی باتوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی غم ہوتا تھا، اور خوشی کی باتوں سے خوشی کے آثار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے سے ظاہر ہوتے تھے، لہٰذا سنت کا جو بھی حال ہوگا وہی اکمل ہوگا۔

مزاج کو مزاجِ نبوی بنائیں

اسی لئے مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس پہلے حال کا علاج کیا کہ جب خوشی کا موقع آتا تو بتکلف خوش ہوتے اور جب غم کا موقع آتا تو بتکلف غم کرتے، اس علاج سے ان کی حالت بدل گئی اور مسنون حالت قائم ہوگئی۔

اس لئے ہمیں چاہئے کہ ہماری طبیعت میں اگر ان کی تکلیف کا احساس

نہیں ہے تو ہمیں اس کا احساس کرنا چاہئے، یہ نہیں کہ بس اخبار پڑھا اور ایک آدھ جملہ کہہ دیا کہ واقعی وہاں بہت سخت قحط پڑا ہوا ہے، بھائی وہاں قحط پڑا ہوا ہے کوئی ان کی طرف توجہ نہیں دے رہا حکومت بھی توجہ نہیں دے رہی، بس اخبار پڑھا، حالات سنے اور دو تین جملے تبصرے کے لئے کہے، اور پھر بس خاموش، یہ ہماری بے حسی ہے اور بے حس ہونے کی علامت ہے، اس کا علاج بھی یہی ہے کہ ہم فکرمندی کے ساتھ ان کے حالات سنیں اور پڑھیں، اور سننے پڑھنے کے بعد دل سے پھر ان کی تکلیف کو محسوس کریں، اور تھوڑی دیر کے لئے سوچیں کہ اگر خدانخواستہ ہم پر یہ تکلیف ہوتی تو پھر کیا ہوتا۔ ہم پر بھی ایسی حالت آئی ہوئی ہے، بارشیں نہیں ہورہیں، ہر طرف حالات خراب ہیں، بے چینی ہر طرف ہے، لیکن یہ تکلیف اس درجہ کی نہیں ہے جس درجہ کی تکلیف ان لوگوں کو ہے۔

قحط بداعمالیوں کا ثمرہ ہے

صرف تھوڑی دیر کے لئے غور فکر کرنے کی ضرورت ہے کہ اگر خدانخواستہ اسی درجہ کی حالت ہماری ہو جائے تو پھر ہمارا کیا ہوگا۔ اس غور وفکر سے ہمارے اندر احساس پیدا ہوگا، اور یہ احساس ہمیں اپنے اندر بتکلف پیدا کرنا چاہئے، یہ احساس ہونا چاہئے، اور اس کے بعد ہمیں چند کام کرنے چاہئیں۔

ان میں سے سب سے اہم اور بنیادی کام یہ ہے کہ ہمیں وہ سبب تلاش کرنا چاہئے جس کی وجہ سے یہ مصیبت یہ قحط سالی آئی ہے، یہ وبال آیا ہے، اور اس وبال کی پرچھائی ہم پر بھی چھائی ہوئی ہے، اور کسی بھی وقت ہم اس میں مبتلا

ہو سکتے ہیں، اور یہ ہم پر بھی آ سکتا ہے، تو اس کا ایک عمومی سبب اور ایک خاص الخاص سبب گناہوں کی کثرت ہے، اللہ پاک فرماتے ہیں:

وَمَاۤ اَصَابَكُمۡ مِّنۡ مُّصِيۡبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتۡ اَيۡدِيۡكُمۡ وَيَعۡفُوۡا عَنۡ كَثِيۡرٍ

(سورۃ الشوریٰ: ۳۰)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں تم پر جو مصیبتیں آتی ہیں یہ تمہاری ہی بداعمالیوں کی وجہ سے آتی ہیں، تمہارے گناہوں کی وجہ سے یہ مصیبتیں آتی ہیں، اللہ تعالیٰ بہت سے گناہوں کو اپنی شان کی وجہ سے معاف فرماتے رہتے ہیں، ہر ہر گناہ پر نہیں پکڑتے، ہر گناہ پر وبال نہیں آتا، ہر گناہ پر نحوست نہیں آتی، آدمی کا گناہ جب حد سے بڑھ جاتا ہے تو پھر اس کا وبال اس پر ظاہر ہوتا ہے، ورنہ بیشتر گناہ تو اللہ پاک خود ہی معاف کر دیتے ہیں، اور اگر اللہ تعالیٰ ہر گناہ کے بدلے میں پکڑیں تو پھر ہمارا کھانا پینا سب کچھ ختم ہو جائے، نہ پینے کو ملے، نہ کھانے کو ملے۔

یہ تو ہم اللہ کے فضل سے ہی کھا رہے ہیں، پی رہے ہیں اور جی رہے ہیں، ورنہ ہمارے گناہ تو اتنے ہو چکے ہیں کہ نہ تو ہم پینے کے لائق ہیں، نہ کھانے کے لائق ہیں اور نہ جینے کے لائق ہیں، نہ چلنے پھرنے کے لائق ہیں، یہ تو اس کا فضل ہے، اور یہ جو ہمارے درمیان بوڑھے ہیں، بچے ہیں ان کے طفیل ہم کھا رہے ہیں، پی رہے ہیں، جی رہے ہیں، لہٰذا قحط کا عمومی سبب تو یہ ہے، ہمیں اس طرف توجہ دینی چاہئے، اور اپنے گناہوں سے توبہ کرنی چاہئے اور اللہ سے پناہ مانگنی چاہئے، گناہ سے بچ کر اور توبہ اختیار کر کے پاکیزہ زندگی اختیار کرنی چاہئے۔

قحط کے خاص اسباب

ایک خصوصی سبب بھی ہے، ہے تو وہ بھی گناہ، لیکن وہ خاص اس قسم کے حالات کا سبب ہوتا ہے، اس کی وجہ سے عام طور پر ایسے حالات پیش آتے ہیں، اور وہ ہے سود کا لین دین، سود کا کاروبار کرنا۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس قوم میں سود کا لین دین ہوگا، وہ قوم ضرور قحط سالی میں مبتلا ہوگی، اور جو قوم رشوت کا لین دین کرے گی وہ مغلوبیت کے وبال میں مبتلا ہوگی۔

دونوں گناہ ہمارے اندر پائے جاتے ہیں، بینک میں پیسے رکھے جاتے ہیں، اور یہ کام مسلمان کرتے ہیں، ہمارے اپنے ملک میں ہو رہا ہے، بینک کے ذریعے سے لینا دینا ہوتا ہے، منافع لیا جاتا ہے، سیونگ اکاؤنٹ ہو یا پھر فکس ڈیپازٹ ہو، ہر طرح کا نفع ناجائز ہے، کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہے، نفع کے نام سے پیسے ملتے ہیں اور وہ سود ہے، اور سود کا لین دین جو قوم کرتی ہے وہ قوم قحط سالی میں مبتلا ہو جاتی ہے، خشک سالی میں مبتلا ہو جاتی ہے۔

رشوت اور سود نے ہمیں کافروں کا ابدی غلام بنا دیا ہے

مغلوبیت کا یہ حال ہے کہ ہم سب مغلوب ہیں، کافر غالب ہیں، بس جو بات کافر کہہ دیں وہ کام ہم کر رہے ہیں، ہم ہر طرح سے ان کے ساتھ عاجز ہیں، ہم ایٹمی قوت بن گئے اس کے باوجود ہم ان کے غلام ہیں، وہ جو چاہیں اپنی من مانی کرلیں، اس کے باوجود ہم کچھ نہیں کہہ سکتے، ہماری مغلوبیت کا یہی حال ہے

اس کی وجہ یہی ہے ہمارے اندر رشوت عام ہے، کون سا سرکاری محکمہ ایسا ہے جس کے اندر رشوت نہ ہو، اس کا لین دین نہ ہو، بغیر رشوت کے کوئی کام ہوتا ہی نہیں، اور رشوت بھی موجب لعنت ہے، اور سود بھی موجب لعنت ہے، رشوت پر لعنت کے جو اثرات ہیں ان میں سے ایک اثر یہ بھی ہے کہ لوگ مغلوب ہو جاتے ہیں، قحط سالی میں مبتلا ہو جاتے ہیں، ان کا احترام جاتا رہتا ہے، ان کی عزت نہیں رہتی، ان کا سکون غارت ہو جاتا ہے، اور طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں، بے سکونی، بے قراری اور بے چینی کے اندر مبتلا ہو جاتے ہیں، یہ لعنت کے اثرات ہیں، لہٰذا قحط سالی کی بنیادی وجہ سود کا لین دین ہے، سود کا لین دین ہمارے اندر اتنا عام ہے کہ اس کے علاج کے لئے بھی کئی مہینے چاہئیں۔

تجارتی امور کی کئی ناجائز شکلیں

بہت سے تاجر سود کا کاروبار اس طریقے سے کرتے ہیں کہ بہت سے لوگ اپنی اپنی رقمیں ان کے حوالے کر دیتے ہیں، اور ان کی رقم ان کے پاس محفوظ رہتی ہے، اور کاروبار میں لگی رہتی ہے، اور وہ کہتے ہیں کہ آپ اپنی مرضی سے ہمیں کچھ دیدیا کریں، اور وہ تاجر اپنی مرضی سے ایک لاکھ پر کبھی ڈھائی ہزار روپے دیدئے، کبھی دو ہزار روپے دیدئے، کبھی ایک لاکھ پر تین ہزار روپے دیدئے، اور کبھی پونے تین ہزار دیدئے اور کہتے ہیں کہ اس میں نفع فکس نہیں ہے، اس لئے یہ جائز ہے، اپنی طرف سے اس کو جائز سمجھ لیا ہے، حالانکہ یہ سودی معاملہ ہے، اس لئے کہ نہ شرکت کا معاملہ ہوا، نہ مضاربت کا معاملہ ہوا، نہ مرابحہ کا

معاملہ ہوا، رقم محفوظ اور نفع متعین نہیں لہٰذا جو رقم آپ کی اس نے محفوظ کر لی، یہ رقم آپ کی اس کی طرف قرض ہو گئی، اور قرض ہونے بعد اس پر جو بھی نفع آئے گا چاہے فکس ہو یا نہ ہو، دونوں صورتوں میں سود بنے گا۔

انعامی بانڈ میں اور بینک کے نفع میں یہی فرق ہے کہ بینک جو رقم اپنے ہاں رکھتا ہے تو اس پر متعین شرح سے نفع دیتا ہے، وہاں پر بھی اصل رقم محفوظ ہے، اس محفوظ رقم پر وہ متعین شرح سے نفع دیتا ہے، وہ ہے سود، اور انعامی بانڈ کی اسکیم میں بھی جو لوگ اپنی رقم دیتے ہیں وہ حکومت پر قرض ہوتی ہے، اور حکومت اس پر جو نفع دینا چاہتی ہے وہ اس کو شرح متعین سے نہیں دیتی بلکہ بذریعہ قرعہ اندازی دیتی ہے، جتنا نفع دینا ہے اس کو قرعہ اندازی کے ذریعہ دیدیا جاتا ہے، تو متعین نہیں ہے، اس کی مقدار بھی متعین نہیں ہے، اور آدمی بھی متعین نہیں ہے، لہٰذا وہ بھی اس سود کے دائرے میں آتا ہے، لوگوں سے بڑی بڑی رقمیں لے کر اس سے کاروبار کر رہے ہیں اور لوگوں کو نفع دے رہے ہیں، اور سمجھ رہے ہیں کہ ہم اس پر جائز کاروبار کر رہے ہیں، حالانکہ یہ سودی معاملہ ہے، اور بینکوں کے ذریعہ سے کتنے سودی معاملات ہو رہے ہیں، ڈیفنس سیونگز سرٹیفکیٹ ہو یا انعامی بانڈ یا بینکوں کے یہ کھاتے ہوں جس پر شرح سے نفع دیا جاتا ہے، یہ سب سودی معاملات ہیں۔

اسلامی ملک سود کی لپیٹ میں

اس طرح سے ہمارے پورے ملک میں سود کا لین دین اتنا عام ہے جس

کا کوئی اندازہ نہیں ہے، جتنے بینکوں سے قرضے لئے جاتے ہیں چاہے زرعی ترقیات کے قرضے ہوں وہ سب بھی سود ہیں، بلاسود تو ہوتے ہی نہیں، سب سود پر ہوتے ہیں، اس طریقہ سے اتنے حرام اور ناجائز معاملات ہورہے ہیں تو اس بنا پر قحط نہیں پڑے گا تو اور کیا ہوگا، بہرحال! قحط پڑنے کی، خشک سالی کی بنیادی وجہ خاص سود کا لین دین عام ہونا ہے، لہٰذا جتنا ہوسکے ہمیں سودی لین دین سے توبہ کرنی چاہئے، اور عمومی گناہوں سے بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے رجوع ہوکر گڑ گڑا کے اللہ سے معافی مانگیں۔

توبہ کی پہلی شرط: ندامت اور شرمندگی

توبہ کی تین شرطیں ہیں، جس کی طرف عام طور پر ہماری توجہ نہ ہونے کی وجہ سے ہماری توبہ کامل نہیں ہوتی، اس میں پہلی شرط یہ ہے کہ جو گناہ آدمی سے ہوگئے اپنے دل میں اپنے گناہوں پر شرمندہ اور نادم ہو کہ بہت برا کیا، یا اللہ ہمیں آپ کی نافرمانی نہیں کرنی تھی اے پروردگار ہم سے غلطی ہوگئی ہم اس پر نادم اور شرمندہ ہیں۔

دوسری شرط: گناہ چھوڑنا

دوسری شرط یہ کہ اسی وقت اس گناہ کو چھوڑ بھی دے، یہ جو دوسری بات ہے یہ بات کم لوگ پوری کرتے ہیں بلکہ گناہ بدستور جاری رہتا ہے، ویسے ہی استغفار کرلیا جاتا ہے اور ویسے ہی استغفر اللّٰہ، اللّٰھم اغفرلی پڑھ لیا جاتا ہے، تو بھائی گناہ چھوڑے بغیر خالی استغفار کرنے پر تو شیطان بھی ہنستا ہے، گناہ

ختم کئے بغیر سو کے بجائے لاکھ دو لاکھ استغفار ختم کر لے، اس سے کیا ہوتا ہے، یعنی گناہ تو برابر جاری ہے، جب گناہ چھوڑنے کا ارادہ ہی نہیں ہے تو پھر وہ توبہ، توبہ ہی نہیں ہے۔ توبہ اور استغفار کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اس گناہ کو بھی آدمی چھوڑے جس میں مبتلا ہے، فوراً اس کو چھوڑے۔

تیسری شرط: آئندہ نہ کرنے کا عزم

اور تیسری شرط یہ ہے کہ چھوڑنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کرے کہ آئندہ بھی نہیں کروں گا، چاہے اس کو یہ خطرہ ہو اپنے بارے میں کہ یہ گناہ ایسا ہے کہ مجھ سے پھر ہو جائے گا، اس کی پرواہ نہ کرے، فی الحال چھوڑ دے اور آئندہ نہ کرنے کا پختہ عہد کرے، ان تین باتوں کو جب آدم جمع کرے تو تب جا کر آدمی کی توبہ توبۃ النصوح ہوتی ہے، اور اس کی توبہ خالص ہوتی ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول ہوتی ہے، اور وہ ایسی زبردست توبہ ہوتی ہے کہ اسی آن اس کے تمام صغیرہ اور کبیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

بندہ کا حق بندہ سے معاف کرانا ضروری ہے

بشرطیکہ کسی بندہ سے اس گناہ کا تعلق نہ ہو، اگر کسی بندہ کی حق تلفی کی ہوئی ہوگی تو پھر پہلے اس بندے سے معاف کرانا ہوگا، پھر اسی لمحے وہ گناہ معاف ہو جاتا ہے، اور اللہ پاک نے وعدہ فرما رکھا ہے کہ جو ایسی توبہ ہم سے کرے گا اور ایسا استغفار کرے گا تو ہم ضرور اس کی بخشش کریں گے۔

عذاب سے حفاظت کے دو ذریعہ

عذاب سے بچنے کے لئے اللہ پاک نے دو ذریعہ بتلا دئے۔ایک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مبارک اور دوسرا استغفار،حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں دنیا سے جانے والا ہوں میں جب تک دنیا میں ہوں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے مامون ہونے کا ذریعہ ہوں، کیونکہ اللہ پاک نے فرمایا ہے کہ جب تک آپ ان میں موجود ہیں ہم ان پر عذاب نازل نہیں کریں گے، کفار مکہ نے کہا بھی کہ آپ ہم پر عذاب نازل کردیں اگر یہ برحق ہے، اللہ نے فرمایا کہ جب تک حضور موجود ہیں ہم اپنا عذاب نازل نہیں فرمائیں گے، آپ بھی اللہ کے عذاب سے بچنے کا ذریعہ ہیں،تو آپ نے فرمایا میں دنیا سے جانے والا ہوں، آپ تشریف لے گئے اب ایک صرف ایک ذریعہ باقی ہے اور وہ ہے استغفار۔

استغفار ڈھال ہے عذاب سے

جولوگ استغفار کرتے رہیں گے ان پر بھی اللہ کا عذاب نازل نہیں ہوگا، اور استغفار کا مطلب یہی ہے کہ جو گناہ کئے ہیں، ان پر شرمندہ ہوں اور ان کو چھوڑ کر آئندہ نہ کرنے کا عہد کرے،تو جو قوم ایسا کرتی رہے گی تو عذاب جو مقدر ہوگا وہ بھی ٹل جائے گا۔تو ہمیں استغفار کرنے کی ضرورت ہے،اور استغفار اپنے لئے بھی کریں، رشتہ داروں کے لئے بھی کریں،اور دوسرے مسلمانوں کے لئے بھی کریں،اور جہاں قحط پڑا ہوا ہے وہاں کے مسلمانوں کے لئے بھی کریں،

اور پوری دنیا کے مسلمانوں کے لئے بھی استغفار کریں، کہیں جہاد ہو رہا ہے، وہاں بھی استغفار کی ضرورت ہے، جہاں قحط پڑا ہوا ہے وہاں کے لئے بھی استغفار کی ضرورت ہے، اور ہم طرح طرح کی پریشانیوں اور تکلیفوں سے دوچار ہیں اس کے لئے بھی استغفار کرنے کی ضرورت ہے۔

ہم بھی بارش سے محروم ہیں، ہمیں بارش کی سخت ضرورت ہے، اس کے لئے ہمیں ضرورت ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کے توبہ ان لوگوں کے لئے بھی جو اس وقت اس قحط میں مبتلا ہیں استغفار کریں، اور اپنے لئے بھی استغفار کرنا چاہئے، پہلے ان کے لئے کریں پھر اپنے لئے کریں۔

اپنے ساتھ سب مسلمانوں کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ

یہ بہت ہی مختصر سا استغفار ہے اس میں اپنے لئے بھی اور تمام مسلمانوں استغفار آ جاتا ہے، لہٰذا یہ دعا کرنی چاہئے کہ اے اللہ سارے مسلمان مرد اور مسلمان عورتوں کی مغفرت فرما، اور اے اللہ ہم سے جتنے گناہ ہو چکے ہیں ان سب کو معاف فرما، اور ہم پر جو وبال آگیا ہے دشمنوں کی صورت میں، کہیں قحط سالی کی صورت میں، کہیں بارش کے بند ہونے کی صورت میں، کہیں بیماری کی صورت میں، کہیں وباؤں کی شکل میں، کہیں پریشانیوں اور مصیبتوں کی صورت میں، یا اللہ تو ان سب کو اپنے فضل وکرم سے معاف فرما، اور اپنی رحمت سے معاف فرما، اور ہماری کامل مغفرت فرما۔ اور دوسروں کے لئے مغفرت کی دعا

کرنے کے حدیث میں تین فائدے بیان کئے گئے ہیں، یعنی اگر کوئی شخص دوسرے مسلمانوں کے لئے استغفار کرے گا اور ان کی مغفرت مانگے گا تو اس کو تین فائدے حاصل ہوں گے۔

دوسروں کے حق میں دعا کرنے کے تین فائدے

پہلا فائدہ یہ کہ جتنے مسلمانوں کے لئے وہ استغفار کرے گا ہر مسلمان کے بدلے اس کے اعمال نامہ میں ایک نیکی لکھی جائے گی، ذرا سی دیر میں کروڑوں نیکیاں آپ کے نامہ اعمال میں آجائیں گی، اور میں کروڑوں کے بجائے اربوں کھربوں نیکیاں حاصل کرنے کا طریقہ میں بتاتا ہوں، وہ یہ کہ آپ کہیں اے اللہ! آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک جو لوگ وفات پا چکے ہیں، اور جو موجود ہیں، اور جو قیامت تک آئیں گے، سب کی مغفرت فرما دے، ان کی بخشش فرما، اور ان کو اور ہم کو اپنی آغوش رحمت میں جگہ عطا فرما، تو بجائے کروڑوں کے اربوں کھربوں بلکہ لا متناہی تعداد ہوگئی، اللہ تعالیٰ بھی کیسا مہربان ہے وہ اپنی رحمت سے نوازنا چاہتے ہیں کہ تم ان کے لئے استغفار کرلو، ہم تمہارے لئے کردیں گے۔

حالانکہ یہ تو ہمارے ایمان کا تقاضا تھا کہ ہم ان کے لئے دعا کریں اور اگر اس کے بدلہ کوئی اجر نہ ہوتا تب بھی یہ ہمارے ایمان کا تقاضا تھا کہ ہم ان کے لئے دعا کریں، پس اللہ تعالیٰ تو غفور الرحیم ہیں، وہ تو بہانے بہانے سے اپنی رحمتوں کی بارش کرنا چاہتے ہیں، ایک تو یہ فائدہ ہوگیا۔

مستجاب الدعوات بننے کا ذریعہ

دوسرا فائدہ یہ کہ حدیث میں یہ ہے کہ کوئی شخص دوسرے مسلمان کے لئے روزانہ ستائیس مرتبہ استغفار کرے تو اللہ تعالیٰ اس دعا کرنے والے کو مستجاب الدعوات بنا دیتے ہیں، یعنی اس کو اللہ تعالیٰ ان لوگوں میں سے بنا دیتے ہیں جن کی دعا بارگاہ الٰہی میں قبول ہوتی ہے، اب یہ اپنے لئے یا کسی کے لئے بھی اللہ کی بارگاہ میں جب دعا کرے گا تو اس کی دعا رد نہیں ہوگی، اللہ اس کی دعا کو قبول فرمائیں گے کیونکہ اس نے دوسرے مسلمانوں کے لئے دعا کی ہے، ایک حدیث میں ستائیس مرتبہ ہے اور ایک میں پچیس مرتبہ ہے، میں نے ستائیس والی روایت لے لی، کیونکہ اس میں پچیس والی بھی آگئی ہے، تو ایک انعام تو یہ ہوگا کہ اللہ پاک اس کو مستجاب الدعوات بنا دیں گے۔

تیسرا فائدہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو ان بندوں میں شمار کر دیں گے، جن کی بدولت اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو روزی عطا فرماتے ہیں، تو جب اس کی وجہ سے دوسروں کو روزی ملے گی تو کیا یہ محروم رہے گا، جب اس کی وجہ سے قحط دور ہوگا تو یہ خود مال کی فراوانی سے مالا مال ہوگا، اپنا بھی فائدہ اور دوسروں کا بھی فائدہ، دوسروں کے لئے دعا کرنے میں مشغول ہونے میں اللہ نے کتنا فائدہ رکھا ہے، تو ہم کو اس کا ہی احساس کر لینا چاہئے، اور نہیں تو ثواب کا خیال کر لینا چاہئے کہ ہر مسلمان کے بدلے میں ایک نیکی مل رہی ہے، اور روزانہ ہم ستائیس مرتبہ کا معمول بنا لیں گے تو اللہ تعالیٰ دو فائدے اور دیں گے کہ اللہ ہمیں ان لوگوں میں

بنا دیں گے کہ جن کی دعائیں قبول ہوتی ہیں، اور ان لوگوں میں سے کر دیں گے جن کی بدولت مخلوق کو روزی ملتی ہے۔ استغفار کتنی بڑی دولت ہے، بلکہ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ پاک نے استغفار کو ہر تنگی سے نکلنے کا ذریعہ بنانا ہے، ہر مصیبت اور تکلیف سے بچنے کا ذریعہ بنایا ہے، جب بھی کوئی تکلیف اور مصیبت میں مبتلا ہو تو کثرت سے استغفار شروع کر دے تو اللہ تعالیٰ اس استغفار کی برکت سے اس کی تمام مصیبتیں اور پریشانیاں دور فرما دیں گے، اور وجہ اس کی ظاہر ہے، مصیبت آئی، پریشانی آئی تو ہمارے گناہوں کے سبب سے آئی، اور جب ہم نے اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی اور بخشش مانگ لی تو اللہ نے سب کچھ معاف کر دیں گے، وہ ضرور بخشیں گے، وہ رحیم ہیں، لہٰذا وہ ضرور معاف کریں گے۔

جب کافر ایمان لے آتا ہے تو اس کے کفر اور شرک کو بھی اللہ تعالیٰ معاف کر دیتے ہیں، تو مسلمان کا گناہ تو کفر اور شرک سے کم ہے، اس کو اللہ کیوں نہیں معاف فرمائیں گے، اللہ کا وعدہ ہے اللہ پاک معاف فرمائیں گے، ہمیں یقین رکھنا چاہئے، اور یہ کام ہمیں کرنا چاہئے۔

بنی اسرائیل کے ایک گناہ گار نوجوان کا واقعہ

دوسرا کام یہ کرنا چاہئے کہ جہاں کہیں بھی نماز استقاء کا اعلان ہو، وہاں ہمیں بڑے اہتمام کے ساتھ جانا چاہئے، اور نماز استقاء ادا کرنی چاہئے، کیونکہ یہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی بھی سنت ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک مرتبہ قحط پڑ گیا تو

موسیٰ علیہ السلام نے اعلان کر دیا کہ سب میدان میں جمع ہو جائیں، وہاں اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا مانگیں گے، ستر ہزار بنی اسرائیل جمع ہو گئے، موسیٰ علیہ السلام دعا کرانے والے تھے، اور یہ سب آمین کہنے والے تھے، دیر تک یہ سب دعا کرتے رہے، کرے رہے، لیکن بارش نہیں ہوئی، موسیٰ علیہ السلام نے دوسرے دن کا اعلان کر دیا، اور طریقہ بھی یہی ہے کہ ایک دن دعا کرے اگر اس دن نہ ہو تو دوسرے دن پھر کرے، اس دن بھی بارش نہ ہو تو تیسرے دن پھر کرے، اور اگر اس دن بھی نہ ہو تو پھر چھوڑ دے، حضرت موسیٰ علیہ السلام تین دن تک کرتے رہے، اور تیسرے دن بھی دیر تک دعا کرتے رہے، لیکن نہ بارش ہوئی اور نہ بارش کے آثار نمودار ہوئے، تو موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے عرض کی کہ اے اللہ! آپ تو غفور رحیم ہیں، آپ تو اپنے بندوں پر رحم کرنے والے ہیں، آپ تو اپنے بندوں کا رونا دھونا دیکھ کر فوراً پانی برسا دیتے ہیں، لیکن تین دن ہو گئے آپ کی مخلوق رو رہی ہے، پانی مانگ رہی ہے لیکن آپ پانی نہیں برسا رہے؟

بنی اسرائیل کے نوجوان کی توبہ اور بارش کا برسنا

اللہ نے جواب دیا کہ اے موسیٰؑ! اس مجمع میں ایک ایسا آدمی ہے جو چالیس سال سے ہماری نافرمانی کر کے ہمارا مقابلہ کر رہا ہے، اس کی وجہ سے بارش رکی ہوئی ہے، لہٰذا اگر وہ اس مجمع سے چلا جائے تو میں بارش برسا دوں گا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اے اللہ! اسے اتنے بڑے مجمع میں کیسے تلاش

کروں؟ اس سے کیسے ملوں؟ اس کو کیسے جا کے کہوں؟ مجھے کیا پتہ وہ کون آدمی ہے، اللہ نے فرمایا تم ایسا کرو کہ ایک اونچی جگہ پر کھڑے ہو جاؤ، اور کھڑے ہو کر اعلان کرو کہ اس مجمع میں ایک ایسا شخص موجود ہے جس نے چالیس سال تک اللہ کی نافرمانی کی ہے، اور اللہ سے مقابلہ کیا ہوا ہے، اور اللہ کو ناراض کیا ہوا ہے، جس کی وجہ سے بارش موقوف ہے، اس کو چاہئے کہ مجمع سے نکل جائے تاکہ بارش ہو جائے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اعلان کر دیا، اور وہ اعلان اللہ نے اپنی قدرت سے سب تک پہنچا دیا، اس آدمی کے کانوں میں بھی یہ اعلان پہنچ گیا، جب اس کے کانوں میں یہ اعلان پہنچا تو وہ اس پر بجلی بن کر گرا، اب اس کو ہوش آیا اس نے سوچا کہ اب تک تو اللہ نے میرے گناہوں پر پردہ رکھا ہوا ہے، چالیس سال تک کسی کو علم ہی نہیں کہ میں ہی وہ ایسا بد نصیب ہوں، جس کی ناراضگی کے سبب اللہ نے بنی اسرائیل پر پانی بند کیا ہوا ہے، اور تین دن استغفار کے باوجود بارش نہیں ہوئی، اب تک تو اللہ نے پردہ رکھا ہوا ہے، اور اگر آج میں نکلوں گا تو سب کے سامنے رسوا اور ذلیل ہو جاؤں گا، اور اگر نہ نکلوں تو سب کے سب میری وجہ سے باران رحمت سے محروم ہوں گے، اور اگر نکلوں تو میری نسلیں مجھ پر لعنت بھیجیں گی۔

نوجوان کی گریہ زاری اور رحمت الٰہیہ کا جوش میں آنا

لہٰذا اب تو میں پکڑا گیا، اب میں کیا کروں، اور تو اس کو کچھ نہ سمجھ آیا اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا، اور اس نے اپنی پیشانی زمین پر رکھ دی اور ناک

رگڑ دی، اور کہا: اے پروردگار عالم! میں آپ کو آپ کی شان کا واسطہ دیتا ہوں کوئی اور میرا پردہ رکھنے والا نہیں ہے، اور آپ میرے نکلے بغیر اپنی رحمت برسا نہیں رہے، اگر آج آپ نے اپنی رحمت نہیں برسائی تو میں ہمیشہ کے لئے رسوا ہو جاؤں گا، اے کریم! جہاں آپ نے چالیس سال تک میرے گناہوں پر پردہ رکھا، وہاں آج بھی میری لاج رکھ لیجئے، اور مجھے رسوا ہونے سے بچا لیجئے، پس اس نے زمین پر پیشانی رکھ کر رو رو کر اللہ سے عرض کی کہ اے اللہ! میں اپنے گناہوں سے باز آیا، آئندہ نہیں کروں گا، بس آپ نے مجھے آج رسوائی سے بچانا ہے، ذلت سے بچا لیجئے، اب اِدھر وہ دعا کر رہا ہے، اُدھر موسیٰ علیہ السلام دیکھ رہے ہیں کہ کب وہ نکلے گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ نکلا تو کوئی نہیں لیکن بادلوں کی گھٹائیں چھا رہی ہیں، اور ذرا سی دیر میں ستر ہزار بنی اسرائیل کے اوپر چھا گئیں، اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگیں، اور ٹپ ٹپ بارش ہونے لگی۔

زحمت کو رحمت سے بدلنے کا آسان طریقہ

موسیٰ علیہ السلام حیران ہیں کہ یا اللہ! اعلان کچھ اور ہوا تھا، ماجرا کچھ اور ہو گیا، اعلان ہوا تھا کہ وہ بندہ اگر اس مجلس سے نکل جائے تو بارش ہو گی، بندہ تو نکلا نہیں، لیکن بارش ہو گئی، عجیب معاملہ ہو گیا یا اللہ! آپ کی رحمت کا عجیب و غریب معاملہ ہوا ہے، میرے سامنے تو کوئی بندہ نکلا نہیں، اور آپ نے بارش برسا دی ہے یہ کس کی وجہ سے ہوا ہے، اللہ نے فرمایا یہ بارش اسی بندے کی وجہ

سے ہوئی ہے، جس کی وجہ سے رکی ہوئی تھی، اب اسی کی وجہ سے بارش ہوئی ہے، وہ بندہ ہماری نافرمانی سے باز آ گیا، اور جو بندہ نافرمانی سے باز آجاتا ہے ہم اس کو اپنی آغوش رحمت میں لے لیتے ہیں، اس بندے نے سر رکھ دیا اس نے آنسو بہائے، ہم نے اس کو معاف کر دیا۔

اپنے بندے کے گناہوں پر پردہ ڈالنا

موسیٰ علیہ السلام نے ایک اور درخواست کی کہ یا اللہ! یہ تو بڑا عجیب بندہ ہے، یہ تو دیکھنے کے قابل ہے، ذرا وہ بندہ تو دکھلا دیجئے، جس کی وجہ سے بارش رکی ہوئی تھی اور پھر اس کی وجہ سے آپ نے بارش برسا دی ہے، اللہ نے فرمایا کہ چالیس سال تک ہم نے جس کا پردہ رکھا آج تمہیں دکھا کر اس کو رسوا کر دیں۔ حالانکہ موسیٰ علیہ السلام فرما رہے ہیں یا اللہ! میں تو اس کی زیارت کرنا چاہ رہا ہوں، لیکن اللہ تعالیٰ ایسے ستار ہیں کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کو بھی نہیں دکھانا چاہ رہے کہ یہ ہے وہ بندہ جس کی وجہ سے اعلان ہوا تھا اور جس کی وجہ سے پھر بارش ہوئی ہے، تو یہ نماز استسقاء انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔

آقا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا پر بارش ہونا

ایک مرتبہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی قحط پڑ گیا، لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اور آپ سے شکایت کی کہ قحط پڑ گیا ہے، جس کی وجہ سے کافی تکلیف ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں جہاں پر آج کل مسجد غمامہ ہے وہاں پر سب کو لے کر جمع ہو گئے، اور وہیں پر حضور صلی اللہ

علیہ وسلم عید کی نماز پڑھا کرتے تھے، وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز استسقاء بھی پڑھائی اور دعا بھی فرمائی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے ابھی لوگ گھروں کو واپس نہیں پہنچے تھے کہ ایک بدلی چھا گئی، اور اتنی زور دار بارش برسی کہ بارش سے بچنے کے لئے صحابہ کرام حفاظت کی جگہوں پر لپکے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دیکھ کر ہنسی آ گئی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک کھل گئے کہ ابھی تو بارش نہ ہونے کی وجہ سے ایسی تکلیف میں تھے، اور اب جان بچانے کے لئے بھاگ رہے ہیں۔

نماز استسقاء کے چند آداب

لہٰذا جہاں کہیں بھی نماز استسقاء کا اعلان ہو وہاں پر جانا چاہئے، اور عاجزی کے ساتھ جانا چاہئے، اور پیدل جانا چاہئے، ننگے پاؤں جانا چاہئے، جانے سے پہلے صدقہ دینا چاہئے، اور پھر وہاں دل و جان کے ساتھ نماز پڑھنی چاہئے، اور خوب گڑگڑا کر دعا کرنی چاہئے، اور اپنے گناہوں کی معافی مانگنی چاہئے، جب دل و جان سے نماز پڑھی جاتی ہے اور گڑگڑا کر دعا مانگی جاتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ ضرور اپنی رحمت برساتے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَ یَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ

(سورۃ الشوریٰ:۲۸)

اللہ تعالیٰ کی شان رحمت ہے جب انسان مایوس ہو جاتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کی بارش برساتے ہیں، بس ہمارا دل سے مانگنا شرط ہے، دل

سے دعا کرنے کی ضرورت ہے۔

بے سہارا لوگوں کے لئے ہمارا مذہبی فریضہ

ہمیں اب ان لوگوں کے لئے اپنا مال خرچ کرنے کی ضرورت ہے جو لوگ قحط سالی میں مبتلا ہیں، ان کے لئے حسب توفیق جس کی جتنی گنجائش ہو اگر کوئی شخص ایک روپیہ بھیج سکتا ہو وہ ایک روپیہ بھیج دے، جو پانچ روپے بھیج سکتا ہو وہ پانچ روپے بھیج دے، جو دس بھی سکتا ہو وہ دس بھیجے، جو سو روپے بھیج سکتا ہو وہ سو روپے بھیجے، جو ہزار روپے بھیج سکتا ہو وہ ہزار روپے بھیج دے، جو لاکھ روپے بھیج سکتا ہو وہ لاکھ روپے بھیج دے اور جو کروڑ روپے بھیج سکتا ہو وہ کروڑ روپے بھیج دے، اللہ کی رضا کے لئے اور ان کی خیر خواہی کے لئے یہ بھی ہمارے دین و ایمان کا ہم سے مطالبہ ہے کہ ہم ان کے احساس کے ساتھ ان کا جو مداوا کر سکتے ہوں، ان کی جو تکلیف دور کر سکتے ہوں، وہ کریں، مال اسی لئے اللہ نے عطا کیا ہے کہ ہم ان کی مدد کے لئے اور اللہ کی رضا کے لئے بھیجیں، اس طرح سے جو لوگ ان کی مدد کر رہے ہیں، ان کے ذریعہ سے ہم بھیج سکتے ہیں، اسی طرح غذائی قلت کے لئے ہم غذا بھیج سکتے ہیں۔

خلاصہ کلام

خلاصہ یہ کہ استغفار کرنے کی ضرورت ہے اپنے لئے بھی، مسلمانوں کے لئے بھی، ان کی تکلیف کا احساس کرنے کی ضرورت ہے کہ ان کی تکلیف کس طرح سے دور ہوگی، اور نماز استسقاء کی ضرورت ہے، اس میں دل جان سے

شرکت کی ضرورت ہے، اس کو سنت سمجھ کر ادا کریں، توجہ اور دھیان سے شرکت کریں، اور اپنے مال کے ذریعہ حسب استطاعت ان کی مدد کرتے رہیں اور اللہ تعالیٰ ہماری اور ان کی اس تکلیف کو دور فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العٰلمین

دوسروں کو تکلیف دینا حرام ہے

حضرت مولانا مفتی عبد الرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی بیانات : جلد نمبر: ۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دوسروں کو تکلیف دینا حرام ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ،وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَ مَنْ يُضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَ عَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْماً كَثِيْراً... أَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ o بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا o صدق اللّٰه العظيم.

(الاحزاب:۵۸)

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے بیٹے کو وصیت کرنا

میرے واجب الاحترام بزرگو اور محترم سامعین! گذشتہ اتوار کو میں نے آپ کی خدمت میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی وہ نصیحت اور وصیت جو انہوں نے اپنے صاحبزادے حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ کو فرمائی تھی، اس کا ایک حصہ اور ایک حدیث بیان کی تھی، امام صاحب نے فرمایا کہ پانچ لاکھ حدیثوں میں سے میں نے پانچ حدیثیں منتخب کی ہیں، میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ تم ان پانچ حدیثوں پر اپنا عمل رکھنا، ان پانچ حدیثوں میں سے پہلی حدیث یہ ہے:

پہلی وصیت

انما الاعمال بالنیات وانما لامرمانوی

''تمام اعمال کا دارومدار نیت پر ہے، اور آدمی کے لئے وہی ہے جو اس کی نیت ہے''

اس کی وضاحت آپ کے سامنے بیان کی گئی تھی، آج ان پانچ حدیثوں میں سے دوسری حدیث آپ کی خدمت میں بیان کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ یہ بڑی اہم حدیث ہے، اور وہ اسلام کے پانچ شعبوں میں سے ایک اہم شعبہ کی بنیاد ہے، اگر اس حدیث پر ہمارا عمل درست ہو جائے اور صحیح ہو جائے تو دین کا مستقل شعبہ ہمارے اندر آ جائے گا، جس پر عمل کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔

حقیقی مسلمان کون؟

وہ حدیث یہ ہے۔

المسلم من سلم المسلمون من لسانه و يده او كما قال صلى الله عليه و سلم

''مسلمان وہ شخص ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں، یعنی نہ اس کی زبان سے دوسروں کو تکلیف پہنچے اور نہ اس کے ہاتھوں سے دوسروں کو تکلیف پہنچے'' اس کو مسلمان کہتے ہیں، یہ حدیث اسلام کے اہم شعبہ معاشرت کی بنیاد ہے۔

اہم شعبے پانچ ہیں

ہمارے دین کے اندر پانچ شعبے ہیں۔ ۱۔ عقائد۔ ۲۔ عبادات۔ ۳۔ معاملات۔ ۴۔ معاشرت۔ ۵۔ اخلاقیات۔ یہ پانچ شعبے ہیں، ہر شعبہ میں فرائض بھی ہیں، واجبات بھی ہیں، سنن بھی ہیں، مستحبات بھی ہیں اور حرام و ناجائز بھی ہیں۔ فرائض و واجبات کو اپنانے کا حکم ہے، حرام اور ناجائز سے بچنے کا حکم ہے، عقائد میں بھی، عبادات میں بھی، معاملات میں بھی، معاشرت میں بھی، اخلاقیات میں بھی اور قرآن و حدیث ان پانچوں شعبوں سے بھرے ہوئے ہیں۔

صرف عقائد اور عبادات کا نام دین نہیں

اب کچھ عرصے سے بے حسی اور بے عملی کی وجہ سے عام طور پر مسلمانوں کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ دین صرف عقائد اور عبادات کا نام ہے، عقائد درست کر لئے جائیں، صحیح کر لئے جائیں، اور نماز، روزہ، زکوۃ، حج پر عمل کیا جائے اور ان کو اپنایا جائے اور ان کو اہتمام سے پورا کیا جائے، بس اس کا

نام مسلمانی اور دینداری ہے، معاملات کس کو کہتے ہیں؟ تجارت کس طریقہ سے کرر ہا ہے؟ ملازمت کے فرائض انجام دے رہا ہے یا نہیں؟ زراعت کے اندر حرام وحلال کی تمیز ہے یا نہیں؟ معاشرت اس کی کیسی ہے؟ اخلاق و اعمال اس کے کیسے ہیں؟ اس کی طرف اس کی کوئی توجہ نہیں ہے، حالانکہ جیسے عبادت میں فرائض وواجبات ہیں اوران کا سرانجام دینا ضروری ہے، اسی طرح باقی شعبوں میں بھی فرائض و واجبات ہیں، جن کا انجام دینا ضروری ہے، صرف عقائد و عبادات میں دین کو محدود کرنا اور معاملات، معاشرت اور اخلاقیات کو دین سے خارج سمجھنا نادانی ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ بعض لوگ عقائد وعبادات کے بڑے پکے ہیں، لیکن جب وہ تجارت گاہ پہنچتے ہیں تو وہ لوٹ بھی رہے ہیں، دھوکے بھی دے رہے ہیں، حرام بھی کھا رہے ہیں، رشوت بھی لے رہے ہیں، ناجائز معاملات بھی کرر ہے ہیں، معاشرت درست نہیں، خلاف شرع معاملات اپنائے ہوئے ہیں، بس چند اخلاق کے پابند ہیں، ورنہ متعدد بداخلاقیوں میں مبتلا ہیں، اس لئے کہ ان کو ہم نے دین نہیں سمجھا، جب ان کو دین نہیں سمجھا تو ان کی طرف توجہ نہیں کی، تو اس کے نتیجے میں ان تین شعبوں میں دین سے بہت دور ہیں۔

اللہ کی رضا پورے دین پر عمل کرنے سے ملے گی

یاد یہ رکھنا چاہئے کہ صحیح معنوں میں مسلمان ہونے کے لئے اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی پانے کے لئے ضروری ہے کہ مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں پانچوں شعبوں میں اللہ تعالیٰ کے احکام بجا

لائیں، جو شخص ان پانچوں شعبوں کو اللہ کے احکام کے مطابق اختیار کرے گا، اور اس میں حرام و ناجائز سے بچے گا تب اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرے گا۔

معاشرت کا خلاصہ ''کسی کو تکلیف نہ دو''

پانچوں شعبوں کے بارے میں قرآن و حدیث میں احکام موجود ہیں، اسی طرح معاشرت کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ کے احکام موجود ہیں، میں نے اس لئے اس حدیث کا انتخاب کیا ہے تاکہ معاشرت کے بارے میں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جو تعلیمات ہیں وہ ہمارے سامنے آجائیں، اور ان تعلیمات میں جن سے بچنے کا حکم ہے اس سے پرہیز کریں، اور جن کو ادا کرنے کا حکم ہے ان کو ہم بجالائیں۔ جو آیت میں نے تلاوت کی اس کا اور اس حدیث کا لب لباب یہ ہے کہ مسلمان کو چاہئے وہ مرد ہو یا عورت دنیا میں اس طرح رہے کہ اس کی جانب سے کسی کو ناحق تکلیف نہ پہنچے۔

دنیا میں بے ضرر بن کر رہو

جہاں شریعت کا حکم ہو سزا دینے کا تو وہاں سزا دینا ضروری ہے کیونکہ یہ شریعت کا حکم ہے، ناحق بغیر کسی شرعی وجہ کے یہ جائز نہیں ہے کسی بھی مسلمان کو تکلیف دے، بس یہ ایک بنیادی تعلیم بیان فرمائی۔ اس کی بہت سی تفصیلات ہیں، اور جزئیات ہیں، جو پورے معاشرت کے اندر کئی طرح پھیلے ہوئے ہیں، بس بنیادی بات ذہن میں بیٹھ جائے کہ میں نے دنیا میں ایسے رہنا ہے کہ میری وجہ سے کسی دوسرے مسلمان کو ناحق تکلیف نہ پہنچے، اس لئے کہ صحیح معنوں میں

وہی مسلمان کہلانے کا مستحق ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے کسی دوسرے مسلمان کو تکلیف نہ پہنچے اور اس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

ہماری دنیا جنت بن سکتی ہے

ہر شخص اس اصول کو اپنا لے تو پھر دنیا ہی جنت کا نقشہ بن جائے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا اس سلسلہ میں ایک شعر ہے کہ:

بہشت آنجا کہ آزارے
کسے را با کسے کارے

بہشت اسے کہتے ہیں جہاں کسی کو بھی کوئی تکلیف نہ ہو، اور کسی کو بھی کسی سے کوئی غرض نہ ہو، تو جنت ایسی جگہ کا نام ہے، جہاں کسی کو بھی کوئی تکلیف نہیں، اگر دنیا میں بھی ہمیں ایسا رہنا آجائے اور ایسا رہنا سیکھ جائیں کہ کسی کو کوئی تکلیف نہ پہنچے تو جنت کی جھلک یہیں ہمیں نظر آئے گی۔

اس وقت ساری دنیا پریشان ہے سوائے اہل اللہ کے

اس وقت ہماری حالت یہ ہے کہ راحت اور سکون جس کا نام ہے وہ ہمارے گھروں سے مفقود ہو گیا، نہ گھر میں سکون ہے نہ باہر سکون ہے، جہاں جاتے ہیں وہاں بے سکونی، بے قراری پائی جاتی ہے، اب انسانیت بے چین ہے، بے تاب ہے، بہت ہی زیادہ کرب کے اندر مبتلا ہے۔

احکام خداوندی پر نہ چلنے کا انجام

اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ ہم اس حکم پر جس کا اس آیت میں اور اس حدیث میں ذکر ہے اس پر عمل پیرا نہیں ہیں، عمل نہ کرنے کی وجہ سے ہم ایک دوسرے کا گلا کاٹ رہے ہیں، اور ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح کا طرز اپنائے ہوئے ہیں کہ اس سے تکلیف پہنچ رہی ہے، گھر کے افراد گھر میں ایک دوسرے کو تکلیف اور ایذا پہنچانے میں لگے ہوئے ہیں، محلّہ والے بھی ایک دوسرے کی ایذا رسانی کا سبب بنے ہوئے ہیں، شہر والے بھی اسی طرح لگے ہوئے ہیں، ملک والے بھی، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ پورا ملک اس کرب اور بے چینی میں مبتلا ہے۔

جانور کی تین اقسام کا تذکرہ

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی پیاری بات ارشاد فرمائی کہ جانوروں کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ بعض جانور تو ایسے ہیں کہ ان سے تکلیف پہنچتی ہی نہیں، اگر پہنچتی ہے تو برائے نام شاذ و نادر، جو نہ ہونے کے برابر ہے، مگر ان سے نفع لوگوں کو عام طور پر پہنچتا ہے، جیسے حلال جانور گائے، بھیڑ، بکری، بیل اور اونٹ وغیرہ، اب انسان کو ان سے فائدہ ہی پہنچتا ہے، ان پر سواری کرتا ہے جیسے اونٹ ہے، ان پر سامان بھی لادتا ہے اور بوقت ضرورت ان کو ذبح کر کے ان کا گوشت استعمال کرتا ہے، اور ان کی کھال بھی استعمال کرتا ہے، ان کے جسم کی کوئی چیز ضائع نہیں

ہوتی، اکثر اعضاء ان کے انسان کے کسی نہ کسی کام میں آجاتے ہیں، تو یہ جانور زندہ رہیں تب انسان کو ان سے فائدہ پہنچتا ہے اور ذبح کرلیں تب بھی انسان کو ان سے فائدہ ہی پہنچتا ہے۔

۲۔ بعض جانور ایسے ہیں جن سے انسان کو تکلیف ہی پہنچتی ہے، جیسے سانپ، بچھو، درندے ہیں، یہ انسان کو تکلیف ہی پہنچاتے ہیں، ان سے انسان کو کوئی نفع نہیں پہنچتا، اس لئے انسان ان سے بہت بچتا ہے، اور ڈرتا ہے، اور بڑے احتیاط سے رہتا ہے، اور کہیں نظر آجائیں تو سب کے سب فوراً ہوشیار ہو جاتے ہیں، کیونکہ سب جانتے ہیں کہ یہ سانپ ڈسے گا، لہٰذا اس کو ماردو، اور اگر نہیں ماروگے تو وہ تمہیں ڈس لے گا، یہ دوسری قسم ہوگئی جانوروں کی جو تکلیف ہی پہنچاتے ہیں، راحت ان سے نہیں پہنچتی۔

۳۔ تیسری قسم جانوروں کی وہ ہے جو نہ نفع پہنچاتے ہیں نہ ہی نقصان پہنچاتے ہیں، جیسے بلی ہے، بندر ہے، چھوٹے کتے جو حملہ نہیں کرسکتے، ایسے ہی گیدڑ، یہ جانور ایسے ہیں جو عام طور پر نہ کسی کو نفع پہنچاتے ہیں، نہ نقصان۔

حضرت فرماتے ہیں یہ تین قسم کے جانور ہیں، اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اے انسان تو اشرف المخلوقات ہے، لہٰذا تو اشرف المخلوقات ہونے کا ثبوت دے۔

انسان اشرف المخلوقات ہی بن کر رہے

اشرف المخلوقات ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار بنے، تیری فرمانبرداری اور اطاعت دین کے سارے شعبوں کے اندر ہو تو اشرف

المخلوقات میں سے ہے، اور اگر تو اشرف المخلوقات میں سے نہیں بننا چاہتا، جانور بننے کا ہی ارادہ کرلیا ہے، اللہ نے تجھ کو انسان بنایا ہے، تو انسان بن، لیکن اگر تو انسانیت سے نیچے ہی گرنا چاہتا ہے تو جانوروں کی جو پہلی قسم ہے اس میں شامل ہو جا، تاکہ دوسروں کو نفع پہنچانے والا بن جائے، اپنی ذات سے، اپنی زبان سے اور اپنے ہاتھوں سے دوسروں کو فائدہ پہنچا، نقصان نہ پہنچا، جیسے گائے، بیل، بھینس، بھیڑ وغیرہ کہ تم ان کا دودھ استعمال کرتے ہو، مکھن استعمال کرتے ہو، نفع ہی نفع پہنچا رہے ہیں، اور اگر تم اس سے بھی نیچے گرنا چاہتے ہو تو پھر تم تیسری قسم میں شامل ہو جاؤ، جانوروں کی اس قسم میں شامل ہو جاؤ جن سے نہ تو نفع پہنچتا ہے اور نہ نقصان، تو کم از کم تم ایسے بنو کہ تم سے اگر کسی کو فائدہ نہ پہنچے تو تکلیف بھی نہ پہنچے، اس طرح سے رہو جس طرح سے یہ جانور رہتے ہیں، جن سے کسی کو نہ تو فائدہ پہنچتا ہے اور نہ ہی کسی کو نقصان پہنچتا ہے، لہٰذا ان جانوروں کی طرح ہو جاؤ۔

انسان بنو، جانور نہ بنو

لیکن کم از کم جانوروں کی دوسری قسم میں تو مت داخل ہو، جن سے انسان کو تکلیف ہی تکلیف پہنچتی ہے، راحت اور آرام نہیں پہنچتا۔ شیر اور بھیڑیا مت بنو، کاٹنے والا کتا مت بنو، جانوروں کی اس قسم میں اپنے آپ کو مت داخل کرو۔ یہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے انسانوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم پہلی اور تیسری قسم میں رہو، لیکن دوسری قسم میں مت رہو۔

لہٰذا انسان پہلی اور تیسری قسم میں اسی وقت آسکتا ہے جب انسان حضور

اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی تعلیمات پر عمل پیرا ہوگا، اور اگر انسان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی ہدایات اور تعلیمات پر عمل پیرا ہو جائے (اور اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین) تو پھر انسان جانوروں سے بالا اشرف المخلوقات میں سے ہو جاتا ہے، جس کا بہت ہی اونچا مقام ہے۔ (اللہ تعالیٰ اسی میں ہمیں شامل فرمائے، آمین) تو مسلمان ہونے کے لئے انسان ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اس میں انسانیت ہو، اور انسانیت اسی کا نام ہے کہ اس کے قول وفعل سے کسی دوسرے کو تکلیف نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو علم مثالی عطا فرماتے ہیں

اسی حقیقت کو مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے، ہر ایک کا اپنا اپنا انداز ہے، اور یہ دونوں بزرگ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ یہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کو اللہ پاک نے دین کے حقائق اور تعلیمات اور دین کے احکامات مثالوں کے ذریعہ ذہن نشین کرنے کا ملکہ عطا فرمایا تھا، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عطیہ ہے، جو کسی کسی کو عطا فرماتے ہیں، اس کے نتیجے میں وہ مشکل سے مشکل بات کو مثال کے ذریعہ سے بیان کر کے آسانی سے ذہن نشین کر دیتے ہیں، ہمارے زمانے میں حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے ضرب الامثال کا علم عطا فرمایا تھا، کہ حضرت کے مواعظ اور ملفوظات میں عجیب عجیب بے شمار مثالیں ملیں گی، جن کے ذریعہ سے مشکل مسائل کو آسانی سے حل فرما دیا، تو مثال کے ساتھ

آسانی سے بات ذہن اور دل میں اتر جاتی ہے۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ بھی ایسی شخصیت ہیں، جنہوں نے مثنوی کے اندر دین کے احکامات کو مثالوں کے ذریعہ ذہن نشین فرمایا، کہیں احکامات ہیں، کہیں واقعات ہیں، کہیں مثالیں ہیں، یہ حکایات و واقعات فرضی بھی ہو سکتے ہیں، اور حقیقی بھی ہو سکتے ہیں۔ لیکن ان کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ ان کو پڑھ کر سن کر ان کو سمجھ کر دین کی بات دل میں نقش ہو جائے اور اس پر عمل ہو جائے۔ مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان باتوں کو اپنائے، اور اس کے اندر اچھے اخلاق ہوں، بداخلاقی اس میں نہ ہو، اصل بات یہی ہے کہ دوسروں کو راحت پہنچانے والا ہو، تکلیف پہنچانے والا نہ ہو، تو وہ مسلمان کہلانے کے لائق و مستحق ہے، اور نہیں تو پھر انسانیت سے خارج ہے، انسان کہلانے کے لائق بھی نہیں، اور مسلمان کہلانے کا بھی مستحق نہیں ہے۔

سورج کی روشنی میں چراغ جلانا

حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کو اس طرح بیان فرمایا ہے کہ مثال کے طور پر دوپہر کے وقت جب سورج زمین اور آسمان کے بیچ ہے اور بازار میں ہر طرف دھوپ پھیلی ہوئی ہے، بازار کا گوشہ گوشہ دھوپ کی روشنی سے واضح اور نمایاں ہے، کوئی چیز مخفی نہیں ہے، کہیں بھی اندھیرا نہیں ہے، بازار میں دکاندار اپنی دکانوں میں بیٹھے ہوئے ہیں، اور اپنا مال خرید و فروخت کر رہے ہیں، لوگ آ رہے ہیں، جا رہے ہیں، اور خریداری ہو رہی ہے،

اور بازار خریداروں سے بھرا ہوا ہے، اس وقت میں ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ چراغ لے کر بازار میں کوئی چیز ڈھونڈ رہا ہے، کسی نے اس سے پوچھا کہ اللہ کے بندے دوپہر کا وقت ہے، سورج نکلا ہوا ہے، دھوپ ہے، روشنی ہے، اور بازار کا کوئی گوشہ بھی تاریک نہیں ہے، ایسی وہ کون سی باریک چیز ہے جو تم اس چراغ سے تلاش کر رہے ہو، اور سورج کی روشنی بھی کافی نہیں ہے، اور اپنا چراغ جلائے ہوئے ہو، حالانکہ وہ مدھم ہے، دھوپ کے آگے اس کی کوئی طاقت نہیں ہے، مگر تم نے مزید روشنی کو حاصل کرنے کے لئے اس چراغ کو جلا رکھا ہے، آخر وہ کون سی چیز ہے جو تم اس چراغ کی روشنی میں تلاش کر رہے ہو، سورج کی روشنی بھی تمہارے لئے کافی نہیں ہے؟

چراغ والے کو آدمی کی تلاش

اس شخص نے بڑا عجیب جواب دیا اور کہا کہ میں اس بازار میں آدمی تلاش کر رہا ہوں، جب اس نے یہ کہا کہ میں آدمی تلاش کر رہا ہوں تو پوچھنے والا اور حیران ہو گیا، اور اس نے کہا کہ بھائی عجیب بات کہہ رہے ہو کہ میں آدمی تلاش کر رہا ہوں، یہ جو آدمی بازار میں اتنی بھیڑ کے ساتھ چل پھر رہے ہیں، کندھے سے کندھا ٹکرا رہا ہے، دکاندار دکانوں پر ہیں، یہ تمہیں نظر نہیں آتے؟ بڑے عجیب آدمی ہو کہہ رہے ہو آدمی تلاش کر رہا ہوں، آدمیوں سے بازار بھرا ہوا ہے، جدھر دیکھو آدمی ہی آدمی نظر آرہے ہیں، اور تم کہہ رہے ہو آدمی تلاش کر رہا ہوں، تو کیسا آدمی تلاش کر رہے ہو؟

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس چراغ کے ذریعہ تلاش کرنے والے نے جواب دیا، بہت پیارا جواب دیا، جو سونے کے قلم سے لکھنے کے قابل ہے، اس نے کہا: ''کہ بھائی یہ جو بے شمار آدمی تمہیں بازار میں نظر آرہے ہیں، یہ تو ظاہری شکل وصورت سے انسان ہیں، حقیقت کے اعتبار سے انسان نہیں ہیں، حقیقت میں تو یہ روٹی اور خواہشات نفسانی کے مارے ہوئے انسان ہیں، ان کے اندر کوئی اخلاق نہیں ہے، ان کے اندر کوئی انسانیت نہیں ہے، لہٰذا میں تو اصلی اور حقیقی انسان کو تلاش کر رہا ہوں، جو اس بازار میں نہیں ہے، اور جن آدمیوں کی طرف تم اشارہ کر رہے ہو تو یہ انسان کی شکل میں ہیں، حقیقت میں انسان نہیں ہیں''۔

انسان نما جانور

ایک فارسی کے شعر کا مفہوم ہے کہ جو انسان تم بازاروں میں دیکھ رہے ہو یہ انسانوں کے لباس میں ہیں، درحقیقت یہ انسان نہیں ہیں، جیسے انسان کی شان ہے یہ ایسے نہیں ہیں، یہ انسانیت کے غلاف میں ہیں انسان نہیں ہیں، ان میں آدمیت اور انسانیت نہیں ہے، کیونکہ انسان ہونا اور ہے، اور انسانیت ہونا اور ہے، آدمی اور ہے اور آدمیت اور چیز ہے، آدمی ہوسکتا ہے لیکن اس میں کوئی انسانیت نہ ہو یہ بھی ہوسکتا ہے، انسانیت بھی ہو اور انسان بھی ہو تو یہ مطلوب ہے۔ لیکن انسان ہو اور انسانیت نہ ہو یہ اسی قسم کے لوگ ہیں جو ان بازاروں میں چل پھر رہے ہیں، اور میں تلاش کر رہا ہوں اس آدمی کو جس میں انسان اور اور انسانیت دونوں ہوں، اس کے اندر اخلاق ہوں، اور اس میں انسانیت ہو کہ

وہ دوسروں کو راحت پہنچانے والا ہو۔

جس میں انسانیت نہیں وہ انسان نہیں

پھر مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے شعر میں ایک بہت ہی پیاری مثال بیان کی ہے، فرماتے ہیں کہ دیکھو عود ایک خوشبودار لکڑی ہے، اس کو پیسو اور گھر میں رکھو تو پورا گھر خوشبودار بن جائے، اس کو تیل میں ڈالو تو وہ خوشبودار بن جائے، اپنی ذات کے اعتبار سے وہ لکڑی ہے لیکن دوسری لکڑیوں سے زیادہ ممتاز ہے، اس لئے ممتاز ہے کہ اس میں خوشبو ہے، لیکن اگر وہ لکڑی تو عود کی ہو مگر اس میں خوشبو نام کی بھی نہیں ہو تو پھر اس کو جلانے کا ایندھن کہنا چاہیے۔ جیسے اور لکڑیاں آگ جلانے کے کام آتی ہیں، وہ بھی آگ جلانے کے کام آتی ہے۔ لہٰذا انسان ہونے کے لئے بھی ضروری ہے کہ اس میں انسانیت ہو، تب تو وہ انسان کہلانے کے لائق ہے، ورنہ تو وہ ایسے ہیں جیسے جانور ہیں، جیسے اور حیوان ہیں یہ بھی ایک حیوان ہے، بس اتنا ہے کہ وہ بولتے نہیں، یہ بولتا ہے، یہ بولنے والا حیوان ہے۔

انسان اور آدمی کی تعریف

پھر آگے فرمایا انسانیت گوشت پوست کا نام نہیں ہے، دو آنکھ دو پاؤں وغیرہ کا نام انسان نہیں ہے، اس کا نام انسانیت اور آدمیت نہیں ہے۔ انسان تو اس کو کہتے ہیں جس کے اندر اچھے اچھے اخلاق اور اچھے اچھے اعمال ہوں، جن سے وہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرے، وہ اخلاق اور اعمال اس کو اللہ تعالیٰ کا محبوب بنادیں، اور ظاہر ہے اللہ تعالیٰ کی رضا جب ہی حاصل ہوگی جب اس کی

عبادات صحیح ہوں، عقائد صحیح ہوں، وہاں معاشرت بھی درست ہو کہ اس کی وجہ سے کسی کو تکلیف نہ ہو، جس کو یہ کیفیت حاصل ہوگی اس کو رب کی رضا نصیب ہوگی، اور اسی کو پھر انسانیت اور آدمیت کہا جائے گا، اور جس کے اندر یہ صفت نہیں ہے اور اس کی زبان اور ہاتھ سے دوسروں کو تکلیف پہنچتی ہے، چاہے وہ دوسرے اپنے گھر کے اندر رہنے والے ہوں، جیسے بیوی کو شوہر سے، شوہر کو بیوی سے، والدین کو اولاد سے، بہن بھائیوں کو ایک دوسرے سے، پڑوسیوں کو ایک دوسرے سے، جہاں بھی انسانوں کو ایک دوسرے سے تکلیف پہنچ رہی ہو تو سمجھو کہ وہ آدمیت اور انسانیت سے خالی ہے، اس کی یہ ایذا رسانی ہرگز اللہ کی رضا کا باعث نہیں بن سکتی، بلکہ اللہ تعالیٰ کی سخت ناراضگی کا سبب اور باعث ہے، جس سے بچنا ضروری ہے۔

انسانیت کے اعلیٰ منصب پر فائز انسان

پھر آخر میں ایک مثال کے ذریعہ سے دو انسانوں کی مثال دیتے ہیں، ان میں سے ایک انسانیت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہے، اور دوسرا انسانیت سے خارج ہے، ظاہر میں دونوں کا جسم ایک جیسا ہے، لیکن ان دونوں میں بڑا فرق ہے، جیسے ایک لکڑی وہ ہے جس میں خوشبو نہ ہو، تو وہ دوسری لکڑیوں کی طرح ہے، اور دوسری لکڑی وہ ہے جس میں عود کی خوشبو ہے، وہ دوسری لکڑیوں سے ممتاز ہے، اگر صرف ظاہری شکل وصورت سے انسان، انسان ہوا کرتا، ظاہری آنکھ، ناک، کان دیگر اعضاء کا نام انسان ہوتا ہے، تو پھر رحمت کائنات سرور کونین صلی اللہ

علیہ وسلم اور ابوجہل برابر ہو جاتے، یہ سب جانتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں جہانوں کے سردار ہیں، اور پھر ابوجہل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا فرعون ہے، جو بدترین انسان ہے، بدترین خلائق میں سے ہے، انسانیت کے دائرے سے خارج ہے، لہٰذا حقیقت میں اس کا اعتبار ہے کہ کون اللہ کی رضا کا حامل ہے، اور ایسے اخلاق اپنائے ہوئے ہے، جس سے اللہ کی رضا اس کو حاصل ہوتی ہے، اور اپنے آپ کو ایسے اعمال سے بچایا ہوا ہے جس سے اللہ کی رضا حاصل نہیں ہوتی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

انك لعلى خلق عظيم (القلم: ٤)

یعنی آپ اخلاق کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں، یہ وہ مقام ہے جس کو انسان بیان ہی نہیں کرسکتا، صرف اللہ ہی بیان کرسکتا ہے۔

حضرت انسؓ کے ساتھ آپ ﷺ کا برتاؤ

معلوم ہوا کہ بہترین انسان اور آدمی ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے اندر انسانیت اور آدمیت ہو، اسی کی تعلیم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے، جس کی بہت سی مثالیں ہیں، جس میں سے میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مثال بیان کرتا ہوں، یہ وہ صحابی ہیں جن کو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال خدمت کرنے کی سعادت نصیب ہوئی ہے، دس سال کی مدت کوئی چھوٹی نہیں ہوتی، دس سال تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتے رہے ہیں، ان کا ارشاد ہے کہ دس سال کے

طویل عرصے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کبھی مجھے مارا، نہ ڈانٹا، اور نہ کبھی مجھ پر غصہ کیا، اور نہ کبھی کہا کہ میں نے تمہیں فلاں کام کرنے کا کہا تھا، وہ تم نے کیوں نہیں کیا، جس سے منع کیا وہ کام کیوں کیا، یہ دس سال تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نہیں کہا، وہ اپنا قصہ سناتے ہیں کہ: ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کسی کام کے لئے بھیجا، میں جب گیا تو راستے میں بچے کھیل رہے تھے، میں ان کو دیکھنے لگا اور جس کام کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بھیجا تھا میں نے وہ نہیں کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرا انتظار فرما رہے تھے کہ میں واپس آؤں اور آپ کو اس کام کے متعلق بتاؤں۔ لیکن جب بہت دیر ہوگئی اور میں واپس نہ لوٹا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے کہ دیکھیں انسؓ کہاں ہیں، میں کھیل دیکھ رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا اور پیچھے سے پکڑا، میں نے جب دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا رہے ہیں اور فرمایا کہ انسؓ جس کام کا میں نے کہا تھا وہ کیا؟ تو میں نے کہا کہ ابھی جا رہا ہوں، یہ موقع ڈانٹنے کا تھا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ٹھیک ہے۔ ذرا اندازہ کریں کہ دس سال کے عرصے میں کبھی بھی غصہ نہیں کیا، حالانکہ بہت سے مواقع ایسے آتے رہتے ہیں جب ماتحت پر غصہ بھی آتا ہے، ڈانٹنا بھی پڑتا ہے، لیکن قربان جائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق پر ایسے حوصلے والے اور بردبار تھے۔

آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی بیوی کے ساتھ برتاؤ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ شب برأت میں رات کو

آپ صلی اللہ علیہ وسلم بستر مبارک سے آہستہ سے اٹھے تا کہ عائشہؓ کو تکلیف نہ ہو، اور ان کے آرام میں خلل نہ آئے، حالانکہ عبادت کی رات ہے آپ خود اٹھ رہے ہیں، لیکن چونکہ نفلی عبادت ہے، اور نفلی عبادت میں دوسروں کو تکلیف پہچانے سے ممانعت ہے، اس لئے آہستہ سے بستر پر سے اٹھے تا کہ عائشہؓ کی نیند میں خلل نہ آئے، آہستہ سے آپ نے نعلین مبارک پہنے، آہستہ سے دروازہ کھولا، آہستہ سے باہر نکل گئے، اور پھر آہستہ سے اس کو بند کر دیا، تا کہ کسی قسم کی کوئی آواز پیدا نہ ہو، آپ اندازہ لگائیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے آرام کا کتنا خیال رکھا، بس ہم بھی اپنا جائزہ لے لیں کہ ہم بھی کسی سونے والے کا اتنا خیال رکھتے ہیں، چاہے ہمارے والدین ہوں، ہمارے بہن بھائی ہوں، چاہے ہماری بیوی ہو، شوہر ہو، چھوٹا بچہ ہی کیوں نہ ہو، کیا ہم اس کا خیال رکھتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت تو یہ ہے جس کو ہمیں اپنانا چاہیے، یہ آدمیت ہے، یہ انسانیت ہے کہ ہمارے اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے اور بولنے سے کسی کو تکلیف نہ ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسروں کے آرام کو مدنظر رکھنا

حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں مہمان تھے، اور آپ کے گھر میں مقیم تھے، ہم عشاء کے بعد سو جاتے تھے، آپ صلی علیہ وسلم دیر سے معاملات نمٹا کر تشریف لاتے اور آرام سے داخل ہوتے، اور اتنی آواز سے سلام کرتے کہ اگر کوئی جاگ رہا ہو تو جواب دیدے،

اور اگر کوئی سو رہا ہو تو اس کی نیند خراب نہ ہو، آپ کا یہ حسن اخلاق ہے، یعنی آپ گھر والوں کا اور مہمانوں کا کتنا خیال رکھتے تھے، اور سلام اتنے زور سے نہیں کرتے تھے کہ نیند سے بیدار ہو جائیں اور سلام چھوڑ بھی نہیں رہے تا کہ گھر میں داخل ہونے کا علم بھی ہو جائے کہ کوئی داخل ہوا ہے، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیسی پیاری تعلیم ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن اخلاق ہے، اور وہ تعلیم سکھائی جا رہی ہے کہ اس طرح سے رہنا چاہیے کہ کسی کو بھی زبان سے یا ہاتھ سے کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ پہنچے، لہٰذا ایسی طرز عمل والی زندگی گزارنی چاہیے کہ کسی کو بھی ادنیٰ سے ادنیٰ قسم کی کوئی تکلیف نہ پہنچے، اس پر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شعر یاد آ گیا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ نے اس وصف میں بہت بڑا حصہ عطا فرمایا ہے۔

حضرت تھانویؒ کا اپنے متعلقین کو معاشرت کا پابند کرنا

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا جو تجدیدی کارنامہ ہے، اس میں سرفہرست یہ کارنامہ بھی ہے کہ آپ نے زندگی بھر اپنے متعلقین کو ہمیشہ معاشرت سدھارنے کی تعلم دی، اور اس بات کے اہتمام کرنے کی تلقین فرمائی ہے کہ تم دنیا میں اس طرح رہو کہ تمہاری طرف سے ناحق کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ساری زندگی اس کا اہتمام فرمایا، ہم بھی ان کے نام لیوا ہیں، اور ان کے پیچھے چلنے والے ہیں، تو یہ طریقے ہم بھی اپنائیں۔ ہم اپنائیں گے تو ہمارے اندر بھی انسانیت اور آدمیت آئے گی، اور نہیں تو بھائی! خالی

روزے، نماز کا نام تو دین نہیں ہے، دین تو ان پانچ شعبوں پر عمل کرنے کا نام ہے، جن پر ہم عمل کریں گے تو اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل ہوگی، ایک بزرگ کا شعر ہے کہ:

تمام عمر اسی اہتمام میں گزری
کہ آشیاں کسی شاخ چمن پہ بار نہ ہو

''میری زندگی اس فکر میں گزری کہ میں کسی کے لئے بوجھ نہ بن جاؤں، میری وجہ سے کسی کو ناحق تکلیف نہ پہنچے''

رمضان کی موت بڑی سعادت کی بات ہے

یہ قصہ میرے شیخ حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال سے ڈیڑھ دو مہینے پہلے کا ہے، رمضان شریف میں عام طور پر چھٹیاں ہوجاتی ہیں، طلبہ اور اساتذہ عام طور پر گھروں کو چلے جاتے ہیں، چنانچہ اساتذہ اور طلبہ سب اپنے اپنے گھروں کو جارہے تھے، اور حضرت سے رخصت ہونے کے لئے حاضر ہوتے تھے، میں نے بھی حضرت کی خدمت میں حاضری دی، حضرت ان دنوں میں صاحب فراش تھے، اس کے بعد رمضان کا مہینہ شروع ہوگیا، تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خلیفہ کا رمضان میں انتقال ہوگیا، تو ان کے انتقال کا حضرت پر بڑا اثر ہوا تھا، لیکن ساتھ ہی خوش تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو رمضان میں اپنے پاس بلالیا، رمضان شریف میں مرنا اس کی بڑی بشارتیں آئیں ہیں، چنانچہ اس مہینے میں جس کا انتقال ہوجائے اس کا حساب وکتاب نہیں ہوتا، جیسے

جمعہ اور شب جمعہ کی یہ فضیلت ہے، تو اس لئے حضرت اس پر مسرور تھے کہ چلو بڑی بات ہے کہ اللہ نے رمضان میں اپنے پاس بلالیا ہے، اس کے بعد حضرت نے ایک بڑی عجیب بات کہہ دی جو یادر کھنے کی ہے۔

حضرت مفتی صاحبؒ کا رمضان میں موت کی دعا نہ کرنا

فرمایا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ رمضان شریف میں اپنے پاس بلا لے، اس لئے کہ رمضان شریف کی موت مبارک موت ہے، اس میں حساب کتاب نہیں ہوتا، لیکن کیا بتاؤں مجھے میری طبیعت یہ مجبور کرتی ہے کہ میں رمضان شریف میں مرنے کی دعا نہ کروں۔ اس لئے کہ اگر رمضان شریف میں میرا انتقال ہوگیا تو جو رشتہ دار ہیں، اور مجھ سے محبت کرنے والے ہیں، خاندان والے بھی ہیں، عزیز واقارب بھی ہیں، دوست واحباب بھی ہیں، اور بہت سے وہ لوگ ہیں جو صرف اللہ کے لئے مجھ سے تعلق رکھتے ہیں، ان کو سحری کی تکلیف ہوگی، افطاری کی تکلیف ہوگی، روزے میں ہونے کی وجہ سے آنے جانے میں تکلیف ہوگی، گرمی کا موسم ہے تو مجھے متعلقین اور لواحقین کی اس تکلیف کی وجہ سے ہمت نہیں ہوتی کہ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں کہ یا اللہ رمضان شریف میں میرا انتقال فرما، سبحان اللہ، یہ ہیں اللہ والے کہ زندگی میں تو کسی کو کیا تکلیف پہچائیں گے، وہ اپنے مرنے سے بھی کسی کو تکلیف نہیں پہچانا چاہتے، اور لوگوں کی تکلیف کی وجہ سے اپنی آرزو کو بھی دعا کے ذریعہ سے پورا نہیں فرمارہے ہیں کہ یا اللہ مجھے رمضان شریف میں موت عطا فرمادے۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا وصال

چنانچہ ان کی آرزو پوری ہوئی، اور ان کا انتقال رمضان میں نہیں ہوا، بلکہ غالباً دس شوال کو ہوا، رمضان شریف بھی گزر گیا، عید بھی گزر گئی، لوگوں کی خوشیاں بھی پوری ہوگئیں، اور تعلیمی سال کا آغاز بھی ہوگیا، اور آپ پھر اللہ کو پیارے ہوئے، اللہ تعالیٰ ہمارے دل میں ایسی فکر پیدا فرمادے کہ ہم بھی اس طرح دنیا میں رہنے والے بن جائیں، گھر میں ہوں، باہر ہوں، ہماری طرف سے کسی کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ پڑوسیوں کے بارے میں دو عجیب واقعات میری نظروں سے گزرے، ایک حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے، اور دوسرا اسی سے ملتا جلتا حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

حضرت حسنؓ کا یہودی پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصہ یہ ہے کہ ان کے مکان کے اوپر ایک یہودی رہتا تھا، اس یہودی کے مکان میں بیت الخلا تھا، کسی طرح سے اس میں سوراخ ہوگیا، اور اسکی گندگی حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں گرنے لگی، لیکن حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو اطلاع نہیں دی کہ تمہارا بیت الخلا ٹوٹ گیا ہے، لہٰذا اس کو ٹھیک کروالو، کیونکہ مجھے اس سے تکلیف ہورہی ہے، اس دوران اس یہودی کی بیوی حضرت کی بیوی سے ملنے آئی تو اس نے دیکھا کہ پورا کمرہ بدبو سے بھرا ہوا ہے، اس نے اندر دیکھا تو پورا کمرہ پاخانے سے بھرا ہوا ہے، اور پاخانہ چھت سے گر رہا ہے، وہ جلدی سے حضرت کی بیوی سے مل کر

اپنے خاوند کے پاس گئی، اور اس سے کہا کہ فوراً جاؤ اور حضرت سے معذرت کرو، حضرت کو اتنی تکلیف پہنچ رہی ہے، اور حضرت نے ہمیں اطلاع تک نہیں دی، وہاں تو بیٹھنا مشکل ہو رہا ہے، اور حضرت وہیں رہ رہے ہیں، اور پاخانہ گر رہا ہے، وہ فوراً حضرت کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں معذرت کرنے آیا ہوں، ہمیں نہیں معلوم کہ یہ ٹوٹ گیا، اور پاخانہ گر رہا ہے، اور آپ کو تکلیف پہنچ رہی ہے، لہٰذا میں آپ سے معذرت کرنے آیا ہوں، آپ معاف فرما دیجئے۔

یہودی کا اسلام قبول کرنا

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میرے نانا جان یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو رحمت اللعالمین ہیں، انہوں نے ہمیں پڑوسی کے اکرام کا درس دیا ہے، پڑوسی کے احترام اور اکرام کا حکم دیا ہے، اس لئے میں نے تمہیں باخبر نہیں کیا کہ تمہاری طرف سے مجھے یہ تکلیف پہنچ رہی ہے، کیونکہ یہ اکرام کے خلاف ہو جائے گا، پھر اس یہودی نے یہ بات سنی تو اس نے کہا کہ آپ ہاتھ بڑھائیے، میں مسلمان ہوتا ہوں، اسلام قبول کرتا ہوں، اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا کہ جس مذہب میں پڑوسیوں کے احترام کا اتنا خیال ہے تو وہ مذہب سچا ہی ہوسکتا ہے، جھوٹا نہیں ہوسکتا۔

حضرت سہلؒ کا مجوسی پڑوسی کے ساتھ نیک برتاؤ

ایسا ہی ایک واقعہ حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، ان کے مکان کے اوپر کوئی مجوسی رہتا تھا، اس کا بھی بیت الخلا ٹوٹ گیا، اور گندگی ان کے گھر

میں گرنے لگی، انہوں نے اس جگہ پر ایک بہت بڑا برتن رکھ دیا، گندگی اس میں گرتی اور جمع ہوتی، روزانہ شام کو جب اندھیرا ہو جاتا تو اس کو اٹھا کر باہر جا کر پھینک آتے، ایک طویل عرصے تک یہی ہوتا رہا، اور اس مجوسی کو پتہ نہیں چلا، اور وہ اس تکلیف کو برداشت کرتے رہے، یہاں تک کہ جب ان کے انتقال کا وقت قریب آیا تو انہوں نے مجوسی کو بلایا اور کہا کہ میرے انتقال کا وقت قریب ہے، اور تم دیکھ رہے ہو کہ اس کونے میں کیا ہے، تمہارا بیت الخلا ٹوٹ گیا ہے، جس کی گندگی ایک طویل عرصے سے یہاں گر رہی ہے، اور میں روزانہ اس برتن میں جمع کر کے شام کو باہر پھینک آتا ہوں، اب چونکہ میرے انتقال کا وقت قریب ہے، اور نہ جانے میرے بعد اس تکلیف کو کوئی برداشت کر سکے یا نہ کر سکے، اس لئے میں نے آپ کو بلایا ہے، اگر میری اور زندگی ہوتی تو میں کبھی آپ کو نہیں بلاتا، اور باخبر نہ کرتا کہ مجھے یہ تکلیف پہنچ رہی ہے، میں طویل عرصے سے برداشت کر رہا ہوں، آئندہ بھی برداشت کرتا رہتا، لیکن مجھے اپنے بعد کسی اور سے یہ تکلیف اور یہ مصیبت برداشت کرنے کی امید نہیں ہے، اس لئے میں نے آپ کو بلا کر باخبر کیا، اور وہ بھی اس لئے کہ بعد میں کوئی ایسی صورت حال نہ ہو جو آپ کے لئے ناگواری کا باعث بنے۔

مجوسی کا اسلام لانا

جب اس نے دیکھا کہ ایک دن نہیں، دو دن نہیں، بلکہ ایک طویل عرصے سے آپ اس تکلیف کو برداشت کر رہے ہیں، تو وہ بہت شرمندہ ہوا اور کہنے لگا

کہ حضرت میں آپ کے اس طرز عمل سے بہت متاثر ہوا ہوں، بس آپ ہاتھ بڑھائیے، میں اسلام قبول کرتا ہوں، اور گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اس نے جیسے ہی اسلام قبول کیا حضرت کی روح جسم سے پرواز کرگئی۔

ہمیں اپنے اسلاف کی زندگیوں کو نمونہ بنانا چاہیے

آج ہم اپنے پڑوسیوں کا بالکل ہی خیال نہیں رکھتے، ان کو ہم سے کتنی تکلیفیں پہنچ رہی ہیں، ہمیں اس کا کوئی علم ہی نہیں، اور نہ ہی اس کی کوئی پرواہ ہے، لیکن ہمارے اسلاف نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث پر عمل کر کے دکھایا، اب ہم اپنا جائزہ لے لیں۔ حدیث میں بیان فرمایا کہ مسلمان وہ ہے کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔

زبان کا صحیح استعمال کریں

سب سے پہلے یہ زبان ہے، زبان اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے، یہ اگر صحیح استعمال ہو تو انسان کو نہ جانے کیا سے کیا بنا دے، اور اگر غلط استعمال ہو تو پھر نہ جانے کتنوں کے دل پھاڑ دے، اور تیر وتلوار کا زخم تو بھر جاتا ہے، مگر زبان کا زخم نہیں بھرتا، مثلاً طعنہ زنی ہے، بعض مسلمان مردوں اور عورتوں میں یہ بری عادت پائی جاتی ہے (اللہ اس سے معاف فرمائے) بعض لوگوں کی زبان میں ڈنگ ہوتے ہیں، جیسے بچھو کا ڈنگ ہوتا ہے، بعض لوگوں کی طرز گفتگو میں ایسا ڈنگ ہوتا ہے کہ جس سے سننے والے کا دل پھٹتا ہے، ان کے جملے کا انداز ہی ایسا ہوتا ہے

کہ ان کی باتوں میں کسی پر طعنہ ہوتا ہے، کسی پر تہمت، کسی پر الزام، کسی کو برا بھلا، کسی کو کیا کہہ دیا، گفتگو بھی کر رہے ہیں، اور اگلے کا دل بھی پھاڑ رہے ہیں، سننے والا سن رہا ہے، کوئی جواب ہی نہیں دے سکتا، کیونکہ وہ زبان کے ایسے ماہر ہیں کہ دس جملے بولیں گے تو دس طعنے بھی دیدیں گے۔

ساس بہو کا قصہ

ہمارے حضرت ایک قصہ سنایا کرتے تھے کہ ایک صاحب اپنے گھر گئے تو دیکھا کہ ساس بیٹھی ہے اور بہو بہت سخت غصہ میں ہے، اور ناراض ہے اور ناچی ناچی پھر رہی ہے، جا کر ساس سے پوچھا کہ کیا بات ہے، کہنے لگی کوئی بات نہیں، میں نے تو بس دو باتیں کہی ہیں، اس پر ناچی ناچی پھر رہی ہے، پوچھا کہ تم نے کہا کیا ہے؟ کہنے لگیں میں نے تو صرف یہ کہا کہ تمہارا باپ غلام ہے، اور تمہاری ماں لونڈی ہے، ان صاحب نے کہا کہ یہ تم نے کچھ نہیں کہا، ارے یہ ایک جملہ ہی اتنا بڑا ہے کہ جو ہزاروں جملوں پر بھاری ہے، اس جملہ پر بہو ناراض ہے، اور ساس کہہ رہی ہے کہ میں نے کچھ نہیں کہا۔ ساس بہو کے جھگڑوں میں یہ بات کثرت سے پائی جاتی ہے کہ کہیں ساس طعنہ دیتی ہے، ملامت کرتی ہے، اور کہیں اس کا الٹا معاملہ ہوتا ہے، بہو زبان دراز ہوتی ہے اور وہ اپنی زبان درازی کی وجہ سے سارے گھر کو جہنم بنا دیتی ہے، یہی حال مردوں کا بھی ہے کہ گفتگو کرنے کا ڈھنگ نہیں آتا، ایک دوسرے کے اوپر تہمت لگانا، ملامت کرنا، اور ایسی ایسی باتیں کرنا جس سے دوسرے لوگوں کو تکلیف پہنچے اور نا اتفاقی ہو جائے اور جھگڑا

ہو جائے یہ زبان کا گناہ ہے، جس سے بچنے کی ضرورت ہے، عورتوں کو بھی اور مردوں کو بھی۔

زبان سے دینی امور میں بھی احتیاط

اسی طرح بعض لوگ زبان سے ذکر کریں گے، تسبیح کریں گے، تلاوت کریں گے، اور اتنی آواز سے کریں گے کہ برابر میں کوئی تسبیح کر رہا ہو، ذکر کر رہا ہو، تلاوت کر رہا ہو، یا سو رہا ہو تو اس کے ذکر و اذکار میں یا آرام میں خلل واقع ہو رہا ہوگا۔ اتنی آواز سے ذکر کرنے کی اجازت نہیں ہے، جس سے دوسرے کے ذکر یا آرام میں خلل واقع ہو۔ لہٰذا جب بھی کوئی ذکر و اذکار، تلاوت کرے تو اپنے اردگرد دیکھ لے کہ کوئی آرام تو نہیں کر رہا ہے یا پھر مطالعہ تو نہیں کر رہا ہے، کوئی نماز تو نہیں پڑھ رہا ہے، کسی کام میں مصروف تو نہیں ہے، جس کی وجہ سے اونچی آواز سے ذکر کرنے سے یا تلاوت کرنے سے حرج واقع ہو، اور اس کے آرام میں خلل آئے، ذکر تو کر رہا ہے اللہ کے واسطے، مگر اس کے ذریعے سے دوسروں کو تکلیف پہنچ رہی ہے، اور اس طرح دوسروں کو تکلیف پہنچانا جائز نہیں ہے، گناہ کبیرہ ہے، اور ذکر، تسبیحاور تلاوت یہ نفل ہیں، فرض واجب نہیں، نفل اور مستحب عمل کے ذریعے کسی کو تکلیف پہنچانا جائز نہیں۔

لاؤڈ اسپیکر کا صحیح استعمال کریں

اسی طریقہ سے بعض مسجدوں میں وعظ اور تقریر ہوتی ہے، اور وعظ اور تقریر کے لئے اذان والا لاؤڈ اسپیکر کھول دیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے اس درس

وعظ کی آواز پورے محلّہ میں گونجتی ہے، دور دراز تک کوئی بھی آدمی سونہیں سکتا، مطالعہ نہیں کرسکتا، عبادت نہیں کرسکتا، شب قدر میں اور دوسری بڑی راتوں میں یہ عام رواج بن گیا ہے، مسجد میں جاکر دیکھ لو تو سننے والے ڈھائی آدمی بھی نہیں ہیں، بلکہ بعض جگہوں پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ کیسٹ ہی لگی ہوئی ہے، سننے والا کوئی آدمی ہی نہیں ہے، مسجد میں کسی کو سنا نہیں رہے، بلکہ محلّہ میں جو لوگ کھیل رہے ہیں، کھا رہے ہیں، پی رہے ہیں، آرام کررہے ہیں، ان کو سنا رہے ہیں، یہ کتنی بدتمیزی ہے، ایذا رسانی کا ایک نیا ڈھنگ ہے۔

ہر کام میں نبوی نقش کی اتباع کریں

بھائی اگر تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع چاہتے ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نقش قدم دیکھو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نقش قدم تو یہ ہے کہ گھر میں آرہے ہیں تو سلام بھی آہستہ کررہے ہیں، تہجد کے لئے، یا شب برأت میں جنت البقیع میں جانے کے لئے بیدار ہورہے ہیں تو اس میں بھی اس بات کا اہتمام فرمارہے ہیں کہ کسی کے آرام میں خلل واقع نہ ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تو عمل یہ ہے، جبکہ یہ ہے کہ پورے محلے کو جگانا، ان کے آرام میں خلل ڈالنا، ان کو زبردستی تکلیف دینا، بہرحال! اگر درس وغیرہ ہو تو اس کی آواز سامعین تک محدود ہو، کسی کو زبردستی سنانا جائز نہیں، جس کو سننا ہوگا وہ خود آئے گا، جس میں طلب نہیں، اس کو زبردستی سنانے کا کوئی فائدہ نہیں، لہٰذا زبردستی سنانا جائز نہیں۔

ٹیلی فون کا بے جا استعمال

ٹیلی فون جہاں ایک بڑی نعمت ہے، وہاں اس کا غلط استعمال بہت بڑی اذیت کا باعث ہے، بعض لوگ کسی کے پاس ٹیلی فون کرتے ہیں تو اس بات کا خیال نہیں رکھتے کہ اس کو ٹیلی فون کرنے کا یہ مناسب وقت بھی ہے یا نہیں، ہر آدمی کے اپنے الگ الگ معمولات ہوتے ہیں، کچھ اوقات کسی کے فراغت کے ہوتے ہیں، کچھ اوقات مصروفیت کے ہوتے ہیں، کچھ اوقات کھانے اور آرام کرنے کے ہوتے ہیں، ٹیلی فون کرتے وقت اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ جب کسی کو فون کیا جائے تو پہلے اس بات کو معلوم کرلیا جائے کہ اس کے فون سننے کے کیا اوقات ہیں، جس میں ہم فون کر سکتے ہیں، اور ٹیلی فون پر لمبی گفتگو بھی بعض اوقات ایذا کا باعث بن جاتی ہے، کسی کو جلدی ہو رہی ہے، کہیں جانا ہے، مثلاً بیت الخلاء جانا ہے، یا کہیں اور اس کو جلدی جانا ہے، اور پوری داستان لے کر بیٹھ گئے، وہ کہہ رہا ہے جلدی ہے، یہ کہہ رہے ہیں بس ذرا ایک بات اور سن لیجئے، اس کو زبردستی روکنے میں لگے ہوئے ہیں۔

موبائل فون بھی مصیبت ہے

جب سے موبائل فون آیا ہے مجھے بڑی تکلیف ہوئی ہے، جب بھی کسی کو فون کرنا ہوتا ہے تو ڈرتے ڈرتے کرتا ہوں، کیونکہ یہ موبائل ایسا ہے کہ گاڑی میں بھی بیٹھا ہے تب بھی اس کی گھنٹی بج رہی ہے، اور اگر جیب میں لے کر بیت الخلاء میں بیٹھا ہے تب بھی اس کی گھنٹی بج رہی ہے، اور کھانا کھا رہا ہے وہاں بھی

گھنٹی بج رہی ہے، لہٰذا مجھے بڑا ڈر رہتا ہے، اس سے میں پہلے معلوم کر لیتا ہوں کہ بھائی کس حالت میں ہو، میں بات کرسکتا ہوں یا نہیں کرسکتا، اگر وہ کہتا ہے کہ میں ٹھیک حالت میں ہوں بات کر سکتے ہیں تو پھر بات کرنے کا جی کرتا ہے، اور اگر نہیں تو پھر بڑا ڈر لگتا ہے کہ خدانخواستہ کہیں گاڑی نہ ٹکرا جائے، کیونکہ ایک ہاتھ سے سنے گا، دوسرے ہاتھ سے گاڑی چلائے گا، کوئی سامنے سے گاڑی آجائے تو اس میں خطرہ رہتا ہے کہ کہیں گاڑی نہ ٹکرا جائے۔ تو بھائی موبائل میں اور ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے، لہٰذا موبائل اور ٹیلی فون پر بات کرنے سے پہلے آدمی پوچھ لے کہ ابھی بات کروں یا نہ کروں، اگر وہ اجازت دیدے تو ٹھیک ہے، ورنہ نہ کرے۔

سلام کے چند آداب

اسی طریقہ سے سلام کے چند آداب ہیں، مثلاً حدیث میں آتا ہے کہ جو سلام میں پہل کرے گا، وہ تکبر سے پاک ہو جائے گا، لیکن اس کے اندر ہی بھی حکم ہے کہ اگر کوئی ذکر کر رہا ہو، تلاوت کر رہا ہو تو اس وقت سلام نہ کرے، اور اگر کوئی کر دے تو اس پر جواب دینا واجب نہیں ہے، اسی طرح کوئی کھانا کھا رہا ہو، لقمہ چبا رہا ہو، ایسے وقت میں بھی سلام کرنے کی ممانعت ہے، اور اس موقع پر سلام کا جواب دینا واجب نہیں، اب اگر اس کو مسئلہ معلوم نہ ہو اور وہ سلام کا جواب دے اور جواب دینے کے نتیجے میں لقمہ اس کے حلق میں پھنس جائے تو اس کو تکلیف ہوگی، اس لئے اگر کوئی لقمہ کھا رہا ہو، سلام مت کرو، کوئی تلاوت کر رہا

ہے، ذکر کر رہا ہے، اس کو سلام مت کرو تا کہ اس کو اتنی سے بھی تکلیف نہ پہنچے کہ وہ آپ کا سلام سن کر آپ کی طرف متوجہ ہو تو اس صورت میں اس کو تکلیف تو ہوگی، تو اتنی سی تکلیف بھی پہنچانے سے اسلام نے منع کیا ہے، ایسے ہی درس ہو رہا ہے، وعظ ہو رہا ہے، تو آنے والوں کو سلام کرنے کی ممانعت ہے، ان کو چاہیے کہ خاموشی سے آ کر بیٹھ جائیں۔

مصافحہ کے چند آداب

ایسے ہی مصافحہ کے چند آداب ہیں، مثلاً یہ کہ پہلے دیکھ لو کہ تمہارے مصافحہ کرنے سے اس کو تکلیف تو نہیں پہنچے گی، اگر مصافحہ سے تکلیف پہنچ رہی ہو تو بھائی مصافحہ کرنا فرض نہیں ہے، لیکن تکلیف سے بچانا فرض ہے، لہٰذا اسے مصافحہ مت کرو۔ آج ہمارے معاشرے میں مصافحہ کی ایک بدترین شکل رائج ہو رہی ہے، وہ یہ کہ کسی محفل میں کئی لوگ بیٹھے ہیں، اب نیا آنے والا آدمی سلام تو کرلے گا، لیکن ساتھ میں ہر ایک سے مصافحہ کر رہا ہے، جتنے بھی آدمی بیٹھے ہیں سب سے مصافحہ کر رہا ہے، چاہے کسی سے جان پہچان ہو یا نہ ہو، اور پھر مصافحہ بھی برائے نام ہو رہا ہے، بے تکا سا ہوتا ہے، تھوڑا سا ہاتھ ملاتا ہے، کیونکہ سب کو نمٹانا ہوتا ہے، اب وہ سب سے بے تکا مصافحہ کر رہا ہے، اب کوئی مصروف ہے، کوئی گفتگو کر رہا ہے، سب سے ہاتھ ملاتا جا رہا ہے، سب کو اس نے تکلیف میں مبتلا کر دیا، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے منع کیا ہے، بس پوری مجلس کو ایک ہی مرتبہ سلام کرنا کافی ہے، اور ایک سے مصافحہ کرلیا تو سب کے

لئے کافی ہے، البتہ اگر کسی سے خصوصی ملاقات ہو رہی ہے، اس کو الگ سے سلام بھی کرسکتا ہے، اور اس سے مصافحہ بھی کرسکتا ہے، لیکن رسم کے طور پر پوری مجلس سے جو مصافحہ کرنے کا طریقہ ہے یہ غلط ہے، اس سے بچا جائے۔ تو بہر حال یہ زبان کے بارے میں چند باتیں ہیں جن سے دوسروں کو بہت تکلیف پہنچتی ہے، تفصیلات کے لئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ کی کتاب ہے "آداب معاشرت" اس کا مطالعہ کریں، اس کا ہم سب مسلمان مردوں اور عورتوں کو مطالعہ کرنا چاہیے، اس میں حضرت نے بڑی تفصیل کے ساتھ ہر بات بیان فرمائی ہے، اس میں مصافحہ کا مسئلہ بھی حضرت نے بیان فرمایا ہے۔

گاڑی صحیح رُخ پر چلائیں

اب چند مثالیں میں بیان کر دیتا ہوں، جن میں انسانوں کے ہاتھوں اور زبان سے دوسروں کو تکلیف پہنچتی ہے، اس میں سب سے اہم صورت یہ ہے کہ جس کی طرف سے ہم سب کو فوری توجہ کی ضرورت ہے، وہ یہ ہے کہ گاڑی اس طریقے سے چلانا ضروری ہے کہ اس سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے، اور گاڑی کھڑی بھی اس طریقے سے کی جائے کہ اس سے دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے۔

مفتی محمد حسن کا گاڑی چلانے پر ترجمانی

حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحبؒ کے شیخ حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ جامعہ اشرفیہ لاہور کے بانی ہیں اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے ہیں، ان کے ایک خادم ہیں بٹ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، بٹ صاحب

مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی گاڑی میں پہنچاتے تھے، اور واپس لاتے تھے، روزانہ ان کا یہ معمول تھا، ایک دن مفتی حسن رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا، بٹ صاحب آپ کو گاڑی چلانی آتی ہے؟ وہ سوچ میں پڑ گئے کہ روزانہ میں حضرت کو لے جاتا ہوں، چلانا جانتا ہوں، تب ہی ان کو لے جاتا ہوں، انہوں نے بڑا اچھا جواب دیا، کہنے لگے! حضرت کچھ کچھ آتی ہے، یہ نہیں کہا کہ حضرت آتی ہے، بلکہ کہا کہ کچھ کچھ آتی ہے، اور آپ فرمادیں کہ گاڑی کس طرح چلاتے ہیں، تو حضرت نے فرمایا کہ بھائی گاڑی اس طرح چلانی چاہیے کہ کسی گزرنے والے کو تمہاری وجہ سے ادنیٰ تکلیف بھی نہ ہو، تم اس طرح سے گاڑی چلاؤ کہ دوسرے لوگ جو تمہارے قریب سے گزر رہے ہیں، گاڑیوں والے، موٹر سائیکل والے، سائیکل والے، پیدل چلنے والے ان سب کو تمہاری وجہ سے کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ پہنچے۔

گاڑی کھڑی کرنے کے اصول

اور ٹریفک کے جو اصول ہیں اس کی پابندی کی جائے، اور اس بات کا بھی خیال رکھا جائے کہ بے موقع گاڑی روکنے سے کسی دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے، گاڑی کھڑی کریں لیکن دیکھ کر کریں کہ کہیں اس سے کسی کو تکلیف نہ ہو، ہم گاڑی کسی ایسی جگہ کھڑی کردیں جس کی وجہ سے دوسری تمام گاڑیاں بند ہو جائیں اور پھر ہارن بج رہے ہیں، اور ہم آرام سے اندر بیٹھے ہیں، گپ شپ لگا رہے ہیں، کھا رہے ہیں، اس سے بچنا چاہیے۔

تکلیف والی جگہ نماز نہ پڑھیں

اسی طرح بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایسی جگہ نیت باندھ کر کھڑے ہو گئے جہاں سے لوگوں کے نکلنے کی جگہ ہے، جیسے جمعہ کی نماز میں بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے، اس کا خیال رکھا جائے۔ اب جہاں سے لوگ نکلتے ہیں، وہاں یہ کھڑا ہے، اب لوگ جلدی میں ہیں، اگر جاتے ہیں تو گناہ گار ہو جاتے ہیں، اور اگر رک جاتے ہیں تو پریشان ہو جاتے ہیں، لہٰذا ایسی جگہ کھڑے ہوں جہاں سے لوگوں کا گزر نہ ہو، لہٰذا نیت باندھنے سے قبل اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ ہم یا تو کسی ستون کے پیچھے ہوں یا کسی دیوار کے پیچھے ہوں، لیکن کسی ایسی جگہ پر نہ ہوں جس سے دوسروں کو تکلیف پہنچے۔

گھر میں بھی نظم وضبط رکھیں

اسی طرح گھر میں بھی اس بات کا اہتمام رکھنا چاہیے کہ جس گھر میں متعدد افراد رہتے ہوں اس میں ہر چیز رکھنے کی الگ جگہ مقرر ہونی چاہیے، یہ گھر میں نظم رکھنا چاہیے کہ جو چیز مشترک طور پر استعمال ہوتی ہے، اس کی الگ جگہ مخصوص ہو، اور مخصوص ہونے کے بعد اب ہر فرد کی ذمہ دار ہے کہ جب اس چیز کو استعمال کے لئے اٹھائے تو فراغت کے بعد اس کو اسی جگہ پر واپس رکھے، یہاں تک کہ اگر کسی کو اندھیرے میں بھی اس چیز کی ضرورت پڑ جائے تو وہ وہاں ہاتھ بڑھائے تو اس کو وہ چیز مل جائے۔ لیکن لوگ ایسا کرتے ہیں کہ مثلاً ماچس ہے، وہ جہاں رکھی جاتی ہے وہاں سے غائب ہے، نمک رکھنے کی جگہ مخصوص ہے لیکن نمک وہاں

سے غائب ہے، چھری جہاں پر استعمال کی وہیں رکھ دی، اب جناب چولہا جلانے کے لئے ماچس نہیں، پھل کاٹنے کے لئے چھری نہیں ہے، تولیہ غائب، صابن غائب، لوگ اس کو کچھ نہیں سمجھتے، کہتے ہیں گھر ہی تو ہے، سب ایک ہی تو ہیں، تو یہ سب بھی ایذا رسانی کے اسباب ہیں، چاہے گھر میں ہی کیوں نہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور ان تمام باتوں کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی آداب معاشرت والی زندگی اپنانے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

مخلوق پر رحم اور شفقت

حضرت مولانا مفتی عبد الرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸، لیاقت آباد کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی بیانات : جلد نمبر ۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مخلوق پر رحم اور شفقت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَ مَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِىَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَ عَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْماً كَثِيْراً كَثِيْرًا۔

اما بعد! فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم ٥ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ٥ ویؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصة ومن یوق شح نفسه فاولٰئك ھم المفلحون۔ صدق اللّٰہ العظیم

(سورۃ الحشر: ۹)

اللہ کی صفت حلم کا تذکرہ

میرے قابل احترام بزرگو اور محترم خواتین! اللہ جل شانہ کی بہت سی صفتیں ہیں جیسے رزاق ہونا، غفار ہونا، ستار ہونا، حاجت روا اور مشکل کشا ہونا، ان صفات میں سے ایک صفت حلیم اور بردبار ہونا ہے، اللہ تعالیٰ حلیم بھی ہیں اور بردبار بھی ہیں اور بہت ہی تحمل سے کام لینے والے ہیں اور بہت ہی درگزر سے کام لینے والے ہیں اور اپنی مخلوق پر بہت ہی مہربان اور نہایت رحم کرنے والے ہیں۔

حلم اور بردباری کی صفت پیدا کریں

ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو مخاطب کر کے فرمایا:

تخلقوا باخلاق اللہ ''اللہ کے جو اخلاق ہیں اور جو عادات ہیں ان کو اپناؤ''

یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ حلیم اور بردبار ہیں اسی طرح ہم بھی اپنے اندر حلم اور بردباری کی صفت پیدا کریں۔ اللہ تعالیٰ کی یہ شان ہے کہ:

سبقت رحمتی علی غضبی

''میری رحمت میرے غصے سے آگے''

یعنی میں بہت کم غصہ کرتا ہوں اور وہ بھی کسی کسی پر کرتا ہوں، زیادہ تر تو میرا برتاؤ اپنے بندوں کے ساتھ رحمت کا ہوتا ہے، معافی کا ہوتا ہے، درگزر کا ہوتا ہے۔

حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات

حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اصل عادت معاف کرنے کی ہے، درگزر کرنے کی ہے اور بندوں پر غصہ نہ کرنے کی ہے، کبھی کبھی بندے جب حد سے گزر جاتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ پکڑتے ہیں اور سزا دیتے ہیں، ان کو پکڑنا اور ان کو سزا دینا اصل میں ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوتا، خود کلام پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وماظلمنٰھم

''ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا''

یعنی جو قومیں تباہ ہوگئیں، ہلاک ہوگئیں، اللہ تعالیٰ کے قہر میں مبتلا ہوئیں، ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں **وماظلمنٰھم** ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا۔

ولکن کانوا انفسھم یظلمون

''اور لیکن وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے تھے''

یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنا اپنے اوپر ظلم کرنا ہے، زیادتی کرنا ہے، اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینا ہے، اور جب بندوں کی یہ ظلم وزیادتی اور بداعمالیاں حد سے بڑھ جاتی ہیں تو اس کا نتیجہ سامنے آتا ہے، جیسا عمل ویسا ہی اثر، جیسے اعمال ویسے ہی ان کا نجام، تو جیسے ان کے کام تھے، ویسے انجام کو وہ پہنچ گئے، وہی ان کا انجام

ہوا، وہی ان کا حشر ہوا، اللہ پاک نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا تھا، ایسا نہیں ہوا کہ وہ فرمانبردار تھے، تابعدار تھے، کہنا مانتے تھے، گناہوں سے بچتے تھے، پھر بھی اللہ تعالیٰ نے ان کو عذاب میں مبتلا کر دیا، ایسا نہیں ہوا، بلکہ خود انہوں نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے قہر میں مبتلا کیا اور خود ہی اپنے آپ کو مستحق عذاب بنایا۔

اس لئے ان کے اوپر عذاب آیا ورنہ اصل عادت اللہ پاک کی معاف کرنے کی ہے، درگزر کرنے کی ہے اور برداشت وتحمل کرنے کی ہے، لہٰذا حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب فرماتے ہیں کہ تم بھی اپنے اندر اصل عادت یہی بناؤ، اپنے اندر برداشت کرنے کی، درگزر کرنے کی اور معاف کرنے کی عادت بناؤ، یہ ہے اللہ تعالیٰ کے اخلاق کو اپنانا۔

حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب کی مخلوق پر شفقت

خود حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب پر مخلوق کی شفقت، نرمی، تحمل اور بردباری کا اس قدر غلبہ تھا کہ انسان تو انسان موذی جانوروں تک کو مارنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی مثلاً بچھو کو دیکھ لیجئے، یہ انسان کو تکلیف دینے والا جانور ہے، لیکن حضرت کی یہ ہمت نہیں ہوتی تھی کہ اس بچھو کو ماردیں۔

حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب کا حال

ایک مرتبہ حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ نے اپنا حال حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا، حضرت! میرا حال یہ ہے کہ میں جب کسی موذی جانور کو بھی

دیکھتا ہوں تو مجھے اس کے مارنے کو جی نہیں چاہتا، اس لئے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے، بس میری کچھ عجیب طبیعت ہے، حالانکہ اس کو مارنے کی شرعاً اجازت ہے، ایذا دینے والی چیز ہے، اس کو مارنا جائز ہے، لیکن میری طبیعت پر اس قدر شفقت کا غلبہ ہے کہ اس کی وجہ سے اس کو بھی مارنے کو جی نہیں چاہتا۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا جواب

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں لکھا کہ اگر چہ ایسے موقع پر خود تو نہ مارو مگر دوسروں کو بتادو تاکہ وہ ماردیں، تم اگر اپنی طبیعت کی وجہ سے مارنا نہیں چاہتے تو نہ مارو لیکن دوسروں کو بتادو، تاکہ وہ دوسروں کو تکلیف نہ پہنچائے اور دوسرے کے لئے مارنا کوئی قباحت نہیں ہے، تاکہ وہ خود بھی بچ جائے اور دوسرے بھی اس کی ایذا سے بچ جائیں۔

حتیٰ کہ حضرت کھٹمل کو بھی نہیں مارتے تھے جس کے مارنے کے لئے سب لوگ تیار رہتے ہیں مگر حضرت اپنی طبیعت کی وجہ سے اس کو بھی نہیں مارتے تھے۔

مخلوق پر شفقت

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ کی مخلوق پر شفقت کا ایک قصہ سنایا تھا کہ ایک مرتبہ حضرت کے جسم میں کوئی زخم ہوگیا، تازہ زخم ہوتا ہے تو مکھیاں آتی ہیں اور بیٹھتی ہیں اور زخم کو چوستی ہیں، اس سے آدمی کو بہت تکلیف ہوتی ہے، مکھیاں زخم کی بہت شوقین ہوتی ہیں،

جتنا بھی اُڑا لو پھر آ کر بیٹھ جاتی ہیں، جتنا بھگاؤ اتنی آئیں گی، ہمارا حال تو یہ ہوتا ہے کہ بھگانے میں ہی لگے رہتے ہیں۔

لیکن کسی نے حضرت کو دیکھا کہ حضرت کے زخم پر مکھیاں بیٹھی ہوئی ہیں اور حضرت کو تکلیف بھی ہو رہی ہے، لیکن حضرت اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں، مکھیوں کو اُڑا ہی نہیں رہے، اس دیکھنے والے کو بڑا احساس ہوا کہ یہ مکھیاں حضرت کے جسم سے چمٹی ہوئی ہیں، کس قدر حضرت کو اس سے تکلیف ہو رہی ہو گی، تو اس نے کہا کہ حضرت! آپ تو مکھیاں نہیں اُڑا رہے، میں اُڑا دوں؟ حضرت نے فرمایا کہ رہنے دو بھائی! یہ اپنا کام کر رہی ہیں اور میں اپنا کام کر رہا ہوں، ان کو اپنا کام کرنے دو میں اپنا کام کر رہا ہوں۔

اللہ اکبر! کیا شان ہے بزرگوں کی، بعض لوگوں پر ایسا شفقت کا غلبہ ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عادت مبارکہ

اس لئے حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ بھائی! اللہ کی اصل عادت ہے برداشت کرنے کی اور درگزر کرنے کی اور معاف کرنے کی، نرمی کی، رحمت کی اور شفقت کی، تم بھی اپنی یہی عادت بناؤ، جب تم یہ عادت بنالو گے تو تم پر بھی اللہ تعالیٰ کی یہی رحمت برسے گی، پھر تمہارے ساتھ بھی وہ درگزر والا معاملہ فرمائیں گے، شفقت والا معاملہ فرمائیں گے، رحمت والا معاملہ

فرمائیں گے، اس لئے کہ اب تم نے بھی وہی کام شروع کردیے جو اللہ تعالیٰ کرتے ہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ کی جتنی بھی صفات ہیں اور جتنی بھی اللہ تعالیٰ کی پیاری پیاری اور مقدس عادات ہیں، انہیں اپنانے کا ہمیں حکم ہے۔

ہماری عادات

لیکن ہمارا حال تو یہ ہے کہ ہمارے اندر غصہ کا غلبہ ہے، طبیعت میں سختی ہے، بات بات میں غصہ، بات بات میں جھنجلاہٹ، بات بات میں شدت، بات بات میں ڈانٹنا، لڑنا، جھگڑنا اور ذرا ذرا سی بات پر چراغ پا ہونا، یہ بدترین عادتوں میں سے ایک عادت ہے، ساری خوبیاں ایک طرف، یہ بری خصلت ایک طرف۔

ایک بری خصلت سو اچھی عادات کو مٹا دیتی ہے

اگر کسی مرد و عورت کے اندر خدانخواستہ یہ عادتیں ہوں تو اس کا غصہ ناک پر رکھا ہوتا ہے کہ ذرا سا اس کی مرضی کے خلاف ہوا اور پارہ چڑھا، ذرا سا طبیعت کے خلاف ہوا اور وہ وقابو سے باہر ہوا۔ اگر اس کے اندر سو خصلتیں اچھی ہوں اور ایک یہ بری خصلت اس کے اندر پائی جاتی ہو تو یہ ساری خوبیوں پر پانی پھیرنے والی ہے۔ اس کی طرف ہمیں توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ یہ بری عادت نہ ہم میں ہو اور ہماری خواتین میں ہو۔ جب دیکھو غصہ ہی غصہ، ناراضگی ہی ناراضگی، جب دیکھو لڑائی جھگڑا اور بات بات پر لڑنا جھگڑنا، مارنا پیٹنا، نااتفاقی، قطع تعلقی، قطع رحمی، یہ سارے گناہ غصہ سے پیدا ہوتے ہیں، غصہ سے نہ جانے کتنے گناہ

انسان کے اندر پرورش پاتے ہیں اور کتنے گناہ اس کی وجہ سے صادر ہوتے چلے جاتے ہیں۔

غصہ برائیوں کا پٹارا ہے

ظلم اس کی وجہ سے ہوتا ہے، غیبت اس کی وجہ سے ہوتی ہے، حسد اس کی وجہ سے ہوتا ہے، بغض اس کی وجہ سے ہوتا ہے، نفرت اس کی وجہ سے ہوتی ہے، حقارت اس کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، نفرتیں اس کی وجہ سے وجود میں آتی ہیں، لعن طعن، ملامت، بہتان، الزام تراشی، یہ ساری چیزیں غصہ کی پیداوار ہیں، برداشت نہ کرنے کی پیداوار ہیں، تحمل نہ کرنے کی پیداوار ہیں، لہٰذا ہمیں اپنی اصل عادت برداشت کرنے کی بنانی چاہئے، اس کے لئے حدیث شریف میں بڑی پیاری دعا آئی ہے:

قوت برداشت کی ایک خاص دعا

اللّٰھم اعنی بالعلم وزینی بالحلم واکرمنی بالتقوی وجملنی بالعافیۃ

''اے اللہ علم کے ذریعے میری مدد فرما اور حلم اور بردباری سے مجھ کو مزین فرما اور تقویٰ سے مجھ کو عزت عطا فرما اور عافیت کے ساتھ مجھ کو جمال عطا فرما''

اچھی عادات بنانے کی آسان ترکیب

کسی اچھی عادت کو اپنانے کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے، ایک محنت اور کوشش اور دوسری اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گڑگڑا کر دعا کرنا، لہٰذا اگر ہماری طبیعت میں غصہ ہے اور حلم نہیں ہے، بردباری نہیں ہے، تحمل نہیں ہے، تو پھر اس پر بھی اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعا کریں، اور اللہ تعالیٰ سے مانگیں، اللہ تعالیٰ ہمیں عطا فرمائیں گے، اس نے ہم سے وعدہ کر رکھا ہے کہ تم مجھ سے دعا مانگو، میں تمہاری دعا کو قبول کروں گا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کریں یا اللہ! ہمارا غصہ اعتدال میں آجائے جو حد سے بڑھا ہوا ہے اور جس کی وجہ سے میں مصیبت میں مبتلا ہوں اور ہر شخص میری وجہ سے پریشان اور نالاں ہے، یا اللہ! میرا یہ غصہ دور فرما کر اس کو اعتدال عطا فرما دیجئے اور یا اللہ! میں حلم سے محروم ہوں، بردباری میرے اندر نہیں ہے، درگزر کرنے اور معاف کرنے کی عادت میرے اندر نہیں پائی جاتی، یہ صفت میرے اندر پیدا کر دیجئے۔ جب ہم اس طرح دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ہمت بھی دیں گے، توفیق بھی دیں گے، اور اس نعمت سے سرفراز بھی فرما دیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنا نام حلیم سن کر عذاب کو دور فرما دیا

اللہ تعالیٰ کی شان حلم پر ایک عجیب وغریب واقعہ یاد آیا کہ ایک دفعہ اللہ تعالیٰ نے کسی بستی پر اپنا عذاب نازل کرنے کے لئے فرشتوں کو روانہ فرمایا اور حکم

دیا کہ یہ عذاب لے جاؤ اور فلاں بستی کو اس عذاب میں مبتلا کر دو۔ فرشتے آسمان سے، عذاب لے کر روانہ ہوئے اور ان بستی والوں کو یہ معلوم نہیں تھا کہ ہم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہونے والا ہے، قہر اترنے والا ہے، وہ اسی طرح اپنے دن کے کاروبار میں مشغول تھے جیسے لوگ مشغول ہوا کرتے ہیں، بازار کھلے ہوئے تھے اور لوگ آرہے تھے اور جا رہے تھے، فرشتے عذاب لے کر آسمان سے نیچے اترے تو لوگ اپنے اپنے کاموں کے اندر مشغول تھے، انہیں پتا ہی نہیں تھا کہ کیا ہونے والا ہے۔

ایک خاتون اپنے گھر کے اندر دوپہر کے کھانے کے لئے آٹا گوندرہی تھی اور اس کے برابر میں اس کا دودھ پیتا بچہ لیٹا ہوا تھا اور وہ دودھ پینے کے لئے بے چین اور بے قرار تھا، وہ جب بھی روتا تو ماں اس کو تسلی دے کر کہتی کہ بیٹا تھوڑی دیر ٹھہر، ابھی میں دودھ پلاتی ہوں وہ تسلی دیتی تو وہ دو چار لمحے خاموش ہو جاتا، پھر رونا شروع کر دیتا، بچہ تو بچہ ہی ہوتا ہے، وہ روتا رہا اور ماں اس کو تسلی دیتی رہی کہ میں ابھی فارغ ہوتی ہوں اور تجھ کو دودھ پلاتی ہوں، بچہ کے رونے کے دوران یکا یک اس کی زبان سے نکل گیا:

اُسْكُتْ يَابُنَيَّ اِنَّ رَبِّيْ حَلِيْمٌ

"میرے پیارے بیٹے! خاموش ہو جا میرا پروردگار بڑا ہی حلیم اور بردبار ہے اور درگزر کرنے والا اور معاف کرنے والا ہے"

فوراً اللہ پاک نے ان فرشتوں کو جو آسمان اور زمین کے درمیان تھے، وہیں روک لیا اور کہا کہ واپس آ جاؤ، اس لئے کہ اس بستی میں ایک عورت نے ہمیں حلیم کہہ دیا ہے اور اب اس بستی پر عذاب نازل کرنا ہماری شان حلم کے خلاف ہے، ایک عورت نے ہماری تعریف کر دی اور اس نے ہمیں حلیم کہہ دیا ہے، جب اس نے حلیم کہہ دیا ہے تو حلیم کی شان کے خلاف ہے کہ وہ اس کو عذاب دے۔ اللہ اکبر! حالانکہ اس نے کوئی عذاب روکنے کے لئے یا اللہ کی تعریف کرنے کے لئے باقاعدہ نیت کر کے کوئی جملہ نہیں کہا تھا، اس نے تو بچے کو تسلی دینے کے لئے بے ساختہ یہ جملہ کہا "اے میرے پیارے بچے! ذرا خاموش ہو جا، میرا رب بڑا حلیم ہے" تو بھی حلم سے اور بردباری سے کام لے، کیونکہ میرا اللہ بھی بڑا حلیم ہے اور بردبار ہے۔

اتنی چھوٹی سے بات پر اللہ تعالیٰ نے اس بستی سے عذاب ہٹا لیا، کیا شان ہے اللہ تعالیٰ کے حلم کی، بردباری کی، اور درگزر کرنے کی۔

پہلے سے ذہن بنالیں

ہمارے اندر بھی یہ عادت ہونی چاہئے کہ ہم بہت ہی برداشت کرنے والے ہوں۔ اس کے لئے کوشش کرنی پڑتی ہے، کوشش اس طرح کرنی پڑتی ہے کہ پہلے سے اپنا ذہن بنانا پڑتا ہے کہ جب کوئی ایسا موقع آئے گا جہاں مجھے غصہ آئے اور میری طبیعت مشتعل ہو یا کوئی ایسا موقع آئے گا جس کی وجہ سے میری

طبیعت میں تغیر واقع ہوتو میں اس موقع پر برداشت کروں گا، ہمت سے کام لوں گا، ہرگز ہرگز میں اس وقت غصہ کا اظہار نہیں ہونے دوں گا، اپنی طبیعت کو مشتعل نہیں ہونے دوں گا، میں برداشت سے کام لوں گا۔

پہلے سے اپنے ذہن میں ان باتوں کو سوچنا پڑے گا، سوچنے کے بعد اور ذہن کو اس کے لئے تیار کرنے کے بعد پھر اگر خدانخواستہ کوئی ایسا موقع آجائے تو بس سوچا ہوا منصوبہ اب پورا کرنے کا وقت آگیا، اب اس سوچے سمجھے منصوبے پر عمل کرنے کا وقت ہے، فوراً سنبھل جائیں، دوسرا شخص غصہ میں کیسی ہی بات کررہا ہو، ناراضگی کا اظہار کررہا ہو، ایسی باتیں کررہا ہو جس سے طبیعت میں اشتعال پیدا ہورہا ہو، لیکن آپ اپنی طبیعت کو مجبور کرکے دبائیں، تحمل کریں، برداشت کریں، غصہ نہ کریں، غصہ کا اظہار نہ ہونے دیں، غصہ کو پی جائیں اور اگر طبیعت کو دبانے سے کام نہیں چل رہا ہے تو پھر غصہ ٹھنڈا کرنے کے طریقے جو احادیث طیبہ سے اور بزرگان دین سے ثابت ہیں، ان پر عمل کریں۔

غصہ ٹھنڈا کرنے کے کئی طریقے

ا۔غصہ ٹھنڈا کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ جس پر غصہ آرہا ہے اس سے الگ ہوجائیں، جب کسی شخص کی کوئی بات برداشت سے باہر ہورہی ہو اور صبر کا پیمانہ چھلکنے والا ہو تو فوراً اس شخص سے الگ ہوجائیں، الگ ہونے سے بہت فرق پڑے گا۔

۲۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ٹھنڈا پانی پی لیں۔

۳۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ وضو کر لیں۔

۴۔ چوتھا طریقہ یہ ہے کہ کھڑے ہوں تو بیٹھ جائیں، بیٹھے ہوں تو لیٹ جائیں، کیونکہ غصہ کے وقت انسان کے جسم میں دورانِ خون بڑھتا ہے، اس وقت اگر انسان لیٹا ہوا ہو تو بیٹھ جاتا ہے، بیٹھا ہوا ہو تو کھڑا ہو جاتا ہے، کھڑا ہوا ہو تو چلنے لگتا ہو، چل رہا ہو تو دوڑنے لگتا ہے، لہٰذا اس کا علاج ہونا چاہئے، یعنی اگر چل رہے ہوں تو کھڑے ہو جائیں، کھڑے ہوں تو بیٹھ جائیں اور بیٹھے ہوں تو لیٹ جائیں۔

۵۔ پانچواں طریقہ یہ ہے کہ جب غصہ آئے تو اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم پڑھے، اس سے غصہ کافور ہو جاتا ہے، طبیعت کا اشتعال ختم ہو جاتا ہے اور غصہ کو برداشت کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔

مکھی پر شفقت مغفرت کا سبب بن گئی

حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کسی عالم کا یہ واقعہ سنایا کہ ایک بہت بڑے عالم تھے، ساری عمر ان کی علوم شرعیہ پڑھنے پڑھانے میں، درس وتدریس میں، وعظ وتقریر میں اور اصلاحِ خلق میں گزری، ساری زندگی مخلوق خدا کی خدمت میں، دین کی اشاعت میں، تبلیغ میں، تعلیم میں، تصنیف وتالیف میں گزر گئی، جب ان کا وصال ہو گیا تو کسی نے ان کو خواب میں دیکھا اور ان سے

پوچھا حضرت! اللہ تعالیٰ کا آپ کے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا؟ فرمایا کہ میں جب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے تمہیں بخش دیا اور پھر فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے، ہم نے کس وجہ سے تمہیں بخش دیا؟ میرے ذہن میں یہ آیا کہ اللہ تعالیٰ نے جو مجھے دنیا میں اپنے دین کی خدمت کی توفیق بخشی تھی، شاید اس کی بنیاد پر اللہ پاک نے میری بخشش فرمائی، میرے وعظ وتقریر، میری تصنیف وتالیف اور تدریس سب انشاء اللہ تعالیٰ قبول ہوگئی ہیں، اس کے بدلے اللہ پاک نے میری مغفرت فرمائی ہے۔

لیکن حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ یہ تمہارے ذہن میں جو آرہا ہے، اس کی وجہ سے ہم نے نہیں بخشا ہے، بلکہ اس لئے بخشا ہے کہ ایک دن تم کوئی کتاب لکھ رہے تھے (اس زمانے میں لکڑی کے قلم ہوتے تھے اور روشنائی میں قلم ڈال کر اس کو تر کرکے اس سے مضمون لکھا جاتا تھا، جب روشنائی ختم ہوجاتی تو دوبارہ اس کو روشنائی سے تر کرلیا جاتا پھر لکھنا شروع کردیتے تھے) تو ایک مرتبہ تم اسی طرح کوئی کتاب لکھ رہے تھے اور لکھنے کے دوران تم نے اپنا قلم روشنائی میں ڈالا اور پھر اس کو باہر نکالا، ابھی تم لکھنا ہی چاہتے تھے کہ اچانک اس قلم کی نوک پر ایک مکھی آکر بیٹھ گئی اور سیاہی چوسنے لگی، اس وقت تم نے یہ خیال کیا کہ معلوم ہوتا ہے مکھی پیاسی ہے، اس لئے یہ اس قلم کی روشنائی کو چوس رہی ہے پھر تم نے ہماری خاطر اس قلم کو چند لمحوں کے لئے اس نیت سے روک لیا کہ یہ مکھی اپنی

ضرورت پوری کر لے، پیاسی ہے تو اس کی پیاس دور ہو جائے، بھوکی ہے تو اس کی بھوک دور ہو جائے، تم نے اس وقت تک اپنے ہاتھ کو لکھنے سے روکے رکھا اور قلم کو اس وقت تک چلانے سے روکے رکھا جب تک کہ وہ مکھی اس پر بیٹھ کر سیاہی چوستی رہی، جب وہ سیاہی چوس کر اُڑ گئی تو تم نے اپنا کام شروع کر دیا، تمہارا یہ عمل ہمارے واسطے تھا ہمیں بہت پسند آیا، اس وجہ سے ہم نے تمہاری بخشش کر دی۔

احادیث طیبہ میں یہ واقعہ بہت ہی مشہور و معروف ہے۔ دیکھیں! اخلاص کے ساتھ انہوں نے ایک مکھی کے ساتھ ہمدردی اور شفقت کا معاملہ کیا تو ان کے لئے ذریعہ نجات بن گیا۔

کتے کے بچے کو پانی پلانے پر فاحشہ کی بخشش ہو گئی

ایک فاحشہ کا عمل دیکھیں کہ ایک عورت ہے، ساری عمر اس کی بدکاری میں گزری، فاحشہ ہے، بے حیا عورت ہے، ایک دن وہ کہیں جنگل سے گزر رہی تھی، اس نے دیکھا کہ ایک کتے کا بچہ پیاس کی وجہ سے مٹی چاٹ رہا ہے، مٹی ذرا گیلی تھی اور وہ اپنی پیاس بجھانے کے لئے مٹی چاٹ رہا تھا، قریب میں ایک کنواں تھا، اس کے اوپر کوئی ڈول رسی نہیں تھی جس سے پانی نکالا جا سکے، اس فاحشہ عورت کو بڑا ترس آیا اور بہت ہی رحم آیا کہ ہائے یہ بے زبان جانور بے چارہ کتنا پیاسا ہے اور کیسی تکلیف میں ہے، تو اس نے اس کنویں کے ارد گرد رسی ڈول تلاش کیا تو اس کو کچھ نہ ملا، آخر اس نے اپنا دوپٹہ اتارا اور پاؤں سے اپنے

چمڑے کا موزہ اتارا پھر دوپٹہ سے اس موزے کو باندھا اور پھر اس کو کنویں میں لٹکایا اور اس سے پانی نکالا، اس طرح اس نے کنویں میں سے پانی نکال کر کتے کے بچے کو پلایا۔

حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کا یہ عمل اتنا پسند آیا کہ اسی پر اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت کردی۔

جانوروں کے ساتھ رحم کرنا بھی اجر کا باعث ہے

اگر ہمارے اندر تحمل اور بردباری کی صفت پیدا ہو جائے تو اس سے انسان تو انسان جانوروں کے لئے بھی ہمارے اندر شفقت آسکتی ہے، جانوروں کے ساتھ بھی ہم رحم کر سکتے ہیں، ان کے ساتھ بھی اچھا سلوک کر سکتے ہیں، یہ اچھا سلوک اور نرمی والا سلوک ایسا ہے کہ اگر جانوروں کے ساتھ بھی کیا جائے تو موجب اجر ہے اور کبھی کبھی یہ بھی باعث نجات بن جاتا ہے۔

ہمیں عمدہ اخلاق و عادات اپنانے چاہئیں

انسانوں کے ساتھ اور انسانوں میں مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی اور ان کے کام آنا یہ بہت اونچا عمل ہے اور یہ جب ہی ہمارے اندر آسکتا ہے جب ہم اس عادت کو اپنے اندر پیدا کریں گے، جب یہ عادت پیدا ہو جائے گی تو یہ کام ہمارے لئے بالکل آسان ہو جائے گا اور جب تک یہ عادت پیدا نہیں ہوگی، اس وقت تک مشکل ہے کہ ہم کسی کے ساتھ اچھا برتاؤ کر سکیں اور اچھا

سلوک کرسکیں ،لہٰذا ہمیں یہ عادت ڈالنی چاہئے اور اس کے لئے کوشش کرنی چاہئے اور اس کے ساتھ ساتھ مخلوق کے ساتھ قصداً شفقت کا، احترام کا، اکرام کا اور نرمی کا معاملہ کرنا چاہئے اور حسب توفیق حسب ہمت اور حسب استطاعت ان کی خدمت میں بھی ہمیں لگنا چاہئے۔

ہر کام کرنے سے آتا ہے

کام کرنے سے آتا ہے، جیسے نماز پڑھنے سے نماز پڑھنی آتی ہے، روزہ رکھنے سے روزہ رکھنا آتا ہے، تسبیح پڑھنے سے تسبیح پڑھنی آتی ہے، لکھنے سے لکھنا آتا ہے، اسی طرح تمام کارہائے خیر کی عادت ڈالنے سے عادت پڑتی ہے، کام کرنے سے کام آتا ہے، خالی سوچنے سے نہیں آتا، سوچنے سے معاونت تو ہوتی ہے لیکن کام قدم آگے بڑھانے سے آئے گا۔

ہم ہر عمل اللہ کی رضا کے جذبہ کے ساتھ کریں

البتہ جس کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ کریں اور اچھا سلوک کریں تو پہلے اپنا قبلہ ٹھیک کریں اور اپنے دل کا رخ صحیح کریں اور محض اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے کریں، نہ مخلوق کو دکھانے کے لئے ہو، نہ نام وری کے لئے ہو، نہ اس لئے کہ لوگ ہماری تعریف کریں، نہ اس وجہ سے ہو کہ ہماری شان بڑھے، نہ اس وجہ سے ہو کہ لوگ کہیں کہ فلاں بڑا سخی ہے، فلاں تو بڑا ہی ہمدرد ہے، فلاں تو بڑا ہی خیر خواہ ہے، ہر چھوٹے بڑے کے کام آتا ہے۔ یہ تعریفی جملے سننے کی بھی ہماری کوئی نیت

نہ ہو اور نہ ادلے بدلے کی نیت ہو۔

احسان جتلانا نیکی کو برباد کرنا ہے

نہ یہ نیت ہو کہ فلاں ہمارے کام آتا ہے، لہٰذا ہم بھی اس کے کام آتے ہیں، جو ہمارے کام نہیں آتا ہم بھی اس کے کام نہیں آتے، ہم نے کبھی غلطی سے دو چار مرتبہ کسی کی خدمت کر دی یا کسی کے کام آگئے یا ہمدردی کر دی یا مدد کر دی، پھر جب ہمیں مدد کی ضرورت پیش آئی اور اس نے ہماری مدد نہ کی تو اس وقت پتہ چلتا ہے کون کتنے پانی میں ہے۔ اکثر ہماری زبان سے یہ نکل جاتا ہے کہ اس کمبخت کو دیکھو! ہم دس دفعہ اس کے کام آئے، ہم نے دس مرتبہ اس کی خدمت کی، ہمدردی کی، خیر خواہی کی، لیکن جب ہمارا کام پڑا تو یہ ایک مرتبہ بھی کام نہ آیا، صرف اتنا کہنے سے ہم نے تمام نیک کاموں کو پانی کر دیا، ملیامیٹ کر دیا، ضائع کر دیا، ہم نے اس کو یہ کہہ کر احسان جتا دیا۔

ہم ہر ایک کے ساتھ اللہ کے لئے اچھائی کریں

اللہ بچائے! یہ کہنا بالکل غلط ہے اور احسان جتانا ہے کہ ہم تو رشتہ داروں بڑے کام آئے، گھر والوں کے بڑے کام آئے، پڑوسیوں کے بڑے کام آئے اور جب ہمارا موقع آیا تو انہوں نے ہمیں دیکھا تک نہیں، ہم نے احسان جتا دیا، ہم نے فلاں موقع پر یہ کیا تھا اور فلاں موقع پر یہ کیا تھا، لیکن انہوں نے ان احسانات کا یہ بدلہ دیا، بھائی! آج کل کسی سے اچھا سلوک کرنے کا زمانہ نہیں

ہے، اچھا سلوک کرو اور بدسلوکی پاؤ، لہٰذا کسی سے اچھا سلوک ہی نہیں کرنا چاہئے، آج ہمارا حال یہ ہے کہ نیک سلوک کر کے احسان جتلاتے ہیں، اور شکوہ شکایت کرتے ہیں، یہ صحیح نہیں۔ اس لئے ضروری ہے پہلے اپنا قبلہ درست کرلو، قبلہ یہ ہے کہ کوئی ہمیں بدلہ دے یا نہ دے، تعریف کرے یا نہ کرے، بلکہ برا کہے، ہمیں چاہئے کہ ہم اس کے ساتھ نیکی کریں اور وہ اس کے بدلے میں چاہے ہمارے ساتھ بدسلوکی ہی کیوں نہ کرے۔ ہم جو کچھ کریں اللہ کے لئے کریں، اللہ ہی کی رضا مقصود ہو اور کوئی مقصود نہ ہو، ہر کام خدا کے واسطے کرنے کے عادی بنیں۔

دینی امور میں رسم ورواج کو ترک کردیں

دوسرے یہ کہ جو کام ہم کریں وہ شریعت کے مطابق ہو، ہمارے معاشرے کے اندر ایک دوسرے کے ساتھ نرمی اور تعاون کے طریقے تو موجود ہیں، لیکن کچھ تو بدعات ہیں کچھ رسومات ہیں، کچھ ناجائز طریقے ہیں، کچھ خلاف شرع طور وطریقے ہیں ہم لوگ اپنے ذہن میں سمجھ رہے ہیں کہ ہم بڑی عالی شان اور بہت عمدہ خدمت انجام دے رہے ہیں، بہت سے لوگوں کو ہماری مدد سے فائدہ پہنچ رہا ہے لیکن حقیقت میں وہ ناجائز اور خلاف شرع ہیں۔

ہر عمل میں نیت اور طریقہ دونوں کا صحیح ہونا ضروری ہے

میرے بھائیو! اگر نیت صحیح ہوئی، لیکن طریقہ غلط ہوا تو اس پر بھی اللہ تعالیٰ کی رضا مرتب نہیں ہوسکتی اور اگر طریقہ صحیح ہو، لیکن نیت غلط ہوئی تو بھی اللہ تعالیٰ

کی رضا مرتب نہیں ہوئی، اس لئے اگر ہم اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہیں اور وہ ثواب عظیم چاہتے ہیں جو مخلوق خدا کے ساتھ اچھا سلوک کرنے پر ملتا ہے، اس کے لئے دونوں باتوں کا اہتمام ضروری ہے، نیت بھی صحیح ہو، طریقہ بھی صحیح ہو، شریعت کے مطابق ہو اور سنت کے مطابق ہو۔

اپنے بڑوں سے پوچھ کر عمل کریں

اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ جو بھی کام کرنا ہو، جو بھی سلوک کرنا ہو، ہمدردی کرنی ہو، پہلے معلوم کرلیں یہ میں جو سلوک کرنا چاہتا ہوں یہ اس طریقہ سے درست ہے یا نہیں، اگر وہ کہیں کہ ہاں درست ہے تو کرلو، اگر وہ منع کردیں تو پوچھ لو کس طریقے سے کروں؟ جو وہ طریقہ بتائیں اس طرح سے کرو۔ بس پوچھ کر کرنا یہ ایسا گر ہے کہ اگر آدمی اس کو اپنے دامن میں باندھ لے تو عمر بھر انشاء اللہ آدمی سے کبھی خطا نہیں ہوگی۔

مسلمان کی پریشانی دور کرنے کا اجر

مخلوق خدا کے ساتھ اور انسانوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کے اتنے فضائل ہیں کہ ایک حدیث میں یہ فرمایا گیا ہے کہ "جو شخص کسی مسلمان کی بے چینیوں میں سے کوئی بے چینی دور کردے تو اللہ تعالیٰ اس کی آخرت کی بے چینیوں میں سے ایک بے چینی دور کردے گا۔ جو شخص کسی مسلمان کی دنیا کی مصیبتوں میں سے کوئی مصیبت دور کردے تو اللہ تعالیٰ اس کی آخرت کی مصیبتوں میں سے ایک

مصیبت دور کر دے گا۔ جو شخص کسی مسلمان کی کوئی تنگی دور کر دے اور اس میں اس کو سہولت اور آسانی دیدے تو اللہ پاک اس آخرت کی تنگیوں کے اندر سے کوئی تنگی دور فرمادیں گے اور اس کے ساتھ سہولت اور نرمی کا معاملہ فرمائیں گے"

کسی کے کام آنا انسانیت ہے

بھائی جب ہم ایک دوسرے کے ساتھ رہتے ہیں تو ہم عافیت کے ساتھ اور راحت کے ساتھ رہتے ہیں، صحت کے ساتھ رہتے ہیں، اور ہمیں کسی سے خدمت لینے کی ضرورت نہیں ہوتی، لیکن بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہم کسی پریشانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں یا بیماری میں مبتلا ہو جاتے ہیں یا کسی حادثے اور سانحے سے دوچار ہو جاتے ہیں، اس وقت ہم ایک دوسرے کے تعاون کے محتاج ہوتے ہیں، ضرورت پڑتی ہے کہ ہم ایک دوسرے کے کام آئیں، ایسے موقع پر دو شرطوں کے ساتھ دوسروں کے کام آنا شروع کر دیں، ایک تو اللہ کی رضا کے لئے تعاون کریں، دوسرے شریعت کے مطابق، سنت کے مطابق تعاون کریں، اگر ہم نے کسی کی پریشانی پر اس کی مالی مدد کر دی اور اس کی پریشانی دور ہوگئی، اس پر ہمیں کتنا بڑا اجر مل گیا۔

جہنم کا ایک لمحہ ساری زندگی کی نعمتوں کو بھلا دے گا

ایک حدیث ہے کہ جس شخص کو دنیا میں ساری نعمتیں ملی ہوں اور ہمیشہ دنیا میں وہ آرام و راحت میں رہا ہو کبھی اس نے کوئی غم نہیں دیکھا، کوئی صدمہ نہیں

دیکھا، کوئی پریشانی نہیں دیکھی، ہمیشہ آرام وسکون، چین وراحت سے رہا، اگر اس کو ایک لمحے کے لئے جہنم میں داخل کیا جائے اور فوراً نکال دیا جائے تو وہ کہے گا کہ میں نے کبھی بھی کوئی راحت نہیں دیکھی، زندگی بھر کی ساری راحتیں بھول جائے گا، ساری عافیتوں کا نقشہ اس کے ذہن سے اوجھل ہو جائے گا، وہ سمجھے گا میں تو ہمیشہ مصیبتوں میں ہی رہا ہوں، ہمیشہ مصیبت ہی مصیبت میں میری زندگی گزری ہے، میں نے کبھی راحت کا دروازہ نہیں دیکھا، ذرا سا جہنم کا منہ دیکھنے سے اس کا یہ حال ہو جائے گا۔ (اللہ بچائے)

جنت کا ایک لمحہ ساری زندگی کے غموں کا مٹادے گا

اور ایک شخص جس نے دنیا میں کبھی راحت نہیں دیکھی، سکون نہیں دیکھا، آرام نہیں دیکھا، سکون اس کو نصیب نہ ہوا، جب سے اس نے دنیا میں آنکھ کھولی، غم کے اندر اس نے آنکھ کھولی، غموں کے اندر ہی دنیا سے چلا گیا، آرام وراحت اس کے پاس سے بھی نہ گزرے، جب اس کو آخرت میں ذرا سی دیر کے لئے جنت میں داخل کر دیا جائے گا تو وہ ساری عمر کے رنجوں کو، غموں کو اور پریشانیوں کو بھول جائے گا اور وہ یہ کہے گا کہ مجھے تو زندگی بھر کوئی غم پیش ہی نہیں آیا، کوئی صدمہ لاحق ہی نہیں ہوا، میرے پاس سے کبھی کوئی آفت گزری ہی نہیں، میں تو آج تک کبھی کسی حادثے سے دوچار ہی نہیں ہوا۔ حالانکہ وہ ساری زندگی مصیبتوں میں گزار کر آیا ہے۔ بہرحال، آخرت کی نعمتیں بھی ایسی زبردست

ہیں اور وہاں کی راحتیں بھی ایسی زبردست ہیں کہ دنیا کے سارے غموں کو بھلانے والی ہیں، دنیا میں اگر ہم کسی کے کام آگئے اور اگر ہماری وجہ سے اس کی تکلیف دور ہوگئی تو اس کے طفیل اللہ تعالیٰ ہماری آخرت کی پریشانی اپنے فضل وکرم سے دور فرمادیں گے اور یہ تو آخرت کے فائدے کا بیان تھا اور دنیا کا فائدہ اس کے علاوہ ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کے کام میں لگ جاتے ہیں

چنانچہ ایک حدیث میں ہے جو کوئی اپنے مسلمان بھائی کے کام میں لگ جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس مؤمن بندے کا کام پورا کرنے میں لگ جاتے ہیں یعنی ہم دوسرے کے کام کریں گے ہمارے بھی جو کام اٹکے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ اس کو پورا کرنا شروع فرمادیں گے کہ اس کا یہ کام بھی ہوجانا چاہئے، یہ بھی ہوجانا چاہئے اور جب اللہ پاک ہمارے کام پورا کا کرنے میں لگ جائیں تو پھر کوئی روک نہیں سکتا ہے پھر تو وہ ساری بندشیں ختم ہوجائیں گی اور جتنے کام ناممکن تھے سارے ممکن ہوجائیں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کرنے والے ہیں۔ اندازہ کرو! اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، ان کے کام آنا کتنی بڑی عبادت ہے اور کیسا اس کے اوپر اجر وثواب ہے۔

تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا

ایک حدیث میں ہے جو شخص کسی مؤمن کی تنگی اور دشواری میں سہولت اور

آسانی پیدا کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کی آخرت کی دشواریوں اور تنگیوں میں سہولت اور آسانی پیدا فرمادیں گے۔او کماقال علیه الصوة و السلام

مثلاً کوئی آدمی مقروض ہے۔ دنیا ایسی ہے کہ اس میں آدمی کو قرض لینا بھی پڑتا ہے، دینا بھی پڑتا ہے، تو جب آدمی مقروض ہو، اور قرض کے ادا کرنے کی تاریخ آجائے تو مقروض ذرا پریشان ہوتا ہے اور جس نے قرض دیا ہے اس کو حق ہوتا ہے کہ اپنا حق وصول کر لے، اگر نہیں دیتا تو اس سے مطالبہ بھی کر سکتا ہے، مطالبہ پر بھی نہ دے تو عدالت میں بھی جا سکتا ہے۔ ایک طرف شریعت نے اس کو یہ حق بھی دیا ہے لیکن ساتھ یہ بھی کہا کہ اگر اللہ کی رضا کے لئے اس کو کچھ مہلت دیدے اور یہ کہدے کہ اچھا بھائی جب تمہارے پاس ہوں تو دیدینا، تو اس کا یہ ثواب ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی اس کی دشواریوں میں اس کی تنگیوں میں سہولت عطا فرمادیں گے۔

ایک تاجر کا غلاموں کو نرمی کرنے کا حکم

ایک عجیب وغریب واقعہ یاد آیا کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایک تاجر کا معاملہ پیش ہوا تو اللہ پاک نے فرشتوں کو حکم دیا کہ اس کے نامۂ اعمال میں تلاش کرو کہ کیا کیا ہے، کیا کیا نیک کام اس نے کیے ہیں، اللہ تعالیٰ کو تو معلوم ہے مگر دوسروں پر ظاہر کرنے کے لئے ایسا انداز اختیار فرماتے ہیں تو جب فرشتوں نے اس کا نامۂ اعمال دیکھا تو اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے پروردگار اس کے نامۂ اعمال

میں تو نہ نماز ہے نہ روزہ نہ حج ہے نہ زکوۃ، یہ تو تاجر اور دوکاندار آدمی تھا، کاروبار کرتا تھا، نماز پڑھتا تھا نہ روزہ رکھتا تھا، نہ حج کرنے جاتا تھا نہ زکوۃ ادا کرتا تھا، اس پر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ نہیں، دیکھو کچھ نہ کچھ تلاش کرو، اچھی طرح دیکھو، اور دیکھو، کوئی نیک کام اس نے کیا ہوتو بتاؤ، فرشتوں نے اچھی طریقے سے نامۂ اعمال کی جانچ پڑتال کر کے عرض کیا کہ:

اے پروردگار! بس ایک چیز ہمیں اس کے نامۂ اعمال مین نظر آرہی ہے وہ یہ ہے کہ اس نے اپنے کارندوں کو اور اپنے غلاموں کو یہ تاکید کر رکھی تھی کہ دورانِ کاروبار تمہارا جب لوگوں کے ساتھ معاملہ ہو اور تم کسی کو مال دو، ان کی طرف پیسے رہ جائیں ادھار یا کسی اور وجہ سے تم کسی کو قرض دو، اور ان کی طرف تمہارا قرض نکلتا ہو تو ایسی صورت میں جب تم ان سے لینے کے لئے پہنچو، تو اس وقت سختی کا معاملہ نہیں کرنا، لینے مین تم معاملہ نرمی کا برتنا، نرمی کا معاملہ کرنا، اگر آسانی سے دیدیں تو آسانی سے لے لینا، اور اگر وہ اس وقت دینے کی حالت میں نہ ہوں، مہلت کے طلبگار ہوں تو تم مہلت دیدینا، ڈانٹنا نہیں، سختی نہیں کرنا، وصول کرنے کے اندر درشتی سے کام مت لینا، یہ اس نے اپنے غلاموں کو تاکید کر رکھی تھی۔ فرشتوں نے کہا کہ حضور یہ نیکی ہمیں نظر آرہی ہے، چونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی عادت کو استعمال کیا اللہ پاک نے بھی اپنی عادت کو استعمال فرمادیا اور درگزر سے کام لیا اور اس کو معاف کر دیا۔

ایک عمل کرنے سے دوسرے عمل کی چھٹی نہیں ہو جاتی

اور ان واقعات کے اندر ایک اور بات یاد رکھنے کی ہے کہ اس قسم کے جتنے واقعات ہیں سب اللہ تعالیٰ کی رحمت کے واقعات ہیں، درگزر کے واقعات ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کسی قاعدے یا قانون کی پابند نہیں ہے، جس کام پر چاہیں اپنا فضل فرما دیں، اپنی رحمت فرما دیں، مغفرت فرما دیں، بخشش فرما دیں اور واقعات کو سن کر کوئی یہ نہ سمجھے کہ خدانخواستہ نماز پڑھنے کی کیا ضرورت ہے؟ روزہ رکھنے کیا ضرورت ہے؟ دن بھر خوب گناہ کرو اور رات بھر ڈاکے ڈالو، اللہ تعالیٰ کی ذات کسی نہ کسی عمل پر مہربان ہو جائے گی۔

نیکی کرتے رہو ڈرتے رہو

اللہ تعالیٰ کا اصل قانون یہ ہے، جو زیادتی کرے گا اس کی پکڑ دھکڑ ہوگی، جو اطاعت وفرمانبرداری کرے گا اس کے ساتھ مغفرت اور بخشش والا معاملہ فرمائیں گے، اس لئے عام قواعد وضوابط کے مطابق اللہ تعالیٰ کے تمام فرائض وواجبات کی پابندی کرنی چاہئے اور جو حرام وناجائز کام ہیں ان سے بچتے رہنے کی کوشش کرنی چاہئے اور پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید رکھنی چاہئے کہ وہ کسی نہ کسی عمل پر اپنی مغفرت کا فیصلہ فرما دیں گے اور رحمت کا معاملہ فرما دیں گے۔

کسی کو خوش کرنے پر کم سے کم اجر جنت ہے

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی

مسلمان گھرانے کو مصیبت و تکلیف اور پریشانی میں دیکھے پھر ان کے ساتھ ہمدردی، خیر خواہی کا معاملہ کرے جس کے نتیجے میں اس کے پریشانی دور ہو جائے اور وہ لوگ خوش ہو جائیں تو ایسا کرنے والے کے لئے قیامت کے دن کم سے کم اس کی خدمت کا بدلہ اللہ تعالیٰ کے ہاں جنت ہے۔ بہر حال، ایک دوسرے کے کام آنا، مخلوق کی خدمت کرنا، ان کے ساتھ اچھا سلوک اور اچھا برتاؤ کرنا، ایک دوسرے کے کام آنا کتنی بڑی عبادت ہے اور ہمارے لئے کتنے بڑے ثواب کا باعث ہے، کسی خدمت کر کے جنت کا حاصل ہو جانا کوئی معمولی بات نہیں کتنی بڑی کامیابی ہے!

ہر قدم پر ستر نیکیاں ملتی ہیں

اور ایک حدیث میں ہے کہ جو آدمی کسی مسلمان کا کام کرانے کے لئے کسی کے پاس اس کے ساتھ چلا جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ جانے والے کے ہر قدم پر ستر نیکیاں عطا فرماتے ہیں، ستر گناہ صغیرہ اس کے معاف فرما دیتے ہیں، یہاں تک کہ وہ اسی جگہ واپس آ جائے جہاں سے وہ اس کے ساتھ گیا تھا، گھر سے صبح نکلے شام کو واپس لوٹے تو صبح سے شام تک جتنے قدم اس نے اٹھائے ہر قدم پر ستر نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں درج ہوتی رہیں گی اور ستر گناہ صغیرہ اس کے نامۂ اعمال میں سے معاف ہوتے رہیں گے۔

مسلمان کی پریشانی کو دور کرنے کا اجر

پھر اگر اس کے ساتھ جانے کی وجہ سے، کوشش کرنے کی وجہ سے اس کا کام بن گیا تو جو کام کرانے کے لئے اس کے ساتھ گیا ہے وہ صغیرہ گناہوں سے پاک صاف ہو جائے گا اور کبیرہ گناہ توبہ سے معاف ہو جائیں گے۔ اور حدیث شریف کے آخر میں یہ ہے کہ اگر اس روز اس کا انتقال ہو گیا تو بغیر حساب و کتاب کے جنت میں جائے گا، اس کا حساب و کتاب نہیں ہوگا۔

ستر ہزار فرشتے دعا کرتے ہیں

میرے عزیزو! ایک دوسرے کے کام آنا کتنی بڑی عبادت ہے، بس ساری قیمت اس عمل کی ہے جو اللہ کے لئے ہو، دکھاوے کے لئے نہ ہو، نمود نمائش کے لئے نہ ہو، برادری کی بنیاد پر نہ ہو، خاندان کی بنیاد پر نہ ہو، اس بناء پر نہ ہو کہ ہم نہیں کریں گے تو ہماری ناک کٹ جائے گی، اس لئے جو کچھ بھی ہو بس اللہ تعالیٰ کی رضا کے واسطے ہو، ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی کے کام کرانے کے لئے اس کے ساتھ جائے اور ساتھ جانے کی وجہ سے اس شخص کا وہ کام ہو گیا جس کام کے کرانے کے لئے وہ گیا تھا، تو اگر وہ صبح کے وقت اس کے ساتھ گیا تھا تو صبح سے شام تک ستر ہزار فرشتے اس کے لئے دعائے رحمت کرنے کے لئے مقرر فرما دیتے ہیں، اور شام کو اگر گیا تھا تو صبح تک ستر ہزار فرشتے اس کے لئے اللہ کی بارگاہ میں دعا کرنے کے لئے اور رحمت کی دعا مانگنے کے لئے بیٹھ جاتے ہیں،

برابر صبح تک اس کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں، ایک فرشتے کی دعا بھی ہمارے لئے بہت ہے، بھائی! اللہ تعالیٰ کی بڑی مہربانی ہے کہ تم نے اللہ کی مخلوق کی اللہ واسطے مدد کی، اللہ تعالیٰ تم پر اتنے مہربان ہوئے کہ اپنے ستر ہزار فرشتے دعا کے واسطے مقرر کر دیے۔

کسی مسلمان کے لئے کوشش کرنا دس سال اعتکاف سے افضل ہے

ایک اور حدیث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:
جو شخص کسی مسلمان کی کسی کام کے اندر کوشش کرے تو اس کا یہ کوشش کرنا اور جدو جہد کرنا بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں دس سال کے اعتکاف کرنے سے افضل ہے۔

ایک دن کے اعتکاف کا ثواب

اور ایک دن کے اعتکاف کی یہ فضیلت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس اعتکاف کرنے والے اور جہنم کے درمیان تین خندقیں حائل کر دیتے ہیں اور ایک خندق اتنی لمبی اور چوڑی ہے جیسے مشرق سے مغرب کا فاصلہ، مشرق سے مغرب تک بڑی بڑی خندقیں ایک دن کا اعتکاف کرنے والے اور جہنم کے درمیان اللہ تعالیٰ حائل کر دیتے ہیں، یعنی اس کو جہنم سے بے انتہا دور کر دیتے ہیں اور جو کسی کے کام آجائے اور کسی کی کسی دشواری میں، کسی مشکل میں، کسی پریشانی میں اس کی مدد کر دے اور اس کے لئے کوشش شروع کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کو دس سال کے اعتکاف کا ثواب عطا فرماتے ہیں، دس سال کے اعتکاف کے نتیجے میں ایک لاکھ

سے زائد خندقیں بن جائیں گی۔

تحمل سے محبت پیدا ہوتی ہے

جب ہمارے دل میں تحمل و بردباری اور شفقت و محبت کی عادت پیدا ہوگئی تو اس میں جہاں اللہ تعالیٰ کی بے پایاں محبت ہوگی اللہ تعالیٰ کے رسول کی بے پایاں محبت ہوگی تو ان دونوں محبتوں کے ساتھ ساتھ اس کی مخلوق پر بھی ہمارے اندر شفقت و نرمی اور محبت پیدا ہو جائے گی اور جب مخلوق کی محبت و شفقت اور نرمی پیدا ہوگی تو ہر ایک کے ساتھ اچھا سلوک، اچھا برتاؤ کرنے کو طبیعت چاہے گی اور جب یہ طبیعت ایسی بن جائے گی تو پھر انسان تو انسان جانوروں کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرنے کو جی چاہے گا۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا دوسروں کے لئے اچھا راستہ چھوڑنا

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں جب راستے پر چلتا ہوں تو میں راستے سے ایک طرف ہو کے چلتا ہوں اور دوسرے گزرنے والوں کے لئے اچھا راستہ چھوڑ دیتا ہوں۔ یہ ہیں حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جب راستے سے گزرتے ہیں تو اچھا راستہ دوسروں کے لئے چھوڑتے ہیں اور خراب اور برا اور کنارے کا راستہ اپنے لئے اختیار فرماتے ہیں، بلکہ یہاں تک حضرت کے ملفوظات میں ہے کہ میں بعض دفعہ جانوروں کے لئے بھی اچھا راستہ چھوڑ دیتا ہوں اور برا راستہ اپنے لئے اختیار کر لیتا ہوں، اور یہ

ایک دفعہ کی بات نہیں بلکہ حضرت کی عادت تھی یہ تو آخر میں حضرت نے اس کو چھوڑا کیونکہ فرمایا کہ میں جب کمزور ہو گیا تو کنارے میں چلنے کی وجہ سے ایک دفعہ میرا پاؤں پھسلا اور میں نالی میں گر گیا تو پھر میں نے ذرا سی ہمت کر کے نالی کا راستہ چھوڑ کر چلنا شروع کر دیا، پھر جب دیکھا کہ معذور ہو گیا ہوں، کنارے پر چلنے میں گرنے کا خطرہ پیدا ہو گیا، لڑکھڑانے کا خطرہ پیدا ہو گیا تو پھر حضرت نے ذرا سی اس میں ترمیم فرمالی، تو ترمیم وقتی اور عارضی ہے، اصل عادت نہیں ہے، اصل عادت تو یہ ہے کہ راستے میں بھی اس کا خیال رکھ رہے ہیں کہ اچھا راستہ دوسروں کے لئے ہو، خراب راستہ میں برداشت کرلوں۔ ہمارا حال تو یہ ہے کہ ہم چاہتے ہیں کہ لوگ ہمارے اِدھر اُدھر سے گزریں، ہم بیچ میں سے سینہ تان کر گزریں (العیاذ باللہ) یہ بری خصلت ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں انسانیت کا درد

مسلمانوں کے حال پر تو حضرت کی شفقت کا یہ حال تھا کہ فرماتے ہیں کہ جب مسلمانوں کی حالت زار مجھے یاد آتی ہے، مسلمانوں پر مصیبتیں اور تکلیفیں اور جو پریشانیاں آئی ہوئی ہیں مجھے کیسی شدید بھوک کی حالت میں اگر ان کا خیال آجاتا ہے تو میری بھوک اُڑ جاتی ہے اور اگر مجھے نیند کے وقت ان کا خیال آجاتا ہے تو میری نیند اُڑ جاتی ہے۔ یہ دیکھو کتنا احساس ہے مسلمانوں کی تکلیف کا، یہ احساس اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب قلب کے اندر شفقت پیدا ہوتی ہے، نرمی

ہوتی ہے اور محبت ہوتی ہے۔

اچھے اخلاق اپناؤ

میرے عزیزو! بس میرے کہنے کا منشاء یہی ہے کہ:

تخلقوا باخلاق اللّٰہ

اللہ تعالیٰ کے جو اخلاق ہیں وہ ہمیں اختیار کرنے چاہئیں، اللہ تعالیٰ کی عادات طیبہ میں سے حلم ہے، بردباری ہے، تحمل ہے، شفقت ہے، درگزر ہے، یہ عادات ہمیں بھی اپنانی چاہئیں، ہمارے اندر بھی یہ عادات ہونی چاہئیں کہ ہم غصہ کو پینے والے ہوں، برداشت کرنے والے ہوں، نرم رویہ اختیار کرنے والے ہوں، اور مخلوق خدا کے ساتھ اگر ہم خدمت کا برتاؤ کریں تو خدا کے واسطے، یہ بھی بڑے اجر وثواب والا عمل ہے، یہ عادت بھی اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کو کھینچنے والی ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے۔

کھوٹ قبول کرنے والے تاجر کی بخشش کا واقعہ

ایک واقعہ یاد آیا، ایک تاجر تھے، ان کی زندگی بھر کا یہ معمول تھا وہ اچار بیچا کرتے تھے، جو بھی ان کی دکان پر آجاتا اور اچار طلب کرتا کہ مجھے آدھا کلو یا ایک کلو یا ایک پاؤ یا ایک چھٹانک اچار دیدو، جتنا بھی اچار چاہئے ہوتا وہ اچار دیدیا کرتے تھے، بس انہوں نے اپنا معمول یہ بنایا تھا کہ جو آجائے جتنا مانگے اس کو اتنا اچار دیدیا جائے لیکن اس سے پیسے نہیں مانگتے تھے کہ لاؤ بھئی پیسے دو، یہ ان کی

عادت تھی، جو پیسے دیدیتا اس سے لے لیتے، پیسے لے کر بھی گنتے نہیں تھے اور اس زمانے میں گلٹ کا روپیہ ہوتا تھا جس کو مار کر اس کی آواز سے پرکھتے تھے کہ یہ کھوٹا ہے یا کھرا ہے، وہ تاجر پرکھتے بھی نہیں تھے، جتنے بھی اس نے دیدیے اتنے ہی لے کر چپکے سے گلے میں ڈال دیے، ہاتھ کھول کر بھی نہیں دیکھتے تھے کہ اس نے کھوٹے دیے ہیں یا کھرے دیے ہیں، پورے دیے ہیں یا تھوڑے دیے ہیں، یہ عادت تھی ان کی۔ جب انتقال ہوگیا تو کسی نے خواب میں دیکھا، تو پوچھا کہ کہو کہ کیا حال ہوا، کہا کہ اللہ کی بارگاہ میں میری پیشی ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے بارگاہ میں حاضر فرمایا اور اپنے سامنے کھڑا کر کے فرمایا کہ ہمیں معلوم ہے تمہارے نامۂ اعمال میں کیا کیا ہے، اور تم کیا کر کے آئے ہو اور کیا لے کر آئے ہو، سب ہمیں معلوم ہے لیکن جب تم نے ہماری مخلوق کا کھرا کھوٹا رکھ لیا، ہم آج تمہارا کھرا کھوٹا بھی رکھ لیتے ہیں، جب تم نے ہماری مخلوق کا کھرا کھوٹا نہیں دیکھا تو آج ہم بھی نہیں دیکھتے کہ کیا ہے اور کیا نہیں ہے، معلوم تو ہمیں سب کچھ ہے، کھرا کتنا ہے کھوٹا کتنا ہے، تم نے نہیں دیکھا ہم بھی نہیں دیکھتے۔ ایسے اللہ تعالیٰ مہربان ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی مخلوق کے ساتھ شفقت والا سلوک کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

مدینے میں رہنے کے فائدے

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی بیانات : جلد نمبر: ۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مدینے میں رہنے کے فائدے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا۔ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَ مَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَ عَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَ سَلَّمَ تَسْلِيْماً كَثِيْراً۔

أَمَّا بَعْدُ ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ وَالْعَصْرِ ○ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ○ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ○

صدق الله العظیم ۔

مدینہ کا مسکن اور مدفن دونوں اعلیٰ ہیں

میرے قابل احترام بزرگو! نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد حدیثوں میں مدینہ طیبہ میں رہنے اور وہاں مرنے کی ترغیب اور فضیلت بیان فرمائی ہے، مدینہ طیبہ کا قیام اور ایمان کی حالت میں وہاں کی موت اللہ تعالیٰ کے خصوصی انعامات میں سے ہے، جس کی ہمارے دل میں تمنا اور آرزو بھی ہونی چاہئے، اور دعا بھی ہونی چاہئے، اور کوشش بھی ہونی چاہئے، اور اگر دل میں واقعی اس کے لئے آرزو اور دعا ہے تو پھر اس کو انشاء اللہ یہ سعادت بھی نصیب ہو جائے گی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ کی موت کی آرزو

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ دعا مانگا کرتے تھے کہ: اے اللہ! مجھ کو اپنے راستے میں شہادت نصیب فرما، اور اپنے رسول سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں مرنا نصیب فرما، حضرت کی یہ دونوں دعائیں قبول ہوئیں۔

شہادت بھی اللہ پاک نے آپ کو اس طرح عطا فرمائی کہ عین نماز کی حالت میں ابولؤلؤ کافر نے آپ پر قاتلانہ حملہ کیا، اور اس قاتلانہ حملہ کے نتیجے میں آپ کو شہادت نصیب ہوئی اور پھر مدینہ طیبہ میں دونوں جہاں کے سردار جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس میں دفن ہونے کی دولت میسر آئی جہاں نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما ہیں، حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ

عنہا کا گھر ہے، اسی کمرے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا۔

انبیاء علیہم السلام کی خاص شان

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی یہ خصوصیت ہے کہ جس جگہ ان کا انتقال ہوتا ہے، وہیں ان کو دفنا دیا جاتا ہے، اس لئے اسی حجرہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں سرکار دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفنایا گیا، ان کے برابر میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار مبارک ہے، پھر ان کے برابر میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار مبارک ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ دعا مانگا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی، لہٰذا جو مؤمن دل سے دعا مانگے گا، وہ انشاء اللہ محروم نہیں ہوگا، بہت سے لوگوں کے واقعات مجھے معلوم ہیں کہ انہوں نے دل و جان سے اللہ پاک سے یہ نعمت مانگی، ان کو یہ نعمت مل گئی۔

علمائے دیو بند کے کئی مشائخ مدینہ میں مدفون ہیں

ہمارے اکابر میں سے حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ کے استاد ہیں اور ہم سب کے اکابر اور بزرگوں میں سے ہیں، وہ بھی جنت البقیع میں آرام فرما ہیں، اور اہل بیت رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے قدموں میں ہیں، یہ کتنی بڑی دولت، کتنی بڑی سعادت ہے۔ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ مکہ مکرمہ میں ملتزم سے چمٹ کر جو دعائیں فرمایا کرتے تھے ان میں ایک دعا یہ بھی ہوا کرتی تھی کہ: یا اللہ! مجھے اپنے محبوب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے شہر میں مرنا نصیب فرما، ملتزم کی دعا تو خالی جاتی نہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو بار بار ملتزم سے چمٹ کر دعائیں مانگنا نصیب فرمائے۔ آمین،

ملتزم کون سی جگہ ہے

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بیت اللہ کا جو دروازہ ہے اس کا نام ملتزم ہے، یہ بات صحیح نہیں ہے، ملتزم اس جگہ کا نام ہے جو بیت اللہ کے دروازہ کی چوکھٹ اور حجر اسود کے درمیان خانہ کعبہ کی جو دیوار ہے اس کا نام ملتزم ہے، دروازہ دائیں طرف رہ جائے گا، حجر اسود بائیں طرف رہ جائے گا، اور دونوں کے درمیان جو دیوار ہے خانہ کعبہ کی اس کو کہتے ہیں ملتزم۔

ملتزم پر کی ہوئی دعا رد نہیں ہوتی

یہ ملتزم سب سے زیادہ خاص الخاص جگہ ہے، یہاں کی مانگی ہوئی دعائیں نقد ملتی ہیں، دنیا و آخرت کی کوئی سی بھی دعا بندہ وہاں مانگے تو وہ قبول ہوگی، آخرت کی تو انشاء اللہ آخرت کے اندر ہی اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں گے، دنیا کی مانگی ہوئی دعائیں بھی آنکھوں کے سامنے ان کی قبولیت نظر آجاتی ہے، حاجی محسوس کرتا ہے کہ واقعی میں نے یہ دعا مانگی تھی تو میری یہ دعا قبول ہو کر سامنے آگئی، فلاں کام کے لئے مانگی تھی فلاں کام کے لئے دعا قبول ہوگئی، اس لئے جو بھی عمرہ کرنے جائیں تو ان کو چاہئے کہ اس مقام پر آرام سے پہنچنے کی کوشش کریں، دھکا دینا اور لوگوں کو تکلیف دینا تو ٹھیک نہیں ہے، لیکن کچھ اوقات ایسے ہوتے ہیں کہ جن میں زیادہ ہجوم نہیں ہوتا، ان اوقات میں وہاں جانے کی کوشش کریں، البتہ حالت احرام میں ملتزم سے

نہ چمٹے، کیونکہ حالت احرام میں خوشبو منع ہے، ملتزم پر خوشبو ملی ہوتی ہے، اور حالت احرام میں خوشبو سے بچنا ضروری ہے، تو حالت احرام میں نہ ہو اور پھر ایسے وقت میں جائے جب زیادہ ہجوم اور رش نہ ہو، دھکم دھکا نہ ہو، تو ایسے وقت میں وہاں چمٹنے کا موقع مل جائے تو دعا مانگے اور اس مانگنے کو بہت ہی غنیمت سمجھے۔

ملتزم پر جانے کا آسان اور مجرب نسخہ

ایک بزرگ نے ملتزم پہ جانے کی عجیب ترکیب بھی بتلائی ہے کہ جو شخص یہ چاہے کہ ملتزم سے چمٹ جائے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ ملتزم کے قریب جہاں لوگ بہت زیادہ جمع ہوتے ہیں، وہاں کھڑا ہو کر تیسرا کلمہ پڑھتا رہے، تھوڑی دیر پڑھنے میں گزرے گی کہ آدمی سامنے سے ہٹنا شروع ہو جائیں گے، وقفے وقفے سے کبھی کوئی ہٹ گیا، کبھی کوئی ہٹ گیا، آپ آرام آرام سے آگے بڑھتے رہیں، ان کو ہٹانے کی بھگانے کی کوئی ضرورت نہیں اور کہنا یہ ہے کہ دس پندرہ منٹ میں آپ کا سینہ ملتزم پر ہوگا، بعض دوستوں نے اس کو آزمایا، بالکل صحیح پایا، تو حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ ملتزم پر دعا مانگا کرتے تھے کہ یا اللہ مجھے اپنے محبوب کے شہر میں مرنا نصیب فرما، خدا نے وہیں پر ان کو مرنا نصیب فرمایا اور حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی جنت البقیع میں آرام فرما ہیں، وہ بھی ہمارے اکابرین میں سے ہیں (لا الہ الا اللہ) حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی ہمارے اکابر میں سے ہیں، انہوں نے حدیث کی بڑی عجیب وغریب کتاب اردو زبان میں لکھی ہے، اس کا نام ہے ''ترجمان السنۃ'' یہ بھی

وہاں جنت البقیع میں آرام فرما ہیں، حضرت کے عجیب عجیب واقعات بھی ہیں، جن میں سے دو واقعے اس وقت میرے ذہن میں آئے، ان میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ:

مولانا بدر عالمؒ کی دنیا سے دوری آقا سے حضوری

ایک مرتبہ حضرت وعظ فرما رہے تھے، دوران وعظ آپ نے فرمایا کہ دنیا کمانا مجھے بھی آتی ہے اور مجھ کو دنیا کمانے کے ایسے ایسے طریقے معلوم ہیں کہ اگر میں مدینہ میں رہ کر وہ طریقے اختیار کرلوں تو کروڑ پتی بن سکتا ہوں، اس کے بعد پھر سرکار دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ لیکن میں تو شاہی قدموں میں پڑا ہوا ہوں، کسی دن ان کی نظر کرم ہو جائے اور جنت البقیع میں دفن ہونا نصیب ہو جائے اس لئے یہاں رہتا ہوں، آخر دم تک وہیں رہے، وہیں حضرت کا وصال ہوا، جنت البقیع میں آرام فرما ہیں، تو دیکھئے! ان کے دل میں یہ آرزو تھی، جب آرزو ہوگی تو کیا دعا نہیں کرتے ہوں گے، دعا بھی کی، کوشش بھی کی اور تمنا بھی کی، اور وہ تمنا پوری ہوگئی۔

خود کو نہ دیکھیں بلکہ اس کریم ذات کو دیکھیں

اور اس میں تو کوئی شک نہیں کہ ہم تو کسی حالت میں بھی وہاں جانے اور وہاں رہنے کے قابل نہیں، ہم تو صرف مدینہ طیبہ کی زیارت کرنے کے قابل بھی نہیں، ہماری تو آنکھیں بھی اس قابل نہیں ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گنبد خضرا دیکھ سکیں، لیکن اللہ تعالیٰ بڑے مہربان ہیں اور بڑے ہی کرم نواز ہیں، ان کی ساری

عنایتیں تو ہمارے لئے ہی خاص ہیں، اول تا آخر جو بھی ان کی نوازشیں ہیں جو بھی ان کی عنایتیں ہیں، مہربانیاں ہیں، چاہے وہ حرمین شریفین کی حاضری ہو، چاہے وہ عمرے کے لئے ہو یا حج کے لئے ہو، کبھی کبھی ہو، اللہ تعالیٰ اپنے احکام پر عمل کرنے کی جو توفیق عطا فرماتے ہیں، درود شریف پڑھنے کی جو توفیق عطا فرماتے ہیں، یہ سب ان کے کرم ہیں اور ان کی عنایتیں ہیں، ورنہ تو نہ ہماری آنکھیں اس قابل ہیں کہ روضہ اقدس کی زیارت کریں، نہ زبان اس لائق ہے کہ ان کا نام لیں، ہم تو بس نالائق ہیں لیکن ان کے الطاف وعنایات دیکھیں اور ان کی مہربانی پر نظر ڈالیں تو پھر بس حوصلہ ہوتا ہے کہ بھئی دعا مانگنے میں کیا حرج ہے، تمنا کرنے میں کیا خرچ ہوتا ہے، کرلیں اور وہ اپنی رحمت سے یہ دولت بھی عطا فرمادیں تو ان کے ہاں کیا مشکل ہے۔

مولانا بدر عالمؒ اور زیارت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

مجھے مولانا بدر عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کا بہت عجیب واقعہ یاد آیا کہ: ایک مرتبہ انہوں نے خود ہی یہ فرمایا کہ پہلے میں لوگوں کو بہت تنبیہ کیا کرتا تھا اور میں لوگوں پر بہت ناراض اور خفا ہوا کرتا تھا کہ تم لوگ کیسے نالائق اور گستاخ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس پر حاضر ہو کر کے زور زور سے چیخ چیخ کر سلام پیش کرتے ہو، تم کو ذرا بھی ادب نہیں، ادب کے ساتھ سلام پیش کیا کرو، یہ تو سوچو کس کے دربار میں کھڑے ہو، دونوں جہاں کے سردار جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تم حاضر ہو۔

ایک دن ایسا ہوا کہ میں نے خواب دیکھا اور خواب میں آقائے دو جہاں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی تو میں نے خود حضور کی خدمت میں عرض کیا حضور جو لوگ آپ کے دروازے پر سلام پیش کرنے آتے ہیں وہ تو آپ کو بہت ستاتے ہیں اور بڑی گستاخیاں کرتے ہیں، وہ زور زور سے چیخ چیخ کر صلوٰۃ وسلام پیش کرتے ہیں، آپ کو بہت تکلیف ہوتی ہوگی، آپ نے فرمایا کہ نہیں بھائی محبت میں کرتے ہیں، محبت میں کرتے ہیں اور بے چاروں کو سمجھ ہے نہیں، محبت میں یہ سب ایسی باتیں کرتے ہیں۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تو میں نے منع کرنا ہی چھوڑ دیا کہ بھائی میں کون سا داروغہ ہوں جو ان کو منع کروں، وہ جانیں ان کے امتی جانیں، جب وہ ان پر ایسے مہربان ہیں تو میں بیچ میں کون سا منع کرنے والا ہوں وہ رحمت اللعالمین ہیں، ان کی شان ہے حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُفٌ رَّحِيمٌ، وہ تم پر بہت ہی زیادہ حریص ہیں وہ تو بہت ہی رحمت اللعالمین ہیں۔

مدینے کے رہنے والوں کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سفارش کریں گے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مدینے کے اندر مدینے کی سختیاں اور تکلیفیں برداشت کر کے رہ سکتا ہے، وہ رہے اس لئے کہ میں ایسے شخص کے حق میں سفارشی اور گواہ بنوں گا۔

مدینے کے راستوں پر فرشتوں کا حفاظتی دستہ

ایک حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مدینے کے راستوں پر فرشتوں کو مقرر کیا ہوا ہے، جس کی وجہ سے نہ طاعون مدینے میں پھیلے گا نہ دجال اندر داخل ہو سکے گا، یعنی مدینہ طیبہ کے رہنے والے دجال کے فتنے سے بھی محفوظ رہیں گے، انشاء اللہ تعالیٰ۔ حدیث شریف کی برکت کی رو سے، اور طاعون کی بیماری بھی جو خطرناک بیماری ہے، محفوظ رہیں گے، فرشتوں نے مدینہ کو اپنی حفاظت میں لیا ہوا ہے، اس کے راستوں پر وہ مقرر ہیں، وہ دجال کو بھی اندر جانے نہیں دیں گے، دجال آئے گا لیکن اندر داخل نہیں ہو سکے گا۔

مدینہ اور اس کی ہر چیز کا ادب ضروری ہے

اللہ تعالیٰ جس کو وہاں رہنا نصیب فرمادیں تو پھر ادب کے ساتھ رہنا ضروری ہے وہاں ادب کے ساتھ رہے، سنت کے مطابق رہے، وہاں کے لوگوں کا بھی احترام کرے، اکرام کرے، اور وہاں کے لوگوں کو نہ ستائے اور نہ پریشان کرے، اس لئے کہ وہ سرکار دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب شہر ہے۔

مسجد نبوی میں نماز کا ثواب

حدیث شریف میں آتا ہے کہ اگر کوئی آدمی اپنے گھر کے اندر نماز پڑھے تو اس کو ایک نماز کا ثواب ملتا ہے، اور محلے کی مسجد میں جا کر جماعت سے نماز پڑھے تو

پچیس گنا زیادہ ثواب ملتا ہے اور جامع مسجد میں جا کر نماز پڑھے تو پانچ سو نمازوں کا ثواب ملتا ہے اور جامع مسجد وہ ہے جہاں جمعہ کی نماز ہوتی ہے، اور جو شخص بیت المقدس میں جا کر نماز پڑھے تو اس کو ایک ہزار گنا نماز کا ثواب ملتا ہے، جو مسجد نبوی میں جا کر نماز پڑھے اس کو پچاس ہزار نمازوں کا ثواب ملتا ہے، اور جو مسجد الحرم میں نماز پڑھے تو اس کو ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا ہے، تو پچاس ہزار نمازوں کا ثواب ملنا کوئی معمولی بات ہے؟ کتنی بڑی سعادت ہے، کتنی بڑی دولت ہے تو جو عمرہ کرنے جاتے ہیں حج کرنے جاتے ہیں تو عام طور پر آٹھ دن تو ملتے ہی ہیں جس میں عام طور پر چالیس نمازیں ہوتی ہیں۔

مسجد نبوی کی ہر نماز پچاس ہزار نمازوں کے برابر

تو بھئی! ہر نماز پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہوتی ہے، جو لوگ مدینہ کے رہنے والے ہیں ان کے لئے کتنی بڑی سعادت ہے کہ وہ پانچوں نمازیں مسجد نبوی میں پڑھیں، ہر نماز کے بدلے میں پچاس ہزار نمازوں کے پڑھنے کے برابر ثواب ملے۔

مسجد نبوی میں چالیس نمازیں پڑھنے کی فضیلت

جو آدمی مسجد نبوی میں چالیس نمازیں اس طرح پڑھے کہ کوئی رکعت اس کی فوت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے تین چیزوں سے برأت عطا فرما دیتے ہیں۔

۱۔ دوزخ سے برأت عطا فرما دیتے ہیں۔

۲۔ عذاب سے برأت عطا فر دیتے ہیں۔

۳۔ نفاق سے برأت عطا فردیتے ہیں۔

یعنی لکھ کر دے دیتے ہیں کہ یہ شخص نفاق سے بھی پاک ہے، دوزخ سے بھی بری ہے اور عذاب سے بھی بری ہے، اللہ اکبر! کتنی بڑی سعادت ہے، حج وعمرہ والوں کو تو عام طور پر یہ سعادت نصیب ہوجاتی ہے، لیکن جولوگ مدینہ طیبہ کے رہنے والے ہیں ان کی تو سیکڑوں نمازیں مسجد نبوی میں ادا ہوسکتی ہیں، اس طریقے سے ہردم ان کو یہ دولت نصیب ہے، لیکن میں نے عرض کیا کہ وہاں رہنے کے لئے بھی ذرا حوصلہ چاہئے، وہ حوصلہ یہ ہے کہ وہاں رہ کر وہاں کا ادب واحترام ملحوظ رکھے۔

بعض لوگ حاضر ہو کر بھی غیر حاضر ہوتے ہیں

بعض لوگ رہتے تو مدینے میں ہیں لیکن مسجد سے محروم، صلوٰۃ وسلام پیش کرنے سے محروم، روضہ اقدس کی حاضری سے محروم، بالکل دل میں بھی مدینے کا ادب ختم، احترام ختم اور وہ مدینے میں رہتے ہیں، لیکن ایسے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو مدینے سے کوئی واسطہ نہیں، اللہ بچائے ایسی صورتحال سے اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے، ایسی صورت میں تو یہی بہتر ہے کہ مدینے سے باہر رہے، اور مدینے کی یاد دل میں رہے، والد صاحب کا یہ شعر یاد آتا ہے کہ:

مدینہ جاؤں پھر آؤں مدینے پھر جاؤں
الٰہی عمر اسی میں تمام ہو جائے

دل تو مدینے میں رہے، لیکن خود مدینے میں ہو اور دل مدینے سے باہر ہو، یہ

خطرناک بات ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شعراور یاد آیا، وہ فرماتے ہیں:

یہی ہے تمنا یہی آرزو ہے ۔۔۔ یہی تو سنانے کو جی چاہتا ہے
مدینے کو جاؤں پلٹ کر نہ آؤں ۔۔۔ یہیں گھر بنانے کو جی چاہتا ہے
سلام علیک نبی مکرم ۔۔۔ سلام نبی معظم
قسم تیرے روزے پہ آ کر ۔۔۔ ہر دم یہ سنانے کو جی چاہتا ہے
سیاہ کاریوں کی فراوانیاں ہیں ۔۔۔ پریشانیاں ہی پریشانیاں ہیں
جبیں تیرے قدموں میں اک روز رکھ کر ۔۔۔ گناہ بخشوانے کو جی چاہتا ہے

زمین پر جنت کا ٹکڑا

ایک اور سعادت جو مدینے کے رہنے والوں کو ہر وقت حاصل ہے اور حج عمرہ کرنے والوں کو حاضری کے موقع پر حاصل ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ سرکار دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے درمیان کی جگہ ہے وہ جنت کا باغیچہ ہے، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مابین روضتی و منبری روضة من ریاض الجنة

''میرے روضے اور منبر کے درمیان کی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے''

یہ جگہ پوری مسجد نبوی میں سب سے ممتاز ہے، اس کا قالین بھی سفید اور سبز رنگ کا ہوتا ہے تاکہ پہچان میں آجائے۔

باغ کے مطلب میں تین اقوال

اب جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہونا اس کا کیا مطلب ہے؟ اس کے بارے میں علمائے کرام کے تین اقوال ہیں۔ **پہلا قول**: جیسے جنت میں ہر دم اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوتی رہتی ہیں یہاں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوتی رہتی ہیں، اس لئے جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے، جیسے جنت کے باغوں میں اللہ کی رحمتیں برستی ہیں، یہ بھی ایسی جگہ ہے کہ جہاں ہر دم اللہ کی رحمتیں برستی ہیں۔ **دوسرا قول**: اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ حصہ جنت سے آیا ہے اور آخر میں واپس جنت میں چلا جائے گا، تو انشاء اللہ تعالیٰ امید کی جاتی ہے کہ جو آدمی یہاں پہنچ جائے گا تو وہ بھی انشاء اللہ جنت میں پہنچ جائے گا، اور اکثر علماء نے کہا ہے کہ اس کا یہی مطلب صحیح ہے کہ یہ جنت سے آیا ہے، جنت میں چلا جائے گا جیسے حجر اسود جنت سے آیا ہے، جو خانہ کعبہ کے اندر لگا ہوا ہے، اور مقام ابراہیم پر جو پتھر ہے، جس پتھر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں کے نشانات بنے ہوئے ہیں، وہ بھی جنت سے آیا ہے وہ بھی جنت میں واپس چلا جائے گا۔ **تیسرا قول**: یہ ہے کہ ریاض الجنۃ میں جو شخص عبادت کرے گا اس کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ دیا جائے گا (اللہ اکبر) اور حقیقت یہ ہے کہ ساری مسجد میں یہ جگہ خاص الخاص ہے، اس وجہ سے بھی خاص الخاص ہے کہ یہ سرکار دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی مسجد کا بالکل خاص حصہ ہے، حضور کے زمانے کی جو مسجد تھی وہ مسجد کا یہی حصہ ہے اور بھی اس کے اردگرد اور جگہ بھی ہے، ترکی کی عمارت کے اندر نشان

لگے ہوئے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی مسجد کہاں سے کہاں تک تھی، اس حد کے اندر یہ اس کا دل ہے۔

ریاض الجنۃ سے آپ کو ہمیشہ سے پیار رہا ہے

بعض علماء نے فرمایا کہ جب سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو شروع شروع میں خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم نہیں تھا، تو آپ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے، وہ جگہ کہ جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر کے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے وہ جگہ بھی ریاض الجنۃ میں ہے، اس کے بعد پھر اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آرزو کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کی اجازت دیدی، اور قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمادیا تو وہ جگہ جہاں سب سے پہلے اس حکم کے نازل ہونے کے بعد خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز ادا فرمائی اور بعد میں بھی نماز ادا کرتے رہے اور اس کے بعد دوبارہ حضور کے زمانے میں مسجد کی کچھ توسیع ہوئی اور اس توسیع کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک وہی توسیع شدہ حصہ برقرار رہا اور اس میں جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر نماز پڑھاتے رہے وہ جگہ بھی اس ریاض الجنۃ میں ہے، تو یہ وہ جگہ ہے جہاں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازیں پڑھائی بھی ہیں، نمازیں پڑھی بھی ہیں، اور وہ ستون ہائے رحمت بھی اسی کے اندر ہیں جن کی خاص خاص فضیلتیں ہیں، اور کچھ روضہ مبارک کے اندر ہیں، جیسے استوان عائشہ رضی اللہ

تعالیٰ عنہا، استوان ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، استوان افواد، یہ سارے کے سارے ستون ہائے رحمت کہلاتے ہیں، یہ بھی ریاض الجنۃ کے اندر ہیں۔

عاشق کی حاضری محبوب کے در پر

اس کے بعد پھر جو سب سے بڑی دولت ہے، جو سب سے بڑی سعادت زیارت کرنے والوں کو نصیب ہوتی ہے، وہ دولت اور سعادت سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خود حاضر ہو کر سلام پیش کرنے کی سعادت ہے کہ ایک امتی خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور حاضر ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام پیش کرتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سنتے ہیں اور جواب عطا فرماتے ہیں، کیونکہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنے اپنے مزاروں کے اندر حیات ہیں اور ان کی خدمت میں جب کوئی سلام پیش کرتا ہے تو وہ سلام سنتے ہیں۔ تو اتنی بڑی سعادت اتنی بڑی دولت اور نعمت کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام پیش کرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا جواب دیں۔

دور سے سلام پہنچایا جاتا ہے

اور جگہ جب کوئی درود پڑھے تو فرشتے جا کر کے درود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے ہیں، اور درود شریف پڑھنے والے کا نام اس کے باپ کا نام لے کر پیش کرتے ہیں اور وہاں تو بندہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام پیش کرتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سلام سنتے ہیں، جواب دیتے ہیں، اس لئے علمائے کرام نے لکھا ہے کہ نفلی عبادتوں میں سے سب سے افضل، سب سے اعلیٰ

عبادت مدینہ طیبہ میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کھڑے ہوکر کے سلام پیش کرنا ہے۔

ادب کے ساتھ مختصر سلام عمدہ ہے

لیکن ادب واحترام سے سلام پیش کرنا چاہئے، اپنی طرف سے کوئی بے ادبی یا گستاخی نہیں کرنی چاہئے، نہ ہی دوسروں کو تکلیف پہنچے دینا چاہئے، یعنی ایسا طرز اختیار نہ کرے جس سے دوسروں کو تکلیف پہنچے، مثلاً بہت زیادہ جب ہجوم ہوتا ہے تو اس وقت وہاں کھڑا نہیں ہونا چاہئے، ایسی صورتُ میں مختصر سلام پیش کرنا چاہئے، اور مختصر سلام پیش کرنا بھی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے ثابت ہے، خاص طور پر حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت ہے وہ سلام جب پیش کرتے تھے تو بس السلام علیك ایها النبی ورحمة الله وبرکاته کہتے اور آگے چلے جاتے، پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں السلام علیك یا ابابکر الصدیق کہتے، پھر اپنے والد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور کہتے: السلام علیك یا ابی یا ایسے ہی کچھ کلمات کہتے، بس یوں کہتے ہوئے چلے جاتے جس طرح آج کل وہاں ٹھہر کر صلوٰۃ وسلام پیش کیا جاتا ہے اس طرح وہ ٹھہرتے نہیں تھے۔

جب زیادہ ہجوم ہو تو کھڑے ہونے سے آنے جانے والوں کو بہت تکلیف ہوتی ہے اور انتظام میں بھی خلل واقع ہوتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہمارے لئے یہی ہے کہ ہماری وجہ سے کسی کو تکلیف نہ ہو، ہم کسی کی تکلیف کا ذریعہ

نہ بنیں، لہٰذا جب مختصر سلام پیش ہوسکتا ہے تو مختصر سلام ہی پیش کرتے ہوئے چلے جائیں، اور جب ہجوم نہ ہو، رش نہ ہو، فرصت کا وقت ہو، فراغت کا وقت ہو، پھر سکون سے کھڑے ہو جائیں، کھڑے ہو کر طویل سلام پیش کر سکتے ہیں، بہر حال مدینہ طیبہ کے اندر یہ جو بہت بڑی نعمت ہے وہ خود حاضر ہو کر سلام عاجزانہ پیش کرنا ہے۔

مدینہ کی حاضری پر دو مقبول حج کا ثواب

ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص حج کرے اور پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام پیش کرنے کی غرض سے مدینہ طیبہ کی خدمت میں حاضر ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو دو مقبول حج کا ثواب عطا فرماتے ہیں، اور ایک حدیث میں ہے کہ جس شخص نے حج کیا پھر حج کے بعد میری زیارت کی نیت سے میرے روضہ پر حاضر ہوا تو اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگی (اللہ اکبر) کتنی بڑی دولت ہے، کتنی بڑی سعادت ہے۔

بے وفا وہ ہے جو مدینے نہ آئے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہاں تک فرمایا:

من حج فلم یزرنی فقد جفانی

او کما قال علیہ السلام

”جس نے حج کیا اور میری زیارت کے لئے
نہ آیا اس نے میرے ساتھ بے وفائی کی“

دیکھیں اس سے بڑی بے وفائی کیا ہو سکتی ہے کہ وہ دونو جہاں کے سردار اور آقا کہ جو بہت ہی زیادہ مسلمانوں کے اوپر مہربان اور شفیق ہیں، یہ کیسا امتی ہے کہ حج تو کر لیا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہ ہوا، اس سے بڑھ کر کیا بے وفائی ہوگی، اس سے بڑھ کر کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جفا ہوگی کہ مدینہ طیبہ نہ گیا، خالی مکہ مکرمہ سے ہو کر آ گیا تو بھائیوں! جو لوگ مدینہ طیبہ کے اندر رہنے والے ہیں ان کو تو یہ سعادت کتنی زبردست حاصل ہے۔ (اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہم سب کو نصیب فرمائے، آمین)

امام مالکؒ نے مدینہ طیبہ کو اپنا مسکن بنایا تو!

حضرت امام مالک جنت البقیع کے اندر آرام فرما ہیں، اور چار اماموں میں سے دوسرے نمبر پر مشہور و معروف امام ہیں، وہ آخری عمر میں ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تھے پھر وہیں رہے، وہیں ان کا وصال ہوا۔

امام مالکؒ کا خواب

ایک عجیب واقعہ لکھا ہے کہ مدینہ طیبہ کے اندر رہتے ہوئے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں بار بار یہ تمنا اور آرزو اٹھتی تھی کہ میں مکہ مکرمہ میں عمرہ کر کے آؤں، لیکن عمرہ کرنے اس وجہ سے نہیں جاتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مدینہ طیبہ سے باہر میرا انتقال ہو جائے اور جنت البقیع میں دفن نہ ہو سکوں، اس لئے عمرہ کے لئے جاتے نہیں تھے اور بے چین بھی رہتے تھے۔

ایک دن خواب میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، تو

عرض کیا کہ حضور آپ کو معلوم ہے میں مدینہ منورہ میں کس غرض سے آیا ہوں اور ساتھ ہی میرا یہ جی چاہتا ہے کہ مکہ مکرمہ جاؤں، طواف یا عمرہ کر کے واپس آجاؤں، لیکن اس وجہ سے نہیں جاتا کہ وہاں چلا گیا، وہاں انتقال ہو گیا تو کیا ہوگا، حضور مجھے یہ بتا دیجئے کہ میری عمر کتنی باقی ہے، تاکہ اسی حساب سے میں پھر آنا جانا رکھوں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ کھولا، اور پانچ انگلیوں سے اشارہ فرمایا، زبان سے کچھ نہیں فرمایا، آپ کا خواب ختم ہو گیا، لیکن سویرے اٹھے تو سوچنے لگے اس کی تعبیر کیا ہوگی، معلوم نہیں کہ آپ کے اشارے سے پانچ سال مراد ہیں، پانچ مہینے مراد ہیں یا پانچ ہفتے مراد ہیں یا پانچ دن یا پانچ گھنٹے، سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

خواب کی تعبیر کا مسئلہ

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے یہ خواب علامہ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں کسی کے ذریعے بھجوادیا کہ جاؤ، جا کر ان کو یہ خواب بیان کرو اور تعبیر پوچھو، لیکن میرا نام مت بتانا کہ اس نے دیکھا ہے چنانچہ جس کو بھیجا تھا، اس نے جا کر عرض کیا کہ ایک صاحب نے یہ خواب دیکھا ہے، لیکن یہ سمجھ نہیں آرہا کہ پانچ انگلیوں سے کیا مراد ہے، انہوں نے کہا کہ یہ خواب کس نے دیکھا ہے؟ اس کا نام بتاؤ پھر تعبیر بتائیں گے، ان صاحب نے امام صاحب سے اجازت لے کر نام بتا دیا، امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ امام مالکؒ سے جا کر عرض کر دو کہ پانچ انگلیوں سے مراد نہ پانچ سال ہیں، نہ پانچ مہینے، نہ پانچ ہفتے، نہ پانچ گھنٹے، بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ انگلیوں سے اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ تمہاری عمر کا معاملہ

غیب کی ان پانچ باتوں میں سے ہے کہ جس کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں، نہ کسی فرشتے کو، نہ کسی ولی کو، نہ کسی نبی، کو کسی کو اللہ پاک نے وہ علم نہیں عطا فرمایا، وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، ان پانچ باتوں میں سے ایک یہ ہے کہ آدمی کہاں مرے گا؟ کب مرے گا؟ یہ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ انگلیوں سے غیب کی پانچ باتوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے نہ کہ پانچ مہینے کی طرف نہ پانچ سال کی طرف۔ بہرحال! امام مالک رحمۃ اللہ آخر تک مدینہ طیبہ میں رہے، اللہ تعالیٰ نے وہیں ان کو بھی مرنا نصیب فرمایا اور جنت البقیع میں آرام فرما ہیں۔

جنت البقیع محبان رسول کا خاص مدفن

اس قبرستان کے اندر حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ آرام فرما ہیں، سرکار دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں میں آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، آپ کے نواسے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ، حضرت باقر رحمۃ اللہ علیہ اور ایک قول کے مطابق حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور تھوڑے سے فاصلے پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تین بیٹیاں حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا آرام فرما ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گیارہ بیویاں تھیں، جن میں سے دو کے علاوہ سب جنت البقیع میں آرام فرما ہیں، جن میں بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی ہیں، حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آرام فرما ہیں، آپ کی تین پھوپھیاں وہیں آرام فرما ہیں، اور بھی دوسرے اہل

بیت یہاں آرام فرما ہیں، تقریباً دس ہزار صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین یہاں پر آرام فرما ہیں، بے شمار تابعین تبع تابعین، ائمہ مجتہدین، علماء، صلحاء، اولیاء، شہداء، یہاں پر آرام فرما ہیں، اس طرح سے پورا قبرستان قبہ نور ہے، بلکہ ایک روایت یہ بھی ہے کہ جنت البقیع ایک قبہ کی طرح ہے اور فرشتوں کی ایک جماعت اس پر مقرر ہے ان کو یہ حکم ہے کہ جب یہ بھر جائے جنت میں الٹ دو۔

قیامت کے دن جنت البقیع کے لوگ

ایک حدیث میں ہے کہ نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب قیامت برپا ہوگی تو سب سے پہلے میں اپنے مزار سے نکلوں گا، پھر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نکلیں گے، پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نکلیں گے، پھر میں ان کو لے کر جنت البقیع میں آؤں گا اور اہل بقیع کو اپنے ساتھ لوں گا اور ان سب کو لے کر میں مکہ مکرمہ کی طرف چلوں گا، تاکہ جنت المعلیٰ کے لوگوں کو اپنے ساتھ لے لوں، آپ مکہ اور مدینہ کے درمیان ہوں گے کہ وہ بھی آ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جائیں گے، پھر سب لوگوں کو اپنے ساتھ لے جائیں گے، اس سے بڑی کیا سعادت ہوگی (اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے، آمین)

جنت البقیع کے لوگوں میں شامل ہونے کے لئے آپ کی عنایات

ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ اے ام قیس! تم نے جنت البقیع کا مقبرہ دیکھا ہے؟ وہ بولیں حضور میں دیکھا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس جنت البقیع میں سے قیامت کے

دن جب لوگ قبروں سے اٹھیں گے ان کے چہرے چاند کی طرح روشن ہوں گے اور وہ بغیر حساب وکتاب کے جنت میں جائیں گے، تو ایک صحابی حضرت عکاشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھے اور عرض کیا: یارسول اللہ! کیا میں بھی ان میں سے ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں تم بھی ان میں سے ہو، پھر ایک اور صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھے اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں بھی ان میں سے میں ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بھائی عکاشہ تم سے بازی لے گئے، تو یہ ایسا مبارک قبرستان ہے، اس لئے اس کی دعا بھی کرنی چاہئے، کوشش بھی کرنی چاہئے، کوشش یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو ایسے اسباب عطا فرمادیں کہ وہ اپنی زندگی ادب واحترام کے ساتھ مدینہ طیبہ میں گزار سکے، وہ اسی طرح کرے، وہیں رہے اور وہیں دعا کرتا رہے اور نیکیوں میں لگا رہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے خاتمہ ایمان پر فرمادیں اور جنت البقیع عطا فرمادیں۔

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مجازین میں ایک بزرگ گزرے ہیں مولانا محمد افضل صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان کی یہ عجیب دعا تھی، وہ یہ دعا مانگا کرتے تھے یا اللہ رمضان شریف کا مہینہ ہو، آخری عشرہ ہو، طاق رات ہو، دن جمعہ کا ہو اور خاتمہ ایمان پر ہو، اور نماز جنازہ مسجد نبوی میں ہو، دفن ہونا جنت البقیع میں نصیب ہو، آمین، کیسی جامع اور پیاری دعا (سبحان اللہ) اور اللہ تعالیٰ کے لئے کیا مشکل ہے وہ تو رحمتوں والے ہیں، سب کچھ کرسکتے ہیں، بس طلب ہونی چاہئے اور دعا ہونی چاہئے، جس کو طلب اور دعا ہوگی تو اس کو انشاء اللہ تعالیٰ یہ

دولت نصیب ہو جائے گی،اب دعا فرما لیجئے ،اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ دولت اور سعادت نصیب فرمادے۔

دعائیہ کلمات

اللّٰهم لك الحمد لا نفسی ثناءً علیك،انت كما اثنیت علی نفسك، اللّٰهم صل علیٰ سیدنا و مولانا محمد وعلی ال سیدنا و مولانا محمد وبارك و سلم ،ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا و ترحمنا لنكونن من الخسرین ،ربنا اتنافی الدنیا حسنة و فی الآخرة حسنة و قنا عذاب النار ،اللّٰهم اغفرلنا وارحمناوعافناواعف عنا،اللّٰهم ارزقنا شهادتنا فی سبیله و اجعل موتنا فی بلد رسولك صلی اللّٰه علیه وسلم، اللّٰهم وفقنا لما تحب وترضیٰ،اللّٰهم انانسئلك من خیر كله آجله وعاجله ماعلمنامنه و مالم نعلم ونعوذبك من شر كله عاجله و آجله ما علمنا منه ومالم نعلم،اللّٰهم اعنا بالعلم وزینا بالحلم و اكرمنا بالتقویٰ وجملنا بالعافیة،اللّٰهم اهدنا باالصبر والاخلاق فانه لا یهدی لصالحهاالاانت،اللّٰهم كن لناوجعلنا لك اللّٰهم یاحی یا قیوم برحمتك استغیث اصلح لنا شألناكله ولا تكلناالیٰ انفسنا طرفة عین یاارحم الرّاحمین یارب العالمین یاحی یا قیوم یا ذا الجلال و الاكرام۔

یا اللہ! ہمارے والدین ،ہمارے سارے اساتذہ ،اکابر، مشائخ ،ہمارے احباب ، جملہ متعلقین اور ہمارے اہل وعیال کی اپنے کرم سے بخشش فرما، یا اللہ تمام

حاضرین کی اور حاضرات کی اپنے کرم سے بخشش فرما، یا اللہ ہماری مغفرت فرما، یا اللہ ہم سب کی کامل مکمل بخشش فرما، مکمل مغفرت فرما اور اپنے راستے میں ضرور بضرور عافیت کے ساتھ شہادت نصیب فرما، اور اپنے فضل سے ہمیں ایمان کے ساتھ یا اللہ مدینہ میں مرنا نصیب فرما، اور عافیت کے ساتھ جنت البقیع میں دفن ہونا نصیب فرما، ہم کو ہمارے گھر والوں کو ہمارے احباب کو یہ دولت عطا فرما اور اپنے فضل سے ضرور نصیب فرما، یا ارحم الراحمین ہماری ساری بیماریوں کو دور فرما، ہر حال میں صحت کاملہ نصیب فرما، یا اللہ جو لوگ بچوں اور بچیوں کے رشتوں کے سلسلے میں پریشان ہیں غیب سے ان کی مدد فرما، ان کی اس پریشانی کو دور فرما، اور ان کو ان کی توقع سے بڑھ کر بہتر سے بہتر اعلیٰ سے اعلیٰ رشتے عطا فرما، جو مقروض ہیں ان کے قرضوں کو ادا کرنے کا سامان مہیا فرما، جو بے روزگار ہیں ان کو روزگار عطا فرما، دین کی سمجھ عطا فرما۔ (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین

فتنہ دجال اور نزول مسیح

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

فِتنہ دجّال اور نُزولِ مسیح

الحمد للّٰه نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه، ونعوذ باللّٰه من شرور انفسنا ومن سيآت اعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له، واشهدان لااله الااللّٰه وحده لا شريك له واشهد ان سيدنا ونبينا ومولانامحمدًا عبده ورسوله، صلى اللّٰه عليه وعلى اله واصحابه وبارك وسلم تسليمًا كثيرًا كثيرًا۔

امابعد! فاعوذ باللّٰه من الشيطٰن الرّجيم بسم اللّٰه الرّحمٰن الرّحيم ربنالاتجعلنافتنة للقوم الظالمين ونجنا برحمتك من القوم الكٰفرين ۔صدق اللّٰه العظيم

چار چیزوں سے پناہ مانگیں

میرے قابل احترام بزرگواور محترم خواتین! آج میں آپ کی خدمت میں

ایک حدیث شریف کا خلاصہ انشاء اللہ تعالیٰ بیان کروں گا، جس میں نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار چیزوں سے پناہ مانگنے کی تلقین فرمائی ہے اور ان چار چیزوں کی وضاحت کرنے کے بعد چوتھی چیز جس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگنے کا حکم فرمایا ہے اس کی کچھ تفصیل آپ کے سامنے عرض کرنے کا ارادہ ہے۔

قبروں کو دیکھ کر خچر کا بدکنا

ایک حدیث جو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں انصار کے ایک قبیلے بنونجار کے کسی باغ میں تھے اور خچر پر سوار تھے اور ہم بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے کہ اچانک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خچر بدک کر اچھل گیا اور قریب تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ گرا دیتا، یعنی اچانک وہ خچر ایسا اچھلا کہ قریب تھا کہ اس کے اچھلنے کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گر جاتے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچایا اور پھر ہم نے دیکھا کہ وہاں چھ یا پانچ قبریں ہیں انہیں دیکھ کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کوئی شخص ان قبروں کو پہچانتا ہے کہ یہ کون لوگ تھے؟ اور کس حالت میں مرے؟ آیا زمانہ جاہلیت میں مرے، شرک کی حالت میں مرے، کس حالت میں ان کا انتقال ہوا؟ کوئی شخص جانتا ہے تو بتائے؟ ایک صاحب نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ان کو پہچانتا

ہوں اور جانتا ہوں یہ حالت شرک میں مرے ہیں۔

قبر میں صاحب قبر کا امتحان

یہ سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس امت کے لوگوں کو ان کی قبروں کے اندر آزمایا جاتا ہے، یعنی قبر کے اندر ان کا امتحان ہوتا ہے، جو شخص اس امتحان کو پاس کر لیتا ہے تو اس کے لئے نعمتیں اس کی قبر میں پہنچا دی جاتی ہیں، اور جو اس امتحان میں ناکام ہو جاتا ہے تو اس کو اس کی قبر میں عذاب دیا جاتا ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مؤمنو! قبر کے اندر عذاب ہوتا ہے، مؤمنو! قبر کے اندر امتحان پاس کرنے کی وجہ سے راحتیں نصیب ہوتی ہیں۔

اگر تم عذاب قبر دیکھ لو تو اپنے مُردوں کو دفن کرنا چھوڑ دو

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ اگر میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کروں کہ ان قبر والوں کو جو عذاب ہو رہا ہے، اللہ تعالیٰ وہ تم کو سنا دیں جس طرح میں ان قبر والوں کو ہونے والے عذاب کو سن رہا ہوں، لیکن میں اس لئے دعا نہیں کرتا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم عذاب سن کر اپنے مُردوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے کیونکہ ان کے مرتے ہی تم کو اتنا خوف آئے گا کہ تم اس کے پاس ہی نہ جاؤ گے، اور اس کے نتیجے میں دفن بھی نہیں کرو گے۔

ہر مخلوق عذاب قبر سنتی ہی سوائے انس و جن کے

اللہ تعالیٰ انسانوں کو تو قبر کا عذاب نہیں دکھلاتے، لیکن انسانوں اور جنات

کے علاوہ جو دوسری مخلوق ہے اللہ تعالیٰ اس پر ظاہر کر دیتے ہیں، جیسے خچر کو قبر کا عذاب سنائی دیا اور ڈر کی وجہ سے وہ اچھل گیا تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ تعالیٰ نے سنوا دیا اور آپ آگاہ ہو گئے۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو چار چیزوں سے پناہ مانگنے کی تلقین فرمائی اور آپ حضرات کو سنانے کا بھی یہی مقصد ہے کہ ہم بھی ان چار چیزوں سے پناہ مانگنے کا معمول بنائیں وقتاً فوقتاً ان چار باتوں کو یاد رکھیں پھر اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر پناہ مانگتے رہا کریں۔

پہلی چیز عذاب قبر سے پناہ مانگو

پہلی چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمائی کہ قبر کے عذاب سے پناہ مانگو، صحابہ کرام نے آپ کا ارشاد سنتے ہی کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ سے قبر کے عذاب سے پناہ مانگتے ہیں، بلا شبہ عذاب قبر ایسی چیز ہے کہ یہ بالکل برحق ہے اور قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے۔

قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے

اسی لئے جب حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی قبر کے پاس سے گزرتے یا کسی قبر پر جاتے تھے تو اتنا روتے تھے کہ روتے روتے آپ کی ڈاڑھی مبارک آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھی، لوگ ان سے کہتے کہ حضرت آپ جنت اور جہنم کے تذکرے پر اتنا نہیں روتے جتنا قبر پر روتے ہیں۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ بھائی! یہ آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے اگر کوئی شخص یہاں سلامتی سے گزر گیا تو آگے بھی سلامتی سے گزر جائے گا اور اگر خدانخواستہ کوئی شخص اس منزل میں پھنس گیا یعنی قبر کے عذاب میں مبتلا ہو گیا تو اس کے بعد کی منزلیں اس کے لئے اور مشکل اور دشوار ہو سکتی ہیں اس لئے مجھے یہاں آ کر فکر ہوتی ہے اور رونا آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس منزل کو بخیریت گزار دیں۔

دوسری چیز دوزخ کے عذاب سے پناہ مانگو

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم دوزخ کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگو تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے اللہ تعالیٰ سے دوزخ کے عذاب سے پناہ مانگی۔ ہر مؤمن جانتا ہے کہ جہنم کا عذاب کتنا خوف ناک ہے اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو اپنے کرم سے جہنم کے عذاب سے محفوظ رکھے، آمین۔ اور اس سے محفوظ ہونے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ہماری دعاؤں میں جہنم سے پناہ مانگنے کا بھی حصہ ہونا چاہئے، جہاں اور دعائیں ہوتی ہیں وہاں یہ دعا بھی ہونی چاہئے کہ یا اللہ ہم کو اپنے فضل سے جہنم کے عذاب سے بچانا، یا اللہ اپنے فضل سے ہمیں قبر کے عذاب سے بچانا، دوزخ کے عذاب سے بچانا۔

تیسری چیز ظاہر و باطن کے فتنے سے پناہ مانگو

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ظاہر اور باطن کے فتنوں

سے اللہ کی پناہ مانگو تو صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہم نے اللہ تعالیٰ سے ظاہر اور باطن کے فتنوں سے پناہ مانگی اور ظاہر و باطن کے فتنے کے دو مطلب علمائے دین نے بیان فرمائے ہیں۔

ایک تو یہ ہے کہ ظاہر کے فتنوں سے مراد وہ ہیں جو عام طور پر ہماری آنکھوں کے سامنے نظر آتے ہیں، جو حادثات واقعات مصیبتیں پریشانیاں اور گناہ آلود زندگیاں اور باطن کے فتنے وہ ہوتے ہیں جو نظروں سے مخفی ہوتے ہیں اندر ہی اندر وہ برپا ہوتے رہتے ہیں اور ان پر عام طور پر لوگوں کی نظر نہیں جاتی اور لوگ اس میں بعض دفعہ مبتلا ہو جاتے ہیں تو ظاہر کے فتنوں سے مراد وہ ہیں جو نظر آنے والے ہیں اور باطن کے فتنوں سے مراد وہ ہیں کہ جو نظر نہیں آنے والے، جو پوشیدہ اور مخفی ہیں۔ دونوں قسموں کے فتنوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگنے کا مشورہ دیا ہے۔

ظاہر کے فتنے کیا ہیں؟

اور بعض علماء نے یہ بیان فرمایا ہے کہ ظاہر کے فتنوں سے مراد وہ ہے جو انسان کے وجود سے تعلق رکھتے ہیں جیسے کسی گناہ میں مبتلا ہونا، کسی آفت میں مبتلا ہونا، کسی حادثے سے دوچار ہونا، کسی واقعے سے دوچار ہونا، انسان کے ظاہر کا وجود کسی حادثے کا شکار ہو جائے، کسی سانحے کا شکار ہو جائے، چاہے وہ دین کا ہو، چاہے دنیا کا ہو، جانی ہو، مالی ہو، مگر وہ حادثہ ایک فتنہ ہے۔

باطن کے فتنے کیا ہیں؟

اور باطن کے فتنے وہ ہیں جن کا تعلق انسان کے دل سے ہو جیسے دل کے اندر حسد کا ہونا، بغض کا ہونا، ریاکاری کے اندر مبتلا ہو جانا، لوگوں سے بدگمانی کے اندر مبتلا ہو جانا، یہ وہ ہیں جو دل کے اور باطن کے فتنے ہیں۔ اور فتنے کے معنی امتحان کے ہوتے ہیں اور اسی طرح فتنہ کہتے ہیں ہر مصیبت کو، ہر پریشانی کو، ہر حادثے کو، ہر سانحے کو، کیونکہ اس کے اندر بھی ہر مؤمن مرد و عورت کی آزمائش ہوتی ہے، بہرحال! فتنہ چاہے ظاہر کا ہو یا باطن کا ہو، آنکھوں سے نظر آنے والا ہو یا نظر نہ آنے والا ہو، اس میں ہر مؤمن مرد و عورت کی آزمائش ہوتی ہے اور اس کے ایمان کی آزمائش ہوتی ہے کہ آیا وہ اس حادثے میں مبتلا ہو جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہتا ہے یا نہیں؟ اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل پیرا رہتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے احکام جس طرح آرام و راحت میں ہیں، مصیبت اور پریشانی میں بھی ہیں، جس طرح حالت صحت میں ہیں، حالت مرض میں بھی ہیں، حالت اقامت میں ہیں، حالت سفر میں بھی ہیں، مجمع میں بھی ہیں، تنہائی میں بھی ہیں، شادی میں بھی ہیں، غمی میں بھی ہیں، ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا میں راضی رہنا بندے پر فرض ہے۔

ہر بندہ امتحان سے گزارا جاتا ہے

ہر شخص کی آزمائش اس وقت ہوتی ہے جب اس کو کوئی صدمہ پیش آتا

ہے، کوئی غم پیش آتا ہے، کوئی مصیبت آجاتی ہے، کوئی خسارا ہوجاتا ہے، کوئی نقصان ہوجاتا ہے، کوئی میت ہوجاتی ہے اس وقت اس کی آزمائش ہوتی ہے کہ اس وقت کون دین پر قائم رہتا ہے، کون اللہ کی رضا پر راضی رہتا ہے اور صبر کرتا ہے، کون بے صبری کر کے نافرمانی کرتا ہے، یا خدانخواستہ اللہ کی شان میں گستاخی کر کے امتحان میں ناکام ہوجاتا ہے۔

قیامت کے قریب، فتنے کثیر

بہرحال! ظاہر و باطن کے فتنوں سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگنے کو فرمایا ہے، اس سے بھی ہمیں پناہ مانگتے رہنا چاہئے، اس لئے کہ فتنوں کی کوئی حد وحساب نہیں ہے، جوں جوں قیامت قریب آتے جائے گی فتنے کئی طرف سے منڈلاتے چلے جائیں گے اور تیزی سے مسلمانوں کے اندر پھیلتے چلے جائیں گے بس جو اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آجائے گا وہ محفوظ رہے گا اور جو خدا کی پناہ میں نہیں آئے گا وہ مبتلا ہوجائے گا (اللہ بچائے)

چوتھی چیز دجال کے فتنے سے پناہ مانگو

چوتھے نمبر پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دجال کے فتنے سے اللہ کی پناہ مانگو، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے تعمیل کی اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ تعالیٰ ہمیں دجال کے فتنے سے پناہ عطا فرما۔ اس حدیث میں بہت ہی مخصوص انداز میں ان چار چیزوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام

رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو پناہ مانگنے کی تلقین فرمائی، انہوں نے فوراً ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلقین پر عمل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان چاروں فتنوں سے پناہ مانگی، ہمیں بھی سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ان چاروں فتنوں سے پناہ مانگنی چاہئے۔

جہاں تک عذاب قبر اور جہنم کے عذاب کا معاملہ ہے اس کے متعلق الحمدللہ کافی مسلمانوں کو معلومات ہیں اور ظاہر و باطن کے فتنے کے بارے میں بھی میں نے آپ کے سامنے تھوڑی سی وضاحت کردی وہ بھی ہمارے لئے انشاء اللہ تعالیٰ کافی ہے۔

دجال کا فتنہ بہت خطرناک ہے

چوتھا فتنہ ہے دجال کا، یہ بہت ہی اہم اور بہت ہی خوفناک اور خطرناک قسم کا فتنہ ہے، اس کی تفصیلات عام طور پر لوگوں کو معلوم نہیں ہوتیں، تھوڑا بہت تو ذہن میں ہے کہ بھائی دجال قیامت کے قریب نکلے گا، بڑا فساد پھیلائے گا لیکن اس کی ضروری تفصیل عام طور پر خواتین وحضرات کو کم معلوم ہوتی ہے۔

اللہ ہم سب کو دجال سے بچائے

دوسری طرف سرکار دوعالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات میں اس کی بہت زیادہ اہمیت کو اہتمام کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فتنے سے امت کو بہت ہی زیادہ ہوشیار اور خبردار کیا

ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ ایک اجمالی خاکہ ہمارے سامنے آنا چاہئے تاکہ ہمیں بھی اس کے بارے میں ضروری علم ہو اور ہم بھی اس سے بچنے کا وہ طریقہ اختیار کریں جس کی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات کے اندر تعلیم فرمائی ہے۔

ان میں سے ایک بات تو اس حدیث میں آپ کے سامنے آئی کہ اللہ تعالیٰ سے دجال کے فتنے سے پناہ مانگنی چاہئے یعنی اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگو کہ وہ ہم کو، ہمارے ماں باپ کو، ہمارے اہل وعیال کو، اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کو اس فتنے سے محفوظ رکھے۔ جہاں اور چیزوں سے ہم پناہ مانگتے ہیں وہاں اس کو بھی ہم اپنی دعاؤں میں شامل کر کے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس سے پناہ مانگتے رہیں اس سے پہلے کی تین چیزوں سے بھی پناہ مانگتے رہیں اور دوسروں کو بھی اس فتنے سے بچنے کے لئے ترغیب دیتے رہیں۔

سورۂ کہف دجال کے فتنے سے بچنے کا خاص ذریعہ ہے

چنانچہ احادیث کے اندر ہے کہ جو آدمی جمعہ کے دن سورۂ کہف کی تلاوت کا معمول بنالے گا وہ دجال کے فتنے سے محفوظ رہے گا، اسی طرح احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ جو آدمی سورۂ کہف کی شروع کی دس آیتیں یا آخر کی دس آیتیں دجال پر پڑھ دے گا تو وہ بھی اس کے فتنے سے محفوظ ہو جائے گا۔ فی الحال ہم دو کام بآسانی کر سکتے ہیں ایک یہ کہ اپنی دعاؤں میں دجال کے فتنے سے اللہ تعالیٰ

سے پناہ مانگتے رہیں اور دوسرا یہ کہ جمعہ کے دن سورۂ کہف کی تلاوت کرنے کا معمول بنالیں پھر انشاء اللہ تعالیٰ اس خطرناک فتنے سے محفوظ ہو جائیں گے۔ احادیث طیبہ میں جو کچھ اس کے بارے میں بیان ہوا ہے اس کا لبِ لباب میں آپ کے سامنے عرض کرتا ہوں۔

فتنہ دجال سے بڑا فتنہ نہ ہوا ہے نہ ہوگا

ایک روایت میں سرِکارِدوعالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جب سے آدم علیہ السلام کی اولاد کو پیدا فرمایا ہے اس وقت سے کوئی فتنہ دجال کے فتنے سے بڑھ کر نہیں ہوا اور کوئی نبی علیہم السلام ایسا نہیں گزرا جس نے اپنی امت کو دجال کے فتنے سے آگاہ نہ کیا ہو اور فرمایا کہ میں سب سے آخری نبی ہوں اور تم سب سے آخری امت ہو اور یہ دجال یقیناً تمہارے اندر نکلے گا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں قیامت آئے گی قیامت سے پہلے دجال نمودار ہوگا تو یقیناً تمہارے اندر ظاہر ہوگا۔

میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم، دجال کے فتنے کے لئے اکیلا کافی ہوں

بالفرض اگر وہ میری زندگی میں ظاہر ہوگیا تب تو میں تم سب کی طرف سے اس کا مقابلہ کرنے کے لئے اکیلا ہی کافی ہوں میں خود اس سے مقابلہ کروں گا اور تمہیں اس معاملے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں اور اگر وہ میرے بعد ظاہر ہوا تو ہر مسلمان اس سے مقابلہ کرے گا اور اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کا محافظ

نگہبان اور مددگار ہوگا۔

اس وقت چند امور پر عمل کرنا

پھر فرمایا کہ دیکھو اس فتنہ دجال کے وقت ا۔ اللہ کے بندو ثابت قدم رہنا یعنی اس وقت ایمان پر قائم رہنا اور اس کے مکر میں اس کے دھوکے میں اور اس کے فریب میں مت آنا اور فریب میں آکر اس کی بات نہ مان لینا۔

دجال کے معنی ہیں جھوٹا مکار

دجال کے معنی آتے ہیں بہت ہی جھوٹا، مکار، عیار، دھوکہ باز، یہ تو عیاری مکاری دھوکہ بازی سے کام لے گا اور جادو کے زور سے ایسے ایسے کرتب دکھلائے گا کہ جس سے انسان کی عقل حیران رہ جائے گی، اور جو اس فتنہ سے واقف نہیں ہوں گے وہ اس کے فتنے میں مبتلا ہو سکتے ہیں جیسا کہ احادیث کی روشنی میں اس کے بارے میں تذکرہ آنے والا ہے۔ انشاء اللہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے فتنے کے ظاہر ہونے کے وقت ثابت قدم رہنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم کو اس کی علامتیں بتلاتا ہوں جو اب تک کسی نبی نے اپنی امت کو نہیں بتلائیں۔

آپ اندازہ کریں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کتنے اہتمام کے ساتھ اس کی وضاحت فرمار ہے ہیں کہ میں تم کو اس کے بارے میں ایسی علامتیں بتلاتا ہوں جو مجھ سے پہلے کسی نبی نے اپنی امت کو نہیں بتلائیں۔

دجال کی علامات

اور پھر فرمایا کہ اس کی علامت یہ ہے کہ ملک شام اور ملک عراق کے درمیان میں ایک راستے سے یہ ظاہر ہوکر پہلے نبوت کا دعویٰ کرے گا، آگے فرمایا کہ دیکھو میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں اسی وجہ سے اس کا یہ دعویٰ جھوٹا ہوگا وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہوگا اس کا دعویٰ کرنا غلط ہوگا، کیونکہ میں اللہ کا آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں تو اس کا دعویٰ نبوت کا غلط ہوگا جھوٹا ہوگا۔

دوسری علامت

دوسری علامت یہ ہے کہ وہ خدائی کا دعویٰ کرے گا اور کہے گا کہ میں تمہارا رب ہوں مجھے رب مانو مجھ پر ایمان لاؤ مجھ کو خدا مانو۔ (العیاذ باللہ)

اس کے جھوٹا ہونے کی تین نشانیاں

لیکن اس کے ساتھ ہی اس کی تین باتیں ظاہر ہوجائیں گی جس سے واضح طور پر معلوم ہوجائے گا کہ یہ کیسے خدا ہوسکتا ہے؟ پہلی بات یہ ہے کہ کوئی انسان اپنے خدا کو مرنے سے پہلے نہیں دیکھ سکتا، مرنے کے بعد آخرت میں اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوگی، کافروں کو تو وہاں بھی زیارت نہیں ہوگی، لیکن اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ اپنی زیارت سے مشرف فرمائیں گے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے، آمین۔ جب کہ دجال یہ دعویٰ کررہا ہوگا کہ میں تمہارا خدا ہوں تو

جو ایسا جھوٹا دعویٰ کرے وہ خدا کیا ہوسکتا ہے؟ اور جس کو سب دیکھ رہے ہیں وہ کیے خدا ہوسکتا ہے، جھوٹا مکار ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ایک آنکھ اس کی کانی ہوگی جس سے نظر ہی نہیں آئے گا، اور ایک آنکھ ایسی خراب ہوگی کہ انگور کے دانہ کی طرح ابھری ہوئی اور باہر لٹکی ہوئی ہوگی اسی سے کچھ نظر آجائے گا اس کی تو دونوں آنکھیں عیب دار ہوں گی، تمہارا پروردگار کانا نہیں ہے کہ ایک آنکھ اس کی کانی ہو۔

تیسری بات یہ ہے کہ اس کی پیشانی پر لکھا ہوگا ''کافر'' چاہے اس کو کوئی پڑھنا جانتا ہو یا نہ جانتا ہو، ہر شخص اس کو پڑھ لے گا، تو ایک طرف تو وہ خدائی کا دعویٰ کررہا ہوگا، آنکھ سے کانا ہوگا اس کی پیشانی پر کافر لکھا ہوا ہوگا، وہ کیسے خدا ہوسکتا ہے، تو دعویٰ اس کا ایسا جھوٹا ہوگا کہ اس کے وجود ہی سے اس کی تکذیب ہورہی ہوگی، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جھوٹا ہونے کی علامتیں بتلادیں تاکہ کوئی مسلمان اس کو اس دعویٰ میں سچا نہ سمجھے، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے فتنوں کا ذکر کیا کہ کیسے کیسے وہ فتنے ظاہر کرے گا۔ (اللہ بچائے)

دجال کی جنت اور جہنم

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے ساتھ ایک جنت ہوگی اور ایک جہنم ہوگی، اس کی جو جنت ہوگی وہ حقیقت میں آگ ہوگی اور جو اس کی آگ ہوگی وہ حقیقت میں جنت ہوگی، اب علماء کرام فرماتے ہیں کہ یا تو اللہ تعالیٰ اپنی

قدرت سے ایسا کردیں گے کہ ظاہر میں اس کی جنت ہوگی حقیقت میں دوزخ بن جائے گی، اور جو ظاہر میں اس کی جہنم ہوگی حقیقت میں جنت بن جائے گی، یا وہ جادو کے زور سے لوگوں کی آنکھوں پر ایسی نظر بندی کرے گا کہ اس سے لوگوں کو جو جہنم ہوگی جنت نظر آئے گی اور جو جنت ہوگی جہنم نظر آئے گی، اور جو اس پر ایمان لائے گا اس کو وہ اپنی جنت میں ڈالے گا حالانکہ وہ جہنم میں جائے گا کیونکہ وہ کافر ہو جائے گا، دجال کو خدا ماننے کے بعد کافر ہو جانے کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے دوزخ میں چلا جائے گا۔ (اللہ بچائے)

جس کو دجال جہنم میں ڈال دے وہ سورۂ کہف پڑھے

اور جو اس کو خدا ماننے سے انکار کردے گا تو وہ اس کو جہنم میں ڈال دے گا جو حقیقت میں جنت ہوگی، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ اگر خدانخواستہ کبھی ایسا ہو کہ وہ تم کو اپنی جہنم میں ڈال دے تو تم سورۂ کہف کی شروع کی دس آیتیں پڑھنا اور اللہ تعالیٰ سے فریاد کرنا تو اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر اس کی آگ کو اس طرح ٹھنڈا اور سلامتی والا کردیں گے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے آگ کو ٹھنڈا اور سلامتی والا بنادیا تھا۔

دجال مُردوں کو زندہ کرے گا

اور ایک اس کا فتنہ یہ ہوگا کہ وہ ایک دیہاتی سے یہ کہے گا کہ اگر میں تیرے والدین کو زندہ کرکے ان سے کہلوادوں کہ وہ تجھے کہیں کہ مجھ پر ایمان لے

آؤ، مجھ کو رب مانو تو تو ان کا کہنا مان لے گا؟ تو وہ کہے گا کہ ہاں مان لوں گا، تو اسی وقت دو شیطان اس کے ماں باپ کے روپ میں آجائیں گے وہ آکر کہیں گے بیٹا (نعوذ باللہ) یہ تمہارا رب ہے اس کو رب مان لو (اللہ بچائے) کس قدر وہ دھوکے سے کام لے گا، فریب سے کام لے گا۔

اللہ اپنی قدرت کا نمونہ بھی دکھائے گا

اللہ تعالیٰ دجال کو ایک نوجوان مسلمان پر قدرت دیں گے، وہ نوجوان اپنی جوانی میں بھرپور ہوگا، دجال اس سے کہے گا کہ مجھے اپنا رب مان تو وہ انکار دے گا، یہ دجال اسے قتل کر دے گا، اور آرے سے اس کے جسم کے دو ٹکڑے کر دے گا، اور دونوں ٹکڑوں کے درمیان اتنا فاصلہ کر دے گا جتنا کہ تیر اور اس کے نشان کے درمیان ہوتا ہے، یعنی تیر کو جہاں پھینکا جائے یعنی جہاں اس کا نشان ہوتا ہے، اس پھینکنے والے اور نشان کے درمیان جتنا فاصلہ ہوتا ہے، اس کے جسم کے دو ٹکڑے کر کے اتنا دور کر دے گا، پھر یہ اپنے خادموں کو کہے گا کہ دیکھو میں اس کو بلاؤں گا تو یہ میرے پاس آجائے گا،

چنانچہ دجال اس کو اپنے پاس بلائے گا تو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے اس نوجوان کو زندہ کر دیں گے اور وہ ہنستا ہوا مسکراتا ہوا دجال کے سامنے آئے گا تو وہ خبیث اس نوجوان کو کہے گا کہ کیا تو مجھے اپنا رب مانتا ہے، وہ کہے گا کہ تو کافر ہے، تو دجال ہے، اب مجھ کو پہلے سے زیادہ اس بات کا یقین ہو گیا ہے کہ تو دجال

ہے، تو ہرگز ہرگز خدا بننے کے لائق نہیں، میرا پروردگار تو اللہ جل شانہ ہے، تو دجال اور کافر ہے۔

دوبارہ زندہ ہونے والا اعلیٰ منصب پر فائز ہوگا

روایت میں آتا ہے کہ وہ شخص جو دوبارہ زندہ ہو کر پھر اس کا انکار کرے گا اور اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کرے گا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں اعلیٰ مقام پر فائز ہوگا، اللہ تعالیٰ اس کو اپنا بہت اعلیٰ سے اعلیٰ مقام جنت میں عطا فرمائیں گے امتحان بھی تو کتنا زبردست ہے (اللہ بچائے) اللہ تعالیٰ فتنہ دجال سے سب مسلمانوں کو محفوظ رکھے، آمین۔

ہر چیز پر اپنا حکم چلائے گا

اس کا ایک فتنہ یہ ہوگا کہ وہ بادلوں کو حکم دے گا کہ برسو، تو وہ بارش برسا دیں گے اور زمین سے کہے گا کہ پیداوار اگاؤ، تو وہ فوراً پیداوار اگا دے گی، اور جب کہے گا کہ بارش روک دو تو وہ بادل بارش روک دیں گے اور جب کہے گا کہ قحط پڑ جائے تو فوراً قحط پڑ جائے گا، یہ بھی اس کا ایک فتنہ ہے۔ (اللہ بچائے)

نیکوں کی بستی کا انجام

اس کے بعد وہ ایک بستی سے گزرے گا تو وہاں کے لوگ اس پر ایمان نہیں لائیں گے اور اس کا انکار کر دیں گے، جب وہاں سے مایوس ہو کر واپس لوٹے گا تو اس بستی کے اوپر ایسا قحط آئے گا کہ سارے جانور مر جائیں گے اور سب کے

سب قحط کے اندر مبتلا ہو جائیں گے۔

دجال کے ماننے والوں کی بستی کا انجام

اور جب وہ دوسری بستی سے گزرے گا تو وہاں کے لوگ اس پر ایمان لے آئیں گے تو وہ حکم دے گا بادلوں کو کہ بارش برساؤ، بادل خوب بارش برسائیں گے، زمین کو حکم دے گا کہ اُگاؤ، تو ایک دم زمین اُگا دے گی۔ ایک ہی دن میں سب کچھ ہو جائے گا۔ پھر بارش بھی ہوگی، زمین بھی سرسبز وشاداب ہوگی، کھیتیاں اُگ چکی ہوں گی، اور اس دن جب ان لوگوں کے جانور جنگل سے خوب گھاس کھا کر لوٹیں گے تو خوب موٹے ہو چکے ہوں گے، کوہان بڑے بڑے ہوں گے، پونچیں بھری ہوں گی، تھن دودھ سے لبریز ہوں گے، اس طرح سے یہ نہایت تیزی کے ساتھ دنیا کا چکر لائے گا جیسے بادل کے پیچھے تیز ہوا ہو تو اس تیز ہوا کی وجہ سے بادل تیزی کے ساتھ دوڑتا ہے اور آن کے آن میں کہیں سے کہیں جا پہنچتا ہے، اس طرح سے یہ روئے زمین پر چکر لگانے گا اور کوئی علاقہ ایسا نہیں چھوڑے گا کہ وہاں سے یہ نہ گزرے اور جہاں جائے گا وہاں اسی طریقے سے فساد پھیلائے گا۔ یہودی اس کے ساتھ ہوں گے اور ہر جگہ یہ اپنی خدائی کا دعویٰ کرتا پھرے گا، جہاں جائے گا وہاں کے مسلمان آزمائش میں مبتلا ہو جائیں گے اور ان کے لئے اپنا ایمان بچانا آسان نہیں ہوگا۔

دجال مکہ و مدینہ میں نہیں جا سکے گا

اس لئے اس کے فتنے سے پناہ مانگنے کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائی ہے ہمارے انبیاء علیہم السلام اس کے فتنے سے اپنی امت کو ڈراتے آئے ہیں یہاں تک کہ یہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ بھی جائے گا، لیکن حدیث میں ہے کہ جب یہ وہاں پہنچے گا تو مکہ مدینہ کے ہر راستے پر ملائکہ ننگی تلوار لیے کھڑے ہوں گے اور جب یہ اندر داخل ہونا چاہے گا تو اس کا راستہ روک دیں گے اور اس میں ان سے مقابلے کی طاقت نہیں ہوگی، لہٰذا مدینہ طیبہ اور اس کے رہنے والے دجال کے فتنے سے محفوظ رہیں گے مکہ مکرمہ کے رہنے والے بھی محفوظ رہیں گے۔

مدینہ منافقت سے پاک ہو جائے گا

اب یہ مدینہ طیبہ کے باہر نمکین (یعنی نمک والی) ایک جگہ ہے سرخ رنگ کی، یہ وہاں ٹھہر جائے گا اس کے بعد پھر مدینہ طیبہ کے اندر تین مرتبہ زلزلہ آئے گا اور زلزلہ کی وجہ سے مدینے کے اندر جتنے منافق ہوں گے وہ سب مدینے سے باہر آکر دجال کے پاس چلے جائیں گے، جو بالکل مخلص اور پکے مسلمان ہوں گے وہ اندر رہ جائیں گے اور مدینہ طیبہ سارا منافقوں سے کافروں سے ایسا پاک ہوجائے گا جیسا کہ لوہا بھٹی میں جا کر زنگ سے پاک صاف ہو جاتا ہے۔

عین فجر میں عیسیٰ علیہ السلام کا نزول

اس کے بعد یہ اسی طریقے سے دنیا کے اندر فساد پھیلا رہا ہوگا اور نماز فجر

کی اذان ہو چکی ہو گی اقامت بھی ہو چکی ہو گی اور حضرت مہدی علیہ السلام نماز پڑھانے کے لئے مصلے پر جارہے ہوں گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نزول ہو جائے گا۔

آپ علیہ السلام دمشق کے مشرقی مینارے پر اتریں گے اور دو فرشتوں کے شانوں پر آپ علیہ السلام نے ہاتھ رکھے ہوئے ہوں گے اور دو زرد رنگ کی چادروں میں آپ علیہ السلام ملبوس ہوں گے، اور آپ کے بال کندھوں تک ہوں گے اور پانی سے ایسے تر ہوں گے جیسے نہا کر ابھی نکلے ہیں، جب آپ گردن جھکائیں گے تو اس سے پانی کے قطرے ٹپکیں گے، جب گردن سیدھی فرمائیں گے تو چاندی کے موتیوں کی طرح چمکدار پانی کے قطرے آپ کے بالوں سے نیچے گریں گے، اور جیسے ہی آپ مینارے سے نیچے تشریف لائیں گے تو حضرت مہدی علیہ السلام جن کے بارے میں حضور علیہ السلام نے حدیث میں بتادیا ہے کہ وہ پیچھے ہٹیں گے تا کہ آپ نماز پڑھائیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ اسلام محمدی بن کر آئیں گے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے کہ اقامت آپ ہی کے لئے ہوئی ہے لہٰذا آپ ہی نماز پڑھائیں میں آپ کے پیچھے نماز پڑھوں گا۔

دجال اور یہودیوں کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سامنا ہونا اور قتل ہونا

اس کے بعد پھر آپ ان کے ساتھ نماز پڑھیں گے اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ فرمائیں گے کہ بھائی دروازہ کھولو، تو جب دروازہ کھل جائے گا اس میں کچھ مسلمان محصور ہوں گے تو اس کے پیچھے دجال ہوگا اور وہ وہاں پر موجود ہوگا، ستر ہزار یہودی اس کے ساتھ ہوں گے، ہر ایک پاس تلوار اور عمدہ کپڑے ہوں گے، تو جیسے ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وہ دجال دیکھے گا جس طرح برتن میں پانی ابلتا ہے اسی طریقے سے وہ دیکھ کر ابلے گا اور وہ آپ کو دیکھتے ہی اپنی جان بچانے کے لئے بھاگے گا اور آپ فرمائیں گے کہ تیرے لئے تو میری ایک مار مقدر ہو چکی ہے تو اس سے بچ کر نہیں جا سکتا، لہٰذا آپ علیہ السلام اس کا پیچھا کریں گے اور بیت المقدس کے قریب ہی اسرائیل میں ایک جگہ لُد ہے جو آج بھی موجود ہے وہاں ائیر پورٹ بھی بنا ہوا ہے، اس مقام لُد پر جا کر آپ اس کو پکڑ لیں گے اور اس کو قتل کر کے اس کا کام تمام کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے یہودیوں کو شکست دے دیں گے۔

اس وقت عجیب وغریب اللہ تعالیٰ کی قدرت ظاہر ہوگی کہ کوئی مکان، کوئی پہاڑ، کوئی ٹیلا، کوئی درخت اور کوئی اونچی نیچی جگہ جس کے پیچھے آدمی چھپ سکتا ہو اس کے پیچھے یہودی چھپا ہوا ہوگا تو وہ چیز آواز دے گی کہ اے مسلمان اللہ کے

بندے یہاں آ، یہودی میرے پیچھے چھپا ہوا ہے اس کو قتل کر دے۔ (اللہ اکبر)

چنانچہ مسلمان وہاں جائے گا اس کے پیچھے سے یہودی کو پکڑ کر قتل کر دے گا اس طریقے سے تمام یہودیوں کا خاتمہ ہو جائے گا اور روئے زمین پر کوئی کافر نہیں بچے گا تمام کافر ختم ہو جائیں گے یہودی عیسائی باقی نہیں بچیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حکومت میں برکت

اب عیسیٰ علیہ السلام انتہائی صالح، عابد اور اللہ کے فرمانبردار بندے، اللہ کے نبی حکومت فرمائیں گے، مکمل طور پر زمین میں امن و سلامتی کا بول بالا ہو جائے گا اور تمام لوگ سکون چین اور راحت کی زندگی گزاریں گے، زمین اپنی برکتیں ظاہر کر دے گی، یہاں تک کہ انگور کا ایک خوشہ ایک جماعت کے لئے کافی ہو جائے گا، ایک انار ایک بڑی جماعت کھا کر سیر ہو جائے گی اور جتنے بھی زہریلے جانور ہیں ان کے منہ سے زہر نکال دیا جائے گا، یہاں تک کہ ایک بچی بھی سانپ کے منہ میں ہاتھ دیدے گی، تو سانپ اس کو کچھ بھی نہیں کہے گا اور جتنے بھی جنگل کے خونخوار درندے ہیں ان کی خونخواری ختم ہو جائے گی۔

حتیٰ کہ اگر شہر میں کوئی شیر آ جائے گا تو ایک چھوٹی سے بچی اس کو کان سے پکڑ کر کہے گی کہ جنگل میں چلا جا، نہ بچی کو ڈر لگے گا نہ شیر اس پر حملہ کرے گا۔

بھیڑیا جس سے لوگ اپنی بکریوں کی حفاظت کرتے ہیں وہ حفاظت کرنے والے کتے کی طرح ہو جائے گا بکریوں کے ساتھ جیسے شکاری کتا رکھا جاتا ہے

تاکہ وہ مالک کی حفاظت کرے، مالک کے گھر بار کی بھی حفاظت کرے، جانوروں کی بھی حفاظت کرے، چور ڈاکوؤں سے، بھیڑیا بھی ویسے ہی حفاظت کرنے والا بن جائے گا، عدل انصاف کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حکومت فرمائیں گے اس دنیا میں امن ہی امن ہو جائے گا۔

یہاں تک کہ گھوڑے کی قیمت چند درہم رہ جائے گی اور بیل بڑا مہنگا ہو جائے گا، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے عرض کیا یارسول اللہ! گھوڑا مہنگا ہونا چاہئے بیل سستا ہونا چاہئے تو گھوڑا سستا کیوں ہو جائے گا بیل مہنگا کیوں ہو جائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گھوڑا تو اس لئے سستا ہو جائے گا کیوں کہ جہاد کی ضرورت ختم ہو جائے گی، جہاد تو کافروں سے ہوتا ہے سارے انسان مسلمان سارے ایک کلمہ گو اور ایک دین اور اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہوں گے تو لڑنے کے لئے گھوڑے کی کیا ضرورت پیش آئے گی اس لئے گھوڑے سستے ہو جائیں گے۔

تین سال مسلسل درجہ بدرجہ قحط بڑھے گا

اور بیل اس لئے مہنگے ہو جائیں گے کہ دجال کا فتنہ برپا ہونے سے پہلے تین سال تک زبردست قحط پڑے گا، ایک سال تو اس طرح گزرے گا کہ اللہ پاک کے حکم سے ایک تہائی بارش روک دی جائے گی، زمین بھی اپنی ایک تہائی پیداوار روک لے گی بس دو تہائی پیداوار ہوگی دو تہائی بارش ہوگی، دوسرے سال میں

دو تہائی بارش رک جائے گی پیداوار بھی دو تہائی رک جائے گی، تیسرے سال میں مکمل بارش بند ہو جائے گی پیداوار بھی بالکل نہیں ہو گی، جس کے نتیجے میں بہت سخت قحط پڑے گا اور تمام جانور ہلاک ہو جائیں گے، مر جائیں گے۔

قحط کے زمانے میں ذکر اللہ کھانے کا کام دے گا

صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! ایسے موقع پر مسلمان کیسے زندہ رہیں گے؟ ایک پورے سال میں نہ کھانے کو کچھ رہے گا نہ پینے کو رہے گا تو کیسے زندہ رہیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس زمانے میں سبحان اللہ، الحمدللہ، اللہ اکبر، لاالہ الااللہ غذا کا کام دیں گے، جو مسلمان ہوں گے اسی ذکر سے ان کے پیٹ کی آگ بجھتی رہے گی، اس سے اللہ ان کے پیٹ بھرتا رہے گا، یہ برکت اللہ تعالیٰ اس وقت ظاہر فرمادیں گے۔

برکت ایسی کہ ایک چیز کئی بندوں کو کافی ہو جائے گی

اس کے بعد جب دجال کا خاتمہ ہو جائے گا یہودی سب ختم ہو جائیں گے تو اب زمین ایسی پیداوار اگائے گی جیسی آدم علیہ السلام کے زمانے میں پیداوار ہوتی تھی زمین کو کاشت کرنے کے لئے اور قابل زراعت بنانے کے لئے بیل کی ضرورت پڑے گی اس لئے بیل مہنگا ہو جائے گا گھوڑے سستے ہو جائیں گے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس زمین کے اندر پیداوار کی عمدگی کا یہ حال ہوگا کہ ایک انار پوری ایک بڑی جماعت کے لئے کافی ہوگا، اور اس کا چھلکا اتنا

بڑا ہوگا کہ لوگ اس کے سائے میں بیٹھیں گے۔ اور دودھ دینے والی ایک اونٹنی اتنا دودھ دے گی کہ بہت سارے آدمیوں کے لئے بلکہ لوگوں کی ایک بڑی جماعت کے لئے وہ اونٹنی کافی ہوجائے گی، اس کا دودھ کافی ہوجائے گا، گائے ایک قبیلے کے لئے کافی ہوجائے گی، ایک گائے کا دودھ پورے ایک قبیلے کے لئے کافی ہوجائے گا، اور بکری کا دودھ پوری ایک برادری کے لئے کافی ہوجائے گا، اس قدر دودھ بھر جائے گا، اتنی کثیر مقدار میں دودھ بکریوں سے نکلے گا کہ ایک بکری کا دودھ پوری کی پوری برادریوں کے لئے کافی وشافی ہوجائے گا اس لئے زمین اپنی برکتیں ظاہر کردے گی، آسمان سے برکتیں ظاہر ہوجائیں گی۔

یاجوج ماجوج کا خروج

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے اب عیسیٰ علیہ السلام پر وحی آئے گی کہ اے عیسیٰ اب ہم یاجوج ماجوج کو ظاہر کرنا چاہتے ہیں، ان کو نکالنے والے ہیں، جن کے مقابلے کے لئے کسی کے اندر کوئی طاقت نہیں ہے، لہٰذا آپ مسلمانوں کو لے کر کوہ طور پر تشریف لے جائیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ سب مسلمان کوہ طور پر تشریف لے جائیں گے وہاں جا کر وہ اپنے آپ کو محفوظ کرلیں گے، کچھ مسلمان جو اپنے گھروں میں یا اپنے قلعوں میں اپنے آپ کو محفوظ کرلیں گے بند کرلیں گے۔

یاجوج ماجوج انسان سے دس گناہ زیادہ ہوں گے

اس کے بعد پھر یاجوج ماجوج جو حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں یہ انتہائی وحشی خونخوار قسم کے لوگ ہیں اور لاتعداد ہیں علماء کرام نے لکھا ہے کہ انسان جو پوری دنیا میں رہتے ہیں ان سے دس گناہ زیادہ ہیں۔ اور سد سکندری اللہ کے حکم سے ختم ہو جائے گی اور جیسے ہی اللہ کا حکم ہوگا وہ وہاں سے نکل کر دنیا میں پھیل جائیں گے تو ایسا معلوم ہوگا جیسے سیلاب آگیا ہو اور اونچی نیچی جگہ کی طرف جائیں گے اور جہاں جو ملے گا قتل کریں گے اور طرح طرح کے ہنگامے کریں گیا ور فساد ہی فساد پھیلائیں گے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہر جگہ پھیل جائیں گے یہاں تک کہ بحر طبریہ جو ایک بہت بڑا دریا ہے ملک شام کے اندر ہے جب شروع والے لوگ وہاں سے گزریں گے تو اس دریا کو ختم کر دیں گے جب پیچھے والے آئیں گے تو کہیں گے کہ کسی زمانے میں یہاں سے پانی گزرتا ہوگا، اور وہ اتنی کثیر تعداد میں ہوں گے کہ دریا کا دریا پی جائیں گے، اور اس پوری زمین کے اندر فساد کر کے سب کو قتل کر کے جو ملے گا اس کو ختم کر دیں گے ختم کرنے کے بعد وہ ایک ٹیلے پر چڑھ جائیں گے اور کہیں گے کہ زمین والوں کو تو ہم نے ختم کر دیا اب آسمان والوں کو بھی ختم کرنا چاہئے تو وہ آسمان کی طرف تیر چلائیں گے تو وہاں سے اللہ تعالیٰ ان کے تیر کو خون سے رنگ کر واپس کر دے گا تو کہیں گے کہ آسمان والوں کو بھی ہم نے ختم کر لیا زمین والوں کو بھی ہم نے ختم کر لیا (اللہ بچائے)

چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر ہوں گے تو وہاں کھانا پینا سب ختم ہوجائے گا یہاں تک کہ بیل کا ایک سر سو دینار سے بھی زیادہ مہنگا ہوجائے گا، اتنی زیادہ مہنگائی ہوجائے گی، کھانے پینے کی چیزوں کے ختم ہونے کی وجہ سے۔

یاجوج ماجوج کی ہلاکت

تو پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور تمام مسلمان اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے کہ یا اللہ ان کو ختم کیجئے تاکہ ہم لوگ پہاڑ سے نیچے اتریں اور آرام سے رہ سکیں تو اللہ تعالیٰ ان کی گردن میں ایک کیڑا پیدا کردیں گے جس کی وجہ سے سارے کے سارے یاجوج ماجوج ایک دم مرجائیں گے، اور جب یہ مرجائیں گے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور تمام مسلمان نیچے آئیں گے تو ایک بالش بھی ایسی جگہ نہ ہوگی جہاں ان کا خون پھیلا ہوا نہ ہو، زمین پوری کی پوری بدبودار ہوچکی ہوگی، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام دعا کریں گے ان کی دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ ایسے بڑے بڑے پرندے بھیجیں گے کہ ان کی گردنیں اونٹ کی گردنوں جتنی ہوں گی، اور وہ سب ان کی لاشوں کو اپنے منہ میں دبا دبا کر جہاں اللہ کا حکم ہوگا وہاں لے جاکر پھینک دیں گے، اور پوری کی پوری زمین خالی کردیں گے اور پھر اللہ کی طرف سے بارش ہوگی اور وہ بارش ایسی ہوگی کہ زمین چاندی کی طرح صاف ستھری ہوجائے گی، ساری بدبو گندگی سب ختم ہوجائے گی اور زمین صاف ستھری ہوجائے گی۔

پھر ایک وقت سب مسلمان ختم صرف کفار باقی رہیں گے

اور پھر زمین پہلے کی طرح امن وامان کا گہوارہ بن جائے گی، اسی طریقے سے زمین کے اندر خش حالی قائم ہو جائے گی، کچھ عرصے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ہوا چلے گی مسلمانوں کے بغلوں کے نیچے سے گزرے گی تو سب کی روح قبض ہو جائے گی اور اس طرح سے مسلمان دنیا سے بالکل ختم ہو جائیں گے اس کے بعد جو لوگ رہ جائیں وہ بہت ہی زیادہ کفر کریں گے، شرک کریں گے، اور تباہی مچائیں گے، اور جانوروں کی طرح کھلے عام بدکاری کرتے پھریں گے پھر ان پر قیامت برپا ہوگی۔

ساری گفتگو کا خلاصہ

بہر حال فتنہ دجال اس کا نام ہے جو میں نے آپ کے سامنے عرض کیا تو اس لئے اس دجال کے فتنے سے بھی ہم کو پناہ مانگنی چاہئے، جو حدیث میں نے آپ کے سامنے بیان کی تھی اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار باتوں سے پناہ مانگنے کو بیان فرمایا ہے، قبر کے عذاب سے پناہ مانگو، دوزخ کے عذاب سے پناہ مانگو، پناہ مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ پناہ بھی مانگو اور ان کاموں سے بھی اپنے آپ کو بچاؤ جو عذاب کی طرف دعوت دینے والے ہیں اور جو جہنم کے عذاب کا باعث ہیں، ان کاموں سے بھی اپنے آپ کو بچاؤ اور فرمایا کہ ظاہر و باطن کے فتنوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو اور ایسے کام بھی نہ کرو جس سے تم ظاہر باطن کے

فتنے میں پڑ جاؤ اور دجال کے فتنہ سے پناہ مانگو۔ کیونکہ یہ سب سے بڑا فتنہ ہے، جو دنیا کے اندر برپا ہوگا بہت ہی خطرناک وخوف ناک ہوگا اس فتنہ کے برپا ہونے کے وقت ایمان بچانا آسان نہیں ہوگا اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرمائے اور ہم سب کو آنے والوں فتنوں سے محفوظ رکھے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اُمتِ مسلمہ

کے

عروج وزوال کا اصل سبب

اس میں قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں مسلمانوں کی موجودہ پستی اور زوال کے حقیقی اسباب کی نشاندہی کی گئی ہے، اوراس سے نکلنے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے۔

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی دامت برکاتہم
نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ناشر

مکتبۃ الاسلام کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اُمتِ مسلمہ
کے
عُروج وزوال کا اصل سبب

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

امّا بعد!

میرے قابلِ احترام بزرگو! مجھے اس وقت حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحیؒ صاحب عارفیؒ کی ایک بات یاد آرہی ہے۔

حضرت عارفیؒ اوران کی مجالس

حضرت عارفی رحمہ اللہ کراچی میں حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ کے خاص خلفاء میں سے تھے، حیدری میں نارتھ ناظم آباد ایچ بلاک میں حضرتؒ رہا کرتے تھے، وہاں ہر جمعہ کو عصر سے مغرب تک حضرتؒ کا بیان ہوا کرتا تھا اور شہر بھر سے بلکہ دوسرے شہروں سے بھی لوگ حضرتؒ کی مجلس میں شریک ہونے کے لئے آیا کرتے تھے۔ مجھے بھی الحمدللہ اس کی توفیق ہوا کرتی

تھی، پیر کے دن بھی حضرتؒ کے ہاں ایک مجلس ہوتی تھی لیکن وہ عام مجلس نہیں ہوتی تھی، بلکہ اس میں حضرتؒ کے خاص خاص مرید، حضرتؒ کے خلفاء، حضرتؒ سے خصوصی اصلاح کا تعلق رکھنے والوں اور علماء وطلبہ کے لئے بیان ہوتا تھا چنانچہ ہمارے دارالعلوم کراچی سے بھی الحمد للہ علماء کرام کی ایک جماعت پیر کے دن حاضر ہوا کرتی تھی اس میں بھی مجھے الحمد للہ حاضری نصیب ہوتی تھی۔ حضرتؒ نے بارہا اپنی مجالس میں فرمایا کہ بھئی میں باقاعدہ کوئی عالم نہیں ہوں لیکن میں نے حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ کی خدمت وصحبت اٹھائی ہے، ان کی خدمت میں میں نے ایک طویل عرصہ گزارا ہے اور ان کی زندگی سے، ان کے بیانات سے اور ان کے مواعظ سے چند اہم اور بنیادی باتیں حاصل کی ہیں بس وہی باتیں آپ لوگوں کے سامنے دہراتا رہتا ہوں اور جو باتیں حضرتؒ بیان کیا کرتے تھے وہ سب وہی باتیں ہیں جو قرآن و حدیث سے ثابت ہیں لیکن اس لحاظ سے وہ بڑی اہم ہیں کہ ان کا تعلق ہمارے دورِ حاضر سے ہے، ان باتوں میں سے ایک بات خاص طور سے ہمارے حالات حاضرہ کے متعلق حضرتؒ بڑی کثرت سے بیان فرماتے تھے، آج میرے ذہن میں وہ آرہی ہے۔ جی چاہتا ہے کہ آج وہی بات بیان کردی جائے۔

دستورِ خداوندی

اس بات کو بیان کرنے سے پہلے حضرتؒ ہی یہ ضابطہ بیان فرمایا

کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا ہمیشہ سے یہ دستور چلا آیا ہے کہ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے، حضرتؒ اپنے الفاظ میں اس کی تعبیر ایکشن اور ری ایکشن سے کیا کرتے تھے کہ جیسے تمہارے اعمال ہوں گے ویسے ہی تمہارے حالات ہوں گے۔ جب سے دنیا چلی ہے جب تک دنیا چلتی رہے گی اللہ تعالیٰ کا یہ اٹل قانون ہے اور یہ بات بالکل واضح، بے غبار اور قرآن و حدیث سے ثابت ہے لہٰذا حضرتؒ اس اصول کی روشنی میں اکثر حالاتِ حاضرہ کا ایک منظر پیش فرماتے اور پھر اس کے نتیجے میں جو کچھ پیش آرہا ہے اور پیش آتا رہتا ہے اور جن باتوں سے لوگوں کو سابقہ پیش آتا ہے اور اس میں مبتلا ہوتے ہیں اس کے اوپر حضرتؒ روشنی ڈالتے اور کہتے کہ بھئی یہ حالات ہیں تو یہ ان کا انجام ہے لہٰذا ان حالات سے توبہ کرو تو تمہاری حالت بدل جائے گی۔

قوموں کے عروج وزوال کی اصل وجہ

چنانچہ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ ''دیکھو! اس وقت امتِ مسلمہ چاہے پاکستان کے مسلمان ہوں، چاہے سعودی عرب کے ہوں، چاہے مصر کے ہوں، چاہے فلسطین کے ہوں، چاہے ہندوستان کے ہوں پوری مسلم اُمت کی کیا حالت زار ہے؟ ایک زمانہ تھا کہ امتِ مسلمہ پوری دنیا پر چھائی ہوئی تھی، دنیا میں ان کا طوطی بولتا تھا اور آج دنیا میں مسلمان پہلے سے کہیں

زیادہ تعداد میں ہیں، مال ومتاع کے لحاظ سے بھی، جنگی ساز وسامان کے لحاظ سے بھی، غرض ہر لحاظ سے زیادہ ہیں اس کے باوجود انتہائی کمزور، ذلیل و خوار، اور نااتفاقی کا شکار ہیں۔ ان میں بزدلی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے، انتہائی ذلت اور خواری کی زندگی سے دوچار ہیں، اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ دین پر مضبوطی سے چلنا دنیا میں سربلند ہونے کا نسخہ ہے اور قرآن وسنت کو پسِ پشت ڈالنا دنیا اور آخرت میں ذلت کا ذریعہ ہے، ذلت کا راستہ ہے۔

مسلمانوں کے اندر پائی جانے والی چند عام خرابیاں

اب ہماری حالت یہ ہے کہ بس صرف ہمارے نام مسلمانوں جیسے ہیں اور کہیں تو یہ بھی نہیں ہے چنانچہ بعض ملکوں میں مسلمانوں کے نام بھی اسلامی نہیں رہے، جب نام بھی اسلامی نہ رہا تو دین کا کیا حال ہوگا۔ اکثر ایسا ہے کہ بس مسلمانوں کے نام ہیں تھوڑی بہت مسلمانوں کی سی شکل وصورت ہے لیکن اور کوئی دین کی بات ان کے اندر نہیں ہے بلکہ ان کے اندر دین سے ہٹ کر باتیں نہ صرف پائی جاتی ہیں بلکہ مسلمان ان کے عادی ہو گئے ہیں۔ ایسے چند گناہ درج ذیل ہیں:

۱۔ بے پردگی

مثلاً عورتوں کا بے پردہ رہنا، بے پردگی مسلمان عورتوں کا طریقہ

نہیں ہے لیکن اب شرعی پردہ کرنے والی عورتیں دنیا میں کتنی ہیں؟ پوری دنیا میں بھی ان کی تعداد اتنی کم ہوگی کہ بے پردہ عورتوں کے مقابلے میں نہ ہونے کے برابر ہیں اور صرف بے پردہ ہونے پر بس نہیں بلکہ لباس بھی باریک یا ناقص، ناتمام اور نیم برہنہ، نیم عُریاں لباس میں ملبوس مسلمان عورتیں دنیا کے اندر بکثرت موجود ہیں ہر جگہ بے پردگی کا ایک سیلاب ہے اور اس کے نتیجے میں بدنگاہی کا ایک سیلاب ہے، بدکاری کا سیلاب ہے، بے شمار جنسی گناہوں کا ایک طوفان ہے جو دنیا کے اندر پھیلا ہوا ہے۔

۲۔ تصویر کشی

دوسری طرف تصویر کشی اتنی ہے کہ حد وشمار اور بیان سے باہر ہے، ہر جگہ مردوں کی، عورتوں کی تصاویر کھینچنا، کھچوانا، آویزاں کرنا، اشتہارات میں اس کا استعمال کرنا آسمان سے باتیں کر رہا ہے اور تصویر کشی کا سیلاب ہے اور روز بروز فحش سے فحش، گندی سے گندی، بے شرمی، بے حیائی کی تصویریں پھیلتی چلی جارہی ہیں، اپنے ملک میں ہم دیکھ لیں کہ کتنا اس میں زمین وآسمان کا فرق پڑ گیا ہے، پہلے تصویریں کیسی ہوتی تھیں؟ اور اب چوراہوں پر کیسی تصویریں ہیں اور کس جگہ نہیں ہیں؟ اخبارات دیکھو تو رنگین تصویروں سے بھرے ہوئے ہیں، مصنوعات تمام تصاویر سے بھری ہوئی ہیں، ملبوسات

تصویروں سے بھرے ہوئے ہیں، کھانے پینے کی چیزوں کے پیکٹ تصویروں سے بھرے ہوئے ہیں، کتابیں تصویروں سے بھری ہوئی ہیں، آفس، دکانیں اور بازار تصاویر سے بھرے ہوئے ہیں، چوراہوں پر بڑی بڑی مردوں کی، عورتوں کی، بچوں کی، بوڑھوں کی تصاویر لگی ہوئی ہیں، ہر جگہ جانداروں کی تصاویر ہی تصاویر ہیں، جبکہ تصاویر کھینچنا کھینچوانا، بنانا، بنوانا یہ سب حرام اور گناہِ کبیرہ ہے، سخت عذاب کا باعث ہے اور موجبِ لعنت اور باعثِ لعنت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

أَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا عِنْدَ اللّٰهِ الْمُصَوِّرُوْنَ

(مشکوٰۃ المصابیح، ص ۳۸۵)

ترجمہ

''تصویریں بنانے والے لوگ (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ کے سخت ترین عذاب میں مبتلا ہوں گے۔''

۳۔ معاملات میں بددیانتی

اسی طرح مردوں کا ڈاڑھی مونڈوانا اور مردوں کا اپنی شلوار ٹخنوں سے نیچے رکھنا یہ گناہ اتنا عام ہوگیا ہے کہ پوری دنیا کے اندر پھیلا ہوا ہے، اور کم تولنا، کم ناپنا، دھوکہ دینا یہ ہماری تجارت کا تاج بنا ہوا ہے، اللہ بچائے کہ آج ہماری تجارت میں یہ بات باعثِ فخر وکمال سمجھی جاتی ہے کہ جو سب سے

زیادہ جھوٹ بولنا جانتا ہو، دھوکہ دینا جانتا ہو، کم تولنے اور کم ناپنے کا ماہر ہو وہ بڑا عقل مند، تجربہ کار، اور ہوشیار مانا جاتا ہے اور جو سچ بولتا ہو، صحیح صحیح تولتا ہو وہ بدھو اور بے وقوف کہلاتا ہے یعنی جو صحیح کاروبار کرے، شریعت کے مطابق کاروبار کرے وہ تو دقیانوس، پاگل اور بے وقوف ہے اور جو دھوکہ دے، جیب کاٹ لے، کم تولے، کم ناپے، ملاوٹ کرے اور دو نمبر کی چیز کو ایک نمبر کہہ کر بیچے، تو یہ بہت ہوشیار ہے، اور یہ جانتا ہے کہ مارکیٹ کس طرح چلتی ہے اور کاروبار کس طرح ہوتا ہے یعنی جو گناہ تھا وہ خوبی بن گیا اور جو خوبی تھی وہ گناہ بن گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

۴۔ سود اور دیگر ناجائز ذرائعِ آمدنی

سود خوری کتنی عام ہو چکی ہے کہ اب یہ معاملہ ''کریلا نیم چڑھے'' کا مصداق ہو گیا ہے، اور وہ اس طرح کہ سود کی ایک اسکیم انعامی بانڈز کی ہے اور اس انعامی بانڈ میں ایک پرچیوں کا کاروبار ہوتا ہے، یہ پرچیوں کا کاروبار آج کل اتنا بڑھ گیا ہے کہ جس شہر میں جاؤ وہاں لوگ یہ کہتے ہیں کہ بھئی پرچیوں نے تو پوری مارکیٹ کو ٹھنڈا کر دیا ہے، لوگ نہ دوکان پر بیٹھتے ہیں، نہ ملازمت کرتے ہیں بس پرچیوں سے کھیل رہے ہیں، دس دس روپے، بیس بیس روپے، پچاس پچاس روپے اور سو سو روپے کی پرچیاں لے لیں، اب اگر پچاس روپے میں دس لاکھ کا انعام لگ گیا تو پانچ سال کا انتظام ہو گیا

اور اگر نہ نکلا تو صرف پچاس ہی گئے اور آئے تو پانچ لاکھ یا دس لاکھ آ گئے۔

پرچی کے کاروبار میں جوا کیسے پایا جاتا ہے؟

اب یہ پرچیوں کا کاروبار اتنا بڑھ گیا ہے کہ الامان والحفیظ، اس پرچی کے اندر جوا پایا جاتا ہے کیونکہ جوا اسے کہتے ہیں آدمی ایک موہوم نفع کے لئے یعنی ایک ایسا نفع جو شاید ملے یا نہ ملے، اس کے حاصل کرنے کے لئے اپنے پیسے داؤ پر لگا دے اسے جوا کہتے ہیں، اسے قمار کہتے ہیں، پرچی میں یہی ہوتا ہے کہ اس کے اندر خالی انعامی بانڈز کے نمبر ہوتے ہیں جو دس دس روپے میں بک رہے ہیں کسی نے دو، چار یا دس بیس، یا سو پچاس لے لئے اور یہ انعامی بانڈز کی پرچیاں لے کر اس نے اپنے پیسے داؤ پر لگائے ہیں کہ اگر قرعہ اندازی میں اس کی پرچی والا نمبر آ گیا تب تو دس کے دس ہزار ہو جائیں گے نہیں تو دس بھی گئے، یہ خالص جوا ہے اور جو اصل انعامی بانڈ ہے وہ سودی ہے، اس میں جو انعام ملتا ہے وہ سود ہوتا ہے لہٰذا اصل انعامی بانڈ ہی کو خریدنا انعام کے واسطے جائز نہیں۔ اور اس انعامی بانڈز کی قرعہ اندازی مہینے میں دو دفعہ ہوتی ہے اور لوگ وہ دو راتیں جاگ کر گزارتے ہیں، اکتیس یا تیس تاریخ اور ایک پندرہ تاریخ کہ بھئی ان میں قرعہ اندازی ہوتی ہے، اللہ بچائے۔ اس طرح سود کا کاروبار پوری امت مسلمہ کو

گھیرے ہوئے ہے، یاد رکھئے! صرف پاکستان کی بات نہیں ہے پوری امتِ مسلمہ کا یہ حال ہے۔ ہر ملک میں سودی نظام چھایا ہوا ہے۔ اب اسلامی نظامِ معیشت آ رہا ہے لیکن اس کی رفتار چیونٹی کی رفتار کی طرح ہے اس کے راستے میں بے شمار رکاوٹیں ہیں، اللہ تعالیٰ سب رکاوٹیں دور فرمائیں اور اسلامی نظامِ معیشت کو سو فیصد کامیاب فرمائیں۔ آمین

رشوت کی گرم بازاری

اسی طرح اب رشوت اتنی ہے کہ حکومت میں نیچے سے لے کر اوپر تک گویا کہ ہر فائل کے نیچے رشوت کے پہیے لگے ہوئے ہیں، اگر آپ نے رشوت دی تو فائل چلتی ہے نہیں تو وہ رک جاتی ہے۔ اگر آپ نے خدانخواستہ رشوت دی ہے تو آپ کی غیر قانونی سرگرمیوں کے سدِ باب اور روک تھام کے لئے کوئی قانون نہیں ہے، سب کچھ ٹھیک ہے، جعلی بھی اصلی ہے، نقلی بھی صحیح ہے، سب کچھ صحیح ہے اور اگر واقعۃً قانون کے مطابق سب کچھ صحیح ہے اور رشوت نہیں ہے تو کچھ بھی صحیح نہیں ہے۔ تو سارا قانون نیچے سے اوپر تک بس رشوت سے وابستہ ہے، عدالتوں میں دیکھو، تھانوں اور جیلوں کا حال دیکھو، ظلم وستم ہی ظلم وستم ہے، انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ جہاں انصاف ملا کرتا تھا وہاں سے ظلم وستم تقسیم ہوتا ہے۔

گناہ کی خاصیت اور وبال

جتنے بھی کبائر ہیں، جتنے بھی بڑے بڑے گناہ ہیں سارے ہی عام ہو چکے ہیں جبکہ ہر گناہ کی خاصیت یہ ہے کہ اس سے دنیا میں بھی مصیبتیں، تکلیفیں، پریشانیاں، آفتیں، اور نااتفاقی، بزدلی، بے حمیتی، بے عزتی، عیاشی، فحاشی، بے سکونی و بے قراری آتی ہے[1] اور آخرت میں بھی مصیبتوں، تکلیفوں اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

حضرتِ عارفیؒ کا حالاتِ حاضرہ پر ایک تبصرہ

حضرت عارفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس طرح کا بہت تفصیل سے حالاتِ حاضرہ پر ایک تبصرہ فرما کر کہتے ہیں کہ بھئی یہ تو ہمارے حالات ہیں اب کہاں سے ہمیں عزت ملے، کہاں سے ہمیں سکون ملے، کہاں سے ہماری مہنگائی دور ہو، کہاں سے ہمیں راحت ملے، کہاں سے گھر کے اندر راحت نصیب ہو، میاں بیوی، اولاد اور ماں باپ کے باہمی تعلقات کیسے خوشگوار ہوں، عزیز و اقارب کے درمیان اتفاق اور اتحاد کیسے ہو، ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی، خیر خواہی اور مدد و نصرت کیسے ہو، اور کیسے دنیا کے اندر مسلمان سربلند ہوں؟ یہ کیسے ہوسکتا ہے، یہ تو نہیں ہوسکتا کیونکہ جیسے ہمارے اعمال ہیں

[1] جیسا کہ اللہ پاک نے قرآن مجید میں فرمایا ہے: ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ الآیۃ (سورۃ الروم آیت ۴۱)

ویسا ہی ہمارا انجام ہے بلکہ ہمیں تو ان حالات میں بھی اللہ تعالیٰ کا یہ شکر ادا کرنا چاہئے کہ جیسے ہمارے حالات ہیں ویسی ہمارے اوپر مصیبتیں نہیں ہیں اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ایک انداز ہے جو خود اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بیان فرمایا ہے:

''وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْ عَنْ كَثِيْرٍ'' الآية (الشوریٰ: ۳۰)

ترجمہ:

''جو بھی تمہارے اوپر مصیبتیں پیش آتی ہیں وہ تمہارے اپنے اعمال کے نتیجے میں پیش آتی ہیں اور بہت سے گناہ تو اللہ تعالیٰ خود ہی معاف کرتے رہتے ہیں''

معاف کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خود اپنی رحمت سے تمہارے بہت سے گناہوں کو از خود ہی معاف کر کے اس کا وبال بھی تم کو نہیں دیتے ورنہ اگر ہر ہر گناہ کا پورا پورا وبال تمہارے اوپر ڈال دیں تو تم ایک دن کے لئے بھی نہ کھا سکو، نہ پی سکو، نہ سو سکو، نہ جی سکو، کچھ بھی نہ کر سکو، ذرا سی دیر میں ختم کر دیئے جاؤ۔ اتنے گناہ کرنے کے باوجود جو ہم زندہ ہیں، کھا رہے ہیں، پی رہے ہیں، چل رہے ہیں، پھر رہے ہیں آ رہے ہیں، جا رہے ہیں، رہ رہے ہیں، سو رہے ہیں، یہ محض اللہ تعالیٰ کی رحمت کے صدقے سے ورنہ

ہمارے اعمال تو ایسے ہیں کہ وہ ہمیں کب کا ختم کر دیتے۔

قصصِ قرآنیہ کی حکمت

حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی فرماتے تھے کہ بھئی یہ دنیا جب سے چلی ہے جب سے اللہ تعالیٰ کا یہ قانون چل رہا ہے اس پر مجھے بنی اسرائیل کا قصہ یاد آ گیا جو اللہ پاک نے قرآن شریف میں ذکر فرمایا ہے اور اللہ پاک نے قرآن پاک میں بنی اسرائیل کے بہت سے قصے بیان فرمائے ہیں، ان قصوں کو بیان کرنے کا مقصد تاریخ بتلانا نہیں، بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ اگلوں کے حالات سے پچھلے والے عبرت لیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَاب.

(سورہ یوسف:۱۱۱)

ترجمہ

''البتہ تحقیق ان کے قصوں میں عقل والوں کے لئے عبرت ہے''۔

مطلب یہ کہ پہلی قومیں جن گناہوں کی وجہ سے تباہ ہوئیں یہ ان سے بچیں، اور جب وہ ان گناہوں سے بچیں اور دوبارہ ان کے حالات بہتر

ہوئے تو بعد میں آنے والے ان بدلے ہوئے حالات سے سبق لیں اور اپنے حالات بدل کر کے خود بھی دنیا میں عافیت اور سلامتی حاصل کریں۔

بنی اسرائیل کے بعض انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ

یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبر ہیں، جب ان کا وصال ہو گیا تو ان کے وصال کے بعد حضرت یوشع بن نون علیہ السلام ان کے قائم مقام اور خلیفہ بنے ان کے بعد پھر حضرت کالب ان کے نائب اور خلیفہ بنے، پھر حضرت حزقیل علیہ السلام ان کے قائمقام اور خلیفہ بنے پھر حضرت اَلْیَسَع علیہ السلام، یہ سب اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں جو یکے بعد دیگرے آتے رہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کو نافذ کرتے رہے اور بنی اسرائیل کو اس کے اوپر چلاتے رہے۔ حضرت الیسع علیہ السلام کے بعد پھر بنی اسرائیل میں کوئی نبی نہیں آیا۔

بنی اسرائیل کی بت پرستی کا انجام

اس زمانے میں بنی اسرائیل بت پرستی میں مبتلا ہو گئے، دیکھو جب تک بنی اسرائیل بت پرستی سے دور رہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر چلتے رہے، دنیا میں سربلند رہے اس کے بعد جب انہوں نے دین کو چھوڑ دیا اور بت پرستی اختیار کر لی، شرک میں مبتلا ہو گئے تو اس کے فوراً بعد

ان کا کیا انجام ہوا؟ اس زمانے میں فلسطین کے اندر قوم عمالقہ آباد تھی جس کا بادشاہ جالوت تھا، اس نے بنی اسرائیل پر حملہ کردیا اور جتنے بھی شہزادے تھے ان سب کو قید کرلیا اور ہزاروں کو قتل کیا، عورتوں کو قید کیا مردوں کے اوپر جزیہ اور ٹیکس لگا دیا، سب کو اپنا غلام اور باندی بنالیا، غور کیجئے! کیسی ذلت ان کا مقدر بنی کہ حکومت وسلطنت بھی ہاتھ سے گئی اور عزت بھی گئی، مزید یہ کہ ٹیکس بھی لگ گیا جو ان کو بادلِ نخواستہ دینا پڑتا تھا اور وطن سے بھی جلاوطن کردیا گیا، ان کے اصلی وطن پر قوم عمالقہ نے قبضہ کرلیا۔ یہ واقعہ بھی ہمارے لئے باعثِ عبرت ہے کہ جب تک وہ دین پر چلتے رہے، دنیا میں سربلند رہے اور جب دین کو چھوڑا تو دشمن اور کافر ان پر مسلط ہوگئے اور ان کو اپنا غلام بنالیا اور وہ ذلت وخواری میں مبتلا ہوگئے۔

حضرت شمویل علیہ السلام اور ان کی دعا

اس وقت بنی اسرائیل کے اندر حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں ایک عورت تھی وہ حمل سے تھی اور امید سے تھی جب اس کے ہاں اولاد ہوئی تو ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام اس نے شمویل رکھا، شمویل جب بڑے ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو نبی بنایا اور یہ دوبارہ بنی اسرائیل کے اندر نبی بنا کر بھیجے گئے[1] اور انہوں نے بنی اسرائیل کو کہا کہ دیکھو تم نے حضرت موسیٰ

[1] قصص القرآن للسیوہاروی ج ۲ ص ۷۳، روح المعانی ج ۲ ص ۱۶۵

علیہ السلام کی شریعت کو چھوڑا، بت پرستی اختیار کر لی، شرک میں مبتلا ہو گئے اس طرح تم دنیا میں تباہ اور ذلیل و خوار ہو گئے، لہٰذا تم اس سے توبہ کرو تا کہ تم کو عزت اور سربلندی ملے اور تم اس ظالم قوم کے ظلم و ستم سے نجات پاؤ، وہ سب حضرت شمویل علیہ السلام پر ایمان لے آئے اور بت پرستی سے توبہ کی اور سچے دل سے تائب ہو گئے اور حضرت شمویل علیہ السلام سے درخواست کی کہ ''حضرت! اب ہم مسلمان ہو گئے ہیں لہٰذا اب اللہ تعالیٰ سے ہمارے لئے دعا کیجئے کہ کوئی بادشاہ اللہ تعالیٰ ہم پر مقرر کر دیں تا کہ ہم اس کی سربراہی میں اپنے دشمن سے لڑیں''۔

دیکھو! اب ان کے وقت کے نبی کی اطاعت و فرمانبرداری کرنے کی وجہ سے سربلندی شروع ہو رہی ہے، کامیابی کا راستہ اختیار کر رہے ہیں تو کامیابی آ رہی ہے، دین اختیار کر رہے ہیں تو صلاح و فلاح کے دروازے کھل رہے ہیں۔ حضرت شمویل علیہ السلام نے دعا کرنے سے پہلے ان سے یہ فرمایا کہ بھئی! پہلے یہ بتاؤ کہ ایسا تو نہیں ہوگا کہ میں تمہارے لئے دعا کروں اور اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کوئی بادشاہ مقرر کر دیں پھر تم اس کی سربراہی میں جہاد کرنے سے انکار کر دو، اس لئے کہ بنی اسرائیل کی یہ بھی بدترین خصلت تھی کہ آج کچھ کہا کل کچھ کہا، آج وعدہ کیا کل پھر گئے۔ زبان کے اتنے کچے تھے کہ الامان والحفیظ، حضرت شمویل علیہ السلام ان کا مزاج جانتے تھے کہ

یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بھی بار ہا وعدہ کر کے پھر چکے ہیں، اس لئے انہوں نے پوچھ لیا تو ان کے جواب میں انہوں نے کہا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم خود آپ سے دعا کروائیں اور دعا کروانے کے بعد جب اللہ تعالیٰ ہمارے لئے کسی کو سربراہ مقرر کردیں تو پھر ہم اس کے ساتھ جہاد نہ کریں یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ ہماری حالت تو یہ ہے کہ ہم گھر سے بے گھر ہیں، وطن سے بے وطن ہیں، ہم اپنے بیوی بچوں سے جدا ہیں، ہم تو ہر طرح مصیبت میں آئے ہوئے ہیں اس لئے آپ بالکل مطمئن رہیں، ہم ضرور بالضرور لڑیں گے۔ اس کے بعد حضرت شمویل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یا اللہ! یہ آپ سے کسی بادشاہ کے مقرر کرنے کی درخواست کررہے ہیں، آپ ان پر کسی کو بادشاہ مقرر کردیجئے، اور اس زمانے تک نبی الگ ہوا کرتے تھے اور بادشاہ الگ ہوا کرتے تھے جیسا کہ اس واقعہ سے آپ کو اندازہ ہوگا، انشاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت طالوت کو بادشاہ بنادیا گیا

حضرت شمویل علیہ السلام کی دعا سے اللہ پاک نے بنی اسرائیل میں سے ایک شخص حضرت طالوت کو ان کا بادشاہ مقرر کردیا لیکن بنی اسرائیل نے حضرت طالوت کا نام سنتے ہی ان کے بادشاہ ماننے سے انکار کردیا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ طالوت ہمارا بادشاہ ہو، بھلا یہ کون ہوتا ہے ہم پر حکم شاہی چلانے

والا، اور وجہ یہ بتائی کہ ایک تو یہ قلاش آدمی ہے، اس کو مالی وسعت حاصل نہیں ہے، اس کے پاس کوئی پائی پیسہ نہیں ہے اور فقیر آدمی کیا سلطنت چلا سکتا ہے، لکھ پتی، کروڑ پتی ہو تو کچھ اپنے پیسے سے چلائے، کچھ قوم کی جیب کاٹ کر چلائے جیسے آج کل ہوتا ہے اللہ بچائے۔ دوسری وجہ یہ بیان کی کہ یہ تو رنگریز اور دھوبی کا بیٹا ہے اور ہم بادشاہوں کے بیٹے ہیں، ہم عزت دار لوگ ہیں، یہ ہمارا بادشاہ کیسے ہوسکتا ہے؟ حضرت شمویل علیہ السلام نے کہا: کم بختوں، نالائقوں! بادشاہ بنانا یا نہ بنانا اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہے، وہ جس کو چاہے بادشاہ بنادے، تم کون ہوتے ہو بیچ میں بولنے والے، دنیا اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے وہ اپنی دنیا کی سلطنت جس کو چاہیں عطاء فرمائیں۔ دوسرا یہ کہ ان کے اندر دو خوبیاں ایسی ہیں جو تمہارے اندر نہیں ہیں ایک تو اللہ پاک نے ان کو علم عطا فرمایا ہے، وہ حافظ توریت ہیں اور تمہیں توریت کی خبر ہی نہیں۔ دوسرا یہ کہ جسمانی طور پر اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی امتیازی شان عطا فرمائی ہے کہ دور سے ہی سب سے الگ اور ممتاز نظر آتے ہیں، دشمن دیکھتے ہی ان سے مرعوب ہوجاتا ہے، وہ بڑے ڈیل ڈول والے اور قد آور ہیں، نہایت حسین وجمیل ہیں، ان کے چہرے مہرے سے ہی بادشاہت ٹپکتی ہے مگر یہ بڑی کٹ حجت اور اُجڈ قوم تھی اللہ بچائے، اس لئے انہوں نے کہا کہ ہم ایسے ان کو اپنا بادشاہ نہیں مانتے، ہاں! اگر اللہ تعالیٰ اپنی کوئی نشانی دکھا دیں کہ واقعی اللہ پاک نے ان کو ہم پر بادشاہ مقرر کیا ہے تب ہم مانیں گے

اس کے بغیر ہم نہیں مان سکتے، پہلے وعدہ کیا تھا اور اب یہ حال ہے، اللہ بچائے۔

حضرت طالوت کی صداقت کی نشانی

حضرت شمویل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یا اللہ! اس قوم کا حال تو آپ کو معلوم ہے، لہٰذا مہربانی فرما کر ان کے واسطے کوئی نشانی دکھا دیجئے، اور ان ہی سے پوچھ لیا کہ تم کیا نشانی دیکھو گے؟ انہوں نے کہا کہ ہمارا تابوت قوم عمالقہ چھین کر لے گئے ہیں، وہ تابوت فرشتے ہمارے سامنے آسمان سے اُتار کر رکھیں، تب مانیں گے کہ اللہ پاک نے ان کو ہمارا بادشاہ مقرر کیا ہے۔

بنی اسرائیل کا تابوت

اب یہ تابوت کیا ہے؟ اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں بھی فرمایا ہے یہ تابوت[1] اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام پر اتارا تھا اور یہ تقریباً تین گز لمبا اور دو گز چوڑا تھا اور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک اور کچھ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس میں تصویریں تھیں۔ یہ تمام تصاویر ریشمی رومالوں پر بنی ہوئی تھیں اور ایسی تھیں جیسا کہ اصل ہو، اللہ تعالیٰ نے یہ تابوت آسمان سے اس لئے اتارا تھا تاکہ

---

1. روح المعانی، ج ۲: ص ۱۶۸۔

حضرت آدم علیہ السلام کو دکھائیں کہ آپ کی اولاد میں یہ یہ میرے نبی ہیں اور پچھلی شریعتوں میں تصویر کشی حلال تھی، حرام نہیں تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں تصویر کشی حرام ہوگئی، پچھلی امتوں کے اندر آپ چاہے اپنا مجسمہ بنوالیں اور چاہو تو اپنا فوٹو کھنچوالیں، یہ سب جائز تھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں یہ حرام اور ناجائز ہے اس لئے یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ اللہ پاک نے یہ تصویریں کیسے اتار دیں؟ یہ تابوت حضرت آدم علیہ السلام کے پاس سے ہوتا ہوا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور وہاں سے حضرت الیسع علیہ السلام کے پاس آیا اور اس وقت سے بنی اسرائیل کے پاس تھا اس میں مزید کچھ تبرکات بھی تھے، ان تبرکات میں سے ایک تبرک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصاء بھی تھا جس کو وہ زمین پر ڈالتے تھے تو وہ سانپ بن جاتا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نعلین مبارک بھی اس کے اندر تھے، حضرت ہارون علیہ السلام کا عمامہ بھی اس میں تھا، اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے لئے کوہ طور پر توریت لینے کے لئے گئے تھے اس عرصے میں بنی اسرائیل گوسالہ پرستی میں مبتلا ہو گئے تھے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس آئے تو اپنی قوم کو گوسالہ پرستی کرتے دیکھ کر انہیں بہت غصہ آیا انہوں نے جلدی سے توریت کی تختیاں سر پر سے نیچے اتار کر رکھیں تو وہ

ٹوٹ گئی تھیں، وہ تختیاں بھی اس تابوت کے اندر محفوظ تھیں۔[1] اتنی بابرکت چیزوں کی وجہ سے بنی اسرائیل اس تابوت کو بڑا ہی محترم اور مقدس سمجھتے تھے اور اس کی وجہ سے ان کا دل بڑا بندھا رہتا تھا اور جب کبھی وہ دشمن سے لڑتے تھے تو اس کو اپنے لشکر کے آگے رکھتے تھے بعض تفسیری روایات میں یہ بھی ہے کہ فرشتے اس تابوت کو ان کے سامنے لٹکائے رکھتے تھے اور پھر یہ دشمن پر حملہ کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اور اس تابوت کی برکت سے ان کو فتح ہوتی تھی، یہ ہے اس تابوت کی حقیقت۔ لیکن جب قومِ عمالقہ نے ان پر حملہ کیا تو وہ یہ تابوت ان سے چھین کر لے گئے اور وہ تو کافر لوگ تھے اس لئے ان کے دل میں اس کی کیا عظمت ہوتی، انہوں نے اس کو پیشاب پائخانے کی جگہ میں پھینکا ہوا تھا۔

بنی اسرائیل کا تابوت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں

یہاں یہ بات بھی میں دلچسپی کے لئے عرض کردوں کہ یہ تابوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک بھی رہا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عیسائیوں کے علاقے میں گئے اور وہاں کسی پادری نے ان کو یہ تابوت کھول کر دکھایا، اس میں حضرات انبیاء علیہم السلام

---

[1] التفسیر للعلامہ ابن کثیر: ص ۳۲۴، روح المعانی ج ۲ ص ۱۶۹

کی تصویریں بھی دکھائیں اور آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر بھی دکھائی تو وہ دیکھنے والے صحابی کہتے ہیں کہ میں نے قسم کھا کر کہا کہ واقعی ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہی تھے اور پھر انہوں نے آکر یہ واقعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہم کو سنایا۔ پھر اس کے بعد وہ تابوت کہاں گیا یہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔

بنی اسرائیل کے مطالبے کی تکمیل

خیر! بنی اسرائیل نے حضرت طالوت کو اپنا بادشاہ ماننے کے لئے تابوت لانے کا مطالبہ کیا اور حضرت شمویل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کا عجیب انتظام فرمایا کہ قوم عمالقہ طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا ہوگئی، ان کے اندر قسمہا قسم کی بیماریاں پھیلنے لگیں، حالت یہ ہوئی کہ جہاں جائیں وہیں ذلیل و تباہ، جس طرف رخ کریں ادھر ہی مصیبت کا سامنا ہوتا تھا، آخر کار انہوں نے کہا کہ یہ ساری مصیبت ہمارے اوپر کیوں آرہی ہے؟ غور کرنے سے وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ ہو نہ ہو یہ ساری مصیبتیں اس تابوت کی وجہ سے ہیں، اسے یہاں سے جلدی سے نکالو۔

اب انہوں نے ایک بیل گاڑی میں تابوت رکھا اور یہ سوچا کہ اس کے ساتھ جانا بھی خطرے سے خالی نہیں، لہٰذا بیل گاڑی ہی لے جائے تو

ٹھیک ہے چنانچہ بیل گاڑی میں تابوت رکھا اور بنی اسرائیل جدھر آباد تھے دونوں بیلوں کو ادھر ہنکا دیا، کچھ دور وہ بیل چلتے رہے پھر ملائکہ نے وہ تابوت بیل گاڑی سے اٹھایا اور جہاں بنی اسرائیل ٹھہرے ہوئے تھے اور ان کے اور حضرت طالوت کے سامنے رکھ دیا تب انہوں نے اقرار کیا کہ ہاں بھئی! اب بات سمجھ میں آ گئی کہ واقعی یہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہمارے بادشاہ مقرر ہوئے ہیں اور پھر انہوں حضرت طالوت کو اپنا بادشاہ مان لیا اور ماننے کے بعد اب ان کی سربراہی میں جہاد کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔

قومِ عمالقہ سے جہاد کی تیاری

حضرت طالوت نے حضرت شمویل علیہ السلام کے مشورے سے بنی اسرائیل کے ستر (۷۰,۰۰۰) ہزار نوجوان جہاد کے لئے منتخب کئے تاکہ ان کو لے جا کر قومِ عمالقہ سے جہاد کر کے اپنے وطن کو آزاد کرائیں اور اپنی قوم کو دوبارہ وہاں پر آباد کریں اور اپنی کھوئی ہوئی آزادی اور عزت دوبارہ حاصل کریں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی جہاد میں شرکت

حضرت شمویل علیہ السلام کو بذریعہ وحی اللہ پاک نے یہ بتایا کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص کے غالباً تیرہ بیٹے ہیں ان میں سے سب سے چھوٹے

بیٹے کا نام داؤد ہے، وہ اس مقابلے میں جالوت کو قتل کریں گے لہٰذا ان کو بھی ساتھ لے لیا جائے، چنانچہ حضرت شمویل علیہ السلام نے حضرت داؤد علیہ السلام کے والد صاحب کو کہلا بھیجا کہ اپنے سب سے چھوٹے بیٹے حضرت داؤد علیہ السلام کو بھی لے کر آنا کیونکہ ان کو بھی جہاد میں شریک کرنا ہے، اس وقت حضرت داؤد علیہ السلام بالکل نوعمر تھے اور پہاڑ کے دامن میں بکریاں چرا رہے تھے، دنیا میں کوئی نبی ایسا نہیں آیا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں، اس لئے کہ اس کی وجہ سے نبیوں میں صبر وتحمل کی پوری پوری عادت اور خصلت پیدا ہوتی ہے، کیونکہ پھر قوم کی رہنمائی کرنے میں بڑے جاں سوز واقعات پیش آتے ہیں، اور صبر آزما حالات سے گذرنا پڑتا ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق مفسرین نے لکھا ہے کہ جب یہ اُس پہاڑ کے دامن سے جانے لگے اور جہاد میں شریک ہونے کے لئے آنے لگے تو یکے بعد دیگرے تین پتھر ان سے ہم کلام ہوئے، ایک پتھر نے کہا کہ حضرت! میں حجرِ موسیٰ ہوں؟ آپ مجھے ساتھ لے لیجئے، دوسرے نے کہا کہ میں حجرِ ہارون ہوں آپ مجھے ساتھ لے لیجئے، تیسرے نے کہا کہ میں وہ پتھر ہوں جس سے آپ جالوت کا خاتمہ کریں گے آپ مجھے لے لیجئے میں آپ کے کام آؤں گا۔ انہوں نے تینوں پتھر اپنی جھولی میں رکھ لئے اور سیدھے اپنے والد صاحب کے پاس آئے اور ان کے والد صاحب ان کو لے کر

حضرت شمویل علیہ السلام کے پاس پہنچے اور پھر یہ پورا لشکر دشمن سے لڑنے کے لئے روانہ ہوا۔

لشکریوں کا امتحان

گرمیوں کا زمانہ تھا، لُو چل رہی تھی۔ حضرت طالوت کی سربراہی اور حضرت شمویل علیہ السلام کی ہمراہی میں یہ ستر (۷۰,۰۰۰) ہزار کا لشکر روانہ ہوا اور جب راستے میں ان کو پیاس لگی تو لوگوں نے حضرت شمویل علیہ السلام سے عرض کیا کہ حضرت! گرمی ہے، پیاس لگی ہوئی ہے پانی کا کوئی بندوبست فرمایئے، آپ کے حکم سے حضرت طالوت نے لشکر میں یہ اعلان کیا:

إِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّى وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّى إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهٖ. (البقرة: ۲۴۹)

ترجمہ

''اللہ تعالیٰ تمہارا امتحان کریں گے ایک نہر سے (جو راستے میں آئے گی اور سخت پیاس کی حالت میں تم اس پر گزرو گے) لہٰذا جو شخص اس سے (افراط کے ساتھ) پانی پئے گا وہ تو میرے ساتھیوں میں نہیں، اور جو اس کو

زبان پر بھی نہ رکھے (اور اصل حکم یہی ہے) وہ میرے ساتھیوں میں ہے، لیکن جو شخص اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر لے (تو اتنی رخصت واجازت ہے)''

مطلب یہ کہ حضرت طالوت نے اعلان کیا کہ بھئی! پانی آگے آنے والا ہے تم سب لوگ ایک نہر کو پار کرو گے اور اس سے پار ہو کر دشمن سے لڑنے کے لئے میدان میں اترو گے لیکن تم سب کا امتحان اس نہر کے پاس ہوگا اور وہ امتحان یہ ہے کہ جو اس میں سے پانی نہیں پیئے گا وہ کامیاب ہوگا اور وہ دشمن سے مقابلہ کر سکے گا اور جو پیٹ بھر کر پانی پیئے گا وہ شکست کھا جائے گا اور اس کے اندر دشمن سے لڑنے کی طاقت نہیں رہے گی۔ اِلّا یہ کہ وہ ایک آدھ چلّو پی لے تو اس کی گنجائش ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

انسانی زندگی میں امتحانات اور آزمائشیں

بات یہ ہے کہ یہ امتحانات بھی ہمارے لئے سبق ہیں، یاد رکھیئے! انسان کی پوری زندگی میں جگہ جگہ اور قدم قدم پر امتحانات آتے ہیں اور اس کی آسان علامت یہ ہے کہ دنیا میں ہر جگہ جائز و ناجائز، نیکی و بدی، حرام و حلال، اچھائی و برائی ہوتی ہے، درحقیقت یہ امتحانات ہیں، بس جو امتحان کے موقع پر نیکی اختیار کر لے، گناہ سے بچ جائے، اللہ تعالیٰ کا حکم مان

لے، اپنی طبیعت کا، معاشرے کا اور ماحول کا تقاضہ مسترد کردے وہ پاس ہے اور جو دوسرا پہلو اختیار کرے وہ فیل ہے، بس یہی بنیادی امتحان ہے۔

یہاں پر بھی یہی ہوا کہ پیاس لگی ہوئی ہے لیکن حکم یہ ہے کہ پانی مت پیو۔ جس نے پانی پی لیا وہ فیل ہوگا اور جس نے پانی نہ پیا وہ پاس ہے اور تھوڑی سی گنجائش بھی دیدی لیکن جب وہ نہر آئی تو انہوں نے کیا کیا؟ اس کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے:

فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ۔ (البقرة: ٢٤٩)

ترجمہ

''سوائے ان میں سے چند آدمیوں کے باقی سب نے پینا شروع کردیا''۔

یعنی وہ سارے غٹا غٹ پانی پینے لگے ستر ہزار افراد میں سے صرف تین سو تیرہ (۳۱۳) باقی بچے جنہوں نے پانی پینے میں احتیاط کی، کسی نے بالکل نہ پیا، کسی نے چلو بھر سے زیادہ نہ پیا، باقی سب نے اچھی طرح پی لیا، تین سو تیرہ پاس ہوئے باقی سارے (تین سو تیرہ کم ستر ہزار) فیل ہوگئے اور جب انہوں نے خوب پانی پی لیا تو ان کا دل بیٹھ گیا، وہ بزدل ہوگئے، حوصلے ہار گئے، ہمت ہار گئے اور صاف کہنے لگے کہ دشمن سے لڑنے کے لئے اب ہمارے اندر طاقت نہیں رہی، اب ہم کیا دریا پار کریں گے اور کیا

دوسرے کنارے جائیں گے اور دشمن سے لڑیں گے ہمارے اندر طاقت نہیں ہے لہٰذا یہ ہی جہاد کیلئے چلے جائیں جنہوں نے پانی نہیں پیا۔

لڑائی کے میدان میں

جیسے تین سو تیرہ (۳۱۳) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم غزوۂ بدر کے اندر شریک تھے وہی تین سو تیرہ اس وقت بنی اسرائیل کے اندر تھے جو امتحان میں پاس ہوئے اور جب یہ دریا عبور کر کے دوسری طرف گئے تو جالوت اپنی فوج لئے کھڑا تھا اور صف بندی کر رہا تھا انہوں نے بھی جا کر اپنی صف بندی کی، ان کی تعداد جالوت کے لشکر کے مقابلے میں بہت ہی کم تھی، اس لئے ان میں سے کچھ لوگوں نے کہا:

لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ (البقرة:٢٤٩)

ترجمہ

''آج تو ہم میں جالوت اور اس کے لشکر کے مقابلہ کی طاقت نہیں معلوم ہوتی''۔

ان میں سے جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی ذات کا کامل بھروسہ تھا، ان کا یقین کامل تھا، انہوں نے ان کو ایسا ''ایمانی جواب'' دیا کہ ان کے ڈگمگاتے قدم ٹھہر گئے، اور جم گئے، اور وہ سب جالوت کے لشکر کے سامنے عزم واستقلال کا پہاڑ بن گئے، اور پوری جانفشانی کے ساتھ لڑے، انہوں نے جواباً کہا:

"کَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِیْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً کَثِیْرَةً ۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ" الآیۃ۔ (البقرۃ: ۲۴۹)

ترجمہ:

"بہت سی مرتبہ ایسا ہوا کہ چھوٹی چھوٹی جماعتیں بڑی بڑی جماعتوں پر غالب آگئیں اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں"۔

اور جب میدان جنگ تیار ہوگیا اور یہ لوگ جالوت اور اس کے لشکر کے سامنے صف بستہ کھڑے ہوگئے تو اس موقع پر انہوں نے یہ دعا کی:

"رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ" الآیۃ۔ (البقرۃ: ۲۵۰)

ترجمہ

یا اللہ! ہمارے اوپر صبر انڈیل دیجئے، اور ہمارے پیروں کو جما دیجئے اور کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرمایئے"۔

آج بھی جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا دامن پکڑے گا اور ان کی فرمانبرداری کا ہار اپنے گلے میں ڈالے گا، اللہ تعالیٰ کی معیت اس کے ساتھ ہوگی چاہے دنیا میں کچھ بھی ہو رہا ہو۔ چنانچہ ایک طرف کافروں کا لشکر ہے اور ایک طرف مسلمانوں کا لشکر ہے، کافروں کا لشکر مسلمانوں سے کہیں زیادہ

ہے ادھر یہ چھوٹی سی جماعت ہے جو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر میدان میں اتری ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اس قصے میں حضرت شمویل اور طالوت کے لشکر کے جو احوال مذکور ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں تین قسم کے لوگ تھے:

(۱) ناقص الایمان جو امتحان میں پورے نہ اتر سکے اور حد سے زیادہ پانی پی گئے۔

(۲) کامل مؤمن جو امتحان میں تو پورے اترے مگر جالوت کا لشکر جرار دیکھ کر انہیں اپنی عددی قلت کی فکر ہوئی، اگرچہ یہ فکر بعد میں جاتی رہی۔

(۳) اکمل الایمان یعنی وہ لوگ جن کا ایمان سب سے زیادہ کامل تھا، یہ وہ تھے جن کے دل میں نہ تو اپنی قلت کا خیال آیا نہ انہیں یہ فکر دامن گیر ہوئی۔ (بیان القرآن)

بہر حال! یہ ۳۱۳ مؤمنین جن میں کچھ کامل تھے اور کچھ اکمل، سب کے سب صبر واستقامت کے ساتھ جالوت کے لشکر سے ٹکرا گئے، اور انتہائی ثابت قدمی وجوانمردی کے ساتھ مقابلہ کرتے رہے، یہاں تک کہ اللہ کی غیبی تائید، اللہ کی فتح ونصرت ظاہر ہوئی، اور اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح عطا فرمادی، چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ.

(البقرة: ۲۵۱)

ترجمہ

''اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان تھوڑے سے مسلمانوں نے جالوت کے لشکر کو شکست دی اور حضرت داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کر دیا''۔

جالوت کا قتل اور حضرت شمویل علیہ السلام کا انعام

حضرت داؤد علیہ السلام نے میدانِ جنگ میں پوچھا کہ جالوت کون سا ہے؟ تو لوگوں نے بتایا کہ وہ جو اپنے آدمیوں کی صفیں بنا رہا ہے اس کے چاروں طرف بڑے بڑے بہادر ہیں وہ ہے جالوت، جو کافروں کا بادشاہ ہے تو حضرت داؤد علیہ السلام جو تین پتھر ساتھ لائے تھے ان کو ایک ساتھ ملا کر اور نشانہ لگا کر مارا تو وہ تینوں پتھر اس تیزی کے ساتھ جالوت کی طرف گئے کہ اس کا بھیجا نکالتے ہوئے پار نکل گئے، پیچھے سے یہ دوڑے اور جالوت کے آگے جو دس بارہ آدمی تھے انہیں قتل کرتے کرتے آخر اس کے پاس پہنچے اور اس کی لاش کو کھینچتے ہوئے حضرت طالوت اور حضرت شمویل علیہ السلام کے سامنے لا کر رکھ دیا، سبحان اللہ، اللہ تعالیٰ نے کیسی مدد فرمائی۔

حضرت شمویل علیہ السلام نے جنگ شروع ہونے سے پہلے یہ

اعلان کیا تھا کہ جو شخص بھی جالوت کو قتل کرے گا اس کو دو انعام ملیں گے ایک تو میں اپنی بیٹی سے اس کا نکاح کر دوں گا اور دوسرا یہ کہ آدھی سلطنت اس کے حوالے کر دوں گا، حضرت داؤد علیہ السلام نے یہ کارنامہ انجام دیا اور جالوت کی لاش لا کر ان کے سامنے ڈال دی تو اسی وقت انہوں نے اپنی بیٹی کا نکاح حضرت داؤد علیہ السلام سے کر دیا اور آدھی حکومت بھی ان کو دیدی۔

حضرت داؤد علیہ السلام نبوت اور سلطنت کے جامع

اس کے بعد حضرت طالوت اور حضرت شمویل علیہ السلام چھ یا سات سال زندہ رہے اور پھر ان کے وصال کے بعد پوری سلطنت حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس آ گئی اور منجانب اللہ نبوت بھی مل گئی اس طرح حضرت داؤد علیہ السلام بنی اسرائیل میں سب سے پہلے شخص ہیں کہ جن کے پاس سلطنت اور نبوت دونوں جمع ہو گئی تھیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے دو معجزے

اس کے علاوہ اللہ پاک نے حضرت داؤد علیہ السلام کو دو معجزے عطاء فرمائے تھے ایک یہ کہ لوہا ان کے لئے نرم فرما دیا تھا[1] یعنی اسٹیل ان کے ہاتھ میں آتے ہی ایسا ہو جاتا تھا کہ جیسے ہمارے ہاتھ میں موم نرم ہوتا ہے کہ

[1] چنانچہ قرآن مجید میں ہے: "وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ہ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّ قَدِّرْ فِي السَّرْدِ" ۔الآیۃ (سورۃ السبا ۱۰۔۱۱)"

اس موم کو توڑ موڑ کر جو چاہو بنا لو، حضرت داؤد علیہ السلام اس لوہے سے زرہیں اور زنجیریں بناتے تھے اور دوسرا معجزہ اللہ پاک نے ان کو یہ عطا فرمایا تھا کہ ان کو پرندوں کی بولی سمجھنے کی طاقت دی ہوئی تھی وہ سمجھتے تھے کہ کوا کیا بول رہا ہے، فاختہ کیا بول رہی ہے، بلبل کیا بول رہی ہے، کبوتر کیا کہہ رہا ہے۔ اور حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ پاک نے زبور پڑھنے کا ایسا بہترین عمدہ شیریں لہجہ عطاء فرمایا تھا کہ جس وقت آپ زبور پڑھتے تھے تو آپ کے ساتھ ساتھ چرند، پرند حیوانات سارے جھوم جاتے تھے۔

اس واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

یہ واقعہ کتنا عجیب وغریب ہے لیکن اس میں اول تا آخر ایک ہی سبق ہے کہ بنی اسرائیل کا ایک انجام دیکھو جب وہ نافرمان ہوئے تو قوم عمالقہ ان کے اوپر غالب آگئی ان کو غلام، باندی بنایا ذلیل وخوار کردیا۔ دوسرا جب انہوں نے توبہ کی حضرت شمویل علیہ السلام کی تابعداری اختیار کی، توحید پر قائم ہوگئے اور جہاد کرنا شروع کردیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی کھوئی ہوئی عزت دوبارہ بحال کردی، اس میں پوری امت مسلمہ کے لئے یہ سبق ہے کہ یہ یہود و نصاریٰ جو دنیا کی بدترین قومیں ہیں، جب مسلمان شریعت کے پابند تھے تو یہ ان کی غلام تھیں آج مسلمان ان کے غلام بنے ہوئے ہیں، یہ مسلمانوں کی تکہ

بوٹی کر رہے ہیں، ان کی عزت، ان کی آبرو، ان کا ملک، ان کی طاقت وقوت سب اپنے قبضے میں لے رہے ہیں، اور یہ سب کچھ ہر ملک میں ہو رہا ہے ساری دنیا کے مسلمان ان کے سامنے غلام بنے ہوئے ہیں، مسلمانوں کی کوئی طاقت نہیں ہے، کوئی قوت نہیں ہے، کوئی ہیبت نہیں ہے، کوئی رعب نہیں ہے، جو چاہے وہ مانگ رہے ہیں اور یہ بیچارے دینے کے لئے تیار ہیں، جو وہ کروا رہے ہیں یہ چار و ناچار کرنے کے لئے تیار ہیں، بس ان کو ڈالر ملتے رہیں، یہ تو بس پیسے کے پجاری ہیں، اس دنیا کی محبت نے، مال کی محبت نے نہ ان کی عزت رکھی، نہ ان کا وقار رکھا، نہ ان کا رعب رہا، نہ ان کی کوئی قوت و طاقت رہی، نہ ان میں اتفاق واتحاد رہا، دنیا کے انتہائی بزدل لوگوں میں ان کا شمار ہوتا ہے، یہ ذلت، یہ پستی، یہ خواری، یہ تباہی و بربادی کیوں ہے؟ اس کی وجہ وہی ہے جو شروع میں عرض کی کہ کونسا گناہ ہے جو ہم نے چھوڑ رکھا ہے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ"

(سورۃ الرعد: نمبر ۱۱)

ترجمہ

بے شک اللہ کبھی بھی کسی قوم کے حالات کو نہیں بدلا کرتے جب تک کہ وہ خود اپنے آپ کو نہ بدلیں"

لٰہذا جب ہم بدلیں گے تو ہمارے یہ حالات بھی بدلیں گے، ہمارے دشمن زیر ہوں گے اور ہم کو دنیا میں اور آخرت میں عزت ملے گی اور اگر ہم چاہیں کہ اسی طریقے سے حبِ دنیا کے اندر مبتلا رہیں، ہماری عورتیں بے پردہ رہیں اور ننگی رہیں، جھوٹ بولا جاتا رہے، غیبتیں ہوتی رہیں، رشوت عام رہے، سود عام رہے اور وہ سارے کبائر بدستور ہوتے رہیں جن کی طرف میں نے شروع میں اشارہ کیا تھا تو پھر اس کا انجام سوائے ذلت کے، سوائے تباہی اور پریشانی کے کچھ نہیں ہے، ہر آدمی انفرادی طور پر بھی انتہائی پریشان ہے، اجتماعی طور پر بھی انتہائی پریشان ہے پھر اب کیا کریں؟ بس وہی کریں جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ہماری ذمہ داری

اب اگر یہ کہا جائے کہ لوگ تو کرتے نہیں، ہم کیا کریں؟ قوم جیسا کرے گی ویسا ہی بھرے گی قوم کے افراد تو ہم ہی ہیں اب انفرادی طور پر بھی ہم جیسا کریں گے ویسا بھریں گے، لہٰذا انفرادی طور پر ہم سب مکلّف ہیں، جب مکلّف ہیں تو بس جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں اس سے عبرت لیں، یہ انتہائی فتنے کا دور ہے، اس وقت ہمیں چاہئے کہ جتنی جلدی ہو سکے ہم اپنے ظاہر کا بھی جائزہ لیں اور اپنے باطن کا بھی جائزہ لیں اور ہمیں اپنے اندر جتنے گناہ

نظر آتے ہیں ان میں سے جو گناہ ہم فوری طور پر چھوڑ سکتے ہیں وہ فوراً چھوڑ دیں اور جو نہیں چھوڑ سکتے تو ان گناہوں کا اقرار کریں اللہ تعالیٰ کے سامنے اعتراف کریں، اللہ تعالیٰ کے سامنے اقراری مجرم بنیں اور اللہ تعالیٰ سے عرض کریں کہ یا اللہ میں اسے گناہ سمجھتا ہوں، حرام و ناجائز سمجھتا ہوں لیکن میں ایسے کمزور ایمان والا ہوں کہ یا اللہ میں چھوڑنا چاہتا ہوں لیکن چھوڑ نہیں پاتا، آپ میرے ایمان کو قوی فرما دیجئے، مضبوط فرما دیجئے مجھے ایسا حوصلہ اور ہمت دے دیجئے کہ یہ گناہ میرے سے چھوٹ جائے، آپ میری مدد فرمائیے۔ اور تقویٰ اختیار کریں، اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری، تابعداری کو اختیار کریں اور اپنائیں تو بھئی انفرادی طور پر ہی ہمارا حال بہتر ہو جائے گا اور اجتماعی سطح پر جو بھی مصیبتیں اور تکلیفیں ہیں ان سے بھی ہم بچ جائیں گے، ارے بھئی! ستر (۷۰,۰۰۰) ہزار میں سے تین سو تیرہ (۳۱۳) کامیاب ہوئے اگر وہ تین سو تیرہ بھی یہ کہتے کہ تین سو تیرہ کم ستر ہزار تو یہ کر رہے ہیں اب ہم کیا کریں؟ لو ہم بھی پانی پی لیتے ہیں تو جیسے وہ نہ بچے یہ بھی نہ بچتے۔

یہی ہمارے لئے سبق ہے کہ کوئی بچے یا نہ بچے، کوئی چھوڑے یا نہ چھوڑے ہم تو اس حرام زندگی سے، اس ناپاک زندگی سے، ان گناہوں سے، ان کبائر سے جن کو ہم اپنی آنکھوں سے چاروں طرف پھیلتا ہوا دیکھ رہے ہیں، ان سے اپنے دامن کو بچائیں گے، اپنے آپ کو بچائیں گے،

اپنے گھر والوں کو بچائیں گے۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم سب کو ان تمام گناہوں سے بچنے کی توفیق دیں، تقویٰ کی دولت سے مالا مال فرمائیں اور دنیا وآخرت میں سرخرو فرمائیں (آمین)۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین۔

☆☆☆

اصلاحِ ظاہر و باطن

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی دامت برکاتہم
نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ناشر

مکتبۃ الاسلام کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اصلاح ظاہر و باطن

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم

امابعد!

گزشتہ منگل کو یہ عرض کیا گیا تھا کہ ہم میں سے ہر شخص پر اپنے ظاہر و باطن کی اصلاح کرنا فرضِ عین ہے، لہٰذا اس فرضِ عین کو ادا کرنے کی فکر کرنی چاہئے، اور گزشتہ بیان میں اس فرضِ عین کو ادا کرنے کا طریقہ اور اپنے ظاہر و باطن کو سدھارنے اور سنوارنے کا طریقہ بھی عرض کیا گیا تھا۔

اصلاحِ باطن کا طریقہ

اور اس کا طریقہ یہ عرض کیا گیا تھا کہ اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا طریقہ اور دستور یہ ہے کہ جو طالبِ اصلاح اپنے ظاہر و باطن کو سنوارنے کا خواہشمند ہو اور اپنے باطن کو اچھے سے اچھے اخلاق سے آراستہ کرنے اور بد اخلاقی سے بچنے کا ارادہ رکھتا ہو تو وہ کسی نہ کسی متبعِ سنت اور متبعِ شریعت

اللہ والے کی خدمت وصحبت میں اسی نیت سے جائے، اسی نیت سے بیٹھے اور اسی نیت سے ان کی نصیحتیں سنے کہ میری اصلاح ہو جائے اور میں انسان بن جاؤں۔

انسان کی دو قسمیں

کیونکہ انسان کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) ایک انسان وہ ہے جس کا ظاہری روپ انسانوں جیسا ہو، اس کی دو آنکھیں، دو کان، ایک ناک، ایک منہ، دو ہاتھ، اور دو پیر ہوں، اور وہ انسانوں کی طرح کھاتا اور پیتا ہو، سوتا اور جاگتا ہو، کماتا اور کھاتا ہو اور عام انسانوں کی طرح ہی اس کی چال ڈھال اور گفتار ہو اس کو انسان کہا جاتا ہے لیکن یہ اصلی انسان نہیں ہے، اصلی انسان دوسرا ہے۔

حقیقی انسان اور اس کی پہچان

(۲) اصلی انسان وہ ہے جس میں اچھے اخلاق ہوں، وہ صابر اور شاکر ہو، زاہد اور عابد ہو، پاک دامن ہو، اس کی نظر پاک ہو، اس کے کان پاک ہوں، اس کی زبان پاک ہو، دل پاک ہو، اپنے ہاتھوں سے وہ کسی کو تکلیف نہ پہنچاتا ہو، پیروں سے ناحق کسی کو تکلیف نہ پہنچاتا ہو، اللہ کی محبت اس کے دل میں ہو، اللہ تعالیٰ کے حساب وکتاب سے اس کو ڈر

لگتا ہو، مال سے بے جا محبت نہ کرتا ہو، اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی یاد بسی ہوئی ہو، زبان اللہ کی یاد سے تر رہتی ہو، ذہن، دھیان اللہ کی طرف رہتا ہو، متواضع ہو، منکسر المزاج ہو، اگر اس کو اس کی غلطی بتائی جائے تو وہ فوراً اسے مانتا ہو، اکڑتا نہ ہو، لڑتا نہ ہو، گالی نہ دیتا ہو، بے جا غصہ نہ کرتا ہو، بے صبرا نہ ہو، بدنظری نہ کرتا ہو، داڑھی نہ منڈواتا ہو، بڑی بڑی مونچھیں نہ رکھتا ہو، سنت کے مطابق لباس پہنتا ہو، نظریں نیچی رکھتا ہو، زبان سے جھوٹ نہ بولتا ہو، غیبت نہ کرتا ہو، چغلی نہ کھاتا ہو، جھوٹی گواہی نہ دیتا ہو، ہاتھوں سے ناحق کسی کو نہ مارتا ہو، پیروں سے چل کر کسی گناہ کی جگہ نہ جاتا ہو، کم تولتا اور کم ناپتا نہ ہو، صابر و شاکر ہو، زاہد و عابد ہو، اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی فکر میں لگا رہتا ہو، آخرت کی پکڑ کا اسے ہر وقت ڈر لگا رہتا ہو، دن رات سنت اور شریعت پر عمل کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ سنت اور شریعت سے ہٹ کر جینا نہ چاہتا ہو، یہ ہے ''اصلی اور حقیقی انسان'' اور یہ ہیں اس کی صفات، جس شخص کے یہ جذبات ہوں اس کو اصلی انسان کہتے ہیں۔

مجھے حقیقی انسان کی تلاش ہے

حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ نے مثنوی شریف میں ایک عجیب قصہ بیان فرمایا ہے، جس سے انہوں نے اصلی اور نقلی انسان کا فرق ذہن نشین

فرمایا ہے۔

وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ دن کو دوپہر کے وقت بازار میں ایک شخص کو دیکھا، جبکہ وہ بازار آدمیوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، دکاندار مال فروخت کرنے میں مشغول تھے، دکانیں خریداروں سے بھری ہوئی تھیں، ایسی حالت میں عین دوپہر کے وقت اس کو کیا دیکھا کہ اس نے ایک چراغ جلا رکھا ہے اور بھرے بازار میں اس کی روشنی میں کچھ ڈھونڈ رہا ہے، کبھی کہیں جا رہا ہے کبھی کہیں جا رہا ہے، بڑی بے چینی سے کوئی چیز چراغ کی روشنی میں تلاش کر رہا ہے۔ لوگوں نے اس سے پوچھا کہ بھئی! پہلے تو یہ بتاؤ کہ اتنی تیز دھوپ نکلی ہوئی ہے، آفتاب سروں پر ہے، مارکیٹ کا کونہ کونہ دھوپ سے چمک رہا ہے، ایسے وقت میں آپ کو چراغ جلانے کی کیا ضرورت پیش آئی؟ سورج کے سامنے چراغ کی حقیقت ہی کیا ہے اور اس کی حیثیت ہی کیا ہے؟ اوّل تو سورج کی اس روشنی میں چراغ جلانا بے وقوفی ہے لیکن چلو خیر! اب تم نے جلا ہی لیا ہے تو کم از کم یہ تو بتاؤ کہ آخر ایسی کونسی باریک چیز ہے کہ جس کے لئے سورج کی روشنی بھی ناکافی ہے، آپ اسے چراغ کی روشنی میں ڈھونڈ رہے ہیں اور چراغ کی روشنی کے باوجود بھی وہ چیز آپ کو نظر نہیں آرہی، کبھی آپ اِدھر بھاگ رہے ہیں اور کبھی اُدھر، آخر ہے کیا چیز جو آپ چراغ کی روشنی میں ڈھونڈنا چاہتے ہیں۔

اس نے جواب دیا کہ میں انسان تلاش کرر ہا ہوں، لوگوں نے جب یہ انوکھا جواب سنا تو پوچھنے والے نے پھر کہا کہ بھئی! تو کیسی عجیب بات کرر ہا ہے، تیرے تو سارے کام ہی نرالے اور عجیب وغریب ہیں۔ یہ پوری مارکیٹ جو کھچا کھچ انسانوں سے بھری ہوئی ہے کیا یہ انسان نہیں ہیں؟ کیا یہ سب کے سب بھیڑ بکریاں ہیں؟ تو کہتا ہے کہ میں آدمی تلاش کرتا پھر رہا ہو، یہ بہت سے دکاندار بیٹھے ہوئے ہیں، یہ اتنے سارے گاہک اور خریدار ہیں، کوئی انڈے خرید رہا ہے اور کوئی ڈبل روٹی خرید رہا ہے، کوئی چینی لے رہا ہے اور کوئی چائے لے رہا ہے، یہ کون ہیں اور کیا ہیں؟ انہیں تم کیا سمجھتے ہو؟ کیا یہ شیر چیتے ہیں؟ چلو اگر آپ کو دکان کے اندر بیٹھے ہوئے نظر نہیں آرہے تو کیا روڈ اور شاہراہ پر چلنے والے بھی نظر نہیں آرہے؟ آپ شاہی بازار میں کھڑے ہیں اور کندھے سے کندھا چھلا جار ہا ہے اور آپ کہتے ہیں کہ میں انسان تلاش کرر ہا ہوں، کچھ تو عقل کے ناخن لو! یہ چاروں طرف کون گھوم رہے ہیں، آخر یہ انسان نہیں تو کیا ہیں؟

نقلی انسان بہت ہیں مگر اصلی انسان کہاں؟

اس نے جواب دیا کہ مارکیٹ میں جتنے بھی یہ انسان نظر آرہے ہیں یہ اصلی انسان نہیں ہیں اور میں اصلی انسان تلاش کرر ہا ہوں، مولانا نے

اسے ایک شعر میں بیان فرمایا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مارکیٹ جتنی بھی تجھے انسانوں سے بھری ہوئی نظر آرہی ہے یہ صرف انسانوں کی شکلیں اور صورتیں ہیں حقیقت میں ان میں سے ایک بھی انسان نہیں ہے، حقیقت میں یہ سب کچھ اور ہیں ہاں البتہ اپنے ظاہری روپ میں یہ انسان ہیں، اور میں اصلی انسان تلاش کر رہا ہوں جو حقیقت اور شکل وصورت دونوں کے لحاظ سے انسان ہو، اور ایسا انسان مجھے چراغ کی روشنی میں بھی نظر نہیں آرہا۔

اصلی اور نقلی انسان میں فرق

مولانا رومیؒ نے اس کی مزید وضاحت فرمائی کہ میں تمہیں مثال دیتا ہوں جس سے تم خود ہی فیصلہ کرلوگے کہ اصلی اور نقلی انسان میں کتنا فرق ہوتا ہے، اگرچہ اعضاء وجوارح کے اعتبار سے دونوں یکساں ہیں لیکن حقیقت کے اعتبار سے دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

فرماتے ہیں کہ اگر صرف دو کان، دو ہاتھ اور دو پیر کی وجہ سے انسان انسان ہوتا تو پھر بتاؤ! کیا ابوجہل اور نبی کریم ﷺ میں برابری ہوسکتی ہے، نیز یہ بتاؤ کہ دو آنکھیں تو ابوجہل کی بھی تھیں، دو پیر تو اس کے بھی تھے، بلکہ وہ تمام اعضاء وجوارح جو ہر انسان میں ہوتے ہیں وہ ابوجہل میں بھی تھے، لیکن اس کے باوجود وہ ابوجہل ابوجہل ہی تھا، کافر، ملعون اور مردود تھا

جبکہ دوسری طرف سرکارِ دوجہاں جناب رسول اللہ ﷺ ہیں، آپ کو اللہ پاک نے جو اتنا اونچا اور عالی مرتبہ عطا فرمایا ہے وہ اس وجہ سے نہیں کہ آپ کے کچھ اعضاء زیادہ تھے، نہیں ہرگز نہیں، ایسا بالکل نہیں تھا، بلکہ اعضاء و جوارح آپ کے بھی اتنے ہی تھے جتنے اور انسانوں کے تھے لیکن اس کے باوجود آپ سید الانبیاء ہیں، محبوب رب العلمین ہیں، رحمۃ للعلمین ہیں اور رؤف الرحیم ہیں، جبکہ ابوجہل مردود ہے اور آپ ﷺ محبوب ہیں، اللہ اکبر۔

حالانکہ جسمانی اعتبار سے دونوں برابر ہیں لیکن باطن کے اعتبار سے دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے کہ ایک خدا کا مبغوض اور مردود، کافر اور ملعون ہے، اور دوسرا اللہ کا محبوب اور مقبول اور تمام نبیوں کا سردار ہے جنکی شان یہ ہے۔

وہ اگر موجود نہ ہوتے
کون و مکاں موجود نہ ہوتے
کتابِ فطرت کے سرورق پر جو نام احمد رقم نہ ہوتا
تو نقشِ ہستی ابھر نہ سکتا، وجودِ لوح و قلم نہ ہوتا

مولانا فرماتے ہیں کہ بھئی! اعضاء و جوارح اور شکل و صورت کا انسان تھوڑی انسان ہوتا ہے، اصلی انسان تو دوسرا ہوتا ہے،

اصلی انسان کسے کہتے ہیں؟

اصلی انسان کسے کہتے ہیں؟ مولانا فرماتے ہیں کہ انسان گوشت پوست ، ہڈیوں اور اعضاء و جوارح کا نام نہیں ہے، اسے اصلی انسان نہیں کہتے بلکہ اصلی انسان وہ ہے جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی فکر بھری ہوئی ہو، جس کے دل میں یہ تڑپ ہو کہ اللہ پاک مجھ سے راضی ہوجائیں، اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے سوا کسی اور چیز کا نام انسان نہیں ہے، سارا دین ہم سے یہی مطالبہ کرتا ہے کہ تم صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کی فکر میں لگ جاؤ اور اللہ کے ماسوا کو چھوڑ کر اللہ کے ہوجاؤ، یہی ہمارے دین وایمان کا خلاصہ ہے، کہ اس جانِ جہاں کا آدمی دیوانہ ہوجائے، یعنی اللہ تعالیٰ کا عاشق ہوجائے، اللہ تعالیٰ کا عشق ومحبت اس درجہ ہمارے اندر پیدا ہوجائے کہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا جتنی بھی چیزیں ہیں ان سب کی محبت مغلوب اور اللہ تعالیٰ کی محبت ان سب پر غالب آجائے۔

اصلاحِ نفس کے لئے صحبتِ شیخ ضروری ہے

اصلاحِ باطن کے لئے اللہ والے کی صحبت ضروری ہے۔ حقیقی انسان بننے کے لئے صحبتِ شیخ ضروری ہے، اللہ پاک نے اصلاح کا جوطریقہ مقرر فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ آدمی کسی اللہ والے کی خدمت میں جائے اور اس

کی صحبت میں رہے تاکہ صحیح معنوں میں وہ انسان بنے اور ہمارے اندر انسانیت پیدا ہوجائے اور انسانیت اسی کا نام ہے کہ ہمارے اندر اچھے اخلاق پیدا ہوں اور ہر قسم کی بداخلاقیاں دور ہوجائیں، اس کے لئے اللہ پاک نے عام طریقہ یہ مقرر فرمایا ہے کہ تم کسی اللہ والے کی صحبت میں جاکر بیٹھو اور اس کی خدمت کو لازم پکڑو، تو اس کے پاس بیٹھنے اور اس سے اپنا اصلاحی تعلق قائم کرنے سے تمہارے اندر اچھے اخلاق پیدا ہوں گے، برے برے اخلاق دور ہونا شروع ہوجائیں گے۔

ایک شیطانی دھوکہ

شیطان بعض لوگوں کو ایک دھوکہ دیتا ہے اور ان کے ذہنوں میں یہ بات بٹھاتا ہے کہ کوئی ایسا اللہ والا ملے کہ جیسے ہی اس کے پاس جائیں تو بیٹھتے ہی چشم زدن میں، پلک جھپکتے ہمارے اندر کی کایا فوراً پلٹ جائے، کوئی ایسا اللہ والا، ایسا دل بدلنے والا، کوئی ایسا ولی کامل ملے کہ وہ اپنی ایک ہی نظر میں ہمیں اللہ تعالیٰ تک پہنچادے، ہمیں اس کے لئے نہ ارادہ کرنا پڑے، نہ کوئی کوشش کرنی پڑے، نہ گناہ چھوڑنے پڑیں، نہ فجر کی نماز کیلئے اٹھنے میں ہمت کرنی پڑے، غرض ہمیں کوئی مشقت نہ اٹھانی پڑے، وہ بزرگ ایک ہی نظر میں ہمیں ایسا کردے کہ سارے کام ازخود ہونے شروع ہوجائیں۔ صبح

ہوتو اچانک از خود آنکھ کھل جائے، اب اگر ہم سونا چاہیں تو نیند ہی نہ آئے، لیٹنا چاہیں تو لیٹا ہی نہ جائے، جبراً وقہراً وضو کر کے مسجد میں نماز پڑھنے چلے آئیں۔

اسی طرح جب دوپہر کا وقت آئے اور ہم ملازمت میں یا ڈیوٹی پر ہوں، یا دکان پر ہوں اور ادھر اذان ہو جائے تو از خود دکانداری ٹھپ ہو جائے، گاہک آنے بند ہو جائیں، زبان گنگ ہو جائے، کچھ بولے ہی نہیں، ہاتھ پیر شل ہو جائیں، کام کے لئے بالکل استعمال نہ ہوں اور ایک ہی دھن سوار ہو کہ ''دکان بند کر اور مسجد میں چل'' وہ بزرگ اپنی نظر کرم سے کوئی ایسی کیفیت ہم پر طاری کر دیں۔ اسی طرح اگر ہم اللہ اللہ نہ کرنا چاہیں تو دل خود بخود اللہ اللہ کرنے لگے۔ اسی طرح جہاں گناہ کا موقع آئے تو فوراً ایک پولیس والا کہیں سے نمودار ہو اور کہے کہ خبردار! اگر تو نے ادھر (گناہ کی جانب) دیکھنے کی کوشش کی، سیدھا چل اپنے گھر یا مسجد میں۔

یا کوئی ایسا اللہ والا ملے جو امام غزالی ہو، جنید بغدادی یا رومی ہو تو پھر کام بنے گا، چھوٹے موٹے بزرگوں سے وہ اپنی اصلاح کرانا نہیں چاہتا، کوئی پرانا بزرگ آئے جو ایک ہی نظر میں پاک کر دے، آج کل لوگ اس انتظار میں رہتے ہیں۔

''اصلاح'' آناً فاناً نہیں، بتدریج ہوتی ہے

غور سے سُن لیجئے اصلاح بتدریج اور آہستہ آہستہ ہوتی ہے۔ قانونِ قدرت اور دستورِ الٰہی کیا ہے؟ قانونِ الٰہی، دستورِ الٰہی اور سنتِ الٰہی تدریج ہے۔ اگر کوئی اس آسرے پر رہے گا تو یاد رہے کہ زندگی گزر جائے گی، کوئی ایسا نہیں ملے گا جو ایک ہی لمحہ میں زندگی کی کایا پلٹ دے، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا دستور نہیں ہے، ہاں اللہ تعالیٰ اس پر قادر ضرور ہیں اور کبھی کبھی وہ اپنے قدرت کے ایسے نمونے دکھا بھی دیتے ہیں، اس طرح کے جتنے واقعات آپ نے سن رکھے ہیں وہ بہت ہی شاذ و نادر ہیں، ایسا واقعہ بہت ہی کم اور اتفاقاً پیش آیا ہوگا کہ ذرا سی دیر میں اللہ پاک کسی کو زہد و تقوی میں کہیں سے کہیں پہنچا دیں۔ جیسا کہ گذشتہ منگل میں نے آپ کو حضرت جنید بغدادیؒ کا قصہ سنایا تھا کہ وہ کشتی کے اندر جان بوجھ کر پار گئے، اسی پر اللہ پاک نے انہیں نواز دیا۔

خلافِ عادت واقعات کی اصل حقیقت

لیکن ہمارے بزرگ فرماتے ہیں کہ اس طرح کے جو واقعات پیش آتے ہیں درحقیقت ان میں بھی ایک عجیب و غریب بات پوشیدہ ہوتی ہے، وہ یہ کہ ظاہر میں تو ان کا وہ عمل چھوٹا سا ہوتا ہے لیکن حقیقت میں وہ بہت بڑا ہوتا ہے، وہی بڑا عمل کوئی دوسرا آدمی دس سال میں کرتا ہے، مگر وہ اسے

چند منٹ میں کر لیتا ہے جس کی وجہ سے کسی کو وہ مقام دس سال میں ملتا ہے لیکن اس کو اپنے بڑے عمل کی وجہ سے چند منٹ میں اللہ پاک وہ مقام عطا فرما دیتے ہیں۔ لیکن وہ شخص دس سال کی محنت اور دس منٹ کی محنت برابر کرتا رہتا ہے، کوشش اور محنت پر اللہ تعالیٰ کا انعام اور صلہ ملتا ہے، بلا محنت تو کبھی کسی کو کچھ نہیں ملا۔

محنت اور جدو جہد سے سب کچھ ملتا ہے

غور سے سن لو اور سمجھ لو! جس کو بھی کچھ ملا کوشش سے ملا، محنت سے ملا، عمل سے ملا، ہاں البتہ یہ بات ضرور ہے کہ کسی کا عمل ظاہری طور پر بہت چھوٹا ہوتا ہے لیکن اندر سے بہت اونچا اور بلند ہوتا ہے، جیسے حضرت جنید بغدادیؒ کا قصہ ہے کہ جیسے ہی انہوں نے یہ سنا کہ یہ اہلِ بیتِ رسول میں سے ہے، فقیر و محتاج ہے، مسکین ہے اور فقر و فاقہ میں مبتلا ہے، اسی وقت حضور ﷺ کی محبت کا جذبہ ان کے دل میں جوش مارنے لگا اور انہوں نے اپنے آپ کا زیر ہو جانا پسند کیا۔

دوسری طرف یہ ہوتا ہے کہ کوئی محنت، کوشش اور عمل مسلسل دس سال تک برابر کرتا چلا جاتا ہے، تب جا کر یہ مخلصانہ جذبہ نمودار ہوتا ہے اس کے لئے دس سال کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام ہوتا ہے لیکن جہاں

فوری فضل کی صورت پیدا ہوتی نظر آتی ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں معمولی نہیں ہوتا۔ اور وہ عمل اس فضل خاص کا سبب ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے بظاہر یہی محسوس ہوتا ہے کہ یکا یک کایا پلٹ گئی۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا قول

اس لئے حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اس قسم کے جتنے بھی واقعات آپ نے سنے یا پڑھے ہیں کہ ذرا سی دیر میں ایک بدکار آدمی ولیٔ کامل ہو گیا وہاں پر دراصل ایک جذبہ پہلے سے موجود ہوتا ہے جو اندر پنہاں رہتا ہے اور وہ اندر سے آدمی کو بے قرار اور بے چین کرتا رہتا ہے، گوکہ ظاہر میں وہ آدمی بالکل آزاد اور آوارہ ہوتا ہے پھر جیسے ہی اس پنہاں جذبے کو ظاہر ہونے کا موقع ملتا ہے فوراً اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت کی آغوش میں لیتے ہیں۔ لیکن طلب پہلے سے اس کے اندر موجود تھی، پہلے سے تڑپ اس کے اندر موجود تھی، اس کا ظہور یک بیک ہو گیا، کسی کا ظہور دیر سے ہوتا ہے، کسی کا ظہور جلدی اور اچانک ہو جاتا ہے۔

حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کا قصہ

حضرت ابراہیم بن ادہمؒ بڑے عرصہ سے اللہ تعالیٰ کی محبت، اللہ تعالیٰ کی یاد، اللہ تعالیٰ کے قربِ خاص اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے طالب

تھے، اس کے ساتھ ساتھ وہ بادشاہ وقت بھی تھے، بلخ کی بادشاہت اللہ تعالیٰ نے ان کو دے رکھی تھی اور چاہتے یہ تھے کہ کسی طریقے سے مجھ کو اللہ تعالیٰ کا تعلق بھی نصیب ہو جائے، ان کی محبت بھی نصیب ہو جائے اور ان کی یاد بھی نصیب ہو جائے، مگر سلطنت کے کاموں سے آدمی کو فرصت کہاں ملتی ہے؟ لیکن طلب، فکر، خواہش اور چاہت اندر موجود تھی چنانچہ اس جذبہ نے آہستہ آہستہ اور اندر ہی اندر اپنا کام کرنا شروع کیا، اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں بھی یہ جذبہ پیدا فرما دیں۔ آمین

بہر حال! جب اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کرنے کا جذبہ اضطراب اور بے قراری میں تبدیل ہوا تو اللہ پاک نے اس کا سامان پیدا فرما دیا۔

قصہ یہ ہوا کہ ایک مرتبہ آپ اپنے شاہی محل میں آرام فرما رہے تھے، رات کا وقت تھا، کہ اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ محل کی چھت پر کوئی آدمی اِدھر اُدھر کوئی چیز تلاش کر رہا ہے اور چل پھر رہا ہے، آپ نے کسی کو بھیجا اور کہا کہ معلوم کرو کون ہے اور رات کے بارہ بجے محل کی چھت پر کیسے آیا ہے؟ اور اس وقت اوپر کیا رہا ہے؟ چنانچہ فوراً تعمیلِ حکم کی گئی اور اس آدمی کو پکڑ کر ان کے سامنے کھڑا کر دیا گیا۔ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ نے ان سے پوچھا بھئی! تم اوپر کیا کر رہے ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ اس نے جواب میں کہا حضرت! جنگل میں میرا اونٹ کھو گیا تھا وہ ڈھونڈنے کے لئے یہاں آیا

ہوں، حضرت ابراہیم بن ادہمؒ اس کے جواب پر بڑے حیران ہوئے کہ اونٹ جنگل میں کھویا ہے اور اسے ڈھونڈ رہے ہو محل کی چھت پر، کیسی نا سمجھی کی بات کرر ہے ہو؟ جنگل کا گم شدہ اونٹ تمہیں جنگل میں ڈھونڈنا چاہئے، نہ یہ کہ تم اسے محل کی چھت پر ڈھونڈو، اور اس سے بڑی نادانی کی بات یہ ہے کہ تم اسے رات کی تاریکی میں ڈھونڈ رہے ہو، بھئی! دن کو ڈھونڈتے تو پھر بھی کچھ بات سمجھ میں آتی کہ تم اسے دن میں تلاش کرتے، رات کی تاریکی میں تمہیں کیا نظر آئے گا اور وہ بھی محل میں؟ بھئی! یہ کیسی بے موقع بات کہہ رہے ہو؟

محلات کی پُرعیش زندگی میں اللہ کو ڈھونڈنا نادانی ہے

اس نے جواب دیا کہ جیسے رات کے بارہ بجے اندھیرے میں میرا جنگل میں کھویا ہوا اونٹ محل کی چھت پر تلاش کرنا نا سمجھی ہے، اسی طرح اس محل، سرائے میں اور سلطنت میں خدا کو ڈھونڈنا بھی بے محل ہے اور یہ نا سمجھی کی بات ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی محبت، اور ان کی تلاش اور جستجو بھلا سلطنت کے ان جھمیلوں میں اور محل کے ان بکھیڑوں میں کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟ یہ بھی نادانی اور نا سمجھی کی بات ہے۔

لمحوں میں زندگی کی کایا پلٹ گئی

جناب! اس نے جو یہ کہا تو دل پر ایک چوٹ لگی ۔ بے قراری

تو عرصے سے تھی ہی، اوپر سے جو یہ ایک نشتر لگا اور ایسا دل سے پار ہوا کہ سلطنت کو دل سے نکال لے گیا، اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں سے بھی اپنے ماسوا کی محبت نکال دے کہ سب سے بڑا جو کوہِ گراں ہے وہ یہی ہے کہ جب تک دنیا کی محبت دل کے اندر غالب ہے اللہ تعالیٰ کی سچی محبت نہیں آسکتی۔

نو وارد کون تھا؟

اصل میں وہ فرشتہ تھا، اللہ پاک نے ان کو بھیجا تھا کہ ایک نشتر ان کے اور لگاؤ تا کہ ان کے دل سے سلطنت کی محبت نکل جائے اور پھر ہماری یاد ان کے دل میں بس جائے۔

چنانچہ نشتر کا لگنا تھا کہ اسی وقت انہوں نے ایک فقیر سے اس کا فقیرانہ لباس مانگا اور گدڑی مانگی پھر اپنا شاہی لباس اتارا، اور استعفیٰ لکھ کر خفیہ دروازے سے باہر نکل گئے، سیدھے جنگل میں پہنچے اور وہاں اللہ کی یاد میں مشغول ہو گئے۔

سلطنت بلخ کو انہوں نے چھوڑ دیا، اللہ کی محبت میں سلطنتِ بلخ کی محبت ان کے دل سے نکل گئی اور وہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں ہمہ تن مشغول اور مصروف ہو گئے، سلطنت بادشاہ سے خالی ہو گئی۔

جب شاہِ بلخ جنگل میں پہنچے تو اس جنگل میں ایک اور اللہ والے

بزرگ پہلے سے آئے ہوئے تھے، ان کا بھی ایک قصہ سن لو۔

ایک بزرگ کا قصہ

وہ بزرگ دنیا سے بالکل کٹ کر جنگل میں رہتے تھے اور ان کے پاس ایک کھرپی تھی اور ایک کھانچہ تھا، کھرپی سے وہ گھاس کھودتے اور کھانچے میں ڈالتے پھر مارکیٹ جا کر وہ گھاس بیچ دیتے اور اسی سے اپنا گزارہ کرتے، یعنی بالکل حلال کھاتے اور حلال پیتے، کیونکہ حلال غذا اصلاح کے لئے بہت ضروری ہے۔

بہرحال! وہ ایک ہفتہ کی مزدوری ایک ہی دن میں کر لیا کرتے تھے اور پھر پورا ہفتہ یادالٰہی میں مشغول رہتے تھے، اس بزرگ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا، پروردگارِ عالم آپ کو معلوم ہے کہ میں جنگل میں سوائے آپ کی یاد کے اور کسی مقصد کیلئے نہیں آیا، بس آپ ہی کو یاد کرنے اور آپ ہی کا ذکر کرنے اور آپ ہی کی عبادت کرنے کے لئے میں یہاں رہ رہا ہوں اور مجھے اپنے کھانے پینے کے لئے بہرحال ہفتہ میں ایک دن محنت کرنی ہوتی ہے مزدوری کرنی ہوتی ہے، اس لئے گھاس کاٹ کر بیچتا ہوں اور پھر ہفتہ بھر تک میرا گزارہ اس پر ہوتا ہے، آپ اس پر قادر ہیں کہ مجھے چٹنی روٹی کھلا دیا کریں تاکہ ہفتہ کا وہ دن بھی میرا عبادت میں گزر جائے جس میں میں

مزدوری کرتا ہوں، اللہ پاک نے ان کی دعا قبول فرمالی اور غیب سے ان کے پاس چٹنی روٹی پہنچنے لگی، ایک مرتبہ پورا جنگل بریانی کی خوشبو سے مہک اٹھا، وہ بزرگ لمبے لمبے سانس لینے لگے، یااللہ! یہ آج جنگل میں کون آیا ہے، کہ ایسی زبردست بریانی کی خوشبو آرہی ہے، پوچھتے پوچھتے معلوم ہوا کہ آج جنگل میں حضرت ابراہیم بن ادہمؒ تشریف لائے ہیں، اور غیب سے ان کے لئے بریانی آئی ہے، تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا، اے پروردگارِ عالم! میں تو دس سال سے یہاں آپ کی خدمت میں حاضر ہوں، اور چٹنی روٹی پر گزارہ ہورہا ہے اور یہ تو آج نیا نویلا آیا ہے، اور پہلے ہی دن آپ نے انہیں قورمہ بریانی کھلادی ہے، یااللہ! یہ ماجرا کیا ہے؟

جیسی قربانی ویسی مہربانی

حق تعالیٰ نے فرمایا کہ جیسی قربانی ویسی مہربانی ہر ایک کو اس کے مجاہدے کے مطابق دیا جاتا ہے، ہمارے ہاں انصاف ہے جو جیسا مجاہدہ کرتا ہے ویسے ہی اس کو عطا کیا جاتا ہے ویسے ہی اس کو نوازا جاتا ہے، تم نے خالی ایک کھرپی اور ایک کھانچہ قربان کیا تھا اور چٹنی اور روٹی مانگی تھی، وہ ہم نے آپ کو دیدی، اور حساب کرلو تم نے جو قربانی دی تھی اس سے کتنا زیادہ تم کو مل چکا ہے ''اللہ اللہ، سبحان اللہ'' جبکہ ابراہیم پوری سلطنت بلخ قربان کر کے

آیا ہے ''اللہ اللہ'' اس لئے اس کے واسطے بریانی بھیجی گئی ہے ''اللہ اللہ''

خیر! یہ تو ایک قصہ ہوا اور نہ حقیقت یہی ہے کہ جیسا مجاہدہ ہوتا ہے ویسے ہی اس کو عطا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ویسے ہی اس کو اس پر انعام عطا ہوتا ہے۔

ابراہیم بن ادہم کو سلطنتِ بلخ اور فرمانروائی کی پیشکش

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول ومصروف ہو گئے اور پھر اللہ تعالیٰ کے مقربینِ خاص میں سے ہو گئے، ایک مرتبہ سلطنتِ بلخ کے وزراء اور امراء جنگل سے گزر رہے تھے، شکار کھیلنے آئے ہونگے، انہوں نے دیکھا کہ شاہِ بلخ اس فقیرانہ حالت میں جنگل کے اندر تشریف فرما ہیں، وہ چونکہ سب پڑھے لکھے، سمجھدار اور باادب تھے اس لئے وہ وہیں ٹھہر گئے، انہوں نے کہا کہ چاہے کچھ بھی ہو یہ ہیں ہمارے سابق بادشاہ، چنانچہ وہ فوراً اپنی سواریوں سے نیچے اترے اور تمام شاہی آداب بجالائے، بڑے ادب کے ساتھ حاضرِ خدمت ہوئے، اُس وقت حضرت جنگل میں دریا کے ایک کنارے بیٹھے ہوئے تھے اور اپنی گدڑی جو پھٹ گئی تھی اس کو سی رہے تھے، اس حالت میں یہ تمام امراء حاضر ہوئے اور سلام کیا اور پھر یہ عرض کیا حضرت! اس وقت آپ کس حالت میں ہیں، ہم نے آپ کے

دونوں حال دیکھے ہیں، ایک وہ شان تھی جب آپ بلخ کے شاہی تخت پر جلوہ افروز ہوتے تھے، اس وقت آپ کے جسم پر کیسا عالی شان فاخرانہ لباس ہوتا تھا، سر پر کیسا ہیرے، جواہرات مرصّع تاج ہوا کرتا تھا، حضرت! آج آپ اس طریقے سے بیٹھے ہوئے ہیں کہ جسم پر کپڑے بھی پھٹے ہوئے ہیں، گدڑی بھی آپ کی تار تار ہو چکی ہے، آج آپ کا یہ حال ہے۔

حضرت! ہم آپ سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ آج بھی آپ کے لئے سلطنتِ بلخ کا تختِ شاہی حاضرِ خدمت ہے، اب بھی ہم آپ کے طالب ہیں، آپ تشریف لے چلیں اور عنانِ حکومت سنبھال لیں، آپ کے بعد آج تک اس سلطنت پر ہم نے کسی کو نہیں بٹھایا۔ ہمیں اب بھی آپ کی ضرورت ہے، آپ چلیں اور تشریف فرما ہوں، اور سنبھال لیں اس سلطنت کی باگ دوڑ، ہم آج بھی اسی طرح آپ کے فرمانبردار ہیں جیسے اس وقت تھے۔

حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کی عجیب کرامت اور سلطنتِ بلخ سے استغناء

حضرت نے انہیں ایک کرامت دکھائی، اور پھر کہا کہ تم یہ بتاؤ کہ وہ سلطنت اچھی تھی یا یہ اچھی ہے جو اللہ پاک نے اس فقیرانہ روپ میں عطا فرمائی ہے۔

کرامت یہ دکھائی کہ حضرت جس سوئی سے اپنی گدڑی سی رہے تھے وہ لوہے کی بنی ہوئی تھی، آپ نے وہ دریا میں پھینک دی اور حکم دیا کہ اے دریا کی مچھلیو! میری سوئی واپس لاؤ، یہ کہنا تھا کہ ایک لاکھ مچھلیوں نے اپنا اپنا منہ دریا سے باہر نکالا اور ہر ایک کے منہ میں سونے کی ایک سوئی تھی، اور ہر ایک کی یہ خواہش تھی کہ حضرت! مجھ سے سوئی لے لیں، اللہ اللہ، سبحان اللہ۔

حضرت نے فرمایا نہیں بھئی! سونے کی سوئی کا استعمال بھی کچھ ٹھیک نہیں ہے، اس لئے مجھے اپنی لوہے کی سوئی چاہئے جو میں نے پھینکی تھی، یہ سن کر کنارے پر ایک چھوٹی سی مچھلی نے اپنا چھوٹا سا منہ نکالا جس میں حضرتؒ کی سوئی تھی، حضرتؒ نے ہاتھ بڑھا کر وہ سوئی مچھلی کے منہ سے لے لی، اور اپنا کام شروع کر دیا، اور ان کو دکھایا کہ دیکھ لو بھئی! پہلے وہ سلطنت تھی جو ظاہری جسموں پر تھی اور وہ بھی درحقیقت زبردستی کی تھی، اور ایک یہ سلطنت ہے جو تم دیکھ رہے ہو، جو آج اللہ پاک نے روئے زمین اور اس پر پھیلے ہوئے انسان تو کیا سمندر کی مچھلیوں پر بھی عطا فرمائی ہے، یہ وہ سلطنت ہے جو صرف جسموں پر نہیں بلکہ قلوب اور لوگوں کے دلوں پر ہے کہ سمندر کی مچھلیاں بھی تابع اور فرمانبردار ہیں، اب تم خود بتاؤ کہ یہ سلطنت اچھی ہے یا وہ سلطنت اچھی ہے؟ میں اس سلطنت کو کیسے چھوڑ دوں، حضرت کی یہ گفتگو سن کر وزراء

میں سے ایک وزیر اس قدر متأثر ہوا کہ اس نے کہا کہ حضرت آپ اللہ تعالیٰ سے میرا تعلق بھی جوڑ دیجئے! حضرت نے فرمایا کہ بھئی! چھ مہینے لگیں گے، چھ مہینے تم یہاں جنگل میں رہو، ہم تمہیں بھی اللہ تعالیٰ سے جوڑ دیں گے، جیسے اللہ پاک نے مجھے اپنی رحمت سے اپنے آپ سے جوڑ دیا ہے، اسی طرح میں تمہیں بھی اللہ تعالیٰ کی ذات سے جوڑنے کی کوشش کرونگا، باقی سب وزراء تو سلام کر کے چلے گئے، مذکورہ وزیر صاحب وہیں رہ گئے، جب وہ کچھ عرصہ حضرت کی خدمت میں رہے تو وہ بھی واصل باحق ہو گئے، اللہ اکبر۔

اہل اللہ کی صحبت سے محبتِ الٰہی پیدا ہوتی ہے

بات یہ ہے کہ یہ محبت کی جو آگ دل میں لگتی ہے دراصل خود نہیں لگتی بلکہ لگائی جاتی ہے، اور یہ اُس وقت لگتی ہے جب کوئی کسی اللہ والے کے پاس بیٹھتا ہے تو اس کے پاس بیٹھنے سے اس کا اثر اس کی جانب منتقل ہو جاتا ہے، یہ عام قاعدہ ہے، اسی طرح جس کے دل میں اللہ کی یاد، اللہ کی محبت بسی ہوئی ہو اور کوئی اس کے پاس بیٹھتا ہے تو اس کے دل میں بھی اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔

ایک بادشاہ کا قصہ

حضرت مولانا رومیؒ نے ایک اور عجیب وغریب قصہ لکھا ہے کہ ایک

بادشاہ تھا جس کی عمر اٹھائیس سال تھی، اس نے بھی اللہ کی محبت میں اپنی سلطنت قربان کردی تھی اور وہ بادشاہ بڑا ہی حسین، قوی ہیکل اور بڑا ہی بارعب تھا، اور ہر وقت وہ اپنے چہرے پر نقاب ڈالے رکھتا تھا، تاکہ مجھے کوئی پہچان نہ لے، صرف اس کی آنکھیں کھلی رہتی تھیں، باقی سارا جسم چھپا رہتا تھا، اسی حالت میں وہ اپنی سلطنت چھوڑ کر دوسرے کی سلطنت میں محنت ومزدوری کرتا تھا، اور بقدر ضرورت روزی کماتا اور رات دن اللہ اللہ کرتا تھا۔

یہ اس کی کیفیت اور حالت تھی، ظاہر ہے کہ جو آدمی اس طرح رہتا ہے، اس کے بارے میں لوگوں کو تجسس ہو جاتا ہے کہ یہ کون ہے؟ آخر یہ چہرہ کیوں چھپائے رکھتا ہے؟ ایک دن اس کے چہرے کی نقاب ہوا سے اڑ گئی، اللہ تعالیٰ نے اس طریقے سے اس کی اصلیت اور حقیقت لوگوں پر ظاہر فرما دی، اب لوگوں نے جو اس کا چہرہ دیکھا تو وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ یہ کوئی معمولی انسان نہیں ہے، شیر چاہے کیسا ہی ہو مگر اس کی شکل تو شیر جیسی ہوگی، چاہے وہ فوٹو کے اندر ہو، یہ نہیں کہ فوٹو میں آکر شیر سانپ بن جائے گا، نہیں بلکہ شیر تو شیر ہی رہے گا، اسی طرح وہ بادشاہ اگرچہ اس وقت تختِ شاہی پر نہ تھا لیکن اس کے باوجود اس کے چہرے سے وہ بادشاہت ٹپک رہی تھی جسے چھوڑ کر وہ اس درویشانہ زندگی میں آیا تھا، چنانچہ مزدوروں میں اس کا چرچا ہونے لگا کہ ارے بھئی! یہ تو کسی ملک کا بادشاہ معلوم ہوتا ہے، یہ

مزدور نہیں ہے، نہ اس کا چہرہ مزدوروں جیسا ہے، اس کا چہرہ تو بادشاہوں جیسا ہے، بڑا ہی بارعب اور بہت ہی خوبصورت ہے، اس کے علاوہ وہ باتیں بھی بڑی دانشمندی اور عقلمندی کی کرتا ہے۔

یہ بات اڑتے اڑتے اس بادشاہ تک پہنچی جس کی سلطنت میں وہ مزدور تھا کہ یہاں ایک بادشاہ مزدور بنا ہوا ہے، اس سے سلطنت کے بادشاہ کو بھی فکر لاحق ہوئی کہ کہیں یہ چھپ چھپ کر مزدوری کی آڑ میں انقلاب تو نہیں لا رہا، کہیں یہ بغاوت کی فضا تو نہیں بنا رہا۔ اور بادشاہوں، وزیروں کو تو یہ فکر ہوتی ہی ہے کہ کہیں ان کی کرسی نہ ہل جائے، اس لئے اس نے فیصلہ کرلیا کہ مجھے اس سے ملنا چاہئے اور مجھے اس کو بلانا چاہئے، چنانچہ اس نے فوراً احکامات جاری کئے کہ اس نقاب پوش مزدور کو ہمارے سامنے حاضر کیا جائے، نقاب پوش کو حاضر کر دیا گیا، کوئی بھی بادشاہ ہو دوسرے کی بادشاہت میں وہ غلام ہی ہوتا ہے، بہرحال! اس کو دربار میں پیش کیا گیا، اب بادشاہِ سلامت تخت پر بیٹھے ہوئے ہیں اور یہ مزدور جو اصل میں بادشاہ ہے سامنے کھڑا ہوا ہے، بادشاہ نے کہا کہ اپنا چہرہ کھولو! انہوں نے تعمیلِ حکم کی اور نقاب چہرے سے اٹھا دیا، بادشاہ چہرہ دیکھتے ہی پہچان گیا کہ یہ کسی ملک کے تخت و تاج کا مالک اور بادشاہ ہے جیسے جوہر کو جوہری ہی جانتا ہے ایسے ہی بادشاہ کو بھی بادشاہ ہی جانتا ہے، کوئی دوسرا نہیں جانتا۔

نامِ الٰہی جیسی لذت تخت و تاج میں نہیں

بادشاہ نے پوچھا کہ آپ کس سلطنت کے بادشاہ ہیں؟ میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ یہاں میرے ساتھ رہیں، مجھے آپ کے قیمتی مشوروں کی ضرورت ہوگی، مجھے آپ سے تقویت ملے گی، بادشاہ نے اسے گویا اپنے پاس رہنے کی بڑی ترغیبیں دیں۔

جب وہ خاموش ہوا تو اس نقاب پوش بادشاہ نے اس بادشاہ کے کان میں چپکے سے ایک بات کہہ دی، جیسے ہی انہوں نے وہ بات کہی فوراً بادشاہ نے کاغذ پر اپنا استعفیٰ پیش کر دیا اور تخت سے اتر پڑا اور نقاب پوش سے کہا کہ چلو بھئی! میں بھی تمہارے ساتھ مزدوری کرتا ہوں، سارے درباری ہکا بکا رہ گئے کہ یہ ایک دم سے ہمارے بادشاہ کو کیا ہو گیا ہے، کسی نے پوچھا کہ بادشاہِ سلطنت ہمیں یہ تو بتادو کہ اس نقاب پوش نے چپکے سے آپ کے کان میں کیا بات کہی ہے، اس نے کہا کوئی عجیب بات نہیں کہی، اس نے صرف اتنا کہا ہے کہ اللہ کے نام میں ایسی لذت ہے کہ یہ ساری سلطنت اس کے آگے بیکار ہے، اللہ اکبر میں تو یونہی سلطنت میں بے کار پڑا ہوا ہوں، جب کہ اللہ کا نام ایسا پیارا ہے اور ایسی اس میں لذت ہے کہ یہ ساری کائنات کی لذتیں اس کے سامنے فنا اور قربان ہیں، تو بھئی! اس کے کہنے سے میرے

دل میں اللہ کی محبت اور عظمت آ گئی ہے، اب یہ سلطنت مجھے کڑوی لگ رہی ہے ، میں بھی وہیں جارہا ہوں جہاں یہ رہتے ہیں، کیونکہ مجھے تو لذت چاہئے۔

اللہ کی محبت اللہ والے کی صحبت سے نصیب ہوتی ہے

یہاں دو باتیں یاد رکھنے کی ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ یہ جو بظاہر یکا یک تبدیلی ہوئی ہے درحقیقت یہ یکا یک نہیں ہوئی بلکہ عام طور پر پہلے سے دل میں ایک تڑپ، جستجو اور لگن ہوتی ہے، پھر جب اس کا وقت آتا ہے تو یکا یک اس کا ظہور ہو جاتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرنی چاہئے کہ یا اللہ! ہمارے اندر طلب پیدا فرما، ایسی تڑپ اور جذبہ پیدا فرما کہ آپ کے ماسوا کی محبت دل سے نکل جائے اور آپ کے سوا دل میں کچھ نہ رہے۔

(۲) دوسرے یہ دیکھو کہ جس کو بھی کچھ مل رہا ہے براہِ راست کچھ نہیں مل رہا، چنانچہ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کو جو کچھ ملا وہ فرشتے کی بدولت ملا کہ فرشتے نے آکر ان کو نشتر لگایا جو ایسا دل کے پار ہوا کہ ساری سلطنتِ بلخ دل سے نکل گئی اور وہ اللہ تعالیٰ کے سچے عاشق ہو گئے، اس طرح یہ امرؤ القیس بادشاہ تھے جنہوں نے دوسرے بادشاہ کے کان میں بات کہہ دی تو ان کو بھی

ان کی صحبت کا اثر ہو گیا، اور وہ بھی سلطنت چھوڑ کر ساتھ چل دیئے۔

دستورِ الٰہی

اللہ پاک کا دستور یہی ہے کہ وہ واقعات جو ہمیں اچانک معلوم ہوتے ہیں وہ گوکہ ظاہری طور پر اچانک معلوم ہوتے ہیں مگر حقیقت میں وہ اچانک نہیں ہوتے، وہاں بھی پہلے سے کسی نہ کسی طرح کا مجاہدہ ہو چکا ہوتا ہے، محنت اور ریاضتیں ہو چکی ہوتی ہیں۔

حضرت جنید بغدادیؒ کی خانقاہ کا قصہ

چنانچہ حضرت جنید بغدادیؒ نے اس مسئلے کو حل فرمایا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ان کی خدمت میں ایک شخص آیا اور آتے ہی حضرت سے مرید ہو گیا اور دو چار دن اس نے اللہ اللہ کی اور جانے لگا تو حضرتؒ نے خلافت کا ورقہ اس کے حوالہ کر دیا، یہ منظر دیکھ کر بقیہ بعض مریدین جو دس دس سال سے حضرت کی خدمت میں پڑے ہوئے تھے سارے خفا ہو گئے کہ ہم تو حضرتؒ کی خدمت میں دس سال سے ناک رگڑ رہے ہیں، رات دن چلّا کشی کر رہے ہیں، ہمیں تو آج تک کوئی ورقہ نہیں دیا، اور یہ آج آیا اور کل خلافت کا ورقہ لیکر چل دیا۔ حضرتؒ کے کانوں میں یہ بات پہنچ گئی، حضرت چونکہ مصلح تھے اس لئے انہوں نے حکمت سے ان کی اصلاح فرمائی، جب دو چار ہفتے گذر

گئے تو حضرتؒ نے فرمایا کہ چلو بھئی کہیں تفریح کیلئے چلتے ہیں، چنانچہ اس بہانے حضرت تمام مریدین کو لے کر جنگل پہنچے اور فرمایا یہاں کچھ پکاؤ، کھاؤ، اور کھیلو، کودو، کچھ تفریح کرو، پھر واپس چلیں گئے، حضرت نے فرمایا کہ بھئی! جو کچھ پکانا ہے اس کے لئے جنگل سے تازہ تازہ اور گیلے گیلے تنے کاٹ کرلاؤ اور گیلی گیلی شاخیں کاٹ کرلاؤ اور انہیں چولہے کے نیچے جلاؤ، انہوں نے حضرت کا حکم سر آنکھوں پر رکھ کر گیلی گیلی لکڑیاں کاٹ کر چولہے کے نیچے رکھ دیں۔ اور اس کے نیچے سوکھے پتے بھی رکھ دئے اور سوکھے تنکے بھی رکھ دیئے، پھر آگ لگائی، پھونک ماری مگر کیا مجال کہ کوئی لکڑی آگ پکڑے حتی کہ جلا جلا کر سب کا برا حال ہوگیا، جب بالکل وہ تھک ہار گئے تو حضرت نے فرمایا بھئی! کیا بات ہے بہت دیر ہوگئی، کیا آگ نہیں جل رہی، انہوں نے کہا کہ حضرت آگ کیسے جلے لکڑیاں تو ساری گیلی ہیں، فرمایا اوہو! گیلی لکڑیوں میں آگ کیسے لگے گی، اچھا چلو سوکھی لکڑیاں لاؤ اور وہ جلاؤ، چنانچہ اب جب انہوں نے آگ لگائی تو فوراً آگ بھڑک اٹھی، اور ہانڈی میں ابال آ گیا، اور گھنٹہ بھر میں سالن تیار ہوگیا، سب کھا پی اور نہا دھو کر واپس آ گئے، تو حضرت نے فرمایا سب بیٹھ جاؤ اور میری بات غور سے سنو۔

فرمایا پہلے یہ بتاؤ کہ تم نے جو گیلی لکڑیاں پہلے جلائی تھیں ان میں آگ کیوں نہیں لگی، اور یہ سوکھی لکڑی ایک دم سے کیسے جل گئی، فرمایا بات

صاف ہے اس میں پانی تھا، اس میں آگ پکڑنے کی صلاحیت نہیں تھی، اس لئے وہ آگ نہیں پکڑ رہی تھی، اور سوکھی لکڑی میں پانی نہیں تھا، آگ پکڑنے کی صلاحیت اس میں بھرپور تھی، اس لئے ایک ہی دیا سلائی میں کام ہو گیا۔

حضرت نے فرمایا دیکھو! بات اصل میں یہی ہے کہ جو شخص میرے پاس آیا تھا اور وہ پہلے سے ہی اللہ تعالیٰ کی محبت میں جلا بھنا تھا، بس اللہ کے عشق و محبت کی شمع روشن کرنے کیلئے ایک دیا سلائی دکھانے کی دیر تھی، وہ میں نے جلائی اور فوراً اللہ کی محبت کا چراغ اس کے دل میں روشن ہو گیا اور میں نے اس کو خلافت کا پروانہ دے دیا، اور تم دس سال سے میرے پاس پڑے ہوئے ہو مگر تم گیلی لکڑی کی مثل ہو، تم کچھ کرنا نہیں چاہتے، میں تو روزانہ تمہیں پھونکتا رہوں اور تمہارے دلوں میں بھی محبتِ الٰہی کی آگ جلانے کی کوشش کرتا ہوں لیکن گیلی لکڑی کی طرح تمہارے دلوں میں بھی آگ روشن نہیں ہوتی، تم خود کچھ بننا نہیں چاہتے، ورنہ میں جس طرح اس کے حق میں مخلص ہوں تمہارے حق میں بھی اُس طرح مخلص ہوں، مگر تمہارے دلوں میں طلب اور تڑپ نہیں ہے، اس وجہ سے تمہارا حال جوں کا توں ہے۔

حضرت نے بڑی معقول بات ارشاد فرمائی، اور وہ سمجھ گئے کہ قصور ہمارا ہی ہے، سب نے معافی مانگی، پھر حضرت کے پیچھے پیچھے چل دیئے۔

عزیزانِ گرامی! اصل بات یہ ہے کہ ہمارے اندر جس درجے کی

طلب اور تڑپ ہونی چاہئے۔ وہ ہمارے اندر نہیں ہے، ہم سننا تو پسند کرتے ہیں مگر اپنے آپ کو بدلنا نہیں چاہتے اور جب تک ہم اپنے آپ کو بدلنا نہیں چاہیں گے تب تک ہماری اصلاح مشکل ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ

(الرعد: ۱۱)

ترجمہ

''اللہ تعالیٰ کبھی کسی قوم کی حالت تبدیل نہیں فرماتے جب تک وہ خود اپنے آپ کو بدلنا نہ چاہیں''۔

تو بھئی! اگر ہم اپنے آپ کو بدلنا چاہیں تو اللہ کی رحمت اسی طرح ہمیں بدلنے کے لئے تیار ہے، لیکن اس کے لئے اللہ والوں کی صحبت کی ضرورت ہے اور اپنے آپ کو بدلنے کی ضرورت ہے اور طلب اس کے لئے شرط ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

☆☆☆

اصلاح

کے لئے

جہدِ مسلسل کی ضرورت

اس میں اصلاح کے لئے ہمت وکوشش کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے، اس کے لئے کن مستند ومعتبر اور آسان کتابوں سے مدد لی جائے؟ یہ سب کچھ آسان اور دلنشین انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی دامت برکاتہم
نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ناشر

مکتبۃ الاسلام کراچی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ
وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ
عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ٥
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی
اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی
اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ٥

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اصلاح
کے لئے
جہدِ مسلسل کی ضرورت

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ط

اَمَّا بَعْدُ!

گزشتہ منگل کو یہ بیان کیا گیا تھا کہ اصلاح کے لئے اللہ والوں کی صحبت اختیار کرنا ضروری ہے، اور اللہ کے نیک بندوں کی صحبت میں رہنے سے جو اصلاح ہوتی ہے اُس میں کچھ تو بندہ ہمت کرتا ہے اور کوشش کرتا ہے اور یہ بھی ضروری ہے۔

لیکن اصل کام اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بنتا ہے، اور عام طور پر جب کوئی بندہ اخلاص سے اپنی اصلاح چاہتا ہے اور اخلاص کے ساتھ اپنی اصلاح کی کوشش شروع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے،

اور اللہ تعالیٰ اس کو اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں، اور حضرات صوفیاء کرام کی اصطلاح میں اس کو ''جذب'' کہتے ہیں، اور اصل کام اسی سے بنتا ہے۔ لیکن اس جذب کے لئے بھی پہلے ہمت اور کوشش کی ضرورت ہے، اخلاص کی ضرورت ہے، ہمارا جو بھی حال ہو، جیسی بھی ہماری کیفیت ہو، بہر صورت اللہ کی رضا کا طالب بن کر اپنی اصلاح کی کوشش شروع کرنی چاہئے، لہٰذا کسی اللہ والے سے رابطہ قائم کرلیں، اور پھر کوشش میں لگ جائیں، ورنہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے صاف ارشاد فرمایا ہے:

''اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ''

(سورۃ الرعد آیت:۱۱)

ترجمہ

''اللہ پاک کسی قوم کے حال کو تبدیل نہیں فرماتے جب تک وہ خود اپنے آپ کو بدلنا نہ چاہیں۔''

ہم اگر اپنے آپ کو بدلنا نہ چاہیں تو اللہ پاک کو ہمیں بدلنے کی کیا ضرورت ہے؟ ہماری عبادات کی اللہ تعالیٰ کو نہ کوئی ضرورت ہے اور نہ ہمارے گناہوں سے اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان پہنچتا ہے، ایک طویل حدیث کے آخر میں ہے کہ:

یَا عِبَادِیْ اِنَّکُمْ لَنْ تَبْلُغُوْا ضَرِّیْ فَتَضُرُّوْنِیْ وَلَنْ

تَبْلُغُوْا نَفْعِیْ فَتَنْفَعُوْنِیْ یَاعِبَادِیْ لَوْ أَنَّ اَوَّلَکُمْ وَاٰخِرَکُمْ وَاِنْسَکُمْ وَجِنَّکُمْ کَانُوْا عَلٰی اَتْقٰی قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِّنْکُمْ مَا زَادَ ذٰلِکَ فِیْ مُلْکِیْ شَیْئاً ، یَاعِبَادِیْ لَوْ أَنَّ اَوَّلَکُمْ وَاٰخِرَکُمْ وَاِنْسَکُمْ وَجِنَّکُمْ کَانُوْا عَلٰی اَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِّنْکُمْ مَانَقَصَ مِنْ مُلْکِیْ شَیْئاً . (رواہ مسلم بحوالہ مشکوٰۃ ص:۲۰۳)

ترجمہ

''اے میرے بندو! تم ہرگز میرے ضرر (مجھے تکلیف دینے کی حد) تک نہیں پہنچ سکو گے، تاکہ مجھے نقصان پہنچا سکو، اور ہرگز میرے نفع کو نہیں پہنچ سکو گے، تاکہ مجھے فائدہ پہنچا سکو، (گناہ کرنے سے میری بارگاہ میں کوئی نقصان نہیں اور اطاعت کرنے سے کوئی فائدہ نہیں، بلکہ دونوں کا نفع و نقصان تمہیں ہی پہنچتا ہے، چنانچہ آگے اس کی تفصیل فرمائی کہ)۔

اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے اور پچھلے، انسان اور جنات (غرض سب کے سب) مل کر تم میں سے کسی ایک نہایت پرہیز گار دل کی مانند ہو جاؤ تو اس سے میری

مملکت میں کوئی زیادتی نہیں ہوگی (یعنی اگر تم سب کے سب اتنے پرہیز گار بن جاؤ کہ روئے زمین پر کوئی بھی ایسا شخص باقی نہ رہے جس کی زندگی پر فسق و فجور اور گناہ و معصیت کا ہلکا سا اثر بھی ہو تو اس سے میری سلطنت اور میری مملکت میں ادنیٰ سی بھی زیادتی نہیں ہوگی)۔

اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے پچھلے، انسان اور جنات (غرضیکہ سب کے سب) مل کر تم میں سے کسی ایک نہایت بدکار دل کی مانند ہو جاؤ (یعنی تم سب ملکر شیطان کی مانند ہو جاؤ) تو اس سے میری مملکت کی کسی ادنیٰ سی چیز کو بھی نقصان نہیں پہنچے گا"۔

لہٰذا عبادات کا فائدہ بھی ہمارے لئے اور گناہوں کا نقصان بھی ہمارے لئے ہوا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَنْ عَمِلَ صَالِحاً فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَاءَ فَعَلَيْهَا

(حٰمٓ السجدة: ٤٦)

ترجمہ

جو شخص نیک عمل کرتا ہے وہ اپنے نفع کے لئے کرتا ہے، اور جو شخص برا عمل کرتا ہے اس کا وبال اسی پر پڑے گا۔

اس لئے ہم اپنی اصلاح کے محتاج ہیں، ہمیں اپنے اخلاق و اعمال سنوارنے اور اپنے آپ کو درست کرنے کی اشد ضرورت ہے، اس کے لئے ہمیں ہمت اور کوشش کرنے کی ضرورت ہے، عام طور پر ہمت اور کوشش کے بعد اللہ تعالیٰ کی رحمت ضرور آتی ہے، اور جہاں نہیں آتی تو سمجھ لو وہاں ہمت ہی کی کمی تھی یا اخلاص نہیں تھا، آدمی کو اپنی ہمت اور اپنے اخلاص کا محض دھوکہ ہو گیا تھا، ورنہ درحقیقت نہ ہمت تھی، نہ کوشش، نہ اخلاص تھا نہ عمل کا جذبہ، اس لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت وہاں پر متوجہ نہیں ہوئی اور جذب نہیں ہوا۔

ہمت کی پیاری مثال

ہمت و کوشش کی ہمارے بزرگ بڑی پیاری مثال دیا کرتے ہیں کہ اس کی مثال بچے کی سی ہے، جو نیا نیا چلنا سیکھتا ہے، ماں باپ اس کو اس طرح چلاتے ہیں کہ اس کو کھڑا کر دیتے ہیں اور کچھ فاصلے پر خود بیٹھ جاتے ہیں، اور اُس سے کہتے ہیں کہ ''آؤ، چلو'' اب وہ بچہ کھڑا ہوتا ہے تو کھڑا ہوتے ہوئے بھی ایسا لگتا ہے کہ جیسے ابھی گرے گا، لیکن اسی حالت میں وہ ایک قدم بڑی مشکل سے رکھتا ہے، پھر دوسرا رکھتا ہے اور پھر جب گرنے لگتا ہے تو فوراً ماں باپ اس کو پکڑ لیتے ہیں اور صرف گرنے سے ہی نہیں بچاتے بلکہ فوراً اپنے گلے سے بھی لگا لیتے ہیں اور شاباش بھی دیتے ہیں کہ بھئی تم بہت چل پڑے ماشاء

اللہ۔ حالانکہ وہ دو قدم بھی نہیں چلا تھا، مگر پھر بھی شاباش دیتے ہیں، ہمت اور حوصلہ بڑھاتے ہیں، اس کو گلے سے لگاتے ہیں، تو ہمارے بزرگ فرماتے ہیں کہ بس یہی مثال ہماری ہے کہ جب ہم اپنی اصلاح کے لئے چلیں گے تو بالکل بچے کی طرح ہم کھڑے ہوں گے، ہماری ہمت بھی ناقص ہوگی، ہمارا حوصلہ بھی ناقص ہوگا، کبھی چلیں گے کبھی گریں گے، جیسے بچہ جب زیادہ گرنے لگتا ہے تو ماں باپ اس کو فوراً پکڑ لیتے ہیں ایسے ہی اللہ تعالیٰ اپنے بندے کا ہاتھ تھام لیتے ہیں جب وہ گرنے لگتا ہے، اور جب اللہ تعالیٰ کسی کا ہاتھ تھام لیتے ہیں تو پھر اس کے بہکنے، بھٹکنے اور گمراہ ہونے کا کوئی امکان نہیں رہتا، اب وہ نہیں پھسلے گا، اور نہ ہی گرے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ہمارے حضرت فرماتے ہیں کہ دیکھو اگر یہ بچہ قدم ہی نہ اٹھائے اور چلنے کا ارادہ ہی نہ کرے، بیٹھا ہی رہے تو کیا ماں باپ اس کو چلا دیں گے؟ ماں باپ اسے کیونکر چلائیں گے؟ پہلے وہ خود تو چلنے کی ہمت کرے، کھڑا تو ہو، اگر کھڑا نہیں ہوا جا رہا تو وہ کھڑا بھی کر دیں گے، لیکن کھڑا ہو کر یہ نہیں کہ ماں باپ خود ہی اس کا پاؤں بھی اٹھائیں، اور والدین ایسا کریں گے تو وہ بچہ چلنا سیکھ نہیں سکتا، چلنے کے لئے ہمت کرنا ضروری ہے، پہلے بچہ ہی قدم اٹھائے گا، اس طرح ایک دو دفعہ تو ماں باپ سہارا دیں گے لیکن پھر جب چلے گا تو زندگی بھر چلے گا، موت پر ہی جا کر اس کا چلنا ختم ہوگا، اور اگر کسی نے یہ سوچ کر پہلا قدم ہی نہ اٹھایا کہ میں گر

جاؤں گا لہذا میں تو پاؤں نہیں اٹھاؤں گا، کون چلے بھئی، ماں باپ ہر وقت گود میں لئے پھریں، بس یہی کافی ہے تو سمجھ لیجئے کہ وہ کبھی چلنا نہیں سیکھ سکتا۔

ہمت کرنے کا طریقہ

اسی طرح یہاں بھی پہلے خود ہمت کرنی ہوگی اور ہمت کا طریقہ یہ ہے کہ طالب اصلاح پختہ عزم کرے کہ میں سارے گناہ چھوڑتا ہوں چاہے کچھ بھی ہو جائے، جتنے بھی منکرات ہمارے معاشرے میں رائج ہیں ان سب سے توبہ کرتا ہوں، جتنے غلط کام کئے ہیں ان سب سے سچی توبہ کرتا ہوں، اور آئندہ میں گناہوں کے قریب نہیں پھٹکوں گا، نیز اس بات کی ہمت کرنی ہوگی کہ اب سے نماز باجماعت پابندی سے ادا کروں گا، روزے رکھوں گا، زکوٰۃ دوں گا، حج کروں گا، صبح سے شام تک میرے ذمہ جتنے فرائض اور حقوق العباد ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق پابندی کے ساتھ ادا کروں گا، اس کے لئے پختہ ہمت اور مضبوط حوصلے کی ضرورت ہے، اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی رضا ملتی ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ان سب کاموں کا پکا عزم کرنا ہوگا، ان کاموں کو کرنے کی ہمت کرنی ہوگی، ہمت کرنے کے بعد جب آدمی چلے گا تو ظاہر ہے راستے میں طرح طرح کے کانٹے بھی ہوں گے، خامیاں بھی ہوں گی، اور اندھیرے بھی ہوں گے، جس سے کبھی وہ بھٹک بھی جائے

گا، بہک بھی جائے گا، لیکن جیسے ماں باپ بچے کو گرنے سے بچا لیتے ہیں ایسے ہی جب اس نے اخلاص اور ہمت مردانہ کے ساتھ میدانِ عمل میں قدم رکھ لیا تو اللہ تعالیٰ کی مدد ضرور شاملِ حال ہوگی، اور مرشد و شیخ کی راہنمائی شاملِ حال رہے گی وہ رہنمائی کرے گا، ترکیب و تدبیر بتائے گا کہ اب اس طرح کرو، اب اُس طرح کرو، اور وہ اُس کے مطابق چلتا رہے گا، تو انشاء اللہ تعالیٰ پھر اس کو اللہ تعالیٰ اپنی آغوشِ رحمت میں لے لیں گے اور وہ گرنے، بہکنے، بھٹکنے اور گمراہ ہونے سے بچ جائے گا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ۔ (العنکبوت: ٦٩)

ترجمہ

''اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے (قرب و ثواب یعنی جنت کے) راستے ضرور دکھائیں گے اور بیشک اللہ تعالیٰ (کی رضا و رحمت) ایسے خلوص والوں کے ساتھ ہے''۔

جذب کی شرط

واضح رہے کہ جذب کے بغیر کام نہیں چلتا، مگر جذب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس وقت ہوتا ہے جب کوئی گناہوں کو چھوڑنے کی ہمت کرتا ہے،

اپنے اعمال و اخلاق کے سنوارنے کی ہمت کرتا ہے، تو جب وہ ہمت کرے گا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے جذب ہوگا۔

سلسلۂ امدادیہ کی خاصیت

ہمارے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمہ اللہ کے سلسلہ میں جس سے ہم لوگ وابستہ ہیں بہت جلدی جذب ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت بہت جلد بندے کی طرف متوجہ ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی اسی رحمت سے اور جذب سے بندے کو اللہ تعالیٰ کا صحیح تعلق نصیب ہو جاتا ہے، تو یہ جذب ہمارے سلسلے میں بہت جلدی ہوتا ہے، اس کی ایک خاص وجہ یہ ہے کہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے اس سلسلے میں اتباعِ سنت کا اہتمام بہت زیادہ ہوتا ہے، حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا سلسلہ بھی حضرت حاجی صاحبؒ والا سلسلہ ہے، اس سلسلہ میں سنتوں پر چلنے کی بہت زیادہ تاکید کی جاتی ہے، گویا یہاں اول تا آخر جو طریقہ ہے وہ سنت کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہے، اور ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک طریقہ میں جو کشش ہے وہ کسی بھی طریقے میں نہیں ہوسکتی۔

اجتماعی ذکر کی شرعی حیثیت وصحیح طریقہ

الحمد للہ اس مبارک سلسلے میں ہر کام سنت کے مطابق کرنے کی پوری

کوشش کی جاتی ہے، چنانچہ اگر ذکر کیا یا کرا جاتا ہے تو وہ بھی سنت کے دائرے میں ہوتا ہے، اس سلسلے میں آپ کو کہیں بھی اجتماعی ذکر کے حلقے نظر نہیں آئیں گے، جبکہ بعض دیگر سلسلوں میں عجیب و غریب طریقوں سے ذکر ہوتا ہے، وہاں باقاعدہ ایک لمبا چوڑا حلقہ ہوتا ہے، بیچ میں پیر صاحب ہوتے ہیں اور چاروں طرف اُن کے مریدین۔ اور پھر اجتماعی طور پر ذکر بالجہر ہوتا ہے جس میں لوگ عجیب عجیب شکلیں اختیار کرتے ہیں، ہمارے ہاں کوئی حلقہ نہیں ہے، کوئی اجتماعی ذکر نہیں ہے، اور نہ ہی اجتماعی طور پر درود پڑھا جاتا ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ اس طریقے سے اجتماعی طور پر ذکر کرنا اور کرانا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے، بعض بزرگانِ دین جو اس کو اختیار کرتے ہیں وہ بھی محض علاج کے طور پر اختیار کرتے ہیں، تاکہ مریدین کے دل میں اللہ تعالیٰ کا ذکر راسخ ہو جائے اور رچ بس جائے، اس نیت سے اگر وہ عارضی طور پر کچھ دن کے لئے کرائیں تو اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے، بشرطیکہ اس میں کوئی اور منکرِ شرعی نہ پایا جائے، اور اس مخصوص طریقہ کو سنت نہ سمجھا جائے بلکہ علاج کا ایک طریقہ سمجھا جائے، نیز علاج کی حد تک اس پر عمل ہو، مقصد پورا ہونے کے بعد مسنون طریقے پر ذکر کیا جائے۔

غیر مقصود کو مقصود سمجھنا غلطی ہے

مشائخ صوفیاء نے حلقوں کی صورت میں ذکر اس لئے شروع کرایا

تھا تا کہ ذکر جو اصل مقصود ہے وہ دل میں راسخ ہو جائے، لیکن رفتہ رفتہ لوگوں نے اس اجتماعی ذکر کو ہی اصل اور ضروری سمجھ لیا کہ اس کے بغیر اصلاح ہی نہیں ہوسکتی اور اس طریقے سے جو ذکر کراتا ہے صحیح معنوں میں اسی کا نام اصلاح و تربیت ہے، اور جو اس طریقے سے اصلاح نہ کرائے وہ کوئی اصلاح ہی نہیں ہے، تو لیجئے! یہ غلط راستے پر چل پڑے، اکثر اجتماعی ذکر کرانے والوں میں یہ خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور یہ خرابیاں پیدا ہو جانے کے بعد وہ اجتماعی ذکر کرنا ہی ناجائز ہو جاتا ہے، اس خرابی کی وجہ یہ ہے کہ بے شک انہوں نے ایک جائز مقصد کے لئے اس کو اختیار کیا، اور جس حد تک اختیار کیا تھا وہ بھی جائز تھا، لیکن سنت نہ تھا، اور سنت نہ ہونے کا نتیجہ یہ ہوا کہ آگے چل کر وہ بدعت بن گیا، ایک ناجائز رسم بن گئی۔ اور ساری طریقت کا خلاصہ یہ بات رہ گئی کہ بس روزانہ یا ہفتے میں ایک مرتبہ شیخ کے پاس جاؤ، اس کے حلقے میں بیٹھو اور اجتماعی ذکر کر کے آجاؤ، مزید کچھ کرنے کی ضرورت نہیں، حلقے کی حاضری ہی سب کچھ ہے، حالانکہ یہ نہ سنت ہے، نہ فرض و واجب، اجتماع بذاتِ خود کچھ بھی نہیں، ہاں نفسِ ذکر بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے لیکن وہ بھی نفل کے درجے میں ہے، مگر اجتماعیت تو کچھ بھی نہیں ہے وہ تو محض بغرضِ تعلیم یا بغرضِ تاثیر مصلحتاً بطورِ علاج اختیار کی گئی تھی، اب جناب! اسی کو سب کچھ سمجھ لیا گیا، جو چیز مقصود نہ تھی اسی کو مقصود سمجھ لیا، سنت سے ہٹ کر کام کرنے میں یہ

خرابی پیدا ہوتی ہے۔

حضرت حاجی صاحبؒ اور حضرت تھانویؒ کے سلسلے میں بڑی جلدی جذب اس وجہ سے ہوتا ہے کہ یہاں سنت کی تاکید بہت زیادہ کی جاتی ہے، سنت کی تعلیم و تلقین بہت زیادہ ہوتی ہے، اور آپ سے عرض کرنے کا منشاء بھی یہی ہے کہ اگر ہم اس سلسلے سے وابستہ ہونا چاہتے ہیں اور ہونا بھی چاہئے تو بھئی! ہمیں فوراً اس کام کا اہتمام شروع کرنا چاہئے کہ ہمارے عمل میں سنتیں آجائیں، اور اس بات کی فکر کرنی چاہئے کہ ہماری صبح سے شام تک کی زندگی سنت کے مطابق گزرتی ہے، یا خلافِ سنت گزرتی ہے؟ جتنے کام ہم صبح سے شام تک کرتے ہیں یاد رکھئے وہ ہم سنت کے مطابق بھی کر سکتے ہیں جیسے کہ انہیں خلافِ سنت کرنے کی ہماری عادت بنی ہوئی ہے، ہمیں اس عادت کو بدلنے کی ضرورت ہے اور یہ یاد رکھیں کہ سنت کے مطابق اگر ہم ان کاموں کو انجام دیں گے تو بھی اس میں کوئی اضافی وقت خرچ نہیں ہوگا، اور انشاء اللہ اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ہاں ملے گا۔

سنت کے مطابق کام کرنے کا فائدہ

جو کام ہم صبح سے شام تک کرتے ہیں اور جتنی دیر میں کرتے ہیں سنت کے مطابق ان کو انجام دینے میں بھی کوئی اضافی وقت نہیں لگے گا، اتنا ہی وقت لگے گا، لیکن اس کام کی برکات میں زمین و آسمان کا فرق ہو جائے گا، کہ

پہلے وہ کام سنت کے مطابق نہ تھا جس کی وجہ سے اس کے اندر کوئی نور نہیں تھا، اس میں کوئی اجر وثواب نہیں تھا، اور جب وہ کام جو بذاتِ خود جائز اور مباح تھا جب اس کو سنت کے مطابق کیا تو وہ نورِ سنت سے بھر گیا، اور اس میں محبوبیت آ گئی جس کی بناء پر اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کو بہت جلد اپنے قریب کر لیتے ہیں، اور اپنا محبوب بنا لیتے ہیں، اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے کہ:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ.

(ال عمران: ۳۱)

ترجمہ

''آپ فرما دیجئے! اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو تو تم لوگ میری اتباع کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے، اور تمہارے سب گناہوں کو معاف کر دیں گے، اور اللہ تعالیٰ بڑے معاف فرمانے والے اور بڑی عنایت فرمانے والے ہیں''۔

مسنون اعمالِ زندگی

صبح سے شام تک جتنے بھی کام ہم انجام دیتے ہیں ان کا آپ اندازہ

کر لیجئے مثلاً سب سے پہلے نیند سے بیدار ہونا ہے، ایک تو نیند سے ہم اپنی طبیعت کے مطابق بیدار ہوتے ہیں کہ بستر سے اٹھے اور چل پڑے اور جو کچھ کیا اپنی مرضی کے مطابق کیا، لیکن احادیث میں سنت کے مطابق اٹھنے کا طریقہ بھی موجود ہے کہ جب آنکھ کھلے تو کیا کریں؟ بستر سے اتریں تو کیا کریں؟ بیت الخلاء جانے کا بھی مسنون طریقہ ہے، استنجاء کرنے کا بھی مسنون طریقہ ہے، استنجاء کرنے کے بعد آئے تو اب کپڑے پہننے ہیں اس کا بھی مسنون طریقہ ہے، ہم اپنی مرضی سے بھی پہن سکتے ہیں، اور سنت کے مطابق بھی پہن سکتے ہیں، کتاب میں دیکھیں اور سنت کے مطابق لباس پہنیں۔ اس کے بعد اب وضو کرنا ہے، جو ہم اپنی مرضی سے بھی کرتے ہیں، الٹا سیدھا جیسا ہمیں آتا ہے کر لیتے ہیں، لیکن سنت کا طریقہ بھی موجود ہے، اور اس کے لئے کتاب بھی موجود ہے جس میں سارا طریقہ لکھا ہوا ہے، اسی طرح اب نماز پڑھنے کے لئے ہم چلیں گے تو گھر سے نکلنے کی سنت بھی موجود ہے کہ کس طرح گھر سے سنت کے مطابق نکلنا چاہئے اور مسجد کی طرف ہمیں کس طرح چلنا چاہئے؟ ہم اپنی طبیعت سے بھی چلتے ہیں، لیکن مسجد کی طرف چلنے کا مسنون طریقہ بھی ہے کہ کیا پڑھتے ہوئے چلنا چاہئے، مسجد کے قریب پہنچیں تو اس میں ہم اپنی مرضی سے داخل ہوتے ہیں لیکن اس کی بھی سنت ہے، مسجد میں داخل ہونے کا ایک خاص طریقہ ہے، پھر مسجد میں جا کر ہم جس طرح چاہتے

ہیں بیٹھتے اور نماز پڑھتے ہیں، یہ طریقہ ہمارا اپنا ہے جو صحیح بھی ہو سکتا ہے اور غلط بھی، لیکن مسجد میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے کیا کرنا اور کیا پڑھنا چاہئے؟ اس کا بھی ایک مسنون طریقہ ہے، اور جب مسجد سے نکلیں تو اس کا بھی ایک مسنون طریقہ ہے، مسجد سے نکلنے کے بعد فجر میں کسی کا معمول اپنے گھر آنے کا ہوتا ہے، کسی کا معمولی ورزش کرنے کا ہوتا ہے، کسی کا معمولی تفریح کا ہوتا ہے، ان تینوں کا سنت طریقہ بھی موجود ہے، اور اپنی مرضی کا بھی، اور گھر واپس آرہے ہیں تو اس کا بھی ایک طریقہ ہے، پھر گھر میں داخل ہونے کا بھی ایک طریقہ ہے کہ کس طرح گھر میں داخل ہونا چاہئے، اب گھر میں آنے کے بعد پھر کیا کرنا چاہئے، ناشتہ کرنا ہے تو اس کا بھی ایک مسنون طریقہ ہے، اس کے بعد عام لوگ حلال روزی کمانے جاتے ہیں، اور طلباء وہ پڑھنے جاتے ہیں، ان کے لئے بھی ایک مسنون طریقہ ہے کہ کس طرح اپنے کمرے سے نکل کر تعلیم حاصل کرنے کے لئے جائیں؟ کیا نیت کریں؟ اور کس نیت کے ساتھ کمرے سے نکل کر روزی کمانے والے روزی کمانے جائیں؟ کس نیت سے اور کیا پڑھ کر اپنے گھر سے نکلیں؟ اسی طرح جب تک دوکان پر یا ملازمت پر رہیں تو وہاں کیا کریں، وہاں کے لئے بھی احکام موجود ہیں، تو بھئی! انہی طریقوں سے شام تک کے مسنون اعمال ہیں، شام تک نمازیں بھی آئیں گی، اس میں پھر مسجد کی طرف جانا، وہاں جا کر جوتے

اتارنا، استنجاء کرنا، جوتے پہننا اور مسجد سے باہر آنا وغیرہ ان میں سب سنتیں ہی سنتیں ہیں، اسی طرح آپ کی شام ہو جائے گی، شام ہونے کے بعد اب واپس گھر جانا ہے تو اب گھر واپس کس طرح جانا چاہئے، گھر میں کس طرح داخل ہونا چاہئے اور گھر میں داخل ہو کر کیا کرنا چاہئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں داخل ہو کر کیا کرتے تھے؟ ساری سنتیں موجود ہیں۔ لیکن ہم اپنی مرضی سے داخل ہوتے ہیں، ہمیں کچھ پتہ نہیں کہ گھر میں کس طرح داخل ہونا چاہئے؟ ہم اپنی حسب منشاء جو جو چاہتے ہیں، جس طرح چاہتے ہیں، کرتے ہیں لیکن وہی کام ہم اپنی مرضی سے ہٹ کر سنت کے مطابق بھی کر سکتے ہیں۔

مسنون زندگی گزارنے کے لئے دو رہنما کتابیں

ان کاموں کے لئے دو کتابیں بہت بہترین اور بہت آسان ہیں، وہ کتابیں ہمیں ضرور لے لینی چاہئیں۔ ان میں سے ایک کتاب ''علیکم بسنتی'' ہے جو اردو زبان میں ہے، انتہائی سادہ اور آسان ہے، مکتبہ دارالعلوم میں دستیاب ہے، جب چاہو خرید لو اور خرید کر سرہانے رکھ لو، اس میں چوبیس گھنٹے کی سنتیں لکھی ہوئی ہیں، جس وقت آدمی سوتا ہے سونے سے لیکر دوبارہ سونے تک کی تمام سنتیں اس کے اندر لکھی ہوئی ہیں، اُس کے مطابق اگر آدمی ایک ایک سنت اپنے عمل میں لے آئے تو چوبیس گھنٹے سنت کے مطابق گذار سکتا

ہے، صبح وشام اس کتاب کا مطالعہ کرو، اور روزانہ ایک ایک دو دو سنتیں اپنے عمل میں لاؤ، اپنے بچوں کے عمل میں لاؤ، اس طریقے سے ہم چوبیس گھنٹے سنتوں کے پابند ہو سکتے ہیں۔ کھانے کی سنتیں، پہننے کی سنتیں، سونے جاگنے کی سنتیں، کپڑے پہننے اتارنے کی سنتیں، جوتے پہننے اتارنے کی سنتیں، مسجد میں داخل ہونے کی سنتیں۔ ہم روزانہ یہی کام کرتے ہیں، اگر یہی کام سنت کے مطابق ہوں گے تو کوئی مزید وقت خرچ نہیں ہوگا، لیکن ہمارے یہ سارے کام سنت میں داخل ہو جائیں گے اور سنت میں داخل ہونے کی وجہ سے یہ سارے کام عبادت بن جائیں گے اور انشاء اللہ تعالیٰ ہم اللہ تعالیٰ کے محبوب بھی ہو جائیں گے، اس کے علاوہ ایک اور کتاب ہے جو اس کتاب کی گویا شرح ہے اور وہ ہے ''اسوۂ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم'' یہ حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحیؒ صاحبؒ کی لکھی ہوئی ہے اور تفصیلی کتاب ہے۔

''علیکم بسنتی'' جب پوری ہو جائے تو اس کا مطالعہ کرنا چاہئے اس کے اندر تفصیل سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں اور آپ ﷺ کے معمولات جمع کئے گئے ہیں، اور ان میں بتایا گیا ہے کہ کس طریقے سے انسان کو اپنی زندگی گزارنی چاہئے، اس میں پیدائش سے لیکر موت تک کی تمام سنتیں لکھ دی گئی ہیں، ہر شعبۂ زندگی کے بارے میں حضور ﷺ کا تذکرہ ہے کہ فلاں موقع پر آپ ﷺ کس طریقے سے عمل فرمایا کرتے تھے، فلاں موقع پر حضور صلی

اللہ علیہ وسلم کا کیا طریقہ تھا، یہ ساری باتیں اس کے اندر لکھی ہوئی ہیں۔ اگر یہ دو کتابیں ہمارے پاس ہوں تو الحمد للہ ہم بہت حد تک اپنی زندگی سنت کے سانچے میں ڈھالنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا یہ دو کتابیں ہمارے پاس ضرور ہونی چاہئیں، اور اتباع سنت اور اس پر عمل کی تعلیم و تاکید کی وجہ سے یاد رکھئے! حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے سلسلے میں نہ بڑے بڑے مجاہدے کرنے پڑتے ہیں، نہ بڑی بڑی مشقتیں اٹھانی پڑتی ہیں۔

سنت پر عمل کرنے کے دو فائدے

سنت پر عمل کرنے کے دو فائدے ہیں، ایک یہ کہ اس پر عمل کرنے میں سراسر سہولت ہی سہولت ہے، دوسرا فائدہ یہ ہے کہ سنت میں محبوبیت ہوتی ہے، سبحان اللہ، اور انسان کو یہی دو چیزیں چاہئیں کہ ''محنت کم ثواب زیادہ، مشقت کم اجر زیادہ''۔ بس سنت میں یہ بات موجود ہے کہ جس سنت کو بھی آپ دیکھیں گے اس میں آپ کو بہت زیادہ سہولت نظر آئے گی، آسانی نظر آئے گی، اور سنت سے ہٹ کر جو کام بھی ہوگا وہ مشقت والا ہوگا، دشواری والا ہوگا، اور خاص محبوبیت سے بھی خالی ہوگا اور سنت کے مطابق جو کام ہوگا وہ آسان ترین اور محبوب ترین ہوگا، بہر حال سنت پر عمل کرنے کی وجہ سے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی صاحبؒ کے سلسلہ میں بہت جلدی بندہ اللہ

تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے، اور جیسے ہی اللہ تعالیٰ کا محبوب بنتا ہے تو سمجھ لیجئے کہ پھر اللہ تعالیٰ جلد اسے اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔

محبوبِ خدا بننے کا آسان نسخہ

سرکارِ دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کائنات میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں تو جو شخص ان کی سنتوں پر عمل پیرا ہوگا وہ بھی انہی کے روپ میں ہوگا، اور جو محبوب کے روپ میں ہوگا وہ بھی اللہ تعالیٰ کو محبوب ہوگا، جیسا کہ ابھی اوپر آیت ذکر کی گئی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے والے کو اپنا محبوب بنانے کا وعدہ فرمایا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ

اس پر مجھے دو قصے یاد آگئے، سب کو معلوم ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے زمانے میں فرعون کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے کے لئے اس کے دربار میں پہنچ کر دو معجزے دکھائے۔

(۱) یدِ بیضاء (۲) عصا کا معجزہ

ایک ''یدِ بیضاء'' کا معجزہ دکھلایا اور ایک اپنی لاٹھی کو زمین پر ڈال کر اژدھا بننے کا معجزہ دکھایا۔ ''یدِ بیضاء'' کا معجزہ یہ تھا کہ جب وہ اپنا ہاتھ اپنی

بغل میں ڈالتے اور نکالتے تو وہ چاند کی طرح چمکتا تھا، وہ اس قدر روشن ہوجاتا تھا کہ جیسے چاند روشن ہوتا ہے، اور جب دوبارہ اندر کرتے تو پھر وہ پہلے کی طرح ہوجاتا تھا یہ ان کا ایک معجزہ تھا جسے ''ید بیضاء'' کا معجزہ کہتے ہیں۔

دوسرا معجزہ اللہ تعالیٰ نے یہ عطا فرمایا تھا کہ ان کے ہاتھ میں جو لاٹھی ہوتی تھی وہ اگر زمین پر ڈالتے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ ایک زبردست اژدھا بن جاتی تھی پھر دوبارہ ہاتھ میں لیتے تو ویسی کی ویسی لاٹھی بن جاتی تھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ دونوں معجزے فرعون کو دکھلائے اور کہا کہ ''میں تم کو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہوں'' لیکن اس نے انکار کردیا اور اس نے کہا کہ:

إِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ۔ (الاعراف: ۱۰۹)

ترجمہ

''واقعی یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے''

اور اس زمانے میں جادوگری اپنے شباب پر تھی، چنانچہ اس نے اعلان کروایا کہ ''میری مملکت میں جتنے بھی چوٹی کے جادوگر ہیں وہ سب فلاں دن، فلاں تاریخ میں جمع ہوجائیں ان سب کا موسیٰ (علیہ السلام) سے مقابلہ ہوگا'' سب کو جمع کیا گیا، بڑے بڑے جادوگر دارالسلطنت میں جمع ہوگئے، ایک طرف موسیٰ علیہ السلام اکیلے کھڑے ہیں اور دوسری طرف تقریباً ایک

لاکھ جادوگر ہیں اور مقابلہ دیکھنے کے لئے پوری خلقت ٹوٹی پڑی، اور لوگوں کا ایک ٹھاٹیں مارتا ہوا سمندر اس مقابلے کو دیکھنے کے لئے جمع ہو گیا۔

جادوگروں کی خفیہ میٹنگ

جس وقت یہ جادوگر میدان میں آئے اس سے پہلے ان کی ایک خفیہ میٹنگ ہوئی، جس کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے:

فَتَنَازَعُوْا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى

(طٰهٰ: ۶۲)

ترجمہ

''پھر آپس میں اپنے کام پر جھگڑنے لگے اور چھپ کر مشورہ کیا۔''

اس میں انہوں نے آپس میں یہ کہا کہ '' بھئی! ہمارا مقابلہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہے اور ان کے بارے میں یہ امکان ہے کہ یہ واقعی اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہوں، اگر یہ اللہ تعالیٰ کے سچے پیغمبر ہوئے تو ظاہر ہے کہ ہمارا جادو ان کے سامنے چل نہیں سکتا، اور ہم کبھی بھی ان کے سامنے کامیاب نہیں ہو سکتے، اس لئے کہ خدا کی طاقت کے سامنے ہماری خیالی طاقت کی کیا حیثیت ہے، لامحالہ ہم لوگ ناکام ہوں گے، اور نبی کا مقابلہ کرنے والا کبھی بچتا نہیں، تو جیسے ہی ہم ان کے مقابلے سے ہٹیں گے قہر الٰہی ہمیں ہلاک کر دے گا، تو

پہلے اس قہر سے بچنے کا کوئی انتظام کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ مقابلے میں ہم بالکل ہی مٹ جائیں اور اگر یہ واقعۃً جادوگر ہیں تو پھر گھبرانے کی کوئی بات نہیں، میدان ہمارے ہاتھ ہوگا، یہ ہم سے جیت نہیں سکتے، لیکن اگر خدا کے پیغمبر ہیں تو پھر ہم ان سے نہیں جیت سکتے۔'' یہ انہوں نے آپس میں میٹنگ کی اور سب نے اپنی حفاظت کا انتظام سوچا اور سوچ کر یہ کہا کہ کوئی ترکیب سمجھ میں نہیں آرہی کہ اگر یہ پیغمبر ہوئے اور ہم ان کے مقابلے میں ہار گئے تو ہم اللہ کے عذاب سے کیسے بچیں گے؟ ایک نے کہا کہ: ''بھئی! ویسے تو خدا کے عذاب سے بچنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا، لیکن ایسا کرو کہ موسیٰ علیہ السلام کا روپ دھار لو جیسا ان کا لباس اور پوشاک ہے، ان کی وضع قطع ہے ویسی تم بھی اپنالو شاید اللہ تعالیٰ کو اس ظاہری شکل بنانے پر رحم آجائے اور وہ ہم کو اپنے قہر و عذاب سے محفوظ کردیں۔'' لہٰذا ان سب نے اس ترکیب پر عمل کرتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام جیسا اپنا روپ بنالیا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسی شکل و صورت اختیار کرلی ویسا ہی چوغہ، ویسا ہی لباس، ویسا ہی ازار، غرضیکہ بالکل ان کی ہی وضع قطع، شکل وصورت بنالی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے موسیٰ علیہ السلام ان کے پیر اور یہ ان کے مرید ہیں۔

اب ان کا مقابلہ شروع ہوا تو مقابلے سے پہلے جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ:

يَامُوْسىٰ اِمَّا اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّا أَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقىٰ

(طٰہٰ : ٦٥)

ترجمہ

''اے موسیٰ! آپ (اپنی لاٹھی) پہلے ڈالیں گے یا ہم (اپنی لاٹھیاں اور رسیاں) پہلے ڈالیں''۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

بَلْ اَلْقُوْا

ترجمہ

نہیں تم ہی پہلے ڈالو۔

یعنی پہلے تم اپنا کرتب دکھا دو، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہاں پر بھی پیغمبرانہ فرض ادا فرمایا اور ان سے فرمایا کہ ''تم لوگوں کو کیا ہوا کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کے مقابلے پر آئے ہو، نالائقو! تم اللہ تعالیٰ پر کیوں تہمت اور الزام لگاتے ہو؟ جادو دکھا کر کیوں لوگوں کو دھوکے میں ڈالتے ہو؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں خدا کا عذاب پکڑ لے۔'' یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو خوف دلایا کہ دیکھو تم کس کے مقابلے پر آئے ہو۔ اور جس نے بھی اللہ کا مقابلہ کیا تو سمجھ لو کہ وہ تباہ و برباد ہو گیا، جیسے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ کہا تو فوراً وہ ایک دوسرے کے کانوں میں سرگوشیاں کرنے لگے کہ ''کہنے

لگے دیکھو یہ تو وہی بات نکلی جو ہم تم سے کہہ رہے تھے، ہم نے خفیہ میٹنگ میں جو بات کہی تھی یہ تو وہی لگ رہی ہے، کون جادوگر ایسی نصیحت کرتا ہے، اور کون سا جادوگر میدان میں آکر اس طریقے سے عذاب الٰہی سے ڈرایا کرتا ہے؟ یہ تو واقعی اللہ تعالیٰ کے پیغمبر معلوم ہوتے ہیں۔'' تو ان کے دلوں میں خوف آ گیا اور اندر ہی اندر وہ گھبرا گئے کہ بھئی! یہ تو جادوگر سے مقابلہ نہیں ہے بلکہ ایسا لگتا ہے کہ اللہ کے پیغمبر ہی سے مقابلہ ہے، لیکن خیر اب تو وہ میدان میں اتر ہی چکے تھے، لہٰذا اب ان جادوگروں نے اپنی رسیاں، اپنی لاٹھیاں اور اپنی قمچیاں میدان میں ڈالیں اور جادو کے زور سے لوگوں کی نظروں پر نظر بندی کر دی، حقیقت میں تو وہ سب رسیاں اور لاٹھیاں ہی تھیں لیکن لوگوں کی نظروں پر اور دماغوں پر انہوں نے ایسا جادو کیا کہ جس کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام سمیت سب لوگوں کو ایسا محسوس ہونے لگا کہ جیسے سارا میدان سانپوں اور بچھوؤں سے بھرا ہوا ہے، پوری خلقت پر دہشت طاری ہو گئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی طبعی طور پر خوف محسوس ہونے لگا کہ اتنے سارے سانپ بچھو ہیں، اس لئے کہ انبیاء کرام علیہم السلام بھی طبعی طور پر حالات و واقعات سے متاثر ہوتے ہیں، لیکن عقلاً تو وہ استقلال کا پہاڑ ہوتے ہیں، بہر حال موسیٰ علیہ السلام بھی فطری طور پر ڈرے، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا:

قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّکَ اَنْتَ الْاَعْلٰی. (طٰہٰ: ٦٨)

ترجمہ

''ہم نے کہا کہ اے موسیٰ آپ ڈریئے نہیں، آپ ہی غالب آنے والے ہیں''۔

مقابلہ شروع ہوا، جب موسیٰ علیہ السلام کی باری آئی تو آپ کے ہاتھ میں جو لاٹھی تھی، آپ نے اللہ کا نام لے کر اس کو زمین پر ڈالا تو وہ ایک بہت بڑا اژدھا بن گیا جس نے تیز رفتاری کے ساتھ دائیں جانب سے تمام سانپوں اور بچھوؤں کو نگلنا شروع کیا اور یعنی ذرا سی دیر میں سارے میدان کو چٹ کر گیا اور سارے سانپ اور بچھو اس نے نگل کر ختم کر دیئے، جادو تو ایسا نہیں ہوا کرتا کہ جو سانپ اور بچھوؤں کو نگل کر ختم کر دے، ابھی اوپر میں نے بتایا تھا کہ اصل میں وہ لکڑیاں تھیں، رسیاں تھیں، اور میدان میں بھی رسیاں ہی پڑی ہوئی تھیں، جادو کے زور سے ہلتی ہوئی نظر آ رہی تھیں، جادو کے زور سے وہ سانپ جیسی معلوم ہو رہی تھیں، حقیقت میں وہ ویسی کی ویسی ہی تھیں، لیکن اژدھے نے ان لکڑیوں، رسیوں اور قینچیوں کو کھا کر ختم کر دیا، جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی واپس ہاتھ میں لی تو لاٹھی کے سوا کچھ بھی نہیں تھا میدان صاف ہو چکا تھا تمام جادوگر حیران رہ گئے کہ یہ کیا ہوا، یہ تو جادو ہو ہی نہیں سکتا جو لکڑیوں کو کھا جائے، رسیوں کو نگل جائے اور قینچیوں کو کھا جائے، یہ معجزہ ہی

ہوسکتا ہے، چونکہ وہ جادو کی حقیقت سے باخبر تھے اور پہلے ہی ان کو کھٹکا ہو چکا تھا، اس لئے جیسے ہی انہوں نے یہ دیکھا فوراً وہ سجدے میں گر گئے اور کہا:

اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِیْنَ رَبِّ مُوْسیٰ وَھٰرُوْنَ

(الأعراف: ۱۲۲)

ترجمہ

''ہم رب العالمین پر ایمان لائے (وہ رب العالمین) جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے''۔

یہ مردود ہمارا رب نہیں جو سامنے بیٹھا ہے یعنی فرعون، اس پر ایمان کی تجدید نہیں ہورہی ہے بلکہ اس رب العالمین پر ایمان لایا جارہا ہے جو موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا رب ہے۔

فرعون جو یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا کہ یہ سب بھی اس کی طرف چلے گئے ہیں پہلے تو صورتاً اس کے تھے اب سیرۃً بھی اس کے ہمنوا ہوگئے تو اس نے اپنی کرسی بچانے کے لئے سیاست شروع کی اور ایک دم کہا:

اٰمَنْتُمْ لَہٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَکُمْ اِنَّہٗ لَکَبِیْرُکُمُ الَّذِیْ عَلَّمَکُمُ السِّحْرَ. (طٰہٰ: ۷۱)

ترجمہ

''قبل اس کے کہ میں تمہیں (مذہب بدلنے کی) اجازت

دوں تم موسیٰ پر ایمان لے آئے، واقعی وہ تمہارا بھی بڑا
ہے کہ اس نے تم کو سحر (جادو) سکھلایا ہے"۔

یعنی تم میری اجازت کے بغیر اس پر ایمان لے آئے، پوچھا بھی نہیں، خبردار! اب میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا، تمہیں سولی دوں گا، اور ایسی سزا دوں گا کہ کسی نے آج تک ایسی سزا نہیں دی ہوگی، تمہارے دائیں اور بائیں جانب سے ہاتھ پاؤں کاٹ کر تمہیں درختوں کے تنوں پر لٹکا دوں گا۔ مگر ان کے دلوں میں تو ایمان گھر کر چکا تھا، اللہ اکبر! اللہ تعالیٰ ہمارے قلوب کے اندر بھی ایمان کو راسخ فرمادے اور اس میں جو بھی کمزوری ہے اس کو دور فرمادے (آمین)۔

بہرحال! جواب میں انہوں نے بہ یک زبان ہو کر کہا کہ:

فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ، اِنَّمَا تَقْضِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةَ
الدُّنْیَا. (طٰهٰ: ۷۲)

ترجمہ

"جو کچھ تجھے کرنا ہے، کر ڈال تو صرف اس دنیا کی زندگی
میں ہی کچھ کر سکتا ہے"۔

یعنی تو زیادہ سے زیادہ دنیا کی یہ زندگی ختم کر سکتا ہے، اس سے آگے تو تیرا بس نہیں چلتا، تو قتل ہی تو کرے گا، اس سے زیادہ تو کچھ نہیں کر سکتا، لے یہ بھی کر گزر، ہم تو اپنے رب پر ایمان لا چکے ہیں تا کہ وہ ہماری خطاؤں کو بخش

دے اور اس گناہ سے بھی ہمیں اللہ تعالیٰ معافی دے۔ یہ قصہ قرآن کریم میں موجود ہے۔

صرف جادوگر ہی ایمان کیوں لائے؟

اس قصے کے بعد علماءِ کرام نے لکھا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا یہ معجزہ دیکھنے والے صرف جادوگر ہی نہیں تھے، فرعون بھی معجزہ دیکھنے والوں میں تھا، آلِ فرعون بھی سب کے سب معجزہ دیکھنے والے تھے اور پوری خلقت معجزہ دیکھنے والی تھی لیکن حاضرین میں سے صرف جادوگروں کو ایمان نصیب ہوا، باقی جو تماشہ دیکھنے والے تھے ان کو ایمان نصیب نہ ہوا، اور فرعون و آلِ فرعون کو بھی ایمان نصیب نہ ہوا، اس کی کیا وجہ ہے؟ علماءِ کرام نے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے روپ میں تھے، اللہ اللہ، انہوں نے اپنی ظاہری شکل وصورت حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسی بنائی تھی اس لئے ان کے دلوں میں ایمان کی شمع روشن ہوگئی، کیونکہ محبوب کی صورت بھی محبوب ہوتی ہے، س لئے اللہ تعالیٰ نے وہاں ایمان کی دولت اتاردی اور باقی تماشہ بین جو موسیٰ علیہ السلام کے روپ میں نہ تھے وہ ایمان سے محروم رہے۔ لہٰذا اگر ہم سنت کو اپنالیں اور اختیار کرلیں تو اللہ تعالیٰ کی محبوبیت ضرور حاصل ہوگی، بندہ بہت جلدی اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جائیگا، اس میں مشقت اور

مجاہدے بھی زیادہ نہیں کرنے پڑتے، ریاضتیں بھی زیادہ نہیں کرنی پڑتیں۔

شاہی سلوک

اس لئے حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بھئی! ہمارا یہ سلوک تو شاہی سلوک ہے،''اللہ اللہ'' حضرت نے کیا خوب فرمایا، کہ جیسے بادشاہ بڑے آرام و راحت میں رہتا ہے ایسے ہی ہمارے ہاں بھی کوئی زیادہ ریاضتیں، مجاہدے اور مشقت نہیں ہے، کوئی دشواری نہیں ہے، بہت ہلکا پھلکا کام ہے اور سب سے ہلکا کام یہ ہے کہ اپنے آپ کو سنت کا پابند بنالیں، چوبیس گھنٹے سنت کے مطابق گزارنا سیکھ لیں اور جو تھوڑے بہت معمولات بتائے جاتے ہیں ان کی پابندی کرلیں، اور شیخ سے اپنا رابطہ رکھیں، اسی میں سلوک[1] طے ہوجاتا ہے اور اسی سے اس کے اندر جذب ہوجاتا ہے اور بندہ اللہ تعالیٰ سے واصل ہوجاتا ہے۔

ایک بہروپیے کی بخشش

ایک دوسرا واقعہ بھی بنی اسرائیل کا ہے وہ بھی اسی طرح کی ایک مثال ہے یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا بڑا عجیب وغریب واقعہ ہے اور

[1] یہاں سلوک سے مراد اردو کا سلوک نہیں ہے، بلکہ عربی زبان میں چلنے کو سلوک کہتے ہیں، یہ صوفیاء کرام کی خاص اصطلاح ہے، ان کے ہاں شریعت کی راہ پر چلنے کو سلوک کہتے ہیں، بندہ جب محبت الٰہی اور معرفت الٰہی کی رفتہ رفتہ منزلیں طے کرتا ہے تو اسے سلوک کہتے ہیں۔ از مرتب

یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کی دعاء سے فرعون اور آلِ فرعون سب کے سب دریائے نیل میں غرق ہو گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل ان کے غرق ہونے کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ فرعون اور اس کا لشکر غوطے کھا رہا تھا اور ان کی لاشیں پانی کے اوپر تیر رہی تھیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام اس منظر کو دیکھتے دیکھتے جب آگے گئے تو دیکھا کہ فرعون کے دربار کا ایک مصنوعی موسیٰ وہاں رہتا تھا جس نے اپنی شکل و صورت، اپنی شباہت اور اپنا لباس بالکل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح بنایا ہوا تھا، فرعون نے اس کو مصنوعی موسیٰ بنا کر اپنے دربار میں اپنا غصہ اتارنے اور اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لئے رکھا ہوا تھا، کیونکہ موسیٰ علیہ السلام تو اللہ کے نبی تھے اُن پر تو فرعون کا بس چل نہیں سکتا تھا، لہٰذا اس نے ایک بہروپیا بنایا ہوا تھا جس نے فرعون کو خوش کرنے کے لئے موسیٰ علیہ السلام کا روپ دھار رکھا تھا، اور فرعون کو جب بھی موسیٰ علیہ السلام پر غصہ آتا، لعن وطعن، ملامت اور جو بُرا بھلا کہنا چاہتا تو وہ اس بہروپیئے کو کہتا اور اپنے دل کی بھڑاس نکال لیتا، جیسا کہ آج کل جب کسی سے انتقام لینا ہوتا ہے تو اس کا پُتلا جلاتے ہیں، اسے جوتے مارتے ہیں، تو جوتے پُتلے کے مار رہے ہوتے ہیں، کپڑے پُتلے کے پھاڑ رہے ہوتے ہیں، طمانچے پُتلے کے مار رہے ہوتے ہیں اور پُتلے کو گھسیٹ رہے ہوتے ہیں، کیونکہ جس کا پُتلا ہے اس سے انتقام لے رہے ہیں،

یہ انسان کی فطرت ہے، فرعون نے بھی ایسا ہی کیا، اپنے دل کی بھڑاس نکالنے اور بُرا بھلا کہنے کے لئے مصنوعی موسیٰ اپنے یہاں رکھا ہوا تھا اور جو کچھ کرتا اس کے ساتھ کرتا تھا، ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس سے بڑی تکلیف ہوتی تھی کیونکہ یہ ایک طرح سے ایسا ہی ہے جیسے اصل کے ساتھ۔

چنانچہ آج کل جو پُتلے جلائے جاتے ہیں کہ اصل کے ساتھ اپنے انتقام اور اپنی ناراضگی کا اظہار کرنا مقصود ہوتا ہے، اور اصل کو اس سے تکلیف ہوتی ہے، اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس سے بڑی تکلیف ہوتی تھی، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ فرعون اور آلِ فرعون ڈوب رہے ہیں اور یہ بہروپیا بالکل زندہ سلامت دریا کے کنارے چلا آرہا ہے، تو پہلے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حیرانی ہوئی کہ یہ کیسے خدا کے عذاب سے بچ گیا، اس کو تو سب سے پہلے خدا کے عذاب میں مبتلا ہونا چاہئے تھا، اس لئے کہ یہ تو کھلم کھلا میرا مذاق کیا کرتا تھا، تو اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے پروردگارِ عالم! جس شخص سے مجھے سب سے زیادہ اذیت ہوتی تھی وہ تو بچ گیا، فرعون اور اس کی قوم تو غرق ہوگئی لیکن اس کے دربار کا یہ بہروپیا زندہ سلامت چلا آرہا ہے، یا اللہ! سب سے پہلے اسی پر عذاب آنا چاہئے تھا اور سب سے پہلے اسی کو آپ کے عذاب میں مبتلاء ہونا چاہئے تھا، اس میں کیا راز ہے؟ اس میں آپ کی کیا حکمت و مصلحت ہے کہ یہ بچ گیا؟ تو حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ! وہ

ہمارے محبوب کے روپ میں تھا اس لئے بچ گیا ،" اللہ اللہ " ، کہ وہ ہمارے محبوب کے روپ میں تھا اس لئے ہمارے عذاب سے بچ گیا ، کیونکہ محبوب کی صورت بھی محبوب ہوتی ہے لہٰذا ہمیں اچھا نہ لگا کہ اس پر ہم اپنا عذاب نازل فرمائیں ، اس حالت میں کہ وہ آپ کی شکل اور آپ کے روپ میں تھا اس لئے وہ ہمارے عذاب سے بچ گیا۔

بھائی ! سنت کے مطابق اپنے ظاہر کو بنالینا بھی بڑی بات ہے ، لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ہمارے سر کے بال سنت کے مطابق ہوں ، سر پر ٹوپی سنت کے مطابق ہو ، ہماری ڈاڑھی اور مونچھیں سنت کے مطابق ہوں ، یہ بہت بڑی نعمت ہے ، پھر اسی طرح ہمارا کرتا بھی سنت کے مطابق ہو ، ہماری شلوار بھی سنت کے مطابق ٹخنوں سے اوپر ہو ، غرض ہر چیز سنت کے سانچہ میں ڈھلی ہوئی ہو ، اسی طرح کھانے میں بھی سنتیں ہیں ، پہننے میں بھی سنتیں ہیں ، سونے کی بھی سنتیں ہیں اور میل ملاپ کی بھی سنتیں ہیں ، یہ ساری سنتیں مذکورہ دونوں کتابوں سے معلوم ہوں گی ، جس سے ان شاء اللہ ہمارا ظاہر بھی سنت کے مطابق ہو جائے گا اور صبح سے شام تک کے تمام کام بھی سنت کے مطابق ہو جائیں گے ، اور ظاہر کا باطن پر اثر ہوگا ، جب ظاہر سنت کے مطابق ہوگا تو پھر دل بھی ان شاء اللہ تعالیٰ سنت کے مطابق ڈھل جائے گا ، اس کے اندر بھی پھر وہ سنتیں پیدا ہونا شروع ہو جائیں گی جن کا دل میں ہونا ضروری ہے۔

اصلاح وتربیت کا سنگِ میل

اس لئے سب سے پہلے ہم اپنے ظاہر کو سنت کے مطابق بنانے کی فکر کریں، اس کی حیثیت اصلاح وتربیت کے راستے میں سنگِ میل کی ہے، یہ بات نہایت ضروری ہے، اس کے بغیر ہماری اصلاح آسان نہیں، اور سنت سے ہٹنے میں جذب نہیں ہوگا، اور جب جذب نہیں ہوگا تو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں ہوگا اور جب قرب نہیں ہوگا تو رضا نہیں ہوگی، ، جبکہ مقصودِ اصلی اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا قرب پر موقوف ہے اور اللہ تعالیٰ کا قرب اتباعِ سنت پر موقوف ہے، لہٰذا جتنا زیادہ ہمارے اندر اتباعِ سنت ہوگا اتنا ہی (ان شاء اللہ تعالیٰ) اللہ کی طرف سے جذب آئیگا، اور ہماری اصلاح کا کام ان شاء اللہ بآسانی ہوجائے گا، ہمارے جتنے بھی بزرگ ہیں، اکابر ہیں وہ سب چونکہ الحمد للہ سلسلۂ امدادیہ سے اور سلسلۂ اشرفیہ سے وابستہ ہیں، اس لئے ان کے ہاں آپ کو ان کے ہر عمل میں سنت ہی سنت نظر آئیگی، ہر چیز میں آپ کو اتباعِ سنت نظر آئے گی، اس لئے یہاں زیادہ مشقتیں نہیں ہیں، زیادہ دشواریاں، مجاہدے اور ریاضتیں نہیں ہیں، صرف سنت کی تعلیم ہے، اس کی ہمیں فکر کرنی چاہئے۔

سنت کو عادت بنانے کا طریقہ

ایک چیز تو یہ عرض کرنی تھی کہ حضرت حاجی صاحبؒ کے سلسلے میں بہت جلدی جذب ہوتا ہے، اور جذب ہی سے اصل کام بنتا ہے اور یہاں پر جذب اس لئے جلدی ہوتا ہے کہ الحمدللہ یہاں پر سنت کا غلبہ ہے، اس کی بہت زیادہ تاکید ہے، اس کی بہت زیادہ فکر کرنے کی ضرورت ہے، لہٰذا صرف مذکورہ کتاب پڑھنا کافی نہیں، بلکہ جب کوئی کام شروع کریں تو کتاب کھول کر دیکھ لیں کہ اس میں کیا سنت ہے؟ بیت الخلاء جانا چاہتے ہیں تو پہلے آپ دیکھ لیں کہ بیت الخلاء میں جانے کی کیا سنت ہے؟ نکلنے کی سنت کیا ہے؟، کھانا کھانے بیٹھ رہے ہیں تو فوراً کھانے کی سنت دیکھ لیں، اس طریقے سے سنتیں آپ کے عمل میں آجائیں گی پھر کتاب کی بھی ضرورت باقی نہیں رہے گی، بغیر کتاب سنتوں پر عمل کرنے کی عادت بن جائے گی، بلکہ وہ آپ کی عادت بن جائے گی، اور عادت بننے کے بعد اس کا جو فائدہ ہوگا وہ بیان سے باہر ہے۔

اب دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے فضل و کرم سے اتباعِ سنت کی دولت سے مالا مال فرمائیں۔ آمین۔

☆☆☆☆☆

دعا کی اہمیت

اور

اس کے آداب

اس میں قرآنی آیات اور احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں دعا کی اہمیت،
فضیلت، دعا کے آداب اور قبولیتِ دعا کی شرطیں بیان کی گئی ہیں۔

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی دامت برکاتہم
نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ناشر

مکتبۃ الاسلام کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دعا کی اہمیت اور اس کے آداب

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریمO

امابعد:-

موجودہ حالات[1] میں ہمیں چند کاموں کا بطور خاص اہتمام کرنا چاہئے جس میں ہمارا اپنا بھی بڑا فائدہ ہے اور عراق کے مسلمانوں کا بھی فائدہ ہے۔

مظلوم مسلمانوں کے لئے دعا

ان میں سب سے پہلا کام یہ ہے کہ ہم عراق کے مسلمانوں کی کامیابی، ان کی فتح ونصرت، ان کی جان، مال عزت وآبرو کی حفاظت، اوران کے ملک کی حفاظت کیلئے گڑگڑا کر دُعاء کریں اور اس کو ہم اپنی اہم ذمہ داری اوران کا حق سمجھیں۔ کیونکہ وہ ہمارے مسلمان بھائی ہیں اور ایک

[1] عراق کے مظلوم مسلمانوں پر جب امریکہ اپنے اتحادیوں سمیت ظلم و بربریت کی ایک اور مثال قائم کرنے کے لئے حملہ آور ہوا تو اس کے ابتدائی دنوں میں جامعہ دارالعلوم کراچی کے مدرسۃ البنات کے احاطہ میں بعد نماز عصر حضرت والا کا بیان ہوا، اپنی افادیت کے پیش نظر اسے'' اصلاحی بیانات جلد ۷کی زینت بنایا جارہاہے، از مرتب۔

بھائی کا دوسرے بھائی پر حق ہوتا ہے کہ جب اس کو مصیبت یا پریشانی میں دیکھے تو ان کیلئے کم از کم دُعا کرے اور مؤمن کی دُعاء اپنے مؤمن بھائی کے حق میں اس کی عدمِ موجودگی میں ''ازروئے حدیث'' قبول ہوتی ہے۔

یعنی جب کوئی مسلمان بندہ اپنے کسی دوسرے مسلمان بھائی کے حق میں دُعاء کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس دُعاء کو رد نہیں فرماتے، قبول فرما لیتے ہیں۔

جب ہم ان کیلئے دُعاء کریں تو یہ دعاء کریں کہ یا اللہ ان کی مدد فرما اور ان کو فتح عطا فرما، امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے مقابلے میں ان کی مدد فرما اور فتح مبین عطا فرما، اور دشمن کے حملوں سے، ان کے ظلم وستم سے، ان کی بمباری سے اُن کی، ان کے گھر والوں کی، ان کی دکانوں کی، ان کے شہروں کی اور ان کے علاقوں کی حفاظت فرما۔ تو انشاء اللہ تعالیٰ حفاظت ہوگی۔ حدیث شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَلا أَدُلُّكُمْ عَلٰى مَا يُنْجِيكُمْ مِنْ عَدُوِّكُمْ وَيَدُرُّ لَكُمْ أَرْزَاقَكُمْ، تَدْعُوْنَ اللّٰهَ فِيْ لَيْلِكُمْ وَنَهَارِكُمْ فَإِنَّ الدُّعَاءَ سِلَاحُ الْمُؤْمِنِ. (رواه الترمذی)

ترجمہ

''سنو! کیا میں تمہیں وہ عمل نہ بتاؤں جو تمہارے دشمنوں

سے تمہارا بچاؤ کرے اور تمہیں بھرپور روزی دلائے، وہ
عمل یہ ہے کہ اپنے اللہ سے روز و شب، دن رات دعا کیا
کرو، کیونکہ دعا مؤمن کا ہتھیار ہے''۔

یہ اتنا بڑا ہتھیار ہے کہ اس سے بڑا کوئی ہتھیار ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لئے کہ یہ تو اللہ تعالیٰ سے عرض کرنے کا نام ہے اور سب کچھ تو اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے، امریکہ، برطانیہ اور اس کے دوسرے اتحادی بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہیں، عراق اور اس کے مسلمان بھی اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہیں، اور کافروں کے پاس جو اسلحہ ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے، ان کے جہاز، ان کے ایٹم بم اور دوسرے بم، ان کے لیزر گائیڈڈ بیلسٹک میزائل، ان کی توپیں، ٹینک، بکتر بند گاڑیاں سب اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے اللہ پاک چاہیں تو ایک سیکنڈ میں ان کو ملیا میٹ کردیں اور عراق کو فتح عطا فرمادیں۔

سب کچھ اللہ کے حکم اور حکمت سے ہوتا ہے

جو کچھ ہو رہا ہے سب اللہ تعالیٰ کے حکم اور حکمت سے ہو رہا ہے، اللہ تعالیٰ کے حکم و حکمت کے بغیر تو پتہ بھی نہیں ہلتا۔ یہ تو اتنا بڑا معرکہ ہو رہا ہے اور دنیا کی اتنی بڑی ظاہری طاقت، اپنے مقابلے میں مسلمانوں کی چھوٹی سی طاقت پر حملہ آور ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر نہیں ہوسکتا، سب کچھ

اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہو رہا ہے۔

یاد رکھیئے! اس کا اُلٹ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہو سکتا ہے، جب سب گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے دُعا کرینگے تو اللہ تعالیٰ پانسہ پلٹ دینگے، اور پلٹ رہے ہیں، الحمدللہ روز بروز دشمن مایوس ہو رہا ہے بوکھلا رہا ہے، اس کے پاؤں اُکھڑ رہے ہیں، عورتیں تو عورتیں کسان تک ان کے ہیلی کا پٹر گرا رہی ہیں۔

بھلا بتلاؤ یہ کیا ہے؟ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کا نمونہ ہے، وہ اپنی قدرت دکھا رہے ہیں کہ دیکھو ہم اس طرح بھی کر سکتے ہیں، ساری دنیا میں ویسے ہی کافر بدنام ہیں، اب اور زیادہ ذلت وخواری ان کی ہوتی جا رہی ہے اور ہوگی ان شاء اللہ تعالیٰ اور خوب ہوگی۔

بہرحال! دعا مؤمن کا زبردست ہتھیار ہے، مگر یہ جب ہے کہ ہم اس کا استعمال کرنا سیکھ جائیں، اگر ہمیں اس کا استعمال آجائے تو سمجھو کچھ آگیا اور ہمارا کام بن گیا، اس لئے کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کو آگے کرنے والا کام ہے۔

اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَجْعَلُكَ فِيْ نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ.

ترجمہ

''یا اللہ ہم ان کی گردنوں پر آپ کو مقرر کرتے ہیں، یعنی

ہم آپ کو دشمنوں کے آگے کرتے ہیں، اوران کے
شر سے ہم آپ کی پناہ مانگتے ہیں۔آپ ہمیں اپنی
حفاظت میں لے لیجئے اور آپ ہی ان کو نمٹا دیجئے''۔

اور اللہ تعالیٰ کا نمٹانا کیا مشکل ہے۔بس وہ تو ایک دفعہ ''کُن'' کہیں گے معلوم نہیں امریکہ کہاں گیا، اس کے اتحادی کبھی تھے بھی کہ نہیں، اللہ تعالیٰ کے پاس تو ایسی طاقت ہے کہ وہ تو خالی ایک مچھر بھیج دیں گے، تو وہی ان کو نمٹا دے گا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں تو یہ ہے دیکھو نا طوفان کیسا آیا کہ خیمے ہوا میں اُڑ رہے ہیں اور دشمن کی پیش قدمی رک رہی ہے۔[1]

اللہ تعالیٰ تو جہاں چاہیں، جس سے چاہیں دشمن کو نمٹا دیں، ان کو نہ بموں کی ضرورت ہے، نہ ہتھیاروں اور نہ فوج کی ضرورت ہے، بس ایک حکم کی ضرورت ہے، بس وہ حکم دینگے تو مٹی کے ذرات ہی ایٹم بم بن جائیں گے، اوراس سے ہی سارے کے سارے مٹ جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے ذاری ایک آندھی بھیجی ہے تو ان کی پیش قدمی رک گئی، خیمے اُڑ گئے اور وہ بوکھلا گئے۔ ایسے ہی راتوں رات اللہ تعالیٰ کوئی طوفانی بارش بھیج دیں، سویرے معلوم ہوا کہ سب نیست و نابود ہو گئے، یہ اللہ کی قدرت سے کچھ بعید نہیں۔

---

[1] ان دنوں اطلاع آئی تھی کہ عراق میں زبردست طوفانی ہوا نے امریکہ اوراس کے اتحادیوں کی پیش قدمی روک دی ہے۔ از مرتب۔

دعا بہر صورت نافع اور مفید ہے

سب کچھ اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے، مگر مانگنا شرط ہے، مانگنے والا ہونا چاہئے، اس ہتھیار کو استعمال کرنے والا ہونا چاہئے اور یہ ہتھیار ہم استعمال کر سکتے ہیں، اور یہ ایسا ہتھیار ہے جو مصیبت نازل ہونے سے پہلے بھی نافع اور مفید ہے اور مصیبت آجانے کے بعد بھی مفید اور کارآمد ہے، اور مصیبت ٹلنے کے بعد بھی نافع اور مفید ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

إِنَّ الدُّعَاءَ يَنْفَعُ مِمَّا نَزَلَ وَمِمَّا لَمْ يَنْزِلْ ، فَعَلَيْكُمْ عِبَادَ اللّٰهِ بِالدُّعَاءِ.

ترجمہ

"دعا ان حوادث و مصائب میں بھی کارآمد اور نفع مند ہوتی ہے جو نازل ہو چکے ہیں اور ان میں بھی جو ابھی نازل نہیں ہوئے، لہٰذا اے اللہ کے بندوں دعا کا اہتمام کیا کرو"۔ (ترمذی بحوالہ مشکوٰۃ: ۱۹۵)

دُعا ایسی کارآمد چیز اور ایسا بہترین ہتھیار ہے جو ہر حال میں کارآمد اور نافع ہے، جب تک مصیبت نہ آئے تب بھی مانگتے رہو حکمت ہوگی تو آنے والی بلا ٹل جائیگی، اور اگر اس کے ٹلنے کی حکمت نہ ہوگی تو کوئی اور بلا ٹل

جائے گی، اور کچھ نہیں تو اللہ تعالیٰ اس دُعاء ہی کو آخرت میں ذخیرہ فرمادیں گے۔

عام طور پر تو یہ ہوتا ہے کہ بندہ جو اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے اگر دُعا میں قبولیت کی شرائط پائی جاتی ہوں تو اللہ تعالیٰ اسی کو قبول فرمالیتے ہیں، اکثر تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ ایسا ہی معاملہ فرماتے ہیں لیکن ظاہری طور پر ہم جو کچھ مانگ رہے ہیں وہ ملے یا نہ ملے ہر حال میں دُعا فائدے سے خالی نہیں ہے۔

دعا کے فوائد

سب سے بڑا فائدہ تو یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے جُڑ جاتا ہے اور وہ لمحہ سب سے بڑا قیمتی ہے جب بندے کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہوگیا، جب بندہ اپنے رب سے عرض ومناجات کررہا ہو، اس کے سامنے عاجزی کررہا ہو، گڑگڑا رہا ہو، بھیک مانگ رہا ہو اور دعا مانگ رہا ہو، بس وہ بندے کا سنہری وقت ہوتا ہے اور کچھ نہ بھی ملے تو یہ توفیقِ دعا بذاتِ خود بہت بڑی دولت ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی طرف متوجہ ہیں، یہ متوجہ ہوجانا اور بندے کا اللہ تعالیٰ سے رابطہ ہوجانا ہی بہت بڑی دولت اور بہت بڑی نعمت ہے آگے جو کچھ بھی ہے سب نفع ہی نفع ہے اور جتنی مرتبہ دعا کرے گا اتنا ہی اللہ تعالیٰ سے رابطہ قوی ہوگا۔

یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے کوئی گنوار بادشاہ سے ملنے لگے یعنی اگر کسی گنوار کی بادشاہ (جس سے بڑے بڑے لوگ ملنے کی تمنا اور آرزو کرتے ہیں) سے ملاقات ہوجائے اور اس گنوار کو جناب بادشاہ نے بُلا لیا اور ملاقات کرلی ہو تو اس کے وارے نیارے ہوجائیں، اس کا وہ دن کس طرح عید سے کم نہ ہو، اور اگر اس کو دو چار دفعہ ایسے ہی ملاقات کا موقع مل جائے تو کہیں گے یہ تو وزیراعظم سے کم نہیں ہے۔ یہ تو اتنی مرتبہ مل چکا ہے ہم نے تو آج تک بادشاہ کی شکل تک نہیں دیکھی یہ گنوار تو روز ملتا ہے، وہ تو وزیراعظم سے کم نہ ہوا۔

اگر دنیا کے گنوار کی بادشاہ سے ملاقات ہوجائے تو اس کی یہ عزت افزائی، ارے! احکم الحاکمین سے اگر ہم جیسے گنواروں اور نالائقوں کی ملاقات بصورتِ دعا ہوجائے تو کیا یہ کم دولت ہے؟ بابا بہت بڑی دولت ہے، بہت بڑی نعمت ہے۔ اس لئے بس دُعا ہی کی توفیق ہوجائے تو سمجھو بہت بڑی نعمت ہاتھ آگئی، اس لئے مصیبت آنے سے پہلے بھی دعا مانگنا مفید ہی مفید ہے، نافع ہی نافع ہے اور مصیبت آگئی تب بھی مفید ہے۔ وہ یوں مفید ہے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق تو ہو رہا ہے، یوں یہ مصیبت بھی نعمت ہوگئی جو اللہ تعالیٰ سے دعا کا ذریعہ بن گئی۔

جس طرح کوئی نعمت اللہ تعالیٰ کے شکر کا ذریعہ بن جائے اور بندہ

اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر شکر میں مشغول ہو جائے تو وہ نعمت بھی ہزار نعمت ہے۔اسی طرح کوئی بیماری،کوئی پریشانی،کوئی مصیبت یا کوئی آفت اگر مسلمانوں پر آجائے اور مؤمن بندہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور اس کی بارگاہ میں عرض ومعروض شروع کردے بس سمجھو سب سے بڑا نفع اس کو حاصل ہو گیا اب وہ مصیبت بھی مصیبت نہ رہی بلکہ قرب الٰہی کا ذریعہ بن گئی، تعلق مع اللہ کا سبب بن گئی،لہٰذا جو چیز بھی اللہ تعالیٰ کے تعلق کا سبب بن جائے وہ نعمت ہے چاہے صورت میں وہ زحمت اور مصیبت ہی کیوں نہ نظر آئے۔جیسے مصیبت آنے کے بعد دعاء کرنا مفید ہے کیونکہ اس کو دور کرنے والے اللہ پاک ہی ہیں اسی طرح آنے سے پہلے بچانے والے بھی اللہ پاک ہیں اور مصیبت کے دور ہونے کے بعد اس سے عافیت دینے والے اور آئندہ بچانے والے بھی اللہ پاک ہیں۔

عزیزو! اسی لئے ہر حال میں دعا کا اہتمام کیا کرو،تو یہ اتنی بڑی دولت اور نعمت ہے کہ ہر حال میں مفید ہے اور مؤمن کا زبردست ہتھیار ہے اس لئے اس کام کو بہت زیادہ اہتمام کے ساتھ کرنا چاہئے۔ جتنا ہم گڑگڑا کر دعا کرینگے اتنا ہی زیادہ فائدہ ان شاء اللہ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔

لہٰذا دو تین باتیں جو دعا کے آداب میں سے ہیں ان کا ہم خیال کریں۔

ا۔ حرام غذا سے بچیں

ایک ہے کہ کھانے پینے کے اندر مال حلال اور اکلِ حلال کا خیال رکھیں کیونکہ حرام کھانے والے کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ چنانچہ ایک حدیث شریف میں ہے کہ تین آدمیوں کی دعا رد نہیں ہوتی، یعنی تین آدمی ایسے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا رد نہیں فرماتے، اگر چہ بعض دوسری روایات میں ان تین کے علاوہ بھی دعا کرنے والوں کا تذکرہ ہے، جن کی دعا رد نہیں ہوتی، لیکن ایک حدیث میں تین کا ذکر آیا ہے۔

عن ابی هريرةؓ قال قال رسول الله ﷺ ثلٰثُ دعواتٍ مُستجاباتٍ لاشكَّ فيهنّ دَعوَةُ الوالدِ، وَدَعوَةُ المُسافرِ، وَدَعوَةُ المظلُومِ.

(رواه الترمذی، مشكوة: ۱۹۵)

ترجمہ

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تین دعائیں ایسی ہیں جن کی قبولیت میں کوئی شبہ ہی نہیں۔

(۱) باپ کی دعا (اپنی اولاد کے حق میں)

(۲) مسافر کی دعا

(۳) مظلوم کی دعا''۔

یعنی ایک تو اللہ پاک باپ کی دعا اولاد کے حق میں رد نہیں فرماتے، باپ اگر اپنی اولاد کے حق میں دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ قبول فرماتے ہیں۔ دوسرے مسافر کی دعا اللہ تعالیٰ رد نہیں فرماتے، تیسرے مظلوم کی دعا اللہ پاک رد نہیں فرماتے۔

دوسری حدیث میں ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لئے غائبانہ طور پر دعا کرے تو اللہ تعالیٰ رد نہیں فرماتے ہیں، قبول فرماتے ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسافر کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے لیکن اس کے ساتھ ایک دوسری حدیث بھی سنئے اور اس کی روشنی میں اندازہ لگائیے کہ قبولیتِ دعا کے لئے ''رزقِ حلال اور اکل حلال'' کو کس قدر اہمیت حاصل ہے۔ وہ حدیث یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک ارشاد ہے کہ:

''یٰـاَیُّهَا النَّاسُ! إنَّ اللّٰهَ طَیِّبٌ لَا یَقْبَلُ إلَّا طَیِّبًا وإنَّ اللّٰهَ أمَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ بِمَا أمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِیْنَ فقَالَ: ''یٰأیُّهَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا إنّی بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ'' وَقَالَ: ''یٰأیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبَاتِ مَارَزَقْنَاکُمْ'' ثُمَّ ذَکَرَ الرَّجُلَ

يُطِيلُ السَّفرَ أشْعثَ أغبَر يَمُدُّ يدَيْهِ إلى السَّماءِ يَارَبِّ يَارَبِّ ومَطْعَمُهُ حَرامٌ ومَشْرَبُهُ حَرامٌ ومَلْبَسُهُ حرامٌ وغُذِىَ بِالْحَرامِ فأنّى يُسْتَجَابُ لِذالك"۔

ترجمہ

"لوگو! اللہ تعالیٰ پاک ہے اور صرف پاک (صدقہ) کو ہی قبول کرتا ہے، اس نے اس بارے میں جو حکم اپنے سب پیغمبروں کو دیا ہے، وہی اپنے سب مؤمن بندوں کو دیا ہے، پیغمبروں کے لئے اس کا ارشاد ہے:

"اے پیغمبرو! تم حلال اور پاک غذا کھاؤ اور نیک اعمال کرو، میں تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہوں"۔ (المؤمنون: ۵۱)

اور اہل ایمان کو مخاطب کر کے اس نے فرمایا:

"اے ایمان والو! تم ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے حلال اور پاک غذا کھاؤ (اور حرام سے بچو)"

(البقرۃ: ۱۷۲)

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے آدمی کا

ذکر فرمایا جو طویل سفر کر کے (کسی مقدس مقام پر) اس حالت میں جاتا ہے کہ اس کے بال پراگندہ، جسم اور کپڑے غبار آلود ہو جاتے ہیں اور وہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کے دعا کرتا ہے: ''اے میرے رب! اے میرے رب!'' اور حالت یہ ہے کہ اس کا کھانا حرام ہے، اس کا پینا حرام ہے، اس کا لباس بھی حرام ہے، اور حرام غذا سے اس کی نشو ونما ہوئی ہے، تو اس آدمی کی دعا کیسے قبول ہوگی''۔ (صحیح مسلم عن ابی ھریرۃ)

معلوم ہوا کہ حرام کھانے پینے کے ساتھ دعا قبول نہیں ہوسکتی لہٰذا کھانا پینا حلال کا رکھیں، جس قدر کھانے پینے میں مالِ حلال استعمال ہوگا اتنا ہی اس کا دل منور ہوگا، اس کے اندر عبادت کا ذوق وشوق پیدا ہوگا، ایسے ہی اس کو زیادہ سے زیادہ نیک کاموں کی توفیق ہوگی اور دعا بھی اس کی قبول ہوگی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۲۔ دعا توجہ سے کریں

دوسرا ادب یہ ہے کہ مانگنے والا دعا کے اندر توجہ، دھیان رکھے، یعنی جب دعا کرے تو پوری توجہ کے ساتھ کرے، ایسا نہ ہو جیسے آدمی نماز پڑھتا

رہتا ہے دھیان کہیں اور ہوتا ہے یا تسبیح پڑھتا رہتا ہے دھیان کہیں اور ہوتا ہے، دعا میں ایسا کریگا تو دعا قبول نہیں ہوگی۔ حدیث شریف میں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اُدْعُوا اللّٰهَ وَأَنْتُمْ مُوْقِنُوْنَ بِالْإِجَابَةِ وَاعْلَمُوْا أَنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَجِيْبُ دُعَاءً مِنْ قَلْبٍ غَافِلٍ لَاهٍ.

(رواہ الترمذی)

ترجمہ

''جب اللہ سے مانگو اور دعا کرو تو اس یقین کے ساتھ کرو کہ وہ ضرور قبول کرے گا، اور عطا فرمائے گا اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول نہیں کرتا جس کا دل (دعا کے وقت) اللہ سے غافل اور بے پرواہ ہو''۔

اس لئے دعا کرنے والے پر لازم ہے کہ وہ جتنی بھی دعا کرے پوری توجہ کے ساتھ کرے، اور توجہ یہ رکھے کہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے ہوں، اللہ تعالیٰ سے میں فلاں چیز مانگ رہا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے میں درخواست کرر ہا ہوں۔ اتنا تو کم سے کم آدمی کو پتہ ہو، اب اگر یہی نہیں پتہ کہ میں کیا مانگ ہا ہوں، کیا نہیں مانگ رہا ہوں، کس سے مانگ رہا ہوں، کس کے سامنے ہوں، کہاں ہوں، کچھ پتہ ہی نہیں ہے بس طوطے کی طرح رٹی رٹائی

دعا پڑھ رہا ہے۔ تو ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبولیتِ دعا کا وعدہ نہیں ہے، یاد رکھئے! دعا محض پڑھنے سے قبول نہیں ہوتی، دعا مانگنے سے قبول ہوتی ہے اور مانگنا یہی ہے کہ پورا دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو، بندے کو یہ معلوم ہو میں کیا مانگ رہا ہوں، کس سے مانگ رہا ہوں، دل بھی اللہ تعالیٰ کی طرف ہو اور دھیان بھی اللہ تعالیٰ کی طرف ہو اور جو مانگ رہا ہو وہ بھی معلوم ہو۔

۳۔ رو کر یا رونی شکل بنا کر دعا کیجئے

تیسرا ادب یہ ہے کہ دعا رو کر، گڑگڑا کر مانگے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۔ (الاعراف:۵۵)

ترجمہ

"تم لوگ اپنے رب سے دعا کیا کرو تذلّل (ذلت و مسکنت) ظاہر کر کے اور چپکے چپکے۔

دعا اس طرح گڑگڑا کر مانگے اور مانگنے کے اندر بھی یہ ہے کہ اگر سچ مُچ رونا آجائے تو اچھا ہے لیکن چونکہ سچ مُچ رونا ہر آدمی کے اختیار میں نہیں ہے لہٰذا کم از کم رونے والوں کی سی شکل ہی بنا لے اور جہاں بندہ رونے

والوں کی شکل بنالیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کے ساتھ سچ مُچ رونے والوں کا سا معاملہ فرما دیتے ہیں یعنی جیسے رونے والے کی دُعاء رد نہیں فرماتے رونے کی شکل بنا کر مانگنے والے کی دعاء بھی رد نہیں فرماتے۔

حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک ہے:

ابْكُوْا فَإِنْ لَمْ تَبْكُوْا فَتَبَاكُوْا .

(ابن ماجة : ۳۰۹، باب الحزن والبكاء)

ترجمہ

''رو رو کر دعا مانگا کرو، اگر تمہیں رونا نہ آئے تو کم از کم رونے کی شکل ہی بنالیا کرو۔''

اس حدیث شریف کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ رونا نہ آنے کی صورت میں قبر و آخرت کا تصور کر کے رونے کی کوشش کرو، بہر حال! رونا دعا کا ایک ادب بھی ہے اور قبولیتِ دعا کی ایک علامت بھی ہے، اس لئے رقتِ قلبی (نرم دلی) کی وجہ سے از خود رونا آجائے تو بہت ہی اچھی بات ہے، ورنہ قبر کی اندھیر کوٹھڑی اور آخرت کی سختی کو سوچ کر رونے کی کوشش کی جائے، اس پر بھی اگر رونا نہ آئے تو آخری درجہ میں کم از کم رونے کی شکل ہی بنالینی چاہئے۔ اللہ جل شانہ کی ذات سے پختہ امید ہے کہ ان شاء اللہ اللہ پاک رونے کی شکل پر وہی معاملہ فرمائیں گے جو حقیقی، اصل اور سچ مچ رونے

پر فرماتے ہیں۔

ایک بزرگ کا عجیب قصہ

دعا کے سلسلے میں رونے پر ایک قصہ یاد آ گیا ایک بزرگ کا عجیب وغریب معمول تھا، بزرگوں کے عجیب وغریب مزاج ہوتے ہیں، ہیں سارے بزرگ لیکن مزاج الگ الگ ہیں جیسے پھول تو سارے ہیں باغ کے اندر مگر خوشبو اور رنگ الگ الگ، لیکن یہ نہیں کہ گلاب کا پھول لال رنگ کا پھول نہیں ہے پیلے رنگ کا پھول ہے اور چنبیلی کا پھول پھول نہیں ہے موتیا کا پھول پھول ہے۔ نہیں سب پھول ہیں اور سب اچھے ہیں مگر خوشبو الگ الگ ہے اور رنگ الگ الگ ہے۔ اسی طرح سارے اللہ والے ہیں مزاج الگ الگ ہے اور مذاق الگ الگ ہے۔

جس بزرگ کا میں قصہ سنا رہا ہوں ان کا عجیب مزاج تھا کہ ہمیشہ قرض لے لے کر کام کرتے تھے، جو بھی آ رہا ہے یا جا رہا ہے، جس کی بھی خدمت کر رہے ہیں، کھلا رہے ہیں پلا رہے ہیں قرض لے لیکر کر رہے ہیں، اور لوگ بھی ان کو قرض دے دیتے تھے۔ اب ان پر ہر وقت قرضہ چڑھا رہتا تھا، جو کبھی اتر جاتا تو اسی عادت کی وجہ سے دوبارہ چڑھ جاتا غرض، اترتا چڑھتا رہتا تھا، اور چونکہ رقم آتے ہی وہ قرضہ اتار بھی دیتے تھے اس لئے

لوگ بے فکر ہو کر قرض دے دیا کرتے تھے۔ اس طرح بزرگ کام چلاتے رہے، ساری عمر اسی طرح گزر گئی کہ کسی کی مدد کر رہے ہیں تو قرض لیکر کر رہے ہیں، کسی کو کھانا کھلا رہے ہیں تو قرض سے کھلا رہے ہیں، کسی کو صدقہ دے رہے ہیں تو قرض سے دے رہے ہیں بس قرض لیتے رہے اور لوگوں کی ضرورتیں پوری کرتے رہے۔

اب یہ قصہ سنکر کوئی اور اسی پر عمل نہ کرنے لگے یاد رکھو ایسا کرنا ہر ایک کیلئے مناسب نہیں ہے اگر کسی نے قرض لے لیا اور نہ اترا تو پھر مصیبت آجائے گی۔ اس لئے دوسروں کو شدید ضرورت کے بغیر قرض لینے سے بچنا چاہئے، بہر حال ان بزرگ کا یہ معاملہ تھا کہ زندگی بھر قرض لے لے کر کام چلایا، یہاں تک کہ انتقال کا وقت قریب آگیا تو جس جس نے قرض دیا ہوا تھا سب گھر آگئے، سب دکان چھوڑ چھوڑ کر، گھر چھوڑ چھوڑ کر حضرت کی خدمت میں آبیٹھے اور سب دیکھ رہے ہیں کہ اب تو حضرت کا آخری وقت آگیا، میرے اتنے پیسے ہیں، اور میرے اتنے پیسے ہیں۔ حضرت کے گھر میں جھاڑو پھری ہوئی ہے، یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے، اب کیا ہوگا؟ پیچھے تو کچھ نہیں ہے ملے گا کیا؟ اب جناب وہ سامنے بیٹھے حضرت کو دیکھ رہے ہیں اور ان کا کلیجہ منہ کو آرہا ہے، جب ذرا حضرت آنکھ کھول کر دیکھ لیں تو قرض خواہوں کی جان میں جان آجائے اور جب آنکھ دیر تک نہ کھولیں تو دل ہی دل میں کہیں کہ

''حضرت گئے تو پیسے بھی گئے''۔

اب جناب کوئی آیۃ الکرسی پڑھ رہا ہے کوئی سورۂ یٰس پڑھ رہا ہے کوئی کچھ اور پڑھ رہا ہے تاکہ پیسے کسی طرح مل جائیں، حضرت بھی دیکھ رہے ہیں کہ یہ جتنے آئے ہوئے ہیں سارے بے چارے پریشان ہیں اور خود ان کو تو اللہ تعالیٰ کی ذات پر مکمل بھروسہ تھا، وہ بے فکر اپنے بستر پر لیٹے ہوئے ہیں، اللہ کی یاد میں مشغول ہیں مگر ان بے چاروں کا حال بہت بُرا تھا، حالت بڑی خراب تھی کہ بھئی اب تو ہمارے پیسے گئے، اب کیسے ملیں گے؟

تھوڑی دیر گذری کہ گلی میں سے ایک بچہ حلوہ بیچتا ہوا گذرا، اور آواز لگا رہا تھا کہ ''حلوہ لے لو، حلوہ لے لو، ایک آنے کا حلوہ، ایک آنے کا حلوہ''۔

حضرت نے فرمایا بھئی بچے کو بُلاؤ، ایک آدمی گیا بلا کر لایا۔ حضرت نے پوچھا بھئی کیا بیچ رہا ہے، کہا حلوہ بیچ رہا ہوں، فرمایا: ''پورے حلوے کا کونڈہ کتنے کا ہے؟'' کہا دس روپے کا۔ کہا لاؤ مجھے دیدو۔ اس سے بھی انہوں نے حلوہ ادھار لے لیا اور کہا: ''چلو بھئی منہ میٹھا کرلو''۔ سب کا منہ میٹھا کروا دیا، سب حلوہ کھا کر بیٹھ گئے۔

تھوڑی دیر بعد بچے نے کہا: حضرت! ''جی میرے پیسے'' کہنے لگے ''بھئی یہ بھی پیسے لینے آئے ہیں تو بھی انہیں کے ساتھ بیٹھ جا''۔ اب جب

لوگوں کو یہ احساس ہوا کہ ارے حضرت نے اس سے بھی حلوہ ادھار خریدا ہے تو بڑے پشیمان ہوئے کہ یار ہم تو مصیبت میں تھے، یہ بچہ بھی مصیبت میں آگیا، حضرت کو چاہئے تھا کہ اس بچے کو تو کم از کم پیسے دیدیتے۔

بچہ تو چھوٹے دل کا ہوتا ہے، اب وہ پیسے نہ ملنے پر بڑا پریشان ہوا، اس نے پھر کہا: ''حضرت مجھے جلدی سے پیسے دیدو میں جاؤں اپنے گھر، میری ماں میرا انتظار کررہی ہوگی''، کہا: ''بیٹے بیٹھ جا یہ سب پیسے لینے کیلئے بیٹھے ہیں، تو بھی ان کے ساتھ بیٹھ جا، جب تجھے ملیں گے تو ان کو بھی مل جائیں گے''، اس نے دس پندرہ منٹ اور انتظار کیا جب اس نے دیکھا کہ حلوہ تو کھا گئے پیسے دئے نہیں تو وہ بے چارہ رونے لگا: ''ہائے میری ماں مجھے مارے گی، میرے پیسے کہاں گئے، حلوہ کھالیا پیسے نہیں دے رہے حضرت میرے پیسے دیدو میں تو اپنے گھر جاؤں'' اور وہ خوب رونے لگا۔

اب جب وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا تو سب کا دل بڑا پسیجا کہ ارے بھئی! اس کے ساتھ تو بڑی زیادتی ہوگئی اس بے چارے مسکین کے تو کم از کم حضرت نقد ہی پیسے دیدیتے، حلوہ ادھار نہ خریدتے ہم تو جیسے تیسے برداشت کررہے ہیں لیکن اس بچے کا کیا ہوگا اس کا رونا ان سے نہ دیکھا گیا مگر سب چپ، کچھ کہہ بھی نہیں سکتے وہ بچہ روتا رہا تھوڑی دیر میں کسی نے دروازے پر دستک دی، حضرت نے خادم سے کہا جاؤ دیکھو دروازے پر کون

آیا ہے، خادم گیا تو دیکھا ایک نواب صاحب نے اپنا نوکر بھیجا ہے اس کے سر پر ایک طباق ہے جو ہرے رومال سے ڈھکا ہوا ہے، اس نوکر نے کہا کہ فلاں نواب نے سلام کہا ہے اور عرض کیا کہ حضرت یہ حقیر سا ہدیہ ہے للہ قبول فرما لیجئے، آپ قبول کرلیں آپ کا احسان ہوگا، خادم نے آکر بتایا کہ کسی فلاں نواب کا خادم ہدیہ لیکر آیا ہے، فرمایا: ''قبول ہے لے آؤ''، خادم جا کر لے آیا، جب رومال ہٹا کر دیکھا تو طباق اشرفیوں سے بھرا ہوا تھا، فرمایا: ''سب سے پہلے دس روپے اس بچے کو دیدو تا کہ یہ گھر جائے''، چنانچہ دس روپے اس کو دیئے اور بچہ خوشی خوشی اپنے گھر چل دیا۔

پھر فرمایا بھئی پوچھتے جاؤ کس کا کتنا قرضہ ہے اور دیتے جاؤ، اب وہ خادم پوچھتا گیا بھئی تمہارے کتنے ہیں ارے میرے اتنے ہیں، لو بھئی لے لو، اور جب دینے شروع کردیئے تو سب کے پیسے پورے ہوگئے، آخری قرض خواہ کے قرض ختم ہونے پر طباق بھی ختم ہوگیا، یعنی اس طرح اللہ پاک نے پورے پیسے بھیجے کہ وہ جتنے بھی قرض خواہ تھے سب کا قرضہ پورا پورا اور پائی پائی ادا ہوگیا۔

پھر حضرت نے فرمایا کہ بھئی تم مجھے کوس تو بہت رہے تھے جب بچہ رو رہا تھا کہ حضرت نے اس کے ساتھ یہ کیا معاملہ کیا ہے، اس بے چارے کا بھی آخری وقت حلوہ ادھار لے لیا، پیسے نقد نہ دیئے مگر بات دراصل یہ ہے

کہ بھئی مجھ سے تمہاری حالت نہیں دیکھی جارہی تھی، میرا تو زندگی بھر کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ رہا ہے ہمیشہ مجھ پر انہوں نے کرم ہی کیا ہے کبھی انہوں نے میرا قرض رکھا نہیں، جتنا بھی میں نے لیا، جب بھی لیا ہمیشہ انہوں نے میرا قرض ادا فرمادیا۔ مجھے تو اطمینان تھا کہ جنہوں نے ساری عمر میرا قرضہ ادا فرمایا ہے تو کیا اب آخری عمر میں میرا قرضہ ادا نہ فرمائیں گے؟ مجھے تو اطمینان تھا کہ ان شاء اللہ اس وقت تک نہ مروں گا جب تک تمہارے قرضے نہیں اتر جاتے، مگر تمہارے کلیجے جو منہ کو آرہے تھے، تمہاری جو پھٹی پھٹی آنکھیں مجھے دیکھ رہی تھیں اس سے مجھے بڑی تکلیف ہورہی تھی، میں نے سوچا کہ بھئی ان کو ملے گا تو سہی مگر جلدی ملنے کی کوئی ترکیب ہونی چاہئے، جو جلدی سے پیسہ آئے اور جلدی سے ان کا قرضہ اترے تو جب مجھے بچے کی آواز ئی تو میں نے سوچا کہ بچے کو بُلاؤ۔ اس سے سودا کرو اور بچے کا دل نرم اور چھوٹا ہوتا ہے، جب اس کو پیسے نہیں ملیں گے تو وہ جلدی روئے گا اور جتنی جلدی کوئی روئے گا اتنی جلدی اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہو جائے گی اور برس جائے گی مگر تم تو رونے والے تھے نہیں لیکن وہ بچہ رونے والا تھا، اس لئے میں نے اُس کا حلوہ تمہیں کھلایا، تو تم نے دیکھا تھوڑی دیر میں بچہ رو پڑا، اب جو بچہ رویا تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کو جوش آیا اور جیسے ہی اللہ تعالیٰ کی دریائے رحمت کو جوش آیا تو اللہ تعالیٰ نے جلدی سے ہدیہ بھیج دیا، بچے کے طفیل تمہارا

کام بھی بن گیا، اس کا قرض بھی اُترا اور میرا کام بھی ہوگیا کہ میرا ذمہ اللہ تعالیٰ نے فارغ فرمادیا۔

تو یہ دیکھو بھئی دعا میں جو سچ مچ روئے تو پھر کہنا ہی کیا ہے لیکن یہ ہر آدمی کے اختیار میں نہیں، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں فرمایا اگر رونا نہ آئے تو رونے کی سی شکل بنالو۔ اور اللہ تعالیٰ ایسے کریم ہیں کہ رونے کی سی شکل پر بھی ویسی ہی رحمت کا معاملہ فرماتے ہیں، جیسے سچ مچ رونے پر فرماتے ہیں۔

تو بھئی اگر مسلمانوں کی فتح ونصرت کے لئے، کامیابی کے لئے اور دیگر مقاصد کے لئے توجہ کے ساتھ ساتھ رونے کی سی شکل بھی بنالیں تو ان شاء اللہ تعالیٰ دعا ضرور قبول ہوگی۔ اور جب بھی آپ دعا مانگیں خاص طور پر خلوت وتنہائی میں تو رونے کی شکل بنانے کی عادت ڈالیں۔ اور جب رونے کی سی شکل کے ساتھ پوری توجہ اور دھیان کے ساتھ دُعا ہوگی تو انشاء اللہ تعالیٰ وہ دعا رد نہیں ہوگی۔

اور دعا کے ساتھ ساتھ اس بات کا بھی خیال رکھیں کہ ہمیں اپنی دعا کی قبولیت کا یقین کامل ہونا چاہئے، جتنا آپ کو اپنی دعا کی قبولیت کا یقین ہوگا کہ جو کچھ میں مانگ رہا ہوں اللہ تعالیٰ ضرور عطا فرمائیں گے، چاہے قبول ہونا معلوم ہو یا نہ ہو یہ ہمارا کام نہیں ہے یہ تو اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ تو جتنے

یقین کے ساتھ دعا ہوگی اتنی ہی انشاء اللہ تعالیٰ وہ مقبول بھی ہوگی۔

اس طرح سے دعا کے آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے چاہے ہم عراق کے مسلمانوں کے لئے دعا کریں چاہے افغانستان کے مجاہدین اور طالبان کے لئے یا دیگر مسلمانوں کے لئے، اور چاہے اپنے دیگر جائز مقاصد کے لئے دعا کریں تو وہ دعا انشاء اللہ تعالیٰ قبول ہوگی، اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کی دولت بھی نصیب ہوگی۔

دعا بذاتِ خود ایک عبادت ہے

یاد رکھئے! دعا بذاتِ خود اعلیٰ درجہ کی ایک عبادت ہے، جب کبھی کسی بھی پریشانی کی وجہ سے، کسی بھی تکلیف کی وجہ سے، کسی بھی حاجت کی وجہ سے، کسی بھی ضرورت کی وجہ سے اگر یہ دولت نصیب ہو تو زہے مقدر۔ اور پھر حدیث شریف میں ہے:

اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ.

دعا عبادت کا مغز ہے۔ (ترمذی بحوالہ مشکوۃ: ۱۹۴)

یعنی دعا کرنا خود ایک اعلیٰ درجے کی عبادت ہے، اگر اعلیٰ درجے کی عبادت نصیب ہو جائے خواہ کسی پریشانی کی وجہ سے ہی کیوں نہ ہو بہر حال یہ بہت بڑی نعمت ہے۔ لہٰذا ہر ایسے موقع پر ایک کام ہم لوگ یہ کریں کہ

فوراً دعا میں لگ جائیں اور جہاں قنوت نازلہ پڑھی جارہی ہو اس میں دل سے آمین کہیں اور آہستہ کہیں زور سے نہ کہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کو وہ دعا زیادہ پسند ہے جو چپکے چپکے ہو، بلند آواز سے کی جانے والی دعا بھی اگرچہ جائز ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کو جو دعا زیادہ پسند ہے وہ وہ دعا ہے جو چپکے چپکے ہو، اس لئے کہ چلا کر کہنے کی اللہ تعالیٰ کو کیا ضرورت ہے، وہ تو علیم بذات الصدور ہیں، سمیع وعلیم ہیں، یعنی دل کے اندر جو آدمی سوچتا ہے اس کی بھی اللہ تعالیٰ کو خبر ہوتی ہے، جبکہ فرشتوں کو بھی اس کا پتہ نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ یہ دل میں کیا چاہ رہا ہے، اور ہم سے کیا کہہ رہا ہے، اللہ تعالیٰ سینے کے اندر کی بات کو بھی جانتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے ایک بدو نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا:

یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ! أَقَرِیْبٌ رَبُّنَا فَنُنَاجِیْہِ أَمْ بَعِیْدٌ فَنُنَادِیْہِ؟

ترجمہ

''اے اللہ کے رسول! (ہمارا رب کہاں ہے؟) ہمارا رب کیا ہمارے نزدیک ہے کہ ہم اس سے آہستہ آہستہ چپکے چپکے دعا مانگا کریں یا ہم سے دور ہے کہ ہم صدا لگا کر بآواز بلند اس کو پکاریں''۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب ارشاد فرمانے سے پہلے حضرت جبرئیل امین علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا جواب لے کر آگئے، اور یہ آیات پڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سنائیں:

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ فَإِنِّىْ قَرِيْبٌ ، أُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِىْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِىْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ. (البقرة:۱۸٦)

ترجمہ

''(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) جب آپ سے میرے بندے میرے (دور اور نزدیک ہونے کے) متعلق دریافت کریں تو (آپ میری طرف سے ان سے فرما دیجئے کہ) میں قریب ہی ہوں، منظور کر لیتا ہوں (ہر) عرض درخواست کرنے والے کی جبکہ وہ میرے حضور میں درخواست دے، سو ان کو چاہئے کہ میرے احکام کو قبول کیا کریں، اور مجھ پر یقین رکھیں، امید ہے کہ وہ لوگ رُشد وفلاح حاصل کر سکیں گے''۔ (تفسیر ابن کثیر)

معلوم ہوا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ انسان کے بالکل قریب ہوتے ہیں، لہٰذا آہستہ دعا کرنا افضل ہے، جیسا کہ ایک دوسری آیت میں یہ حکم صاف

معلوم ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً، إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ. (الاعراف:۵۵)

ترجمہ

''تم لوگ (ہر حالت اور ہر حاجت میں) اپنے پروردگار سے دعا کیا کرو، تذلّل (اپنی ذلت و مسکنت) ظاہر کر کے بھی اور چپکے چپکے بھی، واقعی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند نہیں فرماتے جو (ادب کی) حد سے نکل جائیں''۔

بہر حال! اللہ پاک اپنے بندے کے نزدیک بھی ہیں اور اس کی ہر نقل و حرکت کو جانتے بھی ہیں اور اس کی ہر چھوٹی بڑی نہاں عیاں بات کو خوب سنتے بھی ہیں، جب وہ خوب سنتے ہیں تو ان کو سنانے کے لئے زور، زور سے کہنے کی کیا ضرورت ہے، لہٰذا چپکے چپکے کہو، اس لئے قنوتِ نازلہ میں آمین آہستہ کہنی چاہئے، مگر دل سے کہنی چاہئے یہ نہیں کہ نیند میں کھڑے ہیں، جھٹکے لے رہے ہیں اور آمین بھی کہہ رہے ہیں، یہ سونے کی دعا تھوڑی ہے، ہوش و حواس کے ساتھ کھڑے ہوں اور سمجھیں کہ بھئی اب یہ بڑا اہم موقع آگیا ہے اور حضور ﷺ کی سنت کے مطابق قنوتِ نازلہ پڑھی جارہی ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم قنوت نازلہ پڑھتے تھے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

آپ ﷺ کے پیچھے آمین کہتے تھے، یہ میری زندگی کا کتنا سنہری موقع ہے کہ آج میں حضور کی سنت پر عمل کر رہا ہوں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقہ پر عمل کر رہا ہوں۔

ایک تو یہ دعا بڑی سعادت اور بہت بڑی نعمت ہے، پھر اس کے اندر جب دل لگا ہوا ہوگا تو بھئی ایک کی نہیں سینکڑوں کی آمین ہوگی، سینکڑوں کی دعا ہوگی، ایک امام کی دعا اور سینکڑوں مقتدیوں کی دعا ہوگی، جب یہ آسمان پر جائے گی تو انشاء اللہ تعالیٰ عرش سے ٹکرائے گی اور اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہو کر سامنے آئیگی اور آرہی ہے الحمد للہ۔

دعا کے لئے مکان وطہارت شرط نہیں

ویسے بھی فرض نمازوں کے بعد، تہجد کے وقت، چلتے پھرتے، آتے جاتے اور لیٹے بیٹھے جب ان کا خیال آجائے دعا کرنا شروع کر دیں۔ دعا اللہ پاک نے ایسی آسان بنائی ہے کہ نہ اس کیلئے وضو کرنا شرط ہے، نہ قبلہ رُخ ہونا شرط ہے، نہ نماز پڑھنا شرط ہے، نہ قیام شرط ہے، کوئی بھی شرط نہیں ہے، جس حالت میں ہو، جہاں بھی ہو جدھر بھی ہو بس دعا میں لگ جائیں اللہ تعالیٰ سے رابطہ ہو جائے گا۔ اللہ پاک نے اپنی ذات سے رابطہ کتنا آسان بنایا ہے کہ ایک سیکنڈ میں بندے کا اللہ تعالیٰ سے رابطہ ہو جاتا ہے بس چلتے چلتے خیال

آ گیا: ''ہائے یا اللہ عراق کے مسلمانوں کی مدد فرما، یا اللہ! ان کی حفاظت فرما اور ان کو فتح مبین عطا فرما، ان کے مقابلے میں کافروں کو تہس نہس فرما، تباہ و برباد فرما''، بس اب چلتے چلتے دعا ہوگئی اور یہ آپ کا ایٹم بم وہاں گر گیا۔ یہ دعا بم بن کر وہاں ان شاء اللہ دشمنوں پر ظاہر ہوگی، اب اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے جس شکل میں چاہیں اس کو ظاہر فرمادیں لیکن آپ نے اپنا ہتھیار استعمال کرلیا کیونکہ دعا مؤمن کا ہتھیار ہے۔ آپ نے تو اپنا ہتھیار چلادیا، اللہ تعالیٰ سے عرض کردیا، اللہ تعالیٰ جب مناسب سمجھیں گے ذرا سی دیر میں ان کو پلٹ دینگے۔ اس لئے ہمیں اس کام کو بطور خاص کرنے کی ضرورت ہے۔

اپنی بداعمالیوں سے توبہ کریں

دوسرا کام یہ ہے کہ ہم ان کے اور اپنے گناہوں کی گڑ گڑا کر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں، اس لئے کہ کوئی دشمن کبھی بھی حملہ نہیں کرتا مگر جب لوگ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مبتلا ہو جائیں، اس میں اور بھی اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہوتی ہیں، مصلحتیں ہوتی ہیں، لیکن عام طور پر جب دشمن کسی پر حملہ آور ہوتا ہے تو جس قوم پر حملہ آور ہوتا ہے عموماً اس کی بداعمالیوں کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس وقت پورا عالم اسلام بڑی مصیبت سے دوچار ہے اور پورے عالم کے اندر مسلمانوں کی حالت بڑی ابتر اور انتہائی افسوس ناک ہے۔

مسلمان اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے انتہائی ذلت ورسوائی کا شکار ہیں۔

یہ پورے عالم کے مسلمانوں کی مجموعی حالت ہے جس میں ہم بھی داخل اور شامل ہیں ہمارے حالات بھی تو ایسے ہی ہیں، جب انفرادی طور پر ہمارے یہی حالات ہیں تو پھر مجموعی حالات بھی خراب ہی ہیں لہٰذا اپنے لئے بھی استغفار کی ضرورت ہے اور دیگر تمام مسلمانوں کیلئے بھی استغفار کی ضرورت ہے، عراق کے مسلمانوں کیلئے بھی توبہ واستغفار کی ضرورت ہے اور جتنی کثرت سے توبہ واستغفار ہوگی اتنی ہی اللہ تعالیٰ کی مدد ونصرت اور رحمت نازل ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے عذاب ووبال سے بچنے کے لئے تاقیامت جو امان ہے وہ استغفار ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ. (الانفال:۳۳)

ترجمہ

''اور اللہ تعالیٰ ایسا نہ کریں گے کہ ان میں آپ کے ہوتے ہوئے ان کو عذاب دیں، اور اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہ دیں گے جس حالت میں کہ وہ استغفار کرتے ہیں''۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ دنیا کی کسی قوم پر دوصورتوں میں کبھی

عذابِ الٰہی نازل نہیں ہوگا، ایک جب کہ نبی کی ذات ان میں موجود ہو، دوسرے جب وہ استغفار کرتے ہوں، اب اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہم سے رخصت ہو چکی ہے، لیکن عذابِ الٰہی سے بچنے کا دوسرا قوی اور مضبوط ذریعہ استغفار کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے، اور تا قیامت ان شاء اللہ یہ ذریعہ اس امت کے پاس رہے گا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک ارشاد ہے:

أَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيَّ أَمَانَيْنِ لِأُمَّتِيْ : "وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيْهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ" فَإِذَا مَضَيْتُ تَرَكْتُ فِيْهِمُ الْاِسْتِغْفَارَ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ

''اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھ پر میری امت کے لئے (اس آیت میں عذاب سے بچنے کے لئے) دو امان نازل فرمائی ہیں: ''اور اللہ تعالیٰ ایسا نہ کریں گے کہ ان میں آپ کے ہوتے ہوئے ان کو عذاب دیں، اور اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہ دیں گے جس حالت میں کہ وہ استغفار بھی کرتے ہوں''، (الأنفال: ۳۳) جب میں دنیا سے

رخصت ہو جاؤں گا تو اپنے پیچھے ان کے پاس تا قیامت ''استغفار'' چھوڑ جاؤں گا''۔ (تفسیر ابن کثیر: ۲/۳۰۳)

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

كَانَ فِيْهِمْ أَمَانَانِ، اَلنَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم وَالْإِسْتِغْفَارُ ، فَذَهَبَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم وَبَقِيَ الْاِسْتِغْفَارُ.

ترجمہ

''اس امت کے لئے (عذابِ الٰہی سے بچنے کے لئے) دو امان ہیں:

(۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی اور

(۲) استغفار

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو دنیا سے تشریف لے گئے، ''استغفار'' والی امان امت کے پاس باقی ہے''۔

(تفسیر ابن کثیر: ۲/۳۰۳)

ایک اور حدیث میں ہے کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے شیطان کو مردود کر کے جنت سے نکالا تو اس نے کہا:

وَعِزَّتِکَ لَا أَبْرَحُ أُغْوِیْ عِبَادَکَ مَا دَامَتْ أَرْوَاحُهُمْ فِیْ أَجْسَادِهِمْ.

ترجمہ

''آپ کی عزت کی قسم! جب تک ان کی جان میں جان ہے میں تیرے بندوں کو بہکاتا اور گمراہ کرتا ہی رہوں گا''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

وَعِزَّتِیْ وَجَلَالِیْ لَا أَزَالُ أَغْفِرُ لَهُمْ مَا اسْتَغْفَرُوْنِیْ.

ترجمہ

''مجھے میری عزت وجلال کی قسم! جب تک وہ مجھ سے استغفار کرتے رہیں گے، مجھ سے بخشش طلب کرتے رہیں گے، میں بھی ان کو معاف کرتا ہی رہوں گا''۔

(مستدرک حاکم بحوالہ ابن کثیر: ۲/۲۰۳)

مسند احمد میں اس سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا پیارا ارشاد ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلْعَبْدُ آمِنٌ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مَا اسْتَغْفَرَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ

ترجمہ

''بندہ جب تک اللہ پاک سے استغفار کرتا رہتا ہے، اللہ

کے عذاب سے بچا رہتا ہے''۔ (تفسیر ابن کثیر:۲/۳۰۳)

بہر حال! استغفار اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہمیں ایسی امان ملی ہوئی ہے کہ اگر ہم اس کا دل و جان سے اہتمام کرلیں تو عذاب ٹل جائے، دشمن مغلوب ہو جائے اور مسلمان غالب ہو جائیں۔

فی الحال ہم یہ کام کریں کہ اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر ان کے لئے دعا کریں، ان آداب کی رعایت کے ساتھ کریں جو میں نے بیان کئے ہیں اور اپنے لئے اور ان کیلئے دل و جان سے استغفار کریں، فرض نمازوں کے بعد بھی بہت گڑگڑا کر دعا کریں ویسے بھی چلتے پھرتے ہر حالت میں دُعا کرتے رہیں۔ اس طرح ان شاء اللہ تعالیٰ ہم ان کی بہت زبردست مدد کر سکتے ہیں، یہ بھی ان کیلئے زبردست اور بہترین مدد ہوگی، جس میں نہ ہمارے پیسے خرچ ہوں گے، نہ طاقت خرچ ہوگی، نہ قوت خرچ ہوگی، نہ کوئی خاص وقت خرچ ہوگا۔ اتنا تو کم سے کم کریں پھر آگے اگر پیسے کی ضرورت ہوگی تو انشاء اللہ تعالیٰ اس کیلئے بھی ہمیں تیار رہنا چاہئے، جان کی ضرورت ہوگی تو جان کیلئے بھی تیار رہنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ توفیق عمل عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

☆☆☆☆☆

حلم و بُردباری

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی دامت برکاتہم
نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ناشر

مکتبۃ الاسلام کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حلم اور بردباری

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم
اَمَّا بَعْدُ!

میرے قابلِ احترام بزرگو!

جس طرح باطن کے دو عمل اور دل کے دو عمل اور حسن اخلاق میں سے دو خُلُق، ایک تواضع اور دوسرے عبدیت گزشتہ اتوار کو آپ کی خدمت میں بیان کئے گئے تھے، اسی طرح آج بھی ایسا ہی ایک حسنِ خلق، اچھی عادت، اچھی خصلت اور دل کا ایک اہم عمل آپ کے سامنے بیان کرنے کا ارادہ ہے اللہ جل شانہٗ اپنے فضل وکرم سے وہ ہم سب کے اندر پیدا فرمائے اور تازندگی اسے اپنائے رکھنے کی توفیق عطا فرمائے اس پر دنیا اور آخرت کی جو بے شمار برکتیں، رحمتیں، راحتیں، عافیتیں اور اجر وثواب ہے وہ ہمیں نصیب

فرمائے۔ آمین

انکساری پیدا کرنے کا گُر

جب کوئی شخص اپنے دل میں اپنے آپ کو سب سے کمتر سمجھتا ہے اور حقیر سمجھتا ہے تو اس میں ضرور عاجزی پیدا ہوتی ہے اس کے اندر ضرور خاکساری آتی ہے پھر اس کی باتوں میں بڑائی نہیں ہوتی، اس کی چال میں اکڑ نہیں ہوتی، اس کی گفتگو میں انکساری پائی جاتی ہے اور یہ بہت اعلیٰ وصف ہے اور بہت اونچی خوبی ہے (اللہ پاک نصیب فرمائے۔ آمین) اور جب تواضع آجاتی ہے تو پھر انسان کے اندر عبدیت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔

عبدیت کا مفہوم

عبدیت کا یہ معنی ہے کہ جو حکم ملے سر آنکھوں پر، جیسے میں نے غلام والا قصہ سنایا تھا کہ بس وہ چوں چرا نہیں کرتا بلکہ جو اللہ پاک کھلا دیں اس پر راضی رہتا ہے جو پہنا دیں اس پر راضی ہے جو عطاء فرمادیں اس پر راضی ہے جہاں اس کو رہنے کی جگہ عطاء فرمادیں اس پر راضی ہے، جس حال میں رکھیں ہر حال میں راضی رہتا ہے بالکل اسی طرح کہ جدھر مولا ادھر شاہ دولہ۔

''جدھر مولیٰ ادھر شاہ دولہ'' کا پسِ منظر

یہ کہنے کو تو ایک جملہ ہے مگر اس کے پیچھے ایک پورا واقعہ ہے اور وہ یہ

ہے کہ کسی بستی میں سیلاب آیا، وہ بستی کسی دریا کے نیچے آباد تھی اور جہاں کہیں بند ہوتا ہے تو قرب و جوار کے لوگ بھی خطرے میں رہتے ہیں، اگر گرمیوں میں پانی خیریت سے گزر جائے تو ان کی بھی خیریت ہے اور اگر سیلاب کا خطرہ ہو جائے اور بند ٹوٹنے کا اندیشہ ہو جائے تو راتوں کی نیند اڑ جاتی ہے، نقلِ مکانی تک کی نوبت آ جاتی ہے، وہاں بھی یہی صورتحال تھی ایک مرتبہ دریا میں سیلاب آ گیا اب اپنی زمینوں کو، اپنے مویشیوں کو، اپنے مال و دولت کو اور گھر بار کو بچانے کے لئے سب پریشان تھے اس لئے جو جس سے ہو سکتا تھا وہ اس نے کیا۔

مصیبت میں صحیح راستہ

مؤمن میں یہ کمال ہونا چاہئے کہ چھوٹی مصیبت آئے یا بڑی مصیبت آئے سب سے پہلے اس کا دھیان اللہ تعالیٰ کی طرف جانا چاہئے، یہ عیب کی بات ہے کہ ساری دنیا کی کوشش کرنے کے بعد آخر میں خدا یاد آئے، یہ بڑی کمزوری کی بات ہے، یہ ایمان کی کمزوری کی بات ہے اور اکثر یہ ناکامی کا راستہ ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ:

تو ملے تو کوئی مرض نہیں
تو نہ ملے تو کوئی دوا نہیں

جب اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت آ جائے تو کوئی مشکل نہیں رہتی اور اگر ان کی مدد نہ ہو تو آسان سے آسان بھی مشکل ہے لہذا ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ بندے پر چھوٹی تکلیف آئے یا بڑی تکلیف آئے، اسے چھوٹی ضرورت پیش آئے یا بڑی ضرورت، پہلے اس کی نظر اللہ تعالیٰ پر جانی چاہئے، اللہ تعالیٰ سے رجوع ہو، ان سے دعا کرے، ان سے درخواست کرے پھر اسباب کی طرف توجہ دے اور کوشش کرے۔

آمدم برسر مطلب

یہ جو بستی والے تھے ان کا بھی وہی حال تھا جو ضعیف الایمان لوگوں کا ہوتا ہے کہ پہلے تو ادھر ادھر بھاگتے رہے کہ کیا کریں؟ پشتے کی مضبوطی کے لئے کوشش کرتے رہے پھر حکومت سے رابطہ کرتے رہے لیکن جب ساری کوششیں ناکام ہوگئیں تو اب خدا یاد آیا اور کہنے لگے کہ چلو بھئی اللہ تعالیٰ کے بہت بڑے بزرگ شاہ دولہ کے پاس چلو، ان سے دعا کراؤ، گو اس آخری مرحلے میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو جانا یا اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے رجوع ہو جانا بھی غنیمت ہے مگر کمال نہیں ہے۔

بہر حال وہ آئے اور آکر عرض کیا کہ حضرت! سیلاب بہت خطرناک صورتحال اختیار کئے ہوئے ہے کسی بھی وقت بند ٹوٹ سکتا ہے اور

بستی ڈوب سکتی ہے ہم نے تمام کوششیں کرلیں، کوئی صورت بھی اس خطرے سے بچنے کے لئے نہیں ہے اب آپ کی خدمت میں آئے ہیں، حضرت! آپ کچھ دعا فرما دیجئے، حضرت نے سن کر فرمایا کہ بھئی ایسا کرو اگر تم کچھ چاہتے ہو تو اس کے لئے میں جیسے کہوں تمہیں ویسا کرنا ہوگا، انہوں نے عرض کیا کہ جو آپ کہیں گے ہم وہ کریں گے اس لئے کہ ہم تو جو کچھ کر سکتے تھے وہ کر چکے۔ شاہ دولہ نے فرمایا کہ گاؤں کے اندر جتنے بھی مرد ہیں وہ سارے آجائیں بیلچے، پھاؤڑے لے لیں، تگاریاں لے لیں اور میرے ساتھ چلیں اور جہاں سے میں کھودنے کے لئے کہوں وہاں سے کھدائی شروع کردیں۔ اب مرتے کیا نہیں کرتے کیونکہ قول و قرار ہو چکا تھا لہٰذا اب حضرت کے کہنے پر نکلے، حضرت سیدھے بند کی طرف نکلے اور فرمایا کہ بند کے نیچے سے گاؤں کی طرف نہر کھودو۔ انہوں نے کہا کہ حضرت یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ حضرت نے فرمایا: ''میں نے کہا تھا کہ میں جو کہوں گا تمہیں وہ کرنا ہوگا''، انہوں نے عرض کیا: ''حضرت! اس سے تو ہم بچنا چاہ رہے ہیں اور آپ یہ فرما رہے ہیں کہ بند کے نیچے سے نہر نکالو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خود ہی اپنے سر پر کلہاڑی ماریں''۔ حضرت نے کہا: ''بھئی میں جو کہوں گا کرنا پڑے گا مانو یا مت مانو'' اب انہوں نے کہا کہ عافیت اسی میں ہے کہ جو بزرگ کہیں وہ مان لو، عقل مت چلاؤ، ہر جگہ عقل کام نہیں دیتی۔

چنانچہ ان سب نے حضرت کی بات مان کر کھودنا شروع کردیا، کھود بھی رہے ہیں اور اپنے آپ کو کوس بھی رہے ہیں کہ حضرت کے پاس آ کر ہم اور اٹک گئے۔ اب تو ہم اپنے ہاتھوں سے اپنے گاؤں کو ڈبونے کا انتظام کر رہے ہیں باقی حضرت جانیں۔ شام تک وہ نہر آدھے گاؤں تک پہنچ گئی تو حضرت نے کہا بس بس کام روک دو اور جاؤ جا کر سب اپنے اپنے کوٹھوں میں سو جاؤ، جاگنے کی کوئی ضرورت نہیں، بے فکر ہو کر سو جاؤ تم نے جو کرنا تھا وہ کر دیا۔ حضرت نے تو تسلی دے دی مگر ان کو کہاں تسلی ہوتی ساری رات سب چھتوں کے اوپر، جھونپڑوں کے اوپر بیٹھے ہوئے ہیں، درختوں کے اوپر بیٹھے ہوئے ہیں اور بند کی طرف نظر گاڑ رکھی ہے کہ اب بند ٹوٹا اور پانی نہر میں آیا اور سیدھا گاؤں میں آیا اور ہم سب بہے، ساری رات ٹکٹکی باندھے بیٹھے رہے۔ اندھیرے میں نظر تو کچھ نہیں آیا بہر حال صبح اس حالت میں ہوئی کہ سیلاب نہیں آیا یعنی بند نہیں ٹوٹا اور پانی گاؤں کے اندر نہیں آیا اب سویرے اٹھتے ہی بھاگے کہ دیکھیں تو سہی کہ کیا ماجرا ہے؟ ہمارے ڈوبے اور غرق ہونے میں کسر تو نہیں تھی لیکن کیا بات ہے کہ پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں آیا، کوئی شور بھی سنائی نہیں دیا اب جا کر دیکھا تو وہ پوری نہر پانی سے لبالب بھری ہوئی تھی وہاں تک پانی آ کر واپس جا چکا تھا اور سیلاب کا رُخ مڑ چکا تھا یہ حیران رہ گئے کہ یا اللہ یہ کیا ماجرا ہوا۔

اب حضرت کی خدمت میں گئے کہ حضرت رات تو بڑی مشکل سے گزری مگر صبح ساری راحت مل گئی سارا خطرہ ٹل گیا، پانی بند سے نیچے آ گیا اور نہر بھی بھر گئی اور وہاں سے پانی واپس جا رہا ہے، حضرت! آپ نے یہ کیا ترکیب بتائی تھی ہمارا تو کلیجہ منہ کو آیا ہوا تھا اور ہم تو آپ کے پاس آ کر بھی پچھتا رہے تھے مگر آپ کے پاس آنا تو بہت مبارک رہا، حضرت نے فرمایا: ''بھئی بات یہ ہے کہ جب تم میرے پاس آئے اور تمہارے چہرے پر ہوائیاں اڑی ہوئی تھیں اور تم پریشان حال تھے تو میں نے دعا کی کہ یا اللہ اپنے ان بندوں پر رحم فرما دیجئے اور ان کے ساتھ آسانی کا معاملہ فرما دیجئے تو مجھے الہام ہوا کہ جہاں تک میں نے تم سے نہر کھدوائی ہے۔ یہاں تک سیلاب کا پانی آنا مقدر ہے اس سے آگے نہیں جائے گا، لہٰذا اس میں تو تبدیلی نہیں ہو سکتی اور باقی سب کچھ ہم تمہاری دعا سے ان کے ساتھ رعایت کر دیں گے مگر پانی یہاں تک آئے گا، جب مجھے یہ الہام ہوا تو میں نے سوچا کہ پہلے ہی سے پانی کے آنے کا راستہ بنوا دوں تو وہ خاموشی سے آئے گا اور خاموشی سے چلا جائے گا، اور اگر نہیں بنواؤں گا تو بند ٹوٹے گا اور پانی ٹھاٹیں مارتا ہوا وہاں تک جائے گا اس سے پہلے یہ گاؤں خالی کر چکے ہونگے اور ڈر کر نہ جانے کہاں سے کہاں جا چکے ہونگے سوائے پریشانی کے ان کو اور کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا جبکہ پانی یہیں تک آئے گا۔ اس لئے میں نے تم سے کہا کہ چلو

جلدی سے بند کے نیچے سے نہر یہاں تک کھود و اور جا کر اپنے گھروں میں آرام سے سو جاؤ مگر تم آرام سے نہیں سوئے''، پھر فرمایا: ''جدھر مولا ادھر شاہ دولہ'' یعنی جب اللہ پاک کا یہ حکم تھا کہ پانی نے یہاں تک آنا ہے تو میں اسے کیسے روک لیتا تم بھاری پتھروں کا بھی بند بناتے تب بھی وہ بہہ جاتا، بہتر یہی تھا جو میں نے کیا اس لئے میں کہتا ہوں جدھر مولا ادھر شاہ دولہ۔

جس بندے کے دل میں تواضع پیدا ہو جاتی ہے تو پھر وہ اپنے آقا کی ہر بات ماننے کے لئے تیار ہو جاتا ہے جو حکم دے دیں، جہاں دیدیں، جس طرح دیدیں بس وہ چوں چراں نہیں کرتا، یہ عبدیت کہلاتی ہے جو بہت اونچا مقام ہے اللہ تعالیٰ نصیب فرمائے۔

عبدیت کا ثمرہ حلم

اس تواضع اور عبدیت کے اپنانے والے اور اختیار کرنے والے بندے اور بندی کے دل میں ایک قوت برداشت پیدا ہوتی ہے جس کو حلم اور بردباری کہتے ہیں۔

حلم کا مفہوم

حلم کے معنی برداشت کرنا، سہنا اور بردباری کے معنی بھی برداشت کرنے کے ہیں۔ ساتھ ساتھ جو کام بھی کرے سوچ سمجھ کر، اطمینان سے

کرے، جلد بازی سے نہ کرے، جلد بازی سے، تیزی سے اور بے سوچے سمجھے کوئی کام کرنا عیب کی بات ہے یہ جلد بازی شیطانی عمل ہے۔

وَالْعُجْلَةُ مِنَ الشَّیْطَانِ. (مشکوٰۃ المصابیح)

ترجمہ

''اور جلد بازی شیطان کا کام ہے''۔

سوچ سمجھ کر اور غور وفکر کر کے آرام وسکون سے کسی کام کو انجام دینا منجانب اللہ ہوتا ہے۔ تواضع اور عبدیت سے انسان کے اندر برداشت کا مادہ پیدا ہوتا ہے انسان میں تحمل کی عادت پیدا ہوتی ہے اور یہ عادت پیدا کرنی چاہئے اس کی بڑی فضیلت ہے اس کا بڑا اجر ہے یہ بہت ہی اونچا مقام ہے۔

حلم کی خوبی اور سختی کا نقصان

حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی عمل پر اتنا نہیں نوازتے جتنا نرمی، تحمل اور بردباری پر نوازتے ہیں ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ تحمل، حلم اور بردباری ایسی خوبی ہے کہ جہاں بھی یہ موجود ہو اور جس شخص کے اندر یہ پائی جارہی ہو اس کو خوبصورت اور حسین بنادیتی ہے جبکہ سختی اور درشتی، مزاج کی تیزی اور غصہ یہ ایسی بری خصلت ہے کہ جس مرد میں اور جس عورت میں ہو اس کی ساری خوبیوں کو ملیامیٹ اور فنا کردیتی ہے اس کو انتہائی گندہ

اور خراب کر دینے والی عادت ہے، ایک حدیث شریف میں آپ ﷺ نے از راہِ نصیحت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ارشاد فرمایا:

عَلَيْكِ بِالرِّفْقِ وَإِيَّاكِ والعُنفَ والفُحشَ، إِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُونُ فِي شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ وَلَا يُنزَعُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ. (مشكوة المصابيح: ص ۴۳۱)

ترجمہ

''اپنے اوپر نرم دلی لازم کرلو، اور سخت دلی اور نازیبا گفتگو سے اجتناب کرو، کیونکہ نرمی ہر چیز کو خوبصورت بنا دیتی ہے اور جس چیز سے نرمی نکلتی ہے وہ اسے عیب دار بنا دیتی ہے۔''

اللہ تعالیٰ کا حلم

اللہ جل شانہ بھی حلیم اور بردبار ہیں، انبیاء علیہم السلام بھی حلیم ہیں اور سرکار دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بڑے حلیم اور بردبار ہیں اور یہ حکم ہے کہ:

تَخَلَّقُوا بِأَخْلَاقِ اللّٰهِ

ترجمہ

''اللہ تعالیٰ کے اخلاق اپناؤ''۔

تو اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کون حلیم اور بردبار ہے، وہ بڑے ہی حلیم اور بردبار ہیں۔ چنانچہ قرآن وحدیث اللہ تعالیٰ کے حلم اور بردباری سے بھرے ہوئے ہیں دنیا میں بھی، مرنے کے بعد عالمِ برزخ میں بھی، بروزِ قیامت بھی اور آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ ہر جگہ اپنی رحمت، نرمی، حلم اور بردباری ہی سے کام لیں گے اور معاملہ فرمائیں گے اپنے بندوں کے ساتھ وہ ہمیشہ سے حلیم ہیں اور حلیم ہی رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ کے حلم کا ایک واقعہ

اس وقت اللہ تعالیٰ کے حلم و بردباری کا ایک واقعہ یاد آیا جو پہلے بھی میں نے آپ کو سنایا ہے کہ ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ نے کسی بستی پر اپنا عذاب نازل کرنے کا ارادہ فرمایا اور فرشتے عذاب لے کر آسمان سے زمین کی طرف اترنے لگے اور جس بستی پر یہ عذاب آنا تھا ان کو پتہ بھی نہیں کہ ہم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آرہا ہے، لوگ اپنے اپنے کاموں کے اندر مشغول ہیں، ملازم ملازمت کر رہے ہیں، تاجر تجارت کر رہے ہیں، عورتیں گھر کے کام انجام دے رہی ہیں، ایک عورت گھر میں آٹا گوندھ رہی ہے، اس کا دودھ پیتا بچہ برابر میں رو رہا تھا اور دودھ مانگ رہا تھا، وہ بار بار بچے کو تسلی دیتی تھی کہ بیٹا خاموش ہو جا، میں ابھی آٹا گوندھ کر تجھ کو دودھ پلاتی ہوں مگر بچہ تو بچہ ہی ہوتا

ہے لہٰذا وہ روئے جارہا تھا اور ماں اس کو تسلی دے رہی تھی اسی دوران تسلی دیتے دیتے یکا یک اس کی زبان سے نکل گیا کہ:

اُسْكُتْ يَا بُنَيَّ اِنَّ رَبِّیْ حَلِيْمٌ

ترجمہ

''میرے بیٹے! خاموش ہوجا، میرا پروردگار حلیم ہے''

یعنی جیسے اللہ پاک حلیم اور بردبار ہیں تم بھی صبر سے کام لو، جیسے ہی اس عورت کے منہ سے یہ جملہ نکلا اللہ پاک نے ان فرشتوں کو، جو ابھی زمین وآسمان کے درمیان تھے، کہا کہ واپس آجاؤ اس لئے کہ اس بستی میں ایک عورت نے ہمیں حلیم کہہ دیا ہے اب ان کو عذاب دینا ہماری شانِ حلم کے خلاف ہے کہ وہ تو حلیم کہیں اور ہم عذاب دیں، یہ کیسے ہوسکتا ہے لہٰذا ان فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے وہیں سے واپس بلالیا، بستی والوں کو پتہ بھی نہیں کہ کسی عورت کے ایک جملہ کہنے کی وجہ سے ہم سے عذاب ٹل گیا تو اللہ پاک ایسے حلیم اور بردبار ہیں۔

معاف کرنے کا عظیم الشان بدلہ

اللہ تعالیٰ کی شانِ حلم کا ایک عجیب قصہ یاد آیا غالباً حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ سرکارِ دوعالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم تشریف فرما تھے۔ اچانک آپ ہنسے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھ مبارک بھی نظر آ گئی۔ آپ کا اتنا ہنسنا کبھی کبھی ہوتا تھا اکثر تو تبسم فرمایا کرتے تھے اور مسکرایا کرتے تھے لیکن کبھی کبھی اتنی زور سے بھی ہنستے تھے کہ ڈاڑھ مبارک بھی نظر آ جاتی تھی، اس واقعہ میں ایسے ہی ہنسے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! کس چیز نے آپ کو ہنسایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے یہ بات یاد آئی کہ اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں دو آدمی پیش ہوئے جن میں سے ایک کا دوسرے کے اوپر حق تھا (جانی حق ہوگا یا مالی حق ہوگا) جس کا حق تھا وہ اللہ تعالیٰ سے کہنے لگا کہ یا اللہ! اس پر میرا حق نکلتا ہے میں اس کا طالب ہوں، آپ اس سے میرا حق دلوا دیجئے، اللہ پاک نے اس حق مانگنے والے سے فرمایا کہ تمہارے اس بھائی کے پاس دینے کو کچھ بھی نہیں ہے، اس کے پاس کوئی نیکیاں بھی نہیں ہیں جو یہ بے چارہ مسکین تم کو تمہارے حق کے عوض کے طور پر دے سکے، اس پر طالبِ حق یہ عرض کرے گا کہ پھر ایسا کیجئے کہ میرے گناہ ہی اس کے اوپر ڈال دیجئے، یہ کہہ کر سرکارِ دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رونے لگے اور فرمانے لگے کہ دیکھو آخرت کا دن ایسا خطرناک اور سنگین دن ہے کہ وہاں آدمی ہر صورت یہ چاہے گا کہ کسی طریقے سے میرے گناہ مجھ سے اتر جائیں، اس لئے کہ وہاں جب انسان دیکھے گا کہ ان گناہوں کا وبال کتنا سخت

ہے اور اس کو اپنا انجام سامنے نظر آئے گا تو اس کی وجہ سے وہ گناہ اس کو بہت ہی خراب، برے اور سنگین معلوم ہوں گے یہاں تک کہ وہ اپنے بھائی کے اوپر بھی اپنے حق کے عوض میں یہ گناہ ڈالنے کے لئے نہ صرف تیار ہوگا بلکہ اللہ تعالیٰ سے درخواست کرے گا اور اللہ تعالیٰ کو اس بندے پر ترس آئے گا جس سے یہ حق مانگے گا، اللہ تعالیٰ کی شانِ حلم بلکہ شانِ کرم دیکھئے کہ یکا یک اس طالب حق کو بڑے بڑے محلات اور بڑے بڑے نہایت حسین وجمیل اور سونے کے بنے ہوئے خوبصورت شہر نظر آئیں گے جن میں ہیرے جواہرات جڑے ہوئے ہوں گے، اس منظر کو دیکھ کر وہ ہکا بکا رہ جائے گا اور کہے گا کہ یارب! یہ کس نبی کے محلات ہیں؟ یہ کس صدیق کے مقامات ہیں؟ یہ کس شہید کے درجات ہیں؟ وہ سوچے گا کہ یہ محلات اور سونے کے شہر کسی بہت ہی اونچے مرتبے کے نبی یا ولی کو ملیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ یہ اس کے لئے ہیں جو ان کی قیمت ادا کردے، بندہ یہ سن کر کہے گا کہ یا اللہ! ان کی قیمت کون ادا کرسکتا ہے، کس کی طاقت ہے جو ان کی قیمت ادا کرے؟ حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ تم بھی اس کی قیمت دے سکتے ہو۔ وہ عرض کرے گا اے میرے پروردگار! میں کیا دے سکتا ہوں؟ میرے پاس کیا رکھا ہے؟ میں کیا دوں گا تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ جو حق تم مانگ رہے ہو وہی معاف کردو، وہی ان کی قیمت ہے، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، یعنی جو تم

اپنے بھائی سے اپنا حق مانگ رہے ہو وہ ان سب کی قیمت ہے جو تمہارے سامنے ہے، تم معاف کردو اور یہ لے لو تو وہ ایک دم معاف کر دے گا اور اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑو اور اس کو بھی تم جنت میں لے جاؤ۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کی شانِ عطاء۔

لیکن آپ ذرا معاف کرنے کا اجر سمجھیں کہ اس بندے کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں ہے کہ میں اس کے لائق ہو سکتا ہوں، وہ اپنی زبان سے کہہ رہا ہے کہ یہ عالیشان اور عمدہ محلات کسی نبی یا صدیق اور شہید یا ولی کے ہی ہو سکتے ہیں، ہمیشہ اس کو دیکھ ہی لیں تو بڑی بات ہے، حقدار کہاں ہو سکتے ہیں جبکہ یہاں اللہ تعالیٰ اپنے بھائی کو معاف کرنے پر ان محلات کا مالک ہی بنا دیں گے۔

حلم کا ثمرہ

جس آدمی کے اندر حلم کی صفت پیدا ہو جاتی ہے اس کے اندر معاف کرنے کی صلاحیت بھی پیدا ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ تو معاف کرنے کے اور درگزر کرنے کے عادی ہیں، درگزر ہی سے کام لیتے ہیں اور اپنے بندوں کی معافی کا بھی کیسے انتظام فرما دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی اصل عادت

اللہ تعالیٰ تو ہمیشہ سے حلیم ہیں، دنیا میں بھی حلیم ہیں اور آخرت میں بھی حلیم ہیں، اللہ پاک ہمیں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ تم بھی ہماری خصلت کو اختیار کرو، حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بات یاد آئی وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اصل عادت حلم ہے وہ جو ناراض ہوتے ہیں تو اصل عادت ناراض ہونا نہیں ہے، بندوں کی بداعمالیوں کی وجہ سے ہی اللہ پاک ناراض ہوتے ہیں، بالذات اللہ تعالیٰ کی عادت غصہ کرنا، ناراض ہونا نہیں ہے بلکہ اصل عادت تحمل، بردباری ہے، برداشت ہے، حلم ہے اور یہی سرکار دوعالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی اصل عادت ہے، اسی لئے ساری زندگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کی وجہ سے کسی پر غصہ نہیں کیا، جہاں بھی آپ نے غصہ کیا تو اللہ تعالیٰ کی خاطر، دین کی خاطر، احکامِ دین کا مذاق اڑانے کی وجہ سے اور اس میں کوتاہی اور غفلت کرنے کی وجہ سے غصہ کیا اپنی ذات کی خاطر کبھی کسی پر غصہ نہیں ہوئے، کسی پر ناراض نہیں ہوئے، ہمیشہ آپ نے برداشت سے کام لیا۔ جب اللہ تعالیٰ کی اصل عادت یہ ہے اور رحمتِ کائنات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی اصل عادت یہ ہے تو ہم اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ دونوں پر ہی ایمان لانے والے

ہیں ہمیں بھی اسی عادت کو اپنانا چاہئے کہ ہمیں اپنی ذات کے لئے غصہ نہیں آنا چاہئے اگر ہمیں غصہ آئے تو دین کی وجہ سے آئے اور جتنی ضرورت ہو اتنا آئے اور عام حالات میں ہماری اصل عادت برداشت کرنے کی رہے، تحمل کی رہے، درگزر کی رہے، معاف کرنے کی رہے۔

حقیقی پہلوان

ایک حدیث شریف یاد آئی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مکمل پہلوان، مکمل پہلوان، مکمل پہلوان (یہ جملہ تین دفعہ فرمایا) پورا پہلوان وہ ہے کہ جب اس کو غصہ آ جائے اور غصہ بھی نہایت سخت آ جائے اور غصے میں جسم کے بال کھڑے ہو جائیں یا اس کا جسم بھی غصے میں کانپنے لگے، کیونکہ بعض اوقات خوف کے اندر تو بال کھڑے ہوتے ہیں اور غصے میں انسان کا جسم کانپنے لگتا ہے، ایسے سخت غصے میں آ کر وہ غصہ پی لے، وہ ہے مکمل پہلوان۔ (الترغیب والترہیب، ج ۳: ص ۱۰۳)

اللہ اکبر، اور یہ وہ ہی پی سکتا ہے بھئی جس کو پہلے سے برداشت کرنے کی عادت ہو۔

مراقبۂ حلم

اس لئے عام حالات میں ہر آدمی کو چاہئے کہ اپنے ذہن میں

اسباب کو بٹھائے کہ جب غصے کی بات ہوگی تو میں اس وقت برداشت سے کام لوں گا جو آدمی مسلسل اس کا مراقبہ کرتا رہے گا یعنی تنہائی میں بیٹھ کر تھوڑی دیر یہ سوچے کہ میں حلیم بننا چاہتا ہوں، میں بردبار بننا چاہتا ہوں، میں برداشت کرنے کی صلاحیت حاصل کرنا چاہتا ہوں اور پھر برداشت کی خوبیاں سوچے مثلاً یہ جو ثواب میں نے عرض کیا تھا اس کو سوچے اور بھی اس کے اندر بے شمار فوائد ہیں ان کو سوچے اور پھر یہ کہے کہ بس آج کے بعد سے میں انشاء اللہ تعالیٰ حلم اور بردباری سے کام لوں گا جلد بازی اور بے جا غصے سے پرہیز کروں گا اور پھر غصے کے نقصانات سوچے، دین اور دنیا میں اس کے جو نقصانات ہیں ان کو سوچے بس اسی سوچنے میں اللہ پاک نے ایسی خاصیت رکھی ہے کہ سوچتے سوچتے خود بخود طبیعت کے اندر برداشت کا مادہ پیدا ہونا شروع ہوگا اور پھر بڑھنا شروع ہوگا اور غصے کا مادہ کم ہونا شروع ہو جائے گا، اس کے ساتھ ساتھ دعا بھی کرے کہ یا اللہ مجھے حلم عطاء فرما۔

ایک پیاری دعا

حدیث شریف میں ایک ایسی پیاری دعا ہے میں چاہتا ہوں کہ ہم میں سے ہر ایک کو وہ دعا یاد ہو اور ہم زندگی بھر مانگتے رہیں، وہ دعا یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ اغْنِنِیْ بِالْعِلْمِ وَزَیِّنِّیْ بِالْحِلْمِ وَاَکْرِمْنِیْ

بِالتَّقْوٰی وَجَمِّلْنِیْ بِا لْعَا فِیَۃِ

(مناجات مقبول دعا،نمبر ۱۴۳ المنزل الرابع)

ترجمہ

''اے اللہ! علم کے ساتھ میری مدد فرما اور یا اللہ! حلم کے ساتھ مجھ کو آراستہ فرما اور مجھے تقویٰ سے عزت عطاء فرما اور مجھ کو عافیت کا جمال عطا فرما''۔

یہ چار چیزیں ایسی ہیں کہ دنیا اور آخرت میں ایمان کے بعد سب سے بڑھ کر ہیں،علمِ دین کی نعمت بڑی نعمت ہے،بہت بڑی دولت ہے،اس کے بعد حلم ایسی چیز ہے کہ سارے اخلاق کا تاج ہے اس کے مقابلے میں غصہ اور غصہ کی زیادتی یعنی بے جا غصہ کرنا یہ ساری بداخلاقیوں اور برائیوں کی جڑ ہے اللہ بچائے۔اور جناب دنیا اور آخرت کی جتنی بھلائیاں اور جتنی خوبیاں ہیں جتنے کمالات ہیں وہ سب تقویٰ کے ساتھ وابستہ ہیں،دنیا کی صلاح و فلاح،آخرت کی صلاح وفلاح،قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کی نصرت اور مدد یہ سب تقویٰ کے ساتھ وابستہ ہے اور بھئی دنیا وآخرت میں عافیت سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہے،ساری دنیا کے لوگ بلکہ اولین اور آخرین مل کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہاتھ پھیلا کر دنیا اور آخرت کی نعمتیں مانگیں اور ایک بندہ ایک کونے میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگے تو یہ عافیت مانگنے والا ان

سے جیت جائے گا، اور یہ مانگنے میں ان سے بڑھ جائے گا اور وہ پیچھے رہ جائیں گے اس لئے حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ یا اللہ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی عافیت عطا فرما۔ (مشکوۃ: ص۲۱۹)

آنحضرت ﷺ کا صبر و تحمل

سرکارِ دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صبر و تحمل کا ایک واقعہ یاد آیا، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ چل رہا تھا تو چلتے چلتے ایک بدو آیا، آپ جانتے ہیں کہ بدو بالکل دیہاتی قسم کے لوگ ہوتے ہیں، بالکل ناسمجھ اور آداب سے بھی بالکل خالی اور عاری ہوتے ہیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اس بدو نے آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اوپر کی چادر مبارک (جس کا کنارہ بھی کافی موٹا تھا) کو اتنی زور سے کھینچا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن مبارک کھنچ کر اس کے قریب آگئی اور گردن مبارک میں چادر کے کھینچنے کی وجہ سے نشان پڑ گیا اور کھینچ کر اس بدو نے کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو مال دیا ہے اس میں سے کچھ میرے لئے بھی دینے کا حکم دے دیجئے، کیسا انداز اختیار کیا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو دیکھ کر مسکرائے اور اس کیلئے مال دینے کا فیصلہ فرمایا۔ (مشکوۃ المصابیح: ص ۵۱۸)

یہ ہے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا صبر وتحمل، اس لئے بھئی! اللہ تعالیٰ کی بھی اصل عادت حلم ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی اصل عادت حلم اور بردباری ہے بس ہماری عادت بھی حلم اور بردباری کی ہونی چاہئے۔

حضرت امام اعظمؒ کے صبر وتحمل کا ایک واقعہ

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے حلم اور بردباری کے بڑے عجیب عجیب واقعات منقول اور مشہور ہیں۔ ایک واقعہ میں آپ کو سنا دیتا ہوں، ایک دفعہ بھرے مجمع میں کسی شخص نے حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ سے کہا کہ حضرت میں نے سنا ہے کہ آپ کی والدہ بیوہ ہیں، میں ان سے نکاح کرنا چاہتا ہوں، حالانکہ ان کی والدہ نہایت ضعیف تھیں، عمر کے بالکل آخری حصے میں تھیں مگر حاسد حاسد ہوتا ہے، اعتراض کرنے کے لئے کوئی بہانہ ہی بناتا ہے اللہ تعالیٰ بچائے، غرض حضرتؒ کو تکلیف دینے کے لئے اس نے یہ بات بھرے مجمع میں کہی تو حضرت امام اعظمؒ نے غصے میں آنے کے بجائے بڑے تحمل و بردباری کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ بھئی! میری والدہ عاقلہ بالغہ ہیں انہیں اپنے نکاح کا اختیار ہے، میں کیا کہہ سکتا ہوں، آپ میرے ساتھ چلو میں ان سے پوچھ کر بتا دوں گا، جب حضرتؒ فارغ ہو کر گھر کی طرف چلے تو وہ کمبخت بھی پیچھے چلا، جب حضرتؒ اپنے گھر کی دہلیز پر پہنچے اور ایک پاؤں

گھر کے اندر تھا اور دوسرا باہر تو حضرتؒ نے سوچا کہ مڑ کر دیکھوں کہ وہ آ بھی رہا ہے یا نہیں، تو جیسے ہی مڑ کر دیکھا تو اس کا سر تن سے جدا پڑا ہوا تھا، سر قلم ہو چکا تھا یہ دیکھ کر آپؒ نے فرمایا: ''قَتَلَه' صَبْرِی ''میرے صبر نے اسے قتل کر دیا، میرے تحمل نے اس کا بیڑا غرق کر دیا لہٰذا یاد رکھئے کسی بزرگ کو ستانا نہیں چاہئے اس لئے کہ حدیثِ قدسی میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو میرے کسی ولی کو ستاتا ہے میں اس سے اعلانِ جنگ کر دیتا ہوں۔ بعض لوگ ایسی غلطیاں کر جاتے ہیں ان کا انجام خراب ہوتا ہے۔

اب دعا کرو اللہ تعالیٰ ہمیں حلم و بُردباری کی نعمت عطا فرمائے۔ آمین۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

☆☆☆

صلۂ رحمی کی اہمیت

اور

تحفہ دینے کے آداب

حصہ اوّل

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی دامت برکاتہم
نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ناشر

مکتبۃ الاسلام کراچی

بسم الله الرحمن الرحيم

حصۂ اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صلۂ رحمی کی اہمیت
اور
تحفہ دینے کے آداب

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

امّا بعد!

حقوق کی قسمیں

میرے قابلِ احترام بزرگو!

اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو شریعت اور دین عنایت فرمایا ہے اس میں حقوق کی ادائیگی پر بڑا ہی زور دیا گیا ہے، بنیادی طور پر دو قسم کے حقوق بتلائے گئے ہیں۔ ایک اللہ تعالیٰ کے حقوق، دوسرے بندوں کے حقوق۔ دونوں کو ادا کرنا دین اور شریعت ہے، لہٰذا ان کا بجالانا ضروری ہے۔

حقوق اللہ کی قسمیں

اللہ تعالیٰ کے حقوق کی بھی مختلف قسمیں ہیں اور بندوں کے حقوق کی بھی مختلف قسمیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں جیسے نماز پڑھنا اللہ تعالیٰ کا حق ہے، روزہ رکھنا اللہ تعالیٰ کا حق ہے، زکوۃ دینا اللہ تعالیٰ کا حق ہے، حج کرنا اللہ تعالیٰ کا حق ہے، سچی قسم کھانا اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور ان کو ادا کرنا اللہ تعالیٰ کے حقوق کو ادا کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حقوق کو ادا کرنا سراسر دین اور ہمارے ایمان کا تقاضا و مطالبہ ہے۔

حقوق العباد کی قسمیں

اسی طرح بندوں کے حقوق کی بھی بہت ساری قسمیں ہیں جیسے ماں باپ کے حقوق، شوہر کے حقوق، بیوی کے حقوق، اولاد کے حقوق، بہن بھائیوں کے حقوق، رشتہ داروں کے حقوق، پڑوسیوں کے حقوق، عام مسلمانوں کے حقوق، عام انسانوں کے حقوق، حیوانات کے حقوق، یہ سارے بندوں کے اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے حقوق ہیں۔

دین حقوق کی ادائیگی کا نام ہے

یہ حقوق دین اور شریعت کا دوسرا نام ہیں ان کو ادا کرنا دین ہے اور شریعت پر چلنا ہے ان حقوق کی ادائیگی کا بھی حکم ہے لہذا بعض لوگ جو یہ سمجھتے

ہیں کہ دین صرف نماز، روزہ ادا کرنے کا نام ہے یہ صحیح نہیں، دین صرف نماز، روزہ ادا کرنے کا نام نہیں، بلکہ اللہ کے اور اللہ کی مخلوق کے حقوق ادا کرنے کا نام دین ہے۔

اصلاحِ نفس کا مقصد

اللہ والوں سے جو اپنی اصلاح کرائی جاتی ہے، اپنے باطن کا تزکیہ کرایا جاتا ہے، اپنے اخلاق و اعمال کی اصلاح کرائی جاتی ہے اس کے اندر بنیادی چیز یہی ہوتی ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ کے بندوں کے حقوق ادا کرنے والا بن جائے لہٰذا اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ بس اصلاح و تربیت کا مطلب یہ ہے کہ میں تسبیحات کا پابند ہو جاؤں، نوافل کا پابند ہو جاؤں، اشراق و چاشت کا پابند ہو جاؤں، ذکر و تلاوت کا پابند ہو جاؤں پھر جو چاہوں کروں تو یہ اس کی غلط فہمی ہے، شیطان کا دھوکہ ہے۔ اصلاح و تربیت بھی دراصل اس بات کی ہوتی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے حقوق کو پہچانے اور ان کو ادا کرنے کا اہتمام کرے، بندوں کے حقوق پہنچانے اور ان کو ادا کرنے کا اہتمام کرے جس کو یہ بات حاصل ہو جائے تو سمجھو کہ اس کی اصلاح ہوگئی، وہ صحیح معنی میں دین پر چل رہا ہے اور واقعی وہ شریعت کی تابعداری کر رہا ہے۔

رشتے داروں کے حقوق کی اہمیت

بندوں کے حقوق میں رشتے داروں کے حقوق ادا کرنے کی خاص تاکید ہے، ادا نہ کرنے پر بڑا عذاب اور وبال بتایا گیا ہے اور ان کے حقوق کی ادائیگی پر بڑا اجر وثواب بیان کیا گیا ہے۔ اس لئے آج میں اس سلسلے میں کچھ گزارشات عرض کرنا چاہتا ہوں اللہ پاک اپنے کرم اور اپنے فضل سے صحیح بیان کرنے اور سننے کی توفیق عطاء فرمائیں اور اس کے مطابق ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

رشتہ داروں کے حقوق

اس موضوع کو میں نے اس لئے پسند کیا ہے کہ عزیز واقارب کے حقوق کی پامالی ہمارے معاشرے کے اندر بہت عام ہے، کوئی گھر ایسا نہیں جس کے اندر ایک دوسرے کے حقوق نہ ہوں کیونکہ ہر گھر میں رشتے دار ضرور ہوتے ہیں، باپ ہونا بھی ایک رشتہ ہے، ماں ہونا بھی ایک رشتہ ہے، اولاد ہونا بھی ایک رشتہ ہے، بہن بھائی ہونا بھی ایک رشتہ ہے، چچا، تایا ہونا بھی ایک رشتہ ہے، دیور، جیٹھ ہونا بھی ایک رشتہ ہے، ساس سسر ہونا بھی ایک رشتہ ہے، بھاوج ہونا بھی ایک رشتہ ہے، یہ رشتے عام طور پر گھروں میں ہوتے ہیں، جب گھروں میں ہیں تو خاندان میں بھی ہیں، جب خاندان میں

ہیں تو برادری میں بھی ہیں اور ان کے حقوق ادا نہ ہونے کی وجہ سے گھر گھر میں بے سکونی اور بے چینی پائی جاتی ہے۔

گھروں کا سکون ختم

رشتے داروں کے حقوق ادا نہ کرنے کا سب سے بڑا نقصان دنیا میں یہی ہے کہ جہاں یہ حقوق ادا نہیں کئے جاتے وہاں لڑائی، جھگڑا، نا اتفاقی، ایک دوسرے سے نفرت، بغض، کینہ، حسد جیسے بہت سے جراثیم سے گھریلو اور معاشرتی فضاء بری طرح متاثر ہوتی ہے۔ اب یہ باتیں تو ہمارے اندر ہوتی ہیں، پھر جب ان کے اثرات ظاہر ہوں گے تو غیبتیں ہونگی، تہمتیں ہوں گی، الزام تراشیاں ہونگی یہاں تک کہ چغلیاں ہونگی، ہاتھا پائی ہوگی، مار کٹائی ہوگی، لڑائی جھگڑا ہوگا، دنگا فساد ہوگا یہاں تک کہ گھر ایک اکھاڑا معلوم ہوگا، دیکھو! ایک دوسرے کے حقوق اور رشتے داروں کے حقوق ادا نہ کرنے کی وجہ سے وہ گھر جو سراپا سکون ہونا چاہئے تھا، سراپا فساد بن گیا، مکان کے اوپر تو موٹا موٹا جلی حروف میں لکھا ہوا ہے ''دارالسکون'' ''ماشاء اللہ'' بھی لکھا ہوا ہے اور نیچے بھی ''دارالسکون'' لکھا ہوا ہے لیکن پورے گھر میں سکون نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ مکان کے اوپر ''گوشۂ عافیت'' بڑا خوبصورت لکھا ہوا ہے، لیکن اندر جا کر دیکھو تو عافیت کا نام ونشان نہیں، اولاد اور ماں باپ میں کوئی

الفت و محبت نہیں اور حقوق کی ادائیگی نہیں، میاں بیوی لڑے بیٹھے ہیں، بہن بھائی ایک دوسرے کو کاٹنے کو دوڑ رہے ہیں، عزیز و اقارب ایک دوسرے سے لڑے پڑے ہیں، کوئی کسی کو دیکھنا گوارا نہیں کر رہا، لہٰذا گھر میں سکون ہے، نہ خاندان میں سکون ہے، نہ برادری میں سکون ہے ہر جگہ لڑائی ہے، ہر جگہ فساد ہے، ہر جگہ بگاڑ ہے، ہر جگہ نااتفاقی ہے، یہ سب محض اس وجہ سے ہے کہ عام طور پر رشتے داروں کے حقوق کی ادائیگی کا اہتمام نہیں۔

عافیت وسکون حاصل کرنے کا راستہ

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے رشتے داروں کے حقوق ادا کرنے کی جو تاکید فرمائی ہے اگر ہم اس پر عمل کرتے تو ''دارالسکون'' واقعی دارالسکون بن جاتا، ''گوشۂ عافیت'' واقعی عافیت کا گوشہ بنتا اور وہ گھر جس میں راحت کا تمام سامان موجود ہیں وہاں پر واقعی راحت آجاتی بلکہ اگر حقوق کی ادائیگی ہوتی ہو اور بنگلہ کوٹھی نہ ہو بلکہ جھونپڑا ہو اور اس میں قطعاً راحت کا کوئی ظاہری سامان بھی نہ ہو اس کے باوجود گھر کے کونے کونے میں سکون ہوگا، عافیت ہوگی، راحت ہوگی، عزت ہوگی، اکرام ہوگا، خدمت ہوگی کیونکہ رشتے داروں کے حقوق کی ادائیگی کا اہتمام پایا جا رہا ہے اس لئے ہم سب کو چاہئے کہ اس بیان کی روشنی میں ہم اپنا اپنا جائزہ لیتے رہیں کہ ہم کہاں

کہاں اور کس کس جگہ اپنے عزیز واقارب کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کر رہے ہیں؟ پھر جہاں کوتاہی نظر آئے اس سے بچنے کا اہتمام کریں۔

ادائیگیِ حقوق کا عجیب گُر

ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کا گُر بھی سمجھ لیں وہ گُر یہ ہے کہ ہر ایک دوسرے کا حق ادا کرے، کوئی بھی اپنا حق دوسرے سے طلب نہ کرے، جب ہر ایک دوسرے کا حق ادا کرنے کی کوشش کرے گا تو ہر ایک کو اپنا حق آسانی سے مل جائے گا اور جہاں کوئی اپنا حق طلب کرے گا کسی کو بھی حق نہیں ملے گا، یہ بڑے پتے کی بات ہے۔

مطالبات سے کبھی حقوق ادا نہیں ہوتے

آج کل حق طلب کرنے کا بڑا رواج ہے، ہر آدمی اپنا حق مانگ رہا ہے، باپ اپنا حق مانگ رہا ہے، ماں اپنا حق مانگ رہی ہے، ملازم اپنا حق مانگ رہا ہے، سیٹھ اپنا حق مانگ رہا ہے سب مانگنے والے ہیں، دینے والا تو کوئی ہے نہیں اور جہاں مانگنے ہی مانگنے والے ہوں، دینے والا کوئی نہ ہو تو حقوق کیسے ادا ہونگے؟ جیسے بھٹو صاحب کے دور میں روٹی، کپڑا اور مکان کا سبز باغ دکھلایا گیا تھا مگر ملا کسی کو کچھ بھی نہیں، کیونکہ سب مانگنے والے تھے کہ روٹی، کپڑا اور مکان ہمارا حق ہے ہمیں ملنا چاہئے، اسلام میں تو العیاذ باللہ ملتا

نہیں ہے، سوشلزم میں ملے گا؟ نتیجہ یہ نکلا کہ جو ملا ہوا تھا وہ بھی ہاتھ سے گیا اس لئے کہ طریقہ ہی الٹا ہے، کیا مانگنے سے کبھی کوئی حق ملا ہے؟ اس لئے رشتے داروں کے حقوق کی ادائیگی کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ آدمی اپنا حق مانگے کہ تم میرا حق ادا کرو، تم میرا حق ادا کرو، میرا یہ حق ہے، میرا حق مجھے دے دو، اس طرح کسی کو بھی نہیں ملے گا، باہر سے کسی کو کیا ملنا، گھر کے اندر ابا جان سے بھی نہیں ملے گا، نہ ماں باپ کو اولاد سے ملے گا اور نہ اولاد کو ماں باپ سے ملے گا لہٰذا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ہر شخص دوسرے کا حق ادا کرنے کا اہتمام کرے، جس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ یہ معلوم کرے کہ مجھ پر کس کس کا حق ہے؟ اور مجھ پر کیا کیا حقوق ہیں؟ اور یہ بات شریعت بتائے گی لہٰذا بیٹا یہ معلوم کرے کہ مجھ پر میرے ماں باپ کے کیا حقوق ہیں؟ ماں باپ یہ معلوم کریں کہ اولاد کے ہم پر کیا حقوق ہیں؟ شوہر یہ دریافت کرے کہ بیوی کے مجھ پر کیا حقوق ہیں؟ بیوی یہ معلوم کرے کہ شوہر کے مجھ پر کیا حقوق ہیں؟ بہن بھائی یہ دریافت کریں کہ ہمارے بہن بھائیوں کے ہم پر کیا حقوق ہیں؟ پڑوسیوں کے کیا حقوق ہیں؟ دیگر عزیز واقارب کے کیا حقوق ہیں؟ بس ہر ایک معلوم کرتا جائے اور ادا کرتا جائے تو سب کو اپنا اپنا حق مل جائے گا اور جیسے جیسے اہلِ حقوق کو ان کے حقوق ملتے جائیں گے گھر میں سکون آتا جائے گا، راحت آتی جائے گی، اکرام آتا جائے گا، عزت آتی جائے گی چاہے اسباب راحت

وسکون گھر میں ہوں یا نہ ہوں۔

اصل صلہ رحمی کیا ہے؟

چنانچہ ایک حدیث شریف میں اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

عن ابن عمر قال : قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم "لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِئِ وَلٰكِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِیْ اِذَا قُطِعَتْ رَحِمُه وَصَلَهَا".

(صحيح البخاری، ۸۸۶/۲)

ترجمہ

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صلہ رحمی کرنے والا وہ شخص نہیں جو بدلہ چکائے بلکہ صلۂ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ جب اس کی قرابت کو توڑا جائے تو وہ اس کو قائم رکھے''۔

مطلب یہ ہے کہ صلہ رحمی کرنا، رشتے داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، اچھا برتاؤ کرنا یہ نہیں ہے کہ اگر وہ تمہارے ساتھ اچھا سلوک کریں تو تم بھی اچھا سلوک کرو، وہ تمہارا حق ادا کریں تو تم بھی ادا کرو، وہ تمہاری عزت کریں تو تم بھی کرو یہ صلہ رحمی نہیں ہے اس لئے کہ یہ تو ادلہ بدلہ ہے، اصل

صلہ رحمی اور رشتے داروں کے حقوق کی ادائیگی درحقیقت یہ ہے کہ وہ تمہیں حق نہ دیں تم ان کو حق دو، وہ تم سے تعلق توڑیں تم جوڑو، وہ تمہارے ساتھ زیادتی کریں تم انہیں معاف کرو، حقیقت میں یہ صلہ رحمی ہے اس لئے کہ جو اچھا سلوک کرتا ہے اس کے ساتھ دوسرے کا اچھا سلوک کرنا تو عام بات ہے، آپ کو کسی نے سو روپے دیئے تو آپ نے بھی سو روپے دے دیئے، ایک نے آپ کو چائے پلا دی آپ نے بھی اس کو چائے پلا دی، ایک نے آپ کو قورمہ کھلا دیا آپ نے اس کو بریانی کھلا دی یہ تو ادلہ بدلہ ہو رہا ہے جو روزانہ بازار میں ہوتا ہے کہ دس روپے دیتے ہیں کاپی لے لیتے ہیں، سو روپے دیتے ہیں کتاب لے لیتے ہیں یہ تو کوئی سلوک نہیں، اور یہ تو کوئی صلہ رحمی نہیں ہے، یہ ادائے حقوق کی بات نہیں، یہ تو لین دین اور ادلہ بدلہ ہو رہا ہے جبکہ رشتے داری کا حق ادا کرنے میں ادلہ بدلہ نہیں ہوتا، اب ذرا غور کرو یہی چیز ہمارے معاشرے کے اندر سب سے زیادہ ہے گھر گھر میں، رشتے داروں میں، عزیزوں میں، دوستوں میں، ملنے جلنے والوں میں جہاں کہیں آپ دیکھیں گے یہ لین دین اور ادلہ بدلہ نظر آئے گا۔

نیوتہ کی رسم

اسی ادلے بدلے کی ایک پیداوار نیوتہ ہے، نیوتہ ایک رسم کا نام

ہے جو بہت پرانی ہے لیکن آج کل بھی اس کا وجود ہے اور وہ یہ ہے کہ شادی بیاہ کے موقع پر جو کچھ لیا دیا جاتا ہے با قاعدہ رجسٹر میں لکھا جاتا ہے، اگر آپ نے مثلاً خالد کی شادی کے موقع پر ایک ہزار روپے دیئے ہیں تو رجسٹر میں لکھا جائے گا کہ آپ نے ایک ہزار روپے دیئے ہیں، اور جو بھی خالد کو کچھ دے رہا ہے وہ سب لکھا جارہا ہے کوئی ہزار دے رہا ہے، کوئی پانچ سو دے رہا ہے، کوئی دو سو دے رہا ہے، کوئی سو دے رہا ہے، کوئی اس کو واشنگ مشین دے رہا ہے سب لکھا جارہا ہے، یہ اس لئے لکھا جارہا ہے کہ جب دینے والے کی شادی ہوگی تو رجسٹر دیکھیں گے کہ کس کس نے خالد کو کتنا دیا تھا؟ اس کے بدلے میں وہ کتنا دے رہا ہے؟ اگر ہزار دیئے تھے تو کم از کم گیارہ سو آنے چاہئیں اگر اس نے بھی آپ کو نو سو دیئے تو لڑنے مرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے کہ کیا مفت کا کھایا تھا؟ پتہ نہیں یہ کنجوس کہاں سے آگیا؟ نکالو سو روپے اور نکالو اور اگر ہزار کے بجائے گیارہ سو دے دیئے تو کہا جائے گا کہ ہاں یہ ہے اپنا رشتہ دار، یعنی رشتے دار وہ ہے جو مع سود کے واپس کرے، اسے نیوتہ کہتے ہیں، آج بھی بڑے بڑے شادی ہالوں کے باہر آپ میز پر ایک آدمی کو رجسٹر لئے ہوئے بیٹھا دیکھیں گے اور ہر آنے والا اس کے اندر اپنا ہدیہ لکھوار ہا ہوگا کہ میں شادی میں ہزار کا لفافہ دے رہا ہوں، میں پانچ سو دے رہا ہوں، میں فلاں چیز دے رہا ہوں وہ سب درج ہو رہا ہوگا، یہ سب ادلہ بدلہ ہے اور یہ

ایسا منحوس ادلہ بدلہ ہے جو حرام اور ناجائز ہے کیونکہ یہ ایک طرح کا سودی معاملہ ہوگیا اور یہ لعنت اچھی خاصی حاجی نمازی برادریوں کے اندر بھی پائی جاتی ہے۔

تحفہ اور نمود ونمائش

ہمارے معاشرے میں ادلہ بدلہ بہت ہے۔ اور پھر اس ادلے بدلے کے اندر دکھاوا اور ناموری ہے، نمود ونمائش ہے اور یہ نام ونمود معاشرے کا بیڑا غرق کر دیتی ہے یعنی جو کسی کو ہدیہ دے گا، تحفہ دے گا تو یہ چاہے گا کہ اس کا نام روشن ہو کہ فلاں کمپنی نے اس کی شادی کے موقع پر مرسڈیز گاڑی دی تھی، فلاں نے یہ دیا تھا، فلاں نے یہ دیا تھا اور فلاں نے اپنی بیٹی کو یا بیٹے کو یا بہو کو بنگلہ، کوٹھی دی تھی، جہیز کا سامان کتنا سجایا جاتا ہے اور کس طرح خاندان اور برادری کو باقاعدہ دکھایا جاتا ہے اور اس کے اوپر لیبل لگے ہوئے ہوتے ہیں کہ یہ فلاں کی طرف سے ہدیہ ہے، یہ فلاں کی طرف سے ہدیہ ہے تو اندر ادلہ بدلہ ہے اور اوپر ریاکاری اور دکھلاوا ہے، یہ کوئی صلہ رحمی نہیں ہے اسی لئے اتنی کثرت سے ایک دوسرے کو ہدیئے، تحفے دینے کے باوجود لڑائی جھگڑے بدستور ہیں، فساد ویسے کا ویسا ہے، نااتفاقی اسی طرح ہے، بے چینی اور بے قراری اسی طریقے سے ہے اور جو لیا دیا جاتا ہے بسا

اوقات اس کو استعمال کرنے کی نوبت بھی نہیں آتی، وہ رکھے رکھے خراب ہو جاتا ہے اس میں کوئی برکت نہیں ہوتی، وہ ناکارہ ہو جاتا ہے پھر اس کو ادھر ادھر ضائع کرنا پڑتا ہے یا صدقہ خیرات کر دیا جاتا ہے اس لئے صلہ رحمی اور رشتے داروں کے حقوق کی ادائیگی کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ بغیر کسی بدلے کے محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے واسطے دیا جائے۔

تحفے کا مقصد اور تحفہ دینے کی چند شرائط

یہ ہدیہ اور تحفہ جس کو دیا جاتا ہے یہ اس کے اکرام اور احترام میں دیا جاتا ہے، اس کی محبت کی وجہ سے دیا جاتا ہے اس کے لئے چند باتوں کی پابندی ضروری ہے۔

تحفہ دینے میں صحیح نیت

ان باتوں میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ نیت صحیح ہونی چاہئے یعنی یہ نیت ہو کہ مجھے اس سے کوئی بدلہ نہیں چاہئے، مال تو مال زبان سے شکریئے کا بھی طالب نہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ جب ہم اس کو ہدیہ دیں تو اس بات کے بھی ہم طالب نہ بنیں کہ وہ زبان سے شکریئے کے الفاظ بولے، جزاک اللہ کہے کیونکہ یہ بھی اخلاص کے خلاف ہے اس لئے کہ دعا بھی تو اس کا بدلہ ہے، اگر ہم اس کو ہدیہ نہ دیتے تو کیا وہ جزاک اللہ کہتا یا شکریہ

ادا کرتا! اگر وہ شکریئے کے الفاظ بولے یا جزاک اللہ کہے تو وہ کہتا رہے لیکن ہمارے دل میں اس کی نیت نہ ہو، اللہ پاک نے اپنے نیک بندوں کی صفت قرآن شریف میں یہ ذکر فرمائی ہے:

إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّ لَا شُكُوْرًا. (سورۃ الدھر: ۹)

''ہم محض اللہ کی خوشنودی کے لئے تمہیں کھلاتے ہیں ہم تم سے بدلہ نہیں چاہتے اور شکریہ بھی نہیں چاہتے''۔

لہٰذا سب سے پہلے نیت صحیح ہو کہ بس اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے دیں اس کا کوئی بدلہ بھی دل میں ہرگز ہرگز نہ چاہیں یہاں تک کہ اس کے شکریئے کے بھی طالب اور امیدوار نہ بنیں، یہ اس کے ذمہ ہے کہ وہ شکریہ ادا کرے، اس کو چاہئے کہ وہ بھی اللہ کی رضا کے لئے اس کا بدلہ دے لیکن دینے والے کے دل میں اس کی خواہش نہ ہو چنانچہ اگر وہ ہمیں اس کے بدلے میں کچھ نہ دے یہاں تک کہ وہ زبان سے بھی جزاک اللہ نہ کہے، شکریہ ادا نہ کرے تو ہماری طبیعت میں ذرہ برابر میل نہ آئے۔

مالِ حرام سے تحفہ نہ دیں

دوسری بات یہ ہے کہ جو کچھ دیں مالِ حلال سے دیں کیونکہ حرام

مال جس طریقے سے ہمارے لئے حرام ہے دوسرے مسلمان کے لئے بھی حرام ہے، جس طرح ہمارے لئے اس کا کھانا پینا موجب وبال ہے دوسرے مسلمان کو کھلانا بھی باعثِ وبال ہے اس لئے جو کچھ دینا ہے وہ مالِ حلال سے دیں مالِ حرام سے نہ دیں، جو مالِ حرام سے ہدیہ دے گا وہ بھی گناہ گار ہوگا اور اللہ بچائے اگر دوسرے مسلمان کو بھی اس کا علم ہے تو وہ بھی اس کو استعمال کر کے گناہ گار ہوگا اور مالِ حرام کا وبال سب مسلمان جانتے ہیں کہ اگر کسی کے حلق سے ایک لقمۂ حرام بھی اتر جائے تو چالیس دن تک نہ اس کی دعا قبول ہوتی ہے، نہ نفل قبول ہوتے ہیں نہ فرض قبول ہوتے ہیں۔ اللہ بچائے آج کل سود کے مال سے، رشوت کے مال سے بڑے بڑے تحفے دینے کا رواج ہے، اپنی جیب سے دینے کا تو رواج نہیں ہے اوپر کی کمائی سے دینے کا زیادہ رواج ہے تو جس طرح اوپر کی کمائی خود حاصل کرنا حرام اور پھر اس کو خود استعمال کرنا حرام ہے اسی طرح اس سے دوسروں کو ہدیئے، تحفے دینا بھی حرام ہے۔ یہ تو رشتے داروں کے حقوق ادا کرنا نہیں ہے بلکہ ان کے حق کو پامال کرنا ہے اور اس کو ضائع کرنا ہے اس لئے کہ آپ نے ان بیچاروں کو گناہ میں مبتلا کر دیا۔

نام ونمود کے لئے تحفہ نہ دیں

تیسری بات یہ ہے کہ جو کچھ دے نام ونمود کے لئے نہ دے، دکھانے کے لئے نہ دے، ریاکاری کی غرض سے نہ دے، اس نیت سے نہ دے کہ لوگ میری تعریف کریں گے اور میرا نام روشن ہوگا اور لوگ کہیں گے کہ فلاں تو بڑا سخی ہے، فلاں تو اپنے رشتے داروں کے حقوق کی ادائیگی کا بڑا ہی اہتمام کرنے والا ہے، وہ لوگوں کے لئے رات دن اپنے دروازوں کو کھلا رکھتا ہے جو جاتا ہے کبھی خالی ہاتھ نہیں لوٹتا۔ اس طرح اپنی تعریف چاہنے کے لئے لوگوں کو تحفے دے رہا ہے، ہدیئے دے رہا ہے، پیسے دے رہا ہے، ہر طرح سے مدد کر رہا ہے، رشتے داروں کی بھی مدد کر رہا ہے، گھر والوں کی بھی مدد کر رہا ہے، محلے والوں کی بھی مدد کر رہا ہے، جو جاتا ہے اس کی نصرت کرتا ہے لیکن اس طرح اگر وہ زمین بھر کر بھی سونا دے دے تب بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک رائی کے دانے کے برابر اس کی حیثیت نہیں۔ اس لئے کہ دکھاوا اور ریاکاری وہ بدترین گناہ ہے جو نیکیوں کو جلا کر اس طرح ختم کر دیتی ہے جیسے آگ لکڑی کو جلا کر ختم کر دیتی ہے اور یہ دکھاوا، ریاکاری، نام ونمود آج ہمارے ہاں بہت ہی زیادہ پایا جاتا ہے۔ شادی بیاہ یا کسی اور خوشی کے موقع پر عام طور پر جو کچھ لیا دیا جاتا ہے اس کے اندر ناموری اور دکھاوا بہت زیادہ

ہوتا ہے ایسے ہی غمی کے موقع پر بھی ہوتا ہے چنانچہ اگر کسی کے ہاں کسی کا انتقال ہو جائے یا کوئی اور صدمہ ہو جائے اس موقع پر جو کچھ لیا دیا جاتا ہے، جو کام کئے جاتے ہیں اکثر اپنی ناک کو کٹنے سے بچانے کے لئے کئے جاتے ہیں، جو کچھ قوم کو اور برادری کو کھلایا، پلایا جاتا ہے اور جو کچھ جمع کر کے لیا دیا جاتا ہے اس کے اندر بڑا دخل دکھاوے اور ریاکاری کا ہوتا ہے، جب منع کرو تو کہا جاتا ہے کہ ''ارے بھئی! برادری کیا کہے گی، ہماری تو خاندان میں ناک کٹ جائے گی، بہت ہی بدنامی ہو جائے گی''۔ تو ناک کی خاطر کرتے ہیں اور ناک کی خاطر کرنا ہی ریاکاری ہے، دکھاوا ہے، نام ونمود ہے لہٰذا ریاکاری سے بچیں، دکھاوے اور ناموری سے بچیں۔

تحفہ اپنی استطاعت کے مطابق دیں

تحفہ اور ہدیہ دینے میں جن باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے ان میں سے چوتھی بات یہ ہے کہ جو کچھ دیں اپنی حیثیت کے مطابق دیں، جس کے ساتھ بھی آپ تعاون کریں، جس کی بھی مدد کریں، جس کے ساتھ بھی خیر خواہی کریں، اچھا سلوک کریں اپنی حیثیت کے مطابق کریں لہٰذا اگر آپ کسی کو دس روپے دے سکتے ہیں تو دس روپے دیں، سو روپے دے سکتے ہیں تو سو روپے دے دیں، ہزار دے سکتے ہیں تو ہزار روپے دے دیں، ایک لاکھ

دے سکتے ہیں تو ایک لاکھ دے دیں۔ غرض یہ کہ اپنی اپنی حیثیت کے مطابق دیں اور اگر کچھ بھی نہیں دے سکتے تو کوئی کلمۂ خیر کہہ دیں رشتے داروں کے ساتھ خندہ پیشانی سے ملنا، ان کو خوشی کے موقع پر خوش کرنے والا جملہ بول دینا اور غمی کے موقع پر تسلی اور ہمبر دلانے والا جملہ کہہ دینا بھی صلہ رحمی ہے۔ لہٰذا جس کی جو حیثیت ہو اس کے مطابق کرتا رہے۔

نیکی کر کنویں میں ڈال

پانچویں بات یہ ہے کہ جس رشتے دار کے ساتھ اور جن ملنے جلنے والوں کے ساتھ آدمی کوئی سلوک کرے، کسی بھی قسم کی ان کی مدد کرے، ان کے کام آئے، وہ کر کے بھول جائے، یہ بڑی اونچی بات ہے کہ ''نیکی کر کنویں میں ڈال''، بھولنے کا مطلب یہ ہے کہ خود اس کا کہیں ذکر نہ کرے اور جیسے انسان جب مر جاتا ہے اسے قبر میں دفنا دیتے ہیں اور اس کا نام ونشان ختم ہو جاتا ہے اسی طرح کسی کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کے بعد بھی اس کو دفنا دو، نام ونشان ختم کر دو پھر کبھی بھول کر بھی اسے اپنی زبان پر مت لاؤ، ہرگز اپنے مقصد واختیار سے یہ نہ چاہو کہ دوسروں کے سامنے میری اس خدمت کا ذکر کیا جائے۔ اور بھئی! احسان کر کے بھول جانے والے بھی بہت کم ہیں لاکھوں میں کوئی ہوگا جو اپنے کسی رشتے دار کے ساتھ کوئی اچھا سلوک کرے

اور پھر اس کو بھول جائے۔ ایک وقت تو آدمی اس پر ذرا خاموش رہتا ہے وہ کب؟ کہ جب ہم سلوک کر رہے ہیں وہ بھی کر رہا ہے، ہم اس کے ہاں جاتے ہیں وہ ہمارے ہاں آتا ہے، ہم اس کی دعوت کرتے ہیں وہ ہماری دعوت کرتا ہے، ہم اس کی عیادت کو جاتے ہیں وہ ہماری عیادت کو آتا ہے، ہم اس کے آڑے وقت میں کام آتے ہیں وہ ہمارے آڑے وقت میں کام آتا ہے اِس حد تک تو خاموشی رہتی ہے، کوئی کسی کو کچھ نہیں بولتا وہ سمجھتے ہیں کہ گاڑی صحیح چل رہی ہے حالانکہ صحیح نہیں چل رہی ہے بلکہ ٹیڑھی چل رہی ہے مگر اس سے زیادہ ٹیڑھی جب ہوتی ہے کہ جیسے ایک آدمی اس کے آڑے وقت میں کام آرہا ہے بے چارہ بیمار تھا، لاکھوں روپے اس کی بیماری پر خرچ ہورہے تھے ایک رشتے دار نے اس کا آپریشن کروادیا، لاکھوں روپے خرچ کردیئے اس کا ''بائی پاس'' کروانے والا قابلِ بائی پاس ہوگیا اور جس وقت اس نے دوسرے کا بائی پاس کروایا تھا اس کے پاس لاکھوں روپے تھے لیکن جب اس کا وقت آیا تو جس کا بائی پاس کروایا تھا اس کے پاس ہزاروں بھی نہیں ہیں اب اگر اُس نے اِس کا بائی پاس نہیں کروایا تو بھانڈہ پھوٹ جائے گا اب جو بھی اس کے پاس آئے گا اس کو کہے گا کہ ''کم بخت مردود کو دیکھا ہم نے سارا پیسہ اس کے اوپر قربان کردیا، اب جب ہمارا وقت آیا تو اس نے طوطے کی طرح آنکھیں پھیر لیں، جب اس کی غرض تھی تو ہم نے اپنے پیسے

پانی کی طرح بہادیئے اور جب ہمارا وقت آیا تو اس نے سلام کرنا بھی چھوڑ دیا'' جو آرہا ہے اس کو یہی سنا رہا ہے تو جو لاکھوں روپے بائی پاس پر خرچ کئے تھے وہ بھی مٹی ہو گئے اور اس نے اپنے سلوک کو سب کے سامنے آشکارا کر دیا بلکہ دوسرے کے اوپر احسان جتادیا۔

عورتوں کا ایک عام مرض

عورتوں کے اندر یہ بات بہت زیادہ پائی جاتی ہے کہ عورتیں جب ایک دوسرے کے ساتھ کوئی اچھا سلوک کرتی ہیں، ہدیہ، تحفہ دیتی ہیں یا کسی کے کام آتی ہیں اور پھر وہ اس کے موقع پر کام نہ آئے تو اچھا خاصہ فساد گھر کے اندر پیدا ہو جاتا ہے جہاں بیٹھیں گی بس کہیں گی'' فلاں کم بخت کو دیکھو ہم نے ایسا سلوک کیا تھا، ہم اس کے کام آئے، راتوں کو جاگے، دن کو ہم نے ان کے چکر لگائے، ہم نے اپنا آرام دیکھا نہ راحت دیکھی، اور اس کم بخت نے ہمارے ساتھ یہ کیا کہ آکر پوچھا بھی نہیں کہ کیسی طبیعت ہے؟ کیسا مزاج ہے؟'' تو اس طرح جو نیکی اور سلوک کیا تھا، جو ہمدردی کی تھی اس کو ذبح کر دیا، اپنے کیے پر پانی پھیر دیا، یہ بڑی خطرناک صورتحال ہے اس لئے پانچویں شرط میں نے یہ بتائی ہے کہ جس کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرو اللہ کی رضا کے لئے کرو اور پھر کر کے بھول جاؤ کہ میں نے کس کے ساتھ کیا سلوک

کیا تھا، یاد بھی مت رکھو اس لئے کہ اس کا بدلہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے درکار ہے مخلوق سے درکار ہی نہیں اور مخلوق سے تو جب بدلہ چاہیں جب مخلوق کے واسطے کریں۔

احسان جتانے کا مرض

بعض عورتوں کے اندر یہ عادت ہوتی ہے اسی طرح بعض مردوں کے اندر بھی یہ عادت ہوتی ہے کہ موقع بموقع احسان جتاتے رہتے ہیں، باتوں باتوں میں کہہ دیتے ہیں کہ بھئی اس کے پاس کیا تھا؟، سب کچھ ہم نے دیا تھا، اس کو کوئی نوکری مل سکتی تھی؟ یہ تو ہماری سفارش سے اس کو ملی ہے، اس کو کیا آتا تھا؟ ہم نے لکھایا پڑھایا، اس طرح کہنے سے سارے کئے پر پانی پھیر دیا، اور اپنے آپ کو برباد کیا، ایک حدیث شریف میں احسان جتلانے والے شخص کے متعلق بڑی سخت وعید آئی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ثَلٰثَةٌ لَا یُکَلِّمُهُمُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَلَا یَنْظُرُ إِلَیْهِمْ وَلَا یُزَکِّیْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِیْمٌ . قَالَ أَبُوْذَرٍّ: خَابُوْا وَخَسِرُوْا مَنْ هُمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: الْمُسْبِلُ وَالْمَنَّانُ وَالْمُنْفِقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلْفِ الْکَاذِبِ.

(رواہ مسلم بحوالہ مشکوۃ المصابیح، ج ۲ ص ۲۴۳)

ترجمہ

تین آدمی ایسے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے کلام نہیں فرمائیں گے، نہ انہیں (بنظرِ شفقت و رحمت) دیکھیں گے، نہ انہیں پاک کریں گے، ان کے لئے دردناک عذاب ہے، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''وہ تو ناکام ہو گئے، خسارہ پا گئے، اے اللہ کے رسول! یہ کون لوگ ہیں؟'' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

۱) ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانے والا۔

۲) احسان کر کے جتلانے والا۔

۳) جھوٹی قسم کھا کر سودا بیچنے والا۔

نیز قرآن کریم میں اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ، فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا لَا يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَيْءٍ مِمَّا كَسَبُوا وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ.

(البقرة: ۲۶۴)

ترجمہ

اے ایمان والو! تم احسان جتلا کر یا ایذا پہنچا کر اپنی خیرات کو برباد مت کرو، جس طرح وہ شخص اپنا مال خرچ کرتا ہے لوگوں کو دکھلانے کی غرض سے اور ایمان نہیں رکھتا اللہ پر نہ روزِ قیامت پر، سو اس شخص کی حالت ایسی ہے جیسے ایک چکنا پتھر جس پر کچھ مٹی ہو پھر اس پر زور کی بارش پڑ جائے سو اس کو بالکل صاف کر دے (یعنی جیسا تھا ویسا صاف کر دے) ایسے لوگوں کو اپنی کمائی ذرا بھی ہاتھ نہ لگے گی، اللہ تعالیٰ کافروں کو راستہ نہ دکھلائیں گے۔

اس طرح جب ہم ان باتوں کا لحاظ کر کے کسی کو ہدیہ اور تحفہ دیں گے اور کسی کی مدد کریں گے اور کسی کے آڑے وقت میں کام آئیں گے تو یہ بہترین صلہ رحمی ہوگی۔

تین آدمیوں کا حساب آسان ہوگا

حدیث شریف میں آتا ہے کہ تین آدمی ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کا حساب آسان فرمادیں گے۔ یاد رکھو! یہ بہت بڑی بشارت ہے، یہ بڑی زبردست فضیلت ہے اس لئے کہ آخرت کے حساب وکتاب کی گھبراہٹ اور

اس کی بے چینی کا ہمیں یہاں کوئی صحیح اندازہ ہی نہیں ہے، اگر دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا بادشاہ اپنی رعایا میں سے کسی شخص کو کھڑا کر کے اس سے اس کا حساب مانگے تو کیا وہ حساب دے سکتا ہے؟ تو احکم الحاکمین اگر کسی سے اس کی زندگی کا حساب لیں تو کون اس کا حساب دے سکتا ہے؟ اس لئے کہ حدیث شریف میں آتا ہے:

"عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِیْ بَعْضِ صَلَاتِهٖ اَللّٰهُمَّ حَاسِبْنِیْ حِسَابًا يَّسِيْرًا قُلْتُ يَا نَبِیَّ اللّٰهِ مَا الْحِسَابُ الْيَسِيْرُ قَالَ: اَنْ يَّنْظُرَ فِیْ كِتَابِهٖ فَيَتَجَاوَزُ عَنْهُ اِنَّهٗ مَنْ نُوْقِشَ الْحِسَابَ يَوْمَئِذٍ يَا عَائِشَةُ هَلَكَ".

(مشكوٰة باب الحساب والقصاص والميزان ٢/٤٨٤)

ترجمہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی نماز میں یہ دعا مانگتے ہوئے سنا کہ یا اللہ! میرا حساب آسان کیجئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں نے یہ سن کر عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی آسان حساب کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا: "آسان

حساب کی یہ صورت ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اس کے اعمال نامے کو ایک نظر دیکھے گا اور درگزر فرمادے گا، اے عائشہ! جس کے حساب میں سوال و جواب کئے گئے تو وہ برباد ہوگیا''۔

اللہ تعالیٰ کے سوال کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بتاؤ! تم نے یہ کام کیوں کیا تھا؟ یا یہ کام کیوں نہیں کیا تھا؟ اللہ تعالیٰ کو کون جواب دے سکتا ہے اور آسان حساب اس کو فرمایا گیا کہ بندہ کا اعمال نامہ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوگا، اللہ تعالیٰ اسے دیکھیں گے اور فرمائیں گے اچھا بھئی جنت میں چلے جاؤ، وہ پوچھیں گے نہیں، سوال نہیں فرمائیں گے، بغیر سوال کے ہی بندہ ان کے سامنے تھرتھرا رہا ہوگا۔ سوال کا کیا جواب دے گا؟ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخل فرمادیں۔ (آمین)

اس حدیث میں فرمایا کہ تین آدمی ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کا آسان حساب فرمائیں گے اور اپنی رحمت سے ان کو جنت میں داخل فرمادیں گے، ایک وہ جوان رشتے داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرتا ہے، جو اس سے تعلق توڑتے ہیں اور جو اس کو ہدیہ وتحفہ نہیں دیتے، اس کی اچھائیاں بیان نہیں کرتے، اس کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کرتے وہ ایسے لوگوں کو اپنے ہدایا اور تحائف سے نوازتا ہے اور جو اس پر ظلم ڈھاتے ہیں یہ ان کو معاف کرتا ہے۔

مشکل کام کو آسان کرنے کا نسخہ

یہ تین کام بڑے دل گردے والے کام ہیں اور جو اللہ کے واسطے کرنا سیکھ لے اس کے لئے انتہائی آسان ہیں، بظاہر تو مشکل لگتا ہے جو ہم سے ملتا نہیں ہے، ہمارے پاس آتا جاتا نہیں ہے ہم اس سے کیسے ملیں؟ کیسے اس کے ساتھ حسن سلوک کریں، اچھا برتاؤ کریں؟ اسی طرح جو ہمیں دے ہم اسے دیں یہ بالکل آسان ہے لیکن جو نہ دے ہم اسے زبردستی کیسے دیں یا ایسے ہی جو ہمارے ساتھ زیادتی کرتا ہے ہم کیسے اس کو معاف کرتے رہیں؟ لیکن یہ اسی وقت تک مشکل ہے جب تک اللہ تعالیٰ کے واسطے کرنے کی عادت نہ ہو، جب رشتے داروں کے حقوق ادا کرنا اللہ کے واسطے ہو جائے گا تو پھر یہ تینوں کام بے انتہاء آسان ہو جائیں گے اور جب تک اپنے نفس کے لئے یہ کام ہوں گے تو یہ کام ہو ہی نہیں سکتے، یہ کام حقیقت میں تو آسان ہیں مگر طریقہ صحیح ہونا چاہئے اور صحیح طریقہ وہ ہے جو میں نے پہلے بیان کر دیا کہ اللہ کے واسطے کرنے کی عادت ڈالیں، ماں باپ اولاد کے ساتھ جو سلوک کریں اللہ تعالیٰ کے لئے کریں، اولاد جو کچھ کرے اللہ کے واسطے کرے، شوہر جو کچھ کرے وہ اللہ کے واسطے کرے، بیوی جو کچھ کرے اللہ کے لئے کرے، بہن بھائی جو کچھ کریں اللہ کے واسطے کریں، سب ایک دوسرے کے

ساتھ جو کچھ کریں اللہ کے واسطے کرتے رہیں پھر یہ تینوں کام آسان ہیں پھر آدمی ان سے بھی مل سکتا ہے جو منہ موڑنے والے ہیں، انہیں بھی سلام کر سکتا ہے جو سلام کا جواب نہیں دیتے، ان کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ کر سکتا ہے جو اس کے ساتھ برا برتاؤ کرتے ہیں، ان کو بھی دے سکتا ہے، جو اس کو کبھی پوچھتے ہی نہیں، آج تک کبھی اس کو دعوت میں نہیں بلایا، کبھی کھانے پر نہیں بلایا، کبھی گھر پر نہیں بلایا، کبھی چائے نہیں پلائی، کبھی پانی کا نہیں پوچھا اور یہ چائے بھی پلا رہا ہے، پیسٹری بھی کھلا رہا ہے، مرغی بھی کھلا رہا ہے، قورمہ بھی کھلا رہا ہے، دعوت میں بھی بلا رہا ہے، سب کچھ کر رہا ہے اور اسی طرح وہ آئے دن بدنام کرتا رہتا ہے، برا بھلا بولتا رہتا ہے، کچھ نہ کچھ کہتا رہتا ہے مگر یہ اس کی برائی نہیں کرتا بلکہ اس کی اچھائیاں بیان کرتا ہے، جب ملتا ہے اس کا اکرام کرتا ہے، دل میں اللہ کی عظمت ومحبت پیدا ہو جانے کی صورت میں بندہ کے لئے یہ سب کچھ آسان ہو جاتا ہے، مجذوب صاحب فرماتے ہیں:

نہ لو نام الفت جو خودداریاں ہیں
یہاں سرفروشوں کی سرپھاریاں ہیں
جو آسان سمجھو تو ہے عشق آساں
جو دشوار کر لو تو دشواریاں ہیں

یہاں عشق سے مراد اللہ تعالیٰ کا دین ہے، اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اللہ تعالیٰ

کی فرمانبرداری، ان کے دین پر فدا ہونا، ان کے احکام کو دل و جان سے بجا لانا اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب رہنا مراد ہے، ایک اور شعر ہے:

امیری غریبی میں یکساں رہے ہم

نہ جب ذلتیں تھیں نہ اب خودداریاں ہیں

تو بھئی! اللہ تعالیٰ سے تعلق جڑ جائے تو یہ تین کام جو بظاہر ہمیں مشکل لگتے ہیں، یہ بھی آسان ہیں اور ان کی یہ زبردست فضیلت ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ تین کام کرنے والوں کا آسان حساب لیں گے اور اپنی رحمت سے جنت میں داخل فرمادیں گے۔

اللہ جل شانہ اپنے کرم اور اپنے فضل سے ہمیں اپنے عزیز و اقارب اور رشتے داروں کے حقوق کو اہتمام کے ساتھ ادا کرنے کی توفیق دے اور جو شرائط میں نے ابھی بیان کی ہیں ان کے مطابق رشتے داروں کے ساتھ حُسنِ سلوک کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

واخر دعوان ان الحمد للّٰہ رب العالمین

☆☆☆

صلۂ رحمی کی برکات

اور

قطع رحمی کے نقصانات

حصۂ دوم

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی دامت برکاتہم
نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ناشر

مکتبۃ الاسلام کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ
وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ
عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ○
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى
اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى
اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ○

حصۂ دوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صلۂ رحمی کی برکات
اور
قطعہ رحمی کے نقصانات

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

امّا بعد!

میرے قابلِ احترام بزرگو!

گذشتہ اتوار کو آپ کی خدمت میں قرآن و حدیث کی روشنی میں یہ عرض کیا گیا تھا کہ رشتے داروں کے حقوق ادا کرنے چاہئیں، رشتے داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہئے کیونکہ رشتے داروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا، ان کے ساتھ صلہ رحمی کرنا بڑے اجر و ثواب کا کام ہے اور اس کی بڑی تاکید آئی ہے جب کہ قطع رحمی، قطع تعلق کرنا، عزیز و اقارب کو ستانا اور پریشان کرنا بڑے عذاب اور وبال کی چیز ہے اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہمارا

دین صرف نماز، روزہ ادا کرنے کا نام نہیں بلکہ یہ ہماری ساری زندگی پر حاوی ہے جس میں عزیز واقارب اور رشتے داروں کے حقوق بھی بیان کئے گئے ہیں اور ان کے ادا کرنے کی تاکید کی گئی ہے لہٰذا اگر ہم نیک اور دین دار بننا چاہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کی فلاح چاہتے ہیں تو جس طرح نماز پڑھنا ضروری ہے، رمضان کے روزے رکھنا ضروری ہیں، زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے، حجِ فرض کو ادا کرنا لازم ہے، حلال کمانا فرض ہے، حرام سے بچنا ضروری ہے اسی طرح رشتے داروں کے حقوق ادا کرنے بھی ضروری ہیں۔

قطع رحمی جنت سے محرومی کا سبب

آج انشاء اللہ وہ چند احادیث مبارکہ آپ کی خدمت میں پیش کی جائیں گی جن میں رشتے داروں کے حقوق ادا نہ کرنے پر وعیدیں آئی ہیں اور جن میں رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کے ثمرات اور فوائد کا ذکر ہے چنانچہ ایک حدیث شریف میں ہے:

عَنْ جُبَیْرِ بْنِ مُطْعِمٍؓ قَالَ : قَالَ رَسُوْ لُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ "لَایَدْخُلُ الْجَنَّۃَ قَاطِعٌ"۔

(صحیح البخاری ۸۸۵/۲، کتاب الادب)

ترجمہ:

حضرت جبیر بن مطعمؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا ''قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا''۔

جنت میں نہ جانے کا مطلب یہ ہے کہ فوراً نہیں جائے گا بلکہ پہلے قطع رحمی کا گناہ کرنے کی سزا پائے گا پھر سزا بھگتنے کے بعد جنت میں جائے گا اور خدانخواستہ اگر کوئی قطع رحمی کو حلال سمجھتا ہو تو حرام کو حلال سمجھنے سے تو ایمان ہی چلا جاتا ہے لہٰذا ایسا شخص پھر ہمیشہ ہمیشہ اللہ بچائے دوزخ میں رہے گا لیکن جو شخص قطع رحمی کو گناہ سمجھتا ہے، حرام سمجھتا ہے لیکن پھر بھی اس سے کوتاہی ہوجاتی ہے، غفلت ولاپروائی سے وہ اس گناہ کے اندر مبتلا ہوجاتا ہے اگر وہ دنیا کے اندر توبہ کرلے اور جس کے ساتھ اس نے قطع رحمی وقطع تعلقی کی ہے اس سے معافی مانگ لے تو اس کا گناہ معاف بھی ہوسکتا ہے۔ بہرحال یہ قطع تعلقی اور رشتے داروں کے ساتھ بدسلوکی ایسا گناہ ہے جو جہنم میں لے جانے والا ہے۔

قطع رحمی کرنے والے کے اعمال مقبول نہیں

ایک حدیثِ مبارکہ میں ہے:

عن ابی هُریرة رضی اللّٰه عنه قال سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یقول "إنَّ اَعْمَالَ بَنِیْ

آدَمَ تُعْرَضُ كُلَّ خَمِيْسٍ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ فَلَا يُقْبَلُ عَمَلُ قَاطِعِ رَحِمٍ"۔ (مجمع الزوائد: ۱۹۳/۸)

ترجمہ

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہر جمعرات یعنی شب جمعہ کو لوگوں کے اعمال اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کئے جاتے ہیں، لیکن قطع رحمی کرنے والے کا عمل مقبول نہیں ہوتا''۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قطع تعلقی ایسا خطرناک گناہ ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے دوسرے نیک اعمال بھی قبول نہیں ہوتے اس لئے ضروری ہے کہ اس پہلو سے بھی ہم اپنا جائزہ لیں کہ ہمارا اپنے عزیز واقارب اور اپنے رشتے داروں کے ساتھ کیسا تعلق ہے؟ اچھا تعلق ہے یا برا؟ اچھا میل جول ہے یا برا برتاؤ ہے؟

حقیقی صلہ رحمی

یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ صلہ رحمی اس کا نام نہیں کہ دوسرے رشتے دار ہمارے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں تو ہم بھی اچھا سلوک کرتے رہیں، جس قدر وہ ہمارے ساتھ اچھے انداز میں پیش آتے ہیں تو ہم بھی اس کے

بدلے میں اُن کے ساتھ اچھے انداز سے پیش آتے ہیں۔ یہ صلہ رحمی نہیں ہے بلکہ یہ تو ادلہ بدلہ ہے جیسا کہ ایک حدیث شریف میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں کہ صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں جو ادلہ بدلہ کرے یعنی جتنا دوسرے کریں اُتنا یہ بھی کرے، حقیقت میں صلہ رحمی اور اچھا سلوک کرنے والا وہ ہے کہ دوسرا اس کے ساتھ برا برتاؤ کرے یہ اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے، دوسرا اس سے ملنا جلنا پسند نہ کرے یہ اس سے ملے، وہ اسے بالکل نہ پوچھے یہ اسے وقت پر، موقع پر پوچھے، وہ اسے نہ کوئی ہدیہ دے، نہ تحفہ دے، یہ اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کے واسطے ہدیہ اور تحفہ بھی دے، یہ اللہ کی خاطر اس کا حق ادا کرے، وہ چاہے اس کا حق ادا کرے یا نہ کرے، حقیقت میں یہ صلہ رحمی ہے اور یہ اچھا سلوک ہے اس لئے کہ جب دوسرا نہیں کر رہا ہے بلکہ دوسرا ہم سے برا سلوک کر رہا ہے، برا برتاؤ کر رہا ہے، ہم سے اچھی طرح ملتا نہیں ہے، ہمارے کام نہیں آتا لیکن ہم اس کے کام آرہے ہیں تو اللہ کی رضا کے لئے کوئی یہ کام کرتا ہے تو یہ بڑا اونچا عمل ہے اور یہ اصل حسنِ سلوک ہے۔

آخرت کا حساب آسان کرنے والے تین کام

ایک حدیث شریف میں ہے:

عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم "ثَلَاثٌ مَنْ کُنَّ فِیْہِ حَاسَبَہُ

اللّٰہُ حِسَاباً یَسِیراً وَأَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ بِرَحْمَتِهِ قَالُوْا: وَمَا هِیَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ بِأَبِیْ أَنْتَ وَاُمِّیْ؟ قَالَ "تُعْطِیْ مَنْ حَرَمَکَ وَتَصِلُ مَنْ قَطَعَکَ وَتَعْفُوْ عَمَّنْ ظَلَمَکَ فَإِذَا فَعَلْتَ ذٰلِکَ یُدْخِلُکَ اللّٰهُ الْجَنَّةَ".

(مجمع الزوائد ج۸ ص۱۹۷، رقم الحدیث ۱۳۴۷۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس شخص میں تین باتیں ہوں گی اس سے اللہ تعالیٰ آسان حساب لے گا اور اس کو اپنی رحمت سے جنت میں داخل کرے گا''۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا ''اے اللہ کے رسول! ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں وہ تین باتیں کیا ہیں؟'' ارشاد فرمایا: ''تم اس شخص کو دو جو تمہیں محروم رکھے اور تم اس شخص کے ساتھ حسن سلوک کرو جو تم سے قطع تعلق کرے اور جو تمہارے اوپر ظلم کرے تم اس کو معاف کرو جب تم یہ کر لو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں جنت میں داخل کریں گے''۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص کے اندر یہ تین باتیں پائی جائیں گی اللہ

تعالیٰ اس کا آسان حساب فرمائیں گے اور جنت میں داخل فرمائیں گے، ایک یہ کہ جو اس سے قطع تعلق کرے وہ اس کے ساتھ تعلق جوڑے، دوسرا یہ کہ جو اسے نہ دے یہ اس کو دے اور تیسرا یہ کہ جو اس پر ظلم کرے یہ اس کو معاف کرے، بھئی عزیز و اقارب میں یہی باتیں ہوتی رہتی ہیں۔ آئے دن ہمارے سامنے یہ صورتحال آتی رہتی ہے کہ ایک شخص اپنے عزیز و اقارب کی ہر طرح سے خدمت کرتا رہتا ہے اپنی حیثیت کے مطابق ان کو دیتا رہتا ہے مگر وہ کبھی پوچھتے ہی نہیں، یہ ان کو اپنے ہاں بلاتا ہے، اپنی تقریب میں دعوت دیتا ہے وہ کبھی بھی نہیں بلاتے کبھی دعوت نہیں دیتے، یہ اپنی طرف سے اچھا برتاؤ اور اچھا سلوک کرتا ہے وہ اس کو ستاتے ہیں، پریشان کرتے ہیں، یہ ان کو تکلیف نہیں دیتا، صبر سے کام لیتا ہے تحمل سے کام لیتا ہے، یاد رکھو یہ عمل بڑا اونچا عمل ہے اور اتنا اعلیٰ عمل ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا حساب کتاب آسان فرمادیں گے اور دوسرا یہ کہ ان کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے جنت میں داخل فرمادیں گے اور یہ دونوں چیزیں بہت بڑی ہیں ایک تو حساب کا آسان ہو جانا بہت بڑی نعمت ہے" اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے" کیونکہ جو سب سے بڑا مسئلہ ہے وہ آخرت میں حساب و کتاب کا ہے اگر حساب میں اٹک گیا تو اٹک گیا نکل گیا تو نکل گیا۔ اس لئے اس دنیا میں رہنا ہی کتنے دن ہے؟ اتنے دن رہنے میں اگر اس نے اپنے رشتے داروں اور اپنے عزیز و اقاوب کی جانب

سے ہونے والی تکلیفوں کو برداشت کرلیا، انہوں نے اس کے ساتھ اچھا سلوک نہ کیا مگر اس نے ان کے ساتھ اچھا سلوک کرلیا، انہوں نے زیادتی کی، اس نے معاف کردیا تو بھی یہ کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہے، یہ کوئی بڑا مشکل کام نہیں ہے، اگر اس کے عوض میں بندے کو آخرت میں حساب کی آسانی مل جائے تو بہت بڑی نعمت ہے، بہت بڑی دولت ہے اور پھر حساب کے بعد جنت مل جائے تو اس سے بڑھ کر اور کیا سعادت ہوسکتی ہے؟ اس سے بڑی کامیابی کیا ہوسکتی ہے؟ یہ بہت بڑی سعادت اور بہت بڑی کامیابی ہے۔

صلۂ رحمی سے روزی میں برکت

صلہ رحمی کرنے میں، رشتے داروں کے ساتھ اچھا سلوک، اچھا برتاؤ کرنے میں تین بڑے بڑے فائدے ہیں جو بہت سی حدیثوں کے اندر بیان کئے گئے ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے:

عن علی بن أبی طالب رضی اللّٰہ عنہ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قَالَ "مَنْ سَرَّهُ بِأَنْ يُمَدَّ لَهُ فِيْ عُمْرِهِ وَيُوَسَّعُ لَهُ فِيْ رِزْقِهِ وَيُدْفَعُ عَنْهُ مِيْتَةُ السُّوْءِ فَلْيَتَّقِ اللّٰهَ وَلْيَصِلْ رَحِمَهُ"۔

(مجمع الزوائد: ۱۹۵/۸)

ترجمہ

''حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جس شخص کو یہ بات اچھی لگتی ہو کہ اس کی عمر میں اضافہ کیا جائے اور اس کے رزق میں وسعت کر دی جائے اور اس سے بُری موت کو ہٹا دیا جائے تو وہ اللہ سے ڈرے اور صلۂ رحمی کرے''۔

اس حدیث شریف میں صلہ رحمی کے دیگر فوائد کے ساتھ ایک فائدہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص صلۂ رحمی کرے گا، رشتے داروں کے ساتھ اچھے تعلقات رکھے گا اللہ تعالیٰ اس کی روزی میں غیر معمولی برکت عطا فرمائیں گے، غیب سے اس پر روزی کے دروازے کھول دیں گے اور دیکھتے ہی دیکھتے اللہ تعالیٰ اس کو اور اس کی اولاد کو حلال اور کشادہ روزی سے مالا مال فرما دیں گے، اب یہ کتنا بڑا فائدہ ہے؟ اور بھئی عزیز و اقارب اور رشتے دار تو سب ہی کے ہوتے ہیں میں نے پچھلے اتوار کو مثالیں دی تھیں کہ پورا ایک خاندان ہوتا ہے اس میں سب ایک دوسرے کے رشتے دار ہوتے ہیں، اس میں امیر بھی ہوتے ہیں، غریب بھی ہوتے ہیں، بیمار بھی ہوتے ہیں، صحت مند بھی ہوتے ہیں، آدمی ان سے بے نیاز بھی نہیں رہ سکتا اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ سب کو چھوڑ چھاڑ کر آدمی کہیں جنگل میں جا کر بیٹھ جائے اور ساتھ رہنے میں جیسے پانچ

انگلیاں برابر نہیں ہیں، پانچ چہرے ایک جیسے نہیں ہیں تو پانچ مزاج بھی ایک جیسے نہیں ہیں، پانچ طبیعتیں بھی ایک جیسی نہیں ہیں اور جب طبیعتیں ایک جیسی نہیں ہیں تو اختلاف کا ہونا یقینی بات ہے، یقیناً نا اتفاقیاں بھی ہوں گی، وہاں رنجشیں بھی ہونگی وہاں ایک کو دوسرے سے تکلیف بھی یقیناً پہنچے گی، اب اگر آدمی ان تکلیفوں کو لے کر بیٹھ جائے، ان رنجشوں کو لے کر بیٹھ جائے اور اس سے بھی تعلقات توڑ لے، اس سے بھی ملنا جلنا چھوڑ دے، اس سے بھی سلام و کلام بند کر دے تو شہر میں رہتا ہے، محلے میں رہتا ہے، خاندان میں رہتا ہے لیکن ہر ایک سے لڑا بیٹھا ہے، یہ کوئی کمال کی بات نہیں ہے، یہ تو عیب کی بات ہے، یہ تو کمزوری کی بات ہے اور یہ اپنی آخرت کو برباد کرنے کا کام ہے، ہمیں تعلیم یہ دی گئی ہے اور ہمیں حکم یہ دیا گیا ہے کہ ان ساری باتوں کو سرانجام دینے میں اپنے اندر تحمل اور بردباری پیدا کریں، جن جن سے تکلیفیں پہنچ رہی ہیں ان کو اللہ کے لئے معاف کرتے رہو، درگزر کرتے رہو، اس کے باوجود سب سے ملتے رہو، کام بھی آتے رہو، اچھے اخلاق سے بھی پیش آتے رہو، سلام دعا بھی کرتے رہو جو بھی ایسا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے رزق کے اندر خیر و برکت عطا فرمائیں گے بھئی! دنیا کا کتنا بڑا مسئلہ حل ہو رہا ہے؟ دو فائدے ہو رہے ہیں ایک تو اس کا معاشی مسئلہ حل ہو رہا ہے کہ گھر بیٹھے انشاء اللہ تعالیٰ اس کی روزی میں عجیب وغریب برکت ہوگی، غیر محسوس طور پر

اس کے گھر میں خوشحالی اور فراوانی انشاء اللہ آنی شروع ہو جائے گی، دوسرے اس کی زندگی میں خوشگواری آجائے گی، دنیا کے اندر وہ زیادہ آرام اور راحت سے زندگی گزار سکے گا، بھئی! جو شخص بات بات پر لڑتا ہے، بات بات پر غصہ کرتا ہے، بات بات پر قطع تعلقی کرتا ہے، اور ذرا ذرا سی باتوں پر لڑ مر کر الگ ہو کر بیٹھ جاتا ہے، دنیا میں تو وہ ذلیل و خوار ہی ہوتا ہے اور جو اعلیٰ ظرف ہوتا ہے، ان باتوں کو برداشت کر کے پھر بھی خندہ پیشانی کی ساتھ ملتا ہے، اچھا سلوک کرتا ہے، اچھا برتاؤ کرتا ہے دنیا میں بھی اس کی تعریف ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی وہ محبوب ہوتا ہے اور اس کا ثمرہ اس کو یہ ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس کی روزی میں برکت عطا فرمائیں گے۔

عمر میں برکت

اس حدیث میں دوسرا فائدہ یہ بتلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اچھا سلوک کرنے والے کی عمر کے اندر برکت عطا فرمائیں گے، بار بار حدیثوں کے اندر یہ تاکید فرمائی گئی ہے کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کی عمر میں برکت ہو، اللہ تعالیٰ اس کو عمرِ دراز عطا فرمائیں۔ اسے چاہئے کہ صلہ رحمی کرے جتنا وہ اپنے عزیزوں کے ساتھ، رشتے داروں کے ساتھ حُسنِ سلوک کرے گا، اچھا برتاؤ کرے گا اس کی عمر میں برکت ہونی شروع ہو جائے گی۔

بُری موت سے حفاظت

اس حدیث میں تیسرا فائدہ یہ بیان فرمایا کہ جو شخص صلہ رحمی کرے گا اللہ جل شانہ اس کو بری موت سے محفوظ رکھیں گے، اس کو اللہ تعالیٰ حسنِ خاتمہ کی نعمت سے مالا مال فرمائیں گے۔

صلہ رحمی کے دو مزید فائدے

دو فائدے ابھی اس سے پہلے میں نے آپ کے سامنے بیان کئے اور پچھلے اتوار کو بھی بیان کئے تھے کہ آخرت میں حساب و کتاب بھی آسان ہوگا اور اللہ کی رحمت سے جنت میں جانا بھی نصیب ہوگا۔

تو بھئی! اگر دنیا میں اتنے بڑے بڑے فائدوں کی خاطر کوئی آدمی اپنی مونچھ نیچی کرلے اور دو کڑوے جملے سہہ لے اور ذرا سی مخالفت کو سہہ لے تو میں سمجھتا ہوں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ اس کے نتیجے میں دنیا بھی سنور رہی ہے، عمر بھی بڑھ رہی ہے، خاتمہ بھی بہترین ہو رہا ہے، حساب و کتاب بھی آسان ہو رہا ہے، اللہ کی رحمت سے جنت میں داخلہ بھی مل رہا ہے تو پھر یہ دنیا کی تکلیف تکلیف ہی نہیں ہے، ذرا سا نقصان کوئی نقصان ہی نہیں ہے، سراسر فائدہ ہی فائدہ ہے برخلاف بدسلوکی کرنے کے، قطع تعلق کرنے کے اور صلہ رحمی نہ کرنے کے کہ اس کا بڑا عذاب اور وبال ہے۔

ایک عبرت ناک واقعہ

اس سلسلے میں ایک حاجی صاحب کا قصہ سنو، ایک بہت بڑے تاجر اور مالدار آدمی کسی زمانے میں حج کے لئے تشریف لے گئے، حج میں جانے کے بعد عرفات جانے سے پہلے انہوں نے ایک نیک صالح آدمی کے پاس اپنے ایک ہزار دینار رکھوائے یعنی ایک ہزار اشرفیاں جو سونے کی ہوتی ہیں وہ اس کے پاس بطور امانت رکھوادیں، لوگوں نے کہا کہ بھئی یہ آدمی بہت اطمینان کا ہے ان کے پاس رکھوادو، انہوں نے اس شخص سے کہا کہ بھئی! میں عرفات جارہا ہوں جب میں واپس آؤں گا تو میں اپنے یہ دینار تم سے لے لوں گا لہٰذا تم اپنے پاس رکھ لو۔ اس نے کہا ٹھیک ہے میں رکھ لیتا ہوں اس کے بعد وہ چلے گئے جب حج کر کے یہ شخص مکہ مکرمہ واپس آیا اور جن کے پاس اپنے دینار رکھوائے تھے ان سے لینے گیا، وہاں جا کر پتہ چلا کہ اس شخص کا تو انتقال ہوگیا ہے، حاجی صاحب کو بڑا افسوس ہوا انہوں نے اس شخص کے بچوں سے پوچھا کہ بھئی میں نے تمہارے والد صاحب کے پاس اپنے ایک ہزار دینار رکھوائے تھے تمہیں ان کے بارے میں معلوم ہے یا نہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہمیں کچھ معلوم نہیں، ہمارے والد صاحب نے ہمیں کچھ نہیں بتایا کہ

ایک ہزار دینار کہاں ہیں؟ کس کے پاس ہیں؟ یہ بے چارہ سن کر بڑا پریشان ہوا اور مکہ مکرمہ میں اس زمانے میں جو علماء اور صلحاء تھے ان کے پاس گیا اور جا کر اپنی پریشانی کا ذکر کیا کہ حضور میں حج کرنے آیا تھا، میرے پاس ایک ہزار اشرفیاں تھیں، وہ میری واپسی کا خرچ تھا، میں نے فلاں شخص کے پاس رکھوائیں، اب ان کا انتقال ہو گیا ہے، اور ان کے گھر والے کہتے ہیں کہ ہمیں کچھ معلوم نہیں اب میں کیا کروں اور کہاں سے لاؤں؟ انہوں نے اس کو عجیب ترکیب بتلائی کہ تم رات کو بارہ بجے کے بعد زم زم کے کنویں پر جاؤ اور جن کے پاس تم نے پیسے رکھوائے تھے ان کا نام لے کر اس کے اندر آواز دو اگر وہ آواز کا جواب دیں تو تم ان سے پوچھ لینا کہ میرے پیسے کہاں ہیں؟ اس نے ایسا ہی کیا کہ کنویں پر گیا اور جا کر صدا لگائی کہ ارے فلاں ابن فلاں تم یہاں ہو؟ تو کوئی آواز نہیں آئی، کئی مرتبہ آواز دی لیکن کوئی جواب ہی نہیں آیا، وہ مایوس ہو کر واپس آ گیا اور سویرے آ کر علماء سے عرض کیا کہ میں نے رات کو آواز لگائی لیکن اندر سے کوئی جواب ہی نہیں آیا، یہ سن کر انہوں نے انا للّٰہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور کہا کہ یہ تو بہت افسوسناک صورتحال ہے، اب تم ایسا کرو کہ ملک یمن جاؤ اور وہاں فلاں جگہ ایک کنواں ہے اب تم

وہاں جا کر آواز دو وہ کنواں جہنم کے منہ پر ہے العیاذ باللہ، ہوسکتا ہے کہ اس کی روح وہاں پر ہو اور وہاں پر تم اس کو پکارو شاید وہاں سے جواب ملے، یہ شخص سفر کر کے یمن گیا اور وہاں جا کر کنویں کے اوپر پہنچا اور آواز دی تو وہاں سے جواب ملا کہ ہاں کیا بات ہے؟ اس حاجی صاحب نے کہا کہ میں نے تمہارے پاس ایک ہزار دینار رکھوائے تھے وہ کہاں ہے؟ کہا کہ وہ میرے گھر کے اندر فلاں جگہ زمین کے اندر مدفون ہیں مجھے اپنے بچوں پر اطمینان نہ تھا اس لئے میں نے وہ زمین کے اندر دفنا دیئے تھے کہ جب تم آؤ گے تو نکال کر دے دوں گا لیکن میرا انتقال ہو گیا اب تم جاؤ جا کر فلاں جگہ سے مٹی ہٹاؤ، تمہیں اشرفیاں مل جائیں گی، اس حاجی صاحب نے کہا کہ یہ بتاؤ تم تو نیک آدمی تھے، امانت دار آدمی تھے پھر تم اس عذاب میں کیسے مبتلا ہو گئے؟ تو اس نے جواب دیا کہ دراصل بات یہ ہے کہ میری ایک بہن تھی جو بہت ہی غریب اور مسکین تھی میں نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی اور میں نے اپنے حسن سلوک سے اس کو محروم رکھا، میں نے کبھی اس کے ساتھ شفقت بھرا برتاؤ نہیں کیا، اللہ تعالیٰ نے مجھے صاحب حیثیت بنایا تھا لیکن میں نے اس کا خیال نہیں کیا حالانکہ مجھے اس کا حق ادا کرنا چاہئے تھا لیکن افسوس کہ میں اس کا کوئی حق

ادا نہ کر سکا اور اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دے سکا اس کے نتیجے میں میں اس عذاب کے اندر مبتلا ہوں، اب یہ بالکل اس حدیث کا مصداق ہے کہ جو آدمی قطع رحمی کرنے والا ہوگا وہ جہنم میں جائے گا، اللہ بچائے۔

قطع رحمی کرنیوالا شبِ برات میں بھی اللہ کی رحمت سے محروم

ایک حدیث شریف میں ہے:

عن عائشة رضی اللّٰه عنها عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم أنه قال : "أَتَانِیْ جَبْرِیْلُ عَلَیْهِ السَّلَامُ فَقَالَ هٰذِهِ لَیْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ وَلِلّٰهِ فِیْهَا عُتَقَاءٌ مِنَ النَّارِ بِعَدَدِ شُعُوْرِ غَنَمِ کَلْبٍ لَا یَنْظُرُ اللّٰهُ فِیْهَا إِلٰی مُشْرِکٍ وَلَا إِلٰی مُشَاحِنٍ وَلَا إِلٰی قَاطِعِ رَحِمٍ وَلَا إِلٰی مُسْبِلٍ وَلَا إِلٰی عَاقٍ لِوَالِدَیْهِ وَلَا إِلٰی مُدْمِنِ خَمْرٍ". (الترغیب والترهیب، ۲۳۳/۳)

ترجمہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور کہا کہ یہ نصف شعبان کی رات ہے اور

اس رات میں بنوکلب کی بکریوں کے بالوں کی تعداد کے بقدر لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جہنم سے آزاد کئے جاتے ہیں اس رات میں اللہ تعالیٰ مشرک کی طرف اور کینہ رکھنے والے کی طرف اور قطع رحمی کرنے والے کی طرف اور (ٹخنوں سے نیچے) ازار لٹکانے والے کی طرف اور والدین کے نافرمانی کرنے والے کی طرف اور ہمیشہ شراب پینے والے کی طرف نظر نہیں فرماتے''۔

یہ حدیث تو آپ ہر سال شعبان کے مہینے میں پندرھویں شعبان کے متعلق سنتے ہی ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ شعبان کی پندرھویں شب میں اللہ تعالیٰ قبیلۂ بنوکلب کی بھیڑ بکریوں کے جسم کے بالوں سے بھی زیادہ مقدار میں لوگوں کو دوزخ سے بری فرماتے ہیں لیکن والدین کی نافرمانی کرنے والے کی، قطع رحمی کرنے والے کی، شلوار اور تہبند کو ٹخنے سے نیچے رکھنے والے کی، مشرک کی اور کینہ رکھنے والے کی، اس رات میں بھی بخشش نہیں ہوتی۔

قطع رحمی جنت کی خوشبو سے محرومی کا سبب

ایک حدیث میں یہ بھی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ دیکھو تم قطع رحمی سے بچو، قطع تعلقی سے بچو،

رشتے داروں کے ساتھ برا سلوک کرنے سے بچو اس لئے کہ اس کا وبال بہت جلدی آ کر انسان کو پکڑ لیتا ہے اس کا وبال نقد آدمی کو گھیر لیتا ہے لہٰذا اس سے بچو اور ایسے ہی ظلم اور زیادتی سے پرہیز کرو کہ اس کا عذاب اور وبال بھی بہت جلدی انسان کے اوپر آ جاتا ہے، والدین کی نافرمانی، ان کو ستانے اور تکلیف دینے سے پرہیز کرو اس لئے کہ جنت کی خوشبو ایک ہزار سال کی مسافت سے آنی شروع ہو جائے گی یعنی جنتی جب جنت میں جائیں گے تو ابھی جنت تک پہنچنے میں ایک ہزار سال کی مسافت ہوگی مگر اتنی دور سے ان کو جنت کی خوشبو آنی شروع ہو جائے گی لیکن قطع رحمی کرنے والا، والدین کی نافرمانی کرنے اور ان کو ستانے والا، رشتے داروں سے بدسلوکی کرنے والا اس خوشبو سے بھی محروم رہے گا۔

شلوار ٹخنوں سے نیچے رکھنے والے کے لئے وعید

اس حدیث میں اس بات کا تذکرہ بھی ہے کہ جو مرد حضرات اپنی شلوار، اپنا پائجامہ اور اپنا تہبند ٹخنوں سے نیچے رکھتے ہیں ان کے لئے بھی یہی وعید ہے کہ وہ بھی جنت کی خوشبو سے محروم رہیں گے۔ اب شلوار ٹخنوں سے نیچے رکھنے کا گناہ کتنا عام ہو چکا ہے جس کو دیکھو اس کی شلوار ٹخنوں سے نیچے ہے، پینٹ تو ہوتی ہی ٹخنوں سے نیچے ہے اور جو شلوار پہنتے ہیں وہ بھی ٹخنوں

سے نیچے پہننے کے عادی ہوتے ہیں ،اوپر رکھنے والے تو بہت ہی کم ہیں لیکن اس کا عذاب اتنا سخت ہے کہ شب برات میں بھی اللہ جل شانہ ایسے آدمی کو رحمت کی نظر سے نہیں دیکھتے۔

گھروں میں لڑائی جھگڑے کا سبب

ایسے ہی رشتے داروں کے ساتھ بدسلوکی، قطع رحمی، قطع تعلقی کا گناہ بھی بہت عام ہے، اللہ بچائے گھر گھر میں لڑائی، جھگڑے، فساد اسی وجہ سے برپا ہیں کہ ایک دوسرے کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا رواج نہیں ہے، اچھا برتاؤ کرنے کی عادت نہیں ہے، برداشت کرنے کی عادت نہیں ہے، تحمل کی عادت نہیں ہے اگر کسی نے ایک جملہ بول دیا تو دوسرا دس جملے بولے گا، اگر کسی نے ذرا سی کوئی مخالفت کی بات کردی تو اگلا اس کے باپ دادا کو بھی معاف نہیں کرے گا تو بھئی! یہ حسن سلوک اتنی بڑی دولت ہے کہ اس سے جس طرح عمر میں برکت ہوتی ہے، روزی میں بھی برکت ہوتی ہے۔

حضرت مفتی اعظم رحمہ اللہ اور صلۂ رحمی

ہمارے حضرت مفتی صاحبؒ بانی دارالعلوم کراچی کی جو شروع کی زندگی ہے یعنی پاکستان آنے سے پہلے دارالعلوم دیوبند کی زندگی اور پھر پاکستان آنے کے بعد کی زندگی کافی تنگی کی ہے خاص طور پر جب دیوبند

میں حضرتؒ کا قیام تھا تو تنخواہ بہت معمولی تھی، عیال اچھا خاصہ تھا، والدہ بھی حیات تھیں اور ایک بہن جو بیوہ ہوگئی تھیں وہ اور ان کے بچے بھی تھے، سب کی خیر خبر حضرتؒ خود کرتے تھے، حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم بتلاتے ہیں کہ ہر جمعہ کے دن میں حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ جایا کرتا تھا اور حضرت والد صاحبؒ کا یہ معمول تھا کہ جمعہ کی نماز پڑھ کر وہ اپنی بہن کے پاس جایا کرتے تھے تاکہ ان کو بھی موسمی پھل کم از کم ہفتے میں ایک مرتبہ کھانے کے لئے مل جائیں، یہ صلہ رحمی ہے، والدہ کی بھی ساری زندگی خدمت کرتے رہے، حضرتؒ کی والدہ ماجدہ حضرت اقدس گنگوہیؒ سے بیعت تھیں اور ایسی عابدہ زاہدہ تھیں کہ ان کے سینے سے اللہ اللہ کی آواز سنائی دیتی تھی، اس طرح حضرتؒ کا یہ معمول تھا کہ جتنے بھی حضرتؒ کے خاندان والے تھے خاموشی سے چپکے چپکے آپ ہر ایک کی کچھ نہ کچھ خدمت کرتے رہتے تھے۔

حضرت مفتی اعظمؒ کا ایک عجیب معمول

حضرتؒ نے ایک اور عجیب وغریب معمول بنایا ہوا تھا ہمیں بھی چاہئے کہ ہم اس کو اپنا معمول بنالیں، کہ حضرتؒ نے ایک الگ لفافہ بنایا ہوا تھا جو کچھ بھی حضرتؒ کی آمدنی ہوتی، اس کا کچھ فیصد حضرتؒ نے مقرر کیا ہوا تھا جیسے ہی کوئی آمدنی ہوتی تھی تو اتنا فیصد فوراً نکال کر اس لفافے میں ڈال لیا

کرتے تھے اور اس لفافے پر لکھا ہوا تھا کہ ''کارہائے نیک کے لئے اس میں رقم رکھی گئی ہے'' چنانچہ اگر کسی رشتے دار کی خدمت کرنی ہے تو اس میں سے اس کی مدد کرتے، کہیں تعمیر میں پیسے دینے ہیں تو اس میں سے دیتے تھے، کسی غریب آدمی کی مدد کرنی ہوتی تو اس میں سے دے دیتے تھے اس طرح یہ باقاعدہ حضرتؒ کا معمول تھا۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں کون سا عمل محبوب ہے؟

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کو جوش آیا اور جوش میں آکر سارے رشتے داروں، عزیز واقارب کے ساتھ اچھا سلوک، اچھا برتاؤ کر دیا اور جیسے ہی جوش ٹھنڈا ہوا سب کو بھول گیا، جس دن کیا اس دن بے شک اس نے نیک عمل کرلیا، اس پر اسے ثواب ملے گا انشاء اللہ تعالیٰ، لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ عمل محبوب ہے جو تھوڑا ہو مگر ہمیشہ ہو۔

روزی میں برکت

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ کیا تو وہ زمانہ تھا کہ گھر کے اندر بڑی تنگی رہتی تھی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے خود حضرت والد صاحبؒ کی حیات میں خوشحالی ہوگئی اور میں نے خود اپنے کانوں سے حضرتؒ سے سنا کہ الحمد للہ اب میں نوابوں کی سی زندگی گزار رہا ہوں اور

اب الحمدللہ ان کے بیٹے، ان کے پوتے نہایت خوشحال ہیں، سب کے ماشاء اللہ بڑے بڑے کاروبار ہیں اور کاروبار بھی دینی کتابوں کے ہیں، یہ فراخی اور کشادگی درحقیقت اس حدیث کی برکت ہے کہ جو اپنے عزیز و اقارب کے ساتھ حسنِ سلوک کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی روزی میں برکت عطا فرما دیں گے، یہ اس برکت کا نمونہ ہمارے سامنے موجود ہے۔

حسنِ سلوک کے چند آداب

ایک بات جو میں نے گزشتہ اتوار کو بھی کہی تھی اب دوبارہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہم اپنے رشتے داروں کے ساتھ، عزیز و اقارب کے ساتھ، بہن بھائیوں کے ساتھ، قریب اور دور کے رشتے داروں کے ساتھ جو سلوک کریں اس کے اندر سب سے پہلے نیت صحیح کریں اور صرف یہ نیت ہو کہ اللہ پاک راضی ہو جائیں بس اور کوئی نیت نہ ہو اور اللہ تعالیٰ ہی سے ہم اس کا صلہ چاہیں، اجر و ثواب چاہیں، رشتے داروں سے، عزیز و اقارب سے کسی بھی قسم کا بدلہ نہ چاہیں یہاں تک کہ شکریے کا جملہ سننے کی بھی ہم توقع نہ رکھیں، جس کے لئے کیا بس کرلیا، ہم نے ان کے لئے تھوڑی کیا جو ان سے اس کا بدلہ لیں، اسی طرح ہدیہ و تحفہ دینے میں رسم و رواج سے بالکل پرہیز کریں، رواجی طریقوں سے ہٹ کر محض اللہ کے واسطے دیں پھر نہ احسان جتلائیں نہ بدلے

کی توقع رکھیں، قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَا اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَا اَذًی لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ، قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّ مَغْفِرَةٌ خَیْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ یَّتْبَعُهَا اَذًی، وَاللّٰهُ غَنِیٌّ حَلِیْمٌ. (البقرة: ۲۶۳)

ترجمہ

''جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، پھر خرچ کرنے کے بعد نہ تو احسان جتلاتے ہیں نہ (برتاؤ سے ان کو) تکلیف پہنچاتے ہیں، ان لوگوں کو ان (کے عمل) کا ثواب ملے گا۔ ان کے پروردگار کے پاس (جاکر) اور نہ (قیامت کے دن) ان پر کوئی خطرہ ہوگا، نہ یہ غمزدہ ہوں گے، مناسب بات کہہ دینا، اور درگزر کرنا (ہزار درجہ) بہتر ہے ایسی خیرات (دینے) سے جس کے بعد تکلیف پہنچائی جائے، اور اللہ تعالیٰ غنی ہیں، حلیم ہیں''۔

ایک غلطی کی اصلاح

سلوک کرنے میں اس بات کا خیال رکھیں کہ جس کے ساتھ جو بھی سلوک کیا جا رہا ہے وہ سلوک اس کے لئے کارآمد اور مفید بھی ہو، اب کسی کو کپڑوں کی ضرورت ہے آپ نے آٹا بھیج دیا حالانکہ آٹا تو پہلے سے موجود ہے اسی طرح کسی کو آٹے کی ضرورت ہے آپ نے کپڑا بھیج دیا تو کپڑا کس کام کا؟ کپڑا تو پہلے سے موجود ہے یا جیسے ہمارے ماحول کے اندر یہ عام دستور ہے کہ کسی کو ہدیہ دیں گے تو مٹھائی کا ڈبہ دیں گے یا کیک دے دیں گے اب اگر وہ بے چارہ شوگر کا مریض ہے تو نہ مٹھائی کھا سکتا ہے نہ کیک کھا سکتا ہے، پھر اگر خوشی کے موقع پر دس رشتے دار آ گئے ہر ایک کیک لے آیا، ہر ایک مٹھائی لے آیا تو اس کی تو مٹھائی کی دوکان کھل گئی، ایسی دوکان جس کا کوئی گاہک نہیں ہے اب وہ بے چارہ، مسکین کیا کرے؟ نہ خود کھا سکتا ہے اور نہ کسی کو دے سکتا ہے کہ دوسرا کہے گا ارے بھئی دوسرے کے گھر کے آئے ہوئے تحفوں میں سے ہمیں دے دیا، اور رکھ بھی نہیں سکتا اس لئے کہ رکھے گا تو خراب ہوگا تو یہ ہمارے ہاں رسمی طور پر ہدیہ دینا ہے۔

ہدیہ دینے کا گُر

ہدیہ دینے کا بھی گر سمجھ لو، ایک ہدیہ ہوتا ہے، ایک صدقہ ہوتا ہے

دونوں میں فرق ہے جب صدقہ دو تو اپنی پسندیدہ چیز دو، جو چیز اپنے نزدیک سب سے زیادہ اچھی ہو اللہ کے نام پر وہ فقیر کو دو، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔الآیۃ

(سورۃ آل عمران:۹۲)

ترجمہ

''تم ہرگز کامل درجے کی نیکی حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ ان چیزوں میں سے اللہ کے راستے میں نہ دو جو تم پسند کرتے ہو''۔

اور جب کسی کو ہدیہ دو، تحفہ دو تو جس کو دو اس کی پسند اور اس کی ضرورت کے مطابق دو تا کہ وہ ہدیہ اس کے کام آئے جب کام آئے گا تو اس کا دل خوش ہوگا۔ کیسا پیارا گر ہے جبکہ ہمارا عمل اس کے بالکل اُلٹ ہے کہ صدقے میں وہ چیز دیں گے جو ہمیں ناپسند ہو، جو خراب ہو جائے، اور ہمارے استعمال کے قابل نہ ہوگی ''مری بھیڑ اللہ کے نام''، یہ حال ہے لیکن اللہ تعالیٰ ایسے مہربان ہیں کہ ہماری مری، لنگڑی، لولی، اندھی، کانی اور گلی سڑی چیز بھی قبول فرما لیتے ہیں اس پر بھی اجر عطا فرما دیتے ہیں لیکن اس کا ایسا ثواب کہاں؟ جیسا ثواب اپنی من پسند چیز اللہ کے راستے میں دینے میں ہے اسی طرح جب کھانا بچ گیا اور خراب ہونے لگا تو کہیں گے ارے بھئی! جلدی

سے کہیں دیدو، جو کپڑا پہن پہن کر ہمارا من بھر گیا، اب پہنے بھی نہیں جا رہے، پھٹ بھی نہیں رہے تو کہا جائے گا ارے بھئی! چلو خیرات کردو، خلاصہ یہ ہے کہ جو چیز بالکل خراب، ناکارہ اور بے کار ہو جاتی ہے، وہ صدقہ میں دی جاتی ہے، اور ہدیہ میں جو اپنی پسند کی ہوتی ہے اپنے ذہن میں آیا کہ بھئی کیک بڑا اچھا رہے گا، مٹھائی کا ڈبہ اچھا رہے گا، روح افزا کی بوتل ٹھیک رہے گی، اس بے چارے کو آٹے کی ضرورت تھی لہٰذا اس کا ادب یہ ہے کہ جس کو ہدیہ دینا ہو تنہائی میں اس سے پوچھ لو کہ میں تمہیں اتنے پیسوں کی حد تک ایک ہدیہ دینا چاہتا ہوں لہٰذا تم بتاؤ کہ تمہیں کیا چیز لا دوں؟ پھر وہ جو کچھ بتا دے وہ دے دو۔

صدقہ اور ہدیہ دینے کی ایک اعلیٰ اور آسان صورت

اگر کسی سے اس طرح پوچھنا مشکل ہو تو پھر ایک آسان ترکیب ایسی ہے کہ جو صدقے میں بھی کارگر، ہدیئے میں بھی کارگر، اور دونوں ہی میں اعلیٰ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ نقد پیسے دے دو کیونکہ نوٹ تو سب کو سب سے اچھے لگتے ہیں، پیسے تو سب ہی کو من پسند ہیں اگر فقیر کو دو گے تو وہ کہے گا سبحان اللہ، سبحان اللہ اور ہیں تو دے دو، اور ہدیئے میں جس کو دو گے وہ بھی خوشی خوشی لے لے گا اور اس سے اپنی ضرورت کی چیزیں خرید لے گا۔

خلاصۂ بیان

بہر حال بھئی! قرآن وحدیث ہم سے یہ کہتے ہیں کہ صلۂ رحمی کرنا، رشتے داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، اچھا برتاؤ کرنا بڑی فضیلت کی چیز ہے، ضروری اور لازم ہے اور ساتھ ساتھ یہ کہ رشتے داروں کی طرف سے، عزیزوں کی طرف سے اگر ناگواریاں پیش آئیں، تکلیفیں پیش آئیں تو سہنا بڑی چیز ہے، ان کو معاف کر دینا، درگزر کرنا بہت بڑا عمل ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے فضل سے، اپنے کرم سے ہمیشہ حسنِ سلوک کرنے کی توفیق عطا فرمائے، صلہ رحمی کرنے کی ہمیشہ توفیق دے، قطع رحمی سے، قطع تعلقی سے اور بدسلوکی سے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے، حسنِ سلوک اور صلہ رحمی پر جو اجر وثواب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں وہ ہمیں عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمدللّٰہ رب العالمین۔

☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ
وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ
عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۝
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی
اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی
اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۝

میاں بیوی کے حقوق

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی دامت برکاتہم
نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ناشر

مکتبۃ الاسلام کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ
وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ
عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۝
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی
اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی
اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۝

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میاں بیوی کے حقوق

الحمد للّٰہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا و من سیآت اعمالنا من یہدہ اللّٰہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ہادی لہ و نشھد ان لا الہ اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ و نشھد ان سیدنا و مولانا محمد عبدہ و رسولہ صلی اللّٰہ علیہ و علی الہ واصحابہ و بارک و سلم تسلیما کثیرا کثیراً اما بعد،

فاعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

إِنَّكَ مَيِّتٌ وَّإِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ط (صدق اللّٰہ العظیم)

میرے قابلِ احترام بزرگو اور معزز خواتین!

اللہ جل شانہ نے ہمارے دین میں دو قسم کے حقوق مقرر فرمائے ہیں۔

دو قسم کے حقوق اور ان کی ادائیگی کا مطالبہ

اللہ تعالیٰ کے حقوق میں فرائض و واجبات ہیں اور حرام و ناجائز امور ہیں، بندوں کے حقوق میں بھی فرائض و واجبات ہیں، سنن و مستحبات ہیں اور حرام اور ناجائز امور بھی ہیں، ہمارے دین وایمان کا ہم سے مطالبہ ہے کہ ہم دونوں قسم کے حقوق ادا کرنے کا اہتمام کریں، اللہ تعالیٰ کے حقوق بھی تازندگی ادا کرتے رہیں اور بندوں کے حقوق بھی تازندگی ادا کرتے رہیں اور ان حقوق میں سے اگر کسی میں کمی کوتاہی ہوجائے تو شریعت کے مطابق اس کی معافی تلافی کا جو طریقہ مقرر ہے مرنے سے پہلے پہلے اس کے مطابق معافی تلافی کرلیں، کوشش کریں کہ دنیا سے اس حال میں جائیں کہ کسی بندے کا کوئی حق ہمارے ذمے باقی نہ ہو اللہ تعالیٰ کے حقوق بھی ہمارے ذمے باقی نہ ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دونوں قسم کے حقوق کی ادائیگی کی دعا کرتے رہیں گے تو انشاء اللہ ضرور کامیابی ہوگی۔ اور اصل کامیابی مسلمان مرد و عورت کی اسی میں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق بھی ادا کرے اور بندوں کے حقوق بھی ادا کرے۔

بندوں کے حقوق کی اہمیت زیادہ کیوں ہے؟

پھر ان دونوں قسم کے حقوق میں بندوں کے حقوق کی اہمیت زیادہ

ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بے نیاز اور غنی ہیں رحمٰن و رحیم ہیں، رحیم الرُحماء ہیں اور کریم الکُرماء ہیں اپنے بندوں پر بہت زیادہ شفقت فرمانے والے ہیں، رحمت فرمانے والے ہیں اس لئے اگر کسی سے اللہ تعالیٰ کے حقوق میں کوتاہی ہو جائے تو معافی کی قوی امید ہے، اس کا معاملہ بہت آسان ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی جبکہ بندہ عاجز اور بے نوا ہے، تنگدل اور بخیل ہے اس کے لئے اس کے حقوق میں کوتاہی اور غفلت کی معافی کی بہت کم امید ہے، دنیا میں تو پھر بھی آسان ہے لیکن آخرت میں بہت مشکل ہے یعنی دنیا میں کسی بندے کو ستایا، پریشان، کیا اس کا کوئی جانی مالی نقصان کر دیا تو آخرت کے لحاظ سے یہ بہت زیادہ خطرناک اور سنگین ہے، اگر کوئی بغیر معافی تلافی کے دنیا سے چلا گیا تو آخرت میں اس حق کی معافی نہایت مشکل ہے اور دنیا میں بھی اس اعتبار سے دشوار ہے کہ بندے کی حق تلفی کرنے کی وجہ سے اس نے دو غلطیاں کیں ایک اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کہ تم کسی انسان کی حق تلفی نہ کرنا، کسی کے ساتھ زیادتی مت کرنا، کسی پر ظلم نہ کرنا، کسی کو پریشان نہ کرنا جس کا جو حق ہے وہ ادا کرنا، جب اس نے نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، اور ساتھ ساتھ اس بندے کا حق ادا نہ کر کے اس بندے پر ظلم کیا تو اب اگر یہ توبہ کرے گا تو اس کی توبہ سے اللہ تعالیٰ کے حکم کی جو خلاف ورزی ہوئی اس کی تو معافی ہو جائے گی، لیکن بندے کی جو حق تلفی ہوئی ہے اس کے لحاظ

سے توبہ اس وقت تک مکمل نہیں ہوگی جب تک یہ بندہ معاف نہ کردے یا یہ اس کا حق ادا نہ کردے، یا تو یہ اس بندے کا حق ادا کرے اگر حق ادا نہ کرے تو پھر اس سے معافی مانگے تو جب تک معافی نہیں مانگے گا توبہ مکمل نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں جو کوتاہی ہے اس کا تو یہ طریقہ ہے کہ صدقِ دل سے توبہ کرلے اللہ تعالیٰ معاف کردیتے ہیں۔ لیکن بندے کی حق تلفی کے اندر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے کے ساتھ ساتھ بندے کا حق ادا کرنا یا اس سے معافی مانگنا ضروری ہے، اس کے بغیر توبہ مکمل نہیں ہوتی۔

حقوق العباد میں کوتاہی کی سنگینی

حقوق العباد کی ادائیگی قدرے مشکل ہے اور آخرت میں بہت ہی زیادہ سنگین ہے، وہ سنگین اس لئے ہے کہ حضرت امام قرطبی رحمہ اللہ نے تفسیر قرطبی میں تحریر فرمایا ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس ستر انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی عبادت ہو لیکن اس نے کسی انسان کی حق تلفی کر رکھی ہو، کسی پر اس نے ظلم کیا ہو یا اس کا کوئی جانی مالی حق غصب کیا ہو تو جب تک وہ اس بندے کا یہ حق ادا نہیں کرے گا یا اس سے معافی نہیں مانگے گا ستر انبیاء علیہم السلام کی عبادت اسے جنت میں داخل نہیں کرے گی، جب اتنی بڑی عبادت بھی اس کے پاس موجود ہے اس کے باوجود کسی انسان کی حق تلفی کرنے کا وبال یہ ہے کہ وہ

جنت میں نہیں جا سکتا پہلے اس کی معافی تلافی ہوگی، سزا بھگتنی ہوگی تو سزا بھگتے گا یا جب وہ بندہ معاف کردے گا تو معافی ہو جائے گی اس کے بعد ہی جنت میں جا سکتا ہے ورنہ نہیں جا سکتا، آپ اس سے اندازہ لگائیے کہ آخرت کے اعتبار سے بندے کے حقوق میں کوتاہی کس قدر خطرناک ہے۔

ایک دانق حق مارنے کے بدلے سات سو مقبول نمازیں دینی پڑیں گی

حضرت امام قرطبی رحمہ اللہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ قیامت کے دن اگر کسی نے دنیا میں کسی کا مالی حق ایک دانق کے برابر مارا ہوگا یعنی ناحق کسی کا مال، کسی کا روپیہ یا پیسہ ایک دانق کے برابر غصب کیا ہوگا، چھینا ہوگا، کھایا ہوگا تو اس کے بدلے میں اسے قیامت کے دن سات سو مقبول نمازیں ادا کرنی پڑیں گی اور ایک دانق درہم کا چھٹا حصہ ہوتا ہے، اور ایک درہم ساڑھے چار ماشہ چاندی کا ہوتا ہے، تو ساڑھے چار ماشہ چاندی کے چھ حصے کریں ان میں سے ایک حصہ ایک دانق ہوتا ہے، یوں سمجھیں کہ اگر چھ پیسے ہوں تو ایک پیسہ، اور اس کی قیمت آج کل بہت سے بہت پندرہ بیس روپے ہوگی یہ بھی میں زیادہ کہہ رہا ہوں دس روپے کہنا چاہیے تو اگر کسی انسان نے کسی دوسرے انسان کا صرف دس روپے کے برابر نقصان کر دیا، چھین لیا، اس کی امانت

میں خیانت کردی، کسی طرح اس نے اس کے یہ دس روپے کھا لئے، ہڑپ کرے لئے، تو یا تو دنیا میں ادا کردے اور اس کی وجہ سے جو تکلیف پہنچی معافی مانگ لے لیکن اگر اس نے ایسا نہیں کیا اور بغیر معافی تلافی کے دنیا سے چلا گیا تو آخرت میں اس کو دس روپے کے بدلے سات سو مقبول نمازیں دینی پڑیں گی۔

بندوں کے اعمال کے تین رجسٹر

ایک حدیث میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا حساب کتاب لیں گے تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تین رجسٹر ہوں گے ایک رجسٹر تو ایسا ہوگا کہ اس میں بندے کے متعلق جو کچھ لکھا ہوگا اس میں اللہ تعالیٰ ذرہ برابر بھی رعایت نہیں کریں گے، اور اس سلسلے میں ہرگز معاف نہیں فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے کہ ہمارا نام اس میں درج ہو (آمین) اور دوسرے رجسٹر کے بارے میں حق تعالیٰ کی جانب سے یہ معاملہ ہوگا کہ چاہیں گے تو معاف فرمادیں گے چاہیں گے تو بدلہ لے لیں گے۔ اور تیسرا رجسٹر ایسا ہوگا کہ اس میں بندوں کی بداعمالیاں، کوتاہیاں اور غفلتیں لکھی ہوں گی، اس کے اندر اللہ تعالیٰ ادلا بدلا کروائیں گے۔ اس کے اندر اللہ تعالیٰ معافی فرمائیں گے بلکہ جس جس کی طرف سے کوتاہی ہوگی اس کا بدلہ دلوائیں گے۔

پہلا رجسٹر

ان میں سے جو پہلا رجسٹر ہوگا اس میں بندوں کا کفر وشرک لکھا ہوگا

دنیا میں جس بندے نے، جس بندی نے کفر وشرک کیا ہوگا العیاذ باللہ کفر و شرک کیا ہوگا اور کافرانہ اور مشرکانہ زندگی گزاری ہوگی جیسے دنیا کے ہزاروں کافر اور مشرک ہیں، اُس رجسٹر میں ان کے نام درج ہوں گے ان کے ساتھ رعایت نہیں ہوگی، ہرگز ان کے ساتھ معافی تلافی کا معاملہ نہیں ہوگی اور وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے العیاذ باللہ۔

دوسرا رجسٹر

ان میں سے جو دوسرا رجسٹر وہ ہوگا جس میں بندے کی وہ کوتاہیاں درج ہوگی جو اس نے اللہ تعالیٰ کے حقوق میں کی ہوں گی جیسے کسی نے نماز نہیں پڑھی تو اس میں لکھا ہوگا کہ فلاں شخص نے نمازیں چھوڑی، سو چھوڑیں، ہزار چھوڑیں یا بالکل نہیں پڑھیں۔ روزے فرض تھے روزے نہیں رکھے، حج نہیں کیا، اس میں حج نہ کرنے کی کوتاہی لکھی ہوگی، اس قسم کے حقوق اس کے اندر لکھے ہوں گے ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ہوگا کہ وہ چاہیں گے تو بندوں سے مؤاخذہ فرمائیں گے چنانچہ نماز نہ پڑھنے پر سزا دیں گے، زکوٰۃ نہ دینے پر عذاب دیں گے، حج نہ کرنے پر سزا دیں گے اسی طرح دیگر حقوق وفرائض جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے ان کے ادا نہ کرنے پر اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو مؤاخذہ فرمائیں گے اور چاہیں گے تو اپنی رحمت سے

معاف فرمادیں گے۔

تیسرا رجسٹر

تیسرا رجسٹر وہ ہوگا جس میں بندوں کے حقوق کی کوتاہیاں لکھی ہوئی ہوں گی، کسی نے کسی کو گالی بکی، کسی نے کسی پر تہمت لگائی، کسی نے کسی پر ظلم کیا، کسی نے کسی کی زمین غصب کر لی، کسی نے کسی کا مکان قبضے میں لے لیا، کسی نے کسی پیسے چرالئے، کسی نے کسی کی دکان یا مکان پر ڈاکہ ڈالا اور پیسے اور مال چھین لیا، کسی نے کسی کو ناحق مارا، کسی نے کسی کی ناحق بے عزتی کردی، طعن و تشنیع کی اور دل دُکھادیا، یہ بندوں کی حق تلفیاں ہیں۔ ان سب باتوں سے بچنا فرض ہے، ان کا کرنا حرام و ناجائز ہے، یہ ساری کوتاہیاں اور غفلتیں اُس تیسرے قسم کے رجسٹر میں درج ہوں گی۔ اُس میں اللہ تعالیٰ کا عام قاعدہ اور دستور یہ ہوگا کہ وہ مظلوم کو ظالم سے حق دلوائیں گے۔ اس لئے بندوں کے حقوق کی کوتاہی آخرت کے اعتبار سے بڑی سنگین ہے۔

میاں بیوی کے حقوق کی اہمیت

بندوں کے حقوق میں میاں بیوی کے جو حقوق ہیں وہ اور زیادہ اہم ہیں ان کی ادائیگی کی طرف متوجہ ہونا اور زیادہ ضروری ہے اور اس میں کوتاہی تو ہوگی غفلت و لاپرواہی تو ہوگی لیکن اس کی معافی تلافی دنیا ہی میں مرنے

سے پہلے کر لینا نہایت ضروری ہے، اس لئے کہ یہ کوتاہی آخرت کے اعتبار سے اور زیادہ سنگین ہے، اور اس کی طرف عام طور پر بہت کم توجہ دی جاتی ہے، مردوں کو بھی توجہ بہت کم ہوتی ہے اور عورتوں کو بھی اس کی طرف توجہ بہت کم ہوتی ہے۔

میاں بیوی کے حقوق میں کوتاہی کیوں ہوتی ہے؟

میاں بیوی کے حقوق میں کوتاہی کی کئی وجہ ہیں ایک وجہ یہ کہ اس طرف دھیان ہی نہیں ہے کہ ہمیں ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے چاہئیں، کہ واقعی ہمارے دین میں ایک دوسرے کے حقوق ہیں ان کو ادا کرنا چاہئے، اور ادا کر کے فکر سے زندگی گزارنی چاہئے اس طرف توجہ ہی نہیں ہے کیونکہ علم ہی نہیں، جب علم ہی نہیں تو کیا ادا کریں گے۔

نمبر دو اہمیت نہیں، اور اس کی بڑی وجہ یہ ہوتی ہے کہ میاں بیوی میں بے تکلفی بہت ہوتی ہے، ایسی بے تکلفی ہوتی ہے کہ کسی اور رشتے میں وہ بے تکلفی نہیں ہے، اُس بے تکلفی کی وجہ سے ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کی فکر نہیں ہوتی، اس طرف توجہ نہیں ہوتی دھیان نہیں جاتا، اور یہ بے فکری اور بے دھیانی سخت مضر ہے، سخت نقصان دہ ہے۔

ایک وجہ ہے یہ بھی ہے کہ لوگ اس کو دین کا حصہ نہیں سمجھتے، اللہ

بجائے عرصۂ دراز سے بعض لوگوں میں بلکہ بعض دینداروں میں بھی جو نماز کے پابند ہیں، زکوٰۃ کے پابند ہیں، صدقہ خیرات بھی بہت کرتے ہیں، نفلی عبادت کے بھی بڑے پابند ہیں، تہجد گزار ہیں، اشراق چاشت پڑھنے والے ہیں، قائم الیل اور اور صائم النہار ہیں بڑے عابد و زاہد ہیں، تکبیر اولیٰ اور صف اول کا بڑا اہتمام کرتے ہیں، لیکن گھریلو زندگی میں شوہر بیوی کے ساتھ بداخلاقی اور ظلم و ستم کے اندر مبتلاء ہے، اور ایسے ہی بیوی باوجود عابدہ زاہدہ ہونے کے اپنے شوہر کے حق میں انتہائی ظالمہ، جابرہ، فاسقہ، نافرمان، اور اس کو طرح طرح سے ستانے والی اور پریشان کرنے والی اور بدزبان ہوتی ہے، یہ دونوں ظاہر میں تو بڑے دیندار ہیں معاشرے کے اندر مرد بھی بڑا نیک و صالح سمجھا جاتا ہے اور عورت بھی بڑی عابدہ، زاہدہ سمجھی جاتی ہے، لیکن ایک دوسرے کے ساتھ ان کا رویہ انتہائی ظالمانہ، فاسقانہ، فاجرانہ اور ایذاء رسانی کا ہوتا ہے، اور یہ سمجھتے ہیں اس کا ہمارے دین کے ساتھ کیا تعلق ہے، حالانکہ جس طرح نماز روزہ اور جملہ عبادات دین ہیں بالکل اسی طرح بلکہ بعض اعتبار سے اس سے بھی زیادہ اہم میاں بیوی کے حقوق کو ادا کرنا بھی دین ہے۔ اصل دینداری یہ ہے کہ آدمی دین کے دیگر احکام کو انجام دیتے ہوئے بندوں کے حقوق بھی ادا کرے اور بالخصوص میاں بیوی کے حقوق بھی ادا کرے۔ اور میاں بیوی کے یوں تو حقوق بہت سے ہیں، لیکن سب سے

پہلے یہ ضروری ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے حقوق کو جانیں، اس کے لئے الحمد للہ اردو کے اندر اچھا خاصا مواد موجود ہے، جو لوگ شادہ شدہ ہیں اور میاں بیوی ہیں ان دونوں کی ذمہ داری ہے کہ ان کتابوں کو پڑھیں، اور جن کی شادی نہیں ہوئی ہونے والی ہے وہ بھی پڑھ لیں، تاکہ شروع ہی سے وہ ایک دوسرے کا حق ادا کرنے والے بنیں، جن میں سے ایک رسالہ ہے آداب زندگی، یہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی کتاب ہے۔ یہ حقوق پر مشتمل ہے، اس میں ایک رسالہ حقوق الاسلام ہے، اس میں بہت سے حقوق کے ساتھ ساتھ حضرت نے جانوروں تک کے حقوق تحریر فرمائے ہیں، اور ایک رسالہ حقوق الزوجین ہے یعنی میاں بیوی کے حقوق، اس میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ نے بڑی تفصیل سے بیوی پر شوہر کے حقوق کیا ہیں، بیوی کے حقوق شوہر پر کیا ہیں، بڑی تفصیل سے بیان فرمائے ہیں، یہ کتاب نہایت ہی نافع ہے اور بہت ہی مفید ہے اور یہ کتاب عام طور پر آسانی سے ملتی بھی ہے لہٰذا اس کا ہمیں مطالعہ کرنا چاہئے، اور یہ نہ سمجھیں کہ اس کا مطالعہ ہماری مرضی پر موقوف ہے جب جی چاہے کریں، جب جی چاہے نہ کریں، ہرگز نہیں، ہاں اگر کسی کو میاں بیوی کے ضروری حقوق معلوم ہیں تو اس کے لئے واقعی اس کا مطالعہ ضروری نہیں، لیکن جس کو حقوق معلوم نہیں ہیں اس کے لئے مطالعہ ضروری ہے، وجہ یہ کہ میاں پر بیوی کے اور بیوی پر شوہر کے حقوق کی

ادائیگی فرض و واجب ہے، تو اس کا ضروری علم حاصل کرنا بھی فرض و واجب ہے، اور اگر آپ مزید آسان انداز میں یہ حقوق پڑھنا چاہتے ہیں تو حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کے اس بارے میں دو بیان ہیں، جو جامع مسجد بیت المکرّم میں حضرت نے بیان فرمائے تھے اور وہ چھپ بھی چکے ہیں شوہر کے حقوق اور بیوی کے حقوق، یہ رسالے لے لیں اور ان کا مطالعہ کر لیں ایک دوسرے کے حقوق معلوم ہو جائیں گے۔ میں بطورِ مثال کے چند حقوق اس مختصر وقت میں انشاء اللہ تعالیٰ عرض کروں گا تاکہ کچھ نہ کچھ حقوق ہمیں ایک دوسرے کے معلوم ہوں اور ہم ان کو ادا کرنے کی کوشش کریں، اگر کمی کوتاہی ہو چکی ہے تو مرنے سے پہلے پہلے اس کی معافی و تلافی کر لیں، لیکن ان حقوق کو بیان کرنے سے پہلے میں کچھ فضائل اور حقوق ادا نہ کرنے کا وبال آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں۔

میاں بیوی کے آپس میں حقوق کی عدم ادائیگی پر صبر کی فضیلت

فضیلت یہ ہے کہ اپنی بیوی کی بد خلقی، نافرمانی اور شوہر کے حقوق ادا نہ کرنے پر شوہر کو جو تکلیف پہنچ رہی ہے اگر وہ اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے برداشت کر لیتا ہے تو اس کو ایسا ثواب ملتا ہے جیسے حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ

والسلام کو بیماری کی تکلیف پر صبر کرنے کی وجہ سے ملا تھا اور اگر شوہر بیوی کی حق تلفی کرے اور اس کے صحیح حقوق کی ادائیگی نہ کرنے اور بیوی شوہر کی اس بدخلقی کو اور حقوق ادا نہ کرنے کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے برداشت کرلے تو بیوی کو ایسا ثواب ملتا ہے جیسے فرعون کی بیوی حضرت آسیہ کو ثواب ملا تھا، حضرت آسیہ فرعون کی بیوی تھیں اور مسلمان اور مؤمنہ تھیں فرعون ان پر ظلم ڈھاتا تھا اور وہ اُس کے ظلم وستم کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے برداشت کرتی تھیں، اللہ پاک نے جو ثواب ان کو عطا فرمایا جس کا قرآن شریف میں تذکرہ ہے، تو ان کو ثواب کے برابر اللہ تعالیٰ اس عورت کو یہ ثواب عطا فرماتے ہیں جو صبر و تحمل سے کام لیتی ہے۔

شوہر کے حقوق ادا نہ کرنے والی عورت کے لئے ایک وعید

ایک روایت میں ہے کہ جو عورت اپنے شوہر کی نافرمانی کرتی ہے، شوہر کے حقوق ادا نہیں کرتی، اس کو ستاتی ہے، تکلیف دیتی ہے، اپنی زبان اور طرزِ عمل سے اس کو ایذاء پہنچاتی ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہوتی ہے اسی طرح جو عورت ناحق اپنا موڈ خراب کر لیتی ہے اور شوہر سے ناراض اور خفا ہو جاتی ہے تو وہ اس وقت تک اللہ

تعالیٰ کی ناراضگی کی مستحق رہتی ہے اور حق تعالیٰ شانہٗ اس وقت تک ناراض رہتے ہیں جب تک وہ اپنے شوہر کو راضی نہ کرلے۔ اور جو عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر ناحق گھر سے نکل جائے اور والدین کے پاس یا کہیں اور چلی جائے تو واپس آنے تک برابر فرشتے اُس پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔

اور لعنت ہونا کوئی معمولی بات نہیں، لعنت کے معنی ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم، اور رحمت کے معنی ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کی عنایات، ان کے الطاف، ان کی مہربانیوں، ان کی کرم نوازیوں ان کی مغفرتوں کا حق دار ہو جانا۔

شوہر کے ساتھ بدزبانی کرنے کی سزا

ایک روایت میں ہے کہ جو عورت اپنے شوہر سے بدزبانی کرتی ہے، منہ ماری کرتی ہے اور اُس کو اپنی زبان سے ستاتی اور پریشان کرتی ہے تو اس کو جہنم میں زبان کے بل لٹکایا جائے گا۔ ایک تو جہنم میں جانا کتنی بڑی تکلیف کی بات ہے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے اور پھر وہاں زبان سے باندھ کر جہنم میں لٹکایا جانا کتنی ایذاء اور تکلیف کی بات ہے، یہ سب عذاب اُس شوہر اور بیوی کو ہوگا جو دنیا کے اندر ایک دوسرے کی حق تلفی کرتے رہے، ایک دوسرے پر زیادتی کرتے رہے، ایک دوسرے پر ظلم کرتے رہے اور بغیر حق ادا کئے یا بغیر

معافی تلافی کئے دنیا سے چلے گئے۔

فرماں بردار بیوی کی فضیلت

ایک روایت میں فرماں بردار عورت کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ جو عورت اپنے شوہر کی فرماں برداری کرتی ہے اور جائز اُمور میں اس کی اطاعت شعار رہتی ہے، اس کے حقوق کی پاسداری کرتی ہے تو آسمانوں میں ملائکہ اور چاند سورج، اور ہواؤں میں پرندے اور سمندر میں مچھلیاں اللہ تعالیٰ سے اُس کے لئے مغفرت کی دعا کرتی ہیں۔ فرشتوں کی دعا بھی، پرندوں کی دعا بھی، چاند و سورج کی دعا بھی، سمندر کی مچھلیوں کی دعا قبول ہوتی ہے۔ ثواب کتنا ہے اور ایک دوسرے کے حقوق ادا نہ کرنے پر وبال کتنا سخت ہے۔

قیامت کے دن سب سے پہلے کون سا مقدمہ پیش ہوگا؟

ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ حقوق العباد کے سلسلے میں عدل و انصاف فرمائیں گے اور حقوق العباد کے مقدمات کی سماعت فرمائیں گے اور ظالم سے مظلوم کا حق دلوائیں گے تو بندوں کے حقوق کے سلسلے میں سب سے پہلا مقدمہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں میاں بیوی کا پیش ہوگا۔ شوہر نے اپنی بیوی پر جو زیادتیاں کی ہوں گی، اُس کو تکلیفیں پہنچائی ہوں

گی، ظلم وستم ڈھایا ہوگا، اُس کے حقوق پامال کئے ہوں گے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے اُس کا منہ نہیں بولے گا بلکہ اُس کے اعضاء وجوارح اُس کے خلاف گواہی دیں گے اس کے ہاتھ بولیں گے اس کے پیر بولیں گے، اس کی آنکھیں بولیں گی کہ فلاں دن فلاں وقت اس نے اپنی بیوی پر یہ زیادتی کی تھی یہ ظلم کیا تھا، یہ ستایا تھا، یہ حقوق پامال کئے تھے۔ اسی طرح بیوی اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوگی اس نے دنیا میں اپنی زبان سے، اپنے ہاتھ، پیر سے اپنے کسی طرزِ عمل سے غرضیکہ جس طرح بھی اپنے شوہر کو ستایا ہوگا پریشان کیا ہوگا، ایذاء دی ہوگی، اس کے جانی مالی حقوق تلف کئے ہوں گے تو اس کی زبان نہیں بولے گی ان کی زبان پر تو مہر لگا دی جائے گی اس کے اعضاء و جوارح اس کے خلاف گواہی دیں گے، کہ فلاں دن اس نے شوہر کے ساتھ یہ زیادتی کی، اس کے مال میں یہ خیانت کی، اس کی عزت میں یہ خیانت کی اور یہ گناہ کیا۔ اور اللہ تعالیٰ بیوی سے شوہر کا حق دلوائیں گے شوہر سے بیوی کا حق دلوائیں گے اس طریقے سے اللہ تعالیٰ یہ معاملہ نمٹائیں گے۔

قیامت کے دن دیگر حقوق العباد کے مقدمات کی پیشی

بیوی اور شوہر کے مقدمات کے بعد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مردوں اور عورتوں کے ماتحت جو ان کے نوکر چاکر اور خادم ہیں ان کے حقوق کے

مقدمات پیش ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے حقوق کی ایک دوسرے کو ادائیگی کروائیں گے اور حق دلوائیں گے۔ اس کے بعد بازار میں جن کے ساتھ خرید وفروخت کا معاملہ ہوتا تھا، لین دین ہوتا تھا اس میں ایک دوسرے کے ساتھ جو خیانتیں کی ہوں گی مثلاً کم تولا ہوگا، کم ناپا ہوگا، دھوکے بازی کی ہوگی ان حق تلفیوں کے مقدمات اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ایک دوسرے کو حقوق دلوائیں گے۔ اس لئے بھئی آخرت کا معاملہ سنگین ہے، حقوق العباد کا معاملہ ہی سب سے زیادہ خطرناک ہے، اور اس میں سب سے زیادہ اہمیت میاں بیوی کے حقوق کی ہے، جو اس کو ادا کرے گا بہت زیادہ سرخرو اور اجر وثواب کا مستحق ہوگا اور جو ان میں کوتاہیاں کرے گا وہ آخرت میں بہت زیادہ عذاب کا منہ دیکھے گا اللہ تعالیٰ بچائے (آمین)۔

شوہر پر بیوی کے چند حقوق

شوہر پر بیوی کے چند حقوق یہ ہیں

۱۔ بیوی کا ایک حق شوہر پر یہ ہے کہ اپنی بیوی کو شوہر گھر کے باہر والے کاموں پر مجبور نہ کرے کیونکہ سرکار دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نکاح فرمایا تھا، تو نکاح کے بعد آپ ان کے گھر تشریف لے گئے اور گھر سے

باہر کے کاموں کو انجام دینے کی ذمہ داری حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر مقرر فرمائی، اور گھر کے کاموں کو انجام دینے کی ذمہ داری حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر مقرر فرمائی۔ لہٰذا گھر کے کاموں کو انجام دینا بیوی کی ذمہ داری ہے، اور باہر کے کاموں کو انجام دینا شوہر کی ذمہ داری ہے لہٰذا شوہر اپنی بیوی کو گھر سے باہر کے کاموں پر مجبور نہیں کر سکتا۔ یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں کچھ نہیں جانتا کہاں سے راشن آئے گا، گھر کی جو ضروریات ہیں وہ کہاں سے آئیں گی، کیسے آئیں گی میں کچھ نہیں جانتا میں تم کو پیسے دیتا ہوں تم جانو تمہارا کام جانے، میرا اس سے کوئی واسطہ نہیں ہے یہ غلط ہے۔ گھر میں جن چیزوں کی ضرورت ہے شوہر کو لا کر دینا یہ بیوی کا شوہر پر حق ہے اور گھر میں جتنے کام انجام دینے ہیں ان کا انجام دینا شوہر کی ذمہ داری نہیں ہے بیوی کی ذمہ داری ہے، البتہ بیوی اگر از خود کسی چیز کو پسند کرنے کے لئے یا لینے کے لئے شوہر کے ساتھ چلی جائے تو کوئی حرج نہیں، جائز ہے۔ لیکن یہ اصل ذمہ داری بیوی کی نہیں ہے شوہر کی ہے۔ اگر کوئی عورت یہ چاہتی ہے کہ میں گھر میں رہوں، گھر کے کاموں کو میں انجام دوں، باہر کے کاموں کو شوہر انجام دے تو درست ہے لہٰذا شوہر کی ذمہ داری ہے کہ وہ باہر کے کاموں کو سرانجام دے، اگر وہ کوتاہی کرے گا اور بیوی کو ناحق گھر سے باہر جانے اور باہر سے سودا سلف خرید کر لانے پر مجبور کرے گا تو یہ بیوی کی حق تلفی کا مرتکب ہوگا اور

گناہ گار ہوگا۔

۲۔ دوسرا حق بیوی کا شوہر پر یہ ہے کہ شوہر بیوی کے نان ونفقہ اور رہائش کا حسب استطاعت مالِ حلال سے خوش دلی کے ساتھ انتظام کرے، اور اہتمام کرے اس کی یہ ذمہ داری ہے کہ جتنی بھی اس کی آمدنی ہے اس کے مطابق اپنی بیوی کے لئے کھانے، پینے، پہننے اور رہنے کا خوش دلی کے ساتھ انتظام کرے۔

۳۔ تیسرا حق یہ ہے کہ اپنی بیوی کو دین کے ضروری مسائل سے واقف کرے، آگاہ کرے اس لئے کہ عورتوں کو اصل حکم یہ ہے کہ وہ گھر میں رہیں، دنیاوی امور تو دنیاوی ہیں، دینی امور کے لئے بھی اس کو اصل حکم یہ نہیں ہے کہ وہ گھر سے باہر نکلے، اصل حکم یہ ہے کہ وہ گھر میں رہے اور جس قدر اس کو دینی امور کی ضرورت ہے شوہر گھر آکر اس کی ضرورت کو پورا کرے، جس کا پہلے زمانے میں عام طریقہ یہ ہوتا تھا کہ شوہر علماء سے زبانی معلوم کرتا اور بیوی کو آکر بتا دیتا تھا یا جو کوئی بھی دین کی بات کسی نیک مجلس میں، نیک محفل میں سنتا وہ آکر اپنی بیوی کو بتا دیتا تھا، اور یہ بھی ہوتا تھا کہ اس کو دین کی کچھ کتابیں لاکر دے دیتا کہ اگر وہ پڑھنا جانتی ہے تو خود ان کا مطالعہ کرلے، یہ طریقہ آج بھی الحمدللہ بآسانی ہوسکتا ہے کہ گھر کے اندر بیوی کی جو دینی ضروریات اور دینی احکام ہیں شوہر اس میں ذرہ برابر غفلت نہ

کرے، اس کو اگر کسی مسئلے پر عمل کرنا ہے کسی بات پر عمل پیرا ہونا ہے تو شوہر نہیں کہہ سکتا کہ میں نہیں جانتا تم جانو اور تمہارا کام جانے۔ بلکہ بیوی کا شوہر پر بڑا اہم حق یہ ہے کہ وہ جا کر علماء سے ملے اور مسئلہ پوچھ کر اس کو بتائے۔ آج کل الحمد للہ اس حق کو ادا کرنے کی بڑی سہولت ہے، اس کی ایک آسان صورت یہ بھی ہے کہ علماء کی، صلحاء کی، اولیاء کی کیسٹیں لی جائیں اور اپنے گھر والوں کو سنائی جائیں۔ اردو میں ان کے مواعظ دیگر دینی رسائل اور مسائل پر مشتمل رسائل آسان اردو میں بہت زیادہ میسر ہیں وہ اپنے گھر والوں کو پہنچادیں، وہ ان کا مطالعہ کرلیں، جو نہ پڑھنا جانتی ہوں ان کو پڑھ کر سنا دیں۔ دینی محفلیں، دینی مجلسیں بھی ہوتی رہتی ہیں جن میں سے بعض کے اندر خواتین کے لئے پردے کے ساتھ بیٹھنے کا انتظام بھی ہوتا ہے جس طرح شوہر خود جائے اسی طرح اپنی خواتین کو بھی لے جائے، اپنی بیوی کو بھی لے جائے اور خود بھی سنے اور ان کو بھی سنوائے، یہ صورت بھی بہت نافع اور مفید ہے کیونکہ شوہر کی بات میں وہ اثر نہیں ہوتا جو دوسروں کی بات سننے میں ہوتا ہے، لہٰذا اس میں غفلت نہ کرے، اس میں کوتاہی نہ کرے بہت سے لوگ اس میں غفلت اور کوتاہی کرتے ہیں۔

۴۔ ایک حق بیوی کا یہ ہے کہ اس کو اپنے گھر والوں کی خدمت پر مجبور نہ کرے، بیوی پر ساس کی، سسر کی، دیور، جیٹھ کی اور نندوں کی خدمت

واجب نہیں ہے، دوسرے رشتہ داروں کی بھی خدمت اُس کے ذمے واجب نہیں ہے، اپنے شوہر کی خدمت تو اس کے ذمے ضروری ہے لیکن شوہر کے جو رشتے دار ہیں ان کی خدمت اس کے ذمے واجب نہیں ہے، اگر وہ اپنی خوشی سے کرے تو یہ اس کا احسان ہے نہ کرے تو کوئی زور زبردستی نہیں ہوسکتی ،لیکن آپ دیکھئے ! آج گھر گھر میں جھگڑا اسی کا ہی ہے ،لوگ سمجھتے ہیں کہ بیوی ہمارے گھر کی باندی ہے، ماسی ہے،نوکرانی اور خادمہ ہے، اس کے ذمے شوہر کی بھی ہر خدمت ضروری ہے، حالانکہ شوہر کی بھی ہر خدمت اس کے ذمے واجب نہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ سارے گھر والوں کی اس کے اوپر ذمہ داری ہے ان کے کپڑے بھی دھوئے ان کے برتن دھوئے ان کے کمرے بھی صاف کرے یہ بھی کرے وہ بھی کرے،اس کو لازم سمجھا جاتا ہے بصورت دیگر لڑائی جھگڑا اور فساد ہوتا ہے۔یہ بالکل ناجائز ہے'' اللہ تعالیٰ بچائے'' یہ سراسر حق تلفی ہے اور اس سلسلہ میں شوہر ظالم اور عورت مظلومہ ہوگی اور آخرت میں اس کا بدلہ دینا ہوگا۔

۵۔اور پانچواں حق یہ ہے کہ شوہر کو صبر وتحمل سے زندگی گزارنی چاہئے اگر عورت کی طرف سے کج روی کا سامنا ہو اور ہوسکتا ہے کبھی کبھی وہ منہ بنالے ،زبان درازی کر بیٹھے ،نافرمانی کرے،خدمت نہ بجالائے کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے،ایسے موقع پر شوہر کو چاہئے کہ صبر وتحمل سے کام لے، یہ

بیوی کا شوہر پر حق ہے۔شوہر حلم و بردباری کو اختیار کرے اور حتی الامکان اس کے ساتھ تحمل اور بردباری کا مظاہرہ کرے اور اگر عورت کی بدخلقی، کج روی برداشت سے باہر ہو جائے تو تنبیہ بھی کر سکتا ہے اول اس کو سمجھائے، سمجھانے سے کام نہ چلے تو اعتدال کے ساتھ اس کو تنبیہ کرے اور اگر پھر بھی باز نہ آئے تو اس کو والدین کے یہاں بھیج دے، اگر اس سے بھی کام نہ چلے تو آخری مرحلے میں مجبوراً علیحدگی اختیار کر لے، لیکن مارنے سے پرہیز کرے، اس کے ساتھ ناقابل برداشت رویہ اختیار نہ کرے۔ یہ تو بیوی کے حقوق ہیں جو شوہر کے ذمے ہیں۔

بیوی پر شوہر کے چند حقوق

بیوی پر شوہر کے چند حقوق یہ ہیں

چند حقوق شوہر کے بتاتا ہوں جو بیوی پر شوہر کے ہیں ان کی تفصیل ان کتابوں میں ملے گی جو میں نے آپ کو بتائی ہیں:۔

۱۔ایک حق بیوی پر اپنے شوہر کا یہ ہے کہ وہ اپنے شوہر کی فرمانبردار بن کر رہے، تابع دار بن کر کے رہے، خدمت گزار بن کر رہنے کی کوشش کرتی رہے کہ اس کے کسی طرزِ عمل سے اس کے شوہر کو ناحق کوئی تکلیف نہ پہنچے، جائز امور میں اس کی تابعدار رہے، ہاں اگر شوہر ناجائز کام کرنے پر مجبور کرتا

ہے تو پھر ادب واحترام سے معذرت کرلے، مثلاً اگر شوہر کہتا ہے میں ٹی وی دیکھتا ہوں تم بھی میرے ساتھ ٹی وی دیکھو، میں فلم دیکھتا ہوں معاذ اللہ تم بھی میرے ساتھ فلم دیکھو، یا شوہر کہتا ہے تم میرے ساتھ بے پردہ چلو، یا میرے بھائیوں سے پردہ مت کرو، میرے رشتہ دار تو گھر کے اندر آئیں گے، تم اُن سے پردہ مت کرنا ان کے سامنے بے پردہ آنا، تو یہ حدیث شریف میں ہے: سب حرام وناجائز کام ہیں۔

لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِیْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ .

(مشکوٰۃ المصابیح)

ترجمہ

''تابعداری کرنا جس میں خالق کی نافرمانی ہو جائز نہیں''۔

نہ کو اپنے شوہر کی اطاعت جائز، نہ مرید کو اپنے پیر کی اطاعت جائز، نہ شاگرد کو اپنے اُستاد کا کہنا ماننا جائز ہے۔ ہاں جائز امور میں اگر شوہر کہے تو بیوی پر واجب ہے کہ اس کا حکم مانے اس کی تابعداری کرے بصورتِ دیگر وہ عذاب اور وبال ہے جو ابھی میں نے آپ کے سامنے تھوڑا اساذ کر کیا۔

۲۔ اور دوسرا حق یہ ہے کہ شوہر سے اس کی مالی حیثیت سے بڑھ کر نان ونفقہ، دیگر ضروریات کا مطالبہ نہ کرے، اور اس کی مالی حیثیت سے بڑھ

کر کھانے کا، پینے کا، رہنے کا مطالبہ نہ کرے، اس لئے کہ اس سے زیادہ شوہر پر واجب ہی نہیں ہے، اگر بیوی شوہر کو مجبور کرے گی تو دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ قرض لے کر اس کی ضروریات پوری کرے گا، اس کو قرض لینے پر مجبور کرنا درست نہیں یا پھر وہ حرام و ناجائز ذرائع تلاش کرے گا، رشوت لے گا، سود کھائے گا، سود لے گا یا ڈاکہ ڈالے گا یا چوری کرے گا، یا اور کسی طریقے سے مال حاصل کرے گا بہر حال جب اس کی حلال آمدنی کافی نہ ہوگی تو بیوی کے مطالبات پورے کرنے کے لئے بالآخر وہ حرام و ناجائز ذرائع اختیار کرنے پر مجبور ہوگا ایسا کرنے کی وجہ سے بیوی گناہ گار ہوگی کہ اس نے شوہر کی حق تلفی کی لہذا اس کا یہ مطالبہ ناجائز اور غلط ہے شوہر کی جتنی آمدنی ہے اس کی حد تک وہ اپنا حق طلب کرسکتی ہے اس سے زیادہ شوہر کو مجبور کرنا جائز نہیں۔

۳۔ تیسرا حق یہ ہے کہ شوہر کا جو مال اس کے پاس ہے بلکہ یوں سمجھیں سارا گھر اس کے قبضے میں ہے اور گھر کے اندر شوہر کی ملکیت میں جو کچھ بھی ہے چاہے وہ فرنیچر ہو، چاہے وہ بستر اور تکیے ہوں، چاہے باورچی خانے کا ساز و سامان ہو، چاہے قالین فرش اور پردے ہوں، یا روپیہ پیسہ، سونا، چاندی ہو جو کچھ بھی گھر کے اندر ہے وہ سب بیوی کے پاس امانت ہے، بیوی پر واجب ہے کہ ان سب کی امانت کی طرح حفاظت کرے ان کو ضائع

اور برد باد ہونے سے بچائے، شوہر کی اجازت کے بغیر نہ صدقہ کرے، نہ خیرات کرے اور نہ ہی اپنے رشتہ داروں کو ہدیہ تحفہ دے، اگر دینا ہے تو شوہر سے اجازت لے کر دے۔ اب چاہے شوہر کی طرف سے صراحۃً اجازت ہو یا دلالۃً اجازت، بعض مرتبہ بیوی کو اندازہ ہوتا ہے کہ یہ چیز دوں گی تو میرا شوہر ناراض نہیں ہوگا بلکہ راضی ہوگا خوش ہوگا تو دلالۃً ایسی بھی کافی ہے، اور اگر زیادہ مقدار میں کوئی چیز دینی ہے تو عام طور پر اس میں شوہر سے اجازت لینا ضروری ہے، اس کی صریح اجازت کے بغیر نہیں دینا چاہیے، اگر کوئی عورت دے گی تو خیانت کی مرتکب ہوگی۔

شوہر کے مال کے بارے میں بیوی کی دو کوتاہیاں

اب یہاں عورتوں سے دو کوتاہیاں ہوتی ہیں، ایک کوتاہی تو یہ ہے کہ بعض عورتیں چپکے چپکے شوہر کے پیسے اور اس کی قیمتی اشیاء یا دیگر چیزیں بغیر پوچھے اپنے بہن بھائیوں کو، اپنے رشتے داروں کو، عزیزوں کو دیتی رہتی ہیں اس طرح وہ شوہر کے گھر میں جھاڑو پھیرتی رہتی ہیں اور اپنے میکے والوں کو نوازتی رہتی ہیں، شوہر اگر اس بارے میں کچھ کہتا ہے تو ناراض ہو جاتی ہیں، خفا ہو جاتی ہیں، لڑائی ہو جاتی ہے، ہنگامہ کھڑا ہو جاتا ہے، یاد رکھیں یہ ایسی کوتاہی ہے جو بالکل حرام اور ناجائز ہے۔ اور دوسری کوتاہی یہ ہوتی ہے کہ

اگر شوہر اپنے بہن، بھائیوں کو اپنے ماں، باپ کو اپنے رشتہ داروں کو اپنے ذاتی مال میں سے کوئی ہدیہ تحفہ دینا چاہتا ہے تو عموماً عورتیں خفا اور ناراض ہو جاتی ہیں، بہت کم عورتیں ایسی ہیں جو شوہر کے رشتہ داروں کو، گھر والوں کو دینے پر دل و جان سے راضی ہوں، بہت کم ایسی ہوتی ہیں، اکثر و بیشتر عورتیں نہ صرف یہ کہ ناراض بلکہ لڑنے مرنے کے لئے تیار ہو جاتی ہیں ویسے ہی عام طور پر ان کی شوہر کے رشتے داروں سے لڑائی رہتی ہے، جھگڑا رہتا ہے اور ذرا سی دیر کے لئے بھی وہ ان کو برداشت نہیں کر سکتیں، جو غلط ہے، ناجائز ہے، شوہر اپنے مال میں سے کسی بھی موقع پر اپنے بہن بھائیوں کو تحفہ دینا چاہتا ہے یا ہدیہ دینا چاہتا ہے یا پیسے دینا چاہتا ہے، تو بعض عورت اس کے اوپر اتنی خفا ہوتی ہے کہ جس کے نتیجہ میں شوہر اس کے ساتھ لڑائی کرتا ہے یا پھر خاموش ہو جاتا ہے، یاد رکھو یہ ظلم ہے، زیادتی ہے، ناجائز ہے، وجہ یہ ہے کہ اول تو شوہر اپنے پیسوں سے دے رہا ہے، اس میں ناراضگی کی کیا وجہ ہے، جس طرح بیوی کو اپنے مال میں ہر جائز تصرف کا اختیار ہے، اسی طرح شوہر کو بھی اپنے مال میں ہر جائز تصرف کا اختیار ہے اور یاد رکھو شوہر کو بیوی کے نیک کاموں کے اندر اس کا معین اور مددگار رہنا چاہئے رکاوٹ نہیں بننا چاہئے، بالکل اسی طرح بیوی کو شوہر کے نیک کاموں میں معین اور مددگار بن کر رہنا چاہیے نہ کہ رکاوٹ بننا چاہئے، یہاں عورتیں رکاوٹ بنتی ہیں جو

سراسر زیادتی کی بات ہے، ظلم کی بات ہے، اور موجب لعنت ہے اور باعث عذاب ہے، اس لئے کہ اس میں ایک تو شوہر کی نافرمانی ہے اس پر مزید زبان درازی پھر مزید برمزید اس کے ساتھ لڑائی جھگڑا ہوتا ہے، اور اس کا یہ ہدیہ تحفہ جو وہ خوش دلی کے ساتھ اپنے ماں باپ، بہن بھائیوں کو دینا چاہتا ہے یہ اس میں رکاوٹ بنتی ہیں، ہاں ایک صورت میں بیشک یہ بات قابلِ اعتراض ہوسکتی ہے کہ بیوی کا واجب حق ادا نہیں کرتا، اپنے بچوں کا واجب حق ادا نہیں کرتا، سب کچھ اپنے والدین کو، بہن بھائیوں کو دیتا رہتا ہے، اس بیچاری کو محروم رکھتا ہے نہ کھانے کو دیتا ہے، نہ پینے کو دیتا ہے، نہ پہننے کو دیتا ہے اور نہ کوئی سہولت دیتا ہے اس طرح اس کے حقوق پامال کر کے اپنے گھر والوں کے حقوق ادا کرتا ہے، تو بلا شبہ شوہر اس میں غلطی پر ہے، اور شوہر اس صورت میں ظالم ہے، بیوی مظلومہ ہے لیکن ایسا کم ہوتا ہے، شوہر یہ چاہتا ہے کہ میرے گھر والوں کو بھی ہدیہ تحفہ ملے تو وہ بیچارہ چپکے چپکے دیتا ہے کہ بیوی کو پتہ نہ چلے، اگر پتہ چل جائے تو پھر گھر میں قیامت ہے، پھر جینا دوبھر ہے اور گھر میں رہنا مشکل ہے یہ بڑی خطرناک بات ہے العیاذ باللہ۔ اسی طرح بعض عورتیں گھر کے سامان اور قیمتی چیزوں ان کے بارے میں انتہائی لاپرواہی کا مظاہرہ کرتی ہیں، وہ چیزیں رکھی ہیں تو صفائی کا اہتمام نہیں ہے ان کو احتیاط سے رکھنے کا اہتمام نہیں وہ گل رہی ہیں تو گلنے دیں سڑ رہی ہیں تو سڑنے دیں

ان کو یونہی چھوڑ دیتی ہیں، یہ بھی شوہر کے مال میں کوتاہی ہے اس لئے کہ سارا مال بیوی کے پاس امانت ہے امانت کی حفاظت کرنا ضروری ہے اس طرح امانت کو ضائع کرنا امانت میں ایک طرف خیانت ہے جو شوہر کی حق تلفی ہے۔

۴۔ چوتھا حق شوہر کا بیوی پر یہ ہے کہ عورت سے جہاں تک ہو سکے اپنے شوہر کے گھر والوں مثلاً شوہر کے والدین جن کو ساس، سسر کہتے ہیں، شوہر کے بہن بھائی اور دوسرے رشتے داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرے، ان کی خدمت اگرچہ اس کے ذمے واجب نہیں ہے لیکن ازراہ ہمدردی ازراہ خیر خواہی اگر یہ ان کی خدمت کرے یا ان کے کام آجائے تو باعث اجر ہے، باعث خوش اخلاقی ہے یہ میاں بیوی کی زندگی کے خوش گوار بنانے کا باعث ہے بشرطیکہ اس کے ماں، باپ، بہن، بھائی ناحق اس پر ظلم نہ کریں، اس کے ساتھ زیادتی نہ کریں، اس کے ساتھ بدسلوکی نہ کریں، اگر ان کا رویہ اچھا ہے تو بیوی کو بھی چاہیے کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک رکھے اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے، اگر یہ ان کی خدمت کرے گی اور ان کے کام آئے گی تو اجر و ثواب ملے گا، نہیں کرے گی تو اس کے ذمے کوئی واجب نہیں ہے اور شوہر کو بھی چاہیے کہ بیوی اور اس کے گھر والوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور بیوی کو بھی چاہیے کہ شوہر کے اور اس کے گھر والوں کے ساتھ اچھا سلوک رکھے، اب دیکھیے ؟! یہ ایسے حقوق ہیں کہ اگر شوہر بیوی کے حقوق ادا

کرے اور بیوی شوہر کے حقوق ادا کرے تو گھر جنت کا نمونہ بن جائے۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے مواعظ میں یہ شعر بہت آتا ہے:

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد کسے را با کسے کارے نباشد

ترجمہ: بہشت اسے کہتے ہیں جہاں کوئی تکلیف نہ ہو اور کسی کو کسی سے کوئی حاجت اور ضرورت نہ ہو سب ایک دوسرے کے حقوق ادا کرتے رہیں اور کسی کو کسی ایذاء اور تکلیف نہ پہنچے۔

تو دیکھئے ایک دوسرے کا حق ادا کرنے سے دنیا کا گھر سکون کا گھر بن جائے گا، عافیت کا گھر بن جائے گا، راحت کا گھر بن جائے، جنت کا نمونہ بن جائے گا اور ایک دوسرے کا حق ادا نہ کرنے سے گھر جہنم کا نمونہ بن جاتا ہے وہاں سکون نہیں ہوتا وہاں عافیت نہیں ہوتی، وہاں راحت نہیں ہوتی وہاں اللہ تعالیٰ بچائے تکلیف ہی تکلیف ہوتی ہے، جب دنیا ہی کا گھر جہنم کا نمونہ ہے تو بھئی قبر میں کیا حال ہوگا اور آخرت میں کیا انجام ہوگا۔ ایک واقعہ مجھے یاد آرہا ہے مگر غالباً وقت ہو گیا ہے سنا دوں بھئی! آپ لوگ تھک تو نہیں گئے؟

حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی رحمہ اللہ کا واقعہ

حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی رحمہ اللہ کا واقعہ حضرت مولانا رومی رحمہ

اللہ نے مثنوی میں بیان فرمایا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے، حضرت شیخ ابو الحسن خرقانی رحمہ اللہ، اللہ تعالیٰ کے بڑے ولی گزرے ہیں ایک آدمی بہت طویل سفر طے کر کے خرقان حضرت کی خدمت میں بیعت ہونے کے لئے حاضر ہوا جس وقت وہ پہنچا حضرت گھر پر موجود نہیں تھے یہ ان کے گھر گیا اور جا کر دستک دی تو گھر والوں نے پوچھا کون؟ اس نے کہا کہ میں فلاں جگہ سے بڑا طویل سفر کر کے حضرت والا سے ملنے اور ان کی خدمت میں رہ کر اپنی اصلاح کرانے اور بیعت ہونے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ بیوی نے کہا ارے کم بخت! اس مقصد کے لئے تو کس کے پاس آیا ہے؟ میں تو رات دن اس کے ساتھ رہتی ہوں وہ تو بالکل مکار اور بناوٹی پیر ہے، تیرے پاس عقل بھی نہیں، پہلے کم از کم مجھ سے پوچھ تو لیا ہوتا، مجھ سے زیادہ ان کی حیثیت کون جانتا ہے، اور جناب! اس نے بڑی کھری کھری سنائیں۔ اس بیچارے کا دل ٹوٹ گیا کہ میں ہزاروں میل کا سفر کر کے آیا میرا سارا سفر کھوٹا ہو گیا، اور وہ بیچارہ بڑا ہی رنجیدہ افسردہ ہو کر دروازے سے لوٹا۔ تو محلے کے لوگ اسے ملے تو انہوں نے کہا ارے بھئی! دیکھو تم ان کی بیوی کی جلی کٹی باتوں کی وجہ سے کوئی اثر مت لینا، یہ تو تیز مزاج عورت ہے، بد خلق ہے ان کی تو یہی عادت ہے، حضرت اپنی جگہ بالکل پیر برحق ہیں اللہ تعالیٰ کے کامل ولی اور شیخ کامل ہیں تم گھبراؤ نہیں اور حضرت سے ضرور ملو۔ ابھی وہ ان سے باتیں کر کے فارغ ہی

ہوا تھا اور حضرت سے ملنے کے لئے جنگل جانے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ حضرت جنگل سے واپس تشریف لا رہے تھے اور حضرت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ منکشف ہو گیا تھا کہ یہ شخص مجھ سے مرید ہونے کے لئے آیا ہے اور صدق و اخلاص کے ساتھ آیا ہے لیکن میری بیوی کی جلی کٹی باتیں سن کر یہ بیچارہ متأثر اور رنجیدہ ہو گیا ہے۔ اور جیسے ہی یہ حضرت کے سامنے پہنچا تو اس نے حضرت کو اس حالت میں دیکھا کہ حضرت ببر شیر کی کمر پر بیٹھے ہوئے ہیں اور سانپ کا ہنٹر حضرت کے ہاتھ میں ہے، شیر ببر کے اوپر حضرت شیخ ابو الحسن خرقانی سوار ہیں اور ہاتھ شیر کو مارنے اور چال کو تیز کرنے کے لئے سانپ کا ہنٹر ہے، جیسے ہی اس نے حضرت کو دیکھا سلام کیا، حضرت بھانپ گئے فرمایا بھئی تم ہماری بیوی کی باتوں سے اپنا دل مت خراب کرنا، اپنے اعتقاد میں خلل نہ آنے دینا تم جس مقصد کے لئے آئے ہو اس مقصد پر قائم رہنا، دیکھو ہماری بیوی جیسی بھی ہے تمہارے سامنے ہے اور ان کی جو باتیں ہیں وہ تم نے سن ہی لی ہیں یہ باتیں تو ہم روزانہ سنتے ہیں، ان کا یہ رویہ ہمارے ساتھ روزمرہ کا ہے لیکن یہ یاد رکھو میں اس کی اس بد خلقی کو اس ایذاء رسانی والے طرزِ عمل کو اور ان کے ستانے کو محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے برداشت کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ببر شیر کی سواری مجھ کو عطا فرمائی ہوئی ہے اور اگر شیر کہیں چلنے میں سستی کرے تو بطور ہنٹر کالا ناگ مجھے عطا فرمایا ہوا ہے اور اگر

میں اپنی بیوی کی ان باتوں کو برداشت نہ کروں تو شیر میرا وزن نہیں اٹھا سکتا اور سانپ میرے ہاتھ میں ہنٹر نہیں بن سکتا تو بھئی ہمارا جو راستہ ہے وہ صبر و تحمل کا راستہ ہے لہٰذا ہماری بیگم صاحبہ کے طرز عمل پر صبر کا یہ نتیجہ ہے کہ اللہ پاک نے بطور کرامت کے یہ دو چیزیں مجھے دے رکھی ہیں، اب میں جنگل میں جاتا ہوں تو پیدل چلنے کی ضرورت نہیں، میں جہاں جہاں جاتا ہوں شیر میری سواری ہوتا ہے اور جہاں مارنے کی ضرورت ہوتی ہے سانپ کا ہنٹر میرے کام آتا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ دیکھو اللہ پاک نے اپنی مخلوق میں مجھ کو ایک عالی مقام عطا فرمایا ہے لوگ مجھے اللہ تعالیٰ کا ولی اور بزرگ سمجھتے ہیں، جہاں جاتا ہوں لوگ میرے ہاتھ چومتے ہیں، جوتے سیدھے کرتے ہیں، ہر جگہ مجھ کو سب سے آگے رکھتے ہیں، اس کی وجہ سے میرے نفس کے اندر کبر و عجب پیدا ہو جاتا ہے تو اللہ پاک میری بیوی کے اس طرز عمل سے میرے اس خنّاس کا علاج فرماتے ہیں۔

بہر حال حضرت نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اپنی بیوی کی بدخلقی پہ صبر کیا تو دنیا میں اللہ پاک نے ان کو یہ مرتبہ عطا فرمایا اور آخرت میں نہ جانے کتنا درجہ ملا ہوگا، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ عورتیں بدخلقی اختیار کریں اور بدتمیزی کو اپنائیں اور شوہر کے ساتھ ایسا برتاؤ کریں تاکہ ان کے شوہر کو بھی یہ مقام ملے، یاد رکھو دوسرے کو نوازنے کے لئے اپنے آپ کو جہنم کا ایندھن بنانا

جائز نہیں، ہرگز کوئی عورت ایسا طریقہ اختیار نہ کرے، لیکن خدانخواستہ اگر کسی کو بیوی ایسی جلی کٹی مل جائے تو اس کے لئے یہ واقعہ باعثِ نصیحت ہے کہ وہ ان بزرگوں کے واقعات کو سن کر یہ سوچے کہ جب اتنے بڑے بزرگ نے صبر کیا تو بھئی ہمیں بھی صبر سے کام لینا چاہئے۔ بہر حال فی الجملہ شوہر کا یہ حق ہے کہ عورت کی تکلیف دہ باتوں سے اور اس کی ایذاؤں پر حتی الامکان صبر وتحمل سے کام لے۔ تو بھئی بطور نمونے کے یہ چند حقوق تھے جو شوہر کے بیوی پر بیوی کے شوہر پر ہیں۔

دعا

بس اب دعا کریں اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے دنیا میں ہمیں اس طرح رہنے کی توفیق دے کہ میاں بیوی کے حقوق بھی ادا ہوں اور دیگر بندوں کے حقوق بھی ادا ہوں اور اگر کہیں ہم سے کوتاہی، حق تلفی اور زیادتی ہو جائے تو مرنے سے پہلے پہلے اس کی معافی، تلافی کرلیں۔ دل وجان سے دعا کرتے رہیں کہ یا اللہ دنیا سے اس حال میں اٹھانا کہ آپ کے کسی بندے کا کوئی حق میرے ذمے نہ ہو، نہ مالی، نہ زبانی، نہ بدنی۔ کسی قسم کا کوئی حق نہ ہو اور یا اللہ اگر رہ جائے تو آپ اپنے پاس سے اس کا حق ادا کردیجئے گا اور اس کو راضی کر کے میرے لئے معافی کا انتظام فرما دیجئے گا، اور آپ کے حقوق

بھی میرے ذمے نہ ہوں اور اگر رہ جائیں اور یقین ہے کہ رہ جائیں گے تو یا اللہ آپ اپنے فضل سے معاف ہی فرما دیجئے گا اس لئے کہ آپ بہت معاف کرنے والے ہیں اور آپ رحمٰن ورحیم ہیں، (آمین)۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین.

☆☆☆

فضائلِ شبِ براءت

اس میں ''شب براءت'' کی فضیلت، اس فضیلت کو حاصل کرنے کا طریقہ اور اس رات کی مروجہ رسومات کا ذکر کیا گیا ہے۔

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی دامت برکاتہم
نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ناشر

مکتبۃ الاسلام کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فضائلِ شبِ براءت

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیاٰت اعمالنا ط واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان سیدنا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی الہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیما کثیراً کثیراً۔

اما بعد!

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ ط مَا اُرِیْدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ وَّمَا اُرِیْدُ اَنْ یُّطْعِمُوْنِ ط اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِیْنُ۔ (الذاریات: ۵۶، ۵۷، ۵۸)

(صدق اللہ العظیم)

میرے قابلِ احترام بزرگو! اس وقت آپ کی خدمت میں اس مہینے میں آنے والی مبارک رات جسے شب براءت کہتے ہیں اور جو ۱۵/ شعبان کی رات ہوتی ہے، اس کے فضائل کا خلاصہ اور لُبِّ لُباب سرکارِ دوعالم ﷺ کے ارشادات کی روشنی میں انشاء اللہ تعالیٰ عرض کروں گا۔ خلاصہ میں دو باتیں آئیں گی کچھ باتیں وہ ہیں جو کرنے کی ہوں گی اور کچھ باتیں ایسی ہوں گی جن کا تعلق نہ کرنے سے ہوگا، اور زیادہ تر یہی باتیں ہوں گی جو نہ کرنے کی ہوں گی، ہمیں ابھی سے عمل کی بات پر عمل کرنے کی نیت کر لینی چاہئے اور اس نیت سے سننا اور بیٹھنا چاہئے کہ جو باتیں کرنے کی بتائی جائیں گی حسبِ استطاعت، حسبِ قوت اور حسبِ فرصت انشا اللہ ہم ان کو کریں اور جو باتیں بچنے اور نہ کرنے کی ہیں اور گناہ کی ہیں ان سے ہم مکمل طور پر بچیں گے، اگر پہلے سے وہ گناہ اور وہ کام ہم سے ہو رہے ہیں تو ان سے ابھی سے توبہ کر کے اُٹھیں، اور اگر پہلے نہیں کئے ہیں تو یہ نیت کر لیں کہ ہم آئندہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ تا زندگی نہیں کریں گے۔

ہمارے دین میں یہی دو قسم کی باتیں ہیں کہ فلاں فلاں کام کرو اور فلاں کاموں سے بچو، دونوں قسم کی باتوں پر عمل کرنا ہر مومن کی ذمہ داری ہے، یہ نہیں کہ کرنے کی چند باتوں پر تو عمل کرے مگر اس کے ساتھ ساتھ گناہوں میں بھی ڈوبا رہے، ایسا شخص کامل مؤمن نہیں ہے اور ہمیں کامل

مؤمن بننا چاہئے اور کامل مؤمن بننے کیلئے دونوں پر عمل کرنیکی ضرورت ہے ،کرنے کی باتوں کو کرے اور بچنے کی باتوں سے بچے، غلطی ہو جائے تو توبہ کرے۔

پانچ راتوں کی فضیلت

یہ مبارک رات جو آرہی ہے، معمولی نہیں ہے بڑی عظیم الشان رات ہے ایک حدیث میں ہے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رحمت کائنات جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سال کے اندر پانچ راتیں ایسی ہیں کہ جو مسلمان خواہ وہ مرد ہو یا عورت ان پانچ راتوں میں جاگے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے واسطے جنت کے واجب ہونے کا فیصلہ لکھ دیتے ہیں۔(الأصبهانی، الترغیب و الترهیب)

مؤمن کی زندگی کا مقصد چار باتیں ہیں

یہ بات آپ حضرات کو معلوم ہے کہ ہر مسلمان کی زندگی کا خلاصہ اور اس کی زندگی کا مقصود اصلی چار چیزیں ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول

(۲) جنت کا نصیب ہونا

(۳) اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچنا

(۴) جہنم سے آزادی حاصل کرنا

ان چار کاموں کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس دنیا کے اندر بھیجا ہے اور ہر مومن کا یہ فرض ہے کہ وہ دنیا میں رہتے ہوئے یہ چار باتیں کریں۔ مرنے سے پہلے پہلے اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا نصیب ہو جائے اور وہ جنت کا مستحق بن جائے۔ اس کی ناراضگی سے بچ جائے اور دوزخ سے آزادی کا پروانہ حاصل کرے اس طرح ان چاروں باتوں کو حاصل کرے اور ان چار باتوں کو حاصل کرنا چوبیس گھنٹے ہمارے اختیار میں ہے جس طرح کھانا، پینا ہمارے اختیار میں ہے ایسے ہی ان چاروں کو حاصل کرنا بھی ہمارے اختیار میں ہے، اس کا طریقہ وہی ہے جو میں نے شروع میں عرض کیا تھا کہ جن کاموں کو کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے ان کو ہم بجا لائیں اور حسب موقع ان کو انجام دیتے رہیں جہاں کہیں کمی کوتاہی ہو جائے بلا تاخیر فوراً توبہ اور استغفار کر کے اس کمی کو دور کرنے کی کوشش میں لگے رہیں، کیونکہ انسان غلطی کا پتلا ہے، کہیں نہ کہیں بھول ہو جاتی ہے اور کہیں نہ کہیں غلطی ہو ہی جاتی ہے، اس کا تدارک یہ ہے کہ جہاں غلطی ہو جائے فوراً توبہ کرے اور معافی مانگے اور آئندہ بچنے کی پوری کوشش کرے۔ بہر حال! ہر جگہ ہر کام میں یہ دونوں باتیں موجود ہیں، کھانے کے اندر بھی، پینے کے اندر بھی، سونے اور اٹھنے کے اندر بھی، کاروبار کے اندر بھی، ملازمت اور

زراعت کے اندر بھی، تجارت، صنعت وحرفت کے اندر بھی، غرض ہر جگہ یہ دونوں باتیں ہیں کہ فلاں کام کرو اور فلاں کام سے بچو، مومن کا ایمان ہر وقت اس سے یہی کہتا ہے کہ اے مومن! دیکھ! یہ گناہ ہے اس سے بچ، اور یہ نیکی ہے اس کو کر اور بجالا، نیکی مت چھوڑ اور بدی کے قریب مت جا، نیز اللہ نے ہر عمل کے بدلہ کا اعلان بھی فرمایا ہے کہ فلاں کام کرو گے تو تم جنت کے مستحق ہو جاؤ گے اور فلاں کام کرو گے تو تم اللہ تعالیٰ کے غضب میں مبتلا ہو جاؤ گے، وہ کام سارے گناہ ہی گناہ ہیں، حرام اور ناجائز کام ہیں، ہر گناہ خواہ کتنا ہی چھوٹا ہو انسان کو دوزخ کی طرف لے جانے والا ہے، نیکی چاہے کتنی ہی معمولی کیوں نہ ہو آدمی کو جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ:

إِنَّ الصِّدْقَ بِرٌّ وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِىْ إِلَى الْجَنَّةِ وَإِنَّ الْكِذْبَ فُجُوْرٌ وَإِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِىْ إِلَى النَّارِ.

ترجمہ

''بیشک سچائی نیکی ہے اور نیکی جنت کی طرف لیجاتی ہے، اور بیشک جھوٹ گناہ ہے اور گناہ (آدمی کو) جہنم کی طرف لے جاتا ہے''۔ (مشکوۃ)

فضائل شبِ براءت

جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا کہ اس رات کے بارے میں دو با تیں عرض کرونگا، کچھ باتیں کرنے کی ہیں اور کچھ بچنے کی ہیں، کرنے کی باتیں اللہ کی رضا کا باعث ہیں اور جو گناہ کی باتیں ہیں وہ سب اللہ کے غضب کا باعث ہیں اور دوزخ میں لے جانے کا ذریعہ ہیں ان سے بچنا ضروری ہے سال کی پانچ راتوں میں سے یہ شب براءت بھی ایسی مبارک رات ہے کہ اگر کوئی اس رات میں جاگے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرے جس طرح شریعت میں ہے، اور اُس طرح نہ کرے جیسے یہاں رائج ہے، اس طرح عبادت کرے جیسی عبادت سنت سے ثابت ہے، اُس طرح نہ کرے جس کا ہمارے ماحول و معاشرہ میں رواج ہے، تو اس کی فضیلت یہ ہے کہ ایسے عبادت گزار کو اللہ تعالیٰ لازمی طور پر جنت کا مستحق بنادیں گے۔

پانچ راتوں کی عبادت، اور جنت کی ضمانت

ان پانچ راتوں میں سے ایک رات تو یہی شب براءت ہے، دوسری شب قدر ہے، تیسری عید الفطر کی رات، چوتھی بقر عید کی رات اور پانچویں ۹ ذی الحجہ کی رات ہے، افسوس! ہم نہ عید کی رات میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، نہ بقر عید کی رات میں جاگتے ہیں، ان راتوں کو تو یونہی

بازاروں کے اندر گھوم پھر کر ضائع کر دیتے ہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو محفوظ رکھے، لیکن یاد رکھئے کہ یہ دو راتیں بھی بڑی مبارک ہیں، اس میں بھی آدمی کو کچھ نہ کچھ جاگنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف متوجہ ہونا چاہئے، گناہوں سے بچنا چاہئے، سال میں یہ پانچ راتیں ایسی ہیں کہ اگر کوئی اپنی عبادت سے ان کو زندہ رکھے تو اس کا ثواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو جنتی ہونے کا پروانہ ضرور عطا فرما دیتے ہیں۔

شبِ براءت کی دوسری فضیلت

اس رات کی دوسری فضیلت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس رات کے اندر بڑے اہم اہم فیصلے فرماتے ہیں، وہ اہم فیصلے اس طرح سے فرماتے ہیں کہ جو کچھ اس دنیا کے اندر ہونا تھا اور ہر انسان کے ساتھ ہونا تھا اللہ پاک نے وہ سب انسانوں کو پیدا کرنے سے پہلے بلکہ اس دنیا کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے لوحِ محفوظ میں لکھ دیا تھا کہ دنیا بنے گی اس میں اتنے انسان ہونگے، اور اتنا عرصہ دنیا میں رہیں گے، فلاں دن، فلاں وقت، فلاں فلاں کام کریں گے، اللہ پاک نے ان سب کی پوری تفصیل اور پوری کفیت لوحِ محفوظ میں تحریر فرما دی، اسے شریعت کی اصطلاح میں ''تقدیر'' کہتے ہیں۔

شبِ براءت میں سال بھر کے امور کا فیصلہ

سال بھر میں جو کچھ دنیا میں ہونا ہے اور جس جس کے ساتھ جو کچھ ہونا ہے وہ اگرچہ لوح محفوظ میں پہلے سے لکھا ہوا ہے لیکن شب برأت میں اللہ پاک لوح محفوظ سے نقل کروا کر ان فرشتوں کے حوالہ کر دیتے ہیں جن کی یہ ڈیوٹی ہوتی ہے کہ اپنے اپنے وقت پر وہ ان امور کو سرانجام دیں جو انہیں لکھ کر دیئے گئے ہیں، چنانچہ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ پندرھویں شعبان کے اندر یہ فیصلہ ہو جاتا ہے اور اسے لوحِ محفوظ سے نقل کر کے فرشتوں کے حوالہ کر دیا جاتا ہے کہ فلاں وقت فلاں شخص کی روح قبض کرنی ہے اب اس کا نام مُردوں کی لسٹ میں لکھ دیا گیا اور وہ یہاں کاروبار کر رہا ہے، کھا پی رہا ہے، سو رہا ہے، جاگ رہا ہے، چل پھر رہا ہے اور سالہا سال کے منصوبے بنا رہا ہے، اس کو یہ معلوم نہیں کہ میرا نام مُردوں میں لکھا جا چکا ہے، اسی طرح اگر کسی کے ساتھ کوئی حادثہ ہونا ہے، کسی کا کاروبار فیل ہوتا ہے، کسی کا کاروبار چمکتا ہے، کسی کی شادی ہوتی ہے، کسی کو طلاق ہوتی ہے، کسی کے اولاد ہوتی ہے، یا کسی کو تنزلی کا شکار ہونا ہے، کسی کو عزت ملنی ہے یا کسی نے ذلیل ورسوا ہونا ہے، یہ سب کچھ لوحِ محفوظ میں پہلے سے لکھا ہوا ہے لیکن کسی کو کچھ معلوم نہیں اور ہر کام اپنے اپنے وقت پر ہوتا رہتا ہے۔

یہ وہ اہم فیصلے ہیں جو اس رات لوحِ محفوظ سے نقل کر کے فرشتوں کے حوالے کر دیئے جاتے ہیں کہ تم ان کو انجام دو۔

شبِ براءت میں دعا کی قبولیت

ایک طرف تو یہ بات ہے اور دوسری طرف یہ بھی ہے کہ اس رات میں اللہ پاک نے ایک بہت بڑی رحمت رکھی ہے کہ اس رات میں دعائیں قبول ہوتی ہیں، یوں تو اللہ تعالیٰ ہر رات رات کے تہائی حصہ میں اپنے بندوں کی طرف خصوصی توجہ فرماتے ہیں اس وقت جو بندہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض و مناجات کرتا ہے اور دعائیں مانگتا ہے اللہ پاک اس کی مناجات اور دعائیں قبول فرماتے ہیں۔

روزانہ قبولیتِ دعا کی گھڑیاں

چوبیس گھنٹے میں دو وقت ایسے خاص ہیں کہ اگر اس وقت کوئی دل سے دعا مانگے تو اللہ پاک اس کی دعا رد نہیں فرماتے ایک رات کے آخری حصہ کی دعا اور ایک فرض نمازوں کے بعد کی جانے والی دعا یعنی جب امام سلام پھیر دے اسوقت اگر کوئی دعا مانگتا ہے تو وہ ضرور قبول ہوتی ہے اسی طرح رات کے تہائی حصہ میں جو دعا کی جاتی ہے وہ بھی اللہ کے ہاں قبول ہوتی ہے، رد نہیں ہوتی۔

مصائب کے آنے اور دعا کے قبول نہ ہونے کی وجہ

اللہ تعالیٰ دن میں پانچ مرتبہ ہمیں قبولیتِ دعا کا موقعہ عطا فرماتے ہیں اور ہر رات کے آخری حصہ میں یہ دولت ہمیں عطا فرماتے ہیں، ہماری نالائقی ہے کہ فرضوں کے بعد بھی ہم دعا میں توجہ اور دھیان نہیں دیتے جس کے ہم بے انتہا محتاج ہیں، ہم میں سے ہر آدمی پریشان ہے، ہر آدمی مصیبتوں میں مبتلا ہے، ہر آدمی کے ذہن میں بڑے بڑے افکار ہیں اور ہر آدمی چاہتا ہے کہ مجھے سکون کی زندگی ملے اور میری ساری پریشانیاں دور ہوں، اللہ تعالیٰ نے ان کے دور کرنے کے لئے دن کے پانچ اوقات میں قبولیتِ دعا کا اعلان فرمایا ہے، لیکن ہم نے غفلت اور بے دھیانی میں انہیں گنوا رکھا ہے اور سلام پھیرتے ہی طوطے کی طرح رٹے رٹائے دعا کے چند کلمات پڑھے اور اُٹھ کر چل دیئے، اُٹھک بیٹھک کی طرح نماز پڑھی اور بھاگ لئے اور رہا رات کے آخری حصہ کی دعا کی قبولیت کا وقت؟ سو وہ خراٹوں اور نیند کی کروٹوں میں گزر جاتا ہے حالانکہ پہلے مسلمانوں کا یہ دستور تھا کہ نماز کے لئے دنیا کے سارے کام چھوڑ کر انتہائی آرام وسکون اور خشوع وخضوع سے نماز ادا کرتے تھے، یہی مطالبہ آج بھی ہم سے ہمارے دین و ایمان کا ہے وہ لوگ دعا خوب توجہ اور دھیان سے مانگتے تھے اور تہجد میں اٹھنے کا عام معمول تھا، مسلمانوں

کے کسی محلہ سے گزر ہوتا تو کہیں سے تلاوتِ قرآن کی آواز آتی اور کہیں سے ذکر کی آواز آتی، کہیں سے دعا میں رونے کی آواز آتی، کیا خوب کہا کسی نے

شب کی آہیں نہ رہیں قلب کے نالے نہ رہے

نہ رونے والا سینہ رہا نہ آہیں کھینچنے والے دل رہے، وہ سب رخصت ہو گئے، رات ٹی وی دیکھنے یا نیند کے خراٹوں میں گزار دی، اور نمازِ فجر قضا کر کے پڑھی، تو بتایئے ایسی صورت میں دعا کیسے قبول ہوگی؟ ہم اللہ کی رحمت کے مستحق کیسے ہوں گے؟

دعا کی قبولیت کے لئے دو شرطیں

قبولیتِ دعا کے لئے دو شرطیں ہیں جن کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

قبولیتِ دعا کی پہلی شرط

(۱) پہلی شرط یہ ہے کہ کھانا پینا حلال کا ہو۔

جس آدمی کا کھانا پینا حلال کا نہیں ہوگا اُس کی دعا نہ شبِ قدر میں قبول ہوگی، نہ شبِ عید و بقر عید میں قبول ہوگی، نہ رمضان میں قبول ہو گی، کیونکہ حلال کھانا قبولیتِ دعا کے لئے شرط ہے جیسے نماز کی صحت کے لئے وضو شرط ہے کوئی شخص بغیر وضو کے کتنی ہی پیاری نماز پڑھے اور کتنے ہی خشوع وخضوع سے نماز ادا کرے اس کی نماز درست نہیں ہوگی ایسے ہی جس نے

حرام کھایا ہوگا یا پیا ہوگا اس کی دعا قبول نہ ہوگی۔

حدیث میں ہے کہ دو آدمیوں کی دعا کبھی رد نہیں ہوتی جب بھی وہ دعا کرتے ہیں انکی دعا ضرور قبول ہوتی ہے ایک باپ کی دعا اپنی اولاد کے حق میں اور دوسرے مسافر کی دعا کہ یہ بھی ضرور قبول ہوتی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ایک دوسری حدیث ہے کہ ایک آدمی کا بڑے لمبے لمبے سفر کرتا ہے، سفر کے طویل ہونے کی وجہ سے اس کے کپڑے بھی غبار آلود ہیں، سر کے بال بھی غبار آلود اور پراگندہ ہیں، ایسی خاکساری کی حالت میں وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے اور یارب یارب کہتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعائیں کرتا ہے اور صورت حال یہ ہے کہ اس کا کھانا بھی حرام ہے اس کا پینا بھی حرام ہے اس کا لباس بھی حرام کا ہے تو **فَاَنّٰی یُسْتَجَابُ لَهٗ الدُّعَاءُ** اس کی دعا کیسے قبول ہوسکتی ہے۔ (مسلم عن ابی ہریرہ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسافر کی دعا جس کی قبولیت میں کوئی شک نہیں، یہ بھی تب قبول ہوتی ہے جب وہ حلال کھائے اور حرام سے بچے۔

حرام آمدنی کی مختلف صورتیں

آج حرام خوری کا بڑا دروازہ کھلا ہوا ہے، سودی بینکوں کے اندر لوگ جو فکسڈ ڈپازٹ رکھتے ہیں اس کے اندر بنام نفع جو کچھ بھی وصول کرتے

ہیں وہ خالص سود ہوتا ہے، اصل رقم سے زائد جو اضافی رقم ملتی ہے وہ سود ہوتی ہے، انعامی بانڈز کے اندر انعام کے نام پر جو رقم ملتی ہے وہ بھی خالص سود ہوتی ہے اسی طرح انشورنس کے اندر جمع کرائی گئی اصل رقم سے جتنی زائد رقم ملتی ہے وہ سود اور جوئے پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ناجائز اور حرام ہے۔

اسی طرح رشوت لینے دینے کا ہمارے یہاں عام رواج ہے اور پگڑی سسٹم بھی ہمارے یہاں بہت عام ہے جس میں رسید بدلوائی اور پگڑی کی رقم حرام اور قطعاً ناجائز ہے۔

دیکھئے! معاملات وغیرہ کی کتنی صورتیں ہیں جو میں نے آپ کو بتائی ہیں، یہ ہمارے معاشرے میں عام ہیں جبکہ یہ سب حرام خوری کے دروازے ہیں اور یہ سب سودخوری کے دروازے ہیں، جب آدمی حرام کھائے گا، حرام پیئے گا، اور حرام آمدنی سے لباس پہنے گا تو نہ اس کی نماز قبول ہوگی، نہ اس کا حج قبول ہوگا، نہ روزہ قبول ہوگا، نہ اس کی دعا قبول ہوگی اور ایک روایت میں یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے حرام کا ایک لقمہ حلق سے نیچے اتارا اور وہ لقمۂ حرام اس کے حلق سے نیچے اتر گیا تو چالیس دن تک اس کے نہ فرض قبول ہوں گے، نہ نفل قبول ہوں گے اور نہ دعا قبول ہوگی۔

قبولیتِ دعا کی دوسری شرط

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ دل سے دعا کرے یعنی وہ ہمہ تن دعا میں متوجہ ہو، اس کا دماغ اور اس کا ذہن اس کے سب اعضاء پوری طرح اس طرح متوجہ ہوں کہ وہ اللہ کا محتاجِ محض ہے، اور دل میں یہ بات ہو کہ میں اس سے عرض کر رہا ہوں اور وہ میری دعا ضرور قبول کریں گے، اگر اس یقین کے ساتھ پوری توجہ، انہماک اور دھیان سے دعا کی جائے اور اس کے ساتھ پہلی شرط کا بھی لحاظ رکھا جائے تو اس کی دعا انشاء اللہ ضرور قبول ہوگی۔

قبولیتِ دعا کا مطلب اور غلط فہمی کا ازالہ

دعا کی قبولیت کا مطلب بھی ذرا سمجھ لیں ہم دعا کی قبولیت کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ ہم نے مانگا ہے وہ ملے، اگر وہ مل گیا تو سمجھو دعا قبول ہوگئی اور اگر مطلوبہ چیز نہ ملی تو گویا دعا قبول ہی نہیں ہوئی یہ صحیح نہیں ہے۔

قبولیتِ دعا کی تین صورتیں

ہماری شریعت میں دعا کی قبولیت کا مطلب یہ ہے کہ تین باتوں میں سے کوئی ایک چیز حاصل ہو جائے، اگر تین میں سے کوئی ایک چیز مل گئی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دعا قبول ہوگئی۔

(۱) پہلی صورت یہ ہے کہ جو مانگ رہا ہے بعینہ وہی چیز انسان کو

مل جائے، مثال کے طور پر کاروبار مانگ رہے ہیں کاروبار چمک جائے، ملازمت مانگ رہے ہیں ملازمت مل جائے، رشتہ ڈھونڈ رہے تھے رشتہ مل جائے، غرض! مطلوبہ چیز کا مل جانا قبولیتِ دعا کی علامت ہے۔

(۲) کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جو مانگتے ہیں وہ نہیں ملتا بلکہ اس کے بدلے یہ ہوتا ہے کہ کوئی مصیبت، حادثہ، پریشانی یا سانحہ جو ہماری قسمت میں لکھا ہوا تھا، جو ہمارے ساتھ ہونے والا تھا اس دعا کی بدولت اللہ جل شانہ اس کو دور فرما دیتے ہیں، بعض مرتبہ آدمی چھوٹی سی بیماری سے شفاء کی دعا کرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ بڑے آپریشن سے اس کی جان بچا دیتے ہیں، یہ بھی دعا کی قبولیت کی ایک صورت ہے۔

(۳) قبولیتِ دعا کی تیسری صورت یہ ہے کہ کبھی کبھی اللہ تعالیٰ بندہ کی دعا کو آخرت کے لئے ذخیرہ کر دیتے ہیں یعنی بندہ جو دعا مانگتا ہے اسکی مراد دنیا میں بظاہر پوری نہیں ہوتی تاہم اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو رد بھی نہیں فرماتے بلکہ اس پر قبولیت کی مہر لگا کر اس کے نامۂ اعمال میں درج کر دیتے ہیں، جب آخرت کا دن آئے گا اللہ پاک اس وقت اس کا اجر وثواب بندہ کو عطا فرمائیں گے کیونکہ دنیا کی زندگی تو بہرحال گزر جاتی ہے آدمی اس میں جیسے تیسے گزارہ کرلے گا لیکن آخرت میں وہ ایک ایک نیکی کا محتاج ہوگا اس وقت اللہ تعالیٰ اس کو اجر وثواب عطا فرمائیں گے اور دعا کی بدولت آخرت کی

نعمتیں عطا فرمائیں گے، چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ بہت سے لوگ جب آخرت میں پہنچیں گے تو وہاں ان کو بہت سی نعمتیں حاصل ہوں گی وہ حیران ہوں گے کہ ہم تو اتنے نیک نہیں تھے اور یہ اتنی نعمتیں اللہ پاک نے ہمیں کیسے عطا فرمادیں، ہماری کونسی نیکی کا یہ بدلہ ہیں؟ فرشتے جواب میں کہیں گے کہ تم دنیا میں جو دعائیں مانگا کرتے تھے ان میں جو دعائیں تمہاری قبول نہیں ہوتی تھیں وہ دعائیں اللہ تعالیٰ نے یہاں ذخیرہ کر رکھی ہیں، آج ان کے بدلے یہ محلات مل رہے ہیں، یہ باغات مل رہے ہیں، یہ نہریں مل رہی ہیں، یہ چمن مل رہے ہیں، یہ سب تمہاری ان دعاؤں کا ثمرہ اور نتیجہ ہے جو دنیا میں قبول نہیں ہوئیں، یہ دیکھ کر لوگ کہیں گے کاش ہماری ایک دعا بھی دنیا میں قبول نہ ہوتی، وہاں لیکر کیا کیا؟ یہاں ملتا تو سب سے بہتر تھا اس لئے کہ وہاں جو ملا وہ فنا ہو گیا جبکہ یہاں کی نعمت تو باقی اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔

بہر حال! دعا کی قبولیت کا یہ مطلب بھی ہے کہ دنیا میں تو مراد نہیں ملتی لیکن آخرت میں اس کے بدلہ نعمتیں ملتی ہیں۔

دعا تقدیر کو بدل دیتی ہے

اب اصل بات سنو! جب ہم ذکر کردہ دو شرطوں کے ساتھ دعا کریں گے تو اگر ہماری تقدیر میں کوئی ضرر اور نقصان لکھا ہوگا، کوئی خسارہ لکھا

ہوگا، کوئی حادثہ یا کوئی مصیبت لکھی ہوگی، کوئی پریشانی یا نقصان لکھا ہوگا، کوئی آفت لکھی ہوگی، تو دعا ایسی چیز ہے جو تقدیر کو بدل دیتی ہے ایک طرف تو لوحِ محفوظ سے سال بھر میں پیش آنیوالے واقعات و حادثات نقل کروائے جارہے ہیں، اور دوسری طرف دعا کا دروازہ بھی کھول رکھا ہے بلکہ خصوصیت سے کھولا جارہا ہے اور وہ خصوصیت یہ ہے کہ عام دنوں میں تو رات کے آخری تہائی حصہ میں قبولیت کا دروازہ کھلتا ہے لیکن اس رات میں قبولیت کا دروازہ مغرب کے بعد سے کھل جاتا ہے اور صبح صادق تک برابر کھلا رہتا ہے نہ صرف کھلا رہے گا بلکہ حدیث میں ہے کہ ساری رات فرشتے یہ اعلان کرتے ہیں کہ کوئی ہے روزی مانگنے والا کہ ہم اس کو روزی دیں، کوئی ہے عافیت مانگنے والا کہ ہم اس کو عافیت دیں، کوئی ہے ہم سے اولاد مانگنے والا کہ ہم اس کو اولاد دیں، کوئی ہے رشتہ مانگنے والا کہ ہم اس کو رشتہ دیں، کوئی ہے عزت مانگنے والا کہ ہم اس کو عزت دیں، اس طرح کے اعلانات مغرب سے لے کر صبح صادق تک برابر ہوتے رہتے ہیں۔

کتنی بڑی رحمت اور کتنی بڑی فضیلت اللہ پاک نے ہمیں عطا فرمائی ہے کہ اگر ہم چاہیں تو اپنی تقدیر بھی بدلوا سکتے ہیں اور دعائیں مانگ مانگ کر ہم اپنی مصیبتیں ٹلوا سکتے ہیں ہماری قسمت میں اگر خیر نہیں ہے اور عزت نہیں ہے، عافیت نہیں ہے، صحت نہیں ہے اور خیر نہیں تو آج کی شب دعا مانگ

مانگ کر خیر لکھوالو، وہ اعلان کر رہے ہیں بس آپ کے مانگنے کی دیر ہے، اُدھر سے قبولیت میں دیر نہیں ہے، مگر انہی دو شرطوں کے ساتھ دعا قبول ہوگی جو اوپر ذکر کی گئی ہیں، نیز قبولیت کے وہ تین معنی بھی ذہن میں رہنے چاہئیں جو ابھی ذکر کئے گئے ہیں۔

شبِ براءت میں بندگانِ خدا کی جہنم سے آزادی

اس مبارک رات کی تیسری فضیلت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پوری رات میں اپنے بندوں کو اپنی رحمت کے طفیل دوزخ سے آزاد کرتے ہیں اور ہزار دو ہزار نہیں، لاکھ دو لاکھ نہیں، کروڑ دو کروڑ نہیں بلکہ ان گنت اور بے شمار انسانوں کو جہنم کی آگ سے رہائی عطا فرماتے ہیں، اس کی مثال حدیث میں یوں دی گئی ہے کہ عرب میں بنو کلب ایک قبیلہ تھا ان کے یہاں بھیڑ بکریاں بہت زیادہ تھیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قبیلہ بنو کلب کی بھیڑ بکریوں کے جسم پر جتنے بال ہیں ان بالوں کی تعداد سے زیادہ انسانوں کو اللہ تعالیٰ اس رات میں دوزخ سے بری فرماتے ہیں لہٰذا یہ رات مغفرت کی بھی ہے، اس لئے اس رات میں بخشش بھی مانگنی چاہئے، مغفرت بھی مانگنی چاہئے، اور یوں دعا کرنی چاہئے، یا اللہ! میری، میرے والدین، میرے دادا دادی اور میری ساس وسسر اور اوپر تک جتنے مسلمان گزر چکے ہیں ان سب کی

اوران کی نسل میں جتنے مسلمان وفات پا چکے ہیں انکی اور جو آئندہ آئیں گے ان سب کی بخشش فرمادے اس کے بعد پھر یوں کہیں کہ یا اللہ! حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام سے لیکر آج تک جتنے مسلمان اس دنیا سے جا چکے اور جتنے موجود ہیں اور جتنے قیامت تک آئیں گے، مرد ہوں یا عورت، انسان ہوں یا جنات، ان سب کی مغفرت فرما، ان سب کی بخشش فرما اور سب کے درجات بلند فرما اور سب کو دوزخ سے بری فرما، بھئی! اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی مشکل کام نہیں ہے کہ مرنے والے کو بھی ان سب کا ثواب دیدیں، اس کا ثواب معلوم ہے کہ کتنا ہے؟ جتنے انسانوں کے لئے ہم نے دعا کی ہے اتنے انسانوں کے ساتھ ہم نے نیکی کی ہے، کسی نے ہم سے نہیں کہا کہ ہمارے مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے ہمارے لئے دعا کر دینا، ہم اللہ کے لئے کر رہے ہیں تو ہر ایک کے ساتھ نیکی کرنے سے اربوں کھربوں نیکیاں اسی لمحہ آپ کے نامۂ اعمال میں ان شاء اللہ درج ہو جائیں گی، بلکہ اگر کوئی خوش نصیب انسان یہ معمول بنالے، روزانہ پچیس مرتبہ یا ستائیس مرتبہ یہ دعا کرلیا کرے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ

ترجمہ

''اے اللہ! تمام مؤمن مرد اور مؤمن عورتوں، تمام

مسلمان مرد اور مسلمان عورتوں کی مغفرت فرما دیجئے''۔

اور نیت یہ ہو کہ سارے مسلمان مرد اور ساری مسلمان عورتیں، انسان و جنات کی مغفرت ہو جائے یہ چھوٹا سا لفظ ہے لیکن اگر کوئی شخص روزانہ کم از کم پچیس مرتبہ پڑھ لیا کرے تو اللہ تعالیٰ اس دعا کرنے والے کو مستجاب الدعوات بنا دیں گے، یعنی اس کا پہلا انعام تو یہ ہوگا کہ یہ جب اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے گا، اس کی دعا قبول ہو جائے گی، اللہ پاک اس کو مستجاب الدعوات بنا دیں گے۔

دوسروں کے لئے دعا کرنا رزق پانے کا ذریعہ ہے

دوسروں کے لئے دعا کرنے والے کو اللہ تعالیٰ ان لوگوں میں داخل فرماتے ہیں کہ جن کی بدولت اور جن کے طفیل اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو روزی عطا فرماتے ہیں، تو جن کے طفیل دوسروں کو روزی ملتی ہے کیا خود انہیں نہیں ملے گی؟ نہیں نہیں، بلکہ انہیں پہلے ملے گی اور اس کے طفیل دوسروں کو بھی ملے گی، اس میں دنیا کا بھی فائدہ ہے اور آخرت کا بھی فائدہ ہے۔

لفظ ''روزی'' کا مفہوم

شریعت اور دین میں جب روزی کا لفظ آتا ہے اس سے صرف دال روٹی مراد نہیں ہوتی، بلکہ اس سے انسان کی دنیا اور آخرت کی ہر ضرورت مراد

ہوتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس کی دنیا اور آخرت کی ہر ضرورت غیب سے پوری فرمائیں گے، بلکہ اس کے ذریعے اوروں کو بھی رزق دیں گے اور ان کی تمام ضروریات وحاجات پوری فرمائیں گے، یہ بڑی عظیم دعا ہے اس مبارک رات میں جہاں ہم اپنے والدین اور اہل وعیال کے لئے مغفرت کی دعا کریں تو کل مومنین اور کل مومنات اور کل مسلمین وکل مسلمات کے لئے بھی دعا کرنا نہ بھولیں، اس میں ہمارا بھی فائدہ ہے اور ان کا بھی فائدہ ہے۔

شب براءت میں کوئی خاص عبادت مقرر نہیں

چوتھی بات یہ ہے کہ اس مبارک رات کے اندر شریعت میں کوئی خاص عبادت مقرر نہیں جس کا جس عبادت میں زیادہ دل لگے سنت کے مطابق اس کو انجام دے، جس کا تلاوت میں دل لگے وہ تلاوت کرتا رہے، جس کا ذکر میں دل لگے وہ ذکر کرتا رہے، جس کا دعا میں دل لگے وہ دعا کرتا رہے، جس کا نفلوں میں دل لگے وہ نفل پڑھتا رہے، جس کی قضا نمازیں رہتی ہوں وہ قضا نمازیں پڑھتا رہے، یہ بھی عبادت ہے، جس کا صدقہ دینے کو دل چاہے وہ صدقہ دیتا رہے۔

الغرض! شریعت میں اس رات کی کوئی خاص عبادت مخصوص اور

مقرر نہیں۔

شب براءت کی عبادت کے لئے پھیلائے گئے اشتہارات کی حیثیت

یہ میں اس لئے عرض کر رہا ہوں کہ اس رات میں آپ کو اشتہارات تقسیم ہوتے ہوئے نظر آئیں گے اور ہو سکتا ہے کہ آپ کے پاس بھی کوئی نہ کوئی اشتہار پہنچ جائے جس میں مختلف مقاصد کے لئے خاص خاص طریقوں سے نوافل پڑھنے کا طریقہ لکھا ہوگا، اور ان کے بڑے فضائل درج ہوں گے، وہ کسی معتبر سند سے ثابت نہیں، نہ ان کی یہ فضیلت ثابت ہے، نہ ان کا یہ طریقہ ثابت ہے، سنت کے مطابق ہم جس طرح روزمرہ نفلیں پڑھتے ہیں اسی طرح اس رات میں بھی نفلیں پڑھنی چاہئیں، لیکن جو نمازیں ہم روزمرہ پڑھتے ہیں اکثر ''تو چل میں آیا'' والی اُٹھک بیٹھک ہوتی ہے، اس طرح کی نماز تو روزمرہ میں بھی ناجائز ہے، ہم بجائے سونفلوں کے صرف دو نفل پڑھیں لیکن وہ دو نفل ایسی پڑھیں کہ گویا وہ زندگی کی آخری دو رکعتیں ہیں، یہ دو رکعتیں اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہوں گی اُن ایک ہزار رکعت سے جو بغیر خشوع وخضوع کے جلدی جلدی اُلٹی سیدھی ادا کی گئی ہوں، اس لئے بیشک کم نوافل پڑھیں لیکن بڑے آرام، اطمینان اور سکون سے ادا کریں۔

شبِ براءت گزارنے کا طریقہ

اب میں آپ کو یہ رات گزارنے کا طریقہ بتاتا ہوں کہ ہم اس رات کو کیسے گزاریں، یہ طریقہ مسنون یا ضروری نہیں ہے، تجربہ سے نافع اور مفید ہے، اور وہ یہ ہے کہ ۱۴ ارشعبان کو صبح اشراق کے بعد خوب نیند کرلیں اس نیت سے کہ رات کو ہم زیادہ سے زیادہ عبادت میں لگ سکیں، اور دن بھر کام کاج بھی زیادہ محنت والا نہ کریں اور ظہر کے بعد قیلولہ کریں یعنی دوپہر کو کھانا کھانے کے بعد گھنٹہ پون گھنٹہ لیٹ جائیں، نیند نہ آئے تب بھی لیٹ جائیں، قیلولہ سے عجیب وغریب طبیعت میں نشاط پیدا ہوتا ہے اور عصر کے بعد اگر غسل کر کے نئے کپڑے پہن لیں تو بہت اچھی بات ہے، جیسے جمعہ کی تیاری کرتے ہیں ویسی ہی تیاری کرلیں اور خوشبو وغیرہ لگا کر مغرب کی آذان سے پہلے پہلے تیار ہو کر مسجد آجائیں، اگر اذان کے بعد بھی پہنچ جائیں تو کوئی حرج نہیں، یہ کوئی فرض واجب نہیں، میں صرف آسانی کے لئے عبادت کا طریقہ بتلا رہا ہوں، بہر حال! بہتر یہ ہے کہ آپ مسجد میں اذان سے پہلے پہلے پہنچ جائیں اور آذان ہوتے ہی سمجھ لیں کہ گویا اس رات کی رحمتوں کی موسلا دھار بارش شروع ہوگئی ہے، اور آپ مغرب کی نماز بڑے آرام وسکون سے ادا کریں اور نیت کرلیں کہ میں عشاء تک بنیتِ اعتکاف بیٹھوں گا، لہٰذا عشاء تک

نفلی اعتکاف کی نیت کرلیں، لیکن یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ عشاء تک اعتکاف کی نیت سے بیٹھنا کوئی اس رات کی خصوصیت نہیں ہے کسی بھی دن یہ نفلی اعتکاف کیا جا سکتا ہے۔

مغرب تا عشاء اعتکاف کی خصوصیت

مغرب تا عشاء اعتکاف کی فضیلت از روئے حدیث یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مغرب کے بعد عشاء تک کسی بھی دن اعتکاف کر لے اور دورانِ اعتکاف کسی سے بات چیت نہ کرے اور نہ کسی قسم کی دنیا کی بات کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں ایک محل بنا دیتے ہیں، لہٰذا مناسب یہ ہے کہ ہم اس رات میں اعتکاف کرلیں کیونکہ اس میں فائدہ ہی فائدہ ہے، دنیا کی باتوں میں نہ لگیں، فرائض ونوافل ادا کریں، مغرب کی سنتوں کے بعد اوّابین کی چھ رکعتیں پڑھیں بلکہ یہ تو ہر روز پڑھنی چاہئیں۔

اوّابین کی فضیلت

اوّابین کی فضیلت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو بارہ سال کی عبادت کا ثواب عطا فرما دیتے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اسکے اتنے گناہ معاف فرما دیتے ہیں جتنے سمندر کے جھاگ ہیں یعنی گناہ صغیرہ معاف ہوجاتے ہیں، لیکن آنحضرت ﷺ سے اوّابین کی جہاں چھ رکعتوں کا ثبوت

ہے وہاں بیس رکعت کا بھی ثبوت ہے، اس لئے کبھی کبھی زندگی میں بیس رکعت بھی پڑھنی چاہئیں، اس سنت کو کون زندہ کرے گا؟ آپ ﷺ کی اُمت ہی زندہ کرے گی، خواتین وحضرات کا کام ہے کہ اس سنت کو بھی زندہ کرلیں، یہ رات بھی مبارک ہے اور عمل بھی مسنون ہے، لہٰذا کوشش کریں کہ مغرب کے بعد مسجد ہی میں رہیں اور بجائے چھ رکعت کے بیس رکعت پڑھیں، اور آرام وسکون سے پڑھیں، ذرا سی دیر میں عشاء کی نماز کا وقت ہو جائے گا، اگر کوئی وقت بچ جائے تو دعا میں مصروف ہو جائیں جیسا کہ ابھی میں نے عرض کیا ہے کہ اس رات قبولیتِ دعا کا وقت مغرب سے ہی شروع ہو جاتا ہے اس لئے درمیان میں وقفہ وقفہ سے کوئی نہ کوئی دعا مانگتے رہیں یہاں تک کہ عشاء کا وقت ہو جائے، اسی طرح خواتین بھی گھروں میں یہی عمل دہرائیں تو اچھا ہے۔

عشاء کے بعد کے معمولات

عشاء کی نماز باجماعت ادا کریں اور معمول کے مطابق سنتیں اور نوافل پڑھیں، عشاء کی سنتوں کے بعد دو نوافل تو عام ہی پڑھی جاتی ہیں لیکن اگر کوئی چار نفل پڑھ لے تو اس کو تہجد کا ثواب ملتا ہے یہ ایسا نسخہ ہے کہ آدمی بآسانی ساری زندگی تہجد کا ثواب حاصل کر سکتا ہے، وجہ اسکی یہ ہے کہ تہجد کا

اصل وقت عشاء کے فرضوں کے بعد سے صبح صادق تک رہتا ہے، تہجد کا اول وقت جائز وقت ہے اور شب کا آخر وقت افضل وقت ہے اس لئے بھائی! اگر آخر اور افضل وقت میں تہجد نہ پڑھ سکیں تو عشاء کے بعد ابتدائی جائز وقت میں ہی تہجد کی نماز پڑھ لیا کریں، البتہ اس میں سونا شرط نہیں ہے جیسا کہ عام لوگوں میں مشہور ہے کہ تہجد تو سونے کے بعد اُٹھ کر پڑھنی چاہئے تہجد کے لئے یہ شرط نہیں ہے۔ اسکی کوئی حقیقت نہیں ہے، تہجد رات کے آخری حصہ میں نوافل پڑھنے کا نام ہے، چاہے ساری رات جاگتا رہا ہو یا سو کر اٹھا ہو، لہٰذا بھئی! جب ہم پڑھ کر بھی سو سکتے ہیں تو کیوں نہ تہجد پڑھ کر سوئیں اس سے نفس بھی نہیں پھولے گا کیونکہ رات کو اٹھ کر تہجد پڑھنے سے آدمی سمجھتا ہے کہ میں بڑا تہجد گذار ہوں اور میں بڑا عبادت گذار ہوں، یہاں کون اس کو عبادت گذار سمجھے گا، تو اچھا ہے کہ نفس نہ پھولے جتنا یہ پست ہوگا اتنا ہی اسکا ثواب بڑھے گا۔

تہجد کی رکعتوں کی تعداد

تہجد کیلئے بہتر یہ ہے کہ کم از کم چار رکعت پڑھیں اور اس کا درمیانہ درجہ یہ ہے کہ آٹھ رکعت پڑھیں اور سب سے افضل اور بہتر درجہ یہ ہے کہ بارہ رکعتیں پڑھیں، اور مزید اگر ہمت، قوت، طاقت اور استطاعت ہو تو

صلوٰۃ التسبیح بھی پڑھ لیں، اس لئے کہ یہ رات بھی مغفرت کی ہے اور یہ نماز بھی باعثِ مغفرت ہے۔

صلوٰۃ التسبیح سے دس قسم کے گناہ معاف ہوتے ہیں

صلوٰۃ التسبیح پڑھنے کی وجہ سے دس قسم کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور یہ سب کو معلوم ہے اور یہ رات بھی مغفرت کی ہے تو انشاء اللہ یہ سونے پہ سہاگہ ہو جائیگا، ویسے صلوٰۃ التسبیح بعد از مغرب بھی پڑھ سکتے ہیں اور بارہ بجے سے پہلے بھی، آپ اپنی اپنی سہولت دیکھ لیں میں نے آپ کو ایک مسنون عمل بتایا ہے اس کے بعد دعا بھی کرلیں اور یہ تمام اعمال کر کے اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں، اگر نزدیک کوئی ایسا قبرستان ہو جس میں کوئی میلہ ٹھیلا نہ ہو، جیسا کہ آج کل قبرستانوں کو سجایا جاتا ہے اور وہاں مردوں اور عورتوں کا مخلوط اجتماع بھی ہوتا ہے، ڈھولک، سارنگی اور قوالی بھی ہوتی ہے، جو کہ سب حرام اور ناجائز کام ہیں، ایسے قبرستان میں جانے سے پرہیز کریں، اس سے بہتر ہے کہ آپ گھروں کو چلے جائیں البتہ جو قبرستان سناٹے والا ہو، اور اس میں ایسی خرافات نہ ہوں اور آپ آسانی سے وہاں جا سکتے ہوں تو رات کو ۱۲ بجے سے پہلے یا ۱۲ بجے کے بعد چند منٹ کے لئے وہاں چلے جائیں۔

قبرستان کے آداب اور مروّجہ رسمیں

قبرستان جا کر سورہ فاتحہ اور ۱۲ دفعہ **قل هو الله** پڑھ کر کم از کم تمام مُردوں کو اس کا ثواب بخش دیں اور ان کے لئے مغفرت کی دعا کر دیں۔

قبرستان جانا بھی نہ فرض ہے نہ سنت بلکہ یہ صرف مستحب ہے اور ہر سال قبرستان جانا بھی کوئی ضروری نہیں ہے، کیونکہ نبیٔ کریم ﷺ سے شبِ برأت میں قبرستان جانا زندگی میں صرف ایک یا دو مرتبہ ثابت ہے، جبکہ آپ کی زندگی میں شبِ برأت تیئس مرتبہ آئی۔

میں یہ اس لئے عرض کر رہا ہوں کہ لوگوں نے اس کو فرض و واجب بنا رکھا ہے، انکے ہاں عشاء اور مغرب کی نماز بیشک فوت ہو جائے لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ ٹھٹھہ[۱] نہ جائے، اس کا ناغہ نہ ہونے پائے، یہ غلط ہے اور جو لوگ وہاں جاتے ہیں وہاں انہیں سوائے میلے ٹھیلے کے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا، یاد رکھئے! یہ ناجائز ہے، اسکا کوئی ثبوت نہیں، یہ بالکل بے اصل اور من گھڑت طریقہ ہے جو لوگوں نے اپنی طرف سے اختیار کر لیا ہے اس سے بچنا چاہئے۔

شبِ براءت میں اہلِ خانہ کو عبادت کے لئے آمادہ کریں

پھر گھر جا کر اگر بآسانی ممکن ہو تو اپنے گھر کے افراد کو جمع کریں، سب مل کر سبحان الله، الحمد لله، الله اکبر کی تسبیحات پڑھیں اور

---

۱ ٹھٹھہ کا قبرستان معروف ہے اور بعض حضرات اس رات میں وہاں جانے کا بہت اہتمام کیا کرتے ہیں۔

درود شریف کی تسبیح پڑھیں بچوں کو بھی پڑھوائیں تا کہ انکی تربیت ہو، ہمارے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کا بھی معمول تھا، وہ بھی ہمیں اس رات میں بٹھایا کرتے اور ذکر کروایا کرتے تھے۔ لیکن اگر سب جمع نہ ہوں، الگ الگ عبادت کریں تب بھی مقصود حاصل ہے، جمع ہونا ضروری نہیں ہے، عبادت میں دل لگانے کے لئے ہے۔

بچوں کو عبادت پر آمادہ کرنے کا طریقہ

چھوٹے بچوں کو عبادت کے لئے آمادہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آپ انکے لئے کوئی انعام مقرر کر دیں، اپنی اپنی حیثیت کے مطابق کسی کے لئے ایک روپیہ اور کسی کے لئے دو روپے اور کسی کے لئے پانچ روپے مقرر کر دیں، پھر دیکھیں کہ بچوں میں کیسا جوش آتا ہے اور بوڑھے بھی جوان ہو جائیں گے اور سب ذوق وشوق سے عبادت کریں گے، بچے بھی کروڑوں نیکیاں کمالیں گے بہر حال جب تک طبیعت میں نشاط ہو عبادت میں مصروف رہیں۔

تین جامع دعائیں

اس کے بعد اپنے گھر میں بیٹھ کر بھی دعا کریں، تین دعائیں بہت ہی جامع ہیں میں بتا دیتا ہوں ان میں جو سب سے جامع دعا ہے وہ قرآن میں ہے۔

پہلی دعا

پہلی دعا یہ ہے:

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ. (البقرة: ۲۰۱)

ترجمہ

''اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں بہتری عطا فرما اور آخرت میں (بھی) بہتری عطا فرما اور ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا''۔

یہ جامع ترین دعا ہے۔

دوسری دعا

دوسری دعا یہ ہے کہ اے اللہ! نبی کریم ﷺ نے دنیا اور آخرت کی جتنی بھلائیاں مانگی ہیں وہ سب آپ ہمیں عطا فرما دیں اور جن جن چیزوں سے آپ ﷺ نے پناہ مانگی ہے آپ ہمیں ان سب سے پناہ عطا فرما دیں، تمام مخلوقات کی دعاؤں کی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اپنی اپنی اُمتوں کو تلقین فرمائی ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام کی دعائیں حضور ﷺ کی دعاؤں کے اندر ہیں کہ آپ ﷺ سے بڑھ کر نہ کوئی مانگنے والا ہوا ہے، نہ ہو سکتا ہے، جس طرح

آپ ﷺ امام الانبیاء ہیں ایسے ہی آپ ﷺ دعا مانگنے کے بھی امام ہیں، آپ کی بیشمار دعائیں ہیں، سب دعائیں آپ ﷺ نے مذکورہ دعا میں جمع فرمادی ہیں، یہ بہت ہی جامع دعا ہے، اس میں تمام خوبیاں ہیں اور تمام دعائیں اس کے اندر ہیں۔

تیسری دعا

تیسری دعا ان سب دعاؤں کا خلاصہ ہے اور وہ ہے عافیت کی دعا، یہ لفظ اگر چہ بہت چھوٹا سا ہے لیکن یہ ان ساری دعاؤں کا سردار ہے جیسے الحمد اللہ جن کلمات سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا ہوتا ہے ان سب کا سردار ہے، اسی طرح جن کلمات سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا مانگی جاتی ہے لفظ عافیت ان سب کا سردار ہے، ساری مخلوقات مل کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے، آخرت کی خیر مانگے، مصیبتوں اور پریشانیوں سے بچنے کی دعا کرے اور ایک آدمی ایک طرف تنہا بیٹھ کر فقط عافیت کی دعا مانگے، یہ دعا ان سب دعاؤں پہ بھاری ہے۔

یہ تین دعائیں میں نے آپکو بتائی ہیں یہ اوّل وآخر اور درمیان میں کریں اور تہجد پڑھ کر بھی کریں پھر جب نیند آنے لگے تو زبردستی عبادت نہ کریں، اللہ تعالیٰ بڑے کریم ہیں ہماری کمزوریوں سے واقف ہیں انہوں

نے ساری رات جاگنا اپنی رحمت عطا کرنے کیلئے شرط قرار نہیں دیا۔

عشاء اور فجر کی نماز باجماعت پڑھنے سے رات بھر عبادت کا ثواب

جو مغرب کی نماز باجماعت پڑھے گا ان شاء اللہ تعالیٰ وہ عشاء کی نماز بھی باجماعت مع تکبیر اولیٰ کے پڑھے گا اور جو عشاء کی نماز باجماعت تکبیر اولیٰ سے پڑھ لیتا ہے از روئے حدیث اس کو آدھی رات جاگ کر عبادت کرنے کا ثواب ملتا ہے اور جو فجر کی نماز جماعت سے پڑھ لیتا ہے اسکو باقی آدھی رات جاگ کر عبادت کرنے کا ثواب ملتا ہے، روزانہ جو آدمی عشاء اور فجر کی نماز باجماعت ادا کرنے کا عادی ہو جاتا ہے تو ساری رات جاگ کر عبادت کرنے کا ثواب اسکے نامۂ اعمال میں لکھدیا جاتا ہے، اس لئے میں نے کہا کہ جب عبادت کے دوران نیند آنے لگے تو ایسی صورت میں زبردستی عبادت نہ کریں کیونکہ اب سونا نفع میں ہے، اب سو جانا بہتر ہے، تین ساڑھے تین گھنٹہ سو جائیں اس کے بعد پھر تہجد کے لئے بیدار ہو جائیں، بچوں کے علاوہ جو سمجھ دار ہوں انکو بھی جگا لیں، وہ سب ضروریات اور حاجات سے فارغ ہو کر تہجد میں مشغول ہو جائیں، صلوٰۃ التوبہ پڑھ لیں اور گڑ گڑا کر اپنی ساری زندگی کے گناہوں کی معافی مانگیں اور اس کے بعد دل میں جتنی بھی

دعائیں ہیں وہ مانگیں اور پھر کچھ تسبیحات پڑھ لیں، رات کا یہ آخری حصہ بڑا قیمتی ہے، یہ خاص وقت ہے اللہ کی رحمت کا، ویسے تو روزانہ یہ وقت قبولیتِ دعا کا مخصوص وقت ہے، لیکن اب یہ شبِ برأت کا آخری حصہ بھی ہے اس لئے اس وقت اللہ تعالیٰ سے خوب اپنے گناہوں کی معافی مانگیں، قرضوں کی ادائیگی کی دعا مانگیں اور اپنے لئے حج وعمرہ کی دعا مانگیں، رشتوں کی دعا مانگیں، کاروبار میں برکت کی دعا مانگیں، رمضان کے روزوں کے اندر خیر و برکت کی دعا مانگیں، صحت و عافیت کی دعا مانگیں، دنیا اور آخرت کی ساری بھلائیاں مانگ لیں اور یقین رکھیں کہ جو کچھ مانگا ہے وہ سب ہمیں مل گیا، یقین سے مانگو گے تو انشاء اللہ اپنی آنکھوں سے دیکھو گے کہ جو مانگا تھا وہ مل رہا ہے، اسکے بعد پھر سحری کھالیں اور سیدھے مسجد میں آئیں، گھر میں نہ بیٹھیں، کیونکہ سحری کھاتے ہی نیند کا نشہ شروع ہو جاتا ہے اس لئے گھر بیٹھنے میں خطرہ ہے کہ کہیں نیند کے غلبہ میں جماعت نہ نکل جائے، اس لئے سیدھے مسجد میں آجائیں اور خواتین گھر میں مصلے پر بیٹھ جائیں وہ بھی ذکر اور دعا میں لگی رہیں یہاں تک کہ فجر کی آذان ہو جائے، مرد مسجد میں فجر کی نماز باجماعت تکبیر اولیٰ کے ساتھ پڑھیں اور خواتین گھر میں اپنے اپنے وقت پر نماز ادا کریں، اس کے بعد اگر نیند نہ آرہی ہو تو اشراق پڑھ کر سو جانا بہتر ہے، اشراق پڑھ کر آپ رات بھر کی نیند پوری کرلیں، یہ رات گزارنے کا طریقہ ہے، انشاء اللہ

اسطرح سے یہ رات قیمتی بن جائے گی اور اس رات کے فضائل و برکات انشاء اللہ ضرور حاصل ہونگے۔

بچنے کے کام

اب میں ایک دوسرا پہلو بیان کرتا ہوں جو باتیں اوپر ذکر ہوئیں وہ تو کرنے کی ہوئیں اور انکی فضیلتیں بھی اوپر بیان ہوگئیں اب میں مختصراً وہ باتیں بتلاؤں گا جن کو اس رات میں کرنا حرام اور ناجائز ہے، حضور اکرم ﷺ نے انکے بارے میں بتلا دیا کہ فلاں فلاں گناہ ایسے ہیں جنکی وجہ سے آدمی کی بخشش نہیں ہوتی اور کچھ گناہ وہ ہیں جو ہمارے معاشرہ کی پیداوار ہیں جن سے بچنا بھی ضروری ہے، جو بچے گا وہی اللہ کی رحمت کا مستحق ہوگا، اور جو گناہوں کو کرے گا تو اللہ کی رضا کا حقدار کیسے ہوسکتا ہے۔

شبِ براءت میں سات آدمیوں کی بخشش نہیں ہوگی

کئی احادیث کا خلاصہ بیان کرتا ہوں، چند احادیث میں آیا ہے کہ سات آدمیوں کی اس مبارک رات میں بخشش نہیں ہوتی الا یہ کہ وہ توبہ کرلیں اور باز آجائیں اور معافی مانگ لیں تو پھر انکی بھی بخشش ہوجائیگی۔

(۱) مشرک کی اس رات میں بخشش نہیں ہوگی، سب جانتے ہیں کہ کفر و شرک تو بہت بڑا گناہ ہے، ایسے کافر کی بخشش نہیں ہوسکتی، ہاں

اگر کافر بھی توبہ کر کے کلمہ پڑھ لے اور مسلمان ہو جائے تو اسکی بھی بخشش ہو جائے گی۔

(۲) دوسرے اُس آدمی کی بھی بخشش نہیں ہوتی جو اپنے رشتہ داروں سے ناطہ توڑ دے اور ان سے قطع تعلقی اور قطع رحمی اختیار کرے۔

قطع تعلقی اور قطع رحمی ایسا گناہ ہے جس کی وجہ سے اس رات میں بھی قطع تعلقی اختیار کرنے والے کی بخشش نہیں ہوتی، لہٰذا جن کی رشتہ داروں میں لڑائی ہو جاتی ہے اور جھگڑا ہو جاتا ہے تو وہ قطع تعلقی برقرار رکھ کر ہمیشہ کے لئے میل جول نہ چھوڑیں، شریعت میں اسکی گنجائش نہیں۔

اگر لڑائی جھگڑا ہو جائے تو تین میں سے ایک کام کرو، اگر اپنی غلطی ہے تو معافی مانگ لو، دوسرے کی غلطی ہے تو بدلہ لے لو یا معاف کر دو، اسکی گنجائش نہیں ہے کہ قطع تعلقی برقرار رکھی جائے، اگر آپ کی غلطی ہے تو بلا تاویل اسکا اعتراف کر لو اور معافی مانگ لو، اور اگر دوسرے کی غلطی ہے تو اگر آپ میں ہمت ہے تو بدلہ لے لو ورنہ معاف کر دو، معاف کرنا بہتر ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ معافی کو پسند فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُہٗ عَلَى اللّٰهِ

ترجمہ

اور جو شخص معاف کر دے اور صلح کر لے تو اس کا اجر

اللہ پر ہے۔

معاف کرنیوالے کو اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے اجر عطا فرمائیں گے، تو اجر ملنا بہتر ہے یا بدلہ لینا بہتر ہے؟ یقیناً اجر ملنا بہتر ہے، تو بہتری والا کام کیوں نہ کریں اس لئے معاف کرنا بہتر ہے لیکن اگر وہ نہ معاف کرے، نہ معافی مانگے، نہ بدلہ لے، تو پھر یہ شخص گنہگار رہوگا اور اسکا یہ عمل ناجائز ہے، اور لڑائی باقی رکھنا قطع رحمی ہے اور یہ ایسا بدترین گناہ ہے جس کی وجہ سے اس مبارک رات میں آدمی کی بخشش نہیں ہوتی۔

(۳) تیسرے نمبر پر کینہ رکھنے والے شخص کی بھی بخشش نہیں ہوتی، لڑائی جھگڑے میں عموماً کینہ پیدا ہو جاتا ہے اور کینہ یہ ہے کہ آدمی اپنے دل میں کسی کی برائی چاہے اور اس کو تکلیف پہنچانے کا اپنے اختیار سے منصوبہ بنالے کہ فلاں فلاں نے مجھے فلاں دن ذلیل و رسوا کیا تھا، لہٰذا میں بھی موقع ملتے ہی اس کو رسوا کروں گا، دل میں بدخواہی اور اپنے اختیار سے دل میں دوسرے کی برائی چاہنے کی جو خواہش پیدا ہوتی ہے اس کو کینہ کہتے ہیں، یہ حرام اور ناجائز ہے اور بہت بڑا گناہ ہے اور ایسا گناہ ہے کہ اس رات میں اس کی بخشش نہ ہوگی جب تک کہ وہ توبہ نہ کرے۔

کینہ کا علاج

کینہ کا علاج بھی وہی ہے جو باتیں میں نے ابھی اس سے پہلے

بیان کی ہیں کہ یا تو اسکو معاف کر دو یا اس سے معافی مانگ لو یا بدلہ لے لو اور اپنا اپنا دل صاف کرلو، اپنے دلوں کو صاف کرنا ضروری ہے، سابقہ طرز کا میل جول رکھنا ضروری نہیں ہے۔

(۴) چوتھے نمبر پر وہ آدمی ہے جو اپنی شلوار ٹخنے سے نیچے رکھتا ہو اور اس نے اس کی عادت بنا رکھی ہو، یہ بھی معاشرہ کا سنگین گناہ ہے، بچے سے لیکر بوڑھے تک ۹۹ فیصد ہر مسلمان مرد اس گناہ میں مبتلا ہے پینٹ پتلون تو ہوتی ہی ٹخنے سے نیچے ہے، اس کو کون اوپر رکھتا ہے، شلوار بھی عموماً ٹخنے سے نیچے ہوتی ہے اور جو تہبند باندھتے ہیں تو وہ بھی ٹخنوں سے نیچے باندھتے ہیں، یہ ہمارے دین میں کبیرہ گناہ ہے اور جب تک آدمی کا ٹخنہ ڈھکا رہتا ہے اس کو برابر اس کا گناہ ملتا رہتا ہے اور آخرت میں اس کا عذاب یہ ہے کہ پورے کے پورے ٹخنے جہنم کی آگ میں جلائے جائیں گے، حدیث مبارکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الْإِزَارِ فِي النَّارِ

ترجمہ

''تہبند (اور شلوار) کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے رہے گا وہ جہنم میں جائے گا''۔ (مشکوۃ)

اور دنیا میں اسکا دوسرا وبال اور عذاب یہ ہے کہ شب برأت جیسی

مبارک رات میں بھی اسکی بخشش نہیں ہوتی ،اسکی ایک وجہ یہ کہ ٹخنے چھپانا ہمیشہ سے کافروں کا طریقہ چلا آیا ہے جبکہ نبیوں کا طریقہ عبادت ہوتا ہے، کافروں کا طریقہ گناہ کرنا ہوتا ہے، حضور ﷺ کے زمانے میں مکہ مکرمہ میں جتنے بھی کافر تھے وہ سب آپکی جان کے دشمن تھے اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے دشمن تھے ،اس سے بڑی دشمنی انکی کیا ہوگی کہ حضور ﷺ کو مکہ مکرمہ سے نکال دیا اور ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا، ہر لحاظ سے آپ کو ستایا، پریشان کیا، مکہ کے ان کفاروں کا یہ فیشن تھا کہ جو جتنا بڑا کافر اور سردار ہوتا تھا اتنا بڑا اس کا تہبند زمین پر گھسٹتا تھا اور بڑے آدمی کا تہبند بھی زیادہ زمین پر گھسٹتا تھا، یہ مشرکین کا طریقہ تھا، جبکہ نبی اکرم ﷺ کی سنت یہ تھی کہ آپ کا تہبند آدھی پنڈلی پر ہوتا تھا، یہ بہتر طریقہ ہے ورنہ آدھی پنڈلی سے نیچے کرنا بھی جائز ہے بشرطیکہ کپڑا ٹخنوں سے اوپر اوپر رہے، ٹخنے چھپنے نہ پائیں، ٹخنے چھپانے کی شرعاً گنجائش نہیں کیونکہ یہ کافروں کا طریقہ ہے۔

حضرت عثمان غنیؓ کا قصہ

صلح حدیبیہ کے موقع پر حضور ﷺ مکہ مکرمہ میں اپنے چودہ سو صحابہؓ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ساتھ تشریف لائے ،آپ اور آپکے صحابہ مکہ سے باہر ٹھہر گئے ،اہل مکہ کو اپنی آمد سے مطلع کرنے اور مذاکرات

کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ روانہ کیا، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکہ میں اپنے رشتہ دار بھی تھے اور بہت سی جائیداد بھی تھی اور اپنا گھر بھی تھا لیکن آپ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ جا چکے تھے، مکہ میں آپؓ اپنے چچا زاد بھائی کے یہاں ٹھہر گئے، رات انکے ہاں گزاری، صبح جب سردارانِ قریش سے مذاکرات کیلئے نکلے تو انکا تہبند سنت کے مطابق آدھی پنڈلیوں تک تھا، آپکے چچازاد بھائی نے آپ سے یہ کہا کہ میں آپ سے یہ نہیں کہتا کہ آپ تہبند ٹخنوں سے نیچے کرلیں لیکن میں یہ کہہ رہا ہوں کہ آدھی پنڈلی تک نہ رکھیں ذرا سا نیچے کریں، وجہ اسکی یہ ہے کہ یہ مکہ کے بڑے بڑے سردار ہیں اور تمہیں تو سرداروں کی عادت و روایت اور طریقہ کا پتہ ہے، اگر وہ تمہارے تہبند کو آدھی پنڈلی تک اونچا دیکھیں گے تو تمہارا مذاق اڑائیں گے، اس لئے میری آپ سے یہ درخواست ہے کہ ذرا سی دیر کیلئے تہبند ٹخنوں سے نیچے نہیں بلکہ صرف آدھی پندلی سے نیچے اور ٹخنوں سے اوپر کرلیجئے تاکہ تمہارے مذاکرات کامیاب ہوں اور تھوڑا سا بھرم ہمارا اور ہمارے خاندان کا بھی رہ جائے اور یہ اس لئے بھی تاکہ تمہاری بات میں وزن پیدا ہو، لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تو حضور ﷺ کے عشق میں سرشار تھے انہوں نے فوراً جواب دیا کہ مذاکرات کامیاب ہوں یا ناکام، وہ میرا مذاق اڑائیں یا عزت کریں، میں اپنے محبوب ﷺ کی سنت نہیں چھوڑ سکتا، میں

یہاں مذاکرات کی کامیابی کی ضمانت لے کر نہیں آیا، میں اپنے آقا کا نمائندہ بن کر آیا ہوں، میرے سر سے پیر تک جو بھی چیز ہے وہ میرے آقا کی سیرت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہونی چاہئے اور رہی عزت سو وہ صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے ہے۔

وللّٰہ العزۃ ولرسولہ. (المنفقون : ۸)

اور عزت صرف اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جو اللہ اور اسکے رسول کا فرمانبردار ہوگا اسکو عزت ملے گی، ان کا راستہ چھوڑ کر عزت نہیں ملے گی، چاہے یہ مذاکرات کامیاب ہوں یا ناکام ہوں، یہ مجھے اچھا سمجھیں یا برا سمجھیں مجھے اسکی پرواہ نہیں ہے اور نہ میں ان کی خاطر اپنے محبوب کی سنت کو چھوڑ سکتا ہوں، یہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قطعی جواب تھا۔

اس واقعہ سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ چودہ سو سال پہلے کفار مکہ اور دشمنانِ اسلام کا یہ طریقہ تھا کہ وہ اپنی شلواروں اور تہبند کو ٹخنوں سے نیچے رکھا کرتے تھے اور چودہ سو سال پہلے حضور ﷺ کی سنت اور صحابۂ کرامؓ کا طریقہ یہ تھا کہ وہ اپنے تہبند پنڈلیوں تک بلند رکھتے تھے، انکے تہبند ٹخنوں سے اونچے ہوتے تھے، تہبند ٹخنوں سے نیچے رکھنا کفارِ مکہ اور سردارانِ قریش کا طریقہ تھا اور آج کے دور میں انگریز کا فیشن دیکھ لیجئے، وہ بھی یہی ہے، ہمارے مسلمان

بچوں اور مردوں نے جو آج کل پینٹ پتلون پہن رکھی ہے کیا یہ مسلمانوں کا لباس ہے؟ ہرگز نہیں یہ لباس مردود وملعون قوم انگریز کا ہے، اور بے غیرتی کے ساتھ ہم نے اسے قبول کرلیا ہے، غیرتِ ایمانی ہماری رخصت ہوگئی ہے اس لئے ہم نے بدترین قوم کا لباس اختیار کررکھا ہے۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

یعنی آج کے یہودی اور عیسائی مسلمانوں کے جانی دشمن ہیں اور ہم یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی انکے پیچھے چل رہے ہیں، انکی غلامی کررہے ہیں، ان کا لباس عام پہنا جارہا ہے حالانکہ پینٹ پتلون کوتو کافروں کا لباس سمجھتے ہوئے معیوب سمجھنا چاہئے تھا، نہ یہ کہ اسکو اپنے جسم پر چڑھائیں، ہماری غیرت ہی رخصت ہوگئی آج بھی ہمارا جو سب سے بڑا دشمن ہے، اسلام کا دشمن ہے، مسلمانوں کا دشمن ہے، پاکستان کا دشمن ہے، اسکا لباس یہی پینٹ پتلون ہے جو آج مسلمانوں نے لاعلمی، جہالت اور ناواقفیت یا بے غیرتی کے ساتھ زیب تن کرلیا ہے، پاکستان کا قومی لباس کیا اچھا نہیں ہے؟ اگر کچھ غیرتِ قومی ہوتی تو قومی لباس پہنتے۔

بہرحال! ٹخنوں سے نیچے خواہ پینٹ ہو یا پتلون یا شلوار کا کپڑا، یہ ایسا گناہ ہے کہ اگر یہ گناہ نماز میں ہوتو نماز قبول نہیں ہوتی اور جب تک آدمی

کے ٹخنے چھپے رہتے ہیں وہ برابر گناہ گار رہتا ہے، لہٰذا مردوں کو چاہئے کہ اپنے ٹخنے ہمیشہ کھلے رکھیں، مسجد میں بھی، نماز میں بھی، گھر میں بھی، بازار میں بھی، آفس میں بھی، تقریب وتفریح میں بھی، ہر حال میں ٹخنے کھلے رکھنا ضروری ہے، بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ حکم صرف نماز کے لئے ہے، ہرگز نہیں بلکہ نماز اور نماز کے بعد ہر صورت میں یہی حکم ہے۔ جیسا کہ اوپر حدیث ذکر کی گئی ہے، اس میں حالتِ نماز اور غیر حالتِ نماز کا کوئی ذکر نہیں۔ ہاں خواتین کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے ٹخنے چھپا کے رکھیں۔

(۵) نیز والدین کی نافرمانی کرنے والے شخص کی بھی بخشش نہیں ہوتی، والدین کی نافرمانی بہت بڑا گناہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کبیرہ گناہوں میں شمار فرمایا ہے، حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ: ایک دن ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے تین مرتبہ انتہائی تاکید کے ساتھ ہم سے فرمایا:

أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ الْإِشْرَاكُ بِاللّٰهِ، وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ، وَشَهَادَةُ الزُّوْرِ (اوقول الزور).

ترجمہ

''سنو! میں تمہیں بڑے گناہوں میں بڑے گناہ بتاتا

ہوں:

(۱) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانہ۔

(۲) ماں باپ کی نافرمانی کرنا۔

(۳) جھوٹی گواہی یا جھوٹی بات کہنا۔''

(مسلم: ۸۷)

نیز قرآن کریم میں جا بجا اللہ تبارک وتعالیٰ نے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی نہ صرف ترغیب دی ہے، بلکہ اس کی تاکید بھی فرمائی ہے۔ اس لئے جولوگ والدین کی نافرمانی میں مبتلا ہیں ان کے لئے یہ بڑی سخت اور سنگین وعید ہے کہ اس مبارک رات میں بھی ان کے گناہوں کی مغفرت نہیں ہوتی، لہٰذا ان پر لازم ہے کہ وہ بلا تاخیر اپنے والدین سے معافی مانگیں، اپنے قول وفعل سے ان کو راضی کریں اور جائز امور میں ان کی مکمل اطاعت وفرمانبرداری کریں۔

(۶) چھٹے نمبر پر شرابی انسان ہے، یعنی جو شراب پینے کا عادی ہو، اس رات اس کی بھی بخشش نہیں ہوتی، شراب نوشی شریعت میں حرام ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی واضح الفاظ میں اس کی حرمت ارشاد فرمائی ہے:

كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ وَ كُلُّ خَمْرٍ حَرَامٌ.

(اخرجه مسلم: ۲۰۰۳)

ترجمہ

''ہر نشہ آور چیز حرام ہے اور شراب حرام ہے''۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فِیْ الدُّنْیَا لَمْ یَشْرِبْهَا فِیْ الْآخِرَةِ إِلَّا أَنْ یَّتُوْبَ. (أخرجه البخاری: ۵۵۷۵، ومسلم: ۲۰۰۳)

ترجمہ

''جو آدمی دنیا میں شراب پئے گا وہ آخرت کی شراب نہیں پی سکے گا الا یہ کہ وہ توبہ کر لے''۔

(۷) ساتویں نمبر پر اس رات جس کی بخشش نہیں ہوتی وہ وہ انسان ہے جو ناحق کسی مسلمانوں کا خون بہاتا ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ''۱۰/ذی الحجہ ۹ھ'' کو بمقام منیٰ ارشاد فرمایا:

فَإِنَّ دِمَائَکُمْ وَأَمْوَالَکُمْ وَأَعْرَاضَکُمْ، حَرَامٌ عَلَیْکُمْ کَحُرْمَةِ یَوْمِکُمْ هٰذَا، فِیْ بَلَدِکُمْ هٰذَا، فِیْ شَهْرِکُمْ هٰذَا. (أخرجه مسلم: ۱۶۷۹)

ترجمہ

''بلاشبہ تمہارے خون، تمہارے مال ومتاع، اور تمہاری عزتیں تم پر ایسے ہی محترم ہیں، جیسے آج کا یہ دن، جیسے

تمہارا یہ شہر، اور جیسے یہ مہینہ محترم ہے"۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أول ما يقضى بين الناس يوم القيامة فى الدماء.

(أخرجه البخاری: ۲۵۳۳، و مسلم: ۱۶۷۸)

ترجمہ

"قیامت کے روز لوگوں کے درمیان سب سے پہلا فیصلہ "خون" کے متعلق ہوگا"۔

یہ سات گناہ وہ ہیں جن کے کرنے والے انسانوں کی بخشش اس شب مغفرت میں بھی نہیں ہوتی، لہٰذا ہم سب پر لازم ہے کہ ان سات گناہوں سمیت تمام گناہوں سے سچے دل سے گڑگڑا کر توبہ کریں اور آئندہ نہ کرنے کا عزم کریں، اور جو کرنے والے کام ابھی بیان ہوئے ہیں وہ کریں اور جو نہ کرنے والے کا بیان ہوئے ہیں ان سے مکمل اجتناب کریں، تاکہ اس رات ہماری بھی مغفرت ہو جائے، ہمیں اللہ پاک کی خوشنودی اور حقیقی رضا حاصل ہو جائے، اور ہم دونوں جہانوں میں کامیاب وکامران ہو جائیں، اللہ پاک ہم سب کو توفیق عمل عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

☆☆☆☆☆

حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ

ترجمہ

ہمارے لئے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔

(آل عمران: ۱۷۳)

دعا اور سلام

کے

اہتمام کی ضرورت

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی دامت برکاتہم العالیہ

نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ضبط و ترتیب

مولانا محمد قاسم امین صاحب ملتانی

متخصص جامعہ دارالعلوم کراچی

استاذ جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی کراچی

مکتبۃ الاسلام کراچی

سب سے بڑا عاجز اور بخیل شخص

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اَعْجَزُ النَّاسِ مَنْ عَجِزَ فِی الدُّعَآءِ وَاَبْخَلُ النَّاسِ مَنْ بَخِلَ بِالسَّلَامِ.

(ترغیب و ترهیب بحوالة الطبرانی)

ترجمہ

"سب سے زیادہ عاجز وہ شخص ہے جو دُعا کرنے سے بھی عاجز ہو جائے اور سب سے بڑا کنجوس اور بخیل وہ شخص ہے جو سلام کرنے میں بھی کنجوسی کرے۔"

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَقَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ اِنَّ الَّذِیْنَ

يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ.

(المؤمن: ۶۰)

ترجمہ

''اور تمہارے پروردگار نے فرمادیا کہ مجھ کو پکارو میں تمہاری درخواست قبول کروں گا۔ جو لوگ (صرف) میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں وہ عنقریب (مرتے ہی) ذلیل ہوکر جہنم میں داخل ہوں گے۔'' (بیان القرآن)

صدق اللہ العظیم

میرے قابل احترام بزرگوں اور محترم خواتین!

دینِ اسلام کی خصوصیت

اس وقت میں آپ کی خدمت میں قرآنِ کریم کی اس آیت اور سرکارِ دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد کی روشنی میں دو باتیں بیان کروں گا۔ اللہ پاک ہم سب کو ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ وہ دونوں باتیں کوئی نئی نہیں۔ وہ باتیں آپ نے ان شاء اللہ تعالیٰ پہلے بھی سُنی ہوں گی اور آپ کو پہلے سے معلوم بھی ہوں گی۔

ہمارا دین کوئی نیا دین نہیں، اس دین کو دنیا میں آئے ہوئے چودہ سو سال ہو چکے ہیں، اور قیامت تک یہی دین باقی رہے گا، اس میں کوئی تجدید نہیں ہوگی، اس کے احکام نہیں بدلیں گے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی، جیسے قرآنِ کریم جب سے نازل ہوا ہے، بالکل اسی حالت میں ہے، اس میں زیر زبر

اور شوشے کا بھی فرق نہیں آیا، اور ان شاء اللہ تعالیٰ اسی طرح قیامت تک رہے گا۔ ہمارے سارے دین کی اصل تو قرآنِ کریم ہے، جب اس میں کوئی تبدیلی نہیں، تو اس کے سارے احکام بھی جیسے ہیں، ویسے ہی رہیں گے، اور وہ کوئی نئے نہ ہوں گے۔ اسی دین پر ہمیں عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اور اسی پر عمل کرنے میں دنیا و آخرت کی فلاح ہے، وہ دو باتیں بیان کرنے سے پہلے میں اس حدیث شریف کو بیان کرتا ہوں جس میں وہ دو باتیں بیان کی گئی ہیں۔

سب سے بڑا عاجز اور بخیل شخص

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَعْجَزُ النَّاسِ مَنْ عَجِزَ فِی الدُّعَآءِ وَاَبْخَلُ النَّاسِ مَنْ بَخِلَ بِالسَّلَامِ. (ترغیب و ترھیب بحوالۃ الطبرانی)

ترجمہ

''سب سے زیادہ عاجز وہ شخص ہے جو دُعا کرنے سے بھی عاجز ہو جائے اور سب سے بڑا کنجوس اور بخیل وہ شخص ہے جو سلام کرنے میں بھی کنجوسی کرے۔''

دُعا اور سلام کرنے کا حکم

دو باتیں اس حدیث کے اندر بتائی گئی ہیں، میں ان دونوں سے متعلق تھوڑا تھوڑا عرض کروں گا۔ تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ

سے دعا مانگنے میں پیچھے نہ رہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے میں عزت بھی ہے اور عبادت بھی، بلکہ عبادت کا مغز ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ.

ترجمہ

''دُعا عبادت کا مغز ہے۔'' (مشکوٰۃ: ۱۹۴)

نیز ایک دوسری حدیث شریف میں ہے:

اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ.

ترجمہ

''دُعا ہی اصل عبادت ہے۔'' (مشکوٰۃ: ۱۹۴)

نیز اس کے ساتھ دعا کرنے سے اللہ تعالیٰ کا خصوصی تعلق بھی حاصل ہوتا ہے اور جس مقصد کے لئے بندہ اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا ہے اس میں کامیابی بھی ہوتی ہے۔ اس لئے دُعا مانگنے میں فائدہ ہی فائدہ ہے۔ لہٰذا جو دعا سے بھی عاجز ہو جائے تو اس سے بڑا عاجز کوئی نہیں۔

اس حدیث میں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان مردوں اور عورتوں کو دو باتوں کی تاکید فرمائی ہے۔ ان میں سے ایک آپس میں زیادہ سے زیادہ سلام کرنا ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ آپس میں کثرت سے سلام کرنے کو فروغ دیں، ایک دوسرے کو سلام کرنے کا عمل زیادہ سے زیادہ پھیلائیں، ایک دوسرے کو ملاقات کے وقت اور رخصت ہوتے وقت سلام کیا کریں۔

آخرت کمانے کے طریقے

اس حدیث میں پہلی بات یہ فرمائی گئی ہے کہ ''سب سے عاجز آدمی وہ ہے جو دُعا مانگنے سے بھی عاجز ہوجائے۔'' یاد رکھئے! دنیاوی کام ہوں یا اخروی زندگی کے کام، اُن سب کو کرنے کے اللہ پاک نے کچھ طریقے مقرر فرمائے ہیں۔ روزی کمانا چاہتے ہیں تو اللہ پاک نے اس کے حاصل کرنے کے ہزاروں طریقے مقرر فرمائے ہیں۔ بنیادی طریقے تین ہیں، تجارت یعنی کاروبار، زراعت یعنی زمین سے پیداوار حاصل کرنا اور ملازمت یعنی نوکری کرنا۔ ان بنیادی ذرائع کی سینکڑوں قسمیں اور صورتیں ہیں جو دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں، بلکہ ساری دنیا ان تین چیزوں سے وابستہ ہے جن سے ان کو روزی حاصل ہورہی ہے، ہر شخص یا تو کسی چیز کی تجارت کررہا ہے یا وہ زمینداری کررہا ہے یا ملازمت کررہا ہے۔ ان تین ذرائع سے انسان کو روزی مل رہی ہے۔ اگر کوئی انسان روزی حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ کوئی نہ کوئی طریقہ اختیار کرتا ہے، ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر گھر میں نہیں بیٹھتا، اگر کوئی بیٹھ جائے تو لوگ کہتے ہیں کہ یہ پاگل ہے۔

ایسے ہی آخرت کمانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ذرائع بنائے ہیں، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کو مان کر ان پر عمل کرنا آخرت حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔ یہ باتیں جو میں بیان کررہا ہوں یہ سب دین کی باتیں ہیں، اگر انہیں اختیار کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوگی، سلامتی ہوگی، برکتیں ہوں گی اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوگی۔ دین کو اختیار کرو تو اللہ تعالیٰ راضی ہوتے ہیں اور آخرت بنتی ہے۔

کسی کام کو کرنے کا سب سے بڑا اور آسان ذریعہ

یہ سمجھنے کی بات ہے کہ دنیا یا آخرت کے بنانے کے جتنے بھی اسباب ہیں ان میں سب سے بڑا اور آسان سبب دُعا ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''دُعا اعظم اسباب میں سے ہے۔'' دُعا کے اندر نہ تو انسان کا مال خرچ ہوتا ہے، نہ اس میں کوئی خاص طاقت خرچ ہوتی ہے اور نہ اس میں کوئی خاص وقت خرچ ہوتا ہے، کیونکہ دعا کے لئے کچھ شرائط نہیں ہیں۔ یعنی اس کے لئے نہ باوضو ہونا ضروری ہے نہ قبلہ رو ہونا ضروری ہے اور نہ ہی مسجد کا ہونا ضروری ہے۔ انسان اپنی روزمرہ کی زندگی میں آتے جاتے، لیٹتے بیٹھتے، جس وقت چاہے اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگ لے، دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھانا بھی کوئی ضروری نہیں، زبان سے ادائیگی بھی کوئی ضروری نہیں، دل سے دُعا ہو جائے قبولیت کے لئے یہی کافی ہے، بلکہ دل کی دُعا تو زبان کی دُعا سے بڑھ کر ہوتی ہے۔ پس جب چاہو اپنے پروردگار سے لو لگالو، عرض و معروض اور مناجات کرلو۔

اللہ تعالیٰ سے خصوصی تعلق حاصل کرنے کا ذریعہ

انسان کیسا ہی پریشان حال، بدحال، مرض زدہ، مصیبت زدہ ہو، یا کیسا ہی خوشحال اور مالدار ہو، سب کے واسطے دُعا مانگنا نہایت ہی آسان اور مفید اور بذاتِ خود ایسی عبادت ہے کہ وہ عبادت کا مغز، خود عبادت، خود باعثِ اجر اور باعثِ قُرب ہے۔ اور کچھ نہیں تو دُعا کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے خصوصی تعلق حاصل ہو جاتا ہے، اور کچھ بھی نہ ہو تو یہ خود بہت بڑی دولت ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس کا

رابطہ جُڑا ہوا ہے۔

دُعا کرنے کے فائدے

دنیا میں ایک لمحہ سب سے قیمتی ہوتا ہے اور ایک لمحہ سب سے بدترین، جس لمحہ کوئی بندہ اللہ پاک کی نافرمانی کررہا ہوتا ہے تو وہ بندہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں نہایت ہی مبغوض، ناپسندیدہ اور بُرا ہوتا ہے، اور جس لمحہ بندہ کی لو اللہ تعالیٰ سے لگی ہوتی ہے اور اس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے جڑا ہوتا ہے، مثلاً وہ اللہ پاک سے دُعا کررہا ہے یا اللہ تعالیٰ کا ذکر کررہا ہے یا اللہ تعالیٰ کے کلام کی تلاوت کررہا ہے یا عبادت میں مشغول ہے۔ وہ لمحہ انسان کا سب سے قیمتی ہوتا ہے، دُعا کے اندر بھی یہ لمحہ انسان کو حاصل ہوتا ہے اور وہ لمحہ بندہ کے لئے بہت قیمتی بن جاتا ہے، اور ایک بڑا نفع یہ ہے کہ بندہ جب رگڑ رگڑ گڑا کر آداب کی رعایت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگتا ہے تو جو مانگتا ہے اللہ تعالیٰ اکثر وہ عطا فرمادیتے ہیں۔ تو ایک نفع کے ساتھ دس نفع اور دس نفع کے ساتھ سو نفع، سو نفع کے ساتھ ہزار نفع اللہ پاک نے رکھے ہوئے ہیں، اس کے باوجود اگر کوئی دُعا نہ مانگے تو واقعی وہ محروم ہی ہے۔

ایک عقلمند غلام کا چار درہم کے بدلے چار دُعائیں لینا

دُعا پر مجھے ایک قصہ یاد آیا، یہ قصہ نزہۃ البساتین میں لکھا ہوا ہے۔ یہ اُردو میں بڑی پیاری کتاب ہے جو مختلف واقعات و حکایات پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کا مطالعہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ پہلے زمانے میں ایک مالدار اور عیاش آدمی تھا، وہ صبح تجارت کرتا تھا اور شام کو فارغ

ہو کر اپنے دوستوں کے ساتھ محفل جماتا تھا، جس میں وہ سب کھانے کے علاوہ شراب نوشی اور عیاشی میں دیر تک اپنا وقت گزارتے تھے، ایک دن معمول کے مطابق کھانا پکنے میں ذرا دیر تھی اس نے اپنے غلام کو چار درہم دیئے اور کہا کہ تم بازار سے میوہ اور فروٹ لے آؤ۔ وہ غلام جب بازار کی طرف نکلا تو راستہ میں حضرت عمار رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس ہو رہی تھی، اور اس میں حضرت بیان فرمار ہے تھے اور متعلقین ان کی باتیں سُن رہے تھے، جب غلام اُن کی مجلس کے پاس سے گزرا تو اس نے ایک عجیب ماجرا دیکھا کہ حضرت خاموش ہیں، سب لوگ بیٹھے ہوئے ہیں، اور ایک فقیر کھڑا ہو کر حضرت عمار رحمۃ اللہ علیہ سے یہ درخواست کر رہا ہے کہ حضرت! میں بہت مفلوک الحال اور پریشان ہوں، مجھے چار درہم کی ضرورت ہے، آپ اللہ کے لئے مجھے چار درہم دید یجئے، تو حضرت عمار رحمۃ اللہ علیہ نے اعلان فرمایا کہ حاضرین میں سے جو آدمی اس کو چار درہم دے دے تو میں اُس کو چار دُعائیں دے دوں گا۔ اب انہوں نے ایک مرتبہ اعلان کیا، پھر دوسری مرتبہ اعلان کیا تو بھی کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ اُٹھ کر چار درہم اُس فقیر کو دیدے اور حضرت سے چار دعائیں لے لے۔ اس غلام نے جب یہ ماجرا دیکھا تو ایک دم آگے بڑھا اور وہ چار درہم جو آقا نے اس کو خریداری کے لئے دیئے تھے وہ فقیر کے ہاتھ پر رکھ دیئے اور حضرت کے سامنے جا کر بیٹھ گیا کہ حضرت! چار درہم تو میں نے دیدیئے، اب وہ چار دُعائیں آپ مجھے دید یجئے۔ حضرت نے فرمایا بتاؤ پہلے دُعا کون سی کروں؟ تو وہ بہت ہی دانا اور ہوشیار غلام تھا، اس نے سب سے پہلے یہ دُعا کروائی کہ:

''میں غلام ہوں اللہ تعالیٰ مجھے آزادی کی نعمت دیدے۔''

دوسری دُعا یہ کردیجئے کہ:

''میں نے جو چار درہم خیرات کئے ہیں اللہ تعالیٰ اس کا نعم البدل عطا فرمادے۔''

تیسری دُعا یہ کردیجئے کہ:

''اللہ تعالیٰ مجھے، میرے آقا کو، اس گھر والوں کو اور اس کے دوستوں کو توبہ کی توفیق دیدے۔''

چوتھی دُعا یہ کردیجئے کہ:

''اللہ تعالیٰ میری، میرے آقا کی، آپ کی اور سب حاضرین کی مغفرت فرمادے۔''

حضرت نے ہاتھ اُٹھا کر دُعائیں کردیں۔ وہ غلام خالی ہاتھ اپنے آقا کے پاس کافی تاخیر سے پہنچا تو اس کا آقا بڑی بے چینی سے اس کا انتظار کررہا تھا، آقا نے جب غلام کے خالی ہاتھ دیکھے تو دور ہی سے پوچھا کہ تو دیر سے کیوں آیا ہے؟ اور وہ بھی خالی ہاتھ؟ تو غلام نے کہا کہ خالی ہاتھ نہیں آیا، کچھ لے کر آیا ہوں اور ساتھ ہی اس نے یہ سارا واقعہ سنایا تو آقا بڑا حیران ہوا اور اس نے کہا کہ جلدی جلدی بتا کون کون سی دُعائیں کروا آیا ہے!

اس غلام نے کہا کہ پہلی دُعا میں نے یہ کروائی کہ میں غلام ہوں، اللہ مجھے آزادی عطا فرمادے تو آقا نے فوراً کہا کہ میں نے تجھے اللہ کی رضا کے لئے آزاد کیا۔ دُوسری دُعا یہ کروائی کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان چار درہم کا نعم البدل عطا

فرمادیں تو اس کے آقا نے کہا کہ جا میرے خزانے میں سے گن کر چار سو درہم لے لے۔ تیسری دُعا میں نے یہ کروائی کہ اللہ تعالیٰ مجھے، آپ کو، آپ کے گھر والوں کو اور دوستوں کو توبہ کی توفیق عطا فرمادے تو اس کے آقا نے کہا کہ تو گواہ رہ! میں نے اللہ تعالیٰ سے توبہ کرلی اور پھر اس نے جا کر اپنے دوستوں اور گھر والوں سے کہا کہ بھئی! میں نے تو توبہ کرلی ہے، اب تم بھی توبہ کرلو۔ تو اس کے گھر والوں نے بھی توبہ کرلی اور دوستوں نے کہا کہ جہاں تو وہیں ہم، جب تو اور تیرے گھر والے توبہ کررہے ہیں تو ہم بھی توبہ کرلیتے ہیں۔

چوتھی دُعا یہ کروائی کہ اللہ تعالیٰ آپ کی، میری، حضرت عمار رحمۃ اللہ علیہ کی اور وہاں جو حاضرین تھے سب کی بخشش فرمادے، تو آقا نے کہا کہ یہ میرے اختیار کی بات نہیں، یہ تو میرے آقا اور مالک الملک کے اختیار کی بات ہے۔ یہ کہہ کر وہ خاموش ہوگیا اور نافرمانیوں سے توبہ کرکے عبادت میں مشغول ہوگیا۔ جب وہ رات کو سویا تو خواب میں اس کو ایک غیبی آواز سنائی دی کہ جب تو نے وہ کام کرلئے جو تیرے اختیار میں تھے تو کیا ہم وہ کام نہیں کریں گے جو ہمارے اختیار میں ہے، میں نے تمہاری، تمہارے غلام کی، تمہارے گھر والوں کی، دوستوں کی، حضرت عمارؒ کی اور سارے حاضرینِ مجلس کی مغفرت کردی۔ سبحان اللہ! دیکھا آپ نے حضرت عمار رحمۃ اللہ علیہ کی یہ دُعائیں کیسے ہاتھوں ہاتھ قبول ہوئیں۔ اللہ والوں کی دُعائیں تو ایسے ہی قبول ہوا کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے مستجاب الدعوات ہوتے ہیں۔

جگر مرادآبادی کی حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ سے ملاقات

ایک قصہ اور یاد آیا جو رئیس المتغز لیں جگر مرادآبادی کا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ حاضرین میں سے کچھ ایسے لوگ اب بھی موجود ہوں جنہوں نے جگر مراد آبادی کو دیکھا ہو۔ پاکستان بننے سے قبل وہ ہندوستان میں مشہور قومی شاعر تھے، شاعری کے ساتھ ساتھ ان کو شراب پینے کی ایسی عادت تھی کہ اسٹیج پر بھی بغیر سہارے کے نہیں آتے تھے۔ جب وہ اپنی غزل کے اشعار سُناتے تو اُن کے اشعار بڑے اُنچے ہوتے تھے، اُن کی آواز بھی بڑی پیاری تھی، انداز بھی اتنا زبردست کہ سارا مجمع اُن کے قابو میں ہوتا تھا۔ چاہے اپنے اشعار سے مجمع کو ہنسادیں چاہے رُلادیں اور مجمع کو تہہ وبالا کردیں۔

ایک مرتبہ جگر مرادآبادی کی ملاقات حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ سے ہوگئی جو خود بھی شاعر تھے اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ مجاز، صحبت یافتہ اور تربیت یافتہ تھے۔ جگر مرادآبادی نے ان سے پوچھا کہ خواجہ صاحب! یہ آپ خوبصورت چہرہ، فرشتوں جیسا لباس، نیک لوگوں کی وضع قطع کہاں سے لے آئے؟ آپ کو دیکھ کر تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ فرشتہ ہیں۔ خواجہ صاحب نے کہا کہ یہ سب کچھ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا فیض ہے جو خانقاہ تھانہ بھون کے اندر مقیم ہیں۔ جگر صاحب نے جب یہ سُنا تو کہا کہ اُن کی خدمت وصحبت کی وجہ سے تمہاری یہ حالت بدلی ہے، میرا بھی جی چاہتا ہے کہ میں بھی حضرت کی خدمت میں حاضری دوں، لیکن میں کیا بتاؤں کہ میری شراب نوشی کی ایسی بُری عادت ہے کہ جب میں وہاں جاؤں گا تو وہاں بھی

پیوں گا۔ یہ بتاؤ کہ حضرت پینے دیں گے یا نہیں؟ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ دیکھو بھئی! میں پوچھ کر بتاؤں گا، ویسے بات یہ ہے کہ خانقاہ کے اندر حضرت پینے نہیں دیں گے، ظاہر ہے کہ وہاں تمہیں شراب کون پینے دے گا۔

ادھر جگر صاحب نے خواجہ صاحب سے یہ بات کہی دوسری طرف جگر مرادآبادی کو آخرت کا بڑا خوف اور دھڑکا لگا ہوا تھا، اس کے بارے میں انہوں نے ایک شعر بھی کہا تھا:

پینے کو تو بے حساب پی لی
اب ہے یومِ حساب کا دھڑکا

جب کسی کے دل میں کسی بھی گناہ کی ندامت ہوتی ہے اور اپنے دل میں وہ اس گناہ کو گناہ سمجھتا ہے تو کسی نہ کسی دن اس کو توبہ کی توفیق ہو ہی جاتی ہے۔ دل میں خوفِ خدا کا ہونا، گناہ کو گناہ سمجھنا یہ اس بات کی علامت ہے کہ ان شاء اللہ اس کو توبہ کی توفیق ملے گی۔

اس کے بعد خواجہ صاحب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے اور جگر مرادآبادی سے ملاقات کی تفصیل سنائی، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا آپ نے ان کو کیا جواب دیا، خواجہ صاحب نے کہا کہ میں نے یہ جواب دیا کہ آپ سے پوچھ کر بتاؤں گا، وہاں خانقاہ میں تو تمہیں شراب پینے کی اجازت ملنا مشکل ہے، تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ خواجہ صاحب! تم نے صحیح جواب نہیں دیا، آئندہ ملاقات ہو تو میرا سلام کہہ دینا اور کہنا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کافر کو اپنے ہاں مہمان ٹھہرا سکتے ہیں تو جگر تو پھر بھی

مسلمان ہے، میں کیوں نہ اس کو اپنے ہاں ٹھہراؤں گا۔ وہ جس حالت میں بھی ہیں اور جیسی بھی ان کی عادت ہے میں ان کو اپنے گھر میں ایک کمرہ دے دوں گا، پھر وہ جانیں اور اُن کا خُدا جانے! خانقاہ ایک قومی ادارہ اور قومی ملکیت ہے اس کے اندر شراب نوشی کی اجازت نہیں ہوسکتی۔ اب خواجہ صاحب نے یہ جواب جگر مراد آبادی تک پہنچا دیا، یہ سُن کر وہ زاروقطار رونے لگے کہ میں ایسا گندا، ناپاک اور نالائق شرابی کبابی آدمی اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ مجھے بھی قبول کرنے کے لئے تیار ہیں اور میرے آنے پر بھی راضی ہیں۔

جگر مراد آبادی کے لئے حضرت تھانویؒ کی چار دُعائیں

جب جگر مراد آبادی حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں پہنچ گئے اور خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضرت! میرے لئے چار دُعائیں فرما دیجئے، بس جیسے ہی انہوں نے درخواست کی، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ دُعا کے لئے اُٹھ گئے، انہوں نے کہا کہ میرے لئے پہلی دُعا یہ کر دیجئے کہ شراب نوشی کی یہ خبیث عادت جو میرے ساتھ لگی ہوئی ہے اس سے مجھے نجات مل جائے، کیونکہ یہ شراب اُم الخبائث ہے، یہ میری رگ رگ میں بسی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اس سے نجات دے دے اور دوسری دُعا یہ کر دیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ڈاڑھی رکھنے کی توفیق دیدے کہ میں داڑھی مُنڈاتا ہوں، مجھے معلوم ہے کہ داڑھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، یہ حضور ﷺ کی سنت پر استرا چلاتا ہے۔ دُعا کر دیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے سنت کے مطابق ڈاڑھی رکھنے کی توفیق عطا فرما دے، تیسری دُعا یہ کر دیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے حج نصیب فرما دے اور چوتھی دُعا

یہ کر دیجئے کہ اللہ تعالیٰ میری مغفرت فرمادے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے چاروں دُعائیں کر دیں۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی دُعاؤں کا اثر

اب دُعاؤں کی قبولیت کا اثر دیکھئے! کہ جب جگر صاحب تھانہ بھون سے واپس گئے تو تہیہ کر لیا کہ شراب کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔ شراب کا چھوٹنا تھا کہ جگر مرادآبادی سخت بیمار پڑ گئے، جگر صاحب کے مشہور قومی شاعر ہونے کے باعث ڈاکٹروں کا بورڈ بیٹھ گیا اور انہوں نے کہا کہ جگر صاحب! ایک دم شراب چھوڑنا صحیح نہیں، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ دھیرے دھیرے اور آہستہ آہستہ اس کو چھوڑیں، مگر جگر صاحب تو حضرت تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے دُعا کروا چکے تھے اور تہیہ کر چکے تھے اس لئے انہوں نے کہا کہ یہ بتاؤ کہ اگر میں تھوڑی تھوڑی شراب پیؤں گا تو کتنے دن اور کتنا عرصہ زندہ رہوں گا؟ ڈاکٹروں نے کہا کہ بہت سے بہت آپ آٹھ دس سال زندہ رہ سکتے ہیں تو جگر صاحب نے جواب دیا کہ جب شراب پیتے پیتے میں دس سال زندہ رہوں گا تو اس سے بہتر یہ ہے کہ دس دن زندہ رہوں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سائے میں مروں۔ شراب چھوڑ کر مروں گا تو اللہ کی رحمت میں مروں گا، اور اگر شراب پیتے پیتے جیؤں گا تو اللہ کے غضب میں جیؤں گا۔ غضب میں جینا بہتر ہے یا رحمت کے سایہ میں مرنا بہتر ہے! یہ مرنا اچھا ہے کہ اسی حالت میں مروں تا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں توبہ کرتا ہوا جاؤں، اللہ کی شان کہ شراب چھوڑنے کے بعد ان کی صحت ٹھیک ہوگئی، بلکہ پہلے سے بھی زیادہ بہتر ہوگئی، اور جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا وہ صحت وتندرستی کے ساتھ زندہ رہے۔

بہر حال! توبہ کرنے اور دُعا کرانے کی برکت دیکھو! اس کے بعد انہوں نے حج کا ارادہ کیا اور انہوں نے ممبئی کے پورٹ سے داڑھی رکھنا شروع کر دی اور اس زمانے میں پانی کے جہاز کے ذریعے حج کے سفر میں چار پانچ مہینے لگتے تھے تو وہاں پر ان کی داڑھی پوری ایک مٹھی ہوگئی، لیکن انہوں نے آئینہ نہیں دیکھا تھا، وہاں آئینہ ملا نہیں ہوگا، تو جب واپسی پر حج کر کے ممبئی پہنچنے پر آئینہ دیکھا تو داڑھی پوری ہو چکی تھی تو ایک شعر اُن کی زبان سے نکلا کہ:

چلو دیکھ آئیں ماجرا جگر کا
سُنا ہے وہ کافر مسلمان ہوگا

جگر صاحب اتنے مشہور تھے کہ ممبئی کے پورٹ پر انہوں نے یہ شعر کہا اور جب وہ اپنے شہر میں داخل ہوئے اور ٹرین سے اُتر کر تانگے میں بیٹھے تو تانگے والے کو معلوم نہیں تھا کہ میرے تانگے میں جگر صاحب بیٹھے ہوئے ہیں، لیکن وہ یہی شعر پڑھتا ہوا جا رہا تھا۔

جب جگر صاحب نے تانگے والے کو یہ شعر پڑھتے ہوئے سُنا تو زاروقطار رونے لگے کہ یا اللہ! یہ کیا ماجرا ہے میں نے ممبئی کے پورٹ پر یہ شعر کہا تھا اور بگھی والا بھی یہ شعر پڑھتا ہوا جا رہا ہے۔

پھر انہوں نے کہا کہ چوتھی چیز کی مجھے اپنے پروردگار سے اُمید ہے کہ انہوں نے جب سب دُعائیں قبول کر لیں تو چوتھی بھی ضرور قبول فرمائیں گے اور ان شاء اللہ جب میں مروں گا تو میری مغفرت فرما دیں گے، تو بھئی! جب دل سے اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر دُعا ہوتی ہے تو دُعا کرنے میں جہاں اور بہت

سے فوائد ہیں وہاں یہ فائدہ بھی ہے کہ بعض مرتبہ وہاں جو مانگتے ہیں وہ مل جاتا ہے۔

کاش میری ایک دُعا بھی قبول نہ ہوتی!

اور بعض مرتبہ بندہ جو مانگ رہا ہے اللہ تعالیٰ بجائے اس کے اس کی کسی مُصیبت یا بلا کو ٹال دیتے ہیں یا پھر اللہ تعالیٰ بندہ کی دُعا قبول کر کے آخرت میں ذخیرہ کر دیتے ہیں۔ تو جب بندہ آخرت میں جائے گا تو دنیا میں اس نے جو دُعائیں مانگی تھیں اور دنیا ہی میں قبول نہیں ہوئیں تھیں اللہ تعالیٰ اس کے بدلے آخرت کی نعمتیں عطا فرما دیں گے۔

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جب بندہ آخرت میں جائے گا تو اس کو نیکیوں کے پہاڑ نظر آئیں گے، وہ کہے گا میں تو اتنا نیک اور اتنا اشراق، چاشت اور تہجد گزار آدمی نہیں تھا، یہ نیکیوں کے پہاڑ کہاں سے میرے حصہ میں آگئے، اور یہ نیکیوں کا اجر وثواب مجھے کیسے حاصل ہو گیا، تو اس سے کہا جائے گا کہ تم دنیا میں جو دُعائیں مانگا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اتنے دنوں سے دُعائیں مانگ رہا ہوں اور قبول ہی نہیں ہوتی، ہم نے وہ سب دُعائیں قبول کر کے تمہارے لئے یہاں رکھی ہوئی تھیں اور یہ ثواب انہی دُعاؤں کا ثمرہ ہے۔ وہ اس اجر وثواب کو دیکھ کر تمنا کرے گا کہ کاش! دنیا میں میری ایک بھی دُعا قبول نہ ہوئی ہوتی اور اللہ اس کا بدلہ آخرت کے لئے رکھ لیتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دنیا سے گزر چکا ہوگا اور آخرت میں پہنچ چکا ہوگا، دنیا کی حقیقت اس کے سامنے ہوگی، آخرت کی نعمتیں اس کے سامنے ہوں گی تو وہاں اس کو ضرورت ہی ضرورت نظر

آ ئے گی۔ لہٰذا دل چھوٹا نہیں کرنا چاہئے کیونکہ دُعا کسی حال میں بھی نفع سے خالی نہیں ہے۔ ایک حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ الدُّعَاءَ يَنْفَعُ مِمَّا نَزَلَ وَمِمَّا لَمْ يَنْزِلْ فَعَلَيْكُمْ عِبَادَ اللّٰهِ بِالدُّعَاءِ.

ترجمہ

''بلاشبہ دُعا کارآمد اور نفع مند ہوتی ہے ان حوادث میں بھی جو نازل ہو چکے ہوتے ہیں اور ان میں بھی جو ابھی نازل نہیں ہوئے، لہٰذا خدا کے بندو! دُعا کا اہتمام کیا کرو۔''

(مشکوٰۃ: ۱۹۵)

اسلامی معاشرہ کی سب سے پہلی تعلیم

نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد سب سے پہلے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو جن باتوں کی تلقین فرمائی اُن میں سے ایک سلام ہے۔ جس کی تفصیل حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جو اسلام لانے سے پہلے یہود کے بڑے عالم تھے یہ بیان فرماتے ہیں کہ:

لَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ جِئْتُ، فَلَمَّا تَبَيَّنْتُ وَجْهَهُ عَرَفْتُ أَنَّ وَجْهَهُ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ، فَكَانَ أَوَّلَ مَاقَالَ: يَاأَيُّهَا النَّاسُ! أَفْشُوا السَّلَامَ وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَصِلُوا الْأَرْحَامَ وَصَلُّوا

بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ ، تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ .

(رواه الترمذی وابن ماجة . مشکوٰة المصابیح: ص ۱۶۸)

ترجمہ

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو میں (آپ کی زیارت کی غرض سے) آیا، جب میں نے آپ کے چہرۂ انور کو غور سے دیکھا تو میں نے جان لیا کہ یہ کسی دروغ گو (جھوٹے) کا چہرہ نہیں ہوسکتا، آپ نے (مدینہ طیبہ تشریف لانے کے بعد) سب سے پہلے جو بات ارشاد فرمائی وہ یہ تھی:

''اے لوگو! سلام عام کرو، کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی کرو، جب لوگ سوئے ہوئے ہوں تب اُٹھ کر نمازیں (تہجد کی نماز) پڑھا کرو، (یہ اعمال کر کے) تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔''

سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تعلیم ارشاد فرمائی وہ سلام کی ہے، جہاں سے اسلامی تعلیمات کا آغاز ہو رہا ہے، ان میں ایک سلام کی کثرت کا حکم ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کو سب سے پہلا حکم

سلام کی ابتداء حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش سے شروع ہوئی اور جنت میں بھی یہ عمل ہوگا۔ اللہ رب العالمین خود اہلِ جنت کو سلام

فرمائیں گے۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو سب سے پہلے ان کو حکم دیا کہ دیکھو! وہاں فرشتوں کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی ہے تم جا کر ان کو سلام کرو، اور ان کا جواب غور سے سنو، وہ جو جواب دیں گے وہ آپ کا اور آپ کی امت اور آپ کی پوری ذرّیت کا سلام ہوگا، حضرت آدم علیہ السلام گئے اور فرشتوں کو جا کر کہا **السلام علیکم**! یعنی تم پر اللہ کی سلامتی ہو۔ فرشتوں نے ان کا سلام سُن کر کہا **وعلیکم السلام و رحمة الله**! فرشتوں نے جواب میں ورحمۃ اللہ کا اضافہ کیا۔ یعنی تمہارے اوپر اللہ تعالیٰ کی سلامتی اور رحمت ہو۔ (مشکوۃ:ص ۳۹۷)

بہرحال! سلام کی عبادت ایسی ہے کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوئی ہے اور تمام شریعتوں میں تھی، یہاں تک کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کثرت سے اختیار کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔

مطلب اور غرض کا سلام

آج کل ہمارے اندر سلام کرنے میں بہت کمی پائی جاتی ہے۔ ہم صرف جان پہچان والوں کو سلام کرتے ہیں اور جان پہچان والوں میں بھی ہمارا ان لوگوں کو سلام کرنے کا معمول ہے جن سے ہماری دینی یا دنیاوی کوئی غرض وابستہ ہے۔ اگر کوئی جان پہچان والا ہے لیکن اس سے ہمارا کوئی مطلب اور کوئی غرض نہیں، یا خدانخواستہ اس سے ہماری کوئی ناراضگی ہے تو اس کو بھی سلام نہیں کرتے، یہ تو مطلب والا سلام ہوا کہ جس مسلمان سے ہمارا کوئی مطلب ہے تو اس

کے ساتھ ہماری سلام دُعا ہے اور جس مسلمان سے ہمارا کوئی مطلب نہیں تو اس سے سلام دُعا نہیں۔ ہمارے دین میں ایسا کوئی حکم نہیں، ہمارے دین میں یہ حکم ہے کہ چاہے تمہاری کسی سے کوئی غرض وابستہ ہو یا نہ ہو، چاہے تمہارے اور اس کے درمیان جان پہچان ہو یا نہ ہو، تمہاری آپس میں دوستی ہو یا نہ ہو، رشتہ داری ہو یا نہ ہو، پڑوسی ہو یا نہ ہو، برادری کا تعلق ہو یا نہ ہو، اور چاہے وہ امیر ہو یا غریب، پڑھا لکھا ہو یا اَن پڑھ، بس مسلمان ہے تو اس کو سلام کرنا چاہئے۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا:

أَيُّ الْإِسلامِ خَيْرٌ

ترجمہ

''کونسا اسلام بہتر ہے۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَتُقْرِئُ السَّلَامَ عَلٰى مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَّمْ تَعْرِفْ. (مشکوۃ: ص ۳۹۷)

ترجمہ

''(وہ اسلام جس میں) تم کھانا کھلاؤ اور ''آشنا و نا آشنا'' سب کو سلام کرو۔''

کثرت سے سلام کرنے میں کوتاہی

جو بھی مسلمان راستے میں ملے یا جس سے بھی ملاقات ہو جائے تو ہمیں

سب سے پہلے اسے سلام کرنا چاہئے۔ یہی حکم شریعت نے خواتین کو بھی دیا ہے کہ خواتین کی آپس میں چاہے دوستی ہو یا نہ ہو، جان پہچان ہو یا نہ ہو، رشتہ داری ہو یا نہ ہو بس جب ایک مسلمان خاتون کی دوسری مسلمان خاتون سے ملاقات ہو تو بات کرنے سے پہلے سلام کرنا چاہئے۔ اور آپس میں ایک دوسرے کو کثرت سے سلام کرنا چاہئے۔ کثرت کا مطلب یہ ہے کہ تھوڑی دیر پہلے ملاقات ہوئی تھی اور ذرا دیر کے بعد پھر ملاقات ہوگئی تو پھر سلام کرو، یہ نہیں کہ سویرے جو ایک مرتبہ ملاقات ہوئی تھی تو سلام کرلیا اور شام کو پھر ملاقات ہو رہی ہے تو بغیر سلام کے ہو یا ایک مرتبہ دوکان پر مال خریدنے کے لئے گاہک آگیا تو دوکاندار نے گاہک کو سلام کرلیا پھر شام کو ملاقات ہو رہی ہے، مسجد میں ملاقات ہو رہی ہے، مارکیٹ میں ملاقات ہو رہی ہے تو سلام دُعا نہیں ہو رہی۔ یہاں تک کہ ایک حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِذَا لَقِيَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيُسَلِّمْ عَلَيْهِ فَإِنْ حَالَتْ بَيْنَهُمَا شَجَرَةٌ أَوْ جِدَارٌ أَوْ حَجَرٌ ثم لَقِيَهُ فَلْيُسَلِّمْ عَلَيْهِ .

(مشكوة المصابيح : ص ۳۹۹)

ترجمہ

''تم میں سے کوئی شخص جب اپنے مسلمان بھائی سے ملاقات کرے تو اسے چاہئے کہ پہلے اسے سلام کرے، پھر اگر دونوں کے درمیان کوئی درخت یا دیوار یا (بڑا) پتھر حائل ہو

اور پھر اس (معمولی وقفہ کے بعد) اس سے ملاقات ہو تو اس
کو دوبارہ سلام کرے۔ (ابوداؤد)

سلام کرنے کے درجے

سلام کرنے کا کم سے کم درجہ تو السلام علیکم ہے، اس سے بہتر السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ ہے اور سب سے بہتر اور افضل السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ ہے۔ صرف السلام علیکم کہنے پر دس نیکیاں ملتی ہیں، السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ کہنے پر بیس نیکیاں اور السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ کہنے پر تیس نیکیاں ملتی ہیں۔ ایک حدیث میں ومغفرتہ بھی ہے یعنی السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ ومغفرتہ یعنی تم پر سلامتی ہو، اللہ کی رحمت ہو اور اس کی برکت اور اس کی مغفرت حاصل ہو۔ اور ومغفرتہ کا اضافہ کرنے سے چالیس نیکیاں ملتی ہیں۔

جس طرح سلام کرنے میں درجے ہیں اسی طرح جواب دینے کے بھی یہی درجے ہیں، یعنی وعلیکم السلام، اور وعلیکم السلام ورحمۃ اللّٰہ، اور وعلیکم السلام ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ اور وعلیکم السلام ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ ومغفرتہ۔ "ومغفرتہ" چونکہ عام احادیث میں نہیں، بلکہ بعض روایتوں میں ہے، اس لئے یہ عام اور مشہور ومعروف نہیں۔

بہرحال! سلام کرنے والا سلام میں جتنے الفاظ کہے جواب میں اُتنے ہی الفاظ کہہ دیئے جائیں یا زیادہ الفاظ کہہ کر جواب میں خوبصورتی پیدا کی جائے، مثلاً کسی نے سلام کیا: "السلام علیکم"، جواب یا تو اس طرح دیا جائے

وعلیکم السلام، یا وعلیکم السلام ورحمة الله وبر کاته، دوسری صورت زیادہ بہتر ہے جبکہ اتنے الفاظ کا اضافہ ہو جو احادیث میں موجود ہیں، قرآنِ کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِذَا حُيِّيْتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا، إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ حَسِيْبًا. (النساء: ٨٦)

ترجمہ

''اور کوئی تمہیں (شرعی طور پر) سلام کرے تو تم اس سے اچھے الفاظ میں سلام کا جواب دو یا (جواب میں) ویسے ہی الفاظ کہہ دو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر (یعنی ہر عمل پر) حساب لیں گے۔''

اہلِ عرب کے اندر سلام وبرکاتہ تک کرنے اور جواب دینے کا اہتمام ہے اور ہمارے ہاں صرف السلام علیکم ہی معروف ہے۔ بہتر ہوگا کہ ہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ تک سلام کرنے اور جواب دینے کی عادت ڈالیں۔ تاکہ سلام کرنے میں بھی تیس نیکیاں ملیں اور جواب دینے میں بھی تیس نیکیاں ملیں۔

تکبر سے نجات کا ذریعہ

بہرحال! ہمیں سلام کرنے میں پہل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ حدیث شریف میں اس کی دو فضیلتیں آتی ہیں، ایک فضیلت تو یہ ہے جو ایک حدیث میں بیان کی گئی ہے:

اَلْبَادِیُ بِالسَّلَامِ بَرِیْءٌ مِنَ الْكِبْرِ.

(فی شعب الایمان کما فی مشکوۃ المصابیح :ص ۴۰۰)

ترجمہ

''سلام کے اندر پہل کرنے والا تکبر سے بری ہے۔''

جو آدمی اپنے تکبر کا علاج کرنا چاہتا ہے بس وہ سلام کرنے میں پہل کرنے کا اہتمام شروع کردے، ان شاء اللہ تعالیٰ سلام کے اندر پہل کرنے کی برکت سے اس کے دل سے تکبر نکل جائے گا اور تواضع نصیب ہو جائے گی، اور یہ بہت بڑا فائدہ ہے، تکبر کی بیماری عام ہے تو اس کا علاج بھی اتنا ہی آسان ہے۔ لہٰذا جو آدمی اپنے اندر کا تکبر محسوس کرتا ہے اور اس کا علاج چاہتا ہے اس کو چاہئے جو مسلمان ملے اس کو سلام کیا کرے، اس سے ان شاء اللہ تعالیٰ تکبر ٹوٹ جائے گا اور تواضع پیدا ہو جائے گی۔

سلام میں پہل کرنا نوے رحمتیں حاصل کرنے کا ذریعہ

سلام کرنے کی دوسری فضیلت ایک روایت میں یہ بیان کی گئی ہے کہ:

''جب کوئی آدمی سلام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سو رحمتیں اُترتی ہیں۔ نوے سلام میں پہل کرنے والے کو ملتی ہیں اور دس سلام کا جواب دینے والے کو ملتی ہیں۔''

(الترغیب: ج ۳-ص ۴۳۳)

نیز ایک روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِاللّٰهِ مَنْ بَدَأَ بِالسَّلَامِ.

(مشکوۃ المصابیح: ص ۳۹۸)

ترجمہ

"اللہ (کی رحمت و برکت اور مغفرت) کے نزدیک سب سے زیادہ وہ لوگ ہوں گے جو سلام میں پہل کرتے ہوں گے۔

اس لئے ہر آدمی کو سلام میں پہل کرنی چاہئے تاکہ سو میں سے نوے رحمتیں اس کو ملیں اور دس اس کے بھائی کو ملیں، اور وہ اللہ کی رحمت، برکت اور مغفرت کے نزدیک رہے۔

دو آدمیوں کا ایک ساتھ سلام کرنا

اگر دو مسلمانوں نے ایک ساتھ سلام کر دیا تو کیا کریں! جب ہر آدمی سلام میں پہل کرنے کی کوشش کرے گا تو ہوسکتا ہے کہ دونوں نے ایک ساتھ ہی سلام کیا ہو تو اس صورت میں دونوں ایک دوسرے کے سلام کا جواب دیں گے اور وعلیکم السلام کہیں گے تو ہر ایک کو ان شاء اللہ تعالیٰ سو میں سو ہی رحمتیں ملیں گی۔ کیونکہ ہر ایک نے سلام میں پہل کی تو ہر ایک کو نوے نوے رحمتیں ملیں گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اور ہر ایک نے وعلیکم السلام کہہ کر جواب بھی دیدیا تو اس طرح دس دس رحمتیں مزید دونوں کو مل جائیں گی تو کسی کا بھی گھاٹا نہیں۔ دونوں کو نفع ہوگیا، لیکن یہ نہیں کہ جان کر ایسا کریں بلکہ یہ تو اتفاقاً کبھی کبھی ہو جاتا ہے۔ تو سلام کو زیادہ سے زیادہ پھیلانا چاہئے، اور زیادہ سے زیادہ سلام کو عام کرنا چاہئے۔

کس حالت میں سلام کرنا ممنوع ہے؟

اگر کوئی آدمی کھانا کھا رہا ہو یا تسبیح پڑھ رہا ہو یا ذکر کر رہا ہو یا تلاوت کر رہا ہو یا درس دے رہا ہو یا وعظ کر رہا ہو یا سو رہا ہو یا وہ کسی ایسے کام میں مشغول ہو جس کی وجہ سے اس کا دل و دماغ اس میں منہمک ہو تو اس کو سلام کرنا منع ہے۔ جب وہ ان کاموں سے فارغ ہو جائے تو پھر اسے سلام کرنا چاہئے اور جس کو سلام کیا جائے اس کو سلام کا جواب دینا چاہئے۔ اس کی تفصیل میں اس وقت نہیں عرض کرنا چاہتا، بس مختصراً ہی عرض کر رہا ہوں کہ ہمیں آپس میں سلام کی سنت کو زندہ کرنا چاہئے۔

سلام میں کمی قیامت کی نشانی

قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ ہے کہ قیامت کے قریب مسلمانوں کے اندر آپس میں سلام کرنا کم ہو جائے گا اور آج ہمارے زمانے میں ہم دیکھ رہے ہیں کہ آپس میں سلام بہت کم ہو گیا ہے۔ چنانچہ واپسی اور رخصتی کے وقت بھی سلام کرنا ایسے ہی سنت ہے جیسے ملاقات کے وقت سلام کرنا سنت ہے۔ دو مسلمان آپس میں ملیں تو سلام کریں، جب وہ ایک دوسرے سے جدا ہوں تب بھی انہیں سلام کرنا چاہئے، جس طرح گھر میں داخلے کے وقت سلام کرنا چاہئے، نکلتے وقت بھی سلام کرنا چاہئے، گھر میں داخلے کے وقت تو لوگ سلام کرتے ہیں،

لیکن واپسی کے وقت سلام کرنے کا بہت کم رواج ہے۔

سلام کے بجائے خدا حافظ یا فی امان اللہ کہنے کا حکم

اس وقت ہمارے یہاں ایک نامناسب طریقہ رائج ہو گیا ہے اور وہ ہے سلام چھوڑ کر خدا حافظ، اللہ حافظ یا فی امان اللہ کہا جاتا ہے۔ اس طرح رخصتی یا جدائی کے وقت سلام کے بجائے دوسرے کلمات کا ادا کرنا صحیح نہیں، کیونکہ ہم نے سلام کو چھوڑ کر اسے اختیار کیا ہے اور یہ شریعت کے اندر تبدیلی ہے، دین کے اندر ایسی تبدیلی کرنے کا کسی کو بھی اختیار نہیں ہے اور ایسا کرنا غلط اور بالکل ممنوع ہے۔ ہاں اگر آپ واپسی پر پہلے سلام کریں بعد میں اللہ حافظ یا فی امان اللہ کہہ دیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

بہر حال! واپسی میں سلام کی سنت کو زندہ کریں، اور رخصتی کے وقت سلام کو چھوڑ کر اس کی جگہ فی امان اللہ کو فروغ نہ دیں کیونکہ اس طرح کرنا صحیح نہیں۔ میں اکثر ٹیلیفون پر یہی بات سنتا ہوں، لوگ ٹیلیفون بند کرتے وقت فی امان اللہ یا اللہ حافظ کہتے ہیں، کوئی سلام نہیں کرتا، ٹیلیفون ہو یا زبانی ملاقات، دونوں کا ایک ہی حکم ہے، پہلے سلام کرنا چاہئے اور سلام کرنے سے پہلے گفتگو نہیں کرنا چاہئے، جب ٹیلیفون بند کرنے لگیں تو السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ کر پھر ٹیلیفون بند کریں، کسی کا دل چاہے تو سلام کے بعد فی امان اللہ کہہ لے۔ فی امان اللہ کہنا

سنت نہیں، صرف جائز ہے۔ اب دُعا کریں:

اللہ تعالیٰ دُعا کرنے کا اہتمام کرنے کی اور آپس میں ایک دوسرے کو کثرت سے سلام کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین!

❀❀❀ وآخر دعوانا ان الحمدللّٰہ رب العالمین ❀❀❀

درود و سلام کے فضائل

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی دامت برکاتہم العالیہ
نائب مفتی: جامعہ دارالعلوم کراچی

ضبط و ترتیب
مولانا محمد قاسم امیر صاحب ملتانی
متخصص جامعہ دارالعلوم کراچی
اُستاذ جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی کراچی

مکتبۃ الاسلام کراچی

ایک بار درُود شریف پڑھنے پر چار انعام

درُود شریف بہت فضیلت والی اور بڑی مقبول عبادت ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ:

مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ مِنْ اُمَّتِیْ صَلَاۃً مُخْلِصًا مِنْ قَلْبِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ بِھَا عَشَرَ صَلَوَاتٍ وَرَفَعَہٗ بِھَا عَشَرَ دَرَجَاتٍ وَکَتَبَ لَہٗ بِھَا عَشَرَ حَسَنَاتٍ وَمَحَا عَنْہُ عَشَرَ سَیِّئَاتٍ. (اخرجہ النسائی والطبرانی)

ترجمہ

''جو شخص ایک مرتبہ اخلاص کے ساتھ درود شریف پڑھتا ہے تو

(۱) اللہ تعالیٰ اس کے اوپر دس رحمتیں نازل فرماتے ہیں۔

(۲) اور اس کے دس درجے بلند ہو جاتے ہیں۔

(۳) اور دس نیکیاں اس کو عطا فرماتے ہیں۔

(۴) اور دس گناہِ (صغیرہ) معاف فرما دیتے ہیں۔''

(نسائی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا.

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْماً (الاحزاب: ۵۶)

ترجمہ

''بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں ان پیغمبر پر، اے ایمان والو! تم بھی آپ پر رحمت بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو۔'' (بیان القرآن)

میرے قابلِ احترام بزرگو!

دو مقبول عمل

اس وقت میں آپ کے سامنے قرآنِ کریم کی اس آیت اور سرکارِ دو عالم ﷺ کے متعدد ارشادات کی روشنی میں درود وسلام کے خاص خاص فضائل اور ضروری احکام انشاء اللہ بیان کروں گا اور اس کے ساتھ ایک دوسری عبادت اتباعِ سنت کا بھی مختصر ذکر کروں گا کیونکہ یہ درود وسلام سے بھی زیادہ اہم اور ضروری ہے۔

اس موضوع کو میں نے اس لئے منتخب کیا ہے کہ اللہ جل شانہ نے جو عبادتیں مقرر فرمائی ہیں، ان میں سے بعض عبادتیں ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہیں، وہ چاہیں تو اپنے فضل وکرم سے اسے قبول فرمائیں، چاہیں تو قبول نہ فرمائیں اور بعض عبادتیں ایسی ہیں کہ اللہ جل شانہٗ نے انہیں اپنے فضل وکرم سے قبول کرلیا ہے، اب جب بھی ان عبادتوں کو انجام دیا جائے گا تو وہ قبول کرلی جائیں گی۔ درود وسلام اور اتباعِ سنت بھی انہی عبادتوں میں سے ہیں جو ہر حال میں مقبول ہیں اور جو عبادتیں مقبول ہوں وہ خاص الخاص ہوتی ہیں۔ اللہ کرے

ان دونوں عبادتوں کی اہمیت ہمارے دل میں بیٹھ جائے اور یہ عبادتیں ہمارے عمل میں آ جائیں تا کہ ہم زندگی بھراس پر عمل پیرا رہیں۔آمین!

اتباعِ سنت اور درود شریف کی مشترک فضیلت

اتباعِ سنت اور درود شریف کی ایک مشترک فضیلت یہ ہے کہ قیامت کے دن حضور ﷺ کے سب سے زیادہ نزدیک وہ شخص ہوگا جو زیادہ سنتوں پر عمل کرنے والا اور زیادہ درود شریف پڑھنے والا ہوگا۔اب یہ اپنی اپنی مرضی ہے کہ جو جتنا چاہے درود شریف پڑھے اور جتنا چاہے سنتوں پر عمل کرے جو کم درود شریف پڑھے گا اور سنتوں پر کم عمل کرے گا وہ قیامت کے دن حضور ﷺ سے دور ہوگا اور جو زیادہ سے زیادہ درود شریف پڑھے گا اور سنتوں پر عمل کرے گا وہ قیامت کے دن حضور ﷺ سے زیادہ قریب ہوگا۔چنانچہ متقی لوگوں کے متعلق حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ الْمُتَّقُوْنَ مَنْ كَانُوْا حَيْثُ كَانُوْا . (مشکوۃ)

ترجمہ

''بلاشبہ قیامت کے روز سب سے زیادہ میرے نزدیک متقی لوگ ہوں گے،خواہ وہ کوئی ہوں،کہیں کے ہوں۔''

اسی طرح کثرت سے درود شریف پڑھنے والوں کے متعلق بھی آنحضرت ﷺ نے ایسا ہی ارشاد فرمایا:

إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِي يَوْمَ الْقِيٰمَةِ أَكْثَرُهُمْ عَلَيَّ صَلَاةً

(ترمذی)

ترجمہ

''بلاشبہ قیامت کے روز سب سے زیادہ میرے نزدیک وہ لوگ ہونگے جو کثرت سے مجھ پر درود پڑھتے ہونگے۔''

آخرت میں قیامت کا جو دن آنے والا ہے وہ انتہائی ہولناک اور خوفناک دن ہے۔ ہم اس کی خوفناکی، اس کی دہشت اور اس کی وحشت کا اندازہ نہیں کر سکتے لیکن وہ دن برحق ہے، اس دن وہ شخص انتہائی عافیت اور سکون میں ہوگا جو حضور ﷺ کے قریب ہوگا۔ اگر یہاں اس دنیا میں ہم ان دو عبادتوں کو اپنے عمل میں لے لیں تو ہمارا آخرت کا بہت بڑا مسئلہ حل ہو جائے گا کیونکہ جو آپ ﷺ کے ساتھ ہوگا وہ بے خوف وخطر ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ پر اللہ کی عام رحمتیں بھی ہیں اور خاص رحمتیں بھی ہیں، آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے انتہائی مقبول اور برگزیدہ بندے ہیں۔ لہٰذا جو آپ ﷺ کے ساتھ ہوگا وہ آرام ہی آرام اور راحت ہی راحت میں رہے گا۔ اور خدانخواستہ جو اپنی بے علمی کی وجہ سے حضور ﷺ سے دور ہوگا وہ اس دن کی خوفناکی سے دوچار ہوسکتا ہے۔ اس لئے ہمیں چاہئے کہ ہم یہاں اس دنیا کی زندگی میں رہ کر ان دو عبادتوں کو اپنا معمول بنالیں۔

زندگی میں ایک مرتبہ دُرود پڑھنا واجب ہے

جو آیت میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے اس میں درود وسلام کا

حکم ہے لیکن اس آیت کی وجہ سے ہر مسلمان مرد و عورت پر ساری زندگی میں ایک مرتبہ درود و سلام پڑھنا واجب ہے۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب اس آیت کو پڑھا جائے تو پڑھنے کے فوراً بعد، پڑھنے اور سننے والوں پر درود و سلام پڑھنا واجب ہو جاتا ہے، یہ صحیح نہیں ہے۔ اس آیت کے پڑھنے کے فوراً بعد پڑھنے اور سننے والوں پر درود و سلام واجب نہیں ہوتا بلکہ صحیح مسئلہ یہ ہے کہ اس آیت کی رو سے زندگی بھر میں ایک مرتبہ درود شریف پڑھنا واجب ہوتا ہے۔

مجلس میں پہلی مرتبہ حضور ﷺ کا نام پڑھنے یا سننے پر دُرود پڑھنا واجب ہے

اس کے بعد جس مجلس اور محفل میں سرکارِ دو عالم ﷺ کا نام لیں یا آپ کا اسم گرامی پڑھیں، چاہے تقریر یا تعلیم میں سنیں اور چاہے نعت میں سنیں، اس کو سنتے ہی سب سننے والوں پر ایک مرتبہ درود شریف پڑھنا واجب ہو جاتا ہے اور ایک مرتبہ سے زیادہ درود شریف پڑھنا مستحب ہوتا ہے اور مستحب بھی کرنے کا عمل ہوتا ہے اور اس کا بھی معمول بنانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ تو درود شریف پڑھنے کے درجے ہیں لیکن ایک صاحبِ ایمان کو چاہئے کہ وہ اپنی زبان کو ہر وقت درود شریف سے تر رکھے اگر سو مرتبہ بھی حضور ﷺ کا نامِ مبارک لیا جائے تو سو مرتبہ ہی درود شریف پڑھنا چاہئے۔

سب سے زیادہ درود شریف پڑھنے اور لکھنے والے

سب سے زیادہ سرکارِ دو عالم کا نام لینے اور لکھنے والے حضرات محدثین

رحمہم اللہ ہیں کیونکہ وہ کتابوں میں حضور ﷺ کی حدیثیں لکھتے ہیں اور عربی کی جو خاص حدیث کی کتابیں ہیں جیسے بخاری شریف، مسلم شریف، ترمذی شریف، ابوداؤد شریف وغیرہ ان سب کتابوں میں تقریباً ہر سطر میں ایک ایک دو دو مرتبہ حضور ﷺ کا نام آجاتا ہے اور کبھی دو تین سطروں کے بعد آجاتا ہے، کوئی صفحہ حضور ﷺ کے نام سے خالی نہیں ہوتا۔ ان کا کمال یہ ہے کہ وہ ہر مرتبہ پورا درود شریف لکھتے ہیں، اور درود شریف لکھنے میں ذرا بھی کنجوسی اور بخل سے کام نہیں لیتے بلکہ ایک سطر میں اگر تین مرتبہ آپ ﷺ کا نام آئے گا تو تین دفعہ ہی درود شریف لکھتے ہیں۔

درود شریف کی جگہ ؐ یا صلعم لکھنا ناجائز ہے

حضرات محدثین ہماری طرح بخیل اور کنجوس نہیں ہیں ہمارے ماحول اور معاشرے میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ گرامی کسی کتاب میں لکھا جاتا ہے تو بعض لوگ تو پورا درود شریف لکھتے ہیں اور یہی صحیح طریقہ ہے۔ اسی طرح درود شریف لکھنا چاہئے اور بعض لوگ ؐ یا صلعم لکھتے ہیں یہ جائز نہیں اور صرف ؐ یا صلعم لکھنا کنجوسی اور بخل ہے جو ناجائز ہے۔ کیا حضور ﷺ کا نام ہی کنجوسی کے لئے رہ گیا ہے! ارے وہ تو دونوں جہاں کے سردار اور رحمت للعالمین ہیں، ان ہی کے نام کے طفیل تو کھانے اور پینے کو مل رہا ہے، ہم ان کے طفیل تو دنیا کے اندر جی رہے ہیں اور حضور ﷺ کے طفیل آخرت میں بھی انشاء اللہ ہمارا کام بنے گا۔ وہ تو ہمارے بہت بڑے محسن ہیں اور ہم ایسے نالائق ہیں کہ ان کے نام کے ساتھ درود شریف بھی نہیں لکھ سکتے! اس لئے حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

اَلْبَخِيْلُ الَّذِیْ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَیَّ.

(رواه الترمذی، مشکوة المصابیح)

ترجمہ

''سب سے بڑا بخیل اور کنجوس وہ آدمی ہے کہ جس کے سامنے میرا نام لیا جائے اور وہ میرے نام پر درود شریف بھی نہ پڑھے۔''

اسی طرح ایک دوسری روایت میں ہے کہ:

رَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَیَّ.

(أخرجه الترمذی و ابن حبان)

ترجمہ

''اس آدمی کی ناک خاک آلود ہو جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود شریف نہ پڑھے۔''

اس کی وجہ یہ ہے کہ درود شریف پڑھنا کوئی مشکل کام نہیں ہے، انتہائی آسان کام ہے تو آسان ہوتے ہوئے بھی اگر آدمی حضور ﷺ پر درود شریف نہ بھیجے تو پھر اس سے زیادہ بخیل اور کنجوس کون ہوگا؟

دُرود شریف لکھنے کی عظیم فضیلت

درود شریف لکھنے کی ایک بہت بڑی اور زبردست فضیلت ایک حدیث میں ہے کہ:

مَنْ صَلّٰى عَلَیَّ فِیْ كِتَابٍ لَمْ تَزَلِ الصَّلَاةُ جَارِيَةً مَادَامَ

اسمی فی ذلک الکتاب.

(ذکرہ الھیثمی فی المجمع)

ترجمہ

''جب کوئی آدمی کسی کتاب میں نبیٔ اکرم جناب رسول اللہ ﷺ پر دُرود شریف لکھتا ہے تو جب تک وہ درود شریف اس کتاب میں لکھا رہے گا (اور جب تک وہ کتاب باقی رہے گی) تو اس درود شریف لکھنے والے پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں برستی رہیں گی۔'' (جلاء الافہام)

اگر وہ کتاب سو سال تک اس دنیا میں رہی اور سو سال تک اس میں درود شریف لکھا رہا تو اس کو سو سال تک اس کا ثواب ملتا رہے گا اور درود شریف لکھنے کی ایک دوسری فضیلت یہ ہے کہ:

''ملائکہ اس درود شریف لکھنے والے کے لئے اس وقت تک استغفار کرتے رہیں گے جب تک اس کا لکھا ہوا درود شریف کتاب میں لکھا رہے گا۔'' (جلاء الافہام)

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات محدثین رحمہ اللہ کو انشاء اللہ تعالیٰ درود شریف لکھنے کا کتنا ثواب ملے گا۔ اس لئے ہمیں چاہئے کہ جہاں بھی حضور ﷺ کا نام لکھیں تو آپ کے نام کے ساتھ پورا دُرود شریف لکھیں۔ خالی ؐ یا صلعم لکھنے سے توبہ کریں اور آئندہ کے لئے اس سے باز رہیں کیونکہ یہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے ساتھ کنجوسی اور گستاخی کا معاملہ ہے۔

ایک کاتب کی بخشش کا عجیب واقعہ

ایک صاحب کتابت کیا کرتے تھے جیسے آج کل لوگ کمپوزنگ کرتے ہیں، وہ پرانے زمانے کے کاتب تھے ان کا ایک عجیب معمول تھا کہ انہوں نے صرف درود شریف لکھنے کے لئے ایک کاپی بنائی ہوئی تھی اور وہ روزانہ جب صبح سویرے کتابت کرنے کے لئے بیٹھتے تو کتابت کرنے سے پہلے اس کاپی میں فنِ کتابت کی روشنی میں ایک بہت ہی خوب صورت درود شریف لکھتے تھے۔ اس کے بعد صبح سے لے کر شام تک مختلف مضامین کی کتابت کرتے اور اُسی سے گزر بسر کرتے۔ ان کی ساری زندگی اسی میں گزر گئی۔ ان کاتب صاحب کے انتقال کا وقت جب قریب آیا تو انہیں آخرت کی فکر سوار ہوئی اور وہ ڈرنے لگے کہ کچھ ہی دیر بعد میں اس دنیا سے چلا جاؤں گا اور آخرت میں پہنچوں گا تو معلوم نہیں کہ میرے ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟ میری بخشش ہوگی یا نہیں ہوگی؟ اسی دوران ایک مجذوب ان کے گھر کے پاس سے گزرا، اس نے کہا ارے تو آخرت سے کیوں گھبراتا ہے، تیرے درود شریف کی کاپی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اور جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہے اور اس پر صحیح کے نشان لگائے جارہے ہیں کہ یہ دُرود شریف بھی صحیح ہے، یہ دُرود شریف بھی پاس ہے اور یہ دُرود شریف بھی قبول ہے، وہاں تو صحیح کے نشانات لگ رہے ہیں اور تو گھبرا رہا ہے۔ دُرود شریف تو ایک ایسی مقبول عبادت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے آخرت کی نجات کا بھی انتظام فرما دیتے ہیں۔

ایک بار درُ ود شریف پڑھنے پر چار انعام

درُود شریف بہت فضیلت والی اور بڑی مقبول عبادت ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ:

مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ مِنْ اُمَّتِیْ صَلَاۃً مُخْلِصًا مِنْ قَلْبِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ بِھَا عَشْرَ صَلَوَاتٍ وَرَفَعَہٗ بِھَا عَشْرَ دَرَجَاتٍ وَکَتَبَ لَہٗ بِھَا عَشْرَ حَسَنَاتٍ وَمَحَا عَنْہُ عَشْرَ سَیِّئَاتٍ. (اخرجہ النسائی والطبرانی)

ترجمہ

''جو شخص ایک مرتبہ اخلاص کے ساتھ درود شریف پڑھتا ہے تو

(۱) اللہ تعالیٰ اس کے اوپر دس رحمتیں نازل فرماتے ہیں

(۲) اور اس کے دس درجے بلند ہو جاتے ہیں

(۳) اور دس نیکیاں اس کو عطا فرماتے ہیں

(۴) اور دس گناہِ (صغیرہ) معاف فرمادیتے ہیں۔''

(نسائی)

اس حساب سے جو آدمی دس مرتبہ درُود شریف پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے اوپر سو رحمتیں نازل فرماتے ہیں، اس کے سو درجے بلند فرماتے ہیں، سو گناہِ صغیرہ معاف فرمادیتے ہیں اور سو نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں لکھی جاتی ہیں، ور جو شخص سو مرتبہ درُود شریف پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے اوپر ایک ہزار رحمتیں

نازل فرمائیں گے، ایک ہزار درجے بلند فرمائیں گے، ایک ہزار گناہِ صغیرہ معاف فرمادیں گے اور ایک ہزار نیکیاں اس کو عطا فرمائیں گے۔ کم از کم سو مرتبہ دُرود شریف تو صبح و شام پڑھنا ہی چاہئے۔ سو مرتبہ دُرود شریف پڑھنا کوئی مشکل کام نہیں ہے، ہر مسلمان مرد و عورت، صبح و شام نہایت آسانی سے سو مرتبہ دُرود شریف پڑھ سکتا ہے۔

اسّی (۸۰) سال کے گناہِ صغیرہ کی معافی

ایک حدیث میں ہے کہ:

''اگر کوئی خلوصِ دل سے ایک مرتبہ دُرود شریف پڑھے اور وہ قبول ہوجائے تو اس کے اسی سال کے صغیرہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ (القول البدیع)

اُحد پہاڑ کے برابر ثواب

ایک حدیث میں ہے کہ:

''جب کوئی آدمی دُرود شریف پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کا ثواب اُحد پہاڑ کے برابر عطا فرمائیں گے۔'' (مصنف عبدالرزاق)

جَبلِ اُحد مدینہ منورہ کے پہاڑوں میں ایک مشہور پہاڑ ہے اور یہ پہاڑ وہاں کے سارے پہاڑوں میں سب سے بڑا ہے۔ اسی کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُحد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت

کرتے ہیں، اس اُحد پہاڑ کے وزن کے برابر دُرود شریف پڑھنے والے کے نامۂ اعمال میں ثواب لکھا جاتا ہے۔ تو اندازہ کرو کہ دُرود شریف پڑھنے کا کتنا زیادہ ثواب ہے۔

دنیا وآخرت کی حاجتیں پوری ہونا

دُرود شریف بہت بڑی دولت ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ:

''جو آدمی سو مرتبہ دُرود شریف پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس دُرود شریف پڑھنے والے کی سو حاجتیں پوری فرماتے ہیں، تیس دنیا کی اور ستر آخرت کی۔'' (القول البدیع)

نیز ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُهٗ وَ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ نَائِیًا وُكِّلَ بِهَا مَلَكٌ يُبَلِّغُنِیْ وَ كُفِیَ أَمْرَ دُنْيَاهُ وَ آخِرَتِهٖ وَ كُنْتُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ شَهِيْدًا أَوْ شَفِيْعًا.

(کنز العمال: ج ۱، ص ۴۹۸)

ترجمہ

''جو شخص میری قبر مبارک کے پاس سے مجھ پر دُرود شریف پڑھتا ہے تو میں اسے از خود سنتا ہوں، اور جو شخص دور سے مجھ پر درود وسلام پیش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس پر ایک فرشتہ

مقرر فرمایا ہے جو اس کا درود مجھ تک پہنچا دیتا ہے اور اس کی دنیا و آخرت کی تمام حاجتیں پوری ہوتی ہیں اور روزِ قیامت میں اس کے حق میں گواہ ہوں گا یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گواہ کی جگہ ارشاد فرمایا کہ میں اس کے حق میں سفارش کروں گا۔'' (کنز العمال: ج۱، ص۴۹۸)

لیجئے! ہماری دنیا کی حاجتوں کا بھی مسئلہ حل ہوگیا ہے۔ اگر دُرود شریف پڑھنے کا معمول ہو جائے تو ان شاء اللہ دنیا کی حاجتیں اور ضرورتیں بھی پوری ہوں گی، معاشی حالات بہتر ہوں گے۔ اور گھریلو ناچاقیات اور اختلافات ختم ہوں گے اور آخرت کی ضرورتیں بھی پوری ہوں گی۔ چونکہ آخرت میں ہمیں زیادہ ضرورت ہے اس لئے اللہ پاک نے آخرت کی ستر حاجات پوری کرنے کا وعدہ فرمایا اور دنیا کی ضرورتیں آخرت کے مقابلے میں بہت کم ہیں اس لئے فرمایا کہ دنیا کی تیس حاجتیں اور ضرورتیں پوری ہوں گی۔

جمعہ کے دن دُرود شریف پڑھنے کا اجر وثواب

احادیث میں جمعہ کے دن دُرود شریف کثرت سے پڑھنے کی ترغیب اور تاکید آئی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''جمعرات کی رات اور جمعہ کو مجھ پر کثرت سے دُرود شریف پڑھا کرو۔'' (ابن ماجہ)

ایک حدیث میں ہے کہ:

مَنْ صَلَّى عَلَيَّ فِي يَوْمٍ أَلْفَ مَرَّةٍ لَمْ يَمُتْ حَتّٰى يُرىٰ مَقْعَدَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ.

ترجمہ

''جو شخص دن میں ایک ہزار مرتبہ دُرود شریف پڑھے گا تو اس کا اس وقت تک انتقال نہیں ہوگا جب تک کہ وہ اپنی آنکھوں سے جنت میں اپنا محل نہیں دیکھ لے گا۔'' (القول البدیع)

سبحان اللہ! اللہ اکبر! ایک دوسری حدیث میں ہے کہ:

''جو آدمی جمعہ کے دن عصر کی نماز کے بعد اپنی جگہ سے اُٹھنے سے پہلے اسّی (۸۰) مرتبہ یہ دُرود شریف پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے اسّی سال کے گناہِ صغیرہ معاف فرمادیتے ہیں اور اسّی سال کی عبادت کا ثواب عطا فرمادیتے ہیں۔'' (فضائلِ دُرود)

عام طور پر مسجدوں میں اس دُرود شریف کا کتبہ بھی لگا ہوا ہوتا ہے، ورنہ یاد کرنا بھی کچھ مشکل نہیں، وہ دُرود شریف یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ ۨ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَسَلِّمْ تَسْلِيْمًا.

حالانکہ اَسّی مرتبہ دُرود شریف پڑھنے میں نہ اَسّی منٹ خرچ ہوتے ہیں نہ چالیس منٹ، اور نہ ہی بیس منٹ خرچ ہوتے ہیں، بمشکل دس منٹ خرچ ہوتے ہیں۔ دیکھئے! کہاں دس منٹ اور کہاں اسّی سال کی عبادت کا ثواب! یہ اللہ کی رحمت کے سوا اور کیا ہے! دس منٹ اور اسّی سال میں کوئی جوڑ ہی نہیں، لیکن

افسوس! ہم دس منٹ بھی اپنے وقت میں سے نہیں نکال سکتے۔ جس پر اللہ تعالیٰ اسّی سال کی عبادت کا انعام عطا فرما رہے ہیں اور اسّی سال کے گناہِ صغیرہ معاف فرما رہے ہیں، یہ محض جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر دُرود شریف پڑھنے کی برکت ہے، اس لئے جمعہ کے دن تو اس کا معمول بنا ہی لینا چاہئے اور اس کے علاوہ جمعہ کے دن دُرود شریف کثرت سے پڑھنے کی بہت زیادہ فضیلت آئی ہے، چنانچہ ایک حدیث شریف میں ہے کہ:

أَكْثِرُوْا عَلَيَّ مِنَ الصَّلَاةِ فِيْ كُلِّ يَوْمِ جُمُعَةٍ فَإِنَّ صَلَاةَ أُمَّتِيْ تُعْرَضُ عَلَيَّ فِيْ كُلِّ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَمَنْ كَانَ أَكْثَرَهُمْ صَلَاةً كَانَ أَقْرَبَهُمْ مِنِّيْ مَنْزِلَةً. (رواہ البیہقی)

ترجمہ

"ہر جمعہ کے دن کثرت سے مجھ پر دُرود شریف پڑھا کرو، کیونکہ ہر جمعہ کو میری اُمت کا درود میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے، جو جتنا زیادہ دُرود شریف پڑھے گا وہ مرتبہ کے لحاظ سے اتنا ہی زیادہ میرے نزدیک ہوگا۔"

جمعہ کے دن دُرود شریف پڑھنے کے تین درجے

اس لئے بزرگوں نے لکھا ہے کہ جمعہ کے دن دُرود شریف پڑھنے کے تین درجے ہیں۔ ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ کم از کم تین سو مرتبہ دُرود شریف پڑھے، درمیانہ درجہ یہ ہے کہ ایک ہزار مرتبہ پڑھے اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ تین ہزار مرتبہ

دُرود شریف پڑھے۔ تین ہزار مرتبہ پڑھو تو نورٌ علیٰ نورٌ ہے، لیکن کم از کم تین سو مرتبہ دُرود شریف تو پڑھ ہی لینا چاہئے۔

مفتیِ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا معمول

ایک صاحب نے مفتیِ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ سے عرض کیا کہ حضرت! ہمیں جمعہ کے دن کتنی مرتبہ دُرود شریف پڑھنا چاہئے تاکہ ہم یہ سمجھیں کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق کثرت سے دُرود شریف پڑھ لیا ہے تو حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ تین ہزار مرتبہ دُرود شریف پڑھنا چاہئے اور میرا بھی یہی معمول ہے۔

الحمد للہ! میں نے حضرت مفتیِ اعظمؒ پاکستان کی بہت زیارت کی ہے اور ان کی خدمت میں رہا ہوں وہ پوری اکیڈمی کے برابر اکیلے کام کرتے تھے، پوری جماعت مل کر اتنا کام نہیں کرتی جتنے ان اکیلے کے کام ہوتے تھے، اتنا بڑا دارالعلوم وہ اکیلے چلاتے تھے، صبح سے شام تک حضرت کو مصروفیت و مشغولیت لاحق رہتی تھی، تصنیفی کام بھی ہوتے رہتے تھے، وعظ و نصیحت کا سلسلہ بھی جاری تھا اور اصلاح و تربیت بھی فرماتے تھے، لیکن اس شدید مصروفیت کے باوجود جمعہ کے دن حضرت کا تین ہزار مرتبہ دُرود شریف پڑھنے کا معمول بھی تھا اور یہ میں آپ کو حضرت کے اخیر عمر کا حال بتا رہا ہوں جب حضرت کی عمر تقریباً اَسّی سال کے لگ بھگ ہو گئی تھی، وہ اس عمر میں اور اتنی مصروفیت کے باوجود ہر جمعہ کو تین ہزار مرتبہ دُرود شریف پڑھتے تھے تو پھر ہم کون ہیں! ہمیں کام بھی کیا ہے! ہمیں تو فرصت ہی

فرصت ہے پھر بھی اگر ہم جمعہ کو کم از کم تین سو مرتبہ دُرود شریف نہ پڑھ سکیں تو یہ ہمارے لئے بڑی محرومی کی بات ہے۔

تو ہی اگر نہ چاہے تو بہانے ہزار ہیں
اے خواجہ درد نیست وگر نہ طبیب ہست

ہم بہانے باز ہیں، بس ہمارے پاس بہت بہانے ہیں کہ فرصت نہیں ہے اور وقت نہیں ہے۔ بس ہم پڑھنا نہیں چاہتے ورنہ پڑھنے والے تو ایسی مصروفیت، بڑھاپے اور بیماری کے اندر بھی اتنی کثرت سے دُرود شریف پڑھنے کا معمول رکھتے تھے اور اسی وجہ سے اللہ پاک نے ان کو یہ درجہ عطا فرمایا۔

حضور ﷺ کا دُرود پڑھنے والے کے لئے استغفار

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

''جمعہ کے دن مجھ پر دُرود شریف بھیجا کرو، اس لئے کہ شبِ جمعہ روشن رات ہے اور جمعہ کا دن شاندار دن ہے، اس روشن رات اور شاندار دن میں تم مجھ پر کثرت سے دُرود شریف بھیجا کرو، اس لئے کہ تمہارا دُرود فرشتے میری خدمت میں پیش کرتے ہیں اور میں تمہارے لئے دعا اور استغفار کرتا ہوں۔'' (سبل الھدی)

اللہ اکبر دیکھئے! اللہ پاک نے ہمارے لئے کیسی مہربانی فرمادی ہے! یہ تو ہم سب کی آرزو ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے لئے مغفرت کی دعا

کرائیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد بھی اللہ پاک نے ہمارے لئے یہ راستہ رکھا ہے کہ اگر ہم کثرت سے جمعہ کے دن درُود شریف پڑھنے کا معمول بنائیں گے تو ہمارا درُود فرشتوں کے ذریعے حضور ﷺ کی خدمت میں پیش ہوگا، اوراس کے نتیجے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے دعا و استغفار فرمائیں گے۔ یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری احادیث میں بھی ذکر فرمائی ہے۔

حضور ﷺ کا اُمت کے لئے استغفار

ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرمایا کہ میرا تمہارے اندر رہنا بھی باعثِ رحمت ہے اور دنیا سے چلے جانا بھی باعثِ رحمت ہے۔ تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: ''یا رسول اللہ! آپ کا ہمارے اندر موجود رہ کر باعثِ رحمت ہونا تو سمجھ میں آتا ہے کیونکہ آپ ﷺ کا وجودِ مسعود نہایت ہی بابرکت اور اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا مرکز ہے، لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد آپ ﷺ کس طرح ہمارے لئے باعثِ رحمت ہوں گے؟''

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب میں دنیا سے چلا جاؤں گا تو عالمِ برزخ میں تمہارے اعمال میرے سامنے پیش کئے جائیں گے، اور میں تمہارے اعمال کا جائزہ لوں گا! اگر تم اچھے اعمال کرو گے تو میں تمہارے اچھے اعمال کو دیکھ کر خوش ہوں گا کہ شکر ہے میری اُمت میرے نقشِ قدم پر چل رہی ہے، اور جب میں یہ دیکھوں گا کہ تم میرے دین پر عمل نہیں کررہے اور قسم قسم

کے گناہوں کے اندر مبتلا ہو تو میں وہاں سے تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کروں گا کہ یا اللہ! ان کو معاف فرما دیجئے اور ان سے درگزر کیجئے، یہ نا سمجھ ہیں، غلطی کر رہے ہیں، یا اللہ! ان کو ہدایت دے دے، اور ان کے گناہوں کو معاف فرما دے۔

حضور ﷺ کا ایک بدو کے لئے استغفار

ایک واقعہ یاد آیا جو تقریباً ائمہ اربعہ کے علماء نے حج کی کتابوں میں لکھا ہے، اور نہایت معتبر اور مستند واقعہ ہے، حضرت محمد بن عبید اللہ بن عمرو العتبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حج کرنے کے بعد مدینہ منورہ گیا اور سرکارِ دو عالم جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک پر صلوٰۃ وسلام پیش کیا اور پھر ایک طرف کونے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک کے پاس ہی بیٹھ گیا، تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ عرب کا ایک دیہاتی اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر آیا اور اس نے روضۂ مبارک سے تھوڑے فاصلے پر اپنی اونٹنی کو باندھا اور سیدھا جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک پر آیا اور اس نے اس طرح خطاب کیا:

یا خیر الرسل! اے سارے نبیوں میں سب سے بہتر نبی!

یا رحمۃ للعالمین! اے سارے جہانوں کے لئے رحمت!

پھر اس نے صلوٰۃ وسلام پیش کیا اور اس کے بعد اس نے یوں عرض کیا:

یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، سَمِعْتُ اللّٰهَ يَقُوْلُ:

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَّلَمُوْا أَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوْا اللّٰهَ

وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا.

(النساء : ۶۴)

ترجمہ

''اے اللہ کے رسول! میں نے اللہ پاک کا یہ ارشاد مبارک سنا ہے: ''اور اگر وہ لوگ جس وقت اپنا نقصان کر بیٹھے تھے اس وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے پھر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے تو ضرور اللہ کو توبہ قبول کرنے والا پاتے۔''

(بیان القرآن)

اس نے یہ آیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک کے سامنے تلاوت کی اور پھر عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میں اپنے گناہوں کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اور آپ کے سامنے اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہوں اور آپ کو اپنے پروردگار کی بارگاہ میں سفارشی بناتا ہوں، آپ میرے لئے استغفار فرما دیجئے، یہ کہہ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور دیر تک روتا رہا، اس کے بعد پھر صلوٰۃ وسلام عرض کر کے اس نے درج ذیل اشعار پڑھے:

؎ يَا خَيْرَ مَنْ دُفِنَتْ بِالْقَاعِ أَعْظُمُهُ
فَطَابَ مِنْ طِيْبِهِنَّ الْقَاعُ وَالْأَكَمُ

؎ نَفْسِي الْفِدَاءُ لِقَبْرٍ أَنْتَ سَاكِنُهُ
فِيْهِ الْعَفَافُ وَفِيْهِ الْجُوْدُ وَالْكَرَمُ

ے أَنْتَ الشَّفِيعُ الَّذِىْ تُرْجَى شَفَاعَتُهُ
عَلَى الصِّرَاطِ إِذَا مَا زَلَّتِ الْقَدَمُ

ے فَصَاحِبَاكَ فَلاَ أَنْسٰهُمَا أَبَدًا
مِنِّى السَّلَامُ عَلَيْكُمْ مَاجَرَى الْقَلَمُ

ترجمہ

(۱)...... ''اے وہ بہترین ہستی کہ جس کا وجودِ مسعود قبر میں آرام فرما ہوا، اس کی خوشبو سے تمام میدانی و پہاڑی علاقے مہک اُٹھے۔''

(۲)...... ''میری جان فدا ہو اس قبر پر جس میں آپ آرام فرما ہیں، جس میں (آپ کے ساتھ آپ کی) عفت و پاکدامنی اور جود وسخا بھی ہے۔''

(۳)...... ''پُلصراط پر جب قدم لرز کر پھسل رہے ہوں گے تو اس وقت تنہا آپ ہی وہ سفارشی ہوں گے جن کی سفارش (سے کام بننے) کی اُمید رکھی جاسکتی ہے۔''

(۴)...... ''آپ کے دونوں ساتھیوں (ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما کے احسانات) ہم کبھی نہیں بھول سکتے، لہٰذا جب تک قلم چلتے رہیں (یعنی قیامت تک) تب تلک آپ سب کو ہمارا سلام بھی پہنچتا رہے۔''

یہ اشعار پڑھ کر وہ روتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ سیدھا اپنی اونٹنی کی طرف پلٹا اور اس پر سوار ہو کر روانہ ہو گیا۔

محمد بن عبید اللہ بن عمرو العتبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اس کے بے ساختہ صلوٰۃ وسلام پیش کرنے سے متعجب ہوا اور اس کے اس والہانہ انداز میں استغفار کرنے سے حیران رہ گیا کہ کس والہانہ انداز میں اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے گناہوں کی معافی مانگی ہے، پھر اس کے جانے کے بعد مجھے اونگھ آئی تو مجھے سرکارِ دو عالم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی اور آپ ﷺ نے فرمایا: اے عمرو العتبی! تم جاؤ اور اس بدو سے کہہ دو کہ میرے استغفار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت فرما دی۔ اللہ اکبر! (تفسیر ابن کثیر)

دُرود شریف پڑھنے والے کا اعزاز

دُرود شریف پڑھنے والے کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس کا ہر درود اس کے باپ کے نام کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث شریف میں ہے کہ:

لَا تَجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قُبُوْرًا وَّلَا تَجْعَلُوْا قَبْرِیْ عِيْدًا
وَصَلُّوْا عَلَیَّ فَاِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبْلُغُنِیْ حَيْثُمَا كُنْتُمْ.

(ابو داؤد)

ترجمہ

''اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ، اور میری قبر کو یادگار تہوار مت بناؤ، اور مجھ پر دُرود برابر پڑھتے رہو، کیونکہ تم کہیں بھی

ہو تمہارا درُود مجھ تک پہنچ جاتا ہے۔''

نیز ایک دوسری روایت میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِيْ سَمِعْتُهُ وَمَنْ صَلّٰى عَلَيَّ مِنْ بَعِيْدٍ أُعْلِمْتُهُ. (القول البديع المسخاوىؒ)

ترجمہ

''جو آدمی میری قبر کے پاس مجھ پر درُود پڑھتا ہے تو میں اسے خود سُن لیتا ہوں، اور جو دور سے درُود وسلام پیش کرتا ہے تو مجھے اُس کی اطلاع دیدی جاتی ہے۔''

اب رہی یہ بات کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو درُود وسلام پیش کرنے والے کے درُود وسلام کی اطلاع کیسے دی جاتی ہے؟ اس کی وضاحت خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خطاب کرکے یوں ارشاد فرمائی کہ:

يَا عَمَّارُ! أَنَّ لِلّٰهِ مَلَكًا أَعْطَاهُ أَسْمَاعَ الْخَلَائِقِ كُلِّهَا، وَهُوَ قَائِمٌ عَلٰى قَبْرِيْ إِذَا مِتُّ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَيْسَ أَحَدٌ مِنْ أُمَّتِيْ يُصَلِّيْ عَلَيَّ صَلَاةً أَلَّا سَمَّاهُ بِاسْمِهٖ وَاسْمِ أَبِيْهِ، قَالَ: يَا مُحَمَّدُ! صَلّٰى عَلَيْكَ فُلَانُ بن فُلَان كَذَا وَكَذَا، فَيُصَلِّيْ الرَّبُّ عَزَّوَجَلَّ عَلٰى ذٰلِكَ الرَّجُلِ بِكُلِّ وَاحِدَةٍ عَشْرًا. (مجمع الزوائد ۱۰/۱۶۲)

ترجمہ

''اے عمار! اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کی ہر پست و بلند آواز سننے کی طاقت عطا فرمائی ہے، وہ میرے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد تا قیامت میری قبر پر کھڑا رہے گا، پس میری اُمت میں سے جو کوئی بھی درود و سلام پڑھے گا تو وہ فرشتہ اس کا اور اس کے باپ کا نام لے کر کہے گا کہ ''اے محمد! فلاں بن فلاں نے اتنی بار آپ پر دُرود پڑھا ہے''، پھر اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے ہر درود کے بدلے اس آدمی پر دس رحمتیں نازل فرمائیں گے۔''

تین چیزوں میں سننے کی حیرت انگیز صلاحیت

ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں تین چیزیں ایسی پیدا فرمائی ہیں جن کو سننے کی عجیب وغریب صلاحیت اور طاقت عطا فرمائی ہے، ایک جنت، دوسرے جہنم اور تیسرے وہ فرشتہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پر مقرر ہے۔

جنت کو اللہ پاک نے یہ صلاحیت دی ہے کہ دنیا کے کسی بھی کونے میں زمین پر یا آسمان پر، زمین کی تہہ میں یا سمندر کی تہہ میں، ہوا یا فضا میں کہیں بھی کوئی اللہ کا بندہ اگر اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرے کہ یا اللہ! مجھے جنت عطا فرما، میں جنت کے لائق نہیں ہوں مگر اپنی رحمت سے مجھے جنت عطا فرما تو جس وقت اس کی زبان سے یہ الفاظ نکلیں گے یا وہ دل میں یہ دعا کرے گا تو اس کی دعا فوراً جنت سُن لے گی، حالانکہ جنت ساتویں آسمان کے اوپر عرشِ الٰہی کے نیچے ہے، یہاں

سے لے کر پہلے آسمان تک پانچ سو سال کی مسافت ہے، پھر پہلے آسمان سے دوسرے آسمان تک بھی اتنا ہی فاصلہ ہے، اسی طرح ہر دو آسمان کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت کا فاصلہ ہے، یہ اربوں کھربوں میل کا فاصلہ ہے جس میں کوئی تار یا ٹیلیفون یا موبائل کا رابطہ نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ جہاں کہیں کوئی یہ دعا کرے گا کہ یا اللہ! مجھے جنت عطا فرما دیجئے تو جنت اس کی یہ آواز سنتے ہی اللہ تعالیٰ سے درخواست کرے گی کہ یا اللہ! یہ جنت مانگ رہا ہے، آپ نے مجھے دینے ہی کے لئے بنایا ہے، لہٰذا اس مانگنے والے کو آپ جنت عطا فرما دیجئے تو ہماری درخواست قبول ہو یا نہ ہو لیکن جنت کی درخواست انشاء اللہ ضرور قبول ہو جائے گی۔

ایسے ہی کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دوزخ سے پناہ مانگتا ہے تو چاہے زبان سے پناہ مانگے یا دل میں آہستہ آہستہ پناہ مانگے تو اس کی پناہ جہنم فوراً سن لے گی، حالانکہ جہنم ساتوں زمینوں کے نیچے ہے اور اس سے ہمارا فاصلہ بھی بہت لمبا ہے لیکن جہنم فوراً اس کی پکار سنے گی اور اللہ پاک سے کہے گی کہ یا اللہ! آپ اس کو دوزخ سے بچا لیجئے، یا اللہ! مجھ سے اس کو بچا لیجئے، تو جہنم سے پناہ آپ یہاں مانگ رہے ہیں اور اُدھر دوزخ اللہ تعالیٰ سے سفارش کر رہی ہے کہ یا اللہ! اس پناہ مانگنے والے کی دعا قبول کر لیجئے۔

اور تیسرا وہ فرشتہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک پر مقرر ہے اور فرشتہ میں اللہ پاک نے یہ صلاحیت رکھی ہے کہ دنیا کے کسی کونے میں کہیں بھی کوئی شخص دُرود شریف زور سے پڑھے یا آہستہ پڑھے، دل میں پڑھے یا زبان

سے پڑھے بس وہ فرشتہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے وہ اس کی آواز سُن لے گا اور فوراً ہی وہ دُرود شریف پڑھنے والے کا نام لے کر مزارِ اقدس کے اندر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دے گا۔

کچھ وضاحت ایک دوسری حدیث میں ہے کہ اللہ پاک نے اس فرشتے کو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک آنے والے سارے انسانوں کے نام ازبر یاد کرا دیئے ہیں، ہر مرد و عورت کا نام اس کو معلوم ہے، لہٰذا جیسے ہی کوئی کہیں پر دُرود شریف پڑھتا ہے تو اس کو پوچھنے کی ضرورت نہیں ہوتی کہ پڑھنے والے کا نام کیا ہے؟ اس کے والد کا نام کیا ہے؟ سارے انسانوں کے نام اس کو پہلے سے یاد ہیں۔

دُرود شریف کثرت سے پڑھنے کی برکت

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا فیض الحسن صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ (جو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں تھے) وہ ہمارے بزرگوں میں سے ہیں۔ جب ان کا انتقال ہوا تو ایک مہینے تک ان کے کمرے سے مشک و عنبر کی خوشبو آتی تھی تو کسی نے جا کر یہ کیفیت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کی، حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ یہ دُرود شریف پڑھنے کی برکت ہے۔ کیونکہ حضرت مولانا فیض الحسن صاحبؒ ہر جمعرات کو ساری رات جاگ کر دُرود شریف پڑھا کرتے تھے۔ اس

لئے ان کے وصال کے بعد ایک مہینے تک ان کے کمرے سے مشک و عنبر کی خوشبو آتی رہی۔ (زاد السعید)

ایک عجیب واقعہ

میرے پاس دارالعلوم کراچی میں ایک صاحب ملنے آیا کرتے تھے، پہلے وہ یہیں کراچی میں رہتے تھے اب آج کل وہ لاہور میں ہیں۔ ایک دن وہ کہنے لگے کہ کبھی کبھی میرے کپڑوں میں سے خود بہ خود خوشبو آتی ہے، معلوم نہیں یہ خوشبو کیسے آتی ہے؟ حالانکہ میں نے خوشبو لگائی بھی نہیں ہوتی۔ تو ایسے ہی بے ساختہ میرے ذہن میں آیا اور میں نے ان سے کہا کہ آپ دُرود شریف کثرت سے پڑھتے ہوں گے؟ حالانکہ پہلے سے مجھے معلوم نہیں تھا کہ ان کا دُرود شریف کثرت سے پڑھنے کا معمول ہے۔ وہ کہنے لگے کہ ہاں! میرا یہی معمول ہے کہ میں چلتے پھرتے اُٹھتے بیٹھتے دُرود شریف پڑھتا رہتا ہوں۔ میں نے کہا کہ یہ دُرود شریف پڑھنے کی برکت ہے کہ خود بخود تمہارے کپڑوں کے اندر سے خوشبو مہک اُٹھتی ہے۔

سرکارِ دو عالم ﷺ کے پسینہ مبارک کی خوشبو

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سراپا معطر اور خوشبو میں بسی ہوئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ بھی بڑی بڑی خوشبوؤں سے بڑھ کر خوشبودار ہوتا تھا، آپ ﷺ جس گلی سے گزر جاتے تھے، شام تک اس گلی سے خوشبو آتی رہتی تھی اور صحابۂ کرام آپ ﷺ کی خوشبو سونگھ کر پہچان لیتے تھے کہ آج سرکارِ

مدینہ ﷺ یہاں سے گزرے ہیں۔ اسی طرح جو شخص آپ ﷺ سے مصافحہ کر لیتا تھا تو شام تک اس کے ہاتھ سے خوشبو آتی رہتی تھی اور وہ دیگر احباب میں اپنے ہاتھ کی خوشبو کی وجہ سے ممتاز ہو جاتا تھا اور لوگ پہچان لیتے تھے کہ آج تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کیا ہے، اس لئے تمہارے ہاتھوں سے خوشبو آ رہی ہے۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ وہ حضرت اُم سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں دوپہر میں اکثر آرام فرمایا کرتے تھے۔ اور حضرت اُم سلیم حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ ماجدہ تھیں اور وہ آپ ﷺ کے لئے چمڑے کا بچھونا بچھا دیا کرتی تھیں اور آپ ﷺ کو چمڑے کا تکیہ دیدیا کرتی تھیں اور اس پر آپ ﷺ آرام فرما ہوتے تھے۔ گرمیوں میں آپ ﷺ کو پسینہ بہت زیادہ آتا تھا اور جب آپ ﷺ سو جاتے تھے تو آپ ﷺ کی پیشانی مبارک پر پسینے کے قطرے موتیوں کی طرح نمودار ہو جاتے تو وہ ایک شیشی اور تنکا لیکر بیٹھ جاتی تھیں اور تنکے سے آہستہ آہستہ وہ پسینے کے موتی اٹھا اٹھا کر شیشی میں ڈالا کرتی تھیں۔ ایک دن وہ اسی طرح کر رہی تھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھل گئی اور آپ ﷺ نے پوچھا کہ اے اُم سلیم! آپ یہ کیا کر رہی ہیں؟ تو انہوں نے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم! میں آپ کا پسینہ جمع کر رہی ہوں۔ اس لئے کہ آپ ﷺ کے پسینے میں اتنی خوشبو ہوتی ہے کہ ہم اس کو دوسری خوشبوؤں میں ملا کر اُس خوشبو کو ساری خوشبوؤں کا سردار بنا لیتے ہیں کہ اس خوشبو کے سامنے دنیا بھر کی اعلیٰ

درجے کی خوشبوئیں ماند پڑ جاتی ہیں اور ہیچ معلوم ہوتی ہیں، شادی بیاہ کے موقع پر ہم اس کو بطورِ خاص استعمال کرتے ہیں۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس جو سراپا خوشبو تھی، دُرود شریف پڑھنے والے کو بھی اس میں سے کچھ حصہ ملتا ہے۔

سرکارِ دو عالم ﷺ سے محبت کا ایک عجیب واقعہ

دُرود شریف کی کثرت تو وہی کرے گا جس کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور محبت ہوگی۔ اس پر مجھے ایک عجیب واقعہ یاد آیا۔ ایک شخص کا انتقال ہوا، اُس کے دو بیٹے تھے، باپ نے اپنی میراث میں مال و دولت کے ساتھ زمین، مکان اور جائیدادیں بھی چھوڑیں اور ساتھ ہی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تین بال بھی چھوڑے۔ اس کے دونوں بیٹوں نے سارا مال و جائیداد، روپیہ پیسہ اور سونا چاندی آپس میں تقسیم کرلیا۔ اب باری آئی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تین بالوں کی، تو بڑے بھائی نے چھوٹے بھائی سے کہا کہ ایک بال تم رکھ لو اور ایک بال مجھے دیدو، اور تیسرا بال دونوں آدھا آدھا کرلیتے ہیں، کیونکہ دونوں کا آدھا آدھا حصہ ہے۔ لہٰذا دونوں کے حصہ میں ڈیڑھ ڈیڑھ بال آئے گا، اس پر چھوٹے بھائی نے کہا کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال کے دو ٹکڑے نہیں کرنے دوں گا، اس لئے کہ یہ میرے آقا ﷺ کا بال ہے، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بال آدھا آدھا ہو جائے۔ تم میرا یہ سارا مال لے لو مگر مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سالم بال دیدو، تو بڑا بھائی اس پر

راضی ہوگیا اور کہا کہ اچھا تم دو بال لے لو اور اس کے بدلے اپنا حصہ مجھے دیدو۔ چنانچہ اس کے چھوٹے بھائی کو جو کچھ اپنے باپ کی میراث میں روپیہ پیسہ، سونا چاندی اور جائیداد ملی تھی اس نے وہ ساری جائیداد اپنے بڑے بھائی کو دیدی، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال کو کاٹنا گوارا نہیں کیا۔ لہٰذا چھوٹا بھائی صرف دو بال لے کر اپنے گھر چلا گیا اور بڑا بھائی ساری جائیداد کا مالک بن گیا، لیکن چھوٹے بھائی کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک کی اتنی محبت تھی کہ وہ اس بال مبارک کو بہت ہی خوب صورت ڈبیہ میں رکھتا اور اس کو خوب صورت ریشمی کپڑے میں لپیٹتا اور خوشبو کے اندر بساتا۔ جب بھی وہ ڈبیہ کھولتا تو دُرودشریف پڑھتا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک کی زیارت کرتا۔ اس کا صبح وشام یہی معمول تھا۔ اب خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اس کے بڑے بھائی کا مال آہستہ آہستہ گھٹنا شروع ہوگیا اور اس کے چھوٹے بھائی کا مال بڑھنا شروع ہوگیا حالانکہ چھوٹے بھائی کے پاس کچھ بھی نہیں تھا، لیکن بال مبارک کی عظمت ومحبت اور دُرودشریف پڑھنے کی برکت کی وجہ سے آہستہ آہستہ اس کے مال میں ترقی ہونی شروع ہوگئی اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ یہ بڑے بھائی سے زیادہ مالدار ہوگیا اور بڑا بھائی فقیر ومحتاج ہوگیا اور وہ لوگوں سے بھیک مانگنے پر مجبور ہوگیا۔

اس حالت کو پہنچنے کے بعد بڑے بھائی کو خواب میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی اور اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور ﷺ! میری حالت تو ایسی خراب ہوگئی ہے کہ پہلے میں بڑا امیر اور مالدار تھا اور میرا بھائی غریب ومحتاج تھا۔ اب معاملہ اس کے برعکس ہوگیا ہے کہ

میرا چھوٹا بھائی امیر اور مالدار ہو گیا اور میں اتنا غریب اور محتاج ہو گیا ہوں کہ اب میرے پاس کچھ بھی نہیں، اور میں کوڑی کوڑی کا محتاج ہو گیا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیوں نہ ہو! تمہارے چھوٹے بھائی نے میرے بال کی عزت اور احترام کیا اور وہ دن رات مجھ پر کثرت سے دُرود شریف پڑھتا رہتا ہے، اس کے طفیل اللہ تعالیٰ نے اس پر فضل فرمایا اور اس کے مال میں برکت عطا کی اور تو نے میرے بال کی بے حرمتی کی اور اس کو کاٹنے کے لئے تیار ہوا، اس لئے تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے محروم ہو گیا۔ اب تیرے لئے اسی میں عافیت ہے کہ تو اپنے بھائی کے یہاں جا کر نوکر ہو جا۔

جب وہ سویرے اٹھا تو اس کو اپنے کئے پر شرمندگی اور ندامت ہوئی اور وہ سوچنے لگا کہ میرا بھائی عقلمند نکلا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سالم بال کو لے کر دنیا میں سرخرو ہو گیا اور آخرت میں بھی ان شاء اللہ سرخرو ہو گا! میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال کی بے اکرامی اور ناقدری کر کے دنیا میں بھی مال و دولت سے محروم ہو گیا اور نجانے آخرت میں کیا ہو گا! اس نے توبہ کی اور اپنے بھائی کے ہاں جا کر نوکری اختیار کی۔

یہ دُرود شریف پڑھنے اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک کے احترام کی برکت ہے جس کی وجہ سے چھوٹے بھائی کے اوپر اللہ تعالیٰ کا فضل و انعام ہو گیا۔ (فضائل دُرود شریف)

آنحضرت ﷺ کے بال مبارک کی برکت

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ محترمہ ہیں، ان کے پاس سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کا ایک گچھا تھا جسے وہ ایک نلکی کے اندر رکھا کرتی تھیں، اور لوگ ان کے پاس اپنے پانی کے پیالے بھیجا کرتے تھے، اور وہ پیالے ان کی خدمت میں لائے جاتے تھے اور وہ اس نلکی میں سے آپ ﷺ کے بال مبارک نکال کر پانی میں گھمادیا کرتی تھیں۔ وہ پانی جب کسی بیمار آدمی کو پلایا جاتا تو وہ صحت یاب ہوجاتا۔ (مشکوٰۃ)

دن رات میں کم سے کم دُرود پڑھنے کی مقدار

دُرود وسلام کو اپنی زندگی کا معمول بنائیں اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ کم از کم سو مرتبہ صبح اور سو مرتبہ شام دُرود شریف پڑھنے کا معمول بنائیں۔ صبح پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ صبح صادق سے لے کر ظہر سے پہلے تک سو مرتبہ دُرود شریف پورا کرلیں اور شام کو سو مرتبہ پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ عصر کے بعد سے رات کو سونے تک جس طرح چاہیں پورا کرلیں، اور کوئی سا بھی دُرود شریف پڑھ لیں، چاہے دُرودِ ابراہیمی پڑھ لیں کیونکہ یہ سارے دُرودوں میں سب سے افضل دُرود ہے یا کوئی درمیانہ دُرود شریف لے لیں جیسے:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ
وَبَارِکْ وَسَلِّمْ

یا اس سے بھی چھوٹا اور مکمل دُرود شریف پڑھ لیں جیسے:

صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَ سَلَّمَ

لیکن درُود شریف کو اس سے زیادہ چھوٹا کرنا مناسب نہیں، بہر حال یہ بہت چھوٹا درُود ہے۔

اس پر مجھے ایک اور واقعہ یاد آیا، یہ واقعہ مجھے حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سنایا تھا۔ حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب ہمارے سکھر کے مشہور بزرگوں میں سے تھے اور ابھی چند سال پہلے ہی وہ سکھر سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تھے، وہ وہاں پانچ سال زندہ رہے اور وہیں ان کا انتقال ہوا اور وہ اب جنت البقیع کے اندر آرام فرما ہیں، اور یہی ان کی آرزو تھی کہ میں مدینہ منورہ جاؤں، وہاں قیام کروں اور وہیں انتقال ہو، اور جنت البقیع میں دفن ہونا نصیب ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی نصیب فرمائے۔ آمین!

پاکستانی پائلٹ کا عشقِ رسول ﷺ

انہوں نے یہ واقعہ سنایا کہ پاکستان میں ایک پائلٹ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے یہ توفیق عطا فرمائی ہے کہ وہ کثرت سے درُود شریف پڑھتے ہیں، لیکن کثرت سے درُود شریف پڑھنے کی وجہ سے وہ "صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَ سَلَّمَ" پڑھنے کے بجائے "صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ" پڑھتے تھے، یعنی آدھا درُود پڑھتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت کو درُود کے اندر شامل نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت کو درُود و سلام سے محروم کیا ہوا تھا اور وہ سمجھتے تھے کہ اس طرح درُود شریف پڑھنے سے زیادہ درُود شریف ہو جائے گا۔ وہ

کہتے ہیں کہ ایک دن میں نے ایک خواب دیکھا کہ میں مدینہ منورہ کے اندر ہوں اور جنت البقیع کی طرف جارہا ہوں، جیسے ہی میں جنت البقیع میں داخل ہوا تو سامنے ہی اہلِ بیت اور ازواجِ مطہرات کے مزارات ہیں، جہاں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی آرام فرما ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں دروازے سے داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ درمیان میں ایک میز رکھی ہوئی ہے اور اس پر ایک ٹیلیفون رکھا ہوا ہے اور اس کی گھنٹی بول رہی ہے، میں آگے بڑھتا ہوں اور ٹیلیفون اُٹھا کر اپنے کان سے لگاتا ہوں تو آواز آتی ہے کہ میں تمہاری والدہ اماں عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بول رہی ہوں، تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زیادہ دُرود شریف بھیجتے ہو لیکن تم نے ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دُرود وسلام کی برکت سے کیوں محروم کیا ہوا ہے؟ تم خالی "صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ" کیوں پڑھتے ہو؟ "صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَ سَلَّمَ" کیوں نہیں پڑھتے ہو؟ پورا دُرود شریف پڑھا کرو تا کہ ہم بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دُرود وسلام کے تابع ہو کر دُرود وسلام کی فضیلت سے مالا مال ہو سکیں اور ہم پر بھی اللہ کی رحمت اور اس کی سلامتی نازل ہو۔ وہ پائلٹ کہتے ہیں کہ جب میں خواب سے بیدار ہوا تو مجھے اپنے اس عمل پر بڑی شرمندگی اور ندامت ہوئی، اور پھر میں نے توبہ کی اور اس کے بعد سے میں نے پورا دُرود شریف "صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَ سَلَّمَ" پڑھنے کا معمول بنالیا۔

میں نے دُرود شریف پورا کرلیا اور اہلِ بیت کو بھی دُرود وسلام میں شامل کرلیا، پھر میں ایک عرصہ تک اس طرح مکمل دُرود پڑھتا رہا، پھر ایک بار دوبارہ میں نے اس طرح ایک خواب دیکھا کہ میں مدینہ منورہ میں ہوں، اور جنت البقیع

میں جا رہا ہوں، درمیان میں ایک میز ہے جس پر ٹیلیفون رکھا ہوا ہے، اور گھنٹی بج رہی ہے، آگے بڑھ کر میں نے اس کو اُٹھایا اور کان سے لگایا تو اس طرح اماں عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آواز سنائی دی، اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ اب میں نے فون اس لئے کیا ہے تاکہ میں تمہارا شکریہ ادا کروں کہ تم نے ہمیں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دُرود وسلام میں شامل کرلیا۔

میں نے آپ کو یہ واقعہ اس لئے سنایا کہ کہیں کثرت سے دُرود شریف پڑھنے کی وجہ سے کوئی دُرود شریف کو آدھا نہ کرلے، چھوٹا دُرود پڑھ لے لیکن مکمل پڑھے، نامکمل نہ پڑھے۔ اور "صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَ سَلَّمَ" کامل اور مکمل دُرود شریف ہے، اس طرح دُرود شریف کی برکتیں ہمیں ان شاء اللہ ضرور حاصل ہوں گی، گھر میں برکت ہوگی، دکان کے اندر برکت ہوگی، مال میں اور جان میں بھی برکت ہوگی، اور آخرت کا جو ثوابِ عظیم ہے وہ بھی ان شاء اللہ تعالیٰ حاصل ہوگا۔

سنتوں کو عمل میں لانے کا طریقہ

دوسری مقبول عبادت اتباعِ سنت ہے یہ عبادت بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہی مقبول ہے، اس کے لئے ایک نئی کتاب ''علیکم بسنتی'' ہے یہ احقر کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی عبدالحکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف کی ہوئی ہے، ایک اور کتاب ہے ''پیارے نبی کی پیاری سنتیں'' جو حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم کی لکھی ہوئی ہے، یہ دو کتابچے اردو میں ہیں جو آسان ہیں

اور عام فہم ہیں، ان میں روزمرہ کی آسان انداز میں سنتیں لکھی ہوئی ہیں، رات کو کھانے سے فارغ ہونے کے بعد سب لوگوں کو جمع کرلیں، ان کتابوں میں سے دو تین سنتیں سب کے سامنے سبق کے طور پر پڑھ لیا کریں، اور سب لوگوں کو اس بات پر تیار کرلیں کہ جو سنتیں سنیں گے ان شاء اللہ اُن پر عمل کریں گے، اس طرح نہ کوئی زیادہ وقت لگے گا، نہ کوئی بڑی محنت خرچ ہوگی، نہ کوئی بڑا پیسہ خرچ ہوگا، اس طرح ہماری زندگیوں میں سنتیں آجائیں گی۔ اور سنتوں کے مطابق ہمارا کھانا ہوجائے گا، سنتوں کے مطابق ہمارا پہننا ہوجائے گا، سنت کے مطابق سونا ہوجائے گا، سنت کے مطابق اُٹھنا ہوجائے گا، سنت کے مطابق گھر میں آنا اور گھر سے باہر جانا ہوجائے گا۔ اس طرح روزمرہ کی زندگی سنت کے سانچے میں ڈھل جائے گی، اور سنت پر عمل کرنا دُرود شریف پڑھنے سے بھی زیادہ اہم عبادت ہے، اور سنت پر عمل کرنے والا بھی اللہ کے یہاں مقبول اور محبوب ہے۔

صورت اور سیرت کو سنت کے مطابق بنائیں

حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک شعر سنایا کرتے تھے۔

تیرے محبوب کی یارب شباہت لے کر آیا ہوں
حقیقت اس کو تو کردے میں صورت لے کر آیا ہوں

ابھی تو ہماری صورت بھی سنت کے مطابق ہونی چاہئے اور ہماری سیرت بھی۔ صورت اور سیرت جب دونوں سنت کے مطابق ہوں گی اور زبان پر دُرود شریف ہوگا تو ان شاء اللہ تعالیٰ نجات ہی نجات ہے۔ دنیا میں بھی عافیت

حاصل ہوگی اور آخرت میں بھی۔

دعا کریں اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

❀❀❀ وآخر دعوانا ان الحمدللّٰہ رب العالمین ❀❀❀

كفى بالموت واعظا

ترجمہ

وعظ و نصیحت کے لئے موت ہی کافی ہے۔

تلاوتِ قرآن

کے

انعامات

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی دامت برکاتہم العالیہ
نائب مفتی: جامعہ دارالعلوم کراچی

ضبط و ترتیب

مولانا محمد قاسم امیر صاحب ملتانی
متخصص جامعہ دارالعلوم کراچی
استاذ جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی کراچی

مکتبۃ الاسلام کراچی

قرآن کریم تا قیامت محفوظ ہے۔

لَا یَأْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَکِیْمٍ حَمِیْدٍ. (حم السجدة: ۴۲)

ترجمہ

''اس کتاب تک باطل کی کوئی رسائی نہیں ہے، نہ اس کے آگے سے، نہ اس کے پیچھے سے، یہ اس ذات کی طرف سے اتاری جارہی ہے جو حکمت کا مالک ہے، تمام تعریفیں اسی کی طرف لوٹتی ہیں۔''

(حٰمٓ السجدة: ۴۲)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْراً کَثِیْراً۔

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ. (الانعام:۱۵۵)

ترجمہ

''اور یہ (قرآن) ایک کتاب ہے جس کو ہم نے بھیجا ہے جو بڑی خیر و برکت والی ہے سو اس کا اتباع کرو، اور ڈرو تا کہ تم پر رحمت ہو۔'' (بیان القرآن)

محترم علمائے کرام، عزیز طلبہ اور معزز حاضرین!

دو عظیم نسبتیں

مجھے قرآن کریم کی اس عظیم درسگاہ (جامعہ امدادیہ چنیوٹ) میں حاضر ہوکر بڑی مسرت ہو رہی ہے، کیونکہ اس درسگاہ میں دو عظیم نسبتیں موجود ہیں۔ سب سے بڑی نسبت اس میں اللہ جل شانہٗ کے کلام، قرآن کریم کی تعلیم کی ہے جو سب سے عالی، بڑی اور سب سے اُونچی نسبت ہے۔ اور دوسری نسبت شیخ القراء حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ یہ سب ان کا فیض اور صدقۂ جاریہ ہے۔

حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحبؒ کا سلسلۂ امدادیہ اشرفیہ سے تعلق

حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہمارے اکابر میں سے تھے اور وہ حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ مجاز تھے۔ اور

حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ جامعہ اشرفیہ لاہور کے بانی اور حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اجلِ خلفاء میں سے تھے اور اس ناچیز نے حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تین خلفاء کی زیارت کی ہے۔ایک حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحبؒ، دوسرے حضرت مولانا مفتی خلیل احمد صاحبؒ جو گجرانوالہ میں مدرسہ اشرف العلوم کے مہتمم تھے اور تیسرے حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحبؒ جو سکھر میں رہتے تھے۔ میں نے ان تینوں بزرگوں کو عجیب وغریب طبیعت کا مالک پایا۔

حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحبؒ کا شغل بالقرآن

حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو فنا فی القرآن تھے، ان کا اوڑھنا بچھونا قرآن شریف تھا۔ وہ جامعہ دارالعلوم کراچی کے شہر کے مدرسہ دارالعلوم نانک واڑہ میں رہا کرتے تھے اور رمضان شریف میں دارالعلوم نانک واڑہ کی چھوٹی مسجد میں مقررہ تراویح ختم ہوجانے کے بعد اپنی تراویح میں روزانہ دس پارے سناتے تھے اور ان کی تراویح سحری تک جاری رہتی تھی، اور وہ تراویح کے اندر قرآن شریف بڑے آرام آرام سے پڑھتے تھے۔ اس صرح وہ سارے رمضان اکثر تین دن میں اور کبھی چار دن میں ایک قرآن شریف ختم فرماتے تھے۔ اس طرح ان کا سارا رمضان شب بیداری میں گزرتا تھا، اور کراچی کے علاوہ دوسرے شہروں سے بھی لوگ حضرت قاری صاحبؒ کے پیچھے تین دن میں قرآن شریف سننے کے لئے آیا کرتے تھے۔

اخیر عمر میں حضرت قاری صاحبؒ پاکستان سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تھے اور حضرت پر فالج کا حملہ بھی ہوا تھا جس کی وجہ سے حضرت مسجد نبوی میں لیٹے رہتے تھے اور وہاں بھی کوئی نہ کوئی حافظ حضرت کو قرآن شریف سناتا رہتا تھا۔ فالج کی وجہ سے حضرت بول نہیں سکتے تھے لیکن سنانے والا جب قرآن شریف میں کہیں غلطی کرتا تو کسی نہ کسی طریقے سے آپ اس کو متنبہ کر دیا کرتے تھے تاکہ اس کو یہ معلوم ہو کہ وہ غلط پڑھ رہا ہے، اور پھر وہ دہرا کر صحیح کر لیا کرتا تھا۔

حضرت مولانا مفتی عبدالحکیم صاحبؒ کا حضرت قاری صاحبؒ سے تعلق

احقر کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی عبدالحکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سکھر سے کراچی اپنے شیخ و مرشد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رمضان گزارنے کے لئے آیا کرتے تھے اور جامعہ دارالعلوم کراچی کورنگی میں قیام فرمایا کرتے تھے۔ دن کو حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہتے اور رات کو دارالعلوم نانک واڑہ جا کر حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحبؒ کے پیچھے تراویح کے اندر ساری رات قرآن شریف سنتے تھے، اور رات کو تراویح میں قرآن شریف سنانے کے بعد دن میں بھی حضرت قاری فتح محمد صاحبؒ قرآن شریف پڑھنے اور سننے میں مشغول رہتے تھے۔ ان کو میں نے بچپن میں بھی اسی حالت میں دیکھا، اور اخیر عمر میں بھی اسی حالت میں پایا۔

حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحبؒ کا مقام ولایت

ہمارے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحبؒ عبادت کے اندر اس قدر محنت اور مشقت برداشت کرتے ہیں کہ ایسی محنتیں اور مشقتیں تو پچھلے زمانے کے اولیاء اللہ کیا کرتے تھے۔ یہ اصل میں پُرانے زمانے کے لوگوں میں سے ہیں، اللہ پاک نے ہمیں دکھانے کے لئے ہمارے زمانے میں ان کو پیدا فرمایا ہے۔

حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحبؒ کا مدفن

حضرت قاری صاحبؒ ساری عمر قرآن شریف پڑھتے اور پڑھاتے دنیا سے چلے گئے۔ اللہ جل شانہ نے اس کا ان کو یہ صلہ عطا فرمایا کہ آج وہ جنت البقیع کے اس احاطہ کے قریب مدفون ہیں جہاں سات قاریوں میں سے ایک مشہور قاری حضرت امام نافع رحمۃ اللہ علیہ آرام فرما ہیں۔ حضرت امام نافع رحمۃ اللہ علیہ وہ قاری ہیں کہ جب وہ قرآن شریف کی تلاوت کرتے تھے تو جتنی دور تک ان کی تلاوت کی آواز جاتی تھی وہاں تک خوشبو مہک جاتی تھی۔

رمضانی حافظ کے لئے لمحۂ فکریہ!

حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحبؒ نے اپنے اس قرآن کریم کے دائمی شغف کے ذریعے ہمیں یہ سبق دیا ہے کہ قرآن کریم صرف رمضان شریف ہی کے لئے خاص نہیں، بلکہ ساری عمر، سارے سال اور ہر دن ہر روز کے لئے عام ہے۔ اب حافظ تو ہزاروں میں اور الحمد للہ ہر سال تیار ہوتے ہیں، لیکن اکثر ان

میں رمضانی حافظ کہلاتے ہیں۔ رمضانی حافظ انہیں کہتے ہیں جو صرف رمضان شریف میں یا اس سے ایک ڈیڑھ مہینہ پہلے قرآن شریف کھولتے ہیں اور پھر رمضان شریف کے بعد جو بند کرتے ہیں تو پھر اگلے رمضان میں کھولتے ہیں۔ وہ سال کے بیچ قرآن کریم کو کھول کر نہیں دیکھتے اور زبانی بھی نہیں پڑھتے۔ نتیجہ یہ کہ ان کا قرآن شریف کچا پکا ہوتا ہے۔ بس رمضان شریف میں تین تین، چار چار اور پانچ پانچ مرتبہ دہرا کر جیسے تیسے وہ تراویح میں قرآنِ کریم سنا دیتے ہیں، اور نام کر دیتے ہیں کہ بھئی! ہم نے قرآن شریف سنا دیا۔

یاد رکھیں! معاذ اللہ قرآن کریم ایسی ادنیٰ قسم کی نعمت نہیں کہ جس کے ساتھ یہ بدسلوکی کی جائے، یہ تو بہت بڑی دولت اور بہت بڑی نعمت ہے۔ دنیا میں ایمان کے بعد قرآن کریم سے بڑی کوئی نعمت نہیں، کیونکہ یہ خود اللہ تعالیٰ کا اپنا کلام ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات سب سے بڑھ کر ہے کہ آپ سے بڑھ کر کوئی نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح یہ ان کا کلام بھی تمام کلاموں کا سردار ہے، اس سے بڑھ کر کسی کا کلام نہیں، حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وَفَضْلُ كَلَامِ اللّٰهِ عَلٰى سَائِرِ الْكَلَامِ كَفَضْلِ اللّٰهِ عَلٰى خَلْقِهٖ. (مشكوة : ص ١٨٦)

ترجمہ

''اور اللہ تعالیٰ کے کلام کو باقی تمام کلاموں پر ایسی فضیلت حاصل ہے جیسے اللہ تعالیٰ کو اپنی تمام مخلوقات پر فضیلت حاصل

ہے۔"

لہٰذا کلامِ الٰہی سے بڑھ کر دنیا کا کوئی کلام نہیں، جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات لازوال ہے، کوئی اللہ تعالیٰ کی ذات کو مٹا نہیں سکتا، ایسے ہی اللہ تعالیٰ کا کلام بھی لازوال ہے کوئی اسے مٹا نہیں سکتا، اس کو مٹانے والا خود تو مٹ سکتا ہے لیکن یہ کلام نہیں مٹ سکتا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ. (حم السجدة: ۴۲)

ترجمہ

"باطل نہ اس کے سامنے سے آ سکتا ہے اور نہ اس کے پیچھے سے، یہ حکمتوں اور خوبیوں والی ذات کی جانب سے نازل کیا ہوا کلام ہے۔"

دشمنانِ اسلام نے اپنے اپنے زمانے میں اس کو مٹانے کی پوری پوری کوشش کر لی ہے لیکن وہ خود مٹ گئے اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں مٹا۔

حفاظتِ قرآن کا ایک عجیب واقعہ

ایک عجیب واقعہ یاد آیا۔ ہندوستان میں جب انگریز آیا تو اس نے یہ سوچا کہ جس طرح توریت اور انجیل اصلی حالت میں موجود نہیں ہیں اور ان میں تحریف ہو چکی ہے، مسلمانوں کا قرآنِ کریم بھی اصلی حالت میں نہیں رہنا چاہئے،

اوراس میں بھی تحریف ہونی چاہئے اور کسی طرح اس کو بھی مٹا دینا چاہئے، اس کام کے لئے اس نے باقاعدہ ایک منصوبہ بندی کی، اور بڑی بڑی جماعتیں تیار کیں، اور ہر جماعت کا ایک افسر مقرر کیا۔ ہندوستان میں شہر شہر، گاؤں گاؤں ان جماعتوں کو روانہ کیا، ان کی ذمہ داری یہ لگائی کہ تم ہر دیہات، ہر گاؤں، ہر بستی اور ہر شہر میں جا کر ہر مسجد، ہر مدرسے، ہر محلے اور ہر گھر سے قرآن شریف کے نسخے نکال لو، ایک نسخہ بھی کہیں نہ رہنے پائے۔ اچھی طرح چھاپہ مارو، اچھی طرح سے چھانٹی کرو، اور کسی طریقے سے کوئی قرآن شریف باقی نہ رہنے دو۔ انگریزوں کی بہت بڑی حکومت تھی اور لوگوں میں اس کا بڑا خوف و ہراس تھا، کیونکہ اس نے بڑا ظلم و ستم ڈھایا تھا، اس لئے جہاں کہیں بھی کوئی انگریز آجاتا تھا لوگ کانپ جاتے تھے۔ اس طرح سے یہ عیسائی مشنریاں پورے ملک میں پھیل گئیں جن کا مقصد یہ تھا کہ جب قرآن شریف کے سارے نسخے ان کے قبضے میں آجائیں گے اور ہندوستان میں کسی کے پاس بھی قرآن شریف کا ایک نسخہ بھی نہیں بچے گا تو کچھ دن بعد مسلمان قرآن شریف بھول جائیں گے اور پھر اس کے بعد جب وہ قرآن شریف لکھیں گے تو وہ من وعن، بے کم و کاست اصلی قرآن شریف نہیں لکھ سکیں گے۔ اس طرح یہ قرآن شریف دنیا سے مٹ جائے گا اور یہ اصلی حالت میں قائم نہیں رہ سکے گا اور جس طرح توریت وانجیل اصلی حالت میں موجود نہیں ہیں، ان کا حرف حرف بدل گیا، سطر سطر میں تحریف ہوگئی اور تبدیل وتحریف شدہ توریت اور انجیل کو ماننے والے دنیا میں تباہ اور برباد ہوگئے۔ اسی طرح مسلمان بھی تباہ و برباد ہوجائیں گے۔

اس سلسلے میں ان کا ایک افسر اپنی ایک جماعت کو لے کر ایک گاؤں میں گیا جہاں مدرسہ کے اندر ایک قاری صاحب بیٹھے ہوئے تھے اور تیس چالیس بچے ان کے سامنے قرآن شریف پڑھ رہے تھے۔ وہ افسر قاری صاحب کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ جناب! آپ کے پاس جتنے بھی قرآن شریف کے نسخے ہیں وہ میرے حوالے کر دیں۔ اس استاذ نے کہا کہ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے، میں ابھی آپ کو سارے قرآن شریف کے نسخے دے دیتا ہوں، لیکن مجھے آپ یہ بتائیے کہ قرآن شریف لینے کا مقصد کیا ہے؟ اور کس نے یہ اسکیم بنائی ہے؟ اور کیوں بنائی ہے؟ اس افسر نے کہا کہ یہ اسکیم اس لئے بنائی گئی ہے تاکہ کسی طریقے سے مسلمانوں کے اندر سے اس کو مٹا دیا جائے اور ختم کر دیا جائے تو قاری صاحب نے کہا کہ جس شخص نے یہ اسکیم بنائی ہے وہ انتہائی احمق آدمی ہے، کیونکہ اس پر پیسہ بھی بہت زیادہ خرچ ہوگا، وقت بھی بہت خرچ ہوگا، محنت بھی بہت کرنی پڑے گی اور مقصد میں ایک صفر بھی کامیابی نہیں ہوگی۔

دل میں محفوظ کتاب کیسے مٹ سکتی ہے؟

ان قاری صاحب کی یہ بات سُن کر وہ انگریز ہکا بکا رہ گیا اور کہا کہ قاری صاحب! آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ ہمارے بڑے بڑے ہوشیار، عقلمند، عالی دماغ اور دانا لوگوں نے سر جوڑ کر یہ اسکیم بنائی ہے، آپ کہہ رہے ہیں کہ اس میں کامیابی ہو ہی نہیں سکتی، یہ آپ کیسے کہہ رہے ہیں، قاری صاحب نے کہا کہ میں آپ کو ابھی اس کا مشاہدہ کروا دیتا ہوں، ابھی آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ جو میں

آپ کو کہہ رہا ہوں وہ صحیح ہے یا نہیں؟ اور انہوں نے ایک قرآن شریف اس انگریز کے ہاتھ میں دیا اور کہا کہ یہ چالیس بچے آپ کے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ قرآن شریف میں کہیں سے بھی کوئی آیت پڑھئے اور کسی بھی بچے کو اشارہ کیجئے، وہ فرفر آپ کو چار رکوع سنا دے گا، ان شاء اللہ۔ تو انگریز نے قرآن شریف کھولا اور کسی نہ کسی طریقہ سے ایک آیت جیسے تیسے پڑھی اور ایک بچے سے کہا کہ آپ آگے پڑھئے۔ اس بچے نے اعوذ باللہ، بسم اللہ پڑھ کر آدھا پارہ سنا دیا، نہ کہیں اٹکا، نہ کہیں متشابہ لگا، نہ زیر زبر کی کوئی غلطی ہوئی، اور وہ بچہ فرفر پڑھتا چلا گیا۔ انگریز نے اس بچہ کو کہا کہ بس بس، پھر اس نے کسی دوسرے بچے کی طرف اشارہ کیا اور کسی اور جگہ سے اس سے دریافت کیا، اس نے بھی ایک پارہ پڑھ کر سنا دیا۔ اس طرح چالیس بچوں میں سے دس پندرہ بچوں سے اس نے اس طرح امتحان لیا اور قرآن شریف کے شروع سے بھی، درمیان سے بھی، آگے سے بھی پیچھے سے بھی بچوں سے سنا اور جس بچے سے سنا، ہر بچہ نے ایسا پکا سنایا کہ وہ انگریز دنگ رہ گیا اور جو کچھ قاری صاحب نے کہا تھا اس کا سچا ہونا اس کے دل میں اتر گیا۔ اس نے کہا کہ قاری صاحب جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں وہ بالکل صحیح ہے، اور واقعی جس نے بھی یہ اسکیم بنائی ہے وہ احمق و ناداں ہے۔ یہ کتاب صرف دو گتوں ہی کے درمیان محفوظ نہیں ہے، بلکہ درحقیقت یہ سینوں کے اندر محفوظ ہے۔

یہ کتاب ہم لے تو سکتے ہیں، اس کے کاغذ ہم پھاڑ سکتے ہیں اور اس کو جلا سکتے ہیں، لیکن سینوں سے اس کو کس طرح مٹائیں گے۔ جب اتنے چھوٹے چھوٹے چالیس بچوں کے سینوں کے اندر اتنی موٹی کتاب محفوظ ہے تو ہمارے ان

نسخوں کے لینے سے کیا ہوگا؟ وہی ہوگا جو آپ کہہ رہے ہیں کہ محنت بھی ہوگی، وقت بھی خرچ ہوگا اور پیسے بھی لگیں گے لیکن قرآن شریف تو ویسے کا ویسا ہی رہے گا۔ توریت اور انجیل اس طریقہ سے کسی کے سینے میں محفوظ نہیں تھیں اس لئے ان میں تحریف ہوگئی۔ یہ کلام تو اللہ پاک نے بچوں کے دلوں میں محفوظ کیا ہوا ہے، چنانچہ اس نے یہیں بیٹھ کر اپنے افسر اعلیٰ کو اپنا مشاہدہ لکھا اور اس میں مزید لکھا کہ سرکار کا اس اسکیم کو تیار کرنا، اس پر پیسہ خرچ کرنا اور اس پر محنت کرنا بالکل فضول اور بے کار ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کتاب صرف کاغذ میں محفوظ نہیں، بلکہ سینوں کے اندر محفوظ ہے۔

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ حفاظتِ قرآن کے لئے اللہ جل جلالہٗ نے سینوں کو منتخب فرمایا ہے، باقی آسمانی کتابیں یکبارگی نازل ہوئیں، قرآنِ کریم تھوڑا تھوڑا نازل ہوا، وہ تختیوں کی شکل میں نازل ہوئیں اور قرآنِ کریم کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ . (البقرة: ۹۷)

ترجمہ

''پس: بلاشبہ اس (جبرئیل) نے اللہ کے حکم سے یہ (قرآن) آپ کے دل پر اُتارا ہے۔''

غرض اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل امین علیہ السلام کے واسطے سے قرآن کریم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر پر نازل فرمایا، اس کے بعد

سے آج تک یہ قرآنِ کریم سینہ بسینہ محفوظ ہوتا چلا آیا ہے، اور تا قیامت ان شاء اللہ اسی طرح محفوظ رہے گا۔

یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات ابدی اور سرمدی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا کلام بھی ابدی اور سرمدی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا کلام بھی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اور جب یہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا تو بس یہ قرآن کریم صرف رمضان شریف کے لئے نہیں ہے بلکہ ساری عمر کے لئے ہے۔

قرآنِ کریم کے ساتھ ہمارا ناروا سلوک

قرآنِ کریم کے الفاظ کا پڑھنا بھی باعث عبادت ہے، اس کا دیکھنا بھی باعث عبادت ہے، اس کا آنکھوں سے لگانا بھی باعث عبادت ہے، اس کا سمجھنا اور اس پر عمل کرنا بھی باعثِ عبادت ہے، غرض! کسی بھی نسبت اور کسی بھی حوالے سے قرآنِ کریم کے ساتھ تعلق ہونا باعثِ برکت اور باعثِ نجات ہے۔

آج ہم جس عظیم درسگاہ میں بیٹھے ہیں اور جو نسبتیں اس کو حاصل ہیں، اس سے ہمیں سبق لینے کی ضرورت ہے کہ ہم میں سے جو قرآن شریف ناظرہ پڑھا ہوا نہیں، وہ ناظرہ قرآن پڑھے اور جو حفظ کرسکتا ہے وہ حفظ کر لے، لیکن اپنے دل میں اس بات کا پکا ارادہ کرے کہ میں ان شاء اللہ قرآن شریف روزانہ پڑھوں گا، آج کل قرآن شریف ہماری مسجدوں کے اندر الماری میں بند ہو کر رہ

گیا ہے اور مدرسوں کے اندر پڑھنے پڑھانے تک محدود رہ گیا ہے۔ قرآن شریف بہت عرصے سے ہمارے عمل سے نکل چکا ہے اور سمجھ کر پڑھنا بھی ختم ہو گیا ہے اور اللہ بچائے جب سے گھر گھر ٹی وی کی لعنت آئی ہے، قرآن شریف ہمارے گھروں سے بھی نکل گیا ہے، اسی وجہ سے ہمارے گھروں کے اندر برکت نہیں ہے، راحت نہیں ہے، سکون نہیں ہے اور آرام نہیں ہے، بلکہ ہمارے گھروں کے اندر بے چینی ہے، بے سکونی ہے، بے قراری ہے اور پریشانیاں ہی پریشانیاں ہیں، کیونکہ کلام پاک کو ہم اپنے گھر سے نکال چکے ہیں۔

روزانہ تلاوت کرنے کے فائدے

پہلے مسلمانوں کا عام معمول ہوتا تھا کہ صبح سویرے اُٹھتے ہی مسلمان مرد وعورت اور ان کے بچے روزانہ قرآن شریف کی تلاوت کرتے تھے، جب تک قرآن شریف کی تلاوت نہ کرلیتے، ناشتہ نہ کرتے، کھیتی باڑی نہیں کرتے، ملازمت نہ کرتے، تجارت نہ کرتے، پہلا کام مسلمان کا فجر کی نماز پڑھنا اور فجر کی نماز پڑھنے کے بعد دوسرا کام قرآن شریف کی تلاوت کرنا تھا۔ اس عمل کی وجہ سے ہمارے گھروں میں برکت ہوتی تھی، اللہ کی رحمت کا نزول ہوتا تھا، کلام پاک کی برکتیں ظاہر ہوتی تھیں اور ہر چیز میں سہولت اور آسانی ہوتی تھی۔ کلامِ پاک کی برکت سے تو شیاطین بھاگتے ہیں، نظریں اترتی ہیں اور جادو کٹتا ہے۔ حدیث شریف میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

اِقْرَأُوْا سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ فَإِنَّ أَخْذَهَا بَرَكَةٌ وَّتَرْكَهَا حَسْرَةٌ

وَلَا یَسْتَطِیْعُهَا الْبَطَلَةُ. (مشکوٰۃ: ص ۱۸۴)

ترجمہ

''سورہ بقرہ کی تلاوت کیا کرو، کیونکہ اس سورہ کو لینا برکت اور اس کو چھوڑنا باعثِ حسرت ہے، باطل پرست لوگ اس کے سامنے بے بس ہو جاتے ہیں۔''

خلاصہ یہ ہے کہ آخر وہ کونسی خرابی ہے جو اس سے دور نہیں ہوتی! جس گھر میں کلامِ پاک نہیں پڑھا جائے گا تو پھر وہاں جادو، آسیب اور نظریں اپنا رنگ دکھائیں گی، اس کے نتیجے میں گھر میں بے چینی، بے قراری، پریشانی، نااتفاقی اور مصیبتیں ہی مصیبتیں ہوں گی، اور روزی میں برکت نہیں ہوگی۔

گھر کی حفاظت کا نایاب نسخہ

آیت الکرسی قرآن کریم کی سب سے بڑی آیت ہے، اس کے بارے میں ایک حدیث شریف میں ہے کہ جس رات آیت الکرسی گھر میں پڑھ دی جائے، اس رات اس گھر کے اندر نہ کوئی ڈاکو آسکتا ہے، نہ کوئی جادو کر سکتا ہے اور نہ کوئی شیطان گھر کے اندر داخل ہو سکتا ہے اور اس کے پڑھنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس گھر کی بھی حفاظت کرتے ہیں۔ اب دیکھئے! اگر ہم آیت الکرسی پڑھ کر سوئیں گے تو ہمیں یہ حفاظت اور برکت حاصل ہوگی! اور خدانخواستہ ٹی وی دیکھتے ہوئے سوئیں گے اور شیاطین کو اپنے گھر میں جمع کریں گے تو پھر جادو بھی ہوگا،

آسیب بھی ہوگا، لڑائی جھگڑا بھی ہوگا، نا اتفاقی بھی ہوگی اور بے برکتی بھی ہوگی۔

شیطان کے تصرف کا اصلی سبب

آپ کو شیطان کا عجیب واقعہ سناتا ہوں، حدیث شریف میں یہ واقعہ آیا ہے کہ جب کوئی آدمی عشاء کے بعد اپنے گھر جاتا ہے تو اس کے ساتھ شیطان بھی جاتا ہے، اب اگر وہ گھر میں داخل ہوتے وقت بسم اللہ پڑھ لیتا ہے تو شیطان باہر کھڑا رہ جاتا ہے، پھر اندر جا کر وہ کھانے پر بھی بسم اللہ پڑھ لیتا ہے تو پھر شیطان وہاں سے بالکل مایوس ہو جاتا ہے، اور مایوس ہو کر دوسرے شیطانوں سے کہتا ہے کہ میں اس گھر میں اس لئے آیا تھا کہ مجھے یہاں رات گزارنے کی جگہ بھی مل جائے گی اور کھانا بھی مل جائے گا، لیکن افسوس نہ مجھے اس گھر میں کھانے کا موقع ملا نہ گھر میں رات گزارنے کا موقع ملا، اب کہیں اور دیکھتا ہوں کہ شاید کوئی اور ایسی جگہ مل جائے۔

اس کے برعکس جو آدمی گھر کے اندر رات کو داخل ہوتے ہوئے (اللہ بچائے) اللہ کا نام نہیں لیتا یا گھر میں داخل ہونے کی جو دعا ہے وہ نہیں پڑھتا تو کھانے میں بھی شیطان شریک ہو جاتا ہے اور کھانے سے فارغ ہو کر وہ دوسرے شیطانوں سے کہتا ہے کہ بھئی! اب میری فکر نہ کرنا، مجھے تو رات گزارنے کے لئے بھی گھر مل گیا، اور کھانا کھانے کے لئے بھی موقع مل گیا، تم اپنی فکر کرو، تمہیں کوئی گھر ملتا ہے یا نہیں ملتا، مجھے تو ڈیرہ مل گیا ہے، اب میں رات یہیں آرام سے گزاروں گا۔

آپ نے دیکھا کہ اللہ کا نام نہ لینے سے شیطان گھر میں بھی آیا، دوسرے کھانے میں بھی شریک ہوا، اور شیطان کا آنا باعثِ نحوست اور باعثِ لعنت ہے۔ وہ جس گھر میں ہوگا وہاں بے برکتی ہوگی، لڑائی جھگڑے ہی ہوں گے، اور طرح طرح کے گناہوں کا ارتکاب ہوگا، اس طرح وہاں سوائے بگاڑ کے اور کچھ نہ ہوگا۔

ایک موٹے اور ایک کمزور شیطان کا واقعہ

آپ کو اس واقعہ سے بھی ایک عجیب واقعہ سناتا ہوں جو حدیث شریف میں آیا ہے کہ ''ایک مرتبہ دو شیطانوں کی آپس میں ملاقات ہوئی، ان میں ایک شیطان تو اتنا موٹا تازہ تھا کہ بالکل ہاتھی بنا ہوا، اور دوسرا اتنا دُبلا پتلا کہ سوکھ کر کانٹا تھا۔ اس موٹے شیطان نے پتلے شیطان سے پوچھا کہ کمبخت! تو اتنا کمزور اور مریل کیوں ہو رہا ہے؟ اس نے کہا کہ میری ڈیوٹی ایک ایسے مسلمان پر لگی ہوئی ہے کہ اس کی زبان پر ہر دم اللہ کا نام رہتا ہے، جب وہ کھانا کھاتا ہے تو اللہ کا نام لیتا ہے، جب پانی پیتا ہے تو اللہ کا نام لیتا ہے، جب چائے پیتا ہے تو اللہ کا نام لیتا ہے، بوتل پیتا ہے تو اللہ کا نام لیتا ہے، اور پھل کھاتا ہے تو اللہ کا نام لیتا ہے، اس طرح جب وہ سارے کھانے کی چیزوں پر اللہ کا نام لے لیتا ہے تو جس چیز کو وہ اللہ کا نام لے کر کھاتا ہے، اس چیز میں میرا کوئی حصہ نہیں رہتا، میں ان چیزوں کو ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا۔ نتیجہ یہ کہ میں دن رات بھوکا رہتا ہوں تو بھوکا مر مر کے ایسا نہیں ہوں گا تو کیسا ہوں گا! ظاہر ہے کہ جب کھاؤں گا نہیں تو مجھے کمزور تو ہونا ہی

ہے، اور کہیں جا نہیں سکتا، کیونکہ میری ڈیوٹی اس کے ساتھ ہے، نتیجہ یہ ہے کہ وہ اللہ کا نام لے لے کر مجھے کھانے سے محروم کرتا رہتا ہے۔ اس کے بعد اس موٹے شیطان نے اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے کہا کہ میری ڈیوٹی تو ایک ایسے بندے کے ساتھ ہے جو اللہ کا نام ہی نہیں جانتا! وہ بغیر اللہ کا نام لئے کھانا کھاتا ہے، بغیر اللہ کا نام لئے پانی پیتا ہے تو جب وہ کھانا کھاتا ہے تو میں بھی اس کے ساتھ ڈٹ کے کھانا کھاتا ہوں اور مجھے خوب کھانے کو مل رہا ہے، اس لئے میں کھا کر خوب موٹا ہو رہا ہوں۔''

قرآن کریم کی تلاوت کا پہلا طریقہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس واقعہ کے سنانے کا مقصد یہ ہے کہ ہم اس واقعہ سے عبرت لیں! ہر کام سے پہلے اللہ کا نام لینے کی عادت ڈالیں اور اسی طرح روزانہ صبح سویرے اپنے گھر میں اللہ کا کلام پڑھنے کی عادت ڈالیں، جو حافظِ قرآن ہیں وہ بھی صبح تلاوت کا معمول بنائیں اور جو ناظرہ خواں ہیں وہ بھی صبح و شام اللہ کا کلام پڑھنے کی عادت ڈالیں۔ تلاوت کے دو تین طریقے ہیں، ایک تو یہ کہ روزانہ الم سے پڑھنا شروع کریں اور ایک پارہ یا آدھا پارہ یا کم از کم ایک پاؤ روزانہ پڑھیں۔ اس طرح پڑھتے پڑھتے کبھی نہ کبھی قرآن شریف ختم ہونا چاہئے۔ اگر ایک پارہ روزانہ پڑھیں گے تو ایک مہینہ میں ختم ہوگا، آدھا پڑھیں گے تو دو مہینہ میں ختم ہوگا، ایک پاؤ پڑھیں گے تو چار مہینے میں ختم ہو جائے گا۔

ختمِ قرآن کا صحیح طریقہ

جب قرآن شریف ختم ہونے لگے تو دو کام کریں ایک تو یہ کہ جیسے ہی اس

مجلس میں قرآن شریف ختم ہو فوراً ہی اسی مجلس میں الـــــم سے دوبارہ شروع کردیں۔ حدیث شریف میں اسی طرح قرآن شریف کے ختم کرنے کی تلقین آئی ہے اور یہ ہی سنت طریقہ ہے۔

اس طریقہ میں ایک راز کی بات یہ ہے کہ قرآن شریف ختم کرنے کی چیز نہیں، خود اپنی ذات کو قرآن شریف کی تلاوت میں اور اس پر عمل کرنے میں ختم کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمارے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے قرآن شریف ختم کرنے کی چیز نہیں، قرآن شریف ایسی چیز ہے جس میں اپنے آپ کو ختم کیا جائے۔ اس لئے قرآن شریف کبھی بھی ختم نہیں ہوتا۔ ادھر والناس پر ختم ہوتا ہے تو اُدھر الم سے دوبارہ شروع ہو جاتا ہے اور اسی طرح تراویح میں بھی ہوتا ہے۔

دُعا کرنے کا نادر موقع

دوسرا کام یہ ہے کہ قرآن شریف کے ختم پر دعا کرنی چاہئے، اس لئے کہ قرآن شریف کے ختم پر دعا قبول ہوتی ہے اور یہ دعا کی قبولیت کا خاص وقت ہے۔ اسی لئے ہمارے مدارس میں یہ اہتمام ہے کہ جب بچوں کا قرآن شریف ختم ہوتا ہے تو آخر میں ختم پر سب مل کر دعائیں کرتے ہیں۔ یہ طریقہ سلف صالحین سے ثابت ہے۔ حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی طریقہ یہی تھا کہ وہ جب قرآن شریف ختم کرتے تھے تو اپنے گھر والوں کو جمع کر کے دعا فرماتے تھے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی یہی معمول تھا کہ مسجد نبوی میں ایک صاحب روزانہ قرآن شریف کی تلاوت کیا کرتے تھے تو حضرت ابن عباس

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک آدمی کی ذمہ داری لگا رکھی تھی کہ تم دیکھتے رہا کرو کہ اس کا قرآن شریف کب ختم ہوتا ہے؟ جب ختم ہونے لگے مجھے اطلاع دے دینا تاکہ میں اس کے ختم میں شریک ہو جاؤں، جب وہ ختم کرتا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شریک ہوتے اور پھر ختم پر دعا فرماتے تھے۔ ہم لوگ کہتے ہیں کہ ہماری دعا قبول نہیں ہوتی، کوئی وظیفہ بتا دو، اور کوئی تسبیح بتا دو، تو سلفِ صالحین کا یہ طریقہ ہمارے پاس موجود ہے کہ جب قرآن شریف ختم ہو سب مل کر دعا کر لیا کریں، اور اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت کی بھلائیاں مانگا کریں۔ اس طرح ان شاء اللہ ہماری دعائیں قبول ہوں گی۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ جس مجلس میں قرآن شریف ختم ہوتا ہے تو اگر رات کو ختم ہوا تو صبح تک اور صبح ختم ہوا تو شام تک ستر ہزار فرشتے وہاں پر رحمت اور مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔ اندازہ کرو! اس لئے ختم کا موقع بڑا اہم اور قیمتی ہے، تو ایک طریقہ تو یہ ہو گیا کہ روزانہ کچھ نہ کچھ قرآن شریف ترتیب سے پڑھا کریں۔

قرآن کریم کی تلاوت کا دوسرا طریقہ

قرآن کریم کی تلاوت کا دوسرا طریقہ یہ کہ کچھ سورتیں جو مشہور و معروف ہیں وہ ہمارے معمول میں دائماً رہنی چاہئیں۔ مثلاً یٰسٓ شریف جو بہت سے مسلمان مرد و عورت پڑھتے ہیں، لیکن اکثر مسلمان نہیں پڑھتے، حالاں کہ یہ سورت ایسی ہے کہ یہ روزانہ ہر مسلمان مرد و عورت کو صبح و شام پڑھنی چاہئے۔ اگر دو وقت نہ

پڑھے تو کم از کم ایک وقت ضرور پڑھ لے، اس لئے کہ اس کے اتنے فضائل ہیں کہ صرف اگر وہ فضائل ہی بیان کئے جائیں تو اس کے لئے گھنٹوں چاہئیں۔

یٰسٓ شریف پڑھنے کے فائدے

اس کی ایک مشہور و معروف فضیلت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

> ''ہر چیز کا ایک دل ہے، اور قرآنِ کریم کا دل سورہ یٰسٓ ہے، اور جو شخص ایک مرتبہ یٰسٓ شریف پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کو اس کے پڑھنے کے بدلے دس مرتبہ قرآن کریم پڑھنے کا ثواب عطا فرمائیں گے۔''
>
> (ترمذی)

اب دیکھو! دس قرآن شریف ہم میں سے کون پڑھ سکتا ہے؟ کوئی بھی ہم میں سے ایک دن میں نہیں پڑھ سکتا، دس دن میں بھی نہیں پڑھ سکتا، لیکن یٰسٓ شریف ہم میں سے ہر آدمی روزانہ پڑھ سکتا ہے۔ یہ کتنا بڑا فائدہ ہے۔

یٰسٓ شریف کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ یٰسٓ شریف پڑھنے سے اللہ تعالیٰ یٰسٓ شریف پڑھنے والے کے اہم کام اپنے ذمہ لے لیتے ہیں (درمنثور)۔ اور اس کے وہ اہم کام اللہ تعالیٰ کے فضل سے پورے ہوں گے۔ اب ہر آدمی سوچتا ہے کہ میرا یہ اہم کام ہو جائے۔ میرا وہ اہم کام ہو جائے، اور یہ ضروری کام کسی طریقہ سے ہو جائے۔ ہر آدمی کے روزانہ ذہن میں کچھ نہ کچھ کام ہوتے

ہیں۔ اور آدمی اپنی سی کوشش بھی کرتا ہے، لیکن اکثر ناکام ہوتا ہے، تو بھئی! ناکامی کے بجائے کامیابی کا راستہ موجود ہے، اسے کیوں نہیں اختیار کرتے! آپ یٰسٓ شریف پڑھنے کا معمول بنائیں، جب اس کا دائمی معمول بن جائے گا تو یٰسٓ شریف پڑھنے کی برکت ظاہر ہوگی۔ اور آپ کو خود محسوس ہوگا کہ آپ کے مشکل کام آسانی سے ہونے لگیں گے! ان شاء اللہ تعالیٰ اور واضح نظر آئے گا کہ ہماری منجانب اللہ مدد ہو رہی ہے۔

احادیث میں یہ بھی آتا ہے کہ اگر کھانا کم پڑ رہا ہو، اور اس پر یٰسٓ شریف پڑھ دی جائے تو کھانا پورا ہو جائے، پانی کم پڑ رہا ہو تو اس میں دم کر دو تو پورا ہو جائے، بیمار کے پاس پڑھ دو تو جناب! بیمار صحت یاب ہو جائے، کسی مرنے والے کے پاس پڑھ دو تو اس کی روح آسانی سے نکل جائے، کوئی بھٹکا ہوا آدمی پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے اس کو راستہ عطا فرما دیں، اور کوئی غیر شادی شدہ مرد و عورت اس کو پڑھنے لگے تو اللہ تعالیٰ اس کی شادی کا انتظام فرما دیں (شعب الایمان للبیھقی)۔ یہ سب یٰسٓ شریف کی برکتیں ہیں۔

سورۃ المُلك پڑھنے کا فائدہ

سورۃ المُلك اُنتیسویں پارہ کی پہلی سورۃ ہے۔ الحمد للہ بعض مسلمان مرد و عورت کا سونے سے پہلے اس سورۃ کو پڑھنے کا معمول ہے۔ لیکن اکثر مسلمان مرد و عورت اس کو نہیں پڑھتے۔ قبر کا عذاب برحق ہے، اللہ تعالیٰ اس سورۃ کو معمول بنا کر پڑھنے کی برکت سے آدمی کو قبر کے عذاب سے بچا لیتے ہیں۔ اب مرنا تو سب

ہی کو ہے، جب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی یہ خاصیت بتائی ہے کہ یہ مُنجیه ہے یعنی قبر کے عذاب سے نجات دینے والی ہے (ترمذی)

غرض! جس طرح گناہوں کو چھوڑنا چاہئے اور ان سے بچنے کا اہتمام کرنا چاہئے، کیونکہ گناہوں سے بچنا بھی قبر کے عذاب سے بچانے والا عمل ہے۔ اسی طرح سورۃ الـمُـلك بھی روزانہ پڑھنی چاہئے۔ چاہے اُسے مغرب کے بعد پڑھ لیں یا عشاء کے فوراً بعد پڑھ لیں، ورنہ سونے سے پہلے پڑھ لیں۔

سورۂ الاخلاص پڑھنے کے فائدے

قرآن کریم کی ایک چھوٹی سورۃ سورۂ اخلاص ہے، یہ سورۃ الفاظ کے اعتبار سے تو چھوٹی ہے لیکن اپنے مضمون کے اعتبار سے بہت عالی ہے۔ اس لئے اس کی فضیلت بہت بڑی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ:

> ''جو آدمی دس مرتبہ قُـل هـو الله پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں ایک محل بنا دیتے ہیں۔ اور جو بیس مرتبہ پڑھتا ہے تو اُس کے لئے اللہ تعالیٰ دو محل جنت میں بناتے ہیں، اور جو آدمی تیس مرتبہ پڑھتا ہے اُس کے لئے تین محل جنت میں بناتے ہیں، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سُن کر عرض کیا کہ:
>
> اِذً الَـنُـكَثِرَنَّ قُصُوْرَنَا (تب تو ہم جنت میں بہت سے محل بنا لیں گے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللّٰـه

اوسع من ذٰلک (اللہ کے خزانے اس سے بھی زیادہ وسیع ہیں)۔ (مشکوٰۃ:ص۱۹۰)

اب بتاؤ! جنت کے اندر محل کس کو نہیں چاہئے! دنیا کی ایک کوٹھی اور بنگلہ بنانے کے لئے کتنے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں، اور کیسی مصیبتیں جھیلنی پڑتی ہیں، اور اس کے بعد پھر بھی کسی کو رہنا نصیب ہوتا ہے، اور کسی کو نہیں ہوتا! لیکن دس مرتبہ قُل ھو اللہ پڑھ کر جنت میں محل بنوالینا سب کے لئے آسان ہے۔ اور مرکر تو سب ہی کو جانا ہے، اور جو ہمارے باپ دادا جاچکے ہیں وہ تو بے چارے محتاج ہی ہیں۔ لہٰذا ان کو بھی دس دس مرتبہ قُل ھو اللہ پڑھ کر بخشیں تاکہ ان کے بھی جنت میں محل بنیں اور ہمارے لئے بھی جنت میں محل تیار ہوتے رہیں۔ اب دس مرتبہ قُل ھو اللہ پڑھنا کوئی مشکل کام نہیں ہے، اگر ہر نماز کے بعد بھی ہم اس کو دس مرتبہ پڑھیں گے تو روزانہ ہمارے پانچ محل تیار ہوسکتے ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ: ''تین مرتبہ قل ھو اللہ پڑھنے سے ایک قرآن شریف کا ثواب ملتا ہے۔'' تو بارہ مرتبہ پڑھیں گے تو چار قرآن شریف کا ثواب مل جائے گا۔ اور فجر کی نماز کے بعد اگر کوئی بارہ مرتبہ قل ھو اللہ پڑھ کر اپنے والدین کو بخش دے تو ایسا ہے کہ جیسے اس نے چار قرآن شریف کا ثواب بخش دیا، تو یہ قُل ھو اللہ ہے، تو چھوٹی سی سورت مگر فضیلت اس کی بہت بڑی ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ:

''جو آدمی ہر نماز کے بعد دس مرتبہ قل ھو اللہ پڑھنے کا معمول بنالے گا اس کو قیامت کے دن کہا جائے گا کہ جنت کے جس

دروازے سے چاہے اندر چلا جا۔" (مسند ابی یعلی)

اندازہ کرو! یہ سورت ایسی ہے کہ مسلمانوں کے بچہ بچہ کو یاد ہوتی ہے، لیکن نماز میں پڑھنے کا تو ہمارا معمول ہے کہ عام مسلمان سورۃ الکوثر ، قُل ھو اللہ، سورۃ القریش، سورۃ الکافرون، سورۃ الفلق اور سورۃ الناس نماز میں پڑھتے ہیں، لیکن نماز کے علاوہ پڑھنے کا عام معمول نہیں ہے۔ اور ان سورتوں کا نماز کے باہر بھی معمول بنانے کی ضرورت ہے کہ ہم کم از کم ہر نماز کے بعد دس مرتبہ سورۃ اخلاص پڑھ لیا کریں۔ آخر میں ایک قصہ یاد آرہا ہے وہ میں آپ کو سنا کر بیان ختم کرتا ہوں۔

تلاوتِ قرآن کریم کا ایک عجیب واقعہ

ایک مرتبہ ایک شخص رات کو اپنے معمولات پورا کر کے سویا جیسے کہ مسنون اعمال ہوتے ہیں کہ آیۃ الکرسی پڑھ لی، چار قُل پڑھ لئے، تسبیح فاطمہ پڑھ لی اور سورۃ الملک پڑھ لی، تو وہ صاحب کہتے ہیں کہ میں نے ایک خواب دیکھا کہ ایک شاہ صاحب آئے اور انہوں نے آکر مجھے جگایا اور مجھ سے کہا ارے! ایسی مبارک رات میں بھی تو سو رہا ہے، یہ سونے کی رات نہیں ہے، یہ جاگنے کی رات ہے۔ وہ صاحب مجھے جگا کر چلے گئے۔ میں نے جاتے ہوئے ان کو دیکھا، ایسا معلوم ہوا جیسے کہ کوئی شاہ صاحب ہوں، خیر میں اُٹھ کر چاروں طرف دیکھنے لگا تو مجھے مکان بھی نیا معلوم ہوا، اس کے بعد پھر میں اپنے گھر سے باہر آیا تو محلّہ بھی بالکل نیا محسوس ہوا، میں حیران ہو رہا تھا کہ میں نئی جگہ اور نئی دنیا دیکھ رہا ہوں۔ یا

اللہ! میں یہاں کیسے آیا اور یہ کون سی جگہ ہے اور کیا ہے؟ میں جان پہچان کے لئے گلی سے باہر نکل کر ایک باغ میں پہنچ گیا، وہ باغ اتنا خوب صورت تھا کہ زندگی میں آج تک کبھی میں نے اتنا خوبصورت باغ نہیں دیکھا، میں باغ کے اندر چلا گیا جہاں دیکھتا ہوں کہ ہر طرف سبزہ ہی سبزہ ہے۔ ایک طرف پھل دار درخت لگے ہوئے ہیں اور پھلوں سے شاخیں جھکی ہوئی ہیں تو دوسری طرف پھول دار پودے ہی پودے ہیں، اور اس میں بڑے ہی خوشبودار اور خوشنما پھول لگے ہوئے ہیں، اور اس باغ کے بیچوں بیچ ایک مسہری ہے، جو انتہائی خوبصورت ہے اور وہ پھل اور پھولوں سے لدی ہوئی ہے، اور اس کے دونوں جانب دو عورتیں کھڑی ہوئی ہیں، ان کے ہاتھ میں پنکھا ہے اور وہ کسی کے آنے کا انتظار کر رہی ہیں۔ پھر میں نے دیکھا کہ اس باغ کے پیچھے ایک بہت ہی حسین وجمیل سفید سنگِ مرمر کا محل ہے، اور اس کے اندر بھی نوکر چاکر آرہے ہیں جا رہے ہیں، اور کسی کے استقبال کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ یہ سارا منظر دیکھ کر میں حیران ہوا کہ یا اللہ! میں کس دنیا میں آگیا ہوں؟ یہ کیا ہے اور یہ کون لوگ ہیں؟ یہ کس کا محل ہے؟ یہ عورتیں کون ہیں؟ اور ایسا خوبصورت باغ آخر کس کا ہے۔

صبح وشام تلاوت کرنے کی برکت

میں اسی سوچ میں گم تھا کہ جو شاہ صاحب مجھے اُٹھانے آئے تھے وہ پھر مجھے وہیں نظر آگئے، میں دوڑ کر اُن کے پاس گیا، میں نے کہا شاہ صاحب! آپ نے مجھے اچھا جگایا اور جگا کر چلے گئے۔ آپ نے کچھ نہیں بتایا کہ میں اب کہاں

ہوں؟ شاہ صاحب نے کہا کہ تمہیں کچھ بھی نہیں معلوم۔ میں نے کہا کہ اجی مجھے کیا معلوم؟ کیا میں یہاں کا رہنے والا ہوں؟ بتاؤ تو سہی یہ کیا ماجرا ہے؟ انہوں نے کہا کہ اصل بات یہ ہے کہ جو باغ تم کو نظر آرہا ہے، یہ ایک مسلمان کی قبر ہے اور جو محل سامنے نظر آرہا ہے یہ اس کا جنت میں محل ہے، پھر میں نے کہا کہ وہ بندہ کہاں ہے؟ جس کا یہ باغ اور محل ہے، کہا کہ وہ دنیا میں ہے، اس کا انتقال ہونے والا ہے اور اس کا آخری وقت ہے، انتقال کے بعد وہ اس باغ میں آئے گا اور قیامت تک یہاں آرام کرے گا، اور پھر قیامت کے بعد سامنے والے محل میں جا کر آباد ہو جائے گا۔ جب شاہ صاحب نے مجھے یہ کہا تو میں دل میں سوچنے لگا کہ وہ کوئی نہ کوئی غوث، قطب اور ابدال ہوگا جس کو یہ اونچا مرتبہ اللہ پاک نے عطا فرمایا ہے۔ اتنے میں شاہ صاحب نے خود ہی کہا کہ تم سوچ رہے ہو گے کہ یہ کسی اللہ والے کی قبر ہے! میں نے کہا کہ میں تو یہی سوچ رہا ہوں کہ یہ کسی اللہ والے کی قبر ہے انہوں نے فرمایا نہیں، یہ ایک عام مسلمان کی قبر ہے، میں نے کہا کہ عام مسلمان کی ایسی عالی شان قبر کیسے ہو سکتی ہے! ضرور اس کا کوئی بڑا عمل ہوگا، انہوں نے کہا کہ عمل تو اس کا بہت اونچا ہے لیکن وہ ہے عام مسلمان، میں نے پوچھا اس کا ایسا کیا عمل ہے؟ انہوں نے کہا کہ بس وہ روزانہ صبح شام پابندی سے قرآن شریف کی تلاوت کرتا ہے، قرآن شریف کی تلاوت کرنے کی برکت سے اللہ پاک نے اس کی قبر کو باغ و بہار بنایا ہے اور کلامِ پاک ہی کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ محل عطا فرمایا ہے، وہ روزانہ قرآن شریف کی تلاوت کرنے کا عادی

ہے اور ساری عمر اس نے اس عمل میں گزاری ہے۔ وہ صاحب کہتے ہیں کہ جب میری آنکھ کھلی تو سارا واقعہ میرے دل پر نقش تھا اور میں نے بھی عہد کر لیا کہ ان شاء اللہ آج کے بعد روزانہ صبح و شام کلامِ پاک کی تلاوت کروں گا تا کہ اللہ پاک مجھے بھی یہ فضیلت عطا فرما دیں!۔

تلاوتِ قرآن کے اہتمام کی ضرورت

روزانہ قرآن شریف کی تلاوت کرنے کی فضیلت سے جب ایک عام مسلمان کو یہ مقام اور مرتبہ حاصل ہوا ہے! تو بھئی جو حافظ اور قاری ہوگا اور جو اللہ کے واسطے دن رات قرآن شریف کی تلاوت کرے گا اس کا کتنا اونچا مرتبہ ہوگا! اس لئے ہم سب کو چاہئے کہ دونوں طریقے سے قرآن شریف کی تلاوت کا معمول بنائیں۔ الم سے شروع کریں اور والناس تک پہنچیں۔ اور صبح و شام کی جو خاص خاص سورتیں ہیں ان کو بھی پڑھنے کا معمول بنائیں۔ اس طرح قرآن شریف کو ہم اپنی زندگی کا جز اور اپنا دائمی معمول بنائیں۔ قرآن شریف کی تلاوت کو صرف رمضان تک محدود نہ رکھیں، سال کے بارہ مہینے ہمارے گھروں میں قرآنِ کریم کی تلاوت ہونی چاہئے۔

اللہ تعالیٰ توفیقِ عمل عطا فرمائے۔

❀❀❀ وآخر دعوانا ان الحمدللّٰہ رب العالمین ❀❀❀

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

ترجمہ

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور (حضرت) محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

راستہ کے حقوق

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی دامت برکاتہم العالیہ
نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ضبط و ترتیب

مولانا محمد قاسم امیر صاحب ملتانی
متخصص جامعہ دارالعلوم کراچی
استاذ جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی کراچی

مکتبۃ الاسلام کراچی

راستے کے حقوق

آپ ﷺ نے راستے کے آٹھ حقوق بیان فرمائے:

۱۔ غَضُّ الْبَصَرِ راستے کا ایک حق ہے کہ نظر نیچی رکھنا۔

۲۔ کَفُّ الْاَذٰی دوسرا حق ہے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا۔

۳۔ وَرَدُّ السَّلَامِ تیسرا حق ہے گزرنے والوں کے سلام کا جواب دینا۔

۴۔ وَالْاَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ چوتھا حق ہے کہ اچھی بات کا حکم کرنا۔

۵۔ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ پانچواں حق یہ ہے کہ بُری بات سے روکنا۔

(مشکوٰۃ المصابیح : ص ۳۹۸)

مزید حقوق دوسری احادیث میں بیان کیے گئے ہیں کہ:

۶۔ وَاِرْشَادُ السَّبِيْلِ چھٹا حق یہ ہے کہ جو شخص راستہ یا جگہ بھول گیا ہو اس کی رہنمائی کرنا۔

۷۔ وَتُغِيْثُوا الْمَلْهُوْفَ ساتواں حق یہ ہے کہ کوئی شخص مظلوم ہو، حیران اور پریشان ہو اور مدد کا خواہاں ہو، اس کی مدد کرنا۔

۸۔ وَاَعَانَ عَلَى الْحُمُوْلَةِ آٹھواں حق یہ ہے کہ جو شخص اپنے سر پر وزن لادے ہوئے ہو، اپنے سر پر وزن رکھنا چاہتا ہو یا وزن اتارنا چاہتا ہو، اُس کی مدد کرنا۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُه، وَنَسْتَعِيْنُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْراً كَثِيْراً.

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ٥

(البقرۃ: ۲۰۸)

ترجمہ

''اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ اور (فاسد خیالات میں پڑ کر) شیطان کے قدم بقدم مت چلو، واقعی وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔'' (بیان القرآن)

میرے قابلِ احترام بزرگوں!

ایمان کی نعمت

اللہ جل شانہ نے ہم پر بہت بڑا انعام اور بہت ہی بڑا فضل فرمایا کہ اس نے ہمیں ایمان کی نعمت سے سرفراز کیا۔ دنیا اور آخرت میں اس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہو سکتی، کیونکہ آخرت کی جتنی نعمتیں ہیں اور آخرت کی تکلیفوں سے بچنے کے جتنے طریقے ہیں وہ سب ایمان لانے کی بدولت ہیں۔

دین صرف چند عبادتوں کا نام نہیں

اللہ پاک نے دینِ اسلام کی صورت میں ایسی نعمت ہمیں عطا فرمائی ہے جو صرف چند عبادتوں کا نام نہیں، اور اس کے احکامات زندگی کے چند اُمور سے متعلق نہیں، بلکہ یہ ہماری ساری زندگی پر حاوی ہے، اس میں پیدائش سے لے کر موت تک کے احکام ہیں۔ جب انسان پیدا ہوتا ہے تو پیدا ہونے پر بھی احکام ہیں، جوں جوں بچہ بڑا ہوتا ہے اس کے بھی احکام ہیں، پھر جن جن مراحل سے انسان گزرتا ہے اُس کے ہر ہر مرحلہ سے متعلق احکام اور ہدایات موجود ہیں،

یہاں تک کہ وہ بڑا ہو کر نکاح کرتا ہے، کاروبار، تجارت، ملازمت یا زراعت کرتا ہے، سفر کرتا ہے یا بیمار ہوتا ہے ان سب کے احکامات شریعت کے اندر موجود ہیں۔ تو ہر شعبۂ زندگی کے بارے میں دینِ اسلام میں کافی اور وافی تعلیمات موجود ہیں، اس کا ایسا ہمہ گیر اور جامع ہونا بھی بہت بڑی نعمت ہے۔ دنیا میں اسلام کے سوا کوئی مذہب ایسا نہیں جو اس قدر مکمل، جامع اور تمام شعبہ جاتِ زندگی پر حاوی ہو، اگر انسان کسی بھی شعبۂ زندگی میں قدم رکھے اور کوئی ہدایت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نہ ہوتو آدمی حیران رہ جائے کہ میں کیا کروں؟ ایک بے کلی کی کیفیت میں مبتلا ہو جائے اور بے سکونی کا شکار ہو جائے، لیکن اللہ تعالیٰ کا ہم پر یہ انعام ہے کہ اس نے ہمیں ایمان بھی دیا، دینِ اسلام بھی دیا اور جامع بھی دیا اور اتنا جامع دیا کہ کسی بھی شعبۂ زندگی کے متعلق ہر شخص اس سے ہدایات حاصل کر سکتا ہے اور ان پر عمل کر کے اپنی زندگی کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق گزار سکتا ہے۔

راستے کے احکام بھی دینِ اسلام کا حصہ ہیں

چنانچہ ہمارے دین میں راستوں کے متعلق بھی احکامات موجود ہیں، جن راستوں سے ہم آتے جاتے ہیں اور جن راستوں سے ہم رات و دن گزرتے ہیں، چاہے وہ گلی کوچوں کے راستے ہوں یا بازار کے راستے ہوں اور چاہے شہر کے اندر کے راستے ہوں یا شہر سے باہر کے راستے ہوں، بہر حال! جو بھی راستے آنے جانے کے لئے بنائے گئے ہیں، ان سب راستوں کے لئے بھی ہمارے دین میں جامع ہدایات ہیں اور ان پر عمل کرنا بھی سراسر دین ہے، اگر ہم ان پر عمل کریں تو ہم آنے جانے میں انتہائی آسانی محسوس کریں۔

ہمارے راستے خراب کیوں ہیں؟

علماء نے لکھا ہے کہ آنے جانے اور راستے کے بارے میں جو تعلیمات اور ہدایات ہیں اگر مسلمان ان پر عمل کریں تو دنیا میں سب سے زیادہ ان کے راستے صاف وشفاف ہوں۔ آج ان ہدایات پر عمل کرنے کی وجہ سے غیر مسلموں کے راستے صاف وشفاف ہیں اور جن ممالک میں غیر مسلموں کے راستے صاف و شفاف ہیں، انہی ممالک میں مسلمانوں کے راستے ان احکامات پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے سب سے زیادہ گندے اور خراب ہیں۔ جہاں ہم لوگ رہتے ہیں، یہ مسلم ملک ہے یہاں ہم دین پر عمل نہیں کرتے اس لئے ہمارے گلی کوچے اور بازاروں کے راستے سب گندے اور خراب ہونے کے ساتھ ساتھ تکلیف دہ اور اذیت ناک ہیں۔ ان راستوں سے گزرنا باعثِ تکلیف ہے اور وہ تکلیف ہماری اپنی کوتاہیوں کی وجہ سے ہے تو آج اس سلسلہ میں کچھ باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔

راستے کے درمیان بیٹھنے کا مسئلہ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم راستے میں بیٹھنے سے پرہیز کرو، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! راستوں میں بیٹھنے سے بچنا تو ہمارے لئے مشکل ہے، کیونکہ جب ہم راستوں سے گزرتے ہیں تو ہماری ایک دوسرے سے ملاقات ہوتی ہے اور ملاقات ہونے کی وجہ سے ہمیں ضروری باتیں اور مشورہ کرنا ہوتا ہے، کچھ باتیں کہنی ہوتی ہیں اور کچھ باتیں بتانی

ہوتی ہیں، اور اس قسم کی باتیں ہم وہاں کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر نہ کریں تو ہمارے لئے یہ مشکل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اچھا اگر تمہیں راستے میں مجبوراً بیٹھنا پڑتا ہے تو پھر تم راستے کا حق ادا کرو، یعنی راستے میں بیٹھنے یا کھڑے ہونے کا جو حق ہے وہ ادا کرو، تو کچھ صحابۂ کرام ﷡ نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! راستوں کا کیا حق ہے؟ تا کہ ہم راستوں کے حقوق ادا کرتے ہوئے راستے میں بیٹھیں یا کھڑے ہو کر بات کریں، تو ہماری باتیں بھی ہو جائیں اور ساتھ ساتھ جو حق ہے وہ بھی ادا ہو جائے۔

راستے کے حقوق

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے راستے کے حقوق بیان کرتے ہوئے فرمایا:

۱۔ غَضُّ الْبَصَرِ راستے کا ایک حق ہے کہ نظر نیچی رکھنا۔

۲۔ کَفُّ الْاَذیٰ دوسرا حق ہے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا۔

۳۔ وَرَدُّ السَّلَامِ تیسرا حق ہے گزرنے والوں کے سلام کا جواب دینا۔

۴۔ وَالْاَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ چوتھا حق ہے کہ اچھی بات کا حکم کرنا۔

۵۔ وَالنَّهْیُ عَنِ الْمُنْكَرِ پانچواں حق یہ ہے کہ بُری بات سے روکنا۔

(مشکوۃ المصابیح : ص۳۹۸)

مزید حقوق دوسری احادیث میں بیان کئے گئے ہیں کہ:

۶۔ وَاِرْشَادُ السَّبِيْلِ چھٹا حق یہ ہے کہ جو شخص راستہ یا جگہ بھول

گیا ہو اس کی رہنمائی کرنا۔

۷۔ وَتُغِيْثُوا الْمَلْهُوْفَ ساتواں حق یہ ہے کہ کوئی شخص مظلوم ہو، حیران اور پریشان ہو اور مدد کا خواہاں ہو، اس کی مدد کرنا۔

۸۔ وَأَعَانَ عَلَى الْحُمُوْلَةِ آٹھواں حق یہ ہے کہ جو شخص اپنے سر پر وزن لادے ہوئے ہو، اپنے سر پر وزن رکھنا چاہتا ہو یا وزن اتارنا چاہتا ہو، اُس کی مدد کرنا۔

(مشكوة المصابيح)

راستے کا پہلا حق

یہ راہ کے آٹھ حقوق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے۔ سب سے پہلے آپ ﷺ نے فرمایا کہ جہاں تک ہو سکے راستوں میں بیٹھنے اور کھڑے ہونے سے پرہیز کرو، کیونکہ راستوں میں بیٹھنے اور کھڑے ہونے سے آنے جانے اور گزرنے والوں کو اذیت اور تکلیف ہو سکتی ہے۔ راستے اس لئے نہیں ہیں کہ وہاں پر بیٹھا جائے اور ان کو بیٹھک بنایا جائے، بلکہ وہ تو گذرگاہ ہیں نہ کہ بیٹھنے اور مذاکرہ کرنے کی جگہ۔

لیکن ساتھ ہی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی مجبوری دیکھی تو آپ ﷺ نے ان حقوق کے ادا کرنے کے ساتھ بقدرِ ضرورت راستے میں بیٹھنے کی گنجائش دے دی کہ اگر راستے میں بیٹھنے کی ضرورت ہو تو ایک طرف کو ہٹ کر بیٹھ جائیں، کھڑے ہونے سے کام چلے تو ایک طرف کھڑے ہو کر بقدرِ ضرورت بات کر سکتے ہیں، لیکن ان باتوں کا خیال رکھیں۔

راستے میں اپنی نظر کی حفاظت کرنا

پہلی بات اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمائی کہ جو شخص راستے سے گزرے یا راستے میں کھڑا ہو یا راستے میں کہیں بیٹھے تو اپنی نظر کو نیچی رکھے، اس لئے کہ راستہ سے نامحرم عورتیں بھی گزریں گی اور دوسرے ایسے مناظر بھی وہاں نظروں کے سامنے سے گزریں گے کہ جن کی طرف دیکھنا منع ہے، بلکہ ہر وہ چیز جس کی طرف دیکھنے سے شریعت نے منع فرمایا ہے ان سب سے اپنی نظر بچا کر رکھیں۔

قرآنِ حکیم میں نظروں کی حفاظت کا حکم

قرآن شریف میں اللہ پاک نے مَردوں کو یہ حکم دیا ہے کہ:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ○ (النور: ۳۰)

ترجمہ

”آپ مسلمان مَردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ اُن کے لئے زیادہ صفائی کی بات ہے، بے شک اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں۔“

اور تین احکام اللہ پاک نے عورتوں کو دیئے ہیں، چنانچہ ارشاد فرمایا:

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ

وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ . (النور: ۳۱)

ترجمہ

''اور (اسی طرح) مسلمان عورتوں سے (بھی) کہہ دیجئے کہ (وہ بھی) اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت (کے مواقع) کو ظاہر نہ کریں۔''

قرآنِ کریم کی ان دو آیتوں میں اللہ جلِ شانہٗ نے مَردوں کو الگ حکم دیا ہے اور عورتوں کو الگ۔ دونوں کو الگ الگ حکم دینے کی وجہ یہ ہے کہ ذہن کے اندر اس کی اہمیت بیٹھے ورنہ عام طور پر قرآن وحدیث کے اندر جتنے احکام ہیں وہ مَردوں کو براہِ راست دیئے گئے ہیں اور ان کے تابع ہوکر خواتین کو دیئے گئے ہیں۔ یہ حکم اللہ پاک نے بطورِ خاص مَردوں اور عورتوں کو الگ الگ خطاب کر کے دیا ہے، اور اس میں اس حکم کی اہمیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اور یہ حکم ایسا ہے کہ جس پر اگر عمل کرلیا جائے تو پھر ان شاء اللہ تعالیٰ بے شمار گناہوں سے حفاظت ہو جائے۔

خواتین کے لئے گھر سے باہر نکلنے کی شرط

عورتوں کو اصل حکم یہ ہے کہ وہ گھر کے اندر رہیں، بلاضرورت گھر سے باہر نہ نکلیں۔ چنانچہ اللہ پاک نے ازواجِ مطہرات کو مخاطب فرما کر یہ حکم ارشاد فرمایا جو ازواجِ مطہرات کے واسطے سے تمام مسلمان عورتوں کے لئے بھی ہے، ارشاد فرمایا:

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ.(الاحزاب : ۳۲-۳۳)

ترجمہ

''اے نبی کی بیویو! تم معمولی عورتوں کی طرح نہیں ہو، اگر تم تقویٰ اختیار کرو تو تم (نامحرم مرد سے) بولنے میں (جبکہ کسی ضرورت کے تحت بولنا پڑے) نزاکت مت کرو کہ اس سے ایسے شخص کے دل میں خیال (فاسد پیدا) ہونے لگتا ہے جس کے دل میں خرابی (اور برائی) ہے اور قاعدہ (عفت) کے مطابق بات کہو، اور تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیم زمانۂ جہالت کے دستور کے موافق مت پھرو، اور تم نماز کی پابندی رکھو، اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانو۔''

غرض! اس آیت سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو اصل حکم یہ ہے کہ وہ گھروں میں رہیں، بلا ضرورت گھر سے باہر نہ نکلیں، البتہ اگر کوئی خاتون کسی مجبوری کے تحت گھر سے نکلے تو اس کو حکم یہ ہے کہ وہ سر سے پیر تک اپنے آپ کو اچھی طرح برقعہ یا کسی بڑی چادر سے چھپا کر نکلے تا کہ ان کی بے پردگی کی وجہ سے نہ وہ خود گنہگار رہو، اور نہ کسی دوسرے کے گناہ کا ذریعہ بنے، اور اس کی وجہ سے دوسرے

حضرات گناہ میں مبتلا نہ ہوں، اور یہ حکم بھی اللہ پاک نے سورۂ احزاب میں دیا ہے۔

چنانچہ ارشاد ہے:

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا (الاحزاب: ۵۹)

ترجمہ

"اے پیغمبر! اپنی بیویوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور دوسرے مسلمانوں کی عورتوں سے بھی کہہ دیجئے کہ نیچے لٹکا لیں اپنے اوپر تھوڑی سی چادریں، اس سے جلدی پہچان ہو جایا کرے گی تو انہیں کوئی تکلیف نہ دی جائے گی اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔"

اب غور کیجئے کہ آج اس حکم پر عمل کرنے والی خواتین کہاں ہیں! الا ماشاء اللہ، ہزاروں لاکھوں میں کوئی ایک خاتون ہوگی جو اللہ کے اس حکم پر عمل کرنے والی ہو کہ جب وہ گھر سے نکلے تو واقعۃً سر سے پیر تک اپنے آپ کو شرعی پردہ کے اندر مستور کر کے نکلے۔

بدنظری کی ایک بڑی وجہ

اکثر مسلمان خواتین جب گھر سے باہر نکلتی ہیں تو خوب آراستہ ہو کر

بے پردہ اور بے حجابانہ طریقے سے نکلتی ہیں، جس کی وجہ سے وہ خود بھی گنہگار ہوتی ہیں کیونکہ ان پر نامحرم مردوں سے پردہ فرض ہے اور اس فرض کو چھوڑنا ایسے ہی ہے جیسے نماز کو چھوڑنا، روزہ کو چھوڑنا، حج اور زکوٰۃ کو چھوڑنا۔ نماز اور روزہ چھوڑے تو آدمی صرف خود ہی گنہگار ہوتا ہے اور پردہ چھوڑنے کی وجہ سے وہ خود بھی گنہگار ہوتی ہیں اور نہ جانے کتنے لوگ ان کی وجہ سے گنہگار ہوتے ہیں۔ ان کو دیکھ کر جتنے بھی لوگ بدنگاہی کریں گے اس کا ذریعہ وہ عورت بنے گی۔

گناہ کا ذریعہ بننا گناہ ہے

کسی گناہ کا ذریعہ بننا بھی گناہ کرنے کے برابر گناہ ہے۔

چنانچہ ایک حدیث میں ہے:

وَمَنْ سَنَّ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُنْقَصَ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْئٌ. (مشكوة المصابيح: ص ۳۳)

ترجمہ

''اور جس نے کوئی براطریقہ جاری کیا تو اس کو اس کا گناہ ہوگا اور جتنے آدمی جب تک اس برے طریقے پر عمل کرتے رہیں گے ان کا گناہ بھی اس کو ہوتا رہے گا بغیر اس کے عمل کرنے والوں کے گناہوں میں کوئی کمی آئے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ گناہ کا ذریعہ بننا بھی گناہ ہے۔ اب موجودہ

صورتحال میں ذرا غور کیجیے کہ بے پردگی اور بے حجابی میں عورت کس قدر سنگین دوہرے گناہ کا ارتکاب کررہی ہے۔عورت گھر سے بے پردہ نکلنے کی وجہ سے خود بھی گنہگار ہوتی ہے اور ساتھ میں کتنے مردوں کو اس نے بدنگاہی کے گناہ میں مبتلا کیا اور ان سب بدنظری کرنے والوں کے برابر اس ایک بے پردہ عورت کو گناہ ہوتا ہے۔اس لیے یہ اور بھی زیادہ اہم فرض ہے کہ گھر سے نکلتے وقت مسلمان خواتین شرعی پردے کا اہتمام کریں۔اگر مسلمان خواتین شرعی پردے کا اہتمام کریں تو کتنے مسلمان بدنظری کے گناہ سے بچ جائیں۔

بدنظری کی چند صورتیں

اگر کوئی عورت پردہ کر کے نہ نکلے تو ایسی عورت کا بے پردہ اور بے حجابانہ گھر سے نکلنا بذاتِ خود تو گناہ ہے ہی لیکن دوسری طرف مردوں کو یہ حکم ہے کہ چونکہ راستوں سے خواتین بھی گزریں گی، اس لیے ان کو چاہئے کہ اپنی نظروں کی حفاظت کریں اور اپنی نظروں کو نیچی رکھیں تاکہ ان کی نظر کسی نامناسب اور کسی گناہ کی جگہ پر نہ پڑنے پائے اور راستے میں نامحرم عورتوں سے اپنی نظر کو بچانے کا حکم ہے ہی، لیکن اگر کوئی ایسی چیز ہے جس پر نظر ڈالنا شرعی اعتبار سے مناسب نہیں ہے یا اس پر نظر ڈالنا دوسرے کی تکلیف کا باعث ہے یا اس میں کوئی گناہ ہے اس سے بھی اپنی نظر بچانے کا حکم ہے، اس سے اپنی نظر کو بچا کر نظر نیچی کر کے رکھیں۔ مثلاً کسی آدمی کا ستر کھل رہا ہے، اب اگر کسی کا ستر اس کی کوتاہی سے کھل رہا ہے تو اس کو اپنا ستر چھپانا چاہئے لیکن اگر اس کو دھیان اور توجہ نہیں ہے تو ہمیں

یہ حکم ہے کہ ہم اپنی نظر نیچی کر لیں۔ اگر اس کی بے خیالی اور بے دھیانی سے یا غلطی سے ستر کھل گیا ہے تو ہمارے لئے اس کی گنجائش اور اجازت نہیں ہے کہ ہم اس کا ستر دیکھیں۔

چوری کے گناہ کی اصل وجہ

ایسے ہی کوئی اپنے پیسے اور قیمتی چیز نکال رہا ہے یا کسی کو دے رہا ہے اور ہمیں اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ اس کو چھپانا چاہ رہا ہے تا کہ اسے کوئی نہ دیکھے تو ہمیں اس کی طرف نہیں دیکھنا چاہئے، یہ نہیں کہ ہم گھور گھور کر اس کی چیزوں کو دیکھنا شروع کر دیں کہ وہ کسی کو ڈالر دے رہا ہے یا ریال دے رہا ہے یا پاکستانی کرنسی دے رہا ہے یا افغانی نوٹ دے رہا ہے۔ شاید ہمیں بھی مل جائے، اس طرح نہیں کرنا چاہئے، چاہے افغانی سکہ ہو، پاکستانی ہو، انڈین ہو یا ڈالر ہو اور چاہے پلاٹینیم ہو یا سونا ہو، یہ اس کی مستور قیمتی چیزیں ہیں، وہ نہیں چاہتا کہ میری چیز کوئی دوسرا دیکھے، جب وہ چھپانا چاہ رہا ہے تو ہمیں بھی یہ حکم ہے کہ اپنی نظر ہٹا لیں۔

اسی طریقے سے جب آدمی دوسروں کے روپے پیسے اور قیمتی چیزیں دیکھتا ہے تو پہلے سے انسان کے اندر حرص موجود ہے تو وہ جیسے ہی ان کو دیکھے گا تو نفس و شیطان دل میں یہ خیال ڈالیں گے کہ کاش! یہ روپے پیسے اور قیمتی چیزیں میرے پاس بھی ہوں اور پھر اگر اس نے اپنی نظر کو نہ ہٹایا تو وہ خیال بڑھتے بڑھتے بالآخر اس کو چوری کے گناہ پر آمادہ کر سکتا ہے، چھیننے اور ڈاکہ ڈالنے پر آمادہ کر سکتا ہے، اگر پہلے ہی مرحلے پر اپنی نظر نیچی کر لی تو نظر نیچی کرتے ہی وہ

آنکھوں کے گناہوں سے بچ گیا اور جو خیال ذہن میں آئے تو اس کو ذہن سے ہٹادے، غرض! جتنی نامناسب جگہیں ہیں جہاں نظر کو استعمال کرنا شرعاً اور عرفاً ممنوع ہے، وہاں سے آدمی اپنی نظر بچائے، یہ راستے کا پہلا حق ہے کہ ہم راستے میں اور روڈ پر ایسی چیزوں کی طرف اپنے قصد و اختیار سے نظر نہ لے جائیں، اگر نظر اچانک چلی جائے تو فوراً ہٹالیں۔ جو شخص بھی راستہ میں کھڑا ہو یا بیٹھے تو اپنی نظر کی حفاظت کر کے بیٹھے اور یہ اہتمام کرے کہ میری نظر غلط جگہ استعمال نہ ہونے پائے۔ اگر اپنی نظر کی حفاظت کر سکتا ہے تب تو اس کو بیٹھنے کی اجازت ہے اور جو اپنی نظر کی حفاظت نہیں کر سکتا اسے راستہ میں بیٹھنے کا حق نہیں ہے۔

اور ایسے ہی اگر ہم اپنی نظریں نامحرم عورتوں اور ان کی تصویروں اور دوسرے ناجائز مناظر سے نیچی کرنے کی عادت ڈال لیں تو واللہ! ہماری آدھی زندگی گناہوں سے بچ جائے۔

گناہوں کی کثرت کی ایک بڑی وجہ

جتنے بھی گناہ انسان سے ہوتے ہیں وہ عام طور پر یا تو شہوت کی وجہ سے ہوتے ہیں یا شہوت کے علاوہ کسی دوسری وجہ سے ہوتے ہیں تو آدھے گناہ انسان کی شہوت کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ شہوت کے گناہ دیکھنے اور سننے سے شروع ہوتے ہیں۔ جب کوئی انسان نامحرم عورت پر نظر ڈالتا ہے تو دیکھنے کے ذریعے انسان کے گناہ کا آغاز ہوتا ہے یا جب کسی نامحرم عورت کی آواز سنتا ہے تو آواز سننے کی وجہ سے گناہ کا آغاز ہوتا ہے۔ بدنظری کرنا گناہ کی طرف پہلا قدم اٹھانا

ہے۔اگرآدمی یہیں اپنی نظر کو نیچی کر لے اور اپنی نظر کو بچالے تو پھر آگے قدم نہیں بڑھتا،اس کے بعد جتنے بھی گناہ ہیں ان سے آدمی محفوظ ہو جاتا ہے اور اگر خدانخواستہ آدمی یا عورت اس پہلے قدم پر ہی احتیاط نہ کرے اور بے احتیاتی کرگزرے تو اس سے ایک گناہ سرزد ہوتا ہے، پھر دوسرا گناہ، پھر تیسرا گناہ، پھر چوتھا گناہ، پھر پانچواں گناہ،غرض گناہوں کا لامحدود اور لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور پھر شیطان آہستہ آہستہ اصل گناہ کے اندر بھی مبتلا کرسکتا ہے اس لیے شریعت نے جہاں اصل بدکاری اور زنا کاری سے بچنے کا حکم دیا ہے وہاں اس تک پہنچانے کے جتنے بھی راستے ہیں ان سے بھی بچنے کا حکم دیا ہے۔اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰی اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّ سَاءَ سَبِيْلًا

(الاسراء : ۳۲)

ترجمہ

''اور زنا کے قریب بھی مت پھٹکو بلاشبہ وہ بڑی بے حیائی کی بات ہے اور برا راستہ ہے۔''

زنا کے قریب نہ جانے کا مطلب یہ ہے کہ ان تمام ذرائع اور اسباب کو بھی یکسر چھوڑ دو جو رفتہ رفتہ انسان کو اس سنگین گناہ تک لے جاتے ہیں۔

آنکھ اور کان کے گناہوں کے ذرائع

جیسے نامحرم مردوں کا نامحرم عورتوں کو دیکھنا گناہ ہے ایسے ہی نامحرم

عورتوں کا شہوت سے نامحرم مردوں کو دیکھنا بھی گناہ ہے۔اب اگر ہم اپنے ماحول پر نظر ڈالیں تو دیکھئے نامحرم عورتوں کو دیکھنے کے لئے اوران کی آواز سننے کے لئے کتنے آلات زیرِ استعمال ہیں۔اس کے علاوہ ہمارے معاشرے میں مردوں اور عورتوں کی تصاوے کا کتنا بڑا سیلاب ہے۔ اخبارات اور رسائل نامحرم مردوعورت کی تصاویر سے بھرے ہوئے ہیں،سرِ راہ دائیں بائیں خواتین کی نیم عریاں، ہوشربا، ایمان سوز تصاویر پر مشتمل بڑے بڑے۔ سائن بورڈ ہوتے ہیں، نہ چاہتے ہوئے بھی جن پر نظر پڑ جاتی ہے،اورروزمرّہ کی اشیاء کی تھیلی اورڈبّوں پر ان کی تصویریں چھپی ہوتی ہیں۔کھانے پینے کی، پہننے اوراستعمال کرنے کی کتنی اشیاء ہیں جن پر کہیں مردوں کی اور کہیں عورتوں کی تصویریں چھپی ہوئی ہیں،ان کا بنانا اوران کا چھاپنا یہ خودایک مستقل گناہ ہے،اس کے بعد پھراپنے قصدو اختیار سے ان کو دیکھنا الگ گناہ ہے اورتصویروں کو دیکھنے کے لئے ہی بنایااور چھاپا جاتا ہے،انہیں دیکھ کر ہی چیز کو پسند کیا جاتا ہے اوران کو لاکر اپنے گھر میں رکھا جاتا ہے۔اشیاء سے ہٹ کرآلات کی طرف آجائیں تو دیکھ لیجیے کہ ریڈیو سے لے کر انٹرنیٹ تک کتنے آلات ہیں،ٹی وی،وی سی آر، سی ڈی،ڈی وی ڈی پلیئر،ڈش انٹینااورکیبل وغیرہ یہ ساری چیزیں ایجاد ہوچکی ہیں۔سب میں دو گناہ ہوتے ہیں،آنکھ کا گناہ اورکان کا گناہ۔

موبائل کے ذریعہ گناہ

کان کے ذریعے نامحرم عورتوں کی آوازیں سننا، گانے سننا،

ڈراموں کے اندران کی باتیں سننا سراسر گناہ ہے، مگر یہاں عورتیں مرد کی آواز سن رہی ہیں، مرد عورتوں کی آوازیں سن رہے ہیں۔ ساتھ ساتھ نظر کا بھرپور استعمال ہورہا ہے۔ ایک دوسرے کو دیکھ کر پسند کیا جارہا ہے اور اس سے لذت لی جارہی ہے۔ دیکھئے! اس طرح سے آنکھ اور کان کے گناہوں کا کتنا بے شمار اور نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔

دیکھئے! یہاں میں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ اب موبائل سے ایک روپے میں ایک منٹ تک کسی خاتون سے بات کی جاسکتی ہے۔ اب کچھ دن کے بعد اس کے اندر تصویر بھی آجائے گی، جب دوسری چیزوں میں تصویریں آگئیں تو موبائل میں بھی تصویر آنے میں کیا دیر ہے۔ جب اس میں آواز آرہی ہے تو کچھ دنوں کے بعد تصویر بھی آجائے گی تو کان کا گناہ پہلے آیا تھا، دیکھنے کا گناہ بھی عنقریب آجائے گا۔ اللہ بچائے! دو ہی گناہ زیادہ ہوتے ہیں، نظر کا گناہ ہورہا ہے یعنی نامحرم کو دیکھنا اور کان کا گناہ ہورہا ہے یعنی نامحرم کی آواز سننا، بس ان ہی دو گناہوں سے آدمی بڑھتے بڑھتے نہ جانے کتنے سنگین سے سنگین تر گناہوں کے اندر مبتلا ہوجاتا ہے۔

اصلاح میں تاخیر کی وجہ

اگر ہمارا قرآن کریم اور حدیث شریف کے اس حکم پر عمل ہوجائے جسے راستے کا حق بتایا گیا ہے تو آج ہی آدھی سے زیادہ ہماری زندگی پاکیزہ ہوجائے اور تقویٰ سے آراستہ ہوجائے اور ایک بہت بڑی حد تک ہماری اصلاح مکمل

ہو جائے جس کے مکمل ہونے میں ہماری غفلت کی وجہ سے برسہا برس گزر گئے لیکن ہم ابھی تک پہلی ہی منزل پر کھڑے ہوئے ہیں۔ وہ اس لیے کہ سب سے پہلے ہماری نظر پاک اور پاک دل ہونا چاہئے اور ہماری نظر نامناسب جگہوں پر استعمال نہیں ہونی چاہئے۔ اس گناہ سے بچنے کی ہماری عادت بن جانی چاہئے لیکن ابھی تک اس میں ہمیں کامیابی نہیں ہوئی۔ الا ماشاللہ اس میں ہماری اپنی ہی کوتاہی کا دخل ہے۔

راستے کا دوسرا حق

آگے اس حدیث میں دوسرا حق آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

وَكَفُّ الْأَذىٰ

ترجمہ

''تکلیف دہ چیز سے بچنا۔''

راستے کا دوسرا حق یہ ہے کہ جو شخص بھی راستہ میں کھڑا ہو یا بیٹھے تو اس کو چاہئے کہ اس بات کا خیال رکھے کہ اس کی طرف سے کسی گزرنے والے کو ادنیٰ تکلیف نہ ہو۔

ایذاءرسانی کی مختلف صورتیں

ایذاء کے معنیٰ تکلیف دینے کے ہیں، اس سے مراد وہ چیز ہے جس سے تکلیف ہو سکتی ہے یا اس سے راستہ بند ہوتا ہے مثلاً اس طرح کھڑا ہونا جس سے

آنے جانے والوں کو تکلیف ہو یا اس طرح بیٹھنا جس سے آنے جانے والوں کو تکلیف ہو یا آنے جانے کے راستے میں لکڑی ڈال دینا، یا جلتے ٹائر پھینک دینا، یا بلا مقصد رکاوٹیں کھڑی کر دینا، یا چھلکے پھینک دینا، یا کچرا ڈال دینا، یا بچا ہوا کھانا پھینک دینا۔ اللہ بچائے! پان کی پیک پھینک دینا یا کوئی گندگی، نجاست اور غلاظت راستے میں پھینک دینا یہ سب ایذاء رسانی کی صورتیں ہیں۔ اسی ایذاء میں یہ بھی داخل ہے کہ فٹ پاتھ پر یا روڈ پر اپنا مال بیچنے کے لیے کپڑا بچھا کر اس طریقے سے بیٹھ جانا کہ آنے جانے والوں کو تکلیف ہو۔ یا ایسی جگہ ریڑھی کھڑی کر دینا کہ اس کی وجہ سے گزرنے والوں کو تکلیف ہو۔

تجاوزات کرنا ایذاء رسانی ہے

ایذاء رسانی میں یہ بھی داخل ہے کہ اپنی دکان کو اندر سے باہر نکال کر اتنی دور تک راستے میں پھیلا دینا کہ آنے جانے والوں کا راستہ رُک جائے یا لوگوں کو تکلیف ہو۔ اب ہمارے بازاروں میں جا کر دیکھو کہ اللہ بچائے! آدھی دکان اندر اور آدھی دکان باہر فٹ پاتھ پر ہوگی۔ فٹ پاتھ تو گویا دکان دار کا حق ہے حالانکہ سب جانتے ہیں کہ فٹ پاتھ دکان کا حصہ نہیں ہے۔ وہ دکان پر خریداروں کے لیے بنائی گئی ہے تاکہ آنے جانے والے اس فٹ پاتھ پر گزریں اور سودا لے کر آرام سے آجا سکیں لیکن فٹ پاتھ تو دکان بنی ہوئی ہے! بعض لوگ تو اس پر تعمیر بھی کر لیتے ہیں اور شٹر تک لگا لیتے ہیں اور مارکیٹوں کے اندر جگہ جگہ یہ نظر آتا ہے کہ دکان اندر بھی بھری ہوئی ہے اور باہر تک کپڑے

پھیلے ہوئے ہیں، برتن لگے ہوئے ہیں، سامان لگا ہوا ہے اور اس کی وجہ سے بڑی اچھی خاصی کشادہ مارکیٹیں بھی تنگ پڑ جاتی ہیں۔ وہاں گزرنے اور آنے جانے والوں کو قدم قدم پر تنگی کا سامنا رہتا ہے، یہ تنگی ان دکانداروں نے خود اپنی طرف سے اختیار کی ہے۔ یا جن کی دکان نہیں ہے وہ فٹ پاتھ پر یا ریڑھی لگا کر مال بیچتے ہیں، ان کی طرف سے راستے تنگ پڑ جاتے ہیں جبکہ حکومت کی طرف سے اس کی ممانعت ہوتی ہے، اس کے باوجود ہمارا حال یہ ہے کہ بازار میں جب داخل ہوتے ہیں تو مشکل سے جانا اور مشکل سے نکلنا ہوتا ہے۔ بازاروں میں جگہ جگہ اس طرح کی رکاوٹیں ہیں کہ آدمی بازار میں نہ تو سہولت سے آسکتا ہے اور نہ جاسکتا ہے۔ اس ایک حکم پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے سارے مسلمان تکلیف اور عذاب میں مبتلا ہیں، اگر اس ایک حکم پر عمل ہو اور راستے کا یہ حق ہم پہچان لیں اور اس پر عمل کرلیں تو ہماری مارکیٹیں بہت کشادہ ہوجائیں، اور وہاں آنے جانے میں تکلیف نہ ہو۔ دین صرف نماز روزہ کا نام نہیں ہے کہ ہم نے تلاوت کرلی یا تسبیحات پڑھ لیں اور گڑ گڑا کر دعائیں مانگ لیں اور اللہ اللہ کرلیا اور ہم یہ سمجھیں کہ یہی سارا دین ہے اور اس کے بعد ہم جو چاہیں کریں یہ بالکل غلط بات ہے۔ دین ایک جامع نظامِ حیات کا نام ہے اس کے اندر ہر شعبۂ زندگی سے متعلق ہدایات ہیں، چنانچہ راستے سے گزرنے والوں کے لئے بھی اور راستے پر ٹھہرنے اور کھڑے ہونے والوں کے لئے بھی اس کے اندر ہدایات موجود ہیں، اس پر عمل کریں گے تو یہ دنیا کی زندگی ہمارے لئے انشاء اللہ تعالیٰ راحت بخش ہوجائے گی۔

ایمان کا ادنیٰ شعبہ

راستے کو روکنا، اور بلاک کرنا، اپنی طرف سے اس میں رکاوٹیں پیدا کرنا یہ بہت بڑا گناہ اور ناجائز کام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو ایسا کرنے سے روکیں۔ کیونکہ یہ راستے کا حق ہے، ہم خود خیال رکھیں کہ ہماری طرف سے راستہ صاف رہے، ہماری طرف سے وہاں نہ لکڑی گرے، نہ چھلکا گرے، نہ گندگی گرے، نہ کوئی اور چیز گرے۔ ہم اس بات کا خیال رکھتے ہوئے بازار میں اور راستے میں کھڑے ہو سکتے ہیں، بیٹھ سکتے ہیں اور بات کر سکتے ہیں بلکہ اگر کسی اور نے یہ چیزیں وہاں ڈال دی ہوں تو ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم ان چیزوں کو وہاں سے ہٹائیں۔ چاہے ہم گزرنے والے ہوں یا کھڑے ہونے والے ہوں یا بیٹھنے والے ہوں، یہ بھی ایمان کا ہم سے ادنیٰ تقاضہ ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ شُعْبَةً فَأَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَأَدْنَاهَا اِمَاطَةُ الْأَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْاِیْمَان. (مشکوٰۃ المصابیح، ص ۱۲)

ترجمہ

''ایمان کے ستر سے اوپر شعبے ہیں، سب سے افضل کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ ہے اور سب سے ادنیٰ شعبہ راستے سے تکلیف دہ چیز کو دور کرنا ہے، اور ''حیا'' ایمان کا اہم شعبہ ہے۔''

نیز ایک روایت میں آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ

عنہ کو بہت سی پند و نصائح فرمائیں، ان میں سے ایک نصیحت یہ بھی فرمائی ہے کہ:

وَاِمَاطَتُکَ الْحَجَرَ وَالشَّوْکَ وَالْعَظْمَ عَنِ الطَّرِيْقِ لَکَ صَدَقَةٌ۔ (مشکوٰۃ المصابیح : ص ۱۶۹)

ترجمہ

''اور راستے سے پتھر، کانٹے اور ہڈی کو ہٹا کر (راستہ صاف کر دینا) تمہارے حق میں صدقہ ہوگا۔''

ایک مؤمن سے ایمان کا ادنیٰ تقاضہ یہ ہے کہ وہ جب بھی راستے سے گزرے، چاہے وہ گاڑی میں بیٹھا ہو یا اسکوٹر پر ہو یا سائیکل پر ہو یا پیدل چل رہا ہو اسے اس بات کا بھی خیال ہونا چاہئے کہ وہ راستے میں کوئی ایسی گری پڑی ہوئی چیز دیکھے جس سے گزرنے والوں کو تکلیف ہوسکتی ہو، تو وہ اسے ہٹا دے، اس پر بھی اس کو اجر و ثواب ملے گا۔ یہ بھی اس کی ایک نیکی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے لئے نجات کا ذریعہ بن سکتی ہے۔

راستے سے تکلیف دہ چیزیں ہٹانے کی فضیلت

چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ ایک صحابی جب راستے سے گزرتے تو ان کا یہ معمول تھا کہ راستے میں انہیں کوئی پتھر نظر آجاتا، کوئی لکڑی پڑی ہوئی نظر آتی، کانٹا نظر آتا تو وہ اس کو راستے سے ہٹا دیا کرتے تھے۔ کسی خادم نے ان سے پوچھا کہ حضرت! آپ اس کا بڑا اہتمام کرتے ہیں اور اس کا بہت خیال کرتے

ہیں۔اس عمل میں ایسی کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا کہ بھائی، مسلمانوں کے راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا یہ ایسی نیکی ہے کہ اگر یہی ایک نیکی قبول ہوگئی تو آدمی سیدھا جنت میں جائے گا۔

راستے سے کانٹے دار درخت کاٹنے کا انعام

یہ واقعہ احادیثِ طیبہ میں بکثرت آیا ہے کہ نبی اکرم جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ایک شخص کو دیکھتا ہوں جو جنت کے قالینوں پر لوٹنی کھارہا ہے یعنی جنت میں آسائش وراحت سے بھرپور پُرعیش زندگی گزار رہا ہے، جیسے بچے خوشی سے قلابازیاں کھاتے ہیں۔اس طریقے سے وہ جنت کے قالینوں پر قلابازیاں کھارہا ہے اور الٹ پلٹ ہو رہا ہے اور وہ کسی اور بڑے عمل کی وجہ سے اس مقام پر نہیں پہنچا بلکہ مسلمانوں کی آمدورفت کے راستے میں ایک کانٹے دار درخت تھا۔اس نے اس درخت کو جڑ سے کاٹ دیا تاکہ گزرنے والوں کو تکلیف نہ ہو۔اللہ تعالیٰ نے اسی عمل کی برکت سے اس کو جنت میں پہنچادیا۔ راستے سے تکلیف دہ چیزوں کو ہٹانا عبادت اور نیکی ہے۔اب دیکھئے! ہم راستے سے گزرتے ہیں اور کتنی چیزیں ہمیں لوگوں کے لئے تکلیف دہ نظر آتی ہیں لیکن ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ تو حکومت کا کام ہے وہ کرے گی، حکومت کا بھی کام ہے اس کو کرنا چاہئے لیکن ہم مسلمان ہیں، ہمیں بھی کرنا چاہئے، یہ ایمان کا ہم سے تقاضہ ہے کہ اگر ہم راستے میں کوئی چیز دیکھیں جس سے کسی کو نقصان یا کسی کو تکلیف ہوسکتی ہو تو جتنا ہمارے اختیار میں ہے اتنا کریں، اس کو راستے سے ایک طرف ڈال دیں اور راستہ صاف کردیں تاکہ آنے جانے والوں

کوئی تکلیف نہ ہو۔ بہر حال! راستے کا ایک حق یہ ہے کہ ہم آنے جانے والوں کو تکلیف سے بچائیں۔

باسلیقہ زندگی گزاریں

اگر کسی نے راستے میں چھلکا ڈال دیا یا پتھر پھینک دیا یا ہڈی ڈال دی یا کوئی اور چیز ڈال دی ہے تو ہمارے ایمان کا تقاضہ ہے کہ ہم اس گندگی اور تکلیف دہ چیز کو وہاں سے ہٹانے کی عادت بنائیں۔ خود بھی بچیں اور اگر کسی دوسرے سے ایسی غلطی ہوگئی ہو تو ہم اس کو ہٹائیں تاکہ دوسروں کو تکلیف نہ ہو۔ گھر میں بھی اس بات کا خیال رکھیں۔ گھروں کے اندر بھی آنے جانے کے راستے ہوتے ہیں، ان راستوں کا خیال رکھیں، جوتے چپل داخلی دروازے سے ایک طرف اتارنے کی عادت ڈالیں کیونکہ بعض دفعہ دروازوں کے بیچ میں اگر چپل زیادہ اترے ہوئے ہوں تو چھوٹے بچے اٹک اٹک کر گرتے رہتے ہیں، ایسے ہی بوڑھے بھی گر سکتے ہیں اور اندھیرے میں جوان بھی گر سکتا ہے۔ جوتے دروازہ سے ہٹ کر قاعدہ سے سلیقہ سے رکھنے چاہئیں یا ان کے رکھنے کی کوئی جگہ مخصوص ہونی چاہئے، وہاں اتار کر کمرہ میں جائیں، یہ نہیں کہ ایک جوتا یہاں پڑا ہو اور دوسرا وہاں پڑا ہو۔ یوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کسی بیل نے جوتے چپل اتارے ہیں۔ ایسا نہ کریں تہذیب اور شائستگی ہمارے دین کا اہم حصہ ہے۔ اسی طرح دوسری چیزیں رکھنے میں بھی خیال رکھیں کہ ایسی کوئی چیز نہ رکھ دیں کہ بے دھیانی میں کوئی شخص وہاں سے گزرے اور اٹک کر گر جائے۔ لہٰذا ہر چیز اس طریقے سے رکھیں کہ اندھیرے میں بھی کسی کو تکلیف نہ ہو، ہر شخص اس کی فکر رکھے۔ یہ ساری

باتیں فکر کی ہیں، مگر اس معاملے میں فکر مند لوگوں کی بھی بے فکری سامنے آتی ہے، فکر ہو تو پھر گھر اور کمروں کے اندر بھی اس پر عمل کرنا کچھ مشکل نہیں، گھر کے باہر بھی اس پر عمل کرنا کچھ مشکل نہیں، اور بے فکری کا کسی کے پاس کوئی علاج نہیں، بے فکری کا علاج تو فکر مندی ہی ہے۔

حضرت تھانویؒ کی خانقاہ کا اصول

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک معمول یاد آیا۔ حضرتؒ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں مسجد تو بہت چھوٹی سی تھی، البتہ صحن قدرے بڑا تھا۔ اس صحن کے تقریباً آدھے حصے میں پانی کا حوض تھا، لیکن مسجد کی ضرورت سے اس حوض کو بند کیا ہوا تھا۔ اس کے اوپر چھت پڑی ہوئی تھی، اس پر کبھی کبھی نماز بھی پڑھ لیتے تھے، لیکن تھوڑا حصہ اس کا کھلا ہوا تھا۔ گرمیوں کے اندر خانقاہ میں سونے والوں کے لئے کمروں میں تنگی ہو جاتی یا گرمی کی وجہ سے باہر سونا پڑتا تو چارپائیاں اس حوض کی چھت کے اوپر بچھا دی جاتیں تاکہ لوگ آرام کر سکیں۔ لیکن حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے یہ تاکید تھی کہ جیسے ہی فجر کی اذان ہو تو تمام چارپائیاں یہاں سے اٹھا دی جائیں حالانکہ فجر کی اذان اور نماز میں خاصا وقفہ ہوتا ہے لیکن حضرت کے ہاں اصول یہ تھا کہ اذان ہوتے ہی فوراً ان چارپائیوں کو یہاں سے اٹھا اٹھا کر اپنی جگہ پر رکھ دیا جائے۔

ایک صاحب کی ندانی کا واقعہ

ایک مرتبہ کوئی نئے صاحب وہاں خانقاہ میں پہنچے اور رات کو چارپائی پر

سوئے، جونہی سویرے اذان ہوئی، خادم نے ان کو اٹھایا کہ صاحب! اب یہاں سے چارپائی اٹھانے کا وقت آگیا ہے، آپ تشریف لے جائیں اور چارپائی خالی کردیں۔ ان صاحب کو بڑا ناگوار گزرا کہ اذان تو ابھی ہوئی ہے، نماز میں بہت دیر ہے، ذرا سی دیر بھی سونے نہیں دیتے۔ مگر وہاں حضرت کا جو اصول تھا اسی پر عمل ہوتا تھا خواہ کوئی اسے اچھا سمجھے یا برا سمجھے، خیر وہ صاحب بڑے خفا ہوئے کہ یہ بھی کوئی قانون ہے اور یہ بھی کوئی پابندی ہے کہ ایک منٹ اِدھر نہ اُدھر اور اذان ہوتے ہی چارپائی اٹھالی، اور مجھے آرام بھی نہ کرنے دیا۔ وہ اس پر بہت خفا اور ناراض ہوئے۔ اب وہ یہاں سے ناراض ہوکر چلے گئے۔ اس کے بعد کسی دوسرے مدرسے میں ان کا قیام ہوا تو وہاں چارپائی بچھی ہوئی تھی جو اندھیرے میں نظر نہ آئی تو ایسی ٹھوکر لگی کہ وہ چت گر گئے۔ جب وہاں ٹھوکر کھائی تو ان کی عقل ٹھکانے آئی کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں جو قانون ہے وہ بالکل سہی ہے۔ یہ تو شکر ہے کہ میری آنکھیں بچ گئیں صرف سر پھٹا ہے۔ لہٰذا اس طریقے سے راستوں کے اندر چارپائی بچھا کر سوئے رہنا تکلیف دہ طریقہ ہے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں تو آداب المعاشرت کی بڑی تاکید ہوتی تھی اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لوگوں کو تکلیف سے بچانے کا اہتمام فرماتے تھے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو معلوم تھا کہ اذان ہوتے ہی لوگ اپنی جگہوں سے اٹھیں گے اور مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے آئیں گے۔ چارپائیاں بچھی ہوئی ہونگی تو کسی کو بھی ٹھوکر لگ سکتی ہے، اس لئے اذان تک تو سونے کی اجازت تھی اور اذان ہوتے ہی چارپائیاں اٹھانے کا حکم تھا، غرض حقیقت یہ ہے کہ جتنے بھی

معاشرت کے سلسلے میں حضور ﷺ کے احکام ہیں، ان میں سے ہر حکم ایسا ہے کہ اس میں راحت ہی راحت ہے۔ بشرطیکہ اس پر عمل ہو اس لیے ہمیں چاہئے کہ گھر کے اندر آنے جانے کے راستے میں میز کرسی نہ رکھیں، وہاں کوئی استعمال کی چیز نہ رکھیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی کو خیال اور دھیان نہ رہے اور وہ گر جائے، روشنی میں بھی بعض مرتبہ دھیان کہیں اور ہوتا ہے، نظر کہیں اور ہوتی ہے، آدمی بے خوف وخطر چلتا ہے اور ٹھوکر کھا کر گر جاتا ہے لہٰذا گھر میں بھی اس بات کا خیال رکھیں اور بازار اور مارکیٹ میں بھی خیال رکھیں اور اسی طریقے سے راستوں پر بھی خیال رکھیں۔

کار پارکنگ میں ہماری کوتاہیاں

اور راستے میں تکلیف دہ امور میں یہ بات بھی داخل ہے کہ سائیکل، اسکوٹر یا گاڑی کے کھڑا کرنے میں اس کا خیال رکھیں کہ جہاں پر گاڑی کھڑی کرنا ممنوع ہو وہاں تو گاڑی کھڑی کرنی ہی نہیں چاہئے اور اگر جہاں کھڑی کرنے کی اجازت ہو تو وہاں پر بھی اس طرح گاڑی کھڑی کریں کہ دوسری گاڑی والوں کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ اگر ایک گاڑی آگے کھڑی ہے اور آپ نے اپنی گاڑی پیچھے کھڑی کردی یا اپنی گاڑی کو اتنا ٹیڑھا کھڑا کردیا کہ دوسرا اپنی گاڑی نکال ہی نہیں سکتا جب وہ واپس جانے کے لئے آیا تو بے چارہ یا تو پوری مارکیٹ میں ہمیں تلاش کرے یا بیٹھے بیٹھے ہارن بجاتا رہے یا حیران اور پریشان دائیں بائیں جھانکتا رہے۔ تینوں صورتوں میں ہم نے اسے تکلیف دی اور ہم یہ سمجھ رہے ہیں

کہ ہم نے اپنی گاڑی کھڑی کرلی، حالانکہ ہم نے گاڑی کھڑی نہیں کی بلکہ ہم نے اس کو تکلیف میں مبتلا کردیا اور کسی کو تکلیف میں اس طرح مبتلا کرنا جائز نہیں ہے۔ بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ ہم نے کسی کی دکان کے سامنے اس طرح گاڑی کھڑی کردی جس سے اس کی دکان بند ہوگئی۔ اب اس کی دکان پر گاہک نہیں آسکتا۔ گاہک آئے گا تو اسے بہت تکلیف ہوگی، ہم تو اپنی گاڑی کھڑی کرکے چلے گئے، وہ دکاندار بول نہ سکا یا وہ کسی کام میں مصروف تھا، بعد میں وہ پریشان ہوگیا، اس طرح گاڑی لوگوں کے آنے جانے کے راستہ میں کھڑی کرنے سے بھی پرہیز کریں۔

گاڑی چلانے کے آداب

اسی طرح اس کا بھی خیال رکھیں کہ جب ہم راستے میں پیدل چل رہے ہوں تب تو ہمیں اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ ہمارے چلنے سے دوسرے کو تکلیف نہ ہو بلکہ انسان تو انسان، جانور کو بھی ہمارے چلنے سے تکلیف نہیں ہونی چاہئے اور یہ بھی یاد رکھیں کہ ہمیں اپنی گاڑی اس طرح چلانی چاہئے کہ اس سے نہ کسی انسان کو کوئی تکلیف ہو اور نہ کسی جانور کو تکلیف ہو۔ اب کوئی انسان سڑک پار کررہا ہے تو ہمیں پہلے ہی سے اتنا ہوشیار ہونا چاہئے کہ پہلے ہی سے ہم اتنا بریک لگالیں جس سے وہ بآسانی گزر جائے۔ ایسا نہ ہو کہ بالکل قریب جاکر بریک لگائیں، جیسے بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے۔ ہم گاڑی چلارہے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ ہم پہلے نکل جائیں اور اس کو نہ نکلنے دیں جبکہ وہ بے چارہ چاہ رہا

ہے کہ میں پہلے نکل جاؤں۔ بس اب یہاں دونوں کی دوڑ ہے، اُدھر سے وہ جلدی جانا چاہ رہا ہے، ادھر سے ہم پہلے نکلنا چاہ رہے ہیں، جب قریب جائیں گے تو ظاہر ہے کہ پھر تو ہمیں گاڑی روکنی پڑے گی۔ اب گاڑی تو روک لی لیکن اس بے چارے کو بھی بے حال کر دیا اور ایسی زور سے بریک لگایا کہ وہ بے چارہ بال بال بچا اور ڈر کے مارے پریشان ہو گیا۔ تو بھئی! گاڑی روک کر ہم نے یہ کون سا نیک کام کیا۔ یہ تو ہم نے اسے تکلیف پہنچا دی، اس غلط طریقہ سے بھی ہمیں بچنا چاہئے۔

گاڑی چلانے کا صحیح طریقہ

حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ملفوظ یاد آیا۔ حضرت ڈاکٹر صاحب کے شیخ حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے جو جامعہ اشرفیہ لاہور کے بانی تھے اور کراچی میں پاپوش نگر کے قبرستان میں مدفون ہیں۔ حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان کے خلیفہ مجاز ہیں تو حضرت ڈاکٹر صاحب سناتے ہیں کہ حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خادم بٹ صاحب تھے جو غالباً لاہور میں ہی رہتے تھے۔ بٹ صاحب نے حضرت ڈاکٹر صاحب کو اپنا یہ واقعہ سنایا کہ ان کا روزانہ یہ معمول تھا کہ وہ حضرت مفتی حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی گاڑی میں بٹھا کر گھر سے مدرسہ لے جاتے تھے اور واپس گھر میں لایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت مفتی صاحب نے مجھ سے پوچھا

کہ تم کو گاڑی چلانی آتی ہے؟ وہ کہتے ہیں کہ جب حضرت نے یہ سوال کیا تو میں ڈر گیا کہ حضرت کو کیا جواب دوں؟ دل میں یہ بھی سوچنے لگا کہ حضرت کو روزانہ لاتا، لے جاتا ہوں اور حضرت کہہ رہے ہیں کہ تم کو گاڑی چلانی آتی ہے، گاڑی چلانی آتی ہے تب ہی تو حضرت کو لے جاتا ہوں۔ نہیں تو میں کیسے لے جاتا! وہ کہتے ہیں کہ حضرت کے سوال سے میں نے ڈرتے ڈرتے عرض کیا کہ حضرت کچھ کچھ چلانی آتی ہے، آپ فرمایئے گاڑی کس طرح چلاتے ہیں؟ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا کہ گاڑی اس طرح چلاتے ہیں کہ گاڑی چلانے کے دوران ہمارے گاڑی چلانے کی وجہ سے کسی انسان اور کسی جانور کو کوئی تکلیف نہ ہو، اس طریقہ سے ہم گاڑی چلائیں کہ بلی اور کتا اگر سامنے سے گزریں تو ان کو بھی کوئی پریشانی نہ ہو۔ عورتیں، بچے، بوڑھے اور جوان اگر سامنے سے گزر رہے ہیں تو ہمارا فرض ہے اور ایمان کا تقاضہ ہے کہ راستے میں سے اپنی گاڑی اس طرح لے جائیں کہ انہیں کوئی تکلیف نہ ہو۔ ورنہ ہمیں روڈ پر گاڑی چلانے کا حق نہیں! یہ ساری باتیں ہمارے دین وایمان کا حصہ ہیں، ان باتوں کا خیال کر کے روڈ پر چلنا، یہ راستے کا حق ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ راستے کا دوسرا حق یہ ہے کہ اپنے آپ کو اور دوسروں کو تکلیف دینے والی چیزوں سے بچاؤ۔ یعنی تمہاری طرف سے کوئی ایسی بات پیش نہ آئے کہ جس سے کسی گزرنے والے کو تکلیف ہو اور اس سے تم اپنے آپ کو روکو اور بچاؤ تو پھر تم اس

قابل ہو کہ راستے میں بیٹھو یا راستے میں کھڑے ہو ورنہ تمہیں راستے میں کھڑے ہونے اور اٹھنے بیٹھنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

سلام کا جواب دینا

اور راستہ کا تیسرا حق آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

وَرَدُّ السَّلَامِ

ترجمہ

''اور (آنے جانے والوں کے) سلام کا جواب دینا۔''

سلام کرنے میں اصل حکم تو یہ ہے کہ گاڑی میں بیٹھنے والا، پیدل چلنے والوں کو سلام کرے، پیدل چلنے والا کھڑے ہونے والے کو سلام کرے، بیٹھنے والا لیٹنے والے کو سلام کرے، چنانچہ حدیث شریف میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

يُسَلِّمُ الرَّاكِبُ عَلَى الْمَاشِيُ وَالْمَاشِيُ عَلَى الْقَاعِدِ وَالْقَلِيْلُ عَلَى الْكَثِيْرِ. (مشکوٰۃ :۳۹۷)

ترجمہ

''جو شخص سواری پر ہو وہ پیدل چلنے والے کو سلام کرے، پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام کرے، اور تھوڑے آدمی زیادہ تعداد والے آدمیوں کو سلام کریں۔'' (بخاری و مسلم)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

يُسَلِّمُ الصَّغِيْرُ عَلَى الْكَبِيْرِ وَالْمَارُّ عَلَى الْقَاعِدِ وَالْقَلِيْلُ عَلَى الْكَثِيْرِ.

ترجمہ

''چھوٹا بڑے کو، گزرنے والا بیٹھے ہوئے کو اور کم تعداد والے زیادہ تعداد والوں کو سلام کریں۔''

بہرحال! راستہ میں بیٹھنے کی بات ہو رہی ہے اس لئے آپ ﷺ یہ ارشاد فرما رہے ہیں کہ گزرنے والوں کے سلام کا جواب دو۔ کیونکہ جو گزرنے والے مسلمان ہیں اور ان کو یہ حکم ہے کہ وہ جہاں سے اور جس جگہ سے بھی گزریں اور وہاں مسلمان بیٹھے ہوں تو ان کو سلام کریں اور بیٹھنے والے کا کام یہ ہے کہ وہ جواب دیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بیٹھنے والا سلام ہی نہ کرے، سلام تو ہر مسلمان کو کرنا ہی ہے، لیکن ترتیب یہ ہے کہ گزرنے والے بیٹھنے والوں کو سلام کریں، بیٹھنے والے ان کے سلام کا جواب دیں، اور اگر گزرنے والوں نے اپنی بے دھیانی یا کوتاہی کی وجہ سے سلام نہیں کیا تو بیٹھنے والوں کو چاہئے کہ وہ سلام کر دیں۔ بہرحال! راستے کا ایک حق یہ ہے کہ جو راستہ میں کھڑا یا بیٹھا ہے وہ سلام کا جواب دے، یا خود سلام کرے، بلکہ ہر مسلمان کی یہ کوشش ہونی چاہئے کہ وہ دوسرے مسلمان کو سلام کرے، چاہے وہ بیٹھنے والا ہو۔ ایک دوسرے کو سلام کرنا بہت بڑی نعمت ہے، یہ سلامتی کی جامع ترین دُعا ہے اور اس کا بڑا ثواب ہے۔

سلام کرنے میں درجے

سلام کے مختلف درجات ہیں، چونکہ سلام ''دعائیہ کلمات'' پر مشتمل ہے اس لئے سلام کرنے والا جتنی زیادہ دعائیں دے گا اتنا ہی زیادہ اس کو اجر ملے گا، چنانچہ ایک حدیث شریف میں ہے کہ:

> ''ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ایک شخص آیا اور کہا: ''السلام علیکم'' آنحضرت ﷺ نے اس کے سلام کا جواب دیا، پھر وہ شخص بیٹھ گیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس شخص کے لئے دس نیکیاں لکھ دی گئی ہیں، اس کے بعد ایک اور شخص آیا اور اس نے کہا ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' آنحضرت ﷺ نے اس کے سلام کا بھی جواب دیا، جب وہ بیٹھ گیا تو فرمایا: اس کے لئے بیس نیکیاں لکھی گئی ہیں، اس کے بعد ایک اور شخص آیا اور کہا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، آنحضرت ﷺ نے اس کے سلام کا بھی جواب دیا اور جب وہ بیٹھ گیا تو ارشاد فرمایا: اس کے لئے تیس نیکیاں لکھی گئیں ہیں۔'' (ترمذی، ابوداؤد، بحوالہ مشکوٰۃ: ۳۹۸)

ایک روایت میں ہے کہ ایک اور صاحب گزرے اور انہوں نے کہا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ومغفرتہ، اس کا مطلب ہے کہ تم پر سلامتی ہو، رحمت ہو، برکت ہو اور مغفرت ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا اور فرمایا: ان کی چالیس نیکیاں ہوگئیں۔ جتنا گڑ اتنا ہی میٹھا۔ مغفرتہ تک بھی سلام کرنا اور جواب

دینا ثابت ہے۔ لیکن عام طور پر جو سلام ہے وہ برکاتہ تک ہے، اور افضل بھی یہی ہے۔ جب مسلمان ایک دوسرے کو سلام کریں تو السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہیں۔ جواب میں بھی وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہیں۔

سلام عام کرنے کی فضیلت

سلام کے فوائد وثمرات بہت ہیں، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَا تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰى تَحَابُّوْا أَوَ لَا أَدُلُّكُمْ عَلٰى شَيْءٍ إِذَا فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُمْ أَفْشُوْا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ. (مشکوۃ: ص۳۹۷)

ترجمہ

''تم جب تک ایمان نہ لاؤ جنت میں داخل نہ ہوسکو گے اور تمہارا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ تم (اللہ کی رضا وخوشنودی کے لئے) آپس میں تعلق ودوستی قائم نہ کرو۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید ارشاد فرمایا:

''کیا میں تمہیں ایک ایسا ذریعہ نہ بتاؤں جس کو اگر تم اختیار کرو تو تمہاری آپس میں دوستی کا تعلق قائم ہوجائے؟ اور وہ ذریعہ یہ ہے کہ تم آپس میں سلام کا چلن عام کرو۔''

ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے:

أَفْشُوْا السَّلَامَ عَلٰى مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ.

(مشکوٰۃ)

ترجمہ

"یعنی آشنا و نا آشنا سب کو سلام کرو۔"

نیز ایک روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مبارک ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ:

إِذَا لَقِيَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيُسَلِّمْ عَلَيْهِ فَإِنْ حَالَتْ بَيْنَهُمَا شَجَرَةٌ أَوْ جِدَارٌ أَوْ حَجَرٌ ثُمَّ لَقِيَهُ فَلْيُسَلِّمْ عَلَيْهِ.

(مشکوٰۃ: ۳۹۹)

ترجمہ

"تم میں سے کوئی شخص جب اپنے مسلمان بھائی سے ملاقات کرے تو اسے چاہئے کہ پہلے اس کو سلام کرے، اور اس کے بعد اگر دونوں کے درمیان کوئی درخت یا دیوار یا (بڑا) پتھر حائل ہو اور پھر (اس معمولی وقفہ کے بعد) اس سے ملاقات ہو تو اس کو دوبارہ سلام کرے۔" (ابوداؤد)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا معمول

ایک قصہ یاد آیا صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نیکیوں کے عاشق اور قدردان تھے، اللہ تعالیٰ ان ہی کا نقشِ قدم ہمیں بھی نصیب فرمائے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا واقعہ حضرت ابو طفیل رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ

حضرت عبداللہ بن عمرؓ ان کے پاس آتے اور کہتے کہ چلو بازار چلتے ہیں، اور پھر وہ بازار میں جاتے اور جو شخص بھی راستے میں ملتا تو اس کو سلام کرتے اور سلام کرتے کرتے بازار سے گزر کر واپس آجاتے۔ ایک دن وہ اسی طرح میرے پاس آئے اور کہا ابوفضل چلو بازار چلیں۔ میں نے کہا کہ حضرت! بازار جانے سے کیا فائدہ، کیا کریں گے آپ بازار جا کر، نہ آپ سودا خریدتے ہیں، نہ اور کوئی چیز پسند کرتے ہیں، نہ کوئی نرخ معلوم کرتے ہیں، نہ کسی سے کوئی بات چیت کرتے ہیں، نہ کہیں بیٹھتے ہیں، نہ کچھ کھاتے ہیں اور نہ پیتے ہیں، بس سلام ہی سلام کرتے ہوئے جاتے ہیں، اور سلام ہی سلام کرتے ہوئے واپس آجاتے ہیں، تو وہاں جانے کا آپ کو کیا فائدہ ہوا؟ آپ یہیں بیٹھیں، یہیں بیٹھے بیٹھے اللہ اللہ کرلیں گے۔ دین کی باتیں اور دین کا تذکرہ یہیں ہو جائے گا، وہاں جانے کا کیا فائدہ؟

بازار نیکیاں کمانے جاتا ہوں

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا، ارے بھئی! معلوم بھی ہے میں کس لئے بازار جاتا ہوں۔ میں بازار سودا سلف لینے کے لئے نہیں جاتا ہوں، مجھے اس کے لئے جانے کی ضرورت ہی نہیں، میں تو صرف سلام کی عبادت پر عمل کرنے کے لئے وہاں جاتا ہوں کہ وہاں پر مسلمانوں کو سلام کروں اور مسلمانوں کو سلام کر کے نیکیاں کماؤں اور وہ میرے سلام کا جواب دیں اور وہ نیکیاں

کمائیں۔ اس لئے کہ جتنے لوگوں کو سلام کیا جائے گا تو کم از کم دس نیکیاں تو ہیں ہی اور وبرکاتہ تک کیا تو تیس نیکیاں ہوگئیں۔ تو اس طرح ایک چکر میں سینکڑوں نیکیاں کمالیں گے، گھر بیٹھے کہاں اتنی نیکیاں کما سکیں گے جو بازار کے ایک ہی چکر میں کمالیں گے۔ سارے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ایسے ہی تھے کہ وہ نیکیوں کے بڑے حریص تھے، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی یہ حرص نصیب فرمائے۔ آمین۔

بازار جانے کی دعا کی فضیلت

اسی طرح بازار کی ایک مشہور دعا ہے کہ جو شخص بازار میں جائے اور یہ کلمات کہے:

لَاإِلٰهَ إِلَّااللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِي وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ.

تو حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی یہ فضیلت ارشاد فرمائی ہے کہ:

كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ أَلْفَ أَلْفِ حَسَنَةٍ وَمَحَاعَنْهُ أَلْفَ أَلْفِ سَيِّئَةٍ وَرَفَعَ لَهُ أَلْفَ أَلْفِ دَرَجَةٍ وَبَنَا لَهُ بَيْتًا فِيْ الْجَنَّةِ.

(رواہ الترمذی: ج۲-ص۱۸۱)

ترجمہ

"اللہ تعالیٰ اس کے لئے دس لاکھ نیکیاں (اس کے نامۂ

اعمال میں) لکھ دیتے ہیں اور دس لاکھ برائیاں (اس کے نامۂ اعمال سے) مٹادیتے ہیں، اور اس کے دس لاکھ درجات بلند فرمادیتے ہیں، اور جنت میں اس کا گھر بناتے ہیں۔"

دعا پڑھے بغیر نہ گذریں

بازار تو ایسی جگہ ہے کہ وہاں پر کون نہ جاتا ہوگا؟ ہر آدمی امیر ہو یا غریب عام طور پر اس کو بازار جانا ہی پڑتا ہے، کوئی دُکاندار ہے تو بازار جاتا ہے، خریدار ہے تو بازار جاتا ہے۔ دو حال سے کوئی خالی نہیں ہے کہ یا تو وہ دکاندار ہے یا خریدار! ہر آدمی کو بازار جانا ہی پڑتا ہے اور کچھ نہیں تو بازاروں سے گزرنا تو پڑتا ہی ہے کیونکہ بازاروں سے راستے گزرتے ہیں تو اگر کوئی خریداری نہ کرتا ہو تو گاڑی میں بیٹھے بیٹھے یا پیدل تو گزرنا پڑتا ہی ہے اور اس پر آدمی کو یہ عظیم ثواب حاصل ہوسکتا ہے، بازار میں داخل ہونے کے بعد ایک یا تین مرتبہ یہ کلمات پڑھ لے، نماز کی کتابوں میں عام طور سے یہ کلمہ لکھا ہوا ہوتا ہے تو اس کو وہاں سے یاد کرلینا چاہئے۔

نیکیوں کے حریص لوگ

جب صحابۂ کرام نے یہ فضیلت سنی تو ان کی تو شان ہی یہی تھی کہ وہ تو نیکیوں کے حریص تھے۔ لہٰذا اگر بازار میں کوئی کام نہ بھی ہوتا تو خالی اسی کلمے کو پڑھنے کے لئے بازار چلے جاتے تھے۔ بھئی ادھر سے کلمہ پڑھتے ہوئے گھر سے

نکل جائیں گے تاکہ گھر بھی پہنچ جائیں اور کلمہ کا جو ثواب ہے وہ بھی مُفت میں حاصل ہو جائے۔ تو بہر حال مسلمانوں کے سلام کا جواب دینا یہ بھی راستے کا ایک حق ہے۔ جو آدمی راستے میں ہو اور اس کو کوئی مسلمان سلام کرے تو اس کو سلام کا جواب دینا چاہئے اور سلام کا جواب دینا بھی نیکی ہے اور سلام کرنا بھی نیکی ہے۔

سلام میں پہل کرنے کی فضیلت

ایک حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سو رحمتیں اترتی ہیں، جب دو مسلمان آپس میں ملتے ہیں تو سلام کرنے والے کو ننانوے ملتی ہیں اور جواب دینے والے کو ایک ملتی ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ:

> ''جو سلام کرنے میں پہل کرے گا وہ تکبر سے پاک ہو جائے گا۔'' (مشکوٰۃ)

بیان کا خلاصہ

راستے کے آٹھ حقوق آپ کے سامنے تفصیل سے بیان ہو گئے ہیں کہ:

☆ راستے کا پہلا حق یہ ہے کہ اپنی نظر نیچی رکھیں، نامناسب یا گناہوں کی جگہوں میں اپنی نظر کو استعمال نہ کریں، غلطی ہو جائے تو معافی مانگ لیں اور آئندہ نظر کی حفاظت کریں۔ اس میں دکاندار بھی آ گئے اور خریدار بھی۔

☆ راستے کا دوسرا حق یہ ہے کہ تکلیف دہ چیزوں سے اپنے آپ کو بچائیں یعنی ایسا کام یا ایسی بات نہ کریں یا ایسی چیز راستے

میں نہ ڈالیں کہ جس سے گزرنے والوں کو تکلیف ہو، اس سے پرہیز کریں۔

☆ راستے کا تیسرا حق یہ ہے کہ گزرنے والوں کے سلام کا جواب دیں، اس کا خیال اور دھیان رکھیں۔

☆ راستے کا چوتھا حق ہے "امر بالمعروف" یعنی لوگوں کو اچھی بات بتائیں، دین کی بات بتائیں، جائز بات بتائیں، گناہ کی باتیں نہ کریں، گناہ کی باتیں نہ سنائیں، گناہ کی باتیں نہ پھیلائیں اور کوئی بری بات نہ کریں۔

☆ پانچواں حق "نهي عن المنكر" ہے یعنی لوگوں کو بُری باتوں سے روکیں۔

☆ چھٹا حق یہ ہے کہ جو شخص راستہ یا جگہ بھول گیا ہو، اس کی رہنمائی کریں۔

☆ ساتواں حق یہ ہے کہ کوئی شخص مظلوم ہو، حیران اور پریشان ہو، مدد کا خواہاں ہو تو اس کی مدد کریں۔

☆ آٹھواں حق یہ ہے کہ جو شخص اپنے سر پر وزن لادے ہوئے ہو، اپنے سر پر وزن رکھنا یا وزن اُتارنا چاہتا ہو، اُس کی مدد کریں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

❁❁❁ وآخر دعوانا ان الحمدللّٰہ رب العالمین ❁❁❁

باطن کے تین تباہ کن گناہ

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی دامت برکاتہم العالیہ
نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ضبط و ترتیب

مولانا محمد قاسم امین صاحب ملتانی
متخصص جامعہ دارالعلوم کراچی
استاذ جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی کراچی

مکتبۃ الاسلام کراچی

حسد و بغض دین کے لئے مہلک ہیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

دَبَّ إِلَيْكُمْ دَاءُ الْأُمَمِ قَبْلَكُمُ الْحَسَدُ وَالْبَغْضَاءُ هِيَ الْحَالِقَةُ لَا أَقُوْلُ تَحْلِقُ الشَّعْرَ وَلٰكِنْ تَحْلِقُ الدِّيْنَ.

(رواه احمد والترمذى بحواله مشكوٰة. ص:۴۲۸)

ترجمہ

''تم سے پہلی امتوں کی بیماری ''حسد اور نفرت'' تمہارے اندر بھی سرایت کر آئی ہے، یہ مونڈنے والی ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ سر کے بال مونڈتی ہے...... نہیں، بلکہ یہ بیماری دین کا صفایا کر دیتی ہے''

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْراً كثيراً.

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ .

(الانعام: ۱۲۰)

ترجمہ

''اور تم ظاہری گناہ کو بھی چھوڑ دو اور باطنی گناہ کو بھی۔ بلاشبہ جو لوگ گناہ کر رہے ہیں اُن کو اُن کے کیے کی عنقریب سزا ملے گی۔ (بیان القرآن)

گناہوں سے توبہ کا اہتمام

اللہ جل شانہ نے ہمیں جن باتوں، کاموں اور عادتوں سے منع کیا ہے، ان کو گناہ کہتے ہیں، اور گناہوں سے بچنے کا حکم ہے، جان بوجھ کر گناہ کرنا جائز نہیں، اگر غلطی سے کوئی گناہ ہو جائے تو سچی توبہ کر لیں بلکہ اگر جان بوجھ کر بھی کوئی گناہ کر لیا ہے اور اس کو کچھ احساس ہوا ہے کہ میں نے گناہ کا کام کیا تھا، مجھے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا تو اس کو سچے دل سے توبہ کر لینی چاہئے۔ توبہ جان بوجھ کر کئے ہوئے گناہوں سے بھی ہوتی ہے اور بھول کر، غلطی سے کئے ہوئے گناہوں سے بھی ہوتی ہے، ہر قسم کے گناہوں سے توبہ ہو سکتی ہے۔

ظاہر و باطن کے گناہ

گناہ دو قسم کے ہوتے ہیں، ظاہر کے گناہ اور باطن کے گناہ۔ انسان دو چیزوں سے مرکب ہے ایک ظاہر اور دوسرا باطن۔ ظاہر وہ ہے جو ہمیں نظر آتا ہے، اور باطن وہ ہے جو ہمیں نظر نہیں آتا، اور اسی کو دل کی دنیا کہتے ہیں اور جو نظر آتا

ہے اسے ظاہر کی دنیا کہتے ہیں۔ چوری کرنا، ڈاکہ ڈالنا، قتل کرنا، شراب پینا، سود کھانا، رشوت لینا، رشوت کھانا، غصب کرنا، ظلم کرنا، گالی دینا، الزام تراشی کرنا یہ سب ظاہر کے گناہ ہیں اور یہ سب حرام اور ناجائز ہیں۔ اسی طرح دل سے متعلق بھی بہت سے گناہ ہیں اور جیسے تکبر کرنا، ریاکاری کرنا، دنیا کی محبت کا دل میں غالب ہونا اور عُجب وخود پسندی وغیرہ کا ہونا۔ یہ بھی حرام اور ناجائز ہیں۔

تکبر کی علامتیں

تکبر اصل میں دل کے اندر ہوتا ہے اور دل میں ہونے کی وجہ سے ظاہر میں بھی اس کے اثرات نظر آتے ہیں جیسے اکڑ کر چلنا، دوسروں کے بارے میں حقارت آمیز باتیں کرنا، اپنی بڑائی کی باتیں کرنا، ایسے انداز سے اٹھنا بیٹھنا کہ گویا میں بالکل سب سے الگ، ممتاز اور بڑا ہوں، لوگ میرے سامنے جھکیں اور میری بات مانیں، کوئی میری غلطی نہ نکالے اور وہ دوسرے کی غلطی نکالنا پسند کرے، یہ سب اس تکبر کے اثرات ہیں جو اس کے دل کے اندر ہوتا ہے تب ہی باہر بھی اس کے آثار نظر آرہے ہیں۔

خود پسندی کی وجوہات

اسی طرح انسان اپنے آپ کو اچھا سمجھتا ہے۔ دل میں یہ سوچتا ہے کہ میں بہت اچھا ہوں، میں بڑا صاحبِ کمال ہوں، میں بڑا حسین وجمیل ہوں، میں

بڑا تندرست وتوانا ہوں، میں بڑا مالدار ہوں، میرا تعلق بڑے اعلیٰ خاندان سے ہے، غرض میں تو سب سے اچھا ہوں، وہ دوسروں کو بڑا سمجھے یا نہ سمجھے مگر اپنے آپ کو اپنے دل میں اچھا سمجھتا ہے۔ اسے عُجب اور خود پسندی کہتے ہیں۔

یہ بھی ایک ایسا گناہ ہے جو باطن کے اندر پایا جاتا ہے، جس کے نتیجے میں آدمی کسی کو کچھ نہیں سمجھتا وہ ہر کسی میں عیب نکالے گا اور اس کو اپنے عیب نظر نہیں آئیں گے، اپنی اچھائیاں نظر آئیں گی کیونکہ یہ اپنے آپ کو پسند کر رہا ہے اور اچھا سمجھ رہا ہے۔ ظفر کا شعر ہے۔

تھے جو اپنے عیوب سے بے خبر
رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنے عیوب پر جو نظر
تو جہاں میں کوئی برا نہ رہا

جب تک اس کو اپنے عیب نظر نہیں آرہے تھے وہ اپنے آپ کو اچھا سمجھ رہا تھا، جس دن اپنے عیب نظر آئیں گے تو معلوم ہو گا کہ اچھائیاں ہیں ہی نہیں، درحقیقت برائیاں ہی برائیاں ہیں اور جو اس کے اندر اچھائیاں ہیں وہ بھی نام کی اچھائیاں ہیں حقیقۃً ان کو اچھائیاں نہیں کہا جا سکتا پھر دنیا والے اس کو اچھے لگیں گے اور ان کے مقابلہ میں اپنا آپا اس کو برا لگے گا۔

ریاکاری کے اثرات

ریاکاری کا جذبہ بھی اصل میں دل کے اندر ہوتا ہے۔ دل میں انسان یہ چاہتا ہے کہ میں عبادت، نماز، روزہ اس لئے کروں، ذکر و تسبیحات اور اللہ اللہ

اس لئے کروں تا کہ میں لوگوں کی نظروں میں عبادت گزار شمار کیا جاؤں ! اور لوگ مجھے کہیں کہ یہ تو بڑا عابد وزاہد آدمی ہے۔ یا وہ زکوٰۃ، صدقہ وخیرات اور دوسرے کے کاموں میں پیسہ اس لئے خرچ کرتا ہے تا کہ لوگ کہیں کہ یہ بڑا سخی آدمی ہے، یہ غریبوں کا باپ اور ماں ہے، کوئی اس کے در سے خالی نہیں جاتا، یہ تو یتیموں اور بیواؤں کا سرپرست ہے۔ بس ان تعریفی کلمات اور شہرت کو سننے کے لئے وہ خوب اللہ کے راستے میں مال دیتا ہے تا کہ اس کو شہرت حاصل ہو، یہ آدمی جو شہرت کے لئے کام کر رہا ہے دراصل اس کے اندر ریاکاری کا جذبہ موجود ہے۔

دنیا کی محبت اور اس کی نشانیاں

اسی طرح دنیا کی محبت بھی دل کے اندر ہوتی ہے اور خدانخواستہ وہ محبت حد سے آگے بڑھ جائے تو بس پھر آدمی نہ حلال وحرام کی پرواہ کرتا ہے اور نہ ادب وتہذیب کی پرواہ کرتا ہے۔ وہ سارے اخلاق کی حدود پھلانگ کر اپنی من مانی کرتا ہے، چوری کرنا چاہے، چوری کرنے میں اسے کوئی خوف نہیں ہوتا، رشوت لینا چاہے، اسے کسی کا ڈر نہیں ہوتا اور اگر سود کھانا چاہے تو کوئی پرواہ نہیں کرتا، اس کے اوپر مال کی محبت غالب ہوتی ہے، اس لئے اب نہ اس کو آخرت کا ڈر ہے، نہ جہنم کا خوف ہے، نہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا کوئی اندیشہ ہے۔ وہ ہر چیز سے آزاد ہو کر اپنی من چاہی میں لگا ہوا ہے۔

تین تباہ کن گناہ

دنیا کی محبت، تکبر، ریاکاری اور خود پسندی، یہ سب دل کی دنیا کے حرام وناجائز اور گناہِ کبیرہ ہیں۔ باطن کے گناہوں میں سے تین گناہ اور بھی ہیں جن کی طرف میں اس وقت آپ کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں ان میں سے ایک کینہ، دوسرا بغض اور تیسرا حسد کا گناہ ہے۔ یہ گناہ بھی دل کے اندر ہوتے ہیں۔

آج کل گھر گھر بغض، کینہ اور حسد سے بھرے ہوئے ہیں، اور یہ دنیا کی زندگی کو بھی عذاب بنانے والے اور آخرت میں بھی انسان کو جہنم میں داخل کرنے والے گناہ ہیں۔ اس لئے ان گناہوں سے بچنے کی بہت ضرورت ہے۔ اس لئے میں نے ان کو بیان کرنے کا ارادہ کیا تاکہ ہم اپنے باطن کو ٹٹولیں اور اپنے دل کی دنیا میں جھانک کر دیکھیں کہ کون کون سے سانپ بچھو ہمارے اندر پل رہے ہیں اور اگر خدانخواستہ بغض، کینہ یا حسد سے دل بھرا ہوا ہے تو اس سے توبہ کریں اور اپنے سینے کو پاک کریں۔

بغض کی تعریف

بغض کے معنیٰ کسی سے نفرت کرنے اور اس کا برا چاہنے کے ہیں۔ کسی سے اپنے دل میں بغض رکھنا اور برا چاہنا دل کا گناہ ہے، جو بغض کہلاتا ہے۔ چاہے کسی بھی دنیاوی وجہ سے دل میں کسی کے لئے نفرت ہو، چاہے اس وجہ سے بغض رکھتا ہے کہ اس سے جھگڑا ہو گیا، یا اس وجہ سے بغض رکھتا ہے کہ اس نے دھوکہ دے دیا، یا اس وجہ سے بغض رکھتا ہے کہ اس نے مار پیٹ دیا اور ساتھ ہی

دل سے اس کا برا چاہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

آپ یہ سوچ رہے ہونگے کہ اگر کسی نے مارا ہے تو ہم اسے دل سے برا نہ سمجھیں اور کیا اس سے پیار کریں، محبت کریں، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیں کہ اگر کسی نے آپ کے ساتھ بدسلوکی کی ہے، بدتمیزی کی ہے، ستایا ہے یا تکلیف دی ہے، مارا پیٹا ہے تو اس کی وجہ سے آپ کا جو دل دکھا ہے یہ بغض و کینہ نہیں، اس کو اپنے دل سے نکالنے کی ضرورت نہیں ہے، یہ طبعی اثر ہے۔ اگر کوئی ہمارے ساتھ بدسلوکی کرے گا تو اس سے ہمارا دل دکھے گا اور اگر کوئی اچھا سلوک کرے گا تو اس سے ہمارا دل خوش ہوگا۔ یہ ہماری فطرت ہے۔

بدلہ لے لو یا معاف کر دو

شریعت کا کوئی حکم فطرت کے خلاف نہیں ہے۔ اگر کسی نے ہمیں ستایا ہے یا پریشان کیا ہے تو ہمیں شریعت نے دو اختیار دیئے ہیں کہ بدلہ لے لو یا معاف کر دو۔ تیسری چیز کی اجازت نہیں ہے اگر معاف بھی نہ کرو اور بدلہ بھی نہ لو اور اس کے بجائے دل کے اندر برائی رکھو اور اس کا برا چاہو اور اس سے ایسی نفرت کر کے بیٹھ جاؤ تو یہ قطع تعلقی ہوگی جس سے پھر مزید جھگڑا اور لڑائی ہوگی، یہ سب کچھ بغض رکھنے کی وجہ سے ہوگا۔ جو دل دکھ رہا ہے وہ صحیح ہے، یہ حکم نہیں ہے کہ کوئی تمہیں مارے تو تم ہائے بھی مت کرو۔ ہمارے پاس دو اختیار ہیں کہ ہائے کرنے کے بعد یا تو تم بھی اس کو ایسا مارو کہ وہ بھی ہائے کرنے لگے اور اگر اللہ

کے لئے معاف کردو تو یہ اعلیٰ درجہ ہے۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ o وَ جَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَ أَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللهِ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ o وَ لَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَأُولٰئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ o إِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَ يَبْغُوْنَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ أُولٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ o وَ لَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَ إِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُوْرِ o (الشوریٰ: ۳۹ تا ۴۳)

''اور (صاحبِ ایمان و متوکل ایسے منصف ہوتے ہیں) کہ جب ان پر (کسی کی طرف سے کچھ) ظلم واقع ہوتا ہے تو وہ (اگر بدلہ لیتے ہیں تو) برابر کا بدلہ لیتے ہیں (زیادتی نہیں کرتے) اور (برابر کا بدلہ لینے کیلئے ہم نے یہ اجازت دے رکھی ہے کہ) برائی کا بدلہ ویسے ہی برائی ہے (بشرطیکہ وہ فعل فی نفسہ معصیت نہ ہو) پھر جو شخص معاف کردے اور (باہمی معاملہ کی) اصلاح کرلے (جس سے عداوت جاتی رہے اور دوستی ہوجائے کہ یہ معافی سے بھی بڑھ کر ہے) تو اس کا ثواب (حسبِ وعدہ) اللہ کے ذمے ہے (اور جو بدلہ لینے میں زیادتی کر گزرے تو وہ سن لے کہ) واقعی اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا

اور جو (زیادتی نہ کرے بلکہ) اپنے اوپر ظلم ہو چکنے کے بعد برابر کا بدلہ لے لے تو ایسے لوگوں پر کوئی الزام نہیں ہے، الزام صرف ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں، (خواہ ابتدائی طور پر ظلم کرتے ہوں یا بوقتِ انتقام زیادتی کر جاتے ہوں) اور ناحق دنیا میں سرکشی (اور تکبر) کرتے (پھرتے) ہیں، ایسوں کے لئے دردناک عذا (مقرر) ہے اور جو شخص (دوسرے کے ظلم پر) صبر کرے اور معاف کر دے تو یہ البتہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ معاف کرنا اور درگزر کرنا سب سے بہتر اور اولوالعزمی ہے۔ اس لئے معاف کر دینا چاہئے، اللہ کے لئے معاف کرنا تو ہر ایک کے اختیار میں ہے، معاف کرنے کے بعد بھی جو دل دکھا ہوا ہے وہ دکھتا رہے، اس حالت کو دور کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور یہ حالت کوئی گناہ نہیں ہے، اس کی بالکل ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی آپ کو سوئی چبھو دے اور آپ سی کر کے رہ جائیں اور پھر وہ پاؤں پکڑ کر معافی مانگ لے اور آپ اس کو معاف کر دیں تو معاف کرنا درست ہے، لیکن جلن تو پھر بھی رہے گی تو معاف کرنے کے باوجود اس جلن کا ہونا فطری بات ہے۔ بدلہ لینا چاہو تو تم بھی سوئی چبھو لو تا کہ جس طرح تمہاری سی نکلی تھی اس کی بھی سی نکل جائے تاہم اگر آپ نے اسے معاف کر دیا تو اس کا گناہ معاف ہو گیا اور معاف کرنے میں زیادہ ثواب

ہے۔ جیسا کہ ابھی قرآنی آیت میں گزرا۔

کسی کی ذات قابلِ نفرت نہیں

ایک بات اور سمجھ لیں کوئی انسان کیسا ہی بدتر سے بدتر اور برے سے برا ہی کیوں نہ ہو ایک اس کی ذات ہے، اور ایک اس کا فعل ہے مثلاً ڈاکو ہے ایک اس کی ذات ہے اور ڈاکہ ڈالنا اس کا فعل ہے۔ ہمیں ڈاکہ ڈالنے کے عمل سے نفرت ہونی چاہئے نہ کہ اس کی ذات سے، اس کی ذات قابلِ نفرت نہیں ہے، صرف اس کا فعل قابلِ نفرت ہے، اس کے فعل نے اس کو بدنام، ذلیل ورسوا کر دیا ہے لیکن ہم اس کی ذات کو برا نہیں سمجھ سکتے، اس کی ذات سے صرف جو حرام و ناجائز فعل صادر ہو رہا ہے اس کو برا اور اس کو حرام سمجھنا چاہئے اور اس سے بچنا چاہئے اور دوسرے کو بچنے کی تلقین کرنی چاہئے لیکن اس گناہ کی وجہ سے اس کی ذات کو حقیر اور ذلیل سمجھنا اور اس سے نفرت کرنا صحیح نہیں ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات میں ایک جگہ تحریر فرمایا ہے کہ:

معرفتِ خدائے عزوجل بر آنکس حرام است
کہ خود را از کافر فرنگی بہتر داند

ترجمہ

''اللہ تعالیٰ کی معرفت اس شخص پر حرام ہے جو اپنے آپ کو فرنگی کافر سے بہتر سمجھے۔''

حضرت نے اس مکتوب میں آگے چل کر اس کی وجہ بھی تحریر فرمائی ہے کہ ممکن ہے کہ اللہ پاک فرنگی کافر کو ایمان کی دولت سے نواز دیں اور خود کو بہتر سمجھنے والے شخص سے اخیر عمر میں ایمان سلب فرمالیں اور اعتبار خاتمہ کا ہے، اس لئے کسی کی ذات سے ہرگز نفرت نہیں کرنی چاہئے۔

بغض اور کینہ

بغض اور کینہ دونوں ایک ہیں، الفاظ الگ ہیں مگر مفہوم دونوں کا ایک ہے، مثلاً جس شخص سے دل برا ہو جائے اس کی برائی چاہنا اور سوچنا شروع کر دے کہ کسی نہ کسی طرح وہ ذلیل ورسوا ہو جائے، کوئی اس کو عزت نہ دے، کسی طرح وہ ناکام ونامراد ہو، کسی طرح اس کا کاروبار فیل ہو، کہیں اس کا حادثہ ہو اور اس کا خاتمہ ہو۔ جب کوئی اس کو ذلیل کر دے تو اس کا دل خوش ہو جائے۔ یہ ہے دوسرے کی برائی اور بدخواہی چاہنا، اسی کا نام کینہ اور بغض ہے اور اسی بغض سے آگے چل کر انسان کے دل میں ایک اور گناہ پیدا ہوتا ہے جس کو حسد کہتے ہیں۔

حسد کی تعریف

حسد کے اندر انسان کسی دوسرے کے بارے میں دل کے اندر اپنے قصد واختیار سے یہ چاہتا ہے کہ اس کو جو عزت ملی ہوئی ہے یہ کسی طرح ختم ہو اور مجھے مل جائے، اگر مجھے نہ ملے تو کم از کم اس کے پاس بھی نہ رہے۔ اس کو جو صحت ملی ہوئی ہے وہ نہ رہے، وہ ختم ہو جائے، اس کے پاس جو مال ودولت ہے وہ ختم

ہو جائے، اس میں جو بھی کمال اور خوبی ہے یا جو بھی اس کے پاس نعمت ہے، اس کو دیکھ کر اس کے دل میں یہ کڑھن اور جلن ہوتی ہے کہ کسی طریقے سے اس کی یہ نعمت ختم ہو جائے، اس کی یہ ترقی ختم ہو جائے، اس کی عزت چلی جائے، اس کا عہدہ جاتا رہے، یہ اتنا آگے کیسے بڑھ گیا؟ میں کیوں پیچھے رہ گیا؟ بس یہ کسی طریقے سے میرے سے پیچھے ہو جائے۔ جب انسان اپنے دل میں اپنے قصد و اختیار سے ایسا ارادہ کرتا ہے تو اس کو حسد کہتے ہیں۔

حسد سے بچنے کی نصیحت

اور یہ تینوں گناہ بغض و کینہ اور حسد آج ہمارے معاشرے میں بہت پائے جاتے ہیں۔ حدیث شریف میں ان سے بچنے کی بڑی تاکید آئی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

> ''اے بیٹے! تم سے ہو سکے تو تم صبح و شام اس حال میں کرو کہ تمہارے دل میں کسی مسلمان سے حسد نہ ہو۔''

ایک اور روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

دَبَّ إِلَيْكُمْ دَاءُ الْأُمَمِ قَبْلَكُمُ الْحَسَدُ وَالْبُغْضَاءُ هِيَ الْحَالِقَةُ لَا أَقُوْلُ تَحْلِقُ الشَّعْرَ وَلٰكِنْ تَحْلِقُ الدِّيْنَ۔ (رواہ احمد والترمذی بحوالہ مشکوٰۃ ص: ۴۲۸)

ترجمہ

''تم سے پہلی امتوں کی بیماری ''حسد اور نفرت'' تمہارے اندر بھی سرایت کر آئی ہے، یہ مونڈنے والی ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ سر کے بال مونڈتی ہے..... نہیں، بلکہ یہ بیماری دین کا صفایا کر دیتی ہے''

ایک اور روایت میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

''ہر ہفتہ میں دو مرتبہ پیر اور جمعرات کو لوگوں کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں، پھر ہر مؤمن بندے کی بخشش ہو جاتی ہے، مگر ان دو بندوں کی بخشش موقوف کر دی جاتی ہے جن کے درمیان نفرت اور کینہ ہو، ان کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ انہیں چھوڑ دو جب تک یہ آپس میں صلح نہ کرلیں۔ (مشکوٰۃ ص ۴۲۸)

دیکھئے! آپ ﷺ کتنی تاکید کے ساتھ حسد سے بچنے کا حکم دے رہے ہیں۔

بغض اور حسد کا سب سے بڑا نقصان

ان احادیث کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے اندر پچھلی امتوں کی کچھ دل کی بیماریاں منتقل ہوئی ہیں۔ پچھلی امتیں باطنی طور پر جن بڑے بڑے گناہوں میں مبتلا تھیں ان میں سے کچھ گناہ تمہارے اندر بھی سرایت کر گئے ہیں اور وہ بغض و حسد ہیں۔ بغض اور حسد دونوں دل کے گناہ ہیں اور ایسے گناہ ہیں جو مونڈنے والے

ہیں اور صاف کرنے والے ہیں بلکہ یہ دین کا صفایا کرنے والے ہیں کہ جس کے دل میں حسد و بغض ہوگا اس کے دل سے دین نکل جائے گا۔ اللہ بچائے!

حسد کی آگ ایسی ہے کہ اگر خدانخواستہ بھائی اس کے اندر مبتلا ہو جائے اور اس کو اپنے سگے بھائی سے حسد ہو جائے تو وہ اس کو جان سے مارنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ ایک مسلمان کو اگر کسی مسلمان سے خدانخواستہ حسد ہو جائے تو وہ اس کی عزت بھی خاک میں ملا دیتا ہے، اس کو بے آبرو کر دیتا ہے اور ہر طرح سے اس کو خوار کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے اور اس کی ذرہ برابر پرواہ نہیں کرتا کہ یہ میرا بھائی ہے یا میرا مسلمان بھائی ہے یا میرا رشتہ دار ہے یا میرا پڑوسی ہے یا میرا عزیز ہے۔ اس کو نہ اس کی کار بھاتی ہے، نہ اس کا بنگلہ بھاتا ہے، نہ اس کا کارخانہ بھاتا ہے۔ بس رات دن جلتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کا بیڑا غرق ہو جائے، چاہے وہ پہلے سے اس کا گہرا دوست ہو لیکن چونکہ یہ پیچھے رہ گیا اور وہ آگے نکل گیا اس لئے اب اس کو اس کی ترقی سے رات دن حسد ہوتا ہے، اس حسد کی وجہ سے وہ اس کی غیبتیں بھی کرے گا، اس پر الزام بھی لگائے گا، تہمتیں بھی لگائے گا، بدگمانی بھی کرے گا، بدزبانی بھی کرے گا اور اس کا بس چلے گا تو قتل بھی کر دے گا اور اگر خود نہیں کرے گا تو کسی سے کروا دے گا۔ اور اکثر اسی بغض و حسد کی وجہ سے جادو، ٹونہ اور کالا علم کروایا جاتا ہے۔

دیکھا! حسد نے کتنے بڑے کام کروائے؟ اس نے دین مونڈا یا نہیں؟ انسان کے دل سے خدا کا خوف نکل جاتا ہے، آخرت کی فکر نہیں رہتی، مسلمان کے حقوق کا پاس نہیں رہتا، اس کی عزت باقی نہیں رہتی، اس کا احترام اس کے دل

سے نکل جاتا ہے، یہ سب دین کے احکام تھے جو حسد کی وجہ سے اس نے فراموش کر دیئے اور پسِ پشت ڈال دیئے۔ اس لئے آپ ﷺ فرما رہے ہیں کہ یہ بغض و حسد ایسے گناہ ہیں کہ یہ دین کا ایسا صفایا کرتے ہیں جس طرح استرا سر کے بال صاف کر دیتا ہے، جس طرح اس سے ایک بال نہیں بچتا، اسی طرح اس کے دل میں بغض و حسد کی وجہ سے دین کی رمق تک باقی نہیں رہتی۔

سب سے افضل کون؟

ایک روایت میں ہے کہ نبیٔ اکرم جناب رسول ﷺ سے پوچھا گیا کہ:

اَیُّ النَّاسِ أَفْضَلُ

''لوگوں میں سب سے افضل کون ہیں؟''

تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

كُلُّ مَخْمُوْمِ الْقَلْبِ صَدُوْقِ اللِّسَانِ.

ترجمہ

''ہر وہ آدمی جو مخموم القلب ہو، زبان کا سچا ہو۔''

تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ حضور! صدوق اللسان کے معنیٰ تو ہماری سمجھ میں آگئے کہ جو زبان کا سچا ہوا سے صدوق اللسان کہتے ہیں لیکن مخموم القلب کے معنیٰ سمجھ میں نہیں آئے۔ آپ ﷺ اس کے معنیٰ بتا دیجیے۔

آنحضرت ﷺ نے اس کی وضاحت ان الفاظ میں ارشاد فرمائی:

هُوَ التَّقِيُّ النَّقِيُّ لَا إِثْمَ فِيهِ وَلَا بَغْيَ وَلَا غِلَّ وَلَا

حَسَدَ. (سنن ابن ماجه: ۴۲۱۲)

ترجمہ

''مخموم القلب وہ آدمی کہلاتا ہے جو متقی و پرہیز گار ہو، اس کا دل ایسا صاف ہو کہ اس میں نہ تو گناہ کا نام ونشان ہو، نہ اس میں زیادتی، سرکشی، حسد اور کینہ (جیسے قبیح عناصر) ہوں۔''

مطلب یہ ہے کہ اس کا دل آئینہ کی طرح بالکل صاف شفاف ہو، کسی بھی قسم کی نافرمانی، بدعلمی نہ ہو اور گناہ کے دھبہ سے اس کا دل داغ دار نہ ہو۔

دل کو صاف رکھنے کی فضیلت

جس کے دل کی دنیا پاک ہو جاتی ہے اس کی ظاہر کی دنیا بھی پاک ہو جاتی ہے، اگر کسی کی ظاہر کی دنیا گناہوں میں ڈوبی ہوئی ہے وہ اس بات کی علامت ہے کہ اس کے دل کی دنیا میں اندھیرا ہے، اس کا دل تاریک ہے۔ صاف دل آدمی کو کسی سے بغض نہیں ہوتا، کسی سے اس کو حسد نہیں ہوتا، کسی سے اس کو کوئی نفرت نہیں ہوتی اور کسی سے اس کو کینہ نہیں ہوتا۔ وہ ہر ایک کا ہمدرد اور بہی خواہ ہوتا ہے اور ہر ایک کی خیر چاہنے والا ہوتا ہے۔ اور ایک بات آنحضرت ﷺ نے یہ ارشاد فرمائی کہ وہ زبان کا سچا ہوتا ہے۔ ''سارے لوگوں میں یہ دو قسم کے آدمی سب سے افضل اور سب سے بہتر ہیں'' کیونکہ جس کے اندر یہ اوصاف ہوں وہ عالی اخلاق کا مالک ہوگا۔ قیامت کے دن سب سے زیادہ جو چیز میزانِ عمل میں بھاری ہوگی وہ اچھے اخلاق ہوں گے۔ نماز، روزہ اور زکوۃ بھی اتنے بھاری نہیں ہوں گے جتنا حسنِ اخلاق بھاری ہوں گے اور زبان کا سچا ہونا اور دل کا صاف

اور شفاف ہوتا کہ کسی کی طرف سے کوئی کدورت دل میں نہ ہوتا۔ یہ باتیں حسنِ اخلاق کی سردار اور بنیادی اہمیت کی حامل ہیں۔

حسد سے بچنے کی تاکید

ایک روایت میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِيَّاكُمْ وَ الْحَسَدَ فَإِنَّ الْحَسَدَ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ . (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ

''حسد سے بچو اس لئے کہ یہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا کر ختم کرتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو جلا کر ختم کر دیتی ہے۔''

اب اگر کسی کے دل میں خدانخواستہ کسی کی نعمت دیکھ کر یا کسی کی عزت دیکھ کر یا کسی کا عہدہ دیکھ کر یا کسی کی ترقی دیکھ کر یا کسی کی قوت دیکھ کر یا کسی کی خوبصورتی کو دیکھ کر یا کسی کے زیور کو دیکھ کر یا کسی کے کپڑے کو دیکھ کر حسد ہو تو وہ کیا کرے! کیسے اس بیماری کا علاج کرے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ تین باتوں پر وہ عمل کرے، انشاء اللہ تعالیٰ اس کو اس حسد کی بیماری سے نجات مل جائے گی۔

حسد سے بچنے کا طریقہ

سب سے پہلے تو وہ یہ سوچے کہ میرے حسد کرنے کا کیا فائدہ؟ میں بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہوں، وہ بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ میں بھی اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے اور یہ سب کچھ میرے مالک کا ہے، اس نے

اپنی حکمت، اپنی مصلحت اور اپنی قدرت سے عزت، دولت، صحت اور خوبصورتی تقسیم کی ہے۔ تو یہ سب ان کی تقسیم ہے، میں ان کی تقسیم پر اعتراض کر کے کہاں جاؤں گا؟ کہ مجھے یہ نعمت کیوں نہیں ملی اور اس کو کیوں ملی؟ دنیا تو مجھے مل ہی نہیں رہی اگر حسد کروں گا تو میرا آخرت کا حصہ بھی چلا جائے گا لہٰذا میں ایسے احمقانہ کام کیوں کروں؟ پہلے اس کو سوچیں۔ پھر یہ سوچیں کہ اگر میں حسد کروں بھی تو میرے حسد کرنے سے اس کا کچھ نقصان نہیں ہوگا، میرے دل میں حسد ہے جس سے اس کو تو کچھ بھی فرق نہیں پڑے گا، میرا دوگنا نقصان ہو رہا ہے، ایک تو مجھے کچھ مل بھی نہیں رہا، دوسرے خود میرا دل جل رہا ہے، میرا دل دکھ رہا ہے، یہ میرا اپنا نقصان ہے۔ اس کے نتیجے میں ہوسکتا ہے کہ شوگر ہو جائے، ہوسکتا ہے کہ ہائی بلڈ پیشر ہو جائے، ہوسکتا ہے کہ کوئی اور خطرناک بیماری ہو جائے تو تکنا نقصان ہو گیا۔ بھئی ایک تو تکلیف ہو جانا خود ایک نقصان ہے، ملا ملایا کچھ نہیں اور بیٹھے بٹھائے تکلیف ہو رہی ہے، اس تکلیف کے نتیجے میں بڑی تکلیف ہوگئی تو اسپتال بھی پہنچ گئے۔ جو تھوڑے بہت پیسے تھے وہ بھی خرچ ہو گئے تو یہ سوچو کہ آخر اس کا کیا فائدہ ہے؟ یہ تو حرام اور ناجائز ہے اور اس کا یہ عذاب اور وبال ہے کہ جو کچھ نیکیاں ہیں ان کا بھی صفایا ہو جائے گا۔ اپنے آپ کو جھنجھوڑیں کہ کم بخت تو ایسا نہ کر، مال تو تجھے مل ہی نہیں رہا، حسد کرنے سے عزت ملنے سے رہی نہیں، جب تو اس سے حسد کرے گا تو تیری آخرت کا بھی نقصان ہو جائے گا۔ لہٰذا ان تین باتوں کو سوچنے سے ہی حسد کا قلع قمع ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حسد سے بچنے کا دوسرا طریقہ

لیکن اگر بالفرض کسی کا حسد بہت ہی تگڑا ہو، تو ایک چوتھی بات اور بھی ہے وہ یہ کہ جس سے حسد ہو رہا ہے اس کے لئے خوب دعا کرنا شروع کر دیں کہ یا اللہ! اس کو اور عطا فرما۔ اگر مال سے حسد ہو رہا ہے تو یوں دعا کریں: ''یا اللہ! اس کے مال میں دن دوگنی رات چوگنی ترقی عطا فرما۔'' عزت سے ہو رہا ہے، تو اے اللہ! اس کی عزت میں اور اضافہ فرما۔ بس اس طرح دعا کرنے سے دل پہ آرہ چل جائے گا، دل تو چاہ رہا ہے وہ ذلیل ہو اور زبان سے کہہ رہا ہے یا اللہ! اس کی سو فیصد عزت میں اضافہ فرما، اس کو عہدہ اور ترقی عطا فرما۔ یا اللہ! اسکے منصب، عزت، مال و دولت میں اضافہ فرما۔ دعا کرنے کا عمل ایسا ہے کہ اِدھر اس کے لئے دعا شروع ہوگی، اُدھر انشاء اللہ تعالیٰ حسد کی جڑ کٹنی شروع ہو جائے گی، کیونکہ علاج کبھی ضد کے ساتھ بھی ہوتا ہے۔ گرمی لگ رہی ہو تو ٹھنڈی چیزیں کھلا دو اور سردی لگ رہی ہو تو گرم چیزیں کھلا دو۔ یہاں بھی وہی علاج ہو رہا ہے کہ دل چاہ رہا ہے کہ وہ خاک میں مل جائے، کچھ بھی اس کے پاس نہ رہے، سب میرے پاس آجائے۔ اب کہہ رہا ہے کہ یا اللہ! مزید در مزید اس کو عطا فرما دے اور اس پر فضل فرما دے، اس کو اور زیادہ عطا فرما دے۔ اس طرح دعا کرنے سے دل میں جو غلط جذبہ پیدا ہو رہا ہے وہ مٹ جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

ایک سبق آموز واقعہ

مؤمن کے دل میں کسی سے نہ بغض ہونا چاہئے، نہ کینہ ہونا چاہئے، نہ

حسد ہونا چاہئے۔ اس پر ایک عجیب واقعہ یاد آیا جو احادیثِ طیبہ میں آتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے، تو آپ ﷺ نے بشارت دی کہ:

''ابھی ایک شخص آئے گا، تم جنتی آدمی کو دیکھنا چاہتے ہو تو اسے دیکھ لینا۔''

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم سب لوگ متوجہ ہو کر بیٹھ گئے۔ اتنے میں دیکھا کہ ایک انصاری صحابی جو زراعت پیشہ تھے ان کے باغات وغیرہ تھے جہاں وہ کام کرتے تھے، وہ آئے اور ان کے تازہ تازہ وضو کی وجہ سے داڑھی میں سے پانی کے قطرے گر رہے تھے، وہ الٹے ہاتھ میں چپل لئے ہوئے تھے۔ اور آپ ﷺ کی خدمت میں آ کر بیٹھ گئے پھر آپ ﷺ کی باتیں سنیں اور پھر سلام کر کے چلے گئے۔

دوسرے دن پھر مجلس ہوئی تو آپ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ اگر کسی کو جنتی شخص دیکھنا ہو تو ابھی آنے والے شخص کو دیکھ لے وہ جنتی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ہوشیار ہو کر بیٹھ گیا کہ آج کے دن کون صحابی تشریف لائیں گے؟ تھوڑی دیر میں کیا دیکھتا ہوں کہ جو صحابی کل آئے تھے وہی تشریف لا رہے ہیں اور اسی طرح آ رہے ہیں جس طرح کل آئے تھے اور پھر اسی طرح واپس چلے گئے۔ تیسرے دن پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری ہوئی۔ پھر آپ ﷺ نے اعلان کیا کہ جس کسی کو جنتی شخص دیکھنا ہو تو اسے

دیکھ لے جو بھی آئے گا۔ تو کیا دیکھا کہ وہی پہلے دن والے صحابی تشریف لا رہے ہیں، اسی طرح جیسے پہلے اور دوسرے دن آئے تھے۔

دو اہم سنتیں

یہاں ان صحابی کے عمل سے دو اہم باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ جوتا بائیں ہاتھ میں لینا چاہئے، دائیں ہاتھ میں نہیں لینا چاہئے۔ یہی سنت طریقہ ہے کہ دایاں ہاتھ اچھے اور اعلیٰ کاموں کے لئے ہے جبکہ بایاں ہاتھ برے اور ادنیٰ کاموں کے لئے ہے جیسے استنجا کرنا، ناپاکی کو دھونا، جوتا لینا اور ضرورت کے وقت گندگی میں ہاتھ ڈالنا وغیرہ۔ دایاں ہاتھ اچھے کاموں کے لئے ہے۔ اسی لئے وہ انصاری صحابی اس سنت پر عمل پیرا تھے۔

دوسرے وضو کرنے کے بعد پونچھنا اور نہ پونچھنا دونوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں تو دونوں سنتوں پر عمل کر سکتے ہیں۔ سردیوں میں پونچھ لیا کریں اور گرمیوں میں نہ پونچھا کریں۔ تو وہ صحابی اسی سنت پر عمل پیرا تھے کہ وضو کرنے کے بعد انہوں نے اپنا چہرہ صاف نہیں کیا اس لئے داڑھی سے ہلکے ہلکے پانی کے قطرے گر رہے تھے جیسے تازہ تازہ وضو میں گرتے ہیں۔ اس طرح سے وہ آئے اور تھوڑی دیر بیٹھ کر چلے گئے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی جستجو

حاضرین میں سے ایک صحابی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ

تعالیٰ عنہ جو صحابۂ کرام رضی اللہ علیہم اجمعین میں عبادت گزار مشہور تھے وہ انصاری صحابی کے پیچھے چل دیئے اور راستے میں ان سے کہا کہ میری اپنے والد صاحب سے میری کچھ کھٹ پٹ ہوگئی ہے اور میں نے تین دن گھر نہ جانے کی قسم کھالی ہے اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کے ہاں تین دن گزار لوں، جب قسم پوری ہو جائے گی تو میں گھر چلا جاؤں گا۔ انہوں نے کہا کہ ہاں کوئی بات نہیں، آجاؤ۔ حضرت عبداللہ تین دن تک ان کے گھر میں رہے اور ان کی نقل وحرکت کا جائزہ لیتے رہے اور دیکھتے رہے کہ ان کا دن کس طرح گزرتا ہے؟ اور رات کیسی گزرتی ہے؟ تین دن کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ ظاہری طور پر ان کا کوئی عمل نظر نہیں آرہا جس کی بنیاد پر تین دن تک انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت حاصل کی ہے۔ صبح سے شام تک وہ اپنی زمین میں کام کرتے رہتے جبکہ نماز کے وقت سب کام چھوڑ کر اطمینان وسکون سے نماز پڑھتے اور پھر کام میں لگ جاتے۔ سارا دن کوئی گناہ کی بات نہیں کرتے تھے۔ اول تو بولتے ہی نہیں تھے اور بولتے تھے تو بھلائی کی بات بولتے تھے۔

دو سنہری عمل

ہمارے لئے اس واقعہ میں بہت بڑا اسبق ہے کہ ہم اپنی زبان کو جو بے خوف وخطر اور بے لگام استعمال کرنے کے عادی ہیں، جس کے نتیجے میں بڑے بڑے گناہ ہماری زبان سے صادر ہوتے ہیں۔ یہ طریقہ درست نہیں، یہ نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کا طریقہ نہیں ہے۔ آپ ﷺ کا

ارشاد ہے کہ:

قُلْ خَيْرًا وَّاِلَّا فَاصْمُتْ

ترجمہ

''یا تو اچھی بات کہو ورنہ خاموش رہو''

وہ صحابی اسی پر عمل پیرا تھے۔ حضرت عبداللہؓ کہتے ہیں کہ میں تین دن تک ان کے ساتھ رہا وہ بولتے نہیں تھے، جب بولتے تھے تو کوئی نہ کوئی اچھی بات بولتے تھے، بس ہر مؤمن کو یہی کرنا چاہئے۔ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ بس زبان پر تالا لگا دو، جب بولو سبحان اللہ کہو اور الحمد للہ کہو۔ میری گذارشات کا مقصد یہ ہے کہ گناہ کی باتیں اور بے کار باتیں زبان سے مت کرو۔ فضول باتیں، فضول بحثیں اور لایعنی گفتگو ہمارے معاشرے میں عام ہیں، اس سے بچیں، ہاں جائز اور مباح باتیں کرنے میں مضائقہ نہیں۔

بہرحال! ایک عمل ان کا یہ دیکھا کہ وہ نماز کے وقت نماز پڑھتے تھے اور وہ خاموش رہتے تھے اور بولتے تھے تو کام کی بات کرتے تھے۔ ان کا دن اس طرح گزرتا تھا پھر رات کو وہ گھر آتے اور عشاء کے بعد کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر فوراً بستر پر چلے جاتے اور پھر ساری رات صبح صادق تک سوتے ہی رہتے تھے۔ یہاں تک کہ میں نے ان تین دن میں ان کو تہجد کے لئے بھی اٹھتا ہوا نہیں دیکھا۔ جبکہ صحابۂ کرام کے زمانے میں تہجد نہ پڑھنے کا تو سوال ہی نہیں تھا، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ صحابی ہو اور تہجد نہ پڑھے! صحابہ کرام پر بھی گو تہجد فرض نہیں تھی لیکن وہ تہجد گزار تھے۔ لیکن ان صحابی کو تین دن تک انہوں نے دیکھا کہ ساری

رات سوتے رہے، البتہ کبھی رات کو آنکھ کھلی تو لیٹے لیٹے اللہ اللہ کر لی، اللہ اکبر، سبحان اللہ والحمد للہ کہہ لیا اور پھر نیند آ گئی، پھر سو گئے جیسے ہی فجر کی آذان ہوئی فوراً کھڑے ہو گئے۔

حقیقتِ حال کی وضاحت

حضرت عبد اللہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے تین دن کے بعد ان انصاری صحابی کو اصل بات بتلائی کہ تین دن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ اقدس سے الگ الگ تین مجلسوں میں تمہارے جنتی ہونے کی بشارت سنی ہے۔ ایسی بشارت میں نے کسی اور صحابی کے لئے نہیں سنی۔ تو میں آپ پر رشک کرنے لگا کہ یہ صحابی کیسے ہیں؟ کہ حضور ﷺ ان کے بارے میں تین دن تک الگ الگ مجلسوں میں جنتی ہونے کا اعلان فرما رہے ہیں اور نہ صرف یہ فرما رہے ہیں کہ جنتی ہے بلکہ یہ بھی فرما رہے ہیں کہ کسی کو دیکھنا ہو تو دیکھ لو! کہ جنتی ایسا ہوتا ہے۔ اللہ اکبر! تو میرے دل میں آیا کہ میں بھی آپ کے ان اعمال کا جائزہ لوں کہ وہ کون سے اعمال ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ مرتبہ عطا فرمایا ہے۔ میں بھی وہ عمل کرلوں۔ بس اس لئے میں آپ کے گھر آیا تھا تو تین دن کی تحقیق کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ بظاہر آپ کا کوئی خاص اور بڑا عمل نہیں ہے اور بشارت اتنی بڑی ہے کہ اللہ بہتر جانے کہ آپ کو اتنی بڑی بشارت کس وجہ سے ملی ہے؟

جنت کی بشارت ملنے کی وجہ

انصاری صحابی نے جواب میں کہا کہ اے عبد اللہ! حقیقت یہ ہے کہ جتنا

تم نے مجھے دیکھا ہے میں اتنا ہی عمل کرتا ہوں اس سے زیادہ عمل نہیں کرتا۔ اور انہوں نے سلام کیا اور چل دیئے، تھوڑی دور جانے کے بعد ان انصاری صحابی نے دوبارہ آواز دی یا عبداللہ! ادھر آؤ مجھے ایک بات اور یاد آگئی اور وہ یہ ہے کہ میرا عمل تو اتنا ہی ہے جتنا تم نے مجھے کرتے دیکھا ہے لیکن میرے دل میں دو باتیں ہیں ایک تو میرے دل میں کسی مسلمان سے کوئی حسد نہیں ہے۔ میں دل سے ہر مسلمان کا خیر خواہ ہوں، میں ہر مؤمن کی ہمدردی اپنے دل میں رکھتا ہوں، دوسرے کسی مسلمان سے میرے دل میں کوئی کینہ نہیں ہے، میرا دل کینے سے صاف اور پاک ہے۔ بس یہ بات مجھے یاد آگئی جو میں تمہیں بتا رہا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ حضرت! یہی تو وہ چیز ہے جس نے آپ کو یہ اعلیٰ درجہ عطا فرمایا ہے اور یہی وہ عمل ہے جس نے آپ کو یہ بشارت سنوائی ہے۔

جائزہ لینے کی ضرورت

یہی وہ عمل ہے جس سے اچھے اچھے لوگ خالی ہیں، بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے دل اس بلا سے پاک ہوتے ہیں۔ بعض عابدوں میں بھی، زاہدوں میں بھی، تاجروں میں بھی، زراعت پیشہ لوگوں میں بھی، عورتوں میں بھی، مردوں میں بھی بغض اور حسد کی آگ بھڑکی ہوئی ہے۔ اللہ بچائے۔

جنتی بننے کا طریقہ

دیکھئے! ان صحابی میں ظاہری عمل تو اتنا نہ تھا لیکن ان کے دل میں کسی سے بغض، کینہ اور حسد نہ تھا تو اس کے نتیجے میں اللہ پاک نے ان کو کتنی بڑی

بشارت عطا فرمائی۔ یاد رکھو! یہ بشارت ہمیں بھی مل سکتی ہے اگر ہم بھی اس پر عمل کریں اور اپنے دل کو پاک وصاف رکھیں۔ لہٰذا ہمیں بھی چاہئے کہ اپنے دل میں جھانکیں۔ اگر خدانخواستہ بغض، کینہ یا حسد کی بیماری کا گناہ موجود ہو تو اللہ تعالیٰ سے توبہ کریں۔ لہٰذا دعا کریں کہ یا اللہ! ہمارے قلب کو صاف فرما کہ کسی سے ہمارے دل میں بغض، کینہ یا حسد نہ ہو۔ اس طرح اپنے دل کو صاف رکھیں اور ہر مسلمان کی دل سے خیر خواہی چاہیں، اور اللہ تعالیٰ سے بھی دعا کریں کہ اے اللہ! ہمیں بھی اور ان کو بھی عافیت عطا فرما۔ آمین!

وآخر دعوانا أن الحمدلله رب العالمين

گناہوں کا انجام

اور

نیکی کا فائدہ

حضرت مولانا مفتی عبد الرؤف سکھروی دامت برکاتہم العالیہ
نائب مفتی جامعہ دار العلوم کراچی

ضبط و ترتیب

مولانا محمد قاسم امیر صاحب ملتانی
متخصص جامعہ دار العلوم کراچی
استاذ جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی کراچی

مکتبۃ الاسلام کراچی

ظهر الفساد في البر والبحر بما كسبت أيدي الناس
ليذيقهم بعض الذي عملوا لعلهم يرجعون

ترجمہ

لوگوں نے اپنے ہاتھوں جو کمائی کی، اس کی وجہ سے خشکی اور تری میں فساد پھیلا، تاکہ انہوں نے جو کام کیے ہیں اللہ ان میں سے کچھ کا مزہ انہیں چکھائے، شاید وہ باز آجائیں۔ (الروم: ۴۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ

(الذاريٰت :۵۵)

ترجمہ

''اور سمجھاتے رہئے کیونکہ سمجھانا ایمان (لانے) والوں کو (بھی) نفع دے گا۔'' (بیان القرآن)

وقال تعالیٰ:

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ. (الانعام :۱۲۰)

ترجمہ

''اور تم ظاہری گناہوں کو بھی چھوڑ دو اور باطنی گناہوں کو بھی چھوڑ دو بلاشبہ جو لوگ گناہ کر رہے ہیں اُن کو اُن کے کئے کی عنقریب سزا ملے گی۔'' (بیان القرآن)

صدق اللہ العظیم

میرے قابلِ احترم بزرگو!

ہماری اصل بیماری اور اس کا علاج

ہمیں گناہوں سے بچنے کا بہت زیادہ اہتمام کرنا چاہئے۔ ظاہر کے گناہوں سے بھی اور باطن کے گناہوں سے بھی۔ دونوں قسم کے گناہوں سے بچنے کا اہتمام ضروری ہے۔ اس لئے کہ از روئے حدیث ہماری اصل بیماری

ہمارے گناہ ہیں اور اس کا علاج توبہ واستغفار ہے یعنی گناہوں سے توبہ کرنا اوران سے بچنے کا اہتمام کرنا۔ گناہوں سے ہمیں دنیا میں بھی بہت نقصان پہنچ رہا ہے اور مرنے کے بعد قبر میں عذاب بھی ہوسکتا ہے۔ کیونکہ قبر کا عذاب برحق ہے اور قیامت کے دن میدانِ حشر میں بھی گناہوں کی وجہ سے تکلیف پہنچ سکتی ہے اور آخرت میں جہنم کا عذاب ہونے کا بھی خطرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے گناہوں کے عذاب سے اور وبال سے محفوظ رکھے لیکن گناہوں کا نقصان اپنی جگہ برحق ہے اور نیکی کا فائدہ اپنی جگہ سچا ہے جیسے برف ٹھنڈا کرتی ہے اور آگ جلاتی ہے، برف کا ٹھنڈا کرنا اپنی جگہ بالکل بجا اور آگ کا جلانا اپنی جگہ درست ہے اسی طرح نیکی سے راحت پہنچنا اور راحت کا ذریعہ ہونا اور گناہ کا مثل انگارے کے نقصان دہ ہونا بالکل درست ہے۔

گناہ سے بچنے والی ایک عورت کا واقعہ

نزہتہ البساتین میں ایک عجیب وغریب حکایت لکھی ہے جو ایک بزرگ سے مروی ہے۔ وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا کہ اچانک میں نے ایک عورت کو دیکھا جو بیت اللہ کا طواف کر رہی تھی اور یوں کہہ رہی تھی:

یا کریم یا کریم عھدک القدیم

ترجمہ

''اے کریم! اے کریم! آپ کا وعدہ قدیم اور پرانا ہے۔''

میں نے اس عورت سے پوچھا کہ تیرا اللہ تعالیٰ سے کونسا ایسا وعدہ ہے جس کو تو اللہ تعالیٰ سے عرض کر رہی ہے اور اس کا واسطہ دے رہی ہے تو اس عورت نے اپنا واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ میں اپنے بچے کو لے کر اپنے گھر والوں کے ساتھ دریائی سفر پر روانہ ہوئی۔ اس زمانے میں دریائی سفر بادبانی کشتیوں کے ذریعے ہوتا تھا کہ جب ہوا کا صحیح رخ ہوا تو منزلِ مراد پر پہنچ گئے، ہوا مخالف ہوگئی تو منزلِ مراد سے دور ہو گئے اور کشتی خدانخواستہ بھنور میں پھنس گئی تو ڈوب گئے۔ اس دریائی سفر پر ہمارے ساتھ تاجروں کی ایک جماعت بھی تھی۔ وہ بھی اس کشتی کے اندر سوار تھے اور ہم لوگ اپنے سفر پر روانہ ہوئے۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ راستے میں کشتی بھنور میں پھنس گئی اور پاش پاش ہوگئی اور کشتی والے دریا میں ڈوب گئے۔ ایک تختہ پر میں اور میرا بچہ بچ گئے اور دوسرے تختہ پر ایک کالا حبشی بچ گیا۔ رات اسی تختے پر گزر گئی۔ سویرے اس حبشی نے مجھے دیکھا تو پانی کاٹتا ہوا میرے پاس آیا اور اپنے تختے سے میرے تختے پر آگیا اور مجھے راضی کرنے لگا اور گناہ کا ارادہ ظاہر کرنے لگا۔ میں نے کہا او! اللہ کے بندے! خدا سے ڈر! ہم کس قدر خطرناک صورتحال سے دوچار ہیں ہمارے سارے ساتھی دریا میں ڈوب چکے ہیں، اللہ نے اپنی رحمت و فضل سے ہماری جان بچائی اور تو گناہ کا ارادہ ظاہر کر رہا ہے۔ یہ موقع ایسا ہے کہ زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا چاہئے اور اس سے دعا کرنی چاہئے اور اس سے مدد مانگنی چاہئے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ خیر سے گھر پہنچا دے

چہ جائیکہ ہم اللہ کی نافرمانی کریں۔ تجھ کو ذرا بھی اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈر نہیں لگتا۔ اس حبشی نے سنی ان سنی کر دی یعنی میری کسی بات کی طرف توجہ نہ دی بس اس کے اوپر تو شہوت کا بھوت سوار تھا اللہ بچائے! پھر میں نے گناہ سے بچنے کے لئے اپنے سوئے ہوئے بچے کے چٹکی بھری تو وہ بیدار ہوا اور زور زور سے رونے لگا، مقصد میرا یہ تھا کہ میں کسی طریقے سے گناہ سے بچ جاؤں اور میں نے اس سے کہا کہ ذرا بچے کو چپ کرالوں پھر دیکھا جائے گا لیکن اس نے ہاتھ بڑھایا اور بچے کو میری گود سے لے کر دریا میں پھینک دیا۔

گناہ سے بچنے پر اللہ کی مدد

جب اس نے میرے بچے کو پانی میں پھینکا تو میرا کلیجہ منہ کو آ گیا اور دل دل میں اللہ تعالیٰ سے عرض کرنے لگی کہ یا اللہ! آپ ہی انسان کے اور اس کے خیالات کے درمیان حائل ہونے والے ہیں، آپ ہی مجھے اس گناہ سے اور اس ظلم سے نجات دینے والے ہیں۔ یا اللہ! میری مدد فرما، میری اعانت فرما، میری نصرت فرما، ابھی یہ کلمات کہنے نہ پائی تھی کہ یکا یک دریا میں سے ایک خوفناک جانور نمودار ہوا اور پلک جھپکنے میں اس نے حبشی کو اپنا لقمہ بنا کر منہ میں دبایا اور دریا میں واپس چلا گیا۔ اب میں اکیلی اس تختے پر رہ گئی، میں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس نے مجھے اس گناہ سے بچالیا اور پانی میرے تختے کو تھپیڑے دیتا رہا اور حرکت دیتا رہا اور چلتے چلتے وہ ایک جزیرہ میں جا کر رُک گیا، میں تختے سے اتر کر اس جزیرہ میں چلی گئی، وہاں میں نے دیکھا بڑی ہریالی ہے، بڑا سبزہ ہے اور پانی بھی

ہے۔ میں نے اپنے دل میں سوچا کہ میں یہاں کافی پانی پیوں گی سبزہ کھاؤں گی اور زندگی گزاروں گی اور جو بھی اللہ تعالیٰ میری نجات کی صورت عطا فرمائیں گے اسے اختیار کروں گی پھر چار دن تک اسی جزیرہ میں رہی اور جو کچھ وہاں سبزیاں اور پھول لگے ہوئے تھے وہ کھاتی رہی اور پانی پیتی رہی۔ چوتھے دن میں نے سمندر میں دور ایک کشتی دیکھی تو میری جان میں جان آئی اور میں ایک ٹیلے پر چڑھی اور وہاں زور زور سے کپڑا ہلا کر انہیں اپنی طرف متوجہ کرنے لگی۔ اللہ کی شان کہ انہوں نے مجھے دیکھ لیا اور آہستہ آہستہ وہ اپنی کشتی میری طرف لائے اور بڑا بیڑا تو انہوں نے دور ہی کھڑا کر دیا چھوٹی کشتی میں تین آدمی بیٹھ کر میرے جزیرہ میں آئے اور پھر میں ان کے ساتھ کشتی میں بیٹھی اور بڑے بحری بیڑے کے اندر جا کر داخل ہوئی اور اللہ کا شکر ادا کیا۔

بچے کو اُٹھا لو ورنہ آگے نہیں جا سکتے

جب میں بحری بیڑے میں پہنچی تو میں نے ایک آدمی کی گود میں اپنا بچہ دیکھا، اسے دیکھ کر میں بے قابو ہو گئی اور بیتابانہ انداز میں اپنے آپ کو اس پر گرایا اور اس کو بوسہ دینے لگی اور پیار کرنے لگی۔ لوگوں نے کہا کیا ہوا تجھ کو؟ پاگل ہو گئی ہے کیا! یہ تیرا بچہ ہے! وہ کہنے لگی ہاں یہ میرا ہی بچہ ہے۔ تیرا بچہ کہاں سے آیا؟ کہنے لگی نہیں یہ میرا ہی بچہ ہے۔ اور پھر میں نے ان کو سارا واقعہ سنایا کہ کس طرح سے وہ دن گزرا تھا اور پھر کس طرح سے اس حبشی نے میرے بچے کو سمندر میں پھینکا تھا۔ وہ سب سُن کر تعجب کرنے لگے اور حیرانی کا اظہار کرنے لگے کہ بھئی تیرا

عجیب معاملہ ہے، پھر انہوں نے کہا کہ ہم بھی تجھے ایک تعجب والا واقعہ سناتے ہیں، ہمارے ساتھ بھی عجیب وغریب معاملہ ہوا کہ ہم اس بحری بیڑے میں سمندر کا سفر کر رہے تھے اور ہوا بھی ہمارے موافق چل رہی تھی، بڑے آرام سے ہمارا سفر ہو رہا تھا کہ اچانک ایک بہت بڑا دریائی جانور ہماری کشتی کے سامنے نمودار ہوا اور اس کی کمر پر یہ بچہ بیٹھا ہوا تھا۔ سبحان اللہ! اور ایک غیب سے آواز دینے والا آواز دے رہا تھا کہ یا تو اس بچہ کو اٹھالو ورنہ تمہیں آگے جانے نہیں دیا جائے گا، تمہیں نقصان پہنچے گا۔ چنانچہ ہماری کشتی میں سے ایک آدمی اترا اور اس جانور کی کمر پر گیا اور وہاں سے اس بچہ کو اٹھا کر لایا تب وہ جانور غائب ہوا۔ اس طرح ہمارے ساتھ یہ قصہ پیش آیا، ہمیں کیا معلوم کہ یہ تیرا بچہ ہے۔ فتبارک اللہ احسن الخالقین!

اس عبرت ناک واقعہ سے نصیحت

یہ کیسا عبرتناک واقعہ ہے! اس واقعہ کے اندر نیکی اور بدی کا، اطاعت اور نافرمانی کا کتنا بڑا سبق ہے؟ اس حبشی نے گناہ کا ارادہ کیا اور ایسے عبرتناک واقعہ میں بھی اس نے گناہ سے بچنے کی کوشش نہ کی تو جانور نے اس کو اپنے منہ کا لقمہ بنا لیا۔ خدا جانے اس کا کیا انجام ہوا ہوگا! اور یہ عورت شروع ہی سے گناہ سے بچنے کا ارادہ کر رہی تھی اور کوشش بھی کر رہی تھی، اللہ نے اس کی کیسی مدد فرمائی! اس کی بھی جان بچائی اور اس کے بچے کی بھی، اس عورت کو حفاظت سے جزیرہ میں پہنچایا، وہاں بھی کھانے کو دیا، پینے کو دیا اور پھر اس کی حفاظت کے لئے کشتی کو بھیجا، کشتی والوں نے اس کو آرام سے بٹھا کر حفاظت سے بیڑے میں

پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بچہ کی بھی اس طرح حفاظت فرمائی کہ اس جانور نے اس کو وہاں پہنچا دیا، یہ ہے اللہ تعالیٰ کی قدرت! جو گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ قدم قدم پر اس طرح اس کی مدد کرتے ہیں اور جو گناہوں سے باز نہیں آتا اور گناہ سے بچنے کی کوشش نہیں کرتا اس کی اس طرح پکڑ ہوتی ہے، اللہ بچائے! اللہ بچائے!

اس لئے ہمیں چاہئے کہ ہم اپنا جائزہ لیں اور اپنے دل کو ٹٹولیں کہ ہم کیا کیا گناہ کر رہے ہیں؟ چاروں طرف گناہوں کا ماحول ہے یا یوں کہئے کہ گناہوں کا سیلاب ہے، بڑے بڑے گناہ بھی عام ہو چکے ہیں اور عام ہوتے جا رہے ہیں، عام کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ گناہوں کے عام ہو جانے سے ان کا گناہ ہونا اور زیادہ بڑھ جاتا ہے، اس کے باوجود بھی انسان اپنے گناہوں کی طرف توجہ نہ دے اور ان سے بچنے کی کوشش نہ کرے تو پھر گناہوں کا وبال، گناہوں کی وجہ سے پریشانیاں، گناہوں کی وجہ سے تکلیفیں اور مصیبتیں بڑھتی ہی جائیں گی، اور بڑھتی جا رہی ہیں۔

ٹی وی دیکھنے کا گناہ

ٹی وی دیکھنا تو ایک عام گناہ ہو گیا ہے، گھر گھر یہ گناہ عام ہو چکا ہے اور اتنا عام ہو گیا ہے کہ لوگوں کے ذہنوں سے بھی اس کا گناہ ہونا نکلتا جا رہا ہے چنانچہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ بھی کوئی گناہ ہے بس سمجھتے ہیں کہ یہ بھی ایک تفریح ہے دن بھر آفس میں رہیں، دکان پر رہیں، نوکری پر رہیں، جب فارغ ہو کر گھر

آئے، کھانا کھایا اور ٹی وی دیکھنے بیٹھ گئے۔اب گھنٹوں ٹی وی دیکھ رہے ہیں، اس کے ڈرامے اور ہنگامے دیکھ رہے ہیں، فلمیں دیکھ رہے ہیں، ڈانس دیکھ رہے ہیں اور بعض وہ بھی ہیں جو عریاں فلمیں دیکھتے ہیں، کیبل کا رواج اتنا عام ہوتا جارہا ہے کہ الامان والحفیظ اور کیبل کے ذریعے جو کچھ دیکھا جاتا ہے وہ عریاں یا نیم عریاں فلمیں ہوتی ہیں یوں یہ گناہ اتنا ہے کہ گھر گھر عام ہوتا جارہا ہے یہاں تک کہ سمندر کے کناروں پر بھی کھانے کو نہیں، پینے کو نہیں لیکن جھونپڑے میں ڈش انٹینا لگا ہوا ہے، فلمیں چل رہی ہیں اور لوگ فلمیں دیکھ رہے ہیں، شاہراؤں پر اور مین روڈ پر آپ جاکر دیکھو جگہ جگہ ہوٹل ہیں، غریب لوگ بیٹھے ہوئے ہیں، بس ایک چائے کی پیالی پی رہے ہیں اور فلمیں دیکھ رہے ہیں جس میں اور گناہوں کے ساتھ ساتھ سب سے بڑا گناہ بدنگاہی اور بدنظری کا ہوتا ہے، بدکاری سیکھنے کا گناہ ہوتا ہے اس کے علاوہ بھی بدنگاہی اور بدنظری کا گناہ بہت ہی عام ہے لیکن جتنا بھی عام ہوجائے گناہ گناہ رہے گا، چاہے ٹی وی پر ہو چاہے براہِ راست کسی نامحرم عورت کے دیکھنے سے ہو، یا اس کی تصویر دیکھنے سے ہو۔

تصویر کشی کا گناہ

اسی طرح تصویر کشی کا گناہ کتنا عام ہو گیا ہے کہ الامان والحفیظ۔ یہ گناہ چاروں طرف عام ہے، بلاضرورت تصویر کھچوانا گناہ ہے، جہاں قانوناً مجبوری ہو تو وہ الگ بات ہے، علماء کرام نے قانونی مجبوری کی صورت میں اس کی گنجائش دی ہے۔ لیکن شوقیہ تصویر کھچوانے کا بڑا رواج ہے۔ شادی بیاہ کے موقع پر تصویر کشی کا

رواج عام ہے۔ اجتماعی تصویر کشی کا بھی لوگوں کے اندر بڑا رواج ہے۔ یہ تصویر کشی بڑے گناہ اور وبال کی چیز ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ:

اِنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَذَاباً عِندَ اللّٰهِ يَومَ الْقِيٰمَةِ الْمُصَوِّرُونَ.

(بخاری: كتاب اللباس - باب عذاب المصورين يوم القيامة)

ترجمہ

''قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب تصویر کھینچنے والوں کو ہوگا۔''

نیز ایک دوسری روایت میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

أَنَّ أصحابَ هٰذِهِ الصُّوَرِ يُعَذَّبُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، وَيُقَالُ لَهُمْ : أَحْيُوْا مَا خَلَقْتُمْ. (متفق عليه - مشكوٰة ، باب التصاوير)

ترجمہ

''وہ بلاشبہ تصویریں بنانے والوں کو قیامت کے روز عذاب ہوگا اور ان سے کہا جائے گا کہ جو تم نے پیدا کیا ہے اب اسے زندہ کرو۔''

عبادات کے ساتھ گناہوں سے بچنا ضروری ہے

نماز پڑھنے کے ساتھ، تلاوت کرنے کے ساتھ، روزہ رکھنے کے ساتھ، حج کرنے کے ساتھ گناہوں سے بچنا بھی ضروری ہے ورنہ اعمال صالحہ کا ثواب تو بلاشبہ برحق ہے لیکن گناہوں کا وبال بھی برحق ہے جیسے برف کا ٹھنڈا کرنا برحق

ہے، انگارے کا جلانا برحق ہے اب کوئی برف کی ڈلیاں بھی جمع کرے اور انگارے بھی جمع کرے گا تو دونوں اپنا اپنا اثر دکھائیں گے۔ اس طرح جو نماز پڑھے گا، روزہ بھی رکھے گا، حج بھی کرے گا، زکوٰۃ بھی دے گا، صدقہ بھی دے گا۔ تلاوت بھی کرے گا، تسبیح بھی پڑھے گا اور ساتھ ساتھ بدنگاہی اور بدزبانی بھی کرے گا، جھوٹ بھی بولے گا، غیبت بھی کرے گا، دوسرے کا حق بھی مارے گا، دوسرے کو ستائے گا اور پریشان کرے گا، تو نیکیوں کا نیک اثر ہوگا اور گناہوں کا برا اثر ہوگا، نیکیوں کا ثواب ملے گا اور گناہوں کا وبال ہوگا۔

ایک صاحبِ قبر کا عبرتناک واقعہ

چنانچہ حضرت عبداللہ بن زیدؒ اپنا واقعہ سناتے ہیں کہ ایک دن میں چاندنی رات میں اپنے گھر سے نکلا اور قبرستان میں پہنچ گیا، اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ ایک قبر میں سے ایک مردہ نکلا اور اس کے گلے میں زنجیر بندھی ہوئی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ بھاگ کر نکلا ہو لیکن جیسے جیسے وہ بھاگ رہا تھا اور نکل رہا تھا زنجیر بھی اس کے ساتھ ساتھ کھنچتی آرہی تھی، تھوڑی دیر میں اسی قبر میں سے ایک اور آدمی نکلا اور اس نے زنجیر کو زور سے کھینچا تو پہلا آدمی جس کے گلے میں زنجیر تھی کھنچتا ہوا واپس قبر میں آگیا، جو کھینچ رہا تھا وہ فرشتہ تھا اور جو کھچ رہا تھا وہ اس قبر کا مردہ تھا۔ جب وہ واپس اندر چلا گیا تو میں ذرا قبر کے قریب آیا، میں نے اندر سے یہ آواز سنی۔ وہ مُردہ یہ کہہ رہا تھا کہ:

الم اکن اصلی، الم اکن اغتسل، الم اکن اصوم

ترجمہ

’’کیا میں نماز نہیں پڑھتا تھا؟ کیا میں غسلِ جنابت نہیں کرتا تھا؟ کیا میں روزے نہیں رکھتا تھا؟‘‘

میں نے سنا کہ وہ فرشتہ جواب یوں کہہ رہا تھا کہ تو بے شک نماز پڑھتا تھا، غسلِ جنابت کرتا تھا اور روزے رکھتا تھا لیکن جب تو تنہائی میں جاتا تھا تو اللہ تعالیٰ سے بے خوف ہو کر گناہ کرتا تھا پھر تجھ کو خدا یاد نہیں آتا تھا۔ اب دیکھو! کہ وہ قبر کی میت نمازی تھی، غسلِ جنابت کرتی تھی اور روزہ دار تھی لیکن تنہائی میں گناہوں سے نہیں بچتی تھی اور اللہ تعالیٰ کے خوف کا اصل پتا تو تنہائی میں چلتا ہے اور تنہائی کے خوف کا اصل اعتبار ہے۔

اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا اصل معیار

تنہائی میں پتا چلتا ہے کس کے اندر خوفِ خدا ہے کس کے اندر نہیں ہے؟ ورنہ لوگوں کے سامنے تو بعض لوگ بڑے پارسا نظر آتے ہیں، بڑے متقی اور پرہیز گار معلوم ہوتے ہیں، شکل وصورت بھی بزرگوں جیسی ہے، باتیں بھی بزرگوں کی طرح ہیں، اٹھنا بیٹھنا اور چلنا پھرنا بھی بزرگوں اور نیک لوگوں کی طرح ہوتا ہے لیکن تنہائی میں وہ ایسی حرکتیں کرتے ہیں کہ ان کے گناہوں سے شیطان بھی شرما جائے۔ تو اصل خوفِ خدا وہ ہے جو آدمی کو تنہائی میں گناہ سے روکے اور یہ کتنا عبرت کا واقعہ ہے! اس لئے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے کہ ہم نماز پڑھ رہے ہیں، روزے رکھ رہے ہیں، تلاوت کر رہے ہیں تسبیح پڑھ رہے ہیں یہ ہماری

پوری نجات کے لئے کافی ہو جائیں گے ۔ یہ اس وقت نجات کے لئے کافی ہیں جب ان کے ساتھ ساتھ گناہوں سے بھی بچا جائے ۔ تنہائی اور خلوت میں بھی ، سب کے سامنے اور جلوت میں بھی گناہوں سے بچنا لازمی ہے ۔

جیسے فرائض و واجبات کوئی سامنے ہو یا نہ ہو ، دونوں صورتوں میں ادا کرنے ضروری ہیں اور اللہ کے واسطے ادا کرنے ضروری ہیں ۔ اسی طرح گناہوں سے بھی سب کے سامنے بچنا ضروری ہے اور تنہائی میں بھی بچنا ضروری ہے ۔ جلوت و خلوت دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف ضروری ہے ۔

اصلاح کا اصل مقصد

اصلاح اللہ والوں کے یہاں کی جاتی ہے اور کرائی جاتی ہے اور اس کی اہمیت ذہن نشین کی جاتی ہے وہ اصل اصلاح یہی ہے کہ انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کا ایسا خوف پیدا ہو جائے کہ چاہے وہ بالکل اکیلا ہو ، کمرہ میں کوئی اور نہ ہو ، تب بھی گناہوں سے بچے ، سب کے سامنے تو اس لئے گناہوں سے بچتا ہے کہ لوگ کیا کہیں گے ؟ لیکن اصل یہ ہے کہ گناہوں سے اس لئے بچے کہ اللہ تعالیٰ کیا کہیں گے ؟ اور تنہائی میں اس لئے گناہ کر لیتا ہے ، یہ سمجھتا ہے کہ کوئی دیکھ ہی نہیں رہا حالانکہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہے ہیں ۔ وہ حلیم اور بردبار ہیں لیکن اگر گناہوں سے باز نہ آیا تو اول تو دنیا ہی میں اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل اور رسوا کر دیتے ہیں ، اللہ پاک نے ڈھیل دے دی تو بھی قبر کا عذاب تو برحق ہے اور یہ واقعات اللہ تعالیٰ عبرت کے لئے ، سبق سکھانے کے لئے اور نصیحت کرنے کے لئے دکھلاتے ہیں

تا کہ ان واقعات کو ہم سنیں، پڑھیں، سمجھیں اور پھر اللہ کے عذاب سے ڈریں، اللہ کی پکڑ سے ڈریں، اور جلوت وخلوت میں اس کی نافرمانی سے بچیں۔

قبرستان جا کر کیا کرنا چاہئے؟

ایسے ہی ایک واقعہ حضرت ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں میرا قبرستان جانے کا بکثرت معمول تھا۔ میں کثرت سے قبرستان آتا جاتا رہتا تھا اور اس وجہ سے جاتا تھا تا کہ میں اپنی موت کو یاد کرلوں اور قبر میں دفن ہونے والے مردوں کے مٹی ہو جانے کو سوچوں اور اس طرح میرے دل سے دنیا کی محبت نکلے اور آخرت کی فکر پیدا ہو اور قبرستان جانے میں یہی سبق ہمیں لینا چاہئے۔ کم از کم جمعرات اور جمعہ کو قبرستان جانا چاہئے اور وہاں فاتحہ پڑھنے کے ساتھ ساتھ اپنے مرنے کو سوچنا چاہئے، مرنے والوں کے انجام کو سوچنا چاہئے تا کہ دل سے دنیا کی محبت نکلے اور آخرت کی فکر پیدا ہو۔

تنہائی میں گناہ کرنے کا عبرتناک انجام

حضرت ابراہیم تیمیؒ فرماتے ہیں ایک مرتبہ میں معمول کے مطابق قبرستان گیا اور پھر وہاں جا کر میں لیٹ گیا اور مجھے نیند آ گئی تو میں نے خواب میں دیکھا، کہ ایک قبر پھٹی اور اس میں سے ایک میت کے ہائے ہائے کرنے کی آواز سنائی دی جیسا کہ اسے کوئی دردناک اور ہولناک عذاب ہو رہا ہو اور میں نے یہ آواز بھی سنی کہ کوئی شخص یہ کہہ رہا ہے کہ یہ زنجیر لو اور اس کے منہ سے داخل کر کے پاخانے کے مقام سے نکالو۔

اب ظاہر ہے کہ یہ دردناک اور اذیت ناک عذاب تھا تو یہ سن کر وہ میت کانپنے لگی اور عاجزی کرنے لگی اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرنے لگی: ''یا اللہ! میں تو آپ کے لئے نماز بھی پڑھتا تھا، روزے بھی رکھتا تھا، آپ کے گھر کا حج بھی کرتا تھا، صدقہ بھی دیتا تھا، خیرات بھی کرتا تھا، تلاوت بھی کرتا تھا، تسبیح بھی پڑھتا تھا، یا اللہ پھر میرے ساتھ عذاب کا معاملہ کیوں ہو رہا ہے؟ یا اللہ! مجھے اس سے بچائیے۔'' اس کی اس عاجزی کے بدلے میں اس کو یہ جواب دیا گیا کہ ہاں ٹھیک ہے تو یہ کام کرتا تھا لیکن تنہائی میں اور خلوت میں جب تو جاتا تھا تو ہم کو فراموش کردیا کرتا تھا پھر نافرمانی کے نشے میں دھت ہو جاتا تھا اور جو تیرا دل چاہتا وہ گناہ کر بیٹھتا تھا اس لئے تجھ کو یہ عذاب ہو رہا ہے اور یہ سزا تجھ کو مل رہی ہے۔

تنہائی میں گناہوں سے زیادہ بچیں

اس واقعہ میں ہمارے لئے کس قدر واضح عبرت اور سبق ہے کہ ہم ظاہر میں بھی گناہوں کو چھوڑیں، باطن میں بھی گناہوں کو چھوڑیں، خلوت میں بھی گناہوں کو چھوڑیں اور جلوت میں بھی گناہوں کو چھوڑیں۔ جلوت میں تو لوگوں کی وجہ سے آدمی گناہ سے بچتا ہے، اس لئے کہ لوگوں کے اندر بدنامی ہو جائے گی، لوگ کیا کہیں گے ارے! یہ شخص چوری کرتا ہے، یہ شخص ڈاکا ڈالتا ہے، لوگوں کی وجہ سے آدمی گناہوں سے بچ جاتا ہے اور یہ بھی غنیمت ہے بھئی! اگرچہ گناہوں سے اللہ کے خوف کی وجہ سے بچنا چاہئے لیکن چلو اگر لوگوں کے اندر

بدنامی ہونے کی وجہ سے بچ جائے تب بھی غنیمت ہے، بھئی! کسی بھی وجہ سے بچا، انگارے سے تو بچا لیکن اصل بات تو یہ ہے کہ تنہائی میں دیکھا جاتا ہے کہ کون کتنا گناہوں سے بچتا ہے اس لئے تنہائی میں گناہ سے بچنے کا بہت زیادہ اہتمام ہونا چاہئے۔

تنہائی اور خلوت کے گناہ

تنہائی اور خلوت میں بعض مرتبہ آدمی بڑے سنگین گناہوں کے اندر مبتلا رہتا ہے۔ خاص طور سے نوجوان طرح طرح کے جنسی اور شہوانی گناہوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ تنہائی اور خلوت میں اللہ تعالیٰ سے بہت ڈرنا چاہئے اور گناہوں سے بچنا چاہئے۔ اگر کوئی اور نہیں دیکھ رہا ہے تو بھی اپنی نظر کی حفاظت کرنی چاہئے، اپنے ہاتھوں کی حفاظت کرنی چاہئے، اپنے دل کی حفاظت کرنی چاہئے، اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرنی چاہئے، اگر کمرہ کے اندر کوئی نہیں ہے اور دوسرے ساتھی کا موبائل رکھا ہے تو اس کو چرانے سے بچنا چاہئے، بلا اجازت استعمال کرنے سے بچنا چاہئے، دوسرے ساتھیوں کی کھانے پینے کی اور پہنے کی چیزیں رکھی ہوئی ہیں ان کو بلا اجازت استعمال کرنے سے بچنا چاہئے۔

لوگوں کو معاملات میں خوفِ خدا نہیں

آج کل اللہ کا خوف اتنا کم ہوگیا ہے کہ دوسرے کی چیزیں لے لینے میں لوگ ڈرتے نہیں، موبائل چوری کرنے میں، پیسے چوری کرنے میں، چیزیں اٹھا

کر کھالینے میں، کوئی ڈر محسوس نہیں کرتے جس کو جہاں موقع ملتا ہے وہ فوراً اٹھالیتا ہے الا ماشاء اللہ، خوفِ خدا اور فکرِ آخرت کا قحط پڑ گیا ہے۔ ظاہر دیکھو تو بڑا اچھا معلوم ہوتا ہے کہ بھئی یہ بڑا دین دار آدمی ہے، نمازی ہے، حاجی ہے، لیکن مالیات میں اللہ بچائے وہ صفر ہے۔ بعض لوگوں کے معاملات کتنے خراب ہیں؟ الامان والحفیظ! یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اللہ کے خوف کا تقاضہ یہ ہے کہ آدمی جس طرح فرائض وواجبات اور احکام بجالائے اور معمولات کو ادا کرے، اسی طرح گناہوں سے بھی زیادہ پرہیز کرے اور بچے!

ایک رشوت خور کا قصہ

ایسے ہی ایک قاضی کے قاصد کا قصہ لکھا ہے، عدالتوں میں آج کل جج ہوتے ہیں پہلے زمانے میں قاضی ہوتے تھے۔ بلوچستان میں اب بھی قاضی وغیرہ ہوتے ہیں تو قاضی کا ایک قاصد تھا جو مختلف کاموں کو انجام دینے پر مقرر تھا، اسے رسول القاضی کہتے ہیں، قاضی کا رسول یعنی قاضی کا نمائندہ! اس کی تنخواہ بہت تھوڑی تھی، وہ غریب آدمی تھا لیکن پھر دیکھتے ہی دیکھتے لکھ پتی ہوگیا، جیسا کہ آج کل لوگ سرکاری عہدوں پر ہوتے ہیں، عہدوں پر فائز ہونے سے پہلے بڑے غریب اور مسکین ہوتے ہیں پھر دیکھتے ہی دیکھتے لکھ پتی بن جاتے ہیں جس کی ظاہری وجہ رشوت لینا اور دینا ہوتا ہے، رشوت لے لے کر وہ کہیں سے کہیں پہنچ جاتے ہیں اللہ بچائے! اور حدیث میں ہے کہ رشوت لینے والا اور رشوت دینے والا دونوں جہنمی ہیں۔ قاضی کا نمائندہ بھی ایسا ہی تھا، وہ تھا تو غریب آدمی لیکن

جب وہ قاضی کا نمائندہ بن گیا تو دیکھتے ہی دیکھتے بڑا مالدار ہو گیا۔ پھر اس کا انتقال ہو گیا، انتقال کے بعد اس کو دفنایا گیا۔ دفنانے کے بعد جن صاحب نے یہ واقعہ سنایا وہ بتاتے ہیں کہ میں قبرستان گیا اور اس کی برابر والی قبر میں ایک میت کو اتارا، جب ہم اس کو دفنا چکے تو اچانک برابر والی قبر کی دیوار گر گئی۔ اس قاضی کے نمائندے کی قبر میں کیا دیکھتا ہوں کہ اس کی گردن کے پاس کالے رنگ کا ایک خوفناک کتا بندھا ہوا تھا جو اس پر حملہ کرنے اور اس کو عذاب دینے کے لئے تیار بیٹھا تھا۔ ہمیں اس کو دیکھ کر اتنی دہشت ہوئی کہ قبر کو بند کئے بغیر ہی ہم وہاں سے الٹے پاؤں بھاگے۔

اس لئے عزیزو! یہ دنیا چند روزہ ہے ایک دن سب کچھ چھوڑ کر جانا ہے لہٰذا گناہوں سے بچنے کا بہت زیادہ اہتمام کرنا چاہئے ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ گناہ قبر میں جا کر ہمارے لئے وبال بن جائیں، گناہ بڑا ہو یا چھوٹا، دونوں انگارہ اور چنگاری کی طرح ہیں دونوں سے بچنے کی ضرورت ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنا اپنا جائزہ لینے کی اور گناہوں سے توبہ کرنے کی اور بچنے کی آئندہ توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

نیک اعمال کے فائدے

جس طرح گناہوں سے بچنا ضروری ہے اسی طرح نیک کام کرنے بھی ضروری ہیں۔ نیک اعمال اور نیک کاموں کا فائدہ دنیا میں بھی انسان کو حاصل ہوتا ہے اور مرنے کے بعد قبر اور حشر میں اور آخرت میں ضرور حاصل ہوگا انشاء

اللہ تعالیٰ۔ آخرت میں سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ نیک آدمی جنت میں جاتا ہے جیسے جہنم تکلیفوں اور حقیقی عذابوں کا مرکز ہے ایسے ہی جنت اللہ تعالیٰ کی حقیقی نعمتوں، راحتوں، مسرتوں اور عافیتوں کا مرکز ہے، اسی طرح نیک کام کرنے سے قبر میں بھی انسان کو راحت ملتی ہے اس پر بھی مجھے ایک واقعہ یاد آیا۔ جی چاہتا ہے کہ سنا دوں، سنانے کا مقصد نصیحت، عبرت اور سبق لینا ہے تا کہ ہم نیک کاموں کے لئے اپنے آپ کو آمادہ کریں اور ساتھ ساتھ گناہوں سے بھی بچیں۔

ایک فاحشہ عورت کی بخشش کا عجیب واقعہ

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے کا عجیب وغریب واقعہ ہے اس لئے امید ہے کہ سننے والوں کے لئے دلچسپی کا باعث ہوگا۔ حضرت سید غوث علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں، ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے دوران حیات تھے۔ یہ اپنے حالات میں اس واقعہ کو بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی خدمت میں حاضر تھے اور سبق پڑھ رہے تھے، دوران سبق ایک آدمی آیا جو ظاہری وضع قطع اور لباس پوشاک سے مالدار معلوم ہوتا تھا اور اس نے آکر عرض کیا، حضرت! میرا واقعہ عجیب وغریب ہے۔ میں حیران ہوں کہ کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟ آپ سے ملنے آیا ہوں اور آپ سے مشورہ چاہتا ہوں۔ جیسا آپ کہیں گے اس پر عمل کروں گا۔

پھر اس نے اپنا واقعہ سنایا کہ میں نوکری کر کے اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ

پالتا تھا۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ میں بے روزگار ہو گیا اور گھر میں فاقے ہونے لگے۔ بیوی بچے پریشان ہو گئے تو میں روزگار کی تلاش میں گھر سے نکلا کہ کسی دوسرے شہر میں جاؤں، نوکری دیکھوں تاکہ کوئی ملازمت مل جائے، کچھ کماؤں تو پیسے گھر بھیجوں، بچوں کا گزارا ہو، اور میری یہ پریشانی دور ہو۔ میں گھر سے ثمر پور کے لئے روانہ ہوا، راستے میں ریواڑی آیا اُس زمانے میں ریواڑی نہ تو کوئی شہر تھا، نہ کوئی بستی تھی اور نہ وہاں کوئی خاص آبادی تھی بس ایک تکیہ اور ایک سرائے تھا، قبرستان میں بیٹھنے کے لئے جو جگہ بنائی جاتی ہے جہاں عموماً! مجاور وغیرہ یا قبرستان کے اندر قبر بنانے والے گورکن یا ویسے ہی قبرستان میں فاتحہ وغیرہ پڑھنے کے لئے آنے والے لوگ بیٹھتے ہیں اسے تکیہ کہتے ہیں۔ سرائے مہمان خانے کو کہتے ہیں۔ پہلے زمانے میں راستے میں جگہ جگہ سرائے بنائی جاتی تھیں اور اس کے اندر گزرنے والے لوگ ٹھہرتے تھے اور آرام کرتے تھے جس کو آج کل ہوٹل کہتے ہیں وہاں ایک سرائے تھی جس میں کچھ بھٹیارنیں رہتی تھیں، اس کے علاوہ ایک دو کسبی عورتیں بھی رہتی تھیں، بھٹیارن اور بھٹیارا کھانا پکا کر بیچنے والوں کو کہتے ہیں جس کو آج کل ہوٹل والا کہتے ہیں۔ جو عورتیں مسافروں کو کھانا بنا کر بیچتی ہیں وہ اس سرائے کے اندر مقیم تھیں اور کسبی عورت بازاری وفاحشہ عورت کو کہتے ہیں، کچھ کسبی عورتیں بھی وہاں سرائے میں رہتی تھیں اور آنے جانے والے وہاں ان سے اپنا مطلب پورا کیا کرتے تھے۔

فاحشہ عورت کی ایک نیکی

وہ صاحب کہتے ہیں کہ میں سرائے میں جا کر ٹھہرا، اور میں نے اپنا گھوڑا ایک جگہ باندھا اور چار پائی پر سر جھکا کر بیٹھ گیا کیونکہ میں متفکر تھا کہ گھر میں کھانے اور پہننے کو نہیں ہے، میرے پاس کچھ زادِراہ بھی نہیں ہے، میں آگے جا رہا ہوں، معلوم نہیں نوکری ملے گی بھی یا نہیں۔ تو ایک کسبی عورت میرے پاس آئی اور اس نے کہا کہ جوان کیا بات ہے؟ کھانے پینے کا انتظام کرنا ہے یا نہیں؟ میں نے جواب دیا کہ بھئی میں تھکا ہارا سفر سے آ رہا ہوں اور آگے بھی مجھے سفر پر جانا ہے، میں ذرا استا لوں پھر میں کچھ سوچوں گا، وہ واپس چلی گئی، تھوڑی دیر میں پھر آئی اور پھر اس نے مجھ سے کہا کہ کیا ارادہ ہے؟ میں نے پھر وہی بات اس کو بتلا دی جو پہلے اس کو کہی تھی، کچھ دیر انتظار کے بعد پھر دوبارہ میرے پاس آئی اور کہنے لگی تو ایسے ہی بیٹھا ہے جیسے آکر بیٹھا تھا، تو کیوں اتنا متفکر ہے۔ جب تیسری دفعہ اس نے پوچھا تو میں نے حقیقتِ حال بتلائی کہ میرے پاس پیسے ہیں نہیں، گھر کے اندر فقر و فاقہ چھوڑ کر آیا ہوں، میرے پاس یہ ایک گھوڑا ہے اور کچھ ہتھیار ہیں جس پر سوار ہو کر میں یہاں تک پہنچا ہوں۔ میں نے ثمر پور نوکری کے لئے جانا ہے، اب پیسے نہیں ہیں تو میں کیا کھاؤں؟ اب اگر میں یہ گھوڑا اور ہتھیار فروخت کرتا ہوں تو نوکری کرنے کے لئے آگے کیسے جاؤں؟ اس فکر میں بیٹھا ہوا ہوں۔ میری غم کی داستان سن کر اس پر بڑا اثر ہوا، وہ میری بات سن کر گئی اور تھوڑی دیر بعد واپس

آئی اور آ کر اس نے مجھے دس روپے دیئے اور کہا کہ یہ دس روپے میں نے چرخے پر سوت کات کر اپنے کفن و دفن کے لئے جمع کئے ہیں تا کہ میرا کفن و دفن حلال پیسے سے ہو کیونکہ کسی عورت کی کمائی تو حرام ہوتی ہے۔ وہ جانتی تھی کہ یہ پیشہ حرام ہے اور اس کی آمدنی بھی حرام ہے، نا معلوم وہ کسی مجبوری سے اس گناہ میں مبتلا تھی، اس نے کہا کہ میں یہ تجھ کو بطور قرض کے دیتی ہوں، اگر تیرے پاس ہو جائیں تو لوٹا دینا۔ یہ روپے لے، کھانا بھی کھا اور آرام سے جا، روزگار تلاش کر، اللہ تیری مدد کرے۔

حلال کمائی کی برکتیں

میں نے وہ دس روپے لئے اور کھانا کھایا اور یہاں سے آگے روانہ ہوا، ثمر پور میں ایک راجہ کے ہاں مجھ کو جاتے ہی معقول ملازمت مل گئی۔ اس ملازمت میں بڑی آمدنی تھی چنانچہ وہ کہتا ہے کہ چند سالوں میں، میں امیر کبیر بن گیا، میرے پاس سواری کے لئے گھوڑے اور ہاتھی ہو گئے، پہلے زمانے میں ہاتھیوں پر بھی سواری ہوتی تھی، راجہ، مہاراجہ بادشاہ لوگ ہاتھیوں پر سواری کرتے تھے تو میرے پاس گھوڑے بھی ہو گئے، ہاتھی بھی ہو گئے، حشم و خدم اور نوکر چاکر بھی ہو گئے، اچھا خاصا ٹھاٹھ باٹھ مجھ کو حاصل ہو گیا۔ اتنے میں میرے گھر سے خط آیا کہ لڑکا جوان ہو گیا ہے لڑکی والے شادی کا تقاضہ کر رہے ہیں، آپ آؤ پیسے لاؤ اور اس کی شادی کا انتظام کرو تو جو کچھ میں نے وہاں کمایا تھا اس کو میں نے سمیٹا،

زمین جائیداد اور ہاتھی گھوڑے میں نے بیچے، سب کو میں نے نقد رقم میں تبدیل کیا تو آٹھ ہزار تھے جو آج کے پچاس لاکھ کے برابر ہونگے۔ ہنڈی لے کر میں ثمر پور سے اپنے گھر واپس چلا، راستے میں پھر ریواڑی آیا اور اسی سرائے میں جا کر ٹھہرا اور وہاں میں نے اس کسبی عورت کا پتا معلوم کیا کہ اس طرح کی کسبی عورت یہاں رہتی تھی تا کہ میں دس روپے اس کو پہنچاؤں اور اس کے احسان کا شکریہ ادا کرتا جاؤں کہ اس نے ایسے بابرکت پیسے دیئے کہ جاتے ہی دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی ہوگئی۔ کسی نے کہا کہ وہ تو بہت بیمار اور صاحبِ فراش ہے اور اس کے انتقال کا وقت قریب ہے، میں اس کے پاس گیا تو وہ واقعی بہت سخت بیمار تھی۔ چنانچہ تھوڑی دیر میں اس کے پاس بیٹھا، اتنے میں اس کا انتقال ہوگیا۔ چنانچہ میں نے جا کر باقاعدہ دفنایا اور دفنا کر فارغ ہو کر میں سرائے میں ٹھہر گیا۔ رات کو میں سویا تو کوئی رات کے بارہ بجے میری آنکھ کھلی اور مجھے یاد آیا کہ میں اپنی ہنڈی تو دیکھوں کہ ہے یا نہیں تو جہاں میں نے اس کو رکھا تھا وہاں دیکھا تو وہ موجود نہیں تھی۔ بہت ڈھونڈنے کے باوجود بھی وہ ہنڈی مجھ کو نہ ملی۔ میں بڑا پریشان ہوا کہ وہ زندگی بھر کی کمائی تھی پھر مجھے خیال آیا کہ ہو نہ ہو وہ ہنڈی اس عورت کی قبر میں گری ہوگی۔

ایک مسلمان کی مدد کرنے کا انعام

رات ہی کو میں اٹھا اور سیدھا قبرستان گیا اور میں نے قبر کھودی، جب

میں قبر کے اندر نیچے اترا تو میں حیران رہ گیا کہ نہ میت ہے، نہ ہنڈی ہے اور نہ کوئی شئی ہے اور گڑھا بالکل خالی ہے، میں بہت حیران ہوا کہ میت ابھی تو یہاں رکھی گئی ہے وہ کہاں گئی؟ اس کا کیا ہوا؟ کون لے گیا؟ اور ہنڈی بھی مجھے نظر نہ آئی البتہ مجھے اس قبر میں سے ایک دروازہ نظر آیا اور میں اس دروازے سے اندر چلا گیا، اندر جا کر کیا دیکھتا ہوں کہ ایک عظیم الشان اور نہایت ہی ہرا بھرا باغ ہے جو بہت ہی خوبصورت ہے، ہر جگہ پھلوں کے درخت اور پھولوں کے پودے لگے ہوئے ہیں اور ان کے بیچ و بیچ ایک نہایت حسین وجمیل عورت بیٹھی ہوئی ہے اسے دیکھ کر میں سمجھا کہ کسی بادشاہ کی شہزادی ہوگی اور میں یہاں غلطی سے آ گیا ہوں، کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے گرفتار کر لیں اور کوئی سزا دیں تو میں اس کو دیکھ کر الٹے پاؤں پیچھے جانے لگا تو اس عورت کے اردگرد جو نوکر چاکر اور غلام باندیاں تھیں ان میں سے ایک غلام میرے پاس آیا اور مجھ سے کہا کہ وہ عورت بلا رہی ہے میں ڈرتا ڈرتا اس کے پاس گیا، اس نے کہا تو نے مجھے پہچانا نہیں؟ میں نے کہا کہ میں نے تو نہیں پہچانا اس نے کہا کہ میں وہی کسبی عورت ہوں جس نے تجھے دس روپے دیئے تھے اور جو دس روپے میں نے تجھ کو دیئے تھے اللہ تعالیٰ نے اسی کے طفیل مجھے یہ ساری نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ اللہ اکبر! زندگی کیسے گزاری اور نجات دس روپے میں ہوگئی، تو میں ہکا بکا رہ گیا اور اس نے مزید کہا: ''لے یہ تیری ہنڈی ہے تو جا رہا تھا کہ تیرے سے قبر میں گر گئی تھی''۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور پھر اس نے مجھ سے کہا کہ تو جلدی سے واپس چلا جا۔ ورنہ دنیا میں نہ جانے کیا انقلاب آ چکا ہوگا۔

عالمِ برزخ اور عالمِ دنیا میں وقت کا حساب

وہ صاحب کہتے ہیں کہ میں اس کے پاس تین گھڑی رہا، چوبیس یا پچیس منٹ کو اردو میں گھڑی کہتے ہیں تو تین گھڑی کا مطلب ہوگیا سوا گھنٹہ۔ جیسے ہی قبر سے باہر آیا تو ہنڈی میرے پاس موجود تھی لیکن دنیا کا منظر ہی میرے سامنے تبدیل ہوگیا نہ وہ تکیہ ہے، نہ وہ سرائے ہے نہ وہ لوگ ہیں، کوئی بھی میری نظروں کے سامنے نہیں ہے، نئے لوگ اور نئی دنیا اور نئی عمارتیں تھیں اور اس سرائے کی جگہ میں نے دیکھا کہ ایک عظیم الشان شہر آباد ہے اور مجھے کوئی جان پہچان والا نظر نہیں آیا، سب نوعمر، نئے لوگ اور نئے آدمی ہیں، میں ان سے پوچھ رہا ہوں کہ بھئی یہ ریواڑی شہر ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ہاں، پوچھا کہ بھئی یہاں پر ایک تکیہ تھا وہ کہاں گیا؟ اور یہاں پر ایک سرائے تھی وہاں بھٹیارنیں رہتی تھیں جو کھانا پکا کر بیچا کرتی تھیں وہ کدھر ہیں؟ انھوں نے کہا کہ تو پاگل ہے کیا، یہاں کہاں تکیہ اور کہاں سرائے؟ پھر ایک ادھیڑ عمر کا آدمی مجھے ملا اس کو میں نے کہا کہ میں یہاں سے گزرا ہوں اور یہاں دوبارہ آیا بھی ہوں یہاں یہ چیزیں تھیں اس نے کہا کہ تو بھئی کیسی باتیں کر رہا ہے میں اپنے دادا کے پاس تجھے لے جاتا ہوں ان کو جا کر تو اپنی داستان سنا شاید وہ تیری بات سمجھ سکیں۔ اس کے دادا بہت بوڑھے ہو چکے تھے، پلکیں بھی ان کی نیچے گر گئیں تھیں میں ان کے پاس گیا اور میں نے جا کر ان کو سارا قصہ سنایا تو انہوں نے کہا کہ بھئی میرے دادا بتایا کرتے تھے کہ کسی زمانے میں اس جگہ پر کوئی تکیہ اور سرائے تھی اور تکیہ کے اندر کچھ بھٹیارنیں اور کچھ کسبی عورتیں رہتی

تھیں ۔اور ایک رات ایک امیر آدمی آکر سرائے میں ٹھہرا تھا اور رات کو بارہ بجے وہ غائب ہوگیا پھر پتا نہ چلا کہ وہ کہاں گیا ہے۔اس نے کہا کہ میں وہی تو ہوں! بوڑھے آدمی کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوگئی ہائیں تو وہ آدمی ہے، میرے دادا وہ واقعہ سنایا کرتے تھے اور تو میرے پوتوں کی جگہ بھی نہیں ہے اور وہاں سب لوگ میری بات سن کر ہکا بکا رہ گئے اور حیران ہوئے کہ یہ کیسا آدمی ہے؟ پھر انہوں نے کہا کہ بھئی ایسا کر تو دلی جا اور وہاں جا کر حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا قصہ سنا اور ان سے مشورہ کر اور جیسا وہ کہیں ویسا کر!

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا مشورہ

یہ سارا قصہ سنا کر اس نے کہا حضرت! میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، آپ بتائیں میں کیا کروں؟ تو حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بھئی تو قبر میں جس دروازے سے اندر گیا تھا وہ عالمِ برزخ تھا اور وہاں کی ایک گھڑی یہاں کے سو سال کے برابر ہے، اب تو تین گھڑی اندر رہ کر آیا ہے تو تین سو سال گزر چکے ہیں، اس لئے تیرا اپنے گھر جانا بھی بے کار ہے، سب قبرستان میں پہنچ چکے ہوں گے اور مٹی ہو چکے ہوں گے، اب تجھے نہ یہاں رہنے کی ضرورت ہے اور نہ کسی اور جگہ جانے کی ضرورت ہے۔ تیرا یہاں رہنا بھی بے کار ہے، پھر حضرت نے اپنے پاس سے کرایہ دیا اور کہا تو مکہ مکرمہ چلا جا اور وہاں جا کر عبادت کر اور پھر وہیں دفن ہو جا۔ یہ کیسا عجیب وغریب واقعہ ہے! دنیا کا عالم الگ ہے، عالمِ برزخ الگ ہے، عالمِ آخرت الگ ہے ہر ایک کی شان الگ

ہے۔

عالمِ برزخ برحق ہے

یہ دراصل عالمِ برزخ تھا۔ وہ کسبی عورت مرنے کے بعد عالمِ برزخ میں پہنچ گئی اور اللہ تعالیٰ نے اس کی قبر کو ایک باغ میں تبدیل فرمادیا تھا، جہاں ہر طرح کی راحتیں اس کو میسر تھیں نوکر چاکر، غلام باندیاں اللہ نے اس کو دل بہلانے کے لئے عطا فرمادی تھیں اور اللہ تعالیٰ نے یہ واقعہ ہمارے لئے عبرت کے واسطے ظاہر فرمادیا جس سے عالمِ برزخ کا برحق ہونا واضح ہوگیا اور یہ بھی واضح ہوگیا کہ جب آدمی کی مغفرت ہو جاتی ہے تو قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بن جاتی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ تیسرا یہ کہ اس کا عمل ایسا قبول ہوا کہ اس کی نجات کا سبب بن گیا۔

لیکن اس میں ہمارے لئے جو سب سے بڑا سبق ہے وہ یہ ہے کہ یہاں کوئی نیک کام کرے تو برزخ میں اس کے لئے نجات کا سامان ہے جیسے یہاں کوئی گناہ کرے تو عذاب کا اندیشہ ہے۔ عذاب قبر کے کتنے بے شمار اور ان گنت واقعات ہیں۔ عالمِ برزخ برحق ہے، وہاں کا عذاب وثواب برحق ہے یہاں رہ کر جو نیک کام کرے گا تو وہ عالمِ برزخ میں اس کے لئے راحت کا سبب بنیں گے۔ اب دیکھو! وہ کیسی عورت تھی، جس کا پیشہ بھی برا اور اس کی آمدنی بھی ناجائز تھی لیکن اس نے حلال کے دس روپے کمائے اور ایک مسلمان کی مجبوری دیکھ کر

اس کو بطور قرض دے دیئے اور اس کا یہ نیک عمل قبول ہو گیا اور اس ایک نیکی کے قبول ہونے کی وجہ سے زندگی بھر کے سارے گناہ مٹ گئے اور آخرت میں اس کے لئے آرام وراحت کا سامان ہو گیا۔

بُرے سے بُرے شخص کو بھی حقیر نہ سمجھیں

اس واقعہ میں دوسرا سبق یہ ہے کہ دیکھو! کیسی عورت تھی؟ اور عمل کیسا نیک کر رہی ہے؟ لہٰذا کسی بدکار سے بدکار اور بُرے سے بُرے آدمی کو بھی حقیر نہیں سمجھنا چاہئے اور کبھی اس کے ظاہری فسق و فجور سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے۔ اس لئے کہ ہمارے سامنے اس کا تھوڑا سا ظاہر ہے، پورا ظاہر بھی ہمارے سامنے نہیں ہے اور باطن ہمارے سامنے ہے ہی نہیں، اللہ تعالیٰ علیم وخبیر ہیں، اس لئے کیوں کوئی ایسے شخص کو حقیر سمجھ کر تکبر میں مبتلا ہو اور اپنی آخرت خراب کرے؟ کہ شاید اس کا کوئی نیک عمل اللہ کے یہاں مقبول ہو کر ذریعۂ نجات بن جائے، اس لئے کسی کو ذلیل وحقیر نہیں سمجھنا چاہئے۔ ہر مسلمان سے فی الحال اپنے آپ کو حقیر اور کم تر سمجھنا چاہئے اور دوسروں کو اپنے سے اچھا سمجھنا چاہئے، چاہے کوئی ظاہر میں کتنا ہی برا ہو، اس لئے کہ دوسرے کو اپنے سے حقیر سمجھنا اور اپنے کو دوسرے سے اچھا سمجھنا تکبر ہے، اور تکبر سے بڑھ کر کیا گناہ ہوگا؟ ہاں گناہوں کو برا سمجھنا چاہئے

اور ان سے بچنا چاہئے۔ بہرحال! تھی تو وہ کسبی عورت لیکن اس غریب کے ساتھ احسان کر گئی اور اس کی یہ نیکی اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہوگئی۔

صحبتِ اہل اللہ ضروری ہے

اور اس واقعہ کے اندر تیسرا سبق یہ ہے کہ اللہ والوں کی صحبت کتنی اکسیر، کتنی زبردست اور کیسی نافع چیز ہے کہ وہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی خدمت میں چلا گیا تو اس کا مسئلہ آسانی سے حل ہوگیا ورنہ ساری دنیا اس کے لئے اندھیرا تھی، نہ اس کی ماں ہے، نہ اس کا بھائی ہے، نہ اس کے گھر والے، نہ رشتے دار ہیں، نہ خاندان والے ہیں، نہ برادری والے ہیں کیونکہ تین سو سال گزر گئے، دنیا میں تین سو سال کے اندر کیا انقلاب آجاتا ہے۔

جن کے محلوں میں ہزاروں رنگ کے فانوس تھے
جھاڑ ہیں ان کی قبر پر اور نشان کچھ بھی نہیں

اللہ والوں سے مشورہ کرنا چاہئے

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری نصیب ہوگئی انہوں نے کیسا مشورہ دیا! کہ تو دنیا کو لات مار اور خانہ کعبہ جا کر اللہ اللہ کر اور جانے کا کرایہ بھی اپنے پاس سے عطا فرمایا۔ اس میں ہمارے لئے نصیحت یہ ہے کہ ہمیں اپنے اہم معاملات میں اپنے بڑوں سے مشورہ لینا چاہئے اور اس پر عمل

کرنا چاہئے، اپنی رائے پر نہیں چلنا چاہئے جو آدمی اپنی رائے پر عمل کرتا ہے وہ اکثر غلطی کرتا ہے اس کا انجام خراب ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس واقعے سے سبق لینے کی توفیق عطا فرمائیں اور بے حیائی اور دیگر گناہوں سے زیادہ سے زیادہ بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین!

❁❁❁ وآخر دعوانا ان الحمدللّٰہ رب العالمین ❁❁❁

مقامِ خوف

اور

اُس کے درجات

حضرت مولانا مفتی عبد الرؤف سکھروی دامت برکاتہم العالیہ
نائب مفتی، جامعہ دارالعلوم کراچی

ضبط و ترتیب
مولانا محمد قاسم امین صاحب ملتانی
متخصص جامعہ دارالعلوم کراچی
استاذ جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی کراچی

مکتبۃ الاسلام کراچی

رأس الحکمة مخافة الله

ترجمہ

حقیقی حکمت ودانائی خوفِ الٰہی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمده ونصلى على رسوله الكريم

اما بعد!

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی کتاب "تعلیم الدین" کی پانچویں فصل خوف کے بیان میں ہے، انسان کے باطن اور اس کے دل میں جو اچھی اچھی عادتیں ہونی چاہئیں ان میں سے ایک عادت اور خصلت خوفِ خداوندی ہے، ہر مسلمان مرد و عورت کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہونا چاہئے۔

خوف و امید کی درمیانی کیفیت کا نام ایمان ہے

جس طرح اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور رحمت کی امید رکھنی چاہئے اسی

طرح اللہ تعالیٰ کا خوف بھی ہونا چاہئے، حدیث شریف میں ہے کہ:

"اَلْاِیْمَانُ بَیْنَ الرَّجَاءِ وَ الْخَوْفِ"

ترجمہ

"ایمان امید اور خوف کے درمیان ہے"۔

یعنی وہ شخص صاحبِ ایمان ہے جس کے دل میں اللہ تعالیٰ سے اس کی رحمت کی امید ہو، مغفرت اور بخشش کی امید ہو، اور اس کے عذاب اور اس کی پکڑ کا خوف بھی ہو، جس کے دل میں یہ دونوں باتیں جمع ہوں، وہ صاحبِ ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بالکل مایوس ہو جانا بھی کفر ہے، اور سرے سے بے خوف ہو جانا بھی کفر ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونے کا مطلب

اگر اللہ کی رحمت سے کوئی مایوس ہو جائے یعنی یہ سمجھے کہ میرے گناہ تو اتنے ہیں، اتنے ہیں اور بڑے بڑے ہیں کہ اب معاف نہیں ہو سکتے، اور العیاذ باللہ میری بخشش نہیں ہو سکتی، اللہ تعالیٰ مجھے معاف نہیں کر سکتے، یہ مایوسی ہے، یہ کفر ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلامِ پاک میں جگہ جگہ ارشاد فرمادیا کہ میں غفور الرحیم ہوں، میں سارے گناہوں کو بخش دوں گا، اور بڑے سے بڑا کافر اور مشرک بھی اگر سچے دل سے توبہ کرے اور ایمان لائے تو اللہ تعالیٰ اس کی بھی

بخشش فرما دیتے ہیں، رایک حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں کو مخاطب کر کے ارشاد فرماتے ہیں:

يَا عِبَادِي لَوْأَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَ إِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلٰى أَتْقٰى قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِنكُمْ مَا زَادَ ذٰلِكَ فِيْ مِلْكِيْ شَيْئًا ، يَا عِبَادِيْ لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَاٰخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوْا عَلٰى أَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِنكُمْ مَانَقَصَ ذٰلِكَ مِنْ مِلْكِيْ شَيْئًا.

(مشکوٰۃ: ص ۲۰۳)

ترجمہ

''اے میرے بندو! تمہارے پہلے اور پچھلے انسان و جنات سب کے سب ایک سب سے متقی آدمی کے دل کی مانند ہو جاؤ تو اس سے میری بادشاہی میں ذرہ برابر اضافہ نہ ہوگا، اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے اور پچھلے، انسان و جنات سب کے سب ایک انتہائی فاجر دل انسان کی مانند ہو جائیں تو میری بادشاہی میں ذرہ برابر کمی نہیں آئے گی''۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونا تو قرآن و حدیث کے بالکل

خلاف ہے، قرآنِ کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ يَاعِبَادِيَ الَّذِيْنَ أَسْرَفُوْا عَلٰى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ، إِنَّهُ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ. (الزمر: ۵۳)

ترجمہ

(اے ہمارے پیغمبر!) آپ کہہ دیجئے اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر (میری نافرمانی کرکے) زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے تم مایوس مت ہو، بلاشبہ اللہ (تمہارے) سارے گناہ معاف کردے گا، بے شک وہ بڑا ہی غفور الرحیم ہے۔

نیز حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَوْ يَعْلَمُ الْمُؤْمِنُ مَاعِنْدَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ مِنَ الْعُقُوْبَةِ ، مَاطَمِعَ بِجَنَّتِهٖ أَحَدٌ ، وَلَوْيَعْلَمُ الْكَافِرُ مَاعِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الرَّحْمَةِ ، مَاقَنَطَ مِنْ جَنَّتِهٖ أَحَدٌ.

(أخرجه البخاري: ۶۴۶۹ ومسلم: ۲۷۵۵)

ترجمہ

''اگر مؤمن کو اس عذاب و سزا کا پتہ چل جائے جو (نافرمانوں کے لئے) اللہ تعالیٰ کے پاس ہے تو کوئی بھی اس کی جنت کی طمع نہ کرے اور اگر کافر کو اس رحمت کا علم ہو جائے تو کوئی اس کی جنت سے مایوس نہ ہو''۔

بہر حال اللہ بچائے رحمت سے مایوسی کفر ہے، ہر مسلمان مرد اور عورت کے لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنی مغفرت کی امید رکھے، اور یہ سمجھے کہ انشاء اللہ تعالیٰ میری بخشش ہوگی۔ اللہ تعالیٰ مجھ پر رحم فرمائیں گے، کم از کم اس قدر تو اپنے دل میں اللہ تعالیٰ سے امید رکھنی ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بے خوف ہونے کا مطلب

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے عذاب سے، اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بے خوف ہو جانا اور نڈر ہو جانا اور یہ سمجھ لینا کہ العیاذ باللہ میری پکڑ ہو ہی نہیں سکتی، مجھے اللہ تعالیٰ عذاب دے ہی نہیں سکتے تو یہ بھی کفر ہے، اس لئے کہ قرآن و حدیث اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بھرے ہوئے ہیں، جس طرح قرآن و حدیث میں بار بار جنت کا ذکر ہے، اسی طرح جہنم کا بھی ذکر ہے، اور مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ جنت حق ہے، جہنم حق ہے، اور فی الحال دونوں موجود ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَللّٰهُمَّ اَشْهَدُ اَنَّ وَعْدَکَ حَقٌّ ، وَلِقَاءَکَ حَقٌّ وَالْجَنَّةَ حَقٌّ ، وَالنَّارَ حَقٌّ ، وَاَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَّارَيْبَ فِيْهَا وَاَنَّکَ تَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ.

(تفسیر ابن کثیر: ج۔۱،ص۔۵۰۹)

ترجمہ

''اے اللہ! میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ کا وعدہ برحق ہے، آپ کی ملاقات حق ہے، جنت حق ہے، جہنم حق ہے اور بیشک قیامت آئے گی، اس کے آنے میں کوئی شبہ نہیں، اور آپ مُردوں کو قبروں سے زندہ کر کے اٹھائیں گے''۔

معلوم ہوا کہ جنت بھی موجود ہے اور جہنم بھی موجود ہے، اور دنیا سے جانے کے بعد جنتی جنت میں جائیں گے اور جہنمی جہنم میں جائیں گے۔ جنت کی نعمتیں برحق ہیں، جہنم کے عذاب برحق ہیں، اور قسم قسم کے عذابوں کا اللہ پاک نے کلام پاک میں ذکر فرمایا ہے، احادیثِ طیبہ میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا ہے، وہ اسی لئے فرمایا ہے تاکہ ہم لوگ اللہ کے عذاب سے ڈریں، جہنم سے ڈریں، قبر کے عذاب سے ڈریں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچیں۔ لہٰذا جو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے خوف ہوجائے، نڈر ہوجائے تو چونکہ یہ قرآن و

حدیث کے بالکل خلاف ہے اس لئے یہ بھی موجبِ کفر ہے، ایمان یہ ہے کہ ہر بندۂ مؤمن کے دل میں اللہ کی طرف سے بخشش کی امید بھی ہو، اور پکڑ کا خطرہ بھی ہو کہ میری پکڑ بھی ہوسکتی ہے، اللہ تعالیٰ مجھے عذاب بھی دے سکتے ہیں۔ لہٰذا ہر مسلمان کے دل میں خوف بھی ہونا چاہئے۔

خوف کے معنی اور مؤمن ہونے کے لئے کتنا خوف ضروری ہے؟

خوف کے معنی ڈر کے ہیں اور تصوف کی اصطلاح میں خوف اسے کہتے ہیں کہ آدمی اپنے بارے میں یہ سمجھے کہ مجھے عذاب ہوسکتا ہے، میری پکڑ ہوسکتی ہے، کم از کم اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا اتنا خوف ہونا شرطِ ایمان ہے، اتنا خوف ہو تو سمجھو کہ وہ صاحبِ ایمان ہے، اور ہر صاحبِ ایمان میں اتنا خوف تو ہوتا ہی ہے کیونکہ اس کو خطرہ ہوتا ہے کہ کہیں میری پکڑ نہ ہوجائے، اس کو پکڑ کا اندیشہ اور ڈر ہوتا ہے، جیسے امید ہوتی ہے کہ میری بخشش بھی ہوجائے گی اسی طرح ڈر بھی ہے کہ کہیں میری پکڑ نہ ہوجائے، تو خوف کا اتنا درجہ تو کم از کم ہر مسلمان مرد و عورت کے دل میں ہونا ضروری ہے، یہ شرطِ ایمان ہے۔ اور اسی کو خوفِ عقلی کہتے ہیں۔ از روئے عقل آدمی یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ قادر ہیں، اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کوئی حد نہیں ہے، وہ جب چاہیں، جہاں چاہیں، جس وقت چاہیں، جس طرح چاہیں،

میری پکڑ فرما سکتے ہیں، اور مجھے عذاب دے سکتے ہیں۔ خوف کا یہ درجہ ایماندار ہونے کے لئے ضروری ہے جس کے دل میں اتنا خوف ہوگا وہ صاحب ایمان ہوگا، اللہ تعالیٰ نصیب فرمائے رکھے۔ (آمین)۔

خوف کا درجۂ فرض

دوسرا درجہ خوف کے اندر یہ ہے کہ جب گناہ کا کوئی موقع آجائے، نافرمانی کا کوئی موقع آجائے، فسق و فجور کا کوئی موقع آجائے تو اس وقت اللہ تعالیٰ کے عذاب کو یاد کر کے اس گناہ کی وعیدوں کو مستحضر کر کے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی، اس کی عظمت، اس کے جلال کو یاد کر کے اس گناہ سے بچ جائے، خوف کا یہ درجہ فرض ہے اور اس کو حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت کے اوپر ضروری ہے، فرض ہے۔ اب ہمیں اپنا جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ یہ درجہ فرض ہم نے ادا کیا ہوا ہے یا نہیں؟ ہم اس فرض پر عمل کر رہے ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں کر رہے تو پھر سمجھ لیجئے کہ جیسے فرض کا چھوڑنے والا گناہ گار ہوتا ہے اسی طرح خوف کے اس درجۂ فرض کا چھوڑنے والا بھی گناہ گار ہے، کافر تو نہیں ہوگا کیونکہ جتنا خوف شرطِ ایمان ہے وہ موجود ہے، لیکن جتنا خوف ہونا فرض ہے وہ موجود نہیں، یعنی جب گناہ کا موقع آتا ہے تو بے خوف و خطر وہ گناہ کر لیتا ہے، جہاں گانا گاتے ہوئے کسی کو دیکھا، سننا شروع کر دیتا ہے، جہاں کسی کو ڈانس کرتے ہوئے دیکھا تو ڈانس دیکھنا

شروع کر دیتا ہے، جہاں جھوٹ اور غیبت کا موقع آیا، بے دھڑک غیبت اور جھوٹ بولنا شروع کر دیتا ہے، جہاں جھوٹی قسم کھانے کا موقع آیا، فوراً اس نے جھوٹی قسم کھالی، تہمت لگادی، الزام لگادیا، غصب کرلیا، ظلم کرلیا، رشوت لے لی، سود کھالیا، ذرا بھی اللہ کے عذاب سے نہ ڈرے، ذرا بھی اللہ کی پکڑ سے نہ ڈرے۔ ڈاڑھی منڈانا حرام ہے، اور قرآن و حدیث سے اس کا ناجائز اور گناہ ہونا ثابت ہے۔ تب ہی تو چاروں امام اس کے حرام ہونے پر متفق ہوئے ہیں، اب جب موقع آتا ہے تو بے دھڑک، بے خوف و خطر ڈاڑھی منڈوالیتا ہے، اللہ کے عذاب سے ڈرتا نہیں ہے۔ اللہ کی پکڑ سے ڈرتا نہیں ہے، اللہ کی ناراضگی سے ڈرتا نہیں ہے، اپنی ڈاڑھی منڈا رہا ہے۔ یہی حکم ایک مٹھی سے چھوٹی ڈاڑھی رکھنے کا بھی ہے، یعنی ڈاڑھی رکھتا تو ہے لیکن خشخشی ڈاڑھی رکھے ہوئے ہے، کترواکر اپنی ڈاڑھی چھوٹی کر رکھی ہے، یہ بھی حرام ہے، یہ بھی ناجائز ہے، یہ بھی گناہ ہے۔ جہاں بدنگاہی کا موقع آیا، حکم تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈر کر اپنی آنکھ نیچی کرلو، دل میں اللہ تعالیٰ کا اتنا خوف ہونا ضروری ہے کہ اس خوف کی وجہ سے اولاً تو آدمی کسی نامحرم عورت پر یا جہاں نظر ڈالنا ناجائز ہے وہاں قصداً نظر ہی نہ ڈالے، اور اگر پڑ جائے تو فوراً ہٹالے، یہ خوفِ خدا کا تقاضا ہے، اور خوفِ خدا نہیں ہے تو بے خوف و خطر دیکھ رہا ہے، بے دھڑک اپنی آنکھوں کو گندا کر رہا ہے، آنکھوں سے بھی ز.

کررہا ہے، دل سے بھی زنا کر رہا ہے، کیونکہ نامحرم عورتوں کو شہوت کے ساتھ دیکھنا یا نامحرم عورتوں کا شہوت سے نامحرم مردوں کو دیکھنا آنکھوں کا زنا ہے۔ تصور ہی تصور میں، خیال ہی خیال میں اور دل ہی دل میں نامحرم مردوں کا، نامحرم عورتوں سے لذت لینا دل کا زنا ہے۔ یا نامحرم عورت کو چھونا یا نامحرم عورت کا نامحرم مرد کو چھونا، ہاتھوں کا زنا ہے۔ اور اس مقصد سے چل کر جانا یہ پیروں کا زنا ہے۔ اب ہر مسلمان مرد و عورت کے دل میں اتنا خوفِ خدا ہونا فرض ہے کہ جب گناہ کا موقع آئے تو وہ فوراً اللہ کے خوف سے اپنی آنکھوں کو نیچے کر لے، اپنا ہاتھ روک لے، اپنے دل سے اُس خیال کو نکال دے، اپنے پیروں کو اُس گناہ کی طرف چلنے سے روک لے۔

ایک عجیب وغریب دعاء

حدیث شریف میں یہ دعاء آئی ہے کہ:

اَللّٰهُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْيَتِكَ مَا تَحُوْلُ بِهٖ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعَاصِيْكَ.

(جامع الترمذی: باب ماجاء فی عقد التسبیح بالید، حدیث نمبر ۳۴۴۴)

ترجمہ

''یا اللہ ہمیں اتنا خوف عطاء فرما دیجئے کہ جو ہمارے اور آپ

کی نافرمانیوں کے درمیان حائل ہو جائے''۔

یعنی ہمارے دل میں آپ اپنا اسقدر خوف بھر دیجئے کہ جب گناہ کا موقع آئے تو ہم اس خوف کی وجہ سے گناہ سے بچ جائیں۔

وَمِنْ طَاعَتِکَ مَا تُبَلِّغُنَا بِهٖ جَنَّتَکَ.

ترجمہ

''اور اپنی اتنی عبادت اور بندگی نصیب فرما جو ہمیں جنت تک پہنچادے''۔

وَمِنَ الْيَقِيْنِ مَا تُهَوِّنُ بِهٖ عَلَيْنَا مَصَائِبُ الدُّنْيَا.

ترجمہ

''اور اپنی ذات اقدس پر اپنا یقین عطا فرما دیجئے کہ دنیا کی مصیبتیں سہل ہو جائیں''۔

یعنی ہمارے دل میں یہ یقین پیدا ہو جائے کہ جو بھی پریشانیاں ہیں، جو بھی بیماریاں ہیں، جو بھی تکلیفیں ہیں اور جو بھی حادثات و سانحات ہیں سب اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت پر مبنی ہیں، اور سراسر ہمارے حق میں نافع اور مفید ہیں، جب یہ یقین پیدا ہو جائے گا تو مصیبت مصیبت نہیں رہے گی، صورۃً تو مصیبت ہوگی لیکن حقیقۃً مصیبت نہ ہوگی۔

حکمت الٰہیہ کو سمجھنے کے لئے ایک مثال

ایک بزرگ نے اس کو بڑی اچھی مثال سے سمجھایا ہے کہ دیکھو ایک سانپ اصلی ہوتا ہے کہ اگر وہ کسی مجمع میں ڈال دو تو مجمع بکھر جائے، خوف کے مارے سب بھاگ پڑیں، اور ایک کاغذ کا سانپ ہوتا ہے کہ جس کو بچہ بچہ ہاتھ میں لئے پھرے، اور کسی کو ڈر نہ لگے، حالانکہ بعض مرتبہ کاغذ کے اوپر بنا ہوا سانپ اصل سے بھی زیادہ چمکیلا اور خوفناک ہوتا ہے، ہیں تو دونوں سانپ، لیکن ایک سانپ سے ڈر لگ رہا ہے اور دوسرے سانپ سے ڈر نہیں لگ رہا، تو جس کے دل میں یقین آجائے کہ اللہ پاک جو کر رہے ہیں سب حکمت سے کر رہے ہیں، ہماری مصلحت سے کر رہے ہیں، سراسر ہمارے فائدے کے لئے کر رہے ہیں، تو اس کے لئے بیماری بھی راحت ہو جاتی ہے، ورنہ تو معمولی سی تکلیف بھی انسان کے پیمانۂ صبر کو لبریز کر دیتی ہے، اور انسان حواس باختہ ہو جاتا ہے، اور اتنا پریشان ہو جاتا ہے کہ کسی کروٹ اس کو سکون نہیں آتا، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عجیب وغریب دعا فرمائی:

وَمَتِّعْنَا بِاَسْمَاعِنَا وَاَبْصَارِنَا وَقُوَّتِنَا مَا اَحْيَيْتَنَا.

(جامع الترمذی: باب ماجاء فی عقد التسبیح بالید، حدیث نمبر ۳۴۲۴)

ترجمہ

''اور آپ ہمیں نفع اٹھانے کی توفیق دیتے رہیے، ہماری سماعتوں سے اور ہماری بصارتوں سے اور ہماری قوتوں سے جب تک آپ ہمیں زندہ رکھیں۔''

یعنی جو چلنے کی قوت ہے، بولنے کی قوت ہے، سننے کی قوت ہے، سونگھنے کی قوت ہے، کھانے کی قوت ہے، ان ساری طاقتوں کو، ساری قوتوں کو آخیر دم تک بحال رکھئے، اور ان سے ہمیں نفع اٹھانے کی توفیق دیتے رہیے، مرتے دم تک ہر معذوری سے، مجبوری سے، لاچاری سے، اور بیکسی سے محفوظ رکھئے، ہماری بینائی بھی صحیح رہے، ہماری سماعت بھی صحیح رہے، ہمارے سارے اعضاء صحیح سلامت رہیں۔ آمین۔

ایک بزرگ کی عجیب وغریب دعائیں

چنانچہ ایک بزرگ، مولانا عبد الحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو ہمارے دارالعلوم کے کتب خانہ کے ناظم تھے اُن کے والد حافظ عبد الولی صاحبؒ جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے میں نے اُن کی الحمدللہ بارہا زیارت کی ہے، وہ ایک دعا بہت کثرت سے کرتے تھے کہ یا اللہ سلامتیٔ اعضاء اور سلامتیٔ

ایمان کے ساتھ دنیا سے لے جانا، سبحان اللہ، سلامتی اعضاء اور سلامتی ایمان کے ساتھ دنیا سے اٹھانا یعنی جب تک آپ دنیا میں رکھیں ہر معذوری سے محفوظ رکھئے گا، اور ایمان سلامت رکھئے گا کہ سلامتی ایمان کے ساتھ دنیا سے چلے جائیں، اس لئے کہ ایمان دنیا اور آخرت میں سب سے بڑی نعمت ہے۔

ایسے ہی جب کوئی نکاح کرنے کے بعد ان کے پاس آتا تو اس کو بھی ایک عجیب دعا دیتے تھے جو یاد رکھنے کی ہے کہ نکاح کی مبارک باد دیتے اور اس میں یہ دعاء دیتے کہ نیک رہو، اور ایک رہو، اللہ تعالیٰ تمہیں نیک رکھے اور ایک رکھے۔ یعنی گھل مل کر رہو، مزاج میں موافقت رہے اور نیکی پر قائم رہو، اسی لئے کہ اگر نیک نہ رہو تو مصیبت، ایک نہ رہو تو مصیبت، میاں بیوی میں اتفاق ہے تو سب کچھ ہے، نا اتفاقی ہے تو کچھ بھی نہیں ہے، پھر گھر کے اندر سوائے عذاب اور تکلیف کے کچھ بھی نہیں۔

گناہ کے موقع پر کیا کرنا چاہئے؟

بہرحال! اس دعا کے شروع میں آپ نے فرمایا کہ:

اَللّٰهُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْيَتِكَ مَا تَحُوْلُ بِهٖ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعَاصِيْكَ.

ترجمہ

''یا اللہ! ہمیں اتنا خوف عطا فرما دیجئے جو ہمارے اور آپ کی نافرمانی کے درمیان حائل ہو جائے''۔

لہٰذا خوف کا یہ درجہ تو فرض ہے کہ جب کوئی گناہ کا موقع آ جائے اور بھئی! صبح سے شام تک ایسے مواقع آتے ہی رہتے ہیں، اور جب صبح سے شام تک آتے رہتے ہیں تو ساری زندگی آتے ہیں، جس طرح نماز کا موقع آتا ہے، ذکر کا موقع آتا ہے، تسبیح کا موقع آتا ہے، شکر کا موقع آتا ہے، صبر کا موقع آتا ہے، اسی طرح گناہ کے مواقع بھی صبح وشام آتے رہتے ہیں، لہٰذا جب گناہ کا موقع آ جائے تو اُس وقت اس گناہ سے اپنے آپ کو اللہ کے خوف کے ذریعے بچالے۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب کو یاد کر کے اللہ تعالیٰ کی پکڑ کو مستحضر کر کے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کو مدنظر رکھتے ہوئے اس گناہ سے بچ جائے، یہ فرض ہے۔

خوف کا درجۂ فرض چھوڑنا گناہ ہے

اب یہ جو فرض بیان کیا جا رہا ہے، اس لئے بیان کیا جا رہا ہے کہ ہم اس درجۂ فرض کو حاصل کریں، ورنہ اس فرض کو چھوڑنے کی وجہ سے بھی گناہگار رہوں گے، جیسے بندہ شکر کا درجۂ فرض چھوڑنے سے گناہگار رہتا ہے، خوف کا درجۂ فرض چھوڑنے سے بھی گناہ گار ہوتا ہے اس لئے کہ جس طریقے سے اللہ پاک نے قرآن شریف کے اندر نماز کا حکم دیا ہے، نماز کو فرض قرار دیا ہے، روزہ کو فرض

قرار دیا ہے، صبر کو فرض قرار دیا ہے، شکر کو فرض قرار دیا ہے، زہد کو فرض قرار دیا ہے، رجاء کو فرض قرار دیا ہے، خوف کو بھی فرض قرار دیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ. الآية

(سورة البقرة: ۱۵۰)

ترجمہ

''ان سے مت ڈرو، مجھ سے ڈرو''۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ خوف کا حکم دے رہے ہیں، اس طرح اور بہت ساری آیات ہیں کہ جن میں اللہ پاک نے اس کا ذکر فرمایا ہے کہ ''مجھ سے ڈرو'' لہٰذا اس درجۂ فرض کی ہمیں فکر کرنا چاہئے، یہ درجۂ فرض ہمیں حاصل ہو جائے تو سمجھو کہ ہماری اصلاح ہو جائے۔

گناہ کیوں ہوتے ہیں؟

یہ سارے گناہ جو ہو رہے ہیں یہ بے خوفی کی وجہ سے ہو رہے ہیں کہ جب گناہ کا موقع آتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے عذاب کا استحضار نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ کی پکڑ کا استحضار نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ کی ہیبت اور ان کے جلال کا ہمیں اندیشہ نہیں ہوتا، بس اس وقت ہم بالکل غافل ہو جاتے ہیں۔ اور غافل ہونے کی بناء پر گناہ کر بیٹھتے ہیں، لیکن فرض یہ ہے کہ ہم اس وقت یاد کریں اور یہ یاد کرنا ہمارے

اختیار میں ہے، جیسے نماز پڑھنا اختیار میں ہے، روزہ رکھنا اختیار میں ہے، اسی طرح گناہ کے موقع پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کو یاد کرنا بھی سو فیصد ہمارے اختیار میں ہے، لہٰذا اس وقت یاد کریں اور یاد کر کے پھر گناہ سے بچیں۔

شراب کا دسواں مٹکا نہیں توڑا

ایک عجیب واقعہ یاد آیا، ایک بزرگ مولانا ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ تھے، جو اپنے زمانے میں بہت بڑے اور پائے کے عالم سمجھے جاتے تھے، ایک دن یہ دریا کے کنارے ٹہل رہے تھے کہ اچانک دیکھا کہ ایک کشتی آئی، اور اس میں سے شراب کے مٹکے اتار اتار کر کنارے پر رکھے جانے لگے، اور یہ کسی مسلمان خلیفہ کے زمانے کا واقعہ ہے، جب مسلمانوں کی حکومت دنیا میں قائم تھی، خلافت قائم تھی، اور اسلامی نظام قائم تھا، مولانا ابوالحسن نوری پہلے تو اس بات سے حیران ہوئے کہ اسلامی حکومت میں شراب کیسے آ گئی؟ پھر ان لوگوں کے پاس گئے جو کشتی میں سے شراب کے مٹکے اتار اتار کر دریا کے کنارے پر رکھ رہے تھے، ان سے پوچھا کہ یہ شرب کس کے لئے ہے اور کہاں سے آئی؟ انہوں نے کہا کہ یہ تو خلیفہ کے لئے آئی ہے، خلیفہ کا نام سن کر ان کو اور بھی شدید غصہ آ گیا، کہ خلیفہ جس کا کام یہ ہے کہ شرب نوشی کو بند کرے اور شراب پینے والوں کو سزا دے، ان پر حدِ شرعی جاری کرے، یہ شراب خود اُسی کے لئے آ رہی ہے؟ خلیفہ پر انہیں بڑا طیش آیا،

اور ہاتھ میں عصا تھا، بس انہوں نے غصہ میں آکر ایک ایک کر کے مٹکے توڑنا شروع کر دیئے، کُل دس مٹکے تھے، نو توڑ دیئے اور ان سب کی شراب بہہ کر دریا میں چلی گئی، لیکن دسواں مٹکا چھوڑ دیا، جب خلیفہ کی شراب دریا میں بہہ گئی تو شراب اتارنے والے دوڑ کر خلیفہ کے پاس گئے اور کہا کہ آپ کے لئے اسپیشل شراب تیار کرا کے لائی گئی تھی، اور فلاں فلاں ایسے شخص نے شراب کے مٹکوں میں سے نو مٹکے توڑ دیئے ہیں اور ایک چھوڑ دیا ہے، خلیفہ نے فوراً گرفتاری کا حکم دیا، اور انہیں گرفتار کر کے خلیفہ کے سامنے پیش کیا گیا، اس زمانے میں جو خلیفہ تھا وہ بھی بڑے خونخوار انداز میں دربار میں بیٹھا کرتا تھا، ایک خود اس کے سر پر ہوتا تھا، اس میں بڑے بڑے دو سینگ ہوتے تھے، اور اس کا سارا سر اور سینہ لوہے کے اندر چھپا رہتا تھا، دربار میں اس طرح ہیبت ناک شکل بنا کر بیٹھتا تھا تا کہ درباریوں پر اس کا رعب رہے، آنکھیں بھی لال لال، چہرہ بھی کالا کالا اور اس پر یہ خوفناک شکل اور خود پہنا ہوا، اس میں بھی دو سینگ نکلے ہوئے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آدھا کوئی خوفناک جانور ہے، اب مولانا ابوالحسن نوری کو پکڑ کر لے گئے تو یہ جری آدمی تھے اس کی ہیبت وغیرہ سے متاثر نہ ہوئے، اور جا کر کے اس کے قریب بیٹھ گئے، پہلے تو وہ اس طرزِ عمل سے ہی جھینپا کہ یہ کیسا آدمی ہے سب تو میری شکل دیکھ کر کانپتے ہیں، اور یہ میرے پاس ہی آکر بیٹھ گئے، خیر اس نے اپنی خفت کو

چھپایا، اور پھر کہا کہ تمہارا کیا نام ہے؟ کہا کہ عبداللہ، اُس نے کہا کہ عبداللہ تو سب ہی ہوتے ہیں، تمہارا اصلی نام کیا ہے؟ فرمایا میرا نام تو یہ ہے لیکن میں بھی اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں، جیسے تو اللہ کا بندہ ہے، دونوں اللہ کے بندے ہیں، تو اس نے کہا کہ یہ شراب کے مٹکے تم نے توڑے ہیں؟ کہا ہاں میں نے توڑے ہیں، خلیفہ نے کہا کس کے حکم سے توڑے ہیں؟ کہا اُس کے حکم سے توڑے ہیں جو تجھ پر بھی حاکم ہے، اللہ اکبر، تھا تو وہ بھی مسلمان، اب جو یہ سنا تو ایک دم اس کے غصہ کا پارہ نیچے بیٹھ گیا، اور اس کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا، نادم اور شرمندہ ہو گیا کہ ہائے دیکھو کیسی بات کہہ رہے ہیں، بات بھی کیسی عجیب کہ اس کے حکم سے توڑے ہیں جو تجھ پر بھی حاکم ہے، اصل حاکم تو اللہ تعالیٰ ہیں، اس کے حکم سے توڑے ہیں تو اس نے کہا کہ پھر تم نے نو کیوں توڑے؟ ایک کیوں بچایا؟ دس کے دس کیوں نہ توڑ دیئے؟ تو انہوں نے کہا کہ جب میں مٹکے توڑنے لگا تو نو تک مجھے سوائے اللہ تعالیٰ کے واسطے غصہ آنے کے کوئی اور وجہ نہ تھی، اور اللہ تعالیٰ کے خوف کے سوا کسی کا بھی مجھے خوف نہیں تھا، اللہ کے لئے مجھے طیش آیا اس طیش کے اندر میں لاٹھی مارتا چلا گیا، جب نو توڑ چکا تو خیال آیا کہ خلیفہ کیا کہے گا کہ اتنا بے خوف ہے کہ مجھ سے بھی نہ ڈرا، بس میں نے اسی وقت لاٹھی روک لی کہ اب توڑنا اپنی بہادری دکھانے کے لئے ہوگا، اللہ کے لئے نہیں ہوگا، اللہ اکبر۔ دیکھو کتنی باریک بات ہے کہ دسواں

نہیں توڑا اس لئے کہ وہاں پر طیش خالص اللہ کے واسطے نہیں تھا، اب وہ توڑتا تو اپنی بہادری دکھانے کے لئے ہوتا کہ ایسے خونخوار خلیفہ کے لئے شراب لائی جارہی ہے اور یہ اتنا نڈر ہے کہ اس کی شراب بھی اس نے دریا میں بہادی، تو اب یہ توڑنا خالص اللہ کے واسطے نہیں ہوگا، بھئی! خوفِ خدا ہو تو ایسا ہو، اور اللہ کے لئے غصہ ہو تو ایسا ہو۔

جب خلیفہ نے سنا تو اس نے کہا کہ حضرت آپ آج سے میرے شعبۂ احتساب کے وزیر اعلیٰ ہیں کہ جب آپ اتنا فرق کر سکتے ہیں کہ کہاں غصہ اللہ کے لئے کر رہے ہیں، کہاں غیر اللہ کے لئے ہو رہا ہے، اور وہ کام کر رہے ہیں جو اللہ کے لئے ہے اور نہیں کر رہے تو غیر اللہ کے لئے نہیں کر رہے، بس آپ ہی اس لائق ہیں کہ اس منصب کو سنبھال لیں، آج سے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا شعبہ آپ کے حوالے کرتا ہوں، نو مٹکے بھی توڑے اور اللہ تعالیٰ نے منصب بھی عطا فرمادیا کہ ساری مملکت اسلامیہ کے شعبہ امر و نہی کے وہ رئیس بن گئے۔

لہٰذا جب گناہ کا موقع آئے تو انسان کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے غصے کو یاد کرے، اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کو یاد کرے، اس گناہ کے عذاب و وبال کو یاد کرے، اللہ تعالیٰ کی پکڑ کو یاد کرے، اللہ تعالیٰ کے حساب لینے کو یاد کرے، اگر یہ کام کرے تو کون گناہ کر سکتا ہے، کس سے گناہ ہو سکتا ہے، یہ گناہ ہوتے ہی جب ہیں

کہ جب آدمی اللہ تعالیٰ سے غافل ہوتا ہے، گناہوں کے عذاب اور وبال سے انسان غافل ہوتا ہے، اور گناہ کرتا چلا جاتا ہے۔

ایک عورت کے خوف نے توبہ کرادی

احادیث طیبہ میں ایک نوجوان کا واقعہ مذکور ہے کہ وہ نوجوان ہر قسم کے گناہوں میں مبتلا رہتا تھا، چنانچہ ایک دفعہ اس نے کسی عورت کو گناہ کرنے کے لئے ساٹھ روپے دیئے، لہٰذا وہ عورت بیچاری محتاج اور حاجتمند تھی، مجبوراً اس نے پیسے قبول کر لئے، جب یہ گناہ کے ارادے سے اس کی طرف بڑھا تو وہ تھر تھر کانپنے لگی، اس نے کہا کیا بات ہے؟ اس عورت نے کہا کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے ڈر لگ رہا ہے، آج تک کبھی میں نے یہ کام نہیں کیا، اس نوجوان نے کہا کیا اللہ تعالیٰ سے ڈر لگ رہا ہے؟ عورت نے جواب دیا: ''ہاں مجھے اللہ تعالیٰ سے خوف آرہا ہے'' تو وہ نوجوان کہنے لگا میں تجھ سے زیادہ اس لائق ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے ڈروں، جا! وہ پیسے بھی میں نے تجھے ہدیہ کئے اور میں قسم کھاتا ہوں کہ آج کے بعد سے انشاء اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ کی کوئی نافرمانی نہیں کروں گا، تو اس عورت نے اس کو بھی توبہ کروادی، وہ خود بھی بچ گئی اور اس کی وجہ سے یہ بھی بچ گیا، اور اس نے یہ قسم کھالی تھی کہ میں زندگی بھر کوئی گناہ نہیں کروں گا، اللہ کی شان دیکھئے کہ وہ دن گزرا رات ہی کو اس کا انتقال ہوگیا، سویرے لوگوں نے دیکھا کہ من جانب اللہ اس کے

گھر کے دروازے پر لکھا ہوا تھا کہ یہ بخشا ہوا ہے، اللہ اکبر، اس لڑکی کے خوف سے اس میں خوف منتقل ہوگیا اور اس خوف نے ذرا سی دیر میں اس کی سچی توبہ کروادی، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهٗ"

ترجمہ

"توبہ کرنے والا تو ایسا ہوتا ہے کہ جیسے کوئی گناہ ہی نہ کیا"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ، اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ. (الزمر: ۵۳)

ترجمہ

"آپ میرے ان بندوں سے کہہ دیجئے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، کہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں، اللہ تعالیٰ سارے ہی گناہ معاف فرمادیں گے، بلا شبہ وہ بڑا ہی بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے"۔

بہر حال صبح اس نوجوان کے گھر کے دروازے پر منجانب اللہ لکھا ہوا تھا کہ اس کی بخشش کر دی گئی۔

اہل اللہ کی صحبت کی برکات

اس واقعہ سے ایک نکتہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ جو اللہ کا خوف ہے یہ بھی صحبت سے بہت جلدی آتا ہے، گو کوشش سے بھی آتا ہے، لیکن صحبت سے بہت جلدی آتا ہے، لہٰذا اگر خوف پیدا کرنا ہے تو آدمی اہل خوف کی صحبت اختیار کرے، بلکہ تقریباً یہ بات طے شدہ ہے کہ جتنے بھی باطنی فضائل ہیں اور اچھے اچھے اخلاق و اعمال ہیں اور جتنے بھی رذائل ہیں ان سب میں اصل چیز یہی ہے کہ کسی اللہ والے کی خدمت وصحبت میں آدمی بیٹھے، ان کی خدمت وصحبت میں رہنے سے چپکے چپکے یہ فضائل پیدا ہوتے رہتے ہیں، رذائل دور ہوتے رہتے ہیں، اللہ پاک نے اس میں یہ خاصیت رکھی ہے کہ محاسن پیدا ہوتے رہتے ہیں، فضائل اور اچھے اچھے اخلاق پیدا ہوتے رہتے ہیں، برے اخلاق اور برے اعمال غیر محسوس طریقے سے دور ہوتے رہتے ہیں، جیسے غیر محسوس طریقے سے خربوزہ خربوزے کا رنگ پکڑتا ہے، ایسے ہی غیر اللہ والا اللہ والے کا رنگ کھینچ لیتا ہے اور کوئی یہ نہ سمجھے کہ بھئی! ہم تو بدکار ہیں، سیاہ کار ہیں، اس لئے کہیں ان کے اوپر ہمارا رنگ نہ چڑھ جائے، ایسا نہیں ہوتا، عادۃً اللہ یہ نہیں ہے کہ کوئی کسی اللہ والے کے پاس

جائے اور اپنا برا رنگ ان پر چڑھادے اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ایسا پکا رنگ لئے ہوئے ہیں کہ ان کے پاس جانے سے لوہا سونا بنتا ہے، سونا لوہا نہیں بنتا، وہ تو پارس ہیں کہ جس کے لگا دیں وہی سونا، لہٰذا ہمارا جو لوہا ہے وہاں جا کر سونا تو بن سکتا ہے، ان کا سونا ہمارے جانے سے لوہا نہیں بن سکتا، اس لئے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کا قربِ خاص حاصل ہے، وہ مقامِ عشق پر فائز ہیں جہاں کوئی مردود نہیں ہوتا۔

حضرت حکیم الامتؒ کی ایک عجیب بات

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے مواعظ میں یہ بات مذکور ہے کہ بھئی چار عین ہیں، ایک عابد کا عین، ایک عالم کا عین، ایک عارف کا عین، ایک عاشق کا عین، ان چاروں میں عین ہے، حضرتؒ فرماتے ہیں کہ عابد بھی بہک سکتا ہے، عالم بھی بہک سکتا ہے، کتنے واقعات ہیں عابدوں کے اور عالموں کے بہکنے، بھٹکنے اور بے راہ ہونے کے، عارف بھی بھٹک سکتا ہے، لیکن عاشق نہیں بھٹک سکتا، اور پھر مثال کے طور پر بیان کرتے ہیں کہ دیکھو شیطان میں تینوں عین جمع تھے، عابد بھی کتنا بڑا تھا، اس کی عبادت کا تو یہ عالم تھا کہ آٹھ لاکھ سال اس نے عبادت کی ہے، زمین وآسمان میں ایک بالشت جگہ بھی ایسی نہیں ہے جہاں اس نے سجدہ نہ کیا ہو، اور عالم بھی اس پائے کا کہ مُعلّم الملائکۃ یعنی فرشتوں کا استاد، اس کا لقب تھا،

فرشتوں کو کتنا علم حاصل ہے، ان سے بڑھ کر اس کو علم حاصل تھا، چنانچہ عالم کے پاس عالم بن کر جائے، جاہل کے پاس جاہل بن کر جائے، ہر فن مولا ہے، اللہ بچائے، یہ سارے علوم وفنون کا ماہر ہے۔ حضرت امام رازیؒ کا قصہ ہے، پہلے بھی ایک دفعہ آپ کو سنایا تھا وہ آپ کو یاد ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے وجود کو ثابت کرنے کی امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی ننانوے دلیلیں اس نے کاٹ دیں اور توڑ دیں، تو اس درجے کا یہ عالم ہے۔ اور عارف اس پائے کا ہے کہ جب اللہ پاک نے اس کو حکم دیا کہ تو آدم علیہ السلام کو سجدہ کر تو اس نے سجدہ کرنے سے انکار کردیا اور کہا کہ میں ناری ہوں وہ خاکی ہے، نار اوپر جاتی ہے، خاک نیچے جاتی ہے، لہٰذا ناری خاکی کے سامنے کیسے سجدہ کرلے، اس کو تو مجھے سجدہ کرنا چاہئے نہ کہ میں اس کو سجدہ کروں، اُس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو ماننے سے صاف صاف انکار کردیا، اسی وقت اس کے اوپر اللہ تعالیٰ کا غضب اور قہر نازل ہوگیا، آٹھ لاکھ سال کی عبادت پر پانی پھر گیا، اس کا علم جہل میں تبدیل ہوگیا، باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ ناراض ہورہے ہیں، لعنت فرما رہے ہیں، اور یہ فرما رہے ہیں کہ یہاں سے نکل جا تو مردود ہے، اتنا اللہ تعالیٰ اس سے ناراض اور اس کے اوپر اس قدر غضب نازل ہورہا ہے، لعنت برس رہی ہے، لیکن عارف اس درجے کا ہے کہ اس وقت بھی اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ رہا ہے یعنی جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہے کتنے ہی غصے میں ہیں،

چاہے کیسے ہی غضبناک ہیں، لعنت فرمارہے ہیں، لیکن اگر میں دعا کروں گا تو رد نہیں ہوگی، اللہ تعالیٰ ایسے مہربان ہیں کہ ایسی حالت میں بھی کوئی ان سے دعا مانگے وہ دعا ضرور قبول فرمائیں گے، رد نہیں فرمائیں گے، لہٰذا اس حالت میں بھی وہ اس قدر اللہ تعالیٰ کی معرفت سے آگاہ تھا کہ اگر اس وقت بھی میں دعا کروں گا تو دعا قبول ہوگی۔ تو اس وقت اُس نے یہ دعا مانگ لی کہ یا اللہ قیامت تک زندہ رہنے کی مہلت دیدیجئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

رَبِّ انْظِرْنِی اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ٥ قَالَ فَاِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ، اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ.

(سورة الحجر: ٣٧، ٣٨)

ترجمہ

''اے میرے رب! مجھے قیامت تک زندہ رہنے کی مہلت دیدیجئے، فرمایا: (جا) تجھ کو معین وقت کی تاریخ تک مہلت دی گئی''۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ عارف اس درجے کا تھا، اور یہ کوئی معمولی معرفت نہیں ہے، اگر کوئی دوسرا ہوتا تو مایوس ہوجاتا، جبکہ یہ مایوس ہونے کے دعا مانگ رہا ہے، اور دعا بھی کیسی مانگ رہا ہے کہ جس کا مقصد اس نے خود یہ

بیان کیا تاکہ میں قیامت تک آنے والے انسانوں کو بہکاؤں اور بھٹکاؤں اور ان سب کو جہنم رسید کردوں، وہ دعا بھی اللہ پاک نے قبول فرمالی۔ پھر فرمایا کہ وہ عاشق نہیں تھا، اگر عاشق ہوتا تو فوراً سجدے میں گر جاتا، جیسے ملائکہ اللہ تعالیٰ کے عاشق تھے کہ بے چوں چرا بس حکم ملتے ہی سجدے میں گر گئے، کیا دیکھنا ناری کو، کیا دیکھنا خاکی کو، کیا دیکھنا نوری کو، بس حکم ہے تو سر آنکھوں پر، اس لئے فرشتے فوراً سجدے میں گر گئے، وہ عاشق تھے اور جو عاشق ہوتا ہے وہ چوں چرا نہیں کرتا، وہ تو کہتا ہے کہ حکم فرماؤ کیا ہے؟ اور حکم سنتے ہی وہ فوراً حکم پورا کرنے کے لئے تیار ہوجاتا ہے، عاشق کا تو یہ حال ہوتا ہے۔

خون کی موجیں گذرجائیں نہ کیوں
آستانہ میں نہ چھوڑوں گا مگر
آرزوئیں خون ہوں یا حسرتیں پامال ہوں
اب تو اس دل کو تیری خاطر بنانا ہے مجھے
یہ دل پامال ہو یا زیست کا پیمانہ بھرجائے
مگر ہر سانس میرا آپ کے در پر گذر جائے
آمین

یہ عاشق کی باتیں ہیں، بھئی اور یہ عاشق کے شعر ہیں، مجذوب صاحب

حضرت تھانویؒ کے بارے میں فرماتے ہیں:

جس قلب کی آہوں نے دل پھونک دیئے لاکھوں

اس دل میں خدا جانے کیا آگ بھری ہوگی

مجذوب صاحب فرماتے ہیں:

پھر ذرا مطرب اسی انداز سے

جی اٹھے مُردے تیری آواز سے

مجذوب صاحب فرماتے ہیں:

اے عشق کہیں لے چل یہ دیر و حرم چھوڑیں

ان دونوں مکانوں میں جھگڑا نظر آتا ہے

حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم کے شعر ہیں:

میری زندگی کا حاصل میری زیست کا سہارا

تیرے عاشقوں میں مرنا تیرے عاشقوں میں جینا

جی چاہتا ہے کہ جاکے رہوں وہاں

رہتا ہو جہاں کوئی درد بھرا دل لئے ہوئے

حق اور سچ تو یہ ہے کہ جب کوئی عاشق ہو جاتا ہے تو پھر وہ مردود نہیں ہوتا، یہ اللہ والے اللہ تعالیٰ کے عاشق ہوتے ہیں، اس لئے ہمارے جانے سے ہماری

برائیوں کا ان پر عکس نہیں پڑے گا، بلکہ ان کی اچھائیوں کا عکس ہم پر پڑے گا، جس طرح اس لڑکی کے خوفِ خدا سے نوجوان کی کایا پلٹ گئی، اسی طرح جب ہم کسی اللہ والے کی خدمت وصحبت میں جا کر اخلاص کے ساتھ رہیں گے تو ہماری بھی کایا پلٹ جائے گی، جب چاہو، جہاں چاہو، اس کا تجربہ کر کے دیکھ لو، کسی آوارہ بدمعاش کے پاس دس دن رہ کر دیکھ لو اور کسی اللہ والے کے پاس جا کر دس دن بیٹھ کر دیکھ لو، زمین آسمان کا فرق نظر آئے گا، یہاں پر برائیاں چھوٹتی نظر آئیں گی، وہاں پر برائیاں گھستی نظر آئیں گی، بہر حال خوف کا درجۂ فرض یہ ہے کہ جب گناہ کا موقع آجائے، نافرمانی کا موقع آجائے، فسق وفجور کا موقع آجائے، تو آدمی اللہ تعالیٰ کے غضب کو یاد کر لے، اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کو یاد کر لے اور یاد کر کے اس گناہ سے بچے، یہ فرض ہے، اس کے بعد ایک درجہ مستحب کا یہ ہے، اور ایک درجہ غیر محمود ہے، وہ پھر انشاء اللہ تعالیٰ بیان کریں گے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عمل عطا فرمائے اور اپنی رحمت سے ہمیں اتنا خوف عطا فرمائے جو ہمارے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کے درمیان حائل ہو جائے۔ (آمین)

❁❁❁ وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین ❁❁❁

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِي کِتَابِہِ الْکَرِیْمِ

فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللّٰهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ

ترجمہ

جن گھروں کے بارے میں اللہ نے یہ حکم دیا ہے کہ ان کو بلند مقام دیا جائے اور ان میں اس کا نام لے کر ذکر کیا جائے، ان میں صبح وشام وہ لوگ تسبیح کرتے ہیں۔ (النور: ۳۶)

خوفِ خدا

اور

اکابرین کے چند واقعات

حضرت مولانا مفتی عبد الرؤف سکھروی دامت برکاتہم

نائب مفتی جامعہ دار العلوم کراچی

ضبط و ترتیب

مولانا محمد قاسم امین صاحب ملتانی

متخصص جامعہ دار العلوم کراچی

استاذ جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی کراچی

مکتبۃ الاسلام کراچی

اللہ کی رحمت اور عقوبت کی کوئی حد نہیں

آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَوْ يَعْلَمُ الْمُؤْمِنُ مَاعِنْدَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ مِنَ الْعُقُوْبَةِ ، مَاطَمِعَ بِجَنَّتِهٖ أَحَدٌ ، وَلَوْيَعْلَمُ الْكَافِرُ مَاعِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الرَّحْمَةِ ، مَاقَنَطَ مِنْ جَنَّتِهٖ أَحَدٌ.

(أخرجه البخاري : ٦٤٦٩ ومسلم: ٢٧٥٥)

ترجمہ

''اگر مؤمن کو اس عذاب وسزا کا پتہ چل جائے جو (نافرمانوں کے لئے) اللہ تعالیٰ کے پاس ہے تو کوئی بھی اس کی جنت کی طمع نہ کرے اور اگر کافر کو اس رحمت کا علم ہو جائے جو اللہ کے پاس ہے، تو کوئی اس کی جنت سے مایوس نہ ہو''۔ (ماخوذ از بیان ''مقام خوف اور اس کے درجات'')

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم

اما بعد!

دین کی گاڑی خوفِ خدا سے چلتی ہے

گذشتہ اتوار کو آپ کی خدمت میں ''خوفِ الٰہی'' سے متعلق بیان کیا گیا تھا اور اس میں بتایا گیا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ کا خوف ہمارے دل میں پیدا ہو جائے تو یہ ایک ایسی بنیادی چیز ہے جو تمام گناہوں سے بچانے والی اور ساری ہی نیکیاں کرانے والی ہے، خوفِ خدا میں دل کی گاڑی کو چلانے کی پوری طاقت ہے، جس طرح پٹرول سے گاڑی چلتی ہے اور پٹرول نہ ہو تو گاڑی نہیں چل سکتی اسی طرح ہمارے دین کی گاڑی اللہ کے خوف سے چلتی ہے، اللہ کا خوف نہ ہو تو یہ نہیں چل سکتی، جب بھی کوئی گناہ کسی سے ہوتا ہے تو اس وقت بندے کے دل میں خدا کا

خوف نہیں ہوتا، اسی طرح جب کوئی فرض وواجب سامنے آجاتا ہے تو جس کے دل میں خوفِ خدا نہیں ہوتا وہ اس فرض وواجب کو ادا نہیں کرتا لیکن جس کے دل میں خوفِ خدا ہوتا ہے وہ اس فرض وواجب کو ادا کرتا ہے، جس کے دل میں اللہ کا خوف ہوگا اس کے سامنے جب نماز کا وقت آئے گا تو نہ اس کی دکان اس کو روکے گی، نہ تجارت روکے گی، نہ زراعت روکے گی، نہ ملازمت اور ڈیوٹی روکے گی، وہ ہر حال میں وقت پر نماز ادا کرے گا، اور جس کے دل میں اللہ کا خوف نہ ہوگا وہ دکان پر بیٹھا رہے گا، اذان بھی سن لے گا اسے معلوم بھی ہوگا کہ اب جماعت کھڑی ہے لیکن وہ دوکانداری میں مشغول رہے گا، زمینداری میں مشغول رہے گا، ڈیوٹی کا بہانہ کردیگا کہ یہ ڈیوٹی بھی تو ضروری ہے، دنیا کی ڈیوٹی کو اللہ تعالیٰ کی ڈیوٹی سے ''اللہ بچائے'' اہمیت دے گا، اور نماز چھوڑ دیگا لیکن ڈیوٹی نہیں چھوڑے گا۔ حالانکہ اس وقت اللہ تعالیٰ کا حکم پورا کرنا، دنیا کی ڈیوٹی سے زیادہ ضروری ہے۔

مارکیٹ اور سفر میں خوفِ خدا کا امتحان

اس کا امتحان سفر میں اور مارکیٹ میں ہوتا ہے کہ جن کے دل میں خوفِ خدا ہوتا ہے وہ دکان چھوڑ چھوڑ کر مسجد میں چلے جاتے ہیں اور نماز باجماعت ادا کرلیتے ہیں اور جن کے دل میں خوفِ خدا نہیں ہوتا وہ دکان پر بیٹھے رہتے ہیں، روزانہ یہ امتحان ہر مسلمان کا ہوتا ہے، ایسے ہی سفر میں بھی ہوتا ہے چاہے ہوائی

جہاز کا سفر ہو یا ٹرین کا سفر ہو یا بس کا سفر ہو یا گاڑی کا سفر ہو جن کے دل میں اللہ کا خوف ہوتا ہے وہ ہوائی جہاز میں بھی نماز پڑھتے ہیں، ٹرین کے پُر مشقت سفر میں بھی پڑھتے ہیں، بس سے اتر کر بھی پڑھتے ہیں، گاڑی روک کر بھی پڑھتے ہیں اور جن کے دل میں اللہ کا خوف نہیں ہوتا وہ جہاز جیسے آرام دہ سفر میں بھی سیٹ پر بیٹھے رہتے ہیں، معمولی وجوہات کی بناء پر نماز قضا کر دیتے ہیں، گاڑی کے اندر بھی بیٹھے رہتے ہیں، نماز نہیں پڑھتے، اس پر حد یہ ہے کہ کوئی نماز پڑھنا چاہے تو اسے بھی روک دیتے ہیں۔

سفر میں نماز پڑھنے سے روکنا

یہ لوگ کس طرح نماز پڑھنے سے روکتے ہیں؟ مثلاً یہ کہتے ہیں کہ سیٹ پر بیٹھ کر پڑھ لو، گاڑی میں کھڑے ہونے کی ضرورت نہیں العیاذ باللہ، اور جدھر تمہارا منہ ہے ادھر ہی پڑھ لو، قبلے کی طرف منہ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ بغیر وضو کے ہی پڑھ لو، سفر ہے، تیمم کرلو، حالانکہ وہ ہٹے کٹے اور صحت مند ہوتے ہیں، کھا بھی رہے ہیں، پی بھی رہے ہیں اور لیٹرین میں بھی جارہے ہیں، لیٹرین میں جانے کے وقت تو کوئی نہیں کہتا کہ سیٹ پر بیٹھے بیٹھے فارغ ہو جاؤ، اندر جانے کی کیا ضرورت ہے، گر جاؤ گے، چکر آجائے گا، وہاں کوئی نہیں کہتا، اور جہاں کسی بیچارے مسکین نے نماز پڑھنے کا ارادہ کیا ڈبے والے اس کو مبنی بر جہالت فتویٰ دینا شروع کر دیتے ہیں، یہ جو فتویٰ دیتے ہیں کہ تم بیٹھ کر پڑھ لو، قبلے کی طرف منہ

کرنے کی بھی ضرورت نہیں، وضو کرنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں یہ دراصل اس کو نماز پڑھنے سے روکنا ہے کہ خود تو پڑھتے نہیں اس کو بھی پڑھنے نہیں دیتے۔

نہ خود چلے اور نہ دوسرے کو چلنے دے

یہ ایسے ہی ہے کہ جیسے حضرت مولانا تھانویؒ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ کسی جگہ جہاد ہوا اور اس جہاد میں کچھ مسلمان بھی شہید ہو گئے اور کچھ ہندو بھی مارے گئے، جو مسلمان شہید ہوئے تھے ان کے درمیان ایک زخمی مسلمان زندہ تھا اس نے جہاد کے بعد دیکھا کہ سب طرف لاشیں ہی لاشیں پڑی ہوئی ہیں، لہٰذا اس کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ میں یہاں اکیلا ہوں، رات کیسے گذرے گی، نہ ابھی مجھے کوئی اٹھانے والا آئے گا نہ میں خود چل کر جا سکتا ہوں، اگر کوئی آیا بھی تو صبح آئے گا، کیونکہ اب تو چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے، اچانک اس کی نظر ایک بنیئے پر پڑی جو وہاں سے گزر رہا تھا، مشہور ہے کہ ''لالہ جی'' بہت ڈرپوک ہوتے ہیں، بنیئے نے جب دیکھا کہ یہاں تو لاشیں ہی لاشیں پڑی ہیں تو وہ بہت ڈرا ڈرا اور سہما سہما وہاں سے جانے لگا، زخمی مجاہد نے اسے دیکھ لیا اور زور سے کہا: ''لالہ جی! یہاں آؤ میری کمر پر اشرفیوں کی ہمیانی بندھی ہوئی ہے وہ تم کھول لو، تمہارے کام آجائے گی''، پہلے تو وہ ڈرا کہ ارے مردہ بول اٹھا لیکن جب اس نے سنا کہ اشرفیوں کی ہمیانی اس کی کمر کے ساتھ بندھی ہوئی ہے تو اسکی آنکھیں چمکیں اور رال ٹپکنے لگی، لہٰذا وہ ڈرتا ڈرتا، چپکے چپکے، آہستہ آہستہ قدم

رکھتے ہوئے آخر کار اس مجاہد کے پاس آ گیا، جب وہ بالکل نزدیک آیا تو مجاہد نے تلوار اٹھائی اور لالا جی کے پیروں پر دے ماری، وہ ایک خوفناک چیخ کے ساتھ دھڑام سے نیچے گر گیا، اور چلنے کے قابل نہ رہا لیکن لالا جی نے گرتے گرتے اور کراہتے کراہتے بھی اس کی کمر ٹٹولی کہ وہ ہمیانی کہاں ہے جس کے اندر اشرفیاں ہیں تو مجاہد نے کہا: ''لالا جی پاگل ہو گئے ہو کیا؟ مجاہد جہاد میں کوئی اشرفیاں لایا کرتا ہے؟'' اس نے کہا: پھر مجھے کس لئے بلایا؟ مجاہد نے کہا: میں نے تمہیں اس لئے بلایا ہے کہ میں یہاں تنِ تنہا زخمی پڑا ہوں، میرے ساتھ رات گذارنے والا کوئی نہیں، اب تم آ گئے تو بڑے مزے سے دونوں کی رات گذرے گی، لالا جی نے کہا ''اوت کا اوت نہ خود چلے اور نہ دوسرے کو چلنے دے''، بالکل یہی حال ٹرین کے اندر ہوتا ہے، یہی حال جہاز کے اندر ہوتا ہے کہ خود تو نماز پڑھتے نہیں، اور جو اللہ کا بندہ نماز پڑھنا چاہتا ہے تو اس کو فتویٰ دے دے کر روکنے کی کوشش کرتے ہیں تا کہ یہ بھی نماز نہ پڑھے، تو میرے عزیزو! ہوائی جہاز اور ٹرین میں پتا چلتا ہے کہ کس کے دل میں خوفِ خدا ہے اور کس کے اندر خوفِ خدا نہیں ہے؟ جس کے دل میں خوفِ خدا ہوتا ہے وہ ہر حال میں فرائض و واجبات کی ادائیگی میں کوشاں رہتا ہے، آپ دیکھ لیجئے کہ تبلیغی جماعت والے کراچی سے لاہور تک اسٹیشنوں پر جماعت سے نماز پڑھتے ہوئے جاتے ہیں اور جماعت سے نماز پڑھتے ہوئے آتے ہیں اور بھی بہت سارے مسلمان جو انفرادی سفر کرتے ہیں

ان کے دل میں بھی خوفِ خدا ہوتا ہے اس لئے انکی نماز نہ گھر میں قضا ہوتی ہے، نہ سفر میں قضا ہوتی ہے جس طرح وہ گھر میں نماز با جماعت پڑھتے ہیں سفر میں بھی پڑھتے ہیں، یہ خوفِ خدا ہونے اور نہ ہونے کی بات ہے جس کے دل میں خوفِ خدا ہوتا ہے اس کے لئے گھر اور سفر برابر ہے وہ سفر وحضر کہیں بھی فرائض سے نہیں چوکتا، اور اگر اللہ کا خوف نہیں ہے تو پھر سفر اور گھر برابر ہے کہ جیسے گھر میں نہیں پڑھتے سفر میں بھی نہیں پڑھتے۔

جتنے بھی فرائض وواجبات ہیں سب کا یہ حال ہے کہ جس کے دل میں اللہ کا خوف ہوتا ہے وہ پائی پائی کی زکوٰۃ نکالتا ہے جس پر حج فرض ہو جاتا ہے سب سے پہلے فریضۂ حج ادا کرتا ہے اور جس کے دل میں خوف نہیں ہوتا وہ طرح طرح کے بہانے کرتا رہتا ہے، حیلے تراشتا رہتا ہے، سستی وکاہلی کا شکار رہتا ہے، غفلت میں پڑا رہتا ہے اور اسکو توجہ دلائیں تو بھی نہیں کرتا، کوئی بتائے تو بھی نہیں مانتا، وہ کیسے مانے؟ جبکہ اللہ کا خوف ہی دل میں نہیں ہے۔

گناہوں سے بچنے کے لئے خوفِ خدا

اس طرح جتنے بھی گناہ ہیں ان سے بچنے میں بھی خوفِ خدا نہایت ضروری اور مؤثر ہے، جتنا خوفِ خدا دل میں ہوگا اتنا ہی وہ گناہوں سے بچے گا، سب کے سامنے بھی گناہوں سے بچے گا، خلوت اور تنہائی میں بھی بچے گا، وہ ڈیوٹی بھی صحیح سرانجام دے گا۔

حضرت مولانا مظہر صاحبؒ کا خوفِ خدا

ہندوستان کے ضلع سہارنپور میں مدرسہ ''مظاہر العلوم'' ایسا ہی اہم اور مرکزی مدرسہ ہے جیسے دیوبند میں دارالعلوم دیوبند، ہندوستان میں یہی دو مرکزی مدرسے ہیں، ایک دارالعلوم دیوبند، دوسرا مدرسہ مظاہر العلوم۔ ان کے علاوہ باقی مدارس جن کا جال ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش میں پھیلا ہوا ہے دراصل یہ انہی کی شاخیں ہیں اور انہی کا فیض ہیں جو دنیا کے کونے کونے میں پھیل چکا ہے، مدرسہ مظاہر العلوم کے پہلے صدر مدرس حضرت مولانا مظہر صاحبؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ جب حضرت مدرسے میں بیٹھتے تھے تو اوقاتِ مدرسہ میں جو مدرسہ کا ڈیوٹی ٹائم ہے اگر کوئی صاحب ان سے ذاتی ملاقات کے لئے آجاتے تو گھڑی میں ٹائم دیکھ لیتے اور پھر اس سے باتیں کرتے اور جب وہ جاتا تو گھڑی دیکھ لیتے اور جتنے منٹ اس سے بات کی ہوتی اُتنے ہی منٹ اپنے پاس نوٹ کر لیتے تھے کہ دس منٹ، پندرہ منٹ، بیس منٹ میں نے ذاتی گفتگو کی ہے، ذاتی ملاقات کی ہے، مدرسے کا کام نہیں کیا ہے، اسی طرح تاریخ وار پورے مہینے میں اپنے اوقات نوٹ کرتے رہتے تھے اور مہینے کے اختتام پر اس کا حساب لگاتے، اگر اس کی آدھے دن سے کم کم چھٹی بنتی تو آدھے دن کی چھٹی منظور کروا لیتے اور اگر آدھے دن سے زیادہ ایک دن سے کم کی چھٹی بنتی تو ایک دن درخواست منظور کروا لیتے کہ مجھے میری ایک دن کی چھٹی منظور کرلو اور چھٹی لینے کا تو سب کو اختیار

ہوتا ہے، قانونی طور پر اس کی عام اجازت ہوتی ہے۔ اس طرح کرنے پر ان کو خوفِ خدا مجبور کرتا تھا، ورنہ بعض لوگ گھنٹوں ڈیوٹی کے اوقات ذاتی استعمال میں لے لیتے ہیں، اور پروا بھی نہیں کرتے، کیونکہ ان کا دل خوفِ خدا سے خالی ہے۔

دارالعلوم کراچی کے اساتذہ کرام کا ایک ضابطہ

الحمدللہ ہمارے دارالعلوم کراچی کے اندر سارے اساتذہ کرام نے یہ بات طے کر رکھی ہے اور طے کر کے منظور کرائی ہوئی ہے کہ ہر استاد جب کلاس میں جاتا ہے تو وہ اپنا ٹائم دیکھتا ہے، اگر دس منٹ تاخیر سے آئے تو دس منٹ، پندرہ منٹ تاخیر سے آئے تو پندرہ منٹ، آدھا گھنٹہ تاخیر سے آئے تو آدھا گھنٹہ، پانچ منٹ تاخیر سے آئے تو پانچ منٹ رجسٹر میں باقاعدہ نوٹ کرتا ہے، پورے مہینے میں یہ روزانہ نوٹ کرتا ہے اور جب پورا مہینہ ہو جائے گا تو پھر وہ رجسٹر شعبۂ محاسبی میں جاتا ہے اور وہاں اس کے پورے مہینے کے تاخیری اوقات کو جمع کیا جاتا ہے، اور جمع کر کے جتنا وقت دارالعلوم کی طرف سے معاف ہے مثلاً نو منٹ تک دیر سے آنا معاف ہے تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں لیکن جب دس منٹ ہو گئے تو اس کی تنخواہ کٹے گی، پندرہ منٹ تاخیر سے آئے تو اس کی تنخواہ کٹے گی، صدر صاحب سے لیکر چپڑاسی تک سب کی تاخیر ہر ماہ باقاعدہ نوٹ ہوتی ہے پھر اس کا حساب ہوتا ہے، حساب ہونے کے بعد ہر ایک کی تنخواہ کٹ جاتی ہے بلکہ بعض شعبے تو ایسے ہیں کہ قانوناً ان میں جانے کا وقت بھی لکھنا ہوتا ہے اور آنے کا وقت

بھی لکھنا ہوتا ہے اور وہ ہمارا دارالافتاء کا شعبہ ہے جب مفتی دارالافتاء میں جاتا ہے تو جاتے ہوئے بھی ٹائم لکھتا ہے، اور جب وہاں سے اٹھ کر جائے تو بھی ٹائم لکھتا ہے، اور اگر جلدی چلا گیا تو بھی پیسے کٹیں گے، دیر سے آیا تو بھی پیسے کٹیں گے، اور سب خوشی سے کٹواتے ہیں، یہ خوفِ خدا کی بات ہے اور جس کے دل میں خوفِ خدا نہیں ہوتا وہ اوور ٹائم لگائے بغیر لکھوا دیتے ہیں، دس بجے آتے ہیں ٹائم نو بجے کا نوٹ ہوگا، چار بجے جاتے ہیں لیکن وقت پانچ بجے کا نوٹ ہوگا اور کتنے ہی اسکول ایسے ہیں کہ پورا مہینہ ٹیچر گھر میں بیٹھا رہتا ہے، ادھر حاضریاں ہوتی رہتی ہیں اور گھر بیٹھے تنخواہ ملتی رہتی ہے، یہ خوف خدا نہ ہونے کی بات ہے۔

حضرت مولانا سہارنپوریؒ کا خوفِ خدا

ایسے ہی مظاہر العلوم سہارنپور کے ہمارے بڑے بزرگ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ جو شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے شیخ اور مرشد ہیں اور یہ دونوں شیخ اور مرید جنت البقیع میں آرام فرما ہیں، جب حضرت مولانا سہارنپوریؒ ۱۹۳۸ء میں مدینہ منورہ سے سفر کر کے واپس مظاہر العلوم پہنچے تو انہوں نے مدرسے میں یہ درخواست لکھ کر دیدی کہ اب میں بوڑھا ہوگیا ہوں، کمزور ہوگیا ہوں ضعیف ہوگیا ہوں، اب مجھ سے مدرسے کا کام پورا نہیں ہوتا، لہٰذا میں تنخواہ سے معذرت چاہتا ہوں، آپ ان کا زہد وتقویٰ، خوف وخشیتِ الٰہی ملاحظہ فرمائیں کہ ایسے وقت میں تنخواہ لینے سے انکار کر رہے ہیں جبکہ

عموماً زیادہ تنخواہ لینے کا یہی وقت ہوتا ہے کیونکہ اس وقت آدمی زیادہ محتاج ہوتا ہے ،زیادہ ضرورت مند ہوتا ہے لیکن خوفِ خدا ایسی چیز ہے کہ اپنی اور اپنے اہلِ خانہ کی تمام تر ضروریات کے باوجود فرمارہے ہیں کہ اب میں مدرسے کا کام پورا نہیں کرسکتا تو تنخواہ کس بات کی لے لوں ، اس وقت حضرت مولانا تھانویؒ ،حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحبؒ نے بہت کوشش کی کہ حضرت آپ لے لیا کریں تا کہ آپ کا گذراوقات ہو، حضرت مولانا سہارنپوریؒ نے فرمایا کہ بھئی بات یہ ہے کہ میں کام کروں تو پیسے لوں ، جب کام نہ کروں تو پیسے کس بات کے لوں ؟ آخر میں ان حضرات نے کہا کہ اچھا حضرت ! آپ اپنے ضعف کی وجہ سے سبق نہیں پڑھا سکتے تو نظامت تو کر سکتے ہیں ، اگر آپ مدرسے میں آکر بیٹھیں گے تو سارے مدرسے والے آپ کے معتقد اور مرید ہونے کی وجہ سے اپنے کاموں کو توجہ کے ساتھ انجام دیں گے تو آپ ناظم بن جائیے ،بمشکل بادل نخواستہ اپنے ناظم ہونے کا عہدہ قبول کرلیا اور اس کی تنخواہ لی اور سبق پڑھانے کے زمانے میں حضرتؒ کی احتیاط یہ تھی کہ جہاں بیٹھتے تھے وہاں مدرسے والوں نے قالین بچھایا ہوا تھا ، اس قالین پر بیٹھ کر حضرتؒ سبق پڑھایا کرتے تھے ،لکھا ہے کہ جب سبق پڑھاتے تو قالین پر بیٹھتے اور جب کوئی ملنے آتا تھا تو قالین سے اتر جاتے اور کہتے کہ یہ مدرسے والوں نے ہمارے پڑھنے ، پڑھانے کے لئے بچھایا ہے، کوئی ذاتی ملاقات کرنے کے لئے ،یاروں سے ملنے کے لئے تھوڑی بچھا رکھا ہے۔

مولانا عنایت علی صاحبؒ کا خوفِ خدا

اس مدرسے کے ایک مہتمم یا ناظم حضرت مولانا عنایت احمد صاحبؒ تھے، ان کا بھی عجیب حال تھا، ان کے سامنے دو قلمدان رکھے رہتے تھے، ایک ذاتی اور ایک مدرسے کا، جب مدرسے کی کوئی چیز لکھتے تو مدرسے کے قلمدان سے قلم استعمال کرتے اور جب ذاتی خط لکھتے یا کوئی ذاتی کام لکھتے تو اپنے ذاتی قلم کو استعمال کرتے، دیکھو! یہ ہے خوفِ خدا۔

دفتری اشیاء ذاتی استعمال میں لانا جائز نہیں

اسی لئے میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا جب خوف ہوتا ہے تو یہ حال ہوتا ہے، اب ہمارے دفتروں کا حال دیکھو کیا کاغذ، کیا قلم، اور کیا پینسل سب ذاتی استعمال میں صرف ہو رہے ہیں بلکہ گھر پہنچے ہوئے ہیں، گھر میں وہیں کے لفافے استعمال ہو رہے ہیں وہیں کے قلم استعمال ہو رہے ہیں، وہیں کی روشنائی استعمال ہو رہی ہے، فیکس مشین بھی ذاتی استعمال میں آ رہی ہے، فوٹو اسٹیٹ مشین بھی ذاتی استعمال میں آ رہی ہے غرضیکہ دفتر کی ہر چیز ذاتی استعمال میں آ گئی، یہ سب چوری ہے، ناجائز اور خلافِ شرع ہے، تو میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ دیکھو اللہ کا خوف نہ ہونے سے کس قدر گناہوں کا ارتکاب ہوتا ہے اور اللہ کا خوف ہونے سے کیا زبردست احتیاط ہوتی ہے، اس لئے اپنے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی ذات کا خوف، اللہ کی پکڑ کا خوف اور برے انجام کا ڈر پیدا کریں، آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم کو اللہ پاک نے نبوت ورسالت عطا فرمائی، تمام مخلوقات پر فضیلت دی، جنت کا سب سے اعلیٰ مقام آپ کو دینے کا وعدہ کیا گیا، اس کے باوجود کبھی آپ یوں ارشاد فرماتے ہیں:

وَاللّٰهِ لَا اَدْرِیْ ، وَاللّٰهِ لَاأَدْرِیْ وَأَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ مَايُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِكُمْ

(رواه البخاری بحواله مشكوة ج ۲، ص ۴۵۹)

ترجمہ

''اللہ کا رسول ہو کر بھی اللہ کی قسم! مجھے نہیں معلوم، اللہ کی قسم! مجھے نہیں معلوم کہ میرے اور تمہارے ساتھ کیا ہوگا (یعنی میرا تمہارا انجام کیا ہوگا؟ کچھ خبر نہیں)''۔

اور کبھی یوں ارشاد فرماتے ہیں:

اِنِّیْ اَرٰی مَالَا تَرَوْنَ ، وَاَسْمَعُ مَالَا تَسْمَعُوْنَ ، اَطَّتِ السَّمَاءُ وَحُقَّ لَهَا اَنْ تَاِطَّ، وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ مَا فِيْهَا مَوْضِعُ اَرْبَعِ اَصَابِعَ اِلَّا وَمَلَكٌ وَاضِعٌ جَبْهَتَهٗ سَاجِدًا لِلّٰهِ وَاللّٰهِ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا وَمَا تَلَذَّذْتُمْ بِالنِّسَاءِ عَلَى الْفُرُشَاتِ وَلَخَرَجْتُمْ اِلَى الصُّعُدَاتِ تَجْاَرُوْنَ اِلَى اللّٰهِ ، قَالَ اَبُوْ ذَرٍّ ، يَالَيْتَنِیْ

كُنْتُ شَجَرَةً تُعْضَدُ .

(رواه احمد والترمذی وابن ماجة . مشکوۃ ص: ۴۵۷)

ترجمہ

''اس میں کوئی شک نہیں جو میں دیکھتا ہوں وہ تم نہیں دیکھتے، میں سنتا ہوں وہ تم نہیں سنتے، آسمان چلاّتا ہے اسے چلانے کا حق ہے، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، آسمان میں چار انگشت برابر بھی جگہ خالی نہیں، مگر وہاں فرشتہ اپنی پیشانی اللہ پاک کے سامنے رکھے ہوئے سجدہ ریز ہے، اللہ کی قسم! اگر تمہیں پتہ چل جائے جو میں جانتا ہوں تو تمہارا ہنسنا کم ہو جائے اور رونا دھونا بڑھ جائے، تم بستروں پر بیویوں سے لذت لینا ترک کردو، جنگلات اور صحراؤں میں نکل جاؤ، اور اللہ کے پاس پناہ ڈھونڈتے پھرو، حضرت ابوذر غفاریؓ نے یہ حدیث سن کر کہا، کاش! میں ایک درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا، (اور اس کا قصہ ہی ختم ہو جاتا، کوئی حساب وکتاب نہ دینا پڑتا)''۔

اس لئے اپنے دلوں میں فکرِ آخرت، اندیشۂ عاقبت اور خوفِ الٰہی پیدا کریں۔

حضرت تھانویؒ کا خوف خدا

اب حضرت مولانا تھانویؒ کا واقعہ بھی سنو، حضرت فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں رات کو گاڑی پر سوار ہونے کے لئے اسٹیشن پر گیا تو بارش شروع ہوگئی اور وہ اسٹیشن ایسا تھا کہ اس میں بارش سے بچنے کا کہیں بھی انتظام نہیں تھا، چھت وغیرہ بھی نہیں تھی، بس کھلی چھت کا چھوٹا سا اسٹیشن تھا مگر وہاں کا اسٹیشن ماسٹر مجھے جانتا تھا جب اس نے مجھے دیکھا تو جلدی سے ملازم سے کہا کہ تم حضرت کو گودام میں بٹھا دو تاکہ کم از کم بارش سے بچ جائیں، اور جب گاڑی آئے تو گاڑی میں تشریف لے جائیں، فرماتے ہیں کہ اس نے مجھے ریلوے کے گودام میں ایک طرف بٹھا دیا اور پھر اسٹیشن کے ملازم سے کہا کہ حضرت کے لئے لالٹین جلا دو، بجلی کا دور نہیں تھا، لالٹین جلتی تھی، حضرت فرماتے ہیں کہ مجھے یہ شبہ ہوا کہ یہ ریلوے کی لالٹین نہ لے آئے، ریلوے کی لالٹین جلانا تو صحیح نہیں ہے لیکن ساتھ ہی میرے دل میں یہ بھی خیال آیا کہ اگر میں اس سے ریلوے کی لالٹین نہ لانے کا کہوں تو کہیں گے کہ ان کا اسلام تو بڑا تنگ ہے، ایسی مصیبت کی گھڑی میں بھی اس بتی کے استعمال کرنے کی اس مذہب میں گنجائش نہیں ہے، یہ بڑا سخت مذہب ہے تو مجھے اس کی بدگمانی کا بھی خطرہ ہوا، میں نے دعا شروع کی کہ یا اللہ مجھے اس ریلوے کی لالٹین سے بچائیے، کہتے ہیں کہ بس میں دعا کر رہی رہا تھا کہ اس نے ملازم سے کہا کہ میری ذاتی لالٹین لیجا کر جلانا، ریلوے کی مت لانا، یہ ہے خوفِ

خدا، اور یہی خوفِ خدا اللہ تعالیٰ سے رجوع کی طرف متوجہ کر دیتا ہے یعنی اگر بچنا چاہے تو بس اللہ تعالیٰ سے دعا کرے تو اللہ تعالیٰ اس طرح بچا دیتے ہیں، حضرتؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ کچھ کہنا بھی نہ پڑا، اور الحمد للہ میں ریلوے کی لالٹین کے استعمال سے بھی بچ گیا پھر فرمایا کہ اگر وہ ریلوے کی لالٹین لے بھی آتا تب بھی میں اس کو استعمال نہ کرتا، اندھیرے میں بیٹھا رہتا۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کا خوفِ خدا

یہ ایسا ہی واقعہ ہے جیسا حضرت امام ابو حنیفہؒ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کسی آدمی کی بیماری پرسی کرنے کے لئے تشریف لے گئے ، رات کا وقت تھا جب اس کی بیمار پرسی کر لی تو فارغ ہوتے ہی دیکھا کہ اب اس پر نزع کی کیفیت طاری ہے یعنی مرنے کا وقت قریب ہے تو حضرت نے سوچا کہ اب کیا جانا، اب تو اس بے چارے کا آخری وقت ہے، اب تو یہیں بیٹھنا چاہئے چنانچہ حضرت وہیں بیٹھ گئے، مریض کا سانس چل گیا اور تھوڑی دیر میں اس کا انتقال ہو گیا، رات کا وقت تھا بجلی کا کہیں نام و نشان نہیں تھا ایک چراغ اس کے کمرے میں جل رہا تھا، اب جیسے ہی اس کا انتقال ہوا حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ نے وہ چراغ گل کر دیا جو ساتھی ہمراہ تھے انہوں نے کہا حضرت! چراغ جلنے کا یہی تو وقت ہے آپ نے چراغ ہی گل کر دیا؟ فرمایا: نہیں یہ وقت جلانے کا نہیں یہ وقت تو اس کے بجھانے کا ہے اور پھر حضرت نے وجہ بتائی کہ بھئی! جب تک یہ

زندہ تھا چراغ اس کی ملکیت میں تھا اور یہ اپنی ملکیت سے زندہ ہونے کی حالت میں استفادہ کرر ہا تھا اس کی اجازت سے ہم بھی استفادہ کرر ہے تھے، ہمارے لئے بھی اس کا استعمال کرنا جائز تھا اور جب اس کا انتقال ہوگیا تو چراغ اس کے وارثوں کی ملکیت میں چلا گیا اس کا رہا ہی نہیں اب ہمیں نہیں معلوم کہ کون کون وارث ہیں، اور وہ بالغ ہیں یا نابالغ ہیں، اجازت دیتے ہیں یا نہیں دیتے ہیں، ہمیں کیا معلوم ہے اس لئے میں نے چراغ گل کردیا کہ اب اس کا استعمال کرنا ہمارے لئے درست نہیں رہا، پھر حضرت نے اپنا ذاتی چراغ گھر سے منگوایا اور وہاں جلایا پھر اسکے غسل اور کفن ودفن کا انتظام کرایا، یہ خوف خدا کی بات ہے کہ تھوڑی سی دیر کے لئے بھی چراغ کی روشنی استعمال کرنا گوارہ نہ کی۔

تقسیم میراث اور ہمارا معاشرہ

ہمارے یہاں اکثر یہ ہوتا ہے کہ دادا کی میراث تقسیم نہیں ہوئی، اسکے بیٹے بھی بغیر تقسیم کے کھارہے ہیں اور پوتے بھی بغیر تقسیم کے کھارہے ہیں، پی رہے ہیں اور جو کوئی حصہ مانگتا ہے اس سے لڑنے مرنے کے لئے تیار ہیں جس کے قبضے میں جو آ گیا بس وہ اس کا مالک بن بیٹھا، عورتوں کو تو میراث دیتے ہی نہیں ہیں بہنوں کو تو میراث دیتے ہی نہیں ہیں اگر کوئی بہن مانگ لے تو کہتے ہیں کہ بھائی چاہئے یا حصہ چاہئے؟ (العیاذ باللہ) چاروناچار بہنیں کہہ دیتی ہیں کہ

ہمیں تو بھائی چاہئے، پیسے لے کر کیا کریں گی، بہنوں کا حصہ اس طرح ہڑپ کر کے ساری زندگی حرام خوری کرتے ہیں، بہنوں کا، بیٹیوں کا، ماؤں کا حصہ غصب کرتے ہیں جو ظلم عظیم ہے یاد رکھئے ایسا کرنا اپنے پیٹ میں جہنم کے انگارے بھرنے ہیں یہاں نہیں دیں گے تو آخرت میں پائی پائی دینی پڑے گی۔ حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ اَخَذَ شِبْرًا مِنَ الْاَرْضِ ظُلْمًا فَاِنَّهٗ یُطَوَّقُهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ مِنْ سَبْعِ اَرْضِیْنَ.

(متفق علیہ، مشکوۃ ص ۲۵۴)

ترجمہ

''جو شخص ناحق کسی کی بالشت بھر زمین لے گا، قیامت کے روز سات زمینوں کا طوق اس کی گردن میں ڈالا جائے گا (یعنی ناحق زمین لینے کے جرم میں اس کو اس زمین میں سات زمینوں تک دھنسایا جائے گا، جب وہ سات زمینوں تک دھنس جائے گا، تو خود بخود سات زمینوں کا ہار اس کی گردن میں آجائے گا، آدمی کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس ہار اور اس طوق کو اٹھائے۔)''

بعض لوگ جو اپنے آپ کو متقی اور پرہیز گار سمجھتے ہیں وہ اتنا کر لیتے ہیں

کہ بہنوں سے اپنے حق میں ان کے حصے کی دست برداری کروا لیتے ہیں اور جب کوئی کہے کہ تم نے بہنوں کا حصہ نہیں دیا؟ تو کہتے ہیں کہ ہماری بہنیں ہمارے حق میں دست بردار ہوگئی ہیں انہوں نے اپنا حصہ اپنی خوشی سے ہمارے حق میں چھوڑ دیا ہے بھئی تم نے بہنوں کے حق میں کیوں دست برداری نہ کی؟ آج تک کسی بھائی نے اپنی بہن کے حق میں اپنا حصہ نہیں چھوڑا ہوگا، صدیوں سے بے چاری بہنیں ہی اپنا حصہ چھوڑتی چلی آرہی ہیں، یہ ایثار صرف بہنوں کے حصے میں آتا ہے بھائیوں کے حصے میں کیوں نہیں آتا، یاد رکھیں مروجہ دست برداری تو محض ایک حیلہ بہانا ہے ایک چکر اور ڈھونگ ہے ورنہ درحقیقت یہ بہنوں کا حصہ ناحق ہضم کرنے کا ایک ڈھنگ ہے، ان کا حصہ ہڑپ کرنے کا ایک عنوان ہے، اللہ بچائے اللہ بچائے ۔حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تو مرنے والے کے مرنے کے بعد اس کا چراغ استعمال کرنے سے ڈر رہے ہیں، حضرت تھانویؒ ریلوے کا چراغ ذاتی طور پر استعمال کرنے سے ڈر رہے ہیں اور یہاں جناب لاکھوں کڑروں روپے وارثوں کے ہضم کئے جارہے ہیں اور ڈکار بھی نہیں لیتے، واقعات کا یہ فرق خوف خدا ہونے اور نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔

حضرت تھانویؒ کے خوفِ خدا کا ایک اور واقعہ

حضرت تھانویؒ کا ایک اور واقعہ یاد آیا جو بڑا سبق آموز ہے، ایک دفعہ حضرت سہارنپور سے کانپور تشریف لے جارہے تھے اور حضرتؒ کے ساتھ اچھے

خاصے گئے تھے جن کو تُلوا کر محصول ادا کرنا ضروری تھا، حضرتؒ کا ہمیشہ سے یہ اصول تھا کہ اگر ریلوے کے مقرر کردہ وزن سے زائد وزن ہوتا تو اس کو تلواتے اور اس کا محصول ادا کر کے لے جاتے تھے اور یہی خوفِ خدا کا تقاضہ ہے، اب حضرت اسٹیشن ماسٹر کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ بھئی میرے پاس گنے ہیں جو مقررہ وزن سے زیادہ ہیں تم انہیں تولواور تول کر اس کا جو بھی محصول بنتا ہے وہ مجھ سے وصول کرو، مجھے پرچی بنادو، اسٹیشن کے تمام ملازمین حضرتؒ کے معتقد اور جاننے والے تھے اسلئے اس ملازم نے کہا حضرت ایسے ہی لے جائیے، ہماری اجازت سے لیجائیے، حضرتؒ نے کہا بھئی گاڑی کے اندر بیٹھنے کے بعد اگر چیکر آگیا تو پھر کیا ہوگا، اس ملازم نے کہا ہم اس گارڈ سے کہہ دیں گے کہ حضرت کا خیال رکھیں، تو حضرت نے کہا بھئی وہ تمہارا گارڈ کہاں تک جائے گا؟ کہا کہ وہ غازی آباد تک جائے گا وہاں تک تو کوئی اور نہیں آئے گا، حضرت نے فرمایا غازی آباد سے آگے کا کیا ہوگا؟ کہا کہ حضرت وہاں سے گارڈ بدلے گا تو یہ گارڈ اس سے کہہ دے گا کہ حضرت کا خیال رکھے، کہا کہ وہ کہاں تک لے جائے گا؟ حضرت! وہ کانپور تک پہنچادے گا وہاں سے پھر آپ اتر کر چلے جانا، حضرت نے فرمایا بھئی میرا سفر تو یہاں ختم نہیں ہوتا آخرت کا بھی تو سفر کرنا ہے وہاں میرے ساتھ کون سا گارڈ جائے گا؟ جب حضرت نے یہ کہا تو سب کی گردنیں جھک گئیں، یہ دیکھ کر حضرت نے فرمایا جب تمہارا آخرت میں کوئی گارڈ نہیں ہے تو پھر پیسے یہیں لے لو

، میرے لئے اسی میں عافیت ہے، مجھے تمہارے گارڈ کی ضرورت نہیں ہے مجھے تو اللہ تعالیٰ سے ڈر لگتا ہے کہ اگر انہوں نے پوچھ لیا کہ یہ تم نے قوم کی چوری کیسے کرلی تو میں کیا جواب دوں گا۔

بغیر ٹکٹ سفر کرنا پوری قوم کی چوری ہے

ہمارے حضرت مفتی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ایک چوری ہوتی ہے ایک آدمی کی، ایک چوری ہوتی ہے پوری قوم کی، کہتے ہیں کہ ایک آدمی کی چوری کا کفارہ بڑا آسان ہے کہ چپکے سے اس کو واپس کردے یا اس سے معافی مانگ لے یہ معاملہ بالکل آسان ہے لیکن حکومت کے پاس جو خزانہ ہے یہ پورے ملک کے عوام کا ہے یہ سارے سرکاری محکمے ان کی ملکیت ہیں، لہٰذا اگر کسی نے ٹکٹ نہیں لیا تو اس نے پوری قوم کی چوری کی، قیامت کے روز پاکستان کی پندرہ کروڑ عوام ایک طرف کھڑی ہوگی، وہ اکیلا ایک طرف کھڑا ہوگا، نہ دنیا میں معافی مانگ سکتا ہے اور نہ آخرت میں دے سکتا ہے لیکن آپ دیکھئے! یہاں پر بغیر ٹکٹ کے سفر کرنا کمال سمجھا جاتا ہے، تھرڈ کے ٹکٹ پر اے سی کے ڈبے میں سفر کرنے کو کمال سمجھا جاتا ہے، اور جب چیکر آتا ہے تو بیت الخلاء میں گھس جاتے ہیں اور بعض گارڈ ہوشیار ہوتے ہیں وہ بھی باہر ہی کھڑے رہتے ہیں کہ آخر نکلے گا تو سہی، کہاں تک اندر رہے گا، لیکن یہاں گارڈ رہے یا نہ رہے مگر آخرت کے گارڈ تو موجود ہیں، جس کے دل میں خوفِ خدا ہوتا ہے وہ محصول ادا کر کے زائد سامان لے جاتا ہے

جس کے دل میں خوفِ خدا نہیں ہوتا ہے وہ محصول ادا کئے بغیر ہی لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔

حج کے موقع پر حاجیوں کا ایک امتحان

اب ہر سال حاجیوں کا اسی میں امتحان ہوتا ہے کہ حج کیا ہے، مدینہ طیبہ حاضری دی ہے، تیس یا پینتیس کلو وزن کی اجازت ہے لیکن ان کے ساتھ پچاس کلو وزن ہو گیا ہے کیونکہ اس میں کھجوریں بہت وزنی ہیں اور لوگوں کے لئے تحفے تحائف خریدے ہیں، اب وہ کوشش کرتے ہیں کہ کسی طریقے سے بغیر ریال دیئے بجائے تیس کلو کے پچاس کلو وزن نکل جائے، بھئی یہ جو تم نے حج کیا تھا وہ تمہارا حج کہاں گیا؟ مدینہ طیبہ تم نے حاضری دی تھی وہ کس لئے دی تھی کہ آتے ہی ائیر پورٹ پر چوری شروع کردی، یاد رکھئے! اللہ کا خوف دل میں ہو تو پھر آدمی ائیر پورٹ پر بھی زائد وزن کے پیسے دے کر کے آتا ہے اور اگر اللہ کا خوف نہیں تو دسیوں کلو ایسے ہی چپکے سے کسی طرح رشوت وغیرہ کھلا کر آدمی سب لے آتا ہے لیکن یہاں رشوت کھلانے سے کیا ہوتا ہے وہاں تو سب پائی پائی کا حساب لکھا جا رہا ہے، سارا حساب درج ہو رہا ہے کہ کس نے کس سے کتنا کھایا ہے اور وہ آخرت میں اگلنا پڑے گا، آخرت میں ادا کرنا پڑے گا۔ (اللہ بچائے)

خوفِ خدا کی وجہ سے ایک آدمی کی عجیب وصیت

دیکھو! خوفِ خدا تو ایسا ہوتا ہے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک

شخص نے اپنی موت سے پہلے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ بھئی! میں بڑا گناہ گار، خطا کار آدمی ہوں جب میرا انتقال ہو جائے تو تم میری لاش کو جلا دینا اور اتنا جلا دینا، اتنا جلانا کہ میرا پورا جسم اور ہڈیاں بالکل کوئلہ ہو جائیں اور بالکل راکھ بن جائیں، اسکے بعد میرے کوئلے اور راکھ کو باریک کرنا اور خوب باریک کر کے آدھی تو تم ہوا میں اُڑا دینا اور آدھی سمندر میں بہا دینا، اس نے یہ وصیت کی اور بیٹوں نے اس وصیت پر عمل کر لیا اور اسی طریقے سے جلا کر اس کی راکھ کو ہوا میں بھی اڑا دیا اور سمندر میں بھی ڈال دیا، پھر اللہ پاک ہوا کو حکم دیں گے کہ جہاں جہاں اس کے ذرات پانی کے اندر بہہ گئے ہیں واپس لاؤ، آن کی آن میں اس کے سارے جسم کے ذرات اکٹھے ہوں گے اور اللہ پاک حکم دیں گے کہ زندہ ہو جا! وہ ایک دم کھڑا ہو جائے گا، اللہ کے حکم سے فوراً زندہ ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ اس سے پوچھیں گے کہ بتاؤ تم نے اپنی اولاد کو یہ وصیت کیوں کی کہ مجھے جلا کر میری راکھ کو اڑا دینا وہ کہے گا یا اللہ مجھے آپ سے ڈر لگ رہا تھا میں بہت گناہ گار تھا، بہت خطا کار تھا، تو میرے جی میں یہ آیا کہ اگر اللہ پاک مجھے پکڑیں گے تو میرا کوئی حال نہ ہوگا، آپ کے خوف سے، آپ کے ڈر سے میں نے یہ وصیت کی تھی۔ اللہ پاک فرمائیں گے جا ہم نے تجھے بخش دیا۔

خوفِ خدا کی وجہ سے تین آدمیوں کی جان بچ گئی

حدیث شریف میں ایک اور عجیب وغریب واقعہ آتا ہے کہ تین آدمی اس

لئے اپنے اپنے گھر سے نکلے کہ کہیں ان کو سبزہ اور پانی مل جائے تاکہ وہاں بیوی بچوں کے ساتھ آکر رہیں کیونکہ عربوں کے ماحول میں یہی طریقہ تھا کہ وہ خانہ بدوش ہوتے تھے جہاں پانی اور سبزہ مل گیا بس وہیں قیام کیا، جب پانی اور سبزہ ختم ہوا آگے چل دیئے، تو یہ تین آدمی سبزے اور پانی کی تلاش میں نکلے، ابھی راستے ہی میں تھے کہ بارش شروع ہوگئی اب کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں جاکر اپنے آپ کو بارش سے بچا سکیں اسی دوران ان کو پہاڑ میں ایک غار نظر آیا تو وہاں گھس گئے تاکہ بارش سے بچ سکیں جب وہاں جاکر اندر بیٹھے تو اچانک اوپر سے چٹان کا ایک ٹکڑا ٹوٹا اور سیدھا آکر ان کے غار کے منہ پر بیٹھ گیا، اور یہ تینوں غار کے اندر بند ہوگئے اور اوپر چٹان کا ٹکڑا کہ جو کسی طرح سے نہ ہلے اور نہ ہٹے، انہوں نے کہا بس اب تو یہ ہماری اجتماعی قبر بن گئی، ہمارے تو آنے کا نام ونشان بھی مٹ گیا اللہ کے سوا کسی کو بھی نہیں معلوم کہ ہم کہاں ہیں اب تو یہاں سوائے مرنے کے اور کوئی چیز نظر نہیں آرہی ہے انہوں نے آپس میں مشورہ کیا اور یہ کہا کہ ایسا کرو ہم میں سے ہر آدمی اپنی نیکیوں کا جائزہ لے، اپنی زندگی کے نیک اعمال کے بارے میں سوچے جو عمل اس کے نزدیک اللہ کی رضا کے واسطے ہوا اور اس کو امید ہو کہ اس کی بنیاد پر میری بخشش ہو سکتی ہے تو اس عمل کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس غار سے باہر نکال دیں۔

ان میں سے ایک آدمی نے اللہ تعالیٰ سے یہ عرض کیا کہ پروردگار عالم!

آپ کو معلوم ہے کہ مجھے ایک عورت سے محبت تھی اور میں نے اس سے اپنی خواہش کا اظہار کیا، پہلے تو وہ نہ مانی پھر میں نے اسکو کچھ پیسے دیئے تو بالآخر وہ تیار ہوگئی اور جب وہ تیار ہوگئی اور میں اسکے قریب ہوا تو اس نے کہا: اِتَّقِ اللّٰہَ (اللہ سے ڈر) یہ سن کر میں ایک دم آپ کے خوف سے کھڑا ہوگیا تو یا اللہ! اس پر پوری طرح قابو پانے کے بعد میرا اس سے جدا ہو جانا اور الگ ہو جانا اور کھڑا ہو جانا اگر آپ کے خوف سے تھا اور آپ کی رحمت کی امید پر تھا تو یا اللہ اس چٹان کو ہمارے سروں سے ہٹا دیجئے، بس یہ کہنا تھا کہ ایک تہائی غار کا منہ کھل گیا۔

پھر دوسرے نے کہا کہ یا اللہ آپ جانتے ہیں کہ میرے بوڑھے ماں باپ تھے میں ان کا خدمت گزار تھا اور میں بھی صاحبِ اولاد تھا، روزانہ میں جانور چرانے لے جاتا تھا، شام کو جلدی سے لاتا تھا اور پھر اپنے والدین کو دودھ پلاتا اور وہ دودھ پی کر سو جاتے تھے، ایک دن مجھے جنگل میں دیر ہوگئی اور ان کے لئے اس وقت دودھ لے کر آیا جب وہ سو چکے تھے، میں دودھ کا پیالہ لے کر ان کے سرہانے کھڑا رہا، جگانا بھی مناسب نہ سمجھا، اور ان کو پلائے بغیر خود پینا بھی مناسب نہیں سمجھا یہاں تک کہ ساری رات اسی طرح گزر گئی کہ میں ان کے سرہانے دودھ کا پیالہ لے کر کھڑا رہا، سویرے جب وہ جاگے تو میں نے ان کو دودھ پیش کیا کہ ابا جان! دودھ پی لیجئے، اماں جان! دودھ پی لیجئے، یا اللہ اگر میں نے یہ عمل صرف آپ کی رحمت کی امید پر اور آپ کے خوف سے کیا ہے تو یا اللہ

اس پہاڑ کو ہمارے سروں سے ہٹا دیجئے، بس یہ کہنا تھا کہ ایک تہائی حصہ اور ہٹ گیا۔ سبحان اللہ۔

اب تیسرے صاحب بولے کہ یااللہ آپ جانتے ہیں کہ میں زمیندار آدمی ہوں، کاشت کار ہوں، زمین میں کھیتی باڑی کرنے والا آدمی ہوں میں نے ایک مزدور رکھا تھا اس کی مزدوری میں نے کچھ غلہ مقرر کی تھی جب اس نے کام ختم کیا تو میں نے اسکو کہا کہ یہ غلہ تیری اجرت ہے لے لے، اس کو یہ اجرت کچھ کم لگی تو وہ خفا ہو کر اپنی اجرت ایسے ہی چھوڑ گیا، میں انتظار کرتا رہا کہ کب آئے تو اپنی اجرت لے لے، جب وہ نہ آیا تو میں نے اس غلے کو زمین میں لگایا پھر اگایا، پھر زمین میں لگایا پھر اگایا، اور وہ اصل بھی اور جو اس میں اضافہ ہوا وہ سب میں نے اکٹھا کر لیا، اس کے علاوہ بھی اس کے مال سے کچھ چیزیں خریدیں، اچھا خاصہ مال اس کا بڑھ گیا، کافی عرصے کے بعد وہ آیا اور اس نے کہا کہ لا! میری اجرت دے میں نے کہا یہ سب مال تیرا ہے، گندم کا یہ سارا گودام تیرا ہے، اس نے کہا تو مجھ سے مذاق کر رہا ہے یہ سب میرا کہاں سے آیا؟ میں نے کہا تیرا ہی ہے لے جا تیری اجرت میرے پاس امانت تھی اس کو میں نے لگایا اور بڑھایا، اب وہ اتنی ہوگئی ہے، وہ ہکا بکا رہ گیا کہ ایسے بھی امانت دار ہو سکتے ہیں یا اللہ اگر میں نے آپ کی رحمت کی امید پر اور آپ کے خوف سے اس کی اجرت دیانت و امانت سے کاروبار میں لگائی کہ یہ اس طرح پڑے پڑے ضائع نہ ہو اور اگر میں چاہتا تو

صرف اس کو اصل اجرت دیتا اور یہ اضافہ اپنے پاس رکھ لیتا تو وہ کچھ بھی نہ کہتا، یہ جو میں نے اصل کے ساتھ نفع بھی اس کو واپس کیا ہے اگر یہ میں نے آپ کی رحمت کی امید پر کیا ہے اور آپ کے خوف سے کیا ہے تو یا اللہ اس پہاڑ کو ہمارے سروں سے ہٹا دیجئے بس یہ کہنا تھا کہ باقی ایک تہائی بھی ہٹ گیا اور غار کا پورا منہ کھل گیا اور وہ تینوں باہر آ گئے اور چلتے ہوئے اپنے گھروں کو لوٹ گئے تو دیکھئے امانت کے اندر بھی خوفِ خدا ہی کام کرتا ہے، آدمی خیانت اس وقت کرتا ہے جب اللہ کے خوف سے بے خوف ہوتا ہے ورنہ تو خوفِ خدا انسان کو کسی کی امانت میں ایک پائی کی بھی خیانت نہیں کرنے دیتا۔

خوفِ خدا کیسے پیدا ہوتا ہے؟

اب یہ اللہ کا خوف ہمارے دل میں کیسے پیدا ہو؟ اس کا طریقہ یہ ہے کہ روزانہ دس منٹ اپنے دنیا کے کاموں سے فارغ کریں اور کسی خلوت میں بیٹھ جائیں چاہے مسجد کا کونہ ہو، چاہے گھر کا کمرہ ہو بس جہاں کوئی اور نہ ہو، تنہائی میں بیٹھیں اور دنیا کے جو خیالات اور منصوبے ذہن میں بنتے رہتے ہیں ان کو بھی اپنے ذہن سے ذرا ہٹا لیں یعنی ظاہری طور پر بھی کچھ فارغ ہو جائیں اور ذہنی طور پر بھی خود کو فارغ کریں اور وہاں بیٹھ کر اپنے گناہوں کو سوچیں اور ان پر اللہ تعالیٰ کا جو عذاب اور وبال ہے اس کو بھی سوچیں، نماز نہ پڑھنے کا یہ وبال ہے، جھوٹی قسم کھانے کا یہ عذاب ہے، جھوٹ بولنے کا یہ وبال ہے، غیبت کا یہ عذاب ہے، اللہ

تعالیٰ اتنے قہر والے ہیں، اللہ سریع الحساب ہیں، اللہ تعالیٰ عذاب دینے والے ہیں، اللہ کے عذاب کو، اللہ تعالیٰ کی ہیبت کو، اس کے جلال کو اور گناہوں کے وبال کو، عذاب کو سوچے، اب درمیان میں ایک بات عرض کر دوں کہ ہوسکتا ہے کہ کوئی یوں کہے کہ ہمیں تو پتا ہی نہیں گناہوں کا کیا عذاب ہے، اب وہاں بیٹھ کر کیا سوچیں گے؟ اور واقعی صحیح بات یہی ہے کہ ہمیں کچھ پتا ہی نہیں کہ گناہوں کا کیا عذاب ہے حالانکہ بہت مرتبہ سن رکھا ہے لیکن وہ سنی ان سنی کرنے کا جو مرض ہے اس کی وجہ سے کچھ پتہ ہی نہیں ہے کہ کس گناہ کا کیا عذاب ہے، کیا وبال ہے؟ تو بھئی! میں آپ کو ایک کتاب بتا دیتا ہوں ''مرنے کے بعد کیا ہوگا'' دیکھو نام کیسا دل ہلانے والا ہے، یہ حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحبؒ کی کتاب ہے، بڑی آسان، بڑی عام فہم اور بڑی سبق آموز ہے اس میں قرآن کریم کی آیات اور احادیثِ طیبہ کی روشنی میں بتایا ہے کہ مرنے کے بعد کیا ہوتا ہے اس میں احوالِ برزخ ہیں، احوالِ جنت ہیں اور احوالِ جہنم ہیں تو جب احوالِ برزخ پڑھیں گے اور احوالِ جہنم پڑھیں گے تو پتہ چلے گا کہ کس عمل کا کیا عذاب ہے، معتبر اور مستند کتاب ہے، آسان اور عام فہم ہے، اس کتاب کو لے لیں پہلے اس کا مطالعہ کریں تاکہ مراقبہ صحیح ہو سکے اس کے مطالعہ کے بعد مراقبے میں بیٹھیں اور روزانہ دس منٹ مراقبہ کریں اور اس میں یہ سوچا کریں کہ میں نے کتاب میں پڑھا تھا کہ جھوٹ بولنے کا یہ عذاب ہے، چغلی کھانے کا یہ عذاب ہے، غیبت کرنے کا یہ

عذاب ہے، کم تولنے کا یہ عذاب ہے، کم ناپنے کا یہ عذاب ہے، ظلم اور زیادتی کرنے کا یہ عذاب ہے، غصب کرنے کا یہ عذاب ہے، ایک دو دن تو ذرا سی دیر لگے گی پھر اس کے بعد خود بخود ذہن چلنے لگے گا بس یہ دس منٹ کا مراقبہ آپ کے دل پر اللہ کے خوف کو نقش کر دے گا، اور پھر جب نماز کا وقت آئے گا تو آپ کو دکان چھوڑنا آسان ہو جائے گا، نماز کے وقت ڈیوٹی اور ملازمت کی کرسی پر بیٹھنا آپ کے لئے مشکل ہو جائے اس لئے کہ آپ کو وہ عذاب یاد آئے گا کہو گے کہ جلدی چل بھئی! یہ نوکری وغیرہ کیا ہے پہلے نماز پڑھ کر آ، وہ سیدھا نماز پڑھنے جائے گا، ساری عورتیں باورچی خانے سے باہر اور مصلے پر کھڑی نظر آئیں گی، ابھی تو ان کی عشاء کی نماز رات بارہ بجے ہوتی ہے پھر سوا نو بجے شروع ہو جائے گی۔ انشاء اللہ۔

نہ پھر رشتہ داروں کی آمد ان کو مصروف کرے گی نہ باورچی خانے کا پکانا کھانا ان کو مشغول کرے گا، اس لئے کہ خوفِ خدا دل میں ایسا آئے گا کہ وہ ان کو نماز وقت پر پڑھوائے گا، ایک تو یہ مراقبہ کرنے کی ضرورت ہے اور مراقبہ کرتے کرتے اللہ کا خوف ایسا دل میں آجائے گا کہ بس انشاء اللہ تعالیٰ گناہوں کا چھوڑنا، فرائض کا ادا کرنا سہل ہو جائے گا۔ بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظِلِّهٖ يَوْمَ لَاظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ

''سات آدمی ایسے ہیں کہ اللہ پاک انہیں اس روز اپنا (یعنی اپنے عرش) کا سایہ نصیب فرمائیں گے جس دن اللہ کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا''۔

ان سات میں ایک آدمی یہ بھی ہوگا:

رَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ إِنِّىْ أَخَافُ اللّٰهَ . (صحیح البخاری: ۲/۷۱۵)

ترجمہ

''ایک وہ آدمی جسے حسب ونسب اور جمال والی عورت (گناہ کے لئے) بلائے، سو وہ کہے: میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔''

دوسرا کام یہ ہے کہ دعا کریں کہ یا اللہ! اپنا اتنا خوف عطا فرمادیں جو میرے اور آپ کے گناہوں کے درمیان حائل ہوجائے دعا کرنے سے بھی بڑا مشکل سے مشکل مسئلہ حل ہوجاتا ہے یہ شعر مجھے بڑا ہی پیارا لگتا ہے۔

تو ملے تو کوئی مرض نہیں، نہ ملے تو کوئی دوا نہیں

اور بھئی وہ تو مانگنے والے کو ملتے ہیں بس ہم مانگیں گے ان سے کہ یا اللہ! اتنا خوف دے دیجئے جو ہمارے اور گناہوں کے درمیان آکر حائل ہوجائے اور آپ کی نافرمانی سے ہمارے لئے بچنے کا سامان ہوجائے، انشاءاللہ تعالیٰ آپ کو

اللہ عطا فرمادیں گے ، سب کچھ تو وہی کرنے والے ہیں ، ہم کون ہیں ، اس طرح خوف خدا دل کے اندر آجائے گا۔

صحبت باولیاء

تیسرا کام یہ کریں کہ جس اللہ والے سے آپ کی طبیعت ملتی ہو ، مناسبت ہو اس سے خط وکتابت کریں اور اپنے حالات سے ان کو باخبر کرتے رہیں اور جو کچھ ہدایات وہ دیں ان پر عمل کرتے رہیں ، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس مراقبے کی بھی ایک حد ہے ، خوف خدا کی بھی ایک حد ہے نہ حد سے زیادہ ہو نہ حد سے کم ہو ، درمیانہ درجہ حاصل کرنا مطلوب ہے تو جس کے سر پر کوئی شیخ نہیں ہوگا اور جس کا کوئی پیر نہیں ہوگا اگر خدانخواستہ اس نے زیادہ مراقبہ کرلیا اور پھر خوف اتنا بڑھ گیا کہ بڑھتے بڑھتے وہ خدانخواستہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہی مایوس ہوگیا تو اور زیادہ نقصان ہوجائے گا جیسے اللہ کی رحمت کی بنیاد پر اللہ کی نافرمانی جائز نہیں ۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وجہ سے گناہ کرنا جائز نہیں ہے ، فرائض چھوڑنا جائز نہیں ہے ایسے ہی اپنے گناہوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ایسا مایوس ہوجانا بھی جائز نہیں ہے کہ یہ سمجھے کہ میری تو اب بخشش ہی نہیں ہوسکتی ، ارے تو کیا ساری دنیا کے گناہ اللہ کی رحمت کے سامنے کچھ نہیں ہیں لہذا بے خوف بھی نہ ہو اور حد سے زیادہ خوف بھی نہ ہو ، یہ تو بھئی ! حکیم صاحب کا کام ہے ، طبیب روحانی بتائے گا کہ بس اتنا خوف آگیا اب مزید آگے مراقبہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے ، یا تم ابھی اور مراقبہ کرو ، اس لئے ضروری ہے کہ کوئی نہ کوئی مرشد ہو اور کوئی نہ کوئی شیخ ہو اس

کی رہنمائی میں آدمی چلے تو انشاء اللہ تعالیٰ یہ خوف پیدا ہو جائے گا، اب دعا کرو! اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں اپنا اتنا خوف پیدا فرمادیں کہ جب گناہ کا موقع آئے ہم گناہوں سے بچ جائیں اور جب فرض وواجب اور کسی امر ربی کے بجا لانے کا موقع آ جائے تو بآسانی اس کو بجا لائیں اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائیں۔

❀❀❀ وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین ❀❀❀

رحمتِ الٰہی سے مایوس نہ ہوں

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ يَاعِبَادِيَ الَّذِيْنَ أَسْرَفُوْا عَلٰى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ، إِنَّهُ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ. (الزمر : ۵۳)

ترجمہ

کہہ دو کہ: ''اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کر رکھی ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، یقین جانو، اللہ سارے کے سارے گناہ معاف کر دیتا ہے، یقیناً وہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔

جہاد فی سبیل اللہ

اور

اس کے فضائل

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی دامت برکاتہم العالیہ
نائب مفتی: جامعہ دارالعلوم کراچی

ضبط و ترتیب

مولانا محمد قاسم امین صاحب ملتانی
متخصص جامعہ دارالعلوم کراچی
استاذ جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی کراچی

مکتبۃ الاسلام کراچی

پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّيْطٰنِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ. الآية.

(البقرة:۲۰۸)

ترجمہ

”اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقشِ قدم پر نہ چلو، یقین جانو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔“

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم

اَمَّابَعْدُ!

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یَا اَبَا سَعِیْدٍ مَنْ رَضِیَ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْناً وَّبِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَبِیًّا وَجَبَتْ لَهٗ الْجَنَّةُ ، فَعَجَبَ لَهَا اَبُوْ سَعِیْدٍ فَقَالَ اَعِدْهَا عَلَیَّ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاَعَادَهَا عَلَیْهِ ، ثُمَّ قَالَ وَاُخْرٰی یُرْفَعُ بِهَا الْعَبْدُ مِائَةَ دَرَجَةٍ فِی الْجَنَّةِ ، مَابَیْنَ کُلِّ دَرَجَتَیْنِ کَمَا بَیْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ ، قَالَ وَمَا هِیَ

یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ؟ قَالَ : اَلْجِھَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ، اَلْجِھَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَلْجِھَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ .

(رواہ مسلم ، مشکوٰۃ : ۳۳۴/۲)

ترجمہ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ کے رب ہونے پر، اسلام کے دینِ برحق ہونے پر اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) رسول ہونے پر راضی ہو (یعنی دل سے ان سب کو مانا) تو اس کے لئے جنت واجب ہوگئی۔ حضرت ابوسعید خدریؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر بڑا تعجب ہوا، انہوں نے عرض کیا کہ : ''یارسول اللہ! ان کلمات کو مکرر ارشاد فرمایئے''، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے پھر یہی کلمات ارشاد فرمائے اور مزید ارشاد فرمایا: ''ایک چیز اور ہے جس کے سبب اللہ تعالیٰ جنت میں بندے کے سو درجے بلند فرما دیتے ہیں، اور ان میں سے ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان و زمین کے درمیان ہے۔'' حضرت ابوسعید خدریؓ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! وہ کیا چیز ہے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے، وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے، وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے۔'' (مسلم)

اس حدیث شریف میں جہاد کی عجیب وغریب فضیلت بیان ہوئی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ سرکارِ دوعالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر راضی ہو، اور اسلام کے دین و مذہب ہونے پر راضی ہو، اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی اور رسول ہونے پر راضی ہو، تو اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے، یعنی وہ ضرور جنت میں جائے گا۔

اس حدیث کے راوی حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سن کر تعجب کرنے لگے کہ کتنا مختصر عمل ہے اور اس کی کتنی بڑی فضیلت ہے، چنانچہ انہوں نے حیران ہو کر دوبارہ حضورِ اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ حضور! یہ فضیلت دوبارہ ارشاد فرما دیجئے تو آپ ﷺ نے دوبارہ یہی فضیلت ارشاد فرما دی کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر راضی ہو جائے یعنی اللہ تعالیٰ کو اپنا رب مانے، اور اسلام کے دین ہونے پر راضی ہو، یعنی اس کو اختیار کر لے اور اس کو اپنا لے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی ہو، یعنی آپ ﷺ پر ایمان لے آئے تو اس کے لئے جنت لازم ہے۔

جہاد کی فضیلت

اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس کے علاوہ ایک عمل اور بھی ہے جس کی فضیلت یہ ہے کہ جو شخص اس کو اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے سو درجات بلند فرمادیں گے جن میں سے ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہوگا جتنا زمین سے آسمان تک کا فاصلہ ہے، اتنا فاصلہ سو درجوں میں سے ہر دو درجوں کے درمیان ہوگا، اتنے اونچے اور بلند درجے اور وہ بھی ایک، دو یا، چار نہیں سو درجات اللہ تعالیٰ اُس عمل کی وجہ سے بلند فرمادیتے ہیں، پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ عمل ''اللہ کے راستے میں جہاد کرنا ہے'' کہ جہاد کے عمل سے اللہ تعالیٰ مجاہد کے جنت کے اندر اتنے اونچے سو درجات بلند فرمادیتے ہیں۔

جہاد جہنم سے دوری کا سبب

ایک حدیث میں ایک اور فضیلت بھی آئی ہے کہ جو شخص ایک دن جہاد میں گزاردے، ایک دن جہاد کے اندر لگادے تو اللہ جل شانہ اس کے اور جہنم کے درمیان سات خندقیں حائل فرمادیتے ہیں، اور سات خندقیں ایسی ہیں جیسے سات آسمان اور سات زمینیں، یعنی جیسے یہ پوری زمین ہے، اس طرح کی نیچے چھ زمینیں اور بھی ہیں، اور جس طرح یہ ایک آسمان جو ہمارے سامنے ہے اس طرح اس کے اوپر چھ آسمان اور بھی ہیں، اس طرح ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں مل کر ان کی

جو مسافت بنتی ہے ظاہر ہے کہ بہت ہی زیادہ اور بہت ہی زیادہ طویل مسافت بنتی ہے، تو جتنی یہ مسافت ہے اور جتنا یہ طویل فاصلہ ہے، اتنا فاصلہ اللہ تعالیٰ ایک دن جہاد کرنے والے کے اور دوزخ کے درمیان حائل فرمادیتے ہیں۔

آپ غور فرمائیں کہ کہاں ایک دن اللہ کے راستے میں جہاد کرنا اور جہاد میں اپنے آپ کو مشغول کرنا اور کہاں اتنی لمبی مسافت کا اس کے اور دوزخ کے درمیان حائل ہوجانا، یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے۔

نقصان سراسر کافر کا ہے

مومن تو کسی حال میں نقصان میں نہیں ہے، وہ اگر جہاد میں فتح حاصل کرلے تو نفع میں ہے، شہید ہوجائے یا خدا نا خواستہ شکست ہوجائے تو بھی فائدے میں ہے، لہٰذا مومن کو نقصان ہی نہیں، نقصان تو سراسر کافر کا ہے کہ اگر وہ جیت بھی گئے تو یہ جیت ان کی عارضی و فانی ہے، آخر ایک دن انہیں بھی دنیا چھوڑنی ہے، دنیا کے مال واسباب کون ساتھ لے گیا ہے، اور پھر اگر ساری دنیا انہوں نے حاصل کرلی تو اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ مکھی اور مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں، تو حاصل کیا ہوا؟ کچھ بھی حاصل نہ ہوا، اور اگر وہ مر گئے تو ہمیشہ ہمیشہ کی جہنم، اور ہمیشہ ہمیشہ کی دوزخ ان کا مقدر رہے۔

اصل ناکامی، اصل ذلت ورسوائی اور نامرادی تو کافروں کی ہے، لہٰذا اگر وہ جیت بھی گئے تب بھی وہ جیتنا نہیں اور اگر وہ مر گئے تو پھر ہمیشہ کے لئے ناکامی و

نامرادی ان کی قسمت ہے۔

جہاد کا کوئی شریک محروم نہیں

بہر حال! جہاد ایک اہم ترین عمل ہے اور یہ ایسا عمل ہے کہ جس کی ہر مومن کے دل میں تمنا اور آرزو ہونی چاہئے، اور جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ جہاد کے لئے جسم ہی استعمال کرنا شرط نہیں ہے کہ جا کر ہم جان استعمال کریں، کیونکہ بعض اوقات یہ انسان کے اختیار میں ہوتا ہے بعض مرتبہ نہیں ہوتا، لیکن اللہ پاک نے کسی کو بھی اس ثوابِ عظیم کے حاصل کرنے سے محروم نہیں رکھا، ہر آدمی کے اختیار میں جو کچھ ہے وہ اس کے مطابق جہاد میں حصہ لے سکتا ہے، اگر جان استعمال کرسکتا ہے تو جان لگا دے، اگر مال استعمال کرسکتا ہے تو مال لگا دے، اور اگر زبان وقلم استعمال کرسکتا ہے تو ان کے صحیح اور برحق استعمال سے بھی وہ جہاد میں حصہ لے سکتا ہے۔

زبان سے جہاد

جہاد میں زبان بھی استعمال ہوسکتی ہے، اور اس وقت ہم سب اپنی زبان سے جہاد میں حصہ لے سکتے ہیں، اس میں سب سے بڑھ کر حصہ لینے کا طریقہ ''دعا'' ہے کہ دنیا میں جہاں جہاں جہاد ہو رہا ہے، اور مجاہدین جہاد میں مشغول ہیں، ہم اُن کے لئے دل و جان سے دعا کرنے میں لگ جائیں، اور ہماری کوئی نماز ان کے واسطے جہاد میں کامیاب ہونے کی دعا سے خالی نہ ہو، نمازوں کے بعد

بھی، نمازوں سے پہلے بھی اور ویسے بھی دیگر اوقات میں ہم برابر ان کی کامیابی کی دعائیں کرتے رہیں، اپنے لئے اور اُن کے لئے استغفار کرتے رہیں، توبہ کرتے رہیں، اپنے اور اُن کے گناہوں کی اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر معافی مانگتے رہیں اور اُن کی نصرت کے لئے، اُن کی کامیابی کے لئے، اُن کی کامرانی کے لئے اور اُن کی فتح کے لئے دعا کرتے رہیں، اُن کی ثابت قدمی کے لئے اور جس طرح وہ اپنی جان کی بازی لگائے ہوئے ہیں انتہائی بہادری اور پوری طاقت کے ساتھ دشمن سے لڑنے میں مشغول ہیں ہم دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہر میدان میں اُن کو ثابت قدمی عطا فرمائے، اور غیب سے اللہ تعالیٰ اُن کی مدد فرمائے، اُن کو کامیابی سے مالا مال فرمائے، اُن کے مقابلے میں کافروں اور یہود و نصاریٰ کو اللہ تعالیٰ نشانِ عبرت بنائے، اُن کو ذلیل وخوار فرمائے، اور اُن کو شکست فاش دے، اُن کو تباہ و برباد کرے۔

مال سے جہاد

جب کوئی راستہ ان کی مالی مدد کا نکلے تو اس سے بھی دریغ نہ کریں، فوراً نیت کرلیں اور جوں ہی کوئی موقع ملے، جس طرح بھی ملے، جہاں بھی ملے، جتنا بھی ملے، بس مال سے اُن کی مدد کرنے کی کوشش کریں۔

''شہادت'' مومن کی دلی تمنا

جب جہاد میں جان لگانے کا موقع آجائے تو اُس کے لئے بھی تیار

رہیں، ہر مومن کے دل میں شہادت کی تمنا ہونی چاہئے کہ شہادت بہت اونچا مقام ہے، بڑا اعالی مقام ہے۔

موت کا وقت مقرر ہے

آدمی کو یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ اگر میں جہاد کے اندر دشمن سے لڑونگا تو مارا جاؤنگا، بلکہ سمجھ لینا چاہئے کہ جہاد کے اندر مرے گا تو وقت سے پہلے پھر بھی نہیں مرے گا، شیطان یہ دھوکہ دیتا ہے کہ اگر میں جہاد میں نہ گیا تو سو برس زندہ رہوں گا اور وہاں جا کر شہید ہو گیا تو صرف پچاس برس ہی میں مر جاؤں گا۔

یاد رکھئے! یہ بات غلط اور بے اصل ہے، یہ شیطان کا دھوکہ ہے، جو شخص جہاد میں نہیں جائے گا وہ بھی، اور جو جہاد میں جائے گا وہ بھی، مریں گے دونوں اپنے وقت پر، کسی انسان کی اللہ پاک نے دو موتیں نہیں لکھیں، جس کا بھی انتقال ہوگا اپنے وقت پر ہی ہوگا، جب انتقال اپنے وقت پر ہوگا تو جس کی قسمت میں شہادت لکھی ہوگی وہ جہاد میں جانے کے بعد اپنے وقت پر شہید ہوگا، اگر اس کی موت نہیں لکھی تو بغیر شہادت کے واپس آجائے گا اور جتنی اس کی زندگی باقی ہوگی وہ زندہ رہے گا، اور جب اس کا وقت آئے گا تو اپنے وقت پر اس کا انتقال ہوگا، اور جو میدانِ جہاد میں شہید ہوگا وہ اپنے وقت پر شہید ہوگا، دنیا میں وہ اتنی ہی عمر لایا تھا، اتنے ہی وقت کے لئے وہ دنیا میں آیا تھا، اور اس کی موت میدانِ جہاد میں شہادت کی شکل میں لکھی ہوئی تھی، سو وہ ہوئی۔

لہٰذا یہ تو شیطان کا دھوکہ ہے کہ اگر ہم جہاد میں چلے گئے اور ہم دشمن سے لڑے تو ہم وقت سے پہلے ہی مر جائیں گے، اس لئے نہ جائیں تا کہ کچھ اور زندہ رہیں، یہ سراسر شیطان کا دھوکہ ہے، ایک نہیں دسیوں نہیں بیسیوں ، ہزاروں واقعات ہیں کہ مجاہدین کو دشمن سے لڑنے اور مقابلہ میں ایسی صورتحال پیش آئی کہ جس میں بچنے کا بظاہر کوئی امکان نہیں تھا، لیکن چونکہ اُن کی موت مقرر نہیں تھی، لہٰذا موت نہ آئی اور وہ زندہ سلامت واپس آ گئے۔

ایک مجاہد کا عجیب وغریب واقعہ

افغانستان میں جب روس سے جہاد ہو رہا تھا تو ان دنوں ایک مجاہد کا واقعہ سُنا، اُس نے بتایا کہ مجھے جہاد میں حصہ لینے کے بعد پتہ چلا کہ موت اپنے وقت پر آتی ہے، نہ بم سے آتی ہے نہ گولی سے، وہ تو اپنے وقت پر آتی ہے، اُس نے کہا کہ: اس کا ثبوت یہ ہے کہ میرا یہ لباس دیکھ لو، یہ میری شلوار ہے، یہ میرا کُرتہ ہے جو دشمن سے مقابلے کے دوران میں نے پہنا ہوا تھا، اس کُرتے اور شلوار میں کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں سے گولی نہ گزری ہو، غرض یہ کہ اتنی گولیاں اس میں سے پار ہوئیں کہ شلوار، قمیض دونوں کے دونوں گولیوں سے چھلنی ہو گئے تھے، جگہ جگہ اس میں سوراخ تھے، اس کا وہ کُرتہ اور شلوار دوبارہ سلائی کے قابل نہ رہا، اُس نے کہا کہ تم اس کو دیکھو اور سوچ لو کہ جس کے جسم پر یہ کپڑے ہوں گے کیا اس کا جسم بچا ہوگا؟ جو بھی دیکھتا وہ یہی کہتا کہ وہ تو بچا ہی نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس

پر گولیوں کے نشان سینے کی طرف بھی ہیں اور پیٹھ پر بھی، پیٹ پر بھی ہیں اور آستینوں میں بھی، رانوں پر بھی ہیں اور پنڈلی پر بھی، آگے بھی ہیں پیچھے بھی اور دائیں بھی ہیں بائیں بھی، کوئی جگہ خالی نہیں۔ تو جس کے کپڑوں کے اندر اتنے سوراخ ہوں کہ کوئی جگہ سوراخ سے خالی نہیں تو اس کا پہننے والا کیسے بچ سکتا ہے؟ اُس نے کہا: ''مجھے دیکھ لو کہ میں بچا ہوا ہوں یا نہیں؟''، لوگوں نے کہا کہ ہاں تم تو بچے ہوئے ہو لیکن یقین نہیں آرہا کہ تم یہ کپڑے پہنے ہوئے تھے، اُس نے کہا کہ کیا میں جھوٹ بول رہا ہوں؟ انہوں نے کہا: ''خیر ہم یہ نہیں کہہ رہے کہ تم جھوٹ بول رہے ہو''، اُس نے کہا: ''میں اپنا کُرتہ شلوار تمہیں دکھلا رہا ہوں کہ یہ میرا لباس ہے جسے میں نے جہاد میں پہنا ہوا تھا دشمن سے مقابلے کے دوران گولیاں اس میں سے گزر رہی تھیں، اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ میں اب مرا، تب مرا، مگر اللہ کی شان کہ وہ گولی کپڑے سے لگتی تھی اور چڑیا کی طرح پھُر سے اُڑ جاتی تھی، کبھی اِدھر سے نکل جاتی، کبھی اُدھر سے نکل جاتی، اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ اب میں شہید ہوا، اب میں شہید ہوا، الحمد للہ دشمن بھاگ گیا اور میں ویسے کا ویسا ہی کھڑا رہا اور کپڑے میرے ایسے ہو گئے کہ سارا جسم ننگا ہو گیا، میں نے وہیں مورچے میں دوسرے ساتھی سے کہا کہ ذرا دوسرے کپڑے نکال کر دو، میں وہ پہن کر نکلوں گا، ویسے میرا نکلنا مشکل ہے، اس لئے کہ گولیوں سے اتنے سوراخ ہو گئے ہیں کہ میرا جسم برہنہ ہو گیا ہے، اب وہ پردہ نہیں رہا، اب آپ اس واقعہ میں غور فرمائیں، مجاہد کہتا ہے

کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی آنکھوں سے دکھادیا کہ موت اسلحہ سے نہیں آتی، گولیوں سے نہیں آتی بلکہ اپنے وقت پر آتی ہے، وہ تو اللہ کا حکم ہے جب موت کا وقت آتا ہے تو موت آجاتی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ لَّكُمْ مِيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ. (السبا: ۳۰)

ترجمہ

''آپ کہہ دیجئے کہ تمہارے واسطے ایک خاص دن کا وعدہ ہے کہ اس سے نہ ایک ساعت (گھڑی، لمحہ) پیچھے ہٹ سکتے ہو اور نہ آگے بڑھ سکتے ہو''۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بسترِ مرگ پر حسرت

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو مشہور صحابی ہیں اور اُن کی بہادری کے بیشمار واقعات ہیں کہ وہ اتنے بہادر تھے، اتنے نڈر تھے کہ تلوار لیکر دشمنوں کے لشکر میں گھس جاتے اور اندر تک گھستے چلے جاتے، اور جہاں تک جاتے، وہاں کافروں کی لاشیں گراتے ہوئے جاتے، ان کا مقصود یہی تھا کہ مجھے اللہ کے راستے کی شہادت نصیب ہو جائے، لیکن ساری زندگی جہاد میں گزر جانے کے بعد انتقال بستر پر ہوا، حالانکہ ''سَيْفٌ مِنْ سُيُوْفِ اللّٰه'' یعنی ''اللہ کی

تلواروں میں سے ایک تلوار'' ان کا لقب ہے، بڑے بڑے معرکے اللہ تعالیٰ نے انہی کے ہاتھ پر فتح فرمائے ہیں، لیکن دیکھیں کہ اُن کی موت شہادت کی شکل میں مقدر نہیں تھی، اس لئے میدانِ جہاد میں کہیں وہ شہید نہیں ہوئے، اُن کا انتقال ہوا تو گھر کے اندر بستر پر ہوا۔

آخر وقت میں ان کا کہنا یہ تھا کہ میری حسرت میرے دل ہی میں رہ گئی، میری آرزو تھی کہ میں کسی میدانِ جہاد میں کٹ کر شہید ہوتا، گردن کہیں ہوتی، ہاتھ کہیں ہوتا، سر کہیں ہوتا، دھڑ کہیں، پیر کہیں ہوتے، لیکن آج دیکھو کہ میں باوجود اپنی اس چاہت کے اپنے اس بستر پر فوت ہو رہا ہوں اور وفات پا رہا ہوں۔

جس کا وقت اللہ پاک نے جہاں لکھا ہے وہ ایک ہی مرتبہ لکھا ہے، ایک ہی دفعہ موت آتی ہے، کسی کو دو دفعہ موت نہیں آتی، جب ایک ہی دفعہ آنی ہے تو پھر شہادت سے بہتر کون سی موت ہو سکتی ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو شہادت نصیب فرمائے، اللہ تعالیٰ اپنے راستے میں عافیت کے ساتھ شہادت نصیب فرمائے اور اپنے فضل سے مقامِ شہادت نصیب فرمائے۔ آمین۔

اسلام کا پہلا معرکہ

تاریخِ اسلام میں سب سے پہلے جو جہاد ہوا ہے اسے ''غزوۂ بدر'' کہتے ہیں، یہ ہجرت کے دوسرے سال رمضان شریف کے مہینے میں ہوا، جب نبیٔ اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ پہنچ گئے تو وہاں ایک سال ہی گزرا تھا کہ دوسرے سال غزوۂ بدر ہو گیا، جس کی وجہ یہ پیش آئی کہ کفارِ مکہ مسلمانوں کے انتہائی دشمن تھے، اُن کے ظلم وستم سے عاجز ہو کر ہی مسلمانوں نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تھی، کفارِ مکہ نے اپنے آپ کو اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی اور عداوت کے لئے اور مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے وقف کر رکھا تھا، وہ کوئی ایسا موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے جس میں وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کریں، ہر طرح سے، ہر طرف سے اور ہر قسم کی تدبیریں مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی وہ کرتے ہی رہتے تھے، اور ایک دوسرے سے کچھ نہ کچھ مڈ بھیڑ ہوتی رہتی تھی۔

مدینہ منورہ میں جب مسلمانوں کو ایک سال گزر گیا اور ہجرت کا دوسرا سال شروع ہوا تو رمضان المبارک کے مہینے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ ابوسُفیان ایک بہت بڑا تجارتی قافلہ لیکر مدینہ منورہ کے قریب سے گزر کر مکہ مکرمہ جا رہا ہے تو آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ اس سے تو آمنا سامنا ہونا چاہئے یہ تو دشمن کا قافلہ ہے، اور ہماری ان سے لڑائی ہے، ہمارا ان سے جھگڑا ہے لہٰذا ان سے دو دو ہاتھ ہو جانے چاہئیں، اور ان کا سامنا کرنا چاہئے۔

اُدھر ابوسفیان کو پتہ چل گیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جانثار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے لشکر کے ساتھ ہم پر حملہ کرنے کے لئے آنے والے

ہیں تو اس نے فوراً مکہ مکرمہ اطلاع دی اور فریاد کی کہ مسلمانوں کا لشکر مجھ پر حملہ کرنے کے لئے آرہا ہے، اس لئے جتنا جلد ممکن ہو سکے میری مدد کو پہنچو، کفارِ مکہ نے تیزی سے تیاری کی اور ابوجہل اور بڑے بڑے دیگر سرداروں نے مل کر ایک زبردست لشکر تیار کیا اور اس کو لیکر مسلمانوں سے لڑنے کے لئے مکہ مکرمہ سے روانہ ہو گئے اور میدانِ بدر پہنچ گئے۔

حضور اکرم ﷺ کا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ اور روانگی

حضور کرم ﷺ بھی اپنے صحابہ کو لے کر روانہ ہوئے، اور روانہ ہونے سے پہلے آپ ﷺ نے صحابۂ کرامؓ کو جمع کر کے اُن سے اس سلسلے میں مشورہ لیا اور آپ ﷺ کی توجہ خاص طور پر مدینہ منورہ کے انصاری صحابۂ کرامؓ کی طرف تھی، کیوں کہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ سے اس بات کا عہد کیا تھا اور بیعت کی تھی کہ آپ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائیں گے تو ہم آپ کی حفاظت کریں گے، اور آپ کی مدد کریں گے، آپ کے ساتھ آپ کے دشمنوں سے لڑیں گے۔

آپ ﷺ اُن سے مشورہ کرنا چاہتے تھے کہ اُن کی کیا رائے ہے؟ شروع میں تو وہ سمجھے نہیں، بس خاموش رہے وہ مہاجرین جو مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ گئے انہوں نے اپنی حمایت اور مدد کا یقین دلایا، انصار کی طرف سے خاموشی رہی۔

حضرت مقداد بن اسود کی ایمان افروز تقریر

آپ ﷺ نے دوبارہ ان سے اس بارے میں مشورہ طلب کیا تو مہاجرین میں سے حضرت مقداد بن اسود کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ: حضور! ہم آپ کو ویسا جواب نہیں دیں گے جیسا بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جواب دیا تھا کہ:

يَا مُوسَىٰ إِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا أَبَدًا مَا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ.

(المائدة ۲۴)

ترجمہ

''اے موسیٰ جب تک وہ (دشمن) اس (شہر) میں ہے ہم اس میں ہرگز داخل نہ ہوں گے، لہٰذا آپ اور آپ کا پروردگار ہی دشمنوں سے جا کر لڑے ہم تو یہاں بیٹھے ہیں''۔

یعنی ہم نہیں جا سکتے، ہم دشمنوں سے نہیں لڑیں گے، آپ لڑ لیجئے اور آپ کا پروردگار جا کر لڑ لے، ہم یہاں بیٹھے ہیں، کہا بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کو جس طرح مایوس کن جواب دیا تھا، ہم ہرگز آپ کو ایسا جواب نہیں دیں گے، ہم آپ کے دائیں طرف سے بھی لڑیں گے اور بائیں طرف سے بھی لڑیں گے، آگے سے بھی لڑیں گے اور پیچھے سے بھی لڑیں گے۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ انصاری کی تقریر

جب تیسری مرتبہ آپ نے مشورہ طلب فرمایا تو اب وہ سمجھے کہ حضور ﷺ ہم سے بھی اس بارے میں صاف صاف رائے لینا چاہتے ہیں، تب وہ حضور ﷺ کی طرف متوجہ ہوئے اور حضرت سعد بن معاذ نے عرض کیا ''حضور! ہم نے صرف مدینہ منورہ میں رہتے ہوئے آپ کی مدد کرنے اور آپ کی حمایت کرنے کا عہد نہیں کیا ہے بلکہ مدینہ کے اندر رہتے ہوئے بھی ہم آپ کی حمایت کریں گے، مدینہ کے باہر بھی چاہے آپ کتنی دور تشریف لے جائیں ہم آپ کے ساتھ ساتھ ہیں آپ کسی سے تعلق رکھیں یا کسی سے تعلق توڑیں، ہم بہرصورت آپ کے ساتھ ہیں، ہم سے آپ راہِ جہاد میں مال طلب کریں تو مال حاضر ہے، جان طلب کریں تو جان حاضر ہے، ہم ہر طرح آپ کی مدد کرنے کو تیار ہیں، یہاں تک کہ آپ سمندر میں کود پڑنے کا حکم دیں تو ہم اُس وقت سمندر میں کود پڑیں گے''، یہ سُن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک دمکنے لگا اور خوشی کی لہر آپ کے چہرۂ مبارک پر آ گئی اور آپ نے ارشاد فرمایا:

''اللہ کے نام پر چلو تم کو بشارت ہو''

روانگی

اس قول وقرار کے بعد اور اطمینان کے بعد آپ ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے لشکر کو لے کر بدر کی طرف روانہ ہوئے مسلمان تین سو تیرہ یا چودہ یا

پندرہ تھے لشکر میں کُل دو گھوڑے تھے، ستر اونٹنیاں تھیں، اور بدر کا مقام مدینہ منورہ سے بہت دور ہے، تقریباً اسّی میل کے فاصلے پر ہے وہاں تک جانا تھا، ایک اونٹ تین آدمیوں میں مشترک تھا وہ باری باری اونٹ پر سوار ہوتے تھے۔

اسلامی مساوات

خود نبی اکرم ﷺ کی باری بھی مقرر تھی، ایک اونٹنی پر آپ ﷺ، حضرت علی اور حضرت ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی باری مقرر تھی، تھوڑی دیر حضرت علی رضی اللہ عنہ اس پر سواری کرتے، یہ دونوں حضرات پیدل چلتے، پھر وہ اُتر جاتے اور حضرت ابولبابہ بیٹھ جاتے، پھر وہ اُتر جاتے اور حضور ﷺ بیٹھ جاتے، پھر حضور ﷺ اُتر جاتے، اس طریقہ سے کچھ پیدل کچھ سواری پر باری باری سفر طے کر رہے تھے، تو جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری سے اُتر کر پیدل چلنے کی باری آتی تو حضرت علی اور حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہما عرض کرتے "حضور! آپ اوپر ہی تشریف فرما رہیں، ہم آپ کی طرف سے آپ کی باری پر پیدل چل لیں گے، آپ پیدل چلیں اور ہم اوپر بیٹھے رہیں یہ کچھ اچھا نہیں لگتا، لہٰذا آپ اُوپر ہی تشریف فرما رہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں بھئی! یہ کیسے ہوسکتا ہے دیکھو دو باتیں ہیں یا تو تم اس لئے کہو کہ میں پیدل چلوں گا تو تھک جاؤں گا تو میں تم سے کمزور نہیں ہوں، تم چلنے میں مجھ سے زیادہ طاقتور نہیں ہو، لہٰذا جیسے تم چل سکتے ہو میں بھی چل سکتا ہوں۔

پیدل چلنے میں دوسری بات یہ ہو سکتی ہے کہ چلنے میں ثوابِ عظیم ہے تو میں تمہارے مقابلے میں آخرت کے ثواب سے بے نیاز نہیں ہوں، اللہ اکبر، جس طرح تم آخرت کے ثوابِ عظیم کے محتاج ہو، میں بھی ثوابِ عظیم کا محتاج ہوں، لہٰذا ان کی معذرت کرنے کے باوجود اور درخواست کرنے کے باوجود آپ ﷺ نے اُن کی درخواست قبول نہیں فرمائی بلکہ اپنی باری پر آپ ﷺ پیدل چلتے اور باری باری حضرت علی اور ابولبابہ رضی اللہ عنہما بھی سواری پر سوار ہوتے تھے۔

جنگ کی تیاری

اس طرح سے ایک چھوٹا سا لشکر جس کے اندر سواریاں بھی پوری نہیں تھیں، اسلحہ بھی پورا نہیں تھا، تلواریں بھی ناقص اور نامکمل تھیں، لیکن اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم پر اللہ کے راستے میں جان فدا کرنے کے لئے، جان و مال قربان کرنے کے لئے، اللہ کے دین کا کلمہ بلند کرنے کے لئے نکلے، اور میدانِ بدر میں آپ ﷺ تشریف لے آئے، اور ایک جگہ آپ ﷺ کے لئے چھوٹا سا چھپر بنا دیا گیا جس پر کھڑے ہو کر تمام میدانِ جنگ نظر آتا تھا آپ اس میں تشریف لے گئے اور اس کے بعد آپ ﷺ میدان میں تشریف لائے۔

کفار کے مقامِ قتل کی نشاندہی

دوسرے دن دشمنوں سے جنگ ہونی تھی، دوسرا دن آنے سے پہلے آپ ﷺ نے میدانِ بدر میں آ کر نشان دہی فرما دی کہ دیکھو یہاں ان شاء اللہ فلاں

کافر قتل ہوگا، یہاں فلاں کافر کی لاش گرے گی، یہاں فلاں فلاں کافر مقتول ہوگا، آپ ﷺ نے جگہ بتادی کہ یہاں فلاں فلاں کافر مقتول ہوں گے۔

اور پھر ویسا ہی ہوا کہ جس جگہ آپ ﷺ نے جس کافر کے بارے میں کہا کہ وہ یہاں قتل ہوگا تو وہ وہیں قتل ہوا، نہ آگے نہ پیچھے، جہاں جہاں آپ ﷺ نے جس جس کے بارے میں بتایا تھا کہ یہ فلاں کا مقتل ہے یہ فلاں کا مقتل ہے وہ وہیں جاکر قتل ہوا۔

حضور ﷺ کا بارگاہِ خداوندی میں دعاء فتح

آپ ﷺ کے لئے جو چھپّر بنایا گیا تھا، جنگ سے پہلے آپ اس میں تشریف لے گئے، پھر وہاں جاکر آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آہ وزاری اور گریہ وزاری میں مشغول ہوگئے، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پاس موجود تھے آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گڑگڑانے کا کوئی پہلو نہیں چھوڑا، ظاہری طور پر آپ نے جو محسوس کیا کہ دشمنوں کا بڑا زبردست لشکر ہے اس کے مقابلے میں مسلمانوں کا لشکر بہت تھوڑا سا اور ساز وسامان کے اعتبار سے بہت معمولی حیثیت والا ہے، تو آپ نے اُن کمزوروں کی جماعت کے پلڑے میں ایسا سنگ رکھ دیا کہ اچانک یہ بھاری ہوگیا، اور وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں فریاد ہے کہ:

اَللّٰهُمَّ انْجِزْنِیْ مَا وَعَدْتَنِیْ ، اَللّٰهُمَّ اِنْ تُهْلِکْ هٰذِهِ الْعَصَابَةَ مِنَ الْاِسْلَامِ لَا تُعْبَدْ

''مطلب یہ کہ یا اللہ! یہ تھوڑے سے لوگ ہیں، کمزور لوگ ہیں، مٹھی بھر لوگ ہیں، ان کے پاس کوئی ظاہری قوت نہیں اگر آپ نے ان کی کوئی مدد نہ فرمائی اور اپنا وعدہ پورا نہ فرمایا انکو فتح نہ عطا فرمائی تو یا اللہ! یہ سب ختم ہو جائیں گے، پھر آپ کا کوئی نام لیوا نہ ہوگا، لہٰذا آپ مہربانی فرما کر اپنا وعدہ پورا فرما دیجئے، اُن کمزوروں کی مدد فرمائیے اور اُن کو فتحِ مُبین عطا فرمائیے''۔

دعاء کا اثر

آپ ﷺ نے یہ دعاء اللہ تعالیٰ سے مانگی اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گڑ گڑائے تو بس اس نے جنگ کا پانسا پلٹ دیا اور تھوڑے سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ایک بہت بڑے لشکرِ جرار پر غالب آگئے۔

آغازِ جنگ

جب صبح ہوئی اور دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے اور آپ ﷺ نے مسلمانوں کے لشکر کی صف بندی فرمائی تو کفار کے لشکر میں سے تین بڑے بڑے کافر مقابلے کی دعوت دیتے ہوئے میدان میں نکلے جن میں ایک ''ولید'' ایک ''عتبہ'' اور ایک ''شیبہ'' یہ تین بڑے بڑے کافر تھے جو کافروں کے لشکر سے نکل کر اپنی تلواریں لیکر میدان میں آئے اور مسلمانوں کے لشکر میں سے تین بہادروں کو

مقابلے کے لئے دعوت دی تو پہلے تین انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم ان کا جواب دینے کے لئے ان کے سامنے پہنچے تو انہوں نے پوچھا'' آپ کون ہیں''؟ انہوں نے کہا:

"رَهطٌ من الانصار"

ہم انصارِ مدینہ ہیں، انہوں نے کہا کہ تم شریف لوگ ہو، لیکن ہم اپنے مقابلے کے لئے اپنے قریشی بھائیوں کو چاہتے ہیں تو وہ واپس آ گئے اور حضور ﷺ نے ان کا مقابلہ کرنے کے لئے تین قریشی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بھیجا جن میں ایک حضرت علی، ایک حضرت حمزہ اور ایک حضرت عبیدہ بن حارث رضوان اللہ علیہم اجمعین، یہ تینوں قریشی ہیں ان تینوں کو آپ ﷺ نے اُن کے مقابلے کے لئے بھیجا، اِن تینوں نے اُن تینوں کو مقابلے کی دعوت دی اور مقابلہ کے لئے للکارا، اور تینوں کے تینوں اپنے اپنے مدمقابل پر ٹوٹ پڑے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے مدمقابل کو گرایا، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اپنے مدمقابل کو ختم کردیا اور حضرت عبیدہ بن حارث کی ذرا دیر تک اپنے مدمقابل سے لڑائی ہوتی رہی اور زخمی ہو گئے، حضرت حمزہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما اپنے اپنے مدمقابل سے فارغ ہو کر اُن کی مدد کو پہنچے اور اُن دونوں نے لپک کر اُن کے مدمقابل کو ختم کردیا اور حضرت عبیدہ بن حارث کو اٹھا کر آپ ﷺ کی خدمت میں لے آئے، یہاں آ کر وہ شہید ہو گئے اور اپنی مراد کو پہنچ گئے۔

اس کے بعد لڑائی شروع ہوئی اِدھر سے اُدھر سے دونوں طرف سے حملے شروع ہو گئے۔

مسلمان بچوں کا جذبۂ جہاد اور ابوجہل کا قتل

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اُسی میدان میں تھا، میں نے اپنے دائیں بائیں دیکھا تو دونوں طرف چھوٹے چھوٹے دو نوجوان بچے تھے، اب میں نے سوچا کہ بھئی میرے دونوں طرف بچے ہیں، ذرا دایاں بایاں مضبوط ہو تو آدمی کو لڑنے میں زیادہ آسانی رہتی ہے تو مجھے ان بچوں کو دیکھ کر اطمینان نہیں ہوا کہ میرے دونوں طرف بچے ہیں، ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ ان میں سے ایک بچے نے چپکے سے میرے کان میں کہا "چچا جان! ابوجہل کونسا ہے؟ ذرا مجھے دکھائیں تو وہ ہے کونسا" میں نے کہا "بھتیجے! ابوجہل کو دیکھ کر تم کیا کرو گے؟" اُس نے کہا "میں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا ہے کہ اگر ابوجہل کو دیکھ لوں تو یا اس کا کام تمام کردوں گا یا خود مارا جاؤں گا"۔ اتنے میں دوسرے نے کہا "چچا جان! ذرا مجھے بتائیے ابوجہل کونسا ہے؟" میں نے اس سے پوچھا "تم کیا کرو گے؟" کہا کہ "بس اس کا پتا چل جائے تو پھر اس کا کام تمام کردوں گا یا میں خود مر جاؤں گا۔

ان کی گفتگو سن کر میرے دل سے یہ آرزو جاتی رہی کہ کاش میں دو بچوں کی بجائے دو مردوں کے درمیان ہوتا۔

میں نے انگلی سے اشارہ کر کے کہا کہ وہ جو سامنے نظر آ رہا ہے وہی ابوجہل ہے، یہ سنتے ہی دونوں کے دونوں باز کی طرح اس کی طرف لپکے اور ذرا سی دیر میں اسے گرا کر ختم کر دیا، میں تو سمجھ رہا تھا کہ میرے دائیں بائیں بچے ہیں، لیکن کام ایسا زبردست کیا کہ کافروں کے سردار کو مار دیا، جو اس لشکر کی کمان کر رہا تھا، اللہ اکبر بچوں کے اندر بھی ایسا جذبۂ جہاد تھا، سبحان اللہ۔

فتح مبین

اور پھر اللہ پاک نے اپنا فضلِ خاص فرمایا اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء کے طفیل اس غزوۂ بدر میں مسلمانوں کو فتحِ مبین عطا فرمائی۔

ستر (۷۰) کافر سردار مارے گئے، ستر (۷۰) قیدی ہوئے اور باقی شکست کھا کر بھاگ گئے، مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی اور مالِ غنیمت بھی حاصل ہوا۔

حضور ﷺ کا بارگاہِ خداوندی میں شکر

فتح ہو جانے کے بعد یہ کلماتِ مبارک آپ نے ارشاد فرمائے (اَللّٰـهُ اَكْبَرُ) اللہ تعالیٰ سب سے بڑے ہیں (اَلْـحَمْدُ لِلّٰهِ) تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں (لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں (أَنْـجَزَ وَعْدَهٗ) جس نے اپنا وعدہ پورا کیا (وَنَـصَرَ عَبْدَهٗ) اور جس نے اپنے بندے کی مدد فرمائی (وَهَزَمَ

اَلْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ) اور لشکروں کو تنِ تنہا شکست دیدی، یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف کوئی نسبت نہیں فرمائی، کہ میں نے ایسا کیا، میں نے ایسا کیا، میں نے ایسا کیا، یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرما رہے ہیں کہ بس اللہ تعالیٰ نے تنہا ان لشکروں کو خود ہی شکست دیدی، ہم تو فقط ظاہری طور پر لڑ رہے تھے، حقیقت میں اللہ پاک نے اپنے فضل سے، اپنی قدرت سے دشمن کو شکست دیدی۔

تواضع کا درس

لہٰذا اس میں ہمارے لئے یہ سبق ہے کہ بندہ کوئی بھی نیک کام کرے، بندہ کوئی سا بھی نیک عمل کرے کبھی بھی اس کو اپنی طرف منسوب نہ کرے، یہ کبھی نہ کہے کہ میں نے ایسا کیا، میں نے ایسا کیا، میں نے ایسا کیا، میں یہ کرتا ہوں، میں وہ کرتا ہوں۔

یاد رکھو! یہ سب بڑے پن کی باتیں ہیں، یہ سب تکبر اور غرور کی باتیں ہیں، حق بات وہ ہے جو سرکارِ دوعالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی کہ:

وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ

کہ اللہ پاک نے تنِ تنہا لشکروں کو شکست دیدی اور اللہ تعالیٰ تو شکست

دینے والے ہیں۔

توفیقِ الٰہی کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا

ہم نماز پڑھ رہے ہیں تو ہم تھوڑی نماز پڑھنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ پڑھوانے والے ہیں، ہم روزہ رکھنے والے نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ رکھوانے والے ہیں، ہم زکوٰۃ دینے والے نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ دلوانے والے ہیں، ہم تسبیح اور تلاوت کرنے والے نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ کروانے والے ہیں، ہم جہاد کرنے والے نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ کروانے والے ہیں۔

اگر کسی بندے سے کوئی عمل ہوتا ہے تو وہ اس کی طاقت نہیں ہے جو کرے، جب تک کہ اللہ کی طرف سے توفیق نہ ہو، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا فضل نہ ہو، اس لئے جب کسی نیک کام کی توفیق ہو، جب کوئی اچھا کام انجام پائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا چاہئے کہ اللہ نے اپنے فضل سے یہ کام کرنے کی توفیق دی، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے یہ کام کرایا، اس کے فضل سے یہ کام ہوا، اس کے کرم سے یہ کام ہوا، یوں نہ کہئے کہ میں نے ایسا کیا، میں نے ویسا کیا، میں یوں کرتا ہوں، یہ بڑے پن کی باتیں ہیں، ہم کون ہوتے ہیں وَمَا تَوْفِيْقِىْ إِلَّا بِاللّٰهِ اللہ کی توفیق کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا، اللہ تعالیٰ توفیق دیتے ہیں تو بندہ گناہ سے بچتا ہے، اللہ تعالیٰ توفیق دیتے ہیں تو بندہ نیک کام کرتا ہے، اگر وہ توفیق ہٹالیں اِک ذرا سی دیر کے لئے تو انسان کو پتا چل جائے کہ وہ کیا کرسکتا

ہے، کیا نہیں کر سکتا، نہ انسان گناہ سے بچ سکے، نہ کوئی نیکی کر سکے اور اس کا انجام ایسا ہو کہ ''اَلْاَمَان والحفیظ'' اللہ تعالیٰ کا فضل شاملِ حال ہے کہ ان کے فضل سے ایمان بچا ہوا ہے اور ان ہی کے فضل نیک اعمال کی توفیق مل رہی ہے، اُسی کا فضل ہے کہ گناہوں سے بچنے کی توفیق ہو رہی ہے، اس سبق کو یاد رکھنا چاہئے۔

بہر حال اللہ پاک نے غزوۂ بدر کے اندر مسلمانوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کے طفیل فتحِ مبین عطا فرمائی۔

تو بھئی! اب ہمیں اپنے مسلمان بھائیوں کے لئے دعا کرنی چاہئے، جہاں جہاں جہاد ہو رہا ہے، خاص طور سے عراق کے مسلمانوں کے لئے خوب دعائیں کرنی چاہئیں کہ ان کو بھی اللہ پاک فتح مبین عطا فرمائے اس ظالم و جابر کو اس کی طاقت سمیت نیست و نابود فرمائے، تمام شرور وفتن سے مسلمانوں کی حفاظت فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

❁❁❁ وآخر دعوانا ان الحمدللّٰہ رب العالمین ❁❁❁

اخلاص ہر کام میں ضروری ہے

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی دامت برکاتہم
نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ضبط و ترتیب
حبیب اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
دکان نمبر ۲۹، نایاب جامع مسجد، لیاقت آباد کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم

: گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی بیانات : جلد نمبر ۱۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اخلاص ہر کام میں ضروری ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْراً۔

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَانَتْ لَھُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۝ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا لَا یَبْغُوْنَ عَنْھَا حِوَلًا ۝ قُلْ لَّوْ کَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّکَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ کَلِمٰتُ رَبِّیْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِہٖ مَدَدًا ۝ قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰی اِلَیَّ اَنَّمَا اِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ فَمَنْ کَانَ یَرْجُوْا لِقَاءَ رَبِّہٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا یُشْرِکْ

بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ۝

(سورۃ السجدہ: ۱۰۷ تا ۱۱۰)

تمہید

میرے قابلِ احترام بزرگو اور محترم خواتین! مجھے اس وقت ان آیات میں سے آخری آیت کے آخری حصہ کے بارے میں کچھ باتیں عرض کرنی ہیں، اللہ پاک ہم سب کو صحیح سمجھنے اور اپنی اصلاح کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور جس بات سے اس آیت کے آخری حصہ میں بچنے کا حکم ہے، اس سے ہم سب کو بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اس آخری آیت میں حق تعالیٰ شانہٗ فرمارہے ہیں کہ جو شخص اپنے پروردگار سے ملنے کی امید رکھتا ہے تو اس کو چاہئے کہ نیک عمل کرے اور وہ اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے یعنی جو شخص یہ چاہتا ہے کہ مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے اس کی ملاقات ہو اور اللہ پاک اس سے راضی ہوں، تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں جو نیک کام کرنے کے لئے بتائے ہیں، ان کو اختیار کرے اور ان پر عمل کرے، بغیر عمل کے خالی تمنا اور آرزو نجات کے لئے کافی نہیں ہے، نیک عمل کو اختیار کرنا ہی ضروری ہے اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے، اگر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں غیر اللہ کو شریک کریگا تو وہ نیک عمل نہ ہوگا اور جب وہ نیک عمل نہ ہوگا تو اللہ تعالیٰ کی رضا نصیب نہ ہوگی، پس آیت کے آخری حصہ میں اللہ پاک نے شرک سے بچنے کا حکم دیا ہے۔

شرک کی دو اقسام

شرک کی دو قسمیں ہیں: ایک شرکِ اکبر، جس کو شرکِ جلی بھی کہتے ہیں

اور ایک شرکِ اصغر، جس کو شرکِ خفی بھی کہتے ہیں یعنی واضح اور کھلا شرک اور مخفی اور پوشیدہ شرک، دونوں ہی سے بچنے کا حکم ہے اور دونوں ہی حرام، ناجائز اور گناہِ کبیرہ ہیں۔

شرکِ اکبر کی تعریف

شرکِ اکبر اور شرکِ جلی تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں غیر اللہ کو شریک کر کے ان کو بھی خدا کا ساجھی اور ان کو عبادات میں اللہ کا شریک ٹھہرایا جائے جیسے عیسائیوں نے اللہ تعالیٰ کی خدائی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کو بھی شریک کر لیا اور دنیا بھر کے مشرکین نے اپنے بتوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے اندر شریک کر لیا تو یہ شرکِ اکبر اور شرکِ جلی ہے اور ایسے شرک کرنے والے کی بخشش نہیں ہوگی الا یہ کہ وہ توبہ کر کے تجدیدِ ایمان کرے اور توحید کا اقرار کرے، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اعتراف کرے، کلمہ پڑھ کے سچا مسلمان ہو جائے اور شرک سے سچی توبہ کر لے۔

لیکن جب تک وہ شرکِ اکبر میں مبتلا رہیگا اور اللہ تعالیٰ کی طرح غیر اللہ کو بھی عبادت کے لائق سمجھے گا اور جس طرح اللہ تعالیٰ روزی دینے والے ہیں، اللہ تعالیٰ بگڑی بنانے والے ہیں، اللہ تعالیٰ بیماریاں دور کرنے والے ہیں، اللہ پاک شفاء دینے والے ہیں، اللہ پاک اولاد دینے والے ہیں، اللہ پاک دنیا و آخرت میں حاجت روا اور مشکل کشا ہیں، اسی طرح اگر خدانخواستہ کسی اور کو بھی سمجھے گا تو اس وقت تک وہ مشرک رہیگا اور مشرک کی بخشش نہیں ہوگی۔

شرکِ اصغر کی تعریف

شرکِ اصغر اور شرکِ خفی ریاکاری اور دکھاوے کو کہتے ہیں، ریاکاری اسے کہتے ہیں کہ انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اس عبادت کے ذریعہ مخلوق

کے اندر اپنی وقعت چاہے اور مقصد یہ ہو کہ لوگوں میں اس کی عزت بڑھ جائے، اس کی عظمت اور بڑائی پیدا ہو جائے، لوگوں کی نظروں میں وہ محترم و معظم اور اونچا ہو جائے، شیخ اور بزرگ کہلائے، اس مقصد سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے تو یہ ریاکاری ہے اور یہ بھی شرک ہی ہے جس کو شرکِ اصغر اور شرکِ خفی کہتے ہیں کیونکہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ تھوڑی سی ریا بھی شرک ہے۔ اس لئے ہر مسلمان مرد و عورت پر لازم ہے کہ وہ اپنے اعمال کے اندر اخلاص کو اختیار کرے، دکھاوا، ریاکاری اور نام و نمود سے پرہیز کرے، عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاق سب کے اندر ہی ریاکاری سے پرہیز کرے، غرض جو بھی اچھا اور نیک کام کرے، دل میں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا پیشِ نظر رہے، مخلوق کی نظر میں اچھا ہونے کا کوئی قصد و ارادہ نہ ہو، کوئی خواہش نہ ہو، کیونکہ عبادت تو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، جب ہمارا اللہ تعالیٰ پر ایمان ہے اور وہی ہمارے خالق و مالک اور معبودِ برحق ہیں تو بس عبادت تو صرف انہی کے لئے ہو سکتی ہے، اس لئے انہی کے واسطے کرنی چاہئے ''اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ'' اس آیت میں بھی اسی کی تاکید ہے کہ بلاشبہ میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت رب العالمین کے لئے ہی ہے۔

تقاضۂ ایمان

ایک مؤمن کے ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ اس کا جو کام بھی ہو، اطاعت، عبادت، نیکی اور عملِ صالح وغیرہ، وہ صرف اللہ تعالیٰ کے واسطے ہو، اب اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں، اس کے بتائے ہوئے نیک عمل میں، مخلوقِ خدا کی رضا اور خوشنودی چاہنا اور ان کی نظر میں اپنی بڑائی چاہنا کہ میں عبادت اس لئے کروں کہ لوگ مجھے عبادت گزار کہیں، زاہد، عابد، بزرگ، اللہ والا کہیں، تو یہ عبادت سے مخلوق کی خوشنودی چاہنا ہوا حالانکہ عبادت تو اس لئے تھی کہ اللہ تعالیٰ

کی رضا چاہی جاتی لیکن یہ مخلوق کی خوشنودی اور اس کی رضا چاہنے کے لئے اس کو کررہا ہے، لہٰذا یہ عمل مخلوق کے لئے ہوگیا اور جو عمل مخلوق کے لئے ہوگا، وہ کیسے اللہ کی رضا کا ذریعہ بنے گا بلکہ وہ تو اللہ کے غضب کا ذریعہ بنے گا، اسی لئے اس سے بچنا ضروری ہے۔

ریاکاری کی تین صورتیں

علماءِ کرام نے ریاکاری کی تین صورتیں بہت ہی پیاری بیان فرمائی ہیں، پہلی صورت یہ ہے کہ ''مخلوق کی خاطر کوئی عبادت کرنا'' یہ بھی ریاکاری ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ ''مخلوق کی وجہ سے کسی نیک عمل کو چھوڑنا'' یہ بھی ریاکاری ہے اور تیسری صورت یہ ہے کہ ''مخلوق کی وجہ سے کسی نیک عمل کو چھپانا'' یہ بھی ریاکاری ہے۔

پہلی صورت کی تشریح

پہلی صورت ''مخلوق کی خاطر کوئی عبادت کرنا'' یہ تو بالکل واضح ریاکاری ہے کیونکہ عبادت اس لئے کرے کہ لوگ اس کو عبادت گزار کہیں، صدقہ خیرات اس لئے کرے کہ لوگ اس کو سخی کہیں، روزے اس لئے زیادہ رکھے کہ لوگ اس کو روزہ دار کہیں، حج وعمرہ اس لئے کرے کہ لوگ اس کو الحاج کہیں، قوم، برادری اور خاندان کے معاملات میں اس لئے دخل دے کہ لوگ اس کو قوم کا ہمدرد کہیں، تو یہ عمل کرنا تو مخلوق کو دکھانے اور اس کی خوشنودی کے لئے ہوا، یہ تو واضح ریاکاری ہے اور ناجائز ہے۔

دوسری صورت کی تشریح

دوسری صورت ''مخلوق کی وجہ سے کسی نیک عمل کو چھوڑ دینا'' یہ بھی ریاکاری ہے مثلاً کوئی شخص مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے آیا اور کسی نے اس کو دیکھ

لیا تو اس نے نماز پڑھنا ہی چھوڑ دی، اس لئے کہ اس نے یہ سوچا کہ یہ لوگ مجھے دیکھ کر یہ سمجھیں گے کہ یہ تو بہت ہی نماز کا پابند ہے، پکا نمازی بن گیا، آج تک تو اس نے مسجد دیکھی نہیں تھی، آج پہلی صف میں بیٹھا ہے، اس بناء پر اس نے نماز ہی پڑھنی چھوڑ دی، اب یہ اس انتظار میں ہے کہ یہ لوگ جائیں تو نماز پڑھوں، یا مثلاً پہلے تو بڑا اگڑ گڑا کر دعا کر رہا تھا، شکل بھی رونے جیسی بنا رکھی تھی، ہاتھ بھی اٹھا رکھے تھے، دل بھی جھکا ہوا تھا، اچانک کوئی دوست آ گیا، اس کی خاطر ایک دم سنبھل کر بیٹھ گیا، اس لئے کہ اس نے یہ سوچا کہ یہ مجھے دیکھ کر یہ سمجھے گا کہ یہ تو بہت ہی والہانہ دعا کرتا ہے، اس سے پہلے کبھی اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ اٹھانا نہیں جانتا تھا اور آج یہ اتنا رو رہا ہے، اب دوست کو دیکھ کر اس نے اپنے ہاتھ نیچے کر لئے اور اس نے رونے کی جو شکل بنائی ہوئی تھی اسے بھی ختم کر دیا اور گڑ گڑا کر رونا بھی چھوڑ دیا، دعا ہی چھوڑ دی یا ذکر کر رہا تھا ذکر کرنا چھوڑ دیا، تلاوت کر رہا تھا تلاوت کرنا چھوڑ دیا یا بیان کر رہا تھا بیان کرنا چھوڑ دیا یعنی کوئی نیک کام کر رہا تھا اور کسی نے اس کو دیکھ لیا تو اس کے دیکھنے کی وجہ سے اس نے اس عمل کو ترک کر دیا، یہ بھی ریاکاری ہے۔

تیسری صورت کی تشریح

تیسری صورت ''مخلوق کی وجہ سے کسی نیک عمل کو چھپانا'' یہ بھی ریاکاری ہے مثلاً کوئی شخص نماز پڑھنا چاہتا ہے، یا تسبیح و ذکر کرنا چاہتا ہے، یا کوئی نیک کام کرنا چاہتا ہے، تو پہلے اِدھر اُدھر دیکھتا ہے کہ مجھے کوئی دیکھ تو نہیں رہا، جب اس کو اندازہ ہو جاتا ہے کہ کوئی نہیں دیکھ رہا تو پھر یہ سارے کام کر لیتا ہے اور جہاں پتا چلا کہ فلاں دیکھ رہا ہے یا فلاں میری طرف متوجہ ہے تو بس سیدھا ہو کر بیٹھ جاتا ہے، نہ نماز پڑھتا ہے، نہ ذکر کرتا ہے، کیونکہ لوگ دیکھ رہے ہیں، کہیں یہ مجھے عبادت گزار، زاہد و عابد اور اللہ والا نہ کہیں، یہ بھی ریاکاری ہے۔

تینوں صورتوں میں مشترک بات

تینوں صورتوں میں ایک بات مشترک ہے، وہ یہ کہ وہ اگر عبادت کر رہا ہے تو مخلوق کے لئے، چھوڑ رہا ہے تو مخلوق کی وجہ سے اور چھپا رہا ہے تو وہ بھی مخلوق کی وجہ سے۔ عبادت تو خالق کے لئے ہوتی ہے، مخلوق کا اس سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے، اس نے تینوں کے اندر مخلوق کو سامنے رکھ لیا، اگر کر رہا ہے تو اس لئے کہ لوگوں کی نظروں میں عبادت گزار اور اللہ والا ہو جاؤں، عابد و زاہد ہو جاؤں، خیر خواہ اور ہمدرد بن جاؤں اور اگر چھوڑ رہا ہے تو اس لئے کہ لوگ دیکھ لیں گے تو کیا کہیں گے اور اگر عمل کو چھپا رہا ہے تو بھی مخلوق کی وجہ سے چھپا رہا ہے، یہ تو سب مخلوق کے واسطے ہو گیا اور مخلوق کے واسطے کوئی عمل کرنا ریا کاری ہے۔

ریا کاری سے بچنے کا راستہ

لہٰذا ریا کاری سے بچنے کا راستہ صرف ایک ہی ہے کہ اپنی نظر صرف خالق پر جمالے، جب بھی کوئی عمل کرنا شروع کرے تو دل کے اندر یہ ارادہ کر لے کہ یا اللہ! یہ عمل صرف آپ کی رضا کے لئے کر رہا ہوں، اس کے بعد وہ عمل شروع کر دے، اب وہ عمل اللہ کے لئے ہو گیا، اس کے بعد ایک ہزار مرتبہ بھی مخلوق کا خیال آئے تو پرواہ نہ کرے۔

وسوسۂ ریا، ریا نہیں

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ایسا جملہ ارشاد فرمایا ہے جس کو یاد رکھنا چاہئے، فرمایا کہ وسوسۂ ریا، ریا نہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے عمل شروع کرنے کے بعد اگر دکھاوے کا خیال آئے، وسوسہ آئے تو یہ ریا کاری نہیں، کیونکہ ریا کاری بھی ارادہ سے ہوتی ہے جیسے اخلاص اپنے ارادہ سے ہوتا ہے، اگر ہم نے اپنے عمل کے اندر اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا ارادہ کر لیا تو

اخلاص ہے، مخلوق کو دکھانے کا ارادہ کرلیا تو ریا کاری ہے، پس جب ہم نے اللہ تعالیٰ کے لئے عمل کرنے کا ارادہ کیا ہے تو خود بخود جو وسوسے اور خیالات آئیں کہ فلاں آدمی دیکھ لے گا یا فلاں آدمی کیا سوچے گا تو یہ صرف وسوسے اور خیالات ہیں، ہماری نیت یہ نہیں ہے، جب نیت نہیں تو ریا کاری خود بخود نہیں چپک سکتی جب تک کہ ہم خود نہ چپکائیں، تو ہمیں کیا ضرورت ہے چپکانے کی، لہٰذا ریا کاری بھی اپنے اختیار سے ہوتی ہے، اخلاص بھی اپنے اختیار سے ہوتا ہے۔

عمل اللہ تعالیٰ کے لئے کرنے کی نیت کرلیں

ہمیں چاہئے کہ نماز، ذکر، تلاوت، تسبیح، دعا، حج، زکوٰۃ، خیرات، کسی کے ساتھ اچھا سلوک اور برتاؤ، غرض جو بھی نیک کام کریں، صرف اللہ کے لئے کریں اور اللہ کے لئے کرنا ہر آدمی کے اختیار میں ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے لئے کرنے کی نیت کرلے اور نیت کرنے کے بعد جتنے بھی خیالات آتے رہیں ان کی پرواہ نہ کرے، ان کو بھگاتا رہے ٹھہرنے نہ دے، ان کی طرف توجہ نہ کرے اور زیادہ ہی کوئی وسوسہ ستائے تو پھر اپنی نیت کی تجدید کرلے، یہ نیت کرلے کہ یا اللہ! میں تو آپ کے لئے ہی کر رہا ہوں اور اس وسوسہ اور خیال سے بالکل بری ہوں، بس پھر خیال آنا ہی چھوڑ دیگا، شیطان کہے گا کہ بھائی یہ تو بہت ہی پڑھا لکھا ہے، تربیت یافتہ ہے، میرے وسوسوں سے اس کا بال بھی نہیں ہل سکتا، انشاء اللہ شیطان وسوسہ ڈالنا ہی چھوڑ دیگا اور اگر شیطان وسوسہ ڈالے بھی تو ڈالتا رہے، ہمیں اس سے کوئی نقصان نہیں، بہرحال عمل کے اندر ریا کاری بہت بڑا گناہ ہے اور اس کا بہت بڑا عذاب اور وبال ہے۔

سب سے پہلے ریا کار جہنم میں جائیں گے

ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب

سے پہلے جو لوگ حساب و کتاب کے لئے پیش ہونگے وہ تین (ریاکار) آدمی ہونگے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو حسابِ آخرت سے محفوظ رکھے اور اپنی رحمت سے اپنے ان بندوں میں شامل فرمادے جو بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے۔

ریاکار شہید

پہلا شخص جس کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا وہ شہید ہوگا، اللہ تعالیٰ اس کو اپنی نعمتیں یاد دلائیں گے کہ دیکھو دنیا میں ہم نے تم کو یہ یہ نعمتیں دیں، یہ یہ تم پر نوازشیں کیں، یہ یہ تم کو سلامتیاں، راحتیں، برکتیں اور عافیتیں دیں، ان تمام نعمتوں کا وہ اقرار و اعتراف کریگا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے کہ ہم نے اتنی نعمتیں تم کو دیں، تم نے ہمارے واسطے کیا کیا؟ وہ کہے گا کہ پروردگار! میں نے اپنا مال و جان آپ کے راستہ میں لٹایا یہاں تک کہ اپنی جان بھی آپ کے راستہ میں قربان کردی، بس میں آپ کی بارگاہ میں پیش کرنے کے لئے اپنی جان کی قربانی لایا ہوں۔

اللہ پاک فرمائیں گے کہ تم نے جھوٹ بولا، یہ جان کی قربانی ہمارے واسطے نہیں دی تھی بلکہ یہ جان کی قربانی تم نے اس لئے دی تھی تاکہ لوگ تم کو مجاہدِ اعظم کہیں، بہادر اور دلیر کہیں، تمہاری تعریف کریں کہ یہ جان ہتھیلی پر رکھ کر لڑا اور مقامِ شہادت حاصل کرلیا ”فقد قیل“ پس دنیا میں تم کو یہ کہدیا گیا، لوگوں نے کہدیا کہ اس نے تو بڑی سرفروشی کے ساتھ جان دے دی، اللہ کے راستہ میں جہاد کرتے ہوئے یہ شہید ہوگیا، اس کے جسم کا ایک ایک ٹکڑا پارہ پارہ ہوگیا، یہ بڑا ہی بہادر اور جانباز تھا، اتنا لڑا کہ جامِ شہادت نوش کرلیا، دنیا میں اپنی تعریف کے جملے چاہنے کے لئے تم نے یہ سب کچھ کیا تھا دنیا میں تم کو کہدیا گیا، یہ سب کچھ کوشش، محنت اور جان کی قربانی ہمارے لئے تھوڑی کی تھی، اس کے بعد حکم ہوگا کہ اس کو اوندھا کر کے جہنم کے اندر پھینک دیا جائے، پس یہ پہلا شخص ہوگا جس کو

جہنم کے اندر ڈالا جائیگا۔ العیاذ باللہ۔

ریاکار سخی

پھر دوسرا شخص جس کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا جائیگا وہ سخی ہوگا، اللہ تعالیٰ اس کو اپنی نعمتیں یاد دلائیں گے کہ دیکھو دنیا میں ہم نے تم کو یہ یہ نعمتیں دیں، یہ یہ تم پر نوازشیں کیں، روپیہ، پیسہ، مال و دولت دیا، ان تمام نعمتوں کا وہ اقرار و اعتراف کریگا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے کہ ہم نے اتنی نعمتیں تم کو دیں، تم نے ہمارے واسطے کیا کیا؟ وہ کہے گا اے پروردگارِ عالم! جو مال آپ نے دیا تھا، میں نے آپ کا کوئی راستہ ایسا نہیں چھوڑا جہاں اس مال کو خرچ نہ کیا ہو، جہاں مسجد و مدرسہ بنانے کی ضرورت تھی وہاں مسجد و مدرسہ بنوادیا، جہاں ہسپتال و پل بنانے کی ضرورت تھی وہاں میں نے ہسپتال و پل بنوادیا، جہاں کنواں کھدوانے کی ضرورت تھی وہاں کنواں کھدوادیا، جہاں کتابیں چھاپنے اور تقسیم کرنے کی ضرورت تھی وہاں کتابیں تقسیم کیں، جہاں یتیموں، بیواؤں کو ضرورت تھی وہاں ان کی مدد کی، جہاں بچیوں کی شادیوں کے لئے ضرورت تھی وہاں ان کی مدد کی، غرض جہاں بھی مال خرچ کرنے کا موقع آیا تو بے دریغ میں نے آپ کا دیا ہوا مال آپ کی راہ میں خرچ کیا۔

اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تو نے جھوٹ بولا، یہ سب تو نے ہماری خاطر نہیں کیا بلکہ اس لئے کیا تھا تاکہ تجھ کو سخی کہا جائے، حاتم طائی کہا جائے، لوگوں میں فراخ دل مشہور ہو، لوگوں کا ہمدرد کہلائے" فقد قیل " پس دنیا میں تم کو یہ کہدیا گیا، دنیا میں اپنی تعریف کے جملے چاہنے کے لئے تم نے یہ سب کچھ کیا تھا، جو دنیا میں تم کو کہدیا گیا، یہ سب کچھ کوشش، محنت اور مال کی قربانی ہمارے لئے تھوڑی کی تھی، اس کے بعد حکم ہوگا کہ اس کو بھی اوندھا کر کے جہنم کے اندر پھینک دیا جائے۔ العیاذ باللہ۔

ریاکار عالم

پھر تیسرا شخص جس کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا جائیگا وہ عالم ہوگا، اللہ تعالیٰ اس کو اپنی نعمتیں یاد دلائیں گے کہ دیکھو دنیا میں ہم نے تم کو یہ یہ نعمتیں دیں، یہ یہ تم پر نوازشیں کیں، تم کو علم دیا، علومِ شرعیہ میں ایک خاص مقام دیا، ان تمام نعمتوں کا وہ اقرار و اعتراف کریگا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے کہ ہم نے اتنی نعمتیں تم کو دیں، تم نے ہمارے واسطے کیا کیا؟ وہ کہے گا اے پروردگارِ عالم! جو علم آپ نے دیا تھا اس کو حاصل کرنے کے لئے میں نے آدھی زندگی صرف کی اور بقایا آدھی زندگی اس علم کو پڑھانے اور پھیلانے میں صرف کردی اور دن رات میں آپ کے دیئے ہوئے علم کی نشر و اشاعت میں مشغول رہا یہاں تک کہ میں دنیا سے رخصت ہوگیا، بس یہی خدمت آپ کی بارگاہ میں پیش کرنے کے لئے لیکر آیا ہوں۔

اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تو نے جھوٹ بولا، یہ سب تو نے ہماری خاطر نہیں کیا تھا بلکہ اس لئے کیا تھا تا کہ تجھ کو بڑا عالم کہا جائے، علامہ، حافظ و قاری کہا جائے'' فقد قیل '' پس دنیا میں تم کو یہ کہدیا گیا، دنیا میں اپنی تعریف کے جملے چاہنے کے لئے تم نے یہ سب کچھ کیا تھا، دنیا میں تم کو کہدیا گیا، یہ سب کچھ کوشش اور محنت ہمارے لئے تھوڑی کی تھی، اس کے بعد حکم ہوگا کہ اس کو بھی اوندھا کرکے جہنم کے اندر پھینک دیا جائے۔ العیاذ باللہ۔

اس طرح سے سب سے پہلے ان تین کو یعنی شہید، سخی اور عالم کو جہنم میں ڈالا جائیگا، اس لئے کہ انہوں نے زندگی میں جو کچھ کیا تھا، مخلوقِ خدا کے اندر اپنی وقعت چاہنے کے لئے کیا تھا، اللہ کی رضا کے لئے نہیں کیا تھا، پھر اس کا انجام یہ ہوا کہ ان کو جہنم میں ڈالدیا گیا۔

مقصدِ حدیث

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث اس لئے بیان کی تاکہ ہم بھی اپنے اعمال کے اندر اپنی نیتیں درست کرلیں کہ جو عمل ہو وہ صرف اللہ تعالیٰ کے واسطے ہو، جو عبادت واطاعت ہو وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو، مخلوق کے اندر اپنی عزت، اپنا مقام ومرتبہ بنانے کے لئے ہرگز ہرگز نہ ہو ورنہ وہ دکھاوا اور ریاکاری ہوگی جس کا آخر انجام جہنم ہے۔

ریاکار ''جُبُّ الحزن'' میں جائیں گے

ایک اور حدیث شریف ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک دفعہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ''جُبُّ الحزن'' سے پناہ مانگو، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ''جُبُّ الحزن'' کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جُبُّ الحزن'' جہنم کے اندر ایک وادی ہے جس سے خود جہنم روزانہ چار سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے کہ یا اللہ! اس سے بچا کے رکھنا، ذرا غور کریں کہ جہنم خود کیسی عذاب کی جگہ ہے لیکن ''جُبُّ الحزن'' کے اندر عذاب اتنا سخت ہے کہ خود جہنم بھی اس سے ایک مرتبہ نہیں، دس مرتبہ نہیں، سو مرتبہ نہیں، چار سو مرتبہ اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتی ہے، وہ اتنی ہولناک، خوفناک اور درد ناک عذاب والی وادی ہے، تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! اس وادی میں کون جائیگا؟ آپ نے فرمایا کہ اس میں وہ قراء جو لوگوں کو دکھانے کے لئے عمل کرتے ہیں، وہ اس میں داخل کئے جائیں گے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قراء کا اطلاق جس طرح قاریوں پر ہوتا تھا اسی طرح عالموں پر بھی ہوتا تھا، دونوں ہی کو قراء کہتے تھے۔ ایک اور روایت کے آخر میں یہ ہے کہ اس ''جُبُّ الحزن'' میں میری امت کے ریاکار داخل کئے

جائیں گے، اللہ بچائے، اب اس میں سارے ریاکار آگئے، چاہے حج وعمرہ میں ریاکاری کرنے والا ہو، صدقہ خیرات میں ریاکاری کرنے والا ہو، موت میت کے موقع پر جتنے کام ہوتے ہیں اس میں ریاکاری کرنے والا ہو، شادی بیاہ کے موقع پر قوم اور برادری کو دکھانے اور اپنی واہ واہ کروانے والا ہو، جہاد، تبلیغ، تعلیم ، تلاوت، سخاوت، قوم کی ہمدردی اور خیر خواہی کرنے میں ریاکاری کرنے والا ہو، غرض جس کام میں بھی ریاکاری کرنے والا ہو، سارے ہی آگئے۔

عذابِ جہنم سے متعلق طویل حدیث

ایک تو جہنم خود ہولناک اور خوفناک جگہ ہے جس کا عذاب بہت ہی خوفناک ہے، اس کے عذاب کے بارے میں ایک طویل حدیث ہے، وہ یہ کہ ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایسے وقت آئے کہ عام طور پر اس وقت آیا نہیں کرتے تھے اور اس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام کے چہرے کا رنگ بدلا ہوا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ جبرئیل کیا بات ہے کہ آج تمہارے چہرے کا رنگ اڑا ہوا اور بدلا ہوا ہے، جس طرح پہلے چہرے پر بشاشت اور خوشی کے آثار ہوتے تھے وہ نظر نہیں آرہے، خوف اور دہشت کے آثار محسوس ہو رہے ہیں، آخر کیا بات ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ حضور! بات یہ ہے کہ اللہ پاک نے جہنم کی آگ کو گرم کرنے کا حکم دیا اور اس کی آگ کو تیز کرنے کا حکم دیا، چنانچہ ایک ہزار سال تک اس کو تیز کیا گیا یہاں تک کہ وہ سرخ رنگ کی ہوگئی، پھر ایک ہزار سال تک اس کو مزید تیز کیا گیا یہاں تک کہ وہ زرد رنگ کی ہوگئی، پھر ایک ہزار سال تک اس کو مزید تیز کیا گیا یہاں تک کہ وہ جل جل کر سیاہ پڑگئی، یہ سیاہ ہونا اس کے انتہائی گرم ہونے کی علامت ہے، اب اس کے انگارے کبھی بجھتے نہیں ہیں اور کبھی اس کی لپیٹیں کم نہیں ہوتیں اور اب اس جہنم کی گرمی اور آگ کی تیزی کا یہ عالم ہے کہ اگر سوئی کے

ناکے کے برابر جہنم کا سوراخ دنیا میں کھول دیا جائے تو اس کی گرمی سے سارے دنیا والے مرجائیں اور جہنم میں جو فرشتے مقرر ہیں، اگر ان میں سے کوئی ایک فرشتہ نکل کر دنیا میں آجائے تو اس کی گرمی سے بھی سارے دنیا والے مرجائیں بلکہ اگر وہ فرشتہ جہنم سے نکل کر دنیا میں قدم رکھ لے تو اس کی بدشکلی، خوفناکی اور بدبو سے ہی سب لوگ مرجائیں اور پھر مزید کیفیت بیان کرتے ہوئے عرض کیا کہ جہنم کے اندر جہنمیوں کو باندھنے کے لئے جو زنجیریں ہیں، اگر ان زنجیروں میں سے ایک حلقہ نکال کر دنیا میں لایا جائے اور کسی مضبوط سے مضبوط پہاڑ کی چوٹی پر رکھا جائے تو وہ پہاڑ بھی دھنستا دھنستا ساتویں زمین کے نیچے چلا جائیگا، اس ایک حلقہ کے اندر اتنا وزن ہے کہ پہاڑ بھی اس کا وزن برداشت نہیں کرسکتا چہ جائیکہ پوری زنجیر کسی کے باندھ دی جائے۔ العیاذ باللہ۔

عذابِ جہنم سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم برداشت نہ کرسکے

جب انہوں نے یہ کیفیت بتائی تو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بس بس مزید کچھ نہ بتاؤ، میں برداشت نہیں کرسکتا، میرا کلیجہ پھٹ جائیگا۔ اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رونے لگے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی رونے لگے تو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیل تم کیوں رورہے ہو؟ تمہارا تو اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑا اونچا مقام ہے، تم تو فرشتہ ہو، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ حضور! میں کیوں نہ روؤں کیونکہ مجھے نہیں معلوم کہ میری تقدیر میں کیا لکھا ہے، جیسے ابلیس کا انجام ہوا کہیں میرا بھی ویسا انجام نہ ہوجائے، ابلیس بھی تو فرشتوں میں رہتا تھا، اصل میں تو وہ جن تھا مگر اپنی عبادت کی وجہ سے فرشتوں میں رہتا تھا اور فرشتوں کا معلّم اور استاد کہلاتا تھا لیکن اس کا کیا انجام ہوا؟ تو مجھے کیا معلوم، کل میرا کیا انجام ہوگا اور کیا لکھا سامنے آئیگا؟ اس لئے مجھے ڈر لگ رہا ہے، خدانخواستہ جہنم میں جانا پڑ گیا تو جہنم تو بڑی ہولناک اور خوفناک جگہ

ہے اور یہ بھی عرض کیا کہ حضور! جیسے ہاروت اور ماروت کے ساتھ معاملہ ہوا، حالانکہ وہ تو فرشتے تھے، کہیں میرے ساتھ بھی ایسا معاملہ نہ ہو جائے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام یہ کہہ رہے تھے کہ اتنے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی اور حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ اے جبرئیل اور اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ دونوں مطمئن رہو، ہم نے آپ دونوں کو اپنی نافرمانی سے محفوظ کر رکھا ہے۔

اس کے بعد جبرئیل علیہ السلام تشریف لے گئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ کچھ انصاری صحابۂ کرام ہنسنے کھیلنے میں مشغول تھے، آپ ان کے پاس تشریف لے گئے اور آپ نے فرمایا کہ تم ہنسنے کھیلنے میں مشغول ہو اور تمہارے پیچھے جہنم کا یہ حال ہے، اگر تم کو وہ باتیں معلوم ہو جائیں جو جہنم کے بارے میں مجھ کو معلوم ہیں تو پھر تم کو کھانا پینا اچھا نہ لگے اور تم گھروں کو چھوڑ کر جنگلوں میں نکل جاؤ اور اللہ تعالیٰ کی پناہ ڈھونڈھنے لگو، آپ کے اس ارشاد سے ان پر بہت زیادہ اثر ہوا، چونکہ اللہ تعالیٰ بڑے ہی مہربان ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ ہمارے بندوں کو زیادہ نہ ڈرایئے، ہم نے آپ کو خوشخبریاں سنانے والا بنا کر بھیجا ہے، دشواریوں میں مبتلا کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا، بس اتنا کہو کہ نیک کاموں کے قریب رہو اور نیک کاموں میں لگے رہو اور جہاں تک ہو سکے قریب قریب چلتے رہو، اس سے بھی تمہاری انشاء اللہ کشتی پار ہو جائیگی۔

ریاکاری سے توبہ کرلیں

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کوئی مایوس نہ ہو، کام تو ان کی رحمت سے ہی ہوگا اور جو کچھ ہو رہا ہے یہ بھی ان کی رحمت سے ہو رہا ہے، اس لئے بس ڈرتا رہے اور ڈرنے کا مطلب یہ ہے کہ جہنم کا عذاب سننے کے بعد اگر ریاکار ہے تو ریاکاری سے توبہ کرلے اور اگر دوسرے گناہ ہو رہے ہیں تو ان سے بھی توبہ کر کے آئندہ

ان سے بچنے کا اہتمام کرلے، کیونکہ گناہ جہنم میں لیجانے والے ہیں جیسے نیکی جنت میں لے جانے والی ہے، تو ریاکاری بھی جہنم کی طرف لے جانے والی ہے جس کا عذاب کتنا ہولناک اور خوفناک ہے تو ریاکاری سے توبہ کرلیں اور اخلاص کو اختیار کرلیں، جتنے مخلصین ہیں سارے جنت میں جائیں گے اور جو ریاکار ہیں وہ جہنم میں جائیں گے، تو کیا ضرورت ہے ریاکاری کرنے کی، بس یہ اس حدیث کا حاصل ہے۔

عذابِ جہنم سے متعلق دوسری حدیث

ایک حدیث اور بھی جہنم کے بارے میں مجھے یاد آرہی ہے، وہ بھی سنادوں کہ جہنم کے اندر ستر ہزار وادیاں ہیں، ہر وادی کے اندر ستر ہزار حصے اور کونے ہیں، ہر کونے میں ستر ہزار مکان ہیں، ہر مکان میں ستر ہزار کمرے ہیں، ہر کمرے میں ستر ہزار کنویں ہیں، ہر کنویں میں ستر ہزار اژدھے ہیں، ہر اژدھے کے منہ اور جوارح میں ستر ہزار بچھو ہیں، جو کوئی بھی جہنم میں ڈالا جائیگا تو اس جہنمی پر یہ سارے اژدھے مع بچھوؤں کے پل پڑیں گے اللہ بچائے، اس پر حملہ کریں گے اور اس کو ڈسیں گے تو کیا حال ہوگا؟

جنت اور جہنم مت بھولو

اسی لئے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو عظیم باتوں کو کبھی بھلانا نہیں، ایک جنت کو اور دوسری جہنم کو کہ جنت بہت ہی عظیم نعمت والی جگہ ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے اور جہنم بہت ہی ہولناک اور خوفناک جگہ ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے، اسی لئے آپ نے فرمایا کہ اگر تم کو وہ باتیں معلوم ہوجائیں جو جہنم کے بارے میں مجھ کو معلوم ہیں تو تم ہنسو کم اور روؤ زیادہ، لہٰذا جہنم کو ہمیشہ یاد رکھو۔ یاد رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے قبضۂ اختیار

سے ان نیک کاموں کو اختیار کرو جو جنت میں لے جانے والے ہیں اور اخلاص سے کرو نیز ان کاموں سے بچو جو جہنم میں لے جانے والے ہیں اور ساتھ ساتھ دعا بھی کرو کہ یا اللہ! ہمیں جنت الفردوس عطا فرما اور جہنم سے ہماری حفاظت فرما ، نیز دعا کے ساتھ ساتھ ہمت اور کوشش بھی کرو۔

تمام اعمالِ صالحہ میں ریاکاری سے بچو

لہٰذا تمام اعمالِ صالحہ میں بھی ، اللہ تعالیٰ کی عبادت میں بھی اور اس کی اطاعت میں بھی ریاکاری سے بچو، پس نماز، ذکر اور تلاوت سے پہلے اللہ پاک کو راضی کرنے کی نیت کریں اور اسی طرح جس کے ساتھ جو اچھا سلوک کرنا ہے اس سے پہلے بھی اللہ پاک کو راضی کرنے کی نیت کریں، چاہے وہ شادی کا موقع ہو یا غمی کا، میں شادی غمی کے الفاظ اس لئے بول رہا ہوں کہ ان دو مواقع پر لوگوں کو دکھانے کے لئے بہت زیادہ کام ہوتا ہے، بعض مرتبہ جہیز اس لئے زیادہ دیا جاتا ہے تاکہ لوگوں کی نظروں میں ہماری بڑائی پیدا ہو کہ بھائی اس نے تو ایسا جہیز دیا ہے کہ آج تک کسی نے نہیں دیا، شادی بیاہ کے موقع پر عام طور سے اکثر کام عزت وشہرت کے لئے ، ناموری کے لئے ، دکھاوے کے لئے ہوتے ہیں الا ماشاء اللہ، ایسے ہی موت میت کے موقع پر جتنے کام ہوتے ہیں تیجہ، چالیسواں ، برسی ، اجتماعی قرآن خوانی ، یہ سب دکھانے کے لئے ہوتے ہیں الا ماشاء اللہ، تو ہمارے بہت سارے کام برادری میں، خاندان میں، معاشرے میں، دکھانے کے لئے ، لوگوں کے طعنوں سے بچنے کے لئے ، لوگوں کی ملامت سے بچنے کے لئے کیے جاتے ہیں کہ اگر نہیں کریں گے تو لوگ کیا کہیں گے، اگر یہ کام نہیں کریں گے تو برادری والے ہمیں جینے نہیں دیں گے ، فلاں کیا کہے گا اور فلاں کیا کہے گا، خاص طور پر عورتوں میں یہ چکر زیادہ ہوتے ہیں اور مردوں میں بھی ہوتے ہیں، تو بہت سارے کام اگر ہم غور کریں گے تو محسوس ہوگا کہ وہ سب کام لوگوں کی نظروں میں

اپنی وقعت پیدا کرنے کے لئے اور اپنی عزت اور بڑائی کے لئے کئے جاتے ہیں۔ یہ سب ریاکاری، دکھاوا اور نام ونمود ہے، ان سب سے بچنے کی ضرورت ہے۔

عمل کرتے ہوئے دوسرا دیکھ لے تو اس پر خوش ہونا کیسا ہے؟

اسی طرح بعض مرتبہ آدمی کسی نیک عمل میں مشغول ہوتا ہے اور اس وقت کوئی شخص دیکھ لیتا ہے تو اس کا دل بھی خوش ہو جاتا ہے، تو کیا یہ بھی ریاکاری ہے؟ اللہ تعالیٰ ہمارے اکابرین کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے اس کا بھی جواب لکھا ہے کہ جب کوئی شخص نیک کام کرے اور کسی کے دیکھنے پر اس کا دل خوش ہو تو اس کی تین صورتیں ہیں۔

پہلی صورت

ایک صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے نماز پڑھی، صدقہ دیا، جہاد کیا، تبلیغ کی، وعظ کہا، کتاب لکھی، کسی کے کام آئے اور کسی نے دیکھ لیا تو اس پر اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور خوش ہوا کہ دوسرے شخص نے اچھی حالت میں مجھ کو دیکھا، نماز، ذکر، تلاوت، وعظ یا کسی اور نیک کام کرتے ہوئے دیکھا، کسی گناہ کے اندر نہیں دیکھا، اگر گناہ میں دیکھتا تو میرا بھی دل برا ہوتا اور اس کا بھی دل برا ہوتا، یہ صورت بالکل صحیح ہے اور اس خوش ہونے کا دکھاوے اور ریاکاری سے کوئی تعلق نہیں، یہ ایسے ہی ہے جیسے اچھا کھانا کھا کر آدمی کا دل خوش ہوتا ہے، اچھے کپڑے پہن کر آدمی کا دل خوش ہوتا ہے، جبکہ گندے کپڑے پہن کر دل میلا ہو جاتا ہے، یہ ایک طبعی بات ہے، اچھے کام سے انسان کی طبعیت خوش ہوتی ہے اور برے کام سے انسان کی طبعیت بری ہوتی ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

دوسری صورت

دوسری صورت یہ ہے کہ نیک عمل کرتے ہوئے کسی نے دیکھ لیا تو یہ عمل

کرنے والا اس لئے خوش ہو رہا ہے کہ چلو اچھا ہوا، اب یہ دوسرا شخص مجھے دیکھ کر خود بھی ایسے ہی کریگا اور اس کے عمل کا ثواب بھی میرے کھاتے میں آئیگا، یہ صورت بھی صحیح ہے اور اچھی نیت ہے، یہ بھی عبادت ہے، اسی لئے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ شیخ کی ریا مرید کے اخلاص سے بہتر ہے، یہاں ریا لفظی معنی میں ہے، اصطلاحی معنی میں نہیں ہے، کیونکہ پیر صاحب جو نیک عمل کریں گے تو مرید اس کو دیکھ دیکھ کر اسی طرح عمل کریں گے۔

تیسری صورت

تیسری صورت یہ ہے کہ نیک عمل کرتے ہوئے اگر کسی نے دیکھ لیا تو اس لئے خوش ہو رہا ہے کہ لوگ مجھے عابد و زاہد سمجھیں، لوگ مجھے سخی اور قوم کا ہمدرد سمجھیں، یہ صورت صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ تو اپنی بڑائی چاہنے والی بات ہوگئی، یہ بری چیز ہے، یہ ریا کاری میں داخل ہے اور اس طرح کرنے سے اس نے اپنے عمل کو بھی برباد کرلیا، یہ خوشی درحقیقت خوشی نہیں ہے، یہ غمی ہے جس پر توبہ کی ضرورت ہے۔

حاصل کلام

بہرحال اس آیت کے آخری حصہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت میں کسی کو شریک کرنے سے منع فرمایا ہے، اس حکم میں ریا کاری سے بچنا بھی شامل ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے اخلاق میں، اپنے اعمال میں، اپنے کردار میں، غرض تمام کاموں میں اخلاص نصیب فرمائے اور ریا کاری سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

تمام درودوں کے برابر

اَللّٰهُمَّ

صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ

بِعَدَدِ كُلِّ ذِكْرِهٖ اَلْفَ اَلْفِ مَرَّةٍ

یہ درود شریف پڑھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر

سارے درود بھیجنے کے برابر ہے۔

(ص ۱۹۰)

ظاہر اور باطن میں تقویٰ اپنائیں

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی دامت برکاتہم
نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ضبط و ترتیب

حبیب اللہ میمن

میمن اسلامک بکس
دکان نمبر ۲۹، نایاب جامع مسجد، لیاقت آباد کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم

: گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی بیانات : جلد نمبر ۱۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ظاہر اور باطن میں تقویٰ اپنائیں

پہلی نصیحت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْراً كثيراً

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۝

(سورۃ الطلاق: ۲، ۳)

تمہید

میرے قابلِ احترام بزرگو اور محترم خواتین! اس وقت میں آپ کی خدمت میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کا ایک حصہ انشاء اللہ تعالیٰ بیان کرونگا اور اس حدیث کا میں نے اس لئے انتخاب کیا ہے کہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نصیحتیں بیان فرمائی ہیں، ان کو بیان کرنے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اہمیت، ان کی عظمت اور ان کی بڑائی اور ان کا بنیادی ہونا بہت ہی عجیب وغریب انداز سے بیان فرمایا ہے اور بہت ہی اہتمام سے ان کی اہمیت پہلے نقش فرمائی ہے، اس کے بعد ان کو بیان فرمایا ہے، آپ کی اس طرح اہمیت بیان کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ نصیحتیں بہت ہی اہم ہیں ، دین کا نچوڑ اور بنیاد ہیں اور جو شخص ان کو اختیار کرلے گا انشاء اللہ تعالیٰ اس کی دنیا اور آخرت میں کامیابی ہو جائیگی۔

پانچ نصیحتوں کی اہمیت

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے ابوذر! میں تم کو کچھ نصیحتیں کرنا چاہتا ہوں، ان کو تم توجہ سے سنو، ان کو یاد رکھو، ان میں غور کرو اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کرو۔ پہلے دن آپ نے اتنا ہی ارشاد فرمایا اور پھر خاموش ہو گئے، دوسرے دن بھی آپ نے پھر اسی طرح ارشاد فرمایا کہ اے ابوذر! میں تم کو کچھ نصیحتیں کرنے والا ہوں، ان کو تم توجہ سے سننا، ان کو یاد رکھنا، ان میں غور کرنا اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کرنا۔ دوسرے دن بھی آپ نے یہ ارشاد فرمایا اور پھر خاموش ہو گئے، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں منتظر رہا کہ آپ وہ نصیحتیں بیان فرمائیں گے لیکن آپ نے اتنا ہی بیان فرمایا اور خاموش

ہو گئے، تیسرے دن بھی اسی طرح ارشاد فرمایا یہاں تک کہ چھ دن تک روزانہ یہی فرماتے رہے کہ اے ابوذر! میں تم کو کچھ نصیحتیں کرنے والا ہوں، ان کو تم توجہ سے سننا، ان کو یاد رکھنا، ان میں غور کرنا اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کرنا، اسی سے آپ اندازہ لگالیں کہ وہ نصیحتیں کتنی اہم ہونگی، کتنا دین کا خلاصہ اور نچوڑ ہونگی اور ان پر عمل کرنے والا کتنا کامیاب وکامران ہوگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال

اس لئے کہ اللہ پاک نے نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کمال عطا فرمایا تھا کہ آپ بڑی سے بڑی بات کو اگر چاہتے تو چند جملوں میں بیان فرمادیتے اور اگر اس کی تشریح فرماتے تو وہ اپنی مثال آپ ہوتی اور جب آپ خلاصہ بیان فرماتے تو وہ خلاصہ بھی ایسا کہ چند جملوں میں بلکہ بعض اوقات ایک ہی جملہ میں بیان فرمادیتے، اللہ پاک نے آپ کو یہ کمال عطا فرمایا تھا، یہاں بھی وہ باتیں ابھی انشاء اللہ تعالیٰ آپ کے سامنے بیان ہونگی اور ان میں سے ہر ایک کا تفصیلاً بیان ہوگا، یہ سب باتیں بھی ایسی ہی ہیں کہ ان کی تفصیل کرو تو پورا دن لگ جائے اور سمیٹو تو چند باتیں ہی ہیں، پھر ان چند باتوں میں سے جو پہلی بات ہے وہ باقی باتوں کا بھی خلاصہ اور لُبِ لُباب ہے، یاد رکھنے اور عمل کرنے کے لئے چھوٹی بات بھی بہت ہے اور عمل نہ کرنے والے کے لئے تفصیلات بھی بے فائدہ ہیں۔

پانچ نصیحتوں کے انتخاب کی وجہ

اس حدیث میں آپ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو ان نصیحتوں کی اہمیت کی طرف متوجہ کیا اور ان کا ذہن بنایا، ان کے ذہن میں ان کی اہمیت بٹھائی، بار بار ان کو متوجہ کرتے رہے، عمل کرنے کے لئے رغبت دلاتے

رہے، اس وجہ سے مجھے بھی یہ حدیث بہت اہم معلوم ہوئی اور میرا بھی جی چاہا کہ اس حدیث کو بیان کردوں، اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ تمام حضرات کو بھی اس حدیث پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ یوں تو آپ کا ہر ارشاد ہی قابلِ عمل ہے لیکن جن باتوں کو آپ اتنے اہتمام کے ساتھ بیان فرما رہے ہیں کہ چھ دن تک روزانہ صرف یہ فرما رہے ہیں کہ ان کو تم توجہ سے سننا، ان کو یاد رکھنا، ان میں غور کرنا اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کرنا، تو یہ بہت ہی اہم نصیحتیں ہیں جب ہی آپ اتنا اہتمام کر رہے ہیں، اتنا ان کو ذہن میں بٹھا رہے ہیں، اتنا ان کے ذہن کو بنا رہے ہیں اور اتنا ان کی طرف توجہ دلا رہے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاص الخاص نصیحتیں ہیں۔

نفس وشیطان کے دھوکہ سے بچئے

ان نصیحتوں کو بیان کرنے سے پہلے میں یہ عرض کردوں کہ جو قرآن و احادیث کے اندر دین کی باتیں ہیں وہ کوئی نئی تو ہیں نہیں، لہٰذا کوئی یہ نہ سمجھے کہ آج کوئی بالکل نئی بات آئیگی جو ہم نے نہ کبھی پڑھی ہوگی اور نہ سنی ہوگی، یہ بات نہیں بلکہ جو باتیں قرآن شریف میں ہیں وہی باتیں احادیثِ طیبہ کے اندر ہیں اور پھر وہی باتیں دینی کتابوں کے اندر ہیں، تو کوئی ان باتوں کو سن کر اور خاص طور پر جو سب سے پہلے بیان کی گئی ہے اور وہ باقی چیزوں میں اور سارے دین میں بھی بنیادی حیثیت رکھتی ہے، اس کو سن کر کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ تو پہلے سے سن رکھی ہے اور ہمیں تو پہلے سے معلوم ہے اور یہ سمجھ کر اس کے ذہن سے خدانخواستہ اس کی اہمیت کم ہو جائے، میں پہلے ہی خبردار کرنا چاہتا ہوں کہ اگر خدانخواستہ یہ بات ہوئی تو یہ ہمارے لئے نفس وشیطان کا دھوکہ ہوگا اور وہ اس بات کی اہمیت سے محروم کر کے اور ہمارے ذہن سے اس کی قدر کم کر کے ہمیں اس پر عمل کرنے سے دور کرنے کی کوشش کریں گے اور سب سے پہلے ذہن میں یہ بات ڈالنے کی

کوشش کریں گے کہ یہ تو ہمیں پہلے سے معلوم ہے اور پہلے بھی ہم نے اس کو بارہا سنا اور پڑھا ہے، حالانکہ ظاہری بات ہے کہ چودہ سو سال سے قرآن شریف پڑھا جارہا ہے، اسی کا ترجمہ وتفسیر کی جارہی ہے تو خدانخواستہ ایک دفعہ ختم کر کے یہ کہدیں کہ ایک دفعہ تو پڑھ لیا اب دوبارہ پڑھنے کی کیا ضرورت ہے، نماز تو ہمیں معلوم ہے، پڑھتے ہی آرہے ہیں تو کیا ضرورت ہے پڑھنے کی، رمضان تو ہر سال ہی آتا ہے اور ہر سال ہی ہم روزے رکھتے ہیں اور بہت روزے رکھ لئے، اب کیا ضرورت ہے۔ جیسے یہ غلط ہے اور شیطان کا دھوکہ ہے، بالکل اسی طرح یہ بات بھی غلط اور شیطان کا دھوکہ ہے کہ آدمی یہ سوچ کر کہ یہ باتیں تو ہمیں پہلے سے معلوم ہیں ان کی اہمیت کو کم کردے، کیونکہ دین کی جب کوئی بات بیان ہوگی تو وہ کوئی نئی نہ ہوگی بلکہ انشاء اللہ تعالیٰ آپ کو پہلے سے ہی معلوم ہوگی، اس وجہ سے اس کی اہمیت میں کمی نہ آئے۔

لہٰذا اس وقت ان نصیحتوں کو سنتے ہوئے ایسی توجہ سے سنیں کہ جیسے زندگی میں پہلی بار سن رہے ہیں اور جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اہمیت کو ذہن میں بٹھایا ہے، ہم بھی اسی طرح اس کی اہمیت کو ذہن میں بٹھائیں، اگر چہ ہمیں پہلے سے معلوم ہو بلکہ یہ سوچنا چاہئے کہ اس پر اس طرح ہمارا عمل نہیں ہے جس طرح ہونا چاہئے، آپ کے ارشاد کی روشنی میں ہمارے دل کے اندر یہ بات آجائے کہ اب تک ہم نے اس پر عمل نہیں کیا تو پہلے سے معلوم ہونے کا فائدہ کیا ہوا، اب اس کے اوپر ہمیں دوبارہ سے توجہ دینی چاہئے اور اس پر عمل کرنے کی پہلے سے زیادہ فکر کرنی چاہئے اور اس کے جو تقاضے ہیں وہ پورے کرنے چاہئیں اور سوچنا چاہئے کہ آج ہمیں ان باتوں کے دوبارہ سننے اور سمجھنے کا موقع مل گیا، غور کرنے کا موقع ہاتھ آگیا، اب ہمیں پھر غور کرنا چاہئے اور غور کر کے اپنی اصلاح کرنی چاہئے، یہ راستہ صحیح ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔

پانچ نصیحتیں

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ چھ دن گزرنے کے بعد ساتویں دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نصیحتیں مجھ سے ارشاد فرمائیں، پہلی نصیحت یہ ارشاد فرمائی کہ تم اپنے ظاہر اور باطن میں تقویٰ کا اہتمام کرو، دوسری نصیحت یہ ارشاد فرمائی کہ جب تم سے کوئی بدی ہو جائے، گناہ اور غلطی ہو جائے تو اس کے فوراً بعد نیکی کرلو، وہ نیکی اس گناہ کو مٹا دیگی، تیسری نصیحت یہ ارشاد فرمائی ہے کہ تم مخلوق میں سے کسی سے کوئی چیز مت مانگو، کسی کے سامنے اپنی حاجت پیش نہ کرو، اپنی ضرورت کسی انسان سے مت طلب کرو یہاں تک کہ تمہارا کوڑا بھی زمین پر گر جائے تو خود اٹھالو، کسی سے اٹھانے کے لئے نہ کہو، چوتھی نصیحت آپ نے یہ ارشاد فرمائی کہ تم کسی کی امانت اپنے پاس مت رکھو اور پانچویں نصیحت یہ ارشاد فرمائی کہ تم دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ کرنے والا مت بنو۔

پہلی نصیحت ''تقویٰ کا اہتمام کریں''

اب پہلی نصیحت میں تقویٰ کے اہتمام کا حکم کیا گیا ہے جس کی اہمیت سے قرآن و حدیث بھرے ہوئے ہیں اور یہ سمجھیں کہ سارے قرآن و حدیث کا خلاصہ اور لُبّ لُباب ''تقویٰ'' ہے جیسے ساری دعاؤں کی سردار عافیت کی دعا ہے، اسی طرح سارے احکام کا خلاصہ تقویٰ ہے، اس کی تفسیر پورا قرآن شریف ہے، اس کی تشریح تمام احادیثِ طیبہ ہیں، جبکہ ہمارے اندر سب سے زیادہ کمی اسی کی ہے، جس درجہ کا ہمارے اندر تقویٰ ہونا چاہئے وہ نہیں ہے، کسی کے ظاہر میں ہے تو باطن میں نہیں ہے، کسی کے باطن میں ہے تو ظاہر میں نہیں ہے، کسی کے نہ ظاہر میں ہے نہ باطن میں، کوئی اللہ کا بندہ ہوگا جس کے ظاہر و باطن دونوں میں واقعۃً تقویٰ

ہو، حالانکہ تقویٰ اختیار کرنا فرض ہے اور اس میں غفلت اور کوتاہی کرنا ممنوع ہے، اس کی بڑی زبردست تاکید آئی ہے، اسے اختیار کرنے کی بڑی اہمیت اور ترغیب ہے جیسے اسی حدیث سے آپ نے اندازہ لگالیا۔

ظاہر اور باطن دونوں میں تقویٰ ضروری ہے

انسان کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے، ظاہر تو وہی ہے جو سر سے پیر تک ہم ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں یہ ہمارا ظاہر ہے جبکہ باطن دل کی دنیا کو کہتے ہیں اور اس کے اندر بھی اللہ پاک نے کچھ جذبات رکھے ہیں، خواہشات کا ایک سمندر ہے جو ہمارے باطن کے اندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے، اس میں اچھی خواہشات و جذبات بھی پیدا ہوتے ہیں اور بری خواہشات و جذبات بھی پیدا ہوتے ہیں اور یہ ہمارا ظاہر عام طور پر باطن کے جذبات کا تابع ہوتا ہے، اگر دل میں اچھا جذبہ پیدا ہوتا ہے تو ظاہر سے بھی اچھے کام صادر ہوتے ہیں اور اگر دل میں کوئی برا جذبہ پیدا ہوتا ہے تو ظاہر سے بھی برے کام صادر ہونا شروع ہوجاتے ہیں، یہ چوری کرنے کا جذبہ، ڈاکہ ڈالنے کا جذبہ باطن میں ہی تو پیدا ہوتا ہے پھر اس کا ظاہر اس پر عمل کرتے ہوئے چپکے سے مال کو اٹھالیتا ہے یا زبردستی اس کو چھینتا ہے، تو پہلے اس کے دل میں چوری کرنے اور ڈاکہ ڈالنے کا جذبہ پیدا ہوا، اس کے بعد اس کا ظاہر حرکت میں آیا اور اس نے اپنے ظاہری ہاتھ، پاؤں کو اپنے جذبہ کی تکمیل کے لئے استعمال کرنا شروع کردیا اور یہ سب اس کا ساتھ دیتے ہیں، جتنے گناہ ہیں سب میں پہلے دل میں جذبہ پیدا ہوتا ہے، پھر ظاہر میں اس کے ہاتھ پاؤں وہ گناہ کرتے ہیں، اسی طرح اچھا جذبہ پہلے دل میں پیدا ہوتا ہے، مثلاً پہلے دل میں نماز پڑھنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، پھر وہ وقت دیکھتا ہے، معلوم کرتا ہے کہ اذان ہوگئی یا نہیں، مسجد کو تلاش کرتا ہے، اس کے بعد وہ وضو کرتا ہے، مسجد میں داخل ہوتا ہے اور جماعت میں شامل ہوجاتا ہے، تو جب دل میں کوئی جذبہ پیدا

ہوتا ہے تو ظاہر میں اس کے اعضاء و جوارح اس کے تابع ہو کر کام کرنے لگتے ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے جو آدمی دکان پر بیٹھا ہوا تھا، دوستوں میں بیٹھا ہوا تھا، باغ میں گھوم رہا تھا، اب وہ مسجد میں نیت باندھے کھڑا ہے، تو ایک ہماری دل کی دنیا بھی ہے اور اس دل کی دینا میں اچھے جذبات بھی پیدا ہوتے ہیں اور برے جذبات بھی پیدا ہوتے ہیں، اسی طرح ایک ہماری ظاہر کی دنیا بھی ہے اور اس میں انسان اپنے اعضاء و جوارح سے اچھے کام بھی کرتا ہے اور برے کام بھی کرتا ہے، زبان سے اچھے بول بھی بولتا ہے اور برے بول بھی بولتا ہے، اصل یہ ہے کہ ظاہر و باطن دونوں میں تقویٰ ہو یعنی ظاہر سے بھی اچھے اچھے کام کرے اور برے کاموں سے بچے اور باطن میں جو اچھے برے دونوں قسم کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، ان میں سے اچھے جذبات کو اختیار کرے اور برے جذبات کو دبائے اور ان پر عمل کرنے سے پرہیز کرے، بس اس بات کا تہیہ کر لے اور اس چیز کا وہ پکا عادی بن جائے کہ ظاہر میں بھی اس کے ہاتھ، پاؤں، ناک، کان غلط جگہ استعمال نہ ہوں، اچھی جگہ استعمال ہوں، اور باطن میں بھی بس اچھے جذبات دل میں پیدا ہوں تو ان کو بجالائے، جب برے اور گناہ کے جذبات پیدا ہوں تو ان سے اپنے آپ کو بچا لے، یہ اس کی عادت ہو جائے، جس میں یہ کیفیت پیدا ہو گئی تو سمجھو اس میں تقویٰ آ گیا اور سارے دین کا یہی حاصل ہے۔

دین کے احکام ظاہر و باطن دونوں سے متعلق ہیں

دین میں دو قسم کے احکام ہیں، ایک ظاہر کے متعلق اور ایک باطن کے متعلق، جو ظاہر کے متعلق ہیں اس میں بھی دو قسم کے احکام ہیں، ایک فرائض اور حقوق ہیں جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، والدین کے حقوق وغیرہ ان کو ادا کرنے کا حکم ہے اور دوسرے گناہ اور نافرمانیاں ہیں، ان سے بچنے کا حکم ہے، اسی طرح باطن کے متعلق جو احکام ہیں وہ بھی دو قسم کے ہیں، کچھ باطن کے اندر ایسے کام

ہیں جن کا کرنا فرض ہے، ان کاموں کو بجالانا ضروری اور واجب ہے اور کچھ کام ایسے ہیں جن سے باطن میں بھی بچنا لازمی ہے، تو ظاہر اور باطن دونوں میں تقویٰ ضروری ہے اور ظاہر و باطن کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ تم تقویٰ اختیار کرو تنہائی میں بھی اور محفل میں بھی، ہر جگہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے اپنے کو بچاتے رہو اور جس موقع پر اللہ تعالیٰ کا جو حکم ہو اس کو بجالاؤ۔

خوفِ خدا کی موجودگی میں گناہ نہیں ہوگا

جب دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا ہوتا ہے اور تقویٰ اسی کا نام ہے تو پھر سارے کام آسانی سے ہو جاتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کا حکم بجالانا اور گناہ سے بچنا، اس کے لئے خوفِ خدا کی ضرورت ہے، بس اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں پیدا ہو جائے تو صرف یہ خوفِ خدا ہی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنے کا ذریعہ ہوگا خواہ وہ تنہائی میں ہو یا لوگوں میں بیٹھا ہو، ہر حال میں یہ خوفِ خدا اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنے کا ذریعہ ہوگا، اللہ تعالیٰ کے احکامات بجالانے اور ان کو ادا کرنے کا ذریعہ بن جائیگا اور اگر خوفِ خدا نہیں ہوگا تو کچھ بھی نہیں ہوگا، آج ہمارے اندر جو بہت بڑی کمی پائی جاتی ہے وہ اسی کی کمی پائی جاتی ہے، خوفِ خدا نہ ہونے کی وجہ سے ظاہر میں بھی نافرمانی ہو رہی ہے اور باطن میں بھی نافرمانی ہو رہی ہے، ظاہر کے فرائض و واجبات کی ادائیگی میں بھی کوتاہی ہو رہی ہے اور باطن کے فرائض و واجبات کی ادائیگی میں بھی غفلت ہو رہی ہے، لوگوں کے سامنے بھی ہم گناہوں میں مبتلا ہیں اور تنہائی کے اندر بھی گناہوں میں مبتلا ہیں، ہماری خلوت بھی گناہوں سے آلودہ ہے اور ہماری جلوت بھی گناہوں سے بھری ہوئی ہے، ہمارا ظاہر بھی گناہوں سے آلودہ ہے اور ہمارا باطن بھی گناہوں سے آلودہ ہے، تو خوفِ خدا دل میں آنا چاہئے اسی کو تقویٰ کہتے ہیں، تقوے کے معنی ڈرنے اور بچنے دونوں کے ہی ہیں، اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور نافرمانی سے بچنا،

دونوں اس کے اندر داخل ہیں۔

تمام شریعتوں میں تقویٰ کا حکم دیا گیا ہے

پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی نصیحت جو فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ تم اپنے ظاہر اور باطن میں تقوے کا اہتمام کرو، یہ تقویٰ ایسی اہم چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں یہ فرمایا ہے کہ "وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ (سورۃ النساء ۱۳۱) "یعنی ہم نے تم سے پہلے اہلِ کتاب کو یعنی جن کو توراۃ، زبور اور انجیل دی تھی ان کو ہم نے یہ وصیت کی تھی کہ تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور تقویٰ اختیار کرو اور تم کو بھی بطورِ خاص اس بات کی تاکید کرتے ہیں کہ تم تقویٰ اختیار کرو۔ آپ ذرا اس آیت پر غور کریں تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ تقویٰ صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں نہیں ہے بلکہ اس سے پہلے جتنی بھی شریعتیں نازل ہوئی ہیں، ان میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تقویٰ کا حکم تھا اور تقویٰ اختیار کرنے کی تاکید تھی، یہ ایسی اہم چیز ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام آسمانی کتابوں اور شریعتوں کے اندر اس کو اختیار کرنے کی تاکید کی گئی ہے اور اس آیت کے علاوہ بھی کئی دیگر آیات میں تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ تو بہت ہی اہم اور بہت ہی جلدی اختیار کرنے کا حکم ہے، جتنی جلدی ہم اختیار کرلیں گے، اتنی جلدی ہم فائدہ میں ہونگے اور جتنا عرصہ ہم اس کو چھوڑ رہے ہیں، اتنا عرصہ ہم نقصان میں ہیں۔

عمل کرنے والے کے لئے یہی آیت کافی ہے

ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے سلسلہ میں فرمایا جو میں نے خطبہ میں تلاوت کی تھی "وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ

مَخْرَجًا ○ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ○'' کہ اگر کوئی شخص اس آیت کو اختیار کر لے یعنی اس پر عمل کر لے تو یہی آیت اس کے لئے کافی ہے، آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو آدمی اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ہر مصیبت اور پریشانی سے نجات کا راستہ نکال دیں گے اور ایسی جگہ سے اللہ تعالیٰ اس کو روزی عطا فرمائیں گے جہاں سے اس کا وہم وگمان بھی نہیں ہوگا۔ تو جو شخص اس آیت پر عمل کر لے تو یہ آیت اس لئے کافی شافی ہے کہ اس میں سب سے پہلے تقویٰ کا ذکر ہے، اس میں سارے دین کی تعلیم آ گئی۔

پہلا انعام ہر پریشانی سے نجات

جو دین کی اس تعلیم پر عمل کریگا یعنی تقویٰ اختیار کرے گا، اس کے لئے اللہ پاک نے اس آیت کے اندر دو انعام کا ذکر فرمایا ہے اور وہ دونوں انعام ایسے ہیں کہ جس کو مل گئے وہ کامیاب ہے، ایک ان میں سے ''ہر پریشانی اور مصیبت سے نجات'' ہے اس لئے کہ انسان چاہے دنیا میں ہو یا عالمِ برزخ میں ہو یا عالمِ قیامت میں ہو، تینوں جگہوں پر ہر آدمی کی خواہش ہے کہ اس کو کوئی پریشانی لاحق نہ ہو، دنیا میں چاہتا ہے کہ نہ بیمار ہوں، نہ کوئی رنج ومصیبت آئے اور اگر آ جائے تو جلدی چلی جائے، ہر آدمی یہی چاہتا ہے، کوئی رکاوٹ آئے تو فوراً دور ہو جائے اور قبر میں بھی آدمی یہی چاہتا ہے کہ قبر میں عذاب نہ ہو، تاریکی نہ ہو، کیڑے، مکوڑے، سانپ، بچھو نہ ہوں، اس کی قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہو اور قیامت میں بھی آدمی یہی چاہے گا کہ قیامت میں اس کو کوئی خوف و دہشت نہ ہو، حساب وکتاب نہ ہو، بلکہ بغیر حساب وکتاب جنت میں داخلہ مل جائے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرما دیں، تو تقویٰ اختیار کرنے والے کے لئے

پہلے یہی وعدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا، قبر اور آخرت غرض ہر جگہ اس کو مصیبت اور پریشانی سے بچالیں گے۔

دوسرا انعام ضروریاتِ دنیوی واخروی کا ملنا

دوسری فکر انسان کو یہ ہوتی ہے کہ اس کو تمام ضروریاتِ زندگی راحت اور آسانی کے ساتھ ملیں، عزت کے ساتھ ملیں اور خوب ملیں، یہ ہر آدمی چاہتا ہے کہ جب اس کا کسی چیز کے مل جانے کا دل چاہے تو وہ اس کو مل جائے، نہ اس کو زیادہ جستجو کرنی پڑے، نہ ہی محنت ومشقت کرنی پڑے بلکہ آسانی کے ساتھ مطلوبہ چیز مل جائے، ہر آدمی دنیا میں بھی یہی چاہتا ہے اور قبر کے متعلق بھی اس کی یہ خواہش ہے کہ وہاں سانپ، بچھو نہ ہوں بلکہ وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہو اور قبر میں کوئی عذاب نہ ہو، تاریکی نہ ہو اور قیامت میں بھی ہر کوئی یہی چاہے گا کہ اس کو عرش کا سایہ مل جائے، پھر جنت میں جانے کے بعد بھی یہ چاہے گا کہ جنت کی بھی ساری نعمتیں مجھے ملیں، فرمایا کہ جو تقویٰ اختیار کرلے گا اللہ تعالیٰ ایسی جگہ سے اس کی خواہشات وضروریات کو پورا فرمائیں گے جہاں سے اس کو وہم وگمان بھی نہیں ہوگا اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے، ہم دنیا اور آخرت ہر جگہ یہی چاہتے ہیں تو تقویٰ اختیار کرلیں، یہ سب کچھ حاصل ہوسکتا ہے، جو کوئی جتنا تقویٰ میں آگے بڑھے گا وہ اتنا ہی زیادہ نعمتوں کو پائیگا۔

جنت کے سو درجات

یہاں یہ بھی سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کے سو درجے بنائے ہیں، سو منزلیں بنائی ہیں اور ہر منزل کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا زمین اور آسمان کے درمیان ہے اور یہ بھی ہمارے سمجھانے کے لئے ہے ورنہ اس کی حقیقی وسعت تو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں اور اس میں سب سے جو بالائی منزل ہے اور اس کا

جو سب سے اعلیٰ اور وسیع حصہ ہے اور سب سے زیادہ راحت بخش اور سب سے زیادہ نعمتوں سے بھرپور حصہ ہے وہ جنت الفردوس ہے اور اس کے اوپر عرشِ الٰہی ہے، حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت الفردوس کے مانگنے کی تلقین فرمائی ہے کہ جب بھی تم اللہ تعالیٰ سے جنت مانگو تو جنت الفردوس مانگا کرو، اس لئے کہ یہ سب سے اعلیٰ اور سب سے بہتر جنت ہے۔

متقی لوگ عرش کے نیچے جانے میں آگے ہوں گے

سورۂ واقعہ کی تفسیر میں ہمارے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ قیامت کے دن تمام انسانوں کی تین جماعتیں ہو جائینگی، ایک جماعت عرش کے دائیں طرف ہوگی، ایک جماعت عرش کے بائیں طرف ہوگی اور ایک جماعت عرش کے بالکل سامنے ہوگی، عرش کے دائیں طرف وہ لوگ ہونگے جو حضرت آدم علیہ السلام کی دائیں جانب سے پیدا ہوئے ہونگے اور یہ سارے اہلِ ایمان ہونگے اور یہ وہ لوگ ہونگے جن کو نامۂ اعمال قیامت کے دن دائیں ہاتھ میں ملیں گے، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان میں شامل فرمائیں، عرش کے بائیں طرف وہ لوگ ہونگے جو حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں جانب سے پیدا ہوئے ہونگے اور یہ سارے کافر ہونگے اور یہ وہ لوگ ہونگے جن کو نامۂ اعمال قیامت کے دن بائیں ہاتھ میں ملیں گے العیاذ باللہ، جبکہ عرش کے سامنے وہ لوگ ہونگے جو اللہ تعالیٰ کے انتہائی خاص الخاص اور مقرب بندے ہونگے جن کے بارے میں سورۂ واقعہ میں ہے کہ "وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ" اور یہ سبقت لے جانے والے تو آگے ہی بڑھ جانے والے ہیں، ان کے تو کیا ہی کہنے ہیں، یہ مقرب لوگ ہیں، ان میں انبیاء کرام، صدیقین، شہداء اور صالحین ہونگے، بہرحال سب سے پہلے عرش کے نیچے جانے والے یہ سابقین ہونگے، اس کے بعد دائیں طرف والے عرش کے

نیچے جائیں گے اور جو بائیں طرف والے ہیں ان کا ٹھکانا دوزخ کے سوا کچھ نہیں، اللہ بچائے، اور جو لوگ عرش کے نیچے چلے جائیں گے وہ بالکل بے غم، پرسکون اور راحت میں ہونگے، انہیں کوئی خطرہ، کوئی اندیشہ نہیں ہوگا، علماء نے لکھا ہے کہ سابقین میں وہ لوگ شامل ہونگے جو دنیا میں نیک کاموں کے کرنے میں اور گناہوں کے چھوڑنے میں آگے ہوں گے اور یہی لوگ متقی کہلاتے ہیں، تو عرش کے نیچے جانے میں اور جنت میں جانے میں بھی یہ لوگ آگے ہونگے، لہٰذا وہاں اگر سبقت لے جانی ہے تو یہاں سبقت لینے کی کوشش کریں اور یہاں تقویٰ اختیار کرنے میں ہم سبقت کریں، ظاہر میں بھی تقویٰ اختیار کریں اور باطن میں بھی تقویٰ اختیار کریں، خلوت میں بھی تقویٰ پر عمل کریں اور جلوت میں بھی تقویٰ پر عمل کریں۔

متقی بننے کے لئے تین کام

اب تقویٰ آئے کیسے؟ تقویٰ اختیار کرنے کے لئے تین کام کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، سب سے پہلے تو کسی اللہ والے کی صحبت اختیار کریں بغیر اللہ والے کی صحبت کے تقویٰ نہیں آتا اور اگر آتا بھی ہے تو بس چند روز کا مہمان ہوتا ہے پھر چلا جاتا ہے، کیونکہ انسان کمزور ہے اور کمزور ہونے کی بناء پر اکیلا چل نہیں سکتا، اس کے لئے کسی نہ کسی رہبر اور رہنما کی ضرورت ہوتی ہے، لہٰذا کسی نہ کسی اللہ والے کی صحبت اختیار کریں، ان سے مخلصانہ رابطہ رکھیں، قلبی تعلق رکھیں، تو اللہ تعالیٰ ان کی برکت سے تقویٰ عطا فرمادیں گے، دوسرا کام یہ ہے کہ روزانہ پانچ دس منٹ نکالیں اور اس وقت تنہائی میں بیٹھ کر مراقبہ کریں، چاہے مسجد میں جا کر بیٹھیں یا گھر میں بیٹھیں اور تھوڑی دیر کے لئے اپنے ذہن سے دنیا کے تمام خیالات کو نکالیں، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کو جو نعمتیں دی ہیں، ان کو سوچنا شروع کریں، پہلے ان نعمتوں کے بارے میں سوچیں جو اللہ تعالیٰ نے ظاہری جسم

میں دی ہیں، پھر اندرونی طور پر اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں دی ہوئی ہیں، ان کو سوچیں، پھر اپنے جسم سے ہٹ کر جو نعمتیں گھر میں اور گھر کے باہر ہیں، ان کے بارے میں سوچیں، اللہ تعالیٰ کی جن نعمتوں میں وہ سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخن تک غرق ہے، ان سب کے بارے میں سوچنے کے بعد پھر اپنا محاسبہ کریں کہ میں اللہ تعالیٰ کی ان بیش بہا نعمتوں کے بدلہ میں کیا کر رہا ہوں، میری زندگی کس طرح گزر رہی ہے، کیا میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا حق ادا کر رہا ہوں، کیا میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو ان کی فرمانبرداری میں استعمال کر رہا ہوں یا خدانخواستہ ان کی دی ہوئی نعمتیں ان ہی کی نافرمانی میں استعمال ہو رہی ہیں، اس کو سوچیں۔ یہ جو مراقبہ ہے یہ ایسا تیر بہدف ہے کہ اگر اس کو کوئی شخص پابندی کے ساتھ کرے تو صرف چالیس دن گزرنے کے بعد ہی اپنی زندگی میں زبردست انقلاب محسوس کرے گا، کسی کے کہنے سننے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ خود اس کا اپنا سوچنا ہی اس کی زندگی کو پلٹ دیگا اور اللہ والے کی صحبت اس کے لئے تریاق ہوگی، ان کی رہنمائی میں انشاء اللہ تعالیٰ بھٹکنے سے محفوظ رہیگا اور راہِ تقویٰ پر رواں دواں ہو جائیگا، تیسرا کام ایسا ہے کہ مذکورہ دو کاموں کے بعد خود بخود اس کے کرنے کا دل چاہے گا اور وہ ہے اللہ کا ذکر کرنا اور نافرمانیوں سے بچنا، تو یہ تین کام کرنے سے اللہ تعالیٰ تقویٰ عطا فرماتے ہیں۔

تو میرے عزیزوں اور میرے بزرگو! تقویٰ اتنا اہم ہے کہ اس ایک لفظ کے اندر سارے دین کو سمو دیا گیا ہے اور اللہ والے کی صحبت میں جا کر جو اصلاح کروائی جاتی ہے، اس کا حاصل بھی یہی ہوتا ہے کہ ہم متقی بن جائیں۔

دل، دماغ اور عقل کو دین کے لئے استعمال کریں

اس سلسلہ میں ایک کام اور کرنے کی ضرورت ہوگی جس کی طرف ہمارے اکابرین نے بڑی توجہ دلائی ہے، خصوصاً حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحیؒ عارفی

رحمۃ اللہ علیہ اپنے مواعظ میں اس کی طرف بہت ہی زیادہ توجہ دلایا کرتے تھے، وہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم لوگ صبح سے شام تک اپنی زندگی غفلت میں گزار دیتے ہیں اور زندگی کا جو اصل مقصود ہے اس کی طرف توجہ ہی نہیں دیتے اور توجہ نہ دینے کی وجہ سے ہماری اصلاح نہیں ہو پاتی، ہمارے اخلاق درست نہیں ہوتے، وہ یہ کہ اللہ پاک نے ہمیں دماغ بھی عطا فرمایا ہے، عقل اور دل بھی عطا فرمایا ہے، یہ سب چیزیں سوچنے اور سمجھنے کے لئے اللہ پاک نے عطا فرمائی ہیں تو ہم ان کو دنیا کے بارے میں سوچنے اور سمجھنے میں تو استعمال کرتے ہیں اور ساری زندگی استعمال کرتے کرتے مرجاتے ہیں لیکن دین کے بارے میں سوچنے اور سمجھنے کے لئے ان کو استعمال ہی نہیں کرتے، اس استعمال نہ کرنے کی وجہ سے ہماری زندگی کبھی اصلاح پزیر نہیں ہوتی اور ہماری زندگی نہ سدھرتی ہے اور نہ سنورتی ہے، اس لئے کہ ہم ان چیزوں کو دین کے لئے استعمال ہی نہیں کرتے بلکہ صرف دنیا کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان اعضاء کو اپنے دین کے لئے استعمال کرو جس کا طریقہ یہ ہے کہ ہم صبح سے شام تک ہر وقت اپنا جائزہ لیتے رہیں کہ ہمارے دماغ کے اندر غلط اور ناجائز خیالات تو نہیں آرہے، غیر اختیاری طور پر خیالات کا آنا تو کوئی مضر نہیں ہے، ان پر کوئی پکڑ بھی نہیں ہے لیکن ان کو ٹھہرانا نہیں چاہئے کیونکہ ٹھہرانے کے بعد ہی وہ اپنا اثر کرنا شروع کرتے ہیں، سب سے پہلے ان کا اثر دل میں آتا ہے اور پھر ان کا اثر اعضاء و جوارح سے ظاہر ہونا شروع ہو جاتا ہے تو برا خیال آیا اور ہم نے اس کو دور نہ کیا بلکہ اس کو ٹھہرایا اور اس میں غور کیا تو آگے بڑھ کر وہ عمل کے اندر آنا شروع ہو جائیگا، تو ہم یہ دیکھیں کہ کون کون سے برے خیالات ہمارے دماغ میں آتے ہیں اور پھر ہم کس کس پر عمل کرتے ہیں اور کس کس پر عمل نہیں کرتے، اس کو سوچیں۔

آنکھ، کان اور زبان کا جائزہ لیں

پھر ذرا اور نیچے آئیں تو ہماری آنکھیں ہیں، ہمارے کان ہیں، ہماری زبان ہے، ان کے بارے میں بھی اس بات کا جائزہ لیں کہ ہماری آنکھیں کہیں غلط جگہ تو نہیں پڑ رہیں، کہیں ایسی جگہ تو ہماری آنکھیں استعمال نہیں ہو رہیں جہاں دیکھنا ممنوع ہو، جہاں نظر ڈالنا ممنوع ہو، آنکھوں سے نامحرم کو تو نہیں دیکھ رہے، ٹی وی تو نہیں دیکھ رہے، اس کی فکر ہونی چاہئے، ہاں اپنے والدین کو دیکھ رہا ہے یا اپنے بیوی بچوں کو دیکھ رہا ہے تو بہت اچھی بات ہے، اسی طرح کانوں کے استعمال پر غور کریں کہ ہمارے کان کہیں ایسی جگہ تو استعمال نہیں ہو رہے جس کا سننا ممنوع ہو، غیبت تو نہیں سن رہے، گانے تو نہیں سن رہے، اس کی فکر ہونی چاہئے، ہاں قرآن پاک کی تلاوت سن رہا ہے، احادیث کا درس سن رہا ہے، تو کتنی اچھی بات ہے، اسی طرح زبان کا جائزہ لیں کہ ہماری زبان کہیں ایسی جگہ تو استعمال نہیں ہو رہی جس کا بولنا ممنوع ہو، کسی کو گالی تو نہیں دے رہے، جھوٹ تو نہیں بول رہے، غیبت یا چغلی تو نہیں کر رہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ روزانہ سویرے سارے اعضاء وجوارح زبان کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہیں اور درخواست کرتے ہیں کہ دیکھو اگر آپ صحیح صحیح چلو گی تو ہم بھی ٹھیک ٹھاک رہیں گے اور خدانخواستہ تم الٹی سیدھی چلی تو تم تو بتیس دانتوں کے قلعہ کی دیوار میں محفوظ ہو جاؤ گی پٹائی ہماری ہو جائیگی، گالی زبان دے گی لیکن اس کے بعد تھپڑ چہرے پر لگے گا، مکا کمر پر پڑیگا، لاٹھی سر پر پڑیگی، اس لئے سب سے زیادہ زبان کے استعمال کو دیکھنے کی ضرورت ہے کہ ہماری زبان صحیح استعمال ہوتی ہے کہ نہیں، ہاں زبان سے قرآن پاک کی تلاوت کر رہے ہیں یا وعظ ونصیحت کر رہے ہیں تو یہ زبان کا کتنا اچھا مصرف ہے، اس کو سوچیں۔

ہاتھ، پاؤں کا جائزہ لیں

ذرا اور نیچے آئیں گے تو ہمارے ہاتھ ہیں، پاؤں ہیں، ان کے بارے میں بھی اس بات کا جائزہ لیں کہ ہمارے ہاتھ، پاؤں کہیں غلط جگہ تو استعمال نہیں ہو رہے، ہمارے ہاتھ کسی ایسی چیز کو تو نہیں پکڑ رہے جس کا پکڑنا ممنوع ہو، کسی کی ناحق پٹائی تو نہیں کی، کسی کی چیز اس کی اجازت کے بغیر استعمال تو نہیں کی یا مذاق میں کسی کی چیز تو نہیں اٹھالی اور جس کی چیز ہے وہ بول بھی نہیں سکا، اس کی فکر ہونی چاہئے، ہاں حلال کمانے میں ہاتھوں کا استعمال ہوا یا والدین کی خدمت میں ان کا استعمال ہوا، تو بہت اچھی بات ہے، اسی طرح پاؤں کے استعمال پر غور کریں کہ ہمارے پاؤں کسی ایسی جگہ تو نہیں پڑ رہے جہاں قدم رکھنا ممنوع ہو، پاؤں کسی گناہ کے مقام تک تو نہیں لے جا رہے، اس کی فکر ہونی چاہئے، ہاں اگر ان پیروں سے چل کر مسجد کی طرف گئے، جہاد کے لئے گئے، تبلیغ کے لئے گئے، کسی کی عیادت کے لئے گئے، تو الحمد للہ کتنا اچھا استعمال ہو گیا، پس صبح سے شام تک اپنے ظاہری اعضاء کا جائزہ لیتے رہیں اور شام کو حساب کریں۔

اپنے باطن کا جائزہ لیں

ایسے ہی باطن کا بھی جائزہ لیں کہ کس کس کے بارے میں میرے دل میں کیسے کیسے جذبات پیدا ہوئے، اس میں اچھے جذبات بھی ہونگے اور برے جذبات بھی ہونگے، کسی کو مارنے کا جی چاہ رہا ہوگا، کسی کی برائی کرنے کا جی چاہ رہا ہوگا، کسی سے کینہ ہو رہا ہوگا اور کسی سے حسد ہو رہا ہوگا، کسی کی خدمت کرنے کو جی چاہ رہا ہوگا، کسی کو تحفہ دینے کو جی چاہ رہا ہوگا، اب یہ تحفہ دینا اللہ کے لئے ہے یا دنیا حاصل کرنے کے لئے ہے، کہیں بطور رشوت دینے کا دل تو نہیں چاہ رہا، یہ سب دل کی دنیا میں ہوتا ہے، لہٰذا صبح سے شام تک اپنا جائزہ لینے کی عادت

ڈالیں، جہاں برائی دیکھیں اسی وقت ہوشیار ہو جائیں کہ یہ کیا ہو گیا، یہ ہاتھ نے کیا کیا، یہ زبان سے کیا بات نکل گئی، یہ دل میں کیا بات آئی، ایک شعر یاد آیا۔

اس میں شاعر کہہ رہا ہے کہ اے چڑیا! آ اور ہم دونوں مل کر ہائے ہائے کریں تو ہائے گل پکار کہ باغ کے اندر خزاں آ گئی اور سارا سبزہ ختم ہو گیا، سارے پھول جھڑ گئے اور باغ میں الو بولنے لگے، تو اپنے باغ کی بربادی پر رو جبکہ میں اپنے دل کی تباہی پر روؤں کہ ہائے میرے دل نے کیا کیا گناہ کر لئے اور کیسی کیسی خرابیاں اس کے اندر ہو گئیں جس کی وجہ سے میں ہائے دل پکاروں، تو حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ اپنا جائزہ لینے کی عادت ڈالو، ہم نے دنیا کا جائزہ لینے کی عادت ڈالی ہوئی ہے، اپنا جائزہ لینا بھولے ہوئے ہیں۔

متقی لوگ اپنے عیوب پر نظر رکھتے ہیں

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ ظفر کا یہ شعر بہت سنایا کرتے تھے، دنیا کے جائزے سے متعلق ہے۔

تھے جو اپنے عیوب سے بے خبر رہے دیکھتے اوروں کے عیب وہنر
پڑی اپنے عیوب پہ جو نظر تو جہاں میں کوئی برا نہ رہا

تو ابھی اپنے عیوب جو نظر نہیں آ رہے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسروں کے عیوب کا جائزہ لینے کی عادت پڑی ہوئی ہے، فلاں کیسا ہے، فلاں کیسا ہے، فلاں کیسا ہے، دوسروں کے عیوب پر نظر ڈالنے کی عادت پڑی ہوئی ہے، اس لئے اپنے کو فرشتہ سمجھتے ہیں اور دوسرے کو قصوروار، لیکن جس دن یہ رخ صحیح ہو گا اور دل کا قبلہ صحیح ہو جائیگا اور اپنے عیوب پر نظر پڑے گی تو اس وقت محسوس ہو گا کہ

سارے ہی دنیا میں مجھ سے اچھے ہیں، بس ایک میں ہی سب سے بُرا اور سب سے بڑا نالائق ہوں، پھر اپنے ہی عیوب اس کو نظر آئیں گے، دوسروں کے عیوب سے اس کی آنکھیں بند ہو جائیں گی انشاء اللہ تعالیٰ اور جو متقی لوگ ہیں ان کی یہی شان ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے کو سب سے بُرا سمجھنا

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جن کی ایک ہزار سے زائد تصانیف ہیں اور جو اصلاح وتربیت کا دریا بہا گئے ہیں جو انشاء اللہ بہتا ہی رہیگا، وہ فرماتے ہیں کہ روزے سے ہوں، قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھ کو دنیا میں اپنے سے زیادہ کوئی بُرا نظر نہیں آتا، اللہ اکبر! تواضع کا یہ عالم تھا۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء کا اپنے کو سب سے کمتر سمجھنا

اسی طرح حضرت ڈاکٹر عارفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ سنایا کہ وہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ کی خانقاہ میں جمع تھے، خانقاہ میں حضرت کے اور تین خلفاء بھی موجود تھے جو حضرت کی خدمت میں آئے ہوئے تھے، ان میں سے ایک خلیفہ نے دوسرے سے کہا کہ جب میں یہاں خانقاہ کے اندر آتا ہوں اور حضرت کے ہاں میرا قیام ہوتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں سب سے پیچھے ہوں اور باقی سب میرے سے آگے ہیں، دوسرے نے کہا کہ مجھے بھی ایسا ہی محسوس ہوتا ہے، پھر تیسرے نے کہا کہ بھائی میرا بھی یہی حال ہے، تو انہوں نے کہا کہ حضرت سے ہی اس کے بارے میں معلوم کر لیتے ہیں، کیونکہ یہ تو ہم سب کا مشترکہ حال ہے، پھر یہ خلفاء حضرت کے پاس گئے اور اپنا مدعا بیان کیا کہ جب ہم یہاں خانقاہ کے اندر آتے ہیں اور آپ کے ہاں ہمارا قیام ہوتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم میں سے ہر کوئی

انفرادی طور پر سب سے پیچھے ہے اور باقی سب آگے ہیں، حضرت نے جواب دیا کہ میرے دل کا بھی یہی حال ہے۔ اس وقت پتا چلا کہ شیخ کے دل کا عکس ہے، شیخ خود تواضع میں ڈوبا ہوا ہے اور وہ اپنے دل میں اپنے کو مٹائے ہوئے ہے تو ان کے خلفاء اور مریدین بھی اس کے اثر کی وجہ سے مٹے جا رہے ہیں، اسی لئے میں نے کہا تھا کہ متقی بننے کے لئے سب سے پہلا طریقہ اللہ والوں کی صحبت ہے، کیونکہ وہ خود متقی ہوتے ہیں جو ان کے پاس جائیگا وہ بھی متقی ہو جائیگا، پھر مراقبہ کیا جائے، اس کے بعد اپنا حال دیکھے کہ میں کیا کر رہا ہوں، اس کے بعد بھی دن بھر اپنا جائزہ لیتا رہے کیونکہ دن بھر کا جائزہ رات کو مراقبہ میں کام آئیگا اور تیسرا کام ذکر اللہ کی کثرت ہے اور یہ بھی اللہ والوں کی صحبت سے نصیب ہوتا ہے کہ جہاں تم سچی توبہ کرو توبہ کے ساتھ ساتھ اللہ اللہ بھی کرو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حکایت

آخر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کی ایک حکایت یاد آئی کہ اللہ پاک نے ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ آپ اپنی امت سے یہ کہہ دیجئے کہ وہ ایک ہی بات پر عمل کرلیں تو ان کی نجات کے لئے کافی ہے، وہ یہ ہے کہ جن جن بندوں کے حقوق تلف کئے ہیں اور جن جن کو انہوں نے ستایا ہے، ان کو راضی کرلیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ آخرت میں بندوں کی حق تلفیاں انسان کے لئے سب سے زیادہ مصیبت کا باعث بنیں گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ بذاتِ خود بہت ہی مہربان ہیں، وہ اپنی حق تلفیوں کو بہت جلد معاف کر دیتے ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ معاف کر دیں گے اور درگزر فرما دیں گے اور کوئی زیادہ سختی نہ فرمائیں گے، لیکن بندوں کے حقوق کے معاملہ میں سختی کا معاملہ فرمائیں گے اور اس کے اندر باقاعدہ حساب و کتاب فرمائیں گے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اپنی امت کے لوگوں سے کہہ دیں کہ اگر کسی نے کسی کو ستایا ہے، مارا پیٹا ہے، زیادتی کی ہے،

تو دنیا ہی میں ان سے معافی تلافی کروالے اور ان کو کسی بھی طریقہ سے راضی کرلے تو انشاء اللہ تعالیٰ اس کی پکڑ نہیں ہوگی اور نجات میں آسانی ہو جائیگی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ پروردگارِ عالم! اگر وہ لوگ جن کو ستایا ہو، پریشان کیا ہو، زندہ نہ ہوں تو کیا ہوگا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تو زندہ ہوں، مجھے راضی کرلو اور جن کے حقوق ان کے ذمہ ہیں ان کو میں راضی کرلونگا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ یا اللہ! آپ کیسے راضی ہونگے؟ اللہ پاک نے فرمایا کہ چار کام کرنے سے میں راضی ہو جاتا ہوں: اول یہ کہ اپنے گناہوں، کوتاہیوں اور خامیوں پر دل میں ندامت ہو اور اللہ تعالیٰ کا حقِ عبادت ادا نہ ہونے پر دل سے شرمندہ ہو، دوم زبان پر استغفار ہو، سوم آنکھوں میں آنسو ہوں ورنہ کم از کم رونے کی شکل ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ جو رحمتیں رونے والے پر نازل فرماتے ہیں وہی رحمتیں رونے کی شکل بنانے والے پر بھی نازل فرماتے ہیں اور چہارم یہ کہ آئندہ تمام اعضاء و جوارح سے ظاہر و باطن میں اور خلوت اور جلوت میں غرض ہر جگہ نافرمانی سے اجتناب ہو، یہاں بھی تقویٰ آ گیا، تو جو شخص یہ چار کام کرلے گا، اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جائیں گے اور جن کے حقوق اس کے ذمہ ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے دے کر راضی کرلیں گے اور اس کو معاف کردیں گے۔

حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

اس پر ایک حدیث کا خلاصہ میں آپ کو سنادوں کہ میدانِ محشر ہوگا اور اس میدانِ محشر میں ایک شخص کو دور سے جنت کا ایک خوبصورت محل نظر آئیگا تو وہ کہے گا کہ یہ بڑا ہی خوبصورت اور عالیشان محل ہے، اس کے اندر بڑی رونق ہی رونق ہے اور دل میں سوچے گا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے کسی نبی یا ولی کو ملے گا، میں اس قابل کہاں، برابر میں ایک فرشتہ کھڑا ہوگا اور وہ کہے گا کہ تجھے بھی مل سکتا ہے، وہ بڑا حیران ہوگا اور پوچھے گا کہ وہ کیسے؟ فرشتہ کہے گا کہ فلاں کا حق جو تمہاری طرف

نکلتا ہے، تم اس کو معاف کردو اور اس کے بدلہ میں یہ لے لو، اس محل کو دیکھ کر وہ فوراً راضی ہو جائیگا۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ کس طرح اس کو راضی کریں گے، اب دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح اور کامل متقی بننا نصیب فرمائیں۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

ہزار دن تک ثواب ملنا

صَلَّی اللّٰہُ
عَلٰی مُحَمَّدٍ

وَجَزَاہُ عَنَّا مَا ھُوَ اَھْلُہٗ

جو شخص یہ دُرود شریف پڑھے تو ثواب لکھنے والے ستّر فرشتے ایک ہزار دن تک اس کا ثواب لکھیں گے۔ (ص ۱۷۷)

گناہ کے بعد نیکی

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی دامت برکاتہم
نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ضبط وترتیب

حبیب اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

دکان نمبر ۲۹، نایاب جامع مسجد، لیاقت آباد کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
: گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی بیانات : جلد نمبر ۱۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گناہ کے بعد نیکی

دوسری نصیحت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبٰٓئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ○

(سورۃ النسآء: ۳۱)

تمہید

میرے قابلِ احترام بزرگو اور محترم خواتین! حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث جس میں نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جو پانچ نصیحتیں فرمائی تھیں، ان کے سلسلہ میں بیان چل رہا ہے، پانچ نصائح میں سے ایک کا بیان ہو چکا ہے، ایک نصیحت کا بیان انشاء اللہ تعالیٰ آج اس وقت ہوگا۔

اس حدیث کے انتخاب کی وجہ

اس حدیث کو بیان کرنے کے لئے اس وجہ سے منتخب کیا گیا ہے کہ اس میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نصیحتیں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بیان فرمائی تھیں، ان کو بیان کرنے سے پہلے چھ دن تک آپ روزانہ ان سے فرماتے رہے کہ اے ابوذر! میں تم کو کچھ باتیں بتانے والا ہوں، ان کو تم توجہ سے سننا، ان کو یاد رکھنا، ان میں غور کرنا اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کرنا۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم چھ دن تک روزانہ یہی فرما رہے ہیں تو وہ باتیں کتنی اہم ہونگی جس کے لئے چھ دن تک آپ ان کو عمل کرنے کی ترغیب دے رہے ہیں، یاد رکھنے کی طرف توجہ دلا رہے ہیں، غور و فکر کرنے کی طرف متوجہ کر رہے ہیں، تو ضرور وہ بہت ہی اہم اور خاص الخاص باتیں ہیں، بس اسی لئے میں نے اس حدیث کو آپ حضرات کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے اختیار کیا ہے تاکہ ہم سب مل کر نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اہم ارشاد کو توجہ سے سنیں اور سنائیں، ہم بھی ان کو یاد رکھیں، ان میں غور و فکر کریں اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔

پانچ نصیحتیں

ان پانچ نصائح میں سے پہلی نصیحت یہ تھی کہ تم اپنے ظاہر اور باطن میں

تقویٰ کا اہتمام کرو، دوسری نصیحت یہ فرمائی کہ جب تم سے کوئی بدی ہو جائے، گناہ اور غلطی ہو جائے تو اس کے فوراً بعد نیکی کرلو، وہ نیکی اس گناہ کو مٹا دیگی، تیسری نصیحت یہ فرمائی کہ تم مخلوق میں سے کسی سے کوئی چیز مت مانگو، کسی کے سامنے اپنی حاجت پیش نہ کرو، اپنی ضرورت کسی انسان سے مت طلب کرو یہاں تک کہ تمہارا کوڑا بھی زمین پر گر جائے تو خود اٹھالو، کسی سے اٹھانے کے لئے نہ کہو، چوتھی نصیحت یہ فرمائی کہ تم کسی کی امانت اپنے پاس مت رکھو اور پانچویں نصیحت یہ فرمائی کہ تم دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ کرنے والا مت بنو، ان پانچ نصائح میں سے پہلی نصیحت کے بارے میں تفصیلاً بات ہو چکی ہے آج دوسری نصیحت کا بیان ہوگا۔

دوسری نصیحت کی تفصیل

دوسری نصیحت یہ فرمائی کہ ''جب تم سے کوئی بدی ہو جائے، گناہ اور غلطی ہو جائے تو اس کے فوراً بعد نیکی کرلو، وہ نیکی اس گناہ کو مٹا دیگی'' یہ ایسی بہترین نصیحت ہے کہ واقعتاً اس کو کوئی مسلمان مرد و عورت اختیار کرلے تو انشاء اللہ اس کی نجات ہو جائیگی۔

فرشتوں اور پیغمبروں کے علاوہ سے گناہ ہوتے ہیں

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تو معصوم ہیں، نابالغ بچے بھی اسی حکم میں ہیں کیونکہ وہ غیر مکلف ہیں، ان کے علاوہ جتنے بھی انسان و جنات ہیں جو عاقل و بالغ ہیں، وہ سب ایسے ہیں کہ ان سے گناہ ہوتے بھی ہیں اور نہیں بھی ہوتے، لیکن ایسا کوئی نہیں ہے جس سے کبھی کوئی گناہ سرزد نہ ہو، دانستہ یا غیر دانستہ، چھپ کر یا اعلانیہ، چھوٹا یا بڑا، کوئی نہ کوئی گناہ ہوتا ہے اور

ہوتا رہیگا، ہم اپنا ہی جائزہ لے لیں تو ہمارا یہی حال ہے، ہم جانتے ہیں کہ گناہ بری بات ہے اور بارہا سن چکے ہیں کہ گناہوں سے بچنا چاہئے اور تقویٰ اختیار کرنا چاہئے، تقویٰ اختیار کرنے کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ آدمی گناہوں سے بچنے کی کوشش میں لگا رہے لیکن اس کے باوجود بھی ہم سے گناہ ہوتے ہی رہتے ہیں، لہٰذا ہر انسان عاقل و بالغ گناہوں کا پتلا ہے، خطا و نسیان سے بھرا ہوا ہے، کچھ نہ کچھ غلطیاں اور کوتاہیاں ہوتی رہتی ہیں اور ہوتی ہی رہیں گی، جیسے میں نے عرض کر دیا کہ انسان کتنی ہی عبادت کر لے اور کتنی ہی ریاضت کر لے، وہ معصوم نہیں ہو سکتا، معصوم اللہ پاک نے جس کو بنایا ہے بس وہی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے اور اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں، ان کے علاوہ جو بھی ہیں وہ بہرحال معصوم نہیں، ان سے کوئی نہ کوئی غلطی، کوئی نہ کوئی گناہ ہوتا ہی رہتا ہے اور ہوتا ہی رہیگا اور اللہ پاک یہ نہیں فرمارہے کہ تم کبھی بھی کوئی بھی گناہ مت کرو بلکہ تقویٰ کا حکم دے رہے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتے رہو۔

گناہ کو مٹانے کی ترکیب

اس دوسری نصیحت میں یہ فرمایا کہ جب تم سے کوئی گناہ یا کوئی غلطی ہو جائے تو اس کے فوراً بعد نیکی کر لو، اس نصیحت کے ذریعہ اس گناہ کو مٹانے کی اور اس برائی کو ختم کرنے کی ترکیب و تدبیر بتائی جارہی ہے کہ جب بھی تم سے کوئی غلطی ہو جائے، گناہ ہو جائے، زبان سے کوئی غلط بات نکل جائے، آنکھیں بہک جائیں، کان کوئی بری بات سن لیں، ہاتھ پاؤں سے اور دل دماغ سے کوئی گناہ صادر ہو جائے فوراً نیکی کرنے کی عادت ڈالو، اللہ تعالیٰ نے نیکی کے اندر یہ خاصیت رکھی ہے کہ وہ گناہ کو مٹا دیتی ہے، گناہ تم سے چھوٹیں گے نہیں لیکن نیکی کرنا بھی مت چھوڑو، جب بھی کوئی غلطی ہو جائے یا کوئی گناہ ہو جائے فوراً نیکی کر لو، اس نیکی سے وہ کوتاہی، بدی اور برائی انشاء اللہ تعالیٰ مٹ جائیگی۔

گناہ کے بعد ''توبہ واستغفار'' بھی نیکی ہے

برائی وگناہ کے بعد توبہ اور استغفار بھی ایک نیکی ہے، ان کے گناہوں کے مٹانے میں اور مٹانے والا ہونے میں کسی کو کیا شک ہوسکتا ہے، لہٰذا اگر گناہ ہوجائے فوراً توبہ کرلو، جیسے ہی گناہ ہوا سچی توبہ کرلی تو وہ سچی توبہ اس گناہ کو مٹا دیتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ''التائب من الذنب کمن لاذنب لہ'' گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہوتا ہے جیسے نہ کرنے والا، اندازہ کرو کہ توبہ ایسی عظیم نیکی ہے اور اس کے اندر اللہ پاک نے یہ صلاحیت رکھی ہے کہ گناہ کا نام ونشان مٹا دیتی ہے، لہٰذا اگر کبھی غلطی ہوجائے یا گناہ ہوجائے فوراً ''استغفر اللہ'' کہہ دیا فوراً ''اللّٰھم اغفر لی'' کہہ دو۔ ایک صاحب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے گناہوں پر ہائے ہائے کرنے لگے اور بڑے شرمندہ اور بڑے نادم ہونے لگے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین مرتبہ ''اللّٰھم اغفر لی'' کہو اور جاؤ۔ بہر حال توبہ واستغفار ایسی اعلیٰ درجہ کی نیکی ہے کہ اگر گناہ کے بعد اس کو کرلیا جائے تو طے شدہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ توبہ و استغفار کی برکت سے اس کا گناہ معاف فرمادیں گے۔

نیک اعمال سے گناہوں کی معافی

اس کے علاوہ دوسرے جو نیک کام ہیں، ان کے اندر بھی اللہ پاک نے یہ خاصیت رکھی ہے کہ گناہ کے بعد ان نیک کاموں کے کرنے سے بھی گناہ معاف ہوتے ہیں، اتنی بات ہے کہ کبیرہ گناہ تو توبہ ہی سے معاف ہوتے ہیں، وہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے البتہ صغیرہ گناہ بغیر توبہ کے بھی دوسری نیکیوں سے معاف ہوجاتے ہیں اور ان صغیرہ گناہوں کی معافی کا ذکر اللہ پاک نے قرآن شریف میں بھی کیا ہے، جو آیت میں نے تلاوت کی ہے اس میں بھی اسی کا ذکر

ہے، حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں کہ ''اِنْ تَجْتَنِبُوْا کَبٰٓئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُکَفِّرْعَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَنُدْخِلْکُمْ مُّدْخَلًا کَرِیْمًا '' جن بڑے گناہوں سے تم کو منع کیا گیا ہے اگر تم ان سے پرہیز کرو تو (تمہارے نیک اعمال کے کرنے سے) ہم تمہارے چھوٹے گناہوں کا خود ہی کفارہ کردیں گے اور ہم تم کو ایک معزز جگہ (یعنی جنت) میں داخل کردیں گے۔ لہٰذا بندہ یا کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرے تو صغیرہ گناہ اللہ تعالیٰ نیک اعمال کرنے پر اپنی رحمت سے خود ہی معاف فرمادیں گے جب کبیرہ گناہ بھی نہیں ہیں اور صغیرہ گناہ نیکیوں سے معاف ہوگئے تو جنت میں داخلہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے برحق ہے اور اگر کبیرہ گناہ ہوجائیں تو توبہ اس کے لئے موجود ہے، دل وجان سے سچی توبہ کرلو اور سچی توبہ سے جیسے کبیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں ایسے ہی صغیرہ گناہ بھی معاف ہوتے ہیں، بہرحال اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کبیرہ گناہ سے تم پرہیز کرلو تو میں تمہارے صغیرہ گناہوں کو خود ہی معاف کردونگا، وہ اتنے مہربان اور کرم نواز ہیں۔

بہت سے گناہ اللہ پاک یونہی معاف فرمادیتے ہیں

ایسے ہی ایک آیت میں اللہ پاک کا ارشاد ہے کہ ''وَمَا اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ '' یعنی تم کو دنیا میں جو بھی مصیبت یا پریشانی لاحق ہوتی ہے تو وہ تمہاری اپنی بداعمالیوں اور گناہوں کی وجہ سے ہے اور بہت سے گناہ تو اللہ تعالیٰ خود ہی معاف فرمادیتے ہیں۔ ہر گناہ پر قاعدہ کے مطابق تمہاری پکڑ ہونی چاہئے، تم کو سزا ملنی چاہئے اور اس پر وبال آنا چاہئے لیکن اللہ تعالیٰ اتنے مہربان ہیں کہ کسی کسی گناہ پر اس کا وبال ظاہر فرماتے ہیں اور اس کی وجہ سے انسان مصائب سے دوچار ہوجاتا ہے، پریشانیوں میں مبتلا ہوجاتا ہے اور طرح طرح کی آفات وبلیات میں پھنس جاتا ہے لیکن بہت سے

گناہ ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خود ہی معاف فرمادیتے ہیں اور ان کا وبال ظاہر نہیں ہونے دیتے، اگر خدانخواستہ انسان کے ہر گناہ کا وبال اور اس کی سزا دنیا میں ملنے لگے تو انسان نہ کھا سکے، نہ پی سکے، نہ اور کسی کام کا رہے، یہ جو اتنا وقت ہمارا عافیت وراحت میں گزرتا ہے، یہ صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وجہ سے گزرتا ہے۔

صلوٰۃ التسبیح کے ذریعہ گناہوں کی معافی

اسی طرح احادیثِ طیبہ کے اندر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے اعمال ایسے بیان فرمائے ہیں کہ ان کے کرنے سے آدمی کے صغیرہ گناہ معاف ہوتے رہتے ہیں، ان میں سب سے مشہور عمل ''صلوٰۃ التسبیح'' کا ہے، صلوٰۃ التسبیح کے بارے میں یہ فضیلت بالکل واضح ہے کہ اس کو پڑھنے والے کے دس قسم کے گناہ معاف ہوتے ہیں، کبیرہ، صغیرہ، جان کر کئے ہوئے، بھول کر کئے ہوئے، اعلانیہ کئے ہوئے، چھپ کر کئے ہوئے، اگلے، پچھلے، نئے اور پرانے، ہر قسم کے گناہ اپنے فضل وکرم سے معاف فرمادیتے ہیں، مگر یہاں کبیرہ گناہ سے مراد وہ کبیرہ گناہ نہیں ہے جس کے لئے توبہ ضروری ہے بلکہ وہ گناہ مراد ہے جو صغائر میں بڑا ہے۔

وضو اور غسل کے ذریعہ گناہوں کی معافی

اسی طریقہ سے وضو اور غسل کی یہ فضیلت ہے کہ اگر آدمی سنت کے مطابق وضو کرے اور سنت کے مطابق غسل کرے تو سر سے پیر تک تمام صغیرہ گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔

پنجگانہ نماز کے ذریعہ گناہوں کی معافی

یہ پانچ نمازیں جو اللہ پاک نے چوبیس گھنٹے میں رکھی ہیں، یہ درمیانے حصہ میں ہونے والے گناہوں کا کفارہ ہیں، کسی نے فجر کی نماز پڑھی، پھر ظہر تک

اس سے کچھ صغیرہ گناہ سرزد ہو گئے اور اس نے نہ استغفار کیا نہ توبہ کی تو جب ظہر کی نماز ادا کریگا تو فجر سے ظہر تک جتنے صغیرہ گناہ ہوئے ہیں وہ سب معاف ہو جائیں گے، پھر ظہر کے بعد جب عصر کی نماز پڑھے گا تو ظہر سے عصر تک جتنے صغیرہ گناہ ہوئے ہیں وہ سب معاف ہو جائیں گے، پھر عصر کے بعد جب مغرب کی نماز پڑھے گا تو عصر سے مغرب تک جتنے صغیرہ گناہ ہوئے ہیں وہ معاف ہو جائیں گے، پھر مغرب کے بعد جب عشاء کی نماز پڑھے گا تو مغرب سے عشاء تک جتنے صغیرہ گناہ ہوئے ہیں وہ معاف ہو جائیں گے، پھر عشاء کے بعد جب فجر کی نماز پڑھے گا تو عشاء سے فجر تک جتنے صغیرہ گناہ ہوئے ہیں وہ سب معاف ہو جائیں گے، اس طرح چوبیس گھنٹے میں آدمی اگر پانچوں نمازوں کی پابندی کرے اور سنت کے مطابق نمازیں ادا کرنے کا اہتمام کرے تو چوبیس گھنٹے اس کے گناہِ صغیرہ معاف ہوتے رہیں گے۔

چنانچہ حدیث شریف میں اس کو سمجھانے کے لئے ایک مثال بیان فرمائی گئی ہے کہ جیسے کسی آدمی کے گھر کے آگے نہر ہو اور وہ روزانہ دن میں پانچ مرتبہ غسل کرے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ بتاؤ اس کے جسم پر میل رہیگا؟ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ حضور! اس کے جسم پر میل کہاں رہیگا، وہ بالکل گورا چٹا رہیگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص پانچوں وقت نماز باجماعت کا اہتمام کریگا وہ بھی گناہوں سے ایسے ہی پاک صاف رہیگا جیسے وہ نہانے والا پاک وصاف رہتا ہے۔

جمعہ کی نماز کے ذریعہ گناہوں کی معافی

اس کے بعد پھر ایک جمعہ سے لے کر دوسرے جمعہ تک، یہ ہفتہ واری طہارت ہے اور ہفتہ واری گناہوں کی معافی کا انتظام ہے کہ جو شخص ہر جمعہ پابندی کے ساتھ پڑھے گا تو پہلے جمعہ کے بعد سے دوسرے جمعہ تک جو درمیان

میں سات دن ہیں، ان میں اس سے جو صغیرہ گناہ ہوئے ہونگے، اگلا جمعہ پڑھنے سے درمیان کے سارے صغیرہ گناہ معاف ہو جائینگے، اس طرح روزانہ پانچ وقت گناہوں سے معافی ہو رہی ہے اور پھر ہفتہ میں ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کے گناہوں کی معافی ہو رہی ہے۔

رمضان المبارک کے روزوں کے ذریعہ گناہوں کی معافی

اس کے بعد پھر ایک رمضان سے لے کر دوسرے رمضان تک درمیان کے ایک سال کے عرصہ میں جتنے بھی گناہِ صغیرہ کسی سے ہوئے ہونگے، اللہ تعالیٰ اگلے رمضان کے روزے رکھنے کی برکت سے پچھلے رمضان سے اس رمضان تک ہونے والے سارے صغیرہ گناہ معاف فرمادیتے ہیں۔

قربانی کے ذریعہ گناہوں کی معافی

اسی طرح جب بقرعید آتی ہے تو آپ کو اس کی فضیلت معلوم ہوگی کہ قربانی کے جانور کو جب آدمی اللہ تعالیٰ کے راستہ میں قربان کرتا ہے تو جونہی اس کے جسم سے پہلا قطرہ زمین پر گرتا ہے تو اسی لمحہ قربانی کرنے والے کی مغفرت ہو جاتی ہے اور سر سے پیر تک اس کا رواں رواں گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔

حج وعمرہ کے ذریعہ گناہوں کی معافی

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے عمرہ اور حج کے اندر بھی یہ خاصیت رکھی ہے کہ جب ایک عمرہ کرنے کے بعد دوسرا عمرہ کرتا ہے تو درمیان کی مدت میں اس سے جتنے صغیرہ گناہ ہوئے ہیں، سب معاف ہو جاتے ہیں، اسی طرح جب ایک حج کرنے کے بعد دوسرا حج کرتا ہے تو درمیان کی مدت میں اس سے جتنے صغیرہ گناہ ہوئے ہیں، سب معاف ہو جاتے ہیں، بلکہ حج کرنے والے کے لئے تو ایک حدیث میں یہ فرمایا گیا ہے کہ جو شخص حج کرنے کے لئے میدانِ عرفات میں آئے

اور وہ یہ سمجھے کہ میری مغفرت نہیں ہوسکتی وہ سب سے بڑا گنہگار ہے، یہ بھی اللہ تعالیٰ کا اپنی زبردست رحمت کو بیان کرنا ہے کہ میدانِ عرفات میں آنے کے بعد بھی اگر کوئی شخص اپنے متعلق یہ سمجھے کہ میری بخشش نہیں ہوگی وہ سب سے بڑا گنہگار اور نافرمان ہے کیونکہ اللہ پاک کی طرف سے مغفرتِ عام کا وعدہ ہے، بخششِ عام ان کی طرف سے ہورہی ہے، لوگوں کو عرفات کے میدان میں اسی لئے بلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو بخشیں اور ان کی مغفرت فرمائیں اور وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ میری بخشش کیسے ہوسکتی ہے گویا اس کے گناہ ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بھی ان کو نہیں بخش سکتے، یہ اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی ہے، اس لئے وہ آدمی بڑا گنہگار ہے جو میدانِ عرفات میں پہنچ کر بھی یہ سمجھے کہ میری بخشش نہیں ہوگی، اس وقت ہر حاجی کو یہ اطمینان کرلینا چاہئے کہ جب وہ خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہے ضرور اس کی بخشش اور مغفرت ہوگی، لہٰذا اگر کسی نے ایک دفعہ حج کیا پھر دس سال کے بعد جاکر اس نے دوبارہ حج کیا تو اس درمیان کے عرصہ کے تمام صغیرہ گناہوں کے لئے یہ کفارہ ہوجائیگا۔ اندازہ کرو کہ کیسی اللہ پاک نے اپنی رحمت پھیلا رکھی ہے اور گناہوں کی معافی کا کس کس طریقہ سے اللہ پاک نے انتظام فرمایا ہے، اسی لئے اللہ پاک نے فرمایا کہ ''اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّئَاتِ ذٰلِكَ ذِكْرٰی لِلذّٰكِرِیْنَ'' یعنی نیکیاں گناہوں کو لے جاتی ہیں، یہ نصیحت قبول کرنے والوں کے لئے اہم نصیحت ہے۔

نیکی کرنا سب کے اختیار میں ہے

بہرحال حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ نصیحت فرمارہے ہیں کہ جب تم سے کوئی بدی ہوجائے، گناہ اور غلطی ہوجائے تو اس کے فوراً بعد نیکی کرلو، اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ وہ نیکی اس گناہ کو مٹادیگی اور نیکی کرنا ہر وقت سب کے اختیار میں ہے، لہٰذا جب بھی کوئی غلطی ہوجائے اور

احساس ہو جائے فوراً اسی وقت اللہ تعالیٰ سے دل دل میں ''اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ، اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ'' کہہ لیں، اسی وقت نیکی ہو گئی، اس کے بعد انشاء اللہ وضو ہو گا، اس کے بعد انشاء اللہ پانچوں نمازیں ہونگی، اس طریقہ سے صغیرہ گناہ انشاء اللہ معاف ہوتے رہیں گے، لیکن جو اللہ کا بندہ نیکیوں کا پابند ہی نہیں ہے، اس کے لئے بڑی محرومی اور خسارہ کی بات ہے، ایک گناہوں کا اس کی گردن پر اور اس کے نامۂ اعمال میں موجود رہنا، یہ بہت بڑی شامت ہے، دوسرے نیکیوں سے محروم ہو جانا اس سے بڑھ کر خسارہ اور نقصان کی چیز ہے اور اللہ تعالیٰ کے غضب کو اور آخرت کے عذاب کو دعوت دینے کی بات ہے۔

امتِ محمدیہ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل

نیکیوں کے ذریعہ اللہ پاک نے گناہوں کو مٹانے اور ان کو کم کرنے کا طریقہ اس طرح سے بھی رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں آپ کی امت پر یہ مہربانی فرمائی ہے کہ اس امت کے نیک کاموں کا بدلہ کم سے کم دس گنا رکھا ہے جبکہ پچھلی امتوں میں یہ بات نہیں تھی، پچھلی امتوں کے اندر یہ تھا کہ ایک نیک کام کریں گے تو ایک نیکی کا ثواب ملے گا، دس نیک کام کریں گے تو دس نیکی کا ثواب ملے گا، دس دفعہ ''سُبْحَانَ اللّٰہ'' کہیں گے تو دس دفعہ ''سُبْحَانَ اللّٰہ'' کہنے کا ثواب ملے گا، لیکن سرکارِ دو عالم جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت پر یہ مہربانی فرمائی کہ اگر کوئی شخص ایک نیک کام کرے گا تو اس کو کم سے کم دس نیکی کا ثواب ملے گا، لہٰذا اگر کوئی شخص ایک نیکی کریگا تو دس نیکیاں لکھی جائیں گی، اگر ایک مرتبہ ''سُبْحَانَ اللّٰہ'' کہے گا تو دس مرتبہ ''سُبْحَانَ اللّٰہ'' کہنے کا ثواب ملے گا، دس مرتبہ ''سُبْحَانَ اللّٰہ'' کہے گا تو سو مرتبہ ''سُبْحَانَ اللّٰہ'' کہنے کا ثواب لکھا جائیگا، اسی لئے اس امت پر نمازیں پچاس فرض ہوئی تھیں اور پھر اللہ پاک کی

مہربانی سے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فرمانے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل پانچ نمازیں رہ گئیں، پینتالیس ظاہراً معاف ہوگئیں لیکن اسی حدیثِ معراج میں یہ ہے کہ آپ کے امتی ادا کریں گے پانچ نمازیں لیکن ثواب پچاس کا پائیں گے، اب پڑھتے تو ہم پانچ ہیں لیکن ثواب پچاس کا لکھا جاتا ہے، کیونکہ ہرنماز کا ثواب دس گنا ہے تو پانچ نمازوں کا ثواب پچاس نمازوں کے برابر ہوا، بہرحال اللہ پاک نے ایک مہربانی یہ فرمائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتیوں کے لئے ہر نیک عمل کا ثواب دس گنا کردیا ہے، اب اگر یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی نیکی کرتے رہے اور گناہ بھی نہ چھوٹے (اللہ کرے کہ چھوٹ جائیں لیکن اگر نہ چھوٹے) اور بغیر توبہ کئے دنیا سے چلے گئے تب بھی انشاء اللہ تعالیٰ جب آخرت میں جائیں گے تو وہاں جاکر جب حساب وکتاب ہوگا، میزانِ عدل میں نیکیاں اور گناہ تولے جائیں گے، نیکیاں ایک پلڑے میں رکھی جائیں گی اور گناہ دوسرے پلڑے میں رکھے جائیں گے اور ہر گناہ ایک ہی ہوگا اور ہر نیکی دس گنا ہوگی تو انشاء اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتیوں کا جو نیکی کا پلڑا ہوگا وہ بھاری ہی ہوگا۔

اس طریقہ میں بخشش کی قوی امید ہے

پس اس طریقہ سے جب ہر گناہ کے ساتھ نیکی ہوگی تو نیکی دس گنا تک بڑھ جائیگی اور یہ دس گنا کم سے کم ہے، اللہ پاک کسی کی نیکی کو سوگنا تک بڑھادیتے ہیں اور کسی کی نیکی کو دوسوگنا تک بڑھادیتے ہیں اور کسی کی نیکی کو سات سوگنا تک بڑھادیتے ہیں، ''وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ'' اور کسی کی نیکی کو اللہ تعالیٰ بے حساب بڑھادیتے ہیں۔ جتنا اخلاص ہوگا ویسا ہی اس کی نیکیوں کا ثواب بڑھتا چلا جائیگا، کم سے کم درجہ دس گنا کا ہے، تو جس کے گناہ کے ساتھ ایک نیکی ہوگی اور وہ نیکی دس گنا ہوگی تو اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی نیکیاں انشاء اللہ تعالیٰ

زیادہ ہونگی اور گناہ کم ہونگے، لہٰذا اس طریقہ میں بخشش کی بہت ہی زیادہ قوی امید ہے۔

مغفرت کا عام قاعدہ

وہاں عام قاعدہ اللہ تعالیٰ کا یہ ہوگا کہ جس کی نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوگا، اس کو جنت میں جانے کا حکم مل جائیگا اور جس کے گناہوں کا پلڑا بھاری ہوگا اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ چاہیں گے معاف فرمادیں گے اور چاہیں گے تو دوزخ میں داخل کرنے کا فیصلہ صادر فرمادیں گے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو دوزخ سے محفوظ رکھیں اور کچھ لوگ ایسے بھی ہونگے کہ جن کی نیکی اور بدی برابر ہوجائیگی، جس کا مطلب ہے کہ ان کی نیکیاں بہت ہی کم ہونگی اور گناہ کچھ زیادہ ہونگے لیکن وزن برابر ہوجائیگا، تو ان لوگوں کے لئے اللہ پاک نے اعراف بنائی ہے، اعراف جنت اور جہنم کی درمیانی جگہ کا نام ہے، وہاں سے انہیں جنت بھی نظر آئیگی اور جہنم بھی نظر آئیگی، اس کے ایک طرف جنت ہوگی اور دوسری طرف جہنم ہوگی اور یہ اعراف نہ جنت میں ہوگی نہ جہنم میں ہوگی، اس کے اندر ان لوگوں کو بھیجا جائیگا جن کی نیکی اور بدی برابر ہونگی، اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو ان کو معاف کر کے جنت میں بھیج دیں گے ورنہ اعراف میں بھیج دیں گے اور اعراف میں جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا وہاں پر رہیں گے، وہاں وہ کبھی جنتیوں کو دیکھیں گے تو للچائیں گے اور دعا کریں گے کہ یا اللہ! آپ ہمیں بھی انہی کے اندر بھیج دیجئے اور کبھی وہ دوزخیوں کو دیکھیں گے تو ان کے عذاب و وبال اور جہنم میں ان کے جلنے کو دیکھیں گے اور ان کے خون و پیپ کو بہتا ہوا دیکھیں گے تو اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگیں گے، ڈریں گے، خوف کھائیں گے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں گے کہ یا اللہ! آپ کا شکر ہے کہ اس جہنم کے عذاب سے آپ نے بچا ہی لیا اور یا اللہ! اپنی رحمت سے جہنم سے بچا کر ہی رکھنا اور آپ مہربانی کر کے جنت میں

پہنچا دینا، بہر حال جو لوگ اعراف میں جائیں گے جب تک اللہ کا حکم ہوگا اس وقت تک وہ وہیں رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی خصوصی مغفرت کا عجیب واقعہ

کسی کے ساتھ عجیب مغفرت اور رحمت کا معاملہ بھی ہوگا، حدیث شریف میں اللہ تعالیٰ کی خصوصی مغفرت کے دو واقعات منقول ہیں، ایک واقعہ یہ آیا ہے کہ ایک شخص کا حساب وکتاب ہوگا اور اس کی نیکیاں اور برائیاں بالکل برابر ہوجائینگی، اس کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جائیگا، اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے کہ اگر تم کہیں سے ایک نیکی لے آؤ تو ہم تمہیں بخش دیں گے، وہ بڑا خوش ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے آج مجھ پر بڑی زبردست مہربانی فرمادی اور ایک نیکی لانے کی مجھے اجازت دیدی، میں ابھی جاتا ہوں اور ابھی لے کر آتا ہوں، میرے ماں باپ بھی ہیں، بہن بھائی بھی ہیں، دوست احباب بھی ہیں، عزیز واقارب بھی ہیں، بیوی بچے بھی ہیں، میں ابھی جاتا ہوں اور ابھی لے کر آتا ہوں، بہت ہی خوش ہوگا اور ہنستا مسکراتا ہوا وہاں سے وہ نکلے گا اور سیدھا اپنے ماں باپ اور دوست احباب کو ڈھونڈنے جائیگا تاکہ ان سے ایک نیکی لے کر جلدی سے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کردے اور اس کی بخشش ہوجائے، دراصل وہ یہ سمجھے گا کہ جس طرح دنیا میں جاننے والے ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں یہاں بھی تعلقات کام آجائیں گے حالانکہ وہاں جاکر زمین آسمان کا فرق ہوجائیگا، اب اس کو راستہ میں ایک دوست ملے گا، وہ اس کا لنگوٹیا یار ہوگا، دنیا میں ایک دوسرے کے ساتھ انہوں نے آپس میں بڑی ہمدردی اور تعاون کیا ہوگا، یہ اس سے کہے گا کہ میں ابھی اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوا ایک نیکی کی کمی پڑگئی ہے لہٰذا ایک نیکی دیدو، وہ کہے گا کہ کس سے باتیں کررہے ہو، میں تمہارا کب سے دوست ہوگیا، تم ہو کون، وہ ایسی باتیں کریگا کہ یہ شخص ہکا بکا اور حیران رہ جائیگا، پھر یہ

دوسرے دوست سے ملے گا وہ بھی انکار کردیگا، پھر یہ بہن بھائیوں سے ملے گا وہ بہن بھائی بھی انکار کردیں گے اور کہیں گے کہ تو ہمارا بھائی کہاں سے بن گیا اور ہمیں خود اپنی نیکیوں کی فکر ہے تو ہم سے کہاں سے نیکیاں مانگنے آگیا، پھر وہ اپنے باپ کے پاس جائیگا کہ ابا جان! آپ نے ساری زندگی ہمارے لئے کمایا، ہمیں کھلایا پلایا، پڑھایا، ابا جان! آج ایک نیکی کی ضرورت ہے، مہربانی فرما کر ایک نیکی دیدیں، ابا جان بھی پہچاننے سے انکار کردیں گے اور کہیں گے کہ میرا کوئی بیٹا ہی نہیں ہے، تم کہاں سے میرے بیٹے بن گئے، مجھے خود اپنی نیکیوں کی فکر ہے، تو کہاں سے نیکیاں مانگنے آگیا، چلے جاؤ یہاں سے، وہ شخص حیران ہو جائیگا اور اب اس کا دل بیٹھ جائیگا، پھر وہ اپنی ماں کے پاس جائیگا کہ امی جان! آپ نے ساری زندگی ہماری خاطر بہت قربانیاں دیں، بہت تکلیفیں اٹھائیں، بس آج ایک نیکی کی ضرورت ہے، تمہارا بیٹا ایک نیکی کی کمی کی وجہ سے جنت میں جانے سے رکا ہوا ہے، ایک نیکی دیدو تا کہ تمہارا بیٹا جنت میں چلا جائے، ماں کہے گی کہ تو میرا بیٹا کیسے بن گیا، میرا بیٹا تو نہیں، ماں بھی آنکھیں پھیر لے گی اور وہ دیکھتا ہی رہ جائیگا، یہاں تک کہ اس کے بیوی بچے بھی اس کو پہچاننے سے انکار کردیں گے، وہ حیران ہو جائیگا کہ میرے والدین، دوست احباب، بہن بھائی، بیوی بچے سب ہی مجھے پہچاننے اور ایک نیکی دینے سے کس طرح صاف انکار کررہے ہیں، آج کوئی بھی میرا نہیں، دنیا میں یہ سب مجھ پر اپنی جان قربان کرتے تھے اور آج اس طرح سے جواب دے رہے ہیں جیسے میرا ان سے کوئی رشتہ ہی نہیں، کوئی دوستانہ تعلق ہی نہیں، وہ بڑا افسردہ ہوگا، نہایت حزین اور غمگین ہوگا اور مایوسانہ دربارِ الٰہی کی طرف لوٹ رہا ہوگا تو گزرتے ہوئے راستہ میں ایک آدمی اس کو ملے گا، جو سفید لباس میں لبِ راہ کھڑا ہوگا، وہ اس کو دیکھے گا اور آواز دیگا کہ اے فلاں! ٹھہرو کیا بات ہے، تم بڑے غمگین اور افسردہ ہو، اول وہ اس کی طرف توجہ ہی

نہیں دیگا، جب دو تین دفعہ وہ آدمی آواز دیگا تب وہ ٹھریگا اور کہے گا کہ بڑے میاں کیا کہہ رہے ہو؟ وہ آدمی کہے گا کہ بیٹا میں یہ پوچھنا چاہ رہا ہوں کہ تو اتنا افسردہ اور غمگین کیوں ہے؟ وہ کہے گا کہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوا تھا اور ایک نیکی کی کمی پڑگئی، اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بڑی زبردست مہربانی فرمادی اور ایک نیکی لانے کی مجھے اجازت دیدی کہ اگر تم کہیں سے ایک نیکی لے آؤ ہم تمہیں بخش دیں گے، میں ایک نیکی لینے کے لئے والدین، دوست احباب، بہن بھائی، بیوی بچے سب کے پاس گیا لیکن سب نے ہی مجھے پہچاننے اور ایک نیکی دینے سے صاف انکار کردیا، اس لئے اب میں بہت ہی افسردہ، غمگین اور مایوس لوٹ رہا ہوں، وہ آدمی کہے گا کہ میرا بھی ایک عجیب معاملہ ہے، وہ یہ کہ میرے نامۂ اعمال میں ایک ہی نیکی ہے، جب تیری اتنی ساری نیکیوں سے کام نہیں چلا تو میری ایک نیکی سے کیا کام بنے گا، لہٰذا میں ایسا کرتا ہوں کہ اپنی نیکی تمہیں دے دیتا ہوں تاکہ تمہاری تو نجات اور بخشش ہو جائے، وہ اپنی نیکی اس کو ایثار کردیگا۔

اب یہ شخص بہت ہی خوش ہوگا اور خوشی خوشی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس نیکی کو لے کر جائیگا اور جا کر پیش کردیگا، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ آج تم یہ نیکی کہاں سے لے آئے، تم کو آج یہ نیکی کس نے ایثار کی، وہ کہے گا کہ پروردگارِ عالم! بہت مشکل سے ملی ہے، اپنے تو پرائے نکلے لیکن ایک پرایا اپنا بن گیا، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ کون ہے وہ شخص جو آج کے اس سخت دن بھی اپنی نیکی دینے پر رضامند ہوگیا اور اس نے تم کو یہ نیکی دیدی، ہم اس کے ایثار کو قبول کرتے ہوئے تیری بخشش کرتے ہیں اور ساتھ ہی اس کی بھی بخشش کرتے ہیں۔

یاد رکھنا جن رشتوں کی خاطر ہم گناہ کررہے ہیں، کل ان میں سے کوئی کام آنے والا نہیں ہے، یہ سب دھوکہ کا سامان ہے، بس ان سے اتنا تعلق رکھو کہ ان کے حقوق ادا کرنے ہیں، دل صرف اللہ کے لئے رکھنا چاہئے، وہی ذات

یہاں بھی کام آنے والی ہے اور وہی ذات آخرت میں بھی کام آنے والی ہے، اسی سے ہر چیز کی امید لگائی جاسکتی ہے، باقی مخلوق سے دل لگانا یہ دھوکہ کا سامان ہے، یہ سب بے وفا ہیں، باوفا تو صرف اللہ ہی کی ذات ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مغفرت کا دوسرا عجیب واقعہ

دوسرا واقعہ بھی اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت کا سن لیں، اس کو حضرت مولانا احمد سعید صاحب دہلوی علیہ الرحمۃ نے اپنی تقریر سیرت میں نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن ایک عجیب وغریب موقع ایسا آئیگا کہ اللہ تعالیٰ تمام پیغمبروں کو اپنی بارگاہ میں طلب فرمائیں گے، چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہاں تشریف لے جائیں گے، وہاں اللہ تعالیٰ تمام پیغمبروں سے فرمائیں گے کہ جاؤ اور اپنی اپنی امت میں سے چند افراد چن کر لاؤ اور ہماری بارگاہ میں پیش کرو، ہم ان کو بخشیں گے۔

یہ سن کر سارے انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی امتوں کی طرف واپس جائیں گے یہاں تک کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی صحابہ کرام کے پاس تشریف لائیں گے اور آپ پر فکر کے آثار ہونگے، آپ ان کو بتائیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اپنی امت میں سے کچھ لوگوں کو منتخب کرکے ہمارے سامنے پیش کرو، صحابہ کرام آپ سے عرض کریں گے کہ حضور! آپ کو فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے، آپ کی امت میں ایک سے بڑھ کر ایک آفتاب ومہتاب موجود ہے، آپ کی امت میں ایک سے ایک اولیاء موجود ہیں، غوث، قطب، ابدال موجود ہیں، جن کو بھی پیش کریں گے سرخرو ہوجائیں گے، آپ کچھ اچھے اچھے لوگوں کو صحابہ کرام کے مشورے سے منتخب فرمائیں گے اور ان کو لے کر آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچیں گے۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بارگاہِ الٰہی میں پیش فرمائیں گے تو اللہ

تعالیٰ ان کو دیکھ کر فرمائیں گے کہ آپ ان کو کہاں لے آئے، یہ وہ ہیں جن کے اوپر ہم نے نماز فرض کی تھی لیکن ان کی کبھی نفل بھی قضاء نہیں ہوتی تھی، یہ وہ ہیں جن کے اوپر ہم نے رمضان کے روزے فرض کئے تھے لیکن ان کے کبھی نفل روزے بھی نہیں چھوٹتے تھے، یہ وہ ہیں جن پر زکوٰۃ فرض کی تھی لیکن یہ صدقہ، خیرات بھی نہیں چھوڑتے تھے، یہ وہ ہیں جن کے اوپر ایک مرتبہ حج فرض کیا تھا لیکن یہ بار بار حج ادا کرتے رہتے تھے، یہ تو تمام ہی نیک کاموں میں پیش پیش رہتے تھے اور نیکیوں اور بھلائیوں کے حاصل کرنے کے یہ سچے طالب تھے، ان کو آپ یہاں کہاں لے آئے، ان کو بلانا مقصود نہیں تھا بلکہ آپ اپنی امت کے ان لوگوں کو لائیے جن کے اوپر نماز فرض تھی لیکن انہوں نے کبھی مسجد کا دروازہ تک نہیں دیکھا، جن پر رمضان کے روزے فرض تھے لیکن وہ دن بھر کھاتے پیتے رہے، جن پر زکوٰۃ فرض تھی لیکن کبھی میرے راستہ میں ایک پائی خیرات نہیں کی، جن کے اوپر حج فرض تھا لیکن انہوں نے کبھی میرے گھر کا طواف نہیں کیا، غرض مسلمان تو تھے لیکن بہت زیادہ گنہگار تھے، ان کو لے کے آیئے، ہمارا مقصد تو ان کو بلانا تھا۔

یہ سن کر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں گر جائیں گے اور سجدہ میں ہی اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرنے کے بعد عرض کریں گے کہ اے پروردگارِ عالم! آپ میری امت کے گنہگاروں اور خطاکاروں کو دوسری امتوں کے سامنے بلا کر مجھے رسوا فرمائیں گے، ان کو آپ کے سامنے لا کر میری کیا عزت و آبرو رہے گی، لوگ کیا کہیں گے کہ یہ نبی آخر الزماں ہیں اور یہ ان کے نالائق امتی ہیں، پروردگارِ عالم! آپ مجھے اس رسوائی سے بچایئے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ آپ اپنا سر مبارک سجدہ سے اٹھایئے، ہمارا مقصود آپ کو ذلیل کرنا نہیں ہے بلکہ آج ہم گنہگاروں کو بخش کر اپنی شانِ غفاریت کا مظاہرہ کرنا چاہتے ہیں، اس لئے ان کو

بلایا ہے جو گنہگار اور خطا کار ہیں تا کہ آج ہم ان کو بخشیں اور بخشنے والے کہلائیں، ہم معاف کریں اور معاف کرنے والے کہلائیں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائیں گے اور صحابہ کرام کو صورتحال سے آگاہ کریں گے تو صحابہ کرام بھی حیران رہ جائیں گے اور کہیں گے کہ آج اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کا مظاہرہ فرمانا چاہتے ہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے کہ کہاں ہیں نماز نہ پڑھنے والے، روزہ نہ رکھنے والے، زکوٰۃ نہ دینے والے، باوجود استطاعت کے حج نہ کرنے والے، جب ان کو ڈھونڈھنا شروع کیا جائیگا تو وہ پہلے ہی حاضر ہو جائیں گے لیکن اس صف میں بڑے بڑے غوث، قطب، ابدال اور اولیاء اللہ بھی کھڑے ہو جائیں گے، یہاں پر مولانا احمد سعید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شعر کہا ہے:

وہ کرشمے شانِ رحمت نے دکھائے روزِ محشر میں

چیخ اٹھا ہر بے گناہ میں بھی گنہگاروں میں ہوں

ہر شخص عرض کرے گا کہ حضور میں بھی خطا کار اور سیاہ کار ہوں، مجھے بھی لے لیجئے تا کہ میں بھی اللہ تعالیٰ کی شانِ غفاریت کا مورد بن جاؤں اور اللہ تعالیٰ میری بھی مغفرت و بخشش فرمادیں۔ وہاں پر اچانک گنہگاروں کی قیمت بڑھ جائیگی کہ آج اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوگی اور ہماری بخشش ہوگی۔

اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں اپنی رحمت سے بخش دیں اور جب چاہیں بخش دیں، اللہ تعالیٰ پر کسی کی اجارہ داری نہیں ہے۔

گناہ مٹانے کا ایک اور طریقہ

ایک حدیث میں ہے کہ پورے ہفتہ انسان جو کچھ کرتا ہے جمعرات کو فرشتے اس کا پورا اعمال نامہ لے کر بیٹھ جاتے ہیں اور جو کچھ اس نے پورے ہفتہ

میں کیا ہوتا ہے اس کے تین حصہ کرتے ہیں، تمام نیکیاں ایک طرف کر لیتے ہیں، سارے گناہ ایک طرف کر لیتے ہیں اور جتنے اس نے مباح کام کئے ہیں جن میں نہ نیکی ہے نہ بدی، نہ ثواب نہ عذاب، ان کو الگ کر لیتے ہیں، پھر جو جائز اور مباح کام ہیں، ان کو ایک طرف پھینک دیتے ہیں کہ اس کے رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ ان میں نہ ثواب ہے نہ عذاب، ان کو وہیں پر ختم کر دیتے ہیں، نیکیاں اور گناہ آئندہ کے لئے محفوظ کر لیتے ہیں، ایک بزرگ کو چونکہ یہ حدیث معلوم تھی اس لئے انہوں نے اپنا یہ معمول بنا رکھا تھا کہ جمعرات آتے ہی ہفتہ بھر کے گناہوں کی معافی مانگ لیتے تھے کہ آج پورے ہفتہ کا میرا کھاتہ کھلے گا میں پہلے ہی استغفر اللہ کہہ دوں اور پہلے ہی اللّٰھمّ اغفرلی کہہ کر اپنے ہفتہ بھر کے گناہ معاف کروالوں تو فرشتہ کیا رکھیں گے سوائے نیکیوں کے، جو جائز اور مباح کام ہیں وہ ختم کر دیئے جائیں گے، گناہ پہلے ہی توبہ کے ذریعہ مٹ چکے ہونگے، اب میری نیکیاں سنبھال لیں گے، وہ آگے کام آئینگی انشاء اللہ تعالیٰ۔ یہ ہے عقلمندی، یہ ہے سمجھ اور فہم، یہ ہیں چند عمل کرنے کی باتیں۔

دوسری نصیحت کا خلاصہ

خلاصہ یہ کہ یہ نصیحت ساری زندگی یاد رکھنے کی ہے کہ جب بدی ہو جائے فوراً نیکی کر لیا کرو اور نیکی میں توبہ واستغفار بھی داخل ہے اور توبہ واستغفار میں دیر ہی نہیں لگتی، ہاں اگر کسی بندہ کی حق تلفی ہوگئی ہے تو اس میں توبہ کی تکمیل کے لئے ضروری ہے کہ اس سے بھی معاف کرایا جائے یا اس کا حق ادا کر دیا جائے۔ بہر حال توبہ واستغفار کو اور اس کے علاوہ نیک کاموں کو اپنا معمول بنایا جائے اور صبح سے شام تک اللہ پاک نے جو بے شمار نیک کام رکھے ہیں، آدمی ان نیک کاموں کو اپنا معمول بنالے، سب سے بڑا معمول نماز ہے کہ پانچوں وقت نماز باجماعت ادا کرنے کا اہتمام کرے، وضو بھی سنت کے مطابق کرنے کا اہتمام

کرے، غسل بھی تقریباً روزانہ ہی کیا جاتا ہے اس کو بھی سنت کے مطابق کرنے کا معمول بنالے اور اس کے علاوہ تلاوت ہے، ذکر و تسبیح ہے، چلتے پھرتے اللہ کا ذکر ہے، یہ چلتے پھرتے اللہ کا ذکر کرنا اتنی بڑی نعمت ہے کہ زبان سے "سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر یا لاالہ الا اللہ" کہتا جارہا ہے اور آنکھ بہک گئی، کانوں نے غلط سن لیا، زبان سے کوئی غلط بات نکل گئی تو زبان سے جاری ذکر اللہ اس کا کفارہ ہو جائیگا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ذکر اللہ ایسی آسان چیز عطا فرمائی ہے کہ اگر کوئی اس کا عادی ہو جائے تو انشاء اللہ تعالیٰ اس کے گناہ نیکی سے نہیں بڑھ سکیں گے، لہٰذا صبح شام اپنی زبان کو ذکر اللہ سے تر رکھے، دل و دماغ میں گندے خیالات قصداً نہ لائے، غیر اختیاری طور پر آتے رہیں تو ان کو بھگاتا رہے، حرام اور ناجائز کام جو آج کل رائج ہیں، ان سے بچنے کی کوشش کرتا رہے اس طرح روزانہ کا حساب روزانہ برابر ہوتا رہیگا، دوسری نصیحت یہ ہوئی کہ جب تم سے کوئی بدی یا گناہ ہو جائے اس کے فوراً بعد نیکی کرلو، وہ نیکی اس گناہ کو مٹا دیگی، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

دُنیا و آخرت کی برکات کا حصول

اَللّٰهُمَّ

صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ

وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلِّمْ بِعَدَدِ مَا فِیْ
جَمِیْعِ الْقُرْاٰنِ حَرْفًا حَرْفًا وَبِعَدَدِ
کُلِّ حَرْفٍ اَلْفًا اَلْفًا

دُنیا اور آخرت کی برکتیں حاصل کرنے کے لئے اپنے وظائف و معمولات کے ختم پر یہ دُرود شریف پڑھ لیا کریں۔ (ص ۱۹۲)

مخلوقِ خدا سے کچھ مت مانگو

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی دامت برکاتہم
نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ضبط و ترتیب
حبیب اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
دکان نمبر ۲۹، نایاب جامع مسجد، لیاقت آباد کراچی ۱۹

مقامِ خطاب	:	جامع مسجد بیت المکرّم
	:	گلشن اقبال کراچی
وقت خطاب	:	بعد نماز عصر تا مغرب
اصلاحی بیانات	:	جلد نمبر:۱۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مخلوقِ خدا سے کچھ مت مانگو

تیسری نصیحت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْراً۔

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ۝

(سورۃ النسآء: ۳۱)

تمہید

میرے قابلِ احترام بزرگو اور محترم خواتین! حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث جس میں نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جو پانچ نصیحتیں فرمائی تھیں، ان کے سلسلہ میں بیان چل رہا ہے، پانچ نصائح میں سے دو نصیحتوں کا بیان ہو چکا ہے، ایک نصیحت کا بیان انشاء اللہ تعالیٰ آج اس وقت ہوگا۔

پچھلے بیان میں عرض کیا تھا کہ اس حدیث شریف کو بیان کرنے کے لئے اس لئے منتخب کیا ہے کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نصیحتیں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بیان فرمائی تھیں، ان کو بیان کرنے سے پہلے چھ دن تک برابر آپ روزانہ ان کو تاکید فرماتے رہے کہ اے ابوذر! میں تم کو کچھ باتیں بتانے والا ہوں، ان کو تم توجہ سے سننا، ان کو یاد رکھنا، ان میں غور کرنا اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کرنا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ باتیں اور نصیحتیں کتنی اہم ہیں، بس اسی لئے میں نے اس حدیث شریف کو بیان کرنے کے لئے منتخب کیا ہے تاکہ ہم بھی نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اہم ارشاد کو توجہ سے سنیں، ان کو یاد رکھیں، ان میں غور کریں اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔

پانچ نصیحتیں

ان پانچ نصائح میں سے پہلی نصیحت یہ تھی کہ تم اپنے ظاہر اور باطن میں تقویٰ کا اہتمام کرو، دوسری نصیحت یہ فرمائی کہ جب تم سے کوئی بدی ہو جائے، گناہ اور غلطی ہو جائے تو اس کے فوراً بعد نیکی کرلو، وہ نیکی اس گناہ کو مٹادیگی، تیسری نصیحت یہ فرمائی کہ تم مخلوق میں سے کسی سے کوئی چیز مت مانگو، کسی کے سامنے اپنی حاجت پیش نہ کرو، اپنی ضرورت کسی انسان سے مت طلب کرو

یہاں تک کہ تمہارا کوڑا بھی زمین پر گر جائے تو خود اٹھالو، کسی سے اٹھانے کے لئے نہ کہو، چوتھی نصیحت یہ فرمائی کہ تم کسی کی امانت اپنے پاس مت رکھو اور پانچویں نصیحت یہ فرمائی کہ تم دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ کرنے والا مت بنو، ان پانچ نصائح میں سے پہلی دو نصیحتوں کے بارے میں تفصیلاً بات ہو چکی ہے آج تیسری نصیحت کا بیان ہوگا۔

تیسری نصیحت کی تفصیل

تیسری نصیحت یہ فرمائی کہ ''تم مخلوق میں سے کسی سے کوئی چیز مت مانگو، کسی کے سامنے اپنی حاجت پیش نہ کرو، اپنی ضرورت کسی انسان سے مت طلب کرو یہاں تک کہ تمہارا کوڑا بھی زمین پر گر جائے تو خود اٹھالو، کسی سے اٹھانے کے لئے نہ کہو''۔

یہ اعلیٰ درجے کے توکل کی تعلیم ہے

اس نصیحت میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو انتہائی اعلیٰ درجہ کے توکل کی تعلیم دی ہے اور توکل کی تعلیم و تلقین سے قرآن وحدیث بھرے ہوئے ہیں، لہٰذا یوں سمجھو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو توکل اختیار کرنے کی نصیحت فرمائی ہے۔

یہ نصیحت ہر مسلمان کے لئے ہے کہ ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ اپنے تمام معاملات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر کے اسی پر بھروسہ رکھے اور اس میں اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اپنے چھوٹے چھوٹے کام بھی مخلوق سے نہ کرائے بلکہ از خود کرے اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگے، وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ بندہ میرے سامنے ہاتھ پھیلائے، مخلوق کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائے، چاہے وہ ہاتھ پھیلانا

جائز ومباح ہو، کیونکہ کسی سے کوئی چھوٹے موٹے کام کرانا کوئی گناہ نہیں ہے، لیکن اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ بندہ اپنے چھوٹے چھوٹے کام کے متعلق بھی مجھ سے کہے کہ یا اللہ! یہ کام بھی کر دیجئے اور یہ کام بھی کر دیجئے، اس لئے کہ دوسرے کے سامنے ہاتھ پھیلانے اور دوسروں سے کام کرانے میں ذلت ہے اور اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ میرا بندہ کسی کے سامنے ذلیل نہ ہو، بس میرے سامنے عاجز بنا رہے، میرے سامنے ذلیل وخوار ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ذلیل ہونا دراصل عزیز ہونا ہے، اللہ تعالیٰ کے سامنے خوار ہونا عزت والا ہونا ہے، جو اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے آپ کو عاجز بنائے رکھتا ہے، اپنی پستی کا اظہار کرتا ہے، عاجزی اور ذلت کو اختیار کرتا ہے تو اس کو بڑی عزت سے نوازا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو سربلندی عطا فرماتے ہیں، اس کو اعزاز واکرام سے مالا مال فرماتے ہیں اور خالق کو چھوڑ کر مخلوق کے سامنے جو بھی ہاتھ پھیلائیگا اور جو بھی اپنی حاجت ان کے سامنے پیش کریگا وہاں ذلت ورسوائی ہے، وہاں پر حقیقت میں آدمی اپنے آپ کو کمتر محسوس کرتا ہے، لہٰذا اس سے پرہیز کرنے کے لئے کہا ہے۔

توکل کے معنی

اصل میں توکل کے معنی آتے ہیں کسی پر بھروسہ کر کے اور اپنا کام اس کے حوالہ کر کے بے فکر ہو جانا، یہ ہے توکل کے معنی، تو بندہ اپنی ساری حاجتیں، ضرورتیں، سارے کام دنیا کے بھی اور آخرت کے بھی اللہ تعالیٰ کے حوالہ کر کے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے بے فکر ہو جائے اور جو کچھ انہوں نے کہا ہے بس اس کے مطابق کرتا رہے، اب یہ راستہ بالکل سو فیصد نجات کا ہے، کامیابی وکامرانی کا ہے، اسی میں ہم سے غلطی ہو جاتی ہے، ہم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسری مخلوق پر بھروسہ کر لیتے ہیں تو اس کا نتیجہ سامنے آجاتا ہے، ناکامی ہوتی ہے، ذلت ورسوائی ہوتی ہے۔

توکل کے درجات

توکل اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا نام ہے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کے تین درجات ہیں، ایک ادنیٰ، ایک درمیانہ اور ایک اعلیٰ۔

توکل کا ادنیٰ درجہ

توکل کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ کسی شخص نے اپنا کوئی کام اللہ تعالیٰ کے حوالہ کر دیا مگر برائے نام یعنی اس کام کو انجام دینے کے لئے جتنے اسباب و ذرائع ہیں جو کہ مخلوق ہیں ان کو اختیار کرتا ہے اور نظر بھی انہی پر رہتی ہے، مثلاً روزی دینے والے اللہ تعالیٰ ہیں، انہوں نے دنیا کے اندر روزی حاصل کرنے کے کچھ اسباب پیدا فرمائے ہیں جیسے چھوٹے بچوں کے لئے ان کے ماں باپ ہیں، اپنے پیروں پر کھڑے ہونے تک ماں باپ کے ذریعہ ان کی ضرورتیں پوری ہوتی رہتی ہیں اور جب کمانے کے قابل ہوتے ہیں تو کوئی کارخانہ لگالیتا ہے، کوئی دکان کرلیتا ہے، کوئی ملازمت اختیار کرلیتا ہے، ان ذرائع سے ان کو روزی پہنچتی رہتی ہے۔ تو ادنیٰ درجہ کا توکل یہ ہے کہ ایمان تو ہے کہ اللہ تعالیٰ روزی دینے والے ہیں لیکن ہر وقت ہر دم اس کے اوپر دکان ہی سوار ہے، ہر وقت ہر دم کارخانہ ہی اس کے ذہن میں بیٹھا ہوا ہے اور جتنے ذرائع سے اس کی تمام ضروریات پوری ہوتی ہیں اور کام ہوتے ہیں بس انہی میں رات دن وہ منہمک رہتا ہے اور وہی چیزیں اس کے ذہن پر سوار رہتی ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف خیال ہی نہیں جاتا کہ اصل دینے والے وہ ہیں، یہ ایمان کے درجہ میں تو ہے، لیکن جہاں روزی میں ذرا سی کمی ہو یا پریشانی ہو فوراً زبان پر یہ الفاظ ہوتے ہیں کہ فلاں نے پیسے دبالئے، دکان فیل ہوگئی، کاروبار خراب ہوگیا، ملکی حالات بہت زبردست خراب ہیں، معیشت تباہ ہوگئی اس لئے کارخانہ نہیں چل رہا، اللہ تعالیٰ کا کہیں ذکر ہی نہیں

آرہا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے کہ" وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُطُ " اللہ تعالیٰ ہی روزی تنگ فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی روزی فراخ فرماتے ہیں مگر اس کی طرف ذہن نہیں جاتا، اسباب ہی کی طرف ذہن جاتا ہے۔

اسباب میں کچھ نہیں

ان اسباب میں کیا رکھا ہوا ہے، دکان تھوڑی آدمی کو روزی دیتی ہے روزی اللہ پاک دینے والے ہیں، اگر دکان روزی دیتی تو ایک جیسی دکان میں بیٹھنے والے سب کو برابر روزی ملتی لیکن ایک جیسی دکانیں ہیں، سارے ایک جیسا کپڑا لے کر بیٹھے ہوئے ہیں لیکن ایک کی دن دگنی رات چوگنی ترقی ہو رہی ہے اور دوسرا گاہک کو ترس رہا ہے، معلوم ہوا کہ دکان نہیں دیتی بلکہ اللہ تعالیٰ روزی دیتے ہیں مگر وہ دکان کی تسبیح پڑھ رہا ہے، وہ رات دن کہتا ہے کہ میرے پاس فلاں مال نہیں ہے، فلاں ورائٹی نہیں ہے، فلاں کمپنی کا سامان نہیں ہے، اس لئے گاہک میرے پاس نہیں آتا اور دوسرے کے پاس سب ہے، اس لئے گاہک اس کے پاس جاتے ہیں، لہٰذا یہ توکل انتہائی عامیانہ اور انتہائی ادنیٰ اور کم درجہ کا ہے کہ جس کے اندر ایمان کی حد تک اللہ پاک پر بھروسہ ہے لیکن عملی طور پر اُن کے دل دماغ میں دنیا بسی ہوئی ہے، مخلوق بیٹھی ہوئی ہے اور اسی سے لینا دینا اور آنا جانا، ملنا جلنا اس کے دل میں بیٹھا ہوا ہے کہ فلاں نے ایسا کردیا اور فلاں نے ایسا کردیا، اس لئے نقصان ہوگیا اور میں نے یہ دانشمندی کی مجھے یہ نفع ہوگیا حالانکہ نہ تیری عقل کا بھروسہ نہ تیرے ساتھ کسی کے کچھ کرنے کا کوئی اعتبار، یہ سب مخلوق ہیں، ان کے ہاتھ میں کیا ہے؟ یہ تو ادنیٰ درجہ کا توکل ہے۔

توکل کا درمیانہ درجہ

توکل کا درمیانہ درجہ یہ ہے کہ آدمی اسباب اختیار کرے لیکن نظر اسباب

کے اوپر نہ ہو بلکہ مسبب الاسباب پر ہو، بس کام چھوٹا ہو یا بڑا، پہلی نظر اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف ہو کہ اے اللہ! میرا یہ کام آپ کے سوا کوئی اور نہیں کرنے والا، آپ اپنی رحمت سے کروا دیجئے، پھر اس کے جو جائز اسباب ہیں وہ سب اختیار کرتا ہے لیکن اسباب کو کچھ سمجھتا نہیں ہے بلکہ اس کے ذہن میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کریں گے تو ہو جائیگا ورنہ کچھ نہیں ہونے کا۔

مثلاً بیمار ہو گیا تو بیمار ہوتے ہی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوا کہ پروردگارِ عالم! میری طبیعت خراب ہو گئی، آپ شفاء دینے والے ہیں، آپ کے سوا کوئی شفاء دینے والا نہیں ہے، آپ اپنی رحمت سے شفاء عطا فرما دیجئے، پھر اس کے بعد ڈاکٹر کے پاس بھی چلا جائے اور دوائی لے لے، اب دوائی اپنے ہاتھ میں ہے مگر دل اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، اس کا اعتقاد یہ ہے کہ ڈاکٹر نے جو گولی دی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہے، اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا تو اس سے فائدہ ہو جائیگا اور اگر ان کو منظور نہیں ہوگا تو ایک کیا دس دفعہ کھالوں پھر بھی کچھ نہیں ہوگا یا مثلاً روزی میں تنگی ہے تو اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کر رہا ہے کہ یا اللہ! اپنی رحمت سے روزی فراخ فرما دیجئے، آپ ہی کے قبضہ میں آسمان وزمین کے دروازے ہیں، آپ جب چاہیں اپنے بندوں پر ان کے دھانے کھول دیں اور رحمتوں کی بارشیں برسا دیں، روزی کے دروازے کھول دیں اور اگر آپ دروازے بند کر دیں تو یا اللہ! کوئی روزی دینے والا نہیں، اے اللہ! میری روزی میں تنگی ہے، آپ اپنی رحمت سے مجھ پر اپنی روزی کے دروازے کھول دیجئے، میری تنگی کو فراخی میں تبدیل فرما دیجئے، پھر اس کے بعد اسباب کی طرف بھی متوجہ ہو جائے کہ ملازمت کے لئے انٹرویو دے، کاروبار کے لئے دکان تلاش کرے، لیکن اس کی سوچ یہی ہے کہ یہ سب صرف ہماری کوشش ہے اور یہ کوشش بھی اس لئے کر رہے ہیں کہ ان کا حکم ہے، کیونکہ اللہ پاک نے ہم کو دار الاسباب میں بھیجا

ہے اور اسباب اختیار کرنا ان کا حکم ہے لہٰذا میں اختیار کرتا ہوں لیکن ان میں ہے کچھ بھی نہیں، سب کچھ انہی کے پاس ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ

ایک قصہ یاد آ گیا، وہ سنا دوں کہ اللہ پاک کے دینے ہی سے سب کچھ ہوتا ہے اور وہی سب کچھ دینے والے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک مرتبہ کوہِ طور پر تشریف لے جا رہے تھے راستہ میں ایک شخص ملا اور اس نے حضرت سے پوچھا کہ حضرت! آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟ حضرت نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہونے کے لئے کوہِ طور پر جا رہا ہوں، اس نے کہا کہ حضرت! آپ کلیم اللہ ہیں، اللہ تعالیٰ سے براہِ راست ہمکلام ہوتے ہیں، میری بھی ایک درخواست اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش فرما دیجئے گا، یہ آپ کا مجھ پر بڑا ہی احسان ہوگا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ بتاؤ کیا بات ہے؟ اس نے کہا کہ حضرت! جب سے میں نے آنکھ کھولی ہے، گھر میں فقر و فاقہ کے سوا کچھ نہیں دیکھا، فقر و فاقہ کی حالت میں میرا بچپن گزرا، جوانی آئی، اب بڑھاپا آ گیا، آج تک میں نے نہ سونا دیکھا نہ چاندی، نہ کوئی فراخی دیکھی نہ کوئی خوشحالی، ہمیشہ تنگی میں ہی میں نے وقت گزارا اور فقر و فاقہ میں اتنا مبتلا ہو گیا کہ اب بالکل میں اس کے برداشت کرنے سے عاجز ہوں اور جی چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی کچھ فراخی اور کشادگی عطا فرما دیں، میں نے اپنے تئیں بہت کوشش کی، سب کچھ کر لیا لیکن جتنی کوشش کی اتنا ہی فقر و فاقہ میں اضافہ ہوا اس میں کمی نہیں آئی، حضرت! آپ اللہ تعالیٰ سے گفتگو کرنے والے ہیں اور روزی کے مالک اللہ تعالیٰ ہی ہیں، آپ میری بھی درخواست اللہ تعالیٰ سے کر دیجئے گا کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی فراخی عطا فرما دیں، کچھ میں بھی کھا پی لوں، اب چند دن دنیا میں باقی ہونگے موج کر کے جاؤں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تمہاری درخواست اللہ تعالیٰ

کے سامنے پیش کر دونگا، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہوئے تو عرض کیا کہ یا اللہ آپ علیم وخبیر ہیں، آپ کا ایک بندہ راستہ میں ملا تھا اور اس نے یہ درخواست کی ہے کہ اس کو بھی کچھ فراخی مل جائے، وہ بھی کچھ دنیا چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ! دنیا تھوڑی دوں یا زیادہ، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ یا اللہ! جب آپ دے ہی رہے ہیں تو اتنا دید یجئے کہ اس کا اگلا پچھلا سب حساب برابر ہو جائے اور اس کی ساری تکلیف دور ہو جائے، اللہ تعالیٰ نے یہ درخواست قبول فرمالی، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں سے فارغ ہوئے اور واپس پلٹے تو سوچا کہ چلو اس سے بھی ملتے چلیں، اب اس کے گھر گئے اور دروازے پر دستک دی صاحبزادے باہر آئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ والد صاحب کہاں ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ ان کا تو کل انتقال ہو گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام حیران رہ گئے کہ یا اللہ! ابھی کل دعا قبول ہوئی ہے اور کل ہی اس کا انتقال بھی ہو گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس لڑکے سے دوبارہ پوچھا کہ واقعی ان کا کل انتقال ہو گیا اس نے کہا کہ جی ہاں، انہوں نے ہی آپ سے دعا کا کہا تھا، پھر ان کا کل انتقال ہو گیا، اب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور عرض کیا کہ پروردگارِ عالم! میری دعا آپ نے قبول فرمالی تھی اور یہ بھی فرمایا تھا کہ اس کو بہت دے دیا لیکن اس کا انتقال ہی ہو گیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے تم سے پوچھا تھا کہ دنیا تھوڑی دوں یا زیادہ؟ تم نے کیا کہا تھا؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ میں نے کہا تھا کہ اس کو زیادہ دیدیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر اس کو پوری دنیا بھی دیدیتے وہ بھی مچھر کے پر کے برابر ہی ہوتی، تو کیا ہم اس کو زیادہ دینے کا کہہ کر بھی ایک مچھر کا پر دیتے؛ زیادہ دیں گے تو اپنی شان کے مطابق دیں گے، لہٰذا دنیا میں زیادہ دینا ممکن نہیں تھا، ہم نے اس کو اپنے پاس بلا کر آخرت دیدی اور آخرت کسی کو دیں تو ہم کہہ سکتے

ہیں کہ ہاں ہم نے بہت دیا، ورنہ دنیا کی حیثیت ایک مچھر کے پر سے زیادہ نہیں، لہٰذا تم سے جو کہا تھا وہی کیا۔ یاد رہے کہ سب کچھ دینے والے تو اللہ پاک ہی ہیں، لہٰذا توکل کا درمیانہ درجہ یہ ہے کہ آدمی اسباب اختیار کرے، صحت کے لئے بھی، روزی کے لئے بھی، مقدمہ میں کامیاب ہونے کے لئے بھی، لیکن اول تا آخر نظر اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہو کہ وہی کرنے والے ہیں، وہی کریں گے، انہی کے کرنے سے ہوگا، ان چیزوں سے کچھ نہیں ہوسکتا مگر اسباب جائز اختیار کرے، ناجائز اختیار نہ کرے اور اختیار کرنے کے بعد نظر ان اسباب پر نہ رکھے بلکہ نظر صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر رکھے، یہ ہے درمیانہ درجہ اور یہی شریعت کے اندر مطلوب ومقصود ہے اور یہی مسنون ہے، اسی کو اختیار کرنا چاہئے۔

توکل کا اعلیٰ درجہ

توکل کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اسباب بھی اختیار نہ کرے، بس اللہ ہی پر بھروسہ رکھے کہ وہی کھلائیں گے، وہی پلائیں گے، وہی پہنائیں گے، وہی عطا فرمائیں گے اور اسباب بالکل اختیار نہ کرے یہاں تک کہ درخواست بھی نہ کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو سب معلوم ہے، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں ڈالا جارہا تھا تو ایک فرشتہ آپ کے پاس آیا اور اپنی خدمت پیش کی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ کوئی خود خدمت پیش کرنا چاہتا ہے تو مجھے درکار نہیں ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے تو کہنے کی ضرورت نہیں، انہیں سب معلوم ہے، لہٰذا وہ خود ہی حفاظت فرمائیں گے کہ میں آگ میں جارہا ہوں، انہیں معلوم ہے کہ میں آگ میں جارہا ہوں اور کن کے حکم سے جارہا ہوں، سب ان کو معلوم ہے، پھر بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ بہت اعلیٰ درجہ کا توکل ہے، اسی اعلیٰ درجہ کے توکل کی اس جملہ میں نصیحت فرمائی ہے کہ تمہارا کوڑا بھی زمین پر گر جائے تو کسی مخلوق سے مت مانگنا، خود ہی اتر کر اٹھا لینا اور اللہ تعالیٰ کی طرف

ہی توجہ رکھنا۔ یہ اعلیٰ درجہ کا توکل ہے اور یہ عام لوگوں کے لئے نہیں ہے، بلکہ خاص لوگوں میں سے بھی خاص الخاص لوگوں کے لئے ہے۔

توکل کا درمیانہ درجہ مطلوب ہے

ہمارے لئے درمیانہ درجہ ہے، جو اس سے پہلے بیان کیا گیا، وہی آسان ہے، وہی پُر عافیت ہے اور وہی ہمارے لئے مناسب ہے اور قرآن وحدیث میں عام طور پر اسی کے اختیار کرنے کا ذکر ہے، لہٰذا اسی کو اختیار کرنا چاہئے۔

توکل سے پہلے سچی توبہ کریں

اس نصیحت میں اعلیٰ درجہ کے توکل کی تعلیم ہے اور توکل توحید وایمان کا تقاضہ ہے کہ آدمی اپنے چھوٹے سے چھوٹے کام میں بھی اور بڑے سے بڑے کام میں بھی اللہ ہی پر بھروسہ رکھے اور اللہ ہی پر نظر رکھے، جو بھی کام پیش آجائے اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر کہنے کا معمول بنالے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے آدمی اپنے گناہوں کی گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے، یہ کاموں میں جو رکاوٹ ہوتی ہے وہ گناہوں کی وجہ سے ہوتی ہے ورنہ آدمی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بھروسہ کرے، گڑگڑائے اور کام نہ ہو، یہ ممکن نہیں، یہ جو ہم دیکھتے رہتے ہیں کہ روتے بھی ہیں اور دعا بھی کرتے ہیں اور پھر بھی کام نہیں بنتے اس کی ایک وجہ یہ ہوتی ہے کہ ہمارے گناہ بہت ہیں اور وہ گناہ ہماری دعا کی قبولیت میں رکاوٹ بن جاتے ہیں، لہٰذا جب بھی کوئی تکلیف یا پریشانی آئے سب سے پہلے اپنے گناہوں کی جی بھر کے معافی مانگے اور جی بھر کر معافی مانگنے کا مطلب گناہوں کو چھوڑنا بھی ہے، یہ بہت بڑی کوتاہی ہم لوگ کرتے ہیں کہ توبہ کرتے ہیں لیکن پہلے سے دل میں یہ ارادہ ہوتا ہے کہ گناہ چھوڑیں گے نہیں، یہ لفظی اور زبانی توبہ ہوگئی،

حقیقی توبہ اس کو نہیں کہتے اور جب ہم حقیقی توبہ ہی نہیں کر رہے ہے تو ہم کیسے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مستحق بنیں گے، سچی توبہ کا مطلب یہ ہے کہ واقعی اس وقت دل میں ہم یہ تہیہ کرلیں کہ یا اللہ! اب گناہوں کے پاس بالکل نہیں جاؤنگا، اب آپ ہی کو راضی کرونگا، دل سے گناہ سے بچنے کا پکا عہد کرے، پرانے گناہوں پر نادم اور شرمندہ ہو اور آئندہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کر کے پھر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے تو وہ گناہ انشاء اللہ تعالیٰ معاف ہو جائیگا، پھر جب اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور توکل کر کے کہے گا کہ یا اللہ! میری یہ بگڑی بنا دیجئے، یہ پریشانی دور فرما دیجئے، یہ مشکل حل فرما دیجئے، تو ضرور اللہ تعالیٰ کی مدد آئیگی انشاء اللہ تعالیٰ۔

خلاصۂ نصیحت

ہمیں چونکہ توکل کا درمیانہ درجہ اختیار کرنا ہے اس لئے جتنے جائز اسباب وذرائع ہیں جن میں ذلت نہ ہو، جن میں بے عزتی نہ ہو، جن میں رسوائی نہ ہو یہاں تک کہ اپنے بے تکلف احباب ہوں یا اعزہ واقربہ ہوں، ان سے بھی اگر کوئی کام لینا چاہیں اس کی بھی اجازت ہے مگر اس میں بھی نظر اللہ تعالیٰ پر ہی رہے کہ یہ سب صرف ذرائع اور اسباب ہیں، ان سے میں کام لینا چاہتا ہوں لیکن یہ کام جب ہی کریں گے جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا، اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہوگا تو نہ بیوی کام آئیگی، نہ شوہر کام آئیگا، نہ ماں باپ کام آئیں گے، نہ بہن بھائی کام آئیں گے اور روزانہ ہم اپنی آنکھوں سے بھی اس کا مشاہدہ کرتے ہیں لیکن جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے تو ایسی جگہ سے کام ہو جاتا ہے جہاں وہم وگمان بھی نہیں ہوتا اور جب اللہ پاک نہیں چاہتے تو جہاں یقین ہوتا ہے وہاں پر بھی آدمی ناکام ہو جاتا ہے، دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس نصیحت پر ہمیں دل وجان سے عمل کی توفیق عطا فرمائیں اور باقی نصائح پر بھی عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

امانت نہ رکھنا اور ثالث نہ بننا

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی دامت برکاتہم
نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ضبط و ترتیب
حبیب اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
دکان نمبر ۲۹، نایاب جامع مسجد، لیاقت آباد کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم

: گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی بیانات : جلد نمبر ۱۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

امانت نہ رکھنا اور ثالث نہ بننا

چوتھی اور پانچویں نصیحت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْراً۔

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ○

(سورة الانعام: ۱۲۰)

تمہید

میرے قابلِ احترام بزرگو اور محترم خواتین! حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث جس میں نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پانچ نصیحتیں فرمائی تھیں، ان پانچ نصائح میں سے پہلی نصیحت یہ تھی کہ تم اپنے ظاہر اور باطن میں تقویٰ کا اہتمام کرو، دوسری نصیحت یہ فرمائی کہ جب تم سے کوئی بدی ہو جائے، گناہ اور غلطی ہو جائے تو اس کے فوراً بعد نیکی کر لو، وہ نیکی اس گناہ کو مٹا دیگی، تیسری نصیحت یہ فرمائی کہ تم مخلوق میں سے کسی سے کوئی چیز مت مانگو، کسی کے سامنے اپنی حاجت پیش نہ کرو، اپنی ضرورت کسی انسان سے مت طلب کرو یہاں تک کہ تمہارا کوڑا بھی زمین پر گر جائے تو خود اٹھا لو، کسی سے اٹھانے کے لئے نہ کہو، ان تینوں نصائح کے بارے میں تفصیلاً باتیں بیان ہو چکی ہیں، چوتھی نصیحت آپ نے یہ فرمائی کہ تم کسی کی امانت اپنے پاس مت رکھو اور پانچویں نصیحت یہ فرمائی کہ تم دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ کرنے والا مت بنو۔

چوتھی نصیحت ''کسی کی امانت مت رکھو''

چوتھی نصیحت یہ ہے کہ ''کسی کی امانت اپنے پاس مت رکھو'' یہ بڑی ہی اہم نصیحت ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ بلا ضرورت کسی کی امانت اپنے پاس مت رکھو، اس لئے کہ امانت کو حفاظت سے رکھنا اور اس میں ہر قسم کی خیانت سے پرہیز کرنا، یہ بڑی اہم ذمہ داری ہے، امانت رکھنا تو اتنا ضروری نہیں ہے لیکن جب رکھ لی تو اس کی ذمہ داری بڑی اہم ہے کہ اس کی حفاظت کرنے کا جس طرح حق ہے، اس طرح اس کی حفاظت کرے، سنبھال کر رکھے، دھیان سے رکھے اور اس کو اپنے ذاتی استعمال میں نہ لائے، نیز کسی اور کو استعمال کرنے کے لئے نہ دے، نہ اپنے گھر والوں کو دے، نہ اپنے دوستوں کو دے اور جس حالت میں کسی

نے امانت رکھوائی ہے، اسی طرح ٹھیک ٹھیک اس کو واپس پہنچادے۔

اب اس احتیاط کے ساتھ رکھنا کوئی معمولی ذمہ داری کی بات نہیں ہے، اس کے اندر ہر وقت امانت میں خیانت ہو جانے کا اور امانت کے ضائع ہو جانے کا خطرہ ہے، بعض صورتوں میں آدمی کی اپنی کوتاہی، غفلت اور لاپرواہی کی وجہ سے بھی امانت ضائع ہو جاتی ہے تو اس کا تاوان دینا پڑتا ہے، رکھنا تو کوئی ضروری نہیں تھا لیکن تاوان دینا اس کے ذمہ واجب ہوگا، اس لئے فرمایا جارہا ہے کہ بلاضرورت اور بلاوجہ کسی کی امانت اپنے پاس مت رکھو، اگر رکھو تو اچھی طرح سوچ سمجھ کر رکھو، ذمہ داری کو محسوس کرو، خیال کرو، دھیان کرو، اس کی حفاظت کرو جس طرح اس کی حفاظت کرنے کا حق ہے تاکہ اس کے اندر کسی قسم کی خیانت نہ ہو اور چونکہ ہمارے اندر تقویٰ نہیں ہے، طہارت نہیں ہے، خوف خدا جو ہونا چاہئے وہ نہیں ہے، تو اس بات کا بھی خطرہ ہے کہ کسی وقت آدمی خود خیانت نہ کر بیٹھے اور خیانت کرنا بھی بہت بڑا گناہ ہے، رکھنا ضروری نہیں تھا اور رکھ کر پھر خیانت کر بیٹھے تو ایک بہت بڑا سنگین گناہ ہوگیا۔

امانت رکھنے میں بدنامی کا خطرہ

امانت رکھنے میں بدنامی کا خطرہ بھی موجود ہے، بالفرض آپ نے کوئی خیانت نہیں کی لیکن بعض لوگ شکی مزاج ہوتے ہیں، آپ نے مروّت میں امانت رکھ لی اور انہوں نے آپ کو بدنام کرنا شروع کردیا کہ فلاں کے پاس میں نے اپنی امانت رکھوائی تھی تو اس نے اس میں خیانت کرلی، بعض لوگ جھوٹے دعوے کردیتے ہیں، رکھوائے ہزار روپے تھے لیکن دعویٰ ایک لاکھ کا کردیا، اب لینے کے دینے پڑگئے، کیسی مصیبت آگئی، اس لئے امانت کا معاملہ بہت اہم اور سنگین معاملہ ہے، آدمی رکھے تو سوچ سمجھ کر رکھے۔

امانت رکھنے کا طریقہ

امانت پوری احتیاط کے ساتھ رکھے اور وہ احتیاط یہی ہے کہ ایک تو اس کو بعینہٖ رکھنے کی کوشش کرے، اگر کسی نے سو کا نوٹ امانت رکھوایا ہے تو جو اس نے سو کا نوٹ رکھوایا ہے، وہی نوٹ رکھے، اس کو اپنے استعمال میں نہ لائے، نیز اس کو لکھ کر رکھے، بہتر یہ ہے کہ جب امانت رکھے تو دو گواہ بنا لے، کیا پتہ کہ آگے چل کر مزید اضافہ کا دعویٰ کر دے، جتنی رقم اور جتنا زیور یا جو بھی چیز کسی نے امانت رکھوائی ہے، بہتر یہ ہے کہ اس کے بارے میں ایک دستاویز لکھ لے جس کے اندر ہر بات صاف صاف لکھی ہوئی ہو، گواہوں کی گواہی اس میں درج ہو، اس کے بعد اس دستاویز کو امانت کے ساتھ رکھ دے، لیکن اگر دستاویز نہیں لکھ رہے، گواہ نہیں بنا رہے تو کم از کم جو امانت رکھنے والا ہے وہ اپنے پاس باقاعدہ اس کو لکھ کر رکھے، پیسوں کو، زیور کو، یا کسی مکان و دکان کے کاغذات کو یا جو چیز بھی بطور امانت ہو، اس کو اپنے پاس اپنے وصیت نامہ میں لکھ کر رکھ لے اور اس میں یہ وضاحت کر دے کہ فلاں فلاں شخص کی فلاں فلاں چیز فلاں جگہ پر بطور امانت رکھی ہوئی ہے اور اس میں اس شخص کا مکمل پتا درج ہو اور اگر وہ شخص گھر والوں کے لئے بالکل معروف ہو اور سب گھر والے نام سے ہی اس کو پہچان جاتے ہوں، تو صرف اس کا نام ہی لکھ لے اور جس چیز یا جس لفافے میں امانت رکھی ہوئی ہو، اس میں بھی ایک کاغذ لکھ کر رکھا ہوا ہو کہ یہ فلاں شخص کی امانت ہے جس کا یہ پتا اور فون نمبر ہے، کیونکہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے۔ یہ احتیاط ہے امانت رکھنے کی کہ بعینہٖ رکھیں، اس کا نام، پتا اور فون نمبر اس کے اندر ہو، پھر اس کو سنبھال کر ایک جگہ رکھیں اور خود کو بھی اور گھر میں بھی کسی ذمہ دار کو اس کے متعلق معلوم ہوتا کہ کل کو انتقال ہو جائے تو کوئی بتانے والا تو ہو کہ فلاں جگہ امانت رکھی ہوئی ہے تاکہ وہ امانتیں ان کے مالکوں تک واپس پہنچائی جائیں، امانت چاہے دشمن کی ہو، امانت

تو امانت ہی ہے، اس میں خیانت کرنا جائز نہیں ہے، اس میں غفلت و کوتاہی کرنا درست نہیں ہے۔

دشمنوں کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس امانت رکھوانا

دیکھو کفارِ مکہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتنے دشمن تھے کہ آپ کے خون کے پیاسے تھے، جب آپ ہجرت کرنے کے لئے تشریف لے گئے تو ان کفارِ مکہ نے آپ کو زندہ یا مردہ لانے والے کے لئے سو اونٹ انعام دینے کا اعلان کیا ہوا تھا لیکن آپ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں مدینہ طیبہ پہنچ گئے، ہجرت کے لئے تشریف لے جانے سے پہلے آپ پر قاتلانہ حملہ کرنے کے لئے آپ کے گھر کے باہر کفار جمع تھے اور اندر آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہی کافروں اور دشمنوں کی امانتیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حوالہ کر رہے تھے کہ تم یہ امانتیں ان تک پہنچا دینا، اسی لئے وہ آپ کو صادق و امین کہتے تھے، ان کو امانت رکھنے میں اپنوں پر بھروسہ نہیں تھا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی بھروسہ تھا، تو یہ صفت امتیوں میں بھی ہونی چاہئے، اس لئے نصیحت فرمائی جا رہی ہے کہ بلاضرورت کسی کی امانت مت رکھو اور اگر رکھو تو پھر اس کی پوری پوری حفاظت ہونی چاہئے۔

ضرورت کے وقت امانتداری کا امتحان

خاص طور پر جب آدمی محتاج ہو، ضرورت مند ہو، اس وقت خیانت کا بہت خطرہ ہوتا ہے، کسی کے پیسے یا زیور رکھا ہوا ہے، اب جس کے پاس رکھا ہوا ہے، وہ محتاج ہے یا اچانک اس کو کوئی پریشانی پیش آگئی ہے اور پیسوں کی ضرورت پڑ گئی ہے، اس وقت اس کا امتحان ہوتا ہے اور پتا چلتا ہے کہ یہ امانت دار ہے یا نہیں، اس وقت اچھے اچھے آدمیوں کی امانت داری ختم ہو جاتی ہے، اب اگر مجبوری میں اس امانت رکھوانے والے سے پوچھے بغیر وہ پیسے یہ سوچ کر اپنے

استعمال میں لے لئے کہ جب وہ مانگے گا تو اپنے پاس سے دیدیں گے یا زیور یہ سوچ کر اپنے استعمال میں لے لیا کہ جب وہ مانگے گا تو ویسا ہی زیور مارکیٹ سے لے کر دے دیں گے، یہ درست نہیں ہے بلکہ امانت میں خیانت ہے۔ جس کو یہ خطرہ ہو کہ امانت میں خیانت ہو جائیگی اس کو تو رکھنا ہی نہیں چاہئے۔

امانت کی مختلف صورتیں

جو چیز کسی کے پاس بطور امانت رکھواتے ہیں وہ تو ہے ہی امانت، اس کی حفاظت کرنی چاہئے اور جیسی رکھوائی ہے ویسی ہی اس کو لوٹانے کی کوشش کرنی چاہئے لیکن اور بھی بعض چیزیں ایسی ہیں جن کے اندر امانت کا حکم ہوتا ہے مثلاً یہ کاریگر لوگ جو مختلف چیزیں بناتے ہیں، ان کے پاس جو چیزیں بننے کے لئے آتی ہیں وہ بھی امانت ہوتی ہیں، مثلاً رنگریز کے پاس کپڑا رنگنے کے لئے آتا ہے، دھوبی کے پاس کپڑا دھلنے کے لئے آتا ہے، درزی کے پاس کپڑا سلنے کے لئے آتا ہے، فیکٹری میں دھاگہ کپڑا بننے کے لئے آتا ہے، گھڑی ساز کے پاس گھڑی بننے کے لئے آتی ہے ایئر کنڈیشن اور فریج کاریگر کے پاس بننے کے لئے آتے ہیں، مکینک کے پاس گاڑیاں بننے کے لئے آتی ہیں، تو کاریگر لوگوں کے پاس چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی چیزیں بننے کے لئے آتی ہیں، ان سب کے پاس جو چیزیں بننے کے لئے آتی ہیں وہ سب امانت ہوتی ہیں۔

کاریگروں کی دو ذمہ داریاں اور ان کی خیانت

ان چیزوں میں ان کاریگر حضرات کی دو ذمہ داریاں ہوتی ہیں، پہلی ذمہ داری تو یہ ہوتی ہے کہ وہ اس کو صحیح صحیح امانت داری کے ساتھ بنائے، واقعتاً اس میں جو خرابی ہے اس کو سمجھ کر اس کو دور کرے اور دوسری ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ اسی خرابی کے مطابق پیسے طے کرے، یہ نہیں کہ خرابی تو اس کے اندر سو روپے

کی ہے اور کمانے کے چکر میں مالک کو ہزار روپے کا خرچہ بتادیا، جوڑنا خالی ایک تار ہی ہوگا اور مالک کو بتادیا کہ اس کا تو کمپریسر جل گیا ہے، اس کے دو ہزار لگیں گے اور اٹھارہ سو کا تو کمپریسر آئیگا، یہ بھی خیانت ہے لہٰذا ایک تو اس کی خرابی کی صحیح نشاندہی کریں اور پھر جو مناسب ہو، وہ اجرت لے لیں لیکن اگر اس میں خرابی کچھ ہو اور مالک کو کچھ اور خرابی بتلائیں اور اس طرح اس سے اجرت کے نام پر بڑی رقم وصول کرلیں، یہ سراسر خیانت ہے یا اسی طرح اگر اس کی خرابی کو عارضی طور پر ٹھیک کردیا کہ چند روز چل جائے تاکہ پھر واپس میرے پاس ہی آئے اور دانستہ طور پر مکمل صحیح نہیں کررہا حالانکہ پیسے بھی پورے لے رہا ہے اور بیچارہ مالک پریشان ہے، وہ بار بار چکر لگارہا ہے۔ لہٰذا اگر چیز صحیح ہو مگر خراب بتاکر پیسے لے لینا یا جس درجہ کی خرابی ہے اس سے بڑی خرابی بتاکر زیادہ پیسے لے لینا یا خرابی کو صحیح طور پر دور کرنے کی کوشش نہ کرنا اور اس میں دانستہ کوتاہی کرنا، یہ ساری باتیں بھی خیانت کی ہیں۔

اب آپ غور کیجئے کہ ہمارے معاشرے میں خیانت کتنے وسیع پیمانے پر ہورہی ہے، چاہے مکینک ہو، گھڑی ساز ہو، فریج بنانے والا ہو، درزی ہو، دھوبی ہو، غرض جہاں بھی جاؤ ''اندھیر نگری چوپٹ راج'' ہے پھر جہاں تعلقات اور جان پہچان ہو وہاں تو کام کچھ ٹھیک ہوجاتا ہے ورنہ جو چیز خراب ہوگئی تو پھر ان لوگوں کے ہاں چکر کاٹ کاٹ کر آدمی اتنا پریشان ہوجاتا ہے کہ پھر اس چیز کو اونے پونے دام میں بیچ کر نئی چیز لانے پر ہی مجبور ہوجاتا ہے۔

کاریگروں کی روزی میں برکت نہ ہونے کی وجہ

اسی لئے ان کی روزی میں برکت نہیں ہوتی الا ماشاء اللہ، کیونکہ دن رات دھوکہ دے رہے ہیں، جھوٹ بول رہے ہیں، خیانت کررہے ہیں، تو خیانت کرنے والے کے مال میں کہاں سے برکت ہوگی، خیانت تو بہت بڑا گناہ

ہے، نا جائز ہے، اللہ بچائے۔

کاریگروں کی ایک اور خیانت

ایک دوسری بڑی خیانت ان کے ہاں یہ ہوتی ہے کہ آپ نے گھڑی ساز کو گھڑی درست کرنے کے لئے دیدی یا سنار کو پرانا زیور بننے کے لئے دیدیا یا مکینک کو گاڑی بنانے کے لئے دیدی تو وہ ان چیزوں کو اپنی ذات کے لئے استعمال کر لیتے ہیں یا اپنے دوستوں کو دیدیتے ہیں، یہ سوچ کر کہ جب مالک آئیگا تو دیدیں گے، اسی طرح سنار اپنے گھر کی خواتین کو بننے کے لئے آیا ہوا زیور استعمال کرنے اور شادی بیاہ وغیرہ میں پہننے کے لئے دیدیتے ہیں، یہ بھی خیانت ہے اور جب مالک آتا ہے تو اس کو ٹرخا دیتے ہیں، مالک بیچارہ چکر پہ چکر لگا رہا ہے اور یہ اس کو ہر بار کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے بھیج دیتے ہیں، یہ کیا ہے؟ اللہ بچائے یہ سب خیانتیں ہیں۔

کاریگر اپنی آخرت کو بھی دیکھے

اللہ تعالیٰ سب دیکھ رہے ہیں، یہاں تو امانت میں خیانت کر لے گا لیکن آگے بھی تو جانا ہے، اپنی قبر کو بھی دیکھے، اپنی آخرت کو بھی دیکھے، اپنے حشر کو بھی دیکھے، اللہ تعالیٰ کے حساب وکتاب اور اس کی پکڑ کو بھی دیکھے، ہاں البتہ جو چیز ٹھیک ہونے کے لئے آئی ہے، اس چیز کو چیک کرنے کے مقصد سے چلا کر دیکھنا، یہ تو صحیح ہے اور ضروری بھی ہے لیکن ذاتی استعمال کے لئے اس کو رکھنا یا کسی دوسرے کو استعمال کے لئے دے دینا، یہ خیانت ہے کیونکہ مکینک کے پاس گاڑی، گھڑی ساز کے پاس گھڑی، سنار کے پاس زیور اور کاریگر کے پاس فریج یہ سب امانتیں ہیں اور امانت کو اپنے استعمال میں لینا خیانت ہے۔

گھروں میں بھی دوسروں کی چیزیں امانت ہوتی ہیں

اسی طرح گھر کے اندر والد صاحب کی ملکیت الگ ہوتی ہے، والدہ کی

ملکیت الگ ہوتی ہے، سب بہن بھائیوں کی ملکیتیں الگ الگ ہوتی ہیں، بہو بیٹوں کی ملکیتیں الگ الگ ہوتی ہیں، لیکن ان میں سے بعض چیزیں تو ایسی ہوتی ہیں کہ ان کی سب کو عام استعمال کی اجازت ہوتی ہے، ان کے بارے میں پوچھنے کی کوئی ضرورت نہیں، لیکن بعض چیزیں خاص خاص ہوتی ہیں، ان کے استعمال کی ہر ایک کو عام اجازت نہیں ہوتی، وہ چیزیں ایک دوسرے کے حق میں امانت ہوتی ہیں، اس میں ایک دوسرے کی اجازت کے بغیر استعمال کرنا منع ہے، اولاد ماں باپ کی چیز استعمال نہیں کرسکتی اور ماں باپ اپنی اولاد کی چیز استعمال نہیں کرسکتے، ماں باپ خوشحال ہیں، فارغ البال ہیں، مالدار ہیں، پیسوں کے محتاج نہیں ہیں، بیٹوں یا بیٹیوں کے کچھ پیسے ان کے پاس امانت رکھے ہوئے ہیں تو ماں باپ کے لئے بھی ان کی اجازت کے بغیر ان پیسوں کو استعمال کرنا جائز نہیں ہے، ورنہ یہ بھی امانت کے اندر کوتاہی ہوگی، ایسے ہی ماں باپ کی کوئی چیز اولاد کے پاس رکھی ہوئی ہے تو اولاد کو حق نہیں ہے کہ ان کی اجازت کے بغیر ان میں کوئی تصرف کرے، اسی طرح بہن بھائیوں کا معاملہ ہے۔

لیکن آج ہمارے گھروں کے اندر معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کوئی قاعدہ قانون ہی نہیں ہے اور کسی بھی چیز کا کوئی مالک ہی نہیں ہے، جس کا جو جی چاہتا ہے، جیسے جی چاہتا ہے، اس کو استعمال کر لیتا ہے، پتا ہی نہیں چلتا کہ کونسی چیز کس کی ملکیت ہے، یہ بڑی بدنظمی اور مزاجِ شریعت کے بالکل خلاف ہے، جس کی ملکیت میں جو کچھ ہے، دوسرے کے حق میں وہ امانت ہے، جب تک مالک کی طرف سے اجازت نہ ہو اس وقت تک اس کو استعمال کرنا درست نہیں ہے۔

نابالغ اولاد کی چیزیں بھی امانت ہوتی ہیں

یہاں تک کہ اگر ماں باپ نے اپنے نابالغ بچوں کے لئے کپڑے

بنائے ہیں، جوتے بنائے ہیں یا ان کو کوئی چیز خاص ان کے لئے لاکر دی ہے تو وہ ان بچوں کی ملکیت ہو جاتی ہے، ملکیت ہو جانے کے بعد ماں باپ وہ کپڑے دوسرے بچوں کو بھی نہیں پہنا سکتے، بچہ بڑا ہو گیا تو اس کے کپڑے چھوٹے بچے کو نہیں پہنا سکتے، کسی کو ہدیہ نہیں کر سکتے یہاں تک کہ خیرات بھی نہیں کر سکتے، کیونکہ بچہ کی ملکیت ایسی ہی ہے جیسے ہماری ملکیت ہے اور جیسے ہماری ملکیت کی چیز نہ تو گھر کا کوئی آدمی اس کو بیچ سکتا ہے نہ خیرات کر سکتا ہے اور نہ ہی کسی کو ہدیہ دے سکتا ہے۔

اسی طرح بچے کی ملکیت کی چیز بھی نہ تو گھر کا کوئی آدمی اس کو بیچ سکتا ہے نہ خیرات کر سکتا ہے اور نہ ہی ہدیہ دے سکتا ہے، کیونکہ ملکیت کا اپنا ایک احترام ہے، ماں باپ بھی اپنے نابالغ بچوں کی ملکیت کی چیزوں میں ایسا تصرف نہیں کر سکتے، اسی طرح جو تحفے بچوں کے لئے دیے جاتے ہیں اور جو رقم عید و بقرعید پر یا کسی خوشی کے موقع پر بچوں کو دی جاتی ہے وہ بچوں کی ملکیت ہوتی ہے، ماں باپ کے پاس تو وہ امانت ہے، ماں باپ کو چاہئے کہ اس قسم کی چیزیں ہر ہر بچے کی الگ الگ لفافے میں ڈال کر رکھیں، زیور ہے تو سب کا زیور الگ الگ رکھیں، ماں باپ اگر محتاج نہیں ہیں تو اپنی ذات پر بھی استعمال نہیں کر سکتے یہاں تک کہ کسی کو قرض بھی نہیں دے سکتے، ہاں اگر بچوں کے پیسے بچوں کی ضروریات پر خرچ کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔

شریعت میں ملکیت کا احترام

آپ اندازہ لگائیں کہ شریعت میں ملکیت کا کتنا احترام ہے اور اس کا کیا حکم بتایا ہے، جبکہ ہمارے ہاں آج کیا ہو رہا ہے، بچوں کے پیسے آ رہے ہیں تو وہ بھی ماں باپ کے استعمال میں آ رہے ہیں اور جو تحائف بطورِ خاص بچوں کو دیئے جا رہے ہیں وہ بھی ماں باپ کی مرضی پر موقوف ہیں کہ جس کو چاہیں، جہاں

چاہیں، جسے چاہیں دے دیں اور جس طرح چاہیں، استعمال کریں، یہ طریقہ درست نہیں۔

بچوں کو صرف استعمال کی اجازت دیں

علماء نے اس کا حل لکھا ہے کہ جب ماں باپ بچوں کو کپڑے وغیرہ جو بھی بنا کر دیں تو اس کے متعلق شروع میں ہی کہدیں کہ بچوں کو صرف ان کے استعمال کی اجازت ہے لیکن ملکیت ہماری ہی ہے، اس لئے جب شادی ہو اور بچہ ہونے کا وقت آجائے تو ماں باپ یہ نیت کرلیں اور صاف واضح کردیں کہ آج کے بعد بچے کے لئے جو چیز بھی ہم لائیں گے سب ہماری ہی ملکیت ہوگی، بچوں کو صرف استعمال کی اجازت ہوگی، اس نیت سے ان کی چیزوں کے ماں باپ ہی مالک رہیں گے، اب اگر کپڑے چھوٹے ہو جائیں تو ماں باپ دوسروں کو پہنادیں، بیچ دیں، صدقہ یا خیرات کردیں، سب کچھ کر سکتے ہیں لیکن ماں باپ یہ نیت صرف ان چیزوں میں کر سکتے ہیں جو وہ خود اپنے بچوں کو دیں، البتہ جو چیزیں دوسرے لوگ بچوں کو تحفے میں دیں، اس میں یہ نیت نہیں کر سکتے، وہ چیزیں بچوں کی ملکیت ہی ہیں، ماں باپ ان میں کسی قسم کا تصرف نہیں کر سکتے۔

راستہ سے ملنے والی چیز بھی امانت ہے

اسی طرح اگر کسی شخص کو کسی دوسرے کی چیز راستہ میں کہیں گری پڑی مل جائے، کہیں سو روپے گرے ہوئے مل گئے، کہیں زیور گرا ہوا مل گیا یا کوئی اور قیمتی چیز گری ہوئی مل گئی اور اٹھالی تو یہ چیز اٹھانے والے کے پاس امانت ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ وہ اٹھانے والا اصل مالک کو تلاش کرے، ڈھونڈے اور جہاں تک اس کے اختیار میں ہو، اس کے بارے میں معلومات حاصل کرے اور کوشش کر کے اس چیز کو اصل مالک تک پہنچائے، یہ اٹھانے والے کی ذمہ داری ہے،

اس چیز کو اپنے استعمال میں لانا جائز نہیں ہے اور اگر اصل مالک نہ ملے تو اس کے وارثوں کو تلاش کرے اور وارثوں تک پہنچائے اور اگر اصل مالک بھی نہ ملے اور وارث بھی نہ ملیں اور وارثوں کے ملنے سے بالکل مایوس ہو جائے، تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اٹھانے والا خود محتاج و مسکین اور مستحق ہے تو وہ اس کو استعمال کر سکتا ہے ورنہ اصل مالک کی طرف سے نیت کر کے کسی مستحق کو خیرات کر دے، پھر اگر بعد میں مالک آجائے تو حکم یہ ہے کہ اس کو صحیح بات بتلا دے کہ میں نے آپ کو بہت تلاش کیا لیکن جب آپ نہیں ملے تو میں نے وہ چیز آپ کی طرف سے خیرات کر دی، اب اگر وہ خیرات پر راضی ہو گیا تب تو کام بن گیا اور اگر وہ راضی نہیں ہوا تو اٹھانے والا اس چیز کے پیسے مالک کو دیدے اور خیرات کرنے کا ثواب اس اٹھانے والے کو مل جائیگا۔

امانت کی ادائیگی کا عجیب قصہ

اس پر ایک عجیب قصہ یاد آیا، قاضی ابوبکر بن عبدالباقی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے عالم و فاضل اور علوم و فنون کے ماہر گزرے ہیں، انہوں نے اپنا عجیب وغریب واقعہ لکھا ہے کہ مجھ پر ایک زمانہ ایسا گزرا کہ بہت ہی زیادہ فقر و فاقہ میں مبتلا تھا اور کچھ اضطرار کی سی کیفیت مجھ پر طاری ہوگئی، ایک دن دوپہر کے وقت میں بھوک سے نڈھال ہو کر گھر سے باہر نکلا کہ شاید کوئی صورت کھانے پینے کی بن جائے، جب میں گھر سے باہر نکلا تو میں نے راستہ کے بیچ میں ریشمی کپڑے سے سلی ہوئی اور ریشم کے دھاگے سے بندھی ہوئی ایک خوبصورت تھیلی پڑی ہوئی دیکھی، میں گیا اور اس کو اٹھا کر جلدی سے اپنے گھر لے آیا، میں نے اس کو کھول کر دیکھا تو اس کے اندر اصلی موتیوں کا ہار تھا اور بڑا قیمتی تھا، اسی دوران باہر سے آواز آئی کہ اگر کسی کو ایسا ایسا ہار ملا ہو تو وہ میرا ہے، مجھے دیدے، میں اس کو اس کے بدلہ پانچ سو دینار دینے کے لئے تیار ہوں، میں سوچنے لگا کہ یہ تھیلی تو اسی کی معلوم ہوتی ہے

اور مجھے ابھی پیسوں کی ضرورت بھی ہے تو چلو اس سے نشانیاں معلوم کر کے یہ تھیلی اس کے حوالہ کر دوں اور بدلہ میں پانچ سو دینار لے لوں، میں باہر نکلا اور اس سے نشانیاں معلوم کیں تو اس نے بالکل صحیح صحیح نشانیاں بتائیں، میں فوراً گھر میں گیا اور ہار لا کر اس کو دکھایا تو وہ فوراً پہچان گیا اور نہایت خوشی سے اس نے پانچ سو دینار میرے ہاتھ میں تھما دیئے، یہاں پر یہ مسئلہ سمجھ لیں کہ امانت بغیر کسی عوض کے واپس کرنی چاہئے کیونکہ یہ تو ہماری ذمہ داری ہے، اس پر کسی قسم کا معاوضہ لینا درست نہیں ہے۔

میں نے وہ پانچ سو دینا لے لئے اور گھر آ گیا، اب گھر میں داخل ہوتے ہی میرے دل میں یہ کھٹک پیدا ہوئی کہ میں نے امانت کا معاوضہ کیسے لے لیا، یہ تو میرے لئے درست نہیں۔ اس کا نام ہے تقویٰ کہ ایک طرف فقر و فاقہ کا یہ حال ہے کہ بھوک سے نڈھال اور بے چین ہیں اور دوسری طرف ان کا ضمیر یہ گوارہ نہیں کر رہا کہ میں یہ پیسے لوں، امانت تو بلا کسی عوض کے ہی پہنچانی تھی، لہٰذا میں فوراً باہر نکلا اور ان تک پہنچ کر میں نے کہا کہ بھائی! یہ پانچ سو دینار بھی واپس لے لیں، اس نے بہت کہا کہ میں تمہارے لئے حلال کر کے دے رہا ہوں لیکن میرے ضمیر نے گوارہ نہ کیا، بالآخر زبردستی میں ان کو پانچ سو دینار دے کر واپس آ گیا۔

کچھ عرصہ کے بعد میرا ایک سمندر کا سفر شروع ہوا لیکن سمندر میں آگے جا کر کشتی بھنور میں پھنس گئی یہاں تک کہ کشتی ڈوب گئی اور تمام کشتی والے ڈوب گئے، صرف میں ہی زندہ بچا، بس ایک تختہ پر بیٹھ کر لہروں کے رحم و کرم پر چل دیا، چاروں طرف پانی ہی پانی تھا اور موجیں تختے کو ادھر سے ادھر لے جا رہی تھیں، میں اللہ پر بھروسہ کر کے اس پر بیٹھا رہا کہ اللہ کو جو منظور ہوگا وہی ہوگا یہاں تک کہ اس تختہ پر کئی دن گزر گئے اور پھر وہ ایک جزیرے پر جا کر لگ گیا، میں جزیرے پر اتر گیا اور اتر کر سب سے پہلے کچھ کھا پی کر اپنی جان کو بچایا، پھر

میں جزیرے کے اندر داخل ہوا تو یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ مسلمانوں کا جزیرہ تھا، میں سیدھا مسجد میں گیا اور جا کر مسجد میں ٹھہر گیا، وہاں کے لوگ آ کر مجھ سے ملے، چونکہ میں الحمدللہ خوش الحانی اور تجوید کے ساتھ قرآن شریف پڑھنا جانتا تھا، اس لئے انہوں نے جب میرے قرآن شریف کی تلاوت سنی تو سارے کے سارے میرے شاگرد بن گئے اور سب نے کہا کہ ہمیں بھی تجوید کے ساتھ قرآن شریف پڑھایئے، ہمیں تو تجوید کا علم ہی نہیں ہے، اب سارے جزیرے والے چھوٹے، بڑے، جوان، بوڑھے، سب مجھ سے قرآن شریف پڑھنے لگے اور انہوں نے میری خوب مالی مدد بھی کی اور میں اچھا خاصا مالدار بن گیا۔

اس کے بعد میں نے ایک دن ان سے پوچھا کہ تم لکھنا پڑھنا بھی جانتے ہو یا نہیں، انہوں نے نفی میں جواب دیا جبکہ اللہ کے فضل سے مجھے لکھنا پڑھنا بھی آتا تھا، اب میں نے ان کو لکھنا پڑھنا بھی سکھانا شروع کر دیا اور وہ پورا جزیرہ اچھا خاصا مدرسہ بن گیا اور میری آمدنی بھی اچھی خاصی ہوگئی اور میں اچھا خاصا مالدار ہو گیا، کچھ دن گزرے تھے کہ وہاں کے لوگوں میں یہ خواہش ہوئی کہ میری شادی کروائی جائے، میں نے ان سے کہا کہ میرا تو گھر بار بھی ہے اور بیوی بچے بھی ہیں، معلوم نہیں میں کب تک اس جزیرے پر رہونگا، لہٰذا یہ شادی وادی چھوڑو لیکن وہ بضد تھے کہ شادی تو آپ کو کرنی ہی پڑیگی، جب انہوں نے بہت ہی اصرار کیا تو میں نے اجازت دیدی، انہوں نے بتایا کہ اس جزیرے میں ایک بہت مالدار عورت رہتی ہے، اس سے ہم آپ کی شادی کروائیں گے، اس کے بعد نکاح ہو گیا اور نکاح کے بعد رخصتی ہوگئی، رخصتی کے بعد جب میری بیوی میرے گھر آ گئی تو میری حیرت کی انتہاء نہ رہی کہ دلہن کے گلے میں وہی ہار تھا جو مجھے ملا تھا اور پھر میں نے اس کے مالک کو واپس کر دیا تھا، ایک تو ہار ہی اتنا خوبصورت تھا پھر وہ میری بیوی کے گلے میں تھا، میں ساری رات اس ہار کو ہی

دیکھتا رہا اور پورا قصہ میرے ذہن کے اندر گھومنے لگا اور سوچنے لگا کہ یا اللہ! یہ ماجرا کیا ہے، اسی میں صبح ہوگئی، جب صبح ہوئی تو جزیرے کے اندر باتیں بننی شروع ہوئیں کہ قاری صاحب تو رات بھر ہار ہی دیکھتے رہے، دلہن کی طرف تو کوئی توجہ ہی نہ دی، کچھ لوگ میرے پاس آئے اور وہ کہنے لگے کہ قاری صاحب! کیا بات ہے؟ میں نے کہا کہ میں تو خود حیران ہوں اور ساری رات حیرانی میں گزر گئی اور دلہن کی طرف توجہ ہی نہ کر سکا، ان کے معلوم کرنے پر میں نے سارا واقعہ سنایا، تو ایک دم مرحبا مرحبا کا نعرہ بلند ہوگیا اور مجھے دگنی مبارک بادیں دینے لگے، اب تو میں مزید حیران ہوگیا، میں نے ان سے پوچھا تو وہ مجھے بتانے لگے کہ دراصل وہ ہار جس شخص کو آپ نے واپس کیا تھا وہ اس لڑکی کا باپ تھا اور جب سے تم نے وہ ہار اس کے باپ کو واپس کیا تھا، اس وقت سے وہ روز تمہاری تعریف کرتا تھا، کہتا تھا کہ ایسا امانتدار آدمی میں نے نہیں دیکھا اور ہار کے بدلہ میں کچھ لئے بغیر ہی اس کو واپس کر دیا، میری بیٹی سے شادی کے قابل تو صحیح معنی میں وہی شخص ہے، وہ تمنا کرتا تھا کہ کاش وہ شخص مجھے دوبارہ مل جائے تاکہ میں اپنی بیٹی کا نکاح اس سے کروں، آج اللہ تعالیٰ نے اس کی مراد پوری کر دی اور اس کی بیٹی کا نکاح وہیں ہوگیا جہاں وہ چاہتا تھا اور اب وہ ہار بھی تمہارے پاس آگیا جو تم نے واپس کر دیا تھا۔

اس کے بعد میں اس جزیرے میں رہا، اللہ پاک نے مجھے دو بیٹے عطا فرمائے، پھر میری بیوی کا انتقال ہوگیا تو وہ ہار میرے اور میرے بیٹوں کی ملکیت میں آگیا، پھر اللہ کی شان کہ یکے بعد دیگرے دونوں بچوں کا بھی انتقال ہوگیا، آخر میں ہار میری ملکیت میں آگیا، پھر مجھے ایسی ضرورت پیش آئی کہ مجھے وہ ہار بیچنا پڑا اور بیچنے کے بعد اب اس کے پیسوں سے ہی میرا گزارہ ہو رہا ہے۔

یہ دنیا کی بے ثباتی اور اس دنیا کی فنائیت ہے کہ دنیا فانی ہے، آخرت

باقی ہے، اللہ تعالیٰ کی شان باقی ہے اور سب چیزیں فنا ہونے والی ہیں۔

رنگ رلیوں کے زمانے کی نہ جانا اے دل یہ خزاں ہے جو باندازِ بہار آئی ہے

یہ چمن ویراں بھی ہوگا یہ خبر بلبل کو دو تا کہ اپنی زندگی کو سوچ سمجھ کر قربان کرے

اس دنیا میں آدمی سوچ سمجھ کر دل لگائے، یہ دھوکہ کا سامان ہے، اب دیکھیں کہ وہ ہار جوان کو ملا تھا، ان کے پاس سے مالک کے پاس گیا، مالک کے پاس سے بیٹی کے پاس گیا، بیٹی کے پاس سے بیٹوں اور شوہر کے پاس گیا، پھر بیٹوں سے شوہر کے پاس آیا، پھر شوہر کے پاس سے بھی چلا گیا، اس طرح دنیا آتی ہے اور چلی جاتی ہے لیکن جس نے خیانت کرلی، اس نے اپنی آخرت خراب کرلی، جس نے امانت کی حفاظت کی، اس نے اپنی آخرت کو سنوار لیا۔

امانت کی مزید ایک صورت

ایسے ہی ایک اور امانت ہوتی ہے، اس کے اندر بھی بے احتیاطی کی جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ عام طور پر آس پڑوس میں اور رشتہ داروں میں کھانے پینے کی چیزیں برتن میں ڈال کر بھیجی جاتی ہیں، جو کھانے پینے کی چیز ہے وہ تو اس کے لئے ہی ہے جس کے لئے بھیجی ہے لیکن برتن اس بھیجنے والے کی ملکیت ہیں اور جس کے پاس گئے ہیں اس کے پاس بطور امانت ہیں، ہمارے ہاں اس کے اندر بھی بڑی بے احتیاطی ہوتی ہے، وہ برتن اپنے گھر میں استعمال کئے جا رہے ہیں، اب جن کے برتن ہیں، نہ تو وہ لینے کا اہتمام کر رہے ہیں اور جن کے پاس بھیجے ہیں نہ وہ واپس کرنے کا اہتمام کر رہے ہیں، اس چیز کو اور کہیں تو میں نے محسوس نہیں کیا لیکن کراچی میں دیکھا ہے کہ جس نے چیز بھیجی ہے وہ اللہ کا بندہ برتن واپس لیجانے کا نام ہی نہیں لیتا کہ وہ آئے اور کہے کہ میرے برتن آپ کے پاس آئے ہوئے

ہیں، لاؤ واپس کردو، بس بھیج دیئے تو بھیج دیئے، جس کے پاس ہیں وہی بیچارہ پریشان ہے کہ نہ معلوم یہ کس کے برتن ہیں، بعض اوقات اتا پتا بھی معلوم نہیں ہوتا اور وہ لینے بھی نہیں آتا لیکن زیادہ فکر اسی کو کرنی چاہئے جس کے پاس برتن گئے ہیں کیونکہ یہ تو اس کے پاس بطور امانت ہیں، کھانا برتن سے نکالنے اور برتن دھونے کے بعد اسی کی ذمہ داری ہے کہ وہ برتن مالک تک پہنچائے لیکن ہوتا یہ ہے کہ وہ برتن اپنے استعمال میں بھی لے آتے ہیں اور دوسروں کو بھی استعمال کے لئے دے دیتے ہیں، یہ بھی امانت میں خیانت ہے۔ اس لئے ہمیں بہت زیادہ اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم خیانت کے گناہ سے بچیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو خیانت کے گناہ سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

پانچویں نصیحت ''ثالث مت بنو''

پانچویں نصیحت یہ فرمائی کہ تم دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ کرنے والا اور ثالث مت بنو۔ اس لئے کہ فیصلہ کرنے کے لئے بڑی قابلیت اور صلاحیت کی ضرورت ہے، ہر آدمی فیصلہ کرنے کی صلاحیت کا نہیں رکھتا۔

ثالث بننے والا احکامِ شریعت معلوم کرے

اس کے لئے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ جس جھگڑے میں یا جس مسئلہ میں یا جس مقدمہ میں فیصلہ کرنا چاہتا ہے اور ثالث بننا چاہتا ہے، اس کے بارے میں شریعت کے سارے احکامات معلوم ہوں، کیونکہ آدمی اپنی عقل اور اپنی طبیعت سے تو فیصلہ کر ہی نہیں سکتا، کیونکہ عقل سے فیصلہ کرے گا تو وہ بسا اوقات غلط فیصلہ ہوگا جو کہ سنگین گناہ ہے جس سے آخرت خراب ہو جائیگی۔ اس لئے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اس فیصلہ سے متعلق شریعت کے احکامات اس کو معلوم ہوں۔

ثالث بننے والا فیصلہ کرنے کی طاقت رکھتا ہو

پھر وہ شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے کی طاقت بھی رکھتا ہو اور ان فریقین سے متعلق جو فیصلہ کرنے کے قواعد وضوابط ہیں اور آداب وشرائط ہیں، ان کو بروئے کار لانا جانتا ہو یعنی خالی ان قواعد کو جاننا کافی نہیں ہے بلکہ جاننے کے بعد ان کے استعمال کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو اور پھر ٹھیک ٹھیک انصاف سے فیصلہ کرے، تب تو کوئی شخص دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ کرا سکتا ہے اور ان کے جھگڑوں کو نمٹا سکتا ہے لیکن عام لوگوں میں اس کی صلاحیت کہاں ہے۔

موجودہ انجمنیں

آج قوموں، برادریوں، خاندانوں، محلوں، اداروں، فیکٹریوں کے اندر انجمنیں قائم ہیں جو بیچ میں ثالث بنتے ہیں لیکن فیصلہ صرف اپنی عقل سے یا اپنے بنائے ہوئے اصول وقواعد سے کرتے ہیں جو قرآن وحدیث سے ہٹ کر ہوتے ہیں، یہاں تک کہ ہماری عدالتوں کے اندر بھی بہت سے فیصلے اپنے بنائے ہوئے ضابطوں کے مطابق ہوتے ہیں، ہمارے ملک کے بہت سے قوانین وضوابط خلافِ شریعت اور خلافِ اسلام ہیں لیکن ہماری عدالتیں انہی قوانین کے مطابق فیصلے کرتی ہیں، رات دن ہمارے ہاں خلع کے فیصلے آتے رہتے ہیں، ان میں سے ننانوے فیصد خلع کے فیصلے خلافِ شرع ہوتے ہیں، ان کے اپنے قانون کے مطابق ہوتے ہیں لیکن وہ قانون خلافِ شرع ہے۔ اسی طرح فیملی قوانین کے اندر بہت سے قوانین خلافِ شرع ہیں، ہمارے ملک کی سطح پر حکومتِ پاکستان نے جو قوانین بنائے ہیں وہ بہت سے خلافِ شرع اور ناجائز ہیں، لہٰذا وہ جو فیصلے کریں گے وہ بھی خلافِ شرع ہونگے۔

ثالث بننے والے کے لئے وعید

حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ جو شخص دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ

کرنے کے لئے قاضی (ثالث) بنا دیا گیا یا ویسے ہی قاضی بن گیا تو وہ ایسا ہے جیسے بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا۔

ناجائز فیصلہ کرنا بڑا گناہ ہے

آج جرگے ہوتے ہیں، برادریوں کے اندر پنچائیت لگتی ہے اور جھگڑے نمٹائے جاتے ہیں اور ناجائز طریقہ سے نمٹائے جاتے ہیں حالانکہ ناجائز اور خلافِ شرع فیصلہ کرنا بہت بڑا گناہ ہے، اس کا بڑا عذاب اور وبال ہے، اس کے اندر ظلم ہوتا ہے، ناانصافی ہوتی ہے، زیادتی ہوتی ہے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ کرنے والا مت بنو، کیونکہ ثالث بننے کی بڑی بھاری ذمہ داری ہے اور ہر آدمی ثالث بننے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتا، بس مصالحت کرانے کی کوشش کر سکتا ہے۔

ثالث بننے کے لئے عمدہ طریقہ

لیکن اگر کہیں ثالث بننا ناگزیر ہو تو بہتر یہ ہے کہ دونوں فریق سے ایک بیان اور سوال لکھوا لیا جائے اور اس کو دارالافتاء میں بھیج دیا جائے اور دارالافتاء سے جو فتویٰ ملے وہ دونوں کو سنا دیا جائے، بس اب اس پر عمل کرنا نہ کرنا ان پر موقوف ہے، آپ بری الذمہ ہو گئے، لیکن ایسا کہاں ہوتا ہے، نہ برادریوں میں ہو رہا ہے، نہ خاندانوں میں ہو رہا ہے، نہ انجمنوں میں ہو رہا ہے، ہر جگہ من مانے فیصلے ہو رہے ہیں، اپنی مرضی، طبیعت، عقل اور عادت کے مطابق فیصلے ہو رہے ہیں اور اکثر ان کے فیصلے ناجائز اور خلافِ شرع ہوتے ہیں اور ان پر جو وعیدیں اور عذاب ہیں، قرآن وحدیث ان سے بھرے ہوئے ہیں، لہٰذا ثالث بننے سے بہت بچنا چاہئے۔

خلاصۂ حدیث

پس پانچ نصیحتیں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو فرمائی ہیں، پہلی نصیحت یہ تھی کہ تم اپنے ظاہر اور باطن میں تقوے کا اہتمام کرو، دوسری نصیحت یہ تھی کہ جب تم سے کوئی بدی ہو جائے، گناہ اور غلطی ہو جائے تو اس کے فوراً بعد نیکی کرلو، وہ نیکی اس گناہ کو مٹادیگی، تیسری نصیحت یہ تھی کہ تم کسی مخلوق میں سے کسی سے کوئی چیز مت مانگو، کسی کے سامنے اپنی حاجت پیش نہ کرو، اپنی ضرورت کسی انسان سے مت طلب کرو یہاں تک کہ تمہارا کوڑا بھی زمین پر گر جائے تو خود اٹھالو، کسی سے اٹھانے کے لئے نہ کہو، چوتھی نصیحت آپ نے یہ فرمائی کہ تم کسی کی امانت اپنے پاس مت رکھو اور پانچویں نصیحت یہ فرمائی کہ تم دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ کرنے والا (ثالث) نہ بنو۔

اللہ تعالیٰ ہمیں نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان پانچوں نصیحتوں کو یاد رکھنے کی بھی توفیق عطا فرمائے اور عمل کرنے کی بھی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

قدرت کی نشانیاں سوچیئے

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی دامت برکاتہم
نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ضبط و ترتیب
حبیب اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
دکان نمبر ۲۹، نایاب جامع مسجد، لیاقت آباد کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم

: گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی بیانات : جلد نمبر ۱۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قدرت کی نشانیاں سوچئے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ○ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○

(سورہ آلِ عمران: ۱۹۱،۱۹۰)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رات بھر رونا

میرے قابلِ احترام بزرگو اور محترم خواتین! اس وقت میں نے سورۂ آلِ عمران کے آخری رکوع کی چند آیات تلاوت کی ہیں اور ان آیات ہی کے بارے میں اس وقت انشاء اللہ تعالیٰ کچھ بیان کرنے کا ارادہ ہے اور وہ ارادہ اس وجہ سے ہوا ہے کہ ان آیات کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک عجیب وغریب بات منقول ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عطاء بن ابی رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ آپ مجھے سرکارِ دوعالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی عجیب وغریب شان بیان فرمائیں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کونسی شان اور حال بیان کروں، آپ کی تو ہر شان اور ہر حال ہی عجیب وغریب ہے، تاہم میں تم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک عجیب وغریب شان اور حال بیان کرتی ہوں، وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ رحمتِ کائنات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو میرے گھر تشریف لائے اور میرے ساتھ میرے بستر پر آرام فرما ہوگئے، تھوڑی دیر بعد آپ نے مجھ سے فرمایا کہ اے عائشہ! اگر تم مجھے اجازت دو تو میں اپنے رب کی عبادت کرلوں، میں نے عرض کیا کہ ضرور اپنے رب کی عبادت فرمایئے، آپ میرے پاس سے نیچے اترے اور آپ نے وضو فرمایا اور وضو فرمانے کے بعد آپ نماز میں مشغول ہوگئے اور نماز میں دورانِ قیام آپ اتنا روئے، اتنا روئے، اتنا روئے کہ آنسوؤں سے داڑھی مبارک تر ہوگئی، اس کے بعد آپ رکوع میں گئے، رکوع میں بھی آپ روتے رہے، پھر آپ سجدہ میں گئے، سجدہ میں بھی آپ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے سامنے روتے رہے، اسی طرح قعدہ میں بھی آپ روتے رہے، یہاں تک کہ اسی طرح روتے روتے آپ نے ساری

رات گزاردی، جب صبح صادق ہوگئی اور فجر کی نماز کا وقت ہو گیا تو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کو نماز کی اطلاع دینے کے لئے حاضر ہوئے کہ حضور! فجر کی جماعت کا وقت ہو گیا ہے، آپ تشریف لائیے اور نماز پڑھائیے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ اس وقت میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ آج ساری رات اتنا کیوں روئے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف فرمادئے ہیں، جس کے گناہ ہوں وہ روئے، جس کے سارے گناہ ہی معاف ہوں وہ کیوں روئے، نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ اے عائشہ! کیا میں اپنے رب کا شکر گزار بندہ نہ بنوں اور مجھ پر جو میرے رب کی بے شمار نعمتیں ہیں، کیا ان نعمتوں کے شکرانے میں اپنے رب کے سامنے آنسو نہ بہاؤں۔

ان آیات میں غور نہ کرنے پر وعید

پھر فرمایا کہ آج رات مجھ پر اللہ پاک نے سورۂ آلِ عمران کی یہ آیتیں نازل فرمائی ہیں اور پھر آپ نے وہ آیتیں پڑھکر سنائیں، اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ ہلاکت اور بربادی ہے اس شخص کے لئے جو ان آیات کو پڑھے اور پھر ان آیات کے مطابق اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں کے اندر غور وفکر نہ کرے۔ اس حدیث میں نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ پاک کی ان آیات کے مطابق کائنات کے اندر غور وفکر کرنے کی تاکید فرمائی ہے اور غور وفکر نہ کرنے پر ہلاکت و بربادی کی وعید بیان فرمائی ہے، اس وجہ سے ان آیات میں جو کچھ اللہ پاک نے بیان فرمایا ہے اور جن امور کی طرف توجہ دینے کے لئے فرمایا ہے، اس کا خلاصہ عرض کرنے کو جی چاہا، اسی لئے میں نے یہ آیات تلاوت کیں اور انشاء اللہ تعالیٰ اسی کے بارے میں کچھ عرض کرنے کا ارادہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عبادت کے لئے اجازت لینا

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ روایت جو ابھی میں نے آپ کے سامنے بیان کی ہے، اس میں بھی ہمارے لئے اہم سبق ہے، وہ یہ کہ سرکار دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے سردار اور اللہ جل شانہ کے نزدیک اور اس کائنات میں سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں، آپ سے بڑھ کر نہ کوئی نبی ہے، نہ کسی کا درجہ اور مقام ہے، آپ سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کو پہچاننے والا بھی کوئی نہیں ہے، آپ سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والا بھی کوئی نہیں ہے لیکن آپ کی شانِ مبارک یہ ہے کہ جہاں ایک طرف اللہ جل شانہ کی عبادت انجام دے رہے ہیں اور عبادت میں مشغول ہو رہے ہیں، وہاں دوسری طرف گھر والوں کے حقوق بھی ادا کر رہے ہیں، اپنی ساری بیویوں کے لئے باری مقرر کر رکھی ہے، باری باری ہر بیوی کے پاس تشریف لے جاتے ہیں، ان کا حق ادا فرماتے ہیں، اسی قاعدہ کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس بھی تشریف لائے اور ان کے ساتھ آرام فرمایا، لیکن چونکہ رات کو ان کے ساتھ رہنا ان کا ایک حق تھا، اس لئے آپ نے اپنے رب کی عبادت کے لئے بھی ان سے اجازت لی۔

گھر والوں اور رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی بھی عبادت ہے

لہٰذا گھر والوں کے حقوق ادا کرنا، بیوی بچوں کے حقوق ادا کرنا، ماں باپ کے حقوق ادا کرنا، یہ بھی دین ہے، اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی رضا ہے، یہ بھی بندہ کے لئے ذریعۂ نجات ہے، لہٰذا کوئی یہ نہ سمجھے کہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے نماز پڑھنے کا نام ہے، ذکر کرنے کا نام ہے، تلاوت کرنے کا نام ہے، تسبیح پڑھنے کا نام ہے، چاہے بیوی کی حق تلفی ہو، چاہے اس کے حقوق پامال ہوں،

اس کی کوئی خبر گیری نہ ہو، اس کے حقوق کی کوئی ادائیگی نہ ہو اور چاہے بچوں کی حق تلفی ہو، نہ ان کی تعلیم ہو، نہ ان کی تربیت ہو، نہ ماں باپ کا احترام ہو، نہ ان کے حقوق کی ادائیگی ہو، اس کا نام دین نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی عبادت میں جس طرح نماز ہے، روزہ ہے، زکوٰۃ ہے، حج ہے، ذکر و تلاوت ہے، اسی طرح ماں باپ کے حقوق کو ادا کرنا، اولاد کے حقوق کو ادا کرنا، بہن بھائیوں کے حقوق کو ادا کرنا، بیوی کے حقوق کو ادا کرنا، شوہر کے حقوق کو ادا کرنا، پڑوسیوں کے حقوق کو ادا کرنا، رشتہ داروں کے حقوق کو ادا کرنا، یہ بھی دین ہے اور عبادت ہے، اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اور اس کے بغیر اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل نہیں ہو سکتی، بہر حال حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اجازت لی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر رونا

اس کے بعد پھر اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف متوجہ ہوئے اور اس میں بھی ساری رات جاگنا آپ کے ذمہ کوئی ضروری نہیں تھا لیکن جس پر جتنے زیادہ اللہ تعالیٰ کے احسانات ہوتے ہیں اور جس کو جس قدر اللہ تعالیٰ کے احسانات کا استحضار اور اس کا علم ہوتا ہے، اتنا ہی اس کا دل اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکتا ہے، سرکار دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان تھی کہ آپ پر اللہ تعالیٰ کے سب سے بڑھ کر احسانات اور انعامات تھے اور ہیں اور آپ کو ان احسانات کا استحضار بھی سب سے بڑھ کر تھا، اس لئے ان احسانات کا شکریہ ادا کرنے کے لئے اور صرف شکریہ ادا کرنے کے لئے بلکہ ان انعامات اور ان احسانات پر شکریہ کے ساتھ ساتھ آنسو بہانے کے لئے آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے اور ساری رات اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے رہے، نماز میں مشغول رہے، اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں پر روتے رہے۔

ہم بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں سوچیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ عمل میں ہمارے لئے بہت بڑا سبق ہے کیونکہ ہم بھی ان کے امتی ہیں اور ہم پر بھی نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ وطفیل اللہ تعالیٰ کی بے شمار اور بے حساب رحمتیں ہیں، عنایتیں ہیں، نعمتیں ہی نعمتیں ہیں، لہٰذا ہمیں بھی اپنے آقا کی تابعداری میں اپنے رب کے حضور حاضری دینی چاہئے، شکرانے کے نفل پڑھنے چاہئیں اور اللہ تعالیٰ کی جو انگنت اور بے شمار نعمتیں ہمیں حاصل ہیں، کبھی ان کو بھی سوچنا چاہئے، اس سوچنے میں عجیب وغریب تاثیر ہے، جب ہم ان نعمتوں کو سوچیں گے تو شروع شروع میں تو کچھ باتیں ہمیں سمجھ میں نہیں آئیں گی لیکن فطرت کا ایک اصول ہے کہ سوچنے سے سوچنا آتا ہے، بولنے سے بولنا آتا ہے، لکھنے سے لکھنا آتا ہے، کھانے سے کھانا آتا ہے، پینے سے پینا آتا ہے، جب ہم بار بار اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو سوچیں گے کہ مجھے اللہ پاک نے کیا کیا نعمتیں عطا فرما رکھی ہیں، میرے پاس ظاہر میں کیا کیا نعمتیں ہیں، باطن میں کیا کیا نعمتیں ہیں، گھر میں کیا کیا نعمتیں ہیں، گھر کے باہر کیا کیا نعمتیں ہیں، دکان میں کیا کیا نعمتیں ہیں، کارخانے میں کیا کیا نعمتیں ہیں، ملازمت میں کیا کیا نعمتیں ہیں، دن میں کیا کیا نعمتیں ہیں، رات میں کیا کیا نعمتیں ہیں، دوست، احباب، عزیز واقارب، خاندان، برادری کی سطح پر کیا کیا نعمتیں ہیں، ملکی سطح پر کیا کیا نعمتیں ہیں، عالمی سطح پر کیا کیا نعمتیں مجھے حاصل ہیں، تو یقین جانیں کہ ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ آپ کے سامنے ہوگا اور آپ اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ یا اللہ! آپ کی نعمتیں تو اتنی ہیں کہ میں کیا بلکہ ساری دنیا کے انسان بھی مل کر ان کو شمار کرنا چاہیں تو شمار نہیں کر سکتے اور اسی کو اللہ پاک نے اپنے کلام میں فرمایا ہے کہ" وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا "اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کر سکتے۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو سوچنے کے فوائد

جب آدمی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو سوچے گا تو پھر ہر وقت اس کے اوپر اللہ تعالیٰ کی انگنت اور بے شمار نعمتوں کا استحضار ہوگا، اس کے نتیجہ میں اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت جوش مارنے لگے گی، قناعت اس کے دل میں آئیگی، حرص وہوس کا خاتمہ ہوگا اور اس کا دل واقعتاً اللہ تعالیٰ ہی کی طرف جھک جائیگا اور اسے محسوس ہوگا کہ میں تو بڑے آرام وراحت میں ہوں، مجھے اللہ پاک نے اتنا دیا ہے کہ شاید ہی کسی کو اتنا دیا ہو، میں بہت عزت سے ہوں، میں بہت عافیت وخیر یت کے ساتھ ہوں اور اس کو جو فی الحال تکلیفیں درپیش ہونگی جس سے کوئی انسان خالی نہیں ہے اور جو اس کے لئے پہاڑ بنی ہوئی ہوں گی، وہ ایک ذرہ بن جائیں گی اور وہ ان تکلیفوں پر راضی ہو جائیگا اور محسوس کرے گا کہ تکلیف ایک ہے جبکہ نعمتیں سو ہیں، تکلیف معمولی ہے جبکہ راحتیں بڑی ہیں اور کہے گا کہ یا اللہ! آپ کا شکر ہے کہ ہزاروں مصیبتوں، ہزاروں آفتوں، ہزاروں بیماریوں اور تکالیف سے آپ نے بچایا ہوا ہے اور برائے نام ہی تھوڑی سی تکلیف ہے۔

نعمتوں کو سوچنے کا ایک اور عظیم فائدہ

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو سوچنے سے ہمارے ایک بہت بڑے مرض کا علاج بھی ہو جائیگا جس کے اندر فی الحال ہم مبتلا ہیں اور وہ مرض ہے ''حرص وہوس'' ہمارے اندر حرص وہوس کا ایسا مرض پایا جاتا ہے کہ ہر آدمی ہزاروں لاکھوں نعمتیں لیے ہوئے ہے، پھر بھی اس کو یہ خیال ہے کہ میرے پاس کچھ بھی نہیں، اس کی نظر اپنے سے اوپر والے شخص پر جمی ہوئی ہے، اس لئے رو رہا ہے اور کہتا ہے کہ میرے پاس یہ نہیں ہے اور میرے پاس وہ نہیں ہے حالانکہ اس کے پاس اللہ تعالیٰ کی بیش بہا نعمتیں ہیں، اب وہ حیران اور پریشان ہے کہ جو نعمتیں میرے پاس نہیں ہیں، وہ

کیسے حاصل کروں، کہاں سے حاصل کروں، کس طرح حاصل کروں، حالانکہ وہ جانتا ہے کہ دوسرے کے پاس جو کچھ ہے اس کی قسمت کا ہے اور میرے پاس جو کچھ ہے وہ میری قسمت کا ہے، اس کی قسمت کا مجھے نہیں مل سکتا اور میری قسمت کا اسے نہیں مل سکتا، پھر بھی دوسروں کی نعمتوں پر نظر ہے جو وہ اپنی محنت اور کوشش سے حاصل نہیں کرسکتا اور جو حاصل ہیں وہ فراموش کی ہوئی ہیں، لہٰذا پریشانی نقد اور یقینی ہے، اب وہ پریشان ہی رہیگا، اس کا رات دن کا سکون، چین آرام سب ختم اور ہر وقت بیماریوں، پریشانیوں کی تکلیف میں رہے گا کہ یہ چیز نہیں ہے اور وہ چیز نہیں ہے، بس دن رات اسی کا رونا ہے، جہاں جائیگا اپنی تکلیف و پریشانی کا رونا ہی روتا رہیگا، اس لئے کہ جو نعمتیں اس کو حاصل ہیں، وہ نعمتیں تو اسے یاد ہی نہیں جبکہ مصیبتیں اس نے یاد کر رکھی ہیں اور ان کو اس نے ازبر کیا ہوا ہے، نتیجہ یہ کہ اس کی زندگی اس حرص و ہوس کے مرض کی وجہ سے مصیبتوں کے اندر ڈوبی ہوئی رہے گی اور تکلیف و پریشانی کے سوا اس کے پاس کچھ بھی نہ ہوگا، وہ بے سکونی و بے اطمینانی کا شکار اور تکلیف ہی تکلیف میں مبتلا رہیگا، غرض پریشانی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا لیکن جب وہ اللہ تعالیٰ کی انگنت نعمتوں کو سوچنا شروع کریگا تو اس کے نتیجہ میں حرص و ہوس ختم ہوگی، قناعت پیدا ہوگی، اللہ تعالیٰ کی طرف دل جھکے گا، نعمتیں خوب سامنے ہونگی، مصیبتیں اس کے مقابلہ میں بہت ہی کم معلوم ہوں گی اور اس کی زندگی راحت و عافیت میں تبدیل ہو جائیگی، وہ سکون میں آجائیگا اور پھر وہ زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی طرف توجہ دے سکے گا۔

ان آیات پر ہم عمل کریں

ان انعامات میں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ انعام بھی ملا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر سورۂ آلِ عمران کی یہ آیتیں نازل فرمائیں، ان آیات میں بھی اللہ

پاک نے اپنے بندوں کو غور وفکر کی دعوت دی ہے اور آخر میں آپ نے یہ بھی ارشاد فرمادیا کہ جو مسلمان ان آیات کو پڑھے اور غور وفکر نہ کرے اس کے لئے ہلاکت، تباہی اور بربادی ہے، تو ہمیں اس ہلاکت اور بربادی سے بچنے کی ضرورت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ہم بہت زیادہ اس پر غور وفکر نہ کرسکیں تو تھوڑا بہت ہی کرلیں تاکہ کسی حد تک ہمارا اس پر عمل ہو اور ان آیات میں اللہ پاک نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ ہمیں معلوم ہو اور اس کے مطابق ہمارا عمل ہو، اللہ پاک نصیب فرمائیں۔

آسمان وزمین عجائباتِ قدرت میں سے ہیں

ان آیات میں اللہ پاک نے سب سے پہلے آسمانوں اور زمین کی پیدائش کو بیان فرمایا ہے، یہ آسمان جو آپ دیکھتے ہیں، یہ زمین جس کے اوپر ہم رہتے ہیں، اللہ پاک فرمارہے ہیں کہ یہ میری قدرت کے عجائبات میں سے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ پاک کتنی زبردست قدرت والے ہیں، کیسے عظیم الشان ہیں اور کس قدر ان کو عظیم قدرت حاصل ہے جس کے نتیجے میں اتنا بڑا آسمان اور ایک نہیں سات آسمان پیدا فرمائے ہیں اور ایسی عظیم الشان زمین اور اس جیسی سات زمینیں پیدا فرمائی ہیں، جس میں اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ یہ آسمان وزمین جو ہماری بڑی بڑی مخلوقات ہیں، یہ تو ہماری قدرت کا نمونہ ہیں ہی، ان کے اندر جو ہزاروں دوسری اللہ تعالیٰ کی بے شمار اور بے حساب مخلوقات ہیں، آسمانوں میں بھی اور آسمانوں کے درمیان بھی، زمینوں میں بھی اور زمینوں کے درمیان بھی، زمین وآسمان کے درمیان خلا میں بھی مثلاً ستاروں کا نظام ہے، سیاروں کا نظام ہے، چاند سورج کا نظام ہے، کہکشاؤں اور ان کی گردش کا نظام ہے، کیسا مستحکم اور مربوط نظام ہے کہ ہزاروں سال سے چل رہا ہے لیکن رتی برابر اس میں کوئی خلل نہیں ہے، ایسا نہیں ہے کہ اگر روزانہ سورج نکل رہا ہے تو آج

نکل ہی نہیں رہا کہ آج سورج کی چھٹی ہے، ہم لوگ انتظار کررہے ہیں کہ کب سورج نکلے، روشنی ہو اور ہم کام پر جائیں، معلوم ہوا کہ سورج نکل ہی نہیں رہا، ایسا نہیں ہے، دنیا میں کچھ بھی ہو رہا ہو مگر سورج اپنے وقت پر ہی نکل رہا ہے اور اپنے ہی وقت پر غروب ہو رہا ہے، ایسا نہیں ہے کہ سورج نکل تو گیا مگر اب ڈوبنے کا نام ہی نہیں لے رہا، دنیا اِدھر سے اُدھر ہو جائے مگر سورج اپنے وقت پر ہی جاکر ڈوبتا ہے، اسی طرح چاند اپنے وقت پر نکل رہا ہے اور مقررہ وقت پر ہی غروب ہو رہا ہے، زمین اپنی گردش پوری کررہی ہے، چاند اپنا چکر پورا کررہا ہے، سورج اپنے ہی مدار میں گھوم رہا ہے، اتنا بڑا انظام اور اتنی بڑی کائنات یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کا نمونہ ہیں، ذرا غور کریں کہ کس طرح اللہ پاک نے ان کو پیدا فرمایا کہ ہر مخلوق عجیب ہے، ہر مخلوق عظیم ہے، ہر مخلوق ایسی ہے کہ اس کی حقیقت تک پہنچنا انسان کے بس سے باہر ہے، کوئی ایک نہیں، دس نہیں، سو نہیں، ہزاروں اور لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں اور اربوں، کھربوں اللہ تعالیٰ کی مخلوقات ہیں جو اس کائنات کے اندر اللہ پاک نے پیدا کر رکھی ہیں۔ ان میں سے کوئی مخلوق بھی بیکار نہیں، ہر چیز کے پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کی کوئی نہ کوئی حکمت ہے، ان تمام مخلوقات کو پیدا کرنے کے بعد اللہ پاک نے دعوت دی کہ آسمان میں بھی غور کرو، زمین میں بھی غور کرو، ہماری قدرت کی یہ نشانیاں ہیں، ذرا ان پر غور کر کے ہماری عظمت کو پہچانو، ہمارے وحدہٗ لاشریک ہونے کو مانو۔

تمام انسان ایک دوسرے سے مختلف ہیں

جس زمین پر ہم رہتے ہیں، اس زمین میں کیا کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں، اس کو ہم شمار ہی نہیں کر سکتے، صرف انسان کو لے لیں، اس زمین پر اربوں انسان رہتے ہیں اور سارے حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں لیکن ایک کا بھی چہرہ دوسرے سے نہیں ملتا، کیا اللہ تعالیٰ کی شان ہے، سب آدم علیہ السلام

کی اولاد ہیں، باپ اور ماں ایک ہے، سب انہی کی نسل ہے لیکن اس کے باوجود کسی کی شکل دوسرے سے نہیں ملتی، کیا اللہ تعالیٰ کی عجیب وغریب قدرت ہے، بھائی بھائی ہیں، بہن بھائی بھی ہیں، پھر بھی شکل وصورت الگ الگ ہے، شکل وصورت تو پھر بھی بڑی چیز ہے کہ اس میں دو آنکھیں ہیں، ایک ناک ہے، دو کان ہیں، ایک منہ ہے، اتنے سارے دانت ہیں، صرف ایک انگوٹھا لے لیں، اس کے اندر جو باریک لکیریں ہیں، یہ بھی تمام انسانوں کی الگ الگ ہیں، کیا اللہ تعالیٰ کی شان ہے، اسی لئے جہاں دستخط ہوتے ہیں وہاں انگوٹھا بھی لگایا جاتا ہے، شناختی کارڈ اس کے بغیر نہیں بنتا، یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔

دنیا کی ہر چیز ایک دوسرے سے مختلف ہے

دنیا کی ہر چیز میں یہی بات ہے، ایک درخت کے ہزاروں پتے ہیں، بظاہر ہر پتا ایک دوسرے سے ملتا جلتا ہے لیکن ہر پتا حقیقت میں دوسرے پتے سے مختلف ہے، اسی طرح جتنے پھول آپ دیکھیں گے، بادی النظر میں سب ایک جیسے دکھائی دیں گے لیکن اگر غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ تمام پھول الگ الگ ہیں، بناوٹ الگ ہے، رنگ الگ ہے، خوشبو الگ ہے، ہر چیز الگ الگ ہے، اللہ پاک نے انسانوں کو یہ دعوت دی ہے کہ آسمان اور زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو ہم نے پیدا کیا ہے، ذرا دیکھو تو سہی کہ یہ کیا ہیں، یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کے شاہکار ہیں۔

رات اور دن کا آنا جانا بھی عجائباتِ قدرت میں سے ہے

دوسرے نمبر پر اللہ پاک نے اپنی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ''وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ'' بیان فرمائی ہے یعنی رات اور دن کا آنا جانا، یہ بھی عجائباتِ قدرت میں سے ہے، کس طرح آہستہ آہستہ رات آتی ہے اور دیکھتے

ہی دیکھتے کائنات میں اندھیرا چھا جاتا ہے، دنیا کے سارے کاروبار بند ہو جاتے ہیں، دکانیں بند ہو جاتی ہیں، وہ بازار جہاں دن میں انسان چل پھر رہے تھے، رات ہوتے ہی سب چہل پہل ختم ہو جاتی ہے، لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں، پھر آہستہ آہستہ رات چلی جاتی ہے اور دن آجاتا ہے، صبح صادق ہوتی ہے، پھر سورج نکل آتا ہے اور پوری کائنات میں روشنی پھیل جاتی ہے، روزانہ اللہ تعالیٰ کی یہ عظیم قدرت کی کارستانی ہمارے سامنے ہوتی ہے، اللہ پاک فرمارہے ہیں کہ اس میں غور کرو کہ ہماری قدرت سے روزانہ کس طرح دن آتا ہے اور کس طرح روزانہ رات آتی ہے، نیز گرمیوں میں رات چھوٹی ہو جاتی ہے اور دن بڑا ہو جاتا ہے جبکہ سردیوں میں دن چھوٹا ہو جاتا ہے اور رات بڑی ہو جاتی ہے، غور کرو کہ کیسے دن بڑا ہوتا ہے اور رات چھوٹی ہوتی ہے اور کیسے رات بڑی ہوتی ہے اور دن چھوٹا ہوتا ہے، پھر دنیا کے مختلف حصوں میں قدرت کے مختلف نمونے ہیں، قطبِ شمالی کی طرف جتنا دور چلے جائیں گے، اتنے دن رات بڑے ہوتے چلے جائیں گے، بعض علاقے ایسے ہیں جہاں چھ مہینے رات ہوتی ہے اور چھ مہینے دن ہوتا ہے، جب دن آتا ہے تو چھ مہینے تک دن رہتا ہے، لوگ رات کے لئے ترستے رہتے ہیں اور جب سونے کا وقت آتا ہے تو سونے کے لئے مصنوعی رات بناتے ہیں، کمرہ بند کرتے ہیں، موٹے پردے لٹکاتے ہیں تاکہ کسی قسم کی روشنی اندر نہ آسکے اور کمرے میں اندھیرا ہو جائے اور جب رات آتی ہے تو چھ مہینے تک رات ہی رات رہتی ہے، اب سورج اور اس کی روشنی کے لئے ترستے رہتے ہیں، یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت ہی ہے، ایک ہی دنیا ہے لیکن کہیں چھ مہینے کی رات اور چھ مہینے کا دن ہے، کہیں بارہ گھنٹے کی رات اور بارہ گھنٹے کا دن ہے، کہیں آٹھ گھنٹے کی رات اور سولہ گھنٹے کا دن ہے، کہیں اس کے برعکس، اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ ہمارے عجائباتِ قدرت دیکھو، ان میں غور وفکر کرو کہ کس طرح

ہم نے رات اور دن کو بنایا اور کس طرح یہ سلسلہ چلایا کہ تاریک رات سے روشن دن کو نکالا اور روشن دن سے تاریک رات کو نکالا۔

آسمان سے بلندی اور زمین سے پستی مراد ہے

آسمان وزمین کی پیدائش میں ایک اور بات علماء نے تحریر فرمائی ہے کہ اللہ پاک نے اپنی مخلوقات میں سے جو آسمان وزمین کا ذکر فرمایا ہے اس میں بھی ایک خاص نکتہ ہے اور وہ یہ ہے کہ آسمان سے رفعتیں اور بلندیاں مراد ہیں جبکہ زمین سے پستی اور ذلت مراد ہے، اس سے اللہ پاک یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ جیسے آسمان وزمین کا خالق اللہ جل شانہ ہے، اسی طرح بڑائی وبلندی اور پستی وذلت کو بھی اللہ پاک ہی پیدا کرنے والے ہیں اور وہی جس کو جب چاہیں، جہاں چاہیں، جتنی چاہیں بلندی اور رفعت سے نواز دیں اور جس کو جب چاہیں، جہاں چاہیں، جتنی چاہیں پستی اور ذلت میں گرا دیں، عزت اور ذلت دونوں اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ اور اس کی عطا کردہ ہیں، وہی چاہتے ہیں تو رفعتیں عطا فرماتے ہیں اور عہدے اور منصب عطا فرماتے ہیں اور وہی چاہتے ہیں تو عہدے اور منصب سے ہٹا کر نیچے گرا دیتے ہیں۔

کائنات میں ہر روز ایک انقلاب برپا ہے

ان سب میں روزانہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نمونے نظر آتے ہیں، روزانہ صبح سے شام تک اس کائنات میں انقلاب برپا ہے اور لوگ زیر وزبر ہو رہے ہیں، یہ سب اس لئے ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ان نشانیوں میں غور وفکر کر کے اللہ تعالیٰ کو پہچانیں۔

دنیا کی ہر چیز اللہ پاک کے وجود کو بتا رہی ہے

یہ پوری دنیا بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ایک باغ ہے جس میں ہر چیز یہ

بتا رہی ہے کہ اس دنیا کا بنانے والا کوئی ہے، یہ خود نہیں بنی بلکہ کوئی بنانے والا ہے اور وہ بنانے والا نہایت عظیم الشان ہے اور وہ ایک ہے دو نہیں، کیونکہ ہر پھول الگ ہے، ہر پودا الگ ہے، اس کی ہر شاخ الگ ہے، ہر ٹہنی الگ ہے، ہر مخلوق ایک دوسرے سے الگ ہے، جب الگ ہے تو بس ان کا بنانے والا ایک ہی ہے، جس نے ہر چیز کے اندر اپنا ایسا جلوہ رکھا ہے کہ جس کو دیکھ کر وہ اس کو ماننے اور ایک ہی مانے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں دیکھ کر اللہ کو یاد کرو

اس آیت میں تیسری بات یہ فرمائی کہ "لَاٰیٰتٍ" اس میں نشانیاں ہیں، آیات آیۃ کی جمع ہے اور آیۃ نشانی کو کہتے ہیں، اللہ پاک فرما رہے ہیں کہ آسمان اور زمین کی پیدائش میں، رات دن کے آنے جانے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں، ان کو دیکھ کر اللہ کو یاد کرو اور ان کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کو سوچو۔

قدرت کی نشانیاں عقل والوں کے لئے ہیں

زمین و آسمان میں اللہ تعالیٰ کو پہچاننے اور اس کی معرفت حاصل کرنے کی نشانیاں ہیں لیکن کس کے لئے "لِاُولِی الْاَلْبَابِ" عقل والوں کے لئے ہیں، یعنی آسمان و زمین کی پیدائش میں اور ان کے اندر کی انگنت اور بے شمار مخلوقات میں اور رات دن کے آنے جانے میں اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی قدرت کی جو نشانیاں ہیں، یہ ہر ایک کے لئے نہیں ہیں بلکہ یہ عقل مندوں کے لئے ہیں، ہوش والوں کے لئے ہیں، بے عقلوں کے لئے نہیں ہیں۔

عقل مندوں کی نشانیاں

اب عقل مند کسے کہتے ہیں؟ دنیا میں ہر آدمی اپنے آپ کو عقل مند سمجھتا ہے، کوئی اپنے آپ کو بے وقوف ماننے کو تیار نہیں، بڑے سے بڑا بے وقوف بھی

یہی کہے گا کہ میرے سے بڑا کوئی عقل مند نہیں ہے بلکہ جو جتنا بڑا بے وقوف ہوگا وہ اتنا ہی زیادہ اپنے آپ کو عقل مند کہتا ہوگا، اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ انہوں نے فیصلہ فرما دیا کہ عقل مند کون ہے اور بے وقوف کون ہے، انہی آیات میں اللہ پاک نے عقل مندوں کی تین نشانیاں بیان فرمائی ہیں کہ جس کے اندر یہ تین نشانیاں ہونگی وہی عقل مند ہے اور جو اس کے مطابق عقل مند ہے وہی ہماری قدرتوں کو دیکھ کر ہم تک پہنچ سکتا ہے اور جس میں یہ تین نشانیاں نہیں ہیں وہ چاہے کتنا ہی اپنے آپ کو عقلمند کہے اور چاہے ساری دنیا اس کو عقل مند کہے، تعلیم یافتہ کہے، پڑھا لکھا کہے، سمجھدار کہے، ذہین کہے لیکن حقیقت میں وہ بے وقوف، احمق، بدھو اور اناڑی ہے۔

عقل مند کی پہلی نشانی ”صاحب ایمان ہونا“

ان نشانیوں میں سے پہلی نشانی یہ ہے کہ وہ صاحب ایمان ہو اور وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہو، اگر ایمان والا ہے تو عقل مند ہے اور اگر بے ایمان ہے تو چاہے چاند پر اتر جائے پھر بھی بے وقوف ہی ہے، وہ اس لئے بے وقوف اور احمق ہے کہ کائنات کو پیدا کرنے کا جو مقصد تھا اس کی اس کو ہوا بھی نہیں لگی، اس کائنات کو پیدا کرنے کا، آسمانوں اور پہاڑوں کو پیدا کرنے کا، بادلوں اور دریاؤں کو پیدا کرنے کا، سمندروں اور باغات کو پیدا کرنے کا اور انسانوں کو پیدا کرنے کا مقصد یہ تھا کہ ان کو دیکھ کر خدا کو پہچانے، اس کو مانے، اس پر یقین کرے، جب اتنی سی بات بھی وہ نہ سمجھ سکا تو اس سے بڑا بے وقوف کون ہوگا، دنیا کی چھوٹی سی چیز بھی ہو اور دس دفعہ آدمی اس کو دیکھے اور پھر بھی نہ مانے تو اس سے بڑی بے وقوفی کیا ہوگی۔

مثلاً آگ ہے، اب جو شخص آگ کو اور اس کی گرمی کو دس مرتبہ دیکھ کر بھی اس کو آگ نہ سمجھے اور کہے کہ یہ تو برف ہے، آپ اس کو عقل مند کہیں گے یا بے

وقوف؟ جیسے آگ کی علامتیں اتنی واضح ہیں کہ ان کو دیکھ کر آگ کا پہچاننا ایک فطری، بدیہی اور واضح بات ہے اور اس کو سمجھنے میں کوئی دیر نہیں لگتی، بالکل اسی طرح اس کائنات کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کو پہچاننے میں دیر نہیں لگتی، اس لئے کہ دس بیس نہیں، اللہ تعالیٰ کو پہچاننے کی اربوں کھربوں نشانیاں موجود ہیں۔

غار میں رہنے والے پر بھی ایمان لانا فرض ہے

بعض لوگ یہ سوال کیا کرتے ہیں کہ فرض کریں کہ ایک آدمی پہاڑ کے ایک غار میں ہے اور غار کے اندر بھی اندر در اندر ہے جہاں آج تک دوسرا کوئی انسان پہنچا ہی نہیں اور اس کو پتا ہی نہیں کہ دنیا کے اندر انبیاء کرام علیہم السلام کا بھی کوئی سلسلہ ہے اور یہ بھی اس کو پتہ نہیں کہ سرکار دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں او یہ بھی نہیں پتہ کہ مسلمانوں پر پانچ چیزیں فرض ہیں: ایمان لانا، نماز پڑھنا، روزے رکھنا، زکوٰۃ دینا اور حج کرنا اور نہ اس کو یہ پتہ ہے کہ حلال کس کا نام ہے اور حرام کس کا نام ہے اور اسی حالت میں وہ اس غار کے اندر مرجاتا ہے تو بتائیں آخرت میں اس کو عذاب ہوگا یا نہیں، وہ مومن شمار ہوگا یا کافر شمار ہوگا؟ اگر آپ کہیں وہ کافر ہے تو سوال یہ ہے کہ اس کے پاس دعوت پہنچی کہاں؟ آپ اس کو کافر کیوں کہہ رہے ہیں، اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کیوں دوزخ میں ڈال رہے ہیں، اس کا کیا قصور ہے اور اگر جنتی ہے تو یہ جنتی کیسے ہے؟ ایمان تو لایا نہیں۔ علماء نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اس پر بھی فرض ہے اور اللہ تعالیٰ کے وحدہٗ لاشریک ہونے کا یقین کرنا اس کے ذمہ بھی لازم ہے، اگر وہ اس ایمان کے ساتھ دنیا سے گیا تب تو بخشا جائیگا اور اگر وہ اس دنیا میں اور اس غار میں رہ کر اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لایا تو پھر وہ کافر سمجھا جائیگا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں جائیگا، اس لئے کہ یہ آسمان وزمین، یہ پہاڑ، وہ غار جس میں اس نے زندگی گزاری ہے، غرض کائنات کی ایک ایک چیز گواہی دے

رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ موجود ہیں اور وہ وحدہٗ لاشریک ہیں، لہٰذا اگر وہ اس پر ایمان نہیں لایا تو اس کا قصور ہے، جیسے میں نے کہا کہ دس جگہ آگ کو دیکھے اور پھر بھی یہ کہے کہ یہ برف ہے، دیکھ رہا ہے کہ ہاتھ جل رہا ہے پھر بھی کہہ رہا ہے کہ آگ نہیں ہے، برف کا گولہ ہے تو اس کے بے وقوف ہونے میں کوئی شبہ نہیں، ایسے ہی جب اس شخص نے دنیا کے ایک غار کے اندر اپنی زندگی کا ایک طویل عرصہ گزارا اور پھر بھی خدا کو نہیں پہچان سکا تو نہ پہچاننا اس کا قصور ہے، اس کی غلطی ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے عجائباتِ قدرت کے نمونے اور اس کے پہچاننے کے طریقے تو ہر جگہ موجود تھے اور چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے، ایک پتھر میں بھی غور وفکر کرتا تو اللہ تعالیٰ کا اقرار کر لیتا، ایک درخت کو بھی دیکھتا تو اللہ تعالیٰ کو مان لیتا اور ایمان لے آتا۔

نعمتِ ایمان کا شکر ادا کریں

لہٰذا عقل مند وہ آدمی ہے جس کی سب سے پہلی علامت یہ ہے کہ وہ صاحبِ ایمان ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان اور فضل ہے کہ اس نے ہمیں اپنے کرم سے اس نعمت سے سرفراز فرمایا ہوا ہے، اس نعمت کا جتنا شکر ادا کریں کم ہے، اتنی بڑی نعمت ہے کہ ''واللہ'' اس نعمت کے برابر کوئی نعمت نہیں، ہمیں اس نعمت کی قدر نہیں ہے، اسی وجہ سے ہمارے دل میں اس کی اہمیت نہیں ہے، اس کی اہمیت تو صحابہ کرام سے پوچھیں جنہوں نے جانیں قربان کر کے یہ نعمت حاصل کی۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے نزدیک ایمان کی اہمیت

ایک چھوٹا سا قصہ ایمان کی نعمت کا آپ کو سناتا ہوں جو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک بار سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مسجدِ نبوی میں نماز پڑھا کر باہر تشریف لا رہے تھے کہ درمیان میں ایک صاحب آگے بڑھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم! قیامت کب قائم ہوگی؟ آپ نے اس سے یہ پوچھا کہ تم یہ بتاؤ کہ تم نے قیامت کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے؟ کیونکہ اصل چیز تیاری ہے، قیامت تو اپنے وقت پر ہی آئیگی، اگر قیامت کی تیاری کر لی ہے تو قیامت جب بھی آجائے کوئی حرج نہیں ہے اور اگر تیاری نہیں کی تو پھر جب بھی قیامت آئیگی، اس کے حق میں تباہی ہی ہوگی، اللہ بچائے، انہوں نے سادگی سے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم! آخرت کی تیاری کے بارے میں اتنا عرض کر سکتا ہوں کہ میں فرائض و واجبات کی تو پابندی کرتا ہوں لیکن نوافل کا ذخیرہ میرے پاس زیادہ نہیں ہے، نفلی عبادات میں نے زیادہ نہیں کی ہیں لیکن ایک بات ہے کہ میں دل سے اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں، نبی اکرم جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ" یعنی جس کو جس کے ساتھ محبت ہوگی وہ قیامت میں اسی کے ساتھ ہوگا، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اس حدیث کے راوی ہیں وہ کہتے ہیں کہ جب آپ کی زبانِ مبارک سے یہ جملہ صادر ہوا اور آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ جس کو جس کے ساتھ محبت ہوگی وہ قیامت میں اسی کے ساتھ ہوگا، مجھے یہ الفاظِ مبارک سن کر اس قدر خوشی ہوئی کہ یا تو سب سے زیادہ خوشی مجھے اس دن ہوئی تھی جس دن اللہ پاک نے مجھے ایمان کی دولت سے سرفراز فرمایا تھا یا آج مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے خوشی ہوئی کہ جس کو جس کے ساتھ محبت ہوگی، وہ قیامت میں اسی کے ساتھ ہوگا، ان دو مواقع پر مجھے جتنی خوشی ہوئی اتنی خوشی مجھے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ دیکھئے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایمان کی نعمت پر سب سے زیادہ خوشی ہوئی کہ اللہ پاک نے کفر کی دلدل سے نکالا اور دولتِ ایمان سے سرفراز فرمایا، اس کے بعد اس پر سب سے زیادہ خوشی ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت کے نتیجہ میں قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی نصیب ہونے والی ہے، پھر فرمایا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم

سے محبت کرتا ہوں، ابوبکر و عمر سے محبت کرتا ہوں، عثمان و علی سے محبت کرتا ہوں اور مجھے امید ہے قیامت کے دن میں انہی کے ساتھ ہونگا۔

صحابہ کرام کی پریشانی کا حل ''اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ''

وجہ اس کی یہ ہے کہ صحابہ کرام دنیا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی رہتے تھے، اس لئے دنیا میں ان کو آپ کی ہمراہی کی دولتِ عظمیٰ حاصل تھی لیکن ان کو یہ فکر اور پریشانی تھی کہ کل آخرت میں کیا ہوگا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سب سے بڑے نبی اور پیغمبر ہیں، اللہ تعالیٰ کے سب سے بڑھ کر محبوب ہیں، آپ کا بہت اونچا مقام ہوگا، پتہ نہیں ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ بھی سکیں گے یا نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر نہ دیکھ سکے تو ہمیں جنت میں جانے کا کیا مزہ آئے گا، اس حدیث شریف نے صحابہ کرام کی اس فکر کو ختم کر دیا، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ جس کو جس کے ساتھ محبت ہوگی وہ قیامت کے دن اسی کے ساتھ ہوگا۔ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری اور جنت کے اندر ہمراہی کی نعمت کی طرف اشارہ ہوگیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جس کو سچی پکی محبت ہوگی وہ انشاء اللہ قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوگا اور جو جس کے ساتھ محبت کرنے والا ہوگا وہ اسی کے ساتھ ملا دیا جائیگا، اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایمان بہت بڑی نعمت ہے، اس لئے اس کا دل و جان سے شکر ادا کرنا چاہئے۔

کمزور مؤمن بھی اللہ پاک کا محبوب ہے

یاد رکھئے! صاحبِ ایمان پوری دنیا میں چاہے وہ مالی اعتبار سے، جان کے اعتبار سے، جسم کے اعتبار سے، ملک و ملت کے اعتبار سے، طاقت و قوت کے اعتبار سے اور ظاہری خوبصورتی کے اعتبار سے کتنا ہی کم سے کمتر ہو، کمزور سے

کمزور ہو یا وہ کیسا ہی قلاش، فقیر اور محتاج ہو، کیسا ہی کالا کلوٹا اور حبشی شکل والا ہو اور دوسری طرف کافر، مشرک، ملحد، دہریہ، دنیوی اعتبار سے کتنا ہی مالدار ہو، سائنسی ترقیات کے اعتبار سے آسمان سے باتیں کررہا ہو، کیسا ہی جسمانی اعتبار سے لوہالاٹ ہو، کتنا ہی حسین وجمیل ہو، کیسا ہی دنیوی فراوانی کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہو، لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں صاحبِ ایمان کے مقابلہ میں اس کی مچھر کے پر کے برابر بھی حیثیت نہیں ہے، دنیا کے سارے کافر ایک طرف اور ایک بندۂ مؤمن ایک طرف، اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ بندۂ مومن محبوب ہے اور سارے کے سارے کافر اللہ تعالیٰ کی نظروں میں گرے ہوئے ہیں، مبغوض ہیں، ملعون ہیں، مردود ہیں، دشمنانِ خدا ہیں اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اللہ تعالیٰ کے عذاب وقہر کے مستحق ہیں، چاہے دنیا کی کتنی ہی ترقی ان کو حاصل ہو جائے۔

کافروں سے مرعوب ہونے کی ضرورت نہیں

یہ اس لئے عرض کررہا ہوں کہ آجکل بہت سے مسلمان کافروں سے مرعوب ہیں کہ انہوں نے اتنی ترقی کرلی، ان کی ایسی زبردست تہذیب ہے، اتنی اچھی صفائی ہے، اس قدر ان میں سچائی ہے۔ لیکن امریکا اور اس کے یہ اتحادی یورپ والے جو کچھ کررہے ہیں، ان سے مرعوب ہونے والے بتائیں کہ اب ان کی تہذیب کہاں گئی، جانور سے بھی بدتر اس وقت ان کا حال ہے، جانور بھی کسی دوسرے جانور کو اس طرح سے پامال نہیں کرتا جس طرح یہ ناحق انسانوں کا خون بہارہے ہیں، اس وقت یہ ہلاکو خان اور چنگیز خان کے باپ بنے ہوئے ہیں، لوگ امریکہ اور یورپ کی بڑی تعریفیں کرتے ہیں لیکن یادرکھو! یہ تعریف کافروں کی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی حیثیت مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہے جبکہ ایک بندۂ مومن بیشک ظاہری طور پر کسی شمار میں نہیں ہے لیکن دل میں ایمان ہے اگرچہ ایمان بھی بہت ہی کمزور درجہ کا ہے، پھر بھی یہ ان کافروں کے مقابلہ میں

کروڑ ہا کروڑ درجہ بہتر ہے، یہ مؤمن عقلمند ہے اور وہ کافر بے وقوف ہیں، اس لئے کہ اس کائنات میں آنے کے بعد انسان کا جو بنیادی مقصد ہے وہ یہ ہے کہ اس کائنات کو دیکھ کر ایمان لائے، مؤمن ایمان لایا اور یہ کافر ایمان نہیں لایا، لہٰذا مؤمن عقل مند ہوا اور کافر عقل مند نہیں ہوا، معلوم ہوا کہ ایمان بڑی اہم اور بنیادی چیز ہے۔

ایمان کے تقاضے

لہٰذا اب ایمان کے تقاضوں پر عمل کرنے کی طرف توجہ دیں اور ایمان کے دو بڑے بڑے تقاضے ہیں، ایک یہ کہ جتنے بھی فرائض و واجبات ہیں اور بندگانِ خدا کے حقوق ہیں، ان کی ادائیگی کی طرف متوجہ رہیں، دوسرا یہ کہ جو گناہ ہیں اور ناجائز اور خلافِ شرع باتیں ہیں، ان سے بچنے کی طرف خصوصی توجہ دیں، یہ ایمان کے دو بڑے بڑے تقاضے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو آسمان و زمین، چاند و سورج میں غور کرنے کا حکم دیا ہے، ان میں غور کریں اور غور کر کے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مشاہدہ کریں اور سوچیں کہ اللہ پاک کیسے عظیم الشان ہیں اور کیسی کیسی ان کی قدرت کی نشانیاں ہیں، یہ غور کرنا بھی اللہ تعالیٰ کی ذات تک پہنچنے کا اہم ذریعہ ہے، لہٰذا پہلی نشانی عقلمند کی یہ ہے کہ وہ صاحب ایمان ہو۔

عقل مند کی دوسری نشانی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا

عقل مند کی دوسری نشانی یہ بیان فرمائی کہ ’’ اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ ‘‘یعنی عقلمند وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں کھڑے بھی، بیٹھے بیٹھے بھی اور لیٹے ہوئے بھی۔ اس میں زبان سے ذکر کرنا بھی آ گیا، دل سے ذکر کرنا بھی آ گیا یعنی ذکرِ لسانی اور ذکرِ قلبی دونوں ہی آ گئے، غرض ہر قسم کی عبادات اس میں آ گئیں، کیونکہ ذکر اپنے اندر بہت ہی وسیع

مفہوم رکھتا ہے، جہاں زبان سے اللہ اللہ کہنا، سبحان اللہ اور الحمد للہ کہنا ذکر کے مفہوم میں شامل ہے، وہیں ہر طرح کی عبادات بھی اس میں شامل ہیں کیونکہ سب ذکر ہی ہیں۔ اور عقلمند کی علامت ذکر کو اس لئے بیان فرمایا ہے کہ ذکر ایسی چیز ہے جو تمام عبادات میں سب سے زیادہ آسان ہے، چونکہ سب سے زیادہ آسان ہے اسی لئے سب سے زیادہ کرنے کا بھی حکم ہے، یہاں پر جو فرمایا کہ لیٹے بھی، بیٹھے بھی اور کھڑے بھی اللہ کا ذکر کرتے ہیں، اس میں بھی کثرت سے اللہ کے ذکر کرنے کی طرف اشارہ ہے، دوسری آیات میں اللہ پاک نے صاف صاف فرمایا ہے کہ " یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا " اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرو، ایک جگہ اہلِ ایمان کی یہ صفت بیان فرمائی کہ " وَالذّٰکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّالذّٰکِرٰتِ " کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے مرد اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والی عورتیں، بہر حال عقلمند کی دوسری علامت یہ ہے کہ ذکر اللہ کثرت سے کرنے والا ہو۔

اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا ذکر کثرت سے کرے

کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا اور ان کی صفات کا ذکر کثرت سے کرے، کیونکہ ذکر کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات دونوں سے ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات کا ذکر جیسے " لا الٰہ الا اللّٰہ " یا " الا اللّٰہ " یا " اللّٰہ، اللّٰہ " اور صفات کا ذکر جیسے اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں، یہ سب صفاتی نام ہیں، رزاق ہونا، ستار ہونا، رحمٰن ہونا، رحیم ہونا، جبار ہونا، قہار ہونا، وھاب ہونا۔

اللہ تعالیٰ کی صفت رَزّاق کو سوچے

پھر اللہ تعالیٰ کی جو صفات ہیں، ان کے بارے میں سوچے، جیسے صفتِ

رزاق کے بارے میں سوچے کہ کس کس طرح اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو روزی عطا فرماتے ہیں اور یہ سوچے کہ پوری کائنات میں اللہ پاک کس کس طریقہ سے اپنی مخلوقات کو روزی پہنچا رہے ہیں اور روزی پہنچانے کا کیسا عجیب وغریب نظام ہے جس سے ہم واقف نہیں ہیں حالانکہ روزانہ ہم جہاں کہیں ہوں ہمیں روزی پہنچ رہی ہے، ہم تو ہم ساری مخلوقات کو اللہ پاک روزانہ روزی پہنچاتے ہیں، کس طرح پہنچاتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی شانِ رزاقیت ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا واقعہ

حضرت سلیمان علیہ السلام کا قصہ مشہور ہے، اللہ پاک نے ان کو بڑی زبردست سلطنت عطا فرمائی تھی، ہوائیں بھی ان کے تابع تھیں، زمین بھی ان کے تابع تھی، جنگل کی مخلوقات بھی ان کے تابع تھیں، سب چیزیں اللہ پاک نے ان کے تابع فرمائی تھیں، ان کو ایسی حکومت عطا فرمائی تھی کہ نہ ان سے پہلے کسی کو دی اور نہ ان کے بعد کسی کو عطا فرمائی، جنات تک ان کے تابع تھے، ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ اجازت چاہی کہ یا اللہ! آپ نے مجھ کو عظیم سلطنت عطا فرمائی ہے اور آپ نے مجھے بڑے اختیارات عطا فرمائے ہیں تو آپ مجھے اجازت دیں کہ میں سمندری مخلوقات کی دعوت کروں کیونکہ ان کو بھی آپ نے میرے تابع کیا ہوا ہے، لہٰذا میں ان کی دعوت کرنا چاہتا ہوں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ ان کی دعوت نہیں کرسکیں گے، حضرت سلیمان علیہ السلام نے عرض کیا کہ یا اللہ! آپ مجھے اجازت دیدیجئے، یہ جنات جو میرے تابع ہیں، یہ رات دن پکائیں گے، انشاء اللہ تعالیٰ پورا ہوجائیگا، اللہ پاک نے فرمایا کہ آپ ان کو نہیں کھلاسکیں گے، عرض کیا کہ پروردگار! اجازت دیدیجئے، جب کئی مرتبہ عرض کیا تو اللہ پاک نے اجازت دیدی، اب حضرت سلیمان علیہ السلام نے

سمندر کے کنارے کئی میل تک جنات کو لگا دیا کہ سمندر کی مخلوقات کے لئے کھانا تیار کرو، جنات نے بڑے بڑے تانبے اور پیتل کے دیگچوں میں کھانا پکانا شروع کر دیا اور پورے مہینے خوب پکایا، حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہوا کو حکم دیا کہ وہ کھانے کے اوپر اس طرح چلے کہ کھانا خراب نہ ہو، جب سب کھانا پک کر تیار ہو گیا اور میلوں تک سمندر کے کنارے کھانا لگا دیا گیا، حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہوا کو حکم دیا کہ وہ کھانے کے اوپر اس طرح چلے کہ کھانا معتدل رہے، نہ زیادہ گرم ہو اور نہ زیادہ ٹھنڈا ہو۔ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے سمندری مخلوق میں اعلان کیا کہ تمہارا کھانا تیار ہے، آجایئے اور کھانا کھالیجئے، اس اعلان کو سنتے ہی سمندر میں سے ایک مچھلی نکلی اور اس نے کہا کہ حضرت! آپ نے دعوت فرمائی ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں! یہ سارا کھانا اسی لئے ہے، لہٰذا کھاؤ، اب اس مچھلی نے کھانا شروع کیا اور ایک کونے سے دوسرے کونے تک اکیلے ہی سب صفایا کر دیا، مہینے بھر کا پکا ہوا کھانا ایک ہی مچھلی نے پورا کر دیا، جب وہ فارغ ہوئی تو اس مچھلی نے کہا اے اللہ کے نبی! یہ آپ نے کیسی دعوت کی ہے، میرا پیٹ تو بھرا ہی نہیں، میں تو بھوکی رہ گئی، کیونکہ اللہ تعالیٰ اتنے بڑے بڑے تین لقمے روزانہ مجھے عطا فرماتے ہیں، آج ایک ہی لقمہ ملا ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام نے عرض کیا کہ یا اللہ! بیشک آپ ہی اپنی مخلوق کو روزی پہنچا سکتے ہیں، ہم ان کو نہیں کھلا سکتے۔ سارا کھانا ایک ہی مچھلی نے کھالیا اور اس کو بھی ایک ہی لقمہ ملا اور باقی سمندر کی ساری مخلوقات ابھی باقی ہی تھیں، بہر حال اللہ تعالیٰ ہی اپنی مخلوقات کو روزی پہنچاتے ہیں۔

روزی پہنچانے سے متعلق عجیب واقعہ

ایک بزرگ کا عجیب واقعہ یاد آیا کہ وہ کہتے ہیں کہ میں دریا کے کنارے بیٹھا ہوا تھا کہ میں نے دیکھا کہ ایک مینڈک خشکی کی طرف سے اپنے منہ میں ایک

ہرا پتا لے کر دریا کے کنارے کی طرف دوڑتا چلا جارہا ہے، مجھے تجسس ہوا کہ یہ پتا لے کر کہاں جارہا ہے اور کیوں جارہا ہے؟ میں اس کے پیچھے پیچھے چلا، وہ سیدھا دریا کے کنارے پر پہنچا، جیسے ہی وہ کنارے پر پہنچا تو میں نے دیکھا کہ ایک کچھوا دریا کے اندر کنارے پر کھڑا ہے، یہ مینڈک اچھل کر کچھوے کی کمر پر بیٹھ گیا، اس کے بیٹھتے ہی وہ کچھوا پانی میں تیرنے لگا، مجھے اور حیرانی ہوئی کہ یہ کیا ماجرا ہے، میں نے سوچا کہ ضرور اس میں کوئی نہ کوئی بات ہے، میں نے بھی جلدی سے ایک کشتی والے کو پیسے دیئے اور اس کو کہا کہ مجھے ذرا آہستہ آہستہ دریا کے پار لے کر چلو، میں کشتی میں بیٹھ گیا، میری نظر مستقل کچھوے پر تھی جس کی کمر پر مینڈک بیٹھا ہوا تھا جو برابر دریا کے دوسرے کنارے کی طرف بڑھ رہا تھا، آہستہ آہستہ میں بھی کشتی کے ذریعہ دوسرے کنارے تک پہنچ گیا اور وہاں اتر گیا، میرے سامنے ہی وہ کچھوا کنارے پر آیا اور جونہی وہ کنارے پر لگا اسی دم مینڈک اچھل کر خشکی پر آ گیا، پھر وہ سیدھا دوڑنے لگا، اب میں اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا، چلتے چلتے میں نے دیکھا کہ وہ مینڈک ایک درخت کے پاس پہنچا اور اس درخت پر چڑھا، میں بھی دوسرے درخت پر چڑھ گیا تاکہ دیکھ سکوں کہ وہ اس درخت میں کہاں جاتا ہے، میں نے دوسرے درخت پر چڑھ کر دیکھا کہ اس درخت کی ایک شاخ پر ایک کالے رنگ کا ناگ بیٹھا ہے جو اندھا ہے، وہ مینڈک گیا اور وہ پتا اس کے منہ میں ڈالدیا۔ وہ پتا اس کالے ناگ کی خوراک تھی، اللہ پاک نے ایک مینڈک کے ذریعہ اس کی خوراک اور غذا وہاں پہنچائی، میں دیکھ کر حیران رہ گیا کہ یا اللہ! آپ کی کیسی قدرت ہے، کس طرح آپ اپنی مخلوقات کو روزی پہنچاتے ہیں۔ اب آپ دیکھیں کہ وہ سانپ اندھا تھا، کچھ کر نہیں سکتا تھا، کہیں سے اپنی غذا حاصل نہیں کرسکتا تھا، اللہ پاک نے اس کنارے سے دوسرے کنارے تک مینڈک اور کچھوے کی ڈیوٹی لگا کر اس تک روزی پہنچانے کا انتظام فرمایا، پس

عقل والوں کی دوسری علامت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی ذات کا بھی ذکر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی صفات میں بھی غور کرتے ہیں۔

ذکر میں تین باتوں کا اہتمام ضروری ہے

جو آدمی ذکر میں تین باتوں کا اہتمام کرلے، نمبر ایک: ذکر کثرت سے کرے، نمبر دو: پابندی سے کرے، نمبر تین: توجہ سے کرے، تو آگے آنے والی عقلمند کی تیسری علامت خود بخود انشاء اللہ اس کو حاصل ہو جائیگی۔ ہمیں جو ذکر کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا، وہ ان تین باتوں میں سے کسی نہ کسی بات کے نہ ہونے کی وجہ سے حاصل نہیں ہوتا، اول تو ہم ذکر ہی نہیں کرتے، کریں تو پتا چلے کہ کتنی بڑی دولت ہے اور اگر کرتے ہیں تو کثرت سے نہیں کرتے اور کثرت سے کرتے ہیں تو توجہ اور پابندی سے نہیں کرتے حالانکہ ذکر کے فوائد حاصل کرنے کے لئے تینوں باتوں کی ضرورت ہے کہ ذکر کثرت سے بھی ہو، اس میں پابندی بھی ہو اور اس کو توجہ سے بھی کیا جائے۔

عقل مند کی تیسری نشانی

جب مذکورہ بالا تین باتوں کے ساتھ اللہ کا ذکر کیا جائیگا تو تیسری علامت حاصل ہو جائیگی اور وہ علامت یہ ہے کہ '' وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ '' یعنی آسمان وزمین کی بناوٹ میں غور وفکر کرتے ہیں، صرف ذکر ہی نہیں کرتے بلکہ ہماری قدرت کی نشانیوں میں غور وفکر بھی کرتے ہیں، فکر تفکر سے ہے اور تفکر کہتے ہیں '' غور کر کے کسی چیز کی حقیقت تک پہنچنا '' ذکر کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے اور فکر کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ کی مخلوقات سے کہ اللہ پاک نے جو مخلوق پیدا فرمائی ہے، ان میں غور کر کے اللہ تعالیٰ

تک پہنچیں، اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مشاہدہ کریں، ایک شعر یاد آگیا۔

جگ میں آکر اِدھر اُدھر دیکھا تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا
گلستان میں جاکر ہر ایک گل کو دیکھا جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تو ہے

پس جب تفکر ہوگا تو پھر چھوٹے پتھر سے بھی اللہ تعالیٰ نظر آئیں گے اور بڑے سے بڑے پہاڑ کو دیکھ کر بھی اللہ تعالیٰ نظر آئیں گے، زمین و آسمان کو دیکھ کر بھی خدا یاد آئے گا۔

تفکر بہت بڑی عبادت ہے

یہ تفکر بھی بہت بڑی عبادت ہے، جیسے ذکر عبادت ہے اور باعثِ ثواب ہے، اسی طرح تفکر بھی ایک اہم عبادت ہے، ایک روایت میں ہے کہ تھوڑی دیر فکر کرنا ساری رات جاگ کر عبادت کرنے سے بہتر ہے اور ایک روایت میں ہے کہ تھوڑا سا تفکر ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

ذکر کرنے اور مخلوقات میں غور وفکر کا نتیجہ

جب آدمی کثرت سے، پابندی سے اور توجہ سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں غور وفکر کرتا ہے تو آہستہ آہستہ اللہ تعالیٰ کی یاد دل و دماغ میں بس جاتی ہے اور پھر ہر چیز سے اس کو اللہ تعالیٰ نظر آنے لگتے ہیں، قدم قدم پر ہر چیز اس کو اللہ تعالیٰ کی یاد دلانے لگتی ہے، ہر چیز اس کو اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والی بن جاتی ہے، ہر چیز سے اس کو عبرت ہوتی ہے، ہر چیز سے اس کو سبق ملتا ہے، ہر چیز اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی معرفت کا ذریعہ بنتی ہے، چاند، سورج، زمین، آسمان، درخت، باغات، غرض ہر چیز جس پر بھی اس کی نظر جاتی ہے، بس وہ نظر نظرِ معرفت ہوتی ہے، ہم چیزوں کے ظاہر کو دیکھتے ہیں اور وہ اس چیز کے

باطن کو دیکھتا ہے، اور بے ساختہ اس کی زبان سے نکلتا ہے'' رَبَّنَا مَاخَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا '' کہ اے ہمارے رب! یہ کائنات آپ نے بیکار پیدا نہیں کی، اس کے پیدا کرنے میں، اس کے بنانے میں اور اس کو وجود میں لانے میں آپ کی ہزاروں حکمتیں ہیں، اس میں ہر طرف آپ کی قدرت کے نمونے پھیلے ہوئے ہیں اور جو کچھ بھی اس میں وقوع پزیر ہو رہا ہے، وہ سب آپ کے حکم کے تحت ہو رہا ہے اور اس میں آپ کی کوئی نہ کوئی حکمت ضرور موجود ہے۔

پہلی درخواست

اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اعتراف کرنے کے بعد عقلمند آدمی اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجز بن جاتا ہے، اپنی گردن جھکا لیتا ہے اور فرمانبردار ہو جاتا ہے، پھر پہلی درخواست یہ کرتا ہے کہ'' فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ '' یا اللہ! جہنم کے عذاب سے بچا، یہ دنیا تو فانی ہے، صرف آپ کی ذات باقی ہے، اسے چھوڑ کر جانا ہے تو وہاں جہنم سے بچائیے۔

دوسری درخواست

دوسری درخواست یہ کرتا ہے کہ یا اللہ! آخرت کی رسوائی سے بچا، اس لئے کہ آخرت کی رسوائی سب سے بڑی رسوائی ہے، جو شخص بھی دوزخ میں چلا گیا، سب سے بڑھ کر ذلت اس کے لئے ہوگی، سب سے زیادہ رسوائی اسی کی ہوگی، سب سے بڑی بدنامی اسی کی ہوگی، لہٰذا یا اللہ! ہمیں دوزخ سے بھی بچائیے اور آخرت کی ذلت و رسوائی سے بھی بچائیے اور دنیا کی رسوائی سے بھی بچائیے۔

تیسری درخواست

اس کے بعد تیسری درخواست یہ کرتا ہے کہ یا اللہ! ہم نے سرکارِ دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایمان کی دعوت دیتے ہوئے سنا، بالواسطہ یا بلا

واسطہ، بلاواسطہ تو صحابہ کرام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس دعوت اور پکار کو سنا اور ان کے بعد سے قیامت تک آنے والے مسلمان صحابہ کرام، تابعینؒ، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین اور سلفِ صالحین کے واسطہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہی پیغام اور ایمان کی دعوت سن رہے ہیں، یا اللہ! ہم نے وہ دعوت قبول کر لی اور ہم ایمان لے آئے، لہٰذا آپ ہمیں دوزخ میں داخل نہ فرمائیں۔ اس لئے کہ مؤمن کے دوزخ سے بچنے کی دو صورتیں ہیں، ایک صورت تو یہ ہے کہ شروع سے ہی دوزخ میں نہ جانا پڑے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی انہی میں شامل فرمادیں، دوسری صورت یہ ہے کہ دوزخ میں داخل تو کر دیا جائے لیکن یہ دخول عارضی ہو، اپنے کئے کی سزا پانے کے لئے اس کو دوزخ میں ڈالا گیا ہو، پھر سزا پانے کے بعد اس کو نکال دیا گیا، اس تیسری درخواست کا منشاء یہ ہے کہ مرتے ہی آپ ہمیں نیک لوگوں میں شامل فرمادیجئے تاکہ دوزخ کا دروازہ ہی نہ دیکھنا پڑے، کہیں ایسا نہ ہو کہ جہنم میں چلے جائیں اور پھر اس کے بعد نکالے جائیں، اگرچہ وہ نکلنا بھی غنیمت ہے لیکن ذلت اور عذاب تو اس میں بھی ہے، یا اللہ! آپ ہمیں اس سے بھی بچائیے، ہم آپ کے محبوب پر ایمان لائے ہیں، ان کے صدقہ اور طفیل آپ ہمارے ساتھ یہ کرم کا معاملہ فرمائیے کہ بس جیسے ہی ہمارا انتقال ہو، ویسے ہی آپ ہمیں اپنے نیک بندوں میں شامل کر لیجئے اور شامل کر کے انہی کے ساتھ رکھئے، وہ دوزخ میں نہیں جائیں گے، ان کے صدقہ ہم بھی دوزخ میں جانے سے بچ جائیں گے۔ یہ تین درخواستیں تو وہ ہیں جس کے اندر وہ عقلمند بندۂ مؤمن اللہ تعالیٰ سے ہر قسم کے خطرات وخدشات، آخرت کے نقصانات، ذلت ورسوائی سے بچنے کی درخواست کر رہا ہے۔

چوتھی درخواست

چوتھی درخواست ایک اور ہے وہ یہ کہ یا اللہ! جو آخرت کی عظیم عظیم نعمتیں

ہیں، یعنی آپ کی رضا، آپ کا قرب، عرشِ الٰہی کا سایہ، جنت میں داخلہ اور اس کی نعمتیں اور جنت میں انبیاء کرام علیہم السلام کی ہمراہی وغیرہ وغیرہ، یا اللہ! آپ نے اپنے نبیوں کے ذریعہ ان نعمتوں کے عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے، لہٰذا ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ ہم تو ان نعمتوں کے لائق نہیں ہیں مگر آپ نے عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے، لہٰذا آپ اپنی رحمت سے یہ نعمتیں بھی عطا فرمادیجئے اور اگر ہم میں ان کے حاصل کرنے کی صلاحیت ولیاقت نہیں ہے تو وہ لیاقت بھی عطا فرمادیجئے اور وہ صلاحیت بھی پیدا فرمادیجئے تا کہ ان نعمتوں کے ہم مستحق بن جائیں اور یہ نعمتیں ہمیں بھی مل جائیں، اس طرح ہم دنیا میں بھی فلاح یاب ہو جائیں گے اور آخرت میں بھی کامیاب ہو جائیں گے۔

پس یہ خلاصہ ہے جو ان آیات میں بیان کیا گیا ہے، آگے پھر اللہ پاک نے قبولیت کے وعدہ کا اعلان فرمایا ہے کہ جو یہ درخواستیں ہم سے کریگا، ہم اس کو قبول کریں گے۔

تہجد میں یہ آیات پڑھنی چاہئیں

سرکارِ دو عالم جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی طریقہ تھا کہ جب آپ تہجد میں اٹھا کرتے تھے تو یہ ''سورۂ آلِ عمران'' کی آخری آیات تلاوت فرمایا کرتے تھے، لہٰذا جب تہجد میں کوئی شخص اٹھے تو کبھی کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں یہ آیات تلاوت کر لینی چاہئیں۔

عراق کے اوپر امریکا کا حملہ

دوسری بات یہ عرض کرنی ہے کہ ہر مسلمان جانتا ہے کہ عراق کے اوپر امریکا اور اس کے اتحادیوں نے حملہ کیا ہوا ہے جس کی وجہ سے تمام مسلمانوں کے دل دکھے ہوئے ہیں۔

دل دکھنا ایمان کی علامت ہے

یہ دل دکھنا بھی مومن کے ایمان کی علامت ہے، کیونکہ نبی اکرم جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ساری دنیا کے مسلمان ایک جسم کی طرح ہیں اور ایک جسم کے کسی حصہ میں درد ہو تو سارے جسم میں درد ہوتا ہے، مثلاً اگر سر میں درد ہو تو سارے جسم میں درد ہوتا ہے، آنکھ میں تکلیف ہو تو سارے جسم کو تکلیف ہوتی ہے، پیٹ میں درد ہو تو سارے جسم کو اس کا احساس ہوتا ہے، ساری دنیا کے مسلمان بھی اسی طرح ایک جسم کی مانند ہیں، اگر دنیا کے کسی خطہ کے مسلمانوں کو تکلیف ہوتی ہے تو دنیا کے سارے مسلمان اس تکلیف کو محسوس کرتے ہیں، اس وقت دنیا بھر کے مسلمان بے چین اور بے قرار ہیں اور سب کا دل دکھا ہوا ہے کہ عراق کے اوپر امریکا اور اس کے اتحادیوں نے حملہ کیا ہوا ہے، بموں کی بارش ہو رہی ہے اور مسلمان بے چارے شہید ہو رہے ہیں اور یہ دل دکھنا ایمان کی علامت ہے اور دل دکھنا بھی چاہئے، کیونکہ اگر کسی کا دل نہیں دکھ رہا تو وہ اپنے ایمان کی خیر منائے۔

ہمہ وقت دعا میں مشغول رہیں

اس وقت ہر مومن مرد و عورت کو چاہئے کہ ہمہ وقت دعا میں مشغول رہے، اس لئے کہ یہ تکلیف ایسی ہے کہ ہر وقت ذہن پر چھائی ہوئی ہے، نہ کھانے کا مزہ ہے، نہ سونے کا مزہ ہے، نہ ملنے جلنے کا مزہ ہے، نہ شادی کا مزہ ہے، نہ غمی کا کوئی غم ہے، سارے غموں اور خوشیوں کو اس نے بھلا دیا ہے، ہمہ وقت دل و دماغ وہیں لگا ہوا ہے کہ ان پر کیا قیامت بیت رہی ہوگی، یہ کفار ان پر کس طرح بربریت کا مظاہرہ کر رہے ہیں، لہٰذا ہر وقت دعا میں مشغول رہیں کہ اے اللہ! عراق کے مسلمانوں کی حفاظت فرما اور ان کی مدد فرما۔

دعا کو معمولی نہ سمجھیں

بعض لوگ دعا کو معمولی سمجھتے ہیں لیکن یاد رکھئے کہ دعا معمولی چیز نہیں ہے، اس لئے کہ دنیا میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی حکمت کے تحت ہی ہو رہا ہے، جب ان کے حکم و حکمت سے ہو رہا ہے تو دعا بھی تو انہی کی بارگاہ میں ہو رہی ہے، اللہ تعالیٰ اس پر بھی قادر ہیں کہ جس حکم و حکمت کی بنیاد پر کوئی کام ہو رہا ہے، وہ حکمت کو بدل کر اپنا حکم بھی بدل دیں، حدیث شریف میں یہاں تک ہے کہ دعا ایسی چیز ہے کہ اس سے تقدیر بھی بدل جاتی ہے اور یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے، کیونکہ تقدیر لکھنے والے بھی تو اللہ پاک ہیں اور دعا بھی انہی کی بارگاہ میں ہو رہی ہے، ہم تو تقدیر کے سامنے عاجز ہیں لیکن اللہ تعالیٰ تو تقدیر سے عاجز نہیں ہیں، انہوں نے ہی تقدیر لکھی ہے تو جب دعا ہوگی تو وہ تقدیر بدل بھی دیں گے، اسی طریقہ سے عراق پر جو کچھ ہو رہا ہے، اللہ تعالیٰ کے حکم و حکمت سے ہو رہا ہے، ہم دعا میں لگ جائیں، جب سارے عالم کے مسلمان دعائیں کریں گے تو اول تو سب کی دعا قبول ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ، کیونکہ دعا رد نہیں ہوتی ورنہ ان دعا کرنے والوں میں کوئی تو اللہ کا بندہ ایسا بھی ہوگا کہ اس کی دعا عرش سے جا کر ٹکرائے گی اور ہاتھوں ہاتھ قبول ہوگی اور انشاء اللہ پانسہ پلٹ جائیگا۔ اس لئے یہ دعا کرنا معمولی بات نہیں ہے کیونکہ یہ رب العالمین کی بارگاہ میں درخواست ہے جو قادرِ مطلق ہیں، ان کے سامنے نہ ایٹم بم کچھ ہے نہ ان کے میزائل کچھ ہیں، کافروں کی ساری طاقتیں تو اللہ تعالیٰ کے سامنے مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ کی طاقت سب سے بڑی طاقت ہے، اس لئے جب سب کچھ ان کے قبضۂ قدرت میں ہے تو گڑگڑا کر ان سے درخواست کریں کہ یا اللہ! ہماری بھی مدد فرما اور حفاظت فرما اور عراق کے مسلمانوں کی بھی مدد فرما اور حفاظت فرما۔ یاد رکھئے! وہاں کے مسلمان ہمارے بھائی ہیں، ان کی تکلیف

ہماری تکلیف ہے اور ان کے اوپر جو کچھ بیت رہی ہے وہ ہم پر بیت رہی ہے، لہٰذا فرض نماز کے بعد بھی، تہجد کے وقت بھی، اشراق کے وقت بھی، چلتے بھی، بیٹھے بھی، لیٹے بھی، آتے بھی، جاتے بھی، جہاں بھی ہوں ان کے حالات سے بھی باخبر رہیں اور دل و جان سے دعا میں لگے رہیں۔

استغفار کا اہتمام کریں

اس کے ساتھ ساتھ استغفار کا بھی اہتمام کریں، کیونکہ عمل اور ردِ عمل ایک ایسا قانون ہے کہ جب سے دنیا بنی ہے یہ چلا آرہا ہے اور قیامت تک چلتا رہیگا، حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ اس پر بہت ہی زیادہ بیان فرمایا کرتے تھے۔

مکافاتِ عمل ایک اٹل قانون ہے

یاد رکھیے! مکافاتِ عمل اللہ تعالیٰ کا ایک اٹل قانون ہے، جو جیسا کرتا ہے ویسا ہی بھرتا ہے، مجموعی طور پر مسلمانوں کے حالات انتہائی ناگفتہ بہ ہیں، دینی اعتبار سے بہت سے مسلمانوں کی موجودہ حالت انتہائی خستہ ہے، مسلمان اپنے دین سے دور، آخرت سے غافل، عیش و عشرت میں ڈوبے ہوئے ہیں اور جب بھی مسلمانوں کی حالت ایسی ہوئی ہے، دشمن ان پر مسلط ہوئے ہیں۔ یہی بغداد جس پر آج امریکا اور اس کے اتحادی ٹوٹ پڑے ہیں، کچھ عرصہ پہلے تاتاریوں نے اس کے اوپر حملہ کیا تھا اور خون کی ندیاں بہائی تھیں، گلی کوچے کھوپڑیوں سے بھرے ہوئے تھے، ایک کروڑ چھ لاکھ آدمیوں کو ذبح کیا گیا تھا، ہلاکو خان نے کھوپڑیوں کے مینار بنائے تھے، یہ کیوں ہوا تھا؟ کیونکہ اس وقت کا حکمران عیش و عشرت میں ڈوبا ہوا تھا، دینداروں کا بھی یہ حال تھا، آج بھی بغداد کا وہی حال ہے جو اس وقت آگ میں جل رہا ہے، جیسے حالات ہوتے ہیں ویسے ہی انجام

ہوتا ہے، حدیث میں آتا ہے کہ "اَعْمَالُکُمْ عُمَّالُکُمْ" "تمہارے حاکم تمہارے اعمال ہیں، جیسے تمہارے اعمال ویسے ہی تمہارے حاکم۔

گناہوں کی معافی اور دعائیں مانگیں

اس وقت توبہ اور استغفار کرنے کی ضرورت ہے، عراق والے نہ کریں تو ہم تو کرلیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ کوئی بھی توبہ استغفار کرلے، اللہ تعالیٰ سب کو معاف فرما دیتے ہیں، ہم بھی اپنے گناہوں کی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں کیونکہ ہم بھی تو عالم کے اندر ہیں، ہمارے گناہوں کا بھی تو اثر ہے، لہٰذا پہلے اپنے گناہوں کی معافی مانگیں، پھر پورے عالم کے خصوصاً عراق کے مسلمانوں کے گناہوں کی معافی مانگیں، ہدایت کی دعا کریں، دین پر استقامت کی دعا کریں، سنت پر جمنے کی دعا کریں، شریعت پر چلنے کی دعا کریں اور ہر قسم کی عافیت وسلامتی کی دعا کریں، فتح ونصرت اور کامرانی کی دعا کریں اور یہ دعا کریں کہ یا اللہ! ہم کیسے بھی ہیں، نکمے ہیں، نالائق ہیں، خطا کار ہیں، سیاہ کار ہیں، ہم اپنی ہر غلطی کا اقرار کرتے ہیں، اقراری مجرم ہیں، ہم آپ سے معافی چاہتے ہیں، آپ ہمیں معاف فرما دیجئے اور سارے مسلمانانِ عالم کو معاف فرما دیجئے اور اس قہر وعذاب کو دور فرما دیجئے، یہ دشمن جو ہم مسلط ہو گئے ہیں ان کو ہم پر سے دفع فرما دیجئے اور ہم کو ان کے ظلم وستم سے نجات دیدیجئے اور ان کے مقابلہ میں مسلمانوں کو فتحِ مبین عطا فرما دیجئے۔

قنوتِ نازلہ کا اہتمام کریں

نیز اپنی اپنی مساجد میں قنوتِ نازلہ کا اہتمام کریں، یہ بھی بہت اہم ہے، کل چار کام ہو گئے، اللہ تعالیٰ توفیقِ عمل عطا فرمائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

غلط توہمات اور غلط نظریات

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی دامت برکاتہم
نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ضبط و ترتیب
حبیب اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
دکان نمبر ۲۹، نایاب جامع مسجد، لیاقت آباد کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم

: گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی بیانات : جلد نمبر ۱۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غلط توہمات اور غلط نظریات

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْراً كثيراً۔

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمَا اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْ عَنْ كَثِيْرٍ ۝ صدق اللّٰه العظيم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غلط نظریات کا قلع قمع فرمایا

میرے قابلِ احترام بزرگو! سرکارِ دوعالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دنیا میں تشریف لائے اور اللہ جل شانہ نے آپ کو اپنا نبی بنا کر مبعوث

فرمایا اور آپ نے اپنا منصب رسالت ادا فرمانا شروع کیا تو آپ نے جہاں لوگوں کو اللہ جل شانہ پر، اپنے نبی اور پیغمبر ہونے پر، آخرت کے برحق ہونے پر، جنت و دوزخ کے برحق ہونے پر، حساب و کتاب کے برحق ہونے پر اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے برحق ہونے پر لوگوں کو دعوت دی اور جہاں آپ نے لوگوں کو کفر و شرک سے باز رہنے کی تلقین فرمائی، توحیدِ خالص ان کے سامنے پیش کی اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کی دعوت دی، وہاں اس زمانے کے انسانوں میں جو طرح طرح کی غلط باتیں، غلط نظریات، وہم کی باتیں، توہم پرستی کی باتیں پائی جاتی تھیں، ان کا بھی قلع قمع فرمایا، ان کو بھی دور فرمایا اور ان سے بھی بچنے کی تاکید فرمائی۔

غلط نظریات کافروں کی طرف سے آئے

ان توہمات، غلط نظریات، جاہلانہ خیالات، بے بنیاد اور بے حقیقت باتوں میں سے بعض باتیں ایسی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منع کرنے کے باوجود وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے لے کر آج تک بعض لوگوں میں پائی جاتی ہیں اور وہ تمام باتیں دراصل کافروں کی طرف سے چلی آرہی ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی وہ باتیں کافروں کے اندر پائی جاتی تھیں، وہ تمام غلط باتیں، توہم پرستی کی باتیں، غلط غلط نظریات کافروں ہی کے تھے، جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے وہ ان باتوں سے بالکل پاک صاف، ان سے مبراء ہوگئے اور وہ سارے کے سارے موحد اور اللہ کے سچے نام لیوا ہوگئے، لیکن جو ایمان نہیں لائے وہ اسی طرح ان غلط باتوں کے اندر مبتلا رہے جیسے کفر و شرک میں مبتلا رہے، گمراہی میں ڈوبے رہے، توہمات میں بھی مبتلا رہے اور وہی توہمات کافروں کے اندر آج تک چلے آرہے ہیں، لہٰذا آج بھی کافروں کے اندر وہ باتیں پائی جاتی ہیں، وہیں سے مسلمانوں کے اندر بھی

منتقل ہوتی رہتی ہیں اور مسلمان بھی اپنی نادانی، جہالت اور ناسمجھی کی وجہ سے ان سے متاثر ہوکر ان پر عمل کرنا شروع کر دیتے ہیں، اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ ایسی باتوں کی طرف کچھ توجہ دلائی جائے، اگر خدانخواستہ کسی مسلمان مرد یا کسی مسلمان عورت میں وہ خرابی موجود ہوتو وہ اس کو دور کرلے اور جس میں نہیں ہے وہ بھی احتیاط رکھے۔

پہلا غلط نظریہ ''بیماری کا ایک دوسرے کو لگنا''

ان غلط نظریات میں سے ایک غلط نظریہ کافروں کا یہ تھا کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ بعض بیماریاں ایسی ہوتی ہیں جو از خود ایک سے دوسرے کو لگتی ہیں، ایسی بیماریوں کو اہلِ عرب ''عَدْوٰی'' کہتے تھے، عَدْوٰی اس بیماری کو کہتے تھے جو اگر کسی کے ہوجائے تو جو آدمی اس کے پاس بیٹھے گا، اس کے ساتھ کھانا کھائیگا، اس سے ملنے جائیگا، تو اس مریض کی وہ بیماری اس کے ساتھ کھانے والے کو اور اس سے ملنے والے کو بھی ہوجائیگی، یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے کافر عربوں کا نظریہ تھا اور ان کا یہ خیال اور تصور تھا، اس لئے وہ لوگ جب کسی شخص کو کسی خطرناک بیماری میں مبتلا پاتے تو اس سے بالکل دور ہٹ جاتے تھے اور اس سے ملنا جلنا، اس کے ساتھ بیٹھنا اٹھنا، اس کے پاس آنا جانا، اس کے ساتھ کھانا پینا بند کردیتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ بہت خطرناک بیماری میں مبتلا ہے، اگر ہم اس کے پاس جائیں گے، اس کے پاس بیٹھیں گے، اس سے ملیں گے اور اس کے ساتھ کھائیں گے تو جو بیماری اس کے ہورہی ہے، وہ بیماری ہمارے بھی لگ جائیگی، پھر ہم بھی بیمار ہوجائیں گے۔

انسان تو انسان وہ لوگ جانوروں کے اندر بھی یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ایک جانور کی بیماری دوسرے جانور کو لگ جاتی ہے، جیسے اونٹ کو خارش کی بیماری ہوتی ہے، تو ان کا عقیدہ یہ تھا کہ خارش کی بیماری پہلے اس کے ہونٹ کے نیچے ہوتی

ہے، پھر وہاں سے پھیلتے پھیلتے سارے جسم میں خارش ہو جاتی ہے، پھر اس کی یہ خارش دوسرے اونٹوں کے لگ جاتی ہے اور اس طرح سے ایک اونٹ کو خارش ہونے کی وجہ سے اونٹوں کا پورا ریوڑ خارش کے اندر مبتلا ہو جاتا ہے اور پہلے اونٹ کی خارش سب کو لگ جاتی ہے، اس لئے جس اونٹ کو خارش ہو جاتی تھی، وہ لوگ اپنے سارے اونٹ اس سے دور لے جاتے تھے، اس کو الگ تھلگ کہیں باندھ دیتے تھے، کسی اونٹ کو اس کے پاس جانے نہ دیتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ اس اونٹ کے جب خارش ہوگئی تو اب یہ اونٹ جس کے پاس بھی جائیگا اس کے بھی خارش لگائیگا اور جو اونٹ اس کے پاس آئیگا، اس کے بھی خارش لگ جائیگی اور اس کے اندر بھی خارش کی بیماری پیدا ہو جائیگی۔

آج بھی یہ نظریہ پایا جاتا ہے

جس طرح زمانۂ جاہلیت میں خارش کو وبائی بیماریوں کے اندر اور لگنے والی بیماریوں کے اندر شمار کیا جاتا تھا، اسی طرح آج بھی شمار کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی بیماریاں ہیں جیسے ڈائریا، نزلہ، زکام، طاعون، برص وغیرہ، ان کے بارے میں بھی یہی نظریہ ہے کہ ان بیماریوں میں سے کوئی اگر کسی کے اندر ہو جائے تو بس ان کے گھر والوں کی خیر نہیں ہے، پھر سب گھر والوں کو ہوگی، ایک سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے کو لگتی چلی جائیگی، نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غلط نظریہ، غلط عقیدہ اور بے بنیاد تصور کی نفی فرمائی اور اپنے ایک، دو، تین نہیں بلکہ بہت سارے ارشادات کے ذریعہ بتادیا کہ ہرگز ہرگز کسی بیماری کے اندر یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ از خود کسی دوسرے کے لگ جائے، چاہے وہ کتنی ہی خطرناک سے خطرناک بیماری ہو جیسے ہمارے زمانے میں کینسر کا مرض ہے اور چاہے بالکل معمولی مرض ہو جیسے نزلہ زکام اور چاہے وہ ایسا مرض ہو جس کی وجہ سے بہت سے آدمی ہلاک ہو جاتے ہیں جیسے

طاعون، جذام۔ جتنی بیماریوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں وبائی بیماری اور ایک دوسرے کو لگنے والی بیماری کہا جاتا تھا یا آج کے ڈاکٹر کہتے ہیں جو انگریزوں کے مقلد ہیں، جو انگریزوں نے کہہ دیا بس اس کو پتھر کی لکیر سمجھتے ہیں، اپنے دین کی تعلیمات کی ان کو خبر ہی نہیں کہ ہمارے دین میں کیا ہے، بیماریوں کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کیا ہیں، اس کی انہیں خبر نہیں، بچپن سے بڑھاپے تک جو کچھ پڑھا وہ سب انگریزوں سے پڑھا تو اب انگریزوں کی باتیں ان کے لئے پتھر کی لکیر ہیں، لہٰذا جس بیماری کے متعلق انگریزوں نے کہہ دیا کہ یہ بیماری لگتی ہے تو بس ہمارے مسلمان ڈاکٹر بھی یہ سمجھتے ہیں کہ یہ لگنے والی بیماری ہے الا ماشاء اللہ، یہ کافروں کا عقیدہ ہے اور کافروں کا عقیدہ کیسے صحیح ہوسکتا ہے، ان کا نظریہ کیسے درست ہوسکتا ہے، نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے تمام خیالات، نظریات، عقائد اور اس قسم کی ساری باتوں کو بے بنیاد قرار دیا، ان کو بے حقیقت فرمایا، بے اصل فرمایا اور غلط قرار دیا۔

خارش کے متعدی نہ ہونے سے متعلق حدیث

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے کافر عرب خارش کی بیماری کو متعدی بیماری سمجھتے تھے، لہٰذا جب آپ نے اس بات کو بیان کیا کہ کسی کی بیماری از خود کسی کو نہیں لگ سکتی تو عرب کے بدوؤں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ حضور! آپ یہ کیسے فرما رہے ہیں کہ ایک کی بیماری دوسرے کو نہیں لگتی، ہم تو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں کہ ایک اونٹ کو خارش کی بیماری ہوتی ہے، خارش کی بیماری پہلے اس کے ہونٹ کے نیچے ہوتی ہے، پھر وہاں سے پھیلتے پھیلتے سارے جسم میں خارش ہوجاتی ہے، پھر اس کی یہ خارش دوسرے اونٹوں کے لگ جاتی ہے اور اس طرح سے سارے کے سارے اونٹ خارش کے اندر مبتلا ہوجاتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ غلط ہے، جب تم یہ کہتے ہو کہ

خارش کی بیماری ایک سے دوسرے کو لگتی ہے تو بتاؤ پہلے اونٹ کو کس کی بیماری آ کر لگی؟ معلوم ہوا کہ جب پہلے اونٹ کو کسی کی بیماری نہیں لگی تو دوسرے اونٹوں کو بھی پہلے کی بیماری نہیں لگی بلکہ ہر ایک کے اندر الگ الگ پیدا ہوئی، جس کے بارے میں اللہ پاک کو منظور ہوا اس کو خارش ہوگئی اور جس کے بارے میں منظور نہیں ہوا اس کو نہیں ہوئی۔ آپ نے اس نظریہ کی جڑ ہی کاٹ دی کیونکہ پہلے اونٹ کو کس کی خارش لگی؟ ظاہر ہے اس سے پہلے تو کوئی خارش والا اونٹ ہے ہی نہیں، جب نہیں تو اس کے اندر خارش خود ہی پیدا ہوئی ہے، کسی کی آ کر نہیں لگی اور جب پہلے اونٹ کو کسی کی خارش نہیں لگی تو اس سے کسی اور کو بھی نہیں لگی، لہٰذا باقی اونٹوں کے اندر جو خارش پیدا ہوئی وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خود ہی پیدا ہوئی۔

صحت و بیماری تقدیر کے مطابق ہوتی ہے

آپ نے یہ تعلیم فرما دی کہ صحت، تندرستی، مرض اور بیماری سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر ہے، اس میں بھی توحید کی تعلیم ہے، وحدانیت کی تعلیم ہے، اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی تعلیم ہے کہ اللہ پاک قادرِ مطلق ہیں، مالک الملک ہیں، وہی صحت دینے والے ہیں، وہی بیماری دینے والے ہیں، جب ان کا حکم ہوتا ہے اور جس کے بارے میں حکم ہوتا ہے اور جتنا ہوتا ہے اور جہاں ہوتا ہے بس صرف اسی کے اندر اللہ تعالیٰ کے حکم سے بیماری پیدا ہوتی ہے، اگر اللہ پاک نے اس کی تقدیر میں بیماری لکھی ہے تو چاہے وہ سو فیصد تندرستوں کے اندر ہو، نہ دائیں کوئی مریض ہو، نہ بائیں کوئی مریض ہو، نہ آگے مریض ہو، نہ پیچھے مریض ہو، ہر جگہ صحت مند اور صحت بخش فضاء کے اندر رہتا ہو اور صحت مند انسانوں کے درمیان رہتا ہو پھر بھی اس کو بیماری ہو جاتی ہے، خطرناک سے خطرناک بیماری بھی ہو جاتی ہے اور معمولی سے معمولی تکلیف بھی ہو جاتی ہے، اب وہاں کوئی دوسرا بیمار ہے ہی نہیں، اگر بیماری ایک کی دوسرے کو لگتی ہے تو پھر اس کو کہاں سے ہوئی،

معلوم ہوا کہ اللہ کے حکم سے ہوئی۔

تقدیر دنیا بننے سے پہلے لکھدی گئی ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو تلقین فرمائی اور اس کی تعلیم دی کہ اللہ پاک نے جتنے بھی انسان پیدا فرمائے ہیں، ان سب کی تقدیر اللہ پاک نے ان کے دنیا میں آنے سے پہلے ہی لکھدی تھی، بلکہ زمین وآسمان کے بنانے سے بھی پہلے اور ایک قول یہ ہے کہ دنیا اور زمین وآسمان کے پیدا کرنے سے بھی پچاس ہزار سال پہلے اللہ پاک نے سارے آنے والے انسانوں کی تقدیر لکھدی اور اس تقدیر میں ہر آدمی کی بیماریاں بھی لکھدیں، صحت بھی لکھدی، عزت بھی لکھدی، روزی بھی لکھدی، زندگی بھی لکھدی، خوشی اور غمی بھی لکھدی، غرض سب ہی کچھ لکھ دیا، اب اس دنیا میں آنے کے بعد جس کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے، وہ سب اس کی تقدیر کے مطابق ہو رہا ہے، اگر دس آدمیوں کی تقدیر کے اندر ایک بیماری لکھی ہوئی ہے تو ہر ایک کو وہ بیماری اس کی تقدیر کے مطابق مستقل ہوگی، ایک کو دوسرے کی نہیں لگے گی، دوسرے کو تیسرے کی نہیں لگے گی اور جن کی قسمت میں بیماری لکھی ہوئی نہیں ہے وہ چاہے ان بیماری والوں سے گلے ملیں، چاہے ساتھ کھانا کھائیں اور چاہے ساتھ اٹھیں بیٹھیں، ان کو یہ بیماری قطعاً نہیں ہوگی اور یہ چیز ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ جن علاقوں میں کوئی بیماری عام ہو جاتی ہے تو اس بیماری کی وجہ سے سارے نہیں مرتے، جس طرح ہزاروں مرتے ہیں تو ہزاروں بچتے بھی ہیں، اگر بیماری کے لگنے کا نظریہ صحیح ہوتا تو کسی کو بھی نہیں بچنا چاہئے تھا لیکن ہر جگہ جہاں بھی کوئی بیماری ہوتی ہے، کبھی بھی نہ سارے مرتے ہیں نہ سارے جیتے ہیں، اس سے اسی بات کی تائید ہوتی ہے کہ دراصل یہ سب تقدیر کا کام ہے، ان ہزاروں انسانوں میں سے جس جس کی قسمت میں اللہ پاک نے وہ بیماری لکھی تھی، ان کو وہ بیماری ہوگئی اور اس بیماری کے ذریعہ ان کا انتقال

ہو گیا اور جن لوگوں کی تقدیر میں اللہ پاک نے وہ بیماری نہیں لکھی تھی ان کو کچھ بھی نہ ہوا، وہ صحیح سلامت رہے، وہاں موجود ہونے کے باوجود بھی بچ گئے، تو غم بھی مقدر ہے، مرض بھی مقدر ہے، صحت بھی مقدر ہے، مالداری بھی مقدر ہے، روزی بھی مقدر ہے، عزت وذلت بھی مقدر ہے، ہر چیز مقدر ہے، لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تقدیر پر ایمان لانے کا حکم فرمایا کہ جو کچھ اچھا برا ہوتا ہے وہ تقدیر کے مطابق ہوتا ہے۔

جذامی سے بچنے اور طاعون زدہ علاقہ میں نہ جانیکی حکمت

بعض روایات کے اندر یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی جذام کی بیماری کے اندر مبتلا ہو جس میں عام طور پر آدمی مرجاتا ہے تو تم اس سے اس طرح بچو جیسے شیر سے بچتے ہو اور بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ جس شہر میں یا جس بستی میں طاعون پھیلا ہوا ہو وہاں مت جاؤ اور جو لوگ اس شہر کے اندر ہیں ان کو یہ حکم ہے کہ باہر مت نکلو۔ ان ارشادات کے ظاہر سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بیماری کچھ نہ کچھ تو لگتی ہی ہے، یاد رکھو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ چونکہ ایک کی بیماری دوسرے کو لگتی ہے، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا بلکہ جذامی آدمی سے جو بچنے کا حکم دیا جارہا ہے اس کی وجہ دوسری ہے، اسی طرح جس علاقہ میں طاعون ہے وہاں جانے کی ممانعت کی وجہ اور جو وہاں موجود ہیں ان کے نکلنے سے ممانعت کی وجہ اور ہے، وہ وجہ یہ ہے کہ سارے مسلمان ایمان کے اعتبار سے برابر نہیں ہیں، قوی ایمان والے بھی ہیں، درمیانے درجے کا ایمان رکھنے والے بھی ہیں اور ضعیف ایمان والے بھی ہیں، اس جیسے جتنے بھی آپ کے ارشادات ہیں، یہ کمزور ایمان والوں کے ایمان کی حفاظت کے لئے ہیں کہ جس آدمی کو جذام کی بیماری ہے یا جو طاعون کے مرض میں مبتلا ہے تو یہ بیماری اس کے اندر اللہ کے حکم سے ہے، کسی اور کو بھی لگ نہیں سکتی، اگر تقدیر میں ہوگی تو لگے گی اور اگر تقدیر میں نہیں ہوگی تو کچھ

بھی ہو جائے، کوئی بیماری لگ نہیں سکتی۔

اب اگر کوئی کمزور ایمان والا ہے اور وہ کسی جذامی کے پاس چلا گیا اور جا کر اس کے ساتھ کھانا کھالیا یا اس کا جھوٹا پانی پی لیا یا اس کے ساتھ بیٹھ گیا اور اس بیٹھنے والے کی قسمت میں بھی وہ بیماری لکھی ہوئی تھی جس کے نتیجے میں اس کے اندر بھی وہ بیماری پیدا ہوگئی تو ظاہر میں ایمان کی کمزوری کی وجہ سے وہ یہ سمجھے گا کہ چونکہ میں اس جذامی کے پاس بیٹھا تھا یا میں نے اس کا جھوٹا پانی پیا تھا، اس لئے اس کی بیماری میرے لگ گئی اور جب وہ یہ سمجھے گا تو اس کے ایمان میں خلل واقع ہوگا اور تقدیر پر جو ایمان تھا وہ ڈانواڈول ہو جائیگا، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احتیاطاً اس کو اس کے پاس جانے سے منع فرمادیا کہ تمہارا ایمان کمزور ہے، اگر تم اس کے پاس چلے گئے اور تمہاری تقدیر میں بیماری لکھی ہوئی تھی اور تم اپنی تقدیر کے مطابق بیمار ہو گئے اور غلطی سے یہ سمجھ بیٹھے کہ اس کی بیماری مجھے لگ گئی تو تمہارا ایمان ہی خطرے میں پڑ جائیگا، لہٰذا اس کے پاس جانے سے احتیاط کرو تاکہ تمہارا ایمان سلامت رہے اور تمہارے ایمان میں خلل واقع نہ ہو، اس لئے آپ نے جذامی کے پاس جانے سے منع فرمایا ہے۔

اسی طرح جس علاقہ، شہر، گاؤں، دیہات میں کوئی بیماری عام لوگوں کو ہو رہی ہے تو ان سب کو اپنی اپنی تقدیر کے مطابق ہو رہی ہے، ایک کی بیماری دوسرے کو ہرگز ہرگز نہیں لگ رہی، لیکن باہر والوں کو وہاں جانے سے منع فرمایا، اس لئے کہ اگر یہ باہر والا وہاں چلا گیا اور اس کی تقدیر میں پہلے سے ہی وہ بیماری لکھی ہوئی تھی جو اس علاقہ میں آئی ہوئی ہے اور وہاں جا کر اس کی تقدیر کے مطابق اس کو بھی وہ بیماری ہوگئی تو ایمان کے کمزور ہونے کی بناء پر وہ یہ سمجھے گا کہ میں چونکہ اس علاقہ میں چلا گیا تو میرے بھی یہ بیماری لگ گئی، نہ جاتا تو نہ لگتی اور جب وہ یہ سمجھے گا تو اس کے ایمان میں خلل واقع ہوگا اور تقدیر پر جو ایمان تھا وہ

متزلزل ہو جائے گا، تو اس کے ایمان کے تحفظ کے لئے آپ نے یہ تلقین فرمائی کہ تم وہاں مت جاؤ، احتیاط کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا ایمان ہی خطرے میں پڑ جائے اور اس میں خلل واقع ہو جائے۔

اسی طرح جو لوگ اس بستی کے اندر ہیں، وہ لوگ دیکھ رہے ہیں کہ دو آدمی اس گھر میں مر گئے، تین آدمی دوسرے گھر میں مر گئے، چار آدمی تیسرے گھر میں مر گئے اور کثرت سے لوگوں کی موت واقع ہو رہی ہے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان بستی والوں کو حکم یہ ہے کہ کوئی بھی اپنے علاقہ سے باہر نہ جائے، اسی وبائی علاقہ کے اندر ہی سب لوگ رہیں، کسی کو بھی وہاں سے باہر جانے کی اجازت نہیں، اس میں بھی یہی حکمت ہے کہ اگر کوئی شخص اس بستی سے نکل کر باہر چلا گیا حالانکہ اس کی تقدیر میں وہ بیماری لکھی ہوئی ہی نہ تھی اور اس کو وہ بیماری نہ ہوئی تو اس کا ایمان اس طرح خطرے میں پڑ جائیگا کہ وہ یہ سمجھے گا کہ میں چونکہ اس بستی سے نکل آیا تو بچ گیا، اگر میں وہاں ہوتا تو میں بھی مر جاتا۔ یہ ہے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دور اندیشی کہ کس کس طریقہ سے ہمارے ایمان کی حفاظت فرما رہے ہیں کہ اس بستی کے اندر رہنے کی صورت میں بھی اس کی تقدیر میں اگر بیماری نہیں ہے تو نہیں ہوگی اور جب وہاں نہیں ہوگی تو باہر بھی نہیں ہوگی لیکن اگر وہ باہر چلا گیا اور وہ بیمار نہ ہوا تو باہر آ کر وہ یہ سمجھے گا کہ باہر آنے کی وجہ سے میں بیماری سے بچ گیا اس سے اس کا تقدیر پر ایمان خراب ہو جائیگا، اس طرح سے آپ نے اندر والوں کے ایمان کی حفاظت فرمائی، اب اندر جتنے بھی ہیں جس جس کی تقدیر میں یہ بیماری لکھی ہوئی ہے اس کو تو ہوگی اور جن کی قسمت میں نہیں لکھی وہ اندر رہتے ہوئے بھی بیماری سے محفوظ رہیں گے، جن ارشادات میں آپ نے منع فرمایا ہے وہ احتیاط کے طور پر ایمان کے تحفظ کے لئے منع فرمایا ہے ورنہ اصل بات وہی ہے کہ بیماری اور صحت مقدر ہے، حادثات اور سانحات

سارے تقدیر میں لکھے ہوئے ہیں، جس کے لئے جس وقت مقدر ہیں اسی وقت وہ رونما ہونگے۔

اسلام احتیاطی تدابیر اختیار کرنے سے منع نہیں کرتا

نیز ان احادیث سے ہمارے لئے یہ سبق بھی مل گیا کہ احتیاطی تدابیر اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اسلام ہرگز اس سے منع نہیں کرتا مگر نظریہ کا صحیح رکھنا ضروری ہے، اعتقاد کا درست رکھنا لازم ہے، ایمان کے مطابق ہمارا اعتقاد یہی ہونا چاہئے کہ بیماری اللہ کے حکم سے آتی ہے اور اللہ ہی کے حکم سے جاتی ہے، اگر اللہ کا حکم ہوگا تو آپ کتنا ہی وبائی علاقہ سے دور ہوں، آپ کو بیماری ہوکر رہیگی اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور نہیں ہے تو آپ مریض کے منہ کا نوالہ اپنے منہ میں رکھ لیں تب بھی آپ کا کچھ نہیں ہوگا، البتہ احتیاطی تدابیر اعتدال کے ساتھ اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، انجیکشن لگوانا بھی صحیح ہے اور دوسری تدابیر بھی اختیار کر سکتے ہیں لیکن عقیدہ کا صحیح رکھنا ضروری ہے اور مریض سے چھوت چھات کا معاملہ کرنا جائز نہیں ہے کہ بالکل اس کو ہم انتہائی خطرناک قرار دیکر اس کے پاس آنا جانا چھوڑ دیں، اس سے ملنا جلنا چھوڑ دیں، اس کے پاس اٹھنا بیٹھنا چھوڑ دیں، اس کے ساتھ کھانا پینا چھوڑ دیں یہ بالکل غلط ہے، احتیاطی تدابیر کریں لیکن مریض کے پاس آئیں جائیں، اس کی خدمت کریں اور اس بات کو ذہن نشین کرلیں کہ بیماری اللہ کے حکم سے ہی ہوتی ہے، اگر میری تقدیر میں لکھی ہے تو میں اس کے پاس جاؤں یا نہ جاؤں، وہ ہوکے رہے گی اور اگر میری تقدیر میں نہیں ہے تو لاکھ اس کے پاس بیٹھوں، کچھ نہیں ہوسکتا اور یہ بالکل برحق ہے۔

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ

اس پر حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ مجھے یاد آیا

جو حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بھانجے ہیں اور بڑے بزرگ اور عالم ہیں، پاکستان بننے کے بعد مشرقی پاکستان میں انہوں نے ہی پاکستان کا پرچم لہرایا تھا جبکہ کراچی میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے پاکستان کا سبز ہلالی پرچم لہرایا تھا، ان حضرات کی پاکستان بنانے کی کوششیں ناقابلِ فراموش ہیں، جب پاکستان بن گیا تو ہندوستان سے وہ پاکستان آگئے اور تقریباً ساری زندگی انہوں نے ''ٹنڈو الہ یار'' میں گزاری، پاکستان آنے کے کچھ عرصہ بعد وہ واپس ہندوستان اپنے عزیز و اقارب سے ملنے کے لئے گئے، سب جانتے ہیں کہ ہندوستان کے اندر ہندو اور مسلمان آپس میں ملے جلے رہتے تھے، بعض ہندوؤں سے کافی گہرے مراسم بھی ہوتے ہیں، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے بھی کسی ہندو سے بہت دوستانہ تعلقات تھے اور اس سے کافی میل جول تھا، جب حضرت اپنے آبائی وطن پہنچے تو حضرت نے اس ہندو کے بارے میں بھی پوچھا کہ وہ زندہ ہے یا نہیں، کس حال میں ہے اور کہاں ہے، لوگوں نے بتایا کہ ''لالہ جی'' بہت سخت بیمار ہیں، ان کو بڑی خطرناک بیماری ہوگئی ہے اور گھر میں پڑے ہیں، کوئی ان کا پُرسانِ حال نہیں ہے، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے کیونکہ کافر کی عیادت بھی جائز ہے، جب ان کے گھر پہنچے تو گھر والوں سے پوچھا کہ ''لالہ جی'' کہاں ہیں؟ انہوں نے گھر کے ایک کونے کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ وہاں ہیں۔ حضرت فرماتے ہیں کہ میں نے عجیب ماجرا دیکھا کہ ان کے گھر والوں نے گھر کے ایک طرف دور ایک کونے میں ان کی چارپائی ڈالی ہوئی ہے، اس پر وہ پڑے ہوئے ہیں، نہ کوئی اس کے پاس ملنے جاتا ہے، نہ اس کے پاس کوئی خیریت پوچھنے جاتا ہے، نہ کوئی اس کو کھانا دینے جاتا ہے، نہ اس کو کوئی دوا پہنچانے جاتا ہے، کیونکہ سارے گھر والے یہ کہتے تھے کہ اس کو بڑی خطرناک

بیماری لگی ہوئی ہے، اگر ہم اس کے پاس جائیں گے تو ہمارے بھی لگ جائیگی، یہ تو مر ہی رہا ہے ساتھ میں ہم بھی مریں گے، چھوت چھات کا تصور ہندوؤں میں بہت زیادہ ہے، لہٰذا سارے گھر والوں نے اس کو ایک طرف ڈالدیا اور سب اپنی جان بچانے کے لئے دوسری طرف ہو گئے، حضرت فرماتے ہیں کہ میں سیدھا ''لالہ جی'' کے پاس چلا گیا اور جا کر اس کے سامنے بیٹھ گیا، اس نے مجھے پہچانا اور حیران ہو کر مجھ سے کہنے لگا کہ آپ میرے پاس آ کر بیٹھ گئے کیونکہ وہ بھی یہ سمجھ رہا تھا کہ میں اتنا خطرناک مریض ہوں کہ میرے پاس کوئی آ ہی نہیں سکتا اور حضرت کیسے بے خوف وخطر آ کر بیٹھ گئے، حضرت نے فرمایا کہ ہمارا دین تو کہتا ہے کہ کسی کی بیماری کسی کو نہیں لگتی، لہٰذا تمہارے پاس آنے سے تمہاری بیماری مجھے کوئی لگے گی، حضرت فرماتے ہیں کہ میں اس کے پاس بیٹھا رہا، باتیں کرتا رہا، وہ بہت خوش ہوا، پھر اس نے کہا کہ میں جس بیماری میں مبتلا ہوں وہ تو ہے ہی ناقابلِ برداشت لیکن اس سے بڑھ کر میرے لئے غم یہ ہے کہ میرے گھر والے بھی مجھ سے دور ہو گئے، اب میں تو زندگی ہی میں مر گیا، اس لئے کہ جس طرح قبر میں چھوڑ کر سب لوگ چلے جاتے ہیں، اسی طرح میرے گھر والے مجھے یہاں ڈال کر چلے گئے، نہ میرے بیوی بچے میرے پاس آتے ہیں، نہ بہن بھائی آتے ہیں اور نہ ہی ماں باپ میرے پاس آتے ہیں، غرض کوئی بھی میرے پاس نہیں آتا، ایک تو میں بیمار اور دوسرا یہ غم ہے کہ میرا اپنا کوئی بھی نہیں رہا، ساری زندگی میں نے جن کے لئے کمایا، آج ان کی شکلوں کو دیکھنے کے لئے بھی میں ترس گیا، حضرت فرماتے ہیں کہ جب دوا کا وقت ہوا تو میں نے عجیب معاملہ دیکھا کہ ایک لمبا بانس جس کے آگے ایک اینگل لگا ہوا ہے، گھر والوں نے اس کے اندر بالٹی لٹکائی، دوا اس میں ڈالی اور وہ دوا اس بانس کے ذریعہ سے اس تک پہنچائی، لالہ جی نے وہ بالٹی اس بانس سے نکالی اور پھر اس بالٹی سے دوا نکالی اور اس کو پیا اور پھر بالٹی واپس اس

بانس میں لٹکا دی جس کو ان کے گھر والوں نے کھینچ لیا۔ یعنی ڈر کی بھی کوئی انتہاء ہے، عقیدہ کی خرابی کی بھی کوئی حد ہے، اسی طرح لالہ جی کو کھانا پینا اور چائے وغیرہ بھی پہنچائی جارہی تھی، گھر والے اتنا ڈر رہے تھے کہ مریض کے قریب بھی نہیں جاتے تھے، یہ معاملہ دیکھ کر مجھے بڑا افسوس ہوا اور میں نے ان کو تسلی دی کہ بھائی! یہ سب باتیں غلط ہیں، کسی کی کوئی بیماری کسی دوسرے کو نہیں لگتی، پھر میں تھوڑی دیر اس کے پاس بیٹھا رہا، اس کے بعد اس نے ایک عجیب بات کہی کہ حضرت! میرا دل تو یہ کہہ رہا ہے کہ تمہارا مذہب سچا ہے اور ہمارا مذہب جھوٹا ہے، اس لئے کہ تم میرے پاس بیٹھے ہو، یہ اس کے سچے ہونے کی علامت ہے، اگر ہمارا مذہب سچا ہوتا تو میرے گھر والے اس طرح میرے سے دور نہ ہوتے، میں تو گھر والوں سے دور ہو گیا، ساری برادری سے کٹ گیا، جیتے جی مر گیا، میرا دل یہ کہہ رہا ہے کہ تمہارا مذہب سچا ہے، لہٰذا جلدی سے مجھے کلمہ پڑھاؤ، میں نے فوراً کلمہ پڑھایا، اس کے کلمہ پڑھنے کے تھوڑی دیر بعد ہی اس کا انتقال ہو گیا۔ اندازہ کرو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک تعلیم پر عمل کرنے سے ایک کافر کو ایمان نصیب ہو گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پر عمل کرنے کا اثر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری باتیں ایسی سچی، پکی اور اٹل ہیں کہ دنیا اِدھر سے اُدھر ہو جائے مگر آپ کی بات اپنی جگہ پہاڑ کی طرح مضبوط اور پختہ ہے، ہم جو طرح طرح کی مصیبتوں اور پریشانیوں میں مبتلا ہیں، یہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات چھوڑنے کی وجہ سے ہیں ورنہ آپ کی تو ایک ایک تعلیم ایسی ہے کہ کافر کو بھی مسلمان کر دے اور زندگی بھر کا کفر ختم کر دے، دیکھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک تعلیم پر عمل کرنے کی بدولت ''لالہ جی'' کو ایمان نصیب ہو گیا، تو ہم اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ان باتوں پر عمل کریں گے تو ہمارا ایمان مکمل

ہو جائیگا اور اس میں جو کمی ہے وہ انشاء اللہ تعالیٰ دور ہو جائیگی، اس لئے اپنا عقیدہ درست کر لینا چاہئے کہ ایک کی بیماری کسی دوسرے کو نہیں لگتی، جس کی تقدیر میں اللہ نے وہ بیماری لکھدی ہے وہ ہو کر رہیگی، اس کو اللہ کے سوا کوئی بچانے والا نہیں ہے اور جس کی تقدیر میں بیماری نہیں لکھی، اس کو کسی کی بیماری لگ نہیں سکتی، زمین اِدھر سے اُدھر ہو جائے، آسمان اپنی جگہ سے ہٹ جائے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات اپنی جگہ قائم رہیگی۔ اور یہ میں عرض کر چکا ہوں کہ احتیاطی تدابیر اعتدال کے ساتھ اختیار کرنے کی اجازت ہے، اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

مزید دو غلط نظریے

ایک بات اسی سلسلہ کی اور یاد آئی کہ ہندوؤں کے اندر یہ بھی ایک نظریہ پایا جاتا ہے کہ جس عورت کے بچے زندہ نہیں رہتے، اس کے پاس کسی کنواری یا نو بیاہتی لڑکی کو جانے نہیں دیتے، کہتے ہیں کہ وہ تو ہے ہی بے اولاد، اس کی یہ بے اولاد ہونے کی بیماری کسی دوسرے کو نہ لگ جائے، اس لئے جس کی نئی نئی شادی ہوئی ہوتی ہے، اس کو اس عورت کے پاس جانے کی ممانعت ہوتی ہے اور کوئی کنواری لڑکی بھی اس کے پاس نہیں جاسکتی، عقیدہ وہی ہے کہ اس کی بیماری اس کو نہ لگ جائے اور پھر اس کے ہاں بھی اولاد نہیں ہوگی، اسی طرح ایک نظریہ یہ بھی پایا جاتا ہے کہ جس کی اولاد پیدا ہوتے ہی مرجاتی ہے، اسے کہتے ہیں ''مرت بیاہی'' اس کے پاس بھی کسی کو جانے نہیں دیتے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے بچے مرنے کی بیماری کسی دوسرے کو لگ جائے۔

بھائیو! یہ تو ہندوؤں کی باتیں ہیں، خواتین خاص طور پر سمجھ لیں کہ یہ ساری باتیں بے بنیاد، غلط، جاہلانہ اور ہندوانہ ہیں، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب باتوں کو غلط قرار دیا ہے، آپ نے فرمایا کہ ''لَا عَدْوٰی'' جس

کے معنی ہیں کوئی بیماری کسی کے نہیں لگتی، بیماری اللہ کے حکم کے تابع ہے، جب اللہ کا حکم ہوتا ہے تو بیماری ہوتی ہے اور جب اللہ کا حکم نہیں ہوتا تو بیماری نہیں ہوتی۔

ماہِ صفر کو منحوس سمجھنا یہ بھی غلط نظریہ ہے

ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو کافر تھے، ان کے طرح طرح کے نظریات میں سے ایک نظریہ یہ بھی تھا کہ وہ صفر کے مہینے کو بھی منحوس اور برا سمجھتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے کافروں کا یہ تصور آج بھی مسلمانوں کے اندر پایا جاتا ہے، آج بھی بعض مسلمان بے چارے یہ سمجھتے ہیں کہ صفر کا مہینہ بلاؤں کے نازل ہونے کا مہینہ ہے اور اپنی طرف سے غلط غلط باتیں بنا کر لوگوں میں پھیلا رکھی ہیں یہاں تک کہ یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ کُل دس لاکھ بیماریاں ہیں جن میں سے نو لاکھ اسی ہزار بیماریاں صفر کے مہینے میں اترتی ہیں۔

اب آپ بتائیں کہ خدانخواستہ اگر یہ بات سچی ہو تو کوئی دنیا میں زندہ بچے گا؟ لیکن اللہ کا شکر ہے کہ صفر کا مہینہ ہر سال آتا ہے اور ہم سب الحمد للہ سلامت ہی رہتے ہیں۔ یہ محض جاہلانہ تصور ہے اور یہ بھی اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے کہ کُل دس لاکھ بیماریاں ہیں اور پھر نو لاکھ اسی ہزار صفر کے مہینے میں اترتی ہیں، اسی لئے بعض مسلمان ڈر کے مارے اس مہینے میں بڑا صدقہ خیرات کرتے ہیں اور شادی بیاہ بھی نہیں کرتے کہ یہ تو مصیبتوں کا مہینہ ہے، خوشی کا مہینہ نہیں ہے، لہٰذا اگر صفر میں شادی ہوگی تو وہ صِفر ہوگی، صرف ڈر کے مارے وہ اس مہینے میں شادی ہی نہیں کرتے خاص طور پر یکم صفر سے تیرہ صفر تک کو زیادہ منحوس سمجھتے ہیں کہ ان تیرہ دنوں میں زیادہ بلائیں اترتی ہیں، زیادہ پریشانیاں آتی ہیں اور طرح طرح کی بیماریاں نازل ہوتی ہیں، لہٰذا ان تیرہ دنوں میں لوگ زیادہ صدقہ خیرات کر کے اپنی جان کی امان چاہتے ہیں۔

ماہِ صفر خیر و برکت کا مہینہ ہے

سرکارِ دو عالم جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صفر کے بارے میں فرمایا کہ ''لَا صَفَرَ'' کہ صفر کے بارے میں جو لوگوں کا عقیدہ اور تصور ہے کہ یہ مہینہ منحوس مہینہ ہے، بلاؤں کے نازل ہونے کا مہینہ ہے، آفات وبلیات، بیماری وسانحات کا مہینہ ہے، یہ بالکل غلط ہے، صفر کا مہینے کا مکمل نام ہے ''صفر المظفر'' مظفر کے معنی کامیابی کے آتے ہیں یعنی کامیابی کا مہینہ، اس کو صفر الخیر بھی کہتے ہیں یعنی خیر وبرکات کا مہینہ، اسلام کا تصور یہ ہے کہ یہ خیر کا مہینہ ہے، کامیابی کا مہینہ ہے، ہرگز ہرگز منحوس مہینہ نہیں ہے۔

کسی مہینے میں نحوست نہیں

جب اللہ پاک نے آسمان وزمین بنائے تو اسی وقت اللہ پاک نے سال کے بارہ مہینے بھی بنائے اور اسلامی جنتری کے اعتبار سے سال کے بارہ مہینوں کے تین سو ساٹھ دن ہوتے ہیں، یہ سب اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ہیں، کسی رات میں کوئی نحوست نہیں، کسی دن میں کوئی نحوست نہیں، کسی مہینہ میں کوئی نحوست نہیں، کسی سال میں کوئی نحوست نہیں، سارے اللہ پاک کے بنائے ہوئے پاک وصاف مہینے اور دن ہیں، البتہ سال میں چار مہینوں کو اللہ پاک ہی نے محترم قرار دیا ہے، جن میں سے تین مہینے تو لگاتار ہیں، ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم الحرام اور ایک مہینہ رجب المرجب کا ہے جو شعبان سے پہلے آتا ہے، یہ چار مہینے محترم ہیں لیکن کوئی مہینہ غیر محترم نہیں، لہٰذا یہ ماہِ صفر کے متعلق لوگوں کا تصور صحیح نہیں ہے۔

غلط نظریات کی وجہ دین سے دوری ہے

یہ جو غلط غلط عقائد مسلمانوں کے اندر پائے جاتے ہیں، اس کی بنیادی وجہ دین سے دوری ہے، مسلمان جتنا دین سے قریب رہیں گے اتنا ہی ان کا ایمان

مضبوط رہیگا اور جس کا ایمان مضبوط ہوتا ہے، اس کے اعتقاد میں ایسی بے بنیاد، من گھڑت اور غلط باتیں آتی ہی نہیں ہیں، یہ آتی ہی ایسے لوگوں کے اندر جن کا رشتہ دین اور اہلِ دین اور علماءِ دین سے کمزور ہوتا ہے اور جاہلوں کے ساتھ ان کا اٹھنا بیٹھنا اور ملنا جلنا ہوتا ہے اور جاہلوں کے عقائد اور نظریات خراب ہوتے ہیں، لہٰذا ان کا بھی عقیدہ خراب ہو جاتا ہے۔

''سحر و آسیب کا وہم'' ایمان کے کمزور ہونے کی علامت ہے

چنانچہ اسی سلسلہ کا ایک اور پہلو بھی قابلِ توجہ ہے اور وہ بھی ہمارے دین وایمان کے کمزور ہونے کی وجہ سے بہت زیادہ تیزی کے ساتھ پھیل چکا ہے اور نجانے کتنے خواتین وحضرات اس کا شکار ہیں اور شکار ہونے کی بناء پر ان کی دنیا و آخرت تباہ ہو رہی ہے اور وہ ہے سحر و آسیب کا وہم، آج ذرا سا کسی مسلمان کا کاروبار ٹھپ ہو جائے، یا کسی کی ترقی موقوف ہو جائے، یا ملازمت نہ ملے، یا ذریعۂ معاش اس کو حاصل نہ ہو، یا کسی ضروری اور اہم کام میں کوئی رکاوٹ پیدا ہونے لگے یا گھر کے کچھ افراد بار بار بیمار ہونے لگیں یا پے در پے پریشانیاں پیش آنے لگیں، ہر شخص کا خاص طور پر عورتوں کا ذہن اس طرف جاتا ہے کہ کسی نے ہمارے اوپر جادو کر دیا ہے، کسی کی نظر لگ گئی ہے یا کوئی جن آ گیا ہے اور یہ ساری حرکتیں اسی کی ہیں، ہمارے گھر میں آسیب ہے، سایہ ہے، بچے کو جھپٹا ہو گیا ہے، اس لئے وہ بیمار ہے، رشتہ نہیں آ رہا تو کہیں گے کہ کسی نے رشتے باندھ دیئے ہیں، دکان نہیں چل رہی یا نوکری نہیں مل رہی تو کہتے ہیں کہ کسی نے روزی باندھ دی۔

اکثر عامل ڈاکو اور چور ہیں

اس کے بعد سیدھے کسی عامل کے پاس جائیں گے اور عاملوں کی دنیا میں اکثر عامل ڈاکو اور چور ہیں، ان کے ہاں یہ باتیں پائی جاتی ہیں کہ کسی کے

واقعتاً جادو نہ ہو، آسیب نہ ہو، نظر نہ ہو، کچھ بھی نہ ہو ان کے پاس جاؤ تو وہ کچھ نہ کچھ اپنے پاس سے نکال ہی دیں گے اور کہیں گے کہ تم کو جادو ہے، آسیب ہے، اس لئے کہ ان کا مقصد دکانداری ہے، جیسے آپ کسی دکان پر چلے جائیں تو وہ دکاندار آپ کو خالی ہاتھ جانے نہیں دیگا، ایک دفعہ آپ کسی دکان میں داخل ہو جائیں، اگر وہ دکاندار ہوشیار ہے تو وہ آپ کو خالی ہاتھ نہیں جانے دیگا، سو روپے کی چیز پچاس کی بتا دیگا اور دوسری سو والی چیز دو سو میں دیدیگا، آپ سمجھیں گے کہ بڑی سستی چیزیں دے رہا ہے، یہ معلوم نہیں کہ دوسری طرف سے اس نے جیب کاٹ لی، جیسے تاجروں کا یہ حال ہے کہ آیا ہوا گاہک واپس نہیں جانا چاہئے، اسی طرح عاملوں کا حال بھی یہ ہے کہ کوئی مریض واپس جانا نہیں چاہئے، خالی آیا ہے تو بھرا ہوا جائے، بھرا ہوا آیا ہے تو دیگر جائے، یعنی اگر واقعی اس کے اوپر جادو یا آسیب ہے تو اس کے چکر پہ چکر لگوائیں گے اور ہر مرتبہ اس سے مشک، زعفران، عنبر منگوائیں گے اور وہ بھی اصلی اور اصلی ملتا نہیں ہے تو وہ مریض ان کو پیسے ہی دیدیگا کہ عامل صاحب! آپ ہی منگوا لیجئے گا، ہمیں تو ملتا نہیں، بس اب عامل کے پاس آنے جانے کا سلسلہ شروع ہو گیا اور پھر گھر کا کوئی فرد ایسا نہیں ہوگا جس پر آسیب نہ ہو، جادو نہ ہو، عامل صاحب نے علاج کر دیا مگر پھر بھی وہی حال، دکان ویسی کی ویسی، عامل صاحب کہیں گے کہ پھر دوبارہ حملہ ہو گیا ہے، میں نے تو جادو کاٹ دیا تھا اور علاج کر دیا تھا مگر اب دوبارہ جھپٹا ہو گیا اور کسی نے دوبارہ جادو کر دیا، اب میں اس کا بھی توڑ کرونگا، اب یہ ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا اور یہ ایسی دلدل ہے جو اس کے اندر گر گیا پھر اس کا نکلنا مشکل ہے۔

یاد رکھیں! جادو اور آسیب بلاشبہ ایک حقیقت ہے لیکن وہ ایک فیصد ہے جبکہ ننانوے فیصد یہ بالکل مصنوعی اور من گھڑت ہے اور عامل بھی اکثر ایسے ہی

ہیں جن کا اصل مقصد دکانداری ہے، ان کے پاس جانے سے پیسہ، صحت، ذہن، گھر سب کچھ برباد ہی ہوتا ہے کیونکہ ایسے عاملوں کا یہ بھی ایک وطیرہ ہے کہ وہ آپ کو یہ بھی بتائیں گے کہ آپ کا گھر باندھ دیا، آپ کی بیٹیوں کے رشتہ باندھ دیئے، آپ کے گھر والے سارے۔کے سارے بیمار ہیں اور یہ سب اس لئے ہے کہ آپ کے فلاں رشتہ دار نے آپ پر جادو کروایا ہے یہاں تک کہ یہ عامل لوگ بعض اوقات گھر والوں ہی کو اس میں ملوث قرار دیتے ہیں کہ تمہارے باپ، ماں، بھائی، بہن، بیوی یا شوہر نے جادو کروایا ہے، اس کو تو پیسے مل گئے اور آپ کا گھر برباد ہوگیا، یاد رکھئے! جو لوگ ان عملیات کے سلسلہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں ان کی زندگی کی کوئی خیر نہیں کیونکہ علاج تو تب ہو جب کوئی بیماری ہو، واقعی جادو ہو، واقعی آسیب ہو، واقعی نظر ہو اور علاج کرنے والا بھی واقعی علاج کرنا جانتا ہو، اکثر تو بیماری ہی نہیں ہوتی، نہ جادو ہوتا ہے، نہ آسیب ہوتا ہے، لوگ اپنے خیال سے جادو سوچ لیتے ہیں اور پھر جب کسی عامل کے پاس جاتے ہیں تو وہ بھی تصدیق کر دیتا ہے کہ ہاں سب کچھ ہے بلکہ جتنا تم نے سوچا اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے، لہٰذا اب نتیجہ یہ ہے کہ گھر کے گھر تباہ و برباد ہو رہے ہیں، یہ جو ہمارے معاشرے کے اندر زبردست تباہی پھیلی ہوئی ہے، اس کی اصل وجہ ایمان کی کمزوری ہے، یاد رکھو! جنات برحق ہیں لیکن ان کی مجال نہیں کہ کسی انسان کو تکلیف پہنچا دیں جب تک کہ اللہ کا حکم نہ ہو۔

انسان کی حفاظت کے لئے فرشتے مقرر ہیں

اللہ پاک نے ہر انسان کی حفاظت کے لئے اس کے دائیں بائیں طرف فرشتے مقرر کئے ہوئے ہیں، سامنے اور پیچھے بھی مقرر کئے ہوئے ہیں، بعض روایات کے مطابق تین تین سو فرشتے مقرر ہیں جو چاروں طرف سے انسان کی جنات، آسیب، نظر، جادو اور تمام ایذاء پہنچانے والی چیزوں سے حفاظت کرتے

ہیں، یہاں تک کہ حادثہ اور گرنے پڑنے سے بھی حفاظت کرتے ہیں، جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے اور اس کی تقدیر کا لکھا ہوا سامنے آجاتا ہے تو یہ فرشتے ہٹ جاتے ہیں اور جو تکلیف پہنچنی ہوتی ہے وہ پہنچ جاتی ہے، اس لئے نہ کسی کا جادو کسی پر چل سکتا ہے نہ کوئی جن کسی کو تکلیف پہنچا سکتا ہے الّا باذن اللّٰہ مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔

اپنا ایمان مضبوط کریں

جب ہر نفع ونقصان اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے تو اللہ تعالیٰ پر ایمان کو مضبوط کرنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ پر ہی یقین کرنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ پر اعتقاد کر کے اور اپنے ایمان کو صحیح کر کے اس بات کو ذہن میں نقش کرنا چاہئے کہ ہرگز ہماری روزی کسی نے نہیں باندھی، ہرگز ہم پر کوئی جادو نہیں ہے، ہرگز ہم پر کوئی آسیب نہیں ہے، ہرگز ہمارے رشتوں کو کسی نے نہیں باندھا ہے جو کچھ ہے سب تقدیر کا لکھا ہے، بس اللہ تعالیٰ سے رجوع کریں اور اگر کبھی واقعتاً کسی پر سچ مچ آسیب یا جادو ہو جائے تو کوئی صحیح عامل تلاش کرو اور اس سے علاج کروالو لیکن یہ کہ ہر چیز میں ہمارا خیال ادھر جانے لگے جیسا کہ فی زمانہ یہی حالت ہے، ذرا سا کچھ ہو جائے تو فوراً یہ خیال آتا ہے کہ کسی نے کچھ کر دیا ہے، کوئی اثر ہو گیا ہے، یہ سب ایمان کی کمزوری ہے، اس سے بچنے کی ضرورت ہے اور ان باتوں کی اصلاح کی ضرورت ہے، اللہ جل شانہ اپنے کرم سے ہمارے ایمان کو کامل فرمائیں، توحیدِ خالص عطا فرمائیں، توکلِ صادق عطا فرمائیں، تقدیر پر کامل اور راسخ ایمان عطا فرمائیں اور اپنے فضل سے ہم کو عافیت نصیب فرمائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین

عرشِ عظیم کے برابر ثواب

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ

مِّلْأَ السَّمٰوَاتِ وَمِلْأَ الْأَرْضِ

وَمِلْأَ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ

اس درود شریف کے پڑھنے والے کو آسمان وزمین بھر کر اور عرشِ عظیم کے برابر ثواب ملتا ہے۔

(ص ۱۸۲)

لعنت والے کام

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی دامت برکاتہم
نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ضبط وترتیب

حبیب اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
دکان نمبر ۲۹، نایاب جامع مسجد، لیاقت آباد کراچی ۱۹

مقام خطاب	:	جامع مسجد بیت المکرّم
	:	گلشن اقبال کراچی
وقت خطاب	:	بعد نماز عصر تا مغرب
اصلاحی بیانات	:	جلد نمبر ۱۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لعنت والے کام

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کثیراً۔

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ وَمَنْ یَّلْعَنِ اللّٰہُ فَلَنْ تَجِدَ لَہٗ نَصِیْرًا ○

وَقَالَ تَعَالٰی مَلْعُوْنِیْنَ اَیْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا ○

صدق اللّٰہ العظیم

مفید اور نقصان دہ چیز کا بتلانا اللہ پاک کی رحمت ہے

میرے قابلِ احترام بزرگو! اللہ جل شانہ نے اپنے کلامِ پاک میں اور رحمتِ کائنات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات میں کوئی اہم سے اہم اور مفید سے مفید تر بات ایسی نہیں چھوڑی جس کو بیان نہ کیا ہو، اسی طرح جو بات انسانوں خصوصاً مسلمانوں کے لئے دنیا وآخرت میں خطرناک، خوفناک اور نقصان دہ تھی، اس کو بھی بتلا دیا اور اس سے بھی آگاہ کر دیا اور یہ محض اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر شفقت اور رحمت ہے کہ اس نے انسانوں کو تمام مفید اور نقصان دہ باتوں سے آگاہ کر دیا ہے، چاہے وہ مفید اور نقصان دہ باتیں دنیا کی ہوں یا آخرت کی ہوں اس لئے کہ یہ ایک انسان کی فطرت ہے کہ اس کو جس سے محبت ہوتی ہے، اس کو اس کے نفع اور نقصان سے ضرور آگاہ کرتا ہے جیسے ماں باپ کو اپنی اولاد سے فطری محبت ہوتی ہے، اس لئے ماں باپ اپنی اولاد کو اس کے نفع و نقصان سے آگاہ کر دیتے ہیں، اولاد مانے یا نہ مانے، یہ اس کی مرضی کی بات ہے لیکن شفیق ماں باپ اپنی اولاد کو اس کے اچھے برے اور نفع ونقصان سے آگاہ کر دیتے ہیں، اسی طرح جس کو بھی جس سے محبت ہوتی ہے وہ محبت میں آکر اس کو اچھے اور برے سے آگاہ کر دیتا ہے، اس فطرت کو پیدا کرنے والے اللہ پاک ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ کی شان بھی یہی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ان تمام باتوں سے آگاہ کر دیا جو ان کے لئے دنیا وآخرت میں نافع ہیں اور ان سب باتوں سے بھی آگاہ کر دیا جو دنیا وآخرت میں ان کے لئے نقصان دہ ہیں۔

جہنم کا تذکرہ بھی اللہ پاک کی مہربانی ہے

حضرت ڈاکٹر عبد الحیٔ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بات مجھے یاد آئی، اللہ تعالیٰ حضرت کے درجات بلند فرمائے اور آپ کے علوم وفیوض سے ہم سب کو

مالا مال فرمائے، ایک دفعہ حضرت نے اپنے بیان میں ایک عجیب بات ارشاد فرمائی کہ سورۂ رحمٰن کے اندر اللہ پاک نے دنیا کی نعمتوں کا بھی ذکر فرمایا اور آخرت کی نعمتوں کا بھی ذکر فرمایا اور جنت کی نعمتوں کا بھی ذکر فرمایا، پھر جنت کی خاص خاص نعمتوں جن میں باغات، حور وغلمان ہیں ان کا بھی ذکر فرمایا اور ساتھ ساتھ اللہ پاک نے جہنم کا بھی ذکر فرمایا اور جتنی نعمتیں ذکر فرمائی ہیں، ان کے ساتھ ساتھ بار بار اللہ پاک نے ''فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ'' فرمایا ہے، جس کا مطلب ہوتا ہے کہ اے انسان و جنات! تم اللہ تعالیٰ کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے، حضرت ڈاکٹر عبد الحیٔ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ دنیا و آخرت کی نعمتوں کا تذکرہ کر کے یہ فرمانا کہ تم اللہ تعالیٰ کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے، سمجھ میں آتا ہے، کیونکہ ہم انکار ہی نہیں کر سکتے، ہر مؤمن کو چاہئے کہ اس آیت کے جواب میں اللہ پاک سے عرض کرے کہ یا اللہ! میں آپ کی ہر نعمت کا اقرار و اعتراف کرتا ہوں، آپ کی کسی نعمت کا انکار نہیں کرتا۔ حضرت فرماتے تھے کہ اس سورت میں جہنم کا بھی ذکر فرمایا ہے اور اس کے بعد بھی'' فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ'' فرمایا ہے تو جہنم کونسی نعمت ہے کہ اس کے تذکرہ کے بعد بھی فرمایا کہ اے انسان و جنات! تم اللہ تعالیٰ کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے، پھر حضرت رحمۃ اللہ علیہ خود ہی اس کا یہ جواب دیا کرتے تھے کہ دراصل اللہ پاک اپنے بندوں پر اتنے مہربان ہیں کہ کوئی کسی پر اتنا مہربان ہو ہی نہیں سکتا، جتنی اللہ پاک کو اپنے بندوں سے محبت ہے اتنی محبت کسی کو بھی کسی سے نہیں ہو سکتی، بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ اللہ پاک کو ہم سے اتنی محبت ہے کہ اتنی ہمیں بھی اپنے آپ سے نہیں ہے، اس محبت کے نتیجے میں اللہ پاک نے جہنم سے باخبر کر کے فرمایا کہ دیکھو یہ بھی ہمارا احسان ہے کہ تم کو اس خطرناک اور خوفناک جگہ سے آگاہ کر دیا، بتاؤ شکر ادا کرو گے یا نہیں، اللہ پاک نے جہاں نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے جو ان کی محض

عنایت اور مہربانی ہے، ایسے ہی انسانوں اور مسلمانوں کو جہنم کے حالات سے باخبر کر دینا اور اس کے عذابوں سے ہوشیار کر دینا اور اس کے عذاب اور وبال سے باخبر کر دینا، یہ بھی اللہ پاک کی عنایت اور شفقتِ کاملہ ہے اور ان کی خصوصی مہربانی ہے تاکہ تم ان کاموں سے بچو جس کی وجہ سے جہنم میں جانا پڑے۔

پس دنیا اور آخرت کی جو نعمتیں مسلمانوں کے لئے ہوسکتی تھیں، ان سب کو قرآن وحدیث نے بیان کر دیا اور ان کے حاصل کرنے کے طریقے بھی بتادئے، اسی طرح جتنی چیزیں نقصان دہ، مضر اور تباہ وبرباد کرنے والی تھیں، ان سب سے بھی آگاہ کر دیا اور ان سے بچنے کے طریقے بھی بتادئے، اسی طرح جو چیزیں موجبِ رحمت ہیں وہ بھی بیان فرمادیں اور جو چیزیں موجبِ لعنت ہیں، وہ بھی بیان فرمادیں۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت والے کام

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ذکر اور اس کا تذکرہ تو اکثر سنتے ہی رہتے ہیں، اللہ پاک نے کلامِ پاک میں جگہ جگہ اپنی رحمت کا ذکر فرمایا ہے، ایک آیت میں فرمایا'' اِنَّ رَحْمَةَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ '' اللہ تعالیٰ کی رحمت نیک روش اختیار کرنے والوں کے قریب ہے یعنی جو لوگ اس دنیا میں پاکیزہ زندگی اختیار کرتے ہیں، نیک زندگی اپناتے ہیں، نیک طریقے اختیار کرتے ہیں، بس اللہ تعالیٰ کی رحمت کی آغوش میں ہیں۔ اسی طرح درود شریف پڑھنے والے کے بارے میں حدیث شریف میں ہے کہ جو آدمی ایک مرتبہ درود شریف پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ کی اس کے اوپر دس رحمتیں نازل ہوتی ہیں، دس گناہ معاف ہوتے ہیں، دس درجے بلند ہوتے ہیں اور جو دس مرتبہ درود شریف پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے اوپر سو رحمتیں نازل ہوتی ہیں، سو گناہ معاف ہوتے ہیں، سو درجے بلند ہوتے ہیں اور جو سو مرتبہ درود شریف پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے

اوپر ہزار رحمتیں نازل ہوتی ہیں، ہزار گناہ معاف ہوتے ہیں اور ہزار درجے بلند ہوتے ہیں اور ایک روایت میں اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب تمہاری مرضی، چاہے درود شریف زیادہ پڑھو یا کم۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کے غضب پر غالب ہے

دیکھئے! اللہ تعالیٰ کی رحمت کا قرآن وحدیث میں بڑا تذکرہ ہے اور اللہ کے نیک بندوں کے پاس بھی عام طور پر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں ہی کا تذکرہ ہوتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ پر ان کے غصہ کے مقابلے میں رحمت غالب ہے ''سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ عَلٰی غَضَبِیْ'' میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے، تو جو اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ہوتے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے اثر کی وجہ سے رحمت ہی کا غلبہ ہوتا ہے، اس لئے وہ بھی زیادہ تر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی کو بیان کرتے رہتے ہیں، اگرچہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا بھی ذکر کرتے ہیں اور خوفِ خدا اور خشیتِ الٰہی کو بھی بیان کرتے ہیں مگر رحمتِ الٰہی کو زیادہ بیان کرتے ہیں۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

اس پر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ مجھے یاد آیا جو ہمارے سیدی ومولائی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سنایا تھا، اللہ تعالیٰ ہمارے حضرت کے درجات بلند فرمائے، ان کی خدمات کو زیادہ سے زیادہ قبول فرمائے اور ان کے علوم وفیوض سے ہم سب کو مالا مال فرمائے، حضرت نے ایک مرتبہ سنایا تھا کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے موضوع پر چالیس سال تک بیان کرتے رہے، جب چالیس سال تک مسلسل اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی سناتے رہے تو ان کو خیال آیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو سن سن کر جری ہو جائیں اور نڈر اور بے خوف

ہو جائیں کہ جب اللہ تعالیٰ کی رحمت اتنی بڑی اور اسقدر زیادہ ہے تو ہمیں کیا ضرورت ہے نماز پڑھنے کی اور روزہ رکھنے کی اور دیگر عبادات کی، کھاؤ پیو اور موج کرو، اللہ تعالیٰ تو بڑے غفور ورحیم ہیں، معاف کردیں گے، تو ان کو خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی، ان کے غضب اور ان کی خشیت وخوف کا بھی بیان ہونا چاہئے تاکہ لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور ڈر کر گناہ ونافرمانی سے بچیں، نمازوں کی پابندی کریں۔ لہٰذا ایک دن حضرت نے بجائے اللہ تعالیٰ کی رحمت بیان کرنے کے اللہ تعالیٰ کے خوف اور خشیتِ الٰہی پر بیان فرمایا، اس بیان کا اتنا اثر ہوا کہ مجمع میں سے کئی آدمیوں کا اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے انتقال ہوگیا اور جب حضرت کی مجلس برخاست ہوئی تو مجمع میں سے کئی جنازے اٹھے اور حضرت نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور ان کو دفنایا گیا، جب وہ دن گزرا اور رات آئی اور حضرت سوئے تو خواب میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ جل شانہٗ کی طرف سے عتاب ہوا اور اللہ پاک نے فرمایا کہ اے عبدالقادر! کیا ہماری رحمت چالیس سال میں ختم ہوگئی، ہمارے بندوں کو اتنا کیوں ڈراتے ہو، بس ہماری رحمت ہی بیان کرتے رہو۔

جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات ابدی اور سرمدی ہے، ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفات بھی ابدی اور سرمدی ہیں، ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گی، لہٰذا اللہ پاک ہمیشہ سے رزاق ہیں اور ہمیشہ رزاق ہی رہیں گے، ہمیشہ سے غفار ہیں اور ہمیشہ غفار ہی رہیں گے، ایسے ہی وہ ہمیشہ سے رحمٰن ورحیم ہیں اور ہمیشہ ہی رہیں گے، اسی طرح یہ رحمت بھی ان کی صفت ہے، جیسے ان کی ذات دائمی ہے ایسے ہی ان کی صفتِ رحمت بھی دائمی اور ابدی ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کی رحمت کو ساری عمر بھی انسان بیان کرتا رہے تو بھی ختم نہ ہو، کیونکہ انسان کی زندگی محدود ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت لامحدود ہے، بندہ ختم ہوجائیگا

لیکن ان کی رحمت کا تذکرہ ختم نہیں ہوگا، اس لئے اللہ پاک نے فرمایا کہ اے عبد القادر! کیا ہماری رحمت چالیس سال میں ختم ہوگئی، ہمارے بندوں کو اتنا کیوں ڈراتے ہو، بس ہماری رحمت ہی بیان کرتے رہو۔

لعنت والے کام

اللہ تعالیٰ کی رحمت بلاشبہ ان کے غضب پر غالب ہے لیکن اس کے باوجود اللہ پاک نے اپنے کلامِ پاک میں جگہ جگہ رحمت والے کاموں کے علاوہ لعنت والے کاموں کا بھی ذکر فرمایا ہے اور یہ اس لئے ذکر فرمایا تاکہ ان لعنت والے کاموں سے ہم اپنے آپ کو بچائیں، ان لعنت والے کاموں سے بچیں گے تو رحمت کے مستحق بنیں گے جیسے رحمت والے کام کرنے سے رحمت حاصل ہوتی ہے، ایسے ہی لعنت والے کاموں سے بچنے سے بھی رحمت حاصل ہوتی ہے، لہٰذا لعنت والے کاموں کا ذکر فرمانا بھی ان کی رحمت ہے، بس اب بچنا ہمارا کام ہے، اللہ پاک تو یہی چاہتے ہیں کہ رحمت والے کام بھی کرتے رہو اور لعنت والے کاموں سے بھی بچتے رہو تاکہ تم پر لعنت اور اللہ کا غضب نہ ہو اور اس کی ناراضگی کا وبال بھی نہ ہو، بس تم پر رحمت ہی رحمت برسے اور تم ان کی بارانِ رحمت میں رہو اور دنیا و آخرت میں فلاح پاؤ۔

لعنت کے معنی

لعنت کے معنی آتے ہیں اللہ کی رحمت سے دور، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم، اللہ تعالیٰ کی مدد سے محروم، اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت اور نظرِ کرم سے محروم، جب کہا جاتا ہے کہ فلاں پر اللہ کی لعنت ہو، اس کا مطلب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہو، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہو، اللہ تعالیٰ کی مدد سے محروم ہو، اللہ تعالیٰ کی شفقت سے محروم ہو، اللہ تعالیٰ کی نظرِ کرم سے محروم ہو۔

لعنت بڑی خطرناک چیز ہے

اس سے معلوم ہوا کہ لعنت بڑی خطرناک اور خوفناک چیز ہے، اس لئے کہ لعنت کے مستحق بننے کا مطلب یہ ہوا کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی رحمت، شفقت، عنایت اور مدد سے محروم ہو گیا۔

ہر انسان اللہ تعالیٰ کی مدد اور رحمت کا محتاج ہے

اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر کون اس دنیا میں جی سکتا ہے اور کون آخرت میں فلاح حاصل کر سکتا ہے، ہر انسان اس دنیا کے اندر بھی، مرنے کے بعد قبر و آخرت میں بھی، محشر میں بھی اور اس کے بعد کے مراحل میں بھی ہر جگہ اللہ تعالیٰ کی مدد اور رحمت کا محتاج ہے اور سو فیصد محتاج ہے، اگر کسی کا بیڑا پار ہوگا اور کشتی پار لگے گی تو وہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہی لگے گی، اللہ تعالیٰ کے فضل سے لگے گی، اللہ تعالیٰ کی رحمت اور ان کی عنایت سے لگے گی، جو بھی اس دنیا اور آخرت میں کامیاب ہوا ہے، محض اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہوا ہے، یہاں تک کہ جنت میں داخلہ بھی محض اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہوگا۔

حضور ﷺ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی سے جنت میں داخل ہونگے

ایک موقع پر جب اللہ تعالیٰ کی رحمت کا تذکرہ ہو رہا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ حضور! یہی بات ہے نا کہ آپ بھی جنت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر نہیں جائیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر مبارک جھکا لیا اور تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد فرمایا کہ ہاں عائشہ! میں بھی اس وقت تک جنت میں نہیں جاؤنگا جب تک اللہ تعالیٰ کی رحمت مجھے نہ ڈھانپ لے، دیکھئے! جو مقصودِ کائنات ہیں، رحمۃ للعالمین ہیں، تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے سردار ہیں اور محبوبِ رب العالمین ہیں، جب وہ یہ

فرما رہے ہیں کہ میں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر جنت میں نہیں جاسکتا تو پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر کون جاسکتا ہے، لہٰذا اگر خدانخواستہ کسی پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو جائے تو اس کا کیا حال ہوگا، اس لئے لعنت بڑی خطرناک اور خوفناک چیز ہے، ضرورت ہے کہ ہم اس لعنت سے اپنے آپ کو بچائیں۔

''جھوٹ بولنا'' موجب لعنت عمل ہے

جیسا میں نے عرض کیا تھا کہ اللہ پاک نے کلام پاک میں ان لوگوں کا تذکرہ بھی کیا ہے جو اللہ پاک کی لعنت کے مستحق ہیں اور نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تفصیل سے ان لوگوں کا بیان کر دیا جن پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے، ان لوگوں میں ایک جھوٹا آدمی ہے، جس کے بارے میں قرآن کریم کہہ رہا ہے کہ '' لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ '' جھوٹ بولنے والوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے، معلوم ہوا کہ جھوٹ بولنا ایسا بدترین گناہ اور فعل ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت ہے، اس لئے جھوٹ سے ہر قیمت پر بچنا ضروری ہے، سوائے خاص خاص صورتوں کے جہاں شریعت نے رخصت دی ہے، عام حالات میں جھوٹ بولنے سے بچنا لازم ہے ورنہ جھوٹ بولنے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے، اس لئے ہر مسلمان مرد و عورت کو چاہئے کہ وہ سچ بولنے کا عادی ہو اور اتنا سچ بولے کہ بس وہ سچ کے مقام پر فائز ہو جائے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائیں۔

پہلے سچ بولنا مسلمان کی علامت تھی اور اب جھوٹ بولنا علامت ہوگئی

ایک زمانہ وہ تھا کہ سچ بولنا مسلمان کی علامت تھی، مسلمان ہو اور جھوٹ بولے، یہ ممکن نہ تھا، سچ بولنا مسلمان ہونے کی علامت اور نشانی تھی، اللہ کرے کہ یہ نشانی دوبارہ بحال ہو اور ہم سچ بولنے کو اپنا معمول بنالیں، اب ایسا زمانہ آگیا

کہ جھوٹ بولنا مسلمان کی علامت ہوگئی۔

ایک واقعہ

حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ سنایا تھا کہ یورپ کے اندر کسی شہر میں ایک عیسائی اور ایک مسلمان میں دوستی تھی اور دوستی اتنی کہ سگے بھائیوں سے بڑھ کر، دونوں ایک دوسرے سے بے تکلف اور ہر دم ایک دوسرے کے ساتھ رہتے تھے، اسی دوران انہوں نے مشترکہ طور پر کوئی کاروبار شروع کیا، عیسائی نے بھی سرمایہ لگایا اور مسلمان نے بھی سرمایہ لگایا، چونکہ دونوں میں پکی دوستی تھی اور شیر وشکر تھے، لہٰذا کوئی تحریر بھی نہیں لکھی، کوئی دستاویز بھی تیار نہیں کی، بس زبانی ہی آپس میں باہمی رضامندی سے شرکت کرلی اور کاروبار شروع کردیا اور کاروبار بھی خوب چلا، لاکھوں سے کروڑوں اور کروڑوں سے اربوں ہوگئے، جب یہ کاروبار بہت پھیل گیا اور اسقدر نفع بخش ہوگیا تو عیسائی کی نیت بدل گئی، ایک دن اس نے مسلمان سے کہدیا کہ تیرا تو کچھ بھی نہیں ہے تو کون ہے، میرا تیرا کیا واسطہ؟ مسلمان یہ سن کے دیکھتا کا دیکھتا ہی رہ گیا، اس بیچارے کے طوطے اڑ گئے، اس نے کہا بھئی ہم دونوں دوست ہیں اور دوستی میں ہم نے یہ کاروبار مشترکہ طور پر شروع کیا ہے جو یہاں تک پہنچا ہے، اب تم یہ کیسی بات کررہے ہو؟ عیسائی نے کہا کہ میں صحیح کہہ رہا ہوں، اب چونکہ مسلمان باہر کا تھا اور وہ عیسائی اسی ملک کا تھا، لہٰذا جہاں بھی مسلمان جائے، اس کی بات کو رد کر کے عیسائی کی بات ہی مانی جائے، مسلمان کے پاس کوئی ثبوت ہی نہیں تھا، ایک تحریر کا پرزہ بھی نہیں تھا کہ جس میں ان کا آپس میں کوئی معاہدہ لکھا ہوا ہو اور شرکت لکھی ہوئی ہو، جبکہ زبان کا کوئی اعتبار نہیں، اس لئے ہر جگہ یہ مسلمان ناکام ہوا، عدالت میں بھی ناکام ہوا، ثالثوں کے سامنے بھی ناکام ہوا، بیچارہ مسلمان ہر جگہ سے ناکام، نامراد اور مایوس ہوگیا اور عیسائی نے پورے کاروبار پر قبضہ کرلیا، اس

عیسائی کو دوسرے عیسائیوں نے بھی بہت سمجھایا کہ ہم سب جانتے ہیں، تمہارا آپس میں جو تعلق ہے ہمیں معلوم ہے، تم یہ کیا کر رہے ہو اور کیسی باتیں کر رہے ہو، دنیا کی چند روزہ زندگی کی خاطر اپنے ایک دوست اور بھائی سے ایسا معاملہ کر رہے ہو جو کسی طرح بھی درست نہیں ہے، یہ تم کیوں کر رہے ہو؟ مگر اس کی عقل میں نہ آنی تھی اور نہ آئی، بہر حال وہ قبضہ کر کے بیٹھ گیا اور مسلمان مایوس ہو کر بیٹھ گیا، پھر یہ مسلمان اتنا مفلس ہو گیا کہ اس کے پاس رہنے کی جگہ بھی نہیں تھی اور کرایہ دینے کے لئے پیسے بھی نہیں تھے، وہ کھانے پینے کا بھی محتاج ہو گیا، اس لئے کہ اس کے پاس جو کچھ تھا وہ سب اس نے کاروبار میں لگا دیا تھا جو سارا ہی چلا گیا، اس واقعہ کو ابھی کچھ روز گزرے ہی تھے کہ ایک دن اس مسلمان کو ایک دوست نے ایک ترکیب بتائی کہ تم ایسا کرو کہ ان عیسائیوں کا جو سب سے بڑا پوپ ہے، اس کے پاس جاؤ اور اس کو اپنا پورا قصہ بتاؤ، وہ ان کے چونکہ مذہبی پیشوا اور رہنما ہیں، شاید ان کی بات اس کے دل پر اثر کر جائے اور وہ اس کو سمجھائیں اور یہ مان لے، اس طرح سے تمہاری بگڑی بن جائے اور تمہاری مشکل حل ہو جائے، میرے سے تمہارا حال دیکھا نہیں جاتا، پہلے تمہاری کیا شان تھی اب کس حال میں ہو، اس نے کہا کہ آؤ چل کر دیکھ لیتے ہیں، بہت کچھ کیا امید تو نہیں ہے، تم کہہ رہے ہو تو چلو دیکھ لیتے ہیں، لہٰذا اس عیسائی کے شہر میں جو سب سے بڑا پوپ تھا، اس سے اس نے وقت لیا اور وقت لے کر اس کے پاس گیا اور وہاں جا کر اس نے شروع سے آخر تک اپنا سارا قصہ سنایا کہ اس طریقہ سے ہماری دوستی ہوئی اور پھر ہم دوستی میں اتنے آگے بڑھ گئے اور ہمارے تعلق میں اتنا اعتماد پیدا ہو گیا کہ ہم نے آپس میں سرمایہ لگا کر کاروبار کیا لیکن کوئی تحریر نہیں لکھی اور جب کاروبار چمک گیا اور کامیاب ہو گیا تو اس نے طوطے کی طرح آنکھیں پھیر لیں اور انکار کر دیا کہ اس کاروبار میں تیرا کوئی پائی پیسہ نہیں ہے، یہ جو کچھ ہے سب

میری محنت ہے، اب میرے پاس کوئی ثبوت ہی نہیں ہے، اس لئے میں تمام مقامات پر ثبوت نہ دینے اور گواہ پیش نہ کرنے کی وجہ سے ناکام ہوگیا اور وہ جیت گیا، اب آپ کے پاس آیا ہوں کہ آپ اس سلسلے میں میری کچھ مدد کر سکتے ہیں تو کر دیں۔ پوپ نے دراز میں سے ایک چھوٹا سا کاغذ نکالا اور اس میں ایک سطر لکھی اور اس کو موڑ کر اس مسلمان کو دیا اور کہا کہ یہ جا کر اس عیسائی کو دیدینا، یہ مسلمان چھوٹی سی پرچی لے کر چلا، وہ عیسائی اپنے آفس میں بیٹھا کاروبار کر رہا تھا، یہ اس کے آفس میں گیا اور اس کو یہ پرچی دیتے ہوئے بتایا کہ میں فلاں پوپ کے پاس گیا تھا اور اس نے یہ پرچی دی ہے، اس نے پرچی پڑھی اور فوراً اپنی دراز سے چیک بک نکالی اور مسلمان کی اصل رقم اور کاروبار کے آغاز سے اب تک جتنا بھی نفع ہوا تھا، وہ سب جوڑ کر اس کو پوری رقم کا چیک دیدیا، یہ مسلمان ایک تو اس وقت حیران ہوا تھا جب اس نے انکار کیا تھا اور اب یہ چیک دیکھ کر حیران ہو رہا تھا، عیسائی نے کہا کہ تم بے فکر رہو، جو ہوا سو ہوا، اب تمہاری پائی پائی جوڑ کر اس کا چیک بنا دیا ہے اور یہ کیش ہو جائیگا، مسلمان کو یقین نہ آئے، اس نے کہا کہ اللہ کے بندے! ہر کسی نے تجھ کو بتایا اور سمجھایا لیکن تو اپنی بات پر اڑا رہا، اب پوپ نے ایسا کیا تعویذ دے دیا کہ تو ایک منٹ میں سیدھا ہوگیا اور پائی پائی دینے کے لئے تیار ہوگیا، بس مجھے وہ تعویذ دکھا دے تاکہ میں اس کو پڑھ لوں، عیسائی نے کہا کہ اس کو پڑھنے کی کیا ضرورت ہے، تمہارا مقصد تو پورا ہوگیا لیکن مسلمان بضد رہا کہ میں تو ضرور پڑھوں گا، آخر اس میں ایسا کیا لکھا ہے کہ تم ذرا سی دیر میں پائی پائی دینے کے لئے تیار ہو گئے، عیسائی نے کہا کہ اچھا یہ لو اور پڑھ کر دیکھ لو، اس مسلمان نے جب وہ پوپ کی پرچی کھول کر پڑھی تو اس میں لکھا ہوا تھا کہ کیا تو بھی مسلمانوں کی طرح جھوٹ بولنے لگا ہے۔

کہاں مسلمان کی شان تو یہ تھی کہ وہ صرف اور صرف سچ ہی بولتا تھا،

جھوٹ بولنے کا تو اس کے ہاں خانہ ہی نہیں تھا اور اب یہ حال ہو گیا کہ پوپ بھی عیسائی سے کہہ رہا ہے کہ کیا تو بھی مسلمانوں کی طرح جھوٹ بولنے لگا، حقیقت تو یہی ہے کہ آج کونسا جھوٹ ہے جو مسلمان نہیں بولتے، کس کاروبار میں مسلمان جھوٹ نہیں بولتے، دھوکہ نہیں دیتے، دغا نہیں کرتے، ملاوٹ نہیں کرتے، کم نہیں تولتے، کم نہیں ناپتے، اب مسلمانوں کی نشانی جھوٹ بولنا بن گئی، کہاں مسلمانوں کی یہ شان تھی کہ وہ ہمیشہ سچ بولا کرتے تھے، جان چلی جائے مگر جھوٹ نہیں بولتے تھے۔ کتنا عبرت ناک واقعہ ہے، حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جس وقت یہ واقعہ سنایا تھا، اس وقت سے الحمد للہ دل پر نقش ہے۔ دیکھئے جھوٹ بولنا ایسا بدترین گناہ ہے کہ جھوٹ بولنے والوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت آئی ہے، لہٰذا جب اللہ پاک نے اس پر لعنت کا ذکر فرمادیا تو بس ہر مسلمان مرد و عورت کو چاہئے کہ وہ جھوٹ بولنے سے بچے، اگر نہیں بچے گا تو اللہ تعالیٰ کی لعنت کا مستحق بن جائیگا۔

جس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے محروم ہو جاتا ہے

اللہ پاک نے فرمایا کہ ’’ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ وَمَنْ یَّلْعَنِ اللّٰہُ فَلَنْ تَجِدَ لَہٗ نَصِیْرًا ‘‘یعنی یہ وہی لوگ ہیں جن پر اللہ کی لعنت ہے اور جس پر اللہ تعالیٰ لعنت فرمائیں تو آپ اس کے لئے کوئی مددگار نہیں پائیں گے۔ معلوم ہوا کہ جس پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے محروم ہو جاتا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ جن لوگوں پر لعنت کی گئی ہے، ہر شخص معلوم کرے کہ وہ کون لوگ ہیں اور پھر اپنا جائزہ لے کہ خدانخواستہ جن لوگوں پر اللہ کی لعنت ہے کہیں میں تو ان میں شامل نہیں ہوں۔ بہرحال سرکارِ دوعالم جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث میں ان لوگوں کا تفصیل سے ذکر فرمایا ہے جن پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے لعنت ہے۔

”سودی معاملہ“ موجب لعنت عمل ہے

ایک حدیث میں ہے کہ سود کھانے والے، سود لینے والے، سود دینے والے، سودی معاملہ کی تحریر لکھنے والے، سودی معاملہ کی گواہی دینے والے، سب پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور سب کے سب اس گناہ کے اندر برابر ہیں۔ یہ سود کا لین دین کرنے والوں پر لعنت کا ذکر ایک حدیث میں نہیں بلکہ بے شمار احادیث کے اندر آیا ہے۔ یہ سود کے لین دین والا فعل ایسا بدترین فعل ہے کہ اس کے اوپر لعنت ہی لعنت ہے، اگر ہم اپنے معاشرے کا جائزہ لیں تو واضح نظر آئے گا کہ ہمارے معاشرے کے اندر سود کا لین دین کتنا زبردست ہے اور کرنے والے بھی مسلمان ہی ہیں، یہ تو ایسا گناہ ہے کہ مسلمان کریں گے تو مسلمان پر لعنت ہوگی اور کافر کریں گے تو ان پر بھی لعنت ہوگی، یہ تو ایسا بدترین گناہ اور فعل ہے کہ جو کرے اللہ کی لعنت میں آجائے، اس لئے ضروری ہے کہ سودی معاملات سے فوری طور پر بچا جائے۔

سودی معاملات کی مختلف صورتیں

کتنے مسلمان مرد و عورت ہیں جو سودی بینکوں کے اندر اپنے فکسڈ ڈپازٹ رکھتے ہیں اور اس پر باقاعدہ ماہانہ یا سالانہ بنیادوں پر نفع حاصل کرتے ہیں حالانکہ یہ نفع نہیں ہے بلکہ سود ہے، اسی طرح انعامی بانڈ کی اسکیم خالص سودی اسکیم ہے جیسے سیونگ سرٹیفکیٹ سود کی اسکیم ہے اور اللہ بچائے آجکل تو انعامی بانڈ کے ساتھ ساتھ پرچیوں کا کاروبار بہت زیادہ ہو رہا ہے، کتنے مرد اور کتنی عورتیں صرف پرچیوں کے خریدنے میں مشغول ہیں جس کے اندر انعامی بانڈ کے نمبر بکتے ہیں، انعامی بانڈ تو جس نے لے رکھے ہیں، وہ تو اس کے پاس ہی ہیں، اس کے علاوہ اس کے نمبر پرچیوں میں چھاپ چھاپ کے دس دس روپے اور بیس بیس

روپے میں فروخت کر دیئے جاتے ہیں اور جو غریب اور متوسط درجے کے لوگ ہوتے ہیں وہ اس میں داؤ لگاتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ دس بیس روپے میں ہم نے ایک پرچی خرید لی یا پانچ دس پرچیاں خرید لیں تو کسی پرچی کا نمبر تو نکلے گا اور اس مہینے نہیں نکلا تو اگلے مہینے نکلے گا اور اگلے مہینے نہیں نکلا تو اس کے بعد والے مہینے میں نکلے گا، اس طریقے سے وہ جناب پرچیاں خریدتے رہتے ہیں اور اپنی خون پسینے کی کمائی کا ایک حصہ ان پرچیوں کی خرید وفروخت میں ضائع کر دیتے ہیں، اب اس میں کبھی کسی پرچی کا نمبر انعامی بانڈ کے اندر نکل آیا تو پچیس کے پچیس ہزار ہو گئے اور اکثر کا تو یہ حال ہوتا ہے کہ اس کے پچیس کے پچیس ہی چلے گئے، دس پرچیاں خریدی تھیں وہ ضائع ہو گئیں اور وہ سمجھتا ہے کہ سو دو سو روپے چلے گئے تو کیا ہوا، لیکن اگر نمبر نکل آیا تو کئی ہزار نکل آئیں گے۔ اللہ بچائے، پرچیوں کے کاروبار کے اندر سود کے علاوہ جوا بھی ہے اور جوا خود حرام اور ناجائز ہے لیکن کتنے مسلمان مرد وعورت ہیں جو پرچی خریدنے اور بیچنے میں اپنے پیسے لگا کر سود حاصل کرنے کے گناہ میں بھی مبتلا ہو رہے ہیں اور جوا کھیلنے کے گناہ میں بھی مبتلا ہو رہے ہیں، اس لئے جتنے بھی یہ سود کے طریقے ہمارے ہاں رائج ہیں ہمیں چاہئے کہ ان سے اپنے آپ کو بچائیں۔

بینک کے اندر کرنٹ اکاؤنٹ میں پیسے رکھیں

اب بینک میں کیسے پیسے رکھیں؟ بینک میں پیسے رکھنے کے لئے آسان صورت یہ ہے کہ مجبوری میں کرنٹ اکاؤنٹ میں پیسے رکھیں۔ کرنٹ اکاؤنٹ ایسا اکاؤنٹ ہے کہ اس میں نہ سود ملتا ہے اور نہ سود دینا پڑتا ہے، بس اس میں تو مزید کرایہ دینا ہوتا ہے، لہٰذا اپنی رقم کی حفاظت کی غرض سے بدرجۂ مجبوری بینک میں پیسے رکھنے ہوں تو کرنٹ اکاؤنٹ میں پیسے رکھیں مگر اس کے ساتھ ساتھ پھر بھی استغفار کرتے رہیں اور یہ استغفار اس لئے کریں کہ اگرچہ ہم بینک سے سود تو

نہیں لے رہے اور نہ بینک ہمیں سود دے رہا ہے مگر وہ ہماری رقم سے استفادہ تو کریگا اور سودی کاروبار کو ہماری رقم سے مدد تو ملے گی اور ہماری طرف سے تعاون ہوگا، اس تعاون پر ہمیں اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کرنا چاہئے، اس لئے اصل حکم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بینک میں پیسے رکھے بغیر کسی اور طریقہ سے اپنی رقم کی حفاظت کرسکتا ہو تو وہ بنک میں پیسے نہ رکھے اس کے لئے یہی بہتر ہے لیکن ظاہر ہے کہ عام لوگوں کو اس طرح کی حفاظت حاصل نہیں ہے، اس لئے آدمی بینک میں پیسے رکھنے پر مجبور ہے۔

''بینک سے قرض لینا'' سودی معاملہ ہے

بینکوں کے ذریعہ سود کا ایک اور سلسلہ بڑے پیانے پر ہو رہا ہے اور وہ ہے سودی قرض لینا، بینک اسی پر چلتے ہیں، وہ بڑی بڑی ملوں، فیکٹریوں اور کارخانے داروں کو لاکھوں اور کروڑوں کے حساب سے قرضے دیتے ہیں اور پھر اس پر لاکھوں کے حساب سے وہ سود وصول کرتے ہیں، یہ سود پر کروڑوں روپے قرض لینے والے کون لوگ ہیں؟ یہ بھی تو مسلمان ہیں، بڑے بڑے مل اونر اور بڑے بڑے سرمایہ دار خود ان کا ایک کروڑ ہے اور بینکوں سے نو کروڑ قرض لے لیا، اب دس کروڑ کی فیکٹری یا کارخانہ لگالیا، اب وہ نو کروڑ پر بینک کو سود دے رہے ہیں اور یہ بینک کی معقول آمدنی ہے، سودی قرضہ لینا، چاہے بڑا ہو یا چھوٹا، یہ بھی سود کے لین دین میں آتا ہے اور اس پر بھی اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے لعنت ہے۔ اس لئے میرے عزیزوں اور بزرگو! ہمارے معاشرے میں اور ہمارے اس دور کے اندر سود کا لین دین اور سود کا کاروبار ہماری معیشت پر چھایا ہوا ہے اور اس نے ہم کو دنیا میں تباہ و برباد کیا ہوا ہے اور یہ آخرت میں بھی بربادی کا ذریعہ ہے، اس لئے سود کے چھوٹے چھوٹے معاملات بھی نہیں ہونا چاہئیں اور بڑے بڑے معاملات سے بھی بچنا ضروری ہے۔

"نئے کرنسی نوٹوں پر اضافی رقم" یہ بھی سود ہے

سود کے چھوٹے معاملات میں ایک معاملہ یہ بھی ہے جو عید کے موقع پر بہت ہوتا ہے وہ اس طرح کہ بعض لوگوں نے عیدی دینے کے لئے نئے کرنسی نوٹوں کو ضروری سمجھ لیا ہے، حالانکہ پانچ کا نوٹ نیا ہو یا پرانا، مالیت کے اعتبار سے تو دونوں برابر ہی ہیں لیکن بس بعض لوگوں کو شوق ہے کہ جب عیدی دیں تو کرارے نوٹ دیں، ایسے ہی بعض دکانداروں کو بھی شوق ہوتا ہے اور وہ بھی چاہتے ہیں کہ ہم اپنے خریداروں کو جب رقم واپس کریں تو کرارے نوٹوں میں واپس کریں، ٹھیک ہے آپ بالکل کرارے نوٹ دیں لیکن اس کے لئے اکثر لوگوں کو سودی معاملہ کرنا پڑتا ہے، کیونکہ سب جانتے ہیں کہ کوئی شخص بھی پانچ روپے والی نئی گڈی لینا چاہے تو اس کو وہ گڈی پانچ سو میں نہیں ملے گی سوائے اسٹیٹ بینک کے، وہاں سے تو جتنی مالیت کی گڈی ہوگی اتنی ہی میں ملے گی لیکن وہاں مشقت کی وجہ سے لوگ جاتے نہیں، اتنی دور کون جائے؟ بس جو لوگ دکانوں پر نئی گڈیاں بیچنے والے ہوتے ہیں، ان سے لینا چونکہ آسان ہوتا ہے، اس لئے انہیں سے گڈیاں لے لیتے ہیں، لیکن پانچ روپے والی گڈی لینے کے لئے پانچ سو کے بجائے پانچ سو دس روپے دینے پڑتے ہیں، دس روپے والی گڈی لینے کے لئے ایک ہزار کے بجائے ایک ہزار پچیس روپے دینے پڑتے ہیں، اسی طرح پچاس روپے والی گڈی لینے کے لئے پانچ ہزار کے بجائے پانچ ہزار پچاس روپے دینے پڑتے ہیں، غرض ئی گڈی زیادہ پیسے دیئے بغیر ملتی نہیں ہے، یاد رکھئے! اس کے اندر جتنے بھی اضافی پیسے دیئے اور لئے جاتے ہیں وہ سود ہے اور گاہکوں، گھر والوں یا عزیزوں کو عید کے موقع پر نئے نوٹ دینے کے لئے سودی معاملہ کرنا جائز نہیں ہے، اس سے بچنا ضروری ہے۔ یہ ایسا سودی معاملہ ہے کہ شاید ہی کوئی جانتا ہو کہ یہ بھی سودی معاملہ ہے لیکن بہر حال اس کے اندر بھی سود

ہے یعنی پانچ سو کے بدلے میں تو پانچ سو ہو گئے اور جو دس روپے اوپر دیئے ہیں وہ بغیر کسی عوض کے ہیں وہ سود ہیں اور سود حرام ہے اور یہ سودی معاملہ موجب لعنت ہے۔

''انشورنس'' بھی سودی معاملہ ہے

جس طریقے سے سودی بینک کے ذریعے اور انعامی بانڈ کے ذریعے سودی معاملات ہوتے ہیں، اسی طرح ''انشورنس'' بھی ایک سودی معاملہ ہے۔ انشورنس کی حقیقت دو چیزیں ہیں، ایک سود اور ایک جوا، یہ دونوں ہی چیزیں انشورنس کے اندر پائی جاتی ہیں، انشورنس تو بینک سے بھی بڑھ کر بری چیز ہے، بینک میں تو خالی سودی معاملہ ہے جبکہ انشورنس کے اندر سودی معاملہ کے ساتھ جوا بھی ہے اور اس کے علاوہ بھی کچھ ناجائز باتیں اس کے اندر پائی جاتی ہیں، اس لئے وہ بھی ناجائز ہے، دیکھئے آج کتنا جان کا بھی انشورنس ہو رہا ہے، مال کا بھی انشورنس ہو رہا ہے، کارخانہ کا بھی انشورنس ہو رہا ہے، دکان کا بھی انشورنس ہو رہا ہے یہاں تک کہ گاڑیوں کا بھی انشورنس ہو رہا ہے، یہ انشورنس کی بے شمار قسمیں ہمارے ہاں رائج ہیں اور وہ ساری کی ساری سود اور جوئے پر مشتمل ہیں۔

''بدنظری'' موجب لعنت عمل ہے

ایک حدیث شریف میں ایک اور موجب لعنت کام کرنے والے آدمی کا ذکر آیا ہے اور وہ یہ ہے کہ '' لَعَنَ اللّٰہُ النَّاظِرَ وَالْمَنْظُوْرَ اِلَیْھَا '' یعنی لعنت کی اللہ پاک نے بری نیت سے دیکھنے والے پر اور اس عورت پر جس کی طرف بری نظر سے دیکھا جائے یعنی بدنگاہی ایسا گناہ ہے کہ بدنگاہی کرنے والا اگر مرد ہے تو اس پر لعنت ہے اور جو عورت اپنے قصد و اختیار سے بدنگاہی کا ذریعہ بنے تو اس پر بھی اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور جتنی عورتیں بے پردہ ہو کر گھر سے باہر نکلتی ہیں وہ

اپنے اختیار سے نامحرم مردوں کے لئے بدنگاہی کا ذریعہ بنتی ہیں، تو بدنظری کرنے والے مردوں پر اور اس بدنظری کا ذریعہ بننے والی عورتوں پر اللہ کی لعنت ہے۔

اب دیکھئے کہ یہ گناہ بھی ہمارے ہاں کتنا عام ہو چکا ہے کہ جوان سے لے کر بوڑھوں تک اور دیندار اور غیر دیندار سب ہی تقریباً اس گناہ میں مبتلا ہیں الاّ ماشاء اللہ، ہمارے معاشرے میں پردہ نام کی کوئی چیز ہی نہیں ہے، بے پردگی ہی بے پردگی ہے بلکہ یوں کہئے کہ جس طرح تصویر کشی کا سیلاب ہے، اسی طرح بے پردگی کا بھی سیلاب ہے کہ جہاں چلے جاؤ، جس شہر، محلے، گلی، بازار میں چلے جاؤ، عورتیں بے پردہ ہی نظر آئیں گی، ہمارا پورا معاشرہ بے پردگی سے بھرا ہوا ہے اور جب بے پردگی سے بھرا ہوا ہے تو پھر ہر جگہ بدنگاہی کا سامان موجود ہے، عورتوں نے اپنے آپ کو بے پردہ کر کے بدنگاہی کا پورا انتظام کیا ہوا ہے، اب بچنے والے کہاں ہیں، دیکھنا یہ ہے کہ اپنی نگاہ کی حفاظت کرنے والے کتنے ہیں، وہ بہت ہی خال خال ہیں، آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں ہیں، کیونکہ اس گناہ کے کرنے میں دیر بھی نہیں لگتی، کسی کو پتہ بھی نہیں چلتا، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی جانتا بھی نہیں کہ کون کس کو کس نیت سے دیکھ رہا ہے، دل کا حال تو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں، بندے جانتے نہیں ہیں، نتیجہ یہ کہ نجانے کتنے لوگ اس گناہ میں مبتلا ہیں، جبکہ اللہ پاک نے قرآنِ کریم میں مردوں کو حکم دے رکھا ہے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اسی طرح عورتوں کو بھی حکم دے رکھا ہے کہ وہ بھی اپنی نظریں نیچی رکھیں، اس لئے عورتوں کو بھی جائز نہیں ہے کہ وہ بدنگاہی کریں، ان کو بھی حکم یہ ہے کہ نامحرم مرد پر قصداً نظر نہ ڈالیں اور مردوں کو بھی یہ حکم ہے کہ وہ بھی عورتوں پر قصداً نظر نہ ڈالیں، اچانک نظر پڑ جائے تو فوراً ہٹالیں اور اپنی نظر نیچی کرلیں یا دوسری طرف منہ کر کے اپنی نظر کو بچالیں اور ساتھ ساتھ یہ بھی بتادیا کہ جو مرد و عورت اپنے قصد و اختیار سے بدنگاہی کریگا، اس کے اوپر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ یہ گناہ

ایسا ہے کہ اس کے اندر حافظ بھی، قاری بھی، عالم فاضل بھی، حاجی بھی، نمازی بھی، سخی بھی، دیندار بھی، غیر دیندار بھی، غرض سب ہی لوگ مبتلا ہیں اِلّا ماشاء اللہ، حالانکہ قرآن و حدیث اس گناہ سے بچنے کی تاکید سے بھرے ہوئے ہیں۔ ہمارے یہاں جمع ہونے کا مقصد ہماری اصلاح وتربیت ہے اور بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ فعل اور یہ گناہ ان گناہوں میں سے ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کی اس لعنت سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنی نظر کی حفاظت کریں۔

''بدنظری'' کے گناہ ہونے کا احساس ختم ہوگیا

اب میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ دیکھیں یہ گناہ ایسا ہے جو ہمارے معاشرے کے اندر پوری طرح پھیلا ہوا ہے اور ہر گناہ کا یہ حال ہے کہ جب کوئی شخص پہلی مرتبہ کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کا دل بڑا ملامت کرتا ہے اور رہ رہ کر اس کو خیال آتا ہے کہ یہ گناہ مجھ سے کیوں ہوگیا لیکن جب وہی گناہ دوسری مرتبہ تیسری مرتبہ دسویں مرتبہ سوویں مرتبہ کرتا ہے تو اس کے دل سے اس کے گناہ ہونے کا احساس ختم ہو جاتا ہے اور اس گناہ کا گناہ ہونا ہی اس کے دل سے نکل جاتا ہے اور اس گناہ کی اہمیت باقی نہیں رہتی۔ ہماری حالت بالکل یہی ہے

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

اب حال یہ ہے کہ تقریباً ہر شخص ہی اس بدنظری کے گناہ کے اندر مبتلا ہے، حاجی صاحب بھی، نمازی بھی، روزہ دار بھی، ظاہر میں جو دیندار کہلاتے ہیں وہ بھی، اس لئے کہ یہ گناہ ایسا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں کہ کون گناہ کر رہا ہے اور کون نہیں کر رہا، نتیجہ یہ کہ عورتوں نے بے پردگی اختیار کر کے مردوں کو اس گناہ

کا سو فیصد موقع فراہم کیا ہوا ہے اور مرد حضرات کی طرف سے اس سے بچنے کا اہتمام بہت کم نظر آتا ہے، بہت کم ایسے ہیں جن میں خوفِ خدا ہو تو وہ اس گناہ سے بچیں ورنہ تو عام طور پر چونکہ گناہ کے مواقع بہت آسانی کے ساتھ دستیاب ہیں لہٰذا مرد حضرات بھی اس گناہ کے اندر مبتلا ہو جاتے ہیں لیکن یہ گناہ گناہ ہے اور ان گناہوں میں سے ہے جن پر اللہ کی لعنت ہے، اس مرد کے اوپر بھی لعنت ہے جو یہ گناہ کرے اور اس عورت پر بھی لعنت ہے جو اپنے اختیار سے اس گناہ کا موقع فراہم کرے۔

نظر کی حفاظت کا طریقہ

نظر کی حفاظت کا آسان طریقہ یہی ہے کہ آدمی جب بھی گھر سے باہر نکلے تو ہوشیار ہو کر نکلے اور دو کام کرے، ایک تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ یا اللہ! میں گھر سے باہر نکل رہا ہوں، قدم قدم پر بدنگاہی کا موقع آئیگا، میں آپ کی مدد کے بغیر بچ نہیں سکوں گا، پس اے اللہ! اس گناہ سے بچنے میں میری مدد فرما۔ جب اللہ تعالیٰ کی مدد ہو جاتی ہے تو بس پھر مشکل سے مشکل مسئلہ بھی آسان ہو جاتا ہے، پس دعا ایسا گر ہے کہ ہم اس کو پلے باندھ لیں، کیسا ہی گناہ کا موقع آجائے، بس گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں، انشاء اللہ تعالیٰ آپ دیکھیں گے کہ غیب سے مدد ہوگی، لہٰذا گھر سے نکلتے ہی پہلے دعا کر لیں کہ یا اللہ! میرے گھر سے نکلتے ہی مجھے بے پردہ عورتیں ملیں گی اور جہاں بھی میں جاؤنگا وہاں بے پردہ عورتیں ہی ہونگی، یا اللہ! آپ ہی اس گناہ سے بچنے میں میری مدد فرمائیں، پھر دوسرا کام یہ کریں کہ ہمت سے کام لیں، اپنی نظر کو کسی نہ کسی قاعدہ وسلیقہ سے اس طرح بچائیں کہ نامحرم عورتوں پر قصداً نظر بھی نہ پڑے اور کام بھی ہو جائے، یہاں تک کہ اگر کسی عورت سے بات بھی کرنی پڑے تو بات بھی ہو جائے، خرید وفروخت کرنی پڑے تو وہ بھی ہو جائے اور اگر کسی آفس میں کام ہے اور وہاں کسی عورت

سے سابقہ پڑے تو وہ کام بھی ہو جائے اور نظر کی حفاظت بھی ہو جائے۔ یاد رکھیں! اگر اللہ تعالیٰ کا خوف ہمارے دل میں ہے تو ہر جگہ ہمارے واسطے اپنی نظر کے بچانے کا ضرور سامان ہو جائیگا۔

نظر کی حفاظت کرنے کے دو واقعات

اب آپ کو دو بزرگوں کے دو واقعات سناتا ہوں کہ جن کا عورتوں سے واسطہ بھی تھا مگر پھر بھی اپنی نظر کی حفاظت کرتے تھے کیونکہ ان کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف تھا۔

پہلا واقعہ

حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہومیو پیتھک ڈاکٹر تھے، ساری عمر حضرت نے پاپوشنگر کے علاقہ میں مطب کیا ہے، حضرت کے مطب کو دیکھنے والے حاضرین میں اب بھی کچھ لوگ موجود ہونگے اور حضرت کا یہ معمول تھا کہ روزانہ پہلے مطب میں مجلس ہوتی، اس کے بعد پھر جب روحانی مریض نمٹ جاتے تو جسمانی مریضوں کا علاج شروع ہوتا، حضرت خواتین کا بھی علاج کرتے تھے لیکن حضرت کا یہ معمول تھا کہ بس نیچے منہ کئے بیٹھے ہوتے اور ایک طرف خواتین کی قطار ہوتی اور بالترتیب خواتین آتیں، اپنا حال بتاتیں اور حضرت دوا لکھ کر دے دیتے، حضرت کبھی بھی نظر اٹھا کر نہ دیکھتے، بے پردہ عورتیں بھی آتی تھیں لیکن حضرت بالکل منہ نیچے کئے بیٹھے رہتے تھے اور کہتے تھے کہ میں نے نظر کو یوں رکھنے کی برسوں مشق کی ہے، مطب بھی چلا کر دکھا دیا، اب کوئی ڈاکٹر یہ نہیں کہہ سکتا کہ مفتی صاحب! عورتیں ہمارے پاس بے پردہ آتی ہیں ہم اپنی نظر کیسے بچائیں۔ دیکھئے! یہ اللہ کے نیک بندے جن کے دل میں خوف خدا ہے، انہوں نے اپنی ساری زندگی مطب کیا، مردوں کا بھی علاج کیا اور عورتوں کا بھی

علاج کیا جن میں بے پردہ عورتیں بھی ہوتی تھیں، علاج بھی کیا اور نظر کی بھی حفاظت کرلی۔

دوسرا واقعہ

اسی طرح سکھر میں ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے، وہ بھی ایلو پیتھک ڈاکٹر تھے، ان کے ہاں بھی مردانہ اور زنانہ دونوں حصے تھے، مردانہ حصے میں مرد حضرات کو جا کر دیکھتے تھے اور زنانہ حصے میں عورتوں کو دیکھتے تھے، ان کا بھی طریقہ یہی تھا کہ عورتوں میں ہیں لیکن اپنی نظر کی حفاظت کر رہے ہیں۔

دیکھئے! جب ڈاکٹر اپنی نظر کی حفاظت کرسکتا ہے جس کو ہر وقت عورتوں سے واسطہ رہتا ہے تو ہم کیوں نہیں کرسکتے، بس حضرت حکیم ابراہیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہ اشعار یاد رکھنے کے ہیں۔

نظر بر قدم ہو قدم بر زمیں ہو یقیناً یہ صورت تو ہے اختیاری
نہ روکا نظر کو جو بے باکیوں سے تو لٹ جائے گی دل کی پونجی ہی ساری

شرعی پردہ گناہوں سے بچنے کا ذریعہ

عورتوں کے لئے شرعی پردہ ایک ایسا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہے اور ایسا فریضہ ہے کہ اگر خواتین اس کو اختیار کرلیں تو خود بھی بے پردگی کے گناہ سے بچ جائیں جس پر لعنت ہے اور ان کی وجہ سے ہزاروں مرد جو روزانہ بدنگاہی کرتے ہیں وہ بھی اس گناہ سے بچ جائیں اور یہ ان کے بچنے کا ذریعہ بن جائیں لیکن اس گناہ سے عورتیں بچتی نہیں، نتیجہ یہ کہ خود بھی گنہگار ہو رہی ہیں اور ان کے ساتھ ساتھ نجانے کتنے مرد روزانہ گنہگار ہو رہے ہیں۔

بدنظری کے بُرے اثرات

بدنظری کا سب سے پہلا اثر دل پر ہوتا ہے اور وہ اس طرح کہ بدنظری

کرنے والے کے دل سے نورانیت ختم ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کی محبت کا خاتمہ ہو جاتا ہے، آخرت کی فکر جاتی رہتی ہے اور نیکیوں کی توفیق سلب ہونے لگتی ہے، برے برے کاموں کی طرف دل بڑھنے لگتا ہے، برے برے جذبات کے اندر جوش مارنے لگتے ہیں، برائیوں کی طرف دل راغب ہونے لگتا ہے، نیکیوں سے دل اچاٹ ہونے لگتا ہے اور مزید اگر کرتا چلا جائے تو نجانے پھر اس کا دل کتنا سیاہ ہو جاتا ہے اور کہاں سے کہاں پہنچتا ہے اور بعض مرتبہ اس بدنگاہی کے نتیجے میں ایمان بھی جاتا رہتا ہے، اسی لئے یہ اتنا خطرناک گناہ ہے، بدنظری کرنے والا مرد ہو یا کوئی عورت ہو یا عورت اپنی بے پردگی کے ذریعہ مردوں کے لئے بدنگاہی کا ذریعہ بنے ان سب پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کی حفاظت فرمائے۔

''جسم گودنا اور گدوانا'' موجب لعنت عمل ہے

ایک حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''جسم گودنے والی عورت'' اور ''جسم گدوانے والی عورت'' کے بارے میں فرمایا کہ ان عورتوں پر بھی اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ پہلے زمانے میں اور آج بھی بعض کافروں کے اندر اپنے جسم گدوانے کا عام رواج ہے، خاص کر ہندوؤں کے اندر اس کا بڑا رواج ہے، ہندوؤں میں ایک خاص قوم ہے چمار، جو چمڑے کا کام کرتے ہیں اور جوتے چپل بنانے کے پیشے سے منسلک ہوتے ہیں، ان کے ہاں بطورِ خاص جسم گدوانے کا رواج پایا جاتا ہے۔

جسم کیسے گودا جاتا ہے

جسم گودنا اس طرح ہوتا ہے کہ ایک نلکی یا سوئی کے ذریعہ کھال کے اندر

ایک خاص طریقہ سے رنگ بھرا جاتا ہے، بعض لوگ لال رنگ سے اپنے جسم کو گدواتے ہیں، بعض ہرے رنگ سے اپنے جسم کو گدواتے ہیں، بعض لوگ کالے رنگ سے اپنے جسم کو گدواتے ہیں، بعض لوگ نیلے رنگ سے اپنے جسم کو گدواتے ہیں، کہیں اس کے ذریعہ نام لکھا جاتا ہے، کہیں پھول بوٹے بنائے جاتے ہیں، کہیں جانور بنائے جاتے ہیں، کوئی اپنے ہاتھ پر شیر بنواتا ہے، کوئی اپنے ہاتھ پر ہاتھی بنواتا ہے، کوئی اپنے ہاتھ پر بندر بنواتا ہے، کوئی اپنے ہاتھ پر سانپ بنواتا ہے، غرض کھال کے اندر رنگ بھر کر مختلف چیزیں بنوائی جاتی ہیں، پھر وہ رنگ چونکہ کھال کے اندر ہوتا ہے اس لئے پھر وہ مٹتا نہیں ہے، نہانے سے، صابن لگانے سے، جسم کے ملنے سے وہ مٹتا نہیں ہے، وہ انمٹ اور پکا ہوتا ہے، پہلے زمانے میں عورتیں یہ کام زیادہ کیا کرتی تھیں، اب بھی شاید عورتیں ہی کرتی ہیں، بہر حال عورتیں کریں یا مرد کریں، دونوں صورتوں میں نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جسم گودنے والوں اور جسم گدوانے والوں دونوں ہی پر خدا کی لعنت فرمائی ہے کہ جو لوگ بھی یہ کام کریں گے ان پر اللہ کی لعنت ہے۔

''تصویر کھینچنا اور کھچوانا'' موجب لعنت عمل ہے

حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویر کھینچنے والوں اور تصویر کھچوانے والوں کے بارے میں بھی فرمایا کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ یہ تصویر کشی کا گناہ تو ہمارے معاشرے کے اندر اپنے شباب پر ہے، جسم گودنے کا تو ہمارے ہاں اتنا رواج نہیں ہے، اس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے بچایا ہوا ہے لیکن تصویر کھینچنے اور کھچوانے کا عام رواج ہے، شاید ہی کوئی گھر تصویر سے خالی ہو، ہمارے گھر بھی، گلی کوچے اور محلے بھی، بازار بھی یہاں تک کہ چورنگیاں اور چوراہے بھی، کس قدر بڑی بڑی تصویروں سے بھرے ہوئے ہیں اور جب سے امریکا کا پاکستان کے اوپر زیادہ ہی قبضہ اور دباؤ ہوا ہے، اس وقت سے

تو تصویروں کا سیلاب آیا ہوا ہے، مغربی عورتوں اور مردوں کی تصویریں کہاں نہیں ہیں، ہر جگہ مردوں، عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور جوانوں کی تصویریں چورنگیوں پر اور بڑے بڑے سائن بورڈوں پر اور بڑی زبردست لائٹوں کے ساتھ لگی ہوئی ہیں اور جتنی بھی مصنوعات ہیں، شاید ہی کوئی چیز تصویر سے خالی ہو، خواہ وہ ہمارے اپنے ملک کی بنی ہوئی ہو یا باہر سے بن کر آئی ہو، ہر چیز پر تصویر ضرور ہوگی، بس تصاویر کا تو ایک سیلاب ہے حالانکہ یہ فعل موجب لعنت ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے، تو جو لوگ اپنی تصویریں کھچواتے ہیں یا خود کھینچتے ہیں، ان کا کیا حال ہوگا اور کیا انجام ہوگا۔

اپنے گھروں کو تصویروں سے پاک کریں

اس لئے ہم سب کو کم از کم اپنی حد تک تو اس گناہ سے ضرور بچنا چاہئے اور اپنے گھروں کو جانداروں کی تصاویر سے پاک کرنا چاہئے اور بلا تاخیر پاک کرنا چاہئے، لہٰذا ہمارے گھروں میں جتنی شوقیہ تصویریں ہیں، چاہے گروپ کی شکل میں ہوں یا انفرادی شکل میں ہوں، ہمارے باپ دادا کی ہوں یا ہمارے پوتے نواسوں کی ہوں، عورتوں کی ہوں یا مردوں کی ہوں، چاہے شادی کی ہوں یا شادی کے بعد کی ہوں، ایسی تمام تصاویر سے اپنے گھروں کو پاک کرنا چاہئے، بس صرف اور صرف پاسپورٹ اور شناختی کارڈ کے لئے اور جہاں جہاں قانوناً تصویر کی پابندی ہے، بس اس حد تک گنجائش ہے، اس کے علاوہ جتنی بھی تصاویر ہیں ان سب سے اپنے گھروں کو پاک کرنا ضروری ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویریں مٹوادیں

ایک مرتبہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کسی جنازے میں شرکت کے لئے قبرستان تشریف لے گئے، وہاں قبر بننے میں غالباً کچھ دیر تھی اس لئے آپ

وہاں تشریف فرما ہو گئے، اسی قبرستان میں رہتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ حاضرین میں سے کوئی ایسا شخص ہے جو تین کام کر کے آئے، نمبر ایک: مدینہ منورہ کے اندر جتنے بت اور تصویریں ہیں سب کو پاش پاش کر دے، نمبر دو: جتنی قبریں زیادہ اونچی اونچی بنی ہوئی ہیں ان سب کو صحیح کر دے، نمبر تین: اس وقت مجھے یاد نہیں آرہی، غرض کل تین چیزوں کے بارے میں آپ نے فرمایا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھے اور انہوں نے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم! میں یہ تین کام کر کے آتا ہوں، لوگ بڑا تعجب کرنے لگے کہ یہ تینوں بڑے اور محنت طلب کام ہیں جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ ابھی تینوں کام کر کے یہاں ہی آجاؤ اور مجھے بتاؤ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ چلے گئے اور تینوں کام مکمل کر کے حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضور! میں نے کوئی بت اور تصویر ایسی نہیں چھوڑی جس کو میں نے خراب اور برباد نہ کر دیا ہو اور کوئی قبر ایسی نہیں چھوڑی جس کو میں نے ٹھیک نہ کر دیا ہو اور تیسرے کام کے بارے میں بھی فرمایا کہ وہ بھی میں نے مکمل کر دیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے۔

تصویر کھینچنے والا گویا شریعت کا انکار کرنے والا ہے

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آج کے بعد کسی نے ان تین کاموں میں سے کسی بھی کام کو دوبارہ کیا تو سمجھ لو کہ جو شریعت میں لے کے آیا ہوں، اس کا اس نے انکار کر دیا۔ اس حدیث سے اندازہ کرلیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس قدر ان تینوں افعال کو جس میں تصویر کشی بھی شامل ہے برا فرما رہے ہیں اور اس کے دوبارہ کرنے کو شریعت کے انکار کرنے کے برابر فرما رہے ہیں یعنی کسی قیمت پر بھی آپ یہ گوارہ نہیں کرنا چاہتے کہ میری امت میں یہ تین کام دوبارہ ہوں۔

ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کررہے ہیں

اب ہمارا ایسا حال ہے کہ تینوں ہی کاموں کی مخالفت ہو رہی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم آئے تھے ان تینوں کو مٹانے کے لئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سامنے ان تینوں کو مٹوایا اور جو غلط تھا اس کو درست کروایا لیکن اس کے باوجو آج تینوں کام ہو رہے ہیں کہ قبرستان جا کر دیکھ لیجئے کہ کتنی قبریں اونچی اونچی بنی ہوئی ہیں اور ٹیلے کی طرح معلوم ہو رہی ہیں، اسی طرح ہم اپنے گھروں کا جائزہ لیں تو ہمارے گھر تصویروں سے بھرے ہوئے ہیں، اللہ پاک ہم سب کو ان سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

میت کو قبر میں لٹانے کا طریقہ

قبرستان کے ذکر سے یاد آیا کہ جو لوگ اپنے متعلقین کی میت کو دفن کریں تو میت کے اولیاء کی پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنے مرنے والے کی قبر سنت کے مطابق بنوائیں، اس میں بھی دو باتیں یاد رکھیں جس کی بڑی ضرورت ہے، ایک میت کو قبلہ رخ لٹائیں، اس میں ننانوے فیصد ہمارے مسلمان مردوں کی کوتاہی پائی جاتی ہے، عام طور پر میت کو قبر میں چت لٹا دیا جاتا ہے، کمر کے بل زمین پر لٹا دیا جاتا ہے اور گردن کو قبلہ کی طرف موڑ دیا جاتا ہے، یاد رکھیں یہ بالکل غلط طریقہ ہے، سنت طریقہ یہ ہے کہ میت کی کمر کو قبر کی مشرقی دیوار کے ساتھ سہارا دیکر لٹائیں اور پوری کروٹ دیں یعنی جس طرح آدمی زندگی میں قبلہ رخ لیٹتا ہے تو اس کا چہرہ بھی قبلہ کی طرف ہوتا ہے، سینہ اور پیٹ بھی قبلہ کی طرف ہوتا ہے اور بائیں ٹانگ دائیں ٹانگ کے اوپر ہوتی ہے، میت کو قبر میں لٹانے کی یہی کیفیت ہونی چاہئے، قبر کے بیچ میں میت اس طرح لِٹا نہیں سکتے کیونکہ بیچ میں لٹائیں گے تو دائیں یا بائیں طرف میت کا جسم گر جائیگا، س لیے اس کی آسان ترکیب یہ ہے کہ

میت کی کمر کو قبر کی مشرقی دیوار کے ساتھ لگا دیں، کمر کو بالکل مشرقی دیوار کے ساتھ لگا دیں گے تو خود بخود میت کا چہرہ اور اس کا سینہ اور پیٹ قبلہ کی طرف ہو جائیگا، یہ سنت طریقہ ہے، اب آپ اندازہ لگائیے کہ کتنے مسلمان روزانہ فوت ہوتے ہیں لیکن کسی کو یہ نہیں معلوم کہ میت کو قبر میں کس طرح سنت طریقہ سے لٹانا چاہئے، یہ اس لئے میں عرض کر رہا ہوں تاکہ جب ہمارے ہاں کسی کا انتقال ہو تو ہم اس سنت کو زندہ کریں اور اپنی میت کو قبلہ رخ لٹانے کا اہتمام کریں اور میں یہ بھی عرض کر دوں کہ لوگ آپ کو منع کریں گے اور یہ کہیں گے کہ ہم نے تو آج تک کبھی نہ ایسا دیکھا اور نہ اس کے متعلق سنا، ایسے کہنے والوں سے کہا جائے کہ تم کیا علامہ ہو؟ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری سنتیں تمہیں ازبر ہیں؟ کیا تمہیں سارا علم دین آتا ہے جو یہ کہہ رہے ہو کہ آج تک ہم نے پڑھا نہیں اور سنا نہیں، بھئی تم دین سے ناواقف ہو، دین کا تمہیں علم نہیں ہے تو پھر ایسی بات کیوں کہتے ہو، یوں کہو کہ ہمیں علم نہیں ہے، اگر آپ نے کسی معتبر ذریعہ سے پوچھ لیا ہے تو آپ کریں اور ہم آپ کی تائید کرتے ہیں، یہ ہے صحیح طریقہ بات کرنے کا نہ یہ کہ صحیح کرنے والے کو بھی روکیں، نہ خود چلیں نہ دوسروں کو چلنے دیں۔

ایک لطیفہ

اس پر ایک لطیفہ یاد آ گیا، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مواعظ کے اندر بیان فرمایا ہے اور وہ اس لئے بیان فرمایا ہے کہ لوگوں کا آج کل حال یہ ہے کہ خود تو دین پر چلتے نہیں اور اگر کوئی دوسرا چلنا چاہے تو اس کو بھی نہیں چلنے دیتے، وہ لطیفہ یہ ہے کہ ایک جگہ کہیں مسلمانوں کا کافروں کے ساتھ جہاد ہوا اور اس جہاد کے اندر کچھ مسلمان شہید ہو گئے اور کچھ زخمی ہو گئے اور شام ہونے کی بناء پر لڑائی بند ہو گئی، جب لڑائی بند ہو گئی تو مسلمان زخمیوں میں ایک مجاہد زندہ تھے، وہ بے چارے دیکھ رہے تھے کہ میرے ہر طرف شہید ہی شہید ہیں اور رات سامنے

ہے اور اندھیرے میں اکیلے کیسے رات گزرے گی، وہ بہت پریشان تھے، اتنے میں دیکھا کہ ایک لالہ جی وہاں سے گزر رہے ہیں، لالہ جی کہتے ہیں بنیے کو، یہ بزدل اور ڈرپوک ہوتے ہیں اور ساتھ میں لالچی بھی ہوتے ہیں، یہ سب چیزیں ان کے اندر پائی جاتی ہیں، تو انہوں نے دیکھا کہ لالہ جی جارہے ہیں تو انہوں نے آواز دی کہ لالہ جی یہاں آؤ، یہ آواز سنتے ہی لالہ جی پہلے تو ڈر گئے کہ مردہ بول پڑا ہے، پھر دوبارہ آواز دی کہ لالہ جی ڈرو نہیں، میں زندہ ہوں مرا نہیں ہوں، میں اس لئے آپ کو آواز دے رہا ہوں کہ میری کمر کے اوپر اشرفیوں کی ایک ہمیانی بندھی ہوئی ہے وہ آکے کھول لو تمہارے کام آجائے گی کیونکہ میں تو تھوڑی دیر کا مہمان ہوں، اب اس نے جو یہ اشرفیوں کی ہمیانی سنی تو اس کے منہ میں پانی آگیا کہ یہ تو بڑا اچھا موقع ہے، اب لالہ جی ڈرتے ڈرتے اس کے پاس جانے لگے کیونکہ سامنے لاشیں بھی پڑی ہوئی تھیں جب اس زندہ مجاہد کے بالکل قریب گئے تو اس مجاہد نے تلوار اٹھائی اور لالہ جی کے پیروں پر ماردی جس سے اس کے پیر زخمی ہوگئے اور چلنے کے قابل نہ رہے اور دھڑام سے نیچے گر گئے، گرتے ہی وہ اس مجاہد کی کمر ٹٹولنے لگے کہ وہ اشرفیوں کی ہمیانی کہاں ہے، مجاہد نے کہا کہ لالہ جی پاگل ہوئے ہو، کوئی جنگل اور جہاد کے اندر بھی اشرفیوں کی ہمیانی باندھ کر آیا کرتا ہے کیا؟ بات اصل میں یہ ہے کہ میں یہاں اکیلا تھا، میں نے سوچا کہ اب رات اکیلے کیسے گزرے گی تو میں نے تمہیں یہاں سے جاتے ہوئے دیکھا، تم ویسے تو آتے نہیں، اس لئے میں نے تمہیں اشرفیوں کا کہکر بلالیا اور تمہیں بھی زخمی کردیا، اب ہم آپس میں باتیں کرتے ہوئے رات گزاریں گے، اس نے کہا کہ نہ خود چلے اور نہ دوسرے کو چلنے دے کہ خود تو پڑا ہوا ہے، جا نہیں سکتا، میں اچھا خاصا چلتا ہوا جارہا تھا، مجھے بھی اپنے پاس بلا کے روک لیا۔ آج کل کے لوگوں کا یہی حال ہے کہ خود بھی دین پر نہیں چلتے اور اگر ان کے گھر میں کوئی

فرد یا ان کے محلے یا معاشرے میں کوئی فرد دین پر چلنا چاہے تو اس کے راستے میں بھی روڑے اٹکاتے ہیں اور رکاوٹیں ڈالتے ہیں۔

اسی مسئلہ میں آپ تجربہ کر کے دیکھ لیں کہ اگر آپ نے اپنی میت کو سنت کے مطابق قبر میں رکھنے کی کوشش کی تو کچھ نہ کچھ لوگ ضرور آپ کو منع کریں گے اور رکاوٹ ڈالیں گے مگر آپ ان کی بالکل پرواہ نہ کریں، آپ کو جب یہ معلوم ہو گیا کہ ہمارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سنت ہے تو بس آپ اس سنت پر عمل کریں۔

پختہ قبر بنانا منع ہے

قبر سے متعلق دوسری بات یہ ہے کہ آپ دیکھتے ہیں کہ قبرستان کے اندر سو فیصد قبریں پکی بنتی ہیں، بالکل پختہ بن رہی ہیں حالانکہ احادیث کے اندر پختہ قبروں کی صاف صاف ممانعت ہے اور ایک دو نہیں، دسیوں احادیث کے اندر قبر کو پکا بنانے کی ممانعت ہے لیکن ہمارے ہاں کا فیشن ہے، اس سے بھی بچنا چاہئے اور قبر کچی بنانی چاہئے۔

قبر سے متعلق دو باتیں درمیان میں آگئیں، اصل بات تصویر کشی کی چل رہی تھی کہ تصویر کشی اس قدر عام ہو چکی ہے کہ العیاذ باللہ کوئی گھر، کوئی بازار، کوئی گلی، کوئی چوک، کوئی چوراہا خالی نہیں، ہر جگہ تصویریں ہی تصویریں ہیں، جبکہ یہ بھی موجب لعنت کام ہے جس سے بڑے اہتمام کے ساتھ بچنے کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

تصویر کشی کا عذاب

تصویر کشی کے عذاب سے متعلق ایک حدیث یاد آئی، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور اس نے کہا کہ

حضرت! میرا پیشہ تصویر کشی کا ہے، میں جانداروں کی تصاویر بناتا ہوں اور اس کے عوض میں پیسے لے کر اپنا گزارہ کرتا ہوں، میرا ذریعۂ معاش یہ تصویر کشی اور مجسمہ سازی ہے تو اس کی کوئی گنجائش ہے، میں یہ کام کرسکتا ہوں یا نہیں؟ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تم ذرا میرے قریب آؤ، وہ قریب آگیا پھر آپ نے فرمایا کہ ذرا اور قریب آؤ، وہ اور قریب آگیا، پھر آپ نے فرمایا کہ ذرا اور قریب آؤ یہاں تک کہ وہ آپ کے بالکل قریب آگیا اور آپ نے اس کو اتنا قریب۔ اس لئے کیا تا کہ جو بات اس کو سنائیں وہ پوری توجہ سے سنے، اس کے بعد آپ نے اس شخص کے سر پر شفقت اور محبت سے اپنا ہاتھ رکھا اور فرمایا کہ میں تم کو وہ بات سنانا چاہتا ہوں جو خود میں نے اپنے کانوں سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ سب سے زیادہ سخت عذاب میں تصویر کشی کرنے والے مبتلا ہونگے یعنی آخرت میں جو سب سے زیادہ عذاب ہوگا، وہ تصویر بنانے اور بنوانے والوں پر ہوگا، بس یہ سنتے ہی اس شخص کا کلیجہ بیٹھ گیا اور اس نے ایک لمبی آہ کھینچی، اس لئے کہ وہ یہ سن کر کانپ گیا کہ میں یہ کیا کر رہا ہوں، یہ تو میرا پیشہ ہی سارا کا سارا غلط ہوگیا، اس کی اس کیفیت کو دیکھ کر حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بات ارشاد فرمائی کہ تم تصویر کشی کو اپنا پیشہ بنانا چاہتے ہو تو تم جانداروں کی تصاویر بنانا چھوڑ دو اور بے جان چیزوں کی تصاویر بنالیا کرو، جیسے پہاڑ، دریا، درخت، آسمان، بادل، چاند، سورج غرض جو بے جان چیزیں ہیں ان کی تصاویر بنالیا کرو اور بیچ کر اپنا گزارہ کرلیا کرو، اس کی گنجائش ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں ہے لیکن جانداروں کی تصاویر بنانے کا پیشہ مت اختیار کرو، اس لئے کہ جاندار کی تصاویر بنانے والے کو قیامت میں سب سے زیادہ سخت عذاب ہوگا، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس گناہ سے اور تمام گناہوں سے تمام مسلمانوں کو بچنے کی

توفیق عطا فرمائیں۔

"بھنویں باریک کروانا" موجبِ لعنت عمل ہے

ایک حدیث میں ہے کہ نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے جسم گودنے والی اور گدوانے والی عورتوں پر اور ان عورتوں پر جو خوبصورتی کے لئے اپنی بھنوؤں کے بال نوچ کر ان کو باریک بناتی ہیں اور ان عورتوں پر جو خوبصورتی کے لئے اپنے دانتوں کو درمیان سے گھسوا کر خلا پیدا کرتی ہیں تاکہ دانت ایک دوسرے سے ملے ہوئے نظر نہ آئیں بلکہ الگ الگ نظر آئیں، ان پر بھی اللہ کی لعنت ہے، اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی خلقت کو بدلنے والی ہیں او کما قال علیہ السلام۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ "بھنویں تراشنا" بھی موجبِ لعنت کام ہے۔

یہ گناہ بھی ایسا ہے کہ آج ہمارے معاشرے کے اندر اپنے شباب پر ہے، بہت کثرت سے یہ گناہ پایا جارہا ہے اور تمام عورتیں جن میں نوعمر لڑکیوں سے لے کر ادھیڑ عمر کی خواتین تک سب ہی شامل ہیں، تمام ہی عورتوں میں یہ گناہ پھیلا ہوا ہے، ہر عورت یہ چاہتی ہے کہ بس میری بھنویں ایک لکیر کی طرح باریک ہوں۔

"دونوں بھنوؤں کے درمیان فاصلہ کروانا" موجبِ لعنت عمل ہے

ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ لعنت ہے ان عورتوں کے اوپر جو اپنی دونوں بھنوؤں کے درمیان سے بال اس لئے صاف کرتی ہیں تاکہ وہ ایک دوسرے سے ملی ہوئی نظر نہ آئیں، یہ دونوں گناہ ہمارے ہاں عام ہیں، جن کی بھنویں موٹی ہیں وہ ان کو باریک کرواتی ہیں اور جن کی بھنویں ملی ہوئی ہیں وہ ان میں فاصلہ کرواتی ہیں اور دونوں ہی گناہ باعثِ لعنت ہیں اور یہ کام کسی بھی طریقہ

سے کریں، چاہے وہ نوچ کر سے بال اکھاڑیں، چاہے دھاگے کے ذریعہ بال نکالیں، چاہے ریزر کے ذریعہ بال صاف کریں، ہر صورت میں بھنوؤں کو باریک کرنا باعثِ لعنت ہے، اسی طرح جس کی بھنویں ملی ہوئی ہوں، وہ خوبصورتی کی خاطر دونوں کے درمیان فاصلہ کرتی ہیں، یہ بھی موجبِ لعنت ہے، البتہ بڑھاپے اور عمر کی زیادتی کی وجہ سے کسی مرد یا عورت کی بھنویں بہت موٹی ہو جائیں اور وہ قینچی سے وہ بال جو دائیں بائیں نکلے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے بھنویں منتشر اور پھیلی ہوئی ہیں ان کو اگر کتر کر برابر کرلیں تو اس کی اجازت ہے، لیکن بالوں کو اکھاڑ کر بھنویں باریک کرنا خواہ کسی بھی چیز سے ہو، یہ ناجائز ہے۔

بھنوؤں کے علاوہ بال کاٹنا جائز ہے

البتہ بھنوؤں کے علاوہ باقی چہرے کے بال جیسے بعض عورتوں کے داڑھی کی جگہ پر بال نکل آتے ہیں، مونچھوں کی جگہ پر بال نکل آتے ہیں یا رخساروں پر بال نکل آتے ہیں، ان کو کاٹنا اور صاف کرنا، چاہے کریم سے صاف کریں یا کسی اور طریقہ سے، اس کی اجازت ہے بلکہ مونچھوں کے بال کا تو صاف کرنا نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے اور اس کے علاوہ باقی چہرے کے بالوں کو صاف کرنے کی گنجائش ہے، اسی طرح ہاتھوں اور پیروں جیسے پنڈلیوں کے اوپر بال ہوتے ہیں ان کا صاف کرنا بھی جائز مگر خلافِ ادب ہے یعنی صاف نہ کرے تو بہتر اور صاف کرلے تو جائز ہے لیکن بھنویں تراشنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے جس کا آجکل فیشن ہے اس پر تو اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے، لہٰذا اس گناہ سے تو خواتین کو فوری طور پر بچنے کی ضرورت ہے۔

”دانتوں کے درمیان خلا کروانا“ موجبِ لعنت عمل ہے

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عورتوں کے اندر ایک

اور فیشن بھی تھا، شاید آج بھی کہیں ہو اور وہ یہ کہ جن عورتوں کے دانت ملے ہوئے ہوتے تھے اور درمیان میں خلا نہیں ہوتا تھا تو اس زمانے میں یہ بھی ایک خوبصورتی سمجھی جاتی تھی کہ دانتوں کے درمیان خلا ہونا چاہئے، دانت ملے ہوئے نہیں ہونے چاہئیں بلکہ الگ الگ ہونے چاہئیں، اب ظاہر ہے کہ قدرتی طور پر تو دانت ملے ہوئے ہی نکلتے ہیں، الگ الگ تو شاذ ونادر ہی کسی کسی کے نکلتے ہیں تو اس زمانے میں عورتیں ریتی کے ذریعہ دانتوں کو درمیان سے گھسواتی تھیں، گھسوا کر ان کے درمیان خلا کرتی تھیں تا کہ خوبصورت معلوم ہوں، اس پر بھی اللہ تعالیٰ کے رسول نے اللہ تعالیٰ کی لعنت بیان فرمائی ہے، اس میں یہ بھی داخل ہے کہ کوئی عورت جس کے دانت بہت بڑے بڑے ہو گئے ہیں تو وہ ان دانتوں کو گھسوا کر چھوٹا کرے تا کہ نوجوان لڑکیوں کی طرح ان کے دانت چھوٹے چھوٹے اور باریک باریک معلوم ہوں، ممکن ہے یہ آجکل بھی ہوتا ہو کیونکہ جب بھنوؤں کی شامت آئی ہوئی ہے تو دانت کیسے بچ سکتے ہیں لیکن یاد رکھیں! اس پر بھی اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے، ہاں مصنوعی دانت لگوانا جائز ہے، کسی کا دانت گر جائے تو اس کی جگہ فکس اور غیر فکس دانت لگوانا درست ہے لیکن دانتوں کو گھسوا کر چھوٹا کروانا، باریک کروانا یا ان کے درمیان خلا کروانا، اس کی اجازت نہیں ہے، یہ گناہ اور ناجائز ہے اور اس سے بچنا ضروری ہے۔

یہ اعمال موجب لعنت کیوں ہیں؟

یہ جو چار کام آپ کے سامنے ذکر ہوئے، ایک جسم گودنا اور گدوانا، دوسرا تصویر کشی، تیسرا بھنویں تراشنا اور چوتھا دانتوں کے درمیان خلا کروانا، ان چاروں کاموں کی ممانعت کی وجہ حدیث شریف میں یہ بیان کی گئی ہے کہ دراصل ان چاروں کاموں کے اندر اللہ تعالیٰ کی صفتِ تخلیق میں بندہ کا دخل دینا ہے، اللہ پاک نے جس کو جیسا بنایا ہے وہ ویسا ہی حسین ہے اور چونکہ اللہ پاک نے بنایا ہے

اس لئے بندہ کو اختیار نہیں ہے کہ وہ اس میں دخل اندازی کرے، اس میں تبدیلی کرنے کا بندہ کو کوئی اختیار نہیں ہے، بیمار ہو جائے تو علاج کرا سکتا ہے، کوئی عضو ٹوٹ جائے تو مصنوعی عضو لگوا سکتا ہے لیکن جو اللہ پاک کا بنایا ہوا دانت ہے یا اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی کھال ہے یا اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی بھنویں ہیں یا اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی شکل وصورت ہے، کوئی شخص نہ اس کی نقل اتار سکتا ہے جس کو تصویر کشی کہتے ہیں، نہ ان دانتوں کو باریک یا چھوٹا کر سکتا ہے، نہ ان کے درمیان خلا کر سکتا ہے، کیونکہ اللہ پاک نے دانتوں کو ملا ہوا بنایا ہے، اللہ پاک نے جس کی موٹی بھنویں بنائی ہیں، اسی میں اللہ پاک نے اس کا حسن رکھا ہے، حسن کے بارے میں ہماری سمجھ کا اعتبار نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی خلقت کا اعتبار ہے، تو جس کی بھنویں موٹی ہیں وہی اس کے حق میں حسین ہیں، جس کی بھنویں باریک ہیں وہی اس کے حق میں حسین ہیں، جس کی بھنویں ملی ہوئی ہیں وہی اس کے حق میں حسین ہیں، جس کی بھنویں الگ الگ ہیں وہی اس کے حق میں حسین ہیں، جب اس کو بدلے گا تو گویا اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورت کو بگاڑے گا اور اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورت کو بگاڑنا جائز نہیں، اس لئے اس فعل پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

تصویر کشی کرنے والا بڑا ظالم ہے

ایک حدیث قدسی میں فرمایا گیا ہے کہ اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو میری طرح پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے، اللہ پاک نے انسان میں دو چیزیں پیدا کی ہیں، ایک اس کا جسم بنایا گیا ہے جس میں ہاتھ، پیر، ناک، کان غرض سارا ہی جسم آ گیا اور ایک اس کے اندر روح ڈالی ہے، تو اس حدیث قدسی میں اللہ پاک فرما رہے ہیں کہ اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو میری طرح پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے، وہ میری طرح تو کیا پیدا کرے گا، ذرا وہ گندم یا جو کا ایک دانہ تو پیدا کر کے دکھا دے۔

تصویر کشی کرنے والے پر عذاب شدید ہوگا

ایک حدیث میں یہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تصویر کشی کرنے والوں سے فرمائیں گے کہ تم نے ہماری طرح شکل بنائی تھی، اب ذرا ان میں جان بھی ڈال کر دکھاؤ اور ظاہر ہے کہ جان ڈال نہیں سکے گا، پھر اس پر عذاب شدید ہوگا۔

خلاصہ

تصویر کشی میں بھی اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورت کی نقالی ہے، اس کی اجازت نہیں ہے، نیز بھنویں بنانے میں، جسم گدوانے میں، دانتوں کے درمیان خلا کرنے میں یا گھسوا کر چھوٹا کرنے میں بھی اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی شکل وصورت کے اندر تبدیلی کرنا ہے جس کا بندہ کو اختیار نہیں اور جس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

''چست کپڑے پہننا'' موجب لعنت عمل ہے

ایک حدیث میں ہے کہ سرکار دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جہنمیوں کی دو جماعتیں ایسی ہیں جن کو میں نے ابھی تک دیکھا نہیں ہے یعنی میرے زمانے میں ان کا ظہور نہیں ہوا لیکن قیامت سے پہلے ان کا ظہور ہو جائے گا، ایک تو وہ لوگ ہونگے جن کے ہاتھوں میں گائے کی دم کی طرح کوڑے ہونگے اور وہ ناحق لوگوں کو مارتے پیٹتے ہونگے، اس سے مراد سرکاری اہلکار ہیں، صاحب اقتدار لوگ ہیں جن کے ہاتھ میں قوت وطاقت ہوگی اور وہ مظلوموں، مجبوروں، بے بسوں، بے کسوں، اپنے ماتحتوں اور اپنی رعایا پر ناحق زیادتیاں کریں گے، ظلم ڈھائیں گے اور ان کو طرح طرح سے تکلیفیں پہنچائیں گے جیسا کہ آجکل کے سرکاری لوگوں کا حال ہے اور دوسری جماعت ان عورتوں کی ہوگی جو لباس پہننے کے باوجود ننگی ہونگی (اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ

ان کے جسم پر کپڑا تو ہوگا مگر اتنا چُست ہوگا کہ جس سے ان کے جسم کے اعضاء بناوٹ واضح اور نمایاں ہوگی۔ یہ معاملہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے، کتنی خواتین ہیں جو لباس تو پہنتی ہیں لیکن ان کا لباس اتنا چُست ہوتا ہے کہ جسم کا ہر حصہ الگ اور نمایاں ہوتا ہے، یہ صورت لباس نہ پہننے کے حکم میں ہے، یہ لباس لباس نہیں ہے، جس عورت کے جسم پر ایسا چُست لباس ہوگا، وہ عورت برہنہ اور ننگی کہلائے گی) اور خود بھی مردوں کی طرف مائل ہونے والی ہونگی اور مردوں کو بھی اپنی طرف مائل کرنے والی ہونگی، پھر فرمایا کہ جب تم ایسی عورتوں کو دیکھو تو ان کے اوپر لعنت کرنا کیونکہ یہ ملعون عورتیں ہیں۔

بے پردہ خواتین پر اللہ پاک کی لعنت ہے

یہ حدیث آجکل کی بے پردہ خواتین کے اوپر صادق آتی ہے جن کے جسم پر پردہ نام کی کوئی چیز نہیں ہے، بے پردہ اور بے حجابانہ جسم کھلا ہوا ہے، گردن کھلی ہوئی ہے، گریبان کھلا ہوا ہے، سر کے بال کھلے ہوئے ہیں، دوپٹہ نام کی کوئی چیز نہیں ہے اور اگر ہے بھی تو بس برائے نام ایک پٹی سی ہے اور اگر ساڑھی باندھی ہوئی ہے تو پیٹ اور پیٹھ بھی کھلے ہوئے ہیں، یہ سب اس حدیث کا مصداق ہیں اس لئے کہ لباس پہننے کے باوجود وہ آدھی تو ننگی ہی ہیں۔

"باریک کپڑے پہننا" موجب لعنت عمل ہے

یہ جو حدیث شریف میں فرمایا کہ "لباس پہننے کے باوجود ننگی ہونگیں" اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ ان کے جسم پر کپڑا تو ہوگا لیکن اتنا باریک ہوگا کہ ان کا جسم اس میں سے نظر آرہا ہوگا، یہ بات بھی آج ہمارے معاشرے کے اندر عام ہے، عورتوں کے جسم پر اتنا باریک لباس ہوتا ہے کہ ان کے جسم کا کوئی گوشہ چھپا ہوا نہیں ہوتا، پیٹ، پیٹھ، سرین، رانیں، پنڈلیاں بھی نمایاں ہوتی ہیں۔ آجکل

گرمیوں میں لان کا کپڑا عام طور پر استعمال ہوتا ہے، یہ ایسا باریک کپڑا ہے جو نام کا کپڑا ہے مگر اس سے جسم کی ستر پوشی نہیں ہوتی جو کپڑے کا اصل مقصد ہے، خواتین کو یاد رکھنا چاہئے کہ ایسا باریک لباس پہننا جس میں جسم جھلکے، جائز نہیں ہے، یہ موجب لعنت کام ہے اور یہ اہلِ جہنم کی عورتوں کا طریقہ ہے، یہ جنتی عورتوں کا طریقہ نہیں ہے، جنتی عورتوں کا طریقہ یہی ہے کہ ان کا لباس اتنا ڈھیلا ڈھالا ہو کہ جسم کے مخصوص اعضاء کی بناوٹ نمایاں اور واضح نہ ہو۔

لیکن اگر باریک کپڑا پہننے کا شوق ہو تو اس کے اندر مکمل پوری آستین والی شمیز پہنی جائے یا بنیان استعمال کیا جائے اور شلوار کے اندر دوسرا کپڑا استر کو طور پر لگایا جائے، اس طرح باریک کپڑا پہننا جائز ہو جائے گا۔ اگر عمل کرنا چاہیں تو حل موجود ہے، عمل نہ کرنے والے کے لئے بہانے ہزار ہیں۔

تو ہی اگر نہ چاہے تو بہانے ہزار ہیں

عمل کرنے والے ہی نہیں ہیں ورنہ حل تو موجود ہے، عمل کرنے والوں کے لئے حل موجود ہے اور بہانہ کرنے والوں کے لئے سو حل بھی کم ہیں۔

چھ آدمیوں پر اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت

ایک حدیث میں نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چھ افراد ایسے ہیں جن پر میں نے لعنت کی ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی لعنت کی ہے اور نبی مستجاب الدعوات ہوتا ہے۔ مستجاب الدعوات کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے، چونکہ اللہ کا نبی معصوم ہوتا ہے اس لئے وہ جو بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرتا ہے وہ دعا قبول ہو جاتی ہے۔ آپ کے فرمانے کا منشاء یہ ہے کہ میں نے چونکہ ان چھ افراد پر لعنت کی ہے اور لعنت کرنا ایک بددعا ہے تو میں چونکہ نبی ہوں اور ہر نبی کی دعا قبول ہوتی ہے لہٰذا میری یہ بددعا بھی

قبول ہو چکی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ آپ نے یہ بھی فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ نے بھی ان چھ آدمیوں کے اوپر لعنت کی ہے اور وہ چھ آدمی یہ ہیں۔

''قرآن کریم میں تحریف کرنا'' موجب لعنت عمل ہے

نمبر ایک: قرآن کریم کے اندر اضافہ اور زیادتی کرنے والا یعنی قرآن شریف کے اندر تحریف اور اس میں کمی بیشی کرنے والے پر بھی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کے اندر تحریف کرنے کے گناہ میں کیا شک ہوسکتا ہے، وہ کیسے حلال اور جائز ہوسکتی ہے، حرام اور ناجائز ہی ہے اور بلاشبہ اس کے اوپر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت ہے۔

قرآن چھاپنے والے صحیح قرآن چھاپیں

جو لوگ قرآن شریف چھاپتے ہیں اگرچہ قرآن شریف چھاپنا تو اپنی جگہ درست ہے لیکن اس بات کا بڑا اہتمام کرنا چاہئے کہ اس کے اندر غلطیاں نہ ہوں، قرآن وحدیث کے علاوہ کسی اور کتاب میں اگر تھوڑی بہت غلطی ہوجائے تو وہ قابلِ گوارہ ہوسکتی ہے لیکن قرآن کریم کے اندر زبر زیر کی غلطی بھی قابلِ معافی نہیں ہے۔ آجکل بہت سے لوگ قرآن شریف چھاپتے ہیں اور اپنی تجارت کے پیشِ نظر قرآن شریف کے صحیح لکھنے کا اہتمام نہیں کرتے، کہیں کوئی آیت رہ گئی، کہیں کوئی لفظ رہ گیا، کہیں کوئی جملہ رہ گیا، بعض میں سورتیں ہی غائب ہیں، ہمارے سامنے اس قسم کی مثالیں آتی رہتی ہیں، سستا چھاپنے کے لئے، جلدی چھاپنے کے لئے، کام چلتا کرنے کے لئے اللہ کے کلام کے ساتھ یہ زیادتی کرتے ہیں، یہ دراصل قرآن شریف کے ساتھ زیادتی اور ظلم نہیں ہے بلکہ اپنی جان پر زیادتی اور ظلم ہے، اس سے اللہ تعالیٰ کا کلام تو مٹے گا نہیں لیکن ایسی غلطی

کرنے والا مٹ جائیگا، وہ تباہ و برباد ہوجائے گا۔ اگرچہ یہ کتابت کی غلطیاں ہوتی ہیں مگر اس کے اندر چھاپنے والوں کی بے توجہی کا بڑا دخل ہے، لہٰذا جب کوئی قرآن شریف چھاپنا چاہے تو وہ سب سے پہلے اس ذمہ داری کو اپنے سر پر لے کہ قرآن شریف بالکل صحیح صحیح چھاپا جائے اور اس کو اسی طریقہ سے لکھوایا جائے جس طرح حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کلامِ پاک لکھوایا تھا، قرآن شریف میں کمی بیشی کرنے والوں پر اللہ اور اس کے رسول کی لعنت ہے۔

''اقتدار پر زبردستی قبضہ کرنا'' موجب لعنت عمل ہے

نمبر دو: وہ لوگ جو اقتدار پر زبردستی قبضہ کرلیں اور قبضہ کرنے کے بعد جو عزت دار لوگ ہوں ان کو ذلیل کریں اور جو ذلیل ہوں ان کو عزت دیں اور ان کو عہدے اور منصب سے نوازیں۔ یعنی اقتدار پر ناحق اور جبراً قبضہ کرنے کے بعد اب حکومت میں ایسے لوگوں کو عہدے اور منصب دیں جو نااہل ہیں اور جو اہل ہیں ان کو فراموش کردیں۔ آجکل یہی ہورہا ہے اور ہمارے ملک میں یہی کھیل کھیلا جارہا ہے، بچپن سے اب تک یہی دیکھتے ہوئے آرہے ہیں کہ یہاں پر اچانک ایک شخص راتوں رات منٹوں سیکنڈوں کے اندر اقتدار پر قبضہ کرلیتا ہے اور اقتدار پر قابض ہونے کے بعد وہ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے، اندھیر نگری چوپٹ راج کا قانون چلتا ہے، یہ سب اسی دائرے کے اندر آتے ہیں۔

''تقدیر کا انکار'' موجب لعنت عمل ہے

نمبر تین: وہ لوگ جو تقدیر کا انکار کرنے والے ہیں، جو لوگ تقدیر کا انکار کرتے ہیں ان پر بھی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت ہے۔ تقدیر پر ایمان لانا ان چیزوں میں سے ہے جس کے بغیر آدمی کا ایمان ہی مکمل نہیں ہوتا

جیسے اللہ پر ایمان لانا، اللہ کے رسولوں پر ایمان لانا، اللہ تعالیٰ کی کتابوں پر ایمان لانا، آخرت کے دن پر ایمان لانا، ضروری ہے ایسے ہی ہر مسلمان مرد وعورت کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس بات پر ایمان رکھے کہ اس کی تقدیر میں اللہ پاک نے جو کچھ لکھا ہے وہ برحق لکھا ہے اور جو کچھ اس کے ساتھ اچھا یا برا ہوتا ہے سب تقدیر کے مطابق ہوتا ہے۔ تقدیر اللہ پاک نے اپنی حکمت اور مصلحت سے لکھی ہے اور جو کچھ ہوتا ہے سب تقدیر کے مطابق ہی ہوتا ہے، لہٰذا جو شخص تقدیر کا انکار کرے گا اس پر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت ہے۔ پہلے زمانے میں بعض فرقے ایسے گزرے ہیں جو تقدیر کا انکار کرتے تھے، ان میں ایک فرقہ ''قدریہ'' نام کا تھا جو تقدیر کا انکار کرتا تھا۔

انسان کے ''مجبور محض'' ہونے کا عقیدہ، احمقانہ عقیدہ ہے

ایک فرقہ ''جبریہ'' تھا، ان کا یہ عقیدہ تھا کہ انسان مجبورِ محض ہے، انسان کچھ نہیں کرسکتا، جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ ہی کرتے ہیں، انسان کو کسی چیز کا اختیار ہی نہیں ہے، بس انسان ایسا ہے جیسے دیوار، درخت، پتھر کہ جب چاہے پتھر ہٹادو اور جب چاہے رکھدو، پتھر کچھ بولے گا نہیں، جہاں سے چاہے درخت کو کاٹ دو، جس طرح چاہے چھیل دو اور جس طرح چاہے اس کے ساتھ سلوک کرلو، وہ کچھ بول نہیں سکتا، بس انسان بھی ایسے ہی ہے، یہ کتنا احمقانہ عقیدہ ہے، آج بھی بعض لوگ تقدیر کا مسئلہ سننے کے بعد یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری تقدیر میں جو کچھ لکھا ہے اب تو ویسے ہی ہوگا لہٰذا ہم کیوں نماز پڑھیں، کیوں روزہ رکھیں اور ہم کیوں گناہ چھوڑیں، یہ بھی گمراہی ہے اور بالکل غلط ہے۔

انسان ہر کام اپنے اختیار سے کرتا ہے

یاد رکھیں! تقدیر کی وجہ سے کوئی شخص مجبور نہیں ہے اس لئے کہ تقدیر میں

یہ لکھا ہوتا ہے کہ یہ شخص اپنے اختیار سے نماز پڑھے گا، اپنے اختیار سے روزے رکھے گا، اپنے اختیار سے فلاں گناہ سے بچے گا، تو پھر یہ شخص مجبور کہاں ہوا، جو کچھ کرر ہا ہے اپنے اختیار سے کرر ہا ہے، ہمارے اندر اختیار بھی موجود ہے، ہم میں سے ہر آدمی ہر وقت با اختیار ہے، چاہے تو نماز پڑھے اور چاہے تو نماز نہ پڑھے، لہٰذا تقدیر کی وجہ سے انسان کا اختیار کہاں ختم ہوا، اختیار تو موجود ہے اور جب موجود ہے تو اسی وجہ سے مکلّف ہے، لہٰذا حکم ہے کہ نماز پڑھو، روزے رکھو اور موجب لعنت کاموں سے اپنے آپ کو بچاؤ، انسان مجبور کہاں ہے، اگر ایسا ہی مجبور سمجھتے ہو تو کماتے کیوں ہو، سب کے سب گھر بیٹھ جاؤ اور بازار کھولنے کی ضرورت ہی نہیں، ملازمت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، زراعت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، دکان پر جانے کی کوئی ضروزت نہیں، روزی جو مقدر ہے وہ گھر میں آجائیگی، جب یہ مثال دی جاتی ہے تو لوگوں کو فوراً سمجھ میں آجاتی ہے کہ نہیں نہیں، کمانا بھی ضروری ہے، جب کمانا ضروری ہے تو پھر نماز پڑھنا کیوں ضروری نہیں ہے، پھر گناہ سے بچنا کیوں ضروری نہیں ہے، جیسے رزق تقدیر میں لکھا ہوا ہے ایسے ہی نماز بھی تقدیر میں لکھی ہوئی ہے، روزہ بھی تقدیر میں لکھا ہوا ہے، گناہوں سے بچنا بھی تقدیر میں لکھا ہوا ہے لہٰذا جیسے تم روزی کمانے کے لئے جاتے ہو اور تقدیر پر بھروسہ کر کے نہیں بیٹھتے، ایسے ہی یہاں پر بھی بھروسہ مت کرو، مسجد میں بھی جاؤ اور نیک کام بھی کرو، برے کاموں سے بھی بچو اور باعث لعنت کاموں سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ پس تیسرا شخص وہ ہے جو تقدیر کا انکار کرنے والا ہو، اس پر بھی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت ہے۔

”حرام کو حلال سمجھنا“ موجب لعنت عمل ہے

نمبر چار: وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال سمجھے، اس پر بھی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت ہے۔ یاد رکھیں! آدمی جب

تک حرام کو حرام سمجھتا رہے اور اپنی نالائقی کی وجہ سے یا اپنی کمزوری کی وجہ سے وہ گناہ اس سے ہوتا رہے وہ قابلِ معافی ہے، لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ سود حلال ہے، اس کے حرام ہونے کا کس نے کہا ہے؟ تو یہ حرام کو حلال سمجھنا کفر ہے، بس جہاں اس نے حرام کو حلال سمجھا، اسی وقت اس کے ایمان کا طوطا اڑ گیا اور وہ کافر و مرتد ہو گیا اور واجب القتل ہو گیا اور اس کی آخرت میں سزا یہ ہے کہ ہمیشہ جہنم کے اندر رہے گا، اس لئے حرام کا حلال سمجھنا بڑا سنگین گناہ ہے، اس سے فوراً بچنا چاہئے، اگر آدمی گناہ کر رہا ہے تو کم از کم اس گناہ کو گناہ سمجھے، اللہ تعالیٰ کے سامنے اقراری مجرم بنتا رہے، معافی مانگتا رہے، نہیں بچ سکتا تو اپنی کمزوری کا اظہار کرے کہ یا اللہ! میں کمزور ہوں، ماحول سے متاثر ہو جاتا ہوں جس کی بناء پر میں یہ گناہ کر بیٹھتا ہوں، یہ ساری باتیں ایسی ہیں کہ کسی نہ کسی درجے میں اس کی معافی کا ذریعہ بن سکتی ہیں لیکن حرام کو حلال سمجھنا بڑا ہی سنگین گناہ اور موجب لعنت کام ہے۔

''سنتِ مؤکدہ چھوڑنا'' موجب لعنت عمل ہے

نمبر چھ: وہ آدمی ہے جو سنتِ مؤکدہ کو چھوڑ دے۔ یہ بڑی قابلِ غور بات ہے، اب اس کی تشریح کا تو وقت نہیں ہے لیکن میں اتنی بات عرض کر دوں کہ جو سنتیں شریعت کے اندر بڑی اہم اور تاکید والی ہیں، ان کو اگر آدمی چھوڑ دیگا تو اس پر بھی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت ہے، مثال کے طور پر اذان ایک سنت ہے اور سنتِ مؤکدہ ہے، اسلام کی علامتوں اور نشانیوں میں سے ہے، اقامت بھی ایک اہم شریعت کا حکم اور سنتِ مؤکدہ میں سے ہے، ایسے ہی مردوں کا داڑھی رکھنا بھی انہی اہم سنتوں میں سے ہے اور ایک مٹھی سے کم کتروا کر چھوٹی رکھنا یا منڈھوانا یہ بھی گناہ ہے، ایسے ہی فجر کی سنتیں اور ظہر کی سنتیں بھی اہم ہیں اور سنتِ مؤکدہ ہیں، ختنہ کروانا یہ بھی سنتِ مؤکدہ ہے اور اسلام کی

اہم سنتوں میں سے ہے، جو آدمی ان کو چھوڑے گا، اس پر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت ہے۔ تفصیل کا تو وقت نہیں ہے لیکن میں نے کچھ مثالیں بیان کردی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے سامنے اقراری مجرم بنیں

لہٰذا ہمیں اس پر غور کرنا چاہئے کہ اگر ہم سے کوئی اہم سنت چھوٹ رہی ہے تو اس سے توبہ کریں اور اس کو اپنے عمل میں لائیں اور اگر فوری طور پر اس کو اپنے عمل میں نہیں لا رہے تو کم از کم گناہ کو گناہ سمجھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے سامنے اقراری مجرم تو بنیں اور ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرتے رہیں کہ یا اللہ! میں اس سنت کو زندہ کرنا چاہتا ہوں اور اپنے عمل میں لانا چاہتا ہوں مگر میں ایسا کمزور ہوں کہ مجھ سے اس پر عمل نہیں ہوتا، آپ میری مدد فرما دیجئے، میرے ایمان کو قوی فرما دیجئے اور میرے دل کو مضبوط کردیجئے اور اس پر عمل کی توفیق دے دیجئے، میں اپنے جرم کا اقرار کرتا ہوں اور میں آپ سے معافی چاہتا ہوں۔ اقراری مجرم بنا رہیگا اور اللہ پاک سے توفیق مانگتا رہے گا تو انشاء اللہ تعالیٰ ایک نہ ایک دن اس کے ایمان میں قوت آجائیگی اور اس کو ضرور ایسی توفیق ملے گی کہ وہ سنتوں پر عمل کرنے والا بن جائیگا، اللہ پاک اپنے فضل و کرم سے لعنت والے کاموں سے بچنے کی توفیق دے۔

کسی بھی جاندار اور بے جان پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے

اب آخر میں ایک بات اور عرض کرنی ہے اور وہ یہ ہے کہ میں نے شروع میں عرض کیا تھا کہ لعنت کے معنی ہیں، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور، اللہ تعالیٰ کی مدد سے محروم، اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت اور نظر کرم سے محروم، تو جب یہ لعنت اتنی خراب چیز ہے تو یاد رکھنا چاہئے کہ ہمیں بھی کسی انسان پر اور انسانوں میں کسی

کافر پر بھی جس کے کفر پر مرنے کا یقین نہ ہو، اس پر بھی لعنت کرنے کی اجازت نہیں ہے یہاں تک کہ کسی جانور اور بے جان چیز پر بھی لعنت کرنے کی اجازت نہیں ہے، یہ میں اس لئے عرض کر رہا ہوں کہ بے چاری بعض خواتین ایسی ہوتی ہیں کہ وہ جب کسی سے ناراض ہو جاتی ہیں یا ان کو کوئی ستاتا ہے تو وہ لعنت کا دروازہ کھول دیتی ہیں اور پھر جو وہ لعنتیں دینا شروع کرتی ہیں تو اللہ بچائے اللہ بچائے دیتی ہی رہتی ہیں، یہ بالکل ہی غلط طریقہ ہے، کسی پر کتنا ہی غصہ آ جائے یا کسی سے کتنی ہی ناراضگی ہو جائے، مگر اس پر لعنت نہ کریں، اس لئے کہ لعنت تو بہت ہی خطرناک چیز ہے اور حدیث شریف میں اس کے بارے میں یہ آتا ہے کہ جب کوئی کسی کے اوپر لعنت کرتا ہے تو لعنت سب سے پہلے آسمان پر جاتی ہے لیکن آسمان کے دروازے اس پر بند ہو جاتے ہیں، جب آسمان پر کوئی دروازہ کھلا ہوا نہیں ملتا تو وہ لعنت آسمان سے واپس زمین پر آتی ہے زمین کے دروزے بھی اس کو بند ملتے ہیں، پھر وہ لعنت دائیں اور بائیں گھومتی ہے کہ کہیں مجھ کو جگہ ملے تو میں وہاں جا کر پڑ جاؤں، لیکن دائیں بائیں بھی اس کو کہیں جگہ نہیں ملتی جہاں جا کر وہ لعنت پڑے، پھر وہ اس شخص کے اوپر آتی ہے جس پر وہ لعنت کی گئی تھی اور دیکھتی ہے کہ وہ لعنت کا مستحق ہے یا نہیں، اگر وہ مستحقِ لعنت ہے تو وہ لعنت اس کے اوپر پڑ جاتی ہے اور اگر وہ مستحقِ لعنت نہیں ہے اور لعنت کرنے والے نے غلط لعنت کی ہے تو وہ اس کے اوپر سے ہٹ کر لعنت کرنے والے کے اوپر پڑ جاتی ہے۔ العیاذ باللہ، لعنت دوسرے پر کی تھی مگر خود لعنت کرنے والے پر پڑ گئی اور اپنے اوپر لعنت پڑ جانا کتنی خطرناک اور خوفناک بات ہے، اس لئے اگر کسی کی لعنت دینے کی عادت ہے تو اس کو اس کے بچنا چاہئے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو لعنت کرنے سے بھی بچائے اور موجب لعنت کاموں سے بھی ہم سب کی حفاظت فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

سیرتِ طیبہ کا بنیادی مقصد اور سیرت کے مروجہ جلسے

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی دامت برکاتہم
نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ضبط وترتیب
حبیب اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
دکان نمبر ۲۹، نایاب جامع مسجد، لیاقت آباد کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
: گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی بیانات : جلد نمبر ۱۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سیرتِ طیبہ کا بنیادی مقصد اور سیرت کے مروجہ جلسے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کثیراً۔

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ وَمَنْ یَّلْعَنِ اللّٰہُ فَلَنْ تَجِدَ لَہٗ نَصِیْرًا ۝

وَقَالَ تَعَالٰی مَلْعُوْنِیْنَ اَیْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا ۝

صدق اللہ العظیم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک عظیم شان

میرے قابلِ احترام بزرگو! اس وقت میں نے آپ کی خدمت میں سورۂ قلم کی ابتدائی چند آیات تلاوت کی ہیں، ان آیات میں اللہ جل شانہٗ نے محبوبِ کائنات، سردارِ دو جہاں، رحمۃ للعالمین، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک عظیم شان کا ذکر فرمایا ہے، بیان کرنے والے اللہ جل شانہٗ ہیں اور شان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کر رہے ہیں اور بیان کرنے کا اصل مقصد امتِ محمدیہ کو یہ بتانا ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے اپنے محبوب اور اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس عظیم شان کے ساتھ اس لئے آراستہ فرمایا ہے کہ چونکہ وہ تمہارے نبی اور پیغمبر ہیں اور تمہارے اندر مبعوث ہوئے ہیں لہٰذا جس طرح تمہیں ان پر ایمان لانے کا حکم ہے، اسی طرح ان کے اعمال کو اپنانے کا بھی حکم ہے اور جس طرح تم کو اللہ جل شانہٗ نے قرآن کریم جیسی عظیم الشان کتاب عطا فرمائی ہے، اسی طرح تم کو عظیم الشان نبی بھی عطا فرمایا ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کی عملی شکل ہیں اور چلتا پھرتا قرآن کریم ہیں، آپ کے اخلاق واعمال عین قرآن کریم کے مطابق ہیں تو جس طرح اس عظیم الشان کتاب کی پیروی کرنے کا حکم ہے اور اس کے احکام پر عمل کرنے کی تاکید ہے، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور تابعداری کا بھی حکم ہے۔

قرآن اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم کو اپنانے میں کامیابی ہے

جس شخص نے بھی چاہے وہ مرد ہو یا عورت، ان دونوں عظیم چیزوں کو تھام لیا یعنی قرآن کریم کی تابعداری اختیار کرلی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم کو اپنالیا، اس کی کامیابی یقینی ہے، اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا بھی نصیب ہوگی، اللہ تعالیٰ کا قرب بھی عطا ہوگا، اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت بھی حاصل ہوگی،

رحمتیں، برکتیں، راحتیں، عافیتیں بھی حاصل ہونگی، اللہ پاک نے اپنے بندوں کو جن جن نعمتوں سے سرفراز فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے وہ سارے وعدے پورے ہونگے اور دنیا وآخرت میں فلاح وکامرانی نصیب ہوگی، اللہ پاک ہمیں ان دونوں عظیم چیزوں کو اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا ذکر باعثِ ثواب ہے

ان آیات میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جس عظیم الشان صفت کا ذکر ہے وہ آپ کا خلقِ عظیم ہے، اللہ پاک خود فرمارہے ہیں کہ آپ عظیم الشان اخلاق کے مالک ہیں اور آپ اخلاق کے عظیم مقام پر فائز ہیں۔ آپ کے اخلاق کی مختلف صورتیں اور شکلیں قرآن وحدیث کے اندر مذکور ہیں اور علماءِ کرام اور بزرگانِ دین اپنے اپنے علم اور اپنی اپنی بساط واستعداد کے مطابق موقع بموقع ان کو بیان کرتے رہتے ہیں، تقریروں میں بھی بیان کرتے رہتے ہیں، اپنے خطابات میں بھی ذکر کرتے رہتے ہیں، مضامین کے اندر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانیں بیان ہوتی رہتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا تذکرہ بڑا ہی باعثِ اجر وثواب ہے، آج بھی انشاء اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک منفرد شان کا تھوڑا سا ذکر ہوگا۔

حضور ﷺ کی سیرت کے تذکرہ سے مقصودِ اصلی عمل ہے

پہلے بنیادی مقصد سمجھ لیں کہ بیشک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانوں کا تذکرہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ اخلاق کا تذکرہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اچھی اچھی عادات اور پیاری پیاری خصلتوں کا تذکرہ باعث اجر وثواب ہے لیکن محض تذکرہ مقصود نہیں جیسے قرآن شریف کا خالی پڑھنا باعث اجر وثواب ہے لیکن مقصودِ اصلی نہیں ہے بلکہ اصلی مقصد اس کی پیروی ہے، اسی طرح حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کے حسنِ اخلاق کا محض تذکرہ مقصودِ اصلی نہیں ہے اگرچہ تذکرہ کے نافع، مفید اور باعثِ اجر ہونے میں کوئی شک نہیں ہے لیکن مقصودِ اصلی صرف تذکرہ نہیں ہے بلکہ اس تذکرے سے عمل مقصود ہے کہ ہمارے آقا سرکارِ دوعالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جب کسی شان کا تذکرہ ہو تو اس تذکرے کو یاد بھی رکھیں اور یاد کرنے کے ساتھ ساتھ حسبِ موقع عمل کرنے کی فکر کریں، یہ اصل مقصد ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک کے تذکرے کا بھی اصل مقصد یہی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا تذکرہ رسم کے طور پر رہ گیا ہے

اس مقصد کو بیان کرنا اس لئے ضروری ہے کہ آجکل ہر کام رسمی ہے چنانچہ سرکارِ دوعالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ، آپ کے حسنِ اخلاق، حسنِ اعمال، حسنِ کردار کا تذکرہ بھی ایک رسم کے طور پر ہی رہ گیا ہے اور وہ بھی سال کے بارہ مہینوں میں سے صرف ربیع الأول کے مہینے میں اور ربیع الأول کے مہینے میں بھی یکم ربیع الأول سے بارہ ربیع الأول تک رہ گیا ہے، یکم ربیع الأول سے لے کر بارہ ربیع الأول تک رات دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ ہوتا رہتا ہے، کہیں نعتیں ہو رہی ہیں تو کہیں عید میلاد النبی کے نام پر جلسے ہو رہے ہیں، جلوس نکل رہے ہیں، ان جلسوں میں نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک کا ہوتا ہے اور تذکرہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات واطوار کا ہوتا ہے لیکن عمل ایک فیصد بھی نہیں۔

ربیع الأول کے مروجہ جلسوں کی قباحتیں

ان جلسوں، جلوسوں، مجلسوں اور محفلوں میں وہ سارے کام ہو رہے ہوتے ہیں جن کو قرآنِ کریم نے بھی حرام اور ناجائز قرار دیا ہے اور خود سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ناجائز اور ممنوع قرار دیا ہے۔

عورتوں کا بے پردہ نکلنا

مثلاً عورتوں کا بے پردہ نکلنا، قرآن وحدیث اس کی ممانعت سے بھرے ہوئے ہیں، عورتوں پر پردہ کرنا فرض ہے جیسے نماز پڑھنا فرض ہے لیکن ربیع الأول کے مہینے میں جلسوں، جلوسوں اور محفلوں کے اجتماعات میں کس قدر بے پردہ عورتوں اور مردوں کا مخلوط اجتماع جگہ جگہ نظر آتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر جمع ہیں لیکن اللہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے بالکل خلاف عمل کر رہے ہیں۔

راستوں کا بلاک کرنا

اسی طرح جلسوں اور جلوسوں کے دوران راستے بلاک ہوجاتے ہیں حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو لوگوں کو تکلیف سے بچانے کا حکم دیتے رہے ہیں، ساری زندگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکلیفیں برداشت کیں لیکن کسی کو کبھی بھی کوئی تکلیف نہیں پہنچائی نیز قرآن وحدیث تکلیف نہ پہنچانے کی تاکید سے بھرے ہوئے ہیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام ہی پر روڈ بلاک کر کے آنے جانے والوں کو طرح طرح کی تکالیف کے اندر مبتلا کیا جاتا ہے، ٹریفک جام ہوجاتا ہے، کئی کئی گھنٹے لوگ کھڑے رہتے ہیں کہ جلوس گزر جائے تو ہمیں راستہ ملے، یہ عمل قرآنِ کریم اور سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے بالکل خلاف ہے۔

لاؤڈ اسپیکر کا بلند آواز سے استعمال

پھر رات گئے تک جلسوں میں لاؤڈ اسپیکروں پر نعتیں اور تقریریں اتنی بلند آواز سے ہوتی ہیں کہ جس علاقے میں جلسہ ہو رہا ہو، اس علاقے میں کوئی شخص سو نہیں سکتا، کوئی شخص آرام نہیں کرسکتا، کوئی شخص پڑھ نہیں سکتا، اگر وہاں پر کوئی بیمار ہو تو اس کی بیماری بھی دگنی ہوجاتی ہے۔

دوسروں کو تکلیف دینا جائز نہیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ کر رہے ہیں اور سیرت کے نام پر جلسہ کر رہے ہیں تو کم از کم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات تو دیکھیں، ان کی تعلیمات میں یہ بھی ہے کہ دوسرے لوگوں کو ہرگز ہرگز تکلیف مت دیں، یہاں تک کہ اگر قرآن شریف پڑھنے سے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے سے کسی شخص کی نیند میں خلل آتا ہو یا کسی شخص کے آرام میں خلل آتا ہو تو ہمارے دین میں قرآن شریف پڑھنے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے، رمضان شریف میں جو خالص عبادت کا مہینہ ہے اور آخری عشرہ جو یکسوئی سے اعتکاف کے اندر عبادت اور ذکر واذکار کرنے کا عشرہ ہے، اس حالتِ اعتکاف کے اندر بھی کسی معتکف کو یہ جائز نہیں کہ وہ قرآن شریف کی تلاوت یا اللہ کا ذکر اس طرح کرے کہ برابر میں دوسرے معتکف کے آرام میں خلل آئے یا دوسرے معتکف کے قرآن شریف پڑھنے یا ذکر کرنے میں خلل آئے یا اس کے مطالعہ کرنے میں خلل آئے حالانکہ رمضان شریف کا مہینہ چوبیس گھنٹے عبادت کا مہینہ ہے اور آخری عشرہ تو ہے ہی اسی لئے کہ اس میں اعتکاف کیا جائے اور اعتکاف کے اندر سوائے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے اور کوئی کام نہ کیا جائے لیکن اس کے باوجود بھی دوسروں کا اتنا خیال کرنے کا حکم ہے کہ تمہاری عبادت، ذکر واذکار، تلاوت و تسبیح یا دعا کرنے سے کسی دوسرے نمازی کو یا معتکف کو کوئی تکلیف نہ پہنچے، اگر پہنچے تو حرام ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا یہی خلاصہ ہے لیکن ہم سیرت کے جلسوں میں راستہ بند کر کے بیٹھے ہوئے ہیں، نہ کوئی آ سکتا ہے اور نہ کوئی جا سکتا ہے۔

سیرت کے جلسوں کے لئے بجلی چوری کرنا

پھر ان جلسوں اور جلوسوں میں چوری کی بجلی بھی استعمال ہوتی ہے، کنڈا

لگایا ہوا ہوتا ہے، ہزار ہزار پاور کے بے تحاشہ اور بے حساب برقی قمقمے لگے ہوئے ہوتے ہیں یہاں تک کہ جلسہ ایک کلومیٹر کے اندر ہو رہا ہوتا ہے مگر روشنی پانچ کلومیٹر تک کی ہوتی ہے کیونکہ اپنی جیب سے تھوڑا ہی جا رہا ہے، گناہ در گناہ اور حرام در حرام۔ بتائیں! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر جلسہ ہو رہا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نعتیں پڑھی جا رہی ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصافِ حمیدہ بیان کئے جا رہے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک کا تذکرہ ہو رہا ہے اور بجلی چوری کی استعمال کی جا رہی ہے تو کیا معاذ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چوری کا حکم دیا ہے، حالانکہ قرآنِ کریم چوری کی حرمت پر واضح طور پر اپنے اندر احکام رکھے ہوئے ہے، چوری کو حرام قرار دے رہا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی چوری کو حرام قرار دیا ہے یہاں تک کہ آپ نے چوروں کے ہاتھ بھی کاٹے ہیں، اللہ تعالیٰ کا حکم جاری کیا ہے، حد جاری فرمائی ہے، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو چوری کو حرام قرار دے رہے ہیں اور امتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک کے جلسوں کے لئے بجلی کی چوری کر رہے ہیں۔

سیرت کے جلسوں میں اسراف

پھر سیرت کے جلسوں میں اسراف بھی ہوتا ہے حالانکہ قرآنِ کریم اسراف کی مذمت سے بھرا ہوا ہے کہ اسراف سے بچو، فضول خرچی مت کرو کیونکہ فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور سرکارِ دوعالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ہیں کہ سمندر یا دریا کے کنارے بھی بیٹھ کر وضو کرنے کے دوران پانی استعمال کرنے میں اسراف نہ کرو یعنی اگر ایک عضو کو تین دفعہ دھونے کا حکم ہے تو بلا وجہ اس کو چار مرتبہ مت دھوؤ کیونکہ چوتھی مرتبہ دھونا اسراف وتبذیر اور فضول خرچی ہے جس کی ممانعت ہے، حالانکہ وہ پانی جو استعمال کیا ہے وہ دوبارہ سمندر اور دریا میں ہی گریگا پھر بھی اسراف میں داخل ہوتا ہے

اور نا جائز ہے۔ ظاہر میں کوئی بڑا خرچ نہیں لیکن اس کے باوجود ممانعت ہے تو یہ جو سینکڑوں یونٹ بجلی ساری رات یونہی پھونک دی جاتی ہے اس کو کیسے جائز کہا جا سکتا ہے لیکن سیرت کے نام پر ہر وہ کام کیا جا رہا ہے جو دراصل سیرت کے خلاف ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور ان کے عمل کے خلاف ہے اور یہ چیزیں عام ہیں، کوئی اس کو سمجھنے والا نہیں ہے الّا ماشاء اللہ، اس لئے ضروری ہے کہ ہم جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی شان پڑھیں اور سنیں تو اس کا مقصد سب سے پہلے ذہن نشین کر لیں اور اس کا مقصد یہی ہے کہ ہمیں بھی پھر اسی کے مطابق عمل کرنا ہے۔

حسنِ اخلاق کی بنیادیں

مذکورہ آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم الشان صفت ''خلق عظیم'' بیان فرمائی گئی ہے، اللہ پاک فرما رہے ہیں کہ آپ عظیم اخلاق کے مالک ہیں، آپ خلقِ عظیم اور حسنِ اخلاق میں سب سے زیادہ ممتاز ہیں، اللہ پاک نے اس میں آپ کی خصوصی شان بیان فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی آپ کے جیسے اخلاق اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ حسنِ اخلاق کی بنیادیں تین چیزیں ہیں۔

حسنِ اخلاق کی پہلی بنیاد

پہلی بنیاد یہ ہے کہ ہر مسلمان مرد و عورت کو اس بات کی عادت ڈالنی چاہئے کہ جب وہ کسی دوسرے مسلمان سے ملے تو مسکرا کر ملے، خندہ پیشانی کے ساتھ ملے، مسکرا کر ملے، بغیر مسکرائے نہ ملے، یہ نہیں ہونا چاہئے کہ دو مسلمان آپس میں ملیں اور ملتے ہوئے ذرا برابر بھی چہرے پر مسکراہٹ نہ ہو، ایسا لگے کہ ایک پتھر دوسرے پتھر سے مل رہا ہے یا جیسے اللہ بچائے تکبر والوں کا حال ہوتا ہے

کہ مسکراہٹ تو چہرے پر کیا ہوگی بلکہ الٹا منہ پھلا کر ملتے ہیں، یہ بد اخلاقی اور بدتمیزی ہے، اس کا حسنِ اخلاق سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ حسنِ اخلاق میں بنیادی بات یہ ہے کہ آدمی جب کسی سے ملے تو خندہ پیشانی سے ملے اور مسکرا کر ملے، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی شان احادیثِ طیبہ کے اندر بالکل واضح بیان کی گئی ہے کہ آپ ہمیشہ باتبسم رہتے تھے، ہمیشہ چہرے پر مسکراہٹ کھلتی رہتی تھی، کسی سے ملتے تھے تو مسکرا کر ملتے تھے، کبھی کبھی ہنستے بھی تھے، ہنستے کم تھے لیکن مسکراتے زیادہ تھے۔

حسنِ اخلاق کی دوسری بنیاد

دوسری بنیاد یہ ہے کہ ہر شخص اپنے مال کو اپنے اوپر اور اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنے میں تنگی نہ کرے، اللہ پاک نے جیسی بھی استطاعت عطا فرمائی ہے، اس استطاعت کے مطابق سب سے پہلے اپنے اوپر پھر اپنے گھر والوں پر مال پر خرچ کرے، بچا بچا کے نہ رکھے کہ نہ خود کھائے اور نہ گھر والوں کو کھانے دے، خود بھی تکلیف میں رہے اور گھر والوں کو بھی تکلیف میں رکھے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے سب کچھ دے رکھا ہے، اچھا کماتا ہے، اللہ تعالیٰ نے مالی طور پر اچھا بنایا ہے، آرام سے کھا سکتا ہے اور اپنے گھر والوں کو کھلا سکتا ہے لیکن نہ خود کھاتا ہے اور نہ اپنے گھر والوں کو کھلاتا ہے، ایسا نہ کرے بلکہ ہر شخص اپنی اپنی حیثیت کے مطابق جہاں تک ہو سکے اپنے اوپر بھی اس مال کو خرچ کرے اور اپنے گھر والوں پر بھی فراخی کے ساتھ مال خرچ کرے تاکہ ان کی جملہ ضروریات بآسانی پوری ہوں، خواہ کھانے پینے سے متعلق ہوں یا پہننے سے متعلق ہوں، انہیں کوئی تکلیف نہ ہو کہ وہ کہیں کہ ہمارے شوہر بخیل ہیں، کنجوس ہیں، پیسے خرچ نہیں کرتے، دل اتنا فراخ ہونا چاہئے کہ جو کچھ کمایا ہے، حسبِ توفیق اپنے گھر والوں کے ساتھ سہولت کا معاملہ کرے۔ یہاں بھی یاد رکھیں کہ اسراف یہاں بھی منع اور ناجائز ہے،

یہاں بھی اعتدال رکھے اور اعتدال کے ساتھ قدرے فراخی کا معاملہ کرے نیز خلافِ شرع کاموں اور چیزوں کی خریداری میں پیسے خرچ نہ کرے۔

حسنِ اخلاق کی تیسری بنیاد

تیسری بنیاد یہ ہے کہ گھر سے باہر والے جتنے افراد ہیں، چاہے وہ عزیز واقارب ہوں اور چاہے وہ دوست احباب ہوں، چاہے وہ عام مسلمان ہوں، ان کے ساتھ حسبِ استطاعت سخاوت کا معاملہ رکھے اور دوسروں کی ایذاؤں پر صبر کرے اور اپنی طرف سے ان کے لئے راحت رساں رہے، ہر ایک کے ساتھ راحت کا معاملہ کرنے کی کوشش کرے اور ان کی طرف سے اگر کوئی تکلیف دہ بات پیش آجائے تو صبر وتحمل سے کام لے۔

یہ تین اہم بنیادیں ہیں حسنِ اخلاق کی، پھر اس کی بہت ساری صورتیں اور شکلیں ہیں جو سب احادیثِ طیبہ کے اندر مذکور ہیں، سیرت کی کتابوں کے اندر جا بجا موجود ہیں، بنیادیں اس لئے عرض کردی کہ بنیادوں کو یاد رکھنا آسان ہوتا ہے، ان تین باتوں کو ہم یاد رکھیں تو انشاء اللہ تعالیٰ ان پر عمل کرنا آسان ہوگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاح کرنا

سرکارِ دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہاں مسکرایا کرتے تھے اور مسکرا کر ملتے تھے، وہیں آپ مسکرانے کے ساتھ ساتھ کبھی کبھی اپنے صحابہ کے ساتھ مزاح بھی فرمایا کرتے تھے اور آپ نے مزاح فرما کر یہ بتادیا کہ یہ بھی جائز ہے اور کبھی کبھی یہ مناسب بھی ہے، حالانکہ ایک طرف آپ اللہ جل شانہٗ کے نبی ہیں اور سارے انبیاء کرام علیہم السلام کے سردار ہیں، خاتم النبیین ہیں، وحی کا سلسلہ جاری ہے، اللہ تعالیٰ سے رابطہ ہے، جبرئیل امین آرہے ہیں اور جارہے ہیں، آپ آخرت کے امور کا مشاہدہ کررہے ہیں، کبھی جنت دیکھ رہے ہیں اور کبھی

جہنم دیکھ رہے ہیں، یہ ساری باتیں ایسی ہیں جو آدمی کو مبہوت کر دینے والی ہیں، جس کا براہِ راست اللہ تعالیٰ سے تعلق ہو اس کے اوپر کیسی اللہ تعالیٰ کی ہیبت ہونی چاہیے لیکن ان تمام باتوں کے باوجود آپ کھاتے پیتے بھی تھے، پہنتے اوڑھتے بھی تھے، چلتے پھرتے بھی تھے، بات چیت بھی کرتے تھے، صحابہ کرام کے ساتھ بیٹھتے بھی تھے، ہنستے بھی تھے اور مزاح بھی فرماتے تھے، یہ عجیب وغریب شان تھی سرکارِ دوعالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ثانی نہیں

جیسے اللہ تعالیٰ کا کوئی مثل نہیں ہے اسی طرح سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی کوئی ثانی نہیں ہے، جیسے اللہ پاک بے مثال ہیں اسی طرح انہوں نے اپنے محبوب کو بھی بے مثال ہی بنایا ہے۔ لاہور میں ہمارے ایک بزرگ تھے سید محمد ابراہیم نفیس رحمۃ اللہ علیہ یہ بہت بڑے کاتب بھی تھے اور بہت بڑے شاعر بھی تھے اور سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق بھی تھے، ان کا کلام چھپ گیا ہے اور ان کی نعتیں عام طور پر دینی رسالوں کے اندر شائع ہوتی رہتی ہیں، ان کی ایک نعت ہے جس کا عنوان ہے ''تجھ سا کوئی نہیں'' یہ ان کی بڑی ہی پیاری نعت ہے، اس کے چند اشعار مجھے یاد آرہے ہیں ۔

اے رسولِ امیں، خاتم المرسلیں تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں
ہے عقیدہ یہ اپنا بصدق ویقیں تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں
دستِ قدرت نے ایسا بنایا تجھے جملہ اوصاف سے خود سجایا تجھے
سید الاولیں، سید الآخریں تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں
بزمِ کونین پہلے سجائی گئی پھر تیری ذات منظر پے لائی گئی
اے ازل کے حسیں، اے ابد کے حسیں تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

واقعی آپ کی شان عجیب وغریب ہے، آپ جیسا کوئی اور ہے نہیں، مخلوقات میں اللہ پاک نے آپ کو ایسا بنایا تھا کہ بس آپ اپنی مثال آپ تھے، ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کا سلسلہ جاری تھا اور دوسری طرف صحابہ کرام، ازواجِ مطہرات، بناتِ طاہرات اور اپنے عزیز واقارب کے ساتھ گھلے ملے رہتے تھے اور آپ اپنے صحابہ کرام کے ساتھ کبھی کبھی مزاح بھی فرمایا کرتے تھے، حیرت ہوتی ہے کہ کیسے آپ یہ سب حقوق ادا فرماتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح کا پہلا واقعہ

ایک واقعہ احادیثِ طیبہ کے اندر مذکور ہے اور یہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کا واقعہ ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا ''یا ذاالاذنین'' اے دوکان والے! اس واقعہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ''اے دوکان والے'' کہہ کر مخاطب فرمایا، حالانکہ ہر شخص کے دوکان ہوتے ہیں، اس طرح آپ نے ان سے مزاح فرمایا اور اس میں کوئی جھوٹ بھی نہیں ہے، اور ''دوکان والے'' کہہ کر یہ بھی فرمادیا کہ تم میری بات توجہ اور غور سے سنتے ہو اور دھیان بہت دیتے ہو۔ اس میں مزاح بھی ہوگیا اور شاباشی بھی ہوگئی اور سچ بھی بول دیا، یہ ہے سرکارِ دوعالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان۔

مزاح کے اندر تین باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے مزاح فرماتے تھے تو حیرت ہوتی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو اللہ کے نبی ہیں، دونوں جہان کے سردار ہیں، آپ ہم سے مزاح بھی فرماتے ہیں، ایک دن میں نے عرض کیا کہ حضور! آپ اللہ کے نبی ہو کر ہم سے مزاح فرماتے

ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں میں مزاح کرتا ہوں مگر مزاح میں بھی حق بات ہی کہتا ہوں۔

اس سے تین باتیں معلوم ہوئیں جو یاد رکھنے کی ہیں تاکہ ایسا نہ ہو کہ ہم مزاح کریں تو بے لگام مزاح کرنا شروع کر دیں، بلکہ ہمارا مزاح بھی ہو تو ان حدود کے اندر ہو جو احادیثِ طیبہ سے ثابت ہیں۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ وہ مزاح سچا ہو، جھوٹ نہ ہو، آجکل جھوٹ بول بول کر لوگوں کو ہنسایا جاتا ہے اور لوگوں کے ساتھ مذاق کیا جاتا ہے، اپریل فول تو مشہور ہے کہ بس یکم اپریل کو جھوٹ کی انتہاء ہو جاتی ہے اور اگر کسی کو معلوم نہیں ہے تو وہ ایسے دھوکے میں آجاتا ہے کہ اللہ بچائے، لوگ ایسی ایسی جھوٹی خبریں دے دیتے ہیں کہ اگر ذرا سا بھی آدمی کا دل کمزور ہو تو حرکتِ قلب ہی بند ہو جائے۔ یاد رکھو! مذاق میں بھی جھوٹ بولنا جائز نہیں ہے بلکہ مذاق میں بھی سچ بولنا ضروری ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ مذاق میں کسی پر تہمت اور الزام بھی نہ لگایا جا رہا ہو۔ اس سے بچنا بھی ضروری ہے کہ مذاق ہی مذاق میں کسی پر تہمت لگا دی کہ تم شرابی ہو یا چور ڈاکو ہو، یہ کوئی مذاق تو نہ ہوا بلکہ یہ تو بدتمیزی اور بدتہذیبی ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ جس کے ساتھ مذاق کیا جائے اس کو ایذاء اور تکلیف بھی نہ پہنچے، یہ بڑی اہم بات ہے کیونکہ عام طور پر مذاق میں اس بات کی پرواہ نہیں کی جاتی کہ جس کے ساتھ ہم مذاق کر رہے ہیں کہیں اس کا دل تو نہیں دکھ رہا، خصوصاً جب کہ وہ اپنا ہم عمر ساتھی ہو، کیونکہ اپنے ہم عمر ساتھی سے آدمی زیادہ بے تکلف ہوتا ہے اور بے تکلفی کے اندر اگرچہ اس کو تکلیف بھی ہو رہی ہو اور مذاق کرنے والے کو احساس بھی ہو رہا ہو کہ اس کو تکلیف ہو رہی ہے، مگر پھر بھی کہتا ہے کہ اپنا دوست ہے تکلیف بھی ہو رہی ہے تو کیا ہوا، مذاق ہی تو ہو رہا ہے،

نہیں نہیں، چاہے وہ اپنا ساتھی ہو، بھائی ہو، بہن ہو یا اپنے سے چھوٹا ہو پھر بھی مذاق میں اس بات کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے کہ ہمارے مذاق کرنے کی وجہ سے اس کو ذرہ برابر تکلیف نہ ہو، اس کا دل نہ دکھے، اگر دل دکھا تو یہ مذاق درست نہیں، اس سے بچنے کی ضرورت ہے چنانچہ ایک حدیث میں سرکارِ دوعالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نہ تم آپس میں لڑو، نہ ایک دوسرے سے لڑائی جھگڑا کرو، اس لئے کہ لڑائی جھگڑے میں سوائے نقصان کے اور تکلیف اور ایذاء رسانی کے کیا ہے، اس سے بچو اور تم ایک دوسرے سے مذاق بھی نہ کرو یعنی ایسا مذاق جس میں دل آزاری ہو، دل دکھایا جارہا ہو اور تکلیف دی جارہی ہو، ایسے مذاق سے پرہیز کرو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح کا دوسرا واقعہ

ایک صحابی بڑے مذاقیہ تھے، جب وہ صحابہ کرام کے درمیان بیٹھا کرتے تھے تو وہ ہنسی مذاق کے ذریعہ ان کو ہنسایا کرتے تھے، ایک دن وہ مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم بھی موجود تھے اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بھی تھے اور وہ صحابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی ہنسی مذاق فرمارہے تھے، اس ہنسی مذاق کے دوران سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پہلو میں ایک لکڑی چبھائی جیسے مذاق میں چبھاتے ہیں، اب ایسی بھی نہیں چبھائی کہ ان کو تکلیف ہو لیکن انہوں نے یہ کہدیا کہ حضور! آپ نے تو مجھے مارا ہے لہٰذا بدلہ دیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لے لو، ان صحابی نے عرض کیا کہ حضور! جس وقت آپ نے میرے لکڑی چبھائی تھی اس وقت میرے جسم پر کپڑا نہیں تھا اور آپ کے جسم پر کُرتا ہے، میں اس طرح کیسے بدلہ لے سکتا ہوں، بدلہ تو برابر سرابر ہونا چاہئے، فرمایا کہ میں کُرتا ابھی اٹھا دیتا ہوں، سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا کُرتا مبارک پیچھے سے اٹھایا کہ تم بھی بغیر کپڑے کے میرے پہلو

میں لکڑی چبھالو اور بدلہ لے لو، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے سے کُرتا مبارک اوپر اٹھایا تو مہرِ نبوت ظاہر ہوگئی، بس وہ صحابی سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی کمرِ مبارک سے چمٹ گئے اور مہرِ نبوت کا بوسہ لینے لگے اور کہنے لگے کہ حضور! آپ سے کوئی بدلہ تھوڑی لینا تھا بلکہ یہ تو ایک بہانہ تھا آپ کی مہرِ نبوت کو چومنے کا، ویسے تو ہمت نہ ہوتی تھی کہ میں آپ سے کہوں کہ کُرتا اوپر کریں تاکہ میں مہرِ نبوت کو چوم سکوں، بس آج ایک موقع مل گیا اور اس سے میرا مقصد حاصل ہوگیا۔ یہ تھی شان نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور یہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حضور صلی اللہ علیہ وسلم سچے عاشق تھے، صحابہ کرام کی شان یہ تھی کہ۔

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے
یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح کا تیسرا واقعہ

ایک روایت میں لکھا ہے کہ ایک بڑی بی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، ایک روایت میں ہے کہ وہ بڑی بی آپ کی پھوپھی زاد بہن تھیں یا پھوپھی تھیں یا ہوسکتا ہے کہ دو الگ الگ واقعات ہوں، بہرحال! اس بڑی بی نے آکر عرض کیا کہ حضور! دعا فرمادیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی جنت میں داخل فرمادیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی بوڑھی جنت میں نہیں جائیگی، ایک روایت میں آتا ہے کہ وہ بڑی بی رو پڑیں کہ ہائے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمارہے ہیں کہ کوئی بوڑھی جنت میں نہیں جائیگی تو پھر میں کیسے جنت میں جاؤں گی، جب وہ رونے لگیں تو آپ نے فرمایا کہ تم نے قرآن شریف نہیں پڑھا، بڑی بی نے کہا کہ ہاں پڑھا ہے، آپ نے فرمایا کہ اس میں یہ آیت

نہیں پڑھی کہ انا انشاھن انشاء ○ فجعلنھن ابکارا ○ یعنی ہم نے جنتی عورتوں کو ایک خاص انداز سے بنایا ہے کہ ہم نے ان کو کنواری بنایا ہے لہٰذا جب وہ جنت میں جائیں گی تو جوان اور کنواری ہو کر جنت میں جائیں گی، بڑھاپے کی حالت میں کوئی نہیں جائیگی، آپ کے فرمانے کا مقصد یہ تھا کہ کوئی بوڑھی بڑھاپے کی حالت میں جنت میں نہیں جائیگی بلکہ جو بھی جنت میں جائیگی وہ جوان ہو کر ہی جائیگی۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ پاک نے جس وقت حضرت آدم علیہ السلام کے جسم کے اندر روح ڈالی تھی تو ان کا جسم ساٹھ ذراع تھا اور ایک ذراع ڈیڑھ فٹ کا ہوتا ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس وقت حضرت آدم علیہ السلام کا قد نوے فٹ یعنی تیس گز تھا، پھر اس کے بعد جسم گھٹتے گھٹتے اب چھ فٹ پر آ کر ٹھر گیا ہے بلکہ اس سے بھی کچھ نیچے ہی آ رہا ہے، کبھی کبھی کسی کا قد چھے فٹ یا اس سے زیادہ کا ہو گیا تو ہو گیا ورنہ عام طور پر آدمی کا قد پانچ اور چھ فٹ کے درمیان درمیان ہے، لیکن جب یہ تمام انسان جنت میں جائیں گے تو تندرست وتوانا ہونگے، نہ بڑھاپا ہوگا اور نہ بیماری ہوگی، نہ غم ہوگا نہ کوئی پریشانی ہوگی، اللہ پاک ہم سب کو جنت الفردوس عطا فرمائے اور دوزخ سے بچائے، اسی لئے آپ نے ان بڑی بی سے فرمایا کہ کوئی بوڑھی عورت جنت میں نہیں جائیگی یعنی جو بوڑھی ہوگی وہ بھی جوان ہو کر جنت میں جائیگی، دیکھئے مذاق بھی ہو گیا اور سچ بھی ہو گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ کا بدلہ دیا کرتے تھے۔

ایک حدیث میں عجیب واقعہ مذکور ہے کہ ایک صحابی تھے ظاہر بن حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ، یہ دیہات میں رہتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے محبت کرتے تھے اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے تھے، ان کا یہ معمول تھا کہ جب یہ دیہات سے مدینہ منورہ شہر میں تشریف لاتے تو دیہات کی جو

چیزیں ہوتی ہیں سبزیاں، ترکاریاں، لوکی، ٹنڈے وغیرہ، یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کرنے کے لئے ساتھ لاتے اور آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر پیش کر دیا کرتے، اس کے بعد اپنے کام کے لئے بازار چلے جاتے، جب یہ اپنے کاموں سے فارغ ہو کر اپنے گاؤں واپس جانا چاہتے تو نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو شہر کی چیزیں بطور ہدیہ عطا فرمایا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ "بھائی ظاہر" ہمارے دیہات ہیں اور ہم ان کے شہری ہیں یعنی جب یہ آتے ہیں تو ہمارے لئے دیہات کی چیزیں لے آتے ہیں جو ہمیں پسند ہیں اور جب یہ مدینہ منورہ سے اپنے گاؤں جاتے ہیں تو ہم شہر کی چیزیں ان کے ساتھ کر دیتے ہیں جو ان کے کام کی ہوتی ہیں۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خاص شان ہے جس کی طرف ہمیں توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ جب آپ کو کوئی شخص ہدیہ دیتا تھا تو آپ اس کا بدلہ دیا کرتے تھے۔

ہدیہ دینے والا کیا نیت کرے؟

جو ہدیہ دینے والا ہے اس کی نیت تو بدلے کی نہیں ہونی چاہئے، وہ تو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہدیہ دے، رسم ورواج کے طور پر نہ دے، دکھاوے کے طور پر نہ دے، نام ونمود کے لئے نہ دے، بلکہ جس کو ہدیہ دیا جارہا ہے، اس کے اکرام اور محبت کی خاطر ہدیہ دینے کی نیت ہو، ہدیہ دینے میں یہ نیت ہونی چاہئے کہ میں ہدیہ اس لئے دے رہا ہوں کہ اس کے دل میں میری محبت پیدا ہو، اس کی محبت میرے دل میں پیدا ہو اور دوسرے کی عزت افزائی کے لئے ہدیہ دے۔ یہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ بعض لوگ ضرورت پوری کرنے کے لئے ہدیہ دیتے ہیں، کسی شخص کو دیکھا کہ وہ بے چارہ بڑا محتاج ہے، ضرورت مند ہے تو چلو اس کو کچھ ہدیہ دیدیتے ہیں جیسے عام طور پر بعض لوگ بزرگوں کو ہدیہ اس لئے دیتے ہیں کہ ان کا ذریعۂ معاش تو کچھ ہے نہیں، لاؤ انہیں کچھ ہدیہ ہی دیدو، کوئی

عالم ہے، کوئی امام ہے، کوئی خطیب ہے، کوئی مؤذن ہے، تو عام طور پر لوگ ان کو پیسے یا کوئی ہدیہ اس لئے دیتے ہیں تا کہ ان کی ضروریات پوری ہو جائیں، یہ ہدیہ کی روح کے خلاف ہے۔

صدقہ اور ہدیہ میں فرق

صدقہ اور ہدیہ میں یہی فرق ہے، صدقہ جو دیا جاتا ہے وہ کسی کی حاجت کو پورا کرنے کے لئے دیا جاتا ہے اور ہدیہ کسی کی عزت، اس کے اکرام واحترام اور محبت کی خاطر دیا جاتا ہے، چاہے اس کو ضرورت ہو یا نہ ہو، تو دینے والے کا تو یہ ادب ہے کہ وہ دوسرے کی عزت کے پیشِ نظر، اس کے احترام کے پیشِ نظر، اس کا اکرام کرتے ہوئے اور اس کی محبت کی خاطر اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے دے۔

ہدیہ لینے والے کے لئے ادب

لیکن لینے والے کا ادب یہ ہے کہ جب وہ ہدیہ لے تو اسی وقت یا بعد میں اس کا بدلہ دیدے، کم سے کم بدلہ تو یہ ہے کہ ''جزاك الله'' ہی کہدے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی بہتر سے بہتر جزا عطا فرمائے، آپ نے بڑا ہی اچھا ہدیہ دیا، چاہے اردو میں کہدے کہ آپ کا بہت بہت شکریہ، آپ نے بہت اچھی چیز دی، بڑی پسند آئی اور بہتر یہ ہے کہ ہدیہ لینے والا بھی بھی ہدیہ دینے والے کو کچھ ہدیہ دیا کرے، چاہے اس کے ہدیہ سے کمتر ہی کیوں نہ ہو، برابر سرابر ہونا ضروری نہیں، ایسا نہ ہو کہ ایک ہی آدمی دیتا رہے اور دوسرا کچھ بھی نہ دے، تو یہ یکطرفہ ہدیہ صحیح نہیں ہے، دونوں طرف سے ہونا چاہئے۔

سرکارِ دوعالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان یہ تھی کہ آپ جب ہدیہ لیتے تھے تو بدلہ بھی دیا کرتے تھے، اکثر آپ کا معمول مبارک یہی تھا اور یہ سنت

ہے، ہمیں اس سنت کو یاد رکھنا چاہئے، اس لئے حضرت ظاہر رضی اللہ عنہ جب اپنے دیہات سے ہدیہ لاتے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بدلہ میں شہر کی چیزیں ان کے واسطہ مہیا فرمادیا کرتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح کا چوتھا واقعہ

حضرت ظاہر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ظاہری طور پر کالے رنگ کے تھے اور شکل وصورت بھی کوئی خاص نہ تھی، ایک دن یہ بازار کے اندر دیہات کا مال جو لائے تھے وہ بیچ رہے تھے، نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کسی کام سے بازار پہنچے تو دیکھا کہ حضرت ظاہر کھڑے ہوئے اپنا مال بیچ رہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے سے جاکر ان کی آنکھوں پر ہاتھ رکھدیے، اب یہ بے چین ہوگئے اور کہنے لگے کہ کون ہے؟ چھوڑو بھائی مجھے چھوڑو اور آپ یہ اعلان فرمانے لگے کہ اس غلام کو کوئی خریدنے والا ہے؟ جب حضرت ظاہر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معلوم ہوگیا کہ یہ تو نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، بس پھر تو یہ اپنی کمر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شکم اور سینۂ مبارک سے چپکانے لگے تاکہ اور زیادہ میرا جسم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم سے مل جائے اور اس میں برکت منتقل ہوجائے، چونکہ یہ کالے کلوٹے تھے، اس لئے انہوں نے کہا کہ حضور ا میری کہاں آپ بولی لگارہے ہیں، اگر آپ میرے نرخ معلوم کریں گے تو میں کھوٹا نکلوں گا، آپ نے فرمایا کہ دنیا کی نظروں میں تم کھوٹے ہو لیکن اللہ کے ہاں قیمتی ہو۔ دیکھیں کیسا پیارا مذاق ہے کہ دعا بھی دیدی اور دوا بھی دیدی اور مذاق بھی فرمالیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح کا پانچواں واقعہ

ایسے ہی ایک صحابی بڑے بھولے بھالے تھے اور بھولے بھالے لوگوں

کے ساتھ ذرا مذاق میں بھی مزہ آتا ہے، وہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ یارسول اللہ! مجھے سواری دید یجئے میرے پاس کوئی سواری نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو اونٹنی کا بچہ دیدو، انہوں نے عرض کیا کہ حضور! میں اونٹنی کے بچے پر کیسے بیٹھوں گا، میں تو آپ سے سواری کی درخواست کر رہا ہوں کہ ایک سواری آپ مجھے عطا فرمادیجئے اور آپ مجھے اونٹنی کا بچہ دے رہے ہیں، وہ بچہ مجھے لے کر جائیگا یا میں بچے کو لے کر جاؤنگا، آپ نے فرمایا کہ کیا اونٹ اونٹنی کا بچہ نہیں ہوتا، کیا کبھی بغیر اونٹنی کے بھی اونٹ ہوتا ہے، دیکھئے آپ نے مذاق بھی فرمالیا اور حقیقت بھی بیان فرمادی اور اس کی درخواست بھی پوری فرمادی۔

ان سارے واقعات سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مزاح فرمایا کرتے تھے، اس لئے کوئی آدمی چاہے کتنا ہی بڑا ہوجائے اس کو مزاح کرلینا چاہئے اور کچھ نہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں ہی کرلینا چاہئے لیکن ہر دم اور ہر وقت نہیں بلکہ کبھی کبھی، اس لئے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تیئیس (۲۳) سالہ دور کے واقعات ہیں اور یہ چند ہی ہیں، البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبعیت بڑی شگفتہ تھی، آپ جب کسی سے ملتے تھے تو خندہ پیشانی کے ساتھ ملتے تھے، یہ کیفیت ہمیں دائما رکھنی چاہئے کہ ہم آپس میں جب ملے جلیں، ملاقات کریں، کسی کے پاس آئیں جائیں تو سلام کرنے میں پہل کرنے کی عادت ڈالیں نہ کہ دوسرے سے سلام چاہنے کی عادت ہو اور مسکرا کر خندہ پیشانی کے ساتھ ملنے کی عادت ڈالیں اور کبھی کہیں مذاق کا موقع ہوگیا تو ان حدود کے ساتھ جو میں نے ابھی عرض کی ہیں مذاق کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، اللہ پاک نے ہمارے دین کو دینِ فطرت بنایا ہے، اس میں جتنے بھی انسان کے فطری تقاضے ہیں وہ سارے محفوظ ہیں اور سب سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا کر

دکھائے ہیں، کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں قرآن وحدیث سے فطرت کا یہ تقاضہ کس طرح سمجھوں؟ کیونکہ قرآن شریف میں اس کا حکم موجود ہے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں اس کا عملی نمونہ موجود ہے، بس پڑھو اور اس پر عمل کرو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بچوں پر شفقت

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی بیان کرتے ہیں کہ ان کے ایک بھائی تھے ان کا نام ''کبشہ'' تھا، انہوں نے ایک پرندہ پال رکھا تھا جو چڑیا کے برابر تھا، چونچ اس کی لال رنگ کی تھی جس کو اردو میں لال بھی کہتے ہیں اور اہلِ عرب کے ہاں اس کو بلبل کہتے ہیں، ہم بھی اسے بلبل کہہ سکتے ہیں لیکن بلبل ہمارے ہاں جس پرندہ کو کہتے ہیں وہ چڑیا سے بڑا ہوتا ہے جبکہ لال چڑیا کے لگ بھگ ہی ہوتا ہے، جیسے آجکل بچے چوزوں سے کھیلتے ہیں اسی طرح حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چھوٹے بھائی نے یہ ایک پرندہ پالا ہوا تھا اور اس سے کھیلتے تھے، وہ پرندہ کہیں مر گیا تو یہ بڑے افسردہ اور رنجیدہ بیٹھے ہوئے تھے، اسی دوران نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو فرمایا کہ ''یا ابا عمیر ما فعل النغیر'' اے ابوعمیر! نغیر کا کیا ہوا، اس پرندہ کو نغیر کہتے ہیں۔ اس واقعہ میں یہ دیکھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت انس رضی اللہ عنہ کے چھوٹے بھائی کے ساتھ کس طرح شفقت سے پیش آئے اور اس سے فرمایا کہ تمہارا بلبل کہاں گیا، تمہارے پاس نظر نہیں آرہا، تم تو اس سے کھیلا کرتے تھے۔ بچوں پر شفقت اور پیار یہ بھی نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک شان تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے ساتھ عبدیت کو قبول کیا

ایک روایت میں آتا ہے کہ اللہ پاک نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو صورتیں پیش کیں کہ یا تو آپ نبی ہونے کے ساتھ بادشاہ ہونا قبول

فرمالیں کہ شانِ نبوت کے ساتھ ساتھ بادشاہت بھی ہم آپ کو عطا فرمادیں اور دوسری صورت یہ ہے کہ ہم آپ کو نبوت کے ساتھ عبدیت عطا فرمادیں۔ عبدیت کے معنی عاجزی، خاکساری، انکساری، تواضع، فنائیت کے آتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے ان دوصورتوں میں سے ایک صورت قبول کرنے کا اختیار ملا تو میں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرف مشورہ لینے کی غرض سے دیکھا تو انہوں نے زمین کی طرف اشارہ کیا، زمین سے مراد ہے خاکساری، عاجزی، انکساری، تواضع، مطلب یہ تھا کہ آپ نبوت کے ساتھ عبدیت کو قبول فرمالیں، یہ بہتر ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا منشاء جانتے تھے اس لئے انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ مشورہ دیا جو عین اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بادشاہ تو تھے لیکن بادشاہت کی کوئی شان آپ کے اندر نہیں تھی، عبدیت کی شان آپ کے اوپر غالب تھی، اس کے نتیجے میں اللہ پاک نے آپ کو اتنا اونچا مقام عطا فرمایا کہ اللہ پاک آپ کو ساتوں آسمان پر لے گئے، آسمانوں کے اوپر عرشِ الٰہی پر لے گئے، اس سے اوپر عرش وکرسی کی سیر کرائی، جنت وجہنم کی سیر کرائی اور پھر اپنی بارگاہِ عالی میں آپ کو حاضر فرمایا اور آپ کو ہمکلام ہونے کا شرف عطا فرمایا۔

امتی بھی اپنے اندر عبدیت پیدا کریں

اس میں ہم سب کے لئے یہ سبق ہے کہ ہم بھی اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں اپنے آپ کو سب سے زیادہ مٹانے کی کوشش کریں، جتنا ہم اپنے اندر عبدیت اور بندگی کو جگہ دیں گے، خاکساری اور عاجزی کو جگہ دیں گے، تواضع اور فنائیت کو جگہ دیں گے، انشاء اللہ تعالیٰ اتنا ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارا درجہ بڑھتا چلا جائیگا۔

عبدیت کی حقیقت

عبدیت اس کا نام ہے کہ آدمی اپنے دل میں اپنے آپ کو کچھ نہ سمجھے، یہ سمجھے کہ میں کچھ نہیں ہوں بس سب کچھ اللہ پاک ہیں، میں بالکل بے حقیقت ہوں، ذرۂ بے مقدار ہوں، لاشۂ محض ہوں، پس جتنا جو شخص اپنے دل میں اپنے آپ کو کچھ نہیں سمجھے گا اور جس قدر اس کی یہ عادت پختہ ہوگی بس ویسے ویسے اس کے اندر عبدیت، فنائیت، عاجزی اور انکساری بڑھتی چلی جائیگی اور جوں جوں اس کے اندر عبدیت بڑھتی چلی جائیگی اس کا اللہ تعالیٰ کے ہاں درجہ بڑھتا چلا جائیگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حلم و بردباری کا پہلا واقعہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور خادم حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بچپن میں دس سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں نرینہ اولاد نہیں تھی، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ نے ان کو آپ کے پاس پیش کر دیا کہ حضور! یہ میرے بیٹے انس آپ کی خدمت کے لئے حاضر ہیں، انشاء اللہ تعالیٰ یہ آپ کی خدمت کریں گے اور ستائیں گے نہیں، آپ نے قبول فرمالیا اور ان کو اپنے گھر میں رکھ لیا، دس سال تک یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ دس سال کے عرصہ میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کبھی مجھے مارا، نہ ڈانٹا، نہ کبھی تنبیہ فرمائی، نہ کبھی یہ فرمایا کہ انس! تم نے یہ کام کیوں کیا اور یہ کیوں نہیں کیا؟ دس سال کبھی یہ نہیں فرمایا۔ اس قدر عظیم آپ کا حلم و بردباری ہے اور تحمل کی شان ہے، اللہ پاک ہمیں بھی اس کا ذرہ نصیب فرمائے، حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حلم و بردباری کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں

کہ مجھے ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کام کے لئے بھیجا اور میرا ارادہ کچھ کرنے کا نہیں تھا لیکن میں چل دیا، راستہ میں دیکھا کہ ایک جگہ بچے اخروٹ سے کھیل رہے ہیں، میں وہیں کھیل دیکھنے کے لئے کھڑا ہوگیا، بچوں کا معاملہ تو ایسا ہی ہوتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرا انتظار کررہے تھے کہ میں واپس پہنچوں تو پتہ چلے کہ کام ہوا کہ نہیں، جب دیکھا کہ کافی دیر گزر گئی تو خود سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم میری تلاش میں باہر تشریف لائے اور چلتے چلتے وہاں تک آگئے جہاں میں کھڑا ہوا کھیل دیکھ رہا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ مجھے ڈانٹا، نہ تنبیہ کی اور فرمایا کہ اے انس! تم اس کام کے لئے گئے نہیں؟ میں نے کہا کہ حضور! میں ابھی جارہا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حلم دیکھیں کہ یہ موقع غصہ کا تھا کہ پہلے بھیجا، پھر انتظار کیا، اس کے بعد بھی جب وہ واپس نہ آئے تو خود تلاش کرنے کے لئے تشریف لے گئے۔ ایسے موقع پر باپ بھی اگر ہوتا تو تھپڑ مار دیتا لیکن تھپڑ مارنا تو دور کی بات ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو غصہ کا اظہار تک نہیں فرمایا اور نہایت شفقت سے فرمایا کہ اے انس! تم گئے نہیں؟ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم دیدی کہ ہر موقع پر غصہ نہیں کرنا چاہئے، جہاں غصہ کا موقع ہو اور جتنے غصہ کی ضرورت ہو، اتنا ہی غصہ کرنا چاہئے، بے جا اور بے موقع غصہ نہیں کرنا چاہئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حلم و بردباری کا دوسرا واقعہ

ایک اور عجیب وغریب واقعہ حدیث کے اندر موجود ہے کہ ایک مرتبہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی صاحبزادی حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لائے اور ایسے موقع پر تشریف لائے کہ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ خفا تھیں اور اس خفگی کے اندر کچھ آواز بھی تیز تیز نکل رہی ہے، اب میاں بیوی کا تعلق تو بے تکلفی کا ہوتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ایسی تھی کہ آپ سے بڑھ کر کوئی حلیم اور

بردبار تھا ہی نہیں، آپ اپنے گھر والوں کی بھی ناز برداریاں فرماتے تھے اور ان کی بعض باتیں جو کہ ناراضگی اور غصہ کی ہوتی تھیں وہ بھی خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرتے تھے، آپ تو دشمنوں کی ایذاؤں کو برداشت کرتے تھے یہ تو پھر اپنے گھر والے تھے، اللہ پاک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ ہمیں بھی یہ تمام اخلاقِ حسنہ عطا فرمائیں، بہرحال حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ خفا تھیں اور اس خفگی کے اندر کچھ تیز تیز بول رہی تھیں، اسی دوران حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر میں داخل ہوئے اور انہوں نے بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تیز تیز آواز سن لی تو ایک دم غصہ ہو گئے اور ناراض ہو کر اپنی بیٹی کے چہرے پر چانٹا مارنے کے لئے آگے بڑھے اور اس وقت تک چہرے پر مارنے کی ممانعت نہیں آئی تھی، اس لئے کسی کو یہ اشکال نہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو چہرے پر مارنے سے منع فرمایا ہے اور صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چہرے پر مارنے کے لئے کیوں بڑھے، میں نے عرض کر دیا کہ یہ ممانعت سے پہلے کا واقعہ ہے، تو غصہ میں حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو چانٹا مارنے کے لئے آگے بڑھے اور کہنے لگے کہ تم سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی تیز آواز میں باتیں کر رہی ہو، یہ کیا حرکت ہے، جیسے ہی مارنے کے لئے آگے بڑھے تو فوراً سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بیچ میں آ گئے اور بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بچا لیا، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیچ میں آ گئے تو ظاہر ہے کہ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کس طرح مارنے کے لئے آگے بڑھ سکتے تھے، بس غصہ کی حالت میں ہی گھر سے نکل گئے، جیسے ہی حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر سے باہر نکلے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکرا کر بی بی عائشہ کی طرف دیکھا اور فرمایا دیکھو! کیسے بچایا تم کو، اگر میں بیچ میں نہ آتا تو چانٹا پڑ جاتا، چودہ طبق روشن ہو جاتے لیکن دیکھو میں نے تم کو کیسے

بچایا۔

اس واقعہ کے کچھ دن کے بعد دوبارہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے تو مصالحت ہو چکی تھی، ناراضگی اور خفگی ختم ہو چکی تھی، تشریف لانے کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ جس طرح آپ حضرات نے اپنی ناراضگی میں مجھ کو شامل کیا تو اسی طرح مجھے اپنی صلح صفائی میں بھی شامل کر لیجئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جیسے ناراضگی میں تم کو شامل کیا تھا، آج ہم نے آپس کی مصالحت میں بھی تم کو شامل کر لیا۔

یہ حسنِ اخلاق ہے جو بہت بڑی دولت ہے جس میں ایک شان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ مزاح ہے جو آپ کے سامنے عرض کر دی، قیامت کے دن میزانِ عمل کے اندر جس عمل کا سب سے زیادہ وزن ہوگا وہ حسنِ اخلاق کا ہوگا، حسنِ اخلاق کی ہمارے اندر بہت ہی زیادہ کمی ہے، ہمارے اندر بس رسم ورواج، دکھاوا اور فیشن ہی فیشن ہے اور اتنا ہے کہ الامان والحفیظ اور حقیقت میں حسنِ اخلاق جس چیز کا نام ہے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس میں بدرجۂ اتم موجود ہے لیکن ہمارے اندر کچھ بھی موجود نہیں اور اسی کی پیدا کرنے کی ضرورت ہے اور یہ اللہ والوں کی خدمت اور صحبت سے پیدا ہوتا ہے۔

حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے ہیں اور یہ علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردِ خاص ہیں جو مشہور مؤرخ اور سیرت نگار گزرے ہیں، سیرت النبی ان کی مشہور ومعروف کتاب ہے جس کو انہوں نے لکھوانا شروع کیا تھا مگر تکمیل سے پہلے ہی ان کا انتقال ہو گیا، پھر اس کو پایۂ تکمیل تک حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے پہنچایا ہے، یہ ضخیم اور موٹی موٹی پانچ جلدیں ہیں اور بڑے سائز میں ہیں،

سیرت کے موضوع پر نہایت جامع، کامل اور مکمل کتاب ہے، حضرت سید صاحب فرماتے ہیں کہ جب میں نے اپنے استاد کی یہ کتاب مکمل کردی تو مجھے خیال آیا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر اتنی موٹی کتاب تو پوری کردی لیکن اس میں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت موجود اور مذکور ہے اس کی کوئی جھلک میرے اندر نہیں ہے، یہ احساس اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہی عطا فرمادیں، سید صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے یہ احساس ہوا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر اپنے استاد کی یہ مایہ ناز کتاب اور جامع ترین کتاب تو مکمل کردی لیکن اس میں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات، اطوار، خصائل، محاسن، کمالات اور اخلاق ہیں ان میں سے کوئی بھی میرے اندر نہیں ہے تو اس کتاب کو مکمل کرنے کا فائدہ کیا ہوا ؟ کم از کم کوئی تو جھلک میرے اندر ہونی چاہئے تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ حلم ہوتی، جود وسخا ہوتی، علم وفضل ہوتا، غرض کچھ تو ہوتا مگر میرے اندر تو کچھ بھی نہیں، اب یہ فکر پیدا ہوئی کہ یہ محاسن میرے اندر کیسے آجائیں؟ کیونکہ صرف کتاب لکھنے سے تو کتاب اندر نہیں آتی، اندر لانے کا نسخہ الگ ہے، تو اس کی فکر ہوئی کہ یہ محاسن کیسے پیدا ہوں؟ تو کسی نے بتادیا کہ تھانہ بھون میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے پاس جاؤ، ان کی خدمت میں رہو تو تمہارے اندر یہ سیرت اور محاسن پیدا ہوجائیں گے، اس لئے کہ اس کا تعلق تزکیۂ باطن سے ہے، اصلاح وتربیت سے ہے، جب باطن سنورے گا تو بداخلاقیاں دور ہونگی اور حسنِ اخلاق پیدا ہونگے، یہ سن کر حضرت سید صاحب سیدھے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچ گئے اور غالباً تین دن کے لئے وہاں قیام فرمایا اور تین دن تک ان کو یہ ہدایت تھی کہ بس حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی باتیں سنو اور بولو مت بلکہ بالکل خاموش رہو، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ وعظ بھی کہتے تھے، ملفوظات بھی ہوتے تھے، مجلسِ عام

بھی ہوتی تھی، مجلسِ خاص بھی ہوتی تھی، حضرت سید صاحب ان سب میں شریک ہوتے رہے اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی باتیں سنتے رہے اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے آنے جانے اور معمولات پر پابندی کو دیکھتے رہے، تیسرے دن کسی نے دیکھا کہ سید صاحب خانقاہ کی چوکھٹ پکڑ کر زاروقطار رو رہے ہیں، کسی نے پوچھا کہ سید صاحب آپ کیوں رو رہے ہیں؟ فرمایا کہ یہاں آکر پتا چلا کہ جن چیزوں کو ہم علم سمجھتے تھے وہ تو یہاں جہل ثابت ہوا، علم تو ان بڑے میاں کے پاس ہے، بس پھر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہے اور ان کی خدمت میں رہ کر اپنا تزکیہ کرایا، اپنی اصلاح کرائی، پھر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے ان کو اجازتِ بیعت بھی ملی، اس طرح سے ان کی خدمت وصحبت میں رہنے سے ان کے باطن کا تزکیہ ہوا، باطن کی بداخلاقیاں نکلیں اور اس کی جگہ اچھے اچھے اخلاق پیدا ہوئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق واطوار دین ہے

حقیقت یہ ہے کہ یہ سیرت کی باتیں سننا بھی مفید ونافع ہیں اور اس سے بھی بہت ساری باتوں کا پتا چلتا ہے لیکن حقیقت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق واطوار، آپ کے خصائل اور محاسن، یہ سب دین ہے اور دین نام ہے عمل کا اور عمل آتا ہے اہلِ عمل کی صحبت سے، اہلِ تقویٰ کی صحبت سے، جب کسی اللہ والے کی صحبت میں آدمی رہتا ہے تو پھر اس کے دل میں تقویٰ پیدا ہوتا ہے، عمل پیدا ہوتا ہے، اچھے اچھے اخلاق پیدا ہوتے ہیں، بداخلاقیاں نکلتی ہیں ورنہ کسی اللہ والے کی مخلصانہ صحبت کے بغیر صرف کتابیں پڑھنے سے عمل نہیں آتا، نہ تقویٰ پیدا ہوتا ہے، نہ اچھے اچھے اخلاق پیدا ہوتے ہیں اور نہ بداخلاقیاں نکلتی ہیں۔

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

مدینہ کی تعریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف ہے

ایک مرتبہ ایک خط میں حضرت والد مولانا مفتی عبد الحکیم صاحب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے چند اشعار بدینہ منورہ کی یاد میں تحریر فرمائے ہیں، وہ یاد آرہے ہیں، وہ سنا دیتا ہوں

یہی ہے تمنا یہی آرزو ہے
یہی تو سنانے کو جی چاہتا ہے
مدینے کو جاؤں پلٹ کر نہ آؤں
یہیں گھر بنانے کو جی چاہتا ہے
سلام علیک نبی مکرم
سلام علیک نبی معظم
خدا کی قسم تیرے روضے پہ آکر
یہ ہر دم سنانے کو جی چاہتا ہے
سیاہ کاریوں کی فراوانیاں ہیں
پریشانیاں ہی پریشانیاں ہیں
جبیں تیرے قدموں میں ایک روز رکھ کر
گناہ بخشوانے کو جی چاہتا ہے

مدینہ منورہ کی یاد بھی دراصل سرکارِ دوعالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد ہے، مدینہ کی تعریف بھی دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف ہے کیونکہ وہاں دونوں جہاں کے سردار جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

آرام فرما ہیں اور وہ آپ کا محبوب اور پسندیدہ شہر ہے جس کے ساتھ آپ کی دعائیں وابستہ ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں بار بار وہاں کی حاضری نصیب فرمائے۔

نیز والد صاحب اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

مدینے جاؤں پھر آؤں مدینے پھر جاؤں
الٰہی عمر اسی میں تمام ہو جائے

واقعی والد صاحب کی عمر اسی میں تمام ہوگئی، ماشاء اللہ ہر سال حج کے لئے بھی جاتے تھے اور وقتاً فوقتاً عمرے کے لئے بھی جاتے رہتے تھے، اخیر میں عمرے کے لئے تشریف لے گئے، نیت یہ تھی کہ شاید مدینے پاک میں مرنا اور دفن ہونا نصیب ہو جائے لیکن وہ مقدر میں نہ تھا، بہر حال کراچی میں انتقال ہوا اور دنیا سے تشریف لے گئے۔

مدینہ جانے کو دل تڑپتا ہے

حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم کی بھی ایک رباعی یاد آگئی، وہ بھی سن لیجئے۔

دل تڑپتا ہے میرا سینے میں
ہائے پہنچونگا کب مدینے میں
یہ بھی کوئی جینا ہے جینے میں
جس کا دل نہ ہو مدینے میں

غمِ مصطفیٰ والا مدینہ میں ہے

ایک شعر اور یاد آگیا وہ بھی سنا دیتا ہوں، وہ بھی عجیب وغریب ہے۔

غمِ مصطفیٰ جس کے سینے میں ہے

جہاں بھی رہے وہ مدینے میں ہے۔

غمِ مصطفیٰ سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا غم، درد اور فکر ہے کہ بس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل پیرا ہو جاؤں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق، اعمال، عادات واطوار کا عامل بن جاؤں اور ان کو اپنی عادت بنالوں، یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا درد اور غم، جن کے دل میں یہ درد وغم ہے وہ مدینے میں ہے چاہے کہیں بھی رہے، انشاء اللہ وہاں جائیگا، چاہے زندگی میں جائے یا مرکر جائے لیکن یہ وہاں جائیگا۔

سنتوں پر عمل کرنے والا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہے

آخر میں اپنے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کشف سنا کر کے پھر میں دعا کرتا ہوں، وہ بھی اس شعر کے مناسب ہے، ہمارے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر سلام پیش کرنے کے لئے جاتے تھے تو جالیوں کے قریب نہیں جاتے تھے، فرماتے تھے کہ ہمت نہیں ہوتی، کس منہ سے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جا کر کھڑا ہوں اور صلوۃ وسلام پیش کروں اور جو لوگ جالیوں کے قریب کھڑے ہو کر صلوۃ وسلام پیش کر رہے ہوتے تھے تو ان کے اوپر رشک فرماتے تھے کہ یہ ماشاء اللہ کیسے حوصلے والے ہیں کہ بالکل قریب چلے جاتے ہیں اور جالیوں کے قریب کھڑے ہو کر صلوۃ وسلام پیش کر لیتے ہیں، ایک میں ہوں کہ میرے اندر تو ہمت ہی نہیں ہوتی کہ میں جالیوں کے قریب جا کر کے مواجہ شریف میں سلام پیش کروں، اس لئے جالیوں سے دور جو دو ستون ہیں، ان کے قریب کھڑے ہو کر آپ صلوۃ وسلام پیش فرمایا کرتے تھے، یہ حضرت کی بڑی اونچی کیفیت تھی، ایک مرتبہ اسی

کیفیت میں تھے کہ میں اس قابل کہاں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جاؤں اور جا کر صلوۃ وسلام پیش کروں کہ حضرت کو ایسا کشف ہوا کہ جیسے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف متوجہ ہیں اور فرما رہے ہیں کہ محمد شفیع لوگوں سے کہہ دو کہ جو میری سنتوں پر عمل کرنے والے ہیں وہ میری جالیوں سے ہزاروں میل دور ہونے کے باوجود میری جالیوں سے زیادہ میرے قریب ہیں اور جو میری سنتوں پر عمل نہیں کرتے وہ میری جالیوں پر آنے کے باوجود مجھ سے ہزاروں میل دور ہیں او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم، لہٰذا جو شخص سنتوں پر عمل پیرا ہے وہ ہر وقت مدینہ میں ہے اور اگر سنتوں پر نہیں چل رہا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر عمل پیرا نہیں ہے تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضے پر کھڑے ہو کر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہے، اصل چیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

باسمہٖ تعالیٰ

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب

(نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴)

خطبات و تصانیف کی فہرست

﴿ہماری مطبوعات﴾

نمبر شمار	نام کتاب	نمبر شمار	نام کتاب
1	علیکم بسنتی	10	دُعاء والہانہ
2	درود وسلام کا حسین مجموعہ	11	حج فرض میں جلدی کیجئے
3	طب نبوی ﷺ	12	حج کی تیاری
4	آداب طالب علم	13	عمرہ کا آسان طریقہ
5	ظریفانہ ارشادات	14	حج وعمرہ
6	پیاری باتیں	15	خواتین کا حج
7	آخری منزل	16	حج کا طریقہ قدم بہ قدم
8	چند نیکیاں اور ایصال ثواب	17	دعائے عرفات
9	عمل مختصر اور ثواب زیادہ	18	رمضان المبارک کے فضائل ومسائل

باسمہ تعالیٰ

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب

(نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴)

خطبات وتصانیف کی فہرست

﴿ہماری مطبوعات﴾

نام کتاب	نمبر شمار	نام کتاب	نمبر شمار
نکاح کی چند باتیں	28	شب مغفرت	19
قربانی کے فضائل ومسائل	29	مسائل اعتکاف	20
چالیس احادیث (بڑی)	30	خواتین کا مسجد کی تراویح میں شرکت کا حکم	21
چالیس احادیث (چھوٹی)	31	جمعہ کے معمولات	22
کامل طریقۂ نماز	32	آداب سفر	23
نماز فجر اور ہماری کوتاہی	33	جہاد کا عظیم ثواب	24
اصلاحی بیانات (جلد۶)	34	**التفسیر المعین**	25
اصلاحی بیانات (جلد۸)	35	ماہ سفر اور جاہلانہ خیالات	26
اصلاحی بیانات (جلد۹)	36	میلاد النبی ﷺ اور سیرت النبی ﷺ کے جلسے اور جلوس	27

باسمہ تعالیٰ

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب

(نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴)

خطبات و تصانیف کی فہرست

﴿ہماری مطبوعات﴾

نمبر شمار	نام کتاب	نمبر شمار	نام کتاب
37	دوسورتوں کے فضائل (سورۂ ملک اور سورۂ یٰسین)	46	اسلامیات (ب)
38	حدیث امّ ذرع	47	اسلامیات (حصہ اول)
39	ماہ محرم کے فضائل	48	اسلامیات (دوم)
40	سورۂ اخلاص کے فضائل اور فوائد	49	نماز جنازہ
41	آسان فلکیات	50	East Deeds with Enormous Rewards
42	صف بندی کے آداب و فضائل و مسائل	51	خواتین کا طریقۂ نماز
43	توہین رسالت اور گستاخان رسول ﷺ کا بدترین انجام	52	توبہ و استغفار
44	قرآنی قاعدہ	53	مروجہ قرآن خوانی کی شرعی حیثیت
45	اسلامیات (الف)	54	تقسیم وراثت کی اہمیت

باسمہٖ تعالیٰ

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب

(نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴)

خطبات وتصانیف کی فہرست

﴿ہماری مطبوعات﴾

نمبر شمار	نام کتاب	نمبر شمار	نام کتاب
55	عید سعید اور ہمارے گناہ	64	روزانہ کے معمولات
56	مسائل غسل	65	پریشانیاں اوران کا علاج
57	وضو درست کیجئے	66	اسماء اعظم اور اسماء حسنیٰ
58	صدقہ جاریہ کی فضیلت	67	درود وسلام کے فضائل
59	امت مسلمہ کے عروج وزوال کا اصل سبب	68	راستے کی حقوق
60	دُعا کی اہمیت اور اسکے آداب	69	
61	اپنی اصلاح کیجئے	70	
62	بنگلہ دیش اور برما کا سفر	71	
63	خواتین کا پردہ	72	

اِصلاحی بیانات

جلد: ۱۰

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم العالی



میمن اسلامک پبلشرز